دیوارِ شب

عالیہ بُخاری

لکڑی کا بھاری دروازہ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ کھلا۔

چاروں طرف چھائی گہری خاموشی میں یہ آواز بھی ایک بڑے شور کی طرح گونجی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو خیام جہاں تھا' وہیں رک گیا۔ بالکل ایسا لگنے لگا جیسے ابھی سامنے سیڑھیوں کے اوپر سے دروازہ کھول کر کوئی نہ کوئی باہر جھانک کر دیکھے گا۔

ستارہ نانی' نگینہ خالہ' دلدار نانی۔ گھر کی یہ تین خواتین بے حد چوکس رہتی تھیں' سوتے میں بھی کان کھلے رکھنے والی اور اگر ایسا ہوتا تو اس تین پہر گزر جانے والی رات میں اسے دروازے پر یہ چھوٹا سا بیگ اٹھائے کھڑا دیکھ کر ساری واردات ایک ہی نگاہ میں سمجھ میں آجانے والی تھی اور اس کے آگے جو کچھ ہونا تھا' اس کا ٹھیک ٹھاک اندازہ اسے بھی تھا۔

وہ منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا' خاص طور پر اس چھوٹے سے بیگ کی تلاشی کے بعد۔ ہلکے سے سر کو جھٹک کر اس نے اس ممکنہ بے عزتی کے احساس سے خود کو نکالنا چاہا۔

ویسے بھی یہاں کون تھا جو منہ دکھانے کے قابل تھا۔ خود اپنی ہمت بندھاتا ہوا وہ دہلیز پار کر کے باہر نکل آیا۔

گلی میں اندھیرا تھا مگر بجھا بجھا سا۔

اسٹریٹ لائٹس تو خیر کبھی کبھار ہی جل پاتی تھی مگر یہاں کے مکینوں کا اپنا "خصوصی" انتظام تھا۔ لکڑی کے جھکتے ہوئے چھجوں والی ساری بالکونیاں صبح چڑھے تک بھی روشن ہی رہتی۔

عالیہ بخاری

دروازہ بند کرتے ہوئے وہی خوف زدہ کرنے والی آواز دوبارہ گونجی مگر اس بار خیام نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔
نیچے بنی ہوئی ساری دکانیں ابھی گیارہ بارہ بجے سے پہلے نہیں کھلتی تھیں' سوائے بلے حلوائی کے جس کے ہاں پوری چھولے' حلوے کا ناشتہ یہاں کی "اسپیشلٹی" میں تھا۔
غضب کا ذائقہ تھا۔ بلے کے ہاتھوں میں بھی۔ یوں تو سارے شہر میں ہر نکڑ پر کوئی نہ کوئی بیٹھا پوریاں تلتا نظر آتا ہے۔
مگر یہ ذائقہ۔۔۔
خیام نے بے ساختہ ہی زبان لبوں پر پھیر کر اس بے حد خوشبودار حلوے کی مٹھاس کو یاد کیا۔
"برباد ہو رہے ہیں جی' میرے اپنے شہر والے ہو۔" کسی نے ایک دم ہی میوزک پلیئر کی آواز اونچی کی تھی۔
خیام نے نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔
اس ڈھلتی رات میں بھی چند ایک گھروں کے "فنکشن" ابھی چل ہی رہے تھے۔ جبکہ آج ہفتے کا اختتام بھی نہیں تھا اور اس نے سوچ سمجھ کر ہی ان بیچ کے دنوں کا انتخاب کیا تھا' جب آدھی رات ڈھلے گلی میں سناٹا پھیلنا شروع ہو جاتا تھا' ورنہ ہفتہ اور اتوار کی رات تو رونق اور گہما گہمی کا وہ عالم ہوتا تھا کہ وہ منہ چھپائے رات بھر شہر کے کسی پارک میں یا پھر یوں ہی گلی کے باہر بیٹھ کر گزار دیتا تھا۔
اس کے قدموں کی رفتار خود بخود تیز ہو رہی تھی اور ان تیز ہوتے قدموں تلے گلی کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت کچھ پیچھے چھوٹتا جا رہا تھا۔
چند ایک آدھ کھلے دروازے کے ساتھ بیٹھے قدیمی نمک خواروں نے اسے جاتا دیکھ کر ایک آدھ اکتائی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی اور بس۔ خیام کو یہاں کے رہنے والے محض شکل سے پہچانتے تھے۔ باوجود اب تک کی زندگی یہاں گزار دینے کے اکثریت کو اس کا نام تک نہیں پتا تھا۔
اس نے اس لمبی سی گلی کو ہمیشہ سر جھکا کر پار کیا تھا۔ ایسے جیسے کوئی بھاری بوجھ اس کے کندھوں پر رکھا ہو۔ اس کا یہاں کوئی دوست نہیں تھا۔ حد تو یہ کہ وہ رسمی سی دعا سلام تک کرنے سے پرہیز کرتا تھا۔
کیونکہ بہت سال پہلے وہ یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ۔۔۔ اسے یہاں سے ہمیشہ کے لیے چلے جانا ہے اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی رشتہ' کوئی نام' کوئی احساس' اس دن اس کے قدموں کی زنجیر بنے۔
اور آج وہی دن تھا جس کے نکلنے پر وہ یہاں کسی کو بھی نظر نہیں آتا کبھی بھی نہیں۔
تیز اور تیز۔۔۔
گلی بہت لمبی تھی' غیر محسوس انداز میں دائیں بائیں گھومتی ہوئی آگے جا کر بڑی سڑک پر کھلنے سے پہلے کے کچھ گھر "شرفاء" کے بھی تھے' گلی کے باقی گھروں کی نسبت ان کا حال بے حد برا تھا۔
مفلوک الحالی در و دیوار سے ٹپکتی ہوئی محسوس ہوتی تھی' یہ وہ لوگ تھے جو بوجوہ یہاں رہنے پر مجبور تھے۔
علاقے کی بدنامی کے سبب یہ گھر کوئی خریدنے کے لیے تیار نہیں ہوتا تھا اور یہاں کی رہنے والیاں مین روڈ کے ان گھروں کو خریدنے میں ذرہ برابر بھی دلچسپی نہیں رکھتی تھیں۔
مگر اسے ہمیشہ ہی یہ گھر بے حد پُرکشش اور شاندار دکھائی دیتے۔ وقار سے سر اٹھا کر کھڑے ہوئے جن کے رنگ اڑے در و دیوار سے بڑی ہی پیاری چمک پھوٹتی محسوس ہوتی تھی۔
ہائی اسکول اور پھر کالج سے آتے ہوئے وہ لازما" ان ہی گھروں کے پاس رک جاتا تھا اور جب تک اسے یہ یقین

آتا کہ ساتھ آتے ہوئے لڑکے آگے نکل چکے ہیں' وہ اپنے محلے کی طرف قدم نہ بڑھاپاتا۔
کافی لوگ سمجھتے تھے کہ وہ ان ہی خستہ حال دکھائی دیتے مکانوں کا مکین ہے اور لوگوں کی یہ غلط فہمی اسے بڑی انوکھی مسرت سے ہم کنار کیا کرتی۔ اس وقت بھی اس نے سامنے سے گزرتے ہوئے ایک محبت بھری نگاہ ان مکانوں پر ڈالی۔ سڑک پر اسٹریٹ لائٹس روشن تھیں۔
اگر وہ سیدھا چلتا ہوا چوراہے تک پہنچ جاتا تو شاید اسے آگے جانے کے لیے کوئی نہ کوئی سواری مل ہی جاتی۔ اس نے کچھ ایسا ہی سوچ رکھا تھا۔ سڑک پر مڑتے ہوئے اسے ایک بار بھی خیال نہیں آیا کہ وہ پیچھے مڑ کر اس گلی کو دیکھے جہاں وہ پیدا ہوا تھا اور جہاں اب تک اس کی زندگی گزری تھی۔
اندھیرا چھٹنے میں اب بہت زیادہ دیر نہیں تھی۔ گرمیوں میں سورج کتنی جلدی نکل آتا ہے' اس کا احساس کرتے ہوئے ہی وہ یہاں سے جتنی جلدی ہو سکے' دور نکل جانا چاہتا تھا۔
کوئی کوئی سائیکل یا موٹر بائیک بھی اس کے پاس سے ہو کر گزری مگر اس نے توجہ نہ دی۔
سر جھکا کر چلنا اس کی عادت میں شامل ہو چکا تھا۔
تب ہی قریب آتی ایک موٹر سائیکل کی آواز پاس سے ہو کر گزر جانے کے بجائے اس کے قریب آکر رکی۔
"گھر چھوڑ کر بھاگ رہے ہو!"
لہجہ اور آواز دونوں ہی اس کے لیے اجنبی نہیں تھے اور اندازہ اتنا درست کہ تردید کرنے کی کوئی گنجائش بھی نہیں۔
"تو فیصلہ کر ہی لیا تم نے۔ میں تو پچھلے ایک سال سے منتظر تھا کہ تم کب یہاں سے اڑان بھرو گے مگر اصل میں تم آدمی ہی سُست ہو۔"
وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا۔
خیام نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ ہلکے سے ہنس دیا۔
"یوں چپکے سے چل دینے کا مطلب' کم از کم خدا حافظ تو کہنا ہی چاہیے جانے سے پہلے۔"
"اس طرح وہ لوگ جاتے ہیں جنہیں واپس آنا ہوتا ہے۔ کبھی نہ کبھی اور میرے لیے واپسی کی کوئی بھی راہ نہیں ہے۔ میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔"

خیام کے لہجے میں کھردرا پن نمایاں ہونے لگا۔
اب جب وہ یہاں سے جا ہی رہا تھا تو کیا ضرورت تھی کسی بھی مروت یا خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنے کی۔
"واپسی کا راستہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے' چاہے ہم خود اپنے پیچھے دروازہ بند کر کے جائیں مگر وہ پھر کھل جاتا ہے۔ جنہیں ہم چھوڑ کر جاتے ہیں' وہ ہی اسے کھلا رکھتے ہیں' ان کا انتظار کبھی ختم نہیں ہوتا۔"
اپنی پرانی سی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر وہ بڑے اعتماد سے حالات و واقعات کا تجزیہ کر رہا تھا۔
"پلیز سالار!" خیام بری طرح جھنجلایا۔ "دلکھاری ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں' زندگی میں بھی ہر چویشن کو اپنے معنی مطلب پہناتے رہو۔ بہت کچھ ایسا بھی ہوتا ہے جس کے آگے کوئی منطق' کوئی دلیل نہیں ٹھہرتی ہے۔"
وہ کہتے ہوئے آگے بڑھا۔
سالار بھی موٹر سائیکل کو سنبھالتا ہوا اس کے پیچھے چلا۔
"ناراض تو مت ہو' آخر ہماری ایک سال دس ماہ پرانی دوستی ہے۔"

"میری کسی سے بھی کوئی دوستی نہیں ہے، میں نے آج تک کبھی دوست نہیں بنائے ہیں۔" بنا اس کی طرف دیکھے وہ پھر سے تیز قدم ہوا۔

"چلو جان پہچان تو ہے، اب اتنی بھی کیا بے مروتی یار!"

سالار نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ اس بار وہ کچھ نہ کہہ سکا۔

سالار سے ملتے ہوئے اسے ابھی دو سال سے بھی کم کا عرصہ ہوا تھا، جب وہ سڑک پر بنے مکانوں میں ایک چھوٹا سا کمرہ لے کر رہنا شروع ہوا تھا۔

ان ہی دنوں اس کے گھر کے سامنے خیام کا رکشہ سے ایک چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا جس کے بعد وہ اسے قریبی کلینک تک لے کر گیا تھا اور ڈریسنگ کروا کر واپس اپنے کمرے میں لایا تھا۔ اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود بڑی اچھی سی چائے بھی بنا کر پلائی تھی۔

اس ایک بڑی مہربانی کے بعد یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ وہ سالار سے بھی وہ رویہ رکھ سکے، جو وہ دوسروں کے ساتھ روا رکھتا تھا۔

آہستہ آہستہ ان کی ملاقاتیں بڑھنے لگی تھیں۔ آتے جاتے کہیں نہ کہیں ٹکراؤ ہو ہی جاتا تھا۔ سالار کو پتا تھا کہ وہ اس محلے میں رہتا ہے مگر اس نے کبھی بھی خیام سے اس کے گھر کا پتہ نہیں پوچھا تھا اور وہ خود تو اپنی شناخت کسی ناکردہ گناہ کی مانند چھپاتا ہی چلا آ رہا تھا۔

"میری نظر میں گھر سے بھاگنا کوئی بری بات نہیں ہے۔ خود مجھے دیکھ لو، اب دو سال سے بھی اوپر ہو رہے ہیں۔ گھر کی شکل نہیں دیکھی۔ اس سے پہلے بھی کتنی ہی بار ایسا ہوا کہ۔۔۔"

"تمہاری بات اور ہے۔"

خیام نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ "اور تم اپنے گھر سے بھاگے ہوئے بھی نہیں ہو۔ محض اکتاہٹ کا شکار ہو کر گھر چھوڑ دیتے ہو۔ کسی دن یہاں سے اکتاؤ گے تو سیدھے واپس گھر پہنچ جاؤ گے۔"

اسے سالار کا خود سے موازنہ کرنا اچھا نہیں لگا۔ بھلا اس جیسی بدنصیبی کسی اور کے حصے میں کہاں آئی تھی۔

ایک اداس سی مسکراہٹ سالار کے لبوں پر ابھری مگر اس نے خیام کے خیال کی تردید ضروری نہیں سمجھی۔

"اچھا یہ بتاؤ، پیسے تو ہیں نا۔ میرے پاس ہیں کچھ۔ وہ بھی رکھ لو۔" چلتے چلتے وہ رک کر اپنی جیب میں ہاتھ ڈالنے لگا تو خیام نے فوراً ہی اسے روک دیا۔ پیسوں کا اسے کبھی کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔

بنا اس کے کہے ہی نانی اس کا بٹوہ بھرا رکھتی تھیں۔ حالانکہ اس کی ضروریات بے حد محدود تھیں اور یہ پیسے لیتے ہوئے اسے شرم بھی بہت آتی تھی مگر آج وہی پیسے اس کی ہمت بندھانے کا سبب بنے تھے۔

"گھر سے کچھ چرا کر تو نہیں لائے ہو۔ میرا مطلب ہے کہ زیور وغیرہ۔"

وہ دونوں دوبارہ چلنا شروع ہو چکے تھے اور یہ بات سالار نے بڑے سرسری سے انداز میں ہی پوچھی تھی پھر بھی خیام کو ماتھے پر پسینہ آتا محسوس ہونے لگا۔

اس چھوٹے سے بیگ میں کپڑوں کے بالکل نیچے ایک رومال میں نانی کے دو کڑے، چند انگوٹھیاں اور دو چار چھوٹی موٹی چیزیں۔ شاید ٹاپس یا چین بندھی ہوئی رکھی تھی۔ جو اس نے نکلنے سے پہلے ان کے بڑے سارے سنگھاردان پر سے اٹھائے تھے۔

وہاں ان کے علاوہ اور بھی زیور رکھا تھا۔ نانی کا کمرہ گھر کی سب سے محفوظ جگہ تھی اور وہاں روزمرہ پہننے جانے والے زیورات کی کسی خاص "سیکیورٹی" کا ایسا خیال بھی نہیں رکھا جاتا تھا۔ کوئی بھی غیر متعلقہ شخص وہاں قدم

تک نہیں رکھ سکتا تھا۔

مگر آج رات اسی محفوظ و مامون سرکار پر نقب لگی تھی اور نقب لگانے والا بھی کون؟ شکر ہے کہ سالار نے اس کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا۔ شاید وہ اس سے یہ توقع رکھتا بھی نہیں تھا۔

"اچھی بات ہے۔ اگر تمہارے پاس پیسے زیادہ ہیں تو کافی دن اچھے گزر جائیں گے۔ اتنے دنوں میں تو تم اپنے پیروں پر کھڑا ہونا سیکھ لوگے، ورنہ واپسی کا راستہ پکڑ لوگے۔"

وہ جیسے اس کے مستقبل کی طرف سے پوری طرح مطمئن ہو گیا تھا۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ میں اب کبھی یہاں واپس نہیں آؤں گا اور تم آخر میرے پیچھے کیوں آ رہے ہو۔ جا کر آرام سے سو جاؤ۔"

خیام کو اس پر مستقل ہی غصہ آ رہا تھا۔ اس وقت جس طرح کی فیصلہ کن صورت حال سے وہ گزر رہا تھا، اس میں اس طرح کی قیاس آرائیاں صرف دل ہی جلا سکتی تھیں۔

"میں یہاں سے کوئی سواری پکڑ لوں گا اور مہربانی کر کے کسی سے بھی میرا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں تم کو ملا تھا۔"

"مجھ سے کون تمہارا پتا پوچھنے آئے گا اور مجھے تو تمہارے گھر یا گھر والوں کے بارے میں کچھ بھی پتا نہیں ہے۔"

"گھر۔۔۔" خیام کے حلق میں کڑواہٹ سی پھیلی تھی، جب بھی وہ یہ لفظ اس مکان کے بارے میں کہتا یا سنتا تھا۔

"اس وقت کوئی بھی سواری نہیں ملے گی۔ چلو میں تمہیں بسوں کے اڈے تک پہنچا دوں یا ٹرین سے جاؤ گے؟"

اس کی پیش کش بڑی بروقت تھی۔

"میں بس سے جاؤں گا۔ ٹرین کے انتظار میں تو کافی وقت خراب ہوتا ہے۔ آدھا دن یہیں گزر جائے گا۔"

"اتنی دیر میں تو تمہاری گم شدگی کی خبر بھی لگ جائے گی۔" سالار ہنس پڑا۔

"تمہارے ہاں لڑکیوں کی گم شدگی کی خبر لگتی ہے، میرے پیچھے تو کوئی ایسی زحمت اٹھانے والا نہیں۔" بے ساختہ ہی اس کے منہ سے نکلا۔

سالار چلتے چلتے یک دم رکا۔

گو اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ خیام کا تعلق کس طبقے سے ہے مگر یوں براہ راست اس نے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔

"خیام!" سالار نے ہلکے سے پکارا۔

اس نے ذرا سا چہرہ گھما کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بالکل سرخ ہو رہی تھیں۔ ایک چھوٹا سا فقرہ ادا کرنے کے لیے اس نے ذلت کی کس گہرائی کو بڑے ضبط کے ساتھ چھوا تھا۔

"اس طرح کیوں سوچتے ہو۔ ہمارا ماحول یا ہم سے جڑے رشتے، ہمارے اپنے منتخب کردہ تو نہیں ہوتے، یہ تو قدرت ہمیں عطا کرتی ہے۔ ہمارے اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی یہ سب وہاں طے پا چکا ہوتا ہے۔"

اس نے اشارے سے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔ خیام ایک بار پھر خاموش تھا۔

"اچھا بیٹھو، میں تمہیں چھوڑ آتا ہوں۔" موٹر سائیکل اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے حتمی سے انداز میں کہا۔

اس بار اس نے منع بھی نہیں کیا۔ اپنا بیگ سنبھالتا ہوا اس کے پیچھے بیٹھ گیا۔

راستہ اچھا خاصا تھا اور خیام کو بخوبی اندازہ ہو رہا تھا کہ اس وقت کوئی بھی سواری ملنا بے حد مشکل تھی۔
سارا راستہ ان دونوں نے کوئی بات نہیں کی۔ سویرے کے آثار اب محسوس ہونا شروع ہو گئے تھے اور جب وہ لوگ بس اسٹینڈ پر پہنچے تو وہاں کی چھوٹی سی مسجد سے لوگ نماز فجر ادا کر کے نکل رہے تھے۔
یہاں کی رونق معمول کے مطابق تھی اور علی الصبح جانے والی بسوں میں لوگ آ کر بیٹھنا شروع ہو چکے تھے۔
"تم کہاں جاؤ گے کراچی؟"
سالار نے ایک بار پھر بالکل درست اندازہ لگایا۔ خیام نے اثبات میں سر ہلایا۔
"تمہیں کیسے پتہ؟"
"مجھے کیا سارے پاکستان کو ہی خبر ہے۔ کوئی بھی شخص چاہے میدانی علاقوں کے گاؤں کا رہنے والا ہو یا پھر پہاڑوں کے دامن کا، جب بھی اپنا علاقہ چھوڑتا ہے، سیدھا وہیں کا رخ کرتا ہے۔ اللہ کا عجب فضل ہے اس شہر پر یار! کوئی بھی کہیں سے آ جائے، ہر ایک وہاں اپنا رزق پا تا ہے۔"
"مگر تم تو وہاں سے یہاں کا رخ کرتے ہو۔" اتنی دیر میں خیام پہلی بار ہلکے سے مسکرایا۔
"میری بات اور ہے۔" وہ لاپروائی سے کہتے ہوئے آگے لوگوں کی بھیڑ میں گھس گیا۔
خیام نے اسے آواز بھی دی مگر اس نے سنا ہی نہیں۔ دس پندرہ منٹ وہ اس کی موٹر سائیکل کے پاس منتظر کھڑا رہا۔
چند بسوں کے لیے کنڈیکٹر اسے مستقل ہی بس میں بیٹھنے کی آفر کر رہے تھے۔ ایک نے تو اس کے ہاتھ سے بڑھ کر بیگ بھی لینے کی کوشش کی تھی۔ جس پر خیام نے اسے بری طرح ڈانٹا تھا اور وہ کافی برا مان گیا تھا۔
اتنی سی دیر میں اتنے سارے تجربات۔
ایک بار پھر اسے سالار پر غصہ آنے لگا جو اسے یہاں کھڑا کر کے خود غائب ہو گیا تھا، تب ہی وہ آ گیا۔
"یہ لو تمہارا ٹکٹ، جو سب سے پہلے نکلنے والی بس ہے، یہ اس کا ٹکٹ ہے۔ آؤ چلو۔"
"تمہیں کس نے کہا تھا میرا ٹکٹ خریدنے کے لیے۔ میں یہاں کھڑا ہوں تمہاری موٹر بائیک کا چوکیدار بنا ہوا۔"
وہ بجائے شکر گزار ہونے کے اور بھی زیادہ برا مان گیا۔
"سمجھ میں نہیں آ رہا کہ آخر تم میرے پیچھے کیوں پڑے ہو۔ میں کسی بھی بس میں بیٹھ کر چلا جاؤں گا، تم سے مطلب۔ تم تو جاؤ واپس۔"
سالار مسکرا کر ان سنی کرتے ہوئے آگے چلتا رہا۔ بس ڈرائیور اب ہارن دے رہا تھا۔
سالار رکا تو خیام کو بھی رکنا پڑا۔

"جاؤ، فی امان اللہ۔"
خیام کی طرف مڑتے ہوئے اس نے بازو پھیلائے تو وہ بولتے بولتے رک گیا۔
کب سوچا تھا کہ یوں چوروں کی طرح منہ چھپا کر شہر چھوڑ رہا ہو گا تو کوئی اسے خدا حافظ کہنے کے لیے سامنے کھڑا ہو گا۔
سالار کی مہربان آنکھوں میں بڑی نرم سی جگمگاہٹ تھی جو اس کی فطرت کی عکاس تھی۔ اپنی تمام رکھائی کے باوجود خیام اس کے آگے مزاحمت نہیں کر پا تا تھا۔

"خدا حافظ۔" ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہ اس کے کھلے بازوؤں میں سما گیا۔
قرب کی بڑی مانوس سی آنچ نے ایک خاموش سا احساس ان دونوں ہی کو بخشا۔
خیام کو اپنی آنکھیں گیلی ہوتی محسوس ہونے لگیں۔ کتنی عجیب بات تھی کہ ان سب لوگوں کو جنہوں نے بے پیار سے اس کی پرورش کی تھی، انہیں چھوڑتے وقت اسے ایک بار بھی دکھ تو کیا، ندامت بھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔
وہ سب اسے کبھی بھی اس قابل نہیں لگتے تھے کہ ان کی خاطر تھوڑا سا بھی جذباتی ہوا جائے اور اس وقت سالار سے الگ ہوتے ہوئے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ زور زور سے رونے لگے۔ بس ڈرائیور اب مستقل ہی ہارن بجا رہا تھا۔
"جاؤ دیر ہو رہی ہے، اپنا خیال رکھنا۔" سالار اسے اس طرح سمجھا رہا تھا جیسے کسی چھوٹے بچے کو نصیحت کی جاتی ہے۔
خیام نے صاف دیکھا تھا کہ اس نے ہتھیلی کی پشت سے اپنی آنکھیں خشک کی تھیں، وہ اس سے چند سال بڑا تھا مگر اس کا برتاؤ ہمیشہ بزرگوں والا ہی ہوتا تھا۔
"دل تو بہت چاہ رہا ہے کہ تمہیں اکیلا نہیں جانے دوں مگر مجھے پتا ہے اس وقت تم مجھے قطعی برداشت نہیں کرو گے۔ ساتھ بیٹھ بھی گیا تو یقیناً کہیں نہ کہیں بیچ میں ہی اتر کر دوسری بس پکڑ لو گے۔"
اپنے کہے کا اسے اتنا یقین ہوتا تھا کہ وہ کئی بار خیام سے جواب کی توقع بھی نہیں کرتا تھا۔
"لوگوں پر فوراً ہی بھروسہ مت کرنا اور دوسرے اس احساس کمتری کو مہربانی کر کے یہیں چھوڑ جانا۔ لوگوں نے تو اب اپنے ان عیبوں پر بھی شرمانا چھوڑ دیا ہے جن پر انہیں ڈوب مرنا چاہیے۔ تمہارا تو کوئی قصور بھی نہیں ہے۔"
خیام کے کندھے پر ہاتھ رکھے وہ دھیرے دھیرے، بہت مضبوط لہجے میں کہہ رہا تھا۔
خیام کو پتہ تھا کہ وہ بہت اچھا لکھتا ہے اور بہت اچھا بولتا ہے۔ ریڈیو پر اس کی مانگ بڑھ رہی تھی پھر اس کے سمجھانے کا انداز کیوں نہ مؤثر ہوتا۔
مگر وہ کچھ نہیں سمجھنا چاہتا تھا۔
الفاظ کتنے بھی اچھے ہوتے اور کہنے والے کتنا بھی مخلص، اس کے وجود کی کالک کو دھونے کے لیے ناکافی تھے۔
سو وہ یوں ہی اس ساری نصیحت کو سنے گیا۔
"یہ لو میرا کارڈ۔"
سالار نے جیب سے نکال کر ایک کارڈ اس کے ہاتھ میں دیا۔ "کبھی کسی وقت اپنی خیریت کی اطلاع ضرور دینا اور وہاں کا پتہ بھی۔"
بس نے اب سرکنے لگی تھی۔

"اچھا بس جاؤ، اللہ حافظ۔" سالار نے بس پر ہاتھ مارتے ہوئے اسے چڑھنے کا اشارہ کیا۔
"اور یہ لو، راستے میں کچھ کھا لینا۔" ہاتھ میں پکڑا ایک شاپر اسے تھماتے ہوئے اس نے آخری نصیحت کی۔ شاپر میں بسکٹ اور جوس کے ڈبے تھے۔ خیام سر ہلاتا ہوا بس میں داخل ہو چکا تھا۔ اپنی سیٹ پکڑ کر اس نے اس

طرف دیکھا جہاں وہ دونوں ابھی کھڑے تھے۔
وہ جگہ اب تیزی سے پیچھے جارہی تھی مگر سالار ابھی وہیں کھڑا تھا۔
اب زندگی میں وہ اسے کبھی بھی دیکھنے والا نہیں تھا جو مختصر سی مدت میں ہی اسے اپنائیت کا احساس دلانے والا پہلا شخص تھا۔
وہ بہت غیر جذباتی انداز میں عموماً سوچتا تھا مگر شاید ہر بار ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔
چند منٹ اسے خود کو کمپوز کرنے میں ضرور ہی لگے' بس اب دوسری طرف مڑ چکی تھی اور اب سالار نظر بھی نہیں آرہا تھا۔
"شاید اب وہ اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کررہا ہوگا۔"
نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا خیال آئے ہی جارہا تھا' خیام نے سر جھٹک کر اپنا دھیان باہر کے منظر پر لگانا چاہا۔
صبح کی ساری سرگرمیاں آہستہ آہستہ شروع ہورہی تھیں مگر اسے ذرا دیر میں ہی اندازہ ہونے لگا تھا کہ اس کا ذہن ذرا بھی حاضر نہیں ہے۔ سالار کی موٹر سائیکل پر پیچھے بیٹھا وہ بھی واپس وہیں جارہا تھا' جہاں واپس جانے کی ذرا سی بھی تمنا اس کے دل میں نہیں تھی۔
کیا نئی زندگی کے اس اول اول باب میں ہی وہ کمزور پڑ رہا ہے۔
تھوڑا سا خوف زدہ ہوکر اس نے اپنا تجزیہ کرنا چاہا' تب ہی اس کی نگاہ اپنی بند مٹھی پر پڑی۔ جس میں ابھی تک سالار کا دیا ہوا کارڈ بند تھا۔
وہ چند لمحے اپنی بند مٹھی کو ساکت نگاہوں سے دیکھے گیا' جہاں ماضی سے جڑے رہنے کا ایک ذریعہ محفوظ تھا۔
آہستہ سے اس نے اپنی مٹھی کو کھولا' ایک بار اس کا دل چاہا کہ وہ اس پر لکھے ایڈریس کو پڑھے مگر پھر وہ اس خواہش سے بھی باز رہا۔ اسے خبر تھی کہ اگر ایک بار بھی اس نے وہ ایڈریس پڑھا تو پھر کبھی بھی اسے بھول نہیں سکے گا۔ دوسرے لمحے وہ کھڑکی سے باہر نگاہ جمائے اس چھوٹے سے کارڈ کے پرزے کررہا تھا۔
"ہاں" یہ آخری دروازہ بھی بند کرکے اس نے سکون سے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کیں' تب ہی ایک مسکراتا ہوا چہرہ بند آنکھوں میں خواب کی طرح اترا۔
"گیتی!" خیام کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

☼ ☼ ☼

ربیعہ نے ایک حیرت بھری نگاہ اطراف میں ڈالی۔ تقریب کی شان و شوکت توقع سے کہیں زیادہ تھی۔ خوبصورتی کے ساتھ آراستہ کیے ہوئے بہت بڑے ہال میں مہمانوں کی اکثریت آچکی تھی۔
پہلے چند منٹ تو وہ اور امی وہیں اپنی جگہ پر جمی کھڑی رہیں۔ اتنے لوگوں میں کوئی شناسا شکل تک دکھائی نہیں دے رہی تھی۔
بے حد معزز دکھائی دیتے مہمان جن کا حلیہ ان کی کلاس کی گواہی دے رہا تھا' ان کے خاندان سے کہیں سے بھی ذرا سا میچ نہیں کررہے تھے۔
گہرے کٹ کی آستینوں اور گلے والی چند خواتین کا گروپ ان لوگوں کے پاس سے ہوتا ہوا آگے [illegible] تھا۔ کسی نے انگریزی میں چلا کر کچھ کہا تھا جس پر وہ سب مشترکہ طور پر ہنسی تھیں۔
کئی لوگوں نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ شاید ان کا مقصد بھی یہی تھا۔

"اور وہ خود کتنی ایڈیٹ ہے جو اب تک یہ سمجھتی تھی کہ اس طرح کے لباس صرف اسٹار پلس کے ڈراموں یا انڈین فلموں ہی میں پہنے جاتے ہیں۔"
کچھ خجل ہوتے ہوئے ربیعہ نے سوچا۔
"نسرین آپا! ادھر آجائیے۔"
امی کی ایک رشتے کی بہن انہیں تھوڑے فاصلے سے آواز دے رہی تھیں۔
اس بے حد اجنبی ماحول میں امی کا نام بھی کتنا آؤٹ ڈیٹڈ سا لگا تھا۔ شاید کسی نے نوٹس لیا ہو۔ اس طرف جاتے ہوئے ربیعہ نے چور نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا مگر کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔
لوگوں کی توجہ کھینچنے کے لیے یہاں اور بہت کچھ تھا۔
"آجائیے' یہاں سب اپنے ہی ہیں۔" وہی خاتون جنہوں نے امی کو آواز دی تھی' اٹھ کر گلے ملتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔
جدید طرز کے صوفوں اور کرسیوں کی ایک سٹنگ میں خاندان کی صرف وہ خواتین اور لڑکیاں بیٹھی تھیں' جنہیں بلانا اظہار چچا کے خاندان کے لیے ناگزیر تھا۔
کچھ گھبرائی ہوئی' کچھ شرمائی ہوئی' سمٹی سمٹائی پتہ نہیں کیوں ربیعہ کو ابھی تھوڑی دیر پہلے کی حیرت کی جگہ اب ہنسی آنے لگی۔
اس سمیت ان ساری خواتین کا یہ پہلا موقعہ تھا کسی بڑے ہوٹل میں آنے کا۔ کم از کم یہ بات تو وہ پورے وثوق سے کہہ سکتی تھی۔
"بیٹے کی منگنی تو بہت دھوم دھام سے کررہے ہیں اظہار بھائی!" ایک رشتے دار خاتون امی سے کہہ رہی تھیں۔ "لڑکی والے ہیں بھی تو بہت پیسے والے۔"
"ہاں سب قسمت کی بات ہے اور بھابھی تو ویسے بھی قسمت کی دھنی رہی ہیں ہمیشہ سے۔"
ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے امی نے ان سے اتفاق کیا۔ ان کے لہجے میں در آئی مایوسی صاف ظاہر ہورہی تھی۔
ایک اور امید تھی جو بری طرح ٹوٹی تھی۔
پاس بیٹھی رشتے دار خواتین نے ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔
ایک کھلا راز تھا جس سے سب ہی واقف تھے۔
ربیعہ کی شادی سلمان سے اور جویا کی معاذ سے طے پائی ہے۔ خاندان بھر کو کچھ ایسا ہی شبہ تھا' اظہار چچا کا ان لوگوں سے تعلق اتنا گہرا تھا کہ ایسا ہونا کچھ بھی مشکل نہیں تھا۔ خود امی اور دادی کو ربیعہ کی شادی کے سلسلے میں ہونے والی مایوسی میں امید کی یہی ایک کرن نظر آتی تھی۔
"ایک ایک کرکے سارے اچھے لڑکے خاندان سے باہر شادیاں کررہے ہیں۔ مصیبت تو ساری ہماری ہے' جو خیال لے کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہم کہاں رشتے ڈھونڈتے پھریں' بس بیٹھے ہیں اللہ پر توکل کیے ہوئے۔"
خاندان کے ہر گھر میں لڑکیاں موجود تھیں اور ان سے جڑی فکریں بھی۔ امی سے ہمدردی کرنے کے بہانے سب ہی اپنا دل ہلکا کررہی تھیں۔
لڑکیوں کو اس طرح کی باتیں بوریت میں مبتلا کرتی ہیں' سو کسی نے بھی ان کی طرف متوجہ ہونا ضروری نہیں سمجھا۔ ویسے بھی وہ سب یہاں آکر اتنی پُرجوش ہورہی تھیں کہ ان روزمرہ کے گھسے پٹے بیانات میں ان کے لیے

کوئی نئی بات نہیں تھی۔

ربیعہ نے بھی چاروں طرف پھیلی اس رنگ برنگی مصروفیت میں دل لگانا چاہا۔

جس جگہ وہ لوگ بیٹھی تھیں' اسٹیج سے کافی فاصلے پر تھی پھر بھی درمیان کی کوئی میز خالی نہیں دکھائی دے رہی تھی۔

لڑکی والوں کا حلقۂ احباب یقیناً بے حد وسیع تھا۔ یوسف کمال شہر کے امراء میں شمار کیے جاتے تھے جن کی بیٹی کا رشتہ بمپر پرائز کی صورت اظہار چچا کے گھرانے کو ملا تھا۔

"سنا ہے لڑکی کی مرضی کے آگے گھر والے مجبور ہوتے ہیں' ورنہ تو وہ لوگ کبھی سلمان بھائی کے لیے ہامی بھرنے والے نہیں تھے۔" اس کے قریب بیٹھی ایک کزن نے اندر کی خبر بھرے مجمعے میں نشر کی۔

"اچھا...." یہ نئی اطلاع سب ہی کے لیے پُرکشش تھی۔

"سلمان بھائی ہیں بھی تو کتنے خوبصورت' کوئی بھی لڑکی ان کی خاطر اسٹینڈ لے سکتی ہے۔" ایک نسبتاً "نوعمر جذباتی سی کزن فوراً" سے بھی پیشتر اس صورت حال سے متفق ہوئی۔

"سب نہیں' صرف زوبیہ کمال۔" وہی جو یہ اطلاع لائی تھی' قدرے طنزیہ انداز میں بولی۔ "ہم میں سے کون ہے جو ایسی ہمت دکھا سکتی ہے کہ لا کر کسی کو بھی گھر والوں کے سامنے کھڑا کر سکے۔" ربیعہ ہلکے سے مسکرا دی۔

خاندان کے روایتی سیٹ اپ میں اس طرح کی بغاوت کی کسی بھی لڑکی سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ یوں خاندان میں تعلیم اور روشن خیالی کا بظاہر دور دورہ تھا مگر یہاں کا ماحول سب ہی کی کیمسٹری پر عجب طرح سے اثر انداز ہو رہا تھا۔ وقتی طور پر ہی سہی مگر ان سب ہی کو ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے وہ زمانے کے بدلے ہوئے انداز سے کہیں دور پیچھے رہ گئے ہیں۔

"ہمارے ہاں تو ابھی تک یہ حال ہے کہ ذرا کہیں گھر پہنچنے میں دیر ہو جائے تو گھر والوں کے لیے کوئی جواز قابل قبول نہیں ہوتا۔ اتنی تفتیش ہوتی ہے کہ بس۔"

"ٹخنوں سے اونچی شلوار ممنوع اور بغیر آستین کی شرٹ کا تو تصور ہی...."

لڑکیاں بے چاری نہ جانے کن کن خواہشات پر دل کو مارے ہوئے بیٹھی تھیں۔ سامنے سے جویا آتی ہوئی دکھائی دی تو سب ہی کو موضوع بدلنا پڑا۔

"بہت مبارک ہو جویا! سچ بہت خوشی ہوئی ہے سلمان بھائی کی منگنی کی۔"

"اور یہ اتنا شاندار فنکشن' ویسے سلمان بھائی کی منگیتر ہوں گی تو بہت پیاری۔ وہ خود بھی تو اتنے اچھے ہیں۔"

اب یکسر دلی ہوئی گفتگو ہونے لگی۔ آخر مروّت اور دنیاداری بھی تو کسی چیز کا نام ہے۔

جویا بہت پیارا سوٹ پہنے ہوئے تھی' صاف لگ رہا تھا کہ کسی اچھے بوتیک کا ہے۔ لڑکیاں بے شک خود بھی ایسی جگہوں سے خریداری نہیں کر سکتی ہوں مگر ٹی وی اور میگزینز کی بدولت وہ اس لباس کی قیمت کا اندازہ بخوبی کر سکتی تھیں۔

اظہار چچا یا سلمان کے لیے جویا اور گھر کے باقی افراد کے لباس "افورڈ ایبل" نہیں تھے۔ سو وہ سب نا کہے ہی فرض کر چکی تھیں کہ یہ سارا کرّوفر سلمان کے سسرال کی دین ہے۔

"تم لوگوں نے ابھی تک زوبیہ کو نہیں دیکھا کیا؟" جویا پوچھ رہی تھی۔

"نہیں' ہم سب ابھی تو آئے ہیں۔" یہ کہنا نسبتاً "آسان تھا' بجائے یہ بتانے کے کہ وہ لوگ کتنی ہی دیر سے کمپلیکس کے مارے ایک ہی جگہ چپکے بیٹھے ہوئے ہیں۔

"آؤ پھر پہلے چل کر دلہن دیکھ لو۔"

جویا کی دعوت پر وہ ساری کی ساری ایک ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ زوبیہ کو دیکھنے کا اشتیاق سب ہی کو تھا مگر وہاں تک جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

ساری اماؤں نے بیٹیوں کو اسٹیج کا رخ کرتے دیکھ کر بڑا اطمینان سا محسوس کیا۔ وہاں کی اصل صورت حال اسی طرح معلوم ہو سکتی تھی۔

"بس ٹھیک ہی ہیں سلمان بھائی کی منگیتر! میک اپ میں ویسے بھی اصل شکل کہاں پتہ چلتی ہے۔"

ربیعہ کے ساتھ چلتی ہوئی جویا پچی سی آواز میں بتانے لگی۔ باقی لڑکیوں کا دھیان ان دونوں کی طرف نہیں تھا۔

"تم نے پہلے نہیں دیکھا تھا کیا؟" ربیعہ کو تھوڑی سی حیرت ہوئی تھی۔

"نہیں' صرف امی اور ابو ہی گئے تھے ان کے گھر اور وہ بھی بس ایک بار۔ ساری بات تو پہلے ہی طے ہو چکی تھی۔"

ربیعہ نے جویا کے چہرے کو ذرا غور سے دیکھا۔ وہ آج بہت اچھی لگ رہی تھی' روز مرہ کے حلیے سے بالکل مختلف جو سوٹ اس نے پہنا ہوا تھا' ابھی ابھی ساری لڑکیوں نے اس کی بے حد تعریف کی تھی مگر پھر بھی وہ ذرا بھی خوش دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

اپنے اکلوتے بھائی کی منگنی کے اس پُرمسرّت موقعہ پر اس کی ناخوشی کی وجہ....؟

منہ پر آتے اس بے ساختہ سے سوال کو پوچھنے سے اس نے خود ہی گریز کیا۔

جویا کے جواب میں اسے اپنے لیے شرمندگی کا سامان ملنے کا اندیشہ تھا۔

"اور کوئی نہیں آیا تمہارے گھر سے؟"

حالانکہ وہ صرف ربیعہ اور امی کو دیکھ چکی تھی پھر بھی پوچھ رہی تھی۔

"بابا تو فنکشنز میں آتے جاتے ہی نہیں ہیں۔ تمہیں پتہ تو ہے اور دادی کے لیے ویسے ہی اتنی دیر بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔" اس نے "وجوہات" بتاتے ہوئے جان بوجھ کر معاذ کا ذکر گول کیا۔

جویا کے لب کچھ اور کہنے کے لیے ذرا سے کھلے مگر پھر بند ہو گئے۔

وہ لوگ اسٹیج کے قریب پہنچ چکی تھیں۔

اسٹیج پر تصویری سیشن شروع ہو چکا تھا۔

زوبیہ اور سلمان ہاتھ میں ہاتھ دیے' اب جن لوگوں کے ساتھ تصویریں کھنچوا رہے تھے' ان میں سے کوئی بھی شکل جانی پہچانی نہیں تھی۔

وہ سب زوبیہ کے رشتے دار تھے یا دوست جس بے تکلفی سے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی اس سے صاف اندازہ ہو رہا تھا۔

ساتھ ساتھ ہی وہ ان لوگوں کا تعارف اپنے ساتھ بیٹھے سلمان سے بھی کراتی جا رہی تھی۔ پتہ نہیں کیوں' ربیعہ کو پہلی نگاہ میں ہی وہ جھینپا جھینپا سا لگا۔ شاید اس لیے کہ وہ سارے لوگ جو اس وقت اس کے ارد گرد تھے' اس سے بالکل مختلف تھے جو سوٹ وہ پہنے ہوئے تھا' زوبیہ نے اس کے لیے خاص طور پر اپنے پسندیدہ ڈیزائنر کی مدد سے سلیکٹ کیا تھا۔ اس کی گھڑی' جوتے ہر شے برانڈڈ تھی۔

پھر بھی جو چیز اسے ان لوگوں سے مختلف دکھا رہی تھی' وہ تھی خود اعتمادی کی کمی۔ ان سب کی طرح نہ اس کی باتوں میں بے ساختگی تھی اور نہ ہنسی میں۔ ہر بار جب کوئی اس سے تپاک سے مل رہا ہوتا' وہ چاہنے کے باوجود بھی ویسا گرم جوشی کا مظاہرہ نہ کر پاتا۔

زیادہ تر زوبیہ ہی بول رہی تھی۔

آج اسی کا دن تھا۔

خود کو نمایاں ترین رکھنے کے لیے اس نے جو کچھ بھی کوشش کی تھی' اس میں وہ کامیاب تھی۔ اس کا سوٹ خوب صورت اور جیولری بے حد قیمتی تھی جس بیوٹیشن کی وہ سروس حاصل کرتی تھی' وہ شہر کی ٹاپ بیوٹیشنز میں سے ایک تھی پھر بھی اسٹیج کے قریب کھڑے ہو کر دیکھنے سے ربیعہ کے ساتھ آنے والی خاندان کی دوسری لڑکیوں کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بے حد معمولی شکل و صورت کی لڑکی ہے۔

اس کے سارے ناز و انداز اس ماحول کی دین تھے جس سے وہ تعلق رکھتی تھی۔

"بالکل ہی بے کار میچ ہے سلمان بھائی کا۔ ذرا بھی تو اچھی نہیں لگ رہی ہے ساتھ بیٹھی ہوئی۔"

خاندان کی ایک سادہ لوح سی لڑکی نے ربیعہ کے قریب آتے ہوئے سرگوشی کی۔ باقی سب کو بھی مایوسی ہوئی تھی۔ یہ ان کی شکلوں سے ظاہر ہو رہا تھا۔

"میرا خیال ہے' ہم لوگ اپنی جگہ پر ہی چل کر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہاں تو بہت رش ہو رہا ہے۔" ربیعہ نے کہا تو وہ سب ہی فوراً" متفق ہو گئیں۔

"پہلے سلمان بھائی کے ساتھ ایک گروپ تو کھنچوالیں ہم لوگ۔"

جویا کو اب تک اسٹیج پر چڑھنے کا موقع نہیں مل پایا تھا اور وہ اسی بات پر شرمندہ ہو رہی تھی کہ ان لوگوں کو اپنے ساتھ لانے کے باوجود وہ انہیں اسٹیج پر لے جا تک نہیں پائی ہے۔ حالانکہ ان لوگوں کے علاوہ کوئی بھی اس طرح رکا نہیں' کھڑا تھا۔ فلیش لائٹس کی چکا چوند میں لوگ کمال بے تکلفی کے ساتھ آگے بڑھ جاتے۔

زوبیہ اور سلمان زیادہ تر کھڑے ہی رہے تھے کسی بھی وقت کسی اسپیشل فوٹوگراف کے لیے سب کو چند لمحوں کے لیے ساکت ہونا پڑتا پھر وہی ہنگامہ آرائی شروع ہو جاتی۔

جویا مستقل ہی سلمان کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ شاید اس طرف دیکھنا ہی نہیں چاہ رہا تھا۔

اپنی مڈل کلاس کزنز سے ملنا اس وقت اس کے لیے شاید باعث شرمندگی تھا۔

"سلمان بھائی!" جویا ہار ماننے والوں میں سے نہیں تھی۔ سو اب اسے آواز دے رہی تھی۔

سلمان کے لیے مزید انجان بنے رہنا مشکل تھا' سو اسے اس طرف دیکھنا ہی پڑا۔

اشارے سے وہ جو کچھ کہہ رہی تھی' اس کی اچھی طرح سمجھ میں آ رہا تھا مگر اس بڑے سارے اسٹیج پر بچھے سارے صوفے پوری طرح بھرے ہوئے تھے اور خود اس کی مجال نہیں تھی کہ وہ ان معزز مہمانوں سے اپنے گھر والوں کے لیے چند سیٹیں خالی کروا سکے۔ ربیعہ نے اسے اشارے سے منع کرتے ہوئے دیکھا تو فوراً" ہی واپس پلٹ گئی اور اس کے ساتھ باقی ساری لڑکیاں بھی۔

جویا بے حد خجل سی ہو کر بھائی کو دیکھ رہی تھی' تب ہی زوبیہ کے کچھ کہنے پر سلمان پوری طرح دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہو گیا تو جویا کے بھی وہاں کھڑا ہونے کا کوئی جواز باقی نہیں رہا۔

ربیعہ اور دوسری کزنز کے پیچھے جانے کے بجائے وہ اس طرف چلی گئی جہاں اس کے گھر والے بیٹھے تھے۔

امی' ابو' زویا اور آپا گل کی فیملی بھی دور بیٹھ کر تماشا دیکھنے والوں میں سے ہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب سلمان اور زوبیہ نے ایک دوسرے کو انگوٹھی پہنائی تھی' تب ہی تھوڑی سی دیر کے لیے ان لوگوں کو بھی رسمی طور پر ان دونوں کے ساتھ بیٹھ جانے کا "اعزاز" حاصل ہوتا تھا۔

اور ان لوگوں کے چہرے اس متوقع "عزت افزائی" کے خیال سے چمک رہے تھے۔

کوئی بھی اس طرح یکسر نظر انداز ہونے پر نہ تو خفا تھا اور نہ شرمندہ۔ شاید یہ وہی تھی جو ان ساری باتوں کو مستقل دل پر لیے جا رہی تھی۔

جویا نے دور بیٹھی ربیعہ اور دوسری کزنز پر نظر ڈالی۔ کتنا دل چاہ رہا تھا کہ ان ہی لوگوں کے ساتھ جا کر بیٹھے۔ مگر ابھی جو کچھ ہوا تھا' اس کی شرمندگی بالکل تازہ تھی۔

کتنے مان سے وہ ان لوگوں کو لے کر گئی تھی مگر دو منٹ کے لیے قریب جانے کا موقع بھی نہیں مل سکا۔

"ایسا کب ہوتا ہے بھلا؟"

اسے آپا گل کی شادی یاد آنے لگی۔

ان کی ساری نندیں جن سے اب وہ ملنا بھی گوارا نہیں کرتی تھیں۔ اس وقت کتنی محبت سے سارا وقت انہیں گھیرے بیٹھی رہی تھیں۔

زویا اور جویا نے امی سے شکایت کی تو انہوں نے بہت ہنس کر کہا تھا۔

"اب تمہاری آپا گل ان ہی کی ہو گئی ہیں اور تمہارے پاس تو اتنے سال رہلی ہیں' اب ان لوگوں کی خوشی پوری ہونے دو۔"

لیکن اب انہیں اپنا کہا خود بھی یاد نہیں رہا تھا۔ ایک بار بھی انہوں نے نہیں کہا تھا کہ زویا اور جویا کو جا کر اپنی ہونے والی بھابھی کے پاس بیٹھنا چاہیے۔ الٹا وہ اور آپا گل دونوں ہی سلمان کی پذیرائی دیکھ دیکھ کر خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھیں۔

"میرا سلمان! ماشاء اللہ شروع سے ہی خوش قسمت ہے۔ ہر جگہ ہمیشہ اوّل رہا ہے۔ اب دیکھ لو' رشتہ بھی کتنے اونچے گھرانے میں طے ہوا ہے۔ خاندان میں کسی لڑکے یا لڑکی کی ہوئی ہے ایسی شاندار منگنی۔"

امی بڑے فخر سے آپا گل سے کہہ رہی تھیں۔

ربیعہ کی کوفت اور بھی بڑھنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

سیاہ آہنی گیٹ ہر چاند کی پہلی جمعرات کو عصر سے مغرب کے درمیان خصوصی طور پر پورا کھولا جاتا ہے۔ شہر میں کتنے ہی گھر تھے جنہیں اس دن کا انتظار رہتا تھا۔ ظہر کے بعد سے ہی اس وسیع و عریض شاندار بنگلے کی بیرونی دیوار کے ساتھ ضرورت مند عورتیں آ کر بیٹھنا شروع ہو جاتی تھیں۔ بچوں کو ساتھ لانا منع کیا جاتا تھا پھر بھی کوئی نہ کوئی مصیبت کی ماری ایسی ہی ہوتی تھی جو خود سے چمٹی ان ننھی ننھی جانوں کو یہاں لا کر حکم عدولی کا سبب بنتی تھی۔

آج بھی بتول' فرزانہ اور سعیدہ کے ساتھ ان کے بچے تھے اور نتیجتاً انہیں سب ہی کی بری بھلی سننا پڑ رہی تھی۔

"پچھلی بار بھی تیرے بچوں نے وہ رونا پیٹنا مچایا تھا کہ سب ہی کو شرمندگی اٹھانا پڑی تھی۔ امداد بھی ٹھیک طرح سے نہیں بٹ پائی تھی۔ آج پھر تو انہیں اٹھا لائی ہے۔"

ایک موٹی سی چھوٹے قد والی عورت سعیدہ سے کہہ رہی تھی جو ایک کو گود میں لیے اور دوسرے کی انگلی تھامے شرمندہ سی ہو کر صفائی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

"کہاں چھوڑ کر آؤں خالہ! پیچھے کون ہے جو انہیں سنبھالے گا' پتہ ہے سب تمہیں۔"

"کیوں نہیں ہے سنبھالنے والا جس کی اولاد ہے' اس کے حوالے کیوں نہیں کرتی مگر اس کو تو خود تو نے بگاڑا ہوا

ہے۔"
موٹی عورت شاید زیادہ ہی واقف حال تھی۔ آس پاس نئی آنے والیاں ابھی سعیدہ کے بیان سے متاثر ہو کر اس
سے ہمدردی کا سوچ ہی رہی تھیں' فی الفور اپنا ارادہ بدل گئیں۔
"مردوں کو بگاڑنے والی عورتیں ہی ہوتی ہیں' خود مارے مارے پھرنا منظور ہے مگران پر ذمہ داری نہیں ڈالیں گی
پھر تو وہ خود ہی آرام طلب ہوں گے۔"
کسی نہ کسی کو تو تبصرہ کرنا تھا' سو کیا۔
سعیدہ بے چاری روہانسی ہونے لگی۔ پچھلی بار بھی بچوں کی چخ چخ میں وہ ایک پیسے کی بھی مدد حاصل نہیں کرپائی
تھی۔ اس بار پھر ویسے ہی آثار نمایاں ہو رہے تھے۔
یہ سارا مہینہ کس مشکل سے کٹتا ہے' خدا تو جانتا ہی تھا مگر یہ خالہ افروز بھی کون سی ناواقف تھی۔ اس نے ایک
اکتائی ہوئی نگاہ اس موٹی سی عورت کی طرف ڈالی' جواب کسی دوسری عورت پر کسی اور بات کو لے کر اعتراض
کررہی تھی۔ ایک نہ دو' پورے پانچ سو روپے کی مقروض تھی وہ اس کی بھی۔ ان میں سے زیادہ تر سامنے والی کچی
آبادی میں سے آتی تھیں اور کسی کا بھی دوسرے کا حال نہیں چھپا ہوا تھا۔
"دل برا مت کرو۔ خالہ افروز کی تو عادت ہے۔" اس کے قریب بیٹھی بتول نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے
ہوئے نرمی سے کہا۔
"پتا ہے پھر بھی دل دکھانے سے باز نہیں آتیں۔" سعیدہ کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔ "کردیا ایک منٹ
میں اتنی عورتوں کے بیچ میں ذلیل' کوئی اپنی خوشی سے یہاں بھکاریوں کی طرح آکر بیٹھتے ہیں۔ مجبوری سب کچھ
کراتی ہے' اپنے سے زیادہ بچوں کی محرومی دل دکھاتی ہے' ان کا پیٹ تو بھرنا ہے کسی نہ کسی طرح۔" اپنی بات ختم
کرتے کرتے وہ باقاعدہ آنسوؤں سے رو پڑی۔
"کیا ہوا۔"
"کیا ہوگیا' خیر تو ہے۔" آس پاس کی عورتوں میں فوراً" ہی بھنبھناہٹ پھیلنی شروع ہوئی۔ خود وہ عورت جس نے
سعیدہ کے ان آنسوؤں کا اہتمام کیا تھا' ان چند منٹوں میں اتنی ساری فضول باتیں کرچکی تھی کہ اب حیران ہو ہو کر
سعیدہ سے رونے کا سبب پوچھ رہی تھی۔
"کیا ہوا سعیدہ! مجھے تو بتا کیا بات ہوئی ہے؟"
وہ غریب جواباً" خاموشی سے آنسو خشک کرنے لگی۔ بتانے کے لیے کیا تھا اس کے پاس۔ قریب بیٹھی بتول نے
ہلکے سے یاد دلایا تو وہ بجائے شرمندہ ہونے کے ٹھٹھا مار کر ہنس پڑی۔
"لے' میری بات کا برا منا گئی۔ اپنی بیٹی سمجھ کر دو باتیں کہہ دیتی ہوں تو کیا اتنا بھی حق نہیں ہے اور اس جانور
سے جو دن رات پٹتی ہے تو کچھ فرق نہیں پڑتا تجھے۔"
سعیدہ جھینپ کر ہلکے سے مسکرادی۔
"ہشو خالہ! اب ایسا بھی نہیں ہے۔" اس کے بڑے بچے کو مٹی کھانے کی ایسی بری لت تھی' وہ اس کی کمر پر
ایک ہاتھ رسید کرتے ہوئے اس کے منہ میں بھری ہوئی مٹی نکالنے لگی۔
ماحول پھر سے پہلے کی طرح پرسکون ہوگیا۔
خالہ افروز بھی اٹھ کر واپس اپنے اسی گروپ میں جا بیٹھی' جہاں سے اٹھ کر آئی تھی۔ اب اس کا موضوع گفتگو
سعیدہ کا میاں تھا' جس نے اتنی اچھی بیوی اور معصوم بچوں کا خیال نہ رکھنے کی قسم کھا رکھی تھی۔
زمانے بھر کا جواری' شرابی۔

اور سعیدہ خود اتنی بھاگ دوڑ نہ کرے تو سارے بھوکے مریں۔ گھر پر بیٹھ کر سارا دن محنت مزدوری کا کام کرتی
ہے۔"
آس پاس بیٹھی عورتیں تھوڑی دیر میں ہی اس تفصیل سے بے زار ہونے لگیں۔ کم و بیش سب ہی کے گھروں
کا یہی نقشہ تھا اور وہ سب ہی زندگی سے اسی طرح نبرد آزما تھیں۔ اگر سعیدہ بھی یہ سب کر رہی تھی تو کون
سا کمال تھا۔
ان کی دلچسپی کا محور اور طرح کے قصے ہوتے تھے۔ اپنے اپنے ماحول سے اکتا کر یہاں آتے ہوئے ان میں سے
کئی کو کئی سال گزر چکے تھے اور جان پہچان کی یہی اپنائیت ان سب کو ایک دوسرے کے ذاتی معاملات میں دخل
اندازی کا پورا پورا حق دے چکی تھی۔
کسی کی بیٹی سسرال کے ظلم و ستم کا شکار ہے اور کسی کی بہو کاہل اور ہڈ حرامی میں حرفِ آخر ہے۔ کسی کی بیٹی کا
رشتہ کیا ہوا ہے اور کہاں طلاق پر نوبت آئی ہوئی ہے۔"
ان سب موضوعات پر کھل کر گفتگو ہوتی اور یہ سلسلہ جب تک جاری رہتا' جب تک زرتاج بیگم کے دولت
کدے کا دروازہ نہ کھلتا۔
"لائن بناؤ۔" گارڈ کا مخصوص اور مختصر جملہ فضا میں گونجا تو وہ سب فوراً" ہی اٹینشن ہوگئیں۔ یہاں وہاں
بکھری عورتوں کی لائن اتنی پھرتی سے بنتی تھی کہ حیرت ہوتی تھی۔
سعیدہ جان بوجھ کر سب سے آخر میں کھڑی ہوئی۔ "آخر میں جاؤگی تو کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوگا۔"
"مگر کیا پتہ جب تک کچھ بچے ہی نہیں۔ پچھلی بار بھی کتنے لوگوں کو واپس جانا پڑا تھا۔ اب عورتیں بھی تو زیادہ
ہوگئی ہیں یہاں آنے والی' ورنہ چند سال پہلے کتنا آرام تھا۔"
بتول کے لہجے میں تشویش بھی تھی اور بے زاری بھی۔ قدرتی طور پر سامنے سڑک پار کچی آبادی سے آنے
والیاں خود کو بیگم زرتاج کی دی گئی خیرات کا زیادہ مستحق سمجھتی تھیں۔
"اب تو معلوم نہیں شہر کے کس کس کونے سے چلی آرہی ہیں۔" بتول کی بات بیچ میں ہی رہ گئی۔
بڑا سا سیاہ گیٹ "کھل جا سم سم" کی سی تاثیر کے ساتھ کھل رہا تھا۔
ساری عورتیں خاموشی سے لائن بنائے اندر داہنی طرف مڑتی روش پر سے چلتی ہوئی رہائشی حصے سے ہٹ کر
بنے ہوئے اس لمبے سے خوبصورت برآمدے میں قطار در قطار بیٹھنے لگیں' جو ابھی دو تین سال پہلے ہی بنایا گیا
تھا۔
اس سے پہلے یہ نیک کام رہائشی حصے کے بیرونی برآمدے میں ہی نمٹا لیا جاتا تھا مگر عورتوں کی بڑھتی ہوئی تعداد
اور اصل حصے کی ڈیکوریشن کا خیال کرتے ہوئے اب متبادل انتظام کرلیا گیا تھا۔
ماربل لگا فرش' صاف اور ٹھنڈا تھا۔ عورتیں بڑی خوشی خوشی اس پر بیٹھتی تھیں۔ برآمدے کے باہر سیڑھیوں
کے نیچے پرانی گھسی ہوئی چپلوں کا ڈھیر لگ چکا تھا۔ بتول نے مڑ کر دیکھا۔
سعیدہ اپنے بچے لیے برآمدے سے ذرا فاصلے پر ہی رک کر کھڑی ہوگئی تھی۔
نسیمہ اور فرزانہ اپنے بچوں کو باہر ہی چھوڑ کر آئی تھیں کیونکہ وہ لوگ اتنے بڑے تھے کہ اپنا خیال رکھ سکیں۔
بتول نے پکا ارادہ کیا کہ اپنے حصے کا سامان لے کر وہ سعیدہ کے بچوں کو سنبھال لے گی' تاکہ وہ یہاں تک آسکے۔
برآمدے میں ایک طرف امدادی سامان کے تھیلے رکھے جاچکے تھے اور ایک بڑا سا پرس سنبھالے عظمت بوا
کھڑی تھیں۔ سامنے رکھی اونچی پشت والی کرسی ابھی خالی تھی۔
"شرافت کرو' تمیز سے بیٹھو۔ بیگم صاحبہ آہی رہی ہیں۔" اس عمر میں بھی عظمت بوا کی آواز میں بڑی کڑک

تھی۔ سالوں ہو گئے تھے انہیں یہ فرائض انجام دیتے ہوئے۔ چکن کا سفید سوٹ اور بیل لگا دوپٹہ پہن کر وہ ہر وہ اسی تمکنت کے ساتھ کھڑی ہوتی تھیں کہ نئے آنے والوں کو توان کے ملازم ہونے پر بھی شبہ ہونے لگتا تھا۔

"آنے سے پہلے ہاتھ پیر تو دھو لیا کرو۔ سارے فرش کا ناس مار کر رکھ دیا ہے۔"

کسی کے میلے پیروں کے نشانات فرش پر چمک رہے تھے۔ ایک کی غلطی کی بدولت سب ہی کو سننا پڑ رہی تھیں۔

"ذرا جو عقل تمیز ہو' آجاتی ہیں منہ اٹھائے۔ اب تو اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ کون ضرورت مند ہے اور کون نہیں۔"

عظمت بوا مزاج کی کڑوی تھیں' سو ان کی زبان بھی رعایت نہیں کرتی تھی۔ عورتوں کی اکثریت انہیں قطعی پسند نہیں کرتی تھی مگر زرتاج بیگم اور ان لوگوں کے درمیان وہی پل کا کام دیتی تھیں۔

"ان عورتوں کا تو بندوبست کروانا ہی پڑے گا۔" افروز خالہ نے سرگوشی کی۔ "پتہ نہیں کہاں کہاں سے آنے لگی ہیں' نقصان تو ہمارا ہو رہا ہے۔ امداد کے تھیلے اس بار سائز میں پہلے سے آدھے دکھائی دے رہے ہیں۔"

ان کی توجہ دلانے پر بتول نے بھی اس طرف دھیان دیا۔ بات صحیح تھی۔ اس کے دل کو دھکا سا لگا۔

کم سامان کا مطلب تھا' گھر کے خرچے کی مزید فکر۔

"مجھے تو ساری پروفیشنل مانگنے والیاں لگتی ہیں خالہ!" پہلی بار اسے بھی اپنی آبادی سے ہٹ کر آنے والیوں پر غصہ آنے لگا تھا مگر خالہ افروز اب اس کی بات سننے کے بجائے سامنے دیکھ رہی تھیں' جہاں اونچی پشت والی کرسی پر زرتاج بیگم آکر بیٹھ چکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

آخری روٹی بھی ہاٹ پاٹ میں رکھ کر اس نے بڑی تیزی سے چولہے اور سلیب کو صاف کیا۔ آج سارا کام معمول سے قدرے جلدی ختم ہوا تھا۔

سالن' چاول' سلاد' روٹی سب کچھ ہی تیار تھا۔ اب بس ظہر کی نماز کے بعد کھانا لگانا اور پھر برتن دھونے تھے۔ عموماً "یہ برتن رات تک اس کی لاپروائی کا شکار بھی رہ جاتے تھے مگر آج وہ لگے ہاتھوں انہیں بھی نمٹا دینا چاہتی تھی۔

کسی کسی دن وہ یوں ہی امی کو خوش کر دینے کی ٹھان لیتی تھی۔

کچن کی کھڑکی پچھلی طرف بنے چھوٹے سے لان میں کھلتی تھی اور پچھلے برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی دادی اسے یہاں سے صاف دکھائی دے رہی تھیں۔ یہ برآمدہ ان کی سب سے پسندیدہ جگہ تھی۔

سامنے لان میں گھاس تو برائے نام ہی تھی۔ گرمیوں میں یوں ہی چند مہینوں کے لیے سوکھ سوکھ کر ختم ہوتی رہتی تھی۔ گھر میں آج تک کسی نے کوئی خاص توجہ بھی نہیں دی تھی۔ سو کوئی اس حالت پر فکر مند بھی نہ ہوتا۔ سب کو پتہ تھا کہ برسات کے آتے ہی یہ ساری جگہ پھر سے ہری بھری ہو جائے گی۔

آم کے دو بڑے سے درخت آپس میں سر جوڑے کھڑے تھے جن کا سایہ برآمدے کی چھت پر مستقل ہی رہتا۔ سو برآمدہ خود بخود ٹھنڈا رہتا اور جب ہوا چلتی تو کچے آموں کی مہک سارے گھر میں اڑتی پھرتی۔

دادی کو یہاں بیٹھنا اس لیے بھی پسند تھا کہ وہ یہاں سے آسانی سے اپنے ان من پسند در[illegible] کی دیکھ بھال کر لیتی تھیں۔ دیوار کے ساتھ بنی کیاری میں دو درخت چمپا کے بھی تھے۔ سفید زردی مائل پھولوں سے لدے ہوئے ان کی گول موٹی شاخیں اور بڑے بڑے پتے آدھی سے زیادہ دیوار کو گھیرے ہوئے تھیں۔

کچے آموں کی خوشبو میں چمپا کی مہک بھی گھلی ملی رہتی اور جب آموں کا موسم نہ ہوتا تو یہ مست کرتی مہک تیز

[illegible] ہوتی چلی جاتی۔ دادی گھبرا گھبرا کر کہتیں۔

"ان چمپا کے درختوں کو کٹوا دو' کب سے کہہ رہی ہوں' ان کی خوشبو پر سانپ کھنچے چلے آتے ہیں۔ دیکھتے نہیں [illegible] تیز اور پراسراری خوشبو ہے۔ کبھی نہ کبھی اس کی جڑ میں سانپ بل بنا کر بیٹھے گا۔"

[illegible] اوپر کیسے بیٹھی رہتیں۔ حالانکہ آج تک وہاں سانپ تو کیا' سانپ کا بچہ بھی دکھائی نہیں دیا تھا مگر دادی کو [illegible] تھا کہ ایک نہ ایک دن سانپوں کے پورے کنبے کا دیدار ہو کر ہی رہے گا۔

[illegible] میں ان کا یہ واحد حکم تھا جو یوں ہی ان سنا کیا جا رہا تھا۔

[illegible] ویسے تو بہت سعادت مند تھے ان کے مگر اس طرح کے مفروضات پر یقین کر لینا ان کے نظریات کی توہین بھی [illegible] الٹا انہیں سمجھانے بیٹھ جاتے۔

[illegible] خوش ہو جاتی' اسے یہ خوشبو بھی بے حد پسند تھی اور یہ رنگ بھی۔

[illegible] خوشی کا احساس دلاتے ہوئے بھی ہلکا سا دکھ ان کی زردی ملی رنگت سے جھانکتا ہوا لگتا۔ کچھ کچھ انسانوں جیسی [illegible] اسے ان میں بھی کار فرما دکھائی دیتی تھی۔

"[illegible] ادھر آؤ۔"

[illegible] دادی کی نگاہوں سے بچ کر نکلنا چاہتی تھی مگر وہ دیکھ چکی تھیں۔

"یہ لو ذرا پڑھ کر تو سناؤ۔" انہوں نے اخبار اس کی طرف بڑھایا۔

"آپ نے پڑھ تو لیا ہے دادی!" وہ دبے دبے سے لہجے میں بولی۔ کافی دیر سے انہیں اس کے مطالعہ میں گم [illegible] رہی تھی۔

"[illegible] کہاں پڑھ لیا۔" انہوں نے چشمہ اتار کر ایک طرف رکھا۔ "اس عمر میں پڑھا جاتا ہے کیا۔ چشمہ بھی جواب [illegible] چکا ہے۔ یوں ہی اوپر کے موٹے موٹے الفاظ پڑھ لیتی ہوں۔ تفصیل کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔"

"[illegible] کیا سناؤں بتائیں۔" کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے وہ بے زاری ہو کر اخبار پر نگاہ ڈالنے لگی۔ "اگلے الیکشن میں [illegible] کا۔"

"اونہہ۔" دادی کو سیاست کے بارے میں نہ پڑھنا پسند تھا اور نہ سننا۔ انہیں ایسی خبریں مزا دیتی تھیں جس [illegible] وہ معاشرے کی بگڑتی صورت حال پر دل کھول کر تبصرہ کر سکیں۔

[illegible] چوری' ڈاکہ' قتل' اغوا اب چند سال سے ایک نیا ایشو پسند کی شادیوں کا اٹھ چکا تھا۔ ایسے کسی بھی سلسلے کے [illegible] میں وہ ساری خبریں بہت توجہ سے سنتیں اور پھر فریقین کی غلطیوں پر اپنا دل بھی جلایا کرتیں۔

"سمجھ میں نہیں آرہا دنیا کس طرف جا رہی ہے۔ بھلا ماں باپ سے بڑھ کر بھی کوئی چاہنے والا ہو سکتا ہے' جو یوں [illegible] ٹھوکر مار کر اولاد گھر سے نکال دیتی ہے۔"

[illegible] ایسی ہی ایک خبر سن کر وہ اس وقت بھی رنجیدہ ہو رہی تھیں۔ "اللہ سب کی عزتوں کی حفاظت کرنے والا ہے۔ [illegible] تو نیند اڑ جاتی ہے ایسی خبریں سن کر۔"

"[illegible] کس نے کہا ہے کہ آپ ایسی خبریں ضرور ہی سنیں۔ آئے دن اسی لیے بلڈ پریشر ہائی رہتا ہے آپ کا۔" [illegible] بلڈ پریشر ہائی کرنے کے لیے تو اور بھی بہت کچھ ہے میرے لیے۔ تم رہنے دو' بس آج کے لیے اتنا ہی کافی [illegible]

انہوں نے اخبار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے بند کرنے کو کہا۔

"[illegible] مت سوچا کریں اتنا' سب ٹھیک تو ہے۔ کوئی ایسی پریشانی والی بات بھی نہیں۔"

[illegible] اٹھنے کے بجائے انہیں سمجھانے بیٹھ گئی۔ اسے ان سے محبت بھی بہت تھی اور ان کی پریشانیوں کو سمجھتی بھی

اچھی طرح تھی۔
دادی کچھ بولیں نہیں، پُرسوچ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی رہیں اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ انہیں ظہر کی نماز میں دیر ہو رہی تھی۔
ربیعہ اندر چلی آئی۔
امی حسب معمول سامنے کپڑا بچھائے کٹنگ میں مصروف تھیں۔
یہ وقت ان کی اسی مصروفیت کا ہوتا تھا۔
"اس بار پہلے سے زیادہ کام ملا ہے۔ پیسے بھی شاید بڑھ جائیں۔ اچھا ہے تھوڑی سہولت ہو جائے گی۔" امی اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہنے لگیں۔ ربیعہ ان کا دل نہیں توڑنا چاہتی تھی۔ سو جواباً "مسکرا دی۔
"معاذ کو کچھ پیسوں کی ضرورت ہے، پرسوں کہہ رہا تھا مجھ سے "اسی لیے چاہ رہی ہوں کہ جلد سے جلد کام کر کے دے دوں۔" امی دوبارہ اپنا کام شروع کر چکی تھیں۔
"معاذ کو مت دیجیے گا۔ بے کار میں ضائع ہی کرے گا۔ آپ کو بھی پتہ ہے اس کے خرچے۔" اس بار ربیعہ سے رہا نہ گیا۔
"کہاں سنتا ہے، اس پر تو پارٹی کے اصول قاعدے سوار رہتے ہیں ہر وقت۔ ماہانہ میٹنگ ہے اور پھر غریب بچوں کی تعلیم کا کوئی پروجیکٹ ہے۔ پیسے تو چاہئیں نا۔"
امی بڑے مطمئن لہجے میں معاذ کی "اہم ضروریات" گنوانے لگیں۔
"پیسے چاہئیں تو کماتا کیوں نہیں ہے مگر اس نے تو زمانے کو بدلنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ خود اپنی حالت کا ہوش ہے نہیں۔"
ربیعہ سر جھٹک کر ذرا بلند آواز میں کہنے لگی تو امی گھبرا گئیں۔
"آہستہ بول، گھر پر ہی ہے۔ سنے گا تو بہت زیادہ برا مانے گا۔ تم کیوں اس کے پیچھے پڑی رہتی ہو۔ وہ شروع سے عام لڑکوں سے مختلف ہے۔ کمائے گا کیوں نہیں، پہلے اس کا ماسٹرز تو پورا ہو جائے۔"
"دو سال سے تو فیل ہو رہا ہے۔ اس سال بھی پتہ نہیں۔" ربیعہ کی آواز خود بخود نیچی ہو گئی۔ وہ معاذ سے ڈرتی تو نہیں تھی مگر اس کی دل آزاری بھی نہیں چاہتی تھی۔
"اس سال ضرور پاس ہو جائے گا انشاء اللہ۔ مجھے تو سب سے زیادہ اطمینان اس بات سے ہوتا ہے کہ میرا بچہ کسی برے کام میں نہیں پڑا ہے۔ ایک اچھے مقصد کے لیے اپنی زندگی کو وقف کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ انسان کوئی مقصد لے کر چلے تو راہ خود بخود ہموار ہوتی ہے۔"
باوجود ضبط کے بھی ربیعہ کو ہنسی آ گئی۔
اتنے سالوں کی رفاقت کے بعد وہ اب ابا جیسا ہی انداز گفتگو اپنا چکی تھیں اور سوچ بھی۔
"وہ ویسے ہی پریشان رہتا ہے، تم اسے کچھ مت کہا کرو۔" معاذ کے لیے ان کی فکر اور محبت کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ ربیعہ کو جھنجلاہٹ اسی بات سے ہوتی تھی۔
محبت کیا اسے نہیں تھی معاذ سے مگر ایسی محبت جو اس کی کوتاہیوں پر بھی پردہ ڈالے رکھنے [illegible] انجام دے اسے منظور نہیں تھی۔
تب ہی وہ دروازے میں آ کھڑا ہوا۔
شاید وہ کہیں جا رہا تھا، ربیعہ نے خود ہی قیاس کیا۔ حالانکہ اس کے حلیے میں آتے جاتے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا، وہی چند ایک گھسی ہوئی شرٹس تھیں یا پھر امی کے سیے ہوئے چند کرتے۔ اس کا کام ان ہی سے چل رہا تھا۔

"میں نے آپ سے پیسوں کے لیے کہا تھا، دو تین دن میں ضرور دے دیجیے گا۔" وہ دروازے میں یہی کہنے کے لیے رکا تھا۔
اس نے اس سارے ڈھیر کو جو وہ کاٹ کاٹ کر رکھتی جا رہی تھیں، ایک نگاہ دیکھنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔ ربیعہ نے بمشکل ہی خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا۔
"دے دوں گی، فکر مت کرو مگر اس وقت دھوپ میں مت نکلنا، جہاں بھی جانا ہے، شام میں چلے جانا اور ابھی تو کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔" ربیعہ نے ایک گہری سانس لی۔
ایک بار پھر جو انہوں نے اسے ٹالنا چاہا ہو یا کم از کم احساس ہی دلانے کی کوشش کی ہو۔
اور اب اگر وہ کچھ کہے گی تو لازماً "مجرم" ٹھہرے گی۔
مگر کسی کو تو حق بات کہنا ہی تھی۔
معاذ کا باہر جانے کا پروگرام تو نہیں بدلا مگر امی پر احسان کرتے ہوئے وہ کھانا کھانے پر ضرور راضی ہو گیا۔
ربیعہ کو ایک بار پھر واپس کچن میں آنا پڑا۔
"جلدی کرو، ہمارے ہاں وقت کی پابندی لازمی کی جاتی ہے۔" ایک چھوٹی سی فلاحی پارٹی جو اس کے چند دوستوں نے مل کر بنائی تھی، معاذ کی نگاہ میں اہم ترین تھی۔
"چلے جانا، وہاں بیٹھ کر باتیں ہی تو کرنا ہیں تو وہ لوگ بھی کر سکتے ہیں۔" کھانا اس کے سامنے رکھتے ہوئے ربیعہ لاپروائی سے کہہ گئی۔
"کیا مطلب ہے تمہارا۔ خالی باتیں کرتے ہیں ہم لوگ۔ تم دیکھنا ایک دن کتنا بڑا انقلاب آئے گا، ہمارے اس چھوٹے سے کاز کے ذریعے اور میں جنرل سیکریٹری ہوں اس تنظیم کا۔ میری رائے بے حد اہمیت رکھتی ہے وہاں۔"
اس کا ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گیا۔ اپنے کام کی ذرا سی بھی توہین اسے گوارا نہیں ہوتی تھی۔
اس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی چھانے لگی تھی اور ماتھے پر آئے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے وہ ربیعہ کو اپنے اگلے پروجیکٹ کی تفصیل سنانے کے لیے بے چین تھا، جس کی ہیڈ لائن وہ امی سے سن کر آ رہی تھی۔
"پہلے گروپ میں ہم پچیس بچوں کو ابتدائی تعلیم دیں گے، وہ جن کے حالات نے انہیں اسکول کے بجائے گلیوں میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا ہے۔ ہم انہیں کاپیاں کتابیں سب اپنے پاس سے فراہم کریں گے۔ پہلے پچیس بچوں کا انتخاب بھی ہو چکا ہے، بس اب جلد یہ کام شروع ہونے والا ہے۔" وہ بہت پُرجوش تھا۔
ربیعہ نے پانی گلاس میں ڈال کر اس کے سامنے سرکایا۔ معاذ کا یہ جوش و خروش اس کے لیے نیا نہیں تھا، وہ ہمیشہ ہی سے ایسا تھا۔
کچھ ہٹ کر کر دکھانے کی جستجو، زمانے کو بدل دینے کے خواب، اس کی خوبصورت براؤن آنکھوں میں ایک ہلکی سی تپش ہر وقت محسوس ہوتی تھی۔
"یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک طبقہ صرف اس وجہ سے زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائے کہ وہ بدقسمتی سے اتنے وسائل نہیں رکھتا جتنے کہ دوسرے بہت سے اور اس سے بھی کہیں زیادہ تکلیف دہ چیز ہے ہماری بے حسی جو ہمارے مزاج کا حصہ بن چکی ہے۔"
"بس کرو۔" ربیعہ نے بے ساختہ ہی اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔ "تم کھانا کھاؤ پلیز، ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"
"مجھے فرق نہیں پڑتا ٹھنڈا گرم سب ہی کھا لیتا ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے پلیٹ پر جھکا۔
بات تھی بھی سچ۔

ربیعہ کو سوچ کر بھی کوئی ایسی بات یاد نہیں آتی تھی، جب اس نے عام لڑکوں کی مانند نخرے کیے ہوں۔ کھانے پینے میں اس کی کوئی پسند ناپسند نہیں تھی جو ملا سر جھکا کر کھا لیا۔ رات کو اگر دیر سے آتا تو گھر والوں کی بے آرامی کے خیال سے اکثر منع بھی کر دیتا تھا۔ کپڑوں کا اسے کوئی شوق نہیں تھا۔ پرانے سے پرانے کپڑے اتنے اطمینان سے پہن کر شہر بھر میں پھرتا کہ ربیعہ کو اس کی خود اعتمادی پر حیرت ہوتی۔

اور شاید اس کی شاندار پرسنالٹی، نئے کپڑوں کی محتاج بھی نہیں تھی۔ سارے "اصولی اختلافات" کے باوجود اکثر ہی ربیعہ کو اسے اپنی ہی نظر لگ جانے کا خالص بہنوں والا خدشہ ستاتا۔

اس وقت بھی اس نے دانستہ اس پر سے اپنی نگاہ ہٹائی۔

"معاذ!"

"ہوں۔"

"امی سے جو پیسے لے رہے ہو، اس کے کپڑے کیوں نہیں بنا لیتے ہو۔ کوئی ایک کپڑا جو ڈھنگ کا بچا ہو تمہارے پاس۔ باہر جاتے آتے ہو، ایسے اچھا لگتا ہے کیا۔" بہت رسان سے ایک بار پھر وہ کچھ اسے سمجھانے کی کوشش کی، جسے نہ سمجھنے کی اس نے قسم کھا رکھی تھی۔

"کپڑے پرانے بھی پہنے جا سکتے ہیں اور جب مجھے لگے گا کہ کپڑے بنانے سے زیادہ ضروری کام ختم ہو چکے ہیں تو کپڑے بھی بنا لیں گے۔"

وہ لاپروائی سے کہتا ہوا اس کی بات کو پھر سے اڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تمہارے دوستوں میں سے کوئی بھی ایسی حالت میں نہیں رہتا ہے جیسے تم۔"

"ان کے باپ ہیڈ کلرک نہیں ہیں اور وہ بھی خالص نظریاتی قسم کے۔ ان کے ہاں سب چلتا ہے۔"

"اصل میں تمہیں بگاڑا ہی ابا نے ہے۔"

کبھی کبھی ربیعہ کو ابا پر بھی غصہ آنے لگتا تھا۔ بچپن سے ہی وہ جس طرح اسے اور معاذ کو پاس بٹھا کر ایمان داری اور معاشی مساوات کا درس دیا کرتے تھے، اس کا نتیجہ کچھ ایسا ہی نکلنا تھا۔

امی بھی ان کے رنگ میں رنگی ہوئی تھیں اور خود وہ بھی باوجود کوشش کے اندر سے کچھ کچھ ایسی ہی تھی مگر سب سے زیادہ برا حال معاذ کا ہوا تھا۔ وہ عین ان پر ہی گیا تھا بلکہ بعض معاملات میں تو ان سے بھی دو ہاتھ آگے۔ معاشرے میں انقلاب لانے کا آرزومند اور ناساعد حالات کے باوجود بے حد پُرامید۔

"تم اس سال اپنا ماسٹرز مکمل کرنے پر توجہ دو سب کام چھوڑ کر۔ یہ سب کچھ تو بعد میں بھی ہوتا رہے گا۔"

جب وہ کھانا کھا کر اٹھ رہا تھا تو ربیعہ نے بہت دوٹوک سے انداز میں اسے مشورہ دیا۔

"ہو جائے گا اس سال، مجھے پتہ ہے۔"

"کیسے ہو جائے گا۔" پڑھائی کے بارے میں اس کی غیر سنجیدگی نہ صرف دل دکھاتی تھی بلکہ غصہ بھی اصل میں اسی پر آتا تھا۔

"تم پیچھے مت پڑا جایا کرو ربیعہ! بڑی نہیں ہو مجھ سے۔ جب کہہ رہا ہوں تو ظاہر ہے [illegible]" کرسی کھسکا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

ربیعہ نے دیکھا کہ اس کی پلیٹ میں ابھی سالن بھی موجود تھا اور ایک طرف آدھی کھائی ہوئی روٹی بھی۔

"اچھا کھانا تو کھا لو اچھی طرح۔" اسے تھوڑا سا افسوس ہونے لگا۔

"نہیں، بس کھا لیا۔"

"معاذ پلیز! اب رات تک بھوکے رہو گے کیا؟"

اس کے ماسٹرز کا قصہ بھول کر اب وہ نئی تشویش میں مبتلا ہوئی۔ "اچھا سوری، میری توبہ جو تمہاری پڑھائی کے بارے میں آئندہ ایک لفظ بھی کہوں۔"

حالانکہ اس طرح کے ارادے بھی وہ روزانہ ہی باندھتی تھی مگر معاذ کو اعتماد کرنا ہی پڑتا تھا۔ "بہت سے لوگوں نے ہمیں اس سلسلے میں امداد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ ریحان کے کونٹیکٹس زیادہ ہیں، وہی اس سلسلے میں کام کر رہا ہے۔"

اگلے ہی پل وہ اپنی پلیٹ صاف کرتے ہوئے پھر سے اپنے من پسند موضوع پر آ گیا تھا۔

"کل شام اظہار چچا آئے تھے۔" ربیعہ سے مزید یہ انقلابی ترانے سنتے رہنا مشکل ہو رہا تھا، سو موضوع بدلنے میں ہی عافیت سمجھی۔

"اچھا۔" حسب توقع وہ تھوڑا سا چونکا تھا۔ "کیا کہہ رہے تھے۔ ویسے مجھے پتہ ہے کہ انہوں نے کیا کہا ہو گا۔"

ربیعہ نے ایک گہری سانس لی۔ رات ابا نے بھی اظہار چچا کے آنے کی خبر سن کر بالکل یہی جملہ کہا تھا۔

ابا اور معاذ کی اس درجہ مماثلت پر اسے عرصہ ہوا حیرت ہونا بھی ختم ہو چکی تھی۔

"تم اور ابا، دونوں ہی ان کے بیٹے کی منگنی پر نہیں گئے۔ ظاہر ہے کہ انہیں شکایت تو کرنا تھی۔ دادی اور امی بے چاری سنتی ہیں سارے خاندان کی شکایتیں۔"

"کوئی بات نہیں۔" اپنے اندر ہوتی تھوڑی سی بے چینی کو وہ خوبی سے چھپا گیا تھا۔ "دادی کو تو ویسے بھی اس طرح کی مصروفیت دل بہلانے کے لیے چاہیے ہی ہوتی ہیں۔ ابا تو نہیں تھے اس وقت گھر پر؟"

وہ اس سے پوچھنے لگا تو ربیعہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔

معاذ ہلکے سے ہنس دیا۔

"اگر وہ گھر پر ہوتے تو اظہار چچا کو شکایت کا موقع بھی نہ ملتا۔ اٹھ جاتے چند منٹ ہی میں کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے۔"

کسی حد تک متفق ہونے کے باوجود بھی ربیعہ کو اس کی بات اچھی نہیں لگی۔

"خاندان والوں سے اس طرح کنارہ نہیں کیا جا سکتا معاذ! سب ہی کے ساتھ مل کر چلنا پڑتا ہے۔"

"میں نہیں چل سکتا ہوں، صاف بات ہے۔" ربیعہ کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے وہ بے حد سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ "اور تم لوگوں کو بھی ان سے کہہ دینا چاہیے تھا کہ حرام کی کمائی کے بل پر کیے جانے والے ان کے دکھاوے والے فنکشن میں شرکت ہمارے مسلک کے خلاف ہے۔ بات ختم۔"

اس بار وہ کھانا کھا چکا تھا، سو کھڑا ہو گیا۔ ربیعہ اسے یوں ہی ساکت سی نگاہوں سے دیکھے گئی۔

"تمہیں بڑوں کے لیے بات کرتے ہوئے کچھ تو خیال کرنا چاہیے معاذ! اور اظہار چچا کون سے ایسے کروڑ پتی ہیں جو تم انہیں اس طرح کے طعنے دے رہے ہو۔ فنکشن انہوں نے نہیں لڑکی والوں نے ارینج کیا تھا۔"

"ہاں تو سب ہی کو پتہ ہے کہ اظہار چچا اور ان کی بیگم کس جانفشانی سے بیٹے کے لیے دولت مند سسرال ڈھونڈ رہے تھے۔" وہ لاپروائی سے کہتے ہوئے دروازے کی طرف مڑا۔ "اور خود ان کے اپنے بس میں بھی جتنا لکھ پتی یا کروڑ پتی بننا تھا، اتنے بن چکے ہیں۔ اس سے زیادہ اب ممکن بھی نہیں تھا۔"

ربیعہ اس کے پیچھے ہی آئی تھی جب وہ برآمدے کے اگلے احاطے میں اترتی سیڑھیوں پر کھڑا اظہار چچا کے ہینڈسم پر تبصرہ کر رہا تھا۔ ربیعہ کو سننا ہی پڑا۔

تردید کے لیے ایک بڑا سفید جھوٹ بولنا اس کے لیے بھی ممکن نہیں تھا۔

اظہار چچا ابا کے رشتے کے بھائی تھے اور ان ہی کے محکمے میں اس ہیڈ کلرک کی حیثیت رکھتے تھے۔ جو [illegible] چند سال

پہلے وہ ریٹائر ہو کر آج کل قلم کی مشقت میں لگے ہوئے تھے۔

اظہار چچا اس متوسط درجے کے خاندان کے سب سے زیادہ پیسے والے شخص تھے۔ باقی سارا خاندان ابھی موٹر سائیکلوں اور پبلک ٹرانسپورٹ کے آسرے پر ہی زندگی بسر کر رہا تھا جب کہ وہ مدت ہوئی ایک سیکنڈ ہینڈ گاڑی بھی خرید چکے تھے۔ خوبصورت گھر' زندگی کی ساری ضروریات سے بھرا پڑا تھا۔

ابا کے طرز زندگی سے ان کا موازنہ کرتے ہوئے بھی ہنسی ہی آتی تھی۔

"اصل میں یہی لوگ ہیں جنہوں نے معاشرے کا توازن بری طرح بگاڑ دیا ہے۔ لالچی' حریص ہر شے ہڑپ کر جانے کے لیے تیار۔"

اس کا لہجہ پرسکون تھا مگر ایک ہلکی ہلکی سی امید جو اس کی آنکھوں میں ہمیشہ چمکتی سی دکھائی دیتی تھی' اس وقت اور بھی نمایاں ہو رہی تھی۔

ہوا کے گرم جھونکے اس کے بالوں کو ماتھے پر بکھیرے دے رہے تھے۔

وہ ان سب باتوں کی عادی تھی مگر کبھی کبھی ایک خیال اسے اداس کرنے لگتا تھا۔

"تم اظہار چچا کی مخالفت میں اتنا آگے مت جاؤ معاذ! یہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔"

"اچھا۔" وہ ہلکے سے ہنسا۔ "میں اگر ان کی مخالفت نہیں بھی کروں تو بھی وہ میرے حق میں کچھ اچھا کرنے والے نہیں ہیں۔"

"تم ان کی نگاہ میں اچھا بننے کے لیے کچھ تو کر ہی سکتے ہو۔ اپنا ماسٹرز کر کے کوئی اچھی سی جاب۔۔۔" ایک بار پھر وہ اس کی لاپروائی پر جھنجلانے لگی تھی مگر وہ تیزی سے اس کی بات کاٹ گیا۔

"کیا ہوگا اس سے' تمہارے خیال میں وہ جویا کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیں گے۔ چند ہزار کی نوکری کی اوقات ہے ان کی نظر میں۔" اپنی بات کہتے ہوئے وہ یک دم ہی بہت تلخ ہو گیا۔

"احمق ہو تم۔ اگر ایسا سوچتی ہو۔" وہ تیزی سے سیڑھیوں کو پھلانگتا ہوا املتاس کے درخت کے نیچے کھڑی اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا۔

"گیٹ بند کر لو ربعہ!" گیٹ سے نکلتے ہوئے وہ اسے آخری ہدایت دینا نہ بھولا۔

املتاس کا گھنا سایہ گیٹ کے آس پاس کا حصہ ٹھنڈا کرتا تھا۔ دھوپ بھرے صحن کو پار کر کے یہ ٹھنڈی چھاؤں بڑی پرسکون سی محسوس ہوتی تھی مگر اس وقت صرف جویا کا خیال غالب ہو رہا تھا۔

"نہ معلوم نہیں کیا بننا تھا اس کا' اس بے حد "منطقی" جنگ کے نتیجے میں۔" گیٹ بند کر کے واپس آتے ہوئے وہ یہی سوچے گئی۔

☼ ☼ ☼

چائے بے حد میٹھی تھی۔

اسے عادت نہیں تھی مگر بنا کسی اعتراض کے وہ پچھلے پانچ دن سے یہی چائے پی رہا تھا۔

چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں میٹھی "کڑک" چائے جب پہلی بار اس کے سامنے آئی تو گھونٹ بھرنے سے پہلے وہ پیالی کی ساخت اور ڈیزائن میں الجھا تھا۔

پیالی کی ساخت اور ڈیزائن میں الجھا تھا۔

موٹے کناروں والی جس پر نہ سمجھ میں آنے والا ڈیزائن بنا ہوا تھا' کبھی کبھی اسے وہاں یہ پیالیاں ستارہ نانی کے "گھر" بھی۔

"اور یہ "گھر" کا لفظ بھی کتنا عجیب سا لگتا تھا اس جگہ کے لیے' جہاں اس کی پچھلی ساری زندگی گزری تھی۔

اس نے رک کر سوچا تھا اور پھر دوسرے ہی لمحے اس لفظ کے متبادل کو دہرانے کے بجائے اس نے پھر سے اپنا دھیان ان پیالیوں پر لگایا تھا۔

وہاں شامی اور بخت کبھی کبھی "اسپیشل پارٹیوں" کے ساتھ آنے والے ڈرائیوروں اور کسی دوسرے ملازم کی واضع کے لیے ایسی ہی پیالیوں سے بھری ٹرے اٹھائے سیڑھیوں کا رخ کرتے دکھائی دیتے تھے۔ شاید عموماً" ایسا ہوتا رہتا ہو مگر وہ ہوش سنبھالنے کے فوراً" بعد سے ہی وہاں کی جملہ سرگرمیوں سے جس شدت کے ساتھ الغرض رہنے کی کوشش کرتا چلا آیا تھا' اسے اس طرح کے نظارے کم کم ہی دیکھنے کو ملے تھے۔

خود اس کے لیے تو ہمیشہ نازک نفیس خالص چائنا کے کپ میں ہی چائے آتی تھی۔

صبح جس وقت بھی وہ اٹھتا' خوبصورت سی نقشین ٹرے میں رکھا بھاپ اڑاتا بے حد خوش ذائقہ چائے کا کپ' شکروان اور اخبار پیش خدمت ہوتا۔

"نانی ستارہ کے ہاں معلوم نہیں کون سی چائے استعمال ہوتی تھی۔" کم از کم اسے اتنا تو معلوم ہونا ہی چاہیے تھا' اسے افسوس سا ہونے لگا۔

بات خالی چائے کی پیالی پر ہی نہیں رکتی تھی' اس کے منہ بناتے رہنے کے باوجود اس اہتمام کے ساتھ ناشتہ حاضر ہوتا۔ بھرپور ورائٹی والا نانی کی ہاں کراکری بڑی شاندار استعمال ہوتی تھی۔ اس بات کا احساس بھی اسے ان دنوں ہی ہو رہا تھا اور یہ بھی کہ وہاں رہنے والی اور خواتین کی نسبت ستارہ نانی میں ایک مخصوص سا گھریلو پن ضرور تھا۔ وہاں استعمال میں آنے والی زیادہ تر چیزیں ان ہی کے اچھے وقت کی یادگار تھیں۔

"چائے دوسری لاؤں؟"

یہاں کام کرنے والا وہ نو عمر لڑکا اس سے پوچھ رہا تھا تو اس نے ہلکے سے نفی میں سر ہلا دیا۔ سامنے کب سے وہ موٹا سا گھی میں تر تر پراٹھا رکھا تھا۔ خیام نے نوالا توڑا تو وہ ربڑ کی طرح کھنچتا ہوا محسوس ہوا۔

پچھلے چار دن سے ڈبل روٹی کا ناشتہ کرنے کے بعد اس نے آج پراٹھا کھانا چاہا تھا مگر اسے یہ پتہ نہیں تھا کہ ٹھنڈے ہونے کے بعد یہ کسی کام کے نہیں رہتے۔ وہ چاہتا تو دوسرا بھی منگوا سکتا تھا مگر وہ ایک پیسہ بھی فالتو خرچ نہ کرنے کے اپنے ارادے پر مضبوطی سے جمے رہنا چاہتا تھا۔

ایک یہی طریقہ تھا جس سے وہ اپنی مشکلات پر تھوڑا سا قابو رکھ سکتا تھا۔ پیروں تلے بچھی زمین پر مضبوطی سے پاؤں جمانے میں ایک عرصہ درکار تھا اور وہ جمع پونجی کو اچھے برے وقت کے لیے بچائے رکھنا چاہتا تھا۔

نانی ستارہ کے ہاں کے خستہ گرم پراٹھوں کو ایک بار بھی یاد کیے بغیر اس نے وہی ربڑ کی مانند کھنچتا ہوا پراٹھا آدھا تو کھا ہی لیا۔

اس سے زیادہ نہ خواہش تھی' نہ بھوک۔ وہ اٹھ کر کاؤنٹر کی طرف چلا آیا۔ وہاں روز کی مخصوص بھیڑ تھی۔

بس اسٹینڈ کے قریب ہی بنے اس چھوٹے سے ہوٹل پر یہ خاص رش کا وقت ہوتا تھا۔

ملک کے مختلف حصوں کو یہاں سے منٹ منٹ پر کوئی نہ کوئی بس روانہ ہوتی دکھائی دیتی تھی اور یہی آنے والے مسافروں کے لیے بھی آخری اسٹاپ تھا۔ سامنے سڑک کے اس پار کئی بس کمپنیوں کے بکنگ آفس لائن سے واقع تھے۔ جو چوبیس گھنٹے ہی کھلے رہتے۔

مسافروں اور بس ڈرائیور' کنڈیکٹر کے علاوہ وہاں کا عملہ بھی یہاں ہی ناشتے کھانے کے لیے آتے تھے۔

دوپہر کا کھانا اتنا پرہنگام نہیں ہوتا تھا۔

بارہ بجے سے لے کر سہ پہر کے چار بجے تک ہر کوئی اپنی سہولت کے مطابق کھایا کرتا تھا مگر صبح ناشتے کے وقت خانہ ایسی ہی افراتفری مچی رہتی تھی۔

ناشتہ سب کو اسی مختصر سے دورانیے میں چاہیے ہوتا تھا۔ کام کرنے والوں کو لگتا کہ چار ہاتھ پاؤں اور بھی لگ جائیں تو کم ہے۔

خیام نے ایک اچٹتی سی نگاہ باہر چبوترے پر ڈالی' جہاں چار افراد صرف پیڑے بنانے اور پراٹھے بیلنے میں مصروف تھے اور دو الگ الگ چولہوں پر پراٹھے تلنے میں۔ چائے کی ذمہ داری دوسرے ملازم پر تھی جبکہ اس سے ذرا ہٹ کر ایک بڑے کڑھاؤ میں پوریاں تلی جا رہی تھیں' پوری چھولے اور حلوے کی سپلائی وہاں سے جاری تھی۔

پوریاں تلنے والا مستقل ہی مسکراتا رہتا' اس کا نام بھی فرحت تھا۔ خیام کو اتنا تو پتہ چل ہی چکا تھا مگر ایک بار بھی اس کے دل میں یہ پوری چھولے کھانے کی خواہش نہیں جاگی تھی۔

فرحت کو دیکھ کر اسے بلا یاد آیا تھا۔

وہ اسی طرح مسکراتا رہتا تھا اور شاید وہ لاشعوری طور پر بلے کے مخصوص ذائقے کو یاد رکھنا چاہتا تھا' تب ہی اس کا فرحت کے ٹھڑے پر جانے کو دل نہیں چاہا تھا۔

چند منٹ وہ یوں ہی ساکت سی نگاہوں سے باہر کے منظر کو تکتے گیا۔

"کیا دیکھ رہے ہو' خیام بھائی؟"

بھاری سی آواز جواب مانوس سی ہوئی جا رہی تھی۔ کانوں سے ٹکرائی تو وہ چونک پڑا۔

کاؤنٹر کے دوسری طرف کھڑا بابو شوکت اس سے پوچھ رہا تھا۔ "اتنی دیر سے چپ چاپ باہر دیکھ رہے ہو' کسی کی یاد آ رہی ہے کیا؟" وہ خوش گوار سے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔

خیام جھینپ کر مسکرا دیا۔

"میں بھی جب نیا نیا اس شہر میں آیا تھا تو یوں ہی ذرا ذرا سی دیر میں کھو سا جاتا تھا۔ معلوم نہیں کیا کیا ساتھ چلا آتا ہے۔ ہے نا!"

معتبر سے انداز میں تجزیہ مکمل کر کے اس نے خیام سے تصدیق چاہی تو وہ جواباً کچھ بھی نہیں کہہ سکا۔ اس کے ساتھ جو کچھ بھی آیا تھا' وہ بتانے تو کیا' یاد کرنے کے قابل بھی نہیں تھا۔

"یہ میرے کمرے کی چابی ہے بابو بھائی' دوپہر تک میں آ جاؤں گا۔" اس نے کمرے کی چابی اس کی طرف بڑھائی۔

"ٹھیک ہے پھر صفائی تو تم خود اپنے سامنے ہی کروا لینا۔" چابی سامنے والی کیل پر ٹانگتے ہوئے وہ کسی دوسرے گاہک کی بات سننے لگا۔

خیام کو جو بات کہنا تھی' اس کے لیے ذرا سا انتظار کرنا پڑا۔

ایک کے بعد پھر دوسرا گاہک۔

بابو شوکت اس علاقے کا شاید سب سے زیادہ مصروف شخص تھا اور اس کے اس چھوٹے سے ہوٹل کے اوپر بنے کابک نما سات کمروں میں سے ایک میں اب خیام قیام پذیر ہو چکا تھا۔

اور یہ یقیناً اس کی خوش قسمتی تھی کہ پہلے ہی دن جب وہ یہاں پہنچا تھا تو بس سے اتر کر ٹھیک سامنے بنے اس ہوٹل میں کھانا کھانے چلا آیا تھا اور اس سے بھی زیادہ اچھی بات یہ ہوئی کہ اس روز بابو شوکت کے ہاں معمول والا رش نہیں تھا۔

بسوں کے اڈے پر کسی نئے آفس کے افتتاح کے موقع پر نیاز کا اہتمام تھا۔ سڑک کے ساتھ ہی دیگیں لائن سے رکھی تھیں اور بابو شوکت کے روز کے بندھے گاہک آج وہاں مدعو تھے۔

فراغت کے ان لمحات میں بابو شوکت نے اپنے ہوٹل کی ہی ایک کرسی پر بیٹھ کر چائے پیتے خیام سے محض وقت گزاری کی خاطر اس کی داستان بڑی دلچسپی کے ساتھ سنی تھی۔

ایک بے سہارا پڑھا لکھا لڑکا رشتے داروں کی بے اعتنائیوں کا شکار۔

پڑھائی لکھائی کو ایک طرف رکھ کر باقی کہانی اسے اپنے جیسی ہی لگی تھی۔ مار پیٹ' جھڑکیاں' اہانت اور اس کے بعد پیٹ بھر روٹی بھی نصیب نہیں۔

آج اس کے اس ہوٹل پر پچاسوں لوگ اپنا پیٹ بھرنے کے لیے آتے تھے مگر بابو شوکت کو بھوک کی وہ چبھن اب بھی کسی کسی وقت بڑی شدت سے یاد آتی تھی۔

خیام سے اسے فی الفور بڑی اپنائیت بھری ہمدردی پیدا ہوئی تھی۔

"ادھر ادھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آرام سے یہاں رہو' پڑھے لکھے ہو' نوکری تمہیں جلدی مل جائے گی۔" اس کی پیش کش بڑی بروقت تھی۔

خیام کو بڑا اطمینان حاصل ہوا تھا۔

بابو شوکت کا خیال تھا کہ وہ اوپر بنے ان کمروں میں کسی ایک میں اسے کسی کرائے دار کے ساتھ فٹ کر دیں گے مگر خیام اکیلا کمرہ لینے پر بضد رہا۔

"جو بھی کرایہ بنتا ہے' میں آپ کو پورا دوں گا لیکن آپ مہربانی کر کے مجھے الگ کمرہ دے دیجیے۔" اس کے اصرار میں بڑا اعتماد تھا۔

بابو شوکت کی تجربہ کار نگاہوں نے اس کے اعتماد کو بڑی گہرائی سے جانچا تو اسے اندازہ ہونے لگا کہ "لڑکا" کتنا بھی پریشان حال سہی' اس جیسی بدحالی کا بہرحال شکار نہیں ہے۔

خیام کو الگ کمرہ دینے میں اسے کیا تامل ہو سکتا تھا۔ کمرے تو تھے ہی کرائے پر جانے کے لیے۔

خیام کی بہت بڑی فکر دور ہوئی تھی۔ اس اجنبی شہر میں اسے پہلی رات بھی بغیر چھت کے نہیں گزارنی پڑی تھی۔ یہ کیا کم بڑی بات تھی۔

وہ دل سے بابو شوکت کا شکر گزار تھا اور اب ایک طویل عرصے یہیں قیام پذیر رہنے کا اس کا ارادہ پکا ہو رہا تھا۔

"بابو بھائی!" خیام کو اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے پکارنا ہی پڑا۔

"ہاں ہاں' بولو۔" کسی کو ہزار کا کھلا دینے کے لیے وہ جلدی جلدی روپے گن رہا تھا۔

"وہ... میں... یہ کہہ رہا تھا کہ آپ نے ان لوگوں سے بات کی تھی پھر۔" جو بات اسے پوچھنا یاد آئی تھی' اسے پوچھنے کے لیے وہ ابھی تک کھڑا ہوا تھا۔

"ہاں' ہو گئی تھی میری بات۔" بابو شوکت نے بڑی لاپروائی سے ادھوری بات اس کے کان میں ڈالی۔ ابھی رش کم نہیں ہوا تھا' سو اس کی توجہ کسی ایک طرف چند لمحوں کے لیے ہی ہو پا رہی تھی۔

"منع کر دیا میں نے خود۔" اس بار وہ خیام کے پوچھنے سے پہلے ہی بتانے لگا۔ "پیسے بہت کم دے رہا تھا' میں نے تو صاف کہا کہ اس سے کہیں زیادہ تو میرے ٹھڑے پر بیٹھا فرحت کما رہا ہے' پوریاں تل کر اور پڑھے لکھے نوجوان کی یہ قدر۔"

بابو شوکت کی آواز میں دبا دبا سا غصہ تھا' وہ خود تعلیم حاصل نہیں کر پایا تھا مگر علم کی یہ ناقدری اسے بے حد کھلی تھی۔

"آپ منع نہ کرتے، بس کرلیتا وہاں نوکری۔" جب بابو شوکت اپنی بات کہہ چکا تو خیام ہلکے سے بولا۔ "جب تک کوئی دوسری نوکری کا بندوبست ہو، یہ بھی بری تو نہیں۔" اسے واقعی افسوس ہوا تھا۔

"مل جائے گی نوکری اور ایسی تو سمجھو جیب میں پڑی ہیں۔ تم گھبراؤ نہیں، بس اللہ پر بھروسہ رکھو۔" بابو شوکت نے اس کے اترے ہوئے چہرے پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے تسلی آمیز لہجے میں کہا تو وہ زبردستی مسکرا دیا۔

"اچھا پھر میں چلتا ہوں، ایک دو جگہ درخواست دینا ہے۔"

"راستہ تو اچھی طرح سمجھا ہے نا، کہو تو کوئی لڑکا تمہارے ساتھ کردوں۔"

"نہیں، میں چلا جاؤں گا۔ وہ میری فائل۔۔۔" وہ ایک دم ٹھٹک کر رکا۔

اس کی فائل ہاتھوں میں نہیں تھی اور نہ ہی کاؤنٹر پر اور نہ ہی اس جگہ پر جہاں بیٹھ کر اس نے ناشتہ کیا تھا۔

بے حد پریشان سا ہو کر وہ باہر تک دیکھ آیا مگر نتیجہ صفر۔

فائل بے حد اہم تھی۔

اس میں وہ سب کچھ تھا جس کی بنیاد پر اگلی زندگی کی بنیاد رکھی جانی تھی۔ اگر نہ ملتی تو وہ کہاں سے دوبارہ نکلواتا۔

"میں نے تو تمہارے ہاتھ میں کوئی فائل دیکھی ہی نہیں۔ اوپر جا کر دیکھو، اپنے کمرے میں ہی نہ بھول آئے ہو۔" بابو شوکت کی بات پر وہ رک کر اس کا منہ دیکھنے لگا۔

اس نے اپنی بات دہرائی تو وہ سیڑھیوں کی طرف مڑ گیا۔ بابو شوکت نے آواز دے کر چابیاں تھمائیں۔ بیٹھے بٹھائے کی پریشانی۔

اوپر تک پہنچتے پہنچتے اس نے کتنی ہی دعائیں مانگ لیں۔

اور ان ہی کا اثر تھا کہ دروازہ کھلتے ہی وہ کالے رنگ کا فولڈر سامنے رکھا دکھائی دے گیا۔ وہ جلدی میں یوں ہی پلنگ کی پائنتی پر رکھ کر چلا گیا تھا۔

تیزی سے آگے بڑھ کر اس نے وہ فائل اٹھائی، تب ہی نگاہ سامنے رکھے بیگ پر پڑی تو اس کا کھلا ہوا لاک دیکھ کر ایک بار پھر اپنی عقل پر ماتم کرنے کو دل چاہا۔

ساری زندگی نہ کوئی ذمہ داری پڑی تھی اور نہ ہی اس نے کسی ساز و سامان کی فکر کی تھی۔ بس ایک تمنا، ایک آرزو ہی پالی تھی اور ایسی رازداری سے کہ اردگرد کسی کو کانوں کان اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی، تب ہی تو وہاں کسی کو خیال تک نہیں آیا تھا کہ اس کے گرد کسی پہرے کی ضرورت ہے یا پھر وہ ایسی کوئی قیمتی متاع بھی نہیں تھا کہ اس کی خصوصی حفاظت کی جاتی بیگ کو لاک کرنے سے پہلے۔

اسی نے ہاتھ سے ٹٹول کر اس چھوٹی سی پوٹلی کی موجودگی کو یقینی بنایا جس میں اس کی بے فکری بندھی ہوئی تھی۔

ابھی ساتھ لایا ہوا کیش کافی تھا اور ان زیورات کی ضرورت خاصے عرصے بعد پڑنا تھی۔ سوائے ذہنی طور پر بڑا سہارا تھا۔

غیر محسوس سے انداز میں اس نے وہ چھوٹی سی رومال میں بندھی پوٹلی باہر نکالی۔

جب سے اس نے اسے بیگ میں رکھا تھا، ایک بار بھی نکال کر نہیں دیکھا تھا۔ عجیب سی جھجک مانع آتی تھی اس سارے چکر میں۔ اس کے خیال میں یہی ایک واحد "گھٹیا" کام تھا جو اس سے سرزد ہوا تھا مگر وہ ایسا کرنے کے لیے مجبور ہوا تھا۔ اپنے منصوبے کو کامیاب بنانے کے لیے اسے زیادہ رقم کی ضرورت تھی۔

بہت پہلے اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ باہر کی دنیا میں مضبوطی کے ساتھ قدم جمانے کے لیے یہاں سے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ایک سہارا تو لینا ہی پڑے گا۔

پیسہ اور صرف پیسہ۔

حالات گو اب بھی وہاں زیادہ اچھے نہیں تھے مگر سب کی طرح خیام کو بھی یقین تھا کہ ستارہ نانی کے پاس بہت جمع جتھا باقی ہے۔

وہ چپ چاپ اس جگمگاتے ڈھیر کو دیکھے گیا۔ چین، ٹاپس کی چند جوڑیاں، ستارہ نانی کے بھاری سے کڑے اور۔

اس کی نگاہ دفعتاً ہی ساکت ہوئی۔

کڑوں کے ساتھ الجھی ہوئی سونے کی نازک سی چوڑی، اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ جھلملاہٹ دیتی چوڑی اٹھائی۔ معلوم نہیں کیسے یہ ان سب کے ساتھ آگئی تھی۔

اس کی نگاہ بے ساختہ ہی دوبارہ کھلے ہوئے رومال پر پڑی۔

اس کے ساتھ کی دوسری چوڑی بھی وہیں تھی۔ یک دم ہی جیسے بڑا بھاری سا بوجھ اسے اپنے دل پر گرتا ہوا محسوس ہوا۔

بے خبری میں ہی سہی، ایک پچھتاوا اس کے ساتھ اس چھوٹی سی پوٹلی میں بندھا چلا آیا تھا۔

"گیتی آرا۔" اس بار دل کی دھڑکن میں ایک یاد ہی نہیں، شرمندگی بھی تھی۔

"کیا سوچتی ہوگی وہ کہ میں اس کی چوڑیاں چرا کر بھاگ گیا ہوں۔"

پہلی بار اسے یہ خیال آیا کہ اس کے چلے آنے کے بعد وہاں کیا ردِعمل ہوا ہوگا اور وہ بھی صرف گیتی کے حوالے سے۔

"مگر کیا وہ صرف چوڑیوں کے لیے ہی رنجیدہ ہوتی ہوگی۔" بے بسی کے احساس کے ساتھ خیام نے انگلیوں سے پیشانی کو رگڑا۔

اپنی جانب وہ امید بھری نگاہیں بار بار اٹھتی اس نے محسوس کی تھیں۔

یقین، بھروسہ، امید۔

ان چوڑیوں کے ساتھ سب ہی کچھ تو اٹھا لایا تھا وہ وہاں سے۔

آہستگی سے اس نے ان چوڑیوں کو ایک طرف رکھا اور وہ رومال واپس باندھ کر اپنے کپڑوں تلے رکھ دیا۔ یہ چوڑیاں، بیگ میں موجود ایک الگ سے چھپے خانے میں رکھ کر اس نے بڑی احتیاط سے لاک کیا۔

اور کمرہ بند کر کے خاموشی سے باہر نکل آیا۔ بہت پیچھے کہیں ایک دھوپ بھرے چوبارے میں کھنکتی ہوئی ہنسی کا جلترنگ بج اٹھا۔

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے، زیورات کے ساتھ کیتی آرا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید دھچکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسہ ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں۔ جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو، رفاحی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں، سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارت کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلتے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے

سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کردی' جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً" مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زر تاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز' سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت' زر تاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے' جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً" سخت مزاج ہے۔

۲
دوسری قسط

"کس قدر ہنستی ہیں یہ لڑکیاں۔۔۔"

اس کی سوچ کے تسلسل میں خلل پڑ رہا تھا' سو اس نے بہت ناگواری کے ساتھ سوچا۔

پہلو میں کھلنے والے چوڑے سے برآمدے میں جاتی سردیوں کی نرم دھوپ پھیلی رہتی۔ لڑکیاں آدھا دن سو لینے کے بعد یہیں آ بیٹھتیں۔

خیام کا کمرہ ٹھیک اسی کے ساتھ تھا۔

کشادہ ہوادار۔

بہت پہلے نانی نے یہ کمرہ اس کے لیے مخصوص کردیا تھا۔ گرمیوں میں اس طرف سے بڑی پیاری ٹھنڈی ہوا آتی اور سردیوں میں ہلکی ہلکی دھوپ سہ پہر تک کمرے کو گرم رکھتی۔ ان کا گھر کونے کا تھا اور پہلو میں کھلنے والا یہ برآمدہ مرکزی حصے سے خاصا فاصلے پر تھا۔

اس کے لیے اس کمرے کا انتخاب کرتے ہوئے شاید ستارہ نانی کے پیش نظر یہی بات رہی ہو کہ اس طرح وہ سامنے والے مرکزی حصے کی پرہنگام "مصروفیات" سے الغرض رہ سکے گا اور سکون سے اپنی پڑھائی کر سکے گا۔

مگر جو چڑچڑاہٹ اور جھنجلاہٹ اس کی جڑوں میں بیٹھ چکی تھی' وہ رات تو کیا' دن میں بھی سکون کا ایک پل نصیب نہیں ہونے دیتی تھی۔

اسے گھر کی لڑکیاں ہی کھلنے لگتی تھیں۔ احتجاجاً" اس طرف کھلنے والے دروازے کی کنڈیاں چڑھائے اندر بیٹھا رہتا۔

دھوپ ہوا سب سے لاتعلق ہو کر۔

نانی کسی کسی وقت ناراض ہو کر کمرہ کھلوا لیتیں' دھوپ لگنے اور ہوا آنے کے فوائد پر لیکچر دیتیں تو بادل نخواستہ وہ تھوڑی دیر کے لیے باہر جا بیٹھتا۔

نانی ستارہ اور نانی ولدار بڑی دبنگ عورتیں تھیں۔ اس سارے میں سب سے بڑی بلڈنگ ان دونوں بہنوں ہی کی ملکیت تھی۔ اچھے وقتوں کی نشانی' وراثت میں پائی تھی۔۔۔ نہ جانے کس رئیس نے خرید کردی تھی۔

"اب ایسے سخی کہاں!"

دونوں بہنوں کو اکثر افسوس ہوتا تھا' جو ایک نگاہ پر ریاست لٹانے کو دل و جان سے آمادہ رہتے تھے۔ اب تو کسی کی جیب سے پیسہ نکلوانے کے لیے بڑی فنکاری سے کام لینا پڑتا تھا۔

ان کا گھرانہ "عظمت گزشتہ" کے سہارے بڑی ساکھ بنائے ہوئے تھا۔

خیام کو کبھی کبھی حیرت ہوتی تھی کہ ادب' لحاظ' مروّت جیسی خصوصیات جو اب باہر کی دنیا میں ناپید ہوتی جارہی ہیں اس طبقے میں ابھی بھی بڑی حد تک باقی تھیں۔

محلے کے چھوٹے موٹے گھرانوں کی تو ہمت ہی نہیں پڑتی تھی کہ وہ ستارہ نانی کی سیڑھیاں چڑھ سکیں جو "نامور" رانے تھے' ان کے ہاں کی لڑکیاں اور عورتیں کہیں سامنا ہوتا تو دونوں نانیوں کے گھٹنے چھوتیں اور ان کی موجودگی میں مارے ادب کے بالکل خاموش رہتیں۔

ہر سوسائٹی کے اپنے مروجہ طور طریقے۔

باہر ایک بار پھر ہنسی کا جھرنا بہا۔

اس نے بہت خفگی سے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ کتاب بند کی اور باہر نکل آیا۔

"کتنے جتن کر ڈالے مگر اس یک چشمی نے تو در ہی پکڑ لیا۔ کہتا تھا کہ نہر والی ساری زمین نام لکھ دوں گا' بس کسی کو یہاں کی سیڑھیاں نہ چڑھنے دے مگر میری تو ہی ایک نا۔"

وہ ساری کی ساری ایک بار پھر باجماعت ہنسیں۔

"ہائے نانی! اتنی سنگ دل' ذرا بھی رحم نہیں آیا آپ کو۔" الماس ان کی بے حد سرچڑھی تھی۔ سو ہنسی مذاق کرنے کی پوری آزادی تھی اسے۔

"اماں مرحومہ' میری خوشامدیں کریں کہ تھوڑا سا مصلحت سے کام لوں۔ گرم لوہے پر چوٹ مارنے کا اصل وقت یہی ہے مگر اس زمانے کے طنطنے اور غرور کا عالم' پاؤں زمین پر نہیں پڑتے تھے۔"

ولدار نانی کی آواز میں اتنے سال بعد بھی عروج کا وہ زمانہ یاد کرتے ہوئے غرور سا چھلکا۔

خیام نے بڑی کوفت سے ان کی طرف دیکھا۔

بھاری جسم کی' خوب گوری سی' سرخ رنگے ہوئے بال' کلائیوں میں بھاری سے کنگن پہنے ہوئے اور شوخ رنگ کی قمیص شلوار میں ملبوس۔

وہ ستارہ نانی کی اکلوتی سگی بہن تھیں۔

عمر میں ان سے کافی چھوٹی اور مزاجاً" بے حد مختلف۔ وہ جس عامیانہ انداز میں گفتگو فرماتیں اور تیسری نسل کو اپنے تجربات سے مستفید کرتیں۔ خیام کو شبہ ہونے لگتا کہ وہ نانی ستارہ کی سگی بہن ہیں بھی یا نہیں۔

"ہمارے کام میں بھلا پسند ناپسند کا کیا سوال۔ یہ تو مفاد کا سودا ہے اور ایسے دیوانے تو قسمت سے ہی ہاتھ آتے ہیں مگر مجھے تو جیسے ضد سی ہو گئی کہ کچھ بھی ہو جائے' اس بدبخت کو منہ ہی نہیں لگانا مگر وہ تو روز آ کر اماں کے پاؤں پکڑ لیتا جاتا۔"

وہ تخت پر پاؤں پھیلا کر بیٹھی تھیں اور چمپا ان کی پنڈلیوں کی مالش کر رہی تھی۔

الماس' سونیا' نیتی اور دو تین اور لڑکیاں جو پڑوس سے تشریف لائی تھیں اور الماس کی خاص سہیلیوں میں شمار ہوتی تھیں۔ ساری کی ساری بڑے انہماک سے نانی کی جادو بیانی کا مزا لے رہی تھیں۔ خیام کو ان سب نے ہی دیکھا تھا مگر کسی نے کوئی نوٹس نہیں لیا تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس تخت کے بالکل قریب آ کھڑا ہوا۔

ولدار نانی کا قصہ اب کچھ اور بھی کھلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور ان میں سے کسی کو بھی اس کے وہاں موجود ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔

خیام کو ایسے میں اپنے پر شرم آیا کرتی تھی۔ کیا وہ اس قابل بھی نہیں تھا کہ وہ لوگ اس سے زیادہ نہیں تو

تھوڑی سی ہی شرم کرلیا کریں۔
"گیتی!"
اپنی جھنجلاہٹ میں وہ کچھ زیادہ ہی زور سے پکار گیا۔ بیک وقت سب ہی کو اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔
"خیر تو ہے' اتنے زور سے کیوں چلا رہے ہو؟"
ولدار نانی سینے پر ہاتھ رکھ کر گھبرائی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگیں۔
"کچھ نہیں۔" اس نے بے زاری سے سر جھٹکا۔
چھوٹی نانی کے سارے انداز فلمی لگتے تھے اور وہ بھی اوور ایکٹنگ والے۔
"تو بیٹا! اتنی زور سے آواز دینے کی کیا ضرورت تھی۔ حالات ویسے ہی خراب چل رہے ہیں۔ یہی دھیان ہے کہ وہ کم بخت باٹلی والا پولیس لے کر نہ چلا آیا ہو۔" ان دنوں بازار میں ایک تازہ تازہ جھگڑا اٹھا ہوا تھا۔ انہوں نے اسی کا حوالہ دیا۔
اس نے اس بار جواب دینا بھی ضروری نہیں سمجھا۔ گیتی اتنی دیر میں پاس آچکی تھی۔
"تمہیں کوئی دوسرا کام نہیں ہے۔ جو یہ فضول باتیں سننے کے لیے اتنے شوق سے بیٹھی ہو۔"
وہ اسے ساتھ لیے ان لوگوں سے ذرا فاصلے پر آکر برسنے لگا۔ "یہاں تو چوبیس گھنٹے یہی واہیات پن ہے۔ تم بھی پڑھائی چھوڑ چھاڑ ان ہی میں دلچسپی لینی شروع کردی ہے۔"
وہ جب ناراض ہوتا' اسی طرح بولے چلا جاتا۔
گیتی نے ایک آدھ بار کچھ کہنے کی کوشش بھی کی مگر وہ کچھ سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔
"اور تمہارا بھی کیا قصور؟ ظاہر ہے' جو ماحول ملا ہے' اسی کے حساب سے ذہنیت بھی ہوتی چلی جائے گی۔"
اب وہ طعنے دینے پر اتر آیا تھا۔
سامنے کھڑی گیتی آرا کی گندمی رنگت دھیرے دھیرے گلابی سی ہونے لگی۔
"میں تو ابھی ابھی آکر بیٹھی تھی' ولدار نانی نے بلوایا تھا' اسی لیے۔" اتنے سارے "الزامات" کو سننے کے بعد اس سے ٹھیک سے صفائی بھی پیش نہیں کی جا رہی تھی۔
"ہاں' وہ کیوں نہیں بلائیں گی۔ کوئی باقی نہ رہے ان کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کے لیے۔"
اس نے ایک خفگی بھری نگاہ اس طرف ڈالی' جہاں سے اب بھی دبی دبی ہنسی کا شور اٹھ رہا تھا۔
"خیام!"
چند لمحوں کے لیے اس کا دھیان دوسری طرف ہوا تو وہ اپنی ہمت جمع کر سکی۔
"ہوں۔"
"اتنے غصے میں کیوں رہتے ہو' وہ لوگ ایک طرف بیٹھ کر اپنی باتیں ہی تو کر رہی ہیں۔ تمہیں تو کچھ نہیں کہہ رہیں پھر اس طرح کڑھتے رہنے کا مطلب؟"
"دماغ خراب ہے میرا' اس لیے کرتا ہوں ایسی باتیں۔ کسی مینٹل ہسپتال میں داخل کروادو۔ اس جہنم کے مقابلے میں تو وہ بھی ہزار درجے بہتر ہی ہوگا۔"
وہ پھر سے زہر اگلنے لگا۔
"اس دنیا میں جہنم کی کوئی ایک شکل نہیں ہے خیام! یہاں ہر ایک اپنا اپنا جہنم ساتھ لیے پھرتا ہے۔ آگ زیادہ جھلسا رہی ہے' کچھ نہیں پتہ۔"

ایک عجیب سا تاثر گیتی کے چہرے پر ابھر رہا تھا۔
"اور یہ جگہ۔" وہ اپنی بات کہتے کہتے ذرا رکی۔ "یہ جگہ' میری تمہاری یا ان سب کی منتخب کردہ نہیں ہے۔ کسی کے بھی اختیار میں نہیں ہوتا کہ وہ اپنے ماحول' اپنے رشتے ناتوں کا زندگی کی ابتدا کرتے ہوئے انتخاب کر سکے۔ ہم یہاں پیدا ہونا تھا' سو ہم ہوگئے اور مجھے تو لگتا ہے کہ انسان کے خوش قسمت اور بد قسمت ہونے کا تعین بھی اس کی پیدائش کے وقت ہی ہو جاتا ہے۔"
وہ طبعاً یہاں کی دوسری لڑکیوں سے بالکل مختلف تھی۔ سنجیدہ اور سادہ دل۔ صحیح یا غلط' زندگی کے بارے میں اس کی اپنی قطعی ذاتی سوچ بھی تھی۔ خیام کو لگتا تھا کہ کبھی کبھی وہ اس کے سامنے کمزور پڑنے لگتا ہے مگر ایسا ظاہر کرنے کی حماقت بہر حال اس نے کبھی نہیں کی تھی۔ اس وقت بھی اس کی بات سے' ذرا بھی متاثر ہونے کی ضرورت اس نے نہ سمجھی۔
"خود ساختہ مفروضات۔ اپنی ذلت پر مطمئن رہنے کے لیے یہاں سب نے یہی جواز گڑھ رکھے ہیں' ورنہ ایک عزت بھری زندگی کی طرف قدم بڑھانے سے قدرت نے روک نہیں رکھا ہے مگر یہ عیش پرستی اور آرام طلبی چھوڑی جا سکے تب نا' یہاں تو جڑوں میں بے حیائی۔۔۔"
اپنی بات ادھوری چھوڑ کر وہ خاموش ہو رہا۔ دفعتاً ہی اسے یہ خیال آیا تھا کہ سامنے کھڑی گیتی آرا اس کی خالہ کی بیٹی ہے اور یہاں ہر قسم کی ڈھکی چھپی باتوں کو زبان پر لانے کی پوری آزادی ہونے کے باوجود اس کا اپنا ضابطۂ اخلاق ایسی اجازت نہیں دیتا۔
اس لیے کہ وہ ان میں سے نہیں ہے۔
گیتی نے ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس آدھی ادھوری بات کو سنا تھا اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی جو اسے دل سے لگائی جاتی۔
وہ ہمیشہ ایسی ہی باتیں کرتا تھا اور جب خاموش رہتا تو اطراف کو ایسی نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتا کہ اس کی نگاہوں کی کاٹ کو برداشت کرنا اس کی باتوں سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہونے لگتا۔
خاص طور پر اس کے لیے کیونکہ وہی تھی جو اس کے ایک ایک لفظ اور نظر پر سارا دھیان لگائے رکھتی تھی۔
"نانی سے کہو یا تو میرا کمرہ کہیں اور سیٹ کرا دیں یا پھر ان سب کی محفل یہاں نہ جمنے دیا کریں۔" سخت سے لہجے میں وہ اپنا حکم سنا رہا تھا۔
"تم خود کہہ دو' وہ تمہاری بات زیادہ سنتی ہیں۔" مختصر سا جواب دیتے ہوئے وہ سامنے والی راہ داری سے اندر چلی آئی۔ پتہ تھا دونوں ہی باتیں ناممکن ہیں۔
دوسرے کمرے اس سے بھی زیادہ قابل دخل اندازی ہیں اور ولدار نانی پر کم از کم خیام کا حکم بالکل نہیں چل سکتا۔

☆ ☆ ☆

مٹھائی اور پھلوں کے ٹوکرے یہاں سے وہاں تک رکھے تھے۔
جتنے چھوٹے سے ٹی وی لاؤنج میں آسکے' وہاں رکھے گئے۔ باقی امی کے کمرے میں پہنچائے گئے۔ سارے میں پھلوں اور مٹھائیوں کی ملی جلی سی تیز خوشبو پھیل رہی تھی۔
آپا گل لاؤنج کے بیچوں بیچ قالین پر چادر بچھائے رشتے داروں کے ہاں بھیجی جانے والی مٹھائی کے حصے لگانے میں مصروف تھیں۔ ابھی تک صرف ایک ہی ٹوکرا کام میں آیا تھا۔

جویا ان کے لیے چائے بنا کر لائی تو بے ساختہ ہی ایک ہاتھ ماتھے پر چلا گیا۔

"اتنی کفایت شعاری سے حصے کیوں لگا رہی ہیں۔ زیادہ زیادہ ڈالیں تاکہ یہ سب ٹھکانے تو لگے۔"

"تم چپ رہو جی!" انہیں بے حد برا لگا۔

"اللہ کی نعمتوں کی ناقدری نہیں کیا کرتے۔ اگر آج اس نے اپنی مہربانی سے اتنا زیادہ عطا کیا ہے تو کیا ضروری ہے کہ ہم یوں ہی اڑا دیں اور رشتہ داروں کے ہاں سے بھی اتنا اتنا ہی آتا ہے بلکہ اس سے بھی کم۔ ابھی پچھلے دنوں خالہ زینت نے تو اپنے بیٹے کی منگنی پر میرے ہاں صرف دو لڈو ہی بھیجے تھے۔ ہم تو پھر بھی چار چار بھیج رہے ہیں پھل الگ۔"

انہوں نے اپنی دریا دلی کا دوسروں سے موازنہ کرنا ضروری سمجھا۔

جویا نے ایک نظر چھانٹ کر الگ کیے پھلوں پر ڈالی۔ خاص طور پر وہ پھل الگ کیے گئے تھے جن کے جلد خراب ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے اور ڈرائی فروٹس تو سب سے الگ کر کے امی کے کمرے میں رکھ دیے گئے تھے۔ بعد میں آرام سے کھولے جائیں گے۔

"خالہ زینت کی بہو تو بے چاری یتیم لڑکی ہے آپا! اس کے تو ماموں نے اسے پالا ہے۔ ان کے ہاں سے تو دو بھی بہت ہیں بھیجنے کے لیے مگر ہمارے ہاں تو یہ سب ضرورت سے بہت زیادہ ہے۔"

پھلوں کے بارے میں کچھ جتانے کے بجائے اس نے ان کے تجزیے کو یکسر مسترد کیا مگر انہیں جویا کے اعتراض کی پروا کیے بغیر جو کچھ کرنا تھا، کیے گئیں۔

"یہ منیر ماموں کے ہاں کا، یہ چھوٹی خالہ، یہ میرے سسرال والوں کے حصے اور محلے میں تو زویا اور میرے بچوں نے مل کر صبح ہی بانٹ دی تھی۔" ایک اہم کام سے بخیر و خوبی نمٹ کر اب وہ مطمئن تھیں۔

جویا قریب ہی بیٹھی تھی، چائے کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے انہوں نے اب کے ذرا غور سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے، بہت خاموش ہو؟"

اس نے آہستہ سے نفی میں سر ہلا دیا مگر وہ اس طرح آسانی سے مطمئن بھی نہیں ہوتی تھی۔

"ضرور کوئی بات ہے، میں رات سے نوٹ کر رہی ہوں۔ وہاں سلمان کی رسم کرتے وقت بھی تم قریب نہیں آئیں۔ میں نے کتنی دفعہ بلایا۔"

"وہاں کسی کی ضرورت ہی کب تھی۔ رسم تو خود سلمان بھائی اور زوبیہ کر چکے تھے۔ یوں ہی خانہ پری کے لیے آپ لوگوں کو چند منٹ کے لیے لے جا کر وہاں بٹھا دیا گیا تھا۔ نہ وہاں کسی کی ضرورت تھی اور نہ اہمیت۔ کیا ضروری تھا کہ میں بھی اس چند منٹ کے ڈرامے میں شریک ہوتی۔"

وہ کل رات سے اپنا بہت دل جلا چکی تھی سو اب برداشت نہ ہوا۔

آپا گل حیرت سے اسے دیکھے گئیں اور جب وہ خاموش ہوئی تو بڑے پُر یقین سے لہجے میں پوچھنے لگیں۔

"کسی نے کچھ کہا تم سے؟ ہے نا! مجھے پہلے ہی پتہ تھا کہ یہ جو چند رشتہ دار بلائے گئے ہیں، ضرور ہی اعتراض کر جائیں گے۔ اتنا وسیع دل کہاں ہے جو ہماری خوشی میں خوش ہو سکیں۔ تم نے مجھے وہیں کیوں نہیں بتایا کیا کہہ رہا ہے، میں خود جواب دے لیتی ان سب کو۔"

جویا کو اپنی بے وقوفی کا "فوراً" ہی احساس ہونے لگا۔ پتہ بھی تھا کہ وہ "فوراً" ہی غلط سلط مفروضے قائم کر لیتی ہیں بھی ان کے سامنے یہ بات چھیڑ دی مگر اصل بات یہ تھی کہ رات منگنی کی تقریب کے بعد سے اسے غصہ ہی آ رہا تھا۔

"نہ تو خاندان والوں نے اتنا اچھا ماحول دیکھا ہے اور نہ ہی کسی کو بڑے لوگوں کے طور طریقے پتہ ہیں۔ وہی دقیانوسی سا ماحول ہے پھر یہ بھی ہو رہا ہو گا کہ سلمان کی منگنی اتنے اچھے گھر میں کیسے ہو گئی؟"

ایک کے بعد ایک نکتہ ان کی طرف سے آ رہا تھا۔

"کسی نے کچھ نہیں کہا آپا! وہ سب لوگ تو بے چارے ایک طرف بیٹھے رہے۔ غصہ تو مجھے خود آ رہا ہے اور سب سے زیادہ سلمان بھائی پر۔"

زچ ہو کر اسے صاف صاف کہنا ہی پڑا اور ساتھ ہی ربیعہ وغیرہ کے ساتھ فوٹو نہ کھنچ پانے کا گلہ بھی کر ڈالا۔

تب ہی سلمان بھی اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آ گیا۔

"یہ آ گئے ہیں، ان ہی سے پوچھ لیجیے۔ خود انہوں نے صاف منع کیا تھا، سب ہی نے دیکھا تھا۔ میں تو شرمندگی کے مارے نگاہیں بھی نہیں ملا پائی پھر کسی سے۔" جویا روہانسی سی ہونے لگی۔

"بات تو غلط ہے تمہاری سلمان! تمہیں بہن کا دل تو رکھنا چاہیے تھا۔ ایک تصویر کے کھینچنے میں دیر ہی کتنی لگنا تھی۔ تم کہتے زوبیہ سے، وہ خود اپنے رشتہ داروں کو وہاں سے اٹھا دیتی۔"

آپا گل نے بڑے ہونے کے ناتے ایک تنبیہہ سلمان کے لیے بھی ضروری سمجھی مگر اسے جویا کی بات بے حد احمقانہ لگی تھی۔ اس وقت بھی جب وہ اسٹیج پر بیٹھا ہوا تھا اور اب بھی۔

"وہ لوگ جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے، پتہ بھی ہے کون تھے؟ شہر کے مانے ہوئے لوگ تھے۔ ہمارے جیسے نہیں تھے کہ جس کو جو چاہو کہہ دو کچھ بھی۔ ان کے ہاں سوچ سمجھ کر بات کرنی پڑتی ہے۔" وہ الٹا جویا پر خفا ہونے لگا۔

"اور تمہیں ضرورت ہی کیا تھی ان سب کو وہاں لے کر آنے کی۔ میں تو ڈرتا ہی رہا کہ زوبیہ پوچھ نہ لے کہ یہ لڑکیاں ہیں کون۔ حلیے دیکھے تھے ان سب کے۔ پتہ نہیں ہمارے ہاں اب تک سب کو تمیز کیوں نہیں آئی ہے۔"

"ہم بھی ان ہی میں سے ہیں۔ یہ مت بھولیں آپ۔"

وہ خاندان والوں کی اوقات پر چھوٹی موٹی سی تقریر کر کے فارغ ہوا تو جویا نے "فوراً" ہی یاد دلایا۔

"میں اب اس بھیڑ سے بالکل الگ ہونا چاہتا ہوں۔" سلمان بڑی بے نیازی سے ایک کیلا چھیلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

آپا گل نے معنی خیز سی نگاہ سلمان پر ڈالی۔

"تو پھر خاندان میں سے چند لوگوں کو بھی بلانے کی کیا ضرورت تھی، جنہیں آپ نے اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ وہ چند لمحوں کے لیے آپ کے قریب بھی آ سکیں۔" جویا کی خفگی ملال میں بدل رہی تھی۔

"میں نے تو منع کیا تھا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے کسی کو بھی بلانے کی مگر امی اور آپا گل کو شوق تھا کہ خاندان والوں پر دھاک جمائی جائے۔"

زوبیہ سے منگنی کر کے وہ راتوں رات مغرور ہو چکا تھا، یہ سمجھنے میں کسی کو بھی دیر نہیں لگی تھی۔ مگر اس بیماری میں وہ اکیلا ہی مبتلا نہیں ہوا تھا آپا گل، امی اور کسی حد تک ابو بھی متاثرین میں تھے۔ سو انہوں نے اس تنقید کا برا بھی نہیں مانا جو سلمان کر رہا تھا۔

"اب خاندان کو ایک دم تو نہیں چھوڑا جا سکتا میرے بھیا!" آپا گل بہت لاڈ سے سمجھانے لگیں۔ "اس طرح باتیں بناتے ہیں خاندان والے اور پھر جب اللہ نے ہمیں عزت بخشی ہے تو کیوں نہ ہم اس پر فخر کریں۔ اچھا ہے سب کو پتہ چل گیا کہ تم کتنے بڑے گھر کے داماد بن رہے ہو۔"

"اور سب نے یہ بھی دیکھ لیا کہ اس دولت مند سسرال میں تمہارے گھر والوں کی حیثیت کیا ہے۔" جویا بہت جل کر بولی۔

"کیا ہو گیا ہماری حیثیت کو۔ اتنی عزت سے سب سے آگے بٹھایا تھا ہمیں زوبیہ کی امی نے۔ خود دو مرتبہ

ہمارے پاس آئی تھیں پوچھنے کے لیے کہ کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔"

یہ امی کہہ رہی تھیں جو اس ساری بحث کو سن کر اپنے کمرے میں سے نکل کر یہیں آبیٹھی تھیں۔

جویا نے دکھ سے ان کی طرف دیکھا۔

وہ جو خاندانی تقریبات میں اعتراض کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی تھیں اور ذرا ذرا سی بات پر انہیں اپنے لیے "ہتکِ عزت" کا شبہ ہونے لگتا تھا' ان کی بھی ترجیحات یکسر بدلی ہوئی تھیں۔

سلمان اتنی حمایت پا کر پُرجوش ہو چکا تھا۔

"بات کچھ بھی نہیں ہے امی! یہ جویا کو بس ان لڑکیوں کی تصویر نہ کھینچنا برا لگ گیا ہے' ورنہ اور کوئی بھی بات نہیں ہے۔"

"یہ تو بے وقوف ہے اور نہ اسے اندازہ ہے خاندان والوں کی ذہنیت کا' وہ لوگ کون سا خوش ہونے والوں میں سے ہیں۔ جلے جا رہے تھے سب کے سب' اور تو اور میری اپنی نندوں نے مجھ سے وہیں دبے لفظوں میں کہا کہ لڑکی سلمان کے جوڑ کی نہیں ہے۔ تمہارے خاندان میں تو اتنی اچھی اچھی لڑکیاں ہیں۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ ربیعہ سے کرو گی تم لوگ سلمان کی شادی۔"

پل بھر کے لیے سلمان کا چہرہ اتر سا گیا۔ اتنی بڑی کامیابی کے بعد بھی شکست خوردگی کا ہلکا سا احساس دل میں کہیں موجود تھا۔

اور کل جب زوبیہ کے پہلو میں بیٹھا وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہا تھا' اس وقت بھی جویا کے ساتھ کھڑی ربیعہ کو دیکھ کر ایسا ہی احساس جاگا تھا مگر بس اسی طرح پل بھر کے لیے۔

"خدا نہ کرے' میرے بیٹے کے لیے وہی گھر رہ گیا تھا کیا۔ دس کلو مٹھائی اور ایک انگوٹھی بھی آئی مشکل تھی وہاں سے تو۔"

امی کی بات پر آپا گل بہت زور سے ہنسیں۔ "اور تنگ دل دیکھیں۔ نہ تو معاذ آیا اور نہ ہی اسلام چچا۔"

"ان لوگوں کے ساتھ بحث بالکل ہی فضول ہے۔" جویا نے سر جھٹکتے ہوئے سوچا۔

☼ ☼ ☼
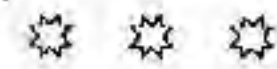
چھوٹے سے کمرے میں یک دم ہی چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

وہ چاروں ہی ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے' سوائے ایک شہزاد کے جو غریب مجرمانہ سی شرمندگی کے ساتھ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"اب یہ عین وقت پر تم نے مسئلہ کھڑا کر دیا' کیا عجیب آدمی ہو یار!" معاذ نے بہت جھنجلا کر اس کی طرف دیکھا۔

"اتنی مشکل سے تو اب ایک صورت بنتی دکھائی دے رہی تھی۔ پہلے ہی کیا کم مسئلے حل کیے ہیں کہ اب ایک اور۔۔۔" ایک اور آواز تائید میں ابھری۔

"ابھی حل بھی کہاں ہوئے ہیں سارے' معاذ بھائی کی کرسیوں کا مسئلہ تو ابھی بھی درپیش ہے۔" "نسبتاً" کم عمر لڑکے نے ایک باقی رہ جانے والے مسئلے کی یاد دہانی بھی ضروری سمجھی۔

معاذ نے بے ساختہ ہی ہاتھ جوڑ کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

"کم از کم پہلے سے بتا تو دینا چاہیے تھا' ہم کچھ نہ کچھ کر ہی لیتے۔ اب یہ عین وقت پر۔۔۔ دل تو چاہ رہا ہے کہ تمہیں ہی اٹھا کر باہر پھینک دوں۔" معاذ کے بالکل ساتھ والی کرسی پر بیٹھے عادل کا حال بھی مختلف نہیں تھا۔

شہزاد کبھی ایک کی طرف دیکھتا اور کبھی دوسرے کی طرف وہ سب ہی اس پر ایک ساتھ خفا ہونے لگے تھے اور

یقیناً حق بجانب بھی تھے۔

تھوڑی دیر کمرے میں یوں ہی ایک بے ہنگم سا شور مچا رہا اور پھر جیسے تھک کر سب ہی ایک ساتھ خاموش ہوئے۔

"مجھے یہ بتاؤ میرا قصور کیا ہے آخر؟"

خاموشی کے اسی چھوٹے سے وقفے میں شہزاد نے بے بس سے لہجے میں اپنی صفائی دینا چاہی۔

"تمہارا قصور کیا نہیں۔۔۔"

"ذمہ داری کیوں اٹھائی تھی پھر اگر۔۔۔" وہ سب ایک بار پھر خفا ہونے لگے۔

"بات سن لو میری۔" یکدم ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے اس بار شہزاد نے انہیں ذرا سختی سے ٹوکا۔ "اگر میرے ابا اپنا فیصلہ بدل رہے ہیں تو میں انہیں کیسے مجبور کر سکتا ہوں یار! گھر کے مالک وہ ہیں' میں تو نہیں جو میں زبردستی ان سے اپنی بات منوا لوں۔ آج صبح ہی انہوں نے مجھے خاص طور پر بلا کر منع کیا کہ وہ ہمارے اسکول کے لیے پچھلا کمرہ اور لان نہیں دیں گے۔ اب میں نے ان کی کتنی خوشامد کی' کتنے ہاتھ پیر جوڑے اس پر تم لوگ یقین ہی نہیں کرو گے۔"

اس بار فوری طور پہ کوئی نکتہ اعتراض نہیں اٹھا۔

شہزاد کی بے بسی تھوڑا سا اثر کر گئی تھی۔

"خیر' تمہاری تو کوئی غلطی نہیں۔" سب سے پہلے معاذ نے اس کا قصور معاف کیا۔ "مگر انکل کے انکار کا کوئی تو ریزن ہوگا۔ اگر ہم ان کی شکایت دور کر سکیں تو شاید وہ مان جائیں۔" وہ فطرتاً خوش امید تھا' سو ایک امکان کا سرا تھام رہا تھا۔

"وہ نہیں مانیں گے کیونکہ ان کے پاس منع کرنے کے لیے کوئی جواز تھا ہی نہیں۔ اگر ہوتا تو مجھ سے ضرور کہتے اور جب کوئی بھی شخص بنا دلیل کے کسی بھی بات پر اڑ جائے تو پھر اسے قائل کرنا دنیا کا سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔"

شہزاد کی بات سے انکار کرنا مشکل تھا اور اپنے ابا کو وہ ان سب سے زیادہ بہتر طور پر سمجھتا تھا۔

معاذ نے ایک گہری نگاہ شہزاد کے چہرے پر ڈالی۔ امید کی کوئی ہلکی سی بھی رمق اس کے چہرے پر نہیں تھی۔

"اچھا' چل کچھ کریں گے۔ اب اس طرح منہ لٹکا کر تو مت بیٹھ' کچھ کرتے ہیں۔" وہ اس کی ٹینشن دور کرنے کے لیے دانستہ دھیرے سے ہنسا تو ایک پھیکی سی مسکراہٹ شہزاد کے چہرے پر بھی در آئی۔

شہزاد بے چارے کا قصور تھا بھی نہیں' ان لوگوں کے اسکول والے پروجیکٹ کے لیے اس کے ابا نے اپنے چھ سو گز کے گھر میں پچھلی طرف بنے کمرے اور ایک چھوٹے لان کو مخصوص کرنے کی جو فراخ دلانہ پیش کش کی تھی۔ عین اس وقت واپس لی جب اس کا آغاز ہونے میں بس دو چار دن ہی باقی رہ گئے تھے۔

"سوچنا یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے۔ فوری طور پر تو کوئی متبادل بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔" عادل نے الجھی ہوئی نگاہوں سے معاذ کی طرف دیکھا۔ "اوپر سے یہ پارٹی کے پریذیڈنٹ بھی اسلام آباد جا کر بیٹھ گئے ہیں۔ آخر یہ ریحان وہاں کر کیا رہا ہے۔" اسے ریحان پر غصہ آنے لگا جو اس نازک اور اہم موقع پر شہر سے غائب تھا۔

آج کا دن شاید تھا ہی جھنجلاہٹ بھرا یا پھر اتنے دن سے انتظامات کے سلسلے میں ہونے والی رکاوٹوں کو دور کرتے کرتے وہ لوگ اپنے محدود وسائل کی وجہ سے دباؤ میں آ رہے تھے۔ صرف معاذ ہی تھا جو خود کو جلدی نارمل کر لینے میں کامیاب ہو جاتا تھا۔

"آ جائے گا ریحان بھی' صبح میری بات ہوئی تھی اس سے۔ اسکول کے اسٹارٹ سے پہلے پہنچ جائے گا۔ میری

صبح بھی اس سے بات ہوئی ہے۔" وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"جب سارے مسئلے ایک ایک کرکے حل ہو ہی جائیں گے تو محض فیتہ کاٹنے کے لیے ان کی تشریف آوری... فائدہ۔" شہزاد بھی عادل کی تائید کرنے لگا۔

ریحان ان کی اس چھوٹی سی پارٹی کا صدر تھا' کسی کام سے اسلام آباد گیا ہوا تھا اور اب جو یہ "اسٹریٹ ورکر... بچوں کے لیے وہ چھوٹے پیمانے پر تعلیم کا آغاز کر رہے تھے تو اس کی عدم موجودگی ان سب ہی کو کھل رہی تھی۔

دو تین نئے لڑکے جو بڑے جوش و جذبہ کے ساتھ حال ہی میں ان لوگوں کے ساتھ منسلک ہوئے تھے' چپ چاپ سارا قصہ سن رہے تھے۔ ان کی نئی نویلی حیثیت اس بات کی اجازت نہیں دے رہی تھی کہ وہ پارٹی صدر... اس بے مروتی سے بخیے ادھیڑ سکیں۔

معاذ بڑی لاتعلقی سے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے میں آکھڑا ہوا۔

سامنے گیراج میں وہی روز مرہ کا ہنگامہ جاری تھا۔

لائن سے دو تین گاڑیوں پر کام ہو رہا تھا' ایک طرف ٹائر میں پنکچر لگانے اور پریشر چیک کرانے کے لیے اگ... گاڑیاں کھڑی تھیں اور دوسری طرف چند موٹر سائیکل والے اپنے مسئلے کے حل کے لیے موجود تھے۔

یہ بڑا پرانا اور چلتا ہوا گیراج تھا۔

وہ چاروں دوست بھی نہ جانے کب سے یہاں آرہے تھے' کام کروانے سے زیادہ اب دوستی کا عنصر شامل ہو چکا تھا۔ گیراج کا مالک سہراب مکینک ان لوگوں کی ہی عمر کا تھا۔ چند سال پہلے جب اس کے والد بھی زندہ تھے' تب ہی وہ ان پڑھے لکھے دوستوں کے حلقے میں شامل ہوا تھا اور معاشرے میں بہتری لانے کے خواب اسے بھی انسپائر کرتے تھے۔ آج بھی وہ اپنی بڑھتی ہوئی مصروفیت کی وجہ سے ان لوگوں کے ساتھ بے شک اتنا زیادہ نہیں بیٹھ پاتا تھا مگر جیسے بھی ہو ہمیشہ ہر مدد کے لیے تیار رہتا تھا۔

وراثت میں ملا اس کا گیراج ایک بڑے سے پلاٹ پر تھا اور یہ کمرہ جسے وہ لوگ مذاق میں پارٹی کا ہیڈ آفس کہا کرتے تھے' اسی گیراج کا حصہ تھا۔

معاذ کی نگاہیں کمرے سے ملحقہ حصے پر تھیں۔

یہ حصہ کسی کام میں نہیں آرہا تھا اور پہلی نگاہ میں تو کسی کام کا لگتا بھی نہیں تھا۔

کاٹھ کباڑ' گاڑیوں کے زنگ آلود پرزے' آئل کے خالی ڈبے' گتے کے کارٹن اور نہ سمجھ میں آنے والے سامان کا ڈھیر' مٹی دھول میں اٹا ہوا ٹوٹے ہوئے فرش پر ایک بڑے سارے ڈھیر کی صورت میں پڑا ہوا تھا۔ وہ بڑی پرسوچ نگاہوں سے اسی ایک سمت میں دیکھ رہا تھا' اندر ہونے والے مباحثے سے بالکل بے نیاز ہو کر۔ تب ہی چہرے پر ہلکی سی جگمگاہٹ پھیلی۔

"مل گئی اسکول کے لیے جگہ۔" دفعتاً" مڑ کر اس نے زور سے کہا۔ "یہ برابر والا حصہ بالکل سوٹ کرے گا ہمیں۔" ان سب نے معاذ کی طرف ایسے دیکھا جیسے وہ بالکل احمق ہو۔

☼ ☼ ☼

مالش کرتے کرتے بوا عظمت کے ہاتھ تھکے جا رہے تھے مگر زرتاج بیگم کا ایسا کوئی ارادہ دکھائی نہیں دے رہا تھا کہ وہ انہیں اس خدمت کی انجام دہی سے روک دیں۔

گھنٹے سے بھی کچھ منٹ اوپر ہو چکے تھے۔ بوا عظمت نے دیوار گیر گھڑی پر نگاہ ڈال کر وقت کا اندازہ لگایا۔ ابھی آدھا پون گھنٹہ اور باقی تھا۔ خدمت کا یہ دورانیہ روزانہ "تقریباً" اتنی ہی دیر کا ہوتا تھا۔ سر کی مالش' پنڈلیوں اور ...وں کی مالش زرتاج بیگم کو بڑا ریلیکس کرتی تھی۔ ...شروع سے عادی تھیں' اب عادت اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ اگر کسی دن ذرا بھی فرق آجاتا تو انہیں سارا جسم ٹوٹتا ...سا محسوس ہوتا۔

"اب یہ کام بھی تمہارے بس کا نہیں رہا بوا! لگتا ہے ہاتھوں میں جان ہی نہیں رہی۔ اچھے سے اچھا کھاتی پیتی ہو' ذرا سے کام سے تمہیں موت آتی ہے۔" آنکھیں بند کیے زرتاج بیگم نے ان کی خدمت کو "سراہا" تو ان کے ...میں اور بھی تیزی آنے لگی مگر اب زرتاج بیگم کا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

"جاؤ دفع ہو' کسی کام کی نہیں۔ میں نے بھی مفت خوروں کی فوج جمع کر رکھی ہے۔"

...انہوں نے اپنا پیر کچھ اس انداز سے بوا عظمت کے ہاتھوں سے چھڑایا کہ اگر وہ ان کے اس انداز کی عادی نہ ...تو ضرور ہی پیچھے جا گرتیں۔ خاموشی سے تیل کی بوتل' تولیے وغیرہ سمیٹ کر وہ ان کے لمبے چوڑے بیڈ سے ...میں۔

"تمہارے بڑھاپے پر رحم آتا ہے' ورنہ کب کا نکال باہر کر چکی ہوتی۔ اب یہاں سر پر کیوں کھڑی ہو' دیکھو جا کر ...تیار ہوئی یا نہیں۔ ذرا سے کام کے لیے گھنٹوں برباد۔"

...موقع غنیمت جان کر بوا عظمت نے باہر نکلنے میں دیر نہیں کی مگر دروازے تک پہنچ کر ایک بار پھر ٹھٹکنا پڑا۔

"...روزی کو بھیجنا میرے پاس' کب سے اس کے کمرے کی بیل بجا رہی ہوں مگر یہ وہاں نکلے تب نا۔ معلوم نہیں ...گل کھلا رہی ہے میرے گھر میں۔"

...بدگمانیوں کی کوئی انتہا تھی اور نہ ہی زبان پر گندے سے گندے القاب آتے دیر لگتی تھی پھر بھی وہ یہ سب سننے کی اب اتنی عادی ہو چکی تھیں کہ وقتی طور پر ہلکی سی کوفت ہوتی اور بس۔

"جو حکم بیگم!" تابعداری سے سر کو خم دے کر وہ باہر نکل آئیں۔

"اللہ کی پناہ اس عورت کی زبان سے' دو غلی کہیں کی۔" اپنے پیچھے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے بوا عظمت ...بھی منہ میں بڑبڑائیں۔ "صورت مومناں' کرتوت کافراں۔ بنی پھرتی ہے بڑی اللہ والی۔"

...اپنے دل کا غبار وہ اسی طرح ہلکا کر لیا کرتی تھیں۔

...سامنے کوریڈور خالی پڑا تھا۔ دل تو کچھ بھی کرنے کو نہیں چاہ رہا تھا مگر روزی تک بیگم کا حکم پہنچانا بھی ضروری ...

...معلوم نہیں کہاں تھی وہ؟

...کوریڈور کے اختتام پر بڑا سا ٹی وی لاؤنج تھا' روزی یہاں بھی نہیں تھی۔

"اللہ ہی جانے کہاں۔۔۔"

الفاظ ابھی ان کے منہ میں ہی تھے کہ وہ داخلی دروازے سے اندر آتی دکھائی دی۔

"کہاں تھی؟ پتہ نہیں بیگم صاحبہ کب سے تجھے بلا رہی ہیں۔" بیگم زرتاج کی بخشی ہوئی جھنجلاہٹ انہوں نے ...روزی پر اتاری مگر بجائے پریشان ہونے کے وہ حسب عادت ہنس پڑی۔

"کوئی بات نہیں' سن لیں گے تھوڑی سی ڈانٹ۔ تم ٹینشن مت لو بوا! بے کار میں اپنی طبیعت خراب ...کرو گی۔" ان کے قریب آتے ہوئے وہ بڑی ہمدردی سے مشورہ دینے لگی۔ روزی کی گہری سانولی رنگت ہر وقت ...چمکتی ہوئی محسوس ہوتی اور لبوں پر سے کسی وقت بھی مسکراہٹ جدا نہ ہوتی۔ جب یہاں خدمت کے لیے لائی گئی ...تھی تو یوں ہی مدقوق سی چودہ پندرہ سال کی بے وقوف سی لڑکی تھی۔ ماں باپ کے گزر جانے کے بعد ادھر ادھر ...رشتہ داروں کے ہاں ٹھوکریں کھاتے ہوئے پل رہی تھی۔

زرتاج بیگم کی وسیع القلبی اور غریب پروری کی داستانیں سن کر کسی کے دل میں خیال آیا تو وہ اسے ان کے ... چھوڑ گیا۔

در در پھرنے سے ایک ٹھکانہ تو بہتر ہی تھا' روزی کو یہاں کی آب و ہوا راس آ گئی۔

گزرے چند سالوں میں اس نے وہ اٹھان نکالی تھی کہ اب کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ وہی روزینہ ہے ... رشتے کے چچا ماموں کے ساتھ میلی' پھٹی اوڑھنی میں چکٹ ہوتے ہاتھ پاؤں اور آنسو بھری آنکھوں کے ... یہاں آئی تھی۔

"سن۔ یہ باہر کے اتنے چکر کیوں لگتے ہیں سارا دن؟ کون بیٹھا ہے ایسا وہاں تیرا جو چین نہیں آتا باہر جا... بغیر۔"

بوا عظمت نے بڑے مشکوک سے انداز میں اس کے چہرے پر کچھ تلاشنا چاہا تو ایک بار پھر قلقل کرتی ہنسی کا ... فوارہ گرنے لگا۔

"ایسے ہی دل گھبراتا ہے تو تھوڑی دیر کے لیے باہر کا چکر لگا لیتی ہوں بوا اور کیا۔"
کندھوں کو ذرا سا اچکا کر وہ زرتاج بیگم کے کمرے کی طرف دوڑ گئی۔

"زمانے بھر کی ڈھیٹ۔ ہنسے جائے گی بس چاہے کچھ بھی کہہ لو۔"
لاؤنج کے شیشوں سے پردے ہٹاتے ہوئے بھی بوا عظمت کا ذہن روزی میں ہی الجھا ہوا تھا۔ باہر کا منظر ... سکون بھرا تھا۔

گہرے ہرے رنگ میں ڈوبا ہوا دور خاصے فاصلے پر بنا ہوا بارہ دری نما برآمدہ خاموش اور ویران تھا' جہاں زرتاج کا دربار لگا کرتا تھا۔

"ابھی چاند کی کیا تاریخ ہوئی تھی بھلا؟" عظمت بوا انگلیوں پر حساب لگاتے ہوئے تھوڑا گڑبڑائیں۔
"پتا نہیں آج چودہ تھی یا پندرہ؟" تب ہی ان کی نگاہ اشوکا کے درخت کے نیچے بیٹھے راجو پر پڑی جو اطمینان سے بیٹھا سگریٹ کے کش پہ کش لگا رہا تھا۔ وہ زرتاج بیگم کا سب سے خاص ڈرائیور تھا جو صرف ان ہی کے لیے مخصوص تھا۔

کوئی ایسی سخت ڈیوٹی بھی نہیں نبھاتا تھا مگر پھر بھی سب ملازموں سے زیادہ ٹھاٹ کر رہتا تھا۔ کبھی کبھی بوا عظمت کو ... اپنے برابر آتا محسوس ہوتا تو خواہ مخواہ کی جلن سی محسوس ہوتی تھی۔

اس وقت روزی کی بے قابو ہوتی ہنسی اور راجو کے سگریٹ میں بڑا عجیب سا تال میل محسوس ہوا تو بوا عظمت کی پیشانی پر پڑے بل اور بھی گہرے ہونے لگے۔

"یہ بات تو ٹھیک ہی کہتی ہیں زرتاج بیگم! معلوم نہیں گھر میں کیا قصے چل رہے ہیں جن کی ہمیں خبر ہی نہیں۔" تھوڑا سا تاؤ انہیں اپنی بے خبری پر بھی آنے لگا' تب ہی انہیں روزی دوبارہ باہر کا رخ کرتی دکھائی دی۔
"بیگم صاحب نے کہا ہے کہ راجو سے کہو گاڑی تیار رکھے۔ وہ آدھ گھنٹے بعد باہر جائیں گی۔"

عظمت بوا کے کڑک کر پوچھنے پر وہ لاپروائی سے کہتی ہوئی آگے بڑھی ہی تھی مگر اتنی ہی دیر میں عظمت بوا نے بھی گویا کوئی فیصلہ کیا تھا۔

"رہنے دے' میں خود جا کر راجو سے کہہ دوں گی۔" روزی جیسے ٹھٹک کر رکی۔
"تم بوا...؟" اس کی آنکھوں میں حیرت اتری۔ "اتنی دور..." اس نے شیشے کے اس پار دیکھتے ہوئے اس طرف اشارہ کیا' جہاں راجو اب بھی بیٹھا تھا۔ "ویسے تو سارا دن ذرا ذرا سی بات کے لیے مجھے دوڑائے رکھتی ہو ... نہیں جاتا۔"

"ہاں تو کسی کسی وقت نہیں چلا جاتا' اب بالکل ہی معذور تھوڑی ہو گئی ہوں۔ بحث مت کیا کر مجھ سے۔"
جھنجلائی ہوئی وہ بیرونی سیڑھیوں پر آ کھڑی ہوئیں۔
اشوکا کے درخت کے قریب بیٹھا راجو ابھی بھی اتنا ہی دور تھا جتنا اندر سے نظر آ رہا تھا۔ ایک کوشش انہوں نے ... کر ہی ڈالی۔
"راجو... اے راجو...!" مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ پتہ نہیں جان بوجھ کر یا واقعی اس تک ان کی آواز ... نہیں پہنچی تھی۔
"بدذات۔" وہ دل ہی دل میں کھولتی ہوئی اس کی طرف چل پڑیں۔

☼ ☼ ☼

دن کب کا چڑھ آیا تھا۔
وہ اٹھ تو چکی تھی مگر آرام طلبی کی عادت... بڑی دیر یوں ہی بستر پر پڑے پڑے ہو جاتی۔ کام دھام رفتہ رفتہ کم ہی ہوتا جا رہا تھا۔ ویسے بھی ان کے ہاں دن کا پہلا پہر دبے پاؤں گزرتا تھا۔

باہر سے بھی نہ کوئی آہٹ نہ طلب پھر بھی آخر اٹھنا تو تھا ہی۔ دونوں ہاتھوں سے بالوں کو سمیٹتے ہوئے وہ بستر سے کھڑی ہوئی تو نگاہ بے اختیار ہی سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے پر پڑی۔

فربہی مائل وجود' بے رونق چہرہ جس پر رات کے میک اپ کے مٹے مٹے سے نشان اور بھی بدنما لگ رہے تھے۔ نگینہ کا ہاتھ بے اختیار ہی اپنے چہرے کی طرف گیا۔ آنکھوں کے گرد گہرے ہوتے حلقوں کو لائنر اور کاجل نے اور بھی سیاہ کر رکھا تھا۔ اوپر سے نیلے رنگ کا آئی شیڈ اس کا ہمیشہ سے پسندیدہ۔ اسے یاد آیا' کبھی یہ نیلا رنگ اس کی گوری رنگت اور بڑی بڑی آنکھوں پر کیا غضب ڈھاتا تھا۔ کتنے ہی لوگوں سے اس نے کیا کیا تعریفیں نہیں سنی تھیں مگر اب کیسا مضحکہ خیز سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے جلدی سے آنکھوں کو رگڑ کر صاف کیا مگر بات ختم نہیں ہوتی تھی۔

چہرے پر گہرے ہوتے عمر کے نشان' گردن پر نمایاں ہوتی دہری ٹھوڑی اور سب سے بڑھ کر چہرے پر پھیلی مکاری جو خود اپنے ذاتی تجربوں کی دین تھی۔
"دھت۔"
دونوں ہاتھوں سے چہرے کو ہلکا سا تھپتھپا کر پلکیں جھپکا کر اس نے چہرے کے تاثرات کو تبدیل کر کے خود میں کوئی خوشگوار تبدیلی چاہی مگر نتیجہ پہلے سے بھی بدتر۔ زبردست کی طاری کی گئی معصومیت چہرے کے نقوش کی کرختگی کے ساتھ عجیب مضحکہ خیز سا تاثر دے رہی تھی۔
اس بار اس نے آئینہ سے نگاہ نہیں چرائی بلکہ ذرا اور قریب جا کھڑی ہوئی۔
ماتھا' آنکھیں' گال' ہونٹ۔
گہری ہوتی لکیریں ہر طرف واضح ہو رہی تھیں۔ اس نے ان سب کو باری باری ایسے چھوا جیسے وہ اس کا چہرہ نہیں بلکہ کسی اور کا ہے۔
رنگ و روپ کی دولت اسے بے خبری کے عالم میں چھوڑ کر کب کی رخصت ہو چکی تھی۔
وہ ہی "مہمان داریاں" بھگتانے' فنکشن کی تاریخیں طے کرنے اور پروڈیوسروں کے آگے پیچھے پھرنے میں اتنی مصروف رہی کہ آئینہ کے سامنے بیٹھ کر خود پر میک اپ کی تہیں چڑھانے اور نقلی زیورات' کپڑوں سے میچ کر کے پہننے کے علاوہ کوئی اور خیال تک نہ گزرتا تھا اور آج بھی اگر وہ یوں ہی سرسری سے انداز سے یہاں سے

گزرتی ہوئی واش روم میں چلی جاتی اور اس کے بعد شاما کے ہاتھ کی دودھ پتی کی چائے پیتے ہوئے جملہ خواتین کے ساتھ بڑے کمرے میں بیٹھ کر روزمرہ والی چٹخارے دار گفتگو میں مصروف ہو جاتی تو آج بھی کوئی اسے...

"ارے نگینہ! اپنا حال تو دیکھ۔"

اسے ایک دم ہی سب پر غصہ آنے لگا۔

ٹھنڈے پانی کے بہت سارے چھینٹے منہ پر مار کر وہ دوبارہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آبیٹھی۔ اس بار ... مصالحانہ تھا۔

چہرے اور گردن پر ہلکا سا موئسچرائزر لگا کر بالوں کو برش کرنا شروع کیا۔ بال ابھی تک گھنے تھے۔ چند ... پہلے اس نے کٹوا کر چھوٹے کر لیے تھے۔ رنگنے میں آسانی بھی رہتی تھی اور عمر بھی تھوڑی کم محسوس ہوتی تھی۔ اصل مسئلہ تیزی سے سفید ہوتے بال تھے۔ کلر کیے ہوئے چار دن نہ گزرتے کہ سامنے پھر سے جڑیں دکھائی دینے لگتیں۔ ایک بار شاما کے کہنے پر مہندی لگائی تو پورا سر تین رنگوں میں بٹ گیا۔ سامنے سے درمیان میں سے براؤن اور نیچے سے کالے۔

وہ ساکت نگاہوں سے خود کو دیکھتے ہوئے کچھ فیصلے کیے گئی۔

عمر کا ڈھلنا ویسے ہی عورت کے لیے بڑی تکلیف کا سبب بنتا ہے مگر ان کے ہاں تو یہ ایسے ہی تھا جیسے ... پونجی کے ہاتھ سے نکل جانے کے بعد والی مفلسی۔

ہلکی سی لپ اسٹک اس کے پاس کوئی تھی ہی نہیں اور بغیر لپ اسٹک کے اسے اپنا چہرہ خود اتنا عجیب سا ... جیسے چہرے کے نقوش میں کوئی بڑی اہم چیز کم ہو گئی ہو۔

گہری میرون لپ اسٹک اس نے عادتاً ہونٹوں پر پھیری اور باہر برآمدے میں آکھڑی ہوئی۔ ایل کی شیپ ... برآمدے میں سارے کمروں کے پچھلے دروازے کھلتے تھے اور سوائے بڑے کمرے کے ابھی تک سارے ... تھے۔

فرش پر جابجا کاغذ اور شاپر پڑے تھے۔ ایک طرف باسی پھولوں کا ڈھیر، چائے کے خالی کپ سے بھری ٹرے میں بچی ہوئی چائے تلے میں سوکھ کر شکل بدل چکی تھی۔ مشروبات کی خالی بوتلیں کونے میں رکھی میز پر ... نفیس وائن گلاسز اور ماحول پر پھیلی زردی بھری نحوست۔ نگینہ نے نظر بھر کر سارے ماحول کو ایک نظر دیکھا ... بیش روزانہ ایک سا ہی منظر ہوتا تھا۔ جب وہ کمرے سے نکل کر یہاں آکھڑی ہوتی تھی۔ بے آواز قدموں ... چلتی ہوئی وہ میز تک گئی۔ ایک گلاس اٹھا کر ناک کے قریب لائی اور پھر بے حد برا سا منہ بنا کر اس نے اسے ... ٹرے میں رکھ دیا۔

رات خالہ ولدار کے ہاں امن آباد والی پارٹی آئی ہوئی تھی۔ پرانے کرم فرما تھے۔ ان کے علاوہ کہیں اور منہ بدلنے تک کے لیے نہیں جاتے تھے۔ مستقل مزاجی ایسی تھی کہ "شغل" کے لیے بھی اپنی پسندیدہ برانڈ کے ... کچھ اور نہیں پیتے تھے۔ خالہ ولدار اور ان کی بیٹیاں دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہی تھیں اور وہ خوشی خوشی لٹ ... تھے۔

"اب بھی پتہ نہیں کتنا مال سمیٹا ہو گا۔" نگینہ کا دل تاسف میں گھرنے لگا۔

آج دن کا آغاز اچھا نہیں ہوا تھا۔ دھکے پر دھکا دل کو لگے ہی جا رہا تھا۔

تب ہی چائے کی خوشگوار مہک ہوا کے جھونکے کے ساتھ اس کی سانس میں اتری۔

"شاما..." چاروں طرف پھیلے سناٹے میں اس کی تیز آواز بڑی چبھتی ہوئی محسوس ہوئی۔

شاما نے کچن کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا اور وہیں سے اس کا موڈ بھانپ کر فوراً ہی دوڑی چلی آئی۔

"کیا گند پھیلا ہوا ہے، کون سمیٹے گا یہ سب اور یہ..." انگلی سے اس نے خاص طور پر ان گلاسوں کی طرف اشارہ کیا۔ "الگ صابن سے دھونا اور پھر انہیں وہیں اسی اوپر والے خانے میں رکھنا۔ سب سے الگ۔" نگینہ کے لہجے میں بڑی کراہیت تھی۔

شاما آگے بڑھ کر ٹرے اٹھانے لگی۔

"اور صابن بھی کسی تھیلی میں لپیٹ کر ان ہی گلاسوں کے ساتھ رکھ دو۔ دوبارہ جب استعمال ہوں پھر اسی صابن سے دھونا اور خبردار جو اس صابن سے اپنا کوئی برتن بھی دھویا۔"

یہاں کے سب اصول، قاعدے شاما کو ازبر تھے پھر بھی نگینہ کی تسلی کے لیے "جی باجی جی" کی گردان کیے گئی۔

"اور سن!"

وہ گلاس اٹھا کر مڑی ہی تھی کہ برآمدے کی محراب کے نیچے پھر رک گئی۔

"بعد میں اپنے ہاتھ بھی دھو لینا اچھی طرح کلمہ پڑھ کر۔ نجس چیز کو ہاتھ لگانے سے ہاتھ ناپاک ہو جاتے ہیں۔"

شاما نے بڑی زور سے آتی ہنسی کو بمشکل ہی روکا اور بظاہر تابعداری سے سر ہلا کر پھر سے اسی کالے چکٹ کچن میں چلی آئی جو گھر کا سب سے زیادہ نظر انداز کیا ہوا حصہ تھا۔

"جواب نہیں باجی نگینہ کا بھی۔"

گلاس دھوتے ہوئے وہ مسلسل ہی ہنسے گئی۔

"صرف ہاتھوں کی فکر ہے انہیں اور خود جو سارے کے سارے نجس عمر بھر بھی کلمہ پڑھتے رہیں تو خدا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں۔"

جانے کہاں سے دو آنسو اس کے ہنستے ہوئے چہرے پر آگرے۔ اسے خود بھی بڑا عجیب سا لگا۔

ساری عمر گناہ و ثواب کے چکر سے بچ کر گزاری تھی۔ نہ زیادہ سوچنا اور نہ ہی کسی بات کو دل سے لگانا۔ یہ باتیں تربیت سے زیادہ اس نے اپنی فطرت سے لی تھیں۔

ہنسی تو باجی نگینہ کی باتوں پر آئی تھی۔ اتنی زمانہ ساز اتنی عمر کی ہو کر ایسی بے وقوفی کی باتیں۔

وہ مسکراتے ہوئے ان "اسپیشل" گلاسوں کو خشک کیے گئی۔

تب ہی اسے نگینہ کی کراری آواز پھر سے سنائی دے گئی۔

اس بار وہ چائے کی یاد دہانی کروا رہی تھی۔

"باپ رے۔"

بوکھلا کر اس نے جلدی سے چولہے پر مستقل پکتی چائے مگوں میں انڈیلی۔ بیکری کے تازہ خستہ بسکٹ پلیٹ میں رکھے اور ٹرے لے کر کچن سے نکل گئی۔

"اتنا ذرا سا تھا جب فیروزہ اللہ کے پاس گئی۔ کیسا کلیجے سے لگا کر پالا تھا اپنی ہیرے جیسی بیٹی کا غم، اس کے پیچھے بھلا دیا مگر کیا حاصل ہوا۔"

جب وہ چائے لیے کمرے میں داخل ہوئی تو نانی ستارہ یاس بھری آواز میں کہہ رہی تھیں۔

پل بھر میں ماحول کی سنجیدگی کو بھانپ کر شاما نے اپنے چہرے پر بھی غم کا سا تاثر بکھیر لیا۔

"دفع کرو اماں! اس کے باپ نے کیا صلہ دیا تھا فیروزہ کو جو وہ ہمارے ساتھ وفا کرتا۔ سانپ کا بیٹا سنپولیا۔"

نگینہ اسی لمبی چوڑی مسہری پر جگہ بنا چکی تھی اور آج اتنی اکتائی ہوئی تھی کہ رسماً بھی ماں کے ساتھ اس کا غم بانٹنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"کیسا پتھر دل ہے تیرا نگینہ! سگا بھانجا ہے تیرا۔ معلوم نہیں کہاں دھکے کھاتا پھر رہا ہوگا۔ اسے تو شہر کے را بھی ٹھیک طرح سے معلوم نہیں ہیں۔"

نانی کی آواز رندھنے لگی۔

گیتی بڑی دیر سے ان کا سر دبا رہی تھی۔ سرہانے رکھی میز پر سے پانی کا گلاس اٹھا کر انہیں سہارا دینے لگی۔ نے ایک چبھتی ہوئی نگاہ ان دونوں پر ڈالی۔

"چھوٹا بچہ نہیں ہے خیام' جو کوئی لالچ دے کر یا دھمکا کر لے گیا ہے۔ اپنی مرضی سے اور پوری پلاننگ کر نکلا ہے وہ یہاں سے۔ آپ خوامخواہ رو رو کر جان کھو رہی ہیں۔" نانی کی سسکیاں رکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

"اور کیا' سامنے رکھا زیور بھی اٹھایا تو اس کا مطلب یہی ہوا نا کہ سارا انتظام کر کے نکلے ہیں۔"

شاما نے افسوس سے سر ہلایا' اسے نانی کے کڑوں کا بڑا غم تھا۔ کب سے سوچ رہی تھی کہ ذرا پیسے جمع ہو جا تو اسی ڈیزائن کے اپنے بھی بنوائے۔

گیتی نے ایک خاموش سی نگاہ اپنی خالی کلائی پر ڈالی۔

وہ دو باریک سی سونے کی چوڑیاں۔

واحد زیور جو وہ پہنتی تھی اور رات کو سوتے وقت اتار کر نانی کے سرہانے رکھی چھوٹی میز پر رکھ دیا کرتی تھی۔

"زیادہ مت بول کر بیچ میں اور یہ چائے' نری دودھ اور بالائی۔ لے جا واپس یہ سب۔ ہلکا سا قہوہ بنا کر لا۔ بغیر اور چینی کا' لیموں نچوڑ کر اور خبردار جو آئندہ میرے سامنے رکھے یہ مکھن چینی بھرے بسکٹ۔"

سامنے رکھی ٹرے کو ہاتھ سے پرے کرتے ہوئے نگینہ نے نیا حکم جاری کیا۔

"ڈائٹنگ شروع آج سے۔" شاما نے شوخی سے آنکھیں نچائیں۔ "کسی فلم کا چانس لگ رہا ہے باجی!"

ایک بڑی ٹھنڈی سانس نگینہ کے لبوں سے نکلی۔ بہت سی حسرتیں تھیں جو آج بھی دل دکھاتی تھیں۔

"اب ملے گی فلم۔ جب عمر تھی' تب بھی قسمت نے ساتھ نہیں دیا۔"

"ایسا بھی نہیں' کتنی فلموں میں تو کام ملا آپ کو۔ میں خود کتنی بار شوٹنگ پر گئی آپ کے ساتھ۔"

شاما کا انداز تسلی دینے والا تھا مگر زخموں پر نمک کا کام کر گیا۔

"ہاں' بہت فلمیں کر لیں۔ پچاس ساٹھ یا کیا خبر سو ہو گئی ہوں۔ ایکسٹرا لڑکیوں کے ساتھ ایک آدھ ڈانس آخری لائن میں کھڑے ہو کر کمر ہلائی اور بس۔ اب تو مدت ہو گئی کوئی اس کے لیے بھی نہیں پوچھتا۔"

"ہائے خیام!"

نانی ستارہ کی درد بھری آہ نے ڈھنگ سے ماضی کی یادوں کو بھی تازہ نہیں کرنے دیا۔

"بھاڑ میں گیا خیام! ایسی نحوست پھیلا کر گیا ہے کہ سارا دھندا چوپٹ ہو کر رہ گیا ہے۔ اپنے آپ کو اماں! ذرا دیکھو خالہ دلدار کے ہاں کیسی بہار آئی رہتی ہے روز۔ کل وہ امین آباد والی پارٹی۔۔۔"

نگینہ کے پاس چٹپٹی خبریں تھیں۔ نانی کو بھی وقتی طور پر اپنا غم بھلا کر ہمشیرہ کے کارناموں میں دلچسپی لینا شاما بھی چائے وائے بھول بھال وہیں سر دے کر بیٹھ گئی۔

"پتہ نہیں کیا گھول کر پلا دیتی ہیں ماں بیٹیاں۔"

"خاص طور پر منگا کر رکھتی ہیں جی' میں نے خود دیکھا تھا ان کے منشی کو لاتے ہوئے۔"

"زندگی یہاں گزار کر بھی بے وقوف ہی رہی شاما! سمجھا کر' نشہ بوتل کا نہیں' خالہ دلدار کی بیٹیوں کا۔ کے منہ کو لگ ۔ گئیں سمجھ۔"

اونچے ۔۔۔ ، پھکڑپن۔

گیتی کو گھبراہٹ ہونے لگی تو وہ اٹھ گئی۔

"کہاں چلیں۔" نگینہ نے گھور کر اسے دیکھا۔ "بیٹھنا سیکھو سب کے ساتھ اور یہ حال کیا بنا رکھا ہے۔ کالج بھی نہیں جا رہیں کتنے دن سے۔ دل میں ہے کیا آخر؟ ماں ہوں اتنا تو پوچھ سکتی ہوں۔"

گیتی کی نگاہ خود بخود جھکی' نگینہ کے منہ سے "ماں" کا لفظ اسے ہمیشہ ہی عجیب سا لگتا تھا۔ نامانوس سا۔

پھر بھی حقیقت یہی تھی۔

"خیام کے جانے کے بعد ہی تو اثر۔۔۔" شاما کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔

"بکواس مت کر' جا جا کر چائے لا۔" اس بار نگینہ کے لہجے میں بڑی نمایاں سختی تھی اور آنکھوں میں وہی مخصوص سی چمک' جو دیکھنے والے کو خوفزدہ کرتی تھی۔ چائے کی ٹرے اٹھا کر شاما خاموشی سے باہر چلی گئی۔

"سن لیا نا!"

نگینہ ایک بار پھر گیتی کی طرف متوجہ ہوئی۔ "کیا کہہ کر گئی ہے وہ دو ٹکے کی نوکرانی۔ کیوں خود کو اشتہار بنا لیا ہے۔ کب تک سوگ منائے گی آخر اس بدبخت کا۔ ارے ہماری طرف سے کل کا مرتا' آج مر جائے۔ احسان فراموش۔" نانی ستارہ نے بے حد برا مان کر بیٹی کی طرف دیکھا' پر بولیں کچھ نہیں۔ نگینہ جب اس موڈ میں ہوتی تو بے حد بدلحاظ ہو جایا کرتی تھی۔

"وہ تو نکل گیا یہاں سے سب کو لات مار کر۔ اماں کا زیور' تیری چوڑیاں اٹھاتے ہوئے بھی شرم نہیں آئی۔ کسی کا خیال کیا۔ اماں کے بڑھاپے کا یا تیری اس حماقت بھری محبت کا؟"

گیتی آرا کا سر اور بھی جھک گیا۔

"معلوم نہیں ایسا درست اندازہ کیسے لگا لیا جاتا ہے۔" ہر بار وہ حیران ہو کر سوچتی تھی۔

"اور کیا سمجھتی ہے۔ وہ یہاں رہتا تو تجھ سے شادی کر لیتا' ناممکن۔ کوئی جلتے توے پر ہاتھ رکھ کر بھی یہ بات کہے تو میں یقین کرنے والی نہیں۔ ارے اسے تو جانا ہی تھا۔ آج نہیں تو کل' کل نہیں تو پرسوں۔ ہمارے گھر کا اکیلا مرد تھا' کسی اور کا نہ سہی۔ ان کے بڑھاپے کا ہی خیال کر لیتا۔"

اس نے نانی ستارہ کی جانب اشارہ کیا تو ان کا دل پھر سے بھر آیا۔

"اب بس کر دو اماں!" نگینہ نے اس بار واقعی ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔ "ہم جیسوں کو نیکی راس نہیں آتی ہے' کیوں نہیں سمجھ میں آ رہی آپ کو یہ بات۔ جس وقت فیروزہ مری تھی' ڈال دیتیں خیام کو بھی کسی یتیم خانے میں تو یہ دوبارہ فیروزہ کے مرنے کا غم نہ سہنا پڑتا۔"

نانی ستارہ نے آہستہ سے اپنے آنسو خشک کیے۔ رونے والے کے ساتھ زیادہ دیر کوئی بھی نہیں رو سکتا' انہیں خبر تھی۔

"کتنے دن سے کہہ رہی ہوں کہ سارے سیف الماری اچھی طرح سے چیک کر لو کہ کیا کچھ لے کر گیا ہے۔ اندازہ تو ہو۔"

نگینہ کو فکر لگی ہوئی تھی۔

"اور کچھ نہیں لے کر گیا ہے' مجھے پتہ ہے' وہ نہ کبھی سیف میں گھسا اور نہ میری الماری میں۔ بس یہی دو چار چیزیں جو سامنے پڑی تھیں' وہی اٹھائی ہیں اس نے۔" نانی ستارہ کے لہجے میں خیام کے لیے بڑی رعایت تھی۔ اپنے پرس میں سے نکالے گئے روپوں کا انہوں نے دانستہ ذکر نہیں کیا تھا۔ بے کار میں ہی اور واویلا ہوتا۔

انہیں ہمیشہ برا لگتا تھا اگر خیام کو کچھ بھی کہا جاتا۔ کسی کی بھی مجال نہیں تھی جو ان کے سامنے اس کی شان میں ذرا بھی گستاخی کرتا۔

پر اس بار تو افتاد ہی عجیب آپڑی تھی۔ جو کوئی بھی اس کی گمشدگی کا افسوس کرنے آیا' ضرور ہی اسے برا بھلا... اور نگینہ نے تو خیر حد ہی کر رکھی تھی۔ اٹھتے بیٹھتے یہی ایک رونا۔

انہیں مصلحتاً ”خاموش ہی رہنا پڑتا۔

ان کی بے نیازی نگینہ کی اور بھی جان جلاتی۔

”دو چار چیزیں بھی لاکھوں کی ہیں آج کل۔ سونے کا بھاؤ دیکھا ہے؟ کس تیزی سے چڑھ رہا ہے۔“

”ہوں۔“

نانی خاموشی سے بٹی کو دیکھے گئیں جو ان کے پرس میں سے چابی نکال کر اب الماری کھول رہی تھی۔

”یہاں آ گیتی! یہ رکھ اماں کے پاس بیڈ پر۔“ اس نے الماری میں سے ڈبے نکال کر اسے پکڑانے شروع کیے۔ وہ بے دلی سے انہیں نانی کے سامنے ڈھیر کرتی رہی۔ چھوٹے بڑے ہر طرح کے مخملیں ڈبے۔

پتہ نہیں کتنی دولت سمیٹ کر رکھی تھی نانی نے۔ گیتی آرا کو رتی بھر بھی دلچسپی نہیں تھی۔ الٹا غصہ... جس بات کی فکر ہونی چاہیے' اس کی پروا تک نہیں۔

”اتنا زیور گھر میں کیوں رکھا ہوا ہے۔ بینک میں لا کر لے کر رکھوا دیں۔ کل کو پھر کوئی نقصان اٹھانا پڑ گیا تو... کرے۔“ شاما دوبارہ چائے لے آئی تھی اور اپنی دانست میں بڑی سمجھ داری کا مشورہ دے رہی تھی۔

”بینک کا لاکر اماں کے سیف سے زیادہ محفوظ تھوڑی ہے۔ یہاں تو کوہ نور ہیرا بھی لا کر رکھ دو تو بے فکر ہو جاؤ...“ نگینہ کے چہرے پر بڑی دیر بعد ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ ”آ شاما! ذرا گنتی کر چوڑیوں کی۔ یہ گیتی تو کسی بھی کام کی نہیں۔“

”آپ آرام سے چائے پی لیں باجی! میں گن لیتی ہوں۔“ شاما نے بڑے معتبر انداز میں سبز رنگ کے بنا... کپڑے سے سلی وہ تھیلی پکڑی جو ہاتھ میں لینے سے ہی خاصی وزنی محسوس ہوتی تھی۔

گیتی الغرض سی ہو کر بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی۔ شاما نیچے قالین پر بیٹھ کر بڑی احتیاط سے ایک ایک ڈیزائن علیحدہ کر رہی تھی۔

سنہری سی جھلملاہٹ آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ ان میں سے کتنی تو شاید ایک آدھ بار کے بعد پہنی بھی گئی ہوں گی۔

گیتی کی نظر بے ساختہ نگینہ کے ہاتھوں پر پڑی' جہاں ایسی ہی چوڑیاں موجود تھیں۔ مگر گیتی جانتی تھی کہ ساری کی ساری امی ٹیشن ہیں۔ وہ شاذ و نادر ہی سونے کے زیورات پہنتی تھی۔ اس کا سارا شوق' سارا فیشن زیورات' سستے میک اپ اور شوخ رنگ کے کپڑوں سے پورا ہوتا تھا۔

”آپ پہن لیں نا ان میں سے۔ یہ تو اب میلی میلی سی ہو رہی ہیں۔“ جانے کس خیال کے تحت وہ کہہ گئی۔ نگینہ نے تھوڑی سی حیرت سے اسے دیکھا' وہ اتنی لاتعلق رہتی تھی کہ اسے کسی کے کچھ بھی پہننے اوڑھنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

”اب کیا پہننا اور کیا نہ پہننا۔ ہاتھ ہی تو بھرے ہوئے دکھانے ہیں۔ کام چل ہی رہا ہے۔“ اس کے لہجے میں عجیب سی کیفیت اتری۔ ”شاما۔۔!“ وہ انہماک سے چوڑیاں گنتی شاما کی طرف مڑی تو اسے اپنی گنتی روکنی پڑی۔ ”آج تو بازار جانے کا کہہ رہی تھی نا!“

”جانا تو ہے' اگر نانی نے پیسے دے دیے تو۔۔!“ شاما نے خوشامدی مسکراہٹ کے ساتھ نانی کی طرف دیکھا۔ کی گہری سانولی رنگت پر بے حد سفید دانت عجیب سا تضاد پیش کرتے تھے اور جب ہنستی تو چہرے کے نقوش بھی زیادہ پھیلے ہوئے لگتے اور دانت اور بھی زیادہ سفید۔ پہلی بار دیکھنے والے کو تو تھوڑی سی وحشت ہی ہوتی...

یہاں سب لوگ اس کے اتنے ہی عادی تھے جتنے ایک دوسرے کے۔

”ابھی پچھلے ہفتے جو دیے تھے' وہ کیا سارے خرچ کر دیے۔“ نانی ستارہ نے ایک کڑی نگاہ اس پر ڈالی۔

”تھوڑے سے تو بچے ہوئے ہیں' پر بازار جانے کے لیے تو اور چاہیے ہوں گے نا۔“ شاما کے لہجے میں اور بھی لجاجت آ گئی تھی۔

”گھر بیٹھے بیٹھے کیسے خرچ ہو گئے۔ نہ کہیں آئی نہ گئی۔ چٹورپن تیرا سارا میرے ذمہ پھر پیسوں میں کیا آگ لگائی ہے۔“ خیام کا دکھ دل پر بھاری بوجھ کی طرح دھرا تھا۔ شاما کے بے تکے پن نے اور بھی جان جلانی شروع کر دی تھی' وہ اپنے فارم میں آنا شروع ہو گئیں۔

”ایک ایک بات پر کڑی نظر اور ایک ایک پیسے کا حساب۔“ شاما نے دل ہی دل میں اس گھڑی کو کوسا جب باجی نگینہ کو اس کے بازار جانے کا پروگرام یاد آیا تھا۔

ایک مدد طلب نگاہ اس نے نگینہ کی طرف ڈالی جو اس بے وقت شامت بلوانے کی ذمہ دار ٹھہری تھی۔

”چل چھوڑ' میں دے دوں گی تھوڑے سے پیسے اپنے پاس سے۔ اماں کو تنگ مت کر۔“ نگینہ کو اس پر رحم آنے لگا۔ ”اصل کام سن' وہ جو چوڑیوں والی گلی ہے اگلے چوک پر' وہاں سے میرے لیے کسی اچھے ڈیزائن میں چھ چوڑیاں خرید لانا' پر ہوں سستی والی۔ دو چار مہینے چل جائیں کافی ہے۔“

”وہی ”ناولٹی“ والے سے نا۔“ شاما کا مسئلہ حل ہو رہا تھا۔ سو دوبارہ شاپنگ کے پروگرام پر آ گئی۔ ”بڑے خوبصورت ڈیزائن کی جیولری آئی ہے ان کے ہاں۔ گل ناز باجی اور گل رخ باجی باتیں کر رہی تھیں۔ شاید لائی ہیں خرید کر۔“

”اچھا' مجھے تو نہیں بتایا' تم نے دیکھیں کیا؟“ دونوں خالہ زاد بہنوں کی شاپنگ کا سن کر نگینہ یکدم ہوشیار سی ہوئی۔

”مجھے کیوں دکھاتیں' مجھے تو وہ آپ کا جاسوس سمجھتی ہیں۔ وہ تو میں صفائی کر رہی تھی ان کے کمرے کی تو انہیں باتیں کرتے سنا تھا۔ کئی کئی ہزار کی جیولری خریدی ہے' امی ٹیشن بھی۔“ شاما کو بخوبی پتہ تھا کہ کیسی باتیں یہاں توجہ کھینچتی ہیں۔

”ہا۔۔“ نگینہ نے ٹھنڈی سانس لے کر شاید خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

گل ناز اور گل رخ' دونوں ہی اس سے عمر میں خاصی چھوٹی تھیں مگر ایسی لڑکیاں بھی نہیں تھیں جیسی خود کو پوز کرتی تھیں۔ گلناز کی بیٹی الماس تو اب سترہویں سال میں لگ چکی تھی مگر وہ اس کی ماں کے بجائے بڑی بہن ہی لگتی تھی۔ کہلواتی بھی بیٹی سے خود کو ”باجی“ ہی تھی۔

نگینہ نے ان بہنوں کی خوش بختی پر ہمیشہ رشک کیا تھا۔ انہیں ہمیشہ ہی بڑے مستقل مزاج اور دل والے کرم فرما میسر رہے تھے اور خود وہ دونوں بھی بڑی ”خوکسد“ تھیں۔ خود کو نانی دلدار کی سو فیصد جانشین ثابت کر چکی تھیں اور اب آگے بھی مستقبل محفوظ تھا۔

بارود کا ایک ڈھیر تھا جسے بس تیلی دکھانے کی دیر تھی۔ وہ ابھی سے اندازہ لگا سکتی تھی کہ مستقبل میں الماس کیا قیامت برپا کرنے والی ہے۔

اس کا ذہن یوں ہی بیٹھے بیٹھے پتہ نہیں کہاں کہاں کی کڑیاں ملانے میں مصروف تھا۔

نانی ستارہ نے ایک گہری نگاہ بیٹی کے اترے ہوئے چہرے پر ڈالی۔ وہ اس کی ذہنی کش مکش کو اچھی طرح سمجھتی تھیں۔

ساری عمر کسی بڑی ”کامیابی“ کی تمنا پالنے کے باوجود نگینہ ہمیشہ تھرڈ کلاس کے ڈبے میں ہی سفر کرتی رہی تھی۔

اب تو ویسے ہی آغازِ زوال تھا۔

"اب یہ رکھواؤ تو' سارا پھیلا کر رکھ دیا ہے لے کر۔" انہوں نے سامنے رکھے زیورات کے مخملیں ڈبے ہاتھ سے ایک طرف کرتے ہوئے دانستہ نگینہ کا دھیان ہٹانا چاہا تو وہ کچھ چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"چیک تو کرلیں اماں! اچھی طرح سے۔" وہ پھر سے اپنی لائن پر آگئی۔

وہی بدگمانی' وہی تلخی' وہی چوکسی۔

"اللہ کرے کام میں لینا نصیب نہ ہوں اسے۔ جیسے ہمارے پاس سے اُڑا کرلے کر گیا ہے' ویسے ہی اس کے پاس سے بھی غارت ہوں وہ چیزیں۔"

"اب بس بھی کردے نگینہ!" نانی ستارہ نے جھنجلا کر کہا تھا۔ "اگر تھوڑا بہت سہارا خیام کو مل گیا ہے تو کون سی قیامت آگئی ہے۔ یہ زیور جو یہاں جمع کیا ہوا رکھا ہے۔ آدھے سے زیادہ اس کی بدنصیب ماں کا ہے۔ حصہ مانگنے کھڑا ہوتا تو ساری تجوری خالی ہوتی۔" وہ پھر سے اپنے آنسو صاف کرنے لگیں۔

تیئیس چوبیس سال ہونے کو آئے تھے مگر نہ فیروزہ بھولتی تھی اور نہ اس کی بدنصیبی۔

گیتی پھر سے اٹھ کر نانی کے پاس آ بیٹھی انھوں نے ایک نظر اس کے خالی ہاتھوں پر ڈالی "جاؤ کوئی سی چوڑیاں تم اپنے ہاتھ میں ڈال لو' میں کسی دن برکت اللہ کے ہاں سے ویسی ہی دو اور رولڈ لادوں گی' دل چھوٹا نہیں کرو۔"

"نہیں نانی! ٹھیک ہے بس ایسے ہی۔" اس نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔ اگر وہ سمجھ رہی ہیں کہ وہ چوڑیوں کے لیے افسردہ ہے تو ان کی یہ چھوٹی سی غلط فہمی برقرار رہنے میں حرج ہی کیا تھا۔

نگینہ نے بھی سنا' پر بولی کچھ نہیں۔

اب وہ پوری توجہ سے زیورات کے ڈبے واپس سیف میں رکھ رہی تھی۔ آج یہ خانہ کافی دن بعد کھلا تھا۔

شاما اپنی گنتی پوری کر چکی تھی اور اب دلچسپی سے دوسرے زیورات دیکھ رہی تھی۔ چند ایک ڈبے خالی ہی تھے پھر سیٹ میں سے کوئی ایک آدھ چیز ان میں رہ گئی تھی۔ شاما نے بھی نوٹ کیا۔

"خالی ڈبے الگ کردیں باجی نگینہ! بے کار میں رش لگانے کا کیا فائدہ۔" اس کا خیال تھا کہ ان خوبصورت ڈبوں میں وہ اپنی جمع کی ہوئی ساری سستی جیولری سیٹ کرے گی۔

"ذلیل کروانا ہے کیا خالی ڈبے باہر لے جاکر۔" اس کی کم عقلی پر نگینہ کا دل تو یہی چاہا کہ ایک تو اپ کے لگا ہی دے۔ "خالہ دلدار اور گل ناز وغیرہ کیا کیا اندازے نہیں لگالیں گی ہماری حالت کے بارے میں اور وہ فتنی الماس تو سارے میں سنا آئے گی کہ اب گزارا زیور بیچ بیچ کر ہو رہا ہے۔"

اس بار ٹھنڈی سانس نانی ستارہ نے بھری تھی۔ خیام کا غم تازہ نہ ہوتا تو وہ بھی ہمشیرہ اور ان کی صاحبزادیوں کے ہتھکنڈوں کی مفصل رپورٹ سنا سکتی تھیں مگر نگینہ کی بات میں ایک کڑی سچائی تو تھی ہی۔

پورا گزارا نہ سہی مگر کوئی نہ کوئی ایسا خرچ سامنے آتا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی دل سے لگا کر رکھے ان زیورات میں سے کوئی نہ کوئی چیز نکال کر بیچنی پڑی تھی۔ ایسا برا وقت ابھی چند سال پہلے ہی سے شروع ہوا تھا' ورنہ نگینہ بے چاری بھاگ دوڑ کرکے خاصا بھرم رکھے ہوئے تھی۔ ظاہری ٹھاٹ کا سامان' البتہ عظمتِ گزشتہ ہی کی دین تھا۔ کیسے کیسے زمانے دیکھے تھے انھوں نے۔

"کیسے ہنسی اڑائیں گی؟ آج بھی نانی کے چوبارے کے آگے کسی کی بھی اہمیت نہیں ہے۔ ساری برادری میں بڑی عزت ہے اللہ کے فضل سے۔ چھوٹی نانی والی باجیاں کتنا بھی اترائیں۔ ہمارے گھرانے کے برابر تھوڑی ہیں۔"

نانی ستارہ کے گھرانے سے خود کو منسلک کرکے شاما تھوڑے سے فخر کی خود بھی حق دار ٹھہرتی تھی۔ نگینہ نے

دیر بعد غُل کر ہنسی۔

"بات تو تیری سو فیصد ٹھیک ہے۔ تُو تو اچھی خاصی سمجھ داری کی باتیں کرلیتی ہے۔ ہم بے کار میں ہی تجھے بے وقوف سمجھتے ہیں۔"

"میری اماں مرحومہ بہت باتیں سناتی تھیں نگینہ باجی! بڑے بڑے نوابوں کے دربار میں گایا ہے نانی نے۔ لوگوں نے تو صرف نام ہی سنے ہیں نوابوں' مہاراجوں کے اور یہ دلدار نانی تھوڑی اس وقت "پروفیشن" میں آئی تھیں پھر کیسے یہ ہماری نانی کے برابر ہوگئے۔"

ماضی کے بارے میں سیر حاصل گفتگو سب ہی کا بہترین ٹائم پاس تھا۔

"اور اگر شاما کا خاندان جدی پشتی نمک خوار نہ ہوتا تو اس گرتے ہوئے مورال کو سپورٹ دینے والا اور کوئی بھی نہ تھا۔" خود نانی ستارہ نے اپنی آن بان کے باوجود اس وقت یہی سوچا تھا۔

گیتی نے اداس نگاہوں سے ان سب کی طرف دیکھا۔

اب کتنی ہی دیر سے مستقل فضول باتیں ہو رہی تھیں' کسی کو بھی خیام کا خیال نہیں آرہا تھا۔ حتّٰی کہ نانی بھی اب شاما کی باتوں میں دلچسپی لے رہی تھیں۔ چند دن میں ہی سب نارمل ہوتے جارہے تھے۔ مزید کچھ دن گزریں گے تو شاید اس کا یہاں نام بھی سنائی نہیں دے گا۔ گیتی کو ان سب کی خود غرضی پر غصہ سا آنے لگا۔ محض اپنے بارے میں سوچنا' اپنے مفاد پر نگاہ رکھنا' سخت دل اور طوطا چشمی کی تو ایک چھوڑ دس مثالیں دی جاسکتی تھیں۔

"فطرتاً شاید وہ سب ہی ایک جیسی ہیں۔" بھاری ہوتے دل کے ساتھ گیتی کی سوچ بالآخر اس ایک پہ چبھتے ہوئے نکتے پر رکی۔

"ورنہ یہ جو یہاں سے باہر کی دنیا اس طبقے پر تھوکتی ہے تو اصل میں یہ اسی قابل ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ کے مستحق۔"

بہت قریب ہی اسے خیام کہتا سنائی دیا۔

"خیام!" اس نے اپنے ٹھنڈے ہوتے ہاتھوں کو آپس میں ملاتے ہوئے دبایا۔ اس کے جانے کے بعد کتنی ہی بار اسے ایسا لگا تھا جیسے کسی وقت بھی اس کا دل یوں ہی یہ نام لیتے ہوئے' بند ہو جائے گا۔

"باجی نگینہ!" کمرے کے بند دروازے پر بخت دستک دے رہا تھا۔ "استاد جی تشریف لے آئے ہیں۔"

"ہائے میں مرگئی۔"

نگینہ نے اٹھنے میں پھرتی دکھائی۔ "شاما یہ سمیٹ کر جلدی سے صندل کو اٹھا' روزانہ شرمندہ کرواتی ہے استاد جی کے سامنے۔ اتنے میں ہی جاکر بیٹھتی ہوں ان کے پاس۔" دوپٹہ سر پر لپیٹتے ہوئے وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکلی تھی۔

☼ ☼ ☼

کمرے کا دروازہ آدھ کھلا تھا۔

باہر سے روشنی کی ایک لمبی سی لکیر کمرے کے وسط تک آرہی تھی' اور جو غور سے دیکھو' تو ننھے ننھے رنگ بھرے ذرات کا ایک ہلکا سا غبار اس کے اوپر مسلسل رقصاں تھا۔

اَبا کی بات سنتے سنتے معاذ کا دھیان' بار بار اس طرف جارہا تھا۔

گلابی' فیروزی' نیلے' نارنجی۔ باہر سورج کی تیز روشنی میں یہ سارے رنگ غائب ہو جاتے' ورنہ وہ شاید انہیں دیکھتے دیکھتے' کہیں تک بھی بخوشی جاسکتا تھا۔

اسے ایسا کرنا ہمیشہ سے بڑا مسحور کن لگتا تھا' فطرت میں چھپے رنگوں کو تلاشنا' بڑھتے سمٹتے سایوں سے تصویریں اخذ کرنا' اور جو آسمان پر بادل چھائے ہوں' اور قسمت سے تھوڑی سی فرصت بھی میسر ہو تو' بس پھر تو مزا ہی آجاتا "اطمینان سے بیٹھ کر آسمان پر نگاہیں جماؤ اور اپنے تخیل کو ڈھیلا چھوڑ دو' پھر دیکھو کیا کیا نظر نہیں آتا۔

سات برجیوں والا محل۔

لمبی ٹوپی والا سانتا کلاز۔

بڑا سا ٹیڈی بیئر اور کبھی تو بازو پھیلائے دانت نکالے۔ اپنی طرف آتا ہوا۔ خوفناک سا مونسٹر!"

وہ کسی مجمع لگا کے' تماشہ دکھانے والے مداری کی طرح ربیعہ کی توجہ کھینچتا۔

وہ غریب بڑی دیر تک تو' اس کے کہنے بہت دھیان سے آنکھیں کھولے' آسمان کو تکے جاتی' مگر کبھی جو کچھ نظر آیا ہو۔

نہ سانتا کلاز' نہ ٹیڈی بیئر' نہ برجیاں' اور تو اور وہ کم بخت مونسٹر بھی اسے ڈرانے کا پروگرام ملتوی کر کے' نہ جانے آسمان میں کہاں گھل مل جاتا۔

اور الٹا آنکھوں میں' اتنی دیر اوپر تکتے رہنے کی وجہ سے پانی بھرنے لگتا' مایوسی سے آنکھیں مل کر نفی میں سرہلا دیتی تو وہ ایک اور نکتہ ڈھونڈ نکالتا۔

"اصل میں یہ ساری چیزیں انہیں دکھائی دیتی ہیں' جو دل کے صاف ہوں' تمہاری طرح دماغ کے صاف نہیں!"

ربیعہ بے حد برا مانتی۔

"میں تم سے زیادہ اچھے دل کی مالک ہوں' سب کا بے حد خیال رکھتی ہوں' اور خود تمہارا بھی۔"

مگر وہ فلسفیوں کی طرح نفی میں سرہلاتا رہتا۔

اب تو عرصہ ہوا' ربیعہ نے اس کی باتوں میں آنا بالکل چھوڑ دیا تھا' بلکہ علی الاعلان کہتی تھی۔

"کہ سارا معاذ کا ڈھکوسلہ ہے۔ اپنی کاہلی پر پردہ ڈالنے کے لیے ایسے ہی ڈرامے کرتا ہے۔" مگر یہاں اس کی پشت پناہی کے لیے اس کے علاوہ باقی سب ہی تھے۔

امی' ابا' دادی۔

ابا کہتے تھے کہ معاذ میں کسی آرٹسٹ کی روح ہے۔

اپنے خیال کو پوری قوت کے ساتھ تخلیق میں منتقل کرنے والا اگر وہ اتنے انقلابی عزائم لے کر نہ جی رہا ہوتا تو یقیناً" آرٹ کی دنیا میں نام پیدا کر چکا ہوتا۔

امی ان سے سو فیصد متفق تھیں اور دادی دو سو فیصد۔

ربیعہ کی نگاہ میں کوئی ایک مثال بھی نہیں تھی' جہاں اتنے ناکارہ اور کاہل لڑکے کو اتنی عزت اور مرتبہ حاصل ہو۔ ماں باپ اچھے بھلے قابل لڑکوں کو بھی دباؤ میں رکھتے ہیں کہ "کچھ کر کے دکھاؤ' دنیا میں نام پیدا کرو۔"

خاندان میں سربلند کر کے چلنے کی تمنا کسے نہیں ہوتی وہ دوسری بار چائے لے کر آئی۔ تب بھی وہ اسے اسی ایک پوز میں بیٹھا دکھائی دیا۔

"منافقت کا زہر معاشرے میں بری طرح سرایت کر چکا ہے۔ اللہ ہی ہے جو یہ جاں بہ لب سوسائٹی کو پھر سے کسی صحت مند رجحان کی طرف لوٹا دے۔ ہر شخص اپنے دہرے معیار کو لے کر بیٹھا ہے۔ کہا کچھ جاتا ہے اور کیا کچھ اور۔ اسی میں انہوں نے اپنی عافیت ڈھونڈی ہے۔ ستم یہ کہ انہیں یہ راس بھی خوب ہی آ رہا ہے۔"

ابا کا ہاتھ تیزی سے اپنے سامنے رکھے کاغذ پر چل رہا تھا۔ مگر ساتھ ساتھ وہ ذرا سا وقفہ دے کر باتیں بھی کیے

جارہے تھے۔

سامعین میں صرف ایک معاذ ہی تھا۔

اور ربیعہ کو پتہ تھا کہ وہ فی الوقت جتنا بھی لاتعلق دکھائی دے رہا ہو' ان کی کہی ایک ایک بات ذہن نشین ہو گا۔

پچھلے دو ڈھائی گھنٹوں سے وہ یہیں جما بیٹھا تھا' آج یقیناً "اس کی "انقلابی" پارٹی کا کوئی خاص اجلاس نہیں" جو وہ اتنی فرصت میں تھا۔

"معاذ!" چائے کا کپ اس کے نزدیک رکھتے ہوئے اس نے اسے پکارا تھا۔

"ہوں!" اپنے من پسند کھیل سے دھیان ہٹا کر اس نے ربیعہ کی طرف دیکھا۔

"تم فارغ ہو تو گھر کا کچھ سامان لا دو' گوشت بھی بالکل ختم ہو گیا ہے فریزر میں۔"

اسے کسی کام کے لیے کہتے ہوئے نہ چاہتے ہوئے بھی ایک ہلکی سی خوشامد' ربیعہ کے لہجے میں بھی اتر آتی تھی۔

"کیا کرنا ہے گوشت کا' دال' سبزی کچھ بھی پکا لو۔"

"آج تم فارغ ہو لا کر تو رکھ دو' اس وقت میں دال سبزی ہی بنا لوں گی۔" وہ مصالحانہ موڈ میں تھی۔

"اگلے پورے ہفتے بھی دال سبزی پر گزارا ہو سکتا ہے' کس نے کہا ہے کہ گوشت ضرور ہی پکایا جائے۔ کیوں ابا!" وہ تائیدی انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"بات کچھ ایسی غلط بھی نہیں۔" ابا مسکرا دیے۔

"کتنے ہی لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہیں ہوتا' مگر شادی کی دعوتوں میں بچا ہوا کھانا دیکھیں تو لگتا ہے ساری قوم رئیس ابن رئیس ہے اور ہر خاص و عام کو یہی شاہی طعام نصیب ہے۔"

وہ دل جلے انداز میں کہے جا رہا تھا۔

ربیعہ کو اس بے وقت کی راگنی سے کوفت ہو رہی تھی۔

گھر کے ضروری کام اس طرح کے جواز کی آڑ لے کر نہیں ٹالے جا سکتے' معاذ تھا یا پھر ابا' باہر کے کام تو ان کو ہی کرنے تھے۔

"اٹھ جاؤ' اور بھی کچھ چیزیں ہیں۔ دادی کی دوائیں بھی ختم ہو رہی ہیں۔ میں نے پرچہ بنا کر رکھا ہوا ہے۔ تھوڑی سی دیر میں سارے کام ہو جائیں گے۔"

وہ جتنی خوشامد کر رہی تھی۔ معاذ کا اپنی جگہ سے نہ ہلنے کا ارادہ مضبوط ہو رہا تھا۔

"جب باہر جاؤں گا سب کچھ لے آؤں گا' بے کار کی جلدی مت مچاؤ' آج کل میرے اوپر ویسے ہی بوجھ ہے۔" اس بار اس کا لہجہ سخت تھا۔ "بہت تھکا ہوا ہوں۔" جب بھی اسے اس کی مرضی کے خلاف کسی بات پر مجبور کیا جاتا' وہ اسی طرح رکھائی سے پیش آنے لگتا تھا۔ ابا نے ایک نگاہ ربیعہ کے اترے ہوئے چہرے پر ڈالی پھر اپنے آگے رکھے کاغذ کھسکا کر' قلم بند کیا۔

"لاؤ مجھے دو' میں لے آتا ہوں کیا لانا ہے۔" ربیعہ نے ایک فہمائشی نگاہ معاذ پر ڈالی' اس کا خیال تھا کہ کم از کم ابا کو اٹھتا دیکھ کر تو وہ ضرور ہی اٹھ جائے گا' مگر اس کی غیرت اس پر بھی نہ جاگی۔

"اچھا ہے آپ کی تھوڑی واک ہو جائے گی۔ اور پھر آپ کو مرزا چچا کے پاس بھی تو جانا تھا۔ ان سے بھی مل آئیے گا۔"

"اوہ اچھا یاد دلایا تم نے۔" ابا اس کی سمجھ داری کی داد دینے لگے۔

قصہ ہی ختم۔

ربیعہ کمرے سے باہر نکل آئی۔ اسے اب سامان کی فہرست سے وہ ساری چیزیں کاٹنا تھیں جو ذرا فاصلے سے لے کر آنی تھیں۔ حالانکہ ابا تو دور بھی چلے ہی جاتے' مگر وہ انہیں خود ہی زیادہ تکلیف نہیں دینا چاہتی تھی۔

"ابا! معاذ کو آپ نے بہت زیادہ بگاڑ دیا ہے۔ اس کی ساری عادتیں پریشان کن حد تک پختہ ہو چکی ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کرے گا' آخر زندگی میں۔"

سامان کی مختصر سی فہرست' تھماتے ہوئے کہے بغیر نہ رہ سکی۔

اس کی پریشانی بجا تھی' وہ جو کچھ بھی کہہ رہی تھی اس میں ایک بہن کی تشویش بھری محبت جھلکتی تھی' ابا ہلکے سے مسکرا دیے۔

"وہ تھوڑا سا مختلف ہے' بے حد حساس اور وقت آنے پر دیکھنا کتنا ذمہ دار ثابت ہو گا۔ اگر ہم اسے بدلنے کی کوشش کریں گے تو وہ اندر سے ٹوٹ جائے گا' اور اس جیسے انسان کو ہمیں ٹوٹنے سے بچانا ہے۔ وہ لاکھوں میں ایک ہے۔ اس کی نگاہ اپنے مفاد کے بجائے' دوسروں کی بھلائی پر رہتی ہے۔"

ربیعہ کا دل چاہا کہ انہیں یاد دلائے کہ وہ بھی تو ایسے ہی ہیں۔ بلکہ اصول قاعدوں میں معاذ سے بھی آگے بڑھے ہوئے'

مگر نہ تو اپنی ذات کے لیے' آسانیاں سمیٹ پائے اور نہ ہی دنیا کو بدل پائے۔

اس کی نگاہوں میں' کئی دن گزر جانے کے بعد بھی سلمان اور زوبیہ کی منگنی کا فنکشن گھومتا رہا تھا۔ کیا شان و شوکت کا احساس دلاتا ہوا منظر تھا۔

وہ شان دار ہال' کسی اور ہی دنیا کے لگتے مہمان اور خود سلمان اور زوبیہ۔

خاندان کی لڑکیوں میں ابھی تک' زوبیہ کے کپڑوں اور جیولری کو ڈسکس کیا جا رہا تھا۔ ان جیسے متوسط درجے کے خاندان میں' طویل عرصے تک یہی ایک موضوع "ہاٹ" رہنا تھا۔

"بس اتنی سی چیزیں۔" ابا اس کی دی ہوئی فہرست پر نگاہ ڈال کر حیرت سے پوچھ رہے تھے۔

"جی بس یہی۔" وہ جھینپ کر مسکرا دی۔

"مجھے تکلیف نہیں دینا چاہتیں' یہی بات ہے نا؟" اس بار وہ ہنس پڑی۔

معلوم نہیں انہیں ہر بات کی کیسے خبر ہو جاتی تھی۔

اب ابرار چچا کے ہاں کی منگنی کے فنکشن کے بارے میں بھی انہوں نے کسی سے نہیں پوچھا تھا اور نہ ہی اس میں یا امی میں اتنی ہمت تھی کہ انہیں وہ ساری تفصیلات بتاتیں' جن سے وہ دونوں بے حد مرعوب ہو کر واپس آئی تھیں۔ مگر پھر بھی وہ اچھی طرح جان چکے تھے کہ وہ سارا فنکشن کس پائے کی چیز ہو گا۔

"ساری عمر جس چیز کے پیچھے ابرار نے بھاگتے ہوئے گزار دی' آخر کار انہوں نے پا ہی لی۔ یوسف کمال کے خاندان سے رشتہ جوڑا ہے ہر چیز ان کی توقع سے کہیں زیادہ آگے ہو گی۔"

امی اور دادی کی طرح' انہوں نے ابرار چچا کے گھرانے سے کوئی امید وابستہ نہیں کر رکھی تھی۔ سو نہ رنج اور نہ خفگی۔

پھر بھی خاندان میں ان کی اور معاذ کی اس فنکشن میں عدم شرکت کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھا جا رہا تھا اور اس تاثر کو پیدا کرنے والے خود ابرار چچا کے گھر والے تھے۔

"سارا غصہ سلمان کے لیے ربیعہ کو نہ لینے کا ہے' اب آج کل کے دور میں اولاد کی مرضی کے خلاف کچھ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ سلمان پڑھا لکھا' برسر روزگار ہے۔ مرضی سے شادی کرنا اس کا حق ہے۔ اب اگر ایک بہت

باعزت گھرانے میں اس نے منگنی کرلی تو ہم کیسے روک سکتے تھے۔" چچی' آپا گل اور ابرار چچا' تینوں ہی ملنے والوں میں اسی قسم کی باتیں تواتر کے ساتھ کی تھیں۔

خاندان کے روکھے پھیکے بورےت بھرے ماحول میں' بڑے عرصے بعد کوئی ایکسائٹمنٹ پیدا ہوئی تھی۔ لوگ ان کی کایا پلٹ پر رشک و حسد میں مبتلا ہوئے جارہے تھے۔ خوش بختی کا ہما سلمان کے سر پر آ ان ہی کے طفیل' وہ سب بھی اس ماحول کی ایک جھلک دیکھ سکے تھے۔ جیسے اب تک بعض ٹی وی ڈراموں دیکھ سکے تھے۔ آگے بھی ان سے اچھے تعلقات رکھنے میں اپنی ہی عزت افزائی تھی۔

دل میں نہ سہی لیکن بظاہر ہر ایک ہی ان کی ہاں میں ہاں ملانے پر مجبور تھا' چند ایک بزرگوں نے ضرور ا بسری یاد کو تازہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

"ویسے تمہارے مرحوم والد کی تو بہت خواہش تھی۔ انہوں نے اپنے بھائی سے اس رشتے کے لیے با کرر کھی تھی۔"

یہاں معاذ کے دادا کا حوالہ بھی دیا جاتا ابرار چچا کھسیانی سی ہنسی ہنسنے لگتے۔

خاندان کے دو دونوں قابل عزت 'سادہ دل' بزرگ' اب کون سا ان کے کان پکڑنے آرہے تھے۔

"اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہے۔ اگر جو وہ لوگ زندہ ہوتے تو ہو جاتی' یوسف کمال کے خاندان سے داری۔" وہ تو دل ہی دل میں ایک طرح سے شکر ہی ادا کرتے تھے کہ انہیں کم سے کم مسائل کا دنیا میں سامنا ہے۔

ابا سامان لے کر اور مرزا چچا سے مل کر واپس آگئے تو ربیعہ کھانا لگانے کی تیاری کررہی تھی۔

"اسلام!" دادی نے انہیں گزرتے دیکھا تو وہیں سے پکارا۔

"جی اماں!" وہ ہاتھ میں پکڑے سارے شاپر زتخت پر رکھ کر ان کے پاس آبیٹھے۔

"معاذ کہیں باہر گیا ہے کیا؟"

انہوں نے پہلے یہ کنفرم کرنا ضروری سمجھا۔

"میرے کمرے میں ہے شاید' بائیک تو اس کی باہر کھڑی ہے۔" ابا کو اندازہ تھا کہ وہ اب بھی ان کے کمرے میں ہوگا۔

"اچھا خیر' تم ذرا میری بات سنو دھیان سے۔" ابا کا کمرہ ذرا الگ تھلگ تھا' اور دادی کو معاذ کی فوری اندازی کا خدشہ نہیں رہا تھا۔

"ایک تو تم دونوں میاں بیوی کو گھر کے مسائل کا نہ تو اندازہ ہے اور نہ ہی ان کے حل کی فکر۔"

جب بھی کوئی اہم بات کرنی ہوتی' وہ کچھ اسی انداز سے تمہید باندھتی تھیں۔

امی یا ابا میں سے کوئی بھی مطلق برا نہیں مانتا۔ دادی گھر کی بڑی تھیں اور جو کچھ بھی کہتیں' ان کی محبت کہتی تھیں۔

"کسی وقت' ابرار کی ہاں جاکر منگنی کی مبارک باد ضرور دے آؤ وہ بہت ناراض ہے۔ مجھ سے کہہ کر گیا ہے"

"کیوں ناراض ہیں۔ ربیعہ' زیب النساء ہو تو آئی تھیں ان کے ہاں۔" وہ لاپروائی سے بولے۔

"پھر وہی بات۔" دادی نے بے ساختہ ہی ماتھے پہ ہاتھ مارا۔ "بڑھاپا آگیا مگر ذرا جو تبدیلی آئی ہو' وہی کج بحثی"

"عادتیں بڑھاپے میں تھوڑی بدلتی ہیں اماں!" وہ ہنسنے لگے "مگر یہ ابرار آخر کیوں بار بار اپنی ناراضی کرنے آپ کے پاس آتے ہیں۔"

"بھتیجا ہے میرا' دس بار آسکتا ہے۔" وہ تھوڑی سی خفا ہوئیں "اس طرح سے خاندان سے الگ تھلگ

نہیں بیٹھا جاتا' جس طرح سے تم سب سے کٹ کر رہ گئے ہو۔"

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں اماں!" ایک گہری سانس لیتے ہوئے انہوں نے ماں کی طرف دیکھا۔

"میں لوگوں سے نہیں کٹا۔ میں ان سے نہیں ملنا چاہتا' جن کی میرے دل سے عزت ختم ہو چکی ہے۔ یہ منافقت مجھ سے نہیں ہو سکتی اور ابرار عرصہ ہوا میرے دل سے نکل چکے ہیں۔"

"کیوں' کیا گناہ ہو گیا اس سے؟ کچھ خبر ہے کہ وہ اور اس کی بیوی ہر جگہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ان سے جلتے ہیں کیونکہ وہ کہیں زیادہ خوشحال ہیں۔ تمہارے محکمے میں رہ کر انہوں نے تم سے بہت آگے اپنے گھرانے کو پہنچا دیا ہے۔"

یہ آخری بات کہتے ہوئے' دادی کو خود بھی تکلیف کا احساس ہوا تھا۔ پر کسی بہتر تبدیلی کی امید بندھی تھی۔ ابا کی پرسوچ سی نگاہ' کسی ان دیکھے نقطے پر جم گئی تھی۔

"جس ترقی پر وہ فخر کرتے ہیں۔ اس پر انہیں شرم آنی چاہیے۔ اور ان کا جو دل چاہے سمجھتے رہیں اور کہتے رہیں۔"

دادی کے چہرے پر مایوسی سے پھیلنے لگی۔

"تو تم نے طے کر لیا ہے کہ ان لوگوں سے کوئی ناتا نہیں رکھنا؟"

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔"

"ابھی تم نے کہا کہ ابرار تمہارے دل سے نکل چکے ہیں۔"

"بہت سے لوگ دل سے نکل چکے ہوتے ہیں اماں! پھر بھی ہماری زندگی میں موجود رہتے ہیں۔ مجبوراً" ہی سہی مگر نہیں' برداشت کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"لیکن معاذ کی خوشی تو مجبوری کا سودا نہیں ہے۔" دادی یک دم ہی کہہ گئیں۔

ابا خاموش سے ہو کر انہیں دیکھنے لگے۔ انہوں نے جو کہا تھا اس کا مطلب وہ اچھی طرح سمجھتے تھے مگر اس کا جواب ان کے پاس نہیں تھا۔

"اگر ایسے ہی حالات رہے تو وہ جویا کے لیے بھی کہاں ہامی بھریں گے۔ کتنی پیاری اور بھلی بچی ہے۔ ان کے گھر میں سب سے مختلف اور معاذ کا رجحان بھی ہے اس کی طرف۔" جو کچھ وہ کہہ رہی تھیں' کھلی حقیقت تھی۔

"معاذ اور طرح کا لڑکا ہے اماں! کوئی بھی چیز اس کی کمزوری نہیں بن سکتی۔ وہ کسی دوسرے ڈھنگ سے زندگی جینے کا عادی ہے۔" بے حد اصول پرست' صاف گو' اور سچائی سے سوچنے کے عادی ہونے کے باوجود' ابا کو اپنا لہجہ کمزور سا لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

گیراج سے ملحقہ حصے کو صفائی ستھرائی کرکے بڑی حد تک آراستہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ عین سامنے رکھی میز پر سفید کپڑا بچھا ہوا تھا۔ داہنی طرف کتابیں' کاپیاں اور اسٹیشنری باکس' ترتیب سے سجے تھے اور دوسری طرف' دو ایک رجسٹر' چاک کا ڈبہ' اسٹیپلر فائل اور اس نوعیت کی دو چار چیزیں اور رکھی تھیں' میز کے وسط میں مصنوعی پھولوں والا ایک گل دان بھی موجود تھا۔ لکڑی کے اسٹینڈ پر لگا درمیانی سائز والا بلیک بورڈ' میز سے چند ہاتھ کے فاصلے پر رکھا گیا اور سامنے دائرے کی صورت میں چھوٹی کرسیاں سیٹ کی گئی تھیں۔ ماحول کو خوشگوار بنانے کے لیے اطراف میں چند ہرے بھرے پودے بھی لاکر رکھے گئے تھے۔

دو نوعمر سے لڑکے کپڑا لیے' کرسیوں کو ایک بار پھر صاف کر رہے تھے۔ تب ہی آگے پیچھے دو موٹر سائیکلیں اس

بنا گیٹ والے احاطے میں آکر رکیں۔

"زبردست' ساری تیاری یہاں تو مکمل ہو چکی ہے بھائی!"

قریب آتے ہوئے خوش پوش لڑکے نے بلند آواز میں اس سارے اہتمام کو سراہا تو وہ دونوں لڑکے جو بڑی دیر سے اس سارے کام میں مددگار تھے۔ شرمیلے سے انداز میں مسکرا دیے۔

"لگ ہی نہیں رہا کہ یہ وہی جگہ ہے' جسے ہم نے بحالت مجبوری منتخب کیا تھا' تم لوگوں نے تو واقعی کمال کر دیا' کیوں شہزاد!" اس نے مڑ کر اپنے ساتھ آنے والے سے تائید چاہی۔

"میں تو خود حیران ہو رہا ہوں۔ بلکہ ابھی دو دن پہلے تک تو میری معاذ سے اسی بات پہ اچھی خاصی ناراضی ہو گئی تھی۔ میرا خیال تھا کہ ہمیں اپنے کام کو تھوڑا اسا لیٹ کر دینا چاہیے۔ مگر وہ کسی طرح نہیں مانا۔"

شہزاد جھینپی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"اصل میں معاذ جیسے کاہل شخص کی کارکردگی پر شبہ تو رہتا ہی ہے نا' مگر کبھی کبھی تو کمال کر ہی دیتا ہے۔"

"معاذ جیسا پوٹینشل ہم میں سے کسی کے بھی پاس نہیں ہے؟ بس وہ ایک بار وہ کام اپنی ذمہ داری سمجھ لے پھر آپ بے فکر ہو سکتے ہیں' ورنہ ہر وقت وہ ایک سے موڈ میں نہیں رہ سکتا۔" وہ دونوں چلتے ہوئے کمرے کے دروازے تک آ چکے تھے۔

"سن رہا ہوں اپنی تعریف اور تنقید' ذرہ نوازی ہے تم دونوں کی۔" اندر سے وہ کچھ اور کتابیں اٹھائے باہر آ رہا تھا "اور شکر ہے تم نے اسلام آباد کا پیچھا تو چھوڑا' صبح سے دعا مانگ رہا تھا کہ کم از کم آج تو پہنچ ہی جاؤ۔" کتابیں میز پر رکھ کر وہ ریحان کی طرف مڑا۔

"بہت مس کر رہا تھا میں بھی تم لوگوں کو' مگر کچھ پرابلم ہی ایسے رہے۔ بتاؤں گا فرصت سے۔" اس سے الگ ہوتے ریحان نے دیکھا کہ اس کے کپڑے ملگجے سے ہو رہے تھے اور بالوں پر گرد کی ہلکی سی تہہ جم رہی تھی۔

"اپنا حلیہ ٹھیک کرو۔ لگ رہا ہے آج سارا دن یہیں ہو گیا ہے۔"

"رات بھی دو بج گئے تھے ریحان بھائی ۔ صبح دس بجے سے پھر معاذ بھائی آ چکے تھے۔" ان ہی شرمیلے سے لڑکوں میں سے ایک نے کہا' تو ریحان بس اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"اب کام تو کرنا ہی تھا یار! اور مجھ اکیلے کے بس کا تو تھا نہیں۔ سب ہی لوگ شامل تھے' یہ بچے' عادل" اور اس نے فوراً" ہی چند ایک نام گنوائے' پارٹی سے جڑے کاموں کے لیے اپنی تعریف اسے عجیب سی شرمندگی میں مبتلا کرتی تھی۔ یہ بات اس کے دوست بھی جانتے تھے۔

"مجھے تمہاری دوستی پر بڑا فخر ہوتا ہے معاذ! سچ بتاؤں میں تو وہاں بیٹھا بیٹھا سخت مایوس ہو رہا تھا کہ اب کیا ہو گا۔"

"سب ان کے ابا حضور کی کرم فرمائی ہے۔ عین موقع پر بے وفائی کا ثبوت دیا ہے۔" معاذ نے چھیڑنے کے سے انداز میں شہزاد کی طرف دیکھا' تو وہ خوش دلی سے ہنس پڑا۔

"کم از کم ہاتھ منہ دھو کر بال تو برش کر ہی لو۔ سب لوگ آنے ہی والے ہوں گے۔" ریحان نے پھر تاکید کی تو وہ ذرا فاصلے پر لگے نل کی طرف چلا گیا۔

واپس آیا تو ریحان کتابوں کے سیٹ دیکھ رہا تھا اسے آتا دیکھ کر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"یہ کرسیاں کہاں سے آئیں معاذ! ہم نے تو دریاں بچھانے کا پروگرام رکھا تھا۔ گنجائش ہی نہیں نکل رہی تھی۔"

"آ گئیں بس' تم فکر مت کرو۔" وہ ہلکے سے مسکرایا۔

"سب لوگ تو اپنے پیسے جمع کرا چکے تھے۔ دوبارہ کس نے دیے' کیا سہراب نے؟" ریحان اس کے مختصر جواب سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔

"کسی سے نہیں لیے دوبارہ' اور سہراب بے چارہ تو ویسے بھی بہت تعاون کرتا ہے۔ اسے کیا بار بار پریشان کرنا۔"

"تو پھر تم لائے ہو؟"

"پرانے فرنیچر میں سے لی ہیں۔ زیادہ مہنگی بھی نہیں تھیں۔ وارنش کی ہے اوپر سے' اس لیے نئی لگ رہی ہیں۔"

ریحان کی مستقل جمی ہوئی نگاہوں کو جھیلنا مشکل ہوا تو اس نے جیسے صفائی پیش کی۔

ریحان نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے تو تمہارے گھر آتے اب شرمندگی ہونے لگی ہے۔ کیا سوچتے ہوں گے انکل آنٹی کہ تمہیں بگاڑنے والے تمہارے دوست ہی ہیں۔"

"پاگل ہو تم۔" معاذ نے لاپروائی سے سر کو جھٹکا۔

"ابا نے خود دیے ہیں۔ ان کے پاس اپنے دو آرٹیکلز کے پیسے آئے تھے۔ سو آرام سے دے دیے۔"

ریحان کے چہرے پر اب بھی تاسف تھا۔

"کرسیاں ضروری تھیں یار! یہاں وہ بچے یہاں آ رہے ہیں جو پہلے ہی قدم قدم پر اپنی عزت نفس کو مجروح کرواتے "گالی' جھڑکی' تھپڑ" ان کے روز کا معمول ہے۔ ہمارے لیے سب سے اہم بات ان کی اسی مجروح عزت نفس کو بحال کرنا ہے۔"

"مگر۔!" ریحان نے کچھ کہنا چاہا۔

"دری پر بیٹھ کر پڑھنے میں کوئی برائی نہیں ہے بلکہ میرے نزدیک تو فرش پر بیٹھنے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر یار ان بچوں کے مائنڈ سیٹ اپ کے بارے میں سوچو' اپنی کرسیوں پر بیٹھ کر انھیں جس وقار کا احساس ہو گا' وہ سب سے اہم بات ہے۔" وہ کچھ فاصلے پر آتے بچوں کے خیال سے ہلکے ہلکے ریحان کو سمجھا رہا تھا۔

اور اس بار وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔ بس ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

بچے آنے شروع ہو چکے تھے۔ اور سہراب کے گیراج میں کام کرنے والے وہ بچے' جو اب خود بھی اسی کلاس کا حصہ بننے والے تھے۔ نئے آنے والوں کو ترتیب سے بٹھانے کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے تھے۔ تھوڑی سی دیر میں ساری کرسیاں بھر چکی تھیں۔

معاذ کے ساتھ کام کرنے والے سارے لڑکے آ چکے تھے اور چند ایک وہ لوگ' جو محض اپنی نیک دلی کی وجہ سے ان کی مدد کرتے چلے آ رہے تھے اور اس وقت بھی حوصلہ افزائی کے خیال سے انہوں نے آنا ضروری سمجھا تھا۔ کچھ لوگوں نے آنے والے بچوں کے گروپ کے لیے تحائف کا انتظام بھی کیا تھا۔

گیراج کا مالک سہراب بھی صاف ستھرے کپڑے پہن کر' خاص طور پر تیار تھا۔ خاطر مدارات کا ہلکا پھلکا سا انتظام اس نے اپنے ذمہ لیا تھا۔

معاذ نے بڑی طمانیت سے اس سارے منظر کو دیکھا 25 بچوں میں سے کوئی ایک بھی غیر حاضر نہیں تھا۔ اسے بہت فکر تھی کہ کہیں بچوں کو ان کے گھر والوں کی طرف سے روک نہ جائے مگر ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ ایک چھوٹی سی شمع جو آج روشن ہو رہی تھی۔ کل کو آفتاب بن کر ماحول کو منور کر سکتی تھی۔

اس نے بڑے خلوص سے دل میں دعا کی۔ اور شاید وہاں موجود سب لوگوں نے کچھ ایسا ہی سوچا تھا۔

آج بچوں میں کتابیں بانٹنا تھیں' اور تعارف ہونا تھا' اس کے بعد اگلے ہفتے میں تین دن سہ پہر کے دو ڈھائی گھنٹے پڑھائی ہونا تھی۔

یہ وہ بچے تھے' جنہوں نے اسکول کا منہ نہیں دیکھا تھا اور کتاب کے نام پر کہانی کی کتاب نے بھی ان کے ہاتھوں کو نہیں چھوا تھا۔ بہت شوق سے وہ سب یہاں آئے بیٹھے تھے۔ معاذ کی آنکھوں میں پانی سا آنے لگا اس کمزوری پر وہ ہمیشہ ہی جھینپتا تھا۔ اس کے دوست بھی بے حد حساس اور دردمند تھے۔ مگر شاید اپنے احساس کو چھپانے میں انھیں کمال حاصل تھا۔

وہ باہر کی طرف مڑ گیا۔ پیچھے سے ریحان نے اسے آواز بھی دی' مگر وہ "ابھی آیا" کہہ کر اس بغیر گیٹ والے احاطے کے اندر آتے' راستے پر جا کھڑا ہوا۔ "زندگی کی تلخی بھلا ان معصوموں کے حلق سے کیسے اترتی ہوگی؟" سارے دنوں میں یہ انتظامات کرتے ہوئے اس نے کتنی ہی بار ان اسٹریٹ ورکر بچوں کے بارے میں سوچا۔ پھل بیچتے' اخبار ڈالتے' چھوٹے چھوٹے ہوٹلوں میں چائے سرو کرتے' گیراج اور دکانوں میں ڈانٹ پھٹکار کی زد میں دوڑ کر کام کرتے ہوئے۔

کباڑ کے جس انبار کو اس کے صاف کرنے پر ہر ایک کو حیرت ہو رہی تھی۔ وہ درد کے اسی احساس نے اس کروایا تھا۔

اچانک قریب ہی سے ایک بچے کے زور سے رونے کی آواز پر وہ چونک کر اس طرف دیکھنے لگا۔

بہت چھوٹا سا بچہ تھا جو بھاگتے ہوئے گرا تھا۔ معاذ نے تیزی سے بڑھ کر اسے اٹھایا۔

"بس بس روتے نہیں۔ شاباش!" وہ بچے کے کپڑے جھاڑتے ہوئے پیار سے کہہ رہا تھا۔ تب ہی کسی بالکل قریب آ کر بچے کو گود میں اٹھایا۔

"دیکھ کر نہیں چلتے' میں منع بھی کر رہی تھی کہ بھاگو مت' مگر سنتا ہی نہیں۔"

معاذ نے دیکھا' وہ لڑکی زیادہ عمر کی نہیں تھی اس کا حلیہ اس کی معمولی حیثیت کا آئینہ دار تھا۔ اور اس بچے علاوہ اس کے ساتھ ذرا بڑا دوسرا بچہ بھی تھا۔ جو اس کی چادر پکڑے کھڑا تھا۔

"آپ کا بہت شکریہ!" وہ اس سے کہہ رہی تھی۔

"کیا ہو گیا سعیدہ! سر تو نہیں پھٹ گیا بچے کا؟" ایک موٹی سی عورت' جو شاید اتنا تیز نہیں چل سکتی تھی سے پریشان آواز میں پوچھ رہی تھی۔

"نہیں خالہ! ٹھیک ہے" وہ لڑکی تیزی سے واپس مڑ گئی تھی۔

معاذ یوں ہی چند لمحے ان لوگوں کی طرف دیکھے گیا۔

اندر سے ایک بچے کی آواز میں سورۃ فاتحہ کی تلاوت شروع ہو چکی تھی۔

تقریب کا باقاعدہ آغاز ہو چکا تھا۔ وہ بھی تیزی سے اندر چلا آیا۔

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

دیوارِ شب

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھالاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے، زیورات کے ساتھ کیتی آرا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید دھچکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسہ ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں۔ جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو، رفاہی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعاگو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے، جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں، سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارت کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلتے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے

سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً "مطمئن" ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً "سخت مزاج" ہے۔

تیسری قسط

بوٹنی کی لیب کے پچھلی طرف والی سیڑھیاں، اس اسپورٹس کورٹ کی طرف اترتی تھیں، جہاں لڑکیاں اکثر ہی تھرو بال، یا بیڈمنٹن کھیلتی دکھائی دیتی تھیں، بہت سی لڑکیاں، یوں ہی وقت پاس کرنے کے لیے ارد گرد کی سیڑھیوں پر نشست جما لیتیں، کھیل کی طرف دھیان لگے نہ لگے، باتوں میں سب کا دل خوب لگتا تھا۔

دھیمی آواز میں ہوتی گفتگو، دبے دبے قہقہے، تھوڑی سی دیر میں بے قابو ہو کر، اچھے خاصے شور و غل میں بدل جاتے اور جو کوئی کانٹے کا میچ شروع ہو جاتا تو پھر تو بس۔

سب سے زیادہ بوٹنی کی لیب انچارج، مسز بیگ نالاں رہتی تھیں۔

سیڑھیوں پر جیسے ہی ان کا چہرہ نمودار ہوتا، "احتراماً" خاموشی چھا جاتی۔

"کچھ احساس ہے کہ اندر کام ہو رہا ہے اور آپ لوگوں کی کوئی کلاس نہیں ہے، جو اتنا مجمع لگا رکھا ہے!"

انہیں زیادہ غصہ آرٹس کی لڑکیوں پر آتا تھا۔ کالج میں مضامین کی تقسیم کچھ اس طرح سے تھی کہ فرسٹ ایر سے لے کر بی اے فائنل تک، سب ہی کو کسی نہ کسی وقت فری پیریڈ زمل ہی جایا کرتے تھے۔

"اور کم از کم یہ جگہ تو خالی رکھا کریں، ضروری ہے کہ یہیں بیٹھ کر باتیں ہوں۔"

ان کا اشارہ ٹھیک ان ہی سیڑھیوں پر ہوتا تھا۔

لڑکیاں شرمندہ سی ہو کر، وہاں سے سرک کر کسی دوسری طرف جا بیٹھتیں، مگر اگلے دن پھر سب کا فیورٹ پوائنٹ وہی ہوتا۔

کالج زیادہ بڑا نہیں تھا۔

کھلی جگہ خاص طور پر کم تھی، اگلی طرف کالج کا آفس اور پرنسپل کا کمرہ تھا، سو وہاں تو ویسے ہی شور و غل ممنوع تھا، لے دے کر یہی جگہ ملتی یا پھر عمارت کے پہلو والا درمیانے سے سائز کا لان جہاں لڑکیوں کی اتنی بڑی تعداد کا سمانا مشکل رہتا تھا، کالج کینٹین بھی اسی لان کے عین مقابل تھا۔

لڑکیاں بے چاری ان ہی دو جگہوں پر سمائے رہنے کی کوشش میں ہلکان رہتیں۔

جویا اور ربیعہ کا، کالج میں کسی وقت ملنا ہوتا، تو وہ دونوں بھی ادھر سیڑھیوں پر آ کر بیٹھ جاتیں، دونوں کا گریجویشن کا آخری سال تھا۔

ربیعہ نے آرٹس کے مضامین لے رکھے تھے۔ جویا الیں سی کے فائنل ایر میں تھی، علیحدہ علیحدہ سیکشن میں ہونے کی وجہ سے، ان لوگوں کا مل بیٹھنا معمول کا روٹین تو کبھی نہ بن سکا تھا۔

پھر بھی کسی دن، اتفاقاً" دونوں کو فری کلاس مل جاتی، تو وہ ایک دوسرے کو تلاش کر ہی لیتیں۔

ادھر پچھلے کچھ دنوں سے، اس ملاقات میں بھی وقفہ بڑھنے لگا تھا۔

سائنس میں ہونے کے باوجود، جویا کی چھٹیاں بڑھتی جا رہی تھیں، کالج آتی تو بھی زیادہ سے زیادہ اپنی کلاس میں

ہی رہتی، ربیعہ سے اس کا کسی وقت سامنا ہونے پر سرسری سی ہی دعا سلام ہو رہی تھی۔

کافی دن تک تو ربیعہ نے کوئی خاص توجہ نہیں دی، چھٹی کے بعد اسے خود گھر پہنچنے کی جلدی ہوتی تھی۔ کبھی جو معاذ ساتھ میں ہوتا تو اسے گیٹ پر منتظر مل جاتا، ورنہ تو وہ ساتھی لڑکیوں کے ساتھ بس اسٹاپ کا رخ کرتی۔

جویا کو اظہار چچا خود یا سلمان اپنی سیکنڈ ہینڈ سفید آلٹو میں چھوڑنے اور لینے آیا کرتے تھے۔

چند ایک بار ان لوگوں نے بڑی فراخ دلی سے، ربیعہ کو بھی ساتھ چلنے کی آفر کی، مگر اس نے بڑی ملائمت سے منع کر دیا۔

حالانکہ اس کا گھر، ان کے راستے میں ہی پڑتا تھا، پھر بھی اسے ایسا کرنا اچھا نہیں لگا تھا۔ ابا اور معاذ سنتے تو انہیں اور بھی برا لگتا۔ اب تو وہ لوگ اسے کہنا بھی چھوڑ چکے تھے۔

کلاس ختم ہونے کے بعد وہ کتابیں سنبھالتے ہوئے باہر نکل آئی۔ ابھی چھٹی ہونے میں ایک پیریڈ باقی تھا مگر وہ فارغ ہو چکی تھی، کالج کا گیٹ ابھی کھلا نہیں تھا، چوڑے سے کوریڈور سے گزرتے ہوئے، اسے نیچے بوٹنی لیب کے پاس سے جویا کی جھلک سی دکھائی دی تیزی سے سیڑھیاں اتر کر، ربیعہ سیدھی اسی طرف بڑھ گئی۔

اس کا اندازہ ٹھیک ہی تھا۔

جویا سامنے لیب کی سیڑھیوں پر ہی بیٹھی تھی، اکیلی خاموش، نظریں نیچی کیے، وہ کسی سوچ میں گم تھی، تھوڑے فاصلے پر لڑکیوں کا ایک گروپ موجود تھا، مگر وہ ان لوگوں سے ہٹ کر بیٹھی ہوئی تھی۔

"کیا سوچا جا رہا ہے، اتنی فرصت کے ساتھ!" وہ اس کے بالکل سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"ارے تم!" وہ کچھ چونک سی گئی۔

ربیعہ نے ذرا غور سے اس کی طرف دیکھا تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

عجیب پھیکی سی مسکراہٹ، صاف لگ رہا تھا کہ زبردستی مسکرائی ہے، ربیعہ کو اپنا شک پختہ ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

"کیا دیکھ رہی ہو!" اس کی نگاہیں خود پر جمی پا کر وہ تھوڑی سی بے چینی محسوس کر رہی تھی شاید۔

ربیعہ کو ایسا ہی لگا۔

"کچھ نہیں تم سناؤ آج کل کہاں ہوتی ہو، نظر ہی نہیں آتیں، کتنے دن ہو گئے تمہارے ساتھ بیٹھنا ہی نہیں ہوا۔"

وہ سرسری سے لہجے میں کہتے ہوئے اس کے قریب بیٹھ گئی تو جویا نے بے ساختہ ہی پہلو بدلا۔

"میں تو بس جا ہی رہی تھی گھر۔ ابو آ گئے ہوں گے لینے کے لیے!"

"ابھی گیٹ نہیں کھلا، تقریباً" آدھا گھنٹہ ہے باقی، تم بیٹھ جاؤ آرام سے، اظہار چچا آ بھی چکے ہوں گے تو تھوڑا سا انتظار کر لیں گے!"

اس بار جویا خاموش ہی رہی، شاید اسے کوئی بروقت جواب نہیں سوجھ پایا تھا۔

ربیعہ نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ بالکل سامنے دیکھ رہی تھی اور اس کے چہرے پر ہلکا ہلکا گلابی پن چھا رہا تھا۔

چند دن سے یوں ہی شبہ سا ہوتا تھا کہ، جویا اسے جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی ہے، اور اس کا بار بار کترا کر نکلنا صرف اتفاق نہیں ہے۔

"آج کل تمہاری چھٹیاں بھی بہت ہو رہی ہیں، خیریت تو ہے نا؟" اس نے اصل بات کا سرا پکڑنے کے لیے ابتدائی کوشش کی۔

"ہاں بس گھر میں کام ہی کچھ زیادہ ہے آج کل، ہر دوسرے تیسرے دن تو آپا گل ہی چلی آتی ہیں، دن بھر کے لیے۔"

وہ عام سے لہجے میں بتانے لگی۔

"کیوں؟ خیریت تو ہے!" ربیعہ کے ذہن میں بالکل بھی نہیں تھا کہ آپا گل کی باقاعدہ آمدورفت کس سلسلے میں رکی ہے۔

"سلمان بھائی کی شادی کی تیاریوں کی مصروفیت جو مل گئی ہے انہیں' ایک ہنگامہ مچا رکھا ہے' سارا دن بازار لے کر گھومیں گی اور پھر اپنی ہی کی گئی خریداری میں نقص ڈھونڈیں گی۔" جویا حقیقتاً" بے زار تھی۔

ربیعہ ہلکے سے مسکرا دی۔

آپا گل کسی کے بھی ہاتھ پاؤں با آسانی پھلا سکتی تھیں اس کی گواہی تو وہ خود بھی دے سکتی تھی' کزن تھیں بچپن سے انہیں قریب سے دیکھا تھا۔

"کیا جلدی ہو رہی ہے شادی؟"

"پتہ نہیں' ان لوگوں نے تو ابھی کچھ نہیں کہا' بس ہمارے ہاں ہی ایمرجنسی نافذ ہو رہی ہے' حالانکہ جب چاہیں گے ہو گی تو تب ہی۔"

جویا کو سلمان کی شادی کے ذکر سے ہی خفت محسوس ہو رہی تھی۔ گھر میں صرف وہی تھی جو اس سارے سلسلے کو سخت توہین آمیز سمجھ کر اب تک دل سے لگائے ہوئے تھی' ربیعہ کے سامنے اس شرمندگی میں احساس جرم سا بھی گھلنے ملنے لگتا۔

"معلوم نہیں سلمان بھائی کو کب احساس ہو گا کہ انہوں خسارے کا سودا کیا ہے۔" ربیعہ پر جب بھی نظر پڑتی تھی اسے یہ خیال ضرور ہی آتا تھا۔

کیسی شفاف اور نرمی کا احساس دلاتی آنکھیں اور دل اپنی طرف کھینچتا ہوا پُرکشش چہرہ!

خود اس کی کلاس کی لڑکیوں نے دس بار اس سے کہا تھا کہ لگتا ہے تمہارے خاندان میں سب ہی لڑکیاں بہت پیاری ہیں۔

"ہاں اور ربیعہ ان سب میں نمبرون ہے۔" ہمیشہ ہی اس نے ہنس کر کہا تھا۔

"معلوم نہیں اس نے سلمان بھائی کی منگنی کو دل پر محسوس کیا ہے یا نہیں۔" جویا کو اب تک بھی یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔

ربیعہ اتنی نارمل دکھائی دیتی تھی کہ یہ قیاس کرنا بھی آسان نہیں تھا کہ اسے ذرہ برابر بھی دکھ پہنچا ہے۔

وہاں گھر میں سب لوگ بڑے اشتیاق سے اس سے پوچھا کرتے تھے کہ ربیعہ کا کیا ری ایکشن ہے؟ وہ اداس دکھتی ہے اور آیا وہ جویا سے بات بھی کرتی ہے یا نہیں؟ وہ ان سب باتوں کے جواب میں کوئی ایک بات ایسی نہیں کہہ پائی' جو ان سب کی مزید خود پرستی کا سبب بنتی۔

ربیعہ تو کیا اس سے بات چیت میں کمی کرتی' الٹا وہ خود ہی چوروں کی طرح' اس سے منہ چھپاتی پھرتی تھی' والوں نے جس گھٹیا رویے کا مظاہرہ' منگنی والے دن کیا تھا اس کی شرمندگی' شاید صرف وہ ہی جھیل رہی تھی۔

"تم بھی عجیب ہی لڑکی ہو!" ربیعہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی "گھر کی شادی میں تو سب سے زیادہ مزہ آتا ہے اس میں بھلا بوریت کیسی' اگر میرے لائق کوئی کام ہو تو ضرور بتانا؟"

جویا نے بے ساختہ ہی اس کی طرف دیکھا۔ ربیعہ کے دل کی سچائی اس کے لہجے میں خلوص بن کر جھلکتی تھی۔

"ضرور!" آہستہ سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے' جویا کو لگا کہ جیسے دل پر سے کوئی بھاری بوجھ سرکا ہے تب چھٹی کا گھنٹہ بجنے لگا۔

سوئے ہوئے کوریڈور اور سیڑھیاں بڑے ہی پرہنگام انداز میں جاگ اٹھے۔

وہ دونوں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"گھر آنا جویا! بہت دن ہو گئے تم نہیں آئیں۔" ربیعہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"آپا گل ذرا چند دن اپنے گھر میں ٹک کر بیٹھ جائیں تو انسان کہیں آنے جانے کا سوچ سکتا ہے' ابھی تو وہ مہلت دینے کو تیار نہیں ہیں۔" جویا کتابیں اور بیگ سنبھالتے ہوئے اب مسکرا رہی تھی۔

ربیعہ کے بے ساختہ اور پر خلوص انداز اس کی شرمندگی کو کم کرنے میں بڑے مددگار ثابت ہوئے تھے۔

وہ دونوں چلتی ہوئی گیٹ تک پہنچیں۔ اظہار صاحب کی گاڑی' ذرا فاصلے پر کھڑی' دکھائی دے رہی تھی' کالج سے نکلتا ہجوم' گاڑیوں کی پارکنگ کے لیے بھی مسئلہ بنا رہتا تھا' ربیعہ کو بس میں بیٹھنے کے لیے سڑک کراس کر کے دوسری طرف جانا پڑتا تھا۔ وہ گیٹ سے جویا کے ساتھ ہی باہر نکلی تھی' وہ دونوں چند قدم آگے بڑھ کر روڈ پر آئی تھیں کہ یک دم ہی ایک تیز رفتار بائیک' بالکل قریب آکر رکی۔ جویا نے گھبرا کر ربیعہ کا ہاتھ پکڑا تھا۔

"اتنی بڑی ہو گئی ہو' ابھی بھی ہاتھ پکڑ کر چلتی ہو۔" سامنے معاذ مسکرا رہا تھا۔

اپنی پرانی سی موٹر سائیکل اور گھسے ہوئے کپڑوں میں' وہی پُراعتماد مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیلی تھی' جو خود جویا کو اس کی تمام خود اعتمادی سے محروم کرتی تھی۔

"تمہیں کچھ تمیز ہے معاذ! ابھی میں یا جویا کوئی بھی تمہاری اس بے ہودہ بائیک سے ٹکرا سکتے تھے۔" ربیعہ اس پر ناراض ہو رہی تھی۔

جویا کو بڑا غنیمت سا لگا' خود کو کمپوز کرنے کے لیے چند لمحے تو مل ہی گئے تھے۔

"میں آنکھیں بند کر کے نہیں چلاتا' اور اللہ کا شکر ہے کہ آج تک کہیں ٹچ بھی نہیں ہوئی ہے میری بائیک۔"

وہ اپنی خوبیوں کا اعلان بھی کرتا تھا اور ان پر بجا طور پر فخر بھی۔

جویا کو ہنسی آنے لگی' تو وہ ربیعہ سے بات کرتے کرتے اسے ٹوک بیٹھا۔

"اظہار چچا وہاں گاڑی میں بیٹھے' اسی طرف دیکھ رہے ہیں۔ میرے قریب کھڑے ہو کر ہنسو گی تو معلوم نہیں کیا سمجھ بیٹھیں گے۔ ربیعہ کو ویسے ہی فکر رہتی ہے کہ ان پر میرا امیج خراب سے خراب تر ہوتا جا رہا ہے۔"

اس کی بات میں چھپی معنی خیزی کو محسوس کر کے وہ اندر ہی اندر جھینپی۔

"میں چلتی ہوں ربیعہ' خدا حافظ!" معاذ کو یکسر نظر انداز کر کے' وہ ربیعہ سے کہتے ہوئے دوسری طرف مڑ گئی۔

"دو منٹ رک جاؤ' اظہار چچا خود ہی یہاں پہنچ جائیں گے۔ اچھا ہے ان سے بھی دعا سلام ہو جائے گی!" اس نے پھر کہا تھا۔

ربیعہ نے شاید پھر ناراض ہو کر اسے کچھ کہا تھا۔ جویا نے مڑ کر نہیں دیکھا۔

کیا فائدہ تھا ایک شخص کے سامنے رکنے سے' جس کے سامنے آپ ٹھیک سے کھڑے بھی نہیں ہو پاتے۔ اسے خود اپنی کمزوری پر رنج ہوتا تھا۔

معاذ اسی طرح مذاق اڑاتی نگاہوں سے اسے دیکھتا۔ دو چار مذاق اڑاتے جملے کہتا اور بس۔

وہ بس یوں ہی اپنے اندر کی ناہمواری میں الجھی رہ جاتی۔

اور آج تو کتنے دن بعد نظر آیا تھا۔

جویا کو آنکھوں میں نمی سی محسوس ہونے لگی تھی۔

"بے وقوفی کی بھی حد ہے۔" خود کو سرزنش کرتے ہوئے اس نے آنکھوں پر ہلکے سے ہاتھ پھیرا۔

"اس پُر ہجوم سے فٹ پاتھ پر کالج کی کوئی جاننے والی لڑکی اگر اسے دیکھے تو کیا اندازہ لگائے گی!" اس نے خود کو یاد دلایا۔ سامنے اظہار صاحب گاڑی لیے کھڑے تھے۔

"کب سے کھڑا ہوں یہاں' تم سے جلدی نہیں آیا جاتا کیا؟" وہ خفا ہونے لگے۔

"گیٹ پوری چھٹی کے بعد ہی کھلا ہے ابو! آج شاید آپ جلدی آ گئے۔" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے وہ آہستہ سے بولی۔

"میں چھٹی کے بعد کی بات کر رہا ہوں' یہ تم گیٹ پر فالتو باتیں کرنے کیوں رُک جاتی ہو۔"

جویا نے دیکھا' ان کی پیشانی پر واضح بل پڑ رہے تھے۔

"یہ معاذ کیا کہہ رہا تھا؟"

"کچھ نہیں' ربیعہ کو لینے آیا تھا۔" اس کی آواز اور بھی نیچی ہوئی۔

"وہ تو مجھے بھی پتہ ہے مگر......"

جھنجلاہٹ میں انہوں نے بات ادھوری چھوڑی' رشتے کا لحاظ آڑے آ رہا تھا' ورنہ انہیں معاذ کا ہنستا اور جویا کی مسکراہٹ بے حد کھلی تھی۔

"بے حد غیر ذمہ دار اور ناکارہ لڑکا ہے' اوپر سے اس کی سوسائٹی بھی اچھی نہیں ہے۔ اسلام بھائی نے نہ خود ساری عمر کسی سے بنا کر رکھی' نہ ہی بیٹے کو کوئی ادب تمیز سکھائی' اب دیکھ لو' مجھے سلام تک کرنا ضروری نہیں سمجھا 'صاحبزادے نے'۔"

گاڑی چلاتے ہوئے وہ مستقل ہی معاذ کو موضوعِ گفتگو بنائے ہوئے تھے۔

جویا سر جھکائے سنے گئی' اسے اچھی طرح پتہ تھا کہ وہ یہ سب خاص طور پر اسے ذہن نشین کرانے کے لیے کہہ رہے ہیں۔

"خاندان ہے' رشتے داری ہے' اسی لیے ہم تو پھر بھی نبھا رہے ہیں' ورنہ ان لوگوں کا رویہ تو ایسا ہے کہ بالکل ہی قطع تعلق کر لینا بہتر ہے' اور جب تک تائی اماں ہیں' ان کی شرم میں ہم بھی....." ان کا اشارہ دادی کی طرف تھا۔

اور جس ممکنہ قطع تعلق کا وہ اکثر ہی ارادہ باندھتے تھے' جویا کو یقین تھا کہ اس پر کبھی بھی عمل پیرا نہیں ہوں گے کیوں کہ اس سے خود ان کی اپنی زندگی کا آدھا لطف جاتا رہے گا۔

سارے گھر کو اپنی بے مثال ترقی کی جتنی خوشی تھی۔ اس سے کہیں زیادہ وہ خاندان کے دوسرے گھروں کی پسماندگی کے قصے دُہرا کر خوشی حاصل کرتے تھے۔ معاذ کا گھرانہ ان پرلطف باتوں میں سرفہرست رہا کرتا تھا سو اس دل چسپ باب کو بند کرنا ناممکن تھا۔

"کیسے پھٹیچر سے حلیے میں گھومتا ہے یہ لڑکا' لگتا ہے اسلام بھائی کپڑے وپڑے بنوا کر نہیں دیتے ہیں' ایک طرح سے ٹھیک بھی ہے' جو لڑکا اپنی ذمہ داری اٹھانے کے قابل نہیں' اس پر بے کار کا خرچہ کرنا بے وقوفی ہے۔" وہ عادتاً "نفع نقصان" کا تخمینہ لگا رہے تھے۔ جویا تھوڑا سا رخ موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔

گھر میں یہ سب اتنی بار کہا جا چکا تھا کہ اب اس میں کوئی نئی بات نہیں رہی تھی پھر بھی جب بھی کوئی معاذ کے حوالے سے "تحقیر آمیز انداز" سے بات کرتا' دل پر ایک چوٹ سی ہمیشہ ہی پڑتی تھی۔

"معلوم نہیں کیا بنا تھا اس کا؟" باہر بھاگتے دوڑتے ٹریفک پر نگاہیں جماتے ہوئے وہ بڑی مایوسی سے سوچ گئی "کوئی امید' کوئی آس' روشنی کی ننھی سی کرن بھی نہیں پھر بھی۔"

اسے اپنے حماقت بھرے دل پر کسی کسی وقت بڑے زور کا رونا آتا تھا۔

گاڑی اب گھر والی گلی میں مڑ رہی تھی۔

تایا گل کی بچیاں اسے دور ہی سے گیٹ کے باہر کھڑی دکھائی دے گئی تھیں۔

حسبِ معمول ان کی "تشریف" آ چکی تھی۔

جویا کی کوفت اور بڑھنے لگی۔ آپا گل کی موجودگی کا مطلب تھا کہ یہ ساری کتھا جو وہ سارے راستے سنتی آئی تھی' اب مزید اضافے کے ساتھ اور لمبی ہوگی اور خود اس کے لیے ایک لمبی نصیحت۔ وہ کالج کے گیٹ پر معاذ اور ربیعہ کے ساتھ موجود تھی۔ اظہار صاحب کو یہ خبر اندر جاتے ہی سنا دیتا تھی۔

☆ ☆ ☆

فرش اتنا ٹھنڈا تھا کہ پاؤں نہیں رکھا جاتا تھا۔ اس سال سردی کچھ زیادہ ہی پڑ رہی تھی سیڑھیوں سے نیچے چپلوں کی ڈھیر کے ساتھ پاؤں جوتے سے علیٰحدہ کرتے ہوئے سعیدہ نے موسم کی شدت کو محسوس کیا۔

"تیرے تو پیر سن ہوئے جا رہے ہیں خالہ!"

"تو کم از کم موزے ہی پہن لیتیں' اتنی ٹھنڈ ہے۔ اس پرانے سوئیٹر اور شال سے سردی رکنے والی ہے کیا؟" خالہ نے اس کی کم عقلی پر افسوس کیا۔ خود وہ کپڑے بے شک پرانے پہنے رہتیں' مگر سردی سے بچنے کا پورا اہتمام رکھتیں۔

موزے' سوئیٹر' ایک کی جگہ دو دو چڑھائے رکھتیں اور سر پر اوڑھی چادر کے نیچے سے موٹی اونی ٹوپی بھی دکھتی تھی۔

"لنڈے بازار سے خرید کر لائی تھی۔ ایک ساتھ چار جوڑیاں' خبر ہوتی کہ تیرے پاس ایک بھی نہیں تو۔۔۔ خیر ابھی گھر واپس جاتے ہی نکال کر دے جاؤں گی!" خالہ نے سعیدہ کی خاموشی سے خود ہی نتیجہ اخذ کر لیا کہ اس کے پاس گرم موزوں کی ایک بھی جوڑی نہیں۔

"نہیں خالہ! اب کہاں ٹھنڈ' یہ تو دوبارہ سے ایک لہر آئی ہے' ایک دو دن میں ختم ہو جائے گی۔" پھیکی سی مسکراہٹ سعیدہ کے چہرے پر آئی۔

سارا موسم' اسی ادھیڑبن میں نکلا تھا کہ بچوں کے پاس موسم کے لحاظ سے مناسب کپڑے موجود رہیں۔

ٹھیلوں پر بکتے پرانے کپڑوں کے ڈھیر میں سے چھوٹے کے سائز کا سوئیٹر اور ٹوپا چھوٹے کے گرما جائے' بیچ والے کا سوئیٹر' چھوٹے کا اتنا مسئلہ نہیں تھا' بڑے کے چھوٹے ہو جانے والے کپڑے' سردی گرمی میں اس کے کام آ جاتے تھے۔

سلائی کے جو تھوڑے بہت پیسے جمع ہوئے تھے' اس سے یہی خریداری کی جا سکی تھی۔

"پر جو بھی ہے ہزاروں سے بہتر۔ پتہ نہیں کتنے اس سے بھی زیادہ خستہ حالی میں گزارا کرتے ہوں گے۔" زندگی صبر کا پہاڑا پڑھتے ہوئے گزر رہی تھی۔ اس نے سامنے بیٹھی عورتوں پر نظر ڈالی۔ حالانکہ آج وہ لوگ جلدی آئی تھیں مگر جو اس سے بھی زیادہ دور اندیش تھیں' ان کی تعداد بھی اچھی خاصی تھی۔

سعیدہ کی نگاہیں عظمت بوا کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ چیزوں کو ترتیب سے رکھنے والے ملازمین کے ہجوم میں اسے آخر وہ دکھائی دے ہی گئیں۔

اس کے ساتھ آئی خالہ اپنی پرانی ملنے والیوں سے ملنے ملانے میں مصروف ہو چکی تھیں' اب کافی دیر انہیں اس کی پروا نہیں ہونا تھی پھر بھی سعیدہ نے اٹھنے سے پہلے انہیں مطلع کرنا ضروری سمجھا۔

"میں ابھی آ رہی ہوں خالہ!"

انہوں نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا اور انہماک سے پاس بیٹھی عورت کا قصہ سنے گئیں۔

عورتیں بے شک زیادہ تھیں' مگر یہاں آتے ہوئے اتنا عرصہ گزر چکا تھا کہ سارے اصول قاعدے ازبر ہو چکے تھے۔

دونوں قطاروں کے بیچ میں چھوڑے گئے راستے سے گزر کر سعیدہ کو اس جگہ تک پہنچتے ہوئے کوئی دقت نہیں ہوئی جہاں بوا عظمت کھڑی اس سارے سلسلے کو سپروائز کر رہی تھیں۔

"بوا!" وہ ہلکے سے پکاری۔

"ہاں! کون؟" وہ کچھ چونک کر مڑیں اور سامنے کھڑی سعیدہ کو دیکھ کر ان کے ماتھے پر پڑے بلوں میں ایک اور کا اضافہ ہوا۔

"کیا بات ہے سعیدہ! یہاں کہاں چلی آ رہی ہے' وہ تیرے بچے پھر سارا باغ اجاڑ دیں گے۔"

ایک بار اس کے بچے نے چند پھول سیڑھیوں کے پاس رکھے گملے سے توڑ لیے تھے' عظمت بوا اس گستاخی کو آج تک نہیں بھول پائی تھیں۔

"نہیں خالہ! بچوں کو تو میں ساتھ ہی نہیں لائی۔" سعیدہ کا لہجہ مارے لجاجت کے خوشامد میں بدلتا جا رہا تھا۔

"اچھا کیا!" بوا عظمت کے چہرے پر پھیلے تناؤ میں تو کمی نہیں آئی مگر پھر بھی سعیدہ کو تھوڑا سا حوصلہ ملا تھا۔ بوا عظمت ایک بار پھر راشن کے تھیلے رکھتے ملازمین کو کچھ ہدایت دینے لگیں۔

سعیدہ نے چند لمحے ان کے فارغ ہونے کا انتظار کیا۔

"ہاں بتا' بات کیا ہے۔" نہیں شاید اس کی مسکینی پر تھوڑا سا رحم آ گیا۔

"خالہ! اس بار مجھے تھوڑی سی زیادہ امداد۔۔۔!" امید بھری نگاہ سے ان کو دیکھتے ہوئے سعیدہ نے جو درخواست پیش کرنا چاہی تھی بوا عظمت کی مصروفیت کے سبب مختصر کر دی۔ "اصل میں اس مہینے میرے میاں کا کام ہی نہیں لگ سکا' چھوٹا الگ بیمار رہا ہے' مجھ پر بہت قرضہ چڑھ گیا ہے۔"

"اب تو اکیلی تو نہیں' یہاں تو سب ہی کا ایک ہی رونا ہے' تجھے اگر زیادہ دلوا بھی دوں تو باقی ساری میری جان نوچنے کے لیے کھڑی ہو جائیں گی۔"

بوا عظمت اس پر بڑی مصیبت سے متاثر ہونے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

اور ان کی مجبوری بھی ایک حقیقت ہی تھی۔ ذرا فاصلے پر قطار میں بیٹھی عورتیں اس وقت بھی بڑی کینہ توز نگاہوں سے سعیدہ کو دیکھ رہی تھیں جو بوا عظمت سے کسی ساز باز میں مصروف تھی۔

"مہربانی کر دو۔" اس کی آواز رندھنے لگی۔

بوا عظمت نے اس کی آنسو بھری آنکھوں کی طرف دیکھا اور ہلکے سے بولیں۔ "اچھا جا کر اپنی جگہ بیٹھ' کرتی ہوں کوشش کہ کچھ الگ کر کے رکھ دوں۔"

سعیدہ کے دونوں ہاتھ تشکر کے احساس کے ساتھ بوا عظمت کے سامنے جڑے۔

بوا عظمت فوراً" ہی دوسری طرف مڑ گئیں مگر سامنے بیٹھی عورتوں کے لیے یہ بھانپ لینا مشکل نہیں تھا کہ معاملہ پٹ گیا ہے۔

"یہ تو ناانصافی ہے بوا! تمہاری جاننے والیاں پتہ نہیں کیا کیا رعائتیں لے لیتی ہیں' ہم بے چارے تو منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔" کرخت چہرے والی ایک دبلی پتلی سی عورت نے' جس کی آواز بھی اس کی شکل کے مماثل ہی تھی' صدائے احتجاج بلند کرنے میں دیر نہیں کی۔

دو ایک نے فوراً" ہاں میں ہاں ملائی۔

بوا عظمت نے کڑی نگاہ' اس سب سے پہلے کہنے والی پر ڈالی۔

"بے کار کا فساد اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے' بیٹھنا ہے بیٹھو ورنہ وہ راستہ ہے باہر کا!" انہوں نے انگلی سے اشارہ کیا۔ "کسے کیا دینا ہے' یہ فیصلہ بیگم صاحبہ کرتی ہیں' ان کے سامنے زبان چلائی تو دوبارہ یہاں گھسنے بھی نہیں

پاؤ گی۔"

امداد بانٹنے والے دن بوا کے انداز میں رعونت ۔۔۔ خود بخود آجاتی تھی۔

سب ہی کو بوا عظمت کے اختیارات کا اندازہ تھا۔ سو ان سے بگاڑ بھی منظور نہیں تھا' لہٰذا ان کی طرف سے دھیان ہٹا کر اب وہ ساری واپس اپنی جگہ پر آ بیٹھی اور سب سعیدہ کو گھور گھور کر دیکھ رہی تھیں جو ان کے خیال میں اس وقت سارے فساد کی جڑ تھی۔

بوا عظمت کا کام روز بروز مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ بظاہر خدا ترسی کے طور پر شروع ہونے والے اس کام میں اب جھنجھٹ بڑھتے ہی جا رہے تھے' پہلے سڑک کے اس پار بنی کچی آبادی سے مستحق عورتیں' چند ہی پہلی جمعرات کو عصر کے بعد' زرتاج بیگم کے ہاتھ سے 'راشن' کے تھیلے یا نقد رقم کے لفافے لے کر فارغ ہو جاتی تھیں۔

اس وقت عورتوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں تھی یا پھر لوگوں کو کارِ خیر کے اس سلسلے کے بارے میں علم ہی نہیں تھا۔

خاص طور پر بلوائے گئے پریس فوٹوگرافرز کی مہربانی سے یہ قصہ جلد ہی عام ہونے لگا تو آنے والیوں کی تعداد خود بڑھنے لگی۔

ہر بار اتنے نئے چہرے ہوتے کہ یاد بھی نہیں رکھے جا سکتے تھے۔

بوا عظمت کو اپنی تمام سخت دلی کے باوجود سامنے والی آبادی سے آنے والی عورتوں سے ایک خاص طرح کا تعلق محسوس ہوتا تھا۔

ایک تو وہ لوگ بہت عرصے سے آ رہی تھیں اور دوسری پردیس میں ہونے کا حق۔ ان سب کی زبوں حالی بھی کنفرم تھی۔

سعیدہ کو بھی وہ جب سے جانتی تھیں جب اس کا پہلا بچہ ہونے والا تھا۔

دبلی پتلی' بڑی بڑی آنکھوں اور گندمی رنگت والی سعیدہ' جسے دیکھ کر انہیں رحم کے بجائے غصہ آتا تھا کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں اس کی شادی کی ہی کیوں گئی تھی آخر؟ لیکن پھر جب مانوسیت بڑھی اور انہیں سعیدہ کی یتیمی اور خاندان والوں کی بے مہری کا علم ہوا' تو انہیں اس سیدھی سادی لڑکی پر کچھ کچھ رحم آنے ہی لگا۔

اپنے بچوں کو خود سے لگائے' وہ سمٹی سی ایک طرف بیٹھی رہتی اور سب سے آخر میں آگے بڑھتی۔ کئی بار ایسا ہوا تھا کہ اس کے لیے برائے نام ہی کوئی چیز بچتی' تب اس کے چہرے پر پھیلی مایوسی خود بتاتی تھی کہ وہ کتنی ضرورت مند ہے۔

ایسے میں کئی بار عظمت بوا کا دل چاہا تھا کہ زرتاج بیگم خود الگ سے کچھ اسے دے دیں۔ مگر وہ میدان صاف ہوتے ہی' بڑی تیزی سے خود بھی یہاں سے اٹھ جاتی تھیں۔

"جنہیں امداد چاہیے' وہ وقت سے پہلے یہاں آ کر بیٹھیں' بعد میں رُک کر میں عورتوں کی عادت خراب نہیں کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ بہت رکھائی سے اپنی بات کہتی تھیں اور پھر کس میں مجال تھی کہ اصرار کر سکے۔

مگر آج سعیدہ نے پہلی بار' ان سے کوئی درخواست کی تھی۔

بوا عظمت کا ذہن مستقل ہی اس ادھیڑ بن میں تھا کہ وہ کس طرح زرتاج بیگم سے اسے کچھ فیور دلا سکیں۔ بانٹنے پر جو ملازم کھڑے ہوتے تھے' ان کو زرتاج بیگم کی سختی سے تاکید ہوتی تھی کہ کسی کو بھی ایک سے زائد راشن کا بیگ نہ ملنے پائے' سو وہاں سے کچھ ملنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

زرتاج بیگم اب آ کر اس اونچی پشت والی کرسی پر بیٹھ چکی تھیں اور عورتیں باری باری آ کر ان کے دوسری طرف کھڑی روزی کے ہاتھ سے سامان پکڑ رہی تھیں۔

زرتاج بیگم ہر تھیلے کو محض انگلیوں سے چھو دیتیں' لینے والی کا سر مارے تشکر کے اور بھی جھکا جاتا۔ سلام کرتی وہ پیچھے قدموں پر ہٹتی' تو دوسری آگے آتی۔ ایک ایک کر کے رش کم ہو رہا تھا۔

عظمت بوا نے سعیدہ کو بھی آگے بڑھتا دیکھا اور جب وہ روزی کے ہاتھوں سے سامان لے رہی تھی تو اس نے بڑی پُرامید نگاہوں سے بوا عظمت کی طرف دیکھا بھی مگر وہ دانستہ نگاہیں چرا گئیں۔

زرتاج بیگم کے موڈ کا کچھ بھروسا نہیں تھا۔

خوش مزاجی اور نیک دلی کا جو مظاہرہ وہ لوگوں کے لیے کر لیتی تھیں وہ بس وقتی طور پر ہی ہوتا تھا۔ گھر کے ملازمین اور قریب ترین لوگوں میں سب ہی ان کی بد زبانی اور بد مزاجی کے گواہ تھے۔

سعیدہ کو بوا عظمت کے رویہ سے مایوسی ہوئی تھی۔ تب ہی جب وہ پیچھے ہٹی تو زرتاج بیگم کو سلام کرنے سے زیادہ کچھ بھی نہیں کہہ سکی۔

انہوں نے معنی خیزی سے ٹیڑھی نظر سعیدہ پر ڈالی' مگر اس کے بعد والی عورت آگے بڑھ کر ان کی قصیدہ خوانی شروع کر چکی تھی۔

"اللہ آپ کے مال اور عزت میں ہزاروں گنا اضافہ فرمائے' آپ کو لمبی عمر عطا کرے' آپ کی غریب پروری کا اجر۔۔۔!"

بیگم زرتاج کے چہرے پر بڑی آسودہ سی مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

"بس بس' اوروں کو بھی آگے آنے دو۔" مربیانہ انداز میں انہوں نے اسے ہاتھ سے پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ وہ جلدی جلدی الٹے پیروں واپس ہوئی مگر اس کی دعائیں آنے والے کی دعاؤں میں بھی شامل ہو رہی تھیں۔

بوا عظمت کو کبھی کبھار اپنے ذہن پر بڑا بوجھ سا محسوس ہونے لگتا تھا۔

دو وقت کی روٹی اور سر چھپانے کے لیے چھت کا آسرا کہیں بھی کام کر لیتیں تو مل ہی جاتا۔ یوں ساری عمر کے لیے اس تذلیل کا حصہ تو نہ بننا پڑتا۔

برآمدہ تقریباً "خالی ہو چکا تھا۔

عورتیں آگے پیچھے چلتے ہوئے گیٹ کی طرف جا رہی تھیں۔ سعیدہ ابھی بھی سیڑھیوں کے پاس کھڑی تھی۔

"اب کوئی رہ تو نہیں گیا بوا؟" زرتاج بیگم کے پرس میں شاید ابھی کوئی چیک باقی رہ گیا تھا۔ بوا عظمت کو کچھ ایسا ہی لگا۔

"رہا تو کوئی نہیں ہے بیگم! مگر ایک لڑکی ہے بے چاری بڑی مصیبت زدہ' اگر اسے کچھ اور۔۔۔!"

"سفارشوں کا سلسلہ مت شروع کرو بوا! تمہارے جاننے والے نکلنے شروع ہو گئے' تو کل کو یہ سارے بھی پتہ نہیں کس کس کو لیے چلیں آئیں گے۔ میں یہاں قارون کا خزانہ تو لے کر نہیں بیٹھی ہوں' اپنی اوقات میں رہا کرو۔"

زرتاج بیگم نے کھڑے ہوتے ہوئے اچھی خاصی خبر لے ڈالی عظمت بوا بالکل چپکی کھڑی رہ گئیں۔

گھر کے آدھے ملازمین یہیں موجود رہتے تھے' ان سب کے سامنے اس بڑھاپے میں بے عزتی ہونا خاصا تکلیف کا سبب بنا تھا۔

"پتہ نہیں' دل ہی دل میں وہ سب کتنا ہنسے ہوں۔"

وہ یوں ہی شرمندہ شرمندہ سی کھڑی تھیں تب ہی کسی نے ان کے کندھے پر بڑی محبت سے ہاتھ رکھا۔

"ان کی تو عادت ہے' تم کیوں دل پر لیتی ہو بوا! بتاؤ کسے کیا دلوانا ہے' کچھ چیزیں میں نے پہلے ہی سے بچا کر رکھی

ہوئی ہیں۔"

بوا نے حیرت سے بالکل پاس کھڑی روزی کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بڑی اپنائیت بھری چمک تھی۔

"اور کیا، ہم کیا جانتے نہیں بیگم صاحبہ کی عادت کو' وہ تو اللہ بخشے صاحب مرحوم کے ہاتھ کا شروع کیا ہوا کام ہے جسے انہیں زبردستی نبھانا پڑ رہا ہے۔ ورنہ انہیں کہاں توفیق ہو سکتی تھی؟ پتہ نہیں کتنا دل جلاتی ہوں گی کروڑوں کی دولت میں سے چند ہزار فالتو خرچ ہو جانے پر۔"

زرتاج بیگم کے ایک اور وفادار نے دل کی بھڑاس نکالی۔

"یہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان سے فالتو بات کی جائے۔ ہماری وفاداریوں کی ذرا بھی تو قدر نہیں ہے۔"

"دل تو چاہتا ہے کہ اسی وقت لات مار کر چلیں جائیں اس کی نوکری کو' بس مرے ہوئے مالک کا لحاظ آڑے ہے۔"

وہ سارے ان کی دل جوئی۔ کے خیال سے اپنے دل کی بھڑاس نکالتے رہے۔

روزی' عنایت اور تو اور وہ منہ چڑھا ڈرائیور راجو بھی' جسے عام طور پر زرتاج بیگم کے سب سے زیادہ قریب تصور کیا جاتا تھا۔

سب ہی عظمت بوا کی دل جوئی کے لیے پیش پیش تھے حالانکہ وہ ان سب سے ہی کتنا نالاں رہتی تھیں۔ اس روزی غریب سے تو سیدھے منہ بات کرنے تک کی روادار نہیں ہوتی تھیں۔

ذرا سی دیر کے لیے بوا عظمت کو شرمندگی بھی ہوئی مگر اپنے سے کہیں جونیئرز کے سامنے اظہارِ شرمندگی ان کے مسلک کے خلاف تھا۔

"اچھا اب بس بھی کرو' کیا مجمع لگا کر کھڑے ہو گئے ہیں سب' میں کون سا مری جا رہی ہوں' جو سب کے سب افسوس کرنے کھڑے ہو گئے' اور روزی لے کر آ گیا دے رہی تھی۔"

ان کی آواز میں وہی مخصوص طنطنہ لوٹ آیا' جس کے وہ سب عادی تھے۔

مسکراتے ہوئے سب اِدھر اُدھر ہو گئے۔

سعیدہ اب سیڑھیوں کے پاس نہیں تھی۔ کچھ جھگڑا سا بڑھتے دیکھ کر وہ خود ہی وہاں سے ہٹ کر دیوار کے پاس کر کھڑی ہو گئی تھی۔

روزی نے اندر سے لا کر ایک بڑا سا شاپر عظمت بوا کے حوالے کر دیا تھا۔

اس میں وہ چیزیں تھیں' جو امدادی بیگ تیار کرتے ہوئے روزی نے اِدھر اُدھر کی تھیں۔

چند ایک گھی اور تیل کے پیکٹ' شکر' دالیں' چائے کی پتی۔

عظمت بوا نے ایک نگاہ میں اس ساری مالیت کا اندازہ لگایا۔

"یہ اتنی ساری چیزیں کب اڑالیں تو نے؟"

"تھوڑی تھوڑی کر کے جمع کی ہیں خالہ! ایک بار میں تھوڑی لی ہیں' بہت حساب کتاب کر کے دیتی ہیں صاحب!" روزی نے جھینپتے ہوئے صفائی پیش کی۔

ابھی ابھی ان سب کی محبت کا ایک نیا تجربہ نہ ہوا ہوتا تو وہ نہ جانے اس بے ایمانی پر اس کا کیا حشر کرتیں۔

لیکن اس وقت صرف معمولی سا جھڑک کر رہ گئیں۔

"کیا ضرورت ہے ایسی بے ایمانی کی' لوں گی خبر کسی وقت تیری اچھی طرح' آخر کرتی کیا ہے ان سب کا؟"

روزی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"تھوڑے سے پیسے بنا لیتی ہوں بوا! اِدھر اُدھر بیچ کر جو پیسے ملتے ہیں ان سے تھوڑے سے شوق پورے کر لیتی ہوں اور کیا۔"

اس کا حلیہ اس کے بیان کا گواہ تھا۔ ہاتھ میں میچنگ چوڑیاں، آرٹیفشل جیولری، کلپ، نیل پالش۔۔۔
عمر کے تقاضے، خواہشات پر بند باندھنے نہیں دیتے تھے۔ وہ بھی اپنے شوق پورے کرنے کے لیے جو حربہ میں آتا استعمال کر رہی تھی۔

بوا عظمت نے کسی وقت فرصت سے اسے سمجھانے کا ارادہ دل میں باندھا اور شاپر اٹھا کر سعیدہ کی طرف بڑھیں۔

"لے یہ سنبھال۔"

"اور آئندہ خبردار جو مجھ سے ایسی امیدیں باندھیں۔ میں کون سی گورنر لگی ہوں یہاں۔ معمولی سی نوکرانی اوقات ہی کیا ہے میری!" باوجود ضبط کے ان کی آواز رندھنے لگی۔

سعیدہ نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

یہاں ان سب پر بوا عظمت کی بالادستی کا گہرا سکہ جما ہوا تھا۔

"اب یہاں مت ٹھہر اور نہ ہی کسی سے بات کرنے کی ضرورت ہے اور اچھی طرح سے چادر کے اندر کر اس سامان کو۔" خود پر قابو پا کر انہوں نے جلدی جلدی چند نصیحتیں کیں۔

"بوا!" سعیدہ کے دل کو ان کی آواز میں اتری نمی دکھ دے رہی تھی۔

"مجھے معاف کر دیجیے گا، میں نے آپ کو بڑی پریشانی میں ڈالا، آپ کا یہ احسان۔۔۔!"

"سن لیا نا بس، اب چلی بھی جا اور جیسے میں نے کہا ہے ویسے ہی۔" انہوں نے اسے وہاں سے روانہ کر کے چھوڑا اور جب تک وہ گیٹ سے نہ نکلی وہیں کھڑی اسے دیکھے گئیں۔ سڑک کے دوسری طرف خاصا ہٹ کر ریل کی پٹری گزرتی تھی، سعیدہ کا گھر اس کے ساتھ آباد کچی بستی میں تھا۔

جب تک وہ باہر آئی اس کے ساتھ آئی عورتیں سڑک پار کر کے دوسری طرف جا چکی تھیں۔

"کیا ہوا؟ سعیدہ پیچھے کیوں رہ گئی ہے!" وہیں سے چلا کر خالہ نے پوچھا تو وہ جلدی سے بہانہ بنا گئی۔

"کچھ نہیں خالہ! چپل ٹوٹ گیا ہے، اسی لیے تیز نہیں چلا جا رہا۔"

وہ نہیں چاہتی تھی کوئی بھی اسے اس زائد سامان کے ساتھ دیکھے وجہ معقول تھی۔ وہ سب لوگ بھی پھر چل پڑی تھیں۔ ویسے بھی اکٹھا ہونے کی ایکسائٹمنٹ آتے وقت ہوتی تھی، جاتے ہوئے ہر ایک کو جلدی ہوئی تھی۔

گھر میں اکٹھا سامان لانے کی خوشی، قدموں کی رفتار کو تیز اور تیز کرتی۔

چند دن قدرے بے فکری سے پکایا اور کھایا جا سکتا تھا۔ خود سعیدہ کو بھی تھوڑی سی بے فکری حاصل ہوئی تھی۔ گھر میں کھانے پینے کا سامان ختم تھا، آج صبح محلے کے دکان دار نے مزید اُدھار دینے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ پڑوس سے آئی چاولوں کی پلیٹ اس نے بچوں کو کھلا دی تھی۔

اور خود۔۔۔

بھوک کے چبھتے ہوئے احساس نے کسی کمی کا احساس دلایا۔ دال، چاول، روٹی، کھچڑی، میٹھا پراٹھا۔ پکانے کے لیے کتنی ساری چوائس اب اس کے پاس تھی اور بعد میں گرم گرم میٹھی سی چائے۔

اس کے منہ میں سوچ کر بھی پانی آنے لگا۔

حالانکہ فوری طور پر اپنا قرضہ اتارنے کے لیے اسے نقد رقم نہیں ملی تھی، مگر اب اسے اتنی پروا نہیں تھی۔

آج صبح ہی سلائی کے لیے دو سوٹ آئے تھے۔
پیٹ بھر کر کھانا کھا لینے کے بعد، وہ ان دونوں سوٹوں کو بڑے آرام سے تھوڑی دیر میں ہی سی سکتی تھی۔ تھوڑا سا اُدھار تو ان کی سلائی سے چکایا جا ہی سکتا تھا۔

اور پھر کیا پتہ کل پرسوں میں اور سلائی آجائے ورنہ اور کوئی نہ کوئی کام بھی ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ امید کی ننھی ننھی کرنیں بڑی حوصلہ بخش تھیں۔

سامان کے بھاری سے شاپرز کو اٹھا کر چلتے ہوئے اسے ذرا بھی تھکاوٹ کا احساس نہیں تھا۔

آج دونوں بچے وہ پڑوس میں چھوڑ کر آئی تھی، اب ان کا خیال بھی بے چین کر رہا تھا۔

"چھوٹا تو یقیناً" رو رو کر بے حال ہو رہا ہوگا۔ "وہ اس کے بغیر رہتا ہی کہاں تھا۔

"اور جو کہیں بیٹھا مٹی کھا رہا ہوگا تو پتہ نہیں کسی نے دیکھا بھی یا نہیں!"

مگر یہ سب کتنا بھلا لگ رہا تھا۔ سعیدہ نے پچھلے کئی دن سے چھائی گھٹا ٹوپ مایوسی کے خیال تک کو قریب آنے سے روکا۔

"شکر ہے تیرا میرے مولا!" اس کا رواں رواں شکر گزار ہو رہا تھا۔ "بھلا پیٹ بھر کھانا مل جانے کا شکر بندہ صحیح طور پر ادا بھی کر سکتا ہے یا نہیں؟"

☼ ☼ ☼
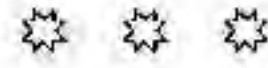
سلمان کے سسرال والوں نے اس ویک اینڈ پر کھانے پر بلایا تھا۔

دعوت سلمان کے ذاتی موبائل پر دی گئی تھی۔ آپا گل نے جب سے سنا تھا بے حد برا مان رہی تھیں۔

"یہ کیا طریقہ ہے، گھر پر فون کر کے امی اور ابا کو مدعو کرنا چاہیے تھا۔ سلمان کو الگ بے شک ایک فون کر لیتے۔"

شاکرہ بیگم بیڈ پر کچھ سوٹ پھیلائے بیٹھی تھیں جن پر کام بننے جانا تھا، مگر وہ اس وقت ان میں قطعی دلچسپی لینے کے موڈ میں نہیں تھیں۔

"یاد ہے امی! میرے سسرال والوں کو آپ نے جب بھی دعوت دی، ہمیشہ میرے ساس سسر کو ہی فون کرتی تھیں۔" تھوڑا سا سوچ کر اپنے گھرانے کی ایک بھلی روایت انہوں نے ڈھونڈ ہی لی۔

شاکرہ چچی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"ہم جیسے سیدھے سادے لوگ اب کہاں ملتے ہیں اور دیکھ لو کس بات کی قدر کی ان لوگوں نے، الٹا تمہاری زندگی عذاب بنائے ہوئے ہیں آج تک!"

"سچ کہتی ہیں، نیکی اور شرافت کی تو کوئی قدر ہی نہیں ہے آج کل!" آپا گل کے چہرے پر مظلومیت کے آثار نمایاں ہونے لگے۔

زویا اور جویا دونوں ہی کمرے میں موجود تھیں۔ کوشش کے باوجود ہنسی ضبط نہ کر سکیں۔

"کیوں، ہنسنے کی کیا بات ہے، کوئی لطیفہ سنا دیا میں نے!" انہوں نے تیکھی نگاہوں سے دونوں بہنوں کی طرف دیکھا۔

"نہیں آپا! لطیفہ بے چارہ تو من گھڑت ہوتا ہے!" زویا نے مسکراہٹ پر قابو پانے کی ناکام سی کوشش کی۔

"تم دونوں سارا لحاظ کھوتی جا رہی ہو، بڑے چھوٹے کی کوئی تمیز ہی نہیں رہی ہے، ساری ڈھیل آپ کی دی ہوئی ہے!" انہیں والدہ ہی قصوروار محسوس ہونے لگیں۔

"اصل قصہ تو نمٹاؤ پہلے۔" وہ بے زار ہونے لگیں بیٹیوں کی بحث سے۔ "سلمان کے سسرال دعوت میں جو ہے یا نہیں!"

"نہ جانے کا تو خیر سوال ہی پیدا نہیں ہوتا!" آپا گل تیزی سے واپس اصل موضوع کی طرف آ گئیں۔ "اگر جانا نہیں رکھیں گے تو پھر وہ لوگ ہمیں اہمیت دینا بھی بالکل چھوڑ دیں گے ہم سب کو ہی چلنا ہوگا۔"

"میں تو نہیں جاؤں گی خیر!" جویا کا انداز بڑا فیصلہ کن تھا۔

"اور میں بھی!" زویا بھی اس کے ساتھ تھی۔

آپا گل کو ہمیشہ یہی شبہ رہتا کہ ان دونوں میں بڑا پکا گٹھ جوڑ ہے۔ ایک سی صلاح اور ایک فیصلہ۔

"اسی طرح ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائے رکھو گی تو کل کو زوبیہ کے ساتھ کیسے ایڈجسٹ کرو گی تم دونوں، ہونے والی بھابھی ہے، اس کے ساتھ دوستی بڑھانے کی کوشش کیوں نہیں کرتی ہو۔"

اپنی خفگی کو بھلا کر انہوں نے چھوٹی بہنوں کو سمجھانے کا فریضہ نبھانا چاہا مگر وہ دونوں زوبیہ کی طرف سے کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھیں۔

"میری تو خیر انہیں شکل بھی یاد نہیں ہوگی۔ منگنی والے دن سلمان بھائی نے تعارف کرایا تو بس ایسے ہی سرسری سے انداز میں انہوں نے میری طرف دیکھا تھا۔" زویا کو اچھی طرح یاد تھا۔ "اور ویسے بھی اگلے ہفتے میرے تین ٹیسٹ ہیں!"

وہ انٹر سائنس پری میڈیکل میں پڑھ رہی تھی اور اپنی پڑھائی کا اس کے پاس ہر وقت ہی بڑا مضبوط جواز رہتا تھا۔

"کوئی بات نہیں، یہ دونوں گھر پر رہ لیں گی، ہم لوگ چلے جائیں گے!" شاکرہ بیگم کو دیگر تفصیلات ڈسکس کرنے کی جلدی تھی۔

منگنی کے موقع پر ان کے ہاں سے اتنا کچھ آیا تھا، اب خالی ہاتھ جانا تو مناسب نہیں تھا سو ان کے شایان شان کچھ انتظام کرنا بھی ضروری تھا۔

"کسی اچھے ہوٹل سے کیک لے لیں اور کسی مشہور دکان کی مٹھائی وغیرہ!"

"بس صرف یہی!" وہ تھوڑی سی حیرت زدہ بیٹی کی شکل دیکھنے لگیں۔

"تو پھر کیا لے کر جانا چاہتی ہیں آپ، سارے گھر والوں کے جوڑے اور ـــــ!"

"ان لوگوں کے ہاں سے کتنا کچھ آیا ہے۔ اس کا کچھ تو بدلہ اتارنا ہی چاہیے!" شاکرہ بیگم ان کے طنز پر چڑ سی گئیں۔ مگر آپا گل کا نکتۂ نظر سراسر دوسرا تھا۔

"اس چکر میں مت پڑیے کہ بدلہ بھی اتارنا ہے۔ جو بھی ان کے ہاں سے آ رہا ہے، خاموشی سے رکھتی جایئے سب ہی لڑکی والے بھیجتے ہیں، زوبیہ کے ماں باپ تو ہیں بھی بے حد پیسے والے، اگر کچھ کر رہے ہیں تو ہم پر احسان تھوڑی ہے!"

آپا گل کی تھیوری بڑی سہل تھی اور اس پر عمل کرنے میں بڑی عافیت تھی، انہیں گھر میں سب سے زیادہ سمجھ دار ویسے ہی تو نہیں سمجھا جاتا تھا۔

شاکرہ بیگم نے بڑی اطمینان بھری نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

بات پھر سے دعوت کے لیے اپنی ذاتی تیاریوں کی طرف مڑ گئی۔ آپا گل کو رہ رہ کر جویا کے وہاں نہ جانے افسوس ہو رہا تھا۔

"زویا تو چلیں چھوٹی ہے ابھی، مگر جویا کو تو آنا جانا چاہیے، لوگوں سے ملے جلے گی تو اچھا رشتہ ملنے میں آسانی

رہے گی!"

جویا نے فوراً ہی مڑ کر ان کی طرف دیکھا۔

"میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کسی کو، میں نے ایک بار منع کر دیا ہے نا جانے سے!" وہ اتنی سرد مہری سے کم ہی کسی کو مخاطب کرتی تھی۔

"کیوں نہیں کرنی فکر، کیا ہمیشہ یہیں بیٹھے رہنا ہے، میں تو کہتی ہوں امی!" وہ خفا ہوتے ہوئے امی کی طرف مڑیں۔ "کوشش کرنا چاہیے کہ سلمان کے ساتھ ساتھ جویا کی بھی شادی نہ سہی، منگنی تو کم از کم ہو ہی جائے!"

"آپا گل پلیز!" جویا کو ان کی بات جتنی بے تکی لگی تھی اور اتنی ہی تکلیف دہ بھی۔

"غلط نہیں کہا ہے میں نے، سلمان کی شادی اچھے گھرانے میں ہو رہی ہے تو اب آگے تم دونوں بہنوں کے لیے بھی کچھ اچھا ہی ہونا چاہیے، خاندان میں تو کوئی بھی لڑکا اس قابل نہیں دکھائی دیتا ہے!" انہوں نے اپنی اسی صاف گوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جس پر انہیں ہمیشہ بڑا فخر ہوتا تھا، جویا کے چہرے پر کچھ تلاشنا چاہا۔

"آخر آپ لوگ خاندان والوں کے کیوں پیچھے پڑ گئے ہیں، کسی نے آپ کو آج تک کوئی تکلیف دی ہے کیا؟"

"تمہیں کیوں اتنا برا لگتا ہے؟" آپا گل نے اس کی چڑچڑاہٹ کو بڑی معنی خیز سی نگاہوں سے دیکھا۔

ان کی ایکسرے لیتی ہوئی نگاہوں کو برداشت کرنا آسان نہیں ہوتا تھا اور اب جب سے انہیں یہ خبر ملی تھی کہ وہ کالج کے گیٹ پر، معاذ اور ربیعہ کے ساتھ خوش گپیاں کرتی ہوئی پائی گئی تھی، وہ یوں ہی بات بات پر اسے کریدنا شروع کیے ہوئے تھیں۔

ان کی تسلی کے لیے وہ کوئی جواب دینے بھی نہیں پائی تھی کہ کمرے کا دروازہ کھول کر سلمان اندر چلا آیا۔

اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"کیا ہو رہا ہے بھئی، بڑی رونق ہے!" آج کل وہ بڑے خوشگوار موڈ میں رہتا تھا، بڑی دیر سے کمرہ بند کیے زوبیہ سے باتیں کرتا رہا تھا سو اس وقت اور بھی خوشگواریت طاری تھی۔

"تمہاری سسرال کی دعوت کی تیاری ہے اب تو!" آپا گل نثار ہو جانے والے انداز میں بولیں۔

"کیا آپ لوگ بھی ان کی دعوت کرنے کا پروگرام بنا رہے ہیں، مگر گھر پر مت کیجیے گا، کسی ہوٹل وغیرہ میں ارینج کریں۔"

وہ پھیلے ہوئے کپڑے ایک طرف کر کے ان کے قریب بیٹھ چکا تھا۔

"پہلے ان کی دعوت میں تو ہو آئیں، پھر ہم بھی کر دیں گے۔" آپا گل کو اس کا مشورہ پسند تو نہیں آیا تھا، مگر مصلحتاً بات کو ٹال گئیں۔

سلمان کے چہرے پر الجھن سی نمودار ہونے لگی۔ "زوبیہ کے گھر کب دعوت ہے؟"

"ہے تو سہی۔" آپا گل کی آواز لڑکھڑائی "امی! آپ نے ہی تو بتایا تھا۔" وہ کنفیوز سی ہو کر شاکرہ چچی کی طرف دیکھنے لگیں۔

"مجھے کون سا ان کے ہاں سے فون آیا تھا، اسی نے آ کر اطلاع دی تھی کہ اس اتوار کو زوبیہ کے گھر دعوت ہے۔" وہ جھنجلا کر بیٹے کی طرف دیکھنے لگیں۔

"تو وہ تو انہوں نے صرف مجھے بلایا ہے۔ سارے گھر کو انوائٹ تھوڑی کیا ہے۔" سلمان نے لاپروائی سے صورت حال واضح کی تو، لمحے بھر کے لیے تو بڑی خاموشی سی چھا گئی۔

سب سے پہلے زویا کھلکھلا کر ہنسی اور پھر جویا۔ آپا گل نے ایک قہر بھری نگاہ دونوں بہنوں پر ڈالی اور پھر جب ان کی ہنسی رکنے نہ پائی تو سلمان سے پہلے ان کی خبر لے ڈالی۔

"کس قدر خوشی ہوئی ہے تم دونوں کو' ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جنہیں اپنی عزت کرانا نہیں آتی' مگر ہم تو بے حس نہیں ہیں۔" انہیں سلمان کی اطلاع پر حقیقتاً" رنج ہوا تھا۔

"تم نے کیسے قبول کرلی ان کی دعوت' صاف کہنا چاہیے تھا کہ سب گھر والوں کو بھی بلاؤ' تب میں آسکوں گا۔"

"کمال کرتی ہیں آپا! ایسے کہا جاتا ہے کیا' ہائی سوسائٹی کے اپنے طریقے ہوتے ہیں زبردستی پکڑ پکڑ کر ایک ایک کو نہیں پوچھا جاتا۔" سلمان کو دقیانوسیت کا یہ مظاہرہ ذرا بھی نہیں بھایا تھا "اور ابھی تو انہوں نے مجھے گھر انوائٹ کیا ہے' ورنہ میں اور زوبیہ اگر کہیں باہر بھی کھانے پر جائیں تو وہ لوگ اعتراض کرنے والے نہیں ہیں۔"

اس نے اپنی امیر کبیر سسرال کی روشن خیالی کو مزید جتایا۔

"وہ نہیں کرتے ہوں گے اعتراض' مگر ہم تو سو بار کریں گے' ہمارے اپنے اصول قاعدے ہیں جن کی پاس داری بھی کرنی ہے۔"

شاکرہ چچی نے خاندانی پن کا مظاہرہ کرنا چاہا مگر سلمان نے بے ساختہ ہی ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

"پلیز امی! میرے لیے اب اس طرح کے مسئلے نہ کھڑے کریں' زوبیہ کے گھر والوں نے اگر ایسی باتیں محسوس کرلیں تو سخت برا مانیں گے۔"

"اور ہمیں جو برا لگا ہے' اس کی تمہیں کوئی پروا نہیں' ارے اگر تم ہی اپنے گھر والوں کو عزت نہیں دلواؤ گے تو انہیں کیا پڑی ہے' جو کل کو وہ ہمیں پوچھیں گے۔"

آپا گل کا رنج غصے میں تبدیل ہو رہا تھا' انہیں سلمان سے بڑی توقعات تھیں اور اس کی منگنی پر سب سے زیادہ پُرجوش بھی وہی تھیں۔

"میرے وہاں جانے سے گھر والوں کی عزت میں کیا کمی واقع ہو جائے گی اور بعد میں جب میں وہاں جایا کروں تو کیا سارا خاندان میرے ساتھ چلا کرے گا؟"

وہ اتنی بے مروتی سے بات کر رہا تھا کہ جویا کو بھی افسوس ہونے لگا۔

"منگنی کا سارا خرچ ان لوگوں نے اکیلے اٹھایا' آپ سب کو اتنے تحائف دیے' ہمارے ہاں کیا کچھ نہیں بھیجا اور آپ لوگوں نے جواباً" کیا کیا!"

"ہمیں تو تم نے ہی منع کردیا تھا کہ کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" شاکرہ چچی کی آواز اس بار کمزور تھی سلمان کے چہرے پر طنزیہ سی مسکراہٹ گہری ہونے لگی۔

"اپنے فائدے کی بات تو آپ لوگوں نے فوراً" ہی مان لی تھی' اب یہ بھی مان لیں' جب میں کہہ رہا ہوں۔" اس کا سیل فون بج رہا تھا' سو اپنی بات کہتا ہوا وہ کمرے سے باہر جا چکا تھا۔

"یہ تو ابھی سے ہی بدل گیا ہے امی! شادی کے بعد کا تو خدا ہی حافظ ہے' دیکھا کیسی بے مروتی سے بات کر رہا تھا۔" آپا گل نے مایوسی سے شاکرہ چچی کی طرف دیکھا' جو ابھی تک دروازے کی طرف ہی دیکھ رہی تھیں۔

"کیا کہہ سکتے ہیں!" انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے بیڈ پر پھیلے کپڑوں کو ہاتھ سے دوسری طرف کیا۔

"ان کو تو سمیٹ کر رکھ دے جویا! ابھی تو دل برا ہو رہا ہے بہت!" تکیہ بیڈ کی پشت سے لگا کر' وہ نیم دراز ہو گئیں۔

"مجھے تو بتائیں' میں کیا کروں!" آپا گل روہانسی ہونے لگیں۔ "تین دن سے سسرال میں' ایک ایک کو بتا چکی ہوں کہ اتوار کو سلمان کی سسرال میں دعوت پر جا رہی ہوں' میاں الگ مذاق اڑائیں گے اب۔"

ان کی پریشانی بھی فطری تھی۔

☆ ☆ ☆

لانڈری سے استری ہو کر آئے کپڑے شاما سیدھی نانی کے کمرے میں ہی پہنچاتی تھی۔ وہاں سے پھر الگ الگ کر کے سب کی الماریوں میں رکھتی تھی۔

ایک صرف خیام کی الماری کو کھولنے کی ممانعت تھی جس کی سختی سے تاکید تھی کہ اس کی الماری کو شاما ہاتھ نہ لگائے، بلکہ صرف الماری ہی نہیں اُسے شاما کے ہاتھ سے اپنا کوئی بھی کام کروانا پسند نہیں تھا۔

صبح کی چائے سے لے کر رات کے کھانے تک پکانے کا فریضہ شاما ہی انجام دیتی تھی، مگر ان کے ہاں باہر سے کھانا آنے کا سلسلہ بھی زوروں پر رہتا تھا۔

گلی میں ایک سے بڑھ کر ایک کباب موجود تھے۔ کوئلے پر سنکتے، تکے، کبابوں سے اٹھتی خوشبو راستہ چلنے والوں کے قدم تھامے لیتی تھی۔ آگے چلیں تو پوری، چھولے، نہاری، سری پائے، کٹاکٹ۔۔۔

نانی ستارہ جان و ہمشیرہ کا گھرانہ کھانے پینے کا سدا سے ہی شوقین تھا۔

خیام کے لیے یا تو وہ خود ہی اپنی نگرانی میں کھانے کی ٹرے لگواتی تھیں اور جو وہ خود بڑے ہال میں براجمان ہوتیں تو گیتی آرا کے سپرد خیام کے کام ہوتے، کھانا، چائے، کپڑے، استری۔

گھر میں اس کے علاوہ کسی کو فرصت بھی نہیں تھی، ہر شخص مصروف۔

اور مصروفیت بھی چھوٹے بڑے، اتنے خانوں میں بٹی ہوئی کہ شمار مشکل۔

اسے لے دے کر صرف ایک کالج ہی جانا ہوتا تھا، باقی کسی کام کی تو وہ تھی ہی نہیں۔ جب چھوٹی تھی، نگینہ نے بہت کوشش کی کہ وہ کم از کم سُر کی پہچان تو سیکھ لے، مگر اتنی کند ذہن کہ دو تین ماہ سر کھپانے کے بعد ماسٹر بھی خود ہاتھ جوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ رقص کی تربیت کے لیے بھی وہ انتہائی ناموزوں ٹھہری تھی۔ فی زمانہ فلمی رقص کا جتنا بھی رواج چل پڑا ہو، ان کا گھرانہ پشت ہا پشت سے چلی آنے والی اپنی کلاسیکل کی روایت پر نازاں تھا۔

نانی ستارہ بتاتی تھیں کہ ان کی والدہ کے زمانے بھی اس بات کی سختی سے احتیاط کی جاتی تھی کہ گھر میں کوئی ایسی ملازمہ بھی نہ رکھی جائے جس کو کلاسیکل سے ذرا بھی شدھ بدھ نہ ہو۔

اس وسیع و عریض مکان کی ساجھے دار، گل رخ اور گلناز بھی بعد میں چاہے دوسری ''مصروفیت'' میں پڑیں، ابتدا میں اپنی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے انہوں نے بھی رقص میں ہی عبور حاصل کیا تھا۔

اور وہ پٹاخہ الماس۔

گو ابھی منظر عام پر نہیں تھی، مگر بہت چھوٹی عمر سے زیر تربیت تھی۔ گلا قدرتی طور پر اچھا نہیں تھا، جس کا فطری طور پر ان سب کو رنج تھا، مگر رقص میں آگے چل کر وہ کیا طوفان اٹھانے والی تھی، اس کا بہ خوبی اندازہ کیا جا سکتا تھا۔

نگینہ کو گیتی آرا کے نکما نکلنے کا بے حد دکھ تھا۔ نہ ہنر، نہ ذہانت، نہ غذا۔

ان کے ہاں، ان ہی تین چیزوں کی مانگ تھی اور جو بڑے ٹھیک ٹھاک تناسب میں یہ تینوں اجزا آپس میں مل جائیں تو سمجھو بس وارے کے نیارے۔ سارے زندگی کا آسرا ہو جائے۔

لانڈری سے آئے کپڑوں کو الگ کرتی نگینہ نے سود و زیاں کا گوشوارہ رقم کرتے ہوئے ٹھنڈی سانس بھری۔

''خیر تو ہے، اتنی اداسی کیوں؟''

ستارہ نانی کا ہاتھ پان لگاتے ہوئے ذرا رکا، حالانکہ سوال فضول ہی تھا۔

نگینہ اکثر ہی اداس اور ناامید ہی دکھتی تھی پھر بھی وہ رہ نہیں پائی تھیں۔

''ایسی مایوس مت رہا کرو۔ ہنسو بولو بھلا ہمارے ہاں اداسی کا کیا کام؟ کھیل تماشوں میں زندگی گزرتی ہے، یوں

گھر ہستنوں والی بے زاری مت طاری رکھا کرو خود پر۔''

دل میں ایک چبھن کا احساس تو جاگا، مگر ہنسی بھی بڑے زور سے آئی۔

''ٹھیک کہہ رہی ہیں، ویسے یہ اچھے بھلے گھر بار لیے بیٹھی عورتوں کے ساتھ مسئلہ کیا ہے اماں! اتنی رعایتوں سہولتوں کے باوجود ان کے پاس خوشی کا فقدان! ان کی کہانیاں سنو اور پڑھو تو ایک سے بڑھ کر ایک مصیبت کی ماری لگتی ہیں، اوپر سے دم گھونٹنے والا ماحول، کبھی کبھی تو رحم بھی آتا ہے اور کبھی ایسی جلن محسوس ہوتی ہے کہ اللہ کی پناہ۔''

''دیں... فضول مت سوچا کرو!'' نانی کا ہاتھ پھر سے پان بنانے میں مصروف ہو گیا۔ ''ویسے تو حسد کی آگ بھی بری ہے، مگر ہمدردی ہمارے کام میں نہیں چلتی۔ ہمارے ہاں آنے والے ان ہی شریف زادیوں سے بیزار ہو کر آتے ہیں۔ ہم نے ہی ہمدرد دواخانہ کھول لیا تو چل گیا ہمارا کام!'' نانی نے اس کی طرف پان بڑھایا۔ ''ارے گھوڑا گھاس سے یاری کرے گا تو پھر کھائے گا کیا۔۔؟''

نانی ستارہ کے طرز گفتگو میں ایک خاص ادا تھی۔

ویسے تو بڑی روانی سے بولا کرتیں، مگر جہاں کوئی بات خاص طور پر سمجھانی ہوتی وہاں الفاظ پر ایک مخصوص انداز میں زور بھی دیا کرتیں۔ ساتھ میں چہرے اور آنکھوں کے تاثرات بھی لحظہ بہ لحظہ بدل جاتے۔

قریبی سارے لوگوں کو اچھی طرح سے پتا تھا کہ نانی ستارہ کی آدھی گفتگو تو خاموشی کی زبان میں ہی ہوا کرتی ہے۔ زندگی میں ملی مستقل ناکامیوں نے، نگینہ کو ویسے ہی کٹھور اور تنگ دل کر دیا تھا۔ ستارہ جان کی نصیحت نے ایک بار اور یاددہانی کروا دی۔

''مجھے کیا پڑی ہے کسی سے بھی ہمدردی کرنے کی اماں! یوں ہی ایک بات کہہ گئی۔ میری بلا سے دفعان ہوں ساری کی ساری۔ مجھ سے کون ہمدردی کرنے آیا تھا جب فیض علی خون تھوکتا ہوا یہ دو لڑکیاں چھوڑ کر مرا تھا۔''

وہ واپس اپنی فارم میں آ گئی۔

لہجہ میں سارا گلہ اپنی ذات کے لیے تھا۔ خون تھوک کر مرے ہوئے فیض علی کے لیے ذرا بھی رعایت نہیں تھی۔

نانی ستارہ جان نے ایک سخت سی نظر بیٹی پر ڈالی۔ اختلاف رائے کا بھی بڑا عجیب ہی سلسلہ تھا۔

''فیض علی غریب تو بڑا بھلا شخص تھا۔ زندگی ہی کم لکھوا کر آیا تھا۔ اللہ اسے غریق رحمت کرے۔''

''ونہہ۔'' نگینہ نے بے پروائی سے سر جھٹکا۔ ''اگر وہ زیادہ عمر بھی لکھوا کر لایا ہوتا تو اب تک تماش بینوں کے لیے پان، بوتلیں ہی لا رہا ہوتا اور کرتا کیا تھا اسے۔''

''اتنا مبالغہ بھی اچھا نہیں خیر، دن بھر اچھی بھلی اپنی دکان چلاتا تھا ساز ٹھیک کرنے کی۔ ستار، ہارمونیم، وائلن، طبلہ، ہر چیز بگڑ کر اس کی دکان میں آتی تھی اور پھر جیسے دوبارہ جی اٹھتی۔ محلے والیاں آج تک کہتی ہیں کہ فیض علی جیسا ماہر آج تک بھی پھر محلے میں نہیں بیٹھا۔''

نانی ستارہ کو غریب طبیعت والے مرحوم داماد سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔ برسوں پہلے کہیں سے پھرتا پھراتا فیض علی، اس محلے میں آبسا تھا۔ یہاں اس کے ہنر کی کچھ نہ کچھ قدر و منزلت بھی تھی۔ روزی روٹی کا آسرا بنتا تھا، سو یہیں رہ پڑا۔ نانی ستارہ نے کچھ سوچ کر نیچے بنی دکانوں میں سے سب سے چھوٹی دکان اسے بیٹھنے کے لیے کیا دی، وہ ان کا بندہ بے دام بن کر رہ گیا۔ دس خدمات بلا عوض انجام دے ڈالتا۔

تماش بینوں کی جوتیاں سیدھی کرنے کا طعنہ، نگینہ اسے اس کی سابقہ کارکردگی کے سلسلے میں دیتی تھی۔

نگینہ کے منہ میں بڑا سا پان تھا۔ سو فوری جواب ممکن نہیں ہو سکا، مگر چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اسے

حسب معمول والدہ کے فیض علی کے لیے کہے گئے خیر کے کلمات برے لگے ہیں۔

اسے فیض علی' سچی بات ہے اس وقت بھی نہیں بھایا تھا' جب نکاح نامے پر دستخط کرکے' بہ ہوش وحواس اسے قبول کیا تھا۔ آگے کی ساڑھے چار سالہ ازدواجی زندگی میں بھی وہ دل بھر کر اس سے بیزار رہی اور اب جب اسے اس دنیا سے رخصت ہوئے بھی برسوں بیت چکے تھے تب بھی اس بھولی بسری یاد کے ساتھ تلخی کا احساس ہی جڑا ہوا تھا۔

"یہاں تو ساری زندگی تھرڈ کلاس کے ڈبے میں ہی سفر کرتے گزری اماں! فلموں میں بھی یہی اوقات رہی اور نہ پھر راجہ بھوج آئے تو وہ بھی گنگو تیلی ہی نکلے۔" اپنی بات پر وہ خود ہی بڑے زور سے ہنسی۔

ستارہ نانی مسکرائیں تک نہیں۔

نگینہ کے ساتھ قسمت نے کچھ عجب ہی چکر چلائے رکھا تھا۔ صورت شکل کی اچھی خاصی تھی۔ خوب گورا رنگ اور بڑی بڑی آنکھیں' شخصیت کے کمزور پہلوؤں کو پس پشت ڈالے رکھتی تھیں۔ چاہنے والے بھی میسر آئے مگر بس یوں ہی اوپرے اوپرے۔ ایسی تگڑی پارٹی کوئی نہیں ٹکرائی جو جان وارنے کے دعوے کے ساتھ آنکھیں بند کرکے پیسہ اڑانے کا بھی جگر رکھتی ہو۔

اچھے وقت کا انتظار کرتے کرتے عمر کے بہترین سال' ہاتھ سے سونے کے سکوں کی مانند پھسلنے لگے' تو نانی ستارہ کو سچ مچ برے وقت نے گھیر لیا تھا۔ یہ وہی دن تھے جب فیروزہ انہیں چھوڑ کر جا چکی تھی اور اس کی طرف سے ایسی گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی کہ اب واپسی کی امید بالکل مدہم ہو چکی تھی۔ انہیں لگتا کہ اب نگینہ بھی بڑی بہن کے نقش قدم پر چلی کہ چلی! اپنی بے حد مضبوط شخصیت کے باوجود انہیں مستقبل کے بارے میں خدشات ستانے لگے تھے' اوپر سے فیروزہ کی جدائی' وہ بہ مشکل خود کو سنبھال رہی تھیں۔

نگینہ کے پاس وہی ایکسٹرا کی لائن میں کھڑے ہو کر ڈانس کرنے کا کام آتا یا پھر مشکل سے دو چار لائن کا رول مل جاتا' گھر کی محفل البتہ اس کے علاوہ تھی۔

مزید آگے جانے کا ایک فی صد چانس بھی اب نظر نہیں آتا تھا' تب ہی نانی ستارہ نے بہت سوچ کر فیض علی پر احسان کرنے کی ٹھانی تھی۔

اس کی حیثیت اب پرانے نمک خوار کی سی تھی' خود اپنے آپ کو اس نے کیا جواز دے کر مطمئن کیا ہو' یہ تو خدا ہی جانتا ہے مگر جس طرح وہ چند سالوں میں ٹی بی کا شکار ہو کر ختم ہوا۔

اسے اس کی "غیرت" کے کھاتے میں ہی ڈالا گیا۔ کھلے دبے لفظوں میں' اب بھی کبھی کبھی یہ بات کہی جاتی تھی کہ فیض علی کے بے شک منہ میں زبان نہیں تھی مگر غریب نگینہ کے طرز زندگی کو دل پر لے گیا تھا۔

نگینہ تک بھی اڑتی اڑتی باتیں پہنچتی ہی رہتی تھیں۔ سامنے کہنے کی تو خیر کس میں ہمت تھی' حوالہ دینے والی کو بھی بے نقط سناتی اور قبر میں پڑے فیض علی پر بھی روز محشر دعا تھو کنے کا اعلان کرتی' اس وقت بھی فیض علی کے حوالے سے اسے نہ جانے کیا کیا یاد آنا شروع ہو چکا تھا کہ ماتھے کے بلوں میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔

"ایسے ہی عزت دار تھے تو لگا لیتے کہیں آلو چھولے کا ٹھیلا۔ یہاں کنجریوں کے محلے کے بیچ آکر بسنا ضروری تھا کیا! میں تو حق بات کہتی ہوں اماں! جتنی آرام کی زندگی ہمارے گھروں کے مرد گزارتے ہیں' اتنی دنیا میں کوئی مرد نہیں گزار سکتا۔ نرے کاہل' نیچی' ہڈ حرام...!"

خیام آج اتفاقاً "جلدی" کالج سے واپس آیا تھا۔ سیڑھیاں چڑھ کر اس نے سامنے کے رخ پر کھلتے محرابوں والے برآمدے میں قدم ہی رکھا تھا۔

پچھلے برآمدے پر بدسلیقگی اور نحوست کا جیسا بھی راج ہو' بیرونی آرائش پر یہاں بے حد توجہ دی جاتی تھی۔

محرابوں پر سفید اور کاسنی جالی کے دوہرے پردے بڑے اہتمام کے ساتھ اطراف میں بندھے رہتے تھے۔ یہاں سے وہاں تک کا دبیز قالین' پیتل کے چمکتے ہوئے گملوں میں لگے ہوئے مصنوعی پودے' چھت سے نیچے کی طرف آتے ہوئے جھاڑ فانوس' دیواروں پر لگی پینٹنگز۔

اوپر آنے والوں پر فوری بڑا گہرا خوشگوار اثر چھوڑتے اور یہاں کے مکینوں کے بے حد "کلچرڈ" ہونے کا ثبوت دیتے۔ ہر شخص چند لمحے یہاں رک کر ستائشی نگاہوں سے اس سارے اہتمام کو نظر بھر کر ضرور ہی دیکھتا تھا۔

پر اس نے آج تک اس سب کو دیکھنے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی۔

اسے آج تک پتہ نہیں چلا تھا کہ پیتل کے گملوں میں لگے مصنوعی پودے کون سے ہیں' دیواروں پر کتنی اور کیسی پینٹنگز ہیں یا اوپر سے لٹکتے ہوئے جھاڑ فانوس کیسی سحر انگیز روشنیاں بکھیرتے ہیں' جو نیچے سے گزرنے والوں کے قدم تھامتی ہیں۔

وہ تو یہاں سے اس تیزی سے گزرتا تھا جیسے لمحے بھر کی بھی دیر اسے پتھر کا بنا دے گی۔

یہاں سے گزرنا اس کی مجبوری تھی' باہر سے آنے کا یہی ایک راستہ تھا۔ تھوڑے فاصلے پر جو دوسرا راستہ اوپری منزل کی طرف آتا تھا وہ نانی ولدار کے برآمدے میں کھلتا تھا جو اس نے آج تک بھی استعمال نہیں کیا تھا اور نہ ہی کبھی کرنے والا تھا۔

اس کی خالہ نگینہ جس وقت یہاں بسنے والے مردوں کی خوش بختی کا ذکر کر رہی تھی۔ خیام اسی وقت اس شاہی برآمدے میں داخل ہوا تھا۔

بالکل سامنے پڑنے والا بڑا ہال' اس وقت بالکل خالی ہوتا تھا' مگر وہ پھر بھی اس کی طرف دیکھنے سے بھی خوف کھاتا تھا' کبھی کبھی تو اس کا دل چاہتا تھا کہ کاش کچھ ایسا ہو تا کہ وہ سڑک سے سیدھا اپنے کمرے میں پہنچ جایا کرتا۔

نہ گلی' نہ سیڑھیاں' نہ یہ برآمدہ۔

مگر ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔

پچھلے رہائشی حصے کی طرف جانے کے لیے یہ سارے مقام' اس کی زندگی میں روز اسی طے شدہ ترتیب کے ساتھ پوری پابندی کے ساتھ آتے تھے۔

"نرے کاہل' نیچی' ہڈ حرام...!" اس نے نگینہ خالہ کو کہتے سنا۔

"اوپر سے کھانے کو تر نوالے' جیب پیسوں سے بھری ہوئی' استری کلف والے کپڑے پہن کر' ایسے پاؤں رکھتے ہیں زمین پر جیسے سارا دن بڑی حلال کی کمائی کرکے آئے ہیں۔"

خیام کھلے ہوئے دروازے سے محض چند قدم کے فاصلے پر ٹھٹک کر رکا۔

نگاہ خود بہ خود اپنی پینٹ کی جچی جمائی کریز پر گئی اور دھیان پیسوں سے بھرے والٹ پر۔

"عورتیں ساری عمر ہڈیاں گلاتی ہیں' کمران کا کیا جا رہا ہے' ایک ذرا سی آنکھ ہی تو بند رکھنی ہے' بدلے میں سارا مفت کا عیش آرام میسر ہے... بے غیرت کہیں کے۔"

خیام کو اپنی ہتھیلیاں گیلی ہوتی محسوس ہوئیں۔

نگینہ کے لہجے کی حقارت' نچلے سے بھی نچلے درجے کو چھو رہی تھی۔

حالانکہ وہ خود بھی کبھی اپنے آپ کو اپنی نگاہ میں باعزت قرار نہیں دے پایا تھا مگر یہ انکشاف کہ وہ حواس ساری ذلت وخواری کے اصل ذمہ دار ہیں خود ان کی نظر میں اس کی اوقات کا کیا عالم ہے' بڑا عجیب سا احساس لیے ہوئے تھا۔

ستارہ نانی بھی کچھ کہہ رہی تھیں' مگر خیام نے صرف وہی سنا جو نگینہ کی زبان پر تھا۔

"فیض علی کون سا الگ تھا' مرتا نہیں تو ساری عمر یہیں گھٹنے سے لگا بیٹھا رہتا' بے کار کا بوجھ بنا۔"

وہ جو کچھ بھی کہہ رہی تھی' خالو فیض علی کے حوالے سے کہہ رہی تھی۔

اس نے یہ بات خود کو بڑی دقت کے ساتھ سمجھانی چاہی۔ "اور وہ خالو فیض علی نہیں ہے اور نہ ہی وہ ساری عمر اس کیٹگری میں رہنا ہی چاہتا ہے' جس پر اس وقت نگینہ خالہ کی پھنکار پڑ رہی ہے۔"

کالج فائل اور ابھی ذرا دیر پہلے فوٹو اسٹیٹ کرائے نوٹس کے پلندہ پر خیام کی گرفت لاشعوری طور پر سخت ہوئی۔

وہ ان سب میں شامل نہیں تھا۔ اس کی گواہی ہاتھ میں تھامی یہ کتابیں تھیں۔

اس نے اپنی معتبری کے اس اہم ترین ثبوت سے شاید مورل سپورٹ لینا چاہی۔

پھر بھی خالو فیض علی سے محسوس ہونے والی مشابہت اور گہری ہی ہو رہی تھی۔

ہاتھوں میں کتابوں کی جگہ کوئی ٹوٹا ہوا ساز تھما دو تو ہو بہو وہی۔

اسے یکایک ایک عجیب سا خوف گھیرنے لگا۔ ایسے جیسے خالو فیض علی بالکل قریب ہی کہیں موجود ہوں' بہت قریب۔

اتنے کہ وہ اسے خود کو چھوتے ہوئے محسوس ہو رہے تھے۔

کیا خبران کی روح اب بھی اس سجے سجائے برآمدے میں تابع داری کے ساتھ گھومتی پھرتی ہو۔

اپنے ہی جیسے کسی ناکارہ وجود میں حلول ہونے کی اتنے برسوں سے منتظر ہو۔

خوف کی ایک سرد سی لہر اس کے پورے وجود میں دوڑی۔ وہ خود فلمیں نہیں دیکھتا تھا' مگر کالج میں لڑکوں کی زبانی ہارر فلموں کے مخصوص موضوع پر باتیں بہرحال کانوں میں پڑتی ہی رہتی تھیں۔

نانی ستارہ کا محرابی دروں والا برآمدہ پر اسرار سے سناٹے میں ڈوب رہا تھا۔

اندر ابھی بھی گفتگو جاری تھی۔ خیام کا دھیان اب اس طرف نہیں تھا' وہ یہاں سے جلد سے جلد ہٹ جانا چاہتا تھا۔

نو عمری کا واہموں بھرا دل بڑے زور سے دھڑک رہا تھا۔ اپنی پوری ہمت جمع کر کے اس نے تیزی سے نانی ستارہ کے کمرے کے کھلے دروازے کے آگے سے گزرنا چاہا۔ "مگر پکڑا گیا۔

"خیام!"

نانی کی آواز میں وہی مخصوص سا لاڈ تھا' جس کا وہ نہ چاہتے ہوئے بھی عادی ہو چکا تھا۔

"جی۔" اسے دروازے میں رکنا پڑا۔ "السلام علیکم۔"

"آج کالج سے جلدی چھٹی ہو گئی بیٹا!" سلام کے جواب کے ساتھ ہی انہوں نے پوچھ لیا۔

"جی!" خیام نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

نانی کی تجربہ کار نگاہوں نے دور سے ہی کسی "گڑبڑ" کو بھانپا۔ "ادھر آؤ' میرے پاس۔"

"وہ نانی!" ہچکچاتے ہوئے اس نے بہانہ تلاشا۔ "مجھے تھوڑا سا کام ہے' پڑھائی کرنی ہے۔"

نانی کا شبہ یقین میں بدلا۔

"کر لینا پڑھائی' یہاں ذرا دو منٹ میرے پاس آ کر بیٹھو۔"

خیام ابھی بھی دروازے میں جما کھڑا تھا۔

نگینہ نے ذرا ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہائے ہائے' کیسا دل ہے تیرا خیام! اماں اتنی محبت کرتی ہیں تجھ سے اور تو ان کی ذرا سی بات ماننے میں اتنی حیل حجت کرتا ہے۔"

وہ چپ چاپ آ کر نانی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا' وہ اتنے میں اپنا پان دان آگے سے سرکا چکی تھیں۔

"یہ ہاتھ کیوں اتنے ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟" ستارہ نانی نے اس کا ہاتھ تھام کر تشویش کے ساتھ اس کے چہرے کی طرف دیکھا' جہاں پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔

"کیا ہوا ہے' کسی سے لڑائی ہو گئی ہے کیا؟"

وہ سوال پر سوال کیے جا رہی تھیں۔ "ضرور زرینہ کے بھتیجوں نے کچھ کہا ہے' وہی آئے دن فساد مچائے رکھتے ہیں گلی میں۔ ابھی بلواتی ہوں' ایسی خبر لوں گی کہ۔" نانی ستارہ اس کی پریشانی کی وجہ کا اندازہ بھی خود ہی لگا چکی تھیں اور خیام سے ان کی محبت کا تقاضا تھا کہ وہ اس پر فوری ایکشن لیں۔

"بجنت شاما!"

خیام کو جب لگا کہ وہ پڑوس والی زرینہ آپا کو بلوا بھیجنے والی ہیں تو انہیں روکنا ہی پڑا۔

"کوئی لڑائی نہیں ہوئی ہے' میں تو سیدھا کالج سے آ رہا ہوں۔"

"تو پھر یہ اتنے پسینے کیوں آ رہے ہیں۔ ابھی تو ٹھیک سے گرمی شروع بھی نہیں ہوئی ہے۔" وہ اسے اپنے پاس بٹھا چکی تھیں اور اب اپنے دوپٹے سے اس کا چہرہ صاف کر رہی تھیں۔

نانی کے دوپٹے میں سے بڑی دل فریب سی خوشبو آتی تھی۔

دھیمی دھیمی مسحور کن سی' وہ ہمیشہ عطر کا استعمال کرتی تھیں۔

پر کون سا' یہ اسے نہیں خبر تھی۔

"ویسے ہی گھبراہٹ سی ہو رہی تھی نانی! اب ٹھیک ہوں۔" وہ ہلکے سے بولا۔

ان کی شفقت بھری قربت میں واقعی بڑا سکون تھا' ذرا دیر کے لیے تو اسے ایسا ہی لگا تھا۔

سارے وہم' خوف' خالو فیض علی کے ساتھ ہی کہیں برآمدے میں ہی تحلیل ہو چکے تھے۔

"نظر لگی ہے اسے' تیار ہو کر جب صبح کالج جاتا ہے تو ماشاء اللہ ہر ایک کی نظر اس پر اٹھتی ہے۔"

سخت دل نگینہ خالہ کو بھی اس یتیم یسیر بھانجے پر کبھی کبھار پیار آ ہی جاتا تھا۔

"شاما!" اس نے مڑ کر نانی کی پکار پر آئی شاما کی طرف دیکھا۔ "جا کیتی یا صندل سے کہہ کر ایک جگ میں شربت بنا کر لائیں۔ خیام کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"اچھا جی!" وہ خوشی خوشی فوراً ہی مڑ گئی۔ اسے بالکل بھی برا نہیں لگتا؟ خیام کو اس کا ہاتھ اپنے کاموں میں لگنا برا کیوں لگتا ہے۔

اس کے لیے تو ایک طرح سے اچھا ہی تھا کہ اس بہانے کچھ کاموں سے جان چھوٹی رہتی تھی۔

"کچھ بات کیا کر خیام! ایسا غیروں کی طرح کٹا کٹا سا کیوں رہتا ہے؟" بڑی محبت سے اس سے کہتی ہوئی نگینہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ خیام کی ابتری کی فی الوقت وہی اکیلی ذمہ دار ہے۔

اس نے ذرا سی نگاہ اٹھا کر نگینہ کی طرف دیکھا۔ بے حد گورے رنگ پر ڈارک لپ اسٹک اور آنکھوں پر نیلا آئی شیڈ۔

اسے وہ ہمیشہ بہت عجیب سی دکھتی تھیں۔ کم از کم اس گلی سے باہر وہ جتنی عورتوں کو دیکھتا تھا' ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں تھی۔

بازاروں میں' گلیوں میں' گوری' کالی' زرد رو عورتیں خوش حال نظر آنے والی تو ایک طرف۔ شکن آلود چادروں اور گھسی ہوئی چپلوں والی عورتیں' جو شام ڈھلے' دور سڑک پر لائن سے کھڑے' سبزی کے ٹھیلوں پر' دن بھر کی باسی

سبزی پر ایک ایک پیسے کے لیے بھاؤ تاؤ کرتی دکھائی دیتی تھیں۔
ان میں بھی کیسی تمکنت سی دکھتی تھی۔ یہاں کی ہنگامہ آرائی سے بچ کر جب وہ روڈ ماسٹری پر مجبور ہوتا تو بے ہی تکلیف وہ تجزیے کیے جاتا۔
قدم قدم پر خود اپنے آپ سے شرمندہ ہونے والی حقیقتیں منہ چڑاتی تھیں۔
خیام کی نظر دوبارہ جھک چکی تھی۔ شربت کا جگ کون لا کر رکھ گیا تھا۔
اسے تو بس نگینہ خالہ کے ہاتھ نظر آرہے تھے جن میں کتنی ہی انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں۔
"یہ لو بی لو۔"
اسی انگوٹھیوں بھرے ہاتھ نے خوش رنگ شربت کا گلاس اس کے آگے کیا۔
تو وہ چونک کر اٹھ کھڑا ہوا۔
"میرا دل نہیں چاہ رہا۔"
اس کی حرکت اتنی غیر متوقع تھی کہ نگینہ کے ہاتھ میں تھما گلاس چھلک ہی گیا۔
چادر کا سرا اور قالین دونوں پر تھوڑا شربت گرا۔
"یہ کیا طریقہ ہے' کچھ تمیز ہے کہ نہیں۔" نگینہ کا لاڈ پیار رخصت ہونے میں محض پل ہی لگا۔
"نہیں ہے مجھے تمیز اور آپ پہلے خود تو سیکھ لیں پھر دوسروں کو کہیے گا!" وہ فوراً ہی پلٹ کر بولا۔
ایک بے بسی بھرا غصہ' جو ہر وقت ہی دل میں پلتا تھا' اسے بدتمیزی پر اترنے پر مجبور کرتا تھا۔
"دیکھ رہی ہیں اب آپ! کس طرح بات کرتا ہے' یہاں سب اس کی محبت میں مرے جاتے ہیں۔" دروازے کی طرف جاتے ہوئے اس نے نگینہ کو کہتے سنا۔
"خیام۔۔۔ خیام۔۔۔!" تائی ستارہ اسے آواز دے رہی تھیں مگر وہ باہر جا چکا تھا۔
برآمدے میں اب سناٹا نہیں تھا' گھنگھروؤں کی آواز بتا رہی تھی کہ صندل اور الماس کے رقص کا سبق شروع ہو چکا ہے۔ خیام نے ایک ٹھوکر کے ساتھ اپنے کمرے کا دروازہ کھولا۔

☼ ☼ ☼
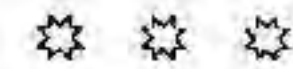
دن میں اتنی اچھی طرح چھڑکاؤ کیا گیا تھا کہ اب سہ پہر کے اس پرسکون وقت میں مٹی کی بڑی پیاری سی خوشبو پھیل رہی تھی۔
سہراب نے اپنے طور پر چنبیلی' موتیا اور گلاب کے گملے مزید لا کر کمرے کی دیوار کے ساتھ ساتھ رکھ دیے تھے۔
دیسی گلابوں کی تیز خوشبو' موتیا کے پھولوں کی مدہم سی خوشبو کے ساتھ الگ گھل مل رہی تھی۔ معاذ نے ایک گہری سانس لے کر اس دل فریبی کو محسوس کیا۔
خوشبوؤں کا تال میل بھی جو محسوس کرو تو کیسی پراسرار سی کیفیت میں لیے چلا جاتا ہے۔
چند لمحوں کے لیے تو معاذ کا بھی بے ساختہ ہی دل چاہنے لگا کہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر اس فسوں میں اترنے لگے۔
پرخیال و خواب کی یہ دنیا اس کے فرصت کے لمحوں کی ساتھی تھی۔ یہ وقت پوری توجہ اور ذمہ داری مانگتا تھا۔
اس نے دوبارہ نگاہ سامنے کھلے اخراجات کے تخمینے کی طرف لگائی۔
کل ملا کر سولہ ہزار سات سو بیس روپے اخراجات کی مد میں دکھائی دے رہے تھے۔
جب کہ پارٹی فنڈ میں جمع ہوئے تھے بارہ ہزار۔ چار ہزار سات سو بیس روپے کا یہ فرق اس کے اپنے کھاتے میں

آیا تھا۔
خیر یہ کوئی ایسی پروا کرنے والی بات نہیں تھی۔ اس طرح کے خرچوں کو وہ "نقصان" کی مد میں گنتے بھی نہیں تھے۔ ان میں سے کوئی بھی اس زائد خرچ کی ذمہ داری لے لیتا تھا۔
وہ چوں کہ کاز (مقصد) کے لیے سب سے زیادہ پرجوش رہتا تھا' سو سب سے زیادہ پیش پیش رہتا۔
رجسٹر سے نگاہ اٹھا کر اس نے سامنے بیٹھے بچوں پر ایک طمانیت بھری نگاہ ڈالی۔
وہ سب بڑے انہماک سے اپنی کاپیوں پر جھکے ہوئے تھے۔
ریحان انہیں ابتدائی حساب کروا رہا تھا۔ اس کی مدد کے لیے شہزاد بھی ساتھ تھا۔ اس سے پہلے معاذ نے ایک ساتھی لڑکے کے ساتھ مل کر اردو کا سبق دیا تھا۔ بچے امید سے بڑھ کر ذہین ثابت ہو رہے تھے۔ انہوں نے حروف تہجی کی پہچان میں چند دنوں میں ہی مہارت حاصل کر لی تھی۔ اب وہ الفاظ کو جوڑنا سیکھ رہے تھے۔
حساب میں ابھی وہ گنتی لکھنے کے مرحلے میں تھے اور حساب کے فوراً بعد انہیں انگریزی کا سبق لینا تھا۔ عدیل اور ایک اور لڑکا ذرا ہٹ کر بیٹھے اسی کی تیاری کر رہے تھے۔
وہ لوگ ٹیم کی شکل میں کام کر رہے تھے اور سارا کام پری پلان ہوتا تھا۔
ایک کلاس میں جو کچھ کرانا مقصود ہوتا' اس کی تیاری مکمل رکھی جا رہی تھی' اس طرح ٹارگٹ کو پورا کرنے میں آسانی رہتی تھی۔ ان لوگوں کو اس بات کا اچھی طرح احساس تھا کہ ان کے شاگرد ان عام "لاڈلوں" سے یکسر مختلف ہیں جنہیں میٹھی نیند سو لینے کے بعد مائیں پیار سے اٹھاتی ہیں' منتیں کر کے ناشتہ کرواتی ہیں' فرمائشوں سے بھرا لنچ باکس ہاتھ میں تھماتی ہیں اور پھر ماتھا چوم کر دعاؤں کے ساتھ رخصت کرتی ہیں۔
یہاں وہ بچے آرہے تھے جن کا بچپن افلاس کے مہیب اندھیرے نگل رہے تھے اور اپنے کندھوں پر ذمہ داریوں کا بھاری بوجھ اٹھائے وہ اندھا دھند ان ہی اندھیروں کے مسافر تھے جہاں روشنی کا ایک جگنو بھی نہیں جگمگاتا تھا۔
معاذ اور اس کے ساتھیوں نے اس تیرگی میں ایک ننھا سا دیپ جلانے کی کوشش کی تھی۔
انہوں نے کام کا ایسا طریقہ وضع کیا تھا کہ بچوں پر کم سے کم بوجھ رہے اور وہ تھوڑے سے وقت میں یہاں سے زیادہ سے زیادہ سیکھ کر اٹھیں۔ وہ سب بچے آدھے سے زیادہ دن کی مزدوری نمٹا کر یہاں جمع ہوتے تھے اور بعض تو یہاں سے پڑھ کر واپس اپنے کام پر ہی چلے جاتے تھے۔ ان تھکے ہوئے جسموں کے ساتھ اگر وہ لوگ یہاں آرہے تھے تو یہ صرف ان کا شوق تھا جو انہیں یہاں کھینچ کر لے آرہا تھا۔
معاذ نے حاضری کا رجسٹر اٹھا کر نام پکارنا شروع کیے۔
"صابر حسین۔"
"محمد منظور۔"
گو حاضری کی یہ فارملیٹی ضروری نہیں تھی' مگر وہ لوگ جس سوچ کو لے کر یہ کام شروع کر چکے تھے' اس میں خاص طور پر اس "غیر اہم" کام کو اہمیت دی گئی تھی۔
نام پکارے جانے پر بچوں کو جو خود اپنی اہمیت کا احساس مل رہا تھا' وہ بڑا قیمتی تھا۔
معاذ نے نوٹ کیا تھا کہ اپنا نام پکارے جانے پر پہلے جو بچے بڑے جھینپتے ہوئے کھڑے ہوا کرتے تھے' اب بڑے اعتماد کے ساتھ زور سے "یس سر" کہتے ہیں۔
معاذ کو دھیرے دھیرے آتی یہ تبدیلی بڑی اچھی لگ رہی تھی۔
"عبدالاحد!"
عبدالصمد!"

"لیس سر!" "لیس سر" کی گردان جاری تھی۔
"رشید احمد"
"محمد ساجد"
"لیس سر!"
معاذ کا قلم دفعتاً رُکا۔
"ساجد!" اس نے نگاہ اٹھا کر دوسری لائن میں بیٹھے بچے کی طرف دیکھا۔
بڑی بڑی آنکھوں والا' دبلا پتلا سا بچہ جس کی عمر گیارہ بارہ سال سے زیادہ نہیں ہوگی' معاذ کی خصوصی توجہ پر پہلے نہیں شرما کر یا گھبرا کر سر جھکائے کھڑا تھا۔
"یہاں آؤ بیٹا!" معاذ نے نرمی سے کہا تو وہ اپنی لائن سے نکل کر اس کے قریب آکھڑا ہوا۔
"کیا بات ہے' آ کیوں نہیں رہے تھے؟" اپنی بات کہہ کر اس نے چند لمحے توقف کیا مگر وہ خاموش ہی رہا۔
"طبیعت خراب تھی یا کوئی اور بات؟" معاذ نے محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ کچھ اور سمٹ گیا۔
شفقت بھرا یہ لمس شاید اس کے لیے اجنبی تھا۔
"پوری تین کلاسیں تم غیر حاضر رہے ہو' پڑھائی کا حرج تو ہوتا ہے نا بیٹا! کوئی مسئلہ ہے تو مجھے بتاؤ۔" معاذ کو اس کے پچھلے پورے ہفتے غائب رہنے پر تشویش رہی تھی اور ان پچیس بچوں میں یہ پہلی غیر حاضری تھی۔
"ابا ناراض ہوتے ہیں جی!" اس کے گلے سے پھنسی پھنسی سی آواز نکلی' جو اتنی مدہم تھی کہ اگر وہ معاذ کے بالکل قریب نہ کھڑا ہوتا تو اسے سنائی بھی نہیں دیتا۔
"اچھا!" معاذ کے چہرے پر ہلکی سی تشویش ابھری۔ "کیا کہتے ہیں؟"
"بس یہ کہ پڑھنا نہیں ہے' کام کا حرج ہوتا ہے' حالاں کہ میں تو واپس جا کر دوبارہ کام پر لگتا ہوں' دیہاڑی پوری کرتا ہوں۔"
معاذ کے محبت بھرے لہجے نے اسے سہارا دیا تھا تو وہ اپنی بات کو بہتر طور پر بیان کر پایا۔ سامنے ریحان اور دوسرا ساتھی بچوں کو کام کرواتے ہوئے اب ساجد کی سیٹ تک پہنچنے ہی والے تھے۔
"اچھا ابھی تو جا کر تم اپنا کام کرو' تمہارے ابا سے میں خود بات کرلوں گا۔"
"نہیں سر! ابا سے بات مت کیجئے گا۔" وہ ایک دم ہی گھبرا کر جلدی سے بولا۔ "وہ بہت غصے والے ہیں' آپ کو نہیں پتا۔"
معاذ ہلکے سے مسکرایا۔
"تم پریشان نہ ہو' جاؤ پڑھو شاباش!"
وہ خاموشی سے جا کر واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گیا تھا مگر اس کے چہرے پر پھیلی بے چینی صاف محسوس ہو رہی تھی۔
معاذ چند لمحے پرسوچ سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھے گیا۔
اس طرح کے مسائل پہلے سے ہی متوقع تھے انہیں پتا تھا لوگ بہ مشکل ہی بچوں کو پڑھانے پر رضامند ہوں گے' کیونکہ اس طرح وہ اس معاشی سپورٹ سے محروم ہونے کا خدشہ محسوس کریں گے جو ان ننھے بچوں کی مشقت کے نتیجے میں حاصل ہو رہی تھی۔ ریحان وغیرہ کام ختم کرا چکے تھے اور اب آج کی پڑھائی کا آخری مرحلہ چل رہا تھا۔
معاذ کی نگاہ کئی بار ساجد پر پڑی اور ہر بار ہی وہ اسے مضطرب سا لگا۔
معلوم نہیں بے چارے بچے کو کتنے شدید ردعمل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

اپنی تمام تر خوش امیدی کے باوجود وہ اس کے لیے اداس ہونے لگا۔
کام اب تقریباً" اختتام پر تھا سو وہ رجسٹر اور وہ ساری کاپیاں' جن پر بچے کام کر چکے تھے' جمع کر کے اندر کمرے میں چلا آیا۔
لکڑی کی پرانی الماری میں دو خانے اب ان چیزوں کے لیے مخصوص ہو چکے تھے۔ بچوں کو ہوم ورک نہیں دیا جاتا تھا سو وہ اپنی کتابیں ساتھ نہیں لے کر جاتے تھے۔
یہ فیصلہ ریحان کا تھا۔
معاذ نے اس کی مخالفت بھی کی تھی' اس کے خیال میں بیگ تھام کر گھر جانا بھی بچوں کے لیے ایک خوشگوار تجربہ بن سکتا تھا مگر ریحان متفق ہونے کے باوجود عملی طور پر اس کے خلاف ہی رہا۔
اس کا خیال تھا کہ بہت جلد یہ بیگ اور کتابیں' اسٹیشنری بے پروائی کی نذر ہو جائیں گی۔
بات کسی حد تک تھی بھی درست۔
معاذ کو نہ چاہتے ہوئے بھی ماننا پڑی تھی۔
الماری تھوڑی سے افراتفری کا شکار ہو رہی تھی۔ وہ وہیں رک کر اسے ٹھیک ٹھاک کرنے لگا۔
کتابوں کاپیوں کو ایک کے اوپر ایک جماتے ہوئے' ایک دم ہی ربیعہ کا خیال آگیا۔
وہ جو اسے اتنی ذمہ داری اور سلیقہ مندی سے یہ الماری ٹھیک کرتے دیکھے تو اس کی حیرت کا کیا عالم ہو۔
اسے سوچ کر ہی ہنسی آنے لگی۔
ربیعہ کی نگاہ میں بلاشبہ سستی و کاہلی میں وہی حرف آخر تھا۔
باہر سے اچانک ہی کسی کے زور زور سے بولنے کی آوازیں آنے لگیں' تو وہ الماری بند کر کے باہر نکل آیا۔
بچے اٹھ کر جانا شروع ہو چکے تھے اور ایک کرخت سے چہرے والا شخص' بڑے بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ ریحان کے قریب کھڑا ہوا تھا۔
"شرم تو نہیں آتی' دوسروں کے بچوں کو بگاڑتے ہوئے۔ دماغ خراب کر کے رکھ دیا چاروں میں لڑکے کا' آج کام سے بھاگا ہے' کل گھر سے بھاگے گا تو رپورٹ پولیس میں تمہارے ہی نام کی کٹواؤں گا۔"
معاذ کو معاملے کو سمجھنے میں محض پل ہی لگا' وہ یقیناً" ساجد کا باپ ہی تھا۔
ریحان اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا مگر اس کی برہمی بڑھتی ہی جارہی تھی۔
"بہت دیکھے ہیں تم جیسے خیر خواہ' اپنی لیڈری چمکانے کے لیے یہ دکان سجا کر بیٹھ گئے ہو' جو بے وقوف بن رہے ہیں تمہارے ہاتھوں' انہیں بتاؤ' ہمیں تمہاری اصلیت کا اچھی طرح پتا ہے۔"
اس کا لہجہ حقارت سے پر تھا۔
معاذ نے ریحان کا چہرہ سرخ ہوتے دیکھا۔
"کیا ہے ہماری اصلیت اور کیا برائی کر کے بیٹھے ہیں ہم تمہارے ساتھ' جو تم یہ فساد کھڑا کر رہے ہو۔"
معاذ تیز قدموں سے ریحان کے برابر آکھڑا ہوا' ریحان طبیعتاً" مزاج کا تیز تھا۔ دولت مند باپ کا بیٹا تھا' سو کسی کی ٹیڑھی بات سننے کا عادی بھی نہیں تھا' اس وقت خلاف عادت وہ بہت ٹھہراؤ کا مظاہرہ کر رہا تھا۔
"مجھے کیا سب کو پتہ ہے اس طرح کے ڈراموں کا مطلب' خوب پیسہ سمیٹتے ہو غریبوں کے نام پر' یہاں سے بھی اور باہر سے بھی' یہ این جی او والا کاروبار خوب چل رہا ہے پاکستان میں۔"
وہ چاہے جاہل مطلق سہی' مگر "باخبر" آدمی تھا۔ اس سے پہلے کہ ریحان اس الزام تراشی کے جواب میں جذباتی ہو جاتا۔ معاذ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔

"دیکھیں بھائی صاحب! ایسا نہیں ہے، ہماری نیت پر شک نہ کریں، ہم صرف ان بچوں کی بھلائی چاہتے ہیں، پڑھ لکھ جائیں گے تو زندگی زیادہ بہتر انداز میں گزار سکیں گے۔" معاذ نے بہت ٹھنڈے انداز میں اسے سمجھانا چاہا۔

"کیسی بہتر زندگی؟ گورنر لگ جائے گا کہیں کا۔"

"گورنر نہ سہی، جہالت کا احساس تو مٹ جائے گا کم از کم۔ اسے پر اعتماد زندگی کی طرف قدم بڑھانے سے مت روکیں۔"

اس شخص کے چہرے پر مذاق اڑاتی سی مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

"ساجد دن میں پرلی سڑک والی مارکیٹ میں دکانوں کے آگے جھاڑو لگاتا ہے، لوگوں کا سامان گاڑیوں تک پہنچاتا ہے، مارکیٹ بند ہونے کے بعد اسی سڑک پر رات گئے تک ایک کڑھائی مرغی والے کے ہاں لوگوں کے جھوٹے برتن دھوتا ہے اور جس دن صبح کو مارکیٹ کی چھٹی ہوتی ہے، اس روز بوری لے کر نکلتا ہے، کچرے میں سے کاغذ چننے کے لیے۔"

معاذ نے قریب کھڑے ساجد کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ اپنی مصروفیات کی تفصیل پر شرمندگی سے زرد پڑ رہا تھا۔

معاذ نے بہ مشکل خود کو کمپوز کر کے اس شخص کے گھٹیا پن کو برداشت کرنا چاہا، جو اپنے معصوم محنت کش بچے کو اس طرح سفاکی سے بے عزت کر کے نہ جانے کون سے جذبہ کی تسکین کر رہا تھا۔

"تمہارے ہاں سے اردو، انگریزی پڑھ کر نکلے گا تو یہ سب کام کر سکے گا یہ؟ شرم کھائے گی اسے ہاتھ میں جھاڑو پکڑتے ہوئے بھی اور جھوٹے برتنوں کا ڈھیر دھوتے ہوئے بھی، میں اسے فاقوں مرنے نہیں دینا چاہتا ہوں، چل ساجد!"

اس نے سختی سے بیٹے کا بازو تھام کر مڑنا چاہا تو معاذ سامنے آگیا۔

"شاید آپ اپنی جگہ درست ہوں، مگر آپ صرف تاریکی کی طرف کیوں دیکھتے ہیں، ہو سکتا ہے تھوڑا سا پڑھ کر ساجد کسی بہتر کام میں لگ جائے، بہتر سوچنے کے قابل ہو۔"

"معافی صاحب!" اس نے ایک جھٹکے سے بیٹے کا بازو چھوڑ کر معاذ کے آگے ہاتھ جوڑے۔ "ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو، یہاں پڑھے لکھے بے روزگاروں کی پہلے ہی بہت بھیڑ ہے۔ آفیسری انہیں ملتی نہیں ہے اور چھوٹا کام کرنا ان کی شان کے خلاف، بیٹھے ہیں ماں باپ پر بوجھ بنے ہوئے۔ ساجد بنا کسی شرم کے اپنا پیٹ تو پال رہا ہے، ہمارے لیے یہی بہت ہے۔"

اس بار وہ جواب سننے کے لیے رکا بھی نہیں۔ ساجد کو بازو سے کھینچتے ہوئے "فوراً" ہی مڑ گیا۔ معاذ یا ریحان اسے روکا بھی نہیں۔

اس کے جواب میں کہنے کے لیے زیادہ مضبوط دلیل ان کے پاس کوئی نہیں تھی۔

وہ دونوں باپ بیٹے نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے اور ماحول پر بڑی بوجھل سی خاموشی چھا رہی تھی۔ تقریباً سارے بچے جا چکے تھے، دو تین جو یہ تماشا دیکھنے کی غرض سے کھڑے تھے وہی تھے جو سہراب کے گیراج پر کام کرتے تھے۔

"یہ تو بہت برا ہوا، اس طرح تو ایک ایک کر کے سب بچے یہاں سے جا سکتے ہیں۔" پیچھے سے شہزاد کی آواز پر معاذ اور ریحان دونوں نے مڑ کر دیکھا۔

"ایسا نہیں ہوگا۔ ساجد کو میں واپس لاؤں گا۔" معاذ کے لہجے میں پختہ یقین تھا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ان شاء اللہ)

عالیہ بخاری

دیوارِ شب

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار زاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ قیمتی آرالی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید دھچکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسہ ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایماندار ہیڈ کلرک ہیں۔ جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو، رفاہی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعاگو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے، جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں، سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارت کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلتے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے

سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کردی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ اس اقدام پر نسبتاً "مطمئن" ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً "سخت مزاج" ہے۔

چوتھی قسط

یونیفارم پہن کر وہ نانی ستارہ کے بڑے سے سنگھار دان کے سامنے کھڑی ہوئی۔ تو اپنی شکل دیکھ کر خود عجیب سا لگا۔

زردی مائل رنگت، آنکھوں کے گرد گھرے ہوتے حلقے اور چہرے پر چندہ مانگنے والوں جیسی مسکینی۔

"اگر ایک چار خانے والا رومال اس کے کندھے پر اور ڈال دیا جائے تو وہ ہو بہو پیشہ ور چندہ مانگنے والوں جیسی لگے۔"

اسے اپنے تجزیے پر بڑے زور کی ہنسی آگئی۔

جلدی جلدی بالوں میں برش کر کے، اس نے ہاتھوں اور چہرے پر نانی کی دیرینہ کریم ہلکی سی لگائی اور تیار ہو کر نگاہ خود بخود، اس بھاری آبنوسی سنگھار دان کے اسی حصہ پر رکی جہاں نانی کا نقشین صندوقچہ رکھا رہتا تھا۔ مختلف نوع کے عطر، چاندی کی انگوٹھیاں، چاندی کے بٹن اور بھی پتہ نہیں کیا کیا، اس میں صندوقچہ میں رکھا جاتا تھا۔ وہ اپنی سونے کی دو چوڑیاں اس کے ساتھ رکھا کرتی تھی۔

خیام نے یہیں سے اٹھائی تھیں۔ گیتی نے ہلکے سے اس جگہ کو چھوا۔

چند لمحے وہ ساکت سی نگاہوں سے یوں ہی اس جگہ کو تکے گئی۔

دن میں کتنی ہی بار، جب یہ کمرہ خالی ہوتا وہ ایسے ہی کرتی تھی۔

"پتا نہیں وہ بھی اسے کبھی یاد کرتا ہوگا یا نہیں؟" نہ کوئی امید، نہ اختیار۔

پھر بھی اسے اتنے دن گزرنے کے بعد بھی جیسے یقین نہیں آتا تھا کہ خیام اتنی آسانی سے ان سب کو چھوڑ سکتا ہے۔ خاص طور پر اسے۔

ایک خوش فہمی تھی، جو بڑی بے مروّتی کے ساتھ آئینہ دکھا رہی تھی، مگر وہ اس ہی میں جینا چاہ رہی تھی۔

باہر سے کوئی آہٹ ہوئی، تو وہ چونک کر وہاں سے ہٹ گئی۔

نانی کا کمرہ، اس وقت خالی تھا۔ صبح سویرے کی ان کی اپنی مصروفیات تھیں علی الصبح تھوڑی سی عبادت، چائے کا ایک ہلکا سا کپ پی کر ریاض کرتیں۔ دن بھر چاہے کتنی بھی مصروفیت ہوتی، صبح کے اس معمول میں باقاعدگی تھی۔

گیتی باہر پچھلے برآمدے میں چلی آئی۔

گھر پر سویرے والی نیم خوابیدگی طاری تھی اور بڑے ہال کی طرف سے نانی کی ہلکی ہلکی آواز آرہی تھی۔ میں بھی انہوں نے ریاض سے منہ نہیں موڑا تھا۔

ان کی آواز میں آج بھی عجب طرح کی اثر پذیری تھی اور وہ اس بات پر برملا فخر کرتی تھیں کہ آج تک

کے علاوہ انہوں نے کچھ نہیں گایا۔ وہ ستار بھی بہت اچھا بجایا کرتی تھیں۔ کسی زمانے میں محض ان کا ستار سننے کے لیے ہی بڑے بڑے لوگ خود ان کے ہاں چل کر آتے تھے۔

گیتی کا خیال تھا کہ کہیں جو نانی ستارہ کو صحیح کی پروجیکشن مل جاتی اور قسمت نے بھی ساتھ دے دیا ہوتا تو ان کا شمار بھی اس وقت چند گنے چنے ماہرِ فن اساتذہ میں ہوا کرتا۔

مگر اب کون پوچھتا ہے!

پاپ، جیکی پاپ، بینڈز، ری مکس!

اس شوریدہ سر آندھی میں، بڑے بڑے افلاطون تنکوں کی طرح اڑے تھے، نانی ستارہ کس شمار قطار میں تھیں۔

"گیتی باجی! ناشتہ۔" سامنے کچن کے دروازے میں شاما کھڑی ہوئی تھی۔

"نہیں مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ اپنی کتابیں سنبھالتے ہوئے تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔

پچھلا لمبا برآمدہ، اگلے سرے پر پہنچ کر ایک کوریڈور کی جانب مڑتا، جس کے دوسری طرف وہ فلموں کے سیٹ سا دکھتا، بیرونی، سجا بنا برآمدہ تھا، کونے پر بنے اس بڑے سے گھر میں تین اطراف برآمدے تھے۔ بڑے ہال کے سارے دروازے اسی برآمدے میں کھلتے تھے۔ اس حصے کا پچھلے رہائشی حصے سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

نانی اپنا ریاض یہیں بیٹھ کر کیا کرتی تھیں، یہ ان کا اپنا رائج کردہ اصول تھا۔ نہ صرف ان کا اپنا ریاض یہیں ہوتا، لڑکیوں کی رقص و موسیقی کی تربیت بھی یہیں ہوتی تھی۔ بڑے ہال کی حیثیت ایک پروفیشنل پلیٹ فارم کی سی تھی، جب کے پچھلے رہائشی حصے میں سارے گھریلو امور طے پاتے تھے۔

صندل اور الماس کی ٹیوشن کے لیے جب استاد جی آتے تو وہ بوکھلا کر اس طرح یہاں کا رخ کرتیں جیسے کالج میں گھنٹی بجنے کے بعد لڑکیاں کلاس کا رخ کرتی تھیں۔ برآمدے کے محرابی دروازوں میں سے، بڑی فرحت بخش ہوا کے جھونکے گزر رہے تھے۔ یہ موسم بہار کا آغاز تھا۔

گیتی کو نانی برآمدے میں قدم رکھتے ہی دکھائی دے گئی تھیں۔

ہلکے سے بادامی رنگ کا سوٹ پہنے، موتیا کے پھولوں کے گجرے، جوڑے کے گرد لپیٹے، وہ ایسی پُر بہار صبح کا حصہ لگ رہی تھیں۔ شیفون کا ملائم دوپٹہ، ان کے شانوں پر پھیلا ہوا تھا، جو ان کی گلابی رنگت پہ بڑا بھلا لگ رہا تھا۔

نانی اس عمر میں بھی بہت دل کش دکھتی تھیں۔

"خدا حافظ نانی!" اس نے ذرا رک کر ان سے کہا تو جواباً انہوں نے سر کو ہلکی سی جنبش دی۔

پیچھے سوز کی والا ہارن دے رہا تھا۔

نانی کے ستار کی آواز اور شاما، اس کے ساتھ نیچے تک آئیں۔

"ناشتہ آپ نہیں کرتیں، نانی سارا دن مجھ پر بگڑیں گی۔ کم از کم لنچ باکس ہی رکھ لیں!" شاما کی ڈیوٹی سخت تھی۔ پتہ بھی تھا کہ وہ لنچ باکس نہیں لے کر جانے والی، مگر وہ پھر بھی بتاتی تھی۔

"کالج میں اچھا لگتا ہے کیا، بچوں کی طرح لنچ باکس لیے پھرنا، تم پھر بھی روزانہ کا جھنجٹ پھیلاتی ہو۔"

گیتی کو لنچ باکس لے جانے سے زیادہ، اس تر تراتے پراٹھے کو برداشت کرنا مشکل لگتا تھا۔ مگر وہ شاما کا دل رکھنے کی وجہ سے، اس کے پکائے ہوئے ناشتے پر اعتراض نہیں کرتی۔

"ابھی تو گرم گرم ہے تم خود کھا لینا۔ میری فکر مت کرو میں کالج میں کچھ لے کر کھا لوں گی!" وہ اسے تسلی دیتے ہوئے باہر نکل گئی۔

سوزوکی میں لڑکیاں پوری تھیں۔ گیتی آرا بیٹھی تو فوراً ہی چل پڑی۔

"اب تو تم بڑی پابندی سے کالج جانے لگی ہو!" سامنے والی سیٹ پر بیٹھی لڑکی نے سوال کیا تھا یا تبصرہ گیتی نے صرف ہلکی سی "ہوں" ہی کی۔

یہ ساری لڑکیاں یہیں محلے کی تھیں اور شہر کے مختلف اداروں میں پڑھ رہی تھیں۔ سوزوکی والا بھی یہیں کا مکین تھا اور اس نے اسکول و کالج کے لیے صرف یہیں کی سواریاں اٹھائی ہوئی تھیں۔ اس بات کی اسے آسانی تھی اور معاوضہ بھی معمول سے زیادہ دیا جاتا تھا۔

گاڑی اب شہر کی سڑکوں پر رواں دواں تھی۔

"خیام کے بارے میں کوئی اطلاع آئی؟" اس لڑکی نے دوبارہ سوال کیا۔

"نہیں!" ایک بار پھر مختصر سا جواب دے کر گیتی نے اپنی نگاہ باہر کے منظر پر جمائی۔

"عجیب بات ہے کوئی اطلاع تو بندہ بھیجے دیتا ہی ہے مگر یہ تو لگتا ہے کہ جیسے بالکل ہی جان چھڑانا چاہتا ہو لوگوں سے ورنہ ایسی بھی کیا بے مروتی' چہ چہ' بے چاری نانی ستارہ کتنی محبت کرتی تھیں خیام سے۔ سنا ہے کہ چپ ہی چپ لگ گئی ہے انہیں اس کے جانے کے بعد!"

کہنے والی کا اشارہ خود اس کی چپ کی طرف بھی تھا۔

گیتی سمجھ کر بھی خاموش رہی۔

نانی ستارہ کے پاس خیام کی روانگی کے بعد "تعزیت" کے لیے آنے والیوں کا سلسلہ اب تک چل رہا تھا ساتھ میں قیاس آرائیوں کا بھی۔

"نانی ہی کیا' سارے جان چھڑکتے تھے خیام پر' شہزادوں کی طرح رہتا تھا!"

"اور لگتا بھی شہزادہ ہی تھا۔"

ایک شوخ سی آواز میں حسرت بھی چھپی تھی۔ گیتی نے بھاگتے دوڑتے ٹریفک پر سے نظر ہٹا کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔

وہ سب کی سب زیر تربیت تھیں۔

ان کی باتوں میں' ہنسی میں' اٹھنے بیٹھنے میں' چہرے کے تاثرات میں' ایک خاص ادا آتی جا رہی تھی' جلد ہی جس پروفیشن کو اپنانے والی تھیں' اس میں کامیابی کے لیے' یہ سب باتیں بنیادی حیثیت رکھتی تھیں۔

یہاں سب اپنے ہی تھے' سو بے باکی سے ہنسی مذاق کر لینے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں تھا۔

"سب میں الگ دکھتا تھا' سارے محلے کی لڑکیاں اسی پر مرتی تھیں!"

"آہا!" ایک اور ٹھنڈی سانس۔

"مگر وہ خود تو کسی پر بھی نہیں مرتا تھا' ورنہ اس کے اپنے گھر میں حسین لڑکیوں کی کیا کمی تھی' بڑا ہی بے مروت تھا۔"

"تم لوگ کوئی اور بات نہیں کر سکتیں کیا؟" گیتی نے اس بار بہت چڑ کر کہنے والی کی بات کو کاٹا۔

"روزانہ یہی ایک قصہ رہ گیا ہے۔ خیام کو جانا تھا سو وہ چلا گیا اور یہاں سے کسی کا بھی جانا کون سی انوکھی بات ہے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی گھر چھوڑ کر چلا ہی جاتا ہے۔ خیام نے ایسا کیا تو کون سی انوکھی بات ہو گئی۔"

غیر محسوس سے انداز میں وہ اسی کا دفاع کر رہی تھی۔ وہ ساری کی ساری ایک بار پھر ہنس پڑیں۔

یہاں ان باتوں پر خفگیاں نہیں چلتی تھیں' بلکہ لطف اٹھایا جاتا تھا۔

"چلو بھئی' اب کوئی خیام کا ذکر نہیں کرے گا۔" وہی جس نے یہ قصہ شروع کیا تھا' ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے مصالحت کے لیے آگے بڑھی تھی۔ "ہماری گیتی کو برا لگتا ہے۔"

ایک بار پھر وہی دبی دبی سی ہنسی تھی۔

"ان لوگوں میں سدھار کی امید ہی بے کار ہے۔" وہ ایک بار پھر رخ موڑ کر باہر کی طرف دیکھنے لگی۔

یہاں مزے دار قصے کہانیوں کی کبھی کمی نہیں رہتی تھی۔ حاضر اسٹاک میں ایک سے ایک چٹخارے دار خبر ہر وقت موجود۔

پچھلی گلیوں میں رہنے والی چمپا جان' جسے کسی اونچی پگ والے زمین دار نے اپنے گھر بٹھا لیا تھا' محض چار ماہ بعد ہی اس کی پگڑی میں خاک ڈال کر واپس آ چکی تھی اور آج کل فارغ وقت میں' اس سے سمیٹی ہوئی دولت اور اپنی کارگزاریاں' ملنے والیوں کو ذوق و شوق سے سنا رہی تھی۔

وین میں بیٹھی لڑکیوں میں سے دو تین براہ راست سن کر آئی تھیں' سو اب آگے پھیلانا ان ہی کی ڈیوٹی تھی۔

"سونا ہی سونا' اتنا زیور پہنے بیٹھی تھی آپا چمپا کہ اس پر سے نگاہ نہیں ہٹ رہی تھی۔ کہہ رہی تھی کہ خود جا کر خریدا تھا اس بڈھے کے ساتھ' مجال ہے جو اس نے ذرا بھی چوں چرا کی ہو۔"

"چوں چرا کر کے مرنا تھا کیا اسے' چمپا آپا کا تو مشہور ہے کہ دور بیٹھے آدمی کو آنکھوں آنکھوں میں قتل کر ڈالتی ہے' وہ غریب تو بالکل قریب تھا۔"

عامیانہ سے انداز میں' ویسے ہی ذو معنی جملے' جو ان سب کے گھروں کا معمول تھے۔ قل قل کرتی ہنسی' وقفے وقفے سے پھوٹتی تھی۔

"سونے کا بھاؤ دیکھو اور حساب لگاؤ تو آنکھیں کھلتی ہیں اوپر سے جانے سے پہلے' ایک فلیٹ اپنے نام الگ کرا لیا تھا' کیسی سمجھداری سے کام لیا آپا چمپا نے چار مہینوں میں اتنا کما لیا کہ سالوں کی بے فکری ہوئی۔" ایک آواز میں ہلکی سی حیرت تھی۔

گیتی یوں ہی لاتعلقی سے باہر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کوئی جو اس کی طرف دیکھتا بھی تو یہی شبہ پڑتا کہ شاید وہ اس ساری باتوں کا ایک لفظ بھی نہیں سن رہی ہے' مگر ایسا نہیں تھا۔

مستقل ایک ہی سمت دیکھتے دیکھتے آنکھوں میں جلن سی ہونے لگی تھی۔

"اتنا پیسہ دینے والا آدمی اتنی آسانی سے چھوڑ کیسے سکتا ہے' دیکھ لینا کوئی نہ کوئی ہنگامہ جلد ہی کھڑا ہو گا۔"

"کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے چمپا آپا کا' ان کے تعلقات بڑے اونچے لوگوں تک ہیں' جب ہی تو اتنا بڑا قدم اٹھا لیا ہے' پتہ ہے اپنی پہنچ کا' ایک اشارہ کریں گی تو دبک کر بیٹھ جائے گا بے چارہ۔"

وہ ساری اپنی ان ہی خوبیوں پر فخر کرنے کی عادی تھیں جن سے گیتی کو کراہیت آتی تھی۔ اس کے حلق میں کڑواہٹ سی گھل رہی تھی۔

کتنی بدنصیبی تھی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس سارے سیٹ اپ کا حصہ تھی۔ اور ہمیشہ رہے گی۔

امید کی واحد کرن خیام کے ساتھ رخصت ہو چکی تھی۔

گاڑی ایک دھچکے کے ساتھ رکی تھی۔ گیتی نے کچھ چونک کر دیکھا۔ سامنے کالج کی بلڈنگ تھی۔

سفید یونیفارم میں ملبوس لڑکیوں کا روز مرہ والا ہی رش تھا' گیتی بنا کسی کی طرف دیکھے خاموشی سے اتر آئی۔

"خدا حافظ تو کہہ لیا کرو۔"

اسے پیچھے سے ان میں سے کسی کی آواز آئی' مگر اس نے پھر بھی مڑ کر نہیں دیکھا۔

وین اس کے اترتے ہی دوبارہ روانہ ہو چکی تھی' گیتی نے ذرا سا رک کر خود کو کمپوز کرنا چاہا اور پھر گیٹ کی طرف

بڑھ گئی۔

جان بوجھ کر اس نے ایسے کالج میں داخلہ لیا تھا' جہاں اس کے ساتھ آنے والی لڑکیوں میں سے کوئی اور نہیں پڑھتی تھی۔ وہ ان کے گروپ میں شامل نہیں ہونا چاہتی تھی' جس حد تک بھی ممکن ہو۔

وہ لوگ اکثر اس بات پر افسوس کرتی تھیں کہ 'گیتی آرا یہاں اس کالج میں کیسی بور زندگی گزار رہی ہوگی جہاں آج تک اس سے کوئی دوست بھی نہ بنائی گئی۔

حالانکہ اس نے اپنے منہ سے تو کبھی کہا بھی نہیں تھا' پھر بھی ان سب کو پتہ تھا کہ اس کی کوئی دوست نہیں ہے۔

نہ اس نے ان کے کسی بھی خیال کی تردید کی اور نہ تصدیق۔ اس کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ یہاں کچھ وقت کے لیے ہی سہی ان سب سے کٹ کر محض اپنی شناخت کے بل پر جانی جاتی تھی۔

گیٹ سے مرکزی عمارت کی طرف جاتے ہوئے' دو طرفہ درختوں سے ڈھکی چوڑی سی روش پر چلتے ہوئے' اسے کئی لڑکیوں نے ہاتھ ہلایا جس کے جواب میں وہ پوری خوش دلی کے ساتھ مسکرائی تھی۔

یہاں جاننے والیوں کی کمی نہیں تھی' مگر دوست! ایک پھیکی سی مسکراہٹ گیتی آرا کے لبوں پر دوڑ گئی۔

☆ ☆ ☆

سلمان کے سسرال والوں سے آپا گل کی خفگی بڑھتی جا رہی تھی۔

پہلے انہوں نے اکیلے سلمان کی دعوت کرکے ناراضی کا موقع دیا اور اس کے بعد بھی ازالے کے طور پر کچھ کرنے کے بجائے' وہ بڑی معنی خیز لاتعلقی برت رہے تھے۔

"اصل میں تو وہ لوگ ہمیں ابھی سے اس بات کا عادی کرنا چاہ رہے ہیں کہ آگے ہمارا ان سے تعلق ہی نہ رہے۔"

وہ حسب معمول آئی بیٹھی تھیں اور عادتاً "پیش گوئیوں" کا سلسلہ جاری تھا۔

"تو یہ بات تو آپ کو منگنی والے دن ہی سمجھ لینی چاہیے تھی' جب وہاں ہم سب نے مہمان اداکاروں والی انٹری دی تھی۔"

جویا اس دن سے دل جلائے بیٹھی تھی خاموش نہ رہ سکی۔

آپا گل نے ایک خفا خفا سی نگاہ اس پر ڈالی مگر اس کی بات کی تردید بہرحال نہیں کی۔

"کتنے ہی بہانے کیے' سارا دن سر پر دوپٹہ باندھ کر لیٹی رہی کہ طبیعت اتنی خراب ہے اٹھا بھی نہیں جا رہا' پھر بھی نندیں بار بار آکر مسکراتے ہوئے یہی پوچھے گئیں کہ سلمان بھائی کے سسرال میں دعوت میں کیوں نہیں جا رہیں ان کی خوشی تو چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔"

آپا گل بیک وقت کئی محاذوں پر لڑ رہی تھیں۔ سو افسردگی کی وجہ بھی ایک سے زیادہ تھیں۔

"خیر وہ تو تمہارے میاں نے ہی سارا قصہ ماں' بہنوں کو سنا دیا ہوگا۔ ان کے پیٹ میں کہاں کوئی بات ٹکتی ہے' وہ تو تاک میں رہتے ہیں کہ کوئی بات ملے یہاں سے' جو وہ جا کر وہاں سنائیں بالکل عورتوں والی فطرت ہے۔"

شاکرہ بیگم حسب معمول داماد سے نالاں تھیں۔ بیشتر ساسوں کی طرح انہیں بھی بیٹی کا شوہر سخت زہر لگا کرتا تھا۔

"موقع تو سلمان نے ہی دیا۔ نہ جاتا ہمارے بغیر' اکڑ کر بیٹھ جاتا' فون تو کیا وہ لوگ خود چل کر ہمیں مدعو کرنے آجاتے' مگر اس نے تو خود گھر والوں کی عزت کا خیال نہیں ان لوگوں کو غلطی کا احساس ہی دلا دیتا تو وہ اور کچھ نہیں تو

کم از کم معذرت تو کر ہی سکتے تھے۔"

"بس اب چھوڑو دفع کرو اس قصے کو۔" شاکرہ بیگم اب اکتا رہی تھیں' بے حد و حساب - دکھائی دیتی دولت کی خوشی بہرحال ابھی بھی زور آور تھی۔ کیا ضرورت تھی اُس خوش کن احساس میں زود رنجی کی تلخی گھولنے کی۔

"آئے گی تو زوبیہ اس گھر میں' پھر دیکھنا کیسا سیدھا کروں گی سارے گھر والوں کو اگر ایسا ہی رویہ اختیار کیے رکھا' تُو فکر کیوں کرتی ہے۔"

ان کے ارادے میں بیٹی کے لیے تسلی کا سامان تھا۔

زویا ابھی سب کو چائے دے کر فارغ ہوئی تھی خود جویا کے ساتھ بیٹھی گھونٹ بھر ہی رہی تھی کہ ایک دم ہی ہنسی چھوٹ گئی۔

چائے کا گھونٹ ابھی حلق میں ہی تھا ایسی کھانسی اٹھی کہ بس۔

جویا نے جلدی سے اٹھ کر پانی پلایا' کمر سہلائی۔

سانس بحال ہوئی' تو وہ پھر ہنستے ہنستے دُہری ہو گئی۔

"ایسا کون سا لطیفہ سن لیا ہے آخر؟" شاکرہ بیگم کو زویا کی ہر وقت کی کھی کھی جھنجلاہٹ میں مبتلا کرتی تھی۔

"کچھ نہیں بس ایسے ہی۔"

اس نے بمشکل ہی اپنی مسکراہٹ ضبط کی' وجہ بتا کر جوتے کھانے کا رسک نہیں لیا جا سکتا تھا۔

انہوں نے ایک مشکوک سی نظر اس پر ڈالی اور واپس اپنے موضوع پر آ گئیں۔

"ایک بار یہ شادی ہو جائے خیریت سے' پھر تو ہماری ہی چلے گی' بیٹی دے رہے ہیں' سر نیچا کر کے ملنا پڑے گا' اس ایک دعوت کے بدلے میں دس بار دعوت کریں گے' میں سلمان کو بھی اچھی طرح سمجھا دوں گی' ابھی تو ذرا نئی منگنی کا شوق ہے۔" آپا گل کو ان کی باتوں سے تسلی ہوئی یا نہیں مگر موضوع ہلکے ہلکے اب بدل رہا تھا۔

زویا اور جویا نے ایک دوسرے کو معنی خیز سی مسکراہٹ کے ساتھ دیکھا۔

امی اور آپا گل دونوں ہی انتہائی سمجھ دار ہونے کے باوجود' یوسف کمال کے خاندان کو اپنے مڈل اور لوئر مڈل قسم کے خاندان سے زیادہ مختلف نہ سمجھنے کی غلطی کر رہی تھیں۔

سلمان آفس سے کافی دیر پہلے آ چکا تھا اور اب کہیں جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے اس نے کپڑا لے کر گاڑی چمکائی تھی۔ اس سے اس کے پروگرام کا اندازہ ہو رہا تھا۔

جویا برتن سمیٹ کر کچن میں چلی آئی' زویا کو اپنا جرنل مکمل کرنا تھا سو وہ اوپر اپنے اور جویا کے مشترکہ کمرے میں جا چکی تھی۔

ان دونوں کی شاکرہ بیگم اور آپا گل کی محفل میں' تھوڑی دیر کی ہی شمولیت ہوتی تھی۔

تب ہی جویا کو سلمان کمرے سے نکلتا ہوا دکھائی دیا۔

سامنے شاکرہ بیگم کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ دونوں بیڈ پر بیٹھی یہاں سے دکھائی ہی دے رہی تھیں۔ مگر وہ ان کی طرف جانے کے بجائے جویا کے پاس کچن کے دروازے میں آ کھڑا ہوا۔

"میں جا رہا ہوں' تم امی کو بتا دینا۔"

"آپ خود کہہ دیں' وہ سامنے تو بیٹھی ہیں۔"

جویا چائے کی پیالیاں دھونے لگی تھی' سو سلمان کے چہرے پر آتے ناگواری کے آثار نہیں دیکھ سکی۔

"آدھا گھنٹہ لگا دیں گی آپا گل انکوائری کرتے کرتے۔ ویسے ہی میں لیٹ ہو رہا ہوں۔"

جویا نے یوں ہی ذرا سا مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ آج کل وہ بہت اچھی ڈریسنگ کرنے لگا تھا اور بہت مہنگا پرفیوم استعمال کرتا تھا۔

سب چیزیں اس کے سسرال سے آئی تھیں۔ سو خود بخود معیاری ٹھہری تھیں۔

"ٹھیک ہے جائیں۔"

کہتے ہوئے' کچن سے نکل کر اس کے ساتھ ہی باہر کی طرف چل دی۔

جب سے سلمان کی منگنی ہوئی تھی گیٹ بند رکھنے کا خاص خیال رکھا جاتا تھا' حالات تو غیر یقینی سے ہر جگہ کے تھے مگر اظہار چچا کو اب یہ فخر بھرا خدشہ بھی ستاتا تھا کہ یوسف کمال کے خاندان سے رشتہ جوڑ کر وہ بھی لوگوں کی نگاہوں میں آ چکے ہیں' سو گھر کی سیکیورٹی کا پہلے سے زیادہ خیال رکھا جانے لگا تھا۔

"سلمان! سلمان! بات تو سنو!"

جب وہ دونوں اس چھوٹے سے لاؤنج سے نکل رہے تھے تو انہیں پیچھے سے آپا کی پکار سنائی دی۔

"آتا ہوں ابھی تھوڑی دیر میں۔"

سلمان لاپروائی سے کہتا ہوا باہر نکل آیا' جویا اس کے ساتھ ہی تھی۔

"گھر میں صرف تم اور زویا ہو جنہیں نہ تو فالتو باتیں کرنے کی عادت ہے اور نہ ہی خوامخواہ کسی کے پیچھے پڑے رہنے کی' ورنہ آپا گل کو تو جیسے چین ہی نہیں آتا ہے' ہر وقت دوسروں کی فکر۔"

گیٹ کے ساتھ تھوڑی سی جگہ تھی' جہاں ان کی گاڑی کھڑی ہو جاتی تھی سلمان' جویا کے ساتھ وہیں کھڑا تھا۔

"خیر سلمان بھائی! آپ خود بھی آپا گل کے ساتھ بیٹھ کر سارے زمانے کی باتیں بڑے شوق سے کرتے تھے' یہ تو ابھی تبدیلی آئی ہے آپ میں۔"

جویا نے ایک یاد دہانی ضروری سمجھی۔

سلمان اور آپا گل میں بڑی کمال کی انڈر اسٹینڈنگ رہی تھی۔ زوبیہ کے لیے وہ سلمان کی سب سے بڑی حامی تھیں' اور ربیعہ کی اس سے بھی بڑی مخالف۔ ربیعہ اور اس کے سارے گھرانے کے لیے وہ جتنے گرے ہوئے الفاظ استعمال کر سکتی تھیں انہوں نے کیے تھے۔ یہ ان ہی کی مورل سپورٹ تھی جو سلمان کو فیصلہ کرنے میں تھوڑی سی بھی ہچکچاہٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔

"ہاں تو جب اتنی عقل نہیں آئی تھی نا۔" جویا کے ٹوکنے پر ایک جھینپی سی مسکراہٹ سلمان کے چہرے پر آئی' "اب تو یہی سوچ کر گھبراہٹ ہوتی ہے کہ جب زوبیہ یہاں ہو گی تو آپا گل کی باتوں کو سن کر ہمارے بارے میں کیا رائے قائم کرے گی۔"

اپنی ہائی فائی منگیتر کے آگے وہ جس شدید کمپلکس میں اول دن سے مبتلا تھا وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔

"آپ فکر نہ کریں' زوبیہ کا آپا گل سے اتنا واسطہ ہی نہیں پڑے گا۔"

"کیا مطلب؟" سلمان گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا' اسے جویا کے لہجے کی سنجیدگی نے چونکایا۔

"مطلب صاف ہے۔ یا تو وہ خود یہاں نہیں رہے گی اور اگر بالفرض رہ بھی گئی تو آپا گل کا آنا جانا سب سے پہلے بند کر دے گی۔"

سلمان کے ماتھے پر شکنیں سی آنے لگیں۔

"وہ ایسی نہیں ہے۔ اصل میں تو تم سب ہی لوگوں کو اس سے چڑ ہو رہی ہے اور تم تو اس دن سے ہی۔۔۔" وہ منگنی والے دن کا حوالہ دیتے دیتے رُکا۔

آپا گل پہلے ہی خفا تھیں' جویا کی ناراضی سے ایسا کوئی فرق تو نہیں پڑتا تھا' پھر بھی کیا ضروری تھا سب ہی لوگوں

کو مخالف کیمپ میں اکٹھا کر دیا جائے۔
"کوئی بھی اس سے نہیں چڑ رہا ہے اور آپا گل تو بالکل بھی نہیں۔"
جویا کو اس کے سوچنے کے انداز پر افسوس ہوا تھا۔
"آپا گل کا بس چلے تو وہ زوسیہ کو سر پر بٹھا لیں مگر زوسیہ کو ہم لوگ پسند نہیں آئے ہیں' یہ بات آپ کو ماننی ہو گی ابھی ورنہ شادی کے بعد۔"
گو سلمان جس عالم سے آج کل گزر رہا تھا۔ اس میں اس طرح کی باتیں کچھ بھی اثر ڈالنے والی نہیں تھیں پھر بھی جو اس نے سمجھا تھا کہہ دیا۔
سلمان کا موبائل اتنی دیر میں کئی بار بج چکا تھا۔
اور اگر اب وہ یہاں کھڑا' جویا کے اندازوں کی تردید کرتا رہا تو زوسیہ کتنی سخت خفا ہو جانے والی تھی' یہ خیال اس کے ہاتھ پاؤں پھلا دینے کے لیے کافی تھا۔
سو وہ یہ جواب ادھار رکھ کر گاڑی تیزی سے باہر نکال لے گیا۔
راستہ تھا بھی اچھا خاصا اور قسمت کی خرابی کہ راستے کے سارے سگنل بھی بند ہی ملے' پر ہجوم سڑکوں سے گزر کر' جب وہ زوسیہ کے در دولت پر پہنچا تو اس کی خفگی اتنی بڑھ چکی تھی کہ وہ سلمان کی ایک بات بھی سننے کے لیے تیار نہیں تھی۔
"تم لڑکوں کے ساتھ یہی پرابلم ہے۔ ذرا سی اہمیت مل جائے تو دماغ ٹھکانے پر نہیں رہتے۔" وہ اس لہجے میں بات کر رہی تھی جو صاف صاف بدتمیزی کے زمرے میں آتا تھا۔
معلوم نہیں وہ کن لڑکوں کی بات کر رہی تھی اور کتنے لڑکوں سے اس کا سابقہ پڑ چکا تھا۔
سلمان تو صرف اسے منانے کی کوشش میں ہی لگا رہا مصروفیت کا وہی گھسا پٹا سا بہانہ تھا' جسے سن کر زوسیہ کا غصہ اور بھی بڑھ رہا تھا۔
"کمپنی کے ایم ڈی لگے ہوئے ہو جیسے' تمہارے جیسی پوسٹ پر لوگ کتنی دیر کام کرتے ہیں' مجھے بھی اچھی طرح خبر ہے۔ اصل میں تمہارا مسئلہ کاہلی ہے۔ آفس سے آئے گھر میں بیٹھ گئے۔ بہت تیر مارا تو اٹھ کر ٹی وی کے سامنے جا بیٹھے۔ وہیں بیٹھے بیٹھے رات کر دی۔ تمہاری ساری کلاس کا لائف اسٹائل ہی' حد درجہ سلو ہے۔ اسی لیے تو ترقی نہیں کر پاتے۔"
سلمان کو اس ساری تقریر میں صرف لفظ کلاس برا لگا۔
وہ کلاس کانشس تھا اور یہی پہچان جیسے اس کے ماتھے پر لکھی گئی تھی۔
بدلا ہوا ہیر اسٹائل' بدلی ہوئی ڈریسنگ' بدلا ہوا بات چیت کا ڈھنگ۔
اپنے طور پر تو وہ خود میں اتنی ساری مثبت تبدیلیاں محسوس کر کے اچھا خاصا مغرور ہوتا تھا۔ مگر زوسیہ کا بے رحمانہ تجزیہ سارا اعتماد جیسے سیکنڈوں میں اڑا کر رکھ دیتا تھا۔
جتنی دیر وہ کمرہ بند رہی' سلمان کو مجبوراً" اس کے وسیع و عریض لاؤنج میں بیگم کمال کی بے سروپا باتیں مسکراتے ہوئے سننا پڑا۔
خود پسند' گھمنڈی' سراسر شو آف۔
وہ ایسی ہی خاتون تھیں جیسی زوسیہ کمال کی والدہ کو ہونا چاہیے تھا۔ مگر دونوں ماں بیٹی میں ایک فرق تو محسوس ہوتا تھا۔
زوسیہ جیسی بھی تھی' اسے چاہنے کا دعوا تو کرتی تھی' اور اس سے منگنی کر کے اس نے اپنے دعوے کو سچ بھی دکھا دیا تھا۔
مگر بیگم کمال کو اس میں کوئی خوبی دکھائی نہیں دیتی تھی' نہ پہلے جب وہ اس رشتے کی مخالفت پر پوری شدت کے ساتھ اڑی ہوئی تھیں۔
اور اب جب وہ ان کے معزز گھرانے سے بے حد اہم رشتے سے جڑا تھا۔ تب بھی سلمان کے متعلق ان کے خیالات میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں آئی تھی۔
مگر زوسیہ کی ضد پر اس رشتے پر نیم دلی سے راضی ہوئی تھیں۔ ان کی ناپسندیدگی' باتوں باتوں میں ظاہر ہوتی رہتی تھی۔
"زوبی بہت لاڈلی ہے' اسے عادت نہیں ہے کہ کوئی بھی بات اس کی مرضی کے خلاف ہو' جو ٹھان لیتی ہے کر کے چھوڑتی ہے' تمہیں تو اب تک اچھی طرح اندازہ ہو چکا ہو گا اس بات کا۔"
"جی!" سلمان کی نگاہ خود بخود جھکی۔
وہ خود یہاں زوسیہ کی ایک ضد کی وجہ سے ہی بیٹھا تھا۔
"اس کے باپ اس کی کوئی بات رد نہیں کرتے' بچپن سے ہی وہ اسے ایک مضبوط شخصیت کے روپ میں ڈھالنے کے خواہش مند تھے اور تم دیکھ لو کہ آج وہ ہے۔"
انہوں نے ذرا رک کر سلمان پر ایک فخریہ نگاہ ڈالی۔
وہ جو اس چھوٹے سے وقفے میں اپنے آپ کو سنبھال چکا تھا اب بہت کوشش کر کے صرف مسکرانے پر اکتفا کر رہا تھا۔
بیگم کمال' کہیں سے کہیں پہنچ گئی تھیں۔
زوسیہ کی شاہانہ زندگی۔ ماضی میں کی جانے والی اس کے بے وقوفانہ ضدیں اور یوسف کمال کے اس لمبے چوڑے کاروبار کی تفصیل' جس سے سلمان پہلے ہی سے اچھی طرح واقف تھا۔ ایک بار بھی انہوں نے زوسیہ کو بلانے' یا سلمان کے ساتھ اس کے رویہ پر معذرت کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔
اور جب وہ بددل ہو کر اٹھ رہا تھا تب ہی زوسیہ آ گئی۔
شوخ سا میک اپ کیے ہوئے' وہ بڑی مختلف سی لگ رہی تھی۔ اس نے لباس بھی تبدیل کر لیا تھا۔ پہلے سے زیادہ خوب صورت اور فینسی لک دینے والا۔ صاف لگ رہا تھا کہ کمرہ بند ہو کر اس نے وقت ایسے ہی نہیں گزارا۔
ایک شاندار سے ڈنر پر جانے کے لیے وہ بالکل تیار تھی۔
"چلیں سلمان!" آتے ہی اس نے اتنی گرم جوشی سے کہا کہ وہ بے ساختہ فوراً" ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ بیگم کمال کے لیے زوسیہ کے بدلتے ہوئے موڈ معمول کا حصہ تھے۔
بڑے نارمل سے انداز میں وہ ان لوگوں کو خدا حافظ کہہ کر اندر جا چکی تھیں۔
زوسیہ کا موڈ اچھا ہوا تو جیسے سب ہی کچھ بدلا بدلا سا لگنے لگا۔ تھوڑی سی گڑبڑ بس اس وقت ہوئی جب اس نے سلمان کی آلٹو کو اپنی گاڑیوں کے ساتھ کھڑا دیکھا۔
"یہ لو۔" اس نے اپنی کرولا کی چابی سلمان کی طرف بڑھائی۔ "اور اب جب بھی آنا ہو تو گاڑی لانے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں ڈرائیور بھیج کر بلوا لوں گی۔" اس بار اس نے براہ راست سلمان کی گاڑی پر اعتراض کرنے سے تو پرہیز ہی کیا تھا پھر بھی مطلب سمجھ میں آتا تھا۔
لیکن اس بار سلمان کو برا نہیں لگا۔
زوسیہ کا لہجہ محبت سے پر تھا اور جس طرح وہ اس کا بازو تھامے ہوئے' لاؤنج سے یہاں تک آئی تھی وہ خود کو

ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

سچی بات تو یہ کہ یہاں جو کچھ بھی تھا زوبیہ کے حوالے سے اسی کا تھا' آج نہیں تو کل۔ باضابطہ مالک اسے کہلانا تھا۔

ایک تفاخرانہ نگاہ سلمان نے اس شاندار گھر پر ڈالی۔

اس کی قسمت نے بھی کس طرح یاوری کی تھی۔ جب بھی وہ یوسف کمال کے چاروں طرف پھیلے بزنس پر نظر ڈالتا تو اس کے حقیقتاً "ہاتھ پاؤں پھولنے لگتے تھے' یہ سوچ کر کہ کل کو اسے ان سب کو سنبھالنا ہے۔

"سلمان! آئی ایم رئیلی سوری۔"

وہ ابھی لنک روڈ پر ہی تھے کہ زوبیہ نے بالکل خلافِ توقع اس سے معذرت بھی کرلی۔

سلمان کو بے حد اچھا لگا۔

زوبیہ جذباتی اور منہ پھٹ تھی ورنہ دل کی بری نہیں تھی۔ اور اس سے وہ جتنی محبت کرتی تھی اس بناء پر اس کا حق بھی تھا کہ وہ جتنا چاہے اس سے ناراض ہو۔

کلاس کا جو طعنہ ابھی تک دل میں کہیں چبھا ہوا تھا وہ بھی بڑی سہولت کے ساتھ نکل گیا۔

زوبیہ سے ملاقات میں تو چند دن کا وقفہ آجاتا تھا مگر بات دن میں کئی بار ہو جاتی تھی اس کی باتوں کا محور زیادہ تر فیوچر پلاننگ ہی ہوتی تھی مگر گہرائی والی نہیں۔ صرف اوپری اوپری سی۔ شادی کی تقریب کہاں ہونی ہے۔ مہندی کے فنکشن کو کس طرح یادگار بنایا جاسکتا ہے' اس سلسلے میں تو لوازمات کی کوئی حد ہی نہیں تھی۔ ڈریس ڈیزائنرز کا انتخاب اور شادی کے بعد کہاں کہاں جانا زیادہ انٹرسٹنگ رہے گا وغیرہ وغیرہ۔ اس وقت بھی کچھ اسی طرح کی باتیں ہو رہی تھیں۔ سارے فیصلے زوبیہ ہی کرتی تھی۔ اسے صرف ہاں میں ہاں ہی ملانا ہوتا تھا۔ سو وہ کچھ مشکل نہیں تھا۔ ان باتوں میں اس کی معلومات بھی تقریباً "صفر تھی سو اس کی لاعلمی پر پردہ پڑا رہتا تھا۔

اس وقت بھی جب وہ لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تھے کچھ ایسی ہی باتیں ہو رہی تھیں تب ہی زوبیہ نے معلومات کا پٹارہ ایک طرف کر کے ایک بالکل ہی الگ سوال کرلیا۔

"تمہارے ہاں شادی کی کیا تیاریاں ہو رہی ہیں؟"

"ہمارے ہاں۔" وہ کچھ گڑبڑایا۔

"ہاں ہو تو رہی ہیں' امی اور آپا گل بہت مصروف نظر آتی ہیں۔ روزانہ بازار کے چکر لگ رہے ہیں" سلمان ان کی بوکھلاہٹیں یاد کر کے مسکرایا۔

کچھ بھی تھا اس کی شادی کی تیاریاں وہ بہت دل لگا کر کر رہی تھیں۔ اپنا گھر بار سب بھلا رکھا تھا۔ اسے لگا تھا زوبیہ بھی خود سے محبت کے اس اظہار پر خوش ہوگی۔

"ان کو کیوں تکلیف دے رہے ہو؟" زوبیہ کا لہجہ قطعی بے تاثر تھا۔

"نہیں" تکلیف کیسی وہ تو بہت خوشی خوشی یہ کام کر رہی ہیں۔ روزانہ ہی کپڑوں کا ڈھیر لیے چلی آتی ہیں یار ہے۔" اور خود بھی کتنے شوق سے' رات کو فرصت سے یہ سارا اہتمام دکھاتی ہیں۔ اسے یاد آیا۔

"کیا ضرورت ہے اتنا پیسہ ضائع کرنے کی' لگ رہا ہے تم نے اچھی خاصی رقم برباد کردی ہے۔" پتہ نہیں وہ اس کی خاطر ایسا کہہ رہی تھی یا پھر کچھ اور بات تھی۔

پیسہ بہرحال کافی خرچ ہو چکا تھا چند لاکھ تو لازمی ہی۔

"تمہاری خاطر کیا میں اتنا بھی نہیں کرسکتا۔" سلمان نے بڑی محبت سے اس کی طرف دیکھا مگر زوبیہ کے چہرے پر سنجیدگی سی چھا رہی تھی۔

"مگر یہ سب میرے لیے تو بے کار ہی ہے' میں اب تمہاری آپا گل کے منتخب کیے کپڑے تو نہیں پہن سکتی۔" اس نے جھٹکے سے نفی میں سر ہلا کر اپنی بات صاف صاف کہی۔

سلمان نے بہت حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"صاف بات ہے' جس طرح کے کپڑے وہ خرید رہی ہوں گی مجھے اس کا اچھی طرح اندازہ ہے' وحشت ہوتی ہے مجھے دکانوں پر بھی لٹکے دیکھ کر ان کپڑوں کو جو عورتیں بڑے شوق سے خرید رہی ہوتی ہیں۔"

"مگر زوبیہ! وہ سب تو بہت اچھی کوالٹی کے اور بہت مہنگے کپڑے ہیں۔" سلمان حقیقتاً "چکرایا۔ اتنا پیسہ آخر اس سارے سلسلے میں خرچ ہو چکا تھا اب تک۔

"اس سے کیا ہوتا ہے' اور پتہ نہیں تم مہنگا بھی کس لیول کو کہتے ہو؟" اس نے بے زاری سے نفی میں سر ہلایا۔ "بہرحال پلیز میرے ہاں وہ کپڑے مت بھیجنا' خواہ مخواہ ہی میرا مذاق بنے گا!"

"تو ان سب کا بنے گا کیا؟ اتنے زیادہ خرید لیے گئے ہیں اب تک۔"

"تمہارے ہاں تو سب کام آجائیں گے' دو بہنیں ہیں تمہاری' ان کو جہیز ہی دے دینا' وہ لوگ تو خوشی خوشی پہن لیں گی' یہ کون سا بڑا مسئلہ ہے۔"

وہ بہت بے زار نظر آرہی تھی اور اپنے ریجیکٹ کردہ کپڑے زویا اور جویا کے لیے تجویز کرتے ہوئے اسے ہلکی سی بھی ہچکچاہٹ نہیں ہوئی۔

"یہ تو بڑا مسئلہ ہو جائے گا زوبیہ! امی اور آپا گل کا دل بہت برا ہوگا' پلیز ان کی خوشی کی خاطر ہی۔۔۔" بے چارگی سے زوبیہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑی۔

اسے بہت اچھی طرح اندازہ ہو رہا تھا کہ زوبیہ کی یہ نئی ضد اسے کتنے مسائل سے دوچار کرنے والی تھی۔

"بعد میں بے شک تم انہیں نہ پہننا' مگر ابھی پلیز منع مت کرو۔ انہوں نے یہ سب بہت خوشی سے کیا ہے۔"

"اللہ کے واسطے سلمان!" ایک ہاتھ سے چہرے پر آتے ہوئے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے وہ بری طرح جھنجلائی۔ "یہ جذباتی بلیک میلنگ مت کرو' مجھ پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوگا' کسی کی بے وقوفانہ سی خوشی پوری کرنے کے لیے میں خود کو مذاق کا نشانہ نہیں بنا سکتی۔ میری کزنز' میری فرینڈز۔۔۔ تمہیں اندازہ نہیں کہ وہ لوگ کس طرح کی باتیں کریں گی۔"

سلمان نے مایوسی سے اس کی طرف دیکھا۔

یہ سوچنا بھی کہ وہ اپنی بات سے اب پیچھے ہٹے گی' بے وقوفی تھا۔

"تم مجھے دو چار سوٹوں کے پیسے دے دینا' اگر تمہیں اتنا ہی خیال ہو رہا ہے' ورنہ تو اس کی بھی ضرورت نہیں ہے۔" زوبیہ بڑی لاپروائی سے بات کہہ رہی تھی مگر سلمان اس کی نہیں سن رہا تھا۔

"امی' آپا گل!" وہ ان لوگوں کے ردِ عمل کا اندازہ لگا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"صبر میرے بھائی صبر!" سامنے بیٹھے بابو شوکت نے بہت دھیرج کے ساتھ کہا۔

خیام کا دل چاہا کہ اٹھ کر سامنے والی دیوار سے ایک بار تو اپنا سر پھوڑ ہی لے۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں بابو بھائی! دو مہینے ہو گئے ہیں آخر کب تک ایسے ہی بیٹھا رہوں گا۔ آپ کو نہیں اندازہ بے روزگاری کتنی بری شے ہے۔"

"مجھے پتہ ہے!" وہ ہلکے سے مسکرایا۔ "میں نے اس شہر میں اتنا سخت وقت گزارا ہے جس کا تم تصور بھی نہیں کرسکتے ہو۔ کئی کئی وقت کا فاقہ کاٹا ہے' تمہیں تو اللہ کا شکر ہے ایسی مفلسی سے واسطہ ہی نہیں پڑا۔"

وہ لحاظ کے مارے، چند لمحے خاموش رہا' ورنہ در حقیقت اسے نہ تو کسی کی مصیبت ہی اپنے سے بڑی لگتی تھی نہ ہی کسی کا اپنے سے مقابلہ کرنا۔

روح و جان پر جیسا بوجھ وہ ہوش سنبھالنے سے لے کر اب تک لیے پھر رہا تھا' اس کی تکلیف سب سے الگ تھی۔

کبھی کبھی تو اسے ایسا لگتا تھا کہ سارا دن بھیک مانگ کر روٹی کھانے والا فقیر بھی اس سے زیادہ خوش قسمت ہے۔

"تمہیں پرابلم کیا ہے یہاں' آرام سے رہ رہے ہو' رہائش' کھانا' کسی بھی بات میں کوئی پریشانی ہے تو بلا جھجک مجھے بتاؤ۔"

بابو شوکت نے اس خوش فہمی میں گھر کر کہ شاید خیام پر اس کی باتوں کا اثر ہو رہا ہے' مزید سمجھانا چاہا۔

وہ چپ چاپ باہر سڑک پر دوڑتے بھاگتے ٹریفک پر نگاہ جمائے رہا۔

"یہ چھوٹی موٹی نوکریاں تمہارے شان کے خلاف ہیں۔"

"شان!" خیام کو یہ لفظ تیر کی طرح چبھا۔

"میرا مطلب ہے کہ یہ بکنگ آفس پر بیٹھ کر ٹکٹ کاٹنا' چھوٹا موٹا حساب لکھنا' یہ تو میرے جیسا چٹا ان پڑھ بھی کرسکتا ہے۔ تم نے تو چودہ جماعتیں پاس کی ہیں' کمپیوٹر بھی جانتے ہو۔"

تیسری کلاس سے اسکول سے بھاگے ہوئے بابو شوکت کی نگاہوں میں' خیام کی تعلیمی قابلیت کی بڑی ویلیو تھی۔

"بابو بھائی!" خیام نے ایک گہری سانس لی۔ "میری چودہ جماعتوں پر مت جائیے' یہ کوئی ایسی اعلا پڑھائی ہے' مجھ جیسے لاکھوں ہاتھ میں ڈگریاں لے کر گھومتے ہیں' اور ہم سے کہیں زیادہ قابل لوگ بھی ایسی آزمائش میں مبتلا ہیں' بے روزگاری کا وہ عالم ہے۔"

"مجھے پتا ہے خیام بھائی! مگر تعلیم کی اپنی شان ہے۔" بابو شوکت نے ایک بار پھر اپنی علم دوستی کا ثبوت دینا چاہا۔ وہ سہ پہر کے اس نسبتاً "کم مصروفیت والے وقت میں اپنا کاؤنٹر" ایک اسسٹنٹ کے حوالے کر کے خود خیام کے ساتھ چائے کی میز پر آ بیٹھا تھا۔

تعلیم کی اہمیت پر جب وہ اپنی چھوٹی موٹی تقریر کر کے فارغ ہوا تب تک خیام کو اس کی سادہ لوحی پر پورا یقین ہو چکا تھا۔

بسوں کے اسٹینڈ پر سب سے مصروف ہوٹل چلاتا ہوا بابو شوکت' ٹھیٹ کاروباری ذہنیت کے باوجود' علم دوستی کے اسی خواب میں زندہ تھا جو بہت بچپن میں' مرحومہ ماں یا مدرسے کے استاد نے دکھایا تھا۔

معاشی خود مختاری کے باوجود' اپنے ان پڑھ رہ جانے کا اسے دلی صدمہ تھا۔

"آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں بابو بھائی! بی کام کی ڈگری ابھی مجھے کوئی بڑی نوکری نہیں دلا سکتی' جو بھی مل رہی ہے قبول کرلینی چاہیے' اس سے ایک طرف تو خرچ کی طرف سے بے فکری ہو جائے گی' دوسرے میں تب ہی آگے پڑھائی بھی جاری رکھ سکتا ہوں۔"

"بہت مشکل ہے بہت ہی مشکل!" بابو شوکت نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

"انسان ایک بار کمانے کھڑا ہو جائے پھر اس کے لیے آسان نہیں رہتا پڑھائی جاری رکھنا' وہ سوچتا ہے زیادہ پڑھ کر بھی پیسے ہی تو کمانے ہیں' کتابوں میں سر کھپانے سے بہتر ہے' تھوڑے اور ہاتھ پاؤں مار کر زیادہ پیسہ کمالیا جائے۔"

پیسہ ہاتھ میں آنے لگے تو خواہشات پر بند نہیں باندھا جاتا ہے انسان سے' بس اس کے آگے تو زندگی پوری ہو جاتی ہے' مگر خواہشیں پوری نہیں ہو پاتیں۔" بابو شوکت کے پاس تجربہ تھا۔

جیتی جاگتی زندگی سے کشید کیا ہوا' اپنا ذاتی تجربہ۔

خیام نے بہت دھیان سے اس کی بات سنی۔ وہ جو کچھ بھی سمجھانا چاہ رہا تھا محض اس کی بھلائی کے لیے۔ متفق نہ ہونے کے باوجود بھی بار بار اس کی بات کاٹنا اسے بھی اچھا نہیں لگا۔

"فرحت کو دیکھتے ہو۔" بابو شوکت نے ایک اچٹتا ہوا اشارہ باہر دکھائی دیتے تھڑے کی طرف کیا۔

وہاں اس وقت صبح والی گہما گہمی نہیں تھی۔ خود فرحت بھی وہاں موجود نہیں تھا' مگر اس تھڑے کے ساتھ فرحت کی وابستگی کا احساس' جیسے لازم ہو چکا تھا۔

"میٹرک کر کے یہاں پوریاں تلنے بیٹھ گیا تھا۔ یہی کہتا تھا کہ بابو بھائی چند سال میں نکل جاؤں گا یہاں سے' پرائیویٹ بی اے کر لوں گا آرام سے' پھر یہاں بیٹھ کر ہوا کیا؟" بابو شوکت کا لہجہ خود بخود طنزیہ ہو چکا تھا۔

"بیس سال ہو چکے ہیں پورے' جب آیا تھا تو ٹیچر بننے کا خواب دیکھتا تھا' اور بنا کیا' علاقے کا سب سے معروف پوری چھولے والا۔" اپنی بات کے اختتام پر بابو شوکت ہلکے سے ہنسا۔

"تو پھر کیا ہوا؟" خیام کو یہ تضحیک آمیز ہنسی بری لگی۔

رزق حلال کی اہمیت اور اس کی شان کو جس حسرت آمیز رشک سے اس نے اپنی پچھلی پوری زندگی دیکھا تھا' صرف وہی جانتا تھا۔

اسے یاد آیا کہ۔ اس نے فٹ پاتھ پر بیٹھے موچی سے لے کر' کچرے میں سے کاغذ چننے والے تک کو ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

"فرحت بھائی کا اپنا اچھا بھلا کام ہے بابو بھائی! ماشاء اللہ سب ان کی عزت کرتے ہیں' اہم بات یہ ہے کہ وہ رزق حلال طریقے سے کما رہے ہیں۔"

"وہ تو سب ہی کما رہے ہیں!" بابو شوکت نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔

"ڈرائیور' کلینر' مزدور۔۔۔"

اس کے اردگرد ایسے کرداروں کی کوئی کمی نہیں تھی' سو وہ اس کی طرح متاثر نہیں ہو سکتا تھا۔

"تو بس مجھے بھی ایسا ہی کچھ کرنے میں مدد دیں' منع نہیں کریں بابو بھائی! پلیز' ڈائمنڈ سروس والوں سے میری بات فائنل کروا دیں۔ آپ ضمانت دے دیں گے تو مجھے' آج ہی وہاں جاب مل جائے گی انشاء اللہ۔" وہ کسی قیمت بھی اس نوکری کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا جو سڑک کے دوسری طرف بنے مختلف بس سروس کے بکنگ آفس میں سے ایک میں مل رہی تھی۔ "میری پرابلم کو سمجھیں' مجھے گھر سے آئے ہوئے دو ماہ سے اوپر ہو رہے ہیں' ٹھیک ہے میرے پاس پیسے ہیں' لیکن بے کاری کی یہ غیر یقینی صورت حال تو ختم ہو جائے گی کم از کم' میں بہت اپ سیٹ ہو رہا ہوں بابو بھائی۔"

اس بار وہ اتنا بے بس سا لگا کہ بابو شوکت کا اسے مزید سمجھانے کا ارادہ خود ہی ختم ہو گیا وہ اصولاً" کسی کی ذاتیات میں دخل دینے والا شخص نہیں تھا۔ خیام کو اس نے محض اپنائیت کے گہرے احساس کے ساتھ سمجھانا چاہا تھا' مگر ظاہر ہے کہ وہ بس ایک حد تک ہی جا سکتا تھا۔ اپنے ہر فعل کے لیے خیام خود مختار تھا۔

"اگر تم یہی چاہتے ہو تو چلو ابھی چلو!" وہ بالآخر مان گیا تھا۔

خیام کو لگا جیسے وہ ناراض ہو گیا ہے' مگر ایسا نہیں تھا۔

"تم جو کچھ بھی اپنے لیے بہتر سمجھو ضرور کرو' میں تمہیں جہاں غلط سمجھوں گا ضرور ٹوکوں گا' کم از کم اس وقت تک تو ضرور ہی جب تک تم میرے پاس یہاں ہو۔"

سڑک پار کر کے ڈائمنڈ سروس والوں کے ہاں جاتے ہوئے وہ بہت خلوص سے کہہ رہا تھا۔

"خدا کرے کہ جیسا تم نے سوچا ہے' اس سے بھی بڑھ کر اچھا ہو تمہارے لیے' ہاں' ایک بات یاد آئی۔" ڈائمنڈ سروس والے آفس سے ابھی وہ چند قدم کے فاصلے پر تھے جب بابو شوکت کو کوئی بات یاد آئی۔

"ہاں' ہاں کہیے نا!" خیام مسکراتے ہوئے بڑے تپاک سے بولا۔

"وہ۔۔۔ ایک میرا جاننے والا ہی سمجھو' رہنے کے لیے جگہ کی تلاش میں ہے' اگر تم اپنی سہولت سمجھو تو اسے اپنے کمرے میں ٹھہرا لو' کرایہ بھی آدھا ہو جائے گا تم پر۔"

"نہیں بابو بھائی!" خیام نے قطعیت کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔ "کرائے کا کوئی مسئلہ نہیں' لیکن میرے لیے کمرہ شیئر کرنا بہت مشکل ہے' مجھ سے کسی کے ساتھ نہیں رہا جا سکتا۔"

"اچھا!" "میں سمجھا تھا کہ شاید۔۔۔ چلو خیر!" بابو شوکت کو تھوڑی سی حیرت ہوئی تھی۔

"آپ بھی کیا سوچتے ہوں گے کہ' کوئی بھی بات نہیں مانتا ہوں آپ کی! خیام کی مسکراہٹ میں ہلکی سی شرمندگی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں' جیسے تمہاری خوشی۔" اس نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔

چند لمحوں کے لیے دونوں کے درمیان بے نام سی خاموشی چھائی رہی۔

خیام کا ذہن کمرے کے ذکر کے ساتھ ہی اس سفری بیگ کی طرف جا رہا تھا' جو اپنے طور پر اس نے بڑی حفاظت کے ساتھ لاک کر کے پلنگ کے نیچے چھپا رکھا تھا۔

نانی ستارہ کا اکٹھا کیا ہوا زیور اور قیمتی کی چوڑیاں' ابھی تک اس میں الگ الگ خانوں میں محفوظ تھیں اور باقی کا کیش بھی' جو وہ حقیقتاً" دانتوں تلے دبا دبا کر خرچ کر رہا تھا' ابھی اچھا خاصا باقی تھا۔ ہمت کے باوجود بھی وہ ان چیزوں کو اب تک بیچ نہیں پایا تھا اور نہ ہی پیسے ہی بینک میں جمع کروائے تھے۔

ایک بار ہمت کر کے ایک جیولر شاپ میں پتہ کرنا چاہا تھا کہ پرانا زیور بیچنے کا طریقہ کار کیا ہو گا تو دکان کے مالک نے تفصیل بتانے سے پہلے اتنی مشتبہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پے در پے سوال کرنے شروع کر دیے تھے کہ اسے اپنی جان چھڑانی مشکل ہونے لگی تھی۔

"کس کا زیور ہے؟"

"خریداری رسید ہے کہ نہیں۔"

"چوری کا مال تو نہیں۔" وغیرہ وغیرہ۔۔۔ اس کی دوبارہ ہمت ہی نہیں پڑی۔

یہی حال بینک میں اکاؤنٹ کھلوانے کا بھی رہا حالانکہ سیدھا سادا سا طریقہ کار تھا مگر اسے شناخت کے ہر مرحلے سے خوف آتا تھا۔ نام' باپ کا نام' شناختی کارڈ نمبر' اس کی فوٹو کاپی وغیرہ۔ پتہ نہیں کیوں ایسا لگتا تھا کہ اس کے شناختی کارڈ پر ایک نگاہ ڈال کر ہی ہر شخص اس کی اصلیت سے واقف ہو سکتا ہے۔

اتنے سال خول میں سمٹ کر گزارے تھے کہ اب نکلنا دشوار تر لگتا' سو وہ ان سب چیزوں کو اسی طرح سمیٹ سمیٹ کر بیٹھا ہوا تھا۔

کبھی کبھی خیال بھی آتا کہ بابو شوکت کے پاس رکھوا دے مگر یہ خدشہ آڑے آتا کہ نہ جانے وہ کیا سمجھ بیٹھے۔ چوری کر کے گھر سے بھاگا ہوا آوارہ لڑکا اور کیا خبر وہ پھر اسے یہاں ایک پل بھی نہ رکھے نکال باہر کرے یا پھر۔

پولیس کو اطلاع دے دے اور۔ پولیس والوں کو تو خدا ایسا موقع دے۔ "مسروقہ مال" کے ساتھ وہ اس سے ثاقب ستارہ کا پتہ اگلوانے میں دیر نہیں لگائیں گے۔

اس کے آگے بس ڈوب مرنے کی ہی کسر باقی رہ جاتی تھی۔

وہ بابو شوکت پر لاکھ اعتماد کے باوجود بھی اپنا قیمتی راز' اس کے حوالے کرنے پر خود کو آمادہ نہیں کر پایا۔ ہاں اپنے طور پر سارے حفاظتی اقدام ضرور کر لیے تھے۔

ایک بڑا مضبوط تالا اس نے خاص طور پر اپنے کمرے میں لگانا شروع کر دیا تھا اور بابو شوکت کا اپنا تالا' اس کو واپس کر دیا تھا' باہر نکلتے ہوئے وہ پوری احتیاط کے ساتھ اپنا کمرہ لاک کرتا' اور چابی بابو شوکت کے حوالے کر دیتا۔

کوئی بھی چیز اس کی تحویل میں سب سے زیادہ محفوظ رہتی تھی' یہ اسے پکا یقین تھا۔

"کیا سوچنے لگے خیام بھائی! آؤ بسم اللہ کرو!" بابو شوکت' شیشے کا بھاری دروازہ کھولتے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا۔

خیام نے نگاہ اٹھا کر اوپر دیکھا۔

"ڈائمنڈ بس سروس۔" کا بورڈ اوپر آویزاں تھا۔

☼ ☼ ☼

سعیدہ کو سلائی مشین پر جھکے گھنٹے' دو گھنٹے تو ہو ہی رہے تھے۔

آج صبح اس نے دوپہر کے لیے سبزی بنا کر رکھ دی تھی اور بچوں کے لیے کھچڑی بھی۔

اس کے بعد بڑے اطمینان سے سلائی مشین لے کر بیٹھ گئی تھی۔ سلائی کے لیے اکٹھے چار سوٹ آ گئے تھے

بتول کی دیوار ملی ہوئی تھی۔ وہ بنگلوں میں کام کرنے جاتی تھی وہیں بات کر کے اس نے سعیدہ کے لیے سلائی لانا شروع کر دی تھی۔ سو وہ جی جان لگا کر ان بیگمات کے ملبوسات تیار کرتی تھی۔

اور وہ لوگ بھی اس کی کارگزاری سے یقیناً "مطمئن ہو رہی تھیں تب ہی کپڑے آنے کا تسلسل برقرار تھا۔ کچھ بھی تھا۔ سب بتول کی مہربانی تھی۔ جو وہ پڑوسی ہونے کا حق ادا کرتی تھی۔

سعیدہ دل کی گہرائیوں سے اس کی شکر گزار تھی۔

احسان کا بدلہ اتارنے کی بات تو اسے بہت چھوٹی لگتی تھی۔ البتہ شکریہ کی نیت سے' وہ خود بھی جتنا ممکن ہو سکے بتول کے کام آنے کی کوشش کرتی' اسے کام پر سے آنے میں دیر ہو جاتی تو اس کی روٹی پکا دیتا' کبھی اس کے یا اس کے بچوں کے کپڑے دھو دیتا' اسی نوعیت کے دوسرے کام جو وہ کر سکتی تھی ضرور کرتی' سلائی تو خیر اس نے مستقل ہی اپنے ذمہ لے لی تھی۔

بتول بے چاری کا گزارا' بنگلوں سے ملی اترن پر ہی تھا؟ کون سے روز نئے جوڑے سلتے تھے' مگر پھر بھی' جب رمضان کے مہینے میں ملنے والے جوڑے' اپنے اور اپنی ساس کے لیے سلوانے کا ارادہ کرتی تو سعیدہ ہی سی کر دیتی

اس کے ہاتھ میں بڑی صفائی تھی۔ بتول کے بیٹوں اور میاں کے عید کے جوڑے بھی وہ بہت خوشی خوشی سی دیتی تھی۔ بتول کی اور اس کی دوستی اس چھوٹے سے محلے میں بڑی مضبوط تصور کی جاتی تھی۔

اگر وہ اسی طرح کام کرتی رہی' تو کل شام تک بڑے آرام سے یہ سارے کپڑے سی سکتی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں کچھ حساب جوڑا۔

"پرسوں بتول یہ کپڑے لے جا سکتی ہے اور کیا خبر' ہاتھ کے ہاتھ پیسے بھی لے آئے' گھر کے خرچے سے تھوڑی بے فکری رہے گی۔" وہ حسب عادت خرچہ کے لیے ہی فکر مند تھی۔

عظمت بوا کی طرف سے ملی زائد امداد بڑا سہارا ثابت ہوئی تھی' وہ خرچ بھی بہت سنبھال کر کر رہی تھی۔

ہر بار ایسا فائدہ ملنا ناممکن تھا۔ بوا عظمت اسے صاف لفظوں میں جتا چکی تھیں۔ اور وہ خود بھی بار بار انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ابھی بھی اگر وہ اپنے میاں کی مسلسل بے حسی سے تنگ نہ آتی تو۔۔۔

"سعیدہ! سعیدہ!" اندر سے نواب آوازیں دے رہا تھا۔

مشین سے سر اٹھا کر اس نے اکتائی ہوئی نگاہوں سے سامنے کمرے کے نیم وا دروازے کی طرف دیکھا اور مشین کھسکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

پتا تھا کہ اگر جا کر فوراً" ہی اس کی بات نہ سنی تو وہ اسی طرح آوازیں لگاتا رہے گا۔

"کیا بات ہے!" وہ دروازے میں ہی رک کر پوچھنے لگی۔ نواب سامنے ہی تکیوں کے سہارے نیم دراز تھا۔ اور اس کے سامنے خستہ حال سا وہی ٹی وی رکھا تھا' جس میں تصویر اتنی زیادہ ہلتی تھی کہ دو منٹ بھی نظر جما کر دیکھو تو سر دکھنے لگتا تھا۔

سعیدہ کو سامنے کھڑا دیکھ کر وہ بڑے خوشامدانہ انداز میں مسکرایا۔

"کتنا کام کرو گی' کچھ آرام بھی کر لیا کرو۔"

"تم بتاؤ! تمہیں کیا کام ہے؟" اس کی ہمدردی کو یکسر نظر انداز کر کے وہ بے تاثر سے لہجے میں ایک بار پھر پوچھ رہی تھی۔

"کام وام کیا' ایک کپ چائے بنا دو' دیکھ لو کیا پتہ کیتلی میں پڑی ہو ذرا سی' وہی گرم کر کے دے دو۔" اس کے لہجے میں جانی بوجھی سی لجاجت تھی' جو ان دنوں میں نمایاں رہتی تھی جب سعیدہ گھر کا چولہا روشن رکھنے میں بے حد مددگار ثابت ہو رہی ہوتی تھی۔

"صبح سے تم چار کپ پی چکے ہو اور پھر شکر بھی اتنی زیادہ استعمال کرتے ہو کہ ڈبا آدھا رہ گیا ہے۔ کچھ تو احساس کرو' ابھی تو زرتاج بیگم کے ہاں سے آیا ہوا سامان چل رہا ہے' کم از کم مہینہ تو پورا ہو جانے دو اس میں۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی وہ تلخ ہو گئی۔

"ختم ہو جائے گا تو اور آ جائے گا' فکر کس بات کی ہے۔" اس نے آدھا پیا سگریٹ بے فکری سے دروازے کی طرف پھینکا۔

اس کے یہ انداز سعیدہ کے تن بدن میں آگ لگاتے تھے بہت مشکل سے اس نے خود کو کچھ کہنے سے باز رکھا۔ قریب ہی بچھے دوسرے پلنگ پر اس کا چھوٹا والا بیٹا سو رہا تھا اور اس وقت وہ کوئی ہنگامہ کھڑا نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

نواب بڑا بے بھروسہ شخص تھا۔

سچی بات تو یہ کہ اس کے اندر کسی کا بھی کوئی لحاظ نہیں تھا اور لڑتے وقت تو وہ جس طرح گھٹیا پن پر اترتا تھا' اس کا بارہا تجربہ ہونے کے بعد' وہ اب کوشش کرنے لگی تھی کہ اس کے منہ لگنے سے پرہیز ہی کیا جائے' جہاں تک بھی ممکن ہو۔

وہ بنا کچھ کہے واپس پلٹ آئی اور چائے کا ایک کپ بنانے میں اسے محض پانچ منٹ ہی لگے' مگر ان پانچ منٹوں

میں وہ اپنا جتنا دل جلا سکتی تھی' جلا لی رہی۔
نواب کے عیب ثواب شادی کے بعد بڑے مختصر سے عرصے میں اس پر کھل چکے تھے۔
اسے جوئے کی لت تو تھی ہی' وہ نشے کا بھی عادی تھا۔ آرام طلبی کی لت اس کے علاوہ تھی۔
تمام جواریوں کی طرح اس کی زندگی بھی اسی ایک امید پر سرکٹ رہی تھی کہ کسی دن کوئی بڑا داؤ لگ گیا تو وہ کتنی اونچی اڑان بھرے گا۔ مگر خوش قسمتی کا ہما اس کے سر پر بیٹھنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔
وہ اسے چائے کا کپ دے کر اتنی تیزی سے واپس نکل آئی جیسے ایک منٹ بھی کھڑی رہی تو پتھر کی ہو جائے گی۔
مشین میں کپڑا ابھی تک بھی لگا ہوا تھا' مگر اب اس کا دل ہی نہیں چاہا کہ دوبارہ مشین پر بیٹھے۔
بڑا بچہ کافی دیر سے بتول کے ہاں کھیلنے گیا ہوا تھا' وہاں اس کی ساس ہمہ وقت موجود رہتی تھیں' سوائے بے فکری رہتی تھی اور اب تو ویسے بھی بتول کے آنے کا ٹائم ہو چکا تھا۔ بچے کو واپس لانے کا سوچ کر دروازہ بند کرتے ہوئے باہر نکل آئی۔
بتول کا چھوٹا سا لکڑی کا دروازہ' زیادہ تر کھلا ہی رہتا تھا اور سامنے ایک پرانا سا پردہ جھولتا رہتا۔
وہ پردہ ہٹا کر اندر آئی تو بتول سامنے ہی صحن میں چھوٹے سے چبوترے پر بیٹھی دکھائی دے گئی۔ اس کا چولہا اور پکانے کا سامان یہیں رکھا رہتا تھا' سردی گرمی' کھانا یہیں پکا کرتا۔ اور جو کبھی برسات کی جھڑی لگتی تو یہی سب ملحقہ تنگ سے برآمدے میں شفٹ ہو جاتا تھا۔ سعیدہ کا بیٹا وہیں بتول کے پاس بیٹھا پلیٹ میں سے کچھ کھا رہا تھا۔
"آجاؤ سعیدہ! ابھی تمہیں یاد ہی کر رہی تھی۔" بتول اسے دیکھ کر مسکرائی۔
وہ بڑی تیزی سے روٹیاں پکا رہی تھی اور اسے دیکھ کر لگ رہا تھا کہ اسے آئے ہوئے تھوڑی دیر ہو چکی ہے۔
"آج ایک بنگلے کا کام کم تھا' وہ لوگ ہفتے بھر کے لیے کہیں باہر گئے ہیں' اس لیے تھوڑا جلدی فارغ ہو گئی۔"
وہ اپنی جلد واپسی کی وجہ بتا رہی تھی۔ پیڑھی گھسیٹ کر وہیں اس کے پاس بیٹھتے ہوئے سعیدہ نے ایک اچٹتی ہوئی نگاہ اپنے بیٹے کی پلیٹ پر ڈالی۔
گاجر کے حلوے کے ساتھ گلاب جامن اور کسی دوسری مٹھائی کے ٹکڑے مکس ہو رہے تھے۔
بتول کی کسی بیگم نے شاید ساری میٹھی چیزیں ایک ساتھ مکس کر کے دے دی تھیں۔
یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی' بتول کے بنگلوں سے ملے ہوئے کھانے اکثر ایسے ہی غلط ملط ہو رہے ہوتے تھے۔
ایک بار پھر اس نے اپنے بیٹے کی پلیٹ کی طرف دیکھا وہ ادھ کھائی گلاب جامن کا ٹکڑا اپنے منہ میں رکھ رہا تھا۔
سعیدہ کا دل یک دم ہی عجیب سا ہونے لگا۔
"اتنا میٹھا کیوں دے دیا اسے' بس بہت کھا لیا لاؤ دو!" بیک وقت بتول اور بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے اسٹیل کی پلیٹ سامنے سے ہٹائی جس کے کناروں پر گھی جمتا جا رہا تھا۔
"کچھ نہیں ہوتا بچہ ہے' سب ہی بچے میٹھا شوق سے کھاتے ہیں' کھانے دو اسے' لے بیٹا۔"
بتول نے کہتے ہوئے پلیٹ اس کے ہاتھ سے لے کر واپس بچے کو دی۔
وہ اتنی سی دیر میں ہی رونا شروع کر چکا تھا' پلیٹ ملتے ہی چپ ہو کر دوبارہ اپنے کام میں جت گیا۔ اس نے بمشکل ہی ضبط کیا۔
معلوم نہیں کس کس کے سامنے کی بچی پلیٹیں بیگمات شاپرز میں ڈال کر جمع رکھتی تھیں۔
رزق کو ضائع ہونے سے بچانے کی طمانیت بھی حاصل رہتی تھی اور کسی کا پیٹ بھرنے کا ثواب الگ۔ سعیدہ جب بھی سوچتی اسے بڑا عجیب سا لگتا۔

خیرات میں لائے امدادی سامان سے اسے شروع شروع میں شرم محسوس ہوتی تھی۔ مگر پھر صاف ستھرے سلیقے سے پیکٹوں میں بند سامان کو کھول کر ڈبوں میں بند کرتے ہوئے جو اطمینان بخش سا احساس ہوتا وہ اس شرمندگی کے احساس کو زائل کرنے میں معاون ثابت ہونے لگا تو وہ اسے اللہ کی طرف سے مدد سمجھ کر مطمئن ہوتی چلی جا رہی تھی۔

مگر دوسروں کے آگے کا بچا ہوا کھانا لیتے ہوئے اسے عجیب کراہیت سی محسوس ہوتی تھی۔

بتول کے پاس جب ضرورت سے زائد کھانا ہوتا تو اس کے ہاں بھجوا دیتی۔

سعیدہ کو اس کے خلوص پر بھروسہ تھا اور اشد ضرورت میں اس نے اپنے بچوں کو یہ کھانا کھلایا بھی تھا مگر دل قبول نہیں کرتا تھا۔

اکثر وہ سوچتی تھی کہ اگر یہی کھانا 'پلیٹوں میں چھوڑنے کے بجائے' احتیاط سے نکالا جائے تو بچا ہوا صاف ستھرا کھانا ملازمین کے حصے میں آسکتا ہے۔

''اور وہ کپڑے کاٹ کر رکھ لیے سلائی والے!'' بتول توا چولہے سے ہٹاتے ہوئے' پوچھ رہی تھی تو وہ بھی اپنے خیالوں سے نکل آئی۔

''کٹ بھی گئے اور ایک سل بھی گیا' کل شام تک انشاء اللہ کام ختم ہی سمجھو۔''

''اچھا ہے' پھر بس پرسوں لے جاؤں گی اور ہوسکا تو پیسے بھی ساتھ ہی لے آؤں گی۔''

اس نے سعیدہ کے دل کی بات کہی تو وہ مسکرانے لگی۔

''بڑی خاموشی ہو رہی ہے آج تمہارے گھر میں؟''

''اماں ابھی ابھی میرے آنے کے بعد نکلی ہیں کچھ لینے کے لیے' سارا دن اکیلے رہ کر گھبرا جاتی ہیں' بڑا تو رات ہی آئے گا' اپنے باپ کے ساتھ' اس کی ڈیوٹی سب سے سخت ہے' بے چارہ۔۔۔!''

''بہت اچھی بات ہے' تمہارا بچہ چھوٹی سی عمر میں کام کا عادی ہو چکا ہے بتول۔'' سعیدہ نے بے ساختہ ہی اس کی بات درمیان میں سے کاٹی۔ ''محنتی ہو گا تو ساری عمر خود بھی عزت سے رہے گا' اور دوسروں کی بھی کفالت کرنا مشکل نہیں ہو گی اس کے لیے۔'' سعیدہ کو نواب کے نکھٹے پن نے بڑی تکلیف دی تھی۔ اس لیے بتول کا نوعمر بھی اس پختہ عمر نواب کے مقابلے کہیں بہتر اور باعزت لگتا تھا۔

بتول کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔

''اس کا باپ تو پھر بھی خوش نہیں رہتا اس سے۔ ذرا ذرا سی بات پر مار پیٹ' غصہ۔۔۔!''

تب ہی دروازے پر ہوئی دستک نے ان دونوں کو بیک وقت ہی اس طرف دیکھنے پر مجبور کیا۔

آنے والا اجنبی تھا یقیناً' کیونکہ محلے پڑوس کے لوگ تو کھٹکے کے ساتھ آواز بھی لگایا کرتے تھے۔

''میں دیکھتی ہوں!'' بتول کہتے ہوئے دروازے کی طرف چلی گئی۔ اس کے ہٹتے ہی سعیدہ نے اپنے بیٹے کے آگے سے پلیٹ سرکائی' اس نے منہ بنا کر دیکھا تو گھور کر اسے دیکھتے ہوئے ہاتھ پکڑ کر خود بھی نیچے اتر آئی۔

اسے بھی دیر ہو رہی تھی اور گھر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

''اس وقت تو گھر پر کوئی نہیں ہے بھائی! آپ ہو سکے تو رات میں آجایئے گا۔'' بتول دروازے میں کھڑی آنے والے سے کہہ رہی تھی۔

''آپ ساجد کی والدہ ہیں؟'' آنے والا پوچھ رہا تھا۔

آواز اجنبی تھی' سعیدہ ذرا پیچھے ہی رک گئی۔

''جی!'' بتول کو فطری سی گھبراہٹ نے گھیرا۔ خیریت تو ہے نا؟ آپ ساجد کو کیوں پوچھ رہے ہیں۔'' شہر کے حالات اتنے بے بھروسا رہتے تھے کہ ذرا سی خلاف معمول بات پر اندیشے گھیرنے لگتے تھے۔

''سب ٹھیک ہے' آپ پریشان نہ ہوں' اصل میں مجھے پتہ کرنا تھا کہ اب وہ کہاں کام کر رہا ہے' یہ جگہ تو اس نے چھوڑ دی ہے جہاں پہلے تھا۔''

مہمان سا لہجہ' پتہ نہیں کیوں اس بار ذرا مانوس سا لگا۔

''اب اس کا ابا اپنے ساتھ لے کر جاتا ہے' وہیں کام دلوا دیا ہے ساجد کو' یہاں رہ کر بگڑ رہا تھا' سوسائٹی اچھی نہیں تھی جی۔''

''اللہ اکبر!'' اس وضاحت پر جیسے وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا ''آپ تو ماں ہیں' آپ بھی سمجھتی ہیں کہ ساجد پڑھنے سے بگڑ جائے گا؟ آپ تو اس کے والد کو سمجھا سکتی ہیں کہ وہ اسے نہ روکیں ہمارے پاس آنے سے!''

''آپ!'' بتول بوکھلا کر پیچھے ہٹی' تب ہی سعیدہ نے دیکھا یہ وہی تھا جس نے اس روز چھوٹے کو اٹھایا تھا۔ سامنے کھڑے معاذ کی آنکھوں میں بھی شناسائی کی چمک ابھری۔ ''آپ یہاں کیوں آئے ہیں' ساجد کے ابا نے دیکھ لیا تو بہت خفا ہو گا' جائیں آپ یہاں سے مہربانی کر کے۔'' بتول گھبرائی ہوئی تھی ''ہمیں نہیں پڑھوانا ہے ساجد کو۔''

''ایسے کیسے آپ فیصلہ کر سکتی ہیں' اگر وہ خود چاہتا ہے پڑھنا تو اسے روکنا بہت بڑی غلطی ہو گی۔'' وہ اس کے انکار کو اہمیت دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ ''میں آپ کے شوہر سے ملنا چاہتا ہوں' شاید اس بار میں انہیں سمجھا سکوں کہ۔۔۔''

''ہمیں ساجد کو نہیں پڑھوانا ہے' بات ختم' آپ کیوں ہمارا اور اپنا وقت خراب کر رہے ہیں' ہمارے پاس ان چونچلوں کی گنجائش نہیں ہے۔!'' بتول کی گھبراہٹ بتدریج دور ہو چکی تھی اور اب وہ خاصی خفا نظر آ رہی تھی۔

''آپ بھی نہیں سمجھائیں انہیں' شاید یہ آپ کی ہی بات مان لیں۔'' سامنے کھڑے معاذ نے سعیدہ کی طرف دیکھا۔

''میں!'' وہ اپنے براہ راست مخاطب کیے جانے پر تھوڑا کنفیوز ہوئی۔

''آپ تو سمجھ دار ہیں' کیا آپ اپنے بچوں کو تعلیم سے محروم رکھیں گی؟'' ذرا سا آگے بڑھ کر اس نے سعیدہ کا ہاتھ تھامے کھڑے اس کے بیٹے کے گال کو پیار سے چھوا۔ اور وہ کہاں ہے' آپ کا چھوٹا' ابھی بھی اتنا ہی تیز بھاگتا ہے کیا؟'' وہ اس طرح پوچھ رہا تھا' جیسے کوئی پرانے ملنے والے اتفاقاً مل رہے ہوں۔

''وہ گھر پر ہے' سویا ہوا۔'' بے ساختہ ہی ہاتھ سے برابر والے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سعیدہ نچی سی آواز میں بولی۔

معاذ کو یاد آیا' اس دن بھی وہ اسی طرح گھبرائی ہوئی سی محسوس ہو رہی تھی' اعتماد کی یہ کمی یقیناً' ان حالات کی دین تھی جس میں وہ رہ رہی تھی۔

''آپ ابھی تو جائیں' میں کوشش کروں گی ساجد کے ابا کو تیار کر سکوں آپ کی بات ماننے کے لیے۔'' معاذ کے اپنائیت بھرے لہجے پر بتول تھوڑی نرم پڑی تھی۔

''خدا کرے کہ وہ آپ کی بات مان لیں' ورنہ میں تب تک آتا رہوں گا جب تک وہ راضی نہ ہو جائیں۔'' تیز دھوپ میں کھڑا وہ بڑے مطمئن اور یقین سے پُر لہجے میں کہہ رہا تھا۔

''چل' اب کیا یہیں کھڑے رہیں گے۔'' بتول' سعیدہ کی طرف مڑی۔

معاذ تیز قدموں سے جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ اپنی موٹر بائیک وہ اس پتلی سی گلی کے باہر کھڑی کر کے آیا تھا۔

"نہیں میں گھر جا رہی تھی۔" سعیدہ نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ بتول نے بے تابی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے روکا۔
"یہ تم اس لڑکے کو کیسے جانتی ہو؟ میں نے تو کبھی اسے دیکھا تک نہیں تمہارے ہاں۔"
"میں ایسے نہیں جانتی' بس ایسے ہی ایک بار راستے میں ملا تھا۔" بات کچھ بھی نہیں تھی' پھر بھی صفائی پیش کرتے ہوئے وہ شرمندہ سی ہوئی۔
"مگر وہ تو ایسے بات کر رہا تھا جیسے۔" بتول کی آنکھوں میں بے یقینی سی تھی۔ سعیدہ نے خفت بھری مسکراہٹ کے ساتھ سر کو ہلکے سے جھٹکا۔

☼ ☼ ☼

فنکشن میں معززین شہر کی خاصی تعداد تھی۔
ایک معروف ادارے کی سالانہ تقریب تھی' ہر سال اسی پیمانے پر منعقد کی جاتی تھی۔ شاندار ساؤنڈ اور اس کے بعد رنگا رنگ اسٹیج شو خاصے معروف فنکار بلائے جاتے تھے عام طور پر اس موقعہ پر ادارے کی کسی نئی پروڈکٹ کی لانچنگ بھی کرلی جاتی تھی۔ آپس میں مقابلے کی دوڑ' تشہیری اداروں کی بڑی مضبوط صنعت بنا چکے ہیں۔
یہ ادارہ بھی ایک بڑی اشتہاری کمپنی کے تعاون سے اپنے پروگرام آرگنائز کرتا تھا۔ مخصوص حلقے میں ان کی اس انٹرٹینمنٹ سے بھرپور پروگرام کا انتظار کیا جاتا۔ بیگم زرتاج بھی ان ہی مدعوئین میں شامل تھیں جو باقاعدگی سے یہاں شرکت کرتے تھے۔ بیش قیمت لباس اور جیولری کے ساتھ' وہ پہلی صف میں براجمان تھیں۔ سلیقے سے کیا میک اپ گلابی رنگت کو اور نمایاں کر رہا تھا۔ رہی سہی کسر وہ تمکنت پوری کرتی تھی جو فطری کے بجائے اختیاری تھی۔
"بیگم زرتاج کا نیا پالتو دیکھا؟" تھوڑے فاصلے پر بیٹھی خواتین میں سرگوشیوں کا من پسند سلسلہ جاری تھا۔
"یہ تو بہت چھوٹا ہے' زیادہ سے زیادہ بھی ہوا تو ستائیس اٹھائیس سال کا ہوگا۔"
ایک نے بیٹھے بیٹھے ذرا سا اونچا ہو کر اس طرف دیکھتے ہوئے اپنا تجزیہ پیش کیا۔
باقی سب فوری طور پر متفق ہوئیں۔
بیگم زرتاج کے ساتھ والا صوفہ بڑے دیر سے خالی تھا جس پر وہ اسمارٹ سا خوش شکل لڑکا ابھی ذرا دیر پہلے آکر بیٹھا تھا۔
تب سے کتنی ہی بار وہ اس کے ساتھ جھک جھک کر باتوں کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھیں۔ آس پاس کے لوگوں میں معنی خیز سی مسکراہٹ کا تبادلہ ہوا' مگر سوسائٹی میں جس طرح اور بہت سی باتوں کو مہذب انداز میں قبول کرلیا جاتا تھا یہ بھی اسی طرح کرلی گئی تھی۔
بیگم زرتاج کی امارت اور سوشل ورک کا سارے میں چرچا تھا۔
ان کی نیک دلی اور خوش لباسی کو سراہا جاتا تھا اور خوب صورتی تو ان کا پلس پوائنٹ تھا ہی۔ خوبیوں کی اس چوندروشنی میں "ان کے آئے دن بدلتے اسمارٹ' ینگ اور خوش شکل سکریٹری کا بھی "نوٹس" لیا جاتا تھا۔
"اس بار تو ہمیشہ سے زیادہ اچھا لڑکا ڈھونڈا ہے۔ ان کے تو بیٹے کے برابر ہوگا۔"
خواتین کی دلچسپی فی الوقت اسٹیج پر ہونے والے پھکڑپن پر اتری کامیڈی سے ہٹ کر بیگم زرتاج کی طرف تھی۔
"اچھا" ان کے کوئی بیٹا بھی ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا۔" ایک آواز میں حیرت نمایاں ہو رہی تھی۔

"کیسے معلوم ہوگا' جب ہر وقت گھر میں ہی رہو گی' پارٹیوں میں آیا جایا کرو' ملو جلو' ساری خبریں ملتی رہیں گی ہر وقت۔" دوسری نے اس کی بے خبری پر خبر لی تو وہ سب ایک ساتھ ہی ہنس پڑیں۔

"مسز زرتاج کے بیٹے کے بارے میں تو بتاؤ؟" اب وہ بے تابی سے پوچھ رہی تھی۔ اپنی اب تک کی لاعلمی پر اسے واقعی افسوس ہو رہا تھا۔

"اسے تو انگلینڈ بھیج دیا ہے چند سال پہلے' ورنہ تو یہیں نظر آتا رہتا تھا' کافی بگڑا ہوا لڑکا تھا' آئے دن کوئی نہ کوئی روز اس کے متعلق سننے کو ملتی رہتی تھی۔"

"اچھا!" اس اچھا میں خاصی مایوسی تھی۔

کیسی کیسی چٹ پٹی خبروں سے وہ اپنی کاہلی کے سبب محروم رہی تھی۔

"خیر' بیٹے کی سرگرمیوں کا نوٹس لینے والی ہوتیں بیگم زرتاج' تو وہ یوں اسے بے مہار انگلینڈ میں چھوڑ کر نہیں بیٹھی ہوتیں' اصل بات کچھ اور ہے۔" سارے قصے میں ایک اور ٹوئسٹ آنے لگا۔

"اچھا! وہ کیا' بتاؤ تو سہی!"

تجسس' سسپنس۔

ان سب کی پر آسائش زندگیاں' روزمرہ کی بوریت میں تھرل پیدا کرنے کے لیے ان ہی مصنوعی سہاروں کی مرہون منت رہتی تھیں۔

"بیٹے سے زیادہ تو خود ان کی اپنی سرگرمیاں مشکوک ہیں' اب دیکھ رہی ہو نا!" بات ادھوری چھوڑ کر اس نے توجہ دلوائی تو ان سب نے فوراً ہی باجماعت اس طرف دیکھا۔

وہ اسمارٹ سا لڑکا واضح طور پر بیگم زرتاج کے قریب محسوس ہو رہا تھا۔

"یہ سب تو چلتا ہے' کون سی نئی بات ہے۔" ایک نے جس کی اب اس قصے سے دلچسپی ختم ہو رہی تھی' کراہٹ کا اظہار کیا۔ "کس کس کے افیئرز کہاں کہاں چل چکے ہیں اور کہاں چل رہے ہیں' سب ہی کو خبر ہوتی ہے' کہو تو ابھی دس نام میں ہی بتا دوں!"

"چھوڑو اس قصے کو' ہمیں کیا کرنا ہے' مسز زرتاج اپنی پرسنل لائف میں جو بھی کرتی ہے' کرے۔"

"ہاں اور کیا' شکر ہے وہ بورنگ کامیڈین تو اسٹیج سے ہٹا۔"

موضوع غیر محسوس سے انداز میں بدلنے لگا۔ پنڈورا باکس جب تک نہ کھلتا' غنیمت تھا۔

قدرے فاصلے پر بیٹھی بیگم زرتاج اپنی طرف اٹھتی نگاہوں سے بھی باخبر تھیں اور ان باتوں سے بھی جو پیٹھ پیچھے ان کے لیے کی جاتی تھیں۔

"ساری کی ساری ایک سے ایک مکار!" انہوں نے دانت کچکچا کر خالص دیسی انداز میں دل ہی دل میں غصہ مارا۔

اور پھر مسکراتی نظروں سے ساتھ بیٹھے ہوئے لڑکے کی طرف دیکھا۔

"بہت بور کیا تم نے' اتنی دیر میں آنا تھا تو پھر آنے کی ضرورت کیا تھی' اتنی کوفت اٹھانی پڑی مجھے' آئندہ ایسی لاپروائی کی تو...!" بات ادھوری چھوڑ کر انہوں نے مزید ستم کیا۔

"آئی ایم رئیلی سوری میم!" وہ غریب کنفیوز ہوا جا رہا تھا۔

اس تنے بڑے فنکشن میں وہ پہلی بار آیا تھا اور بیگم زرتاج کے خصوصی طور پر دلوائے گئے کپڑے اور جوتے پہننے کے باوجود اس کی خود اعتمادی ڈانواڈول تھی۔

"میں اصل میں آپ کے اسی پرائز والے سلسلے میں مصروف رہا بس۔" اس نے بوکھلا کر تیسری بار وہی وضاحت پیش کی۔

"کم آن!" انہوں نے دھیرے سے اس کے ہاتھ کو اپنی انگلیوں سے چھوا۔ "تم بہت سیدھے ہو نبیل!"

سفید نازک انگلیاں' جن میں بیش قیمت انگوٹھیاں جگمگا رہی تھیں۔

نبیل کی آنکھیں بار بار ان ہاتھوں پر جمنے لگتی تھیں۔

یہ ہاتھ کسی طرح بھی' کسی پختہ عمر عورت کے ہاتھ نہیں لگتے تھے' ان ہاتھوں میں بڑی نزاکت تھی۔ وہی نزاکت جو بیگم زرتاج کے سارے وجود میں محسوس ہوتی تھی۔

خوب صورت رنگ کا لباس' جو ان کی جلد کی رنگت اور ملائمت سے پوری طرح میچ ہو رہا تھا اور شہد کا سا رنگ بالوں میں گھلتا ہوا۔ یہاں خوب صورت دکھائی دیتی عورتوں کی کمی نہیں تھی' پھر بھی ان کی طرف ستائشی نگاہیں اٹھ رہی تھیں۔

نبیل کو ان کے پہلو میں بیٹھ کر خود اپنے اوپر فخر محسوس ہو رہا تھا۔

اسے بیگم زرتاج کے پاس آئے ابھی دوسرا ہفتہ ہی شروع ہوا تھا' اس سے پہلے کی طویل بے روزگاری سہہ لینے کے بعد یہ "نوکری" اسے ہواؤں میں اڑائے دے رہی تھی۔

اچھی تنخواہ اور دیگر مراعات کے ساتھ' بیگم زرتاج کا التفات۔

"میں چاہتی ہوں فنکشنز میں تم میرے ساتھ رہو' تاکہ لوگ تمہیں بہت اچھی طرح پہچان لیں۔"

"جی!" اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا مگر وہ یہ ضرور جانتا تھا کہ اس کی اصل ڈیوٹی بیگم زرتاج کی ہاں میں ہاں ملانے کی ہی ہے۔

"یہاں لوگ ہر وقت دوسروں کی فکر میں رہتے ہیں۔ تم اس بات کا دھیان رکھنا لوگوں سے بات چیت کرتے ہوئے۔"

نبیل کو یاد تھا کہ بیگم زرتاج نے آج صبح اسے رات کے اس پروگرام کے بارے میں بتاتے ہوئے خاص طور پہ اسے ہدایت کی تھی۔

تب بھی وہ یوں ہی الجھتا رہا تھا۔

بھلا اس جیسے لوئر مڈل کلاس لڑکے کو' جس کا سارا وقت یوں ہی آوارہ گردی کرتے گزرا کرتا تھا' اس ہائی کلاس سوسائٹی کے لوگ کیوں منہ لگائیں گے؟

مگر بہت جلد اس کی یہ غلط فہمی دور ہو رہی تھی۔ کئی ایک نے بیگم زرتاج سے ملتے ہوئے نبیل کو بھی خاص توجہ سے نوازا تھا۔

خود کو اہمیت دیے جانا' اسے بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ راتوں رات اس کی زندگی میں انقلاب آ رہا تھا۔ اور مزے کی بات یہ کہ یہ سب کچھ اسے بڑی آسانی سے حاصل ہو رہا تھا۔

جب وہ انٹرویو کے لیے بیگم زرتاج کے پاس آیا تھا تو اچھا خاصا نروس تھا۔

کیا کیا جتن کر کے پاس کیا ہوا گریجویشن اور بس۔ اس کی تو انگلش تک ایسی نہ تھی کہ وہ روانی کے ساتھ نہ سہی' تھوڑی بہت ہی کسی کے ساتھ بات کر سکے پھر بھی محض دس منٹ میں وہ بیگم زرتاج کو پسند آ چکا تھا۔

اپنی شخصیت کو بہتر کرنے کی ہدایت کے ساتھ ہی انہوں نے اسے رکھے جانے کی خوش خبری سنا دی تھی۔ وہ بیگم زرتاج کا پرسنل سکریٹری مقرر ہوا تھا۔ ان کی سخاوت اور سوشل ورک کے بارے میں وہ یہاں آنے سے پہلے سن چکا تھا۔ ثبوت خود اپنے ساتھ ان کے رویے سے مل رہا تھا۔ اسٹیج پر اب گروپ ڈانس ہو رہا تھا۔

لوگ ویسے چاہے ادھرادھر متوجہ ہوتے رہتے ہوں۔ ڈانس تقریباً سب ہی بڑی یکسوئی سے دیکھتے تھے۔
بیگم زرتاج بھی آج معمول سے ہٹ کر شام کو سیلبریٹ کرنے کے موڈ میں تھیں۔
اپنی خوب صورت انگلیوں سے گود میں رکھے پرس پر ہلکے ہلکے تال دیتی ہوئی وہ پوری طرح محو تھیں کہ بڑی نا معقول سی دخل در معقولات ہوئی۔
"ہائے آنٹی!" بڑی گرمجوشی سے کہتے ہوئے اس نے جھک کر ان کے گال پر بوسہ دیا۔
وہ بمشکل ہی سنبھل پائیں۔
"بہت دن بعد دیکھا آپ کو، دور سے تو میں پہچان ہی نہیں سکی پھر قریب آئی تو یقین آیا۔ آپ تو ایور گرین ہیں آنٹی۔"
بیگم زرتاج کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا۔
"تم ٹھیک تو ہو زوبیہ!" سرد سے لہجے میں انہوں نے ٹراؤزر کے ساتھ مختصر ٹاپ میں ملبوس زوبیہ کمال پر ایک گہری نگاہ ڈالی۔
وہ بہت معمولی شکل کی تھی مگر اس کی نوجوانی اس کا سب سے کارگر ہتھیار تھی۔
"بہت سوٹ کر رہا ہے آپ کو یہ کلر، سب سے اچھی بات یہ ہے کہ آپ اپنی ایج کے حساب سے کلر پہنتی ہیں۔" اس نے نہ تو کوئی طنز کیا تھا اور نہ ہی یہ کوئی برا ماننے والی بات تھی، پھر بھی بیگم زرتاج کا دل چاہا کہ وہ سامنے کھڑی زوبیہ کے منہ پر ایک زوردار تھپڑ تو لگا ہی دیں۔
"امی آپ کو بہت یاد کرتی ہیں آنٹی!" اس کی زبان مستقل چل رہی تھی اور بیگم زرتاج نے صاف نوٹ کیا تھا کہ اس نے دو تین بار نبیل کی طرف بھی مسکرا کر دیکھا تھا۔
"اپنی امی کو میری طرف سے پوچھنا۔" حالانکہ انہیں یقین تھا کہ زوبیہ کمال کی ماں انہیں کبھی بھولے سے بھی یاد کرنے والی نہیں ہے، پھر بھی رسماً کہنا پڑا۔ نبیل منتظر تھا کہ وہ اس کا تعارف بھی ضرور ہی کروائیں گی، ابھی تک وہ اپنے سب ملنے والوں سے اسے متعارف کروا رہی تھیں۔
مگر اس وقت انہیں شاید یاد ہی نہیں رہا تھا۔
"لوگوں کو اسٹیج پر دیکھنے میں دقت ہو رہی ہوگی، زوبی! میرا خیال ہے ہم پھر کسی وقت فرصت سے ملیں گے۔"
وہ اس وقت آنٹی کا پورٹ فولیو نبھانے کے لیے تیار نہیں تھیں، سو کہنا ہی پڑا۔
زوبیہ شانوں کو ہلکی سی جنبش دیتے ہوئے انہیں خدا حافظ کہہ کر واپس مڑ گئی۔
مگر ایک تبدیلی کا احساس پیچھے باقی رہ گیا تھا۔ زرتاج بیگم نے اپنے نم ہوتے ہاتھوں کو ایک دوسرے سے ہلکا سا رگڑا۔
خوشی اور سرشاری کی وہ کیفیت جو کافی دیر سے ساتھ تھی اب زائل ہو رہی تھی۔ کبھی کبھی چہرے کے نقوش ہی نہیں سارا وجود ہی ڈھلکتا ہوا محسوس ہونے لگتا تھا۔
"معلوم نہیں کم بخت کہاں سے ٹپک پڑی تھی!" ینگ اور اسمارٹ لڑکیوں کی موجودگی عجیب سا عدم اعتماد کا احساس دلاتی تھی۔
"یہ کون تھیں!" نبیل نے ان ہی کی بخشی جرات کے سہارے پوچھ لیا۔
"میری بھتیجی!" بے دھیانی میں بے ساختہ ہی ان کے منہ سے نکلا "مگر تمہیں کیا مطلب ہے!" وہ دوسرے پل خفگی سے کہہ رہی تھیں۔

(باقی آئندہ انشاءاللہ)

عالیہ بخاری

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے، زیورات کے ساتھ ٹیپی آرا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید دھچکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسہ ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں۔ جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو، رفاہی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعاگو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے۔ جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں' سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارت کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلتے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کردی' جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً "مطمئن" ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز' سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے' جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً "سخت مزاج" ہے۔

۵
پانچویں قسط

دروں پر پڑے سفید اور کاسنی پردوں کو شامانے بڑی نفاست سے اطراف میں باندھا' مخملیں گاؤ تکیہ اور کشن ترتیب سے رکھے' اور ہلکا ہلکا سا روم اسپرے کرنے لگی۔

پھولوں کی ہلکی ہلکی خوشبو اطراف میں پھیلنے لگی' یہ ایئر فریشنرز کی جدت باجی نگینہ نے متعارف کرائی تھی' ورنہ نائی ستارہ کو ابھی بھی' اصلی پھولوں کی خوشبو یا پھر ان کا عطر ہی پسند تھا۔

شیشے کے بڑے بڑے پیالے نما گل دانوں میں' شفاف پانی بھر کر' ان میں بیلے کے کھلے' ادھ کھلے پھول' سیروں کے حساب سے ڈال کر بڑے ہال میں محفل کے وقت جا بجا رکھے جاتے تھے اور گاؤ تکیہ کشن وغیرہ عطر میں بسائے جاتے تھے۔

مگر اب تو جیسے ساری باتیں خواب و خیال ہوتی جا رہی تھیں۔

مہنگائی تھی کہ ہوش اڑائے دیتی تھی۔

پھولوں کا بھاؤ' چڑھتا ہی چلا جا رہا تھا' اور عطر وہ تو اب صرف نائی ستارہ کے سنگھار دان تک ہی محدود رہ گیا تھا۔ اس وارننگ کے ساتھ کہ "خبردار جو کسی نے ہاتھ لگایا۔"

ایسے میں پھر نگینہ کا فارمولا ہی کام آیا۔

ہر چمکنے والی چیز کو سونا بنا کر پیش کرنا۔

وہ ساری عمر اسی فن میں ماہر رہی تھی۔ سستی سستی شاپنگ کرتی' اور ان ہی سے اپنا کام چلاتی۔

مصنوعی جیولری' میک اپ کا سستا سامان ڈھیروں خریدتی' لائف اسٹائل میں یہ چیزیں ترجیحات میں سب سے اوپر تھیں۔

سو وہی اب اپنی کسی پسندیدہ مارکیٹ سے فٹ پاتھ پر بکتے پچاس' پچاس روپے والے فریشنرز خرید لائی تھی' شام ڈھلنے سے ذرا پہلے اسپرے کر دیا جاتا' بس وقتی خوشگواری۔

نائی کو یہ تبدیلیاں پسند تو نہیں تھیں' مگر مصلحتاً "خاموش" رہتیں۔

"شاما!" نگینہ کی آواز پر' وہ اپنی مصروفیت سے چونکی' بڑے سارے ہال کے دوسرے سرے پر وہ اپنے ایک پروگرام پروموٹر کے ساتھ بیٹھی تھی' جو ضرور کسی نئے پروگرام کے سلسلے میں بات کرنے آیا تھا۔

ابھی آنے جانے والوں کا سلسلہ شروع ہونے میں دیر تھی' اور خالص "پروفیشنل" گفتگو یہاں بنا کسی مداخلت کے کچھ دیر اور بھی جاری رکھی جا سکتی تھی۔

"دیکھتی نہیں شیرازی صاحب آئے بیٹھے ہیں' کچھ چائے ٹھنڈا لے کر آ۔"

شاما قریب آ کھڑی ہوئی۔

شیرازی یہاں کا پرانا آنے والا تھا' ملے جلے سے کئی کام ایسے کرتا تھا' جس میں اسے یہاں محلے والیوں کی ضرورت پڑتی رہتی تھی۔

فلموں کے لیے ایکسٹرا لڑکیوں کی سپلائی' یہاں کی اچھی ڈانسرز کے ڈانس نمبرز کرنا' اور رہی چھوڑ سی ٹائپ اسٹیج شوز آرگنائز کرنا۔

کہلاتا خود کو پروگرام پروموٹر ہی تھا۔

"شاما جی تو ہمیں لفٹ ہی نہیں کراتیں' حالانکہ کب سے بیٹھا دیکھ رہی ہیں۔"

شیرازی کا انداز' عورتوں سے باتیں کرتے ہوئے ایسے ہی فدویانہ ہو جاتا تھا' اور نگاہیں۔

شامانے ان غلیظ نگاہوں کو' پروفیشنل مسکراہٹ کے ساتھ وصول کیا' اور بڑی خاص ادا کے ساتھ باہر نکل گئی۔

شیرازی کی نظروں نے جب تک وہ دکھائی دی اس کا پیچھا کیا۔

"کمینہ کہیں کا۔" نگینہ نے زیر لب اس کی آوارگی کو سراہا' اور پھر ہلکے سے کھنکاری' شیرازی صاحب!"

"ہاں تو نگینہ جی! ہم کیا بات کر رہے تھے' ایک تو آپ کے ہاں آ کر بندے کی عقل پہلے ہی رخصت ہونے لگتی ہے۔"

اپنی چوری پکڑی جانے پر وہ ڈھٹائی سے مسکرا رہا تھا۔

یہاں ان باتوں پر شرم کرنے کا رواج ویسے بھی کہاں تھا' مگر نگینہ اپنی فطری چڑچڑاہٹ سے مجبور تھی۔ "عمر گزر گئی شیرازی صاحب آپ کو یہاں آتے' گلی کی اینٹیں بھی آپ کے قدموں کو پہچاننے لگی ہیں۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے' سینکڑوں آپ کی نگاہوں سے گزریں مگر شوق کا وہی عالم ہے۔"

اس کے الفاظ نرم اور لہجہ سلگتا ہوا تھا' شیرازی نے بڑا جاندار سا قہقہہ لگایا۔

"عمر کیا' نگینہ جی! ابھی تو جوانی بھی نہیں گزری' اور آپ کی عنایت رہی تو سچ یوں ہی سدا بہار رہیں گے۔"

"دل پھینک کہیے!" نگینہ کی نگاہ میں ابھی بھی کاٹ تھی۔

سچی بات تو یہ کہ اسے اپنی موجودگی میں' شیرازی کا شاما جیسی نوکرانی کی طرف جھکاؤ بھی اپنی ہی توہین محسوس ہوتا تھا۔

سالوں پہلے یہی شیرازی خود نگینہ کے پکے عاشقوں میں شمار ہوتا تھا۔

آدمی کام کا تھا۔

اور یہاں سب اپنی ٹرمز پر بازی کھیلتے تھے' ان دونوں کا تعلق بھی مفاد کا سودا تھا۔

اب وہ پہلے سی بات تو نہیں رہی تھی' پھر بھی پرانی رسم و راہ کی بنا پر' نگینہ کو ملنے والا آدھے سے زیادہ کام شیرازی کی معرفت ہی ملتا تھا۔

"کام کی بات کرو۔" اس بار نگینہ کا لہجہ سرد تھا۔ شیرازی نے بغور اسے دیکھا اور سنبھل کر بیٹھا۔

"پروگرام بہت اچھا ہے' بڑی پارٹی ہے' پیسے بھی اچھے دے گی' صندل کا تعارف بھی بڑے لوگوں میں ہو جائے گا۔"

نگینہ کے چہرے پر تردد سا چھانے لگا۔ "مشہور صنعت کار ہیں' اکلوتے بیٹے کی شادی پر دل کھول کر پیسہ خرچ ہو رہا ہے' ایک رات کے فنکشن میں صندل لاکھوں کما سکتی ہے' اس موقع کو ہاتھ سے مت جانے دو۔"

شیرازی کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔
کتنی ہی دیر سے وہ نگینہ کو ہموار کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا، مگر جتنی آسانی سے وہ خود ایکسٹرا میں سب سے پیچھے کھڑے ہونے کے لیے بھی تیار رہتی تھی۔
اس سے کہیں زیادہ مشکل، وہ صندل کے لیے ایک بہت اچھی آفر کو قبول کرنے میں لگا رہی تھی۔
"صاف بات یہ کہ اماں سے پوچھے بغیر تو میں کوئی حتمی جواب دینے سے رہی، چند دن انتظار کرلو، جو وہ کہیں گی میں بتادوں گی۔" شیرازی کو ایک نچلے درجے کی رقاصہ کا یہ نخرہ ذرا بھی نہیں بھا رہا تھا، اب جو وہ مستقل ہی "اماں اماں" کی گردان کیے جا رہی تھی تو وہ بری طرح چڑ رہا تھا۔
"تم تو ایسے ٹال رہی ہو نگینہ جی! جیسے مس صندل کا رشتہ لے کر آیا ہوں، اماں کون سی دور ہیں، جاؤ پوچھ لو، بلکہ انہیں یہیں بلالو، جو بات ہے ابھی صاف ہو جائے گی۔"
نگینہ کے دل پر جیسے ہاتھ سا پڑا، شیرازی مسکرا رہا تھا۔ جو کچھ بھی اس نے کہا تھا، مذاق میں ہی کہا تھا، اور یہاں ہنسی مذاق میں اس سے بھی کہیں بڑی باتیں کہی سنی جاتی تھیں۔
پھر بھی قدم قدم پر تحقیر کی تلخی کو امرت کی طرح پینے والی نگینہ کا صندل کے حوالے سے کہی جانے والی بات پر، سامنے بیٹھے شیرازی کا منہ نوچنے کو دل چاہا۔
ضبط کا ایک لمحہ بڑی دقت کے ساتھ گزرا۔
"میں نے کہا نا، فوری جواب نہیں دے سکتی، مشورہ ضروری ہے۔"
وہ کام کے سلسلے میں شیرازی پر اتنا انحصار نہیں کر رہی ہوتی تو یقیناً وہ اس دکھاوے کی مروت سے ہاتھ اٹھا لینے میں سیکنڈ بھی نہیں لگاتی، پر یہاں گھٹیا سے گھٹیا سمجھوتے کرنا روز کا معمول تھا۔
"تمہاری مرضی۔"
شیرازی نے شاما کی لائی کولڈ ڈرنک ختم کر کے گلاس سائیڈ پر رکھی چھوٹی میز پر رکھا۔
"یہ تو تم سے پرانے تعلق کا خیال ہے، ورنہ یہاں لڑکیوں کی کیا کمی، اتنی اچھی آفر جس کے سامنے بھی رکھوں گا، خوشی سے دومنٹ میں راضی ہو جائے گی۔ پانچ پرسنٹ کمیشن میرا، کا پروگرام دلوانے پر تم سے تو ہم نے کبھی سودے بازی نہیں کی، ہمیشہ تمہارا فائدہ ہی کروایا۔" شیرازی کے لہجے میں اب بڑی واضح رکھائی تھی، اور اپنی بات کہتا ہوا وہ اٹھ کر کھڑا ہو چکا تھا۔ احسان جتانا اس کی پرانی عادت تھی۔
نگینہ دانستہ نظرانداز کرتی تھی، ورنہ جواب اس کے پاس بھی کڑا تھا۔
"اب وعدہ تو نہیں کرتا کہ دو چار دن تک رکا رہوں گا، مجھے بھی کام پورا کر کے آگے دینا ہوتا ہے، کیا خبر اتھوڑی دیر میں ہی معاملہ پکا ہو جائے۔" نگینہ اس کے ساتھ سامنے والے آرائشی برآمدے تک آئی تھی، جب صریحاً "اس امید پر یہ بات کہہ رہا تھا کہ شاید ابھی بھی نگینہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر دس خوشامدیں کر کے واپس اندر لے جائے گی اور کہے گی کہ "صندل تو آپ کے حکم کی غلام ہے، جہاں آپ چاہیں پرفارم کرنے جائے گی۔"
"جو رزق نصیب میں لکھا ہے، سو ملے گا، جو نہیں، سو نہیں۔"
وہ جس کی شیرازی کی نگاہ میں دو ٹکے کی بھی اوقات نہیں تھی، بڑی متانت سے کہہ رہی تھی، اندر ہی اندر اٹھتی، غصہ کی ایک تند لہر کو دباتے ہوئے وہ بڑی تیزی سے سیڑھیاں اتر گیا۔ نیچے بازار میں شام کی رونق آہستہ آہستہ بڑھنے لگی تھی۔
نگینہ ذرا آگے بڑھ کر، باہر کی طرف کھلتے محرابی در کے نیچے آ کھڑی ہوئی۔
محلے والیوں کے ملازم، زیادہ تر وہی تھے، جو نہ جانے کتنے سالوں سے، ان گھروں کے نمک خوار تھے کوئی کسی

عشق کی چوٹ کھا کر، اس در کا ہو رہا تھا اور کوئی وقت کی گردش کا شکار ہو کر، نگینہ کی نگاہ میں سارے کے سارے ہی نکمے، بے غیرت تھے۔
پر شام سے رات تک، یہ سارے اتنے نکمے بھی نہیں لگتے تھے، مہمانوں کی خاطر تواضع کے لیے ساری ذمہ داری اٹھائے رکھتے تھے۔
پان، پھول، ٹھنڈے مشروبات، اور جو کوئی بڑی پارٹی ہو تو پھر تو کوئی حد ہی نہیں رہتی تھی۔
اس وقت بھی کئی جانے پہچانے چہرے، اپنی معمول کی ڈیوٹی نبھاتے نظر آ رہے تھے۔
وہ جب بھی ان لوگوں کو دیکھتی، اسے بے ساختہ ہی فیض علی یاد آتا۔
"اچھا ہی ہوا، جو مر گیا، ورنہ یوں ہی زندگی کو روگ بن کر چمٹا ہوا ہوتا۔"
ہر بار اس نے سنگدلی کے ساتھ، فیض علی کے بارے میں یہی سوچا تھا۔
شام گہری ہو رہی تھی۔
شاما نے ایک ایک کر کے ساری لائٹس جلادیں تو ماحول روشن تر ہونے لگا۔
نگینہ نے جھک کر نیچے بازار میں نگاہ دوڑائی، شیرازی کچھ فاصلے پر نانی ولدار کی سیڑھیوں پر کھڑا تھا۔
"کمینہ کہیں کا!" ایک گہری سانس لیتے ہوئے نگینہ نے اپنے دل کی جلن مٹانا چاہی۔
شیرازی کا گھٹیا پن طے شدہ تھا۔
سارا محلہ چھوڑ کر، جو اس نے نانی ولدار کے چوبارے کا رخ کیا تھا تو یقیناً "اسے نیچا دکھانے کے لیے۔
"اور جو اب کہیں معاملہ، ان لوگوں کے درمیان طے پا ہی گیا تو گل رخ اور گل ناز کیسی کیسی اتراتی پھریں گی، اور کتنا ہی مال سمیٹ کر وہاں سے لائیں گی۔"
سارے غصے اور کڑواہٹ کے باوجود اسے بڑی فطری سی "پروفیشنل جیلیسی" شروع ہوئی۔ ایک بار تو دل میں آیا بھی کہ ابھی شاما کو دوڑا کر شیرازی کو بلوا ہی لے، محراب تک تو وہ اوپر پہنچ بھی چکا ہوگا۔
محلے میں یہ بات سخت معیوب سمجھی جاتی تھی اور اخلاقی طور پر ممنوع بھی تھی کہ کسی کے بھی مہمان کو پیغام بھیج کر دوسرے چوبارے پر بلوایا جائے۔
یہ تو پھر کوئی غیر نہیں، سگی خالہ کا خاندان تھا۔ جزوی طور پر الگ سہی، مگر گھر بھی ایک ہی تھا، وہ دل برا سا کیے پیچھے ہٹ آئی۔
"یہ ساری بتیاں ابھی سے کیوں جلادیں میرے مقبرے پر، کتنی تو شام پڑی ہے، آجائے گا وہ میٹر ریڈر اپنا حصہ وصول کرنے پہلی ہوتے ہی۔"
شاما پر برستی ہوئی وہ اندر کا رخ کر چکی تھی۔
"توبہ ہے، یہ باجی نگینہ بھی، روز بروز چڑچڑی ہوتی جا رہی ہیں۔" ایک دو لائٹیں بجھاتے ہوئے شاما نے بڑی اکتاہٹ سے سوچا۔ "اور ادھر نانی ولدار والیاں کتنی خوش مزاج، مسکراہٹ تو جیسے لبوں سے جدا ہی نہیں ہوتی، نانی بتاتی ہیں کہ وہ دونوں بہنیں بھی نگینہ باجی کی عمر کی ہی ہیں مگر یہ بے چاری تو بالکل بوڑھی سی لگنے لگی ہیں ان کے سامنے کیا خبر اسی لیے بد مزاج زیادہ ہو گئی ہیں۔"
ایک ہمدردی بھرا تجزیہ کر کے اس نے اپنی وفاداری پھر سے نبھائی۔
دو تین لائٹیں بجھ جانے سے، ماحول سویا سویا سا لگنے لگا تھا، شاما نے ایک نگاہ اس طرف ڈالی جہاں ابھی نگینہ مڑی تھی۔
چپکے سے ہاتھ بڑھا کر اس نے وہ ساری لائٹیں پھر سے جلائیں، اور پھر تیزی سے اندر چلی آئی۔

نانی ستارہ کا کمرہ بند تھا۔
اوران کا کمرہ بند ہوتا تو کسی کی بھی مجال نہیں ہوتی تھی کہ دستک دے لے۔
نگینہ اور گیتی آرا تک کی نہیں۔
"انسان بات بھی کرے تو کس سے۔" نگینہ کا دل بھاری ہو رہا تھا پر شام کی مصروفیت روزانہ کی طرح بے حد توجہ طلب تھیں۔
آج صندل کو بھی محفل میں بیٹھنا تھا۔
صندل کو ابھی تک وہ بہت کم سامنے لا رہی تھی۔ چند مخصوص دنوں میں صرف اپنے مدعو کیے خاص مہمانوں کے سامنے صندل کا پروگرام رکھا جاتا تھا۔ سواس دن وہ اپنی ساری کنجوسی کو دل نہ چاہتے ہوئے بھی بالائے طاق رکھتی تھی مہمانوں کی مدارات کے علاوہ صندل کی اپنی تیاریاں بھی ایک لمبا خرچہ تھیں مگر اس سے زیادہ اس ایک محفل سے وصول بھی ہو جاتا تھا۔
نگینہ کی تو سچی بات یہی مرضی تھی کہ صندل کا پروگرام پورا ہفتہ نہیں سہی ہفتے میں چار دن تو رکھ لیا جائے۔ مگر......
نانی ستارہ کی اس معاملے میں سختی سے ممانعت تھی۔
"جلد بازی اچھی نہیں گرم کھانا زبان جلا دیتا ہے۔ صندل کی اہمیت کو بڑھنے دو وہ تمہاری زندگی بھر کی سرمایہ کاری ہے بڑھاپا بے فکری سے کٹ جائے گا۔"
نگینہ کو ساری نصیحت میں سب سے برابر بڑھاپے کا ذکر لگتا تھا۔
ساتھ بیٹھی گل ناز اور گل رخ ابھی لڑکیاں بنی پھر رہی تھیں اور وہ تھی جوان کی خالہ لگنے لگی تھی اکتائے ہوئے سے انداز میں وہ پچھلے حصے کی طرف آئی۔
یہاں ہر وقت عجب سی بے ترتیبی پھیلی رہتی تھی خالہ زاد بہنیں اس طرف کھلنے والے دروازے اپنی مرضی کے حساب سے کھولا کرتی تھیں۔
ورنہ زیادہ تر بند ہی رہتے۔
اس وقت تو وہاں شیرازی بھی بیٹھا تھا۔
نگینہ کا پچھتاوا بڑھ رہا تھا۔
ساری زندگی میں چند ایک ہی کام کے آدمی کمائے تھے وہ بھی بد دماغی کی نذر ہو رہے تھے۔
"امی!" گیتی کی آواز پر اس نے سر اٹھایا۔ "مجھے یہ چیزیں منگوا دیں۔" ایک مختصر سا پرچہ اس نے آگے بڑھایا۔
رجسٹر وائٹنر وغیرہ وغیرہ۔
چیزیں معمولی سہی مگر یہاں اس وقت اس ماحول میں جب کہ بڑے ہال میں سازندے اپنے ساز چھیڑ چکے تھے بے حد "اکورڈ" سی محسوس ہوئیں۔
"اس وقت کسی کو فرصت نہیں ایک بخت اور دوسری شاداں کام ہیں ان کے سر پورا محلہ پار کر کے آگے روڈ تک کون جائے گا۔"
اس نے غصے سے تو نہیں کہا مگر لہجے میں سے نرمی فطری طور پر ختم ہو چکی تھی۔
"میرے کل دو ٹیسٹ ہیں میں کس طرح کام کروں گی" گیتی پریشان سی ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔
"تو سویرے سے کہنا تھا یہاں کون فارغ بیٹھا ہے جو تھا وہ تو منہ چھپا کر بھاگ لیا۔"
جب تک خیام تھا پڑھائی سے منسلک اس کے سارے کام خاموشی سے کر دیا کرتا تھا کسی سے بھی کہے

نوبت نہیں آئی تھی۔

"مطلبی' مکار' خدا غارت کرے اسے۔"

گیتی خاموش ہی رہی' نگینہ جب بھی خیام کا ذکر کرتی بددعاؤں اور برے القاب کے ساتھ ہی کرتی۔

تب ہی ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھول کر صندل باہر آئی ہلکے گلابی رنگ کے بھاری کام کے سوٹ کے ساتھ وہ بالکل تیار تھی۔

پل بھر کے لیے تو گیتی کی نگاہ بھی اس پر جم سی گئی۔

اس کی گلابی رنگت' کپڑوں سے میچ کر رہی تھی اور رقص کی طویل تربیت اس کے جسم کو ایسے سانچے میں ڈھال چکی تھی' جو اسے کسی بے حد فنکاری سے بنائے مجسمے سے مشابہت دلواتا تھا۔

نگینہ نے بے حد فخریہ نگاہوں سے بیٹی کو دیکھا' اس کے تیزی سے گرتے ہوئے مورال کو اگر کوئی چیز سنبھالتی تھی تو صرف صندل تھی۔

حسین' سمجھ دار' فنکارانہ صلاحیتوں سے مالا مال۔

"یہ شاما کہاں مر گئی ہے' کب ۔ سے گجرے لانے کو کہا تھا' مگر نیچے جاتی ہے تو کم بخت وہیں کی ہو کر رہ جاتی ہے' پتہ نہیں کیا گل کھلا رہی ہے۔"

آگے شاما کی شان میں کچھ نہ کہے اور سنے جانے والے الفاظ اور بھی تھے۔

بد مزاجی' اس نے پوری کی پوری نگینہ سے لی تھی۔ اس وقت بھی اس کی پیشانی پر ہلکا سا بل پڑ رہا تھا' گیتی کو اس کی بد مزاجی خائف کرتی تھی۔

صندل کی خوب صورتی اور خوش قامتی کے ساتھ یہ لب و لہجہ بڑا گہرا تضاد پیش کرتے تھے۔

وہ ہمیشہ اسے سمجھانے کی کوشش کرتی تھی' مگر صندل اور بھی بگڑنے لگی۔

"تم موڈ مت خراب کرو بیٹا! میں ابھی دیکھے لیتی ہوں۔" نگینہ نے وہیں کھڑے کھڑے بخت اور شاما کو آوازیں لگانی شروع کر دیں۔

گیتی کو پتا تھا کہ صندل کے منہ سے نکلی چیز کو وہ ہر قیمت اسے پیش کر کے چھوڑیں گی۔

"میری چیزیں بھی۔" اس نے یاد دلانا چاہا' مگر نگینہ آگے جا چکی تھی۔

بڑے ہال میں مختلف بجتے سازوں کی آواز' اس وقت اس کے کانوں کو بھلی لگنے لگی تھی۔

بڑی دیر بعد اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلنے لگی تھی۔

"قسمت مہربان ہو جائے تو صندل کو فلم کی آفر ملنے میں گھڑی بھی نہ لگے۔"

برسوں پرانا خواب' اس کی آنکھوں میں روشنی سی بھرنے لگا۔

"تیرا ہی آسرا ہے مولا!"

اسے نہیں یاد تھا کہ چند سالوں سے' وہ سوائے صندل کے لیے اچھی فلم مل جانے کے علاوہ کسی اور شے کے لیے دعا کر رہی ہو۔

ہر جمعرات' صندل کو حاضری کے لیے ننگے پیر درگاہ شریف لے جانا شروع کر دوں تو اچھا رہے گا' کہتے ہیں ساتویں جمعرات تک بڑی سے بڑی مشکل آسان ہو جاتی ہے' اس نے پورے یقین کے ساتھ پروگرام ترتیب دیا اور سیڑھیوں پر آ کھڑی ہوئی۔

بخت ہاتھ میں سامان کا شاپر لیے اوپر ہی آ رہا تھا۔

نگینہ نے سامان اس کے ہاتھ سے لے کر اسے واپس گجرے لینے کے لیے دوڑایا۔

"بالکل تازہ' منہ بند کلیوں والے' دیکھ کر لانا' پیسے زیادہ بھی دینے پڑیں تو دے دینا۔"

صندل کے لیے دل اور بٹوہ دونوں کھلا تھا' موڈ خود بخود اچھا ہو رہا تھا۔

شیرازی' تانی دلدار کی بیٹیاں' سب کچھ وقتی طور پس پشت جانے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

آج کی اس سے زیادہ وحشت ناک خبر دوسری کوئی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔

چند لمحوں کے لیے تو' اس چھوٹے سے بھرے پرے لاؤنج میں بالکل ہی سناٹا چھا گیا۔

امی' آپا گل۔

زویا' جویا۔

سب ہی کی نگاہوں میں سخت حیرت جم رہی تھی۔

صرف سلمان تھا' جو زبردستی کی مسکراہٹ' چہرے پر سجائے' معاملے کی سنگینی کو کم کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ "اس میں اتنی جرأت کی کیا بات ہے' آج کل تو یہ بڑا عام سا ٹرینڈ ہے' ہمیں پہلے ہی خیال رکھنا چاہیے تھا کہ۔۔۔"

حتی الامکان اس نے اپنے لہجے میں لاپروائی لانی چاہی۔

"ہمیں کن کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے' اچھا ہو گا کہ تم زوبیہ اور اس کے گھر والوں سے معلوم کر کے اکٹھا ہی ہمیں بتا دو' تاکہ ہم اپنی بے وقوفیوں سے باز رہ سکیں۔"

آپا گل خلاف عادت بڑی نیچی آواز میں بولی تھیں' مگر ان کا لہجہ سرد ہو رہا تھا۔

"ایسی کوئی لمبی چوڑی بات نہیں ہے آپا۔" سلمان نے خود کو مزید سنبھالا' یوں بھی اس صورت حال کا سامنا کرنے کی' اس نے کئی دن پریکٹس کی تھی۔ "زوبیہ بے چاری تو صرف یہ چاہ رہی ہے کہ۔۔۔"

آپا گل کو "بے چاری" اور "صرف" کے الفاظ تیر کی طرح لگے۔

"بے چاری وہ ہے یا ہم' جو اپنے لاکھوں روپوں پر پانی پھیر کر بیٹھ گئے ہیں' اور وہ ہیں کہ کسی چیز کو خاطر میں لانے کو تیار نہیں' مکار' چالاک بے شرم کہیں کی۔"

آپا گل بالکل بھولنے لگیں کہ یہ سارے معزز القاب وہ اسی زوبیہ کے لیے ادا کر رہی ہیں' جس کا نام لینے سے پہلے' وہ لہجے کو شہد میں ڈبوتی تھیں' اور دل میں دس بار شکر کرتی تھیں کہ وہ ان کے بھائی کی بیوی بننے جا رہی ہے۔

"غضب خدا کا' بنا دیکھے ہی' سب کچھ ریجیکٹ کر کے رکھ دیا' یعنی ہم کوئی ایسے گھسے پٹے ہیں' جو ڈھنگ کے چار کپڑے تک نہیں لا سکتے۔"

حالانکہ سلمان نے بہت مناسب الفاظ میں زوبیہ کی فرمائش یہاں گوش گزار کی تھی' پھر بھی آپا گل کیا سب ہی نے بین السطور کہلائے گئے پیغام کو سمجھ لیا تھا۔

"تم اسے سمجھانے کی کوشش تو کرو بیٹا! وہ بڑی اچھی اور سمجھ دار لڑکی ہے' ضرور مان جائے گی۔" شاکرہ خاتون اتنی جلدی مایوس نہیں ہونا چاہتی تھیں۔ "اور گل! تم بھی یوں ذرا سی دیر میں جذباتی مت ہو جایا کرو' بھائی نے ایک بات ہی تو کی ہے' ٹھنڈے دل سے سن تو لو۔"

انہوں نے دانستہ آپا گل کی حمایت سے گریز کیا۔ سلمان کی منگنی کے دن سے ہی' وہ اپنے آپ سے پکا عہد کر چکی تھیں کہ آئندہ زندگی میں' زوبیہ اور سلمان دونوں سے وہ بے حد بنا کر رکھیں گی۔

پچھلے دنوں آپا گل کے کہنے میں آکر سلمان کی دعوت پر خفگی کا اظہار کرنے کا نتیجہ بھی انہوں نے دیکھ لیا تھا۔ نہ تو سلمان نے ہی پروا کی تھی اور نہ ہی اس کے سسرال والوں نے سو اب وہ پہلے سے زیادہ محتاط تھیں۔

"سب ہی لڑکیوں کو شوق ہوتا ہے' اپنی شادی کی تیاریوں کا' زوبیہ کا بھی اگر اپنی پسند کے کپڑے بنانے کا دل چاہ رہا ہے تو برائی کیا ہے' کچھ کپڑے ہماری طرف کے ہو جائیں گے اور کچھ اس کی پسند کے' ملا جلا کے کام چل جائے گا۔"

انہوں نے سمجھ داری سے بیچ کی راہ نکالنا چاہی۔ اپنی حمایت حاصل نہ ہونے پر آپا گل نے ایک احتجاجی نظر اماں پر ضرور ڈالی' مگر فوری طور پر بولیں کچھ نہیں۔ سلمان کو تھوڑا سا سکون تو ملا۔

زویا بیچ بیچ میں بولے جارہی تھی' مگر اس کی بات کی ایسی کوئی اہمیت نہیں ہوتی تھی۔

صرف جویا تھی' جو بالکل خاموش تھی۔

سلمان کے انداز میں جو غیر محسوس سی لاتعلقی گھر والوں کے ساتھ آتی جارہی تھی' وہ اسے بری طرح محسوس ہوتی تھی' شادی میں تو ابھی کافی دن پڑے تھے' مگر جویا کو ابھی سے لگنے لگا تھا کہ وہ ان سب سے بالکل جدا ہو چکا ہے۔

"ٹھیک ہے پھر آپ مجھے ابو سے چیک لے کر دے دیجئے گا' میں زوبیہ کو دے دوں گا۔"

اپنا مسئلہ حل ہوتا دیکھ کر وہ فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا' مزید یہاں رکنا' بحث کا کوئی نیا عنوان کھول سکتا تھا۔

"آپ بہت غلط کر رہی ہیں سلمان کی بے جا حمایت کر کے' اس طرح تو وہ جو چاہے گی منوالے گی' ہماری تو کوئی حیثیت ہی نہیں رہے گی۔" آپا گل اس کے جانے کے بعد والدہ سے شکوہ شکایت میں مصروف ہوئیں۔

زوبیہ نے ابھی اس گھر میں قدم بھی نہیں رکھا تھا اور اس کے مقابلے میں ان کی بات' بار بار رد ہونے لگی تھی' اس بات کا انہیں بڑا قلق تھا' بات کرتے کرتے آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے۔

"تم بھی نا گل بس۔"

شاکرہ ان کی حد سے بڑھی جذباتیت سے تنگ آرہی تھیں۔ "اتنی سمجھ دار ہو کر' ایسی بے وقوفی کی باتیں' تھوڑے بہت پیسے خرچ ہونے سے اگر زوبیہ خوش ہوتی ہے تو اس میں بھی ہمارا ہی فائدہ ہے' پھر بے کار کی بدمزگی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

وہ آپا گل کو سمجھا رہی تھیں۔

ان دونوں سے ذرا ہٹ کر نیچے فلور کشن پر بیٹھی' زویا نے جویا کی طرف الجھن بھری نگاہوں سے دیکھا۔

"تھوڑے سے پیسے۔"

"تمہارے خیال میں زوبیہ کی یہ فرمائش کم سے کم بھی کتنے لاکھوں میں پوری ہوگی۔"

"لاکھ۔"

جویا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا' یہ بات تو اس نے بھی نہیں سوچی تھی۔

"انہوں نے اپنی منگنی کا سوٹ ہی کتنے مہنگے ڈیزائنر سے تیار کروایا تھا تو اب وہ کیا کچھ نہیں کرنا چاہیں گی۔"

زویا چھوٹی ہونے کے باوجود' شاید زیادہ سمجھ دار تھی۔

"سلمان بھائی نے بہت بے وقوفی کی' انہیں شروع میں ہی زوبیہ سے بات کر لینا چاہیے تھی' اتنا پیسہ آل ریڈی خرچ ہو چکا ہے' اب پھر سے ارینج کرنا آسان ہوگا کیا؟"

جویا کے پاس اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں تھا' گھر میں کتنی بھی خوشحالی محسوس ہوتی ہو' آسمان کو چھوتے خرچے' خود کو اپنے لیول سے اوپر اور اوپر اٹھائے جانے کی خواہش' بہرحال معاشی دباؤ کو بڑھا ہی رہی تھی۔

گھر میں نہ بچت کا تصور تھا اور نہ ہی جائز خواہشات کی کوئی حد مقرر کرنے کا۔

اب جو یہ نیا سلسلہ شروع ہونے والا تھا' اس کا انتظام کہاں سے ہوتا تھا' خدا ہی بہتر جانتا تھا۔ شاکرہ اور آپا گل اب کسی بات پر کھل کر ہنس رہی تھیں۔

"یاد نہیں' جب تمہارے بری کے جوڑے آئے تھے' تم نے کتنا منہ بنایا تھا' اگلے دن ایمرجنسی میں وہ لوگ چھ اور بھاری سوٹ خرید کر لائے تھے۔" شاکرہ خاتون کو کوئی گزری بات بہت لطف دے رہی تھی۔

وہ بھاری جسم والی' باتوں کی شوقین خاتون تھیں' دونوں ہاتھوں میں سونے کی چوڑیاں اور انگلیوں میں پھنسی ہوئی انگوٹھیاں' خوش دلی کے طور پر اکثر ہاتھوں میں مہندی بھی لگائے رکھتیں۔

ان کے اپنے خیال میں یہ سب باتیں ان کی امارت کا اظہار کرتی تھیں۔

"شروع میں تو تمہارے سسرال والے خاصے بھلے لوگ تھے' جو بھی ہم کہتے' خاموشی سے مان لیتے تھے' مگر اب تو ایسے بدلے کہ خدا کی پناہ۔"

سلمان کی باتوں کا غم غلط کرنے کے لیے' وہ دوسرے پسندیدہ موضوع کی طرف آنے لگیں' آپا گل کو بھی سسرال والوں کے ایک چھوڑ دس قصے یاد آنے لگے تھے۔

☆ ☆ ☆

کچن کی کھڑکی سے پچھلا کچا احاطہ دکھائی دیتا تھا۔

معاذ بڑی دیر سے وہیں کرسی بچھائے بیٹھا تھا۔ شام کی چائے بھی اس نے وہیں پی تھی اور اب جب شام ڈھل کر رات میں تبدیل ہو چکی تھی۔ تب بھی وہ وہیں بیٹھا تھا۔

ربیعہ نے کچن میں کھڑے کھڑے ایک بار پھر معاذ کی مصروفیت پر نگاہ ڈالی اور پھر چولہا بند کر کے باہر نکل آئی۔

ہوا میں چمپا کے پھولوں کی تیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی' ربیعہ نے ایک گہری سانس لی۔

"معاذ!" وہ اس کے قریب پڑی کرسی پر آبیٹھی۔

"ہوں!" نگاہ اٹھائے بغیر اس نے جواب دیا۔

"کیا کر رہے ہو؟"

محض اس کی توجہ حاصل کرنے کے لیے' اس نے یوں ہی پوچھ لیا' ورنہ اتنی دیر سے وہ جو کچھ کر رہا تھا' نظر آہی رہا تھا۔

"بچوں کی کاپیز چیک کی ہیں' اور اب اگلے ہفتے کے لیے ان کا پلان تیار کیا ہے' ہمارے بچے بڑی محنت کر رہے ہیں' ان کی پروگریس حیران کن حد تک شاندار ہے۔"

توقع کے عین مطابق وہ فوراً سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"تمہارا اپنا بھی فائنل ایئر ہے' پچھلے سال بھی....!" کچھ دیر صبر کے ساتھ سن لینے کے بعد اس نے یاد دہانی کرانا چاہی۔

"ہو جائے گا وہ بھی۔" لاپروائی سے کہتے ہوئے وہ دوبارہ سامنے کھلی کاپی کی طرف متوجہ ہونے لگا۔ "اب ہر سال ہی کوئی برا رزلٹ تھوڑی آئے گا۔"

اس کے بال ماتھے پر بکھر رہے تھے' اور ہاتھ میں تھما ہوا پنسل تیزی سے چل رہا تھا' اپنی اسی رنگ اڑی جینز کے ساتھ گہرے لائننگ والی پرانی سی شرٹ پہنے وہ اتنا ہی مطمئن دکھائی دے رہا تھا' جتنا کوئی ویل سیٹلڈ شخص ہو سکتا تھا۔

یہ بے نیازی بھری پُر اعتمادی اس کی شخصیت کی دل کشی کو اور بھی بڑھاتی تھی۔
وہ جو اس کے رویہ سے ہمیشہ ہی نالاں اور فکر مند رہتی تھی' چند لمحوں کے لیے تو ساری منفی باتیں بھول کر اسے محبت سے دیکھے گئی۔
''اور وہ تمہاری دوست' کیا حال ہے ان کا؟'' بنا اپنا ہاتھ روکے وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔
''کون سی دوست؟'' ربیعہ جان بوجھ کر انجان بنی۔
''وہی جو بڑی امید بھری نگاہوں سے میری طرف دیکھتی ہیں۔'' وہ ہلکے سے ہنسا۔
''تم۔۔۔ تم انتہائی بدتمیز اور فضول شخص ہو۔'' ابھی امنڈتی ساری محبت کو ایک طرف رکھ کر ربیعہ کو اس پر بڑے زور کا غصہ آنے لگا۔
''جویا کے سامنے مت کہہ دینا' وہ تم سے ناراض ہو جائے گی۔'' وہ ایک بار پھر ہنسا۔
اس کی خوش فہمی' خوش فہمی نہیں تھی' ربیعہ کو پتا تھا پھر بھی مگر اس کی سنگ دلی اسے بے حد بری لگ رہی تھی۔
''تمہیں شرم نہیں آتی جویا کا اس طرح مذاق اڑاتے ہوئے' وہ غریب تو کبھی تمہارے متعلق بات تک نہیں کرتی۔''
''کچھ باتیں زبان سے نہیں کی جاتیں۔'' اس بار وہ خاموشی سے چند لمحے اس کا چہرہ دیکھے گئی۔
وہاں وہی بے نیازی بھری مسکراہٹ تھی' جو اس وقت دل جلانے کا سبب بن رہی تھی۔
''معاذ!''
''ہوں۔''
''سچ بتاؤ' تمہیں جویا کا ذرا بھی خیال نہیں آتا' جھوٹ مت بولنا پلیز!''
''آتا ہے۔'' اس بار بھی اس نے نگاہ سامنے رکھی کاپی پر ہی جمائے رکھی تھی۔
''ادھر دیکھو میری طرف۔''
''بولتی رہو' سن رہا ہوں۔''
وہ آسانی سے اپنا بھید دینے والوں میں سے نہیں تھا' پھر بھی ربیعہ کو ہمیشہ یہ یقین رہتا تھا کہ جویا کا ذکر وہ سرسری انداز میں نہیں کرتا ہے۔
''تم اپنے لیے کچھ کیوں نہیں کر رہے معاذ! وقت کتنی تیزی سے گزر رہا ہے' کچھ تو اپنے بارے میں بھی سوچا کرو پلیز!''
اس کے لہجے میں خود بخود اتنی لجاجت آ گئی کہ معاذ کو پوائنٹر ہاتھ سے ایک طرف رکھنا پڑا۔
''جتنا ایک نارمل شخص کو اپنے لیے کرنا چاہیے' میں بھی کر رہا ہوں۔''
''یہ سب تمہیں کیا فائدہ دے رہا ہے معاذ!'' اس کے اطراف پھیلی کتابوں اور کاپیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ کہے گئی۔ ''تمہارے دوست پیسے والے گھروں سے تعلق رکھتے ہیں' ان سب کو یہ سب کرنا سوٹ کرتا ہے کیوں کہ ان کے مستقبل محفوظ ہیں' مگر ہم تو مڈل کلاس لوگ ہیں' آج فکر نہیں کریں گے تو کل کو ہمارا کیا بنتا ہے۔''
''جو ہوگا اچھا ہی ہوگا۔''
مجال تھی' جو اس نے ذرا بھی اثر لیا ہو۔ ''اللہ سب کا ہے' ویسے تو تم بہت نمازیں پڑھتی ہو' پھر بھی یوں ہی وسوسے پالتی رہتی ہو۔''

''میں خالی وسوسے نہیں پالتی ہوں' کوئی بات ہے تب تم سے کہہ رہی ہوں۔''
''کیا بات۔'' اتنی دیر میں پہلی بار اس کی نگاہوں میں تشویش ابھری۔
''آپا گل جویا کے لیے بڑے زور و شور سے رشتے دیکھتی پھر رہی ہیں' سمجھے۔''
وہ اتنا مایوس کر رہا تھا کہ ربیعہ کو یہ خبر سناتے ہوئے اس پر ذرا بھی رحم نہیں آیا۔
''اچھا!'' اس بار بھی اس نے ہلکے سے مسکرانا چاہا۔ ''ہر شخص کو حق ہے اپنے بارے میں اچھا سوچے' آپا گل جویا کی بہن ہیں آخر۔''
وہ دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہونے لگا۔
''تم جویا کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتے کیا' خود کو اس قابل بناؤ کہ اظہار چچا کے پاس انکار کا کوئی جواز۔۔۔''
معاذ کے چہرے پر پھیلتی سرخی نے اسے فوراً ہی احساس دلا دیا کہ وہ برا مان چکا ہے۔
''مجھے جو کچھ کرنا ہے' میں کر لوں گا لیکن اظہار چچا اور ان کے گھر والوں کو خوش کرنے کے لیے ہرگز بھی نہیں' انہیں میں خود اس قابل نہیں سمجھتا کہ ان سے کوئی واسطہ رکھوں۔''
بہت جھنجلاہٹ سے کہتے ہوئے اس نے سامنے کھلی کاپی کو زور سے بند کیا۔ ''اور تم ایک بات اچھی طرح سمجھ لو' میں جیسا بھی ہوں خود کو ان مفاد پرست اور ناجائز پیسہ بنانے والوں سے ہزار درجہ بہتر سمجھتا ہوں' تمہیں ان سے جتنا متاثر ہونا ہے' شوق سے ہوتی رہو' مگر مجھ سے یہ امید نہیں رکھو۔''
ایک سیدھی سادی نصیحت جو کہ خاص اسی کی بھلائی کے لیے کی تھی' جواباً اتنا کچھ سنا کر رکھ دے گی۔
ابھی لاحق ہوتی ساری ہمدردی جیسے ہوا میں تحلیل ہوئی۔
''اکیلی میں متاثر نہیں ہوں' سارا خاندان اظہار چچا کے گن گاتا ہے' انہوں نے بے مثال ترقی کی ہے' خاندان کے سب ہی لوگ یہ مانتے ہیں۔''
ربیعہ نے بہت جل کر اس کی تصحیح کرنا چاہی۔
''ہونہہ!'' حرام کا پیسہ کمانا اگر ''مثالی ترقی ہے'' تو اللہ اس مشترکہ گناہ پر خاندان والوں کو معاف کرے۔''
''ضروری ہے کہ ان کا پیسہ ناجائز ہو' چچا تو اب صاف صاف کہتے ہیں کہ جو لوگ خود ترقی نہیں کر سکے' اپنی جلن مٹانے کے لیے ان پر الزام تراشیاں کرتے ہیں' کیا پتا وہی صحیح کہتے ہوں۔''
کبھی کبھی معاذ کی ضد میں وہ اسی طرح بحث برائے بحث پر اتر آتی تھی۔
''جب انسان کی ڈھٹائی حد سے بڑھ جاتی ہے تو اس کے دل پر ایسی ہی مہر لگ جاتی ہے' بہر حال وہ جو کچھ بھی کر چکے ہیں اور جو بھی کر رہے ہیں' جلد بدیر بھگت ہی لیں گے۔''
''فی الحال تو ہم بھگت رہے ہیں اور پتا نہیں کب تک بھگتیں گے' نہ تم سمجھنے کے لیے تیار ہوتے ہو اور نہ ابا ہی تم پر سختی کرتے ہیں۔'' ربیعہ بددل سی ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
ہمیشہ اسی طرح ہوتا تھا۔
گھر کے حالات جب مایوس کن صورت حال کو چھونے لگتے وہ مجبوراً معاذ سے ہی رجوع کرتی۔
کوئی بہتر تبدیلی۔
کوئی اچھی امید۔
مگر وہ تو آسرا دینے والوں میں بھی نہیں تھا اس کا ہر انداز پکار پکار کر کہتا تھا کہ مجھ سے کوئی امید نہ رکھی جائے۔
نہ ابھی' نہ کبھی۔

وہ بددل سی ہوتی امی کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ حسب معمول مشین پر ہی بیٹھی تھیں۔ جگہ جگہ سے جھڑتے ہوئے پینٹ والے بدرونق کمرے میں دیوار کے ساتھ بچھی چوکی پر ان کے دن کا بیشتر حصہ گزر جاتا تھا۔

"امی!"

اس کی آواز پر انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا' چاروں طرف پھیلے کپڑوں کے ڈھیر کے درمیان بیٹھی' وہ اتنی تھکی تھکی سی لگ رہی تھیں کہ چند لمحوں کے لیے تو ربیعہ کے ذہن سے یہ بھی نکل گیا کہ وہ ان کے پاس کیوں آئی ہے۔

"تھوڑی دیر کے لیے باہر آکر بیٹھ جائیں امی! اب تو ویسے بھی رات ہو رہی ہے' اس وقت تو نگاہ کا کام مت کیا کریں۔" وہ ہلکے سے مسکرادیں۔

مگر یہ مسکراہٹ دل کو خوش کرنے والی نہیں تھی' ربیعہ کو دل پر بوجھ سا بڑھتا ہوا محسوس ہوا۔

"بس یہ شرٹ پوری کرلوں' پھر اٹھ جاؤں گی' تمہارا کام ختم ہوگیا۔"

"جی!" وہ ہلکے سے بولی۔

"شکر ہے آج بہت سا کام سمٹ گیا' اس مہینے کام اچھا ملتا رہا ہے' ورنہ کبھی کبھی تو بڑا گیپ آجاتا ہے۔"

ان کے لہجے میں' اتنی دیر کام کرنے کے بعد بھی تھکن کے بجائے' اطمینان نمایاں ہو رہا تھا۔

پتا نہیں کیوں وہ کچھ چڑ سی گئی۔

"اتنا کام کریں گی تو بیمار پڑجائیں گی' کتنی تھکی ہوئی لگ رہی ہیں' بس اٹھ جائیں' یہ صبح مکمل کرلیجیے گا۔"

وہ وہیں بیٹھ کر کپڑے سمیٹنے لگی۔

"صبح تو ان سب کو استری کروں گی' ابھی تم رہنے دو۔" وہ اس کا ہاتھ روکنے لگیں۔

"استری میں ابھی کردیتی ہوں' کم از کم اتنا تو کرہی سکتی ہوں۔"

امی کو اتنا کام کرتا دیکھ کر اسے بڑی خفت ہوتی تھی' اس کی اپنی بدشوقی تھی یا امی کی غفلت' سلائی سے اسے کبھی دلچسپی ہو ہی نہیں پائی تھی' ورنہ کچھ تو ہاتھ بٹا ہی دیتی۔

"استری بھی رہنے دو۔"

امی منع کرنے لگیں۔ "تمہارے ابا نے دیکھ لیا تو خفا ہوں گے' رات کو استری کرنا انہیں ناپسند ہے' کہتے ہیں اس وقت بہت لوڈ ہوتا ہے' لوگوں کو احتیاط سے بجلی خرچ کرنا چاہیے۔"

ربیعہ نے بہت مایوسی سے نفی میں سر ہلایا' سارے اصول قاعدے' اسی گھر پر ختم تھے' قدم قدم پر ایک اخلاقی سبق یاد کرتے زندگی گزرتی آرہی تھی۔

"ان چند کپڑوں پر استری کرنے سے بجلی کی کمی نہیں واقع ہوگی' لوگوں کے ہاں' دس دس اے سی دن رات چلتے ہیں اور بہت سے تو اس کا بل بھی نہیں دیتے' میٹر ریڈرز کے' مہینے باندھ رکھے ہیں۔"

استری لگاتے ہوئے' وہ ان کی معلومات میں اضافے کیے گئی۔

"کرتے ہوں گے' ہمیں کسی سے کیا مطلب' خدا سب کو سیدھے راستے پر چلائے۔"

امی کی مشینیں ایک بار پھر چلنا شروع ہو چکی تھیں۔

"جو سیدھے راستے پر چل رہے ہیں' پہلے ان کے دل سے تو پوچھیے۔" وہ یوں ہی رخ موڑے موڑے بولی۔

اس کے انداز میں کچھ ایسا تھا کہ امی بے ساختہ ہی ہنسنے لگیں۔

گھر میں وہ اور دادی ہی تھیں' جو گھر کے لگے بندھے ماحول پر زیادہ نہیں' مگر تھوڑے بہت احتجاج کا سلسلہ تو جاری رکھتی ہی تھیں۔

"غلطی آپ کی بھی ہے۔ چلیں ابا کو نہ سہی، معاذ کو تو آپ کو ٹوکنا چاہیے، ہم کون سے ایسے پیسے والے ہیں، جو اس طرح دریا دلی کے مظاہرے کرتا پھرتا ہے۔"

امی خاموش ہی رہیں، نہیں پتا تھا کہ اسے کون سے پیسوں کا غم ستا رہا ہے۔

"پہلے تو ابا نے اس مہینے کے سارے پیسوں سے وہ کرسیاں خرید کر دیں، اور پھر یہ نواب صاحب آپ کے آئے ہوئے پیسے بھی لے گئے۔ گھر کی ضرورت کسی کو نظر نہیں آ رہی، اتنے ہی فالتو پیسے تھے تو گھر میں ہی پینٹ کرا لیا ہوتا، کتنے سال ہو گئے یہی کلر ہوئے۔"

"واقعی!" امی نے دل ہی دل میں یاد کرنا چاہا۔

"پتا نہیں کتنے سال ہو گئے تھے گھر میں کسی بھی قسم کی "فضول خرچی" کیے ہوئے۔

انہیں یاد کرنے پر بھی یاد نہیں آیا کہ گھر کے در و دیوار کو رنگ روغن سے آشنا ہوئے کتنا عرصہ بیت گیا ہے۔ اب تو کسی کو خیال بھی نہیں آتا تھا، شاید وہ سب ان بے رنگ در و دیوار کے بیچ رہتے ہوئے اسی بے رنگی کے عادی ہو چکے تھے۔

"اللہ تعالیٰ نے یہ کب کہا ہے کہ اپنی ضرورتوں کو پس پشت ڈال کر، دوسروں پر پیسہ خرچ کیے جاؤ۔"

تھوڑی دیر پہلے ہونے والی معاذ سے بحث، اسے زود رنج کیے دے رہی تھی۔

امی نے محبت سے اس کی طرف دیکھا۔

وہ ان کی بڑی حساس اور محبت کرنے والی بیٹی تھی اور ان سب کی محبت میں ہی وہ اپنا اتنا دل جلاتی تھی۔

"ضرورتوں کی حد مقرر کرنا ضروری ہوتا ہے بیٹا! اور اللہ کا شکر ہے کہ بنیادی ضرورتیں تو ہماری بخوبی پوری ہوئی ہیں۔" ان کا نرم اور پر سکون لہجہ بھی اندر بڑھتی چڑچڑاہٹ کو کم نہیں کر پا رہا تھا۔

نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں پانی آنے لگا تھا۔

استری کو تھوڑا سا اور تیز کرتے ہوئے اس نے چپکے سے، دونوں آنکھوں کو رگڑ ڈالا۔

"شاید وہ کسی کو بھی اپنی بات سمجھانے کے لائق نہیں ہے۔"

بے حد صبر شکر اور قناعت سے رہنے کے باوجود وہ شاید اندر سے ان جیسی نہیں ہے اور نہ ہی بن سکے گی۔

اس کا اپنے بارے میں یہی اندازہ تھا۔ مگر وہ صرف اتنا ہی تو چاہتی ہے کہ یہ سب جان سے پیارے لوگ، زندگی کی حقیقتوں کو تھوڑا سا سمجھ لیں، دنیا بھر سے مخلص بے شک ہوں، مگر تھوڑا سا خلوص، خود اپنی ذات کے ساتھ بھی برت لیں تو کیا برا ہے۔ استری کرتے ہوئے وہ یہی سوچنے لگی۔

☼ ☼ ☼

سلمان زوبیہ کا پیغام گھر والوں تک پہنچا کر چند دن تو دانستہ خاموش رہا۔ جو اصل بات تھی، وہ گھر والوں تک پہنچ ہی گئی تھی، سو وہ خاصا مطمئن تھا۔

گھر میں بھی شادی کی تیاریوں کے نام پر ہونے والی ہلچل میں واضح کمی آ چکی تھی۔

آپا گل جواب تک خاصا ایکٹو پارٹ پلے کر رہی تھیں، آج کل الغرض دکھائی دینے کی خاطر آنے جانے میں واضح کمی کیے ہوئے تھیں۔

گھر میں بپا مستقل ہنگاموں کے درمیان آیا سکون کا یہ چھوٹا سا وقفہ بڑا ہی عافیت بھرا تھا۔ زویا اور جویا دونوں ہی بنا کسی مداخلت کے پڑھائی میں مصروف رہتیں، یا پھر گھر کے کاموں میں شاکرہ خاتون اپنی بوریت مٹانے کے لیے محلے میں جا بیٹھتیں یا پھر کوئی نہ کوئی ان سے ملنے کے لیے آ جاتی۔

سلمان سے خود دوبارہ زوبیہ کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ آپا گل نے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ ابھی سے کچھ دینے دلانے کی بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جب شادی کی تاریخ مقرر ہو جائے، تب پیسے بھجوا دیجیے گا۔ دو چار جوڑوں کے حساب سے ایک طرح سے سب ہی اس پریشان کن صورت حال سے ذہنی طور پر نمٹ چکے تھے۔

مگر زوبیہ کمال ابھی تک تسلی بخش جواب کی منتظر تھی۔ کیوں کہ وہ خود بھی کہیں اور جواب دہ تھی۔

"سلمان نے تمہیں شاپنگ کے لیے پیسے ابھی تک نہیں دیے نا، زوبی!"

مسز کمال کے سوال میں ہی جواب چھپا ہوا تھا، اور وہ اتنی پر یقین تھیں کہ زوبیہ سے چھوٹا سا "نہیں" بھی نہیں کہا گیا۔

"دے گا بھی نہیں! یوں ہی منہ چھپاتا رہے گا اور جب وقت بالکل سر پر آ جائے گا، تو مجبوریوں کی ایک فہرست گنوا دے گا، میں اسے اچھی طرح سمجھ چکی ہوں۔"

زوبیہ شرمندہ سی ہوتی ان کی پیش گوئیاں سننے لگی۔

اسے اس گھڑی پر غصہ آتا تھا جب وہ انہیں اپنے اور سلمان کے درمیان ہونے والی گفتگو سنا بیٹھی تھی۔

"میں نے صاف کہہ دیا ہے سلمان سے، میں اس کے گھر والوں کے پسند کیے ہوئے کپڑے نہیں پہن سکتی، اور نہ ہی انہیں ہمارے گھر بھیجنے کی ضرورت ہے، میرا مذاق اڑوانے کے لیے۔"

اس روز جب مسز کمال حسب عادت سلمان اور اس کے گھر والوں پر اعتراضات کا دفتر کھولے بیٹھی تھیں، وہ پرجوش سی ہو کر انہیں اپنی کارگزاری سنا گئی تھی۔

"بہت ہی اچھا کیا تم نے۔" پہلی بار مسز کمال کو تھوڑی سی تسلی زوبیہ کی طرف سے حاصل ہوئی تھی، ورنہ سلمان کا انتخاب کر لینے کے بعد سے تو انہیں اس کی کم عقلی پر کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔

"حالانکہ ہماری طرف سے تو وہ کچھ بھی نہ لائیں، تو بھی کیا فرق پڑتا ہے، مگر ان ہی باتوں سے انسان کی اوقات کا علم ہوتا ہے، اب انگیج منٹ پر دیکھ لو، اگر ہم نے ساری ذمہ داری اٹھائی تھی تو انہوں نے رسماً بھی اپنی طرف سے کچھ کرنا ضروری نہیں سمجھا، اور کچھ نہیں تو تمہیں ہی لاکھ دو لاکھ دے دیتے، اس سے زیادہ تو ہم نے صرف سلمان کے کپڑوں اور انگوٹھی پر خرچ کر دیا تھا۔"

زوبیہ کو ان کی کوئی ایک بات بھی غلط نہیں لگی تھی۔ ہائی کلاس سے تعلق رکھتے ہوئے بھی وہ اور والدہ دونوں ہی عورتوں کی عام سی تنگ دلی کا شکار تھیں اور اگر سلمان، اسے واقعی اتنا پسند نہ آ گیا ہوتا تو شاید اس کے اعتراضات بھی مسز کمال کے برابر ہی ہوتے یا شاید ان سے بھی زیادہ۔

"ان لوگوں نے تو یہ سوچا ہو گا کہ جس طرح منگنی پر آسانی سے جان چھوٹ گئی۔ اسی طرح شادی بھی ہو جائے گی مگر اس بار میں نے بھی سوچ لیا ہے کہ اتنے اعلا اور قیمتی تحائف تو ان لوگوں کو دینے نہیں، جیسا ان کا اسٹینڈرڈ ہے بس ویسے ہی ہم بھی دے دیں گے۔"

مسز کمال جوابی انتقام کے منصوبے بنا رہی تھیں۔

زوبیہ کو صاف اندازہ ہو رہا تھا کہ اب اگر سلمان کے گھر والوں نے اپنی عزت بچانے کے لیے اس کی کہی یہ "چھوٹی" سی بات بھی نہیں مانی تو والدہ محترمہ شادی کے رنگ ڈھنگ۔ فنکشن کو بدمزہ اور بے رونق کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑیں گی۔

"آپ ٹینشن مت لیں۔" وہ اٹھ کر ان کے قریب آ بیٹھی۔ "سلمان اپنے گھر والوں سے بہت مختلف ہے، اور ان سے کوئی ایسا خاص اٹیچ بھی نہیں ہے، میری بہت مانتا ہے، آگے وہی کرے گا، جو میں چاہوں گی۔"

زوبیہ کے پاس بڑی گہری اور فطری خود اعتمادی تھی' جو اس کے حالات اور پرورش کی دین تھی۔
مسز کمال اس اوور کانفیڈنس پر ہلکے سے مسکرائیں۔
"تم اب بھی اتنی سمجھ دار نہیں ہوئی ہو زوبی! جتنا میں چاہتی ہوں' ان مڈل کلاس گھروں میں اور کچھ ہو نہ ہو' آپس کا تعلق بہرحال بڑی حد تک مضبوط ہوتا ہے' لاکھ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں' کہیں نہ کہیں آکر پھر ایک ہو جاتے ہیں' سلمان اگر ابھی تمہیں خود سے بہت کلوز محسوس ہو رہا ہے تو ممکن ہے ایسا ہی ہو مگر اس کی ماں اور وہ خرانٹ بہن!"
انہوں نے بات ادھوری چھوڑ کر سر کو بیزاری سے ہلکے سے جھٹکا۔
"وہ تو ناقابلِ برداشت ہیں!"
زوبیہ کو منگنی والے دن کا ان کا حلیہ یاد آیا۔ اونچا جوڑا سر پر بنائے آپا گل' اور موٹی موٹی انگلیوں میں پیلی چمکتی انگوٹھیاں پہنے شاکرہ خاتون۔
"میں سلمان کو ان لوگوں سے جلد ہی بالکل الگ کر لوں گی' آپ فکر مت کریں۔" اس نے ان سے زیادہ شاید خود کو تسلی دی۔
"ایسا کیے بغیر تمہاری لائف سیٹل ہو بھی نہیں سکے گی۔ شروع سے ہی منہ نہیں لگاؤ گی تو ایسا کرنا آسان ہو جائے گا' سلمان پر اپنا دباؤ بڑھاتی رہو' مرد پر کوئی نہ کوئی ٹینشن رہے تو اسے ہینڈل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔"
زندگی سے جڑا ان کا اپنا فلسفہ تھا اور زوبیہ اسی فلسفۂ حیات کی پیروی کرنے والی تھی۔

☆ ☆ ☆

گھر کے بڑے سارے مرکزی ہال کی ساری لائٹیں روشن تھیں۔
بیگم زرتاج نے میڈیا کے کچھ لوگوں کو چائے پر مدعو کیا ہوا تھا۔
یہ کوئی معمول سے ہٹ کر بات نہیں تھی مہینے میں ایک آدھ بار ایسا ہوتا ہی تھا۔
اپنے سوشل ورک کے حوالے سے وہ شہر کے جانے مانے لوگوں میں شمار ہوتی تھیں اور میڈیا سے متعلق لوگوں سے بہترین تعلقات رکھنا ان کی اپنی ذاتی خوبی تھی' صفِ اول کے اخبار رسائل میں نہ سہی بی اور سی ٹائپ میگزین اور شام کے اخبارات میں ان کے انٹرویو اور سوشل سرگرمیاں' خاصی نمایاں جگہ پر بڑی باقاعدگی کے ساتھ شائع ہوتی تھیں۔
چائے کی دعوت تو محض بہانا ہی بنتی تھی۔ سیلف پروجیکشن کے کئی نئے چانس اور نکل آتے تھے۔
ان کی پی آر بڑی تیزی کے ساتھ مستحکم ہو رہی تھی' خود کو "دان" رکھنے کے لیے کس کو کہاں احسان مند کرتا ہے اور کیسے کرتا ہے' اس طرح کے سب کام وہ نبیل کو اچھی طرح سمجھا چکی تھیں۔
"رازداری برتنا اس لیے ضروری ہوتا ہے کیونکہ ہم کسی کی عزتِ نفس کو ٹھیس لگانا نہیں چاہتے۔" کل رات سفید بند لفافوں کا پورا پیکٹ اس کے حوالے کرتے ہوئے انہوں نے بہت دردمندی سے کہا تھا۔
وہ جواباً" صرف سر ہی ہلا سکا تھا۔
بیگم زرتاج سے وہ دن بہ دن پہلے سے زیادہ متاثر ہوتا جا رہا تھا۔
چھوٹی موٹی کمزوریوں سے قطع نظر اسے وہ ایک بے حد دردمند خاتون دکھائی دیتی تھیں جو بے حد تنہائی کا شکار تھیں۔
"ہمارے ماہانہ خیرات کا پروگرام تم نے شاید ابھی تک دیکھا نہیں ہے۔" انہوں نے تصدیق کے لیے رک کر

اس کی طرف دیکھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
اس کے آنے کے بعد یہ مبارک موقع ایک بار ہی آیا تھا لیکن وہ بیگم زرتاج کے کسی کام سے اس روز حیدر آباد گیا ہوا تھا۔

"سالوں سے یہ سلسلہ جاری ہے لاکھوں روپیہ اس مد میں جا چکا ہے۔"

"جی وہ سنا ہے صاحب مرحوم نے اپنے ایک باغ کی آمدنی اسی سلسلے کے لیے وقف کی تھی۔" اس نے جلدی سے اپنے باخبر ہونے کا ثبوت دینا چاہا تھا۔

"کس سے سنا ہے تم نے؟"
زرتاج بیگم کے لہجے میں ایک دم سرد مہری سی اترنے لگی "یہ نوکر ہی ہوں گے گھر کے بدبخت معلوم نہیں کیا کیا جھوٹ سچ گھڑتے ہیں میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ زیادہ گھلنے ملنے کی ضرورت نہیں ہے!"

انہوں نے اسے اچھا خاصا جھاڑ کر رکھ دیا تھا اور وہ جو ابھی تک ان کے التفات کو پا کر بالکل بے فکر ہو چکا تھا مارے شرمندگی کے نگاہ تک نہیں اٹھا پا رہا تھا۔

"اگر یہاں ٹکنا ہے تو اپنی حد اچھی طرح ذہن نشین کر لو ورنہ تمہارے جیسے دسیوں سڑک پر مارے مارے پھر رہے ہیں۔"

اڑ ڑ ڑ دھم۔
وہ جیسے عرش سے فرش پر پٹخا گیا تھا۔
مزید چند جملے انہوں نے اس کی اوقات یاد دلانے کے لیے اور کہے جنہیں وہ بھیگی بلی بنا سنتا رہا ڈیڑھ ماہ میں یہ پہلی تلخی تھی جو اس نے زرتاج بیگم کی طرف سے وصول کی تھی۔
ساری رات فکر کے مارے اسے نیند نہیں آئی تھی۔ اس جیسے واقعی سینکڑوں مارے مارے پھر رہے تھے بلکہ اس سے کہیں بہتر بھی۔
بیگم زرتاج کو اسے نکال کر کوئی فرق نہیں پڑنا تھا۔ لیکن اسے اب اپنی سابقہ زندگی کے بارے میں سوچ کر ہی شدید گھبراہٹ ہوتی تھی۔
سو اس نے آج صبح ہی بیگم زرتاج سے بہت سوچ کر منتخب کیے الفاظ میں معذرت طلب کی تھی اور آئندہ محتاط رہنے کا وعدہ بھی کیا۔
اس کی خوش قسمتی کہ انہوں نے ایک دل نشین مسکراہٹ کے ساتھ اس کی معذرت قبول کر لی آج کی شام میڈیا کے ساتھ تھی۔
اور اس موقع پر وہ اپنی پوری توجہ اس پر رکھنا چاہتی تھیں نبیل کو پرسنل سکریٹری کے طور پر لانا "موجود رہنا" تھا۔

سو وہ وہیں ہال میں موجود تھا۔
کئی فوٹو گرافرز نے بیگم زرتاج کے فوٹوز لیتے ہوئے ان کے اس ینگ اور خوش شکل سکریٹری کو بھی فوکس کیا تھا۔
کسی کچی آبادی میں کھلے پرائمری اسکول کو بیگم زرتاج نے اپنی سرپرستی میں لینے کا ارادہ کیا تھا اور یہی اعلان آج کی اس میڈیا میٹنگ میں کیا گیا تھا۔
"قوم کی بچیاں جن بدتر حالات میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں اسے دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے غریب

آبادیوں میں کھلے یہ تعلیمی ادارے جس زبوں حالی کا شکار ہیں۔ وہ آپ سب کے سامنے ہے کلاس رومز میں نہ بنچیں سلامت ہیں اور نہ لائٹ اور پنکھے اس سخت گرمی میں بچیاں تلکے کا گرم پانی پینے پر مجبور ہیں میں آپ سب کو دعوت دیتی ہوں کہ آپ لوگ اس اسکول کا دورہ کریں جس کی بہتری کا بیڑا میں نے اٹھایا ہے۔"
بیگم زرتاج کی آواز سارے میں گونج رہی تھی۔ ان کی آواز شیریں اور لہجہ اتنا نرم تھا کہ نبیل نے اگر رات ہی ان کی بدمزاجی کا مظاہرہ نہ دیکھا ہوتا تو وہ اس "نرمی گفتار" پر ہزار جان سے قربان ہو رہا ہوتا مگر اس وقت بس ایک نمائشی سی مسکراہٹ چہرے پر سجائے بہت دھیان سے بیگم زرتاج کی باتیں سننے کا ڈرامہ رچائے ہوئے تھا۔

ذہن مستقل ادھر ادھر قلابازیاں کھانے میں مصروف تھا جس بات پر سب لوگ متاثر دکھائی دیتے خود بھی عالمانہ انداز سے سر ہلاتا۔ ورنہ یہ سارا لیکچر آدھے سے زیادہ تو بس یوں ہی سر سے گزر رہا تھا۔
اسے نہ کبھی تعلیم سے دلچسپی رہی تھی اور نہ تعلیمی اداروں سے۔
اسکول کا سارا زمانہ استادوں سے پٹتے اور اسکول سے بھاگتے ہی گزرا تھا جیسے تیسے نقل کر کرا کے گریجویشن کیا بھی تو محض اس لیے کہ نری جاہلیت کا ٹھپہ نہ لگ سکے۔
بے کاری کے سارے دنوں میں اس کے شاطر دماغ نے صرف کم سے کم محنت میں زیادہ پیسہ بنانے کے بارے میں سوچا تھا اور اب یہیں جا کر اسے پاؤں جمانے کے لیے بیگم زرتاج نے زمین فراہم کی تھی۔
وہ در حقیقت ایک امیر کبیر عورت تھی جس کے پاس مرحوم شوہر کی چھوڑی ہوئی بہت بڑی جائیداد تھی۔
ڈیڑھ ماہ کا عرصہ جو اس نے یہاں گزارا تھا وہ جیسے خوابوں میں بسر ہوا تھا۔
بیگم زرتاج کی توجہ نے اس کا دماغ آسمان پر پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ ساری گڑبڑ کل رات کے چھوٹے سے واقعہ سے ہوئی تھی۔
گو بظاہر اب وہ تلخی بھی تمام ہو چکی تھی۔
پھر بھی اتنا تو وہ سمجھ رہا تھا کہ یہاں کسی وقت بھی کچھ ہو جانا غیر معمولی نہیں ہوگا۔
بیگم زرتاج اپنی بخشی ہوئی زمین کسی بھی وقت کسی کے بھی پیروں تلے سے نکال سکتی ہیں۔
وہ ایک حیرت انگیز عورت تھیں۔
جنہیں سمجھنا ناممکن تھا اور جن کی قربت خوشی سے زیادہ سہم طاری کرتی ہے۔
وقفے وقفے سے وہ اپنے خیالوں سے نکل کر قریب بیٹھی بیگم زرتاج پر بھی نگاہ ڈال رہا تھا۔ حالانکہ وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھیں پھر بھی نبیل کو ایسا لگ رہا تھا جیسے ان کی نگاہ چاروں طرف ہے۔
وہ کسی سے بھی غافل نہیں تھیں۔
سفید لباس میں ملبوس ہونے کے باوجود ان کا پورا وجود ہوشیار باش کا نعرہ لگاتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔
یہاں رہنے کے لیے ایک ایک لفظ سوچ کر اور ایک ایک قدم احتیاط کے ساتھ اٹھانا ضروری تھا۔
"اس شہر میں اللہ کے فضل سے ایسے ارب اور کھرب پتی موجود ہیں جن میں سے کوئی ایک بھی اگر چاہے تو اس شہر کے سارے زبوں حال تعلیمی اداروں کو ہفتے بھر میں بہترین......!"
نبیل نے ایک اکتاہٹ بھری جمائی کو بمشکل لبوں تک آنے سے روکا۔
سچی بات تو یہ کہ اسے تو بیگم زرتاج کا یہ قدم بے وقوفی ہی لگ رہا تھا۔
اسکول کی مرمت الیکٹرک کولر وغیرہ وغیرہ۔ پتا نہیں کتنے پیسوں پر پانی پھرتا تھا۔ یہی پیسے اگر اسے کسی طرح مل جاتے تو چند مہینے یقیناً "بڑی عیاشی" کے ساتھ گزارے جا سکتے تھے۔ اس کی تنگ نظری کی پہنچ یہیں تک تھی۔

ساری عمر اس نے کسی کو ایک کپ چائے پلانے سے بھی گریز صرف اس لیے کیا تھا کہ کہیں اس کے پیسے خرچ نہ ہو جائیں، سو فیاضی کے ان مظاہروں کا عادی ہونے کے لیے ابھی وقت درکار تھا۔

بیگم زرتاج اب سوالوں کے جواب دے رہی تھیں چند دیرینہ نمک خوار، ان کی نیک دلی اور دردمندی کو بہت اچھے لفظوں میں سراہ رہے تھے اور جان بوجھ کر اس طرح کے سوالات کر رہے تھے جن سے ان کی مزید تعریف کا پہلو نکل رہا ہو۔

صحافت کا یہ رخ نبیل نے آج ہی دیکھا تھا۔

''اور اگر وہ یہاں لمبے عرصے کے لیے ٹک پایا جس کی وہ سرتوڑ کوشش یقیناً'' کرے گا تو اتنا کچھ سیکھے گا جس کی اس نے کبھی توقع بھی نہیں کی ہوگی۔''

پہلو بدلتے ہوئے اس نے اس بار واقعی سوال جواب کے اس سلسلے کو دھیان سے سننے کی کوشش کی۔

''ایک بات!'' قدرے پیچھے بیٹھے ایک جرنلسٹ نے بیگم زرتاج کی توجہ چاہی۔

''ضرور پوچھیے، آپ لوگوں کو یہاں بلانے کا مقصد ہی یہی ہے کہ آپس میں کھل کر بات چیت ہو سکے۔'' بیگم زرتاج کی خوش اخلاقی عروج پر تھی۔

''یہ اسکول سانول گوٹھ میں واقع ہے میڈم!'' اس نے جیسے تصدیق چاہی۔

''جی ہاں!'' نبیل کو بیگم زرتاج معلوم نہیں کیوں ہلکی سی الجھن کا شکار نظر آئیں۔

شاید اس کا وہم ہی ہو۔ اس نے اس خیال کو جھٹکنا چاہا۔

مذکورہ صحافی اس علاقے کا حدود اربعہ معلوم نہیں کیوں ذرا تفصیل کے ساتھ بتا رہا تھا۔ کراچی کے اطراف میں اس طرح کے چھوٹے چھوٹے گاؤں میلوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔

چھوٹے چھوٹے کچے مکانوں میں رہنے والے ان سیدھے سادے غریب لوگوں کا ذریعۂ آمدنی یا تو مویشیوں کا دودھ شہر کے مختلف حصوں تک پہنچانا ہے، یا محدود پیمانے پر کی جانے والی فارمنگ، یا پھر شہر آ کر سیدھی سادی مزدوری۔ شہری زندگی کی روزمرہ ضروریات کو خاموشی سے پورا کرنے والے، ان بے حد اہم لوگوں سے عام طور پر کسی کو بھی دلچسپی نہیں ہوتی ہے۔

''اسکول کے بالکل ساتھ والے پلاٹ پر آپ کا قالین بُننے کا کارخانہ ہے۔ جہاں۔۔۔!''

''کارخانہ کہاں یوں ہی ایک شیڈ کے نیچے بچے بیٹھے قالین بُن لیتے ہیں، سچ پوچھیں تو اس کام میں ہمارا تو کوئی نفع بھی نہیں ہے، بس اس بہانے کچھ گھروں کی روزی روٹی چل رہی ہے۔''

بیگم زرتاج نے اس کی بات درمیان میں سے کاٹ کر تفصیل بتائی۔

''بالکل پیچھے بیٹھے ہوئے اس جرنلسٹ نے پورے صبر کے ساتھ ان کی بات سنی اور جب وہ خاموش ہوئیں تو اپنی بات کا سرا پھر سے وہیں سے جوڑا۔

''آپ کے پلاٹ اور اسکول کی بیچ کی دیوار بالکل منہدم ہے اور وہاں سے آوارہ لڑکے بلا روک ٹوک اس طرف آتے ہیں، اس سلسلے میں کچھ بہت افسوسناک باتیں بھی سننے میں آئی ہیں جنہیں بدنامی کے خوف سے دبا دیا گیا ہے۔''

''میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' اس بار ان کا لہجہ تھوڑا سا بدلا۔

''ویسے بھی میں نے درمیان کی دیوار سب سے پہلے تعمیر کروانے کا کہہ دیا ہے، اس کے علاوہ وہاں ایک چوکیدار بھی رکھا جا رہا ہے، تاکہ آئندہ اس طرح کے واقعات کی روک تھام ہو سکے۔'' اپنے طور پر انہوں نے بات ختم کرنا چاہی۔

مگر وہ شخص ابھی بھی بے اطمینانی کے ساتھ پہلو بدل رہا تھا۔

”بات یہیں ختم نہیں ہوتی میڈم!“
اب تک آگے بیٹھے سب لوگوں نے مڑ کر پیچھے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔
”یہ پلاٹ جواب آپ کی ملکیت بتایا جاتا ہے یہ بھی اسکول ہی کا ہے اور اس کے اصل کاغذات۔۔۔!“
اس بار بیگم زرتاج نے ذرا سا رخ بدل کر نبیل کی طرف دیکھا تو وہ فوراً ”ہی اٹھ کھڑا ہوا۔
”اس کے علاوہ وہاں درجنوں کی تعداد میں بنتے ہوئے قالین بھی اچھا خاصا مسئلہ کر رہے ہیں، اونی دھاگوں کے اڑتے ہوئے ہزاروں ذرات بری طرح پولوشن بڑھانے کا سبب بن رہے ہیں۔ اس گاؤں کی تقریباً“ ہر دوسری لڑکی دمہ کے مرض کا شکار ہو چکی ہے گاؤں والوں نے اس کارخانے کو بند کروانے کی کئی بار درخواست بھی دی ہے مگر آپ نے اپنے تعلقات سے کام لے کر اسے رکوا دیا۔“
وہ شخص ابھی بھی بول رہا تھا۔ اور صاف پتہ چلتا تھا کہ اس کا ہوم ورک مکمل ہے۔
بیگم زرتاج نے ماتھے پر آتے پسینے کو ٹشو پیپر سے ہلکے سے خشک کیا۔
اب تک وہ اچھی خاصی الجھن جھیل چکی تھیں۔
”یہ سب سنی سنائی باتیں ہیں۔ آپ کے پاس جب ان کا کوئی ٹھوس ثبوت ہو تو میرے پاس ضرور آیئے گا، مجھے یقین ہے کہ میں آپ کو پوری طرح سے مطمئن کر سکتی ہوں۔“
ہال میں اب دبی دبی سے سرگوشیاں پھیل رہی تھیں۔
اور انہیں ابھی سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس ہفتے کے سوشل راؤنڈ اپس میں اس سارے سوال و جواب کے سلسلے کو کس طرح پیش کیا جائے گا۔
یہاں تک کہ وہ بھی جو ان کے پرانے نمک خوار ہیں، وہ بھی کون سے کم ہیں۔
”آپ کا اکلوتا بیٹا چند سال پہلے تک اس کاروبار کی دیکھ بھال کرتا تھا۔“
اس شخص کے چہرے پر معنی خیز سی مسکراہٹ تھی، بیگم زرتاج نے سپاٹ سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا مگر اندر سے وہ بری طرح جلی تھیں۔
اب تک بمشکل جو خوش اخلاقی وہ برت رہی تھیں۔ رخصت ہو رہی تھی۔
”میرا بیٹا باہر پڑھنے گیا ہوا ہے، چند سال پہلے وہ کافی چھوٹا تھا۔“
”شاید بیس یا بائیس سال!“ اس شخص کی مسکراہٹ اور گہری ہو رہی تھی۔
”شاید، لیکن اسے کوئی ضرورت نہیں تھی کہ وہ اس بالکل چھوٹے سے کام کی دیکھ بھال کے لیے سانول کوٹ جائے، ہماری اتنی بڑی پراپرٹی اور اس سے متعلق معاملات ہیں کہ ہم لوگ اس طرف پوری طرح توجہ بھی نہیں دے پاتے۔“
اب انہیں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ بالکل پیچھے بیٹھا یہ شخص انہیں بلیک میل کرنے پر اتر آیا ہے۔
ان کی قوت برداشت بہت کم تھی، لیکن اس طرح کے ہتھکنڈوں سے نمٹنے کے لیے، بڑے تحمل کی ضرورت ہوتی ہے، یہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں۔
”تو کیا یہ سمجھا جائے کہ آپ اس لیے مذکورہ اسکول کو اپنے زیر اثر کرنا چاہ رہی ہیں تاکہ وہاں آپ کا پروجیکٹ کسی دخل اندازی کے بغیر چلتا رہے۔“
ادھر ادھر سے سوال آنے شروع ہو چکے تھے۔ خود پر قابو پا کر وہ پھر سے مسکراتے ہوئے ان غلط فہمیوں کو دور کرنے لگی تھیں، مگر ساری توجہ نبیل پر ہی تھی۔

وہ اب اس شخص کے برابر والی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ انہیں تھوڑا سا اطمینان ہونے لگا۔
جو باتیں ابھی یہاں ہوئی تھیں۔ کسی حد تک پریشان کن ضرور تھیں ان کے لیے مگر یہاں یہ سب چلتا ہی تھا۔
انہیں پتا تھا کہ لوگ ایسے کسی بھی ایشو پر چند دن، بہت ذوق و شوق سے بات کرتے ہیں اور پھر اس طرح بھولتے ہیں کہ اس کا ذکر بھی کہیں نہ ہوتا۔
کچھ کی تردید، کچھ کی تصدیق۔
اور خاص اہمیت حاصل کرنے کے لیے، تھوڑی بہت ٹینشن لینے میں حرج ہی کیا ہے۔
وہ گاہے بگاہے اس طرف بھی دیکھ رہی تھیں، جہاں نبیل بڑے دوستانہ انداز میں بات چیت شروع کر چکا تھا۔
”معلوم نہیں ہر ہفتے منہ بند رکھنے کی کتنی ڈیمانڈ کرے گا!“ انہوں نے دل ہی دل میں اندازہ لگانا چاہا۔
اب جو بھی بات ہونی تھی، تنہائی میں اور پوری رازداری کے ساتھ ہونی تھی۔
ایک گیا گزرا قصہ، جس پر وہ کب کی مٹی بھی ڈال چکی تھیں۔
جانے کب اپنی گرد جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
ان کی تشویش بجا تھی!

☼ ☼ ☼

آسمان پر بس روپہلا سا غبار تھا۔ ننھے ننھے جگمگاتے تارے نہ جانے کہاں چھپ جاتے لاکھ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے پر بھی نظر نہ آتے۔
کیتی نے کمرے کا حبس دور کرنے کے لیے دروازہ کھولا تھا، مگر نگاہ یوں ہی حد نظر پھیلے کھلے کھلے آسمان پر جا ٹکی۔
خاموش، سویا سویا سا۔
سائیڈ کی طرف والا یہ چوبارہ اس وقت بالکل خالی ہوتا تھا۔
نانی ستارہ اور نانی دلدار دونوں کے مرکزی ہال میں اس وقت محفل جمی ہوتی تھی، سو ساری لڑکیاں ادھر مصروف ہوتی تھیں۔
آسمان سے ہٹ کر اس کی نگاہ اطراف کے مکانوں میں الجھنے لگی، سارے کے سارے بقعۂ نور بنے ہوئے تھے۔
دودھیا اور رنگین روشنیاں۔
سارا ماحول روزانہ رات کو اسی طرح جگمگاتا تھا، بجلی کی اس شدید لوڈشیڈنگ میں بھی یہاں کی رونقیں بحال رہتی تھیں، سب ہی مکینوں کا بجلی کا متبادل نظام موجود تھا۔ رات میں دن کا سماں بنا رہتا۔
کبھی کبھی تو کیتی کا دل چاہتا کہ یہ ساری روشنیاں گل کر کے آسمان پر کھوئے، سارے ستاروں کو ڈھونڈ لائے۔
مگر اس کے بس میں اور کیا تھا، جو یہ ہوتا اور وہ ہوتی بھی کون تھی، جو اس سارے سسٹم میں تبدیلی کی خواہش بھی کرے۔ اس نے خود اپنی بے بسی کا دل ہی میں مذاق اڑانا چاہا اور مسکرا دی۔
بہت دن غم منا لینے کے بعد اب وہ حقیقت پسند بننے کی ٹھیک ٹھاک پریکٹس کر رہی تھی، کسی کسی وقت کامیابی ہو بھی جاتی تھی۔
ورنہ۔

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

دیوارِ شب

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے، جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار، ناری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے، زیورات کے ساتھ قیمتی آرائشی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید دھچکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسہ ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں۔ جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو۔ رفاہی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں، سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارت کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلتے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کردی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً "مطمئن" ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً "سخت مزاج" ہے۔

٦
چھٹی قسط

وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔

شیرازی نے اپنا کمینہ پن ثابت کر کے چھوڑا، گل ناز اور گل رخ کی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ ان کے کھلے کھلے چہرے دیکھ کر سمجھ تو سب ہی گئے تھے، مگر تصدیق چم چم اور رس گلوں کے بھرے ہوئے ڈونگوں سے ہوئی۔ جو وہ دونوں بہنیں خود لے کر آئی تھیں۔

"بہت بڑی پارٹی ملی ہے خالہ! آپ کی دعاؤں سے۔" دونوں نے باری باری نانی ستارہ کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر سب سے پہلے ان ہی کا منہ میٹھا کروایا۔ "پورا فنکشن ہی سمجھو الماس کے نام پر ہوگا، ہم نے چھوٹے موٹے سارے آرٹسٹ کٹ کروائے ہیں، اتنی بھیڑ بھاڑ میں پرفارم کرنا تو خود کو ضائع کرنے والی بات ہے، کوئی ڈھنگ سے نوٹس بھی نہیں لیتا، بس لوگ یوں ہی تالی سیٹی مار دیتے ہیں اور خانہ پری ہو جاتی ہے۔"

گل ناز پشت پر کھلے بالوں کو سمیٹتے ہوئے بڑی نزاکت سے اپنی "حکمت عملی" سے آگاہ کر رہی تھی۔

نگینہ اندر ہی اندر بل کھا کر رہ گئی۔

اس نے ساری عمر بھیڑ بھاڑ کا حصہ ہی بن کر گزاری تھی۔ خالہ زاد بہنوں والی خوش قسمتی اس کے نصیب میں نہیں آئی تھی۔

"بڑی ہائی کلاس جینٹری ہوگی وہاں پر، شہر کے مانو سارے ہی اونچے اونچے لوگ وہاں ہونے لازمی ہیں، یہ موقع تو قسمت سے ہی ملتا ہے۔ الماس تو شروع سے ہی قسمت کی تیز رہی ہے اب دیکھ لو، اتنی چھوٹی عمر سے بڑے لوگوں میں اٹھنے بیٹھنے لگے گی، ورنہ تو عمریں گزر جاتی ہیں پر مجال ہے جو کوئی ڈھنگ کا بندہ جڑے۔"

ایک ایک لفظ اسے خود اپنا مذاق اڑاتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

بات صرف الماس کی خوش نصیبی کی ہوتی تب ہوتی تو بھی صبر آجاتا، وہ مروتاً ہی سہی، خوش مزاجی کا تھوڑا اظہار کر ہی لیتی، مگر یہاں تو واضح طور پر اس کی بد نصیبی کو ہی ٹارگٹ بنایا جا رہا تھا۔

اب اگر امین آباد والی سرکار جیسی کوئی سرپرستی ساری عمر میسر ہی نہ آسکی، تو اس میں نگینہ کی نااہلی سے زیادہ ان حالات کا قصور تھا، جو نانی ستارہ اور ان کی بیٹیوں کے حصے میں آئے تھے۔

کیسا یہ اکڑا وقت نہیں دیکھا تھا انہوں نے۔ نگینہ کچھ گم صم سی ہو گئی۔

"یہ چم چم تو کھالے نگینہ! خاص تیری پسند کی مٹھائی ہے، پوری من بھر مٹھائی تقسیم کی ہے محلے میں!" گل ناز نے شاید اس کی "عدم موجودگی" کو محسوس کر لیا تھا، تب ہی خاص طور پر نگینہ کو مخاطب کیا۔ "ایک ذرا بکنگ کے فنکشن کی بکنگ پر من بھر مٹھائی!" دم بھر کے لیے تو وہ دنگ ہی رہ گئی۔ "لگتا ہے پیسہ دن رات برس رہا ہے خالہ دلدار کے ہاں۔"

جتنی دیر میں اس نے یہ جانی بوجھی سی قیاس آرائی کی، گل ناز شیرے میں بھیگی ایک چم چم اس کے منہ کے پاس لے آچکی تھی۔

"یہ لو منہ میٹھا کرو، الماس بھی تو تمہاری ہی بیٹی ہے، صندل اور گیتی کی طرح، اس کی کامیابی تمہیں بھی مبارک ہو۔"

"میں میٹھا نہیں کھا رہی آج کل، مجھے پرہیز ہے۔" اس نے بے رخی سے گل ناز کا ہاتھ پیچھے کیا۔

"ہائے میں مر جاؤں!"

اس کے ساتھ لگی بیٹھی گل رخ نے سراسر مصنوعی ادا کے ساتھ سینے پر ہاتھ رکھا۔ "یہ نگی کے پرہیز کب سے شروع ہو گئے خالہ! یہ تو میٹھے پر ایسے گرتی تھی، جیسے چیونٹا شیرے میں۔" فضول سی مثال دے کر وہ خود ہی ہنس دی۔

"یاد ہے ابھی پچھلے سال ہی پچھلی گلی والیوں کے ہاں نیاز میں تُو نے زردے کی چار پلیٹیں اکیلی ہی کھالی تھیں، اور زردہ کیسا، کھوئے قلاقند والا۔" گل ناز کو بھی اس کی پچھلی کارکردگی یاد آئی، تو ایک زوردار قہقہہ پڑا۔

صندل اور اس کی پڑوس سے آئی دو سہیلیاں تو اتنا ہنسیں کہ ان کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا، دل کب سے جل کر خاک ہوا جا رہا تھا۔

اب جو یہ صندل شہزادی بھی، بے وقوفوں کی طرح منہ کھولے ہنسے جا رہی تھی، تو اس کا پارہ چڑھنا ہی تھا۔ سارا نیچے کارپٹ پر بیٹھی شامار اترا۔

"یہاں بیٹھی دانت ہی نکالتی رہے گی، ادھر کچن میں چولہے پر چڑھی ہنڈیا تیری جان کو رو رہی ہے، بد بخت کہیں بیٹھ گئی تھی کرنے، دفع ہو یہاں سے۔" سب ہی سمجھ گئے کہ نگینہ کو برا لگ گیا ہے۔

صندل اور اس کی سہیلیاں تو ہنسی چھپانے کی کوشش میں مضحکہ خیز لگنے لگی تھیں، پر گل ناز اور گل رخ نے مسکراہٹوں پر قابو پانے کی ہلکی سی بھی کوشش نہیں کی، اپنی ہم عمری، رشتے اور سب سے بڑھ کر فطری ڈھٹائی کے بل پر وہ ہر طرح کے مذاق کا حق رکھتی تھیں۔

"برا کیوں مان رہی ہے، کھالے قسم کہ زردے کی پلیٹیں چار سے کم تھیں، میں نے کوئی جھوٹ تھوڑی بولا ہے۔"

گل ناز مزید لطف لینا چاہ رہی تھی۔ نگینہ نے ایک گہری نگاہ اس کے سراپے پر ڈالی۔ متناسب جسم، سرخی مائل گندمی رنگت، خوبصورت سے شیڈ میں رنگے گھنے سلکی بال، جو اس کی کمر تک آتے تھے۔

گل ناز کا شمار حسینوں میں نہ سہی مگر اس کی کشش کو عمر نے بھی متاثر نہیں کیا تھا۔ کون مان سکتا تھا کہ وہ اس سے چار چھ مہینے بڑی ہی ہے۔

نگینہ کو اپنے خمیر لگے وجود سے کبھی کبھی تو بیچ بڑی گہری نفرت محسوس ہوتی تھی۔

"میں کیوں برا مانوں گی' اپنے ہاتھوں اپنا حشر بگاڑ کر بیٹھی ہوں' ورنہ تم ساری یوں ہنستیں کیا؟" اس کی آواز افسردگی گھلی تھی۔
اس سے آگے کی گنجائش نہیں تھی۔
دونوں بہنوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارہ کیا۔
"اب ذرا سی بات کو دل پر مت لگا' ہمارا تمہارا مذاق تو ہمیشہ کا ہے' ورنہ کیا سب نہیں جانتے کہ نگینہ کیا تھی۔ ایسی گلابی رنگت' بڑی بڑی آنکھیں۔۔۔!"
چرب زبانی' یہاں پائی جانے والی خوبیوں میں سب سے زیادہ عام تھی۔ نگینہ نے بڑی بے زاری سے ہلکے سر کو جھٹکا۔
"کب جا رہی ہے الماس پرفارمنس دینے' ایڈوانس وغیرہ کی بات ہو گئی' کیا دیں گے پورے شو کا؟" جس بات دل کو کرید لگی تھی' اس نے وہی جاننے کی کوشش کی۔
نانی ستارہ نے حالانکہ بڑی کڑی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ انہیں نگینہ کا ہلکا پن ہمیشہ کوفت میں مبتلا کرتا تھا' ان تربیت میں کمی رہ گئی تھی' یا حالات کی کرم فرمائی تھی' جو وہ اس طرح کے مظاہرے کرتی ذرا نہیں جھجکتی تھی۔
"ایڈوانس آجائے گا دو چار دن میں' شیرازی زبان کا کھرا ہے' جتنے پیسوں پر بات ہوئی ہے' اتنے ہی دلا تا اس پر بھی اس نے بے ایمانی نہیں کی' اور بڑی بات تو الماس کو یہ پروگرام ملنا ہے' جو کلک کر گئی تو بس زندگی جائے گی۔"
نانی کے پاندان سے چھالیہ چنتے ہوئے گل ناز نے بڑا مفصل جواب دیا' پر جو بات پوچھی گئی تھی اس کا جواب کہیں بھی نہیں تھا۔
لو جی قصہ ہی ختم۔
"پہلے کون کم سنوری ہوئی زندگیاں ہیں ان کی جو اب اور چار چاند لگنے ہیں۔" نگینہ کو تو صاف لگتا تھا کہ اس کی زندگی میں سوائے دھکے کھانے کے کچھ بھی باقی نہیں رہا۔
جتنے منفی خیالات میں وہ عموماً گھری رہتی تھی' اس کا اثر چہرے پر بھی لازماً پڑتا تھا۔
دونوں بہنیں اس کا بجھا ہوا چہرہ دیکھ کر خوب سمجھ رہی تھیں کہ نگینہ کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ اس طرح "پروفیشنل جیلسی" معمول کا حصہ تھی۔
یہاں تو پھر بھی' دونوں نانیوں کی وجہ سے بڑا لحاظ اور بھرم باقی تھا' ورنہ تو محلے میں ایسی ایسی سنگین صورت بھی پیدا ہو جاتی تھی کہ خدا کی پناہ!
نانی ستارہ ہلکے سے کھنکاریں۔
ان دونوں بہنوں کی باتیں کرتی نگاہوں کو وقفہ دلانے کے لیے ایسا کرنا ضروری ہو گیا تھا۔
"الماس کو دیکھا نہیں بہت دن سے' آؤں گی اسے پیار دینے اور دلدار نے بھی بڑے دن سے چکر نہیں لگایا۔ بڑے سارے دالان کو پار کر کے' ایک دوسرے سے ملنے میں کبھی کبھی وقفہ یوں ہی طویل بھی ہو جاتا تھا اور عموماً تب ہی ہوتا تھا' جب اپنی روز کی ڈائری ایک دوسرے کو سنانا ضروری نہیں سمجھی جاتی تھی۔
"آپ کیوں تکلیف کریں گی خالہ! الماس خود آئے گی پیر چھونے۔" گل ناز فوراً ہی تڑپ کر بولی۔ کچھ بھی دکھاوے کا ہی سہی' بڑوں کا ادب' ان گئے گزرے حالات میں بھی' بڑا اہم سمجھا جاتا تھا' اور یہ تو گھر کی بات

نانی ستارہ کا نام تو ساری برادری میں بڑی عزت کے ساتھ لیا جاتا تھا۔
"اصل میں لڑکیاں نکمی ہیں' آدھا دن تو سو کر ہی گزار دیتی ہیں' پھر سہ پہر کو ڈانس کی ٹیوشن' اس کے بعد تو رات گئے تک بھی فرصت کا نام نہیں۔"
کم از کم یہ بیان اس نے پوری سچائی سے دیا تھا' یہاں سب ہی کے گھروں کا یکساں معمول تھا۔
۔۔ ل اور اس کی سہیلیاں' اپنی باتیں چھوڑ کر بڑے اشتیاق سے' الماس کو ملنے والے چانس کا قصہ سن رہی تھیں۔
گل ناز اور گل رخ اٹھنے لگیں تو صندل بے ساختہ ہی کہہ اٹھی۔
"خالہ! الماس کے پروگرام والے روز مجھے بھی ساتھ لے کر چلیے گا اپنے ساتھ!" اس کی مخاطب گل ناز تھی۔
"ضرور لے کر چلوں گی اپنی بیٹی کو' بلکہ ایسا کرنا تم اور گیتی دونوں ہی چلنا بہن کا پروگرام دیکھنے!"
گل ناز نے بڑے دلار سے یقین دہانی کرائی اور پھر جیسے کچھ یاد آیا۔
"گیتی کہاں ہے؟ اتنی دیر میں نظر میں نہیں آئی' طبیعت تو ٹھیک ہے نا اس کی؟"
"اپنے کمرے میں ہی پڑھ رہی ہے۔" نگینہ کے لہجے میں گیتی کی پڑھائی کا ذکر کرتے ہوئے خود بخود شرمندگی جھلکنے لگتی تھی۔ گل ناز نے ایک لمبی سی سانس بھری۔
"اللہ اس کا نصیب بھی کھولے' معلوم نہیں کس پر پڑی ہے" دعا تھی کہ تعزیت نامہ۔
نگینہ تو ایک طرف خود نانی ستارہ کے دل کو بھی گیتی کی بڑی فکر لگی تھی' وضع داری منہ سے کچھ نہیں کہنے دیتی تھی' ورنہ اس جیسے اطوار کا مطلب ان کے ہاں مکمل بربادی ہی کے برابر تھا۔

"سب میری قسمت میں ہی لکھا گیا تھا' کسی کا کیا دوش۔" نگینہ نے بس اتنا ہی کہا۔

اپنے کمزور پہلو' ایک دوسرے سے چھپائے رکھنے کا رواج پرانا تھا۔ عمارت کو دیمک لگے زمانہ ہوچکا تھا' مگر آج بھی یہ تاثر دینا ممنوع تھا کہ دیوار گرنے کو ہے۔

"اللہ کا بڑا فضل ہے' آج بھی ہزاروں سے بہتر!" نانی ستارہ نے جیسے بات سنبھالی۔ "جمی جمائی ساکھ ہے' پیسہ ہمیشہ ہاتھ کا میل رہا' اتنا دیکھا کہ نیت سیر ہے۔"

نگینہ کے حماقت بھرے رونے کا ازالہ انہیں اکثر ہی کرنا پڑتا تھا' آگے کس کی مجال تھی' جو ان کی حیثیت و مرتبے کے بارے میں کچھ ایسا ویسا سوچ سکے۔

وہ دونوں بہنیں خدا حافظ کرکے باہر دالان میں نکل آئیں' الماس اور صندل ساتھ ساتھ آئیں۔ سامنے صحن کے دوسری طرف سے چکنائی سے اٹے باورچی خانے سے کسی چیز کے بگھارے جانے کی بڑی مزیدار سی خوشبو چکرا رہی تھی۔

گل ناز نے ایک لمبی سی سانس کھینچی۔

"ذائقہ بہت ہے شاما کے ہاتھ میں۔" نگینہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس نے گویا داد دی۔ "شاما' او شاما!"

اس کی پکار پر وہ فوراً" ہی دروازے میں آکھڑی ہوئی۔

"جو کچھ بھی پکا رہی ہے میرے لیے بھی لے کر آنا۔ تیرے لیے ایک سوٹ بھی لاکر رکھا ہے' وہ بھی لے لینا۔" گل ناز کا ہاتھ کافی کھلا تھا۔ نانی دلدار کی سب سے بڑی بیٹی تھی' سو قائم مقام کی حیثیت سے اختیار بھی اس کا چلتا تھا۔ دونوں گھرانوں کے جدی پشتی ملازم اس کی سخاوت سے اکثر ہی مستفید ہوتے رہتے۔

شاما کی مسکراہٹ بھی جیسے ہونٹوں سے ہی چپک کر رہ گئی تھی۔ "فکر ہی نہ کریں' ابھی لے کر آئی' میرا کھانا تو پک ہی چکا ہے۔" جوڑے کی خوشی میں' وہ سالن نکال کر فوراً" ہی ان کے پیچھے دوڑی۔

نگینہ کا موڈ اب تک اور بھی بگڑ چکا تھا۔

صندل جیسی لاڈلی کی بھی شامت آہی گئی۔

"کیا ضرورت تھی یوں کرنے کی' کیا کبھی فنکشن نہیں دیکھے' جو الماس کے پروگرام پر جانے کا ارمان مچل رہا ہے۔"

نگینہ کو اس کی فرمائش بہت کھلی تھی۔ محلے کی آئی لڑکیاں تو اسی وقت یہاں سے کھسک چکی تھیں جب گل ناز اور گل رخ رخصت ہورہی تھیں' سو نگینہ نے اس کی خبر لے ڈالی۔

"تو جی' اب ہماری یہ اوقات کہ ہم اب تیرے میرے ساتھ لٹکتے پھریں گے' تیری عقل کو ہو کیا گیا ہے صندل' وہ الماس مہارانی تو ہزاروں نگاہوں کا مرکز بنے' اور تو وہاں بیٹھ کر' بے وقوفوں کی طرح اس کے لیے تالیاں پیٹ رہے۔"

"آپ ہی کی وجہ سے ہوا ہے' ورنہ شیرازی انکل تو پہلے ادھر ہی آئے تھے' کرلیتیں عقل سے فیصلہ تو ایسے تو نہ دیکھنا پڑتا۔"

صندل ادھار رکھنے کی قائل نہیں تھی۔ گفتگو میں "آپ جناب" کو چھوڑ کر باقی پوری تنک مزاجی چھائی ہوئی تھی۔

پچھلے پورے ہفتے شیرازی کی آفر اور نانی دلدار کے ہاں اس کا جانا' اتنا ڈسکس کیا گیا تھا' کہ وہ خود بھی خاصی ٹینشن میں رہی تھی۔

"ساری غلطیاں میری ہیں' زندگی بھر تم دونوں کے پیچھے خواری اٹھائی' تھوڑے تھوڑے سے پیسوں کے

سردی گرمی یونٹ والوں کی غلامی کی' ٹل گئی نگینہ' اور بدلے میں یہ احسان فراموش اولاد۔"

دونوں ابھی تک دالان میں ہی کھڑی تھیں' اور آپس میں خیرسگالی کا یہ مظاہرہ' بیں پربا آواز بلند ہو رہا تھا۔

نانی ستارہ کو اپنے کمرے میں سے مداخلت کرنی پڑی۔

"دماغ تو نہیں خراب ہوگیا تم دونوں کا' احساس ہے کہ ایک ایک لفظ' دلدار اور اس کی بیٹیاں سن رہی ہوں گی' برسوں کی بنی عزت خاک میں ملانے کے درپے ہوگئی ہو' نچلے درجے کی عورتوں کی طرح کھڑی ہوگئیں ایک دوسرے کو ذلیل کرنے کے لیے۔" وہ دونوں اندر آچکی تھیں' اور اب بنا ایک لفظ بولے سر جھکائے سن رہی تھیں۔

نانی کو غصہ کم ہی آتا تھا۔ اپنے اصول قاعدوں کے خلاف' انہوں نے بدلتے حالات میں بہت کچھ برداشت کرلیا تھا' پھر بھی طور طریقوں میں بدلاؤ برداشت نہیں ہوتا تھا۔

"میں تو صرف یہ کہہ رہی تھی نانی! کہ اگر امی نے یہ آفر قبول کرلی ہوتی تو الماس کی جگہ۔" صندل نے نیچی آواز میں' ایک کمزور سا احتجاج کرنا چاہا بھی' مگر وہ یہ بھی سننے کے لیے تیار نہیں تھیں۔

"لعنت بھیجو اس آفر پر بھی اور اس کمبخت شیرازی پر بھی' دیکھ رکھے ہیں یہاں کے بڑے لوگ اور ان کے ظرف' پتا چل جائے گا کیا کمائی کروا کر لائے گی گل ناز بیٹی سے' تم کیوں دل چھوٹا کرتی ہو' الماس سے کہیں زیادہ باصلاحیت ہو' تقدیر بام عروج پر نہ پہنچائے تو ستارہ جان اپنا نام بدل لے گی۔"

"واقعی نانی!" صندل اٹھ کر نانی سے لپٹ گئی نانی کی جوہر شناسی اور پیش گوئی مانی ہوئی تھی' اسے تو بچی بات تھی بڑی مورال سپورٹ ملی تھی' نگینہ کے چہرے پر اب بھی کوئی تاثر نہیں تھا۔ ساری عمر میں اس کی کوئی ایک امید بھی بر نہیں آئی تھی' ستارہ جان جیسی ماں کا ساتھ نہ ہوتا تو وہ شاید بالکل ہی گئی گزری حالت میں پہنچ چکی ہوتی۔

"لالچ میں اندھی ہورہی ہیں' کسی اور کو کیا کہوں' اپنی سگی بہن ہی یہ سب کروا رہی ہے۔"

دونوں بہنوں میں زمین آسمان کا فرق تھا' اور یہی فرق دونوں کے ہر انداز سے جھلکتا تھا۔

"بڑا دل ہے باجی گل ناز کا' کتنا پیارا جوڑا دیا ہے مجھے' دیکھیں تو ذرا۔" شاما تھوڑی دیر پہلے کی پھٹکار کو بھول کر' خوشی خوشی چکن کا سبز سوٹ پہنے اندر آرہی تھی۔

"کرلائی وصول فوراً" ہی' ذرا تو صبر کیا ہوتا' جوڑا کہیں بھاگا جا رہا تھا' سمجھ میں نہیں آتا تم لوگوں کی عقلوں کو کیا ہوگیا ہے' ذرا ذرا سی چیز پر گرتے ہو۔"

نانی ستارہ کا کروفر شاما جیسی نوکرانی کو بھی ایسے چھچھورے رویے سے باز رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔

"میں تو بس ایسے ہی۔۔۔!" اس بار وہ واقعی شرمندہ ہوگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ' اور یہ' اور یہ دیکھو۔" ایک' دو' تین' چار۔

اضطرابی سی کیفیت میں زرتاج بیگم نے' سامنے پھیلے اخبارات کے کئی صفحے' اس کے سامنے پھینکنے والے انداز میں ڈالے۔ "ہر جگہ ایک ہی کہانی' ایک ہی رونا' کنجوس نے مرچ مسالا لگانے میں کیا کسر چھوڑی ہے۔"

نبیل نے ایک سرسری سی نگاہ' سامنے اخبارات پر اور پھر صوفے پر بیٹھی' زرتاج کے سرخ چہرے پر ڈالی' اور پھر سر جھکا کر بیٹھ گیا۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے' باہر راجو ڈرائیور کے پاس بیٹھ کر' وہ شام کا اخبار پڑھ چکا تھا' اور جانتا تھا کہ کم و بیش سب میں ایک ہی سی رپورٹنگ ہوئی ہے۔

"جو لاکھوں روپیہ میرا خرچ ہو رہا ہے' اس کا تو کہیں ذکر ہی نہیں ہے' ہر اخبار نے اسکول کے تنازعہ اور برابر میں

لگے کارپٹ پلانٹ کا ہی ذکر نمایاں کر کے لگایا ہے' کسی ایک جگہ بھی تو یہ ظاہر نہیں ہو رہا کہ ہم کسی نیک نیتی سے اس اسکول کی خستہ حالی کو دور کر رہے ہیں۔" وہ بے حد چڑچڑی ہو رہی تھیں۔

یہ خیال کہ کم سرکولیشن والے ان اخبارات کے صحافیوں کو اپنی کرم نوازی سے' وہ اپنا "پالتو" بنائے ہوئے ہیں' یکسر غلط ثابت ہو رہا تھا۔

"میرے بیٹے کے بارے میں بھی شبہ کا اظہار کرنے سے نہیں ہچکچائے کہ وہ کیوں اتنے سال سے مستقل باہر ہے اور یہ ساری آگ اسی سفیرالدین کی لگائی ہوئی ہے' جو پہلی بار یہاں آیا تھا' دو ٹکے کا بلیک میلر۔"

نبیل تسلسل ہی تائید میں سر ہلا رہا تھا' یہ اس کی اپنی بقا کے لیے ضروری تھا۔

حالانکہ کسی اچھے بڑے اخبار میں بیگم زرتاج کے بارے میں کہیں اندر' شہر کی خبروں میں' دو تین سطر سے زیادہ خبر نہیں چھپی تھی' مگر ان کی مقبولیت کسی اور قسم کے اخبارات کی مرہونِ منت تھی۔

"میں بھی آستین کے سانپوں کو دودھ پلا رہی ہوں۔"

"جی!" نبیل بری طرح گڑبڑایا۔

زرتاج براہِ راست اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ ان کی آنکھوں کی مخصوص چمک کبھی کبھی اتنی تیز ہو جاتی تھی کہ ان سے مقابلہ کرنا مشکل ہونے لگتا تھا' اسے لمحے بھر کے لیے تو ایسا لگا' جیسے یہ جملہ خاص اسی کو سنانے کے لیے کہا گیا ہے۔

"لوگوں کو اوقات سے زیادہ مل جائے تو وہ اپنی اصلیت بھولنے لگتے ہیں' غلطی میری ہی ہے' جو ان جیسوں پر اعتبار کرتی ہوں۔" زرتاج بیگم کا لہجہ زہریلا ہو رہا تھا۔

نبیل جو اب تک تابعداری سے سر ہلائے جا رہا تھا' اس بار ساکت سا بیٹھا رہا۔

اس کیٹگری میں سرفہرست خود اس کا اپنا نام تھا۔

"خیر ان لوگوں کو تو میں دیکھ لوں گی' چار دن میں معذرت کرتے نظر آئیں گے' مگر یہ سفیرالدین کس مٹی کا بنا ہوا شخص ہے؟" وہ خود کو نارمل کرتے ہوئے مسئلہ کی جڑ کی طرف آئیں۔

"میں نے بہت کوشش کی میم! پر وہ تو پیچھے پر ہاتھ نہیں رکھنے دے رہا' کہتا ہے کہ معاملے کو اوپر تک لے کر جائے گا۔" نبیل خود پر جتنی پریشانی طاری کر سکتا تھا' کر چکا تھا۔

"تم نے کوشش ہی ٹھیک سے نہیں کی' ورنہ ایسے لوگ بڑی جلدی اپنی ڈیمانڈ سامنے رکھ دیتے ہیں۔" بیگم زرتاج کے چہرے پر اب بھی برہمی کے آثار نمایاں تھے۔

"میں مستقل کوشش میں ہوں' مگر وہ تو بہت خطرناک دھمکیاں دے رہا ہے' شاید عدالت تک جانے کا ارادہ ہے اس کا۔"

نبیل نے بہت غور سے' زرتاج بیگم کے چہرے پر خوف یا پریشانی کا تاثر کھوجنا چاہا' مگر وہ تو ایک دم ہی ہنس پڑی تھیں۔

"وہ ایسا کبھی بھی نہیں کرے گا' نہ وہ عدالت میں کچھ بھی ثابت کر سکے گا اور نہ ہی لمبی لمبی پیشیاں وہ افورڈ کر سکتا ہے' اور وہ اتنا بے وقوف نہیں ہو گا۔" نبیل کو ان کے بالکل درست اندازے پر مایوسی ہونے لگی۔

"ہو سکتا ہے وہ زیادہ پیسہ چاہ رہا ہو' آپ کہیں تو میں اس کی آفر کے پیسے بڑھا دوں۔" دل میں چھپی بات آخر اس کی زبان پر آ ہی گئی۔

"نہیں۔"

اس ایک لفظ میں قطعیت تھی۔ "ایک پیسہ بھی اور نہیں دینا' ماننا ہے مانے ورنہ شوق سے جو چاہے کرے'

میں ساری زندگی نمٹتی آئی ہوں ایسے لوگوں سے۔"
نبیل کو لگا جیسے اب اگر اس نے کوئی ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو سرے سے اس آفر کو ہی واپس لے لیں گی۔ جو اس کے توسط سے سفیر الدین کو کی گئی ہے۔ اور یہ خاصا ٹھیک ٹھاک نقصان تھا۔ سفیر الدین کا ہوا اتنا بڑا بھی نہیں تھا۔

زرتاج بیگم نے اسے معاملے کو حل کرنے کی ذمہ داری دی تو اپنی فطرت سے مجبور ہو کر اس غبارے میں اس نے خود ہوا بھری تھی۔

اس کا خیال تھا کہ زرتاج بیگم منہ مانگی رقم مہینے پر ادائیگی کا وعدہ کریں گی، تھوڑے بہت سفیر الدین کو دے کر باقی بآسانی وہ خود بھی رکھ سکتا تھا۔ پیسہ حاصل کرنے کے لیے وہ نچلی سے نچلی سطح پر بھی بآسانی اتر سکتا تھا۔ پر اب یہ آدھی بھی ہاتھ سے جاتی نظر آ رہی تھی۔

"میرے تعلقات بہت اوپر تک ہیں، سفیر الدین کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا ہے میرا۔" اس روز غیر متوقع طور پر یہ موضوع چھڑ گیا تھا، اس لیے میں کچھ زیادہ پریشان ہو گئی تھی۔ اصل میں یہ لوگ جس طرح دھول اڑاتے ہیں، وہ بڑی کوفت میں مبتلا کرتی ہے اور دوسرے مخالفین کو ہنسنے کا موقع مل جاتا ہے، ورنہ۔۔۔!" انہوں نے اس طرح ہاتھ ہلایا جیسے مکھی اڑائی ہو۔

"ٹھیک ہے بس پھر میں اسے کسی نہ کسی طرح راضی کیے لیتا ہوں، آپ فکر نہ کریں۔"

وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

ابھی تو پھر بھی دو چار پیسے بچائے جا سکتے تھے، سفیر الدین تو کب کا مانا ہوا تھا۔

"میں فکریں نہیں پالتی ہوں نبیل!" وہ بڑے عجیب سے انداز میں مسکرائیں۔ "فکریں انسان کو گھن لگا دیتی ہیں، مجھے دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ کوئی پریشانی مجھے چھو کر بھی گزری ہے، ہماری سوسائٹی میں عورتیں مجھ سے بری طرح جلتی ہیں، انہیں میری خوبصورتی حسد میں مبتلا کرتی ہے بہت عجیب عجیب باتیں کرتی ہیں میرے بارے میں، تم میرے ساتھ رہو گے تو خود سن لو گے؟" ان کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی۔

نبیل جیسے گھاگ شخص کو اس عورت کی خود پسندی کو سمجھنا مشکل نہیں تھا۔

"آپ کو کسی کی بھی پروا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"لیکن کسی کو میری پروا تو کرنی چاہیے، ہے نا!" زرتاج نے ایک معنی خیز تائید چاہی۔

اور اس سے پہلے کہ وہ بے تکلفی کے ان لمحات میں کچھ اضافہ اپنی طرف سے کرپاتا، انہوں نے ایک بار پھر موڈ بدلا۔

"مجھے کہیں جانا ہے، آدھے گھنٹے بعد راجو سے کہو تیار رہے اور بوا عظمت کو میرے پاس بھیجو۔"

نبیل یک لخت ہی ایک ذاتی دوست کی حیثیت سے نکل کر ذاتی ملازم کے روپ میں آ گیا۔

"جی، جی بہت اچھا!" کمرے سے نکلتے ہوئے اس نے بے ساختہ ہی پیشانی کو انگلیوں سے مسلا۔

ابھی تک سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا کہ اسے کس طرح کا رویہ اختیار کرنا چاہیے یا زرتاج بیگم اس سے کیا توقعات باندھنا چاہئیں۔

بوا عظمت لاؤنج میں ہی مل گئیں۔ انہیں طلبی کا پیغام پہنچا کر وہ آگے بڑھنے لگا تو انہیں بھی کچھ یاد آیا۔

"راجو دوبار پوچھنے آیا ہے تمہیں، لگتا ہے کوئی بہت ضروری کام ہے۔"

ان کے لہجے میں بتانے سے زیادہ جتانے کی کیفیت تھی۔ نبیل سے بات کرتے ہوئے ان کا انداز اور بھی کھردرا ہونے لگتا تھا۔

"جاننے والا ہے تمہارا پہلے سے کیا؟ بہت دوستی ہے راجو سے۔"

"نہیں، نہیں تو، پہلے سے کہاں، یہیں آ کر جان پہچان ہوئی ہے۔" اس نے بڑی تیزی سے تردید کی، راجو پر تاؤ بھی بہت آیا جو ایسی بے احتیاطی سے کام لیتا تھا۔

"اچھی جان پہچان ہے، ہماری تو یہاں زندگی گزر گئی، مگر کسی سے ایسا گٹھ جوڑ نہیں ہوا۔" عظمت بوا ابھی بھی اسے مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں، بیگم زرتاج کے بعد اگر وہ یہاں کسی سے خائف تھا تو وہ عظمت بوا ہی تھیں۔

نبیل کی یہاں آمد کے ابتدائی دنوں میں ہی ان کے رویہ سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ اسے بالکل پسند نہیں کرتیں۔ نبیل دانستہ ان سے کترایا ہوا رہتا۔

جب تک یہاں قدم پوری طرح نہ جمیں، تب تک کسی سے بھی مخالفت مول لینا عقل مندی نہیں تھی۔ وہ لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا، پورچ کے آگے کھڑی گاڑیوں کے پاس راجو کھڑا تھا۔

"ابے کیا کر رہا تھا اتنی دیر سے اندر، ہم یہاں انتظار میں سوکھ رہے ہیں۔" اس کے قریب پہنچتے ہی وہ بے تکلفی سے اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر بولا، نبیل کو بڑی کوفت ہوئی۔

"احتیاط کیا کرو راجو! خوامخواہ کسی کو شک پڑ گیا، ابھی بوا ہی پوچھ رہی تھیں کہ تمہارا اور میرا۔۔۔"

"ہاں تو بتا دیتے" بتانے میں کیا حرج تھا،" راجو ہلکے سے ہنسا۔ "بچپن کی دوستی ہے، جس کے صدقے میں تم یہاں پہنچے ہو۔"

"راجو! کچھ تو خیال کر یار!" نبیل نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔ "تو نے خود کہا تھا کہ کسی کو یہ نہ بتانا کہ میں تیرے توسط سے یہاں پہنچا ہوں، ورنہ بیگم زرتاج مجھے جاب نہیں دے گی۔"

"مذاق کر رہا ہوں، پریشان کیوں ہو رہا ہے؟" راجو اب سنجیدہ تھا۔ "میں تو خود خیال رکھتا ہوں بیگم صاحب کے سامنے، بتا کبھی آنکھ اٹھا کر تجھ سے بات بھی کرتا ہوں۔"

"یہ تو ہے!" نبیل کو ماننا پڑا۔ راجو ہی تھا جو اسے یہاں تک لایا تھا۔

بچپن کی دوستی تھی، اور اس کے تمام ترنکمے پن سے وہ واقف تھا۔ نبیل کی بے روزگاری، خستہ حالی کو چھونے لگی تو دوستی نبھانے کی خاطر اس نے نبیل کو یہ راہ سجھائی تھی۔

وہ خوش شکل تھا، ینگ اور اسمارٹ تھا، نام کو ہی سہی پر گریجویشن کی ڈگری رکھتا تھا۔

زرتاج بیگم کے معیار کے مطابق تھا۔

راجو نے یہاں جتنے بھی سیکریٹری آتے دیکھے تھے، وہ کم و بیش یہی اہلیت رکھنے والے تھے۔

راجو کو یقین سا ہونے لگا تھا کہ اس کا یار نبیل بھی اسی "باعزت مقام" تک پہنچ سکتا ہے اور ایسا ہی ہوا بھی۔

"زرتاج بیگم بہت مغرور عورت ہے، انسان کو انسان کب سمجھتی ہے اور ہم گھریلو ملازمین تو اس کے لیے پاؤں کی جوتی کے برابر بھی نہیں، میں نے بہت تماشے دیکھے ہیں یہاں، اگر اسے شبہ بھی ہو جاتا کہ تم میرے دوست ہو تو وہ کبھی تمہیں نہ رکھتی بہت بڑا ڈراما ہے۔"

"اچھا مجھے کیوں بلا رہا تھا؟" نبیل نے ایک نگاہ گھر کے داخلی دروازے کی طرف ڈالتے ہوئے پوچھا اسے خدشہ تھا کہ زرتاج باہر نہ آ رہی ہوں۔

"وہ تیرے بڑے بھائی کا فون آیا تھا دوبارہ، بہت پوچھ رہا تھا، میں نے بڑی مشکل سے ٹالا ہے۔" راجو کو بھی جیسے اصل بات یاد آ گئی۔

"بڑا بھائی!" نبیل نے ناگواری سے سر کو جھٹکا۔ "دفع کر اسے۔ خبردار جو میرا یہاں کا پتا دیا۔" اس کا موڈ اچانک

ہی آف ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

ربیعہ کی اس روز کی کہی بات امی کے دل میں کہیں چبھ کر رہ گئی تھی۔
انہیں اچھی طرح احساس تھا کہ وہ کتنی صابر اور خدمت گزار بیٹی ہے اور اگر کبھی کبھی وہ کسی خواہش کا اظہار کرتی ہے تو اس کا پاس کرنا ان سب کا فرض تھا۔
اور خواہش بھی وہ جو اس نے اپنی ذات کے لیے نہیں کی تھی بلکہ اس گھر سے ان سب سے جڑی ہوئی تھی۔
انہوں نے پہلی فرصت میں یہ بات میاں کے گوش گزار کی۔
وہ تھوڑی دیر پہلے ہی اخبار کے لیے اپنا تازہ مضمون لکھ کر فارغ ہوئے تھے اتنی حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگے کہ انہیں شبہ گزرا کہ شاید وہ ان کی بات ٹھیک سے سن ہی نہیں سکے ہیں۔
"کہہ تو ٹھیک ہی رہی ہے ربیعہ! اتنے سال ہو گئے ہیں رنگ روغن ہوئے گھر کی شکل بھی نکل آئے گی اور بچی خوش بھی ہو جائے گی۔"
"لیکن آخر ضرورت ہی کیا ہے یہ تو بے کار میں پیسہ پھینکنے والی بات ہے۔" ابا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس فالتو خرچے کو اہمیت کیوں دی جا رہی ہے۔ "اور یہ رنگ و نگ کا سلسلہ بڑا مہنگا پڑتا ہے اتنے پیسے آئیں گے کہاں سے؟"
"سات ہزار روپے تو میرے بوتھک والے کے ذمہ ہو ہی چکے ہیں اتنے ہی ایڈوانس لینے کی کوشش کروں گی باقی کوئی کمی بیشی ہوئی تو آپ پوری کر دیجیے گا۔"
امی اپنے طور پر یہ بنیادی مسئلہ حل کر چکی تھیں سو اطمینان سے بتانے لگیں۔
ابا کچھ بے چین سے ہو کر کمرے کی عقبی کھڑکی کے پاس جا کھڑے ہوئے۔
سہ پہر ڈھل رہی تھی اور ہوا کچے آموں کی مہک سے بوجھل ہو رہی تھی۔ دادی تھوڑے فاصلے پر مسالا لگی کیریوں کے تھال کے ساتھ مصروف تھیں انہوں نے ایک گہری سانس لی سونف کلونجی کیری رائی۔۔۔
نہ جانے کیسے کیسے ملے جلے مسالوں کی مہک آنے لگی۔
"ربیعہ کا بہت دل چاہ رہا ہے کئی بار کہہ چکی ہے آخر اور خرچے بھی تو ہو ہی رہے ہیں تھوڑا بہت اس مد میں بھی ہو جائے گا تو کیا برا ہے۔"
ان کی خاموشی سے امی کو گمان گزرا کہ وہ اس سیدھے سادے پروگرام سے پوری طرح متفق ہیں مگر ان کی خوش فہمی بس ذرا ہی دیر کے لیے تھی۔
ابا کے پاس صرف اعتراض ہی نہیں بلکہ صاف انکار تھا۔
"بات خرچ کی نہیں ہے بات اصل میں یہ اہم ہے کہ زیادہ ضروری کیا ہے اور کیا نہیں گھر میں رنگ کرانے کا کام فی الحال ٹالا بھی جا سکتا ہے ایڈوانس لینے کا تو خیر سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کل کو تم اتنا کام نہ کر کے دے سکیں؟ کوئی مجبوری آ سکتی ہے وقت کا کیا بھروسا ہے۔"
وہ بہت مضبوط لہجے میں بات کرتے تھے اور معاشی ناہمواریوں پر بے تکان مضامین لکھا کرتے تھے ان سے بحث لا حاصل ہی ہوتی تھی۔ پھر بھی امی کے دل کو کئی دن سے ربیعہ کی لگی ہوئی تھی۔
"اسلام صاحب! بچوں کی خوشی کے لیے تھوڑا بہت کر دینے میں کیا حرج ہے ربیعہ یہ نہ سوچنے لگے کہ ہم لوگ اسے ذرا بھی اہمیت نہیں دیتے۔"

وہ پھر بھی یہ کہنے کی ہمت نہیں کر سکیں کہ ربیعہ کتنی بار ان کے معاذ کے "گیراج اسکول" کے لیے کرسیاں خریدنے پر بھرپور اعتراض کر چکی ہے۔
سیدھی سیادی شوہر پرست عورت تھیں میاں سے جائز طلب کو بھی درخواست کی صورت میں پیش کرنے کی عادی ہو چکی تھیں۔
"ہاں تو ربیعہ کی خوشی کو اور طرح بھی پورا کیا جا سکتا ہے بہت دن سے اس کا کوئی نیا سوٹ نہیں بنا ہے۔ اسے ایک آدھ سوٹ دلوا دیں خوش ہو جائے گی وہ تو اسی میں میری بیٹی بہت زیادہ ڈیمانڈنگ تو کبھی بھی نہیں رہی ہے۔"
ان کے لہجے میں تسلی بھی تھی اور فخر بھی۔ امی کو ہلکی سی جھنجلاہٹ گھیرنے لگی۔
ان چند دنوں میں گھر کے خوش رنگ در و دیوار کے بارے میں انہوں نے خود اتنا سوچ لیا تھا کہ اندر کہیں ربیعہ کی خواہش خود ان کی اپنی خواہش میں بدل رہی تھی۔
"رشتے دار ملنے والے آتے جاتے ہی رہتے ہیں۔ رنگ ہو جائے گا تو گھر کا اچھا تاثر پڑے گا سب پر اس میں حرج ہی کیا ہے۔"
ابا ابھی تک ان کی طرف سے پشت کیے کھڑکی میں ہی کھڑے تھے۔
دادی اب اپنا کام ختم کر کے تھال اٹھائے کچن کی طرف جاتی سیڑھیوں پر چڑھ رہی تھیں۔
ابا چند لمحے نگاہ جمائے انہیں دیکھتے گئے اور پھر واپس بیگم کی طرف مڑ گئے۔
"رشتے دار ہم سے ملنے آتے ہیں انہیں گھر کی ظاہری صورت شکل سے کیا مطلب اور اگر ہے تو انہیں کہہ دو کہ وہ مت آیا کریں۔"
"ایسے ہوتا ہے کیا۔" وہ بے بس سی ہو کر ان کی شکل دیکھنے لگیں۔ "لوگ ایک دوسرے کے ہاں جاتے ہیں تو گھر کے رکھ رکھاؤ سجاوٹ سب ہی کو دیکھتے ہیں اس سے گھر والوں کے رہن سہن کا اندازہ لگاتے ہیں آخر لوگ اپنے گھروں کو اتنا سنوارتے ہیں تو کس لیے اس لیے نا کہ۔۔۔"
"لوگ کچھ بھی کرتے ہوں ہمیں اس سے مطلب نہیں جب کبھی ہمارے پاس فالتو پیسے ہوں گے یہ کام بھی کروا لیا جائے گا مگر ابھی نہیں اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اتنا بڑا اور مضبوط گھر رہنے کو دیا ہے اگر کہیں ایک آدھ کمرے میں گزارا کرنا پڑتا تو پھر کیا کرتیں تم لوگ۔"
اب ان کے لہجے میں ہلکی سی خفگی جھلکنے لگی تھی۔ وہ چپ ہو رہیں۔
وہ چند منٹ اپنے اس من پسند موضوع پر اظہار خیال کیے گئے کہ ملک کی کتنے فیصد آبادی غربت کی انتہائی لکیر سے بھی نیچے زندگی گزار رہی ہے اور کتنے فیصد جو قدرے اطمینان بخش حالت میں ہیں وہ بھی کس تنگی گزری صورت حال کو فیس کرتے ہیں۔
اپنی ساری اطاعت گزاری کے باوجود کبھی تو دل الجھنے ہی لگتا تھا۔ یہ یقین کر لینے کے بعد کہ وہ ان کی ایک نہیں سننے والے آخر کو وہ وہاں سے اٹھ ہی گئیں۔
ربیعہ اگلی طرف والے برآمدے میں کتابیں کھولے بیٹھی تھی انہیں آتا دیکھ کر ہلکے سے مسکرا دی۔ اس کی مسکراہٹ کچھ اور بھی شرمندگی میں مبتلا کرنے لگی۔
اچھا ہی ہوا کہ انہوں نے اپنے جوش و خروش سے بنائے گئے پروگرام سے ابھی اسے آگاہ نہیں کیا تھا۔
"بیٹھ جائیں امی! دیکھیں کتنی اچھی ہوا آ رہی ہے۔"
گھر میں آگے پیچھے دونوں طرف تھوڑا سا کھلا احاطہ تھا سو ہوا کی کراسنگ اچھی رہتی تھی۔
اس وقت واقعی کچھ بھی کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا سو وہ ذرا دیر کے لیے اس کے پاس بیٹھ ہی گئیں۔

"جویا سے ملاقات ہوتی رہتی ہے؟" انہوں نے ایسے ہی پوچھ لیا۔
سلمان کی منگنی کے بعد' اس گھرانے کا ربیعہ کے سامنے ذکر بھی کرتے ہوئے انہیں کچھ عجیب سا لگتا تھا۔
بچپن سے ایک ذکر سنتی آرہی تھی۔
دل میں کچھ نہ کچھ خیال تو آتا ہی ہوگا۔
کبھی کبھی وہ ایسے ہی سوچنے لگتی تھیں' حالانکہ جتنی خوش دلی سے ربیعہ نے سلمان کی منگنی کا فنکشن اٹینڈ کیا تھا' اور اس کے بعد بھی اس کی طرف سے کوئی ہلکا سا بھی اشارہ نہیں ملتا تھا کہ وہ کسی فضول کی جذباتی کش مکش میں مبتلا ہے۔

"روزانہ ہی مل جاتی ہے۔" ربیعہ کے چہرے پر وہی مسکراہٹ تھی' جو اس کے شفاف اور سادہ دلی کی دین تھی' ان کا دل بھر آنے لگا۔
آج کل وہ ربیعہ کے بارے میں بڑی حساس ہو رہی تھیں ایک خواہش جو ابھی انہوں نے پوری بھی کرنا چاہی تھی' تو بھی اسلام صاحب کی منطق کی نذر ہوئی۔
"جویا بہت اچھی ہے امی! اظہار چچا کے گھر میں سب سے مختلف' آپ کوشش تو کریں کہ یہ آپس کے اختلاف کم ہو جائیں۔" بڑی لجاجت سے وہ ان سے کہہ رہی تھی۔
"میرے ہاتھ میں کیا ہے بیٹا! اصل تو سب معاذ کے اپنے ہاتھ میں ہے یا پھر تمہارے ابا کے' وہ اگر چاہیں گے تو۔۔۔" انہوں نے بات ادھوری چھوڑی۔
"یہ کچھ بھی نہیں کریں گے اور جویا کی آپا کل کہیں نہ کہیں شادی نہ سہی منگنی تو ضرور ہی کروا دیں گی۔" ربیعہ کو لگتا تھا کہ گھر میں اس مسئلے کو لے کر سب سے زیادہ وہی پریشان رہتی ہے۔
"معاذ کو تو ذرا بھی فکر نہیں' لگتا ہے اسے جویا میں دلچسپی ہی نہیں ہے' ہمارے لحاظ میں خاموش تھا' اب دیکھو کیسا مطمئن سا پھرتا ہے۔"
"وہ تو خیر پہاڑ بھی سر پر آگرے تو مٹی جھاڑ کر کھڑا ہو جائے گا۔" ربیعہ نے بے زاری سے سر کو جھٹکا۔
"اللہ نہ کرے' سوچ سمجھ کر بولا کرو' کوئی کوئی گھڑی ہوتی ہے قبولیت کی۔" وہ دہل سی گئیں۔ معاذ کے بارے میں ویسے بھی انہیں بہت سارے وہم ستاتے تھے۔
"مطلب یہ کہ ہمارے یہاں سے کوئی کچھ نہیں کرے گا اس سلسلے میں۔" ربیعہ نے امی کی نصیحت کو جیسے بس "مروتاً" ہی سنا تھا۔ اس کے لیے یہ مسئلہ زیادہ اہم تھا۔ جس پر سوچ سوچ کر وہ پچھلے مہینوں سے اپنا دماغ تھکا رہی تھی۔ "تو پھر اظہار چچا کی فیملی کو کیوں الزام دیا جاتا ہے کہ وہ جویا کے لیے کسی پیسے والے گھر کی تلاش میں ہیں۔ ظاہر ہے جب یہاں سے کسی دلچسپی کا اظہار ہی نہیں کیا جائے گا تو آخر وہ کچھ اور ہی سوچیں گے۔"
ربیعہ کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ آخر کس طرح ان سب کو جھنجوڑ کر جگائے۔
"جویا جیسی اچھی لڑکی' معاذ کو دوسری کوئی نہیں مل سکتی' یہ آپ لکھوا لیں مجھ سے۔"
عقب والے کمرے سے معاذ باہر آرہا تھا' وہیں سے ہنس کر بولا۔
"لکھ ہی دو' سند رہے گی' اور بہ وقت ضرورت کام آئے گی' کیا خبر زندگی میں کس وقت پچھتانا پڑ جائے۔" امی نے بے ساختہ ہی انگلیوں سے ماتھے کو چھوا۔ "تم لوگوں نے کیا قسم کھا رکھی ہے کہ کوئی اچھی بات منہ سے نہیں نکالو گے' پہلے یہ ربیعہ اور اب تم' دونوں ایک ہو۔"
"بہن بھائی ہیں' شباہت تو ہوگی نا!" وہ ان کے پاس آرکا۔
ربیعہ نے اس کے ہاتھ میں دبی موٹر سائیکل کی چابی دیکھی تو اس کے پروگرام کا اندازہ ہونے لگا۔

"آج تو تمہارے بچوں کا اسکول آف ہے پھر کہاں جا رہے ہو؟"
معاذ نے نہ سنے' وہ پورے حق کے ساتھ جواب طلبی کیا کرتی تھی۔
"اللہ اکبر' یہاں تو شادی کھٹائی میں پڑ چکی ہے' اور بہن صاحبہ کا سوال ملاحظہ کیجیے!" وہ پھر ہنس پڑا' ربیعہ کو اپنے سوال کے بے تکے پن سے زیادہ' معاذ کی ڈھٹائی جھنجلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔
"شادی کو تو کھٹائی میں پڑنا ہی ہے' اس طرح فالتو پھرنے والوں کو کوئی بھی اپنی بیٹی نہیں دے سکتا۔ اظہار چچا بھی بالکل ٹھیک کر رہے ہیں اور دیکھ لینا کسی دن یہیں کھڑے ہو کر تم جویا کی منگنی کے لڈو وصول کر رہے ہوگے۔"
کبھی کبھی وہ یوں ہی سنگ دلی کی انتہائی کرنے لگتی تھی۔ معاذ کا بے نیازی بھرا پرسکون رویہ' صرف اور صرف اس کی اداکاری لگتا' جس کے پیچھے وہ خود کو چھپائے ہوئے لگتا تھا۔
کبھی جب وہ اتنی دل دکھانے والی باتیں معاذ سے کرتی تو اس کے پیچھے' معاذ کی اسی اصلیت کو کھوجنے کی خواہش ہوتی تھی۔ کوئی ایسا کمزور لمحہ' جب وہ جواباً "خاموش نہ رہ سکے۔
"اس کی پیش گوئیاں دل پر لگاتا رہا تو چل چکا کام' میں تو جا رہا ہوں امی! ہو سکتا ہے دیر ہو جائے۔" وہ امی سے کہتے ہوئے سیڑھیاں اترنے لگا۔
"آپ ہی کی ساری ڈھیل ہے' میں کوئی اس کی دشمن ہوں' اس کی بھلائی کے لیے کہتی ہوں۔"
اپنے پیچھے وہ اسے کہتے ہوئے سنائی دی۔
امی بھی اسے کچھ کہہ رہی تھیں' پھر وہ تیز قدموں سے اپنی بائیک کی طرف بڑھ گیا۔
آج ایک بہت ضروری کام تھا۔ ہو سکتا تھا کہ وقت کچھ زیادہ ہی لگ جاتا' شہر کی پُر ہجوم سڑکوں پر سے' بائیک کو دوڑاتے ہوئے' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کہیں گم ہو رہا تھا۔ اس کی نرم مہربان آنکھوں میں کسی وقت تپش سی جاگتی تھی۔
آج اس نے ان گنت موڑوں والی اس پُرپیچ آبادی کے باہر موٹر سائیکل کھڑی کرنے کے بجائے اندر گلی میں ہی موڑلی۔
لوگوں کی آمدورفت' اور بچوں کے بناء اِدھر اُدھر دیکھے بھاگنے کی عادت' ریڑھی والوں کا زبردستی بیچ میں جگہ بنائے یہاں گھسے چلے آنا' سب ہی کچھ' خاصا ذمہ داری کا تقاضا کر رہا تھا۔ معاذ بھی بچتا بچاتا اندر تک چلا آیا۔
ایک دوسرے سے جڑے' وہ دونوں دروازے اس کے سامنے تھے۔
اب یہ محلّہ اس سے اجنبی نہیں رہا تھا' یہاں وہ پہلے بھی چند بار آچکا تھا' اور ہر بار اسے مایوس لوٹنا پڑ رہا تھا۔
تھوڑے فاصلے پر بائیک کھڑی کر کے وہ قریب چلا آیا۔ دونوں گھر باہر سے کم و بیش ایک جیسے تھے۔
لوہے کا چھوٹا سا زنگ خوردہ آہنی دروازہ' نیچی نیچی چھتیں۔ بیرونی دیواروں کا اکھڑا ہوا پلستر۔
اسے یقین تھا کہ اندر سے بھی وہ ایک ہی جیسے ہوں گے۔ یہاں اس آبادی کے بیشتر گھروں کا طرزِ زندگی یکساں ہی تھا۔

اس کے قریب سے چند عورتیں تیز تیز قدم اٹھاتی گزرتی چلی گئیں۔
ہاتھ میں تھامے ہوئے شاپر' میلے شکن آلود کپڑے اور قدموں سے لپٹی تھکن' ان کی دن بھر کی مصروفیت کا پتہ دے رہی تھی۔
"معلوم نہیں ایک معاشرے میں رہنے والے انسانوں کی زندگی میں پایا جانے والا اتنا بڑا تضاد کبھی کچھ کم بھی ہو سکے گا یا نہیں؟" اپنے نظریات کی صداقت پر بھرپور یقین رکھنے کے باوجود بھی اسے تھوڑی سی مایوسی گھیرنے لگی۔

سامنے والے دونوں دروازے اس کی دستک کے منتظر تھے۔
آج وہ تھوڑے مختلف پروگرام کے ساتھ آیا تھا' سو ملکے سے دوسرے دروازے پر دستک دے ڈالی۔
"کاش دروازہ وہی کھولے تو بات کرنے میں بہت آسانی رہے گی۔"
اس نے شاید دل سے دعا مانگی تھی تب ہی سامنے سعیدہ کھڑی تھی۔
"آپ!" اسے معاذ کو دیکھ کر حیرت تو ہوئی مگر اتنی نہیں۔ کئی دن سے وہ اسے یہاں آتا جاتا دیکھ رہی تھی۔
"معافی چاہتا ہوں مگر صرف آپ ہی ہیں جو میری مدد کر سکتی ہیں۔ ان خاتون سے تو میں مکمل طور پر مایوس ہو تا جا رہا ہوں۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے برابر میں بتول کے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔
معاذ کی شائستگی اور اپنائیت اس سے بات کرنا آسان کر دیتی تھی۔
"میں کیا کر سکتی ہوں ان لوگوں کا ذاتی معاملہ ہے جیسا وہ چاہیں گے وہی ہو گا۔" وہ دھیرے سے بولی یہاں رہنے والی دوسری عورتوں کی بہ نسبت وہ قدرے مہذب محسوس ہوتی تھی۔
اس کا چھوٹا بچہ پیچھے سے آ کر اس کے گھٹنوں سے لپٹ کر کھڑا ہو گیا تھا۔
معاذ نے ملکے سے اس کے گالوں کو چھوا تو وہ شرما کر مسکرانے لگا۔
"بہت پیارا بیٹا ہے آپ کا میں اس کے لیے کوئی چیز نہیں لا سکا۔ میری طرف سے آپ دلا دیجیے گا!سو روپے کا نوٹ ابھی اس کے ہاتھ میں ہی تھا کہ سعیدہ نے تیزی سے بچے کو پیچھے کھینچا۔
"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے اور آپ کیا مجھے اپنی مدد کا معاوضہ دے رہے ہیں۔" وہ خفگی سے معاذ کی طرف دیکھنے لگی۔
"آپ کو میں اتنا بدتمیز لگتا ہوں کیا اور اب تو ہم خاصے پرانے جاننے والے ہو گئے ہیں پھر بھی میرے متعلق آپ کی رائے اتنی غلط ہے۔"
سعیدہ نے بمشکل ہی اپنی مسکراہٹ دبائی۔
وہ آپس میں پرانے جاننے والے تھے یا نہیں مگر سعیدہ نے اتنا ضرور جانا تھا کہ اس شخص کو نہ ناراض کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے ناراض ہونا آسان ہے۔
"میری مدد کرنے کا اجر تو بس اللہ تعالیٰ ہی آپ کو دیں گے۔ سوچیں تو ایک معصوم بچہ اگر تھوڑی بہت آگہی حاصل کر گیا تو اس کا کتنا ثواب آپ کو بھی ملے گا۔ ساجد آج کل کہاں کام کر رہا ہے؟ اگر آپ کو خبر ہے تو پلیز بتا دیں۔"
"بتول اور اس کے میاں نہیں چاہتے کہ وہ پڑھے پھر آپ کیوں۔۔۔"
"مگر ساجد تو چاہتا ہے پڑھنا۔" معاذ نے تیزی سے اس کی بات کاٹی "اور ایک نیک خواہش میں اس کی مدد کرنا آپ کا بھی فرض ہے۔"
"مگر میں نے آپ کو کچھ بتایا تو وہ لوگ مجھ سے بے حد ناراض ہو جائیں گے۔ بتول میری بڑی اچھی سہیلی۔۔۔"
"نہیں بالکل خبر نہیں ہو گی۔ آپ میرا یقین کریں پلیز میں بڑی امید لے کر آیا ہوں آپ کے پاس۔" معاذ نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔
گھر میں اندر سے کچھ کھٹ پٹ کی سی آواز آئی تو سعیدہ نے گھبرا کر پلٹ کر دیکھا۔
"میں ہمیشہ یاد رکھوں گا کہ آپ میرے کام آئیں اور شکر گزار بھی۔۔۔"
"سعیدہ! سعیدہ!" کسی نے جھنجلائی ہوئی آواز میں اسے پکارا تھا۔

"جی آئی۔"
اس کے چہرے پر بڑی واضح گھبراہٹ پھیل رہی تھی۔
"سعید مارکیٹ' ساجد آج کل وہاں کام کرتا ہے۔ دکان نمبر ایک سو سات۔ بس اب یہاں مت آیئے گا!"
بہت تیزی سے اس نے بات مکمل کی اور معاذ کا شکریہ سنے بغیر تیزی سے دروازہ بند کر لیا۔
"کب سے آواز دے رہا ہوں۔ سنتی کیوں نہیں آخر!" نواب جھنجلایا ہوا سا صحن میں آ کھڑا ہوا تھا۔
"آ رہی تھی میں۔۔۔" وہ اس کے پاس سے گزرتی ہوئی باورچی خانے میں جانے لگی۔
"کون تھا' جس سے اتنی دیر سے باتیں کر رہی تھیں؟" نواب' شوہروں کی اس قسم سے تعلق نہیں رکھتا تھا جو ہر وقت بیوی کی انکوائری میں لگے رہتے ہوں بلکہ بڑی حد تک بے حس تھا۔
اس کی آرام طلبی اور نکما پن اسے سعیدہ کی طرف سے دانستہ آنکھیں بند رکھنے پر مجبور کرتے تھے' چاہے وہ گھنٹوں خیرات میں ملنے والے راشن کے حصول میں لگا لے یا سلائی کے کام کے لیے ماری ماری پھرتی رہے وہ ایسی باتوں کی ذرا پروا کرنے والا نہیں تھا۔
پھر بھی سعیدہ اس کے پوچھنے پر گھبراہٹ میں گھرنے لگی' کیا بتاتی؟
ایک بالکل غیر' نہ تعلق نہ واسطہ' وہ اس سے کھڑی' بتول کے بیٹے کے بارے میں باتیں کر رہی تھی۔
نواب اس کی غیر معمولی خاموشی پر ہی چونکا۔
"کیا ہو گیا' کوئی پرائیویٹ بات ہے کیا جو ہمیں نہیں بتانی۔ چلو مت بتاؤ۔"
اس کے مذاق ایسے ہی دل جلانے والے ہوتے تھے۔ سعیدہ نے اندر ہی اندر ایک ٹھنڈی سانس اتاری۔
"کوئی پتہ پوچھ رہا تھا کسی کا۔ وہی سمجھنے میں دیر لگی۔"
"اچھا!" اس بار وہ بڑے زور سے ہنسا۔
"بڑی انفارمیشن ہے تیرے پاس' جو لوگ اتنی لمبی گلی میں ہمارا ہی دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔"
ان چند منٹوں میں وہ خود کو سنبھال چکی تھی سو اس کی بات کو ان سنا کرتے ہوئے کچن میں گھس گئی۔
"ارے چھوٹے!" اب وہ اپنے بیٹے سے مخاطب تھا۔ "ادھر لا یہ کیا ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے؟"
ایک فطری سے تجسس کے ساتھ سعیدہ دوبارہ کچن سے باہر جھانکنے لگی۔
"واہ بھئی موج ہے تیری۔ پتہ پوچھنے والے بڑے دیالو ہیں جو پانچ منٹ کے سو روپے پکڑا جاتے ہیں۔"
سعیدہ نے دیکھا کہ وہ چھوٹے کے ہاتھ میں دبا سو کا نوٹ نکال رہا تھا۔
شاید جس وقت وہ دروازہ بند کر رہی تھی وہ چھوٹے کو یہ نوٹ پکڑا چکا تھا۔
سعیدہ نے یاد کرنا چاہا۔
"اچھا ہے ایک آدھ دن کا خرچہ پانی ہی سہی۔" نواب نوٹ اپنی جیب میں رکھتے ہوئے اطمینان سے کہہ رہا تھا۔
سعیدہ نے تیزی سے آگے بڑھ کر چھوٹے کا ہاتھ اس سے چھڑا کر بچے کی کمر پر ایک تھپڑ لگایا۔ "کیوں لیے کسی سے پیسے۔ میں منع کرتی ہوں کسی سے کچھ نہیں لیتے پھر بھی۔۔۔" مارے خجالت کے اس کی آنکھوں میں آنسو آئے چلے جا رہے تھے۔ بچوں کو وہ مارتی نہیں تھی مگر آج اس وقت چھوٹے کو دو تین تھپڑ لگ ہی گئے۔
"کیا کرتی ہے چھوڑ بچے کو سپاگل ہوئی ہے کیا۔" نواب بمشکل اسے چھڑا پایا۔ "اگر کسی نے دے دیے تو کیا ہوا اچھا ہے کام ہی آئیں گے۔"
"کیا مطلب ہے اور ہم انہیں قبول کریں گے؟" اس کی آواز رندھنے لگی۔ معلوم نہیں معاذ کے دیے سو

روپے تکلیف دے رہے تھے یا نواب کی بے حسی۔

"آپنے حالات سے سمجھوتا کرنا پڑتا ہے۔ تو منع مت کیا کر۔ میں کوئی تجھ پر شک تھوڑی کرتا ہوں۔"

بے حد سمجھداری کے ساتھ وہ جو کچھ سعیدہ کو سمجھانا چاہ رہا تھا اس کے قطعی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

سو وہ یوں ہی آنکھیں کھولے اسے دیکھے گئی۔

"آنے دے پیسے۔ اگر کوئی یوں ہی ذرا دیر ہنس بول کر دے جاتا ہے تو کیا برا ہے۔ سارا دن سلائی میں جان مارنے اور خیرات کی لائن میں۔۔۔؟"

نواب کا تسلی دیتا تجزیہ پورا بھی نہیں ہوسکا۔ سعیدہ کچن کے دروازے کے بیچوں بیچ زمین پر بیٹھی بری طرح رو رہی تھی۔ اس کا داہنا ہاتھ سر پر رکھا تھا۔

"کیا نحوست ہے؟ ایسے جیسے ابھی ابھی بیوہ ہو گئی ہو۔" نواب کو اس کا بلکنا بے حد برا لگا تھا۔

بدشگونی کی انتہا تھی۔

پہلی بار دل چاہا کہ اس کے ایک آدھ تو لگا ہی دے۔

سعیدہ کے رونے میں اور بھی شدت آگئی تھی۔ اس کے ڈھیلے بندھے ہوئے بال کھل کر کندھوں پر آرہے تھے اور جس طرح وہ سر پکڑ کر بیٹھی ہوئی تھی نواب کو تو بالکل کوئی بدروح سی لگ رہی تھی۔

معلوم نہیں کیوں پر اسے سعیدہ سے ڈر سا لگنے لگا۔

☼ ☼ ☼

میوزک کی ہلکی ہلکی سی آواز یہاں تک آرہی تھی۔

حالانکہ یہ گھر کی سب سے الگ تھلگ جگہ تھی اور خیام کو شروع سے ہی نانی نے یہ کمرہ اسی لیے دیا تھا کہ یہاں اس کے ڈسٹرب ہونے کا امکان کم سے کم رہ جاتا تھا۔

مگر وہ اس ہلکی ہلکی آواز سے بھی اتنا چڑتا تھا کہ رات کے وقت اگر گھر میں اتفاق سے ہوتا بھی تو اس طرف کا دروازہ بند ہی رکھتا۔

گیتی بھی رات میں جتنی دیر یہاں بیٹھ کر پڑھتی تو دروازہ زیادہ تر بند ہی رکھتی۔

شعوری طور پر یا لاشعوری طور پر۔

ہوا کے تیز جھونکے سے دروازہ کھلا تو سنائی دیتی میوزک کی آواز اور بھی تیز ہو گئی۔

گیتی نے لکھتے لکھتے چونک کر سر اٹھایا اور ہاتھ سے کاپی ایک طرف رکھتے ہوئے جا کر دروازہ بند کر آئی۔

خیام کو گئے کتنے ہی دن گزر چکے تھے۔

مگر وہ قدم قدم پر اس کے اصول قاعدوں کی پابند تھی۔

ابھی بھی وہ اگر اسے یہاں دروازہ کھول کر بیٹھے دیکھتا تو کتنا خفا ہوتا۔

لکھنے کا تسلسل دوبارہ جوڑنے سے پہلے ہی اسے وہی یاد آیا جس کی واپسی کے لیے اب یہاں کوئی بھی پرامید نہیں رہا تھا۔

نانی ستارہ بھی نہیں۔

حالانکہ گھر میں اب بھی وہی تھیں جو اسے علی الاعلان یاد کر سکتی تھیں اور کرتی بھی تھیں۔ مگر واپسی کی امید انہوں نے بھی بڑی جلدی چھوڑ دی تھی۔

"وہ واپس آنے والا نہیں۔ میرے بڑھاپے پر رحم کھا کر کوئی فون، پیغام بھیج دے تو بھی غنیمت ہے لیکن وہ بھی

مشکل ہی لگتا ہے۔ باہر کی دنیا میں وہ ہمارا خیال تک دل میں نہ لاتا ہوگا۔ اچھا کرتا ہے۔" آج دوپہر ہی نانی نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا تھا۔ کمرے میں صرف کیتی اور شاما ہی تھیں اور جب بھی وہ یا کوئی اور خیام کے بارے میں ایسے مایوس کن خیالات کا اظہار کرتا کیتی کو خود پر قابو پانا مشکل ہونے لگتا۔

اس وقت بھی اس نے بمشکل اپنے آنسوؤں کو روکا تھا اور اب اس وقت بھی نانی کی بات یاد کر کے دل بیٹھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

حقیقت پر لاکھ تسلیم خم کرنے کے باوجود یہ ماننا کہ اب وہ کبھی واپس نہیں آئے گا' یہاں اس گھر میں اس کے قدموں کی چاپ کبھی نہیں گونجے گی اور وہ اب کبھی اس کی بات بات پر ہونے والی خفگی کو لے کر پریشان نہیں ہوگی کتنا کٹھن تھا۔

وہ یوں ہی کسی نادیدہ شے پر نگاہ جمائے گھنٹوں سوچے چلی جاتی۔

یہاں سے اس کا جانا تو ہمیشہ سے طے تھا مگر اکیلے نہیں۔

"ساری توجہ اپنی پڑھائی پر لگادو۔ جتنی قابلیت حاصل کرلوگی' آگے زندگی میں خود کو سیٹ کرنا اتنا آسان ہوگا۔" انگریزی کے ٹیسٹ کی تیاری کراتے ہوئے اس نے ذرا رک کر کیتی کی طرف دیکھا تھا۔

"پڑھ تو رہی ہوں خیام!" اس نے کتاب پر سے سر اٹھا کر تھوڑی سی بے بسی سے خیام کی طرف دیکھا۔ "اور یہ آگے کی زندگی تمہیں اتنی مشکل کیوں لگتی ہے۔ ہر وقت یہی فکر تھوڑا سا پوزیٹو بھی سوچ لیا کرو۔"

"یہاں رہ کر پوزیٹو بھی سوچا جاسکتا ہے کیا؟ اور اگر تم سوچ سکتی ہو تو اس کا تو یہی مطلب ہوا کہ تم کو یہ سب اتنا برا نہیں لگتا۔"

"میرا یہ مطلب نہیں خیام!" وہ جلدی سے بولی تھی خیام کی ناراضی کو دعوت دینا اگلے کئی دن کی الجھن کا سبب بن جاتا تھا۔ اب اگر اسے یہ گھر جو بد قسمتی سے معاشرے کے سب سے زیادہ ناپسندیدہ سسٹم کے ساتھ جڑا تھا جہنم سے بدتر لگتا تھا تو اس سے سو فیصد اتفاق کرنے میں ہی عافیت تھی۔

پر وہ شاید اتنی کٹھور نہیں تھی کہ رشتوں سے بندھی محبت اور تحفظ سے یکسر ناشکری برت سکتی۔ سو اسے بھی کبھی یہ رسک لینا ہی پڑتا تھا۔

"سب لوگ تم سے کتنی محبت کرتے ہیں۔ خاص طور پر نانی' ان کی تو تم میں جان ہے۔ ذرا سا ان کے بارے میں ہی سوچ لیا کرو پلیز!" خیام کے ساتھ بات کرتے ہوئے لجاجت خود بخود لہجے میں آجاتی تھی۔

وہ اس مسکینیت بھرے انداز سے شہہ پا کر اور بھی بے حس... اور بھی بے نیاز دکھائی دینے کی کوشش کرتا۔

"نانی مجھ سے محبت کرنے پر مجبور ہیں۔ میری ماں بد قسمتی سے ان ہی کی بیٹی تھیں اور پھر وہ بڑی بے بسی کی موت مر بھی گئیں۔ اب بچا میں' نانی کی محرومی کی تسکین مجھ سے ہی ہو سکتی ہے سو ہو رہی ہے۔"

"اور تم' تم ان سے محبت نہیں کرتے؟" کیتی نے چاہتے ہوئے بھی "ان" کی جگہ "ہم" کا لفظ استعمال نہیں کیا۔

"پتہ نہیں' بہر حال مجھے ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے۔"

اسے صاف گوئی کے مظاہرے سے روکا نہیں جاسکتا تھا۔ کیتی تو کیا خود نانی ستارہ بھی اس سے یہ سوال کرتیں تو وہ یہی جواب دیتا۔ کیتی نے دیکھا اس کا چہرہ سرخی مائل ہو رہا تھا۔

وہ بہت کم بولتا اور جب بولتا تو الفاظ تپش میں ڈوبے محسوس ہوتے۔

پھر بھی ایک وہی تھی جس کے ساتھ خیام بچپن سے دوسروں کی نسبت قریب رہا تھا۔

"فیروزہ خالہ بھی تو چلی گئی تھیں مگر پھر واپس..." کیتی نے اسے کچھ یاد دلانا چاہا تب ہی نگینہ کی کھنکدار ہنسی پر

چونک کر ان دونوں نے کھلے دروازے سے سامنے دیکھا تھا۔

معلوم نہیں کون تھا وہ جس کے ساتھ بے باک انداز میں نگینہ ہنس رہی تھی۔

"بہت بڑی غلطی کی تھی میری ماں نے واپس آکر اور میں شکر کرتا ہوں کہ وہ جلدی مر گئیں۔"

کیتی نے اس کی آنکھوں میں بڑی گہری نفرت پھیلتے دیکھی تھی۔

☼ ☼ ☼

شیشے کی شفاف دیوار کے دوسری طرف سبزے کی حکمرانی تھی۔

سامنے پھیلا لان اور سبزے سے مکمل ڈھکی بیرونی دیوار۔

مختلف گوشوں میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ لینڈ اسکیپنگ بھی کی گئی تھی۔ وہ آج پہلی بار اس ریسٹورنٹ میں آیا تھا اور یہاں کی خوبصورتی کو ذرا توجہ کے ساتھ دیکھنا اور محسوس کرنا چاہ رہا تھا۔

مگر زوبیہ کی موجودگی میں توجہ کہیں بھی اور دینا ناممکن سی بات تھی۔

اسے نہ ماحول کی خوبصورتی سے ہی دلچسپی تھی اور نہ ہی سامنے رکھے مینیو کارڈ سے جو اس کی نظر کرم کا منتظر تھا۔

"کتنی اچھی جگہ ہے اور کتنی پر سکون۔ میں تو آج پہلی بار یہاں آیا ہوں۔" سلمان اپنی فیلنگ کو برقرار رکھنا چاہ رہا تھا۔

"تم نے دیکھا ہی کیا ہے۔ شہر بھرا پڑا ہے ان ہی ٹائپ ریسٹورنٹس سے۔" اس نے بے زاری سے کہتے ہوئے سر کو ہلکے سے جھٹکا۔

سلمان خجل سے ہو گیا۔

اس نے واقعی کچھ نہیں دیکھ رکھا تھا۔

زوبیہ کے ساتھ ہر بار وہ ایک نئی جگہ ڈسکور کر رہا تھا۔

ریسٹورنٹس' شاپنگ مالز' ڈیزائنرز اسٹوڈیوز اتنا کچھ تھا ایسا لگتا جیسے اب تک وہ محض جھک مارتا رہا ہے۔

"میری ساری تیاری ادھوری پڑی ہے۔ ویڈنگ ڈریس کے لیے پیسے تم دے رہے ہو یا وہ بھی میں ہی بنوا لوں۔" سرد لہجے میں وہ وہی سوال کر رہی تھی جس سے وہ آج کل سب سے زیادہ بچ رہا تھا۔

"نہیں۔ وہ تو ہماری طرف سے ہی ہوگا۔"

سلمان نے مسکرا کر وہی جملہ کہا جو آپا گل اور والدہ کی زبانی سن چکا تھا۔

"یہ اتنی عجیب سی باتیں مت کیا کرو' ہماری تمہاری... اتنا کچھ جواب تک صرف میرے ممی پاپا کرتے آرہے ہیں تو میں نے کبھی ایسے نہیں کہا۔"

وہ شادی کے جوڑے کا قصہ چھوڑ کر اس بات پر ناراض ہونے لگی۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا وہ تو سب ہی اس طرح سے..."

سلمان کی شرمندگی میں بوکھلاہٹ بھی شامل ہونے لگی۔ اصل میں تو اب تک وہ یہی نہیں سمجھ سکا تھا کہ کون سی بات زوبیہ کا موڈ اچھا یا برا کر سکتی ہے۔ ہر ملاقات میں آپس میں "مکمل انڈر اسٹینڈنگ" کا اس کا دعوا دھرا کا دھرا رہ جاتا تھا۔

"مجھے ڈیزائنر سے مل کر اپنے سوٹ کا ڈیزائن' کلر سب ہی کچھ ڈسکس کرنا ہے اب تک کچھ بھی فائنل نہیں ہو سکا ہے۔"

چند منٹ میں جب وہ بمشکل اس کا موڈ بحال کرنے میں کامیاب ہوا تو وہ پھر اسی بات کا سرا پکڑ چکی تھی۔

"ہاں تو کریں گے۔ ابھی تو ہماری شادی میں چند ماہ تو ضرور ہی باقی ہیں۔ پہلے ڈیٹ فائنل ہونے دو پھر یہ کام بھی ہو جائیں گے۔"

زوبیہ کو سمجھانے کے لیے بڑی پیار بھری نرمی سے وہ اس بار بھی وہی کچھ کہہ رہا تھا جو بار بار پیسے مانگنے کے جواب میں امی یا آپا گل نے اسے کہا تھا۔

زوبیہ کو اس مڈل کلاس ذہنیت کا مظاہرہ چڑاتا تھا اس نے ہمیشہ جو کرنا چاہا تھا "فوراً" ہی کیا تھا۔

"اچھا ڈیزائنر ٹائم مانگتا ہے۔ یہ وہ کپڑے نہیں ہیں جو تم شام میں خرید کرلائے اور رات کو ٹیلر کو دے دیے ہفتے بھر میں جوڑا تیار۔ یہاں کام کی کوالٹی پر نظر رکھی جاتی ہے۔ اسی پر وقت اور پیسہ خرچ ہوتا ہے۔ اصل میں تمہاری سمجھ میں یہ باتیں آہی نہیں سکتیں۔"

وہ جھنجلا کر اس بار اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے انداز میں اتنی واضح برہمی تھی کہ آس پاس کے کچھ لوگوں نے نگاہ اٹھا کر ان کی طرف دیکھا بھی۔

"کیا کرتی ہو بیٹھو تو سہی۔" وہ جتنا ممکن ہو سکا نیچی آواز میں اس کی خوشامد کر رہا تھا۔

"مجھے نہیں بیٹھنا۔ سخت بور ہونے لگی ہوں میں تمہارے ساتھ۔ تم صرف باتیں بنانا جانتے ہو سلمان! ورنہ میری چھوٹی سی خوشی کے لیے بھی تم کچھ کرنے والے نہیں ہو۔ یہ میں جان چکی ہوں اچھی طرح۔"

چہرے پر آتے ہوئے بالوں کو ایک ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے اب تک وہ اتنی خفا ہو چکی تھی کہ ایک بار تو سلمان کو بالکل ہی ایسا لگا کہ وہ ابھی منگنی کی انگوٹھی اپنی انگلی سے اتار کر اس کے منہ پر دے مارے گی۔

اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ واپس مڑ چکی تھی۔

"جب تک اس نے ٹیبل پر ابھی ابھی لا کر رکھی 'زوبیہ کی پسندیدہ آئس کریم کی پے منٹ کی جو اس نے صرف اسے خوش کرنے کے لیے آرڈر کی تھی۔ زوبیہ شیشے کا بھاری دروازہ کھول کر باہر جا چکی تھی۔

باہر لالی میں تھوڑا سا رش تھا۔

سلمان کو باہر تک پہنچنے میں چند منٹ تو لگ ہی گئے۔ زوبیہ گاڑی اسٹارٹ کر رہی تھی۔

"زوبی! زوبیہ پلیز!"

وہ تقریباً "دوڑتا ہوا اس تک پہنچا تھا مگر ایک بار بھی اس کی طرف دیکھے بغیر زوبیہ گاڑی آگے بڑھا چکی تھی۔

وہ وہیں کھڑا رہ گیا۔ شرمندگی بھری حیرت میں گھرا ہوا۔ آس پاس موجود کتنے لوگوں نے اس چھوٹے سے ڈرامے" کو دیکھ کر اپنی مسکراہٹ کو دبایا۔

زوبیہ کی تنگ مزاجی کا اچھا خاصا تجربہ ہو جانے کے بعد بھی اسے یہ امید نہیں تھی کہ وہ اسے اس طرح تماشا بنا کر رکھ دے گی۔ بنا کسی طرف دیکھے وہ بڑے بوجھل قدموں سے چلتا ہوا باہر آیا۔

سمندر کے نزدیک ترین اس ریسٹورنٹ میں شاید وہی تھا جس کے پاس اس وقت کوئی کنوینس نہیں تھی۔

زوبیہ کے منع کرنے پر اب وہ اپنی چھوٹی سی گاڑی نہیں لاتا تھا۔ چند مہینوں میں وہ کمال گھرانے کی پراڈو کرولا پجارو استعمال کرنے کا عادی ہوتا جا رہا تھا اور اپنی چھوٹی سی گاڑی اسے خود بہت غیر آرام دہ محسوس ہونے لگی تھی۔

مگر اس وقت وہی چھوٹی سی گاڑی سے بہت شدت سے یاد آئی۔

آج شہر میں دن بھر پبلک ٹرانسپورٹ بند رہی تھی پتہ نہیں گھر پہنچنے کی کیا صورت بنتی تھی۔ وہ اچھا خاصا پریشان ہو چکا تھا۔

زوبیہ کا گھر یہاں سے قریب تھا مگر اس نے ایک بار بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ سلمان کا گھر یہاں سے ڈیڑھ گھنٹے کی دوری پر ہے۔

اس پُر رونق سڑک کے کنارے چلتا ہوا وہ خاصا آگے تک آ چکا تھا۔

زوبیہ کی رکھائی کا یہ بھرپور مظاہرہ در حقیقت خطرے کی گھنٹی تھا۔

اب حیرت اور شرمندگی کی کیفیت سے نکل کر وہ اب اسی خوف میں مبتلا ہونے لگا تھا۔

اگر وہ اس کے ساتھ اتنی بے رخی کے ساتھ پیش آ سکتی تھی تو کچھ وجہ نہیں تھی کہ وہ اس رشتے کو جو ابھی بیچ میں ہی لٹک رہا تھا ایک جھٹکے سے ختم ہی کر ڈالے۔

زوبیہ کمال کے مزاج کی شدت پسندی کی گواہی اس کا سارا سرکل دے سکتا تھا۔

سلمان کا خوف بڑھتا جا رہا تھا۔

عرش سے فرش پر آنے کا دھڑکا بے حد برا تھا۔ اس نے کئی بار زوبیہ کا نمبر ٹرائی کیا مگر اس نے اپنا موبائل بند کر رکھا تھا۔ ایک بار تو اس کے دل میں آیا کہ وہ ابھی زوبیہ کے گھر جا کر اس سے معافی مانگ لے جیسے بھی ہو اسے منا لے مگر پتہ نہیں وہ گھر گئی بھی تھی یا نہیں۔

اور اگر وہ گھر پر نہیں تھی تو پھر مسز کمال کو جھیلنا اور انہیں وضاحتیں دینا خاصا وقت طلب مسئلہ ہو سکتا تھا۔

اپنی تمام خوش فہمیوں کے باوجود سلمان پر اپنے بارے میں مسز کمال کی ناپسندیدگی اچھی طرح واضح تھی۔

اچھی خاصی خواری اٹھا لینے کے بعد جب وہ تھکا ہارا وسوسوں اور پریشانی سے بھرا دل لیے گھر پہنچا تو وہاں سب سونے کے لیے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔

دروازہ اظہار صاحب نے کھولا تھا۔

"آج ٹیکسی میں آئے ہو؟"

انہیں پتہ تھا اب زوبیہ کی گاڑی اسے چھوڑنے آتی ہے۔ اس کے عقب میں کھڑی ٹیکسی دیکھ کر حیرت سے پوچھنے لگے۔

"گاڑی خراب ہو گئی تھی۔" مختصر سا جواب دے کر وہ آگے بڑھ گیا۔

ان سے بات کرنے کو اس کا قطعی دل نہ چاہا۔ آج جو بھی ہوا اس کے کچھ نہیں تو نوے فیصد تو ذمہ دار وہی تھے۔

اگر مہینے بھر پہلے ہی انہوں نے اسے زوبیہ کو دینے کے لیے پیسے دے دیے ہوتے تو آج اسے اس بے عزتی کا سامنا کب کرنا پڑتا۔

یہ گھر والے ہی تھے جو اس کے روشن مستقبل کو بالکل ہی تاریک کیے دینے پر تلے ہوئے تھے۔

وہ بہت چڑچڑا ہو رہا تھا۔

اظہار صاحب نے شاید اس سے کچھ اور بھی کہا تھا مگر وہ اپنے کمرے کا دروازہ بند کر چکا تھا۔

"امی ابا اور آپا گل۔"

سلمان کی طرف سے فردِ جرم ان ہی تین افراد پر عائد ہو رہی تھی۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں' سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کردی' جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً "مطمئن" ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز' سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت' زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے' جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً "سخت مزاج" ہے۔

۷ ساتویں قسط

آپا گل کو جب میکے میں طلبی کا فون ملا تو خود ان کے اپنے گھر میں ٹھیک ٹھاک ہنگامی صورت حال پیدا تھی۔ شام میں ان کی بیچ والی نند کے رشتے کے لیے لوگ آرہے تھے' پروگرام تو یقیناً "پہلے سے سیٹ ہوگا" مگر انہیں آج صبح ناشتے کے بعد ہی بتایا گیا تھا۔

وہ سخت تلملائی ہوئی تھیں اور اس رازداری کو صاف صاف ہتک عزت قرار دے رہی تھیں۔

"معلوم نہیں کب سے تیاری ہو رہی تھی لڑکیاں کتنے دن سے صفائیوں میں جتی ہوئی تھیں' میں بے وقوف سمجھ رہی تھی کہ چلو کچھ تو گھر کے کاموں کا شوق ہوا انہیں بھی' پھر کل ہی شازیہ کتنی دیر بیوٹی پارلر پر لگا کر آئی' واپس آئی تو چہرہ چم چم چمک رہا تھا' فیشل بلیچ' فیس پالش اور بھی پتا نہیں۔ کیا کیا' ہزاروں روپوں پر تو پانی پھر ہی گیا ہوگا۔" وہ بے تکان بولتے بولتے ذرا رکیں۔

اتوار کا دن تھا اور ان کے میاں کمرے میں ہی صبح کا اخبار پھیلائے بیٹھے تھے' خاموشی کے اس چھوٹے سے وقفے کو انہوں نے بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

"تمہیں پیسوں کا غم کرنے کی ضرورت نہیں ہے' کون سے تمہاری جیب سے گئے ہیں۔ اللہ میرے ماں باپ کو سلامت رکھے' وہ اپنی بیٹیوں کا ہر شوق پورا کر سکتے ہیں' پھر تمہیں کیا تکلیف ہے۔"

آپا گل کے دکھے ہوئے دل کو اور بھی چوٹ پہنچی۔ پیسوں کا ذکر تو یوں ہی برسبیل تذکرہ آیا تھا۔ سسر اس عمر میں بھی' اپنی جائیداد کا بھاری کرایہ وصول کرتے تھے اور ساس نندیں' بنا روک ٹوک اس پیسے کو اڑا سکتی تھیں' بلکہ اڑا رہی تھیں۔

"بے کار کی بات کو مت پکڑا کریں' مجھے کیا' جس کا جو دل چاہے کرے' میں تو صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ اگر ایسا کوئی سلسلہ چل رہا تھا' تو مجھ سے اتنی رازداری کیوں برتی گئی' بڑی بہو ہوں' مگر مجھے ذلیل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا جاتا۔"

وہ حسب توفیق رقت خود پر طاری کر چکی تھیں۔ اس بار وہ زیر لب ہی کچھ بڑبڑائے۔

"اماں کو تو بتانا چاہیے تھا نا مجھے' الٹا کل سے بار بار کہہ چکی ہیں کہ میں اس ہفتے اپنے میکے کیوں نہیں گئی' کوئی بات ہوگئی ہے کیا' میں بے چاری سادہ لوحی میں صفائیاں دیے جارہی ہوں۔"

اپنے بارے میں بات کرتے ہوئے انکساری مبالغے کی حد کو بہت آسانی سے پار کرلیتی تھی۔

"تم تو ہر بات کا الٹا مطلب لیتی ہو' ظاہر ہے جب سے شادی ہوئی ہے۔ تم بنا وقفہ دیے اپنی امی کے گھر جاتی ہو۔ جب کوئی بات معمول سے ہٹ کر ہو تو ظاہر ہے۔ تشویش تو ہوتی ہے' اماں بے چاری بھی اسی لیے پوچھ رہی ہوں گی۔" وہ اخبار سمیٹتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

کبھی کبھی تو آپا گل کو لگتا تھا کہ' وہ دیوار سے سر پھوڑ رہی ہیں' کبھی جو وہ' اپنے گھر والوں کے مقابلے میں ان کی طرف داری کرتے ہوں' ہوتا جو کوئی ڈھنگ کا شخص تو ابھی جا کر اپنے گھر والوں سے جواب طلبی کرتا اور اس انداز سے کرتا کہ آگے کسی کو بھی جرات نہ ہوتی کہ وہ انہیں نظر انداز کرسکے۔

"سچ ہے سسرال میں عزت بھی صرف شوہر ہی کرا سکتا ہے' ورنہ باقی کس کو پڑی ہے۔" انہوں نے خود کو بڑا مظلوم تصور کیا۔

والدہ کا فون' ان ہی لمحات میں آیا' جب وہ غم و غصے کے ملے جلے سے جذبات کا شکار' اس سوچ میں گم تھیں کہ اب انہیں شام ڈھلے آنے والے مہمانوں کے استقبال کے لیے ڈرائنگ روم میں ہونا چاہیے' یا پھر احتجاجاً "بائیکاٹ کردینا چاہیے" اس اہم مرحلے کا۔

دوسری بات سراسر بے وقوفی محسوس ہو رہی تھی۔ ساری معلومات سے محروم بھی رہ جاتیں اور الٹا ساس نندیں شکر کا کلمہ پڑھتیں ان کی غیر حاضری پر۔

والدہ کا فون ان کے موبائل پر آیا تھا۔

جب بھی کوئی خاص بات کرنا ہوتی' تو وہ سیل فون پر ہی کیا کرتی تھیں۔

"اچھا ہی ہوا' جو آپ نے فون کرلیا' ورنہ میں خود کرتی' ذرا گھٹیا پن تو دیکھیں آپ ان لوگوں۔۔۔!"

وہ اپنی کتھا سنانے کے لیے بے چین تھیں' مگر شاکرہ خاتون کا یہ فون یوں ہی نہیں تھا۔

"بات سنو گل! جیسے بھی ہو' فوراً "چلی آؤ" اکبر کی مرضی نہ ہو تو خود رکشہ کرکے آجاؤ' بلکہ اچھا تو یہی ہے کہ تم اکیلی آجاؤ' کسی بچے کو لے کر۔" ان کی بات پر ذرا سا بھی دھیان دیے بغیر وہ جلدی جلدی کہتی چلی گئیں۔

"ابھی!" انہوں کسی بھی ایکسائٹمنٹ کا اظہار کیے بغیر کاہلی سے کہا' "ابھی تو میں نے ناشتہ بھی نہیں کیا۔ بچے بھی یوں ہی مارے مارے پھر رہے ہیں' اٹھتے ہی یہ نئی خبر کان میں پڑ گئی تو دل اور خراب ہو رہا ہے۔"

میکے سے اس طرح کے ہنگامی فون معمول کا حصہ تھے۔

گھر میں خاندان کا کوئی فرد کوئی نئی خبر سنا گیا ہو۔

امی یا بہن کا بازار جانے کا پروگرام ہو۔

سلمان کی سسرال سے کوئی نیا تحفہ آیا ہو۔

معمول سے ہٹ کر کوئی بھی بات' ان کے بلاوے کا سبب بنتی رہتی تھی' سو وہ اس وقت بھی یہ کچھ ایسا ہی سلسلہ سمجھ رہی تھیں۔

"تمہیں ناشتے کی سوجھ رہی ہے' یہاں سب کی جان عذاب میں آئی ہوئی ہے۔ سلمان نے وہ آفت کھڑی کر رکھی ہے کہ خدا کی پناہ' تم بس فوراً "چلی آؤ۔ ورنہ مجھے ضرور کچھ ہو جائے گا۔"

شاکرہ خاتون رو دینے کو ہو رہی تھیں۔

آپا گل کو حالات کے غیر معمولی ہونے کا احساس بے چین کرنے لگا "ہوا کیا ہے؟"

دوسری طرف سے جیسے ایک سسکاری سی ابھری۔

"وہی پیسوں کا جھگڑا، پہلی بار مانگنے پر ہی دے دیے ہوتے تو یہ نوبت نہ آتی، میرا بچہ سرِراہ ذلیل ہو کر رہ گیا۔"
ان کی آواز بار بار رندھ رہی تھی۔

سلمان اور آپا گل۔
شاکرہ خاتون کو ساری اولاد میں خصوصیت کے ساتھ ان دونوں سے زیادہ انسیت تھی، اب جو وہ اتنی جذباتی ہو رہی تھیں تو یقیناً سلمان کی محبت میں۔

"منع تو نہیں کیا تھا ہم نے اور پیسے کہاں بھاگے جا رہے ہیں۔ جو وہ لوگ اتنا گرے جا رہے ہیں کہ اپنے داماد کا لحاظ بھی نہیں کر رہے۔"

آپا گل کے لہجے میں لڑکے والوں کا طنطنہ جھانکنے لگا، دوسرے سرے پر موجود شاکرہ خاتون کی جھنجلاہٹ کچھ گنا بڑھ گئی۔

"کہاں کا داماد، پتا نہیں یہ رشتہ بھی رہتا ہے یا نہیں، اس کم بخت روبیہ نے وہ ہنگامہ کھڑا کیا ہے کہ بتاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے اور تم وہیں سے سوال جواب کیے جا رہی ہو، میرا فون سنتے ہی نکل لیتیں تو رستے میں ہوتیں۔"

وہ مارے غصہ کے فون بھی بند کر گئیں۔
آپا گل رازداری کے خیال سے کمرے سے نکل کر ٹیرس پر آ کھڑی ہوئی تھیں، پہلے تو یہی خیال آیا کہ دوبارہ فون کر کے، جویا یا زویا میں سے کسی سے 'نارمل طریقے سے معاملے کی رپورٹ لے لی جائے، لیکن کیا پتہ آج وہاں حالات واقعی تشویش ناک ہوں۔

ٹیرس پر کھڑی وہ چند لمحے بڑے سخت کنفیوژن میں گھری رہیں۔
آج کا دن بھی کچھ خاص ہی تھا۔
یہاں بھی غیر حاضری نہیں لگائی جا سکتی تھی اور وہاں بھی نہ جانے کیا ہو رہا تھا۔
انہیں سوچنے میں دیر نہیں لگی، اگلے دس منٹ میں والدہ کی دوسری کال موصول ہوئی اور فیصلہ ہو گیا۔
"میں ذرا امی کے گھر تک ہو کر آ رہی ہوں، رات بڑا عجیب سا خواب دیکھا ہے، دل بہت پریشان ہے۔" چادر اور پرس اٹھا کر، وہ نیچے لاؤنج میں آئیں۔

"مگر میں تو ابھی نہیں چل سکتا، یہ بھی کوئی وقت ہے، صبح ہی صبح چھٹی کے دن کون نکلتا ہے۔"
ان کے میاں فوراً ہی صاف انکار کر رہے تھے، آپا گل کو پہلے ہی پتہ تھا کہ وہ با آسانی چلنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے، مگر ساس اور نندوں کے چہروں پر جس طرح ان کی بات کے ساتھ ہی اطمینان پھیلا تھا، وہ یقیناً کوفت کا باعث تھا۔

"ضرور چلی جاؤ، ورنہ پھر سارا دن طبیعت پریشان رہے گی، بچے بھی گھر پر ہیں، اچھا ہے ذرا گھوم لیں گے۔"
ان لوگوں نے باجماعت، آپا گل کے پروگرام سے اتفاق کیا اور اندر کہیں دل کی گہرائیوں میں اللہ کا شکر بھی۔
اس وقت کا یہ پروگرام، ان کے لیے تو غیبی امداد ہی تھا۔
وہ جو اپنی ذات سے سسرال والوں کو کوئی خوشی نہ پہنچانے کا تہیہ کیے رکھتی تھیں۔ اس وقت مجبور ہو گئیں۔
اف چھوٹے والے بیٹے کو لے کر جب تک وہ میکے پہنچیں وہاں پر ابتری کے آثار اور بھی نمایاں ہو چکے تھے گیٹ زویا نے کھولا تھا۔

انہوں نے بے صبری سے وہیں کھڑے کھڑے، اصل معاملہ جاننا چاہا، مگر سلمان کی غصے میں بھری آواز یہاں تک آ رہی تھی۔

وہ خود بخود ہی تیزی سے چھوٹا سا صحن پار کر کے لاؤنج کی طرف بڑھ گئیں۔
"لیجیے وہ بھی آ گئیں تماشا دیکھنے۔" ان کے اندر آتے ہی ٹھیک سامنے بیٹھے سلمان نے جس ٹون میں کہا، اس سے آپا گل کو صاف اندازہ ہونے لگا کہ اب آپس کا لحاظ سرسری سی ہی بات رہ گئی ہے۔

"بڑی بہن ہے تمہاری، کچھ ادب تمیز۔۔۔!"
شاکرہ خاتون نے اسے یاد دلانا چاہا، مگر وہ جس دل توڑتی کیفیت میں گھرا تھا، وہ کچھ اور ہی تقاضا کر رہی تھی۔
"آپ سب کی عزت کو تو ذرا ذرا سی بات سے ٹھیس لگ جاتی ہے، صرف میں ہوں، جس کی عزت کی آپ میں سے کسی نے پروا نہیں کی، کیا تھا جو روبیہ کو پیسے دے دیے جاتے، وہ لوگ اتنا کچھ مجھے دے چکے ہیں، آپ لوگوں کو دے چکے ہیں تم اسی کی شرم کر لیتے۔"
بہت دیر سے اس قسم کی باتیں کر لینے کے باوجود بھی، وہ ان کی آمد پر پھر سے سب کچھ دہرانے کے لیے تیار تھا۔
آپا گل چند منٹوں میں پورے سیاق و سباق کے ساتھ قصہ سن چکی تھیں۔
روبیہ کی خفگی، اس کا ناراض ہو کر جانا اور سلمان کا بے سروسامانی کے عالم میں وہاں سمندر کنارے والے ریسٹورنٹ کے باہر کھڑا رہ جانا۔ سوائے اس آخری بات کے انہیں کچھ اور ایسا نہیں لگا، جس پر ہنگامہ مچانا جائز ہوتا۔
"لاڈلی امیرزادیاں ایسی ہی ہوتی ہیں، ذرا سی دیر میں ناراض، ذرا سی دیر میں خوش، تم کیوں خود کو ہلکان کیے دے رہے ہو، چند دن کے لیے اکڑ کر بیٹھ جاؤ۔ روبیہ خود آ کر تم سے معافی مانگ لے گی اپنے رویّہ پر۔" چادر تہہ کر کے

ایک طرف رکھتے ہوئے وہ بے نیازی سے کہہ رہی تھیں۔

شاکرہ خاتون کا چہرہ کھل گیا۔

آپا گل کی سمجھ داری پر انہیں بڑا بھروسا تھا' اب آتے ہی انہوں نے کیسی مورل سپورٹ دی تھی۔

"چلو بس۔ اب تو بہن نے کہہ دیا نا' کرے گی زوبیہ معذرت تم سے' کیا پتہ ماں باپ کے ساتھ آج شام ہی آجائے۔"

سلمان نے حیرت بھری نگاہوں سے پہلے ماں اور پھر بہن کی طرف دیکھا۔

انہیں سچ مچ زوبیہ کے ٹائپ کا اندازہ نہیں تھا۔

اور وہ اس کی ممی!

مسز کمالی! جن کی گڈ بک میں وہ اب تک بھی شامل نہیں ہو سکا تھا' زوبیہ کے حالیہ رویہ کے پیچھے' اسے ان کا بھی بڑا واضح ہاتھ دکھائی دے رہا تھا مگر یہاں وہی بے وقوفی بھرے تجزیے اور دلاسے تھے۔

"اس خوش فہمی میں مت رہیے گا' شام میں ان کے ہاں سے منگنی کی انگوٹھی واپس آسکتی ہے' مگر زوبیہ اور مسز کمالی ہرگز بھی نہیں۔"

"اللہ نہ کرے!" دہل کر ان دونوں ہی نے باری باری کہا۔

"ذرا ذرا سی بات پر منگنیاں نہیں ٹوٹتیں' اتنا بڑا فنکشن کیا ان لوگوں نے' سینکڑوں لوگ بلا لیے۔ لڑکی والے ہیں' خود پر لوگوں کو ہنسنے کا موقع تھوڑی دیں گے۔"

آپا گل کے پاس اپنے اور دوسروں کے اطمینان کا وہی فرسودہ جواز تھا' جس کی اب ذرا سی بھی اہمیت نہیں رہ گئی تھی۔

"آپ معلوم نہیں کس دنیا میں رہ رہی ہیں' میری اور زوبیہ کی منگنی تو پھر ڈھائی ماہ رہ لی ہے' ورنہ جس کلاس سے وہ لوگ تعلق رکھتی ہیں محض ڈھائی دن میں بھی یہ تعلق آرام سے توڑا جا سکتا ہے۔ اسی خلاف مزاج بات پر" سلمان بری طرح تپا ہوا تھا' اس کو تباہی کے دہانے پر پہنچانے میں پورا قصور آپا گل کی گھسی پٹی سوچ کا ہی تھا۔

امی اور ابا دونوں ہی نوے فیصد ان کے مشورے پر چلتے تھے۔

"کل تک مجھے کہیں سے بھی پیسوں کا انتظام کر کے دیں ورنہ میں اس گھر کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے چلا جاؤں گا۔ عمر بھر میری شکل کو ترسیں گی آپ لوگ۔" اس نے اپنی پٹاری میں موجود سب سے موثر ہتھیار استعمال کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"کروڑوں کی جائیداد کی مالک ہے زوبیہ' اور ہم چند لاکھ خرچ کرتے ہوئے مر رہے ہیں' دو کوڑی کی عزت نہیں چھوڑی آپ لوگوں نے میری میں کبھی کسی کو معاف نہیں کروں گا۔" وہ کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

کل شام جھیلی گئی' ساری ٹینشن' اب تک کئی گنا ہو چکی تھی۔

شاکرہ خاتون اور آپا گل' جو اس کی دھمکیوں سے خائف سی ہوئی بیٹھی تھیں "سنو تو سنو تو" کہتی رہ گئیں' مگر سلمان کے کمرے کا دروازہ اتنی زور سے بند ہوا تھا کہ سارا گھر ہی گونج اٹھا۔

شاکرہ خاتون دوپٹہ آنکھوں پر رکھ کر سسکیاں لینے لگیں "صبح سے یہی حال کر رکھا ہے سارے گھر کا۔ کمرے سے نکلتا ہے چیختا چلاتا ہے اور پھر اندر چلا جاتا ہے۔ تمہارے ابا تو پریشان ہو کر اپنے کسی دوست کے گھر جا بیٹھے ہیں۔"

"بہت ہی بدذات ہیں یہ زوبیہ اور اس کی ماں۔ دو جوڑوں کے لیے اتنا شور مچا کر رکھ دیا' اتنی ہی جلدی ہے تو خرید لیتی خود' ہم کون سے پیسے نہ دیتے۔ سارا چکر سلمان کو اپنے دباؤ میں رکھنے کے لیے چلایا ہے' ان لوگوں نے

اور یہ بے وقوف.....!"

آپا گل کا بس چلتا تو وہ زوبیہ اور اس کی ماں کو ابھی فون کر کے دس سنا دیتیں۔

جویا بہت دیر سے خاموش بیٹھی تھی' خاموشی کا چھوٹا سا وقفہ آیا تو ہلکے سے بولی "سارا چکر ان لوگوں نے ہماری اوقات کو جاننے کے لیے چلایا ہے' اور وہ انہوں نے جان لی۔"

"سب میرا دل جلانے کے لیے بیٹھے ہیں' کہو جو دل چاہ رہا ہے۔"

شاکرہ سخت مایوسی کا شکار ہو رہی تھیں۔ "پتہ نہیں کس کی نظر لگی ہے۔ سارا خاندان حاسدوں سے بھرا پڑا ہے' سلمان نے تو منع بھی کیا تھا کہ کسی کو نہ بلاؤ منگنی پر' ہم ہی نے شوق میں آکر لوگ اکٹھے کیے تھے' مگر بدخواہوں کو۔"

"فی الحال جو مسئلہ ہے اسے حل کریں' پیسے ماریں ان کے منہ پر' اور آگے بہت ہوشیاری برتیں' ورنہ یہ لوگ قدم قدم پر ہمیں پریشان کرتے رہیں گے۔"

آپا گل نے بمشکل اپنے غصے پر قابو رکھا تھا' ان کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ اس وقت' کمالی خاندان کو مزید ٹالنا مشکل ہے اور جو خدانہ کرے وہ لوگ واقعی بگڑ گئے۔ سلمان کی باتوں نے وہم کی بنیاد تو رکھ ہی دی تھی۔

"بے کار میں ہی لاکھوں روپیہ ہم نے کپڑوں پر ضائع کر دیا' اب پھر سے پیسوں کا انتظام کریں۔ آگے شادی کا خرچا جو ہے سو ہے۔"

خریدے گئے کپڑے' گو گلنے سڑنے والی چیز تو نہیں تھے' مگر سچی بات کہ سارے گھر کو ہی اس فضول خرچی کا ملال تھا' زویا تو صاف کہتی تھی کہ "پتہ نہیں ابھی اس کی اور جویا کی شادی میں کتنا عرصہ پڑا ہے' سو یہ کپڑے ان کے انتظار میں تو نہ ہی رکھے جائیں۔"

"شکر کریں کہ صرف کپڑوں ہی کی فرمائش آئی ہے' زیورات کی طرف اشارہ نہیں کیا گیا ہے' ورنہ تو در حقیقت مشکل میں پڑ جاتے ہم لوگ' اب تو یہ ہے کہ ابا سے کہیں' وہ جلد ہی کچھ نہ کچھ کر دیں گے۔"

آپا گل کے لہجے میں اطمینان تھا۔

اظہار چچا اپنے گھرانے کو کھلے پیسے کی جھلک دکھلانے میں کامیاب رہے تھے' سو وہ لوگ ان پر پوری طرح اعتماد رکھتے تھے۔

پیسہ کہاں سے آ رہا ہے' کس طرح آ رہا ہے' اس طرف سب کا خیال جانا' مدت ہوئی ختم ہو چکا تھا' پیسہ آ رہا ہے اور آتا ہی رہے' اہم بات صرف یہ تھی۔

آپا گل کو واپسی کی جلدی تھی' مگر والدہ روکنے پر مصر تھیں۔

"اپنے ابا سے مل کر جانا۔ کیا دینا ہے۔ آج ہی طے ہو جائے تو اچھا ہے!"

نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں ماننا پڑ رہا تھا۔

میکے کا ذرا سا مسئلہ بھی دل بھاری کر دیتا تھا' اس وقت تو خاصی بھاری بھرکم ٹینشن تھی' انہوں نے اپنا دھیان کوشش کر کے سسرال میں پھیلی دلچسپی کی طرف سے ہٹانا چاہا۔

☆ ☆ ☆

نانی دل دار والیوں کا دھوم دھڑکا بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

یوں تو گھر کی اپنی تین استانیاں بھی کم نہیں تھیں' نانی دل دار' گل زار اور گل رخ' سو وہ تینوں ہی آج کل دیگر مصروفیت میں نمایاں کمی کر کے' الماس کو لانچ کرنے کی بھرپور تیاریوں میں مصروف تھیں۔ رہی سہی کسر ٹیوشن

والے استاد جی نے پوری کر رکھی تھی' دوپہر کو دو گھنٹے آتے آتے' سارا ٹائم ٹیبل ہی بدل لیا تھا' شاما کی رپورٹ کے مطابق' تو اب ان کا مستقل قیام ہی نانی ول دار کے ہاں تھا۔

لمبے سے برآمدے کے انتہائی آخری چھوٹے سے کمرے میں گھر کی فالتو چیزیں رکھی جاتی تھیں۔ ماسٹر جی کے قیام کے لیے وہیں چیزیں سرکا کر بستر بچھا دیا گیا تھا' سو اب ان کی سرپرستی بھی الماس کو چوبیس گھنٹے کے لیے حاصل ہو چکی تھی۔

اور سچی بات تو یہ کہ وہ محنت بھی جی جان سے کر رہی تھی۔ کہاں تو دوپہر چڑھے تک ان کی طرف کا حصہ نیند میں ڈوبا ہوا محسوس ہوتا اور کہاں اب دس گیارہ بجے سے ہی' وہاں چہل پہل شروع ہو جاتی۔

طبلے' ہارمونیم کی سنگت کے علاوہ' انڈین فلموں کے مشہور نمبرز بھی ہمہ وقت اس طرف سے سنائی دیتے تھے۔ گھریلو امور کی انجام دہی کے لیے استعمال ہونے والے حصے میں' عام طور پر رات کی محفلوں کی آواز بجھی بجھی سی آتی تھی' مگر دن کے وقت کمروں کے پچھلے دروازے بلا تکلف کھلے پڑے رہتے تھے' سو آوازیں سارے میں ہی گونجتیں۔

"دو سیمی کلاسیک' دو فوک ڈانس اور چار آئٹم نمبر' یہ تو پکے ہیں' اس کے علاوہ اور کتنے ہوں گے۔ یہ بھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔" شاما انتہائی وفاداری کے ساتھ' اپنی معلومات مالکوں تک پہنچا رہی تھی۔

نگینہ جو حسب معمول' صبح کی چائے' ساڑھے بارہ اور ایک کے درمیان پی رہی تھی' اور ڈائٹنگ کے پکے ارادے کو بھول کر' پچھلے کئی دنوں سے بیکری کے مکھن والے بسکٹ اور کلچے چائے میں ڈبو ڈبو' پہلے سے بھی زیادہ رغبت سے کھانا شروع کر چکی تھی' پورے دھیان سے شاما کا کہا ایک ایک لفظ سن رہی تھی۔

ماتھے پر ہلکے گہرے ہوتے بل' اس کی ذہنی حالت کو بیان کر رہے تھے۔

"ہاں تو باجی! چار آئٹم نمبر' دو فوک اور دو کلاسیکل ملا کر کتنے ہوئے۔۔۔!"

"پورے آٹھ' اتنا سا بھی حساب نہیں ہوتا تجھ سے' ویسے تو پیسہ پیسہ جوڑ کر سینکڑوں روپے اکٹھے کر لیتی ہے۔" نگینہ کے لہجے میں فطری سی جھنجلاہٹ ہر وقت موجود رہنے لگی تھی۔

شاما ڈھٹائی سے ہنسنے لگی۔

"آٹھ رقص کتنا ٹائم لیں گے بھلا' باجی گل ناز تو کہہ رہی تھیں کہ دو آئٹم اور ہوں تو پورے دس ہو جائیں۔"

"دماغ خراب ہے گل ناز کا' کتنا نچوائے گی لڑکی کو' ابھی اس کا اتنا تجربہ کہاں' کام کی خوب صورتی بھی ماند پڑنے لگے گی۔"

نانی ستارہ کی وضع داری کو یہ ٹائم ٹیبل بالکل پسند نہیں آیا۔ "میں منع کروں گی گل ناز کو۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو منع کرنے کی! آج کل ایسا ہی چل رہا ہے' فی ڈانس کے حساب سے شیرازی نے بھی اپنا کمیشن سیٹ کیا ہوگا اور الماس کو بھی ظاہر ہے اسی حساب سے پیسے ملیں گے' گل ناز کی قسمت تو پیسوں کے معاملے میں ہمیشہ کی تیز ہے۔"

نگینہ کا ملال گزرتے دنوں کے ساتھ کم ہونے کے بجائے بڑھ ہی رہا تھا' فنکشن ہاتھ سے گیا سو گیا۔ آمدنی کے دوسرے ذرائع بھی محدود ہوتے جا رہے تھے' شیرازی کم بخت اس روز جو سیڑھیاں اترا تو اب تک پلٹ کر نہیں آیا تھا' پچھلے دنوں' شہر کے ایک آڈیٹوریم میں' دو میوزیکل پروگرام آگے پیچھے ہوئے' گلی بھر سے لڑکیاں سمیٹ کرلے کر گیا مگر یہاں آنا تو درکنار' فون تک نہ کیا۔

رات کی روزانہ محفل کے لیے نگینہ چند لڑکیوں کا انتظام رکھتی تھی' یہ وہ گھرانے تھے' جو ان کی اپنی سوسائٹی میں بھی ہلکے سمجھے جاتے تھے اور ان کے ہاں کی عورتیں نانی ستارہ کے چوبارے کو دور سے ہی سلام کرتی تھیں۔

مگر بہت کچھ حالات کے ساتھ بدلا تھا۔
اب ان ہی گھروں کی "بہتر تربیت یافتہ لڑکیوں کو نانی ستارہ جیسے نامور بھی روزانہ کے کنٹریکٹ پر اپنی محفلوں میں پرفارم کرنے کے لیے بلانے پر مجبور تھے۔
یہ بڑا سمجھوتہ نانی نے اس وقت کیا تھا' جب فیروزہ عین عروج کے وقت انہیں چھوڑ کر یہاں سے چلی گئی تھی' ہزاروں میں ایک دمکتی فیروزہ!
پیروں تلے زمین نکلنے کا تجربہ صحیح معنوں میں انہیں اسی وقت ہوا تھا۔
بنی بنائی ساکھ' تیزی سے روبہ زوال ہوئی تھی' فیروزہ کا حسن اور ہنر' ان کا ایسا سرمایہ تھا جس پر وہ شان دار مستقبل تعمیر ہوتے دیکھتی تھیں اور آج بھی انہیں اس بات کا یقین تھا کہ اگر فیروزہ نے یہاں سے جانے کی غلطی نہ کی ہوتی یا پھر واپس آکر بھی خود کو سنبھال لیا ہوتا تو حالات یکسر مختلف ہوتے۔
مگر وہ تو تھری ہمیشہ کی جلد باز۔
بہت کم عمری میں "ایسی مہارت کہ دیکھنے سننے والے دنگ" اور ابھی اس کا جادو جاگنا ہی شروع ہوا تھا کہ لوگ' وہ تو سارے رشتے ناتے توڑ' منظر سے یکسر غائب۔
اسے لوگوں کو حیران کرنے کا مزہ لگ گیا تھا۔
تب ہی تو اپنے پیچھے اڑائی دھول کے ذرا بیٹھتے ہی وہ پھر اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے آموجود ہوئی۔
ایک بار پھر سب اسے دیکھ کر دانتوں تلے انگلیاں دبائے رہ گئے۔
یہ وہ فیروزہ کب تھی؟
غیر تو غیر' خود نانی ستارہ' اس کی زردی مائل رنگت اور گہرے سیاہ حلقوں کے پیچھے' کھوئے ہوئے خدوخال ڈھونڈنے کی ناکام کوشش کرتی رہیں۔
کچھ وقت مل جاتا تو شاید کامیابی ہو بھی جاتی' مگر اس کی جلد بازی کی عادت نے ایک بار پھر کام بگاڑا۔
ڈاکٹر' حکیم' سیانے۔
کوئی بھی ڈھنگ سے اپنا تجربہ نہ آزما پایا تھا کہ وہ تو ہاتھ چھڑا' چار سال کے خیام کو اللہ کے بعد نانی ستارہ کے سپرد کر' یہ جا وہ جا۔
اس بار تو واپسی کی دھندلی مٹتی امید بھی نہیں' ایک قیامت تھی' جو ٹوٹی تھی۔
بد نصیبی نے ان کی ہی دہلیز تاک لی تھی' سنہری رنگت اور دمکتی آنکھوں والے خیام کو سینے سے لگائے' نانی ستارہ نے ان ہی دنوں جانا کہ اب آگے زندگی سمجھوتوں کا سفر ہے۔
چاہے ڈھٹائی کے ساتھ اور چاہے خود اپنے آپ سے نظر چرا کے۔
دوسری راہ نسبتاً" آسان تھی بظاہر۔
اس میں کم از کم بھرم تو قائم رہتا تھا' اندر کانچ سا ٹوٹتا تھا تو ٹوٹتا رہے۔
"کسی کنجری کی کیا عزت بھلا۔" نانی ستارہ جان نے اپنے شان دار عروج کے بعد زوال کی سیڑھیاں اترتے ہوئے ہر ہر پل خود کو اپنی اوقات یاد دلائی مگر صرف خود اپنے آپ کو۔
"بڑا نام صرف اللہ کا' باقی فنا ہی فنا۔" کسی دھیان سے نکلتے ہوئے وہ بے ساختہ ہی زور سے بول اٹھیں۔
نگینہ نے ذرا چونک کر ان کی طرف دیکھا۔
"ان کا بھی کچھ پتا نہیں۔ یوں ہی حاضر غائب ہوتی رہیں تو اور مسئلہ۔"
اس نے نیچی آواز میں جو کہا' محض پاس بیٹھی شاما نے ہی سنا۔

"اللہ نہ کرے۔" وہ بے ساختہ ہی بولی اور بڑی فکر مند نگاہوں سے نانی کی طرف دیکھنے لگی۔
نچلے سے بھی نچلے ترین درجے پر زندگی گزارنے والی شاما میں "اعلا پائے کی فطری وفاداری زندہ تھی۔
"میں یہ کہہ رہی تھی اماں۔" چاروناچار نگینہ کو وہی قصہ جو ابھی تفصیل سے کہا تھا "اب مختصراً" گوش گزار کرنا پڑ رہا تھا "شیرازی اگر اسی طرح اس ہفتے بھی لڑکیاں لے جاتا رہا تو ہمارا کام کیسے چلے گا' دو ہفتے تو جیسے ہاتھ پاؤں جوڑ کر نکالے ہیں' آپ کو بھی پتا ہے "اسٹیج شو کا نام سنتے ہی تو یہ ساری ایسی بھاگتی ہیں جیسے وہاں مفت مٹھائی بٹ رہی ہو۔"
شاما کے سیاہی مائل چہرے پر سفید دانتوں کی چمک سی دوڑتی محسوس ہوئی تھی "سچ باجی نگینہ' کبھی مجھے بھی تو اسٹیج کا کام دلوائیں' بڑا دل کرتا ہے میرا بھی۔"
نگینہ کی الجھن پر دھیان دیے بغیر وہ بے وقوفانہ اشتیاق سے تھوڑی آگے ہو کر بیٹھی۔
نگینہ نے بے زاری سے اس کا ہاتھ اپنے گھٹنے پر سے ہٹایا "دفع کمبخت' یہاں دھندا چوپٹ ہوا جا رہا ہے "اس کے ارمان پورے نہیں ہو رہے۔ تو ہی اس قابل ہوتی کہ تھوڑا بہت سہارا بن جاتی تو پھر رونا کس بات کا تھا۔"
نانی ستارہ نے ایک گہری سانس اپنے اندر اتاری' عمر گزر گئی' مگر نگینہ کا لب ولہجہ "اس دو ٹکے والی کینٹگری کا رہا' جو آج بھی شاہی محلے کی گلیوں میں ذرا ذرا سی بات پر "ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوتی تھی۔
"اس ہفتے بھی لڑکیاں چلی گئیں تو پھر پورا ہفتہ صندل کو ہی بیٹھنا پڑے گا' یہ میں کہے دیتی ہوں۔"
"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا "لڑکیاں ملیں نہ ملیں' صندل وہی دو گھنٹے' ہفتے میں دوبار بیٹھے گی' جیسی بیٹھتی ہے' شاما کو بھیج کر بلالی اور سلیمان کو بلواؤ' وہ ہمارے بلاوے کو ٹالنے والی نہیں' پہلے بھی جب کہا "انہوں نے لڑکیاں بھیجیں اور لڑکیاں بھی قدرے تمیز قاعدے والی ہیں۔"
شاما نے اس بار اپنی مسکراہٹ پر کامیابی کے ساتھ قابو پایا لڑکیاں تمیز قاعدے والی ہوتیں یا نہیں۔ نانی کے سامنے ہر ایک ہی بڑا باادب بن کر بیٹھتا تھا۔
"صندل یوں ہی نکمی ہوتی جا رہی ہے' یہ بھی نہیں کہ ڈانس کی پریکٹس ہی زیادہ بڑھا دے' لمبی تان کر سوتی رہے گی' یا پھر آس پاس کی لڑکیوں کو اکٹھا کر کے وہی تھی تھی' جا کر اٹھا اسے شاما' دوپہر چڑھ رہی ہے۔"
نگینہ کے مسائل کبھی ختم نہ ہوتے' ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کیے جاتی' سب ہی اس کی عادت سے مانوس تھے۔
شاما بھی اطمینان سے سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔
"صندل باجی تو کب کی آپا گل ناز کی طرف بیٹھی ہیں۔ آج تو سویرے ہی اٹھ گئی تھیں' ناشتہ بھی ان ہی کے ساتھ کیا ہے۔"
"کیوں' وہاں کون سی برات اتری ہوئی تھی' جس کی چاہ میں یہ وہاں جا کر بیٹھی ہے' بلا کر لا فوراً۔" گئی کیسے یہ بغیر پوچھے اس طرف "اس الماس مہارانی کے تو پیروں میں مہندی لگی ہے' یہ زمانے بھر کی فارغ۔"
مارے غصے کے نگینہ کی آواز اونچی ہونے لگی۔ نانی نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔
"مجھ سے پوچھ کر گئی ہے صندل' آجائے گی تھوڑی دیر میں۔"
"کیوں بھیجا آپ نے' کر رہی ہو گی وہاں ان لوگوں کی خوشامد' وہ گل ناز تو چاہتی ہی ہے کہ "اس کی بیٹی' صندل سے آگے نکل جائے اور یہ بے وقوف میرے منع کرنے کے باوجود بھی۔!"
"سب سے بڑی بے وقوف تو خود تو ہے نگینہ!" نانی نے تاسف سے اس کی طرف دیکھا۔ "اپنی تنگ دلی پر قابو نہیں پا سکتی تو کم از کم اسے چھپانا تو سیکھ لے۔ کیا ظاہر کرتی ہے اس طرح اپنا غصہ ظاہر کر کے۔ دل دار جان کی بیٹیوں کا بائیکاٹ کر کے' یہی نا کہ ہم جل رہے ہیں "ان کی آسودہ حالی سے "ان کی ترقی سے "ایسے ہی گرے ہوئے ہیچ

فطرت ہیں ہم' ارے اپنی نہیں تو میرے ہی نام کی شرم کرلیا کر۔"

نگینہ چپ سی ہو گئی' ایسی بات نہیں تھی کہ اسے بالکل بھی احساس نہ ہو' کبھی کبھی خود بھی اپنے روّیہ پر شرم آتی تھی' مگر بس یوں ہی ذرا سی دیر کے لیے۔

جن تلخ حقیقتوں کا سامنا ساری زندگی کرتی آئی تھی' اس عمر تک آتے آتے' ساری شرم لحاظ اٹھنے کا سبب تھیں۔

"میں تو چلتی ہوں۔ آج پتہ نہیں واپسی میں کتنی دیر ہو' میلے کی شوٹنگ ہے۔ سمیر موتی والا تو دس بار ری ٹیک نہ کروالے تو اس کی تسلی نہیں ہوتی اور پھر یہ آج کل کی ہیروئنیں' سوائے بے ہودگیوں کے اور کچھ بھی سیکھ کر نہیں آرہی ہیں۔"

گیتی آرا ٹھیک اسی وقت کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ جب نگینہ اپنا آج کا مصروفیت بھرا شیڈول سنا رہی تھی۔ دل پر ٹھک سے ہی جیسے کچھ لگتا تھا۔

ماں کو اس عمر میں بھی' ایکسٹرا ڈانسرز کی آخری صف میں کھڑا دیکھنے کا تصور بھی' رگوں میں ٹھنڈک سی جماتا تھا۔

گو ساری عمر اس نے یہی کیا تھا' پھر بھی پتہ نہیں کیوں

"میں تو شکر کرتا ہوں کہ میری امی جلدی مر گئیں۔" خیام کی آواز بہت بار ایسے میں کانوں میں گونجی تھی اور دل شرم ساری کے ساتھ' اس سے متفق ہونے کی جرات بھی کرلیتا' اگر وہ ہر بار خود کو لعن طعن نہ کرتی۔

"محض ان لوگوں کی وجہ سے ہی نا!" وہی تھی جو اسے اور صندل کو پال پوس کو یہاں تک لے آئی تھی' ورنہ وہ تو خیام کی طرح یہاں سے تن تنہا بھاگنے کی ہمت بھی نہیں کرسکتی تھی۔

نگینہ جلدی میں تھی' گیتی کی طرف دھیان دیے بغیر اس کے پاس سے گزرتی باہر چلی گئی۔

"گیتی! کچھ چاہیے کیا بیٹا؟" نانی محبت سے پوچھ رہی تھیں' اس کے ہاتھ میں تھامے پین اور کاپی سے انہوں نے یہی اندازہ لگایا۔

"نہیں نانی! ادھر شور بہت ہو رہا ہے' اتنی لڑکیاں آئی ہوئی ہیں' الماس کے پاس۔" وہ سادگی سے کہتے ہوئے نانی کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"شاما کو بلواؤ' میں کہلوا دیتی ہوں کہ زیادہ شور نہ کریں۔"

"نہیں رہنے دیں' میں تھوڑی دیر یہیں بیٹھ جاتی ہوں۔" اس کے لہجے میں نہ خفگی تھی اور نہ ہی شکایت۔ وہ ایسی ہی تھی۔

گھر میں اگر نظر نہ آرہی ہوتی تو گھنٹوں اس کی موجودگی کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔ کتنی عجیب بات تھی۔

یہاں' جہاں عورت ساری عمر ایک ہی سبق پڑھتی ہے۔ ایک ہی گر سیکھتی ہے۔

وہ نہ کچھ سیکھی' نہ پڑھی۔

وہ یہاں کے لیے تھی ہی نہیں۔

کسی دیانت دار ہیڈ کلرک کے یا رزق حلال کماتے کسی چھوٹے سے کاروبار سے جڑے گھرانے میں پیدا ہو جاتی تو وہاں کتنی موزوں دکھتی۔

نانی کو اسے دیکھ کر ہمیشہ ایسا ہی لگا۔

"کیا دیکھ رہی ہیں؟" وہ ہلکے سے مسکرائی۔

"کچھ نہیں!" انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"نانی!" وہ ان کے قریب سرک آئی "کتنے دن ہوگئے خیام کو گئے' کوئی خبر دی ہی نہیں اس نے' ایک فون تو کر

ہی سکتا تھا نا۔"

"ہاں' اگر کرنا چاہتا تو۔" انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ خیام کا ذکر اب ان ہی دونوں کے درمیان رہ گیا تھا' وہ بھی جب کوئی تیسرا موجود نہ ہو۔

"ایسا تو نہیں تھا نانی' کچھ تو خیال تھا اسے... ہمارا۔" وہ میرا کہتے کہتے رکی تھی۔

نانی ستارہ نے گیتی کی جھکی ہوئی پلکوں کی طرف دیکھا' اس کی معصومیت سے اب انہیں خوف آنے لگا تھا' ایسا خوف جو خیام کی موجودگی میں انہیں کبھی بھی نہیں محسوس ہوتا تھا۔

گیتی کی تمام نااہلی کے باوجود انہیں خیام کے حوالے سے اس کی طرف سے بے فکری تھی' پر اب تو دور دور تک بھی کوئی آسرا دکھائی نہیں دیتا تھا۔

"اللہ مالک ہے۔" انہوں نے فقط اتنا ہی کہا تھا کہ نیچے گلی میں سے آتا ہلکا ہلکا شور' یک لخت ہی اچھے خاصے ہنگامے میں تبدیل ہوتا محسوس ہونے لگا۔ گاڑی کے ہارن' لوگوں کی بلند ہوتی آوازیں۔

شام ڈھلے' اس قسم کے ہنگامے' تو سمجھ میں آتے تھے پر اس وقت جب کہ محلہ پوری طرح جاگا بھی نہیں تھا' اس طرح کا ہنگامہ... معمول سے ہٹ کر تھا۔

باہر کی سمت والے آرائشی برآمدے میں' اس وقت کمرے کا دروازہ کھلا رہتا تھا۔ گیتی صرف اسے باہر جانے کے لیے استعمال کرتی تھی' وہاں رکنا یا باہر کے نظارے دیکھنا' اس نے ہمیشہ خود پر ممنوع ہی رکھا تھا۔

اسے ہمیشہ یاد رہتا کہ خیام کو اس حصے سے سخت نفرت ہے' وہ اس آرٹسٹک برآمدے کو اپنی شرم ناک پہچان کا بڑا واضح سمبل قرار دیتا تھا' مگر اس وقت جو غیر معمولی سا شور اٹھا' تو وہ بے ساختہ ہی دوڑتی ہوئی نانی کے کمرے سے نکل آئی۔ محرابوں والے برآمدے میں آکھڑی ہوئی' جہاں کاسنی نیٹ کے پردے' بڑی خوب صورتی کے ساتھ پڑے رہتے تھے۔

نیچے گلی میں لوگوں کا ہجوم تھا۔

ایک بڑی سی وین کے گرد لوگ اس طرح اکٹھے تھے' جیسے وہاں مٹھائی تقسیم ہو رہی ہو' ایک شخص ہاتھ میں مائیکروفون لیے' لوگوں سے کچھ پوچھ رہا تھا اور ایک ہاتھ سے آس پاس کے لوگوں کو خاموشی اختیار کرنے کا اشارہ بھی کر رہا تھا جسے کوئی بھی ماننے کو تیار نہیں تھا۔

شاید پبلک اوپینئن جاننے کا کوئی پروگرام تھا۔ کوئی کیمرہ وغیرہ تو نظر نہیں آرہا تھا' مگر گیتی بڑے اشتیاق سے یہ سارا تماشا دیکھے گئی' آس پاس کی ساری بالکونیوں اور کھڑکیوں میں سے چہرے جھانک رہے تھے' یہاں سب اس طرح کے کھیل تماشوں کے شوقین تھے' نگینہ شاما کے علاوہ' برآمدے کے انتہائی سرے پر' نانی دل دار والے حصے میں بھی ایک بھیڑ سی لگی تھی۔ گیتی کو چند منٹ میں ہی کسی عجیب سے احساس نے چونکایا۔

"کیا ضرورت تھی یہاں اس فضول تماشے کو دیکھنے کے لیے کھڑے ہونے کی۔" اس نے کچھ جھجک کر پیچھے ہٹنا چاہا' تب ہی اس کی نگاہ' وین کے کھلے ہوئے دروازے پر پڑی۔

وہ جو کوئی بھی تھا' اپنی سیٹ پر بیٹھا پورے دھیان سے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا' سارے ہنگامے سے مکمل بے نیاز' پل بھر کے لیے گیتی کی نگاہ اس سے ملی تو وہ مسکرا دیا۔

"کیا ہوا؟ خیر تو ہے؟"

نانی ستارہ نے تیزی سے واپس اندر داخل ہوتی ہوئی گیتی کو دیکھ کر' تھوڑی تشویش سے پوچھا۔ صرف وہی تھیں' جنہوں نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

"کچھ نہیں ایسے ہی۔ بس فضول۔" بے زاری سے سر جھٹک کر وہ پھر سے ان کی مسہری پر آبیٹھی۔

دل ابھی تک بڑے زور سے دھڑک رہا تھا۔ کیسی نگاہیں تھیں وہ جو پورے شدت کے ساتھ اپنا احساس دلا رہی تھیں' یا پھر اسے کبھی کسی نے اس طرح دیکھا ہی نہیں تھا' خیام نے بھی نہیں!
پوری دیانت داری کے ساتھ' اس نے اس اجنبی سی گھبراہٹ کا جواز ڈھونڈا' جو اسے گرفت میں لے رہی تھی۔

نانی کسی سے فون پر بات کرنے لگی تھیں' اور باہر کا ہنگامہ سرد پڑنے لگا تھا' وہ اسی طرح اپنی جگہ جمی بیٹھی رہی۔
"ریڈیو والے ہیں یا' ایک شور مچا کر رکھ دیا گلی میں' اب کہیں جا کر آگے بڑھی ہے ان کی گاڑی!"
نگینہ اندر آتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
اس کے پاس واضح معلومات تھیں "گلی کی پرانی خستہ حال عمارتوں پر پروگرام کر رہے ہیں' ہمارا تو ماشاءاللہ محل جیسا۔۔۔"
ناپسندیدہ ترین طبقے سے جڑی نگینہ کے پاس بھی فخر کرنے کے لیے بہت کچھ تھا۔

☆ ☆ ☆

خاندان والے ان کے گھر کا کم کم ہی رخ کرتے تھے' زیادہ قصور شاید ابا کے اصولوں کا تھا' جن سے اب اکثریت متفق نہیں تھی۔
ربیعہ کو ایسا ہی لگنے لگا تھا۔
اظہار چچا کے گھرانے کی خاندان میں مقبولیت بڑھ رہی تھی' ان کی دیکھا دیکھی بہت سے اور رشتے دار بھی ترقی کی اس راہ پر گامزن ہوتے جا رہے تھے' جس پر چل کر اظہار چچا نے کامیابی کا منہ دیکھا تھا۔
معاشی خوش حالی دھیرے دھیرے نہیں بلکہ حیرت انگیز طور پر زندگیوں کو منور کر رہی تھی۔
آپس کے ملنے جلنے میں بڑی واضح گروہ بندی ہوتی جا رہی تھی' اور ابا اس نئے سوشل سیٹ اپ میں کہیں بھی فٹ نہیں ہو پا رہے تھے۔
ربیعہ کو پہلے تو وہم تھا' مگر جب خاندان کی چند تقریبات میں انہیں صاف صاف نظر انداز کیا گیا تو اسے پورا یقین ہو چلا کہ گزرے کل تک جو لوگ بڑھ بڑھ کر ابا کی دیانت داری پر آفرین بھیجتے تھے' وہ اصل میں خود کتنے بڑے منافق ہیں۔
اسے اچھی طرح یاد تھا کہ دادا کے چھوڑے اس پرانے مگر بڑے سے گھر میں کتنے ہی رشتہ داروں نے اپنا مشکل وقت آسانی سے کاٹا تھا۔
ابا کی محدود تنخواہ کے باوجود گھر میں ایمان داری کی برکت تھی' نیتیں سیر اور دل کشادہ! علاج کی غرض سے دوسرے شہروں سے عزیزوں کا قیام۔
تنگی جگہ کا عذر لے کر کتنی ہی لڑکیوں کی شادی کا انتظام۔
کسی کو امتحان کی تیاری' تو کوئی یوں ہی۔
بو خالہ' جو کہ ابا کی سگی خالہ تھیں' اپنی عدت کرنے کے لیے خالو کے انتقال کے دوسرے دن یہاں آ گئی تھیں اور جس کی وجہ اس وقت یہ بتائی گئی تھی کہ دادی اور ان میں بے حد گہری محبت ہے' سالوں بعد جب اللہ کو پیاری ہوئیں' تب ہی اس گھر سے گئیں۔ وہ اور معاذ دونوں ہی اس وقت نو عمر تھے' معاملات کو سمجھنے کی نہ غرض تھی نہ پروا۔
بہت عرصے بعد بو خالہ کے انتقال کو بھی جب بہت دن گزر چکے تھے' تب ایک دن دادی نے اسے بتایا تھا کہ بو

لہ کے چار بیٹوں میں سے کسی کے بھی گھر میں ان کے لیے جگہ نہیں تھی اور خالو کے انتقال کے بعد وہ اپنے الکل چھوٹے سے گھر میں ایک دم ہی اکیلی ہو گئی تھیں' اسی لیے ابا انہیں فوری طور پر اپنے گھر لے آئے تھے۔ بعد میں ایک آدھ بار کچھ خیال آنے پر ان کے بیٹوں نے باری باری تین تین ماہ انہیں اپنے پاس رکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا' مگر تب بو خالہ نے سختی سے انکار کر دیا تھا۔
"میں نے بھلا دیا کہ میرے چار بیٹے ہیں' میرا تو صرف ایک ہی ہے اسلام' اسی کی ذمہ داری ہوں میں اور وہی پوری کرے گا!" انہوں نے بڑی بے اعتنائی سے اپنے بیٹوں کو جواب دیا اور پھر بڑی خوشی خوشی اپنی زندگی کا بقیہ وقت یہیں گزارا' پوری عزت اور وقار کے ساتھ۔
کبھی کبھی تو ربیعہ سوچتے سوچتے تھکنے لگتی تھی۔
ابا آخر کیسے شخص تھے۔
اتنی دردمندی' اتنی بے غرضی اور بے پایاں محبت نہ ستائش کی تمنا' نہ صلے کی پروا۔
ابھی جب پچھلے دنوں ہی وہ ان سے اس بات پر ہلکی سی ناراضی دکھا رہی تھی کہ' انہوں نے معاذ کے گیراج اسکول کے لیے کرسیاں خرید کر کیوں دیں' تو انہوں نے مسکراتے ہوئے ایک شعر پڑھا تھا۔

جن کا عمل ہو بے غرض
ان کی جزا کچھ اور ہے

پتہ ہے کس کا ہے ہمارے روحانی استاد علامہ اقبال کا!"
حالانکہ وہ نہ بھی بتاتے' تو وہ سمجھ جاتی' ابا کی زندگی کی ساری جدوجہد شاید اقبال کا مرد مومن بننے کے لیے ہی تھی تب ہی زندگی ان کے لیے آسان ثابت نہ ہو سکی۔
اپنے اصول قاعدوں کو لیے وہ کہیں پیچھے کھڑے رہ گئے۔ ان کی تقدیر نے انہیں کوئی بڑا فیور نہیں دیا۔
یا پھر وہ آپا دھاپی کے اس کھیل میں دوسروں کو دھکا دے کر راہ بنانے پر یقین نہیں رکھتے تھے' پیسے کی بنیاد پر لوگوں کو مراتب میں تقسیم کرنے سے انہیں آج بھی نفرت تھی' اور مشکوک ذرائع سے حاصل ہوئی دولت قطعی حرام۔
اس متوسط درجے کے خاندان میں ان کی شرافت کو بلاشبہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جا سکتا تھا۔
یہ فرق تو ابھی آنا شروع ہوا تھا' پچھلے کچھ سالوں سے اظہار چچا کی کایا پلٹ' بڑوں کے طے کردہ رشتوں سے انحراف' اور خاندان میں ان کا بڑھتا ہوا اثر رسوخ۔
ابا کو ان میں سے کسی بھی بات کی پروا نہیں تھی صرف وہی تھی جو سوچ سوچ کر اپنی جان گھلاتی تھی یا پھر دادی شریک غم تھیں۔
"دو میلاد اور ایک عقیقہ' دیکھیں تو ذرا' ہمیں فون تک نہیں کیا بلانے کا۔"
ربیعہ کو بڑا ملال ہو رہا تھا۔ کالج میں جویا کی زبانی ان تقریبات کے بارے میں سنا تھا اور سچ تو یہ کہ وہ خود بھی بڑی شوقین تھی اس طرح کی تقریبات میں شرکت کرنے کی۔
ایک جیسے گزرتے شب و روز میں کچھ تو تبدیلی آتی تھی۔
"اب کسی کو کیا الزام دینا' تمہارا باپ کسی سے بنا کر نہیں رکھتا' اچھے بھلے تعلقات بنا سوچے سمجھے بگاڑ لیتا ہے' اب اگر بہت سی باتوں کو خود جائز نہیں سمجھتا تو ضروری ہے کہ انہیں دوسروں کے لیے بھی حرام قرار دے' مگر وہ یہی کرتا ہے۔"
دادی کی سادہ لوحی' ابا کو درست سمجھنے کے باوجود ان سے خفا رکھتی تھی۔

"ابا کسی کو بھی کچھ نہیں کہتے ہیں دادی! لوگ خود ہی جو دل چاہے فرض کر لیتے ہیں اور پھر انہیں ابا سے منسوب کر دیتے ہیں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

دادی نے چشمے کے اوپر سے ربیعہ پر ایک گہری نگاہ ڈالی "ضروری نہیں ہے کہ منہ سے ہی کچھ کہا جائے کسی انسان کا عمل، طرزِ زندگی، جب دوسروں سے بالکل مختلف ہو تو پھر لوگ اس سے خائف ہونے لگتے ہیں انہیں لگتا ہے کہ وہ اس سے چھوٹے پڑ رہے ہیں کمتری کے احساس میں گھرنے لگتے ہیں۔"

ربیعہ نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

کتنی عجیب بات تھی کہ لوگ ابا کے سامنے احساسِ کمتری میں مبتلا ہوتے تھے، وہ جنہیں خاندان میں سب سے پیچھے تصور کیا جاتا تھا اور جن کا اکلوتا بیٹا، خاندان بھر کی نظر میں انتہائی نااہل تھا۔

عمر کے ساتھ شاید دادی کی حالات کو صحیح تناظر میں دیکھنے کی صلاحیت متاثر ہوئی تھی۔

اسے کچھ ایسا ہی لگا۔

"کئی دن سے اظہار نہیں آیا، ذرا فون کر کے پوچھو تو سہی، کچھ بھی ہے، وہ بے چارہ تو میری محبت میں آ ہی جاتا ہے اسلام اس سے ڈھنگ سے ملے نہ ملے مگر برا نہیں مانتا!"

ربیعہ ہلکے سے مسکرا دی۔

دادی کی سادہ لوحی ثابت تھی۔ وہ اظہار چچا، جو یہاں بڑی بے قاعدگی سے صرف اس لیے آتے تھے کہ اپنی فتوحات کی داستان سنانے کے لیے ان کا یہی سب سے پسندیدہ مقام تھا۔

دادی کو ان کی آمد بھی محبت کے زمرے میں محسوس ہوتی تھی۔

"شاکرہ چچی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، جویا بتا رہی تھی!" کالج میں جویا سے ملی مختصر خبر اس نے اتنے ہی مختصر الفاظ میں انہیں سنا دی۔

"کب سے خراب ہے، بتا تو دیتیں، میں فون کر کے ہی پوچھ لیتی، اظہار غریب بھی کیا سوچتا ہوگا کہ بھائی تو جیسے ہیں سو ہیں، تائی بھی نہیں پوچھتیں۔"

ربیعہ کی کوتاہی فوراً ہی پکڑ میں آئی۔

"آج ہی بتایا تھا جویا نے، آج کل وہ کالج کم آ رہی ہے تو ملاقات بھی۔۔۔"

"ظاہر ہے، جب ماں کی طبیعت خراب ہے تو وہ کیسے کالج آئے گی، ذرا نمبر ملا کر دو، پوچھوں تو سہی۔" ربیعہ کو اٹھنا پڑا۔

اظہار چچا کا فون خراب تھا یا کہیں لمبی بات چل رہی تھی، بار بار ملانے کے باوجود بھی، رابطہ ممکن نہیں ہو سکا۔

ابا کسی کام سے اس طرف آئے تو دادی نے ساری پریشانی ان کے بھی گوش گزار کی۔

"اچھا!" ان کے چہرے پر ہلکی سی پریشانی پھیلی۔ "اللہ خیر کرے، کہیں زیادہ طبیعت تو نہیں خراب ہے۔"

ربیعہ جو دادی کو اطلاع دے کر پچھتا رہی تھی، جلدی سے بولی۔ "نہیں ابا! آج تو جویا کالج آئی تھی، ایسی بات ہوتی تو وہ کیسے آ سکتی تھی، شاکرہ چچی کا بی پی اکثر ہائی ہو جاتا ہے بس وہی پرابلم ہوا ہے۔"

"بیماری تو بیماری ہی ہے اور بیمار کی عیادت کو جانا سنت، اب تو آج تو شام ہو رہی ہے، کل اتوار ہے، ناشتے کے بعد میں اظہار کے گھر ہو کر آؤں گی۔"

"ضرور چلی جائیے۔" ابا نے دادی کے پروگرام کی فوری تائید کی۔ "ربیعہ! تم اماں کے ساتھ چلی جانا۔"

"میں کیا کروں گی جا کر۔"

اس بار وہ واقعی گڑبڑائی۔ سلمان سے ٹوٹنے والے اپنے تعلق کو اس نے چاہے جتنا بھی سرسری طور پر لیا تھا

ان کے گھر جاتے ہوئے اسے ہمیشہ بڑی جھجک ہوتی تھی اور اب تو اور بھی زیادہ۔

"اماں کے ساتھ کسی کا جانا ضروری ہے، تمہاری امی پر آج کل کام کا بوجھ بہت ہے، تو بیٹا! مہربانی کر کے تم ہی چلی جاؤ، جویا تمہاری بہت اچھی دوست ہے، وہ بھی خوش ہو جائے گی۔"

ابا اس کے گریز کی اصل وجہ سمجھتے تھے، سلمان کی منگنی میں بھی انہوں نے جان بوجھ کر اسے بھیجا تھا اور اس وقت بھی وہ دانستہ اسے کونفس کر رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ربیعہ کے دل میں اس فضول سے حادثہ پر ذرہ بھر بھی کنفیوژن ہے تو وہ نکل جائے۔

"اظہار ویسے ہی مجھ سے خفا رہتے ہیں، تم جاؤ گی تو تمہارے ابا کی تھوڑی سی بچت ہو جائے گی۔" ان کا انداز ایسا تھا کہ ربیعہ ہنس پڑی۔

امی کو ان لوگوں کا پروگرام پتہ چلا تو انہیں فطری طور پر برا لگا۔

"میں تو ربیعہ کو سلمان کی منگنی پر بھی نہیں لے جانا چاہ رہی تھی، مگر آپ کے کہنے پر۔۔۔ اور اب تو کوئی تک ہی نہیں بنتی اور آپ تو خود ان لوگوں سے نہیں ملتے، دس جواز دیے تھے، سلمان کی منگنی میں خود نہ جانے کے۔"

"کبھی کبھی تو تم خاصا لاجواب کر دیتی ہو۔" ابا مسکراتے رہے۔ "میری لڑائی ذاتی نہیں ہوتی اصولوں پر ہوتی ہے لیکن اماں! عمر کے اس حصے میں ہیں کہ وہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہی خوش رہتی ہیں، خاندان، عزیز، پڑوسی ان کی زندگی میں بہت زیادہ اہم ہیں، سلمان کی منگنی پر وہ بڑی رنجیدہ رہی ہیں، حالانکہ اللہ گواہ ہے کہ ہم لوگوں کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑا، اب اچھا ہے، وہ جلد سے جلد بالکل نارمل لینے لگیں اس قصے کو۔"

ناممکن تھا کہ وہ کچھ کہتے اور امی متفق نہ ہوتیں، لیکن ربیعہ۔۔۔

"میری لاکھوں میں ایک بچی، کس بے دردی سے ٹھکرایا۔"

"پھر وہی گھسا پٹا رونا۔" ابا کا موڈ دفعتاً خراب ہونے لگا۔

"اور میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ یہ بات ان کی طرف سے نہ ختم ہوتی تو میں اسے خود ختم کر دیتا، مجھے ایسے گھر میں اپنی بیٹی نہیں دینی تھی، جو پیسے کے لالچ میں ساری اخلاقیات بھلا کر بیٹھا ہے، اللہ کا شکر ہے جو اس نے ربیعہ کو بچا لیا۔"

ان کے موڈ کے اس رنگ سے سب ہی گھبراتے تھے۔ امی نے بھی اپنا اعتراض ایک طرف لپیٹ کر رکھ دیا۔

اظہار چچا کے ہاں دادی اور ربیعہ بلا اطلاع پہنچی تھیں۔

گیارہ بارہ بجے کا وقت تھا۔

وہ لوگ ٹیکسی سے اتریں تو اظہار چچا باہر ہی کھڑے تھے ان لوگوں کو دیکھ کر خاصے حیران ہوئے، سلمان کی منگنی کے بعد یہ پہلی باقاعدہ آمد تھی، جو ربیعہ کے گھرانے کی طرف سے ہوئی تھی۔

"آپ نے کیوں تکلیف کی، مجھے کہتیں میں خود آ جاتا۔" وہ جو ہر بار اپنے گھر نہ آنے کا گلا زور و شور سے کرتے تھے اس وقت کچھ مختلف سے لگے۔

پورچ سے لاؤنج تک کے مختصر سے فاصلے میں ہی ربیعہ کو لگنے لگا کہ، وہ انہیں دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے پریشان ہو گئے ہیں۔

لاؤنج خالی تھا اور اندر سے شاکرہ چچی کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

"میں نے کوئی الگ سے چھپا کر رکھے ہیں جو میرے سر پر چڑھے۔۔۔"

"شاکرہ!" اظہار چچا نے بڑی تیزی سے آواز لگائی۔ "تائی اماں آئی ہیں اور ربیعہ بھی!"

اندر کمرے میں بڑی فوری خاموشی چھا گئی۔

ربیعہ تو ٹھٹک کر لاؤنج میں ہی رکنے لگی تھی، مگر دادی کا رتبہ اور رشتہ دونوں ہی اس طرح کے تکلفات میں نہیں پڑتا تھا، وہ سیدھی کمرے کے نیم وا دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔

"اوہ ربیعہ! رک کیوں گئیں، کتنی خوشی ہو رہی ہے۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کہ تم آئی ہو۔" سب سے پہلے تیزی سے کمرے میں سے جویا نکلی تھی اور لاؤنج میں کھڑی ربیعہ کے گلے لگتے ہوئے اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا جو اس کے الفاظ کی تائید کر رہا تھا۔

"ہاں، میں، بس، وہ، دادی کو شاکرہ چچی کی طبیعت کا بتایا تو پریشان ہو گئیں۔" تنی گرم جوشی پر وہ تھوڑا سا جھینپ کر بتانے لگی تو "جویا" "اچھا اچھا" کہتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی کمرے میں لے آئی۔

شاکرہ چچی سامنے ہی بیڈ پر بیٹھی تھیں اور وہیں دادی کے علاوہ سلمان بھی موجود تھا۔

"السلام علیکم سلمان بھائی!"

شاکرہ چچی کو سلام کر کے، وہ سلمان کی طرف مڑی۔

اس کے پرکشش چہرے پر بڑی ملائم سی روشنی جگمگاتی تھی اور جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تھی تو شاکرہ چچی اور سلمان دونوں ہی کی نگاہیں اس پر جم سی گئی تھیں۔

"کیسی ہو، بہت دن بعد آئیں ہمارے ہاں" خود کو سنبھالتے ہوئے سلمان بڑے مربیانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔ "نہ ہی معاذ آتا ہے اور نہ ہی اور لوگ۔"

"معاذ بڑا آدمی ہے، بے حد مصروف رہتا ہے، ہم لوگوں سے ملنے کے لیے وقت کہاں!" اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اظہار چچا بول اٹھے۔

طنزیہ بات کرنا ان کی عادت سہی، پھر بھی اس وقت جب کہ وہ لوگ ان کے ہاں ملنے آئے تھے، ایسے کرنا کچھ زیب نہیں دے رہا تھا۔

ربیعہ کو لگا جیسے اس سے زیادہ جویا کو برا لگا ہے، اس کی مسکراہٹ یک دم غائب ہوئی تھی۔

"زویا اوپر ہے، ہم لوگ بھی اوپر ہی چلتے ہیں۔"

اس نے دانستہ ربیعہ کو وہاں سے لے جانا چاہا مگر اظہار چچا کا خیال تھا کہ پہلے چائے پی لی جائے۔

"ٹھیک ہے تو پھر کچن میں ہی چلتے ہیں۔" جویا کے کہتے ہی ربیعہ اٹھ کھڑی ہوئی، سلمان کی خود پر جمی نگاہ اسے الجھن میں ڈال رہی تھی، دوسرے شاکرہ چچی کی گہری خاموشی بھی خاصی معنی خیز تھی۔

پتا نہیں ان کے گھر میں کیا چل رہا تھا، صاف لگ رہا تھا کہ وہ لوگ، بڑے غلط وقت پر ان کے گھر آئی ہیں۔

جویا جب چائے کے اہتمام میں لگی ہوئی تھی تو ربیعہ نے آہستہ سے اس سے پوچھ بھی لیا۔

جواباً وہ بے زاری سے سر جھٹک کر رہ گئی۔

"جویا! کچھ منگوانا تو نہیں ہے۔" سلمان پھر سے کچن کے دروازے میں آ کھڑا ہوا۔ "مہمانوں کی اچھی طرح خاطر کرنا چاہیے بھئی۔"

ربیعہ کو بے ساختہ ہی اس کی منگنی والا دن یاد آیا، جب وہ اسٹیج پر زوبیہ کمال کے پہلو میں بیٹھا خاندان والوں سے بے نیازی کے بھرپور مظاہرے میں مصروف تھا۔

"نہیں۔ کچھ نہیں منگوانا اور ربیعہ اور دادی کوئی مہمان نہیں ہیں جن کے لیے تکلفات کی ضرورت ہو۔"

جویا کو اس کا یہاں جما کھڑا ہونا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"اب بھلا یہ کس خوشی میں ربیعہ کے پیچھے پیچھے پھر رہے ہیں۔" اسے رہ رہ کر تاؤ آ رہا تھا۔

"آپ اپنے کمرے میں جائیں سلمان بھائی! میں وہیں چائے بھیج دوں گی۔" جویا کے صاف صاف کہنے پر بھی

شاید وہاں سے نہ ہلتا مگر اس کا موبائل بج رہا تھا۔
سلمان نے بڑی تیزی سے موبائل کے اسکرین پر نگاہ ڈالی ' آج بھی زوبیہ کا فون نہیں آیا تھا' یہ آفس کے کسی ساتھی کا نمبر تھا لیکن بات تو کرنی ہی تھی 'سلمان کو بھی وہاں سے ہٹنا پڑا۔
"سلمان بھائی کی منگنی کیا ہوئی ہے 'گھر کا سکون برباد ہو گیا ہے۔" جویا سے ضبط نہ ہو سکا۔
اتنا بڑا گھرانہ 'اتنا پیسہ 'سب سے بڑھ کر اپنی پسند' ربیعہ کی سمجھ میں جویا کی بات نہیں آئی تھی۔
"شادی کے جوڑے کی مالیت طے ہونا بھی ایک مصیبت بن گیا ہے' آپا گل پچاس ہزار سے ایک پیسہ زیادہ دینے سے منع کر رہی ہیں جب کہ سلمان بھائی لاکھوں کی باتیں کر رہے ہیں۔" وہ مختصر سے الفاظ میں اندر کی بات سنا رہی تھی' ربیعہ کی بالکل سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے کس قسم کا ردِ عمل ظاہر کرنا چاہیے' یہ ان کے گھر کا معاملہ تھا اور کسی کو بھی اس کے بیچ میں بولنے کی ضرورت نہیں تھی۔
"ہم لوگ بہت پریشر میں آ گئے ہیں 'مجھے تو صاف لگتا ہے کہ یہ کسی سزا کی ابتدا ہے 'جو کبھی ضرور ہی ملے گی۔"
جویا کے دل میں بڑا رنج تھا' ربیعہ سر نیچا کیے چائے کے کپ صاف کیے گئی۔
اپنے کمرے میں بیٹھے سلمان کو آج پھر اسی خسارے کا احساس ہوا جو ربیعہ کو دیکھ کر اپنی منگنی والے دن ہوا تھا' کچھ دیر کے لیے تو وہ اپنی بڑے ارمانوں سے کی گئی منگنی پر منڈلاتے مہیب سائے بھی فراموش کرنے لگا تھا۔
بلاشبہ ہزاروں میں ایک دکھتی ربیعہ 'جس کی ظاہری خوب صورتی کو اس کی پاکیزہ فطرت منور کرتی تھی۔ زوبیہ کے ساتھ آتی بے حساب آسائشیں کیا اتنی ہی زور آور تھیں۔
اس نے دیانت داری سے خود کو ٹٹولنا چاہا 'مگر اندر ایک عجیب سا خلا تھا' نہ سمجھ میں آنے والا کنفیوژن پیسے کی کبھی نہ ختم ہونے والی ہوس' خود غرضی 'کسی کو بھی بالکل نچلے درجے پر دیکھنے کی کمینی عادت سب ہی کچھ مل کر ساری مثبت خصوصیات کو کب کا رخصت کر چکے تھے۔
انسان کو پتا بھی نہیں چلتا اور بڑے غیر محسوس انداز میں وہ انسانیت کے درجے سے گرتا چلا جاتا ہے۔
ایک گہری سانس لیتے ہوئے سلمان نے بھی خود کو وہی تسلی دی جو اس کی فطرت کے عین مطابق تھی۔
"خالی شکل میں کیا رکھا ہے' زوبیہ کمال کا ساتھ اس بلندی پر لے جانے والا ہے 'جس کے بارے میں سوچ کر بھی دل دھڑکتا ہے۔"

☼ ☼ ☼
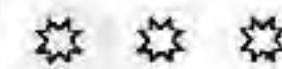
آپا گل ہکا بکا ہوئی بیٹھی تھیں۔
شریف گھرانہ 'خوش شکل 'تعلیم یافتہ' بر سر روزگار ان کی ساس ابھی ساری تفصیل دے کر فارغ ہوئی تھیں۔
اس روز کی سخت مجبوری میں کی گئی غیر حاضری سسرال والوں کے لیے بڑی نیک فال ثابت ہوئی تھی۔
آنے والے مہمان گھر والوں کی توقعات سے بڑھ کر اچھے نکلے تھے اور ستم یہ کہ جاتے جاتے اپنی پسندیدگی کا اشارہ بھی کر گئے تھے۔
"پڑھے لکھے شریف لوگ ہیں 'حساس اتنے کہ ماں بہن نے ثمرین سے بھی بس ہلکی پھلکی سی ہی بات کی' ورنہ تو لوگ لڑکیوں کا انٹرویو لے کر ہی ہلکان کر دیتے ہیں 'ذرا بھی خوف خدا نہیں آتا۔"
آپا گل کی ساس بڑی دردمندی سے کہہ رہی تھیں۔ دو بیٹیوں کی شادی کر چکی تھیں یہ دو باقی تھیں۔ بے چاری کئی بار دلوں کو دکھاتے مرحلوں سے گزر چکی تھیں۔
"میرا تو بہت دل خوش ہوا ان سے مل کر ورنہ لڑکے والوں کی رعونت تو آج کل آسمان کو چھو رہی ہے 'شریف

لوگ تو ڈرے سہمے بیٹیوں کو سمیٹ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔"
آپا گل کا سسرال والوں سے کینہ گو کسی سے بھی چھپا ہوا نہیں تھا' پھر بھی وہ سب نظر انداز کرنے پر مجبور رہتے اور اپنی طرف سے پوری کوشش کرتے کہ انہیں شکایت کا موقع نہ دیں۔
"آپ نے ہاں تو نہیں کر دی فوراً" لڑکے کی دیکھ بھال کروائے بغیر؟" آپا گل کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔
"نہیں۔ ایسے کیسے ہاں کر لیتی 'کوئی باقاعدہ رشتہ تھوڑی آ گیا ہے۔" ان کی ساس بڑی وضع دار خاتون تھیں۔ بہت زیادہ بولنے والی بھی نہیں تھیں' آپا گل ان کی دونوں خوبیوں کو ہی کمزوری سمجھ کر ہی حاوی ہوتی چلی گئی تھیں۔

"اچھا ہی کیا' اب میں کسی دن ہو کر آؤں گی ان لوگوں کی طرف' ذرا ہم بھی تو ان کا رہن سہن دیکھیں لڑکے سے ملیں' پھر دیکھیں گے۔" انہیں تھوڑا سا اطمینان حاصل ہوا۔
آج کل خود جتنی ٹینشن سے گزر رہی تھیں' اس میں سسرال والوں کی یہ خوشی انہیں اور بھی زیادہ چبھی تھی۔
"پتہ نہیں کیا چکر چلایا ہے' ضرور کسی تعویز گنڈے کا کمال ہے' جو لڑکے والوں کی آنکھوں پر پٹی بندھ گئی' مزاج نہیں مل رہے ہیں ہماری ساس کے تو' اور ثمرین تو اس قدر اترائی ہوئی ہیں کہ پوچھو مت۔"
فوری طور پر انہوں نے یہ اطلاع اپنے میکے میں ان ہی الفاظ میں پہنچائی جو ان کی فطرت کے عین مطابق تھے۔
مگر اس وقت فون پر دوسری طرف جویا تھی۔ آپا گل کے سسرال والے کیسے بھی سہی' اسے زیادہ تکلیف ہمیشہ بہن کی تنگ دلی پر ہوتی تھی' سو وہ غم کی اس گھڑی میں ان کا ساتھ نہ دے پائی۔
"ثمرین تو اچھی پیاری لڑکی ہے' کسی کو بھی پسند آ سکتی ہے آپا یوں ہی بے کار کے وہم نہ پالیں۔"
"کیا خاک اچھی ہے' یوں ہی ٹیپ ٹاپ ہے ساری اور تم کیا ثمرین ثمرین کہتی ہو' دس بار سمجھایا ہے ثمرین باجی کہا کرو' بڑی ہے تم سے۔"
جویا تک ان کی جھنجلاہٹ بخوبی پہنچی' سو وہ مسکراہٹ دبائے نہ چاہتے ہوئے بھی ان کی سنے گئی ٹوکنے پر وہ اور بھی زیادہ ناقابل برداشت ہو جاتی تھیں اور پھر فائدہ بھی کیا۔
اس عمر میں کون سی عادت بدلنے والی تھی' شاکرہ محلے میں گئی ہوئی تھیں' ہوتیں تو آپا گل کے دل کو راحت پہنچانے کا اخلاقی فرض ضرور ہی ادا کرتیں۔ تھوڑی ہی دیر میں انہوں نے بدمزہ ہو کر فون بند کر دیا۔
"خود زمانے بھر کی احمق' نہ اپنے لیے خود کچھ کرے گی اور نہ ہی کسی کو کرنے دے گی۔"
انہیں جویا کی طرف سے مایوسی گھیرتی تھی اور اب جب سے سلمان کی دھوم دھام سے ہونے والی عظیم الشان منگنی کے اثرات سامنے آنے شروع ہوئے تھے' تب سے تو دل کو جویا اور زویا دونوں کی طرف سے ہی فکر لاحق ہونے لگی تھی' ابھی تو صرف زوبیہ کو دیے جانے والے پیسوں کا پریشر تھا' کل کو اور نہ معلوم کیا کیا فرمائشیں اس طرف سے آ جائیں۔
انہیں تو اب دھڑکا سا رہنے لگا تھا۔
زویا تو چھوٹی تھی' پر جویا۔۔۔!
ان کی سوئی جویا پر ہی اٹکتی تھی۔
کاش یہ لوگ جو ثمرین کو پسند کر گئے ہیں' انہیں مل جاتے تو کتنا اچھا ہوتا۔
"جویا تو ثمرین کے مقابلے میں دس گنا اچھی ہے۔" کمرے میں تنہا بیٹھی' وہ مستقل ہی موازنہ کیے گئیں۔ میکے اور بہن بھائی سے ان کی محبت' خود غرضی کی حد کو پار کر چکی تھی یا سسرال والوں سے نفرت اچھے' برے کا احساس ختم کرنے کا سبب بنی تھی' جو ایک امکان اندر کہیں سر اٹھا رہا تھا۔

"بھابھی!" ان کی نند باہر سے آواز دے رہی تھی' وہ لوگ کبھی ان کے کمرے میں بلا اجازت نہیں آتی تھیں' پھر بھی آپا گل کو اس مداخلت پر ہمیشہ غصہ آتا تھا۔

"آ گئیں جاسوسی کرنے' فکر رہتی ہوگی نا کہ میں کیا کر رہی ہوں اندر' کوئی خزانہ تو نہیں دبا کر رکھا۔" بدگمانی گناہ کے زمرے میں بھی آنے لگتی ہے لیکن جانتے بوجھتے بھی انسان' دل کو صاف رکھنے کے ہنر سے آشنا نہیں ہوتا۔

"آ جاؤ!" آپا گل نے دفع ہو جاؤ۔" جیسی ٹون میں کہا۔

"امی بلا رہی ہیں آپ کو!" وہ اندر نہیں آئی' بس ذرا سا دروازہ کھول کر پیغام دیا۔

"میرے سر میں درد ہے۔" انہوں نے بنا کسی لحاظ کے جواب پکڑا دیا' وہ خاموشی سے واپس لوٹ گئی۔

"ہم سے تو نہیں ہوتی چاپلوسی' جو دل میں ہے' وہی زبان پر۔ کسی کو برا لگتا ہے تو لگے۔" انہوں نے اپنی بدلحاظی کو صاف گوئی کا نام دے رکھا تھا اور اس پر دھڑلے سے فخر بھی کرتی تھیں۔

اکیلے کمرے میں منہ باندھ کر بیٹھ رہنا ان کے مزاج کے خلاف تھا' لیکن سسرال والوں کو ان کی اوقات میں رکھنے کے لیے وہ خود پر یہ جبر کر ہی لیتی تھیں۔

وہاں ادھر گھر میں تسلمان نے اودھم مچا رکھا تھا' اس کا مسئلہ حل نہیں ہو رہا تھا' سو وہ جان بوجھ کر وہاں کم جا رہی تھیں' جو بھی ہدایت ہوتی فون پر جاری کر دیتیں' خوامخواہ بھائی کی نگاہوں میں برا بننا۔

وہ الو الو تھیں بھی اور نہیں بھی۔

شام تک بھی جب وہ باہر نہیں آئیں تو مغرب کی نماز پڑھ کر ان کی ساس خود چلی آئیں۔

"آ جائیں۔" آپا گل کو ذرا جو شرمندگی ہوئی ہو۔ وہ ان کی طبیعت پوچھ کر بیڈ کے ایک سرے پر اس طرح تکلف کے ساتھ ٹک کر بیٹھیں جیسے کوئی دور پرے کی ملنے والی ہوں۔

"لڑکے والوں کے گھر سے فون آیا تھا' وہ اپنے گھر مدعو کرنا چاہ رہے تھے' میں تم سے پوچھ کر دن بتانا چاہ رہی تھی۔"

وہ اپنے بلاوے کا سبب بتانے لگیں۔

"ابھی فون مت کر دیجیے گا' چند دن رک جائیں پھر بتائیں گے۔" آپا گل مڑ کر بے نیازی سے تکیے ٹھیک کرنے لگیں۔

"اچھا۔" وہ کچھ کہتے کہتے رکیں۔

بیچ میں جو ملنے والی خاتون تھیں' ان کا اصرار تھا کہ اب جب کہ لڑکے والے ثمرین کو پسند کر چکے ہیں' تو معاملے کو ٹالا بالکل بھی نہ جائے' لڑکے والے ان کے رشتہ دار تھے اور وہ ان کی پوری پوری ذمہ داری لے رہی تھیں۔

"اکبر سے پوچھ لو' جیسا وہ کہے۔" انہوں نے ہلکا سا اختلاف رائے کرنا چاہا۔

"آپ ہی پوچھ لیں پھر' میری بات تو ان کی سمجھ میں آتی نہیں ہے' کچھ کا کچھ مطلب نکالتے ہیں' میں بے کار میں ہی بری بن جاتی ہوں۔"

ماتھے پر بل لیے وہ اسی بے رخی سے کہہ رہی تھیں' جو انہوں نے اپنی سسرال کے لیے مخصوص کر رکھی تھی۔

"کیا پتا میرے جانے پر بھی اعتراض کریں' سو مجھے تو رہنے ہی دیں۔"

یہ آخری جملہ بہت سوچا سمجھا تھا اور اس کے اثرات سے وہ بخوبی واقف بھی تھیں۔

ثمرین کے رشتے کو بھول کر ساس انہیں منانے کی فکر میں پڑنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

مطلوبہ مارکیٹ کو ڈھونڈنے میں معاذ کو زیادہ مشکل پیش نہیں آئی۔

جس طرح گھنٹوں' وہ شہر کی سڑکوں پر موٹر سائیکل دوڑاتا پھرتا تھا' اس نے اس بے اندازہ پھیلے شہر کا کوئی کونا اجنبی نہیں چھوڑا تھا۔

ربیعہ تو صاف کہتی تھی کہ اگر پاکستان میں سیاحت کا اسکوپ روشن ہوتا' تو معاذ کراچی کی حد تک تو بہت کامیاب گائیڈ ثابت ہوتا۔

اس وقت یہی بے مقصد پھرنا بڑا کار آمد ثابت ہوا' مارکیٹ پرانی تھی۔

اور تمام پرانی مارکیٹوں کی طرح تجاوزات سے ڈھکی ہوئی مارکیٹ ڈھونڈنا' دردِ سری ثابت نہیں ہوا تھا' لیکن دکان نمبر 507 کو ڈھونڈنا آسان نہیں تھا۔ آگے تھڑوں پر جمی دکانوں' کیبنوں کے ہجوم میں وہ پوری مارکیٹ میں چکراتا پھرتا رہا' تب کہیں جا کر گوہر مقصود ہاتھ آیا۔

بالکل اندر کی طرف والی تنگ سی گلی میں' جہاں حبس کے مارے دم گھٹا جا رہا تھا' چھوٹی سی دکان میں ساجد پرانے کپڑوں کے ڈھیر میں سے معلوم نہیں کیا چھانٹی کر رہا تھا' وہ اپنے کام میں اتنا مصروف تھا کہ اس کو سامنے کھڑے معاذ کی موجودگی کا احساس تک نہیں ہوا۔

معاذ نے ایک نگاہ اس دکان کے اندرونی حصے پر ڈالی' جہاں چھت تک لگی بڑی بڑی بوریوں میں پرانے کپڑے اٹا اٹ بھرے ہوئے تھے اور ایسے ہی بڑے ڈھیر دکان کے فرش پر لگے ہوئے تھے' وہاں بمشکل دو لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ ساجد اس وقت یہاں اکیلا تھا۔

اور اس سنہری موقع سے فوری فائدہ اٹھانا ہی عقل مندی تھی۔

"ساجد!"

"جی!" وہ اس طرح چونکا کہ ہاتھ میں تھاما ہوا کپڑا اس کے ہاتھ سے چھٹ کر نیچے پڑے ڈھیر میں مل گیا۔

"یہ لو۔" معاذ نے جھک کر وہ کپڑا اٹھایا اور ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ساجد کو پکڑا دیا۔ وہ تھوڑا سا جھینپ کر مسکرا دیا۔

"کیسے ہو؟"

"ٹھیک ہوں بس۔" وہ کام چھوڑ کر اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

معاذ نے ایک ہی نظر میں دیکھ لیا تھا کہ وہ پہلے سے زیادہ کمزور ہو رہا تھا اور اس کی رنگت میں زردی نمایاں ہو رہی تھی۔

ساجد کی صحت کی خرابی یقیناً "اس ماحول کی دین تھی' جہاں آج کل اس کا زیادہ سے زیادہ وقت گزر رہا تھا۔

"سب لوگ کیسے ہیں' تم اب تو کافی پڑھائی ہو گئی ہوگی۔"

"معاذ بھائی! میری کتابیں آپ نے کس کو دیں؟" وہ بڑے اشتیاق سے ایک کے بعد ایک سوال کیے گیا۔ معاذ نے اس کے ایک ایک لفظ میں چھپی حسرت کو اپنے دل پر محسوس کیا۔

"سب ٹھیک ہیں اور تمہاری کتابیں بھلا کسی اور کو کیسے دی جا سکتی ہیں' وہ صرف تمہاری ہیں اور جب تم پڑھائی شروع کرو گے تو بہت جلد سب کچھ کور کر لو گے ان شاء اللہ!" اپنائیت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے معاذ نے اسے تسلی دینا چاہی' مگر وہ یکدم ہی اداس دکھائی دینے لگا۔

"میں کہاں آ پاؤں گا اب۔" ساجد کا سر خود بخود جھک گیا۔ "ابا بہت سخت ہیں معاذ بھائی! انہوں نے اماں کو بھی ایک دن مارا تھا' اس لیے کہ وہ مجھے پڑھانے کی تھوڑی سی حمایت کر رہی تھیں۔"

معاذ نے ایک ٹھنڈی سانس اپنے اندر اتاری۔

"تمہارے ابا کو ایک نہ ایک دن اپنی غلطی کا ضرور احساس ہوگا۔ وہ اپنی اس بے جا ضد پر ضرور شرمندہ ہوں

گے۔"

"پتا نہیں۔" ساجد کا لہجہ کھویا کھویا سا تھا۔
"ابا کی شرمندگی کا انتظار کرتے کرتے کہیں اتنی دیر نہ ہو جائے معاذ بھائی! کہ سب بچے اپنا کورس ختم کر کے یہاں سے چلے بھی جائیں۔"

اس کا خدشہ بے بنیاد نہیں تھا' معاذ بھی شاید لاجواب ہو جاتا پر وہ' تیرگی میں ننھا سا دیا روشن کرنے کی جس خواہش کو لے کر چلا تھا' وہ نہ مایوس ہونے دیتی تھی اور نہ ہی امید کا سرا ہی ہاتھ سے چھوٹتا تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا' میں تمہارے مالک سے بات کرنے آیا ہوں اور تمہارے ابا سے بھی' جو مزدوری تمہیں یہاں روز مل رہی ہے' ہم اس کا ڈبل تمہارے ابا کو ان دنوں کا دیں گے' جب تم پڑھنے کے لیے ہمارے پاس آؤ گے۔"

"سچ!" ساجد کی معصوم آنکھوں میں پل بھر کو روشنی سی جاگی۔ "ابا بہت پیسے مانگ لیں گے آپ سے' وہ بہت ــــ لالچی شخص ہیں!"

اس نے بہت جھجکتے ہوئے' باپ کے لیے لالچی کا لفظ استعمال کیا اور اپنی بات ختم کر کے ایسے نگاہ نیچی کی جیسے اس سب میں وہ خود ہی قصوروار ہو۔

"تم فکر مت کرو یار!" معاذ کو اس پر بہت پیار آیا۔
"ہم نے کر لیا ہے نا انتظام' تم مجھے اپنے ابا اور مالک سے ملوا دو' ان سے اجازت لے کر ہی تمہیں لے کر جاؤں گا۔"

ساجد کے معصوم چہرے پر امید و بیم کی سی کشمکش تھی' وہ خوش ہونا چاہتا تھا' مگر کوئی چیز اندر سے اسے روکے ہوئے تھی۔

"میں بہت پڑھنا چاہتا ہوں معاذ بھائی!" یہ گھٹی ہوئی تنگ دکان' جہاں پرانے کپڑوں کی مخصوص مہک اتنی تیز تھی کہ معاذ کو خود سانس لینا مشکل ہو رہا تھا' ساجد کے اعصاب پر کس طور اثر انداز ہوتی ہوگی' معاذ کو سوچتے ہوئے بھی تکلیف ہو رہی تھی۔

"کہاں ہے دکان کا مالک' کسی کام سے ــــ!" وہ جلد سے جلد اس کام کو نمٹا لینا چاہتا تھا۔
ساجد کی معصومیت' اس کا شوق اور سب سے بڑھ کر وہ حالات' جن میں لاکھوں اسٹریٹ ورکر بچے' دن رات معاشرے کی بے حسی کا شکار ہوتے ہیں' سوچو' سمجھو تو خود سے نگاہ ملاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔

"ابھی آپ یہاں سے چلے جائیں معاذ بھائی! میں تھوڑی دیر بعد باہر آ کر آپ سے ملتا ہوں۔ یہ لوگ بہت جھگڑالو ہیں' بات بات پر غنڈہ گردی پر اتر آتے ہیں۔"

اپنی جذباتی سی کیفیت سے نکل کر ساجد یکدم ہی پریشان ہونے لگا۔
"اس حصے میں ان ہی کا قبضہ ہے' ساری دکانیں ایک ہی گروپ کی ہیں' بہت دھندے ہیں یہاں ان کے اور سب اسلحہ بھی رکھتے ہیں۔"

معاذ کی سمجھ میں آنے لگا کہ وہ اتنا خوف زدہ کیوں ہے' شہر میں چھوٹے چھوٹے ان گنت پر شر گروپ' امن عامہ کے لیے مسئلے کھڑے رکھتے ہیں۔

"تمہارے ابا کو پتا ہے یہاں کے ماحول کے بارے میں؟"
"سب پتا ہے' ان کے تو خاص دوست ہیں' یہ کہتے ہیں کہ یہاں تو سب سے زیادہ محفوظ رہے گا۔"
معاذ کا سر پیٹ لینے کو دل چاہا۔

محض تھوڑے سے پیسوں کی خاطر' ایک باپ اپنے بیٹے کو اتنے خراب ماحول کی نذر کر سکتا ہے' جو انجام کار اس کی مکمل تباہی کا سبب بنے گا۔

"میں کہیں نہیں جا رہا' یہیں بیٹھ کر ــــ" معاذ کی بات پوری بھی نہیں ہو سکی تھی کہ اس نے سامنے کھڑے ساجد کی آنکھوں میں پھیلتی خوف کی تحریر کو گہرا ہوتے دیکھا۔

"کون ہے تو' یہاں کیوں گھسا کھڑا ہے؟" کسی نے بے حد سختی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی طرف گھمایا۔

معاذ بمشکل ہی خود کو بیلنس کر سکا۔
سامنے کھڑا شخص بے حد تنومند تھا اور اس کے ساتھ دو تین لوگ اور بھی تھے' ان کے چہروں پر پھیلی کرختگی ساجد کے بیان کی سو فیصد تائید کر رہی تھی۔

"میری بات سنیں بھائی صاحب! میں یہاں لڑنے نہیں آیا ہوں۔"
ان کا ارادہ بھانپ لینے کے باوجود اس نے ایک کوشش کرنا چاہی مگر سب سے آگے کھڑا شخص اس کا گریبان پکڑ چکا تھا۔

"یہ وہی ہے' لڑکے کو لینے آیا ہے' ہمت دیکھو' یہاں بھی چلا آیا۔" ایک بے حد زوردار تھپڑ اس نے اپنی بات کے ساتھ معاذ کے چہرے پر رسید کیا تھا۔

بغیر دیکھے معاذ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے چہرے کی کھال پھٹ گئی ہے۔
"معاذ بھائی کو مت مارو۔" ساجد بے تابانہ چیخا تھا مگر ان میں سے ایک نے اسے بڑی بے رحمی کے ساتھ زور سے دھکا دیا۔

"پاگل ہو گیا تم لوگ' چھوٹے سے بچے کو ــــ۔"
معاذ نے اس شخص کے ہاتھ سے اپنے کالر کو چھڑانا چاہا' تب ہی کوئی بھاری چیز بہت طاقت سے اس کے سر کے پچھلے حصے پر لگی۔

چند لمحوں کے لیے سارا منظر' سارے چہرے' معاذ کو پھیلتے ہوئے محسوس ہوئے اور بس ...
"آگے اس بند دکان کے آگے ڈال دو' کوئی بھی فون کر کے اطلاع کر دے گا' اتنا سبق کافی ہے اس کے لیے۔"
وہی جس نے معاذ کا گریبان پکڑا تھا' سرسری سے انداز میں کہتے ہوئے آگے چلا گیا۔
مارکیٹ کی انتہائی پچھلی سمت کی یہ گلی نسبتاً سنسان تھی' اور یہاں کی دکانیں گودام کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔

معاذ کو گھسیٹتے ہوئے' آگے بڑھتے ہوئے ان میں سے ایک پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے ساجد کی طرف مڑا۔

"تو اپنا کام کر اور خبردار جو کسی سے بلا ضرورت بات کی' ابھی تیرا باپ آئے گا تو سمجھے گا اچھی طرح۔" وہ یوں ہی ساکت اپنی جگہ بیٹھا رہا۔

اس طرح کے جھگڑے معمول کا حصہ تھے اور وہ بھی اس سب کو دیکھنے کا عادی ہو چکا تھا۔
پھر بھی اس کی ایک آنکھ سے آنسو کی پتلی سی لکیر گال کو گیلا کر رہی تھی۔
"معاذ بھائی!"
ساجد کے لبوں سے جیسے کوئی سسکی ابھری۔

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

خیام کا تعلق اسی دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد نازو نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے، جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھالاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار، لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے، زیورات کے ساتھ قیمتی آراکی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید دھچکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسہ ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں۔ جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو رفاہی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعاگو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں، سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کردی، جس پر سب کو صدمہ ہوا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً "مطمئن" ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔
زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً "سخت مزاج" ہے۔

۸
آٹھویں قسط

ہوا ساکن تھی۔
اور ماحول پر عجیب دم گھونتی سی کیفیت۔
لاؤنج سے باہر نکل کر جویا نے ایک گہری سانس لی، مگر مجال ہے جو دل پر پڑا بوجھ ذرا بھی کم ہوا ہو۔
"یا اللہ! بس خیر کی خبر ہی سنانا!" کل سے کتنی ہی بار یہ دعا مانگی تھی۔
معاذ کے اسپتال میں ایڈمٹ ہونے کی خبر تو پچھلی رات ہی کو مل چکی تھی۔ مگر خیریت پوچھنے کے لیے یہاں سے دور کنی وفد آج دوپہر کو گیا تھا۔
بیچ کا سارا وقت معاذ کے پراسرار ایکسیڈنٹ کے بارے میں خاندان بھر سے معلومات اکٹھے کرنے میں گزرا تھا۔
وہ کہیں زخمی حالت میں پایا گیا۔ کسی نے رحم کھا کر اسپتال پہنچایا۔ اور جیب میں پڑے کسی کاغذ پر لکھے نمبر سے گھر والوں کے ساتھ رابطہ ممکن ہوسکا۔
یہ تھی وہ مختصر تفصیل، جس میں کوشش کے باوجود بھی اضافہ ممکن نہیں ہو رہا تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ ہنوز بے ہوش تھا۔
معاذ زخمی کیوں ہوا؟
دشمنی کی وجہ کیا تھی؟
پیسے پر جھگڑا ہوا یا کسی لڑکی کا چکر تھا؟ اپنے گھر سے اتنی دور آخر وہ کرنے کیا گیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔
نے سنائے قصے میں اتنے سارے کیا، کیوں اور کیسے تھے کہ دماغ چکرایا جا رہا تھا۔ کوئی سرا ہاتھ آ کر ہی نہیں دے رہا تھا۔ پھر بھی ابرار چچا، شاکرہ اور سلمان تینوں میں سے ہی کوئی نہ کوئی ہر تھوڑی دیر میں اعلان ضرور ہی کرتا کہ "ہمیں تو پہلے ہی پتہ تھا کہ آج نہیں تو کل معاذ کی بری سوسائٹی ضرور رنگ لا کر رہے گی۔"
اپنے اندازوں کی درستگی پر ان کے چہرے خوشی سے چمکنے لگے۔
ان میں سے کسی کو ایک بار بھی معاذ کی سلامتی کی فکر نہیں ہوئی۔
جویا اتنی فکر مند تھی کہ اسے ان کی سخت دلی پر حیرت بھی نہیں ہوئی تھی۔ باوجود کوشش کہ ربیعہ سے رابطہ

نہیں ہو پایا تھا۔ وہ اسپتال میں تھی یا کیا۔۔۔ بیشتر وقت ان کے ہاں فون بجتا رہا تھا۔
وہ بار بار پر امید نگاہوں سے ان سب کی طرف دیکھتی رہی کہ شاید اب وہ لوگ اسپتال جانے کا نام لیں لیکن یہاں کسی کو جلدی نہیں تھی۔
آج سلمان کو زوبیہ کو چیک دینے کے لیے جانا تھا۔ سو اس کی تو ساری دلچسپی اس رقم پر تھی جو اس چیک پر لکھی جانی تھی۔
تو اس کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔
اللہ اللہ کر کے وہ گھر سے نکلا تو معاذ کو پوچھنے جانے کی کرلسی نبھانے کے لیے وہ لوگ بھی گھر سے نکلے۔ جویا اب کافی دیر سے ان ہی کی واپسی کی منتظر تھی۔ اسپتال میں اتنی دیر رکنے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں تھی یہ لمحہ لمحہ بڑھتا وقت فکر میں اضافہ ہی کرتا جا رہا تھا۔
"اللہ میاں جی پلیز!" اس نے نم ہوتی آنکھوں کو خشک کیا۔
اس پرہنگامہ شہر کے ایک بڑے اسپتال کے ٹھنڈے، خاموش، آئی سی یو میں زمانے بھر سے بے خبر معاذ موجود تھا۔
چہرے پر آکسیجن ماسک، اور جسم میں داخل ہوتی سوئیوں کی چبھن!
جویا کے چشم تصور میں یہی ایک منظر ٹھہرا، اور ایک ناقابلِ بیان تکلیف کا تسلسل وہ حقیقت میں جھیل رہی تھی۔
کاش وہ تھوڑی سی ڈھیٹ بن کر خود بھی ساتھ چلنے کی ضد کر لیتی۔
اپنی روایتی شرم اور جھجک اسے پہلی بار بے حد بری لگ رہی تھی۔ حالانکہ وہ ایسا کر بھی لیتی تب بھی کوئی اسے وہاں لے جانے والا نہیں تھا۔
چھوٹے سے پورچ کی طرف اترتی سیڑھی پر وہ بڑے تھکے تھکے سے انداز میں بیٹھی تھی۔
کتنی ہی دیر گزری!
تب ہی اسے گیٹ پر ہونے والی کھٹ پٹ نے اپنی طرف متوجہ کیا۔
شاید امی اور ابو واپس آئے ہیں۔ وہ یہی سوچ کر تیزی سے اٹھی اور بیل بجنے سے پہلے ہی گیٹ بھی کھول دیا۔
گیٹ کے ساتھ ہی لگے کھڑے رکشہ سے آپا گل اور ان کی چھوٹی بیٹی اتر رہی تھیں۔
"میں نے بیل بھی نہیں بجائی اور تم نے دروازہ بھی کھول دیا۔ اس طرح تو خدانہ کرے کوئی بھی اندر آسکتا ہے۔"
وہ اندر آتے ہوئے اس کی بے احتیاطی پر ناراض ہو رہی تھیں۔
بات تھی بھی ٹھیک۔
"میں سمجھی امی وغیرہ آگئے ہیں، اسی لیے۔۔۔!" شرمندہ سی ہو کر جویا صفائی دینے لگی تو انہوں نے بے نیازی سے سر کو خفیف کی جنبش دی۔
"وہ لوگ تو راحت آپا کے ہاں بیٹھے ہوئے ہیں ان کی بیٹی کی شادی کی مووی دیکھ رہے ہیں۔ ختم ہو گی تو آئیں گے۔ تھوڑی دیر پہلے ہی میری بات ہوئی تھی۔"
"جی۔۔۔" جویا کو لگا جیسے اس نے ٹھیک سے سنا ہی نہیں۔
"بڑی دھوم دھام سے شادی ہوئی راحت آپا کی بیٹی کی۔ مووی بھی بہت اچھی ہو گی۔ میں نے تو امی سے کہا ہے

کہ اگر وہ گھر لانے کے لیے دے دیں تو لیتی آئیے گا۔ یہاں سب مل کر دیکھیں گے مزا آئے گا۔"
ہلکا سا بھی فکر و تردد تو دور کی بات وہ تو شاید معاذ کے ساتھ پیش آنے والے حادثے سے بھی بے خبر تھیں۔ گھر میں ہمہ وقت سلمان اور زوبیہ کا مسئلہ ہی گردش میں رہتا تھا۔ شاید کہیں کسی نے بتایا ہی نہ ہو۔
یہی سوچ کر اس نے وہ منحوس خبر جو کل سے دل کو مٹھی میں لیے رہی تھی انہیں بھی سنانی چاہی۔
"گھر سے تو وہ لوگ اسپتال کے لیے نکلے تھے۔ معاذ کے ساتھ بہت برا حادثہ...!"
ان کی تیز نگاہوں کے سامنے معاذ کا نام لینا بھی دشوار ہوتا تھا۔ پر اس وقت وہ جتنی ٹینشن میں تھی بڑی روانی سے کہہ رہی تھی۔
"ہاں ہاں خبر ہے مجھے برا ہوا کیا۔ اپنے کیے کی سزا ہے۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔"
موت و زندگی کی کشمکش میں پھنسے ایک شخص کے لیے ان کے پاس ذرا سی بھی ہمدردی ذرا سی بھی رعایت نہیں تھی۔
"سارا خاندان ایسے ہی تو نہیں کہتا تھا کہ معاذ بالکل ہاتھوں سے نکل چکا ہے۔ لیکن اسلام چچا خود اسے شہہ دیتے تھے۔ اب کیوں سر پکڑ کر بیٹھے اسپتال میں میں تو شکر کرتی ہوں کہ سلمان نے زوبیہ کو پسند کر کے ہماری جان چھڑا دی ان لوگوں سے۔"
جویا کے حلق میں کچھ پھنسنے لگا۔
ویسے تو معاذ کے لیے کبھی بھی گھر میں کلمہ خیر نہیں کہا جاتا تھا۔ مگر اس وقت بھی!
اسے سخت شرم آئی۔
ان پر بھی اور خود پر بھی جو ان ہی میں سے ایک تھی۔
"تھوڑی سی دیر کے لیے اسپتال میں حاضری لگا کر امی ابو تو راحت آپا کے ہاں چلے گئے۔ ان کا گھر قریب ہی ہے وہاں سے۔ اچھا کیا نا' وہاں تو ایک رونا پیٹنا مچا ہو گا۔ امی کی طبیعت خراب..."
"اللہ نہ کرے۔" بے ساختہ ہی وہ ان کی بات کاٹ گئی۔
آپا گل نے ذرا غور سے جویا کے چہرے کو دیکھا۔
"تمہیں کیا ہوا ہے جو چہرہ پیلا پڑ رہا ہے۔"
"کچھ نہیں' مجھے کیا ہونا ہے۔"
ان کی کھوجتی نگاہوں سے اس وقت وہ خائف بھی نہیں ہوئی تھی۔
آپا گل نے اس کے انداز میں کچھ الگ سا محسوس کیا۔
"دیکھو جویا!" وہ صوفے پر اس کے نزدیک سرک آئیں۔ "بہن ہوں تمہاری اور تمہارے لیے اچھا برا سوچنا میرا فرض ہے اور تمہیں سمجھانا بھی۔"
لبوں کو آپس میں سختی سے پیوست کیے جویا یوں ہی بے تاثر سا چہرہ لیے بیٹھی رہی۔
"حقیقت پسند بنو۔ زندگی جذباتیت کی نذر کرنے کے لیے نہیں' سلمان سے سبق لو کیسے فرش سے عرش پر چھلانگ لگائی ہے اس نے' ورنہ ساری زندگی بھی کماتا تو اس کا ایک حصہ بھی نہیں کما سکتا تھا۔ جو اس کو اب حاصل ہونے والا ہے۔"
"آپ کے بچے کہاں ہیں آخر؟" جویا کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔
کمال کی لاتعلقی تھی اس کے انداز میں!
"میں جو کچھ تم سے کہہ رہی ہوں...." آپا گل کا دل جل کر خاک ہوا۔
سامنے کمرے سے زویا نکل کر آ رہی تھی۔ اور پیچھے پیچھے آپا گل کے بچے

"ان لوگوں کو تو اپنے گھر ہی چھوڑ کر آیا کرو آپا! ذرا جو تمیز ہو' ابھی تھوڑی دیر پہلے سوئی تھی اٹھا دیا لے کر۔"
زویا سخت غصے میں تھی اور زویا کے پیچھے بچے ڈھٹائی سے ہنسے جا رہے تھے۔
"زویا خالہ کے کان میں زور سے آواز دی تھی اور تو کچھ نہیں کیا۔"
"ذرا تنی سی بات' بچوں کی شرارت سے تو خوش ہوا جاتا ہے' تم بے کار میں ناراض ہو رہی ہو زوئی!" آپا گل نے مسکراتے ہوئے' بچوں کی طرف دیکھا۔
زویا کے غصے کو انہوں نے بڑی عمدگی سے نظر انداز کیا تھا ورنہ سسرال میں تو کسی نے ایک لفظ ان کے بچوں کو کہا نہیں اور انہوں نے وہ خبر لی کہ اگلے کئی دن کے لیے خاموشی چھا جاتی۔
بہنوں کی بات اور تھی' دل پر تھوڑی لگائی جا سکتی تھی۔ زویا جو ابھی اتنے غصے میں تھی تھوڑی ہی دیر بعد ان ہی بچوں کے نخرے اٹھاتی دکھائی دینے والی تھی۔
اصل فکر جویا کی تھی۔
جس رویے کا وہ مظاہرہ کرتی تھی' وہ تشویش میں مبتلا کرتا تھا۔
انہوں نے دنیا دیکھی تھی۔
جویا کی آنکھوں میں لکھی تحریر وہ بخوبی پڑھ رہی تھیں۔ لیکن دانستہ کھل کر بات نہیں کر رہی تھیں۔
اس عمر کی جذباتیت کتنی بھی بے وقوفانہ سہی ہوتی شدید ہی ہے۔ ذرا سی مخالفت پر کبھی نہ ٹوٹنے والی ضد پر اتر آتی ہے۔
وہ جویا کو اس اسٹیج تک نہیں لے جانا چاہتی تھیں۔ جو کچھ بھی تھا یہاں یکطرفہ ہی تھا۔
معاذ جیسے بے حس لڑکے سے اس قسم کا کوئی خدشہ نہیں تھا سو صد شکر تھا۔
جویا کا علاج معاذ کی بے اعتنائی کے ہاتھوں ہی ہونا تھا۔
انہیں یقین تھا کہ اس کی طرف سے لاتعلقی کے دو چار جھٹکے لگے تو جویا کے سر سے یہ سودا ہمیشہ کے لیے نکل جائے گا۔
تب تک وہ بھی اس کے لیے کوئی بہترین رشتہ ڈھونڈ ہی لیں گی۔ اور کیا پتہ اس سے پہلے ہی۔
"بات تو سنو میری!" انہوں نے ہاتھ پکڑ کر اسے دوبارہ اپنے پاس بٹھایا۔ "کل وہاں بھی تو ہم گئے تھے جہاں سے ثمرین کا رشتہ آیا ہے۔"
"تو ثمرین کا ہونے والا سسرال کیسا ہے نا...." جویا نے بے زاری سے ان کی تصحیح کی۔
"سسرال کیسے ہو گیا ابھی سے اور خدا نہ کرے جو ہو۔" "نہیں بے حد برا لگا تھا۔
"اتنا خوبصورت گھر اور لڑکا تو اتنا اچھا کہ بس پہلی ملاقات تھی مگر پتہ ہی نہیں چلا کہ پہلی بار مل رہے ہیں۔"
ان کا تعریفی سلسلہ دراز ہونے لگا۔ جویا بمشکل خود پر ضبط کیے ہوئے تھی۔
معاذ کی حالت کے بارے میں کوئی اچھی خبر کل سے اب تک ایک بار بھی سننے میں نہیں آئی تھی۔
اس کے سر کے پچھلے حصے میں لگی چوٹ کی نوعیت بھی صحیح طور پر معلوم نہیں ہو سکی تھی۔
مگر اس کی کئی گھنٹے کی بے ہوشی تشویشناک تھی۔
ساری رات وہ ایک منٹ نہیں سو سکی۔
عبادت اور دعاؤں کا یہ طویل سلسلہ اس سارے وقت میں چلتا رہا جب باقی گھر والے اس چٹ پٹی خبر پر سیر حاصل تبصرہ کر کے نیند کے مزے اڑا رہے تھے۔
"لڑکے کا قد ہو گا کوئی چھ فٹ سے بھی نکلتا ہوا۔ اور مسکراتے ہوئے ایسے ہی ڈمپل پڑتے ہیں جیسے شاہ رخ خان کے۔"

آپا گل کی آواز کانوں میں آگ لگا رہی تھی۔
"کاش کوئی ان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر انہیں چپ کرا سکے۔" جویا نے بڑی شدت سے خواہش کی۔
وہ شاید اس کی خاموشی سے ہی شہ لے رہی تھیں۔
"میرے سسرال والوں سے تو اللہ بچائے۔ انہیں تو کوئی تیز طرار لوگ ملیں تو دل کو سکون ہو۔"
"جیسے ہم لوگ مل گئے۔ ٹھیک ہے نا۔" زویا چائے کی ٹرے لیے آ رہی تھی ان کی بات سن کر بولے بغیر نہیں رہ سکی۔
آپا گل کی چلتی ہوئی زبان کو بریک لگا۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔
"بات تو ٹھیک ہے۔ میں نے بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ اب تو سب سیدھے ہو چکے ہیں میرے ساتھ۔"
"ویسے ہمارے ہاں تو یہی ٹرینڈ سیٹ ہو رہا ہے۔ بھائی کی سسرال بھی کیا کم ہے۔ زوبیہ بھابی تو آتے ساتھ پہلے ہی سیدھا کر چکی ہیں ہم سب کو۔"
زوبیہ، آپا گل کی دکھتی رگ بن چکی تھی۔
جس طرح وہ ابھی سے سلمان پر حکومت کرتی دکھائی دے رہی تھی اور کھلے عام من مانی کر رہی تھی۔ ان کے لیے تو خاصی بے عزتی کی بات تھی۔ اس وقت بھی ان کے چہرے پر سرخی سی چھانے لگی۔
"وہ تو سلمان کی بے وقوفیوں کی وجہ سے سر پر چڑھ رہی ہے۔ ورنہ ایسی بڑی چیز بھی نہیں کہ۔۔۔"
معلوم نہیں وہ اب تک زوبیہ کو سمجھنے میں ہی غلطی کرتی چلی آ رہی تھیں۔ یا خود پر انہیں ضرورت سے زیادہ بھروسہ تھا۔
زویا ان سے مستقل ہی بحث کیے جا رہی تھی۔ خاموش وہ بھی نہیں تھیں۔
ایک کے بعد ایک جواب۔
جویا خالی خالی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھے گئی اس کے انداز میں بڑی غیر معمولی لاتعلقی تھی۔
کسی بھی گھڑی کچھ برا ہو جانے کا خوف دل سے نہیں ہٹتا تھا۔
آپا گل کے بچے کارپٹ پر بیٹھے چائے میں بسکٹ ڈبو ڈبو کر کھا رہے تھے۔ ان میں سے کسی کا ہاتھ چائے کے کپ کو الٹ گیا۔
تب ہی یکدم اٹھنے والے ادھم میں فون کی گھنٹی بجنا شروع ہو گئی۔
"کیا مصیبت ہے بھئی؟" زویا جھنجلاتی ہوئی بچوں کو چھوڑ کر فون کی طرف بڑھی۔
جویا نے چاہا بھی کہ اٹھ کر وہ کم از کم نیچے سے یہ کپ ہی اٹھا لے۔ مگر سامنے کھڑی زویا فون اٹھا چکی تھی۔
"جی، زویا بات کر رہی ہوں۔"
"ابو تو گھر پر نہیں ہیں۔ اسپتال گئے ہوئے ہیں۔" دوسری طرف کوئی رشتے دار ہی تھے اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا۔
"راحت آپا کے ہاں کا مت بتانا۔" آپا گل زبان اور اشارے دونوں سے منع کرنے لگیں۔
زویا نے ان کا اشارہ سمجھ لیا تھا۔
"اچھا آپ اسپتال سے ہی آ رہے ہیں ابھی ابھی۔"
جویا نے اپنے ٹھنڈے ہوتے ہاتھوں کو آپس میں جکڑا۔
دوسری طرف کوئی اہم خبر تھی۔ زویا کے تاثرات سے صاف اندازہ ہو رہا تھا۔ چند لمحے جیسے صدیاں بن کر گزرے۔

"معاذ بھائی کو ہوش آ گیا ہے۔ چھوٹے ماموں کا فون تھا۔" فون رکھ کر وہ مڑتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
ایک گہری سانس جویا کے لبوں سے آزاد ہوئی۔ معاذ کے ساتھ جیسے وہ خود بھی زندگی کی طرف پلٹی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت دیر سے اپنے سامنے کھلے رجسٹر پر جھکا ہوا تھا۔ سہ پہر ڈھل رہی تھی اور نرم سی دھوپ اس کے براؤن بالوں پر سنہرا پن بکھیر رہی تھی۔
ٹکٹ کی بکنگ کے لیے آنے والے مسافروں کا رش سامنے سڑک پر ہر منٹ آتی جاتی بسوں کا شور کچھ بھی اس کے انہماک پر اثر انداز نہیں ہو رہا تھا اگر کوئی خاص طور پر اسے مخاطب کر کے کچھ پوچھ ہی لیتا تو وہ چونک کر سر اٹھاتا۔ اور اسے مختصر سا جواب دے کر دوبارہ اپنے کام میں محو ہو جاتا۔ کاؤنٹر پر اس کے علاوہ دو لڑکیاں اور ایک لڑکا اور تھا۔
ڈائمنڈ بس سروس کی ملک بھر میں چلنے والی بسوں کا یہ مرکزی آفس تھا۔ جہاں اب اسے لگ بھگ تین ماہ ہونے کو آئے تھے۔
کسی نے اس کے سامنے رکھے چائے کے کپ پر چمچ بجایا۔
"چائے پی لیں۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" ساتھ کام کرنے والی دونوں لڑکیوں میں سے ایک قدرے شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ اسے کہہ رہی تھی۔
"شکریہ۔" اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا اور پھر رجسٹر میں گم۔
وہ مایوس سی ہو کر دوبارہ اپنی جگہ پر جا کھڑی ہوئی۔ معلوم نہیں کیسا شخص تھا یہ۔ جذبات و احساسات سے عاری۔ کسی کی آنکھوں کو پڑھنا تو در کنار کسی چہرے پر نگاہ جمانے کی بھی فرصت نہیں تھی اسے۔ یا تو وہ بے حد مغرور تھا یا پھر بے حس۔
کاؤنٹر پر رش بڑھ رہا تھا۔
اسکولوں میں چھٹیاں تھیں۔ سو پنجاب جانے والی بسوں پر خاص طور پر رش بڑھ رہا تھا۔
اپنے دل توڑتے تجزیہ کو بیچ میں ہی چھوڑ کر وہ پھر سے کام میں مصروف ہو گئی۔
آتے جاتے لوگوں میں سے کئی ستائشی نگاہیں اس کی طرف اٹھیں۔ مگر وہ یوں ہی بے نیازی سے اپنا حساب کتاب جوڑتے گیا اور پھر اپنا رجسٹر اٹھا کر ملحقہ کمرے میں بیٹھے نگران کے پاس چلا گیا۔
چائے کا بھرا ہوا کپ رکھے رکھے ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ لڑکی نے اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے دیکھ لیا تھا۔
"تین ماہ ہو گئے مگر یہ شخص آج بھی اتنا ہی اجنبی ہے جتنا کہ پہلے دن تھا کتنی حیرت کی بات ہے روزانہ آٹھ نو گھنٹے ہم لوگ ایک ساتھ رہتے ہیں پھر بھی ہم اس کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں جانتے کہ اس کا نام خیام ہے۔" اپنے ساتھ بیٹھی دوسری لڑکی سے اس نے فرصت کے چھوٹے سے وقفے میں کہا۔
"بے حد مغرور ہے۔ شکل صورت ضرورت سے کچھ زیادہ اچھی ہے۔ اسی کا سارا گھمنڈ ہے۔ ورنہ ہماری جیسی چھوٹی موٹی نوکریوں پر بیٹھی لڑکیوں سے فری ہونا تو ہر ایک اپنا حق سمجھتا ہے۔ مگر یہ ہمیں اس قابل بھی نہیں سمجھتا ہے۔" دوسری والی سہیلی سے بھی زیادہ دل جلائے بیٹھی تھی۔
"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ خیام واقعی شریف لڑکا ہو ہم ہی نہیں سمجھ پائے ہوں اسے۔"
وہ تین ماہ میں شاید اتنی متاثر ہو چکی تھی کہ اختلاف رائے کیے بغیر نہیں رہ سکی۔

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ وہ یہاں کسی سے بھی نہیں بات کرتا۔ اس کے ہم عمر کئی لڑکے ہیں یہاں مگر کوئی بھی اس کا دوست نہیں ہے۔ پھر بھی تمہیں اسے سمجھنے کا شوق ہے تو تمہاری مرضی۔"

بات ختم کر کے وہ شرارت سے ہنس پڑی۔

کاؤنٹر پر پھر سے لوگ آنا شروع ہو گئے تھے۔

خیام کے بارے میں اس طرح کی گفتگو چھوٹے چھوٹے وقفوں میں ہونا اب معمول میں شامل ہوتا جا رہا تھا۔ وہ دونوں ایک ہی محلے سے آئی تھیں۔ اور پچھلے چند سالوں سے ایک ساتھ ہی بکنگ کاؤنٹر پر کام کر رہی تھیں۔ تعلیمی قابلیت میٹرک اور ارد گرد مسائل کا انبار، ایسے میں ایک بے حد خوش شکل اسمارٹ لڑکے کی آمد روکھی پھیکی زندگیوں میں رنگ بھرنے کا سبب بنی تھی۔

دونوں ہی باجماعت اس کے عشق میں مبتلا ہوئی تھیں۔

ابتدائی دنوں میں اس کی خاطر ان دونوں کے بیچ ایک فطری سا کھنچاؤ بھی پیدا ہوا مگر بعد میں دونوں کو اندازہ ہو گیا کہ وہ دونوں ہی غلطی پر ہیں۔

خیام ناقابلِ رسائی تھا۔

سو اب اپنا دل ہلکا کرنے کا یہی ایک طریقہ تھا۔ ملحقہ کمرے میں وہ اچھی خاصی دیر لگا کر آیا تھا۔ مالک اس پر بھروسا کرنے لگے تھے۔ حساب کتاب میں وہ اتنا دیانتدار تھا کہ ان تین مہینوں میں ایک پیسے کا بھی کنفیوژن پیدا نہیں ہونے دیا تھا۔

ڈائمنڈ سروس والوں کی بس سروس سارے ملک میں پھیلی ہوئی تھی۔ شہر میں چھوٹی چھوٹی برانچیں تھیں اور یہاں اس ہیڈ آفس میں شفٹوں میں کام ہوتا تھا۔

ان لوگوں کی شفٹ اب ختم ہونے والی تھی۔ کاؤنٹر پر موجود وہ لوگ اب اپنا کام تقریباً" سمیٹ کر جانے کے لیے تیار تھے مگر خیام کے انہماک میں ابھی بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ عام طور پر دیر تک کام کرتا رہتا تھا۔ اور اس کے نگراں کو اس کی دیانتداری کے بعد سب سے اچھی یہی بات لگا کرتی تھی کہ اس کی نظریں اوروں کی طرح گھڑی پر نہیں رہا کرتی تھیں۔

"اوئے ہیرو!" کسی نے آفس کا شیشے والا دروازہ کھول کر اسے بے تکلفی سے پکارا۔

خیام نے سامنے دیکھا عام سے حلیے والا ایک اجنبی شخص اس کی طرف متوجہ تھا۔ وہ بمشکل اس طرزِ مخاطب کو برداشت کر پایا۔

"یار! لاہور جانے والی اگلی گاڑی کی چار ٹکٹیں مل جائیں گی؟ بڑی مہربانی ہو گی۔ ارجنٹ پہنچنا ہے۔ تھوڑا وقت بچ جائے گا۔" وہ اندر آ چکا تھا۔ اور کاؤنٹر کے قریب کھڑا اپنا مسئلہ بتا رہا تھا۔

خیام کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔

لاہور!

دن میں کتنی ہی بار یہ نام کانوں میں گونجتا اور نگاہوں سے گزرتا تھا۔ اور اتنی ہی بار وہ اسی کیفیت سے گزرتا تھا۔

گھبراہٹ، ناگواری۔

ایسا لگتا تھا کہ جیسے شناخت کا یہ اہم سرا دوسروں کے ہاتھ لگ رہا ہے۔

بنا کوئی لفظ کہے وہ مذکورہ بس کی گنجائش چیک کرنے لگا۔

"اصل میں وہاں میری سسرال ہے۔ سسر صاحب بیمار ہیں۔ ویسے کوئی سیریس صورت حال تو نہیں لیکن بس وہم میں آ کر بیٹے کا فوری نکاح کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ زندگی کا کچھ بھروسا نہیں اب بتاؤ یہاں کس کی زندگی کا بھروسا ہے۔ ابھی جو میں یہاں تک اپنے پاؤں پر چل کر آ گیا ہوں واپس پہنچا بھی ہوں یا نہیں لیکن ان کو۔۔۔"

وہ بہت باتونی شخص تھا۔

"تین ٹکٹ مل سکتے ہیں آپ کو" خیام کو لگا اگر اس نے دخل اندازی نہیں کی تو وہ اسی طرح بولے چلا جائے گا۔

"ایک اور بھی کر دے میرے بھائی! دو میاں بیوی، دو بچے اب اتنے لمبے سفر میں، بچوں کو گود میں بٹھا کر تو نہیں لے جایا جا سکتا۔"

"آپ ایک بچے کو یہیں چھوڑ جائیں۔" خلافِ عادت ایک احمقانہ مشورہ اس کے منہ سے نکل گیا۔

اس شخص نے حیرت سے خیام کو دیکھا اور پھر قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔ "تمہاری شادی نہیں ہوئی ابھی ہے نا!" وہ رک کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔

خیام کو ناچار اثبات میں سر ہلانا پڑا۔

"بچے کو یہاں کسی بھائی بہن کے پاس چھوڑ بھی جاؤں تو میرا اور بیوی کا خاک دل لگے گا، اور وہ بچہ اپنی نانی خالہ سے اتنی محبت کرتا ہے۔ تڑپ رہا ہے ملنے کے لئے، نانی بے چاری جان چھڑکتی ہیں بچوں پر، اتنے سارے دل کیسے توڑ دوں یار!"

خیام کی نگاہ چند لمحوں کے لیے کھلی کی کھلی رہ گئی۔ جان چھڑکنے والوں کی تو اس کی زندگی میں بھی کمی نہیں تھی۔ پلکوں تلے رکھ کر اس کی پرورش کی گئی تھی۔

نانی ستارہ، جنہیں اس کے پاس سے گزرتے گرم اور سرد ہوا کا جھونکا تک تشویش میں مبتلا کرتا تھا جن کے لاڈ پیار نے حقیقتاً" اسے بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

گیتی آرا، جس کے بارے میں وہ بالکل بھی نہیں سوچنا چاہتا تھا، اور سخت دل، چڑچڑی نگینہ خالہ۔

زبان کی کتنی ہی کڑوی سہی، اس کی ذرا سی بیماری پر رات بھر اس کے سرہانے گزارتی تھیں۔

لمحوں میں ایک طویل سفر اس نے طے کیا۔

"کچھ لاہور جیسا شہر کیا بات ہے لاہور کی۔ تم کبھی گئے ہو لاہور؟" وہ شخص عادتاً" باتونی تھا۔

خیام نے ماتھے پر پسینہ آتا محسوس کیا۔

"نہیں!"

"نہیں گئے تو ضرور جاؤ، بڑوں سے سنا ہے کہ جس نے لاہور نہیں دیکھا وہ پیدا ہی نہیں ہوا، تمہیں تو کوئی مشکل بھی نہیں، ابھی اپنی کسی بس میں بیٹھ جاؤ کل لاہور میں ہو گے، اتنا سا فاصلہ۔۔۔"

"مجھے کہیں نہیں جانا ہے۔" وہ بے ساختہ ہی اتنی اونچی آواز میں بولا کہ اس شخص کے ساتھ وہاں موجود دوسرے لوگوں نے بھی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

خیام کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ "آپ کو یہ تین ٹکٹ اگر لینے ہیں تو لیں، ورنہ دوسری گاڑی کا انتظار کریں۔" کسی کی بھی حیرت کی پروا کیے بغیر وہ خفگی سے اپنی بات پوری کر رہا تھا۔

"ناراض کیوں ہوتے ہو بھائی! ٹکٹ تو مجھے چار ہی لینے ہیں، تین سے کام نہیں چل سکتا ہے میرا۔" اس آدمی کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑنے لگا۔

ڈیوٹی بدل جانے کے بعد آنے والے دوسرے اسٹاف نے مداخلت ضروری سمجھی۔

"میں دیکھتا ہوں، آپ کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے، پریشان مت ہوں کچھ نہ کچھ سیٹ ہو ہی جائے گا۔"

خیام کے آگے سے بکنگ رجسٹر اپنی طرف سرکاتے ہوئے دوسرے لڑکے نے تسلی آمیز انداز میں کہا تو وہ فوراً"

آگے بڑھ گیا۔

"گنجائش ہے تو نہیں لیکن نکالنی پڑے گی' آپ کی مجبوری کا خیال تو کرنا پڑے گا۔"

خیام نے اسے کہتے سنا اور اسے یقین تھا کہ وہ اس کے مسئلہ کو حل کر بھی دے گا۔

بچا کر رکھی گئی چند سیٹوں کو "ایکسٹرا چارج" کر کے کسی بھی ضرورت مند کو دے دینا' انہوں نے اسٹاف نے خود پر حلال قرار دے رکھا تھا۔ شروع شروع میں اس نے اس لگی بندھی آمدنی پر اعتراض کرنا چاہا تھا مگر یہاں بڑا مضبوط نیٹ ورک تھا' دوسرے خود مالکان دانستہ ان چھوٹی موٹی بے ایمانیوں سے چشم پوشی کرتے تھے سو اس نے بھی نظر انداز کرنے کی پالیسی اختیار کرلی تھی۔

آمدنی کے اس جائز ذریعے کو فی الحال وہ کھونا نہیں چاہتا تھا۔

اپنے سامنے رکھے رجسٹر کو بند کر کے اس نے دراز میں رکھا اور لاک کر کے باہر نکل آیا۔

وہ سب ایک بار پھر اس کی طرف دیکھے بغیر نہیں رہ سکے۔

ڈائمنڈ بس سروس کے آفس میں خیام کو آج پہلی بار غصے میں آتا دیکھا گیا تھا۔

سامنے کی دونوں سڑکوں کو پار کرنے اور بابو شوکت کے ہوٹل پہنچنے تک وہ اپنے دل کی بڑھی ہوئی دھڑکن کو نارمل کرنے کی کوشش کیے گیا۔

ماضی سے جڑا ہلکا سا اشارہ بھی اس کو منہ چڑاتا ہوا محسوس ہوتا تھا' لاہور تو جیسے ساری زندگی تھا کوئی نام بھی لیتا تو لگتا کہ اگلے ہی لمحے اسے پہچان بھی لے گا۔

تھی نا بے وقوفی کی بات۔

اتنے بڑے شہر میں جہاں اس نے بے حد محدود زندگی گزاری تھی' اسے جانتا ہی کون تھا؟

محلے کے لوگ جو اسے نانی ستارہ کے نواسے کی حیثیت سے جانتے تھے یا کلاس میں پڑھنے والے لڑکے جن سے ہمیشہ بڑی رسمی علیک سلیک رہی تھی۔

سچی بات تو یہ کہ اگر وہ کراچی آنے کے بجائے' وہیں لاہور میں ہی کسی دوسری جگہ جا کر رہنے لگتا تو بھی اس کے کسی جاننے والے کے ملنے کا امکان نہ ہونے کے برابر ہی تھا۔

مگر وہ تھا جو اتنی دور بیٹھ کر بھی لاہور کے نام سے کانپ اٹھتا تھا۔

اس کی گھبراہٹ یقیناً "لوگوں کو اس کے بارے میں شکوک میں مبتلا کر کے ہی چھوڑے گی' بابو شوکت کے ہوٹل میں قدم رکھنے سے پہلے اس نے خود کو سختی سے باور کرایا۔

"آج پھر بہت دیر کردی' میں تو لڑکے کو بھیج کر پتہ کروانے والا تھا۔" بابو شوکت کی توجہ اور خلوص ہمیشہ ہی اسے حاصل رہتی تھی۔

"تھوڑا کام تھا بابو بھائی! اٹھنے میں دیر ہوگئی۔"

ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے روز کا رٹا ہوا جملہ دہرایا۔

"اتنا کام مت کیا کرو' کون سا وہ تمہیں اوور ٹائم کے پیسے دے رہے ہیں' آگر آرام کرو یا کچھ نہیں تو اپنی پڑھائی دوبارہ شروع کرلو۔"

بابو شوکت کو سچ مچ اس کی پڑھائی کی فکر رہتی تھی۔

خیام اس کے کاؤنٹر کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھ چکا تھا' اپنے کمرے میں جانے سے پہلے دس منٹ ہی سہی' وہ اس کے پاس بیٹھا ضرور کرتا تھا۔

"کسی پرائیویٹ یونیورسٹی میں ایوننگ کلاسز جوائن کرنے کا سوچ تو رہا ہوں بابو بھائی دیکھیں۔"

"دیکھنا دکھنا کیا بس آج کل میں جا کر داخلے کا پتہ کرو' بے کار میں وہاں اتنی دیر تک بیٹھے رہتے ہو۔"

بابو شوکت کو اول دن سے یہ نوکری خیام کے شایان شان نہیں لگتی تھی' اب وہاں اتنی لگن سے کام کرنا اور بھی کھل رہا تھا۔

خیام ہلکے سے مسکرا دیا۔

بابو شوکت کی ناپسندیدگی اس کے علم میں تھی' لیکن اپنے ہاتھ سے کی جانے والی پہلی کمائی کو وہ بہت حلال کر کے کما رہا تھا' اور یہ تھوڑے سے پیسے اس کے لیے کسی خزانے سے کم نہیں تھے۔

شرمندگی میں دھکیلتی وہ شناخت' جسے بدل ڈالنے کی جستجو میں اس نے کسی تعلق' کسی رشتے کو پاؤں کی زنجیر نہیں بننے دیا تھا۔

اس شناخت کے ساتھ پرورش پاتے ہوئے اس نے حلال روزی کے ہر چھوٹے سے چھوٹے ذریعے کو بھی بڑی عزت اور بڑی حسرت کے ساتھ دیکھا تھا' اب یہی حلال رزق اس کے نصیب میں لکھا گیا تھا' اور وہ اس کی برکات کے ظہور پذیر ہونے کا منتظر۔

"صفائی والے لڑکے چھٹیوں پر گئے ہیں' نئے لڑکے آئے ہیں' ذرا دیکھ بھال کر خود کھڑے ہو کر صفائی کروا لینا۔"

وہ چائے پی کر کھڑا ہونے لگا تو بابو شوکت کو یاد آیا۔

"اچھا!" وہ تھوڑا سا فکر مند ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا "آپ کے اعتبار کے تو ہیں نا۔"

"جاننے والے ہیں! اعتبار تو میرے بھائی کسی کا بھی نہیں' خود اپنا بھی نہیں' اللہ مالک ہے۔"

سوچ میں ڈوبا ہوا سا' وہ اوپر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

نانی ستارہ کے گھر سے اڑائے ہوئے زیور' اب تک کام تو نہیں آئے تھے' مگر جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا وہ انہیں اپنی زندگی کی پہلی اور آخری ذلیل ترین حرکت قرار دینے پر مجبور تھا۔

مگر اس وقت کوئی چارہ بھی کیا تھا۔

اور اب بھی چارہ کہاں ہے؟

وقت پڑنے پر اپنے ڈبل اسٹینڈرڈ پر شرماتا ہوا وہ یہی پیسے نکال کر اپنی ضرورتیں پوری کر رہا تھا۔ جو نانی ستارہ کے دیے گئے جیب خرچ میں سے بچائے گئے تھے' اور اب بہت تھوڑے ہی رہ گئے تھے۔

"کاش وہ یہ زیور لانے کے بجائے' کسی بہانے نانی سے پیسے مانگ لیتا تو زیادہ اچھا ہوتا' منع تو وہ کسی صورت نہ کرتیں' چاہے انہیں نانی ولدار سے قرض مانگنا پڑتا' یا یہ چیزیں وہ خود ہی بکوا دیتیں۔

وہ اس فضول سی چوکیداری سے سچ مچ تنگ آتا جا رہا تھا۔

پرائیویٹ یونیورسٹیز کی ہوش اڑاتی فیسوں کا اندازہ نہ ہوتا تو وہ ان سب کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتا' پر یہ آخری مدد تھی' جو وہ اس خاندان سے لے رہا تھا' جس کا اس کی زندگی کے اس دوسرے دور سے کوئی تعلق نہیں تھا یہ بات وہ خود کو بار بار یاد دلانا ضروری سمجھتا تھا۔

چیزوں کو اسی طرح دوبارہ بند کرتے ہوئے' اس نے ایک بار پھر انہیں گنا۔

کیتی کی چوڑیوں کو چھوڑ کر سات چیزیں تھیں۔

ایک ٹاپس کی جوڑی' ایک چین' دو انگوٹھیاں اور دو نانی ستارہ کے کنگن' بڑی چیز یہی کنگن تھے' جن کے بل پر اسے ایم بی اے ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔

اب مزید ٹالتے رہنا بے وقوفی ہی تھی۔

ان ہی دو چار دنوں میں وہ ان سے جان چھڑا کر نقد پیسوں کا انتظام کرنے کا پکا ارادہ باندھ کر مطمئن ہو گیا۔

اور اس بار یہ خالی خولی ارادہ نہیں تھا آگے بازار میں ایک چھوٹی سی جیولر شاپ' پر وہ بات کر آیا تھا' جنہیں رسید وغیرہ بھی درکار نہیں تھی' اور یہ نیک کام اسی ہفتے میں انجام پا جانا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا مذاق ہے زوبی!"

مسز کمال نے ایک نگاہ ہاتھ میں پکڑے اس چیک پر ڈالی' جو زوبیہ نے انہیں ابھی ابھی تھمایا تھا۔

"یہ آج شام سلمان دے کر گیا ہے۔" اس نے ان کے چہرے پر پھیلی خفگی کو دانستہ نظر انداز کیا۔

"میں نے تمہیں منع بھی کیا تھا کہ اس سے ملنے کی کوئی ضرورت نہیں' مگر تم پھر بھی چلی گئیں۔" ان کے چہرے پر سرخی چھا رہی تھی۔

"ایک مہینہ ہو چکا تھا ممی! وہ اتنی خوشامد کر رہا تھا کہ آپ اندازہ بھی نہیں کر سکتیں۔" زوبیہ ماں سے بہر حال دبتی تھی۔

"اور کرے گا بھی کیا وہ' ساری زندگی تمہاری خوشامدیں کر کر کے ہی فائدے اٹھاتا رہے گا' خود اس کی اوقات تو دکھائی دے گئی ایک بار پھر۔"

انہوں نے ہاتھ میں تھاما ہوا چیک' جھنجلا کر پھینکا تو سیدھا زوبیہ کے قدموں میں۔

"ایک لاکھ پچاس ہزار۔"

اس نے چور نگاہوں سے اس رقم کو ایک بار پھر دیکھا' جو چیک پر درج تھی۔

وہ خود بھی خاصی مایوس ہوئی تھی' مگر سلمان کی حالت پر اسے رحم کھانا ہی پڑا تھا۔

"اگر تم نے یہ مجھ سے نہیں لیا تو میں زہر کھا کر مر جاؤں گا زوبی!"

پتہ نہیں وہ اپنے ارادے میں کتنا پکا تھا' مگر جب اس نے یہ کہا تو اسے یقین آنے لگا تھا۔

شاید وہ سچ مچ سلمان کی محبت میں مبتلا ہو چکی تھی۔

"پہلی بار کچھ خرچا کرنا پڑ رہا ہے تو بھی جان نکل رہی ہے' سارے خاندان کی اپنی عزت رکھنے کے لیے ہی کہیں سے دو چار لاکھ کا انتظام کر لیتے' ہم نے تو اس منگنی کے فنکشن پر کھڑے کھڑے اس سے کہیں زیادہ خرچ کر دیا تھا' مگر یہ تو بالکل ہی بے شرم لوگ ہیں۔"

وہ بالکل بے قابو ہو رہی تھیں۔

ایک لاکھ پچاس ہزار۔

ڈیڑھ کا یہ ہندسہ انہیں صاف ہتک عزت والا مسئلہ محسوس ہو رہا تھا۔

"میں تو سمجھ رہی تھی' چلو ایک مہینہ اور لگا یا بھی تو کیا پتہ' ہمارے اسٹینڈرڈ کا خیال کر رہے ہوں گے مگر یہ تو بالکل ہی.....!"

وہ غصے میں بہت سے ایسے الفاظ استعمال کرنے لگتی تھیں' جو سننے والے کے لئے شرمندگی کا باعث بنتے تھے۔

"وہ لوگ اس سے زیادہ افورڈ نہیں کر سکتے۔"

زوبیہ کے لہجے میں ایسی شرمندگی تھی' جیسے ان کی کمزور مالی حالت کی بھی وہ خود ہی ذمہ دار ہو۔

"بس دینا افورڈ نہیں کر سکتے' لینا سب آتا ہے۔"

نہیں بیٹی کا وکیل صفائی بننا بھی سخت کھل رہا تھا۔

"مجھے روپیہ چیک میں خود سلمان کی ماں کو واپس کروں گی۔"
زوبیہ نے بے دلی سے وہ چیک اٹھا کر مٹھی میں دبایا۔
"اس طرح تو بات بڑھتی چلی جائے گی ممی! بس اب جو بھی ہے ٹھیک ہے۔"
"نہیں' کسی بھی صورت کینسل کرنا چاہتی تھی' سلمان انہیں اوّل دن سے ناپسند تھا' اور بدقسمتی سے اس ناپسندیدگی میں منگنی کے بعد سے مستقل اضافہ ہی ہو رہا تھا۔
"بات بڑھتی ہے تو بڑھ جانے دو زوبی! میں تو کہتی ہوں ابھی بھی سوچ لو کیا کمی ہے تم میں؟ کروڑوں کی جائیداد کی اکیلی وارث' ایک اشارے کی دیر ہے' تمہیں اس سے اچھا لڑکا مل سکتا ہے۔" ان کا وہی بار بار کا دہرایا ہوا سبق تھا جس سے وہ سخت بے زار ہو رہی تھی۔
"میرے لئے سلمان سے اچھا کوئی بھی نہیں ہے امی!" گزشتہ پورے مہینے' سلمان سے وقتی قطع تعلق کے دوران بھی وہ جس جذباتی دباؤ کا خود شکار رہی تھی' اس کے بعد وہ کچھ اور سوچنے کے لئے تیار نہیں تھی۔
"وہ مجھ سے بے حد محبت کرتا ہے' ورنہ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا' تو اتنی بے عزتی کے بعد پلٹ کر بھی نہیں آتا' مگر وہ میری خاطر ہر بات بھلا دیتا ہے۔" بڑی بات کہتے ہوئے اس کے چہرے پر فخر کا رنگ اترا۔
مسز کمال نے ایک ترحم آمیز نگاہ بیٹی پر ڈالی۔
قیمتی جدید لباس' برانڈیڈ میک اپ کی تہہ' کسی نے بھی تو اس کی شخصیت کو دل کشی بخشنے میں سہارا نہیں دیا تھا' وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھے گئیں اور انہیں خاموش پا کر ہی وہ ان کے کمرے سے نکل چکی تھی۔
"محبت!" ایک طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے سر کو ہلکے سے جھٹکا "ساری زندگی صبح شام جوتے بھی لگائے گی تو وہ ایسی محبت کرنے پر مجبور رہے گا۔"
تھکے تھکے سے انداز میں وہ بیڈ پر آ بیٹھیں۔
سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے شفاف آئینے میں خود ان کا عکس نظر آ رہا تھا۔
قیمتی لباس اور زیورات کے انتخاب میں وہ بھی کسر نہیں چھوڑتی تھیں' سارے ملنے والے کہتے تھے' زوبیہ ہو بہو ان ہی کی شکل ہے' ذرا بھی تو فرق نہیں۔
وہ بڑے غور سے اپنے آپ کو دیکھے گئیں۔
تاریخ ایک بار پھر خود کو دہرا رہی تھی
وہ بھی کسی وقت اپنی کم شکل کو بھلا کر حسین و جمیل یوسف کمال کے عشق میں مبتلا ہوئی تھیں۔
ایسی کہ ان کی خاطر زہر تک کھا لینے کی کوشش کر ڈالی تھی' وہ تو چچا زاد تھے گھر کی بات گھر میں ہی دبا لی گئی تھی' بزرگوں کا دباؤ اور رعب تھا' ورنہ یوسف تو ان کی طرف دیکھنے کے بھی روادار نہیں تھے۔
لمحے سے بھی کم وقت میں کیا کیا یاد آیا۔
اور اب وہی جوان رعنا' ایک بار پھر موجود تھا۔ زوبیہ کو سمجھانا بے سود تھا
خود انہوں نے دل کے آگے کس کی مانی تھی۔
بھلے پھر ساری عمر اس یوسف ثانی کے آگے شدید احساسِ کمتری میں مبتلا رہیں۔
اب زوبیہ بھی یہی کرنے والی تھی۔
انسان میں جس چیز کی کمی ہوتی ہے اس کو پورا کرنے کے لئے وہ یوں ہی دیوانگی پر اتر آتا ہے۔ ان کی نگاہ دیوار پر لگے یوسف کمال کے بڑے سے پورٹریٹ پر جا ٹھہری۔

☆ ☆ ☆

کھڑکیوں پر پردے گرے ہوئے تھے' پھر بھی دن کی روشنی میں اجالا کیے ہوئے تھے' چھت کے پنکھے سے نکلتی نیم گرم ہوا' سارے کمرے میں پھیل رہی تھی' آنکھ کھلی تو وہ عادتاً چند لمحے تو یوں ہی چھت کو تکے گیا۔
پنکھے سے نکلتی گھرر گھرر مخصوص آواز اور اپنے کمرے کی بے حد مانوس فضا سب کچھ بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔ خالی الذہنی کی کیفیت میں گزرے یہ چند لمحے بڑے سکون بخش تھے لیکن کروٹ لے کر جیسے ہی اس نے اٹھنا چاہا تو درد کی ایک تیز لہر نے بستر پر ہی روک دیا۔
"لیٹے رہو آرام سے ابھی اٹھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔" ربیعہ نہ جانے کہاں سے نمودار ہوئی تھی "ڈاکٹر نے تمہیں آرام کرنے کی تاکید کی ہے۔ احتیاط نہیں کرو گے تو زخم جلدی ٹھیک نہیں ہو گا۔"
اسے شانوں سے تھام کر واپس لٹاتے ہوئے وہ بڑی فکر مندی سے کہہ رہی تھی۔ معاذ بنا کسی اعتراض کے لیٹ گیا' اسے یاد آ گیا تھا کہ کل رات ہی وہ پورے دو ہفتے ہاسپٹل میں قیام کے بعد بخیر و عافیت گھر آیا ہے۔
"چلنے پھرنے کی اجازت تو اب مل چکی ہے تو اس کا مطلب ہوا کہ۔۔۔"
"اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب تم باہر نکلو' اپنی موٹر بائیک اٹھاؤ اور نکل جاؤ شہر میں جہاں دل چاہے' بلکہ سیدھے پھر وہیں جاؤ' جہاں بس اللہ ہی نے ہم سب کے حال پر رحم کیا تھا۔" ربیعہ نے بڑی تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔
معاذ نے دیکھا اس کی آنکھیں پھر سے گیلی ہونا شروع ہو گئی تھیں۔
پچھلے پورے ہفتوں میں اس نے بار بار اس کے اور امی کو اپنے آنسو چھپاتے دیکھا تھا۔ ابا ان لوگوں کی نسبت باہمت تھے' کسی کے بھی آگے انہوں نے آنسو تو نہیں بہائے لیکن اس تھوڑے عرصے میں ہی وہ بالکل چپ سے ہو کر رہ گئے تھے۔
اسے اندازہ تھا کہ اس کی کئی گھنٹے کی بے ہوشی اور پھر ریکوری تک کا عرصہ' ان سب نے کس اعصاب کو منجمد کرتی ٹینشن کو لے کر گزارا ہو گا۔ تکلیف میں کمی کے احساس کے ساتھ ہی اس کے یہ سب سمجھ میں آ رہا تھا۔
"میں تو زندگی بھر ان شریف لوگوں کے لئے دعا کرتی رہوں گی' جنہوں نے تمہیں بے ہوشی کے عالم میں اٹھا کر اسپتال پہنچایا اور پھر ہمیں اطلاع کی' اس کے سرہانے رکھے تکیہ اور کشن ٹھیک کرتے ہوئے ربیعہ کہہ رہی تھی۔
معاذ نے ایک گہری سانس اندر اتاری۔
وہ حادثہ اتنا ہی اچانک اور غیر متوقع تھا اب تک بھی وہ خود کو نہیں سمجھا پایا تھا کہ ان لوگوں نے ساجد کے باپ کے کہنے پر ایسا انتہائی قدم کیوں اٹھایا' جب کہ وہ تو ان کے پاس ایک اچھی خاصی منافع بخش آفر لے کر گیا تھا' مگر وہاں تو کوئی اس کی بات سننے کے لئے بھی تیار نہیں تھا۔
"سب لوگ کہاں ہیں؟"
"امی! ابھی اٹھ کر گئی ہیں' اتنے دن میں بہت کام جمع ہو گیا ہے۔ وہی لے کر بیٹھی ہیں اور دادی تو آج کل سارا دن تسبیح' قرآن' نماز کا وقت ہوتا ہے تو نماز کے لئے کھڑی ہو جاتی ہیں' تمہیں اندازہ ہے کہ سب تم سے کتنی شدید محبت کرتے ہیں۔"
اس کے کمرے کی چیزوں کو ٹھیک کرتے ہوئے وہ مستقل ہی بولے جا رہی تھی۔
جب تک وہ اسپتال میں تھا' اس کی سلامتی کی فکر سے بڑھ کر کوئی بات نہیں تھی' اور اب جب اللہ کے فضل سے وہ اس تکلیف دہ مرحلے سے نکل آیا تھا تو دبا دبا سا غصہ ظاہر ہونے لگا تھا۔
معاذ ہلکے سے مسکرایا۔

ربیعہ کی کسی بات کی تردید نہیں کی جاسکتی تھی۔
"میں تمہارے لئے کچھ لاتی ہوں کھانے کے لیے۔"
وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی تو کمرے میں ایک دم ہی خاموشی چھا گئی' پچھلے چند دنوں میں' وہ لوگوں کے درمیان جتنا گھرا رہا تھا' اس میں کسی بات پر گہرائی تک سوچنا بھی ناممکن تھا' رہی سہی کسر غنودگی میں مبتلا کرتی دواؤں نے پوری کی تھی۔ شروع میں تو پتہ ہی نہیں چل رہا تھا کہ کون آرہا ہے اور کون جارہا ہے۔
دھندلاتے ہوئے منظر اور بنتی مٹتی شکلیں' اس کے ہونے کی' اسپتال پہنچنے کی خبر خاندان اور دوستوں کے لیے بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی تھی' وہ جس کسمپرسی کے عالم میں اسپتال پہنچایا گیا تھا اس نے اس سارے قصے کی اہمیت کو اور بھی بڑھا دیا تھا' دوست تو خیر اپنے تھے ہی مگر رشتے دار بھی جس طرح اپنی اگلی پچھلی خفگیاں بھلا کر اس کی عیادت کے لیے پہنچے تھے' وہ خاصا معنی خیز تھا' لوگوں کو اس کی خیریت سے زیادہ' معاملے کی حقیقت کو جاننے میں دلچسپی تھی' معاذ کی شہرت بھی کچھ ایسی تسلی بخش نہیں تھی' سو اندازوں کی کوئی کمی نہیں تھی' گھر والے خود لاعلم تھے کہ وہ آخر اس پرانی مارکیٹ میں کیا لینے گیا تھا' جہاں اسے زخمی کیا گیا' سو کوئی قطعی جواب وہ بھی نہیں دے پاتے تھے۔
اصل وجہ صرف اس کے دوستوں کو پتہ تھی اور کسی حد تک ابا کو بھی۔
معاذ ان سے ہر بات ڈسکس کرنے کا عادی تھا' وہ ساجد کے باپ کی ہٹ دھرمی سے بھی شروع سے واقف تھے' اور وہ انہیں بتا چکا تھا کہ وہ اسے لینے کے لئے کس دن جائے گا مگر تب بات کی سنگینی کا انہیں احساس تک نہیں ہوا تھا' بس یوں ہی ضد بحث والا عام سا واقعہ لگا تھا۔
"اور کسی بھی بامقصد کاز میں ایسی باتیں چھوٹی موٹی رکاوٹیں تصور کی جاتی ہیں۔"
انہوں نے ایسا ہی کچھ کہا بھی تھا' معاذ کا حوصلہ بڑھانے کے لیے۔
ربیعہ ناشتے کے ساتھ' اندر اس کے اٹھ جانے کی خبر بھی نشر کر آئی تھی' سو امی اور دادی دونوں ہی اپنی اپنی مصروفیت چھوڑ کر آموجود ہوئی تھیں۔
"درد کچھ کم ہوا' نیند تو ٹھیک سے آئی؟"
"دودھ اور دلیہ کھاؤ۔"
"پراٹھا سخت تو نہیں' چبانے میں دقت تو نہیں ہو رہی۔"
ان دونوں کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے لقمہ توڑنے اور چمچہ منہ تک لے جانے کی بھی زحمت نہ اٹھانے دیں۔
ربیعہ بے ساختہ ہی ہنس پڑی۔
"چوٹ اس کے سر میں آئی ہے دادی' دانت تو سلامت ہیں' اچھی خاصی سخت چیز بھی چبا سکتا ہے۔"
"مجھے مت پڑھاؤ' پتہ بھی ہے۔ سخت چیز چبائے گا تو سر میں دکھن بڑھے گی۔" اس کی تصحیح کرتے ہوئے وہ معاذ کو دودھ دلیہ کھلانے پر ہی مصر رہیں۔ چاروناچار اسے کھانا پڑ رہا تھا۔
"تمہارے ابا اپنی پنشن لینے گئے ہیں' وہاں سے رسالے کے آفس جائیں گے' دیر میں ہی واپسی ہوگی۔"
معاذ نے ابا کو پوچھا تو امی بتانے لگیں۔
"آج سات تاریخ تھی' اس بار تمہاری طبیعت کی وجہ سے دیر ہو گئی' ورنہ وہ تو پہلی کو ہی چلے جاتے ہیں۔"
معاذ نے دھیرے سے سر ہلایا۔
چاہے کتنا بھی رش ہوتا اور کتنی لمبی لائن میں کھڑا ہونا پڑتا' ابا پنشن لانے میں دیر نہیں کرتے تھے' گھر کے بجٹ میں اتنی گنجائش نہیں تھی کہ بندھی ٹکی آمدنی میں وقفے کو سہہ سکے۔

تب ہی گیٹ پر لگی بیل بج اٹھی۔
"اس وقت کون آگیا؟" دادی ربیعہ کی طرف دیکھنے لگیں۔ ابھی دن کے بارہ ہی بجے تھے' معاذ کی عیادت کے لئے آنے والے عموماً شام ہی کو آیا کرتے تھے۔
"ریحان ہوگا' اسے اندر بھیج دیں' اور آپ لوگ پلیز اب جائیں' ربیعہ تم چائے بنا دینا۔" معاذ نے ایک سانس میں ہدایات جاری کیں۔
دادی کو حادثے کی تفصیل مصلحتاً زیادہ تفصیل سے نہیں بتائی گئی تھی' مگر ربیعہ اور امی' ریحان کی بے حد مشکور تھیں' وہی تھا' جس نے اپنے ابا کے خصوصی تعلقات کا استعمال کر کے' پولیس کیس بننے سے روکا تھا' معاذ تو خیر کسی فیصلے کے قابل نہیں تھا' لیکن ابا حیرت انگیز طور پر پیچھے ہٹ گئے تھے۔
معاذ کے پرجوش دوست' جو اس کھلے عام ہونے والی غنڈہ گردی کا منہ توڑ جواب دینے پر تلے ہوئے تھے' ان کے ہاتھ جوڑ کر منع کرنے پر ایک دم ہی ٹھنڈے پڑ گئے تھے۔
"میں اس لڑائی کو بڑھانا نہیں چاہتا ہوں' اور تم سب بھی مجھے اتنے ہی عزیز ہو' جتنا کہ معاذ۔" آئی سی یو کے سامنے ٹھنڈے یخ ہوتے کاریڈور میں کھڑے ہو کر انہوں نے ریحان سے کہا تھا۔ "میں تم لوگوں کو ایک بلاوجہ کی لڑائی میں نہیں جھونک سکتا' شاید تم اس وقت مجھے بزدل سمجھو' لیکن بیٹا! کچھ کام وقت پر چھوڑنا ہی بہتر ہوتا ہے۔
قدرت کا قانون ہر ایک پر لاگو ہوتا ہے ان پر بھی ہوگا۔"
پھر ان کے آگے کس کی مجال تھی۔
خود معاذ نے جسے دو تین دن پہلے ہی ابا کا ہدایات نامہ دوستوں نے سنا دیا تھا۔ دل ہی دل میں تلملانے کے باوجود ان سے کوئی بحث نہیں کی تھی۔
"کیا نوابی ہے' ذرا سی چوٹ کھا کر' پورے عابدولت بنے بیٹھے ہو۔"
کمرے میں داخل ہوتے ریحان نے اسے دادی اور امی دونوں ہی کی سروس میں ناشتہ کرتے دیکھ کر' دروازے سے ہی آواز لگائی۔
"اس کے ٹھاٹ دیکھ کر تو دل چاہ رہا ہے کہ میں بھی کوئی چھوٹی موٹی چوٹ مار کر بستر پکڑ لوں۔" وہ مسکراتا ہوا سلام کر کے امی کے پاس آکھڑا ہوا۔
"اللہ نہ کرے' تم لوگوں سے سوچ سمجھ کر بولا کیوں نہیں جاتا آخر!" دادی نے کمرے سے جاتے جاتے اسے ٹوکنا ضروری سمجھا۔
ریحان کان پکڑ کر ہنس پڑا۔
"کیسی طبیعت ہے' درد میں کمی ہوئی کچھ؟" امی اور دادی کے جانے کے بعد وہ بڑی فکرمندی سے معاذ سے پوچھ رہا تھا۔
"درد تو ہے یار! زیادہ دیر بیٹھا رہوں تو بڑھنے بھی لگتا ہے' مگر اب آخر کب تک انسان لیٹا رہے۔"
معاذ تھوڑا سا اوپر ہو کر بیٹھ چکا تھا۔
"بہت احتیاط کرو' سر کی چوٹ ہے' اللہ نے بہت خیر کی' یقین کرو' مجھے تو ابھی بھی رات کو ٹھیک سے نیند نہیں آرہی' اس وقت کا سوچتا ہوں' جب تم آٹھ دس گھنٹے بے ہوش رہے تو دل کانپ اٹھتا ہے۔"
چھ فٹ سے بھی نکلتے قد والے' ریحان کی آنکھوں میں بچوں جیسا خوف جھلکنے لگا۔
معاذ مسکرا دیا۔
اس کے سارے دوست آپس میں بے حد پرخلوص تھے' ابھی جب وہ اسپتال میں تھا تو وہ سب بھی اپنی راتیں

وہیں کاریڈور گلی یا گاڑی میں بیٹھ کر گزارتے رہے تھے۔
"تمہارے گھر والوں کا تو سامنا کرتے ہوئے بھی مجھے شرمندگی ہو رہی ہے۔ کیا سوچتے ہوں گے سب لوگ کہ ہم نے تمہیں اکیلے ایسی جگہ جانے دیا جہاں یہ۔ "
"اچھا اب یہ بے وقوفی کی باتیں بند کرو پلیز" معاذ نے چڑ کر اس کے آگے ہاتھ جوڑے "جو آرہا ہے تم میں سے اس کی یہی باتیں ہیں۔ آخر یہ کیوں نہیں سمجھ رہے ہو کہ ہونے والی بات ہو کر رہتی ہے۔ مجھے تو اس بچے کی فکر ہے بے چارہ کتنا خوفزدہ اور مایوس ہوا ہوگا' یہ سب دیکھ کر میں نے اسے کتنی امید دلائی تھی' اور کیا نتیجہ نکلا۔"
معاذ نے جھنجلا کر گردن جھٹکنا چاہا' مگر تکلیف کے احساس نے ایسا کرنے کی بھی اجازت نہیں دی۔
تب ہی دروازے پر آہٹ سی ہوئی
ربیعہ چائے کی ٹرے لئے کھڑی تھی۔
"السلام علیکم ریحان بھائی!"
"وعلیکم السلام' کیسی ہو ربیعہ!" آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ٹرے لیتے ہوئے اس نے کھڑے کھڑے ایسے ہی پوچھا تھا' خیال یہی تھا کہ وہ ہمیشہ کی طرح "بس ٹھیک ہوں" کہہ کر واپس مڑ جائے گی' لیکن وہ وہیں کھڑی تھی۔
معاذ اور ریحان دونوں ہی نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"معاذ کو اپنے اسکول والے پروجیکٹ سے الگ کر دیجیے ریحان بھائی' یا پھر اس اسکول کو ہی بند کر دیں' ویسے بھی کیا فائدہ ہے اس کا کون سا بڑا فرق پڑنے والا ہے دس بیس بچوں کو پڑھا لینے سے۔" وہ خفگی سے کہہ رہی تھی۔
"تم سے کس نے کہا ہے کہ بیچ میں بولو' جاؤ اپنا کام کرو۔ پتہ کچھ ہے نہیں' مشورہ حاضر ہے۔" ریحان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی معاذ نے اسے بڑے سخت لہجے میں مخاطب کیا۔
وہ سامنے ہی لیٹا تھا اور دروازہ اس سے دور نہیں تھا۔
"مجھے سب پتا ہے' ابھی جس سخت عذاب سے ہم لوگ گزرے ہیں' اس کا تمہیں ذرا بھی احساس ہے' تو خود اس چکر سے نکل آؤ۔" اس بار ربیعہ کی آواز میں نمی سی تھی اور لہجے میں خفگی کے بجائے سماجت۔
پاس کھڑے ریحان نے اس کے احساسات کو بخوبی محسوس کیا۔
"ہم کریں گے کچھ نہ کچھ ربیعہ! تم پریشان مت ہو میں کہہ رہا ہوں نا تم سے۔" ریحان نے نرمی سے اس سے کہا تو وہ ایک مشکور سی نگاہ اس پر ڈال کر واپس مڑ گئی۔
ریحان چند لمحے تاسف کے عالم میں وہیں کھڑا رہا اور پھر ٹرے لیے' معاذ کے بیڈ پر آبیٹھا۔
"کیا ضرورت تھی ربیعہ پر غصہ کرنے کی' بہن ہے بے چاری جو کہہ رہی ہے تمہاری محبت میں کہہ رہی ہے۔" ریحان کو معاذ کا رویّہ اچھا نہیں لگا تھا' وہ اس سارے گھرانے کی دل سے عزت کرتا تھا' اور ربیعہ کو بالکل بہن کی مانند ہی اس نے سمجھا تھا۔
"رہنے دو' اسے تو عادت ہے ہر بات پر اعتراض کرنے کی' بس چلے تو مجھے گھر میں بٹھا کر گیٹ پر تالا ڈال دے۔" معاذ کے لئے ربیعہ کی باتیں نئی نہیں تھیں' اور وہ انہیں اتنی ہی بار اَن سنی کر چکا تھا۔
"بہرحال' اب اس بچے کا پیچھا چھوڑ دو تم' کسی کی ذاتیات میں دخل دینے کا نتیجہ دیکھ تو لیا ہے تم نے' ایک اچھا کام کر رہے ہیں' اگر وہ کسی کو پسند نہیں آرہا ہے تو یہ اس کی مرضی ہے۔"
ریحان فیصلہ کر چکا تھا کہ اب وہ معاذ کو اس سارے جذباتی پن سے دور رکھے گا' جو خود اس کی شرمندگی اور ٹینشن کا سبب بنا تھا۔

و آرائش اس بار ایسی تھی کہ عظمتِ گزشتہ کی یاد تازہ ہو رہی تھی۔

نئے قالین نئے پردے' دسیوں روشنیوں کو ایک ساتھ بکھیرتے جھاڑ فانوس

روشنیوں کا ایسا آرٹسٹک استعمال' جو وہاں پہلے کسی نے کرنا تو کجا دیکھا تک نہیں تھا۔

جگہ جگہ رکھے ایسے حسین پھول دان جن پر سے نگاہ ہٹانے کو دل نہ چاہے یہ بہت سے ہی سیروں پھول آگران میں بج جاتے' اب تو ان کی طرف کی اوپر جاتی سیڑھیوں کی ریلنگ پر بھی گیندے اور بیلے کے پھولوں کی بہار دکھائی دیتی تھی' جو اندر کی سجاوٹ کے بعد بچ جاتے تھے۔

نیچے بیٹھے ننھے پھول والے نے تو محلے کے بقیہ سارے گھروں سے اپنا کاروبار بند کر دیا تھا۔

"ہمارے پاس ٹائم نہیں' یہ چھوٹے موٹے کام نمٹانے کا' کوئی اور دکان دیکھو۔" محض گجروں اور ہاروں کی فرمائش کرنے والوں کو وہ حقارت سے پھٹکارتا۔

شاما سے پل پل کی خبریں ملتی رہتیں۔

نگینہ کو ہر بار ایسا لگتا کہ اس کو ہارٹ اٹیک ہو کر ہی رہے گا۔

"خوشبوؤں کی ایسی لپیٹیں کہ سانس کھینچو تو جیسے اندر تک تازگی ہی تازگی۔" قالین پر بیٹھی شاما۔ گہری سانس لیتے ہوئے آنکھیں بند کیے جھومے گی۔

اور ہال میں قدم رکھ دو تو بس واپسی کا خیال تک دل' دماغ سے رخصت ہو جائے۔"

"پھر وہیں کیوں نہیں مری رہتی' یہاں میرا دل جلانے کے لیے کیوں آ بیٹھی ہے۔" اندر ہمہ وقت اڑتی چنگاریوں کو جیسے پنکھے لگے' آس پاس کوئی چیز ہوتی تو نگینہ ضرور ہی شاما کو دے مارتی۔

"ہائے باجی! میں تو یوں ہی دل بہلانے کو چلی جاتی ہوں ورنہ میرا وہاں کیا کام۔" شاما نے مصنوعی بھول پن خود پر طاری کرنا چاہا۔

"سب سمجھتی ہوں تیرے کام دام' اور یہ جو دل بہلانے کے سلسلے ہیں تیرے' ان پر بھی ذرا لگام ڈال' کہاں گئی تھی کل سیڑھیاں اتر کر آدھی رات ڈھلے' نامراد!"

شاما ڈھٹائی سے ہنسنے لگی۔

"ایک بار جا کر تو دیکھیں آپ' باجی گل ناز نے کیسی کایا پلٹ کی ہے' کہہ رہی ہیں۔ ہر چیز میں نے خود ڈیزائن کی ہے۔ پتہ نہیں کیسے اتنی سلیقے والی ہو گئی ہیں ورنہ پہلے تو ان کے ہاں وہی گھسے ہوئے قالین تھے اور معلوم نہیں کس زمانے کی چائنا سلک کے پردے' جن پر بڑے بڑے مور بیٹھے ہیں۔"

"پیسہ ساری عقل تمیز سکھا دیتا ہے۔ شاما! لاکھوں کما کر لائی ہے گل ناز کی بیٹی' اب تو وہ جو کہے' جو کرے' کم ہی ہے۔"

نگینہ نے ٹھنڈی سانس لی تب ہی صندل تیزی سے کمرے میں داخل ہوئی۔ جوشِ جذبات سے اس کا چہرہ گلابی پڑ رہا تھا۔

"دیکھ صندل!" اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی نگینہ نے اسے تنبیہی نگاہوں سے گھورا' "صاف کہہ رہی ہوں کہ گل ناز کے ہاں کی کہانی سنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے ہی یہ تماشا میرا دل جلا رہی ہے گھنٹے بھر سے اس کا قصیدہ پڑھ کر۔ اب تو مت شروع ہونا۔"

صندل زور سے ہنس پڑی۔

"ہائے امی! دیکھو تو چل کر' بالکل فلموں کا سیٹ لگ رہا ہے' پتا نہیں کس فلم میں دیکھا تھا بالکل ایسا ہی۔۔۔"

ماں کی تنبیہہ کا ذرا بھی اثر لیے بغیر وہ مناسب تشبیہہ کے لیے سوچ میں پڑنے لگی۔

"پاکیزہ' کمال امروہوی کی فلم' اس میں بھی روشنیوں کی ایسی ہی سیٹنگ ہے جب مینا کماری وہ گانا گاتی ہے جس میں ریل کی سیٹی سنائی دیتی ہے۔" شاما کی معلومات اپنے پسندیدہ مضمون میں قابلِ رشک تھیں۔

"میں نے نہیں دیکھی پاکیزہ' مجھے نہیں اچھی لگتیں پرانی فلمیں' اتنی سلو کہ آدمی کو نیند آنے لگتی ہے۔ میں نے تو کسی نئی فلم میں ہی۔۔۔" صندل کی پسند ناپسند زمانے کے عین مطابق تھی۔

فلمیں' اداکار' نئے پرانے گیت۔

شاما کا من پسند موضوع۔

"تو پھر دیوداس میں دیکھا ہوگا' جب دیوداس چندر مکھی کے ہاں۔۔۔!"

نگینہ کا رہا سہا ضبط بھی جواب دینے لگا۔

"بھاڑ میں گیا دیوداس' چندر مکھی اور صندل! جتنا وقت نانی دل دار کے ہاں پھیرے لگانے میں صرف کر رہی ہے۔ اگر اپنے کام کو ٹائم دے تو معلوم نہیں کہاں سے کہاں پہنچے۔"

"کہیں نہیں پہنچتی میں' دیکھنا یہیں بیٹھی رہ جاؤں گی۔ جیسے پھٹیچر حالات ہیں ہمارے' ان میں کوئی بڑا بریک نہیں ملنے والا' ہم بس یوں ہی خیالی پلاؤ ہی پکاتے رہیں گے۔"

صندل نے اور کچھ لیا ہو یا نہیں' بدمزاجی ضرور ماں سے ہی لی تھی' اس وقت غصے میں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ نانی ستارہ خود اس کے تابناک مستقبل کی پیش گوئی کر چکی ہیں۔

اپنی بات کے آگے وہ کچھ سننے کے لیے بھی تیار نہیں تھی' سو پیر پٹختی باہر چلی گئی۔

نگینہ بالکل خاموش بیٹھی رہ گئی۔

اس وقت دل پر عجیب سے انداز میں چوٹ پڑی تھی' ساری عمر ایکسٹرا ناچنے والیوں کے گروپ میں گزار کر' تھوڑے سے پیسوں کے لیے ڈھیر ساری تحقیر سہنے کی اتنی عادی تھی کہ اب پروفیشنل سطح پر تو کچھ بھی برا نہیں لگتا تھا

اور صندل کی بدمزاجی بھی کوئی نئی چیز نہیں تھی' وہ اس سے زیادہ بدتمیزی کا مظاہرہ بھی باآسانی کر لیا کرتی تھی۔ مگر اس وقت تو جیسے دل پر کوئی آبلہ سا پڑا تھا۔

"ہائے باجی! کیا کر رہی ہیں' صندل تو بچی ہے اس کی بات کا برا مان گئیں۔" شاما نے اس کی آنکھوں سے گرتے آنسو دیکھے تو تیزی سے کارپٹ سے اٹھ کر نگینہ کے سرہانے آکھڑی ہوئی۔ "یوں ہی نانی دل دار کے ہاں کی تیاری دیکھ کر جذباتی ہو گئی اور کچھ بھی نہیں۔ وہ تو چھوٹی ہے' میں ہی کیسی بدنیتوں کی طرح گری جا رہی تھی' اللہ معاف کرے' ورنہ ہمارے پاس کس چیز کی کمی ہے' سب سے بڑا سرمایہ تو خود نانی ہیں۔"

نگینہ کا سر اپنے شانے سے لگائے' وہ بڑی محبت سے اسے تسلیاں دے رہی تھی۔

گہری سانولی رنگت والی شاما کی وفاداری بڑی اجلی' بڑی خالص تھی۔

"اور یہ اوپر کی ٹپ ٹاپ تو بس چار دن کی ہوتی ہے۔ ہماری صندل کا تو الماس سے کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے۔ دیکھ لیجیے گا! یہ بھی وقت خود ثابت کرے گا۔ اس وقت یہ باجی گل ناز والیاں خود منہ دیکھتی رہ جائیں گی۔"

بڑی دل سوزی سے وہ وہی باتیں کر رہی تھی جو اس کے خیال میں نگینہ کو خوش کر سکتی تھیں۔

اور ہوا بھی یہی۔

شاما کے کندھے سے لگے لگے نگینہ کو سکون سا آتا محسوس ہونے لگا۔ دل کی گہرائیوں سے کہے گئے اس کے

محبت بھرے جملے ایک بھاری بوجھ کو سرکانے میں کامیاب ہو رہے تھے۔

خلوص کا اپنا ہی رنگ اور محبت کے ہزار روپ۔

زمانے بھر کی نجل خوار شاما ان دل گرفتہ لمحات میں نگینہ کے لیے تو بڑا سہارا ثابت ہوئی۔

"پتہ نہیں کیا نصیب میں لکھا گیا ہے شاما۔" ایک ہاتھ سے آنسو خشک کرکے نگینہ نے ٹھنڈے پانی کا گھونٹ بھرا' جو ابھی ابھی شاما بھاگ کر اس کے لیے لائی تھی "تم دونوں بھی غلط نہیں ہو' زمانہ ہی ایسا آلگا ہے' لوگ بھی اسی طرف کھنچتے ہیں جہاں اوپر کی شوشا دکھائی دیتی ہے۔ یوں اس حال میں ہمارے ہاں کون صندل کے لیے بڑی آفر لے کر آئے گا۔ فلم والوں کے تو بڑے نخرے بڑھ گئے ہیں۔ آج کل کام لینے والیاں خود پیسہ لگا رہی ہیں پتا نہیں کہاں سے پیسے کی برسات ہو رہی ہے ان پر۔ یہاں تو صرف ناچنا گانا ہی آیا' وہ بھی تھرڈ کلاس۔"

شاما کی نگاہ جھکنے لگی۔

"جھولی بھر کر سمیٹنے کے دھندے تو دوسرے ہی ہیں باجی! اور کچھ قسمت کی ماروں کی تو اس میں بھی چونی کی سی اوقات رہتی ہے۔" شاما کے چہرے پر سایہ سا لہرایا۔

نگینہ ایک گہری ٹھنڈی سانس لے کر اس بار خاموش ہی رہی۔

شاما اب اس کے پیر دبانے بیٹھ گئی تھی۔ کبھی کبھی تو اپنی تمام تر سخت مزاجی کے باوجود بھی نگینہ کو شاما پر بڑا پیار آنے لگتا تھا۔

"غریب کا ہمارے علاوہ ہے بھی کون' ساری عمر ماں نے ہماری دہلیز نہیں چھوڑی' اور نہ اب اس نے کوئی اور ٹھکانا ڈھونڈا' کوئی لالچ بھی نہیں' بندھا ہوا ہم سے' نانی دل دار کے ہاں تو اتنا دینے لینے کے بعد بھی کوئی ملازمہ نہیں ٹکی جب ہی تو شاما کو گھیرنے کی فکر میں رہتی ہیں۔"

سر جھکائے پیر دباتی شاما پر نگاہ جمائے نگینہ بڑی تسلی کے ساتھ سوچ گئی۔ دبانے سے بڑا سکون محسوس ہو رہا تھا۔ تب ہی اس کی نگاہ دیوار پر لگے وال کلاک پر پڑی گیتی کے کالج سے آنے کا ٹائم ہو رہا تھا۔

"جا شاما! سیڑھیوں پر کھڑی ہو جا۔ گیتی آتی ہوگی' ادھر برابر والی دکانوں پر دن میں بڑا رش رہنے لگا ہے۔ وہ بہت گھبراتی ہے۔"

"پتا نہیں کہاں کہاں کے لفنگے آنے لگے ہیں' نانی سے کہیں کہ نیچے کی ایک دکان تو خالی کرا ہی لیں۔" شاما کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

نگینہ کو بے ساختہ ہی ہنسی آگئی۔

"یہاں اس محلے میں شریف لوگ تو مجمع لگا کر بیٹھنے سے رہے' یہاں تو سارے ایسے ہی آتے ہیں اور دکان کا اچھا بھلا کرایہ آ رہا ہے۔ تجھے بھی پتہ ہے۔"

پُر سوچ سے انداز میں سر ہلا کر وہ باہر نکل گئی۔ نیچے کی چار دکانیں نانی ستارہ کے اور چار ہی ان کی ہمشیرہ کے حصے میں آئی تھیں۔

نانی دل دار کو تو خیر اتنی ضرورت نہیں تھی' لیکن انہیں آمدنی کے اس لگے بندھے سلسلے سے تھوڑا بہت تو سہارا مل ہی رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

گلی پُر پیچ اور لمبی تھی۔

اپنی طرف کا کونہ مڑتے ہی' گیتی آرا کو لکڑی کے بھاری دروازے کے ساتھ معمول کی بھیڑ دکھائی دینے لگی تھی

"اللہ کرے شاما نیچے ہی کھڑی ہو۔"

اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے اس نے دل سے دعا کی۔ وین سے اتر کر سیڑھیوں تک کا فاصلہ محض چار قدم کا تھا لیکن یہ چار قدم ہی اس کے لیے دوبھر ہونے لگتے تھے۔

صبح سویرے جو گہری خاموشی پوری گلی میں چھائی رہتی تھی۔ اس وقت ماحول اس کے بالکل ہی برعکس ملتا تھا۔

"گیتی کے گھر کے آگے تو ابھی سے پروانوں کا مجمع لگ جاتا ہے۔"

"ویسے تو صندل اور الماس کا کرشمہ ہے۔ گیتی غریب کو کون پوچھنے والا ہے۔"

ساتھ کی لڑکیوں کے وہی فضول سے مذاق! وہ سارے راستے یوں ہی گونگی بہری بنی بیٹھی رہتی۔ "جو پوچھنے والا تھا' وہ تو۔۔۔"

وین ایک ہلکے سے دھچکے کے ساتھ رکی تھی' جب اس نے ان میں سے کسی کو کہتے سنا۔

خیام کے حوالے سے آج کئی دن بعد کوئی بات ہوئی تھی' وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹکی' اور پھر بنا کوئی لفظ کہے گاڑی سے اتر گئی۔

اس کے اترتے ہی چند لمحوں کے لیے وہ فضول سا شور تھم سا گیا۔

اسے پتا تھا کہ اب وہ سب اسی طرف دیکھ رہے ہیں۔

وجود کو چھیدتی وہ نگاہیں جن کا گدلا پن بنا اس طرف دیکھے' اسے نظر آتا تھا۔

اور وہ عام لڑکیوں کی طرح انہیں جھڑک کر محض اتنا بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ "کیا ان کے گھر ماں بہنیں نہیں ہیں"

یہاں گلی میں کھڑکی چوبارے سے جھانکتی اور طبلے کی تھاپ پر رقص کرتی' ہر عورت کو دیکھنا یکساں جائز تھا۔ یہاں کی رونق ان ہی دیکھنے والوں کے دم سے تھی' یہ نہ ہوتے تو یہاں کے مکین بھوکے مر رہے ہوتے۔

دروازے کے آگے اتنا پانی پڑا تھا کہ آسانی سے یہ چار قدم بھی نہیں طے ہو سکتے تھے۔

بظاہر ادھر اُدھر کھڑے لوگوں کی یہ ایک سوچی سمجھی ترکیب تھی۔

اوپر کی سیڑھیوں سے محلے پڑوس کی لڑکیاں دن بھر اترتی چڑھتی رہتی تھیں' سامنے پڑے پانی سے انہیں آنے جانے میں دقت ہوتی' سو وہ زیادہ سے زیادہ دیر نگاہیں سینکنے کا سبب بن جاتیں۔

گیتی نے بے حس سی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا تب ہی جیسے اس کی نگاہوں نے دھوکا سا کھایا۔

مجمع لگا کر بیٹھے ان لوگوں سے الگ تھلگ' دروازے کے انتہائی دوسری طرف' ایک شناسا سی صورت تھی۔ لمحے کے مختصر سے وقفے میں ذہن نے اسے پہچانا۔ یہ وہی تھا! ریڈیو پاکستان کی کھلی ہوئی ہائی ایس میں اوپر کی بالکونی پر نگاہیں جمائے بیٹھا ہوا۔

بہت زیادہ دن بھی نہیں گزرے تھے اس بات کو اور سچی بات تو یہ کہ اس کی نگاہ میں کچھ الگ سا تو تھا ہی۔

اس دن بھی اور آج بھی' جو چونکا رہا تھا' نگاہ ملنے پر ایک شناسا سی چمک اس کی آنکھوں میں اتری اور شاید وہ ہلکے سے مسکرایا بھی۔

گیتی نظر چرا کر آگے بڑھ چکی تھی۔

اسی چھپ چھپاتے پانی میں سے گزر کر وہ دروازے تک پہنچی تو شاما دروازے کا پٹ کھول رہی تھی۔

گیتی نے کھلے دروازے میں سے اندر قدم رکھنے سے پہلے ایک بار پھر نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی طرف دیکھا۔

الگ تھلگ' بظاہر لاتعلق اس بار اس نے گیتی کی طرف دیکھا جیسے محض اتفاقاً" نظر مل گئی ہو۔

گیتی تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی

ابھی جن مختلف طرح کی نگاہوں کا مقابلہ اس نے کیا تھا' یہ ان سب سے فرار ہونے کی لاشعوری کوشش تھی۔

"کیا ہوا؟ کیا ہو گیا؟ ارے مجھے تو بتاؤ!"

کسی گڑبڑ کا احساس شاما کو بھی ہوا' جو وہ اس کے پیچھے کہتی ہوئی اوپر آ گئی۔

گیتی سیدھی نانی کے اور اپنے مشترکہ کمرے میں گئی تھی۔ اور بیگ ایک طرف ڈال کر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر جو رونا شروع کیا تھا تو سب ہی گڑبڑا کر اس کے گرد جمع ہو گئے۔

"ہوا کیا ہے بیٹا! مجھے تو بتاؤ۔ کسی نے کچھ کہہ دیا کیا؟" نانی ستارہ کے دل کو کئی وہم گھیر رہے تھے "کالج میں کوئی بات ہو گئی ہے؟"

انہیں اکثر ہی اس بات کا ڈر رہتا تھا کہ اگر کالج میں گیتی کا یہاں سے تعلق کسی طرح بھی ظاہر ہو گیا تو وہ اس کے لیے بڑا تکلیف دہ ثابت ہو گا۔

لڑکیوں اور ٹیچرز' دونوں ہی کے رویّہ کا وہ اندازہ لگا سکتی تھیں۔

اور کیا خبر کالج والے' سرٹیفکیٹ ہی نہ تھما دیں۔

اس وقت انہیں کچھ ایسا ہی اندیشہ حقیقت میں بدلتا محسوس ہو رہا تھا۔

"اب کب تک رونا ہے۔ دیکھ نہیں رہی کہ اماں کتنی پریشان ہیں بے کار کی نحوست پھیلا رکھی ہے۔" نگینہ کی قوتِ برداشت بس اتنی ہی تھی۔

نانی ستارہ نے اسے تنبیہی نگاہوں سے دیکھا۔ "تم لوگ جاؤ' اپنا اپنا کام کرو' شاما! پانی کا گلاس لا جلدی سے۔"

"پوچھ تو لیں پہلے اس سے۔" نگینہ کا دل نہ چاہا اٹھنے کو' ماں تھی' گیتی کے رونے پر دل کو فکر بھی لاحق ہو رہی تھی' پر نانی ستارہ کے گھورنے پر ایک ایک کر کے سب ہی کو نکلنا پڑا۔

بند دروازے کے پیچھے' نانی اور گیتی کی میٹنگ کی تفصیلات تو سامنے نہ آئیں لیکن نیچے سیڑھیوں کے بالکل ساتھ والی دکان چلاتے' بابل ٹیلر ماسٹر کو دکان فوری طور پر خالی کرنے کا نوٹس' محض ایک گھنٹے بعد ہی مل چکا تھا۔

بابل اس محلے کا سب سے فیورٹ درزی تھا۔ جدید ترین طرز کا ایک سے بڑھ کر ایک لباس' اس کی مہارت کی دھاک بٹھاتا تھا۔

اس گنجان آبادی والی گلی میں بیٹھے سب ٹیلر ماسٹروں سے زیادہ چارج کرتا' پھر بھی ہر ایک کی پہلی ترجیح وہی ہوتا۔ خود نگینہ گھر بھر کے سب کپڑے یہیں سے سلواتی جنہیں وہ ان کا کرایے دار ہونے کے ناتے خاص رعایت کے ساتھ سی کر دیتا تھا۔

برسوں پرانے ناتے کو ایک ہی جھٹکے سے توڑنے کا اعلان بریکنگ نیوز تھا۔

بابل دکان پر لگا رش چھوڑ کر نانی کے پاؤں پکڑ کر بیٹھا رہا۔

منت' خوشامد سب کر کے دیکھ لی۔

کرایے کو دگنا کر دینے کی پیش کش تک کر ڈالی۔ مگر نانی کی ایک نا' ہاں میں نہیں بدلی۔

"مجھے دکان ہر قیمت پر خالی چاہیے' تین دن کے اندر اندر۔"

نہ کوئی کرایہ نامہ' نہ کوئی اور تحریری معاہدہ' یہاں پر ہمیشہ سے تعلقات کے بھروسے پر یوں ہی زبانی فیصلے ہو جاتے تھے۔

بابل کی جمی جمائی دکان کا آج یہاں آخری دن تھا۔ باقی کے تین دن میں اسے یہاں سے سامان سمیٹنا تھا۔ نانی ستارہ جان کی بات آج بھی برادری میں نہیں لوٹائی جا سکتی تھی۔

"کرایے پر دی تھی کوئی بیچ تھوڑی دی تھی بابل کے ہاتھ جو خالی نہیں کراتے' مرضی ہماری بس۔" دم بخود ہوئی

نگینہ کو سفارت کے جواب میں انہوں نے اتنے زور سے جھڑکا تھا کہ وہ آگے ایک لفظ بھی نہیں کہہ سکی۔

بیٹھے بٹھائے روزی کا ایک ذریعہ بند ہوا' سب شاما کمبخت کی کالی زبان کا کرشمہ تھا بھری دوپہر میں منہ بھر کر دکان خالی کرانے کی بات اسی نے کی تھی۔

سو پوری ہو کر رہی۔

تھوڑی دیر پہلے کی غم خواری محبت بھلا کر نگینہ نے اس کی اچھی طرح خبر لے ڈالی۔

"یہاں تو زبان گھس گئی دعائیں کر کر کے' اور اس کی بددعائیں بھی فوراً" قبول ہوتی ہیں' اب کہنا مجھ سے کوئی نیا جوڑا سلوانے کا۔ بڑی آگ لگی تھی تجھے نیچے کی دکان بند کروانے کی۔"

شاما غریب کی صفائی پیش کرنے کی ہر کوشش ناکام رہی۔

"بیڑا غرق ہو تیرا' کل کی مرتی آج مر جائے۔"

ٹھیک جس وقت وہ شاما کو گلی کی سب سے بدزبان خیراں بائی کے انداز میں کوس رہی تھی۔ نانی دل دار اور گل ناز نے معاملے کی خیر خبر لینے کے لیے ادھر قدم رکھا۔

الماس کے کامیاب ترین شو کے بعد ان کا اس طرف یہ پہلا "وزٹ" تھا۔

"کیا آفت آ گئی ہے نگینہ؟ اتنی دیر سے شور مچا ہے۔ مجھے تو ہول اٹھنے لگے ہیں۔" نانی دل دار نے ایک ہاتھ دل پر رکھ کر خاص فلمی اسٹائل اختیار کیا۔ نگینہ کو جتنی چڑ خالہ کی بیٹیوں سے تھی اس سے کہیں زیادہ خالہ سے تھی۔ ان کی چالاکی' موقع پرستی' اور خود غرضی کا مقابلہ نانی ستارہ کی وضع داری سے کرتی تو دل دھاڑیں مار مار کر رونے کو چاہتا۔

"کچھ نہیں خالہ! بس یہ نیچے والی دکان کا جھگڑا پھیلا ہوا ہے۔"

حدادب بہرحال ملحوظ تھی' سو بمشکل ہی خود پر اس نے قابو پایا۔

"دکان کا کیا جھگڑا' سارے پرانے کرائے دار ہیں۔ کوئی نئی بات ہو گئی کیا؟"

نانی دل دار نے جانا بوجھا تغافل برتا' ورنہ بابل کو دکان خالی کرانے کا نوٹس ملنا اب تک یہاں ایک ایک شخص کے علم میں آ چکا تھا۔

نگینہ نے اندر ہی اندر کھولتے ہوئے دو جملوں میں قصہ سنایا تو دونوں ماں بیٹی اس طرح ہنسیں کہ نگینہ کو ایسے لگا جیسے روئے زمین پر اس سے بڑا بے وقوف کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ "آمدنی کا ذریعہ تو تھی خالہ' کچھ نہ کچھ آ ہی رہا تھا۔ اماں نے لے کر ایک دم ہی خالی کروالی۔" اپنے اندر اٹھتی شرمندگی کو دباتے ہوئے اس نے معاملے کی سنجیدگی کی وضاحت کرنا چاہی۔ دونوں کے چہرے پر اب بھی گہری مسکراہٹ تھی۔

"دو چار ہزار کے لیے کیوں اتنا دل جلا رہی ہے' کل تو نہیں۔"

نانی دل دار کا دستِ شفقت اس کے کندھے پر آ ٹھہرا۔ ایسی کیا بات ہے۔ مجھ سے لے لیا کر ہر ماہ پانچ ہزار اگر اتنی ہی فکر والی بات ہے۔

گل ناز کی خیر خواہی میں بڑی جتاتی سی کیفیت تھی۔

تند خو' زہریلی ہوتی نگینہ کو یک دم ہی جیسے سارے وجود میں برف سی بھرتی محسوس ہوئی تھی۔ بائی ستارہ جان اپنے وقت کی نامور کلاسیکل مغنیہ اور بہترین ستار نواز' اور وہ خود ان کی اکلوتی وارث' اس مقام تک آ پہنچی ہے کہ گل ناز اس کا ماہانہ وظیفہ باندھنے کی کوشش کرے۔

"تف ہے تیری اوقات پر نگینہ!"

اسے یقین ہونے لگا کہ وہ جو سوچتی ہے کہ سارے زمانے کی ذلت اور خواری ایک اسی کے نصیب میں لکھی گئی ہے تو کچھ ایسا غلط بھی نہیں ہے۔

"اور کیا میں تو یہ سمجھی کہ خدانہ کرے کہیں کوئی نیا پولیس آفیسر تو نہیں آگیا علاقے میں' وہی پریشانی ڈالتے ہیں آکر۔"

وہ لوگ ابھی تک اس پچھلے برآمدے میں ہی کھڑی تھیں جو یہاں سے وہاں تک پھیلے ان دونوں حصوں کو ملاتا تھا۔

"آپا کو میرا اسلام کہنا۔ پھر کسی فرصت کے وقت میں آؤں گی۔ آج کل تو روز شام کو کوئی نہ کوئی اسپیشل پارٹی آرہی ہے ان کے حساب سے انتظام بھی رکھنا پڑتا ہے سارا دن کی مصروفیت۔" وہیں سے واپس مڑنے لگیں۔

"ایک شو کیا کرلیا بچی نے 'جان آفت میں آگئی ہے۔ روزانہ کوئی آفر لیے چلا آرہا ہے۔"

جب تک وہ خاصی آگے نہ چلی گئیں۔ نگینہ کو ان کی آواز آتی رہی۔ اور جب وہ دونوں اندر جا بھی چکی تھیں تب بھی وہ اس لمبے سے برآمدے میں جہاں اب یک دم ہی سناٹا چھا گیا تھا۔ کچھ دیر اکیلی ہی کھڑی رہی۔

شاما ان ہی گھڑیوں میں جان بچا کر اندر کہیں جا چکی تھی۔

گیتی کا کمرہ یہاں سے قریب تر تھا۔

نانی دل دار 'گل ناز خالہ اور نگینہ امی کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ اسے بنا کوئی کوشش کیے سنائی دیا تھا۔

اور اب خاموش گم صم کھڑی ماں کی جھلک بھی اسے دروازے پر ہلتے ہوئے پردے کے پیچھے سے دکھائی دے رہی تھی۔ خود کو حق بجانب سمجھتے ہوئے بھی اسے شرمندگی گھیرنے لگی ماں کی پریشانیوں کا اور اک شاید کسی کو بھی نہیں تھا۔

"مگر شاید وہ کسی دن ان کا سہارا بن سکے۔"

دل میں پہلی بار ابھرنے والے اس خیال نے اسے خود حیرت زدہ سا کیا۔

"کیا ایسا ممکن تھا؟"

یہاں جہاں ذرہ سے ذات تک کوئی بھی نیوز نہیں دیتی تھی۔

اور سب سے بڑھ کر لاکھوں میں ایک اس کی اپنی کم ہمتی' جواب تک خیام کا دامن تھام کر حوصلہ پکڑتی آئی تھی۔

وہ ہوتا تو شاید کوئی جادو جگا ہی دیتا' مگر وہ تو اکیلا ہی اپنی قسمت آزمانے نکل کھڑا ہوا تھا۔ اس نے ایک بار پھر باہر دیکھا' اب وہاں کوئی نہیں تھا۔

وہ باہر نکل کر نانی کے کمرے کی طرف جانے لگی تب ہی سامنے والے محرابی دروازوں سے کسی کو آتا دیکھ کر بوکھلا کر پیچھے ہٹی۔

باقی آئندہ شمارے میں

غالیہ بخاری

دیوارِ وحشت

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی' نگینہ خالہ اور ولدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے' جس سے اس کی شناسائی ہے' جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے' جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار' لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویّہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے' زیورات کے ساتھ کیتی' آرا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید دھچکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسہ ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں۔ جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پر تو رفاحی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہردم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے' جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں' سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی

نسبتاً" مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔ ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سدِ معاذ کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کردی' جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً" مطمئن ہے۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز' سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت' زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے' جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً" سخت مزاج ہے۔

۹

نویں قسط

وہ باہر نکل کر نانی کے کمرے کی طرف جانے لگی تھی' تب ہی' سامنے والے محرابی دروازوں سے کسی کو آتا دیکھ کر بوکھلا کر پیچھے ہٹی۔

یہ وہی تھا۔

پہلی بار ریڈیو والوں کی وین میں بیٹھا ہوا' دوسری بار آج دوپہر میں ہی گلی میں موٹر سائیکل کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا ہوا۔

اور اب چند گھنٹے ہی گزرے ہوں گے کہ سیڑھیاں چڑھ کر وہ یہاں تک آپہنچا۔

قدرے آڑ میں ہو کر اس نے بہت احتیاط سے ایک بار پھر اس طرف دیکھا۔

شاما کی رہنمائی میں وہ مرکزی ہال میں داخل ہو رہا تھا۔

نانی اپنے ملنے والوں سے یہیں ملا کرتی تھیں اور ابھی جب باقاعدہ محفل شروع ہونے میں اچھے خاصے گھنٹے باقی تھے تو یہ بھی فرض نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ گانا سننے یا رقص دیکھنے کے لیے آیا ہے۔

گیتی کا دل ابھی تک اتنی زور سے دھڑک رہا تھا' اس نے شکر کیا کہ وہ اسے نہیں دیکھ پایا تھا۔ اپنی دھن میں مگن یوں ہی آگے بڑھتا چلا گیا تھا۔

بلو جینز' کھادی ٹائپ کے کسی کپڑے کا کرتا اور کندھے پر جھولتا ایک چھوٹا سا بیگ۔

گیتی کی نگاہوں میں اس کا سراپا اترا۔

درمیانہ قد و قامت اور گندمی رنگت والے' اس عام سے لڑکے میں کوئی بھی خاص بات نہیں تھی' پھر بھی وہ اسے کنفیوز کر رہا تھا تو کیا وجہ تھی؟

صرف یہ کہ اس سے پہلے کسی نے بھی اس کی طرف اتنی توجہ سے نہیں دیکھا تھا۔

سامنے کھڑے سوالیہ نشان کا اس نے پوری دیانت داری کے ساتھ خود کو جواب دیا۔

بات تھی تو کڑوی لیکن جس خیام پر وہ نامعلوم کب سے ہزار جان سے فدا تھی اور اب جب کہ اس کا کوئی نام و نشان تک ہاتھ میں نہ تھا' تب بھی اس خواب سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھی' ایسی بھرپور معنی جگاتی نگاہ سے تو اس نے بھی کبھی نہیں دیکھا تھا بلکہ گیتی کو تو لگتا تھا کہ خیام نے کبھی اس کی طرف غور سے دیکھا ہی نہیں تھا ورنہ شاید وہ اسے چھوڑ کر نہ جاتا۔

دبے قدموں چلتی ہوئی وہ نانی کے کمرے میں آئی وہاں کوئی نہیں تھا۔

نانی ملاقات کے لیے بڑے ہال میں جا چکی تھیں اور شاید نگینہ امی بھی۔

وہ اسی طرح چلتی ہوئی' نانی کے بڑے سارے بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔

کمرہ بے حد صاف ستھرا رہتا تھا۔ مجال نہیں کہ کوئی چیز ادھر سے ادھر ہو جائے۔ ماحول میں نانی کے مخصوص عطر کی مہک' یہاں کی فضا کو خاص بناتی تھی۔

"شاما!" اسے شاما سامنے سے جاتی دکھائی دی تو آواز دے کر بلایا۔

"جی گیتی باجی!" وہ فرماں برداری سے فوراً" ہی پاس آکھڑی ہوئی' صندل اور گیتی دونوں ہی اس سے عمر میں چھوٹی تھیں مگر وہ مارے ادب کے دونوں کے ساتھ باجی لگاتی۔

"میری باجیوں جیسا سارے محلے تو کیا ساری برادری میں کوئی نہیں۔" اپنے ساتھ والیوں پر رعب جمانے کے لیے اور کبھی محض نگینہ کو خوش کرنے کے لیے یہ اس کا بڑا مخصوص جملہ تھا۔

"یہ کون آیا ہے نانی کے پاس؟"

ٹوہ لینے کی خواہش بڑی فطری تھی' لیکن شاما کو چونکا گئی بڑی خلاف مزاج بات تھی جو گیتی نے کی تھی۔

بڑے ہال میں پوری بارات بھی آکر براجمان ہو تو وہ یوں بے نیازی برتتی جیسے رنگ و روشنی میں ڈوبے اس چوبارے میں صرف الو ہی بول رہے ہوں۔

"کوئی ریڈیو سے آئے ہیں آپ کو کوئی کام ہے کیا؟" بہت غور سے اس نے گیتی آرا کے چہرے کو دیکھا۔

"نہیں مجھے کیا کام ہونا ہے' بس ایسے ہی پوچھ لیا۔" وہ شاما کے سوال سے زیادہ خود اپنے آپ پر جھنجلائی تھی۔

"اچھے شریف آدمی ہیں' اتنی تمیز ادب سے بات کر رہے تھے کہ جیسے......"

"شریف آدمی کا ہمارے ہاں کیا کام' ایسے ہی پوز کر رہا ہے' ہمیں نے اچھی طرح نوٹ کر لیا ہے۔"

اندر آتی ہوئی صندل نے شاما کی بات کاٹی' وہ ہال میں ہی تھی' جب نانی کا مہمان وہاں پہنچا تھا' آج اس کے ٹیوشن والے استاد جی' کسی وجہ سے چھٹی کر گئے تھے تو خود ہی پریکٹس میں مصروف تھی۔

مہمان کی آمد سے اس کی مصروفیت میں خلل پڑا تھا۔

"حلیے سے ہی نٹ پونجیا لگ رہا ہے' تمہیں ضرورت ہی کیا تھی' سیڑھیاں چڑھا کر یہاں لانے کی اسے' ہماری قسمت میں ایسی ہی شکلیں رہ گئی ہیں کیا۔"

صندل شاما پر برس پڑی۔

مہمان کے حلیے کے علاوہ' اس کا خود کو نظر انداز کرنا بھی بے حد برا لگا تھا' اور جب وہ غصے میں ہوتی تو ہمیں میں نگینہ کے لہجے میں گفتگو کرتی۔

"خالہ گل ناز کی سیڑھیوں کے ساتھ اتنی گاڑیاں کھڑی ہوتی ہیں کہ گلی میں چلنے کی جگہ تنگ پڑنے لگتی ہے رات میں' اور یہاں وہی ساری بے زار شکلیں' میں تو شکر ہی کرتی ہوں کہ نانی نے میرا پروگرام کم ہی رکھا ہے ہفتے میں۔"

وہ دھپ سے گیتی کے برابر آبیٹھی۔

"سنبھل کر' نانی کا پرانا بیڈ ہے' ٹوٹ گیا تو وہ خبر لیں گی کہ بس۔"

نانی کے قدیمی' قیمتی چھپر کھٹ کو ایسا کوئی خطرہ لاحق نہیں تھا' پھر بھی گیتی کے منہ سے بے ساختہ ہی نکل گیا۔

"اچھا ہے جو ٹوٹ جائے' اس گھر میں اس بہانے کوئی نئی چیز تو آئے گی۔" صندل سخت بے زار ہو رہی تھی۔

اس کا ڈپریشن آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا' کوئی بڑی کامیابی ہاتھ لگ ہی نہیں رہی تھی اور وقت تھا کہ اس رفتار سے گزر رہا تھا کہ اللہ کی پناہ۔

ابھی دن چڑھا اور ابھی ڈوبا۔

پلک جھپکنے کے سے وقفے میں' دن کیا ہفتے مہینے گزرے جا رہے تھے۔

"ہائے میں مر گئی۔" شاما کو دفعتاً ہی کچھ یاد آیا تو تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی "مہمان کے لیے چائے بنائی تھی اور میں یہاں بیٹھ گئی۔"

"پہلے پوچھ تو لو' شریف آدمی ہے تو ہمارے ہاں کچھ کھانے پینے سے پرہیز ہی رکھے گا۔"

صندل کی بات میں بڑی چبھتی ہوئی سی کیفیت تھی۔

گیتی کی نگاہ خود بخود جھکی۔

"ایسے بھی نہیں ہیں' نانی کے پوچھنے پر خود چائے کے لیے کہا تھا انہوں نے۔" شاما تھوڑا سا برا مان کر کہتے ہوئے باہر نکل گئی۔

"ہائے!" ایک گہری سانس لیتے ہوئے' صندل بیٹھے بیٹھے پیچھے بیڈ پر گرنے کے انداز میں لیٹی "کاش کبھی کوئی بڑا ڈائریکٹر پروڈیوسر' اسی طرح بغیر پہلے سے بتائے سیڑھیاں چڑھتا ہوا سیدھا اوپر آئے اور کہے "میں نے اپنی نئی فلم کے لیے صندل کا انتخاب کیا ہے' آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔" کتنا مزا آئے گیتی! ہے نا؟"

اس نے بڑی امید بھری نگاہوں سے گیتی کی طرف دیکھا' موٹا "ہی سہی" اس کی نیستی کا تھوڑا بہت پاس کر کے' گیتی کو اثبات میں سر ہلا دینا چاہیے تھا' مگر وہ اتنا بھی نہ کر سکی۔

"تم اپنی پڑھائی دوبارہ شروع کیوں نہیں کر لیتیں' میٹرک تو پاس کر چکی ہو' اس سال انٹر کا امتحان دے ڈالو پرائیویٹ اور پھر آگے گریجویشن کوئی ایسی مشکل بات....."

"دھت!" صندل نے لیٹے لیٹے' بے ساختہ ایک ہاتھ اس کی کمر پر مارا "تم سے تو بات کرنا فضول ہی ہے۔ یہ اتنے سال سے جان مار کر جو کچھ سیکھا ہے۔ وہ یوں ہی مٹی ہو جانے دوں اور یہ میٹرک میٹرک کی کیا رٹ لگا رکھی ہے' آگے سب کو یہی بتانا ہے کہ ایف اے کرتے ہی فلموں کی آفر آ گئی' اسی لیے پڑھائی جاری نہ رکھ سکی۔" اس نے آگے کی تیاری بھی مکمل کر رکھی تھی۔

"لیکن یہ تو جھوٹ ہوا' کسی کو پتا چل گیا' تو بڑی شرمندگی ہوگی۔" گیتی نے مڑ کر ذرا تشویش کے ساتھ اس کی طرف دیکھا تو وہ ہنستے ہوئے پھر اٹھ بیٹھی۔

"سب چلتا ہے' یہی تو خوبی ہے یہاں کوئی کچھ بھی کہے' کسی کی عزت پر بن نہیں آتی' اب یہ الماس..." چہرے پر آتے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے' وہ ذرا رکی۔

"ہم سب کو ہی پتا ہے کہ ساتویں میں اسکول چھوڑ چکی ہے' دو سال مستقل فیل ہونے کے بعد' ہیڈ مسٹریس نے خود ہاتھ جوڑ کر سرٹیفکیٹ تھمایا تھا' خالہ گلناز کے ہاتھ میں' مگر ہے کسی میں ہمت' جو وہ یہ بات کہہ سکے' خالہ گل ناز ہر ایک کو ہی کہتی ہیں کہ "اے لیول کر رہی ہے الماس خیر سے۔"

وہ نقل بہت اچھی اتارتی تھی' گل ناز کا لب و لہجہ اتنا حقیقی تھا کہ' گیتی بے ساختہ ہی ہنستی چلی گئی۔

"پٹ جاؤ گی' اگر کسی دن انھوں نے سن لیا تو۔"

"بے وقوف تھوڑی ہوں' مٹھی میں لے رکھا ہے خالہ گل ناز کو' ورنہ امی کو تو ہمیشہ تعلقات خراب کرنے ہی آئے' جب ہی تو پیچھے رہ گئیں۔ میں نے تو بہت کچھ سیکھ لیا ہے ابھی سے' بس موقع ملنے کی دیر ہے۔"

وہ پُرسوچ سے انداز میں بات کر رہی تھی۔ اس کے نقطۂ نظر سے لاکھ اختلاف کے باوجود گیتی کو اچھا لگ رہا تھا۔ خیام کے جانے کے بعد' پہلی بار اس نے اور صندل نے اتنی دیر ایک ساتھ بیٹھ کر بات کی تھی۔

آہستہ آہستہ سب کچھ ذہن سے محو ہو رہا تھا۔ اپنے چھوٹے بڑے کمپلکس' نانی کے پاس بیٹھا نیا مہمان اور اس آمد کے ساتھ جڑی معنی خیزی' یہاں تک کہ وقتی طور پر ہی سہی' کسی انجانی سمت اڑان بھرنے والا خیام بھی۔

اور جو قدرت انسانی ذہن کو لچک کی یہ بے مثال صلاحیت نہ عطا کرتی تو یہ کتنی خوف ناک صورت حال ہوتی۔

"دیکھو تو ذرا' کم سہی' مگر آج بھی ایسے بے مثال بچے ہیں تو سہی جن سے مل کر دل خوش ہو جاتا ہے۔"

خاصی دیر لگا کر نانی ستارہ واپس کمرے میں آئیں تو جملہ آغاز یہی تھا۔

آنے والے کی حیثیت اور مقام کا تعین فوراً" ہی ہو گیا۔

"ریڈیو کی نوکری کر رہا ہے اور اپنے زمانے کے اساتذہ سے ملنا' سعادت تصور کرتا ہے' کسی سے میرے بارے میں سنا تو پوچھتا پوچھتا یہاں آگیا' آج کے دور میں کون بنا کسی مقصد کے اتنی تکلیف اٹھاتا ہے' میں نے تو بہت دعائیں دیں اسے' دیکھ لینا بہت ترقی کرے گا زندگی میں' باادب با نصیب۔"

نانی واقعی بہت خوش تھیں اور ان کی پیش گوئی کے بارے میں ویسے ہی تصور کیا جاتا تھا کہ سو نہ سہی نوے فیصد ضرور ہی پوری ہوگی۔

"پھر آیا کیوں تھا نانی! کوئی تو مقصد ہوگا نا۔ کچھ اور بھی تو کہا ہی ہوگا' کیا پتہ آپ کے بہانے یہاں ناچ گانے کا شوق پورا کرنا چاہ رہا ہو' اتنی حیثیت والا تو ہے نہیں اتنے مہنگے شوق آسانی سے پورے کر سکے۔"

صندل کو اتنی سیدھی سادی بات سے تسلی نہیں ہوئی تھی نانی ستارہ نے ایک کڑی نگاہ اس پر ڈالی۔

"خود کو سنبھالو صندل! ماں کے سے انداز مت اپناؤ' اس کی تو خیر قسمت نے ساتھ نہیں دیا۔ بہت دھکے کھانے پڑے ہیں بلکہ اب تک کھا رہی ہے' پر وہ ہمیشہ سے ایسی نہ تھی' جیسی ہوتی چلی گئی۔" نانی کے انداز میں ایک خاص ادا تھی۔

اور جب وہ بولتی تھیں تو کسی کی کیا مجال کہ چوں بھی کر جائے۔

ایسے میں صندل کو ہمیشہ الماس پر رشک آتا تھا' جو نانی دلدار کی اتنی سر چڑھی تھی کہ فضول سے فضول مذاق کرتی اور اتنی زبان چلاتی کہ خدا کی پناہ۔

یہاں الماس کی مثال دینے کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا' جواب میں مزید لمبا لیکچر مل سکتا تھا۔

نانی اب شاما کو ہدایات دے رہی تھیں۔

"نگینہ نو بجے تک آئے گی واپس' اس کے آنے سے پہلے ختم کر لینا سارا کام ورنہ وہ پھر جھنجلاتی پھرے گی۔"

گیتی نے ایک خاموش سی نگاہ اطراف میں ڈالی۔

اپنی ساری کڑواہٹ' اپنے ہی اندر اتارے' چہرے پر سستے میک اپ کی تہہ چڑھائے' نگینہ امی کہاں قسمت کا لکھا بھگتا رہی ہوں گی۔" اسے لگ رہا تھا کہ وہ دن بہ دن ماں کے لیے زیادہ حساس ہوتی جا رہی ہے۔

"شاما کی چائے کی بہت تعریف کر کے گیا ہے' کہہ رہا تھا کہ جلد ہی پھر چائے پینے آئے گا۔" نانی کو پھر کوئی بات یاد آئی۔

"وہ یہاں شام کی چائے کے لیے نہیں بلکہ اس کی خاطر آئے گا۔" گیتی کو اندر سے واضح آواز اٹھتی سنائی دے رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

زوبیہ کو ڈیڑھ لاکھ کی "خطیر رقم" کا دینا' گھر میں خاصی بے چینی کا سبب بنا ہوا تھا۔ جویا اور زویا کو چھوڑ کر' گھر کے تین افراد کا اضطراب بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

شاکرہ چچی' اظہار چچا اور آپا گل' تینوں کی ایسی حالت تھی' جیسے کسی خریدی جانے والی جائیداد کا بیعانہ محض زبانی بھروسے پر دے دیا گیا ہو۔

"نہ ابھی شادی کا پتہ اور نہ تاریخ کا' اور لے کر ڈیڑھ لاکھ روپے پکڑا دیے آپ لوگوں نے کم از کم تاریخ تو رکھوا لیتا تھی اس سے پہلے۔ آپا گل پابندی سے آتیں اور گھر والوں کو بوکھلانے کا فریضہ بنا کسی رعایت کے انجام دیتیں۔

"سب تمہاری والدہ کی کرم فرمائی ہے۔ انہیں بیٹے کے منہ سے نکلا ہر لفظ پورا کرنا ہوتا ہے' چاہے اس کے لیے کسی کی جان پر ہی کیوں نہ بن جائے۔"

اظہار چچا کی جھنجلاہٹ اور بھی بڑھنے لگی' سلمان کی شادی کے نام پر پچھلے چند ماہ میں جس طرح سے وہ معاشی دباؤ میں آئے تھے' خود ہی جانتے تھے چار پانچ لاکھ روپے ہاتھ سے پھسلتے چلے گئے تھے' اوپر کی کمائی کا لاکھ آسرا سہی' لیکن کلرک کی سیٹ پر بیٹھ کر وہ اس کمائی کے واحد حق دار نہیں تھے بہت ہاتھ پاؤں بچا کر کام کرنے کے باوجود بھی' ہر وقت دھڑکا لگا رہتا اور حصے دار حصہ بٹانے کے لیے ہر وقت تیار رہتے۔ ان سے بھی بگاڑ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔

اور یہاں ان کی اتنی ٹینشن جھیل کر کی جانے والی کمائی کو اس طرح گنوایا جا رہا تھا' جیسے انہوں نے کہیں نوٹ چھاپنے کی مشین لگا رکھی ہے۔

"پہلے تم لوگوں نے تیاری کا شور مچا کر لاکھوں روپے برباد کر ڈالے' پھر یہ نیا قصہ اٹھایا کہ جی لڑکی کو الگ سے پیسے بھی دیے جائیں۔"

"وہ تو ابا' زوبیہ کی وجہ سے کرنا پڑا' ورنہ ہمارے ہاں کب ایسا رواج ہے۔" آپا گل نے دبے دبے انداز میں بری الذمہ ہونے کی کوشش کی' ورنہ بہت سی فضول خرچیوں کی ذمہ دار تو وہ خود تھیں۔

"زوبیہ کا کہا پتھر پر لکیر تو نہیں تھا' جس کو پورا کرنے کے لیے سارا گھر یاؤلا ہوا جا رہا تھا۔ وہ صاحبزادے گھر میں ہوتے تو بھی کمرہ بند کیے اندر پڑے رہتے' مجھ سے تو بات تک کرنے کے روادار نہیں تھے۔ اب اپنی مرضی پوری کر لی' خوش ہیں۔"

ابرار چچا کا غصہ دن بہ دن بڑھ رہا تھا۔

پچھلے چند سالوں میں' جس طرح گھر میں پیسے کی ریل پیل دکھائی دیتی تھی اور بنا سوچے سمجھے خرچ کا رجحان فروغ پایا تھا' اس میں بڑی سے بڑی رقم بھی آسانی کے ساتھ انجام کو پہنچ رہی تھی وہ جو سمجھ رہے تھے کہ با آسانی سلمان کی شادی کے قصے کو نمٹا ئیں گے سو اندازے کی غلطی پر پریشانی میں مبتلا تھے۔

حالانکہ سلمان اب بھی خوش کہاں تھا؟

شاکرہ اور آپا گل دونوں ہی کو بار بار اس سے سننا پڑ رہا تھا کہ محض ڈیڑھ دو لاکھ دینے سے اس کی کتنی بے عزتی ہوئی ہے' یہ تو زوبیہ کا احسان ہے کہ اس نے وہ حقیر رقم قبول کر لی۔

اظہار چچا سے سلمان کے خیالات دانستہ چھپائے جا رہے تھے' گھومے ہوئے دماغ کے آدمی تھے برا مان جاتے تو آگے کا آسرا بھی جاتا رہتا۔

"ابھی ولیمہ کا خرچ باقی ہے' گھر کا پینٹ کروانا ہے میں سوچ رہا تھا کہ اس کے کمرے کے ساتھ پچھلی طرف جو تھوڑی سی جگہ خالی پڑی ہے' اسے بھی اندر لے کر' واش روم سے ملحقہ ایک ڈریسنگ روم بھی بنوا دوں' کمرہ بھی ذرا کھلا کھلا رہے گا' الماری وغیرہ ادھر چلے جانے سے' مگر اب تو مشکل ہی دکھائی دے رہا ہے۔"

وہ اپنی پلاننگ بتانے لگے' تو شاکرہ چچی کو بہت دیر بعد بولنے کا موقع ملا۔

"گھر پر خرچا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' اب اس میں کون سا رہنا ہے' ہمیں' چار سو گز کا گھر ہے زوبیہ کے نام' وہیں شفٹ ہونا ہے اب تو' اس گھر کو کرائے پر دے دیں گے' اچھے خاصے پیسے آنے لگیں گے۔"

"یہ بات کس نے کہی تم سے کیا سلمان نے؟" وہ چونک کر بیوی کو دیکھنے لگے۔

آپا گل کو بھی حیرت ہوئی تھی ان کی بات پر۔ زوبیہ کو گھر ملنے کی امید تو کی تھی مگر اتنی واضح قسم کی یقین دہانی آج گھر میں پہلی بار سنی گئی تھی۔

"آج ہی سلمان نے بتایا' زوبیہ اسے خود گھر دکھا کر لائی ہے کہہ رہا تھا بہت خوب صورت گھر ہے' ابھی بھی اس میں کچھ کام وغیرہ چل رہا ہے۔ اوپر نیچے ملا کر کئی کمرے ہیں' سلمان کہہ رہا تھا' سب لوگ بہت آرام سے رہ سکتے ہیں۔"

شاکرہ چچی کے لہجے میں کچھ ایسا فخر تھا جیسے قسمت کی اس مہربانی میں خود ان کا بھی عمل دخل شامل ہو۔

"یہ تو اچھی خبر سنائی تم نے' بڑی بچت ہو جائے گی ہماری' یہ سارا پیسہ جو ہم اس کی شادی پر خرچ کر رہے ہیں سمجھ لو وصول ہو جائے گا' بلکہ دس گنا زیادہ ہو کر۔"

"اور آپ بھی حد کرتی ہیں' اتنی دیر سے اتنی بڑی خوش خبری چھپائے بیٹھی ہیں' شکر ہے' جیسا ہم نے سوچا ویسا ہی ہوا' ورنہ میں تو اس زوبیہ اور اس کے گھر والوں سے' بے حد مایوس ہو رہی تھی۔"

مایوسی بھرے چہرے کھل اٹھے تھے۔

یہ نیوز جو ابھی ابھی شاکرہ خاتون نے بریک کی تھی' تھی ہی اتنی سنسنی پھیلانے والی۔

پوش علاقے میں شاندار گھر باہر سے دیکھے ضرور تھے' مگر اندر جانے کا کوئی اتفاق اب تک نہیں ہوا تھا۔ سارے رشتے دار ابھی تک اپنے پرانے محلوں' پرانے گھروں میں ہی رہتے تھے یہ تو سلمان کی جوڑ توڑ کے ساتھ کی جانے والی منگنی کا ہی صدقہ تھا جو اور بہت سی باتوں کی طرح' وہ اس میں بھی سبقت لے جانے والے تھے۔

"گھر اتنا شاندار تھا تو یقیناً "فرنشڈ" بھی ہوگا۔" یہ بات وہیں بیٹھے بیٹھے فرض کر لی گئی تھی۔

"سلمان بتا رہا تھا کہ' بہت سال پہلے سے کمال صاحب نے یہ گھر زوبیہ کے نام سے لے کر رکھا ہوا تھا' لیکن ظاہر اب کیا ہے۔" شاکرہ مستقل سب کی معلومات میں اضافہ کر رہی تھیں۔

"ظاہر ہے سمجھ دار آدمی ہیں' پہلے سے شور مچاتے تو دس لوگ صرف لالچ میں ہی رشتہ مانگتے چلے آتے' صحیح غلط کی تمیز کرنا بھی مشکل ہو جاتا' آج کل تو جسے دیکھو روپے پیسے کے فائدے کے لیے گرا چلا جا رہا ہے۔"

ساری مایوسی اور خفگی بھلا کر' اظہار چچا اب اتنے معتبر ہو کر بات کر رہے تھے کہ یہ بھی بھول چکے تھے کہ خود ان کا ہر عمل کتنا زیادہ گرا ہوا ہے' بلکہ گرتا ہی چلا جا رہا ہے۔

"کتنا مزہ آئے گا امی! میرے سسرال والے تو جل کر خاک ہو جائیں گے ہمارے ٹھاٹھ دیکھ کر میں تو جب بھی آیا کروں گی۔ اوپر کے کمرے میں ٹھہرا کروں گی' بچے آرام سے ٹیرس پر کھیل بھی لیا کریں گے۔"

آپا گل خاصی پر جوش ہو رہی تھیں اور تخیل کی پرواز کا نہ کوئی حد تھی اور نہ حساب۔

"ٹیرس پر کیوں کھیلیں گے' آگے جو اتنا بڑا لان پڑا ہے' وہ کس لیے ہے' سلمان سے کہوں گی' اس میں بچوں کے لیے جھولے وغیرہ لگوا دے' پہلے سے ہی۔" بے نیازی بھرا حق ملکیت ابھی سے لہجوں میں جھلکنے لگا تھا۔

جویا تو چھوٹے موٹے کام نمٹاتے ہوئے' یہ سب ان سنی کیے جا رہی تھی' مگر زویا جو ابھی ٹیوشن سینٹر سے واپس آئی تھی اور اپنی کتابوں سمیت' یہ نیا قصہ سننے کے لیے بصد شوق بیٹھ چکی تھی' اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی۔

"شیخ چلی مرحوم کہیں ہمارے ہی جد امجد تو نہیں تھے آپا!"

"کیا بدتمیزی ہے زویا! ہم لوگ بات ہی تو کر رہے ہیں۔" دل ہی دل میں چاہے جھینپی بھی ہوں مگر بظاہر آپا گل شرمندہ ہونے کی غلطی کبھی نہیں کرتی تھیں۔ شاکرہ چچی اور اظہار چچا کو بھی یہ بے وقت کی ہنسی بری لگی تھی۔

"تمہیں ضرورت کیا ہے بڑوں کے بیچ میں آ کر بیٹھنے کی' جاؤ کتابیں وغیرہ جا کر رکھو۔ جویا بھی تو ہے مجال ہے جو کوئی شکایت کا موقع دے۔"

[illegible] ان سب کی خفگی کی پروا کیے بغیر وہیں جمی بیٹھی رہی۔

زویا کی بات کا اثر جلد ہی زائل ہونے لگا' نئے گھر کی خوش خبری اتنی بڑی تھی کہ ایسی چھوٹی موٹی باتوں پر موڈ [illegible] کرنا بھی ناشکری کی بات تھی۔

"میں خواہ مخواہ ہی فکر مند ہوا جا رہا تھا۔" اظہار چچا اٹھ کھڑے ہوئے' ذہن پر سے کئی دن کی چھائی ہوئی کوفت [illegible] تھی۔ "بس اب تو جلد سے جلد شادی کی تاریخ مقرر کروا دینی چاہیے' گل! تم بات کرو زوبیہ کی والدہ سے' ان [illegible] بس کی وہ خاتون ہیں نہیں۔"

انہوں نے بیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے' آپا گل کو ذمہ داری سونپی' تو وہ بڑی انکساری سے مسکرا دیں۔

"آپ فکر ہی نہیں کریں' میں اسی ہفتے میں سلمان کے ساتھ ان کے گھر ہو کر آؤں گی۔"

"ارے ہاں گھر سے یاد آیا!" لاؤنج سے نکلتے نکلتے اظہار چچا رکے۔ "اسلام بھائی کے گھر بھی تو ہو کر آنا ہے جب [illegible] معاذ ہاسپٹل سے آیا ہے' ہم ایک بار بھی نہیں گئے ہیں اسے پوچھنے۔"

[illegible] ٹرے میں چائے کے خالی کپ رکھتے ہوئے جویا کا ہاتھ وہیں تھم سا گیا۔

"ہو آئیں گے جب ہمیں فرصت ہوگی' ویسے بھی اب تو ٹھیک ٹھاک ہے' ورنہ کیا امید رہ گئی تھی باقی۔" اتنی [illegible] ہی باتوں کے درمیان یہ ذکر بڑا بے موقع سا لگا تھا انہیں۔

"کچھ نہیں ہوتا ایسے لوگوں کو' بڑی سخت جان ہوتی ہے ان کی؟ بس اسلام بھائی پر خاصا بھاری خرچہ پڑا ہوگا [illegible] ہسپتال کا پتہ نہیں کیسے پورا کیا ہوگا' میں تو سمجھ رہا تھا کہ کہیں مجھ سے قرض نہ مانگ لیں' اسی لیے زیادہ اسپتال بھی [illegible] نہیں گیا۔" وہ وہیں کھڑے رائے زنی کرتے رہے۔

جویا تیزی سے ان کے پاس سے گزرتی ہوئی باہر چلی گئی۔ صرف آپا گل تھیں' جنہوں نے بڑے گہری نگاہ اٹھا کر [illegible] جویا پر بھی ڈالی اور میز پر رکھی ٹرے پر بھی' جو وہ وہیں چھوڑ گئی تھی۔

ان کا یقین پہلے سے بھی گہرا ہو رہا تھا' لیکن وہ اس بات کا ذرا بھی چرچا کرنے کے حق میں نہیں تھیں سو اس [illegible] بھی خلاف عادت خاموش رہیں۔

"میں بھی چلوں گی اسلام چچا کے گھر' پتہ نہیں کتنا عرصہ ہو گیا ان کے ہاں گئے ہوئے' ربیعہ اس روز بہت کہہ کر [illegible] گئی تھی ہم لوگوں کو۔"

زویا نے اس غیر یقینی سے پروگرام میں اپنی جگہ کا تعین بھی کر لیا۔

شاکرہ بیگم یا آپا گل میں سے یقیناً "کوئی ٹوک بھی دیتا' اگر وہ فوراً" ہی حمایت نہ کر دیتے۔

"ضرور چلی جانا' بلکہ تم اور جویا دونوں ہی جانا اپنی امی کے ساتھ' اچھا رہے گا۔"

"جویا کو بھیجنے کی کیا ضرورت ہے ابو! اتنی بد مزگی ہو چکی ہے دونوں گھروں کے درمیان اور پھر وہ لفنگا معاذ' اس [illegible] سے تو ڈر ہی لگتا ہے۔"

آپا گل اتنی بڑی بے وقوفی کے حق میں نہیں تھیں اور نہ ہی والدہ۔

"اتنی مشکل سے بات ختم ہوئی ہے' جویا جائے گی تو انہیں پھر سے امید بندھنے لگے گی اور کوئی کہے نہ کہے تائی [illegible] ضرور ہی کوئی نہ کوئی بات اٹھائیں گی۔"

دادی کی صاف بات کرنے کی عادت سے سب ہی کو گھبراہٹ ہوتی تھی۔

اظہار چچا نے بڑے اطمینان سے ان دونوں کے خدشات سنے تھے اور جب وہ لوگ ذرا خاموش ہوئیں تو اسی

اطمینان کے ساتھ بولے۔

"اب ایسا کچھ نہیں ہوگا' اسلام بھائی نے جو اس روز ربیعہ کو یہاں بھیجا تھا تو اس کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ' انہیں سلمان سے رشتہ ختم ہونے کا کوئی قلق نہیں ہے اور ربیعہ کے لیے یہ گھر' خاندان کے عام گھروں ہی کی طرح ہے' جہاں وہ آرام سے آجا سکتی ہے' میں بھی ایسا ہی پیغام انہیں دینا چاہتا ہوں کہ ہم بھی ان سے اپنی صرف رشتے داری نبھا رہے ہیں اور جویا کے لیے ان کے گھر آنا' کوئی اور معنی مطلب نہیں رکھتا۔"

ان دونوں کی سمجھ میں کیا آیا اور کیا نہیں' لیکن سامنے کچن میں کھڑی جویا کا دل بڑی حیرت بھری خوشی میں گھرنے لگا' ایک ان ہونی تھی' جو ہونے جا رہی تھی۔

ان پچھلے سارے تشویش ناک دنوں میں' دن رات کے کتنے ہی لمحوں میں' اس نے دل سے دعا کی تھی کہ کچھ ایسا ممکن ہو' جو وہ اسے ایک نگاہ دیکھ سکے۔

لیکن...

وہ جسے سارا خاندان' بے تکان ڈسکس کرتا تھا اور جو بدخواہوں کے ساتھ ساتھ چاہنے والوں میں بھی خود کفیل تھا۔

ایک اسی کے لیے سب سے زیادہ ناقابل رسائی تھا۔ تقدیر کی یہ مہربانی' جس صورت بھی مل رہی تھی' باعث شکر تھی۔

اجازت سے جڑے جواز کے سیاق و سباق پر ذرا سی بھی توجہ دیے بغیر' وہ خوش تھی۔

یہاں ایک طویل عرصے سے معاذ اور اس کے گھرانے کی مخالفت میں اتنا کچھ کہا سنا جا چکا تھا کہ بات کو کسی بھی انداز میں کہا جاتا' مطلب صرف ایک ہی ہوتا تھا تو اس وقت بھی کون سی نئی بات تھی۔

اظہار چچا باہر جا چکے تھے اور آپا گل کا موضوع اب بدلا ہوا تھا۔

"بڑے ہی عجیب لوگ ہیں' چکر پر چکر لگا رہے ہیں۔ حالانکہ میں نے تو بڑے واضح الفاظ میں جتایا بھی تھا کہ' تربیتی بدسلیقہ اور بدزبان لڑکی شاید ہی کوئی ہو' مگر ایسے ان سنا کر گئے جیسے سمجھ ہی نہیں سکے ہوں۔"

حسد' حرص' جلاپا' شادی شدہ زندگی میں ان کی زیادہ تر مصروفیت' ان ہی احساسات کے ساتھ تھی۔

"وہ لوگ آپ کی برائی کو ایسے ہی بے کار کا بغض سمجھے ہوں گے' کرتی ہیں نا اکثر بھابھیاں نندوں کی دوسروں سے برائی۔"

زویا ابھی تک وہیں بیٹھی تھی اور بڑوں کی باتوں میں اپنا حق سمجھ کر دخل دیے جا رہی تھی' آپا گل اور اس کی عمروں کے درمیان اتنا واضح فرق تھا کہ وہ اس بے ادبی پر جتنا بھی برا مانتیں کم تھا۔

زویا کو زوردار جھاڑ پڑنی شروع ہو چکی تھی۔

چائے کی ڈھلی ہوئی پیالیاں خشک کرتے ہوئے' جویا نے یوں ہی ذرا مڑ کر ان دونوں کے چہرے کے تاثرات دیکھے' اور منہ پھیر کر ہلکے سے ہنس پڑی' بہت دن بعد یوں ہی بے وجہ ہنسنے کو دل چاہ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"جویا' جویا!" آپا گل سے اس کی تھوڑی سی پرائیویسی بھی برداشت نہیں ہوئی تو آوازیں دینا شروع کر چکی تھیں۔ وہ یوں ہی مسکراتی ہوئی باہر چلی آئی۔

"کیا بات ہے بہت خوش ہو۔" انہیں اس کی مسکراہٹ بھی مشکوک سی لگی۔

"ابھی تو شکرانہ بھی پڑھے گی۔" زویا برجستہ بول اٹھی' جویا نے ذرا برا مان کر اس کی طرف دیکھنا چاہا' مگر ہنستی چلی گئی۔

آپا گل سب سمجھتی تھیں' زویا اور جویا دونوں کی عقل پر انہیں سخت افسوس ہوتا تھا۔

مگر کہہ کہہ کر بھی تھکتی جا رہی تھیں' تب ہی سلمان تیزی سے لاؤنج میں آیا۔

کوئی خاص بات تو ضرور ہی تھی' جو اس کا چہرہ خوشی سے سرخ ہوا جا رہا تھا۔

اس کا یہ موڈ آج بہت دن بعد دکھائی دیا تھا۔ دل ہی دل میں سب ہی نے ایک بار تو شکر ادا کیا۔

"امی! زوبیہ کے والدین نے اس اتوار کو انوائٹ کیا ہے' شادی کی ڈیٹ فکس کرنے کے لیے..." بنا کسی تمہید کے اس نے خوش خبری سنائی۔

"چلو شکر ہے! ورنہ میں تو اب ناامید سی ہوتی جا رہی تھی۔" آپا گل کا ری ایکشن بڑا ہی فوری تھا۔

شاکرہ خاتون نے دونوں ہاتھ اٹھا کر باقاعدہ شکر کیا اور پھر ایک تنبیہی نگاہ آپا گل پر ڈالی۔

"ایسی خوشی کی گھڑی میں بے کار کا وسوسہ ڈالنا۔"

"مجھے تو پہلے ہی پتہ تھا کہ اب وہ دیر نہیں لگائیں گے' جب جوڑے کے پیسے مانگ رہے ہیں تو ظاہر ہے۔"

"امی پلیز! یہ باتیں وہاں مت جا کر کیجیے گا' زوبیہ پہلے ہی۔" اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑی۔

اس خوشی کے موقع پر یہ بتانا کیا ضروری تھا کہ وہ ڈیڑھ لاکھ اس کے لیے کس درجہ شرمندگی کا باعث بنے ہیں۔

☆ ☆ ☆

لاؤنج سے اندر کی طرف جاتے کاریڈور میں رک کر نبیل نے سامنے لگے آئینے پر ایک نگاہ ڈالی اور بڑے فخر سے مسکرایا۔

چند مہینوں میں اس کی شخصیت میں بڑی مثبت ظاہری تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔

اچھا ماحول' اچھا کھانا' اور سب سے بڑھ کر وہ بے فکری' جو ہمہ وقت جیب میں موجود والٹ میں اٹاٹ بھرے روپوں کی دین تھی۔

اس کی شخصیت میں چار سے بھی زیادہ چاند لگ چکے تھے اور وہ ان پر غرور کی حد تک نازاں' ایک ہاتھ سے اس نے اپنے تازہ شیمپو کیے بالوں کو پھر سے سیٹ کیا۔

کسی بہت اچھے پرفیوم کے منی پیک کو کلائی اور گردن پر استعمال کیا اور مطمئن سا ہو کر آگے بڑھ گیا۔

اپنی شخصیت کی دل کشی کے بارے میں وہ اب ہمیشہ سے زیادہ پُر اعتماد تھا۔

اس کے تیز اٹھتے ہوئے قدم' اب اس وسیع و عریض گھر سے مکمل واقفیت کی گواہی دیتے تھے' دھیمے دھیمے سیٹی پر "کما کیا اس دل نے" کی دھن بجاتے ہوئے وہ بڑے ہی خوشگوار موڈ میں تھا تب ہی اسے یہ بے وقت کی مداخلت بے حد کھلی۔

"بیگم صاحبہ ابھی اٹھی نہیں ہیں میاں! آپ تھوڑی دیر لاؤنج میں انتظار کر لیں۔"

عظمت بوا بوتل کے جن کی طرح اچانک ہی اس کے اور زرتاج بیگم کے کمرے کے بیچ آ کھڑی ہوئیں۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے تو میری بات ہوئی ہے۔" اس نے ان پر اپنی اہمیت واضح کرنا چاہی' مگر انہوں نے ذرا جو اثر لیا ہو۔

"ہوئی ہوگی مگر میں بلا اجازت نہیں ملنے دے سکتی یہ ان ہی کا حکم ہے سب کے لیے۔" ساری عمر بڑے گھر میں گزار لینے کے بعد خود بوا عظمت میں عام طور پر بڑی امیرانہ سی رکھائی جھلکنے لگی تھی۔

نبیل کو اس اتنے بڑے گھر میں ایک وہی تھیں جو ناپسندیدہ مقابل آتی محسوس ہوتی تھیں۔

پہلے کی بات اور تھی' مگر اب وہ اس کے لیے دن بہ دن ناقابل برداشت ہو رہی تھیں۔

"بھگی بڑھیا!" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔
تب ہی بیگم زرتاج کے کمرے کے باہر لگا سرخ بلب ایک مخصوص آواز کے ساتھ جل اٹھا۔
عظمت بوا مڑ کر فوراً ہی اندر چلی گئیں۔ زرتاج ابھی بھی اپنے نرم و دبیز بستر پر نیم دراز تھیں۔
کھڑکیوں کے پردے گرے ہوئے تھے اور اکا دکا جلتی اسپاٹ لائٹ کا عجب ہی فسوں پھیلا تھا۔
"کوئی ہے کیا باہر؟" بے تاثر سے لہجے میں وہ پوچھ رہی تھیں۔
"جی وہ لڑکا نبیل' آپ سے ملنے کی ضد کر رہا تھا' میں نے منع کر دیا' ابھی تو آپ کو تیاری میں خاصا وقت لگے گا۔"
انہوں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اپنی کارگزاری سنائی۔
"آج میں گھر پر ہی ہوں' تم بھیج دو اسے اور جب میں کہوں' اس وقت چائے لے کر آنا' ابھی آکر سر پر سوار مت ہو جانا' مجھے کچھ ضروری کام ڈسکس کرنے ہیں۔" وہی مخصوص رکھائی' جس کے گھٹنے بڑھنے پر ملازم ان کے موڈ کا اندازہ لگاتے تھے۔
عظمت بوا بھی فوراً مؤدب ہو گئیں۔
"جی بیگم صاحب!"
انہوں نے اپنی توجہ فی الفور زرتاج کے قابل اعتراض حلیے سے ہٹائی۔
"اور سنو۔" انھیں جب وہ دروازے سے نکلنے ہی والی تھیں' زرتاج کہتی سنائی دیتی۔
"نبیل میرا پرسنل سکریٹری ہے' اس کے ساتھ عزت کے ساتھ پیش آیا کرو۔"
"جی!" وہ بس اتنا ہی کہہ پائیں۔
نبیل ابھی تک وہیں کھڑا تھا' جہاں وہ اسے چھوڑ کر گئی تھیں۔
ان کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر اس کے لبوں پر بڑی فاتحانہ مسکراہٹ ابھری تھی۔
مگر جواباً جس جتاتے انداز میں انہوں نے اسے دیکھا تھا' اس نے فتح کی ساری خوشی پل کے چھوٹے سے وقفے میں ہی مٹا ڈالی۔
"جائیں۔" وہ کہتی ہوئی اس کے پاس سے گزرتی چلی گئیں۔
نبیل کمرے میں داخل بڑے خراب موڈ کے ساتھ ہوا تھا' کمرے کا پرسکون' ٹھنڈا' رومینٹک ماحول' اور خود زرتاج' جواب تک اس پر سو جان سے مہربان ہو چکی تھیں۔
نبیل پر اب اپنی اہمیت کا احساس سب سے زیادہ حاوی رہنے لگا تھا۔
"تمہارا موڈ کچھ خراب ہے۔" انہوں نے بڑے ادا سے اس کا ہاتھ تھاما۔
"ان عظمت بیگم کی چھٹی کر دیں' مجھ سے نہیں برداشت ہوتیں یہ' ہر وقت اس طرح مشکوک نگاہوں سے میری طرف دیکھتی ہیں کہ برداشت سے باہر ہونے لگتا ہے۔"
وہ بری طرح جھنجلایا ہوا تھا' لیکن اپنا ہاتھ زرتاج کے نرم ہاتھ سے اس نے دانستہ نہیں چھڑایا۔
"پرانی ملازمہ ہے' نظر انداز کر دیا کرو بس کچھ دن کی تو بات ہے۔"
لگاوٹ بھری مسکراہٹ کے ساتھ وہ اس کی خفگی کو دور کر رہی تھیں۔ "تمہاری اہمیت کا بہت جلد ان سب کو اندازہ ہونے والا ہے' پھر دیکھنا کیسے تمہاری نگاہ کے اشارے کے غلام ہوں گے سب۔"
رضامندی کا اعلان کرتے یہ الفاظ' کتنے حیات بخش تھے۔ یہ وہ پچھلے کچھ عرصہ میں اچھی طرح جان چکا تھا' طبقہ امراء سے تعلق رکھنے والی اس پر اسرار پختہ العمر مگر ناز و ادا سے بھری عورت کی زندگی میں وہ آخر کار سب سے اہم

جگہ حاصل کر چکا تھا۔

"اپنا کمرہ تمہیں کیسا لگا' میں نے خود اپنی نگرانی میں سیٹ کروایا ہے۔" ان بالکل نجی لمحات میں وہ نبیل کی قربت میں بے حد خوش دکھائی دے رہی تھیں۔

"اچھا ہے' لیکن اس کمرے سے زیادہ نہیں۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

اب اسے یہیں ایک کمرہ دے دیا گیا تھا۔ جس کے آرام دہ بستر پر اسے ساری رات خوشی کے مارے نیند بھی نہیں آئی تھی۔

"اس کمرے کی ملکیت بھی مل جائے گی' خود کو ثابت ہو جانے دو۔"

زرتاج کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی' مگر وہ کچھ سہم سا گیا' کبھی کبھی ایسا لگتا تھا کہ وہ اس کے ساتھ چوہے بلی والا کھیل کھیل رہی ہیں۔

وہ اتنی غیر یقینی عورت تھی کہ نبیل کو قربت کے لمحات میں بھی پوری طرح یقین نہیں آتا تھا کہ وہ اسے ڈھیل دے کر اپنی طرف کھینچنے والی ہے یا پھر ایک جھٹکے سے ڈور ہی توڑ ڈالے گی۔

"ایک تو تم برا بہت جلد مان جاتے ہو۔" وہ نبیل کے چہرے کے تاثرات کو نوٹ کرنے میں کبھی غلطی نہیں کرتی تھیں۔

"نہیں' اپنی قسمت سے ڈرتا ہوں۔" خود پر جانی بوجھی سی شکستگی طاری کرتے ہوئے وہ تھوڑا سا ہٹ کر بیٹھا۔

"میرے ساتھ رہ کر بھی؟"

"آپ کے ساتھ ہی تو نہیں ہوں۔" ایک ٹھنڈی سانس لیتا ہوا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ کیا پرانی فلموں کی ہیروئنز کی طرح آہیں بھرنے لگے ہو تم پر بالکل بھی سوٹ ــــ" دروازے پر بڑی غیر متوقع دستک ہوئی تھی۔

اس بار زرتاج کو نبیل سے زیادہ برا لگا۔

"اس بڑھیا کا بھی کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا' جب ایک بار کہہ دیا تھا کہ ڈسٹرب مت کرنا۔"

ان کا موڈ بڑا جارحانہ ہونے لگا تھا۔ اپنا حلیہ درست کرنے میں جو دو تین منٹ لگے ان میں وہ عظمت بوا کے لیے' جو الفاظ استعمال کر سکتی تھیں' انہوں نے کیے۔

"کیا موت آ رہی ہے تمہیں' جس کی اطلاع دینا ضروری تھی' کان کھول کر سن لو' اپنی نافرمانی نہیں برداشت کر سکتی' دھکے دے کر گھر سے باہر کر دوں گی۔"

عظمت بوا بے تاثر سا چہرہ لیے ان کے خاموش ہونے کا انتظار کیے گئیں۔

زرتاج کی بدزبانی اور اپنی بے عزتی کو وہ اپنی ملازمت کا حصہ سمجھ کر قبول کر چکی تھیں۔

"آپ کے بھائی صاحب آئے ہیں' زوبی بیٹا کے والد۔" ان ہی ذلت بھرے لمحات میں انہوں نے اطلاع دے کر اپنا فرض انجام دیا۔

"کیا؟" زرتاج کو جیسے جھٹکا سا لگا۔

خود نبیل بھی جو بوا عظمت کے جھاڑے جانے پر بڑا اطمینان محسوس کر رہا تھا' گھبراہٹ میں مبتلا ہونے لگا۔

"وہ تو سیدھے آپ کے کمرے میں آ رہے تھے' بڑی مشکل سے میں نے لاؤنج میں روکا ہے۔"

"نبیل! تم جا کر یوسف بھائی کے ساتھ بیٹھو' میں ابھی آ رہی ہوں' چینج کر کے۔" زرتاج کا لہجہ حسب عادت روکھا ہونے لگا تھا۔

نبیل ہڑبڑا کر فوراً" ہی باہر نکل گیا اور اس کے پیچھے پیچھے بوا عظمت بھی۔

یوسف کمال انہیں سامنے کوریڈور میں ہی مل گئے' غالباً" وہ بہت جلدی میں تھے۔

"زرتاج کمرے میں ہے' میں اس سے وہیں مل لیتا ہوں۔" وہ کہتے ہوئے آگے بڑھے ہی تھے کہ نبیل ان کے سامنے آ گیا۔

"میڈم نے کہا ہے کہ آپ بیٹھیں' وہ چینج کر کے آ رہی ہیں۔" انہوں نے ایک گہری نگاہ اس خوش شکل اور خوش پوش لڑکے پر ڈالی' جس کے انداز میں کچھ تو تھا' جو انہیں پن کی طرح چبھا تھا۔

"آپ کی تعریف؟"

ان کی مصروفیت انہیں بہت سی باتوں سے لاتعلق رکھتی تھی۔

"میں ــــ نبیل۔" وہ فوراً" ہی کنفیوز ہوا۔ "میڈم کا سیکریٹری۔" اچھے کپڑوں اور روپوں سے بھرے والٹ کے بل پر خود ساختہ خود اعتمادی نے' ایک بے حد مغرور نظر آتے شخص کے آگے فوراً" ہی گھٹنے ٹیک دیے۔

"اوں ہوں!" نبیل قطعی جو مطلب سمجھ پایا ہو۔

یوسف کمال نے ایک نگاہ کمرے کے بند دروازے پر ڈالی' جہاں جانے سے انہیں روکا گیا تھا اور یہ نوجوان وہیں سے برآمد ہوا تھا۔

بنا ایک بھی لفظ کہے وہ لاؤنج میں آ بیٹھے۔ نبیل قریبی صوفے پر بیٹھا' تو انہوں نے بس ایک تنبیہی نگاہ ہی اس پر ڈالی' جس پر وہ بس پہلو بدل کر رہ گیا تھا۔

"یہ لوگ یقیناً" خاندانی مغرور تھے۔" اور اس نے قطعی رائے قائم کی۔

یوسف کمال بالکل خاموش تھے' لیکن ان کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔

بہن کے آئے دن بدلتے خوش شکل اور اسمارٹ سکریٹریز ان کے علم میں بھی آتے رہتے تھے اور ایک جیسے سرکل میں موو کرتے ہوئے' وہ زرتاج کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی سوشل سرگرمیوں سے بھی خاصی واقفیت رکھتے تھے سب کچھ نارمل ہی تھا۔

ان کی بہن سوسائٹی میں ایک طاقت ور عورت کے روپ میں جانی جاتی تھی اور وہ اس پر بجا طور فخر کرتے تھے۔ کبھی کبھار جو معنی خیز باتیں سننے میں آتیں' وہ اتنی عام سی تھیں کہ ان پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی جاتی تھی۔

وہ سب بے حد مصروف لوگ تھے عام لوگوں سے بالکل مختلف۔

"آپ کے لیے چائے ــــ" نبیل نے دل کڑا کر کے ایک بار پھر کوشش کرنا چاہی' مگر انہوں نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔

"وہاں میری گاڑی میں مٹھائی کے ڈبے رکھے ہیں جا کر اتروا کر لاؤ۔"

بات چھوٹی سی ہی تھی' مگر جس سرد مہری سے کہی گئی تھی' نبیل کو بڑا ہتک آمیز سا لگا۔

"عظمت بوا! راجو سے بولو کہ صاحب کی گاڑی میں سے سامان اتارے۔" اس نے آگے جاتی عظمت بوا کو آرڈر کیا۔

جن ہواؤں میں وہ آج کل اڑ رہا تھا' اس کا تھوڑا سا اظہار وہ کر ہی گیا' مگر یہی اس کی غلطی ثابت ہوئی۔

"تمہیں زرتاج نے کوئی مینرز نہیں سکھائے اب تک کہ بڑے گھروں میں کس طرح رہا جاتا ہے۔" کمال کی چبھتی ہوئی نگاہیں نبیل کے چہرے پر گڑ سی گئی تھیں۔

"اس سے پہلے جاب کی ہے کسی بڑے آدمی کے پاس یا نہیں' جو اتنی بھی تمیز نہیں کہ مالک کے ساتھ کس طرح پیش آیا جاتا ہے۔"

وہ بری طرح بگڑ رہے تھے اور نبیل ان کے انگلی کے اشارے پر کھڑا ہو چکا تھا تب ہی اسے زرتاج سامنے آتی دکھائی دیں۔

"اب کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو' سنا نہیں میں نے کیا کہا۔" وہ عرش سے فرش پر بڑے زور سے گرا تھا۔

"کن لوگوں کو تم رکھ لیتی ہو زرتاج!" وہ لاؤنج سے نکل رہا تھا تو اس نے یوسف کمال کو زرتاج سے کہتے سنا۔

نبیل کی تشویش میں اضافہ ہو رہا تھا۔

اس تھوڑی سی دیر میں اس نے کمال کی نگاہوں میں اپنے لیے گہری نفرت دیکھی تھی اور یہی وہ شخص تھا' جو آئندہ زندگی میں اس کے لیے رکاوٹیں کھڑی کرنے والا تھا۔

سر جھٹک کر اس نے کسی ان دیکھی شے کو ٹھوکر سے اڑایا۔

"راجو' راجو!" سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر اس نے اپنے ڈرائیور دوست کو بھی پورے مالکانہ استحقاق سے پکارا۔

"کمال صاحب کی گاڑی سے مٹھائی اتروانا ذرا۔"

راجو کے آنے تک وہ وہیں کھڑا رہا۔

"تمہارے بھائی کا فون آیا تھا۔ پھر میرے پاس۔" مٹھائی کے دو بڑے بڑے ڈبے لاتے ہوئے راجو کے پاس اس کے لیے اطلاع بھی تھی۔

"پھر تُو نے منع کر دیا نا!"

"ہاں ظاہر ہے تم نے جو سختی سے منع کر رکھا ہے' کیسے بتا دیتا' لیکن آج کل بہت فون کر رہا ہے نواب بھائی۔"

"ایسا کر تو سم بدلوا دے' تھک ہار کر خود ہی بیٹھ جائے گا۔" وہ کسی صورت یہاں کا پتہ کسی ایسے شخص کو دینے کے لیے تیار نہیں تھا' جس کے ساتھ تعلق کی کوئی بھی شکل بنتی ہو۔

یہ بات راجو کو بھی پتہ تھی۔

"خالی سم کیا' موبائل ہی بدلوا دے نا' تیرے لیے اب کیا مشکل ہے یار! تیرے صدقے ہم بھی ذرا شو بازی کا مزہ لے لیں۔"

راجو نے بھی بہتی گنگا میں سے ہاتھ دھو لینے چاہے۔

"اچھا ٹھیک ہے لے دوں گا۔" اس نے صاف صاف ٹالا' غصہ تو بہت آ رہا تھا' لیکن اس مرحلے پر راجو سے بگاڑ بھی نہیں لیا جا سکتا تھا۔

اندر لاؤنج کی فضا گرم تھی۔

نبیل مٹھائی کے ڈبے اٹھائے' دست بدستہ وہاں پہنچا تو کمال زور زور سے بولتے ہوئے یک دم ہی خاموش ہوئے۔

"یہ ڈبے تم ادھر ٹیبل پر رکھو اور خود جا کر باہر بیٹھو۔" انہوں نے ایک بار پھر اس کی حیثیت کا تعین کیا۔

نبیل کی نگاہ بے ساختہ ہی زرتاج کی طرف اٹھی' مگر وہ اس وقت بڑی لاتعلق دکھائی دے رہی تھیں' اسے ناچار حکم تسلیم کرنا پڑا۔

"تم اپنے بیٹے کو یہاں واپس کیوں نہیں بلا رہی ہو' اس کے آنے سے بہت فرق پڑ سکتا ہے' کم از کم وہ ان واہیات لوگوں کو تو لگام ڈال ہی لے گا' جن کو تم نے سر پر چڑھا رکھا ہے۔"

یوسف کمال کا لہجہ ابھی تک بے حد سخت تھا اور اتنی دیر میں وہ نبیل کے حوالے سے بہت کچھ کہہ چکے تھے' زرتاج بیگم نے بے ساختہ ہی پہلو بدلا۔

"میں اس کی پڑھائی خراب کرنا نہیں چاہتی' یہاں کام ٹھیک ٹھاک چل ہی رہا ہے۔"

کمال کو لگا جیسے وہ اپنے جوان بیٹے کو جان بوجھ کر یہاں سے دور رکھے ہوئے ہیں۔

"یہ مٹھائی کیسی ہے؟" زرتاج نے سوالیہ نگاہوں سے اس طرف دیکھا۔

"زوبیہ کی ڈیٹ فکس ہوئی ہے' ان لوگوں کا اصرار بڑھ رہا تھا' میں نے بھی سوچا ٹالنے سے کیا فائدہ' جب زوبی کی سمجھ میں کوئی بات آنے والی ہی نہیں ہے' اگلے ماہ کی تاریخ ہے اٹھائیس۔"

"مبارک ہو۔" دل میں بڑی ٹھنڈک سی اتری تھی۔

"معمولی سے گھرانے میں زوبیہ بہو بن کر جا رہی تھی۔" اس لیے زیادہ خوشی تھی۔

"ساتویں آسمان پر دماغ رہتا تھا ماں بیٹیوں کا' اب پتہ چلے گا۔" کمال اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"ایک بار پھر تمہیں وارن کر رہا ہوں' اس لڑکے کو یہاں سے رخصت کرو فوراً" اس کی نیت ٹھیک نہیں ہے' مجھے انسان کو پہچاننے میں دیر نہیں لگتی ہے یہ تمہیں ایسا نقصان پہنچائے گا جس کا تم اس وقت اندازہ بھی نہیں کر سکتیں۔"

وہ بڑی طمانیت سے مسکرائیں۔

"تمہاری بہن ہوں' مجھے نقصان پہنچانا آسان نہیں' بے فکر رہو تم نے بھی تو زندگی بھر بڑے خطرناک کھیل کھیلے ہیں اور اب تک کھیل رہے ہو' چند بازیاں میں بھی لگا لیتی ہوں' بس یوں ہی۔"

اپنی بات کے اختتام پر وہ ہلکے سے ہنس پڑیں ایک دوسرے کے معاملے میں حد سے زیادہ دخل دینا' ان کے ہاں ہمیشہ سے ممنوع رہا تھا' اور اب اس بے حد میچور عمر میں آ کر تو اور بھی زیادہ۔

یوسف کمال کو ہمیشہ ہی ایسا لگتا تھا' جیسے وہ اپنی سگی اکلوتی بہن کو کبھی بھی ٹھیک سے جان ہی نہیں پائے۔

بلکہ وہ شاید کسی کو بھی نہیں جانتے تھے' ان کی سخت دلی' اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتی تھی کہ وہ کسی کے بھی ساتھ بے تکلف ہوں۔

پتہ نہیں وہ ہمیشہ سے ہی ایسے تھے۔

یا پھر

وقت نے یہ تبدیلی رونما کی تھی۔

چہرے مہرے سے انتہائی تند خو دکھائی دیتا یہ شخص یقیناً' اپنا الگ ہی رعب رکھتا تھا۔

اس بار انہیں آتا دیکھ کر نبیل خود بخود ہڑبڑا کر سیڑھیوں سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

پھر وہ اکثر ہی وہاں دکھائی دینے لگا۔

اس کے آنے کے اوقات بڑے مخصوص تھے۔ یا تو وہ دن چڑھے بارہ' ساڑھے بارہ تک آتا' یا پھر سہ پہر میں' نانی کے پاس بیٹھ کر لمبی گفتگو کرتا' اور ان کے کسی بھی فنکشن کے شروع ہونے سے بہت پہلے واپس بھی چلا جاتا۔

ایک آدھ بار' احتیاط کے باوجود بھی گیتی سے اس کا سرسری سا سامنا ہو رہا تو وہ اسے نظر انداز کر گیا کہ اسے تھوڑی سی ہتک کا احساس بھی ہوا۔

بس ثابت ہوا کہ وہ یہاں نانی سے ملنے اور شاما کی چائے پینے کے لیے ہی آ رہا تھا۔

صندل کو لگتا تھا کہ یہ کوئی نارمل انسان نہیں ہے' ورنہ ایسے رنگ بھرے ماحول اور خوبصورت لڑکیوں کی موجودگی کو نظر انداز کرنا آسان بات نہیں تھی۔

گیتی اس کے تجزیہ کو سن کر مسکراتی رہتی' کچھ بھی تھا اس کے دل پر چھایا ہوا خوف بڑی حد تک کم ہوا تھا' نانی

نے اب تک۔۔ اس کے یا صندل کے باقاعدہ تعارف کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی۔ مگر ایک روز یہ خود بخود ہو رہا۔

وہ بڑی دیر بعد اس کمرے سے نکلی تھی' جو خیام کے جانے کے اتنے مہینے بعد بھی اس کا کہلاتا تھا۔ پچھلے برآمدے میں بڑی گہری خاموشی تھی۔ حد تو یہ کہ کچن سے شاما کی مخصوص کھٹر پٹر بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔

تب ہی اسے یاد آیا کہ آج وہ تینوں خواتین اپنے من پسند آؤٹنگ پر گئی ہیں۔

نت نئی شاپنگ یہاں محض شوق ہی نہیں ضرورت بھی تھی' سو سب کو بڑا ہی کریز تھا۔

خالی کمروں کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے یہ سوچ کر ہی طمانیت محسوس کی کہ اس وقت نگینہ' صندل اور شاما تینوں ہی کتنا انجوائے کر رہی ہوں گی۔

"ہاں تو سالار جنگ! میں یہ کہہ۔۔۔!" سوئے اتفاق وہ کمرے میں قدم رکھ چکی تھی' جب اس نے نانی کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

"آجاؤ بیٹا! رُک کیوں گئیں۔"

وہ جو ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ واپس پلٹ جائے' مجبوراً" آگے بڑھ آئی۔

نانی کے کمرے کی اونچی پشت والی گہری براؤن نقشین کرسیوں میں سے ایک پر وہ موٹی سی خستہ حال ایک کتاب کھولے بیٹھا تھا۔ اسے آتا دیکھ کر ہلکے سے مسکرایا۔

"میری نواسی گیتی اس سال بی اے فائنل کا امتحان دے گی بہت ذہین ہے ماشاء اللہ!"

نانی کے لہجے میں معصوم سا فخر تھا' اور گیتی کے خیال میں آخری جملے کی تو ضرورت بھی نہیں تھی۔

"اور یہ سالار جنگ میں نے بتایا تھا نا۔"

"میرا نام سالار جنگ نہیں ہے۔" کتاب بند کرتے ہوئے اس نے ایک ہلکا سا احتجاج کیا۔

"میں تو تمہیں سالار جنگ ہی کہوں گی' خالی سالار منہ پر نہیں آتا۔" انہوں نے بے نیازی سے اس کے احتجاج کو بے اثر کیا۔

"لوگ مجھے بہت قدیمی سمجھنے لگیں گے' آپ کے دیے ہوئے نام سے۔"

"اچھی بات ہے' جدیدیت کا لیبل لگوانے سے تو بہتر ہی ہے۔"

"لیجیے یہاں دنیا خود کو جدید کہلوانے کے شوق میں مری جا رہی ہے۔ اور میری تو ابھی شادی بھی نہیں ہوئی ہے۔" اس کے لہجے میں خود ساختہ پریشانی تھی۔

گیتی کے لبوں پر مسکراہٹ ابھرنے لگی۔

ایسی سادہ اور اپنائیت بھری باتیں' اس گھر میں پہلے کب سنی گئی تھیں' حالانکہ وہ خود صاف صاف نظر انداز ہو رہی تھی۔ پھر بھی اسے یہاں اپنا بیٹھنا بہت اچھا لگنے لگا۔

"آج کل کی لڑکیاں صاف منع کر دیتی ہیں۔ اگر انہیں لڑکے پر دقیانوسیت کا ہلکا سا بھی شبہ ہو جائے' کیوں گیتی! میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔"

اس نے اچانک ہی گیتی کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی رائے چاہی بالکل کسی پرانے شناسائی طرح۔

"پتا نہیں۔" اس نے گڑبڑا کر نفی میں سر ہلایا۔

"ارے کیسی لڑکی ہیں آپ؟" سالار کو مایوسی ہوئی تھی شاید۔ "اب تو بڑی واضح رائے رکھتی ہیں لڑکیاں اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں اپنے لائف پارٹنر کے لیے ایک خاص معیار ہوتا ہے ان کا۔"

"میں نے ایسا کچھ کبھی سوچا نہیں۔"

"ارے تو پھر سوچیں ذرا کس بات کی ہے؟ اور کچھ نہیں تو بے خبری میں ماری تو نہیں جائیں گی۔"

وہ بولنے کا شوقین تھا اور اس کا نہیں خیال تھا کہ یہاں اس کی بات کے مطلب معنی کچھ سے کچھ بن سکتے ہیں۔

"زیادہ تر لوگ بے خبری میں ہی مارے جاتے ہیں، لیکن اس بے خبری کی خبر انہیں بہت دیر سے ملتی ہے۔" گیتی کی آواز ہلکی، لیکن لہجہ میں کچھ ٹوٹتی سی کیفیت تھی۔

سالار نے اس کے چہرے پر اک جلتی بجھتی سی کیفیت اترتی محسوس کی۔

نانی کے سرہانے رکھا فون بج رہا تھا، سو وہ فون سننے کے لیے قدرے فاصلے پر بچھے بیڈ کی طرف چلی گئی تھیں۔

"لیکن کبھی کبھی بے خبری نعمت بھی تو بن جاتی ہے، سب کچھ جاننا شاید ضروری ہے بھی نہیں۔"

ایک بالکل انجانا سا بوجھ، جو اسے اس چھوٹی سی لڑکی کے وجود پر دھرا محسوس ہوا تھا، اسے ختم نہ سہی کم ہی کرنے کی بے ساختہ خواہش سر اٹھانے لگی تھی۔

"ٹھیک کہتے ہیں، میرے لیے تو میری لاعلمی نعمت ہی تھی۔"

گیتی کی بات میں یہ آخری لفظ ایک بار پھر غیر معمولی تھا۔ سالار نے کچھ کہنے کے لیے پہلو بدلا۔ مگر گیتی کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔

"اور ویسے آپ کا سوال دلچسپ ضرور ہے، مگر یہاں اس طرح کے سوالات نہیں اٹھتے ہیں، کیونکہ یہاں ایسے رواج نہ ہونے کے برابر ہیں۔ امید ہے آئندہ خیال رکھیں گے۔"

ذرا بھی کنفیوز ہوئے بغیر اس نے اپنی بات کو سب سے تکلیف وہ سرے پر لے جا کر ختم کیا۔ نہ ہی آنکھوں میں پانی اترا، نہ ہی آواز کپکپائی، وہ خود اپنی جرات پر حیران ہوئی تھی۔ یہ شاید نانی کے کمرے کی محفوظ مامون فضا کا کمال تھا، جہاں وہ خود کو سب سے زیادہ ریلیکس محسوس کرتی تھی اور پُراعتماد بھی۔ سالار خاموش زمین کو تکنے لگا۔ گیتی کا سارا مسئلہ شاید اس کی سمجھ میں آ چکا تھا۔

وہ شرمندہ تھا کہ نادانستگی میں ہی سہی اس کے لیے تکلیف بڑھانے کا سبب بنا۔

معذرت کے الفاظ شاید ہر موقع پر ساتھ نہیں دے پاتے اس وقت اسے تو کچھ ایسا ہی لگا۔

"اور سالار جنگ، تم ذرا ہماری نواسی سے یہ تو پوچھ لو کہ وہ آخر آج تک اسکول کالج کے فنکشنز میں شرکت سے کیوں گریز کرتی آئی ہے۔" نانی کی واپسی ہو چکی تھی۔

"چلو حصہ نہ لو، مگر نہیں دل چاہتا، مگر یہ کیا کہ انسان دیکھنے بھی نہ جائے، کتنا کہتی ہوں مجھے اور نگینہ کو بھی اپنے کالج کے فنکشن تو دکھا کر لاؤ، ہم بھی تو دیکھیں آخر یہ بچیاں کیا کیا کرتی ہیں۔" وہ شگفتہ سے لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

مگر اس بار سالار مسکرایا تک نہیں۔

ایک خاموش سی نگاہ اس نے گیتی کے چہرے پر ڈالی، جہاں اب پھر روشنی ماند پڑ رہی تھی۔

"اور وہ کبھی نہیں پوچھے گا کہ وہ کیوں خود کو ساری دلچسپ سرگرمیوں سے الگ تھلگ رکھے ہوئے ہے۔"

ایک گہری سانس کو اندر ہی اندر اتارتے ہوئے سالار نے قسمت کے اس بھید بھاؤ کو کھوجنا چاہا، جو سو فیصد قدرت کی رضا سے جڑا تھا۔

جائے پیدائش سے جڑا انسان کا نصیب جس میں نہ اپنا کوئی کمال، نہ کوشش، انسان کی خوش قسمتی یا بد قسمتی کا پچاس فیصد یقین تو شاید اسی بات سے ہوتا ہے کہ وہ کہاں پیدا ہوا ہے۔

کوئی اور ہی سلسلہ، جہاں کی درجہ بندی انسان کی کمزور ذات سے بہت بہت بالاتر، اپنی ساری حاضر جوابی کو بھول کر وہ چند لمحوں کے لیے تو سوچ میں ضرور ہی ڈوب رہا۔ نانی کی تجربہ کار نگاہوں نے اس کے چہرے پر لکھی سوچ کی تحریر پڑھی۔

"کیا سوچنے لگے؟"

"کچھ نہیں!" وہ ایک بار پھر خود اپنے آپ میں واپس آیا۔

"بتانا نہیں چاہتے۔"

"ارے کچھ بھی تو نہیں، آپ بھی بس خوامخواہ ہی۔" ہلکے سے سر جھٹک کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے انداز میں بڑی مانوس سی بے ساختگی تھی، کسی یاد نے بڑی نرمی سے دل پر ہاتھ رکھا۔

"وہ بھی ایسے ہی کرتا تھا، ذرا سی بات کی اور جھنجلایا۔"

"کون؟"

سالار نے حیرت سے ان کے چہرے پر پھیلتی مسکراہٹ کو دیکھا۔

"کچھ نہیں، بس یوں ہی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ٹال گئیں، سیڑھیوں پر گھر کے مکینوں کی واپسی کا شور بلند ہو رہا تھا اور اب خاصی دیر کوئی سنجیدہ بات نہیں کی جا سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

سعیدہ نے دروازہ بند کر کے تالا لگایا اور پھر بھی تسلی نہیں ہوئی تو دوبارہ کھینچ کر مزید اطمینان کیا۔

"اُفوہ، سعیدہ اب بس بھی کر دے، پہلے ہی دیر ہو گئی ہے۔" بتول گلی میں تھوڑا آگے جا چکی تھی، وہیں سے پکارنے لگی۔

"بس آئی۔" سر پر چادر کو ٹھیک کرتے ہوئے وہ چھوٹے کا ہاتھ پکڑ کر تیز قدموں سے اس کی طرف بڑھ گئی۔

"تیرے تالے کنڈیاں اپنی سمجھ میں تو آتے نہیں ہیں۔ ایسا کون سا خزانہ دبا ہوا ہے ہمارے گھروں میں جو ہم اتنا انتظام کر کے نکلیں۔"

بتول پھر سے چل پڑی تھی۔

آنے جانے کے سارے پروگرام سعیدہ کے ساتھ ہی بنتے تھے، سو سعیدہ کی بار بار کی چیکنگ اسے ہی سب سے زیادہ جھنجلاہٹ میں مبتلا کرتی تھی۔

"خوامخواہ کی دردسری۔"

سعیدہ جھینپ کر ہنس پڑی۔

"کچھ بھی ہے گھر تو ہے، اسے کھلا چھوڑ کر تو جانے سے رہی، تمہاری تو ساس بیٹھی رہتی ہیں گھر میں اس لیے بے فکر رہتی ہو۔"

سہ پہر کے سوئے سوئے ماحول میں پتلی لمبی گلی ان کے قدموں تلے طے ہوتی جا رہی تھی۔

"آج بڑے والا کہاں ہے تیرا؟" بتول کو یکدم ہی کسی کمی کا خیال آیا تو پوچھنے لگی۔

"اسے آج نواب سویرے ہی لے گیا اپنے ساتھ حیدر آباد۔"

"کیوں خیر تو ہے نا؟"

"ہاں، خیر ہی ہوگی اللہ نے چاہا تو، چاچا نے فون کر کے بلوایا ہے، شام تک نواب واپس آئے گا تو پتہ چلے گا کہ کیا کام تھا۔"

بالوں کی اِدھر اُدھر نکلتی لٹوں کو چادر کے اندر کرتے ہوئے وہ تفصیل بتانے لگی۔

"خدا کرے کہ خیر ہی ہو، وہ تیری چھوٹی نند بھی تو ان ہی کے ساتھ رہتی ہے۔ کیا خبر اس کے رشتے کی کوئی بات

وات چلائی ہو کہیں۔"

بتول کی قیاس آرائی میں دم تھا۔

"ہاں شاید!" سعیدہ فکر مندی دیکھنے لگی۔

واقعی ایسا ہی ہوا تو بڑی مشکل پڑ جانی تھی۔ نواب کی چھوٹی بہن پچھلے کئی سالوں سے نواب کی خستہ حالی کے سبب 'چچا چچی کی سرپرستی میں تھی۔ مالی حالت کراچی' حیدر آباد کے درمیان کا مختصر سا فاصلہ بھی طے کرنے اجازت نہیں دیتی تھی۔ سو تعلق اب برائے نام ہی رہ گیا تھا اور وہ تو سچی بات کہ ایک طرح سے بھولتی ہی جا رہی تھی کہ نواب کی کوئی سگی چھوٹی بہن بھی ہے۔

"یقیناً" یہی بات ہے۔ اس لیے بلوایا ہے انہوں نے بھائی نواب کو' اصل سرپرست تو وہی ہیں نا' چچا چچی نے پالا ہے تو کیا ہوا' ذمہ داری تو تم لوگوں کی ہی ہے۔" اس کی ذہنی کیفیت سے بے خبر' بتول حقوق و فرائض کی تقسیم میں مصروف تھی۔

ذمہ داری' فرض' سرپرستی۔

اتنے بھاری بھرکم الفاظ' وہ بھی ایک ساتھ۔

سعیدہ کے ہاتھ پاؤں تو ابھی سے ٹھنڈے پڑنے شروع ہو گئے تھے۔

یہاں حالات میں سدھار کا دور دور بھی امکان نہیں تھا' روز کا گزارہ جس طرح ہو رہا تھا' اس کا ہی دل جانتا تھا۔ شادی بیاہ کہاں سے نمٹائے جا سکتے تھے۔

"میری مان تو ابھی سے اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دے۔ لڑکی کو چار چیزیں تو تم میاں بیوی کو اپنی طرف سے دینا ہی پڑیں گی' لوگوں سے مدد کے لیے کہنا شروع کر دے۔ عظمت بوا سے تو آج ہی کہہ دینا کسی وقت موقع دیکھ کر زرتاج بیگم سے بات کریں' ان کی نظرِ کرم ہو گئی تو سمجھ لو ساری پریشانی ہی دور۔"

بتول اپنے ہی کھڑے کیے ہوئے مسئلے کا حل بھی ڈھونڈ لائی تھی۔ اس طرح کی دور اندیشیاں' ان کے حالات نے فطرت کا حصہ بنا دی تھیں۔

وہ لوگ گلی سے نکل کر سڑک تک آ پہنچی تھیں۔ تھوڑا سا آگے چل کر' وہ بڑا سارا میدان آجاتا تھا' جسے پار کر کے آگے وسیع و عریض بنگلوں کی قطار شروع ہو جاتی تھی۔

ہر نئے چاند کی پہلی جمعرات کو وہ دونوں یہ فاصلہ زرتاج بیگم کی کوٹھی سے بٹنے والی خیرات حاصل کرنے کے لیے طے کرتی تھیں۔

سعیدہ نے اپنی شادی کے چند ماہ بعد ہی یہاں آنا شروع کر دیا تھا۔

نکھٹو' نکمے نواب کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ تھما کر خاندان والے تو اس یتیم لڑکی کے فرض سے خیر کے ساتھ سبکدوش ہوئے تھے۔ لیکن اس کے بعد دو وقت کی روٹی کی فکر کرنے کے لیے وہ اکیلی ہی تھی۔

آٹے' دال' گھی کے خالی کھڑکتے ڈبے' اور نواب کی انتہا کو پار کرتی ہوئی بے حسی' تب ہی بتول نے حق ہمسائیگی ادا کرتے ہوئے اسے زرتاج بیگم کے بنگلے کا راستہ دکھایا تھا۔

جس کے لیے سعیدہ ہمیشہ اس کی احسان مند رہتی تھی۔ پورا مہینہ نہ سہی' پندرہ بیس دن تو قدرے سہولت کے ساتھ نکل ہی جاتے تھے۔

بچوں کی آمد کے ساتھ اخراجات بڑھے تو اس نے خود بھی گھر میں محنت شروع کر دی تھی۔ لیکن اس بے حد محدود گھرداری میں کسی کی شادی بیاہ کا کوئی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میدان میں نیم گرم ہوا چل رہی تھی' کھیلتے ہوئے بچوں کا ایک ٹولہ شور مچاتا ہوا ان کے قریب سے گزرا تو

سعیدہ کا دھیان ٹوٹا۔

بتول نہ جانے کیا بات کر رہی تھی' اس پر توجہ دیے بغیر سعیدہ کو کچھ اور ہی یاد آیا۔

"ساجد کی طبیعت کیسی ہے' بخار کم ہوا کچھ؟"

"ہاں' آج صبح سے تو تھوڑا بہتر لگ رہا ہے' ورنہ تو دن رات بس برف کی پٹیاں کرتے گزرے' اللہ نے بڑی خیر کی' ورنہ اتنے تیز بخار' اتنا کمزور بچہ کہاں جھیل پاتا ہے۔" بتول کا لہجہ بھاری ہونے لگا۔

"میں تو کہتی ہوں اسے کوئی بری نظر لگی۔ عصر کے بعد روزانہ دم کروانے لے کر جایا کرو' ساتویں دن شرطیہ دوڑتا بھاگتا پھر رہا ہو گا۔ ڈاکٹروں کے چکر میں پھرنا تو فضول ہی ہے۔"

سعیدہ کے قدموں میں خود بخود تیزی آتی جا رہی تھی' جلدی پہنچ جانے پر اندر جانے میں بھی آسانی رہتی تھی۔ وہاں برآمدے میں آگے جگہ مل جاتی اور جو موقع ملتا تو عظمت بوا کی خفگی کو نظر انداز کر کے کچھ نہ کچھ اپنے مطلب کی بات بھی کی جا سکتی تھی۔ "نظر و ظر نہیں ہے۔ یہ تو اور ہی چکر ہے سعیدہ!" بتول کے انداز میں کچھ غیر معمولی سا تھا۔

"کیسا چکر' کھل کر بتاؤ نا؟"

مارے سسپنس کے وہ تو رکنے ہی لگی تھی' مگر بتول نے اسے چلتے رہنے کا اشارہ کیا۔

"آج صبح جب اس کا بخار ذرا اترا تو ساجد نے مجھے خود بتایا اکیلے میں۔"

وہ بولتے بولتے خاموش ہو گئی تو سعیدہ کی بے قراری اور بھی بڑھنے لگی۔

"پہیلیوں میں کیوں بات کر رہی ہو' کیا بتایا بچے نے مجھ سے کیا پردہ ہے۔"

بتول کے چہرے پر تذبذب کے سے آثار نمایاں ہو رہے تھے۔ سعیدہ پر پورا اعتبار بھی تھا۔

"دیکھ وعدہ کر نواب بھائی سے نہیں کہے گی۔ ورنہ وہ تو ساجد کے باپ کو فوراً" ہی آکر سنا جائے گا۔ میرا معصوم بچہ پھنسے گا بری طرح' وہ تو ویسے ہی بہت سہما ہوا ہے۔"

اصل بات سے پہلے اس نے ایک بار پھر روہانسی ہو کر وعدہ لیا۔ چھوٹے بڑے مسائل میں سعیدہ کی مشاورت کی ایسی عادت پڑ چکی تھی کہ رہا بھی نہیں جا رہا تھا۔

"وہ اسکول والا لڑکا وہاں پہنچا تھا' جہاں ساجد کام کر رہا تھا۔" کسی بڑے راز کو افشا کرنے کے سے انداز میں وہ اتنی بات کہہ کر رکی۔

"وہ!"

"ہاں' وہی' تیرا تو جاننے والا ہے نا' اس روز دروازے پر جب آیا تھا تو کہہ رہا تھا۔"

"میرا کوئی جاننے والا نہیں ہے۔ میں نے اس دن بھی کہا تھا تم بے کار میں ہی۔"

مارے کوفت کے اس سے بات بھی پوری نہ کی گئی۔

"اچھا نہیں ہو گا' خیر!" بتول فوراً" ہی متفق بھی ہو گئی۔

"وہ جب وہاں ساجد سے بات کر رہا تھا تو مالک اور اس کے دوست بھی آ گئے' کوئی تلخ کلامی ہوئی ہو گی آپس میں' انہوں نے تو آؤ دیکھا نہ تاؤ' اس کے سر پر پیچھے سے وار کر کے باہر سڑک پر ڈال دیا۔"

"کیا؟" سعیدہ یکدم ہی اپنی جگہ پر جم سی گئی۔ "جان سے مار دیا اسے؟" اس کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"اب پتہ نہیں مرا یا زندہ ہے۔ زیادہ زور سے لگی تو کیا بچا ہو گا۔ لیکن میرے بچے پر تو بڑا گہرا خوف بیٹھ گیا ہے۔ رات بھی بہت رویا کہ معاذ بھائی صرف میری وجہ سے۔"

سعیدہ چپ کی چپ کھڑی تھی۔

اس روز معاذ کو پتہ بتانے کے بعد وہ کتنا ہی پچھتائی تھی' اس کا چھوٹے کو دیا سو کا نوٹ' نواب کی بے حسی کے ہاتھوں' جتنا ذلت کا سبب بنا تھا' اس کے بعد اس نے کتنی ہی بار معاذ کو بددعائیں دی تھیں' اس وقت لگا جیسے اس کی کوئی بددعا معاذ کو سیدھی جا کر لگی ہے۔

"لیکن میں نے دل سے اس کی موت تو نہیں چاہی تھی۔" اس کی فطری نرم دلی اسے خود سے شرمندہ بھی کر رہی تھی اور بے حد رنجیدہ بھی۔

آج کا دن ہی برا تھا۔ گھر سے نکلتے ہی ایک سے ایک بری بات سامنے آ رہی تھی۔

"خیر کیا خبر وہ زندہ ہی ہو' اور اللہ کرے ہو۔" سارا اختلاف بھلا کر اس نے بڑے دل سے معاذ کے لیے دعا کی۔

"پوچھنا تو تم اپنے میاں سے کہ وہ زندہ تو ہے نا۔"

اب وہ لوگ سڑک پر تھیں' جہاں سامنے بڑے سارے کالے گیٹ کے آگے عورتوں کا جمِ غفیر یہیں سے ہی نظر آ رہا تھا۔

"مجھے کیا پتا ہے ساجد کے ابا سے' مجھ سے تو وہ ہر بات چھپاتا ہے۔ میں نے تو ساجد کو بھی سختی سے سمجھا دیا ہے کہ بس اب بھول اس قصے کو" بتول نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔

"پتہ نہیں کب سے آ کر بیٹھ جاتی ہیں یہ ساری' اب دیکھ لو کیسی بھیڑ لگا رکھی ہے۔" بتول کی ساری توجہ اب زرتاج بیگم کے گیٹ پر ہجوم کی طرف تھی۔

"جلدی چل سعیدہ! ایک تو تو باتوں میں بہت لگاتی ہے۔" بتول کے قدم تیز ہو چکے تھے۔

سعیدہ کو مجبوراً اس کا ساتھ دینا پڑ رہا تھا۔ ورنہ پیر تو جیسے شل ہوئے جا رہے تھے۔

اپنے طور پر کی ایک چھوٹی سی نیکی کتنی تکلیف دہ ثابت ہوئی تھی۔

پہلے وہ خود نواب کے ہاتھوں ذلیل ہوئی۔ پھر ساجد غریب پٹا۔ اور بخار میں بے سدھ ہو کر پڑ گیا اور اب وہ بھی تو نیکی کمانے ہی نکلا تھا۔ کیسی مصیبت میں گرفتار ہوا۔

یکایک ہی جیسے اسے پرائمری اسکول کی بینچ پر بیٹھ کر پڑھے جانے والے محاورے کی سمجھ آنے لگی۔

"نیکی کر دریا میں ڈال۔" گیٹ کھل چکا تھا' اور عورتیں بے تابی سے اندر داخل ہو رہی تھیں۔

سب کچھ بھول بھال کر وہ بھی بہتر جگہ حاصل کرنے کے لیے تیز قدم ہوئی' تب ہی۔

بیرونی دیوار کے ساتھ لگے درختوں کے سائے میں چلتے ہوئے اس الگ تھلگ سہ دری نما برآمدے کی طرف جاتے ہوئے ایک عجیب سی بات ہوئی۔

"راجو' راجو!" بے حد مانوس سی آواز پر سعیدہ نے بے اختیار ہی اس طرف دیکھا۔

رہائشی حصے کی سیڑھیوں پر کوئی کھڑا ہوا' راجو ڈرائیور کو آوازیں دے رہا تھا۔

وہاں سیڑھیوں پر کوئی کھڑا تھا۔ صاحب لوگوں جیسا ماڈرن دکھائی دیتا۔ آواز میں شباہت اتنی تھی کہ نظر انداز کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

فاصلہ خاصا تھا' مگر پھر بھی سعیدہ نے رک کر پہچاننے کی کوشش کی۔ وہ قدرے رخ موڑے کھڑا تھا۔ اوپر سے ماتھے پر پڑے بالوں اور آنکھوں پر گلاسز کی موجودگی پہچان اور بھی مشکل کر رہی تھی۔

وہ ذرا رک کر غور بھی نہ کر سکی کہ پیچھے سے آنے والے ریلے نے اسے خود بخود ہی آگے پہنچا دیا۔

"کہاں رہ جاتی ہے تو میں تیرے لیے جگہ گھیر کے بیٹھی ہوں؟" بتول ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے پاس بلا رہی تھی۔

قدرے پھولتی ہوئی سانس کے ساتھ سعیدہ اس کے پاس آ بیٹھی۔ "بتول! میرا خیال ہے یہاں اس گھر میں گند

رہتا ہے' میں نے اس کی آواز سنی تھی آتے ہوئے۔" لمحے کا بھی توقف کیے بغیر اس نے اپنی الجھن بتول کو بتائی۔ پر وہ جواباً "اتنا زور سے ہنسی کہ آس پاس کی سب ہی عورتیں اپنی باتیں چھوڑ کر ان دونوں کی طرف دیکھنے لگیں۔

بتول کو بمشکل خود پر قابو پانا پڑا۔

"تیرے دیور کو تو یہاں کوئی نوکر بھی نہ رکھے' دو پیسے کے کام کا بھی نہیں ہے۔ یہ دوسرا سال جا رہا ہے نا اسے تمہارے گھر سے گئے ہوئے اور تجھے وہ یہاں نظر آ رہا ہے۔"

"آواز تو ہو بہو وہی تھی۔" سعیدہ اب تک خاصی شرمندہ ہو چکی تھی۔ "شکل میں ٹھیک سے دیکھ نہیں پائی تھی۔"

"شکل بھی دیکھ لے جا کر اچھی طرح' تاکہ تیری تسلی ہو جائے۔"

"نہیں خیر دیکھنا' دکھانا کیسا" سعیدہ نے انگلیوں سے پیشانی کو مسلا۔

وہ سخت ذہنی دباؤ کا شکار ہو رہی تھی۔ معاذ کی جانب سے ملی غیر یقینی خبر' نواب کی اچانک حیدر آباد روانگی سب سے زیادہ پریشان کن تھی۔

✡ ✡ ✡

ڈائمنڈ بس سروس کے آفس سے خیام نے اس روز پہلی بار چھٹی لی تھی۔

وہاں کے مینیجر سمیت کاؤنٹر پر ڈیوٹی کرنے والے اسٹاف تک کو سخت حیرت ہوئی تھی' وہ جو سب سے پہلے آتا اور سب سے آخر میں جاتا تھا ان سب کو وہاں اپنی ہمہ وقت موجودگی کا عادی کر چکا تھا۔

"کوئی خاص کام ہے کیا؟" مینیجر نے اس کی درخواست سنتے ہی بے ساختہ پوچھا تھا۔

"میرے لیے تو خاص ہی ہے۔" اس کے آگے کچھ پوچھنے کی گنجائش نہیں تھی۔

کسی کے ساتھ بھی اس کا تعلق اتنا قریبی نہیں بنا تھا کہ وہ اس کے ذاتی معاملات کو جان سکتا۔

سو آفس میں اس "خاص کام" کی مسٹری پھیلی ہی رہی' دونوں لڑکیوں کا خیال تھا کہ خیام ضرور کسی لڑکی کے چکر میں چھٹی لے کر گیا ہے۔ ورنہ وہ اور اپنے کام کو نظر انداز کر دے ناممکن! اتفاق سے بابو شوکت' ایک روز پہلے ہی کسی کام سے شکار پور گیا تھا۔ آج شام یا رات تک اس کی واپسی تھی۔

خیام آج قدرے دیر سے اپنے کمرے سے نیچے آیا تھا آج پتہ نہیں کتنی مدت بعد وہ دل لگا کر تیار ہوا تھا۔ اس نے اپنا سب سے بہترین سوٹ پہنا ہوا تھا وہی جو نائلی ستارہ نے اسے پچھلی عید پر بطورِ خاص کسی ڈیزائنر سے دلوایا تھا۔

وہ نیچے آیا تو تقریباً سب ہی کی ستائش بھری نگاہ اس پر اٹھی تھی۔

"بہت اسمارٹ لگ رہے ہیں خیام بھائی!" آج شوکت کا سولہ سترہ سالہ بیٹا کاؤنٹر پر موجود تھا اور اس کے لہجے میں اپنے باپ جیسا ہی تپاک تھا۔

خیام ہلکے سے مسکرا دیا۔ عادتاً وہ کمرے کی چابی کاؤنٹر پر چھوڑنے والا تھا۔ مگر تب ہی اسے آج شوکت کی غیر حاضری کا خیال آیا۔ "کمرے کی صفائی تو نہیں کروائی خیام بھائی!" صفائی پر رکھے جانے والے لڑکوں میں سے ایک نے ہی سے جب وہ باہر نکل رہا تھا تو پوچھا۔ جس پر اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

آج کا دن بے حد مصروف رہا۔ اور خرچ کے اعتبار سے مختلف بھی۔

اتنے دنوں میں اس نے جن چند بے حد منتخب انسٹی ٹیوٹس کی لسٹ بنائی تھی ان سب سے فارم اور پراسپکٹس حاصل کرنے میں کافی بڑی رقم خرچ ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ آج اس نے ایک بار بھی کہیں جانے کے لیے بس

نہیں پکڑی۔ مستقل رکشہ یا ٹیکسی ہی لیتا رہا۔
آج وہ جتنے زیادہ پیسے لے کر نکلا تھا اس کی حفاظت کے لیے بھی ضروری تھا کہ بھیڑ بھاڑ والی جگہ سے پرہیز ہی کیا جائے۔
اتنے دن سے ایک ایک پیسہ جوڑتے رہنے کی ساری کسر آج ہی نکل رہی تھی۔
یا شاید وہ یہ پیسے جمع ہی آج کے دن کے لیے کر رہا تھا۔ اپنے شاندار مستقبل کی تعمیر کے لیے آج اس نے پہلی اینٹ رکھی تھی۔
پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ۔
نہ ہی اسے وہاں کی ہوش اڑاتی فیسوں نے ہی کنفیوز کیا تھا اور نہ ہی فارم وغیرہ کے سلسلے میں ہزاروں روپے پہلے ہی قدم کے طور پر جمع کرانے تھے وہ ان سب کے لیے ذہنی طور پر پوری طرح تیار تھا۔ پچھلے دنوں اپنے اکلوتے جان پہچان والے سنار کو اس نے تائی ستارہ کا محض ایک کنگن ہی دکھایا تھا تو اس کی مالیت سن کر کچھ دیر کے لیے تو وہ کچھ بول ہی نہ سکا تھا۔
پہلی بار اسے اندازہ ہوا تھا کہ وہ ان لوگوں کو کتنی بڑی چوٹ پہنچا کر آیا ہے۔
جیولر شاپ سے وہ کنگن واپس لاتے ہوئے وہ بے حد ڈر رہا لیکن ساری رات اس سلسلے پر غور کرتے رہنے کے بعد اس کی سراسیمگی میں کمی آچکی تھی۔ یہ ایک بڑا فیور تھا جو قدرت نے اس کی جھولی میں ڈالا تھا۔ اپنی بچی کھچی شرمندگی سے مکمل نجات پا کر اس نے اللہ کا تہہ دل سے شکر ادا کیا تھا۔
اور اب اسے شاید "ڈائمنڈ بس سروس" کے آفس میں اتنی جان مارنے کی بھی ضرورت نہیں تھی اس کا ایم بی اے سہولت کے ساتھ کلیئر ہو جاتا تھا۔ اس نے اپنا بینک اکاؤنٹ بھی کھلوا لیا تھا اور یہ سب اسی اعتماد کی بنا پر ہوا تھا جو اسے اب اپنی مالی حیثیت کے بارے میں ہوا تھا۔
جیولر سے کل کی بات طے ہوئی تھی۔
پہلے قدم پر وہ صرف ستارہ تائی کے کنگن بیچ رہا تھا۔ وہ پیسے بینک میں جمع کرانے کے بعد پہلے سمسٹر کی فیس جمع کرانے کا مرحلہ طے کرتا تھا۔ ٹیکسی سے واپس ہوٹل کی طرف آتے ہوئے وہ مستقل سوچ میں ڈوبا رہا۔
اگلے چند دنوں میں اسے شاید ایک دو چھٹیاں اور لینی پڑیں اور پھر شاید اگلے مہینوں میں وہ یہ جاب ہی چھوڑ دے اب ایک اونچی لمبی اڑان کے لیے وہ بے حد پرجوش ہو رہا تھا۔
بابو شوکت کے ہوٹل میں وہی روایتی سا ہنگامہ تھا۔ اس نے ایک نگاہ کاؤنٹر پر ڈالی جہاں شوکت ابھی بھی موجود نہیں تھا اور پھر کسی بھی طرف توجہ دیے بغیر سیڑھیوں کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ لاہور چھوڑنے کے فیصلے پر اسے اب کوئی پچھتاوا باقی نہیں رہا تھا۔
چند سال بعد جب وہ ایک شاندار زندگی گزار رہا ہوگا تب تک تو وہ شاید ان سب کے چہرے بھی بھول چکا ہوگا۔ اپنی سمجھ داری پر آفرین کہتے ہوئے وہ کمرے کے دروازے پر تھا۔ تب ہی ایک بڑا ہی غیر متوقع سا احساس تھا جس سے اس کا دل بری طرح زور سے دھڑکا۔ کمرے کا تالا ہاتھ لگاتے ہی کھل چکا تھا۔ چابی گھمانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے اس کے ہاتھ واضح طور پر کانپ رہے تھے اور سامنے اس کا بیگ بری طرح بکھرا ہوا کھلا پڑا تھا۔

باقی آیندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

خیام کا تعلق ایسی دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار، لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آ کر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے، زیورات کے ساتھ کیتی ہوئی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید دھچکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسہ ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں۔ جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو رفاہی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے، جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں، سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی

نست ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے متمول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کردی' جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتا" مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زر تاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز' سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت' زر تاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے' جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعا" سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوا لیتی ہے۔ اظہار چچا' شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کرپاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے' جس سے وہ شدید زخمی ہوجاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زویا کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمدورفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کرلیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے خاص کر گیتی کی چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے' بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہوجاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زر تاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سیکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور راجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زر تاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کررہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے' جس پر وہ خاصا جزبز ہوتا ہے۔ زر تاج بیگم کے بھائی یوسف کمال' نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زر تاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

۱۰
دسویں قسط

سہ پہر شام۔

اور پھر شام رات میں بدلی۔

لیکن اس چھوٹے سے کمرے میں' وقت اسی ایک پل میں منجمد تھا۔

ساکت بیٹھا ہوا' وہ ان ہی دو چوڑیوں پر نگاہ جمائے ہوئے تھا' جو اس کی کھلی ہتھیلی پر رکھی ہوئی تھیں۔

تب ہی باہر کوئی چیز بڑے زور سے گری' خیام اسی شور پر چونکا تھا۔

باہر جلتی تیز روشنیوں سے کمرہ نیم روشن تھا۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہ اپنی جگہ سے اٹھنے لگا تو اندازہ ہوا کہ مستقل اتنی دیر ایک جگہ بیٹھنے سے کمر کا کیا حال ہورہا ہے۔

باہر کچھ شور سا ہورہا تھا' مگر اس نے لائٹ جلانے کے بعد بھی دروازہ کھول کر جھانکنے کی زحمت نہیں کی' جو قیامت اندر اس چھوٹے سے کمرے میں آئی تھی' وہ کسی اور طرف توجہ دینے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ اس کا بیگ ابھی تک کھلا پڑا تھا' اور ساری چیزیں اور کپڑے' فرش پر پھیلے ہوئے تھے' ایک بار پھر نیچے بیٹھ کر وہ بیگ کے ایک ایک خانے کی تلاشی لینے لگا۔

یہ جانتے ہوئے بھی کہ اب یہ سب لاحاصل ہے۔

کسی نے بڑی کامیاب گھات لگائی تھی۔

کپڑوں کی سب سے آخری تہہ کے بھی نیچے چھپا کر رکھے' نانی کے کنگن اور دوسرا زیور غائب ہوچکا تھا اور آگے کی زپ میں رکھے چند ہزار روپے' جو وہ احتیاطا" بچا کر رکھے ہوئے تھا' وہ بھی اٹھالیے گئے تھے' دن دھاڑے اس کے کمرے میں بڑی کامیاب ڈکیتی ہوئی تھی۔

بلا مبالغہ لاکھوں کا نقصان۔

خیام کو دل ڈوبتا سا محسوس ہورہا تھا۔ اس کے لیے یہ ایک عام سی چوری نہیں تھی۔

اس کی آئندہ زندگی کا سارا سیٹ اپ' ان ہی پیسوں کے ساتھ جڑا تھا' جو ان زیورات کے بدلے میں اسے ملنے والے تھے' اور ان چند گھنٹوں میں وہ یہ یقین کرچکا تھا کہ اب آگے کا نقشہ بالکل ہی مختلف ہوگا۔ کمرے میں وہ فارمز اور پراسپیکٹس کے اوراق پھڑپھڑا رہے تھے' جو آج سارے دن کی تگ و دو کے بعد وہ اکٹھے کرکے لایا تھا۔

مہنگے سے مہنگے انسٹی ٹیوٹ میں بھی اس نے اس بھرپور اعتماد کے ساتھ قدم رکھا تھا کہ وہ وہاں کے مکمل اخراجات اٹھانے کے قابل ہے۔

سارا دن کی بھاگ دوڑ کے بعد بھی وہ کتنا پرجوش اور خوش تھا' ستارہ نانی کا گھر چھوڑنے کے بعد وہ آج پہلا دن تھا جب وہ سب سے زیادہ اپنے فیصلے پر مطمئن ہوا تھا۔

ایک باعزت اور کامیاب زندگی جو اب بس چند قدموں پر ہی اسے اپنی منتظر دکھائی دے رہی تھی' یک لخت ہی نظروں سے اوجھل ہوئی تھی۔

آگے زمین سخت اور آسمان نامہربان۔

اس کے کندھوں پر جیسے برسوں کی تھکن آدھری تھی۔ غیر ارادی طور پر مٹھیاں سختی سے بند ہونے لگیں تو کسی چبھن کا احساس جاگا۔

ہاتھ میں وہ دو باریک سی چوڑیاں ابھی تک تھیں' جو کسی چھوٹے سے چور خانے میں محفوظ رہ گئی تھیں۔

ایک تلخی بھری مسکراہٹ' خیام کے لبوں تک آئی۔

یہ چوڑیاں بچ گئی تھیں' تاکہ اسے کسی کی موجودگی کا احساس دلاتی رہیں۔

مگر ایسا تو وہ خود بھی چاہتا تھا' ورنہ انہیں بیچے جانے والے زیور سے الگ کرکے' زیادہ حفاظت کے ساتھ کیوں رکھتا۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی۔

باہر شور بڑھتا ہی جارہا تھا۔ بھاگتے دوڑتے قدموں کی آوازیں۔

گرتے ہوئے برتنوں کی چھنک۔

لوگوں کی ملی جلی آوازیں اور نیچے کے ہال میں مستقل بجتے ہوئے فلمی گیت۔

باہر زندگی پورے جوش و جذبے کے ساتھ رواں دواں تھی' بس اس کمرے میں ہی موت واقع ہوئی تھی اور اس موت پر وہ اکیلا ہی ماتم کناں تھا۔

پھیلی ہوئی تمام اشیاء کو اس نے بے ترتیبی کے ساتھ واپس بیگ میں ڈالا' ان چوڑیوں کو واپس ان کی جگہ پر رکھا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

اس کے لائے ہوئے فارم اب بھی فرش پر پھیلے رہ گئے تھے۔

بہت چھان کر اس نے شہر میں پھیلے درجنوں پرائیوٹ اداروں میں سے ان کا انتخاب کیا تھا' جن سے ملی ڈگری' بہت زیادہ اہمیت کی حامل تھی' بے شک ان کی ایک سمسٹر کی فیس بھی ہوش اڑاتی تھی' مگر وہ اپنی جمع جتھا کے بل پر پرامید تھا۔

اب محض ڈائمنڈ بس سروس کی قلیل سی تنخواہ ان کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

اگر وہ دل کڑا کر کے قیمتی کی ان نازک سی چوڑیوں کو بیچ بھی ڈالے' تب بھی شاید ایڈمیشن فیس بھی پوری نہ ہو سکے۔

اس نے ایک آخری امکان کا سرا پکڑنا چاہا' مگر بے کار۔

کمرے کے کونے میں رکھے چھوٹے سے ویسٹ بن میں ان سارے نئے چمکتے ہوئے کاغذوں کو ایک ایک کر کے پھاڑ کر ڈالتے ہوئے' کتنے ہی آنسو اس کی آنکھوں سے گرتے رہے۔

وہ تھا ہی ازلی بدنصیب۔

تقدیر کی بخشی کالک کو دھونا بھی چاہا تو بھی بس ناکامی ہی ہاتھ آئی۔

آخر اس کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا تھا۔

ایک ناچنے گانے والی عورت سے جنم پانے کی شرمندگی سے لے کر' نانی ستارہ کے کوٹھے پر پرورش تک' اور یہاں اس تیسرے سے بھی نیچے درجے کے اس چھوٹے سے کمرے سے لے کر' ڈائمنڈ اسٹار سروس کے آفس میں سارا دن' مسافروں اور بسوں کی آمدورفت کا اندراج کرنے تک' کہیں بھی ایسا کوئی فورنہ مل سکا' جس سے وہ کم از کم اپنی نظروں میں ہی کھڑا ہو جاتا۔

سر جھکائے وہ تقدیر کے اس نا سمجھ میں آنے والے بھید کو کھوجے گیا۔

نانی ستارہ کہتی تھیں کہ "قدرت کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔"

مگر وہ آج تک بھی سمجھ نہیں پایا کہ اس کے پیدا ہونے میں کیا مصلحت تھی۔

جب فیروزہ جان کو اتنی کم عمری میں مرجانا تھا اور اس کے نام نہاد شوہر کو منہ چھپا کر بھاگنا ہی تھا تو کیا ضروری تھا کہ وہ اس مختصر سے ساتھ کی یادگار بن کر زمانے بھر سے شرمندہ ہوتا رہے۔

جھنجلاہٹ کی ایک تند لہر کے زیر اثر اس نے سامنے رکھے ویسٹ بن کو ٹھوکر لگائی۔ پرزہ پرزہ کر کے پھینکے ہوئے کاغذ' پہلے سے بھی زیادہ شدت سے کمرے میں اڑنے لگے۔

"شٹ!" ایک جھٹکے سے کمرے کا دروازہ کھول کر وہ باہر نکل آیا۔

"کھانا کھالیں خیام بھائی' آج تو بہت دیر کر دی۔"

شوکت کے ہوٹل پر کام کرنے والا لڑکا' کسی کی ٹرے کمرے میں پہنچانے جا رہا تھا' پاس سے گزرتے ہوئے کہتا گیا۔

اپنے پیچھے کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے خیام نے عادتاً تالے کی طرف ہاتھ بڑھایا' تب ہی اسے یاد آیا کہ

اب وہاں کوئی چیز نہیں' جس کی حفاظت ضروری ہو۔

کنڈی کو یوں ہی ذرا سا اٹکا کر وہ نیچے چلا آیا۔ بابو شوکت اپنے کاؤنٹر پر موجود تھا۔

آج سارا دن وہ شہر سے باہر رہا تھا' مگر شام میں کسی وقت واپس آ چکا تھا۔

اس وقت بھی وہ حسب معمول لوگوں میں گھرا کھڑا تھا' مگر آج کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہو رہا تھا' بابو شوکت کے چہرے سے اس کی مخصوص مسکراہٹ غائب تھی۔

"آؤ خیام بھائی! میں تمہیں ہی بلوانے والا تھا۔" خیام پر نگاہ پڑتے ہی اس نے پکار کر کہا تھا۔

"آج تو غضب ہو گیا' میں تو یہاں تھا نہیں' کئی لوگوں کے کمروں سے ان کی اشیاء غائب ہو گئیں' ہو نہ ہو یہ ان ہی نئے لڑکوں کا کام ہے' جو ابھی صفائی پر رکھے گئے تھے' کم بخت دوپہر سے غائب ہیں' ان کے ڈیرے پر آدمی بھیجے' وہاں بھی کچھ اتا پتا نہیں ہے۔"

"میری گھڑی غائب' ساتھ میں پندرہ سو روپے بھی۔"

"میرے دو ہزار سات سو روپے تکیے کے نیچے رکھے تھے۔"

"اور میں نے تو کل ہی نیا کیمرہ لیا تھا' بیٹے کو بھجوانے کے لیے' بدبخت نے وہ بھی نہ چھوڑا۔"

چاروں طرف سے مختلف آوازیں تھیں۔

ہر ایک کے لیے اپنا نقصان سب سے بڑا تھا۔

خیام بے تاثر سا چہرہ لیے سنتے گیا' اس کے لیے ان ساری خبروں میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔

"میں تو شکر کر رہا ہوں خیام بھائی! کہ تم اپنے کمرے کا تالہ لگا کر جاتے ہو' یہ سارے کام صفائی کے بہانے ہی ہوئے ہیں' ویسے کوئی قیمتی چیز تو نہیں ہے نا تمہارے پاس؟"

بابو شوکت کے آخری جملے میں بڑا اعتماد بھرا جواب بھی تھا۔

اتنے مہینوں میں اس نے خیام کو سوائے اس کے کہ وہ ایک اکیلے کمرے کا کرایہ دے رہا تھا' دوسری کوئی فضول خرچی کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

"نہیں' میرے پاس کیا ہوتا ہے۔" مختصر سا جواب دے کر وہ پیچھے ہٹ آیا۔

اپنے لٹ جانے کی کتھا سنا کر وہ غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اول تو بابو شوکت اپنے تمام تر خلوص کے باوجود بھی شاید ہی یقین کر سکے کہ وہ اتنا قیمتی زیور اس کے اس انتہائی غیر محفوظ ہوٹل میں لیے بیٹھا تھا' اور اگر وہ یقین کر بھی لے تو پھر آگے پولیس رپورٹ' گواہی۔

پہلا سوال ہی اٹھنا تھا کہ وہ یہ سب لایا کہاں سے ہے۔

اور انجام کار وہ نانی ستارہ کے نام کی شہرت کے ساتھ اخبارات کے لیے ایک چٹ پٹی خبر بن کر رہ جائے گا۔

اسے خبر بننے سے بہت ڈر لگتا تھا۔

کراچی آنے کے بعد بہت عرصے تک وہ اخبار کو چھونے سے بھی اسی لیے ڈرتا تھا کہ کہیں ان لوگوں نے اس کی گمشدگی کا اشتہار نہ دے دیا ہو' مع تصویر اور انعام کے اعلان کے۔

مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا۔

یا تو وہ اسے صبر کر چکے تھے' یا پھر معاف' تب ہی اس کا پیچھا نہیں کیا تھا۔ پیچھا کیا تھا تو صرف خالہ نگینہ کی بددعا نے

"خدا کرے جس طرح سے وہ یہاں سے صفایا کر کے گیا ہے' اسی طرح خود بھی خالی ہاتھ رہ جائے' کسی کام نہ آئے خیام! تیرے یہ چوری کا زیور' جو ہم عورتوں کی ہڈیوں کو چھیل کر تیار ہوا تھا۔"

وہ اٹھتے بیٹھتے' جب یاد آ تا یونہی ایک کے بعد ایک بددعا دیے جاتی۔

☆ ☆ ☆

گھر کا پچھلا کچا پکا احاطہ' زیادہ تر خاموشی میں ڈوبا رہتا۔

موسم میں اب خنکی آتی جا رہی تھی سو دادی بھی دھوپ کے سمٹتے ہی' خود کو گھر کے اندرونی حصہ تک ہی محدود کر لیتیں' صرف ربیعہ تھی جس کی کچن میں آمدورفت جاری رہتی تھی۔

آج کل معاذ کا گھر میں پسندیدہ ترین مقام یہی تھا' برآمدے سے احاطے میں اترتی سیڑھیوں پر وہ بہت سی کتابیں فائلیں پھیلائے معلوم نہیں کس حساب کتاب میں مصروف رہتا' اس کی طبیعت اب بہت بہتر تھی' مگر ابھی بھی باہر آنے جانے کی اجازت نہ ڈاکٹر کی طرف سے تھی اور نہ ہی گھر والوں کی طرف سے۔

امی' دادی اور ربیعہ کو تو اس کی یہ دماغی مشقت بھی سخت تشویش میں مبتلا کرتی تھی' مگر کیونکہ اب اسے کوئی تکلیف نہ تھی' سو اس کے اپنے خیال میں گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کی یہ مصروفیت بے ضرر تھی۔

ریحان نے پوری کوشش کر کے اسے گیراج اسکول کے پروجیکٹ سے الگ کرنا چاہا تھا' مگر وہ اس پر اتنا خفا ہوا' کہ خود ابا کو معاذ کی سفارش کرنی پڑی تھی۔

تو کچھ اور نہ سہی اب۔

وہ بچوں کی کاپیاں چیک کرنے کے لیے پابندی سے اپنے پاس منگوا رہا تھا' اور آگے کے لیے ورک شیٹس بھی لگے ہاتھوں ترتیب دے لیتا۔

یہ چھوٹا سا اسکول' اس کے دل سے جڑا تھا' شہر میں لاکھوں کی تعداد میں کام کرتے بچوں میں سے یہ تیس بچے۔

اور تیس بھی کہاں' انتیس۔

اسے ساجد ہمیشہ یاد آتا۔

ریحان نے بتایا تھا کہ اب وہ اس پرانے کپڑوں کی دکان سے بھی کہیں اور چلا گیا ہے' مگر معاذ کو یقین تھا کہ وہ اسے پھر سے ڈھونڈ نکالے گا۔

سعیدہ ایک بار پھر اس کی مدد کر سکتی تھی' معاذ نے کچھ ایسا ہی سوچا ہوا تھا۔

آخری کاپی چیک کر کے اس نے ایک گہری سانس لی' ہوا میں چمپا کے پھولوں کی تیز خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ اسے یہ خوشبو بے حد پسند تھی۔

پر اسرار اور کسی دور دراز کے مقام کی یاد دلاتی ہوئی حالانکہ زندگی میں اب تک اس نے کراچی کے علاوہ دو چار شہر ہی دیکھے تھے' پھر بھی اسے یقین سا تھا' چمپا کی گول موٹی شاخوں اور چوڑے پتوں سے ڈھکا کوئی مقام ہوگا' جہاں لڑکیاں سفیدی مائل زرد پھول بالوں میں لگاتی ہوں گی' اور جانے والوں کی راہ دیکھتی ہوں گی۔

کتنا رومانس بھرا ہوگا' وہاں کی ہواؤں میں' ایک خوب صورت سی مسکراہٹ معاذ کے ہونٹوں پر پھیلنے لگی۔

تخیل کی اڑان' تلخی ایام میں دب ضرور گئی تھی مگر کھوئی نہیں تھی۔

اور آج کل تو فرصت تھی۔

اس کا کام ختم ہو چکا تھا' لیکن سانس میں اترتی یہ خوشبو اٹھنے بھی نہیں دے رہی تھی۔

چھوٹے سے وقفے میں وہ کہاں سے کہاں پہنچا' اور اپنی فطری خوش امیدی کے باوجود' اس کی خواب دیکھتی آنکھوں میں مایوسی کا رنگ گہرا ہونے لگا۔

"معاذ!" ربیعہ کے پکارنے پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ وہ اندر سے بڑی تیزی سے آئی تھی۔

"اظہار چچا کی فیملی آئی ہے، تمہیں پوچھنے کے لیے۔" وہ ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھے گیا۔
"اور جویا بھی ہے ان کے ساتھ۔" ربیعہ نے بتایا وہ اب بھی کچھ نہ کہہ سکا۔
"مجھے تو یقین نہیں آرہا کہ وہ جویا کو ہمارے گھر لے کر آئے ہیں۔" ربیعہ کہتے ہوئے اس کے قریب آئی۔ وہ بے حد خوش تھی۔
معاذ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے غالباً معاذ کے حلیے کا جائزہ لیا تھا۔ "تم ادھر آجاؤ ڈرائنگ روم میں، اور اپنے کپڑے بھی چینج کرلو، کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔"
جویا کو اس کی اڑی ہوئی رنگت کی شرٹ کھلی۔
"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا۔" وہ جھینپ کر ہنس پڑا۔ "اب کیا میں تیار ہو کر ان لوگوں کے حضور جاؤں گا، لڑکیوں کی طرح۔"
"تو پھر لڑکیوں سے ایسی توقع کیوں کی جاتی ہے کہ گھر آئے مہمانوں کے سامنے وہ۔"
اصل بات بھول کر ربیعہ ایک نئی بحث پر آمادہ ہونے لگی۔
"میں لڑکیوں کے لیے بھی اس دکھاوے کو قطعی اہم نہیں سمجھتا" لاپروائی سے کتابیں سمیٹتے ہوئے وہ کہے گیا۔
"اچھا لیکن جویا تو اہم ہے نا تمہارے لیے، یہ تو مانو۔"
"پتا نہیں!" کندھوں کو ہلکی سی جنبش دے کر وہ دوسری طرف دیکھنے لگا۔
ربیعہ نے ایک خاموش سی نگاہ اس پر ڈالی، وہ جس کی شخصیت کی سحر انگیزی ان پرانے کپڑوں سے بھی ماند نہیں پڑتی تھی، اور جس کے لیے وہ ہمیشہ "نظر لگ جانے" کے خدشہ میں مبتلا رہتی تھی۔
خود اپنی خوشیوں کے لیے آخر حریص کیوں نہیں بن پا رہا تھا۔
کبھی کبھی تو ربیعہ کو وہ بڑا ایب نارمل سا لگنے لگتا۔
"ہم ان ہی باتوں کا جواب دینے سے گریز کرتے ہیں معاذ! جن کے بارے میں خود اتنے ہی پریقین ہوتے ہیں۔" وہ کہتے ہوئے مڑ کر کچن کی طرف چلی گئی۔
وہ یوں ہی بے تاثر سی نگاہوں سے سامنے احاطے میں گہری ہری ہوتی گھاس کو دیکھے گیا۔
اندر محفل جم رہی تھی۔
ابا اتفاق سے آج گھر پر تھے۔
اور اپنے گھر آئے مہمانوں کو وہ نظرانداز نہیں کر سکتے تھے، چاہے ان میں اظہار چچا جیسے مخالف ترین ہی کیوں نہ ہوں۔
مٹھائی کا ایک ڈبہ جو وہ لوگ ساتھ لائے تھے، سلمان کی شادی کی ڈیٹ طے ہونے کی خوشی میں تھا۔
"اس بار تو آپ کو آنا ہی ہوگا اسلام بھائی! کوئی بہانہ نہیں چلے گا، میں خود آکر آپ کو لے کر جاؤں گا۔"
کون کہہ سکتا تھا یہ وہی اظہار ہیں، جو پیٹھ پیچھے جب بھی ان کا نام لیتے ہیں تو محض، مذاق اڑانے کے لیے یا پھر اپنی نفرت کے اظہار کے لیے۔
ابا متانت سے مسکراتے رہے۔
نہ ہی گریز، نہ ہی یقین دہانی۔
انہیں پتا تھا کہ سلمان کی شادی کے دن کوئی انہیں بھولے سے بھی یاد نہیں کرے گا۔
اور وہ چاہتے بھی نہیں تھے کہ کوئی انہیں یاد کرے بشا کہ چچی کا سارا زور بیان اسی پر صرف ہو رہا تھا کہ سلمان کی

منگنی پر ان کے اور ان کے گھر والوں کے لیے کیا کیا تحائف زوبیہ کے گھر سے آئے تھے۔
"چار سوٹ میرے، ایک سیٹ اچھا خاصا وزنی ہے، اور دو دو، ان تینوں بیٹیوں کے لیے، ساتھ میں اتنے بڑے بڑے ٹاپس۔"
ہاتھ سے سائز کا اشارہ کرتے ہوئے، انہوں نے مبالغے کی انتہا کی۔ "ڈرائی فروٹ تو اب تک کھا رہے ہیں، معلوم نہیں کتنے ہزار کا بھیجا تھا انہوں نے، اتنی بڑی بڑی باسکٹ تھی الگ ہر چیز کی۔ کیا بادام، کیا کاجو، کیا اخروٹ کیا۔"
جویا نے بے چینی سے پہلو بدلا۔
ماں باپ کی فطرت کے اس رخ پر وہ شرمندہ تو ہمیشہ سے ہوتی آئی تھی، مگر اس وقت اور بھی زیادہ ہو رہی تھی۔
شکر تھا کہ یہاں معاذ نہیں تھا، ورنہ تو اس سے آنکھ ملانی بھی مشکل ہو جاتی۔
مگر وہ تھا کہاں؟
اس کی بے چین نگاہ ڈرائنگ روم کے اندر حصے کی طرف کھلتے دروازے کی طرف ایک بار پھر اٹھی، اور ناکام واپس آئی۔
یہاں ایک بار سرسری طور پر اس کی طبیعت پوچھ لینے کے بعد، اس کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا تھا۔
"کسر تو ہم نے بھی نہیں چھوڑی، پورے دو لاکھ دیے ہیں شادی کے جوڑے کے زوبیہ کو۔"
جویا نے ماں کو کہتے ہوئے سنا۔
پچاس ہزار کا مبالغہ یہاں بھی ان کے لیے جائز ہی تھا۔ جوش جذبات میں وہ جتنا کچھ سنا چکی تھیں، ان میں یہ بات، سب سے زیادہ سنسنی خیز ٹھہری۔
لمحے بھر کے لیے تو سب ہی حیرت زدہ سے رہ گئے۔ خود اظہار چچا کا دل چاہا کہ وہ اس بے وقوف عورت کو دھکا مار کر یہاں سے باہر کریں۔
کتنا سمجھا کر لائے تھے کہ ابھی زوبیہ کے ساتھ آنے والے گھر کا ذکر ہرگز بھی نہ کیا جائے، لیکن وہ اس ڈیڑھ لاکھ کا قصہ لے بیٹھیں وہ بھی ڈیڑھ کو دو بنا کر۔
"دو لاکھ، اتنے میں تو آج بھی متوسط آدمی پوری شادی نمٹا دیتا ہے بیٹا۔" دادی اظہار چچا کی طرف دیکھ کر کہنے لگیں تو وہ خوامخواہ ہی مسکرا دیے۔
"اب کہاں ہوتی ہیں دو لاکھ میں شادی تائی اماں! مہنگائی کا وہ عالم ہے کہ۔!"
"کیوں نہیں ہوتی، ابھی بھی گھر کے آگے شامیانہ لگا کر تقریب کر لی جاتی ہے، کپڑے بن گئے، جیسی توفیق ہوئی ویسا زیور، عزیز رشتے دار بھی ساتھ دیتے ہیں، اللہ سب کی عزت رکھنے والا ہے، سب سے بڑی بات۔" دادی جس سادہ روی سے اپنی بات کہے جا رہی تھیں۔ جویا کی آنکھوں میں آنسو سے آنے لگے۔
اسے پتا تھا کہ ابھی تھوڑی دیر بعد ہی، جب وہ واپس گھر پہنچیں گے تو نہ جانے کتنے دن تک، دادی کے اس انداز فکر کا، بنا رعایت مذاق اڑایا جائے گا۔
"سمجھا کریں تائی اماں! اب بچے اپنی چلاتے ہیں، سلمان ماشاء اللہ اچھا کما رہا ہے، کچھ لون وغیرہ لے لیا ہے اس نے، اپنی شادی دھوم دھام سے کرنا چاہ رہا ہے، ہم بھی دخل نہیں دے رہے، وہ جانے اس کا کام!" اظہار چچا صفائی سے خود کو بچا لے گئے۔
سلمان کی جاب کتنے پانی میں تھی، سب ہی جانتے تھے۔ امی بار بار گھبرا کر ابا کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اپنی اصول پسندی اور صاف گوئی کی بنا پر، ایسے موقعوں پر وہ اکثر ہی رنگ میں بھنگ ڈال دیتے تھے۔

ان کی نیک نیتی سے کی ہوئی بات ہی ان کا سب سے بڑا جرم تھی۔
بدمزاج' بے وقوف' زندگی کے معاملات میں زیرو بٹا زیرو۔
اظہار چچا اور ان کے گھرانے نے ان کے اسی امیج کو خاندان میں گہرا کیا تھا۔
امی کو یہی ڈر لگ رہا تھا کہ اس وقت پھر کچھ ایسا نہ ہو' جو کسی بدمزگی کو جنم دے۔
اس بار جب انہوں نے ابا کی طرف دیکھا تو وہ ہلکے سے مسکرا دیے۔
مطلب یہ کہ انہوں نے فی الوقت ان ساری لن ترانیوں پر دھیان نہ دینے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔
"اصل میں تو بچوں کی خوشی میں ہی ہماری خوشی ہے' اب تو زندگی ان ہی کے لیے وقف ہے۔" اظہار چچا' دادی کے مستقل سوالوں سے بچنے کے لیے ابا سے تائید چاہ رہے تھے۔
"کیوں نہیں' کیوں نہیں۔"
حیرت انگیز طور پر' شاید وہ پہلی بار ان سے متفق ہوئے' اور پھر بالکل خاموش بیٹھی جویا کی طرف دیکھتے ہوئے شفقت سے بولے۔ "تم یہاں کیوں بور ہو رہی ہو بیٹا! جاؤ دیکھو' ربیعہ کی چائے بنی یا نہیں۔"
"ہاں' ہاں کیوں نہیں' تمہارا اپنا گھر ہے' یہاں مہمانوں کی طرح کیوں بیٹھی ہو۔"
اظہار چچا جیسے بھی ممکن سہی' اس موضوع کو بدلنا چاہتے تھے' جو شاکرہ چچی کی مہربانی سے لمبا ہی ہوتا جا رہا تھا۔
جویا نے باہر نکل کر جیسے سکون کا سانس لیا تھا۔
سامنے والا کاریڈور' پچھلے برآمدے کی طرف جا رہا تھا' وہ یہاں بہت ہی کم آئی تھی' اس بار تو کم از کم بھی دو سال سے بھی زیادہ عرصہ بعد پھر بھی اس گھر کا ایک ایک کونہ اس کے لیے بے حد مانوس تھا۔
اس نے ہمیشہ خود کو اسی گھر میں پایا تھا۔
"اور وہ بھلا یہاں کے علاوہ اور کہاں جا سکتی ہے۔" ٹھنڈے پرسکون سے کاریڈور سے گزرتے ہوئے اس نے خود سے کہا۔
کاریڈور کے خاتمے پر پچھلا برآمدہ تھا' جس کے ایک سرے پر کچن تھا۔
ربیعہ وہاں نہیں تھی۔
ٹرالی میں لوازمات نکال کر' وہ اندر شاید کسی کام سے گئی تھی' جویا نے وہیں سے کھڑے کھڑے دیکھ لیا تھا' تب ہی وہ تھوڑا سا آگے بڑھی تو اسے معاذ دکھائی دے گیا۔
جویا کا دل بہت زور سے دھڑکا۔
احاطے میں اترتی سیڑھیوں پر وہ اکیلا بیٹھا تھا' اسے ایک نگاہ دیکھنے کی خواہش اتنی شدید تھی کہ وہ چاہنے کے باوجود بھی واپس نہ مڑ سکی۔
تب ہی کسی احساس کے زیر اثر' معاذ نے مڑ کر دیکھا۔
"جویا!" اس کے لب ہلکے سے ہلے تھے' لیکن آواز جویا تک نہیں پہنچی تھی۔
"کیسی ہو؟" وہ اس سے ذرا فاصلے پر آ کر رکا تھا۔ ہلکے سے اثبات میں سر ہلا کر وہ اسے دیکھے گئی' اب وہ ٹھیک تھا' لیکن ایک سخت تکلیف سے گزرنے کے آثار ابھی بھی محسوس ہوتے تھے۔
"کیا نظر لگانے کا ارادہ ہے؟"
ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے جویا کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلایا۔
"اتنے حسین نہیں ہو۔"
ایک جھینپی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ جیسے اپنے آپ میں واپس آئی۔ "اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"

"بالکل ٹھیک ٹھاک۔"
ماتھے پر آتے بالوں کو لاپروائی سے پیچھے کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ "تمہارے ایک بار بھی نہ پوچھنے کے باوجود آخر کار ٹھیک ہو ہی گیا۔"
بے حد سرسری سے انداز میں کہتے ہوئے بھی کہیں ایک گلہ بیٹھا تھا۔
ہسپتال اور گھر میں عیادت کے لیے آنے والے جم غفیر میں اس نے انتہائی تکلیف دہ لمحات میں بھی اس چہرے کو ڈھونڈا تھا۔
ہر بار قریب آتے قدموں کی آہٹ سن کر اس امید پر آنکھیں کھولی تھیں کہ "شاید اس بار وہی ہو۔"
"میں کیسے آ سکتی تھی' مجھے کون۔۔۔!"
"پتا ہے مجھے!" ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے' وہ اس کی بات کاٹ گیا۔
وہ اسے رنجیدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔
"ویسے سنا ہے' بڑی عجیب و غریب کہانیاں گردش کر رہی ہیں میرے زخمی ہونے پر' تم نے تو سنی ہوں گی۔" مسکراہٹ دباتے ہوئے وہ اس اشتیاق سے پوچھ رہا تھا' جیسے کوئی قابل فخر قصہ ہو۔
"بہت!" جویا ہلکے سے ہنس پڑی۔
اطراف میں جیسے روشنی سی پھیلی۔
معاذ نے بمشکل ہی لبوں پر آتی کسی نرم سی بات کو روکا۔
"تمہیں تو بہت مایوسی ہوئی ہو گی' میرے بارے میں یہ کچھ سن کر' سچ بتاؤ۔" اس کا خیال تھا' وہ حسب عادت چڑ کر کہے گی۔
"کوئی نہیں۔"
مگر نہ ہی وہ چڑی اور نہ ہی اس نے ایسا کہا' وہ بہت سکون سے معاذ کی طرف دیکھ رہی تھی۔
"نہ ہی میں مایوس ہوں' اور نہ ہی میں فضول باتوں پر دھیان دیتی ہوں۔"
"اپنے ابا حضور سے تو ڈرتی ہو؟"
وہ تہیہ کر چکا تھا' کہ نہ کوئی سنجیدہ بات خود کرے گا' نہ ہی اسے کرنے دے گا۔
"میں ڈرتی نہیں' احترام کرتی ہوں۔"
"السلام علیکم اظہار چچا!"
اس کے عقب میں دیکھتے ہوئے' وہ یک دم ہی بڑے تپاک سے کہہ اٹھا۔
جویا گڑبڑا کر پیچھے مڑی۔ مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔
معاذ بے ساختہ ہی ہنستا چلا گیا۔
"بس اتنی ہی ہمت؟"
"وقت آنے پر ہمت کا بھی پتا چل جائے گا!"
لاپروائی سے کہتے ہوئے' وہ سائیڈ کے کمرے سے نکلتی ہوئی ربیعہ کے ساتھ کچن کی طرف چلی گئی۔
معاذ چند لمحے خاموش سا کھڑا رہ گیا۔
جویا کی مضبوطی اسے تکلیف دیتی تھی' زندگی سے جڑے اس ایک اہم ترین معاملے میں' وہ اس سے کہیں زیادہ پریقین بھی تھی اور پراعتماد بھی۔ یہ سوچے بغیر کہ یقین جتنا زیادہ گہرا ہوتا ہے' ٹوٹنے پر اتنی ہی تکلیف دیتا ہے' وہ اسے اسی تکلیف سے بچانا چاہتا ہے۔

کاش وہ سمجھ سکے۔

آپا گل کا فون اس وقت، شاکرہ چچی کے موبائل پر آیا، جب ڈرائنگ روم میں، ربیعہ کی بہت اہتمام کے ساتھ لائی چائے پی جارہی تھی۔

وہ وہاں ان کے گھر آئی بیٹھی تھیں، اور ان لوگوں کی فوری واپسی پر اصرار تھا۔

یہ ایک بڑی بے وقت کی مداخلت تھی۔

شاکرہ چچی کے بوکھلا کر فوراً ہی کھڑا ہو جانے کو سب نے ہی ناپسندیدگی سے دیکھا تھا۔

"گل کا آنا کون سی نئی بات ہے، روز آئی بیٹھی رہتی ہے تمہارے ہاں، کل پھر آجائے گی، تمہیں کس بات کی جلدی ہے۔"

دادی نے صاف لفظوں میں جتایا، مگر ان کی بات پر دھیان دیے بغیر وہ اظہار چچا کو اٹھنے کا اشارہ کیے گئیں۔

ضرور کوئی خاص بات تھی۔

جویا نے قیاس لگانا چاہا، مگر ناکام رہی، آپا گل اتنی ناقابل یقین تھیں کہ کسی بھی وقت کوئی بھی ایمرجنسی نافذ کرسکتی تھیں۔

"جلدی کرو جویا!" شاکرہ چچی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اڑ کر گھر پہنچ جائیں۔

مگر وہ اتنے ہی اطمینان سے ایک کے بعد ایک چیز پلیٹ میں ڈال رہی تھی۔

ذرا سی دیر میں چار فون آگئے۔

"آئندہ کبھی آؤ، تو گل سے پوچھ کر آنا۔" دادی صاف ناراض ہو گئیں، اظہار چچا کچھ صفائی دینے لگے تو ابا نے نرمی سے بات کاٹی۔

"کوئی ضروری کام ہو گا گل کو، اماں! آپ سمجھا کریں۔" آج وہ واقعی بدلے ہوئے موڈ میں تھے، سارا وقت مہمانوں کے ساتھ بیٹھے رہے اور بڑے صبر سے وہ ساری اوٹ پٹانگ باتیں سن بھی لیں۔

"آپ کی مہربانی کہ آپ لوگ معاذ کو پوچھنے کے لیے آئے۔" ڈرائنگ روم سے نکل کر جب وہ گیٹ کی طرف آرہے تھے تب ابا نے ان دونوں میاں بیوی کو مخاطب کر کے کہا۔

پتا نہیں کیوں اظہار چچا نے اس ہلکے سے بدلاؤ کو ان کی ہار سمجھنے کی غلطی کی۔

"اس بار تو خیر گزری اسلام بھائی، لیکن اب معاذ پر سختی ضروری ہے، میری مانیں تو پکڑ دھکڑ کر کہیں کام پر لگوا دیں، کم از کم چار پیسے کمانے کے قابل تو کہلائے گا۔" گاڑی میں بیٹھتے ہوئے وہ بڑے مربیانہ انداز میں مشورہ دینے لگے۔

ابا کی مسکراہٹ اور گہری ہوئی۔

"چار پیسے تو سب ہی کما لیتے ہیں اظہار! میرے لیے تو زیادہ اہم یہ بات ہے کہ معاذ کے کمائے چار نہ سہی، دو ہی پیسے ہوں مگر ہوں حلال کے، حرام کے پیسے کی تاریکی اس کی زندگی کو اپنی لپیٹ میں نہ لے۔" گاڑی جیسے کوند کی رفتار سے ان کے گیٹ سے باہر نکلی تھی۔

"غلطی ہماری ہی تھی، جو ہم چلے آئے، سن لیا کیا کہہ رہے تھے اسلام بھائی۔"

"ارے ہارے ہوئے آدمی ہیں، اپنے احساس کمتری کو چھپانے کے لیے ایسی باتیں کرتے ہیں۔"

"میں تو کہتی ہوں، ان سے ملنا بھی ٹھیک نہیں، ایسے لوگوں کی نظر بھی بہت بری لگتی ہے، اللہ برے وقت سے بچائے، توبہ توبہ ایسا حسد۔" سارا راستہ وہ دونوں میاں بیوی بلا تکان بولتے رہے، حاسدوں کی سزا اور تہمت لگانے کے گناہ سے پناہ مانگتے رہے۔

اظہار چچا کا مطالعہ وسیع تھا، آیات قرآنی کے ذریعے اس بات کا ثبوت پیش کرتے تھے کہ بنا اپنی آنکھ سے دیکھے، الزام تراشی کی کیا سزا ہے۔

کس کی مجال تھی، جو انہیں بے ایمان کہہ سکے۔

پچھلی سیٹ پر جویا خاموشی سے اپنے موبائل کے اسکرین کو دیکھ رہی تھی، جہاں زویا کا میسج موجود تھا۔

اس کا اندازہ درست نکلا تھا۔

آپا گل کچھ بھی کرسکتی تھیں۔

ثمرین کا اچھا بھلا طے ہوتا رشتہ ختم کروا کر آج وہ ان لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر جویا کے لیے لائی تھیں۔

جویا نے بہت سکون کے ساتھ آپا گل کا نمبر ملایا۔ آگے وہ لوگ اپنی باتوں میں مصروف تھے، شاکرہ چچی اپنی پسندیدہ نعتوں کی کیسٹ بھی لگا چکی تھیں۔

کسی کی بھی اس کی طرف توجہ نہیں تھی۔ وہ دانستہ تھوڑی پیچھے کی طرف ہوئی۔

"ہاں جویا، ارے کہاں رہ گئے ہو تم لوگ، ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا ہے، وہ لوگ تو بس جا ہی رہے ہیں، بڑی مشکل سے روک رہی ہوں میں۔"

آپا گل کا جوش و خروش وہ اتنی دور بھی صاف محسوس کر رہی تھی۔

بہت تحمل سے جویا نے انہیں اپنی بات پوری کرنے دی۔

"آپا!"

جب وہ خاموش ہوئیں تو وہ بہت سکون سے بولی۔ "ان لوگوں کو جانے دیں، بے کار میں ہی بے چاروں کو زحمت دی، مجھ سے پہلے پوچھ لیتیں تو میں پہلے ہی صاف منع کر دیتی انہیں یہاں لانے سے، اور آئندہ اس نیت سے کسی کو لایئے گا بھی نہیں۔"

اپنی بات ختم کرتے ہی اس نے موبائل آف کر کے واپس بیگ میں ڈالا، اور سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر باہر بھاگتے دوڑتے ٹریفک کو دیکھنے لگی۔

دل میں سکون کا احساس اور بھی گہرا ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

سعیدہ نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر سامنے صحن میں دیکھا۔

نلکے کے پاس بیٹھی زری رگڑ رگڑ کر برتن چمکانے میں مصروف تھی۔

گندمی رنگت، عام سے نقوش، اور بلا کی محنتی۔ جب سے آئی تھی، اسے ہر پل آرام دینے کے لیے کوشاں تھی، سعیدہ چاہنے کے باوجود بھی اس کے ساتھ رکھائی نہیں برت پا رہی تھی۔

ورنہ جب وہ نواب کے ساتھ، غیر متوقع طور پر حیدر آباد سے یہاں پہنچی تھی، تو کتنی ہی دیر سعیدہ کے حواس بحال نہیں ہوئے تھے۔

نواب کی نہ ختم ہونے والی بے روزگاری، زرتاج بیگم کے ہاں کا راشن اور باقی اس کی سلائی مشین کا آسرا، کھینچ تان کر بھی دانتوں تلے پسینہ آتا تھا۔

ایسے میں یہ سوا پانچ فٹ کا جیتا جاگتا وجود، تھی تو گھمبیر بات لیکن جب نواب نے بتایا کہ چچا چچی اب زری کو رکھنے سے قاصر ہیں، کیوں کہ ان کی بہو کو اس کا خرچا کھٹکنے لگا ہے، تو وہ اس کے یہاں رہنے میں صرف اسی بات پر گھبراہٹ میں مبتلا ہوئی تھی کہ مہینے کے راشن پر کتنا اثر پڑے گا۔

"ایک وقت میں ایک روٹی تو دن بھر میں تین اور ہفتے میں۔۔۔!" اپنی فطری نرم دلی کی بنا پر وہ اسے ایسا کچھ جتا تو نہیں رہی تھی، لیکن وہ اسے اچھی بھی نہیں لگ رہی تھی۔

"پڑی رہے گی ایک طرف' خدمت ہی کروے گی' اور کچھ نہیں تو تجھے سلائی کے لیے وقت ہی زیادہ مل جائے گا۔" تواب نے ایک روشن پہلو سمجھایا تو وہ اور بھی چڑ کر رہ گئی تھی۔

"شاباش ہے' اپنے لیے کوئی کام نہ ڈھونڈنا میں ہی ساری زندگی آنکھیں پھوڑتی رہوں گی بس۔"

جواباً "وہ کچھ نہیں بولا تھا فضول باتوں کا وہ کوئی جواب نہیں دیتا تھا۔

زری بھی اس کا مسئلہ نہیں تھی' سعیدہ کا ہی تھی۔

"بھابی! سر میں تیل ڈال دوں!" تیل کی بوتل لیے وہ سامنے کھڑی تھی۔

"ڈال دو۔" کتنے عرصے بعد کسی نے اتنی آرام دہ آفر کی تھی وہ فوراً" ہی مان گئی۔

☼ ☼ ☼

اظہار چچا کے ہاں سلمان کی شادی تاریخ رکھتے ہی جیسے سر پر آکھڑی ہوئی تھی۔

اس بار پہلے سے زیادہ جوش و خروش تھا۔ زوبیہ کو ملنے والے گھر کی نوید' ساری تلخیاں ختم کر چکی تھی بھولے سے بھی کوئی اس ڈیڑھ لاکھ کو یاد نہیں کر رہا تھا' جو زوبیہ کو دیے گئے تھے' بلکہ اب تو ولیمہ کے فنکشن کو شایان شان بنانے کی تیاریاں تھیں' پچھلے دنوں گھر کے اوپر قرضہ لے لیا گیا تھا۔

ارادہ یہی تھا کہ نیا واش روم پلس ڈرائنگ روم بنوانے کے علاوہ گھر کی مزید کچھ ٹپ ٹاپ کرلی جائے گی' اب جب ایک شاندار گھر' کسی بمپر پرائز کی طرح ہاتھ آرہا تھا تو سب ہی کا دل اس پرانے گھر سے اٹھ رہا تھا۔

کیا ضرورت تھی' ایک فالتو خرچے کی۔

بہتر تھا کہ یہی پیسہ' اپنی عزت بنانے کے کام میں لے لیا جائے۔

سو ایک بڑے ہوٹل کی بکنگ پہلے سے لے لی گئی تھی۔ سو وہاں فی کس آدمی کے حساب سے اتنا زیادہ چارج ہو رہا تھا کہ مہمانوں کی فہرست از سر نو ترتیب دینی پڑی تھی۔

خاندان کے بہت سے آلتو فالتو لوگ کاٹ دیے گئے تھے' زیادہ تر گھروں سے دو افراد بلائے جا رہے تھے۔ سلامی میں آنے والی رقم کا خرچے سے تقابل کیا جاتا تو سوائے مایوسی کے کچھ بھی ہاتھ نہیں آرہا تھا' بہت سے گھرانے ایسے تھے' جو دو سو روپے دے کر بھی کام چلا رہے تھے' فہرست میں سے کاٹے جانے والے نام ان ہی کے تھے۔

"ایسا کرتے ہیں' ایک فنکشن یہیں سامنے والے گراؤنڈ میں ٹینٹ لگا کر کر لیتے ہیں' کھانے میں بس بریانی زردہ رکھ کر نمٹا دیتے ہیں رشتے داروں کو' کسی کو بھی شکایت نہیں رہے گی۔"

آپا گل کا سمجھایا ہوا حل' والدین کو تو بہت پسند آیا تھا' مگر سلمان جیسے تڑپ کر رہ گیا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا' زوبیہ ادھر ٹینٹ میں بیٹھے گی' کیوں میری بے عزتی کرانے پر تلی ہو آپا جن رشتے داروں کو میں اس سے چھپانا چاہتا ہوں' تم ان ہی کی نمائش لگانے پر بضد ہو' چلیے دیکھے ہیں ان سب کے' اور شادیوں میں تو اس طرح تیار ہو کر آتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔"

اس کے لہجے میں نچلے متوسط طبقے سے تعلق رکھتے عزیزوں کے لیے سوائے حقارت کے کچھ بھی نہیں تھا۔

اظہار چچا اور چچی تو خیر آج کل بات میں اس سے متفق رہتے تھے' سو اس وقت بھی یہی ہوا۔ آپا گل جھینپ کر ہنس پڑیں۔

زوبیہ کے ساتھ آنے والے گھر نے سلمان کو گھر میں سب سے معتبر پوزیشن خود بخود ہی دلا دی تھی' آپا گل سے بھی زیادہ۔

"کچھ سال پہلے تک ہم بھی ایسے ہی حلیہ میں شادیوں میں شریک ہوتے تھے اور آپا گل کی شادی بھی اسی سامنے والے گراؤنڈ میں ٹینٹ لگا کر ہوئی تھی' حالانکہ جب تو بارشیں بھی ہو رہی تھیں۔" جویا نے بروقت یاددہانی کروائی۔

گھر کی سابقہ عظمت کا حوالہ دینا ایک طرح سے ممنوع ہی قرار دیا جا چکا تھا' ان حالیہ چند برسوں کو ہی کل زندگی سمجھا جانے لگا تھا' جس میں ان کے گھرانے نے فقید المثال ترقی کی تھی۔

"شروع ہو گئے ان کے بے تکے اعتراض' یہ زویا اور جویا دونوں ہی کچھ گڑبڑ کرا کر چھوڑیں گی' زوبیہ سے ان کی نہیں بننے والی امی! میں ابھی بتائے دے رہا ہوں۔" سلمان کو بڑے زور سے غصہ آنے لگا۔ "زوبیہ کا آپا گل کی شادی سے کیا مقابلہ' یوسف کمال کی تو گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے ہیں وہ لوگ۔"

جویا نے آپا گل کی طرف دیکھا۔

اپنے سسرال والوں کی "عزت افزائی" پر وہ ذرا بھی ملول نہیں تھیں' شاید انہیں ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ ان لوگوں کی بے عزتی خود ان کے لیے بھی باعث شرم ہے۔

"یوسف کمال کی گرد کو تو آپ بھی نہیں پہنچ سکتے تھے۔"

سخت کوفت میں ایک کڑوا سچ اس کی زبان پر آ ہی گیا' یہ جانتے ہوئے بھی گھر کے ان تین بڑوں کی موجودگی میں ایسا کچھ کہنا بے ادبی کے زمرے میں آتا ہے۔

چند لمحوں کے لیے تو بالکل ہی خاموشی سی چھا گئی' چپ چاپ اپنے کام سے کام رکھتی جویا سے کسی کو بھی اس سلگتے ہوئے جملے کی امید نہیں تھی۔

"شرم تو نہیں آتی جویا! یہ بڑے بھائی سے بات کرنے کا طریقہ ہے۔" مارے صدمے کے شاکرہ بیگم کی آواز بیٹھنے لگی' وہ جویا پر بری طرح برس پڑیں۔

اتنا لائق فائق' خوبرو' ہزار خوبیوں کا مالک بیٹا' جسے اتنے بڑے گھرانے نے خود جھک کر بیٹی دی تھی۔

"بڑے بھائی بھی تھوڑی سی دوسروں کی عزت کرنا کیوں نہیں سیکھ لیتے۔"

صبح شام کی یہ لن ترانیاں اب اتنے عروج پر پہنچ چکی تھیں کہ برداشت سے بالکل ہی باہر ہو چکی تھیں' سب لوگ حسب توفیق اسے شرمندہ کر چکے تو وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرے اللہ!" شاکرہ بیگم نے بے ساختہ ہی سر پکڑ لیا۔

"اس گھر میں تو ہر ایک کی زبان چل پڑی ہے' ایک یہی تھی' سو اس نے بھی قسم توڑ ڈالی۔"

آپا گل تاسف سے کہہ رہی تھیں' جب سے ان کے لائے مہمانوں کے سامنے آنے سے اس نے انکار کیا تھا' وہ اس سے سخت ناراض تھیں۔

"اب ختم بھی کرو بات کو۔" اظہار چچا نے بے زاری سے ہاتھ ہلایا' جب سے نئے مکان کا قصہ شروع ہوا تھا' وہ بات بات پر غصہ کرنا بالکل ہی چھوڑ چکے تھے' جویا اور سلمان کی تلخی کو بھی انہوں نے بہن بھائی کی تکرار سمجھ کر ہی نظر انداز کرنا چاہا تھا۔

"یہ بتاؤ ہم لوگوں کو اس گھر میں شادی سے کتنے دن پہلے شفٹ ہونا ہے' ظاہر ہے' یہ کام تو پہلے ہی ہونا ہوگا۔"

انہیں مطلب کی بات زیادہ عزیز تھی۔

"پتا نہیں' پہلے شفٹ ہونا ہے یا بعد میں۔" ایک انگلی سے کنپٹی کو رگڑتے ہوئے سلمان کے چہرے پر تذبذب سا پھیلا۔ "اصل میں زوبیہ نے ابھی تک کچھ بتایا ہی نہیں اس سلسلے میں۔"

"تو تم نے خود پوچھ لیا ہوتا۔"

"ایسے اچھا لگتا ہے کیا ابا۔" وہ کچھ برا مان گیا۔ "جب پتا ہے کہ یہ گھر زوبیہ کی ملکیت ہے تو پھر بے صبرا پن دکھانے کا فائدہ' کمالی اور اس کی بیوی دونوں ہی بڑے ہوشیار لوگ ہیں' یہ تو میں ہی ہوں جو ان لوگوں کے ساتھ کسی نہ کسی طرح نباہ کیے جا رہا ہوں' گھر کی طرف زیادہ دلچسپی دکھائی تو کچھ بعید نہیں کہ فی الحال وہ اپنا ارادہ ہی ترک کر دیں۔"

وہ بہت پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا۔

ایک بار زوبیہ کو ناراض کر دینے کے بعد اب وہ کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔

اظہار چچا نے تعریفی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"سمجھ دار ہو گئے ہو' چلو چند دن اور انتظار کیے لیتے ہیں۔"

آپا گل نے بے چینی سے پہلو بدلا۔

"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی' ایسی بھی کیا بد اعتمادی' شادی نئے گھر سے ہوگی تو ان ہی کی عزت بڑھے گی اور ان ہی کی بیٹی کو آرام بھی ملے گا' تم زوبیہ کو یہ بات اشارۃً بتا دو' وہ اں باپ سے خود ہی منوا لے گی۔"

آپا گل کی مجبوری یہ تھی کہ وہ اپنے سارے سسرال میں نئے گھر کی خوش خبری نشر کر چکی تھیں' پورے اعتماد کے ساتھ۔

سلمان پر ایک بار پھر اصرار بڑھنے لگا۔

"ٹھیک ہے' پھر موقع دیکھ کر بات کرتا ہوں۔" دل تو اس کا بھی یہی چاہ رہا تھا۔

اظہار چچا کسی کے آنے پر جا چکے تھے' تب ہی آپا گل کو کچھ خیال آیا' تو سامنے کچن میں کھڑی جویا کو پکار کر پوچھنے لگیں۔

"یہ زویا کہاں ہوتی ہے' کتنے دن سے اس کی شکل تک نہیں دیکھی ہے۔"

"اوپر اپنے کمرے میں پڑھ رہی ہے' اس کے پیپر شروع ہونے والے ہیں۔"

اس کے لہجے میں ایسی جتاتی سی کیفیت تھی' جو آپا گل کو سیدھی جا کر کھٹکی۔

"پیپرز شروع ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ بالکل ہی پردہ کر کے بیٹھ جائے' بھائی کی شادی ہے' لڑکیاں تو بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔"

جویا کچن سے نکل کے لاؤنج میں آ کھڑی ہوئی۔

"بھائی کی شادی اگر اس کے امتحانات کے بعد رکھ لی جاتی تو کیا برائی تھی' اب اسے ڈسٹرب نہ کریں' انٹر سائنس کا سال ہے اس کا۔" اپنی بات کہتے ہوئے وہ خود بھی اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی' آپا گل کی نگاہوں نے اس کا پیچھا اس وقت تک کیا' جب تک وہ انہیں نظر آئی۔

"یہ جویا' بات بات پر تلخ کیوں ہوتی جا رہی ہے' بات کرنے کا انداز بالکل ہی بدلتا جا رہا ہے۔"

آپا گل سلمان سے پوچھ رہی تھیں' تو اس نے لاپروائی سے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ "سارا غصہ میری زوبیہ سے شادی پر ہے' زویا اور جویا دونوں ہی نے محاذ بنا رکھا ہے میرے خلاف' ابھی ربیعہ آ رہی ہوتی اس گھر میں' پھر آپ دیکھتیں دونوں کی خوشی کا ٹھکانا۔"

خود اس کے لہجے میں بھی بہنوں کے لیے اتنی ہی بے زاری کا اظہار ہو رہا تھا۔

"اللہ ہی جانے' ان سب کا آپس میں کس طرح گزر ہوتا تھا۔"

تیا گل کو تو ابھی سے تشویش ہونے لگی' جویا سے تو حالیہ تجربے کے بعد 'سمجھ داری کی کوئی امید بھی باقی نہیں رہی تھی۔

"کچھ دوستوں کے کارڈ رہ گئے ہیں' انہیں پہنچانا ہے۔" وہ اٹھتے ہوئے کہنے لگا' تو وہ بھی ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گئیں۔

"میرے بھی کچھ کارڈ رہ گئے ہیں۔ وہ بھی دے دیتے ہیں۔"

"آپ رکشہ سے چلی جائیں' مجھے کچھ اور کام بھی ہیں۔"

زوبیہ سے ملنے جانے کی اطلاع عموماً" وہ گھر میں کسی کو نہیں دیا کرتا تھا' سو اس وقت بھی صاف ٹال گیا' اسے اچھی طرح سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ابھی بھی' اور بعد میں بھی اپنے معاملات سے گھر والوں کو دور رکھنے میں ہی اس کی بھلائی ہے' سو وہ اسی پر عمل پیرا تھا۔

گاڑی ممکنہ حد تک دوڑاتا ہوا' جب وہ شہر کے ایک سرے سے سی ویو کے اسی مخصوص ریسٹورنٹ تک پہنچا تو شام پوری طرح ڈھل چکی تھی۔

شام ضرور ہی یاد آتی جب زوبیہ اتنے مہینے گزر جانے کے بعد بھی' وہ جب بھی یہاں آتا' اسے وہ بے عزتی بھری شام ضرور ہی یاد آتی جب زوبیہ اسے یہاں دس باتیں سنا کر' کھڑا چھوڑ گئی تھی' اس روز وہ اپنی گاڑی بھی نہیں لایا تھا۔ آس پاس کے لوگوں سے منہ چھپاتا' وہ کس طرح گھر تک کا طویل راستہ طے کر پایا تھا۔

سوچتا تو بڑی خجالت میں گھر تا تھا۔

آئندہ کے لیے توبہ تھی' جو کبھی زوبیہ کو ناراض ہونے کا موقعہ دیتا۔

وہ اسے انٹرنس لابی میں ہی مل گئی۔

خاصی اونچے ٹائٹس کے ساتھ' مختصر سا ٹاپ پہنے ہوئے چہرے پر حسب معمول گہری میک اپ کی تہہ۔ سلمان نے کبھی اسے میک اپ کے بغیر نہیں دیکھا تھا سو وہ کوشش بھی کرتا تو' بنا میک اپ کے زوبیہ کے خدوخال کو تصور میں نہیں لا سکتا تھا۔

"ایک بار پھر لیٹ۔" ہاتھ سے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے' اس نے ناز بھری خفگی دکھائی۔

آج اس کے گلے اور بنا آستین کے شولڈرز کا کٹ پہلے سے زیادہ گہرا تھا۔

سلمان نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی تو وہ فخریہ انداز میں ہلکے سے مسکرائی۔

زوبیہ کا جسم فربہی مائل تھا اور جب وہ اس قدر ٹائٹ اور چھوٹے کپڑے پہنتی تھی' تو بڑا ہی عجیب سا تاثر بنتا تھا۔

اس وقت صرف سلمان نے ہی نہیں' آتے جاتے کئی لوگوں نے اسے گہری سے بھی گہری نگاہ سے دیکھا تھا' اور وہ ایسی نگاہوں کو اعزاز کی طرح وصولتی تھی۔ زوبیہ کے خیال میں یہی اس کی اٹریکشن تھی۔

"فاصلہ بھی تو دیکھو میری جان! کہاں سے کہاں تک آتا ہوں۔" زوبیہ کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے وہ آگے بڑھتے ہوئے صفائی دیے گیا۔

زوبیہ کے چہرے پر فخریہ تمتماہٹ تھی۔

ایک اسمارٹ اور خوش شکل ساتھی کی رفاقت اسے ہواؤں میں اڑاتی تھی۔

اپنی کم صورتی کی بنا پر وہ جس احساس کمتری کا شدت سے شکار تھی' سلمان کی جانثاری پر وہ احساس مٹنے لگتا تھا۔

حسن پرستی اس نے ورثہ میں پائی تھی۔ ماں' باپ' پھوپھی۔

اچھی شکل ان سب کی ہمیشہ کمزوری رہی تھی۔

"چند دن کی بات ہے۔ پھر تم یہ تکلیف اٹھانے سے ہمیشہ کے لیے بچ جاؤ گے۔"

اپنی شادی پر سب سے زیادہ وہ خود ہی خوش تھی۔

"اف یہ چند دن!"

ایک ہاتھ دل پر رکھتے ہوئے سلمان نے سوچی سمجھی بے قراری کا اظہار کیا۔

اس بار وہ بے ساختہ ہی قدرے اونچی آواز میں ہنس پڑی تھی اور بڑی دیر تک اس کے چہرے پر مسکراہٹ کا تاثر برقرار رہا۔

سلمان کی نگاہ اسی پر جمی ہوئی تھی۔

زوبیہ کی آنکھوں کے اطراف میں پھیلتی باریک باریک لائنیں۔ کنسیلر کے استعمال کے باوجود بھی نمایاں ہوتی تھیں۔ موٹاپے کے باعث دوہری ہوتی ہوئی گردن کی لائن۔

چہرے پر شادابی کا شائبہ تک نہیں۔

گزشتہ چند سال سے جب سے وہ اس کی زندگی میں آئی تھی' وہ یہ شکل تقریباً" روزانہ ہی دیکھتا تھا۔

اور ہر روز چاہے ایک بار ہی سہی اسے زوبیہ کی ہمراہی میں' ربیعہ ضرور ہی یاد آئی تھی۔

دل کش' نرم سے خدوخال والا وہ چہرہ ایک بار پھر روبرو آنے لگا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ بڑے پر اعتماد انداز میں پوچھ رہی تھی۔

سلمان نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

خوش قسمتی کے اس عروج پر آکر پچھتاوے جمع کرنا بے وقوفی نہیں تو اور کیا تھی۔

کیا ملنا تھا اسے۔ ربیعہ سے اور اس خود ساختہ اخلاقیات اور اصول پسندی کا ڈھول پیٹتے پھٹیچر خاندان سے۔

زوبیہ منتظر تھی کہ ابھی وہ اس کی تعریف میں کچھ اور بھی کہے گا' لیکن سلمان کی طویل ہوتی خاموشی اسے بور کرنے لگی۔

"منہ لٹکا کر کیوں بیٹھے ہو' تمہارے گھر میں پھر کوئی بات ہوئی ہے۔"

ملاقات کے ان خوشگوار لمحات میں وہ اپنی سخت ناپسندیدہ سسرال کے بارے میں کوئی بات کرنے سے گریز ہی کرتی تھی' مگر اس وقت جتانا پڑا۔

"نہیں' وہاں کیا بات ہوتی ہے۔"

سلمان سنبھل کر بیٹھا "سب لوگ تمہارا بہت پوچھتے ہیں اور تمہیں یاد کرتے ہیں۔"

زوبیہ نے کوئی جواب ضروری نہیں سمجھا' ویٹر آگیا تھا اور وہ اسے آرڈر لکھوانے میں مصروف ہو چکی تھی۔ آج پھر ایک بڑا بل' اس کی جیب پر گراں گزرتا تھا۔

کچھ بے چین ہو کر سلمان نے پہلو بدلا۔

زوبیہ کی طرف سے اتنا کچھ ملنے کے باوجود بھی' اسے خود اپنے پاس سے خرچ کرنے میں تھوڑی سی ذہنی کوفت ضرور ہوتی تھی۔

حسب عادت زوبیہ نے خاصا لمبا مینو ترتیب دے دیا تھا' وہ کبھی ایک دو چیزوں پر اکتفا نہیں کرتی تھی۔ شروع میں ایک آدھ بار سلمان نے اسے ٹوکنا چاہا تو وہ اتنا برا مانی کہ اسے کانوں کو ہاتھ لگانے پڑے تھے۔

"ممی نے گولڈ کا ایک سیٹ' تمہاری طرف سے بھی خرید لیا ہے۔ ساڑھے چار لاکھ کا تقریباً" فی الحال اس کی پے منٹ ممی نے کر دی ہے' تم انہیں یہ پیسے دے دینا۔"

سرسری سے لہجے میں جو اطلاع وہ دے رہی تھی' سلمان کے حواسوں پر بجلی کی طرح گری۔

"ہمارے ہاں شادی پر بھاری زیورات ہی دیے جاتے ہیں' ایک طرح سے لڑکی کی سیکیورٹی کی کوشش ہوتی ہے یہ۔ ممی کو تو اپنی شادی پر تیس' بتیس تولے تک کا ایک ایک سیٹ ملا تھا' ممکن ہے تمہارے گھر والوں کو تھوڑا مہنگا لگے' لیکن اس سے کم کا لے کر میں تمہاری بے عزتی نہیں کروانا چاہتی تھی' پہلے ہی شادی کے سوٹ کو لے کر خاصی بد مزگی ہو چکی ہے۔"

وہ بنا رکے بولتی چلی گئی۔

شادی کے نام پر اٹھنے والے لاکھوں روپے۔

ولیمہ کا مہنگا ترین فنکشن۔

زوبیہ کو دیے گئے پیسے اور اب یہ ساڑھے چار لاکھ مزید' ان بچے ہوئے تھوڑے سے دنوں میں اور بھی پتا نہیں کیا ہونا تھا۔

سلمان کا ذہن بری طرح چکرایا تھا۔

"مجھے پتا ہے تمہارے گھر والے اعتراض کریں گے' لیکن مجھے اس کی کوئی پروا نہیں' تم اتنے سال سے جاب کر رہے ہو' ماں باپ کے اکلوتے بیٹے ہو' شادی کے موقع پر ان سے تھوڑا سا خرچ کروا لینا تمہارا حق ہے۔"

بمشکل وہ ہلکے سے مسکرایا۔

"میرے والدین بہت خوشی سے سب کچھ کر رہے ہیں نوبلی' اب دیکھو ولیمہ کے فنکشن کے لیے انہوں نے جس ہوٹل کا۔۔۔" اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے اس نے حوالہ دینا چاہا' مگر وہ لاپروائی سے بات کاٹ گئی۔

"وہ تم لوگوں کا مسئلہ ہے' ہمارے ہاں سے ولیمہ میں صرف ممی اور پاپا ہی آئیں گے یا پھر شاید زرتاج آنٹی!"

"کیوں؟" اتنی دیر میں وہ دوسری بار بوکھلایا۔

اتنا بھاری انتظام' محض کمال فیملی اور ان سے تعلق رکھنے والے سرکل کو متاثر کرنے کے لیے ہی کیا گیا تھا۔

"تم لوگوں کے تو بہت سارے فیملی فرینڈز ہیں' سارے نہ سہی' کچھ تو آنے ہی چاہئیں نا۔"

سلمان کو ابھی سے یقین ہونے لگا کہ' ان سارے ہائی لیول سے تعلق رکھنے لوگوں کی عدم موجودگی سے اس کا ولیمہ' کتنا پھیکا اور پھس پھسا سا ہو کر رہ جائے گا' رشتے داروں پر اپنے تعلقات کی دھاک بھی بیٹھتی نظر نہیں آ رہی تھی۔

"برا مت ماننا سلمان!"

اس کا دیا ہوا آرڈر میز پر آ چکا تھا اور اس کی پوری توجہ اب اپنی پلیٹ کی طرف تھی۔

"تمہارے رشتے دار اتنے عجیب سے ہیں' بلکہ صاف بات تو یہ کہ خاصی جہالت سی لگتی ہے تمہارے ہاں' منگنی کے فنکشن کے بعد ہم لوگوں کو بار بار یہ صفائی دینی پڑی ہے کہ میں کہاں' کس طرح کے لوگوں میں شادی کر رہی ہوں' یہ تو ممی کی ہمت ہے کہ وہ میری خاطر' لوگوں کو جواب دیتی آ رہی ہیں۔" سلمان کے ماتھے پر پسینے کے قطرے' اس یخ بستہ ہال میں بھی ابھرنے لگے تھے۔

"مگر اب شادی کے موقع پر ہم لوگ پھر اس کوفت میں مبتلا نہیں ہونا چاہتے' اس لیے بہتر ہو گا کہ نہ تم لوگ اپنے رشتے داروں کو بارات میں لے کر آؤ اور نہ ہم لوگ ولیمہ۔۔۔"

"رشتے داروں کو کیسے روکا جا سکتا ہے' بارات میں آنے سے۔"

"آرام سے روکا جا سکتا ہے' ولیمہ کر تو رہے ہو' جتنے چاہو لوگ بلا لو۔"

بہت اطمینان سے کھاتے ہوئے' وہ سارا پروگرام تہس نہس کیے دے رہی تھی۔

"یہ تم اب کہہ رہی ہو' جب کارڈ بانٹے جا چکے ہیں۔" اتنی دیر میں پہلی بار سلمان کے لہجے میں خفگی در آئی۔

منگنی میں جس فراخ دلی سے کمال خاندان نے مہمانوں کو مدعو کرنے روایت قائم کی تھی' اس کو دیکھتے ہوئے'
یہاں اچھے خاصے لوگ بارات میں مدعو کیے جا چکے تھے۔
"غلطی تمہاری ہے' ہم سے پوچھے بغیر ہمارے فنکشن میں تم کیسے لوگوں کو انوائیٹ کر رہے ہو۔"
ہمارا' تمہارا۔
ہمارے لوگ' تمہارے رشتے دار۔
سلمان کو اس وقت تو ایسا ہی لگ رہا تھا کہ اب اس کی ساری زندگی' ان ہی دو الفاظ کی تکرار میں گزرنے والی ہے
' الگ الگ خانوں میں بٹی ہم اور تم۔
کیا وہ اور زوبیہ کبھی ایک بھی ہو سکیں گے؟
ایک بڑا سوالیہ نشان' اس کی گھبراہٹ کو اور بھی بڑھا رہا تھا۔
زوبیہ کا موضوع بدل چکا تھا۔
ٹینشن پیدا کرنے والی باتیں وہ زیادہ دیر تک نہیں کر سکتی تھی۔
آج کل تو ویسے بھی اس کا دل صرف اور صرف اپنی شادی کے تذکرہ میں ہی لگ رہا تھا۔ آنکھوں کو شوخی سے نچاتے ہوئے۔
ناز و ادا سے بھرپور لیکن پھر بھی اس کے خدوخال سے ایک مکار سی شبیہ ابھرتی محسوس ہو رہی تھی۔
پنسل گریٹس کی جادوگرنی جیسی۔
یا پھر۔۔۔
بچپن میں پڑھے بہت سے کرداروں کو اس نے بمشکل ہی ذہن سے جھٹکا۔
"اور اگر وہ ایسے ہی' اپنی دل کشی کھوتی رہی تو وہ اس خطیر منافع کے باوجود بھی کیسے اس رشتے کو نباہ سکے گا"
لیکن وہ شاید ایسا کر ہی لے گا۔
اس کی ترجیحات طے شدہ تھیں۔ زندگی میں کامیابی کا اس نے یہی ایک گر سیکھا اور جانا تھا۔
جذباتیت' اخلاقیات کو طاق پر رکھ کر ترجیحات کو طے کرنا' اور پھر ان کے حصول میں جٹ جانا' باقی رہے نام اللہ کا۔
ساری کبیدگی' جو پلیٹ میں لے رہی تھی' خود پر سے اتار کر' وہ ایک بار پھر' زوبیہ کی خوشنودی کے حصول میں مصروف تھا۔
سلمان کی زبان' نگاہیں' انداز۔
ہر ایک پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ۔
وہ اس انتہائی بے باک' مکار اور معمولی شکل کی لڑکی کے عشق میں پوری طرح ڈوبا ہوا ہے' جو عمر میں بھی اس سے چند سال بڑی ہے۔
جو کچھ ابھی وہ زوبیہ کی زبانی سن چکا تھا۔
گھر میں اس پر ردِ عمل۔
پیسوں کا یہ بڑھتا ہوا سلسلہ۔
خاندان والوں سے معذرت۔
ان میں سے کوئی بھی مسئلہ' اتنا اہم نہیں تھا کہ شام کی یہ خوشگوار ساعتیں ضائع کی جاتیں۔

☆ ☆ ☆

"نبیل!"
"ابے او نبیل' ادھر۔ ادھر دیکھ"
وہ بڑے اطمینان سے ٹی وی پر چینل بدلنے میں مصروف تھا' جب راجو کی آواز نے اسے چونکایا تھا۔
پچھلی طرف کے لان میں کھلنے والی کھڑکی کے باہر سے راجو کھڑا اسے آوازیں دے رہا تھا۔
"بڑا آدمی بن گیا ہے۔ دوستوں کی آوازیں بھی بھولتا جا رہا ہے۔" اس کے دانت باہر آ رہے تھے۔
"یہاں اس طرف سے کیوں آیا ہے' کوئی دیکھ لے گا تو دس سوال کرے گا۔"
نبیل کی پریشان نگاہوں نے سب سے پہلے ارد گرد کا جائزہ لیا۔
پچھلی طرف کا یہ حصہ عموماً سنسان ہی رہتا تھا ویسے بھی زرتاج بیگم کا یہ وسیع و عریض گھر سناٹے ہی میں ڈوبا رہتا تھا۔
یہاں کی رونق لے دے کر' ملازمین کی فوج سے ہی تھی' جو سارا دن بے آواز قدموں سے فرائض کی بجا آوری میں ادھر سے ادھر گھوما کرتے تھے۔
"کیا کرتا' تو نے تو ملنا ہی چھوڑ دیا ہے بیگم صاحب کے ساتھ ہوتا ہے تو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا ہے' اور فارغ ہوتا ہے تو اپنے کمرے سے بھی نہیں نکلتا۔" راجو گلہ کرنے لگا۔
نبیل کو اب اس کا برابری کے لیول پر بات کرنا کھلنے لگا تھا۔
"فرصت ہی نہیں ملتی' اتنے سارے کام دیکھنے ہوتے ہیں۔" راجو نے غالباً" اس کے لہجے کی رکھائی کا نوٹس نہیں لیا تھا' اس کی پرشوق نظریں' کمرے کے اندرونی حصے کا جائزہ لے رہی تھیں۔
"عیش ہیں تیرے' تب ہی تو دل نہیں چاہتا کمرے سے نکلنے کو' دعائیں دے یار کو' کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے تجھے!"
بچپن کی دوستی کے ناتے' وہ اپنا احسان یاد دلانے میں بھی دیر نہیں کرتا تھا۔
نبیل نے زیر لب اس کے احسان اور دوستی دونوں پر ہی تین حرف بھیجے۔
"کام کی بات کر راجو! پتہ نہیں کس وقت بیگم صاحبہ بلوالیں' ہر وقت تیار رہنا پڑتا ہے۔"
وہ اسے جلد سے جلد یہاں سے چلتا کرنا چاہ رہا تھا' یہیں سے نہیں سچی بات تو یہ کہ زرتاج بیگم کی نوکری سے بھی۔
وہ یہاں رہتا تو ٹوک ٹوک کر اسی طرح سے اسے اصل اوقات یاد دلاتا رہتا۔
"کام وام کیا' بس یوں ہی یاد آ رہی تھی' تو ملنے چلا آیا' ایسا کر' اس طرف گیٹ پر آجا' بہت دن ہو گئے ہیں فرصت سے بات کیے ہوئے"
"میں نے کہا نا کہ ابھی اس وقت نہیں۔"
"اچھا!" وہ کچھ مایوس سا ہو گیا۔
نبیل کے صاف انکار سے بھی اور' اس کے اجنبیت بھرے لہجے سے بھی۔
"بدلتا جا رہا ہے یار!" محبت بھرا شکوہ راجو کے لبوں تک آیا۔
"ایسی بات نہیں' مجبوری سمجھا کر۔" نبیل نے دانستہ ہلکی سی مروت برتی۔
وہ اسی میں خوش ہو گیا۔
"اچھا چل جیسے تیری مرضی۔" وہ جانے کے لیے مڑنے لگا' تب ہی اسے کچھ اور یاد آیا۔

"وہ تیرا بھائی نواب۔"

"کیوں، پھر کوئی فون آگیا اس کا؟ اب تو میں نے تجھے دوسرا موبائل بھی دلوا دیا ہے۔"

نبیل کی پیشانی پر بل سا پڑنے لگا۔

پچھلے ہفتے دل کڑا کر کے ایک سستا سا موبائل راجو کو دلوا دینے کے بعد سے وہ اسی شبہ کا شکار ہو رہا تھا کہ راجو نواب کا حوالہ دے کر، خوامخواہ کا پریشر بڑھا رہا ہے۔

"غصہ کیوں کر رہا ہے یار! میں تو صرف یہ بتا رہا تھا کہ خیرات والے دن، نواب کی بیوی کو اکثر دیکھتا ہوں میں یہاں، ذرا خیال رکھنا، کہیں تجھے نہ دیکھ لے کسی دن!" فطری خود غرضی کے باوجود وہ جیسے زمین میں گڑ سا گیا۔

"تجھے غلط فہمی ہوئی ہوگی، یہ میل بھر لمبا گراؤنڈ اور اس کے آگے کی اتنی ہی لمبی گلی پار کر کے وہ کیسے آئے گی اور پھر بھائی کیسے اجازت دے سکتا ہے کہ وہ یہاں آکر خیرات لے کر جائے۔" جب وہ یہ کہہ رہا تھا تو اسے خود راجو سے نگاہ ملانا مشکل ہو رہا تھا۔

"مجبوری سب کرا دیتی ہے یار اور نواب بھائی۔" وہ کچھ کہتے کہتے رکا "برا مت ماننا، اس جیسا بے حس آدمی میں نے نہیں دیکھا۔"

راجو نے بمشکل خود کو بے غیرت کہنے سے روکا تھا۔

"میری تیری دوستی کا انکشاف بیگم صاحب کو اتنا برا نہیں لگے گا، جتنا تیری بھابھی کا یہاں۔۔۔۔"

اپنی دانست میں وہ جو کچھ بھی نبیل کی بھلائی میں کہہ رہا تھا، وہ ایک ایک لفظ اسے سخت توہین آمیز لگ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے، میں دھیان رکھوں گا تو جا۔" بمشکل ہی وہ ٹلا تو نبیل واپس صوفے پر آبیٹھا۔

ٹی وی اسکرین اب بھی روشن تھا اور کمرہ آسائشات سے بھرا ہوا۔

پر دل جیسے ہر چیز سے بری طرح اچاٹ ہو رہا تھا۔

راجو کا سہارا تو مجبوری سہی۔

پر سعیدہ کی یہاں آمد و رفت خطرناک تھی۔

بام عروج تک پہنچتے پہنچتے یک لخت قدموں تلے سیڑھی کھسکائے جانے کا خدشہ اتنا قوی ہو رہا تھا کہ وہ بے چینی کے عالم میں کتنی ہی بار اپنے چہرے پر آیا پسینہ صاف کیے گیا۔

"وہ کسی کو اجازت نہیں دے سکتا جو اس کی تباہی کا سبب بنے۔"

یہ طے تھا اور چاہے اس کے لیے اسے، جو بھی کرنا پڑے، وہ کر گزرے گا۔

اس کا شاطر ذہن، ایک کے بعد ایک چال تیزی سے چل رہا تھا۔

جو کچھ بھی کرنا تھا، بہت جلد کرنا تھا، اس نے بھی پیادوں پر بازی کھیلنے کے بجائے، اپنی بساط کے سب سے طاقتور مہرے پر ہی انحصار کرنے کی ٹھانی۔

اس کا رخ، اب زرتاج کے کمرے کی طرف تھا۔ تیز قدموں سے کاریڈور سے لاؤنج اور پھر دوسرے سٹنگ ایریا سے گزرتے ہوئے، اس نے کسی بھی ملازم کے مودبانہ سلام کا جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

اس کی چال میں، انداز میں بڑی بے نیازی تھی۔ ایک گہرا حق ملکیت، جو اس دو ہزار گز کے گھر پر اب روا روی سے جھلکنے لگا تھا۔

تمام ملازم نبیل کے مقام سے بخوبی واقف ہو چکے تھے اور آج اس کے چہرے پر جتنی گہری سنجیدگی پھیلی ہوئی تھی، وہ کسی غیر معمولی بات کا احساس ہر اس شخص کو دلا رہی تھی جس کسی سے بھی اس کا سامنا ہوا تھا۔

حتیٰ کہ بوا عظمت نے بھی جب، وہ زرتاج کے بیڈ روم کے دروازے پر دستک دے رہا تھا، جان بوجھ کر پہلو تہی

تھی۔
امید کے عین مطابق دروازہ اس کے لیے کھلا ہوا تھا۔
زرتاج سامنے فون پر مصروف تھیں۔ اسے دیکھ کر وہ ہلکے سے مسکرائیں۔
اس بے حد بڑے بیڈ روم میں سٹنگ ایریا قدرے الگ تھا۔
نبیل نے آگے بڑھنے کے بجائے وہیں رکنا بہتر سمجھا' جو بات وہ زرتاج سے کہنے آیا تھا' اس کے لیے ضرور
تھا کہ وہ مکمل طور پر فارغ ہوں۔
قیمتی فرنیچر اور نوادرات سے سجے' صرف اس بیڈ روم کی مالیت بھی اس کی سوچ سے کہیں اونچی تھی۔ ایک گہر
نگاہ اطراف میں ڈالتے ہوئے' اس نے خود اپنی خوش قسمتی پر رشک کیا۔
ان چند مہینوں میں اس نے پوری کوشش کی تھی کہ وہ ان سارے اثاثوں کی بابت جان سکے' جو زرتاج بیگم
ملکیت تھے اور اس بارے میں وہ جس حد تک بھی جان سکا تھا' وہ اس کے لیے سخت حیرت انگیز تھا۔
مگر بعد میں جیسے جیسے وہ زرتاج کے ساتھ ہائی سوسائٹی میں موو کرتا گیا' اسے اندازہ ہونے لگا کہ اس شہر میں پی
کی کوئی کمی نہیں۔
زرتاج جیسے اور اس سے کہیں بڑھ کر بھی کتنے ہی ہیں' جو وہ زندگی گزارتے ہیں' جن کے بارے میں عام آد
خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔
زرتاج کی گفتگو طویل ہوتی جارہی تھی۔
پندرہ منٹ' بیس منٹ' تیس منٹ۔
اسے یہاں آئے آدھ گھنٹے سے اوپر ہوچکا تھا۔ کون تھا جس سے وہ اتنی دیر سے بات کررہی تھیں؟ وہ بے
سے پہلو بدلنے لگا۔
آج کا دن اس پر بھاری ہی تھا اور جب خود کو نظرانداز پانے کی تکلیف وہ خاصی دیر اٹھا چکا' تب زرتاج فون
کرکے اس کی طرف چلی آئیں۔
"کمال ہے' میں اتنی دیر سے انتظار کررہا ہوں اور آپ ہیں کہ لفٹ ہی نہیں کرارہیں۔"
ان کے تعلقات جس نہج تک پہنچ چکے تھے۔ اسے ہر شکوہ شکایت کا حق اب حاصل تھا۔
"بڑا مسئلہ کھڑا ہوگیا ہے نبیل!"
زرتاج نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں تھی' نبیل نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔
"مسئلہ!"
یہ لفظ زرتاج جیسی طاقتور عورت کے لیے عموماً اجنبی ہی رہتا تھا۔
"مانی آرہا ہے واپس۔"
"کیا؟" نبیل کو جیسے کرنٹ سا لگا۔
یہ یقیناً ایک بری خبر تھی' اس کے لیے بھی۔
"اتنی دیر اسے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ مگر ایک بات اس کے دماغ میں بیٹھ جائے' پھر کچھ اور نہیں
کے لیے تیار ہوتا ہے۔ یہی اس کی خرابی ہے۔" زرتاج بے بس سی محسوس ہورہی تھیں۔
"لیکن اچانک یہ پروگرام بنا کیسے' ابھی چند دن پہلے تک تو ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا اس کا۔"
نبیل خود گھبراہٹ کا شکار ہورہا تھا۔
ایسے حالات میں جب کنٹرول پوری طرح اس کے ہاتھ میں آیا بھی نہیں تھا' زرتاج کے اکلوتے بیٹے کی

پوری بساط الٹ سکتی تھی۔
"یوسف بھائی کی پلاننگ ہے ساری' انہوں نے اسے فون کرکے' زوبیہ کی شادی میں مدعو کیا ہے' اس کا ٹکٹ
تک وہی کنفرم کروارہے ہیں۔"
یوسف کمال۔
نبیل کی سمجھ میں ساری بات یکدم ہی آگئی۔
یوسف کمال یقیناً ایسا کرسکتے تھے۔
اس دن' ان کی نگاہوں اور رویہ میں نبیل کے لیے جو حقارت اور تشویش تھی' بے معنی نہیں تھی۔
نبیل کی پیش قدمی روکنے کے لیے انہوں نے بڑا صحیح انتظام کرنے کی ٹھانی تھی۔
"مجھے شک سا تو اسی دن ہوا تھا کہ وہ کچھ نہ کچھ ضرور اعتراض اٹھائیں گے' لیکن اس طرح میرے بیٹے کو' ہتھیار
بنائیں گے' یہ تو میں بھی نہیں سوچ پائی تھی۔" زرتاج کا چہرہ سرخ ہورہا تھا۔
"کم از کم اس معاملے میں ان دونوں کا اندازہ تو ایک ہے۔" نبیل کو تھوڑا سا اطمینان حاصل ہوا۔
زرتاج کا اضطراب بڑھ رہا تھا۔
وہ بلاتکان اپنے بھائی' اس کی بیوی اور بیٹی کو برا بھلا کہے جارہی تھیں۔
"خود سارا خاندان جو کچھ کرتا پھرے' انہیں جائز ہے' یوسف بھائی خود اپنا ماضی بھول چکے ہوں گے' لیکن آج
بھی دس گواہ مل جائیں گے' جو کچھ وہ کرچکے ہیں' اور بیوی اور بیٹی دونوں ہی نے اپنے اپنے وقت پر اپنی چلائی۔ سماں
نے یوسف بھائی کے لیے خودکشی تک کرنے کا ڈرامہ رچایا' اور یہ زوبیہ اس راہ چلتے پر فدا ہوگئی' جس کی ٹکے کے
اوقات نہیں۔"
نبیل بے ساختہ ہی پہلو بدل کر رہ گیا۔
آخری جملہ اسے بہت کس کر لگا تھا۔
سلمان جیسا بھی تھا' کم از کم اس سے تو حیثیت میں کہیں بہتر تھا۔
"اتنا غصہ مت کریں' طبیعت نہ خراب ہوجائے آپ کی۔" وہ انہیں ریلیکس کرنے کے لیے ہی آگے بڑھا تھا'
مگر زرتاج نے اس کا ہاتھ جھنجلاہٹ کے ساتھ جھٹک دیا۔
"یہ تم مجھے بار بار طبیعت کا حوالہ کیوں دیتے ہو' میں کوئی بڈھی ہوگئی ہوں' مریضہ ہوں' جو بات بات میں
"!
وہ اتنی الجھی ہوئی تھیں کہ' نبیل کو لگا جیسے اس وقت وہ اسے باہر کا راستہ بھی دکھا سکتی ہیں۔
"معلوم نہیں یوسف بھائی کو تم سے کیا خطرہ محسوس ہوا ہے ورنہ کبھی پہلے انہوں نے اتنی سخت ناپسندیدگی کا
میرے معاملات میں اظہار نہیں کیا ہے۔"
زرتاج کی تیز نگاہیں' نبیل کو جیسے آرپار دیکھ رہی تھیں۔
مگر پھر بھی وہ' وہ کچھ دیکھنے سے قاصر تھیں' جو یوسف کمال کی آنکھ نے دیکھ لیا تھا۔
"نبیل!" چند لمحوں کی جان لیوا خاموشی کے بعد نبیل نے اسے اپنا نام لیتے سنا۔
"ہمیں اب بہت جلد شادی کرلینی ہوگی۔" پوری قطعیت کے ساتھ' زرتاج اسے محض اطلاع دے رہی
تھیں۔
نبیل کو اپنا دل اچھل کر حلق میں آتا محسوس ہوا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

دل اور عشق

غالیہ بخاری

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس
پرورش بے حد نازو نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کس
بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔
سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس
اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار، لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔
آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے، زیورات کے ساتھ کیتی ہو
چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید دھچکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسہ ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں۔ جبکہ بھائی
بالکل ابا کا پرتو رفاحی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ
لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے، جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں، سرکاری محکمے میں کلرک ہونے
باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان

نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی‘ جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اب نسبتاً "مطمئن" ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔
زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز‘ سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے‘ جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً "سخت مزاج" ہے۔
سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوا لیتی ہے۔ اظہار چچا‘ شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔
اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے‘ جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زویا کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔
دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ کیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔
خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے خاص کر کیتی کی چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے‘ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔
زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خودنمائی اور خودستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سیکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور راجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے‘ جس پر وہ خاصا جزبز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال‘ نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہیں۔
(اب آگے پڑھیے)

11
گیارہویں قسط

کمال ہاؤس میں آج کی صبح سنسنی خیز تھی۔
حالانکہ آغاز حسبِ معمول ہی تھا۔
سوائے اس کے کہ قدرے تاخیر سے آنکھ کھلی تھی‘ رات کی کسی فلائٹ سے دبئی سے پانچ دن میں واپسی ہوئی تھی‘ سوتے سوتے خاصا وقت نکل گیا تھا۔ سو علی الصبح اٹھنا ممکن نہ ہو سکا تھا‘ پھر بھی یوسف کمال نے اپنے سارے کام ایک کے بعد ایک سکون سے نمٹائے تھے۔

صبح کی چائے‘ واک‘ ایکسرسائز!
وہ ہمیشہ سے زیادہ فریش تھے بہت سی باتوں کا بوجھ دل پر سے کم تھا۔
دبئی میں زوبیہ کی شادی کے سلسلے میں ہونے والی آخری شاپنگ بھی نمٹالی گئی تھی‘ اور دو دن قبل مانی کی پاکستان کے لیے سیٹ کنفرم ہو چکی تھی۔
"زوبیہ کی شادی پر بھی فیملی کے لوگ اکٹھے نہ ہو سکے تو کتنا برا لگے گا‘ دوسرے یہ کہ تمہیں خود بھی جلدی جلدی چکر لگاتے رہنا چاہیے اپنی ماں کے پاس تاکہ بزنس کی پوزیشن کو بھی جانتے رہو‘ آخر کو یہ سب تمہیں ہی سنبھالنا ہے۔"
وہ بار بار اس پر دباؤ ڈالتے رہے تھے‘ یہ جاننے کے باوجود بھی کہ ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے سلسلے میں وہ کتنا سخت ... ثابت ہو چکا ہے۔
فکران کے پاس یہی ایک ممکنہ حل تھا۔
خطرے کی جو گھنٹی مستقل ہی ان کے سر پر ٹناٹن بجے جا رہی تھی‘ مانی کی آمد کا یقین پا کر‘ پچھلے دو دن سے خاموش تھی۔
اپنے طور پر سارے حفاظتی اقدام مکمل کر کے وہ مطمئن تھے۔
یہ بھول کر کہ کوئی بھی یقین جس وقت سب سے زیادہ گہرا ہوتا ہے‘ ٹھیک اسی وقت اس کے ٹوٹنے کا امکان بھی سب سے زیادہ ہوتا ہے۔
یوسف کمال کے ساتھ بھی یہی ہونے جا رہا تھا۔ "بریکنگ نیوز" ناشتے کی میز پر منتظر تھی! اخبار کے صفحات پر سرسری سی نگاہ ڈالتے ہوئے‘ اندرونی صفحہ کھولتے ہی نگاہ سامنے ایک چھوٹی سی خبر پر جمی تھی۔
"معروف بزنس وومن اور سوشل ورکر بیگم زرتاج گزشتہ دن رشتۂ ازدواج میں بندھ گئیں‘ تقریب میں ان کے بے حد قریبی دوستوں نے شرکت۔۔۔"
ایک بار‘ دو بار۔
کتنی ہی بار ان چند منٹوں میں یوسف کمال نے اس خبر کو پڑھا۔
مگر ایک لفظ بھی اِدھر سے اُدھر نہیں ہوا‘ کچھ بہت برا ہونے کا احساس لیے‘ وہ کتنی ہی دیر خاموش بیٹھے رہے۔
اس اخبار کے مالکان سے‘ زرتاج کے بڑے قریبی تعلقات تھے‘ اور عین ممکن تھا کہ وہ اس نکاح میں شریک ہوں۔
یوسف کمال نے میز پر رکھے آج کے چند دوسرے اخبارات کو بھی اچھی طرح کھنگال ڈالا لیکن یہ خبر اور کہیں نہیں تھی۔
ایک گہرا سانس لیتے ہوئے انہوں نے خود کو کمپوز رکھنا چاہا۔ ان کا خیال صحیح تھا زرتاج نے اس نکاح کو حتیٰ الامکان آخری وقت تک چھپائے رکھنے کی کوشش ضرور کی تھی‘ لیکن ہو جانے کے بعد‘ اس نے اعلان بھی ضروری سمجھا تھا۔
"سماجی خدمات کے حوالے سے ملک گیر شہرت رکھنے والی بیگم زرتاج کی یہ تیسری شادی‘ جب کہ سابقہ سیکریٹری نبیل احمد کی پہلی شادی۔۔۔"
... نے ان کے سامنے سے اخبار اٹھا کر بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا تھا کہ یوسف کمال نے جھنجلا کر ان کی ... دی۔

"تیسری نہیں دوسری شادی' یہ اخبار والے بھی کہاں سے کہاں جوڑتے ہیں۔"
"تم بھول رہے ہو یوسف! سات سال قبل جب زرتاج چھ ماہ ملک سے باہر رہی تھی' تب سب نے کہ
کہ اس نے وہاں شادی کرلی تھی۔"
تمام عورتوں کی طرح' وہ بھی سسرالیوں کا اگلا پچھلا ریکارڈ مین ٹین رکھتی تھیں۔
"زرتاج نے اس شادی کی کبھی تصدیق نہیں کی' تم بے کار کا قصہ مت چھیڑو۔"
یوسف کمال کا لہجہ بے حد کھردرا ہو رہا تھا' اور چہرے پر اتنا تناؤ تھا جو ان کی بیوی کو مزید کچھ کہنے سے باز رکھنے کو کافی
تھا۔
"اسی بات کا مجھے ڈر تھا' اور تم دیکھ لینا کہ زرتاج نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری ہے' یہ شخص بے حد
ثابت ہوگا اس کے لیے۔"
مسز کمال کا سر دھیرے دھیرے اثبات میں ہل رہا تھا۔ وہ اپنے شوہر کو ہلکا سا بھی یہ تاثر نہیں دینا چاہ رہی تھیں کہ
وہ ان کے غم میں برابر کی شریک نہیں ہیں۔
"اور یوسف! تم یہ بھی تو سوچو کہ زوبی کی شادی میں ہر ایک اسی قصے کو لیے بیٹھا ہوگا' ہم کس کس کو صفائی دیتے
پھریں گے کہ زرتاج نے اب اس عمر میں یہ قدم کیوں اٹھایا۔"
اپنے طور پر انہوں نے معاملے کی گمبھیرتا کو اور بڑھانے کی کوشش کی تھی لیکن یوسف کمال کے نزدیک
ذرا بھی اہمیت نہیں تھی۔
"کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا' ہم مڈل کلاس سے تعلق نہیں رکھتے ہیں شمع! جہاں بات بات پر ناک کٹنے کا ڈر
رہتا ہے۔ ہماری کلاس میں یہ سب بہت عام ہے' اور لوگ پیچھے چاہے کچھ بھی کہہ لیں' بظاہر کسی کی پرسنل لائف
میں دخل دینا ایٹی کیٹس کے سخت خلاف سمجھتے ہیں۔ تم دیکھنا لوگ کس طرح بڑھ چڑھ کر زرتاج کو مبارک باد
دے رہے ہوں گے۔"
اپنے سامنے سے پلیٹ کھسکاتے ہوئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔
"مجھے زرتاج کی شادی سے دلچسپی نہیں' اس لڑکے نبیل کی فکر ہے اور جس طرح زرتاج نے مجھے اس
سے علیحدہ رکھا ہے' وہ میری تشویش کو اور بڑھا رہا ہے۔"
"تم کہاں جا رہے ہو؟" وہ انہیں باہر کا رخ کرتے دیکھ کر پیچھے پیچھے آئیں۔
"زرتاج کی طرف۔"
"تو میں بھی ساتھ چلتی ہوں' اسے مبارکباد تو دینی ہے۔" مسز کمال کے دل میں شدت سے خواہش پیدا ہوئی
تھی کہ وہاں جو بھی ڈرامہ ہو' ان کے سامنے ہی ہو۔
"نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں ہے' اس وقت میں صرف زرتاج سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"
وہ تیز قدموں سے آگے بڑھتے چلے گئے۔ مسز کمال وہیں کھڑی رہ گئیں۔
اپنی تمام تند خوئی کے باوجود وہ دنیا میں اسی ایک شخص کے آگے ہمیشہ تھوڑا سا مجبور ہوئی تھیں۔
یوسف کمال!
جسے انہوں نے جان کی بازی لگا کر جیتا تھا' مگر مکمل طور پر نہیں۔
سڑک پر تیزی سے بھاگتے ہوئے ٹریفک پر نگاہ جمائے یوسف کمال کسی اور دھیان میں تھے۔
موبائل کی بیل ہونے پر' انہوں نے چونک کر دیکھا تو اسکرین پر مانی کا نمبر آ رہا تھا' پچھلے دنوں سے وہ اسے

...ن کر رہے تھے کہ اب اگر ایک دن کا بھی وقفہ ہوتا تو انہیں لگتا کہ جیسے کچھ کمی رہ گئی ہے۔ مگر اس وقت یہی کال
...ت کھٹک رہی تھی۔
"بھر دھا کہیں کا۔"
زیرِ لب بڑبڑاتے ہوئے' انہوں نے اپنا موبائل آف کیا۔ اب وہ زوبیہ کی شادی میں آتا ہے یا نہیں' ان کی
... اس بات سے ختم ہو چکی تھی۔
بیگم زرتاج کا بڑا سا گیٹ' ان کی گاڑی کو دیکھتے ہی کھل گیا تھا۔ ڈرائیور سیدھا اندر لیتا چلا گیا۔
بڑا سا لان۔
سامنے دکھائی دیتی سفید پتھر سے بنی بارہ دری سب ہی خاموشی میں ڈوبے ہوئے۔
یوسف کمال تیز قدموں کے ساتھ سیدھے لاؤنج کی طرف آئے تھے' ملازم انہیں دیکھ کر خود ہی ادھر ادھر
ہو گئے تھے۔ زرتاج ٹھیک سامنے مرکزی صوفے پر بیٹھی تھیں اور عظمت بوا' قالین پر بیٹھی ان کے پیر دبا رہی
تھیں۔
نوکروں کے معاملے میں اپنی بہن کی طرح وہ بھی رعایت کے عادی تو نہیں تھے' پھر بھی اتنی بوڑھی عورت سے
اس طرح کی خدمت لینا انہیں کچھ اچھا نہیں لگا۔ مگر اس وقت ناراضی کے کہیں بڑے دوسرے ایشوز تھے۔
"آئیے یوسف بھائی' مجھے پتا تھا کہ سب سے پہلے آپ ہی آئیں گے۔" پیروں کو سمیٹتی ہوئی وہ اٹھ کھڑی
ہوئیں۔ "میں آپ ہی کا انتظار کر رہی تھی۔"
وہ بہت فریش اور خوب صورت دکھائی دے رہی تھیں' چہرے اور آنکھوں میں ایسی معنی خیز سی چمک تھی کہ وہ
بے ساختہ ہی نگاہ چرا گئے۔
"یہ جو بکواس چھپی ہے تمہارے بارے میں' وہ کہاں تک درست ہے زرتاج!"
بنا کسی تمہید کے انہوں نے کھڑے کھڑے فوری اس خبر کی تصدیق چاہی' جس کی اب ضرورت بھی نہیں تھی۔
زرتاج کے چہرے کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہونے لگی۔
"عجیب بات ہے' ابھی کچھ عرصہ پہلے جب آپ کے بھانجے کے بارے میں واقعی بکواس چھپ رہی تھی' تو
آپ نے پلٹ کر پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا' اور اب جب ایک شرعاً' قطعی جائز اور سعد کام انجام پایا ہے تو وہ آپ کو
بکواس محسوس ہو رہا ہے۔"
یوسف کمال نے ایک گہری سانس لی' چند لمحوں میں انہوں نے جان لیا تھا کہ وہ انہیں صفائی دینے کا کوئی ارادہ نہیں
رکھتی ہیں۔
"تم نے نہ مجھ سے مشورہ کیا' اور نہ میرا انتظار کرنا ضروری سمجھا۔"
"ضرور کرتی' مشورہ بھی اور انتظار بھی' اگر آپ اتنا کھل کر میری مخالفت پر نہ اترتے۔"
وہ لاپروائی سے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے' خود بھی بیٹھ چکی تھیں۔
"میری مخالفت کس وجہ سے تھی یہ تم بھی جانتی ہو زرتاج! تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ کیا غلطی کر بیٹھی ہو'
اے خدا! میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔"
ایک ہاتھ کو ہلکے سے دوسرے پر مارتے ہوئے وہ خود کو بے بس سا محسوس کر رہے تھے۔
"بے کار ٹینشن مت لیں' آپ کی عمر نہیں ہے اب اتنا غصہ اور دباؤ سہنے کی۔"
خود ساختہ سی فکرمندی زرتاج نے خود پر طاری کی۔ یوسف کمال کا ضبط جواب دینے لگا۔

"اور تمہاری عمر تھی' یہ سب کچھ کرنے کی' جوان بیٹے کی ماں ہو' اس کی شادی کی فکر کرتیں نہ کہ خود... ابھی جو وہ بیوی کے سامنے اپر کلاس کا فخر جتا کر آئے تھے' اسے بھول کر ٹھیک مڈل کلاس ذہنیت کا اظہار کر رہے تھے۔

زرتاج کی مسکراہٹ کسی ایک پل میں بھی پھیکی نہیں پڑی' انہوں نے اس اطمینان سے یہ سب سنا جیسے اور سے مخاطب ہوں۔

"مانی اب تمہاری شکل بھی دیکھنا گوارا نہیں کرے گا' تم اپنے اکلوتے بیٹے کو کھو دو گی ہمیشہ کے لیے۔"

"میرے بیٹے کی فکر کرنے کی آپ کو ضرورت نہیں یوسف بھائی! اور وہ اتنا بے وقوف بھی نہیں ہے کہ مخالفت مول لے گا' اس کے سارے عیش و آرام میرے ہی دم سے ہیں' عقل مند ماں کا بیٹا ہے' گھاٹے کا سودا نہیں کرے گا۔" لاپروائی سے کہتے ہوئے وہ مڑ کر عظمت بوا کو آواز دینے لگیں۔

"گھاٹے کا سودا تو تم کر چکی ہو زرتاج! بس اس کی اطلاع تم تک دیر سے پہنچے گی۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"کوئی بات نہیں۔" اپنے سلک کے لباس کو سمیٹتی ہوئی وہ ان کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔ "ہم ان خسارے افورڈ کر سکتے ہیں' آپ کا تو اپنا بڑا گہرا تجربہ ہے اس بارے میں۔ ہے نا!"

وہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پورے اعتماد کے ساتھ کھڑی تھیں۔

پل کے چھوٹے سے وقفے میں کہیں کچھ تہہ و بالا ہوا تھا۔ یوسف کمال کے ہونٹ آپس میں سختی سے پیوست ہوئے۔

"بھلا وہ کیا کہنے جا رہی تھیں؟"

اپنی شخصیت کی اس مضبوطی کو' جس پر وہ خود نازاں رہتے تھے' بھول کر انہوں نے زرتاج سے بے ساختہ نظریں چرائی۔

"کاش وہ اس کی تردید کر سکتے؟"

"میں نے کبھی آپ کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کی' بلکہ اس حد تک آپ کا ساتھ دیا' جہاں تک بھی آپ کے ساتھ نہیں جا سکتا تھا' مت بھولیں کہ آپ کی زندگی کا سارا سکھ چین میری خاموشی کے بل تک قائم ہے' ایسا نہ ہو کہ...."

گہری ہوتی مسکراہٹ کے ساتھ زرتاج نے دانستہ بات ادھوری چھوڑی' یوسف کمال کو اب کہیں جا کر غلطی کا شدت سے احساس ہوا تھا۔ زرتاج جیسی عورت کو چھیڑ کر انہوں نے خود ایک بڑی مصیبت کو دعوت دی تھی۔

"تم مجھے بلیک میل کر رہی ہو؟"

"نہیں' میں صرف آپ کو یاد دلا رہی ہوں۔" سرسری سے انداز میں کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"عظمت بوا! یوسف بھائی کی کوئی خاطر تواضع!"

اب دست بستہ کھڑی عظمت بوا کی طرف مڑ کر انہوں نے کہا تھا کہ یوسف کمال جب تک اپنے حواس بحال کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

"نہیں' میں بس اب چلتا ہوں۔ دیر ہو رہی ہے۔" انہوں نے کہتے ہی قدم آگے بڑھایا تھا' تب ہی نبیل اندر میں داخل ہوا۔

وہ گھر کے اندرونی حصے سے لاؤنج کی طرف آیا تھا اور جو حیثیت وہ حاصل کر چکا تھا' اس کا اظہار اس کے انداز سے ہو رہا تھا۔

"السلام علیکم یوسف بھائی!"

انہیں دیکھتے ہی وہ بڑی بے تکلفی سے گویا ہوا تھا۔ انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

وہ جس کی زبان سر سر کہتے نہ تھکتی تھی' جس کا اپنے سامنے محض بیٹھنا انہیں گوارا نہ تھا' آج وہ کس بے نیازی سے ان کے سامنے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھا رہا تھا۔

"تم!" ضبط کی ہر منزل کو پھلانگ کر انہوں نے اسے اس کی اوقات یاد دلانی چاہی مگر نگاہیں لمحے بھر کے لیے اس پر جم سی گئیں۔

وہ خوش شکل تھا اور نوجوانی کی فطری تازگی اس کی دل کشی کو اور بڑھا رہی تھی۔

"وہ زرتاج کے بیٹے کا ہم عمر ہی ہے یا پھر اس سے ایک دو سال بڑا۔" اس بے حد ناپسندیدہ صورت حال میں بھی وہ اس خیال کو آنے سے نہ روک سکے تھے۔

وہ یقیناً ابھی فریش ہو کر کمرے سے باہر آیا تھا' اس کی شرٹ کے آدھے سے زیادہ بٹن کھلے ہوئے تھے۔

یوسف کمال کو اپنی پیشانی بھیگتی ہوئی محسوس ہوئی' بنا ایک لفظ بھی کہے وہ تیزی سے آگے بڑھتے چلے گئے۔

نبیل کا ہاتھ پھیلا ہی رہ گیا۔ گھر کے رہائشی حصے سے اپنی گاڑی کی طرف آتے ہوئے یوسف کمال کا سر جھکا ہوا تھا۔

ایک گہری شرمندگی' جو نبیل کو زرتاج کے ساتھ دیکھ کر انہیں ہوئی تھی' اس سے پہلے کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔

"کاش وہ اس شخص کو دھکے مار کر یہاں سے نکال سکتے' اور زرتاج... اسے تو جان سے ہی مار ڈالتے۔" اپنی تمام ترقی پسندی پر تین حرف بھیجتے ہوئے وہ زرتاج کے وسیع و عریض کمپاؤنڈ سے نکلے تھے۔

خود کو اتنا بے بس انہوں نے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔

موبائل پر ایک بار پھر مانی کا نمبر آ رہا تھا۔

اتنی دیر میں اس کی کتنی ہی مس کالز جمع ہو چکی تھیں۔

"جیسی ماں' ویسا ہی بیٹا۔" سر کو دھیرے سے جھٹکتے ہوئے وہ زیر لب بڑبڑائے۔ انہیں پتا تھا کہ وہ کچھ نہیں کرے گا' زرتاج کا اس کی طرف سے بے فکر ہونا بے وجہ نہیں تھا۔

کتے کے آگے ہڈی ڈال دو' وہ کاٹنا تو کیا بھونکنا بھی بھول جاتا ہے۔

مانی کے آگے بھی' زرتاج کی پھینکی گئی ہڈیوں کا ڈھیر تھا۔

"ہاں اگر وہ ہوتا تو زرتاج کی مجال نہیں تھی کہ یہ سب اتنے دھڑلے سے کر پاتی؟"

کوئی اچانک ہی اس شدت سے یاد آیا کہ خود ان کا اپنا دل بھی بڑے زور سے دھڑکا۔

"واقعی!" وہ جیسے خود اپنے آپ سے متفق ہوئے "مگر وہ تھا کہاں؟"

نہ کوئی نشان نہ پتا' اپنے پیچھے کوئی سراغ بھی چھوڑا تھا اس نے؟

انہوں نے بے چین سا ہو کر پہلو بدلا۔

یہ بھول کر کہ اپنی بہن کی محبت میں' اس پر زمین تنگ کرنے والوں میں وہ خود بھی شامل تھے۔

☼ ☼ ☼

بیرونی برآمدے سے لے کر بڑے ہال اور پھر ایک ایک کر کے سارے ہی کمروں کی بڑی دل لگا کر صفائی کرنے

کے بعد شاما نے ساری کھڑکیاں کھول کر پردوں کو اطراف میں باندھ دیا تھا۔
ایک نکھرا اجلا دن نانی ستارہ کے چوبارے میں مسکرانے لگا۔
ایئر فریشنر اور پھولوں کی ہلکی سی مہک اس وقت بھی سانسوں میں گھلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ سالار نے ہاتھ میں تھامی کتاب پر سے نگاہ اٹھا کر گیتی کی طرف دیکھا۔
وہ بڑی تیزی سے اپنی کاپی پر لکھ رہی تھی۔ نانی ستارہ کی درخواست پر وہ ہفتے میں تین چار دن گیتی کو پڑھائی میں مدد دینے کی غرض سے آنے لگا تھا۔ امتحان قریب تھے اور گیتی اس بروقت مدد پر تہہ دل سے اس کی ممنون۔
وہ دن میں کسی وقت بھی آجاتا اور نانی ستارہ کے کمرے میں بیٹھ کر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اسے پڑھا کر رخصت ہو جاتا شام کی معمول کی ہنگامہ خیزی شروع ہونے سے بہت پہلے۔
گیتی کو بڑا سہارا ملا تھا۔
شروع سے قدم قدم پر خیام کے سہارے کی عادی تھی اس کے جانے کے بعد سے تو جیسے اسے اپنا گریجویشن بھی بس خواب ہی بنتا دکھائی دینے لگا تھا مگر اب بہت دن غم منانے کے بعد پھر سے حوصلہ پکڑا تھا۔
لکھنے میں اس کا انہماک دیکھ کر وہ کچھ کہتے کہتے رکا تھا۔
سادا دھلا دھلایا چہرہ کلپ کی قید سے آزاد ہوئی چہرے اور گردن کو چھوتی بالوں کی لٹیں اور بے حد گھنی پلکیں
کوشش کے باوجود بھی وہ خود کو اس کی طرف دیکھنے سے نہیں روک پاتا تھا۔
گیتی نے سر اٹھا کر ٹھیک اسی وقت سالار کی طرف دیکھا اور اسے اپنی طرف متوجہ پا کر ہلکے سے مسکرا دی۔
"یہ لیجیے" وہ کام ختم کر چکی تھی۔
اپنی چوری پکڑے جانے پر وہ کچھ جھینپ سا گیا تھا۔ حالانکہ گیتی کے انداز میں کچھ بھی ایسا نہیں تھا۔ چند منٹ پوری سنجیدگی کے ساتھ وہ گیتی کی لکھی سمری پڑھے گیا۔
"بہت اچھے کافی امپروو کرتی جا رہی ہو الفاظ کا استعمال خوبصورتی سے کرنے لگی ہو اور گرامر کی بھی کوئی غلطی نہیں۔"
وہ انکساری سے مسکرا دی۔
اپنے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں تھی انگریزی خاص طور پر کمزور تھی سالار نے ساری توجہ اسی مضمون پر لگا رکھی تھی اسی لیے شاید وہ بھی پرامید ہونے لگی تھی۔
"آپ اتنا اچھا پڑھا رہے ہیں مجھے تو لگتا ہے کہ کلاس میں ضرور سب سے زیادہ نمبر ہوں گے انگریزی میں میرے۔"
"محنت کرتی رہیں تو کچھ مشکل بھی نہیں۔" وہ اس کے بچوں کے سے انداز پر ہنس پڑا۔ "اور محنت تو تم کر ہی رہی ہو مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے سارا دن پڑھائی کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تمہیں۔"
"مجھے کیا کام ہو گا بھلا ہمارے ہاں تو لڑکیوں کی مصروفیات دوسری ہی ہیں۔" اس کی مسکراہٹ پھیکی پڑنے لگی۔
سالار کو ایک بار پھر شدت سے احساس ہوا کہ اس بے حد سادہ سی لڑکی کے سامنے بولنے سے پہلے احتیاط لازم ہے۔
"میں دوسری لڑکیوں کی بات نہیں کر رہا ہوں ان کی اپنی زندگی ہے تمہاری اپنی۔"
"نہیں نا" اس نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔
"میں ان لوگوں سے الگ نہیں ہوں یہ سب میرے ہیں اور میں ان سے الگ ہونا بھی نہیں چاہتی۔"

سالار سے کچھ نہ کہا گیا اسے حیرت ہوئی تھی۔ اس کا خیال بلکہ یقین تھا کہ گیتی خود کو یہاں کی لڑکیوں سے بالکل مختلف سمجھتی ہے اور یہی بات وہ دوسروں سے بھی منوانا چاہتی ہے۔
"اپنوں سے الگ ہونا بہت تکلیف دہ ہوتا ہے آپ سے کبھی کوئی اپنا جدا ہوا ہے۔"
کھوئے کھوئے سے انداز میں کہتے ہوئے وہ اس سے پوچھ بیٹھی۔ سالار نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔
"اپنے کبھی جدا نہیں ہوتے ہیں گیتی! وہ بچھڑ بھی جائیں تو ہمارے ساتھ ہی ہوتے ہیں ہاں جو واقعی چھوڑ جائیں اپنی دنیا ہمارے معمول سے بالکل الگ ہو جائیں وہ ہمارے ہوتے ہی نہیں ہیں بس ایک غلط فہمی۔"
بہت نرمی سے آہستہ آہستہ کہتے ہوئے وہ اس کے چہرے کو دیکھے گیا۔
ایک ہلکا سا سایہ جو اس کی بات کے اختتام پر گیتی کے چہرے پر آیا تھا سالار کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکا تھا۔
"کاش وہ اتنا خوش قسمت ہوتا کہ گیتی اسے اپنے دکھ سناتی۔"
دل میں ابھرتی خواہش کو اس نے سختی سے دبایا۔
"آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔" گیتی نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "لیکن اگر کسی غلط فہمی سے نکلنے کو انسان کا دل ہی نہ چاہے یا یہ سمجھیں کہ وہ اس میں سے نکل ہی نہیں پاتا ہو اپنی تمام کوشش کے باوجود پھر؟"
"پھر اسے اس کے حال پر ہی چھوڑ دینا چاہیے۔" لاپروائی سے کہتے ہوئے سالار نے ہاتھ سے ایسے اشارہ کیا جیسے مکھی اڑائی ہو۔
"کسے؟ اس انسان کو؟" گیتی نے الجھن سی محسوس کی تھی اس کے جواب پر۔
"نہیں اس غلط فہمی کو۔" وہ ہلکے سے مسکرایا۔ "جو خیال اتنا زور آور ہو کہ جڑ سے اکھاڑ کر پھینکنا ناممکن ہو تو پھر اس کا پیچھا چھوڑ دو ایک وقت یقیناً ایسا آئے گا کہ وہ خود بخود ہی ختم ہوتا چلا جائے گا وقت بہت بھید بھری طاقت ہے تمہیں زندگی میں بار بار اس کا تجربہ ہو گا۔"
"لیکن..... !" وہ کچھ کہتے کہتے رکی۔
سالار منتظر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
"کچھ نہیں" اس نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔
"چلو ٹھیک ہے جب دل چاہے اپنی بات پوری کر لینا۔"
گیتی نے ایک خاص بات نوٹ کی تھی وہ کسی بھی بات کے پیچھے نہیں پڑتا تھا باہر کی دنیا سے یہاں کی یکسر مختلف سرگرمیوں پر بھی کسی تجسس کا اظہار نہ کرتا۔
اکثر دن میں ہی صندل کے ڈانس ٹیوشن والے استاد آکر بیٹھے ہوتے طبلے اور ہارمونیم پر سنگت کی آواز یہاں تک بخوبی سنائی دیتی رہتی نگینہ اور اس کی بدمزاجی کا ٹریلر بھی کسی نہ کسی دن دیکھنے کو مل جاتا اور نانی ولداری کی طرف سے آنے والا شور شرابا تو جیسے دن کا ضروری حصہ بن چکا تھا مگر وہ کسی طرف بھی دھیان نہ دیتا۔ صندل کی ڈانس پریکٹس کے سامنے سے وہ اس بے نیازی سے گزرتا ہوا چلا جاتا جیسے وہاں کچھ بھی نہیں ہوا۔
اور الماس جو آج کل شوز کے لیے ہاٹ کیک بنی ہوئی تھی فلمی صفحات میں اس کے انٹرویو اور خبریں اب زور پکڑتی جا رہی تھیں۔ سالار نے کبھی سرسری طور پر بھی اس کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا تھا۔ ورنہ یہاں کسی اور کے لیے نہ سہی الماس کے لیے تو سر شام ہی سے گلی میں ہجوم سا لگنا شروع ہو جاتا تھا جو اس کی سیڑھیاں چڑھنے کی توفیق نہیں رکھتے تھے وہ بھی ایک جھلک کی آس میں گھنٹوں منہ اٹھائے سامنے کے جھروکے پر نگاہیں جمائے رکھتے۔ "یہ سالار جنگ نہ معلوم کس مٹی کا بنا ہوا تھا۔ نانی کی طرح مجھے بھی شاید سالار جنگ کہنے کی عادت ہوتی

جارہی ہے۔" وہ تھوڑا سا گڑبڑائی۔

سالار کی نگاہیں کتاب پر تھیں۔ "گریجویشن تو اب تمہارا مکمل ہی سمجھو' آگے وقت ضائع کیے بغیر ماسٹرز کی فکر کرنا' اس کے بعد بہت سی راہیں کھلتی دکھائی دیں گی۔"

"آپ مجھے پڑھاتے رہیں گے آگے بھی؟" کیتی نے پر امید ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

"ضرور بشرطیکہ تم مجھ سے گھبرا نہ جاؤ' جب تک۔"

"آپ سے کون گھبرا سکتا ہے' اتنے اچھے انسان سے۔" کیتی کو واقعی حیرت ہوئی۔

"کون سی اچھائی دیکھ لی تم نے مجھ میں' میں تو خاصا برا آدمی ہوں' آوارہ' ناکارہ وغیرہ وغیرہ۔" وہ مسکرا رہا تھا' لیکن اس کی مسکراہٹ کی تلخی کو کیتی نے محسوس کیا تھا۔

"پلیز! اپنے بارے میں ایسا کچھ مت کہیے۔" کیتی نے بڑی بے ساختگی سے اس کی بات کاٹی تھی۔

"یہ میں نہیں لوگ کہتے ہیں' رائے عامہ ہے بھئی۔" وہ بات کو اڑانے کی نیت سے وانستہ ہنسا' لیکن کیتی بے حد سنجیدہ ہو رہی تھی۔

"جو کوئی بھی ایسا کہتا ہے' وہ دیکھنے اور سمجھنے کی قوت سے محروم ہے' آپ اوروں سے مختلف ہیں' اس لیے وہ آپ سے جلتے ہیں۔"

"کیسے مختلف' میرے سر پر سینگ ہیں' یا پھر میرے چار کان' چار آنکھیں اور۔۔۔"

"مذاق میں بات کو مت اڑائیں' مانیں کہ سب لوگ آپ جیسے نہیں ہوتے میں نے اپنی ساری زندگی میں کوئی ایک شخص ایسا نہیں دیکھا جو اس گھر کی سیڑھیاں اپنا دل بہلانے کی غرض نہ چڑھا ہو' مگر صرف ایک آپ۔۔۔"

اس سے اپنی بات پوری نہیں ہوئی۔

سالار نے ایک گہری نگاہ اس پر ڈالی۔ کیتی کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا' اور اس وقت وہ جس کیفیت سے گزر رہی تھی' وہ بخوبی سمجھ رہا تھا۔

"اتنا جذباتی ہو کر مت سوچا کرو کیتی! زندگی میں بہت سی حقیقتیں تلخ ہوتی ہیں' اور یہ سب کے ہی ساتھ ہوتی ہیں' مختلف ضرور ہوتی ہیں' مگر ہوتی ہیں۔ لیکن انسان تکلیف محسوس کرتے ہوئے بھی ان کے ساتھ کمپرومائز کرتا ہے نا' اللہ جب بہتر سمجھتا ہے' دور کر دیتا ہے اس تکلیف کو۔"

بہت نرم لہجے میں وہ آہستہ آہستہ اسے سمجھانے لگا۔ کیتی کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آنے لگی۔

"جب سے آپ ہمارے ہاں آ رہے ہیں' مجھے سب سے زیادہ ایک ہی بات حیران کرتی ہے کہ آپ ہم سے تعلق جوڑنے میں کوئی شرمندگی کیوں نہیں محسوس کر رہے' آپ کو یہ خیال کیوں نہیں آتا کہ لوگ آپ کو یہاں آتا دیکھ کر پتہ نہیں کیا کیا قیاس آرائیاں کرتے ہوں گے' یہاں تو جو رات کے اندھیرے میں آتا ہے' وہ بھی منہ چھپا کر ہی آتا ہے' آپ تو دن کے اجالے میں اس طرح موٹر سائیکل دوڑاتے ہوئے آتے ہیں کہ ساری گلی کو خبر ہو جاتی ہے۔"

"اُف!" سالار نے بے ساختہ ہی سر پکڑا۔ "لڑکیاں واقعی کتنا بولتی ہیں' آج تم نے جتنا پڑھنا تھا' پڑھ لیا۔ اب یوں ہی الٹی سیدھی باتیں کرو گی' میں چلتا ہوں۔"

"کہاں چلے ماسٹر صاحب! کچھ دیر تو بیٹھیے!" سامنے کھلے ہوئے دروازے سے صندل داخل ہو رہی تھی' جب کبھی وہ فارغ ہوتی یہاں ضرور آ کر بیٹھ جاتی' یہ خیال کیے بغیر کہ کیتی کی پڑھائی ڈسٹرب ہو رہی ہوگی' ادھر ادھر کی فضول باتیں کیے جاتی۔

"یہ کیا کہ ہم آئے اور آپ اٹھ گئے۔" وہ بالکل قریب آ کھڑی ہوئی۔ تنگ پاجامے کے ساتھ سلیولیس' گہرے

کٹ والی شرٹ پہنے' یقیناً ایسی لگ رہی تھی کہ کسی کی بھی توجہ پوری طرح کھینچ سکے' اس کی بے حد گلابی رنگت بنا کسی میک اپ کے بھی دمکتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

ستارہ جان' فیروزہ اور پھر صندل۔

ان کے ہاں ہر نسل میں حسن کا ایک معیار تو ضرور ہی قائم ہوا تھا۔

"کیتی کا آج کا کام ختم ہو گیا' اس لیے اب اجازت۔" سالار نے یوں ہی سرسری سی بات کر کے گزر جانا چاہا' لیکن صندل ایک بار پھر اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"اُفوہ ماسٹر صاحب! ایک تو آپ ہمیشہ ہی جلدی میں رہتے ہیں' کبھی ہمیں بھی خدمت کا موقع دیجیے' رات کی کسی محفل میں آ کر تو دیکھیے' دعوے سے کہتی ہوں' مایوسی نہیں ہوگی۔" وہ بات کرتے ہوئے ذرا سا جھکی تو اس کے ریشمی لمبے بال سالار کے کندھے کو چھو گئے۔

وہ بے ساختہ ذرا سائیڈ میں ہوا۔

"صندل پلیز۔" کیتی کو اسے ٹوکنا ہی پڑ گیا۔ صندل کا کیریر گو ابھی تک ڈاؤن تھا' لیکن تربیت مکمل تھی' خود کو نمایاں تر دکھانا' ناز و ادا' مہربانیاں' سب ہی کچھ اتنا زیادہ سیکھا اور سمجھا تھا کہ بڑی پختہ کاری لگنے لگی تھی' کیتی کو اس کی یہ نیم خواندہ فلمی اداکاراؤں کی سی حرکتیں سخت زہر لگتی تھیں۔

اس وقت سالار کے سامنے اور بھی زیادہ لگیں۔ "جائیے ماسٹر صاحب۔"

ایک ادا کے ساتھ اس نے ابرو سے اشارہ کیا۔

سالار مسکراہٹ دباتے ہوئے تیزی سے نکلتا چلا گیا۔ کیتی اسے چھوڑنے کے لیے برآمدے تک آئی تھی۔ واپس آئی تو صندل وہیں موجود تھی۔

"ایسے بات کرنے کی ان سے کیا ضرورت تھی' اور پھر تم تو پیچھے ہی پڑ گئی تھیں۔" اسے صندل پر غصہ آ رہا تھا۔ "پتہ بھی ہے کہ وہ کبھی گانا سننے نہیں آئے پھر بھی۔"

صندل نے اس کے خفا خفا چہرے کو دیکھا اور پھر بے ساختہ ہی ہنستی چلی گئی۔

"بہت بور آدمی ہے تمہارا ماسٹر' میں تو ایسے ہی تفریح لیتی ہوں' حالانکہ مجھے پتا ہے وہ کبھی بھی نہیں آئے گا۔"

"جب پتا ہے تو پھر کیوں ایک بھلے آدمی کو پریشان کر رہی ہو۔" کیتی کے ماتھے پر ابھی بھی ایک ہلکا سا بل تھا۔

"بہت برا لگ رہا ہے' کوئی اور چکر تو نہیں' خیر ہے؟" صندل پر ابھی بھی شوخی سوار تھی۔

یہاں مذاق کی کوئی حد مقرر نہیں تھی' پھر بھی کیتی کو صندل کی بات بے حد بے تکی لگی۔

"دماغ خراب ہے تمہارا۔"

"چلو شکر ہے۔" صندل اتنی دیر میں پہلی بار سنجیدہ دکھائی دی۔

"مجھے تو سچی بات ہے کہ فکر ہو گئی تھی کہ کہیں خیام کا غم غلط کرنے کے لیے تم۔۔۔" اس نے بات کو معنی خیز موڑ پر چھوڑا۔

"جسٹ شٹ اپ!" اس کی سنجیدگی' مذاق سے بھی زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوئی تھی۔

"غصہ مت کرو۔" صندل کا لہجہ و تاثرات اب یکسر بدلے ہوئے تھے۔ سنجیدہ' پرسکون۔ "ہمارے ماحول میں کسی بھی لڑکی کے لیے ضروری ہے کہ اپنا دل و دماغ قابو میں رکھے' کسی بھی تعلق کو اپنائیت کا رنگ دیا اور گئے کام سے' تم تو ہو بھی بے وقوف' کتنے دن اسی کمینے خیام کو روتی رہی ہو۔"

کیتی کے دل پر ایک سایہ سا ہو کر گزرا۔

کاش وہ اسے بتا سکتی کہ خیام کو تو وہ آج بھی روتی ہے' سب کے سامنے نہ سہی چھپ کر سہی۔

"اور یہ ماسٹر تو ویسے بھی تمہارے قابل نہیں' کچھ تو ہوتا' صورت شکل ہے تو وہ بھی خاص نہیں' اور پیسہ کوڑی سے بھی خالی' تم ذرا ہوشیار رہنا۔"

صندل باہر کی دنیا کے لیے خاصا پر غرور انداز اپنائے رکھتی تھی' مگر کیتی کو تو اب پورا یقین ہوتا جا رہا تھا کہ اس میں تمینہ امی' خالہ گل ناز اور الماس وغیرہ میں رتی بھر بھی فرق نہیں تھا۔

"تم اب سالار صاحب کا پیچھا چھوڑو خدا کے لیے!"

"چھوڑ دوں گی' جس دن مجھے یہ یقین آجائے گا کہ وہ یہاں صرف تمہیں پڑھانے آرہا ہے۔" کندھوں کو خفیف سی جنبش دے کر صندل نے بات ختم کی۔

"دہشت!" اس بار کیتی کھل کر ہنسی۔ "وہ ایسے نہیں ہیں' پہلے میں بھی انہیں ایسا ہی سمجھی تھی' مگر اب انہیں قریب سے جانا تو لگتا ہے کہ شاید وہ محض اتفاق ہی تھا؟"

سالار کا پہلی بار یہاں گلی میں آنا' اور اس کا اپنی طرف دیکھنا' باتوں باتوں میں وہ ایک دن صندل کو سنا گئی تھی' اندازہ نہیں تھا کہ صندل اس ایک بات کو لے کر' سالار کی طرف سے اتنی مشکوک ہوجائے گی۔

"عورت کی چھٹی حس بہت تیز ہوتی ہے' پہلی بار میں ہی اسے مرد کی نگاہ کا اندازہ ہوجاتا ہے' سالار بھی اب خود کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔"

کیتی خاموشی سے اپنی کتابیں سمیٹنے لگی۔ کج بحثی یہاں کی عام صفت تھی۔ اپنا اپنا نقطۂ نظر سب کو بے حد عزیز تھا' سو بات لمبی کرنے سے فائدہ۔

"ویسے کبھی باتوں باتوں میں اندازہ تو لگاؤ' ریڈیو پر تو کام کرتا ہے' کسی فلم والے سے بھی جان پہچان ہے یا نہیں سالار کی' اگر کہیں صحیح جگہ بات کروا دے تو ہم بڑا اچھا کمیشن بھی دے دیں گے اسے۔" صندل نے کاروباری انداز گفتگو بھی سیکھ ہی لیا تھا۔

لیکن کیتی کو اس کی بات اتنی بے تکی لگی کہ وہ مزید ایک پل بھی ضائع کیے بغیر کمرے سے باہر جا چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

گارڈ نے مؤدبانہ انداز میں سلام کرتے ہوئے تیزی سے وہ بڑا سا سیاہ گیٹ پورا کھولا تھا۔ پورچ سے آتی ہوئی گاڑی تیزی سے باہر نکلتی چلی گئی۔ سائیڈ میں کھڑے راجو نے نبیل کی بس ایک جھلک ہی دیکھی تھی۔

"راجو اے راجو!" سیڑھیوں پر سے بوا عظمت اسے آواز دے رہی تھیں' ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے اس نے ان کی طرف چل دیا۔

"آج بھی تمہیں نہیں لے کر گئیں بیگم صاحب!"

"نہیں!" اس چھوٹے سے جواب کے ساتھ' راجو کی گہری مایوسی بندھی تھی۔

بوا عظمت نے بہت ہمدردی سے اسے دیکھا۔ "اب ہر وقت یہی ساتھ ساتھ ہوتے ہیں' اللہ ہی ہے جو تیری نوکری بچی رہے۔" کوشش کے باوجود بھی وہ نبیل کے لیے "صاحب" کا لفظ استعمال نہیں کر پا رہی تھیں۔ "میری مان' اپنے لیے کوئی دوسرا کام ڈھونڈنا شروع کردے' بیگم صاحب سے ہی کہہ دے کہ فیکٹری کی گاڑی پر لگوا دیں' ایسے مایوس نہ ہو' اللہ بہت بڑا ہے۔"

اس کی اتری ہوئی شکل دیکھ کر' وہ اس سے اپنی ساری مخالفت بھولے ہوئے تھیں' دوسرے دفعتاً ہی ہوئی یہ اتنی بڑی تبدیلی' خود انہیں بھی اندر سے ہلا چکی تھی۔ زرتاج کی پچھلی قربتوں کی ضرور گواہ تھیں' لیکن یہ بھی نہیں تھا کہ اس بار وہ آنا "فانا" نکاح پڑھوالیں گی۔

اس دن تو انہیں بار بار اپنا ہی دل بند ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"نوکری کے لیے پریشان نہیں ہوں بوا! وہ تو کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گی" راجو کی مسکراہٹ پھیکی پڑ رہی تھی' چند دنوں سے خود کو سنبھالنے کی پوری کوشش کیے جا رہا تھا' نبیل کی بیگم زرتاج سے شادی' اس کے لیے بھی اتنی ہی حیرت انگیز تھی جتنی دوسروں کے لیے' لیکن رنج اسے نبیل کی یکسر بدلے بدلے رویّہ پر تھا' اس نے تو جیسے راجو کی طرف دیکھنا بھی چھوڑ دیا تھا۔

"بہت گہرا شخص ہے' کیسے کام سیدھا کیا اپنا' تمہارا تو بہت پکا دوستانہ تھا' پھر بھی خبر نہ کی تمہیں۔" کہہ تو بوا عظمت ہمدردی میں ہی رہی تھیں' مگر راجو کو ایک ایک لفظ چبھ رہا تھا۔

اب کون یقین کرنے والا تھا کہ' اس گھر میں نبیل کو لانے والا' اس کی خواری اور مفلسی میں مدد کرنے والا یہی راجو ڈرائیور ہے' وہ بوا کے اظہار حیرت پر بھی خاموش ہی رہا تب ہی سامنے سے روزی آتی دکھائی دی' بوا نے آج کل خاصی سختی کر رکھی تھی اس پر' راجو کو کئی کئی دن بھی اس سے بات کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا' اس وقت دیکھا تو خود بخود ہی مسکراہٹ چہرے پر آگئی' شکر ہے بوا نے نہیں دیکھا تھا۔

روزی شام میں ملنے کا اشارہ کرکے غائب ہوچکی تھی۔ وہ پھریوں ہی گم صم سا ہو کر بوا کی شکل دیکھنے لگا' دل میں وہم سا پڑ رہا تھا کہ نبیل اسے یہاں زیادہ دن رہنے نہیں دے گا۔

☼ ☼ ☼

باراتیوں کی لسٹ میں' اتنی ڈھیر ساری کٹوتی اہل خانہ کے لیے بڑا صدمہ ثابت ہو رہی تھی۔

اظہار چچا' شاکرہ بیگم' آپا گل اور بڑی حد تک سلمان بھی۔

رنگ میں بھنگ جو پڑا' سو پڑا۔

نئی افتاد یہ تھی کہ جن لوگوں کو مدعو کیا جاچکا تھا ان کو اب کیا کہہ کر بارات میں آنے سے منع کیا جائے۔ منگنی میں زوبیہ کے والدین نے جس فراخ دلی سے مہمانوں کی تعداد' ان لوگوں کی صوابدید پر چھوڑ دی تھی' اس کو دیکھتے ہوئے بارات کے کارڈ بانٹنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ نہیں ہوئی تھی۔

البتہ اس بار یہ احتیاط ضرور رکھی تھی کہ رشتے داروں سے زیادہ' دوست احباب اور ذرا معقول قسم کے ملنے جلنے والوں پر زور رہا تھا۔

مگر زوبیہ کے گھرانے کی ناپسندیدگی' سب ہی کے لیے یکساں تھی۔ انہوں نے صاف الفاظ میں سختی سے یہ باور کروایا تھا کہ بارات میں دس بارہ افراد سے زیادہ لوگ نہیں ہونے چاہئیں۔

"یوں کہہ لیں کہ بس دو گاڑیوں کے افراد ہوں گے سلمان کی بارات میں' بہت اچھا لگے گا نہ بینڈ نہ باجہ' نہ گاڑیوں کی لمبی قطار' کیا کیا ارمان تھے سلمان کی شادی کے' ایک بھی پورا نہ ہوا۔"

آپا گل بے حد رقیق القلب ہو رہی تھیں۔

سب سے زیادہ اس بے عزتی کا احساس تھا' جو پورے سسرال میں کارڈ بانٹ دینے سے ہو رہی تھی' اب ایک ایک کو فون کرکے منع کرنا پڑ رہا تھا تو سو تاویلیں بھی دینا پڑ رہی تھیں۔

"میں تو اب بھی کہہ رہی ہوں' ایک بار سلمان منگنی توڑنے کی دھمکی دے' تو سب سیدھے ہوجائیں گے' غضب خدا کا' غریب سے غریب آدمی بھی بارات میں آئے لوگوں کو ایک وقت کا کھانا کھلا ہی دیتا ہے' مگر یہ تو اس سے بھی گئے' ساری ہم لوگوں کو اپنی کمزوری ہے' ورنہ کسی کی مجال نہیں ہوتی' جو لڑکے والوں پر یوں حکم چلا سکے۔"

”تو کیا کروں؟ لڑنے کھڑا ہو جاؤں نزدسیہ کی ممی سے۔“ سلمان کی برداشت جواب دینے لگی۔ گھٹنے بھرے مستقل آپا گل ہی بولے جا رہی تھیں۔ ”اتار کر پھینک دوں منگنی کی انگوٹھی؟ رحم کرو آپا مجھ پر پتہ نہیں کس طرح جا کر تو یہ وقت آیا ہے ورنہ نزدسیہ کی ممی تو مجھے اپنے گیٹ میں بھی داخل نہیں ہونے دینے والی نہیں تھیں۔“

آپا گل کو اپنے سسرال والوں کے بعد کسی سے نفرت ہوئی تھی تو وہ نزدسیہ کی ممی ہی تھیں۔

سلمان کی منگنی کے بعد سے ایک کے بعد ایک اور مستقل ہی ایسے واقعات ہو رہے تھے جس سے یہ نفرت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ اور اب تو یہ بالکل ہی یقینی تھا کہ وہ سلمان اور اس کے گھر والوں کو اتنی گئی گزری چیز سمجھتی ہیں کہ حد نہیں۔

ابھی تک یہ رویہ وہ خود دوسروں کے ساتھ اپناتے آ رہے تھے سو اس کی بدصورتی کا اندازہ نہیں تھا۔

”اس نزدسیہ کی ماں کی تو میں کسی دن طبیعت صاف کروں گی۔ ذرا تمہاری شادی ہو جائے خیریت کے ساتھ ’چار پیسوں پر ہی تو اکڑ رہی ہے‘ ورنہ شکل دیکھی ہے اپنی بیٹی کی۔ پھٹکار برس رہی ہے‘ نگاہ کرنے کو اس کی طرف دل نہیں چاہتا‘ یہ تو احسان مانیں میرے بھائی کا‘ ورنہ ساری عمر بیٹھی رہ جاتی۔“

اپنے غصے اور خجالت کو مٹانے کے لیے وہ جو بھی کہہ رہی تھیں سلمان کو پن کی طرح چبھا تھا۔

”اور کچھ نہیں تو‘ پانچ چھ سال تو ضرور ہی بڑی ہو گی سلمان سے‘ کیوں امی؟“ وہ شاکرہ بیگم سے تصدیق کر رہی تھیں۔

سلمان کا دل چاہا کہ انہیں سچ سچ بتا دے کہ وہ اس سے پورے چار سال اور گیارہ ماہ بڑی ہے مگر فائدہ۔

”کہیں وہ کسی بڑے خسارے میں تو نہیں آ چکا؟“

اب جب کہ صرف ہفتہ بھر رہ گیا تھا اس کی شادی میں‘ اس طرح کا گمان یقین بن کر بری طرح ڈرانے لگتا تھا۔

”ماں بیٹی کی اتراہٹ برداشت سے باہر ہوتی جا رہی ہے اب تو امی! اور یہ نزدسیہ‘ کسی دن میک اپ کے بغیر سامنے آ گئی تو مجھے یقین ہے کہ بچے ڈر کر چیخیں مارنے لگیں گے۔“

اپنے اظہار ناپسندیدگی میں وہ اتنی بڑھ گئی تھیں کہ یہ بھی بھولنے لگیں کہ نزدسیہ جیسی بھی ہے ان کے چہیتے اکلوتے بھائی کی ہونے والی دلہن ہے۔

اور وہ اس وقت بالکل سامنے بیٹھا یہ سب سن بھی رہا ہے۔

”اب وہ جیسی بھی ہے‘ میری ہونے والی بیوی ہے‘ اس کے متعلق کچھ بھی بولنے سے پہلے کم از کم دس بار ضرور سوچ لیا کرو آپا! میں کسی کو اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ میرے سامنے نزدسیہ کی برائی کرے۔“ ایک جذب کی سی کیفیت میں کہتا‘ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”اور اگر تمہیں نزدسیہ کی شکل اتنی ہی بری لگتی ہے تو بے شک تم لوگ میرے گھر میں قدم بھی مت رکھنا کبھی۔“

اپنی بات پوری کر کے‘ وہ پیر پٹختے ہوئے لاؤنج سے باہر جا چکا تھا۔

آپا گل ہکا بکا ہوئی بیٹھی تھیں۔

”تم نے بھی تو حد کر دی بھلا سلمان کے سامنے اتنا کچھ کہنے کی ضرورت کیا تھی۔ ہمیں کیسی بھی لگے‘ پر اسے تو نزدسیہ پسند ہے نا۔ اسے تو برا لگے گا ہی۔“

شاکرہ بیگم نے ان کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر دلجوئی کرنی چاہی‘ مگر آپا گل نے جیسے ان کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

”آپ نے سلمان کی بات پر غور کیا امی! کیا کہا ہے اس نے؟“ وہ الٹا ان سے ہی پوچھ رہی تھیں۔

”تم لوگ میرے گھر میں قدم مت رکھنا کبھی۔ مطلب سمجھ رہی ہیں نا آپ اس کا؟ ’میرا گھر‘ یعنی وہ گھر جو نزدسیہ لا رہی ہے‘ صرف اس کا ہے ہم اسے اپنا گھر سمجھنے کی غلطی مت کریں۔“

ان کے لہجے میں بڑی ٹوٹتی ہوئی سی کیفیت تھی۔ پل بھر کے لیے تو شاکرہ بیگم کا دل بھی بھاری ہونے لگا تھا مگر ان بے حد پر مسرت دنوں میں ایسے وہم پالنا بھی ان کے نزدیک بدشگونی ہی تھی۔

”اب یوں ہی اور مطلب مت نکالو بھائی بے غصہ میں آ کر کہہ گیا ہے ہم بھی تو بنا سوچے دس باتیں کہہ دیتی ہو تم نے بھی کہہ دیا‘ بات ختم!“

اتنے کام پڑے تھے‘ جو آپا گل کی توجہ کے منتظر تھے‘ سب سے بڑا تو رشتے داروں سے بارات کے لیے معذرت کرنی تھا مگر وہ اتنی غصے میں تھیں کہ فی الحال ہر کام سے بری الذمہ ہو رہی تھیں۔

”آپ کے سب بچے سمجھ دار‘ خود مختار ہیں‘ میں خوامخواہ ہی بیچ میں ٹانگ اڑانے کو چلی آتی ہوں اور آ کر بے عزت الگ ہوتی ہوں۔ جو کچھ بھی مناسب ہو گا‘ وہ خود کریں گے میں تو چلی‘ سلمان کو اپنی بارات میں ہمیں لے کر جانا ہو تو فون کر دیجیے گا‘ ورنہ ولیمہ میں آ کر شریک ہو جائیں گے۔“

وہ بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ اپنا سامان سمیٹ رہی تھیں۔

شاکرہ بیگم کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔

آپا گل کی سو باتیں ایک طرف اور ضدی ہٹیلی فطرت ایک طرف۔

جو بات کہہ دی‘ سو پتھر پر لکیر۔

بہن بھائی کی ناگوار باتوں پر وہ اپنا سخت ردعمل دکھاتی تو نہیں تھیں مگر اس بار تو حد ہی ہو گئی تھی۔ پہلے جویا نے ان کے اتنی جوڑ توڑ کے بعد لائے مہمانوں کو یکسر مسترد کر کے ناقابل تلافی بے عزتی کروائی اور اب یہ سلمان۔ جس کی منگنی پر سب سے زیادہ پر جوش وہی تھیں اور نزدسیہ کی تعریفیں کرتے ہوئے نہیں تھک رہی تھیں اب اگر جھنجلاہٹ میں کچھ الٹا سیدھا کہہ گئیں تو کس درجہ بے مروتی سے وہ ان کو باتیں سنا گیا تھا۔

”حد ہوتی ہے کسی بات کی۔“

ان کی آنکھوں میں سچ مچ آنسو آ رہے تھے۔

جویا چھوڑ‘ زویا بھی اگلے دن ہونے والے کیمسٹری کے پیپر کا پیچھا چھوڑ کر انہیں منانے کے لیے آ کھڑی ہوئی تھی۔

کچھ بھی تھا‘ آخر کو بڑی بہن تھیں اور ان کی سب سے محبت پر کوئی شک بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

”غلطی سلمان بھائی کی‘ ناراض آپ سب سے ہو رہی ہیں‘ ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ وہ کسی کے نہیں ہیں۔ آپ ہی یقین نہیں کرتی تھیں۔“

زویا کی صاف گوئی برقرار تھی۔

”خیر‘ کم تو تم میں سے کوئی بھی نہیں ہے‘ اپنی اپنی باری پر سب ہی رنگ دکھاتے ہیں۔“ ان کی نگاہ جویا پر تھی۔ وہ بے ساختہ ہی دوسری طرف دیکھنے لگی۔

کاش وہ انہیں سمجھا سکتی کہ اس نے ان کی بے عزتی نہیں کی تھی‘ وہ ایک بالکل الگ اور اصولی بات تھی۔

”بہن بھائی ہو‘ اسی لیے بات کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے‘ ورنہ سچی بات تو یہ کہ دل تو صاف نہیں ہوا ہے۔“

وہ جیسے تیسے سامان کھولنا شروع کر چکی تھیں‘ آج جمعہ تھا‘ اور بچوں کی اگلی دو چھٹیاں انہیں یہیں گزارنی تھیں۔

جویا کو چائے کا کہہ کر وہ بڑی فرصت سے فون کے پاس آ بیٹھیں۔

”اب بتائیے کیا کہہ کر منع کرنا ہے اور ساروں کو ایک ہی بات بتانی ہے‘ یہ خیال رہے۔“

"کہہ دو کہ دلہن کے خاندان میں کوئی انتقال کر گیا ہے' اسی لیے ان کے ہاں سادگی سے کام ہو رہا ہے۔"
بروقت' بڑا پراثر بہانہ شاکرہ بیگم کو سوجھا تھا' آپا گل کا فون کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ تھم سا گیا۔
"مشہور لوگ ہیں امی! شادی کی خبر اخبار میں بھی آ سکتی ہے' منگنی کی تصویر میں' ایک انگریزی اخبار کے سوشل راؤنڈ اپ کے کالم میں میں نے خود دیکھی ہیں۔"
"کوئی فرق نہیں پڑتا۔" انہوں نے ایسے ہاتھ ہلایا جیسے مکھی اڑائی ہو۔
"ہمارے خاندان میں کوئی بھی اخبار نہیں پڑھتا ہے اور انگریزی اخبار تو بالکل بھی نہیں۔" ان کا اطمینان برقرار تھا۔
"یہ بھی ٹھیک ہے۔" آپا گل کا ہاتھ اب تیزی سے نمبر ملا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

رمضان کا مبارک مہینہ' نیک و بد ہر کسی کے لیے یکساں رحمتیں لے کر آیا ہوا تھا۔
نانی ستارہ کے محلے میں بھی یہاں سے وہاں تک' احترام رمضان میں ساری مصروفیت' سرے سے منقطع تھیں' نگینہ کے ڈوبتے دل کو سنبھلنے کا تھوڑا بہت موقع مل ہی گیا۔
ورنہ پچھلے پونے تین ماہ میں' ایک کے بعد ایک الماس کے نہ ختم ہونے والے شوز تھے اور اس کی ناتواں جان۔ شہر کے سارے رئیسوں نے شاید ایکا کر لیا تھا کہ ان کے ہاں پرفارم کرنے کے لیے الماس جان کے علاوہ اور کسی کو نہیں آنا۔
ایک شو کر رہی ہوتی تو اگلے چار منتظر ہوتے' تاریخیں طے کرنے کے لیے شیرازی بدبخت روزانہ ہی آیا بیٹھا رہتا۔
نانی دلدار کے ملازم' کولڈ ڈرنکس کے کریٹ' چکن تکہ' فرائی فش اور سیخ کباب کے خوشبو اڑاتے پارسل لیے' تیزی سے گلی میں دوڑتے دکھائی دیتے رہتے۔
نگینہ بہانے بہانے سے بیرونی برآمدے کے جھروکے میں سے جھانکتی' اور ہر بار ہی یقین لے کر لوٹتی کہ ہو نہ ہو' اس سال میں اسے ہارٹ اٹیک ہو کر ہی رہے گا۔
"کیوں ہلکان ہوئی جا رہی ہے نگینہ! صبر سکون سے اچھے وقت کا انتظار کیوں نہیں کرتی' قدرت کا اپنا نظام ہے' بھروسہ تو کر۔"
نانی ستارہ جان' اس کے بے صبرے پن پر کتنا بھی کوسیں' نصیحت کرتے ہوئے ان کا لہجہ معمول کے مطابق سکون آمیز ہی ہوتا۔
نگینہ کی ساری جوانی اچھے وقت کے انتظار میں کٹی تھی' اب عمر کے اس ڈھلتے پہر میں' یہی انتظار اس کے اعصاب پر کسی آسیب کی طرح سوار تھا' پنجے تیز کیے' دانت نکالے' کھوپنے کو تیار۔
نانی ستارہ کی نصیحت' بے وقت کی راگنی محسوس ہوتی اور پہلے سے کہیں زیادہ چبھتی۔
"ساری عمر کیا ہی کیا ہے اماں! میں نے انتظار کے سوا۔ اب بھی کر لوں گی' مگر یہ گزرتا ہوا وقت بڑا ظالم ہے' گھر کی چار دیواری میں بیٹھی شریف زادیوں کو نہیں بخشتا تو یہاں اس کوٹھے پر رقص کے بھاؤ بتاتی صندل کی تو اوقات ہی کیا ہے' آج چار پیسے کمالے گی تو کل کو میری طرح ٹھوکریں کھانے سے تو بچی رہے گی کم از کم۔"
اس کے لہجے میں ایسے ٹوٹتے کانچ سی کیفیت تھی کہ نانی ستارہ بھی چند لمحوں کے لیے گم صم سی ہو کر رہ گئیں۔
"الماس کہاں پہنچ گئی اس کمینے شیرازی کے سہارے۔ سنا ہے اب تو یہ جگہ چھوڑ کر ڈیفنس میں کوٹھی لینے کی باتیں ہو رہی ہیں۔ مہینے میں بیس پچیس شوز کر رہی ہے' نئے نئے کرم فرما ڈھونڈ لیتے ہیں' آگے مشکل ہی کیا ہے؟"

نگینہ کا واویلا بے سبب نہیں تھا۔
شاما کی لائی ساری اطلاعات تصدیق شدہ ہوتی تھیں۔ دیکھنے میں وہ کتنی بھی بے وقوف لگتی مگر پروفیشنل باتیں ساری ٹھیک ٹھاک سمجھ میں آتی تھیں۔
نگینہ بگڑتی خفا ہوتی پھر بھی اس کی کہی ہر بات پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کرتی تھی۔
نانی کو نہ نگینہ کی سمجھ بوجھ پر ساری زندگی اعتبار آیا اور رہی شاما تو وہ غریب کس گنتی میں تھی۔
"جیسی روح ویسے فرشتے' شمشیر بنایا بھی تو کس کو' پہلے ہی اپنا ستیاناس مار لیا ہے الٹی سیدھی باتیں سوچ کر اب اور دماغ خراب ہو گا۔"
وہ جل کر اس کے پاس سے ہی اٹھ گئیں۔ نگینہ کی بڑی بڑی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔
"تیرا ہی آسرا ہے میرے مولا!" اس نے آنکھیں رگڑیں تو نیلا آئی شیڈ' آئی لائنر کے ساتھ گھلنے ملنے لگا۔
اسے نہیں یاد آتا تھا کہ پچھلے چند سالوں میں اس نے صندل کے لیے فلم کی آفر ملنے کے علاوہ کوئی اور دعا کی ہو۔
"ہر جمعرات کو صندل کو درگاہ شریف' ننگے پیر حاضری کے لیے لے جانا شروع کر دوں تو اچھا رہے گا۔ ساتویں جمعرات تک تو بڑی سے بڑی مشکل بھی آسان ہو جاتی ہے۔"
رقت بھرے دل سے اس نے پروگرام ترتیب دیا۔
بے ایمانی کے سارے کاموں کے لیے' یہاں بڑی عاجزی کے ساتھ' ایمان کا سہارا ہی پکڑا جاتا تھا۔ عاشورہ محرم' رمضان المبارک' ربیع الاول' نذر نیاز' یہاں سب کا ہی بڑی عاجزی اور خلوص نیت کے ساتھ اہتمام ہوتا تھا۔
مبارک تاریخوں میں کام سختی کے ساتھ بند رکھا جاتا۔ نانی ستارہ' پاس پڑوس والیوں کو اکٹھا کر کے' بڑی رقت کے ساتھ مناجات پڑھتیں اور سب کے ساتھ مل کر خوب آنسو بہاتیں۔
"کالی کیچڑ میں پڑے' ذلیل و خوار' سیاہ کار' تیرا نام لینے کی تاب نہیں' قبر کے کیڑوں کا رزق بننے کے لیے جسم منتظر' پھر بھی تیری شان کریمی کے امیدوار......!"
سروں کو دوپٹے سے ڈھانپے' وہ ساری زمانے بھر کی معتوب عورتیں اور بھی زور زور سے رونے لگتیں' کئی دن کے لیے تو دل بالکل ہلکا ہو جاتا۔
نگینہ کے لیے بھی بہت دنوں بعد' آج کل قدرے سکون تھا اور کچھ نہیں تو الماس کے روز روز کے پروگراموں کی خبریں ملنا ہی بند تھیں۔
سو یہ بھی کیا کم تھا۔
نانی دلدار کی عیادت کے لیے' وہ ان کے پورشن میں ان ہی عافیت بھرے دنوں میں ایک دن چلی آئی' شاما سے ان کی علالت کی خبر مل چکی تھی' سو یہاں آتے ہوئے' ان کے بارے میں تصور خود بخود ہی بدلا ہوا تھا۔
"زہے نصیب' آج تو میری بھانجی خود چل کر مجھ سے ملنے آئی ہے' قربان جاؤں۔"
پہلا دھکا اسے' نانی دلدار کی کراری آواز پر ہی لگا۔
وہ سامنے ہی بڑے سے دیوان پر پاؤں اوپر کیے بیٹھی تھیں اور موسمیاں کھاتے ہوئے' اپنے سامنے چھلکوں کا ایک بڑا سا ڈھیر جمع کر چکی تھیں ان پر کسی بھی بیماری کے دور دور بھی آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

”چل بھئی الماس! ذرا پیچھے ہو کر بیٹھ‘ میری بہن نگینہ آئی ہے‘ اسے میرے پاس بیٹھنے دے۔“
انہوں نے کندھے سے کندھا ملائے بیٹھی الماس کو پرے کیا جو نہ جانے ان کے کن کن تجربات سے مستفید ہو رہی تھی۔
نگینہ نے ایک گہری نگاہ‘ اس کے کسے ہوئے جسم اور ریشمی زلفوں والی حسین صورت پر ڈالی‘ جو اپنے خاندان کی قسمت بدل رہی تھی۔
جو الگ الگ دیکھو تو کچھ بھی ایسا خاص نہیں۔
درمیانہ قدو قامت‘ گندمی رنگت‘ عام سے خدوخال پھر بھی ایک خمار سا اس کے وجود سے لپٹا ہوا محسوس ہوتا تھا۔
عجب سی ادا کے ساتھ جب اس نے نانی دلدار کے برابر سے اٹھتے ہوئے ”سلام نگینہ خالہ“ کہا تو نگینہ کو ماننا پڑا کہ کچھ ایسا ضرور ہے الماس کے انداز میں جو صندل کو تمام تر حسن اور فن میں مہارت کے باوجود حاصل نہیں ہو سکا ہے۔
”وعلیکم....“ اس سے سلام کا جواب بھی آدھا ادھورا ہی دیا گیا۔
”طبیعت کا سناؤ خالہ! اب کیسی ہے؟“ گو ضرورت تو نہیں تھی مگر جب آ ہی گئی تھی تو پوچھنا ہی تھا۔
”ہاں طبیعت تو واقعی ٹھیک نہیں‘ کتنے دن بعد آج ہی اٹھ کر بیٹھی ہوں۔ الماس نے کہا‘ نانی موسمیاں کھاؤ‘ دواؤں کی خشکی دور ہو جائے گی‘ دل تو نہیں چاہ رہا تھا مگر اب مجبوری ہے....“
نگینہ نے ایسی لاتعلقی سے سنا جیسے یہ سب کسی اور سے کہا جا رہا ہو۔
اسے یاد آ گیا تھا کہ دلدار جان کی یہ بیماری ٹھیک رمضان کے دنوں میں ہی لاحق ہوتی ہے اور شوال کے چاند کے ساتھ رخصت ہو جاتی ہے۔
روزے وہ خود بھی ایسی پابندی سے نہیں رکھتی تھی‘ کچھ رکھے‘ کچھ چھوڑ دیئے‘ لیکن بہانے بازی کسی بھی معاملے میں اس کی سرشت میں نہیں تھی‘ نانی دلدار اس سے چائے پانی کا پوچھ رہی تھیں۔
پھر نگینہ احترام رمضان میں کچھ بھی کھانے پینے سے پرہیز رکھتی تھی۔
”نئے ملازم رکھے ہیں۔“
گو اسے اطلاع تو تھی‘ لیکن پھر بھی ریل پیل دیکھ کر زبان پھسل ہی گئی۔
نانی دلدار ویسے ہی کسی موقع کی تلاش میں تھیں۔
”بس جی‘ اللہ نے بڑا کرم کیا....“ کہہ کر جو شروع ہوئیں تو اس وقت تک خاموش نہ ہوئیں جب تک نگینہ کے ماتھے پر پسینہ نہ آ گیا۔
الماس کی کامیابیوں کا گراف ہشاما کی مخبری اور اس کی توقع سے بھی کہیں اونچا تھا۔
ایک ایک رات میں لاکھوں روپے کما رہی تھی‘ جان چھڑکنے والوں میں شہر کے بڑے معتبر حوالے شامل ہوتے جا رہے تھے۔
”پیچھے سے جاگیرداری ہے اور سیاست میں الگ نام‘ ایم این اے‘ ایم پی اے ہیں۔ باپ بھائی‘ اور دریا دل اتنا کہ الماس کی مسکراہٹ پر لاکھوں نچھاور کرتا ہے۔“
عاشقوں کی لسٹ میں سب سے اوپر آنے والے نام کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے‘ دلدار جان کے لہجے اور نواسی الماس کے چہرے پر یکساں فخریہ تمتماہٹ چھلکی تھی۔
”اور وہ امین آباد والی سرکار!“ پہلو بدلتے ہوئے نگینہ نے انہیں پرانے کرم فرما یاد دلائے تو الماس نے نخوت سے بات کاٹی۔
”دفع کرو خالہ‘ کوئی زندگی بھر کے لیے ان ہی کے پابند تھوڑی ہو گئے ہیں‘ زندگی میں پہلے ہی اسٹاپ پر رک جاتے تو چل چکا نام۔“
اٹھارہ برس کی الماس کے پاس نئی نئی ملی کامیابی کے ساتھ آیا اعتماد بول رہا تھا۔
نگینہ نے بہت رشک کے ساتھ اسے دیکھا۔ اس سال کے شروع میں ہی گل ناز نے اسے خود بتایا تھا کہ امین آباد والوں کا نوجوان ولی عہد الماس پر لٹو ہو گیا ہے۔
وضع دار قسم کے لوگ تھے اور طویل عرصے سے اس خاندان کی ایسی سرپرستی کر رہے تھے‘ جیسے پچھلے زمانے کے نوابوں کی ریت تھی۔
نگینہ کی تو ساری عمر حسرت ہی رہی تھی کہ امین آباد والوں جیسے نہ سہی کچھ کم ہی‘ اسے بھی میسر ہو جائیں لیکن یہ حسرت بس حسرت ہی رہی تھی۔
نانی دلدار کے ہاں اب بے مروتی اور بے وفائی کی وہی روایتی سی داستان رقم ہو رہی تھی‘ جو اس طبقے کے ساتھ جڑی ہوئی تھی۔
گل ناز اور گل رخ دونوں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ نگینہ نے جان بوجھ کر ان کے بارے میں نہیں پوچھا تھا‘ جواب میں یقیناً کوئی ایسی بات سننے کو ملتی جس سے دل اور بھی خراب ہوتا۔ بس خاموشی سے نانی دلدار کی باتیں سنتے ہوئے اردگرد کا جائزہ لینے لگی۔
تھوڑے سے دنوں میں زمین آسمان کا فرق آ چکا تھا۔ فرنیچر‘ پردے‘ کارپٹ‘ آرائشی سامان۔
”یقیناً سب ہی قیمتی ہو گا۔“ نگینہ نے خود ہی اندازہ لگا لیا۔
ذاتی طور پر قیمتی سامان خریدنے کا کبھی اتفاق ہی نہیں ہوا تھا۔
”گھر میں ہاتھی پالنا ہو تو پھر دروازہ بھی اونچا رکھنا پڑتا ہے‘ بڑے لوگوں کے لائق سامان رکھنا اب سب سے زیادہ ضروری تھا‘ پہلے شو کے پہلے پیسے‘ گل ناز نے بڑی سمجھ داری سے استعمال کیے۔“
اسے مستقل اِدھر اُدھر کا جائزہ لیتے دیکھ کر نانی دلدار نے وضاحت ضروری سمجھی۔
تب ہی ایک کام والی‘ الماس کے ٹیوشن کی اطلاع لے آئی۔
نگینہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔
الماس چپ چاپ اٹھ کر جا چکی تھی‘ یہ وقت میوزک والے استاد جی کا نہیں تھا۔ نانی نے اس کی نگاہوں میں چھپی حیرت کو مسکرا کر دیکھا۔
”خیر سے انگریزی پڑھ رہی ہے الماس‘ بڑے لوگوں میں اٹھ بیٹھ رہی ہے‘ پڑھی لکھی تو لگنی چاہیے نا! دیکھنا چند ماہ میں ہی کیسے فر فر انگریزی بول رہی ہو گی۔“
یہاں وقت کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کے سارے ہی گر آزمائے جا رہے تھے۔
نگینہ کا ضبط جواب دینے لگا تو اٹھ کھڑی ہوئی۔ دلدار جان کے چہرے پر معنی خیز سی مسکراہٹ پھیلنے لگی۔
نگینہ کی بے چینی کی وجہ ایک کھلا راز تھی۔ جس کا ان کے ہاں دل کھول کر مذاق اڑایا جاتا تھا۔ ایک گہری پروفیشنل جیلسی تھی۔ جو نانی ستارہ نے نہ سہی‘ نانی دلدار نے ہمیشہ دل میں سنبھال کر رکھی تھی اور اگلی نسلوں میں یہ خود بخود منتقل ہوتی جا رہی تھی‘ گل ناز‘ گل رخ کے ساتھ نگینہ‘ فیروزہ اور اب الماس بمقابلہ صندل‘ اپنی گیتی آرا.... تو کسی کام کی نہیں تھی۔
”میری مان نگینہ تو صندل کو بھی اب کام سے لگا‘ کیوں مرغی کے انڈوں کی طرح پروں کے نیچے دبا کر بیٹھی ہے۔

چند سال اور نکل گئے تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہوگا' الماس تو اس سے کہیں چھوٹی ہے' دیکھ لے کیسی آگے ہی آگے نکلتی جارہی ہے۔"

نگینہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے ہمدردی جتائی تھی یا اس کے سلگتے زخموں پر نمک چھڑکا تھا۔

نگینہ خالی خالی آنکھوں سے دیکھے گئی۔

"اور کچھ نہیں اپنے حال سے سبق لے کیا ملا تجھے' اب بھی چند روپوں کے لیے اسٹوڈیو میں ماری ماری پھرتی ہے۔ کچھ تو تیری جان کو بھی آرام ملے گا نا!"

ایک ایک لفظ جیسے اس کے دل پر گر رہا تھا۔

"چلتی ہوں خالہ!" اس نے قدم آگے بڑھائے۔

"تو کہے تو میں شیرازی سے بات کروں' کام کا آدمی ہے۔ تُو نے بے کار ہی اسے ناراض کر دیا۔ میری مان تھوڑے سے ہاتھ پاؤں جوڑ لے اس کے' اگلے مہینے دبئی لے کر جارہا ہے گروپ' صندل کو بھی ساتھ۔۔۔"

اسے وہ پیچھے سے کہتی سنائی دیں۔ مگر اس نے مڑ کر نہیں دیکھا۔

ذرا ذرا سا کام پانے کے لیے' ساری عمر شیرازی کی خوشامد کی تھی' غلامی کی تھی' مگر کیا صلہ دیا اس نے۔

ایک چھوٹی سی بات پر اپنی ذات دکھا گیا نا آخر۔ اس کل کی چھوکری الماس کو سیلبریٹی بنانے پر تلا ہوا ہے' صرف اور صرف اسے۔۔۔ نگینہ جان کو ذلیل کرنے کے لیے۔

"شیرازی کے آگے ہاتھ جوڑتی ہے اب نگینہ کی جوتی!" سامنے لڑھکتی پانی کی خالی بوتل کو اس نے اتنی زور سے ٹھوکر ماری کہ وہ لڑھکتی ہوئی سیدھی کچن کے دروازے سے جاکر ٹکرائی۔

روٹی پکاتی شامانے چونک کر باہر دیکھا۔ نگینہ تیز قدموں سے اندر جاتی دکھائی دی۔

"اللہ خیر ہی کرے' پتہ نہیں وہاں کیا کیا دیکھ اور سن آئی ہیں' اب سب کی شامت آتی رہے گی دن بھر۔"

اس کا خیال سو فیصد صحیح تھا۔

"فیروزہ کا رکھا ہوا سارا زیور بیچ دو' گھر پر لون کی درخواست دو' کچھ بھی کرو' لیکن اس پیتھیٹر حالت کو بدلنا ہی ہوگا ورنہ اگلے چند سالوں میں ہماری وہ حالت ہوگی کہ دنیا عبرت پکڑے گی اماں!"

وہ نانی ستارہ کے سر پر سوار تھی۔ بنا کسی تمہید کے' سیدھی سیدھی بات۔

"بڑے بڑے شاہوں کے حال سے زمانہ عبرت پکڑتا آیا ہے' ہماری تو اوقات ہی کیا' قسمت میں لکھا ہوگا تو یہ بھی پورا ہو کر رہے گا۔"

برادری کی کچھ عورتوں کے جانے کے بعد' وہ ابھی ابھی کمر سیدھی کرنے کے لیے لیٹی تھیں' نگینہ کی گھبراہٹ سے ذرا جو متاثر ہوئی ہوں۔

نگینہ نے بے ساختہ ہی ہاتھ جوڑ دیے۔

"خدا کے لیے اماں! کچھ تو کرو۔" وہ رو دینے کو تھی' "صندل کے حسن' ذہانت سب پر پھپھوند لگ جائے گی' کچھ وقت اور گزر گیا تو کیا بنے گا ہمارا۔"

"اللہ مالک ہے' وہ بیٹھا ہے سب کی فکر کرنے والا!"

عمر کے ساتھ ساتھ ان کی بے نیازی بڑھتی ہی جارہی تھی' ستار پر ریاض تو باقاعدگی سے کرتیں' باقی دن کتابیں پڑھتیں' یا برادری کی عورتیں' جو ان سے بڑی عقیدت سے ملنے آتی تھیں' ان کے ساتھ تھوڑا وقت گزارتیں' ورنہ تو زیادہ وقت کسی گہری سوچ میں ڈوبی محسوس ہوتیں۔

نگینہ کو ان کی اس حاضر غائب والی حالت سے بڑے سخت ہول اٹھتے تھے۔

"اماں کا یہی حال رہا تو کچھ دور نہیں وہ دن جب برادری کی عورتیں' اپنے بچوں کو لے کر یہاں جھاڑ پھونک کروانے آنے لگیں گی۔" کل ہی بہت جل کر اس نے شاما سے کہا تھا۔

"صندل کا اچھا وقت جب شروع ہوگا تو اسے کوئی بھی نہیں روک سکے گا' تم بے کار میں اپنی جان نہ گھلایا کرو رب پر بھروسہ کرنا سیکھو!" ان کی وہی ایک رٹ۔ نگینہ کی نیلے آئی شیڈ سے گھری۔ بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

"بہت نیک راہ میں تگ و دو کر رہے ہیں نا' جو اس کی مدد شامل حال ہوگی' یہاں تو ان کی آزمائش بھی پوری زندگی لے لیتی ہے' جو نیکی کی راہ پر ثابت قدمی سے چل رہے ہیں' ہم سیاہ کاروں کے لیے تو وہ اطمینان بھی نہیں۔" یاسیت بھرے لہجے میں کہتے کہتے' دفعتاً' ہی نگینہ کو لگا جیسے وہ بھی نانی ستارہ کی ٹون میں بات کر رہی ہے۔

وہ گڑبڑا کر خاموش ہوئی۔

بڑا ہی گھبراہٹ بھرا احساس تھا۔

"کچھ بھی ہو۔ صندل کو اگر اب بھی فلم نہیں ملی تو میں تو کچھ کھا کر مرجاؤں گی' میری ہمت جواب دے چکی ہے اب' نہیں کھڑا ہوا جاتا ایک ایک شاٹ کے لیے گھنٹوں انتظار میں اور اس کے بعد بھی ملتا کیا ہے؟"

اس کی آواز رندھتی جارہی تھی اور بات کے اختتام پر وہ یکدم ہی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

نانی ستارہ نے آنکھوں پر رکھی کلائی کو ذرا ہٹا کر نگینہ کے ہچکیوں سے ہلتے فربہی مائل وجود کو دیکھا اور پھر دوبارہ آنکھیں بند کرلیں۔

تسلی دیتیں بھی تو کیا۔

دل ہی دل میں انہوں نے خود کو بری الذمہ ٹھہرایا۔

"وہ کیا کہتا ہے سالار جنگ!" ذہن پر تھوڑا سا زور ڈالنا پڑا۔

"ہاں! لائن آف تھاٹ!" انہیں یاد آیا۔ بہت مہذب اور پڑھے لکھے لوگوں کی صحبت میسر رہی تھی' انگریزی کیا' فارسی میں بھی کچھ تو شد بد تھی ہی۔

"تو کہی بات یہ کہ میری اور نگینہ کی لائن آف تھاٹ ایک دوسرے سے ملتی ہی نہیں ہے۔ ساری زندگی ایک دوسرے کو سمجھاتے سمجھتے رہنے میں ہی گزر گئی۔"

زیر لب بڑبڑاتے ہوئے انہوں نے دوسری طرف کروٹ لی۔ کسی کسی وقت تو ایسی بے حسی طاری ہونے لگتی تھی کہ الاماں!

اس روز سالار کے آنے کی وہاں کسی کو بھی خبر نہ ہو سکی۔ وہ نانی ستارہ کے کمرے سے باہر ہی چند منٹ رک کر اس سامنے والے آرائشی برآمدے سے رخصت ہوگیا۔

☆ ☆ ☆
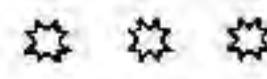
کالج کے گیٹ پر چھٹی کا مخصوص رش تھا۔ لڑکیوں کا جم غفیر۔

گاڑیوں' اسکوٹرز اور وین والوں کا مخصوص شور اور بدنظمی کا وہی مخصوص احساس' جس کے سب ہی عادی ہو چلے ہیں۔

معاذ نے موٹر سائیکل تھوڑے فاصلے پر کھڑی کی تھی۔ آج وہ بہت دن بعد ربیعہ کو لینے آیا تھا اپنی صحت یابی کے بعد پہلی بار۔

ورنہ تو اتنے دن سے کبھی ابا' ربیعہ کو لینے آتے یا پھر وہ دو بسیں بدل کر خود ہی آجاتی۔

پر اب جب وہ باہر آجا رہا تھا تو اسے خود گوارا نہ ہوا سو آج وہ بہت دن بعد ربیعہ کے کالج آیا تھا۔
وہ ہمیشہ ہی رش سے ذرا ہٹ کر کھڑا ہوتا تھا۔ ربیعہ باہر آتی تو اسے دیکھ لیتی تھی یا پھر جب رش کم ہوتا تو وہ گیٹ کے قریب جا کر اسے لے لیتا۔ فی الحال جو عالم تھا اس میں دس پندرہ منٹ ضائع ہوتے لگ رہے تھے۔
معاذ نے یوں ہی سرسری سی نگاہ ایک بار پھر کالج کے گیٹ کے طرف ڈالی تھی۔
تب ہی جیسے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا۔ کندھے پر تھیلا لٹکائے ہاتھ میں چھوٹے بڑے چند پیکٹ پکڑے وہ دبلا پتلا سانولی رنگت والا نو عمر سا لڑکا ساجد ہی تھا۔
"ساجد!" بے اختیار ہی وہ زور سے پکار اٹھا۔ اس شور میں بھی آس پاس کے کچھ لوگوں نے تو ضرور ہی پلٹ کر معاذ کو دیکھا تھا۔
مگر اسے جیسے کسی کی بھی پروا نہیں تھی۔
"ساجد! ساجد!"
پہلے سے بھی زیادہ اونچی آواز میں معاذ نے اسے اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا، مگر اس شور کے عالم میں وہ اس کی آواز نہیں سن سکا تھا۔
کالج کی چند لڑکیوں کے پاس کھڑا، وہ انہیں اپنے ہاتھ میں تھامی اشیاء کے بارے میں کچھ بتا رہا تھا۔
وہ کیا بیچ رہا تھا۔
معاذ نے اس طرف قطعی دھیان نہیں دیا وہ صرف ساجد کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہ رہا تھا، جو ممکن نہیں ہو پا رہا تھا۔
موٹر سائیکلوں اور گاڑیوں کے بیچ میں سے نکلتے ہوئے، وہ تیزی سے اس کے قریب پہنچنا چاہ رہا تھا، مگر مستقل گزرتی لڑکیوں کی وجہ سے یہ تقریباً ناممکن ہو رہا تھا۔ ان کی جگہ اگر لڑکے ہوتے تو وہ شاید کیا یقیناً ان کے بیچ سے جگہ بناتا ہوا نکل جاتا لیکن اس وقت وہ بے بسی سے ان لڑکیوں کے گزرنے کا انتظار کر رہا تھا، جن کی تعداد ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔
"ساجد!" معاذ نے ایک بار پھر پکارا۔ اسے خدشہ تھا کہ وہ کہیں اس ہجوم میں نہ کھو جائے۔ تب ہی ساجد نے اس کی طرف دیکھا تھا۔
ایک اچانک ملنے والی خوشی نے اس کے معصوم چہرے کو منور کیا تھا۔
معاذ نے خود اسے مسکراتے ہوئے دیکھا۔
مگر بس وہی ایک دو پل۔
ساجد کے تاثرات بڑی تیزی سے بدلے تھے۔ وہ بڑی تیزی سے پیچھے ہٹا۔
پیچھے کھڑے اسکوٹر والے نے اسے برا بھلا کہنا شروع کر دیا تھا، مگر وہ بڑی تیزی سے اپنا راستہ بناتے ہوئے سڑک کا رخ کر چکا تھا۔
"ساجد! رکو، بات سنو میری۔" معاذ اب مزید رک نہ سکا تھا۔
آس پاس کے رش سے الجھتے ہوئے اسے ایک دو سخت ٹھوکروں کا احساس بھی نہیں ہوا۔
"ساجد رک جاؤ، میری بات سنو۔"
معاذ نے اسے سڑک کے کنارے پہنچا دیکھ کر ایک بار پھر روکنا چاہا۔
وہ اب اس کے تقریباً نزدیک تھا اور پوری امید تھی کہ وہ اس کے سڑک کے دوسری جانب جانے سے روک لے گا، تب ہی ساجد نے بڑی خطرناک حرکت کی۔

قریب سے گزرتی ایک بس کے پائیدان پر وہ جس طرح اچھل کر چڑھا تھا، معاذ کو دل اچھل کر حلق میں آتا ہوا محسوس ہوا۔
"ساجد!" بس پر ہاتھ مارتے ہوئے معاذ نے بے تابی سے بس کو روکنا چاہا۔ لیکن کسی نے اس کے بازو کو پکڑ کر کھینچا تھا۔
"کیا مصیبت ہے، کون ہے؟" وہ بہت جھنجلا کر پیچھے مڑا۔
سامنے جویا کھڑی تھی۔
"پاگل ہو گئے ہو، اتنی تیز بس کو روک رہے ہو، یہ کوئی اسٹاپ تھوڑی ہے، ابھی خدا نہ کرے کچھ ہو جاتا تو۔" وہ گھبرائی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
"ارے وہ اتنا چھوٹا سا بچہ اس بس میں لٹک کر چلا گیا اگر تم دیکھتیں تو۔" معاذ کو یہ دخل اندازی بڑی کھلی تھی۔
"دیکھا تھا میں نے، ان بچوں کو تو پریکٹس ہو گئی ہے، روز چڑھتے اترتے ہیں۔" جویا نے ہاتھ دھیرے سے پیچھے کیا۔ "تم اپنی خیر مناؤ، ابھی تو اتنی بڑی تکلیف اٹھا کر بیٹھے ہو، اپنا نہیں تو دوسروں کا خیال کر لو۔"
جویا کی آواز بتدریج ہلکی ہوئی تھی۔ معاذ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تو وہ بے ساختہ ہی نگاہ چرا گئی۔
اس پر ہنگام سڑک پر ان دونوں کے بیچ وہ ایک پل بڑی نرم سی خاموشی لیے گزرا۔
"تمہیں نہیں پتہ، میرا ساجد سے ملنا بہت ضروری تھا۔ پتہ نہیں کہاں سے بیچ میں آ گئیں، ورنہ تو میں پکڑ ہی لیتا اس کو۔"
اپنی موٹر سائیکل کی طرف جاتے ہوئے، وہ مستقل ہی بڑبڑائے جا رہا تھا۔
جویا اس کے ساتھ چلتے ہوئے ہلکے سے مسکرا دی۔ اس کی عادت جانتے ہوئے بھی، نہ جانے کیوں بار بار امید جاگتی تھی کہ شاید وہ کوئی ایسی بات کہے جو بے یقینی کے اس دور میں زادِ راہ ٹھہرے۔
"یہ بچے اب روز ہی ہوتے ہیں، تم کل آؤ گے تو پھر مل جائے گا۔"
"نہیں!" معاذ کا سر ہلکے سے نفی میں ہل رہا تھا۔ "وہ اب مشکل سے ہی یہاں آئے گا، اس نے مجھے دیکھ لیا ہے ویسے جویا!" وہ ذرا رک کر اس کی طرف مڑا۔ "یہ بچے کیا بیچ رہے ہیں یہاں، میں نے پہلے تو کبھی نہیں دیکھا انہیں یہاں۔"
"ایسے ہی ملی جلی سی چیزیں، سوئٹس، چپس، ٹشو پیپرز کے ہینڈی پیک وغیرہ۔"
"ہوں!"
"گارڈ چھٹی سے پہلے ہٹاتا بھی ہے، مگر یہ رش سے فائدہ اٹھا کر پھر موجود ہوتے ہیں۔ روزانہ اتنا برا بھلا سنتے ہیں پھر بھی باز نہیں آتے۔"
جویا یوں ہی سرسری سے انداز میں بات جاری رکھے ہوئے تھی۔
کچھ ایسا تھا جو معاذ کو برا لگ رہا تھا۔
"کیا کریں بے چارے، کام تو انہیں کرنا ہی ہے، جھڑکیاں، مار پیٹ، ذلت تو ان کے کام کا حصہ ہے، ویسے حیرت ہے تمہارے دل کو کچھ نہیں ہوتا ایسے منظر دیکھ کر۔"
بڑے واضح الفاظ میں وہ جتا رہا تھا۔ جویا چپ کی چپ کھڑی رہ گئی۔
"آخر وہ کیوں بھول جاتی ہے کہ جس شخص کا وہ آنکھیں بند کر کے تعاقب کر رہی ہے، وہ دوسروں سے یکسر [illegible]ب ہے۔"

"ابھی تم نے مجھے اس بھرے مجمع کی پروا کیے بغیر اس بس میں چڑھنے سے روکا' اور اس چھوٹے سے لیے کہتی ہو کہ 'ان بچوں کو تو عادت ہے اس طرح چڑھنے کی' کیا دردمندی ہے تمہاری 'واہ۔'' وہی ہلکی سی خلافِ مزاج باتوں پر اس کے انداز سے جھلکنے لگتی تھی۔

"سوری معاذ! میرا یہ مطلب نہیں۔۔۔۔''

"اور اب یہاں کیوں کھڑی ہو' تمہارے ابا حضور نہیں آئے ہیں کیا اب تک' یا ہمارے ساتھ چلنے ہے؟''

اپنی جھنجلاہٹ میں ہی اس نے جویا کی معذرت پر بھی دھیان دیا تھا۔

"تمہیں میں رکشہ کر کے جاؤں گی' آج کل سب بہت مصروف ہیں' ویسے ابھی تم نے کیا کہا۔۔۔''

"میں نے۔۔۔! کچھ بھی تو نہیں۔''

وہ اتنی حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا کہ جویا کو یقین کرنا پڑا کہ ایک چھوٹی سی خوب صورتی جو اس کی جھنجلاہٹ میں ڈھونڈی تھی' محض ایک بے دھیانی میں کہی بات تھی۔

"وہ رکشہ خالی کھڑا ہے۔'' ہاتھ کے اشارے سے معاذ بتا رہا تھا' "تمہیں دیر نہیں ہو رہی۔''

"جا رہی ہوں۔'' جویا نے قدم آگے بڑھائے۔

"خدا حافظ!''

جویا کا خیال تھا کہ وہ اس کے ساتھ رکشہ تک تو ضرور ہی آجائے گا مگر اسے شاید واقعی کوئی پروا نہیں تھی کبھی تو اس کی ساری خوش امیدی رخصت ہونے لگتی تھی۔

"معاذ!'' وہ جاتے جاتے واپس مڑی۔ "سلمان بھائی کی شادی میں آؤ گے؟''

"شادی!'' معاذ ہلکے سے ہنس پڑا۔ "نہیں میرا کوئی ارادہ نہیں' شاید امی آئیں اور دادی یا پھر ربیعہ۔''

"میں بہت شرمندہ ہوں معاذ! سلمان بھائی کی خود غرضی بلکہ ہمارے سارے ہی گھر والوں نے جس طرح کہ۔۔۔''

دل پر بڑے دنوں سے بوجھ تھا' جسے اس نے ہلکا کرنے کی چھوٹی سی کوشش کرنا چاہی تھی مگر معاذ کے ہاتھ کے اشارے نے اس کی بات کو ادھورا ہی رکھا۔

"کسی معذرت کی ضرورت نہیں جویا! تم جاؤ پلیز۔'' وہ تیز قدموں سے گیٹ کی طرف مڑ گیا جہاں اسے دکھائی دے گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

رات گئے سلمان کی بارات سے واپسی پر' جویا اور زویا کو چھوڑ کر سب ہی کا موڈ آف تھا۔

"ساری عمر دن گنے تھے یہ خوشی دیکھنے کے لیے۔ لیکن کیسا ایک ایک ارمان مٹی میں ملا۔'' شاکرہ بیگم بھرائی جا رہی تھی اور آپا گل ایسی ہر بات کی مستقل ہی تائید کیے جا رہی تھیں۔

"سارا ہال بھرا ہوا تھا مہمانوں سے' صرف ہمارے رشتے داروں پر پابندی تھی۔ باقی اپنے تو سارے اکٹھے ہوئے تھے بہت سے لوگوں کو تو میں نے پہچان بھی لیا جو منگنی میں بھی آئے ہوئے تھے۔''

"پورا وقت وہی سب دولہا دلہن کو گھیرے بیٹھے رہے۔ ہم تو صرف چند منٹ کے لیے اسٹیج پر بلوائے۔ سلمان کو دیکھیں' ذرا جو اس نے ہمیں وہاں پہنچ کر لفٹ دی ہو۔ لگ رہا تھا کہ وہی سب اس کے اپنے ہیں صرف تماشا دیکھنے والے ہیں۔'' آپا گل دوہرے بوجھ تلے دب رہی تھیں۔

ایک تو سلمان کے سسرال میں مکمل طور پر نظر انداز کیے جانے کا دکھ اور دوسرا اپنے سسرال میں شرمندگی ۔۔نے کا رنج۔

میاں جو اس وقت بڑی سعادت مندی سے گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے۔ اتنے بے ضرر بھی نہیں تھے' یہاں کی ایک ۔۔بات بنا کر اپنی امی اور بہنوں کو سنانے والے تھے۔

"یہ لوگ پتہ نہیں کہاں رہ گئے۔'' آپا گل نے پیچھے مڑ کر دوسری گاڑی کو تلاش کرنا چاہا' جسے اظہار چچا خود ڈرائیو ۔۔ر رہے تھے۔

زویا اور جویا ان کے ساتھ تھیں۔

"وہ لوگ آگے نکل گئے تھے کافی دیر پہلے۔'' ان کے میاں اطلاع دے رہے تھے۔ "اب تک تو گھر کے قریب پہنچ ۔۔چکے ہوں گے۔''

"تو آپ بھی تیز چلائیں نا' بیٹھے بیٹھے کمر اکڑ چکی ہے۔'' ان کی جھنجلاہٹ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

سامنے لگے مرر میں میاں کی مسکراتی شکل دیکھی تو بمشکل ہی ضبط کر پائیں۔

"ہنس لیں جتنا بھی دل چاہے' کبھی تو ہمارا بھی وقت آئے گا۔'' کہیں اندر انہوں نے اس حساب کو کسی اور وقت پر کرنے کا ارادہ باندھا اور بالکل لاغرض سی ہو کر باہر دیکھنے لگیں۔

گھر پہنچ کر گاڑی رکی تو انہیں اترنے سے پہلے ہی اندازہ ہو گیا کہ یہاں تھوڑی بہت چہل پہل تو ضرور رہی ہے۔

ایک ٹھنڈی سانس بھر کر انہوں بقعہ نور بنے گھر کو دیکھا۔

کتنی خوشی خوشی سب کچھ کیا تھا' اور سب کچھ وہی ملا بھی تھا جو انہوں نے چاہا مگر پھر بھی اتنی بدمزگی۔

ایک سہانا خواب دیکھتے ہوئے جیسے کسی نے برف ملے پانی کی بالٹی انڈیل دی ہو۔

آپا گل نے ہلکے سے سر کو جھٹک کر اعصاب پر سوار ٹینشن کو اتارنا چاہا۔

"اب ان محلے والیوں کو تم ہی جواب دینا۔'' شاکرہ خاتون نے آس پاس کے کھلے ایک دو گیٹ کو دیکھتے ہی ساری ذمے داری حسبِ عادت ان پر ڈالی۔

"زویا اور جویا اندر ہی ہیں' اب تک بتا چکی ہوں گی کہ زوبیہ رخصت ہو کر ہمارے ساتھ نہیں آئی' وہیں ہوٹل میں کمرہ بک ہے دونوں کے لیے' آپ اپنا موڈ خوشگوار رکھیے گا' بے کار میں لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع نہیں دینا ہے ہمیں۔''

والدہ کو ہدایت نامہ جاری کرتی ہوئی' وہ فی الحال خود کو سنبھال ہی چکی تھیں۔

اندر کا منظر بھی حسبِ توقع تھا اور ہونے والے سوال بھی۔

"ارے دلہن کے بغیر ہی آگئے' یہ کیا بات ہوئی؟ عجیب سی بدشگونی لگ رہی ہے' ہمارے ہاں تو ایسا نہیں ہوتا۔''

یہ بالکل قریبی وہ دو چار خواتین تھیں جن سے بہت پرانا پڑوس کا رشتہ تھا' خود شاکرہ ان کے ہاں ہر بات میں ۔۔دینا اپنا حق سمجھتی تھیں' سو اب یہ حق دوسروں کو بھی حاصل تھا۔

"بے شک کمرہ بک تھا' لیکن تھوڑی دیر کے لیے تو دلہن کو یہاں آنا چاہیے تھا' رخصتی کے بعد کی رسمیں تو ۔۔ری بھی نہیں ہو ئیں۔''

اعتراض در اعتراض۔

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

یہ دورِ عشق

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار، لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آ کر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے، زیورات کے ساتھ قیمتی آرائشی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید دھچکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسہ ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں۔ جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو رفاہی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعاگو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں، سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی

نبت، ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کردی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً "مطمئن" ہے۔ جویا اور معاذ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ فیروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصۂ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً "سخت مزاج" ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہوکر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کرپاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے جس سے وہ شدید زخمی ہوجاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زویا کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمدورفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کرلیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے خاص کر گیتی کی چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہوجاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خودستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سیکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور راجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کررہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جزبز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

۱۲
بارہویں قسط

رات کے تلخ تجربے کے بعد، کسی کو بھی گھر میں یہ امید تو نہیں تھی کہ زوبیہ صبح سویرے ہی انہیں درشن دینے آپہنچے گی۔

مگر اتنی توقع ضرور تھی کہ دن چڑھے تک تو دولہا دلہن ضرور ہی تشریف فرما ہوں گے، سو ساری کدورت کو وقتی طور پر ایک طرف کرکے صبح سے سب ہی تیاریوں میں مصروف تھے۔

صدقے کا بکرا تو دو دن سے گیٹ کے آگے بندھا ہوا ہی تھا نچھاور کرنے کے لیے، پھولوں کی پتیاں، گجرے

کھلوانا رکھی تھیں۔

آپا گل نے اپنی دونوں بیٹیوں سے زوبیہ کو دلوانے کے لیے خصوصی ہو کے تیار کروائے تھے اور دوپہر کے کھانے کا خاص اہتمام خود شاکرہ بیگم نے کیا تھا۔

سلمان کا کمرہ تازہ پھولوں سے مہک رہا تھا، زوبیہ کا فرنیچر فی الحال یہیں آیا تھا، بیڈ روم سیٹ صوفہ سیٹ، ڈائننگ ٹیبل وغیرہ۔

اور ہر چیز بڑے بڑے سائز کی تھی جو ان کے چھوٹے سے گھر میں سما کر نہیں دے رہی تھی۔

اپنے گھر کا آدھے سے زیادہ سامان اوپر اور اسٹور میں بڑی مشکل سے ٹھونسا گیا تھا۔ پھر بھی سلمان کا بیڈ روم اور ڈرائنگ روم میں وہ سارا نیا چمکتا ہوا قیمتی فرنیچر بجائے نگاہوں کو بھلا لگنے کے سر پر آتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

دیکھنے والے حسب عادت اعتراض کیے بغیر نہیں رہ پائے تھے۔

شاکرہ بیگم اور آپا گل دونوں کا ہی ایسی باتیں سن کر دل تو بہت چاہ رہا تھا کہ صاف صاف بتا دیا جائے کہ اس سامان سمیت وہ سب لوگ اب یہاں بس چند دن کے مہمان ہیں، چار سو گز کا شاندار ڈبل اسٹوری گھر ان کا منتظر ہے، جہاں کے بڑے بڑے کمروں میں اس سامان کا پتہ بھی نہیں چلے گا، بلکہ مزید لینا پڑے گا۔

مگر مصلحتاً "خاموش رہنا پڑ رہا تھا۔

"خدا نظر بد سے بچائے۔"

حاسدوں کی نظر سے انہیں بڑا خوف آتا تھا۔ بے کار کے اعتراض گھڑنے والوں کو درست کرنے کے لیے ان کے پاس دوسرا مؤثر جواب تھا۔

"بڑے لوگ ہیں اور اللہ نے دل بھی بڑا ہی دیا ہے۔ سو اپنی بیٹی کو دل کھول کر دیا ہے، ورنہ اتنا جہازی سائز فرنیچر آج کل کون دیتا ہے، لوگ تو بس نام کرنے کے لیے جیسے خانہ پوری کرتے ہیں آج کل۔"

آپا گل کے لہجے میں بڑی عقیدت تھی سلمان کے سسرال والوں کے لیے۔

پڑوسیوں کی بہو پچھلے ڈیڑھ سال سے تپی ہوئی تھی۔

اس کے درمیانہ حیثیت جہیز پر سسرال والوں سے زیادہ اعتراض آپا گل ڈھکے چھپے اشاروں میں کرتی تھیں، اس وقت بھی "خانہ پری" کا لفظ اسے خود پر ہی لگا تو چپ نہ رہ سکی ہنستے ہوئے کہہ ہی گئی۔

"تو آپا، سلمان بھائی کی بیگم بھی تو ماشاء اللہ آپ سائز ہیں، انہوں نے اپنی بیٹی کے آرام کا خیال رکھا ہے اصل میں تو، ورنہ وہ بے چاری بے آرام ہوتیں۔"

ہنسنے والوں میں زویا اور جویا سب سے آگے تھیں۔

آپا گل پہلو بدل کر رہ گئیں۔

منگنی میں اہل محلہ کو جوش و خروش سے لے جانے کا یہی نقصان ہوا تھا کہ سب ہی نے زوبیہ کا بہت گہرائی سے تجزیہ لیا تھا۔

"میں فون کرتی ہوں۔ سلمان کو کہاں رہ گئے ہیں یہ لوگ۔" انہوں نے وہاں سے اٹھنا ہی بہتر سمجھا۔

دن کا ڈیڑھ بج رہا تھا اور دولہا دلہن کا کہیں اتا پتا نہیں۔

سلمان نے اپنا موبائل بھی بند کر رکھا تھا۔

وقت کے ساتھ ساتھ الجھن بڑھ رہی تھی، کل رات جیسی پذیرائی ہوئی تھی اس کے بعد سلمان کے سسرال میں فون کرکے پتہ کرنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا، ان سے کچھ بعید نہیں تھا کہ رکھائی سے "ہمیں نہیں پتہ" کہہ کر

فون ہی بند کر دیتے تو اپنی عزت اپنے ہاتھ۔

محلہ بہت پرانا اور مراسم بہت گہرے نہ ہوتے تو شاید اتنی ٹینشن بھی نہیں ہوتی' لیکن یہاں رشتے داروں بجائے پڑوسیوں کی دخل اندازی تھی۔

"اچھا ہے' کچھ عرصہ کے بعد ان لوگوں سے بھی نجات مل جائے گی وہاں بڑے گھروں میں کون کسے پوچھتا

انہوں نے خود کو ایسی ہی باتوں سے تسلی دے رکھی تھی دوپہر' سہ پہر میں ڈھل رہی تھی جس وقت گیٹ ہنگامہ سا جاگ اٹھا۔

"سلمان ماموں اور دلہن مامی آگئے ہیں۔" آپا گل کی بچیاں شور مچاتی اندر آئی تھیں۔

ہڑبڑا کر سب ہی باہر کی طرف دوڑے۔

"ارے روکو ابھی۔ اندر مت آنے دینا! پہلے صدقہ اتارا جائے گا اور وہ پھول پتیاں بو کے..." گھبراہٹ سامنے رکھی چیزیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

چھوٹا سا پورچ پار کر کے سلمان اور زوبیہ اندر بھی آچکے تھے۔

"ارے ابھی ذرا باہر تو رکتے' ہم نے استقبال کی تیاری کی تھی اتنی۔"

اپنی استقبالیہ کمیٹی کے درہم برہم ہو جانے پر تو بوکھلاہٹ تھی ہی' زوبیہ کے حلیہ پر اور بھی بڑھنے لگی۔ ٹخنوں سے اونچا کیپری' اور حسب معمول فٹنگ والی سلیولیس شرٹ' جو نئی شادی کے لحاظ سے بہت قیمتی تھی۔

آپا گل نے یہی شکر کیا کہ گلے میں ہی سہی' لیکن دوپٹہ موجود تھا۔

"کب سے انتظار کر رہے ہیں تم سے اتنا بھی نہ ہوا کہ فون ہی کر دیتے اور اب آئے تو ایسے کہ فوراً" ہی اندر چلے آئے' چلو باہر پہلے' وہ صدقے کا بکرا بھجوانا ہے۔"

شاکرہ بیگم کو زوبیہ کی ڈریسنگ سے خاصا صدمہ پہنچا تھا' پھر بھی جیسے تیسے خود کو سنبھال کر' تھوڑی سی اپنی چاہی۔

سلمان نے جواب دینے سے پہلے ایک نظر زوبیہ پر ڈالی وہ رسمی سے انداز میں سب سے مل کر صوفے پر بیٹھ تھی اور اس کے چہرے پر اتنی سی دیر میں ہی زمانے بھر کی بے زاری ثبت ہو چکی تھی۔

"جاتے ہوئے ہاتھ لگا دیں گے بکرے کو' ابھی ضروری ہے کیا' پورا گھنٹہ تو یہاں تک آتے آتے لگ گیا ٹریفک جیم اور کہیں سگنل بند' وہ تو شکر ہے کہ زوبیہ کا ڈرائیور ساتھ تھا' ورنہ میں تو..."

سلمان کا انداز ہو بہو ایسا تھا جیسے کوئی کبھی کبھار کا آنے والا مہمان۔

ان لوگوں میں سے کوئی بھی دوسرے سے آنکھ نہ ملا سکا۔

"کھانا لگا دیں سلمان بھائی! ہم سب آپ ہی لوگوں کا انتظار کر رہے تھے۔" جویا' زویا کو اشارہ کرتے ہوئے اٹھنے لگی' تو سلمان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"اس وقت' پونے چار بج رہے ہیں۔"

کل رات اپنی سسرال سے ملی قیمتی رسٹ واچ میں ٹائم دیکھتے ہوئے اس نے پتہ نہیں کیا جتایا تھا' جویا نہیں۔

"تو آپ لوگ ابھی تو آئے ہیں' ظاہر ہے کھانا..." وہ کچھ حیران سی ہو کر کہہ رہی تھی۔

تب ہی سلمان نے لاپروائی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

"اوں ہوں' کھانا ہم کھا چکے' زوبیہ کی ممی نے لنچ کا ارینج منٹ کیا تھا' اب تو کھائے ہوئے بھی دو گھنٹے ہونے والے ہوں گے۔"

"لیکن کھانا تمہیں یہاں کھانا تھا' چلتے ہوئے میں نے تم سے کہا تھا' ہم سب انتظار میں بیٹھے ہیں اتنی دیر سے۔"

نہ چاہتے ہوئے بھی شاکرہ بیگم کے لہجے میں تلخی ابھر رہی تھی' زوبیہ نے ایک گہری نگاہ ان پر ڈالی۔

سلمان کا خاندان محلق سے نیچے اترنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

اب تک اس نے ان لوگوں سے کوئی بات' از خود نہیں کی تھی' آپا گل' اپنائیت کے اظہار کے لیے' اس کے قریب آ بیٹھیں تو وہ غیر محسوس سے انداز میں تھوڑا سا پرے سرک گئی۔

وہ اس کے کل کے میک اپ اور سوٹ سے بہت متاثر ہوئی تھیں' اس وقت ان ہی کی تعریف کرنا چاہ رہی تھیں مگر تب میں اور اب میں زمین آسمان کا فرق آچکا تھا۔

چہرے اور آنکھوں کے گرد آئی لکیریں' اتنی نمایاں تھیں کہ تعریف میں کہا ہر لفظ' انہیں خود جھوٹ محسوس ہونے لگا۔

یہ ایک پختہ العمر' بے باک اور گھاگ چہرہ تھا۔

وہ بڑی مشکل سے اس حقیقت سے نگاہ چرا سکیں۔

"کیا فرق پڑتا ہے امی! یہاں کھا لیا' یا وہاں' اب اتنی چھوٹی سی بات کو کیا مسئلہ بنانا۔" سلمان دبے الفاظ میں اب تک یہی صفائی دیے جا رہا تھا۔

زوبیہ کی نگاہیں مستقل اِدھر اُدھر کا جائزہ لے رہی تھیں' زویا کے لائے کولڈ ڈرنک میں سے محض ایک دو گھونٹ پی کر وہ چھوڑ چکی تھی۔

"ہمارا کمرہ کون سا ہے سلمان!" وہ بنا کسی کے کہے خود ہی اٹھ کر کھڑی ہو چکی تھی۔

سامنے سے آتے اظہار صاحب اور آپا گل کے شوہر دونوں ہی کچھ جھجک کر رک گئے۔ سلمان نے اس کی توجہ ان دونوں کی طرف دلوائی تو وہ انہیں سلام کر کے پھر اسی کی طرف مڑ گئی۔

"مجھے پارلر بھی جانا ہے' اب جلدی کرو تم تو بیٹھ ہی گئے ہو۔" زوبیہ کے بات کرنے کے انداز میں جو روکھائی اور تحکم سا خود بخود در آتا تھا' اس کی فطرت اور ماحول کی دین تھا۔

ان سب کو تھوڑی سی ہی دیر میں اندازہ ہو چکا تھا کہ سلمان اس کے پورے کنٹرول میں ہے۔ ان سب کو قطعی نظر انداز کر کے وہ زوبیہ کو لے کر اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔

زویا اور جویا خود ہی خاموشی سے غائب ہو گئی تھیں ______ گھر کے چار بڑوں کے درمیان کچھ دیر کے لیے بڑی بوجھل سی خاموشی اتر آئی تھی' ہر کام مرضی کے عین مطابق ہی انجام پایا تھا۔

گھر قیمتی ساز و سامان سے بھر رہا تھا۔

تحائف سے بھرے بیگ اس کے علاوہ تھے وہ ایک گھر اور گاڑی' جو یوسف کمال نے خود اظہار صاحب کو بتایا تھا کہ انہوں نے اپنی بیٹی کو دیا ہے۔ کتنا خوش ہوئے تھے وہ اس وقت۔

اس پر کہ یہ سب کچھ ان کے اکلوتے بیٹے کی ملکیت بن رہا ہے اور اس پر بھی کہ یوسف کمال نے یہ سب انہیں خود بتانے کی عزت بخشی۔

خود کو اوپر کہیں اور اوپر جاتا ہوا دیکھنا کتنا خوش کن تجربہ ہوتا ہے' یہ انہوں نے کل رات بہت قریب محسوس کیا تھا۔

رخصتی کے وقت' اپنی بیوی اور بیٹی دونوں کے اعتراض کو انہوں نے عورتوں کی روایتی سی دقیانوسیت کہہ کر [illegible] تھا۔

مگر اب ــــ

اظہار صاحب نے ایک نمائشی سی ہنسی ہنسنا ضروری سمجھا' "شکر ہے یہ کام بھی خیریت کے ساتھ انجام پا [illegible] آج رات کو ولیمہ بھی ہو جائے گا' پھر بہت دن آرام کریں گے کیوں؟"

انہوں نے نا معلوم کس کو مخاطب کر کے کہا تھا' پھر ماحول پر چھایا بوجھل پن کچھ تو کم ہوا ہے۔

فی الحال یہ بھی غنیمت تھا۔

☼ ☼ ☼

بابو شوکت نے فکر مند نگاہوں سے سامنے بے سدھ لیٹے خیام کو دیکھا۔

اس کی سنہری رنگت' زردی مائل ہو رہی تھی اور آنکھوں کے گرد حلقے گہرے ہوتے جا رہے تھے' پچھلے ہفتوں سے وہ یوں ہی بستر پکڑے ہوئے تھا' بخار تھا کہ اترنے کا نام نہیں لے رہا تھا' تھوڑی دیر کے لیے ہلکا ہوتا' لیکن پھر ایک دم تیز ہونا شروع ہوتا تو ایک سو تین ایک سو چار۔

بابو شوکت کے ہاتھ پاؤں پھولے جا رہے تھے' خیام سے انسیت بھی گہری تھی اور پھر اس کے اکیلے پن پر بھی آتا تھا' کوئی آگے نہ پیچھے' اس اتنے بڑے شہر میں کوئی بھی تو اس کا نہیں تھا۔

بابو شوکت کو سوچنے پر بھی یاد نہیں آتا تھا کہ ان چند مہینوں میں' بھولے سے بھی اس نے خیام کے منہ سے کسی رشتے دار یا کسی دوست کا نام بھی سنا ہو' بجا اس سے یہاں کوئی ملنے آتا' اس کے نام تو یہاں کبھی کوئی [illegible] تک نہیں آئی تھی۔ حالانکہ مستقل رہنے والوں کا ایسا سلسلہ بندھا ہی رہتا تھا' مگر خیام کا معاملہ دوسرا تھا۔

اتنے مہینے گزر جانے کے بعد بھی' وہ اتنا ہی اجنبی تھا جتنا کہ پہلے دن' شروع میں بابو شوکت نے یہ سمجھا تھا وقت گزرنے کے ساتھ کھلتا چلا جائے گا اور عموماً "ایسا ہوتا بھی ہے' لیکن اس نے تو جیسے کسی کی بھی معلومات اضافہ نہ کرنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ جو کچھ وہ پہلی ملاقات میں اپنے بارے میں بتا چکا تھا' مجال ہے جو اس میں لفظ کی بھی زیادتی کی ہو' بابو شوکت کو پہلی بار' خیام کے بارے میں اپنی ناقص معلومات ان ہی دنوں میں کھلی [illegible]

وہ خیام کی دل و جان سے تیمار داری میں لگا ہوا تھا' بڑی باقاعدگی سے ڈاکٹر کو لا کر اس کا چیک اپ کروا دوائیں وہ دیتا' اپنی بے حد مصروفیت میں بھی وقت کی پابندی کے ساتھ خیام کو کھلاتا' اور دل ہی دل میں اس بارے میں کوئی اتہ پتہ نہ ہونے پر خود کو سرزنش کرتا۔

"اللہ نہ کرے جو کوئی ایسی ویسی بات ہو جائے تو وہ بھلا کہاں اور کسے خبر کرتا پھرے گا' کہیں کوئی اور الٹا اس کے گلے نہ پڑ جائے۔" سچی بات تو یہ کہ اسے ان دنوں بڑی ہی فکر لگی ہوئی تھی۔ خیام نے ایک ہلکی سی کے ساتھ کروٹ لی تھی' بابو شوکت اور بھی مستعد ہو کر بیٹھا۔

"خیام باؤ' خیام باؤ!" اس کے کندھے کو ہلکے سے تھپکتے ہوئے' وہ اسے پکارے گیا۔ شکر ہے کہ اس نے ہی آنکھیں کھول دیں۔

"کیسی طبیعت ہے اب؟ بخار تو اترا ہوا لگ رہا ہے۔" خیام ہلکے سے مسکرا دیا۔

"اٹھو کر منہ ہاتھ دھو لو' میں تمہیں واش روم لے چلتا ہوں' پھر دیسی مرغی کی یخنی بنوا کر رکھی ہے' وہ گرم گرم پی لو' دیکھنا کیسے کمزوری بھاگتی ہے۔" خیام کی طبیعت کو بہتر پا کر اسے بڑی تسلی سی حاصل ہوئی۔

بنا چوں [illegible] کیے خیام اس کے ہر حکم کی تعمیل کیے گیا۔

"بابو بھائی۔" [illegible] گرم یخنی کا گھونٹ بھر کے اسے کوئی خیال آیا۔

"کتنے پیسے خرچ ہو گئے ڈاکٹر کی فیس اور دواؤں میں' صحیح صحیح بتایئے گا۔"

"پچاس ہزار لگا دو۔" شوکت کے چہرے اطمینان بھری مسکراہٹ ابھر آئی' خیام الجھن سی محسوس کر رہا تھا۔

"اتنے پیسے' ایک ساتھ تو نہیں' تھوڑے تھوڑے کر کے دے دوں گا آپ کو۔"

"پاگل ہوئے ہو۔" وہ ایک دم ہی قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"بھائی بھی کہتے ہو اور حساب کتاب بھی رکھتے ہو' بہت تھوڑے سے پیسے خرچ ہوئے ہیں' فکر نہ کرو مہینے کے حساب میں لگا دوں گا۔"

"وہی تو پوچھ رہا ہوں کتنے پیسے ہوں گے اندازاً۔" بیماری کے ان دنوں میں جب بھی ذرا حواس بحال ہوتے' وہ یہی سوچ کر فکر مند رہتا کہ خدا معلوم اب تک کتنے پیسے بابو شوکت اس پر خرچ کر چکا ہو گا۔

گھر سے نکلنے کے بعد پہلی بار خیام صحیح معنوں میں خرچ اور آمدنی دونوں کے بارے میں فکر مند ہوا تھا' اس کے پاس اب ڈائمنڈ میں سروس کی نوکری کے علاوہ کوئی دوسرا ذریعہ آمدنی نہیں رہا تھا۔

"کیا پتہ' اتنے دنوں کی غیر حاضری کو بنیاد بنا کر انہوں نے اس کی تمام خدمات کو بھلا کر نوکری سے ہی فارغ نہ کر دیا ہو۔" اچانک ہی ایک بڑا ہی پریشان کن خیال اس کے ذہن میں آیا۔

یخنی کا ہونٹوں تک جاتا پیالہ واپس رکھتے ہوئے اس نے اسی خدشہ کا اظہار بابو شوکت سے بھی کر ڈالا۔

"میرے کام کا کیا بنا بابو بھائی! وہ لوگ پوچھنے تو آئے ہوں گے میرا۔" بڑی امید بھری نگاہوں سے خیام نے اس کی طرف دیکھا مگر وہ نگاہ چرا گیا۔

"ارے کام کی فکر چھوڑو ابھی' اللہ نے دوبارہ صحت دی ہے' کام بھی ہزار مل جائیں گے' لائن سے بس والوں کے آفس کھلے ہوئے ہیں سڑک پر۔"

باوجود کوشش کے بھی وہ اپنی بوکھلاہٹ پر قابو نہیں پا سکا۔

خیام نے ایک گہری سانس لی۔

"بھلا وہ کیوں بھول گیا تھا کہ بدنصیبی کبھی اکیلی نہیں آتی۔"

"اس کا مطلب ہے' وہاں سے بھی چھٹی ہوئی۔" بابو شوکت نے کچھ کہنا چاہا۔ مگر خیام نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کر دیا' اس کی بات ابھی پوری نہیں ہوئی تھی۔

"میرے لیے کوئی دوسری جگہ دیکھ دیں بابو بھائی! آپ کے بہت احسانات ہیں مجھ پر' میں تو ان میں سے ایک بھی نہیں اتار سکتا لیکن یقین مانیں' یہاں اس شہر میں' میرا آپ کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں ہے۔"

بابو شوکت بے اختیار ہی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھا۔

"کیسی باتیں کرتے ہو خیام بابو! بھائیوں کے احسانات نہیں ہوتے اور کام کا کیا ہے پوری طرح ٹھیک ہو جاؤ گے تو کام بھی ڈھونڈ لیں گے۔"

وہ اس سے یہ تو نہیں کہہ سکا کہ ڈائمنڈ بس سروس والوں نے چوتھے دن ہی اس کی جگہ نیا آدمی رکھ لیا تھا اور وہ

اسی بات پران کے ہاں اچھی خاصی لڑائی بھی کر آیا ہے' لیکن اب جب وہ یہ سمجھ ہی چکا تھا تو خیر۔

"پہلے اسے ختم کرو۔" اس نے ہاتھ میں تھمے یخنی کے پیالے کی طرف اشارہ کیا' جواب نیم گرم ہی رہ گئی تھی۔

دل تو نہیں چاہ رہا تھا' لیکن بابو شوکت کو منع بھی نہیں کیا جا سکتا تھا' وہ سعادت مندی سے پیالہ خالی کرنے لگا۔

"اتنے دن بعد بخار اترا ہے' ابھی سے کام پر کیسے نکل سکتے ہو' دو قدم چلنے کے لیے تو سہارے کی ضرورت پڑتی ہے' کہیں چکرا کر گر پڑے' یا پھر بخار ہی دوبارہ پلٹ آیا تو زیادہ بڑا مسئلہ کھڑا ہو جائے گا' پہلے پوری طرح ٹھیک ہو جاؤ' پھر آگے کی فکر کرنا' اتنی دیر وہ بڑے خلوص سے سمجھاتے گیا۔

"اور ایک بات اور۔" وہ کچھ کہتے ہوئے ذرا جھجکا۔ "برا مت ماننا۔"

وہ بڑا اسٹریٹ فارورڈ شخص تھا اور یہ قطعاً "اس کا اسٹائل نہیں تھا' خیام کو عجیب سا لگا تھا۔

"آپ کہیں بابو بھائی! آپ کی بات کا کیسے برا مان سکتا ہوں۔"

"پہلے بھی کئی بار خیال تو آیا' لیکن اب جب تم بیمار رہے' تو اس بات کا زیادہ ہی احساس ہوا کہ تمہارا کوئی پتہ ٹھکانہ' تمہ کوئی عزیز رشتے دار' آخر کچھ تو ہو گا نا؟"

"کوئی نہیں ہے' میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا۔" اس کے چہرے کا رنگ بدلنے لگا تھا اور آواز میں ہلکی سی لرزش۔

بابو شوکت جیسے جہاں دیدہ نے کسی حتمی نتیجے پر پہنچنا چاہا۔

یہ کسی چھوٹی موٹی بات پر گھر والوں سے جھگڑا کر کے بھاگ آنے والا لڑکا نہیں تھا' یہ تو کوئی اور ہی سلسلہ تھا' جس کا سرا' کسی جان لیوا دکھ کے ساتھ جا کر ملتا تھا' ورنہ ایسا کیسے ممکن تھا؟ انسان بھلا درختوں پیڑوں پر تو نہیں اگتے۔

اپنے سارے تجسس کو کسی بھلے وقت کے لیے اٹھا کر' اس نے مزید اصرار کا ارادہ ترک کیا اور برتن اٹھاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم آرام کرو' تھوڑی دیر میں تمہارے لیے بکرے کے گوشت کا شوربہ لے کر آؤں گا' ڈبل روٹی کے ساتھ کھا لینا۔"

"اب کچھ نہیں بس۔

بابو بھائی!" وہ اٹھ رہا تھا تب' ذہن میں اٹکی بات خیام کے لبوں تک آنے لگی۔ "وہ لڑکے جو یہاں چوری کر کے گئے تھے' ان کے بارے میں کچھ پتہ چلا' میرا مطلب ہے کہ۔۔۔"

"ایسے کمینوں کا کیا پتہ چلتا ہے' جوان کا ضامن تھا' اسے پولیس کی دھمکی دی ہے تو وہ تھوڑے بہت پیسے بھرتا ہے لوگوں کے' تمہارے بھی گر کچھ ہیں تو چھپاؤ مت' آدھے تو دلوا ہی دوں گا۔"

وہ جاتے جاتے رک کر بتانے لگا۔

"نہیں میرا کوئی نقصان نہیں ہوا۔" ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ خیام نے نفی میں سر ہلایا تو وہ مطمئن سا ہو کر باہر نکل گیا۔

یہاں کون یقین کر سکتا تھا کہ وہ اس چھوٹے سے عوامی ہوٹل میں کئی لاکھ کا سونا لیے بیٹھا تھا اور کون اس اتنے بڑے نقصان کا ہرجانہ بھرنے کی ہمت کر سکتا تھا' سو فضول ہی۔۔۔ اسے لگا جیسے وہ بیٹھے بیٹھے تھکنے لگا ہے' سو دوبارہ لیٹ گیا۔

بہت دن اس بڑے مالی نقصان کا غم مناتے ہوئے ہو گئے تھے' ذہن اتنا ماؤف ہوا تھا کہ برداشت ہی نہیں کر پا رہا تھا' مگر اب مزید بستر پکڑے رہنا بھی افورڈ نہیں کیا جا سکتا تھا' کچھ نہ کچھ تو آگے کا سوچنا ہی تھا۔

اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے بہادری کا ثبوت دینا چاہا' مگر آنسو ایک بار پھر آنکھوں میں آنے لگے۔ کیسی قسمت تھی اس کی۔

نانی کہتی تھیں کہ اگر انسان نیک نیتی سے کچھ کرنا چاہے تو اللہ بھی ساتھ دیتا ہے مگر اس کے ساتھ تو ایسا بھی نہیں ہوا۔

"کیا اللہ کی مرضی یہی تھی کہ وہ اسی پیدائشی کالک کے ساتھ زندہ رہے؟ وہی ہے جو اس جیسوں کو اپنے عزت دار بندوں کے ساتھ ملتا ہوا نہیں دیکھ سکتا؟" خیام کی ذہنی رو کہیں سے کہیں پہنچ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

جویا نے اسے ہال میں داخل ہوتے دیکھا۔

ایک لمحے کے لیے تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا۔

وہ اتنا زیادہ اس کے بارے میں سوچتی رہی تھی کہ شاید تخیل ہی حقیقت بن کر سامنے آ رہا تھا' پہلا خیال اسے یہی آیا تھا۔

مگر جب وہ بڑے دل کش سے انداز میں آس پاس کھڑے کزنز سے مل رہا تھا تو اسے یقین کرنا ہی پڑا کہ وہ معاذ ہی ہے۔

قبولیت کی کسی گھڑی میں مانگی گئی دعا اثر لائی تھی' اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا مہمانوں سے بھرے اس ہال میں' سب کی موجودگی سے بے نیاز ہو کر وہ چند لمحوں کے لیے تو مستقل ہی اس کی طرف دیکھے گئی۔

ربیعہ ٹھیک اسی کے پاس آ کر رکی۔

"اتنی دیر سے تمہیں ہاتھ ہلا رہی ہوں' کہاں کھوئی ہوئی ہو؟" حالانکہ وہ اس کی محویت کا سبب بخوبی جانتی تھی' مگر جان بوجھ کر انجان بنی تھی۔

جویا کے چہرے پر جھینپی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کہیں بھی نہیں' ہم کب آئیں ویسے؟"

"اندر تو معاذ کے ساتھ ہی آئے تھے' لیکن لگتا ہے تم نے ہمیں دیکھا ہی نہیں۔"

"لوگ زیادہ ہیں نا' اس لیے نظر نہیں پڑی' ورنہ کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔" خود پر قابو پاتے ہوئے' وہ جویا کو لے کر اس کی امی کی طرف بڑھ گئی۔

معاذ خود چل کے سلمان کے ولیمہ کے فنکشن میں آیا تھا اسے اب تک بھی یقین نہیں آ رہا تھا' اس روز کالج کے گیٹ پر جب وہ اسے صاف انکار کر گیا تھا' تب سے وہ کتنی مایوس تھی۔

کیا تھا' جو وہ محض اس کا دل رکھنے کے لیے ہی آنے کی حامی بھر لیتا۔ ان سارے دنوں میں وہ اس ایک بات کو لے کر دل بھر کے دکھی ہوتی رہی تھی' لیکن آج اس کی آمد' سارے گلے شکوے ساری مایوسی مٹائے دے رہی تھی۔

ربیعہ کی امی حسب معمول محبت سے ملیں' انہیں جویا بہت پسند تھی' اظہار چچا کے گھرانے سے تعلقات بنائے رکھنے کی جو ایک چھوٹی سی کوشش وہ اور دادی دونوں ہی جاری رکھے ہوئے تھیں' اس کے پیچھے ڈھکی چھپی سی یہی خواہش تھی کہ جویا کا رشتہ معاذ کے ساتھ طے پا جائے۔

"جیتی رہو' خوش رہو' اللہ بہت اچھی قسمت کرے۔"

اسے گلے لگاتے ہوئے انہوں نے بڑی محبت سے دعا دی تو جویا کی آنکھوں میں نمی سی آنے لگی' معاذ کی رکھائی

اپنی جگہ لیکن باقی گھر والوں کی محبت سے ہی وہ حوصلہ پکڑتی چل رہی تھی۔
ایک بار پھر اس نے وہاں دیکھا' جہاں معاذ کھڑا تھا' مگر اب وہ وہاں نہیں تھا۔
وہیں پیچھے کی ایک ٹیبل پر خاندان کے چند دوسروں لڑکوں کے ساتھ بیٹھا تھا' ابھی تک اس نے آگے جا کر سلمان یا اظہار چچا کو مبارک باد دینے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی۔
"اصل میں دادی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی' وہ نہیں آرہی تھیں' اسی لیے معاذ کی خوشامد کرنا پڑی' ورنہ تمہیں تو پتہ ہے کہ وہ کہاں آتا جاتا ہے خاندان میں' اسی کی وجہ سے اتنی دیر بھی ہوئی۔"
جویا نے دادی کے بارے میں پوچھا تھا۔ جس کے جواب میں ربیعہ تھوڑی سی شرمندگی سے بتا رہی تھی۔
"کوئی بات نہیں۔" جویا دل ہی دل میں دادی کی شکر گزار ہوئی۔
اسٹیج پر روایتی سازش نہیں تھا' زوبیہ کی بد مزاجی اور دبدبے کے علاوہ سلمان کا "بہو بچو" والا رویہ رشتہ داروں کو دور رہنے پر مجبور کیے ہوئے تھا' زوبیہ کے ساتھ سلمان کے علاوہ صرف زوبیہ کی ممی تھیں' جو جب سے آئی تھیں' اپنی بیٹی کے پاس بیٹھی' سرگوشیوں میں باتیں کیے جا رہی تھیں' وقفے وقفے سے زوبیہ کی بات پر قہقہہ لگاتیں تو سامنے بیٹھے سب ہی لوگوں کی نگاہیں اس پر جمنے لگتی۔
"گل بلو ذرا زوبیہ کو اتنا تو کہہ دے کہ اتنی زور سے نہ ہنسے' سارا خاندان بیٹھا ہوا ہے۔" شاکرہ بیگم سے رہا نہ گیا تو آپا گل کو ہدایت جاری کی۔
"رہنے دیں' جیسے بھی چل رہا ہے چلنے دیں۔" وہ بے زاری سے پہلو بدل کر رہ گئیں۔
خوش فہمیاں دم توڑ رہی تھیں اور اپنی ویلیو کا ٹھیک ٹھاک اندازہ ابھی سے ہونے لگا تھا۔
"سلمان' اے سلمان!" شاکرہ بیگم طبعاً" بے صبری تھیں' آپا گل پر بس نہ چلا تو سلمان کو آواز دینے لگیں اس نے تھوڑی دیر تو نظر انداز کیا' مگر جب وہ ہاتھ سے اشارہ بھی دینے لگیں تو اسے مجبوراً" اتر کر آنا پڑا۔
"کیا بات ہے امی!" اس کی پیشانی پر ایک ساتھ کئی بل پڑ چکے تھے۔
"یہ زوبیہ کی ماں کیوں چپک گئی ہے وہاں' ہمیں بھی' اپنے اور خاندان والوں کے فوٹو گراف بنوانے ہیں آخر اتار و انہیں کسی بہانے وہاں سے۔"
رشتے داروں کی موجودگی کا خیال کرتے ہوئے' وہ اسے ہاتھ پکڑ کر قدرے فاصلے پر لے گئیں۔
زوبیہ نے بطور خاص اپنی ممی کو یہ منظر دکھایا۔
"جاہل اور سازشی عورتیں ہیں اس خاندان میں' تم بہت ہوشیار رہنا۔" زوبیہ کو نصیحت یا مشورے کی ضرورت تو نہیں تھی' مگر پھر بھی اس نے پورے دھیان سے ان کی بات سنی۔
سامنے سے سلمان آرہا تھا۔ اپنی امی سے وہ جو کچھ بھی سن کر آرہا تھا' اس میں سے اس نے اپنی بیوی اور ساس کے سامنے کچھ بھی کہنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ پھر بھی زوبیہ مستقل ہی اس سے پوچھ گئی۔
"تمہاری امی میری کوئی بات کر رہی تھیں سلمان!"
"نہیں تو' تمہاری کیا بات ہوگی۔" وہ سنبھل کر بیٹھا۔
"جھوٹ مت بولو' ان کے چہرے کے ایکسپریشن میں کیا' سارا حال سمجھ رہا ہے۔" وہ حسب عادت بگڑنے میں دیر نہیں لگا رہی تھی۔ "صاف صاف بتا دو مجھے۔"
اس کے لہجے میں فطری سا تحکم تھا' جس کے آگے سلمان کو مجبور ہونا پڑتا تھا' سامنے ہال مہمانوں سے بھرا پڑا تھا اور لوگوں کی اکثریت کس ذوق و شوق سے دولہا دلہن کو دیکھتے ہیں' سلمان کو بھی اس کا اندازہ تھا' زوبیہ کے بگڑے ہوئے موڈ کی بھی فوراً" ہی سب کو خبر لگ جاتا تھی۔

"امی وغیرہ گروپ فوٹوز بنوانا چاہتی ہیں' وہی کہہ رہی تھیں۔" مناسب اور مختصر لفظوں میں اسے بتانا ہی پڑا۔
"ٹھیک ہے' لیکن بس ایک آدھ فوٹو گھر والوں کا ہی ہو' اپنے سارے خاندان کو مت اکٹھا کرنا شروع کر دینا۔" سرد سے لہجے میں کہہ کر وہ پھر اپنی ماں کی طرف متوجہ ہونے لگی تھی' تب ہی اسے کچھ اور بھی یاد آیا۔
"سنو' آج ہم یہیں سے ممی کے گھر جائیں گے' اب کچھ دن تمہیں میرے ساتھ وہیں رہنا ہے۔" اطلاع دینے کے سے انداز میں اپنی بات ختم کر کے وہ پھر سے اپنی ممی کی طرف متوجہ تھی۔
ہال میں ویسا ہی خوشگوار ہنگامہ تھا' جیسا عموماً" ایسے موقعوں پر ہوتا ہے۔
سلمان کو احساس ہوا کہ' سب ہی لوگ اس کے اور اس کی بیوی کی طرف اتنے بھی متوجہ نہیں جتنا وہ سب سمجھ رہے تھے' ان کے پاس اپنی باتیں' اپنے قصے تھے۔
سلمان کو افسوس سا ہونے لگا۔
آج کے جوڑے اور زیور پر جو لاکھوں روپیہ اس سے خرچ کرایا گیا تھا کیا اس میں اتنی کشش بھی نہیں خریدی جا سکی' جو لوگوں کو بار بار دیکھنے پر مجبور کر سکتی۔
یوں ہی سامنے نگاہ دوڑاتے ہوئے اسے ایک ایک کر کے سب ہی دکھائی دیتے چلے گئے۔
کزنز کے گروپ کے ساتھ بیٹھا معاذ اور جویا کے ساتھ سامنے سے آتی ربیعہ۔
سلمان کی نگاہ اس سے آگے جا ہی نہیں سکی' ولیمہ کی تقریب کے لحاظ سے اس نے جو بھی ہلکی پھلکی تیاری کی تھی' اس کا اپنا ہی رنگ تھا۔
"آج شاید یہاں ربیعہ سے زیادہ کوئی بھی خوب صورت نہیں لگ رہا تھا۔" سلمان کو کچھ ایسا ہی محسوس ہوا تھا۔
جویا کے ساتھ اب وہ ایک میز پر بیٹھ چکی تھی' مگر ایک پل کے لیے بھی وہ اپنی نگاہ اس پر سے نہیں ہٹا سکا تھا۔
"کاش اس وقت زوبیہ کی جگہ ربیعہ ہوتی تو۔۔۔" دل ایک بدلی ہوئی لے میں دھڑکا۔
دبی دبی سی جس چبھن کو اس نے ہمیشہ ہی نظر انداز کیا تھا' آج ایسا کرنا مشکل ہو رہا تھا۔
زوبیہ کا ساتھ پانے کے لیے وہ ساری تگ و دو' اس کے ساتھ آئی' مفت کی دولت اور آئندہ کی پر آسائش زندگی۔
اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے' وہ ساری ترجیحات یاد کرنا چاہیں' جو خود اس کی اپنی طے کی ہوئی تھیں۔
مگر دل نے جیسے طوطے کی طرح آنکھیں بدلی تھیں' سلمان کو ماتھے پر پسینہ سا محسوس ہو رہا تھا۔
کیا زوبیہ اور اس کے ساتھ لائی ہوئی دولت کا نشہ محض چوبیس گھنٹوں میں ہی اترنا شروع ہو چکا تھا؟ اور اگر ایسا ہی تھا تو یہ کتنی خوف ناک اور ناقابلِ یقین سی شروعات تھی۔
"اب کہیں اٹھ کر مت جانا سلمان! مجھے ویسے بھی یہاں بڑا اَن کمفرٹیبل محسوس ہو رہا ہے۔" زوبیہ شاید اس کی بے چینی کو بھانپ گیا تھا۔
وہ جو واقعی کچھ دیر کے لیے یہاں سے اٹھنے کی سوچ رہا تھا محض پہلو بدل کر رہ گیا۔
معاذ کی ٹیبل پر آہستہ آہستہ کزنز کا ہجوم بڑھ رہا تھا' خاندان کے بڑوں کا اس کے بارے میں کچھ بھی خیال' نوجوان نسل اسے خاصا آئیڈیلائز کرتی تھی۔
صاف گو' اصول پسند' ہینڈسم۔
وہ جو کچھ بھی کرتا تھا' خاندان میں آہستہ آہستہ پتہ چل ہی جاتا تھا' اس کا مختلف طرزِ زندگی' اسے ان سب کے لیے' تھوڑا سا پُر اسرار بنائے رکھتا اور وہ اتنا کم کہیں آتا جاتا تھا کہ خاندان کے لوگوں کے لیے قابلِ رسائی بھی

رہتا اور ے اس کے متعلق اڑنے والی افواہیں۔
اُسے سارے ویک پوائنٹ شاید اس کا پلس پوائنٹ بن چکے تھے اور معلوم نہیں کب میں وہ خاندان کی نئی نسل کا فیورٹ بن چکا تھا۔
"معاذ یار! ہمیں بھی کسی پروجیکٹ میں شامل کرونا۔"
"تمہارے اس گیراج اسکول کی شہرت تو بہت پھیل چکی ہے معاذ!"
"میرے ٹیچر بہت تعریف کر رہے تھے آپ کی اور جب میں نے بتایا کہ آپ میرے کزن ہیں تو سب بڑی حیرت سے مجھے دیکھنے لگے۔"
"سنا ہے' وہ چوٹ بھی کسی بچے کے سلسلے میں ہی۔۔۔!"
سب ہی کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہ کچھ تھا۔
معاذ انکساری کے ساتھ مسکراتے ہوئے سب کی سنے گیا۔ وہ یہاں آنے سے پہلے جتنا بے زار اور خفا تھا مگر اتنی ہی خوشی حاصل ہوئی تھی' کم از کم اتنا تو پتہ چلا کہ سب لوگ ایک جیسے نہیں ہیں۔
جویا نے اس کے گرد اکٹھے ہجوم کو فخریہ نگاہ سے دیکھا۔ آج چوری چوری اس نے کتنی ہی بار اس کی طرف دیکھا مگر ایک بار بھی اسے اپنی طرف متوجہ نہ پا کر تھوڑی سی مایوسی بھی ہوئی۔
کھانا شروع ہو رہا تھا اور اب اچھی بری ساری باتیں چھوڑ کر لوگ پوری طرح سے اس طرف متوجہ ہو چکے تھے۔
جویا نے دیکھا' وہ کھانے کی طرف آنے کے بجائے اپنی جگہ سے اٹھ کر' ہال سے ملحقہ لابی میں جا کھڑا ہوا تھا۔
"معاذ!" اس سے رہا نہ گیا تو وہ پیچھے چلی آئی۔
"ہوں!" دیوار پر لگی پینٹنگ کو دیکھتے ہوئے وہ چونک کر مڑا اور اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔
"ارے تم کہاں تھیں' نظر ہی نہیں آئیں؟"
اس نے یقیناً "اخلاقاً" ہی پوچھا تھا' جویا نے یہی فرض کیا۔ "نظر آنے کے لیے سامنے موجود ہونا کوئی شرط تو نہیں' بہرحال! میری اتنی سی فکر کرنے کا بھی شکریہ۔" جویا کے لہجے میں طنز کا ہلکا سا بھی شائبہ نہیں تھا۔
"شکریہ تو تو تمہیں ایک بار اور بھی کہنا چاہیے۔" معاذ کی مسکراہٹ گہری ہو رہی تھی۔
"کیوں؟" جویا نے ہلکی سی حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پھر دھیرے سے ہنس پڑی "اگر میرے کہنے پر آتے تو ضرور شکریہ ادا کرتی ابھی تو تمہیں اسلام چچا نے زبردستی بھیجا ہے۔" اس نے ربیعہ سے حاصل ہوئی رپورٹ سے فائدہ اٹھایا۔
"چلو پھر ان ہی کا شکریہ ادا کر دو۔"
"وہ میں وہیں آ کر کروں گی تمہارے گھر۔"
"یہ تمہیں ہمارے گھر آنے کا بہت شوق ہے' بہانے بہانے سے آتی ہی رہتی ہو۔" کہتے ہوئے وہ بے نیازی سے مڑ کر پھر سے پینٹنگ کو دیکھنے لگا۔
وہ اب صاف مذاق اڑا رہا تھا۔ جویا سے رہا نہ گیا۔
"اور تم ہم بھی تو آتے ہو بہانے بہانے سے ہمارے کالج۔"
وہ بے ساختہ ہی ہنستا چلا گیا۔
"خوش فہمیاں پالنے میں کچھ نقصان نہیں اور کچھ نہیں تو انسان کا دل تو بہلا رہتا ہے۔"
"معاذ تم۔۔۔!" وہ کوئی سخت سی بات کہتے کہتے رکی' ایک خوش قسمتی جو بھولے بھٹکے اس تک آ پہنچی تھی' اسے

وہ اپنی احمقانہ جذباتیت کی نذر نہیں کر سکتی تھی۔
"تم کھانا کیوں نہیں کھا رہے' میں تمہیں کھانے کے لیے بلانے آئی تھی اور تم نے لے کر باتوں میں الجھا دیا۔"
"کھانا میں کھا کر آیا ہوں جویا' اصل میں۔۔۔!"
"اصل میں تم ہمارے گھر کھانا نہیں چاہتے تھے معاذ! یہی بات ہے نا؟" "تم ابو کی آمدنی کو ناجائز۔۔۔!"
معاذ نے دیکھا اس کی رنگت زرد پڑ رہی تھی' اسے افسوس سا ہوا۔
اپنی ساری صاف گوئی ایک طرف رکھ کر اس نے بات بنانا چاہی۔
"خود سے فرض کر کے مت بیٹھ جایا کرو' میں یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے شادیوں کے کھانے کی عادت نہیں بہت ہلکی چیزیں کھاتا ہوں' تم پتہ نہیں کہاں پہنچ گئیں۔" اپنی بات کے اختتام پر وہ ایک بار پھر مسکرایا۔
پتہ نہیں اسے یقین آیا تھا یا نہیں' لیکن ہلکے سے اثبات میں سر ہلا کر وہ واپس مڑی تھی' جب اسے اپنے پیچھے معاذ کی آواز سنائی دی۔
"جویا!" اسے اپنے پورے وجود میں لرزش سی محسوس ہوئی۔ کیا تھا جو اس وقت وہ کہنے جا رہا تھا۔"
"جویا! وہ ایک ضروری بات۔"
"ہاں کہو۔" خود کو بمشکل سنبھالتے ہوئے' اس نے پورے اعتماد کے ساتھ معاذ کی طرف دیکھا۔
"وہ میں اس بچے کے بارے میں جاننا چاہ رہا تھا۔ وہی جو اس دن کالج کے سامنے ملا تھا پھر تو نہیں دکھائی دیا کالج کے سامنے؟" وہ اتنی دلچسپی سے پوچھ رہا تھا کہ جویا کو اپنا آپ بہت چھوٹا پڑتا محسوس ہونے لگا۔
"نہیں۔" ایک چھوٹا سا لفظ بڑی رکھائی سے کہہ کر' وہ اس کے قریب سے گزر کر واپس اندر ہال میں چلی گئی۔
معاذ وہیں کھڑا رہا۔
اس خوب صورت براؤن آنکھوں میں ہلکی سی کھر جم رہی تھی۔
"یہ سلمان صاحب کا ولیمہ اسی ہال میں ہے؟" کوئی بہت شائستگی سے اس سے پوچھ رہا تھا۔
معاذ نے چونک کر سامنے دیکھا۔
وہ اسی کا ہم عمر تھا' لیکن سرتاپا امارت کے نشے میں ڈوبا ہوا' قیمتی لباس اور ہاتھ میں بہت نمایاں کر کے لیا گیا موبائل کا مہنگا جدید ماڈل۔
"آپ سے پوچھ رہا ہوں میں۔" اس کی رعونت پہلے سے زیادہ بڑھی ہوئی لگ رہی تھی۔
"جی ہاں' یہی ہے۔" معاذ نے ایک نگاہ اس پر ڈالی' ایسے لوگ اسے ہمیشہ ذہنی مریض ہی لگا کرتے تھے' ذہنی طور پر نا آسودہ' مصنوعی زندگی گزارتے۔ تب ہی اس نے ایک جانی پہچانی صورت کو لابی کے دوسرے سرے سے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔
"بیگم زرتاج۔" اس نے زیرلب نام دہرایا۔ شہر کی مخیر ترین خاتون' جن کے پاس اکثر وہ اور ریحان' شہزاد ڈونیشن کے لیے جانے کا پروگرام بناتے تھے۔
"حد کرتے ہو نبیل! میں وہاں دو منٹ کے لیے کیا رکی' تم یہاں تک پہنچ گئے۔" وہ اس پر خفا ہو رہی تھیں۔
انہیں دیکھ کر لپکتے ہوئے اظہار چچا نہ پہنچتے تو شاید وہ اپنا موڈ خاصا خراب کر چکی ہوتیں۔
"آیئے بیگم صاحبہ!" اظہار چچا بہت تپاک سے کہہ رہے تھے' "اور یہ آپ کے صاحب۔۔۔!"
"یہ میرے شوہر ہیں نبیل احمد!" بہت سرد لہجے میں وہ تعارف کرا رہی تھیں۔
اس بار اظہار چچا اور معاذ دونوں ہی بری طرح چونکے تھے۔

☆ ☆ ☆

آج سردی کچھ زیادہ ہی تھی۔
چھوٹے سے صحن میں جب تک دھوپ رہتی' سعیدہ کمرے کا رخ نہیں کرتی تھی' اپنی سلائی مشین وہیں ادھر سے ادھر کرتی رہتی۔
سہ پہر رخصت ہو رہی تھی' جب سعیدہ کے گھر بتول کی آمد ہوئی' تین گھروں کے برتن دھونے اور روٹی پکانے کے بعد وہ عموماً" اسی وقت گھر لوٹتی تھی' آج ان ہی گھروں میں سے کسی نے گزشتہ روز ہونے والی دعوت کے بعد بچ جانے والی بریانی زردہ اسے دیا تھا' سو وہ حق دوستی نبھانے کے لیے یہی فریز ہوئے چاول سعیدہ کے گھرانے کے لیے بھی لائی تھی۔
"مرغی کی بریانی ہے' میں نے سوچا بچے شوق سے کھالیں گے۔" شاپر اس کے قریب رکھتے ہوئے وہ وہیں بیٹھ گئی۔
بتول کے خلوص میں کوئی شبہ نہیں تھا مگر سامنے کھڑی زری کے سامنے یہ چاول لیتے ہوئے سعیدہ کو بڑی شرم سی آئی۔
"کیوں تکلیف کی' بچوں کو تو ویسے ہی کھانسی نزلے نے جکڑا ہوا ہے' اس ٹھنڈ میں چاول کھائیں گے تو اور بھی حال خراب ہو گا۔" اس نے اپنی جھینپ مٹانا چاہی۔
"چاولوں سے کچھ نہیں ہوتا' یہ جو باہر الا بلا کھاتے پھرتے ہیں بچے' وہ نقصان دیتا ہے' تیرے دونوں بچے کل باہر کھڑے املی کی چٹنی چاٹ رہے تھے' میں نے خود چھین کر پھینکی ان کے ہاتھ سے۔" لاپروائی سے کہتے ہوئے وہ زری کی طرف مڑی۔
"لے زری! یہ گرم ہونے کے لیے رکھ دے' میری بیگم صاحب ہیں دل والی' جب ہی تو اتنی ساری دی ہے۔"
زری نے وہ ٹھنڈا یخ شاپر تھامنے سے پہلے' سعیدہ کی طرف دیکھا تو وہ نگاہ چرا گئی۔
حالانکہ سب کچھ پہلے ہی کی طرح چل رہا تھا' پھر بھی زرتاج بیگم کے ہاں سے خیرات کا راشن لاتے ہوئے یا بتول کی بیگموں کا بچا کھچا کھانا لیتے ہوئے وہ زری کے آگے شرم سے زمین میں گڑنے لگتی تھی۔
وہ اتنے سالوں سے الگ تھی کہ اس کے ساتھ اپنائیت یا بے تکلفی کا کوئی احساس جاگتا ہی نہیں تھا' الٹا ایسا لگتا جیسے کسی کبھی کبھار آنے والے معزز مہمان کے سامنے گھر کا ڈھکا چھپا بھرم جا تا رہا ہو۔
"کیا ہوا؟" بتول نے اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات سے ہی کچھ اندازہ لگایا۔ "پریشان لگ رہی ہے' نواب بھائی نے کچھ کہہ دیا کیا؟"
سعیدہ نے نفی میں سر ہلایا۔
"اس نے کیا کہنا ہے' ساری ٹینشن تو۔۔۔" بات ادھوری چھوڑ کر' اس نے باورچی خانے کی طرف دیکھا' جہاں زری جا چکی تھی۔
"ہاں ظاہر ہے' جوان لڑکی کی ذمہ داری تو بہت ہے' اب ساری فکریں تمہارے ہی سر ہیں۔" بتول نے اس کی اٹھی ہوئی نگاہ سے یہی مطلب معنی اخذ کیا۔ "کہو تو کوئی رشتہ وشتہ دیکھوں' زری کے لیے اچھا ہے جلد ہی تمہاری ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔"
"پاگل ہوئی ہو۔" سعیدہ کی آواز دبی دبی سی تھی' اسے خدشہ ہوا کہ کہیں زری یہ "خوش آئند" پروگرام نہ سن لے' "ابھی حالات ہیں کیا شادی بیاہ کے قابل' دو وقت کی روٹی کس جتن سے میسر آ رہی ہے' تمہیں تو پتہ ہی ہے'

شادی کا سلسلہ شروع ہو گیا تو یہ سر چھپانے کا ٹھکانہ بھی گروی رکھ دینا پڑے گا۔"
سچی بات تو یہ کہ اسے تو زری کی شادی کا سوچتے ہوئے بھی ہول اٹھنے لگتے تھے' بتول کو اس کا یہ انداز فکر نہیں بھاتا تھا۔
"ہر بات کی فکر خود ہی نہیں پالا کرتے' کچھ تو اللہ پر بھی چھوڑ دے' وہ بیٹھا ہے سب کی فکر کرنے والا' زری غریب کا بھی وہی کچھ بنائے گا۔ میں نے تجھ سے کہا بھی تھا کہ بیگم زرتاج سے ذکر کردے زری کی شادی کا' وہ مہربان ہو گئیں' تو سارا خرچہ اکیلی ہی اٹھالیں گی۔"
"نہ بابا نہ!" سعیدہ نے بے ساختہ ہی کانوں کو ہاتھ لگایا۔ "بیگم زرتاج کے سامنے تو میری آواز بھی نہیں نکل سکتی' بڑی سخت گیر عورت ہیں' اتنی خیر خیرات کرتی ہیں' لیکن چہرے پر ایسی سختی ہے کہ مجھ سے تو نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا جاتا' ہمارے لیے تو جو بھی ہیں عظمت بوا ہی ہیں اس مہینے زرتاج بیگم نہیں تھیں' تو کیسے سکون سے سارا کام ہوتا رہا نہ کوئی جھڑکی' نہ چڑچڑاہٹ اور ــــــ!" سعیدہ کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔
بتول کو بلانے کے لیے اس کا بیٹا دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔
"کیسا ہے ساجد تو' ادھر تو آ میرے پاس۔"
سعیدہ نے اسے دیکھ کر محبت سے آواز دی تو وہ کچھ جھجکتا ہوا اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔
"کیسے ہو طبیعت تو ٹھیک ہے نا' کام پر جانے لگے پھر سے؟" وہ جھجکتا ہوا سعیدہ کے قریب آ کھڑا ہوا۔
"ٹھیک ہوں اب تو خالہ! کام پر بھی جانے لگا ہوں۔" وہ نیچی سی آواز میں بتانے لگا۔
سعیدہ نے بہت غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔
"کچھ کھایا پیا کرو' دیکھو تو حالت اپنی' بالکل جیسے کوئی مرض لگا ہوا ہو' رنگ بھی پیلا پڑ رہا ہے۔" سعیدہ کے چہرے پر تشویش کے سے آثار تھے "اس کا خیال رکھو بتول! بچہ ابھی تو بیماری سے اٹھا ہے' تم لوگوں نے اور کام پر لگا دیا غریب کو کچھ دن تو آرام کرنے دیتیں۔"
"اس کا باپ نہیں مانتا سعیدہ! تمہیں تو پتہ ہی ہے وہ جب کسی بات پر اڑ جائے تو پھر اسے منالینا آسان نہیں ہو' ساجد کو بھی اس نے اب دوسرے کام پر لگا دیا ہے تو میرے منع کرنے سے کون سا رک جائے گا۔"
ساجد ماں کو جلدی آجانے کی تاکید کر کے واپس جا چکا تھا۔
"کام کیا ہے؟" سعیدہ نے یوں ہی سرسری سا پوچھا۔
"چیزیں بیچنی ہیں' ٹافیاں' چھالیہ وغیرہ' اسکول' کالجوں کے باہر۔" بتول اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
چلو' کام تو اس کے مطلب کا ہی ہے' میرا مطلب بہت سخت مزدوری تو کم از کم نہیں۔" سعیدہ کو اطمینان ہوا
"ہاں' بس اللہ خیر رکھے۔" بتول کہتے ہوئے واپسی کے لیے مڑ گئی۔

☼ ☼ ☼

سامنے پھیلائے اخبار کی آڑ لیے' وہ مستقل ہی روزی پر نگاہ جمائے ہوئے تھا۔
پچھلے بیس پچیس منٹ سے وہ اسی کے حکم پر لاؤنج کو چمکانے میں لگی ہوئی تھی۔
لاپروا' شوخ روزی' جس کے پورے وجود سے جوانی کا خمار چھلکتا تھا' عمر کے تقاضوں کے عین مطابق اوڑھنے کی شوقین' وہ جہاں بھی ہوتی اس کی چوڑیوں کی کھنک' ماحول میں گونجتی رہتی۔
نبیل نے جب اسے پہلی بار' زرتاج کے وسیع و عریض گھر میں دیکھا تھا' ایک عجیب سی کشش محسوس کی آتے جاتے زرتاج بیگم کا حکم بجالاتے۔

وہ غیر محسوس انداز میں اس کے ایک ایک انداز کو گہری نگاہ سے دیکھتا' مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ زرتاج کو شبہ بھی نہ ہوتا۔
لاؤنج کی ایک ایک چیز کو صاف کر کے' اب وہ کارپٹ پر برش کر رہی تھی۔
نبیل کی نگاہیں اس کے وجود سے لپٹی ہوئی تھیں۔
"اے لڑکی! یہاں مٹی رہ گئی ہے ساری!" سامنے سے اخبار ہٹاتے ہوئے' اس نے اس طرف اشارہ کیا' جہاں وہ خود بیٹھا تھا۔
روزی نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔
نبیل کو خاطر خواہ عزت دینے کی ابھی تک' وہ سب کوشش ہی کر رہے تھے۔
دوسرے ملازمین کی طرح روزی کو بھی وہ خود سے ایک دو گریڈ ہی اونچا لگتا تھا اور سینیارٹی میں تو بہت ہی پیچھے۔ اس کی چند ماہ میں ہو جانے والی' بے مثال ترقی ابھی تک ہضم نہیں ہو پا رہی تھی۔
"یہاں اس طرف' غور سے دیکھو!" وہ اپنے پیروں کے قریب اشارا کر رہا تھا۔ جہاں جان بوجھ کر چھینکی ہوئی' سگریٹ کی راکھ موجود تھی۔
روزی ابھی یہاں سے صفائی کر چکی تھی' لیکن بنا کچھ کہے' خاموشی سے دوبارہ آ کر برش پھیرنے لگی۔
نبیل کی نگاہیں پھر سے اس کے وجود پر پھسل رہی تھیں۔
وہ اس کی طرف سے پشت کیے ہوئے تھی۔ اس کے کمر تک آتے ریشمی بال' ڈھیلے ڈھالے سے انداز میں بندھے ہوئے تھے' اور وہ اس کے اتنے قریب تھی کہ نبیل کا ہاتھ بے ساختہ ہی آگے بڑھا!

☼ ☼ ☼

"آپ نے بلوایا!" شاما بڑی مستعدی سے اندر آئی۔ نانی ستارہ اسی کی منتظر تھیں۔
"ہاں' مگر دیکھ' باہر کی طرف کا دروازہ تو بند ہے نا؟"
"وہ تو میں نے' دونوں باجیوں کے جاتے ہی بند کر دیا تھا۔" شاما کو اپنی کارگزاری پر ہمیشہ بھروسا رہتا تھا' پھر بھی نانی کے گھورنے پر دوبارہ چیک کرنے چلی گئی۔
"بند ہی تھا' میں تو آپ سے پہلے ہی کہہ رہی تھی۔"
"اچھا بس' اب اندر سے کمرے کا دروازہ بھی بند کر لے!" نانی ستارہ الجھی الجھی سی تھیں اور شاید پریشان بھی۔
شاما نے دروازہ اندر سے بند کرتے ہوئے اندازہ لگانا چاہا' مگر پریشانی کی وجہ بھلا کیا ہو سکتی تھی؟
"یہ ذرا الماری کا سیف کھول کر سامان نکال!" چابیوں کا بھاری گچھا' نانی کے ہاتھ سے لیتے ہوئے اس کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔
"آج اکیلے میں کیوں' نہ باجی نگینہ' نہ صندل' نہ گیتی!" وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔ پوچھنے کی نہ ہمت تھی اور نہ ہی نانی اسے موقع ہی دے رہی تھیں۔
"جلدی سے نکال لا' ابھی کوئی آ گیا تو سارا کام ادھورا ہی رہ جائے گا۔" وہ بڑی جلدی میں محسوس ہو رہی تھیں۔

شاما تیزی سے مڑ کر زیورات کے ڈبے نکال کر ان کے پاس مسہری پر رکھنے لگی۔
وہ ایک ایک ڈبے کو کھول کر چیک کر رہی تھیں۔
خالی ڈبوں کی تعداد اب بڑھتی جا رہی تھی۔ شاما کو ان خالی ڈبوں کو دیکھ کر بڑا دکھ سا ہوتا تھا مگر خاموش ہی رہتی۔ اشارتاً بھی اپنے رنج کو ظاہر نہ کرتی۔
"نانی ستارہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔
"اچھی طرح دیکھ لے شاما! کوئی بالی' بندہ ان میں اٹکا ہوا نہیں رہ گیا ہو۔"
"نہیں نانی دیکھ لیا میں نے۔"
شاما نے دانستہ اپنا سر جھکائے رکھا۔
نانی کے اس چھوٹے سے سوال میں' جو امید سی جھلکی تھی' کیسی دل دکھانے والی تھی۔
شاما نے حلق میں اٹکتے نمکین پانی کو بمشکل ہی واپس حلق میں اتارا۔
"اب تو یہ ہی دینے پڑیں گے اب تک بچا کر رکھے ہیں' سوچا تھا' برا وقت ٹل گیا تو فیروزہ کی امانت خیام کے سپرد کروں گی' مگر یہ بھی اب ممکن ہوتا دکھائی نہیں دے رہا۔ وہ کبھی واپس آیا بھی تو۔۔۔"
شاما نے دیکھا' وہ ایک جھلملاتا ہوا' سونے کی چوڑیوں کا سیٹ تھا۔
اس کا دل یک دم ہی دھک سے رہ گیا۔
یہ چوڑیاں نگینہ کو بے حد پسند تھیں لیکن پسندیدگی کے باوجود وہ انہیں کبھی ہاتھ میں نہیں ڈالتی تھی۔
"صندل کی پہلی فلم کے پریمیئر پر پہنوں گی' اس وقت اچھا بھی لگے گا' ایکسٹرا کی تو حیثیت ہی کیا' پہنوں گی بھی تو سب آرٹیفیشل ہی سمجھیں گے۔" شاما نے کئی بار اسے کہتے سنا تھا۔
صندل کی فلم کا تو ابھی کہیں اتا پتا نہیں تھا' لیکن ضرور تھیں' ان چوڑیوں کے پہنے جانے کا انتظار کرنے کو تیار نہیں تھیں۔
"نانی! یہ تو باجی نگینہ کو بے حد پسند ہیں!" وہ کہے بغیر نہیں رہ سکی' نانی نے سر کو ہلکی سی جنبش دی۔
"نگینہ غریب کی ساری زندگی اور کون سی خواہشیں پوری ہوئی ہیں' اس پر بھی رو پیٹ کر بیٹھ جائے گی' صبر تو خیر اسے کبھی کرنا ہی نہیں آیا۔"
"کچھ بھی ہو' وہ آپ کو یہ چوڑیاں نہیں بیچنے دیں گی۔" شاما نے پوری قطعیت سے کہتے ہوئے خالی ڈبے واپس سیف میں رکھنے شروع کر دیے۔
"تو اسے خبر ہی کون دے رہا ہے' یہ چوڑیاں نگینہ نہیں' تو جا کر جیولر کو دے کر آئے گی اور بالکل خاموشی کے ساتھ' کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونا چاہیے۔"
"کون میں!" شاما کے ہاتھ سے وہ ڈبے چھوٹتے چھوٹتے بچے "مجھ سے کون لے گا اور مجھے تو آتا بھی نہیں ہے اتنا بڑا حساب کتاب' نہیں نانی یہ کام تو باجی نگینہ ہی کرتی ہیں' وہی ٹھیک ہیں!" شاما بدحواس سی ہو کر قالین پر بیٹھ گئی۔
"دماغ خراب ہے تیرا' نگینہ بیچنے دے گی بھلا' ویسے تو بہت شور مچاتی ہے کہ سارا ایک ساتھ بیچ کر گھر کا خرچہ چلاؤ' کاروبار بڑھاؤ' تعلقات بڑھاؤ' لیکن جب دینے کا وقت آتا ہے تو چھانٹ چھانٹ کر وہ چیزیں نکالتی ہے' جو نا پسند ہیں۔"
وہ سب چیزیں بند کر رہی تھیں۔

"ہو تو نانی! دل تو دکھتا ہے نا!"
"دل دکھنے کا تو یہاں پہلے ہی بڑا سامان ہے' ان روپیوں کی تو حقیقت ہی کیا ہے' نرا ہاتھ کا میل!"
"اور جو باجی نگینہ ہوتیں' تو ابھی خفا ہو جاتیں' نانی کی بات پر!" شاما نے بے ساختہ ہی سوچا۔ "پتہ نہیں نانی اتنی مختلف کیوں ہوتی جا رہی ہیں' ورنہ ہمارے لالچ' زر پرستی کا تو زمانے بھر میں شہرہ ہے اور ہے بھی ٹھیک۔"
"کئی دکانوں کا ادھار چڑھ گیا ہے' کل کو کوئی تقاضے کے لیے آ کھڑا ہوا' تو کیا عزت رہ جائے گی' عفت کی تنخواہ' استاد جی کا نذرانہ' بجلی والے کے پیسے اور پھر گھر کا خرچا الگ۔ جیتی جان کو ہر شے کی ضرورت ہے۔"
نانی کی فکریں اب گھر یستنوں جیسی ہوتی جا رہی تھیں حالانکہ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ وہ گھریلو عورتوں والی باتیں کرنے سے ہمیشہ پرہیز ہی کیا کرتی تھیں اور ان لوگوں کو بھی منع کرتی تھیں۔
"ہمارے ہاں آنے والے' ان ہی گھر بیٹھی بیبیوں کے ستائے ہوئے آتے ہیں' اب ہم میں بھی ان کی جھلک دکھائی دینے لگی تو کوئی بھی یہاں کا رخ نہیں کرے گا۔"
"نہیں واقعی ہم میں ان ہی کی جھلک تو دکھائی نہیں دینے لگی' تب ہی دھندا چوپٹ ہوتا جا رہا ہے۔"
شاما کے دل میں نانی کی بات کو یاد کرتے ہی وہم جڑ پکڑنے لگا۔
"باجی گلناز کے ہاں تو کب سے گھر کا خرچ امین آباد والی سرکار کے ذمہ ہے۔ میں نے تو جب سے ہوش سنبھالا ہے' یہی دیکھا ہے کہتے ہیں یہ اب تیسری نسل ہے' جو صاحبزادے الماس کے اوپر فدا ہیں۔" چوڑیوں کو بھول بھال وہ چوبارے سے جڑی تاریخ کھنگالنے بیٹھ گئی۔
"ہاں!" ایک ٹھنڈی سانس نانی کے لبوں سے نکلی۔
"پرانے وقت کی جھلک ہے ان لوگوں میں' مگر دلدار جان اور اس کی بیٹیوں کو لالچ نے بری طرح گھیرا ہوا ہے۔ آگے انجام اچھا ہوتا نہیں دکھائی دیتا۔"
"باجی فیروزہ کو بھی اگر زندگی ملتی تو ہمارے حالات بھی بڑے ہی مختلف ہوتے۔" اس کے منہ سے بے ساختہ ہی نکل گیا اس بار نانی نے آہ کو سینے میں ہی دبا لیا۔
فیروزہ کا ذکر دانستہ کم سے کم ہی کیا جاتا تھا' خیام کے چلے جانے کے بعد تو اور بھی کم ہو گیا تھا۔
شاما بھی غلطی کا احساس ہو جانے کے بعد مجرمانہ سی خاموشی لیے چند منٹ تو یوں ہی سر جھکائے بیٹھی رہی۔
اسے فیروزہ بڑی اچھی طرح یاد تھی۔
حسین' نرم و نازک' جس کی موجودگی میں اطراف کی روشنی بڑھتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ رقص کرتی تو لگتا آس پاس کی ہر شے اس کے ساتھ محو رقص ہے۔
رنگ اور خوشبو کا حسین سنگم۔
وہ یہاں کی دیگر عورتوں سے بالکل مختلف تھی' حساس' کم گو اور سلیقہ مند۔
نانی ستارہ کو اس کی یہ گھریلو عورتوں والی خصوصیات کتنا پریشان رکھتی تھیں۔
بہت جتن کیے اس کو بدلنے کے' مگر وہ تو جیسے شروع ہی سے دل میں ٹھانے ہوئے تھی۔
"اوقات بدلنے چلی تھی' کم نصیب!" نانی ستارہ نے جیسے خود سے کہا۔
شاما نے چونک کر ان کی طرف دیکھا' مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھیں' پتا نہیں کس سے بات کر رہی تھیں۔
"نانی!" اس نے گھبرا کر انہیں آواز دی تو وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

"تجھے یاد ہے شاما فیروزہ اپنے آخری دنوں میں ایک مصرعہ باربار پڑھتی تھی۔

"ہمیں چھوڑو ہم پنی قسمت آزما بیٹھے!"

زیرلب' دھیرے دھیرے یہی کہے جاتی تھی' اس کا ورد وظیفہ بس یہی رہ گیا تھا" اس نے اتنی جلدی ہار کیوں مان لی تھی شاما! ہم بھی تو ہیں' قسمت کے دھکے پر دھکے کھا کر بھی' زندہ سلامت بیٹھے ہیں' پوری ڈھٹائی کے ساتھ ___!" باہر سیڑھیوں پر دستک ہو رہی تھی۔

نانی کے اشارے پر شاما تیزی سے اٹھ کر باہر چلی گئی اور پھر اسی تیزی سے واپس آئی۔

"سالار صاحب تشریف لائے ہیں' ایک صاحب اور بھی ہیں ساتھ!" اطلاع دیتے ہوئے اس نے کمرے کا حلیہ بھی درست کرنے کی کوشش کی تھی۔

سالار جب اندر آیا تو نانی ستارہ' دیوان پر پوری تمکنت کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھیں۔

"آؤ سالار جنگ!" وہ شفقت سے مسکرائیں۔

اب وہ اسی نام کا عادی ہوتا جا رہا تھا' سو احتجاج کرنا چھوڑ چکا تھا' ہلکے سے ہنس دیا۔

"یہ میرے بہت اچھے دوست' پرائیویٹ پروڈکشن سے وابستہ ہیں' کلاسیکل رقص و موسیقی پر ایک سیریز شروع کر رہے ہیں' میں نے سوچا آپ سے ملوا دوں!" نانی نے ایک جائزہ لیتی نگاہ ساتھ آنے والے پر ڈالی۔

"پختہ العمر' پڑھا لکھا' خاصا شریف سا شخص ہے" ان کے دل نے کہا۔

ساری عمر انہوں نے دل کی گواہی سے زیادہ کسی اور پر اعتبار نہیں کیا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں کسی فلم ڈائریکٹر سے واقف نہیں لیکن ضروری تو نہیں کہ فلم کرنا ہی کامیابی کی ضمانت ہو' ایک اچھی شناخت بنا لینا' زیادہ قاعدے کا کام ہے۔" وہ دھیمے لیکن صاف لہجے میں کہہ رہا تھا' یہ پہلی بار تھا کہ وہ ان کے سامنے ان کے کام کے حوالے سے دخل اندازی کر رہا تھا۔

"افسر بھائی' کے ساتھ کام کر کے' آپ کو مایوسی نہیں ہوگی بہت اسپانسر شپ مل جاتی ہے ان کے پروگراموں کو' آپ فکر مت کریں۔"

نانی ستارہ نے اس کے چھپے ہوئے خلوص کو دل سے محسوس کیا۔

"مگر نگینہ کو کون سمجھائے گا' اس کی اڑان کی حد تو فلم سے شروع اور فلم پر ہی ختم ہے۔" انہوں نے بے بسی سے سوچا۔

"ہم اسی ہفتے ریکارڈنگ شروع کر رہے ہیں' آن پیپر سب کچھ تیار ہے' فارمیٹ جب آپ کہیں گی ڈسکس کر لیں گے۔"

انہوں نے سامنے کھڑی شاما کی طرف دیکھا اور ایک بار پھر اپنے دل سے مشاورت کی۔

دونوں جگہ سے اثبات میں جواب آیا تھا۔

"ٹھیک ہے ہمیں منظور ہے۔"

نگینہ سے ایک بار بھی مشورہ کیے بغیر وہ پوری قطعیت سے کہہ رہی تھیں۔

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

دیوارِ شب

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد نازو نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے، جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار، لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے، زیورات کیس ماتھ لیتی آراکی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید دھچکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسہ ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں۔ جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو رفاحی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے، جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں، سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان

کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کردی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً "مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔
زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً "سخت مزاج ہے۔
سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوا لیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔
اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زویا کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔
دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ کیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔
خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے خاص کر کیتی کی جوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے، بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔
زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سیکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور راجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جزبز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہیں۔

(اب آگے پڑھیے)

۱۳
تیرہویں قسط

شاکرہ بیگم اور آپا گل انہیں مطمئن کرنے کی پوری کوشش کر رہی تھیں۔ آپا گل کا گلا خشک ہو رہا تھا، پانی لینے کے لیے فریج کھولا، سامنے کھیر کا خوب صورتی سے سیٹ کیا ہوا پیالا رکھا ہوا تھا۔
"کیا تھا، جو زوبیہ تھوڑی ہی دیر کے لیے ان کے ساتھ آجاتی، وہاں جھیلی ساری کوفت کا ازالہ ہو جاتا۔" بار بار خیال آئے جا رہا تھا لیکن عین وقت پر اسے صاف انکار کرتے ان سب نے سنا تھا۔
"اس وقت تو میں بالکل بھی تمہارے گھر نہیں جاؤں گی سلمان! یہ بھی کوئی تک ہے بھلا، وہاں اتنی دور، کل چل چلیں گے۔"
انہیں اور شاکرہ بیگم کو قطعی نظر انداز کر کے اس نے سلمان سے اس وقت کہا تھا جب رخصتی کے لیے سب لاؤنج سے نکل رہے تھے اور وہ لوگ بڑی مشکل سے ان دونوں کے قریب جگہ بنا پائی تھیں۔
فریج کا دروازہ کھولے آپا گل گم صم کھڑی تھیں۔
"اچھا بھئی خدا حافظ گل! اب صبح آئیں گے، خدا کرے دلہن بیگم کو صبح تو سسرال آنا یاد آجائے۔" محلے کی ایک خاتون نے کچن میں جھانک کر رخصت چاہی۔
وہ چپ ہی رہیں۔
"کل بھی اگر زوبیہ کا رویہ ایسا ہی رہا اور آگے پھر ویسا ہی تو۔۔۔"
صحیح معنوں میں وہ اب فکر مند ہوئی تھیں۔ لیکن انہیں ذرا اندازہ نہیں تھا کہ حالات ان کے خدشہ سے کہیں بدتر صورتِ حال اختیار کرنے والے تھے اور اس کی ذمہ دار خالی زوبیہ نہیں تھی۔

نگینہ نے رو رو کر آنکھیں سجا لی تھیں۔
ڈھائی دن سے تقریباً "بھوک ہڑتال ہی تھی، شاما منت سماجت کر کے کسی کسی وقت دو چار بسکٹ چائے کے ساتھ کھلا دیتی، سو کھلا دیتی، خود تو اس نے جیسے دانہ پانی خود پر حرام کرنے کی ٹھان رکھی تھی۔ شاما کو تو اسی پر حیرت تھی کہ باجی نگینہ اتنی دیر کھائے پیے بغیر رہ کیسے رہی ہیں!
نگینہ کی خوش خوراکی مشہور تھی۔
زمانے کو انگلیوں پر نچانے والی اس کی "خوش مزاج" خالہ زاد بہنوں نے تو اس کے کھانے پینے کے شوق پر باقاعدہ لطیفے گھڑ رکھے تھے، جنہیں وہ موقع بے موقع سنا کر ہنسی کا سامان کر لیا کرتی تھیں اور سچی بات تو یہ کہ کھانا تو ان کا جب بھی نہیں چھوٹا تھا جب فیروزہ کی جوان موت ہوئی تھی، پر یہی نگینہ جان اب دسترخوان سے اس طرح منہ موڑے ہوئے تھی، جیسے نوالہ منہ میں نہ رکھنے کی قسم کھالی ہو۔
"بے ہوش ہو کر گر نہ جائیں کہیں، آج تو انہیں شوٹنگ پر بھی جانا ہے، آپ ہی انہیں منا کر کھانا کھلا دیں نانی!" وہ نانی کے کمرے میں کہتے ہوئے داخل ہوئی۔ پچھلے دنوں میں شاما نے کتنی ہی بار ستارہ جان سے یہ التجا کر لی تھی یکبار اور سہی۔
وہ صندل کے ساتھ جانے کے لیے بس تیار ہی کھڑی تھیں۔ شاما نے اپنی ہڑبڑاہٹ میں نوٹ ہی نہیں کیا کہ وہاں موجود استاد جی ابھی صندل کا صدقہ اتارنے سے پہلے دعا کر رہے تھے اور ان کے ساتھ نانی اور صندل دونوں کے ہاتھ اٹھے ہوئے تھے۔
نانی نے کھا جانے والی نگاہوں سے اسے دیکھا تو اس نے بھی جلدی سے دوپٹہ سر پر لپیٹ کر ہاتھ اٹھا دیے۔
"اللہ میاں! صندل کا پروگرام ایسا ہٹ جائے کہ بس مزا آجائے، نانی دلدار والیاں تو جل کر خاک ہو جائیں گی، بہت اترا رہی ہیں اپنی الماس پر۔"
جتنی دیر میں اس کی دعا، بات چیت کے مرحلے میں داخل ہوئی، استاد جی منہ پر ہاتھ پھیر کر اور صدقہ اتار کر فارغ ہو گئے اور ان کے بعد کچھ رقم نانی نے اتاری۔ صندل نے جھک کر باری باری دونوں کے گھٹنے چھوئے۔
"یہ پیسے لے جا کر فقیروں کو کھانا کھلا آنا۔ یاد سے آج شام ہی۔"

نانی نے پیسے شاما کی طرف بڑھاتے ہوئے یاددہانی کروائی تو اس نے جلدی سے سرہلاتے ہوئے ان کی توجہ ایک بار پھر نگینہ کی طرف دلانی چاہی تو انہوں نے سختی کے ساتھ جھڑک دیا۔

"خبردار جواب گھر سے نکلتے وقت تُو نے یہ الٹی سیدھی باتیں شروع کیں۔ نگینہ کا دماغ خراب ہو رہا ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں' مرتی رہے بھوکی پیاسی' اگر یہی اس کا نصیب ہے۔" نانی ستارہ جان کے لہجے میں وہی سختی تھی جو اچھے دنوں میں ان کی طبیعت کا لازمی جز تھی۔

شاما سہم سی گئی۔

"غضب خدا کا' بچی پر تقدیر کی طرف سے ایک دروازہ کھل رہا ہے اور ماں نے رو رو کر نحوست مچا رکھی ہے۔" شاما نے شکر کیا۔ وہ اب اس کے بجائے استاد جی سے مخاطب تھیں۔

نیچے بشیر اپنی ٹیکسی لیے منتظر کھڑا تھا۔

نانی نے بسم اللہ کہہ کر سیڑھیوں پر قدم رکھا' سفید رنگ کا خوب صورت ملائم سوٹ' کانوں میں دمکتے موتی' گلے میں ان ہی موتیوں کی خوب صورت لڑی اور ہاتھوں میں بہت اچھے وقتوں کے 'حسین تر کنگن'!

شاما کی نگاہ جب بھی نانی کی کلائی پر پڑتی' اسے وہی کنگن یاد آتے' جو خیام کمبخت چرا کر بھاگا تھا۔

دل کو جب بھی یاد آتے' ایک ہوک سی اٹھتی تھی اور یہ والے تو اور بھی پیارے تھے۔

"کتنا جمع جتھا تھا جو نانی کے پاس اتنے سالوں سے گرتے ہوئے وقار کو سہارا دیے ہوئے تھا۔ سچ ہے ہاتھی مرا ہوا بھی سوا لاکھ کا ہوتا ہے!" وہ ان کے پیچھے پیچھے سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔

جب سے سیڑھیوں کے ساتھ والی دکان' کیتی کی شکایت پر خالی کروائی گئی تھی' تب سے وہاں پہلے جیسا رش تو نہیں رہا تھا' پھر بھی چند ایک منچلے دیدار کی غرض سے جو وہاں ضرور ہی موجود رہتے تھے' نانی کو اترتا دیکھ کر فوری طور پر ادھر اُدھر ہو گئے۔

پچھلی سیٹ پر نانی اور صندل بیٹھیں اور اگلی سیٹ پر استاد جی براجمان ہوئے۔

بشیر کی ٹیکسی روانہ ہونے تک شاما وہیں کھڑی رہی۔

آج صندل کی پرائیویٹ پروڈکشن والے افسر بھائی کے ساتھ پہلی میٹنگ تھی' امید تھی کہ شاید آج ہی کانٹریکٹ بھی سائن ہو جائے گا۔ خود سالار بھی وہاں پہنچ رہا تھا۔

"ایسا کام ہو کہ بس آگے کے سارے کام خود بخود بنتے چلے جائیں۔" اپنی فطری وفاداری سے مغلوب' وہ مستقل ایک سی دعائیں مانگے گئی۔

سیٹی کی شوخ اور تیز آواز نہ آتی تو شاید وہ ابھی اور وہیں کھڑی رہتی۔

وہ جو نانی کو دیکھ کر قدرے فاصلے پر چلے گئے تھے اب بے دھڑک قریب چلے آئے تھے۔

ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ سجائے اور آنکھوں میں کھلی دعوت دیتی ایسی چمک' جو شریف زادیوں کا دل لرزا دے' پر یہاں سامنے شاما تھی! کوٹھے والیوں کی ادنیٰ سی نوکرانی!

ذلت بھرے اس سارے سیٹ اپ میں بھی سب سے نچلے درجے پر کھڑی ہوئی۔

بازار میں اس کی جیسی کتنی ہی کوڑیوں کے مول بکتی تھیں اور اتنی بار بک چکی تھیں کہ ذلت کا ہلکا سا احساس بھی دلوں سے جاتا رہا تھا۔

"میری جان! گاڑی تو کب کی چلی گئی' ایک نگاہ ہم پر بھی ڈال دو' کب سے منتظر ہیں!" ان میں سے ایک بالکل ہی قریب آ چکا تھا۔

شاما کو اس کی شکل دیکھی دیکھی سی لگی۔ شاید وہ اس کا کوئی پرانا گاہک ہو! اس نے محض اندازہ لگایا' اس نے اپنے پاس آنے والوں کے چہرے یاد رکھنے کی کبھی بھی کوشش نہیں کی تھی' سو وہ یقین سے کچھ نہیں کہہ سکی' مگر اپنی فطرت کے عین مطابق' وہ آتی ہوئی روزی کو لات بھی نہیں مار سکی۔

ایک بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ' اس نے بڑی ادا کے ساتھ سامنے کھڑے شخص کو دیکھا جو اس التفات پر پھولا نہیں سما رہا تھا۔ حلیے سے وہ کوئی مستری مزدور ٹائپ شخص ہی لگ رہا تھا۔

اس سے کچھ زیادہ ملنے کی امید تو نہیں تھی' لیکن شاما کی ساری دکانداری اس ہی طبقے پر انحصار کرتی تھی۔

"رات ایک بجے' پچھلی والی گلی میں!" مختصر سا جواب دے کر وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی واپس اوپر چلی آئی۔ سامنے کمرے کے دروازے پر نگینہ کھڑی تھی۔

"چلی گئیں!"

"جی!" وہ اس طرح شرمندہ ہوئی جیسے سارا قصور اسی کا ہو۔

چند لمحوں کے لیے' بڑی بوجھل سی خاموشی ان دونوں عورتوں کے بیچ اس چوبارے پر اتر آئی۔

نگینہ خالی خالی نگاہوں سے فضا میں کسی نادیدہ شے کو تکے گئی۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کسی دھیان سے نکلی۔

"کیتی کالج چلی گئی؟"

"وہ تو سویرے ہی چلی گئی تھیں' وین آ گئی تھی!" شاما جلدی سے بولی تین دن بعد آج پہلا موقع تھا جو اس نے صندل کے علاوہ' کسی اور کے بارے میں بات کی تھی' بلکہ یہی نہیں وہ اپنے کپڑے بھی تبدیل کر چکی تھی اور ہاتھ میں تھامی ہوئی آئی شیڈز کی کٹ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اب وہ اپنا پسندیدہ نیلا آئی شیڈ بھی لگانے والی ہے۔ شاما کو بڑا سکون سا ہوا' ورنہ آج تو اسے پورا یقین ہو رہا تھا کہ نگینہ پہلی بار آج اپنے گانے کی شوٹنگ بھی چھوڑنے والی ہے۔

وہ واپس کمرے میں مڑی تو شاما بھی پیچھے ہی آ گئی۔

نگینہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کا ہاتھ اب تیزی کے ساتھ چل رہا تھا' بڑی بڑی آنکھیں سوجن کے باعث عجیب سی لگ رہی تھیں اور ان پر نیلا آئی شیڈ آنکھوں کے گرد پڑے حلقوں کو اور بھی نمایاں کر رہا تھا۔

"ساری عمر ایک ہی خواہش ایک ہی تمنا پالی تھی' صندل کو ہیروئن بنانے کی' وہ بھی پوری نہ ہوئی' ارے ایسے ہی پروگرام کروانے ہوتے تو پندرہ سال کی عمر سے ہی اسے کام پر لگا دیتی' یوں اپنی ہڈیاں نہ رول رہی ہوتی' مگر اماں نے تو میری ایک خوشی بھی نہیں دیکھی گئی۔ چل دیں اسے لے کر۔"

باوجود ضبط کے نگینہ کی آنکھوں میں پھر سے آنسو آنے لگے۔ جنہیں میک اپ خراب ہونے کے ڈر سے اس نے فوراً ہی خشک کر لیا۔

"نانی غلط نہیں کر سکتیں باجی انہوں نے ضرور صندل کی کوئی بھلائی دیکھی ہے' آپ پروگرام آنے تو دیں ایک بار ٹی وی پر۔"

منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے نگینہ نے شاما کی تسلی کو رد کیا۔

"اب دیکھ لینا' ساری عمر اس چھوٹی اسکرین ہی پر نہ پھنسی رہی صندل تو کہنا بھلا کہاں سینما اسکوپ اور کہاں۔۔"

رنج اور کوفت سے اس سے بات بھی پوری نہیں کی جا رہی تھی۔

"اللہ بہتر کرے گا باجی! آپ دل مت برا کریں' ہماری صندل لاکھوں میں ایک ہے' اس پر تو کسی جوہری کی نگاہ لازمی پڑے گی' نانی کہتی ہیں بالکل باجی فیروزہ کی کاپی۔۔۔!" اس نے بے ساختہ ہی دانتوں تلے زبان دبائی۔

"یہ فیروزہ کہاں سے بیچ میں آجاتی ہے!" کبھی کبھی تو اپنی بے وقوفی سے وہ خود بھی عاجز آنے لگی تھی۔
مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔
"فیروزہ اچھی تھی' زندگی اس کی ضرور تھوڑی تھی' مگر دل کی ہر خواہش پوری کرلی' مرضی کا بیاہ کیا' بیٹے کی ماں بنی اور جب زندگی مرضی کے مطابق نہیں رہی تو نکل گئی ٹھوکر مار کر' اماں کے سارے لاڈ' پیار اور بیٹے کی پروا کیے بغیر' یہ تو میں ہی ڈھیٹ تھی کولہو کے بیل کی طرح لگی رہی' ایک ایکسٹرا کی کیا زندگی ہوتی ہے تو گواہ ہے شاما!"
وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے ہٹ گئی' اس کا چہرہ میک اپ کے باوجود زردی مائل ہو رہا تھا' اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس کے دل کو بڑی گہری چوٹ پہنچی تھی۔
"کیسی کیسی ہنسی اڑے گی میری' جب لوگ صندل کو ٹی وی پر دیکھیں گے' بڑے دعوے کرتی تھی میں صندل کے لیے' میرا تو ذرا سا بھی غرور اللہ کو برا لگ گیا اور یہ جو اکڑتی مستاتی پھرتی ہیں' ان کو ساری آزادی ہے' اماں نے تو میری منت پوری ہونے کا بھی انتظار نہیں کیا!"
اپنا بیگ اٹھائے وہ جانے کے لیے تیار تھی۔ "چل نگینہ! مرتے دم تک تیرے لیے ہی جگل خواری ہے۔"
اس کے لہجے میں دل توڑتی کسک تھی۔
"تھوڑا سا کھانا باجی!" شاما رہے لفظوں میں کہتے ہوئے پیچھے آئی' تو نگینہ بجائے جھنجلانے کے عجیب سے انداز میں مسکرادی۔
"کھالوں گی کچھ لے کر' بے فکر رہ' مجھے کچھ نہیں ہوتا' ہاں گیتی آئے تو اسے کھانا ضرور کھلا دینا' اس بے چاری کی طرف تو تین دن سے میں نے دیکھا بھی نہیں۔" وہ کہتے ہوئے اتر گئی۔
شاما کی آنکھوں میں نمی سی آنے لگی۔

☆ ☆ ☆

سلمان کی شادی کا ہنگامہ سرد پڑنے کے ساتھ گھر میں بڑی فرصت بھری خاموشی پھیل چکی تھی اور تو اور آپا گل بھی جو منگنی اور شادی کے درمیانی عرصے میں تقریباً یہیں قیام پذیر تھیں' آج کل دل کڑا کر کے سسرال میں ہی براجمان تھیں۔ ان کی کمی سب سے زیادہ شاکرہ بیگم کو ہی کھل رہی تھی' فون پر چاہے کتنی بھی بات ہو جاتی' مگر دوبدو ملاقات کا مزا کہاں!
اظہار چچا نے انہیں لاؤنج سے بیرونی دروازے تک کا تیسرا چکر لگاتے دیکھا' تو خاموش نہ رہ سکے۔
"یوں کیوں پریشان پھر رہی ہو' جاؤ کہیں محلے میں ہی ہو آؤ' تمہارے تو بہت گہرے تعلقات ہیں' آج کل آنا جانا کیا بالکل ہی چھوڑ دیا ہے!"
اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے' وہ ان کے پاس آبیٹھیں۔ "طنز کر رہے ہو!"
"نہیں' خدانخواستہ' میری یہ مجال!" سامنے پھیلا اخبار ایک طرف کر کے وہ ہلکے سے ہنس پڑے۔ "تمہاری بوریت کو دیکھ کر مشورہ دے رہا تھا' جاؤ ذرا پتہ تو چلے کہ محلے والوں پر کیسی دھاک بیٹھی ہے ہمارے بیٹے کی شادی کی' جلے بھنے جا رہے ہوں گے سارے' دیکھ دیکھ کر تم جا کر نوٹ تو کرو!"
ان کے لہجے میں بڑی مزہ لیتی سی کیفیت تھی' اپنی بیگم کے ساتھ ان کی گہری انڈر اسٹینڈنگ کی بنیادی وجہ بھی یہی عورتوں والی فطرت تھی۔
"خاص طور پر سامنے والے مرزا صاحب اور دائیں طرف دو گھر چھوڑ کر یہ جو ــــ!" ان کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔

"مجھے نہیں جانا کہیں بھی بس!" شاکرہ بیگم نے بے زاری سے ان کی بات کاٹی تھی "سارے محلے نے مل کر ہلادیا ہے ہمارا' صاف صاف منہ پر کہتے ہیں کہ کیسی بے جوڑ شادی کی ہے سلمان کی' نہ شکل صورت اور نہ اوپر سے عمر میں بھی سلمان سے کہیں بڑی' کل سبزی لیتے ہوئے مرزا صاحب کی بیوی سے گلی میں ملاقات ہوئی تو وہاں بھی وہ نہیں چوکیں' کہنے لگیں بڑی بھول ہوئی ہے آپ سے' یہ چار چیزیں تو کچھ سال میں' سلمان اپنی کمائی سے بھی خرید لیتا' زندگی برباد کرنا ضروری تھا کیا۔"
"ہونہہ!" اظہار تو جیسے تڑپ ہی گئے "صاف کہنا تھا کہ چار چیزیں تو آپ کی بھولائی تھی' ہمارے سلمان کے سسر نے تو اسے چار سو گز کا گھر دیا ہے ڈیفنس میں کروڑوں کی مالیت ہوگی اور ایک نئی گاڑی بھی۔ ہم تو اس لیے نہیں بتا رہے تھے کہ لوگوں کے حسد سے بچے رہیں مگر اب ایسے لوگوں کو جواب دینا بھی تو ضروری ہے۔"
"بتا دیا میں نے یہ بھی!" ان کی آزردگی ابھی بھی باقی تھی "پر نہیں اس پر وہ یہ کہتی ہوئی چلی گئیں کہ اس کا تو مطلب ہے کہ زوبیہ کے ابا نے اپنے لیے ایک داماد خریدا ہے' وہ بھی اپنی شرائط پر!"
"اجی بڑے ہی کمینے لوگ ہیں اس محلے میں' اچھا ہے ہماری جلد ہی جان چھوٹنے والی ہے یہاں سے' پھر تو ان کی شکلیں بھی دیکھنے کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔"
اظہار صاحب کے پندار کو بڑی سخت ٹھیس پہنچی تھی۔ خاندان اور محلے میں اپنی بالادستی کا احساس انہیں کچھ زیادہ ہی مغرور کیے رکھتا تھا کہ وہ اب یہ توقع ہی نہیں رکھتے تھے کہ ان پر بھی اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ یا ان کی بھی ہنسی اڑائی جا سکتی ہے۔

"منہ پر اتنی باتیں ہیں تو پیٹھ پیچھے کیا کچھ کہا گیا ہوگا!"
شرمندگی کو بڑھاوا دیتا یہ خیال دونوں میاں بیوی کو بیک وقت ہی آیا تھا تو جھنجلاہٹ بڑی لازمی تھی۔
"میں تو کہتا ہوں اب ہمیں سلمان سے کھل کر بات کر لینی چاہیے جتنی جلدی ہو نئے گھر میں شفٹ ہو جائیں کب تک یہاں اس تنگ سے گھر میں پڑے رہیں گے اتنا بڑا خرچا کیا ہے اس شادی پر اب تھوڑی سی آسائش حاصل کرنا ہمارا بھی تو حق ہے۔"
دل ہی دل میں سارے جلنے والوں پر لعنت بھیج کر وہ آگے کی پلاننگ سے دل بہلانے لگے۔
شاکرہ بیگم خلافِ عادت خاموش ہی رہیں پر وہ اپنی ترنگ میں بولتے ہی رہے۔ "میں نے تو اچھی طرح سوچ لیا ہے اپنے آفس والوں کی ایک اچھی سی دعوت ضرور کروں گا وہاں۔ پتہ تو چلے سب کو کیا شان ہے اظہار احمد کی۔"

منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتے ہوئے شاکرہ بیگم نے سر کو خفیف سی جنبش دی تب ہی سیڑھیوں سے نیچے آتا سلمان دکھائی دیا تو ان دونوں ہی کی توجہ اس کی طرف ہو گئی۔
"امی! میرا اور زوبیہ کا ناشتہ بنا دیں جلدی سے بلکہ جویا سے کہہ دیں وہ بنا دے گی کل آپ کو منع بھی کیا تھا مگر اتنے تر تر پراٹھے تھے کہ زوبیہ سے کھائے ہی نہیں گئے وہ پراٹھا تو کھاتی ہی نہیں ہے۔"
بنا کسی تمہید کے اس نے آتے ہی آرڈر پاس کیا اور پھر جویا کو آواز دینے لگا۔
"وہ کالج گئی ہے۔" شاکرہ بیگم نے اسے ٹوکا تو وہ کچھ چڑ سا گیا۔
"ابھی سے کالج جانے کی کیا ضرورت تھی؟ زوبیہ کو یہاں آئے ابھی تین دن تو ہوئے ہیں تھوڑا اسے کمپنی دے یہ زویا تو کسی کام کی ہے نہیں امتحان کیا ختم ہوئے ہیں سارا دن بس سوتی ہی رہتی ہے۔"
شاکرہ بیگم کو اس کا کہا برا لگا۔
"بہت چھٹیاں ہو گئی ہیں جویا کی بہت سارا کام جمع ہو گیا ہوگا وہی لینے گئی ہے اور زویا بے چاری ابھی امتحانوں سے فارغ ہوئی ہے سو اب اپنی تھکن اتار رہی ہے۔" وہ بے اعتنائی سے کہتے ہوئے کچن میں چلی گئیں۔
سلمان ان کے پیچھے دروازے میں آ کھڑا ہوا۔
"زوبیہ کا ناشتہ پھر کون بنائے گا؟ آپ کے بس کا تو ہے نہیں۔"
"جیسا بھی ہے ہمارے پاس تو یہی حاضر ہے تمہاری ساس کو چاہیے تھا۔ ایک نوکر بھیج دیتیں بیٹی کے ساتھ جو اس کی مرضی کے مطابق کھانے پکا کر پیش کرتا رہتا۔" توے کو چولہے پر پٹخنے کے سے انداز میں رکھتے ہوئے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہوئیں۔
"دوپہر سر پر آ رہی ہے اور یہاں ابھی خیر سے ناشتے ہو رہے ہیں!" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائے گئیں۔
"مجھے پتا تھا اس گھر میں یہی ہوگا ابھی دو دن گزرے ہیں اور آپ کے اعتراضات شروع ہو گئے۔"
"میں نے ایسا کیا کہہ دیا جو تمہیں برا لگ گیا یہی نا کہ اگر ایک نوکر بھی ساتھ آ جاتا تو تمہاری بیوی کو آسانی رہتی تو اس میں غلط کیا ہے؟" توا چمٹا اپنی جگہ چھوڑ کر وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔
"رہنے دیں میں سب سمجھتا ہوں اتنا کچھ مل گیا ہے زوبیہ کی وجہ سے مگر پھر بھی آپ لوگوں کی تسلی نہیں ہو رہی میں لے آتا ہوں زوبیہ کے لیے ناشتہ۔" وہ پیر پٹختا ہوا باہر نکل گیا۔
اظہار صاحب اس کے پیچھے آوازیں دیتے ہوئے گئے بھی مگر وہ جا چکا تھا۔
"حد کرتی ہو تم بھی بھلا اتنا کچھ کہنے کی کیا ضرورت تھی سلمان کو ابھی نئی ہے زوبیہ یہاں رفتہ رفتہ ہم لوگوں سے مانوس ہو جائے گی۔ مگر تم نے تو ابھی سے اپنا رویہ اتنا خراب کر لیا ہے کہ حد نہیں!"

وہ بگڑنے لگے وہ پہلے ہی سلمان کی وجہ سے زود رنج ہو رہی تھیں ان کی لعن طعن پر باقاعدہ آنسو بہانے
... ایسے کیسے گزارا ہوگا بڑے گھر کی بیٹی لائی ہو اب اپنا دل بھی بڑا رکھو ورنہ سمجھ لو کچھ بھی ہاتھ نہیں آنے

وہ ان کے آنسوؤں کی پروا کیے بغیر سبق پڑھائے گئے۔
شاکرہ بیگم کچھ بولیں تو نہیں لیکن دل میں جو گرہ پڑی سو پڑی۔
جب تک سلمان واپس آیا وہ آملیٹ اور چائے تیار کر چکی تھیں سلمان کے لائے مکھن جیم ڈبل روٹی کو قرینے سے ٹرے میں سیٹ کر کے جب وہ سیڑھیوں کی طرف جا رہی تھیں تب ہی زویا کی آواز پر رکنا پڑا۔
"آپ کہاں جا رہی ہیں؟ لائیں مجھے دیں میں دے آتی ہوں۔" وہ ابھی ابھی اپنے کمرے سے نکلی تھی اور انہیں ٹرے اٹھائے سیڑھیوں کا رخ کرتے دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھی تھی۔
سلمان کے کمرے کا دروازہ نیم وا تھا۔
زویا نے ہلکے سے دستک دی تو فوراً ہی سلمان کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔
"آ جائیں امی! دروازہ کھلا ہے۔"
"زویا! انہیں پتا تھا کہ امی ناشتہ لا رہی ہیں شرم تو نہیں آتی ذرا بھی!" زویا کی بڑی جان جلی تھی۔
زوبیہ سامنے صوفے پر بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھی اور زویا کے سلام کے جواب میں اس نے محض ایک نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔
"چلو اچھا ہوا کہ تم اٹھ گئیں یہاں رکھ دو۔" سلمان نے میز زوبیہ کے سامنے کی۔ "آج تو دیر ہو گئی کل سے تم ذرا جلدی اٹھ جانا۔"
زویا کو لگا جیسے وہ اپنی بیوی سے کہہ رہا ہے مگر یہ اس کی غلط فہمی تھی۔
"تم آج کل پڑھائی سے بھی فارغ ہو ویسے تو جویا کو بھی ان دنوں کالج جانے کی ضرورت نہیں ہے امتحان کی تیاری گھر پر بیٹھ کر بھی ہو سکتی ہے۔"
وہ اسے نصیحت کرنے کے ساتھ زوبیہ کو پلیٹ پکڑا چکا تھا اور اب زویا کو اشارے کر رہا تھا کہ وہ زوبیہ کو خود سرو کرے۔
اس کا دل تو نہیں چاہ رہا تھا لیکن وہ بدتمیز نہیں تھی زوبیہ کو بڑی بھابھی ہونے کے ناتے اس پورے مہینے ان دونوں نے بڑی عزت دینے کی کوشش کی تھی۔
"یہ لیجیے بھابھی!" اس نے خوشبو اڑاتے آملیٹ کی پلیٹ آگے کی مگر زوبیہ نے بڑی بے اعتنائی کے ساتھ اس کا ہاتھ پیچھے کیا۔
"میں لے لوں گی خود اور سلمان! میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ اورنج جوس.....!" زویا کی جانب دیکھے بغیر وہ سلمان کو کچھ جتا رہی تھی۔
"بھول گیا میں شاید.....!" وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا "ابھی لے کر آتا ہوں آگے مین روڈ پر ایک ڈیپارٹمنٹل سٹور ہے۔"
اس کا اک اک انداز کتنا خوشامدانہ تھا کہ زویا کو اپنے آپ سے شرم آنے لگی تھی۔
"آپ رہنے دیں سلمان بھائی! نیچے فریج میں رکھا ہے۔" خود پر ضبط کرتے ہوئے وہ دروازے کی طرف مڑ گئی۔
"تم سے چھوٹی چھوٹی باتیں یاد نہیں رکھی جاتیں اتنے بڑے آفس کے کام کو کیسے سنبھال پاؤ گے؟ پاپا بہت سخت

ہیں کام کے معاملے میں وہ تو دو دن میں نکال باہر کریں گے۔" زویا نے اس کے باہر نکلنے کا بھی انتظار نہیں کیا تھا۔

جواباً سلمان ایک کھسیانی سی ہنسی ہنس رہا تھا۔

زویا دروازہ کھول کر تیزی سے باہر چلی گئی۔

"اور یہ اپنے گھر والوں کو ہر وقت مجھ پر مسلط مت رکھا کرو' اماں بہنیں' بہانے بہانے سے چکر لگاتی رہتی ہیں' مقصد کیا ہے ان کا؟ اس ہر وقت کی جاسوسی کا۔"

اس کی تیز آواز باہر تک با آسانی سنائی دے رہی تھی۔

سلمان نے اس بار جواباً کیا کہا اور کچھ کہا بھی یا نہیں' زویا نے یہ جاننے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی۔

لاؤنج میں بیٹھی شاکرہ بیگم نے بڑے غور سے زویا کے چہرے کو دیکھا مگر خاموش ہی رہیں۔

"سلمان بھائی!" اورنج جوس کا گلاس لیے اس بار وہ نیچے سے ہی آواز دے رہی تھی اور سلمان پہلی ہی آواز پر بڑی تیزی سے آیا تھا۔

✡ ✡ ✡

صندل کا کانٹریکٹ اسی دن سائن ہو گیا تھا۔ پرائیویٹ پروڈکشن ہاؤسز کی روایت کے برخلاف' افسر بھائی نے اس کے پچاس ہزار روپے ایڈوانس بھی دے دیے تھے' ایسا یقیناً" ان کے اور سالار کے تعلقات کی وجہ سے ہی ہوا تھا۔

نانی' سالار کی بہت مشکور تھیں۔ انہیں افسر بھائی کے پروگرام کا آئیڈیا اور کام کا طریقہ بے حد پسند آیا تھا۔

"پڑھے لکھے لوگ ہیں' صندل کو ان کے ساتھ کام کر کے جتنا فائدہ پہنچے گا' اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں' صندل کی شہرت کہیں سے کہیں پہنچے گی' اللہ نے چاہا تو۔"

ایک دن انہوں نے اپنے سارے اختلافات بھلا کر نگینہ کو سمجھانا چاہا' مگر وہ یوں ٹھس ہوئی بیٹھی رہی' جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ صندل کے معاملے میں اس نے اب مکمل چپ سادھ رکھی تھی۔ ساری کرتا دھرتا' نانی ستارہ ہی تھیں۔

افسر بھائی کو پہلی ریہرسل پر ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ صندل جیسی ماہر فن کو بہت زیادہ پریکٹس کی ضرورت نہیں ہے' ان کے لیے سب سے اچھی بات یہی تھی' پرائیویٹ پروڈکشن میں کام ویسے بھی تیزی کے ساتھ نمٹانے کی کوشش رہتی ہے' سو اب زور و شور کے ساتھ ریکارڈنگز جاری تھیں' پروگرام جلد ہی آن ایئر جانے والا تھا۔

نانی ستارہ اور خود صندل بے حد پُرامید تھیں۔

"صندل پہلی لڑکی ہے' جسے اس پروگرام میں ایڈوانس دے کر سائن کیا ہے' ورنہ تو وہاں روز کتنی ہی لڑکیاں آئی بیٹھی رہتی ہیں۔ ہماری اپنی برادری کی بھی' مگر صندل جیسی بات کہاں ہے کسی میں۔" اس روز ریکارڈنگ نہیں تھی۔

نانی کے ہال نما کمرے کے سب دروازے کھڑکیاں کھلی ہوئی تھیں اور سردیوں کی نرم گرم دھوپ سارے میں پھیل رہی تھی۔

آج کل ان کے لہجے میں تفاخر کا احساس نمایاں ہوتا تھا۔

نگینہ ابھی ابھی گلناز کے پاس سے ہو کر آئی تھی۔ الماس اگلے ہفتے دوبئی جا رہی تھی' جہاں کے پروگرام سے لاکھوں کی آمدنی یقینی تھی' سو وہ پچاس ہزار کی رقم پر نانی کی خوشی کو برداشت نہیں کر پا رہی تھی۔ مزید ضبط نہ ہوا تو کہہ بھی دیا۔

"پچاس ہزار کی حیثیت ہی کیا ہے اماں! آپ کی اپنی بہن کے ہاں اب لاکھوں' کروڑوں کی باتیں ہوتی ہیں' الماس تو اب سیلبریٹی بن رہی ہے۔"

طویل دور فلمی ماحول میں گزار کر وہ رائج الوقت اصطلاحات کا استعمال بخوبی کرنے لگی تھی۔

نانی کو سب سے زیادہ برا' صندل کا الماس سے مقابلہ لگتا تھا' اور وہ بھی نگینہ کے منہ سے' سو ان کی پیشانی پر بل پڑنے لگا تھا۔

"اس طرح کے لاکھوں کروڑوں' بڑی بدبختی لے کر آتے ہیں اپنے ساتھ' ہر کام کی کوئی شرم ہوتی ہے مگر میری بہن کے کنبے نے تو ہر شرم لحاظ اٹھا دیا ہے۔"

"تو یہاں کون سے شرعی کام ہو رہے ہیں' ملاوٹ شدہ منافقانہ زندگی' انسان یا تو پورا نیک ہی ہو جائے' یا پھر سارے کا سارا گناہ گار ہی ٹھہرے یا تو زندگی کے پورے مزے ہی لوٹ لے یا پھر روح میں گڑی پھانس ہی نکل جائے' کچھ تو ہو!"

اپنی فطری چڑچڑاہٹ کے ساتھ وہ جو کچھ بھی کہہ رہی تھی' تلخ سچائی تھی' مگر یہاں ایسی باتیں محض منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے کی جاتی تھیں۔ ان پر غور و عمل کرنے کی کوئی نیت نہیں ہوتی تھی۔

گیتی نے بے حد اکتا کر اِدھر اُدھر دیکھا' تب ہی شاما' سالار کی آمد کی اطلاع لیے چلی آئی۔

گیتی اس سے یہیں بیٹھ کر پڑھتی تھی۔ نگینہ نے صندل والے قصے کے بعد سالار سے بھی ایک طرح کا پردہ کر رکھا تھا' سو وہ اس کے آنے کی خبر سنتے ہی اٹھ چکی تھی اور نانی کے انتظار میں استاد جی ہال میں آ بیٹھے تھے' وہ سالار سے دعا سلام کرتی ہوئی اس طرف چلی گئیں۔

گیتی اپنی کتابیں لے کر اس مخصوص گوشے میں صوفے پر بیٹھ چکی تھی' جہاں وہ لوگ پڑھا کرتے تھے۔ وہ اپنے سامنے کتاب کھولے صفحات الٹ پلٹ کر رہی تھی تب سالار کی نظر ایک بار پھر اس کے چہرے پر جمنے لگی۔

اس کی دمکتی ہوئی گندمی رنگت۔

شہد رنگ بالوں کی نرمی سے بھری ہوئی لٹیں' جن کی ملائمت کا اندازہ اتنے فاصلے سے بھی ہوتا تھا۔ کتنی ہی بار بڑی شدت سے اس کا دل انہیں چھونے کو چاہتا' مگر اتنی ہی بار اس نے اپنے دل کو سختی سے سرزنش کی تھی۔

مگر پھر وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بھی جاگ پڑنے والا رخسار کا ڈمپل اور سحر طاری کرتی حسین آنکھیں' جو شکر ہے کہ اس کے سامنے زیادہ تر جھکی رہتیں ورنہ تو......!

اپنے جذبوں کی شدت سے وہ کبھی کبھی اپنے آپ سے بھی لاجواب ہونے لگتا تھا۔

سو یہ طے تھا کہ وہ گیتی آرا کی محبت میں شدت کے ساتھ گرفتار ہو چکا ہے! شبہ تو اسے پہلے دن ہی ہو گیا تھا' مگر اب تو جیسے روز بروز اس کا یقین گہرا ہو رہا تھا۔

"ہاں تو آج کیا پڑھنا ہے اردو غزل' یہی نا!" اس کے نقوش کی بھول بھلیوں سے بمشکل نکل کر وہ سنجیدگی خود پر طاری کرنے میں کامیاب ہو ہی گیا۔

"جی!" وہاں وہی سادہ سا لہجہ تھا جو اسے کسی خوش فہمی میں مبتلا ہونے سے روکتا تھا۔

وہ بہت انہماک سے پڑھتی تھی' اور کم ہی ایسا ہوا تھا کہ سالار کو لگا ہو کہ اس کی توجہ کسی اور طرف ہے لیکن پچھلے کچھ دن سے' رہ رہ کر ایک ہی شبہ ہو رہا تھا کہ وہ کچھ خفا بھی ہے۔

چند ایک اِدھر اُدھر کی باتیں جو وہ اس سے بے ساختگی میں کر لیا کرتی تھی' آج کل بالکل چھوڑ دی تھیں۔ خاصی دیر سنجیدگی کے ساتھ پڑھائی ہوتی رہی' لیکن جب وہ لوگ شاما کی لائی بھاپ اڑاتی چائے کی طرف متوجہ ہوئے تھے تب سالار سے رہا نہ گیا۔

"جو بات میں پوچھوں گا' بالکل ٹھیک جواب دو گی؟"
گیتی نے کچھ حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔
"میں آپ سے کیسے جھوٹ بول سکتی ہوں!"
"ٹھیک ٹھیک!" سالار نے ہاتھ کے اشارے سے اسے مزید کچھ کہنے سے روکا۔ "تو پھر فوراً" بتاؤ کہ ناراض کیوں ہو؟"
وہ بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اور جو سایہ سا ابھی ابھی اس نے اس کے چہرے پر لہراتا دیکھا تھا وہ اس کے خیال کی تائید کرتا تھا۔
اور اس شخص کے سامنے محض بات کو ٹالنے کی غرض سے بھی جھوٹ نہیں بولا جا سکتا تھا۔
گیتی کو ایسا ہی لگا۔
"میں آپ سے ناراض نہیں' بلکہ مجھے دکھ پہنچا ہے آپ کی بات سے۔" چھوٹا سا فقرہ کہتے ہوئے اس نے اس طرح سر جھکا لیا تھا' جیسے خود ہی قصوروار ہوا۔
"میری وجہ سے!" سالار نے بہت حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "پلیز گیتی! کھل کر بتاؤ' ایسا کچھ مجھ سے یقیناً نادانستگی میں ہوا ہو گا' اور میں اس پر جانے بنا بھی بہت شرمندہ ہو رہا ہوں۔ پلیز بتاؤ تو سہی۔"
بہت بے چینی محسوس کرتے ہوئے' سالار نے لبوں تک جاتا کپ واپس میز پر رکھا۔
"آپ نے صندل کو پروگرام کیوں بلوایا؟"
"کیا!" اس بار وہ پہلے سے زیادہ حیرت زدہ تھا۔ ان چند سیکنڈز میں اس نے گیتی کی ناراضی کی جو وجوہات ڈھونڈنا چاہی تھیں' ان میں اس بات کا تو خیال بھی نہیں آیا تھا۔
"وہ... میں نے تو..."
"آپ نے تو اپنے طور پر ہماری بہت بھرپور مدد کی ہے' ہے نا' ہماری حالت کا اچھی طرح اندازہ ہے آپ کو' صندل کو کام نہیں ملتا تھا' اور یہاں اٹھتے بیٹھتے یہی رونا تھا۔"
اس کے لہجے میں تلخی بڑھ رہی تھی اور جو کچھ بھی وہ کہہ رہی تھی بالکل وہی بات تھی۔
سالار ندامت میں گھرنے لگا۔
"اس گھر میں صرف میں تھی' جسے صندل کی بے کاری سے ایک بڑی طمانیت حاصل تھی' لگتا تھا کہ شاید اب قدرت کو ہماری حالت کی تبدیلی منظور ہے' رزق کا کوئی اور در کھلے گا' نانی اور امی کوئی دوسرا ذریعہ ڈھونڈ لیں گی۔ آخر کار' شاید یہ جگہ نانی ولدار بیچ کر ہم کوئی چھوٹا سا دو کمروں کا ہی گھر لے لیں گے' دور چلے جائیں گے یہاں سے بہت دور... لیکن آپ نے سارے راستے ہی بند کر دیے۔"
سالار کو لگا جیسے اس کے پاس اپنی صفائی میں کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔
کاش وہ اس روز نگینہ کی درد بھری بات نہ سنتا تو یہ غلطی نہ ہوتی۔
"وہ ایک صاف ستھرا پروگرام ہے گیتی! اور افسر بھائی تو بہت شریف آدمی ہیں' اچھے گھرانوں کی لڑکیاں کلاسیکل سیکھ کر ان کے ساتھ پروگرام کر چکی ہیں۔"
اس کی تسلی کے لیے وہ چند مناسب فقرے ادا کرنے میں کامیاب ہوا۔
گیتی کے چہرے پر ایک دھیمی مسکراہٹ پھیلی۔
"اچھے گھر!"
"اچھے گھروں کا لیبل بہت قیمتی ہوتا ہے سالار صاحب! اچھے گھر کی لڑکی کے لیے' یہ کام نہیں شوق ہے' فیشن

ناچتی ہے تو اس کام کی عزت بڑھتی ہے' اس کے والدین فخر سے اگلی رو میں بیٹھ کر اپنی بیٹی کے فن کو سراہتے ہیں... ناچنا اس کا کیریر نہیں ہوتا۔"
...بولتے بولتے شاید تھک گئی تھی۔
"...صندل بھی ماہرِ فن ہے' اس کے لیے اتنا منفی مت سوچو!"
...کا سر ہلکے سے نفی میں ہلا۔
"آپ نے بہت برا کیا' اب وہ واپس نہیں آئے گی' اور یہاں کوئی اسے واپس آنے بھی نہیں دے گا یہاں کے سارے راستے بند کر دیے جاتے ہیں۔" وہ اتنا آہستگی سے کہہ رہی تھی کہ سالار کو اس کی بات سننے میں ...ت ہوئی۔

☼ ☼ ☼

بوا عظمت کا کچن میں یہ تیسرا چکر تھا۔
روزی ابھی طرح کچن کاؤنٹر کے پاس پڑے اسٹول پر گم صم سی کیفیت میں بیٹھی تھی۔
"اب ختم بھی کر دے مراقبہ' کیوں اس بڑھاپے میں مجھے ذلیل کرواتی ہے۔" وہ ٹھیک اس کے پاس جا کر ...ازیں۔
وہ بری طرح چونکی' اور پھر بوا کو دیکھ کر اس کے چہرے پر اطمینان سا اترا۔
"کیا بات ہے؟" انہوں نے اس کی آنکھوں میں پھیلے تحسم کو دیکھ لیا تھا۔ "کچھ پریشانی ہے؟"
"نہیں!" وہ ہلکے سے مسکرائی' مگر یہ پھیکی سی مسکراہٹ اس کے تاثرات کا ساتھ نہیں دے پائی۔
"صاحب بلا رہے ہیں' ان کی کوئی چیز نہیں مل رہی ہے' جا کر ذرا ڈھونڈ دے' کتنی بار تو آ کر کہہ چکی ہوں' صبح ...بیگم صاحبہ سے تیری وجہ سے ڈانٹ کھائی ہے' اب یہ لڑکا سر کو آ رہا ہے۔"
...نبیل کے لیے اب بھی لہجے میں سے عزت و احترام غائب ہونے لگتا تھا۔
روزی یوں ان کی شکل دیکھے گئی' جیسے یہ سب کسی اور سے کہا جا رہا ہو۔
"اب اٹھ بھی جا مہارانی! کیوں شامت بلوا رہی ہے۔"
"میں نہیں جاؤں گی بوا! مجھے ان سے ڈر لگتا ہے!" اس نے جیسے سرگوشی کی۔
"کیا!"
بوا عظمت نے اس کے چہرے پر خوف کی پرچھائیں اس بار پہلے سے زیادہ گہری پائی۔
برسوں ہو گئے تھے اس گھر میں' کتنے ہی کھیل ان کی آنکھوں کے سامنے کھیلے گئے اور وہ خاموش تماشائی بنی ...رہیں۔
...کی بات کی گہرائی میں وہ پل سے بھی کم وقفہ میں پہنچیں۔
"تجھے کچھ کہا اس نے!" وہ اس کے بالکل قریب چلی آئیں۔ "سچ بتا بالکل' جھوٹ بولا تو جان سے مار دوں گی!"
...کی نگاہیں اس کے سراپے کو اس طرح ٹٹول رہی تھیں' جیسے کوئی سربستہ راز چھپا ہو۔
"وہ بہت خراب آدمی ہے بوا! اس روز' اس روز...!" وہ ہچکیاں لے کر رونے لگی۔ کتنے دن ہو گئے تھے' مگر ...روز نبیل کا اپنی طرف کھینچنا اور پھر... اس کی بے ہودگیاں یاد آتیں تو وہ رنج اور شرم سے کٹنے لگتی۔ اگر بیگم ...ج کی آواز نہ آتی تو بال بال بچی تھی وہ۔
...اوپر سے دھمکی دی کہ اگر بیگم صاحب کو پتا چلا تو ایسی جگہ بیچ کر آؤں گا' جہاں موت بھی پناہ مانگے گی۔"

"بدبخت کہیں کا" اور بیگم کون سی کم ہے ' ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں ' اس کو پتا بھی چل جائے گا تو وہ سارا الزام الٹا تیرے سر دھر دے گی ' اس چھوکرے پر الزام نہیں آنے دے گی پہلے اپنے بیٹے کی آوارگیوں پر پردہ ڈالتی رہی ہے اور اب یہ مل گیا ہے۔"

"میں کیا کروں بوا! مجھے کوئی راستہ بتاؤ!"

چہرے سے آنسو صاف کرتے ہوئے ' روزی امید بھری نگاہوں سے بوا کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"چلی جا یہاں سے ' اس سے پہلے کہ کوئی بڑی قیامت آئے ' چھوڑ دے اس گھر کو۔" وہ دہشت زدہ سی ہو کر بڑی تیزی سے بولیں۔

"کہاں چلی جاؤں ' کون سا دوسرا ٹھکانہ ہے ' کسی کو بھی آج تک آتے دیکھا میرے پاس ' میں تو بالکل اکیلی ہوں بوا۔" وہ پھر سے رونا شروع ہو چکی تھی۔

"اور یہ جو باہر راجو بیٹھا ہے ' اس نے کوئی جھوٹا سچا آسرا نہیں دلا رکھا ' جس سے تو سارا دن ہی میری آنکھوں میں دھول جھونک کر ملنے جاتی رہتی ہے۔" سخت پریشانی میں بھی بوا نے اپنا پچھلا دکھڑا یاد رکھا۔

"اس کی دو بہنوں کی شادی ہونی ہے بوا! اس کے بعد ہی وہ شادی کرے گا ' وہ مجھے دھوکا نہیں دے رہا۔"

بڑی مشکل سے عظمت بوا نے خود کو کوئی سخت بات کہنے سے روکا۔

"میں بات کرتی ہوں اس سے ' اس کام میں اب دیر نہیں کی جاسکتی ' بالکل سادگی سے نکاح پڑھوا لے اور لے جائے تجھے یہاں سے ' اصل بات سنے گا تو فورا" مان جائے گا ' اگر سچا ہے۔"

"نہیں بوا!" روزی نے ان کا ہاتھ پکڑا۔ "راجو بے حد جذباتی ہے ' سب سے پہلے تو وہ اس کمینے کو ختم کرے گا ' آگے کی تو سوچے گا بھی نہیں ' کون اس کے لیے جیل کچہری کرے گا ' بیوہ ماں ' دو بہنیں ' اور ہے کون۔"

بوا عظمت کو لگا جیسے آج انہوں نے پہلی بار روزی کو جانا ہے۔

وہ محض شوخ ' بے فکری اور بے وقوف نہیں تھی ' اس میں بڑی گہری حساسیت بھی تھی ' نہ صرف اپنے لیے ' بلکہ دوسروں کے لیے بھی۔

"ٹھیک ہے ' میں کچھ اور سوچتی ہوں ' تو بہت احتیاط رکھ ' رات کو میرے پاس سویا کر ' اور دن میں بھی اِدھر اُدھر پھرنے کی ضرورت نہیں ہے ' اتنا بڑا سنسان گھر ہے ' اور دوسرے یہ ہار سنگھار بھی ختم کر!"

اپنی بات ختم کرتے ہوئے انہیں غلطی کا احساس ہوا۔ روزی کا چہرہ خشک تھا اور بالوں میں شاید کئی دن سے کنگھا تک نہیں ہوا تھا ' ایک پرانے کئی بار کے دھلے ہوئے سوٹ میں ' وہ اپنے مخصوص حلیے سے بالکل مختلف دکھائی دے رہی تھی۔

☼ ☼ ☼
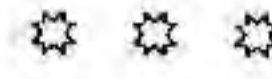
"سچ پوچھو تو مجھے ابھی تک یقین نہیں آیا ہے!"

کئی دن گزر جانے کے باوجود بھی ' ربیعہ کسی نہ کسی وقت بڑی حیرت سے معاذ کی طرف دیکھ کر کہہ اٹھتی۔

"اصل میں تمہیں میری صلاحیتوں کے بارے میں ہمیشہ شک رہا ہے ' ورنہ یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کام تھا!"

بڑی لاپروائی سے اس نے ربیعہ کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجائی اور ہنس پڑا۔

"تو یہ بایاں ہاتھ ' پچھلے دو سال سے کام کیوں نہیں کر رہا تھا آخر؟" ربیعہ نے برا سا منہ بنا کر قدرے زور سے کہہ دیا۔

دادی ویسے تو کرسی پر پاؤں اوپر کیے ' دھوپ میں بیٹھی مزے سے اخبار پڑھ رہی تھیں ' مگر دھیان جیسے ہر طرف

رہتا تھا۔ چشمے کے اوپر سے ایک کڑی نگاہ ربیعہ پر ڈالی۔ ان کے نزدیک معاذ کی "بے ادبی" بڑی ناز یبا بات تھی۔

"سوچ سمجھ کر بولا کرو ربیعہ! اس کا ہاتھ خدا نہ کرے کیوں کام نہ کرتا ' وہ تو یونیورسٹی والوں کو ہی کچھ دشمنی ہو گئی تھی اس سے ' اب کہ کسی بھلے شخص کے ہاتھ میں اس کے پیپر آئے تو دیکھو کیسی شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔"

"شان دار" پر ربیعہ کے ساتھ معاذ بھی ہنس پڑا۔

"پاس ہوا ہے دادی! پورے دو سال ضائع کرنے کے بعد ' شان دار کامیابی کہاں سے ہو گئی۔" ربیعہ نے ان کی بات میں اضافہ کرنا چاہا ' مگر ان کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ پاس ہو گیا ہے۔ ان کا بس چلتا تو وہ خاندان بھر میں معاذ کے ماسٹرز ہونے کی مٹھائی بھی بٹوا دیتیں ' مگر یہاں خود معاذ آڑے آیا تھا۔

"کیوں مذاق اڑوائیں گی سارے میں ' مجھ سے جونیئر آگے نکل گئے ہیں ' اب تو کوئی مجھ سے پوچھتا بھی نہیں ' سب نے خود ہی فرض کر لیا ہے کہ میں پاس ہو چکا ہوں۔" اس نے ان کے آگے باقاعدہ ہاتھ جوڑے تھے۔

دادی مذاق اڑانے والی بات سے متفق نہیں تھیں مگر کیونکہ معاذ نے منع کیا تھا ' سو مان گئیں۔

معاذ پچھلے احاطے میں اترتی سیڑھیوں پر بیٹھا اپنی پارٹی کے کچھ حساب کتاب چیک کر رہا تھا ' قریب بچوں کی کاپیاں بھی رکھی تھیں۔

سردیوں میں سب ہی کو یہاں بیٹھنا اچھا لگتا تھا۔ اسلام صاحب اخبار کے آفس سے آئے تو وہ بھی وہیں چلے آئے۔

"معاذ! تم نے بیگم زرتاج کے اسکول کے بارے میں پڑھا تھا ' جہاں انہوں نے قالین بننے کی ورکشاپ بھی ساتھ والے پلاٹ پر کھول رکھی ہے؟"

"جی ابا!" وہ ہاتھ روک کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔

"سنا ہے اسے انہوں نے اور توسیع دے دی ہے ' اب اسکول کا میدان اور دو کلاس روم بھی اسی مقصد کے لیے استعمال ہو رہے ہیں ' بڑے پیمانے پر کام ہو رہا ہے اب تو وہاں ' اور یہ ہاتھ سے بنے قالین ' بڑے مہنگے داموں پر بیرون ملک بھیجے جا رہے ہیں۔"

اخبار کے آفس سے وہ جب بھی آتے ' بہت ساری ایسی خبریں ساتھ لاتے ' جو کہیں چھپنے سے رہ گئی ہوتی تھیں۔

"یہ معاملہ اٹھا تو تھا کچھ عرصہ پہلے ' میرا خیال ہے میں نے کچھ پڑھا تھا اس کے بارے میں۔"

معاذ نے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے کچھ یاد کرنا چاہا ' پچھلے چند ماہ میں وہ اپنے کام اور بیماری میں اتنا الجھا رہا تھا کہ کوئی بھی غیر متعلقہ بات ذہن میں زیادہ دیر ٹھہر نہیں پاتی تھی۔

"ارے اس سفیر الدین نے ڈھول اڑائی تھی کچھ دنوں کے لیے ' اپنا الو سیدھا کرنے کے لیے ' مگر بس پیسہ کھا کر رہ گیا خاموش ہو کر ' حالانکہ چاہتا تو زرتاج بیگم کے لیے خاصی مشکل کھڑی کر سکتا تھا۔"

معاذ مسکرا دیا۔

جانتا تھا کہ وہ اس نچلے درجے کی صحافتی بلیک میلنگ سے سخت نفرت کرتے تھے ' جس کے بل پر بہت سوں کی ٹھاٹ کمائی جاری تھی۔

"غرض نے آنکھوں پر پٹی باندھ دی ہے اور ضمیر نام کی کوئی چیز شاید باقی ہی نہیں رہی ہے ایسے لوگوں میں ' کتنے ہی ایسے اسکینڈل سامنے آتے ہیں ' اور چند دن کی سنسنی پھیلانے کے بعد ' ایسی خاموشی چھائی ہے کہ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ قلم کی حرمت بیچ کھاتے ہیں اور کوئی پوچھنے والا نہیں۔"

ان جیسے شخص کے لیے کہ اس طرح کی کتنی ہی باتیں تکلیف دہ رہتی تھیں۔

"ایسا کریں، آپ لکھ ڈالیں بیگم زرتاج کے خلاف بہت سی اور بھی دوسری باتیں مل جائیں گی، بڑی پہنچی ہوئی خاتون ہیں۔"

معاذ کو اس روز ہوٹل کی لابی میں بیگم زرتاج اور اس لڑکے کا ملنا یاد آیا جس پر وہ اب تک حیران تھا۔

"اس طرح کے موضوعات، خاصی بھاگ دوڑ مانگتے ہیں، جواب میرے بس کی بات نہیں ہے، لکھے گا کوئی نہ کوئی اللہ کا بندہ، کبھی تو روز حساب آئے گا ہی۔" وہ کہتے ہوئے مڑ کر ربیعہ سے چائے کا کہنے لگے۔

"لکھنے کو تو میں بھی لکھ دوں، بیگم زرتاج کے میاں ہی خیر سے پورا ایک الگ موضوع ہیں۔ مگر میرا لکھا ہوا چھاپے گا کون، آپ اپنے نام سے چھپوانے کا وعدہ کریں تو پھر بات بنتی ہے۔"

وہ ہنس پڑے۔

اس طرح کی انٹ شنٹ باتیں اس کے مزاج کا حصہ تھیں۔

"مجھے تو معاف ہی رکھو، ایک نام ہی تو ہے، جس کی تھوڑی سی عزت ہے، اور دوسرے کسی کی ذاتی زندگی پر کیچڑ اچھالنے کا ہمیں حق بھی نہیں ہے، بیگم زرتاج کی شادیاں، اور شوہر، ان کا قطعی نجی معاملہ ہے، جس پر کسی کو بھی انگلی اٹھانے کا حق حاصل نہیں ہے۔"

اپنی بات کہتے ہوئے وہ قدرے سنجیدہ ہو گئے۔

معاذ کے چہرے پر بڑا اطمینان بھرا تاثر تھا۔ اپنے باپ پر اسے فخر تھا۔

ان کا ہر اصول، قاعدہ، انسانیت کے بلند معیار کو چھوتا تھا۔ محض زبان کے چٹخارے کے لیے، وہ مسالے دار گفتگو سے سختی سے پرہیز کرتے تھے، اور گھر میں بھی کسی کو اجازت نہیں دیتے تھے۔

وہ دل سے ان کا معتقد تھا مگر زبان عادتاً "نہیں رکتی تھی۔

"اچھی بات ہے آپ احتیاط کر رہے ہیں، اظہار چچا کے رشتے داروں کے خلاف لکھیں گے تو وہ اور بھی ناراض ہو جائیں گے، ہم لوگ پہلے ہی ان کی گڈ بک سے خارج ہیں۔"

"صاحب خبردار، جو اب کوئی نئی لڑائی لڑنے کی ٹھانی تم باپ بیٹے نے۔" دادی اظہار صاحب کے ذکر پر ذرا سنبھل کر بیٹھیں۔ "خاندان میں تعلقات بگاڑے نہیں جاسکتے، کل کو ہمیں بھی اظہار سے کام پڑتا ہے۔"

ربیعہ چائے لا رہی تھی۔ دادی کا آخری فقرہ سن کر اسے بڑا اطمینان سا ہوا۔

گھر میں کوئی تو تھا جو اس ٹوٹے ہوئے سرے کو جوڑنے کی فکر میں تھا، ورنہ یہاں تو معاذ نے سخت مایوس کر رکھا تھا، اور اب بھی کر رہا تھا۔

"آپ کو کون سا کام پڑ رہا ہے اظہار چچا سے، ہم لوگ الگ الگ دنیاؤں کے رہنے والے ہیں، دادی! آپ بھی اپنے ذہن کو مت تھکایا کریں۔"

دادی نے ذرا خفگی سے معاذ کی طرف دیکھا۔

"تم سے کون مشورہ طلب کر رہا ہے، ہمیں جو کرنا ہے اپنے طور پر کریں گے، اسلام تم!" وہ مڑ کر بیٹے کی طرف متوجہ ہوئیں۔ "تم اب اس کو کہیں کام پر لگوا دو جلد سے جلد، آخر اتنے جان پہچان کے لوگ ہیں تمہارے۔"

"اور کتنا کام کروائیں گی مجھ سے، پہلے ہی دن رات مصروف رہتا ہوں، مزید کی گنجائش کہاں!" چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے وہ دادی کی بات کو مستقل گھمانے کی فکر میں تھا۔

"میں اس نوکری کی بات کر رہی ہوں جس میں تنخواہ بھی ملتی ہے، اب پاس ہو گئے، نوکری ملنے میں بھی کیا دیر لگے گی۔" وہ اس کے رزلٹ کے بعد سے بے حد خوش اور مطمئن تھیں۔

"اللہ آپ کی خوش فہمی کو برقرار رکھے دادی! ورنہ کچھ عرصے بعد آپ لوگوں سے یہ کہتی دکھائی دیں گی کہ

نوکریاں تو بہت ہیں' معاذ خود ہی نہیں کر رہا ہے۔"

اس بار دادی نے اس کی بات کو قطعی اَن سنا کر دیا۔

"میں تم سے کہہ رہی ہوں اسلام! اس کو کہیں نوکری پر لگواؤ' میں اظہار سے جویا کے لیے اب فوری طور پر بات کرنا چاہتی ہوں' مجھے یقین ہے کہ کچھ بھی ہو وہ میری بات نہیں ٹالے گا۔" آج دادی کے انداز میں کچھ اور ہی بات تھی۔

اسلام صاحب' ربیعہ اور معاذ تینوں ہی نے اپنی اپنی جگہ حیرت سی محسوس کی۔

"اظہار اور شاکرہ اب پہلے سے نہیں رہے ہیں اماں! وہ بہت آگے نکل چکے ہیں' مجھے لگتا ہے آپ نے انہیں صحیح طور پر سمجھا نہیں ہے۔"

"تم معاذ کی نوکری کا بندوبست کرو۔ آگے میں جانوں اور میرا کام۔ ہر بات خود ہی فرض کر کے مت بیٹھ جایا کرو خاندان میں سلمان کی شادی پر اب اتنی باتیں بن رہی ہیں' ہر ایک ہی انہیں موردِ الزام ٹھہرا رہا ہے' وقت کے ساتھ غلطی کا احساس اور بھی گہرا ہو گا۔"

صاف لگ رہا تھا کہ اب وہ اس معاملے کو کسی اچھے انجام پر پہنچا کر ہی دم لیں گی۔

ربیعہ کا دل بڑے خوشگوار انداز میں دھڑک رہا تھا۔

"جویا اس گھر میں آجائے اس سے بڑی خوشی کی دوسری کیا بات ہو گی!"

ایک بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ اس نے معاذ کی طرف دیکھا' جو چائے کا کپ ایک طرف رکھ کر کتابیں سمیٹ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے ان مغرور لوگوں کے آگے ہاتھ جوڑنے کی' میری چند ہزار کی نوکری میں اتنا دم نہیں ہو گا کہ وہ ان کے سامنے ٹھہر سکے' آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی جس سے میں ذلیل ہو جاؤں!"

وہ بے حد سنجیدہ تھا' اتنی دیر سے لبوں پر ٹھہری مسکراہٹ اب غائب تھی۔

ربیعہ مستقل اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ نرم سی دھوپ نے اس کی پوری شخصیت کو سنہری رنگ کے ہالے میں قید کیا ہوا تھا۔ سرد ہوا کے جھونکوں سے بار بار ماتھے پر بکھرتے بال' جنہیں وہ مستقل ہاتھ سے پیچھے کیے جا رہا تھا' اور ان تینوں کے بیچ کھڑے ہو کر اس کی بلند قامتی بڑی واضح ہو رہی تھی۔

تھوڑا سا خفا خفا' وہ اتنا اچھا لگ رہا تھا کہ ربیعہ کو نظر لگ جانے کا خدشہ ستانے لگا۔

"کہنے دیں اسے' آپ ضرور اظہار چچا سے بات کر لیجیے گا۔"

وہ جا چکا تو ربیعہ نے بے اختیار دادی کے گلے میں باہیں ڈال دیں' دادی کے چہرے پر گہری مسکراہٹ تھی۔

☼ ☼ ☼

جدید طرز کے اس آفس میں ایئر فریشنر کے ساتھ مشروبات کی تیز مہک گھل رہی تھی۔

بالکل ایک سائیڈ پر بنے چھوٹے سے کاؤنٹر پر کتنی ہی بوتلیں کھلی پڑی تھیں۔

وہ تیسری بار اپنا گلاس بھر کر واپس صوفے پر آ کر بیٹھا تھا۔

"کہاں کا گلیمر اور کہاں کے مزے' سالی ٹینشن ہی ٹینشن ہے اس فیلڈ میں' کروڑوں روپیہ ہر وقت داؤ پر لگا رہتا ہے' کامیابی کے سب حصے دار اور ناکامی کا جھٹکا اکیلے پروڈیوسر کے حصے میں۔" وہ تازہ تازہ زخم خوردہ تھا سو تلخ ہونا فطری تھا۔

"خیر اکیلا پروڈیوسر تو نہیں' جھٹکا تو سب کو یکساں ہی لگتا ہے ملک صاحب! ڈائریکٹر' ہیرو' ہیروئن سب ہی پیٹ جاتے ہیں ایک بار تو...؟"

وہاں موجود لوگوں میں سے کسی نے اختلاف کیا تو اس نے اپنی سرخی مائل آنکھوں سے اسے گھور کر دیکھا۔

"بے وقوف آدمی! میں مالی جھٹکے کی بات کر رہا ہوں اگر فنانس ایک اکیلے کی ہو تو' باقی تو اپنی وصولی کر چکے ہوتے ہیں پہلے ہی' باقیوں کی تو بس شہرت ہی خراب ہوتی ہے' سو وہ پہلے ہی کون سی اچھی ہوتی ہے!" اپنے بے تکے مذاق پر اس نے ایک قہقہہ لگایا تو موجود سب ہی لوگوں کو خوشامدی ہنسی ہنسنا پڑی۔

"مجھے بتایئے کیا کرنا ہے؟ آخر کے چند سین رہ گئے ہیں ملک صاحب! ہر چیز تیار ہے' لیکن آپ کی ہیروئن کا کہیں اتا پتا نہیں' مجھے تو سچ مچ دکھ دیا ہے اس فلم نے!" ملک نے اکتائے ہوئے اس شخص کو بڑی ہمدردی سے دیکھا' یہ اس کی زیرِ تکمیل فلم کا ڈائریکٹر تھا۔

"میں پوری کوشش کر رہا ہوں' خدا کرے کہ بس کل سے کام شروع ہو جائے' یہاں یہی مصیبت ہے' جس کی بھی ذرا سی ویلیو بننے لگتی ہے یوں نخرے دکھاتی ہے پتا ہے کہ انڈسٹری میں اچھے چہروں کا کال ہے۔ ہم مجبور ہیں ان پر انحصار کرنے کے لیے۔" وہ اپنا گلاس بھرنے کے لیے ایک بار پھر اٹھ رہا تھا۔

"ایک بات ملک صاحب!" وہ شخص اس کے پیچھے ہی اٹھ کر آیا۔ "آپ کی اگلی دو فلمیں جو سیٹ پر آنے والی ہیں ان کی ذمہ داری میں نہیں لوں گا' اگر آپ یہی کاسٹ رکھیں گے۔"

باوجود ہلکے سے نشے کے ملک گل ریز نے محسوس کیا کہ اس کا باصلاحیت ڈائریکٹر بے حد سنجیدہ ہے۔

"میں میڈم رخشی کے ساتھ کوئی فلم نہیں کرنا چاہتا مستقبل میں' نہ آپ کی اور نہ کسی اور کی' مجھے ایسے نان پروفیشنل لوگ برداشت نہیں' یہ میں صاف بتا رہا ہوں۔"

حالانکہ وہ ملک گل ریز اور اس کی ہیروئن کے تعلقات کی نوعیت سے بھی کسی حد تک آگاہ تھا' مگر پھر بھی بہت دوٹوک انداز میں بات کر رہا تھا۔

اس کے لہجے میں کوئی رعایت نہیں تھی۔

ملک گل ریز نے ایک چھوٹے سے پل میں اپنے نفع نقصان کا تخمینہ لگایا۔

میڈم رخشی کی قربت کتنی بھی سحر انگیز سہی' اس کی فلموں کو اچھا بزنس پچھلے کئی سالوں سے ڈائریکٹر ہی دلوا رہا تھا۔

"میوزیکل فلم بڑا سکون اور توجہ مانگتی ہیں' رخشی میڈم کا طریقہ سارے سبجیکٹ کا ستیاناس کر کے چھوڑے گا۔ اس کے لیے تو کوئی بہت سچا فنکار جسے کام سے عشق ہو' جو ہمیں اپنا پورا وقت۔" بات کرتے کرتے اسے اندازہ ہوا کہ ملک گل ریز اس کی بات نہیں سن رہا ہے' وہ قریب ضرور موجود تھا مگر۔

ڈائریکٹر بالی نے ملک گل ریز کی نگاہوں کے تعاقب میں سامنے لگے پلازما کے اسکرین کو دیکھا۔

گلابی رنگت والا' وہ حسین تر چہرہ' خود پر سے نگاہ ہٹانے کی اجازت دے ہی نہیں سکتا تھا۔ وہ بڑی مہارت سے محوِ رقص تھی' اتنی مگن جیسے ساری دنیا سے کوئی ناتا ہی نہیں۔

وہ دونوں ہی بنا پلک جھپکائے اسکرین پر نگاہ جمائے ہوئے تھے۔

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

دیوارِ شب

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد نازو نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار، لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے، زیورات کے ساتھ لیتی آراکی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید دھچکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسہ ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں۔ جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو رفاحی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں، سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان

کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کردی' جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً "مطمئن" ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز' سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت' زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے' جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً "سخت مزاج" ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ اظہار چچا' شاکرہ بیگم اور آیا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کرپاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے' جس سے وہ شدید زخمی ہوجاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور ندیا کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمدورفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کرلیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے خاص کر گیتی کی چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے' بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہوجاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور راجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کررہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے' جس پر وہ خاصا [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible] تاج بیگم کے بھائی یوسف کمال' نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑادیتی ہیں۔

۱۴

چودھویں قسط

"پلیز افسر بھائی! کوئی تو راہ نکالیں یار!"

سالار کا اصرار بڑھتا ہی جارہا تھا۔ "اس پروگرام کو کینسل کروائیں کسی طرح بھی' زندگی میں پہلا کوئی کام آپ سے کہہ رہا ہوں۔"

"پہلا نہیں دوسرا' پہلا تم نے صندل کو کام دلوانے کا کہا تھا' جو میں نے سر کے بل انجام دیا ہے۔"

میز کے دوسری طرف بیٹھے افسر بھائی نے سنجیدگی سے اسے یاد دلایا۔

"وہی تو غلطی ہوئی' اصل میں' میں بنا سوچے سمجھے جذباتی ہوگیا تھا۔"

"تم اب بھی وہی غلطی کررہے ہو' تمہارا اصل پرابلم کیا ہے سالار! ایک بہت اچھی فنکارہ کو تم سامنے لانے میں معاون بنے' یہ تو بات سمجھ میں آتی ہے' لیکن اب کیوں اس غریب کے کیریئر کو تباہ کرنے پر تل رہے ہو؟"

"آپ مجھے صرف یہ بتائیں کہ وہ پروگرام کسی طرح بھی رکواسکتے ہیں یا نہیں؟" افسر بھائی کے پوچھے گئے سوال کے جواب سے کترا کر وہ اپنی ہی کہے گیا۔

"میرے پاس سے وہ پروگرام کب کا جاچکا ہے سالار! میں نے وہ اپنے پاس رکھنے کے لیے تو نہیں تیار کیا تھا' پرائیویٹ چینل کو بیچ دیا' اب میرا کام ختم' میں انہیں کیسے فورس کرسکتا ہوں' جبکہ اس کے پیسے بھی لے چکا ہوں' اور وہ لوگ بھی پہلا پروگرام آن ایئر دے چکے ہیں۔"

ایک بار اور انہوں نے اسے سارا طریقہ سمجھانا چاہا' مگر وہ تو جیسے سننے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔

"آپ ان کے پیسے واپس کردیں۔"

"میرے خدا!" افسر بھائی نے بے ساختہ ہی ماتھے کو انگلیوں سے چھوا۔ "کیا آج طے کرکے آئے ہو کہ مجھے پاگل کرکے چھوڑو گے' میرے بھائی وہ پیسے کوئی میرے پاس اب تک بچے رکھے ہیں' مجھے بھی تو آگے کی ساری پے منٹ چکانی تھی' اور چینلز کا بھی اپنا شیڈول ہوتا ہے' ایک بار سیٹ ہوجانے کے بعد ردوبدل نہیں ہوتا ہے۔ کم از کم ایک سہ ماہی تک۔ تمہیں یہ سب خود بھی پتا ہے' لیکن بے کار کی بحث کررہے ہو۔"

اب تک وہ پوری طرح زچ ہوچکے تھے۔

"آپ بات تو کرکے دیکھیں' جتنے پیسے انہوں نے آپ کو پے کیے ہیں' اس سے ڈبل کی آفر کردیں۔ پروگرام واپس لینے پر۔"

افسر بھائی کو اس بار کوئی شبہ نہیں رہا کہ وہ یا تو واقعی کسی ذہنی مرض میں پوری طرح مبتلا ہوچکا ہے' یا ہونے والا ہے۔

جواب دینے کے بجائے وہ لب بھینچ کر خاموش ہی رہے۔

سالار اب بھی پُرامید نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا' پچھلے دو گھنٹے سے وہ ان کے پاس آیا بیٹھا تھا مگر ٹل کر نہیں دے رہا تھا۔

"کون دے گا یہ پیسے!" خود پر جمی سالار کی نگاہوں کے جواب میں آخر کو انہیں پوچھنا ہی پڑا۔

"میں دوں گا یہ پیسے۔"

"کیا؟" وہ بری طرح چونکے۔

سستی سی کھادی کے کرتا شلوار میں ملبوس' جس کے پاؤں میں پہنی چپل کی قیمت بھی دو ڈھائی سو سے زیادہ نہیں تھی۔ وہ یقیناً اب مذاق کررہا تھا۔

انہوں نے یہی بات اس سے کہہ بھی دی۔ لیکن وہ دھیرے سے نفی میں سر ہلا گیا۔

"میں مذاق نہیں کررہا ہوں' اور آپ جانتے ہیں کہ میں دے بھی سکتا ہوں۔"

افسر بھائی ساکت نگاہوں سے اسے دیکھے گئے' اس بار نہ وہ اس کا مذاق اڑا سکے اور نہ ہی خفا ہوسکے۔

"وہ واقعی بھول گئے تھے کہ وہ چاہے تو منہ مانگی رقم دے سکتا ہے' مگر یہ سب بھلائے رکھنے کا ذمہ دار بھی تو وہی تھا۔"

"اتنے عرصے بعد واپس جاؤ گے؟" اب سوال کی باری ان کی تھی۔

"جانا تو نہیں چاہ رہا تھا' لیکن اس کام کے لیے ضرور چلا جاؤں گا۔" وہ ہلکے سے مسکرایا تھا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ وہ لوگ آسانی سے....!"

افسر بھائی اپنے خدشات کا اظہار کر رہے تھے' وہ بڑے تحمل سے سنتا رہا اور جب وہ خاموش ہوئے تو بولا۔

"کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا افسر بھائی! اگر آج اس وقت بھی میں وہاں چلا جاؤں تو بھی میرا سارا حصہ مجھے محفوظ ملے گا' پاپا نے یہی ایک کام بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا کہ بعد میں وہ لوگ چاہیں بھی تو مجھ سے کچھ نہ لے سکیں' شاید اس طرح وہ اپنی غلطیوں کا ازالہ کرنا چاہتے تھے' مگر کیا واقعی ایسا ممکن ہو سکا ہے۔"

اس کا لہجہ پُرسکون تھا' لیکن اندر کا اضطراب اس کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا تھا۔

افسر بھائی نے ہمدردی سے اس کی طرف دیکھا۔

"پیسہ بہت بڑی طاقت ہے سالار! تم اسے استعمال کرنے سے گریز کرتے ہو' اس لیے شاید اندازہ نہیں ہے ورنہ تمہارے والد نے بہت بڑی سیکیورٹی چھوڑی ہے تمہارے لیے۔"

"ایسی کی تیسی اس سیکیورٹی کی!" وہ ہاتھ جھاڑتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ "سب سے بڑی سیکیورٹی' انسان کے ساتھ جڑے ہوئے رشتے ہوتے ہیں افسر بھائی! اور یہ پیسہ سب سے پہلا وار ان ہی پر کرتا ہے۔ تیرے میرے کی گردان شروع ہوتی ہے اور رشتے اپنی موت آپ مر جاتے ہیں۔"

اس کی ہلکی سانولی رنگت میں سرخی گھلنے لگی تھی۔

"بہرحال' فی الحال یہ بحث غیر ضروری ہے' آپ مجھے صرف یہ بتائیں کہ وہ پروگرام واقعی واپس لیا جا سکتا ہے' تو میں کراچی کی راہ پکڑوں۔"

وہ اب بھی پُر امید تھا۔

افسر بھائی کو کنپٹی میں سہلاتے ہوئے اچھا تو نہیں لگ رہا تھا' مگر مجبوری تھی۔

"نہیں۔ اب ایسا ممکن نہیں ہے' میں صرف یہ کر سکتا ہوں کہ اسے اپنے اگلے پروگرام کے لیے بک نہ کروں' اور اب تو میرا خیال ہے کہ وہ ہمارا پروگرام آگے کرے گی بھی نہیں۔"

"کیوں؟"

سالار نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"اسے جس بریک کی ضرورت تھی' وہ اسے مل گیا ہے۔ صندل کا اگلا قدم اب کسی بڑی فلم کا سیٹ ہو گا' بہت جلد دیکھ لو گے تم!" وہ بات ختم کرنے سے پہلے ذرا رکے۔

"انڈسٹری کے تین ڈائریکٹرز نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے اب تک ہم سے رابطہ کر لیا ہے۔"

سالار کا منہ کچھ کہنے کے لیے ہلکا سا کھلا اور پھر بند ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

زوبیہ نے اپنے اعزاز میں ہونے والی دعوت میں پہلی بار اس گھرانے کو ڈھنگ سے دیکھا۔

یہاں کوئی بھی اس دعوت کے حق میں نہیں تھا' پر دادی کی خواہش کے آگے سب ہی کو جھکنا پڑتا تھا۔

"ابا' معاذ' یہاں تک کہ امی بھی' سب ہی نے دبے دبے الفاظ میں مخالفت کی تھی۔

"بے کار کا خرچا کر رہی ہیں' گھر میں اتنے ہی فالتو پیسے اب اللہ کے کرم سے ہیں تو کچھ غریب کو دے دیں' بہت ثواب ملے گا آپ کو۔"

سب سے زیادہ معاذ' دادی سے الجھتا رہا تھا۔

"ثواب کمانے کے دوسرے بہت راستے ہیں اللہ کے بتائے ہوئے۔" دادی بحث سے بچنے کے لیے مختصریات کرتیں' مگر وہ باز نہ آتا۔

"چلیں پھر ان ہی میں سے کسی پر عمل کر لیں' اظہار چچا کے گھرانے کی دعوت کرنے سے تو بہتر ہی ہو گا۔"

"تمہیں بیچ میں بولنے کی ضرورت نہیں' ہم جانیں اور ہمارا کام' تم بہرحال دعوت میں موجود ضرور رہنا' یہ نہ ہو کہ اسی دن گھر سے غائب ہو جاؤ۔"

پوری قطعیت کے ساتھ اپنی بات کہہ کر انہوں نے گویا معاذ کے ہر اعتراض کو رد کیا۔

ان کا خیال تھا کہ خود اظہار چچا اور سلمان وغیرہ بھی ان کے ہاں آنا پسند نہیں کریں گے' لیکن ایسا نہیں ہوا۔ دادی کی بزرگی کا خیال تھا یا اس دن زوبیہ کا موڈ بہت اچھا تھا' وہ سب لوگ ہی ان کے ہاں کی دعوت میں آئے ہوئے تھے۔

معاذ' دادی پر احسان رکھتے ہوئے گھر پر ہی رکا تھا حالانکہ ربیعہ کو پورا یقین تھا کہ دادی اسے نہ بھی کہتیں تب بھی وہ آج کہیں جانے والا نہیں تھا۔

زوبیہ سلمان کے ساتھ اپنی الگ گاڑی میں آئی تھی' اور اپنے سسرال سے جڑے اس گھرانے سے آج پہلی بار مل رہی تھی۔

یہاں شائستگی' رکھ رکھاؤ اور خاندانی پن کا بڑا گہرا تال میل تھا' اسے چند منٹوں میں ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ لوگ کتنے مختلف ہیں۔ کسی بھی صحت مند معاشرے میں مڈل کلاس روح کا درجہ رکھتی ہے' اخلاقی اقدار' روایتیں سب یہیں پنپتی ہیں' ہماری بدقسمتی کہ ہمارے ہاں اب یہی کلاس بڑی تیزی سے ختم ہو رہی ہے' جسے دیکھو وہ چھلانگ لگا کر طبقہ امراء میں شامل....

سب لوگ ڈرائنگ روم میں ہی بیٹھے تھے۔

ابا آنا تو نہیں چاہ رہے تھے' مگر عادت سے مجبور ہو کر بے ساختہ ہی اپنے من پسند موضوعات پر آنے لگتے۔ معاذ ہلکے سے کھنکارا تو وہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئے۔

زوبیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

ابا کے خیالات' چاہے اس کے سر پر سے گزر رہے تھے' مگر خود کو کلچرڈ ثابت کرنے کے لیے' وہ ان کی باتوں میں پوری دلچسپی لے رہی تھی۔ اسے پتا تھا کہ معاشی ناہمواری اور غربت کا رونا روتے رہنا' آج کل اپر کلاس میں بھی فیشن میں شامل ہے۔

"تمہاری کہیں جاب واب شروع ہوئی یا ابھی تک بے کار ہی گھوم رہے ہو؟" سلمان سرسری سے انداز میں پوچھ رہا تھا' لیکن ڈھکا چھپا سا طنز صاف سمجھ میں آ رہا تھا۔

معاذ ہلکے سے مسکرا دیا۔

"اب ہر ایک تمہاری طرح خوش قسمت تھوڑی ہو سکتا ہے' جسے زوبیہ بھابی جیسا ساتھی مل جائے۔"

زوبیہ کے چہرے پر تفاخر کا احساس گہرا ہونے لگا۔ سلمان کو معاذ کا تبصرہ برا تو لگا' مگر زوبیہ کے سامنے اس بات پر برا مانا بھی نہیں جا سکتا تھا سو وہ خود بھی ڈھٹائی سے ہنس پڑا۔

"یہ تو ہے' جاب تو میں اب چھوڑ چکا ہوں۔ زوبیہ کے ڈیڈی کا آفس جوائن کر لیا ہے' بزنس کو جتنا جلدی سمجھ لوں اتنا ہی اچھا ہے۔"

جو اطلاع وہ بڑے فخر کے ساتھ دے رہا تھا' معاذ کو وہ اس کی سب سے بڑی بے وقوفی محسوس ہو رہی تھی۔
"جاب چھوڑنے میں تم نے بہت جلدی نہیں کی سلمان! میرا مطلب ہے کہ کچھ عرصے کی چھٹی لے لیتے' پھر جب نئے آفس میں سیٹ ہو جاتے اس وقت چھوڑ دیتے۔"
"تمہیں زوبیہ کے ڈیڈی کے بزنس کا شاید ٹھیک سے اندازہ نہیں ہے۔"
"مجھے اندازہ ہے' اسی لیے کہہ رہا ہوں۔" معاذ کے لہجہ میں کچھ الگ سا تھا۔
زوبیہ اور سلمان دونوں ہی نے الگ الگ اپنی جگہ الجھن محسوس کی۔
زوبیہ کو وہ پہلی نگاہ میں بہت اچھا لگا تھا' وہ خود خوب صورت نہیں تھی' لیکن حسن پرستی ان کے ہاں سب ہی کے مزاج کا حصہ تھی۔
گہری جھلملاتی آنکھوں والا معاذ جس کے مہربان دل کا سایہ اس کے چہرے پر جھلکتا تھا' اور بیک وقت ہی اس کے تیور پکار پکار کر کہتے تھے کہ وہ ناقابل رسائی ہے۔
"تم آنا کسی دن میرے آفس بہت آسانی سے مل جائے گا۔" سلمان سوچ کر آیا تھا کہ آج وہ یہاں اپنی برتری کا احساس بٹھا کر ہی جائے گا۔
"ہاں تمہارے سسر بہت مشہور آدمی ہیں' اور ان کا آفس بھی۔" معاذ اب اپنی مسکراہٹ دبانے کی بھی کوشش نہیں کر رہا تھا اور سلمان بڑی جلدی برا مانتا تھا۔
"کہو تو میں تمہارے لیے وہاں کوئی جگہ دیکھوں بہت بڑی فرم ہے' کہیں بھی کھپ جاؤ گے۔"
"تم میری فکر مت کرو سلمان! عارضی ملازمت کا رسک میں نہیں لے سکتا' شاید تمہارے جتنا بہادر نہیں ہوں۔"
چند منٹ کے لیے معذرت کرتے ہوئے' وہ باہر نکل آیا۔
یہ لوگ اور ان کی باتیں۔
اس کے لیے جھیلنا کبھی بھی آسان نہیں ہوتا تھا مگر مجبوری تھی۔ کبھی نہ کبھی سامنا کرنا ہی پڑ ہی جاتا تھا' وہ ربیعہ سے یہی کہنے کے لیے باہر آیا تھا کہ وہ اب جلدی سے کھانا لگا دے۔ تاکہ قوت برداشت کا یہ امتحان جلدی ختم ہو سکے۔
"معاذ!" وہ کاریڈور سے نکل کر پچھلے برآمدے میں آیا تھا کہ اسے جویا کے پکارنے پر رکنا پڑا' وہ شاید کچن سے آ رہی تھی۔
"کیا ہے؟" اس کے انداز میں لاتعلقی اتنی بڑھتی جا رہی تھی کہ کسی کسی وقت تو ساری خوش امیدی رخصت ہونے لگتی۔
"ربیعہ نے بتایا کہ تمہارا ماسٹرز کلیئر ہو گیا' بہت مبارک ہو۔" خود کو سنبھالتے ہوئے وہ مسکرائی۔
"رو تا گر پڑ کر پاس ہونے والوں کو مبارک باد نہیں دی جاتی' تمہیں اتنا بھی نہیں پتا۔"
"مجھے سب پتا ہے' کچھ کہوں گی تو ابھی حیرت سے یہیں جم جاؤ گے۔" وہ کچھ پراسراری محسوس لگی۔
"میرے اعصاب اتنے بھی کمزور نہیں ہیں۔"
وہ دل ہی دل میں تھوڑا سا الجھا تو ضرور تھا' لیکن پھر بھی بے نیازی سے بولا تھا۔
"اچھا آپ سب کو بتا کیوں نہیں دیتے کہ پچھلے دو سالوں میں سے ایک سال تم فیس ہی نہیں جمع کرا سکے تھے کیونکہ وہ پیسے تم نے کسی کو دے دیے تھے اور دوسری بار فیس تو جمع کی تھی لیکن صرف دو پیپرز دے پائے تھے

کیونکہ اس کے بعد شہر میں ہونے والے ایک حادثے نے تمہاری ساری توجہ کھینچ لی تھی۔"
وہ بہت اطمینان سے سارا قصہ گوش گزار کر رہی تھی، جو اتفاقاً" ہی اس کے علم میں بھی کچھ دن پہلے ہی آیا تھا۔ ایک گہری سانس معاذ نے اندر ہی کہیں دبائی، ماننا پڑا تھا کہ اس لڑکی کی معلومات غضب کی تھیں۔
"تمہیں آخر میری جاسوسی کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ اور خبردار جو یہ الٹے سیدھے قصے ربیعہ کو سنائے۔"
برآمدے کے دوسرے سرے پر کچن میں کھڑی ربیعہ اور جویا کا خیال کرکے وہ نیچی آواز میں اسے تنبیہہ کر رہا تھا ورنہ دل تو چاہ رہا تھا کہ اچھی طرح سنائے اور یہیں اگلوائے کہ اس کا انفارمر تھا کون؟
وہ اس کی جھنجلاہٹ پر مسکرائے جا رہی تھی۔
"اور یہ تمہارا ہر بار آنا ضروری ہے کیا یہاں؟"
"دعوت دی جائے تو آنا فرض بنتا ہے۔"
"دعوت سلمان اور اس کی بیوی تھی، لیکن تمہیں تو بہانا چاہیے یہاں آنے کا۔" گو آج ساری شام وہ اس کا انتظار کرتا رہا تھا، لیکن اس کی زندگی میں خوش گمانیاں بہت ہی کم تھیں۔
جویا نے اس بار جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں، وہ بہت غور سے معاذ کے چہرے کا بدلا ہوا رنگ دیکھ رہی تھی۔
"تم تو بہت آئیڈیلسٹ مشہور تھے معاذ! کیا اب خواب دیکھنا بھی چھوڑ چکے ہو؟" اس کی آواز دھیمی تھی۔
"میں اپنے بارے میں خواب دیکھنا چھوڑ چکا ہوں، یہ سچ ہے۔"
جویا کے چہرے پر نگاہ جمائے ہوئے اس نے بہت مضبوط لہجے میں مختصر سا جواب دیا اور تیزی سے واپس اندر چلا گیا۔
چند لمحوں کے لیے تو وہ وہاں بالکل اکیلی کھڑی رہ گئی۔
سامنے کچے احاطے میں لگے چمپا کے پیڑوں پر زردی مائل پھول تیز روشنی میں چمک رہے تھے اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے ان کی خوشبو سے بوجھل تھے۔
"تمہارے پاس تو ان گنت خواب ہیں معاذ! ایک آدھ چھوڑ بھی دیا تو کیا، مگر میں نے تو ساری زندگی ایک ہی خواب دیکھا ہے، اس سے دست بردار ہوگئی تو میرے پاس کیا رہ جائے گا۔"
"جویا!" کچن کے دروازے میں کھڑی ربیعہ اسے آواز دے رہی تھی۔
جویا اپنے دھیان سے چونکی اور تیز قدموں سے اس کی طرف چل گئی۔

☼ ☼ ☼

آٹا ختم، گھی کا ڈبہ خالی، چائے کی پتی ندارد، گھر میں سامان آتا ہی کتنا تھا۔
کوئی امید نہ ہوتے ہوئے بھی سعیدہ نے دالوں کے ڈبے چیک کیے۔ ایک میں ذرا سی مونگ کی دال باقی تھی، اس نے وہی صاف کرنے کے لیے پلیٹ میں نکالی مگر وہ اتنی بھی نہیں تھی کہ ایک وقت چل جائے۔
صبح سے یہ وقت ہونے کو آیا تھا، تھوڑی دیر بعد بچے ـــــ بھوک کا شور مچا دیتے ـــ یہ صورت حال نئی نہیں تھی۔
اکثر ہی وہ اس سے دوچار ہو جاتی تھی، مگر آج بے بسی کا احساس کچھ زیادہ ہی تھا۔
وہ آنسو صاف کرتی اپنے چھوٹے سے باورچی خانے سے نکل آئی۔
سامنے زری، فراغ دلی سے پانی بہاتے ہوئے شیاشپ صحن دھونے میں مصروف تھی۔

"بس بھی کرو، اتنا رگڑو گی تو یہ فرش بھی گھس کر ختم ہو جائے گا۔"

زری پر اسے آج کل ویسے ہی غصہ آنے لگا تھا۔ شروع میں تو تھوڑی سی ہمدردی اس کی بے زبانی اور خدمت گزاری کو دیکھ کر ہوتی تھی، نواب کی مستقل بے حسی کے ردعمل میں رخصت ہوتی جارہی تھی۔

"اچھی مصیبت ہے میرے لیے، اپنے بچے بھی پالوں اور مفت خوروں کا بھی پیٹ بھروں اور کوئی ہاتھ ہلانے کو تیار نہیں، سارے نکھٹو اللہ نے میری ہی تقدیر میں لکھ دیے ہیں۔" وہ بلند آواز میں بے دھڑک بولتے ہوئے کمرے میں آئی تھی۔

نواب چادر لپیٹے پلنگ پر پڑا تھا، اسے آتا دیکھ کر وہ اور بھی سوتا بن گیا، مگر وہ سیدھی اسی کے سر پر آکھڑی ہوئی۔

"نواب اے نواب!" بڑی بے دردی سے اس نے نواب کا کندھا ہلایا تھا "جا کر کوئی بندوبست کرو، کسی سے ادھار لو، یا بھیک مانگو، میں کچھ نہیں جانتی آج ایک ٹکا بھی نہیں ہے میرے پاس۔"

نواب نے ذرا سی آنکھ کھول کر سعیدہ کی طرف دیکھا آنسو اس کے چہرے کو بھگو رہے تھے۔

کبھی جب وہ زیادہ ہی پریشان ہوتی تو اسی طرح بدلحاظی پر اترنے لگتی تھی۔

وہ اس کے اس موڈ کا بھی عادی تھا۔

"مجھے تو کوئی بھیک بھی نہیں دے گا، لوگ عورتوں کو دیتے ہیں یا پھر معذوروں کو تو بچوں کو لے کر کھڑی ہو جا سڑک پر ذرا دیر، سارا مسئلہ ہی حل ہو جائے گا۔" دیوار کی طرف کروٹ لیتے ہوئے وہ اطمینان سے بولا۔

"میں تو برسوں سے بھیک مانگ کر لا رہی ہوں اس گھر میں، جا کر بیٹھتی تو ہوں فقیروں کی لائن میں راشن لینے کے لیے، اپنی بہن کو اب لے جا کر چوراہے پر کھڑا کرو نا۔"

سعیدہ کی آواز غم و غصہ سے پھٹنے لگی نواب کے اطمینان میں اب بھی فرق نہیں پڑا۔

"چوراہے کی کیا ضرورت ہے، میں تو کہہ رہا ہوں اسے بھی اپنے ساتھ لے جایا کرو وہاں جہاں راشن بٹتا ہے، دو آدمی لائیں گے تو آرام سے پورا مہینہ نکل جائے گا۔" اس کی بے حسی، بے غیرتی میں مکمل طور پر ڈھل چکی تھی۔

یہ جانتے ہوئے بھی وہ اس کے منہ لگتی تھی، اور نتیجہ کچھ بھی نہیں۔

چند لمحے وہ اس کے ساتھ یوں ہی جھک جھک کیے گئی۔ سامنے لوہے کی زنگ آلود بنا دروازے والی الماری میں سلائی کا کوئی ایک کپڑا بھی نہیں تھا، جسے سی کر وہ چند پیسوں کا سبب کر لیتی۔

"پتا نہیں کیا موت آئی ہے سب کو، ویسے تو بازار بھرے پڑے ہیں عورتوں سے، لیکن یہاں سلوانے میں شان گھٹتی ہے بیگموں کی۔"

دل ہی دل میں وہ ان سب کو کوستی تھی، جو اب اس کو کپڑے دینا کافی کم کر چکی تھیں۔

کسی وقت تو دل چاہتا کہ چیخیں مار کر روئے، اب تک جس صبر اور ہمت سے وقت کاٹا تھا وہ اب ہاتھ سے چھوٹتا محسوس ہو رہا تھا۔

نواب کے ساتھ سر پھوڑنے سے بہتر تھا کہ دوپہر کے کھانے کا کچھ انتظام کیا جاتا، وہ جلتی کڑھتی باہر صحن میں آئی۔

زری جھاڑو کونے میں رکھ کر، سہمی ہوئی ایک طرف کو بیٹھی تھی، سعیدہ کو آتے دیکھا تو اور بھی سمٹ گئی، وہ اس پر ذرا بھی توجہ دیے بغیر، سیدھی باہر کھلنے والے دروازے پر جا کر کھڑی ہوئی۔

"ساجد، ساجد، ذرا بات سن بیٹا!" وہ اسے تھوڑے ہی فاصلے پر کھیلتا دکھائی دیا تھا۔

سعیدہ کی آواز پر بیٹ دوسرے لڑکے کو پکڑا کر وہ فوراً ہی اس کے قریب چلا آیا۔

"آج کام پر نہیں گیا کیا، ابا نے چھٹی دے دی؟"

وہ عموماً اس وقت گھر پر نہیں ہوتا تھا، سعیدہ نے اسی لیے پوچھا تھا۔

جواباً وہ ہلکے سے ہنس پڑا۔

"توبہ کریں خالہ! ابا نے کیا چھٹی دینی ہے، وہ تو مالک نے شفٹ بدل دی ہے، آج سے شام میں جاؤں گا۔"

"شام میں جائے گا تو آئے گا کب، آدھی رات کو؟" اپنی ساری کڑواہٹ بھول کر وہ ساجد کے لیے فکرمند ہوگئیں۔

"یہاں تو ایسا ہی ہے خالہ! آپ بتائیں مجھے کیوں بلایا تھا؟"

"ہاں وہ تھوڑا کام ہے بیٹا! امی آگئی کام سے واپس؟" وہ اصل بات کہتے ہوئے تھوڑی جھجکی۔

"ابھی کہاں خالہ! وہ تو شام تک آتی ہیں آپ کو پتا تو ہے۔" ساجد نے تھوڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

اسے واقعی پتا تھا، لیکن یوں ہی کسی امید کے سہارے پوچھ بیٹھی تھی۔

"کیا بات ہے خالہ! آپ کچھ پریشان ہیں؟" وہ بڑی ہمدردی سے پوچھ رہا تھا۔ اتنی دیر میں یہ پہلی بات تھی، جو اس کے دل کے لیے سہارا بنی۔

سعیدہ نے بمشکل ہی خود پر قابو پایا۔

"مجھے بتائیں، کیا خالو سے کوئی جھگڑا ہوگیا......!"

اپنے گھر میں اس نے دن رات یہی ہوتے دیکھا تھا، اور اسے پتا تھا کہ یہاں کی کہانی بھی کچھ زیادہ مختلف نہیں۔

"ارے وہ تو ہمیشہ کا رونا ہے، چھوڑ اسے۔" سعیدہ کو اس پر بڑا پیار آرہا تھا۔ "ایک کام کر دے بیٹا! کسی طرح بھی مجھے تھوڑے سے پیسے لے دے، بڑی مہربانی ہوگی تیری، آج تو واقعی گھر میں پکانے کے لیے بھی کچھ نہیں ہے۔"

"آپ مجھ سے لے لیں خالہ! میرے پاس ہیں پیسے۔" ایک لمحے کا بھی توقف کیے بغیر وہ اپنی جیب میں ہاتھ ڈال چکا تھا۔

"اور اس کے پاس پیسے بھی کتنے ہوں گے دس یا زیادہ سے زیادہ بیس، چلو ابھی تو جیسے تیسے کام چلاؤں شام میں بتول آئے گی تو اس سے مانگ لوں گی۔" اس چھوٹے سے وقفے میں، سعیدہ نے اتنی باتیں سوچ لیں۔

مگر اگلا لمحہ حیرت انگیز تھا۔

سعیدہ نے بے یقینی سے ساجد کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر اس کے اپنی طرف پھیلے ہوئے ہاتھ کو۔

"میرے ہی ہیں خالہ! قسم لے لو، کوئی چوری، دوری کے نہیں ہیں۔"

وہ اس کے چہرے پر لکھا خوف اپنی کم عمری کے باوجود پڑھ چکا تھا۔

"کہاں سے آئے تیرے پاس اتنے سارے پیسے، سچ سچ بتا دے ساجد! ورنہ جان سے مار دوں گی تجھے۔"

بتول سے قربت بھرے رشتے نے اسے اتنا مان تو دیا ہی تھا۔

وہ بجائے خوف زدہ ہونے کے ہنستا چلا گیا۔

"اماں کو پتا ہے، انہوں نے ہی مجھ سے کہا ہے کہ سارے پیسے ابا کو مت دیا کروں، اپنے پاس بھی رکھا کروں میرا کام اب بہت اچھا چل رہا ہے، فکر مت کریں۔"

سعیدہ کی آنکھوں میں اتری بے یقینی مدھم تو پڑی لیکن ختم نہیں ہوئی۔

اس نے چند بار بتول کو کہتے ہوئے تو سنا تھا کہ اب ساجد کافی اچھا کما رہا ہے، لیکن اسے یہ اندازہ نہیں ہوا تھا کہ وہ اتنا کما رہا ہے کہ اس کی جیب میں بیک وقت پانچ سو، سو، پچاس اور دس کے نوٹ بھی موجود ہوں گے۔

ایک نظر میں اس نے انہیں گن لیا تھا، وہ تقریباً آٹھ سو روپے تھے۔

"یہ لیں آپ!" ساجد نے پانچ سو کا نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھا تو اس کے تھکے ہارے وجود میں جیسے زندگی دوڑ گئی۔

"بڑی بڑی مہربانی تیری ساجد بیٹا! جتنی جلدی ہوا یہ پیسے لوٹانے کی کوشش کروں گی۔" اس کی آواز بھرا رہی تھی۔ "جا اب دوڑ کر مجھے پکانے کا سامان لا دے۔"

جتنی دیر میں وہ اسے پکانے کے لیے سامان کی تفصیل بتا رہی تھی، ساجد نے دل میں شدت سے ابھرتا ہوا سوال پوچھ ہی لیا۔

"خالہ! معاذ بھائی آتے ہیں آپ کے گھر۔"

"کون؟" سعیدہ کو یاد کرنے میں چند لمحے لگے اور جب یاد آیا "اللہ نہ کرے، میرے گھر کیوں آئے وہ، اور تو بھی نام نہ لے، یاد نہیں باپ نے کیسی خبر لی تھی۔"

ساجد کے معصوم چہرے پر افسردگی سی پھیلی، بنا کچھ کہے وہ سعیدہ کا سامان لانے کے لیے مڑ چکا تھا۔

"اللہ خیر کرے، یہ بچہ دن بہ دن اتنا کمزور کیوں ہوتا جا رہا ہے۔" سعیدہ کو یہ خیال پھر سے آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

جاتی سردیوں کی دھوپ، اب اچھی خاصی تمازت کا احساس دلاتی تھی، اور یہ تو پھر کھلا میدان تھا۔

کھیت، کنواں، تھر، لکڑی کا پل، نمیاریں، سب ہی کچھ حاضر تھا، مگر کام پھر بھی ٹھپ پڑا تھا۔

نگینہ نے ایک اکتائی ہوئی نگاہ، اس سارے منظر پر ڈالی اور پھر تھکے تھکے قدموں سے، تھوڑے فاصلے پر بنے اس کچے پکے سے شیڈ کی طرف چل دی، جہاں پہلے ہی سارا گروپ اکٹھا ہو چکا تھا۔

"تاثم کیا ہوا ہے؟" اس نے پاس سے گزرتے ہوئے یونٹ کے کسی آدمی سے پوچھا۔

"دو بج کر بیس منٹ۔" وہ جواب دیتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

"لو جی، چار گھنٹے سے اوپر تو یوں ہی فضول نکل گئے۔"

تپش سے بچنے کے لیے نگینہ نے سر پر ٹکا دوپٹہ ذرا اور آگے سرکاتے ہوئے، اپنے وقت کا حساب کتاب جوڑا۔ دس سے ذرا پہلے وہ گھر سے نکلی تھی۔ ڈانس ماسٹر نے سخت لفظوں میں کہا تھا کہ شہر سے دور جا کر شوٹنگ کرنی ہے، اس لیے ساڑھے دس بجے تک ساری پارٹی یہاں جمع ہو جائے، ورنہ یونٹ کی بس کسی کے انتظار میں رکنے والی نہیں۔

بسوں کے دھکے کھانے کی تو وہ عادی تھی، پر وقت بچانے کے لیے آج وہ رکشہ کر کے اسٹوڈیو پہنچی تھی، اس فلم میں تین چار ڈانس تھے، پہلے میں ہی بات خراب ہو جاتی تو اچھا نہ تھا، وہاں اس کی ساتھی ڈانسرز پہلے سے آئی بیٹھی تھیں، کام چھوٹنے کا رسک کوئی بھی لینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

قلیل معاوضے اور پھر نئی بننے والی فلموں کی تعداد بھی ایسی تسلی بخش نہیں تھی۔

سب ہی کے آگے نہ ختم ہونے والی مجبوریاں تھیں، شیڈز تک پہنچتے پہنچتے وہ خاصا پسینہ بہا چکی تھی۔

"کیا ہوا نگینہ! میڈم رخشی کا کچھ پتا چلا، کب تک پہنچ رہی ہیں؟" کسی نے اسے آتے دیکھ کر امید بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

دل ہی دل میں میڈم رخشی کو دس باتیں سناتے ہوئے نگینہ نے صرف نفی میں سر ہلایا۔

فضا میں اب بریانی کی ذائقے بھری مہک اڑ رہی تھی۔ کھانے کی سپلائی شروع تھی، اور فی الوقت ساری کوفت مٹانے کا اس سے اچھا کوئی اور ذریعہ تھا بھی نہیں۔ نگینہ بھی بوٹیوں سے بھری پلیٹ لے کر کرسی پر آ بیٹھی۔

"یہ تیری شکل کو کیا ہوا نگینہ؟" پاس بیٹھی ہوئی ایک گروپ ڈانسر اسے دیکھتے ہوئے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ نگینہ کا منہ تک جاتا ہوا ہاتھ وہیں رک گیا۔

"کیا ہو گیا میری شکل کو؟" تیوری پر آیا ہلکا سا بل ظاہر کر رہا تھا کہ اسے بات بری لگی ہے۔

"آئینہ دیکھ جا کر، سارا منہ رنگ برنگا ہوا ہے۔ نیلے کالے دھبے پڑ رہے ہیں، منع بھی کر رہے تھے کہ دھوپ میں مت کھڑی ہو۔" دوسری عورت نے مسکراہٹ ضبط کرتے ہوئے جتایا۔

نگینہ نے ایک ٹھنڈی آہ کو دباتے ہوئے پلیٹ برابر والی خالی کرسی پر رکھی۔

بھلا دھوپ میں کون سا وہ اپنی خوشی سے کھڑی تھی، یہ تو تقدیر نے اسے کھڑا کیا ہوا تھا، اب سے نہیں ساری عمر سے۔ وہ صرف سوچ ہی سکی ہینڈ بیگ میں سے چھوٹا سا شیشہ نکال کر بہتے ہوئے میک اپ کے نشان ٹشو پیپر سے صاف کرتے ہوئے وہ بالکل خاموش رہی۔ آئینہ دیکھتے ہوئے ڈپریشن اور بھی بڑھتا تھا۔

عمر کے اثرات اس تیزی سے نمایاں ہو رہے تھے کہ جس دن بھی ڈانس ڈائریکٹر ذرا دھیان سے اس پر نظر ڈالتا، گروپ سے رخصت کرنے میں ایک منٹ نہ لگاتا، حالانکہ یہاں انڈسٹری میں آج بھی اس کے ساتھ کی عورتیں ہیروئن کا رول ادا کرتی تھیں، اور پوری ڈھٹائی کے ساتھ اپنے سے آدھی عمر کے لڑکوں کے ساتھ لیڈنگ پیئر بنا رکھے تھے اور اس کے تو گھر میں ہی مثال موجود تھی گل ناز!

کیسا خمار چھلکتا تھا اس کے وجود سے۔

بیٹی کے ساتھ کھڑی ہوتی تو اس سے دو چار برس بڑی بہن ہی محسوس ہوتی۔

کیسی پراسرار عورتیں تھیں یہ۔

کون سا آب حیات ان کے ہاتھ آیا تھا جو وقت کی بے رحم دھوپ بھی ان کے روپ پر اثر انداز ہونے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔

چہرہ اچھی طرح صاف کر کے، اس نے شیشہ واپس رکھ کر بیگ بند کیا اور واپس اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہوئی۔

"صندل کا پروگرام شروع بھی ہو گیا اور تو نے بتایا بھی نہیں، وہ تو خیر ہو میری بیٹی نے ایسے ہی ایک دن ٹی وی لگایا تو صندل دکھائی دے گئی۔ بہت بہت مبارک ہو تجھے لڑکی کام پر تو لگی۔"

وہی عورت اس بار پھر گفتگو کا سرا جوڑ رہی تھی۔

شاید آج وہ طے کر کے آئی تھی کہ اسے چین سے بریانی کی یہ پلیٹ ختم نہیں کرنے دے گی۔ نگینہ کو یقین ہونے لگا تھا۔

آس پاس بیٹھی ہوئی کئی ساتھیوں کے لیے یہ ایک نئی خبر تھی، ان کی مصروفیات انہیں فرصت سے ٹی وی دیکھنے کی مہلت نہیں دیتی تھیں۔

ان ہی کے سامنے، نگینہ نے کئی بار بڑے فخر سے سر اونچا کر کے کہا تھا کہ اس کی بیٹی صرف اور صرف ہیروئن بننے لائق ہے۔ اس سے کم کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، سو اب قدرتی طور پر بڑا ملا جلا سا ردعمل تھا۔

"ٹی وی پروگرام کرنے سے زیادہ تو پرائیویٹ فنکشن کر کے کما لیتی صندل، تمہارے ہاں تو الماس کی مثال موجود تھی۔"

"خیر کام یہ بھی برا نہیں، لیکن ٹی وی ہی کرنا تھا تو آج سے چار سال پہلے کروا دیتی، اب تک تو اچھی خاصی کمائی کر لی ہوتی لڑکی نے۔"

نگینہ ایک ایک کا منہ دیکھ رہی تھی۔

صندل کے ٹی وی پر جانے کی خبر اس نے اب تک اس طرح چھپا رکھی تھی جیسے نالائق بچہ فیل ہو جانے پر اپنا

رپورٹ کارڈ چھپا تا ہے۔

"بے کار میں ہی تو نے شیرازی سے بھی مخالفت مول لی صندل کے معاملے پر' کتنا نقصان اٹھانا پڑ گیا اس کی وجہ سے۔"

اس کی اور شیرازی کی لڑائی بھی اب کھلا راز تھی سارے سرکل میں۔

"مت نام لے اس کمینے کا۔ اس کے باپ کے نوکر ہیں جو ہر بات مانیں گے۔" وہ ایک دم ہی بھڑک اٹھی' مگر وہ "کمینہ" ٹھیک اس وقت میڈم رخشی کے ساتھ' اس کی گاڑی سے سامنے لوکیشن پر اتر رہا تھا۔

نگینہ کی نگاہ اس طرف نہیں تھی' وہ تو جب وہ ساری کی ساری "میڈم آگئیں" کا شور مچاتی اس طرف کو دوڑیں تو قدرے سکھ کا سانس لے کر اپنی پلیٹ کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

لیکن اب وہاں نہ مزا تھا نہ خوشبو' کناروں پر چکنائی جم رہی تھی اور چاول بالکل ٹھنڈے۔ دل کڑا کر کے اس نے ایک دو نوالے کھا بھی لیے' مگر پھر دل نہ چاہا تو پلیٹ رکھ کر میک اپ ٹھیک کروانے لائن میں آ کھڑی ہوئی۔

اسے پتا تھا کہ میڈم رخشی کے آنے کے بعد کام جھٹ پٹ ہوتا ہے۔ بڑے اسٹار خود چاہے کتنے بھی لیٹ آتے مگر سیٹ پر ایک منٹ بھی فالتو رک کر اپنا وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔

"یونٹ میں ایکسٹرا کے میک اپ پر زیادہ تردد نہیں ہوتا تھا' دو چار لڑکے لڑکیاں سستے سے میک اپ کٹ ہاتھ میں لیے ادھر ادھر کھڑے ہو کر دو چار ہاتھ' ان سب کے چہروں پر مار دیا کرتے۔ کون سے ان کے کلوز اپس لیے جانے تھے۔ قطار در قطار کھڑی وہ سب ایک سی دکھائی دیتی تھیں۔ نگینہ کو تو ویسے بھی سب سے آخر میں جگہ ملتی تھی۔ اگلی رو پہ قدرے چھوٹی عمر اور دبلی پتلی لڑکیوں کا قبضہ تھا۔

آج کا دن واقعی خراب تھا۔

آنکھوں پر نیلے کے بجائے جامنی آئی شیڈ سجائے' جب وہ میک اپ آرٹسٹ کی غلطی پر کڑھتی ہوئی جلدی جلدی اپنی پوزیشن کی طرف جا رہی تھی تو شیرازی بڑا بے موقعہ راہ میں آیا۔

"ایسی بھی کیا بے رخی نگینہ جی' اپنی کے پروگرام کی مبارک باد تو لے لو۔"

"شکریہ تمہارا۔" مختصر سا جواب دے کر نگینہ نے آگے بڑھنا چاہا' مگر وہ پھر سے سامنے آ گیا۔

"اتنی جلدی کیا ہے' ابھی تو رخشی میڈم کا میک اپ فریش ہو رہا ہے' اس لیے تو میں باہر کھڑا ہوں' ورنہ اب تو ذرا فرصت نہیں ملتی۔"

"بھلا وہ کس بات کی شیخی مار رہا ہے۔"

نگینہ نے اس کی بے تکی بات سے کوئی نتیجہ نکالنا چاہا' مگر ناکام رہی۔

شیرازی نے اس کی پریشانی سمجھ لی تھی۔

"میڈم رخشی کا پرائیویٹ سیکریٹری ہو گیا ہوں' سارے اپائنمنٹ میری مرضی کے ہوتے ہیں' بڑے بڑے ڈائریکٹر بھی۔۔۔"

"وہاں ریہرسل ہو رہی ہے' ہٹو میرے راستے سے۔"

وہ ذرا سائیڈ میں ہو کر آگے بڑھ گئی مگر اب وہ ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اپنی خوبیاں گنوا رہا تھا۔ نگینہ کو اس کی "ترقی" پر ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی تھی' وہ اتنا شاطر اور موقعہ شناس شخص تھا کہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

"ویسے ٹی وی کروانا تھا لڑکی کو' تو مجھ پر ایسی کیا بے اعتباری تھی' سارے اے ون پروگرام الماس کو دلوانے پڑے' تمہیں تو پتا ہی ہو گا' خالہ دلدار کے ہاں پیسے کی برسات ہوئی ہے بچ بچ۔ اوپر سے وہی کا ٹرپ بھی لگ گیا' جو کچھ بھی صندل کے نصیب کا تھا' وہ سارا کا سارا الماس کی جھولی میں بھر گیا سمجھ لو۔"

"ہر ایک اپنے نصیب کا کھاتا ہے شیرازی! الماس کو بھی وہی ملا جو اس کی قسمت میں لکھا تھا۔" خلاف عادت وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

شیرازی کچھ چڑ سا گیا' اس کا خیال کیا یقین تھا کہ تھوڑی لفٹ اس نے نگینہ کو دی تو وہ فوراً "ہاتھ جوڑنے" میں دیر نہیں کرے گی' مگر اس نے نہ تو ایسا کیا اور نہ ہی کرنے کا ارادہ دکھائی دے رہا تھا۔

"ایسا ہے تو روز محفل میں بٹھانی کے چکر میں لوگ زیادہ آئیں گے' روز ناچے گی تو نصیب کی آزمائش بھی ہو جائے گی۔" اپنی بات کہہ کر وہ بہت زور سے ہنسا۔ اس بار نگینہ نے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

☼ ☼ ☼

زوبیہ کی نازک مزاجی کو جھیلنا روز بہ روز مشکل ہوتا جا رہا تھا۔

وہ جتنی غصیلی تھی' اس سے کہیں زیادہ بد زبان بھی۔ ذرا سی بات پر پل میں وہ ہنگامہ کھڑا کرتی کہ باہر گلی میں کھڑے لوگ با آسانی سنا کرتے۔

جو واقف حال تھے' باقاعدہ اظہار افسوس بھی کر لیا کرتے تھے' شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب دونوں ہی کی کوشش ہوتی کہ باہر لوگوں سے کم ہی سامنا ہو' ورنہ ابھی کچھ عرصہ پہلے تک وہ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر بتاتے تھے کہ سلمان کی قسمت کتنے اچھے خاندان میں کھلی ہے' مگر خوش قسمتی کا یہ ڈھول اتنی بار پیٹا جا چکا تھا کہ اب پھٹنے کو تھا۔

"آپ لوگ آج میرے سامنے ہی صاف بات کر لیں سلمان سے' کہ وہ کب سب کو لے کر یہاں سے شفٹ ہو رہا ہے۔"

"ایک آپا گل ہی تھیں' جن کا مورال اب تک ہائی تھا۔ آج وہ خاص طور پر اس بات کا فیصلہ کرنے آئی تھیں۔

"مجھے تو نہیں لگتا کہ وہ ہمیں اپنے ساتھ رکھے گا' زوبیہ یہاں ہمارے گھر میں ہمیں منہ نہیں لگاتی تو اپنے گھر میں ہمیں کہاں برداشت کرے گی۔"

شاکرہ بیگم بڑی حد تک مایوس ہو چکی تھیں۔ آپا گل کو ان کا انداز فکر ذرا بھی نہیں بھا رہا تھا۔

"آپ پہلے ہی ایسی باتیں کریں گی تو کیسے کام چلے گا امی! سلمان اکلوتا بیٹا ہے اس گھر کا' اور آپ سب اس کی ذمہ داری ہیں' یہ بات اسے زوبیہ کو بھی سمجھا دینی چاہیے۔"

وہ بگڑے ہوئے لہجے میں کہتی ہوئی اٹھ کر سیڑھیوں کے پاس جا کھڑی ہوئیں۔

"سلمان۔۔۔ سلمان!"

ان کی آواز واضح طور پر تیز تھی' اس وقت غصے میں تھیں تو لہجے میں اور بھی زیادہ کرارا پن تھا۔

سلمان کو نیچے آنے میں دیر نہیں لگی۔

"کیا مصیبت آ گئی ہے جو آپ اس طرح چلا رہی ہیں۔"

"مصیبت نہیں میں آئی ہوں۔"

"ہاں تو فرق ہی کیا ہے۔"

وہ بے زاری سے گردن جھٹکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

ایک لمحے کے لیے تو آپا گل ششدر سی رہ گئیں۔ یہ وہی سلمان تھا' جسے انہوں نے گود میں کھلایا تھا اور جسے وہ اپنے بہن بھائی میں سب سے زیادہ چاہتی تھیں۔

"کیا زوبیہ نے بڑوں کا ادب بھی بھلا دیا ہے تمہیں!"

"آپ لوگ آخر ایک اسی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔" وہ اور بھی بگڑنے لگا۔ "ہر بات کا الزام اسی پر ہے۔ جب دیکھو شکایت' میری تو زندگی حرام ہو کر رہ گئی ہے۔" وہ اتنا بے زار ہو رہا تھا کہ حد نہیں۔

آپا گل کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ پوری طرح سے زوبیہ کے قبضے میں آچکا ہے' اور اب وقت غصہ دکھانے کا نہیں بلکہ حکمت عملی سے کام لینے کا ہے۔

"خدا نہ کرے تمہاری زندگی کیوں حرام ہونے لگی' اپنوں سے اس طرح بدگمان نہیں ہوا کرتے سلمان! اور پھر امی ابا کا تمہارے علاوہ ہے کون' وہ بھی اپنی ساری امیدیں تم سے ہی وابستہ کرکے بیٹھے ہیں۔"

محبت سے سلمان کا ہاتھ پکڑ کر وہ اپنے پاس صوفے پر بٹھا چکی تھیں۔

سلمان کے چہرے پر پھیلا تناؤ کم ہونے لگا۔

چند لمحے وہ ایسے ہی میٹھی میٹھی باتیں کیے گئیں ــــ آج جویا اور زویا کی دوست کے ہاں گئی ہوئی تھیں اور ان کی غیر موجودگی میں آپا گل کو اپنی بات کرنے میں آسانی محسوس ہوتی تھی۔

ورنہ وہی ہر بات میں دخل در معقولات!

"میں بھی چاہتا ہوں گھر کا ماحول اچھا رہے' مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ زوبیہ کی خوشی کا بھی خیال رکھا جائے' سب کو پہلے ہی پتا تھا کہ وہ ذرا دوسرے قسم کے ماحول میں پلی ہے' لاڈلی ہے اور تھوڑی سی خود سر بھی' لیکن یہاں کوئی اسے سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہے' زویا اور جویا کو تو اس سے خیر سخت نفرت ہے شروع سے ہی' امی بھی کیسا رویہ رکھتی ہیں ان سے خود پوچھ لیں۔"

سارا الزام ان سب پر رکھ کر' وہ خود بری الذمہ ہوا۔ شاکرہ بیگم کھول کر رہ گئیں۔

آپا گل کی آنکھ کا اشارہ نہ ہوتا تو ابھی سلمان کی وہ خبر لیتیں کہ یاد رکھتا۔

"میں سمجھا دوں گی ان دونوں کو بھی' اور امی آپ بھی احتیاط کیا کریں' اچھا تم یہ بتاؤ اب کب تک نئے گھر میں شفٹ ہونے کا پروگرام ہے' یہ کام جلد ہو جائے تو اچھا ہے' ماحول بدلے گا تو سب پر خوش گوار اثر پڑے گا۔"

وہ دانستہ بات کو سمیٹتے ہوئے اصل موضوع پر آگئیں۔

"بس تھوڑے دن اور ہیں۔ اصل میں زوبیہ وہاں کی کام کروا رہی ہے' اوپر کے فلور پر' تھوڑی تبدیلیاں کروانی ہیں۔" وہ ٹالنے کے سے انداز میں بات کر رہا تھا۔

"لیکن پہلے تو تم نے کہا تھا کہ وہ گھر اب پوری طرح تیار ہے' ابا تو باہر سے دیکھ کر آئے تھے بہت تعریف کر رہے تھے کہ بڑا شان دار گھر ہے' پھر اب کیا تبدیلی کی ضرورت تھی؟"

آپا گل سے اپنی حیرت چھپائی نہیں گئی۔

"ضرورت تھی' جب ہی تو کروا رہی ہے زوبیہ' یوں ہی خوامخواہ کسی کو اپنے پیسے پھینکنے کا شوق نہیں ہوتا اور یہ ابا کو کیا پڑی تھی جو وہ باہر سے دیکھنے کے لیے گئے تھے۔ زوبیہ یا اس کے گھر والوں میں سے کسی کی نظر پڑتی تو وہ کیا سوچتے' یہی ناکہ سلمان کو گھر والے کتنے بدنیت ہیں' جو اس طرح آ آ کر دیکھ رہے ہیں۔"

سلمان کا موڈ پھر سے خراب ہونے لگا۔

"خیر یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی' ان کے بیٹے کا گھر ہے۔ وہ ہزار بار جا کر دیکھیں گے۔" اس بار آپا گل نے اس کا اعتراض آرام سے رد کیا۔

"گھر میرا نہیں' زوبیہ کا ہے آپا!"

"ایک ہی بات ہے۔" انہوں نے اس کے جتانے کی بھی پروا نہیں کی۔

"زوبیہ بھی ہے تو ان ہی کی بہو' امی ابا کا حق تم دونوں کی ہر چیز پر ہے۔

"انسان کی وہی چیز اپنی ہوتی ہے' جو اس کی اپنی ملکیت ہو۔"

سلمان کا لہجہ بے تاثر تھا' مگر پھر بھی جو کچھ اس نے کہا تھا' وہ سمجھ میں آتا تھا۔

"مطلب کیا ہے تمہارا' کھل کر کہو۔" بہت دیر سے خاموش بیٹھی شاکرہ بیگم سے بالآخر رہا نہ گیا۔

"زوبیہ اس گھر کا اوپر کا پورشن کرائے پر دے رہی ہے' اس کے بعد وہاں اتنی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ ویسے بھی آپ لوگوں کے پاس یہ اچھا بھلا گھر ہے' خرچے کی بھی کوئی ایسی فکر والی بات نہیں ہے۔ ابا کی اچھی خاصی آمدنی ہے' پھر بھی میں جو ہو سکا دیتا رہوں گا۔"

نہ کوئی معذرت' نہ شرمندگی۔

وہ جیسے خبر نامہ سا پڑھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا ہوا' جو آج آپ کے سامنے یہ بات کلیئر ہو گئی۔ زویا اور جویا کے سامنے تو بات کرنا فضول ہے۔ آپ ابا کو بھی ذرا ٹھیک سے سمجھا دیجیے گا' ورنہ میری بات تو ان کی سمجھ میں آتی نہیں ہے۔"

اوپر سے زوبیہ آوازیں دے رہی تھی' سو وہ یہ آخری ذمہ داری بھی آپا گل کے کندھوں پر رکھ کر تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

لاؤنج میں بیٹھی ان دونوں ماں بیٹی کے بیچ محض ایک تکلیف دہ خاموشی رہ گئی۔

بڑی دیر بعد آپا گل نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"یہ سلمان تو بالکل ہی بدل گیا ہے۔"

"نہیں۔" بے حس و حرکت کب سے ایک ہی جگہ بیٹھی شاکرہ بیگم نے نفی میں سر ہلایا' وہ نہیں بدلا' ہماری تقدیر بدل رہی ہے۔"

☼ ☼ ☼

سامنے خاصے فاصلے پر سہ دری نما برآمدے میں آج صبح سے پھر وہی مخصوص ہلچل تھی۔

نبیل کافی کا مگ لیے یوں ہی لاؤنج کی بڑی ساری کھڑکی کے پاس آکر کھڑا ہوا تھا اور وہاں ہوتی زور شور والی کارروائی نے ایک دم ہی اس کا موڈ خراب کیا۔

"پتا نہیں یہ چاند کی پہلی جمعرات' کیا ہر ہفتے ہی آجاتی ہے۔"

بے وقوفی بھرا یہ خیال بڑا بے ساختہ تھا۔

"کتنا پیسہ اپنی شو بازی میں اڑا رہی ہے یہ عورت آخر؟" اپنی فطرت کے بھی عین مطابق اس نے ذرا رک کر حساب لگانا چاہا' تب ہی وہ اس کے پیچھے آکھڑی ہوئیں۔

"میں وہاں کمرے میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں اور تم یہاں۔"

"کیا میں کچھ دیر بھی اپنی مرضی کے مطابق وقت نہیں گزار سکتا۔ زر تاج! ہر وقت میری نگرانی کرنا چھوڑ دو تم۔"

آج پہلی مرتبہ اس نے زر تاج بیگم کی بات کاٹی تھی۔

چند لمحوں کے لیے تو وہ خود بھی حیرت سے اسے دیکھے گئیں اور پھر بڑی گہری مسکراہٹ ان کے چہرے پر آجمی۔

"اچھا لگا' بہت اچھا لگا' تمہارا غصہ بھی اور تمہارا "تم" کہنا بھی۔"

وہ بھی جواب تک بڑی محتاط اننگ کھیل رہا تھا خود سے ہوئی غلطی پر بھی داد وصول کر رہا تھا۔

"اب لگ رہے ہو میرے شوہر' ورنہ تو کبھی کبھی تمہاری کم عمری سے کمپلیکس سا ہونے لگتا ہے مجھے۔" بڑے

سرشار سے لہجے میں کہتے ہوئے وہ اس کے بالکل قریب آگئیں۔ "سچ بتاؤ کیوں غصہ آرہا ہے؟"

"یہ کیا روز کا تماشا ہے۔" اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کرنے میں نبیل نے ایک سیکنڈ بھی نہیں لگایا۔

زرتاج کی مسکراہٹ گہری ہوتی جارہی تھی۔

"روز کا نہیں میری جان! صرف مہینے میں ایک بار کا اور وہ بھی مجبوراً"۔

نبیل کی اس سلسلے پر خفگی اس کے علم میں تھی اور وہ کھل کر کئی بار اس کی صفائی دے چکی تھیں مگر وہ کوئی جواز ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"ہمارا پیسہ کوئی فالتو نہیں جو اس طرح مفت خوروں میں بٹتا رہے، میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔" اس بار اس کے لہجے میں اور بھی زیادہ استحقاق تھا۔ زرتاج بیگم کی فطرت کا ایک اور کمزور پہلو اس کے ہاتھ لگ چکا تھا۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن میں نے کہا نا اس معاملے میں تھوڑی مجبوری ہے۔"

نبیل کے اصرار کے باوجود بھی وہ انکار ہی کیے گئیں۔

"میری تو سمجھ میں یہ نہیں آرہا کہ تمہیں اس سے تکلیف کیا ہے، خیرات کے اس پروگرام نے میری شہرت میں کتنا مثبت کردار ادا کیا ہے تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ دس کام آسان ہوتے ہیں میرے اس شہرت کے صدقے میں، یہ پبلسٹی مہم ہے نبیل! اور پبلسٹی پر تو لوگ اس سے کہیں زیادہ خرچ کیا کرتے ہیں۔"

نبیل کو لگا جیسے اب اگر اس نے مزید اپنی بات پر اصرار کیا تو زرتاج کو غصہ بھی آسکتا ہے۔

"جیسے تمہاری مرضی!"

وہ واپس اپنی اوقات میں آنے لگا۔ زرتاج کا پل پل بدلتا ہوا موڈ اسے اپنی اوقات میں ہی رہنے پر مجبور کردیتا تھا مگر ابھی نہ اس کی ناراضی ہی جھیلی جاسکتی تھی اور نہ ہی آسائشوں سے بھری اس زندگی سے ہی دستبرداری کا سوچا جاسکتا تھا۔

"مگر ان عورتوں کو یہاں اکٹھا کرنا کیا ضروری ہے، کسی اور جگہ بھی تو انہیں بلایا جاسکتا ہے، صبح سے ہی گھر کے باہر رش لگ جاتا ہے عورتوں اور بچوں کا۔" وہ کسی طرح بھی اس سلسلے کو یہاں سے ختم کروانا چاہتا تھا، جب سے راجو نے یہاں سعیدہ کی آمد کے بارے میں بتایا تھا اسے سخت بے چینی لاحق تھی، پھر اپنا شک دور کرنے کے لیے ایک بار اس نے خود بھی دور بیٹھ کر آتی جاتی عورتوں پر نگاہ رکھی تو وہ خود بھی اسے دیکھنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

سعیدہ، بتول۔۔۔ اور بھی چند عورتیں اسی کچی آبادی کی جہاں سے وہ اپنے تعلق کا چاہتے ہوئے بھی انکار نہیں کرسکتا تھا کیونکہ اس کا بڑا بھائی آج بھی اسی خستہ حال گھر کا مکین تھا۔

"فقیروں کا دروازے پر ہجوم گھر کے مالک کی خوشحالی کا ثبوت ہے، جو بھی یہاں سے گزرتا ہوگا، باہر بیٹھی عورتوں اور بچوں کو دیکھ کر ہماری حیثیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا ہوگا۔"

زرتاج بیگم کو اپنی مدح سرائی سے کوئی نہیں روک سکتا تھا اور اب اپنی ہمہ وقت تائید کے لیے اسے نبیل جیسا خوشامدی دستیاب تھا مگر اس وقت معاملہ مختلف تھا۔

فقیروں کی لائن میں بیٹھی سعیدہ اور اس کے دونوں بچے۔

قسمت نے اگر اتنا ساتھ نہ دیا ہوتا تو وہ خود بھی بڑے بھائی کے گھر میں بیٹھا یہ خیرات کا راشن ہی کھا رہا ہوتا۔

"تمہیں کیا ہوا ہے طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"آں ہاں۔" وہ اس ذلت بھرے امکان سے باہر آیا۔ زرتاج بہت غور سے اس کی شکل دیکھ رہی تھیں، نبیل کے چہرے کا پھیکا پن اب بھی نمایاں ہورہا تھا۔

"مجھے کچھ کام ہے، رات کو تھوڑی دیر سے آؤں گا۔"

وہ مڑ کر اپنا والٹ اور موبائل میز پر سے اٹھانے لگا، زرتاج بیگم کی تیز چبھتی ہوئی نگاہوں کا مقابلہ اس کے لیے اب تک آسان نہیں ہوا تھا۔

"آج تم کہیں نہیں جاؤ گے، خیرات کی تقسیم آج تمہارے ہی ہاتھوں سے ہوگی، جب سے ہماری شادی ہوئی ہے ایک بار بھی تم نے اس پروگرام میں شرکت نہیں کی، آج میں نے خاص طور پر پریس فوٹوگرافر بھی بلایا ہے۔"

"کیا!" "کیا ضرورت ہے اس سب کی؟" وہ بری طرح بوکھلایا تھا۔

"ضرورت ہے، لوگوں کو پتا چلنا چاہیے کہ تم میرے ساتھ ہر کام میں برابر کے شریک ہو۔" زرتاج کی نگاہیں اس کے چہرے سے ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہیں ہٹی تھیں۔

کسی کسی وقت تو نبیل کو ایسا لگتا کہ وہ اس کے اندر تک دیکھتی ہیں، اس کی روح اور ذہن تک کو پڑھ ڈالتی ہیں اور جان بوجھ کر انجان بنی رہتی ہیں۔

پتا نہیں وہ اسے بے وقوف بنا رہا تھا یا وہ اس کے ساتھ چوہے بلی والا کھیل کھیل رہی تھیں۔

اگر یہ دوسرا خیال ہی درست تھا تو وہ ایک بڑے خطرناک کھیل میں الجھ چکا تھا۔

نبیل کو اپنا دل بہت زور زور سے دھڑکتا ہوا محسوس ہورہا تھا۔

"میں اس وقت تک واپس آجاؤں گا لیکن ابھی مجھے جانا ہوگا پلیز۔" وہ اب اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے اس پروگرام پر رائے زنی کی تھی، چپ چاپ نکل جاتا یا بعد میں کوئی بھی بہانہ بنایا جاسکتا تھا۔

آخر اتنے عرصے سے بھی تو وہ یہی کر رہا تھا۔ چند لمحے ان دونوں کے بیچ بڑی بوجھل سی خاموشی لیے گزرے۔

"ٹھیک ہے چلے جاؤ مگر آجانا وقت پر۔" توقع کے بہت خلاف وہ اپنی بات سے پیچھے ہٹی تھی۔ نبیل کو جان میں جان آتی محسوس ہوئی۔

عظمت بوا کچھ ہدایتیں لینے زرتاج کے پاس آئیں تو وہ موقع غنیمت دیکھ کر فوراً ہی وہاں سے کھسک لیا۔

آج کے دن ملازموں کی چہل پہل بڑھ جاتی تھی۔ ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ان پر ڈالتے ہوئے وہ باہر کی جانب جاتے کاریڈور میں مڑ گیا۔

سعیدہ کی یہاں آمد خطرے کی ایسی گھنٹی تھی جو ٹھیک اس کے سر پر بجتی ہوئی محسوس ہورہی تھی مگر وہ یہاں آتی رہی تو اس کے ساتھ سامنا ہونا بالکل یقینی سی بات تھی۔

نبیل کی بے چینی بڑھتی ہی جارہی تھی۔

زرتاج سے کچھ کہنے کا نتیجہ اس نے ابھی ابھی بھگتا تھا اور اب اگر دوبارہ کچھ کہنے کی غلطی ہوتی تو وہ اس کی طرف سے پوری طرح مشکوک ہوسکتی تھیں، ایک شان دار مکمل کامیابی سے پہلے وہ کوئی رسک لینے کو تیار نہیں تھا۔

کیا؟ اسے راجو کے ہاتھ عواب اور سعیدہ کو کچھ ایسا کرنا ضروری تھا جو سعیدہ کی یہاں پر آمد روکی جاسکے۔

"کچھ بھی۔۔۔ جیسے۔"

اس کے دماغ میں ہمیشہ بہت سے آئیڈیاز رہتے تھے، لیکن عجیب بات تھی کہ ان میں سے فی الوقت کوئی بھی قابل قبول نہیں لگ رہا تھا۔

اگر وہ راجو کے ہاتھ سعیدہ کو منع کرواتا ہے تو سعیدہ تو مان جائے گی، لیکن راجو کے ہاتھ اس کی ایک اور کمزوری آجائے گی۔

"نہیں!" اس کے دل نے بڑی شدت سے انکار کیا۔ راجو کے ساتھ ویسے بھی اس نے اب بات چیت تقریباً ختم ہی کردی تھی۔ پرانی دوستی اور یہاں کام پر لگوانے کا احسان، راجو ان ہی دو باتوں کا سہارا لے کر جو بے تکلفی

برت لیتا تھا' نبیل کو اب زہر لگتی تھی۔

وہ ان سب کی' جو کسی نہ کسی طرح اس کے ماضی سے جڑے تھے' اپنی اس موجودہ زندگی میں موجودگی کو برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ اور یہ بالکل طے شدہ بات تھی۔

وہ رہائشی حصے سے باہر آچکا تھا۔

پورچ میں گاڑیاں کھڑی دکھائی دے رہی تھیں۔ ابھی شام ہونے میں خاصا وقت پڑا تھا' اور وہ جتنی جلد ممکن ہو' یہاں سے نکل جانا چاہتا تھا۔ کہیں فرصت سے کسی اچھے ہوٹل کے کافی ہال میں بیٹھ کر وہ ان الجھنوں کا شافی حل تلاش کرسکتا تھا۔

پورچ کے سائیڈ میں سے پچھلی طرف بنے سرونٹ کوارٹرز کو جاتے ہوئے راستہ پر اسے راجو کھڑا دکھائی دیا۔

وہ اکیلا نہیں تھا' روزی اس کے ساتھ تھی' اتنے قریب کہ۔۔۔

ایک آگ تھی جو نبیل کے اطراف میں اور بھی تیز ہوئی تھی۔

الماس کا رنگ روپ اتنا نکھرا ہوا محسوس ہو رہا تھا کہ یقین ہی نہیں آتا تھا کہ یہ وہی معمولی سی شکل والی لڑکی ہے' جسے سوائے اچھے ڈانس کے اور کچھ بھی نہیں آتا تھا۔

اب تو نگاہ گلابی رنگت' ریشمی زلفوں اور پنکھڑی جیسے لبوں پر رک رک جاتی تھی۔

معلوم نہیں نانی دل دار کے تیر بہدف نسخوں نے کوئی کرشمہ دکھایا تھا' یا پھر سارا کامیابی کا سحر تھا عورتوں سے بھرے اس کمرے میں بیٹھی نگینہ نے دور سے ہی اس کے مزید بڑھتے ناز و انداز کا بغور معائنہ کیا تھا' اور حسب عادت اپنا دل جلایا تھا۔

الماس کا دبئی کا دس روزہ ٹرپ حسب توقع بے حد کامیاب گیا تھا' اور بہاں سے روپیہ اور داد وصول کرلینے کے بعد' آج وہ نانی ستارہ کے پاؤں چھونے کے لیے آئی تھی۔

قیمتی لباس' سچے موتیوں کا زیور اور دونوں ہاتھوں میں بھری سونے کی چوڑیاں اور کنگن۔

بڑی شان سے وہ نانی ستارہ کے ساتھ سر اونچا کیے بیٹھی تھی۔ دائیں بائیں ماں' خالہ اور نانی دلدار خود موجود تھیں۔

پرلے حصے والی یہ ساری خواتین ایک ساتھ بس دو ہی موقعوں پر آتی تھیں' یا تو کوئی بہت بڑی خوشی کی خبر ہو' یا پھر کوئی بڑا غم یا پریشانی درپیش آجائے۔

نگینہ کو یاد آرہا تھا کہ وہ سب فیروزہ کے مرنے کے بعد خیام کے گھر چھوڑنے پر آئی تھیں اور پھر آج۔

ویسے جب جس کا دل چاہتا اور یہ دل اب تو بہت کم ہی ایک دوسرے سے ملنا چاہتا تھا۔

"منہ مانگی پیش کش آرہی ہے الماس کے لیے مگر میں نے کسی کو جواب نہیں دیا۔ لڑکی ناچ کر اتنا کما رہی ہے تو کسی ایک کھونٹے سے باندھنا تو بے وقوفی ہی ہوئی نا۔"

گل ناز اس کے پاس آبیٹھی تھی' اور سرگوشیوں میں الماس کے بارے میں اپنا لائحہ عمل گوش گزار کر رہی تھی۔

آج بھی نانی ستارہ کے سامنے اس قسم کی گفتگو سے سختی کے ساتھ پرہیز کیا جاتا تھا۔

نگینہ زمانے کے رخ دیکھے برتے ہوئے تھی' سو اس سے کچھ بھی کہا سنا جاسکتا تھا۔

"اور وہ یاسین آباد والے جس لڑکے کا چچا یا تایا ایم این اے' یا ایم پی اے بھی تھا' جب تو تم کہتی تھیں کہ وہ مرتا ہے الماس پر؟"

گل ناز کا قصہ لمبا ہونے لگا تو نگینہ نے اسے پچھلی کمٹ منٹ یاد دلائی۔

"دفع دور!" گل ناز پہلو بدل کر رہ گئی۔ "یہ تجھے وہی لوگ کیوں یاد رہتے ہیں آخر' اب ساری زندگی کے لیے بندھ تھوڑی گئے ہیں' جب اللہ اور دے رہا ہے تو کیوں نہ جھولی بھر کرلیں' الماس کے فن کے قدر دان بہت۔"

"اور الماس کے بھی۔" نگینہ نے دل میں کہا۔

جس قدر دانی کا گل ناز اتنا شور مچا رہی تھی' یہاں اس میں الماس سے ہزار گنا اور بھی بہتریوں ہی خاک چھانتی تھیں اور۔۔۔

خود نگینہ نے جتنے قریب سے اس ماحول کے ہر پہلو کو دیکھا تھا' وہ آنکھ بند کرکے دعوا کرسکتی تھی کہ پیسے کا یہ امڈتا ہوا سیلاب محض الماس کے "فن رقص" کی بدولت نہیں تھا۔

"اچھا کیا جو تو نے صندل کو بھی ٹی وی پر لگوا دیا۔ تھوڑا بہت کچھ تو سہارا ہوگا' میں کہوں گی الماس سے بہن کا خیال کرے۔ اگر کوئی پروگرام مل جائے تو۔۔۔"

"نہیں گل ناز! مجھے صندل سے پروگرام نہیں کروانے' یہ تو اماں کی خوشی تھی' جو یہ چھوٹا سا پروگرام صندل کر رہی ہے۔" اس کی بات کاٹ کر نگینہ بڑے مضبوط لہجے میں کہہ رہی تھی۔

گل ناز نے ایسی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا جیسے نگینہ کا دماغ خراب ہونے کا یقین ہونے لگا' لیکن ساری عمر کی ناکامی دیکھنے والی نگینہ کے چہرے پر بڑی انوکھی تمکنت تھی۔

"تو پھر کیا قلم کے آسرے پر لڑکی کی عمر گنوائے گی۔" گل ناز بری طرح تپی تھی۔

"اللہ مالک ہے' لیکن مجھے صندل سے جگہ جگہ پروگرام نہیں کروانے ہیں۔ آگے جو اسے منظور۔"

جو طعنہ اس نے اب تک کھل کر نہیں دیا تھا' گل ناز کو بہت کس کر لگا تھا۔

"چل بھئی الماس! اپنے ہاں بہت کام پڑے ہیں۔ کیا فارغوں کی طرح یہاں جم کر بیٹھ گئے ہیں' لاکھوں کا زیور پڑا ہے گھر میں' اور ہم ساری کی ساری وہاں اکیلا چھوڑ کر چلی آئیں۔" یک دم ہی اٹھتے ہوئے وہ اپنی مصروفیت اور امارت دونوں کا اعلان کرتی باہر نکل گئی۔

اس کا میک اپ سے رنگا چہرہ' سرخی مائل ہو رہا تھا اور وہاں موجود ہر شخص ہی فوراً" سمجھ چکا تھا کہ گل ناز کو کوئی بات سخت ناگوار گزری ہے۔ بگڑے ہوئے تیوروں کے ساتھ نگینہ کو دیکھتے ہوئے جملہ اہل خانہ نے اس کے پیچھے جانے میں دیر نہیں کی تھی۔

نانی ستارہ نے ایک نگاہ' نگینہ کے چہرے پر پھیلی طمانیت بھری مسکراہٹ کو دیکھا' اور پھر چاہتے ہوئے بھی اسے ٹوک نہ سکیں۔

"معلوم نہیں غریب کتنی مدت بعد اس طرح مسکرائی ہے' مسکرانے دو۔"

نگینہ اسی طرح خوش گوار موڈ لیے سامنے والے آرائشی برآمدے میں آکھڑی ہوئی۔

بڑی مدت بعد وہ بھی گل ناز کو کچھ کہہ سکی تھی۔ ورنہ ہمیشہ اسی کا سکہ چلتا آیا تھا۔ کبھی اس کی ناکامیوں کو نشانہ بنا کر تو کبھی اس کے خمیر لگے وجود پر پھبتی کس کر۔

ان سب کی زندگیوں میں وہ ایک مستقل مزاحیہ کردار کے روپ میں موجود تھی' جس پر جب جس کا دل چاہے ہنس لیتا۔

نیچے سے دیگ پکنے کی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ جب سے الماس آئی تھی خالہ دلدار کے ہاں دیگیں مستقل ہی چڑھے جا رہی تھیں۔

معلوم نہیں کتنا دکھاوا منظور تھا۔
"دھچھوری کہیں کی۔ کوس رہی ہوں گی اب ساری کی ساری مل کر مجھے۔" وہ مزہ لیتے ہوئے نیچے کی رونق دیکھنے لگی۔

آج صندل اور شاما شاپنگ کے لیے گئی ہوئی تھیں۔ اور نگینہ نے شکر کیا تھا کہ صندل گھر پر نہیں ورنہ الماس کے سونے موتیوں کے آگے خوامخواہ ہی پھیکی پڑتی محسوس ہوتی' جواب بھی ساری مایوسی کے باوجود اسے گوارا نہ ہوتا تھا۔

نیچے اب چہل پہل میں ہلکا ہلکا اضافہ ہو رہا تھا۔ ٹریفک زیادہ نہیں تھا لیکن آس پاس کاروبار کرنے والے اپنا اپنا کام جما رہے تھے۔ تب ہی اس نے کونے سے مڑتی ایک بڑی ساری چمکتی ہوئی نئی گاڑی کو آتے ہوئے دیکھا یہ گاڑی اس سے پہلے اس نے یہاں نہیں دیکھی تھی لیکن وہ اسے شاید پہچان سکتی تھی۔

نگینہ کا دل اتنی زور سے دھڑکا کہ اسے لگا جیسے وہ خود اس کی آواز سن رہی ہے۔

گاڑی کی رفتار قریب آتے آتے قدرے مدہم ہوئی اور پھر ٹھیک اسی بالکونی کے نیچے وہ رک چکی تھی اس کا دل اسی رفتار سے دھڑک رہا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ اس گاڑی میں کون ہے فلم اسٹوڈیوز میں اس کا اتنا زیادہ وقت گزرتا تھا کہ اس کے لیے اس طرح کی ساری گاڑیاں بے حد مانوس تھیں۔

گاڑی رک چکی تھی لیکن ابھی تک اس میں سے کوئی نہیں نکلا تھا۔ مارے تجسس اور گھبراہٹ کے اس کی آنکھوں میں پھر سے آنسو جمع ہونے لگے۔ یہی ہوتا تھا۔

جب بھی کبھی بھولے بھٹکے اس نے بھی ذرا مزہ لینا چاہا' کوئی نہ کوئی ان دیکھی سر پر آئی کہ آئی۔ اس کے دل میں اپنی بدقسمتی کا احساس شدید تر تھا۔ آج بھی جو ایک طعنہ اس نے مدت بعد گل ناز کو دیا تھا' ذرا ہی دیر میں آ کر اب اس ہی کے سر پر لگنے والا تھا۔

"واہ ری نگینہ تیری...." اس کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔

گاڑی سے اتر کر سیڑھیوں کا رخ کرتا ہوا انڈسٹری کا مصروف ڈائریکٹر بابل اسسٹنٹ کے ہمراہ گل ناز کی نہیں' بلکہ خود نگینہ کی سیڑھیوں کی طرف بڑھا تھا۔

نگینہ کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا۔ یخ ہوتے ہاتھ پاؤں کے ساتھ اس پر شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

سورج پوری طرح ڈھل چکا تھا۔ لیکن سی ویو پر معمول کی رونق برقرار تھی۔ بلکہ معمول سے بھی کچھ زیادہ ہی تھی۔

بچوں کی گرمیوں کی چھٹیوں میں' رات گئے تک بھی ساحل اسی طرح آباد رہتا تھا۔ دن بھر کی تمازت کو جھیلنے کے بعد ان ٹھنڈی نمی سے بوجھل تیز ہواؤں سے دور جانے کو کسی کا بھی دل نہیں چاہتا تھا۔

اوپر سے تاحدِ نگاہ پھیلے سمندر کا فسوں۔ ایک عجیب پُراسرار کشش ہے' جو انسان کو دیوانہ وار ان اونچی تند اور مست لہروں کے ساتھ باندھے رکھتی ہے۔

گھنٹوں مبہوت تکتے رہتے ہیں اور دل نہیں بھرتا لوگوں کا۔ یہی ہجوم اب برسوں سے سی ویو کو ایک مستقل میلے کی شکل دے چکا ہے۔

اور میلے کے ساتھ' کچھ اور بھی ہے جو لازم و ملزم ہے۔

"دھت!" وہ بری طرح کسی سے ٹکرایا تھا۔

یہ ایک پرانا کولر تھا' جس کی خستہ حالت بتا رہی تھی کہ پانی کی کوئی لہر اسے واپس اچھال گئی ہے۔

"خانہ خراب' ایسی چیزیں کوئی یہاں پھینکنے کی ہیں۔" اس کے پاؤں میں شاید زیادہ ہی زور سے لگی تھی' جو وہ اپنے ساتھی سے شکوہ کر رہا تھا۔

"تم سے کس نے کہا ہے کہ پانی کے ساتھ ساتھ چلو' تھوڑا ہٹ کر نہیں چلا جاتا گیا۔"

اس کے ساتھی نے اس کے شکوے کی کچھ ایسی خاص پروا نہیں کی ساحلوں پر بے دھڑک پھینکے جانے والے کچرے سے ظاہر ہوتی بے حسی' جو قومی مزاج کا حصہ بن چکی ہے' سو وہ ہی کیوں اپنا دل جلاتا۔

"اپنے ہاتھوں سے برباد کر رہے ہیں ہم سمندر کو' پانی دیکھا ہے یہاں کا' کتنا گدلا ہوتا جا رہا ہے۔"

وہ جس نے ابھی چوٹ کھائی تھی شاید تھوڑا مختلف تھا۔ "اب تو جنہیں واقعی سمندر کا حسن دیکھنا ہوتا ہے' وہ تو سی ویو کا رخ کرنے سے بھی کترانے لگے ہیں' اُدھر دوسرے پوائنٹ پر جاتے ہیں' جہاں ابھی لوگ اتنے جمع نہیں ہوتے' چیزوں کے ٹھیلے اور کھانے پینے کا ہجوم نہیں ہوتا' اصل خوب صورتی وہیں ہے' شفاف پانی کے نیچے پتھر اور سیپیاں چمکتی ہیں۔" دوسرا بجائے اس کی تائید کرنے کے' قدرے فاصلے پر کھڑے بھٹے والے سے بھٹے لینے چلا گیا۔ وہ بھلے ملکے چلتا ہی رہا۔

"یہ لو' گرم گرم کھاؤ۔"

"کتنے کے ہیں؟"

"پاگل ہوا ہے' ہمیں کوئی اپنے پاس سے خرچ کرنے دیتا ہے۔" اپنی بات کہہ کر وہ زور سے ہنسا۔

اس بار دوسرے نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

وہ دونوں خاصی مدت سے پولیس کے محکمے میں ملازمت کر رہے تھے' اور عوام سے اس طرح کے فیور لینے کے عادی تھے' آج کل ان کی ڈیوٹی یہاں تھی' اور یہی سب کچھ یہاں بھی مزے سے چل رہا تھا۔

"واہ' کیا ذائقہ ہے' ایسا چاٹ مسالا معلوم نہیں کہاں ملتا ہے۔" گشت کرتے ہوئے وہ لوگوں کے ہجوم سے خاصی دور نکل آئے تھے۔ دونوں کے بھٹے ختم ہو چکے تھے۔ ایک نے لاپروائی سے بچے ہوئے خالی حصے کو پانی کی طرف اچھال دیا تھا اور دوسرا' جسے پانی کی آلودگی کا کچھ احساس ضرور تھا' اس نے پوری قوت سے اسے خشکی پر دور پھینکا تھا۔

"حضور بخش! وہ ادھر دیکھ' کچھ نظر آ رہا ہے؟" دفعتاً ان میں سے ایک نے چونک کر دوسرے کا کندھا ہلایا۔

"ہاں یار! کچھ ہے تو' اور اچھا خاصا بڑا وجود ہے۔" روشنی اتنی ضرور تھی کہ وہ دونوں آگے تک دیکھ سکیں۔

"جلدی آؤ۔" وہ جواب کا انتظار کیے بغیر تیزی سے اس طرف دوڑ پڑا تھا۔

(اگلی قسط ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

☆

عالیہ بخاری

دلِ وحشت

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ جبھی کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ویڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اُٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار، لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آ کر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بالو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ کیسی آ رکی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھر وسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو رفاہی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ
افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصۂ دراز
سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔
سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی عادت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی
ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔
اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت
اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ سعدیہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سولے جویا
اور ذوبیل کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔
دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلن کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اٹنگ شوئی
کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن
خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔
خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی
چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی
دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت
تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔
زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح
سکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جیسے ڈرائیور راجو کی مدد سے یہ نوکری ملی
ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا
جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج
بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔
(اب آگے پڑھیے)

۱۵
پندرہویں قسط

ساحل کے اس حصے میں روشنی بہت زیادہ نہیں تھی، پھر بھی قریب پہنچتے پہنچتے وہ اسے واضح طور پر دیکھ سکتا تھا۔
یہ ایک انسانی وجود تھا۔
وہ اس کا چہرہ تو نہیں دیکھ سکا تھا، لیکن کندھوں تک آتے بال دیکھ کر اسے کسی لڑکی کا خیال ہی آیا تھا۔
"کسی لڑکی کی لاش ہے!"
اس نے وہیں سے چلا کر اپنے پیچھے آنے والے دوست کو مطلع کیا اور پھر دوبارہ اسی طرف متوجہ ہو گیا۔
یہ ایک لڑکی ہی تھی اور گو جس زاویہ سے وہ ساحل پر اوندھی پڑی تھی وہ اس کی شکل تو نہیں دیکھ سکا تھا، لیکن اس کی پرنٹڈ شلوار قمیص اور جسامت، خیال کی پوری پوری تصدیق کر رہے تھے۔
وہ رک کر اپنے ساتھی کا انتظار کرنے لگا، خود اس کا اپنا سانس بھی پھول رہا تھا، پولیس والوں میں فٹنس کی کمی کے عمومی مسئلے سے وہ دونوں بھی دوچار تھے۔
"یہ کیا مصیبت کھڑی ہو گئی لوگوں کو بھی چین نہیں ہے۔" پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ اس کا ساتھی قریب آنے پر اس سے کہہ رہا تھا۔ "ارے مرنا ہی ہے تو کہیں اور جا کر مرو، دس طریقے ہیں، لیکن یہاں تو جسے مرنے کی سوجھتی ہے، وہ سیدھا پانی کا ہی رخ کرتا ہے، اس میں کوئی خرچا جو نہیں، بس اللہ کا نام لے کر ڈبکی لگا۔۔۔!"

یہاں تک دوڑ کر آنے میں اسے جو مشقت اٹھانی پڑی تھی، یہ اسی کی جھنجلاہٹ تھی۔
"حضور بخش!" اس کے ساتھی کا لہجہ سخت تھا۔ "جو شخص دنیا سے جا چکا ہو، اس کے لیے اس طرح کے تبصروں سے گریز کیا کرو، آؤ اسے سیدھا کرتے ہیں۔"
وہ کہتے ہوئے آگے بڑھ کر اسے خود سیدھا کرنے لگا، لڑکی کا جسم کافی پھول چکا تھا۔
زیادہ وقت پانی میں رہنے کی وجہ سے اس کے نقوش مٹے مٹے سے محسوس ہو رہے تھے، پھر بھی صاف پتا چل رہا تھا کہ اس کی عمر زیادہ نہیں ہے، نارمل حالات میں وہ یقیناً خوش شکل بھی دکھتی ہوگی۔
"معلوم نہیں کسی تھانے میں اس کی گمشدگی کی رپورٹ لکھوائی بھی گئی ہے یا نہیں۔"
"مشکل ہے، گھروں سے بھاگی لڑکیوں کی رپورٹ لکھوانے سے لوگ گھبراتے ہیں، ہمارا تفتیش کا طریقہ کار انہیں ہمارے پاس آنے سے خوف زدہ کرتا ہے، لوگ آج بھی سب سے زیادہ اپنی بدنامی سے گھبراتے ہیں۔"
اپنی بات کہتے ہوئے وہ سیل فون پر کسی کا نمبر ملانے لگا۔ لہروں کے شور میں بات کرنا مشکل تھی، سو وہ تھوڑا فاصلے پر جا کھڑا ہوا۔
جسے وہ اس کے پاس چھوڑ کر گیا تھا، اس نے اس تھوڑے سے وقفہ میں اس بات کا جائزہ لے لیا تھا کہ لڑکی کے کانوں یا گلے میں کوئی سونے کی چیز تو نہیں، مگر ایسا نہیں تھا۔ "شاید اس کے پاس کچھ تھا ہی نہیں۔"
بڑی آسانی کے ساتھ، اس دوسرے پولیس والے نے مرنے والی کی حیثیت اور مقام کا تعین کیا، اور اطمینان کا سانس لیا۔
ایسے کیسز میں بڑی معمولی سی پیش رفت ہوتی تھی، پوسٹ مارٹم کروا کر لاوارث قرار دیے جانے والوں کے پیچھے شاذ و نادر ہی کوئی آتا تھا۔
پچھلے کئی سالوں میں اس شہر نے کتنے حادثے دیکھے تھے، اور ان لوگوں نے کتنی ناقابل شناخت لاشیں اٹھائی تھیں۔ اب تو ایسا لگتا تھا کہ مرنے والے انسان نہیں تھے، محض خانہ پری والے نمبر تھے۔
ستر لاشیں، سو سے زائد زخمی۔
پچپن لاشیں اسی سے زائد۔۔۔
سو سے زائد۔۔۔ دو سو سے زائد۔۔۔
جتنے زیادہ نمبر اتنی ہی سنسنی۔۔۔
وہ بڑی بے رحمی کے ساتھ اس وقت تک سوچے گیا جب تک اس کا ساتھی واپس آیا۔
"میں نے فون کر دیا ہے، وہ لوگ بس پہنچ رہے ہیں، اچھا ہے، جو یہ جگہ لوگوں کی بھیڑ سے دور ہے، ورنہ ابھی یہاں بھی رش لگ چکا ہوتا۔"
"وہ تو ابھی بھی پولیس کی گاڑیاں دیکھ کر لگ جائے گا، ہمارے ہاں تماشا دیکھنے والوں کی کمی نہیں ہے اور خاص طور پر جب تماشا بھی کوئی عورت بن رہی ہو۔"
اپنی بات کہتے کہتے اسے کچھ اور بھی خیال آیا۔ "یار! کوئی چادر وغیرہ ڈال دیتے ہیں اس کے اوپر، اس طرح تو اچھا نہیں لگ رہا، پتا نہیں کون تھی بے چاری۔" اس کی نگاہ اپنے ساتھی کے کندھے پر پڑی ملگجی سی چادر پر تھی، جو وہ اس رات کی ڈیوٹی کے خیال سے ساتھ لایا تھا۔
"میری چادر کی طرف مت دیکھ، ایک ہی ہے میرے پاس۔ اسے اڑھا دی تو گئی میرے کام سے، وہ جو آ رہی ہے نا، چادر اسٹریچر سب لا تو رہی ہے۔"
بہت صفائی سے جواب دے کر وہ تھوڑا سا رخ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔ "شرم آتی ہے تو اس کی طرف مت دیکھ،

پڑی ہے بے چاری! اس کے بعد تو مٹی کی چادر اوڑھ کر سونا ہی ہے ابد تک۔"

شاید اپنی جگہ وہ بھی کسی حد تک درست ہی تھا۔

اس کا ساتھی ایک ٹھنڈی سانس لے کر خود بھی اس کے قریب جا کھڑا ہوا۔

"پتا نہیں اس کے گھر والے کبھی جان بھی سکیں گے اس کی موت کے بارے میں یا پھر ایک نہ ختم ہونے والا انتظار ہی رہے گا ساری عمر!"

اس نیم تاریک ماحول میں جہاں تا حدِ نگاہ پھیلے سمندر کے شور کے علاوہ اس وقت کوئی دوسری آواز نہیں تھی عبرت کا نشان بنا وہ بے جان جسم اسے دکھ کے گہرے احساس میں مبتلا کر رہا تھا۔

شاید ماحول کا اثر تھا ورنہ تو اس کے لیے زندگی اور موت دونوں ہی معمول کا حصہ تھا۔

سر کو ہلکے سے جھٹک کر اس نے ذہن میں ایک کے بعد ایک آتے خیالات سے خود کو آزاد کیا۔

"پتا نہیں کتنی دیر لگائیں گے یہ لوگ ابھی آنے میں چلو چل کر کچھ کھا پی لیں مجھے تو بڑی زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

وہ رشک سے اپنے ساتھی کو دیکھنے لگا۔

وہ اس سے یقیناً بہتر تھا جو اس سب کو صرف "کام" سمجھتا تھا۔

دور سے پولیس کی گاڑیوں کی لائٹیں دکھائی دینے لگی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"جویا! جویا!" زونیہ سامنے سیڑھیوں پر کھڑی اسے آوازیں دے رہی تھی۔

لاؤنج میں شاکرہ بیگم زویا اور جویا تینوں ہی موجود تھے مگر وہ عموماً "جویا کو ہی مخاطب کیا کرتی تھی۔

ٹی وی کی آواز اتنی تیز تھی کہ یہاں بیٹھ کر اس کی بات نہیں سنی جا سکتی تھی جویا نے زویا اور امی کو آواز کم کرنے کا اشارہ بھی کیا مگر ان دونوں ہی نے توجہ نہیں دی نتیجتاً اسے خود اٹھ کر سیڑھیوں کے قریب جانا پڑا۔

"چائے بنا کر بھجواؤ اوپر اور ساتھ ہی کچھ ریفریشمنٹ بھی اور ہاں ٹی وی کی آواز تھوڑی ہلکی کرو سارے گھر میں شور ہو رہا ہے کم از کم اتنا خیال کرو کہ گھر میں کوئی آیا ہوا ہے۔"

ایک ہی سانس میں حکم اور ہدایت دونوں دے کر وہ واپس مڑ گئی۔

ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے جویا کچن میں آ کھڑی ہوئی۔

کچھ دیر پہلے مسز کمال کی آمد ہوئی تھی۔

پچھلے چند دنوں سے وہ روز آ رہی تھیں اور آتے ہی سیدھا اوپر اپنی بیٹی کے کمرے میں چلی جاتی تھیں نہ کوئی سلام دعا نہ خیریت۔

شاکرہ بیگم نے تو ایک دوبار مصلحتاً "بگڑے ہوئے تعلقات استوار کرنے کی غرض سے تپاک کا مظاہرہ کرنا چاہا مگر دوسری طرف سے اتنی زبردست سرد مہری کا مظاہرہ تھا کہ ناچار انہیں بھی اپنی عزت کا خیال کرنا پڑا۔

جویا فریزر میں سے تلنے کے لیے کباب سموسے وغیرہ نکال ہی رہی تھی کہ لاؤنج سے پکارا جانے لگا۔

یہاں کسی میں بھی صبر نہیں تھا۔

اسے پتا تھا کہ کیوں پکارا جا رہا ہے پھر بھی سننے کے لیے کچن کے دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے ٹرے سجا کر اوپر لے جانے کی میری بیٹیاں کوئی ملازمہ نہیں ہیں جو ندیہ کے گھر والوں کی خاطر تواضع کرتی پھریں۔"

شاکرہ بیگم طیش میں تھیں اور اپنی بات واضح طور پر پہنچانے کے لیے انہوں نے آواز بھی تیز کر دی تھی۔

"پلیز امی!" جویا کے لہجے میں لجاجت تھی وہ چلتی ہوئی ان کے قریب آ کھڑی ہوئی۔

"اب کوئی گھر آئے تو کیا اس کی خاطر تواضع بھی نہ کی جائے سلمان بھائی کی ساس ہیں وہ اور ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں سلمان بھائی کی شادی کو۔"

یہ وہی تھی جو بار بار بڑھتی ہوئی بدمزگی کے آگے آ کھڑی ہوتی تھی۔

"مت پڑھاؤ مجھے سبق بہت کر لی میں نے سب کی خوشامد گل ٹھیک کہتی ہے ہماری غلطی تھی جو ہم نے سلمان کی سسرال کو سر پر چڑھا لیا۔"

زندگی سے جڑے ان کے ہر فلسفے کے پیچھے محض آپا گل کی دانش چھپی ہوئی تھی۔

"بہرحال اب بھی کچھ نہیں بگڑا ایک ایک کا دماغ درست نہ کر دیا تو شاکرہ نام نہیں ہے میرا۔"

جویا نے بے اختیار ہی سر پکڑا تھا۔

ان کا دعوا حد سے بڑھتی ہوئی خوش فہمی سے زیادہ نہیں تھا۔

"وہ بیوی کا غلام کہاں ہے آج اس کو خبر نہیں ہوئی کیا اپنی ساس کے آنے کی؟"

وہ سلمان کو پوچھ رہی تھیں۔

زیادہ تر وہ خود ہی بازار سے کچھ لے آیا کرتا تھا اور سیدھا اوپر ہی لے جایا کرتا تھا۔

"سلمان بھائی نہیں آئے ہیں ابھی!"

ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سب سنتے ہوئے زویا نے اطلاع دی تو ان کا موڈ اور بھی بگڑنے لگا۔

سلمان اپنی جاب چھوڑ کر کب کا کمال صاحب کا آفس جوائن کر چکا تھا اس کے ذمہ کیا کام تھا وہاں یہ تو گھر میں اس نے کسی کو بھی بتانا ضروری نہیں سمجھا تھا لیکن اس کی واپسی کے اوقات اب تک سیٹ نہیں تھے۔

دن چڑھے گھر سے نکلتا کبھی تو ایک دو گھنٹے میں ہی واپس آتا دکھائی دے جاتا اور کبھی رات گئے واپسی ہوتی۔

آپا گل تو صاف کہتی تھیں کہ سلیمان کو کوئی عزت دار پوسٹ اب تک نہیں ملی ہے یوں ہی "الٹو فالتو کاموں" پر لگا رکھا ہے سسر نے۔

اور اب یہی یقین شاکرہ خاتون کے دل میں بھی پکا ہو چکا تھا۔

"سسر کے جوتے چاٹ رہا ہو گا اچھی بھلی عزت والی نوکری ملی ہوئی تھی لیکن۔۔۔"

اظہار چچا اپنے کمرے سے بے تابانہ نکلے تھے۔

"بے وقوف جاہل عورت! یقیناً ایک دن اس گھر کو برباد کر کے چھوڑے گی سارے کیے کرائے پر جب تک پانی نہ پھیرے گی تب تک اسے چین نہیں آئے گا۔"

آگ بگولہ ہوتے وہ سر پر آ کھڑے ہوئے تھے آپس کی تھوڑی بہت تلخی تو نارمل سی بات تھی لیکن یہ لہجہ اور یہ الفاظ۔

چند لمحوں کے لیے تو شاکرہ کیا جویا اور زویا بھی ہکا بکا رہ گئیں۔

"پتا بھی ہے کون ہے یوسف کمال ارے تمہارے بیٹے جیسے تو دس اس کے دروازے کے آگے ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے ہیں اور وہ ان کو دیکھنے کا بھی روادار نہیں سلمان کو اس نے قبول کر لیا ہے تو یہ اس کا احسانِ عظیم ہے ہماری نسلوں پر مگر تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آ سکتی۔"

"ہاں نہیں آسکتی، میں تو بار بار کہوں گی کہ میرا لاکھوں میں ایک بیٹا اس خاندان نے ہتھیا لیا ہے۔ ایسی ہوتی ہیں بہوئیں؟ بد لحاظ، بدزبان یہ پتا نہیں کس گناہ کی سزا۔"

شوہر کے الفاظ سے ان کے دل کو واقعی بڑی ٹھیس پہنچی تھی، آنکھوں میں سچ مچ آنسو آرہے تھے، لیکن وہ ذرا بھی اثر لینے کے لیے تیار نہیں تھے۔

"گلے گلے تک ڈوب چکا ہوں، اس شادی کے خرچے میں، بجائے اس کے کہ ہوشیاری، عقل مندی سے اپنا پیسہ واپس نکلوایا جائے، یہاں عورتوں کی وہی جاہلانہ سیاست جاری ہے، جویا! تم جاؤ بیٹا! جو بھابی کہہ رہی ہیں وہ کردو۔" بیگم کی ٹھیک ٹھاک خبر لیتے ہوئے، وہ جویا سے مخاطب ہوئے، تو وہ واپس کچن میں چلی آئی۔

گھر میں دن دن بڑھتی ٹینشن، تشویش میں مبتلا کرتی تھی۔

زوبیہ کے معاملے میں پہلے والی متفقہ رائے عامہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکی تھی، زوبیہ سے بددل ہونے میں، آیا گل اور شاکرہ بیگم جلد بازی کر رہی تھیں، یا زیادہ خطاوار خود زوبیہ تھی۔

وہ جب بھی سوچتی تو پلڑا برابر ہی پاتی۔

جویا نے بمشکل ہی خود کو اس کشمکش سے آزاد کیا۔ پہلے ہی دیر ہو چکی تھی، کچھ وقت اور لگتا تو بعید نہیں تھا کہ زوبیہ سیڑھیوں پر آکر چیخنا شروع کر دیتی۔

لیکن ہونی پھر بھی ہو کر رہی۔

جتنی جلدی ممکن ہو سکا ٹرے سیٹ کر کے جب وہ سیڑھیوں پر چڑھنے لگی تھی، مسز کمال اور زوبیہ دونوں نیچے آتی دکھائی دیں۔

"دبس رہنے دو، دل نہیں تھا تو صاف منع کر دیتیں، اس طرح کی گری ہوئی حرکتیں تو مت کیا کرو۔"

زوبیہ کے چہرے پر ناگواری پھیلی تھی، اور یہاں کسی کو کچھ بھی کہتے ہوئے اسے کوئی ڈر نہیں تھا۔

بے حد شرمندگی محسوس کرتے ہوئے بھی، جویا نے اسے یکسر نظر انداز کیا۔

"تھوڑی سی دیر رک جائیں آنٹی! چائے تو پی کر جائیں پلیز!" وہ نرمی کے ساتھ مسز کمال سے کہہ رہی تھی۔

"ہمیں کہیں جانا ہے، اور یہاں پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے، میں تو خیر چائے وائے پینا بھی نہیں چاہ رہی تھی لیکن یہ زوبی ہی بے کار میں۔"

سیڑھیاں اتر کر وہ اس کے برابر آکھڑی ہوئیں۔ سلمان کی شادی تک جو تھوڑی بہت مروت وہ برت لیتی تھیں اب اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا تھا۔

جویا کو زوبیہ سے زیادہ مسز کمال کے رویہ پر افسوس ہوتا تھا۔

"زوبی زوبی!" وہ پلٹ کر زوبیہ کو پکار رہی تھیں جواب تک اوپری سیڑھی پر ہی کھڑی تھی، ان کے آواز دینے دھڑ دھڑ کرتی نیچے اتر آئی۔

"دیکھ لیا نا آپ نے۔ یہاں کتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ٹینشن ہے، چائے، کھانا، سونا، ہر بات مسئلہ ہے، مجھے لگتا ہے کہ کسی جہنم میں آگئی ہوں۔"

صاف لگ رہا تھا کہ وہ دونوں ماں بیٹی خوامخواہ بات بڑھا رہی ہیں۔

غنیمت تھا کہ شاکرہ بیگم پہلے ہی لاؤنج سے اٹھ کر اندر جا چکی تھیں، لیکن سامنے بیٹھی زویا ضبط نہ کر سکی۔

"آپ لوگوں کو دیر ہو رہی ہے، چائے میں اور جویا پی لیں گے، اسی "جہنم" میں بیٹھ کر۔"

چپ چاپ کھڑی جویا کے ہاتھ سے ٹرے لیتے ہوئے وہ اسے بھی ساتھ لے کر واپس مڑ گئی۔ ایک چھوٹا موٹا طوفان جو اس وقت آسانی کے ساتھ کھڑا ہو سکتا تھا بخوبی ٹل گیا۔

زوبیہ متنفر زدہ نگاہوں سے چند لمحے تو ان دونوں کی طرف دیکھے گئی مگر وہ دونوں لاؤنج میں رکنے کے بجائے اندر کسی کمرے کی طرف جا رہی تھیں۔

"چھوٹے گھروں میں ایسی ہی باتیں ہوتی ہیں فراخ دل کہاں سے لائیں بے چارے بس ایسی ہی گھٹیا باتوں سے وقت کاٹتے ہیں۔"

گاڑی سڑک پر تیزی کے ساتھ رواں دواں تھی اور اس سے بھی زیادہ تیزی سے مسز کمال کی زبان۔

"ویسے زوبی! تمہاری یہ دونوں نندیں ہیں بہت تیز حالانکہ چھوٹی لڑکیاں ہیں لیکن ۔۔۔ دیکھا تھا کیسے باتیں سنا کر چلتی بنی یہ سب سے چھوٹی والی تھی نا! کیا عمر ہو گی اس کی؟"

"کیوں آپ کو کیا رشتہ کروانا ہے اس کا۔" زوبیہ کو ماں کی بات بڑی بے تکی لگی۔

"ایک اندازہ لگا رہی ہوں کہ کم سے کم بھی کتنا عرصہ لگے گا ان دو لڑکیوں کی شادی میں آخر یہ اتنا بڑا خرچہ بھی تو سلمان کے ہی سر پر آئے گا اور سلمان تو ہے ہی کس قابل ہمارے ہی پیسے پر آس لگا کر بیٹھیں تھے یہ لوگ۔"

"ایک پائی نہیں خرچ ہونے دوں گی آپ بے فکر رہیں ساری عمر رشوت لیتے گزری ہے سلمان کے ابا کی۔ انہوں نے تو بہت کما کر رکھا ہوا ہے کریں گے خود اپنی بیٹیوں کی شادیاں ہمیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔"

زوبیہ کے پاس سلمان سے ہی حاصل کی ہوئی معلومات تھیں۔

"جب ہی تمہاری شادی پر اس قدر شو آف کر رکھا تھا میں یہی سوچ کر حیران تھی کہ چند ہزار کی تنخواہ میں گھر چلانا مشکل ہے یہ لوگ اس طرح خرچ کیسے کر رہے ہیں بس اب تم ان سب سے جلد پیچھا چھڑاؤ اس قسم کے لوگ بہت گھٹیا ہوتے ہیں کتنا بھی مل جائے ان کی نیت نہیں بھرتی اور یہ شاکرہ اور اس کی بڑی بیٹی تو بہت خطرناک عورتیں ہیں شکلوں سے ہی لگتی ہیں۔"

"سلمان میرے کنٹرول میں ہے ممی! مجھے پتا ہے ان سب سے کس طرح نمٹنا ہے ایک اشارے پر وہ اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر میرے پیچھے چلا آئے گا یہ مجھے یقین ہے۔" زوبیہ کے چہرے پر گہرا یقین تھا۔

مسز کمال نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"ایسا ہی ہو تو اچھا ہے ورنہ ان مڈل کلاس لڑکوں کی یہ بڑی مصیبت ہے ماں باپ بہن بھائی آسانی سے نہیں چھوڑتے سلمان تو ہے بھی اکیلا!"

"چھوڑیں اس قصے کو بے زار ہو گئی ہوں وہاں بھی وہی لوگ سر پر سوار اور اب یہاں بھی وہی۔"

"ہاں فی الحال تو چھوڑا ہوا ہی ہے۔"

ذو معنی سے لہجے میں وہ کچھ کہنے سے پہلے ذرا رکیں زوبیہ لاتعلقی سے تیزی سے گزرتے باہر کے منظر پر نگاہ جمائے ہوئے تھی۔

"لیکن ایک بات اچھی طرح سن لو اگر سلمان سے ہمیں کوئی شکایت ہوئی تو ہم اسے تمہاری زندگی سے نکالنے میں دیر نہیں کریں گے یہ میرا نہیں تمہارے باپ کا فیصلہ ہے۔"

زوبیہ نے انہیں کہتے سنا۔

"تمہیں پتا ہے انہوں نے تمہاری محبت میں مجبور ہو کر سلمان کو قبول کیا ہے۔"

"اور میں نے سلمان کی محبت میں مجبور ہو کر اسے قبول کیا ہے۔" ان کی طرف مڑتے ہوئے وہ بے ساختہ ہی کہہ رہی تھی۔ "آگے یہ محبت کیا رنگ لائے گی یہ وقت کو فیصلہ کرنے دیں کمال صاحب کو نہیں!"

☼ ☼ ☼
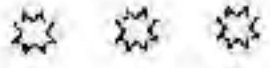
نگینہ کے ہاں ایک مستقل جشن کی سی کیفیت تھی۔

خوشی تھی کہ ہر شے ہر ذرے سے پھوٹی پڑتی تھی۔ چوبارے کو جاتی تنگ سی سیڑھیوں سے۔ نگینہ کے پرانے سامان سے اٹے کمرے سے۔

دھوئیں سے سیاہ ہوتے اس تنگ و تاریک باورچی خانے سے اور۔۔۔

اور سب سے بڑھ کر نگینہ کے دل سے۔

"صدقے جاؤں تیرے مولا! بے شک تیری اونچی شان پتھر کے کیڑے کو رزق پہنچاتا ہے تو نے اس گناہ گار در در سے پھٹکاری نگینہ کے دل کی مراد بھی کیسے پلک جھپکتے میں پوری کر ڈالی۔ مجھے معاف کرنا نکمی نالائق بے صبری پتا نہیں کیا کیا کہہ جاتی تھی۔"

وہ نماز صرف جمعہ کی پڑھتی تھی لیکن آج کل تو جس وقت بھی دل چاہتا سجدے میں سر رکھ کر معافی تلافی شکرانہ سب ہی ادا کیے جاتی۔

انڈسٹری کا سب سے باصلاحیت ڈائریکٹر بالی خود چل کر اس کے گھر تک آیا تھا۔

یہ خبر اسی وقت جنگل کی آگ کی طرح سارے محلے میں پھیل گئی تھی اور جب وہ ایک گھنٹہ اور پینتالیس منٹ کی نانی ستارہ اور صندل سے ملاقات نمٹا کر واپس اترا تھا تو ساری کی ساری محلے والیاں اپنی اپنی کھڑکیوں بالکونیوں سے اسے دیکھنے کے لیے ٹوٹی پڑ رہی تھیں۔

نگینہ مارے ادب کے شاما کے ساتھ خود اسے چھوڑنے نیچے تک گئی تھی اور جب تک اس کی گاڑی موڑ نہیں مڑی ہاتھ باندھے وہیں کھڑی رہی تاکہ کسی کو بھی اس کی خوش قسمتی کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہے۔

زندگی میں پہلی بار وہ بھی اس مقام پر تھی کہ دوسروں کو مرعوب کر سکتی تھی۔

بالی کو ان کے ہاں سے ہو کر گئے آج چوتھا دن تھا اور آج کل میں وہ دوبارہ آنے والا تھا۔ صندل کے لیے اپنی اگلی دو فلموں کا کانٹریکٹ لے کر۔ نگینہ کا بس چلتا تو وہ پورے شہر میں لاؤڈ اسپیکر لگا کر یہ اعلان کرتی اور اس بدبخت شیرازی کے آگے تو ضرور ہی۔

"حیثیت ہی کیا ہے اس کی دو ٹکے کا۔" نانی ستارہ کے ہاتھ سے پان لے کر منہ میں رکھتے ہوئے نگینہ نے بڑے حقارت سے کہا۔

"بڑا بول مت بول نگینہ! دفع کر دے شیرازی کو ضروری ہے اس کا ذکر کرنا ہر وقت۔" نانی کتنی ہی بار اسے ٹوک چکی تھیں۔ "اللہ نے ہماری بگڑی بات کو بنا دیا بس اس کا شکر ہے۔ اپنی خوشی میں ریت کیوں ملاتی ہے۔"

"اب نہیں کرکری ہوتی ہماری خوشی اماں! بے فکر رہیں!" پہلی بار نگینہ کے انداز میں لاپروائی جھلکنے لگی تھی۔ "اب تو ریت بھرے گی دشمنوں کی آنکھوں میں ایک ایک لفظ یاد ہے مجھے ہر ایک کا کہا ہوا کیسے کیسے ذلیل کرتے تھے اب تو میں لوٹاؤں گی سود سمیت جو میں نے ان سے وصول کیا ہے۔"

نانی ستارہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر دوبارہ پان بنانے لگیں۔ نگینہ سے فی الحال بحث لاحاصل تھی اس کی ذہنی حالت کو سمجھنا مشکل نہیں تھا۔

"شاما کہاں ہے؟ کب سے آواز دے رہی ہوں، نیچے گئی ہے کیا؟" وہ دانستہ موضوع بدل گئیں، مگر بے سود۔
نگینہ کی سوئی اسی ایک نقطے پر اٹکی ہوئی تھی۔
"میں نے بھیجا ہوا ہے، گلناز کے ہاں۔"
"کیوں؟ کل بھی وہ وہاں دو گھنٹے لگا کر آئی تھی۔ اور پرسوں..."
"پرسوں تو اماں، گلناز خود سارا دن یہیں بیٹھی رہی تھی، صندل کے معاملے کی پوری تفصیل لینے کے لیے، ہاں کل اور آج میں نے خود شاما کو بھیجا ہے، پتا کرنے کے لیے کہ کیسے وہاں سانپ لوٹ رہے ہیں دلوں پر۔" اپنی بات کہہ کر وہ بڑا کھل کر ہنسی۔
اس بار نانی اسے ٹوک بھی نہ سکیں۔ پورے دل کے ساتھ ہنسی جانے والی ہنسی اور چہرے پر انوکھی سی چمک۔ نگینہ ایک دم ہی کتنی اجنبی سی دکھنے لگی تھی۔
چڑچڑی، بدمزاج، اور زمانے بھر سے نالاں 'نگینہ' سے ایک دم مختلف!
"مجھے شاما کو نیچے بھیجنا ہے کام سے، جا اسے آواز دے لے۔"
وہ ملامت سے نگینہ کو اتنا ہی کہہ سکیں، اس بار وہ فرماں برداری سے سر ہلاتے ہوئے اٹھ کر باہر نکل گئی۔
معلوم نہیں، نگینہ کی خواری اور محرومیوں کا دکھ بڑا تھا، یا اب اس کی خوشی دیکھ کر دل بھر آرہا تھا۔
نانی ستارہ نے چپکے سے آنسو خشک کر لیے۔ شاما کو آواز دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ دونوں رہائشی حصوں کو ملاتے یہاں سے وہاں تک جاتے، پچھلے برآمدے میں وہ خود ہی اسے آتی دکھائی دے گئی۔
"بڑا ہی سوگ پڑا ہے وہاں تو باجی!" شاما نے شوخی سے آنکھیں نچائیں۔
"اللہ نے چاہا تو اب ہمیشہ ہی کو پڑا رہے گا۔" بڑے یقین سے نگینہ نے پیش گوئی کی۔
"الماس نے تو رو رو کر برا حال کر لیا ہے، کمرہ بند کر رکھا ہے، ماں، خالہ، نانی سب ہی اس کے کمرے میں ہیں، بڑی پریشانی پھیلی ہے۔"
"تو نے سنیں، کیا باتیں کر رہی تھیں وہ لوگ!" نگینہ کے دل میں بڑی ٹھنڈک پڑی تھی۔
"کمرے میں تو مجھے گھسنے نہیں دیا، مگر الماس چیخ رہی تھی تو آواز باہر تک آرہی تھی۔"
"ہاں تو، وہی تو پوچھ رہی ہوں!"
"بس اپنی صندل سے جلی جارہی ہے، ماں کو برا بھلا کہہ رہی تھی کہ مجھے تو بس پیسہ کمانے کی مشین بنا دیا ہے تم لوگوں نے، ساری ویلیو ختم کر کے رکھ دی میری، صندل کو دیکھو، خالہ نگینہ نے ہیروئن بنا کر چھوڑا، چاہے کتنی مصیبتیں خود اٹھالیں۔"
"یہ تو ہے!" نگینہ نے خود پر اب فخر کرنا شروع کر دیا تھا۔ "دعا کر شاما! وہ وقت بھی آئے جب میں صندل کے ساتھ کسی بڑی فلم کے سیٹ پر اپنی گاڑی سے اتروں اور سامنے یہ بدبخت شیرازی ہاتھ باندھے کھڑا ہو اور میں اس کی طرف نگاہ ڈالے بغیر قریب سے گزر جاؤں۔" وہ بڑی تمنا سے کہہ رہی تھی۔
"اللہ کرے گا تو ایسا بھی ہو گا، اب تو آپ فکر ہی نہ کریں۔" شاما کے لہجے میں بڑا گہرا خلوص تھا۔
نگینہ نے محبت سے اس کی طرف دیکھا۔
گہری سانولی رنگت والی شاما کی وفاداری بڑی خالص بڑی اجلی تھی، وہی تھی جو مایوسی کے گہرے اندھیرے میں

بھی اس کے سامنے ایک چھوٹا سا دیا ہمیشہ جلائے رکھنے کی کوشش کرتی تھی۔
"صندل کی پہلی شوٹنگ پر، تجھے ضرور اپنے ساتھ لے کر چلوں گی۔"
"کتنا مزا آئے گا، ہیروئن کی تو بڑی شان ہوتی ہے، سارے آگے پیچھے پھرتے ہیں، سیٹ پر تو ایسا لگتا ہے جیسے کسی ملک کی شہزادی۔۔۔!"
"امی!" گیتی سے ضبط نہ ہوا تو سامنے کمرے کے کھلے دروازے میں آکھڑی ہوئی، پچھلے تین دن سے گھر میں جاری یہ لن ترانیاں، اب برداشت سے باہر ہو رہی تھیں۔
"ہاں میرا بچہ، بول کیا چاہیے!" نگینہ بڑے لاڈ بھرے انداز میں کہتی ہوئی اس کی طرف بڑھی۔ "شاما! میری اس بچی کا بھی خیال رکھا کر، یہ غریب تو کسی کو بھی کچھ نہیں کہتی، نہ کوئی خواہش نہ فرمائش۔"
پیار سے اس نے گیتی کو خود سے لگاتے ہوئے شاما کو ہدایت کی تھی۔
آج اتنی مدت بعد، اس نے پیار کا کوئی مظاہرہ کیا تھا کہ گیتی کو یاد کرنے کے باوجود بھی نہ یاد آیا کہ کب آخری بار وہ ماں کے اس طرح گلے لگی تھی۔
اسے بڑا عجیب سا لگا، شاید وہ عادی نہیں رہی تھی نگینہ کی۔
"امی! سالار صاحب کا پتا کروا دیں، امتحان اتنے قریب ہیں اور وہ کب سے چھٹی کیے ہوئے ہیں۔"
اپنی بات کہتے ہوئے وہ آہستگی سے نگینہ سے علیحدہ ہو گئی۔
"واقعی، دیکھو میں ابھی پتا کرواتی ہوں، کہیں خدانہ کرے بیمار و بیمار نہ ہو گیا ہو، کیا سوچے گا کہ کیسے بے مروت لوگ ہیں، اپنا کام نکل گیا تو پلٹ کر پوچھا بھی نہیں۔" نگینہ کے لہجے میں سالار کے لیے تشویش تھی۔
سالار سے اس کی خفگی، اب ماضی کا حصہ بن رہی تھی، صندل کو ملی آفر، افسر بھائی کے خوب صورت پروگرام کی مرہونِ منت تھی اور وہ پروگرام جس نے خوش قسمتی کا یہ سنہرا دروازہ کھولا تھا، سالار کے توسط سے ملا تھا۔
وہ پورے دل سے سالار کی شکر گزار تھی اور پکا ارادہ باندھ چکی تھی کہ آنے والے دنوں میں جب وہ ایک مصروف ہیروئن کی ماں کے طور پر جانی جائے گی تو کسی بھی انٹرویو کے موقع پر اپنے کرم فرماؤں کا ذکر کرنا نہیں بھولے گی۔
گیتی کو وہیں چھوڑ کر نگینہ تیزی سے نانی ستارہ کے کمرے کی طرف چلی گئی، ٹیلی فون وہیں رکھا جاتا تھا۔
شاما کو چائے کی ہدایت دیتے ہوئے گیتی واپس کمرے میں آگئی، رات کو بے شک وہ نانی کے ساتھ سوتی تھی، لیکن دن کا بیشتر حصہ اس کا یہیں اس کمرے میں گزرتا تھا۔
یہ کمرہ جو کبھی خیام کا تھا، اب گیتی کا کہلاتا تھا اور خیام ـــ
جو کبھی اس کا تھا، وہ نہ جانے اب کس کا ہو گا؟
میز پر سے اپنی کتاب اٹھا کر وہ کرسی پر آبیٹھی۔ نہ ہی خیام کا خیال پیچھا چھوڑتا تھا اور نہ ہی اس کی واپسی کی امید ہی دم توڑتی تھی۔
یہاں اب اس کا ذکر بھی کبھی کبھار ہی ہوتا تھا۔
دل بھر کر لعنت ملامت کرنے کے بعد سب ہی اسے صبر کر چکے تھے۔
جس بے مروتی اور سخت دلی کا مظاہرہ وہ کر کے گیا تھا، اس کے بعد یہاں خود بخود طے پا چکا تھا کہ اب وہ کبھی کسی صورت واپس نہیں آئے گا۔
سو نہ ذکر نہ فکر۔

سامنے کھلی کتاب سے دور پرے' دھیان کہیں اور بھٹکتا ہی جارہا تھا۔
"اب وہ کیسے رہتا ہوگا' کن لوگوں کے درمیان ہوگا اور اکیلا تو کسی بھی قیمت پر نہیں ہوگا' اس کی نازک مزاجی کا تقاضا تھا کہ کوئی نہ کوئی اس کی نازبرداری کے لیے ضرور ہی موجود رہے۔"
اور اب جو کوئی بھی تھی۔
کتنی خوش قسمت' بختاور۔
یہ آخری خیال ہمیشہ اتنا تکلیف دہ ہوتا کہ اسے واپس اپنے حال میں آنا ہی پڑتا۔
"اتنا پیسہ لے کر گیا ہے' اچھی خاصی پوزیشن تو بنا ہی لے گا' اگر سمجھ دار ہوا' پھر اکیلا لڑکا دیکھ کر دس لوگ رشتہ دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔" اسے یاد آیا۔
نگینہ امی نے خیام کے جانے کے بعد ایک بار کہا تھا۔
اور گیتی کو اب اس بات کے سچ ہونے میں ذرا بھی شک نہیں تھا۔
"اچھا ہے' نام' شناخت بدلنے کی اس کی اول و آخر خواہش' آسانی سے پوری ہو گئی تھی۔"
بہت بہادری سے اس نے' خیام کی خوشی میں خوش ہونا چاہا۔
مگر ایسا کیسے ممکن تھا۔
اندر سے اٹھتی رنج' وغصہ' حسد کی تند لہر اسے خود بھی حیران کر گئی۔
بے غرضی کی بکل کے نیچے' خواہشات اور توقعات سے بھرا وہی عام دل تھا' جسے صرف اپنی بدنصیبی کا غم گھیرتا تھا۔ "اور وہ دنیا میں کسی کی بھی خوشی پر خوش ہو سکتی تھی' مگر خیام کی نہیں!"
اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ سائیڈ بورڈ کے اوپر لگی خیام کی بڑی ساری تصویر کے سامنے آکھڑی ہوئی۔
نانی کے بے حد اصرار پر پچھلے سال خیام نے یہ تصویر کھنچوائی تھی' جب محلے کا فوٹوگرافر گھر پر آیا ہوا تھا اور بے حد اصرار پر بھی اس نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کی بھی فرمائش پوری نہیں کی تھی' وہ کیمرے کی طرف بھی اتنی ہی خفگی کے ساتھ دیکھ رہا تھا جیسے زمانے کو دیکھتا تھا۔
"کاش خیام! کبھی تو ایسا بھی کچھ ہو کہ میں کسی باعزت مقام پر کھڑی ہو کر تمہیں اپنے سے دس قدم نیچے کھڑا ہوا دیکھوں۔"
دل سے عین وہی خواہش اٹھی' جو نگینہ ابھی برآمدے میں کھڑی شیرازی کے لیے کر رہی تھی۔
اتنی گہری مماثلت!
وہ جو ہمیشہ ماں کے انداز زندگی اور انداز فکر پر شرم کھاتی آئی تھی' کہیں نہ کہیں سے اسی جیسی تھی۔
یا پھر اندر سے سب ہی انسان ایک سی فطرت کے مارے ہوئے ہیں۔
بس انیس بیس کے فرق کے ساتھ' اور وہ فرق بھی حالات اور قسمت کا بخشا ہوا۔
وہ اس اندر پھیلتے ہوئے کنفیوژن کے بارے میں بھی نہیں سوچنا چاہتی تھی۔
محبت' بے غرضی' سادہ دلی کے پیچھے کہیں زخم زخم انا کا رونا بھی تھا۔
وہ ساکت نگاہوں سے خیام کی تصویر کو دیکھے گئی' اسے خبر ہی نہیں ہوئی کہ کب سالار کمرے کے کھلے دروازے میں آکھڑا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼
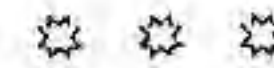
امتحان کیا پاس کیا تھا معاذ پر جیسے سات خون معاف ہو گئے تھے۔
گھر سے غیر حاضری اور لاپروائی مزید بڑھ رہی تھی' اور کسی وقت اتفاقاً' جو گھر پر دکھائی بھی دیتا تو ربیعہ کے ٹوکنے سے پہلے ہی اپنا حالیہ کارنامہ یاد دلانا ضروری سمجھتا۔
"امتحان پاس کر چکا ہوں' اور فی الحال ماسٹرز کے آگے کچھ اور کرنے کا میرا ارادہ بھی نہیں ہے۔"
ساڑھے بارہ بجے ناشتہ کرتے ہوئے' اس نے دوسرا پراٹھا لاتی ہوئی ربیعہ کی طرف دیکھتے ہوئے ایک بار پھر یاد دلا کرائی تھی۔
"میں نے کہا تم سے کچھ؟" وہ قریب ہی کرسی پر بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
"نہیں' لیکن میرا فرض تھا کہ تمہیں بتا دوں۔"
پراٹھا اپنی طرف کھسکاتے ہوئے' وہ ہلکے سے مسکرایا۔
"ویسے آج بڑی خاموشی ہے' سب لوگ کہیں گئے ہوئے ہیں کیا؟ دادی تک دکھائی نہیں دے رہیں۔"
"وہ لیٹ گئی ہیں کمرے میں جا کر' فجر سے اٹھی ہوئی ہیں' ظاہر ہے ان کے لیے تو اب تک آدھا دن گزر چکا۔"
"ہوں ہوں!" وہ گویا پوری طرح متفق تھا۔
"اور امی ابا!"
"ابا اپنا آرٹیکل دینے گئے ہیں اخبار کے آفس۔ اور امی بوتیک' نیا آرڈر لینے کے لیے!" اپنی بات کہتے ہوئے ربیعہ نے اس کے چہرے کے تاثرات میں کچھ تلاش کرنا چاہا' مگر ناکامی ہوئی۔
"چلو یہ اچھا کیا کہ صبح ہی صبح نکل گئے' ورنہ دن میں تو خاصی سخت گرمی ہونے لگی ہے' اب تو میرا خیال ہے کہ آنے ہی والے ہوں گے یہ لوگ...!"
وہ بڑے اطمینان سے اظہار خیال کر رہا تھا۔
نہ تو اسے شہر کے دوسرے سرے پر واقع اخبار کے آفس تک بسوں کے دھکے کھاتے ابا کا ہی خیال آیا تھا اور نہ ہی شاید ان سلے کپڑوں کا بڑا سارا گٹھڑ لے کر واپس آتی امی کا!
ربیعہ کو تو لگتا تھا کہ معاذ کی بے حسی اب ایسی جگہ پہنچ چکی ہے' جہاں سے واپسی کی کوئی امید نہیں رکھی جاسکتی۔
اور یہ بڑا ہی دل توڑتا سا احساس تھا' جب بھی گھیرتا' چند منٹ تو ضرور ہی اسے خود کو سنبھالنے میں لگ جاتے۔
"کیا سوچ رہی ہو؟"
معاذ نے اس کی خاموشی کو بہرحال نوٹ کیا۔
"ہوں!" وہ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی' حیرت کے ساتھ' تھوڑی سی خوش گمانی نے پھر سے سر اٹھانے کی جرأت کی۔
"امی کی آنکھوں کا نمبر گر رہا ہے معاذ! اور ان کا سارا کام نگاہ کا ہی ہے' سارا دن بعض وقت تو مشین پر گزار دیتی ہیں۔"
منہ کی طرف جاتا ہوا اس کا ہاتھ ایک پل کے لیے رکا۔ "ہاں تو مت کیا کریں نا اتنا کام' کیا ضرورت ہے' ہمارے کون سے ایسے خرچے ہیں؟"
"کیسے نہیں ہیں خرچے' مہنگائی کا اندازہ ہے کچھ تمہیں!" نہ چاہتے ہوئے بھی ربیعہ کو ایک بار پھر غصہ آنے

لگا۔

"قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں روزمرہ استعمال کی چیزوں کی بھی' تم کبھی گھر کا سامان لاؤ تو تمہیں پتا ہو' اوپر سے بجلی' گیس' پانی' فون' ہر چیز کا بل کہاں سے ادا ہو رہا ہے یہ سب۔"

"تو خرچے کم کرو گھر کے' انسان جتنی سادگی اختیار کرے' سکھ میں رہتا ہے' اب بجائے یہ پراٹھے میرے سامنے رکھنے کے خالی چائے پاپے رکھ دیتیں' کیا فرق پڑتا۔"

اسے واقعی کوئی فرق نہیں پڑتا تھا' اور ایسے مشورے اس کے پاس ہمیشہ ہی حاضر رہتے تھے۔

ہر بار بحث کر کے وہ محض اپنا وقت ہی ضائع کرتی تھی۔

"ایسا کرو' تم امی کو آئی سائٹ چیک کروانے کے لیے لے جاؤ' ہو سکے تو آج ہی نیا چشمہ بن جائے گا' تو انہیں کافی آرام ملے گا۔"

وہ مایوس سی ہو کر اٹھ رہی تھی' جب اس نے نئی ہدایت جاری کی۔

"تم کیوں نہیں لے جاتے' وہ ابھی آتی ہی ہوں گی۔ تھوڑا سا انتظار کر لو۔"

برتن سمیٹتے ہوئے وہ بظاہر لاپروائی برت رہی تھی لیکن دل بڑا بھاری ہو رہا تھا۔

"آج کل تو ذرا بھی فرصت نہیں ہے مجھے' ہمارے گیراج اسکول کے بچوں کا پہلا گروپ' اپنا کورس ختم کر رہا ہے اور ہم اس کامیابی پر ایک چھوٹا موٹا فنکشن ضرور کرنا چاہ رہے ہیں' اس کے انتظامات دیکھنے ہیں' اور پھر آج کل دوسرے گروپ کے بچوں کے نام لکھے جا رہے ہیں' بہت کام ہے بھئی!"

معاذ یک دم ہی بہت پرجوش دکھائی دینے لگا' خوشی سے اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

جو کچھ بھی وہ کر رہا تھا' عین بھلائی سہی پھر بھی ربیعہ سے مروتاً' بھی خوشی کا اظہار نہیں کیا گیا' اسے پروا بھی نہیں تھی' سرشار سے لہجے میں اپنی ہی کہے گیا۔

"ہماری امید سے بڑھ کر اچھا رزلٹ ہے' یہ وہ بچے تھے' جنہیں حرف کی پہچان تک نہیں تھی۔ کبھی پین پنسل ہاتھ میں نہیں پکڑا تھا' اب اس روانی سے اردو لکھ پڑھ رہے ہیں' بنیادی انگریزی اور حساب بھی سیکھ چکے ہیں' ہم بڑی جنئس قوم ہیں یار! چاہیں تو پوری سوسائٹی بدل کر رکھ دیں۔"

"پہلے اپنے گھر کے حالات تو بدل لو معاذ! یہ نہ ہو کہ باقی سب کچھ اتنا بدل جائے کہ تم خود اسی حال میں سب سے پیچھے کھڑے رہ جاؤ۔"

وہ برتن اٹھا چکی تھی' اور اپنی بات کہہ کر فوراً' ہی کچن کی طرف چلی گئی۔

اس نے تو یہ بھی نہیں دیکھا کہ خواب دیکھنے والی ان آنکھوں کی چمک' کیسے مدھم پڑنے لگی تھی۔

"معاذ' معاذ!" دادی اٹھ چکی تھیں۔

"جی آپا!" سر کو ہلکے سے جھٹک کر' وہ سامنے کاریڈور میں سے ہوتا ہوا ان کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

وہ سامنے مسہری پر ہی بیٹھی تھیں۔

"اٹھ گئیں آپ!"

"میں سوئی کب تھی؟ بس یوں ہی آنکھیں بند کر کے لیٹی ہوئی تھی۔" معاذ ہلکے سے مسکرایا۔

دادی کی پرانی عادت تھی' دن میں کئی بار نیند لے لیتیں لیکن کبھی مان کر نہیں دیتیں۔

معاذ اسی بات کو لے کر ان سے بحث کیے جاتا تھا۔ پر اس وقت خاموش ہی رہا۔

"ذرا یہاں بیٹھو میرے پاس!"

"جو بھی بات ہے جلدی جلدی کریں' اس وقت بیٹھ نہیں سکتا بہت جلدی ہے۔" وہ ان کے قریب تو چلا آیا لیکن بدستور کھڑا تھا۔

"تمہارے کون سے جہاز چھوٹ رہے ہیں' اب نکلو گے تو خیر سے کل اس وقت ہی دکھائی دو گے۔"

"کسی اور کے سامنے مت کہہ دیجیے گا!" اس نے ہلکی سی بوکھلاہٹ طاری کی' ویسے ہی کوئی خاص اچھی شہرت نہیں' آپ کی باتوں سے لوگوں کو رات کو بھی گھر سے غائب رہنے کا شبہ شروع ہو جائے گا' میں تو کہیں منہ دکھانے کے بھی قابل نہیں رہوں گا۔"

"شہرت خراب ہو تمہارے دشمنوں کی' خاندان میں جلنے والوں کی کمی تھوڑی ہے۔" جو بات کہنی ضروری تھی وہ بھول کر وادی کو خاندان والوں پر غصہ آنے لگا۔

"کیا کمی ہے' پڑھا لکھا' لاکھوں میں ایک' بس ایک نوکری ہی تو نہیں ہے' اللہ نے چاہا تو وہ بھی مل جائے گی۔"

دادی بہت فخر سے اس کی خوبیاں گنوا رہی تھیں۔ تب ہی معاذ نے باہر سے اظہار چچا کی آواز سنی' ربیعہ سے باتیں کرتے ہوئے' وہ اسی طرف آ رہے تھے۔

"اللہ اکبر۔" وہ بے ساختہ ہی بڑبڑایا۔

"کیا ہوا؟"

دادی کے بالکل ہی پاس کھڑا تھا' سو وہ فوراً ہی پوچھنے لگیں۔

"وہی آ رہے ہیں' ابھی جن کی شہرت خراب ہونے کی آپ دعا کر رہی تھیں۔"

"کون آ رہا ہے؟"

ان کا دھیان باہر سے آتی آوازوں کی طرف اب تک نہیں گیا تھا۔

"جنہیں آپ سے بھی زیادہ میری نوکری کی فکر ہے' میں چلتا ہوں پھر کسی وقت آپ کی بات سن لوں گا' اطمینان سے۔"

اس بار وہ واقعی نہیں رکا۔

دادی آواز دے رہی تھیں' لیکن دوسرے لمحے اندر آتے اظہار چچا کو دیکھ کر' ساری توجہ ان ہی کی طرف ہو گئی۔

"السلام علیکم چچا!" وہ عین دروازے پر ان سے ملا تھا' سو سلام تو کرنا ہی تھا۔

"وعلیکم!" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائے۔

ربیعہ انہیں یہاں تک چھوڑ کر واپس جا چکی تھی۔

"تم کیسے اس وقت گھر میں نظر آ رہے ہو؟" وہ اس سے پوچھ رہے تھے۔

"بس نکل ہی رہا تھا چچا! اصل میں آنکھ دیر سے کھلی۔" اس سیدھے سادے جواب پر بھی ان کے چہرے پر بڑی طنزیہ مسکراہٹ ابھرنے لگی تھی۔

"بے فکری ہے نا' اس لیے خوب نیند آتی ہے' نوکری نہ کرنے کا یہی تو فائدہ ہے' جب دل چاہا سو گئے' جب دل چاہا اٹھ گئے' جنہیں نوکری کی فکر ہو وہ بے چارے تو صبح سویرے ہی فکر کے مارے اٹھ جاتے ہیں!"

"ٹھیک کہہ رہے ہیں' اور اگر نوکری سرکی ہو تو یہ فکر اور بھی بڑھ جاتی ہے۔"

انہیں برجستہ جواب پکڑا' وہ باہر جا چکا تھا۔ دادی جو اظہار چچا کے اعتراضات پر پیچ و تاب کھا رہی تھیں' انہیں فی الفور بڑا سکون ملا۔

"دیکھا آپ نے' کتنا بدتمیز ہو چکا ہے یہ۔ بڑے چھوٹے کا لحاظ بھی نہیں رہا اب تو۔"

مارے غصے کے وہ دادی کو سلام تک کرنا بھول گئے۔ "بہت ڈھیل دے رکھی ہے اسلام بھائی نے اسے' سارا ان ہی کے لاڈ پیار کا نتیجہ ہے۔"

"تم نے بھی تو آتے ہی اس کا پیچھا پکڑ لیا تھا' ورنہ میرا معاذ بدتمیز نہیں ہے۔"

دادی نے ان کے اعتراض کو ذرا بھی اہمیت نہیں دی' معاذ کو خود چاہے جو کہہ لیتیں' کسی اور کے منہ سے ایک لفظ بھی برداشت نہیں ہوتا تھا۔

"میں نے تو بڑا ہونے کے ناتے ایک نصیحت کرنا چاہی تھی' آپ کو برا لگا تو معافی چاہتا ہوں۔"

دادی کا بہرحال انہیں لحاظ تھا' ورنہ آج انہیں پکا یقین ہو رہا تھا کہ معاذ کے بگڑنے میں کسی ایک کا ہاتھ نہیں' بلکہ حسب توفیق سب ہی حصہ دار ہیں۔

"ڈھونڈ رہا ہے نوکری' اللہ نے چاہا تو جلد ہی مل جائے گی' درخواستیں دے رکھی ہیں کئی جگہ پر!"

انہیں یقین تو نہیں آیا' لیکن چپ چاپ سنے گئے۔

"اور یہ لوگ کہاں ہیں' دکھائی نہیں دے رہے؟" ان کا اشارہ امی ابا کی طرف تھا۔

دادی نے تفصیل بتانے کے بجائے یوں ہی سرسری سے انداز میں ٹال دیا۔

"نکلے ہوئے ہیں اپنے اپنے کاموں سے۔"

دادی کو ان کا آنا اچھا لگتا تھا' سارے خاندان کے حالات سے آگاہ رہتی تھی' اور آج تو انہیں وہ ضروری بات بھی چھیڑنی تھی' جس کی تمنا معاذ کے رزلٹ والے دن سے دل میں پھر سے جاگ اٹھی تھی۔ ربیعہ چائے رکھ گئی تو وہ اصل موضوع پر آ ہی گئیں۔

"میں جویا کے بارے میں بات کرنا چاہ رہی تھی تم سے اظہار!" بنا کسی ہیر پھیر کے' وہ براہ راست کہہ رہی تھیں۔

"جی!" بات اتنی غیر متوقع تھی کہ چائے کا پہلا ہی گھونٹ لیتے ہوئے انہیں کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔

جتنی دیر میں وہ کھانس کر فارغ ہوئے' دادی کی طرف سے کنفیوزن بڑھاتا ہوا دوسرا سوال آ چکا تھا۔

"معاذ پاس ہو گیا ہے امتحان میں' اللہ نے چاہا تو بہت جلد نوکری بھی مل جائے گی' پھر تمہیں کیا اعتراض ہے؟"

ایک کیا' وہ ایک سو ایک اعتراضات بھی گنوا سکتے تھے' لیکن بہتر یہی تھا کہ بات کو خوش اسلوبی سے ٹال دیا جائے۔

"ابھی تو پڑھ رہی ہے جویا' بی ایس سی کا امتحان دے کر یونیورسٹی میں داخلہ لے گی' میں اس کی تعلیم مکمل ہونے تک' ایسا کچھ سوچنا نہیں چاہ رہا۔"

وہ دل میں سخت حیران بھی تھے۔

سلمان سے زوبیہ کی شادی کے بعد ان کے خیال میں یہ بات پوری طرح ختم ہو چکی تھی۔ جب ان کی طرف سے ربیعہ کو ٹھکرا دیا گیا تھا' تو پھر جویا کا بھی سوال نہیں اٹھتا تھا۔

"جتنا دل چاہے پڑھ لے جویا' لیکن تم معاذ کے لیے واضح ہامی تو بھر سکتے ہو' آخر برسوں پہلے یہ بات ہم نے آپس میں طے کی تھی۔"

یاد دہانی کی ضرورت نہیں تھی۔ اظہار چچا کو سب اچھی طرح یاد تھا' لیکن اس وقت وہ خود جس پھیچر حالت میں زندگی گزار رہے تھے اس میں ایسی بے وقوفی کا سرزد ہونا عام سی بات تھی۔

پر اب!

انہوں نے ایک نگاہ میں دادی کے کمرے کا جائزہ لیا جہاں برسوں سے وہی پرانی مسہری' پرانی الماری اور ڈھیلی

ڈھالی کرسیاں تھیں اور جہاں دیواروں کو رنگ روغن سے آشنا ہوئے مدت گزر چکی تھی۔

"بچپن کی بات کا کیا ذکر پھر ابھی جب تک معاذ برسرروزگار نہیں ہوتا تب تک کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"تمہارا اعتراض صرف اس کی بے روزگاری پر ہے اور تو کوئی بات نہیں نا؟" دادی نے بغور ان کا چہرہ دیکھا۔

"نہیں!" وہ کہتے ہوئے تھوڑا سا ہچکچائے لیکن یہ یقین تھا کہ معاذ کو کوئی ڈھنگ کی نوکری تو نہیں ملنے والی۔

"ٹھیک ہے پھر میں جلد ہی باقاعدہ تمہارے گھر آؤں گی۔"

دادی کے لہجے میں اب اطمینان جھلک رہا تھا۔

"گھر میں بھی مشورہ کرنا ہوگا پہلے جویا کے لیے تو بہت اچھے رشتے آرہے ہیں مگر فی الحال سب ہی کو منع کر دیا ہے۔" چائے ان کے کپ میں پڑی پڑی ٹھنڈی ہو رہی تھی۔

"منع تجھی کرنا چاہیے تھا جویا پر پہلا حق ہمارا ہے اور یہ بات سارے خاندان کو پتا ہے۔"

اس بار وہ خاموش ہی رہے۔

سلمان کا رشتہ ربیعہ سے ختم کرنے پر سارے خاندان میں بھی باتیں بنی تھیں بہت سے لوگوں نے منہ پر کہا تھا کہ اتنی اچھی لڑکی کو محض پیسے کے لالچ میں ٹھکرایا گیا ہے۔

آج خلافِ معمول وہ بہت جلدی واپسی کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے دادی نے رکنے کے لیے زیادہ اصرار بھی نہیں کیا۔

"اپنی بیوی سے ضرور مشورہ کرلینا ویسے تو مجھے پتا ہے کہ وہ بہت اعتراض کرے گی لیکن تم پر مجھے پورا بھروسا ہے۔"

دادی کا اخلاقی دباؤ کمال کا تھا۔

بات اب یہیں تک نہیں رکنی تھی۔

صاف انکار کی صورت میں خاندان بھر سے لعن طعن سننے کے لیے تیار رہنا ضروری تھا۔

یہاں لوئر مڈل کلاس کی ساری خصوصیات موجود تھیں آپس میں چاہے کتنی ہی تلخیاں کیوں نہ ہوتیں کسی بات میں بڑا پکا گٹھ جوڑ ہو جاتا تھا سلمان کی شادی سے لوگ متاثر تو ضرور ہوئے تھے مگر پیٹھ پیچھے جو کچھ کہا جا رہا تھا وہ بھی سننے میں آہی رہا تھا۔

"بھاڑ میں جائیں سارے اچھا ہے اسی بہانے یہ رہا سہا تعلق بھی ختم ہو۔" خاموشی میں ڈوبے برآمدے اور احاطے کو پار کرتے ہوئے انہوں نے خود کو حوصلہ دیا۔

گیٹ پر امی ان سلے کپڑوں کے گٹھر ٹیکسی سے اتروا رہی تھیں۔

وہ ایک لمحے کے لیے ٹھٹکے۔

آج گرمی بھی بہت سخت تھی۔

امی اب ماتھے سے پسینہ خشک کرتے ہوئے ٹیکسی والے سے کرایے پر بحث کر رہی تھیں۔

اظہار چچا کے لبوں پر بڑی گہری مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

اور اس مسکراہٹ میں کہیں سے بھی ان کی خوش اخلاقی نہیں جھلک رہی تھی یہ محض ایک مذاق اڑاتی طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

☆ ☆ ☆

مٹھی میں پیسے دبائے وہ صحن میں آئی سر پر دوپٹے کا پلو درست کیا اور پھر دروازہ کھولنے سے پہلے پیچھے مڑ کر

چپ چاپ بیٹھی زری کی طرف دیکھا۔

"او بیگم صاحبہ! اٹھ کر دروازہ بند کرلینا اندر سے۔ اور تو کچھ نہیں رکھا یہاں لے جانے کے لیے بس تم ہی ہو ایک بیش بہا خزانہ جو مجھے بخشا گیا ہے۔"

سعیدہ کا لہجہ روز بہ روز اور بھی تلخ اور تیور انتہائی خطرناک ہوتے جا رہے تھے۔

زری خاموش رہتی اور سارا وقت اسے سہمی سہمی نگاہوں سے دیکھتی رہتی۔

سعیدہ کو اس کی خاموشی بھی منہ چڑاتی ہوئی محسوس ہوتی تھی پہلے پہل جو ایک فطری سی ہمدردی اسے زری کی بے زبانی اور یتیمی کے خیال سے ہوتی تھی بڑی تیزی سے حالات کی نذر ہوئی تھی۔

"یہاں اپنا پیٹ پالنا مشکل اوپر سے ساس سسر کی چھوڑی ہوئی اولاد بھی پالو تو اب ہی کیا کم بوجھ ہے جواب یہ بہن صاحبہ بھی میرے حصے میں آگئی ہیں۔"

وہ برابر والے گھر میں بیٹھی بتول سے اپنے روز کے دکھڑے رو رہی تھی۔

"یہ تو ہے تجھ پر تو بے کار کا ہی بوجھ پڑا ہے زری کا۔" بتول نے بڑی دل سوزی سے اس کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔

تب ہی سعیدہ کی نگاہ اس کی کلائی میں چمکتی سنہری چوڑیوں پر پڑی۔

بتول کی سوکھی سیاہ کلائی میں وہ خوب صورت سنہری چوڑیاں کچھ زیادہ ہی چمکتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

"نئی لی ہیں؟" اپنا سارا رونا بھول کر وہ اس کی کلائی تھام کر بڑے اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

"ہاں پورے ساڑھے تین سو کی سونے کی لگتی ہیں نا ان کے علاوہ ایک بریسلیٹ بھی لیا ہے اور ایک ٹاپس کی جوڑی بھی سب ملا کر پانچ سو روپے میں آگئے۔"

"پانچ سو!"

سعیدہ کو مٹھی میں دبے ایک سو پچاس روپے پسینے میں بھیگتے ہوئے محسوس ہوئے۔

بڑے انتظار کے بعد سلائی کے لیے تین لان کے سوٹ آئے تھے جو بمشکل اسی روپے فی سوٹ کی ادائیگی پر اس نے کل سارا دن لگا کر سی کر دیے تھے۔

کمر اکڑ کر تختہ ہو گئی اور ہاتھ آئے دو سو چالیس روپے۔

ڈیڑھ سو روپے ساجد کا قرضہ لوٹانے کے لیے نکالتے ہوئے اس کا دل تو بہت برا ہو رہا تھا۔ لیکن وہ اس کے دیے پیسے تھوڑے تھوڑے ہی سہی واپس کرنے کی نیت کیے ہوئے تھی۔

"ساری عمر تو بس یوں ہی ساجد کے باپ کے آگے ہاتھ پھیلاتے گزری یا اپنی مشقت سے کمائے ہوئے پیسوں سے بچوں کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہوئے لیکن اللہ کا کرم ہے کہ میرا ساجد بڑی جلدی کسی قابل ہو گیا اب کیوں نا اپنے سارے شوق پورے کروں۔"

فاقوں کی ماری مدقوق بتول کے چہرے پر اتنی ہی چمک تھی جتنی اس کی کلائیوں میں پڑی چوڑیوں میں۔

"اللہ کی شان ہے وہ چاہے تو پل میں بھی حالات بدل کر رکھ دے۔"

ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سعیدہ نے سہیلی کی خوشی میں خوش ہونا چاہا مگر سچی بات تو یہ کہ دل میں پلتی حسرتیں اور بھی سوا ہونے لگی تھیں۔

"آج کام پر نہیں گئیں تم؟"

"چھوڑ دیا کام!" بتول نے بے نیازی سے مکھی اڑائی۔

"چھوڑ دیا!"

"ہاں میرا ساجد کئی دن سے پیچھے پڑا تھا روز کی ضد تھی کہتا ہے اماں بہت کام کرلیا اب آرام کرو میں کس

لیے ہوں آخر، کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دوں گا اور دیکھ لو۔"

ایک بار پھر اس نے اپنا جگمگاتا ہاتھ سعیدہ کی آنکھوں کے آگے نچایا۔

"یہ تو ہے، ویسے یہ ساجد ہے کہاں، ذرا بلا تو سہی۔" سعیدہ جس کام کے لیے آئی تھی، اس کو نمٹا کر جلد واپس جانا چاہ رہی تھی، گھر پر زری اکیلی تھی۔

"کیا بات ہے خالہ!" وہ سامنے کمرے سے نکل کر آیا۔

سعیدہ کی نگاہ کچھ دیر کے لیے اس پر جم سی گئی، پندرہ بیس دن بعد اسے دیکھا تھا۔ لیکن اتنے تھوڑے سے دنوں میں بھی، وہ پہلے سے بھی زیادہ کمزور لگ رہا تھا۔

"کیا ہوتا جا رہا ہے بچے کو بتول، اتنا کمزور پہلے تو نہیں تھا، اس کے باپ کو منع کیوں نہیں کرتی اتنا زیادہ کام کیوں کرواتا ہے اس سے۔"

وہ کام بھول کر بتول پر خفا ہونے لگی۔

"بہت کہتی ہوں مگر سنتا ہی نہیں ہے۔" بتول کے چہرے کی چمک ماند پڑنے لگی۔

"خود جا کر ڈاکٹر کو دکھا لا بچہ اندر ہی اندر گھل سا رہا ہے۔"

چھوڑو بھی خالہ! مجھے کیوں بلایا ہے؟" ساجد اکتا سا گیا تھا۔

"ہاں، یہ بیٹا! تیرے پیسے، تھوڑے تھوڑے کر کے سارے واپس کر دوں گی، بڑی مہربانی تیری۔" سعیدہ نے وہ بھیگے ہوئے نوٹ ساجد کے آگے بڑھائے تو وہ پیچھے ہٹا۔

"نہیں خالہ! تمہارا بھی مجھ پر حق ہے، یہ پیسے میں نہیں لوں گا۔ مضبوط لہجے میں وہ کسی خود مختار شخص کی مانند کہہ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

زرتاج نے ایک گہری نگاہ سامنے بیٹھے نبیل پر ڈالی، جواب بھی ٹی وی پر آتے کسی پروگرام میں محو تھا۔

"تم اٹھ رہے ہو یا نہیں؟" اندر سے اٹھتی چڑچڑاہٹ پر قابو رکھتے ہوئے انہوں نے بڑے نارمل انداز میں اس سے ایک بار پھر پوچھا۔

"کہہ تو دیا نا میرا موڈ نہیں ہے۔" بنا ان کی طرف دیکھے، وہ لاپروائی سے جواب دیتا ہوا کشن کے سہارے نیم دراز ہوا۔

یہ صاف اشارہ تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے فی الحال وہی حرف آخر ہے۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے زرتاج بیگم نے خود کو بمشکل پرسکون رکھنا چاہا۔

سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں ان کا عکس جگمگا رہا تھا۔

بیش قیمت زیورات، شیفون کی ملائم سرخ ساڑھی، جس کا پلو بار بار سرکتا تھا تو وہ خود اپنے آپ کو قیامت ڈھاتا محسوس کرتی تھیں۔

اتنی عمر میں بھی، ان کی دل کشی ماند نہیں پڑی تھی۔ گلابی رنگت ویسے ہی دمکتی تھی، اور چہرے کے نقوش بھی کہیں سے ڈھلے پڑتے محسوس نہیں ہوتے تھے۔

شیشے کے بالکل قریب چہرہ لے جاتے ہوئے زرتاج نے اپنے یقین کو اور بھی پختہ کیا۔

"موڈ نہیں ہے تو موڈ بناؤ، میری خاطر۔" وہ گھوم کر اس کے بالکل نزدیک آ کھڑی ہوئیں۔ "مجھے تمہارے بغیر بالکل اچھا نہیں لگے گا اور تمہیں بھی تو۔"

ان کے سارے انداز سوچے سمجھے تھے، اور اسے ان کے تیر بہدف ہونے کا پرانا تجربہ تھا۔

مگر وہ تو اپنے چہرے پر گرتا اس کا آنچل بہت بے زاری کے ساتھ ہٹا رہا تھا۔

"اس میں اچھا برا لگنے کی کیا بات ہے، آخر پہلے بھی تو تم جاتی رہی ہو پارٹیز میں۔"

"پہلے کی بات اور تھی، اب تم میری زندگی کے ساتھی ہو، اس لیے تمہیں ہر جگہ میرے ساتھ ہونا بھی چاہیے!"

زرتاج کے دل کو دھکا تو لگا تھا، نبیل کی بے زاری پر بھی اور اس سے بھی زیادہ اپنی ناکامی پر۔

"ہم کوئی کم۔۔۔" سیدھے ہو کر بیٹھتے ہوئے نبیل نے فوری طور پر خود کو "کم عمر" کہنے سے روکا۔

"میرا مطلب ہے اب ہم لوگ اس اسٹیج پر نہیں ہیں کہ ایسی باتوں کو اہمیت دیں، اور تم تو شہر کی مشہور بزنس وویمن ہو، ساتھ میں مصروف سوشل ورکر ایک مضبوط عورت۔"

بہت سنبھل کر اس نے زرتاج کی شان میں لفظ موزوں کیے، مگر عمر کا طعنہ اتنا واضح تھا کہ زرتاج ایک بار تو اندر سے ہل ہی گئیں۔

"کیا بات ہے، ویسے اگر تمہیں زیادہ ہی فیل ہو رہا ہو تو میں چلتا ہوں۔"

وہ اس کی یکدم خاموشی پر کچھ خائف سا ہوا۔ زرتاج کی خفگی، فی الحال افورڈ بھی نہیں کی جا سکتی تھی، سارے کیے کرائے پر پانی پھر جاتا تھا۔

"نہیں۔ تم آرام کرو میں ڈرائیور کے ساتھ چلی جاؤں گی، سلامت خان سے کہو گاڑی نکال لے۔"

وہ اب اتنے آرام سے کہہ رہی تھیں کہ نبیل کے دل میں آیا وسوسہ فوراً ہی مٹنے لگا۔

"سلامت کیوں، راجو کو ساتھ لے کر جاؤ، وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے تو مجھے بے فکری ہوتی ہے، بہت ذمہ دار شخص ہے۔"

زرتاج کی کمر میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اس نے خود پر فکرمندی طاری کی۔

"اتنی پروا ہے میری۔" زرتاج کے گرتے ہوئے مورال کو سہارا ملا تھا۔

"اس سے بھی زیادہ، اتنی کہ تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتیں۔"

وہ تھوڑی دیر پہلے ہونے والی غلطی کا ازالہ کر رہا تھا، اسے پتا تھا کہ اس کے مفادات اتنے ہی محفوظ رہیں گے، جتنی وارفتگی کا وہ مظاہرہ کر سکے گا۔

"ٹھیک ہے، پھر تم راجو سے ہی کہہ دو، میں گھر کا ایک چکر لگا لوں۔" زرتاج کہتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

نبیل نے شکر کیا کہ وہ اس سے ناراض نہیں تھیں، لیکن احتیاط لازم تھی۔

خاص طور پر زرتاج کے سامنے "زبان کھولنے سے پہلے۔"

اس شاندار زندگی کی یہ چھوٹی سی قیمت تھی، جو وہ ساری زندگی بخوشی چکا سکتا تھا۔

راجو کو موبائل پر، زرتاج کا پیغام دے کر بھی، وہ چند منٹ اسی بات کو لے کر سوچ گیا۔

ہاتھ پاؤں بچا کر چلتا تو سارے ارمان پورے ہو جانے تھے، ورنہ تو وہی ڈیڑھ کمرے والا تپتا ہوا گھر، جہاں سے سالوں پہلے وہ بھاگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نواب اور سعیدہ کی کچی آبادی والا گھر گھوما، جہاں زندگی بدترین شکل میں آج بھی جیتی تھی۔

سعیدہ کا یہاں پابندی سے آنا اسی بات کا ثبوت تھا۔

"دھت!" اس نے سر جھٹک کر اس تصور کو بھی دور کیا، اور کمرے سے نکل کر کوریڈور میں آ کھڑا ہوا، دوسری طرف روزی لاؤنج میں مڑ رہی تھی، سب کچھ بھول بھال کر وہ اسے دیکھے گیا۔

ایک انوکھی کشش تھی جو اسے دیوانہ کیے دے رہی تھی، مگر وہ تھی کہ ہاتھ لگ کر ہی نہیں دے رہی تھی، شروع میں تو اس کا خیال تھا کہ روزی کے ساتھ "سیٹنگ" میں اسے ذرا بھی دقت پیش نہیں آئے گی۔
گھر کے ملازمین میں سب سے نچلے گریڈ والی روزی۔
جس کے کوئی آگے نہ پیچھے۔
نبیل کو پکا یقین تھا، تھوڑے سے پیسے دیکھ کر ہی وہ آرام سے اس کی مٹھی میں آجائے گی۔
آگے سب کچھ بہت رازداری کے ساتھ چل سکتا تھا' ایک گھر میں رہنا' اور زرتاج کا آدھے سے زیادہ وقت باہر گزارنا۔
سب ہی کچھ اس کے فیور میں جاتا تھا۔
لیکن وہ تو پروں پر پانی ہی نہیں پڑنے دیتی تھی' اس اتنے بڑے گھر میں اس طرح کھوئی رہتی جیسے یہاں اس کا وجود ہی نہ ہو۔
آج موقع اچھا تھا' گھر پر پھیلتے سناٹے' اس کی خواہش کو بڑھاوا دینے لگے' نیم تاریک کوریڈور میں کھڑے نبیل کی آنکھوں میں چمک ابھری۔ ایسے کسی بھی موقع پر اسے کبھی منصوبہ بندی کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔
ان معاملات میں اس کا ذہن بڑا زرخیز تھا۔
"وہ راجو کم بخت عیش کر رہا ہے مفت میں' یہاں سے چار پیسے زیادہ ملیں گے تو پھر ادھر کا رخ کرنا بھی بھول جائے گی۔"
راجو سے اس کی قربت کا سوچ کر وہ اب تک بے اندازہ دل جلا چکا تھا۔
"اور اگر زیادہ شور کیا تو' دو منٹ میں نکال باہر کروں گا بہت بکتی ہیں اس جیسی ..."
"کیا ہوا نبیل! کچھ چاہیے کیا؟"
سامنے سے زرتاج آرہی تھیں۔
نبیل نے دیکھا' روزی اب وہاں نہیں تھی۔
"ہاں' وہ سر میں درد سا محسوس ہو رہا تھا' عظمت سے کہو چائے بنا کر دے جائے۔"
"عظمت بوا تو سونے کے لیے جاچکی ہے' مجھے دیر ہو رہی ہے' ورنہ میں خود ..."
"نہیں' نہیں۔ تم جاؤ۔" وہ جلدی سے بولا۔ "پہلے ہی دیر ہو چکی ہے۔"
"بخار تو نہیں ہے!" زرتاج نے قریب آکر اس کا ماتھا چھوا۔
"ارے نہیں بھئی' کچھ نہیں ہے۔"
زرتاج سے وہ پوری طرح بور ہو چکا تھا۔ کسی کسی وقت تو دل چاہتا کہ اسے اٹھا کر کہیں دور پھینک آئے۔
"اچھا پھر ٹیبلٹ لے کر آرام کرو تم۔" وہ واپس مڑنے لگیں۔
نبیل نے شکر ادا کیا۔
زرتاج کے پاگل پن سے کچھ بعید نہیں تھا' سارا پروگرام کینسل کر کے' وہ اس کا سر دبانے بھی بیٹھ سکتی تھیں۔
"ذرا روزی سے کہتی ہوئی جاؤ کہ تھوڑی دیر بعد مجھے ایک کپ چائے بنا کر دے جائے۔" اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے' وہ بظاہر بڑی لاپروائی سے کہہ رہا تھا' مگر دل میں ہوتی ہلچل پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔
"روزی!" زرتاج جاتے جاتے رکی۔
"روزی تو میرے ساتھ جارہی ہے نبیل! وہاں مجھے اس کی ضرورت ہوگی' میں کسی اور سے کہہ دیتی ہوں۔"
جلتی ہوئی آگ پر جیسے ٹھنڈے پانی کا چھینٹا پڑا۔

☆ ☆ ☆

سائیڈ کی طرف کھلنے والے چوبارے سے بڑی اچھی ہوا آرہی تھی۔
گھر اور محلے کی ساری ہنگامہ خیزی سے قدرے الگ' یہ وہی چوبارہ تھا جس میں خیام کے کمرے کی کھڑکی اور پچھلا دروازہ کھلتا تھا۔
بہت ارمان اور سوچ بچار کے ساتھ نانی کا اس کے لیے تیار کیا ہوا کمرہ خصوصی!
سالار نے ایک گہری نگاہ اطراف میں ڈالی۔
کسی لگژری روم میں جو کچھ بھی ہو سکتا تھا' وہ اس کمرے میں موجود تھا۔
"اور یہ سوچ کر بھی کتنا عجیب لگتا تھا کہ اس کمرے کا مالک' ان سب آسائشوں کے بغیر بھی کہیں رہ سکتا ہوگا۔"
اس کی نگاہ ایک بار پھر خیام کی بڑی ساری تصویر پر آ ٹکی' جہاں وہ اپنی تمام سحر انگیزی کے ساتھ موجود تھا۔
رات کا وہ پچھلا پہر۔
آگے کی طرف کو جھکتے ہوئے چھجوں سے اٹی اس سیلن زدہ گلی سے نکلتے ہوئے خیام سے ملاقات' وہ اس کا جھجکا ہوا' چڑچڑاہٹ بھرا رویہ اور فجر سے بس کے اڈے پر اسے گلے لگا کر رخصت کرنا۔
سب کچھ جیسے ابھی کچھ ہی دن پہلے کی بات ہو۔ سالار نے بے چین سا ہو کر پہلو بدلا۔
سامنے گیتی محویت سے اپنی کاپی پر لکھ رہی تھی' سالار نے اس پرکشش چہرے پر اپنی نظر کو جمنے سے روکا تھا۔
آج دوسری بار وہ اس کمرے میں آیا تھا۔
پہلی بار اس دن' جب اس نے گیتی آرا کو گم صم خیام کی تصویر کے آگے کھڑا پایا تھا۔
اور اب آج ...
جب نانی ستارہ کے پاس آکر بیٹھنے والیوں کا ہجوم تھا' تو شاما نے اسے بٹھانے کے لیے یہ کمرہ کھولا تھا' بیچ کے ان دس پندرہ دنوں میں۔
وہ ایک ساتھ لگے ان دو جھٹکوں کے بیچ خود کو کس طرح سنبھالتا رہا' یہ بس وہ جانتا تھا۔
یا خدا!
وہ ایک لمحہ!
جب اس نے گیتی کو خیام کی تصویر کے آگے کھڑا دیکھا تھا' ایک بڑی انوکھی سی کیفیت میں ڈوبے ہوئے' وہ منظر منجمد ہو چکا تھا۔
آنکھ کی پتلی میں بھی اور دل کی گہرائی میں بھی۔
اور اس کے آگے کچھ بھی نہیں تھا' اور نہ ہونے والا تھا۔
وہ اہل دل تھا' اور دل کی گواہی جھوٹی نہیں ہو سکتی۔
اس کی کہانی شاید یہیں ختم تھی' مگر نہیں! اس کی کہانی تو ابھی شروع بھی نہیں ہو پائی تھی۔
کتنا کچھ کہنا سننا تھا' جو وہ کسی مبارک ساعت کے لیے اٹھا کر رکھے ہوئے تھا۔
گیتی کی بے نیازی' اس کا محتاط رویہ' کچھ بھی تو اس کی خوش گمانی کو ختم نہیں کر پایا تھا۔
مگر بس یہ ایک تصویر...
وہ پھر سے وہیں گم ہونے لگا۔

یہاں آج تک کسی نے بھی اس سے خیام کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔
اگر اس دن وہ یہاں نہ آتا تو اسے خبر بھی نہ ہوتی کہ خیام اس گھر کے مکینوں میں سے ایک تھا۔
اس گھر سے چلے جانے کے بعد بھی' وہ پوری تمکنت کے ساتھ اس تصویر میں زندہ تھا۔
چہرے پر وہی پرغرور جھنجلاہٹ جیسے ابھی ابھی کسی سے لڑ کر بیٹھا ہو۔
سالار کی اس سے جتنی بھی ملاقاتیں ہوئیں' اس میں وہ اسے خفا خفا ہی محسوس ہوا تھا۔
"شناختی کارڈ میں اگر یہی شناختی علامت لکھوا دو کہ بندہ جب بھی کہیں پایا جائے گا' زمانے بھر سے ناراض محسوس ہوگا' تو سب سے بہتر رہے گا۔"
اسے بے ساختہ ہی اپنا دیا ہوا مشورہ یاد آیا' اور خیام کا سرد لہجے میں دیا ہوا جواب بھی۔
"اچھا مشورہ ہے' ورنہ شناخت تو اتنی شرم ناک ہے کہ اگر لوگوں کو پتا چل جائے تو وہ مجھ پر تھوکنا بھی پسند نہیں کریں گے۔"
وہ اپنے بارے میں اسی طرح تضحیک آمیز رویے کا مظاہرہ کرتا تھا۔
"کاش وہ اسے سمجھا پاتا کہ حالات اتنے برے نہیں ہیں' اور نہ ہی سب لوگ انسانیت کی سطح سے اتنے گرے ہوئے۔"
اس کے جانے کے بعد' اتنے مہینوں میں' سالار کتنی ہی بار اس پچھتاوے میں گھرا تھا۔
"یہ چیک کرلیں۔"
گیتی نے اس کے آگے کاپی بڑھائی' تو وہ کچھ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔
"کوئی بات ہے سالار صاحب؟"
یوں ہی خالی خالی نگاہوں سے اسے اپنی طرف دیکھتا پاکر وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکی۔
"ہاں' وہ... یہ نانی کے پاس آج کل بہت رش رہتا ہے' روز کوئی نہ کوئی بیٹھا رہتا ہے۔" اسے بروقت بات سوجھ ہی گئی۔
ماحول میں واقعی بڑی واضح تبدیلی آرہی تھی' ورنہ دوپہر کا یہ وقت یہاں بڑا خاموش سویا سویا سا رہتا تھا۔
"سب لوگ صندل کی مبارک باد کو آرہے ہیں' اور جو مبارک باد دے چکے ہیں' وہ بھی دوبارہ چلے آتے ہیں صندل بڑے بینر کی فلم میں ہیروئن منتخب ہوئی ہے' اب تو ملنے جلنے والوں میں اضافہ ہوگا ہی۔"
گیتی کا لہجہ بالکل سادہ تھا' لیکن سالار شرمندہ ہونے لگا۔
جو کچھ بھی اس نے نیک نیتی کے ساتھ کرنا چاہا تھا' وہ کہیں بڑے خسارے کا سبب بنا تو تھا۔ اور اب تو ازالے کی بھی صورت کہاں۔
"میں شرمندہ ہوں' کاش میں وہ پروگرام نہ دلواتا صندل کو۔" نگاہ اس کی کاپی پر جمائے ہوئے سالار نے اپنا بوجھ تھوڑا سا کم کرنا چاہا۔
"اس میں آپ کی غلطی کہاں؟ یہ سب شاید اسی طرح ہونا تھا' اور ہمارے ہاں تو یہ کسی بھی لڑکی کی سب سے بڑی کامیابی ہے' جو خوش قسمتی سے صندل کے حصے میں آئی ہے۔"
وہ کہتی چلی گئی۔
وہ اتنی آئینہ صفت تھی کہ ایک پل کے لیے بھی یہ فرض نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ طنز کر رہی ہے۔
"گھر والے آپ کے بے حد مشکور ہیں' خاص طور پر امی' ان کے لیے صندل کو فلم مل جانا کیا ہے' آپ ہی نہیں سکتے' امی نے بڑی مشکل زندگی گزاری ہے' وہ اتنی تلخ ہوگئی ہیں تو اس میں حیرت کی بات نہیں۔ میں ان

جگہ ہوتی تو کب کی مرچکی ہوتی' فیروزہ خالہ کی طرح!"
غلطی کا احساس ہوتے ہی گیتی نے بے ساختہ نچلا لب دانتوں میں دبایا۔
مگر اب دیر ہو چکی تھی۔
"فیروزہ خالہ' وہ کون تھیں؟"
سالار اس نئی "انٹری" پر سنبھل کر بیٹھا۔
"امی کی سگی بڑی بہن' بہت جلد ان کا انتقال ہو گیا تھا' بے حد حسین تھیں' میں نے تو صرف ان کی تصویریں دیکھی ہیں' ویسے یاد نہیں۔"
"کیا فلموں میں بھی آئی تھیں؟"
ذہن پر زور ڈالتے ہوئے' اس نے ماضی کی چند حسین و جمیل اداکاراؤں کو یاد کرنا چاہا' جن کے رکھ رکھاؤ کی دھوم ان کی اداکاری سے زیادہ تھی۔
"نہیں' انہوں نے شادی کر لی تھی' مگر بد قسمتی سے وہ بھی نہیں چلی۔"
اب وہ بڑے پُر سکون سے انداز میں بات کر رہی تھی' ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ کسی سے اپنے گھرانے کے بارے میں بات کر پا رہی تھی۔
"نانی کہتی ہیں کہ ہمارے خاندان کا زوال خالہ فیروزہ کی شادی کے ساتھ شروع ہوا تھا' انہوں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ یہاں کس کی شادی کامیاب ہوئی ہے' جو ان کی ہو گی' لیکن انہیں تو بس یہاں سے جانے کی جلدی تھی اور اس میں وہ کامیاب ہو بھی گئیں۔"
سالار نے یہ مختصر سی کتھا بڑے دھیان سے سنی' جسے سناتے ہوئے گیتی کی آنکھوں میں پانی سا چمکا تھا۔
اور جس کا مرکزی کردار پر اسراریت میں لپٹا ہونے کے ساتھ بڑی رومینٹک سی اداسی میں مبتلا کر دیا تھا۔
یہ حسن' یہ تیور۔
اس کے لیے اجنبی نہیں تھے۔
کوئی ایسا ہی تھا' جسے اس نے بھی دیکھ رکھا تھا۔
اور یہ محض اندازہ نہیں' بلکہ پختہ یقین تھا۔
"خیام' خالہ فیروزہ کا ہی بیٹا ہے۔"
گیتی آرا کے چہرے پر نگاہ جمائے' اس نے محض رسمی تصدیق چاہی تھی' لیکن گیتی کو لگا' جیسے اس کا دل ایک پل کو تو دھڑکنا بھی بھول گیا تھا۔
حیرت سے اس کے ہونٹ نیم وا ہوئے۔
بیک وقت اتنے سوال تھے' جنہیں پوچھنا بھی ناممکن تھا۔
"آپ کیسے جانتے ہیں اسے؟"
"اس سے کیا فرق پڑتا ہے' آخر ہم سب آپس میں کہیں نہ کہیں تو ملتے ہی ہیں' میں اور خیام بھی کافی عرصے سے ایک دوسرے کے دوست تھے۔"
خیام کے نام پر گیتی کی اڑی ہوئی رنگت' سالار کے بدترین خدشات کو درست ثابت کر رہی تھی' پھر بھی وہ پُر سکون تھا۔
"خیام کا کوئی دوست نہیں تھا۔"
"مجھے پتا ہے' لیکن میرے لیے وہ دوست تھا' ہے اور رہے گا۔"

"پھر تو آپ کو پتا ہو گا کہ وہ کہاں گیا ہے؟"
اس نے اپنی یخ ہوتی ہتھیلیوں کو سختی سے آپس میں پیوست کیا۔
اس کا دل ابھی تک بہت زور سے دھڑک رہا تھا اور خیام سے لاتعلقی کے سارے ارادے بھول بھال کر اس نے اس وقت صرف اس کا درست پتا ملنے کی ہی دعا کی تھی۔
"میرے حساب سے تو وہ کراچی ہی گیا ہے' اس رات جب وہ مجھے سڑک پر اکیلا۔۔۔"
سالار دھیرے دھیرے بتاتا چلا گیا۔
"کاش میں نے اسے بس اسٹاپ تک نہ پہنچایا ہوتا۔ اس رات سڑک پر کوئی سواری نہیں تھی' وہ تھوڑی دیر کی خواری کے بعد واپس بھی آ سکتا تھا' لیکن۔۔۔"
بہت تاسف سے اس نے بات کو ادھوری چھوڑ کر سر کو نفی میں ہلایا۔
جانے' انجانے ہر بار وہ اس کو تکلیف پہنچانے کا سبب بن رہا ہے' جس کے لیے اس نے زمانے بھر کی خوشیوں کی تمنا کی تھی۔
"آپ اسے نہیں روک سکتے تھے' اس رات نہ سہی اگلے دن' اگلی دوپہر' اسے ہر صورت یہاں سے جانا تھا' اور وہ چلا گیا۔"
گہری سانس لیتے ہوئے گیتی نے آخر کار خود کو کمپوز کر ہی لیا تھا۔ سالار نے محسوس کیا کہ اب اس کے انداز میں واضح سی لاتعلقی آتی جا رہی تھی۔
"کراچی جا کر اگر اسے تلاش کرنے کی کوشش کی جائے تو۔۔۔" سالار کی بات اس نے پوری بھی نہیں ہونے دی۔
"نہیں۔ آپ ایسا کچھ نہ کریں' کسی کو زبردستی خود سے باندھے رکھنا فضول ہے' جو چیز آپ کی نہیں ہے' اس پر حق اختیار کا کیا سوال۔"
وہ بہت مضبوط لہجے میں کہہ رہی تھی۔
سالار نے بہت غور سے گیتی کے چہرے کو دیکھا۔
وہاں اب کوئی تاثر نہیں تھا۔
اسے اپنی چہرہ شناسی پر بڑا یقین تھا' پھر بھی گیتی کے سادہ سے چہرے کو پڑھنے میں اس بار اسے دقت کا سامنا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اول درجے کا ڈھیٹ خاندان ہے بھئی' کچھ کر لو' پیچھا چھوڑنے کو تیار نہیں' میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اب بھی وہاں جویا کا نام لیا جا سکتا ہے' وہ نکما معاذ ہی رہ گیا ہے کیا ہمارے لیے۔"
شاکرہ چچی رہ رہ کر اسی ایک موضوع پر آ کر رکتیں' جو گھر میں قطعی ممنوع قرار دیا جا چکا تھا۔
"اب بس بھی کر دو' میں نے سمجھایا بھی ہے کہ لڑکیوں کو یہ بات بتانے کی قطعی ضرورت نہیں کہ وہاں سے دوبارہ جویا کے لیے کہلوایا گیا ہے۔"
اظہار چچا جھنجلا کر نہ جانے کون سی دویں بار انہیں ٹوک رہے تھے۔
آپا گل نے بڑی ہمدردی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔
"ٹھیک کہہ رہے ہیں امی! جویا اور ندیا کو تو خبر تک نہیں دینی ہے' ورنہ بات بری طرح بگڑ سکتی ہے۔ آپ بس خاموشی سے پی جائیں اس بات کو۔"

انہیں یاد تھا کہ ابھی محض چند ماہ پہلے ان کے لائے بہترین رشتے کو جویا نے ایک نگاہ دیکھنے کے بھی قابل نہیں سمجھا تھا' حالانکہ وہ اس کی خاطر سسرال میں بری بھی بن چکی تھیں۔

"اور میری مانیں تو سلمان سے بھی کوئی ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"سلمان کو تو خیر ہماری پروا بھی نہیں کیا ہو رہا ہے کیا ہوگا' کچھ فکر نہیں اسے' جس دن بیوی بغل میں دبا کر لے جائے گی چل پڑے گا اس کے ساتھ۔"

اپنی بات کے اختتام پر شاکرہ چچی نے بڑی ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

چند لمحوں کے لیے کمرے میں بڑی بوجھل سی خاموشی اتر آئی۔

رازداری کے خیال سے آج انہوں نے لاؤنج میں بیٹھنے سے احتراز کیا تھا۔

سلمان نے تو خیر واقعی بڑا مایوس کیا ہے' کیا کیا سوچا تھا' لیکن اس نے تو کوئی ایک ارمان بھی پورا نہ ہونے دیا۔

سب سے بڑا دھکا آپا گل کو لگا تھا۔

پوش علاقے کا وہ جدید طرز تعمیر والا گھر' جہاں جاکر رہنے کی آرزو اس دن سے دل میں زور پکڑے ہوئے تھی' جب سے اس کا ذکر سنا تھا' انہوں نے تو سارے ویک اینڈز اور دیگر چھٹیاں تک پلان کر لی تھیں۔

سسرال والوں پر بھی کیا دھاک جمنی تھی۔

مگر افسوس!

"صاف کہہ تو دیا ہے سلمان نے کہ وہ لوگ گھر کا ایک حصہ کرائے پر دیں گے' اور دوسرے میں خود رہیں گے' پھر ہماری جگہ کہاں بنتی ہے وہاں۔"

"بن جائے گی' بہت بڑا گھر ہے' پانچ چھ کمرے تو نیچے ہی ہیں' میں سلمان پر بار بار زور دوں گا تو وہ ضرور مان جائے گا۔"

اظہار چچا اب بھی امید باندھے ہوئے تھے۔

آپا گل نے غور سے ان کی طرف دیکھا۔

پہلی بار وہ انہیں متفکر دکھائی دے رہے تھے۔

ان کے ماتھے پر پڑی شکن اور بھی گہری ہو رہی تھی' اور بار بار وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبتے محسوس ہو رہے تھے۔

"یہ ٹینشن کم از کم جویا کی طرف سے تو نہیں تھی' اتنا تو وہ وثوق سے کہہ سکتی تھیں' پھر کیا تھا جو انہیں مضطرب کیے ہوئے تھا۔"

"میں صاف کہے دیتی ہوں' جویا کا رشتہ اس نکمے' آوارہ معاذ سے کسی قیمت پر طے نہیں کروں گی۔ صاف جواب دے آئیں جاکر اظہار صاحب!"

شاکرہ چچی اتنی دیر میں واپس اسی موضوع پر پہنچ چکی تھیں' جس سے زیادہ آج کچھ اور اہم نہیں تھا۔

"اب بس بھی کردو' سارے زمانے کو سنا کر ہی دم لوگی' کون سا وہ گھر سے آکر جویا کو لے جائیں گے' ہم خاموشی اختیار کریں گے تو خود ہی سمجھ جائیں گے' بات ختم۔"

وہ بری طرح جھنجلائے۔

آپا گل کو پکا یقین ہونے لگا تھا کہ وہ آج واقعی بہت پریشان ہیں' ان سے ضبط نہیں ہو رہا تھا' ابھی پوچھنے ہی لگی تھیں کہ سلمان دروازے میں آکھڑا ہوا۔

"کم از کم بچوں کو اتنا تو سمجھا کر لایا کریں کہ کہیں جاکر بدتمیزی نہیں کرنی' ایک طوفان کھڑا کر رکھا ہے گھر میں۔"

وہ ان سے ہی مخاطب تھا۔

"ایسا کیا کردیا' میرے بچوں نے؟"

انہیں ہمیشہ بڑا عجیب سا لگتا تھا' جب کوئی ان کے بچوں کی غلطی کو جتانے کی کوشش کرتا۔

وہاں سسرال میں آج تک کسی کی مجال نہیں ہوئی تھی کہ ان کے بچوں کو بدتمیزی کا طعنہ دے سکے۔

"ذلیل کروا کر رکھ دیا ہے زوبیہ کے سامنے مجھے' صاف کہتی ہے کہ تمہاری ساری فیملی جاہل ہے' اور وہ اسلام چچا اور ماذ وغیرہ تو لگتے ہی نہیں کہ تمہارے رشتے دار ہیں۔"

وہ اپنی بات کہتے ہوئے سامنے والے صوفے پر بیٹھ چکا تھا۔

"اچھا ہی ہے نہیں لگتے' ہمیں تو خود شرم آتی ہے ان سے رشتے داری ظاہر کرتے ہوئے۔"

یہاں معاذ یا اس کے ابا کا ذکر بھی اب چڑ بن چکا تھا۔

سلمان نے خفگی سے ماں کی طرف دیکھا۔

"آپ کی یہی باتیں' دوسرے کو شرمندہ کرواتی ہیں۔ اس لیے وہ لوگ آج بھی ہم سے کہیں بہتر محسوس ہوتے ہیں' میں نے تو پہلی بار زوبیہ کے منہ سے اپنے کسی رشتے دار کی تعریف سنی ہے۔"

اظہار چچا کی سختی سے ہدایت تھی کہ زوبیہ کی کسی طور بھی مخالفت نہ کی جائے' اور اس وقت وہ خود ہی سامنے بیٹھے تھے' سو سب ہی کو یہ تعریف کڑوے گھونٹ کی طرح پینی پڑی۔

"میں بچوں کو دیکھوں' آخر کیا کیا ہے انہوں نے؟"

آپا گل خفا خفا سی اٹھنے لگی تھیں کہ سلمان نے انہیں رکنے کا اشارہ کیا۔

"کل ہم لوگ اپنے گھر شفٹ ہو رہے ہیں' زوبیہ کا سامان وہاں سیٹ ہو چکا ہے' یہاں سے جو چیزیں اسے لے جانی ہوں گی' بعد میں تھوڑی تھوڑی کرکے لے جائے گی' باقی میں آتا جاتا رہوں گا' اور فون پر تو خیر ہر وقت رابطہ رہ ہی سکتا ہے۔"

جو کچھ بھی وہ کہہ رہا تھا' ذرا بھی غیر متوقع نہیں تھا' پھر بھی ایک بڑا سخت جھٹکا سب کو لگا۔

"ایسے کس طرح تم الگ ہو کر رہ سکتے ہو' نہ کوئی صلاح نہ مشورہ۔" اظہار چچا بے اختیار ہی کھڑے ہو گئے۔

"اور یہ اتنی ساری ذمہ داریاں' تم نہیں اٹھاؤ گے تو کون اٹھائے گا۔"

"مجھے تو پہلے ہی پتا تھا کہ کسی نہ کسی کی نظر لگ کر رہے گی میرے گھر کو' منع بھی کیا تھا کہ سلمان کی شادی میں خاندان والوں کو مت بلاؤ۔"

کمرے میں موجود وہ تینوں ہی اپنے اپنے جذبات پر قابو پانے میں ناکام ہو رہے تھے۔

سلمان بے تاثر سا چہرہ لیے چند منٹ تو سنے گیا' اور پھر کھڑا ہو گیا۔

"کون سی قیامت آگئی ہے' اور یہ تو سب ہی کو پتا تھا کہ زوبی یہاں نہیں رہے گی' نہ وہ اس ماحول کی عادی ہے اور نہ ان باتوں کی' اس کے والدین نے اتنا بڑا گھر آخر اپنی بیٹی کے آرام کی خاطر ہی دیا ہے۔"

اکھڑے اکھڑے سے انداز میں اس نے اطلاع دینے کا فریضہ انجام دیا' اور چلتا بنا' آپا گل کی نگاہ اظہار چچا پر جمی ہوئی تھی' جن کا چہرہ تاریک ہو رہا تھا۔

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

دیوارِ شب

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتلائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اُٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا کردار حیران کن ہے۔ شہر آ کر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بالو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گئی آ کر اگلی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دُکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو، خاندان کا لاڈلا ہیں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دُعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دُھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصۂ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زویا کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ ستارہ ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں دینی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ نگینی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دل و ذات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی جوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بالو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لاکھ زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود غمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سیکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور اکبر کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۱۶

سولہویں قسط

آپا گل کی نگاہ اظہار صاحب کے چہرے پر جم رہی تھی جن کا چہرہ تاریک پڑتا جا رہا تھا۔
وہ اب تک اسی طرح ساکت کھڑے تھے اور سہارے کے لیے صوفے کی پشت پر ہاتھ رکھا ہوا تھا۔
بات جتنی بھی سخت تھی اور واقعہ جیسا بھی تکلیف دہ تھا۔
پھر بھی!
آپا گل نے اس سے پہلے انہیں کبھی کسی بات پر اتنا شدید ردِ عمل ظاہر کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔
وہ محض رنجیدہ نہیں تھے، بلکہ خوف زدہ تھے ورنہ آپا گل کے حساب سے تو انہیں اب تک سلمان کے پیچھے جا کر اسے اتنی سنانا چاہیے تھیں کہ سارے گھر والوں کے دل میں ٹھنڈک پڑ جاتی۔
"اور کرو اس چڑیل کی طرف داری، بولنے ہی نہیں دیتے تھے مجھے، اب دیکھ لیا نتیجہ!"
شاکرہ بیگم کو اب کس کا ڈر تھا، کھل کر ان ہی کو مورد الزام ٹھہرا رہی تھیں۔
"میں کہتی تھی کہ سختی سے بات کرو زوبیہ سے، اتنا سر مت چڑھاؤ، اب لے گئی نا نکال کر میرے اکلوتے بیٹے کو۔ خدا غارت کرے، اس سارے خاندان کو، چار پیسے کیا ہاتھ میں آ گئے، زمین پر پیر ہی نہیں رکھتے۔"

...جذبات میں، وہ یہ بھول رہی تھیں کہ اس خاندان کے یہی چار پیسے، کل تک ان کے لیے بھی "وجہ ... تھے۔"
...آج بھی ان کے دیے ہوئے قیمتی تحائف کی ہر آئے گئے کے سامنے نمائش کرنا وہ کتنا ضروری سمجھتی ہیں۔
...ہوا ابو! طبیعت تو ٹھیک ہے؟"
...سے ضبط نہیں ہوا۔ "آرام سے بیٹھ جائیں نا، کھڑے کیوں ہیں!"
...خاموش ہو جانے کا اشارہ کرتے ہوئے، وہ آگے بڑھی تھیں، مگر اظہار صاحب، بنا ان کی کسی بات کا ...ے تیزی سے باہر چلے گئے۔
...ے سے لگی کھڑی زویا اور پھر جویا کی طرف بھی نگاہ اٹھا کر انہوں نے نہیں دیکھا تھا، شاکرہ بیگم کے رونے ...بھی شدت آ رہی تھی۔
"...بس بھی کر دیں، کون سی نئی بات ہو گئی ہے، کتنے دن پہلے سلمان بھائی بتا چکے تھے کہ وہ لوگ یہاں نہیں ...پھر بھی آپ ہیں کہ...!"
...ہٹ بھرے لہجے میں کہتے ہوئے، زویا نے بات ادھوری چھوڑی۔
"...ن کے جانے کو کون رو رہا ہے۔" آپا گل نے خفگی سے زویا کی طرف دیکھا۔ "رونا تو اس بات کا ہے کہ ہمیں ...کس بات کی سزا دے رہا ہے، جو اپنے ساتھ نہیں لے جا رہا، بوڑھے ماں، باپ کو اکیلا چھوڑنا، وہ بھی جوان ...ں کے ساتھ کہاں کا انصاف ہے۔"
"...یہاں اور کون کون سی باتوں میں انصاف ہو رہا ہے، اتنی بڑی بڑی ناانصافیاں آپ لوگوں نے بھی تو کی ہیں، ...بیہ کو بھی کرنے دیں۔"
...تے ہوئے کمرے کے وسط میں آ کھڑی ہوئی۔
"...باش ہے تمہیں، بجائے ماں باپ کی تکلیف کا احساس کرنے کے، طعنے دینے کھڑی ہو گئیں، سب سمجھتی ...کس کے حق میں بولا جا رہا ہے۔ یہ جو تم دونوں کا گٹھ جوڑ ہے، پتا نہیں اور کیا رنگ دکھائے گا۔"
...وہ زویا سے کر رہی تھیں، مگر نگاہ جویا پر جمی ہوئی تھی۔
...کی نگاہوں کی تاب لانا کبھی بھی آسان نہیں ہوتا تھا، جویا کا سر بھی جھکتا چلا گیا۔ مگر زویا چپ رہنے والوں میں ...تھی۔
"...میں ٹھیک کہہ رہی ہوں آپا! آج اگر زوبیہ کی جگہ ربیعہ ہوتی، تو کبھی بھی یہ نوبت نہیں آ سکتی تھی، مگر آپ ...کو تو زوبیہ بھابھی کی دولت کے آگے اور کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا، سارے خاندان کو حقارت سے دیکھ ...تھے آپ لوگ، جیسے کروڑ پتی وہ کمال صاحب نہیں خود آپ ہیں، اب بھگتیے!"
"...چپ ہوتی ہے زویا! یا پھر کچھ کھینچ کر ماروں یہاں سے۔"
...سے فاصلے پر بیٹھی شاکرہ بیگم بلبلائیں۔
"...چپ ہو جاؤں گی، لیکن ان سب کو کیسے خاموش کریں گی، جو سلمان بھائی کی شادی کے دن سے باتیں ...ہیں، سارے خاندان میں مذاق بنا ہے سلمان بھائی کی شادی کا۔"
"...ہیں سارے ہم سے۔"
"...پھر ٹھیک ہے، ہونے دیں، جو کچھ بھی۔"
...سے بیگ گھسیٹے جانے کی آواز پر، زویا بے ساختہ ہی خاموش ہو گئی۔

سلمان سامان اوپر سے نیچے لا رہا تھا۔
"اتنی جلدی! سلمان تو کہہ رہا تھا کہ وہ لوگ کل جائیں گے۔" آپا گل کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑنے لگے
"شاید اس کی بیوی اپنا سامان وغیرہ لے کر جا رہی ہے۔"
کمرے میں یک دم ہی بڑی گہری خاموشی چھائی تھی، نہ معلوم نہیں کتنا سامان تھا۔
ایک کے بعد ایک۔
سلمان اور زوبیہ کی ملی جلی آوازوں کے ساتھ کچھ اور آوازیں بھی شامل ہو رہی تھیں۔
زوبیہ نے اپنے گھر سے ملازم بلوائے تھے شاید' ان میں سے کسی کی بھی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ جھانک کر سلمان کی رخصتی کے اس منظر کو دیکھ سکے۔
دکھ کا بڑا دل توڑتا احساس تھا جو ان سب نے ہی یکساں طور پر محسوس کیا تھا۔
زویا نے دیوار کی طرف منہ پھیرتے ہوئے چپکے سے اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں۔
"میں دیکھتی ہوں جا کر' ایک بار تو اس زوبیہ کی وہ خبر لوں گی کہ یاد ہی کرے گی۔"
شاکرہ بیگم ایک آخری کوشش کے خیال سے اپنی ساری ہمت سمیٹ کر کھڑی ہونے لگی تھیں۔ اس بار' حیرت انگیز طور پر آپا گل آڑے آئیں۔
"رہنے دیں امی! بے کار میں اپنی بے عزتی کروانے کی ضرورت نہیں ہے' ہونا تو وہی ہے جو وہ لوگ چاہ رہے ہیں' تو بس ہونے دیں۔"
زویا اور جویا دونوں نے آپا گل کی طرف ایک ساتھ ہی دیکھا تھا۔
ان کے چہرے پر بڑی عجیب سی کیفیت تھی۔
غصہ' خجالت' ناکامی اور ساتھ ہی دبی دبی سی تپش۔
"آج ان کی سہی' لیکن کل ہماری بھی باری آئے گی' آپ دیکھتی جائیے۔ میں کس طرح سے اس زوبیہ کو۔۔۔!"
"ارے اس وقت تو سارا محلہ اس زوبیہ کا سامان جاتا دیکھ رہا ہو گا گلی میں کھڑا ہوا' اب دیکھنا' سارا دن تانتا بندھا رہے گا' پوچھ پچھ کے لیے۔"
شاکرہ بیگم کا صدمہ اتنا بڑا تھا کہ وہ اس وقت آپا گل کے پلان میں بھی دلچسپی لینے کو تیار نہیں تھیں۔
"دیکھ کر' میرا بہت قیمتی سامان ہے' ذرا بھی نقصان ہوا تو تم سے ہی وصول کروں گی۔"
زوبیہ نے چلا کر کسی ملازم سے کہا تھا۔

شاکرہ بیگم نے بے ساختہ ہی ٹھنڈی سانس لی۔
اور ان کا سب سے قیمتی سامان! جس کے لیے نہ وہ کسی کو وصولی کی دھمکی دے سکتی تھیں' اور نہ ہی خود حفاظت کر سکیں۔ آنکھوں کے سامنے' دن دہاڑے ڈاکہ پڑ رہا تھا۔
انہیں بڑی شدید کمزوری محسوس ہو رہی تھی' باہر اب آوازیں ہلکی پڑ رہی تھیں اور پھر بہت زور سے گیٹ بند ہونے کی آواز آئی۔
ان سب نے ہی چونک کر کمرے کے کھلے دروازے کی طرف دیکھا' جہاں کوئی نہیں تھا۔
کتنی ناقابل یقین بات تھی کہ سلمان نے جاتے ہوئے انہیں خدا حافظ بھی کہنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

☆ ☆ ☆

[illegible] نیلی کا شیشہ پرانا سہی' مگر اس کا عکس پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔ گہرے نیلے اور سرخ [illegible] کا نجی ورم ساڑھی' جو اس نے تائی ستارہ کے بہت سنبھال کر رکھے ہوئے قیمتی ملبوسات کے صندوق سے [illegible] کے بعد منتخب کی تھی' پہنتے ہی جیسے ساری شخصیت ہی بدل گئی تھی۔
[illegible] نے حیران نگاہوں سے خود کو دیکھتے ہوئے پلو کو اپنے ہاتھ پر لیا۔
[illegible] مرحومہ فیروزہ کی تھی' جو اس کے شوہر نے خاص طور پر کلکتہ سے منگوا کر دی تھی' قیمت سن کر اس [illegible] نے دانتوں میں انگلی دبالی تھی' اب تو یقیناً "لاکھوں کی ہو گی۔
[illegible] تھیں کہ کانجی ورم ساڑھیوں کی اہمیت بیش قیمت زیورات سے کم نہیں ہوتی' کتنے ہی موقعے آئے [illegible] کے دل پر صبر کا بھاری پتھر ہی دھرا رہا۔
[illegible] تماشوں' خوشی' دل لگی سے بھری اس زندگی میں سجنے سنورنے سے زیادہ اہم کام اور تھا بھی کیا' اندر سے [illegible] روح کو خوش رنگ اور خوشبودار پیرہن ہی کامیابی سے چھپائے رکھتا ہے۔
[illegible] بنا رہتا ہے اور چار پیسے کمانے میں بھی آسانی رہتی ہے۔
[illegible] اس کی بدنصیبی نے تو اس کی مہلت بھی نہیں دی تھی۔
[illegible] سال کی عمر سے ایکسٹرا ڈانسرز کی لائن میں کھڑی ہوئی تو ہوئی۔
[illegible] وقت' اچھی ساعت کی امید میں' اس نے وقت کو کاٹا تھا' یا وقت نے اس کو کاٹ کر ٹکڑے کر [illegible]۔

[illegible] زیورات' اچھے کپڑے' ذات کا غرور' ایک ایکسٹرا کی اوقات ہی کیا تھی۔
[illegible] لائن میں لگ کر انتظار کرنا' ڈانس ڈائریکٹر کی جھڑکیاں' نچلے درجے کے لوگوں کے اور بھی نچلے مذاق [illegible] جاتا تھا کہ' وہ مور کے پنکھ لگا بھی لیتی تو اور بھی مضحکہ خیز لگتی' سو ساری عمر وہی کیا' جو اس کی بارہ آنے والی [illegible] بجتا بھی تھا۔
[illegible] ریشمی کپڑے' نقلی زیورات اور سستی سستی میک اپ کلس۔
[illegible] وقت کی نامور مصنفہ اور ستار نواز' ستارہ جان اور موتی سی چھب دکھا کر چھپ جانے والی فیروزہ جان کے [illegible] نگینہ کی حیثیت باندی کی سی تھی' اور اس نے ہمیشہ خود کو وہی سمجھا۔
[illegible] اب کہیں جا کر اس کے بخت کا سورج بھی چمکا تھا۔
[illegible] چاہ کے ساتھ گھوم گھوم کر اس نے خود کو آئینہ میں ہر زاویہ سے دیکھا۔
[illegible] بال پہلی بار سستے ہیر کلر اور کالی مہندی کے بجائے' کسی امپورٹڈ ہیر کلر سے رنگے ہوئے تھے' اور اس نے

[illegible] سب سے اچھی بیوٹیشن کو بلا کر اپنا میک اپ بھی کروایا تھا۔
[illegible] وہ بہت اچھی بہت مختلف اور کروفر والی عورت دکھنا چاہتی تھی۔
[illegible] گل نار' گل رخ۔

[illegible] سے بھی کہیں زیادہ۔
[illegible] اندر خوف زدہ ہونے کے باوجود اس نے وہ سب کیا' جو شخصیت کی دل کشی بڑھانے میں معاون ثابت [illegible]۔

[illegible] اب نتیجہ سامنے تھا۔

"باجی! نانی کہہ رہی ہیں اگر آپ تیار ہوگئی ہیں تو۔" شاما کہتے ہوئے اندر آئی اور پھر مارے بوکھلاہٹ کے، نانی کا پیغام بھی ادھورا ہی چھوڑ دیا۔

"ہائے میں مرجاؤں، یہ آپ ہیں باجی نگینہ! قسم لے لیں جو پہچانی جارہی ہوں، بالکل ایسے لگ رہی ہیں جیسے، جیسے...!"

شاما کی کوڑھ مغزی نے کوئی فوری مثال بھی نہیں سوجھنے دی۔

نگینہ بڑی متانت سے مسکرائی۔

"چل بس، اب دیر مت کر، پہلے دن تو وقت پر پہنچنا چاہیے، بعد میں تو اگر دیر سے نہ جائے، تو ہیروئن، ہیروئن ہی نہیں لگتی، ایکسٹرا گرل لگتی ہے۔"

وہ اس وقت کو یاد نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر وہ ساری دوڑ دھوپ اب بھی پیروں تلے جل رہی تھی۔

"آپ کے نیلے نگوں والے جھمکے نکال دوں، اس کے ساتھ پہننے کے لیے؟"

شاما کہتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے نگینہ کے نقلی زیورات والے ڈبے کی طرف بڑھی۔

"پاگل ہوگئی ہے کیا، اس ساڑھی کے ساتھ وہ سو روپے والے جھمکے لٹکاؤں گی کیا، تو جا کر ذرا اماں کی الماری میں سے زیورات کا ڈبہ تو نکال کر رکھ، مدت سے ارمان تھا ان زیورات کے شایان شان لگنے کا۔"

پلو کو پھر سے سیٹ کرتے ہوئے اس نے شاما کو ہدایت جاری کی۔

"نانی کے زیور!" شاما کا دل جیسے دھک سے رہ گیا۔

"اور اب یہ سارے نقلی والے تو لے، لے مجھے تو اب ہاتھ نہیں لگانا انہیں، اللہ نے میری مراد پوری کی ہے، اب دیکھنا کیسے جلاؤں گی ساروں کو۔" اپنی بات کہہ کر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

شاما جو بڑے سے بڑے دکھ میں اس کی ساتھی رہی تھی، اس وقت چھوٹی سی خوشی کو نبھانے میں ناکام رہی تھی۔

نگینہ نے نوٹ بھی رکھ لیا۔

"تجھے کیا ہوا ہے، یقین نہیں آرہا کیا؟ سچ کہہ رہی ہوں سارے کے سارے تیرے، نقلی ہیں تو کیا ہوا، مل ملا کر دو چار ہزار کے بن ہی جائیں گے، ابھی تو اور بھی لے کر دوں گی تجھے۔"

وہ مکمل طور پر سخاوت کے موڈ میں تھی۔

شاما نے ملکے سے ہاتھ جوڑ کر احسان مندی کا اظہار کیا اور بنا کوئی لفظ کہے کمرے سے باہر نکل گئی۔

"پاگل کہیں کی!" نگینہ کی ہنسی میں بڑی کھنک تھی۔

شاما کی جان، نانی کے سیف میں رکھے زیورات کے ڈبوں میں اٹکی تھی، جن میں سے اب آدھے سے زیادہ خالی ہوچکے تھے۔

نگینہ کے حکم پر وہاں سے نکالتی تو کیا نکالتی۔

کم از کم آج تو کوئی دل دکھانے والی بات ہرگز نہیں ہونی چاہیے تھی۔

وہ بڑی پریشان سی نانی کے کمرے میں داخل ہوئی تھی، مگر وہ پہلے ہی اس مسئلے کا حل نکالے بیٹھی تھیں، سفید اور نیلے نگوں کا ایک خوبصورت سونے کا سیٹ اسی ساڑھی کے ساتھ میچ کرتا ہوا، انہوں نے بچا کر رکھا تھا، شاما کو کمرے میں داخل ہوتے ہی نانی کی مسہری پر اس کا کھلا ہوا ڈبہ نظر آگیا تھا۔

"شکر ہے، میں تو پریشان ہی ہوگئی تھی کہ باجی نگینہ کہیں ساری الماری کھول کر نہ بیٹھ جائیں۔" شاما کو دلی سکون حاصل ہوا۔

نانی مسکرادیں۔ وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔

نگینہ کے صبح سے "جلدی جلدی" کے شور کی وجہ سے سب ہی الرٹ تھے، لیکن خود وہ ہی آخری وقت تک اپنی تیاری سے مطمئن نہیں ہو پارہی تھی۔

"بس اب جلدی کر نگینہ! پالی کی بھیجی ہوئی گاڑیاں کب سے آئی کھڑی ہیں۔"

"میں تو خود کب سے کہہ رہی ہوں۔"

نگینہ کا زیورات پہننے کا مرحلہ ختم ہوا تو وہ قدرے مطمئن ہوئی۔

نانی ستارہ اس کے بالکل قریب آکھڑی ہوئیں۔

"صندل کو شروع سے وقت کی پابندی اور لوگوں کے ساتھ میل جول میں ادب آداب کی تلقین کرتی رہنا، یہ نہ ہو کہ آج کل کے چھچھورے طریقے اپنانا شروع کردے۔"

وہ خود ساری عمر بڑے رکھ رکھاؤ اور وضع داری کے ساتھ چلی تھیں، اور اب دوسروں سے بھی یہی توقع رکھتی تھیں۔

نگینہ کے ساتھ تو خیر بڑی مجبوریاں رہی تھیں، لیکن صندل کو گھرانے کی روایات کو آگے بڑھانا ہی چاہیے تھا۔

وہ کچھ ایسی ہی نصیحتیں کررہی تھیں، مگر نگینہ نے پہلے ایک آدھ فقرے کے علاوہ مجال ہے جو کچھ سنا ہو، اس کی ساری توجہ نانی ستارہ کی شخصیت پر تھی، بہت ہی ہلکے سے رنگ کا سادہ مگر دلکش سوٹ پہنے ہوئے، ہاتھوں میں بیلے کا ایک خوبصورت گجرا اور بہت نازک جیولری۔

وہ ہمیشہ اسی طرح تیار ہوتی تھیں، لیکن چہرے پر آج ہمیشہ سے زیادہ تمکنت تھی۔

ایسی تمکنت جو سامنے والے کو خود بخود ان کی عزت کرنے پر مجبور کردیتی تھی۔

اسے تو ساری عمر حسرت ہی رہی کہ وہ ان جیسی کبھی دکھائی دے۔

کانجی ورم ساڑھی، سونے کا وہ بھاری سیٹ، اور محنت سے کرایا ہوا میک اپ۔ سب ہی کچھ نانی ستارہ کی شخصیت کے آگے ماند تھا۔

"کچھ بھی سہی، ہیں تو میری ماں ہی۔" نگینہ کے گرے پڑے مورال کو یہی ایک فخر ہمیشہ سہارا دیتا چلا آیا تھا۔

"اماں! وہ چوڑیاں۔" "دفعتاً" ہی اسے ایک اور سنبھال کر رکھا ہوا ارمان یاد آیا۔

نانی کے ساتھ کمرے سے نکلتی ہوئی شاما بوکھلاہٹ میں گرتے گرتے بچی۔

"آج تک ہاتھ میں ہی نہیں ڈالیں، یہی سوچا تھا کہ صندل کی فلم کے مہورت پر پہنوں گی، جا شاما نکال کر تو لا۔"

"وہ تو باجی...!" شاما کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ ان چوڑیوں کی بابت کیا کہے، جو مہینوں پہلے موتی محل جیولر کے ہاں بکی جاچکی ہیں۔

"اوں ہنہ!" اسے اپنے ہاتھ پر دباؤ محسوس ہوا، نانی تنبیہی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

شاما کو بات پوری کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ نانی اپنے ہاتھ سے ایک کنگن اتار کر نگینہ کو تھما رہی تھیں۔

"یہ ڈال لو ہاتھ میں، ایک ساتھ اتنی چیزیں پہنوگی تو کہیں نظر ہی نہ لگ جائے۔"

"واقعی یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا اماں!"

نگینہ کے چہرے پر ہلکا سا خوف ابھرنے لگا۔ تقدیر کے اس سب سے خوشگوار موڑ پر اسے اب سب سے زیادہ نظر لگ جانے کا خطرہ لاحق تھا۔ حاسدوں کی بھلا کیا کمی، اور یہاں تو گھر میں ہی مخالف کیمپ کھلا ہوا تھا۔

اس کی نگاہ پچھلے دروازے سے ہوتی ہوئی اس طرف گئی جہاں آج مکمل سناٹا تھا۔
وہاں سے کسی نے بھی آج صندل کے مورت شارٹ کے لیے دی جانے والی اس کی دعوت کو قابل قبول نہیں سمجھا تھا۔
بیماری، مصروفیت، بہانوں کی کیا کمی تھی۔
مگر نگینہ بھی ٹھانے ہوئے تھی کہ آج خیریت کے ساتھ کام پورا ہو جانے پر وہ صندل کو ان کے ہاں سلام کروانے کے لیے ایسے ہی لے کر جائے گی جیسے گلناز ' الماس کو وِگ کا ٹرپ کروانے کے بعد واپسی پر لائی تھی۔
سامنے استاد جی اور نانی، صندل کا صدقہ اتار رہے تھے۔
"اب اور کتنی دیر ہے آخر' دوبار بالی صاحب کا فون آچکا ہے نانی! وہاں کتنے لوگ انتظار کر رہے ہیں۔ سارے میڈیا والے آئے بیٹھے ہیں۔"
صندل میں تنک مزاجی تو فطری تھی' لیکن اس وقت ہیروئن والا غرّہ بھی آواز سے جھلکنے لگا تھا۔
نگینہ نے فخریہ نگاہ بیٹی پر ڈالی۔
صندل کی دل کشی میں کیا کلام تھا۔
رہی سہی کسر اس تمکنت کی تھی' جو تھوڑی بہت خوش قسمتی سے نانی ستارہ کی طرف سے اسے ملی تھی۔ وہ ایکسٹرا ڈانسر نگینہ جان کی بیٹی سے زیادہ ماضی کی معروف فنکارہ ستارہ جان کی نواسی زیادہ لگتی تھی۔
اور نگینہ اس کی اسی شناخت کو زیادہ اہمیت دینے کا فیصلہ کر چکی تھی۔
سامنے کے آرائشی برآمدے میں سے گزرتے ہوئے نگینہ نے جھانک کر اطمینان کیا کہ بالی کی بھیجی ہوئی وہ دونوں شاندار گاڑیاں سیڑھیوں کے ساتھ ہی کھڑی ہیں۔
ابھی "کام" کا وقت یہاں شروع نہیں ہوا تھا' اس لیے ہر کھڑکی اور بالکونی میں سے کوئی نہ کوئی چہرہ جھانک رہا تھا۔
نگینہ کو پتا تھا کہ وہ سب صندل کے اترنے کی منتظر ہیں' جو راتوں رات "سیلیبریٹی" بن چکی تھی۔
یہاں ساری لڑکیاں عزت و شہرت کے ایسے "معیار" کی متمنی رہتی ہیں' جو خوش قسمت ہوتی ہیں' منزل پالیتی ہیں' ورنہ تاریک راہوں میں مارے جانے والوں کی یہاں کون سی کمی تھی۔
وہ۔ وہ بھی تو۔۔۔
سر کو ہلکے سے جھٹک کر اس نے ناک میں کھڑی زودرنجی کو جھٹکا۔
صندل نے نیچے جانے والی سیڑھی پر قدم رکھا تھا کہ نانی ستارہ کو کچھ یاد آیا۔
"یہ گیتی کہاں ہے' کیا اکیلی رک رہی ہے گھر پر' میں نے کہا بھی تھا اسے چلنے کے لیے۔" ان کے لہجے میں ہلکی سی خفگی تھی۔
"سو گئی ہے اماں! اور بختاں' سلونی ہیں یہاں پر' تھوڑی دیر میں وہ سالار بھی آجائے گا' پڑھانے کے لیے۔"
"اور وہ وہاں جا کر کرے گی بھی کیا' یوں ہی منہ بنا کر ایک طرف بیٹھی رہے گی' میڈیا والوں نے نوٹس لے لیا تو اور مصیبت۔"
صندل کو اس وقت اپنے علاوہ کسی کا بھی موضوعِ گفتگو بننا گوارا نہیں تھا۔
آگے پیچھے اترتے ہوئے وہ سب ہی رخصت ہوئیں تو پیچھے بڑا گہرا سناٹا رہ گیا۔
حفاظت کے لیے چھوڑی جانے والی بختاں اور سلونی' کاسنی اور سفید نیٹ کے پردوں والے آرائشی برآمدے میں بیٹھ کر' نیچے پھیلی خوشگوار چہل پہل میں مصروف ہوئیں۔
اور خاموشی میں ڈوبے اس انتہائی پچھلے کمرے میں دیوار کی طرف کروٹ لیے لیٹی' گیتی نے آہستگی سے اپنی آنکھوں کے کونے خشک کیے۔
کاش وہ اپنی بہن کی خوشی میں' پورے دل کے ساتھ خوش ہو سکتی' مگر وہ تو رسماً بھی ایسا کچھ نہ کر سکی' اور خود صندل نے بھی ایسا کب چاہا۔
اس کے تصور میں صندل کا خوشی سے دمکتا ہوا چہرہ تھا۔
پالینے کی سرشاری میں ڈوبا ہوا۔
کچھ پانے کی ابتدا ہمیشہ وہیں سے ہی کیوں ہوتی ہے' جہاں کوئی دوسرا اپنا سب کچھ کھو دیتا ہے۔
اس نے اپنی زندگی میں چلتے ہوئے اس بھید بھرے سلسلے کو کھوجنا چاہا۔
پہلے خیام۔
اور اب صندل۔
ایک کو وہ کھو چکی تھی' اور دوسرے کو کھونے والی تھی۔
آج اسے احساس ہوا تھا' کل کو نانی اور نگینہ امی بھی اسی احساس سے گزرنے والی تھیں۔ یہی یہاں کی روایت تھی۔
سامنے کھلا آسمان ہے تو یہاں کے پرندے ہمیشہ لمبی اڑان ہی بھرتے ہیں۔
صندل بھی اب زیادہ عرصے یہاں رکنے والی نہیں تھی۔
گیتی کو اپنے اندر سے اٹھتی اس آواز پر گہرا یقین تھا۔
سالار کے آنے کی خبر پر' وہ بالوں کو سمیٹتی ہوئی کتابیں سنبھال کر نانی کے کمرے میں چلی آئی۔
سالار نانی کے میوزک کلیکشن کو الٹ پلٹ کر رہا تھا۔
"استاد بڑے غلام علی' زہرہ بائی کلکتہ والی' سہگل' نانی کا ٹیسٹ لاجواب ہے۔" اسے دیکھ کر وہ دل کشی سے مسکرایا۔
"پتا نہیں' مجھے میوزک کی ذرا بھی سمجھ نہیں ہے' مجھے تو ان آج کل کے بینڈز وغیرہ کے بارے میں بھی کچھ زیادہ پتا نہیں۔" وہ اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ چکی تھی۔
"چراغ تلے اندھیرا' اسی کو کہتے ہیں۔" وہ روانی میں کہہ رہا تھا۔ مگر وہ اپنی حساسیت سے مجبور تھی۔
"طنز کر رہے ہیں؟"
"میری مجال۔" وہ ہنس پڑا۔ "ویسے تم ذرا سا مثبت نہیں سوچ سکتیں' چن چن کر دل دکھانے والے مطلب اخذ کرتی ہو' چلو کتاب اٹھاؤ۔"
وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔
"آپ کیوں نہیں گئے' صندل کے مورت شارٹ میں' ان سب لوگوں نے بہت اصرار کے ساتھ آپ کو اور فربھائی کو انوائٹ کیا تھا۔"
"فربھائی گئے ہیں! میڈیا کے لوگ ایسے موقعے نہیں چھوڑتے ہیں۔"
"میں آپ کا پوچھ رہی ہوں۔"
"میں!" وہ پل بھر کے لیے رکا۔ "پتا نہیں کیوں' شاید میں ابھی تک خود کو معاف نہیں کر سکا' حالانکہ دونوں

غلطیاں انجانے میں ہی سرزد ہوئیں، صندل کو افسر بھائی تک پہنچانے کی بھی اور خیام کو...."

"مت نام لیں اس کا۔" کیتی نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ "اچھا ہوا جو وہ چلا گیا' وہ چار سال اور یہاں رک جاتا تو ہم سب کی توقعات اور بھی بڑھتیں' اب کم از کم سب کی آنکھیں تو کھل گئی ہیں۔"

ان سارے دنوں میں جتنی بار بھی سالار نے دانستہ یا نادانستہ خیام کا ذکر چھیڑا' وہ اس طرح بے زاری کا اظہار کرتی دکھائی دی' پھر بھی سالار کو اس کی آنکھیں الفاظ کا ساتھ دیتی دکھائی نہیں دیتی تھیں۔

دل پر رکھا ہوا بوجھ اور بھی بڑھتا۔

"اور مہربانی کر کے خیام کے بارے میں کوئی بات نہیں کیجیے گا' بڑی مشکل سے انہوں نے خود پر قابو پایا ہے' یہاں اب کوئی خیام کے بارے میں بات نہیں کرتا۔" وہ اپنی کتاب کھول چکی تھی۔

"بات نہ کرنے سے بات ختم تو نہیں ہو جاتی' اور کیا خبر کل کو وہ آ ہی جائے' سب کو یہاں سے لے جانے کے لیے۔"

وہ اسے مکمل مایوسی کی نذر نہیں ہونے دے سکتا تھا' اسی لیے کسی خوشگوار امکان کا سرا تھامے رکھنا چاہتا تھا۔ کیتی کا سر ہلکے سے نفی میں ہلا۔

چائے لے کر سلونی اندر آ رہی تھی اور اس کے پیچھے بختاں تھی' اور چائے دے کر وہ دونوں باہر نہیں گئی تھیں' وہیں ذرا ہٹ کر نانی کی مسہری کے پاس بیٹھ کر ہلکی ہلکی باتیں کرنے میں مصروف ہو گئیں۔

کیتی کو پتا تھا کہ اب وہ دونوں جب تک وہ پڑھے گی' یہیں بیٹھی رہیں گی۔ یہاں کے اصول' قاعدے بڑے متضاد قسم کے تھے۔

بھرپور آزادی کے کھلے ڈلے مظاہرے کے ساتھ لڑکیوں کی بڑی سخت نگرانی بھی تھی۔

نانی کچھ زیادہ ہی سخت رہی تھیں۔

سب کہتے تھے کہ فیروزہ کے قصے سے انہوں نے بڑا گہرا سبق لیا تھا۔

"اب معلوم نہیں بیٹنت بیٹنت کر رکھی گئی صندل کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا تھا۔"

کیتی نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دباتے ہوئے سوچا' اور کاپی سالار کی طرف بڑھا دی۔

☼ ☼ ☼

دیوار سے ٹیک لگائے' وہ کب سے ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔

چھوٹا سا صحن دھوپ سے بھرا ہوا تھا۔ اور ہوا کے نیم گرم جھونکے یہاں تک آ رہے تھے' سامنے کے کمرے میں نواب اسی گہری نیند کے مزے لوٹ رہا تھا' جس سے سعیدہ کو سخت نفرت تھی۔

زری کا دل چاہا کہ وہ اٹھ کر نواب کو جگا دے' سعیدہ کب کی دونوں بچوں کو لے کر نکلی ہوئی تھی' سلائی کے کپڑے دینے کے لیے' اب اس کے آنے کا وقت ہو چکا تھا' نواب کو اب تک سوتا دیکھتی تو آتے ہی اس کا موڈ اور بھی خراب ہو جاتا' بے چین سا ہو کر اس نے پہلو بدلا اور پھر آخر اٹھ کھڑی ہوئی۔

سعیدہ سے وہ سچ مچ ڈرنے لگی تھی۔

بات' بے بات وہ اس پر چڑ جاتی' اور جو منہ میں آتا کہنے میں سیکنڈ نہ لگاتی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کیسے خوش رکھے۔

حیدر آباد سے جب وہ یہاں آ رہی تھی تو چچی نے یہی نصیحت کی تھی کہ بھابھی کی بے حد خدمت کرے گی' تو وہ

بھی دل سے لگا کر رکھے گی۔

مگر نہ تو وہ خدمت سے خوش ہوتی تھی' اور نہ ہی اس کی بے بسی پر رحم کھاتی تھی۔

اس کا بس چلتا تو وہ زری کو کب کا واپس چچا' چچی کے پاس چھوڑ آئی ہوتی۔

"بھائی بھائی!"

دھیمے دھیمے پکارتے ہوئے اس نے نواب کا کندھا ہلایا۔ مگر اس پر تو موت کی سی غفلت طاری تھی' کسی کسی وقت تو اس کی نیند سے خوف آنے لگتا تھا' سعیدہ تو صاف کہتی تھی کہ کسی دن وہ یوں ہی سوتے کا سوتا ہی رہ جائے گا۔

"نواب بھائی! اٹھو نا!" خوف زدہ سی ہو کر زری نے اس بار پکارا بھی زور سے تھا' مگر وہ "اوں ہنہ" کر کے دوسری طرف کروٹ لے چکا تھا۔

"یا اللہ کیا کروں آخر!" وہ بے چارگی سے زیر لب کہتی ہوئی واپس باہر آ گئی۔

پکانے کے لیے بھی کچھ نہیں تھا' جو وہ پکا کر ہی رکھ دیتی' سعیدہ کہہ کر گئی تھی کہ وہ واپسی میں سبزی لیتی ہوئی آئے گی۔

آٹے کے کنستر کی تہہ میں تھوڑا سا آٹا خوش قسمتی سے باقی تھا' اس نے گوندھنے کے لیے وہی نکال لیا۔

تب ہی کسی نے دروازہ زور سے بجایا۔ یہ انداز نہ سعیدہ کا تھا' اور نہ ہی کسی محلے والے کا' یہ تو کوئی اور ہی تھا۔

"پتا نہیں دروازہ کھولنا بھی چاہیے یا نہیں۔" وہ دروازے کے پاس جا کر یہی سوچ کر رکی تھی' سعیدہ کی سختی سے ممانعت تھی دروازے کے قریب بھی جانے کی پتا نہیں کیا کیا خدشات لاحق تھے اسے' دستک دوبارہ ہو رہی تھی' اور اس بار پہلے سے زیادہ بلند تھی۔

زری کو دروازہ کھولنا ہی پڑا۔

سامنے وہ جو کوئی بھی تھا' اس کے لیے تو قطعی اجنبی تھا۔

"آپ' میرا مطلب ہے جو آپ سے پہلے یہاں رہتی تھیں وہ....!" زری نے اس کے لہجے کی الجھن کو صاف محسوس کیا۔

"یہاں ہم ہی رہتے ہیں' شروع سے ہی۔" اسے لوگوں سے عام بات چیت کا موقع کم ہی ملتا تھا' سو زبان تھوڑا سا لڑکھڑا ہی گئی۔

"لیکن میں نے آپ کو پہلے یہاں نہیں دیکھا' وہ خاتون جن کے دو چھوٹے بچے ہیں' اور ان کا نام....!" اسے فوری طور پر یاد نہیں آ رہا تھا۔

"سعیدہ!" زری بے ساختہ ہی اس کی مشکل آسان کی۔ "وہ میری بھابھی ہیں' اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔" کہتے ہوئے اس نے دروازہ بند کرنا چاہا' مگر وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

"میری بات سن لیجیے پلیز' بہت ضروری کام ہے۔"

ادھ کھلے پٹ کی اوٹ سے زری نے تھوڑا غور سے اس کی طرف دیکھا' جس کی آنکھوں کی نرمی' اس کے دل کی بھلائی کی گواہی دیتی تھی۔

"آپ کے برابر والے گھر میں جو بچہ رہتا ہے ساجد۔" اپنی بات کہتے ہوئے وہ ذرا رکا تو زری نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"بس آپ اس سے کہہ دیجیے گا کہ اس جمعے کو سہراب بھائی کے گیراج پر ضرور آ جائے' کہہ دیں گی نا؟" وہ شاید

اس کے رویّے سے مطمئن نہیں ہوا تھا۔
"جی! اتنا سا کام تو وہ کر ہی سکتی تھی۔
"بہت شکریہ' آپ اسے کہہ دیجیے گا کہ معاذ بھائی آئے تھے۔" وہ کہہ کر تیزی سے واپس کچھ آگے کھڑی اپنی موٹر سائیکل کی طرف بڑھ چکا تھا۔
"معاذ!" زری کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔
"تو یہ معاذ تھا۔"
دروازہ بند کرکے بعد بھی وہ وہیں کھڑی سوچ گئی۔
سعیدہ اور بتول کے درمیان جب بھی ساجد کے بارے میں کوئی بات ہوتی' معاذ کا ذکر ضرور ہوتا تھا۔ وہ بھی ایسے کڑے الفاظ میں کہ انسان خود ہی دلچسپی لینے پر مجبور ہو جائے۔
وہ بھی جان چکی تھی کہ معاذ ہی ساجد کو بگاڑنے پر تلا ہوا تھا اور ایک بار چھوٹے کو سو روپے پکڑا کر گیا تھا تو سعیدہ نے ثواب سے اس کے عوض کیسی کری ہوئی باتیں سنی تھیں۔
معاذ کا نام زری کے لیے اجنبی نہیں تھا' اور آج وہ خود بھی نہیں رہا تھا۔
"کتنے اچھے تو ہیں۔" اس کا سراپا نگاہوں میں گھوما تو وہ ہلکے سے مسکرا دی۔
"بھابھی اور بتول باجی تو یوں ہی خوامخواہ کسی کے بھی پیچھے پڑ جاتی ہیں' جیسے میرے پیچھے پڑی رہتی ہیں۔"
معاذ کی دل کش شخصیت میں اس کی دلچسپی بڑی بے ساختہ اور فطری تھی۔
"ساجد تک پیغام ہی تو پہنچانا ہے' پہنچادوں کی چپ چاپ۔ وہ بھی سمجھ دار ہے' کسی کو بتائے گا بھی نہیں' ورنہ سعیدہ بھابھی سے معاذ کے بارے میں کچھ کہا' تو وہ تو پہلے میرا ہی گلا دبائیں گی کہ اتنی دیر دروازے پر کھڑے ہو کر بات ہی کیوں کی۔"
تب ہی ایک بار پھر دروازہ بجنے لگا۔
یہ سعیدہ کی دستک تھی۔
"اتنی جلدی کیسے کھول دیا' کیا دروازے کے ساتھ لگی کھڑی تھیں۔" وہ کڑے تیوروں کے ساتھ اسے گھورتی ہوئی اندر آئی۔
"وہ میں پانی پی رہی تھی بھابھی!" دیوار کے ساتھ رکھے کولر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے بروقت بہانا سوجھا۔
"میرے لیے بھی لا ٹھنڈا سا' اتنی گرمی میں خواری اٹھاتی پھرتی ہوں' اور حاصل کیا...."
وہ سر پر سے چادر سرکاتی ہوئی اندر کمرے کی طرف چلی گئی۔
پسینے میں شرابور' گرمی اور تھکن سے بے حال دونوں بچے ابھی بھی اسی کے پیچھے تھے۔
اس وقت بڑی آسانی سے بچت ہو گئی تھی' زری نے شکر ادا کیا۔
پانی لے کر جب وہ اندر کمرے میں آئی تو لائٹ جا چکی تھی' اور سعیدہ بڑی بے بسی سے رینگ رینگ کر چلتے ہوئے پنکھے کو دیکھ رہی تھی۔
"اس لائٹ کو بھی ابھی جانا تھا' ذرا سے ہوش بحال ہو جاتے تو کیا ہو جاتا۔"
زری نے ہمدردانہ نگاہوں سے اسے دیکھا' اور خود سبزی کی ٹوکری لے کر واپس باہر نکل آئی۔
"خدا کرے آج شام ہی ساجد دکھائی دے جائے تو اسے معاذ کا پیغام پہنچادوں!" اسے پھر سے معاذ کا خیال آیا۔

"بات کتنی نرمی سے کرتے ہیں!" اس کی روکھی پھیکی زندگی میں یہ چھوٹی سی ملاقات بھی خوشگواریت لیے آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"شش' شش۔"
مانوس سی سرگوشی پر وہ بری طرح چونکی' سامنے کچن کی کھڑکی کے دوسری طرف سے راجو اشارہ کر رہا تھا۔
روزی نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ یہاں اس کے علاوہ اس وقت کوئی اور نہیں موجود تھا۔
"یہاں کیوں آگیا' ابھی کسی نے دیکھ لیا تو مصیبت کریں گے میری اور تیری دونوں کی۔"
کھڑکی کے قریب جا کر' وہ تیزی سے بولی۔
"کیا کروں پھر' اندر آنے پر تو سختی سے پابندی لگادی گئی ہے' ورنہ اس سے پہلے تو کبھی نہیں ہوا' اتنے سال سے یہاں کام کر رہا ہوں' اب لگتا ہے بوا عظمت نے شکایت لگائی ہے۔"
راجو جھنجلایا ہوا تھا۔
بوا جس حساب سے اس سے خفا رہتی تھیں' اس بنا پر اس کا شک ان ہی پر جاتا تھا' مگر روزی پچھلے کئی ہفتوں سے بدلی بدلی سی لگتی تھی۔ پہلے کی طرح اس کی ہر بات پر آنکھ بند کرکے تصدیق کرنا چھوڑ چکی تھی۔
اس وقت بھی تڑپ کر فوراً ہی کہہ اٹھی۔
"بوا عظمت کا نام مت لینا راجو! وہ جو کچھ بھی کریں گی ہماری بھلائی کے لیے ہی کریں گی' ان کے علاوہ میرا ہے بھی کون۔"
"کیوں میں مر گیا ہوں کیا؟"
"خدا نہ کرے' بس تو بوا کو مت کچھ کہا کر۔" روزی بات اس سے کر رہی تھی' مگر نگاہیں بار بار کچن کے دروازے کی طرف تھیں' جہاں سے کسی وقت بھی کوئی آسکتا تھا۔
راجو کو اس کی یہ بے توجہی کھل تو رہی تھی' مگر مجبوری تھی۔
"مجھے ضروری بات کرنی ہے' آکر سن جا پانچ منٹ کے لیے۔"
"ابھی اس وقت۔"
"ہاں' کیونکہ رات کی ٹرین سے تو میں جا رہا ہوں پنجاب۔ دس دن کی چھٹی پر۔"
ادھر پچھلے کمپاؤنڈ میں ملازمین کی آمدورفت جاری رہتی تھی' کوئی بھی زیادہ دیر اسے کھڑا دیکھتا تو نوٹس لیے بغیر نہ رہتا۔ اپنی بات کہہ کر وہ مزید نہیں رکا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اب روزی دس کام چھوڑ کر بھی آئے گی۔
اور ہوا بھی یہی۔
"یہ ایک دم پنجاب جانے کی کیا سوجھی ہے تجھے' میں تو بالکل ہی تنہا ہو جاؤں گی یہاں۔" روزی کی آنکھوں میں آنسو آنا شروع ہو چکے تھے۔
"اکیلی کیوں' وہ تیری بوا عظمت تو ہیں تیرے پاس۔" وہ اس وقت بھی بوا کا طعنہ دینے سے باز نہ آیا۔
درخت کے تنے سے ٹیک لگائے کھڑی روزی چپ چاپ اپنے آنسو صاف کیے گئی۔
بوا کا ضعیف وجود اس شکار گاہ میں آخر کب تک حفاظت کر سکتا تھا۔ اس نے بمشکل ہی راجو کو کچھ کہنے سے

ضبط کیا۔ نیم گرم ہوا کے جھونکے اس کے روکھے بالوں کو بالکل ہی بے ترتیب کیے دے رہے تھے۔ نہ جانے کتنے دن سے اس نے کنگھی تک نہیں کی تھی۔ راجو نے ایک گہری نگاہ اس کے بے ترتیب حلیے پر ڈالی۔

وہی ملگجے سے کپڑے، اداس چہرہ، سنگھار کے نام پر ہاتھ میں ایک چوڑی تک نہیں۔

وہ شوخ رنگوں سے بھری لڑکی جسے اس نے پورے دل سے چاہا تھا، معلوم نہیں کہاں کھو گئی تھی!

اب تو اس نے روزی سے پوچھنا بھی چھوڑ دیا تھا۔

"تھوڑے سے دنوں کی بات ہے، ماموں کی طبیعت خراب ہے، اماں کو لے کر جا رہا ہوں، دونوں بہنوں کے رشتے بھی وہاں طے کر کے آئیں گے، اسی لیے ماموں زور دے رہے ہیں آنے پر۔ سمجھا کر بات کو۔"

اپنی ذمہ داریوں کے ہلکا ہو جانے کا احساس ہی راجو کو پُرجوش کیے دے رہا تھا۔ "پھر ہماری شادی میں زیادہ دن نہیں لگیں گے۔ ادھر بہنوں کی رخصتی ہو گی اور میں نے بیگم صاحب سے تیرا ہاتھ مانگا۔"

راجو کو پورا یقین تھا کہ اس بار وہ اس کی اداسی دور کرنے میں سو فیصد کامیاب ہو جائے گا۔

مگر ایسا نہیں تھا۔

وہ اب بھی اتنی ہی اداس تھی۔

"جلدی واپس آ جانا راجو، دس دن تو بہت ہوتے ہیں۔" اس نے کہا بھی تو یہ۔

"ارے یوں گزرتے ہیں دس دن۔" روزی کے چہرے کے سامنے اس نے چٹکی بجائی۔ "نبیل صاحب کی مہربانی ہے جو۔" وہ ذرا رکا، نبیل کے نام کے ساتھ "صاحب" لگاتے ہوئے اسے ابھی بھی عجیب سا ہی لگتا تھا۔ "اصل میں مالکوں سے چھٹی ملنا آسان تھوڑی ہے، یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے کہ اتنے اچھے لوگوں کے پاس کام کر رہے ہیں۔ شادی کے بعد بھی ہم اس گھر کو نہیں چھوڑیں گے، پیچھے کوارٹر لے لیں گے، بیگم صاحب سے۔"

"نہیں!" ایک جھٹکے سے روزی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ "ہم یہاں سے بہت دور چلے جائیں گے اور کبھی اس شہر میں بھی واپس نہیں آئیں، وعدہ کر راجو! یہاں نہیں رہے گا، کہیں اور کام ڈھونڈے گا، اس شہر سے بہت دور کہیں بھی۔"

راجو کو اس کے چہرے پر پھیلا خوف اس بار اتنا نمایاں دکھائی دیا تھا کہ نظر انداز کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ "کیا ہو گیا ہے تجھے روزی، کس سے ڈر رہی ہے، کھل کر کیوں نہیں بتاتی ہے تجھے، کسی نے کچھ کہا ہے، سچ بتا۔" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے، وہ بڑی فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔

اس کے انداز میں کچھ ایسا تھا، جو تحفظ کے احساس کو گہرا کرتا تھا، ساری مصلحتیں بالائے طاق رکھ کر اپنی ہر فکر اس کے حوالے کر دینے کو دل کرتا تھا، روزی بھی شاید کہہ ہی جاتی مگر۔۔۔

"اگر کسی نے کچھ ایسا ویسا کہا ہے تجھے، تو خون پی جاؤں گا، زندہ نہیں چھوڑوں گا اس کو، تو بتا تو سہی۔" روزی نے ایک گہرا سانس لیا۔

"کسی نے کچھ نہیں کہا، بے کار میں ہی جذباتی مت ہو جایا کر۔"

"پھر یہ سب کیا ہے، کیا حال بنا لیا ہے تو نے اپنا، کتنی بدل گئی ہے تو، شاید اندازہ ہی نہیں ہے تجھے۔"

وہ تھوڑا سا مطمئن ہوا، لیکن پھر بھی اسے ٹوکے بغیر نہیں رہ سکا۔

"ویسے ہی بس اب دل نہیں چاہتا، پھر وہاں کوٹھی میں بیگم صاحب کے پاس سارا دن لوگوں کا آنا جانا رہتا ہے، اچھا نہیں لگتا کہ سج سنور کر لوگوں کے سامنے آؤں۔"

اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پا کر وہ بڑے نارمل سے انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

راجو بہت غور سے اس کے الفاظ اور چہرے کے تال میل کو دیکھ رہا تھا۔

یہ الفاظ، یہ انداز، روزی کا نہیں تھا، پھر بھی اس سمجھ داری پر اسے بڑا پیار آیا۔

"اتنی عقل آ گئی ہے تجھے، چل یہ بھی شکر ہے۔" وہ کھل کر ہنس پڑا۔ "اچھا اب جا، بوا آ گئی ہیں سامنے کھڑکی میں۔" اس نے اشارہ کیا۔

اس بار روزی نے بنا کچھ کہے، وہاں سے دوڑ لگائی۔

☼ ☼ ☼

سلمان کے گھر چھوڑ کر جانے کی خبر، شام کے اخبار کی سی سنسنی پھیلاتی ہوئی پورے خاندان میں نشر ہوئی۔

محلے والوں کے لیے تو سارا قصہ آنکھوں دیکھا ہی تھا، لیکن خاندان والوں کی "سورس آف انفارمیشن" بھی نصب کی تھی۔

بات کی تصدیق کے لیے تو فون اس رات سے ہی آنے شروع ہو چکے تھے، اگلے دن سے لوگ افسوس کرنے بھی آنے لگے۔

"کیسے چلا گیا تم سب کو چھوڑ کر۔"

"اکلوتا بیٹا اور وہ بھی ایسا خود غرض۔"

"ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ اتنے پیسے والے لوگوں میں رشتے جوڑ کر آخر آدمی پچھتاتا ہی ہے۔"

"کیسا جادو کر دیا اس عورت نے۔ نہ شکل نہ صورت، پتا نہیں تم لوگوں نے کیا دیکھا تھا۔"

وغیرہ وغیرہ۔

وہ سب تو اتر سے اسی طرح کی باتیں کرتے، اور قطعی بھولے رہتے کہ کچھ عرصہ پہلے وہ یہیں اسی گھر میں بیٹھ کر سلمان اور گھر والوں کی خوش قسمتی کا پہاڑا پڑھا کرتے تھے، اور زوبیہ جیسی بہو مل جانے کی دعا کیا کرتے تھے۔

زخم اتنا تازہ تھا کہ اس پر نمک برداشت کرنا ناممکن ہو رہا تھا۔

آپا گل اور شاکرہ بیگم دونوں کی کئی سے جم کر لڑائی ہوئی اور کچھ سے ہوتے ہوتے رہ گئی۔ سو اب کچھ دنوں سے آنے جانے والوں کا سلسلہ بھی موقوف تھا۔

"خس کم جہاں پاک!" شاکرہ بیگم ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے صوفے پر آ بیٹھیں۔

"یہ آپ زوبیہ بھابھی کے لیے کہہ رہی ہیں؟" انہوں نے جواباً ایک کھا جانے والی نگاہ زویا پر ڈالی، جو ٹیلی فون بند کر کے ابھی ابھی فارغ ہوئی تھی۔

"کس سے بات کر رہی تھیں اتنی دیر سے؟"

"ربیعہ سے۔" مختصر سا جواب دیتے ہوئے وہ لاؤنج سے نکل رہی تھی، مگر ان کے ٹوکنے پر رکنا پڑا۔

"کیا ضرورت تھی، منع بھی کیا ہے کہ ان لوگوں سے راہ و رسم مت رکھا کرو، مگر تمہارے اور جویا کی سمجھ میں نہیں آتا ہے کچھ بھی۔"

وہ بری طرح جھنجلا گئیں، جب سے دادی نے جویا کی بابت دوبارہ کہلوایا تھا، انہیں معاذ کے گھر کے کسی فرد کا نام تک گوارا نہیں رہا تھا۔

"ان ہی کی نظر کھا گئی ہے میرے گھر کو، یہی سب سے بڑے دشمن ہیں ہمارے، ورنہ اچھی بھلی تھی زوبیہ شادی سے پہلے، کیسی خوش اخلاقی سے پیش آیا کرتی تھی، مجھے تو پورا یقین ہے کہ اس روز دعوت میں ان ہی کے گھر زوبیہ کو ہمارے خلاف بھڑکایا گیا ہے۔"

"ان کے ہاں کوئی ایسی بیماری نہیں ہے کسی کو کہ لوگوں کو بھڑکایا جائے، اور زوبیہ بھابھی تو ویسے بھی سب کچھ

اپنی پلاننگ کے حساب سے کرتی آرہی ہیں اور آگے بھی کرتی رہیں گی۔"
زویا بے نیازی سے کہتے ہوئے سیڑھیوں کی جانب جانے لگی۔
"اور امی!" وہیں کھڑے کھڑے وہ ان کی طرف مڑی۔ "سارے خاندان میں یہی ایک گھر ہے جس نے سلمان بھائی کی شادی سے لے کر اب تک کوئی ایک بات بھی آپ لوگوں سے اس بارے میں نہیں کی' یہاں تک کے ربیعہ کے ٹھکرائے جانے کا گلہ تک نہیں کیا' پھر بھی آپ کا دل صاف نہیں ہوتا۔" اپنی بات کہہ کر وہ تیزی سے اوپر چڑھتی چلی گئی' وہ منہ کھولے دیکھتی رہ گئیں۔
"یہ زویا کی زبان کچھ زیادہ ہی چل پڑی ہے' کل سے کہہ کر کسی دن ٹھیک کرواتی ہوں۔"
وہ شاید اسی وقت آپا کل کو فون کرنے کھڑی ہو جاتیں' مگر گیٹ پر گاڑی کی آواز سن کر ارادہ موقوف کیا' اظہار صاحب آج آفس سے وقت سے پہلے واپس آئے تھے۔
"خیریت تو ہے' طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" وہ تشویش سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔
جب سے سلمان اور زوبیہ گئے تھے' وہ بہت خاموش رہنے لگے تھے' گھر میں ہوتے تو سارا وقت اپنے کمرے میں گزارتے۔
مگر اس وقت وہ سیدھے کمرے میں جانے کے بجائے لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ چکے تھے۔
"کیا ہوا بتاؤ تو سہی' یوں چپ کر کے کیوں بیٹھ گئے ہو' کوئی اور بات ہو گئی کیا؟"
ان کی واویلا مچانے کی عادت بہت پختہ تھی۔ اظہار صاحب نے بمشکل ہی اپنا غصہ ضبط کیا۔
"سلمان کا فون آیا تھا؟"
"نہیں۔"
"تو تم کر لیتیں۔"
"کیا تھا' مگر وہ جلدی میں تھا' زیادہ بات نہیں ہو سکی۔" وہ ان کے سوالوں سے کوئی نتیجہ تو اخذ نہیں کر سکی تھیں' لیکن پریشانی میں کمی آنے لگی تھی۔
"پیسوں کے بارے میں کچھ کہہ رہا تھا' تنخواہ تو مل گئی ہو گی اسے اب تک۔"
"ایسی تو کوئی بات نہیں کی اس نے' اور کیا پتا ابھی تنخواہ ملی ہی نہیں ہوا سے۔"
"نہیں ملی تو مانگ لے اپنے سسر سے' اسے فون کر کے کہو کہ مجھے لون کی قسط جمع کرانی ہے دو دن میں' وہ اور کچھ نہیں تو ہمیں اپنی تنخواہ میں سے پیسے تو دے سکتا ہے۔" وہ تلخ ہو رہے تھے۔
شاکرہ بیگم نے پہلی بار ان کے منہ سے "لون" کا لفظ سنا تھا' ہکا بکا ہو کر دیکھنے لگیں۔
"کون سا قرضہ لے لیا تم نے' پہلے تو کوئی ذکر نہیں کیا؟"
"یہ لاکھوں روپیہ جو ابھی تم خرچ کر کے بیٹھی ہو' وہ کہیں سے تو آیا تھا' گھر پر قرضہ لیا تھا میں نے' اسی کی قسط پچھلے دو ماہ سے نہیں دے سکا ہوں۔"
"گھر گروی رکھ دیا؟" شاکرہ بیگم کو بڑا گہرا صدمہ پہنچا۔ ذرا دیر کو تو سلمان' زوبیہ' تنخواہ' کمال خاندان سب ہی کچھ' کہیں پیچھے چلا گیا۔ "بینک میں اتنا پیسہ رکھا تھا' پھر تمہاری اتنی کھلی آمدنی' کوئی کمی تو نہیں تھی' جو تم نے اتنا اچھا گھر داؤ پر لگا دیا۔" ان کا دل سچ مچ بیٹھا جا رہا تھا۔
"قارون کا خزانہ بھی کم پڑتا ہے شاکرہ بیگم ایسے بے تکے خرچوں میں' یاد ہے کتنے لاکھ تو زوبیہ کو دلوائے تم نے' پھر اتنا بھاری بھر کم ولیمہ' اس سے پہلے کی جانے والی شاپنگ' جسے بعد میں یوں ہی فضول قرار دے دیا تھا' نمائش کا جنون سوار تھا تم سب پر۔"

وہ غصہ میں آئے تو بولتے چلے گئے۔ "اور کلرک ہوں سرکاری محکمے میں' سارے عیش اوپر کی آمدنی میں کرائے ہیں تم لوگوں کو' وہ تو یہاں کوئی پوچھنے والا نہیں' ورنہ جس دن کوئی اچھی آؤٹ ٹیم آگئی تو جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی۔"
"اللہ نہ کرے' کوئی تو اچھی بات منہ سے نکال لو۔"
شاکرہ بیگم کو ان کی صاف گوئی بری لگی تھی۔ دونوں ہاتھوں سے پیسے خرچ کرتے ہوئے وہ کب کا بھول چکی تھیں کہ ان کے شوہر کی جائز آمدنی کتنی محدود ہے' اپنے طور وہ اس درمیانہ درجے کے محکمے اور خاندان میں سب سے ممتاز حیثیت کی حامل تھیں۔
"کوئی گھڑی قبولیت کی بھی ہوتی ہے' انسان کو یوں ہی بنا سوچے سمجھے بھی نہیں بولنا چاہیے۔"
"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' تم سلمان کو ذرا فون کرو ابھی' کہو آ کر مل جائے اور پیسے بھی ساتھ لیتا آئے۔"
اظہار صاحب نے کہا تو وہ بنا کچھ کہے فون کرنے اٹھ کھڑی ہوئیں۔
دل بے حد بھاری ہو رہا تھا۔
"وہ کہہ رہا ہے کہ ابھی تک اس کے سسر نے اسے کوئی تنخواہ نہیں دی ہے' اور مانگتے ہوئے اسے شرم آتی ہے۔" خلاف توقع وہ جلدی واپس آ گئی تھیں۔
"بکواس کرتا ہے۔" وہ یکدم بڑے زور سے چلائے۔ "وہ انتہائی خود غرض اور گھٹیا ثابت ہوا ہے' اس نے ہم سے جان چھڑائی ہے شاکرہ! اب ہم اس کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتے۔ وہ اپنی بیوی اور سسر کی خوشنودی کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔" ان کا چہرہ بے حد سرخ ہو رہا تھا۔
"میں اس سے پھر بات کروں گی' تسلی کے ساتھ' تم اتنی ٹینشن مت لو۔ وہ کچھ نہ کچھ انتظام کر دے گا۔"
شاکرہ چچی کا لہجہ پست تھا' جیسے انہیں خود بھی اپنے کہے الفاظ پر یقین نہ ہو۔ "یا پھر میں گل سے بات کرتی ہوں' فی الحال اس سے لے لیتے ہیں' بعد میں جب سلمان دے گا تو پھر اس کو واپس کر دیں گے۔"
"نہیں دے گی وہ بھی۔" انہوں نے مایوسی سے سر ہلایا۔
"وہ دونوں بہن بھائی ایک سی فطرت کے ہیں' میری بات پر یقین نہ ہو تو پوچھ کر دیکھ لو' تمہیں بھی پتا چل جائے گا۔"
شاکرہ بیگم چپ چاپ ان کی شکل دیکھے گئیں۔ سلمان اور گل۔
دونوں ہی پر انہیں خود اپنے سے زیادہ بھروسہ تھا' سلمان بدل سکتا تھا' بیٹا تھا' مگر گل بیٹی تھی' نفی میں سر ہلاتے ہوئے انہوں نے خود کو تسلی دینا چاہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"امی!" ربیعہ کمرے میں چائے کا کپ لیے داخل ہو رہی تھی' انہوں نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور ہلکے سے مسکرا دیں۔
"کتنے گھنٹے ہو گئے ہیں' اب بس کریں' صبح سے مشین پر بیٹھی ہوئی ہیں۔"
چائے کا کپ ان کے قریب رکھتے ہوئے وہ پیچھے کھڑے ہو کر ان کے کندھے دبانے لگی۔
"شادی کا کام ہے' کل لازمی واپس کرنا ہے' فارغ ہو جاؤں گی تو ان شاء اللہ ایک دو دن آرام ہی کروں گی۔"
"بس ایک دو دن۔" وہ خوش ہونے کے بجائے اداس ہوئی۔ "آپ کا دل نہیں چاہتا کہ آپ بھی دوسری عورتوں کی طرح آرام کریں' خاندان میں ملیں جلیں' شاپنگ کریں دل کھول کر۔"

"سب کچھ ہوگا' ان شاء اللہ' بس ذرا معاذ کو جاب مل جائے' پھر یہی سب کرنا ہے' جو تم کہہ رہی ہو۔" مشین میں لگے کپڑے کا دھاگہ توڑتے ہوئے وہ اطمینان سے بولیں۔ "اب آگے تو آرام ہی آرام ہے۔ ایک دفعہ معاذ کو جاب مل گئی تو پھر وہ کہاں کام کرنے دے گا مجھے یا تمہارے ابا کو۔"

معاذ کی تمام لاپروائی کے باوجود گھر کے تینوں بڑے اس کی طرف سے سخت خوش فہمی کا شکار تھے۔

ربیعہ چپ چاپ ان کے کندھے دباتی رہی۔

"بہت آرام ملا' اب بس۔" انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سامنے بٹھایا۔

"امی! آپ کو لگتا ہے کہ معاذ جاب ڈھونڈ رہا ہے؟ کسی بھی وقت وہ کوئی ایسا ذکر نہیں کرتا' جس سے پتا چلے کہ وہ جاب کے معاملے میں کتنا سیریس ہے۔"

کوئی فائدہ نہیں تھا' پھر بھی وہ کہے بغیر نہیں رہ سکی۔

"ڈھونڈ رہا ہے' لیکن ملے تو سہی' میرا بچہ لاپروا ضرور ہے' لیکن بے حس نہیں ہے' وقت آئے گا تو وہ ہم سب کے لیے بہت کچھ کرے گا۔"

"اظہار صاحب اتنا انتظار نہیں کریں گے' جویا کے ویسے بھی بہت رشتے آتے ہیں۔" اس کی فکرمندی برقرار تھی۔

امی خاموشی سے چائے گھونٹ گھونٹ کرکے پیتی رہیں' ربیعہ منتظر نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتی رہی۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھیں۔

"صرف دادی کے کوشش کرنے سے کیا ہوگا' نہ تو معاذ سنجیدہ ہوتا ہے اور نہ ہی آپ اور ابا ہی اظہار چچا پر کوئی زور ڈالتے ہیں۔" وہ تھوڑا سا پریشر بڑھا رہی تھی' تب ہی ایک گہری سانس لیتے ہوئے انہوں نے ہاتھ میں تھاما ہوا کپ ایک طرف رکھا۔

"سچ بات تو یہ بیٹا! کہ میں اب اس رشتے کے حق میں ہی نہیں ہوں۔ اماں کی خوشی کی وجہ سے مخالفت بھی نہیں کر رہی' لیکن اظہار بھائی اور شاکرہ بھابھی سے تعلق جوڑنا' ایک مستقل درد سر مول لینا ہے۔ دونوں احساس برتری کے نشے میں چور ہیں' اور جہاں عزت نہ ہو' وہاں کسی محبت اور لحاظ کا بھی کیا سوال اٹھتا ہے۔"

"جویا تو بہت اچھی ہے امی۔"

"تم بھی بہت اچھی تھیں۔" انہوں نے بمشکل ہی خود کو یہ کہنے سے روکا۔

"اور پھر معاذ خود بھی تو اسے پسند کرتا ہے۔" ان کی لاتعلقی پر ربیعہ کو مایوسی ہوئی تھی۔

"پسند کرتا ہے تو ان لوگوں کے معیار کے مطابق خود کو ڈھال لے' اس کی خاطر ہم اظہار بھائی کے گھرانے کو برداشت کرنے کی کوشش کرلیں گے۔"

وہ دوبارہ مشین میں لگے کپڑے کی طرف متوجہ ہو رہی تھیں' اور چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔

ربیعہ کو یقین ہو رہا تھا کہ وہ اب اپنی اس دیرینہ خواہش سے دستبردار ہو چکی ہیں۔

"ہم جیسے بھی ہیں' اپنے حالات پر قانع اور شاکر ہیں' انہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ ہمیں حقارت سے دیکھیں۔"

انہیں اس روز کی اپنے گیٹ پر اظہار چچا سے مڈبھیڑ یاد تھی' اور ان کی طنزیہ مسکراہٹ اور دل توڑتے جملے بھی۔

"اس میں جویا کا کیا قصور ہے امی!" ربیعہ کی آواز نیچی تھی۔

"سزا ہمیشہ قصوروار کو نہیں ملتی ہے' کبھی کبھی انسان کو دوسروں کا کیا ہوا بھی بھگتنا پڑ جاتا ہے۔"

"لیکن اگر فرض کریں' اظہار چچا مان گئے' تو پھر تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

کم از کم امید تو رکھی جا سکتی تھی۔

"وہ کبھی نہیں مانیں گے۔"

موٹر کی گھرر گھرر میں ان کی آواز دب رہی تھی۔ ربیعہ چائے کا خالی کپ اٹھا کر باہر چلی آئی۔

سامنے تیز قدموں سے چلتا ہوا معاذ اسی طرف آ رہا تھا۔

"امی کمرے میں ہی ہیں نا؟" ربیعہ سے کنفرم کرتا ہوا' وہ سیدھا اندر چلا گیا' اس کے ہاتھ میں دبے چند بڑے نوٹ اسے دکھائی دے گئے تھے۔

"امی! تھوڑے پیسے دیجیے گا مجھے' آپ کو مل تو گئے ہوں گے' بہت ضروری کام پڑ گیا ہے۔" ربیعہ کو اس کی آواز باہر سنائی دے رہی تھی۔

"یہ اور ان کے ضروری کام۔" وہ کوفت سے بڑبڑائی۔

آج اس نے' خلاف عادت معاذ کو نصیحت کرنے کے لیے یہاں رکنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔ دادی اپنے کمرے میں جیسے اس کی منتظر تھیں۔

"اے ربیعہ! ذرا اظہار کے گھر کا نمبر تو ملا دو بیٹا! اتنے دن ہو گئے' آیا تک نہیں۔"

"نہیں ملی ہوگی فرصت' لوگوں کو بہت کام ہوتے ہیں دادی۔" وہ سخت بے زار ہو رہی تھی۔

"کام تو اتنے ہی ہیں' بس وقت میں سے برکت ختم ہو گئی' ورنہ پہلے بھی یہی چوبیس گھنٹے تھے' کام بھی ہو جاتے تھے' ملنا ملانا بھی اور سکون سے عبادت بھی کر لیتے تھے' اب تو سارا دن بھاگ دوڑ ہے بس۔"

وہ چند لمحے یوں ہی اظہار خیال کیے گئیں۔

ربیعہ کا خیال تھا کہ اسی طرح شاید ان کے ذہن سے فون والی بات اتر جائے' لیکن ایسا نہیں ہوا۔

"تم فون ملا کر دے رہی ہو یا نہیں۔" اس بار وہ خاصی خفا تھیں۔ ربیعہ کو اٹھنا ہی پڑا۔

"کیا بات کریں گی؟"

"خیر خیریت پوچھوں گی' اتنا تعلق تو رہنا ہی چاہیے' کل کو جب خیر سے معاذ کی شادی ہوگی تو.....!"

"یہاں میرے اور آپ کے علاوہ کسی کو فکر نہیں ہے۔ خود معاذ کا رویہ دیکھا ہے' مجال ہے جو ذرا سیریس ہو رہا ہو۔"

وہ بے حد بددل ہو رہی تھی' امی کی ناپسندیدگی کا ذکر جان بوجھ کر نہیں کیا تھا' دادی کو سخت برا لگ جاتا تھا۔

"اظہار حتمی جواب دیں' پھر معاذ کو بتاؤں گی' تم دیکھنا وہ کتنا خوش ہوگا' جویا اسے شروع سے پسند ہے۔"

"کمال ہے' آپ یہ اندازے بھی لگا لیتی ہیں۔" دادی کی بات پر وہ ہنس پڑی۔

"کسی لڑکے لڑکی کی پسند کا اندازہ لگانا کون سا مشکل کام ہے' خود ہی ظاہر ہو جاتا ہے' تم نمبر ملاؤ۔"

ربیعہ نے اس بار بنا مزید کچھ کہے نمبر ڈائل کرکے فون دادی کو تھمایا اور خود باہر والے برآمدے کی سیڑھیوں پر آ بیٹھی۔

سامنے احاطے میں شام پوری طرح اتر چکی تھی۔ فضا میں سبزے کی مہک تھی' اور بیرونی دیوار پوری کی پوری سفید بوگن ویلیا سے "تقریباً" ڈھکتی جا رہی تھی۔

"اور کچھ نہیں تو دیواروں کا اکھڑا ہوا پلستر ہی چھپا رہتا ہے۔" اس نے ان پر نگاہ جماتے ہوئے سوچا۔

گھر میں کتنے ہی کام توجہ طلب تھے۔

رنگ اڑی دیواریں۔

اپنی مدت پوری کرتا ہوا فرنیچر۔

آئے دن خراب ہوا' ریفریجریٹر۔
اور بھی بہت کچھ... صرف وہی تھی جس کا دل گھر کی حالت زار پر کڑھتا تھا۔
باقی لوگ اتنے قانع تھے کہ انہیں ان سب باتوں سے کب فرق پڑنے والا تھا۔
تھوڑا سا احساس ذمہ داری' اگر معاذ ہی میں ہوتا تو بھی صورت حال خاصی بہتر ہوتی' مگر وہ تو خود اپنے لیے بھی کچھ نہ کرنے کی قسم کھائے ہوئے تھا۔
ایک کے بعد ایک' ذہن میں کئی باتیں گڈمڈ ہو رہی تھیں۔
کوئی اچھا وقت کبھی آنا بھی تھا' یا بس لمحہ لمحہ گزرتی زندگی صبر و قناعت کا پہاڑا پڑھتے ہوئے' آخر کار اپنے منطقی انجام تک پہنچ جائے گی۔
کبھی کبھی ساری خوش امیدی یوں ہی ہاتھ چھڑا کر بھاگ لیتی تھی' دادی پیچھے آکھڑی ہوئی تھیں۔
"اتنی جلدی!" اس نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔
"ہاں' وہ اظہار گھر پر نہیں تھا۔"
دادی مختصر سا جواب دیتے ہوئے تھوڑی سی شرمندہ ہوئیں' انہوں نے خود اظہار صاحب کی آواز ریسیور میں سنی تھی' مگر جو شاکرہ کہہ رہی تھیں اسے جھٹلانا بھی ناممکن تھا۔
آپا گل نے پیسوں کے معاملے میں تو حسب توقع' معذرت کرلی تھی۔
لیکن بقول خود' وہ اپنے فرائض سے غافل ہرگز نہیں تھیں' سو پچھلے ایک ہفتے میں وہ جویا کے لیے ایک کے بعد ایک تین رشتے لے کر آئی تھیں' وہ بھی بنا کسی پیشگی اطلاع کے۔
جویا گھر پر ہی ملی اور ہر بار دھرلی گئی۔
گھر آئے اچانک مہمانوں کی خاطر تواضع بھی کرنی پڑی' اور تھوڑی دیر بیٹھ کر ان کے الٹے سیدھے سوالوں کے جواب بھی دینے پڑے۔
ان کا طریقہ کار اب اچھی طرح سمجھ میں آرہا تھا' پہلے سے اطلاع کرتی تھیں تو جویا پہلے ہی مورچہ بند ہو کر بیٹھ جاتی تھی' یا تو کمرے سے ہی نہ نکلتی یا پھر کسی سہیلی یا کام کا بہانا بنا کر زویا کے ساتھ چل پڑتی' لیکن اب ایسا نہیں رہا تھا۔
وہ کتنا بھی جھنجلاتی' کام ان کے حسب منشا ہی ہو جاتا۔
"مجھے تو پورا یقین ہے کہ اسی طرح کسی دن' وہ تمہارے ہاتھ میں سلامی کی رقم بھی پکڑا دیں گی کسی سے' بات پکی کام ختم۔"
زویا بڑے معتبر انداز میں اس کے سامنے بیٹھی پیش گوئی کر رہی تھی۔
"اللہ نہ کرے۔" جویا نے بے حد برا مان کر اس کی طرف دیکھا۔
"ایسا ہی ہوگا' اور سچ پوچھو تو اس میں غلط بھی کیا ہے' بی ایس سی کے بعد' بظاہر تمہاری شادی میں کوئی حرج بھی نہیں ہے' سو ہوتی ہے تو ہو جانے دو۔"
وہ اتنی بے غرضی سے کہہ رہی تھی کہ جویا کو لگا جیسے وہ کسی اور کے بارے میں بات کر رہی ہے۔
"اے' ہیلو!" اس نے اپنا ہاتھ زویا کی آنکھوں کے آگے لہرایا۔
"یہ تم مجھے کہہ رہی ہو؟"
"ظاہر ہے یہاں اور کون ہے۔" اس کا انداز بے نیازی بدستور تھا' "پھر وہ تینوں رشتے بھی ٹھیک ٹھاک ہیں' تو شکر ہے کہ تم ان تینوں کو پسند آگئیں' ورنہ آج کل تو لڑکوں کے گھر والے لڑکوں سے زیادہ نخرے دکھاتے ہیں لڑکی

پسند کرنے میں۔"
یہ جملہ قطعی آپا گل کا تھا، جسے وہ کوٹ کر رہی تھی۔
"شرم کرو زویا! ایک آپا گل کم ہیں میرے لیے، جو تم بھی....." پورا ہفتہ سخت ٹینشن جھیل کر اس کے اعصاب اب تھک چکے تھے۔
زویا کو لگا جیسے اب وہ رونے ہی والی ہے۔
"آپا گل تمہاری دشمن نہیں ہیں، اپنے طور پر جو کر رہی ہیں ٹھیک کر رہی ہیں، گھر کے حالات تیزی سے بدل رہے ہیں اور سلمان بھائی سے کوئی امید نہیں ہے تو کم از کم وہ تمہیں ایک اچھی زندگی دینے کی کوشش تو کر رہی ہیں۔"
وہ بے حد سنجیدہ تھی۔ اور اس کے لہجے میں آپا گل کے لیے کوئی طنز یا خفگی نہیں جھلک رہی تھی۔
"تو اب زویا بھی....." جویا کا سوچ کر ہی دل بیٹھنے لگا۔
"گھر میں اول و آخر ایک ہی حمایتی دستیاب تھا، سو اب وہ بھی ہاتھ سے جاتا محسوس ہو رہا تھا۔
"کسی کو میری فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور میں کسی سے بھی شادی نہیں کروں گی بس۔"

"کسی سے نہیں کرو گی، یا معاذ بھائی کے علاوہ کسی سے نہیں کرو گی۔"
زویا کی نگاہ میں بڑی اجنبی سی چبھن تھی۔
"ٹھیک ہے، یہی سمجھ لو۔" ذرا سا رخ موڑتے ہوئے وہ ہلکے سے بولی۔
"سمجھ لیا۔ اب یہی بات تم معاذ بھائی کو بھی سمجھا دو، تاکہ ان کا پوائنٹ آف ویو بھی پوری طرح کلیر ہو جائے تم پر، یہ انتظار ختم تو ہو آخر۔"
جویا نے بہت حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔
"آج وہ آخر کیسی باتیں کر رہی تھی، جانتے بوجھتے بھی کہ وہ معاذ سے....."
"بہت سی باتیں اب اچھی طرح سمجھ میں آنے لگی ہیں جویا! آپا گل کا طریقہ غلط ہو سکتا ہے، مگر وہ میرا یا تمہارا برا نہیں چاہ سکتیں، جو حالات چل رہے ہیں، ان میں اگر وہ تمہاری شادی کی فکر کر رہی ہیں تو کیا غلط ہے۔"
"میں کچھ نہیں جانتی، لیکن ان سے کہہ دو کہ وہ میری "فکر" نہ کریں۔"
"ٹھیک ہے، پھر اس سے بھی کہو، جس کی فکر میں تم گھل رہی ہو۔ تم معاذ بھائی سے ایک بار بات کیوں نہیں کرتی ہو جویا! اور کچھ نہیں تو یہ کنفیوژن تو دور ہو۔"
جو بات زویا کو بہت دن سے چبھ رہی تھی، آج صاف صاف کہنے سے خود کو نہیں روک پا رہی تھی۔
"میں کیا بات کر سکتی ہوں، میری اس سے کون سی ایسی بے تکلفی ہے۔" اپنے دفاع کے لیے اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔
"تم بات نہیں کر سکتی ہو، اور خود انہیں ساری زندگی خیال نہیں آئے گا، اور جو کبھی یہ نیک کام کرنے چلے تو اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ تم سے ہی کریں گے۔"
جویا کا دل بہت زور سے دھڑکا۔
کیسی عجیب بات کی تھی زویا نے۔
ناقابل یقین۔
ایسا کیسے ممکن تھا بھلا۔

[...] اس سے بات نہیں کرتا، اس کی طرف بطور خاص متوجہ بھی نہیں ہوتا، پھر بھی اپنائیت کا ایک گہرا احساس [...] اپنے اور معاذ کے بیچ ہمیشہ ہی شدت کے ساتھ محسوس ہوا تھا۔
[...] احساس، اس کا یقین تھا۔
[...] تم سے چھوٹی ہوں جویا! لیکن شاید تم سے زیادہ سمجھ دار۔" زویا اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھی۔ "معاذ [...] اچھے ہیں۔ یقیناً" لیکن کوئی ایک بات بھی کبھی ان کی طرف سے ایسی نہیں ہوئی، جو اس بات کا احساس [...] نہیں بھی تمہاری پروا ہے، یہی دیکھ لو کہ اب تک وہ ایک ڈھنگ کی نوکری بھی نہیں ڈھونڈ پائے۔"
[...] لہجہ اب بہت نرم ہو رہا تھا۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ جویا کو تکلیف پہنچانے کا سبب بن رہی ہے۔
[...] نوکری ڈھونڈ رہا ہے زویا! لیکن اس کی قسمت میں شاید جدوجہد زیادہ لکھی گئی ہے۔"
[...] قسمت پر الزام رکھ دینا سب سے آسان راہ فرار ہے۔" وہ شاید معاذ کے لیے ہر رعایت ختم کر چکی تھی۔
[...] آنکھوں سے دنیا کو دیکھو، صرف خواب دیکھنے سے کام نہیں چلتا، تعبیر پانے کے لیے کوشش بھی ضروری ہے [...] بھی ہوتا ہے کہ خواب کوئی دیکھتا ہے اور تعبیر کسی اور کے حصے میں آ جاتی ہے۔"
"[...] خدا کے لیے زویا!" اس بار جویا نے اس کے آگے بے ساختہ ہی ہاتھ جوڑ دیے "ایسی باتیں تو منہ سے [...]"

[...] نیچے زور زور سے سلمان کے بولنے کی آواز پر وہ دونوں ایک ساتھ ہی چونکی تھیں۔
[...] خیر تو ہے، آج یہ کیسے راستہ بھول گئے۔" زویا پہلے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔
[...] لیکن تم جتنی جلد ممکن ہو سکے، معاذ بھائی کے ارادے جاننے کی کوشش کرو، یہی تمہارے لیے بہتر [...] اس نے سیڑھیاں اترنے سے پہلے، ایک بار پھر مڑ کر یاد دہانی کروائی، اور پھر تیزی سے نیچے چلی گئی۔
[...] بات کرے وہ معاذ سے؟" ایک بڑا سا سوالیہ نشان اس کے آگے آ کھڑا ہوا۔
[...] کہ وہ کب اسے اس قابل سمجھے گا کہ اپنی نظر کرم سے نوازے گا دھت۔"
[...] بھی بڑا توہین آمیز سا تھا۔
[...] حالانکہ اس نے اپنی فیلنگ کو بہت چھپا کر بھی نہیں رکھا ہوا تھا، پھر بھی اس طرح براہ راست پوچھنا اس نے [...] نفی میں سر ہلایا۔
[...] یہ کام اس کے بس کا نہیں تھا، لیکن جو کچھ نتائج زویا ابھی ابھی اخذ کر کے گئی تھی۔ اگر سچ ثابت ہوتے تو پھر [...] ہونے کا کون سا جواز باقی رہ جاتا تھا۔
[...] گم صم سی سوچے گئی۔ نیچے سے آتی آوازوں میں شدت آ رہی تھی۔
[...] سلمان بھی کبھی آتا تھا، اور جب بھی آتا، ایک لمبی بحث ضرور ہی بھگتا کر جاتا تھا۔
[...] سوالات اور جوابات کا ایک لاحاصل سلسلہ شروع ہوتا۔ اور پھر کئی دن کی خاموشی چھا جاتی، فی الحال لون کی قسط [...] کے کڑے بیچ کر ادا کی جا چکی تھی لیکن اب تک سب ہی جان چکے تھے کہ وہ اپنی کوئی ذمہ داری نہیں [...] غیر ذمہ داری، ناخلفی۔
[...] سب ہی والدین اولاد پر خرچ کرتے ہیں، آپ نے کون سا احسان کیا ہے، جو بار بار مجھے خرچ گنوانے کھڑی [...] ہیں۔" نیچے سے اس کی آواز یہاں تک سنائی دے رہی تھی۔
[...] اور وقت ہوتا تو وہ شاید اب تک اٹھ کر نیچے جا بھی چکی ہوتی، مگر زویا کے بخشے ہوئے خدشات دل پر بھاری [...] طرح دھرے تھے۔
[...] چاہے یا نہ چاہے لیکن وقت آ گیا تھا کہ معاذ کے ارادوں کے بارے میں جان ہی لیا جائے۔ جویا نے بے چینی

کے ساتھ پہلو بدلا۔

☆ ☆ ☆

کیمبرج اسکول کے احاطے میں بڑی رونق تھی۔ سارا دن دل بھر کر چھڑکاؤ کیا گیا تھا۔ سو فضا میں مٹی کی دل فریب خوشبو بس رہی تھی' ترتیب سے رکھی کرسیاں اور چھوٹا سا خوب صورتی کے ساتھ سجایا ہوا اسٹیج ساری محنت ان ہی بچوں کی تھی جنہوں نے یہاں سے ابتدائی اور لکھنا پڑھنا سیکھ کر آج فارغ ہو چکے تھے۔

ان تھک محنت میں گزرنے والے شب و روز میں سے کچھ وقت نکال کر انہوں نے بڑی ہمت سے یہ کام مکمل کیا تھا۔ وہ سب آج بھی وہی کام کر رہے تھے' جو پہلے کر رہے تھے' ٹریفک سگنلز کے درمیان بھاگ کر اخبار اور پھول بیچنا' گیراج اور ورکشاپ میں کام کرنا' دکانوں' پارکنٹوں میں صفائی کرنا اور اسی نوعیت کے دوسرے کام۔

مگر ایک خاموش سی تبدیلی' اپنا جادو جگانے لگی تھی۔

''ان بچوں کے چہروں پر فخر و اعتماد دیکھ رہے ہو ریحان؟ یاد ہے جب پہلے روز یہ لوگ آئے تھے تو کتنے گھبرا رہے تھے۔ انہیں بولنے پر مجبور کرنا پڑ رہا تھا' اپنے بارے میں بات کرنے سے بھی گھبراتے تھے' اور آج دیکھو۔''

معاذ نے اپنے قریب کھڑے ریحان سے کہا تو وہ بھی ہلکے سے ہنس پڑا۔

''شکر ہے' ایک چھوٹا سا کام ہم نے بخیر و خوبی انجام دیا' اب کم از کم یہ لوگ آئندہ زندگی میں اپنے بارے میں بہتر طور پر سوچنے کے قابل تو ہوں گے' کچھ تو بہت سنجیدگی سے' آگے پرائمری تعلیم مکمل کرنے میں دلچسپی لے رہے ہیں۔'' وہ سب بے حد خوش تھے۔

اپنے مختصر سے دائرہ کار میں انہوں نے آخر کچھ تو کر دکھایا ہی تھا۔

آگے امید کی لو اور بھی تیز ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔

''اب دیکھو خدا کرے کچھ بات بن جائے۔ زرتاج بیگم چاہیں تو ان بچوں کو خاصی مدد دے سکتی ہیں۔ تعلیم کے حوالے سے آج کل بڑی سرگرم ہیں۔''

ریحان کی خواہش پر آج زرتاج بیگم کو مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کیا گیا تھا' اسے یقین تھا کہ شہرت کے شوق میں' وہ کچھ نہ کچھ ضرور ہی کر دیں گی۔ معاذ تھوڑا سا خائف تھا۔

گو ٹھ جمالی والے اسکول سے جڑی داستانیں' ابا کی وجہ سے اس کے زیادہ علم میں رہی تھیں' مگر زرتاج بیگم کے پبلسٹی والے شوق سے بھی اچھی طرح واقف تھا' سو اگر اسی بہانے ان کے ہاتھ سے کوئی بھلا کام ہو سکتا تھا تو اس سے اچھی بات کیا تھی۔

''ابھی تک آئی نہیں ہیں' گھر سے تو کب کی نکل چکی ہیں۔'' ریحان گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''ہاں میرا خیال ہے کہ بس۔'' اپنی بات ادھوری چھوڑ کر وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

''ساجد!'' کرسیوں کی لائن کے سب سے آخری سرے کے پاس کھڑے ساجد کو اس نے بڑی محبت سے گلے لگایا۔ ''مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ تم آ گئے' اتنے عرصے میں ایک بار ملنے تک نہیں آئے' ہم سب کتنا انتظار کرتے رہے۔''

ساجد کے ہونٹوں پر ہلکی سی کپکپاہٹ ابھری۔

بھلا وہ کیسے معاذ بھائی کو بتاتے کہ اگر وہ یہاں آتا تو اس کے ابا کے جنگلی دوست' معاذ بھائی کو اور کتنا نقصان پہنچا سکتے تھے۔

دل ہی دل میں اس نے اپنے ابا کی دھمکیوں کو یاد کیا اور تھوڑا سا اور سہم گیا۔

...م نہیں اس وقت بھی اس نے یہاں آ کر کوئی غلطی تو نہیں کی تھی' ایسی غلطی جو معاذ کو بھائی کو نقصان پہنچا ...

...او نہیں' کچھ نہیں ہوتا' مجھے خوشی ہے کہ تمہیں میرا پیغام مل گیا تھا۔'' معاذ اس کی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔ ...زری باجی نے چپکے سے بتا دیا تھا کہ آپ یہاں آئے تھے۔''

...کو وہ سیدھی سادی سی لڑکی یاد آئی' جس کا نام بھی اسے ابھی ابھی پتا چلا تھا۔

...ری طرف سے ان کا شکریہ ادا کر دینا۔ چلو اب اپنے دوستوں سے مل لو' اور یاد رکھنا اس بار تمہیں بھی ان ...ہونا ہے۔''

...ے بچے' ساجد کو دیکھ کر اس کے گرد جمع ہو رہے تھے' معاذ انہیں وہیں چھوڑ کر آگے کی طرف آیا جہاں ...ند دوستوں کے ساتھ زرتاج بیگم کا منتظر تھا۔

...اجد کو تم نہ بلاتے تو اچھا ہوتا' ایک تو ویسے بھی اس کا احساس محرومی بڑھے گا اور پھر اس کے پیچھے بڑے ...لوگ ہیں۔'' ریحان فکر مندی سے کہہ رہا تھا' اسے معاذ کا ہفتوں ہسپتال میں پڑے رہنا بالکل بھی نہیں ...تھا۔

...میں اسے احساس دلانا چاہتا تھا کہ ہم اب بھی اس کے ساتھ ہیں۔ اور دیکھنا کبھی نہ کبھی وہ بھی ہمارے ساتھ ...

...ے نہیں لگتا۔'' ریحان کی نگاہیں دور سے بھی ساجد پر ہی جمی رہی تھیں۔ ''ویسے یہ لڑکا کچھ زیادہ ہی کمزور ...گیا ہے معاذ! یا پھر مجھے ہی لگ رہا ہے۔''

...ں ان بچوں میں کون تندرست ہے یار! تھوڑے سے پیسوں کے لیے بارہ چودہ گھنٹے پلوشن زدہ ماحول میں ...تے ہیں' صحت تو خراب ہونی ہی ہے۔''

...منے زرتاج بیگم کی گاڑی آ کر رک رہی تھی' وہ دونوں ہی اس طرف متوجہ ہو چکے تھے' استقبال کے لیے ...ے ہونے والے بچوں نے جھٹ پٹ اپنی لائن بنائی' اور جن کے ذمہ اسٹیج کو سنبھالنا تھا' وہ دوڑتے ہوئے ادھر ...گئے۔

...ب کچھ کسی سیٹ کی طرح تیار تھا۔

...رف ساجد ہی تھا جو اکیلا اپنی جگہ کھڑا رہ گیا تھا۔ تب ہی معاذ نے آواز دے کر اسے استقبالیہ میں کھڑے بچوں ...ساتھ آ کر کھڑا ہونے کو کہا تو وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان کے ساتھ آملا۔

...زرتاج سب کے ساتھ ملتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھیں۔ وہ ان کے نام و مقام سے واقف نہیں تھا' پھر بھی یہ ...ں کے لیے بھی دلچسپی کا سبب بن رہا تھا۔

...محویت سے اس شان دار عورت کو تک رہا تھا۔ تب ہی زرتاج کے عقب میں نظر آتے چہرے پر اس کی ...لی۔

...ذ بھائی!'' اس کی آواز اتنی اونچی تھی کہ سب نے بخوبی سنی تھی۔

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

دلِ گوشۂ شب

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اُٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گمتی آرکی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا لوٹ جانے کا دُکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو ذاتی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دُعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دُھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز اسعید اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے' جو عرصۂ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے' جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں حالات کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی جوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ حرف بالو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سیکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور الطاف کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے' جس پر وہ خاصا جزبز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال' نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

17
سترہویں قسط

"گڈو بھائی! میں ساجد' بتول باجی کا بیٹا!" کسی کی بھی پروا کیے بغیر وہ اب باقاعدہ ہاتھ ہلا کر اسے اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا۔

معاذ بالکل اس کے قریب تھا اور نبیل کا اڑتا ہوا رنگ اس نے صاف محسوس کیا۔

استقبالیہ پروگرام میں تھوڑی سی بدنظمی ہوئی تھی' پھول نچھاور کرنے والے بچے' ان لوگوں کے آگے بڑھنے کے منتظر تھے' پر زرتاج وہیں رکی کھڑی تھیں۔

"اے! ادھر آؤ!"

وہ اشارے سے ساجد کو قریب بلا رہی تھیں۔

"میں؟" وہ زرتاج کے متوجہ ہونے سے جھجک کر تھوڑا سا پیچھے ہونا چاہ رہا تھا لیکن ساتھ کھڑے بچوں نے اسے جلدی سے دھکیل کر آگے کر دیا۔

ان سب کے لیے یہ ایک بڑی دلچسپی کی بات تھی کہ آنے والی مہمان خصوصی ساجد کو اپنے پاس بلا رہی ہیں۔

"آجاؤ بیٹا! گھبرانے کی کیا بات ہے!" معاذ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے نرمی سے اپنے قریب کیا۔

"کیوں چلا رہے تھے اتنی زور سے' کس سے ملنا چاہ رہے تھے!"

زرتاج کے لہجے میں وہی سختی تھی' جو اس کی فطرت کی دین تھی۔

ساجد سہم سا گیا۔

معاذ کا کندھے پر رکھا ہوا ہاتھ بڑی سپورٹ سہی پھر بھی زرتاج کے کروفر کے سامنے کھڑے ہونا اس کے لیے خاصا دشوار ہو رہا تھا۔

"بولو ساجد! شرماتے نہیں ہیں' کیا پوچھ رہی ہیں آنٹی!"

معاذ کی نگاہ بار بار قریب کھڑے نبیل کی طرف اٹھ رہی تھی' جواب تک ڈارک گلاسز لگا کر' خود کو خاصا نارمل کر چکا تھا۔

"میں تو گڈو بھائی کو آواز دے رہا تھا یہ جو آپ کے ساتھ آئے ہیں۔"

ساجد کے ہاتھ کا اشارہ سیدھا نبیل کی طرف تھا۔

"کون گڈو بھائی؟ دماغ تو نہیں خراب اس لڑکے کا' میں نے تو اس کی شکل بھی نہیں دیکھی کبھی۔" نبیل نے اسے بہت بری طرح جھڑکا۔

آس پاس کھڑے چند اور لوگوں کو بھی یقیناً" برا لگا تھا لیکن ساجد صرف حیرت زدہ تھا۔

"میں ساجد ہوں گڈو بھائی! آپ کے برابر والی بتول باجی کا بیٹا۔ تین چار سال پہلے آپ کہاں چلے گئے تھے۔ میں نواب بھائی کے ساتھ دور دور تک ڈھونڈنے گیا تھا آپ کو۔"

"جسٹ شٹ اپ!" نبیل حلق کے بل چلایا۔

"کیا بکواس ہے یہ سب' مجھے نہیں پتا تھا کہ یہاں ذہنی معذور بچے رکھے ہوئے ہیں' جو دوسروں کو پریشان کرتے ہیں اپنے پاگل پن سے کیا پڑھتے لکھتے ہوں گے یہ سب' بے کار کا ڈرامہ!"

ماحول لمحوں میں مکدر ہو کر رہ گیا تھا۔

بچوں کے چہرے' جو ابھی فخر اور خوشی سے دمک رہے تھے اس دل توڑتی چیخ پکار نے مدھم کر دیے تھے۔

معاذ نے بڑی مشکل سے چند منٹ نبیل کے چپ ہونے کا انتظار کیا' مگر اس کی بے ہودہ گوئی بچوں پر بری طرح اثر انداز ہو رہی تھی۔

"ایکسکیوز می سر!"

"ہو سکتا ہے اس بچے کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہو' لیکن آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ آپ ان بچوں کی بے عزتی کریں یہ بہت بہادر اور سمجھ دار بچے ہیں۔ حلال روزی کماتے ہیں اور مجھ سے یا آپ سے زیادہ محنت کرتے ہیں۔"

معاذ کی جذباتیت ڈھکی چھپی نہیں تھی اور کسی کسی وقت تو وہ سارا لحاظ اٹھا رکھتا تھا' نبیل نے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا۔

"چلو زرتاج! یہاں رکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم بے کار وقت ضائع کر رہے ہیں۔"

وہ اب تک خاموش کھڑی زرتاج کی طرف مڑا تو میزبانوں کی طرف سے ملا جلا سا شور اٹھا۔

"ارے ایسا مت کریں' بچے کی طرف سے ہم معافی مانگتے ہیں۔ یہ تو بس ایسے ہی۔۔۔"

"آپ ہی مہربانی کریں۔ پلیز میڈم۔۔۔!"

ریحان' شہزاد اور دوسرے سارے ساتھی' اس چھوٹے سے پروگرام کو خراب ہونے سے بچانا چاہتے تھے صرف معاذ تھا جو ابھی اندر ہی اندر کھول رہا تھا۔

اس کی سنہری آنکھوں میں دبا دبا سا غصہ تھا اور چہرے پر بڑی واضح تپش۔

"کہاں دیکھا تھا بھلا میں نے اسے ؟" زرتاج نے ذہن پر زور ڈالنا چاہا مگر یاد ہی نہیں آیا۔
"تم چل رہی ہو یا میں...؟" نبیل تحکم بھرے انداز میں زرتاج سے ایک بار پھر پوچھ رہا تھا۔
"تم چل کر گاڑی میں بیٹھو میں ان سب کا دل نہیں توڑ سکتی۔" انہوں نے کھڑے کھڑے فیصلہ کرلیا تھا۔
بے ساختہ بجنے والی تالیوں کا شور سا اٹھا اور زرتاج مسکراتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔
مارے حیرت کے وہ چند لمحوں کے لیے تو جیسے گڑ ہی گیا تھا زمین میں۔
اتنے سارے لوگوں کے سامنے' زرتاج اس کے ساتھ اس طرح پیش آئے گی۔ وہ جو اس کی نازبرداری میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی تھی۔
اپنے محل جیسے گھر کے سفید و سیاہ کا مالک بنا رکھا تھا جب اور جس طرح چاہے وہ بے دریغ اس کا پیسہ اڑا رہا تھا۔
زندگی کی کایا پلٹ پر اب وہ اتنا پُر اعتماد ہو چکا تھا کہ خود کو زرتاج کی زندگی کا حرفِ آخر سمجھ بیٹھا تھا۔
پیچھے سے آتے لوگوں میں سے کسی کا دھکا لگا تو وہ اس گم صم سی کیفیت سے باہر آیا۔ یہاں کھڑے سب ہی لوگ آگے کی طرف جارہے تھے۔ جہاں اسٹیج پر اب تک بیگم زرتاج کرسی صدارت سنبھال چکی تھیں۔
بنا ان طرف ایک بھی نگاہ ڈالے' وہ تیز قدموں سے پیچھے ہٹتا چلا گیا۔
اس کی گاڑی گیراج کے احاطے کے باہر تھی' اور اپنے دل کی بڑھتی ہوئی دھڑکن اسے خود بھی محسوس ہو رہی تھی۔
شرمندگی' غصہ اور ان سے بھی بڑھتا ہوا خوف' سب ہی کچھ گھل مل رہا تھا۔
اتنی ہوشیاری' اتنی پلاننگ کے باوجود' وہ کیوں بھول رہا تھا بار بار کہ یہ دنیا بہت چھوٹی ہے۔
"پہلے سعیدہ اور اب یہ... یہ ساجدہ!" سامنے لڑھکتی ہوئی ایک خالی پلاسٹک کی بوتل کو ٹھوکر سے اڑایا۔
"جسے دیکھو منہ اٹھائے سیدھا میری طرف ہی چلا آرہا ہے' آخر کہیں اور کیوں نہیں مرتے یہ سارے جاکر۔"
ماضی' ذات کا وہ حصہ تھا' جو گلا سڑا ہونے کے باوجود' کاٹ کر پھینک دینا اس کے بس سے باہر تھا۔ لیکن وہ اسے چھپائے رکھنا چاہتا تھا' ہر قیمت پر۔
"اور اس کے لیے میں سب کچھ کروں گا' جو بھی ضروری ہوگا۔"
اس کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست تھے اور ماتھے پر گہری شکن!
اندر پروگرام باقاعدہ شروع ہو چکا تھا۔ کورس ختم کرنے والے بچوں میں انعامات کا سلسلہ جاری تھا' مگر ابھی ہونے والی بدمزگی کا اثر اندر ہی اندر سب پر تھا۔
"یہ لڑکا جب بھی آتا ہے' کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور کھڑی ہوتی ہے' پہلے تم مرتے مرتے بچے اور اب آج بھی بے کار کا جھگڑا کھڑا ہوا۔" ریحان' معاذ کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھا تھا اور دھیمی آواز میں مستقل ہی اس کی خبر لے رہا تھا۔
معاذ نے اب تک اس کی کسی ایک بات کا بھی جواب نہیں دیا تھا۔
اس کی ساری توجہ زرتاج کی طرف تھی۔ بظاہر وہ پوری دل چسپی سے بچوں کے پیش کردہ نغمات سن رہی تھیں' لیکن اس کی نگاہ بار بار ساجد کی طرف ہی اٹھ رہی تھی' جو تیسری لائن میں بالکل سہما ہوا بیٹھا تھا۔
کچھ تو تھا' جو غلط تھا۔
معاذ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔
وہ زرتاج کی شہرت سے بھی واقف تھا اور ان کی گزشتہ شادیوں سے بھی۔ ان کے متعلق ہمیشہ ہی کسی نہ کسی

حوالے سے کوئی بات سنائی دیتی رہتی تھی' لیکن اس کے ساتھ ہی وہ شہر کے مخیر ترین لوگوں میں شمار ہوتی تھیں۔
"کئی ادارے ان کی سرپرستی میں چل رہے تھے اور ان کے گھر پر ضرورت مندوں کا ہجوم رہتا تھا۔" معاذ کو یہ عورت ہمیشہ ہی پراسرار محسوس ہوتی تھی اور ساجد جیسے حالات کے شکار بچے کے لیے ضروری تھا کہ وہ اس عورت سے فاصلے پر رہے۔
کچھ سوچ کر وہ اپنی جگہ سے اٹھنے ہی لگا۔ تھا تب ہی اس نے زرتاج کو اپنی کرسی سے اٹھ کر مائیک کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا۔
ابھی کافی وقت باقی تھا' لیکن وہ شاید یہاں سے جلدی رخصت ہونا چاہ رہی تھیں۔
ریحان' شہزاد اور خود معاذ کو بھی اب کم ہی امید رہ گئی تھی کہ وہ ان کے لیے کسی خاص ڈونیشن کا اعلان کریں گی۔

"کم از کم ایک بار معذرت ہی کرلیتے تم' اتنی بدتمیزی سے تم نے بیگم زرتاج کے شوہر سے بات کی۔ کبھی کبھی تم بالکل بے وقوفی کا مظاہرہ کرتے ہو۔"
"میں نے جو کہا ٹھیک کہا اور اگر تم لوگ مداخلت نہ کرتے تو میں اس آدمی کا دماغ ٹھیک کردیتا' معلوم نہیں کیا سمجھ رہا ہے خود کو۔" بے نیازی کے ساتھ کہتے ہوئے' وہ اسٹیج سے اتر گیا۔
ریحان نے اسے روکنا چاہا' مگر اس صورتِ حال میں وہ اس کے پیچھے بھی نہیں جا سکتا تھا۔
"خیر ہے' بعد میں منالوں گا۔" اسے یہی لگا تھا جیسے معاذ ناراض ہو گیا ہے۔
"ساجد!" معاذ سیدھا اسی کے پاس آیا تھا۔ "ادھر آؤ میرے ساتھ اس طرف۔"
وہ اسے لے کر گیراج کے دوسرے حصے کی طرف آیا' جہاں ٹھیک ہونے والی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ زرتاج کی تقریر یہاں تک سنائی دے رہی تھی۔
"اچھی طرح' آرام سے سوچ کر بتاؤ' کیا واقعی اس آدمی کو تم جانتے ہو؟"
اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے' معاذ نے پوچھا تو ساجد نے فوراً ہی اثبات میں سر ہلا دیا۔
"یہ ہمارے برابر میں رہتے تھے معاذ بھائی! اسی گھر میں' جہاں مجھے آنے کا کہہ کر گئے تھے زری باجی سے' ان ہی کے تو بھائی ہیں۔"
"ہوں!"
"گھر سے بھاگ گئے تھے' دو تین سال پہلے۔ ویسے گھر پر رہتے بھی تو کون سا کام کے تھے' اماں تو کہتی ہیں کہ آوارہ تھا' اچھا ہوا بھاگ گیا۔" اس نے اپنی ماں کا ہی لہجہ اختیار کیا۔
معاذ کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔
"اچھا بس' اب بالکل بھول جاؤ اس بات کو' نہ ہی وہاں گھر پر ذکر کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی دوبارہ کبھی سامنا ہونے پر کچھ کہنا ہے۔" ٹھہر ٹھہر کر اپنی بات کرتے ہوئے وہ پل بھر کے لیے رکا۔
ساجد بنا پلک جھپکے معاذ کے چہرے کو تک رہا تھا۔
"یہ بڑے لوگ ہیں بیٹا! ہم سے بہت مختلف' جہاں تک ممکن ہو ان سے دور رہو' اب اگر تم سے یہ بیگم صاحب کچھ بھی پوچھنا چاہیں تو کہہ دینا کہ مجھے غلط فہمی ہوئی تھی' سمجھ گئے۔ کوئی ضرورت نہیں یہ بات کسی سے بھی کہنے کی کہ اس شخص کو تم ذرا سا بھی جانتے ہو۔"
"نہیں کہوں گا کسی سے بھی' آپ اپنا خیال رکھیے گا۔" وہ اور کچھ سمجھا یا نہیں' لیکن یہ ضرور سمجھ رہا تھا کہ جو

کچھ بھی معاذ بھائی نے کہا ہے صرف اس کے بھلے کے لیے کہا ہے۔
وہ معاذ بھائی جو اس کی خاطر مرتے مرتے بچے تھے اور ساری دنیا میں اپنی اماں کے بعد اسے وہی اچھے لگتے تھے۔
"چلو آؤ' تمہارے لیے کچھ تحفے ہیں بہت اچھے سے۔"
"واقعی!" ساجد کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔
"لیکن میں نے تو کورس بھی مکمل نہیں کیا دوسرے بچوں کی طرح۔"
"اس دفعہ نہ سہی' اگلی بار سہی یا پھر اس سے اگلی بار۔"
"اس طرح تو بہت وقت ضائع ہو جائے گا معاذ بھائی!"
"نہیں' اتنا بھی نہیں' مجھے یقین ہے کہ تمہارے ابا ایک نہ ایک دن خود تمہیں لے کر میرے پاس آئیں گے۔ انہیں اپنی غلطی کا بہت جلد احساس ہو گا۔"
وہ دونوں واپس اسی طرف آ رہے تھے' جہاں سے تالیوں کا شور بار بار ابھر رہا تھا۔
"ابا نہیں لائیں گے کبھی بھی مجھے' یہ آپ لکھ کر رکھ لیں۔ آخر اتنے سارے پیسے کما کر دے رہا ہوں انہیں' وہ اپنا نقصان تھوڑی کریں گے۔"
مایوسی کے ساتھ ساتھ فخر کا بھی عجیب تال میل تھا اس کے لہجے میں۔
معاذ مسکرانے لگا۔
"اچھا' اتنے پیسے مل جاتے ہیں یہ ٹافی چھالیہ بیچنے میں؟ کچھ عرصے اگر اور نوکری نہیں ملتی تو پھر میں بھی تمہارے ساتھ ہی لگ جاتا ہوں' کیا خیال ہے؟" اس بار ساجد بہت کھل کر ہنسا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ہا!" ایک گہری سانس بھرتے ہوئے' وہ جویا کے قریب ہی بیڈ پر آ کر بیٹھی تھی "جان بچی سو لاکھوں پائے۔"
"کہاوت سناؤ تو پوری' تاکہ تمہاری اپنی حیثیت بھی واضح ہو جائے۔"
جویا کی نگاہ اب بھی ہاتھ میں تھامے ڈائجسٹ پر ہی تھی۔
"نہ تو میں بدھو ہوں اور نہ گھر کا راستہ بھولی ہوں۔ یہ صفات تمہیں ہی مبارک ہوں' یہاں تو اللہ کا شکر ہے' آنکھیں کھول کر ہی جی رہے ہیں۔"
تکیہ سر کے نیچے رکھتے ہوئے وہ آڑی ترچھی نیم دراز ہوئی۔
طنز اور تقریر کے سارے سلسلے ایک ہی موضوع سے جا کر ملتے تھے۔
آج وہ میڈیکل کالج کے انٹری ٹیسٹ سے بھی فارغ ہو چکی تھی' سو زبان زیادہ ہی چل رہی تھی۔
وہی ایک لاحاصل سی بحث! اور اس کے پاس اپنے دفاع میں کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں۔
"کوئی بہت اچھی کہانی ہے۔" اس کا انہماک دیکھ کر پوچھنا ہی پڑا۔
"ہوں!"
"جھوٹ!" اس بار اس نے تردید بھی ضروری نہیں سمجھی۔
"اتنی دیر سے ایک ہی جگہ نگاہیں جمائے بیٹھی ہو' صفحہ تک نہیں پلٹا ہے۔"
زویا نے رسالہ اس کے ہاتھ سے لے کر ایک طرف رکھا۔
"زویا! پلیز پڑھنے دو۔" ویسے بھی اب فارغ ہو چکی تھی سو جویا کو پوری امید تھی کہ آج روز سے زیادہ' معاذ کی

بے جسی اور آپا گل کی کارکردگی کا ذکر چھیڑے رکھے گی۔
مگر خلافِ توقع زویا دوسرے موڈ میں تھی۔
"چلو بازار چلتے ہیں' بہت دن سے اپنی پسند کی شاپنگ نہیں کی۔"
"کیا؟" جویا کو اس کی بات بے تکی سی لگی "امی کہاں دیں گی پیسے' گھر کے حالات ویسے ہی ٹھیک نہیں چل رہے۔"
"تم فکر مت کرو' ابو کوئی نہ کوئی حل نکال لیں گے' انہیں پیسہ کمانا آتا ہے۔"
اس کا لہجہ سادہ تھا' مگر بات میں گہرا طنز۔ جویا کی نظر خود بخود جھک گئی۔
"کچھ پتا نہیں' اس بار تو پہلی بار امی کو اپنے کپڑے تک بیچنے پڑ گئے ہیں' بیمار ہو رہی ہیں وہ اس غم میں۔"
"ہاں تو عجیب کیا ہے' ہمارے ہاں پیسے کا ہی غم کرنے کا رواج ہے' سلمان بھائی کے گھر چھوڑنے سے زیادہ اس بات کا دکھ ہے کہ زوبیہ بھابھی اپنے شان دار گھر میں' ہمیں بھی کیوں نہیں لے کر گئیں' چاہے وہ وہاں' ہمیں جوتے کی نوک پر رکھتیں۔"
"خیر یہ کام تو وہ یہاں بھی کر رہی تھیں۔" جویا کو پل بھر میں کیا کیا یاد آیا تھا۔
زویا لاپروائی سے سر جھٹک کر وارڈ روب کھول کر کھڑی ہو گئی۔
"آپا گل سنیں گی تو پھر خفا ہوں گی۔ ان کے بغیر جاؤ تو انہیں ہمیشہ برا لگتا ہے۔"
جویا نے اسے روکنے کی آخری کوشش کی' لیکن ناکام۔
"تم تیار ہو جاؤ' میں امی سے ابھی پرمیشن لیتی ہوں اور تھوڑے پیسے بھی۔" وہ کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔
جویا کو پتا تھا۔ اب جانا ہی پڑے گا دل چاہے یا نہ چاہے۔
شاپنگ سینٹر کی رونقیں ویسی ہی تھیں۔ دکانیں سامان اور گاہکوں سے اٹی ہوئی۔
"کہیں کہیں تو یہ شبہ ہوتا ہے جیسے کپڑا مفت بٹ رہا ہے' جو اس طرح رش لگا ہوا ہے۔"
اوپر نیچے کے تمام فلورز پر چکر لگا کر بھی زویا فریش تھی۔
تھوڑی تھوڑی کرتے ہوئے بھی خاصی شاپنگ کر ڈالی تھی۔
اس کی چیزیں ہمیشہ ہی بڑی خواری کے بعد خریدی جاتی تھیں' سب سے زیادہ وقت' شوز اور آرٹیفیشل جیولری پر لگتا۔
پڑھائی کی ٹینشن سے نکل کر آج وہ بہت موڈ میں تھی۔
جویا نے شکر ادا کیا کہ آج اتنی ساری باتوں میں ایک بار بھی معاذ کا ذکر نہیں آیا تھا' لیکن ٹھیک اس وقت جب وہ دونوں بہت اطمینان سے ملحقہ ریسٹورنٹ میں داخل ہو رہی تھیں' تو وہ سامنے ہی کھڑا تھا' اور ناممکن تھا کہ بیک وقت وہ لوگ ایک دوسرے کو نہیں دیکھ پاتے۔
"معاذ بھائی!" حالانکہ اس کے ساتھ' دو لڑکے اور بھی کھڑے تھے پھر بھی وہ زویا کو اسے پکارنے سے نہ روک سکی۔
"کیا طریقہ ہے' سارے لوگ ہماری طرف ہی دیکھنے لگے تھے۔"
قدرے فاصلے پر خالی ٹیبل دکھائی دی' سو وہ دونوں اسی طرف چلی آئیں۔
"دیکھنے دو' ویسے تمہارا آنا تو وصول ہو گیا' شکریہ ادا کرو میرا۔" زویا نے مسکراتے ہوئے اس چہرے کے بدلے

ہوئے رنگ کو دیکھا۔
"بکواس نہیں کرو۔"
"ویسے سچ بتاؤ کوئی منت ونت مان کر نکلی تھیں گھر سے میں بھی وہی مان لوں اپنے میڈیکل میں ایڈمیشن کے لیے۔"
مصنوعی سی رازداری اختیار کرتے ہوئے وہ جویا کی طرف جھکی۔ تو اس بار وہ بے ساختہ ہی ہنستی چلی گئی۔
وہ کنفیوز ہو رہی تھی۔ ہاتھ بھی ٹھنڈے پڑ رہے تھے مگر پھر بھی اسے اچانک یہاں دیکھنا دل سے جڑی سب سے بڑی خوشی تھی۔
اور دیکھا بھی کتنے مہینے بعد۔
وہ کالج کبھی کبھار ربیعہ کو لینے آتا تھا تو نظر بھی آجاتا تھا قسمت زیادہ ساتھ دیتی تو ایک آدھ بات بھی ہو جاتی۔
چاہے طنزیہ ہی سہی امید کا کوئی سرا تو خیر وہ کبھی تھماتا ہی نہیں تھا پھر بھی پھر بھی...
زویا سے نظر بچا کر اس نے اسی سمت دیکھا۔ وہ اب بھی وہیں کھڑا تھا۔
وہی گھسی پٹی جینز اور شرٹ اور شان بے نیازی۔
"لیکن کون تھا جو اس سارے ہال میں اس جیسا ہے!"
دل نے بڑے مان سے دعوا کیا۔ وہ تو ایک بار انہیں ہاتھ ہلا دینے کے بعد شاید بھول بھی چکا تھا کہ جویا بھی یہیں کہیں ہے لیکن اسے ذرا بھی برا نہیں لگا۔
وہ معاذ کی بے نیازی کی ہمیشہ سے عادی تھی بلکہ اگر اس وقت معاذ اسے دیکھ رہا ہوتا تو وہ حیرت سے بے ہوش تو ہو ہی جاتی۔
"میں کچھ کھانے پینے کے لیے لاتی ہوں تم آرام سے معاذ بھائی کو دیکھتی رہو۔ خود انہیں تو توفیق ہوگی نہیں کہ وہ ایک نظر کرم بھی ادھر کریں۔" زویا کہتے ہوئے اٹھی۔
جویا کے چہرے پر پھیلی شرمندگی اسے بھی تکلیف دے رہی تھی ورنہ شاید کچھ اور بھی کہتی۔
"بات سنو!" آگے بڑھنے سے پہلے اسے اپنا وہی نادر ترین خیال آیا۔
"اس وقت اچھا موقع ہے میں معاذ بھائی کو بھیجتی ہوں تم لوگ بیٹھ کر آپس میں بات کرو نہیں بتاؤ تو سہی آپا کل کے لائے ہوئے رشتوں کے بارے میں ان کا ری ایکشن اسی ایک بات سے ظاہر ہو جائے گا کہ تم ان کے لیے کتنی اہم ہو۔"
"میں... یہاں دماغ خراب ہے تمہارا؟" جویا کے چہرے کا رنگ سا اڑا۔
"تو پھر بات کرنے کے لیے باقاعدہ دعوت دے کر اپنے گھر بلاؤ گی؟ یا پھر وہ اپنے گھر پر ملنا پسند کریں گے تم سے؟"
زویا کے لہجے کی تلخی اور بھی بڑھی۔
جویا کو وہم و گمان کے اس عالم سے نکلنے کے لیے دوسرا کوئی اور راستہ اس کی سمجھ میں آتا بھی نہیں تھا۔
"مجھے کسی سے کوئی بات نہیں کرنی چلو بس گھر۔"
"اچھا مت کرو بات بھگتنا پھر چلتے ہیں تھوڑی دیر رک جاؤ حلق میں کانٹے پڑ رہے ہیں۔" زویا جھنجلا کر سیلف سروس والے کاؤنٹر کی طرف جا چکی تھی۔
واپسی بھی اس کی جلدی ہوئی۔
ٹرے جویا کے سامنے رکھتے ہوئے اس نے صرف کولڈ ڈرنک اٹھایا "میں ابھی پانچ منٹ میں آئی یہ ادھر عذرا بیٹھی ہے۔ ٹیسٹ کے بارے میں پوچھ کر آتی ہوں۔"
جس طرف اس نے اشارہ کیا تھا اس طرف واقعی اس کی کلاس فیلو موجود تھی۔
"اور اب یہ پانچ منٹ واقعی پانچ منٹ ہی ثابت ہوں۔" پہلا سپ لیتے ہوئے جویا نے خواہش کی تھی۔
زویا کی باتوں کا اثر تھا جو اس نے اپنا رخ تھوڑا سا دانستہ موڑا تھا پتہ تھا کہ وہ نظر آتا رہا تو نگاہ بار بار وہیں اٹھے گی۔

"دھت!"
کبھی کبھی تو خود بھی لگتا تھا کہ شاید ساری زندگی وہ ایک سائے کے پیچھے ہی بھاگتی رہے گی۔
"کون خوش قسمت ہوتے ہوں گے جن کی جھولی میں تمنا نصیب کی صورت گرتی ہوگی۔" تقدیر کا بھید بھرا سلسلہ کھوجنا چاہو بھی تو ناممکن۔
"اکیلی کیوں بیٹھی ہو؟ زویا کہاں ہے؟" یہ معاذ تھا اس کے قریب کھڑا ہوا۔ جویا نے بڑی بے یقینی کے ساتھ اسے دیکھا۔
"پتا ہے کتنا عجیب لگتا ہے ریسٹورنٹ میں اکیلے بیٹھنا۔ کتنے ہی لوگ دیکھ رہے ہوتے ہیں۔"
"زویا اپنی دوست سے بات کرنے گئی ہے وہ سامنے۔"
پل کے چھوٹے سے وقفے میں اس نے خود کو سنبھالا۔
"ہاں تو پھر تم بھی وہیں جا کر بیٹھو اور اب جب شاپنگ کر چکی تھیں تو سیدھے گھر جانا تھا کیا ضرورت تھی یہاں رکنے کی؟"
جویا کو اس کی جواب طلبی کھل ہی گئی۔
"تمہیں کیا پرابلم ہے؟ جاؤ اپنے دوستوں کے پاس جن کے ساتھ تم آئے ہو۔"
مگر وہ جانے کے بجائے کرسی کھینچ کر ٹھیک سامنے بیٹھ چکا تھا۔
"جب تک زویا آئے تب تک تو مجھے ہی بیٹھنا پڑے گا۔"
"ضروری تو نہیں۔"
"کوئی برائی بھی نہیں ہاں اگر تمہارے ابا کہیں سے آگئے گھومتے گھماتے تو ان کو ضرور..."
"ابا کو بیچ میں مت لایا کرو معاذ!" بہت چڑ کر جویا نے اس کی بات کاٹی۔
معاذ نے ایک گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی۔
"وہی تو ہیں بیچ میں تمہیں بھی پتہ ہے۔" جویا کا دل بہت زور سے دھڑکا۔
جو کچھ اس نے سنا واقعی معاذ نے ہی کہا تھا۔
"کیا ہوا اپنے ابا کی شان میں گستاخی بری لگی ہے؟" ایک خوب صورت سے پل سے وہ خود کو واپس لا چکا تھا۔
"ایمانداری سے بتاؤ اگر وہ مجھے یہاں تمہارے ساتھ بیٹھا دیکھیں تو مجھے تو سیدھے سیدھے گولی مار دیں۔"
"اللہ نہ کرے!" اس کی بے ساختگی بڑی فطری سی تھی۔
معاذ مسکرا دیا۔
آج جویا ہی نہیں وہ بھی بہت خوش قسمت ٹھہرا تھا!
"تمہاری جاب کا کیا بنا!" وہ وہی سوال پوچھ رہی تھی جس پر اس کے خیال میں سارا معاملہ ٹکا ہوا تھا۔
"تو مل جائے گی آخر تم سمیت اتنے سارے لوگ بڑے دل سے دعائیں کر رہے ہیں۔"

اس کا وہی لاپروا انداز۔
کبھی کبھی تو جویا کا سر پیٹ لینے کو دل چاہتا تھا۔
"دعائیں بھی جب رنگ لاتی ہیں' جب دوسرا کوشش بھی کر رہا ہو۔"
جویا کے لہجے میں کچھ ایسا تھا' جو معاذ کی مسکراہٹ کو پھیکا کر چکا تھا۔
"تم بھی یہی سمجھتی ہو کہ میں کوشش نہیں کر رہا ہوں؟"
"میرے سمجھنے نہ سمجھنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔"
"میری جاب سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا؟ میں چار دن میں اتنا نہیں کما سکتا ہوں جویا! کہ ان سب لوگوں کو فرق پڑے۔ میں ساری عمر بھی کوشش کرلوں تو اتنا نہیں حاصل کر سکتا' جتنا سلمان نے ایک جھٹکے میں کر دکھایا۔" پہلی بار تھا جو وہ زویا سے سنجیدگی سے اپنی فیلنگ شیئر کر رہا تھا۔
"سلمان بھائی سے مقابلہ کر کے تم خود کو مت گراؤ معاذ! خدا نہ کرے جو تم ان جیسے ہو' مجھے تو شرم آتی ہے۔"
جویا کی آنکھوں میں آنسو جمع ہونے لگے تھے۔ مگر یہ دکھ کے نہیں تشکر کے آنسو تھے۔
یہ بھی کیا کم تھا کہ وہ اس کے ساتھ تو ہے۔
"اچھا اب یہاں رونا دھونا شروع مت کرو' مجھے ویسے بھی عجیب سا لگ رہا ہے' تمہارے ساتھ یہاں بیٹھنا' جیسے گھر والوں سے چھپ کر کوئی طے شدہ ملاقات ہو رہی ہو۔"
وہ بے ساختہ ہنستی چلی گئی۔ ذرا بھی برا نہیں لگا۔ معاذ مختلف تھا۔ اس کا رنگ' سب سے مختلف تھا اور بالآخر وہ بھی اس کے رنگ میں پوری پوری رنگ جائے گی۔
جویا کا یقین آج اور بھی پختہ ہوا تھا۔
"مجھے پتا ہے جویا! کہ میں اچھا خاصا خود غرض ہوں۔ ربیعہ مجھ سے ناراض رہتی ہے' وہ کہتی ہے مجھے امی' ابا اور تمہارا ذرا بھی خیال نہیں ہے' میں سب کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں' لیکن تم لوگوں سے بھی پہلے وہ لوگ میرا دامن پکڑتے ہیں' جن کی محرومی پر دل کانپتا ہے۔ ربیعہ نہیں سمجھتی' مگر تم تو سمجھ سکتی ہو نا!"
بہت فخر سے جویا نے اس کی طرف دیکھا اور اثبات میں سرہلایا۔

☆ ☆ ☆

ڈنر سے واپسی رات گئے ہوئی گاڑی وہ خود ڈرائیو کر رہا تھا اور زرتاج بہت مہربان۔
ہنستے ہنستے کتنی ہی بار ان کا سر نبیل کے کندھے پر ٹکا تھا۔
وہ بہت خوش تھا اور زرتاج اس سے بھی زیادہ خوش۔
پچھلا پورا ہفتہ وہ اپنی ساری مصروفیت ترک کر کے صرف اور صرف اس کے ساتھ تھیں۔
شاپنگ' ہوٹلنگ' اور زرتاج کی مہربانیاں' گیراج اسکول سے جو خوف' نبیل کے دل پر آسیب بن کر چمٹا تھا۔ یوں آہستہ آہستہ زائل ہوا کہ اب وہ پہلے سے بھی زیادہ پُراعتماد تھا۔
اسے یقین ہو چکا تھا کہ زرتاج نے اس چھوٹے سے لڑکے کی بات کو' محض غلط فہمی ہی سمجھا تھا اور نچلے سے بھی نچلے درجے پر نظر آتا وہ لڑکا تھا بھی اسی قابل۔
اس پورے ہفتے میں اس نے جب بھی ساجد کے حلیے کو یاد کیا اسے خود اپنے اوپر ہنسی آئی۔ کیا ضرورت تھی بھلا اس طرح نروس ہو کر بات بڑھانے کی ساجد کیا' خود نواب بھی آکر دعویٰ کرے کہ وہ اس کا بھائی ہے تو۔

کوئی یقین نہیں کر سکتا کہ وہ اس نشئی چھٹیچر شخص کا بھائی ہے۔
"سنو!" زرتاج کو جیسے کوئی ضروری بات یاد آگئی۔
"ہوں۔"
"میں کچھ دن کے لیے بانی سے ملنے جا رہی ہوں۔ شاید اگلے یا پھر اس سے اگلے ہفتے۔"
"اکیلے؟" اسے عجیب سا لگا تھا بانی کا ذکر۔ زرتاج اپنے بیٹے کے بارے میں بہت کم بات کرتی تھیں' سو وہ بھی بھولا رہتا تھا کہ اس سارے کچھ کا کوئی اصل حق دار موجود ہے۔
"میں ابھی اس سے تمہیں نہیں ملوانا چاہتی۔ کب سے وہ پاکستان نہیں آیا ہے۔ فون پر تو اندازہ نہیں ہوتا کہ میری شادی کے بارے میں اس کا کیا ری ایکشن ہے۔ میں خود اس سے مل کر جاننا چاہتی ہوں۔"
نبیل خاموش رہا' اصل میں تو اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہیے۔
"اسے اپنے ساتھ لے کر آؤ گی؟" اسے خدشہ سا ہوا۔
"نہیں' ابھی کوئی ضرورت نہیں ہے' وہ یہاں آیا تو خوامخواہ ہی گڑے مردے اکھڑیں گے۔"
آج کل واقعی اس کا اچھا وقت تھا۔ نبیل نے سکون کا سانس لیا تھا۔
"لیکن میں کیسے یہ ایک ہفتہ گزاروں گا' تمہارے بغیر۔"
والہانہ پن دکھانا اس کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔ زرتاج اس کی اسیر تھیں۔
"جیسے میں رہوں گی اور ہاں میرے آفس ذرا پابندی سے جانا' یہ نہیں کہ بارہ بجے تک سوتے رہو' ملازمین پر مالک کی نگاہ نہ ہو تو وہ بالکل ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔"
وہ گھر آچکے تھے اور زرتاج کی ہدایتیں جاری تھیں مارے خوشی کے نبیل کی سانس رکنے لگی۔ یہ پہلی بار تھا۔ جو زرتاج نے اسے مالکانہ حقوق دینے کی طرف اشارہ کیا تھا۔
"تم فکر ہی نہ کرو' ایک ہفتے کیا پورا مہینہ گزار دوں گا رومانی کے ساتھ' آخر اس کا بھی تو کچھ حق ہے تم پر۔" وہ کچھ زیادہ ہی پرجوش ہو رہا تھا۔
زرتاج نے بہت غور سے اس کی طرف دیکھا اور پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا بیٹھیں۔
"اب میں کہتا نہیں ہوں لیکن جتنی ذمہ داریاں تم نے خود پر لے رکھی ہیں' وہ سب میں بھی اٹھا سکتا ہوں کتنی خواہش ہے میری کہ میں تمہیں ہر فکر سے آزاد رکھوں' تم ریلیکس رہو' خوش رہو' گھومو پھرو۔"
میک اپ کلینزر سے چہرہ صاف کرتے ہوئے زرتاج نے ایک بار بھی اسے نہیں ٹوکا۔ لیکن جب وہ اپنی وفاداری اور محبتوں کا یقین دلاتے ہوئے ایک لمحے کے لیے خاموش ہوا' تو اس کی طرف سے ایک حواس معطل کرتا ہوا سوال آہی گیا۔
"وہ لڑکا ساجد' کیا واقعی تمہارا پڑوسی تھا نبیل؟" زرتاج اتنے یقین سے پوچھ رہی تھیں' جیسے صرف اثبات میں جواب چاہتی ہوں۔
"اور تمہارا وہ بھائی نواب' کیا کرتا ہے وہ؟" وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے اٹھ کر' نبیل کے سامنے آکھڑی ہوئیں۔
"کیسا بھائی اور کیسا پڑوسی' تم اس لڑکے کا یقین کر رہی ہو' جو نارمل تک نہیں لگ رہا تھا۔" پوری ہمت کر کے اس نے اعتماد کا مظاہرہ کرنا چاہا۔
لیکن زرتاج کی سرد نگاہ جیسے اس کے اندر تک اتر رہی تھی۔

"اس روز بھی تمہارا رنگ ایسے ہی اڑا تھا۔"
وہ پلٹ کر بیڈ پر جا بیٹھی۔
"جو بھی سچ ہو' مجھے صاف بتادو' ہم دونوں کے لیے ہی بہتر ہوگا۔"
"تم مجھ پر شک کرتی ہو' مجھے نہیں پتا تھا کہ اس دن کی بات تم اب تک لیے بیٹھی ہوگی' مجھے بہت ہی رنج ہوا ہے تمہاری بات سے۔" وہ اچانک ہی بہت غم زدہ سا دکھائی دینے لگا۔
"میں نے کبھی کسی پر بھروسا نہیں کیا' نہ اپنے سابق شوہر پر' نہ اپنے بھائی یوسف کمال پر اور نہ ہی اپنے بیٹے پر' یہ تم ہو جس پر میں نے آنکھیں بند کرکے یقین کیا ہے۔ اگر ٹوٹا تو بہت برا ہوگا۔"
وہ ذرا بھی متاثر ہونے کے موڈ میں نہیں تھیں۔
پل پل رنگ بدلتی یہ عورت پر اسرار تھی۔
"اور میں بے وقوف ہوں' جو اس کی طرف سے مطمئن ہونے کی جلدی کر رہا ہوں۔"
"آج تم گیسٹ روم میں سو جاؤ' میں تنہائی چاہتی ہوں۔" وہ صرف حکم سناتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

تپا گل نے تشویش بھری نگاہوں سے والدہ کی طرف دیکھا۔
سامنے والی دیوار پر لگی سلمان اور زوبیہ کی بڑی ساری تصویر کے ٹھیک نیچے بیٹھی' وہ اتنی مضمحل لگ رہی تھیں کہ اور بھی الٹے سیدھے وہم آرہے تھے۔
"کچھ بات کریں نا امی! ایسے کیسے چلے گا؟ کب سے آئی بیٹھی ہوں' لیکن ایک بات بھی ڈھنگ سے نہیں ہو پائی' یوں سوچ سوچ کر تو بیمار پڑ جائیں گی۔" ضبط نہیں ہوا تو ایک سانس میں ہی کہتی چلی گئیں۔
"کیا بات کروں؟ کوئی بات بھی تو ہو اور سوچیں بھی نہ تو کیا کریں اور کس پر اپنا بس چلا ہے۔" ان کا لہجہ تھکا ماندہ تھا۔
کسی ایسی عورت جیسا' جو زندگی کی کتنی ہی مصیبتیں جھیل چکی ہو۔
تپا گل نے بے زاری سے سر کو خفیف سی جنبش دی۔
"ایک ذرا سا زیور ہی تو بکا ہے' آپ کے پاس کون سی کمی پڑ رہی ہے' بھرا پڑا ہے ماشاء اللہ۔"
"وہ جویا اور زوبیا کے لیے ہے۔ اور پتا نہیں کہ ان کی شادیوں تک میرے پاس بچے بھی رہیں گے یا نہیں۔ یوں ہی ایک ایک کرکے بکتا چلا گیا تو اللہ ہی حافظ ہے۔"
ان پر رقت سی طاری ہونے لگی۔
"کمال ہے آپ نے بھی ذرا سی بات دل پر لگالی' ایک پریشانی تھی' سوٹل گئی۔"
تپا گل ٹینشن دینے کی عادی تھیں لینے کی نہیں۔ والدہ کی باتیں خوامخواہ کی گھبراہٹ طاری کر رہی تھیں۔ وہاں سسرال کی بک بک' یہاں آؤ تھوڑا سا فریش ہونے کے لیے تو یہاں بھی ہر وقت کی سوگواری۔۔۔"
شاکرہ بیگم کو کم از کم ان سے ایسی بے حسی کی توقع نہیں تھی۔
اتنا بڑا نقصان اور وہ تھیں کہ اپنی فریش نیس کا رونا لیے بیٹھی تھیں۔
"شاباش ہے تم پر' پانچ تولے کے کڑے بک گئے میرے' اتنے خوب صورت اور منفرد ڈیزائن والے' ہر ایک رشک سے دیکھا کرتا تھا' سوچا تھا' دو اور اسی ڈیزائن کے بنوالوں گی اسی سال' مگر یہاں تو وہ بھی نہیں رہے۔"

اپنی آنکھیں سختی سے رگڑ کر' وہ باقاعدہ غصہ میں آچکی تھیں۔
"مجھ پر کیوں بگڑ رہی ہیں' میں نے کہا تھا ابو سے کہ وہ گھر گروی رکھیں' خوامخواہ کی مصیبت مول لے لی' انہیں کم از کم مشورہ تو کرنا چاہیے تھا۔" تپا گل کو حالات کی سنگینی کا اب بھی احساس نہیں ہوا تھا۔
"اس وقت تو کچھ ہوش ہی نہ تھا۔ جو وہ بدبخت زوبیہ کہلوا رہی تھی' ہم آنکھیں بند کرکے کیے جا رہے تھے۔ یہی خیال تھا کہ آگے ساری عمر سود سمیت وصول کرتے رہیں گے' لیکن سلمان تو بالکل ہی بدل گیا۔ زوبیہ نے نہ جانے کیا پڑھ کر پھونکا ہے اس پر۔"
"ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ کوئی نہ کوئی چکر تو چلایا ہوا ہے ان ماں بیٹی نے' ورنہ ہمارا سلمان ایسا نہیں تھا۔ خیر فکر نہ کریں' میں نے بھی آپ لوگوں کو سلمان کے گھر میں شفٹ نہیں کروایا تو میرا نام نہیں۔" وہ حسب عادت پر اسرار ہوئیں۔
"اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔" شاکرہ بیگم کو "فی الفور" تسلی ہوئی "کیسے ہوگا یہ سب' بتاؤ تو سہی' زوبیہ آسانی سے ماننے والی تو نہیں ہے۔"
"بس دیکھتی جائیے' چند مہینے ذرا صبر سے گزاریں۔ اس زوبیہ کو تو مزا چکھانا ہے آخر!"
شاکرہ چند لمحے ان کی شکل دیکھے گئیں کہ شاید وہ کچھ اور بتائیں' مگر ان کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اس موضوع پر کچھ اور کہنے والی نہیں۔
"مجھے تو پہلے آپ یہ بتائیں کہ اتنے سارے پیسے ابا نے آخر کس کام کے لیے لیے ہیں' گھر کے قرضے کی دو قسطیں ہی تو دینی تھیں۔ باقی پیسے تو آپ کو رکھ لینے چاہیے تھے۔ اب جویا کی شادی کے لیے بھی تو ضرورت ہوگی۔"
"جویا کی شادی تو جب ہوگی تب ہوگی' ابھی تو دس مسئلے منہ کھولے کھڑے ہیں۔ آفس کے چند لوگوں کے پیسے دینے تھے' گھر کا خرچ الگ۔"
شاکرہ بیگم کو زندگی میں پہلی بار' معاشی مسائل سے پالا پڑ رہا تھا' بوکھلاہٹ' مایوسی' دکھ سب ہی کچھ گھل مل رہا تھا۔
تپا گل کے لیے سب کچھ ثانوی تھا۔ اہمیت تھی تو بس ایک ہی بات کی۔
"سب کچھ اچھا ہی ہو جائے گا' آپ صرف جویا کی فکر کریں۔" وہ لوگ بار بار فون کر رہے ہیں' جلدی جواب نہیں دیا تو ظاہر ہے کوئی دوسری لڑکی دیکھ لیں گے۔"
"ہاں تو دیکھ لیں' کس نے منع کیا ہے' جویا کے لیے بہت رشتے ہیں۔" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے جیسے مکھی اڑائی۔
"کون سے رشتے آرہے ہیں جویا کے لیے؟ یہ تو میں ہی بھاگ دوڑ کرکے' دو چار لوگوں کو لے کر آئی ہوں۔ ورنہ آپ کی بیٹی نے تو قسم کھا رکھی ہے کہ کسی طور تعاون نہیں کرنا ہمارے ساتھ' بس اس بدبخت معاذ کے ساتھ۔"
وہ عادتاً" زور سے بولتی تھیں اب غصے میں آچکی تھیں سو آواز اور بھی اونچی ہو رہی تھی۔ شاکرہ بیگم نے گھبرا کر اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔
"جویا اوپر تھی اور یہاں چھوٹے سے لاؤنج سے اوپر صاف آواز جاتی تھی۔
"اللہ کے واسطے گل! بہن ہے تمہاری' سوچ سمجھ کر بولا کرو۔ معاذ کا ذکر لانا ضروری ہے کیا۔ جویا کا اس سے

کوئی تعلق نہیں ہے۔ سنے گی تو اس کا کتنا دل برا ہو گا۔"
آپا گل نے بے ساختہ ماتھے کو انگلیوں سے چھوا۔
آپ یوں ہی خوش فہمیاں پالتی رہیں، پہلے سلمان پر اندھا اعتماد اور اب جویا پر، ایک نتیجہ دیکھ لیا، دوسرا دیکھنے والی ہیں۔"
میں نے تم سب پر ہی اعتماد کیا ہمیشہ، اب یہ میری قسمت کہ اولاد سے صلہ ملے یا نہ ملے!"
دلی دلی سی سانس کے ساتھ ان کی بات میں ڈھکا چھپا سا گلہ بھی تھا۔
لمحے بھر کے لیے تو آپا گل بھی چپ ہو گئیں۔
پچھلے دنوں ان کی پورے دو لاکھ کی کمیٹی نکلی تھی، لیکن ماں باپ کی پریشانی میں بھی ان کی مدد کرنے کی توفیق نہیں ہو سکی تھی۔
بہانہ یہ تھا کہ سارے پیسے ساس سسر نے مانگ لیے تھے ان سے کیسے انکار کرتیں، حالانکہ یہاں گھر میں سب کو پتا تھا کہ وہ سسرال والوں کی کتنی فرماں بردار ہیں! چند لمحے یوں ہی بوجھل سی خاموشی کی نذر ہوئے۔
"اب آپ کم از کم سلمان کے ساتھ تو دوسروں کو نہ ملائیں، اس نے تو بدلنے میں اتنی جلدی کی کہ سارا گھر ہی ہل کر رہ گیا ہے۔ بوڑھے ماں باپ، چھوٹی بہنیں، کسی کا بھی تو اس نے احساس نہیں کیا۔"
آپا گل اٹھ کر ماں کے قریب آ بیٹھیں "حقیقت پسندی سے کام لیں امی! جب اتنا اچھا رشتہ مل رہا ہے جویا کے لیے، تو ہمیں اسے چھوڑنے کی غلطی تو نہیں کرنی چاہیے نا، آج کل ملتے کہاں ہیں اچھے لڑکے۔ ذاتی گھر، اپنا کاروبار اور پھر مختصر سی فیملی، کہیں ایسا نہ ہو کہ......!"
جواز، دلیل ان کے پاس کس بات کی کمی تھی۔ گھر بھر پر ان کے حکم کا سکہ ایسے ہی تو نہیں چلتا آ رہا تھا۔
شاکرہ بیگم بھی قائل ہو رہی تھیں۔
"اور پھر سب سے بڑی بات۔" انہوں نے ذرا رک کر والدہ کے چہرے پر پھیلتے تاثرات پر نگاہ ڈالی۔
"یہی ایک واحد طریقہ ہے امی! ایک بار جویا کا رشتہ طے ہو گیا کسی اچھی جگہ، تب ہی یہ بار بار معاذ کا شوشہ اٹھنا ختم ہو گا ورنہ دادی نے تو مصیبت کھڑی رکھنی ہے ہر وقت، سارے خاندان میں کہتی ہیں کہ معاذ کی جاب ملنے کی دیر ہے پھر جویا سے منگنی کی بڑی ساری دعوت کریں گی۔" مجھے خود بتایا ہے اصغر چچا کی بہو نے، وہ لوگ گئے تھے ان کے ہاں تو دادی نے اس کے سامنے کہا تھا۔"
شاکرہ چچی کا چہرہ سرخ — ہونے لگا۔
"تمہارے ابا نے ان لوگوں کو اتنی ہمت دے دی ہے۔ بے کار میں ہی معاذ کی نوکری کی شرط لگا دی ہے اور لکھوا لو مجھ سے، جو معاذ کو کوئی ڈھنگ کی نوکری مل جائے ساری زندگی!"
"نوکری تو اس کو ملنے والی ہے امی!"
دھیمی آواز میں انہوں نے بریکنگ نیوز سنا ہی دی۔
شاکرہ بیگم کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔
"کس نے بتایا تمہیں؟"
"کسی نے نہیں، اکبر کو ملا تھا، ایک ٹریڈنگ فرم میں انٹرویو دینے آیا تھا، اکبر کہہ رہے تھے، بڑی اچھی جاب ہے، اگر مل گئی معاذ کو تو اس کے تو مزے آ جائیں گے۔"
"اللہ نہ کرے، تمہارے میاں کی باتوں پر تو ویسے بھی مجھے یقین نہیں آتا۔"

معاذ کے مزے آ جانے کا خیال ہی اتنا تکلیف دہ تھا کہ حد نہیں۔
"نہ کریں یقین، آپ کی مرضی! میرا فرض تھا آپ کو بتانا، سو بتا دیا۔"
وہ اٹھ کر اپنی چیزیں سمیٹنے لگیں، یہ کوچ کا اشارہ تھا، جو والدہ کو ہرگز گوارا نہ تھا۔
"بر امت مان گل! میرا تو دماغ ہی کام نہیں کر رہا ہے سلمان کے چلے جانے کے بعد جو کرنا ہے، تمہیں ہی تو کرنا، میں نے کب منع کیا ہے۔"
"تو بس ٹھیک ہے، جویا کی بات پکی کریں۔ شادی بے شک سال کے بعد رکھ لیں، لیکن اس رشتے کو ہاتھ سے نہیں جانے دیں۔ منگنی کر لیں اس مہینے میں۔"
جانے کا ارادہ فی الفور ملتوی ہوا۔
"تمہارے ابا نہیں مانیں گے، آج کل ویسے ہی پریشان ہیں، آفس میں بھی بڑی سختی چل رہی ہے۔"
"ان کو منانا میرا کام ہے۔ اب تک تو وہ ملے بھی نہیں ہیں اعجاز سے، جب ملیں گے اس سے، گھر بار دیکھیں گے تو خوش ہو جائیں گے۔ دیکھ لیجیے گا، ہماری جویا کی تو قسمت کھل جائے گی امی۔"
آپا گل کے لیے ان کی نیم رضامندی ہی بہت تھی، خوشی سے چہرہ چمکنے لگا تھا۔
"سلمان سے بھی مشورہ کر لو، لڑکے سے تو اسے بھی ملوانا ضروری ہے۔"
"ابھی نہیں، پہلے آپ لوگ مل لیں، سلمان کو لے کر چلیں گی تو زوبیہ بھی لازمی آئے گی، اور وہ اتنی تنگ دل عورت ہے کہ ضرور بات خراب کروائے گی۔"
"یہ بھی ٹھیک!" شاکرہ بیگم کو ان کی سمجھ داری پر ایسے ہی تو بھروسہ نہیں تھا۔
ساری ٹینشن، پریشانی وقتی طور پر ٹل ہی جاتی تھی۔
گیٹ پر بیل ہو رہی تھی۔
زوبا اور جویا اوپر تھیں۔
آپا گل نے دو منٹ تو انتظار کیا کہ ان میں سے کوئی آ کر گیٹ کھول دے، لیکن جب کوئی آثار دکھائی نہیں دیے تو بڑبڑاتے ہوئے خود ہی اٹھ گئیں۔
"آخر ان دونوں کی ایسی کون سی رازداری کی باتیں ہوتی ہیں جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں، دھیان رکھا کریں ذرا، آج کل زمانہ بہت خراب جا رہا ہے، کسی کا بھروسہ نہیں۔"
"خیر، میری بچیاں ایسی نہیں ہیں۔"
سلمان کی آواز اندر داخل ہوتے ہی انہیں سنائی دے گئی تھی۔
لاکھ ناراض سہی مگر تھا تو اکلوتا لاڈلا بیٹا۔ اس کی آمد انہیں بے اندازہ خوشی بخشتی تھی، حالانکہ وہ انہیں مستقل مایوسی کے علاوہ کچھ نہیں دے رہا تھا۔
"خدا کرے زوبیہ ساتھ نہ آئی ہو!" شاکرہ بیگم نے بہت دل سے دعا کی، مگر وہ تو پاسبانِ عقل تھی، سو ساتھ ساتھ تھی۔
دور سے ہی رسمی سا سلام کر کے وہ بالکل کونے والے صوفے کے کنارے پر اس طرح ٹکی بیٹھی تھی جیسے ابھی اٹھ کر بھاگ لے گی۔
"بہت دن بعد آئے، میں کب سے راہ دیکھ رہی تھی۔" زوبیہ کو مخاطب کرنا وہ تقریباً چھوڑ چکی تھیں مگر زوبیہ سلمان سے کیے گئے ہر سوال کا جواب دینا خود پر فرض کیے رکھتی تھی۔

"فارغ تھوڑی ہیں جو اتنی دور سے روز روز دوڑے آجائیں گے آفس کی بھی ذمہ داری ہے۔"

"میں اپنے بیٹے سے بات کر رہی ہوں تم سے نہیں۔" شاکرہ بیگم نے بڑے کڑے تیور سے زوبیہ کی طرف دیکھا۔

"یہ میرا شوہر ہے اب بہت دن رہ لیا آپ کا بیٹا۔" وہ جیسے طے کر کے آئی تھی کہ یہاں سے لڑ کر ہی جانا ہے۔ کرخت چہرے اور بے ہودہ حلیے کے ساتھ وہ اب پہلے سے بھی زیادہ بری لگ رہی تھی آپا گل کا تو دل چاہ رہا تھا کہ اسے دھکا دے کر باہر کریں۔

"تمیز سے بات کرو زوبیہ!" خود پر جبر کر کے انہوں نے اتنا ہی کہا تھا کہ وہ اور بھی آپے سے باہر ہوئی۔

"تم چپ رہو تم جیسے گنواروں سے ایسے ہی بات کی جاتی ہے تاکہ دماغ ٹھکانے پر رہے تمہارا۔"

وہ اتنے زور سے چیخی کہ چند لمحوں کے لیے تو آپا گل بھی خاموش ہو گئیں۔

زوبیہ کی بدلحاظی حد سے زیادہ بڑھ چکی تھی۔

"زوبیہ پلیز تم اپنا سامان لے آؤ جا کر چلتے ہیں پھر!" سلمان کا گھگھیاتا ہوا لہجہ زوبیہ کی بدتمیزی سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا ان دونوں ماں بیٹی کے لیے۔

"اور تم یہاں ہر وقت کیوں بیٹھی رہتی ہو کیا میاں نے نکال دیا ہے گھر سے یا تمہیں منہ ہی نہیں لگاتا!"

ایک اور تیر پھینک کر وہ اوپر کی سیڑھیوں کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

"تجھے نکالے گا ایک دن ان شاء اللہ اپنے گھر سے میرا بیٹا بدتمیز عورت!"

شاکرہ بیگم اتنے زور سے چلائیں کہ زویا اور جویا بھی سیڑھیوں پر آ کھڑی ہوئیں۔

"یہ نکالے گا مجھے!" وہ مڑ کر بڑے عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ انگلی کا اشارہ سلمان کی طرف تھا۔ "یہ تو خود میرے گھر میں رہتا ہے کبھی ایسا وقت آیا تو خود کھڑا ہو گا فٹ پاتھ پر۔" دو جملوں میں سلمان کی اوقات بیان کر کے وہ کھٹ کھٹ کرتی اوپر چلی گئی۔

پیچھے رہ جانے والے سناٹے کو صرف آپا گل کی ہچکیاں توڑ رہی تھیں میکے سسرال دونوں ہی جگہ ان کی حیثیت مسلم تھی۔

ایسی ذلت پہلی بار ہاتھ آئی تھی آنکھوں پر دوپٹے کا کونہ لیے وہ روتی ہی جا رہی تھیں۔

"کچھ شرم کر سلمان! اس بے غیرتی سے بیوی کی باتیں سنتا ہے اور ہمیں بھی سنواتا ہے۔"

"آپ لوگ بھی تو بے کار میں ہی اس سے بحث کرتی ہیں دماغ کی تیز ہے زوبیہ یہ تو پتا ہے سب کو۔"

سلمان کا لہجہ بے تاثر تھا اپنے عیش آرام کو وہ عورتوں کی لڑائی پر لات نہیں مار سکتا تھا۔

"اچھا چلیں یہ رکھیں بچوں کے لیے کچھ لے لیجیے گا!"

نہ جانے کس دل سے اس نے ہزار کے دو نوٹ نکالے ایک آپا گل کی طرف اور دوسرا شاکرہ بیگم کو تھمایا۔

"منہ پر مارنے چاہییں تھے سلمان بھائی کے یہ پیسے لیکن دیکھ لو دونوں ہی نے۔"

سیڑھیوں پر کھڑی جویا نے غصے سے زویا کی طرف دیکھا۔

"ہمارے گھر والوں کے لیے پیسہ اہم ہے صرف یہ نوٹ کیچڑ میں بھی پڑے مل جاتے تو اٹھانے سے نہیں چوکتے۔"

زویا نے اس کا ہاتھ پکڑا اور واپس کمرے میں چلی گئی۔

آپا گل اور شاکرہ بیگم دونوں کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ یہ نوٹ انہوں نے کیچڑ میں ہی سے اٹھائے ہیں۔

☼ ☼ ☼

"کوئی گمشدگی کی رپورٹ؟"

سامنے بیٹھے پولیس آفیسر نے اپنے ماتحت سے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

"نہیں سر! میں نے تمام تھانوں سے پتا کر لیا ہے پچھلے ہفتے بھر میں کسی لڑکی کی گمشدگی کی رپورٹ نہیں لکھوائی گئی ہے کہیں بھی!"

اس نے مستعدی کے ساتھ اپنی کارکردگی پیش کرنا چاہی تھی مگر صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ اس کے آفیسر کی توجہ کہیں اور تھی۔

"ہوں ہوں!" محض سرہلاتے ہوئے وہ سامنے کھلی فائل میں محو رہا۔

چند لمحے یوں ہی خاموشی کے ساتھ گزرے۔

"علاقے میں سیکیورٹی بڑھا دی گئی ہے نا؟"

"جی سر!" وہ تھوڑا سا حیران ہوا شاید سمندر سے ملنے والی لڑکی کے ورثاء کوئی پہنچ والے لوگ تھے جو بنا کسی رپورٹ کے اوپر ہی اوپر تفتیش کروا رہے تھے اسے کچھ ایسا ہی خیال آیا تھا۔

"تمام گاڑیوں کی چیکنگ ہو رہی ہے سر! اگر آپ مناسب سمجھیں تو کوئی خاص کلیو دے دیں۔" تمام جونیئرز کی طرح وہ بھی کچھ کر دکھانے کے لیے بے تاب ہونے لگا۔

"کیسا کلیو!" اس کے آفیسر کے چہرے پر ناگواری سی ظاہر ہوئی۔ "ہمارے پاس ایسی درست اطلاعات آنے لگیں تو اتنی کھلی دہشت گردی ممکن ہو سکتی ہے ملک میں! اس پورے ہفتے خاص خیال رکھنا ہے اوپر سے سخت دباؤ ہے جلسہ اگلے اتوار کو ہے اور اس کے لیے کوئی رسک نہیں لینا!"

ایک دبی دبی سی سانس اس کے لبوں سے آزاد ہوئی وہ غلط سمجھا تھا۔

وہ لڑکی واقعی غیر اہم تھی۔

شہر میں ہونے والا ایک بڑا سیاسی جلسہ سارے محکمے کی توجہ کھینچے ہوئے تھا۔

سیکیورٹی کے لحاظ سے صورت حال واقعی تشویش ناک تھی ایسے میں ایک لڑکی کی لاش کا ملنا کوئی بہت اہم واقعہ نہیں تھا۔

پھر بھی وہ جانے سے پہلے ایک بار اور اس کی بابت پوچھے بغیر نہیں رہ سکا۔

"معمول کا کیس ہے لڑکی نے خودکشی کی ہے لاش مردہ خانے میں ہے پوسٹ مارٹم رپورٹ آنے کے بعد تدفین کروا دی جائے گی۔" اس کے آفیسر نے دو چار جملوں میں معاملے کو سمیٹا۔ ایسے واقعات میں یہی معمول کی کارروائی تھی۔

"لیکن سر! اگر بعد میں کوئی آیا تو مسئلہ نہ کھڑا کرے۔" اسے یاد تھا کہ پچھلی بار ایک کیس میں اچھے خاصے دن گزر جانے کے بعد لڑکی کے وارثین نے ہنگامہ مچا کر رکھ دیا تھا۔

"گھر سے بھاگی لڑکیوں کے پیچھے کوئی نہیں آتا جو آتے ہیں اپنا تماشا بنواتے ہیں مجھے نہیں امید کوئی آئے گا بس ایک کلوز اپ فائل کے ساتھ لگا دو کام ختم کبھی کوئی بھولا بھٹکا آ گیا تو تسلی کروا دیں گے۔"

اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ سامنے رکھی فائل کو بند کیا اور سمندر سے ملی اس بدنصیب کے قصہ کو بھی۔

☼ ☼ ☼

بتول نے زندگی میں پہلی بار نیاز دلوائی تھی گلی میں بریانی اور زردے کی دیگ چڑھی سارے محلے کے ہاتھ

مفت کی تفریح آئی' یہاں دیگیں وہ ہی موقعوں پر چڑھتی تھیں' کسی شادی پر یا کسی کے مرنے پر۔
نذر نیاز کی یہاں گنجائش نہیں نکلتی تھی۔
بتول غریب بھی ساری عمر گھروں کا کام کر کے جھوٹا کھانا ہی خود بھی کھاتی رہی اور اپنی اولاد کو بھی کھلاتی رہی۔
لیکن اب اس کا بیٹا کمانے لائق ہو گیا تھا' تو وہ کیوں کسی سے پیچھے رہتی' ساجد کی ''نیک کمائی'' میں سب ہی کا حصہ لگایا۔

بڑے سارے تھال میں زردہ' بریانی لے کر ساجد برابر والے گھر میں خود آیا تھا' سعیدہ مشین پر بیٹھی کچھ سی رہی تھی۔

بتول سے لاکھ دوستی سہی' اس کی یہ حیرت انگیز خوش حالی ہلکے سے حسد میں مبتلا کر رہی تھی۔
''باورچی خانے میں زری ہے' اسے دے دو!'' بنا کوئی اشتیاق جتائے' وہ بدستور سلائی میں مصروف رہی' ساجد کے پانچ سو روپوں کا احسان بھی پرانا ہو چکا تھا' سو اس وقت یاد بھی نہیں آیا۔
وہ سیدھا اس کی طرف چلا گیا۔
زری نے آج سارے برتن وغیرہ دھو کر باورچی خانہ اچھی طرح صاف کیا تھا' آج پکانے کی فکر نہیں تھی' پتا تھا کہ پڑوس سے آنے والا ہے۔
''خوشبو تو بہت اچھی آ رہی ہے۔'' وہ اس کے ہاتھ سے تھال لیتے ہوئے مسکرائی۔
''ذائقہ اور بھی مزیدار ہے' کھا کر بتایئے گا۔'' زری پلٹ کر تھال خالی کرنے لگی۔
''ساجد!'' وہ کچھ کہتے کہتے جھجکی۔
''جی!''
''وہ اس روز کیسا پروگرام ہوا تھا' تم نے بتایا ہی نہیں۔''
''بہت اچھا ہوا تھا' معاذ بھائی نے مجھے تحفے بھی دیے تھے' لا کر دکھاؤں گا۔'' سرسری سے انداز میں کہتا ہوا وہ تھال اٹھانے لگا تھا' زری نے اسے روکا۔
''اتنی جلدی کیا ہے' ذرا بتا تو سہی' وہاں کیا کیا ہوا' اور وہ جو تیرے معاذ بھائی ہیں' کیا سب کے انچارج ہیں؟'' معاذ کے بارے میں کچھ زیادہ جاننے کی خواہش دل میں جب سے ہی زور پکڑے ہوئے تھی۔
''نہیں۔ وہاں کوئی بھی انچارج نہیں ہے' سب لوگ مل کر کام کرتے ہیں' معاذ بھائی سب سے زیادہ کام کرتے ہیں۔''
''پھر تو وہی سب سے بڑے ہیں۔''
تھال ساجد کے ہاتھ سے لے کر وہ دھونے لگی' ساجد اسی طرح چند منٹ رک سکتا تھا۔
''معاذ بھائی جیسا کوئی ہو بھی نہیں سکتا' وہ میرے ہیرو ہیں۔'' ساجد فخر سے مسکرایا۔ ''اور سب سے زیادہ اعتبار بھی وہ مجھ پر ہی کرتے ہیں' کیونکہ میں ہی سب سے زیادہ سمجھ دار ہوں۔''
نبیل کے بارے میں کسی کو بھی کچھ نہ بتا کر وہ خود اپنی نگاہوں میں ہی معتبر ٹھہرا تھا' حالانکہ تھوڑا سا دل چاہا بھی۔
مگر معاذ بھائی نے منع کر دیا' سو بات ختم۔
''ویسے ہیرو تو وہ واقعی لگتے ہیں۔'' زری کی نگاہوں میں معاذ کا سراپا گھوما۔ ''فلموں میں کیوں نہیں کام کرتے' بہت اچھے لگیں گے۔''
''ان کے پاس ٹائم کہاں' بہت ذمہ دار شخص ہیں۔'' معاذ کی تعریف پر وہ از راہ مہربانی تھوڑا سا رکا ہوا تھا۔

''اب کب آئیں گے وہ؟''
''پتا نہیں۔'' ساجد نے لاپروائی سے کندھے کو جنبش دی' اتنے صاف جواب پر زری کچھ اداس ہوئی۔
تھال دھل چکا تھا' ساجد لے کر باورچی خانے سے نکل رہا تھا' تب مڑ کر اس نے زری کی طرف دیکھا۔
''وہ جو آپ کے بھائی تھے' ان کا کچھ پتا چلا؟''
''خدا نہ کرے' اسی کی کمی رہ گئی ہے' کہیں سے وہ بھی آ گیا' تو ہو گئی نکموں کی فوج مکمل۔'' سامنے مشین پر بیٹھی سعیدہ بری طرح جھنجلائی۔

☼ ☼ ☼

امتحان ختم ہوئے تو سالار کا آنا جانا بھی موقوف ہوا۔
ایک دن' دو دن' پورے تیرہ دن ہو چکے تھے' جو اس کی شکل دکھائی دی ہو۔
سہ پہر کا یہ وقت ایک دم ہی خالی خالی سا لگنے لگا تھا' خالی خالی کمروں میں گیتی یوں ہی بلا مقصد پھرتی' اور جو اگر نانی ہوتیں تو پھر ان ہی کے پاس جا بیٹھتی' صندل شوٹنگ پر' اور نگینہ اس کے ساتھ۔
''سخت بوریت ہو رہی ہے' کچھ کرنے کے لیے ہی نہیں۔''
بات ٹھیک بھی تھی' نانی سوچ میں پڑ گئیں۔
نہ اس کی کوئی سہیلی' نہ ہی شغل۔
اس نے تو کچھ نہیں سیکھا تھا' شروع میں نانی نے کوشش بھی کی تھی' اسے ستار کی طرف راغب کریں' مگر وہاں تو یہ بھی ممکن نہ ہو سکا۔
''آگے پڑھنا شروع کر دو' نیا کورس منگوا لو۔''
''اب تو یونیورسٹی میں داخلہ لینا پڑے گا' سالار صاحب سے پوچھوں گی' کون سے سبجیکٹ لوں۔''
اس کی سادگی سے کہی بات میں بھی نانی نے ایک معنی خیزی محسوس کی تھی۔
''سالار! اس نے تو آنا جانا ہی چھوڑ دیا' ذرا فون تو کرو' کیوں نہیں آ رہا ہے' اتنے دن سے!'' وہ مصر ہوئیں۔
''نہیں نانی! آنا ہو گا تو خود آئیں گے' بے کار میں ہم کیوں پریشان کریں۔''
''اور جو اتنے دن سے آتا رہا' اس میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی اسے' اب کون سے کانٹے بچھ گئے ہیں' لاؤ فون ملاؤ!''
''شریف لوگوں کے لیے تو یہ گلی کانٹوں سے ہی بھری ہوئی ہے نانی' وہ بھی اتنے دن آ گئے تو۔ شاید ثواب سمجھ کر۔''
نانی کے دل کو دھکا سا لگا۔
فیروزہ بھی ایسا ہی تو کہتی تھی' اپنے گھر اور شناخت پر شرمندہ' حسن سلوک پر احسان مند' مگر ناچ گانا تو اس نے بھی بڑا دل لگا کر سیکھا تھا' ایسا کہ عروج پر پہنچایا تھا۔''
اس گیتی سے تو یہ بھی نہیں ہوا۔
''شاید پہلے کی اولاد زیادہ فرماں بردار تھی!''
''سالار ایسا نہیں' وہ ہمیں اگر برا سمجھتا تو یہاں آتا ہی کیوں؟ ہم تو اسے جانتے تک نہیں تھے' ریڈیو کے کسی

کام کے لیے آیا تھا بعد میں تو خود سے آیا تھا نا؟" دادی نے تصدیق چاہی تو اسے بے اختیار ہی سالار سے ابتدائی ملاقاتیں یاد آئیں۔

اس گلی اور پھر گھر آنا اور کس محویت سے اپنی طرف دیکھنا اور اوپر سے صندل کی پیش گوئی، کتنے ہی دن وہ اس کی طرف سے غلط فہمی کا شکار رہی تھی، مگر سالار کے رویے نے ہر خدشہ مٹایا تھا۔
اب تو کافی عرصے سے گیتی کو صاف لگنے لگا تھا کہ وہ اس کی طرف دیکھنے سے بھی پرہیز ہی رکھتا ہے۔
وجہ جو بھی تھی، مگر کچھ توہین آمیز سا تو لگتا ہی تھا۔
"سالار نے ہم سے خود تعلق جوڑا ہے، دیکھنا ہمیشہ نبھائے گا بھی، کسی شریف باپ کا بیٹا ہے۔"
"سو فیصد ٹھیک کہہ رہی ہیں!" شاما اٹھ کر نیچے کارپیٹ پر بیٹھ چکی تھی اور ناممکن تھا کہ نانی کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتی۔ "مجھ جیسی دو ٹکے کی عورت تک سے اتنے لحاظ سے بات کرتے ہیں کہ مجھے تو شرم آنے لگتی ہے۔"
گیتی نے بے اختیار ہی ہاتھ جوڑ دیے۔
"میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ بلاوجہ کسی سے بھی توقع مت باندھیں، یہاں تو جس سے خون کا تعلق بندھا تھا اس نے بھی فالتو سامان کی طرح جان چھڑالی ہے اور شریف باپ کا بیٹا تو خیام بھی تھا نانی! کیا کر کے گیا ہے ہمارے ساتھ؟" کمرے میں بوجھل سی خاموشی اتری، خیام کا نام اتنا کم لیا جاتا تھا کہ اب اجنبی سا لگنے لگا تھا۔
نانی ایک ٹھنڈی سانس لے کر اپنے پاندان کی طرف متوجہ ہوئیں اور شاما نے ایک شاکی نگاہ گیتی کی نذر کی۔
"اس عمر میں ضروری ہے جو نانی کو تکلیف دی جائے!"
"معلوم نہیں کہاں ٹھوکریں کھا رہا ہو گا کم نصیب۔"
"کوئی ٹھوکریں نہیں کھا رہا ہو گا نانی! اتنا پیسہ سمیٹ کر گیا ہے عیش کر رہا ہو گا ہمیشہ کا آرام طلب اور خود غرض، ہل کر پانی تو پیا نہیں جاتا ٹھوکریں کھائے گا وہ۔"
بہت غصے سے وہ بولتی چلی گئی، نانی اس کی کیفیت کو سمجھتی تھیں اور شاما بھی۔
اپنی جگہ وہ تھی بھی ٹھیک، پھر بھی نانی کا دل خیام کی طرف سے مطمئن ہوتا ہی نہیں تھا۔ نہ تعلق رکھے، مگر اپنی خیریت کا ایک چھوٹا سا فون، تو کہیں سے کر دے، ان ہی کی تسلی کے لیے۔ دل ہی دل میں وہ کتنی بار دعا کر چکی تھیں۔

"جس ٹھاٹھ باٹ سے وہ یہاں رہتا تھا اس سے زیادہ عیش سے ہو گا اب، لاکھوں روپے تھے اس کے ہاتھ میں اور پلاننگ تو وہ بہت کامیابی کے ساتھ کرتا ہے، یہ تو ثابت کر ہی گیا ہے! کبھی ملا اپنے شان دار گھر یا لمبی سی گاڑی سے اترتا ہوا تو حیرت مت کیجئے گا، زمانے بھر کی آسائشیں، آرام اس وقت بھی اسے۔"
کہیں دور حبس اور نیم تاریکی میں ڈوبے کھولی نما کمرے میں خیام کی آنکھ کھلی۔
پہلا احساس شدید ترین گرمی کا تھا، چھت پر لگا ساکت پنکھا بتا رہا تھا کہ لائٹ گئے ہوئے خاصی دیر ہو چکی ہے۔
وہ پورا پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

دیا و شبِ عشق

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتلائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو بیڈلو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اُٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بالو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گئی آلکی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دُکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو، ناجی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دُعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دُھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زونیرہ کمال سے کردی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ فائزہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصۂ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی مارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جارہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اٹنک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمدورفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک لبس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ ماں ذات اپنوں سے دُوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی جوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دُعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے للّٹے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا ”تعلق“ ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور ایاز کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جزبز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اُڑا دیتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۱۸
اٹھارہویں قسط

کہیں دور حبس زدہ نیم تاریکی میں ڈوبے کھولی نما کمرے میں خیام کی آنکھ کھلی۔

پہلا احساس شدید ترین گرمی کا تھا۔ چھت پر لگا ساکت پنکھا بتا رہا تھا کہ لائٹ گئے کتنی ہی دیر ہو چکی، وہ پورا پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔

یہ صورت حال بھی اب تک مانوس ہو چکی تھی سو وہ اس گھپ اندھیرے میں ہی بنا کسی سے ٹکرائے، دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

بابو شوکت کا جنریٹر ابھی تک آن نہیں ہوا تھا، سامنے کا ہال دکھائی دے رہا تھا، جہاں اس وقت بھی اچھے خاصے لوگ کھانے پینے میں مصروف تھے۔

خیام کی نگاہ ہال میں لگے وال کلاک پر گئی۔ رات کے تقریباً ڈھائی بج رہے تھے۔

مگر یہاں دن رات میں کوئی فرق نہیں تھا۔ ساری رات بسیں آتیں اور جاتیں، سارے بکنگ آفس کھلے رہتے اور ان کے ساتھ بابو شوکت کا ہوٹل بھی۔

”کہاں ابھی سے جا کر سو گئے تھے، یہاں اتنا کام پڑا ہے باقی اور کرنے والا کوئی بھی نہیں۔“

کچن کی طرف سے بابو شوکت کے نوعمر بیٹے نے اسے دیکھتے ہی چلا کر کہا۔

خیام ابھی ابھی کاؤنٹر کے پاس آکر رکا تھا۔

”اصل میں آج وہ دونوں اوپر کے کام والے لڑکے جلدی چلے گئے ہیں، سارا لوڈ اسی پر پڑ رہا ہے۔“ بابو شوکت کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔

”کوئی بات نہیں بابو بھائی! میں دیکھ لیتا ہوں۔“ دھیرے سے کہتے ہوئے وہ فوراً ہی واپس پلٹ گیا۔

بابو شوکت نے ایک تاسف بھری نگاہ اس پر ڈالی۔ جب وہ کچن کی طرف جا رہا تھا۔ کچن کے اگلے حصے سے کھانے اور چائے کی سپلائی جاری تھی، خیام سیدھا پچھلی طرف آیا۔

ایک میلے کپڑے سے بابو شوکت کا بیٹا دھلے ہوئے برتن خشک کر رہا تھا، خیام کو آتا دیکھ کر اس کی پیشانی پر آیا بل گہرا ہو گیا۔

”کچھ تو خیال کیا کرو خیام بھائی! کام کے وقت تھوڑا سا ہاتھ بٹا دو تو کون سی بڑی بات ہے۔“ اپنے باپ بابو شوکت کی بہ نسبت وہ خیام کے ساتھ مالکانہ استحقاق کے ساتھ بات کرتا تھا۔

خیام کچھ کہے بغیر اس طرف بڑھ گیا، جہاں نل کے پاس ایک لمبی سی سلیب پر گندے برتنوں کا ڈھیر تھا۔

ادھ کھائی بوٹیاں، ہڈیاں، روٹی کے ٹکڑے سب کچھ ایک جگہ اکٹھا کرتے ہوئے آج بھی اس کے دل کو کچھ ہونے لگتا تھا، لیکن پچھلے چند مہینوں میں وہ متعدد بار یہ کام کر چکا تھا، اس کی بے روزگاری کا یہ چھٹا مہینہ چل رہا تھا۔

”ذرا دھیان سے کنارے ٹوٹی پلیٹوں میں کسٹمر کھانا نہیں کھاتے ہیں۔“

ایک پلیٹ اس نے شاید قدرے زور سے رکھی تب ہی اس لڑکے نے فوراً جتایا۔

اپنے باپ کی نسبت وہ مستقبل میں زیادہ اچھا کاروباری ثابت ہونے والا تھا۔

بدلحاظ اور بے مروت!

خیام نے اب تک اس کی کسی ایک بات کا بھی جواب نہیں دیا تھا۔ پانی کی گرتی ہوئی موٹی دھار میں ساری چکنائی بہے جا رہی تھی۔ براؤن کناروں والی سفید شیشے کی پلیٹیں دُھل کر چمکتی جا رہی تھیں۔

وہ انہیں اکثر محویت سے دیکھتا۔

سب کا کچرا ایک شاپر میں اکٹھا کرنا، جھاگ میں ڈوبا ہوا اسفنج پھیرنا اور پھر صاف پانی کی دھار میں کھنگال لینا بڑی مشکل سے وہ یہ سارا پروسیس یاد کر پایا تھا۔

پہلے پہل تو اسے ان پلیٹوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بھی اتنی گھن آئی تھی کہ اسے ہوٹل کے پیچھے جا کر الٹی کرنی پڑی۔

مگر اب سب کچھ آسان ہوتا جا رہا تھا۔ کبھی کبھی تو ان برتنوں پر رشک آنے لگتا تھا، روز خراب ہوتے اور روز چمک اٹھتے بلکہ دن میں کتنی ہی بار ایسا ہوتا تھا۔

کوئی ایسا ہی طریقۂ کار انسان کے لیے بھی وضع ہوتا تو وہ یقیناً پہلا شخص ہوتا، جو اپنے وجود سے لپٹا سارا کچرا بہا ڈالتا۔

اس کی طرف سے مطمئن ہو کر بابو شوکت کا بیٹا، دیگوں کے پاس جا کھڑا ہوا تھا۔ خیام کو یاد تھا کہ جب وہ یہاں آیا تھا، تو یہی لڑکا اس ہوٹل سے کتنا لاتعلق اور بے زار محسوس ہوتا تھا۔ بابو شوکت کے زور دینے پر کبھی آکر بیٹھ بھی جاتا، تو بہت ہی بے دلی کے ساتھ، لیکن اب وہ دنیا کے ساتھ چلنا سیکھ رہا تھا۔

کتنی ہی دیر گزری۔

وہ پوری سلیب خالی کر چکا تھا' جب اس نے ایک بار پھر اسے اپنی طرف آتے دیکھا۔
"کتنی دیر لگادی خیام بھائی ایک کام میں' وہاں آرڈر پورے نہیں ہو پا رہے ہیں' میں اکیلا کہاں کہاں بھاگوں۔ ابا نے تو اچھا کاؤنٹر سنبھالا ہے' باقی سب کاموں سے بری الذمہ!"
خیام ہاتھ جھٹک کر خشک کرتے ہوئے اگلے حصے میں آگیا۔
وہاں لائین سے کئی ٹرے بجی رکھی تھیں۔
"یہ اس چار نمبر پر' دوسری گیارہ پر اور۔۔۔!" اسے دیکھتے ہی دیگ پر بیٹھے شخص نے روانی سے تفصیل بتانا شروع کی۔
خیام نے اس بار بھی بنا کسی عذر کے ٹرے اٹھائی اور ہال میں آگیا۔
ساری ٹرے مطلوبہ جگہوں پر پہنچانے اور پانی کے جگ اور گلاس کے لیے کئی چکر کرنے کے بعد اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ چند منٹ کے لیے کسی کرسی پر بیٹھ جائے' لیکن اسے پتہ تھا کہ ایسا کرنے پر ایک بار پھر اپنی بے عزتی کروائے گا' سو وہ بابو شوکت کے پاس آکھڑا ہوا۔
"میں نے ابھی ایک دو جگہ تمہارے لیے پھیرات کی ہے' دعا کرو کام بن جائے۔"
"میری دعائیں کام نہیں بناتی ہیں بابو بھائی!" وہ دھیمے لیکن بہت صاف لہجے میں بولتا تھا' روپے گنتے بابو شوکت نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
"کفر کا کلمہ! توبہ کرو اللہ سے!"
"وہی تو کہہ رہا ہوں' ساری عمر بھی توبہ کرتا رہوں تو بھی بخشا نہیں جاؤں گا شاید۔ ایسے ہی تو دعائیں رد نہیں ہو رہیں ساری!" وہ زیر لب مسکرایا۔
کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں بابو شوکت بھی جواباً مسکرا دیا۔ "ایسے نہیں کہتے!"
سال سے اوپر ہونے کو آیا تھا' لیکن خیام آج بھی اس کے لیے پراسرار تھا۔
وہ اپنے بارے میں اتنی ہی بات کرتا' جتنی وہ خود چاہتا تھا۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ کئی بار کی کوشش کے بعد بابو شوکت نے بھی ہار مان لی تھی۔
"معلوم نہیں کیا چکر ہے بے چارے کے ساتھ۔"
"شروع شروع میں اداس تو دکھتا تھا مگر مایوس نہیں۔" الٹا اتنا پرجوش کہ وہ کافی عرصے تک اس کی حیثیت کے بارے میں مشکوک رہا' کسی خوشحال گھر کا لاڈلا' جو کسی وجہ سے 'مجبوراً' یہاں آرکا ہے' لیکن رفتہ رفتہ سارے شکوک یوں ہی آدھے ادھورے رہ گئے۔
لوگوں کا ایک اور ریلا اندر آیا۔
بابو شوکت کا بیٹا ان کی طرف بڑھا اور پھر تھوڑی ہی دیر میں اس کی واپسی کاؤنٹر پر ہوئی۔
"تین آدمیوں کو رکنے کی جگہ چاہیے ابا! ایک ہفتے کے بہت اچھے پیسے چاہئیں' میں نے ایڈوانس بھی لے لیا ہے۔"
اس نے کچھ نوٹ بابو شوکت کی طرف بڑھاتے ہوئے اطلاع دی۔
"لیکن ہمارے پاس جگہ کہاں ہے' زیادہ سے زیادہ ایک بندے کی جگہ نکل آئے گی' ہم کہاں ایڈجسٹ کریں گے' واپس کر پیسے!"

بابو شوکت نے اس کا ہاتھ پرے کیا' مگر وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔
"آئی روزی کو واپس نہیں کرتے ابا! خیام بھائی کا کمرہ بھی تو خالی ہے۔ یہ تو گھر کا آدمی ہے' یہیں کہیں سو جائے گا۔ ویسے بھی ایک پورا کمرہ اس کی ضرورت سے کہیں زیادہ ہے!"
"نہیں نہیں۔ ایسا کیسے۔۔۔"
"میں ابھی کمرہ خالی کر دیتا ہوں بابو بھائی! آپ فکر مت کریں۔"
خیام نے تیزی سے بابو شوکت کی بات کاٹی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا' بہت تھوڑی سی دیر میں وہ انہیں واپس آتا دکھائی دیا' ایک بیگ اور بستر سنبھالے' وہ کمرہ خالی کر چکا تھا۔
"کہاں سوؤ گے؟" بابو شوکت بہرحال شرمندہ تھا۔
"پچھلی طرف جگہ خالی ہے' کسی بھی بینچ پر۔ ویسے اب تو صبح ہونے والی ہے۔" وہ اپنا بیگ کچن کی ایک الماری پر رکھ رہا تھا' اور بابو شوکت اپنا کاؤنٹر چھوڑ کر بے اختیار اس کے پیچھے۔
"بیگ میں تالا تو لگا ہوا ہے نا۔"
"جی!"
بیگ کی حفاظت سے وہ ایک پل کے لیے غافل نہیں تھا۔ ایک اسپیشل لاک اس چوری کے بعد فوراً ہی لگوا دیا تھا' جس چوری نے اس کے مستقبل کے سارے خاکے کو پرزہ پرزہ کر کے اڑا دیا تھا۔
مگر اب جو کچھ بھی اس بیگ میں تھا' بے حد قیمتی تھا۔
"خیام! میں بے حد شرمندہ ہوں۔" وہ دونوں پچھلی طرف والے کھلے احاطے میں چلے آئے۔ لکڑی کی ایک بینچ پر خیام اپنا بستر جما رہا تھا۔
"شرمندہ تو میں ہوں بابو بھائی! تین ماہ سے تو کرایہ بھی نہیں دے سکا آپ کو' مجھے پہلے ہی کمرہ خالی کر دینا چاہیے تھا۔"
وہ بظاہر بہت سہولت کے ساتھ کہہ رہا تھا لیکن بابو شوکت کو پتا تھا کہ درحقیقت ایسا نہیں ہے۔
پہلے ہی دن جب وہ آیا تھا' تو اس نے الگ کمرے کی ہی ڈیمانڈ کی تھی اور اس کے لیے وہ تین آدمیوں تک کا کرایہ دینے پر فوراً' رضامند ہو گیا تھا۔
بابو شوکت کو اسی وقت' خیام کی نازک مزاجی کا احساس ہوا تھا۔ بعد میں وہ یہاں بنا کسی نخرے کے رہتا رہا' لیکن پھر بھی کئی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بار بار احساس ہوتا تھا کہ پیچھے اتنی سیدھی سادی بھی زندگی نہیں چھوڑ کر آیا تھا۔
"خیام باؤ!" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا وہ قریب ہی بیٹھ گیا۔
"میری مانو' اپنے گھر واپس چلے جاؤ' بہت تکلیف اٹھا رہے ہو' اب ختم کر دو ناراضی۔"
"پلیز بابو بھائی!" ہاتھ کے اشارے سے اس نے مزید کچھ کہنے سے روکا۔ "اگر آپ کو میری وجہ سے پرابلم ہو رہا ہے تو میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔"
"نہیں نہیں' ایسا کچھ نہیں' اچھا چلو تم آرام کرو' بعد میں بات کریں گے۔" وہ گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔
پتہ بھی تھا کہ ایسا ہی کچھ سننے کو ملے گا' پھر بھی وہ بار بار بے وقوفی کرتا تھا۔
تکیہ سر کے نیچے رکھ کر وہ سیدھا ہوا تو بینچ کی سختی کا احساس ہوا' خیام نے بے چین ہو کر پہلو بدلا۔
آسائشوں سے بھرا ہوا وہ کمرہ' اب جانے کس کے استعمال میں ہو گا' یا پھر اس کی یادگار کے طور پر محفوظ کر دیا گیا

ہوگا۔ یہ خیال شاید آج کی کسمپرسی کے احساس سے جاگا تھا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے' کیتی اپنا دن وہیں گزارتی ہو' کم از کم وہ تو میری ساری چیزوں کی بہت دل سے دیکھ بھال کرتی ہوگی۔"

خیام کے چہرے پر اس بار مسکراہٹ جاگی۔

بہت دن سے کیتی کی یاد شدت پکڑ رہی تھی' اور وہ اسے جھٹکنے کی کوشش بھی نہیں کرتا تھا۔

حالات کی سختی سے ایک چھوٹا سا فرار ہی سہی۔

واپسی کا کوئی ارادہ نہ ہونے کے باوجود' پیچھے ایک بڑا ناقابلِ تلافی نقصان تو رہ ہی گیا تھا' اس بارے میں اب کم ہی شک باقی تھا۔

خیام کی نگاہ یہاں سے بھی کیبنٹ پر رکھے اس بیگ پر پڑ رہی تھی' جہاں کیتی کی دو چوڑیاں ابھی بھی بہت حفاظت کے ساتھ رکھی تھیں۔

☼ ☼ ☼
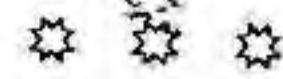
"گھر میں کیا چل رہا ہے زویا!"

"امی سے پوچھو' یا پھر ہمت ہو تو آپا گل سے۔" زویا بے فکری سے چینل پر چینل بدل رہی تھی۔

جویا نے بڑی رشک آمیز نگاہوں سے اسے دیکھا' یہاں تو ویلی اتنی مدت سے وسوسوں میں گھرا ہوا تھا کہ یاد بھی نہیں آتا تھا کہ ایسی مستقل قسم کی بے فکری کب نصیب ہوئی تھی۔

زندگی میں جب بھی ذرا سا سکون آتا ہوا محسوس ہوتا' تب ہی کوئی نہ کوئی ایسی بات ہو جاتی کہ منظر مکمل طور پر ہی بدل کر رہ جاتا۔

"یہ لوگ بار بار کہہ رہے ہیں اور پھر آج تو ابا تک آپا گل کے ساتھ جا رہے ہیں۔ ارادے کیا ہیں ان کے آخر' تم تو ذرا بھی خبر نہیں لا رہی ہو' میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔"

سوچ سوچ کر اس کے اعصاب واقعی جواب دینے لگے تھے' زویا کو لگا جیسے وہ اب رو دینے والی ہے۔

"لیکن اس طرح تو ہوتا ہے' اس طرح کے کاموں میں۔" زویا نے بے نیازی سے کندھوں کو خفیف سی جنبش دی۔

"پہلی بات تو یہ کہ میں کوئی روز کا اخبار نہیں اور نہ ہی کوئی نیوز چینل' دوسری بات یہ کہ' جو ہو رہا ہے' وہ بخوبی نظر آ رہا ہے' مجھے بھی اور تمہیں بھی۔"

"زویا میری اچھی بہن!"

جویا اٹھ کر اس کے قریب جا بیٹھی "تم کیوں نہیں منع کرتیں امی کو' آخر اتنی جلدی کیا ہے' ابھی تو ویسے بھی گھر میں پریشانیاں پھیلی ہوئی ہیں' اوپر سے یہ سب کو میری شادی سوجھ رہی ہے' ابھی تو مجھے آگے بھی پڑھنا ہے۔"

"اچھا خیال ہے' لیکن یہ سب تم خود کیوں نہیں بتا دیتیں' خاص طور پر آپا گل کو۔"

زویا کا چہرہ بے تاثر تھا' جویا چند لمحے اس کے مزید کچھ کہنے کا انتظار کیے گئی' مگر وہ پوری طرح ٹی وی کی طرف ہی متوجہ محسوس ہونے لگی۔

"ٹھیک ہے' میں خود ہی دیکھ لوں گی سب کو' مجھ پر کوئی زبردستی نہیں کر سکتا' یہ میری زندگی ہے اور اسے اپنی

مرضی سے گزارنے کا پورا حق ہے۔"

زویا اس کے لہجے کی مضبوطی کی داد بھی نہیں دے پائی تھی کہ عقب سے آپا گل کی آواز گونجی۔

"ہاں کیوں نہیں' یہاں سب ہی اپنا حق استعمال کریں گے' پہلے بھائی' اب بہن' گھر کی' ماں باپ کی' کس کو فکر ہے۔ شاباش ہے جویا' امی ابا کا' میرا کسی کا بھی پاس نہیں ہے تمہیں۔"

جانے کب' وہ دبے پاؤں اوپر آ چکی تھیں اور پوری نہ سہی' جویا کی آدھی بات تو سن ہی لی تھی۔

ادھوری بات سے جتنے غلط نتیجے نکل سکتے تھے' وہ نکال چکی تھیں۔

"غضب خدا کا' ہمارے گھر کی لڑکیاں اور اس طرح فیصلے سنانے لگیں' پتہ ہے جب میری بات طے ہوئی تھی اکبر کے ساتھ' نہ دیکھا' نہ بھالا' ایک لفظ منہ سے نہیں نکالا تھا ماں باپ کے سامنے اور تم کس بے شرمی سے ابھی سے۔" ان کا برسنا فطری تھا۔

جویا شرمساری' ان کے خاموش ہونے کی منتظر تھی۔

ابھی تو اسے آگے کی کہانی کا اتا پتا بھی نہیں تھا' بے کار ہی جذباتی ہو کر آپا گل کو بھڑکا دیا۔ اسے اپنی غلطی کا احساس فوراً" ہی ہوا تھا' لیکن کیا پتہ تھا کہ وہ یوں کسی ماہر جاسوس کی طرح کا چھاپا ماریں گی۔

"مجھے کئی دن سے شک ہو رہا تھا کہ آخر تم دونوں میں کیا کھچڑی پکتی رہتی ہے' امی سے کہا بھی' لیکن انہیں تو سلمان کا اور زیور کا غم منانے سے ہی فرصت نہیں' لیکن تم جویا!"

انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے' وہ صرف پل بھر کے لیے خاموش ہوئیں۔

"تمہیں تو شرم کرنی چاہیے' چھوٹی بہن سے ایسی باتیں کرتے ہوئے' وہ کیا اثر لے رہی ہے تم سے۔ کل کو وہ بھی اسی راستے پر چل پڑے گی' جو تم اسے دکھا رہی ہو۔"

جویا کی پیشانی بھیگ رہی تھی۔

آپا گل کا لہجہ اتنا تضحیک آمیز تھا کہ اس کا اسی پل مر جانے کو دل چاہنے لگا۔

"آپ بات کو بڑھا رہی ہیں آپا گل! میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا' جس پر آپ نے شور مچا کر رکھ دیا ہے' میں تو یہ پوچھ رہی تھی کہ۔"

"ضرور پوچھو لیکن زویا سے نہیں' مجھ سے' اس کے سامنے اپنی آزاد خیالی کا چرچا کرنے کی ضرورت نہیں۔"

ان کی آواز بلند تھی اور انہیں یہ بھی پروا نہیں تھی کہ گھر میں اظہار صاحب بذاتِ خود بھی موجود ہیں۔

جویا نے ایک گہرا سانس لے کر خود کو کمپوزڈ رکھنے کی کوشش کی۔

چیخ و پکار آپا گل کا پرانا حربہ تھا' وہ سب کو اسی طرح پریشرائز کرتی تھیں' مگر ہر بات کی کوئی تو حد ہوتی ہے۔

"ٹھیک ہے' پھر آپ ہی بتا دیں کہ آج امی اور ابا کو لے کر کہاں جا رہی ہیں؟"

جب وہ اسے سب کچھ کہہ ہی چکیں تو پھر اسے بھی صاف بات کرنی پڑی۔

"میں تمہارے سوالوں کا جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔" اپنی ہی بات سے وہ فوراً" ہی منحرف ہوئیں۔ اتنے بگڑے ماحول میں بھی' زویا کی ہنسی نکل گئی۔

جویا نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ نے ابھی کہا ہے کہ میں ہر بات' زویا سے نہیں آپ سے پوچھوں پھر...!"

"ہاں کہا ہے میں نے' لیکن یہ نہیں کہا کہ میں تمہاری بات کا جواب بھی دوں گی۔"

"پھر مجھے اپنے سوال کا جواب سننے کے لیے کیا کرنا چاہیے' یہ بھی بتا دیں؟"

"انتظار۔" دوسروں کو زچ کرنے میں وہ ماہر تھیں۔
"کتنا یہ بھی بتادیں۔" اب وہ بنا پلک جھپکائے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔
"جب تک ہمارا دل چاہے؟" شان بے نیازی سے کہتے ہوئے وہ واپس مڑنے لگی تھیں کہ جویا تیزی سے بڑھ کر ان کے سامنے آکھڑی ہوئی۔
"ٹھیک ہے لیکن جو بات میری ذات کے بارے میں ہوگی اس پر آپ بھی میرا جواب سننے کے لیے تیار رہیے گا۔"

آپا گل کو امید نہیں تھی کہ اتنی بے عزتی کروا لینے کے بعد بھی وہ اس طرح ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرسکے گی۔
"ہٹو میرے راستے سے پتہ ہیں مجھے تمہارے سوال جواب۔" اسے سختی کے ساتھ ایک طرف کرتے ہوئے وہ سیڑھیاں اتر گئیں۔
نیچے لاؤنج میں اظہار صاحب اور شاکرہ بیگم تیار کھڑے تھے' خلافِ توقع دونوں ہی نے کچھ زیادہ اہتمام نہیں کیا تھا۔ آپا گل کو بے ساختہ ہی وہ دن یاد آیا جب وہ لوگ پہلی بار زوبیہ کے گھر جارہے تھے۔
کیا شان تھی اس دن ان سب کی۔
کتنے دن پہلے سے تیاری شروع کردی گئی تھی۔ خود انہوں نے تو اپنے اور اپنے میاں کے لیے نیا سوٹ تک تیار کروایا تھا۔
کیک' مٹھائیاں' پھل' سب کچھ ہی اتنی وافر مقدار میں تھا کہ ایک الگ سے ٹیکسی کرنی پڑگئی تھی' مگر آج۔۔۔؟
"تھوڑی سی مٹھائی اور پھل لے لیں ابا راستے سے' پہلی بار آپ لوگ جارہے ہیں۔"
"کوئی خاص تردد کرنے کی ضرورت نہیں' زیادہ ہی ہے تو ایک کلو مٹھائی کا ڈبہ لے لو کافی ہے۔"
شاکرہ بیگم نے ہاتھ کے اشارے سے جیسے مکھی اڑائی۔ سچی بات تو یہ کہ ان کا دل آج کل جتنا پریشان تھا' اس میں ایسی باتیں اچھی بھی نہیں لگ رہی تھیں' یہ تو آپا گل تھیں جن کی بات انہیں ماننا پڑگئی تھی۔
گھر میں ان لوگوں کے جانے کے بعد' بڑا چبھتا ہوا سناٹا پھیل رہا تھا۔
زویا گیٹ بند کرکے واپس آئی تو جویا ابھی تک وہیں کھڑی تھی۔
وہ خود کو سنبھال چکی تھی' لیکن زویا کو پتہ تھا کہ آپا گل کی باتوں سے اسے کتنی چوٹ پہنچی ہوگی۔
"سوری!" جویا جواب میں بنا کچھ کہے تیزی سے سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔
زویا کو بھی اس کے پیچھے آنا پڑا۔
"آپا گل کی عادت تو پتہ ہے تمہیں' یوں ہی جو منہ میں آتا ہے' کہتی ہیں' بے کار میں دل پر لے رہی ہو۔" جویا اب بھی خاموش تھی۔
"پلیز!" وہ باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر سامنے کھڑی ہوگئی۔
"تمہاری غلطی ہی کیا ہے' خرابی تو مجھ میں ہے' جو گھر کا ماحول خراب کررہی ہوں' سنا ہے ناتم نے' کیا کیا کہا ہے آپا گل نے۔ میں تمہیں بگاڑ رہی ہوں۔ مت بات کیا کرو تم بھی مجھ سے۔" اس بار اس کے آنسو باقاعدہ بہہ نکلے۔

"دو کوڑی کا کرکے رکھ دیا انہوں نے مجھے میری نظر میں ہی' ایسے جیسے میں کوئی بالکل ہی تھرڈ کلاس بات کر بیٹھی ہوں اور یہی آپا گل۔"
رک کر اس نے اپنے چہرے پر بہتے ہوئے آنسوؤں کو خشک کیا۔

"سلمان بھائی اور زوبیہ کے پورے افیئر میں کتنی بڑی سپورٹنگ رہیں' یاد ہے کس طرح یہ سلمان بھائی کو زوبیہ سے ملتے رہنے پر اکساتی تھیں اور کیسے بے ہودہ حلیے میں بھی وہ آتی' ان کے ماتھے پر شکن تک نہیں آتی تھی۔ زوبیہ کے پیسے نے اس کے سارے عیب چھپا رکھے تھے اور مجھے ذلیل کرنا اس لیے آسان ہے کہ۔۔۔"
"تو اب بھگت تو رہے ہیں انجام' کتنی پریشانیوں میں گھرے ہوئے ہیں' سب کو اپنی غلطی کا احساس ہے۔"
"کیا فائدہ' جو ہونا تھا ہوچکا' ان کے پریشان ہونے سے حالات میں کون سی تبدیلی آنے والی ہے۔" جویا کا دل بے حد برا ہو رہا تھا۔ "یہاں وہی کامیاب ہیں' جو اپنی خوشی کے لیے گھٹیا سے گھٹیا سطح پر اترتے ہیں۔"
زویا نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "کرنے دو' جو بھی آپا گل کررہی ہیں' کوئی دو دن میں شادیاں تھوڑی ہو جاتی ہیں اور ابھی کون سی انہوں نے تمہارے شادی طے کردی ہے' اب تو معاذ بھائی بہت سیریس ہیں جاب ڈھونڈنے میں' اللہ کرے اسی مہینے میں مل جائے' لیکن دادی کو کم از کم بات تو چھیڑنی چاہیے' سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ خاموش کیوں ہیں' تمہیں اس روز کہنا چاہیے تھا معاذ بھائی سے۔"
جویا نے محض نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔
اس روز کی اتفاقیہ ملاقات میں' جو گہرا یقین معاذ کی بے نیازی نے تھمایا تھا' وہ بڑا ہی زور آور تھا۔
"مجھے پتہ ہے' یہی کافی ہے' لیکن یہ لوگ۔" اس نے سر کو ملکے سے جنبش دی۔ "معاذ سونے کا بھی بن جائے تو انہیں قبول نہیں ہوگا' میرا دل کہتا ہے کہ انہیں اس کے مقابلے میں کوئی بھی منظور ہوسکتا ہے' کوئی بھی' چاہے وہ کسی بھی قابل نہ ہو۔"
زویا سے فوری طور پر تردید بھی نہیں کی گئی۔
"بہرحال' تمہیں اب کوئی ضرورت نہیں ہے مجھ سے ایسی باتیں کرنے کی' جو کچھ ہوگا میں خود دیکھ لوں گی۔"
اسے اپنی تازہ تازہ ہوئی بے عزتی یاد آئی تو لہجہ خود بخود سخت ہوگیا۔
زویا ملکے سے مسکرادی۔ اس کا غصہ جائز تھا اور اب چند دن وہ اس سے اسی طرح خفا رہنے والی تھی۔
آپا گل کی باتوں کا اثر اتنی جلد زائل ہونے والا نہیں تھا۔
"لیکن کوئی کچھ کہے کم از کم وہ جویا کے ساتھ ہمیشہ کھڑی رہے گی۔" یہ اطمینان اسے ضرور تھا۔

☆ ☆ ☆
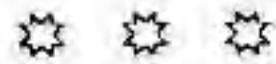
صبح کا دل فریب اجالا کمرے میں پھیلا ہوا تھا۔ ربیعہ ابا کی چائے ان کے کمرے میں رکھنے آئی تو معاذ کو اتنی صبح ان کے کمرے میں دیکھ کر حیرت تو بہت ہوئی مگر بولی کچھ نہیں۔
چپ چاپ اس کے لیے بھی چائے لانے کے لیے واپس مڑ گئی۔ واپس آئی تو وہ ابھی بھی ابا سے دھیمے دھیمے کچھ بات کررہا تھا اور وہ اس کی طرف قدرے جھکے اتنے غور سے اس کی بات سن رہے تھے' جیسے وہ کوئی بڑا عالمی مسئلہ حل کررہا ہو۔
ربیعہ کا دل جل کر رہ گیا۔
مجال ہے' جو کبھی ابا کو اس سے سختی سے بات کرتے سنا ہو۔ وہ فطرتاً نرم طبیعت تھے لیکن ایسا بھی کیا کہ معاذ جیسے لاپروا کو ہلکی سی سرزنش بھی نہیں کی جائے۔

وہ تو الٹا اس پر اور اس کے کیے سب کاموں پر اس طرح فخر کرتے تھے' کہ کیا کوئی اپنے لائق فائق بیٹے پر کرتا ہوگا۔

بنا کچھ کہے وہ مڑ کر پردے ہٹا کر کھڑکیاں کھولنے لگی۔
یہاں سے نگاہ پچھلے برآمدے میں سے ہوتی احاطے تک جاتی تھی جہاں چمپا کے چوڑے پتوں والے درختوں کا جھنڈ تھا اور جن کے پھولوں میں زردی مائل سفیدی جھلکتی تھی۔
ہوا کے خوشگوار جھونکے پھولوں کی خوشبو سے بوجھل ہوئے کمرے میں آرہے تھے۔
معاذ نے اس خوب صورت تبدیلی کو محسوس کرتے ہوئے سر اٹھا کر اس طرف دیکھا' ربیعہ فوراً" ہی باہر نکل آئی۔

ابا عموماً"اس وقت اسے بھی اپنے پاس ضرور بٹھاتے تھے مگر اس وقت رکنے کو نہیں کہا۔ ربیعہ کو عجیب سا لگا۔
"تقدیر کا کوئی چکر تو ہے ابا! جو اس طرح بار بار ناکامی' سب سمجھتے ہیں کہ میں کوشش نہیں کررہا لیکن کم از کم آپ تو جانتے ہی ہیں۔"
پہلی بار اس کے لہجے میں انہوں نے مایوسی سی محسوس کی' یہ بڑی خلافِ معمول سی بات تھی۔
"تقدیر کوئی بڑا کام لینے کے لیے' ایک وقت تک کسی بھی انسان کو تیار کرتی ہے بیٹا! یہ مشکلات' ناکامیاں' سب ہماری استاد ہی تو ہیں۔ ہر ناکامی کچھ سکھا کر جاتی ہے بیٹا! حالات سے لڑنے کا حوصلہ دیتی ہے' اور تم کب سے لوگوں کی اتنی فکر کرنے لگے؟؟" آخری جملہ انہوں نے قدرے مزاحیہ انداز میں کہا۔
"کرنی پڑتی ہے ابا اور کرنی چاہیے بھی' ہم لگے بندھے اصولوں سے ہٹ کر چلتے ہیں' شاید اسی لیے لوگوں کو ہم سے شکایتیں ہیں بہت زیادہ۔"

وہ اداس تھا۔
ابا نے ہمیشہ اسے اندر کی ٹوٹ پھوٹ سے بچائے رکھنے کی کوشش کی تھی اور وہ کامیاب بھی رہے تھے۔ یہ ان ہی کی تربیت تھی جس نے معاذ کی فطری اچھائی کو جِلا بخشی تھی۔
خود اعتمادی' بے نیازی اور حد سے بڑھی ہوئی دردمندی۔
"یہاں ایسے کتنے ہوں گے' شاید انگلیوں پر گنے جاسکتے ہوں۔"
انہیں اس پر ہمیشہ فخر رہا اور آج بھی تھا۔
اور یہ ہلکی سی دراڑ جو اس کی شخصیت میں آتی محسوس ہورہی تھی' ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔
"ایک ذرا سی جاب ملنے میں ہی تو دیر ہوئی ہے اور وہ بھی بقول تمہارے' ورنہ اگر اس بات پر ایمان مضبوط رکھو کہ ہر کام کا وقت مقرر ہے تو بیٹا! انسان خود بخود مطمئن ہوجاتا ہے۔"
صبح جب وہ فجر کی نماز اور تلاوت سے فارغ ہوئے ہی تھے' تب ہی سے وہ ان کے کمرے میں آیا بیٹھا تھا۔ ابا کو یقین ہو رہا تھا کہ وہ رات بھر سو بھی نہیں سکا ہے۔
"لیکن ہر بار ہی کیوں ابا! اس بار تو انٹرویو بھی بہت اچھا ہوا تھا اور ساری ریکوائرمنٹ بھی پوری تھیں۔ بہت زیادہ امید تھی' پھر بھی عین وقت پر صاف جواب مل گیا۔ کوئی نہ کوئی چکر تو ہوا ہے اس دفعہ۔ کسی نے جان بوجھ کر مجھے سلیکٹ ہونے نہیں دیا ہے۔"
"ہماری کسی سے دشمنی نہیں ہے بیٹا! ہم نے کبھی بھی کسی کا برا نہیں چاہا' اس لیے تم بھی کسی سے بدگمان مت ہو۔" انہیں اس کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔
"آپ نہ چاہیں برا' لیکن یہ نہ کہیں پلیز کہ کوئی آپ کا برا نہیں چاہتا' ساری عمر نقصان تو اٹھائے ہیں آپ نے بھی۔"
معاذ نے بمشکل ہی خود کو یہ کہنے سے باز رکھا۔
اسے لگا تھا کہ ابا کو دکھ ہوگا' اپنے حساب سے انہوں نے کامیاب ترین زندگی گزاری تھی۔
اور اس میں شک بھی کیا تھا۔
وقتی مایوسی اور بات تھی لیکن ابا ہی اس کے آئیڈیل تھے' پہلے اور آخری۔
ان ہی کے اصول قاعدے اور ان ہی کے خیال و افکار' وہ ان پر بجا طور پر فخر کرتا تھا۔
مگر اس حالیہ ناکامی کے ساتھ' رنج کے ساتھ جو چبھن بھی جڑی ہوئی تھی' معاذ کے لیے ناقابلِ برداشت ہو رہی تھی۔

"جب میں انٹرویو دے کر نکلا تھا ابا! تو وہاں اکبر بھائی بھی ملے تھے۔"
بالآخر اس نے ابا کو اپنی الجھن میں شریک کرہی لیا۔
"کون اکبر؟" وہ کچھ چونک کر معاذ کی طرف دیکھنے لگے۔
"اظہار چچا کے داماد' آپا گل کے شوہر۔"
"اچھا اچھا۔۔۔ وہ۔ میرے ذہن سے اتر گیا تھا شاید۔" وہ سادگی سے بولے۔
معاذ ہلکے سے مسکرا دیا۔
ابا کا اظہار صاحب اور ان کے خاندان سے برائے نام تعلق تھا اور پیٹھ پیچھے ان لوگوں کا ذکر بھی اتنا کم ہوتا تھا کہ اسے ابا کی بھول پر ذرا بھی حیرت نہیں ہوئی۔
"اس فرم کے ایم ڈی' اکبر بھائی کے پرانے کلاس فیلو رہے ہیں۔ خود ہی بتا رہے تھے کہ بہت گہرے تعلقات ہیں ان کے اس کے ساتھ۔"
اتنی بات کہتے ہوئے وہ ذرا سا رکا۔ ابا بہت غور سے اس کی شکل دیکھ رہے تھے۔
"کہنا کیا چاہتے ہو تم؟"
"مجھے یقین ہے ابا! اکبر بھائی نے ہی میری یہاں کی جاب کینسل کروائی ہے' بہت کرید کرید کر سوالات کر رہے تھے اور چہرے کے تاثرات تو ایسے ہو رہے تھے جیسے کوئی کڑوی گولی چبا رہے ہوں۔"
وہ بہت پُر یقین تھا۔
"وہ کیوں کریں گے ایسا' انہیں تمہاری جگہ کسی اور کو اپائنٹ کروانا تھا کیا؟"
"پتہ نہیں!"
"تو پھر بے کار کی قیاس آرائی کرکے' خود کو کیوں کنفیوز کررہے ہو؟"
"میں خود جیسا بھی ہوں' لیکن ابا جیسی بے لوثی اب تک بھی میرے حصہ میں نہیں آئی ہے۔"
احاطے میں دکھائی دیتے چمپا کے پھولوں پر نگاہ جمائے ہوئے معاذ نے سوچا۔
"یہ کوئی آخری نوکری تو نہیں نکلی تھی شہر میں' ہزاروں لڑکے روز قسمت آزماتے ہیں' تم اس طرح ہمت ہار دو گے' اتنی جلدی۔" وہ اب تھوڑے خفا ہو رہے تھے۔
ایک گہری سانس لے کر معاذ اٹھ کھڑا ہوا۔
"میں ہمت نہیں ہار رہا ابا! لیکن میں لوگوں کو اس کی اجازت بھی نہیں دوں گا کہ وہ مجھے دھکا دے کر دیوار کے ساتھ لگادیں' ان شاء اللہ کچھ نہ کچھ تو اچھا ہوگا ہی۔"
"یہ ہوئی نا بات!"

ابا کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ' خود معاذ کے لیے بھی بڑے حوصلے کا سبب بنی تھی۔ جس وقت ان سے اجازت لے کروہ کمرے سے باہر نکلا اس کے کمرے سے مشین چلنے کی آواز آنا شروع ہو چکی تھی۔

یہ آواز گھر کے ماحول کا اہم حصہ تھی' جس دن نہ سنائی دیتی ایسا لگتا جیسے کوئی کمی واقع ہو گئی ہو۔ معاذ کو کبھی فرق نہیں پڑا تھا' مگر آج وہ اتنی تیزی سے کوریڈور میں سے گزرا' جیسے اس آواز سے بھاگنا چاہ رہا ہو۔

ربیعہ اس کے بائیک اسٹارٹ کرنے کی آواز پر چونک کر دوڑی تھی۔

"معاذ! ناشتہ تو کرلو' بنا ہوا ہے۔" وہ برآمدے میں رک کر چلائی۔

"ابھی بھوک نہیں ہے' اور مجھے ویسے بھی دیر ہو رہی ہے' ریحان انتظار کر رہا ہو گا۔"

ربیعہ کو مزید سوال کا موقع دیے بغیر وہ اپنی بائیک باہر لے جا چکا تھا۔

"یہ ریحان بھائی بھی نا۔" بہت جھنجلا کر ربیعہ واپس اندر آئی تھی۔

"روزانہ تو بارہ بجے صبح ہوتی ہے اور آج اتنا سویرے نکل گیا معاذ!" پچھلے برآمدے میں صبح کے اخبار کا مطالعہ کرتے ہوئے دادی نے اسے آتے دیکھ کر تبصرہ کیا۔

"ہو گا کوئی نیا چکر' تب ہی اتنی جلدی صبح ہوتی ہے ان کی' یہ ریحان بھائی کو بھی معاذ ہی نظر آتا ہے' خود کو تو ضرورت ہے نہیں جاب کی اسے بھی بے فکر کر دیا ہے ذمہ داریوں سے۔"

بڑبڑاتے ہوئے وہ کچن کی طرف چلی گئی۔ روز کا یہی ایک ٹاپک تھا۔ دادی بہت آسانی کے ساتھ اَن سُنی کر دیتی تھیں' لیکن کھڑکی میں آ کر کھڑے ہوئے ابا کے چہرے پر یہ سب سن کر بھی اطمینان بھری مسکراہٹ تھی۔

معاذ پر ان کا اعتماد آج اور گہرا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

نگینہ کی در حقیقت پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑاہی میں تھا۔

بالی صاحب کی دو فلموں کی ہیروئن منتخب ہونا صندل کے لیے ایسا اعزاز تھا جس پر وہ جتنا بھی ناز کرتی کم تھا۔ اور صندل کی ماں ہونا' نگینہ کے لیے۔

پچھلے دنوں وہ صندل کے ساتھ' کراچی کا دورہ کر کے آئی تھی' جس کی تفصیل پڑوس میں کھلے اس مخالف کیمپ کو سنانا ضروری تھی۔

"کراچی کا ڈیزائنو ہے' جو صندل کے کپڑے بنا رہا ہے' بڑا مشہور ہے' سارے یورپ میں شو کرتا پھرتا ہے' وہ تو بالی صاحب نے بہت بڑی رقم آفر کی' تب پہلی بار کسی پاکستانی ہیروئن کے لیے مانا ہے۔"

گل ناز نے سامنے بیٹھی بیٹی کا اترا ہوا منہ دیکھا تو برداشت نہیں کر سکی "یہاں لاہور میں کون سی کمی پڑ رہی ہے' ساری بڑی ہیروئنیں یہیں سے ڈیزائن کرواتی ہیں اور جنہیں اللہ توفیق دیتا ہے' وہ تو فرانس' اٹلی جانے کہاں کہاں سے خریداری کرتی ہیں' بالی نے تو صندل کو کراچی پر ہی ٹرخا دیا۔"

اپنی بات کہہ کر وہ خود ہی ہنس پڑی' ساتھ بیٹھی والدہ' بہن اور بیٹی کے چہروں پر بھی تھوڑی سی رونق آئی۔

نگینہ نے ان کی اس کمینی سی خوشی کو بڑے وقار سے دیکھا۔

"وہ بھی ہو گا' جب اللہ چاہے گا' میرا مالک بڑا بے نیاز ہے۔ جلد ہی صندل باہر جائے گی' چند گانوں کی شوٹنگ یورپ میں ہے' لیکن ابھی یہاں کا بہت سارا کام باقی ہے۔"

ان سب کے چہروں پر بیک وقت پھیلتی سیاہی بڑی واضح تھی۔ دل میں ہوتی گدگدی کو نگینہ بڑی متانت کے

ساتھ چھپائے ہوئے تھی۔

"اور وہ بھی تو بتائیں باجی! ہیروئنوں والی میک اپ آرٹسٹ۔" شاما ساتھ تو نہیں گئی تھی' مگر دو دِنوں میں نگینہ سے سن سن کر سارا سفر نامہ حفظ کر چکی تھی۔

"ہاں' بابرہ شریف' ریما' ثناء اور بھی کتنی ہی ساری کی ساری' وہاں نبیلہ کے ہاں جا کر ہی اپنا پورا "لک" ہی بدلتی رہی ہیں' بڑا اسٹائل ہے وہاں تو' ایسے ہی تو نہیں کہتے کراچی کو کوسموپولیٹن شہر۔"

نگینہ نے یہ لفظ اور کچھ اور بھاری بھر کم الفاظ خاص طور پر خالہ زاد بہنوں کو متاثر کرنے کے لیے یاد رکھے ہوئے تھے۔

"خیر' میری الماس کی تو ویسے ہی سارے میں دھوم ہے' بیوٹیشن ذرا سا ہاتھ لگا دے تو دیکھنے والوں کی آنکھیں ہٹنا بھول جاتی ہیں' اتنی چھوٹی سی عمر میں لاکھوں مداح ہیں اس کے خیر سے۔"

مبالغہ آرائی گل ناز کو بھی جائز تھی۔

ساری عمر جوتی کے نیچے دبی' نگینہ سر پر چڑھی آ رہی تھی' جس کا ذکر پیٹھ پیچھے بھی اس وقت ہوتا تھا' جب دل کھول کر ہنسنے کو جی چاہتا تھا۔

"جب سے دبئی سے آئی ہے' ناک پیچھا پکڑ لیا ہے لوگوں نے' روز دعوت نامہ آ رہا ہے' انڈیا والے جو شوز کرتے ہیں' اس میں پرومیوٹر پرفارم کروانے کو کہہ رہے ہیں۔"

"اللہ اور ترقی دے' الماس نے واقعی بہت چھوٹی عمر میں سب کچھ سنبھال لیا' ابھی تو اس کے کھیلنے کھانے کے دن تھے۔ میری صندل اور کیتی دونوں سے چھوٹی ہے' اپنی ہمت سے بڑھ کر کام کر رہی ہے بچی۔"

بڑی متانت سے کہتے ہوئے' نگینہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چل شاما! صندل کو لینے کے لیے گاڑی آنے والی ہو گی' تھوڑی تیاری مجھے بھی کرنی ہے۔"

گل ناز نے ایک چبھتی ہوئی نگاہ نگینہ پر ڈالی۔ اس کا خمیر زدہ وجود ابھی بھی اتنا ہی پھیلا ہوا تھا' لیکن بڑی واضح تبدیلی تیزی سے آئی تھی' سستے کلپ اور ہار بندے' جو وہ ہمہ وقت لٹکائے رکھتی تھی' ان کی جگہ اب نازک اور قیمتی جیولری لیتی جا رہی تھی' کپڑے' ہیر کلر' سب بدل لیے تھے' سوائے ایک نیلے آئی شیڈو کے۔

"تم لوگوں کو بھی شام کی تیاری کرنا ہو گی' میں نے بھی آ کر تمہارا اتنا وقت ضائع کر دیا' سلام خالہ!"

آگے بڑھ کر نگینہ نے نانی دل دار کے گھٹنے چھوئے اور پھر ان کی دعا لینے کا انتظار کیے بغیر' فاتحانہ انداز میں باہر نکل گئی۔ شاما حکم کی غلام' پیچھے پیچھے۔

"چھچھوری کہیں کی' ساری عمر پیسے کی شکل نہیں دیکھی' اب اوقات سے نکلی چلی جا رہی ہے۔"

نانی دل دار نے جملہ حاضرین کی مورل سپورٹ کے لیے بیان جاری کرنا چاہا' لیکن لاڈلی الماس جان کے دل کو بڑا کاری وار لگا تھا۔

"چپ کر جاؤ سب' برباد کر دیا مستقبل میرا' اب تو دلوں میں ٹھنڈک پڑ گئی نا' بڑی جلدی پڑی تھی میری کمائی کھانے کی' اپنا عیش و آرام عزیز تھا تم لوگوں کو' فنکشن پر فنکشن پکڑنے کی فکر لگی رہی' رہ گئی میں تو ساری عمر کے لیے دو ٹکے کی ناچنے والی!"

زبان دراز تو وہ اس وقت سے تھی' جب کام پر نہیں لگی تھی' اب تو بات ہی دوسری تھی' جو منہ میں آیا کہے گئی' نانی دل دار تک کا لحاظ نہیں کیا۔

"خالہ نگینہ نے تو اکیلی جان' سارا گھر سنبھالے رکھا' ماری ماری پھرتی رہیں خود' مگر بیٹیوں کی خواری منظور نہیں کی اور تم نواب زادیاں۔"

ماں' نانی' خالہ کے علاوہ گھر میں خدمت پر مامور لوگ بھی تھے' جس جس نے الماس کی بد زبانی سنی' دانتوں میں انگلی دبالی۔ صرف نگینہ ہی تھی' جو اگر الماس کے منہ سے اپنی خدمات کا اعتراف سن لیتی تو مارے خوشی کے کیا کیا نہ کر ڈالتی۔

مگر فی الوقت تو وہ پچھلے طویل برآمدے کے آخری سرے پر' نیچے اسٹوڈیو سے آئی گاڑی کا فخر سے نظارہ کر رہی تھی۔

ادھر الماس حرفِ آخر کے طور پر روتی پیٹتی' شام کی محفل کے بائیکاٹ کا اعلان کر کے کمرہ بند ہوئی۔

اب کس میں طاقت تھی' جو اس کا فیصلہ بدلوا سکے۔

صندل کو فلم ملنے کے بعد سے' آج اس کا یہ گیارہواں بائیکاٹ تھا' کسی کسی دن اسے یوں ہی غصے کا دورہ پڑتا تھا' جو انجام کار اسی اعلان پر ختم ہوتا تھا اور ایسا عموماً" جب ہی ہوتا تھا جب نگینہ یا اس کی وفادار شاما کا یہاں چکر لگتا تھا۔

"اس نگینہ کا داخلہ بند کرنا ہوگا اماں! ورنہ اپنی لڑکی ہاتھ سے نکلی ہی سمجھو۔ دیکھا نا' کتنی بدتمیزی کر کے گئی ہے۔" گل ناز کے چہرے پر شرمندگی اور خفگی کی ملی جلی سرخی تھی "اکلوتی اولاد ہے لیکن دل چاہ رہا ہے کہ وہ مرمت کروں کہ نانی یاد آجائے۔" غصے کی رو میں وہ کچھ غلط کہہ گئی تھی۔

نانی دل دار نے فہمائشی نگاہوں سے گل ناز کی طرف دیکھا۔

"نانی ابھی زندہ بیٹھی ہے اور تو کیا بچوں جیسی باتیں کر رہی ہے گل ناز! الماس کا کیا قصور' ساری آگ تو نگینہ کی لگائی ہوئی ہے' کیسے بھگو بھگو کر جوتے لگا رہی تھی بدبخت' پہلے بھی مہینوں ادھر نہیں آتی تھی اور اب تو جب دیکھو چلی آ رہی ہے خود یا پھر وہ اس کی جاسوس شاما۔۔۔۔"

اپنی فطرت کے عین مطابق نانی نے چند ایک نازیبا الفاظ کا اضافہ ضروری سمجھا۔

"فی الحال تو آج کے مسئلے کو حل کرو باجی! شام کا کیا کرنا ہے' ملکوں کا لڑکا آ رہا ہے اپنے یار دوست لے کر' وہ تو عزت کا مسئلہ بنا لے گا اگر الماس محفل میں نہیں بیٹھی۔"

کوئی ایک پریشانی تھی!

یہ وہی لڑکا تھا' جس کے باپ اور چچا کی اپنے علاقے سے' ایم این اے' ایم پی اے کی سیٹ پیچھے سے پکی چلی آ رہی تھی۔

آج کے دن کی آمدنی' روز سے کہیں زیادہ ہونے والی تھی' مگر او رالٹی ذلت گلے پڑ رہی تھی۔

"یوں ہی مت پریشان ہو جایا کرو۔"

نانی دل دار نے جھنجلا کر' بیٹیوں کے فکرمند چہروں کی طرف دیکھا۔

"اتنی عمریں ہونے کو آئیں' پھر بھی تجربہ سلیقہ نہیں ہے' اس سے پہلے نہیں آئے کیا ایسے موقعے' ارے ایسی ایسی سنگین صورتِ حال سے بھی بخوبی نمٹے ہیں کہ تم جیسیاں تو تصور بھی نہیں کر سکتیں۔"

گل ناز اور گل رخ دونوں ہی کے دلوں کو قرار سا آنے لگا۔

اماں کے پاس دیرینہ تجربہ تھا' جو بروقت کام بھی آتا تھا۔

"پشتوں سے وابستہ ہیں اس پیشے سے' ذرا سے لڑکے کی تو حیثیت کیا ہے' بڑے بڑے جاگیردار' نواب زادے۔۔۔"

فون ملاتے ہوئے وہ مستقل ہی خود پر فخر کیے گئیں۔

کبھی کبھی وہ چند لمحوں کے لیے واقعی ستارہ جان کی بہن لگنے لگتی تھیں۔

مناسب لفظوں میں الماس کی بیماری کی اطلاع دے کر انہوں نے بیٹیوں کی طرف فخریہ مسکراہٹ اچھالی تو ان

دونوں کی واقعی جان میں جان آئی۔

☆ ☆ ☆

سلمان کئی دن سے اس طرف نہیں آیا تھا۔ فون پر بھی بات کرتا تو بے حد مختصر' پہلے تو آفس میں کام کرنے کا بہانا چلتا رہا اور پھر بقول اس کے بخار چڑھا ہوا تھا۔ شاکرہ بیگم کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوا۔

"بیٹا ہے میرا' کیا اس کی طبیعت پوچھنے بھی نہیں جا سکتی' مجھے کوئی ڈر نہیں پڑا ہوا زوبیہ کا' دھکے دے کر نکال تھوڑی دے گی۔"

انہوں نے ٹھونک بجانے والے انداز میں اپنے پروگرام کا اعلان کیا۔

"بات تو ٹھیک ہے اور ہم نے اس طرح سلمان کو الگ تھلگ چھوڑ دیا تو پھر تو وہ بالکل ہی ہم سے جدا ہو جائے گا' پھر اسے جویا کے رشتے کے بارے میں بھی تو بتانا ہے' میں چاہ رہا ہوں کہ یہ رشتہ طے ہونے میں اب ذرا بھی دیر نہ ہو۔"

اظہار چچا فوراً" ہی متفق ہو گئے' جب سے وہ اعجاز کے گھر ہو کر آئے تھے' دل سے اس رشتے کے حامی ہو چکے تھے۔

"کمال کے خاندان سے ہزار درجہ اچھے لوگ' خوش اخلاق' وضع دار۔"

کچھ عرصہ پہلے تک یہی تعریفیں زوبیہ کے گھرانے کے لیے تھیں' بلکہ ان سے بھی کہیں زیادہ۔

"سلمان ہماری فکر نہیں کرتا نہ کرے' لیکن بہن کی شادی کا خرچا تو اسے اٹھانا ہی ہے' میرا تو بال بال قرضے میں بندھ چکا ہے اور یہ سب اسی کی بے وقوفی کی وجہ سے ہوا ہے' عقل مند ہوتا تو زوبیہ اور کمال کے فرشتوں کو بھی ہوا نہیں لگنے دیتا' اتنا پیسہ اڑا سکتا تھا آسانی سے۔"

بے ایمانیوں کے حربے انہیں خود ازبر تھے' اس لیے سلمان کی نااہلی انہیں مایوس کیے دے رہی تھی۔

"بچہ ہے۔ سمجھ جائے گا آہستہ آہستہ' تم رہنمائی کرتے جاؤ پیار سے اس کی' میرا سلمان وہی کرے گا جو ہم چاہیں گے۔"

شاکرہ کا سلمان پر اعتماد بحال ہوتا جا رہا تھا وقتاً" فوقتاً" جو ہزار' دو ہزار' روپے اس نے انہیں تھمانے شروع کیے تھے' وہ ان کے لیے نیک شگون تھے۔

آپا گل کو پروگرام کی خبر ہوئی تو اپنی ساری بے عزتی بھلا کر وہ بھی چلنے کے لیے تیار ہو گئیں' سلمان کا نیا نویلا گھر اور ٹھاٹھ باٹ دیکھنے کے لیے وہ کب سے بے چین تھیں۔

"پہلے سے اطلاع مت کیجیے گا' ورنہ زوبیہ فوراً" ہی منع کر دے گی' اچانک جائیں گے تو بہت ممکن ہے کہ وہ گھر پر ہی نہ ہو' شام تو اس کی باہر ہی کٹتی ہے۔"

انہوں نے ہدایت جاری کی۔

شاکرہ چچی کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔ سلمان کا بیماری کی حالت میں تنہا پڑے ہونے کا تصور ہی ان کے لیے بے حد تکلیف دہ تھا۔

فون رکھا ہی تھا کہ پھر سے بجنے لگا۔

وہ اٹھانے ہی لگی تھیں کہ' سامنے دکھائی دیتے نمبر پر نگاہ پڑ گئی۔

"یہی تمہارے خاص رشتے دار۔" انہوں نے اتنی تیزی سے ہاتھ واپس کھینچا جیسے کرنٹ لگا ہو۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اٹھانے کی' سمجھ جائیں گی کہ کوئی نہیں ہے گھر پر' ناک میں دم کر دیا ہے ہر روز

فون۔"

"ڈرنے کی کیا بات ہے' صاف منع کردو کہ ہمیں نہیں کرنا ہے جویا کا رشتہ' مگر تم نے انہیں خود پیچھے لگا رکھا ہے۔"

"تمہاری سمجھ میں کبھی کچھ نہیں آئے گا۔" اظہار چچا نے ناگواری سے انہیں دیکھا۔ "ایک بار جب جویا کا رشتہ طے ہوجانے کی خبر وہاں جائے گی تو بات خود بخود ہی ختم ہوجائے گی' جیسے سلمان اور ربیعہ کے سلسلے میں ہوئی تھی' اسلام بھائی نے اس وقت کسی کو ایک لفظ منہ سے نہیں نکالنے دیا۔ اب بھی دیکھ لینا' جو وہ مڑ کر شکوہ کریں۔"

ٹیلی فون کی بیل خاموش ہوچکی تھی۔

"بہت ہی بے حس انسان ہیں اسلام بھائی' میں تو سمجھ رہی تھی کہ اپنی بیٹی کے لیے تو آکر ہماری منت خوشامد کریں گے ہی' لیکن انہوں نے تو اور الٹا سلمان اور زوبیہ کی دعوت کرڈالی۔"

"اس بار بھی وہ یہی کرنے والے ہیں۔" اظہار صاحب کو بیک وقت بہت سے توہین آمیز بل یاد آئے۔ "وہ بے حس نہیں' مغرور ہیں' اپنی ایمان داری کے گھمنڈ میں مبتلا' اپنی اولاد کو مٹی چٹانا منظور ہے انہیں' خیر ہمارے لیے تو اچھا ہی ہے' آسانی سے جان چھوٹ رہی ہے' تائی اماں سے تھوڑی سی معذرت کرنی پڑے گی اور بات ختم۔"

بات ختم کرتے ہوئے ان کے دل کو تھوڑا سا سکون مل ہی گیا' آخر کچھ تو حساب وہ برابر کرنے کے قابل تھے۔

"شکر ہے جو وہ نوکری بھی اکبر نے کہہ کر ختم کروادی' اگر جو معاذ کو مل جاتی تو کیا بہانا کرکے منع کرتے۔" ایک مشترکہ ظلم پر' وہ دونوں میاں بیوی' خوش ہو کر ہنسے۔

"اچھا بس!" اظہار چچا نے ہاتھ کے اشارے سے خاموش رہنے کو کہا تو وہ فوراً ہی خاموش بھی ہوگئیں۔

جویا کے معاملے میں خود گھر میں خاصا محتاط رویہ اختیار کرنا پڑ رہا تھا' یہ تایا کل کی خاص ہدایت تھی۔

سلمان کے گھر فقط تین افراد ہی گئے۔

تایا کل اور امی ابا۔

بچوں کو انہوں نے ساتھ نہ لے جانے کی احتیاط ضرور کی تھی' گھر اظہار صاحب کا دیکھا ہوا تھا اور جس وقت وہ لوگ وہاں پہنچے' سہ پہر ڈھل کر شام میں بدل چکی تھی۔

ڈیفنس میں واقع یہ گھر' باہر سے ہی خوبصورت اور جدید دکھائی دے رہا تھا۔

اوپر ٹیرس پر کچھ بچے دکھائی دے رہے تھے' گویا اوپر کا گھر واقعی کرائے پر دیا جاچکا تھا۔ تایا کل کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔

کتنا ارمان تھا انہیں کہ سلمان کے خوب صورت گھر میں آکر ان کے بچے موج اڑائیں۔

"اتنا بڑا تو نہیں جتنا کمال صاحب کا ہے۔" شدید متاثر ہوتے ہوئے بھی شاکرہ بیگم نے نقطہ اعتراض اٹھایا۔

"اس کی مالیت بھی کروڑوں میں ہے اور اب یہ بات سلمان یا زوبیہ کے سامنے مت کرنا۔"

سخت سے لہجے میں کہتے ہوئے وہ گیٹ پر کھڑے گارڈ کی طرف بڑھ گئے۔

عام حالات میں تو وہ بنا اندر سے اجازت کے کسی کو قدم رکھنے نہیں دیتا تھا۔ مگر یہاں بڑا بھاری بھرکم تعارف ساتھ تھا۔

صاحب کے والدین۔

چند لمحوں میں ہی وہ تینوں اندر آچکے تھے' گاڑی باہر ہی کھڑی کی تھی۔

گیٹ سے رہائشی حصے تک ہی جاتے جاتے' مکینوں کے ذوق اور پیسہ دونوں ہی کا اندازہ ہوچکا تھا۔

زوبیہ کی ساری بے ہودگیاں بھول کر ایک بار تو ان سب کے سر فخر سے بلند ہوگئے۔

لیکن زوبیہ کے گھر میں زبردستی اندر آنے والوں کے لیے قدم قدم پر رکاوٹیں تھیں خوفناک شکلوں والے ہاؤنڈز (کتے) جنہوں نے بھونک بھونک کر آسمان سر پر اٹھالیا تھا۔ شکر تھا کہ وہ بندھے ہوئے تھے۔

داخلی دروازے سے باہر آنے والی ملازمہ نے ان کے اڑے ہوئے رنگ دیکھے اور ازراہ مہربانی اندر آنے کی اجازت بھی دے دی۔

"یہاں بیٹھ جائیے۔" اندر لے جانے کے بجائے اس نے اندرونی حصے میں دروازے کے بالکل ساتھ پڑی دو کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا مطلب۔" ان تینوں کو بیک وقت برا لگا۔

"پہلے اندر اطلاع دینا ہوتی ہے' پھر جیسے بیگم صاحب کہیں' ابھی یہ کتوں نے بھی تو اتنا شور مچایا ہے وہ اور بھی خفا ہو رہی ہوں گی۔"

بے مروتی سے کہتے ہوئے وہ سامنے مڑے کوریڈور میں سے کہیں غائب ہوئی' گارڈ کی نسبت وہ ان سے متاثر نہیں ہوئی تھی' زوبیہ کی پرانی ملازمہ تھی' حالات اور حیثیت سے زیادہ واقف۔

"آپ بیٹھ جائیے ابا! طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں ہے آپ کی۔"

کرسی ایک اور امیدوار دو' شاکرہ تو پہلے ہی ایک پر بیٹھ چکی تھیں۔

اندر زوبیہ' سلمان کے ساتھ باہر جانے کے لیے تیاری کے آخری مراحل میں تھی۔

"یہ کہاں سے نازل ہوگئے' تم نے بلوایا ہے؟" خبر سنتے ہی وہ بری طرح بھڑکی۔

"میں کیسے بلوا سکتا تھا تم سے پوچھے بغیر' مجھے تو گئے ہوئے بھی وہاں کتنے ہی دن ہوگئے ہیں زوبی!"

سلمان کی دی ہوئی صفائی اس نے سننا بھی ضروری نہیں سمجھی۔

"کیا ضرورت تھی اندر لا کر بٹھانے کی' اس گارڈ کو تو ابھی نکال کر باہر کرتی ہوں' اس لیے کھڑا کیا ہے باہر کہ ہر آئے گئے کو بنا پرمیشن اندر بلاتا رہے۔" آج یقیناً ملازمین کی خیر نہیں تھی۔

"پلیز زوبی! اب آگئے ہیں تو جانے بھی دو' تھوڑی دیر میں چلے جائیں گے' غلطی میری تھی' امی سے کئی دن سے بیماری کا بہانا بنا رہا تھا' وہ پریشان ہو کر خود آگئیں۔"

اچانک پہلے اس کنفیوژن میں بھی سلمان نے جو سچی بات تھی' وہی زوبیہ سے کہی' اس توقع پر کہ اس کا غصہ کچھ تو کم ہو۔

"تم اور تمہارے مڈل کلاس بہانے' آخر صاف صاف بات کیوں نہیں کی جاتی تم سے' کہہ دیتے کہ ابھی فرصت نہیں ہے' بالکل چھوٹے سے بچے نہیں ہو' شادی شدہ آدمی ہو۔" وہ تھوڑی سی دھیمی پڑی۔

"آئندہ خیال رکھوں گا کہ میری ایک بہت پیاری سی بیوی ہے' جس کو کسی کا یہاں آنا پسند نہیں۔"

زوبیہ کے کرخت چہرے سے نگاہ چراتے ہوئے' وہ خوشامد کی ہر حد پار کر رہا تھا۔

"مجھے صرف تمہارے گھر والوں کا آنا پسند نہیں' میں انہیں یہاں دیکھنا نہیں چاہتی ہوں' یہ بات صاف کہہ چکی ہوں تم سے۔"

"نہیں آئیں گے' لیکن آج پلیز! تھوڑی سی عزت رکھ لو میری۔"

وہ جس طرح زوبیہ کے سامنے گڑگڑا رہا تھا' دروازے پر دربان بنے بیٹھے وہ تین افراد اگر دیکھتے تو نہ معلوم کیا گزرتی ان پر۔

زوبیہ عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

"ٹھیک ہے' لیکن یہ بات ایک لمحے کے لیے بھی مت بھولا کرو سلمان! کہ تم میرے گھر میں رہ رہے ہو اور یہاں

کسی کے آنے نہ آنے کا فیصلہ صرف میں ہی کر سکتی ہوں' بلکہ تم خود بھی یہاں اس لیے نظر آ رہے ہو کیونکہ میں نے ایسا چاہا تھا۔"

"میں نے کب تمہاری کسی بات سے انکار کیا ہے احسان مند ہوں تمہارا' بس تھوڑا سا موڈ ٹھیک کر کے آجاؤ۔"

"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا! انہیں چائے پلاؤ اور آدھ گھنٹے تک رخصت کرو' میں ممی کے گھر جا رہی ہوں' تم وہیں آجانا۔"

وہ مڑ کر واپس اپنی ڈریسنگ ٹیبل کی طرف چلی گئی۔ سلمان چند لمحے چپ چاپ کھڑا رہا۔

زوبیہ سے اپنی بات منوانا ناممکن تھا۔

وہ مایوس سا ہو کر باہر نکل رہا تھا' تب پیچھے سے ایک اور ہدایت جاری ہوئی۔

"ڈرائنگ روم مت کھولنا' گیسٹ روم میں بٹھالو اور جوتے باہر اتروا لینا اور ایک بات ..."

سلمان نے رک کر اس کی طرف دیکھا۔

"گھر میں ادھر ادھر پھرنے مت دینا' خاص طور پر اپنی اس مکار بہن کو' قیمتی چیزوں سے بھرا ہوا ہے میرا گھر' کچھ لے نہ اڑے یہاں سے۔" وہ عادتاً چیخ کر بولتی تھی اور سلمان صرف سنتا تھا۔

سو اس وقت بھی نصیحت گرہ میں باندھ کر قدم آگے بڑھائے تھے کہ یک دم ہی ٹھٹک کر رکنا پڑا۔

سامنے آپا گل کھڑی تھیں اور ان کا چہرہ بالکل زرد پڑ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼
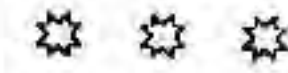
کھلے وسیع چوبارے پر گہرے بادل جھکے پڑتے تھے۔

لگتا تھا کہ بارش اب شروع ہوئی۔

"خیام کو تیز بارش بہت پسند تھی' اس روز لوگ مشکل ہی سے ادھر کا رخ کرتے تھے' سارا محلہ سونا پڑا رہتا' مگر وہ اس روز بہت خوش دکھائی دیتا تھا' میرے پاس آکے ..."

"خیر خوش تو وہ کبھی بھی نہیں ہوتا تھا۔ یہ کہہ لیں کہ اس کی چڑچڑاہٹ میں تھوڑی سی کمی آجاتی تھی۔" گیتی نے تیزی سے ان کی بات کاٹی۔ "اسے کبھی بھولے سے یہ خیال نہیں آتا ہوگا کہ اس ایک ناغہ سے کتنوں کی روزی روٹی پر لات پڑتی ہوگی۔"

اس کے ریشمی بالوں کو سہلاتا ہوا نانی ستارہ کا ہاتھ رک گیا۔

خیام سے اس کی روز بہ روز بڑھتی بے زاری اب نئی بات نہیں رہی تھی' لیکن یہاں کے رہنے والوں کے لیے گیتی کے لہجے میں پہلی بار تھوڑی سی رعایت جھلکی تھی۔

"ایک ایک عورت' پورے خاندان کا پیٹ پال رہی ہے نانی! معلوم نہیں کس مصیبت سے۔" ان کے گھٹنے پر سر رکھے وہ نیم دراز تھی۔

"کاش خیام بھی یہ بات سمجھ لیتا تو شاید ہمیں چھوڑ کر نہیں جاتا۔"

نانی کا غم اسی ایک مقام پر پڑاؤ ڈالے تھا۔

"وہ پھر بھی چلا جاتا نانی! اس لیے کہ وہ فیروزہ خالہ کا بیٹا تھا' جنہوں نے انہیں ماحول کا حصہ ہو کر بھی اسے قبول نہیں کیا تھا' خیام تو پھر بھی سو فیصد یہاں کا نہیں تھا۔" گیتی اٹھ بیٹھی۔ اس کے خوب صورت کمر تک آتے بال ہوا کے جھونکوں سے بکھرے جا رہے تھے۔ "وہ خود کو ہمیشہ ہم سب سے الگ اور اعلا' ارفع سمجھتا رہا' اسے صرف ایک بات کا زعم تھا' اور وہ تھی اس کی ولدیت' جو کسی شریف اور رئیس آدمی سے جڑی تھی۔"

خیام کے بارے میں بات کرتے ہوئے زبان خود بخود تلخ ہوتی تھی۔

"باپ تو تمہارا اور صندل کا بھی بے حد شریف تھا' حالات کا شکار ہو کر یہاں آبسا تھا۔"

نانی کو اس مرحوم داماد کی بدنصیبی کا بڑا احساس تھا۔ گیتی نے ہلکے سے سر کو جھٹکا۔

"کمزوری اور بزدلی کو شرافت کے ساتھ مت جوڑیں' نانی! وہ شریف اور غیور ہوتے تو امی کو پہلے ہی دن یہاں سے لے جاتے' مگر انہوں نے بھی آسان راستہ پکڑا۔"

"وہ بیمار تھا' چند سال ہی جی سکا غریب' ورنہ شاید ..." ان کی نگاہ گیتی کے عقب میں دکھائی دیتے خیام کے کمرے کے کھلے دروازے پر پڑی' وہاں سالار کھڑا تھا۔

گیتی بھی ان ہی کی نگاہ کے تعاقب میں اس طرف مڑی تھی۔

خوشی کا ایک بے ساختہ احساس نانی ستارہ نے اس کے وجود میں جاگتا ہوا محسوس کیا۔

"ارے آپ!" تخت سے اتر کر وہ دوڑتی ہوئی اس تک آئی۔ "آج کہاں سے یاد آگئی آپ کو۔"

کوئی خوش فہمی نہ ہونے کے باوجود سالار کو اس کی مسکراہٹ نے بڑا حوصلہ بخشا۔

"پتہ ہے میں اور نانی روز آپ کو یاد کرتے تھے' ایک دوبار فون بھی کیا' مگر آپ صاف ٹال گئے۔" وہ مستقل بولتے ہوئے نانی کی طرف ہی آرہی تھی۔

چہرے پر گہری ہوتی مسکراہٹ' ننگے پیر اور بے ساختہ انداز!

نانی بہت غور سے گیتی کو دیکھ رہی تھیں۔

"السلام علیکم!" سالار ان کے قریب آکر جھکا تو وہ چونک سی گئیں۔

"جیتے رہو' کہاں تھے اتنے دن سے بیٹا!"

"تھوڑا سا بیمار ہو گیا تھا' لیکن اگر پتا ہوتا کہ واقعی کہیں میری کمی محسوس کی جا رہی ہے' تو ہرگز بھی بیماری کو لفٹ نہ کرواتا۔"

"خدانہ کرے زیادہ طبیعت خراب تھی کیا؟" نانی پریشان ہونے لگیں۔

سالار واقعی کمزور دکھائی دے رہا تھا' کئی دن کے مستقل بخار کا اثر واضح تھا۔

"کم از کم بتا ہی دیتے' میں اور گیتی دیکھنے آجاتے' یہاں سے کسی آدمی کو بلوا لیتے اپنی دیکھ بھال کے لیے وہاں اکیلے پڑے رہے۔"

نانی کے سارے امکانات کے جواب میں وہ صرف مسکراتا رہا۔

"رہنے دیں نانی! جب یہ ایسا نہیں چاہتے تو ہم زبردستی خود کو کیوں مسلط کریں کسی پر۔"

نانی اور سالار نے بیک وقت گیتی کی طرف دیکھا' وہ بہت سنجیدہ تھی اور ابھی چند منٹ پہلے والی کیفیت سے بالکل مختلف۔

وہ برا مان چکی تھی یقیناً۔

"لوگ ان سے ہمارے بارے میں پوچھتے تو یہ بے چارے انہیں کیا جواب دیتے۔"

"خوامخواہ ہی اندازے لگانے نہ بیٹھ جایا کر گیتی!" نانی نے اپنے حصے میں آئی شرمندگی کم کرنا چاہی۔

"کہنے دیجیے' کم از کم اس سے یہ تو پتا چل رہا ہے کہ یہ مجھے کتنا گرا ہوا سمجھ رہی ہے۔" اپنی بات کے اختتام پر وہ ہنس پڑا تھا۔ آج اتنے دنوں بعد اسے دیکھا تھا۔

باقی بیچ کے سارے دنوں میں کون سا پل تھا جب وہ تصور میں ساتھ نہیں تھی۔

سونے سے پہلے عالمِ بیداری کے اس آخری پل سے لے کر خوابوں کی وادی تک اور پھر آنکھ کھلتے سے کا پہلا احساس!

سب کچھ ایک اسی کے نام لکھا گیا تھا۔

شاید پوری زندگی کے لیے

اور وہ خود اتنی ہی ناقابلِ رسائی۔

چند لمحوں کے لیے تو وہ اسے یوں ہی بے خود سا دیکھے گیا۔

نانی اسے ڈانٹ رہی تھیں تب ہی کیتی نے خود پر جمی اس کی نگاہ کو بخوبی نوٹ کیا۔

آج پھر اس کی چوری پکڑی گئی تھی۔ کیتی کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

اتنے مہینے وہ اسے پڑھاتا رہا، لیکن کوئی بات "اشارۃ" بھی ایسی نہیں کی جس پر اس کا پہلا شک درست ثابت ہوتا۔

اور اب جب وہ اس کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گئی تھی تو ایک بار پھر...

"میں نے وہ پرانا کمرہ چھوڑ دیا ہے نانی! افسر بھائی کی انیکسی خالی پڑی تھی بہت عرصے سے پیچھے پڑے ہوئے تھے کہ وہاں آجاؤ، سو اب ان کا پے انگ گیسٹ ہوں بہت خیال رکھتے۔۔۔"

کیتی نے سنا، وہ بڑے اطمینان سے نانی کو تفصیل سنا رہا تھا اور قطعی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ پتا نہیں کیوں لیکن کیتی کو مایوسی سی ہوئی۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ ہر بار وہی غلط ہو!"

اسے یاد آیا، ایک بار نانی کو کہتے سنا تھا کہ عورت سے زیادہ نگاہ کی پہچان کا دعوا کوئی بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ذرا سنبھل کر بیٹھتے ہوئے اس نے پھر سے سالار کی طرف دیکھا۔

لیکن اس کی بیماری کی تفصیل ابھی چل رہی تھی۔

"جاؤ شاما سے چائے کا کہہ کر آؤ اور کچھ کھانے کے لیے بھی لانا، مجھے بھی بھوک لگ رہی ہے۔"

سالار روکتا بھی رہا، لیکن نانی نے اسے دانستہ تھوڑا لمبا کام بتا کر اٹھایا۔ کسی بھی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے چند حقائق کا جاننا ضروری تھا۔

"سالار!" بہت دھیان کے ساتھ انہوں نے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"جی!"

"تمہارے گھر والے کراچی میں ہوتے ہیں نا، کون کون ہے، کبھی تم نے تفصیل سے بتایا نہیں — ان کے بارے میں۔"

"کچھ رشتے دار ہیں نانی! گھر والوں کی لسٹ میں جو نام آتے ہیں، ایسا کچھ نہیں ہے۔"

ایک غیر متوقع سوال کا جواب بھی اس نے پورے اطمینان کے ساتھ دیا۔

نانی ستارہ بنا پلک جھپکائے سالار کے چہرے کو دیکھ رہی تھیں۔

سچ جھوٹ جاننے کا یہ ان کا پرانا طریقہ تھا اور سالار نے اس پہلے اسٹیپ میں انہیں مایوس نہیں کیا تھا۔

"والدین۔۔۔؟"

"والدہ تو بہت جلدی انتقال کر گئی تھیں نانی! مجھے ان کی شکل بھی یاد نہیں، ویسے سب کہتے ہیں کہ میں ان ہی کی شکل ہوں۔" وہ حسبِ عادت مسکرایا۔

نانی نے اس کی سانولی رنگت اور عام سے نقوش والے چہرے میں سے جھانکتی شرافت کو اس کی ماں کے نام

زدا" ہی منسوب کیا۔

"اور تمہارے والد؟ ان سے خفا ہو کیا؟" ان کا تجربہ تھا کہ کتنے ہی لڑکے گھروں سے ناراض ہو کر گھر چھوڑ کر قسمت آزمانے نکل کھڑے ہوتے ہیں، خود ان کے ہاں خیام کی مثال تھی۔

"نہیں، ان کا بھی انتقال ہو گیا، جب میں یونیورسٹی سے پاس آؤٹ ہوا، اس سے پندرہ دن پہلے۔" نانی کو واقعی رنج ہوا۔

"بے چارہ لڑکا، کتنے ہی دکھ دیکھ لیے۔"

آج کے لیے اتنا ہی کافی تھا، لیکن پھر بھی چلتے چلتے ایک سوال اور سہی۔

"گھر در تو چھوڑا ہو گا، تمہارے والد نے!"

"مکان کہیے گھر تو لوگوں سے، رشتوں سے بنتے ہیں۔ ہے کراچی میں۔"

"چلو یہ بھی اچھا ہے۔" انہیں فی الفور اطمینان حاصل ہوا، جب سے خیام گیا تھا، انہیں کیتی کی سچ مچ بہت فکر تھی اگر جو یہ سلسلہ چلتا تو سالار کے لیے سوچا جا سکتا تھا۔

ان کے ہاں یوں ہی عام سی حیثیت والے لڑکوں کے ساتھ تعلق جوڑنے کی مثالیں نہ ہونے کے برابر تھیں، جنہوں نے بغاوت کر کے گھر اور محلہ چھوڑا تھا، انہوں نے بھی پیسے والوں کو ہی فوقیت دی تھی۔

"جیسے فیروزہ۔"

شادی کے بعد جب ایک بار ملنے آئی تھی تو کیا شان تھی اس کی، سونے، جواہرات سے جگمگاتی۔

مگر کیتی! اس کا معاملہ دوسرا تھا۔

وہ کسی سیدھے سادے لڑکے کے ساتھ بخوبی گزارا کر سکتی تھی بشرطیکہ کوئی اسے قبول کرے اس سارے بیک

گراؤنڈ کے ساتھ۔

"کیا ہوا؟ میرا انٹرویو اتنی جلدی ختم!" نانی ستارہ کو کسی سوچ میں گم دیکھ کر اس نے یاد دلانا چاہا، تو وہ جھینپ گئیں۔

"انٹرویو کیسا، میں تو بس یوں ہی پوچھ رہی تھی۔ اتنے مہینوں سے تم یہاں آرہے ہو، کتنے احسان کر ڈالے ہم پر، نہ کوئی رشتہ نہ ناتا، اس گلی میں تو لوگ رات گئے آتے ہیں، تم نے تو حد ہی کردی، دن کے اجالے میں یہ سیڑھیاں چڑھتے ہو۔ ہمارے نام لکھی بدنامی میں حصے دار بنتے ہو۔"

بات سالار کی معلومات سے شروع ہو کر نہ چاہتے بھی اس جذباتی موڑ تک آپہنچی۔

"کتنا شرمندہ کریں گی مجھے، کیسا احسان اور کیسی بدنامی، آپ جیسی ماہر فن تو سرمایہ ہیں، ہمارا گنتی کے دو چار نام ہیں بس سسٹم اتنا خراب ہو گیا ہے کہ اصل اور سچے فنکار تو بس۔۔۔!"

سچی بات تو یہ کہ نانی ستارہ اس وقت اپنی تعریفیں سننے کے موڈ میں بھی نہیں تھیں، بلکہ الٹا حیرت ہو رہی تھی آج اپنے ہی ایک اصول کو جسے یہاں سختی سے لاگو رکھا تھا، خود ہی توڑ ڈالا۔

آنے والے مہمانوں سے دکھی اور خود ترسی کی باتیں کرنے کی سخت ممانعت تھی، نگینہ، فیروزہ، گل ناز، گل رخ، الماس، صندل۔

سب ہی نے اس اہم سبق کو گھول کر پی رکھا تھا۔

"خبردار، جو یہ گھر گرہستنوں والی باتیں، کسی بھی مہمان کے سامنے کیں، اپنے اندر کتنے بھی غم پل رہے ہوں لیکن ہمیشہ یاد رکھنا، ہمارا کام ہے ماحول کو خوشگوار رکھنا، ہونٹوں پر مسکراہٹ کو مدھم نہ ہونے دینا، ورنہ چار دن میں خاک اڑنے لگتی ہے چوباروں میں۔" انہیں اپنی ہی کہی باتوں کی بازگشت گھیر رہی تھی۔

"حد ہوگئی، بالکل ایسے جیسے کسی مڈل کلاس گھر کی بزرگ ہونے والے داماد سے اپنے دکھ سکھ کر رہی ہو۔"

انہوں نے ساری زندگی خود کو فنکار ہی سمجھا تھا۔ عام عورتوں سے بالکل مختلف، سنجیدہ ملنے والوں سے بھی ان کی بات چیت، اردو ادب اور راگ راگنیوں پر ہی ہوتی تھی، نہ کسی کی ذاتی زندگی کی جستجو اور نہ ہی کسی کو اپنے معاملات میں دخل دینے کی اجازت۔

یہ لڑکا اب تک ملنے والوں سے واقعی الگ تھا۔ گیتی، شاما کے ساتھ سامنے سے آرہی تھی، چائے کی ٹرے اٹھائے۔

"کتنے دن سے میرے ہاتھ کی چائے پینے نہیں آئے آپ ماسٹر صاحب!" شاما وہیں سے بولتی آرہی تھی۔

"لیجیے اب ان کا شکایت نامہ شروع۔" وہ ان کی طرف دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

ہر ایک کو عزت دینے کا مخصوص انداز!

رات گئے جب گیتی نانی کے پاس سونے کے لیے لیٹی تو بہت خوش تھی۔

اتنے دن کی اداسی سب غائب! مستقل باتیں اور ایک ہی موضوع سالار۔

"خیام یاد آتا ہے تمہیں؟" انہوں نے اچانک ہی پوچھا تھا۔

کمرے میں ہلکی سی روشنی تھی، نانی ستارہ گیتی کے تاثرات نہیں دیکھ پائیں ٹھیک سے، لیکن اس کا جواب انہوں نے واضح طور پر سنا۔

"نہیں میں نے اسے یاد کرنا چھوڑ دیا ہے نانی!"

دیوار کی طرف کروٹ لیتے ہوئے، آنکھ میں چمکتے ہوئے ایک آنسو کو اس نے بہہ جانے دیا۔

(اگلی قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ لو اعظمت زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان نذیر رفتہ رفتہ زوبیہ کی ذہانت سے متاثر ہو کر اس کے زیرِ اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی ماں کی ناکامیوں سے بہت کچھ سیکھ چکی ہے۔ انہار بیجا شاکرہ بیگم اور ان کے شوہر سوائے ملازمت کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے پیچھے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ ملام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ انہار بیجا خاندان میں موسلے جیا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جو ہاتھ چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نالی کے گھرانے کی رونق دن بدن بڑھتی جارہی ہے جس پر نگینہ آنے والے دنوں کی فکر میں رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اتنگ شوق کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ نگینہ زیادہ تر بڑھاپے کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام اپنی دادا کے بنائے ہوئے دنیا کو یاد رکھتی ہے۔ ستارہ اپنی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ ملن بات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر کسی کی چوٹی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف ہے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف ابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کراچی تک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے امی کے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات امی کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خودنمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بناوٹ سے بالا ترتیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سکریٹری بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا تعلق "برکسی کی نظر" میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور جوکی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ لو اعظمت اسے کیڑے نیوروں کی نظر میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کاں، جس کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم نخوت میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ ابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں ابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہِ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی تباہی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔ سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور خانہ زاد ہی ماں باپ کو شٹل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

صندل کو بالی صاحب کی فلموں کا ملنا یوں ہے کہ نانی ستارہ کے خاندان کی قسمت چمک اٹھتی ہے۔ نگینہ ہر موقع پر بیٹی کے ساتھ رہتی ہے جس پر نانی دلدار کے خاندان خصوصاً الماس کا حسد سے برا حال ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

19

انیسویں قسط

صبح کا اجالا پوری طرح پھیلنے میں ابھی بھی کچھ وقت باقی تھا۔

ربیعہ نے نیند بھری آنکھوں کے ساتھ چولہے پر چائے کا پانی رکھتے ہوئے کچن کی بڑی سی کھڑکی کے پار کچے احاطے کی طرف دیکھا۔

آم کے گھنے اونچے درختوں سے لے کر چمپا کے خوشبو اڑاتے پیڑوں تک، ہر شے نیلاہٹ میں لپٹی ہوئی۔

ٹھنڈی یخ ہوتی گرل پر چہرہ ٹکاتے ہوئے اس نے اس منظر کی دل فریبی کو اور بھی قریب سے محسوس کرنا چاہا تو نمی سے بوجھل ہوا کے جھونکے چہرے سے ٹکرانے لگے۔

سکون کا گھنا گہرا احساس اتنا اثر انگیز تھا کہ دل بے ساختہ ہی چاہنے لگا کہ اس ٹھنڈی ریلنگ پر چہرہ ٹکا کر گھڑی بھر کے لیے آنکھیں موند ہی لی جائیں، پھر دن کے آغاز کی ان اولین ساعتوں میں ایسی عیاشی بھی کہاں نصیب۔

کرسی کھینچے جانے کی مخصوص آواز پر اسے چونکنا ہی پڑا۔

احاطے سے اوپر برآمدے میں دادی نیچے اترتی سیڑھیوں کے قریب اپنی پسندیدہ کرسی پر آ کر بیٹھ چکی تھیں۔

ربیعہ ہلکے سے مسکرا دی۔

چولہے پر رکھا چائے کا پانی ابلنا شروع ہو چکا تھا کیبنٹ میں سے چائے کی پتی کا جار نکالتے ہوئے اس نے ڈھکن ہٹایا تو تیزی سے اڑتی بھاپ میں سامنے کا منظر اور بھی دھندلانے لگا، چائے دم ہونے کی خوشگوار مہک فضا میں اڑ رہی تھی۔

ربیعہ جتنی دیر میں ٹرے میں چائے کے کپ رکھ کر کچن سے باہر آئی، دادی مخصوص لے میں اپنی مناجات پڑھنا شروع کر چکی تھیں۔

تیری ذات ہے اکبری سروری\
ملی کم ہاں سے انگشتری\
میری باری کیوں دیر اتنی کری

ربیعہ کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہونے لگی۔ یہ لے، یہ الفاظ اسے دور کہیں بہت پیچھے لے جاتے تھے۔

جب وہ اور معاذ اسکول کی ابتدائی کلاسوں میں پڑھا کرتے تھے، علی الصبح آنے والی وین، دونوں کو بوکھلاہٹ میں مبتلا کیے ہوتی تھی تب بھی وہ منٹ بھر کے لیے رک کر ان الفاظ کی اس تکرار کو سنے جاتی۔

"نہ معلوم دادی کا ایسا کون سا کام اٹکا ہوا تھا اللہ میاں سے، جو ہو کر ہی نہیں دے رہا تھا۔"

برسوں وہ یہی سوچتی رہی تھی، ایک بار ہمت کر کے پوچھا بھی تو وہ کچھ خفا سی ہو گئیں۔

"کوئی ایک کام تھوڑی ہے، جب تک سانس تب تک کام، ایک پورا ہو جاتا ہے تو دوسرے کی نیت سے پڑھنے لگتی ہوں اور جب وہ ہو جائے تو پھر تیسرا۔۔۔"

معاذ بھی وہیں تھا فوراً بول پڑا۔

"سوری تو یہ آپ ہی لیے رکھتی ہیں، دوسروں کی بھی باری آنے دیا کریں کبھی۔"

ربیعہ کو یقین تھا کہ معاذ کی بے ادبی پر ان کی خفگی اور بھی بڑھے گی مگر وہ تو الٹا ہنس پڑی تھیں۔

دادی، ابا، امی سب کو چائے پہنچا کر وہ اپنا کپ لے کر واپس دادی کے پاس آ بیٹھی۔

"معاذ کو بھی آواز دے لیتیں، آج کل تو سویرے اٹھ جاتا ہے وہ بھی۔"

دادی اب فارغ تھیں، چائے کا پہلا گھونٹ لیتے ہی انہیں ایک بار پھر معاذ ہی یاد آیا۔

"اٹھ جائے گا دادی! اسے کون سا کہیں ڈیوٹی پر جانا ہے۔" ربیعہ کی مایوسی مکمل ناامیدی میں بدل چکی تھی۔

"جائے گا کیوں نہیں، صبح ہی صبح خیر کی بات کرتے ہیں بیٹا!"

ممکن تھا کہ دادی تو کے بنا رہ جاتیں۔ ربیعہ نے ایک ٹھنڈی سانس اپنے اندر اتاری۔ ایک لاحاصل بحث سے بہتر تھا کہ خاموشی سے چائے ہی پی لی جاتی، سو وہ یہی کیے گئی۔

"بہت دن سے اظہار کے گھر کی کوئی خبر نہیں ہے۔" دادی کو خاموشی بھی ناپسند تھی۔

"جی!"

"تم ہی فون کر لیتیں جویا کو۔"

"کیا فائدہ؟"

اندر ہی اندر شاید وہ ایسا چاہنے لگی تھی کہ دادی بھی اپنی ساری توقعات ختم کر لیں۔

"فائدے نقصان کی کیا بات ہے؟ آخر وہ رشتے داروں سے بھی تو تعلق رہتا ہی ہے۔"

"وہ رشتے دار خود بھی تو تعلق رکھتے ہیں نا! اظہار چچا کے ہاں فون بھی کرو تو سوائے زویا اور جویا کے کوئی سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتا۔"

"ہمیں کسی اور سے کیا لینا؟ ہماری غرض تو صرف جویا کے لیے ہے۔"

دادی کی آواز نیچی ہو رہی تھی۔ انہیں چند ہفتے پہلے اپنا کیا ہوا فون یاد آیا تھا، جب شاکرہ بیگم نے انہیں صاف صاف ٹرخایا تھا۔

"اب کسی پر زور تھوڑی ہے دادی!"

"سنا ہے زویا کا میڈیکل کالج میں داخلہ ہو گیا ہے چل کر اس کی مبارک باد نہ دے آئیں۔" شاکرہ بیگم کے سابقہ سلوک پر دو حرف بھیج کر وہ پھر سے مستعد ہوئیں۔

لیکن ربیعہ میں ان جتنا حوصلہ نہیں تھا۔

"اچھا نہیں لگتا دادی! ان لوگوں نے کون سا ہمیں کہلوایا ہے، محض سنی سنائی بات ہے۔"

"کوئی غلط تھوڑی ہے، کتنے ہی لوگ تو مبارک باد بھی دے آئے، میں اور تم بھی چلے چلتے ہیں آج شام کو۔"

"آج شام؟" وہ کچھ ہچکچائی۔ جویا کتنی بھی عزیز سہی لیکن کسی کے گھر بھی اس طرح زبردستی بار بار جانا قطعی اچھا بھی تو نہیں لگتا۔

"ربیعہ، ربیعہ!" سامنے کوریڈور میں سے امی آواز دے رہی تھیں۔

"جی امی آئی!" وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کم از کم اس وقت وہ دادی کو فائنل جواب دینے سے تو بچ ہی گئی تھی۔

"کیا پروگرام بن رہا تھا، تمہارا اور اماں کا؟" امی سن چکی تھیں، لیکن اب خود اس کے منہ سے سننا چاہ رہی تھیں۔

ربیعہ کو ایسا ہی لگا تھا، پھر بھی دادی کی بات دہرانی پڑی۔

"کوئی ضرورت نہیں، صاف منع کر دینا تم اماں کو، اب ایسے بھی گرے پڑے نہیں ہیں ہم۔"

جویا دیا سا غصہ جو کہ امی کو اس گھرانے پر کب سے تھا، اب روز بہ روز ظاہر ہوتا جا رہا تھا۔

"اماں کو بھی نہ جانے کیا ہوتا جا رہا ہے، پہلے سلمان کی شادی کی دعوت کروائی حالانکہ کوئی ضرورت نہیں تھی، جب ان سے ہمیں کوئی تعلق رکھنا ہی نہیں ہے لیکن انہیں تو ہزاروں روپوں پر پانی پھروانا تھا ایک دعوت کے نام پر، سو پھروا دیا۔" کتنے مہینے پہلے کے ایک خرچہ کا وہ آج تک افسوس لیے بیٹھی تھیں۔

ربیعہ کو رنج سا ہوا۔

"دادی معاذ کی وجہ سے ایسا کرتی ہیں امی! وہ جویا کے ساتھ بہت خوش۔۔۔"

"بے کار کے مفروضے! ابھی کہا اپنے منہ سے معاذ نے کہ وہ جویا سے شادی کرے گا۔" امی اپنی سلائی مشین والی کرسی پر بیٹھ چکی تھیں۔ "وہ تو اتنا غریب طبیعت ہے کہ آج تک گھر میں کسی کو یہ نہیں پتہ چلا کہ اسے کھانے میں کیا پسند ہے، ٹھنڈا گرم، چٹنی، روٹی، جو مل جائے صبر شکر کر کے کھا لیتا ہے اور اگر کچھ نہ ملے تب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا اسے۔"

"جویا سے اس کی وابستگی، چٹنی روٹی سے کہیں آگے کا معاملہ ہے امی! وہ اسے بہرحال پسند کرتا ہے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اس کی وکالت پر مجبور پا رہی تھی خود کو۔

"کوئی پسند وسند نہیں اور اگر کرتا بھی ہے تو میں اسے خود سمجھاؤں گی۔ ایک جویا کے پیچھے میں ساری عمر کا روگ نہیں پال سکتی اس خاندان کی شکل میں۔"

ربیعہ نے دیکھا کہ امی کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور اب کوئی شک نہیں تھا کہ وہ جویا کے لیے اپنے دل سے ہر نرم گوشہ ختم کر چکی ہیں۔

"تم جا کر صاف منع کر دو اماں کو اور اگر وہ پھر بھی زور دیں تو کہہ دینا کہ میں نے منع کر دیا ہے۔"

ایک حتمی اور بدلحاظی بھرا جواب انہوں نے اسے تھمایا اور سلائی مشین میں دھاگہ ڈالنے لگیں۔

ربیعہ نے چند سیکنڈ رک کر انتظار کیا کہ وہ شاید کچھ اور بھی کہیں مگر ان کی لاتعلقی بتا رہی تھی کہ انہیں جو کہنا تھا وہ کہہ چکیں۔

وہ خاموشی سے باہر نکل آئی۔

کورٹ میں پھینکی گئی گیند کی طرح اِدھر سے اُدھر پیغامات اور توقعات کو پہنچاتے رہنا، بھی کب سے وہ اپنے ذمہ لے چکی تھی اب تو ٹھیک سے یاد بھی نہیں تھا۔

دادی اور ابا کے ناشتے کا ٹائم ہو رہا تھا، وہ فی الحال کچھ کہے بغیر کچن میں چلی آئی۔

معاذ کی نوکری، اظہار چچا والوں کی اونچی اور اونچی ہوتی اڑانیں، دادی اور امی کے متضاد رویے، ابا کی اصول پسندی۔

سب ہی کچھ اتنا خلط ملط ہو گیا تھا کہ باوجود کوشش کے بھی کوئی واضح روشن منظر ابھر ہی نہیں رہا تھا۔

جتنی دیر میں ناشتہ تیار ہوا، وہ یوں ہی بے مقصد اپنا دماغ تھکاتی رہی نتیجہ ہمیشہ کی طرح صفر۔

"بڑا کنفیوژن ہے بھائی!"

دادی اور ابا دونوں ناشتے کی میز پر آ بیٹھے تھے۔ لکڑی کی پرانی وضع والی میز، جس پر بچھا ہوا رنگین کا بے داغ کور، محض اس کی صفائی ستھرائی کی عادت کا مرہون منت تھا۔

صاف ستھرے برتن، سلیقہ، ترتیب!

ابا اس کی ہر ہر ادا کو محبت اور بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

"اپنی امی کو بھی بلا لو بیٹا!"

"جی!" وہ ذرا ہچکچائی۔ "میں ان کے لیے وہیں لے جاتی ہوں ابا! انہوں نے کہا بھی تھا۔"

ایک بے ضرر سا جھوٹ بہتر تھا، بجائے اس کے کہ امی اپنے خراب موڈ کے ساتھ دادی کا سامنا کریں۔

وہ خاموشی سے ایک چھوٹی ٹرے میں امی کے لیے ناشتہ سیٹ کرنے لگی تب ہی معاذ جھنجلایا ہوا سا اندر آیا۔

"تم اٹھا نہیں سکتی تھیں مجھے؟ اتنی دیر ہو گئی اب نکلوں گا گھر سے اور کب پہنچوں گا۔" وہ سیدھا ربیعہ سے مخاطب ہوا۔

نہ صبح کا سلام اور نہ ہی بڑوں کی موجودگی کا احساس۔

"مجھ سے کب کہا تھا تم نے کہ اٹھنا ہے صبح جلدی' بے کار میں ہی۔" مارے کوفت کے ربیعہ سے بات بھی پوری نہیں ہوئی۔

"میں نے تو کہا بھی تھا کہ معاذ کو اٹھا کر جانے دے دو۔" دادی نے اس کی کوتاہی پر اپنی گواہی کی مہر لگائی۔

"کیا کریں بے بس سدا کی لاپروا' ہر کام ادھورا۔"

ایک شاکی سی نگاہ' دادی اور معاذ پر ڈالتے ہوئے وہ اس کے ناشتے کی ٹرے لے کر باہر چلی گئی۔

"بڑی محنتی اور صابر بچی ہے ربیعہ' ہم سب کی خدمت کس محبت سے کرتی ہے سارا گھر اکیلی وہی سنبھالتی ہے۔ خیال کیا کرو' اس طرح بات کرتے ہیں بہن سے۔"

لحاظ کی وجہ سے دادی کو تو نہیں' البتہ معاذ کو انہوں نے ضرور ٹوکا تھا۔

جواباً "ذرا سا بھی اثر لیے بغیر وہ ہنس دیا تھا۔

"ربیعہ کی خیر ہے ابا! اس کی میری تو چلتی ہی ہے۔" دادی اس بار بھی فوراً ہی متفق ہوئی تھیں۔ ربیعہ واپس آرہی تھی۔

"میں چلتا ہوں ابا! آج بہت ضروری ایک جگہ پہنچنا ہے' دعا کیجیے گا کہ بس کام بن جائے۔"

باوجود اصرار کے وہ ناشتے کے لیے نہیں رکا بس دو چار بڑے گھونٹ چائے کے لیے اور چلنے کو تیار۔

ربیعہ اس کے پیچھے برآمدے تک آئی۔

"باہر ہی کچھ کھا ضرور لینا' خالی پیٹ مت رہنا سارا دن' کہو تو میں ساتھ میں لنچ باکس دے دوں۔"

کسی ایک پر بھی عمل نہ ہونے کی پوری امید کے باوجود وہ مشورے پر مشورے دے گئی۔ آخری بات پر اس نے ایسی کھا جانے والی نگاہ ڈالی تھی کہ وہ سٹ پٹا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی۔

معاذ جا چکا تھا۔

اور اس کے لیے اب دن بھر کے لیے دس کام منتظر تھے' پر سب سے بڑی ٹینشن دادی کے پروگرام کی تھی۔ کوئی مناسب سا جواب ان کے لیے بھی تلاشنا تھا' چائے ناشتے کے پھیلے ہوئے برتن سمیٹتے ہوئے وہ اسی فکر میں تھی کہ عقب سے دادی کی آواز سنائی دی۔

"آج اظہار کے گھر کا پروگرام تو رہنے ہی دو' معاذ بڑا فکر مند سا گیا ہے' دعا کے لیے کہہ رہا تھا' اب آج تو میں اس کے لیے وظیفہ پڑھنے بیٹھوں گی' اللہ کرم کرے جو اس کا کام بن جائے' تو ساری مشکل ہی نہ آسان ہو جائے۔"

جویا کو اطلاع دے کر وہ وضو کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ربیعہ نے فی الحال یہی شکر کیا کہ وہ جھوٹ سچ ملانے سے بچ گئی۔

☆ ☆ ☆

جو دھچکا آپا گل کو سلمان کے گھر لگا تھا' ذہن کی مٹی پٹا چکا تھا۔

ایسی حقارت سے تو کوئی سگنل پر کھڑے فقیر کو بھی نہیں دھتکارتا' جس طرح وہ زوبیہ کے ہاتھوں دھتکاری جا رہی تھیں' وہ بھی بلاقصور۔

کوئی ایک بات بھی زوبیہ بتا دے' جو انہوں نے اس کو کوئی نقصان پہنچانے کی عملی کوشش کی ہو۔

ہاں' وہاں امی کے ہاں بیٹھ کر زبانی برائی ضرور کرتی تھیں تو وہ کون نہیں کرتا آج کے زمانے میں۔

بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے' وہ بڑی ملول بیٹھی تھیں۔

چھٹی کا دن تھا۔

باہر بچوں نے ادھم مچا رکھا تھا' کمرے کی حالت ابتر ہو رہی تھی' کھانا پکنے کا کوئی نام و نشان نہیں تھا' لیکن وہ ہر بات سے بالکل لاغرض تھیں۔ یہاں سسرال میں کس کی مجال تھی کہ وہ انہیں' اس غیر ذمہ داری کا احساس دلا سکے' خود اکبر انہیں اس مراقبے کے حال میں دیکھ کر' باہر ان کی طبیعت کی خرابی کی اطلاع دے چکے تھے' تاکہ ایک مضبوط جواز' ان کی نااہلی پر پردہ ڈالے رکھے۔

حالانکہ اب اس کی ضرورت بھی نہیں تھی' اتنے سالوں میں گھر والے' ان ساری صفات سے بخوبی آگاہ ہو چکے تھے جو کہ آپا گل کے خیال میں ان کی خوبیاں تھیں۔

"نہیں' مجھے امی کے ہاں چھوڑ دیں' شام میں آکر لے جائیے گا۔" اس بار اکبر اندر آئے تو وہ پرس تھامے تیار کھڑی تھیں اور کمرے کے بکھرے بگڑے ماحول میں ان کی اتنی پرفیکٹ تیاری بڑی متضاد سی کیفیت پیدا کر رہی تھی۔

"ابھی اس وقت تم شام میں چلی چلنا' میں نے ویسے بھی سب سے کہہ دیا ہے کہ تمہاری طبیعت خراب ہے۔"

"تو۔" ایک کڑی نگاہ انہوں نے شوہر پر ڈالی۔

"میرا مطلب ہے کہ شام میں چلی چلنا' اس وقت آرام۔۔۔"

"میں بالکل ٹھیک ہوں اور مجھے بے کار کی بہانے بازی بھی پسند نہیں' نہیں میرا دل چاہا' نہیں نکلی کمرے سے' اور اب اگر جانا ہے کہیں' تو کون روک سکتا ہے۔"

ان کا وہی خم ٹھونک کر بات کرنے کا انداز' وہ خفیف سے ہو کر قریب آ کھڑے ہوئے۔

"مسئلہ کیا ہے گل؟"

"تمہارے بس کا نہیں ہے' تو پھر بتانا بھی فضول۔" وہ مڑ کر الماری سے اپنا پرس نکال رہی تھیں۔

"کیوں' ابھی میں نے معاذ کی نوکری کا معاملہ ختم نہیں کروایا' اپائنٹمنٹ لیٹر تک ٹائپ ہو چکا تھا' بس سائن باقی تھے ایم ڈی کے' لیکن دیکھ لو بے چارہ رہ گیا نا!"

انہوں نے ترپ کر اپنی تازہ کارکردگی یاد دلانا چاہی تو وہ بڑی دیر بعد ہلکے سے مسکرائیں۔

"یہ تو واقعی کمال کا کام کیا تم نے' ورنہ سچ پوچھو میرے تو پاؤں سے زمین ہی نکل گئی تھی' جب تم نے اس کی یہ جاب ملنے کا بتایا تھا مجھے' پہلے ہی سارا گھرانہ سر پھرا ہے اس کے بعد تو نہ جانے دماغ کا کیا عالم ہوتا ان سب کے۔"

بغض اور عناد کا سلسلہ اتنا پرانا تھا کہ اب کچھ کہتے کرتے شرم کا ہلکا سا بھی احساس نہیں جاگتا تھا۔

"پیسہ چیز ہی ایسی ہے' سلمان کو دیکھ لو' زوبیہ سے شادی کر کے' کس تیزی سے بدلا ہے' جھوٹے منہ بھی کبھی اپنے گھر آنے کی دعوت نہیں دیتا۔"

اکبر کا سرسری سا تبصرہ' محض ان کی بات کے جواب میں تھا' مگر آپا گل کو بہت کس کر لگا۔

بات معاذ سے شروع ہو کر سلمان تک آئی تھی کوئی اور وقت ہوتا تو وہ میاں کو ضرور ٹوکتیں۔ زوبیہ کے ہاتھوں اپنی بے عزتی کو اب تک انہوں نے بہت بھاری دل کے ساتھ میاں سے چھپایا ہوا تھا' وہ کتنے بھی فرماں بردار سہی' ایک ایک بات اپنی امی اور بہنوں سے کرتے تھے۔

گلاب کے ساتھ کانٹے والی مثال پر آپا گل کا یقین ان ہی کو دیکھ کر پکا ہوا تھا۔

ایک ٹھنڈی سانس لے کر' وہ کمرے سے نکل گئیں' نیچے لاؤنج میں ان کے بچوں کا طوفانِ بدتمیزی عروج پر تھا۔

ساس نندیں سب موجود تھیں لیکن کس کی مجال جو انہیں ٹوک سکے۔

"بھابھی! بچوں کو اپنے ساتھ لے جائیے!"

انہیں باہر کا رخ کرتے دیکھ کر ثمرین سے رہا نہیں گیا تھا شاید ورنہ جب سے اس کا طے ہوتا ہوا رشتہ تپاکل نے ختم کروایا تھا وہ ان سے براہ راست بات کرنے سے گریز ہی کرتی تھی۔

"نہیں بچے نہیں جائیں گے' کل ٹیوٹر بھی نہیں آیا تھا' تم ان کو بٹھا کر ہوم ورک کروا دینا۔" بے نیازی سے کہتے ہوئے وہ باہر نکل گئیں۔

کتنی آسانیاں تھیں' جو انہیں اس بے ضرر گھرانے میں حاصل تھیں۔

تکرہ سارے راستے اسی بات کا رونا روئے گئیں کہ آتے جاتے انہیں ضرور ہی ٹوکا جاتا ہے۔

عام طور پر سسرال والوں کی برائیاں کرکے' ان کا موڈ بحال ہو جاتا تھا' لیکن اس پورے ہفتے میں یہ اطمینان گھڑی بھر کے لیے بھی نصیب نہیں ہو سکا تھا ذہن کسی وقت بھی فرصت نہیں دیتا تھا۔

اتنی گندی زبان اور سوچ!

زوبیہ کی ہی باتیں دہرا دہرا کر ازبر ہو چکی تھیں' لاکھ چاہنے پر بھی دل کسی اور بات میں نہیں لگتا تھا حد تو یہ کہ میکے جانا بھی پھوڑا ہوا تھا۔

وہاں سے فون پر فون آ رہے تھے سو اس وقت دل پر جبر کرکے نکلی تھیں۔

"جویا کے رشتے کا سلسلہ نہیں چل رہا ہوتا تو میں اب یہاں بھی نہ آتی' آپ کی بہو نے تو چور' مکار اور نہ جانے کیا کیا کہہ دیا ہے باقی جو کسر ہے۔"

مارے رقت کے ان سے اپنی بات بھی پوری نہیں ہوئی شاکرہ بیگم اور اظہار چچا دونوں ہی تڑپ اٹھے۔

"پاگل ہوئی ہو۔ جو اس بے ہودہ عورت کی بات دل پر لگالی' اپنی ذات دکھا رہی ہے وہ تو' پیسہ ہے تو کیا ہوا۔ ویسے بھی کل سلمان آیا تھا' بہت شرمندہ ہو رہا تھا' کہنے لگا کہ میری طرف سے تپاکل سے معذرت کر لیجیے گا' زوبیہ تو سائیکی کیس ہے' اسے تو علاج کی ضرورت ہے خود!"

تپاکل کے آنسو خشک ہونے لگے۔

"اب یہ بے کار کی باتیں چھوڑو' میں اسی ہفتے جویا کی بات باقاعدہ طور پر طے کرنا چاہتا ہوں' ان لوگوں کو اسی جمعہ کو بلوا لو۔"

اظہار چچا نے بالآخر وہ فیصلہ سنا ہی دیا' جسے سننے کے لیے تپاکل کے کان کب سے منتظر تھے۔

"اب اس کام میں بالکل بھی دیر نہیں کرنا چاہتا' خاندان والوں کی زبانیں بند کرنے کا یہی ایک طریقہ ہے' ورنہ جہاں جاتا ہوں' یہی ایک سوال ہے کہ معاذ کے ساتھ جویا کی منگنی کب تک کر رہے ہو' تنگ آگیا ہوں میں تو لوگوں کو ٹالتے ٹالتے بھی۔"

"یہ سب آگ تمہاری تائی کی لگائی ہوئی ہے' ایک دفعہ منہ کھول کر انہیں سختی سے منع کر دیتے تو مجال تھی کسی کی کہ جویا کا نام اس لنگڑے معاذ کے ساتھ جوڑتا' وہی ایک ایک کو پکڑ کر تاکتی ہیں' اور اوپر سے یہاں بھی آئے دن فون کھڑکاتی ہیں۔"

سب سے زیادہ نفرت شاکرہ بیگم کو ہی تھی پیسے کی چھچھوری نمائش سے۔ جو خود ساختہ حیثیت انہوں نے بڑی محنت سے بنائی تھی' اس کے آگے آج بھی دادی کا گھرانہ ان کے لیے سب سے بڑا چیلنج تھا۔

"نہیں اٹھایا کریں فون' نمبر دیکھ لیا کریں۔"

تپاکل نے بڑی ہمدردی سے والدہ کو دیکھا' جو بے چاری کب سے اپنی جان گھلا رہی تھیں۔

"یہی کرتی ہوں' لیکن یہ لڑکیاں بھی تو ہیں گھر میں' کیسی فرماں برداری سے سلام دعا شروع کریں گی کہ——" تپا

گل کے ہونٹوں پر ایک حزنیہ معنی خیز مسکراہٹ ابھرنے لگی۔

"اب کچھ بھی ہے' خاندان کی بزرگ ہیں' ہر ایک ہی ان سے دبتا ہے' میں بھی یوں کھلم کھلا لڑائی تو مول نہیں لے سکتا تائی اماں سے' خاندان بھر میں کوئی ایک بھی میری حمایت نہیں کرے گا ان کے مقابلے میں' یہ بہرحال مجھے پتا ہے۔"

اظہار صاحب زیادہ حقیقت پسند تھے۔

"بس سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے' جویا کے رشتے کی مٹھائی بٹ جائے گی تو بات ہی ختم۔"

"ٹھیک ہے میں ابھی فون کر دیتی ہوں اعجاز کی امی کو' وہ بے چاری تو کب سے منتظر ہیں!"

تپاکل کے لہجے میں دبا دبا سا جوش تھا "لیکن ابا!" "نہیں اٹھتے اٹھتے ایک وہم آن گیا" "جویا سے بھی ایک بار رضامندی لے لیں پہلے' کہیں وہ اعتراض کرے پھر!"

"اعتراض تو کرے گی وہ' لیکن وجہ اعتراض سوائے معاذ کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔" اظہار صاحب کا اطمینان بتا رہا تھا کہ وہ ہر پہلو پر سوچ چکے ہیں۔

"پھر!" تپاکل کی سوالیہ نگاہ اب بھی ان پر جمی تھی۔

"وہ میں خود نمٹ لوں گا' تم فون کر دو جا کر۔"

ایک بوجھ تھا' جو تپاکل کے کندھوں سے سرکا تھا۔

☆ ☆ ☆

سفید اور کاسنی نیٹ کے پردوں والے محرابی برآمدے کے ساتھ بڑے ہال میں اب مزید تماش بینوں کی گنجائش نہیں تھی۔

تمینہ نے بڑی طمانیت بھری نگاہ سے اس وسیع و عریض ہال میں لوگوں کی تعداد کا تقریباً" صحیح اندازہ لگایا۔

شاہا اس کی آنکھ کا اشارہ ہوتے ہی سیڑھیوں پر کھڑے بخت کو ہدایت دے آئی تھی۔

نانی ستارہ اس معاملے میں بڑی حساس تھیں ایک مخصوص تعداد سے زیادہ لوگوں کا مجمع' ان کے خیال میں پرفارمنس پر اثر انداز ہوتا تھا۔

یہاں اتنے سالوں سے' گنے چنے قدردان ہی رہ گئے تھے' سو حاضری ویسے ہی مکمل نہیں ہوتی تھی۔

یہ تو اب کہیں جا کر اللہ کا فضل ہوا تھا۔

"صندل بی کے دیدار کا بھی کوئی چانس ہے میڈم جی؟"

سامنے کھڑا خوش پوش شخص بڑی لجاجت سے پوچھ رہا تھا۔ تمینہ کو اسے پہچاننے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ وہ ایک خاصا معروف زمین دار تھا۔ برابر والی خالہ زاد بہنوں کا پرانا مداح' تمینہ نے اکثر اسے ان کی سیڑھیاں چڑھتے اترتے دیکھا تھا۔ آج وہ ان کا مہمان بنا تھا۔

اس کے ساتھ آئی سوغاتوں کو تمینہ نے بڑے مربیانہ انداز میں شرفِ قبولیت بخشا۔

شاہا بوتل کے جن کی طرح یہاں بھی حاضر تھی' پلک جھپکتے سب چیزیں اندر پہنچا چکی تھی۔

وہ شخص اب بھی خوشامد بھری نگاہوں سے تمینہ کے جواب کا منتظر تھا۔ جو بظاہر بے نیازی سے ادھر ادھر مصروف محسوس ہو رہی تھی۔ آنے والے تقریباً" ہر شخص کی زبان پر صندل کے بارے میں سوال تھا۔

"بے بی شوٹنگ پر ہے' اسے تو فرصت ہی نہیں ملتی دو گھڑی آرام کے لیے بھی' بالی صاحب کا تو سب کو پتہ ہے' بڑے پروفیشنل آدمی ہیں۔"

کچھ کو اس نے یہ گھڑا گھڑایا جواب دیا اور کچھ کو یوں ہی ان سنا کیا۔
آنے والے پھر بھی مایوس نہیں تھے۔
سہانے سہانے ان کی نگاہ کھلے ہوئے دروازوں سے آگے کچھ ڈھونڈتی تھی۔
تمکینہ ان کی بے چینی سے واقف تھی اور وہ اسے کم کرنے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں رکھتی تھی۔
کیوں کہ یہی کشش اس کی اس چاروں طرف سے امڈتی کامیابی کا سبب تھی۔
صندل کی شہرت، فلم کی ریلیز سے پہلے ہی پھیل رہی تھی۔ پچھلے ہفتے بالی نے اس کی پہلی فلم کو میوزک ریلیز کیا تھا جو کاؤنٹ ڈاؤن میں ابھی تیسرے نمبر پر پہنچ چکا تھا اور اگلے کئی ہفتے یقیناً وہ پہلی پوزیشن پر رہنے والا البم تھا۔
صندل کے فوٹو شوٹس آنے شروع ہو گئے تھے اور یہی وہ وقت تھا جس کا تمکینہ نے ساری عمر انتظار کیا تھا۔
اس کے گھرانے کا اسٹینڈرڈ راتوں رات بڑھا تھا۔ یہاں پر فارمنس دینے کے لیے جن لڑکیوں کی تمکینہ خوشامد کرتی تھی اب وہ خود آکر نانی ستارہ کے گھرانے سے وابستہ ہونے کی خواہش کا اظہار کر رہی تھیں۔
کسی کسی وقت تو تمکینہ کو سب کچھ کسی خوشگوار خواب کی مانند لگتا، جس سے وہ کبھی بھی آنکھ نہ کھلنے کی دعا کرتی۔
"تیرے صدقے جاؤں مالک! کم از کم مرنے سے پہلے فراغت کا یہ دور تو نصیب ہوا اب مرتے دم کلمہ اور نصیب ہو جائے تو وہاں کا بھی بیڑا پار!"
اس رنگ و نور کی محفل میں بیٹھے بیٹھے وہ کہاں سے کہاں پہنچی۔
اس کی آخرت اور مغفرت کے بارے میں معلومات کلمہ نصیب ہونے تک ہی تھی۔ محفل جما شروع ہو رہی تھی۔
لوگ اب بھی صندل کی ایک جھلک کے منتظر تھے، بعض منچلے تو باقاعدہ صندل، صندل کی آوازیں لگا رہے تھے۔
تمکینہ نے شکر کیا کہ نانی ستارہ ابھی تک یہاں نہیں آئی تھیں، وہ اس طرح کی حرکتوں کو بے ہودگی میں شمار کرتی تھیں۔
"میں شرمندہ ہوں، لیکن بے بی کو کہاں فرصت وہ غریب تو ــــــ"
یہاں سے وہاں تک پھیلے برآمدے کے ایک خاموش کمرے میں وہ غریب بڑی فرصت بھری جھنجلاہٹ میں مبتلا تھی۔
"سمجھ میں نہیں آتا، اب اس سب کی کیا ضرورت ہے، یہ مجرے، یہ محفل کتنا آکورڈ لگتا ہے۔ بالی صاحب میری شناخت صرف نانی کے حوالے سے کروا رہے ہیں، بیگم ستارہ جان، ماہر ستار نواز۔" وہ اٹھ کر دیوار میں لگے بڑے سارے شیشے کے سامنے آکھڑی ہوئی۔
"ستارہ جان کی نواسی صندل ـــ کیمسٹری اسٹوڈنٹ جو محض اتفاقاً اس فیلڈ کی طرف آنکلی، اچھا ہے نا!"
وہ کہتے ہوئے دفعتاً گیتی کی طرف مڑی تو اس نے احمقوں کی طرح فوراً ہی اثبات میں سر ہلا دیا۔
صندل اسی میں خوش ہوئی۔
"بالی صاحب کی سختی سے ہدایت ہے کہ میں عام پبلک سے بالکل دور رہوں، میرو ئن کا امیج خراب ہوتا ہے اس سے۔"
اس کی ہر بات بالی سے شروع ہو کر اس پر ختم ہو رہی تھی اور آج کئی دنوں بعد اس نے گیتی کو بھی تھوڑی سی لفٹ دے ہی دی تھی۔

"تمہیں پتہ ہے، بہت جلد وہ مجھے یہاں سے شفٹ کروانے والے ہیں، کوئی مناسب سا بنگلہ ڈھونڈ رہے ہیں۔"
"تم چلی جاؤ گی یہاں سے؟" گیتی کا دل بہت زور سے دھڑکا۔
صندل نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔
"تم لوگوں کو بھی ساتھ لے کر ہی جاؤں گی، بس نانی کوئی رکاوٹ نہ کھڑی کریں، اس خاندانی پہچان کو چھوڑنے میں۔"
"نہیں میں سنالوں گی، تم فکر مت کرو۔" گیتی کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا تھا۔ "ہائے کتنا اچھا لگے گا صندل! ہماری تو دنیا ہی بدل جائے گی۔ تم نے تو کمال ہی کر دکھایا۔"
اسے اپنی سابقہ سوچ پر شرمندگی سی ہو رہی تھی، جب وہ صندل کے بارے میں یہ گمان کرتی رہی کہ وہ انہیں یہاں چھوڑ کر چلی جائے گی۔
"تمہارے خیال میں کمال کیا صرف خیام ہی دکھا سکتا تھا۔" صندل کی نگاہ اس کے چہرے پر جمی تھی۔
"معلوم نہیں سب لوگ مجھ سے ہی خیام کا ذکر چھیڑنا کیوں ضروری سمجھتے ہیں۔" محض سوچ کر ہی اس کے چہرے پر سایہ سا لہرایا تھا۔
"مجھ سے اس کے بارے میں بات مت کرو پلیز!"
"کیوں؟ دکھ ہوتا ہے؟"
"نہیں توہین محسوس ہوتی ہے۔" سر اٹھاتے ہوئے وہ پورے اعتماد سے اس بار بولی تھی۔
صندل نے ایک لمحے کے لیے رک کر اس کی سچائی کو محسوس کیا۔
"اور وہ تمہارا ماسٹر، کچھ کھلا اب تک؟" اول دن سے وہ سالار کی طرف سے مشکوک تھی اور اپنے شک کا کھلا اظہار بھی کرتی تھی۔
"نہیں، وہ ایسے نہیں ہیں؟" گیتی کی تردید اس بار کمزور تھی۔
"اور تم کیا محسوس کرتی ہو اس کے بارے میں؟"
"میں ان کی عزت کرتی ہوں بے حد۔"
صندل کو معلوم نہیں کیوں ہنسی آگئی، گیتی نے کچھ خفگی سے اسے دیکھا۔
"خیام سے بے زاری کی وجہ کہیں یہی عزت تو نہیں ہے۔" "بے حد عزت۔" صندل بڑی پر یقین تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ اب بھی یوں ہی ساکت نگاہوں سے زویا کے چہرے کو تک رہی تھی۔
نہ غصہ، نہ رنج، حد تو یہ کہ کوئی اعلان بغاوت تک نہیں، جس کا زویا کو پورا یقین تھا۔
"جویا!" اس نے گھبرا کر اس کا کندھا ہلایا تو وہ جیسے چونک کر حال میں آئی۔
"بات کرو کچھ، ایسے خاموش کیوں ہو گئی ہو۔"
"کیا بات کروں!" اس نے شاید مسکرانے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہی۔ "تم نے تو جان ہی نکال دی، یوں ہی سنی سنائی مت اڑایا کرو، ایسا کیسے ہو سکتا ہے بھلا، مجھ سے پوچھے بغیر، اتنا بڑا ــــ"
"ایسا ہو چکا ہے جویا! تم یقین کیوں نہیں کر رہیں، آنکھیں بند کر لینے سے حالات نہیں بدلتے، اعجاز کے ہاں رضامندی کا فون کیا جا چکا ہے پچھلے ہفتے۔"

زویا میڈیکل کی فیلڈ میں آگے چل کر سرجری کے شعبے میں جانے کی خواہش مند تھی' سو ابھی سے ذاتی زندگی میں جب ہی نشتر لگا کر مواد نکال دینے کو ہی شافی علاج سمجھنے لگی تھی۔

"آپا کل ایسے ڈراوے کب سے دے رہی ہیں' ہوتا ہوا تو کچھ بھی نہیں ہے' یہ ان کا پریشرائز کرنے کا پرانا طریقہ ہے' یاد نہیں۔"

کس بات پر اتنا گہرا بھروسا تھا اسے؟ اپنے جذبے پر یا پھر معاذ پر۔

"خیر معاذ بھائی پر تو کوئی بے وقوف ہی بھروسا کر سکتا ہے۔" زویا نے اپنے خیال کی خود ہی تردید کی۔

"دیکھو جویا!" اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ اس کے قریب فلور کشن پر آبیٹھی "لیکن اس بار سب کچھ ویسا نہیں ہے' اس لیے کہ اس فیصلے کو آپا کل کی نہیں بلکہ ابو کی سو فیصد رضامندی حاصل ہوئی ہے' وہ ہر لحاظ سے پنی تسلی کر چکے ہیں اور ان کے خیال میں اب دیر کی کوئی گنجائش بھی نہیں ہے۔ جمعہ کو بات باقاعدہ طے ہو جائے گی اور آج گھر میں صرف ایک ہی مسئلہ حل طلب رہ گیا ہے کہ تمہاری بات طے ہونے میں زوبیہ کو بلایا جائے یا نہیں' آپا کل نے کہہ دیا ہے کہ اگر زوبیہ آئی تو وہ کسی صورت بھی نہیں آئیں گی' ادھر سلمان بھائی کا کہنا ہے کہ ـــــ"

زویا کی آنکھوں میں سہم بھری مایوسی اترنے لگی۔ اس بار اس نے فوری طور زویا کی تردید بھی نہ ہو سکی اگر بات اس اسٹیج پر آچکی تھی تب تو یقیناً "سچ ہی تھی۔

"اس بار بہت رازداری رکھی گئی ہے' میں یہی سوچ رہی تھی ایک دن کہ آپا کل آتی ہیں تو لاؤنج کے بجائے ابو کے کمرے میں کیوں بیٹھنے لگی ہیں' یہ کیا پتہ تھا کہ بات کو کھینچ تان کر یہاں تک لے آیا جائے گا۔"

زویا کی دی ہوئی تفصیل اس کے لیے بے کار ہی تھی۔

"ایسا کیسے کر سکتے یہ سب میرے ساتھ' میں نہیں ہونے دوں گی زویا! تم دیکھ لینا کچھ بھی نہیں ہو گا۔ کچھ بھی نہیں" خود پر چھائی مایوسی کو جھٹک کر' وہ زندگی میں آئے اس سب سے کٹھن وقت کے آگے بہادری کے ساتھ کھڑ رہنا چاہتی تھی۔

"معاذ بھائی سے بات کرو' اس وقت تو وہی کچھ کر سکتے ہیں۔"

"وہ کیا کر سکتا ہے اتنی جلدی' اور اس کی یہاں سنتا کون ہے اور بھی ضد میں آجائیں گے سب۔" نچلا ہونٹ دانتوں تلے دباتے ہوئے اس نے جھٹکے سے نفی میں سر ہلایا۔

"چلو معاذ بھائی نہ سہی' دادی تو کہہ سکتی ہیں ابو سے' اور اگر وہ بات کریں گی تو مجھے پورا یقین ہے کہ ـــــ"

زویا کا دبا سا جوش' تو محی ادھوری بات کی نذر ہوا۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اظہار صاحب اوپر آچکے تھے۔

وہ اتنا کم اوپر آتے تھے کہ ان کا یہاں تک آنا ہی اپنے اندر ایک اہم ترین واقعہ تھا۔

"زویا! تم نیچے جاؤ۔"

کچھ بھی کہنے سے پہلے' انہوں نے اسے اکلوتی مورل سپورٹ سے بھی محروم کیا۔

اٹھنے سے پہلے زویا نے ایک الجھن بھری نگاہ جویا پر ڈالی تھی۔

مگر وہ قصداً" دوسری طرف دیکھنے لگی۔

زویا ہی سہی' مگر وہ کیوں کسی کو بھی اپنی وجہ سے مشکل میں ڈالے۔

اظہار صاحب اس کے قریب صوفے پر بیٹھ چکے تھے لیکن کچھ بھی کہنے سے پہلے' انہوں نے زویا کے نیچے اترنے کا انتظار کیا۔

وہ ان کے قدموں کے بالکل ساتھ فلور کشن پر بیٹھی ذہن میں الفاظ ترتیب دینے کی کوشش میں تھی۔

"جویا!"

انہوں نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا۔

باوجود خود کو کمپوز رکھنے کی ساری کوشش کے اسے اپنا دل بہت زور سے دھڑکتا ہوا محسوس ہوا' مڈل کلاس گھرانوں کے عام رواج کے برخلاف' وہ ان کی لاڈلی بیٹی کبھی بھی نہیں رہی تھی' اسی لیے ان کے درمیان دوستی کا سلسلہ بھی کبھی بن نہ پایا تھا۔

اسے اس وقت اپنا مقدمہ ایک نیم اجنبی کے ساتھ ہی لڑنا تھا۔

اسے خود کو یہ یاد دلانا پڑا تھا۔

"جو بات میں تم سے کہنے جا رہا ہوں' ممکن ہے تم تک پہنچ ہی گئی ہو' بہرحال ـــــ" وہ اپنی بات کہتے کہتے ذرا رکے۔

"اعجاز اچھا لڑکا ہے ہر لحاظ سے' شکل' مزاج' آمدنی' خاندان' کہیں کوئی کمی نہیں' اتنی ساری خوبیاں مشکل سے ہی اکٹھی ملتی ہیں' ان کا گھر دیکھ کر دل خوش ہو گیا میرا تو' ویل سیٹلڈ لڑکے سے شادی کامیابی سے ہمکنار ہوتی ہے سو فیصد' ورنہ ـــــ"

وہ بڑے تحمل سے اعجاز نامہ سنتی رہی مگر آگے جس کی ناکامیوں کا گراف مستقل ہی اوپر جاتا ہوا دکھایا جا رہا تھا' وہ بڑا تکلیف دہ احساس تھا۔

"زندگی سنجیدگی کے ساتھ لینے والی چیز ہے' ایک ایک قدم پلان کرنا پڑتا ہے' تب کوئی قابل فخر اسٹیٹس بنتا ہے' ورنہ تو یوں ہی دھکے کھاتے اور سڑکیں ناپتے بھی گزر ہی جاتی ہے۔"

انہوں نے معاذ کا نام لینے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی تھی' مگر الفاظ' لہجہ اور لبوں پر پھیلی زہر بھری مسکراہٹ سب ہی پکار پکار کر ایک ہی طرف اشارہ کر رہے تھے۔

"معاذ!" جویا کے دل نے چپکے سے کہا۔

"میں نے رضامندی دے دی ہے اور کل شام وہ لوگ آرہے ہیں' کوئی چھوٹی سی رسم ہو جائے گی فی الحال' میں تو شکر کر رہا ہوں کہ جیسے لوگ میں چاہتا تھا' مجھے تمہارے لیے ویسے ہی لوگ مل بھی گئے۔"

جویا کی مسلسل خاموشی ان کے لیے اطمینان کا سبب بن رہی تھی۔

"یہ کل اور شاکرہ بھی بس بات کا بتنگڑ بنانے کی ہی فکر میں رہتی ہیں۔"

انہوں نے ان سارے خدشات کو رد کیا ہی تھا کہ اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا' خوشی کا' شرماہٹ بھرا کوئی عکس بھی نہیں' جیسا کہ وہ تصور کر رہے تھے۔

"میں شادی نہیں کروں گی ابو! آپ منع کر دیں ان لوگوں کو۔"

جویا کی آواز مدھم' لیکن لہجہ اتنا واضح کہ ایک ایک لفظ ان کی سمجھ میں صاف آگیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ سب لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے' ماں باپ کی ذمہ داری ہوتی ہے بہت بڑی' ہم بھی اس فرض سے احسن طریقے سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔"

خود کو سنبھالتے ہوئے انہوں نے بڑی معقولیت سے حقوق و فرائض کا پیراگراف پڑھا۔

مگر وہ ابھی بھی اپنی بات پر جمی تھی۔

"مجھے آگے ایم ایس سی کرنا ہے ابو' فی الحال پڑھنے دیں مجھے' یہ سب ابھی ختم کریں پلیز!"

"وہ بھی کون کر رہا ہے' آرام سے پڑھتی رہو' تمہیں کہہ دوں گا ان لوگوں سے کہ شادی تمہارا ایم ایس سی مکمل ہونے کے بعد کریں گے۔"

وہ ہر راہ فرار بند کرتے گئے۔
چند منٹ بعد ہی اسے لگا کہ اب اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی باقی نہیں رہا ہے' سوائے ایک بات کے۔
"مجھے شادی نہیں کرنی ہے بس۔" اس پانچ حرفی جملے کی قطعیت ان سب بہانوں پر بھاری تھی۔
جویا کے چہرے پر نگاہ جمائے ہوئے اظہار صاحب نے اس کے ارادے کی مضبوطی کو پہلی بار محسوس کیا۔
"ٹھیک ٹھیک وجہ بتاؤ گی؟"
"کوئی وجہ نہیں۔"
"ایسا کیسے ہو سکتا ہے' ہر بات کے پیچھے کوئی جواز تو ہوتا ہی ہے۔"
"مجھے جو کہنا تھا کہہ دیا شادی تو مجھے بہرحال نہیں کرنی۔"
اس کی ہٹ دھرمی کو برداشت کرتے رہنا ان جیسے صبرو ضبط سے عاری شخص کے لیے ناممکن سی بات تھی۔ سو وہی ہوا جو نہ کرنے کا ارادہ باندھ کر وہ اوپر چڑھے تھے۔
"بہت سن لی تمہاری بکواس اور میں اپنا فیصلہ سنانے آیا تھا تمہاری رائے مانگنے کے لیے نہیں۔ میں باپ ہی بھر چکا ہوں اور کسی کو بھی اپنی عزت سے کھیلنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔" یک بہ یک وہ اتنی زور سے چلائے تھے کہ شاکرہ بیگم اور زویا دونوں ہی نیچے سیڑھیوں کے پاس آکھڑی ہوئی تھیں۔
ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آواز میں بے حد سرد مہری تھی۔
"ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو میں وہ کر جاؤں گا جس کا تم میں سے کسی نے تصور بھی نہیں کیا ہو گا۔"
"آرام سے بات کرو طبیعت خراب ہو جائے گی پھر سے کیا کر رہے ہو یہ؟"
نیچے کھڑی شاکرہ بیگم' حالات کی سنگینی کو بھانپ کر ہانپتی کانپتی اوپر چڑھنے لگی تھیں کہ اظہار صاحب کے ہاتھ کے اشارے نے انہیں بیچ سیڑھیوں پہ ہی روک دیا۔
"بیچ میں مت بولو بتاؤ جویا! تمہیں یہ رشتہ منظور ہے یا نہیں؟"
ان کے چہرے پر ایسی وحشت تھی کہ جویا کی نگاہ وہاں صرف ایک پل ہی ٹھہر سکی۔
کیا کر لیں گے وہ زیادہ سے زیادہ۔
جھکی ہوئی نگاہ اور بے حد ٹھنڈے ہوتے ہاتھ پاؤں کے ساتھ اس نے ایک آخری اندازہ لگانا چاہا۔
"جان سے مار دیں گے بس۔"
تو مر تو وہ ویسے بھی جائے گی۔ کسی اور کے دل پر بوجھ ایک ناقابل برداشت دباؤ نے فیصلہ آسان کیا۔
"مجھے یہ رشتہ منظور نہیں ہے۔"
اس نے اپنے لیے آسان موت کا انتخاب کیا۔ سیڑھیوں کے بیچ کھڑی شاکرہ بیگم کا منہ حیرت سے کھلا۔
دم گھونٹتی سی خاموشی اچانک ہی گھر کے اس حصے میں آکر ٹھہر گئی۔
اگلے چند لمحے سب ہی کے لیے اعصاب شکن تھے۔
"ٹھیک ہے۔ میں منع کر دیتا ہوں ان لوگوں کو۔" حیرت انگیز طور پر اس بار ان کی آواز پر سکون تھی۔
"لیکن" وہ اچانک ہی جویا کے بجائے' سیڑھیوں پر کھڑی شاکرہ بیگم کی طرف گھومے "آگے میرا تم لوگوں سے واسطہ ختم ہے۔ تم ان دونوں لڑکیوں کو لے کر چلی جاؤ اس گھر سے۔ میں مکمل قطع تعلق کرنا چاہتا ہوں' ہمیشہ کے لیے' عدالت سے طلاق کے کاغذات۔!"
زمین جیسے قدموں تلے کانپی تھی۔
جویا نے دھندلائی آنکھوں سے' زویا کا سفید پڑتا چہرہ بھی دیکھا۔ اور بیچ سیڑھیوں پر گرنے کے سے انداز میں

بیٹھتی ماں کا بے بس بکھرا وجود بھی۔
کوئی بہت زور سے رویا تھا۔
شاید زویا۔
یا شاکرہ بیگم۔
یا پھر اس کا دل' ماؤف ہوتے دل و دماغ کے ساتھ جویا نے آواز پہچاننا چاہی تھی۔
مگر اب اس کا بھی وقت نہیں تھا' اسے بڑی زور کا چکر آیا تھا۔
زویا گھبرا کر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس کی طرف دوڑی۔

☆ ☆ ☆

معلوم نہیں کس کام سے وہ ہوٹل کے پچھلے حصے میں آیا تھا۔
سامنے لکڑی کی بینچ پر خیام بے سدھ سو رہا تھا۔ چڑھتے ہوئے دن کی دھوپ سارے میں پھیل رہی تھی مگر وہ اتنی گہری نیند میں تھا کہ اسے بڑھتی ہوئی تمازت بھی نہیں جگا سکی تھی۔
بابو شوکت آہستہ آہستہ چلتا اس کے قریب آکھڑا ہوا۔
خیام کی سنہری رنگت' سرخی مائل ہو رہی تھی اور چہرہ بھیگتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔
کچھ بے چین ہو کر' بابو شوکت نے ادھر ادھر دیکھا۔ کھلے احاطے میں ایسی کوئی بھی چیز نہیں تھی۔ جس سے وہ اس کے اوپر سایہ کر سکتا۔
"ادھر آگے سے جا کر ایک چارپائی اٹھا کر لا۔"

پاس سے گزرتے کام کرنے والے لڑکے سے اس نے ہوٹل کے اگلے حصے سے مسافروں کے لیے مخصوص چارپائیوں میں سے ایک منگوا کر اس نے خیام کے آگے کھڑی کروائی تو خود بھی کچھ سکون سا ہوا۔

پوری نہ سہی کچھ تو بچت ہو ہی گئی تھی۔ اس چھوٹی سی کارروائی کے دوران ہی اس کا بیٹا کچن کے دروازے میں آ کھڑا ہوا تھا۔

"وہاں بیٹھنے کے لیے جگہ ویسے ہی تنگ پڑتی ہے' تم نے ایک چارپائی بھی لا کر یہاں کھڑی کروا دی۔ اتنا کام پڑا ہوا ہے' اٹھاتے کیوں نہیں ہو اس کو۔" ماتھے پر بل ڈالے وہ ناگواری سے کہہ رہا تھا۔

"ہر وقت پیچھے مت پڑا رہا کرو اس کے' ساری رات اکیلا لگا رہا ہے' اتنے لوگ آتے رہے مستقل' کہیں فجر کے بعد سویا ہے غریب تو تو اب آیا ہے دس بجے۔"

دبے قدموں خیام کے پاس سے ہٹ کر بابو شوکت نے بیٹے کو جھڑکا۔

"ملازم کام کے لیے ہی ہوتے ہیں ابا' کرتے ہیں تو کوئی احسان نہیں ہے۔"

ایک سخت سی نگاہ بیٹے پر ڈال کر وہ اندر ہال کی طرف بڑھ گیا۔ وہ زیادہ دیر کاؤنٹر خالی چھوڑنے کا رسک نہیں لیتا تھا۔

"ملازم ابنہ۔ خود تو جیسے نواب کا بچہ ہے۔" بابو شوکت کاؤنٹر پر بیٹھا بھی بیٹے کی بد دماغی پر کڑھے گیا۔

وہ خود طبیعتاً "نرم دل تھا۔ صفر سے شروع ہو کر اس مقام تک پہنچا تھا۔ خیام کے ساتھ اول دن سے خلوص کا جو رشتہ قائم کیا تھا۔ اس کو نبھانے میں ناکامی پر بیٹے کو معاف نہیں کر پا رہا تھا۔

"اکلوتا نہ ہوتا تو دماغ ٹھیک کر دیتا۔ پہلے ہی کم بخت دو بار گھر سے بھاگ چکا ہے' سختی کرنے پر' اس بار کچھ کہا تو کہیں لمبا ہی غائب نہ ہو جائے۔"

چار بیٹیاں اور ایک بیٹا۔

بابو شوکت بیٹے سے خفگی کے باوجود اسی روایتی دائرہ میں قید تھا۔

"کوئی کام بتایئے بابو بھائی!"

وہ اپنی سوچ میں اتنا گم تھا کہ اسے خیام کے آنے کی بھی خبر نہیں ہوئی۔

"اٹھ گئے' تھوڑی دیر اور سو لیتے۔"

جواباً" وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔

بابو شوکت کے بیٹے نے' باپ کے بنتے ہی اسے باقاعدہ کندھا ہلا کر جگا دیا تھا۔

اور وہ بنا کسی شکایت کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ہال میں کچھ میزیں خالی تھیں۔ خیام ایک میلا سا کپڑا اٹھا کر انہیں صاف کرنے لگا تھا۔

اتنے دن ہو گئے تھے اسے یہاں باقاعدہ کام کرتے' لیکن بابو شوکت خود کو ابھی تک خیام کے اس روپ کا عادی نہیں کر پایا تھا۔

مستقل آنکھ چراتا۔

"خیام! بیٹا بات سن۔" اس وقت بھی کچھ ناقابل برداشت ہوا تو وہ اسے پکار بیٹھا۔

"جی!" وہ فرماں برداری سے قریب آ کھڑا ہوا۔

بابو شوکت اتنی دیر میں دراز کھول کر ہزار ہزار کے چار نوٹ نکال چکا تھا۔

"یہ کیا ہے بابو بھائی!"

خیام نے حیرت سے اپنی طرف بڑھے ان نوٹوں کی طرف دیکھا۔

"پیسے ہیں اور کیا؟"

"وہ تو میں دیکھ رہا ہوں' مگر یہ مجھے کیوں۔" خیام اب تک بھی سمجھ نہیں پایا تھا۔

بابو شوکت بہت شروع میں اس کی فطرت کے بارے میں صحیح اندازہ لگا چکا تھا۔

وہ بہت نیت سیر لڑکا تھا۔ اور اتنا پیسہ ضرور دیکھ چکا تھا کہ اب یہ پیسہ اس کے لیے کچھ خاص اہم نہیں تھا۔

"یہ تمہارے ہیں' اپنے پاس رکھو' اتنے دن سے کام کر رہے ہو یہاں' مجھے تو بہت پہلے دینے چاہیے تھے تمہیں۔" بابو شوکت کو کھل کر کہنا پڑا۔

"ملازمت دی ہے آپ نے مجھے۔" خیام کی سنجیدگی کچھ اور بڑھتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"نہیں تو' ملازمت کیسی' بچے ہو میرے' اپنے گھر کا کام سمجھ کر تم بے غرضی سے مدد کرتے ہو' تو میرا کیا اتنا بھی فرض نہیں' آخر راجے کو بھی تو دیتا ہوں پیسے۔ ایسے ہی تمہیں دے رہا ہوں۔"

اس نے بیٹے کا حوالہ دیتے ہوئے خیام کو زبردستی روپے پکڑا دیے۔ تب ہی اس کا بیٹا قریب چلا آیا۔ کچھ بھی کہنے سے پہلے اس کی نگاہ خیام کے ہاتھ میں تھمے ہزار کے نوٹوں پر پڑی۔

"اتنے برتن پڑے ہیں' آخر کب دھلیں گے۔ تم بھی بس ایک ہی کام کے ہو کر رہ جاتے ہو۔"

براہ راست پیسوں کے بارے میں پوچھنے سے پہلے اس نے اپنی جھنجلاہٹ اتارنا چاہی مگر بابو شوکت کی مداخلت بروقت تھی۔

"برتن کسی اور سے دھلوا لو' خیام سے مجھے ضروری کام ہے۔"

"اور کتنے نوکر یہاں گھوم رہے ہیں" آپ اپنا کام کروائیں پھر آ کر برتن دھو لینا خیام بھائی!"

آخری بات اس نے براہ راست خیام کو ہی مخاطب کرتے ہوئے کہی اور واپس کچن میں چلا گیا۔ خیام کو پیسے دیے جانے کے بارے میں وہ اپنے باپ سے اکیلے میں بات کرنے والا تھا۔

"یہ کچھ پیسے لے کر تم ذرا گھر جاؤ' تمہاری بھابھی کا فون آیا تھا' چھوٹی بچی بیمار ہے' اسے ساتھ لے کر ہاسپٹل چلے جاؤ۔ تم پڑھے لکھے ہو' ڈاکٹر سے اچھی طرح بات کر لو گے۔"

کچھ اور پیسے اسے دیتے ہوئے بابو شوکت نے خیام کو ذرا مختلف ذمہ داری سونپی تو وہ کچھ ہچکچا گیا۔

"گھر"

گھر پچھلی گلی میں ہی تھا لیکن اس طویل عرصے میں وہ کبھی بھی وہاں خود سے نہیں گیا تھا۔

"بس دیر نہیں کرو' کہیں ڈاکٹر اٹھ ہی نہ جائیں۔ کوئی ٹیسٹ وغیرہ کہیں تو وہ بھی کروا دینا۔"

اس کا اصرار بڑھنے لگا تو ناچار خیام کو ماننا ہی پڑا۔

"گھر' گھریلو زندگی۔ افراد خانہ۔"

سب ہی الفاظ دہراتے ہوئے کتنا عجیب سا لگتا۔ شاید اس لیے اور بھی کیونکہ خود اس کے پاس اب یہ سب نہیں تھا۔

بابو شوکت کے گھر کی طرف جاتے چند منٹ کے راستے میں بھی اس نے بہت کچھ سوچ ڈالا۔

بابو شوکت کا گھر پچھلی گلی کے ان گنت ایک کے ساتھ ایک سر جوڑے چھوٹے چھوٹے تاریک گھروں میں سے ایک تھا۔

زنگ خوردہ لوہے کے دروازے پر لگی بیل کو دبا کر وہ قدرے ہٹ کر کھڑا ہوا تھا۔

کسی نے دروازہ کھول کر ادھر اُدھر جھانکا اور پھر واپس اندر غائب۔
مختصر سے پل میں وہ صرف گلابی دوپٹے کی جھلک سی دیکھ سکا۔
"عجیب لوگ ہیں' سامنے کھڑا شخص نظر نہیں آیا انہیں۔"
سامنے بند دروازے کو گھورتے ہوئے وہ بہت دن بعد اپنی اسی مشہور زمانہ چڑچڑاہٹ میں مبتلا ہو جس سے نانی کے گھر میں ہر ایک ہی خائف رہتا تھا لیکن تب ہی سر تھا اسے اپنی غلطی کا بھی اندازہ ہوا۔ وہ بابو شوکت کے گھر کے بجائے سامنے والے گھر کے دروازے کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔
یہاں گھر بے حد چھوٹے تھے۔
"پتا نہیں اچھا بھلا کاروبار چلاتے ہوئے بابو بھائی نے کوئی تھوڑا بڑا گھر کیوں نہیں لیا۔"
دوبارہ دستک دیتے ہوئے اسے خیال آیا تھا' اس بار پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھلا تھا۔
"کیا بدتمیزی ہے' بار بار کیوں پریشان کر رہے ہو' شرم نہیں آتی۔"
یہ وہی تھی۔ خیام نے گلابی دوپٹہ پہچانا اور نگاہ جھکالی۔
"وہ میں۔۔۔ مجھے انہوں نے۔۔۔"
لڑکوں سے کھل کر بات چیت کرنا اسے تب بھی مشکل لگتا تھا جب شہزادہ گلفام تھا۔ اب اس گنگو تیلی والی اوقات میں الفاظ اور حوصلے کا اور بھی سخت قحط پڑا تھا۔
"کیا میں۔۔۔ میں۔۔۔ ابھی آپ نہیں ہیں گھر پر' کوئی کام ہے تو شام کو آنا اور خبردار جو پھر دروازہ بجایا۔"
ایک سانس میں کہتے ہوئے وہ پھر سے دروازہ بند کرنے لگی تھی کہ تب ہی کوئی تیزی سے پیچھے سے آیا۔
"کس سے بحث کر رہی ہے مُوں! تو ہر ایک سے لڑنے نہیں کھڑی ہو جایا کر۔ چل اندر۔" خیام کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے درمیانہ عمر اس عورت نے پہلے اس لڑکی کو منظر سے ہٹایا۔
بابو شوکت کی بیوی ہی ہو سکتی تھی۔ بنا تعارف کے وہ پہچان چکا تھا۔
"مجھے بابو بھائی نے بھیجا ہے۔"
"تم ہو خیام۔۔۔" اس عورت کے لہجے میں حیرت اتری۔
"جی۔۔۔" وہ حسب عادت نگاہ جھکا چکا تھا۔
اس عورت نے ایک بار پھر اس کا جائزہ لیا۔ سنہری دمکتی رنگت والا دراز قد خیام' اس حلیے میں بھی بلاشبہ ہزاروں میں ایک دکھتا تھا۔
کسی بھی ہٹ سیریل کے ہیرو سے بھی کہیں زیادہ خوبرو۔
محلے کی ساری عورتوں کی طرح اس کا بھی فیورٹ پاس ٹائم ٹی وی پر چلتے دھیروں ڈرامے ہی تھے۔
"آجاؤ' اندر آکر بیٹھو۔ میں بچی کو تیار کر کے تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔" چند لمحوں میں ہی وہ خیام سے متاثر ہو چکی تھی۔
"نہیں یہیں ٹھیک ہوں۔" وہ اس کے اصرار کے باوجود اندر نہیں گیا۔
بابو شوکت کی بیوی نے اپنی اور بچی کی تیاری میں صرف چند منٹ ہی لگائے لیکن ان چند منٹوں میں ہی وہ شربت کا گلاس باہر خیام کو بھجوا چکی تھی۔
خیام کا نام اس کے لیے بہت مانوس تھا۔ اپنے میاں سے وہ سارا دن اس کا ذکر سنتی تھی لیکن کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا کہ۔۔۔
"ذرا عقل نہیں راجو کے ابا میں' پانچ بیٹیاں لے کر بیٹھا ہے' ان کو بھی ٹھکانے لگانا ہے' اس کی کوئی فکر نہیں۔

کیسا شہزادوں جیسا لڑکا ہے' کوئی آگے نہ پیچھے' کیسا اچھا جوڑ بنتا ہے رانی سے۔"
اس کا دماغ بڑی تیزی کے ساتھ کام کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

زرتاج بیگم کو گئے پہلا ہفتہ بخیر و خوبی گزرا۔
نبیل بہت کم ہی گھر پر دکھائی دے رہا تھا اور ہوتا بھی تو اپنے کمرے میں ہی رہتا۔
زرتاج کی ڈانٹ پھٹکار کے عادی ملازمین کے لیے یہ ہفتہ بڑا ہی عافیت بھرا تھا۔
راجو' زرتاج سے بھی پہلے چھٹی پر جا چکا تھا۔ مہینے بھر کا کہہ کر گیا تھا مگر سب کو پتہ تھا کہ "صاحب" نے فراخ دلی کے ساتھ چھٹی کی مدت کو اسی کی صوابدید پر چھوڑا تھا۔
جملہ ملازمین نے نبیل کی رعایتوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ خود عظمت بوا کی کڑی نگاہ بھی تھوڑی سی نرم پڑی تھی۔
"اصل خرابی پیسے کی ہے' ایک دم کروڑوں کا مالک بن گیا' اسی لیے شروع میں آپے سے باہر ہو رہا تھا' اب رفتہ رفتہ کچھ تو بہتر ہوا ہی ہے۔"
یہ تھا تبصرہ جو اس وقت انہوں نے نبیل کے بارے میں کیا تھا۔
عظمت بوا کے سر میں مالش کرتی روزی کا ہاتھ ایک پل کے لیے رکا۔
"پتہ نہیں بوا! میں نے تو سنا ہے کہ لوگوں کی فطرت کبھی بدلتی ہی نہیں ہے۔"
"بڑی پڑھی لکھی ہے نا جو ایسی باتیں کرتی ہے۔ شکر نہیں کرتی کہ اس نے تیرا پیچھا چھوڑ دیا۔" انہیں اپنی بات کا رد ہونا کم ہی برداشت ہوتا تھا۔ "سچ پوچھو تو میں تو بہت ڈر گئی تھی' رات کو بھی آنکھ کھل جاتی تھی مارے وحشت کے بار بار لیکن اب ذرا سکون ہوا ہے' اب تو گھر پر ٹکتا بھی نہیں ہے۔ معلوم نہیں کن چکروں میں ہے' کوئی پوچھنے والا تو ہے نہیں' خیر ہمیں کیا۔"
روزی کا ہاتھ پھر سے تیزی کے ساتھ چلنا شروع ہو چکا تھا۔ اس بار اس نے اختلاف ضروری نہیں سمجھا تھا۔
فرق تو واقعی پڑا تھا۔
اس جیسی بے سہارا لڑکیوں کو ان بڑے گھروں کے امیرزادوں کی شوخیوں کو جھیلنا پڑتا ہے۔ یہ خراج ہے' جو ان کی بدنصیبی ان سے ضرور ہی لیتی ہے۔ شکر تھا کہ وہ کم از کم کسی بڑے نقصان سے تو بچی ہوئی تھی۔
بہت سی باتیں عمر سے پہلے وہ سیکھ چکی تھی۔ اس کے طبقے کی لڑکیوں کے پاس' زندگی کے تجربے عام لڑکیوں سے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔
روزی نے بھی بہت ہوشیاری کے ساتھ آگے کی منصوبہ بندی کرنی تھی۔ اور وہ یہی کر رہی تھی۔
"وہ تیرا راجو کب تک کا کہہ کر گیا ہے تجھ سے۔" بوا عظمت کو بولے بنا چین نہیں تھا۔
"آجائے گا بوا' چھٹی بھی تو لمبی لی ہے۔"
"ہوں۔ چلو اچھا ہے' اس کی ماں بھی خوش ہو گئی ہو گی' اور دیکھ جب شادی ہو جائے تو راجو کی ماں کی بہت دل لگا کر خدمت کرنا' کسی شکایت کا موقع نہ ملے کسی کو' اچھی لڑکیاں نام روشن کرتی ہیں ماں' باپ کا۔ ورنہ تو۔۔۔"
رات گہری ہو رہی تھی اور اس سے بھی زیادہ روزی کے ہاتھوں ملنے والی راحت کی اثر پذیری تھی۔
آج طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ نبیل نے کمال مہربانی سے عظمت بوا کے لیے ڈاکٹر سے دوا بھی منگوا کر بھجوائی تھی۔

آنکھیں بار بار بند ہو رہی تھیں۔

"ہاں تو کیا کہہ رہی تھی میں، ماں باپ کی تربیت پر حرف نہ آئے۔" وہ پھر سے جھٹکا کھا گئیں۔

روزی کے چہرے پر شادی اور سسرال کے ذکر سے ہی بڑی گہری مسکراہٹ آ گئی تھی۔ دو بھاری سلوں کے نیچے ابدی نیند سوئے ماں باپ کا اب کا اس کی زندگی سے عمل دخل ختم ہو اتھا۔ پھر بھی ان کا نام روشن کرنے کی آرزو نے تھوڑا سا جذباتی کر دیا تھا۔

"ایک بار خیریت کے ساتھ شادی ہو جائے مجال ہے جو میں پھر ساری عمر کسی کو بھی شکایت کا موقع دوں۔ راجو کی ماں کی ایسی خدمت کروں گی کہ کیا کوئی بیٹی کرتی ہے۔ منہ سے اف بھی نہیں کروں گی کسی زیادتی پر، میرے لیے تو یہی بہت ہے کہ راجو میرے ساتھ ہو گا۔"

نو عمری کی پہلی محبت کی ساری شدت روزی کے ارادوں کو ہمہ وقت پختہ کرتی تھی۔

بوا عظمت سو چکی تھیں، تکیہ ان کے سر کے نیچے ٹھیک کر کے، چادر اور ان کے پاؤں پر پھیلائی تب ہی کچھ یاد آیا۔

دودھ فریج سے باہر ہی رکھا رہ گیا تھا۔ خراب ہو جاتا تو صبح ہی صبح کی بے کار کی الجھن۔

اس کا اور بوا کا مشترکہ کمرہ کچن کے ساتھ ہی تھا۔ وہ نکل ہی رہی تھی کہ کوریڈور کے ساتھ دوسرے سرے سے نبیل نے آواز دی۔

"روزی! میرے کمرے میں پانی کی بوتل اور گلاس رکھوا دو کسی سے اور ہاں فلاسک میں دو کپ چائے بھی۔"

سرسری سے انداز میں کہتا ہوا وہ گھر کے اگلے حصے کی طرف چلا گیا۔

اس ٹھنڈے سنسان گھر میں روزی کا آخری خدشہ بھی کہیں گم ہوا۔

"شکر ہے صاحب کا، دھیان بالکل ہی ہٹ گیا۔ ورنہ بیگم صاحب کی غیر موجودگی میں تو...!"

بہت مطمئن سی ہو کر وہ چائے کا فلاسک اور پانی کی بوتل رکھنے کے لیے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ تب ہی اندر سے اس کے پیچھے کمرہ لاک ہوا۔

☼ ☼ ☼

معاذ نے بے یقینی کے ساتھ اسے دیکھا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے یار!"

"کیسے کیا مطلب؟"

ریحان کے چہرے پر بڑی بھرپور مسکراہٹ تھی۔

"تم ٹیلنٹ رکھتے ہو تو اس کے قدردان کہیں نہ کہیں تو ہیں نا۔ بس اس بار وہی ٹکرا گئے ہیں۔"

"ٹیلنٹ ویلنٹ کیا یار!" وہ کچھ جھینپ سا گیا۔ "اور ٹیلنٹ کو پوچھتا بھی کون ہے، وہ تو بس تمہارے زور دینے پر چلا گیا تھا۔ ورنہ مجھے کیا تجربہ ہے لکھنے لکھانے کا۔ ان لوگوں کو شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"کوئی غلط فہمی نہیں، کچھ دیکھ کر ہی جاب آفر کی ہے تمہیں چینل پر۔ اور آخر اسلام چچا کے بیٹے ہو۔ کتنی کے کالمسٹ ہیں ان جیسے، حق اور انصاف کی بات کرنے والے، ہر قسم کی گروپ بندی سے آزاد، کچھ تو اثر تم میں بھی ہے ان کا۔"

ریحان کے لیے معاذ اور اس کے ابا دونوں ہی ہمیشہ آئیڈیل رہے تھے۔

معاذ کے چہرے پر بڑی انکساری بھری مسکراہٹ تھی۔

"خیر ابا کا تو میں دس فیصد بھی نہیں ہوں' ان کی اصول پسندی اور سچائی تو یار! کبھی کبھی مجھے بھی خوفزدہ کردیتی ہے۔ وہ تو ابھی اسی بات کو لے کر' دس سوال کر ڈالیں گے کہ اس جاب کو حاصل کرنے میں' میری قابلیت کا دخل ہے یا تمہاری جان پہچان کے بل پر یہ معرکہ سر ہوا ہے۔"

ابا کی جواب طلبی سے وہ سچ مچ گھبراتا تھا۔

"خیر میری تو کوئی مدد نہیں ہے اس میں' مجھے صرف ایک ویکنسی کا پتا چلی تھی۔ سو میں نے تمہیں زبردستی وہاں اپلائی کروایا تھا۔ آگے تمہاری صلاحیت اور قسمت' جوائن کب سے کر رہے ہو؟" ریحان بہت سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"پتا نہیں' یہ تو انہوں نے نہیں بتایا' بس یہ کہا ہے کہ سلیکٹ ہوگئے ہیں۔ آکر مل لیجیے' ابھی تمہارے سامنے ہی تو بات ہوئی ہے۔"

"ہوں' ٹھیک ہے تو بس کل صبح ہی چلے جانا' بلکہ میں آجاؤں گا تو پھر ساتھ ہی...."

ریحان ہمیشہ اس کے لیے اس سے زیادہ فکرمند رہتا تھا۔ ملازمت کی تلاش کے اس صبر آزما دور میں' وہ اس میں سے تو جگہ تو معاذ نے اسی کے کہنے پر درخواست دی تھی۔ مقامی اخبار میں نکلنے والی یہ آسامی بھی ریحان کی توجہ ہی سے نوٹس میں آئی تھی۔ جہاں سے تھوڑی دیر پہلے کال موصول ہوئی تھی۔

وہ دونوں اس وقت اپنے گیراج اسکول والے آفس میں بیٹھے تھے۔

پڑھنے والے بچوں کا نیا بیچ منتخب ہوچکا تھا۔ اس بار تعداد پہلے سے زیادہ تھی۔

پچھلے دنوں ہونے والی تقریب میں معاذ کی نیت کے ساتھ بدمزگی کے باوجود' بیگم زر تاج نے اچھا خاصا ڈونیشن دے دیا تھا۔ سو کتابوں وغیرہ کا خرچہ با آسانی نکل رہا تھا۔ سو اب لگے ہاتھ تھوڑا سا فرنیچر بھی خرید لینے کا پروگرام تھا۔

وہ لوگ آج کل اسی حساب کتاب میں وقت صرف کر رہے تھے۔ معاذ کا ابھی سے اٹھنے کا ارادہ تو نہیں تھا مگر ریحان کے زور دینے پر اسے اٹھنا ہی پڑا۔ ویسے بھی گھر والوں کو کوئی خوش خبری سنے اتنا عرصہ ہوگیا تھا کہ اب ہاتھ آئی اس خبر کو جلد سے جلد سنانا ان کا حق بنتا تھا۔

وہ احاطے میں کھڑی اپنی موٹر سائیکل اسٹارٹ کرنے ہی لگا تھا کہ کسی خیال نے قدم تھاما۔

اس کے پرانے سے سیل فون میں کچھ روپے تو تھے ہی۔

اور اظہار چچا کے گھر کا نمبر' اس تمام تر ظاہری لاتعلقی کے باوجود اسے ازبر تھا۔

"کاش فون جویا اٹھا ہی لے" پورے دل سے خواہش کرتے ہوئے اس نے نمبر ملایا تھا۔

گھر میں کوئی تھا ہی نہیں' یا پھر اردگرد ہونے والے واقعات سے لاتعلقی' وہاں کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی۔

وہ مایوس ہو کر بند کرنے ہی لگا تھا کہ ریسیور اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو!" آواز دھیمی تھی۔ مگر کیسے ممکن تھا کہ وہ نہ پہچانتا۔

"جویا! معاذ بات کر رہا ہوں۔" آج پہلی بار اس نے اپنے دل کی سنی تھی۔

"تمہارے لیے ایک اہم خبر ہے' سو سوچا کہ دیر نہیں کروں سنانے میں' آخرکار یہ معرکہ بھی...." خوشی کی گنگناہٹ لیے' وہ بتاتا چلا گیا۔ "اب مجھے مت الزام دینا لاپروائی کا' سمجھیں میں نے اپنا کام کردیا' آگے تمہارے ابا کا دین ایمان!"

دوسری طرف چھائی اس قیامت کی خاموشی کا احساس اسے چند منٹ بعد ہی ہوا تھا۔

"ہیلو' جویا' جویا!"

مگر دوسری طرف نہ کوئی آہٹ' نہ آواز' رابطہ منقطع ہوچکا تھا۔

"کیا ہوا تھا اسے' جو وہ اس طرح گم صم۔ آواز سنائی نہیں دے رہی تھی' یا پھر خوشی کی شدت نے حواس گم کردیے تھے۔"

اس کا دل چاہا کہ وہ دوبارہ فون ملا کر جویا سے اصل وجہ جان ہی لے' لیکن سیل فون کا بیلنس اجازت نہیں دے رہا تھا۔

"پھر سہی!" ایک سکون بھری سانس کے ساتھ' معاذ نے موٹر بائیک کو اس کی رفتار پر چھوڑا۔

اپنے سے زیادہ اپنوں کے لیے کچھ کر دکھانے کی خوشی کا مزا' خود اس نے بھی آج ہی چکھا تھا۔

اردگرد سب کچھ وہی' مگر پھر بھی ہر منظر نیا اور دل فریب۔

جس وقت وہ گلی میں مڑ رہا تھا' اس نے اظہار چچا کو گھر کے گیٹ پر کھڑا دیکھا۔

ان کی چھوٹی سی گاڑی گیٹ کے برابر درخت کے نیچے کھڑی تھی۔

وہ اکیلے ہی تھے۔

معاذ کے پہنچنے تک وہ ہاتھ میں تھاما شاپر لیے گھر کے اندر جاچکے تھے۔

برآمدے سے گزر کر جب وہ ابا کے کمرے کی طرف جارہا تھا' اسے اظہار چچا دادی کے کمرے میں بیٹھے ہوئے نظر آئے۔

"معاذ!" کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اور کیسے ممکن تھا کہ دادی اسے سرِشام آتا دیکھ کر آواز نہ دیتیں۔

"جی!" وہ اندر چلا آیا' اور آج اظہار چچا کی طنزیہ مسکراہٹ اسے بالکل بھی پریشان کن نہیں لگی تھی۔

بہت سکون اور اعتماد سے معاذ نے انہیں سلام کیا۔ اور دادی کی طرف مڑ گیا۔

"آج جلدی آگئے' طبیعت تو ٹھیک ہے نا!" وہ متفکر سی پوچھ رہی تھیں۔

"جی' بس ایسے ہی کچھ کام تھا۔" اس نے مصلحتاً ٹالنا چاہا۔ اظہار چچا اپنے ساتھ لائے شاپر سے مٹھائی کا ڈبہ نکال کر دادی کو تھما رہے تھے۔

"زویا کے ایڈمیشن کی مٹھائی ہے نا! میں تو پہلے ہی مبارکباد کے لیے آنا چاہ رہی تھی' بس...." دادی کہہ رہی تھیں۔

"نیک شگون!" معاذ نے مسکرا کر سوچا' اور واپس مڑا ہی تھا کہ عقب سے اظہار چچا کی آواز ابھری۔

"نہیں تائی اماں! یہ زویا کے ایڈمیشن کی نہیں' جویا کی بات طے ہونے کی مٹھائی ہے۔ میں نے اس کا رشتہ طے کردیا ہے' لڑکے کا اپنا بزنس ہے...."

"اور شاید پتھر کا ہونے کے لیے' ہیار پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی شرط نہیں۔"

سامنے برآمدے کی ہری جالیوں پر ٹھٹکی دھوپ کی آخری کرنوں پر نگاہ جماتے ہوئے معاذ نے سوچا۔

"آپ کو بہت مبارک ہو اظہار بھائی! چند دن میں آؤں گی آپ کی طرف شاکرہ بھابھی کو مبارکباد دینے۔" صرف یہی تھیں' جو بہت پرسکون تھیں۔

☆

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

دیوارِ شب

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتلائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ویڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے مقصد آوارہ رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گیتی آپا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اسے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو [illegible] میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ حویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کردی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ حویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ عالم افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصۂ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جارہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور اجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوتے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔ سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

صندل کو بالی صاحب کی فلمیں کیا ملتی ہیں کہ نانی ستارہ کے خاندان کی قسمت چمک اٹھتی ہے۔ نگینہ ہر موقع پر بیٹی کے ساتھ رہتی ہے جس پر نانی دلدار کے خاندان خصوصاً الماس کا حسد سے برا حال ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۲۰
بیسویں قسط

اس وقت تو یوں لگتا ہے اب کچھ بھی نہیں ہے
مہتاب نہ سورج، نہ اندھیرا، نہ سویرا
آنکھوں کے دریچوں پہ کسی حسن کی چلمن
اور دل کی پناہوں میں کسی درد کا ڈیرا
ممکن ہے کوئی وہم تھا، ممکن ہے سنا ہو
گلیوں میں کسی چاپ کا اک آخری پھیرا
شاخوں میں خیالوں کے گھنے پیڑ کی شاید
اب آکے نہ کرے گا کوئی خواب بسیرا

درد کی ان اولین گھڑیوں میں فیض ہی اس کی دلداری کو آئے تھے۔
کروٹ بدلتے ہوئے معاذ نے اپنے پرانے سی ڈی پلیئر کا بٹن آف کیا۔ سامنے کھڑکی پر ستاروں کا روپہلا غبار کھلا تھا۔

اس کی نگاہ وہیں ٹھہری تھی مگر آج وہاں اس کے نام کا کوئی ستارہ نہ تھا۔
اور یہ کیسی عجیب بات تھی، ناقابلِ یقین۔ جویا اس کی نہیں رہی تھی۔
نہ کوئی وعدے، نہ قسمیں پھر بھی وفا کے راستے پر وہ ہمیشہ اسے خود سے بہت آگے کھڑی دکھائی دی تھی۔
آج وہ راستہ بھی گم ہوا۔
یا پھر وہ سب اس کا وہم و گمان ہی تھا۔ اس کی تخلیقی صلاحیتوں کا تو بہرحال پورا گھر ہی گواہ تھا۔
بادلوں میں چھپے کھل تلاشنا یا آسمان پر بکھرے ستاروں میں خود اپنا milky way سیٹ کرلیا، سب باتیں ہاتھ کا کھیل۔

یہاں بھی شاید ایک تخیل ہی ٹوٹا تھا۔
سوجو تھا ہی نہیں، اس کا واویلا بھی کیا؟ اس نے خود پر ہنسنا چاہا۔
صبح بڑی بھید بھری خاموشی لیے طلوع ہوئی تھی۔ معاذ کا آج آفس کا پہلا دن تھا لیکن جو شور و ہنگامہ آج صبح ہی سے متوقع تھا، ناپید تھا۔
ربیعہ نے صبح کی چائے سب کو کمروں میں ہی پہنچائی تھی۔ دادی نے شاید آج مناجات اپنے کمرے میں ہی پڑھ لی تھی۔
ربیعہ چائے دینے گئی تو وہ آنکھوں پر بازو رکھے لیٹی تھیں، اس کی آہٹ پر صرف اشارے سے چائے کا کپ رکھ دینے کے لیے کہا تھا۔
وہ چند لمحے کھڑی بھی رہی کہ شاید وہ کچھ کہیں لیکن جب وہ خاموش ہی رہیں تو پھر واپس پلٹنا ہی پڑا۔ رات انہوں نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا، سب کے بے حد اصرار کے باوجود بھی اور اس ضعیفی میں یہ ان کے لیے ٹھیک نہ تھا۔
ربیعہ کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ معاذ کے بعد اگر کوئی شدید متاثر ہوا ہے تو وہ دادی ہی ہیں۔
حالانکہ جو کچھ بھی ہوا، غیر متوقع تو ہرگز بھی نہیں تھا۔ خود وہ کتنی کوشش کرتی رہی تھی کہ دادی اس جھٹکے کے لیے تیار ہو جائیں تو بہتر ہے مگر وہ نہ معلوم کس آسرے پر امید کا سرا تھامے ہوئے تھیں۔
"معاذ کو اٹھایا نہیں تم نے؟ اسے دیر ہو جائے گی، آج پہلا دن ہے۔"
امی اپنی مصروفیت میں سے وقت نکال کر خاص طور پر معاذ کے لیے ہی باہر آئی تھیں اور گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہی ان کی پیشانی پر بل پڑا تھا۔

"میری ہمت نہیں پڑ رہی ہے امی!" ربیعہ نے صاف کہہ دینا ہی مناسب سمجھا۔
"دماغ خراب ہے تمہارا تو! آج کے دن ایسی بدشگونی کی باتیں! ایسی کیا آفت ٹوٹ پڑی ہے آخر جو سارے گھر پر نحوست پھیلی ہوئی ہے۔" وہ حسب توقع بری طرح بگڑیں۔
"وہ بہت افسردہ ہے امی! رات دو بجے گھر آیا تھا اور اس کے بعد بھی معلوم نہیں کب سویا ہے۔" اس نے شاکی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔
زیادہ گلہ اسے امی اور ابا سے ہی تھا۔ اگر وہ دونوں اپنے رویوں میں تھوڑی سی لچک پیدا کر لیتے تو شاید معاذ کا کچھ بن ہی جاتا۔
"معلوم ہے مجھے، وہ کس وقت گھر آیا تھا، اتنی بے خبر نہیں ہوں میں اور یہ کوئی نئی بات تو نہیں۔ اپنے دوستوں میں بیٹھا ہوگا، کوئی مصروفیت ہوگی۔"
"یا پھر خود سے فرار۔" ناشتے کے برتن میز پر لگاتے ہوئے وہ زیر لب بڑبڑائی۔ شکر ہے امی نے سنا نہیں۔
"جو ہوا بہت ہی اچھا ہوا، شاکرہ کے گھر سے تعلق جوڑ کر عمر بھر کا عذاب مول نہیں لے سکتی تھی میں سر پر۔ ساری زندگی محنت اور صبر کے سہارے کاٹی ہے لیکن اب عمر کے اس حصے میں۔" کچھ کہتے کہتے ذرا رک کر انہوں نے کھڑکی کے پردے سرکا کر پٹ کھولے۔ تازہ خوشگوار ہوا کے جھونکے کمرے میں سے گزرنے لگے۔
"اس عمر میں اپنی محرومیوں کے ساتھ جینا بہت آسان لگتا ہے لیکن شاکرہ اور اظہار جیسے گھٹیا لوگوں کی نگاہوں میں اپنے لیے مستقل بغاوت دیکھنا ناقابل برداشت۔"
ربیعہ کی طرف سے ان کی پشت تھی لیکن پھر بھی اسے ان کی آواز میں آئی نمی محسوس ہوئی تھی۔ اپنی جگہ امی بھی حق بجانب تھیں۔
"معاذ۔۔۔ معاذ۔۔۔" وہ کوریڈور میں کھڑے ہو کر اسے آواز دے رہی تھیں۔
"معلوم نہیں وہ آج جائے گا بھی یا نہیں۔"
میز کے ساتھ لگی کرسی پر بیٹھتے ہوئے ربیعہ نے سوچا۔ معاذ کی لاپروائی اور غیر مستقل مزاجی کو اتنا جھیلا جا چکا تھا کہ اب وہ کچھ بھی کرتا نیا نہیں لگتا تھا لیکن ذات پر جھیلے گئے اس پہلے دکھ کا وہ کس طرح مقابلہ کرے گا، یہ سوچ کر ہی وہ کل سے گھبراہٹ میں مبتلا تھی۔
"معاذ۔۔۔ معاذ۔۔۔!"
اندر چھائی گہری خاموشی نے امی کی آواز میں ہلکی سی بے تابی پیدا کی تھی۔
ربیعہ سے رہا نہیں گیا تو وہ خود بھی دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔
"معاذ!" امی نے دروازے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ وہ باہر نکل آیا۔
"آپ تو ایسے آوازیں لگا رہی ہیں جیسے کوئی چھوٹا سا بچہ اندر لاک لگا کر بیٹھ گیا ہو۔"
اس کے لہجے میں بشاشت تھی اور "حلیہ روز سے کہیں زیادہ بہتر۔"
ربیعہ نے ایک نگاہ میں اس کی تیاری نوٹ کی لیکن سکون کا سانس پھر بھی میسر نہیں آ سکا تھا۔
"میرے لیے تو ہمیشہ چھوٹے بچے ہی رہو گے۔" آج خیر سے نوکری کا پہلا دن ہے، شکر ہے اس مالک کا جو۔۔۔"
ربیعہ واپس اندر آئی تو پچھلے برآمدے میں کھلنے والے دروازے سے اسے ابا اندر داخل ہوتے دکھائی دیے۔ ان کی شفقت بھری مسکراہٹ ہمیشہ حوصلے کا سبب بنتی تھی، اسے بھی ابا کی موجودگی میں معاذ کا سامنا کرنا آسان لگنے لگا۔
معاذ بڑے سکون سے ابا کے قریب آ بیٹھا تھا۔

"ربیعہ! پہلے ذرا مجھے چائے دو۔"
اس کے کام کے اوقات مختلف تھے، اس لیے اس پر صبح سویرے والی بوکھلاہٹ طاری نہیں تھی۔
تخلیقی کام موڈ کا تابع ہوتا ہے، وقت کا نہیں اور اصل میں اہمیت اس سچائی کی ہے جو آپ خود سے برتتے ہیں۔ آگے آپ کے کام میں وہ خود بخود جھلکتی ہے۔" وہ ابا کی ہر بات اتنے غور سے سنتا تھا کہ آس پاس کوئی بھی دوسری بات اہم نہیں رہ جاتی تھی۔
ربیعہ نے چائے کا کپ اس کے آگے سرکاتے ہوئے ایک جھجکتی ہوئی نگاہ معاذ کے چہرے پر پھر ڈالی۔ بظاہر تو وہاں ایسا کچھ بھی نہ تھا جس کا سرا اس ملال سے جوڑا جا سکتا جو کل سے ہٹنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ تب ہی اسے وہ مٹھائی کا ڈبہ دکھائی دیا جو کل شام سے اب تک کھلنے کا منتظر تھا۔ دیوار کے ساتھ لگی ٹرالی پر وہ کسی تحفے کی مانند تھا۔
معاذ کی نظر بار بار اس پر پڑتی تو وہ یکساں تکلیف کے احساس سے گزرتا۔ ربیعہ ایسے ہی خیال سے اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ اور کچھ نہیں تو وہ اس پر کوئی میٹ ہی ڈال سکتی تھی۔
اور جب وہ یہی کر رہی تھی تو معاذ نے براہ راست اسے ہی پکارا۔
"ربیعہ۔۔۔!" اس کی جیسے چوری پکڑی گئی۔ "میرا اور دادی کا ناشتہ ایک ہی ٹرے میں نکال دو، میں ان کے ساتھ ہی کرلوں گا۔"
اس نے وہ ڈبہ قطعی نظرانداز کیا تھا۔
ربیعہ اثبات میں سرہلا کر ٹرے لانے کے لیے کچن کی طرف چلی گئی۔
معاذ کے لبوں پر اداس سی مسکراہٹ محض پل بھر کے لیے ابھری تھی۔
"بے چاری بہنیں! اللہ میاں کا تحفہ نہیں تو اور کیا ہیں یہ۔"
"معاذ! تم یہیں بیٹھو اپنے ابا کے پاس۔"
امی اس سے کہہ رہی تھیں۔ "دادی کے ساتھ ربیعہ ناشتہ کرے گی تھوڑی دیر بعد۔"
"وہ نہیں مانیں گی ربیعہ سے، معلوم نہیں رات بھی انہوں نے کچھ کھایا ہے یا نہیں اور اس وقت بھی وہ اب تک کمرے سے نہیں نکلی ہیں، کہیں پھر سارا دن۔۔۔"
معاذ کا اندازہ غلط نہیں تھا۔
امی نے بے چینی سے پہلو بدلا۔
آج وہ خود خاص طور پر اس وقت باہر آ کر معاذ کی وجہ سے ہی بیٹھی تھیں، ورنہ جب سے ربیعہ نے گھر سنبھالا تھا، وہ اپنا کام علی الصبح سے ہی شروع کر دیا کرتی تھیں۔ ناشتہ کھانا بھی وقت بچانے کی نیت سے زیادہ تر وہیں مگر آج کا دن خاص تھا۔
معاذ ناشتہ لے کر دادی کے کمرے میں چلا گیا تھا۔
"کسی کسی وقت تو تم حد ہی کر دیتی ہو، کیا ضرورت تھی معاذ کو اماں کے ساتھ ناشتے سے روکنے کی۔"
ابا کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری تھی۔
"جب سارا گھر ایک حماقت بھرے رنج میں ڈوبا جا رہا ہے تو مجھے بھی تھوڑا بہت تو حق ہے نا۔ پہلا دن ہے اس کی نوکری کا، میں نہیں چاہتی وہ دل بھاری کر کے گھر سے نکلے۔"
ابا کے اعتراض کا ان کے پاس بڑا شافی جواب تھا۔
"یہ میرے تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ جو کچھ بھی ہوا ہے، اس کا مداوا وقت کے ہاتھوں ہوگا اور بہرحال

معاذ کو تکلیف تو پہنچی ہے۔"
"لیکن وہ اس تکلیف کا اشتہار گلے میں لٹکا کر نہیں گھوم رہا ہے' خود کو سنبھال لیا ہے اس نے لیکن اب اماں یقیناً اس کے سامنے رونا دھونا شروع کر چکی ہوں گی۔ ذرا بھی خیال نہیں کریں گی کہ آج کا دن کتنا اہم ہے اس گھر کے لیے۔"

اماں کو معاذ کی جاب کی خوشی ہم دونوں سے کہیں زیادہ ہے لیکن جویا کے لیے ان کی بڑی پرانی خواہش تھی اور اب ان کے اعصاب بھی کمزور ہو چکے ہیں' سمجھا تو کرو تم۔"
"سب سمجھتی ہوں' میرے دونوں بچے مجھ سے زیادہ دادی کے ہیں ہمیشہ سے۔ شاید میں انہیں خود سے قریب کر ہی نہیں سکی۔ میرے کام نے مجھے اتنی فرصت ہی نہیں دی۔" امی کی آواز بتدریج نیچی ہوتی چلی گئی۔
ربیعہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ "ایسا نہیں ہے امی! ہم سب بہت پیار کرتے ہیں آپ سے' اتنا کہ آپ کو اندازہ بھی نہیں۔" بہت محبت سے اس نے ان کے گلے میں بانہیں ڈالیں۔ "اور کام آپ ہمارے لیے ہی تو کر رہی ہیں پھر کیا ہم اتنے بے وقوف اور احسان فراموش ہیں کہ۔۔۔"
"اچھا بس۔" وہ کچھ جھینپ کر مسکرا دیں۔ "جاؤ دیکھ لو وہاں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔"
ربیعہ کو ان کی مسکراہٹ اس وقت بڑی اچھی لگی۔ امی کے تھوڑے سے کھردرے رویّہ کے پیچھے ایک عمر کی مشقت اور حالات کی بے رحمی تھی۔
شاید گھر میں سب سے زیادہ حقیقت پسند بھی وہی تھیں۔
"جویا کوئی آخری لڑکی نہیں تھی دنیا کی' میرے معاذ کی قسمت میں ضرور کوئی اچھی لڑکی ہوگی' جویا سے بھی کہیں اچھی۔"

ربیعہ نے باہر نکلتے ہوئے انہیں ابّا سے کہتے ہوئے سنا۔
"مگر بہر حال وہ جویا تو نہیں ہوگی۔"
سامنے کھلے ہوئے دروازے میں سے دادی کے کمرے کا منظر یہیں سے صاف نظر آرہا تھا۔
امی کی پیش گوئی ہو بہو پوری ہو رہی تھی۔
دادی' معاذ کے سہارے سے بیٹھی اپنی آنکھیں خشک کر رہی تھیں اور وہ انہیں معلوم نہیں کیا تسلی دے رہا تھا۔

"اور اس مکمل ڈراپ سین کے بعد کیا تسلی دی جاسکتی ہے؟" ربیعہ نے حیرت سے سوچا تھا۔

☼ ☼ ☼

بابو شوکت لیٹے سے اٹھ بیٹھا تھا۔
"پاگل تو نہیں ہو گئی ہے رانی کی ماں! کیسی باتیں ذہن میں آتی ہیں تیرے۔"
رات گئے ہوٹل سے آکر وہ کمر سیدھی کرنے کے لیے لیٹا ہی تھا کہ بیوی نے سارا دن سے سنبھال کر رکھا ہوا آئیڈیا گوش گزار کیا۔
"کون سی انوکھی بات ہے' لڑکیوں کی شادیاں تو کرنی ہیں۔ آگے پیچھے سب برابر کی لگنے لگیں گی۔ ابھی سے فکر کریں گے تو یہ پہاڑ آگے کو سرکے گا۔" کم عقلی کے طعنے پر وہ اپنی تلملاہٹ پر کم ہی قابو رکھ پاتی تھی۔
"بیٹیوں کو بوجھ مت سمجھا کر' ہزار بار کہا ہے تجھے۔ اللہ نے دی ہیں' وہی ان کی فکر کرنے والا ہے۔"
"کچھ ذمہ داری اس نے اپنے بندوں کے بھی سپرد کی ہے' کوشش کرنا تو فرض ہے اور اس میں برائی کیا ہے

آخر۔ رانی کی شادی تو کرنی ہی ہے۔ اِدھر اُدھر ڈھونڈنے سے تو اچھا ہے کہ گھر میں موجود لڑکے کو ہی داماد۔۔۔"
"خیام گھر کا لڑکا نہیں ہے' اتنی سی بات تیری سمجھ میں نہیں آرہی ہے زبیدہ! معلوم نہیں کن حالات کا شکار ہو کر یہاں آپڑا ہے غریب۔ کل کو اس کے پچھلے آکر لے گئے تو ایک منٹ نہیں لگائے گا وہ جانے میں۔"
خیام سے ساری ہمدردی اور محبت کے باوجود بابو شوکت اس معاملے کو حقیقت پسندی سے دیکھ رہا تھا۔
اس کی بیوی کے لیے اس کا یہ ردِعمل خلاف توقع تھا۔ خیام کی جتنی اٹھتے بیٹھتے وہ تعریف کیا کرتا تھا' اس حساب سے تو اسے یہ خیال سن کر جھوم اٹھنا چاہیے تھا مگر وہ تو اس کی سارا دن کی خوشی خوشی پکائی گئی کھچڑی کو ہی بدمزہ کیے دے رہا تھا۔ فرماں بردار بیوی کی طرح' میاں کے پیر دبانے کا ارادہ ترک کر کے وہ کچھ کھسک کر بیٹھی۔
"کوئی نہیں آتے اگلے پچھلے' سال سے اوپر ہو رہا ہے خیام خیام کی رٹ سنتے ہوئے تم سے۔ اتنے عرصے میں تو کوئی نہیں آیا' ہم نے تو تلاشِ گم شدہ میں بھی کبھی اس کا اشتہار نہیں دیکھا۔ کوئی سگا ہوتا اس کا تو اپنے ایسے خوبصورت جوان کو نکلنے دیتا اپنے ہاتھوں سے۔ خاک چھانتے پھرتے شہر شہر اس کی خاطر۔ لکھ کر رکھ لو میری بات کوئی آگے پیچھے نہیں ہے اس لڑکے کا۔"
"انسان درختوں پر نہیں اگتے رانی کی ماں! وہ جو یتیم خانوں میں پلتے ہیں' ان کے بھی طاقتور حوالے کہیں نہ کہیں موجود ہوتے ہیں۔ بے کار کے مفروضے مت پال' سارا دن کا تھکا ہارا ہوں آرام کرنے دے مجھے۔"
تکیہ ٹھیک کر کے وہ دوبارہ لیٹ چکا تھا۔
"مت مانو میری بات۔ ایک بات بتا دو سچ سچ' اگر وہ یہاں رک جائے اور خود سے رانی کا رشتہ دے تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟"
بابو شوکت نے غور سے بیوی کی طرف دیکھا' وہ بڑی امید بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی' بالکل ایسے جیسے رانی کا رشتہ محض ایک اسی کی "ہاں" یا "نا" پر ٹکا ہوا ہے۔
وہ بے ساختہ ہی مسکرا دیا۔
"دیکھا' خود تمہیں بھی یہ بات اچھی لگی ہے۔ خیام تو پہلے دن سے تمہیں پسند ہے اور یہ دوستی اگر رشتہ داری میں بدل جائے تو اس سے زیادہ اچھی بات اور کوئی دوسری ہو ہی نہیں سکتی۔"
اس کی مسکراہٹ سے حوصلہ پا کر وہ پھر سے پرجوش ہونے لگی۔ اس بار وہ مسکرائے گیا۔
"چل ٹھیک ہے' اگر خیام نے کوئی خیال ظاہر کیا تو پھر میری طرف سے تو بات پکی ہی سمجھ۔ ہیرا لڑکا ہے خیام' اگر رانی کے نصیب میں لکھا گیا ہے تو رانی کی خوش قسمتی میں کوئی شک نہیں ہے۔"
الفاظ بابو شوکت کے منہ سے ادا ہوئے اور کھلے دروازے سے اندر آتی رانی کے کان میں پڑے وہ جیسے وہیں منجمد ہوئی تھی۔
میرا دل کہتا ہے کہ یہ لڑکا خیام میری رانی کے ہی مقدر میں ہے۔ خدا نے اسے ایسے ہی تو سیدھا تمہارے پاس نہیں بھیج دیا' کوئی تو مصلحت ہوگی نا!" اس نے بلا تکلف مذہب کی مار ماری۔
چوکھٹ پر کھڑی رانی نے ماں کی دور اندیشی اور اپنی قسمت دونوں پر ہی رشک کیا اور دبے پاؤں واپس برآمدے میں چلی آئی۔
"ایسا حسین جیسے جیسے۔" اندر اس کی ماں کی سمجھ میں کوئی مثال ہی نہیں آکر دے رہی تھی۔ وہ چپ چاپ لائن میں لیٹی بہنوں کے درمیان اپنے دل کی دھڑکن سننے گئی۔
سنہری دمکتی رنگت والا خیام۔
رانی نے تصور میں خود کو اس کے ساتھ چلتا ہوا دیکھا اور خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کیا۔

"وہی ہے جس کا مجھے انتظار تھا۔" بہت مگن ہو کر اس نے اپنی رضامندی کی مہر اس کچی پکی سی بات پر لگائی۔

☼ ☼ ☼

گھر کے لگے بندھے ماحول کو جیسے کسی انجان ہاتھ نے تہہ وبالا کیا تھا۔
ناشتہ، کھانا، صفائی ستھرائی کسی بھی بات کی کوئی خبر نہیں مل جارہی تھی۔
ہر چہرہ پریشان اور ہر لب اور نگاہ میں ایک ہی سوال۔
روزی گئی تو کہاں گئی؟
ہر شخص دوسرے کی طرف بڑی امید سے دیکھتا اور جیسے اس آج سب سے زیادہ پوچھے جانے والے سوال کا جواب ان ہی میں سے کسی کے پاس ہے۔
مگر ایسا نہیں تھا۔
چوکیدار، کُک مین سے لے کر کچرا اٹھانے والے لڑکے تک سب ہی اس پہیلی کو حل کرنے میں ہلکان ہوتے جارہے تھے۔
"رات کے کھانے کی ٹرے وہی لائی تھی، اس وقت تو بڑی خوش خوش تھی۔ مجھ سے بولی کہ بس دو چار دن میں بیگم صاحب واپس آرہی ہیں، دیکھنا کیسی رونق ہوگی پھر سے۔"
"ارے مجھ سے تو کھانے کے بعد چائے کا بھی پوچھنے آئی تھی اسے پتہ ہے کہ میں چائے کا عادی ہوں تو ضرور مجھے بنا کر دیتی تھی۔ چاہے صاحب لوگوں سے چھپ کر ہی سہی۔"
"اور اس بار اپنی تنخواہ میں سے پورے پانچ سو روپے مجھے ادھار دیے۔ میرے بچے کی بیماری پر۔"
"بڑی نیک اور ہمدرد۔" مالی کی بیوی کی آواز باقاعدہ رندھی جارہی تھی۔
"ہائے وہ پانچ سو روپے اب کس کو لوٹاؤں گی۔ میرے اوپر تو بڑا بھاری قرضہ چھوڑ گئی روزی۔"
منہ پر پلو ڈال کر جب اس نے باقاعدہ رونا دھونا شروع کردیا تو کچن کی کھڑکی کے عین نیچے سیڑھیوں پر جمی اس کانفرنس میں شریک تمام ملازمین نے اس کی طرف ناگواری سے دیکھا۔
"خیریات منہ سے نکال بھابھی! اللہ نہ کرے کوئی سدا کے لیے تھوڑی چلی گئی ہے روزی۔ دعا کرو، کوشش کرو ڈھونڈنے کی، کوئی تو سراغ مل ہی جائے گا۔"
"صبح سے تو ایک بار بھی کسی نے کوئی کوشش نہیں کی۔ نبیل صاحب بھی بس یوں ہی ٹالتے رہے آدھے دن تک، صاف لگ رہا تھا کہ ڈھونڈنا ہی نہیں چاہتے۔"
"غریب کی نہ جان کی ویلیو اور نہ ہی کوئی اس کے لیے پریشانی اٹھانے کو تیار ہوتا ہے، ہمیں خود ہی کچھ کرنا پڑے گا۔" ایک پرجوش سی آواز نے ان سب کو جھنجوڑنے کی کوشش کی تھی۔
"اور کیا، پولیس میں رپورٹ درج کروانی چاہیے اب تو، کہیں کسی نے اغواء تو نہیں کرلیا، کیا خبر سویرے کچھ لینے کے لیے گھر سے نکلی ہو، زمانہ بہت خراب ہے آج کل۔" چوکیدار اپنی جگہ پر کچھ دیر کے لیے بیٹے کو کھڑا کرکے بطورِ خاص یہاں آیا بیٹھا تھا، اس سارے ذکر میں اسے یہی امکان سب سے زیادہ کھل رہا تھا۔
"باہر کیسے جاسکتی ہے بی بی، ہم آنکھیں کھول کر ڈیوٹی کرتا ہے، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ روزی گیٹ سے باہر جائے اور۔۔۔"
سب سے الگ تھلگ بالکل خاموش بیٹھی عظمت بوا کی نگاہ، چوکیدار کی بات کے ساتھ ہی ایک بار پھر ایک پچھلے احاطے کی انتہائی کونے والی دیوار کی طرف اٹھی تھی۔ دیوار یہاں سے تھوڑی سی ٹوٹی ہوئی تھی۔

روزی جیسی نوعمر لڑکی کا یہاں سے نکل جانا بالکل آسان سی بات تھی۔
انہیں بار بار یہی وہم ستا رہا تھا اور ہر بار دل پر بڑی بھاری سی چوٹ پڑتی تھی۔
وہ کیسی غفلت کی نیند سوتی رہ گئیں اور ایک ناقابلِ تلافی نقصان کھاتے میں درج ہوا۔
ایک ساتھ کتنے ہی آنسو ٹوٹ کر دامن میں جذب ہوئے۔ آج تک خود سب کو صبر کی تلقین کرتی آئی تھیں، آج خود کو لاچار پا رہی تھیں۔
زور و شور سے ہوتی بحث کو بھی بریک لگا۔ سب ہی کو ان کے دکھ کا اندازہ تھا۔ ان سے زیادہ روزی کے کوئی بھی قریب نہیں تھا جس دن سے وہ یہاں آئی تھی، ان ہی کے سپرد کردی گئی تھی۔ سائے کی طرح ہر وقت ساتھ ساتھ بڑی کڑی نگاہ رکھتیں۔ خفا ہوتیں، برا بھلا کہتیں لیکن بڑی بے لوث محبت کرتیں بلکہ اب تو سب سے یہ بھی کہنے لگی تھیں کہ روزی کی وجہ سے ہی یہاں رکی ہوئی ہیں، اس کی شادی ہوجائے تو اپنے گاؤں والے بھتیجے کے پاس جاکر باقی زندگی سکون سے گزاریں گی۔
مگر روزی تو بیچ راستے میں ہی دھوکہ دے گئی۔ اس کی بے ساختہ باتیں ہنسی، فکر سب ہی کچھ دل پر سے ہو کر گزر رہا تھا۔
"صبر کرو خالہ! صبر، دعا کرو کہ خیریت کے ساتھ مل جائے۔ دعا میں بڑی طاقت ہے۔"
ہر ایک ہی حسبِ توفیق انہیں تسلی دے رہا تھا صبح سے۔ چپ ہو بھی جاتیں مگر پھر وہی۔
"بیگم صاحب! اگر موجود ہوتیں تو ضرور اب تک کچھ نہ کچھ کرلیا ہوتا انہوں نے تعلقات بھی تو بہت ہیں ان کے اب تک کوئی سراغ تو مل ہی جاتا لڑکی کا۔"
"ہم نے کردیا ہے فون انہیں، ساری بات بتادی تفصیل سے۔ بڑی پریشان ہورہی تھیں۔"
چوکیدار کے لہجے میں اعترافِ جرم جیسا تاثر تھا۔ سب ہی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
"کرنا تو ضروری تھا، سختی سے ہدایت کرکے گئی تھیں کہ چھوٹی سے چھوٹی بات کی بھی اطلاع کروں۔ یہ تو بہت بڑا واقعہ ہے۔"
اپنی کارکردگی کے اظہار میں اس نے صفائی سے وہ حصہ حذف کیا تھا، جہاں زرتاج کے ہاتھوں اس کی اپنی بے عزتی کا ذکر تھا۔
انہوں نے روزی کے غائب ہونے کو چوکیدار کی ہی غفلت کے کھاتے میں ڈالا تھا۔ سامنے سے چوکیدار کا سب سے چھوٹا بیٹا بھاگا چلا آرہا تھا۔
وہ سب ہی بیک وقت اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔
نبیل نے بلوایا تھا سب کو فوری طور پر۔
"شاید روزی کی کوئی خبر ملی ہو۔" وہ سب اسی امید پر بڑی تیزی سے گھر کے داخلی دروازے تک آئے تھے۔
نبیل سب سے اوپر والی سیڑھی پر پہلے سے ہی موجود تھا، ان سب کو نیچے ہی رکنا تھا۔
"یہ کیا ہنگامہ مچا رکھا ہے تم لوگوں نے، صبح سے گھر میں سارے کاموں سے چھٹی کر رکھی ہے۔ کام چوری کا بہانہ چاہیے تم کو۔ ایک لڑکی کیا دفع ہوئی گھر سے، اتنا بڑا ڈرامہ کھڑا کردیا ہے۔"
بڑی حقارت سے اپنے سامنے کھڑی رعیت کو وہ ان کی اوقات اور کوتاہی دونوں ہی یاد دلا رہا تھا۔
"چھوٹی بات نہیں ہے صاحب! گھر کی فرد تھی روزی، پریشانی کی تو بات ہے۔" چوکیدار، بوا عظمت کے بعد سب سے پرانا تھا۔ سو اسی "دستیارنی" کے حق سے اس نے بولنا ضروری سمجھا تھا۔ نبیل کے ماتھے پر گہرے ہوتے بل کے باوجود۔

”فرد نہیں ملازمہ تھی وہ اس گھر کی۔ کام کرتی تھی تو تنخواہ بھی لیتی تھی۔ ایسے ہی جیسے تم سب لوگوں کو ملتی ہے اپنے اپنے کاموں کی۔“ اس کا لہجہ پہلے سے زیادہ تلخ تھا اور اس کی اٹھی ہوئی انگلی ان سب کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ چند لمحے دبی دبی سی خاموشی چھائی رہی۔

”ملازم ہی سہی صاحب! لیکن جوان بچی کا معاملہ ہے کچھ تو کیجیے بڑی مہربانی ہوگی آپ کی۔“ نبیل کے موڈ کو بھانپتے ہوئے ان سب نے لجاجت اختیار کرنے میں عافیت سمجھی۔ ایک فاتحانہ سی مسکراہٹ نبیل کے چہرے پر ابھری۔

”غریب کا حوصلہ عموماً“ پانی کے بلبلے سے زیادہ نہیں ہوتا۔“ یہ اس کا اپنا تجربہ تھا۔

”اب جاؤ اپنا اپنا کام کرو سب، خبردار جو کوئی پھر سے محفل جما کر بیٹھا۔ ہمیں کیا کرنا ہے، ہمیں پتہ ہے اور تم میں سے کسی نے کوئی بکواس کی تو اسے نکالنے میں ایک منٹ بھی نہیں لگاؤں گا یہ سمجھ لو۔“

ایک دوسرے سے نگاہ چراتے ہوئے وہ سب ہی اِدھر اُدھر ہونے لگے تھے تب ہی نبیل نے عظمت بوا اور چوکیدار کو رکنے کا اشارہ کیا۔

وہ اتنی دیر سے کھڑے کھڑے تھک چکی تھیں وہیں نیچے والی سیڑھی پر بیٹھ گئیں۔

”تمہیں کیا ضرورت تھی بیگم صاحب کو اطلاع کرنے کی۔“ نبیل چوکیدار سے مخاطب تھا۔ ”اور کرنا تھی تو کم از کم مجھ سے پوچھ تو لیتا تھا لیکن تمہیں تو بس اپنے نمبر بنانے ہوتے ہیں۔“

”بیگم صاحب کا آرڈر ہے سر! وہ خود کہہ کر گئی تھیں کہ مجھے روزانہ ان کو فون کرنا ہے۔“

سن سے کوئی چیز نبیل کے اوپر سے ہو کر گزری تھی۔ یہ عورت اس کے اندازوں سے بھی زیادہ ہوشیار تھی۔ ”اور معلوم نہیں یہاں اس کے اور کتنے جاسوس ہیں اور وہ خوامخواہ ہی اس خوش فہمی میں مبتلا ہے کہ گھر میں آج کل اس کی سربراہی ہے۔“

ایک مشکوک سی نگاہ اس نے بالکل ساکت بیٹھی عظمت بوا پر ڈالی۔

”بوا! جا کر میرے کمرے سے موبائل لے کر آنا اور گاڑی کی چابی بھی۔“ اسے کہیں جانے کی جلدی بھی تھی شاید۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر اندر چلی آئیں۔

زرتاج بیگم کا کمرہ صاف ستھرا اور یخ تھا۔ دھیمی جلتی ہوئی سپاٹ لائٹ میں انہیں سائیڈ ٹیبل پر رکھی نبیل کی دونوں اشیاء اٹھانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی تھی۔ وہ لے کر پلٹی ہی تھیں کہ نرم دبیز قالین پر بھی کوئی چیز بڑے زور سے چبھی تھی۔

وہ بے ساختہ ہی پاؤں پکڑ کر بیٹھی تھیں تب ہی ان کی نگاہ چوڑی کے اس ٹوٹے ہوئے ٹکڑے پر پڑی۔

یہ کانچ کی چوڑی کل تک ثابت تھی۔

عظمت بوا کی نگاہ میں روزی کی کلائی گھومی۔ ٹوٹا ہوا یہ ٹکڑا انہوں نے اس طرح مٹھی میں دبایا جیسے کوئی بہت قیمتی شے۔

☼ ☼ ☼

سب کچھ حسبِ منشا انجام پایا تھا، سو اب چاروں طرف سکھ چین، امن و آشتی کا دور دورہ ہو ہی جانا چاہیے تھا۔

مگر کہاں؟

رشتہ داروں سے مبارکبادیں وصول کرتے اعجاز کی وہ خوبیاں بیان کرتے جن کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا یا معاذ سے پیچھا چھوٹ جانے پر شکر کرتے ہوئے آپا گل اور شاکرہ بیگم دونوں کے دلوں کو ایک چھوڑ دو دو غم لگے رہے۔

ایک اعجاز کے گھر والوں کی کنجوسی کا اور دوسرا دادی اور ان کے گھرانے کی بے نیازی بھری خاموشی کا۔ ایک رسمی سی مبارکباد، ایک روز معاذ کی امی ضرور آ کر دے گئی تھیں بالکل ایسے جیسے کوئی قرض اتارا جاتا ہے۔ بس ذرا دیر کے لیے کھڑے کھڑے۔

اعجاز کی ساری تعریفیں بڑے تحمل سے سنیں اور معاذ کو مل جانے والی ملازمت کے بارے میں یہاں اطلاع دینی بھی ضروری نہیں سمجھی۔ وہ تو شاکرہ بیگم سے خود ہی ضبط نہ ہوا تھا، سو پوچھ بیٹھی تھیں۔

”معاذ بھی سنا ہے کسی کام وام پر لگ گیا ہے۔“

الفاظ اور لہجے دونوں ہی کو انہوں نے سرسری رکھنے کی پوری کوشش کی تھی، حالانکہ آج کل جو بھی خاندان والا ان کے گھر آ رہا تھا، معاذ کی جاب کے گن گانا ضروری سمجھ رہا تھا شاید انہیں چڑانے کے لیے۔

معاذ کی امی نے محض ”اللہ کا شکر ہے“ کہنے پر اکتفا کیا تھا اور پھر فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ جویا ان کے سامنے نہیں آئی تھی۔ آج کل وہ کسی کے بھی سامنے آنے سے گریز کر رہی تھی۔ معاذ کی امی نے بقیہ خاندان والوں کی طرح اس سے ملنے کا اشتیاق بھی ظاہر نہیں کیا تھا۔

”بے حس ناقدرے لوگ!“ آپا گل نے ان کے جانے کے بعد ہی تبصرہ کیا تھا۔

”نہ انہیں سلمان کا افسوس ہوا اور نہ ہی جویا کے ہاتھ سے نکلنے کا اور یہ بے وقوف لڑکی۔“ اپنی بات ادھوری چھوڑتے ہوئے انہوں نے لاؤنج سے اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔ جویا وہیں کسی کمرے میں گم تھی۔

”ویسے شکر ہے کہ اس نے پھر انکار نہیں کیا اعجاز کے رشتہ سے، ورنہ میں تو بڑی فکر مند تھی۔“

”تمہارے باپ نے کسر ہی کیا چھوڑی تھی، ایک بار تو میری بھی جان نکل گئی تھی۔ مردوں کا دماغ گھومتے کیا دیر لگتی ہے۔ اس بڑھاپے میں ذلت دیکھنی پڑ جاتی۔“ اظہار صاحب کے معافی مانگ لینے کے باوجود بھی شاکرہ بیگم کے دل کا ملال پوری طرح نہیں مٹا تھا۔

”آپ کے بغیر کیسے رہ سکتے ہیں ابا، وہ تو یوں ہی بس جویا کو راضی کرنے کا ڈرامہ تھا۔“

آپا گل ہنسنے لگیں۔

”لوگ کسی کی زندگی برباد کرنے کے بعد ہنس بھی لیتے ہیں، یہ کمال کی بات ہے۔“ زویا بظاہر اخبار کھولے بیٹھی تھی لیکن کان اسی طرف لگے ہوئے تھے۔ آپا گل کو ہنسی کو بریک لگا۔

”دماغ تو نہیں خراب ہو گیا ہے زویا! خدانہ کرے جو زندگی برباد ہو جویا کی عیش کرے گی دیکھ لینا۔“

”ایسے ہی جیسے سلمان بھائی کر رہے ہیں۔“ اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے وہ دوبدو ہو کر بیٹھی۔ جویا کا رشتہ جس طرح ایک گھٹیا سا دباؤ ڈال کر طے کروایا گیا تھا اس پر وہ اب تک بری طرح تلملائی ہوئی تھی۔ آپا گل پوری کوشش کرتی تھیں کہ چھوٹی بہنوں کے منہ نہ ہی لگیں لیکن یہ زویا..... کبھی کبھی تو بالکل ہی ناقابلِ برداشت ہونے لگتی تھی۔

”وہاں تو چلیں پھر بھی زوبیہ کے پاس پیسہ تو تھا، یہاں تو وہ بھی دکھائی نہیں دے رہا جو اس کی سلمان بھائی کی طرح کایا پلٹ ہو جائے۔“

اس نے اسی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا جو آپا گل اور شاکرہ بیگم دونوں ہی کے لیے فی الوقت تکلیف کا باعث بن

رہی تھی۔ سستی سی مٹھائی کا ایک ڈبہ' ایک ہار اور پانچ سو روپے دھوم دھام سے آنے والے اس رشتے کی ٹوٹل کارکردگی صرف اتنی ہی تھی۔

"تھوڑے سے کنجوس ہیں لیکن کھاتے پیتے لوگ ہیں۔"

"ہوا کھاتے اور پانی پیتے۔" زویا اپنی بات کہہ کر بڑے زور سے ہنسی تھی۔ شاکرہ بیگم کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آئی تھی۔ آپا گل نے خفگی سے ماں کو دیکھا۔

"اسی طرح شہہ ملتی ہے چھوٹوں کو بڑوں کے منہ لگنے کی بجائے اسے ٹوکنے کے آپ بھی ہنس رہی ہیں۔"

"بات تو ٹھیک ہی ہے گل! مجھے تو ابھی سے اندازہ ہو گیا ہے کہ بری کیسی لائیں گے وہ لوگ۔ کم بخت بہت ہی کنجوس ہیں ورنہ ایسے موقعوں پر تو لوگ اپنا دل بڑا کر ہی لیتے ہیں۔ زوبیہ کے گھر والے کتنے بھی برے سہی ہم نے بھی کوئی کسر تو نہیں چھوڑی تھی اس وقت۔"

شاکرہ بیگم کو ان کا رویہ کھٹکا ہوا تھا' سو اس دن سے ہی بار بار کہے بھی جا رہی تھیں۔ "اپنے پاس سے مٹھائی منگوا کر بانٹی خاندان میں اور جو جھوٹ سچ ملایا اس پر اللہ معاف کرے۔"

"ایسی باتوں میں تو سب ہی بڑھا چڑھا کر بولتے ہیں۔ امی سب چلتا ہے لیکن بری کی فکر مت کریں' وہ تو جویا کی پسند سے ہی بنے گی۔ اب تو ہم ڈائریکٹ اعجاز سے تعلق رکھیں گے گھر والوں کو کون پوچھتا ہے۔"

شاکرہ بیگم نے تعریفی نگاہوں سے آپا گل کی طرف دیکھا' وہی تھیں ہر مرض کی دوا۔ چٹکی بجاتے ایسا حل ڈھونڈ لاتیں کہ ساری فکر آدھی رہ جاتی۔

"یہ جویا ہے کہاں' وہیں اوپر نا!" اپنے سوال کا جواب بھی انہوں نے خود ہی دے ڈالا۔

"ہاں' میں بھی نہیں بلاتی نیچے۔ ضدی ہو رہی ہے آج کل' پھر ہر وقت کوئی نہ کوئی آیا رہتا ہے۔ اس کا حلیہ دیکھ کر لوگ بے کار کی باتیں بنائیں' یہ میں نہیں چاہتی۔"

"ٹھیک ہو جائے گی آہستہ آہستہ' آپ فکر مت کریں۔"

"محض مفروضہ۔" زویا نے سیڑھیوں کا رخ کرتے ہوئے دانستہ زور سے کہا اور پھر تیزی سے چڑھتی چلی گئی۔

"جویا کا معاملہ ذرا صحیح سے سیٹ ہو جائے پھر اس زویا کا بھی کوئی بندوبست کرنا ہے مجھے۔ یہ تو اس سے بھی دو ہاتھ آگے جا رہی ہے۔"

"چھوٹی ہے' ابھی تو میڈیکل میں داخل ہوئی ہے۔ اس کی میں اتنی جلدی نہیں کروں گی۔" شاکرہ کے لہجے میں زویا کے لیے عموماً بڑی رعایت ہوتی تھی۔

آپا گل نے زیر لب کچھ کہا تھا۔

گیٹ پر گاڑی رکنے کی آواز جانی پہچانی تھی۔

"لیجیے آپ کے بیٹا بہو تشریف لے آئے ہیں۔ مجھے خبر ہوتی تو میں آج آتی ہی نہیں۔"

زوبیہ کا تو وہ سامنا کرنے سے بھی گھبرانے لگی تھیں۔

جویا کی بات طے ہونے پر شکر ہے کہ وہ خود ہی نہیں آئی تھی اور کسی بہانے سے سلمان کو بھی روک لیا تھا جس کا سب کو بڑا افسوس رہا تھا۔

آج دونوں اسی روز کا قرض اتارنے آئے تھے۔ ایک بڑا سا ریکس سلمان کے ہاتھ میں تھا اور زوبیہ بھی خاصے بہتر موڈ میں تھی۔

"ذرا اچھی طرح خبر لیجیے گا۔" آپا گل نے ماں کے کان میں سرگوشی ضروری سمجھی تھی' جسے انہوں نے بڑی صفائی سے ان سنا کیا تھا۔

زوبیہ رسمی سی سلام دعا کے بعد حسب عادت ذرا الگ ہو کر بیٹھ چکی تھی اور سلمان نے نہ آنے کے بہانے ایک بار پھر سنانا شروع کر چکا تھا۔

"زوبیہ کی ممی کی طبیعت اچانک خراب ہوئی' ہسپتال لے جانا پڑ گیا' بڑا ہی پریشانی کا وقت تھا' وغیرہ وغیرہ۔" ایک رٹا رٹایا باب وہ پڑھ رہا تھا تو سامنے سننے کے لیے بھی خاصا تحمل درکار تھا۔ آپا گل نے بمشکل ہی خود کو کنٹرول کیا۔

زوبیہ کے ہاتھوں بار بار بے عزتی کروانے کے بعد وہ اسے اب کوئی اور موقع نہ دینا چاہتی تھیں۔ ابھی پچھلا حساب کتاب ہی باقی تھا اور اب ان کی باری تھی' خود زوبیہ کے لیے بھی ان کی موجودگی کو برداشت کرنا آسان نہیں تھا۔

دو چار بار پہلو بدل کر وہ آخر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں ذرا جویا سے مل لوں۔" محض اطلاع دے کر وہ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

سلمان کی تینوں بہنوں میں وہ صرف جویا کو ہی تھوڑی سی لفٹ کراتی تھی' وہی تھی جس کے ساتھ کبھی کسی تلخی کا بڑا موقع نہیں آیا تھا۔ کئی بار وہ اس کی سخت مزاجی کو بڑی خوبی سے پی چکی تھی اور سب سے بڑی بات کہ وہ ایک بار بھی اس کے گھر بھی نہیں آئی تھی اسے ڈسٹرب کرنے۔ زوبیہ کے لیے سسرال والوں کی اپنے گھر آمد سب سے زیادہ ناقابل برداشت تھی۔

کمرے کا دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا' زوبیہ بلا تکلف اندر آئی تھی۔ جویا سامنے ہی بیٹھی تھی۔

بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے' وہ قریب بیٹھی زویا کی کوئی بات سن رہی تھی۔

اس پر پہلی نگاہ پڑتے ہی زوبیہ کو ایک جھٹکا سا لگا' وہ اسے دیکھ کر فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور شاید مسکرائی بھی تھی لیکن زوبیہ کی ساری توجہ اس کے زرد چہرے اور آنکھوں کے گرد گہرے ہوتے حلقوں کی طرف تھی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں بیمار تھیں کیا؟" اپنی ساری سخت دلی کے باوجود اسے جویا کو دیکھ کر تھوڑا سا افسوس ہوا تھا۔

"نہیں تو' اصل میں آپ نے بہت دن بعد دیکھا ہے' اس لیے ایسا لگ رہا ہے۔"

"اتنا فرق تو نہیں پڑتا خیر۔" اس نے جویا کا جواز فوراً ہی رد کیا۔

سسرالی معاملات سے اس کا کوئی لینا دینا نہیں تھا۔ آج بھی وہ سلمان کی بہت خوشامدوں کے بعد ذرا دیر کے لیے ہی آئی تھی مگر انسان کا وہی ازلی فطری تجسس کرید کرید کر اس نے اوپر تلے کئی سوال کر ڈالے۔

زویا نیچے جا چکی تھی۔

زوبیہ کے معاملے میں اس کی قوت برداشت بس آپا گل جتنی ہی تھی۔

جویا کے لیے راہ فرار باقی نہیں تھی۔

زوبیہ کے سوالوں کے جواب اس نے بہت محتاط ہو کر دیے تھے پھر بھی وہ چند منٹ میں ہی درست نتیجہ نکال چکی تھی۔

"اس رشتے سے خوش نہیں ہو تم۔" وہی ٹھوک بجا کر حکم لگانے والا انداز جس سے اب یہاں سب ہی نالاں تھے۔

جویا چاہنے کے باوجود بھی انکار نہیں کر سکی۔

"بے وقوف ہو تم' سب نے کر دیا اور تم نے مان لیا۔ اپنی زندگی دوسروں کے حوالے کیوں کر رہی ہو' صاف انکار کر دینا تھا۔"

وہ اس کے قریب کھسک کر بیٹھی اور بڑی ہمدردی کے موڈ میں آگئی۔
زوبیہ کا یہ روپ بالکل نیا تھا۔
جویا نے نگاہ اٹھا کر زوبیہ کو دیکھا۔
میک اپ زدہ پختہ چہرے پر' نرمی کا شائبہ بھی نہیں تھا اور آنکھوں میں وہی تیز چمک تھی' جسے آپا گل اس کی فطرت کی عکاس بتاتی تھیں۔
جویا کو پھر بھی اس وقت وہی اپنی سب سے بڑی ہمدرد محسوس ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے۔

"زندگی کا معاملہ ہے' کوئی دو دن کا کھیل نہیں' جیسے چاہا' کھیل لیا۔ مجھے پہلے بتا دیتیں تو میں دیکھتی کون طے کرتا ہے یہ رشتہ' کوئی پسند و سند ہے تمہیں۔"
جویا نے بے ساختہ ہی نگاہ جھکائی۔
"وہ تمہارا کزن' جس سے رشتہ طے تھا پہلے' معاذ جنہوں نے دعوت بھی کی تھی شادی کے بعد۔"
ان کے ہاں سے واپسی پر کئی دن اس کو یہی ملال ستاتا رہا تھا کہ اگر وہ پہلے کبھی اس سے ملی ہوتی تو شاید سلمان کی جگہ وہی ہوتا۔
وہ بہت غور سے جویا کو دیکھ رہی تھی۔
"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" پوری ہمت کے ساتھ جویا نے مزاحمت کرنا چاہی تھی' ایک بات جب ختم ہی ہو چکی تھی تو پھر یہ پسندیدگی کا ڈھول پیٹنے کی بھی اب کیا ضرورت تھی۔
"آپا گل کہتی ہیں کہ آہستہ آہستہ سب سیٹ ہو جاتا ہے۔" اسے مطمئن کرنے کے لیے وہ تھوڑا سا مسکرائی۔
"آپا گل!" زوبیہ نے بمشکل ہی خود کو ان کی شان میں گستاخی سے روکا۔ "میرا خیال تھا کہ تم ان سے مختلف ہو' پھر بھی ان کی منتخب کردہ زندگی جینا چاہتی ہو تو تمہاری مرضی۔" زوبیہ کا دماغ بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ جویا نے پہلو بدلا تھا۔
"وہ کبھی تم سے مخلص نہیں ہو سکتیں' ہوتیں تو تمہاری خوشی کا سب سے پہلے خیال کرتیں۔ مجھے دیکھو' میرا کوئی خونی رشتہ نہیں تم سے پھر بھی مجھے احساس تو ہوا۔"
ایک گہری سانس لیتے ہوئے جویا نے یک دم بڑی اکتاہٹ سی محسوس کی۔
یہاں محض آپا گل کا رونا کب تھا۔
"میں سلمان سے کہوں گی کہ وہ اس رشتے کو ختم کروا دے۔"
"نہیں' آپ ایسا کچھ نہیں کہیں گی۔" جویا نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔
"لیکن اس طرح۔۔۔"
"پلیز۔۔۔" اس بار اس کا لہجہ پہلے سے سخت تھا۔
"ٹھیک ہے' میں پھر بات کروں گی تم سے۔" زوبیہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
سلمان نے نیچے اتنی دیر میں جویا کو اس رشتے پر تیار کرنے والی ساری کوششوں کا قصہ ماں اور بہن سے سنا تھا۔
"ماں باپ کبھی غلط فیصلہ نہیں کرتے' اعجاز بہترین لڑکا ہے۔" واپسی میں اس نے زوبیہ سے کہا تھا۔
"وہ اسے پسند نہیں کرتی ہے پھر بھی۔" زوبیہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔ "یہ سب تمہاری اس چڑیل بہن کی وجہ سے ہو رہا ہے جسے تمہارے گھر کی ہر بات میں دخل دینے کا پورا حق حاصل ہے۔"
پیٹھ پیچھے وہ اور بھی آزادی سے آپا گل کے لیے من چاہے الفاظ استعمال کرتی تھی۔

"وہ میری بڑی بہن ہیں زوبیہ!" ایک کمزور سی یاددہانی کروائی۔
"وہ بہت ظالم اور خود غرض عورت ہے' نفرت ہے مجھے اس سے۔"
"وجہ؟" کبھی کبھی سلمان کو زوبیہ کے اس شدت بھرے رویے پر واقعی حیرت ہوتی تھی۔
"ایک سے زیادہ ہیں۔ ہماری شادی پر اس نے جتنا کچھ وصول کیا' وہ تمہاری قیمت سے بھی زیادہ تھا لیکن اب تو اس نے حد ہی کردی ہے۔"
"کیا کیا ہے آپا گل نے۔" اپنی بے عزتی پر دھیان دیے بغیر وہ دوسری بات پر چونکا۔
"لڑکی ڈھونڈتی پھر رہی ہے تمہارے لیے' اپنی دوست کے میرج بیورو میں تمہاری تصویر میں نے خود دیکھی ہے۔ پہلی بیوی عمر رسیدہ لاولد بحالت مجبوری عقد ثانی۔" بہت چبا چبا کر وہ کہتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا ہے؟"
خیام کے فوری طور پر تو سمجھ میں نہیں آیا تھا' سامنے کھڑے راجہ کے چہرے پر طنزیہ سی مسکراہٹ پھیلی۔
اسے اسی سوال کی توقع تھی لیکن اس کے پاس بھی طے شدہ جواب تھا۔
"تمہارا بل یہاں "قیام و طعام" کا دو ہزار ہر مہینے کے اور ہزار روپے تم پر ادھاری چڑھے پیسوں کی قسط کٹے گی جو کمرے کے کرایے کے تم پر باقی ہیں۔" ایک ایک لفظ کو جما جما کر ادا کرتے ہوئے اس نے اپنی بات پوری کی تھی۔
خیام نے سر جھکاتے ہوئے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ نہ کوئی بحث' نہ عذر۔
وہ جو اس کی حیثیت یاد دلانے کے لیے چند جملے سوچ کر آیا تھا ادا کرنے کے لیے بے چین تھا۔
"یہاں سب ہی نوکروں کو کھانا اور دو ہزار روپے ہی ملتے ہیں۔ ابا تمہیں خوامخواہ سر پر چڑھاتے ہیں' ورنہ اتنے پیسوں میں تو دو ملازم اور۔۔۔"
خیام نے ہزار ہزار کے تین نوٹ اس کی طرف بڑھا دیے تھے۔
"بڑے نواب ہو' اتنے پیسے جیب میں رکھ کر گھومتے ہو۔" راجہ کی مالکانہ انا پر ضرب سی لگی تھی۔ ایک عجیب سا تاثر خیام کے چہرے پر ابھرا۔
"اتنے سے پیسے جیب ہی میں رکھے جاتے ہیں۔" دھیرے سے کہہ کر وہ اندر ہال کی طرف بڑھ گیا' جہاں سے اسے میزوں کے گرد بیٹھے لوگوں سے آرڈر لینے تھے۔
"اتنے سے پیسے جیسے معلوم نہیں کتنے خزانے چھوڑ کر آیا ہے پیچھے۔" بابو شوکت کا بیٹا بری طرح تلملایا تھا۔
خود اسے باپ کی سختی' سو دو سو سے زیادہ کا منہ دیکھنے نہیں دیتی تھی۔ اس پر بھی سارا دن کی ڈانٹ پھٹکار۔ خیام سے اس کی چڑ اسی لیے نفرت میں بدل رہی تھی کیونکہ وہ بابو شوکت کے دن بہ دن قریب آتا محسوس ہو رہا تھا۔
اس وقت بھی۔۔۔
اس نے ایک نگاہ سامنے کاؤنٹر پر کھڑے باپ پر ڈالی جو بڑی شفقت سے خیام کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے کچھ کہہ رہا تھا۔
"اپنے بیٹے سے تو سیدھے منہ بات نہیں کی جاتی' دوسروں پر بڑی محبت آتی ہے انہیں۔" دل ہی دل میں کھولتے ہوئے وہ چند لمحے چپ چاپ یہ منظر دیکھے گیا' تب ہی بڑے پریشان کن خیال نے دل کو گھیرا۔
"کہیں خیام اس سے ان پیسوں کے بارے میں شکایت تو نہیں کر رہا' جو وہ ابھی ابھی اس سے وصول کر کے کھڑا

ہے۔"

مٹھی میں دبے ہزار کے دو تین نوٹ 'راجہ کو پسینے میں بھیگتے محسوس ہوئے۔ باپ سے اس کی جان نکلتی تھی، خیام کی شکایت پر جو ابھی آواز دے کر اس کی تلاشی لے لی تو یہی روپے اس کی خطا پر گواہی کے لیے کافی تھے۔

اور اگر ایسا ہو ہی جاتا تو پھر یہاں بیٹھے کسی بھی شخص کی پروا کیے بغیر بابو شوکت اس کی کیا درگت بنا سکتا تھا۔ راجہ کو پورا اندازہ تھا۔

کاؤنٹر پر رکھے ایک ڈبے کے نیچے اس نے بڑی خاموشی سے وہ روپے منتقل کیے مگر خوف ابھی بھی دامن گیر تھا۔ بابو شوکت نے اسے ہال اور کچن کے بیچ والے دروازے میں کھڑا دیکھ کر ہی آواز لگائی تھی۔

"راجہ! ادھر آ بھئی۔"

اس کا دل اچھل کر حلق میں آیا تھا۔ وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔

فوری طور پر تو کوئی ایسی مصروفیت بھی نہیں تھی جس کا عذر کر کے وہ آئی بلا کو کچھ دیر کے لیے ٹال ہی سکے۔ ایک جھجکتی ہوئی نگاہ سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں پر ڈالتا ہوا وہ کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

آدھے سے زیادہ کرسیاں بھری ہوئی تھیں گویا اس کی بے عزتی کا تماشا دیکھنے کے لیے۔ خاطر خواہ حاضرین تو جمع ہی تھے۔

"جی ابا!"

قریب آ کر وہ باریک سی آواز میں بولا تھا۔

بابو شوکت ابھی بھی خیام سے ہی بات کر رہا تھا' کچھ چونک کر اس نے بیٹے کی جانب دیکھا تھا۔

"یہ لڑکیوں کی طرح کیا من من لگا رکھی ہے' مردوں کی طرح بات کیا کر۔ نہ آواز میں جان' نہ قدموں میں سکت۔ ایسے مرے مرے پیروں سے چلتا ہوا آیا ہے جیسے یہاں کوئی سزا سنائی جا رہی ہے۔"

اس کی آواز عادتاً" بلند تھی' سو آس پاس بیٹھے سب ہی لوگ یہ سپاس نامہ سن کر مسکرائے تھے۔

وہ بال بال بچا تھا' سو اس وقت ذرا بھی برا نہیں مان سکتا تھا لیکن جس کی وجہ سے بچا تھا۔ اس کا شکر گزار ہونے کی بہرحال کوئی ضرورت نہیں تھی۔

"کام پر دھیان دے' یہ کیا کہ سارا وقت بس کچن سے اندر باہر کرتا رہتا ہے۔ ابھی میں خیام کو بھیج رہا ہوں کام سے' گاہکوں کے آرڈر خود سنبھال۔"

راجہ نے ایک کھا جانے والی نگاہ خیام پر ڈالی' جو بظاہر بالکل بے نیاز' باہر تھڑے پر پکتی روٹیوں کے منظر میں محو تھا۔

"میں چلا جاتا ہوں خیام بھائی کی جگہ' کیا کام ہے بتاؤ۔" اندر اٹھتے ہوئے غصے کو وہ بمشکل ہی دبا پایا تھا۔

"کیوں یہاں کام کرتے ہوئے شان گھٹتی ہے؟" اس بار جواب دیے بغیر ہٹنے میں ہی اس نے عافیت سمجھی تھی۔

باپ کے اس بہت اچھے چلتے کاروبار میں' راجہ کا خواب کاؤنٹر سنبھال کر بیٹھنا تھا' یوں دوڑ دوڑ کر گاہکوں کی آواز پر جانا' اسے بڑا توہین آمیز سا لگتا تھا اور آج کل جیسے یہ ناگوار ڈیوٹی اسی کے سپرد تھی۔

"سارے کس بل ڈھیلے کرنے ہیں اس لڑکے کے مجھے' ورنہ ساری خیر و برکت اڑ جائے گی۔ میرے کاروبار سے' بدبخت سمجھتا ہی نہیں ہے کہ ہمارا کام تو خدمت بجا لانا ہے گاہکوں کی' یہی روزی کا وسیلہ ہے ہمارا۔" نیم خواندہ پکے کاروباری بابو شوکت کی شخصیت میں فی زمانہ بھی چند ایک اخلاقی اقدار زندہ تھیں۔

"اور ایسے لوگوں کا دم کتنا غنیمت ہے' اس حبس زدہ ماحول میں ہوا کے کسی جھونکے کی مانند۔" خیام نے بے اختیار ہی سوچا تھا۔ تب ہی بابو شوکت کچھ چونک کر اس کی طرف مڑا۔

"ابھی تک یہیں کھڑے ہو تم' جاؤ بیٹا! تمہاری بھابھی انتظار میں بیٹھی ہوگی تمہارے' جو کچھ منگوائے لا کر دے دینا' جلدی نہیں ہے' آرام سے واپس آنا' یہاں بہت لوگ ہیں کام کرنے کے لیے۔"

خیام کے چہرے پر پھیلے تذبذب سے' بابو شوکت نے دانستہ نگاہ چرائی تھی۔

وہ بنا کچھ کہے سر جھکا کر نکل آیا۔

پچھلے چند ہفتوں میں' بابو شوکت کے گھر جانا' اس کے روز کے معمول کا حصہ بنتا تھا۔

کسی نہ کسی بہانے' وہ اسے وہاں سے چلتا کرتا تھا' اور یہاں بابو شوکت کی بیوی اور بیٹیاں' کاموں کی ایک لسٹ تیار کیے ملتیں۔ ایک کے بعد ایک کام۔

کہیں نہ کہیں جانا ہوتا' کچھ منگوانا ہوتا' وہ جیسے ان کے گھر کے لیے ہر مرض کی دوا بنتا جا رہا تھا۔ ایک آدھ بار تو اسے ایسا لگا' جیسے بابو شوکت کی بیوی اسے اوپر کے کام کا ملازم قرار دے چکی ہے' لیکن پھر اپنے اس خیال پر وہ خود ہی تھوڑا سا شرمندہ بھی ہوا تھا۔ "بس اپنا بچہ سمجھ کر گھر کے کام تمہارے سپرد کرتا ہوں' خیام بیٹا! تم سے نہ کہوں تو کس سے کہوں' راجہ کو کہیں بھیجوں گا تو سارا دن کے لیے آوارہ گردی کو نکل جائے گا۔"

بابو شوکت تقریباً" روزانہ ہی اسی قسم کے جملے بڑی لجاجت سے کہتا تھا' اور ایمان داری کی بات تو یہ کہ وہ اسے کچن کے برتن دھونے اور صفائیاں کرنے سے بھی اس بہانے' تھوڑا بہت تو بچا ہی لیتا تھا۔

خود خیام کے لیے اب کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

شاید کسی دن اسے کوئی سڑک کی جھاڑو لگانے کے لیے بھی کہے تو وہ چپ چاپ لگا دے گا۔

بابو شوکت کے گھر کی چند منٹ کی مسافت اپنے خیالوں میں ڈوبے رہ کر وہ اور بھی مختصر کرتا تھا۔

ایک شدید بے حسی جواب اس پر طاری تھی' سارا حوصلہ منجمد ہونے کے بعد والے ردِعمل کے طور پر تھی۔ اب دروازہ پہلی دستک پر کھلتا تھا۔ اور دوپٹے کا صرف رنگ بدلتا تھا۔

"ہائے آپ!" خیام کو اس کا شرمانا' بڑا عجیب سا لگتا تھا۔

"اتنی دیر کر دی' میں کب سے انتظار کر رہی تھی' اندر آجائیں نا!"

پورا دروازہ کھول کر وہ ایک طرف کو ہٹی۔

"نہیں یہیں ٹھیک ہوں۔ آپ کام بتادیں۔"

"کوئی ایک کام تھوڑی ہے۔ جیسے جیسے یاد آتے جائیں گے' بتاتے جائیں گے' آپ اندر تو آئیں' پلیز!" اپنی بات کہہ کر وہ ہلکے سے ہنسی۔

پاس سے گزرتے ہوئے ایک دو لوگوں نے 'خاص طور پر اس کی طرف ایک نگاہ ڈالی تھی۔

خیام کنفیوژ سا ہو کر اندر چلا آیا' سامنے چھوٹے سے برآمدے میں' بابو شوکت کی دونوں چھوٹی بیٹیاں کھیل رہی تھیں۔ انہیں دیکھ کر اسے تھوڑا سکون سا ہوا۔

برآمدے میں رکھی کرسی پر' وہ کسی مزید اصرار سے بچنے کے لیے خود ہی بیٹھ گیا تھا۔

"آپ تو اتنا گھبراتے ہیں جیسے یہ کسی غیر کا گھر ہو۔ یا پھر ہمارا گھر اچھا نہیں لگتا آپ کو۔"

پیڑھی کھینچ کر رانی اس کے خاصا قریب آبیٹھی۔

خیام نے بے ساختہ ہی اپنی کرسی تھوڑی پیچھے کھسکائی' رانی کو برا تو لگا۔ "لیکن خیر۔!" اس نے خود کو بروقت تسلی دی تھی۔

"ہم غریبوں کے گھر تو ایسے ہی ہوتے ہیں' ہمارے نصیب میں بنگلے اونچے چوبارے کہاں؟" ماں' باپ کی زبانی سنی "خوشخبری" کے بعد' وہ بڑی فوکسڈ ہو رہی تھی' خیام کے سامنے بولے جانے والے جملے' بڑے طے شدہ تھے۔

خیام ابھی تک "اونچے چوبارے" کے شاک میں تھا۔ جالی کے پردوں سے آراستہ' وہ محرابی برآمدہ' جہاں آج بھی مرحوم خالو کی روح' آلات موسیقی اٹھائے گھومتی تھی۔

اپنی نم ہوتی پیشانی پر اس نے بڑی سختی سے ہتھیلی رگڑی تھی' ایسے جیسے اس کا شناختی سائن بورڈ وہی تھی۔

"آپ کا گھر اچھا ہے' بہت ہی اچھا!" دل کی پوری گہرائی سے کہی گئی خیام کی بات' رانی کے چہرے پر روشنی بن کر جگمگائی۔

"اور گھر کے لوگ' وہ کتنے اچھے ہیں؟"

"وہ بھی سب اچھے ہیں۔" اپنی شرمندگی پر وہ ابھی تک بھی قابو نہ پا سکا تھا۔

"بہت سیدھے ہیں' اور یقیناً "شریف" بھی' جب ہی تو ایں طرح شرما گئے' ورنہ آج کل تو لڑکیاں بھی...!"

خیام کی سنہری رنگت پر دمکتے سائے نے رانی کو ایسا ہی یقین دلایا تھا۔

پل بھر کے لیے تو وہ بڑی محو سی ہو کر اسے تکے گئی۔ خاندان میں' محلے میں' کہیں بھی تو دور' دور اس جیسا کوئی اور نہ تھا۔

"اس کی سہیلیاں دیکھ لیں تو ساری جل مریں۔" رانی کو سوچ کر ہی بڑا لطف آیا۔

"وہ آپ کی امی کہاں ہیں' بابو بھائی کہہ رہے تھے کہ انہیں کچھ کام تھا۔"

خیام کو اس رنگ برنگی لڑکی کی مستقل موجودگی کوفت میں مبتلا کر رہی تھی' اس کی مستقل چلتی زبان کو برداشت کرنا آسان نہیں تھا۔ مگر وہ پھر بھی کر رہا تھا۔

"وہاں نانی کے ہاں تو اسے دیکھتے ہی ساری آلتو فالتو لڑکیاں اِدھر اُدھر ہو جاتی تھیں' شاما جیسی سرچڑھی بھی گھر میں کسی کے سامنے پڑنے سے گھبراتی تھی تو صرف اس کے ہاں مگر بس ایک گیتی۔" کچھ گرنے کی آواز پر اس نے بھی چونک کر سامنے دیکھا تھا۔

دونوں بچیوں میں سے کسی کی گیند کچن کے کھلے دروازے کا رخ کر چکی تھی' جو بھی سانحہ ہوا تھا وہیں ہوا تھا۔

"آج ابا آجائیں' پھر دیکھنا کیسی ٹھکائی کرواتی ہوں دونوں کی۔" وہ وہیں بیٹھے بیٹھے زور سے چلائی۔

دونوں بچیاں ہنستی ہوئی' دروازہ کھول کر باہر نکل گئیں' گھر میں ایک دم ہی سناٹا پھیلنے لگا۔ خیام کی منتظر نگاہ بار بار کمرے کی طرف اٹھ رہی تھی۔ جہاں سے اس کے خیال میں بابو شوکت کی بیوی کی آمد متوقع تھی۔

پرپل سوٹ' ہم رنگ چوڑیاں' ماتھے پر جھولتی لٹ' اور بہت شوق کے ساتھ کیا ہوا ہلکا سا میک اپ۔

سب ہی کچھ بے کار جا رہا تھا۔

"دھت!"

"امی نہیں ہیں گھر پر' پڑوس میں گئی ہیں۔" اس کی شرافت سے مایوس ہو کر رانی نے آخر اطلاع دے ہی دی۔

خیام ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"پہلے کیوں نہیں بتایا آپ نے' میں باہر بیٹھا ہوں۔" وہ تیزی سے باہر کی طرف بڑھا' مگر وہ اس سے بھی زیادہ تیزی سے اس کے آگے آکھڑی ہوئی۔

"امی نے کہا تھا کہ آپ آئیں تو اندر بٹھاؤں' باہر دروازے پر کھڑے رہنا اچھا نہیں لگتا' اور ہمارے محلے کے لوگ تو ویسے بھی بڑے جل ککڑے ہیں' لے کہ خوامخواہ باتیں بنائیں گے۔"

"کیا مطلب؟" خیام کی ذرا جو سمجھ میں آیا ہو۔

رانی منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنستی چلی گئی۔ وہ ابھی تک ہکا بکا تھا۔ اکیلے گھر میں' وہ اس بے وقوف لڑکی کے ساتھ اور لڑکی بھی کون' اس کے محسن کی۔

"بہت ہی بھولے ہو' اماں ٹھیک کہتی ہیں آج کل کے مقابلے میں تو گائے ہو گائے۔"

رانی کو ابھی سے اپنی قسمت پر ناز ہونے لگا تھا۔ ماں کی زبانی' بدھو مردوں کی خصوصیات سن سن کر حفظ کر چکی تھی۔ "ہمارے ابا تو بڑے ہی ٹیڑھے آدمی ہیں' آج تک اماں سے پیسے پیسے کا حساب کرتے ہیں' اماں کہتی ہیں ایسے پیسے کا فائدہ ہی کیا' جسے آدمی اپنی مرضی سے خرچ بھی نہ کر سکے' آدمی تو وہی اچھا ہے' جو پیسہ دے کر پلٹ کر۔" ماں کے تجربات کا نچوڑ' خیام کے گوش گزار کرتے ہوئے وہ اس کے پھر سے قریب آئی۔

بابو شوکت کی بیوی اسی وقت اندر داخل ہوئی تھی۔

خیام کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

دیوارِ شب

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور للہ نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتلائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاہور آنے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سارا کھلا جہان ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ ابوشوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ حتیٰ آ لگی چوٹیل دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھرم سا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایماندار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو، زندگی کے اصول میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعاگو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما لیتے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں ان کے بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ حوریہ کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی۔ جس پر سب کو صدمہ ہوا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ حوریہ اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

نذر تاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، نذر تاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی مارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منواتی ہے۔ انجا بھی، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ رمیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ انجا بھی خاندان مع سولئے جویا اور زونیلکے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ نہیں کر پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ گیتی خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ ملن ذات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی جوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

نذر تاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود پسندی کا شکار ہیں۔ بڑھتا عرصے سے بار بر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سکریٹری بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جیسے ذرا خوبرو لڑکی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ نذر تاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ نذر تاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے نذر تاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے بُرے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔

سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شازونادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

صندل کو بالی صاحب کی فلمیں کیا ملتی ہیں کہ نانی ستارہ کے خاندان کی قسمت چمک اٹھتی ہے۔ نگینہ ہر موقع پر بیٹی کے ساتھ رہتی ہے جس پر نانی دلدار کے خاندان خصوصاً الماس کا حسد سے بُرا حال ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۲۱
اکیسویں قسط

خیام کا دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔

وہ بہت تیزی سے پیچھے ہٹا تھا لیکن بابو شوکت کی بیوی کی معنی خیز نگاہ اب بھی اسی پر جمی تھی۔

"مجھے بابو بھائی نے بھیجا تھا، کوئی کام تھا شاید!" نیچی نگاہ کیے وہ اسی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں کام تو کئی ہیں، آؤ بیٹھو۔" اس نے وہیں اشارہ کیا، جہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ رانی کے کہنے پر بیٹھا تھا۔

"نہیں میں یہیں ٹھیک ہوں!" وہ ڈر سا گیا تھا یہ عورتیں بڑی ہی عجیب تھیں، آج اسے پورا یقین ہو گیا تھا۔

"تکلیف کیوں کرتے ہو، تمہارا اپنا گھر ہے، ایسے ہی تو تم پر اعتماد نہیں کرتے راجہ کے ابا۔" مسکرا کر کہتے ہوئے اس نے خیام کا ہاتھ پکڑ کر برآمدے کی طرف لے جانا چاہا تو اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"میں باہر بیٹھا ہوں، آپ کو جو کام ہو، بتا دیجیے گا۔" اس کے لہجے میں بڑی واضح رکھائی تھی اور اپنی بات کہہ کر وہ فوراً" ہی باہر نکل بھی گیا۔

ایک لمحے کے لیے تو وہ دونوں ماں بیٹی ہکا بکا کھڑی رہ گئیں۔

"عجیب ہی آدمی ہے، عزت دینا چاہو تو اس کا بھی برا مانتا ہے۔" رانی نے چند دن میں ہی اس کے حوالے سے مستقبل کے خاکے میں کتنے ہی رنگ بھر ڈالے تھے، سو اس کا دل بری طرح ٹوٹا تھا۔

ماں نے ایک کھا جانے والی نگاہ اس پر ڈالی۔ معاملہ اس کی جلد بازی بگاڑ رہی تھی۔

"یہ تو کیا کر رہی تھی اتنے قریب کھڑی، کچھ ہوش ہے۔" ایک زوردار ہاتھ رانی کی کمر پر جما کر اس نے ماں ہونے کا فرض پورا کیا۔

"میں تو بات ہی کر رہی تھی اماں! تم بھی لے کر۔۔۔"

ماں کا ہاتھ واقعی بھاری تھا اور اس کا دل تو پہلے ہی ٹوٹا ہوا، آنکھوں میں ایک دم ہی آنسو آنے لگے۔

"ایسے بات کی جاتی ہے؟ اگر اس وقت باپ آجاتا تیرا، تو ساری زندگی کوئی بات کرنے کے قابل نہیں رہتی، جوان اجنبی لڑکا، محلے سے ہی کوئی دیکھتا تو ایک کی سو لگاتا۔"

بیٹی کی خبر لیتے ہوئے وہ قطعی بھول چکی تھی کہ یہ طے شدہ تنہائی خود اس کی فراہم کی ہوئی تھی۔

"جلتے ہیں محلے والے تو سارے پہلے ہی، ابا کا ہوٹل یہاں سب سے زیادہ چلتا ہے، کوئی بھی ہمارے برابر کا نہیں ہے محلے میں۔"

اپنی عزت افزائی کو بھلا کر رانی نے آنسو صاف کیے تو اسے بے ساختہ ہی بیٹی پر پیار آیا۔

"ابھی تو اور جلیں گے، جب میری بیٹی کی بارات آئے گی ایسا شہزادوں جیسا دولہا آئے گا کہ دنیا دیکھے گی۔"

گو اس نے ابھی تک خیام کا نام بیٹی کے سامنے نہیں لیا تھا، مگر وہ سب سمجھ رہی تھی۔

"اور یوں ہی ذرا ذرا سی بات پر رونے نہ بیٹھ جایا کر، دیکھ، میں کیسا راستہ صاف کرتی ہوں تیرا، بس تیرا ابا بیچ میں گڑبڑ نہ کرے، اسے انصاف پسندی کا بڑا ہوکا ہے۔"

باپ کے ذکر پر رانی کے ماتھے پر ہلکا سا بل آیا۔

"اچھا ہی ہے، جو ابا کے دن رات ہوٹل کی نذر ہیں، گھر میں ہو تو ہر وقت کی ٹوکا ٹاکی۔"

"جا اب باہر، خیام کو بلا لا، کہنا امی بلا رہی ہیں اور خبردار فی الحال کوئی شوخی شرارت نہیں۔"

بابو شوکت کی بیوی نے بیٹی کو ہدایت دیتے ہوئے کچھ فرضی کام سوچے، آج خیام کو دن بھر یہیں روکے رکھنا تھا، مرغی کا قورمہ وہ پکا چکی تھی اور آئس کریم بھی منگوا کر فریزر میں رکھی تھی۔

اپنائیت بھرا ماحول، گھر کا کھانا اور زیادہ سے زیادہ وقت ساتھ گزارنا۔

بہت سوچ سمجھ کر اس نے پہلے قدم کے طور پر، خیام کو گھر کے سکون و آرام کا عادی بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔

"معلوم نہیں کہاں رہتے ہوئے زندگی گزاری ہے غریب نے' آرام ملے گا تو چار دن میں ہاتھ جوڑ کر خود رشتہ مانگ لے گا رانی کا۔"

وہ بڑی پُراعتماد تھی۔

تب ہی اس نے رانی کو اترے ہوئے چہرے کے ساتھ واپس آتے دیکھا۔

"وہ تو چلے بھی گئے' ساری گلی دکھوالی میں نے تو' کہیں بھی نہیں۔"

"چلا گیا!" ماں کو اس سے بھی زیادہ دھچکا لگا تھا۔ چولہے پر رکھا قورمہ اور فریزر میں آئس کریم یوں ہی بے کار گئے' اب پھر کسی دن نئے سرے سے محنت۔

"کوئی بچہ بھیج کر ہوٹل سے واپس بلوا لو' یہ کوئی بات ہوئی بھلا۔"

رانی بدمزہ سی ہو کر بیچ صحن میں ہی کھڑی تھی' آج خاص طور پر بہت سی باتیں سوچ کر رکھی تھیں' جو خیام سے کرنی تھیں۔

"دماغ خراب ہے تیرا تو رانی! ایسے کیسے بلوا لوں' پھر دیکھیں گے کسی دن۔" "کافی اونچے مزاج ہیں اس کے تو' کہیں کچھ برا ہی نہ مان گیا ہو۔"

ماں بیٹی دونوں ہی کو فکر نے گھیرا۔ خیام نے باہر فٹ پاتھ سے ہی بابو شوکت کی خالی سیٹ دیکھ لی تھی۔

اسے بھیج کر' وہ خود شاید کہیں اور کسی کام سے گیا تھا' اندر معمول کی گہما گہمی تھی۔

راجو نے اسے اندر آتے ہی پکڑ لیا۔

"تمہیں تو ابا نے کسی کام سے گھر بھیجا تھا؟"

"میری طبیعت خراب ہو رہی تھی' اسی لیے آ گیا۔" اس نے کہتے ہوئے قدم آگے بڑھایا۔

"آرام بعد میں کر لینا' ابھی بہت کام ہے' برتنوں کا ڈھیر جمع ہو رہا ہے' جا کر دھو ڈالو اور پھر اوپر کے کمروں سے چادریں اتار کر دھوبی کو دے کر آؤ۔"

وہ اسے چڑانے کے لیے ایک کے بعد ایک نہ ختم ہونے والے کاموں کی تفصیل گنوا رہا تھا' لیکن خیام پر جیسے کوئی اثر ہی نہیں ہوا تھا۔

محض اثبات میں سر ہلا کر' وہ کچن میں چلا آیا تھا' برتن دھونے کا وہی طویل سلسلہ' جس سے اب اسے گھن بھی نہیں آتی تھی۔

چادریں اتار نے' بچھانے کا کام پورا ہوا' کتنے ہی آرڈر لیے گئے اور سرو کیے گئے۔

وہ مشین بنا' ہر حکم کی تعمیل کیے گیا۔

"مجھے تو پورا یقین ہے' خیام بھائی تھوڑے سے کھسکے ہوئے ہیں۔ اس طرح کام کرتے ہیں جیسے کوئی غلام جو چاہو کروا لو' ورنہ آج کل تو بچے بھی اپنے ایک ایک کام کا حساب رکھتے ہیں' مجال ہے جو اپنے کام کے علاوہ کوئی دوسرا کام کر دیں۔" کچن میں کام کرتے ہوئے لڑکے نے اپنے دوسرے ساتھی سے کہا۔

"ہاں لگتا تو ایسے ہی ہے' نہ کوئی ڈیوٹی ٹائم اور اللہ معاف کرے نہ ہی کوئی غیرت۔" دوسرے نے سامنے ہال میں میز صاف کرتے ہوئے خیام کو دیکھ کر فوری تائید کی تھی۔ "جو کام چاہے کروا لیتا ہے راجو اور پھر اوپر سے باتیں الگ سناتا ہے' ہم بھی دیکھ لو۔"

"پھرتی سے کام نمٹایا کرو' مرے مرے ہاتھوں سے کرو گے تو بس ہو گیا کام' پیسے لے رہے ہو مفت میں نہیں کر رہے' یہ تو ابا کو رحم کھانے کی بیماری ہے' ورنہ ایک دن میں نکال باہر کروں۔"

راجو بری طرح چیخ رہا تھا۔

ہوٹل میں اب سب ہی اس کی' خیام سے نفرت کا اندازہ لگا چکے تھے اور اس بات پر سب ہی کو حیرت بھی ہوتی تھی کہ وہ آخر یہاں کیوں اپنی بے عزتی کروانے کے لیے پڑا ہوا ہے۔

"اللہ کی اتنی بڑی زمین اور رزق کے ہزار وسیلے۔"

دیگ پر بیٹھے باورچی نے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"ہاتھ بچا ہے' عزت نہیں' جس دن کسی نے کڑوی بات کی' اسی روز سب چھوڑ چھاڑ نکل جاؤں گا یہاں سے' اس عمر میں بھی' لیکن یہ لڑکا' تف ہے ایسی جوانی پر بھی۔"

سب ہی نے بیک وقت اپنی طرف آتے خیام کو دیکھا' اس کی سنہری رنگت پر پسینے کے قطرے تھے۔ ان سب کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ پچھلے احاطے کی طرف گیا تھا شاید ہاتھ منہ دھونے۔

"اب لگے ہاتھوں' وہاں کی صفائی بھی کر ڈالو۔" راجو کو ابھی بھی چین نہیں تھا' پیچھے پیچھے آیا تھا۔

"وہ صفائی والا ابھی کر کے گیا ہے راجو بھائی!" ایک لڑکے سے رہا نہیں گیا تھا۔

راجو نے کھا جانے والی نگاہ سے اسے دیکھا۔ تب ہی باہر سے بابو شوکت نے اسے آواز دی تو وہ کچھ بوکھلا کر واپس ہال کی طرف چلا گیا۔

"شکر ہے' جو بابو بھائی آ گئے' ورنہ اس راجو کے ساتھ تو صرف خیام بھائی ہی رہ سکتے ہیں' بے حس مٹی کے بت جیسے۔"

"ذہنی مریض ہے بے چارہ' اصل میں تو علاج کی ضرورت ہے' پر کرائے کون۔"

خیام کو ڈسکس کرنا' سب کا مشغلہ بنتا جا رہا تھا۔

اسے احساس تھا بھی یا نہیں۔

کچے احاطے کے نل میں سر پر پانی بہا لینے کے بعد' قریب چارپائی پر پڑی میلی چادر میں ہی چند سیکنڈ کے لیے سر پر رگڑی اور حلق میں چبھتی ہوئی کڑواہٹ کو نل کے پانی کے گھونٹ سے ہی اندر اتارا۔

"آخ!" بابو شوکت کے گھر کا منظر اب بھی تازہ تھا۔

رانی کی شوخی پر آمادہ نگاہیں' بابو شوکت کی بیوی کا کلائی کو تھامنا۔

"کیا فرق تھا' ان عورتوں کی اداؤں میں۔"

وہ جو یہاں ہیں اور جو اس محلے میں تھوک کے حساب ملتی تھیں جنہیں وہ چھوڑ کر آیا تھا۔

"طریقۂ واردات میں انیس بیس ہی ہوں گی۔" اسے یقین ہو چلا تھا برائی کی جڑ' صرف اور صرف عورت ذات ہے۔

☼ ☼ ☼

نائی ستارہ کے چوبارے کی شہرت کو چار چاند لگ رہے تھے۔

دن میں بھی سیڑھیوں کے آگے مجمع لگا رہتا۔ سارے زمانے کے نکمے فارغ موجود

صندل کی پہلی فلم ریلیز نہیں ہوئی تھی' لیکن میوزک ابھی سے ہٹ ہو رہا تھا' اوپر سے نہایت سلیقے سے کی جانے والی پبلسٹی' اس کے حسن کی شہرت پھیلتی ہی جا رہی تھی۔ بالی صاحب جیسے مانے ہوئے ڈائریکٹر کی دریافت تھی' تو کوئی معمولی بات تھی؟

سابقہ ریکارڈ گواہ تھا کہ' جہاں بالی کی نظر پڑی' اس کی قسمت کا ستارہ ضرور ہی چمکا۔

صندل بھی ہر جگہ تسلیم کی جا رہی تھی۔

سیاہ شیشوں والی لمبی سی گاڑی سے جب وہ اترتی یا چڑھتی تو بس اس کی ایک جھلک ہی دکھائی دیتی' چند ذاتی ملازم گھیرا بنا کر لوگوں کے بیچ سے پلک جھپکتے ہی اسے نکال دیتے۔

وہ سچ مچ سیلیبریٹی بن چکی تھی۔

تائی دل دار کی بیٹیوں نے جلن کے مارے اگلے برآمدے میں آنا تک چھوڑ دیا تھا' کیا فائدہ تھا' بے کار میں دل جلانے کا۔

کس نے سوچا تھا' ساری عمر ایکسٹراز کی لائن میں کھڑی ہو کر کمر ہلانے والی نگینہ جان کی بیٹی کا نصیب یوں جاگے گا۔

"ہزار شکر میرے مولا کا!" نجل خوار نگینہ کی زبان' دن میں کتنی ہی بار شکر کا کلمہ پڑھتی۔

گیتی پاس بیٹھی کئی روز پرانا اخبار دیکھ رہی تھی' کچھ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

کمرے میں اس وقت اور کوئی نہیں تھا۔

شکر گزاری کا یہ اظہار نگینہ نے اپنی ہی کسی دھن میں کیا تھا۔

"پتا نہیں ایسی باتوں پر شکر کرنے کا الٹا گناہ تو نہیں درج ہوتا ہوگا۔"

گیتی نے فکر مند سا ہو کر سوچا۔

"کمائی تو حرام کی ہے' ابھی تک تھوڑی تھی' تو شاید آگے بچت بھی ہو جاتی تھی' اب جو ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں پر بات آ رہی ہے تو اس کا تو حساب کتاب بھی کڑا ہوگا۔"

خیام نے یہاں رہ کر' حرام حلال کا پہاڑا جتنا پڑھا تھا' یاد آتا تو اعصاب پر بڑا بھاری پڑنے لگتا مگر لاکھ ذہن تھکانے کے بعد بھی کوئی شافی جواب نہیں۔

"اب کوئی اپنی مرضی سے تو یہاں پیدا نہیں ہوئے' یہ صندل ہی اگر کسی اچھے خاندان کی بیٹی ہوتی تو اس وقت یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہوتی اور اس کی خوب صورتی کے بل پر دھڑا دھڑ اچھے رشتے آ رہے ہوتے۔"

اسے سوچ کر ہی اتنا اچھا لگا کہ قریب بیٹھی نگینہ سے بھی شیئر کر لیا۔

"تیری تو مت ہی ماری گئی ہے گیتی! ابھی جو تجھے رب کا شکر ادا کرتے دیکھوں' ہر وقت شکوہ' ارے اپنوں کی چھاؤں میں ہے' ہاتھ پاؤں سے درست ہے اور سب سے بڑھ کر نبیؐ کی امت میں پیدا ہوئی ہے۔" بیٹی کو بری طرح جھڑکتے ہوئے عقیدت سے انگلیوں کو چوم کر آنکھوں سے لگایا۔ "ہو جاتی کہیں لولی لنگڑی کسی یتیم خانے کے جھولے میں ڈال گیا ہوتا کوئی' پھر۔"

"اس سے تو اچھا ہی ہوتا۔" وہ جل کر کھڑی ہو گئی۔

"یا اللہ! توبہ معافی' کیسی اولاد پالی میں نے' جس کے پاس شکر کی توفیق بھی نہیں۔"

دونوں کانوں کی لو کو پکڑ کر نگینہ نے اوپر دیکھتے ہوئے بڑی رقت سے معافی مانگی۔

گیتی کو بہت سوچنے پر بھی نہیں یاد آیا کہ کبھی ماں نے اپنے کام پر' یا رات گئے سجنے والی محفلوں کے ذکر پر اس طرح خود کو معتوب کیا ہو' صرف فلم سازوں اور آنے والے لوگوں کی جیبوں سے نکلنے والے پیسوں کا ہی رونا رہا ہمیشہ۔

"یہاں کی عورت کا وجود کسی خاص خمیر سے اٹھا ہے شاید۔" وقت کے ساتھ اسے یقین ہونے لگا تھا۔

"نہ شرمندگی' نہ رحم دلی اور نہ ہی اس صدیوں کے طے شدہ حالات کو بدلنے کی خواہش ہی' کوشش تو بہت دور کی بات۔

"خود کو بدل گیتی! اگر اپنی عافیت چاہتی ہے۔ فیروزہ کے انجام کو دیکھ' چلی گئی بھری جوانی میں منوں مٹی تلے' کسی

کا کیا بگڑا۔" وہ کمرے سے نکل رہی تھی تو اس نے نگینہ کو پیچھے کہتے سنا۔
ایک ٹھنڈی سانس اندر اتارتے ہوئے گیتی نے اس عبرت بھری مثال کو ایک بار پھر سنا۔
خالہ فیروزہ کے انجام کو یاد کرتے رہنا اس خاندان کی لڑکیوں پر فرض کر دیا گیا تھا۔ دماغ کہیں ادھر ادھر چوکڑی بھرنا بھی چاہتا تو اس دردناک کہانی کو یاد کر کے فوراً" ہی ٹھکانے پر بھی آجاتا۔
"بات ہے بھی ٹھیک' یہاں سے نکل کر کس کی کہانی بدلی ہے' جو وہ فرد جرم عائد کرنے کھڑی ہوتی ہے۔"
لمبے برآمدے میں سے گزرتے ہوئے وہ خود کو یاد دلاتے ہوئے ایک بار پھر کہاں سے کہاں پہنچی۔
سامنے نانی ستارہ کے کھلے دروازے میں سے جھانکتی ہوئی خیام کی تصویر نے بہت بے وقت دخل اندازی کی تھی۔
"وہ تو ضرور ہی کہیں خوش باش' اپنی زندگی میں سیٹ ہو چکا ہو گا۔ میری ساری بد دعاؤں کے باوجود' اس سے کون سوال جواب کرتا ہو گا کہ وہ کہاں سے آیا ہے اور خاندان کے نام پر کوئی ایک حوالہ بھی اس کے ساتھ کیوں نہیں نظر آتا۔"
وہ اس کے بارے میں سوچنا چھوڑ چکی تھی پھر بھی وہ بہت نامعقول انداز میں ڈسٹرب کر رہی رہتا تھا۔
"مردوں کی اس دنیا میں نانی ستارہ کے چوبارے سے اترا خیام بھی بخیر و خوبی گزارا کرے گا ساری عمر۔ اسے اپنی ماں کی عبرت ناک کہانی سے سبق لینے کی کوئی ضرورت تھی' نہ ہے اور نہ رہے گی۔"
وہ کچھ اور گم صم ہونے لگی۔
تب ہی نیچے سڑک سے اٹھتا شور غیر معمولی انداز میں بڑھنے لگا۔
گیتی نے بے ساختہ ہی آگے بڑھ کر محراب میں سے جھانکا' سیڑھیوں کے پاس دھکم پیل ہو رہی تھی۔
بخت اور اس کے دو چھوٹے بھائی لوگوں کو دھکا دے کر پیچھے کرنے کی کوشش میں تھے' معلوم نہیں کون تھا جس کے لیے دروازہ کھولا جا رہا تھا۔
گیتی تھوڑا سا اور جھکی۔
تب ہی وہ اسے نظر آیا تھا۔
ہاتھوں میں تھامے دو شاپرز کو سنبھالتے ہوئے وہ لوگوں کے نرغے میں بری طرح پھنسا ہوا تھا۔
گیتی تیزی سے واپس مڑی اور نانی کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ وہ کسی سے فون پر بات کر رہی تھیں' اس کے آنے کے غیر معمولی انداز کو نوٹ بھی کیا' لیکن فون کان سے لگا رہا۔
"شکر ہے جو انہوں نے اوپر نہیں دیکھا' ورنہ سوچتے کہ میں بھی شاید دن بھر یہیں کھڑی رہتی ہوں۔"
نیچے نگار ش اور سب کے لیے چاہے جتنا بھی قابل فخر ہو' اس کے لیے تو بڑی شرمندگی ہی ٹھہرتا تھا۔
"کتنی مشکل سے داخل ہوئے ہوں گے وہ لیکن یہاں کسی کو کیا پروا' یہ نہیں ہوتا کہ آنے جانے والوں کی پریشانی کا خیال کر کے ہی یہ میلہ ہٹا دیں یہاں سے۔"
نگینہ امی' ستارہ نانی' صندل' اسے سب پر ہی ایک ساتھ۔ غصہ آ رہا تھا۔
نانی نے اس کے چہرے پر آتے رنگ کو بھی دیکھا اور دروازے پر جمی نگاہ کو بھی۔
"کون آ رہا تھا؟" تھوڑا سا تجسس لیے وہ بھی اسی طرف دیکھنے لگیں۔
تب ہی سامنے سے سالار آتا دکھائی دیا۔ آج وہ پھر کئی دن بعد آیا تھا۔
گیتی فوراً" ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔
سالار نے ساتھ لائے شاپرز صوفے کے ساتھ رکھی میز پر رکھے تھے۔

نانی نے مٹھائی کا بڑا سا ڈبہ یہیں سے دیکھ لیا تھا۔
"کس بات کی مٹھائی تھی؟"
ان کا دل بڑے واضح خدشے کے تحت دھڑکا۔
"کہیں بات وات تو نہیں پکی ہو گئی سالار کی' کھاتا کماتا لڑکا ہے' رشتوں کی کیا کمی ہو گی۔" گو کوئی ایسی امید بھی نہیں تھی' صرف ایک خیال تھا' جو گیتی کے حوالے سے ان کے دل میں آ رہا تھا' پھر بھی سالار کے حوالے سے کوئی ایسی خبر ذرا بھی خوش کن نہیں لگی تھی۔
فون پر بات کو مختصر ترین کر کے انہوں نے سلسلہ منقطع کیا اور پوری طرح اس طرف متوجہ ہوئیں۔
"بہت خوش دکھائی دے رہے ہو' کوئی خاص بات ہے کیا؟" اس کے سلام کا جواب دینے کے بعد نانی ستارہ نے پہلی بات یہی کی۔
"بہت خاص' آپ بوجھیں تو مان جاؤں گا۔" وہ زور سے ہنس پڑا۔
"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔" اندر کی کیفیت کو چھپائے رکھنے میں انہیں بڑی مہارت حاصل تھی' سو متانت سے کہہ رہی تھیں۔ "خوشی کے تو ہزار بہانے ہیں' بس اس کی نظر کرم کی دیر ہوتی ہے۔"
"بالکل ٹھیک' لیکن پھر بھی میں کس خوشی کی اطلاع لایا ہوں' کچھ تو گیس کر لیں نا۔"
"بالکل بچوں والی ضد" نانی نے ہلکے سے سر نفی میں ہلایا' اس کی اپنائیت اچھی لگتی تھی' اس طرح تو کبھی خیام نے بھی نہیں کیا تھا "کہیں منگنی دنگنی تو نہیں کرائی تم نے' لڑکوں کے پاس تو یہی خبر سب سے بڑی ہوتی ہے۔"
انہیں جو لگا تھا' وہی کہہ دیا۔
"حد کرتی ہیں آپ بھی' کیسی منگنی' اور ہو گی تو اس میں سب سے پہلے آپ شامل ہوں گی۔" وہ کچھ جھینپ سا گیا۔
نانی کا خدشہ غلط تھا۔
اور ان کے بعد' سب سے زیادہ سکون شاید گیتی کو ہی حاصل ہوا تھا۔
"سعادت مندی ہے تمہاری' ورنہ یہاں سے جانے کے بعد کون یاد رکھتا ہے' یہاں تو اپنوں کے ہاتھوں زخم کھا کر بیٹھے ہیں بیٹا!"
"آں ہاں! آج اداسی کی اجازت بالکل نہیں ہے' زبردست خبر ہے۔" اس نے نانی کو مزید جذباتی ہونے سے روکا' اور دروازے میں دانت نکالے کھڑی شاما کی طرف دیکھا۔
"شاما میڈم! آپ ذرا نگینہ آنٹی کو بلا لائیں' اس خوش خبری پر ان کا بھی بہت زیادہ حق ہے۔"
نگینہ اسی طرف آ رہی تھی۔
زمانے بھر سے نالاں' بدگمان' نگینہ کے دل میں سالار کے لیے بڑی سچی عزت پیدا ہو چکی تھی۔
صندل کی کامیابی کا سہرا وہ بڑی فراخ دلی سے سالار کے سر ہی باندھتی تھی' وہی تھا جو اسد بھائی کو لے کر ان کے ہاں آیا تھا' جن کا خوب صورت کلاسیکل پروگرام پالی صاحب کو یہاں کھینچ کر لایا تھا۔
حالانکہ خود وہ بے وقوف' ان دنوں ٹی وی کی کتنی بڑی مخالف تھی۔ آج بھی سوچ کر شرمندگی ہوتی تھی۔ اپنے طبقے کی دوسری عورتوں کی طرح وہ بھی اپنی غلطیوں کو یاد رکھتی تھی' تاکہ آئندہ دہرائے جانے کا امکان باقی نہ رہے۔
"آئیے آپ کا ہی انتظار ہو رہا تھا۔" سالار اسے دیکھ کر خلوص سے مسکرایا۔
"جیتے رہو!" نگینہ کے منہ سے خود بخود نکلا' پاس کھڑی شاما منہ پر دوپٹہ رکھ کر ہنسنے لگی۔
بزرگی بھرا یہ انداز نگینہ کے ظاہری حلیہ پر خاصا مضحکہ خیز سا لگا تھا' اس نے گھور کر شاما کو دیکھا۔

"چلو گیتی! اب تم سب کا منہ میٹھا کراؤ' پہلے نانی پھر آنٹی ثمینہ اور ___!"
مٹھائی کا وہ ڈبہ کھل چکا تھا اور ہاتھ میں گلاب جامن اٹھاتے ہوئے بھی گیتی بڑی الجھن سی محسوس کر رہی تھی۔
"مگر میں ہی کیوں؟"
"اس لیے کہ فرسٹ ڈویژن میں کلیئر کرلیا ہے فائنل ایئر بے وقوف!" سالار کے لہجے سے خوشی چھلکی تھی۔
"میں؟" گیتی نے اتنی بے یقینی سے اسے دیکھا تھا کہ وہ ہنستا ہی چلا گیا۔
"امتحان تم نے دیا تھا تو پاس بھی تمہیں ہی تو ہونا تھا میں یا شاما میڈم تو کرنے سے رہے۔"
پاس کھڑی ثمینہ نے بے اختیار ہی جیسے تڑپ کر گیتی کو گلے لگایا۔
ممتا کا نرم شفیق احساس گیتی نے روح میں اترتا ہوا محسوس کیا۔ ماں کی محبت کے عملی مظاہرے اس نے اور صندل نے کم ہی وصول کیے تھے' لیکن اس وقت تو جیسے ایک عمر کی پیاس بجھی تھی۔
نانی اور شاما کی مبارک سلامت کے شور میں وہ علیحدہ ہوئی تو سب نے ہی دیکھا کہ ثمینہ کا پورا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ رہا تھا۔
گیتی کے ہاتھ میں موجود گلاب جامن کا شیرہ ثمینہ کی قمیص اور دوپٹہ کو چپکا چکا تھا' مگر اسے جیسے خیال تک نہیں آیا تھا' سالار کے ہاتھ سے ڈبہ لے کر اس نے خود اپنے ہاتھ سے نانی ستارہ اور سالار کا منہ میٹھا کیا۔
"گیتی آرائیں اے۔"
سالار نے مسکراتے ہوئے گیتی کو دیکھا تو وہ کچھ شرما سی گئی' سچی بات تو یہ ہے کہ اب تک یقین ہی نہیں آرہا تھا۔
ثمینہ شاما کا منہ میٹھا کرانے میں مصروف تھی' مڑ کر بولی۔ "ایسے کیسے' گیتی آرائیں اے فرسٹ ڈویژن' ایک تختی بنوا کر دروازے کے عین اوپر نہ لگوا دیں اماں! بڑا رعب پڑے گا لوگوں پر۔" خوشی کے اس مبارک موقع پر نانی ستارہ کو بیٹی کی بے وقوفی پر غصہ بھی نہیں آیا' بس ہنس پڑیں۔
گیتی نے باری باری ان سب کے چہرے دیکھے' نانی' ثمینہ' شاما اور سالار' ہر ایک کے چہرے پر جگمگاہٹ تھی۔
خوشی جیسے ہوا میں رقصاں تھی۔
"اور اگر آج وہ بھی ہوتا تو ___؟"
نگاہ نانی کے بیڈ کے ساتھ رکھی تصویر کی طرف اٹھنے لگی تھی' مگر اس نے خود کو بروقت سنبھالا۔
"صد شکر کہ میرے پاس سچی محبت سے گندھے کتنے ہی رشتے موجود ہیں' نانی اور ثمینہ امی کی تو دوسری بات ہے' لیکن یہ شاما اور سالار صاحب' ان کا خلوص' رب کی نعمت نہیں تو اور کیا ہے؟"
"جا شاما! نیچے بخت اور لڑکوں کا بھی تو منہ میٹھا کروا کر آ اور ایک پلیٹ میں مٹھائی نکال کر مجھے دے' خالہ دلدار کے ہاں تو خود لے کر جاؤں گی' اپنی بیٹی کی فرسٹ ڈویژن کی مٹھائی۔"
ثمینہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کر ڈالے۔
"صدقے جاؤں اس رب کے' مجھ جیسی گنہ گار پر بھی رحمتوں کی بارش۔" سرخ ہوتی ناک کو دوپٹہ کے پلو سے رگڑتے ہوئے اس نے نانی ستارہ کی طرف دیکھا۔
"گیتی! ہمارے خاندان کی پہلی لڑکی ہے نا اماں! جس نے اتنا سارا پڑھ لیا' ڈگری لے لی؟"
نانی ستارہ نے فخریہ انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔
"اور خاندان ہی کیا پورے محلے برادری میں کوئی ایک مثال نہیں' لڑکیاں بڑے دھڑلے سے کالج میں داخلہ بھی لے لیتی ہیں تو دو چار سال میں فیل ہو ہوا کر سارا شوق ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔"
"دیکھ لو' یہ اعزاز بھی مجھے ہی حاصل ہوا نا' کون ہے جو برابری کرے گا میری' ماشاء اللہ گریجویٹ بیٹی کی ماں ہوں' ایک ناچنے والی کو ایسا فخر' اللہ کی شان!" آنسو صاف کرتے کرتے وہ پھر سے ہنس پڑی۔
معلوم نہیں کیوں۔
لیکن نمکین پانی کے چند قطرے سالار نے دل پر گرتے ہوئے محسوس کیے تھے۔
محرومیوں کی کیسی دل گداز کہانیاں یہاں رقم تھیں۔
شاما پلیٹ لے آئی تھی "لائیں باجی! ادھر خالہ والوں کی طرف مٹھائی دے آؤں۔"
"رہنے دے' میں خود جاؤں گی لے کر' دیکھوں تو کیسے چہرے زرد پڑتے ہیں سب کے' بہت طعنے دیے ہیں میں نے اپنی بچی کے نام پر' ہر ایک کا یہی رونا تھا کہ گیتی کسی کام کی نہ نکلی' اب کریں مقابلہ' ساری کی ساری میٹرک فیل"
پلیٹ میں مٹھائی سیٹ کرتے ہوئے' وہ مستقل بولے گئی۔
گیتی نے ہنس کر پیچھے سے اس کے گلے میں بانہیں ڈالیں "چلیں چھوڑیں' معاف بھی کردیں خالہ گلناز اور الماس کو امی۔"
"اہونہہ!" میں نہیں معاف کرنے والی کسی کو بھی' ساری عمر مجھے کس نے معاف کیا' جو میں ہی ثواب کماتی پھروں' مجھے بھی آخر میرے مقدر نے دوسروں پر ہنسنے کا موقع دے ہی دیا' دل کھول کر ہنسوں گی اب تو۔" اپنی بات کہتے ہوئے اس نے پلیٹ شاما کو پکڑائی۔
"کوئی اچھا سا خوان پوش ڈھانپ کر لا اس پر۔"
گیتی نے امداد طلب نگاہوں سے سالار کی طرف دیکھا تو اس نے اشارے سے کچھ بھی کہنے سے منع کر دیا۔ ثمینہ کی ذہنی حالت کو سمجھنا مشکل نہیں تھا۔
"ساری تمہاری محنت ہے بیٹا! ہمارا گھرانہ تو پہلے ہی تمہارے احسان تلے دبا ہے۔" وہ گھوم کر سالار کے سامنے آکھڑی ہوئی "میری گیتی کو تم ہی نے پار لگوایا اور صندل کو بھی' اس کا اجر تو بس وہی ___" ثمینہ کی آواز رندھ رہی تھی۔
بات ادھوری چھوڑ کر اس نے محض ہاتھ سے اوپر کی طرف اشارہ کیا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔
سالار کو جواباً کچھ بھی کہنے کا موقع دیے بغیر۔
"ثمینہ آنٹی بھی بری طرح شرمندہ کردیتی ہیں۔ گیتی کی اپنی محنت تھی۔ میں نے کوئی گھول کر سبق تھوڑی پلایا ہے نانی! اور صندل ___ میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ فلم تک پہنچ جائے گی۔" وہ نانی سے شکوہ کر رہا تھا۔
گیتی کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ مدھم پڑنے لگی۔
"خیر اسد بھائی کو تو یہاں آپ ہی لائے تھے' نہ اسے وہ پروگرام ملتا اور نہ ہی ___!"
وہ اس کا پہلا قصور یاد رکھے ہوئے تھی' اور پہلے بھی مورد الزام ٹھہرا چکی تھی۔
مگر اس وقت نانی ستارہ بنفس نفیس موجود تھیں۔
"کیا مطلب ہے تمہارا؟ نہ جاتی صندل فلموں میں کیا کرتی پھر' زمانے کے ساتھ چلنا پڑتا ہے بے وقوف۔"
تھوڑی خفگی کے ساتھ انہوں نے گیتی کو دیکھا' اس کی مخالفت سے تھوڑی بہت آگاہ بھی تھیں "ہمارا وقت اور تھا' قدردان ہزار ملتے تھے' عزت سے گزر بسر ہوتی تھی' لیکن اب کون پوچھتا ہے' اب تو یہاں کی ہر لڑکی کی اڑان فلم

انڈسٹری کی طرف ہی ہے 'صندل کی تو خوش قسمتی ہے کہ وہ بالی صاحب کی نظر میں آگئی۔"

انہیں گیتی پر غصہ تو بہت آیا تھا' لیکن وہ آج کے دن کی مہمان خصوصی تھی' سو تھوڑی رعایت ہو گئی۔

"شاما! تو سب سے پہلے تو بٹے کے ہاں جا کر مٹھائی کا آرڈر کر کے آ' برادری میں بانٹنی ہے آج ہی۔"

"کیا ضرورت ہے مٹھائی بانٹنے کی' بی اے کر لینا کون سا کمال ہے نانی۔" گیتی کو یہ ساری غیر معمولی جذباتیت کچھ شرمندگی میں مبتلا کرنے لگی تھی "لڑکیاں ایم بی ایس میں پہنچ رہی ہیں' پروفیشنل ڈگریاں لے رہی ہیں' یہاں خالی خولی بی اے ہی پر ہنگامہ ہے۔" وہ شرمندگی سے سوچ رہی تھی۔

"اسے گننے دے شاما! آ میرے ساتھ' کتنے ڈبے بنوانے ہیں مٹھائی کے' حساب کر کے پرچے پر لکھتی ہوں۔" اس کے اعتراض کو جواب کے قابل بھی نہیں سمجھا تھا نانی ستارہ نے۔

"وہ گھنٹہ تو گئی اب گھنٹہ بھر کے لیے۔ جی بھر کر تنجی کرنے سے پہلے نہیں واپس آنے والی۔"

آج کے لیے سب ہی کو بڑی دل چسپ مصروفیت ہاتھ آ چکی تھی۔ نانی ستارہ بھی شاما کو لے کر خوشی خوشی بڑے ہال کی طرف چلی گئیں۔

"ابھی آ رہی ہوں' تم چلے مت جانا' کھانا یہیں کھانا ہے تمہیں۔" کمرے سے نکلنے سے پہلے انہوں نے سالار کو ہدایت ضرور دی تھی۔

"خوشی' غمی سب ہی کو یہاں دھوم دھام سے سیلیبریٹ کرنا ضرور ہے' گھرانے کی ساکھ مضبوط ہوتی ہے نانی کے خیال سے۔" سالار کی طرف دیکھ کر وہ نیچی آواز میں کہہ رہی تھی۔

آتی سردیوں کی نرم دھوپ کھڑکیوں سے اتر کر کمرے میں پھیل رہی تھی اونچی چھت' پرانے مگر بیش قیمتی قالین' انگریز راج کی یاد دلاتا وکٹورین فرنیچر۔

"اور سامنے بیٹھی گیتی آراء' جو چلیے سے آج کے بجائے سن پچاس کی دہائی کی کوئی حسینہ معلوم ہوتی ہے۔" کسی وقت تو سالار کو یہ سب کسی آرٹ فلم کی مانند ہی لگتا اور وہ خود اس میں شامل بھیگی بھیگی سی کسی رومانیت کا سمبل۔

"آپ کو یہاں آتے برا تو لگتا ہو گا' جھوٹ مت بولیے گا' ہم بھی جب نیچے لوگ آپ کو دھکے دے رہے تھے' جملے کس رہے تھے تو دل نہیں چاہا کہ یہیں سے پلٹ جائیں۔" اتنی دیر سے چھپتی شرمندگی زبان پر آ کر رہی۔

سالار نے بہت غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

ان سادہ سے نقوش میں' ان دیکھی روشنی جگمگاتی تھی' اور گھنی پلکوں والی خوب صورت آنکھوں میں حیرانی بسیرا کرتی تھی۔

کیسی پاکیزگی تھی اس چہرے میں' جو کبھی وہ اسے دل بھر کر دیکھ بھی نہیں پاتا تھا۔

سالار نے جھجکتے ہوئے نگاہ چرائی۔

"اتنی حساسیت اچھی نہیں گیتی!" اندر ہی اندر ایک گہری سانس اتار کر' وہ خود میں واپس ہوا۔

"صندل اسٹار بن رہی ہے' یہ سب تو معمول کا حصہ ہو گا اب۔ لوگ فنکاروں سے محبت کرتے ہیں۔"

"یہ محبت نہیں ہے' بے ہودہ پن ہے' اور جب تک صندل یہاں رہے گی' لوگ اسے یہیں کے حوالے سے ٹریٹ کریں گے' رات کو تو کبھی کبھی اتنا شور مچتا ہے کہ مجھے ڈر کے مارے پوری رات نیند نہیں آتی۔"

خوف' بے چارگی' شرم سالار نے بے چین سا ہو کر پہلو بدلا۔

اسے اندازہ تھا کہ وہ جب اس موضوع پر بات کرتی ہے تو خود کس تکلیف سے گزر رہی ہوتی ہے۔

"کاش وہ اسے یہاں سے کہیں بہت دور لے جائے' اتنی دور کہ......!"

مگر وہ اتنا خوش قسمت بھی کہاں۔

جب سے نانی نے خیام کی تصویر اپنے کمرے میں لا کر رکھی تھی، یاددہانی کا کام اور بھی آسان ہوا تھا۔ اسے خیام کو ڈھونڈ کر واپس لانا تھا۔

وہی تھا جو گیتی کے لیے خوشی کا مفہوم مکمل کر سکتا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہیں؟" گیتی نے اس کی خیام پر جمی نگاہ نوٹ کی تھی۔

"کچھ نہیں۔"

"نانی کو بھی معلوم نہیں کیا سوجھی، کسی جانے والے کا ماتم کب تک کیا جا سکتا ہے۔"

"جب تک وہ واپس نہ آجائے۔" سالار نے بمشکل خود کو یہ کہنے سے روکا تھا۔

"یہ دیکھو، میں تمہارے لیے کچھ لایا ہوں، تمہارے پاس ہونے کی خوشی میں۔" وہ اپنے ساتھ لائے دوسرے شاپر کی طرف متوجہ ہوا۔

"میرے لیے؟"

اس نے اتنی حیرت سے کہا کہ سالار کو شبہ ہونے لگا کہ جیسے اس کے لیے کبھی کوئی کچھ لایا ہی نہ تھا۔

"کیوں، تمہارے لیے کچھ نہیں آسکتا کیا؟"

"ضرورت کی چیزیں آجاتی ہیں، لیکن تحفے تو کوئی نہیں دیتا نا۔" "آپ کو بھی تکلیف نہیں کرنی چاہیے تھی۔"

"کچھ تکلیفیں بہت خوشی خوشی اٹھائی جاتی ہیں۔" وہ مسکراتے ہوئے شاپر میں موجود چیزیں نکالنے لگا۔

کچھ کتابیں، ایک سوٹ، جس کی قیمت برانڈ سے ظاہر تھی اور۔۔۔۔

"مجھے خواتین کی شاپنگ کا بالکل بھی تجربہ نہیں ہے، کچھ اچھا نہیں لگے تب بھی خبردار، برائی مت کرنا۔" ہاتھ میں تھاما ایک چھوٹا سا کیس اس نے کھول کر گیتی کے سامنے کیا۔

"یہ!" گیتی کی نگاہ پل بھر کے لیے جمی تھی۔ سونے کا بے حد خوب صورت بریسلٹ سامنے جگمگا رہا تھا۔

"واہ، ماشاء اللہ۔"

پیچھے سے تمکینہ نے ہاتھ بڑھا کر وہ بریسلٹ اٹھایا۔

"باذوق معلوم ہوتے ہیں سالار میاں!" آج پہلی بار اس نے سالار کو ماسٹر صاحب نہیں کہا تھا۔

"اور اللہ نے دل بھی بہت بڑا دیا ہے ماشاء اللہ بہت قیمتی تحفہ لائے ہیں اپنی شاگرد کے لیے۔"

تمکینہ کا چہرہ کھلا جا رہا تھا۔

ساری عمر اس نے چاہے نقلی بار بندے پہن کر گزاری تھی، لیکن آخر تھی تو ستارہ جان کی بیٹی اور فیروزہ کی بہن۔

اصلی سونے، اصلی نگینوں کی پہچان میں اسے ذرا بھی دقت نہیں ہوتی تھی۔

"بڑی کرم نوازی ہے آپ کی، گیتی پہن کر دکھا تو سہی، کیسا لگ رہا ہے ہاتھ میں۔"

تمکینہ کا مخصوص پروفیشنل رویّہ سامنے آرہا تھا۔

سالار کو پذیرائی کی یہ شکل شرمندگی میں مبتلا کیے ہوئے تھی، اس نے چور نگاہوں سے گیتی کی طرف دیکھا۔ وہ جگمگاتا ہوا بریسلٹ گیتی کی کھلی ہتھیلی پر رکھا تھا۔

"کوئی تو بھید ہے اس فاقہ مستی والی زندگی کے پیچھے۔" تمکینہ کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"بہت پہنچی ہوئی شے ہوں اور میاں تم بھی!"

☆ ☆ ☆

جویا پر چھائی خاموشی اور بے عملی کسی اور کے لیے نہ سہی زویا کے لیے ضرور تکلیف دہ تھی۔

دوستوں کے قصے، ڈراموں پر تبصرے، آئے دن شاپنگ کے لیے نکل پڑنا۔

سب ہی کچھ موقوف۔

رات کو بھی، وہ زیادہ دیر جاگنے کے بجائے، جلد ہی نیند آنے کا اعلان کرتی اور دیوار کی طرف کروٹ لے کر، سونے کی بے مثال ایکٹنگ کرتی اور زویا کو جانتے بوجھتے بھی اس کے جھوٹ پر یقین کرنا پڑتا۔

"اسی طرح کرتی رہیں تو بہت جلد بیمار پڑ جاؤ گی اور وہ بھی خاصی سیریس قسم کی۔"

وہ جوابا" بڑے اطمینان سے مسکرائی۔

"کیا برا ہے؟"

"اچھا بھی کیا ہے۔" کسی اتفاقی چھٹی کی وجہ سے زویا آج گھر پر تھی۔ "اور یہ جو کچھ کر رہی ہو، اس کی کسی کو بھی پروا ہے؟ ذرا سی بھی نہیں نا۔" اپنے سوال کا خود ہی جواب دے کر وہ اور بھی خفا دکھ رہی تھی۔

"گھر والوں نے جو کرنا تھا، وہ کر دکھایا اور وہ جو مرکزی کردار تھے، تم سے چھٹکارا حاصل ہونے کی خوش خبری سن کر شاید اب تک شکر کی تسبیح پڑھ رہے ہوں گے۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔" جویا نے بے ساختہ ہی زویا کی بات کاٹی۔

"اچھا۔" زویا نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا، وہاں کوئی جھینپ یا شرمندگی نہیں تھی۔ گویا اس کا یقین اب بھی اتنا ہی پختہ تھا۔

زویا کو اس کی کم عقلی پر تھوڑی سی حیرت تو ضرور ہوئی۔

"تم بہت بے وقوف ہو جویا! اور معاذ بھائی کے متعلق تمہارا یقین محض خوش فہمی، ورنہ انہوں نے کبھی کوئی کسر نہیں رکھی، تمہیں اپنی طرف سے مایوس کرنے میں، ایک ذرہ تبدیلی نہیں لائے وہ اپنے اندر تمہاری خاطر، کوئی ایک کوشش بتا دو، جو انہوں نے تمہارے لیے کی ہو۔" اپنے الفاظ کی تلخی کا اسے احساس بھی ہوتا تھا، لیکن جویا کی بہتری کے لیے یہی ضروری تھا۔

"وہ کچھ بھی کر لیتا، پھر بھی یہاں ہمیشہ ناقابل قبول ہی رہتا اور کیوں بدلے وہ خود کو، کیا خرابی ہے اس میں، کیوں وہ ان لوگوں کو خوش کرنے کے لیے اندھا دھند پیسہ کمائے، چاہے وہ پیسہ حرام کا ہی ہو یا پھر ان سب کی طرح، غرور اور خود غرضی کے ساتھ، ہر ایک کو اپنے پیروں تلے رکھنا چاہیے۔"

زویا کے چہرے پر نگاہ جمائے، جب وہ یہ سب کہہ رہی تھی تو اس کے چہرے پر بڑی فخریہ جگمگاہٹ تھی۔

"مجھے خوشی ہے کہ وہ نہیں بدلا، میرے لیے بھی نہیں اور جس دن معاذ نے کوئی گھٹیا گرا ہوا سمجھوتہ زندگی کے ساتھ کیا زویا! تو شاید اس روز وہ میرے دل سے خود بخود نکل جائے گا۔"

زویا نے ایک گہری ٹھنڈی سانس اندر اتاری۔ جویا کے سامنے معاذ کے سلسلے میں کچھ بھی کہنا فی الحال دیوار پر سر مارنے کے برابر ہی تھا۔

شاید وہ جویا کی زندگی میں معاذ کی حیثیت کا اب تک اندازہ ہی نہیں لگا سکی تھی اور گھر والے تو شاید کبھی بھی نہیں۔

اچھا سنو، مارکیٹ چل رہی ہو؟" زویا نے موضوع اور موڈ دونوں بدلے، مگر وہ تو مکمل بور کرنے کی قسم کھائے ہوئے تھی۔

"نہیں۔"

"پلیز جویا! مجھے بہت سے کام ہیں، آج چھٹی بھی مل گئی ہے اتفاق سے، پھر بہت دن ٹائم نہیں ملے گا۔"

"امی کے ساتھ چلی جاؤ' یا پھر محلے میں سے کسی لڑکی کو ساتھ لے جاؤ۔"

"آپا گل کو نہ بلا لوں ساتھ چلنے کے لیے۔"

"نہیں' وہ تمہارے ساتھ زیادتی ہو جائے گی بہر حال۔" جویا ہلکے سے ہنس پڑی۔

"تم سے تو بات کرنا بالکل ہی فضول ہے۔" زویا چڑ کر فوراً" ہی اٹھ گئی۔

نیچے سے شاکرہ بیگم آوازیں لگا رہی تھیں' زویا نیچے جا چکی تھی۔

جویا وہیں بیڈ پر آڑی ترچھی لیٹ گئی۔

تھوڑی سی تنہائی بھی پل میں محفل آباد کرتی تھی۔

خیال کہیں سے کہیں پہنچتا تھا اور زندگی تھوڑی سی آسان ہونے لگتی تھی۔

حقیقت سے فرار کی یہی ایک صورت تھی۔

خواب سراب سہی مگر خود سے بھی نظر بچا کر بن ہی لیے جائیں تو کیا جاتا ہے کسی کا۔

مگر تکیے کے پاس رکھے سیل فون کی بیل نے اس وقت اسے بے ضرر سے شغل کی بھی اجازت نہیں دی۔

سامنے آئے اجنبی نمبر پر نگاہ ڈالتے ہوئے' جویا نے تھوڑی سی الجھن محسوس کی تھی۔

"ہیلو' جویا!" دوسری طرف کوئی کہہ رہا تھا۔

اسے بے ساختہ بہت دن پہلے آنے والی فون کال یاد آئی۔

معاذ کی بے ساختگی اور' خوشی سے لبریز لہجہ۔

اپنی زندگی کی پہلی خوش خبری وہ اس وقت سنا رہا تھا' جب وہ یہ خوشی منانے کا حق بھی کھو چکی تھی۔

"اس وقت شاید پھوپو ہی۔۔۔!"

جویا نے دوسری طرف سے آنے والی آواز پر دھیان دینا چاہا۔

"ہیلو جویا! آپ میری بات سن رہی ہیں نا؟" وہ ایک جھٹکے سے حال میں واپس آئی۔

یہ معاذ نہیں تھا۔

"مجھے آپا گل نے آپ کا نمبر دیا تھا' میں چاہ بھی رہا تھا کہ آپ سے کانٹیکٹ کا کوئی راستہ نکالوں' شادی سے پہلے آپس میں انڈر اسٹینڈنگ قائم ہو جائے تو پھر آگے بھی بہت آسانیاں رہتی ہیں۔"

یہ اعجاز تھا۔

گو اس نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا تھا' لیکن جس طرح کی گفتگو پر وہ فوراً" ہی اتر رہا تھا' وہ خود اس کا تعارف بن رہی تھی۔

"تمہارے گھر کا ماحول ذرا پرانے قسم کا ہے لیکن آپ لوگ ماشاء اللہ روشن خیال ہیں' آپا گل تو کئی دن سے مجھ پر زور دے رہی تھیں کہ میں آپ سے بات کروں' کسی دن کہیں باہر ملنے کا۔۔۔"

"آپ نے کسی غلط نمبر پر کال کی ہے' سوری۔" جویا نے فقط اتنا ہی کہہ کر نہ صرف کال کاٹی تھی' بلکہ تو فون بھی آف کر کے واپس بیڈ پر اچھالا۔

"آپا گل! اور ان کے گھٹیا ہتھکنڈے۔"

اگر وہ سامنے ہوتیں تو یقیناً" ایک بڑا ہنگامہ فوری طور پر ہوتا تھا۔

جویا کا غصے سے برا حال ہو رہا تھا۔ ایک منٹ کی بھی دیر کیے بغیر وہ سیڑھیاں پھلانگتی نیچے آئی۔

"زویا!" وہ سیدھی کچن میں کھڑی زویا کے پاس آئی۔ "چلو کہاں چلنا ہے تمہیں مارکیٹ وغیرہ۔"

"ہاں!" اس نے چونک کر جویا کا سرخ ہوتا چہرہ دیکھ کر' کسی تازہ حادثے کا اندازہ لگانا چاہا۔

"ہوا کیا ہے؟"

"کچھ نہیں' تمہیں چلنا ہے یا نہیں؟" وہ اتنے غصے میں تھی کہ اس کو ختم کرنے کے لیے دنیا کے آخری سرے تک بھی دوڑ لگا سکتی تھی۔

زویا نے اپنی مسکراہٹ بمشکل ضبط کی۔

"چلو' لیکن کپڑے وغیرہ چینج نہیں کرنے۔"

"نہیں ٹھیک تو ہیں' بے کار میں اور دیر ہو گی۔" اس نے صرف دوپٹہ کھول کر کندھوں اور سر پر پھیلایا اور چلنے کے لیے تیار۔ زویا صبح ہی سے پروگرام بنا کر تیار بیٹھی تھی' اس کے موڈ کو غنیمت سمجھ کر فوراً" ہی والدہ کو اطلاع دینے اندر چلی گئی۔

اعجاز کے فون کا قصہ' اس نے راستے میں جویا کی زبانی سنا تھا۔

"مجھ سے پوچھے بغیر میرا نمبر دینے کی ضرورت کیا تھی انہیں۔" اتنی دیر میں اس کا غصہ تھوڑا سا ٹھنڈا تو ہو چکا تھا' لیکن آپا گل کی حرکت نظرانداز نہیں کی جا سکتی تھی۔

"تم سے پوچھتیں تو تم انہیں منع کر دیتیں۔ اسی لیے انہوں نے خود ہی جو کرنا تھا کیا۔" زویا کو شاید یہ بات اتنی بری بھی نہیں لگی تھی' جو کچھ ہونے جا رہا تھا' اس میں بہتری کی کوئی صورت نکل بھی سکتی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا' کسی بھی لڑکی کا سیل نمبر' کوئی بھی یوں ہی اٹھا کر کسی کو بھی دے دے تو اس میں کچھ غلط نہیں ہے؟" اسے پھر سے غصہ آنے لگا۔

وہ لوگ مارکیٹ میں داخل ہو رہی تھیں' جہاں سہ پہر کے سوئے سوئے سے وقت میں رش' عام اوقات سے قدرے کم تھا۔

"اعجاز "کوئی بھی" کی لسٹ میں نہیں ہے جویا! منگیتر ہے وہ تمہارا' چند ماہ بعد شادی بھی ہو جانی ہے۔ آپا گل نے تو ایک طرح سے اچھا ہی سوچا تمہارے لیے۔" دل سے آپا گل سے متفق نہ ہونے کے باوجود' وہ جویا کو اسی حقیقت میں زندہ دیکھنا چاہتی تھی۔

"سب لوگ اگر میرے بارے میں اچھا سوچنا چھوڑ دیں تو شاید میرے اوپر احسان عظیم ہو گا۔" خفا خفا سے لہجے میں کہتے ہوئے' وہ سامنے کاسمیٹکس کی دکان میں چلی گئی۔

"میں اوپر سے ہو کر ابھی آ رہی ہوں' کہیں اور نہ نکل جانا۔" زویا نے پیچھے سے آواز لگائی اور سامنے فرسٹ فلور کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

شیمپو' کنڈیشنر' باڈی لوشن۔

ایک ساتھ کئی چیزیں ختم ہو رہی تھیں اور یہ بات اسے یہاں آ کر خود بخود یاد آئی تھی۔

بازار کی مخصوص فضا کچھ دیر کے لیے ہی سہی' دھیان بٹا ہی رہی تھی۔

جویا بھی محویت سے کاؤنٹر پر رکھی اشیاء کے برانڈز چیک کر رہی تھی۔ یہ کافی بڑا اسٹور تھا اور اس وقت گنتی کے چند ہی لوگ یہاں تھے۔

تب ہی کوئی دروازہ کھول کر سیدھا اسی کاؤنٹر کی طرف آیا۔

ایک عجیب سے احساس میں گھر کر' زویا نے سامنے لگے دیوار گیر شیشے کی طرف دیکھا۔

معاذ اس کے قریب ہی کھڑا تھا۔

کوئی آہٹ' کوئی آواز نہیں۔

اور ارد گرد جیسے بہت گہرا سناٹا پھیلا ہو۔

جویا کی نگاہ ہٹنا بھول گئی تھی۔ تب ہی وہ اس کی طرف مڑ کر ہلکے سے مسکرایا۔
"کیسی ہو جویا!"
وہ جواباً" سر کو صرف ایک ہلکی سی جنبش ہی دے پائی۔ معاذ آج ہمیشہ سے بہت بہتر حلیے میں تھا' تازہ ملی نوکری کا اثر تھا شاید۔
اور وہ خود' اس کے برابر کھڑی' پھیکے رنگ کے کپڑے اور اس سے بھی پھیکا چہرے کا رنگ۔
اپنے عکس سے نگاہ چرا کر اس نے قدرے رخ موڑا' سیلز مین اس کی توجہ ہٹتے دیکھ کر' ذرا فاصلے پر کھڑے دوسرے گاہک کی طرف چلا گیا تھا۔
"اکیلی ہو؟" وہ عادتاً" فکر مند ہوا۔
جویا کو بے اختیار ایسے کئی لمحے یاد آئے' جب اس نے یہی سوال کیا تھا۔
کالج کے گیٹ پر کھڑا دیکھ کر' کتنی ہی بار اور پھر اس روز ریسٹورنٹ میں' جب زویا اپنی دوست کی ٹیبل پر جا بیٹھی تھی۔
"اکیلے جاؤ گی؟"
"اظہار چچا لینے نہیں آئیں گے کیا؟"
"زویا کے ساتھ جا کر بیٹھو' یہاں اکیلے کیوں؟"
اور آج ایک بار پھر۔
"کیا پوچھ رہا ہوں' اکیلی ہو؟"
"ہاں بالکل اکیلی۔" اس کے دل نے اپنی بچی کھچی ہمت جمع کر کے' بہت زور سے کہا' لیکن اب آئندہ زندگی' محض منافقت کا کھیل تھی۔
"زویا آئی ہے ساتھ' اوپر گئی ہے۔" اسے اپنے پرسکون لہجے پر خود حیرت ہوئی تھی۔
"کیسی چل رہی ہے تمہاری جاب؟"
"فرسٹ کلاس۔"
"لگتا ہے سیٹ ہو گئے ہو" وہ پلٹ کر واپس ہیئر کنڈیشنر کا لیبل پڑھنے لگی۔
"کوشش کر رہا ہوں سیٹ ہونے کی۔" وہ کچھ کہتے ہوئے پل بھر کے لیے رکا "جاب میں بھی اور زندگی میں بھی۔" معاذ کی آواز بتدریج دھیمی ہوئی تھی۔
جویا نے بے ساختہ ہی اس کی طرف دیکھا تھا۔ اس کی وہ ہلکی سی مسکراہٹ جو ہمہ وقت سب ٹھیک ہے کا تاثر دیتی تھی غائب تھی۔
"اب نہیں معاذ' ایک لفظ بھی اور نہیں۔" معاذ نے جویا کی آنکھوں کو کہتے ہوئے سنا تھا اور اتنا احترام تو واجب ہی تھا۔
درد کا وہ پل' وہیں منجمد ہوا تھا ہمیشہ کے لیے۔
"کتنے ڈھنگ سے رہنے لگا ہوں' آج تو تمہارے ابا بھی ہوتے تو ضرور متاثر ہو جاتے۔"
وہ مسکرا بھی نہیں سکی۔
زویا کسی وقت بھی آ سکتی تھی اور جویا نہیں چاہتی تھی کہ وہ اسے یہاں معاذ کے ساتھ کھڑا دیکھے۔
"میں چلتی ہوں معاذ! زویا آتی ہو گی۔" اس نے قدم آگے بڑھائے' مگر وہ راستے میں آڑے آیا۔
"تم اپنی چیزیں خرید لو' میں جا رہا ہوں۔" نرمی سے کہتے ہوئے وہ مستقل جویا کی طرف ہی دیکھ رہا تھا" اپنا بہت

خیال رکھنا۔"
جویا نے سرگوشی سی سنی۔ معاذ مڑ کر ایک قدم ہی بڑھا تھا کہ کچھ یاد آیا۔
"تمہاری منگنی کے لڈو ویسے بہت مزے دار تھے۔" کہتے ہوئے وہ ہلکے سے ہنسا اور پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔
جویا کی نگاہ نے اس کا پیچھا کیا' جہاں تک وہ اسے نظر آیا۔
معاذ کی غیر مستقل مزاجی' شاید اب بھی ویسی ہی تھی' ہر بات کو چٹکیوں میں اڑا دینا۔
"پہاڑ بھی آ گرے تو وہ بمشکل ہی گرد جھاڑنے کی زحمت کریں گے۔" زویا نے معاذ کے لیے کہا تھا۔
کیا اس وقت بھی اس نے محض گرد ہی جھاڑی تھی؟ اندر سے اٹھتے سوال کے جواب میں' وہ بہت تلخی سے مسکرائی۔
آج تک ہونے والی' ہر چھوٹی سے چھوٹی ملاقات میں' وہ اسے نادانستہ ہی سہی' ایک گہرا یقین ضرور ہی دے کر گیا تھا۔
آج بھی یہی غلطی دہرائی تھی۔
"منگنی کے لڈو۔" وہ دھیرے سے سر جھٹک کر کاؤنٹر پر رکھی چیزوں کو الگ کرنے لگی۔
اس نام نہاد منگنی سے وہ کتنی بھی ناخوش سہی مگر یہ ضرور جانتی تھی کہ خاندان بھر میں لڈو نہیں بلکہ گلاب جامن بانٹی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

صندل کے کمرے کا دروازہ بڑے انتظار کے بعد کھلا تھا۔
"بہت دیر لگا دی آج' گاڑی کب سے آئی کھڑی ہے اور آج تو ہے بھی دوسری' بالکل نئی' ابھی ابھی شوروم سے نکلی ہو جیسے۔"
نگینہ تیزی سے اٹھ کر کمرے سے باہر آئی اور خبرنامہ شروع۔
"دو چار لڑکوں کو کھڑا کروا دیا ہے میں نے حفاظت کے لیے' یہاں تو ہر ایک ہاتھ لگانے کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے' نئی گاڑی خراب ہو گئی تو بالی صاحب کیا خیال کریں گے بھلا۔"
صندل پر اس کی ایکسائٹمنٹ کا کوئی اثر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اپنے کمرے سے نکل کر' وہ نانی کے قدیمی سنگھاردان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ نگینہ کی آخری بات پر اس نے ضرور ہلکی سی ناگواری کا اظہار کیا۔
"بالی صاحب کو خیال کرنے کی کیا ضرورت ہے گاڑی کے بارے میں۔"
"بیٹا ہے تو ان کی چیز اور اپنے محسن کی ہر بات کا خیال رکھنا ہمارا فرض ہے۔"
"یہ ان کی نہیں میری ہے ذاتی' کل جا کر شوروم پر پسند کر کے آئی تھی' آج ڈرائیور بھیج کر گھر منگوالی۔"
خود کو مطمئن نگاہوں سے دیکھتے ہوئے صندل نے اس طرح اطلاع دی' جیسے محض کوئی نیا جوڑا خریدنے کی بات ہو۔
نانی' ستارہ' نگینہ' شاما' تینوں ہی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
نہ صلاح نہ مشورہ۔
اتنا بڑا فیصلہ اس نے اکیلے کر لیا تھا۔
"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں' گاڑی تو لینی تھی' لڑکیاں تو پہلی شوٹنگ پر آتی ہیں تو اپنی ذاتی گاڑی میں آتی ہیں' میری تو پہلی فلم اب مکمل ہونے والی ہے' اچھا لگتا تھا کہ دوسرے کی گاڑی استعمال کروں۔" ان سب کو اپنی طرف دیکھتا پا

کر اس نے ہلکی سی جھنجلاہٹ کے ساتھ وضاحت دی۔
"نئی گاڑی، پندرہ سولہ لاکھ سے کیا کم ہوگی۔ آئے کہاں سے اتنے پیسے؟ تحفے میں دیے ہیں کیا بالی نے۔"
نانی ستارہ کے ماتھے پر سوچ بھری شکن آرہی تھی۔ اتنا مہنگا تحفہ ایسے ہی نہیں دیا جاتا "کوئی غضب نہ ڈھائے یہ لڑکی۔
صندل کا سارا دھیان اپنی طرف تھا، نانی کے سوال میں چھپے خدشے کی طرف توجہ بھی نہیں دی۔
"تحفے میں ہی سمجھ لیں ویسے میں کچھ پیسے اپنی پے منٹ میں سے کٹواؤں گی ہم نے دیا ہے میں نے بالی صاحب سے۔" اپنا ہینڈ بیگ اٹھاتے ہوئے اس نے قدم بڑھایا۔
"کوئی پچاس لاکھ میں سائن نہیں کیا ہے تمہیں۔ نئی لڑکیوں کو کتنا ملتا ہے، سارا حساب کتاب ہمیں بھی پتہ ہے۔ ساری عمر گزاری ہے اس لائن میں۔ "پہلی فلم ریلیز نہیں "اتنی مہنگی گاڑی دروازے کے آگے کھڑی کرلی، وہ بھی بڑوں سے صلاح مشورہ کیے بغیر۔
نانی کو اس کے گول مول جواب طیش دلا رہے تھے۔
"گاڑی تو ضرورت کی چیز ہے نانی! اس میں مشورے والی کون سی بات ہے، بڑے بینر کی فلم کررہی ہوں، کچھ تو عزت بھی بنانی پڑتی ہے۔"
صندل کو ان کا کہنا ناگوار گزرا تھا۔
"ہماری عزت بنی بنائی ہے اللہ کے فضل سے، بالی کی فلم کی محتاج نہیں۔ بڑے نامور اساتذہ کی میراث سنبھالی ہے۔" نانی نے دائیں ہاتھ سے کان کی لو کو چھوا "اور خاندانی اعلا مرتبت لوگوں کی صحبت حاصل رہی، بالی جیسے تو وہاں ڈیوڑھی میں بھی بیٹھنے کے لائق نہیں، یہ بنائیں گے دوسرے کی عزت۔"
بڑھتے ہوئے غصے میں نانی کے عہد گزشتہ کا فخر تھا اور بالی غریب خوامخواہ لپیٹ میں آیا تھا۔ صندل زور سے ہنس پڑی۔
"کسی اور کے سامنے مت کیا کریں ایسی باتیں، لوگ مذاق اڑاتے ہیں، مر کھپ گئے وہ خاندانی قدردان لوگ کب کے "اب تو بالی صاحب جیسوں سے ہی بنا کر رکھنی ہے "اگر یہاں اس لائن میں جگہ بنائی ہے۔"
نانی کے غصے کو ذرا سی بھی لفٹ کرائے بغیر، وہ ہاتھ ہلاتی کمرے سے باہر نکل گئی۔
روز کی طرح اس نے ان سے سر پر ہاتھ رکھوانے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔
"کبھی کبھی تو آپ واقعی زیادتی کرتی ہیں اماں! بچی ہے، شوق سے ایک چیز لے لی ہے تو کیا برا ہے۔ الماس کو دیکھیں، دوبئی سے ہیرے موتی کیا کیا سمیٹ کر لائی تھی، ماں نانی سب ہی نے پیٹھ ٹھونکی اور ہم سے خود اپنا بھلا بھی برداشت نہیں ہورہا ہے، جب ہی تو یہ حال بنا ہمارا۔"
نگینہ، صندل کے ساتھ جانے کے لیے تیار کھڑی تھی، مگر پیچھے دوڑ لگانے سے پہلے "اس نے نانی ستارہ کو ایک نصیحت ضروری سمجھی تھی۔
برآمدے کے آخری انتہائی سرے پر، گھر کے سب سے چھوٹے اور آخری کمرے میں سے جھانک کر استاد فراغت بیگ نے سیڑھیوں پر سے اترتی صندل اور پھر نگینہ کو دیکھا۔
اور بہت سی چیزوں کی طرح "استاد جی" بھی متروک شدہ سامان کا حصہ بنتے جارہے تھے۔
ایک ٹھنڈی سانس لے کر وہ واپس کمرے کے اکلوتے تخت پر آبیٹھے، جہاں گھسی ہوئی ادھڑی ہوئی دری پر ان کا سال خوردہ ہارمونیم رکھا ہوا تھا، یہ وقت کسی ریاض کا تو نہیں تھا، پھر بھی ان کی ضعیف کانپتی انگلیوں نے سُروں کو ہلکے سے چھیڑا۔ ایک اداس سی دُھن کمرے میں ابھری اور گھر کے جامد سناٹے میں گونجی۔

"نہ جانے یہ کس کا نوحہ تھا؟"
اپنے کمرے میں اب تک ساکت بیٹھی نانی نے سوچا۔

☼ ☼ ☼

سلمان اور آپا گل کی بات چیت اب مکمل طور پر بند تھی۔ باقاعدہ فون کرکے اس نے انہیں، وہاں گھر پر بلایا اور والدین کی موجودگی میں فرد جرم عائد کی۔
"کچھ ہوش بھی ہے آپ کو کہ آپ کی بے وقوفی دوسرے کے لیے کتنے بڑے مسائل کھڑے کرتی ہے، پہلے ہی کون سی ہنسی خوشی زندگی گزر رہی ہے، پر اب تو زوبیہ نے جینا حرام کر رکھا ہے میرا "اسے یقین ہے کہ اندر ہی اندر میں خود دوسری شادی کی تیاری کررہا ہوں۔"
وہ اتنے غصے میں تھا کہ کسی کے لیے بھی اسے کنٹرول کرنا مشکل ہو رہا تھا۔
شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب دونوں ہی کے لیے سلمان کی بگڑی ہوئی پوزیشن کو سمجھنا مشکل نہیں تھا۔
"حد کردی تم نے بھی گل! زوبیہ کی فطرت کو سمجھتے ہوئے بھی ایسا کیا۔ "ارے! پہلے ہی غلاموں سے بدتر حالت ہے میرے بچے کی، اب تو پتہ نہیں کیا حال کررہی ہوگی۔" شاکرہ بیگم کا رونا ایسا ہی تھا جیسے کسی بری سسرال میں پھنسی بیٹی کا۔
"اسی لیے چاہ رہی تھی کہ یہ نکل آئے وہاں سے "کوئی زوبیہ ہی آخری امیر عورت نہیں، بہت ہیں بڑی عمر کی مال دار عورتیں، غیر شادی شدہ بھی اور بیوہ، طلاق یافتہ بھی عیش کرے گا ساری عمر۔"
آپا گل کی ہمدردی میں کہی گئی آخری بات، سلمان کو سب سے زیادہ کِس کر لگی۔
"میرے لیے کیا یہی قسمت میں لکھا گیا ہے، بھلا بھی کرنے چلیں تو کیا؟ آپ جیسے ہی دوست دشمنوں کی کمی پوری کرتے ہیں، کہنے کو بہن ہیں۔"
وہ بری طرح تلملایا "بخش دیں ہمیں خدا کے لیے۔" ایک جھٹکے سے اس نے ان کے آگے ہاتھ جوڑے۔
"مجھے الزام دینے کی ضرورت نہیں ہے، جب پہلی شادی کررہے تھے تب خود زوبیہ کو پسند کرلیا تھا تم نے "اس کی شکل، عمر، کردار، کچھ دکھائی نہیں دیا تھا، حالانکہ ربیعہ کے تو پاؤں کی دھول بھی نہیں تھی وہ۔"
شدید غصے میں آپا گل کی زبان سے وہ سچ نکلا، جسے سننے کے لیے وہ خود بھی تیار نہیں تھیں۔
ذرا دیر کے لیے تو وہ خود بھی ہکا بکا رہ گئیں۔ سامنے بیٹھے سلمان کا اڑتا ہوا رنگ واضح تھا، حیرت انگیز طور پر وہ اس بار بالکل خاموش رہا تھا۔
شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب دونوں ہی نے شکوہ بھری نگاہ آپا گل پر ڈالی تھی۔
"میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
"مجھے کچھ ضروری بات کرنی تھی تم سے۔" اظہار صاحب نے اسے روکنا چاہا۔
"اس وقت رہنے دیں، پھر کسی وقت۔" اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔
شاکرہ بیگم کو تو لگا جیسے وہ بس رو دینے ہی والا ہے، اپنے بھاری وجود کو سنبھالتی ہوئی وہ اس کے پیچھے تک آئیں۔
"کھانا تو کھالے سلمان! معلوم نہیں وہاں پکا بھی ہے یا نہیں، بات تو سن، بات تو۔"
جب تک وہ متواتر بولتی ہوئی گیٹ تک پہنچیں، سلمان باہر کھڑی اپنی گاڑی ریورس کرچکا تھا۔ وہ وہیں کھڑی اسے دیکھے گئیں۔ لیکن اس نے کھڑکی کی طرف نگاہ کرنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔
"میرا سیدھا سادا معصوم بچہ!" واپس لاؤنج میں آتے ہوئے انہوں نے تسلی لی۔

"ربیعہ کا نام لینے کی کیا ضرورت تھی' اب جب کہ پتہ بھی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں ناخوش ہے تو اسے اور بھی احساس دلانا ضروری تھا کیا۔"

آپا گل کی شاید ہی کبھی خبر لی گئی تھی، مگر آج یہ ریکارڈ بھی ٹوٹا۔

"مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ اس طرح دل پر لے لے گا' کتنی بدتمیزی کر رہا تھا، غصے میں میرے بھی منہ سے نکل گیا۔"

انہیں خود اپنی غلطی کا احساس تھا، مگر کوئی سلمان کے الفاظ بھی تو یاد کرے۔

"بہت ہی بری عورت ملی ہے سلمان کو' کیا سوچا تھا' کیا ہوا' پہلے تو پھر بھی کچھ گوارا لگتی تھی، مگر اب تو۔" شاکرہ بیگم نے رقت بھرے انداز میں نفی میں سر ہلایا۔

"ویسی ہی تھی پہلے بھی' کوئی فرق نہیں پڑا۔ تم لوگ بھی بے کار کے واویلے اٹھاتی ہو' اصل جس مقصد کے لیے یہ شادی ہوئی تھی' اس کی کسی کو پروا نہیں' لاکھوں کا قرضہ سر پر چڑھا ہے' ہر ماہ سود بڑھتا جا رہا ہے' لیکن کوئی راہ نہیں نکل رہی' اب ناراض ہو کر گیا ہے تو معلوم نہیں کب شکل دکھائے گا۔"

اظہار صاحب کے حصہ میں اس سارے سلسلے میں سب سے بھاری نقصان آیا تھا۔

ماحول بری طرح خراب ہو رہا تھا۔

عافیت اسی میں تھی کہ فی الحال سب کچھ جوں کا توں چھوڑ کر چل دیا جائے' سو وہ یہی کرنے والی تھیں کہ اظہار صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے رکنے کے لیے کہا۔

"جویا کے سسرال والے شادی کے لیے کتنا ٹائم دیں گے ہمیں؟"

آپا گل نے سکون کا سانس لیا۔

موضوع آسانی سے بدل رہا تھا۔

"کچھ مہینے تو لگ ہی جائیں گے ابو! اور ویسے جو آپ کہیں گے۔"

"ٹھیک ہے!" انہوں نے کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"شاکرہ! جویا کے لیے رکھا ہوا زیور الگ کر کے' باقی سارا مجھے دے دو' دیکھتا ہوں کتنے کا بنتا ہے' کچھ تو بوجھ ہلکا ہو گا۔"

"زیور!" شاکرہ بیگم کے دل کو زور کا دھکا لگا تھا۔

"پہلے اتنے خوب صورت بھاری کنگن اور اب سارا ہی۔"

"ہاں تو کرنا کیا ہے۔" وہ جھنجلائے۔ "زویا کے لیے ابھی بہت وقت ہے' پھر بن جائے گا اور تم کیا اچھی لگتی ہو اس بڑھاپے میں اتنی چیزیں لٹکائے۔"

اتنی تحقیر!

خفت اور دکھ سے شاکرہ بیگم کے چہرے پر تاریکی سی پھیلی۔

"میں نہیں دوں گی اپنی کوئی چیز' لوگ کیا کہیں گے' ہمیشہ ہی سے پہن اوڑھ رہی ہوں' کوئی آج نئی بات تو نہیں ہے۔"

خود کو سنبھالتے ہوئے انہوں نے فوری فیصلہ کیا۔ آج انہیں پہلی بار اظہار صاحب بہت برے لگے۔

زیور انہیں اپنی تحفظ کی ضمانت لگتا تھا۔

اور اظہار صاحب کی طرف سے دی گئی طلاق کی دھمکی انہیں آج بھی وسوسے میں مبتلا کرتی تھی۔

"کیسے نہیں دو گی' تنگ آ گیا ہوں تمہارے چھچھورے پن سے۔ پڑھی لکھی شائستہ عورتوں کو دیکھا ہے کبھی ایسے دکان بنے۔" وہ تو جیسے بھرے بیٹھے تھے۔

شاکرہ بیگم کو شائستگی اور سادگی کی مثال پر خود بخود معاذ کی امی یاد آ گئی تھیں' ان کا نام تھا بھی شائستہ۔

"اچھی طرح سمجھ رہی ہوں' آج ساری خوبیاں نظر آ رہی ہیں تائی کے گھر میں' بیٹے کو بھی اور۔۔۔!"

"دماغ خراب ہو گیا ہے اس عورت کا۔ میں کہتا ہوں سیدھی شرافت سے وہ سارا زیور اکٹھا کرو' میں نے ہی خرید کر دیا ہے۔ بیٹے کو تو توفیق ہی نہیں ہوئی۔"

"نہیں دیتے بس' کر لو جو کرنا ہے۔" شاکرہ بیگم کی جہالت بھری ہٹ دھرمی بات کو طویل کیے دے رہی تھی۔

آپا گل نے گھبرا کر اظہار صاحب کی طرف دیکھا' ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"احمق عورت!" وہ حلق کے بل چلائے۔

"لے کر بیٹھی رہ زیور' ہاؤس بلڈنگ والے آ گئے گھر خالی کروانے تو سلمان کے ہاں سرونٹ کوارٹر میں بھی جگہ نہیں ملنے والی۔"

آپا گل اور شاکرہ بیگم دونوں ہی کو لگا جیسے یہ ویسی ہی پریشر ڈالنے والی دھمکی ہے جیسے انہوں نے جویا کے سلسلے میں دی تھی ورنہ حالات کی اتنی خرابی۔۔۔ دل نہیں مانتا۔

"پہلے تو یہ مسائل نہیں تھے ابو! اچھی خاصی آمدنی ہے ماشاء اللہ آپ کی' گھر کی قسط دینا کون سا مشکل ہے۔" آپا گل نے محض تسلی کے لیے پوچھ ہی لیا۔

"اب حالات بدل گئے ہیں' آفس میں سختی ہو گئی ہے۔ پہلے والے حالات نہیں ہیں' اب تو صرف تنخواہ ہے' جس میں ہفتے بھر کا کچن کا خرچہ چلنا بھی ناممکن ہے ہمارے جیسے گھر کا۔" ان کے لہجے کی شکستگی بتا رہی تھی کہ وہ جو کچھ بھی کہہ رہے ہیں' اتنا بھی غلط نہیں ہے۔

"سلمان کی شادی پر یہی سوچ کر اتنا پیسہ لگایا تھا کہ دل گنا وصول ہو جائے گا' اگر وہ ہمیں اپنے ساتھ رکھتا تو یہ گھر بھی کرائے پر چلا جاتا اور خرچہ بھی سارا بچا کرتا' مگر تم لوگوں کی بے وقوفی سے یہ بھی ممکن نہیں ہو سکا۔"

وہ زوبیہ کو کچھ کہنے کے بجائے الٹا انہیں ہی مورد الزام ٹھہرا رہے تھے۔

آپا گل نے بے قرار ہو کر پہلو بدلا تھا۔

"غلطی سلمان کی بھی تو ہے ابو! اس کا بھی تو فرض تھا کہ وہ بیوی کو مجبور کرتا' آپ لوگوں کو لے جانے کے لیے کہہ دیتا کہ وہ بھی نہیں جائے گا آپ کو ساتھ لیے بغیر۔"

"وہ اسے یہیں چھوڑ دیتی ہمیشہ کے لیے' ایک منٹ کی دیر کیے بغیر۔" اظہار صاحب نے تیزی سے ان کی بات کاٹی "اور یہ بات وہ اچھی طرح سمجھتا تھا' اسی لیے اپنے لیے اس نے سیف کارنر رکھا' باقی جائیں بھاڑ میں۔" وہ سلمان سے مکمل طور پر مایوس تھے اور آنے والے کل سے خوفزدہ۔

"جویا کی شادی' زویا کی پڑھائی' پہاڑ جیسا فرض۔"

ٹوٹتے ہوئے لہجے میں انہوں نے خود کو یاد دلایا تھا شاید۔

آپا گل اور شاکرہ بیگم نے بڑی مایوسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

معاشی ناہمواری کا بدترین دور اب زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا۔

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

دلِ آوارۂ وحشت

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گمشی آرا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو، ذہین کم گو لیکن وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعاگو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کردی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصۂ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی محبت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منواتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور الجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔ سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

صندل کو بالی صاحب کی فلمیں کیا ملتی ہیں کہ نانی ستارہ کے خاندان کی قسمت چمک اٹھتی ہے۔ نگینہ ہر موقع پر بیٹی کے ساتھ رہتی ہے جس پر نانی دلدار کے خاندان خصوصاً الماس کا حسد سے برا حال ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۲۲
بائیسویں قسط

گلی میں دیگوں پر بجتے ڈھکنوں کا شور تھا۔

ٹھن۔ ٹھنا ٹھن!

نگینہ سامنے والے محرابی برآمدے سے مستقل ہی نیچے جھانک رہی تھی۔ ٹھیک نیچے لائن سے سات چولہوں پر سات دیگیں دھری تھیں۔

پانچ بریانی اور دو میں زردہ۔ بادام، کشمش، پستے والا۔ شامت نائی سے اچھا پکانے والا، پورے محلے میں دوسرا کوئی دستیاب نہیں تھا۔ سب سے زیادہ ریٹ اسی کے تھے، اور کام بھی بہت شرائط اور نخروں کے ساتھ لیتا تھا۔ مگر نانی ستارہ کے نام کا بڑا لحاظ تھا۔

محض ایک بلاوے پر دوڑا چلا آیا تھا، اور اب نیچے بند دکان کے سامنے والے چبوترے پر چارپائی پر بیٹھا بادام، پستوں کے ڈھیر لگاتے ہوئے، چیخ چیخ کر ہدایتیں جاری کر رہا تھا۔

زردے کے رنگ کی کوالٹی سے لے کر بوٹیوں کی گلاوٹ تک ہر چیز پر اس کی نظر تھی۔

بڑی بے فکری تھی اس کے آجانے سے۔ نگینہ طمانیت کے ساتھ تھوڑا سا اور جھکی، تب ہی نیچے کسی نے دیگ کا ڈھکن ہٹایا۔

ڈھیر سارا دھواں، ناک اور حلق میں بھرتا ہی چلا گیا۔ ہلکی سی کھانسی اٹھی، مگر وہ ہاتھ سے دھواں اڑاتے ہوئے پھر بھی وہیں جمی کھڑی رہی۔

ایسے فخریہ مواقع اس کی زندگی میں کم ہی آئے تھے اور اب جب آہی رہے تھے تو وہ انہیں دل و جان سے کیوں نہ مناتی؟

"بڑی دھوم دھام ہے، اب تو خیر سے روز ہی دیگیں اترنے لگی ہیں تیرے ہاں۔"

گلی سے گزرتی ہوئی چندا بائی نے وہیں سے پکار کر اسے خراج تحسین پیش کیا تھا۔

نگینہ نے وہیں کھڑے کھڑے ہاتھ جوڑ کر اس کے کہے خیر کے کلمات کو قبول کیا، اور ایک عبرت بھری نگاہ چندا بائی کے وجود پر ڈالی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ حسرت زدہ بڑھیا، جو چلنے کے لیے لاٹھی کا سہارا لینے پر مجبور ہے، اپنے وقت کی نامور رقاصہ تھی۔

وقت نے کیا کچھ چھینا تھا چندا بائی سے۔

حسن، جوانی، دولت، سب ہی۔۔۔

اب محلے کے بالکل ہی نچلے طبقے والے حصے میں ایک کوٹھری میں رہتی تھی اور دو وقت کی روٹی کسی بھی گھر میں کھا لیتی تھی۔

برادری کا ایکا آج بھی غنیمت تھا۔

"اور جو کہیں برادری سے باہر کی زندگی جھیل رہی ہوتی چندا بائی، تو کب کا ایدھی سینٹر پہنچ گئی ہوتی۔ اللہ معافی۔"

کان کی لو کو چھوتے ہوئے نگینہ شکر گزار ہوئی کہ اس کا تعلق محلے سے باہر کی خود غرض دنیا سے نہیں ہے۔

"خالہ!" اپنے خیال سے باہر آکر اس نے جھکے جھکے چندا بائی کو پکارا۔

وہ دیگوں کا معائنہ کرنے کے لیے رکی ہوئی تھی، سر اٹھا کر اوپر دیکھنے لگی۔

"آج کھانا یہیں کھانا، ورنہ کہو تو گھر پر بھجوا دوں کسی کے ہاتھ۔"

"میں خود ہی آجاؤں گی بیٹا شام کو، خیر سے صندل کی فلم ریلیز ہو گئی ہے کیا؟ دیکھو مجھے ضرور لے کر چلنا، بڑی مدت ہو گئی سینما میں فلم دیکھے ہوئے۔"

خوش دلی' ناسازگار ترین حالات میں بھی یہاں کی عورت فطرت میں تھی' چندا بائی نے بھی کھلکھلا کر فرمائش کی' تگینہ زور سے ہنس پڑی۔

"ضرور لے چلوں گی' پر یہ دیکھیں تو گیتی کے پاس ہونے کی ہیں۔ فرسٹ ڈویژن لی ہے گیتی نے ماشاء اللہ۔"

چندا بائی ہکا بکا سی ہو کر بات کو سمجھنے کی فکر میں لگی۔

"اچھا' وہ تیری چھوٹی والی۔" اس کو اندازہ نہیں تھا کہ ایسے موقعوں پر بھی مبارک باد دی جاتی ہے' دوسرے گیتی کے نکمے پن کی اطلاع برسوں سے سب ہی کو تھی۔

"چلو کچھ تو اچھا ہی کیا ہے لڑکی نے' جب ہی یاں اتنی خوش ہے۔" اس نے خود کو مزید تردد سے بچایا' اور تگینہ کو محض دل رکھنے کے لیے "مبارک ہو بہت بہت تجھے" بھی کہہ دیا۔

"خیر مبارک خالہ! شام کو آنا ضرور۔" وہ کہتی ہوئی مڑ کر نانی ستارہ کے کمرے کی طرف دیکھنے لگی۔

وہاں سے اچانک ہی بڑا جانا پہچانا سا شور ابھرا تھا ابھی ابھی۔

وہی ان سب کی ایک ساتھ مل کر بولنے کی عادت' کوئی کسی کی سننے کے لیے تیار نہیں۔

تگینہ کے چہرے پر بڑی گہری مسکراہٹ آ ٹھہری۔ وہ کب سے ان کا انتظار کر رہی تھی۔ آخر وہ شبھ گھڑی آئی تو۔

ایک ناقدانہ نگاہ اس نے اپنے قیمتی جوڑے پر ڈالی۔ کانوں کو ہاتھ لگا کر بھاری ٹاپس کی موجودگی کا یقین کیا اور ہاتھ میں پہنی چوڑی گھماتی ہوئی بڑے انداز کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔

نانی دلدار کا پورا خاندان موجود تھا' بمع الماس شہزادی کے' تگینہ نے ایک نگاہ میں ان سب کا اور ان کے ساتھ آئے پھل اور مٹھائی کی سوغات کا جائزہ لیا تھا۔

مبارک باد کی رسم پوری منافقت کے ساتھ بھگتانے میں محض چند منٹ ہی لگے۔

گیتی کو گلے لگا کر' پیار کر کے' نقدی' نانی دلدار اور دونوں خالہ زاد بہنوں نے جب دی تھی تو تگینہ نے دور سے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ اس بار ان تینوں نے دل بہت بڑا کیا ہے۔

"کیا ضرورت تھی دلدار! اس سب کی' تیری دعائیں ہی کافی ہیں۔" نانی پورے خلوص سے کہہ رہی تھیں اور منتظر تھیں کہ تگینہ بھی ایسا کچھ کہے۔ مگر وہ تو بڑی بے نیازی سے ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی تماشا دیکھ رہی تھی۔

نانی شرمندہ بھی ہوئیں' دل ہی دل میں۔

"شان ہے میرے مالک کی' جتنا بھی شکر کروں کم ہے کہ اس نے ایسی لائق فائق اولاد دی' یہاں سے وہاں تک محلے میں کون ہے' جس نے ایسی عزت بنائی ہو' دو بچیاں دونوں ہی بے مثال۔"

سر اونچا کیے وہ جس ادا سے کہہ رہی تھی۔ آئے ہوئے مہمانوں کا دل جلا کر خاک کیے دے رہی تھی' مگر سب ہی مسکرا کر سننے پر مجبور تھے اس وقت۔

"ویسے یہ گیتی تو بالکل ہی مایوس کیے ہوئے تھی' میں تو سوچ سوچ کر پریشان ہوتی تھی کہ تگینہ کی اس لڑکی کا بنے گا کیا آخر؟ چلو کسی کام کی تو نکلی۔"

نانی دلدار نے شاید اپنے گھرانے کے حصے میں آئی شرمندگی کو کم کرنا چاہا تھا' مگر آج وہ انہیں رعایت دینے کے لیے تیار نہیں تھی۔

"گریجویٹ ہو گئی ہے خیر سے' یوں ہی ٹائم ضائع نہیں کیا میری بچی نے' اور سچی بات ہے کہ زمانے نے کچھ بھی کہا' میں نے اس کے پڑھنے میں ہمیشہ ساتھ دیا۔ کیا کیا نہیں باتیں سنیں میں نے گیتی کے پڑھنے پر' لیکن میں نے اپنی بچی پر کوئی زبردستی نہیں کی' جو اس کا دل چاہا کرنے دیا' بیٹھی ہے سامنے' بے شک پوچھ لیں۔"

گیتی نے ممنون نگاہوں سے ماں کو دیکھا اور مسکرا دی۔

اس میں شک بھی کیا تھا؟ وہ اٹھ کر ماں کے قریب آ کھڑی ہوئی' پیار محبت دینے میں کنجوسی کرنا تگینہ کی قسمت کی مجبوری تھی' لیکن اس کی فیس' کتابیں' وین اور اوپر کے خرچے کے لیے وہ ہمیشہ ہی مستعد رہا کرتی تھی۔

جاتے جاتے بھی سیڑھیوں پر پلو سے کھول کر پیسے پکڑایا کرتی تھی۔

"امی نے بہت کیا ہے ہمارے لیے نانی! اتنا کہ ہم مر کر بھی ان کا احسان نہیں اتار سکتے' مسئلے' مشکلیں کیا ہیں' ہمیں تو پتا ہی نہیں چلنے دیا کبھی۔"

گیتی نے بڑی محبت سے ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو تگینہ کا دل بڑے ہی الگ انداز میں دھڑکا۔

گیتی کے منہ سے نکلے چند الفاظ کی اثر پذیری غضب کی تھی۔

"تو آج میں سرخرو ہوئی اپنی اولاد کے سامنے۔" اور یہ تمغۂ امتیاز ملا بھی تو ان ہی کے سامنے' جن کے سامنے وہ ہمیشہ دوپیسے کا تماشا ہی بنی رہی۔ تگینہ کا دل بری طرح بھر آنے لگا' پر آج کسی کمزوری کا اظہار کر کے' وہ اپنی خوشی کو کرکری کرنے کے موڈ میں ذرا بھی نہیں تھی۔

سو اپنی جذباتیت پر قابو پاتے ہوئے' وہ بہانے سے اٹھ کر جلدی سے آنکھیں خشک کر کے واپس آئی۔

"گیتی! خالاؤں کو وہ بریسلٹ تو دکھا بیٹا جو تیرے ماسٹر صاحب نے تحفے میں دیا تھا۔" اندر آتے ہی اس نے گیتی کو پکار کر کہا۔ "بڑا ہی خوبصورت اور نئے ڈیزائن کا ہے' میں نے تو منع بھی کیا سالار میاں کو' خدمت کا فرض تو ہمارا ہے' بچی کو تعلیم دی انہوں نے پورے خلوص اور بے غرضی سے' فرشتہ بنے ہمارے لیے تو وہ' پہلے میری صندل کے لیے وسیلہ بنے اور پھر اب گیتی۔"

جتنی دیر میں گیتی' نانی کی الماری میں سے وہ خوبصورت جگمگاتا بریسلٹ لے کر واپس آئی' تگینہ سالار کی شان میں قصیدہ پڑھے ہی گئی۔

نانی دلدار اور ان کی بیٹیوں' نواسی نے بے چینی کے ساتھ' اس چھوٹے سے وقفے میں پہلو بدلا تھا۔ کرتے' جینز اور کندھے پر لٹکا ہوا چھوٹا سا بیگ ان سب ہی نے عام سی صورت شکل اور عام سے حلیے والے سالار کو کتنی ہی بار گلی میں آتے جاتے دیکھا تھا' اور قطعی نظر انداز کیا تھا۔

وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کے جوہر یوں کھلیں گے۔

باری باری ان چاروں نے ہی ہاتھ میں لے کر اس بریسلٹ کے وزن کو پرکھا' اور قیمتی پتھروں کی قیمت کا اندازہ لگایا۔

"کمال کر دیا تیرے ماسٹر نے تو بھئی' ایسا قیمتی تحفہ' دل والا ہے' ورنہ ایسے۔" نانی دلدار نے اپنی فطرت کے عین مطابق عاشق' کہنا چاہا' مگر بروقت سنبھل گئیں۔ "ورنہ ایسے انسان اب کہاں۔"

ایک ابرو اٹھا کر' تگینہ نے معنی خیز نگاہ سے انہیں دیکھا۔

"کیوں خالہ! تمہیں تو ہمیشہ ہی دریا دلی ملی ہے لوگوں کی' ایک امین آباد والی سرکار ہی' ہزار پر بھاری ہے اور اب تو خیر سے الماس کے قدر دانوں کی بھی کمی نہیں ہے' پروانوں کی طرح گرتے ہیں اس پر!"

اس کا لہجہ تیکھا تھا' اور آخری لائن گل ناز کی "کوٹ" کی تھی۔

ان سب کو تگینہ کی بات' الگ الگ طور پر لگی تھی' گل ناز نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ' اپنے اعزاز کو برقرار رکھنا چاہا۔

"ہاں تو کوئی جھوٹ بات تھوڑی ہے میری الماس لاکھوں میں ایک ہے' جس سے مقابلہ کروانا ہو کروالو۔"

"ہاں' محلے کی اور لڑکیوں سے تو بہتر ہے' مہینے کے کتنے پروگرام مل جاتے ہیں الماس کو' ابھی تک شیرازی ہی دلواتا ہے کام' یا پھر۔!" اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑی۔

نانی دلدار اور دونوں بیٹیوں کے چہرے کا پھیکا پڑتا ہوا رنگ بتا رہا تھا کہ اس کا ہر تیر نشانے پر ہی جاکر لگ رہا ہے۔
"کام کی کوئی محتاجی نہیں' شیرازی کا پرانا لحاظ ہے اس لیے' اور پھر انڈسٹری کا آدمی ہے' آگے بھی الماس کو فائدہ دے گا۔" گل ناز نے شکر کیا تھا کہ الماس کسی وقت باہر جا چکی تھی۔
"انڈسٹری کا آدمی!" نگینہ بڑے زور سے ہنسی۔
نانی ستارہ جو اس کے ہلکے پن پر دو حرف بھیج کر اپنی بہن سے محو گفتگو تھیں' چونک کر پھر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔
"خالی خولی لڑکیوں کی سپلائی کرتا ہے' ایکسٹرا سے زیادہ کی اوقات نہیں ہے شیرازی کی' وہاں اسٹوڈیوز میں آگے پیچھے پھرتا ہے' پروڈیوسرز کوئی گھاس بھی نہیں ڈالتا ہے' تم لوگوں نے ہی سر پر چڑھا رکھا ہے اسے۔ لڑکی کو ایسے ہی لائن میں کھڑا کروانا ہے' تو مجھے بتا اتنی جان پہچان تو میری بھی ہے۔"
ایک کھلا سچ اس نے بروقت بولا اور ایک اور پرانا حساب چکایا۔
"صندل کو الماس کے ساتھ بھیج دیا کر نگینہ! ہو سکتا ہے ایک آدھا آئٹم اسے بھی مل جایا کرے۔"
گل ناز کی غرور میں ڈوبی آواز' آج بھی اس کی نیند اڑاتی تھی۔
آج وہی گل ناز۔۔۔
آنکھ کے بیرونی گوشہ پر ٹکا آنسو' چھوٹی انگلی کی پور سے جھٹک رہی تھی۔
نگینہ نے بڑی طمانیت سے اسے دیکھا' اور دل کی گہرائی سے رب کا شکر ادا کیا۔
بے بسی اور ذلت کے آنسوؤں سے رقم ہوئی' اس کی زندگی پر آج تک کس نے رحم کیا تھا' جو وہ مفت کا ثواب کماتی۔
اپنی سوچ اپنے رویہ کے بارے میں' نگینہ بڑی فوکسڈ ہوتی جا رہی تھی۔
"صندل آپا کہاں ہے خالہ! میں تو سارے کمرے چھان آئی۔" لہراتی ہوئی چال چلتی الماس واپس کمرے میں آئی۔ اس کی ماں اور نانی دونوں ہی نے اس تکلیف دہ گفتگو کے دوران اس کی غیر موجودگی پر شکر کیا تھا۔
"اس کا بیوٹیشن سے اپائنٹمنٹ ہے آج کا' مشکل سے تو فرصت ملی ہے اب رات تک ہی وہاں سے فارغ ہوگی۔"
"اچھا۔" الماس مایوس سی ہو گئی۔ آج کل وہ کتنے ہی چکر لگاتی تھی کہ کسی طرح صندل کے درشن ہو جائیں مگر امید کسی طرح بر نہیں آتی تھی۔
صندل راتوں رات سیلبریٹی بن چکی تھی۔
آج کل اسے ہر مارننگ شو میں مدعو کیا جاتا تھا اور کام سے پہلے اس کے حسن کی دھوم مچی ہوئی تھی۔
الماس غریب بھی اپنا سارا غرور اور طنطنہ بھول کر اس حسد اور جلن سے بھری رشتے داری کا فائدہ اٹھانے کی فکر میں لگ چکی تھی۔
"آج تو مل کر ہی جاؤں گی صندل آپا سے' بھلے کتنی ہی دیر ہو جائے' کتنی ساری باتیں پوچھنی ہیں ان سے' اور وہ ان کی فلم کا ہیرو' کتنا ہینڈسم لڑکا ہے نا' اپنے گھر بلاؤ نا خالہ' مجھے بہت خواہش ہے اس سے ملنے کی!"
ایک ٹھنڈی سانس اندر اتارتے ہوئے' نگینہ نے اس ارمانوں سے بھری پٹاخہ لڑکی کو دیکھا۔
کون کہہ سکتا تھا کہ ابھی کچھ عرصہ پہلے تک' وہ کیتی اور صندل کو آنکھ اٹھا کر دیکھنے تک کے قابل نہیں سمجھتی تھی۔ دبئی میں کامیاب پرائیویٹ شوز کر لینے کے بعد تو وہ کھلے عام ان دونوں کی ہنسی اڑاتی تھی۔ اوپر سے کم عمری کا زعم!

نگینہ نے خود اسے صندل کے لیے پکی عمر کی ناکارہ بوجھ جیسے الفاظ کہتے سنے تھے۔
اب کیسے بھیگی بلی بنی منتیں کر رہی تھی۔
"ایک بار تو ملوا دو خالہ! ایمان سے بڑا ہی دل چاہتا ہے' کیا فائدہ آپا صندل کے ہیروئن بننے کا' جب اتنی سی بھی خواہش پوری نہ ہو۔"
نگینہ کا دل چاہا کہ وہ ایک زوردار تھپڑ الماس کے منہ پر مارے' لیکن اب وہ خود پر قابو پانا سیکھ رہی تھی۔
"یہاں کیا بلانا' بڑے لوگوں کے لیے بڑے انتظامات درکار ہیں۔"
الماس نے ایک ناقدانہ سی نگاہ اطراف میں ڈالی۔
"یہاں نہ سہی ہمارے گھر پر بلوا لو' بڑا ٹھیک ٹھاک سیٹ کیا ہے ہم نے' یہ تو مانو گی' کتنے بھی بڑے لوگ آئیں' کوئی مسئلہ نہیں۔"
اس کی خود اعتمادی حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ نانی اور خالاؤں کو بھی جیسے مورل سپورٹ حاصل ہوئی۔
"بڑا خرچا کیا ہے ہم نے' تب جا کر عزت کی جگہ بنائی ہے' بڑا ہی فرق پڑتا ہے گھر کی شان و شوکت سے' اب پورے محلے میں کوئی دوسرا گھر۔۔۔!"
گل ناز کو بہت دیر بعد اپنا رنگ جمانے کا موقع ملا تو تیز تیز بولے ہی چلی گئی۔
اس کی چلتی زبان کو بریک' نگینہ کے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہی گئی بات سے لگا۔
"کچھ بھی کہہ گل ناز! ہے تو ہیرا منڈی ہی' یہاں ہیرے موتی بھی ٹانک دے تو عزت کا لفظ بھلا نہیں لگتا۔"
زندگی کی سچائی سے جڑا' سب سے کڑوا سچ!
چند لمحوں کے لیے تو جیسے یہاں سے وہاں تک سناٹا چھا گیا' نانی ستارہ کی نگاہ چمک رہی تھی۔
کیسی گالی دی تھی نگینہ نے۔
ان کے کام کو' ان کی حیثیت کو' ان کی نسل کو!
"پھر کون سا تاج محل بنا رہی ہے نگی! جہاں تیرے مہمانوں کو آنا ہے۔" ایک پھیکی سی ہنسی کے ساتھ' محض بات بنانے کی ہی چھوٹی سی کوشش کی تھی گل ناز نے۔
کیتی بڑے غیر محسوس سے انداز میں کمرے سے باہر نکل آئی۔ اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔
"تاج محل بنوانے کی میری طاقت کہاں' ہاں بالی صاحب کوٹھی لے کر دے رہے ہیں صندل کو ڈیفنس میں۔ شریفوں کے محلے میں رہے گی تو بلواتے ہوئے بھی اچھا لگے گا کسی کو۔"
اپنے پیچھے کیتی نے' نگینہ کو کہتے سنا۔
بس اب پل دو پل کی ہی دیر تھی۔
اس کے ہاتھ پاؤں ابھی سے ہی ٹھنڈے تھے' لڑائی جھگڑے سے اس کی جان جاتی تھی۔ اور خاص طور پر یہاں محلے کے جھگڑوں سے۔
اور اب یہاں ایسا ہی ہونے والا تھا۔
کیتی دوڑ کر اپنے کمرے میں جا گھسی۔

☆ ☆ ☆

اتنے بڑے لاؤنج میں گہرا سکوت طاری تھا۔
چوکیدار' ڈرائیور' خانساماں' صفائی والی اور عظمت بوا تک' ساری حاضری پوری تھی۔

زرتاج کی نگاہ ایک ایک چہرے پر جم رہی تھی۔
اور اس سانپ جیسی نگاہ والی عورت کے سامنے کھڑا رہنا کتنا مشکل کام تھا' اس کے وہ سب گواہ تھے۔
"تو تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ دونوں کی گم شدگی کی اصل وجہ کیا ہے؟؟"
ملی جلی سی جھنجھناہٹ کے ساتھ' ان سب کی گردن تیزی سے نفی میں ہلی تھی۔
زرتاج بیگم کی نظر' عظمت بوا پر حیرت کے ساتھ پڑی تھی۔
وہ بالکل بے حس و حرکت کھڑی تھیں۔
نہ انکار' نہ اقرار۔
ابھی جب اتنی دیر سے' وہ سب سے زور دے کر پوچھ رہی تھیں' تب بھی عظمت بوا کی بے حسی کا یہی عالم تھا
اور اب اس حتمی نتیجے کے وقت بھی۔
"عجیب پر اسراریت ہے اس بڑھیا کے رویہ میں۔"
خود کو بے حد دباؤ میں محسوس کرتے ہوئے' زرتاج نے کچھ اندازہ لگانا چاہا' مگر ناکامی ہوئی۔
وہ آج علی الصبح ہی واپس پاکستان آئی تھیں اور گھر پہنچ کر ایک منٹ کا بھی آرام کیے بغیر' انہوں نے یہ تفصیلی عدالت لگائی تھی۔
پہلے الگ الگ ہر ایک سے کچھ اگلوانا چاہا اور پھر اکٹھا کر کے۔
تجربات کا برا تھا کہ اب بھی گم!
"زمین کھا گئی کہ آسمان نگل گیا' اتنی سی لڑکی مر بھی گئی ہے تو اس کی لاش تو کہیں ہو گی نا۔" جھنجھلا کر وہ بڑے زور سے چلائیں۔
عظمت بوا کی ہائیں مٹھی اور بھی کس کر بند ہونے لگی' وہاں اس ٹوٹی ہوئی چوڑی کا زخم ابھی بھی تازہ تھا۔
لاش کا پتہ تو پولیس چلا سکتی ہے بیگم صاحب۔ مگر صاحب نے رپورٹ کٹوائی ہی نہیں شاید!"
اس بار چوکیدار سے رہا نہیں گیا۔
ملازمین میں وہی تھا' جو دبی دبی ہی سہی آواز ضرور اٹھاتا تھا۔
"کون کہتا ہے نہیں کٹوائی' تمہارے خیال میں صاحب اتنے غیر ذمہ دار ہیں کہ گھر میں اتنا بڑا حادثہ ہو جائے اور وہ پولیس کو اطلاع نہیں دیں گے۔"
زرتاج کو اس کی جرأت کھلی تو بہت' لیکن اس وقت وہ اس معاملے کو ان سب کے ساتھ پوری طرح ڈسکس کرنا چاہتی تھی۔
روزی کی گمشدگی کوئی چھوٹی موٹی بات نہیں تھی۔ اطلاع ملتے ہی' وہ وہاں جس ٹینشن سے گزریں یہ وہی جانتی تھیں۔
"پولیس کو اطلاع ہوتی تو وہ تفتیش کے لیے گھر پر آتے بیگم صاحب سب سے پہلے تو ملازمین سے ہی پوچھ گچھ کی جاتی ہے' مگر یہاں تو کوئی ایک بار بھی نہیں آیا' صحیح وقت پر تلاشی ہوتی تو کیا پتہ کوئی ایسی چیز مل ہی جاتی' جو بچی کی گمشدگی کے بارے میں سراغ دے جاتی۔"
مؤدب انداز میں دی گئی اس کی ہر دلیل باوزن تھی۔
"ہم نے تو بہت زور دیا' مگر صاحب غصے میں آ گئے' کہنے لگے سب کو نکال باہر کروں گا اگر کوئی ایک لفظ بھی بولا۔"
چوکیدار سے ہی ہمت پا کر' ان میں سے کوئی اور بھی بول رہا تھا۔

زرتاج بیگم کو پہلی بار اندازہ ہو رہا تھا کہ' اس کے یہ نیم خواندہ ملازمین جنہیں وہ محض حکم بجالانے کے لائق ہی سمجھتی آئی ہیں' اپنے دماغ سے بھی کام لیتے ہیں۔
خلاف عادت انہوں نے ان کا اعتراض تحمل سے سنا تھا۔
"یہ سب تم لوگوں کی غلط فہمی ہے' صاحب نے بڑے افسر سے بات کی ہے' وہ لوگ تفتیش کر رہے ہیں مگر دوسرے طریقے سے' خوامخواہ گھر پر پولیس بلا کر' لوگوں کو متوجہ کرنا ٹھیک نہیں ہے' اس میں ہم سب کی بدنامی ہے اور دوسرے مجھے تم سب کی وفاداری پر پورا بھروسا ہے۔"
آخری جملہ محض ان سب پر تھوڑا سا اخلاقی دباؤ ڈالنے کے لیے تھا۔
اٹھتے ہوئے اعتراض وقتی طور پر بند ہوئے تھے۔
"تم سب لوگ اب اپنا اپنا کام کرو' میں خود اس سارے معاملے کو دیکھ رہی ہوں' اور ہاں آس پاس کے ملازمین سے اس معاملے میں کسی کو بھی کوئی بات نہیں کرنی' یہ خاص خیال رہے۔"
وہ سب ایک دوسرے سے نگاہ چراتے ہوئے' واپس مڑے تھے۔
آس پاس جتنی قیاس آرائیاں تھیں' دبے لفظوں میں ان پندرہ بیس دنوں میں کی جا چکی تھیں۔
ہزاروں گز پر پھیلے شاندار گھروں کے مالکان چاہے ایک دوسرے کی شکلوں سے بھی واقف نہیں تھے لیکن ملازمین کا یارانہ غضب کا تھا۔
تھوڑی سی دیر کے لیے وہ اس وسیع لاؤنج میں دانستہ اکیلے پڑی رہیں۔
جو کچھ ابھی ملازمین نے کہا تھا' اتنا بھی ناقابل توجہ نہیں تھا' جتنا انہوں نے پوز کیا تھا۔
نبیل نے اپنی کارگزاری سناتے ہوئے' انہیں بطور خاص اطمینان دلایا تھا کہ وہ' اپنے کسی اعلا آفیسر دوست سے روزی کے کیس کے بارے میں کہہ چکا ہے اور انہیں اس بات پر قطعی شبہ نہیں ہوا تھا۔
مگر اب احساس ہو رہا تھا کہ' لوگ مختلف انداز میں سوچ رہے ہیں۔
اور لوگ بھی کون.....
"کوئی ایک بھی' پولیس کو اطلاع دینے چلا گیا تو پتہ ہے بات کہاں تک پہنچے گی' تم سے چند ملازمین بھی ڈھنگ سے نہیں سنبھالے گئے' میرا چار دن کا جانا' اتنا بڑا طوفان کھڑا کرے گا' میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"
تھوڑی دیر بعد ہی وہ اپنے کمرے میں نبیل پر برس رہی تھیں اور نبیل کی انہیں مطمئن کرنے کی ہر کوشش ناکام۔
"اگلے الیکشن میں ایم پی اے کی سیٹ لینے کے لیے میں نے کتنے جتن کیے ہیں' پیسہ پانی کی طرح بہا رہی ہوں' تمہاری ایک غلطی کی وجہ سے میرا سارا کھیل بگڑ سکتا ہے۔ اندازہ ہے کتنے مخالفین کا سامنا ہے مجھے' کسی کے ہاتھ بھی ایک بات آ گئی.....!"
وہ اتنی غضب ناک ہو رہی تھیں کہ نبیل کی سٹی گم ہوتی جا رہی تھی۔
"تم کیوں گھبرا رہی ہو' میں نے بات کر لی ہے نا' کچھ پتا چلے گا تو فورا" ہی....."
"تم نے کہیں کوئی بات نہیں کی ہے۔" وہ ٹھیک اس کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔
نبیل نے ساری ہمت جمع کر کے زرتاج کے چہرے کو دیکھا۔ ان کے نقوش بگڑے بگڑے سے تھے اور وہ مثالی حسن جس کی سوسائٹی میں دھوم تھی' پتا نہیں کہاں کھویا ہوا تھا۔
"وہ ایسی ہی لڑکی تھی زرتاج! کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہے اور کیا خبر کچھ چرا کر بھی لے گئی ہو' اتنا بڑا گھر ہے' کیا پتا چلتا ہے۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو تم' چرا کر تو وہ ضرور کچھ لے گئی ہے۔" حیرت انگیز طور پر 'زرتاج بیگم کا لہجہ نارمل ہوا۔
"دیکھا' مانا نا تم نے' مجھے پہلے ہی پتہ تھا' یہ نوکروں کی ذات ہی ایسی ہے' بے ایمانی ان کی گھٹی میں پڑی ہے۔" نبیل کی جان میں جان آئی۔
"یہ نہیں پوچھو گے کہ روزی کیا چرا کر لے گئی ہے۔" وہ عجیب سے انداز میں مسکرائیں۔
"مطلب؟" نبیل ایک بار پھر ہونق سا ہو کر انہیں دیکھ رہا تھا۔
"عجیب چوہے بلی کا کھیل کھیلتی ہے یہ عورت!"
زرتاج بیگم کی نگاہ ایک سیکنڈ کے لیے بھی نبیل پر سے نہیں ہٹ رہی تھی۔
"وہ میرا تم پر سے اعتبار چرا کر لے گئی ہے نبیل! اور شاید ہمیشہ کے لیے!" ان کے لہجے کی ٹھنڈک' رگوں میں خون سا جماتی تھی۔

☆ ☆ ☆

جس دن شاکرہ بیگم کا زیور گیا' گھر میں مکمل سوگ کا سماں رہا۔
اظہار صاحب کے زیور لے کر گھر سے نکلنے کے بعد شاکرہ بیگم لاؤنج میں بیٹھ کر اس طرح تڑپ تڑپ کر روئیں جیسے خدانخواستہ۔۔۔
زویا اور جویا کو بھاگ کر اردگرد کے دروازے اور کھڑکیاں بند کرنی پڑیں۔ پرانا محلہ تھا' ذرا سی بات پر لوگ اکٹھے ہونے لگتے تھے۔
"خدا کے لیے امی! کنٹرول کریں خود کو' کوئی آگیا تو سارے میں تماشہ بن جائے گا۔" آپا گل گھبرا گھبرا کر ان کے آگے ہاتھ جوڑ رہی تھیں۔ "زیور ہی تو تھا اور بن جائے انشاء اللہ' ہمیشہ ایک جیسا وقت تھوڑی رہتا ہے' بہت کمایا ہے ابا نے ماشاء اللہ' آئندہ بھی وہ کسر تھوڑی چھوڑیں گے۔"
والدہ کی تسلی کے لیے کہے گئے' اپنے کسی ایک لفظ پر انہیں خود بھی شاید یقین نہیں تھا' اسی لیے لہجے سے اعتماد مفقود تھا۔
"لٹ گئی' برباد ہو گئی' دن دھاڑے ڈاکہ پڑ گیا میرے گھر میں' ارے کوئی تو آؤ میری مدد کے لیے کہ قلاش کر گیا یہ آدمی مجھے' ٹکہ نہیں چھوڑا میرے پاس' ہائے میرے اللہ۔۔۔"
ان کے رونے میں کمی کے بجائے اور شدت آنے لگی تھی زویا اور جویا نے مایوسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
"کبھی کبھی تو شبہ ہونے لگتا ہے کہ ہم لوگوں کا تعلق کسی اچھے خاندان سے ہے بھی یا نہیں' اس طرح کا واویلا' شریف اور عزت دار لوگوں کو سوٹ کرتا ہے بھلا؟"
جویا کچن کے اسٹول پر آ بیٹھی تھی' اور گھر میں کئی دن سے جاری' اس المیہ ڈرامے سے سخت اکتا چکی تھی۔
"اس طرح تو امی' سلمان بھائی کے جانے پر بھی نہیں روئی تھیں' ایک دو دن میں غم منا کر فارغ ہو گئی تھیں کیا سلمان بھائی کی حیثیت' چند لاکھ سے بھی کم تھی زویا!"
"صرف ان ہی کی نہیں' ہم سب کی اوقات بس یوں ہی سی ہے' وقت اور حالات کے ساتھ تعین ہوتا ہے ہمارا' اب یہ دیکھ لو' سلمان بھائی کی کیا شان ہوتی تھی شادی سے پہلے۔"
ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ کہتے ہوئے وہ چولہے پر چائے کا پانی رکھ رہی تھی۔ "آنکھیں بند کر کے پیسہ لگایا تھا امی ابا نے ان پر' ایک کے دس گنا ملنے کا یقین تھا انہیں' مگر بری طرح چت کر گئے نا' ساری سرمایہ کاری ڈوبی

سلمان بھائی کی حیثیت کا بھی حال دیکھ لو اب' کوئی سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتا ہے ان سے۔"
ٹرے میں چائے کے کپ سیٹ کرتے ہوئے' دودھ چینی ڈالتے ہوئے' وہ مستقل ہی بولے گئی۔
جویا کو اس کے کہے' کسی ایک لفظ سے بھی اختلاف نہیں تھا' لیکن جو تھوڑی سی ہمدردی' زویا سلمان کے ساتھ کبھی کبھی کر لیتی تھی' وہ اسے قطعی قبول نہیں ہوتی تھی۔ اس وقت بھی جب زویا' سلمان کی حالت زار پر افسوس کر رہی تھی تو اسے تصحیح کرنی ہی پڑی۔
"لالچی اور خود غرض لوگوں کا یہی انجام ہوتا ہے اور ابھی تو ڈھنگ سے انجام تک پہنچے بھی نہیں ہیں وہ' ابھی تو وقت کو بہت سے حساب کتاب برابر کرنے ہیں' میں تو صبر کے ساتھ انتظار کر رہی ہوں بس۔"
زویا نے کچھ چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ جویا کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔
گھر والوں کے ساتھ اس کی سرد مہری بڑھتی ہی جا رہی تھی' یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے۔ مگر پھر بھی!
"وہ ہمارے بھائی ہیں جویا' ان سے ہم۔۔۔"
"میں بھی ان کی بہن تھی' ایک بار بھی سوچا انہوں نے میرے بارے میں۔" بہت تیزی سے اس نے زویا کی بات کاٹی تھی۔ "نہیں نا' اس لیے کہ میں ان کی نگاہ میں کوئی وقعت ہی نہیں رکھتی اور عموماً" لڑکیاں نہیں رکھتی ہیں۔ یہ اکیلی میری کہانی نہیں ہے' ہزار بار ایسا ہوا ہو گا اور ہو تا رہے گا' لوگ پہلے بہت چاؤ میں آکر اپنے من پسند ڈرامے سیٹ کرتے ہیں اور پھر جب تحفظات آڑے آتے ہیں تو پورا سیٹ ہی تہ و بالا ہو نہ!"
اپنی بات کہتے ہوئے وہ ذرا رکی۔
"اصل میں تو جب سلمان بھائی نے پہلی بار زوبیہ کا نام لیا تھا' مجھے تب ہی سمجھ لینا چاہیے تھا کہ معاذ کا نام میری زندگی سے نکل چکا ہے' ہمارے ہاں ہمیشہ اہمیت لڑکوں کی پسند ناپسند کو دی جاتی ہے' لڑکیوں کا کیا ہے' جہاں شادی ہو جائے رو پیٹ کر ایڈجسٹ تو کر ہی لیں گی۔"
زویا نے بنا کچھ کہے اسے چائے کا مگ پکڑایا اور ٹرے لے کر باہر نکل گئی۔ وہ بہت بدلتی جا رہی تھی۔
ناامیدی' نارسائی۔
سب ہی مل جل کر' اس کے دل و دماغ پر کس طرح اثر انداز ہو رہے تھے' اچھے خاصے نارمل موڈ میں ہوتے ہوئے بھی بولنے پر آتی تو تلخ لہجے میں جو دل میں آتا کہہ ڈالتی اور خاموشی کا دورہ پڑتا تو سارا دن ہوں ہاں سے زیادہ کوئی لفظ اس کی زبان سے نہ نکلتا۔
ابھی بھی بات کہاں سے کہاں پہنچی تھی۔
لاؤنج میں زیور کا رونا ابھی بھی جاری تھا۔
آپا گل نے چائے آتی دیکھ کر' ذرا سکھ کا سانس لیا۔
میکے کے مسائل حل کرتے رہنا بہترین ٹائم پاس سہی لیکن کبھی کبھی تو دماغ بھی تھک ہی جاتا تھا۔
"اب تھوڑی دیر تم اور جویا بھی تو امی کو سمجھاؤ۔" بڑی بے نیازی سے انہوں نے وقتی رخصت لینا چاہی۔
"میں!" زویا کی قطعی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اپنے سائز سے کہیں بڑے جوتے میں اپنا پاؤں کیسے فٹ کرے۔
"کیوں' کون سا پتھر توڑنے کو کہا ہے میں نے' اگر تم دونوں کسی قابل ہوتیں' تو مجھے کیوں اپنا گھر چھوڑ کر بار بار یہاں آنا پڑتا' لیکن یہاں تو سب ہی نکمے' ناکارہ۔"
زویا ہنس پڑی۔
"سلمان بھائی کو کہہ رہی ہیں نا' ان ہی کے ستارے گردش میں ہیں آج کل۔"

"ستارے گردش میں ان کی اپنی بے وقوفی سے آئے ہیں۔ بلکہ سارے گھر کے آئے ہیں' ورنہ ہمارے گھر پر کبھی ایسا وقت کہاں آیا تھا۔" چائے کا گرما گرم گھونٹ سکون بخش تھا' لیکن آزردگی اپنی جگہ تھی۔

شاکرہ بیگم نے ایک سسکی سی لی۔

"کسی نے سفلی علم کروایا ہے یقیناً" اور وہ بھی بڑا زور آور' حاسدوں سے بھرا ہوا ہے خاندان بھی اور محلہ بھی' سب کے دل دکھتے تھے ہماری خوش حالی پر' آخر کو برباد کر کے چھوڑا۔"

ان کی سوچ اول آخر' ایک ہی نکتہ پر جا کر ٹھہری تھی۔

"گل! کسی زبردست سے عامل کا تو پتہ کر' مجھے پورا یقین ہے کہ وہ ہمیں اس مصیبت سے نجات دلوا سکتا ہے' راتوں رات حالات پہلے جیسے ہو سکتے ہیں' منہ دیکھتے رہ جائیں گے کروانے والے بھی۔"

ان کے لہجے میں دبا دبا سا جوش تھا۔

زویا نے بے ساختہ ہی ماتھے کو انگلیوں سے چھوا۔

"یعنی جو رہی سہی کسر رہ گئی ہے' وہ بھی نہ رہے' کیا ہو گیا ہے امی! اب تو کچھ سمجھ داری سے کام لیں پلیز!"

"تم سے مطلب' میڈیکل میں داخلہ ہو گیا ہے' تو یہ مطلب ہے کہ چھوٹے بڑے کی تمیز ہی اٹھ گئی' چلی ہیں نصیحتیں کرنے۔ ہماری جو مرضی ہو گی وہی کریں گے' لاکھوں روپیہ ہاتھ سے نکلا ہے' کوئی چھوٹی موٹی بات تھوڑی ہے۔"

شاکرہ بیگم کے لیے یہ سال دو بڑے المیے لے کر آیا تھا۔

پہلے سلمان کی ناکام شادی اور اب سالوں میں جمع کیا ہوا سارا ہی زیور ایک ساتھ ہی ہاتھ سے نکلا۔

"ہک ہا!" ایک آہ کے ساتھ شاکرہ بیگم نے کمر گاؤ تکیہ سے لگائی۔

زویا نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ ان کا چہرہ زردی مائل ہو رہا تھا۔

بلڈ پریشر کی مریضہ وہ برسوں سے تھیں اور ہر چیز سے الرجک' صورت حال اکثر ہی بگڑی رہتی تھی۔ اب یہ پے در پے دو بڑے جھٹکے' ان کی صحت کے لیے کسی وقت بھی بڑا مسئلہ کھڑا کر سکتے تھے۔

"آپ نے ٹیبلیٹ لے لی امی!" وہ فکر مند ہوئی۔

"نہیں۔" وہ خفگی سے منہ پھیرے رہیں۔

زویا چپ چاپ کمرے سے ان کی دوا لے کر آئی۔

"چلیں اٹھیں' پہلے گولی کھالیں۔"

"مجھے نہیں کھانی اور کسی کو ضرورت نہیں ہے میری فکر کرنے کی۔" وہ خفا ہوتیں تو یوں ہی ضد میں آجاتی تھیں' لیکن زویا نے کسی نہ کسی طرح انہیں منا کر دوا کھلا ہی دی "اب تھوڑی دیر آنکھیں بند کر کے لیٹ جائیں اور کوئی ضرورت نہیں کسی بھی پریشانی کے بارے میں سوچنے کی۔"

وہ اتنی رقیق القلب ہو رہی تھیں کہ ہمدردی کے دو بول بھی بھاری ہونے لگے۔

آپا گل نے آنکھ کا اشارہ کیا تو زویا مسکرا کر وہاں سے ہٹ گئی۔

امی کو آپا گل ہی صحیح ٹریٹ کر سکتی تھیں۔ یہ سب کی متفقہ رائے تھی۔ اس وقت بھی' وہ چند منٹوں ہی اسے واپس من پسند موضوع پر لا چکی تھیں۔

"آپ فکر نہیں کریں' میری پڑوسن کے بابا جی ہیں' ایسا بندوبست کرواؤں گی کہ۔۔۔!"

گیٹ کی بیل بج رہی تھی۔

زویا اور جویا اوپر جا چکی تھیں۔ آپا گل کو بات ادھوری چھوڑ کر اٹھنا پڑا۔

باہر سلمان کھڑا تھا۔

آپا گل نے سلام کا جواب دینے سے پہلے' اس بات کا اطمینان حاصل کیا کہ اس کے ساتھ زوبیہ نہیں تھی۔

بنا کوئی لفظ کہے' وہ ان کے پیچھے چلتا ہوا لاؤنج میں آیا۔

آپا گل کو احساس تھا کہ وہ اب تک ان سے ناراض ہے۔ خود انہیں بھی اپنی کہی باتوں کا افسوس تھا۔

سو آج تعلقات کی تجدید کرنے کا اچھا موقعہ تھا' لیکن آج کی بریکنگ نیوز' ابھی پرانی نہیں ہوئی تھی! چند لمحوں کے لیے تو سلمان بھی ہکا بکا سا ہو کر ان دونوں کی شکل دیکھے گیا۔

"سارا زیور' وہ تو لاکھوں میں بنتا ہے' کیا کریں گے اتنا پیسہ ابو! یا کیوں آپ نے مشورہ تو کر لیا ہوتا کسی سے۔"

سمجھ میں آئی تو وہ بری طرح بگڑنے لگا۔ شاکرہ بیگم نے سکون کا سانس لیا' کوئی تو تھا جو ان کی طرف سے بھی بولنے والا تھا' ورنہ یہاں تو ہر ایک الٹا ان ہی کو نصیحتیں کرنے پر تلا تھا۔

"بہت منع کیا میں نے' چابی تک چھپا دی تھی' لیکن وہ تو لاک توڑنے لگے' کیا کرتی پھر اوپر سے یہ سب بھی ہاتھ دینے کو تیار نہیں۔" ان کا غم پھر سے تازہ ہونے لگا۔

"مجھے فون کر کے بلا لیتیں' دیکھتا پھر کیسے ابو لے کر جاتے زیور۔ معلوم نہیں کس چکر میں لے کر گئے ہیں' میں تو کبھی مان ہی نہیں سکتا کہ انہیں کوئی قرضہ اتارنا ہے' سیدھی سچی بات تو وہ کبھی کرتے ہی نہیں ہیں۔"

جس حقارت اور مشکوک انداز میں وہ باپ کے لیے بات کر رہا تھا' آپا گل کو کھل رہا تھا' لیکن تعلقات پہلے ہی خراب تھے' اب مزید نہیں کرنا چاہ رہی تھیں۔ سو چپ چاپ بیٹھی رہیں۔

"میں خود یہی کہہ رہی تھی' لیکن میری بات چلتی کب ہے' ایک تار نہیں چھوڑا میرے پاس' صرف دو سیٹ زویا کے نام کے باقی رہ گئے ہیں۔"

"چلیں چھٹی ہوئی' بہت اچھے لگیں گے ہم صرف دو سیٹ دیتے ہوئے زوبیہ تو اتنے طعنے دے گی کہ جان عذاب کر دے گی۔"

جوش جذبات میں کی گئی ایک اور غلطی۔

آپا گل کہاں تک ضبط کرتیں۔

"تم دے دینا دو چار سیٹ زیور کے بھائی ہو' فرض تو بنتا ہے۔"

"آپ بھی نا!" سلمان نے تلملا کر ان کی طرف دیکھا۔ "خود سے کچھ بھی نہیں ہوتا' کیوں نہیں روکا ابو کو' ویسے تو بڑی ہشیاری دکھاتی ہیں' ہر ایک کے معاملے میں آپ کی ٹانگ ضرور اڑتی ہے' اس وقت کیوں نہیں بولیں' جب وہ سب کچھ سمیٹ کر لے جا رہے تھے۔"

عزت احترام کے الفاظ' سلمان کی ڈکشنری سے خارج ہوتے جا رہے تھے۔

سب زوبیہ کا اثر تھا' وہی کان بھرتی تھی۔ آپا گل کو پکا یقین تھا۔

"کیا کرتے وہ پھر' گھر کو نہ بچاتیں تو کیا ان لوگوں کو لے کر سڑک پر بیٹھ جائیں' تم تو پھر بھی لے کر جانے کی ہمت نہیں کر سکو گے' اپنی بیوی کے ڈر سے۔"

"ہاں نہیں کر سکتا' آپ کون سا اپنی سسرال کو منہ لگاتی ہیں۔ وہ تو لوگ شریف ہیں۔"

"تمہیں مطلب میرے معاملات سے۔" سسرال کو خراج تحسین انہیں کہاں گوارا ہو سکتا تھا۔

"کیوں صرف آپ ہی کو مطلب ہوتا ہے؟" وہ تلخی سے ہنسا "سچ کہا ہے آپا گل! ابو اور آپ نے کیا گیم سیٹ کیا ہے' کہاں خرچ کیا جا رہا ہے یہ پیسہ' صاف صاف بتائیں زویا اور جویا تو بے وقوف ہیں لیکن میں نہیں!"

شکوک' الزامات' بے یقینی۔

توہین آمیز باتوں کا سلسلہ 'گھر کا معمول بنتا جا رہا تھا۔

"ایک اور مہابھارت!" زویا نے اوپر سے جھانکا اور مڑ کر جویا سے کہا۔ "بے فکری' خوش حالی' فضول خرچیوں سے بھرا زمانہ بڑی تیزی سے گم ہو رہا ہے نا آخر کار!"

جویا نے اس کی طرف دیکھا' اور بغیر کچھ کہے سر جھکا لیا۔ نیچے آپا گل' سلمان کے ہاتھوں عزت افزائی کروا کے آنسو صاف کرتی رخصت ہوئیں۔

سلمان نے جتاتے ہوئے انداز میں' شاکرہ بیگم کو اپنے پھولے ہوئے والٹ میں سے نکال کر ہزار ہزار کے دو نوٹ تھما کر اپنے سارے فرائض ادا کیے۔

اور شاکرہ بیگم' جان سے لگا کر رکھے گئے اس کھوئے ہوئے سرمائے کی یاد میں بے تحاشہ آنسو بہائے گئیں۔

جو نہ تیرا' نہ میرا

بس رہے نام اللہ کا!

☼ ☼ ☼
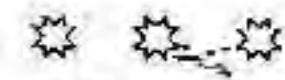
خیام نے احاطے میں لگے نلکے سے منہ پر پانی کے دو چار چھپکے مارے اور یوں ہی قمیص کی آستین سے چہرہ خشک کرنے کی ادھوری سی رسم پوری کی۔

موسم بدل رہا تھا۔

ٹھنڈی ہوائیں اور بتدریج یخ ہوتا پانی۔

ہوٹل میں ہر وقت گرم پانی کا انتظام رہتا تھا' لیکن وہ پچھلے احاطے میں ہی رہائش پذیر تھا' اس لیے اپنی ضرورت کے لیے اسے ہی کافی سمجھتا تھا۔

فرق بھی کیا پڑتا تھا!

کل رات راجو اس پرانے میلے کمبل کو بھی اس کے اوپر سے اتار کر لے گیا تھا' جو اس نے سردی سے بچنے کے لیے اوڑھ لیا تھا۔

"آج رات کیسے گزرنا تھی۔" اس نے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

ابھی سہ پہر تھی' لیکن دھوپ اوپر کی منزل پر بنے کمروں کی چھتوں پر سمٹی جا رہی تھی۔

خیام نے اپنی بینچ اٹھا کر شیڈ کے نیچے کی اور اپنا تکیہ' چادر لپیٹ کر ایک طرف رکھا۔

یہاں اس جگہ سے بھی' کچن میں اوپر کی صلیب پر رکھا اس کا چھوٹا سا بیگ صاف نظر آتا تھا۔

اس نے یہ احتیاط' مستقل ہی جاری رکھی تھی۔

کپڑوں کی آخری تہہ میں رومال میں لپٹی قیمتی کی دو سونے کی چوڑیاں' امانت تھیں۔

معلوم نہیں' زندگی کے کس موڑ پر وہ انہیں واپس کر پائے' یا کر پائے گا بھی یا نہیں!

واپس جانے کا تو خیر سوال ہی نہیں تھا' لیکن پھر بھی شاید کوئی سبب بن ہی جاتا۔

وہ خالی بینچ پر بیٹھا' الجھتا رہا۔

ماضی' حال' مستقبل۔

اس کی زندگی کا ہر دور دھند میں گم تھا۔

چھوڑ آیا' کوئی اور ہی جہاں تھا۔

جو ہے' وہاں وہ خود ہوتے ہوئے بھی موجود نہیں۔

اس بے ہنگم' بے ترتیب احاطے میں' کبھی کبھی چند گھڑیاں کسی مداخلت کے بغیر بھی مل جاتی تھیں' سو غنیمت تھیں' نیم گرم سہ پہر شام کی نیلاہٹ میں بدلی۔

اور اس نیلگوں منظر میں' اس کی شخصیت کے کتنے ہی خوب صورت رنگ نمایاں ہوئے' مگر آنکھوں میں وہی کانچ ٹوٹنے کی سی کیفیت۔

"لگتا ہے نا پورا ہیرو' کسی ڈائریکٹر کی نگاہ پڑ جائے تو ابھی اٹھا کر لے جائے اسے۔"

بوڑھا باورچی کسی کام سے کچن کے پچھلے دروازے میں آکر کھڑا ہوا تھا' دور سے اسے دیکھ کر مسکرا کر پاس کھڑے لڑکے سے بولا۔

"تو اور کیا' اس لیے تو راجو جلتا رہتا ہے ہر وقت' کتنے اچھے کپڑے پہن کر آتا ہے' مگر خیام بھائی کا ملازم بھی نہیں لگتا ہے۔"

"اوّل درجہ کا خبیث ہے راجو' بابو کی شرافت کا پاس کرتے ہیں ورنہ لڑکے کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔"

سب ہی کو خیام سے ہمدردی تھی۔

جس طرح وہ بنا چوں چرا کیے' ہر کام میں لگا رہتا تھا' اس کا احساس سب ہی کو تھا۔

"او نواب صاحب!" پیچھے سے آتی کراری آواز نے سب ہی کے ضبط کا امتحان لیا۔

"اچھی جگہ ڈھونڈی ہے کام سے بچنے کی' یہ حرام خوری یہاں نہیں چلے گی' کوئی اور ٹھکانہ پکڑو' یہ برتنوں کا ڈھیر تمہارا باپ آکر دھوئے گا۔"

راجو کافی دیر سے باہر گیا ہوا تھا' اب آیا تو پھر سے توپوں کا رخ من پسند نشانے پر تھا۔

بوڑھے باورچی نے بگڑے ہوئے تیور کے ساتھ پہلے راجو اور پھر اٹھ کر آتے ہوئے خیام کو دیکھا۔

"یہ صاحبی کی زندگی یہاں نہیں چلے گی' آرام سے تو ایسے بیٹھتے ہو' جیسے باپ بڑی جائیداد یں لگا کر گیا ہے تمہارے نام۔"

خیام کو سنک پر برتنوں کے ڈھیر کے آگے کھڑا دیکھ کر بھی اس نے مزید چند منٹ کی تقریر کی اور پھر کوئی جواب نہ پا کر' حسب معمول جھنجلاتا ہوا' باہر نکل گیا۔

"لعنت ہو ایسی جوانی پر!" بوڑھے باورچی نے دیگ پر زور سے چمچہ مارا۔

خیام نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور واپس اپنے کام میں مصروف ہوا۔

"تجھ سے کہہ رہا ہوں' سن رہا ہے؟"

اس بار اس نے صرف اثبات میں سر ہلایا۔

"صرف سر مت ہلایا کر۔ یہ جو اللہ نے زبان دی ہے استعمال کے لیے ہے' ارے اپنی عزت کا نہ سہی' باپ کی عزت کا ہی پاس کر لیا کر' دوبار طعنہ دیا ہے اس نے میں ہوتا تو یہی پلیٹ کھینچ کر مارتا بدذات کو' بھلے بابو پولیس کو بلوا لیتا بعد میں' مگر تو نے تو لٹیا ہی ڈبو دی۔"

وہ اتنے طیش میں تھا کہ' شاید اٹھ کر خیام کے منہ پر دو تھپڑ بھی لگا سکتا تھا۔

"تجھ سے کہہ رہا ہوں' سن بھی رہا ہے یا نہیں!"

خیام کی طرف سے کوئی بھی جواب نہ پا کر وہ اور بھی تلملا کر پاس آ کھڑا ہوا۔

"میرا باپ اتنا عزت دار نہیں تھا چاچا! پھر میں کیوں اس کے بدلے میں جھگڑے مول لیتا پھروں!"

ایک لمحے کے لیے بھی ہاتھ روکے بغیر' اس نے اتنے حقارت بھرے لہجے میں کہا کہ تڑپ کر اٹھ آنے والے کا منہ بھی کھلے کا کھلا رہ گیا۔

اندر ہال میں سے بابو شوکت کا بلاوا آ رہا تھا۔ خیام ہاتھ خشک کرتا ہوا کچن سے باہر چلا گیا۔

"ایسی اولاد سے تو آدمی بے اولاد ہی بھلا' باپ کے مرتبہ کو بھی نہیں پہچانا بدبخت' جب ہی تو ٹھوکریں کھا رہا ہے اور مزید کھائے گا دیکھ لینا۔"

دیگ پر بیٹھے اس عمر رسیدہ شخص کو اپنے تین نافرمان یاد آئے اور خیام کے لیے دل میں اٹھتی ہمدردی بھی رخصت ہوئی۔

یا ہر زندگی کے مستقل چلتے ڈرامے کے کسی نئے ایکٹ کی شروعات تھی۔

"تمہاری بھابھی بہت یاد کر رہی ہیں' بہت دن سے تم نے وہاں کا چکر نہیں لگایا۔" بابو شوکت گھر سے ملی ہدایت کو پورا کرنے پر مجبور تھا اور سچی بات تو یہ کہ صبح شام ایک ہی ذکر سنتے سنتے اب وہ خود بھی خاصا اتولو ہو رہا تھا۔

"اتنا اچھا لڑکا' مؤدب' شریف اور پھر پڑھا لکھا!" آخری کوالٹی کی قدر بابو شوکت کے دل میں سب سے زیادہ تھی۔

"کہاں ملنا تھا رانی کے لیے ایسا!" اس نے بالکل اپنی بیوی کے انداز میں سوچا اور بے ساختہ ہی مسکرا دیا۔

"ابھی فارغ ہو تو چکر لگا لو وہاں کا' سب خوش ہو جائیں گے۔"

پہلی بار وہ بابو شوکت کے لہجے میں کچھ عجیب سا محسوس کر کے چونکا۔

وہی محبت' وہی شفقت' لیکن ایسے جیسے کوئی گھیرا تنگ ہو رہا ہو۔

"ابھی تو بہت کام پڑے ہیں بابو بھائی' برتنوں ہی کا ڈھیر باقی ہے۔"

گھبراہٹ میں خیام کے منہ سے وہی بات نکلی جسے وہ بابو شوکت کے سامنے کہنے سے خاص احتیاط برت رہا تھا۔

پر اب تیر کمان سے باہر تھا۔

پل کے چھوٹے سے وقفے میں' بابو شوکت کے ماتھے پر کتنے ہی بل پڑے۔

"تمہیں کون کہتا ہے برتن دھونے کو روز' یہ کوئی تمہارے کرنے کا کام ہے' چلو کسی روز برتن والا نہ ہو' تو تھوڑی بہت مدد کر دینا اور بات ہے' مگر یہ تمہاری ڈیوٹی تو نہیں ہے۔ خبردار جو یہ کام اپنے ذمہ لیا۔"

"کیا فرق پڑتا ہے بابو بھائی! میں کوئی غیر تھوڑی ہوں اور برتن دھونے میں کون سی برائی کی بات ہے۔"

"برائی کوئی نہیں' لیکن یہ تمہارے کرنے کا کام بھی نہیں ہے اور بہت لوگ ہیں یہاں کام کرنے کے لیے۔"

راجو ابھی ابھی خیام کو دیکھ کر' یہاں محض اس لیے آ کھڑا ہوا تھا کہ بات سن سکے۔

اپنے باپ کی بات' اسے "فوراً" ہی کھٹکی۔

"کون سے لوگ ہیں ابا! آئے دن تو کام چھوڑ کر چلے جاتے ہیں لڑکے' لائن سے پوری سڑک پر ہوٹل ہیں' سب ہی کو ہر کام کرنا پڑتا ہے۔ ابھی میں خود آرڈر لیتا پھر رہا تھا سارے میں۔"

"بہت اچھا کیا!" بابو شوکت نے خفگی سے بیٹے کو دیکھا "اب جا کر باقی برتن بھی دھو ڈالو' فارغ ہے نا اب تو۔"

راجو کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔

"برتنوں کا کوئی مسئلہ نہیں ہے بابو بھائی! آپ بے کار میں سنجیدہ ہو رہے ہیں' میں ابھی ختم کرنے لگا تھا سارے' وہ تو آپ نے بلا لیا تو۔۔۔!"

خیام کو بابو شوکت کے گھر جانے کے خیال سے ہی وحشت گھیرنے لگی تھی۔

وہ رنگ برنگی ادائیں دکھاتی مکار لڑکی اور اس کی جادوگرنی جیسی ماں۔

شاید ساری عورتوں کا گیٹ اپ اسی قسم کا ہوتا ہے۔

کم از کم اسے تو ایسا ہی لگنے لگا تھا۔

نانی اور گیتی کو چھوڑ کر' اس کے اردگرد سب کے روپ میں ایک سا ہی تاثر ابھرتا تھا' مکڑی کی سی مہارت کے ساتھ جالا بن کر ہڑپ کر جانے کا۔

"منع کر دیا میں نے' بڑوں سے بحث نہیں کرتے' میں نے تمہاری بھابھی سے کہہ دیا تھا کہ میں بھیج رہا ہوں تمہیں!"

وہ اس کے کہنے کے باوجود بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔

"مجھے اچھا نہیں لگتا بابو بھائی! بنا کسی کام کے وہاں جانا۔" اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں۔

بابو شوکت کو اس کی شرافت کا ایک اور ثبوت ملا۔

"ہاں تو کام سے ہی بھیج رہا ہوں' چھوٹی والی تینوں کو ٹیوشن پڑھانے کی ذمہ داری آج سے تمہاری ہے۔ یوں ہی گلی میں کسی کے ہاں پڑھنے جاتی ہیں۔" ہر سال فیل ہوتی ہیں' اب تم پڑھاؤ گے انہیں' اور خبردار جو ہوٹل کے کسی کام کو ہاتھ لگایا۔"

یہ آئیڈیا بھی بیوی سے ہی ملا تھا۔

ایک تیر سے دو شکار۔

نالائق بچیوں کا بھی اسی بہانے بھلا ہو جاتا تھا۔

خیام کے پاس فرار کا کوئی راستہ نہیں تھا' یوں ہی خالی خالی نگاہوں سے بابو شوکت کو دیکھے گیا۔

"اگر میرا ذرا بھی پاس ہے تمہیں' تو انکار مت کرنا' ورنہ سمجھوں گا کہ بس کسی غیر کو ہی اپنا سمجھتا رہا ہوں آج تک۔" بابو کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔

مکڑی کا جالا تنگ ہو رہا تھا۔

"میں اب کہاں پڑھا سکتا ہوں بابو بھائی! بھول بھال گیا ہوں سب کچھ!"

ایک کمزور سا بہانہ۔

"آ جائے گا یاد' کون سا اتنا زمانہ گزرا ہے اور یہ تو پرائمری کی بچیاں ہیں' بس میں نے کہہ دیا نا' چلو جاؤ شاباش۔"

بابو شوکت کا لہجہ حتمی تھا اور۔

راہ فرار بند۔

تب ہی راجو سے رہا نہ گیا۔

"کام کرنے والے ویسے ہی کم ہیں ابا! یہ بھی چلا گیا تو کون کرے گا' اتنا ڈھیر لگا ہے برتنوں کا۔"

خیام نے شکر گزار نگاہوں سے اسے دیکھا' پہلی بار اسے راجو بھی اچھا لگا' وہی تھا جو اسے روک سکتا تھا۔

لیکن بابو شوکت اس کے بس کا روگ نہیں تھا۔

"تجھ سے مشورہ مانگا ہے؟ اوقات میں رہا کر' برتن تو بھی دھو سکتا ہے اور اب تو ہی دھوئے گا' کسی کو نہیں رکھوں گا اس کام پر!"

وہ عادتاً "زور سے" بولتا تھا۔

اس وقت ہوٹل اتنا بھرا ہوا نہیں تھا پھر بھی لوگوں نے ایک نگاہ اس طرف ضرور ڈالی تھی۔ ماحول کشیدہ ہو رہا تھا۔ خیام خاموشی سے باہر نکل آیا۔

سڑک پر سے گھوم کر پچھلی گلیوں کی طرف جاتے ہوئے اس نے پہلی بار سوچا کہ وہ بابو شوکت کے گھر جانے کے بجائے' کہیں بھی چلا جائے' اور پھر کبھی لوٹ کر واپس اس علاقے میں ہی نہ آئے۔

ایک راہ تھی جو کھل رہی تھی' گہری سانس لیتے ہوئے' اس نے خود کو کمپوز کیا' دائیں ہاتھ کو جاتی گلی' کہیں اور

لے کر جانے والی تھی۔

ایسا کر کے وہ احسان فراموشی کی تہمت اٹھانے کے لیے بھی تیار تھا مگر تب ہی اسے وہ قیمتی شے یاد آئی جو اس سیاہ ہوتے کچن کے اوپر والے سلیب میں اس کے چھوٹے سے بیگ میں اب بھی محفوظ تھی۔

نانی صندل اور نگینہ سے کم کم ہی بات کر رہی تھیں۔

صندل اور اس سے بھی زیادہ نگینہ کا مستقل ہواؤں سے باتیں کرنا ان کی وضع داری کو اب ٹھیس پہنچانے لگا تھا۔ شروع شروع میں بہت سی باتیں خلاف مزاج ہونے کے باوجود وہ ان محرومیوں کے صدقے معاف کرتی رہی تھیں جو نگینہ نے جھیلی تھیں۔

ساری عمر اس کے سر پر تپتا ہوا آسمان ٹھہرا رہا تھا سو اب اس گھنے گھیرے مہربان وقت میں وہ حواس باختہ ہو رہی تھی تو رعایت تو دینی ہی تھی۔ مگر وہ تو زمین پر پاؤں رکھنے کے لیے تیار ہی نہیں تھی۔

اس روز تو حد ہی کر دی۔

گھر آئے مہمانوں تک کا لحاظ نہیں کیا۔

گل ناز وغیرہ سے تو خیر ایک عمر کی لڑائی تھی مگر اس نے تو نانی دلدار تک کا لحاظ نہیں کیا۔

نانی ستارہ کو اپنی بہن کی موجودگی میں نگینہ کا یہ ہلکا پن بہت برا لگا تھا۔

دونوں گھروں کے ماحول میں زمین آسمان کا فرق تھا دونوں کی ویلیوز جدا تھیں۔

دونوں کے مکینوں میں ایک دوسرے کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ نانی ستارہ جان کو ہمیشہ اسی فرق پر ناز رہا مگر نگینہ کی بے وقوفی بھری جذباتیت نے اسی فرق کو مٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

گو بعد میں وہ نانی دلدار سے بھی معذرت کر آئی اور گل ناز کو بھی اوپری دل سے ہی سہی مگر گلے لگا لیا تھا۔ لیکن نانی ستارہ کا ملال کسی طرح بھی کم نہیں ہو رہا تھا۔

"ایک کامیابی پر اتنا غرور یہاں تو لاکھوں کے مالک بھی بنے تو بھی سر میں سودا نہیں سمایا پر اس نگینہ نے تو حد ہی کر دی شاما!"

مسہری کی پشت سے ٹیک لگائے وہ دل کا بوجھ ہلکا کر رہی تھیں۔ شاما فرماں برداری سے پاؤں دبا رہی تھی البتہ دل ہی دل میں وہ پوری کی پوری نگینہ کی ہم نوا تھی۔

"باجی پر بھی تو انہوں نے سدا ہی طعنے مارے ہیں نانی! آج اللہ نے موقعہ دیا ہے تو اتنا تو انہیں بھی حق۔۔۔۔"

ہمت کر کے اس نے نگینہ کے ساتھ اپنی وفاداری نبھانے کی کوشش کرنا چاہی مگر نانی کی ایک نگاہ ہی کافی تھی

"کیا ہو گیا ہے تم سب کو یا میں نے ہی تمہیں کبھی نہ سمجھا۔" تھوڑے سے وقفے کے بعد وہ پھر کچھ کہنا شروع ہوئی تھی کہ باہر برآمدے میں قدموں کی چاپ ابھری۔

نانی کے اشارے پر شاما تیزی سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔ واپس پلٹی تو سالار اس کے ساتھ تھا۔

"آؤ میاں جیتے رہو!"

نانی کو اس کا آنا ہمیشہ ہی بہت اچھا لگتا تھا بلکہ سب کو ہی۔

"جا شاما! گیتی کو بلا لا۔"

وہ ان کے قریب ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"بڑی خاموشی ہے۔" چاروں طرف دیکھ کر وہ ہلکے سے مسکرایا۔

"ہاں!" ایک ٹھنڈی سانس ان کے لبوں سے نکلی سالار نے ذرا غور سے ان کے چہرے کو دیکھا۔

"پریشان ہیں؟ مجھے بتائیں!"

"ایسی پریشانی بھی نہیں اور جو یہ کہوں کہ پریشان نہیں ہوں تو یہ بھی سچ نہیں۔"

کبھی کسی وقت دل کا بوجھ دوسرے کے کندھوں پر رکھ کر تھوڑی سی دیر سستا لینے کی بے ایمانی بھی کر لینے کو دل چاہنے لگتا ہے۔ نانی کا بھی اس وقت سالار کو دیکھ کر ایسا ہی دل چاہا مگر ضبط کرنے کی عادت پرانی تھی۔

"آج کوئی نہیں ہے گھر پر۔" وہ خود ہی کوئی نتیجہ نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔

"صندل کی شوٹنگ ہے تھوڑی دیر پہلے ہی گئی ہیں ماں بیٹی۔"

"آپ سارا دن بور ہوتی ہیں ریڈیو پر کچھ پروگرام ریکارڈ کروا دیں۔ افسر بھائی کب سے کہہ رہے ہیں۔"

نانی ستارہ ہلکے سے مسکرا دیں۔ سالار کی اپنائیت میں کیا شک تھا۔

"فی الحال تو ہمت نہیں ہو رہی بیٹا! پھر دیکھیں گے کبھی اگر جو زندگی نے ساتھ دیا۔" ان کے لہجے کی یاسیت دل پر لگتی تھی سالار نے اتنی سی دیر میں ان کی نگاہ کو بار بار خیام کی تصویر کی طرف اٹھتے ہوئے دیکھا تھا۔

خیام کی حیثیت آج بھی مسلم تھی۔

جن دو ہستیوں کے حوالے سے وہ اس گھر کی سیڑھیاں چڑھتا تھا دونوں کی خوشی کا سرا اس کے نام سے ملتا تھا۔

"خیام!" وہ ہلکے سے بولا۔

نانی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"بہت یاد آتا ہے آپ کو؟"

ایک اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔ "بتا کر چلا جاتا تو شاید صبر بھی آجاتا۔ مگر اس طرح گیا کہ۔۔۔۔" اس کے چلے جانے سے جو خلا پیدا ہوا تھا وہ آج بھی جوں کا توں تھا۔

سالار نے ان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"دل چھوٹا مت کریں آپ اللہ کوئی سبب بنائے گا ضرور!" نانی ستارہ کو بڑے عجیب سے احساس نے گھیرا۔ خیام کے جانے کے اتنے دن بعد آج پہلی بار کسی نے ایسی امید بھری تسلی دی تھی۔ ورنہ خیام کے نام کے ساتھ تو یہاں لعنت ملامت کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جڑا تھا۔

بے وفا خود غرض مکار۔

ہو بہو اپنے باپ کی کاپی۔

اب یہاں اس کا ذکر کم کم ہی ہوتا تھا مگر جب بھی ہوتا ایسا ہی "سپاس نامہ" پڑھا جاتا تھا۔

"ہو سکتا ہے وہ کچھ بن کر واپس لوٹنا چاہتا ہو تاکہ آپ لوگوں کو اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر دکھا سکے۔" گیتی کے قدم کمرے کے دروازے پر ہی تھمے سالار کی اس کی طرف پشت تھی۔

"سوچیں آپ کو کتنی خوشی ہو گی اس وقت۔"

"پتہ نہیں بیٹا میں خوش ہونے کے لیے زندہ بھی ہوں گی یا نہیں۔" نانی کی ضعیف العمری واہموں میں فطری طور پر گھری تھی۔

"کچھ نہیں ہو گا آپ کو انشاء اللہ اور ایسا ہے تو ہم اسے پہلے ہی ڈھونڈ لیتے ہیں۔"

گیتی نے اسے مضبوط لہجے میں کہتے سنا۔

"آپ مجھے خیام کی تصویر دیں ہمیں بہت جلد اس کو ڈھونڈ نکالوں گا۔"

گیتی بڑی تیزی سے آگے بڑھی تھی لیکن نانی ستارہ اپنا ہمہ وقت ساتھ رکھا بٹوہ کھول چکی تھیں۔

(اگلی قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عالیہ بخاری

دیوارِ شب

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد نازو نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتلائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے۔ جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سارا کلکتہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے مقصد آوارہ پھرنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ کچھ کانچ کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اسے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایماندار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو ہے اور کھولا ہیں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ حویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے معقول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر قطعاً مطمئن ہے۔ حویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی مارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منواتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ سمیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اٹنگ شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ ملن لت اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا، صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ عالیہ سکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور راجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔ سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

صندل کو بابی صاحب کی فلمیں کیا ملتی ہیں کہ نانی ستارہ کے خاندان کی قسمت چمک اٹھتی ہے۔ نگینہ ہر موقع پر بیٹی کے ساتھ رہتی ہے جس پر نانی دلدار کے خاندان خصوصاً الماس کا حسد سے برا حال ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۲۳
تیئسویں قسط

گیتی بڑی تیزی کے ساتھ نانی ستارہ کے قریب آئی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے، کسی کو تلاش کروانے کی' آپ بھی کیا قصہ لے کر بیٹھ جاتی ہیں نانی!"

سالار نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

وہ جھنجلائی ہوئی تھی' یہ تو ظاہر تھا' مگر ساتھ ساتھ اداس بھی۔

"حرج کیا ہے گیتی! کم از کم یہ تو پتا چل جائے گا کہ وہ کہاں ہے' کیا کر رہا ہے' کہیں کسی پریشانی میں تو گرفتار نہیں' جو رابطہ نہیں کر پایا ہے اتنے عرصے میں ایک بار بھی!"

بہت نرمی سے اس نے گیتی کو سمجھانے کی کوشش کرنا چاہی' مگر وہ یوں ہی خفا خفا سی کھڑی تھی۔

"کوئی پریشانی وریشانی نہیں گھیرتی اسے' میں لکھ کر دے سکتی ہوں آپ کو۔ خیام خود غرض انسان ہے' اور خود غرض انسان نہ تو پریشان ہوتا ہے اور نہ پشیمان' آپ پلیز اس سلسلے میں تکلیف نہ کریں۔"

ایک بار بھی سالار کی طرف دیکھے بنا' اس نے اپنی بات پوری کی۔

نانی ستارہ کا ہاتھ ابھی بھی اپنے بٹوے پر جما تھا۔ جہاں خیام کی تصویر نکالے جانے کی منتظر تھی۔

"بیٹھ جاؤ پہلے!"

سالار کے کہنے پر وہ نانی کے قریب ہی کونے پر بیٹھ گئی۔

"دیکھو گیتی! خیام کوئی غیر نہیں سگی خالہ کا بیٹا ہے تمہاری اور نانی کے لیے وہ بہت۔۔۔"

"مت جتائیے مجھے' سب ازبر ہے مجھے۔" ایک بار پھر گیتی نے تیزی سے سالار کی بات کاٹی۔ "لیکن ایمانداری سے بتائیے آپ کے ڈھونڈیں گے اسے' جو خود گم ہوا ہے' گم رہنا چاہتا ہے؟ اگر اتفاق سے سامنا بھی ہوا نا تو دیکھیے گا' وہ صاف مکر جائے گا آپ کے سامنے کہ اس کا ہم سے کوئی رشتہ تو کیا دور کی جان پہچان بھی ہے۔"

اپنی جذباتیت پر قابو پاتے ہوئے وہ قدرے پرسکون لہجے میں بات کر رہی تھی۔

سالار کو اس کی کہی ہر بات سے اتفاق تھا' لیکن بین السطور جو دکھ جھانکتا تھا۔ اس کا تقاضا دوسرا تھا۔

"گیتی ٹھیک ہی کہہ رہی ہے بیٹا! رہنے دو تم۔ میں ہی بے قرار ہو جاتی ہوں' ورنہ فائدہ تو واقعی کچھ نہیں ہے' اس کا پیچھا کرنے کا۔" نانی ستارہ بہت دیر میں خود کو سمجھا پائیں۔

"اب سوچتی ہوں تو لگتا ہے کہ وہ تو کبھی یہاں رہنا ہی نہیں چاہتا تھا' ہمیشہ الگ تھلگ' کسی بھی چیز' کسی رشتے سے کوئی وابستگی نہیں' جب سے بڑا ہوا تھا میرے بلانے پر بھی آتا تو بس کھڑا ہی رہتا' بیٹھتا تک نہیں تھا' میں ہی خود جا کر اس کے کمرے میں بیٹھتی تب کہیں جا کر دو' چار باتیں کر پاتی تھی اس سے۔"

سالار کو منع کرتے کرتے وہ پھر سے اس بہانے ہی سہی یاد میں گھریں۔

سالار اور گیتی نے بے ساختہ ہی ایک دوسرے کی طرف دیکھا' شانوں کو ہلکی سی جنبش دے کر سالار نے بے بسی کا اظہار کیا۔ وہ دل سے چاہنے لگا تھا کہ جیسے بھی ممکن ہو' خیام کو ڈھونڈ نکالے' گیتی کی مجروح انا' لاتعلقی کا کتنا بھی اظہار کرتی' مگر سالار کو ہمیشہ ہی ایسا لگتا جیسے وہ جھوٹ بول رہی ہے۔

"یا شاید اس کا وہم۔" اس نے خود کو باور کرانا چاہا' مگر خوش آئند باتیں اوروں کی طرح اس کے دل میں بھی کم ہی جمتی تھیں' خاص طور پر اس وقت جب ان میں اپنی کسی بھلائی کا بھی اشارا ملتا ہو۔

وہ بیٹھے بیٹھے مسکرا دیا۔

نانی سے کوئی ملنے آیا تھا۔ شاما کی اطلاع پر وہ اٹھ کر جا چکی تھیں۔

"نانی تو خیر اپنے دل سے مجبور ہیں' مگر آپ کو تو خیال کرنا چاہیے' کیوں انہیں امید بندھا رہے ہیں' نتیجہ پتا ہے نا اس کا۔" ان کے جاتے ہی وہ اس سے مخاطب ہوئی۔

"انسان امید اچھی رکھے تو نتیجہ خود بخود اچھا ملتا ہے، تم کم از کم کوشش تو کرنے دو، کیا پتا خیال کی واپسی کے ساتھ بہت ساری غیر متوقع خوشیاں بھی ساتھ ہوں۔"

اپنے سارے کنفیوژن صفائی سے چھپا کر وہ بڑے معتبر انداز میں کیتی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

مگر وہ ذرا بھی متاثر نہیں ہوئی۔

"متوقع، غیر متوقع یہاں صرف پریشانیاں آتی ہیں، یاد کریں، صندل کو ٹی وی پروگرام بھی آپ نے اسی نیت سے دلوایا تھا تاکہ ہمارے گھر کا کچھ بھلا ہوگا۔" اپنی بات کہتے ہوئے وہ ذرا رکی۔

سالار نے ایک گہری سانس اپنے اندر ہی اتاری۔

صندل کے فلم میں جانے کو وہ آج بھی اسی کے کھاتے میں ڈال رہی تھی۔

"سارا گھر احسان مند ہے آپ کا، دل سے ممنون ہے، صندل کی خوش قسمتی پر یہاں سارا محلہ رشک کرتا ہے، مگر آپ سچ بتائیں، خود آپ کو بھی یہ اچھا لگ رہا ہے کہ وہ ہم سے اتنی دور جا چکی ہے اور ابھی نہ جانے کتنے فاصلے بڑھیں۔"

کیتی کی آنکھوں میں ایک ساتھ کئی رنگ کھلے تھے۔ مگر جو ایک نہیں تھا وہ تھا خوشی کا۔

سالار نے ان آنکھوں میں اسی ایک چمک کی ہمیشہ خواہش کی تھی، مگر عجیب بات تھی کہ جو کچھ بھی وہ اس کی بھلائی کے لیے کرنا چاہتا تھا، وہ اس کے لیے کسی اور زاویے سے تکلیف کا سبب ضرور ہی بن جاتا۔

"صندل سمجھ دار ہے، وہ اپنی فیملی کو ہرٹ نہیں کرے گی۔ کبھی اس کی کامیابی نے تمہیں نہ سہی، تمہاری امی کو تو شاید سب سے بڑی خوشی بخشی ہے کیتی، پلیز ان کے لیے ہی اپنی حساسیت کو تھوڑا کم کرو۔"

"بے چاری امی!" پتا نہیں کیوں مگر کیتی کو اس کی نصیحت پر ہنسی آگئی۔ "ان کی تو پہلے ہی مت، ان کو دیکھ کر تو واقعی خوشی ہوتی ہے۔ بہت مشکل زندگی گزاری ہے انہوں نے، اور صندل کی بھی مجھے ان ہی کی وجہ سے سب سے زیادہ فکر ہے، اب اس صورت حال میں اگر صندل نے کوئی مسئلہ کھڑا کیا تو امی کے لیے سہنا مشکل ہے۔"

وہ بتدریج پھر سنجیدہ ہوئی، خیام کا موضوع خود بخود دور جا چکا تھا۔

سالار نے جان بوجھ کر اس بارے میں پھر سے کچھ نہیں کہا تھا۔

"اگر وہ کچھ کرنا چاہتا ہے تو کیتی کی اجازت کے بغیر بھی تو کر سکتا ہے۔" سالار کی ذہنی رو پھر سے بہکی۔

☆ ☆ ☆

دن سرد تھے۔

خاص طور پر علی الصبح۔ ہر شے پر کہرا چھایا ہوتا اور صبح کی روشنی بہت دھیرے دھیرے پھیلتی، ان پُر فسوں اور پُر سکوت لمحات میں چلتی ہوئی یخ ہوا گھر میں صبح کے مخصوص منظر میں تبدیلی کا باعث بنی ہوئی تھی۔

ربیعہ نے ٹرے میں رکھی چائے والی کوئی کوزی سے ڈھکا، اور ٹرے اٹھا کر باہر برآمدے میں نکل آئی، دادی کی مخصوص کرسی خالی تھی۔

آج کل سب ہی اپنے کمروں میں دبکے رہتے۔

دادی کی نماز، مناجات، اخبار سب کچھ کمرے تک محدود ہو چکا تھا۔

ربیعہ جب ان کے لیے چائے لے کر اندر داخل ہوئی تو وہ اخبار کھولے بیٹھی تھیں، اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے، اخبار فی الفور تہہ کیا اور چشمہ اتار کر سائیڈ ٹیبل پر۔

"رات تو نیند ہی نہیں آ کر دی موؤں ہی کروٹیں بدل کر صبح کی۔"

"مجھے اٹھا لیتیں، پاس ہی تو تھی آپ کے۔" وہ اپنی بے خبر نیند پر شرمندہ سی ہوئی۔

دادی نے محبت سے اسے دیکھا۔

"سارا دن لگی رہتی ہو، ایک رات ہی تو ملتی ہے آرام کے لیے، میرا اپنا دل نہیں مانتا۔"

"ایسا کون سا کام ہے گھر میں دادی! وہی حسب معمول، جو گھر کا ہوتا ہے۔" آپ اس طرح مت کیا کریں، خدا نہ کرے طبیعت خراب ہو جائے تو پھر!"

اپنی بات ختم کرتے ہوئے وہ خود دادی کی طرف سے تشویش میں پڑنے لگی۔ شروع سے ان کے ساتھ سونے کی عادت تھی اور وابستگی کی تو کوئی حد تھی نہ انتہا، نہ اس کی اور نہ معاذ کی۔

خود امی کو اولاد کی طرف سے یہی شکوہ تھا کہ وہ ان سے زیادہ دادی کے ہیں۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟" ربیعہ سے رہا نہ گیا۔

گھر میں بظاہر سب ہی نارمل رہتے تھے، مگر دادی میں بڑی تبدیلی آ چکی تھی، زیادہ وقت خاموش رہتیں، ان کی شکستہ دلی کسی سے چھپی نہیں تھی، شاید وہ دوسروں کی طرح اچھی اداکار نہیں تھیں۔

"کیا سوچنا ہے۔ اس عمر میں رہ ہی کیا جاتا ہے، جس کے لیے سوچا جائے، بس یوں ہی دماغ ادھر ادھر بھٹکتا رہتا ہے۔"

ان کے لہجے میں بڑی ٹوٹی سی کیفیت تھی۔ ربیعہ سب سمجھتی تھی اور حسب توفیق دل جوئی بھی کر لیتی تھی۔

"مت تھکائیں اپنا دل دماغ، جو ہونا تھا ہو گیا، جویا کے لیے دعا کیا کریں، وہ بے چاری پتا نہیں کس طرح ایڈجسٹ ہوگی۔"

"اور میرا معاذ۔" تین حرف کسی سرد آہ کی طرح ان کے لبوں سے نکلے۔ "کوئی اس کے لیے کیوں نہیں سوچتا، پتا نہیں کس طرح اس وقت کو کاٹ رہا ہے۔"

"دادی پلیز!" ربیعہ نے ان کا کمزور سا ہاتھ تھاما۔ "آپ مت لیں اتنی ٹینشن، معاذ کو کچھ نہیں ہوا، تھوڑا بہت افسوس ہوا بھی ہے تو دیکھ لیں، کتنی جلدی اس نے خود کو سنبھال لیا ہے، ذمہ داری سے جاب کر رہا ہے، سوشل ورک بھی جاری ہے، اور مجھے تو اب خاصا خوش مزاج بھی لگنے لگا ہے۔"

"اور یہ ساری خوبیاں اب ایک دم ہی کیسے آ گئیں۔ کیوں نہیں ہمیشہ کی طرح چار دن کر کے اس کا نوکری سے دل بھر گیا، کیوں وہ رات گئے تک گھر سے باہر نہیں پھرتا، میرا بچہ بالکل بدل گیا ہے۔"

ان کی آواز میں نمی گھلنے لگی تو بات ادھوری چھوٹ گئی۔

ربیعہ نے بے ساختہ ہی بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے ماتھے کو چھوا۔

یہاں گھر میں معاذ سے زیادہ کسی کو بھی نہیں چاہا گیا تھا، اس کی خامیوں پر بھی فخر کرنے کا سلسلہ پرانا تھا، مگر اب نئی نئی آنے والی خوبیوں پر اظہار افسوس کم از کم اس کی سمجھ سے تو باہر تھا۔

"کتنا بدلا اس نے خود کو، مگر اظہار اور شاکر نے وہی کیا جس کا مجھے ہمیشہ ڈر رہا، دونوں میاں، بیوی انتہائی کینہ پرور لوگ ہیں، میرے تو دل سے بد دعا نکلتی ہے ان دونوں کے لیے۔" دادی زیادہ ہی جذباتی ہونے لگیں۔

ان کی ضعیف العمری، عبادت گزاری، سچائی، صبر۔

"جو کوئی ایک بد دعا بھی ان کے لبوں سے نکل کر قبولیت کا درجہ پا لے تو پتا نہیں کیا رنگ لائے۔"

ربیعہ کا دل سوچ کر ہی کانپ گیا۔

"ایسا نہ کہیں دادی! معاف کر دیں انہیں، شاید یہی منظور ہو قدرت کو اور پھر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ لڑکا معاذ سے ہر حال میں بہتر ہو، جویا خوش رہے اس کے ساتھ۔" گو اپنی بات پر اسے خود بھی کوئی خاص یقین نہیں تھا۔

"معاذ سے اچھا کوئی دوسرا لڑکا نہیں جویا کے لیے' اور یہ تم مجھے صبح صبح سبق پڑھانے کیوں بیٹھ گئیں' جب دل دُکھاہے تو۔"

کبھی کبھی وہ بالکل بچوں کی طرح ضد پر اتر آتیں۔ ربیعہ ہلکے سے ہنس دی۔

"آج شائستہ نہیں آئی ہے کیا؟ اس کی مشین کی آواز نہیں آرہی۔"

منظر میں آئی ایک اور بڑی تبدیلی!

بیک گراؤنڈ سے وقفے وقفے سے آتی گھرر رکی آواز گھر کے طے شدہ منظر نامے کا لازمی حصہ تھی۔

"سلائی پر نہیں بیٹھی ہیں' شاید کپڑوں کی کٹنگ کر رہی ہیں' معاذ نے تو سختی سے منع کر دیا ہے انہیں کہ وہ اب بوتیک کا کام لینا چھوڑ دیں' لیکن ان کا دل نہیں مان رہا' پرانا کام ہے نا اسی لیے۔ اس کی توجہ ہٹانے کے لیے صبح کو مشین نہیں چلائی ہے آج۔"

ربیعہ کا جواب تفصیلی بھی تھا اور مکمل بھی۔

"بے چاری شائستہ!" دادی کے لبوں پر اداس سی مسکراہٹ ایک پل کے لیے ابھری۔ "ساری عمر جان توڑ محنت کی ہے' تب کہیں جا کر گھر کا بھرم رکھا ہے اس نے' ورنہ اسلام جیسے ایمان دار اور اصول پرست آدمی کے ساتھ گزارا آسان نہیں ہے۔"

"ابا جیسا شوہر اور معاذ جیسا بیٹا بھی تو دیکھیے دادی۔" ربیعہ نے ہنستے ہوئے ٹکڑا لگایا۔ "امی کی ہمت کو تو واقعی سلام کرنا چاہیے۔"

ناشتے کا وقت ہو رہا تھا۔

وہ چائے کے برتن سمیٹ کر واپس کچن میں آرہی تھی تو معاذ کو ابا کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا۔

آج کل وہ جلدی اٹھنے لگا تھا' آفس تو گیارہ ساڑھے گیارہ تک ہی شروع ہوتا تھا' مگر دن چڑھے تک بستر نہ چھوڑنے کی عادت میں خاصی کمی آچکی تھی۔

"معاذ!" اس کے پکارنے پر وہ مڑ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"آج ٹائم ہو تو ناشتے کے بعد مجھے تھوڑی سی دیر کے لیے کالج لے چلو' مارکس شیٹس آگئی ہیں کب کی۔ تمہارے آفس ٹائم سے پہلے فارغ بھی ہو جائیں گے۔"

کتنے دن سے وہ کہہ رہی تھی۔

معاذ کو اپنے گیراج اسکول والے پروجیکٹ کی کوئی مصروفیت تھی' ریحان وغیرہ سے آنے کا کہہ چکا تھا' لیکن اس وقت ربیعہ جن پُر امید نگاہوں سے دیکھ رہی تھی' اسے منع کرنا بھی اچھا نہیں لگا۔

"بس آدھ گھنٹے میں تیار ہو جاؤ' اپنے کام نمٹا کر اور وہاں بھی دیر نہیں لگانا۔" وہ کہتا ہوا ابا کے کمرے میں چلا گیا۔

"آدھ گھنٹہ!" اس نے تیزی سے اپنے سارے کاموں کو کیلکولیٹ کیا۔

بہت جلدی بھی کرتی تب بھی گھنٹہ بھر سے زیادہ ہی لگ جاتا' ایک بار تو اس کا دل چاہا کہ وہ امی کو ناشتہ بنانے کے لیے کہہ دے' مگر اس سرد موسم میں انہیں تکلیف دینا بھی اچھا نہیں لگا۔

جس وقت وہ سب لوگ ناشتہ کرنے کے لیے بیٹھے وہ جھٹ پٹ تیار ہو کر آبھی گئی۔

معاذ نے تعریفی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"ناشتہ تو کر لو بیٹا!" ابا کو فوراً ہی اس کا خیال آیا۔

"میں نے چائے پی لی تھی ابا! واپس آکر ناشتہ کروں گی۔ ابھی تو بالکل دل نہیں چاہ رہا۔"

"بہت ٹائم ہے' اور ناشتہ کرنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے' چلو شاباش!"

معاذ کو اندازہ تھا کہ وہ محض اس کو دیر نہ ہونے کی وجہ سے ہی یہ چند منٹ بچا لینا چاہتی ہے۔

"تم آگے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لو ربیعہ! بے کار میں گھر بیٹھ کر وقت ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیوں ابا؟"

اس نے اچانک ہی یہ متنازعہ موضوع چھیڑا تو وہ کچھ چونک کر ان سب کو دیکھنے لگی۔

کافی پہلے خود بخود ہی یہ فرض کر لیا گیا تھا کہ اس کے لیے بی اے کر لینا ہی بہت ہے اور چونکہ وہ خود کوئی خاص پڑھنے کی شوقین نہیں تھی تو اسے اس بات پر کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔

"پھر محض گھر بیٹھ کر کسی اچھے رشتے کا انتظار!"

بہت ہی عاجزانہ اور کاہلانہ سا تصور بندھتا تھا کبھی کبھی تو۔

"ٹھیک کہتا ہے معاذ! تمہیں اس پر سوچنا چاہیے بیٹا! جس سبجیکٹ میں دلچسپی ہو ماسٹرز کر ہی ڈالو۔"

ابا کے نزدیک شاید پڑھنے سے زیادہ آسان کام کوئی اور نہیں تھا۔ "علم حاصل کرنا تو خدا کی خاص رحمت ہے بندے پر اور رحمت تو صرف آسانیاں ہی لے کر آتی ہے زندگی میں سو جتنی بھی ہو کم ہے۔"

ربیعہ نے اکثر انہیں کہتے سنا تھا۔

"پر ابا! کوئی بہت اچھے مارکس تھوڑی ہوں گے میرے سیکنڈ ڈویژن ہی تو ہے کہاں کسی اچھے سبجیکٹ میں ایڈمیشن ملنے لگا۔"

اپنے بارے میں وہ کبھی کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوتی تھی پر ابا سدا کے خوش امید۔

"ہم، سیکنڈ بھی تو ہو سکتی ہے لیکن یونیورسٹی کے فارم تو بھرے گئے شاید۔"

"یونیورسٹی بھی ضروری نہیں ہے شہر بھرا پڑا ہے پرائیویٹ کالجز سے اور سب ہی بہت مہنگے بھی نہیں۔ ہیں میری نظر میں دو چار دیکھتا کرتا ہوں۔"

چائے کا آخری گھونٹ بھر کر معاذ اٹھ کھڑا ہوا۔

ربیعہ کی حیرت روز بہ روز بڑھتی تھی۔

وہ جو کبھی اپنے بارے میں بات کرنے کی کیا سوچنے تک کی بھی تکلیف گوارا نہیں کرتا تھا آج اس کی بہتری کی نہ صرف فکر کر رہا تھا بلکہ آگے بڑھ کر ساری ذمہ داری تک لینے کو تیار تھا۔

ربیعہ کی نگاہ دادی پر جا کر رکی۔

"کیا دادی ان سب سے زیادہ معاذ کو سمجھتی ہیں؟"

بائیک اڑاتے ہوئے جب وہ اس کے کالج کی طرف جا رہا تھا تب اس کے پیچھے بیٹھی ربیعہ مستقل اس کے بارے میں سوچے گئی۔

کتنی عجیب سی بات تھی۔

جس وقت اس کی لاپروائیوں اور کوتاہیوں کی کوئی حد اور شمار نہیں تھا اس وقت کم از کم کوئی واہمہ اس کی طرف سے نہیں گھیرتا تھا اور اب جب وہ خود اپنی مثال آپ بننے کی کوشش میں تھا تو دل پر ایک ساتھ ہی بہت سارا بوجھ اس کی طرف سے آگرا تھا۔

ربیعہ کو کالج کے گیٹ پر اتار کر وہ قدرے فاصلے پر لگے درخت کے ساتھ موٹر سائیکل کھڑی کر رہا تھا تب ہی ریحان کا فون آگیا۔

"بیگم زر تاج واپس آگئی ہیں نئی اطلاع اور بری اطلاع یہ کہ فی الحال وہ کسی سے مل نہیں رہیں۔" ریحان کے پاس ایک ساتھ دو اہم خبریں تھیں۔

"مل نہیں رہیں مگر کیوں؟" معاذ کو تھوڑی سی مایوسی ہوئی۔

ڈونیشن میں جتنے پیسوں کا اعلان ہوا تھا۔ وہ ابھی پورے نہیں ملے تھے اس بار کے گروپ میں بچے پہلے سے کہیں زیادہ تھے بیگم زر تاج کی طرف سے عطیہ کے طور پر دیے جانے والے پیسوں میں خاصا خرچا نمٹ جانے کی امید تھی مگر وہاں سے ابھی تک آدھی رقم کا ہی چیک موصول ہوا تھا۔

"ہمارے ہاں اعلان زیادہ ہوتے ہیں عملی کام کم ہماری تو حیثیت ہی کیا ہے بڑے بڑے چیریٹی شوز میں لوگ جس طرح بڑھ چڑھ کر بھاری سے بھاری رقم کا اعلان کرتے ہیں اس کا آدھا بھی وصول نہیں ہو پاتا ہے۔" دوسری طرف سے ریحان کہہ رہا تھا۔

شاید ٹھیک بھی تھا۔

مگر وہ عادتاً "جلد مایوس نہیں ہوتا تھا ابا کے زیر اثر تھا آخر۔

"مجھے نہیں لگتا کہ بیگم زر تاج ہمیں پوری رقم دینے سے انکار کریں گی بہر حال وہ ایک مخیر خاتون ہیں اور اس حوالے سے ان کی شہرت بھی ہے ممکن ہے فی الحال کوئی ذاتی مسئلہ ہو ایک دو دن ٹھہر کر بات کرتے ہیں ان سے۔"

اپنی کہی بات پر اسے بڑی حد تک یقین بھی تھا۔

"ٹھیک ہے پھر تم ہی کرنا بات ان سے اچھا ایک بات اور۔۔۔!" زر تاج کی ذمہ داری اس کے سپرد کر کے ریحان کو کچھ اور یاد آچکا تھا۔

چند منٹ کی بات کے بعد فون بند کرتے ہوئے اس نے کالج کے گیٹ کی طرف دیکھا۔

یہ معمول کے رش کا وقت نہیں تھا۔

"ربیعہ واقعی بہت سیدھی ہے کتنے ہی ہفتے گزر چکے ہیں اس کے رزلٹ کو پھر بھی بے چاری کسی سے کچھ نہیں کہتی۔"

اس نے محبت سے بہن کے بارے میں سوچا تب ہی وہ بھی یاد آئی جسے بھلائے رکھنے کی ہر کوشش مستقل ہی ناکام تھی۔

"جویا!"

"معلوم نہیں کیا کر رہی ہے آگے پڑھنے کے دعوے تو بہت تھے۔"

"مگر اب شاید زیادہ ضروری شادی کی تیاریاں ہوں گی؟" کہیں اندر تہہ و بالا کرتی کیفیت پر قابو پانے کے لیے اس نے نچلے ہونٹ کو سختی سے دانتوں تلے دبایا۔

"جویا کی شادی۔"

ہوا کچھ زیادہ ہی تیز تھی۔

معاذ کو آنکھوں میں بری طرح چبھن سی محسوس ہو رہی تھی۔ سختی سے آنکھوں کو رگڑتے ہوئے اس نے محسوس کیا کہ ساری انگلیاں گیلی ہو رہی تھیں۔

"کیا کمال کی حماقت ہے!"

اس نے یوں سر راہ کھڑے ہو کر اپنے غم پر ہنسنا چاہا مگر ہر کوشش ہر بار کامیاب نہیں ہوتی۔ کیوں کیا تھا اس نے ایسا وہ تو ہمیشہ خود سے زیادہ اس کی ثابت قدمی کے بھروسے پر مطمئن رہا تھا۔

اس ایک سوال کا جواب ہنوز ملنا باقی تھا!

کچھ تو ایسا ہوا تھا جو اس سارے ادل بدل کا سبب بنا تھا؟ ورنہ جویا یہ جنگ ہارنے والی نہیں تھی!

درخت کے تنے سے ٹیک لگاتے ہوئے اس نے ٹھوکر سے ایک چھوٹے سے پتھر کو فاصلے پر کیا۔

"وقت آیا تو ہمت اور حوصلہ دونوں ہی دیکھ لوگے تم۔" ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا' جب جویا نے اس کی طرف سے ملنے والی ساری حوصلہ شکنی کے جواب میں بڑی پُراعتماد مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

"اور اب اگر کوئی اور کیا خود جویا بھی جلتے توے پر ہاتھ رکھ کر کہہ دے کہ وہ کسی اور سے بخوشی شادی پر راضی ہے تو وہ ایک پل کے لیے بھی یقین نہیں کر سکتا۔"

یہاں اس ایک مقام پر وہ اٹل تھا۔

جویا نے سڑک کے دوسری طرف بس سے اتر کر سڑک کراس کی تھی' جب وہ اسے دیکھ پائی۔

درخت کے تنے سے ٹیک لگائے' سینے پر ہاتھ باندھے وہ بالکل ساکت کھڑا تھا' اردگرد سے بالکل بے نیاز تیز ہوا سے اس کے بال ماتھے پر بکھر رہے تھے۔

"اور وہ کم از کم اتنی خوش قسمت تو ہے کہ تھوڑے تھوڑے عرصے بعد ہی سہی' کہیں نہ کہیں اسے دیکھ تو لیتی ہے۔"

ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے تھوڑا سا خوش ہونا چاہا۔

چند لمحے وہ سڑک کے کنارے پر ہی کھڑی خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

کالج تک جانے کے لیے اسے معاذ کے سامنے سے گزر کر جانا پڑتا' لیکن وہ جس طرح لاتعلق دکھائی دے رہا تھا اس میں اس کا دیکھا جانا مشکل ہی تھا۔

آگے کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے ایک بار بھی معاذ پر سے اپنی نگاہ نہیں ہٹائی تھی۔

آج بھی وہ اس سے بظاہر لاتعلق ہی تھا۔

مگر آج سے زیادہ جویا کو اس کی لاتعلقی نے کبھی تکلیف نہیں دی تھی۔

ہمیشہ وہ اس کی بس ذرا سی توجہ کی منتظر رہی' اور اب جب دل سے چاہتی ہے کہ۔۔۔ تو وہ اسی کے دھیان میں۔

وہ اس کے قریب سے یوں ہی سر جھکا کر نہیں گزر سکی۔

"معاذ!"

بنا پلک جھپکائے وہ اس کی طرف دیکھے گیا۔

"ربیعہ آئی ہے کیا کالج؟"

"نہیں۔" وہ حسب عادت اب بھی مسکراتا تھا۔

"اور یہ بھی کتنے کمال کی بات ہے۔" جویا نے اس پل سوچا تھا۔

"پھر!"

"بس تمہاری ایک جھلک دیکھنے کے لیے یہاں آ کھڑا ہوتا ہوں روز۔" اپنی بات کہہ کر وہ ہنس پڑا۔ "ظاہر ہے' ربیعہ کو ہی لے کر آیا ہوں۔"

اچھا تھا جو اس کی خوش دلی 'ظاہرا' ہی سہی کچھ تو قائم تھی' خود اس کا تو کسی سے ڈھنگ سے بات کرنے کو بھی دل نہیں چاہتا۔

وہ بہت دن بعد مسکرائی۔

"تمہارے ابا حضور نظر نہیں آرہے' اب کوئی سلیمانی ٹوپی پہن کر تو میری نگرانی کرنا نہیں شروع کردی۔" اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑاتے ہوئے وہ اظہار چچا کو پوچھ رہا تھا۔

"میں بس سے آئی ہوں' ابو کے ساتھ نہیں۔"

"کیوں' آج کل زیادہ مصروف ہیں وہ تمہاری شادی کی تیاریوں میں۔"

جویا کی مسکراہٹ معدوم ہونے لگی۔

معاذ کو شرمندگی گھیرنے لگی۔

وہ جتنی کمزور اور زرد دکھائی دے رہی تھی' اس کے بعد بھی کیا کوئی تکلیف دہ بات کرنا ضروری تھا۔

"سوری!"

"کوئی بات نہیں۔" (اتنا تو اس کا اب بھی حق تھا۔)

"اصل میں وہ ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوتے ہیں تو بس اسی لیے۔" محتاط سے انداز میں صفائی دیتے ہوئے وہ پھر سے بھٹکا۔ "شاید اب انہیں نگرانی کی ضرورت بھی نہیں' مطمئن جو ہوگئے ہوں گے۔"

اعتراف جرم کی سی خاموشی کے ساتھ وہ اس کے سامنے کھڑی رہی۔

یہ بتانا کیا ضروری تھا کہ گھر کے حالات اب انہیں ہمہ وقت گاڑی دوڑانے کی عیاشی سے بھی روک چکے ہیں' ایک شخص کے لیے اتنے کلومیٹر گیس بھی مہنگی ہی پڑتی تھی۔

"تمہاری جاب تو ٹھیک چل رہی ہے نا؟"

"شکر ہے۔ تمہارے گھر میں تو بڑی مایوسی پھیلی ہوگی ویسے انہیں کیا فرق پڑتا ہے جو کرنا تھا سو کیا۔"

بات ختم کرنے تک اس کی آواز بتدریج نیچی ہوئی اور لہجہ دکھ سے بوجھل۔

جویا کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہونے لگا۔ اب جبکہ ان کے درمیان ایسا کچھ باقی ہی نہیں رہ گیا تھا' تو کیوں وہ اس کی تکلیف بڑھانے کے لیے اس کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔

"میں چلتی ہوں' بہت دن سے ربیعہ سے بھی ملاقات نہیں ہوئی' اس سے بھی۔۔۔!"

وہ مڑنے ہی لگی تھی کہ معاذ نے تیزی سے اس کا راستہ روکا۔

"تم نے ایسا کیسے ہونے دیا جویا! بتاؤ مجھے ٹھیک ٹھیک۔"

جواب دہی کے بارے میں سچی بات تو یہ کہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا خود بخود ہی بھروسا سا تھا کہ وہ اس کے فیصلے کا احترام کرے گا' لیکن وہ خود کو اتنا عظیم ثابت نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"میں نے سرتوڑ کوشش کی' اتنے عرصے اور میں کامیاب بھی ہوا پھر بھی۔"

اس نے ذرا رک کر جویا کے اداس چہرے کو دیکھا' مگر اب ذرا سی بھی رعایت کرنے کا وقت نہیں تھا۔

"ان لوگوں سے تو میں کوئی اچھی توقع شاید مر کر بھی نہیں کر سکتا تھا' مگر تمہارے تو بڑے دعوے تھے جینے مرنے کے پھر کیا ہوا' میں اصل وجہ جانے بغیر نہیں جانے دوں گا تمہیں یہاں سے۔" وہ سارا ضبط کھونے لگا۔

جویا نے بے بسی سے معاذ کی طرف دیکھا۔

وہ جس طرح راستہ روکے کھڑا تھا' کوئی راہ فرار نہیں تھی۔

"یہاں اس سڑک پر' کیوں تماشا بنا رہے ہو معاذ!"

"پھر' ہمیں کیا کوئی ٹائم سیٹ کرنا چاہیے کسی ریسٹورنٹ یا پارک وغیرہ میں ملنے کے لیے؟"

اس کے لہجے کی کڑواہٹ جیسے فضا میں پھیلتی جارہی تھی۔

"وہ ایسا کب تھا!"

پل کے چھوٹے سے حصے میں جویا کو اس کی لاپروائیاں' اس کی درگزر' اس کی نرمی' سب ہی یاد آیا' یہ کڑواہٹ خود اس کی بخشی ہوئی تھی۔

"اور اس زہر کے ساتھ' وہ کسی طرح جی رہا ہے۔" جویا کو سوچنے کی بھی ہمت زائل ہوتی محسوس کی۔

"تم اپنی زندگی شوق سے برباد کرو جویا! تماشا دیکھنے کے لیے تمہارے گھر والے ہی بہت ہیں' لیکن میں تمہاری

اصلیت ضرور جاننا چاہوں گا' وہ سب میرا وہم تھا یا یقین۔" جلتی بجھتی سی کیفیت میں وہ پھر سے دھیما پڑنے لگا۔
جویا نے بہت دھیان سے اس کے چہرے کو دیکھا' جہاں آنکھوں میں الفاظ کے برعکس اب بھی نرم سی روشنی پھیلی تھی۔
کیوں وہ ان روشن آنکھوں میں کانچ بھرنے کا سبب بنی؟ اسے خود پر شرم آئی اور اپنے خاندان پر بھی۔
کوئی حق نہیں تھا' اسے معاذ کی زندگی کو پچھتاووں کی نذر کرنے کا۔
کوئی حق نہیں تھا' اسے ساری عمر اپنی اس فضول' اور لاحاصل محبت میں مبتلا رکھنے کا۔
سو جہاں سارے حقوق ختم' تو وہاں اس ربط کی بھی گنجائش کہاں' جو بار بار ایک دوسرے کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے' یہ ایک بھلائی تو وہ اس کے ساتھ کر ہی سکتی ہے!
"سنو معاذ!" اس نے یک دم ہی خود کو بے حد مضبوط محسوس کیا' "ہمارے درمیان جو بھی تھا' اب ختم ہوا۔ لمبی چوڑی کوئی بات نہیں' لیکن میں اپنے والدین کے خلاف نہیں جا سکتی' جو کچھ بھی ہو رہا ہے' میری اپنی سو فیصد مرضی شامل ہے اس میں' اتنا ہی کافی ہے۔"
اس کی آواز دھیمی تھی' لیکن لہجہ بالکل صاف' ایک ایک لفظ' الگ الگ۔
معاذ کو سننے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔
"جو چوٹ تمہیں لگی ہے' اس کا بھی مداوا کہیں نہ کہیں آخر ہو جائے گا' مگر اب میرے آگے آ کر مت کھڑے ہونا' پلیز۔"
ایک لفظ بھی کہے بغیر معاذ نے راستہ چھوڑا اور وہ تیز قدموں سے آگے بڑھتی چلی گئی۔
معاذ اس بار اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔

☼ ☼ ☼
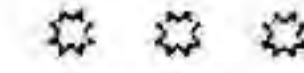
کمرہ بالکل کسی سستی سی گفٹ شاپ کے انداز میں سجایا گیا تھا۔
دیواروں پر سلور گولڈن آرائشی فریم' سائیڈ پر رکھے بے تحاشا شو پیسز جن میں آپس میں کوئی تال میل تک نہیں' پتھر کے تاج محل سے لے کر شیشے کی مچھلیاں' رومانوی انداز میں کھڑا ڈانسرز کا جوڑا' مختلف موقعوں کی مناسبت سے لکھے گئے پیغامات والے مگ اور فوٹو فریم۔ بچوں کے کھلونے اور رنگ برنگے پھولوں سے بھرے گل دان۔
جو چیز اچھی لگی خریدلی اور جہاں دل چاہا رکھ دی' اس سخت افراتفری والے منظر میں' خیام کو بار بار نانی ستارہ کا گھر یاد آیا' جہاں ایک ایک شے سے سلیقہ اور ذوق جھلکتا تھا۔
ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے سر صوفے کی پشت سے نکایا۔
یہ بابو شوکت کے گھر کا ڈرائنگ روم تھا' جو خاص طور پر اس کے لیے کھولا جاتا تھا جب وہ اس کی دونوں چھوٹیوں کو پڑھانے کے لیے پچھلے دو ہفتوں سے آ رہا تھا۔
یہاں آنے سے پہلے ہی اسے اندازہ تھا کہ پڑھانا صرف اسے بلوانے کا بہانہ ہے' ورنہ بابو شوکت کی بیوی اور خود بیٹیوں کو پڑھنے پڑھانے میں خاص کیا' عام سی بھی دلچسپی نہیں ہے سو اب۔ پچھلے چند روز دنوں میں لڑکیوں کا ایک ہی سبق پر اٹکے رہنا' اس کے ابتدائی خیال کا جیتا جاگتا ثبوت تھا۔
"گڈو! باہر کیا دیکھ رہی ہو' کاپی پر دھیان دو۔"
گھنٹے بھر سے سیدھے سادے جمع تقسیم کے سوال دیے ہوئے تھے مگر' اب تک حل ہو کر نہیں دے رہے

تھے۔
اس کے سخت لہجے کی پروا کیے بغیر دونوں بچیاں ڈھٹائی سے باہر کی طرف دیکھتے ہوئے کھی کھی کیے جا رہی تھیں۔
خیام نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس طرف نگاہ کی' وہاں رانی کی موجودگی کا ڈھکا چھپا سا احساس موجود تھا۔
"باجی آپ کو چھپ چھپ کر دیکھ رہی ہیں۔" خوش خبری کے سے جوش و خروش سے ان میں سے ایک نے اس کو اطلاع دی تھی۔
خیام کا دل چاہا کہ وہ اپنا سر سامنے رکھی اس لکڑی کی میز پر ہی دے مارے۔
کیسی ڈھیٹ اور فتنہ گر لڑکی تھی۔
شروع شروع میں تو وہ باقاعدہ خود بھی اندر آ کر بیٹھتی اور مستقل میٹھی میٹھی باتوں اور نگاہوں دونوں ہی کو آزماتی' دونوں بہنیں بھولی ضرور تھیں' مگر باجی کے حالِ دل سے اچھی طرح واقف۔
کیبل پر دن رات دیکھے جانے والے ڈراموں کا ردِ عمل ایسے ہی عمر سے پہلے آگہی کے عذاب کی صورت یہاں بھی اترا ہوا تھا۔
رانی کی نگاہوں اور اشاروں کی خبر خیام سے پہلے ان دونوں کو ہوتی اور وہ اس سے خیام کو باخبر کرنا اپنا فرض سمجھتیں۔
چند دنوں میں ہی اسے تنگ آ کر' پہلے رانی اور پھر اس کی ماں سے سختی کے ساتھ کہنا پڑا کہ پڑھائی کے دوران بے کار کی مداخلت جاری رہی تو پھر وہ پڑھانے نہیں آئے گا' تب کہیں جا کر رانی کمرے سے نکل کر دروازے تک محدود ہوئی تھی۔
مگر جیسے دروازے میں ہی فکس ہو کر رہ گئی تھی۔
"باجی پوچھ رہی ہیں اور چائے لے آئیں؟" بہنوں میں غضب کی انڈر اسٹینڈنگ تھی۔
"نہیں' تم اپنا کام ختم کرو' مجھے دیر ہو رہی ہے۔" خیام کی آواز خلافِ عادت بلند ہو گئی۔
رانی دروازے سے ہی لگی کھڑی تھی' تڑپ کر اندر آئی۔
"اماں کہہ کر گئی ہیں' کھانا یہیں کھانا ہے تمہیں!"
وہ اس کے میک اپ اور رنگ برنگے کپڑوں کا تو عادی ہوتا جا رہا تھا' لیکن جس طرح وہ دن بدن استحقاق جتانا بڑھاتی ہی جا رہی تھی؟ وہ اس کی بے حسی کو جھنجلاہٹ میں بدلتا تھا۔
"میں کھانا دیر سے کھاتا ہوں اور ابھی تو مجھے بھوک بھی نہیں ہے اور تم دونوں اپنے کام پر دھیان دو' یا تیں کیا سن رہی ہو۔"
رکھائی سے منع کرتے ہوئے' وہ لڑکیوں پر خفا ہوا' وہاں وہی دل جلانے والی ہنسی۔
"بس بہت پڑھ لیا' اب چھٹی کرو' اور تم بھی اتنا دماغ مت تھکایا کرو' دو چار لفظ بتا دینے کافی ہیں۔"
رانی نے جیسے اس کی طرف سے فیصلہ سنایا۔
لڑکیاں فوراً" ہی بستہ سمیٹنے میں مصروف ہو گئیں' خیام بہت تپ کر اٹھ کھڑا ہوا۔
"کہاں چلے' بیٹھو ابھی' اماں بہت ناراض ہوں گی۔ یہ سمجھ لو۔" وہ جس ناز سے دھمکی دے رہی تھی۔ خیام کو خود بخود ہی اس گھر میں اپنی حیثیت پر شبہ سا ہونے لگا۔
"بھلا اس جادوگرنی جیسی عورت کا اس پر کیا حق بنتا ہے جو وہ اس کی ناراضی کی پروا کرے۔"
"میں جا رہا ہوں' تم دروازہ بند کر لو۔"

رانی کو یکسر نظر انداز کر کے وہ چھوٹی لڑکی سے کہتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔
"میں نے کھانا۔ کہیں نہیں جاؤ گے "گڈو! جا کر اماں کو بلا کر لا "کہہ دینا خیام بھائی جا رہے ہیں۔"
رانی بھی کچھ ضد میں آئی تھی "بھلا کوئی بات ہے، جب بھی۔ تمہیں کھانے کا کہتے ہیں، ایسے صاف انکار کرتے ہو" آخر ابا کے ہوٹل پر بھی تو کھاتے ہو یا نہیں۔"
خیام کو لگا جیسے وہ اس کی حیثیت یاد دلا رہی ہے "مگر یہ پھر بھی غنیمت تھا اس کے نزدیک۔
"میں وہاں ملازم ہوں اس لیے کھا سکتا ہوں۔"
"اور یہاں مہمان، صرف گھر کے نہیں بلکہ۔"
غیر محسوس انداز میں وہ اس کے قریب آنے کی کوشش میں رہتی تھی، سو اب بھی یہی تھا "پوچھو گے نہیں؟"
خیام نے بے بسی کے ساتھ رانی کو دیکھا۔
اس کی مسکراہٹ سے چھلکتی معنی خیزی اس کے چہرے کے نقوش کو بڑا عجیب سا تاثر دیتی تھی۔
وہ کوئی بے وقوف، جذباتی لڑکی نہیں تھی، وہ چالاکی کی حد تک تیز طرار لڑکی تھی، جو اپنا مستقبل ٹھوک بجا کر محفوظ کرنے پر تلی ہوئی تھی۔
خیام کو احساس ہوا کہ گھر میں ایک دم ہی سناٹا چھا گیا ہے۔
بابو شوکت کے اتنے سارے بچے شاید ایک ساتھ ہی اپنی اماں کو بلانے کے لیے چلے گئے تھے۔
"دیکھو رانی! تم مجھے غلط مت سمجھو میں بابو بھائی کی بہت عزت کرتا ہوں اور صرف ان کی وجہ سے اس گھر میں آ رہا ہوں، اس کے علاوہ میرا یہاں کوئی کام نہیں۔ تم بے کار کی تکلیف مت اٹھایا کرو۔" خود پر قابو پاتے ہوئے جب وہ رانی کو محتاط طریقے سے سمجھانے کے لیے یہ سب کہہ رہا تھا تو اسے احساس ہوا کہ اب اسے زیادہ لمبی بات کرنے کی بھی ذرا عادت نہیں رہی تھی۔
لمبی باتیں وہ صرف کیتی کے ساتھ کرتا تھا، بلا تکان! اب تو ٹھیک سے یاد بھی نہیں آ رہا تھا کہ زیادہ کون بولتا تھا۔
وہ یا کیتی!
بس یوں ہی بات سے بات نکلتی چلی جاتی۔
وہ پھر اسی ممنوعہ علاقے میں جا نکلا۔
"تم خود کو کچھ بھی سمجھو خیام جی! ہمارے لیے تو بہت خاص ہو، صرف میرے لیے نہیں، سب کے لیے، ابا اور اماں کو بہت امید ہے تم سے۔"
ٹیوب لائٹ کی روشنی میں اس کا گورا رنگ چمک رہا تھا اور آنکھوں میں خوب گہرا کر کے ڈالا ہوا کاجل اور پلکوں کا ایک ادا کے ساتھ گرانا اٹھانا۔
"یہ حلیہ، یہ انداز، آج۔"
اسے گھن آتی تھی۔

☆ ☆ ☆

بابو بھائی کی بیوی آج جان بوجھ کر تھوڑی دیر سے آئی تھی۔ رانی کو اس نے گھر میں گھستے ہی برآمدے میں بیٹھا دیکھ لیا تھا اور اس کی شکل دیکھتے ہی وہ جس طرح دھواں دھار شروع ہوئی تھی، ماں کا تو سچ مچ دل ہی بیٹھنے لگا تھا۔
"کیوں ہلکان ہو رہی ہے، میں ہوں نا۔ ہو جائے گا سب ٹھیک۔" بیٹی کو گلے لگائے وہ اسے دیر تک تسلی دیے گئی۔

"غلطی میری ہے' اتنے دن سے میں خود بھی گھر پر رکی رہتی تھی تو وہ بھی دیر تک بیٹھا رہتا تھا۔ آج میں تھوڑی دیر کے لیے پڑوس میں جا بیٹھی تو۔۔۔"

"کیا کہہ رہی ہو اماں؟"

اپنا رونا دھونا بھول کر' رانی ہکا بکا ہو کر ماں کی شکل دیکھنے لگی۔

"دفع!" اس نے بیٹی کی آنکھوں میں اتری بدگمانی کو فوراً" ہی سمجھا۔

"یہی کم عقلیاں ہیں جو تیری بات بننے نہیں دیتیں۔ یہاں تیرے بھلے کی فکر میں مری جا رہی ہوں میں اور تو ہے کہ۔۔۔" کھسیاہٹ کے مارے اس نے بات بھی ادھوری چھوڑی۔

"خالی خولی فکر سے کیا ہو رہا ہے اماں! میں صاف کہہ دیتی ہوں' شادی تو خیام سے ہی کروانا میری۔ ابا سے کہو' صاف بات کرے اس سے' زور دے۔ اتنے احسان ہیں اس پر۔ کیسے بات ٹالے گا۔"

رانی کو بات نہ بڑھنے کا غم اب کچھ زیادہ ہی ستانے لگا تھا۔ انسان تھی' کتنا برداشت کرتی اپنا نظرانداز ہونا اور آج تو حد ہی ہو گئی۔

جاتے جاتے خیام نے جو چند نصیحتیں اسے ماں باپ کی عزت کا خیال کرنے کی کی تھیں۔

وہ اور بھی توہین آمیز تھیں۔

"ہاں' اب تو میں بھی سوچتی ہوں کہ جلد ہی کچھ باقاعدہ بات ہو جائے' ہوٹل پر بیٹھتا ہے۔ دس لوگوں کو نظر آتا ہو گا' اتنا اچھا لڑکا ہے' کسی کو بھی پسند آ سکتا ہے۔ آج کل تو اچھے لڑکوں کا قحط ہی پڑا ہے۔"

بابو شوکت کی بیوی کو خود بھی واہمہ ستانے لگا۔

"آج ہی بات کرو اماں! ابا سے' ہوٹل پر تو لڑکیاں بھی آتی ہوں گی۔ کوئی اور پسند وسند کر لی تو میں تو جان دے دوں گی اپنی۔ ابھی بتا رہی ہوں۔"

ڈراموں و فلموں سے مستعار لی ہوئی سستی جذباتیت سے بھرپور لہجے میں اس نے اعلان کیا تو ماں نے بڑی تشویش بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"نہ میری بیٹی! کوئی الٹا سیدھا قدم نہ اٹھا بیٹھیو۔ تیرے ابا کی بات نہیں ٹالے گا خیام اور ایسی لڑکی اسے ملے گی بھی کہاں۔ خوش نصیب ہے وہ بھی۔" پیار سے اس نے بیٹی کے گال کو چھوا۔ "محلے والیاں تو ابھی سے پوچھنے لگی ہیں کہ ایسا ہیرا لڑکا کہاں سے ملا ہے تمہیں۔"

رانی نے غرور سے سر کو جھٹکا۔ "اب نظر ہی نہ لگا دیں کہیں۔"

☼ ☼ ☼

جویا کے سسرال والے آنے جانے کے کچھ زیادہ ہی شوقین نکلے تھے۔

تقریباً" روزانہ ہی کوئی نہ کوئی چلا آتا۔

امی' بہن' بھابھی' تائی' چچی اور جو کوئی رشتے دار دوسرے شہر سے آتا تو اسے شہر کی تفریح گاہ کی مانند اعجاز کی ہونے والی سسرال کی سیر کرانا بھی ضروری ٹھہرتا۔

جو فیملی پہلے "چھوٹی سی" کی خوش کن اصطلاح پر پوری اتر رہی تھی' اب ایک بڑے سارے خاندان کا حصہ دکھائی دینے لگی تھی۔ بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ بنا اطلاع کے بھی آمد ہو جاتی تھی۔

"ویسے ہی فرصت تھی۔ سوچا آپ ہی کے ہاں کا چکر لگا لیں۔"

"پتا نہیں کیا بات ہے' کل سے بار بار جویا کا خیال آ رہا تھا۔ سوچا جا کر دیکھ ہی آئیں' کہیں بے چاری بیمار ویمار تو نہیں ہو گئی۔"

یا

"رات آپ کو خواب میں دیکھ لیا' پریشان سی لگ رہی تھیں۔ پہلے تو فون کرنے لگی تھی پھر دل نہیں مانا' اسی لیے خود ہی چلی آئی۔"

بنا بتائے آنے پر تمہید کے طور پر ایسی ہی باتیں کی جاتیں۔ شاکرہ بیگم اور آپا گل کو بھی محبت کا یہ اظہار اچھا لگتا۔ زویا اور جویا کا ہر اعتراض رد کر دیا جاتا۔

"لوگ کنجوس تو ہیں' پر ہیں محبت والے۔ کوئی تکلف اور بناوٹ نہیں ہے۔ اپنا سمجھتے ہیں' تب ہی تو اس طرح آتے رہتے ہیں۔" اس نئے بننے والے رشتے کی سرشاری' برا ماننے کی اجازت ہی نہیں دیتی تھی۔ پر اب جس تیزی سے بہت کچھ بدلا تھا' جذبات اور احساسات بھی اسی کے زیر اثر آتے جا رہے تھے۔

"عجیب بے حس لوگ ہیں' جب دیکھو' منہ اٹھائے چلے آ رہے ہیں اور آتے بھی ٹھیک کھانے کے وقت ہیں۔ اچھا کیا جو تم لوگوں نے اس وقت چائے پلا کر رخصت کیا۔"

ابھی چند منٹ پہلے ہی یہاں سے وفد رخصت ہوا تھا اور آج پہلی بار دوپہر کے ڈھائی بجے انہیں بنا' کھانا کھلائے رخصت کیا گیا تھا۔

آپا گل کا ملال پھر بھی باقی تھا۔

"خالی چائے کہاں امی! سموسے' گلاب جامن' نمکو تو پھر بھی ہم نے رکھ ہی دی ان کے سامنے۔ پورے ڈھائی سو روپے خرچ ہو گئے۔"

گن کر منگوائے گئے آٹھ سموسے' آدھ کلو گلاب جامن' تھوڑی نمکو اور آدھ کلو دودھ کے پیسے انہوں نے ہی دیے تھے۔ سو اب جتانا بھی ضروری تھا۔

"ہاں' وہ میں تمہیں دے دوں گی۔ یہ لو۔" شاکرہ چچی نے فوری دل جوئی کی خاطر گاؤ تکیہ کے نیچے دبے بٹوے پر ہاتھ مارا تو دل جیسے دھک سے رہ گیا۔

سو سو کے محض چند نوٹ اور کچھ کھلے پیسے۔

کسی بڑے نوٹ کا نشان تک نہیں۔

ایسی مفلسی ان کے بٹوے نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اندر کی زپ میں سنبھال کر رکھے ہزار ہزار کے چند نوٹ تو ضرور ہی موجود رہا کرتے تھے اور سامنے پانچ سو اور سو کے نوٹوں کی شکل میں — ہمہ وقت رہنے والے پانچ سات ہزار الگ پھر ایمرجنسی یا بڑے خرچے کے لیے اظہار صاحب کے کمرے کے سیف میں ایک بھاری اماؤنٹ کا یقین' بے فکری اور شاہ خرچی کا طویل ترین دور دیکھا تھا انہوں نے' پر اب یہ دیکھنا بھی مقدر ٹھہرا۔

"کوئی بات نہیں' رہنے دیں۔"

ان کے چہرے کا پھیکا پڑتا رنگ دیکھ کر آپا گل کو بھی دل کڑا کر کے سخاوت دکھانی پڑی۔

شاکرہ بیگم نے مشکور نگاہوں سے بیٹی کی طرف دیکھا۔

"بہت ہی سر چڑھا لیا ہے ان لوگوں کو اور پھر ڈھیٹ ایسے کہ یوں ہی خالی ہاتھ ہلاتے چلے آتے ہیں۔ کتنی بار آ کر کھا چکے ہیں مگر کوئی شرم نہیں۔ رسماً" بھی نہیں کہتے کہ تم لوگ بھی آؤ۔"

آج آپا گل کو ان لوگوں پر روز سے زیادہ غصہ آ رہا تھا۔ اپنے خرچ ہو جانے والے پیسوں کا ہی دکھ بہت تھا۔ آج کل خود وہ بھی قدرے کم آ رہی تھیں' گھر میں پہلے والی بات ہی نہیں رہی تھی' جب روزانہ شاپنگ کے پروگرام بنتے" بنا سوچے سمجھے خریداری ہوتی۔

جو اچھا لگا، لے لیا۔
جتنا گھر میں پکتا اس سے دوگنا باہر سے بھی آتا۔
"کیسی خیر و برکت تھی گھر میں۔" انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے والدہ کی طرف دیکھا۔
"اور اوپر سے یہ روزانہ کا خرچا، کبھی کبھی تو اپنا فیصلہ بھی غلط ہی لگنے لگتا ہے۔ کوئی اور اچھا خاندان مل جاتا جویا کے لیے شاید۔"
"یہ بھی مل گئے تو غنیمت سمجھیے ورنہ اب تو حالات جس طرح جارہے ہیں، جویا کا کوئی ڈھنگ کا رشتہ ملنا مشکل تھا۔ آج کل ہر ایک کی نظر اپنے فائدہ پر رہتی ہے۔ کہاں سے کتنا ملنے کی امید ہے، سب سے پہلے یہی اندازہ لگاتے ہیں لوگ۔"
آپا گل نے مہارت سے حالات کی مایوس کن منظر کشی کی۔
"حاسدوں کی نظر کھا گئی۔" شاکرہ بیگم نے ٹھنڈی سانس لی۔
دن بہ دن ان کا یہ خیال اور بھی پختہ ہو رہا تھا۔ دوبارہ آپا گل کے ساتھ کسی عامل کے پاس بھی ہو آئی تھیں اور ہاتھ تنگ ہونے کے باوجود اچھی خاصی رقم ٹھکانے لگی تھی۔
"دیکھیں، اب کب تک اثر ہوتا ہے۔ امید تو بہت دلائی تھی۔ آپ نے تعویذ تو اچھی طرح دبا دیے تھے نا کیاری میں۔ کہیں یہ نہ ہو کہ دو چار دن میں ہی پانی ڈالنے کے ساتھ مٹی ہٹ جائے۔"
آپا گل کوئی کسر چھوڑنا نہیں چاہتی تھیں۔
سیاہ مرغی کا جوڑا، سفید عمدہ کپڑے کا تھان انہوں نے خود خرید کر عامل صاحب کے سپرد کیا تھا اور وہ چیزیں جوان کی رسائی سے باہر تھیں یا پھر تصور سے ہی کراہیت آتی تھی ان کے لیے بیس ہزار روپے نقد نذر کیے تھے۔
"سب ہی کچھ کیا ہے، اب خدا کرے بات بن جائے، ورنہ یہ بیس ہزار تو یوں ہی پانی میں بہہ جائیں گے۔ ان لوگوں کے فراڈ کی داستانیں بھی بہت سن رکھی ہیں۔"
ناامیدی کسی حال میں بھی پیچھا چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔
زویا کے کالج سے آنے کا وقت ہو رہا تھا۔
اس نے آکر آج پھر جویا کے سسرال والوں کی آمد کا سنا تو حسب توقع برا منہ بنایا۔
"آپ کی تو ان لوگوں سے بے تکلفی ہے یا پھر اعجاز بھائی کو ہی کہیں کہ وہ اپنے گھر والوں کو کنٹرول کریں۔ آجاتے ہیں روز منہ اٹھائے۔ یہ سب آپ ہی کی ڈھیل ہے بہت سر پر چڑھاتی تھیں آپ انہیں!"
فرد جرم براہ راست عائد ہوئی۔
"ہر بات میں میں ہی قصوروار، یہ کام خود لڑکیوں کے ہوتے ہیں سسرال منگیتر سب کو کنٹرول کر لیتی ہیں، کتنا جویا کو سمجھایا ہے، مگر وہ تو اعجاز سے سیدھے منہ بات تک نہیں کرنا چاہتی، ورنہ مجال تھی سسرال والوں کی، ہمارا تعلق تو صرف اعجاز سے ہی رہتا۔"
"چھوڑیں۔ وہ بھی ان ہی کے بیٹے ہیں اول نمبر کے کنجوس۔ جویا کو ایک چھوٹا سا تحفہ تک تو کبھی بھیجا نہیں، حد تو یہ کہ اس کے پاس ہونے پر بھی کوئی توفیق نہیں ہوئی۔" بے زاری سے سر کو ہلکے سے جھٹک کر وہ شاکرہ بیگم کی طرف متوجہ ہوئی۔
"امی!"
"ہوں!" وہ دونوں بہنوں کی اس معمول کی تکرار میں کچھ دلچسپی نہیں لے رہی تھیں۔ اس وقت اور بہت سی فکریں دل کو لگی تھیں۔

"مجھے پیسے دے دیجیے گا آج میں کھانا کھا کر اپنی چیزیں لینے جاؤں گی۔"

"کیسے پیسے!" آج کل گھر میں یہی ایک بات دکھتی ہوئی رگ تھی۔

"پانچ ہزار میں نے ابو سے کہا تھا پچھلے ہفتے تو وہ کہہ رہے تھے کہ آپ سے لے لوں جب بھی بازار جانا ہو۔" وہ اپنے لیے کھانا نکال لائی تھی اور اب وہیں قریب صوفے پر اپنی پلیٹ لیے بیٹھی تھی۔

تیا گل غور سے شاکرہ بیگم کی طرف دیکھ رہی تھیں وہاں مایوسی کا رنگ اور بھی گہرا تھا۔

پیر کرامت شاہ کے سلسلے میں ہونے والے اخراجات میں زویا کے حصے کی رقم بھی کام آچکی تھی۔

یہ بات ان کے علم میں تھی لیکن کیا کیا جا سکتا تھا تھوڑی بہت ہوتے تو اور بات تھی پر پورے پانچ ہزار۔

"ابھی تو نہیں ہیں میرے پاس اپنے ابو سے ہی لے لینا۔" شاکرہ بیگم نے اسے ٹالنا چاہا۔

"مجھے آج ہی لینا ہے امی! بہت مشکل ہو رہی ہے۔ تھوڑے سے ہی دے دیں میں ایک دو ہی لے لوں گی آج۔" زویا کا موڈ تھوڑا سا خراب ہوا۔

سب ہی کو پتا تھا کہ وہ پڑھائی کے معاملے میں بے حد سنجیدہ ہے۔ شاکرہ بیگم کی طرف سے مستقل ہی انکار پر بھی اصرار کیے گئی۔

"کہہ تو دیا کہ نہیں ہے میرے پاس جو لینا ہو اپنے باپ سے لو اسی نے خزانہ دبا کر رکھا ہے اپنے پاس میرے پاس تو کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے خالی کر دیا ایک ایک زیور سے مجھے۔"

شاکرہ کو آج بھی یقین تھا کہ ان کا زیور بیچ کر اظہار صاحب نے ساری رقم قرضہ کی مد میں نہیں خرچ کی ہے کچھ نہ کچھ اندرون خانہ اور بھی تھا!

ان کی اس غلط فہمی کو پکا کرنے والا سلمان تھا۔

"آپ بس زیور ہی کو لیے بیٹھی رہیے گا میرے مسئلے کا کوئی حل نہیں آپ کے پاس سلمان بھائی کی دفعہ میں تو ہر وقت برس کھلا رہتا تھا آپ کا لاکھوں روپے خرچ کر دیے ان کی اس بے تکی شادی پر ہمارے لیے جائز خرچے بھی ممنوع۔"

مایوس ہو کر وہ بڑبڑاتے ہوئے اوپر چلی گئی۔

"پتہ نہیں اتنا لمبا عرصہ اس کی تعلیم کا کیسے کٹے گا ابھی تو پورے پانچ سال باقی ہیں اوپر سے جویا بھی ایم ایس سی میں داخلے کے لیے تیار ہے خرچے ہی خرچے اور آمدنی ختم ہی سمجھو۔" آخری بات کہتے ہوئے وہ سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ گاؤ تکیہ کے سہارے بے دم سی ہو کر نیم دراز ہو گئیں۔

زندگی میں پہلی بار قوت برداشت کو آزمانے کا موقعہ آیا تو نتیجہ بالکل ہی صفر نکل رہا تھا۔

"کہنے دیں جویا کو اب آگے پڑھنے پر خرچ کرنے کے بجائے اس کی شادی کی تیاری کریں میں خود بات کروں گی اعجاز سے جتنی جلدی یہ کام ہو جائے بہتر ہے۔ کل کا کچھ پتہ نہیں کیا صورت بنتی ہے!"

تیا گل یونیورسٹی جانے کے لیے چادر اٹھا رہی تھیں حتمی انداز میں مشورہ دیا۔

"میرا تو دماغ کام نہیں کر رہا۔ شادی آسان کام نہیں اور ان حالات میں۔" تمہارے ابو سلمان کہاں مانیں گے اتنی جلدی اور سب سے بڑھ کر خود جویا کس مشکلوں سے راضی ہوئی ہے تمہارے سامنے ہے۔"

"خیر راضی واضی تو اب بھی نہیں ہے بس زبردستی کا سودا کہیے۔" چادر اوڑھ کر وہ باہر جانے کے بجائے واپس بیٹھ چکی تھیں "اور اب تو وہ معاذ نوکری پر بھی لگ گیا ہے کہیں دادی نے ابو پر زور ڈال کر یہ رشتہ ہی ختم کروا دیا تو بس بھگتتی رہیے گا اسلام چچا کے خاندان کو ساری عمر۔"

"کیوں بری فال منہ سے نکال رہی ہے گل!" تیا گل کی دانائی انہیں سوئی کی طرح چبھی۔ "اب تو جانا آنا بھی برائے نام ہی رہ گیا ہے رشتے داروں میں انتقس سے آکر چپ چاپ گھر میں ہی پڑے رہتے ہیں دادی تو پوچھتی بھی نہیں ہیں ایک فون کر کے۔"

"ان کو تو برا لگا ہوا ہے ظاہر ہے جویا کی شادی میں بھی دیکھ لیجیے گا کوئی نہیں آئے گا اور اچھا ہی ہے۔"

"تو پھر کب تک کی تاریخ ہو گی تمہارے خیال میں سارے کام ایک ساتھ ہی سر پہ!"

"سب ہو جائے گا بس سلمان پر زور ڈالتی رہیں اس کے لیے تو ایسی دس شادیاں نمٹانا بھی مشکل نہیں ہے پیر کرامت شاہ عمل شروع کر دیں گے۔ اگلے چاند کی پہلی جمعرات سے اس زوبیہ کی تو زبان ایسی بند ہو گی کہ ساری عمر کے لیے سلمان کی غلام بن کر رہے گی۔"

دبا دبا سا جوش ابھی سے خوش امیدی کو ظاہر کر رہا تھا۔

"خدا کرے کہ ایسا ہی ہو بس پھر تو جویا کی شادی کی کوئی فکر نہیں ایک دو ماہ میں ساری تیاری مکمل کی جا سکتی ہے۔" جذبات احساسات سب ہی حالات کے تابع۔

شاکرہ بیگم بھی واپس اٹھ کر بیٹھ چکی تھیں۔

بے فکری بھی واقعی کتنی بڑی نعمت ہے بہتری کی ذرا سی امید بھی حوصلے کی تعمیر کرتی ہے وہ دونوں ماں بیٹی بھی دوسروں کا حوصلہ آزمانے کے لیے پھر سے مستعد تھیں۔

☼ ☼ ☼
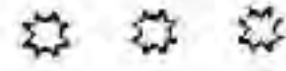
پچھلے احاطے میں پڑی بینچ کو کھینچ کر وہ دھوپ میں لایا اور وہیں پڑی ایک چادر کو گول مول کر کے سر کے نیچے رکھ کر گرنے کے انداز میں لیٹ گیا۔

آنکھوں میں نیند کا خمار جما جا رہا تھا۔ ساری رات کی گڑبڑ مجال ہے جو سونے دیتی ہو نتیجے میں ہاتھ آتی وہی بے آرامی جس کا اب وہ عادی ہو چکا تھا۔

شاید کوئی پکار رہا تھا۔

خیام نے نیم وا آنکھوں سے اس طرف دیکھا۔

کچن کے دروازے میں کھڑا باورچی شاید اسے کسی کام کے لیے آواز دے رہا تھا مگر پھر شاید اس کی حالت دیکھ کر ہی ہاتھ کے اشارے سے منع بھی کرنے لگا۔

"چل ابھی تھوڑی دیر آرام کر لے پھر اٹھ کر میری بات سن لینا۔"

اسے اندازہ تھا کہ خیام اب کچن میں سونے لگا ہے جہاں کی افراتفری میں کسی کو بھی چین کی نیند نصیب نہیں ہو سکتی۔

بسوں کا اڈا تھا رات بھر سواریاں اترتی اور چڑھتیں سو ہوٹل بھی آباد رہتا۔

خیام کے لیے یہاں سونا مجبوری تھی۔

باہر کی ٹھنڈ اور چبھتی ہوئی ہواؤں کے مقابلے میں کچن گرم اور آرام دہ محسوس ہوتا تھا سو سارے ہنگاموں کے باوجود وہ وہیں رات گئے ایک بینچ پر سونے لگا تھا۔

پچھلی رات معمول سے بڑھ کر ہنگامہ آرائی رہی تھی۔ سو رہی سہی نیند بھی پوری نہ ہو سکی تھی۔

اس وقت حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔

بوڑھا باورچی اس سے خفا ہونے کے باوجود اس کے آرام میں مخل ہونے سے اس وقت گریز ہی کر گیا تھا۔

مگر ہر شخص اتنا مہربان کہاں؟
ایک گھنٹہ بھی پورا نہ ہو سکا۔
"ادمغل شہنشاہ بہت آرام فرمالیا۔" بے دردی سے جھنجھوڑتے ہوئے راجو نے اسے پکارا۔
یوں ٹھاٹھ سے اسے آرام کرتے دیکھ کر اس کا دماغ پہلے ہی گھومتا تھا اور اب گھر میں پکنے والی کھچڑی کی جب سے بھنک ملی تھی تو پارہ اور بھی اوپر جا رہا تھا۔
اسے پورا یقین ہو رہا تھا کہ خیام نے جان بوجھ کر اس کے ماں باپ کو مٹھی میں کیا ہے اور اس کی نظر سو فیصد اس زبردست کاروبار پر ہے۔
"اٹھتے ہو عالم پناہ رعایا منتظر ہے" بڑے بے ڈھنگے پن سے وہ اس کے سر پر کھڑا چیخ رہا تھا۔ خیام کو اٹھنا ہی پڑا۔
"کیا بات ہے راجو؟" ایک ہاتھ سے آنکھیں ملتے ہوئے وہ ایسے سکون سے پوچھ رہا تھا جیسے واقعی آرام فرما کر اٹھا ہو۔
"چندہ مانگنا ہے تم سے۔"
"اچھا۔" خیام نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جیب میں ہاتھ ڈالا اور ہزار کے دو نوٹ اس کی طرف بڑھائے۔
وہ اس شان بے نیازی پر اور بھی جل کر راکھ ہوا۔
"اپنی حیثیت کو یاد رکھا کرو' میرے ابا کے دیے ہوئے پیسوں کا مجھے ہی رعب دکھاتے ہو۔"
"نہیں لے رہے' تمہاری مرضی۔" ایک گہری سانس لیتے ہوئے خیام نے وہ پیسے واپس جیب میں رکھنے چاہے تو راجو نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے لیے۔
خیام نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔
اسے پتا تھا کہ وہ یہی لینے آیا ہے' رات جب بابو شوکت نے اسے تنخواہ دی تھی تب راجو بھی وہیں موجود تھا' رات باپ کی موجودگی کی وجہ سے اسے موقع نہیں مل سکا تھا' سو اب سہی۔
"اکیلے اکیلے ہضم نہیں کرنے دوں گا مفت کا مال نہیں ہے جو......"
تب ہی پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر کسی نے اس کے ہاتھ سے وہ دونوں نوٹ لیے۔
"کہاں سے آئے یہ دو ہزار تیرے پاس۔" بابو شوکت ٹھیک سر پر کھڑا جواب طلبی کر رہا تھا۔
"وہ میں...... یہ پیسے۔" راجو کا چہرہ بالکل ہی فق ہونے لگا' باپ سے سچ مچ اس کی جان جاتی تھی اور اس طرح رنگے ہاتھوں۔
"میں نے لیے تھے راجو سے بابو بھائی! وہی واپس کر رہا تھا۔" بہت نرمی کے ساتھ' خیام نے اسے مطمئن کرنا چاہا۔
راجو کی اٹکی ہوئی سانس' بحال ہوئی۔ مگر بلا ٹلی نہیں تھی۔
"اس کے پاس کہاں سے آئے اتنے پیسے کہ یہ ادھار دے سکے کسی کو' اس کا تو اپنا پورا نہیں ہوتا' جب دیکھو ہاتھ پھیلا ہوا ہے۔" بابو شوکت نے ایک فیصد بھی خیام کی دی ہوئی صفائی پر یقین نہیں کیا تھا۔
"اور تمہیں کون سی ضرورت پیش آگئی تھی قرضہ لینے کی۔ سامنے ٹھیلے سے بھی کوئی پاؤ بھر پھل بھی لیتے نہیں دیکھا تم کو' اس کی پردہ پوشی مت کرو خیام پاؤ' ویسے ہی اس کے بگڑنے میں کیا کسر رہ گئی ہے۔ پیسے لیتا رہتا ہے نا تم سے۔" وہ بہت دکھی ہونے لگا۔
"پیسوں کی کوئی بات نہیں ہے بابو بھائی! آپ سیریس مت ہوا کریں۔"

اس جیسے شریف آدمی کے ساتھ' نہ تو وہ جھوٹ ہی بول سکتا تھا اور نہ ہی اسے تکلیف ہی پہنچائی جا سکتی تھی۔
پیسے ابھی تک بابو شوکت کے ہی ہاتھ میں تھے' ایک قہر آلود نگاہ اس نے راجو پر ڈالی۔ "تجھ سے تو میں بعد میں بات کروں گا' ابھی تو دفع ہو یہاں سے۔"
خلاف توقع وہ خود پر کنٹرول کر گیا ورنہ کوئی اور نہ سہی خود راجو دو چار تھپڑوں کی تو توقع کر ہی رہا تھا۔
اس باعزت تصفیہ پر وہاں سے کھسک جانے میں اس نے سیکنڈ ہی لگائے تھے۔
بابو شوکت تھکے تھکے انداز میں اسی بینچ پر بیٹھا جہاں ابھی خیام سو رہا تھا۔
"خیریت تو ہے نا بابو بھائی؟" خیام کو اس کے یہاں آنے پر تھوڑی سی حیرت تھی' اپنا کاؤنٹر چھوڑ کر وہ بہت کم ہی کچن تک آتا تھا' یہ پچھلا احاطہ تو شاید اس نے سال بھر ہی ایک آدھ بار ہی جھانکا تھا۔
"ضروری بات کرنی تھی تم سے۔"
"مجھے بلا لیا ہوتا۔" وہ سادگی سے کہنے لگا۔
"نہیں۔ وہاں ہر وقت مداخلت رہتی ہے' میں ذرا سکون سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔"
خیام نے چونک کر بابو شوکت کی طرف دیکھا۔ کچھ غیر معمولی سا احساس ہوا تھا۔
"تم نے وہاں گھر پر جانا چھوڑ دیا بالکل؟" وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔
"کیا بات ہے' کچھ برا لگا کیا' راجو کی ماں بے وقوف عورت ہے' مجھے اندازہ ہے اور لڑکیاں بھی اسی کی طرح من موجی ہیں' سوچ سمجھ کر بولنا ان میں سے کسی کو نہیں آتا' نہ ماں کو اور نہ اولاد کو' کچھ برا لگا ہو تو......!"
وہ اتنی شرمندگی سے کہہ رہا تھا کہ خیام کو ٹوکنا پڑا۔

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے' میں تو بس ایسے ہی' اصل میں اب مجھ سے پڑھایا نہیں جاتا ہے بابو بھائی! میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا۔"

مارے لحاظ کے وہ لڑکیوں کی نالائقی کا بے ضرر سا ذکر بھی نہیں کر سکا۔

"چلو یہی سہی' لیکن ہمارا تمہارا تعلق تو دوسرا ہے' ویسے بھی میں تمہارے متعلق کچھ اور سوچ رہا ہوں۔"

خیام نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اتنا عرصہ ہو گیا' تمہیں اس طرح رہتے ہوئے' جوان قابل لڑکے ہو' آگے کی کیوں نہیں سوچتے' زندگی اس طرح تو نہیں گزرتی بیٹا۔"

بابو شوکت نے سوچے سمجھے طے شدہ جملے دہرائے۔

اس کی بیوی نے سختی سے تاکید کی تھی کہ خیام کی پچھلی زندگی یا گھر والوں کا ذکر ہرگز بھی نہ چھیڑے' سو اس نے ایسا کرنے سے گریز ہی کیا تھا۔

"اچھی بھلی تو گزر رہی ہے بابو بھائی آپ کے پاس اور اب کیا سوچنا ہے' ایک ہی زندگی ہے' یہیں گزار لوں گا۔"

وہ ہلکے سے مسکرایا۔

بابو شوکت کو بڑا حوصلہ سا ہوا۔

یوں ہی گھبرا دیتی ہے راجے کی ماں' کہیں نہیں جانے والا خیام' غریب کا ہمارے علاوہ اور کوئی نہیں۔ آرام سے رہتا رہے گا' رانی سے شادی کے بعد بھی۔"

اس کا دل خیام کی محبت سے بھرا جانے لگا۔

"خیر سے ہمارے ساتھ ہی رہتا ہے' مگر کوئی سلیقہ لانا تو ضروری ہے زندگی میں۔ یہ چھوٹے موٹے کام چھوڑو' بس نگرانی کیا کرو اور میں وہاں پڑوس میں دیکھتا ہوں' دو ایک گھر ہیں میری نگاہ میں' تمہارے لیے بہترین رہیں گے ویسے تو اوپر بھی کمرہ بنوا کر دے سکتا ہوں' مگر ظاہر ہے وقت لگ جائے گا۔"

جو کچھ بھی وہ کہہ رہا تھا' خیام کے لیے غیر متوقع نہیں تھا مگر اتنی جلدی۔

وہ اس شخص کے آگے' جس کا احسان کاندھوں پر دھرا تھا' بے مروتی تو کیا صاف گوئی کا بھی مظاہرہ نہیں کر سکتا تھا۔

خیام کو اپنی کمزوری کا شدت سے احساس ہونے لگا۔

"تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں اور راجے کی ماں سنبھال.....!"

اوپر کا کام کرنے والا لڑکا بابو شوکت کو بلانے کے لیے دوڑا چلا آیا تھا۔

وہاں کاؤنٹر پر اتنی سی دیر میں ہی کوئی "مقدمہ" درپیش ہو چکا تھا۔

"آ گئی مصیبت' دو منٹ کے لیے ہٹا نہیں اور مسئلہ شروع۔" جھنجلا کر اٹھتے ہوئے اس نے خیام کی طرف دیکھا' اس کا سر اتنا جھکا ہوا تھا کہ وہ اس کے چہرے کے تاثرات بھی نہیں دیکھ سکا تھا۔

"شرماتا ہے' اچھا ہوا' بات تو اس تک پہنچا ہی دی' اب راجو کی ماں کو بھی ذرا سکون آئے گا۔"

اس نے خیام کی شرافت اور اپنی سمجھ داری دونوں ہی کو بیک وقت سراہا اور۔

"ٹھیک ہے پھر کسی وقت تسلی سے بات کریں گے۔" کہہ کر خوش خوش اندر چلا گیا۔

خیام وہیں بیٹھا رہا۔

دھوپ میں تیزی آتی رہی' ہوا کی ٹھنڈک گرمائش کے روپ میں بدلی۔

آج راجو نے بھی' اس کو آواز دینے کی ہمت نہیں کی تھی' مگر بوڑھے باورچی کو اپنی صبح والی ادھوری بات ابھی بھی یاد تھی۔

خیام کو اس کے بلانے پر اندر جانا پڑا۔

"کیا ہوا طبیعت تو ٹھیک ہے۔!" وہ اسے دیکھتے ہی پوچھ رہا تھا۔

"جی!" بولتا تو وہ پہلے بھی کہاں تھا' مگر اس وقت زیادہ ہی گم صم تھا۔

"کوئی خاص بات' بابو بھائی کیا کہہ رہے تھے؟" وہی ایک دوسرے کے بارے میں انسان کا ازلی تجسس۔

"کچھ بھی نہیں' ایسے ہی..... آپ نے کیوں بلایا تھا؟"

طویل عرصے بعد اچانک ہی وہ بھولی بسری سی اکتاہٹ اسے گھیرنے لگی' جو نانی ستارہ کے گھر میں اس کی شخصیت کا لازمی حصہ تھی۔

"ہاں وہ۔" سامنے رکھی دیگ پر ڈھکن رکھنے سے ایک چھناکا سا گونجا۔

"ملوانا تھا کسی سے' کوئی پوچھ رہا تھا ہوٹل کے آگے کسی کے بارے میں۔ مجھے لگا کوئی تمہارا ہی ملنے والا نہ ہو۔"

"میرا بھلا کون ہے چاچا' نہ کوئی دوست نہ دشمن۔" لاپروائی سے کہتے ہوئے' وہ اس کے قریب سے گزر کر آگے بڑھنے لگا تھا۔

"ہاں اور وہ تو ویسے بھی کوئی لاہور والا تھا' تو نے تو کبھی لاہور دیکھا بھی نہیں ہوگا شاید؟"

کوئی بھید بھرا اسم تھا' جو اس کے عقب میں پڑھا گیا' وہ جہاں تھا وہیں منجمد ہوا۔

دیگ کے آگے بیٹھا باورچی اپنا سوال دہرا رہا تھا۔

"نہیں۔ میں نے نہیں دیکھا' کبھی کراچی سے آگے کچھ اور۔" اسے اپنی آواز دور سے آتی سنائی دی۔

"دیکھا' ٹھیک اندازہ تھا میرا۔" وہ اپنی صلاحیت پر نازاں ہوا۔

"اصل میں خوب صورت پر میرا دھیان تیری طرف گیا تھا' ہمارے سارے علاقے میں تو ایک تو ہی سب سے خوب صورت ہے۔" میں نے سوچا ہو سکتا ہے کہ.....!"

"پوچھنے والے کا حلیہ کیسا تھا چاچا؟" خیام کو اپنی آواز کی لرزش خود صاف محسوس ہوئی تھی۔

"لڑکا سا ہی تھا' پر تم سے بڑا' عام سی صورت' جینز اور کرتا پہنے ہوئے....."

ایک شناسا سراپا خیام کی آنکھوں کے آگے یک دم ہی ابھرا۔ بابو شوکت کے ہوٹل میں اس کے حصہ کا رزق آج تمام ہوا تھا۔

خیام کو پورا یقین ہو رہا تھا۔

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

دیوارِ شب

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد نازونعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتلائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے۔ جو جیولری پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار ذاتی اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بالو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گئی اماں کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید دھچکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والوں کا بھرم ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایماندار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو ثانی کا پلا بھی وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما لیتے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارت کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ حویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر قدرتاً مطمئن ہے۔ حویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ جہاں کی بیشتر جمعرات کو بعد عصر غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلطان رفتہ رفتہ زوہیبہ کی ذہانت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوہیبہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر جگہ کی خواہشات پوری کرتی ہے۔ اعجاز چچا، شاکرہ بیگم اور دادا کی سوائے کلملانے کے کچھ نہیں کرپاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوہیبہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ سعیدہ اس واقعے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا کا خاندان مع سوئے اور نورلنکے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جو چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چھوٹے بیٹے کی دولت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ نگینی زیادہ تر بدحالی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات ابھرتے ڈوبتے اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر نگینی کی چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بالو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لاکھوں زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود پسندی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سیکرٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکرٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جیسے ڈرامہ باز شخص کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑی نگاہوں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیارانہ فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بالو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بالو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں، لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر نگینی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویریہ کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویریہ، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔ سلطان زوہیبہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

صندل کو ہانی صاحب کی فلمیں کیا ملتی ہیں کہ نانی ستارہ کے خاندان کی قسمت چمک اٹھتی ہے۔ نگینہ ہر موقع پر بیٹی کے ساتھ رہتی ہے جس پر نانی دلدار کے خاندان خصوصاً اماں کا حسد سے برا حال ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۲۴
چوبیسویں قسط

نانی نے ادھ کھلے دروازے میں سے اندر جھانکا۔

"میں تیار ہوں بیٹا! شاما سے ٹیکسی منگوانے کا کہہ دو۔" اپنے قدیم بھاری بھرکم سنگھار دان کے سامنے بیٹھی وہ اپنے پسندیدہ عطر کی شیشی واپس بند کر رہی تھیں۔ اس نے ایک گہرا سانس کھینچا اور اندر چلی آئی۔

"آپ کی پسند لاجواب ہے نانی!"

نانی ستارہ ہلکے سے مسکرائیں۔

"ذوق کی پرورش کرنی پڑتی ہے، بہت احتیاط کے ساتھ، وہ بھی برسوں۔ یہ نہیں کہ جو چیز فوری طور پر اچھی لگی، خرید لی، جو رنگ بھا گیا، پہن لیا۔ اپنا آپ، اپنا ماحول، ہر شے پر نظر رکھو پھر دیکھو کیسا گہرا تاثر بنتا ہے۔"

یہ ممکن تھا کہ وہ پاس ہوں اور کوئی نہ کوئی گر کی بات نہ بتائیں۔

نگینی ابھی بھی تعریفی نگاہوں سے ان ہی کو دیکھے جا رہی تھی۔ اپنی کہی ہر بات کی وہ خود ہی عملی مثال بھی تھیں۔

ان کے پسندیدہ دل فریب، ہلکے ہلکے رنگ، سردیوں کی مناسبت سے گہری ٹون لیے ہوئے تھے اور اپنے اس قدیم فرنیچر سے سجے وسیع و عریض کمرے میں وہ خود بھی بڑی کلاسیکل لگ رہی تھیں۔

"افسر بھائی نے ساڑھے بارہ تک کا کہا تھا نانی! انہیں کچھ دیر نہیں ہو گئی؟"

اسے پتا تھا کہ وہ وقت کی بے حد پابند ہیں، سو تھوڑی سی تشویش نے گھیرا۔

"نہیں، افسر میاں کا فون آگیا تھا صبح۔ انہوں نے خود ہی ایک گھنٹہ آگے کیا تھا۔ پتا تھا کوئی پہنچے نہ پہنچے، میں تو وقت پر آہی جاؤں گی۔"

وہ پرسکون سی اپنا ہینڈ بیگ چیک کر رہی تھیں، کہیں بھی جانے سے پہلے یہ ان کے معمول کا حصہ تھا۔

کبھی کبھی تو نگینی کو ان پر بڑا ہی رشک آتا۔

ہر بات پکی تلی، روز مرہ زندگی کے معمولات تک میں ایسا سکون اور روانی کہ وہ پاس ہوں تو دل خود بخود ہی ٹھہرنے لگتا تھا۔

حالانکہ کیسے کیسے صدمے نہیں دیکھے تھے انہوں نے۔ خالہ فیروزہ کی جوان موت، نگینہ امی کی رلتی کھلتی زندگی۔

سر کو ہلکے سے جھٹک کر اس نے بروقت خود کو دکھوں کی اس نمبر شماری سے باز رکھا ورنہ اس فہرست کا فل اسٹاپ اس ایک نام پر ہوتا تھا جسے یاد نہ کرنے کا عہد اب تک روز ہی خود سے کرنا پڑتا تھا۔

"تم بھی کچھ ڈال لیتیں ہاتھ میں؟" وہ اس سے کہہ رہی تھیں۔

"نہیں، بس ایسے ہی ٹھیک ہے۔" وہ کچھ جھینپ کر مسکرائی۔ ان کی نگاہ چند لمحے اس کی سنہری کلائیوں پر ہی جمی رہی، جہاں مدت سے کوئی چوڑی نہیں بجی تھی۔ کچھ باتوں کی وجہ پوچھی بھی نہیں جاتی۔

سو وہ بھی نہیں پوچھتی تھیں۔

"میں ٹیکسی کے لیے کہہ آتی ہوں۔"

وہ شاما کو آواز دینے کے لیے پچھلے برآمدے میں کھلنے والے دروازے میں آکھڑی ہوئی۔

تب ہی صندل کے کمرے سے نکل کر نگینہ ادھر ہی آگئی۔

"ٹیکسی میں نہ جائیں اماں! گاڑی میں چلی جائیں۔ آج تو صندل دن میں گھر پر ہی ہے۔ آپ آرام سے ہو کر آجائیے۔"

نگینی مڑ کر نانی کی طرف دیکھنے لگی۔

گاڑی لے جانے پر نانی کی خفگی اب پرانی ہو چکی تھی پھر بھی سب ہی نے نوٹ کیا تھا کہ وہ خود صندل کی گاڑی

اس وقت بھی نرمی سے منع کر رہی تھیں مگر نگینہ کا اصرار بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"صندل کو بڑا ارمان ہے اماں! اس کی کمائی کی چیز ہے۔ آپ کا ہاتھ لگے گا تو اسے راس آئے گی ورنہ پتہ نہیں کب نصیب پلٹ جائے۔ یہاں تو پہلے ہی قسمت کی مار ہے۔"

نانی ستارہ کے چہرے کا رنگ سا اڑا۔

"خیر مانگ نگینہ! بچیوں کے لیے سوچ سمجھ کر الفاظ منہ سے نکالتے ہیں۔"

انہوں نے وہ نصیحت کی جس کا نگینہ کی ساری زندگی میں کوئی عمل دخل نہیں رہا تھا۔

اس کے پاس چوائس کا موقع بھی کبھی نہیں رہا تھا۔ سو مورد الزام بھی نہیں ٹھہرائی جا سکتی تھی۔

"تو بس آج اپنی گاڑی میں ہی جائیں شان سے' افسر صاحب پر بھی بڑا امپریشن جمے گا اور سالار ہوا تو اس پر بھی۔"

ٹھیک عادت کے مطابق وہ مگن سی کہے گئی' تب ہی نانی ستارہ کے چہرے پر پھیلتی ناگواری نے اسے چپ ہونے پر مجبور کیا۔

"دیوانی ہوئی ہو جن کا احسان کندھوں پر رکھا ہوتا ہے' ان کے آگے تو سر اٹھا کر بات بھی نہیں کی جاتی' انہیں کیا ہماری حیثیت سے لینا دینا۔ بھلے آدمی ہیں وہ اور سالار جو کبھی احسان بھی نہیں جتاتے۔"

"توبہ اللہ معافی۔" کان کی لو کو چھو کر نگینہ نے فوراً ہی معافی مانگی۔ اپنے آپ سے باہر ہونے کا خود بھی احساس تو ہوتا تھا مگر کنٹرول ہو تو کیسے؟

گاڑی میں جانے نہ جانے کی بحث بھی ہونے لگی تھی۔

تیتی اکتاتے ہوئے ذرا ہٹ کر پچھلے صوفے پر آ بیٹھی۔

سامنے رکھے بک شیلف میں ادبی کتب قطار در قطار لگی تھیں۔

اردو فارسی شاعری کے قدیم نسخے' جدید شاعری' سوانح' افسانوں کے مجموعے' ناول۔

یوں ہی سرسری سے انداز میں دیکھتے ہوئے اس کی نگاہ ان ہی چند پر رکی جو سالار نے وقتاً فوقتاً گفٹ کروی تھیں۔

نسخہ ہائے وفا' گردش رنگ چمن' آگ کا دریا' دو چار اور بھی۔

تب ہی دفعتاً اسے وہ قیمتی بریسلٹ یاد آیا جو سالار نے اسے دیا تھا اور جو اب نانی کے سیف میں بحفاظت رکھا تھا۔ اس وقت نانی اور نگینہ کے اصرار پر شاید چند منٹ کے لیے پہن کر دکھا دیا تھا' اس کے بعد محض نانی والدار کے خاندان کو دکھانے کے لیے ہی نکالا گیا تھا۔

"محض بی اے کے امتحان کی کامیابی' اس قیمتی تحفے کی حق دار کب تھی۔"

وہ جب بھی اس بارے میں سوچتی دل بجھنے لگتا تھا۔ کاش وہ ایسا قیمتی تحفہ نہ لایا ہوتا جو کہ اسے خود اپنی نگاہوں میں مشکوک ٹھہرا رہا تھا۔

کیا سالار اسے اس روایتی ماحول سے جڑا ہوا ہی دیکھتا ہے' جہاں تحائف کی قدر' اس میں چھپے خلوص کے بجائے اس کی مالیت کرواتی ہے' ورنہ کوئی کتاب' کوئی پرفیوم' کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

کئی بار اس سے یہ پوچھنے کی ہمت بھی کرنا چاہی مگر وہ تو اس دن کا گیا جب آیا جب خیام کی تلاش کے قصے نے سر اٹھایا تھا اور اس دن سے آج تک سرے سے غائب۔ ابھی فی الحال تو پڑھائی کا بہانہ بھی ختم ہی تھا۔

اس سے نہ ملنا بھی عجیب سی افسردگی بڑھاتا تھا۔

مگر خیر!

"جہاں اور بہت کچھ ہے' وہاں یہ بھی سہی۔" اس نے اپنا دھیان دوبارہ کمرے میں اپنی جنت میں لگانا چاہا جو بہت چلا کہ وہ اب ممبئی جا چکی ہے۔

صندل بھی اندر آ چکی تھی اور اس نے کس طرح نانی کو منا لیا تھا' یہ بھی سمجھنا آسان ہی تھا۔

صندل' وہ اور خیام۔ تینوں ہی نانی کی سب سے بڑی کمزوری تھے۔

اور باری باری ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا بھی خوب جانتے تھے۔

صندل بھی نانی کے گلے میں بانہیں ڈالے بیٹھی تھی اور نانی ستارہ کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ صندل کی پچھلی کئی خود سریاں اور اس کے اور اپنے بیچ اٹھے اصولی اختلافات کو فی الحال تو بالکل ہی بھولے ہوئے ہیں۔

گو وقتی ہی سہی پھر بھی تناؤ ختم تو ہوا ہی تھا۔

تیتی کو بہت اچھا لگا۔

صندل اس وقت بالکل سادہ سے شلوار سوٹ میں تھی اور بالکل صاف ستھرا چہرہ لیے اتنی دل کش لگ رہی تھی کہ خود تیتی کو بھی اپنی نگاہ بار بار اس کی طرف اٹھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"کاش! ہم سب صندل کے فلموں میں جانے کا جشن منانے کے بجائے اس کی کسی اچھے خاندان میں شادی کی خوشی مناتے۔ امید کا کوئی سرا ابھی ہاتھ میں نہ ہو پھر بھی تمنا تو دل میں جاگتی ہی ہے۔" اس نے خود ہی اپنی خوش فہمی پر دیلیل دی۔

"کچھ اور پہن لو تیتی! میری وارڈ روب میں سے' باہر جانے کے حساب سے یہ کپڑے عجیب سے نہیں لگ رہے؟"

صندل کی نگاہ کرم دفعتاً ہی اس پر ہوئی تھی۔

"میں تو ہمیشہ سے ایسے ہی کپڑے پہنتی ہوں۔" تیتی کو ہنسی آ گئی۔

"لیکن اب پہلے والی بات نہیں ہے' تمہیں خود بھی خیال رکھنا چاہیے۔" وہ بڑی غیر مطمئن سی نگاہوں سے اب بھی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"شاید وہ یہ کہنا چاہ رہی ہے کہ اب میں اس کی بہن کی حیثیت سے جانی جاؤں گی نا کہ نگینہ ائی کی بیٹی کی حیثیت سے۔" بے اختیار ہی اسے یہ خیال آیا تھا۔

"مگر یہ کوئی اتنا بڑا فرق تو نہیں۔"

"نہیں' بس ٹھیک ہے اور برا کیا ہے تیتی کے کپڑوں میں' یہ سوٹ تو اس کا میں خرید کر لائی تھی۔"

نانی نے سوٹ کی اچھائی پر اپنے ذوق کی مہر لگائی تو بحث ہی ختم۔

پھر بھی جب وہ لوگ کمرے سے نکل رہی تھیں تو تیتی نے صندل کو کہتے ہوئے سنا تھا۔

"آپ اس کا ٹیلر چینج کریں' کتنے بے تکے انداز میں سلے ہوئے ہیں۔ کوئی کٹ اور فٹنگ ہی نہیں ہے کپڑوں میں۔" وہ نگینہ سے کہہ رہی تھی۔

ان سنی کرتی ہوئی وہ نانی کے پیچھے پیچھے آگے بڑھتی چلی گئی۔

سیڑھیوں کے ساتھ بنے گھر کے سب سے چھوٹے کمرے کے دروازے میں استاد فراغت بیگ کھڑے تھے۔ پہلے سے بھی زیادہ کمزور' رنگت میں سفیدی سی گھلی ہوئی۔ وہ ان کی شاگرد تو نہ بن پائی تھی لیکن ادب بے حد کرتی تھی۔

ذرا رک کر گھر کے قاعدے کے مطابق ان کے گھٹنوں کو بھی چھوا اور "آداب" بھی کیا۔

وہ بے چارے اسی میں بے اندازہ خوش ہو گئے۔

گیتی کی نگاہ ایک چھوٹے سے پل میں ان کی پشت پر بنے کمرے کی خستہ حالی کا جائزہ لے کر واپس آئی تھی۔
استاد جی کی دعاؤں کا دورانیہ ختم ہونے تک اسے چند اور لمحے کھڑا رہنا پڑا۔
"خلوص دل سے دی ہوئی اتنی دعاؤں میں کوئی ایک بھی مجھے لگ گئی تو یہ دنیا نہ بدل جائے۔"
صندلی کی چمچماتی ہوئی نئی گاڑی ٹھیک آرائشی محرابوں والے برآمدے کے نیچے کھڑی ہوتی تھی اور چوبارے کے ساتھ گلی کی بھی شان بڑھاتی تھی۔
ڈرائیور نے انہیں آتا دیکھ کر بڑی پھرتی سے دروازہ کھولا اور مؤدب انداز میں ایک طرف ہوا۔
نانی کا تو اسے اندازہ نہیں ہوا لیکن خود وہ بیٹھتے ہوئے بری طرح ہچکچائی تھی۔
آرام دہ سیٹیں اور ہر طرف آسائش سا احساس۔ گیتی نے ایک چور نگاہ سامنے ڈالی۔
چند نو عمر سے لڑکے بڑے اشتیاق سے اس طرف دیکھ رہے تھے یا پھر رشک سے۔
"اور ایسا ہی رشک دریچوں، کھڑکیوں سے جھانکتی اور کتنی آنکھوں میں ہوگا۔"
وہ تمکنت نہیں تھی کہ سر اٹھا کر اور گردن موڑ کر فخر سے ان چہروں کی گنتی کر لی۔ وہ گیتی آرا تھی۔
اپنی نمی میں ڈوبتی ہتھیلیوں کو اس نے بے چینی کے ساتھ ایک دوسرے میں پیوست کیا اور خود کو معمول سے بھی بڑھ کر حقیر ترین محسوس کیا۔ وہ پرانی کھڑکھڑاتی کالج وین اور رنگ برنگے رکشے جن پر وہ آج تک سفر کرتی آئی تھی، بے آرام سہی اس ذلت آمیز احساس سے بہر حال دوچار نہیں کرتے تھے۔ گاڑی جتنی دیر میں اس شاہی گلی سے نکلی، گیتی کی نگاہیں اس طرح جھکی رہیں جیسے آنکھ اٹھی تو ٹھیک سامنے کسی ان دیکھے آئینہ میں ہی پڑے کی جہاں وہ مور کے پروں کے ساتھ مضحکہ خیز صورت لیے موجود ہوگی۔
نانی نے دو ایک بار کوئی بات کی بھی لیکن اس کے "ہوں ہاں" پر باقی وقت خاموش ہی رہیں۔
ان کے ذہن میں جو کچھ بھی چل رہا ہوتا، اس کا اظہار چہرے سے کم ہی ہوتا تھا۔ ان کی گہری مضبوط خود اعتمادی کمال کی تھی۔
افسر بھائی نے جس آڈیٹوریم میں ان لوگوں کو بلایا تھا، وہ اچھا خاصا دور تھا لیکن اچھی بات یہ ہوئی کہ جب وہ لوگ وہاں پہنچیں تو سب کچھ تیار تھا۔
راگوں پر مبنی پروگرام تھا۔
نانی ستارہ کی گائیکی کے ساتھ رقص کی پرفارمنس کے لیے جن لڑکیوں کا انتخاب کیا گیا تھا، وہ سب ہی اجنبی تھیں۔ گیتی ان میں سے کسی کو بھی نہیں پہچانتی تھی اور جس ادب و اشتیاق سے وہ نانی ستارہ سے مل رہی تھیں اس سے چند منٹ میں ہی پتا چل چکا تھا کہ ان کے لیے بھی وہ اور نانی اجنبی ہی تھیں۔
یہ سب شوقیہ تربیت حاصل کرنے والی لڑکیاں تھیں۔ شہر کی اعلا درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرنے والی اور ان سب کا تعلق معزز گھرانوں سے تھا۔
رقص ان کے لیے بڑی مہنگی ایکٹیویٹی تھی۔
بھاری فیسوں پر چند گنے چنے اداروں میں جو تربیت دی جا رہی ہے، یہ سب وہیں سے سیکھ رہی تھیں یا سیکھ چکی تھیں۔
وہی سُر تال، وہی گھنگھرو اور وہی نرت بھاؤ۔
آڈیٹوریم کا اسٹیج جھنکار میں ڈوبا۔
معلوم نہیں اچھا تھا یا برا لیکن گیتی کو تھوڑی ہی دیر میں اپنے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے ہوتے محسوس ہونے لگے تھے۔ نانی ان سب کے ساتھ اسٹیج پر جا چکی تھیں اور وہ اطمینان سے ایک نیم روشن کونے میں بچھی کرسی پر

قدرے اطمینان سے بیٹھی تھی۔
پروگرام ریکارڈ ہونے میں ابھی چند دن باقی تھے، یہ ریہرسل تھی۔
نانی کی گائیکی اور ستار نوازی کا تو اپنا ہی معیار تھا لیکن گیتی کی ساری توجہ ان چھ لڑکیوں پر ہی تھی جو بہت مہارت کے ساتھ رقص کر رہی تھیں۔
کتنی ہی دیر گزری، نہ ان کی دلچسپی میں ہی کوئی کمی واقع ہوتی نظر آ رہی تھی اور نہ ہی کہیں تکان کے ہی آثار تھے۔
یہ بالکل ویسی ہی لگن تھی جس سے وہ دور رہ کر بھی نا آشنا نہیں تھی۔
پھر بھی زمین آسمان کا فرق۔
افسر بھائی بے چارے بھلے آدمی تھے۔
گیتی دیکھ رہی تھی کہ وہ سب کے ساتھ نہایت نرمی کے ساتھ پیش آ رہے تھے اور خاص بات جو اس نے نوٹ کی تھی، وہ ان کا بے حد پروفیشنل رویہ تھا۔
وہ یہاں اس شہر میں سالار کے سب سے قریبی دوست تھے اور گیتی جب بھی انہیں دیکھتی اس کی سمجھ میں اچھی طرح آنے لگتا کہ وہ کیوں سالار کے سب سے زیادہ قریب ہیں۔
آرام دینے کے لیے وقفے وقفے سے وہ بریک ہوئے تھے، اسی میں جب وہ نانی کے اشارے پر ان کے پاس جا کر بیٹھی تو افسر بھائی نے معلوم نہیں کس بات پر سالار کا ذکر چھیڑا تھا۔
"اتنا عادی ہو گیا ہوں کہ دو دن نہ ملوں سالار سے تو لگتا ہے کہ کوئی بہت بڑی کمی واقع ہو گئی ہے زندگی میں۔ ہم لوگ اتنا وقت ایک ساتھ گزارتے ہیں جتنا ایک گھر میں رہنے والے بھی نہیں گزارتے ہوں گے۔ وہ اتنا پیارا انسان ہے کہ بری سے بری صورت حال میں بھی کسی اچھی امکان روشن کیے رکھتا، کئی انتہائی پریشان کن لمحات میں وہ مرا سہارا بنا ہے۔ وہ دوست ہے یا مسیحا، میں نہیں جانتا۔"
گیتی نے رشک سے انہیں دیکھا۔
وہ کتنے خوش قسمت تھے جو اس کے ساتھ کے دعوے دار تھے۔
"کب سے جانتے ہیں آپ سالار کو؟" نانی پوچھ رہی تھیں۔
"مدت سے۔ اس کی مرحومہ والدہ میری امی کی دوست تھیں اور بچپن میں بھی ہمارا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا تھا۔ وہ مجھ سے چھوٹا ہے لیکن بچپن سے ہی بہت حساس اور سمجھ دار ہے۔"
"ان کی امی کا انتقال کیسے ہوا تھا افسر بھائی؟"
سالار کے بارے میں مزید کچھ جاننے کی خواہش میں وہ بے ساختہ ہی پوچھ بیٹھی۔
افسر بھائی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
"وہ بہت جلد رخصت ہو گئی تھیں۔ سالار شاید آٹھ نو سال کا ہوگا۔"
"بے چارہ بچہ، بن ماں کے جس طرح پلا ہوگا، وہ جانتا ہوگا۔ یا خدا! معلوم نہیں کتنے دکھ جھیلے ہوں گے اس ننھی سی عمر میں۔" نانی افسردگی کے ساتھ کہہ رہی تھیں۔
"ساری زندگی شاید ہم ان باتوں پر زیادہ غم زدہ ہوتے ہیں جو کب کی گزر چکی ہوتی ہیں۔ پرانی سے پرانی بات بھی یاد کرو تو بھی دل پر ویسا ہی بھاری بوجھ پڑتا ہے۔ کیا دکھ اتنی بڑی طاقت ہے کہ کسی کا بھی ہو، ہر ماحول ہر زمانے کو اپنی گرفت میں با آسانی لے سکتا ہے؟"
بظاہر افسر بھائی کی بات پر دھیان دیتے ہوئے وہ سوچے گئی۔

[illegible] زندگی کی خوبیاں اور سب سے بڑھ کر باپ والی کمائی تھی جو نہ جانے کب سے دہرائی جا رہی تھی۔ کام کا وقت تھا اور بدا خلت حد سے زیادہ۔

افسر بھائی بھی رُک کر کوئی بات نہیں کر سکتے تھے اور یہ صرف ان کے احساس کی بات تھی کہ نانی ستارہ کو وہ زیادہ دیر کے لیے نہ روکیں۔

ویسے بھی ریسر سلوا لڑکیوں کے لیے تھی نانی کا آنا ان سب کے لیے بے حد حوصلہ افزائی کا سبب بنا تھا۔

جب وہ واپسی کے لیے اٹھیں تو ان میں سے ہر ایک بے حد شکر گزار تھی۔

"آپ خوش قسمت ہیں جو اتنی بڑی فنکارہ آپ کی گرینڈ مدر ہیں۔ کاش! آپ کی جگہ میں ہوتی تو معلوم نہیں ان سے کتنا کچھ سیکھ چکی ہوتی۔"

ان میں سے ایک نے کیتی آرا سے کہا تو وہ حیرت سے منہ کھولے اسے دیکھے گئی۔

نانی سے بے حد محبت کرنے کے باوجود بھی شاید وہ کبھی بھی اپنی اس "خوش قسمتی" پر نازاں نہیں ہو سکتی تھی۔

درختوں کے بیچ سے گزرتی روش پر جب وہ نانی اور افسر بھائی کے ساتھ گاڑی کی طرف جا رہی تھی تو آج کی سب سے بڑی رہ جانے والی کمی کی طرف اشارہ کیے بغیر نہیں رہ سکی۔

"آپ نے سالار صاحب کو نہیں بلوایا ریسر سل پر؟" سچی بات تو یہ کہ وہ اسی امید پر چلی آئی تھی کہ ہوتا ہو سالار وہیں موجود ہو گا۔

افسر بھائی کے کسی بھی پروگرام میں وہ نوے فیصد تو شامل ہوتا ہی تھا۔

"ارے تمہیں نہیں پتہ، وہ تو ہفتے بھر سے کراچی گیا ہوا ہے اور اس بار تو معلوم نہیں کتنے سال بعد اس کا جانا ہوا ہے۔" انہوں نے تازہ خبر دی۔

"کراچی!" کیتی کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

"ہاں بس ایک دم ہی پروگرام بنا لیا۔ کہہ رہا تھا بس دو چار دن میں آ جاؤں گا اب ہفتہ تو ہو گیا ہے، دیکھو۔"

"گھر کی یاد آ گئی ہو گی۔ کتنا بھی دور رہو، کبھی تو دل چاہ ہی جاتا ہے۔" نانی ستارہ کو پھر سے کوئی آس بندھی تھی۔

افسر بھائی نے نفی کا اشارہ کیا۔

"گھر وہ کیسا، گھر تو رشتوں سے بنتے ہیں اور سالار کے ساتھ کوئی ایک رشتہ بھی تو نہیں ہے، وہ تو بس ویسے ہی گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی پراپرٹی وغیرہ کا مسئلہ ہو۔ میں پوچھ نہیں سکا تفصیل۔"

نانی کے ذہن میں وہ کیتی پر سیلسٹ بے ساختہ ہی گھوما۔

"گھر رشتے نہ سہی اور بہت کچھ ہے پیچھے سالار کے۔"

انہیں اپنے اندازے کی درستی پر خوشی ہوئی تھی۔

صرف کیتی ہی تھی جو جانتی تھی کہ سالار کراچی کیوں گیا ہے اور اسے اپنے اندازے کی درستی پر خوشی بھی نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

"جویا کے سسرال والوں نے بہت برا منایا ہے اس دن کی بات کا۔"

آپا گل نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی جیسے آج کے اخبار کی ہیڈ لائن پڑھی۔

اتفاق سے سب ہی موجود تھے۔

اظہر صاحب، شاکرہ بیگم، زویا اور یہاں تک کہ جویا بھی، جس کی تنہائی پسندی دن بہ دن بڑھتی جا رہی تھی۔

"کیوں، ہم نے ایسی کیا ستائی کی روٹی ان کی ساس تک ہیں؟" [illegible]

"بات کیا ہوئی ایسی؟ آئے تھے کیا وہ لوگ یہاں؟"

اظہار صاحب جب سے اپنی پریشانیوں میں گھرے تھے، اِدھر اُدھر کی باتوں سے دور ہوتے جا رہے تھے۔ سو کچھ حیرت زدہ سے ہو کر بیوی اور بیٹی کی شکل دیکھنے لگے۔

سچی بات تو یہ کہ فوری طور پر کسی کو بھی یاد نہیں آیا تھا کہ ہوا کیا تھا۔

"وہ اس روز جو ان لوگوں کو دوپہر کا کھانا کھلائے بغیر بھیج دیا تھا ہم نے۔ حالانکہ سموسے، گلاب جامن، نمکو تو رکھے ہی تھے سامنے پھر بھی نیت ملاحظہ ہو۔"

آپا گل کی خفگی کے پیچھے ان ڈھائی تین سو روپوں کا غم بھی تھا جو خاص ان کی جیب سے خرچ ہوئے تھے۔

"کیسا گھٹیا خاندان ہے جو دو روٹیوں پر اپنی ذہنیت دکھا رہا ہے۔ ہم نے تو شریف خاندانی لوگ سمجھ کر رشتہ کیا تھا، کیا پتہ تھا کہ ایسے گھٹیا نکلیں گے۔"

تفصیلات سن کر وہ اور بھی تڑپ اٹھے۔

"بہت کچھ بعد میں ہی پتہ چلتا ہے، جیسا کہ زوبیہ بھابھی۔" زویا پیچھے سے بول پڑی۔

سب نے ذرا ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔

"بھلا یہاں زوبیہ کا کیا ذکر؟"

"اعجاز کا فون آیا تھا میرے پاس، بہت اکھڑا اکھڑا سا ہو رہا تھا۔ میں نے بھی اچھی طرح سنا دیں کہ بات طے ہونے سے اب تک ان کے ہاں سے کیا آیا اور ہم نے کیا دیا۔ کتنی بار ان کے گھر والے اور دوسرے رشتے دار ہمارے گھر سے کھانا کھا کر گئے اور ہمیں صرف چائے کے کپ پر ٹرخایا گیا۔ شکر تک ناپ تول کر ڈالی گئی تھی ان کے ہاں تو چائے میں، اوپر سے بار بار چینی پینے کے نقصان اس کی اماں سے الگ سننے پڑے تھے۔"

"تم نے یہ سب بھی کہا اعجاز سے؟" شاکرہ بیگم نے بے تابی سے تصدیق چاہی۔

"ہاں تو اور کیا، میں تو بہت دن سے اس فکر میں تھی کہ اس سے یہ سب کہہ سکوں، وہ موقع اس نے خود ہی دے دیا۔ خوب سنائیں دل کھول کر۔"

زویا نے بے ساختہ ہی انگلیوں سے ماتھے کو چھوا۔

"اتنی ہلکی باتیں، آپ تو نہ کرتیں گل آپا! فرق ہی کیا رہ گیا ان میں اور ہم میں۔"

"تم پھر بولیں بیچ میں۔ دس بار منع کیا ہے کہ کم از کم میری بات مت کاٹا کرو۔ کیسے نہ کہتی سب کچھ، ابھی سے سر پر چڑھا لیا تو ساری عمر ہی سر پہ بیٹھے رہیں گے۔ لوگوں کو ان کی اوقات میں رکھنا ضروری ہوتا ہے، ورنہ۔۔۔"

زویا چپ چاپ اٹھ گئی۔

شاید کسی نے بھی نوٹ نہیں کیا تھا کہ جویا کی جگہ پہلے ہی خالی ہو چکی تھی۔

اظہار صاحب اور شاکرہ بیگم دونوں ہی کو آپا گل کی کارکردگی سے اطمینان تو حاصل ہوا تھا لیکن اعجاز کے گھر والوں سے اختلاف کھل کر سامنے آ چکا تھا۔

کنجوس، بدنیت، لالچی۔

"دراصل میں تو یہ اندازہ لگانے آئے ہیں کہ ہمارے ہاں جویا کی شادی کی کیا تیاری کی جا رہی ہے۔"

اب تک جس آمد و رفت کو پیار محبت کی نشانی کہا اور سمجھا جا رہا تھا، اس کا دوسرا تیسرا رخ بھی سامنے آ رہا تھا۔

"ابھی سے شادی کا کیا سوال، تم نے پہلے ہی دو سال بعد کا کہہ دیا تھا۔" اظہار صاحب کا لہجہ قطعی تھا۔

آپا گل نے بے ساختہ ہی والدہ کی طرف دیکھا اور بے چین سا ہو کر پہلو بدلا۔

[illegible] ان مل رہتے زیادہ بے عرصے نہیں چل پاتے۔ اب دیکھو ہمیں اعجاز کے گھر والوں سے کتنے اختلاف ہونے لگے ہیں۔ حالانکہ شروع میں تو کوئی ایک بھی برائی نہیں دکھائی دی تھی۔"

"ہاں تو اچھی بات ہے۔ لوگ کھل کر تو سامنے آجاتے ہیں نا!" انہوں نے اس میں سے اپنے مطلب کی بات چنی۔

"لالچ تو ہر جگہ ہی چلتا ہے ورنہ اعجاز تو لاکھوں میں ایک ہے۔ بہت بڑا بزنس ہے ان لوگوں کا' ہزار گز پر گھر ہے۔ بس ایک خرچ کرنے والا دل نہیں ہے۔ لیکن شادی ہو جائے خیریت کے ساتھ پھر تو جویا اپنی مرضی کی مالک ہو گی۔ گھر والوں کو کون پوچھتا ہے بچہ۔"

ان کا اپنا سو فیصد کامیاب تجربہ تھا' سو اختلاف کی گنجائش ہی کہاں؟

اظہار چچا کو اثبات میں سر ہلانا ہی پڑا۔

"لیکن پھر بھی شادی تو ابھی نہیں' حالات اجازت نہیں دیتے اور سلمان کی طرف سے کوئی اچھی امید نہیں۔ ایسے میں فی الحال تو ان لوگوں کو کوئی امید دلانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"لیکن اگر سلمان سارا خرچہ اپنے ذمہ لے لے پھر تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہو گا؟"

عجیب بات تھی کہ وہ لاکھ ہوا میں تیر چلاتیں' جا کر بیٹھتا سیدھا نشانے پر ہی تھا۔

"تم سے کچھ کہا سلمان نے؟" اظہار صاحب یک دم ہی پرجوش ہو بیٹھے۔

"یہ بات چھوڑیں' آپ بتائیں' آپ کا کیا فیصلہ ہو گا؟" وہ کسولی کسولی کھیلنے لگیں۔

اظہار صاحب متذبذب نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

"بتائیں' کر دیں گے تین ماہ میں جویا کی شادی؟"

ان کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ ایسا یوں ہی مذاق میں نہیں کہہ رہیں۔

"تین کیا' ایک ماہ میں کر دوں گا' سلمان ذمہ داری لے تو سہی' مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟"

تھوڑے سے یقین نے ان کے چہرے پر خوشی کی کیا چمک پھیلائی تھی۔

"مگر جویا سے تو تم نے دو سال کا وعدہ کیا تھا۔" شاکرہ چچی کو بالکل امید نہیں تھی کہ وہ اتنی آسانی سے بھی مان سکتے ہیں۔

"بھاڑ میں گیا وعدہ' تم تو جب بات کرنا بے تکی ہی کرنا۔" وہ بری طرح چڑے۔ "مجھے اپنی مصیبتیں گھیرے ہوئے ہیں جیسے تیسے دور ہوں تو سکھ کا سانس لوں۔ عذاب کر دی ہے میری زندگی سب نے مل کر۔"

ایک لمحے کے لیے تو وہ اتنے خود غرض نظر آئے کہ آپا گل کو بھی تھوڑا سا برا لگا تھا۔

"لو بھلا گھر کی ذمہ داریاں بھی مصیبت ہو گئیں۔" انہوں نے دل میں کہا اور شکر کیا کہ والدہ نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا اس موقع پر۔

مگر یہ وقت چھوٹی باتوں میں الجھنے کا نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے بس اب پہلے میں موقع دیکھ کر اعجاز سے بات کروں گی' ابھی کچھ دن تو ذرا کھنچے رہنا ہے۔ بد مزگی جو ہو گئی ہے۔"

"تو کیا بہت خفا ہو رہا تھا اعجاز!" پہلی بار شاکرہ بیگم کو ہونے والے داماد کی خفگی کا بھی خیال آیا۔

"فون تو بہت غصے میں کیا تھا لیکن جب میں نے جواباً سنائیں پھر تو بہت شرمندہ ہوا' معافی تک مانگ لی۔"

اظہار صاحب کا موبائل بجنے لگا تو بات خود بخود ادھوری رہ گئی۔ وہ فون کان سے لگاتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے تو آپا گل نے بڑے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔

"پہلے تو صرف بہن بھائی کا ہی مسئلہ سر پر رہتا تھا مگر اب تو ابو بھی پھوم پریشانی میں جتلا نہیں کرتے۔ سنبل دیکھ کر بات کرنی پڑتی ہے۔ ابھی دیکھا تھا کیسے آؤٹ ہونے لگے تھے۔"

"میں تو صبح شام دیکھتی ہوں' مجھے کیا بتا رہی ہو؟"

"اور یہ جویا' کتنا سمجھایا تھا کہ ذرا اعجاز سے فون پر بات کر لیا کرے۔ لڑکیاں تو خود ہی سب کچھ اپنی مرضی کے مطابق سیٹ کر سکتی ہیں مگر یہ تو الٹا اسے بددل کیے دے رہی ہے۔ کوئی الٹا سیدھا شک اعجاز کے دل میں پڑ گیا تو ساری زندگی پھر سر پکڑ کر روئے گی۔"

"خدا نہ کرے۔" وہ دہل ہی تو گئیں۔

"یہی ہو گا' دیکھ لیجیے گا' جس طرح یہ اس غریب کو ذلیل کر رہی ہے' کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ اتنے مہینوں میں تو لڑکیاں اتنی انڈر اسٹینڈنگ پیدا کر لیتی ہیں منگیتروں سے کہ ہر بات اپنی مرضی کی منوا لیتی ہیں۔"

آپا گل کو بڑا ہی قلق تھا۔

انہیں پورا یقین تھا کہ جویا کی طرف سے ذرا بھی رعایت ملتی تو اعجاز جیسا عام سی شکل و صورت والا لڑکا اس کی خوبصورتی کے آگے بالکل ہی ہتھیار ڈال چکا ہوتا مگر یہاں تو ابھی بھی ساری ذمہ داری ان ہی کے کندھوں پر تھی۔

"میری جویا ایسی نہیں ہے۔" ان کی ساری شکایات کے جواب میں شاکرہ بیگم نے بہت فخر سے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر کچھ الٹا سیدھا ہو تو مجھ سے مت کہیے گا۔"

"آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گی' اتنا زور مت ڈالو اس پر۔ یہی کیا کم ہے کہ اس نے اپنی مرضی کے خلاف اس رشتے پر ہامی بھر لی ہے۔"

ان کے لہجے میں عجیب سا تاثر تھا۔

معاذ انہیں کتنا ہی ناپسند تھا لیکن یہ سوچ کر کہ جویا صرف ان کی خاطر اپنی پسند سے دستبردار ہوئی ہے' وہ اس پر فخر سا محسوس کرتی تھیں۔

انہیں لگتا کہ زبان سے نہ سہی' عمل سے تو اس نے ثابت کیا کہ وہ ان کی سب سے زیادہ محبت کرنے والی اولاد ہے' ورنہ اظہار صاحب نے تو کیا کسر چھوڑی تھی۔

"توبہ استغفار۔"

اظہار صاحب کے الفاظ یاد آئے تو وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائیں۔

"دراصل میں تو آپ لوگ خود ہی شہ دیتے ہیں۔ پہلے سلمان اور اب جویا کو سر پر چڑھا لیا ہے۔"

ایک دبا دبا سا غصہ جویا پر باقی ہی رہتا تھا۔

"شاید وہ اسے ساری عمر معاف نہ کر سکیں گی کہ وہ معاذ بھائی کو پسند کرتی رہی ہے اور کبھی بھی دل سے ان کے مسلط کردہ رشتے کو قبول نہیں کرے گی۔" کچن میں کھڑی زویا نے سوچا۔

"لاؤنج سے آتی آوازیں دفعتاً ہی دھیمی پڑی تھیں۔

کوئی خاص بات تھی جو مصلحتاً" نیچی آواز میں کی جا رہی تھی۔

اور وہ سننا بھی نہیں چاہتی تھی۔

کچن سے نکلتے ہوئے وہ ان لوگوں کی طرف دیکھے بنا اوپر کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ رہی تھی' تب ہی اس نے اظہار صاحب کی بوکھلائی ہوئی آواز سنی۔

"کچھ سنا تم لوگوں نے۔ تائی اماں کتنے ہی دنوں سے بیمار ہیں' سارا خاندان ان کی طبیعت پوچھ کر آچکا ہے۔ ایک ہم ہی لوگ بے خبر بیٹھے ہیں۔"

آپا گل اور شاکرہ بیگم دونوں ہی کو ان کی سراسیمگی پر یکساں کوفت ہوئی تھی۔

"یہ بھی کوئی بات تھی جس پر اتنا تردد کیا جائے۔"

"میں تو آج کل اپنی پریشانیوں میں ہوں مگر تم لوگ تو گھر میں فارغ بیٹھی رہتی ہو ذرا دھیان تو رکھا کرو۔"

الزام براہ راست عائد ہوا تھا، سو برا بھی زیادہ ہی لگا۔ اگر وہ مصروف تھے تو یہاں کس کو فرصت تھی اور دادی کی بیماری میں بھی کون سی نئی بات تھی۔ ضعیفی میں رہ ہی کیا جاتا ہے، سوائے بیماری اور شکایتوں کے۔ سو یہی کچھ ہو رہا تھا۔

جوابی طور پر یہی کچھ کہا سنا جا رہا تھا۔

زویا جب سیڑھیاں چڑھ رہی تھی تو اس نے انہیں کہتے ہوئے سنا۔

"جو بھی ہو، ان باتوں پر رشتہ داری ختم نہیں ہوتی اور وہ تو بزرگ ہیں میری۔ تیار رہنا، کل ضرور چلیں گے اسلام بھائی کے گھر۔"

"معلوم نہیں یہ لوگ بے حس ہیں یا اذیت پسند۔" وہ فیصلہ نہ کر پائی۔

☼ ☼ ☼

ہوٹل سے خیام کی غیر موجودگی کو سب سے پہلے نوٹ کرنے والا بھی راجو ہی تھا۔

بڑھتے ہوئے رش میں میزوں کے درمیان جب وہ اکیلا آرڈر لینے کے لیے دھکے کھا رہا تھا، جھنجلا کر کئی بار خیام کو تلاش کرنے کے لیے ادھر ادھر نگاہیں دوڑاتا رہا مگر وہ کہیں دکھائی نہیں دیا۔

کاؤنٹر پر بیٹھے بابو شوکت کا خوف نہیں ہوتا تھا تو وہ شاید سب کچھ بیچ میں ہی چھوڑ کر سب سے پہلے اسے پچھلے احاطے سے کھینچ کر لاتا، جہاں اس کے خیال میں وہ اب بھی سردیوں کی دھوپ کا مزا لے رہا تھا۔

"خیام بھائی کو تو بلوا لو ابا! کتنے لوگ ہیں یہاں، مجھ اکیلے سے نہیں سنبھل رہے ہیں۔" ایک بار کاؤنٹر کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے باپ سے کہا بھی لیکن جواباً اس کی وہی کھا جانے والی نظر۔

"فالتو نہیں بیٹھا ہوگا، کسی نہ کسی کام میں لگا ہوگا۔ تیری طرح ہڈ حرام نہیں ہے، ذرا سا کام کرنا پڑ جائے تو موت آتی ہے اور خبردار جو میرے گاہکوں کو نظر لگائی۔ اللہ اپنے کرم سے رزق کا وسیلہ بناتا ہے۔"

اس نے اس بری طرح جھاڑا کہ اگلے ایک گھنٹے وہ گھن چکر بنا پھر کی بنا گھومے گیا۔

دل میں خیام سے جڑی نفرت اور بھی گہری ہوتی رہی۔

"پتہ نہیں کیا گھول کے پلا دیا ہے اماں ابا کو، اسی کا دم بھرتے ہیں۔ میں سگا بیٹا آنکھوں میں کھٹکتا ہوں۔" مارے تجالت کے کئی بار اس نے اپنی آنکھوں کو رگڑا۔

"اور وہ رانی کی بچی! بے شرم کہیں کی۔"

خیام کو روز روز بلاتا، دوڑ دوڑ کر خاطریں کرنا، سب ہی کچھ کھلتا تھا مگر اب تو حد ہی ہوگئی تھی کہ داماد بنانے تک کی نیت کرلی گئی تھی۔

دل تو چاہا کہ ابھی جا کر اس رانی کا گلا تو دبا ہی دے جو خیام کو ساری عمر کے لیے اس کے سر پر اور اس چلتے ہوئے کاروبار پر مسلط کرنے کا خواب سجائے بیٹھی تھی۔ بڑی دیر بعد وہ دھوئیں سے سیاہ ہوئے اس کچن میں آیا جہاں اس کے خیال میں خیام کو موجود ہونا چاہیے تھا۔

"جلدی جلدی ہاتھ چلاؤ اور یہ اتنا اتنا پانی تیر رہا ہے پلیٹوں میں انہیں تو پٹکا دے۔ گاہک شوربے سے روٹی کھائے گا یا دریا میں ناؤ چلائے گا۔"

بوڑھا باورچی اپنے فرض منصبی کے ساتھ اوپر کا کام کرنے والے لڑکوں پر بھی دل کھول کر چلائے جا رہا تھا۔

راجو اکتایا ہوا سا وہیں دیگوں کے پاس کھڑا ہو گیا۔

"کیوں شور مچا رکھا ہے چاچا! باہر تک آواز آرہی ہے۔"

حالانکہ یہ جتنا عوامی اسٹائل ہوٹل تھا، وہاں گاہکوں اور انتظامیہ کے درمیان ایسے تکلفات کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں تھا مگر وہ کاؤنٹر پر بیٹھے باپ سے ملی کوفت کو کہیں اور اتارنے کی کوشش میں تھا۔

الفاظ اتنے سخت نہیں تھے جتنی کہ ٹون۔

دیگ پر بیٹھے اس بوڑھے "ماہر فن" کی عمر بھر کا فخر دو ہی چیزیں تھیں۔

حلال کی کمائی اور کسی کی ٹیڑھی بات نہ سننے کا دعوا۔ برسوں پہلے ذرا اونچ نیچ پر تین جوان بیٹوں کے گھر کو ٹھوکر مار کر یہاں دیگ پر آکر بیٹھا تھا تو پھر واپس مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

اس دو بالشت کے لڑکے نے اپنی شامت کو خود ہی آواز دی تھی۔

دیگ پر پٹخے جانے والے چمچے کی گونج یہاں سے وہاں تک بخوبی سنی گئی۔

"زبان سنبھال کر، حواس میں بھی ہے کہ کس سے بات کر رہا ہے؟ یہیں اسی چولہے میں منہ دے دوں گا تیرا ابھی۔" اپنا چار خانے والے رومال کندھے پر ڈال کر وہ ایک دم ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

راجو کی حقیقی معنوں میں سٹی گم ہوئی تھی۔

"ذرا بلا تو بابو کو، لعنت بھیجتا ہوں اس کی نوکری پر ابھی اسی وقت۔" بوڑھا باورچی اب برتن دھوتے لڑکے پر دھاڑ رہا تھا۔

اور باپ کے آنے کے بعد یہاں جو کچھ ہونے والا تھا وہ اس ہوٹل کی تاریخ میں برسوں عبرت کے طور پر یاد کیا جائے گا۔ راجو کے تو سچ مچ ہی آنسو بہہ نکلے۔

"معاف کردو چاچا! غلطی سے اونچی آواز میں بول گیا۔ جوتے سے مار لو، جو چاہے سزا دے، پر معاف تو۔" اوپر کے کام پر موجود لڑکوں کی دبی دبی سی مسکراہٹ کی بھی پروا کیے بغیر وہ اس کے پاؤں پکڑ کر گڑگڑانے پر مجبور تھا۔

"اچھا پاؤں تو چھوڑ۔" راجو کے رونے پر وہ کچھ نرم پڑا۔

"پہلے معاف کرو، اپنا بچہ سمجھ کر معاف کردو چاچا!"

"چل جا بس۔" بوڑھے کے تنے ہوئے اعصاب جیسے ڈھیلے پڑنے لگے۔ "اگر اپنا بچہ سمجھ لوں تو ساری عمر معاف نہ کروں۔"

راجو سے پیر چھڑا کر وہ دوبارہ "کام" پر بیٹھا تو راجو کے ساتھ سبزی کاٹتے، برتن دھوتے، آٹا گوندھتے سارے اسٹاف نے ہی سکھ کا سانس لیا۔

مگر اگلا ہی پل پھر سے جواب طلب تھا۔

"کیا ہوا ہے چاچا! اس لڑکے نے کوئی گڑبڑ کی ہے کیا؟"

یہاں ہونے والی غیر معمولی سی سرگرمی کا احساس ہی بابو شوکت کو کاؤنٹر سے اٹھا لایا تھا۔ وہ سوال تو باورچی سے ہی کر رہا تھا لیکن نگاہ بیٹے پر جم چکی تھی۔

جس بات کا ڈر تھا، سو سامنے آکر رہی۔

راجو سانس روکے کھڑا تھا۔

دیگ پر بیٹھے "فتح مند" کے منہ سے نکلا ایک لفظ ابھی بھی ٹلی ہوئی مصیبت کو واپس لانے کے لیے بس تھا۔

"ارے کچھ نہیں ہوا، جا جا کر اپنے کاؤنٹر پر بیٹھ میں ہوں نا یہاں کے مسئلے نمٹانے کے لیے تو مت ہر بات خود

[illegible]

وضع داری کی تمکنت چہرے کی جھریوں میں چمک رہی تھی۔ بڑے سلیقے سے اس نے بات کو سنبھالا تھا۔

بابو شوکت مطمئن ہو کر واپس تو پلٹ گیا لیکن جاتے جاتے راجو کو "بس" کر رکھنے کی تاکید کرنا نہیں بھولا تھا۔

ذرا دیر کے لیے تو اس بڑے سارے سیاہ باورچی خانے میں سکون بھری خاموشی پھیل گئی۔

مسالوں اور بگھار کی ملی جلی خوشبوئیں اور باہر سے میزوں پر بیٹھے لوگوں کی باتوں کا ہلکا ہلکا سا شور، وہی مخصوص لگا بندھا سا ماحول پھر سے براجمان ہوا۔

"چھوٹے بڑے کا لحاظ کرنا سیکھ، با ادب با نصیب۔ عزت کرے گا تو آگے عزت پائے گا ورنہ یوں ہی زمانے کی ٹھوکریں کھاتا پھرے گا ساری عمر۔"

پلیٹوں میں کن کرونی اور نپا تلا شوربہ ڈالتے ہوئے وہ اب اپنا حق سمجھ کر نصیحتیں کر رہا تھا۔ "اور مجھے کیا تو نے خیام سمجھا ہے کہ بے غیرتی سے تیری دی ہوئی ذلت قبول کر لوں گا۔ وہ تو نہ جانے کس مٹی کا بنا ہوا ہے جو کچھ اثر ہی نہیں ہوتا اس پر۔"

اتنی دیر میں خوف اور خجالت دونوں ہی میں کمی آ چکی تھی۔ خیام کے نام کے ساتھ ہی اس سے جڑی نفرت نے اور بھی اضافہ کر دیا۔

"اتنا ڈھیر لگا ہے برتنوں کا، خیام بھائی کو ساتھ کیوں نہیں لگاتا، بٹا کرا دے۔" سامنے کام کرتے لڑکے کو اس نے پورے مالکانہ حق کے ساتھ حکم دیا تو وہ بجائے جانے کے وہیں رک کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"خیام بھائی ہیں کہاں؟ آج صبح سے میں نے تو انہیں دیکھا ہی نہیں ہے۔"

اطلاع اچھی نہیں تھی، راجو کو یہ سوچ کر اور بھی کوفت ہونے لگی کہ ضرور وہ اس کی اماں یا رانی کے بلاوے پر ان ہی کے گھر گیا ہوا ہے۔

"وہ تو جب میں آیا تھا صبح ساڑھے چھ بجے تب بھی نہیں تھے۔ یہ جگہ خالی پڑی ہوئی تھی۔" ایک اور چھوٹا سا لڑکا جو سویرے آنے والوں میں سب سے پہلے آتا تھا، کہنے لگا تو سب ہی چونک سے گئے۔

"بکواس کرتا ہے، یہاں نہیں سویا تو پھر کہاں سویا ہوگا۔ اس سردی میں باہر تو جا کر سونے سے رہا۔"

"لیکن بات سمجھ میں آتی بھی ہے چاچا! خیام کو آج صبح سے دیکھا تو میں نے بھی نہیں ہے۔"

"میں نے بھی نہیں۔"

"اور میں نے بھی۔"

بحث کا در کھلا تو پھر چل سو چل۔

جتنے منہ اتنی باتیں۔ کوئی ایک جا کر پچھلا احاطہ بھی چیک کر آیا۔

راجو اتنی سی دیر میں اپنے موبائل کے ذریعے گھر پر بھی پوچھ چکا تھا۔ وہاں سے بھی جواب نفی میں ہی آیا تھا۔

خیام کہیں نہیں تھا۔ بنا کسی کو بتائے کسی سے ملے۔ اتنے عرصے میں اس کا کوئی دوست نہیں بنا تھا۔ وہ بلا ضرورت تو باہر بھی نہیں جایا کرتا تھا۔ سو یہ سوچنا کہ وہ کسی سے ملنے کے لیے گیا ہوگا، بے کار ہی تھا۔

"کسی نے کچھ کہا تھا؟"

"کوئی لڑائی جھگڑا؟"

پے در پے سوال کرتے ہوئے راجو نے دفعتاً ہی محسوس کیا کہ وہ سب اسے ہی مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

"وہ کب کسی سے لڑتا ہے، تو ہی بے عزتی کرتا رہتا ہے اس کی۔ معلوم نہیں کیا کہہ دیا ہو۔"

بوڑھا باورچی ایک بار پھر خود پر قابو نہیں رکھ پایا۔

"لیکن آج کل میں تو میری کوئی تلخی نہیں ہوئی تھی چاچا! اور پھر ہو سکتا ہے اِدھر اُدھر کوئی کام ہی ہو۔ ابھی تھوڑی دیر میں آ جائے۔"

کنفیوز سا ہو کر وہ پھر سے صفائی دے رہا تھا، تب ہی بابو شوکت کی طرف سے اسے بلاوا آیا۔

مسئلہ جوں کا توں چھوڑ کر راجو کو کاؤنٹر پر آنا پڑا۔ دو چار لوگ حسب معمول وہاں بھی کھڑے تھے۔

"ارے راجو!" بابو شوکت اسے آتا دیکھ کر دور سے ہی پکارا۔ "ذرا خیام کو بھی آواز دے لے، یہ آئے ہیں اس سے ملنے کے لیے۔"

اس کے ہاتھ کے اشارے پر بھی وہ سمجھ نہیں سکا کہ پاس کھڑے دو چار لوگوں میں کون خیام سے ملنے آ سکتا ہے۔

"سن نہیں رہا کیا، خیام کو بلا کر۔"

"خیام بھائی کہیں نہیں ہیں ابا! آج کسی نے بھی اسے صبح سے نہیں دیکھا۔"

جب وہ باپ سے کہہ رہا تھا، تب اس نے ان میں سے ایک کو بہت پریشانی کے ساتھ اپنی طرف متوجہ ہوتا ہوا محسوس کیا تھا۔

"وہ خیام تھا، یہی نام لیا تھا آپ نے؟"

"ہاں تو تم نے ہی تو کہا کہ وہ بہت خوبصورت سا لڑکا ہے، جس سے تم ملنا چاہ رہے ہو تو یہاں اس پوری سڑک پر تو خیام جیسا کوئی بھی دوسرا نہیں۔ چاہے جس سے پوچھ لو۔"

بابو شوکت اپنی بات ختم کر کے فخریہ انداز میں اس طرح مسکرایا جیسے خیام اس کی ذاتی پراپرٹی ہو۔

"جب میں کل آیا تھا، تب کسی نے یہ نام مجھے نہیں بتایا تھا۔"

"تم نے کس سے پوچھا تھا، مجھے علم نہیں ہے لیکن یہاں آ کر آج مجھ سے پتہ کیا تو مجھے جو سمجھ میں آیا بتا دیا۔"

بابو شوکت کو اس کا اعتراض پسند نہیں آیا۔

"غلطی میری ہی ہے، کل میں سڑک پر ہی لوگوں سے معلومات کرتا رہا، وہ بھی اس طرف والے حصے میں۔ بہت بڑا ایریا ہے، میں نے سوچا کہ... خیر۔"

اپنی کارکردگی کا ذکر غیر ضروری تھا، اسی لیے اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اب وہ کہاں ہوگا، میرا اس سے ملنا بہت ضروری ہے۔" بابو شوکت نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"اتنی پریشانی، اتنی پروا کسی "اپنے" کو ہی ہو سکتی ہے۔"

"تو کیا اس کے پچھلوں کو اس کی یاد آ ہی گئی۔"

پہلا فوری خیال جو آیا وہ بدشگونی سے بھرا ہوا تھا۔

"کیا کہہ سکتا ہوں میں، سنا نہیں تم نے لڑکا کہہ رہا ہے کہ وہ یہاں ہوٹل پر نہیں ہے۔"

خیام کے رشتہ داروں سے خوش اخلاقی برتنا خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف تھا۔

"تو واپس تو آئے گا نا! میں سارا دن یہاں بیٹھ کر اس کا انتظار کر سکتا ہوں، وہ مستقل یہیں رہتا ہے نا؟"

"تمہیں کام کیا ہے اس سے، اس سے پہلے تو کوئی بھی اس سے ملنے نہیں آیا اور پھر ضروری تو نہیں، تم جس لڑکے کو ڈھونڈتے ہو وہ یہی ہو۔"

رش کا وقت تھا، نہ چاہتے ہوئے بھی بابو شوکت کو اس سے بات کرنی پڑ رہی تھی۔ "کوئی ایک ہی تو نہیں ہوگا خیام نام کا لڑکا۔"

[illegible] یہ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں۔"

اتنا قطعی لہجہ کہ چند لمحے تو بابو شوکت بھی چپ کا چپ ہی رہ گیا۔

قریب کھڑے راجو کی نظریں باپ پر ہی جمی تھیں۔ اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر جو گھٹیا سی خوشی اسے حاصل ہو رہی تھی' اس کا جواب نہیں تھا۔

"کرلیں اب رانی سے خیام کی شادی' آ گئے نا اس کے وارث اور لگ بھی رہے ہیں کیسے پڑھے لکھے آدمی۔ رانی جیسی کو تو گھاس بھی نہیں ڈالیں گے۔"

آنے والے کا حلیہ سادگی میں بھی مرعوب کر رہا تھا' سو وہ بہت خوش خوش تجزیہ کیے گیا۔

"اے بچے!" اس بار وہ براہ راست اسے ہی مخاطب کر رہا تھا۔

"جی۔ جی۔" بچہ کہنا تھوڑا عجیب سا تو لگا تھا لیکن وہ بوکھلا کر سیدھا سامنے آ کھڑا ہوا۔

"بیٹا! یاد کر کے بتاؤ' اندازاً" کتنی دیر ہو گئی ہے خیام کو یہاں سے گئے ہوئے۔ تم نے کب دیکھا تھا اسے یہاں؟"

"رات دو بجے گیا ہوں میں' تب تک تو یہیں تھے مگر اس کے بعد کس وقت گئے ہیں' وہ وہاں کچن میں کسی کو بھی نہیں پتہ۔ لڑکا کہہ رہا ہے' رات ان کا بستر بھی نہیں تھا کچن میں۔"

اس سارے معاملے کی مزید تفصیلات دیتے ہوئے راجو نے خود کو بہت معتبر محسوس کیا۔

"کچن میں۔" زبان نے نہیں دل نے دہرایا۔

وہ نازو نعم' وہ سجا سجایا آسائشات سے بھرا کمرہ' وہ ایک ایک سانس پر اس کی خیر ماننے والے' سب ہی کچھ جیسے نگاہوں کے سامنے سے ہو کر گزرا۔

"ہو گئی تمہاری انکوائری پوری' اب مہربانی کرکے جاؤ پھر کسی وقت آ کر پتا کر لینا مل جائے گا خیام یہیں۔ بھاگا نہیں جا رہا ہے وہ کہیں۔"

بابو شوکت کا بس چلتا تو وہ اسے دھکا دے کر باہر کر چکا ہوتا۔ بیٹھے بٹھائے دھڑکا سا لگ گیا تھا۔

"اور تو راجو! دیکھ نہیں رہا' پورے ہال میں آرڈر لینے کے لیے کوئی نہیں ہے۔ کھڑا ہو گیا تماشا لگا۔" اس کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا۔

صبح سے مستقل برتن دھوتا چھوٹا سا لڑکا بڑی تیزی سے ادھر ہی آیا تھا۔

اس کے چھوٹے چھوٹے ہاتھ بھیگے ہوئے تھے اور سانس پھولنے کی وجہ کام کی زیادتی کے بجائے ساتھ لائی سب سے سنسنی خیز خبر تھی۔

"خیام بھائی کا بیگ نہیں ہے اپنی جگہ پر۔ وہ چلے گئے ہیں سامان لے کر۔"

"کیا بکتا ہے' کہاں سے لے گیا سامان وہ۔ دماغ تو نہیں خراب ہو گیا ہے تیرا۔" بابو شوکت ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

آج کا دن یقیناً اچھا نہیں تھا۔

"اوپر والی سلیب پر رکھا تھا خیام بھائی کا بیگ' میں تو اوپر برتن اتارنے کے لیے وہاں چڑھا تو دیکھا۔"

خیام کا سامان سمیت جانا معمولی خبر نہیں تھی۔ اس لڑکے کے پیچھے کچن میں کام کرتے جملہ افراد بھی اٹھ کر آئے تھے۔

"نہ کسی سے کہا' نہ سنا' لگتا ہے آخری پہر میں نکلا ہے یہاں سے۔" کوئی کہہ رہا تھا۔

"یہ وہی تھا جو راہِ فرار کے لیے اس آخری پہر کو ہی چنتا تھا۔" اس نے بہت افسردگی کے ساتھ چند بیتے پلوں کو یاد کیا۔

"کاش اس بار وہ یہاں سے نکل کر سیدھا وہیں گیا ہو' جہاں سے آیا تھا۔" امید تو کم تھی پھر بھی اس نے بہت دل سے دعا کی۔

بابو شوکت کی سربراہی میں جملہ افراد "جائے وقوع" کے معائنے کے لیے کچن کی طرف جا چکے تھے۔ صرف بوڑھا باورچی تھا جو پیچھے رہ گیا تھا۔

"سنو۔" دفعتاً اس نے مڑ کر کہا۔ "میں نے کل اسے بتایا تھا کہ تم شاید اس کے بارے میں پوچھتے آئے تھے۔" کہتے ہوئے وہ بے حد افسردہ دکھائی دیا۔

"کاش میں نے اسے یہ نہ بتایا ہوتا۔" بات کے اختتام پر اس نے ایک سرد آہ بھری اور پھر سیدھا چلتا ہوا کچن میں چلا گیا۔

تابوت میں آخری کیل بھی ٹھونک دی گئی۔

"اب کیا شک رہ گیا تھا کہ وہ خیام نہیں ہے۔"

ہوٹل سے باہر فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر اس نے اطراف میں پھیلے ٹریفک کے اژدھام کو دیکھا۔ پہلے بھی بالکل ایسے ہی ایک منظر میں اس نے خیام کو کھویا تھا اور آج ایک بار پھر۔ سامنے سے گزرتی ٹیکسی اس کے اشارے پر رک چکی تھی۔

اندر بڑی دیر بعد بابو شوکت کو خیال آیا تھا کہ اس نے آنے والے سے نام اور پتہ تک نہیں پوچھا تھا۔

☆ ☆ ☆

گھر تقریباً ویسا ہی تھا جیسا کہ ہمیشہ سے دیکھتے آرہے تھے۔ سلیقے سے سیٹ کیا ہوا اور بے حد صاف ستھرا۔ سیڑھیوں' برآمدے پر رکھے ہرے بھرے پودے' کھڑکیوں پر چڑھتی بیلیں اور پچھلے احاطے کی طرف سے آتی ہوئی چمپا کے پھولوں کی مست کرتی خوشبو سے بوجھل ہوا۔ جس وقت وہ لوگ وہاں پہنچے دوپہر ہی تھی اور اونچی چھتوں والے سارے ہی کمرے سردیوں کی نرم گرم دھوپ سے منور ہو رہے تھے۔

کیسا اجلا پُرسکون سا احساس تھا۔

یہاں کی ہر شے کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھنے کے باوجود اندر کہیں ایک بڑا ہی مانوس سا احساسِ کمتری دونوں میاں بیوی کو گھیر رہا تھا۔

رنگ اڑے در و دیوار اور پرانے فرنیچر والے اس گھر سے انوکھی شان ٹپکتی محسوس ہوتی اور اپنا وہ جدید سامان سے کھچا کھچ بھرا ہوا پُرہنگام گھر محض اسٹور روم ہو جاتا۔ پیچھے چاہے کتنے ہی قہقہے لگا کر خود کو تسلی دینے کی کوشش ہوتی مگر اندر سے ایک مستقل ہنسی خود اپنے اوپر بھی سنائی دیتی رہتی۔

شاید اسی مذاق اڑاتی ہنسی سے بچنے کے لیے وہ یہاں آنے سے گریز کرنے لگے تھے مگر آج کا آنا تو ضروری ہی تھا۔

شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب نے ایک دوسرے کی طرف بے اختیار ہی دیکھا اور بے چین ہو کر پہلو بدلا۔ یہ گھر اور اس کے مکین۔ جن کا سرمایہ قناعت اور بے نیازی تھی۔ کسی کانٹے کی طرح آج بھی دل میں گڑے ہوئے تھے۔

"کتنے مہینے ہو گئے معاذ کو نوکری کرتے ہوئے مگر گھر کی حالت میں کوئی خاص تبدیلی نہیں' سوائے ان پردوں کے۔" خود اپنی مورل سپورٹ کے لیے کچھ ایسا کہنا ضروری ہی تھا۔

کھڑکیوں' دروازوں پر لہراتے ہوئے خوش رنگ پردے اس وقت سرکائے ہوئے تھے اور کمرے کے مکین کے فرنیچر کے ساتھ مل کر الگ ہی تاثر دے رہے تھے۔

"وہی پرانے صوفے اور لکڑی کی بید سے بنی ہوئی کرسیاں' آنکھیں تھک گئیں' دیکھ دیکھ کر۔"

امی یہ دیکھنے کے لیے کہ دادی ابھی اٹھیں یا نہیں' کمرے سے باہر گئی تھیں۔ سو اس چھوٹے سے وقفے میں وہ دونوں میاں بیوی اپنی فطرت کے عین مطابق گھر کے حلیے کا پوسٹ مارٹم کرنا چاہ رہے تھے مگر عجیب بات تھی کہ کوشش کے باوجود بھی آج اس کام میں ذرا لطف نہیں آرہا تھا۔

"میں تو سمجھ رہی تھی کہ پتہ نہیں کتنا حلیہ بدل گیا ہوگا معاذ کی تنخواہ سے مگر یہاں تو سب ویسا ہی ہے۔" ایک تحقیر آمیز ہنسی کا اور اضافہ ہوا۔

"تو ایسی کون سی بڑی تنخواہ ہوگی معاذ کی' یہی کوئی پندرہ بیس ہزار۔ اتنے پیسے لے کر بازار چلے جاؤ تو کم پڑتے ہیں' تھوڑی ہی دیر بعد۔"

اظہار چچا کس دھن میں کہہ گئے۔

شاکرہ بیگم کے دل سے ایک ٹھنڈی آہ نکلی۔ اچھے دنوں کی تکلیف دہ یاد!

"خدا کسی کی بنا کر نہ بگاڑے۔" وہ بیٹھے بیٹھے رقیق القلب ہو گئیں۔

"اچھا بس' اب یہاں بیٹھ کر ایسی شکلیں مت بناؤ۔ خاندان بھر میں ڈھنڈورا پٹ جائے گا۔"

"آجائیں' اظہار بھائی! ادھر اماں کے کمرے میں ہی۔" امی کہتی ہوئی اندر آئیں تو بے ساختہ ہی ٹھٹکیں۔ شاکرہ بیگم کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

اظہار صاحب فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور تیزی سے باہر نکل گئے۔

"اچھا تھا اکیلا ہی آجاتا' یہ عورت تو اپنی جہالت کے مظاہرے کرنے سے کبھی باز نہیں آئے گی۔" دل ہی دل میں کھولتے ہوئے وہ کوریڈور سے گزرتے ہوئے بے ساختہ ہی ٹھٹکے۔

سامنے اسلام صاحب کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور سامنے کی دیوار کے ساتھ ایک وسیع بک شیلف کا اضافہ نظر آرہا تھا۔

سیاہی مائل لکڑی کے خانوں میں قطار در قطار سلیقے سے رکھی کتابیں کمرے کے وقار میں اور بھی اضافہ کر رہی تھیں۔ سامنے سے گزرتے ہوئے وہ دادی کے کمرے میں داخل ہوئے۔

ربیعہ انہیں تکیوں کا سہارا دے کر بٹھا رہی تھی۔

آج بہت دنوں بلکہ مہینوں بعد سامنا ہوا تھا اور دادی کی خفگی کوئی راز بھی نہیں تھی۔

اظہار صاحب نے چند منٹ میں ہی محسوس کر لیا تھا کہ وہ اب بھی ان سے ناراض ہیں۔

اپنی بیماری کی مختصر سی تفصیل بتا کر انہوں نے جو چپ سادھی تھی تو اتنی دیر میں کوئی دوسری بات نہیں کی۔ ربیعہ لوازمات سے بھری ٹرے لے آئی تھی اور امی پوری خوش اخلاقی کے ساتھ ان دونوں کی تواضع کر رہی تھیں۔ ان دونوں کے رویے میں کچھ بھی ایسا نہیں تھا جسے محسوس کیا جاتا۔

"اور تمہارا اسلائی کا کام کیسا چل رہا ہے؟ ابھی بھی کرتی ہو یا چھوڑ دیا۔"
شاکرہ بیگم کا یہ مخصوص سوال تھا جسے وہ کبھی بھی کرنا نہیں بھولتی تھیں اور جواباً "شکر ہے اللہ کا چل رہا ہے بہت اچھا۔" سن کر بڑی تسکین محسوس کرتی تھیں۔ مگر آج جواب میں شکر تو تھا لیکن شکر گزاری کی وجہ بدل چکی تھی۔
"معاذ نے ضد کر کے چھڑا دیا ہے کام ورنہ میں تو چاہ رہی تھی کہ ابھی کرتی رہوں۔ دل بھی لگا رہتا ہے اور پھر۔۔۔"
امی کے متانت بھرے جواب سے انہیں خوامخواہ ہی اپنی بے عزتی محسوس ہوئی تھی۔ ایسے جیسے وہ ان کے برابر آنے کی جرأت کر رہی ہوں۔
"مگر اتنا کام ہے چھوڑنا تو بے وقوفی ہی ہے۔ اتنی مہنگائی ہے گزارا مشکل ہو جائے گا۔ سب لوگ کچھ نہ کچھ کام کرتے رہیں گے تو آسانی رہے گی۔"
ان کی بات کی کاٹ نمایاں ہو رہی تھی۔
ربیعہ نے چائے سرو کرتے ہوئے ایک جھجکتی ہوئی نگاہ ان پر ڈالی۔
ان کی مسکراہٹ پھیکی ہو رہی تھی لیکن قائم تھی۔
"ٹھیک کہتی ہیں شاکرہ! حلال آمدنی میں تو واقعی گزارے مشکل ہی ہو رہے ہیں اور ہر ایک کے ہی کام کرنے میں کوئی برائی بھی نہیں ہے لیکن ہمارے کوئی لمبے چوڑے خرچے بھی نہیں۔ معاذ اور اس کے ابا شکر ہے کہ اتنا کما لیتے ہیں کہ عزت سے گزر بسر ہو جائے۔"
"صرف گزر بسر سے تو کام نہیں چلتا' آگے بڑھنے کے لیے بہت کچھ چاہیے۔ اصل میں تم پر بھی اسلام بھائی کے خیالات کا اثر آ رہا ہے۔ بالکل ان ہی جیسی باتیں کرنے لگی ہو۔ کیوں جی! ٹھیک کہا نا میں نے؟"
اپنی خجالت مٹانے کے لیے جو کچھ انہوں نے کہا اس کی تصدیق کے لیے نس کر میاں کو دیکھا تھا۔
"شکر!" ربیعہ نے بے تاثر سے انداز میں شوگر پاٹ آگے رکھا۔
ٹھیک اندازہ کر کے ڈھائی ڈھائی چمچ دونوں پیالیوں میں ڈالی گئی۔
"اسلام بھائی کی کیا بات ہے' زمانہ بدلا پر وہ نہ بدلے۔ میں تو ان کی ہمت کو داد دیتا ہوں ورنہ آگے نکل جانے کی خواہش تو صرف مردوں میں ہی نہیں ہوتی۔"
"اور جو بہت زیادہ آگے نکل کر خود اپنے ہی قتل کا سامان کر لیتے ہیں' ان کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟"
بات بہت سلیقے سے کہی گئی تھی۔
معاذ سامنے کھڑا تھا۔
اور بعد از سلام اپنا سوال پھر سے دہرا رہا تھا۔
"اپنے ہاتھوں بربادی لانے والوں کو کیسا محسوس ہوتا ہے اظہار چچا! آپ کو تو زیادہ تجربہ ہے۔" وہ کچھ رکا۔
انہوں نے بہت گڑبڑا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔
"میرا مطلب دنیا کے تجربے سے ہے۔"
وہ جھینپی سی ہنسی ہنسے۔
"ہم الٹے سیدھے تجربے نہیں کرتے ٹھوک بجا کر زندگی گزاری ہے اور بہت کامیاب گزاری ہے۔"
اپنے لہجے کے خالی پن کا انہیں احساس تو تھا لیکن ابھی کون سی بازی ان کے ہاتھ سے پوری ہی نکلی تھی جو وہ خود کو ایکسپوز کرتے۔
اور وہ بھی معاذ جیسے حریف کے سامنے جسے بری طرح مات ہوئی تھی۔
"کامیابی کا مطلب بھی ہر شخص کا الگ ہی ہوتا ہے' اب پتہ نہیں آپ کے نزدیک اصل کامیابی کون سی ہے۔"
اس بار انہیں لگا جیسے وہ صاف صاف مذاق اڑا رہا ہے اور یہ نئی بات نہیں تھی' جب بھی وہ لوگ ایک دوسرے کے سامنے آئے تھے اسی طرح چند منٹ میں ناقابل برداشت ہونے لگتے۔
"اور ہارا ہوا شخص زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔" انہیں دفعتاً ہی یاد آیا۔ سوائے یکسر نظر انداز کر کے وہ دادی کی طرف مڑ گئے۔
"آپ بہت چپ چاپ ہیں' کیا طبیعت زیادہ خراب محسوس ہو رہی ہے؟"
"نہیں' میں ٹھیک ہوں بالکل۔" وہ پتہ نہیں کیسے برداشت کر رہی تھیں اب تک۔ "اور تمہاری مہربانی جو تم مجھے پوچھنے آئے یہاں تک۔"
"ایسی غیریت کی باتیں مت کریں' آپ کا سایہ سر پر ہو تو۔۔۔" شاکرہ بیگم کی بات ادھوری تھی۔
"میں تم سے کہہ رہی ہوں اظہار!" دادی نے کمال بے مروتی کا مظاہرہ جاری رکھا۔
امی' معاذ اور ربیعہ تینوں ہی کو ان کے انداز میں کسی غیر معمولی پن کا اندازہ ہوا تھا۔
وہ کس موڈ میں تھیں؟
"یہ نہیں پوچھوں گی کہ تم کیوں آئے لیکن آج کے بعد میں نہیں چاہوں گی کہ تم یا تمہارے گھر کا کوئی بھی فرد یہاں آئے یا یہاں سے کوئی تمہارے ہاں جائے۔ ہمارا تمہارا واسطہ ختم۔" ان کا لہجہ واضح اور مضبوط تھا۔
کمرہ یک دم ہی ملی جلی آوازوں سے گونجنے لگا۔
اتنی دیر سے جس موضوع کو دبا دبا کر رکھا گیا تھا وہ تو کھٹاک سے ابھر کر پوری اہمیت کے ساتھ بیچوں بیچ آکھڑا ہوا تھا۔
ربیعہ اپنی جگہ کھڑی ساکت نگاہوں سے اس سارے منظر کو دیکھے گئی۔
شاکرہ چچی اپنی بے عزتی پر بری طرح برہم تھیں۔
"گھر آئے مہمان کی یہ عزت افزائی!" وہ اخلاقی قدروں پر وہ کچھ کہہ رہی تھیں جسے فی الحال کوئی بھی نہیں سن رہا تھا۔
دادی' اظہار چچا' امی سب ہی کچھ نہ کچھ کہہ اور سن رہے تھے۔
اور معاذ!
اس نے حیرت سے اسے باہر جاتے دیکھا۔
"بس اتنا ہی حوصلہ۔"
شاید اب اپنی زندگی سے جڑے سب سے اہم قصے پر وہ ایک لفظ بھی کہہ اور سن نہیں سکتا تھا۔
"جن لوگوں نے میرے معاذ کی زندگی کو دکھوں کے حوالے کیا ان کا فیصلہ میں نے اپنے رب پر چھوڑا۔"
دادی کے منہ سے الفاظ نکلے اور فضا میں جامد ہو گئے۔

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

دلِ وحشی

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلشاد نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے، حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو میڈیا پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آ کر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ ابوشوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ نگینہ آپا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل لاابالی طبیعت کا ہے۔ وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعاگو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما لیتے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی اولاد کی دھوم ہے۔ بچپن میں چچا کے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ سے زبانی بات طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے معروف بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی سے طے کر دی جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ رجاء اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ فروزاں، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ ابوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی عادت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوا لیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے کلس کر کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ماجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع مولے عبیا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جو چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاذ ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ نگینی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالگرہ کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک لیس مردس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ ماں رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر نگینی کی چوڑیاں اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہیں۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سیکرٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکرٹری نبیل سے ان کا ”تعلق“ ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور انور کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ ابوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر نگینی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لالچی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔ سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

صندل کو بائی صاحب کی غلطیں کیا ملتی ہیں کہ نانی ستارہ کے خاندان کی قسمت چمک اٹھتی ہے۔ نگینہ ہر موقع پر بیٹی کے ساتھ رہتی ہے جس پر نانی دلدار کے خاندان خصوصاً الماس کا حسد سے برا حال ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۲۵
پچیسویں قسط

سہ پہر کی سنہری دھوپ میں وہ دور سے پہلی نگاہ میں ”اسی رنگ میں رنگا ہوا محسوس ہوا تھا۔
کسی غیر مرئی نقطہ پر دھیان لگائے، خاموش اور ساکت! جانے کس گیان دھیان میں ...
بے حد متاثر ہو کر وہ اس کے قریب چلا آیا۔
”کچھ خریدیں گے؟“
”ہوں!“ وہ جیسے کہیں دور سے واپس آیا۔
”کیا بیچتے ہو؟“
”سب کچھ، جو بھی آپ چاہیں، بسکٹ، سوئنٹس، پان مسالا، سگریٹ، سادہ بھی اور اسپیشل بھی۔“ بہت فخر سے اس نے اپنے اس چلتے پھرتے ڈیپارٹمنٹل اسٹور کی تفصیل دی۔
خیام ہلکے سے مسکرا دیا۔
”یہ اسپیشل سے کیا مطلب ہے تمہارا؟“
”آپ کو نہیں پتا۔“ اسے خیام کی کم علمی پر افسوس ہوا تھا۔ (اتنا بے وقوف، ورنہ آج کل تو بچہ بچہ جانتا ہے۔)
”نہیں، کیا یہ امپورٹڈ ہیں؟“ خیام کو اب اس میں تھوڑی سی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ پچھلے تین چار دن سے وہ بالکل تنہا تھا اور پہلی بار اسے اندازہ ہوا تھا کہ اپنی خاموشی کی عادت اسے کتنی بھی عزیز سہی، لیکن اب یہ آخری حد کو چھوتی ہوئی تنہائی کتنا بڑا عذاب ہے۔
وہاں بابو شوکت کے ہوٹل پر ہر دم لگے میلے میں، بہر حال بڑی عافیت تھی، کم از کم ارد گرد مانوس صورتیں اور آوازیں تو تھیں۔
ان چند دنوں میں اس نے وہاں کے ایک ایک فرد کو شدت سے یاد کیا تھا، حد تو یہ کہ راجو کو بھی۔
”سالا! وہاں نہ پہنچا تو کچھ اور وقت بھی وہاں نکل ہی جاتا، مگر معلوم نہیں لوگوں کو چیچا کر کے کیا ملتا ہے۔“ بیٹھے بیٹھے وہ پھر وہیں پہنچا، جہاں سے ایک بار پھر اپنی مرضی سے نکلا تھا۔
”کیا ہوا، اگر پیسے نہیں ہیں تو کوئی بات نہیں، ایسے ہی لے لیں، میں بعد میں بھی نہیں مانگوں گا۔“ وہ اپنا خوانچہ لیے اس کے برابر میں بیٹھ چکا تھا، اور پوری سخاوت کے موڈ میں تھا۔
خیام اس بار کھل کر مسکرایا۔
”کیا نام ہے تمہارا؟“
”ساجد!“ ”اور آپ کا؟“
”خیام!“
”بہت پیارا نام ہے، کاش! میرا ہوتا؟“
”تو اب رکھ لو، فرق کیا پڑتا ہے؟“
”اب نہیں رکھا جا سکتا۔“ اس نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔ ”کوئی بھی نہیں پکارے گا، الٹا مذاق اڑائیں گے، اور ویسے بھی بس۔“ آگے کچھ کہنے سے پہلے اس نے ایک رشک بھری نگاہ خیام کے چہرے پر ڈالی۔
”آپ بہت خوبصورت ہیں اور یہ نام آپ پر ہی سوٹ کرتا ہے، مجھ پر تو اچھا بھی نہیں لگے گا۔“ غیر ارادی طور پر اس نے اپنی کھری سانولی پتلی پتلی کلائیوں کو اپنے خوانچہ کی آڑ میں چھپایا۔
خیام کو اس پر رحم آنے لگا۔
”کس نے کہا تم خوبصورت نہیں ہو، اللہ نے تمہیں مکمل پیدا کیا ہے، اپنے پاؤں پر کھڑے ہو، کوئی نہ کوئی گھر بھی ہوگا تمہارا، کتنی ساری خوش قسمتی ہے تمہارے ساتھ۔“

"یہ تو ہے۔" وہ پھر سے مسکرانے لگا۔ "ابا کے برابر کمانے لگا ہوں اب تو' اماں کا کام وام بھی چھڑوا دیا ہے میں نے' اب تو وہ گھر پر ہی رہتی ہیں سارا دن' اچھا بتائیں نا کیا لیں گے؟"

وہ پھر سے اصل موضوع پر آیا۔

خیام کی نگاہ سگریٹ کے ان پیکٹوں پر تھی جو کچھ الگ سے محسوس ہو رہے تھے۔

"یہ آپ کے کام کے نہیں ہیں' نہیں رہنے دیں' یہ سادے والے لیں۔" وہ تیزی سے بولا۔

"نہیں۔ میں سگریٹ نہیں پیتا۔"

"اچھا' حالانکہ آج کل تو چھوٹے بچے بھی۔"

"تم کیوں بیچتے ہو بچوں کو سگریٹ' کتنی نقصان دہ ہے پتا ہے نا!"

وہ کہنا چاہتا تھا مگر محض سوچ کر رہ گیا۔ کسی کو مشورہ یا نصیحت کرنا اسے ہمیشہ سراسر بے وقوفی لگتا تھا۔

"آپ یہاں ابھی آئے ہیں نا؟"

"ہوں۔" وہ کچھ ٹافیاں منتخب کر رہا تھا۔

"پہلے کہاں رہتے تھے؟"

"صدر میں۔"

"گھر تھا آپ کا وہاں؟"

"نہیں۔ یہ سب کتنے کی ہو گئیں؟" خیام اس کی مستقل انکوائری سے کچھ اکتانے لگا تھا۔

"آپ ایسے ہی لے لیں' اتنی تھوڑی سی تو ہیں۔" وہ اپنی آفر کو برقرار رکھے ہوئے تھا۔

"نہیں' پھر تم رکھ لو واپس۔"

ساجد نے تیزی سے اس کا ہاتھ تھاما۔

"آپ تو برا مان گئے' اچھا بیس روپے دے دیں۔"

خیام نے جیب سے پچاس روپے کا نوٹ نکال کر خاموشی سے اس کی طرف بڑھایا۔

"آپ تو بہت ہی ضدی ہیں' میری امی کہتی ہیں کہ جن بچوں کو بہت زیادہ لاڈ پیار ملتا ہے' وہ بہت ضدی نکلتے ہیں' اور آرام طلب بھی۔"

"ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا' کبھی کبھی زیادہ محبت سے بھی نفرت ہو جاتی ہے۔" خیام کی آواز بتدریج دھیمی پڑی۔

"محبت سے کیسے نفرت ہو سکتی ہے' یہ تو بڑی عجیب سی بات ہے۔" اپنے بٹوے سے نوٹ نکالتے ہوئے ساجد کے ہاتھ تھمے۔ خیام کی نظر بے ساختہ ہی اس کے پھولے ہوئے بٹوے پر جمنے لگی۔

سو' سو اور پانچ سو کے نوٹوں سے بھرا ہوا بٹوہ اتنے چھوٹے سے معمولی حیثیت والے لڑکے کے ہاتھ میں بڑا عجیب سا لگ رہا تھا۔

ساجد پھر سے اپنا سوال دہرا رہا تھا۔

"چھوڑو' تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی میری بات' اپنی کہو' تمہاری امی بھی تو تم سے محبت کرتی ہوں گی' لیکن تم تو بالکل بھی آرام طلب نہیں ہو' اتنی چھوٹی سی عمر میں کام کر رہے ہو۔"

خیام کے دل میں اس کے پاس اتنے پیسوں کی موجودگی الجھن تو پیدا کر رہی تھی' لیکن پوچھنا بڑی غیر مناسب سی بات تھی۔

ساجد افسردگی سے مسکرا رہا تھا۔

"ہماری امی کے پاس تو پیار کرنے کے لیے وقت ہی نہیں تھا خیام بھائی! صبح سے جاتی تھیں گھروں کا کام کرنے'

تو پھر کہیں جا کر چار' پانچ بجے واپس آتی تھیں' ہم تینوں بھائی تو سارا دن بس ان کا انتظار کرتے تھے کہ وہ کب آئیں اور وہ آتی تھیں تو اتنی تھکی ہوئی ہوتی تھیں کہ بے چاری میں لاڈ پیار کرنے کی ہمت بھی نہیں ہوتی تھی' اوپر سے ابا کا غصہ۔"

اس نے بات ادھوری چھوڑتے ہوئے سر کو ہلکے سے جھٹکا جیسے ہر تلخ بات کو ذہن سے جھٹک دینا چاہتا ہو۔

"لوئر کلاس کی وہی روایتی سی کہانی..."

سچی بات ہے' اسے تو کوئی خاص دکھ نہیں ہوا' یہاں قدم قدم پر معاشی مجبوریوں کے قصے بکھرے پڑے تھے اور کم از کم یہ لڑکا ساجد' اس سے تو زیادہ ہی خوش قسمت تھا' جو اپنی ایک واضح شناخت تو رکھتا تھا۔

گھروں میں کام کرنے والی ماں۔

غصہ ور باپ' اور۔

سگریٹ' ٹافیوں کا یہ خوانچہ۔

سب کچھ مل کر بھی اتنا باعث تذلیل نہیں۔

جیسا اس کا پرتعیش بیک گراؤنڈ۔

جسے سوچ کر آج بھی پیشانی بھیگتی تھی۔

یک دم ہی وہ وحشت زدہ سا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا ہوا' جا رہے ہیں؟"

"ہاں' مجھے کچھ کام ہے۔"

"اچھا۔" ساجد کو تھوڑی سی مایوسی ہوئی تھی۔ "پھر کب آئیں گے یہاں؟"

"ابھی کچھ پتا نہیں ہے۔"

"ویسے میں روز آتا ہوں یہاں' تقریباً اسی وقت' دوبارہ ملاقات جلدی ہو جائے گی۔" وہ اس کے ساتھ ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

خیام نے اس بار اس کی بات کا جواب بھی دینا ضروری نہیں سمجھا تھا' بس رسمی سا خدا حافظ کہہ کر تیز قدموں سے پارک کے گیٹ کی طرف بڑھ گیا' ساجد تھوڑی دیر تک وہیں کھڑا اسے دیکھے گیا۔

پارک میں اب لوگوں کا رش بڑھنے لگا تھا' یعنی دھندے کا ٹائم۔

☼ ☼ ☼

ارد گرد گھیرا باندھ کر کھڑے سارے ہی ملازمین کی تاسف بھری نگاہیں' اسی ایک پر تھیں۔

ہچکیوں سے اس کا جسم لرز رہا تھا' گھٹنوں میں منہ دیے وہ کب سے اسی ایک پوزیشن میں بیٹھا تھا۔

"صبر کر راجو کتنا روئے گا' اور تیرے رونے سے وہ بے چاری واپس تو نہیں آ سکتی۔" خانساماں نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

مگر بے سود۔

راجو کی ہچکیاں اور بھی تیز ہونے لگی تھیں۔

اسے آج آئے ہوئے پانچواں دن تھا' اور ان پانچ دنوں میں وہ کتنی ہی بار اسی بے قراری کے ساتھ رویا تھا۔

ان سب نے بے چارگی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ راجو کو سنبھالنے کی ہر کوشش ناکام ہی رہی تھی۔

"اٹھ بس بہت ہو گیا' اللہ کی یہی مرضی تھی۔"

"اللہ کی مرضی!" اس نے آنسوؤں سے تر ہوتا چہرہ گھٹنوں سے اوپر اٹھایا۔

"روزی گھر سے چلی گئی' بنا ء کسی کو بھی کچھ بتائے۔ دو مہینے ہو گئے' اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں ملی' کسی نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش بھی نہیں کی' بس اللہ کی مرضی کہہ کر سب فارغ ہو گئے۔" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

چند لمحوں کے لیے تو مجرمانہ سی خاموشی چھا گئی۔ اس کے غم کی گہرائی کو ہر ایک ہی سمجھتا تھا۔

"اگلے مہینے کی دس تاریخ کی سیٹیں بک کروا کر آیا تھا اماں اور بہنوں کی شادی کر کے لے جاتا ہمیشہ کے لیے' اس سے اتنے سے دن بھی انتظار نہیں ہوا۔" وہ ایک بار پھر اپنا ضبط کھونے لگا۔ اس بار آواز معمول سے زیادہ بلند ہو گئی۔

"زور زور سے مت روؤ راجو! صاحب لوگوں کو برا لگتا ہے' کل بیگم صاحب کتنی خفا ہوئی تھیں کہ نحوست ڈال رکھی ہے۔"

پریشان ہو کر وہ سب ہی اسے خاموش کرانے کی تدبیر کر رہے تھے' مگر راجو کے سارے خوف' روزی کے ساتھ ہی رخصت ہو چکے تھے۔

اس کی آواز اور بھی بلند ہونے لگی۔

سرد ڈھلتی ہوئی شام میں' کھلے آسمان تلے بیٹھے راجو کی دردناک آواز' ماحول کو گہری سوگواری عطا کر رہی تھی۔ میلے کپڑے' بکھرے ہوئے بال' سرخ انگارہ ہوتی ہوئی آنکھیں' اس کے چہرے پر ایسی وحشت پھیلی ہوئی تھی کہ دیکھنے سے خوف آتا تھا۔

وہ سب ہی ایک سی دل جیتھتی کیفیت میں گھرے تھے۔

ایک نو عمر ملازم لڑکا' جو حال ہی میں رکھا گیا تھا اور معاملات کی نوعیت اور گہرائی سے تقریباً" ناواقف تھا' دوڑتا ہوا طلبی کی اطلاع لے کر آیا تو وہ سب ہی جلدی جلدی رہائشی حصے کی طرف چل پڑے۔

پچھلے بڑے احاطے میں صرف دو ہی نفوس بیٹھے رہ گئے۔

راجو اور بوا عظمت۔

ان سب سے الگ تھلگ وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر کب سے بیٹھی تھیں اور انداز میں ایسی لاتعلقی تھی جیسے اس سب سے کوئی سروکار ہی نہ ہو۔

راجو کو آس پاس پھیلی تنہائی کے احساس نے ہی ان کی طرف دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔ "بوا!"

وہ ٹھیک ان کے قدموں کے نیچے آ کر بیٹھا تھا' مگر وہ اب بھی بڑی محویت سے خلاء میں کچھ تلاش کر رہی تھیں۔

راجو کو یاد آیا کہ اس نے انہیں ایک بار بھی روزی کی یاد میں آنسو بہاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اس وقت بھی نہیں جب وہ پہلے دن آ کر ان کے گلے لگ کر چیخ چیخ کر رویا تھا' اور نہ ہی انہوں نے کوئی ایک لفظ بھی تسلی کا اسے آج تک بھی کہا تھا۔

وہ اس کے اور روزی کے ملنے پر لاکھ معترض رہتیں' لیکن روزی اور اس کی شادی پر' دل و جان سے راضی تھیں۔ جب وہ جا رہا تھا تو انہوں نے خود اسے کہا تھا کہ وہ اپنی ماں کو راضی کرے' جتنی بھی جلد ممکن ہو سکے۔ پھر اب ایسی بے مروتی۔

"تمہیں تو بہت محبت تھی روزی سے بوا! کیا اتنی جلدی بھول گئیں اسے؟" الفاظ جیسے ایک سسکی کی مانند اس کے لبوں سے نکلے۔ "کوئی تسلی' کوئی امید تو دلاؤ مجھے تم۔"

ان کے گھٹنے کو ہلاتے ہوئے وہ انہیں اپنی طرف متوجہ کر رہا تھا۔

بوا عظمت نے خالی خالی نظروں سے راجو کی طرف دیکھا۔ "مرنے والے کی تعزیت کی جاتی ہے' لوٹ آنے کی امید نہیں دلائی جاتی ہے' اتنا بھی نہیں پتا تجھے۔"

راجو نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"وہ مر گئی ہے؟"

"مرتی نہ تو کیا کرتی۔" راجو کو لگا جیسے وہ ہوش میں نہیں ہیں۔

"روزی مر نہیں سکتی بوا! وہ کیوں مرے گی' اسے تو زندگی سے بڑا پیار تھا' سنگھار' کپڑے' سارے فیشن کرنے کا شوق تھا' کہتی تھی شادی کے بعد ہر وقت تیار ہو کر رہا کروں گی۔ ایسے کیسے مر جائے گی' اتنی چھوٹی سی عمر میں۔"

بے قراری سے ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ وہ کہتا چلا گیا۔

عظمت بوا کے داہنے ہاتھ کی مٹھی' بلا ارادہ ہی کس کر بند ہونے لگی تھی۔

"کیا ہوا تھا بوا! تمہیں تو پتا ہو گا' ماں بن کر پالا تھا تم نے اسے' بے خبر تو نہیں رہ سکتی تھیں تم اس سے' میں تو اسے تمہارے ہی آسرے۔"

"بے خبری ہی میں تو ماری گئی وہ۔" اندر سے آئی صدا بے آواز تھی۔

بند مٹھی میں ٹوٹی ہوئی چوڑی کی چبھن' بڑھتے بڑھتے زخم بن چکی تھی۔

ان کے سارے جسم پر تناؤ کی سی کیفیت طاری تھی۔ ایک خون ناحق' ان سے گواہی طلب کرتا تھا۔

"کیا ہوا تھا اس آخری رات' وہ تو تمہارے ساتھ ہی سوتی تھی' اور جب تک تم اسے نہیں اٹھاتی تھیں' اٹھنے کا نام نہیں لیتی تھی' پھر کس وقت نکل گئی وہ یہاں سے اندھیری رات میں' اسے ڈر بھی نہیں لگا۔"

عظمت بوا کے ہونٹ کپکپائے۔

اس سے زیادہ برداشت کرنا' ان کے بس سے باہر تھا' اتنے دن سے اعصاب کو شل کرتا ہوا بوجھ اتارنے کی خواہش شدید ہونے لگی۔

کچھ تو اس دم گھوٹتی کیفیت کو کم کرنے کا سبب بنے۔ انہوں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اپنی ہمت مجتمع کرنا چاہی' مگر حوصلہ اب بھی ندارد۔

"بیوہ ماں اور چار بہنوں کا واحد سہارا ہے بوا! اور پھر جذباتی اتنا کہ ذرا سی بات پر مرنے مارنے پر تل جاتا ہے۔ میں تو اس سے کچھ کہتے ہوئے بھی ڈرتی ہوں بوا!"

روزی کے کہے جملے انہیں حرف بہ حرف یاد تھے۔

کھلی وارننگ دیتے تھے۔

خبردار' ہشیار باش!

وہ اندر ہی اندر کانپ اٹھیں۔

منہ سے نکلا ایک جملہ بھی کیا قیامت کھڑی کر سکتا تھا۔

روزی جا چکی تھی۔ اور اب ایک بیوہ' ان کا اکلوتا سہارا' پیسے کے بل پر ہونے والے ظلم کی نذر ہونے کو تھا۔

یہاں زرتاج بیگم کے ساتھ' طویل مدت گزارتے ہوئے انہوں نے کتنے ہی ظلم پنپتے ہوئے دیکھے۔

کتنی ہی بار جھوٹ کو سچ پر فتح یاب ہوتے دیکھا' معلوم نہیں کب تک رسی دراز تھی۔

بوا عظمت کا سر شکست خوردہ انداز میں جھکا تھا۔

"بتاؤ نا بوا! میرا دل کہتا ہے کہ تمہیں کوئی نہ کوئی اندازہ تو ضرور ہی ہے' روزی کے بارے میں تم نہیں جانو گی تو کون جانے گا' وہ تمہاری بیٹی۔۔۔"

"میری بچی کہاں سے ہوگئی! مر کھپ گئے کب کے اس کے ماں باپ۔" انہوں نے بے زاری سے راجو کا ہاتھ اپنے گھٹنے پر سے ہٹایا۔

راجو نے بڑی بے یقینی کے ساتھ انہیں دیکھا۔ بوا عظمت کے ماتھے پر آئے بل اور بھی گہرے ہو رہے تھے اور آواز معمول سے بڑھ کر آ رہی تھی۔

"اور وہ بدبخت ماموں جو اتنی سی کو چھوڑ کر گیا تھا ایک بار بھی مڑ کر واپس نہیں آیا تھا خیر خبر لینے اور تو جواب بیٹھ کر اسے رو رہا ہے۔ اتنا ہی خیر خواہ تھا تو کیوں نہیں نکاح کر کے ساتھ لے گیا تھا اپنے ساتھ کیوں چھوڑ گیا تھا یہاں نکل گئی وہ جہاں اس کا دل چاہا میں کوئی چوکیدار تھی اس کی۔"

کڑک دار انداز میں انہوں نے اپنی بات پوری کی اور اٹھ کر اندر چلی گئیں۔

راجو ہکا بکا سا وہیں کھڑا رہ گیا۔

"نہیں تو آخر بیگم صاحب کی بچی! ان کی اجازت کے بغیر کیسے بولیں گی بوا بھی۔"

اپنے گیلے چہرے کو آستین سے خشک کرتے ہوئے وہ اگلے گیٹ کی طرف چل پڑا۔

نبیل سامنے پورچ میں کھڑی گاڑیوں میں سے ایک میں بیٹھ رہا تھا۔

یہ ایک نئی اور بہت مہنگی گاڑی تھی جو اس کی غیر موجودگی میں خریدی گئی تھی۔

راجو نے محض ایک نگاہ ہی اس چمچماتی ہوئی گاڑی پر ڈالی اور تقریباً "دوڑتا ہوا وہاں تک آیا۔

"نبیل!" گو وہاں کوئی اور ملازم موجود نہیں تھا لیکن پھر بھی نبیل نے اس کی اس گستاخی کو پوری طرح محسوس کیا تھا۔

"نبیل! کچھ پتا چلا روزی کا تم آج گئے تھے نا پولیس اسٹیشن؟"

"ہاں وہ لوگ تفتیش کر رہے ہیں، کچھ پتا چلے گا تو خود ہی بتا دیں گے۔" رکھائی سے کہتے ہوئے وہ گاڑی آگے بڑھانے لگا تھا کہ راجو تیزی سے اس کے آگے آیا۔

"تفتیش تو کب سے ہو رہی ہے مجھے بتاؤ کون سے تھانے میں ایف آئی آر کٹی ہے میں خود وہاں جا کر پتا کروں گا۔"

"پاگل مت بن راجو!" نبیل نے بمشکل ہی اپنا غصہ ضبط کیا۔

"کیا کرے گا وہاں جا کر۔ کوئی منہ بھی نہیں لگائے گا تھانے میں تجھے میں کہہ رہا ہوں جب میں کہ کارروائی ہو رہی ہے تو پھر اتنی جلدی کس بات کی ہے؟"

ایک تلخ مسکراہٹ راجو کے ہونٹوں پر آگئی۔

"میں پوچھ رہا ہوں کون سا تھانہ ہے وہ بتا دے بس" آگے میں جانوں میرا کام۔"

نبیل نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ راجو کے تیور جدا تھے۔ جو کچھ اس نے ٹھان لیا تھا وہ اسے کیے بغیر ماننے والا نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے میں خود لے کر چلوں گا تمہیں ایک بار میں تعارف کرا دوں گا تو پھر وہ تمہارے ساتھ تعاون کریں گے۔"

"چلو پھر۔" وہ فوراً" ہی مستعد ہوا۔

"نہیں ابھی نہیں کل صبح چلیں گے کیا خبر کوئی اطلاع بھی آ جائے جب تک۔" خلافِ عادت نبیل بہت نرمی سے بات کر رہا تھا۔

اس کے رویے کا اثر تھا یا اس پرانی دوستی کا لحاظ جو کچی آبادی والی گلی میں پروان چڑھی تھی راجو کو خاموش ہونا ہی

پڑا۔

"ایک رات کی ہی تو بات ہے۔" اس نے اپنے آپ سے کہا تھا۔
نبیل نے سکون کا سانس لیتے ہوئے گاڑی گھر سے باہر نکالی۔
"نبیل بات کر رہا ہوں۔" اس کا موبائل کان سے لگا ہوا تھا۔ "دیکھو کل میں کسی کو لے کر آؤں گا تھانے اس کے سامنے ذرا احتیاط لینا۔"
ذرا رک کر اس نے دوسری طرف موجود شخص کی بات سنی تھی۔
"ٹھیک ہے، باقی پیسے مل جائیں گے تمہیں ایک آدھ دن میں، وہ تصویر اتار دی تم نے لڑکی کی؟ لاوارث لاشوں کی فہرست میں ہے، دیکھو یہ کام سب سے زیادہ ضروری ہے۔" وہ اتنے اطمینان سے ہدایتیں جاری کر رہا تھا جیسے شہر میں اس کی مختاری چل رہی ہو۔
"تم نے کھانا پیسوں کی فکر مت کرو، پہلے کبھی روکے ہیں پیسے، بس کام پرفیکٹ ہونا چاہیے۔" اپنا موبائل آف کرتے ہوئے اس نے آخری فقرہ کہا تھا۔
اس کے لبوں پر اب اطمینان بھری مسکراہٹ تھی۔
"اپنی مرضی سے حرام موت مری ہے، اس میں کسی کا کیا قصور، سمجھ دار ہوتی تو عیش کرتی ساری زندگی مگر اب جب اس کے مقدر میں ہی ایسی موت لکھی تھی تو۔"
سگنل پر کھڑے معذور فقیر کی طرف سو روپے کا نوٹ بڑھاتے ہوئے اسے بڑا گہرا سکون قلب حاصل ہوا تھا۔
انسانیت پر ڈھایا گیا ایک اور ظلم، دادرسی کے لیے روز قیامت تک منتظر ٹھہرا۔

☆ ☆ ☆

دونوں رہائشی حصوں کو ملانے والا پچھلا برآمدہ زیادہ تر سنسان ہی رہتا۔
دونوں بہنوں کے گھرانوں میں بظاہر معافی تلافی بھی ہو گئی تھی مگر دل دونوں طرف ہی صاف نہیں ہوئے تھے۔ سو پھر آنا جانا کیسا؟
شاما تک کو وہاں سے صاف صاف ٹرخایا جانے لگا تھا۔
"آ جاتی ہے ہماری جاسوسی کرنے، دفع ہو یہاں سے، بڑی آئی نگینہ کی ایجنٹ!"
ابھی چند دن پہلے تو خود گل ناز نے اسے بری طرح ان ہی الفاظ میں بری طرح پھٹکارا تھا جو اس نے واپس آ کر حرف بہ حرف نگینہ کے گوش گزار کیے تھے۔
"ہمیں کیا پڑی ہے ان کی جاسوسی کروانے کی، ہے ہی کیا پاس، جس کی ہمیں جلن ہو، اصل میں تو خود مری جا رہی ہیں حسد میں ساری کی ساری۔"
نگینہ تو آگ بگولہ ہو کر فوراً ہی لڑنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی، پر نانی ستارہ نے سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا۔
"گل ناز تو ہے ہی شروع سے بدزبان، اب کیا تم بھی ایسی ہی جہالت کا مظاہرہ کرو گی وہاں جا کر۔" انہوں نے بڑی متانت سے نگینہ پر اخلاقی دباؤ ڈالا تھا جو کارگر ثابت ہوا۔
حالانکہ خود نانی کو کیا، ساری برادری کو پتا تھا کہ نگینہ بھی ایسی ہی بدزبانی اور اوچھے پن میں گل ناز کے شانہ بشانہ، بلکہ ایک قدم آگے نکلی ہوئی ہے۔ شاید یہ اس طویل عرصے کا ازالہ تھا جو اس نے بڑی تکلیف میں گزارا تھا۔
نگینہ بیانگ دہل، ساتھ جڑے خالہ کے خاندان پر لعنت بھیجتی، لاتعلقی کا اظہار کرتی مگر خبریں پوری پوری رکھتی۔

اس کی "سورس آف انفارمیشن" ایک سے زائد تھیں، سو مصدقہ اطلاعات کے مطابق الماس نے پرائیویٹ فنکشن زیادہ سے زیادہ لینے شروع کر دیے تھے، اور دو بڑے کرم فرما۔ امین آباد والی سرکار اور وہ رئیس زادہ جس کے خاندان کی ایم پی اے کی سیٹ ورثے میں چلی آ رہی تھی۔ ان دونوں کے بیچ ٹینشن بڑھتی جا رہی تھی۔
ہوا دینے والی خود گل ناز تھی اور دونوں طرف سے دل کھول کر پیسہ وصول کر رہی تھی۔
"نہ یہی آگ خود اس کا دامن پکڑے، تو اپنا نام بدل دوں، اس طرح کے کھیل کا انجام ہزار بار دیکھا ہے ان آنکھوں نے۔"
اپنی تیاری کو آخری ٹچ دیتے ہوئے نگینہ نے پوری قطعیت کے ساتھ پیش گوئی کی۔ تب ہی اسے سامنے صندل کا کمرہ کھلنے کی آواز آئی، وہ باہر جا رہی تھی۔
ہاتھ میں تھامی لپ اسٹک کو یوں ہی کھلا چھوڑ کر نگینہ نے بوکھلاہٹ میں شاما کو اس کے پیچھے دوڑایا اور خود اپنے بھاری وجود کو سنبھالتی پیچھے پیچھے کمرے سے نکلنے لگی تھی۔
"تم آرام کرو، کیوں میرے ساتھ خود کو تھکاتی ہو، آج تو ویسے بھی شوٹنگ لمبی چلنا ہے، کل تو ٹھیک سے کام بھی نہیں ہو سکا تھا۔"
صندل اکتائے ہوئے لہجے میں اسے صاف صاف ٹال رہی تھی۔ پچھلے کئی دن سے خود نگینہ نے بھی محسوس کیا تھا کہ وہ اسے اپنے ساتھ لے جانے سے کترانے لگی ہے۔
"میں اپنا خیال رکھ سکتی ہوں خود بھی، اور وہاں سارا اسٹاف ہوتا ہے، کوئی پرابلم ہو تو خود بالی صاحب ہیں، تمہارا وہاں خالی بیٹھے رہنا کیا ضروری ہے۔"
وہ اس چوکیداری سے اکتا چکی تھی یا پھر اسے اپنے لیے مزید آزادی درکار تھی۔
نگینہ کے سر پر خطرے کی گھنٹی پہلی بار بجی۔
"جو بھی ہے، ساتھ تو میں چلوں گی، ابھی چند سال اکیلے چھوڑنے کا رسک نہیں لے سکتی میں، دنیا دیکھی ہے۔"
"خالی خولی دیکھنے سے کیا ہوتا ہے، سب ہی دیکھتے ہیں۔"
صندل کو اب اپنی آبزرویشن پر ماں کے تجربے سے کہیں زیادہ بھروسا ہو چکا تھا۔
"بے کار کی ضد کر رہی ہو امی! اس ہفتے میری فلم ریلیز ہو رہی ہے، اب کوئی پہلا دن تھوڑی ہے، انڈسٹری میں سب سمجھنے لگی ہوں۔"
نگینہ اس کے دعوے پر بڑے عجیب سے انداز میں مسکرائی۔
"میں ساری عمر لگا کر بھی نہیں سمجھ سکی تو جان گئی دو دن میں، واہ کمال ہے۔"
صندل کو اس کا مذاق اڑاتا ہوا انداز برا لگا۔
اس کے اور نگینہ کے دنیا کو دیکھنے کے انداز میں اتنا ہی بڑا فرق تھا، جتنا ایک ہیروئن اور ایکسٹرا ڈانسر کے اسٹیٹس میں۔
شاید وہ منہ کھول کر جتا بھی دیتی، اگر نانی نے آ کر بروقت وارننگ نہ دی ہوتی۔
"یہ کیا بیچ راستے میں کھڑی ہو گئی ہو تم دونوں، خبردار جو کام شروع کرتے وقت بحث میں الجھیں، چلو خیر کے ساتھ جاؤ دونوں ماں بیٹی۔"
سوال جواب کا سلسلہ خود بخود ہی اختتام پر پہنچا۔
صندل منہ بناتی ہوئی اور نگینہ خوشی خوشی چوبارے کی سیڑھیاں اتری۔
اسٹوڈیو میں بڑی گہما گہمی تھی۔

لائٹ، کیمرے، سیٹ اِدھر اُدھر بھاگتے اسپاٹ بوائے اور ایکسٹراز کے ہجوم۔

جانا پہچانا مانوس ماحول اور اس کی نہ ختم ہونے والی رنگینی۔

کیسا کیسا کٹھن وقت اسی انڈسٹری کے سہارے گزر گیا۔ نگینہ کو اس سارے سیٹ اپ سے بڑی فطری محبت تھی۔ وہ جیسی بھی تھی، احسان فراموش ہرگز نہیں تھی۔ اور اب صندل کی کامیابی کے بعد تو اس کی فلم سے وابستگی اور بھی بڑھ چکی تھی۔

"شکر تیرا میرے مولا!"

گاڑی سے اترتے ہوئے اس کے منہ سے بے ساختہ ہی نکلا تھا۔ وہ وقت بھی کٹا تھا۔ جب بس یا رکشہ سے اتر کر مین گیٹ سے اندر تک پہنچتے ہوئے سردی گرمی وہ کتنا ہی پیدل چلتی تھی اور اب.....

"تم میک اپ روم میں بیٹھو امی!" صندل اسے کہتے ہوئے خود آگے بڑھ گئی۔ اسے ڈائریکٹر اور دوسرے ساتھی اداکاروں کے ساتھ سین کو ڈسکس کرنا ہوتا تھا۔ نگینہ کا دل اتنا کسی بات سے نہیں گھبراتا تھا جتنا تنہائی سے۔

سو بجائے اندر جانے کے اس نے پاس سے گزرتے ایک لڑکے سے کرسی منگوائی اور ٹھاٹ سے بیٹھ کر اِدھر اُدھر کی چہل پہل دیکھنے لگی۔ ذرا دور سامنے سے ایکسٹرا کے ہجوم میں رہ رہ کر قہقہے گونج رہے تھے۔

ہلکی ہلکی آوازیں یہاں تک آرہی تھیں۔

وہ بخوبی سمجھتی تھی کہ وہاں اس وقت کیسے پُرلطف قصے چھڑے ہوں گے۔

بلا کی گوسپ!

نگینہ نے بے چین ہو کر پہلو بدلا۔

یہاں میڈم بن کر بیٹھے رہنا، کبھی کبھی تو واقعی کٹھن لگنے لگتا تھا، لیکن صندل کو اب اس کا اپنی پرانی ساتھیوں کے ساتھ میل جول پسند نہیں تھا بقول اس کے اس کے اسٹیٹس کو ٹھیس لگتی تھی! سو کئی بار ٹوک چکی تھی۔

"اچھا تھا کہ میں اندر ہی جا کر بیٹھتی، نہ سامنے ہوں گی اور نہ دل للچائے گا۔" وہ یہ سوچ کر اٹھی تھی، تب ہی کچھ فاصلے سے چند شناسا صورتوں نے پکارا۔

"نگینہ! وہاں اکیلی بیٹھی کیا کر رہی ہے، یہاں آجا، ابھی تو بڑا ٹائم پڑا ہے۔ تھوڑی سی گپ شپ کر لے۔"

"اور کیا بڑا یاد کرتے ہیں تجھے، اب تو خیر سے بڑی آدمی بن گئی ہے، مگر غریب ساتھیوں کو بھی کبھی کبھی....."

یہ بڑے محبت بھرے شکوے تھے۔

نہ کوئی تکلف، نہ پردہ، بڑے دکھ سکھ کاٹے تھے اس نے ان کے ساتھ۔

نگینہ ہنسی خوشی ان کے ساتھ جا ملی۔

بس ایک ہی احتیاط کی تھی کہ آس پاس بھی وہ بدبخت شیرازی موجود نہ ہو۔ خیال یہی تھا کہ تھوڑی دیر بیٹھ کر واپس آجائے گی، لیکن وہاں کی رنگین بیانیاں۔ وقت کا احساس ہی اس وقت ہوا، جب کیمرے اسٹارٹ ہونے لگے اور کوریوگرافر سر پر آموجود ہوا۔

وہ سب جو ابھی تک تتر بتر دکھائی دے رہی تھیں، بڑے ہی آرگنائز انداز میں اپنی اپنی پوزیشن پر پہنچ گئیں۔

صرف نگینہ تھی جو اکیلی بیچ میں کھڑی رہ گئی اور سامنے پورے کروفر سے کھڑی صندل۔

نگینہ نے کچھ جھینپ کر قریب کھڑے کوریوگرافر کی طرف دیکھا، کئی بار اس کے ساتھ کام کرنے کا اتفاق ہوا تھا، گو اب پہلے والے حالات تو نہیں تھے، لیکن پھر بھی پرانی بے تکلفی کے صدقے ہی سہی۔

"کیوں نگینہ جی! کام کرنے کو دل چاہ رہا ہے تو آجائیں، جہاں دل چاہے کھڑی ہو جائیں۔" وہ پیچھے کھڑی صندل کو نہیں دیکھ پایا تھا۔ آخری لائن میں کھڑی ہونے والی نگینہ جان نے یہ الفاظ پہلے کبھی سنے ہوتے تو وہ اسے اپنے لیے اعزاز سمجھ کر پھولی نہ سماتی، مگر اب تو سامنے کھڑی صندل سے آنکھ ملانا بھی مشکل تھا اور شاید خود اپنے آپ سے بھی۔

آج ڈائریکٹر کو وقت سے کافی پہلے پیک اپ کرنا پڑا۔

صندل کی طبیعت اچانک ہی خراب ہونے لگی تھی، سارا راستہ وہ چپ چاپ اپنا سر پکڑے بیٹھی رہی، البتہ جب وہ دونوں ماں بیٹی چوبارے کی سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں تو نیم روشن برآمدے میں قدم رکھتے ہوئے اس نے ماں کی طرف پلٹ کر دیکھا۔

"آج کے بعد میں شوٹنگ پر اکیلی جاؤں گی، اگر تمہیں کوئی اعتراض ہے تو سائننگ منی واپس کر دو، بالی صاحب کو، میں آئندہ کسی فلم میں کام نہیں کروں گی۔"

نگینہ کو وہیں کھڑا چھوڑ، وہ تیزی سے دوسرے کوریڈور میں مڑ گئی تھی۔

آج بحث کی بھی گنجائش نہیں تھی۔

صندل کے تیور بتا چکے تھے کہ وہ جو کہہ رہی ہے حرفِ آخر ہے۔ نگینہ تھکے تھکے سے انداز میں آرائشی محراب کے ستونوں بیچ آکھڑی ہوئی۔

رات ڈھل رہی تھی، لیکن اس شاہی محلے کی رونقوں کا کیا ٹھکانہ۔ اس وقت بھی کہیں سے اٹھتی ہوئی گھنگھروؤں کی چھنک اور طبلے کی تھاپ سنائی دیتی تھی۔

سامنے لائن سے بنے گھروں کی سال خوردہ بالکونیاں، برآمدے اور ان پر جھکے پڑے چھجے، رات کی سیاہی اور جلتی بجھتی روشنیوں کے تال میل میں رنگے ہوئے۔

ایک گھٹی سانس لیتے ہوئے نگینہ نے اس سارے منظر پر نگاہ ڈالی، جو یک بہ یک ہی اسے کسی پراسرار فلم کے سیٹ جیسا لگنے لگا تھا، جہاں ہر دروازے کے پیچھے کوئی ان کہی کہانی موجود تھی۔

کتنی نگینہ، کتنی فیروزہ اور کیسی کیسی صندل صورتیں اپنی اپنی حسرتوں اور آزمائشوں کے ساتھ اپنے اپنے دور کو گزار گئیں اور گزار رہی تھیں۔

یہ زندہ انسانوں کی بستی تھی یا نوحہ کناں زخم خوردہ روحوں کا مسکن!

وہ وہی نہیں تھی، مگر اس وقت بری طرح خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹی تھی۔

گھٹن اور خوف سے شل ہوتا وجود اور وہ در نجات ابھی بھی کہیں دور دھندلے میں ڈوبا ہوا۔

☆ ☆ ☆

دادی کے اعلان قطع تعلقی کی اطلاع پورے خاندان کو اسی دن مل گئی تھی، جس روز وہ لوگ ان کے ہاں سے ہو کر آئے تھے۔

خبر کی برق رفتار ترسیل کے ذمے دار خود اہلِ خانہ تھے۔

شاکرہ بیگم، اظہار صاحب اور آپا گل۔

تینوں ہی نے حسبِ توفیق، جہاں جہاں تک ہو سکا فون کر کے اس خبر کو نشر کیا تھا۔

"اس سے پہلے کہ وہ لوگ کسی سے کچھ کہتے، اچھا ہی ہوا جو ہم نے خود بتا دیا، اب کم از کم ہم پر کوئی الزام تو نہیں آئے گا۔"

آپا گل ہنگامی طور پر بلائی گئی تھیں اور یہ آئیڈیا بھی ان ہی کا تھا۔

کڑواہٹ بھرا یہ سلسلہ اپنے منطقی انجام کو پہنچ رہا تھا۔

"وہ تنی بے عزتی کروائی خوامخواہ وہاں جا کر، لیکن چلو اس بہانے پیچھا تو چھوٹ گیا عمر بھر کے لیے۔ اور دیکھ لینا سب ان ہی کو موردِ الزام ٹھہرائیں گے ہمارا قصور بھی کیا، سارا خاندان انہیں جانتا ہے کہ معاذ کیسا ناکارہ اور آوارہ قسم کا لڑکا رہا ہے، پورے خاندان میں کہیں اس کا رشتہ ہو جائے تو مان جاؤں! ابھی دو چار مہینے پہلے ہی سنا تھا کہ صاحبزادے نوکری چھوڑ کر پھر سے جوتیاں چٹخاتے پھر رہے ہیں سڑکوں پر، پھر وہی شائستہ کی مشین کی کھڑ کھڑ......"

ابتدائی ساری کوفت جھیل لینے کے بعد وہ سب بڑے ہی شانت تھے۔ جویا نے کچن کا آخری کام بھی نمٹایا اور خاموشی سے اوپر چلی آئی۔

ٹیرس پر بس ایک مدھم سی اسپاٹ لائٹ روشن تھی۔ کین کی کرسی کو ایک نسبتاً تاریک ہوتے گوشے میں کھینچ کر بیٹھتے ہوئے اس نے اپنا سر کرسی کی پشت سے ٹکایا۔ اوپر تاروں بھرا آسمان جگمگا رہا تھا، یہاں سے وہاں تک پھیلا ہوا روشنی کا غبار جو اس گہری ہوتی رات میں نمایاں ہو رہا تھا، وہ بے مقصدیوں ہی آسمان پر نگاہ جمائے نجانے کب تک بیٹھی رہی۔

ٹھنڈی سرد ہوا کے جھونکے اس کے چہرے اور بالوں کو چھو کر گزرتے رہے مگر وہ اسی ایک سمت پر نگاہ جمائے کچھ تلاشتی رہی۔

اس کے نام کا ستارہ کب کا گم ہوا تھا۔

"کیا کچھ لوگوں کو اللہ میاں یوں ہی چھوڑ دیتے ہیں، محض دوسروں کے رحم و کرم پر۔"

ایک لاحاصل تلاش سے تھک کر اس نے سوچا تھا۔ پیچھے اندر کچھ آہٹ ہوئی تھی۔

جویا نے چونک کر چہرے پر آتے بالوں کو پیچھے کیا تو اس کو ہاتھ پر نمی کا احساس ہوا۔ سارا چہرہ گیلا ہو رہا تھا۔

"جویا، جویا!" اسے عقب سے آپا گل کی آواز آ رہی تھی، بہت دن بعد آج وہ رات کو یہاں آئی تھیں۔

جویا نے دونوں ہاتھوں سے رگڑ کر چہرے کو صاف کیا۔

"تم یہاں بیٹھی ہو اس سردی میں، بیمار پڑنے کا ارادہ ہے کیا؟" کمروں سے ہوتی ہوئی وہ سیدھی اس تک پہنچ چکی تھیں۔

"پتا بھی ہے کیا ٹائم ہو رہا ہے۔ ایک بج رہا ہے میں تو سمجھی کہ تم سو چکی ہو گی۔"

"نیند نہیں آ رہی تھی۔"

"ہاں کبھی کبھی ہوتا ہے ایسے ہی، میں خود بعض اوقات پوری پوری رات جاگ کر گزار دیتی ہوں، پھر کہیں فجر کے وقت آنکھ لگتی ہے، وہ تو اچھا ہے کہ بچوں کی تیاری اور ناشتے کی ذمہ داری ساس، نندوں نے شروع سے لے رکھی ہے، ورنہ بڑی مشکل ہو جاتی۔"

جویا تلخی سے مسکرا دی۔

ان کے لیے کیا مشکل ہوتا تھا، وہ اپنی ہر مشکل کو آسان کرنے کے فن میں ماہر تھیں۔

"آج یہ زویا بہت جلدی نہیں سو گئی؟" وہ اس سے پوچھ رہی تھیں، یہ ایک ان کی اضافی خوبی تھی کہ بیک وقت کئی مختلف موضوعات چھیڑے رکھتیں، اور دوسری طرف سے جواب نہ ملنے کی صورت میں بھی اپنی بات جاری رکھتیں۔

"ویسے اچھا ہی ہوا، اس کی موجودگی میں تو کوئی بات ڈھنگ سے کرنا بھی ممکن نہیں ہوتا، ہر بات میں دخل دینے لگی ہے۔" وہ اس سردی میں جس کی ابھی خود شکایت کر رہی تھیں، کرسی کھینچ کر ٹھیک اس کے مقابل آ بیٹھیں۔

جویا کا دل یک بارگی بہت زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اب کچھ اور کھونے کا خدشہ تو باقی نہیں رہا تھا، پھر بھی ان کی تمہید خوفزدہ کر رہی تھی۔

"کل میں اعجاز کے گھر گئی تھی، وہاں تو اب شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں، بہت ہی خوبصورت سوٹ بن کر آئے تھے میرے سامنے بھی تمہارے، تمہاری ساس کہہ رہی تھیں کہ جویا اگر چاہے تو خود اپنی مرضی سے شاپنگ کرے۔"

انہوں نے جیسے اسے کسی چھوٹے بچے کی مانند ٹافی، بسکٹ کا لالچ دیا اور نیم اندھیرے میں اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے کی ناکام کوشش کی۔

"وہ ابھی میری ساس نہیں بنیں۔" اس نے ان کی تصحیح کی۔

"منگنی کے بعد ساس ہی کہلاتی ہیں اور اب تو جلد ہی شادی کا بھی پروگرام ہے تو ساس ہی ہوئیں۔" "ٹی بات کے رد ہونے پر وہ بہاو تا" تھوڑا سا برا منا گئیں۔ "تم اور زویا تو ذرا ذرا سی بات پر زبان پکڑتی ہو۔"

"ابھی سے شادی کا کیا سوال ہے آپا! ابا نے خود مجھ سے دو سال کا وعدہ کیا ہے۔" وہ بری طرح پریشان ہوئی تھی۔

"اس وقت کچھ اور حالات تھے، ابا کو اندازہ نہیں تھا۔" انہوں نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔

"اور حالات...؟"

جویا نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔ اس کی اپنی خستہ حالی تو اول دن سے ایک سی ہے۔ کیا فرق پڑا ہے؟ وہ ان کو بتانا چاہتی تھی، لیکن آپا گل ہمیشہ کی طرح صرف اپنی کہنے میں ہی دلچسپی لے رہی تھیں۔

"ابو کی آمدنی تو ختم ہی سمجھو ایک طرح سے اور پر سے قرضہ اتنا کہ بال بال جکڑ گیا ہو جیسے، گھر تک گروی رکھا ہوا ہے اب تو امی کا سارا زیور تک بک گیا ہے۔"

ان میں سے کوئی بھی بات نئی نہیں تھی۔

نیا صرف آپا گل کا لہجہ تھا۔

خوف ناک اور تشویش ناک۔

اور جس طرح وہ آنکھیں پھیلا پھیلا کر اپنی کھینچی ہوئی تصویر کو اور بھی پراثر بنانے کی کوشش کر رہی تھیں، وہ اتنی مضحکہ خیز تھی کہ اگر اس کا دل اتنا ٹوٹا ہوا نہیں ہوتا تو وہ ضرور ہی ہنس پڑی ہوتی۔

مگر اب محض اکتاہٹ تھی، جو اس تفصیل کو سنتے ہوئے گہری ہو رہی تھی، جس سے صرف عبرت پکڑی جانی چاہیے تھی۔

"یہ سب باتیں اس وقت سوچنے کی تھیں جب یہ سارے قرضے لیے جا رہے تھے اور بے حساب خرچ ہو رہے تھے۔"

"خرچہ تو ہمارے گھر کا ہمیشہ ہی کھلا رہا ہے، ابو کی آمدنی میں کبھی تنگی تو ہم نے دیکھی ہی نہیں تھی، معلوم نہیں یہ تو کس کی نظر لگی ہے، خاندان بھرا ہوا ہے حاسدوں سے۔ کوئی بھی تو ہماری طرح خوش حال نہیں ہے یہاں۔"

جویا کی نگاہ خود بخود جھک گئی۔

اوپر کی ناجائز آمدنی پر اعلانیہ فخر کرنے کی روایت یہاں بھی خاصی پرانی ہو چکی تھی۔

بات کہیں سے کہیں نکلی جا رہی تھی۔

"بہرحال، اب ہم لوگوں کا ارادہ ہے کہ جلد سے جلد تمہاری شادی سے فارغ ہو جایا جائے، حالات کا کچھ بھروسہ نہیں ہے، پتا نہیں آگے کیا ہوتا ہے۔" ان کے انداز میں بڑی حتمی سی کیفیت تھی۔

جویا کو اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہیں کوئی صلاح مشورہ نہیں ہے، بلکہ ایک اطلاع ہے۔

"میں ابھی شادی نہیں کروں گی آپا گل! پلیز مجھے مجبور نہیں کریں۔" یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ ان کی طرح ڈھنگ

لہجہ کوشش کے باوجود بھی نہیں اپنا سکتی تھی۔
سو آپا گل اس کا فائدہ اٹھا رہی تھیں۔
"پھر وہی بے وقوفی کی باتیں' ایک نیا فساد گھر میں ڈلوانا ہے' منگنی ہوئی ہے تو آج نہیں تو کل شادی تو ہوگی' اور تمہارے معاملے میں تو ضروری ہوگیا ہے کہ یہ کام جتنی جلدی ہوجائے بہتر ہے۔"
جویا کو لگا وہ اب بھی اس کی طرف سے مشکوک ہی ہیں' اس کی اس ساری قربانی کے باوجود بھی۔
"کیوں' آپ کو کیا لگتا ہے کہ میں عین وقت پہ۔"
"نہیں مجھے تم سے اس درجے بے وقوفی کی توقع تو نہیں ہے۔" حالانکہ تھی۔
"مگر ان لوگوں کا کچھ بھروسا نہیں' آپ دیکھ لیا کیسا سارے خاندان میں بدنام کرکے رکھ دیا ہے ہمیں' بے عزتی اٹھانی پڑی۔" وہ برہمی سے تازہ واردات کا ذکر کر رہی تھیں۔
"دادی نے ایسا کچھ نہیں کیا' آپ لوگوں نے خود سارے میں بات پھیلائی ہے۔"
"پھیلانی پڑی' اس لیے کہ بعد میں وہ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر قطع تعلقی کی وجوہات بتائیں گی' تو اس میں پھر تمہارا ہی نام اچھالا جائے گا نا معاذ کے ساتھ' پھر بدنامی کس کی ہوگی' ہماری نا!" انہوں نے شال کس کر اپنے گرد لپیٹی اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"اور یہی ان لوگوں کا مقصد ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ ہماری ذلت کروائیں' خاندان میں تمہارے اور معاذ کے لیے اس وقت تک باتیں بنتی ہی رہیں گی جب تک تم شادی کرکے اپنے گھر نہیں چلی جاؤ گی۔ ورنہ ان کا تو کچھ نہیں بگڑے گا' لیکن ہم کہیں کے نہیں رہیں گے۔" وہ بنا کچھ کہے بنا پلک جھپکائے انہیں دیکھے جا رہی تھی۔
"اعجاز کے گھر تک یہ باتیں پہنچنے میں دیر نہیں لگے گی' اگر یہ شور مچتا رہا' اور کوئی بھی شریف لوگ یہ پسند نہیں کریں گے کہ ان کی بہو کا نام کسی ایرے غیرے کے ساتھ جڑا ہو۔"
اسے سخت اہانت کا احساس ہوا تھا۔
"یہ کوئی گلی محلے میں چلتا ہوا افیئر نہیں تھا آپا گل!" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے پاس آکھڑی ہوئی۔ ٹیرس پر پھیلی مدھم روشنی میں بھی اس کے چہرے کا پھیکا پن صاف دکھائی دے رہا تھا۔ مگر آخر اتنے دن سے بھی تو اس کی حالت کو پوری بے حسی کے ساتھ نظرانداز کیا ہی جا رہا تھا۔
"یہ ایک طے شدہ رشتہ تھا' وہ بھی بزرگوں کی اپنی رضامندی سے' پھر اس میں ذلت کا عنصر کیسے شامل ہوگیا۔ اعجاز کے گھر والوں کو جو بھی اعتراض کل ہونا ہے' بہتر ہے کہ آج ہی بتا دیں' تاکہ یہ سلسلہ ہی۔۔۔" ظاہری حالت کے برعکس' کا لہجہ پرسکون تھا۔
"کچھ نہیں ہوتا پھر بھی خاطر جمع رکھو۔" وہ بری طرح تپی تھیں۔ "اور یہ سلسلہ ختم ہو بھی نہیں سکتا' ابا پہلے ہی جو کچھ کہہ چکے ہیں' وہ بہت کافی ہے' دوسرے خاندان میں اب کوئی بھی گھر اتنی بدنامی کے بعد ہمارے گھر رشتہ لے کر آنے والا نہیں ہے' ہر ایک معاذ کی ہمدردی میں مرا جا رہا ہے۔"
انہیں یک بارگی لگنے لگا تھا کہ یہاں کھڑے ہو کر اس بے وقوف ترین لڑکی سے یہ باتیں کرکے وہ محض وقت اور توانائی ہی ضائع کر رہی ہیں' اصل میں تو صرف ایک جملے پر مشتمل اطلاع ہی دینی تھی۔
"اگلے جمعہ کو وہ لوگ شادی کی تاریخ لینے آرہے ہیں۔ خدا کے لیے ہماری عزت کا خیال رکھنا۔"
بات کے اختتام پر انہوں نے ایک جھٹکے سے اس کے آگے ہاتھ جوڑے اور پھر تیزی سے چلتی ہوئی سامنے والے کمرے میں غائب ہوگئیں۔ جویا اپنی جگہ ابھی بھی ساکت کھڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

کمروں کے آگے سے' وہ یوں ہی اپنی دھن میں مگن نکلی تھی' لیکن چند قدم آگے نکل کر کچھ خیال آنے پر چونک کر واپس پلٹی۔
"آپ آج گھر پر ہیں؟"
"ہاں بس دل ہی نہیں چاہا۔"
وہ سامنے تکیوں کے سہارے نیم دراز تھی اور شاما بڑی تابعداری سے اس کے پیر دبا رہی تھی۔
کیتی کا دل اس نامکمل جواب سے مطمئن نہیں ہوا تھا سو وہ اندر چلی آئی' دل نہ چاہنے والی بات حلق سے نیچے نہیں اتر رہی تھی۔
"مگر آج تو صندل کی شوٹنگ تھی نا! وہ اکیلی تو نہیں جاتی نا!" آج اس پہلے اتفاق پر جتنی بھی حیرت نہ ہوتی کم تھی۔
صندل کی کامیابیوں پر' نگینہ کا جوش و خروش' غرور کی حد کو چھوتا ہوا ابھی پورے عروج پر ہی تھا۔ نگینہ برملا کہتی تھی کہ وہ صندل کو اکیلا چھوڑ کر اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارنے کا رسک کبھی نہیں لے گی۔
اور ابھی تو خیر سے شروعات ہی تھیں۔
"طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟" کیتی نے فکرمند ہو کر اس کا ماتھا چھوا۔
نگینہ نے خود پر کھینچا ہوا کمبل اور بھی منہ پر کرلیا' دل پھر سے بھر آنے لگا تھا۔
شاما نے آنکھ کے اشارے سے منع کیا تو وہ اپنی جگہ ہی رکی رہی۔
"باجی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' تھوڑا سا آرام کرنے دو' تم جا کر نانی کے پاس بیٹھو' شاید انہیں کوئی کام ہو۔" شاما بڑی معتبر دکھائی دے رہی تھی اور کیتی کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ جو کہہ رہی ہے ویسا ہی کرے۔
پھر بھی چند منٹ وہ اس امید پر نگینہ کے سرہانے کھڑی رہی کہ شاید وہ اس سے کوئی ایک آدھی بات کر ہی لے۔ مگر وہ کمبل میں ہی چھپی رہی۔
شاما پھر سے اشارہ کر رہی تھی' سو وہ بددل سی ہو کر باہر نکل آئی۔
"صندل ہوتی تو ای بھی ایسے نظرانداز نہیں کرتیں اس طرح۔"
صندل اور خیام کی' خود پر فوقیت کی' گو وہ بچپن سے عادی تھی اور اس طرح اپنا ان سے مقابلہ کرتے رہنا بھی' اسے کچھ زیادہ پسند نہیں تھا پھر بھی اس وقت یہی خیال آیا۔
"شاید نانی کو کچھ پتہ ہو۔" وہ سوچتی ہوئی سیدھی ان ہی کی طرف آئی تھی۔
کمرے میں دوسرا کوئی نہیں تھا' لیکن نانی ستارہ کی آواز باہر تک آرہی تھی۔
"بہت ہی یاد آرہے ہو بیٹا! اور ہمارے پاس اب ہے ہی کیا' بچا کھچا' استادوں کی جوتیوں کے طفیل حاصل کیا تھوڑا بہت فن' یا پھر محنت کرنے والوں کی یادیں۔"
نانی کسی سے فون پر باتیں کر رہی تھی۔
لہجہ میں حیرت کی سی کیفیت اور آواز و الفاظ میں غضب کا رچاؤ۔
انہیں دیکھ کر اور سن کر' ایک خاص تہذیب کا احساس شدت سے جاگتا تھا۔
وہ بڑی خاموشی سے ان کی مسہری کی پائنتی کی طرف سمٹ کر بیٹھ گئی۔
"یہ تو تم جیسے قدردانوں کا حسن نظر ہے میاں' ورنہ تو من آنم کہ من دانم۔"
نانی باتوں کی شوقین تھیں اور اب جب فون ہاتھ میں تھا تو کتنی دیر لگ سکتی ہے' اس بارے میں کچھ وثوق سے

نہیں کہا جا سکتا تھا۔

گیتی کا دھیان پھر سے نگینہ امی کی طرف پھرنے لگا۔

"معلوم نہیں واقعی طبیعت خراب ہے یا پھر کوئی پریشانی کی بات ہے' مشاما باہر آئے تو اسی سے پوچھ لیتی۔ بظاہرتو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا۔"

دماغ ادھر ادھر دوڑا کر بھی کوئی ٹھوک بجاتا ثبوت نہیں مل رہا تھا۔

نہ تو پیسوں ہی کی وہ پہلے والی پریشانیاں رہی تھیں اور نہ ہی اب نانی دلدار کے خاندان کا ہی کوئی پنگا تھا۔ یہاں ویسے بھی پریشانیوں کی فہرست مختصر ترین ہی ہوتی تھی۔

"کون سا مڈل کلاس شرفاء کا گھر ہے بھلا۔" اس نے اپنی فکرمندی کا مذاق اڑانا چاہا۔ مگر۔۔۔

"ہاں یہ گیتی بیٹھی ہے میرے پاس' بہت خاموش' سب سے زیادہ تو یہی یاد کرتی ہے تمہیں' لو کر لو بات!"

نانی نے روانی سے کہتے ہوئے اسے فون پکڑایا تو وہ بری طرح بوکھلا گئی۔

"نہ جان نہ پہچان اور یہ بھلا کب لوگوں سے اس طرح باتیں کرتی ہے۔" اس نے کچھ خفگی سے نانی کی طرف دیکھا مگر وہ اپنے پاندان کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔

"آداب عرض ہے۔"

دل کو نرمی سے چھوتی ہوئی وہی مانوس اور مہربان آواز۔

"آپ!"

"جناب! کہیے کیا حال ہیں؟ کیا کچھ ہو رہا ہے میری غیر حاضری میں؟"

بے فکر کرتے اس احساس کو اس نے کتنے ہی دن مس کیا تھا۔

گیتی کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

"سب ٹھیک ہے' کیا ہونا ہے یہاں اور کچھ ہو بھی رہا ہے تو آپ سے مطلب؟"

دوسری طرف وہ اس کی خفگی کو محسوس کر کے ہی ہنسا تھا۔

"بہت ناراض ہو' اس کا مطلب ہے نانی ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں۔"

"کیا کہا انہوں نے؟" اس نے کن انکھیوں سے نانی ستارہ کی طرف دیکھا' جو اب کمرے کے دروازے میں جا کھڑی ہوئی تھیں۔

"یہی کہ سب سے زیادہ تم مجھے یاد کر رہی ہو۔" گو سالار کے لہجے میں کچھ جتانے کا شائبہ تک نہیں تھا پھر بھی گیتی کو اپنے چہرے پر تپش سی پھیلتی محسوس ہوئی۔

بھلا کیا ضرورت تھی نانی کو اتنی عامیانہ بات کہنے کی؟ ایک لمحے کے لیے وہ بھول گئی کہ یہاں یہ باتیں معمول کا حصہ ہیں' پروفیشن کا لازمی جز' اور کہنے اور سننے والے دونوں ہی کی وقتی خوشی کا سبب' مگر دور بیٹھے اس شخص کے آگے معمول کی خوشی بننا' خود اس کے لیے ہتک آمیز تھا۔

"مذاق کر رہا ہوں۔" وہ ایک بار پھر' دور بیٹھے بھی' بہت پہنچا ہوا ثابت ہوا۔ "ایسے ہی ذرا ذرا سی بات پر سیریس مت ہوا کرو' زندگی زیادہ مشکل ہونے لگتی ہے۔"

ایک گہری سانس اپنے اندر اتارتے ہوئے گیتی نے خود کو کمپوز کیا۔

"میری پیدائشی بدقسمتی کے آگے کون سی دوسری مشکل کھڑی ہو سکتی ہے۔" وہ سالار کے سامنے یہ بات کہہ کر اسے اداس نہیں کرنا چاہتی تھی' وہ اتنا پیارا اور بھلا انسان تھا' جو اس کے کیا' ہر ایک کے ہی دکھ پر اداس ہو سکتا تھا۔

"سچی بات تو یہ کہ مجھے تمہاری بڑی فکر ہو رہی تھی' میرا خیال تھا کہ بس دو چار دن میں گیا اور آیا' تمہیں خبر بھی

نہیں ہوگی' لیکن افسر بھائی نے جب میرے جانے کا بتا ہی دیا تو پھر۔۔۔!"

"میں نے آپ کو منع کیا تھا کہ اسے ڈھونڈنے کی کوشش مت کریں' لیکن آپ پھر بھی گئے۔"

بہت دنوں سے دبا ہوا گلہ کرنا شاید سب سے زیادہ ضروری تھا۔

اتنی دیر میں' پہلی بار وہ کچھ خاموش سا ہوا۔

گیتی نے دیکھا نانی اب کمرے سے باہر جا چکی تھیں۔ اس کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔ یہاں اس طرح کی ڈھیل سوچ سمجھ کر دی جاتی تھی۔

"میں کسی کام سے آیا ہوں یہاں' خیام کو ڈھونڈنے کے لیے نہیں۔" وہ ہلکی آواز میں اس کی کہی بات کو رد کر رہا تھا۔

"جھوٹ مت بولیں' لیکن ایک بات میں آپ سے ضرور کہوں گی' اگر آپ کو میرا ذرا سا بھی خیال ہے تو پلیز مجھے میری اپنی نگاہ میں گرنے نہیں دیجیے گا' آگے آپ کی مرضی۔"

"جو حکم! اب کوئی اور بات کریں!"

اس کی سنجیدگی سے کہی بات کو سالار نے بظاہر ہنس کر اڑایا تھا۔ گیتی کو ایسا ہی لگا۔

"میرے پاس کوئی بات نہیں۔"

"میرے پاس تو ہیں' تو سنو' بہت طویل عرصے بعد پچھلی رات سمندر کے کنارے گزاری' پورے چاند کی روشنی میں بڑا ہی ناقابل بیان جادو جگاتا ہے سمندر' مجھے بار بار تمہارا ہی خیال آتا رہا۔۔۔"

گیتی کے چہرے پر بہت دن بعد' بڑی پیاری سی مسکراہٹ پھیلی۔

"کبھی تمہیں بھی یہ نظارہ ضرور دکھاؤں گا' بھول جاؤ گی سب۔۔۔"

"میں کہاں آ سکتی ہوں کراچی' آپ کا سمندر دیکھنے۔" اس کے اپنائیت بھرے جوش پر' وہ ہلکے سے ہنس ہی پڑی۔

"کیوں' اس میں مشکل کیا ہے' بس ٹکٹ ہی تو کٹوانا پڑتا ہے' دکھناؤں لے کر آؤں گا تمہیں' کسی بھی دن۔"

بے مقصد بے معنی باتیں۔

مگر زندگی کو کتنا حوصلہ دیتی ہوئی۔

اسے احساس بھی نہیں رہا' کتنی دیر وہ اس سے بات کرکے کمرے سے باہر آئی تھی۔

نگینہ ابھی بھی کمرے سے باہر نہیں آئی تھی اور سامنے برآمدے کے پار صحن میں دھوئیں سے سیاہ ہوتا باورچی خانہ بھی خالی دکھائی دے رہا تھا۔ سوشاما کی عدم موجودگی بھی ثابت ہوئی۔

نانی ستارہ' اس بڑے ہال میں جا چکی تھیں' جہاں اس وقت ان کی نشست استاد جی کے ساتھ ہوتی تھی' وہ یوں ہی چند لمحے کھڑی رہی اور پھر تیز قدم اٹھاتی اپنے کمرے میں چلی آئی سب کچھ ویسا ہی تھا۔

رنج میں گھلتی نگینہ امی سے لے کر صندل کی خوف زدہ کرتی کامیابیوں تک۔

اور خود وہ' اپنے تمام جمع شدہ کمپلیکسز کے ساتھ امید کی کوئی ننھی سی کرن بھی ہاتھ میں نہیں۔

"پھر کیا ہے اس شخص میں ایسا' جو اس گھٹے گھٹے اندھیرے کے اختتام پر ایک چمکتے افق کی نوید دیتا ہے۔"

گیتی نے آج پھر اتنی دور بیٹھ کر بھی سالار کی شخصیت میں چھپی سحر انگیزی کو شدت سے محسوس کیا تھا' آج کمرے میں آکر اس کی پہلی نگاہ خیام کی تصویر کی طرف نہیں اٹھی تھی۔

☆ ☆ ☆

نمک حرامی کی بھی حد تھی!

اتنے سالوں سے جو عیش یہاں میسر تھے' ان سب پر ٹھوکر مار کر' وہ ٹھیک اس دن یہاں سے روانہ ہوئیں' جس دن یہاں سب سے زیادہ ضروری تصور کی جاتی تھیں۔

یعنی چاند کی پہلی جمعرات کو۔

زرتاج بیگم کی سخاوت پر' منہ بولتے مظاہرے کی مکمل نگرانی ان ہی کے سپرد تھی۔ عورتوں کو ترتیب سے بٹھانے سے لے کر' بانٹے جانے والے سامان اور نقد رقوم تک کا سارا انتظام' کس کو کیا دینا ہے' کیا نہیں سب ان ہی کے ہاتھ میں تھما رکھا تھا۔

مگر اتنی عزت' اتنا بھروسہ بھی شاید اب کم پڑنے لگا تھا۔ جو وہ بنا کوئی پیشگی نوٹس دیے' اس بھرے میلے کو چھوڑ کر نکل گئیں۔ اپنے بھتیجے کے دور افتادہ گاؤں کی طرف۔

"دکھا دی نا آخر اپنی ذات' یہاں پڑا پڑا کہتے ہوئے منہ خشک ہوتا تھا' اچھے سے اچھا کھاتی پیتی تھی' عیش کیے ساری عمر مگر اب لگتا ہے دماغ سٹھیا گیا تھا بڑھیا کا۔"

ابھی تھوڑی دیر پہلے جیسے تیسے خیرات تقسیم ہونے کا مرحلہ ختم ہوا تھا۔

بوا عظمت کی غیر موجودگی میں جی بھر کر بدانتظامی پھیلی رہی اور جو کام ہمیشہ عصر سے مغرب کے درمیان بخوبی سر انجام دیا جاتا تھا' آج عشاء کے بعد تک جاری رہا اور جو بدنظمی مچی رہی' وہ الگ درد سر ثابت ہوئی۔

زرتاج کی بدمزاجی آج وہاں جمع ہوئی عورتوں پر پہلے سے کہیں زیادہ واضح طور پر کھلی تھی۔ وہ جو مہینہ بھر کے راشن کی امید میں وہاں آئی ہوئی تھیں' کانوں کو ہاتھ لگاتی ہوئی رخصت ہوئی تھیں۔

"اتنا غرور' اتنا تکبر! چار پیسے کیا ہاتھ میں ہیں' عورت خدا کو بھولی ہوئی ہے۔"

"بس جوتا اٹھا کر مارنے کی کسر رہ گئی تھی ورنہ اس کی بدزبانی تو اللہ معافی۔۔۔ اس سے تو کہیں اچھا ہے کہ انسان یہاں آنے کے بجائے بھیک مانگ کر کھائے۔"

"ساری خرابی بوا عظمت کے چلے جانے سے ہوئی ہے' وہی بے چاری سنبھالے رکھتی تھیں' زبان کی کڑوی تھیں' مگر دل تو اتنا اچھا کہ بس' میرا تو ہمیشہ بہت ہی خیال کرتی تھیں۔"

بسورتی ساری عورتوں کے بیچ سعیدہ بھی تھی' جس نے بہت دکھے دل کے ساتھ بوا عظمت اور ان کے احسان یاد کیے تھے' آج واپس جاتے مجمع میں شاید وہ سب سے زیادہ پریشان تھی۔

نبیل دانستہ سارا وقت باہر گزار کر آیا تھا' اس خصوصی موقع پر اس کی غیر موجودگی اب معمول کا حصہ بن چکی تھی' زرتاج نے رکنے پر اصرار کرنا بھی چھوڑ دیا تھا' لیکن ایک مشکوک کرتا احساس مستقل ہی بڑھ رہا تھا۔

"گھر کا پورا سسٹم بگڑ گیا ہے' ایک دن میں ہی' میں بزنس کو دیکھوں یا پھر گھر کو' دس اور بھی مصروفیات ہیں میری۔"

رات گئے جب وہ نسبتاً پرسکون تھیں' انہوں نے لاؤنج میں بیٹھ کر نبیل سے کہا تھا۔

"تم صرف وہ کرو' جو تمہارا دل چاہتا ہے' باقی سب میں دیکھ لوں گا' فکر ہی مت کرو۔" ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے وہ بڑی جاں نثاری سے بولا۔

"تمہیں اپنی تفریحات سے فرصت ملے گی تو کچھ کرو گے' میں اب جلد ہی مالی کو انگلینڈ سے بلوانے والی ہوں کم از کم بزنس تو اس کے حوالے کروں' ذمہ داری اٹھانا سیکھ لے تو خود اس کے حق میں اچھا ہے۔"

"مالی کو!" وہ اندر ہی اندر بری طرح گڑبڑایا تھا۔ اتنے عرصے سے' خواب جیسی پرتعیش زندگی گزارتے ہوئے وہ اپنی دانست میں' خود کو اس محل جیسے گھر اور بے تحاشا پھیلے ہوئے بزنس کا تن تنہا مالک قرار دے چکا تھا۔

سو اب شرکت کا تصور ہی سوہانِ روح تھا۔

"مالی کو کیوں تکلیف دیتی ہو' وہاں آرام سے رہ رہا ہے۔ بہتر ہو گا کہ وہ وہیں سیٹ ہو جائے' یہاں اس ملک کے حالات تو بگڑتے ہی جا رہے ہیں۔"

سر پر منڈلاتے خطرے کو دور کر دینے میں ہی عافیت تھی۔

"وہ وہاں کیسے رہ سکتا ہے' آنا تو ہے بہرحال' اتنا سب کچھ ہے یہاں اگر اسے وہاں رہنا بھی ہے تو یہ سارا پیسہ ٹرانسفر کروانا ہو گا پہلے۔"

زرتاج نے سر کی خفیف سی جنبش کے ساتھ' اس کی بات رد کی اور موبائل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

نبیل نے بہت غور سے ان کی طرف دیکھا۔

زرتاج کا چہرہ بے تاثر تھا۔

"یہ خطرناک حد تک ذہین عورت ہے' بھلا وہ یہ بات کیوں بار بار بھولتا ہے۔" اس نے ایک بروقت یاددہانی خود کو کروائی اور وہی آزمودہ حربہ استعمال کیا' جو خود بخود زرتاج کو اس کی مٹھی میں لا تا تھا۔

"سب ہو جائے گا میری جان! تم ٹینشن لے کر کیوں اپنی خوب صورتی کو گھٹاتی ہو۔ یہ ہمارا اپنی زندگی کو انجوائے کرنے کا وقت ہے نا کہ۔۔۔۔!"

قربت کے یہ لمحات زرتاج کی بڑی کمزوری تھے مگر آج وہ بہت سے زیادہ ٹینشن جھیل چکی تھیں۔

"پہلے وہ بدبخت روزی اور اب یہ عظمت۔ لگتا ہے جیسے دونوں کی کوئی ملی بھگت ہو یہاں سے جانے میں یا پھر تمہاری کوئی۔۔۔"

خود کو پیچھے ہٹاتے ہوئے انہوں نے نبیل کی طرف دیکھا۔ اندر تک اترتی ہوئی کھوجتی نگاہ۔

"چلو' سب میں میرا ہی قصور سہی!" وہ بہت پرسکون انداز میں مسکرایا۔ "تو یہ غلام حاضر ہے ہر سزا کو قبول کرنے کے لیے' تمہیں اگر ذرا سا بھی شک ہے مجھ پر زرتاج! تو اسے کلیئر کر لو پلیز' میں نہیں چاہتا کہ ہمارے درمیان محبت کے سوا اور کچھ بھی شرکت۔۔۔" یہ الفاظ کا کھلاڑی تھا۔

زرتاج جیسی گھاگ عورت اس کی اسیر ہوئی تھی آخر اور حالات پر اپنی گرفت کو مضبوط رکھنے کے لیے اسے ٹھیک ٹھاک مواقع میسر تھے۔

"پتا نہیں کیوں لیکن میں تم پر مکمل بھروسا نہیں کر پا رہی ہوں نبیل! اور یہ بات میں تم سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں' جس دن میں انگلینڈ سے واپس آئی تھی' یاد ہے!" نبیل کے بھرپور التفات کے باوجود الجھن ابھی باقی تھی۔

"یقیناً" پچھلے دنوں وہ کچھ زیادہ ہی غیر محتاط رہا ہے۔" اسے پے در پے ہونے والی غلطیاں اب کوفت میں مبتلا کر رہی تھیں۔

"ذرا سا دل خوش کرنے پر اتنا بڑا ہنگامہ۔۔۔" اس نے بے چینی کی آخری حد سے گزرتے ہوئے محض اتنا سوچا اور خفا خفا سا اٹھنے لگا۔

"اگر تم ایسا ہی سمجھتی ہو تو پھر ہمارے ایک ساتھ رہنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں' میں تو خالی ہاتھ اس گھر میں آیا تھا اور اسی طرح واپس لوٹ جاؤں گا' مجھے ایک پیسہ بھی درکار نہیں ہے تم سے' اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔"

وہ رنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔

زرتاج کے لیے اس کا ردعمل غیر متوقع تھا' اس نے اپنی بے غرضی ثابت کرنے کے لیے جو کچھ کہا تھا' وہ کرنے کے لیے بھی تیار تھا۔

"ساری خرابی اس لڑکی کے جانے سے شروع ہوئی' پتا نہیں کیا چکر ہوتے ہیں ان نچلے لوگوں کے' مالکوں کو بلیک میل کرنے کے لیے خوامخواہ کے ڈرامے کری ایٹ کرتے ہیں اور بس' لیکن خیر تم جانو اور یہ لوگ۔"

بات ادھوری چھوڑتے ہوئے اس نے قدم آگے بڑھایا تھا کہ وہ اٹھ کر اس کے آگے آکھڑی ہوئیں۔
"تم نے کیسے سمجھ لیا کہ میں ان نوکروں کی وجہ سے تم سے بدگمان ہوئی ہوں، مجھے تو تمہارا رویہ پریشان کرتا ہے، یہ تو مانو کہ تم بہت لاپروا ہوتے جا رہے ہو دن بہ دن۔" زرتاج کے لہجے میں لاڈ بھری رعایت تھی۔
نبیل پر ان کا بری طرح دل آیا تھا، سو اب دستبرداری بھی اتنی آسان نہیں رہی تھی۔
"بس اب جیسا بھی ہوں، سامنے ہوں، میں نے کب کہا تھا تم سے کہ میں بہت اچھا ہوں۔" اس کی کمزوری بھانپ کر وہ بالکل ٹھیک سمت پکڑ رہا تھا۔
زرتاج نے بہت پیار سے اس کی طرف دیکھا۔
دن بھر کی کوفت اٹھا لینے کے بعد یہ محبت بھری خفگی کچھ اور زیادہ ان کو اپنی طرف کھینچتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ مہربانیوں سے رنگین ہوتے ان ہی لمحات میں، ان دونوں نے رہائشی حصے کا بھاری داخلی دروازہ کھلنے کی آواز سنی تھی۔
"کون تھا، جو مین گیٹ سے یہاں تک آپہنچا تھا، وہ بھی بلا اجازت؟"
حیرت بھرا سوال دونوں ہی کی آنکھوں میں ابھرا تھا۔ رات کے اس پہر میں کسی کو بھی باہر سے پیشگی اطلاع دیے بغیر آنے کی اجازت نہیں تھی۔
"میں نہیں کہتا ہوں کہ تمہارے سارے ملازم بہت سر چڑھے ہیں، اب دیکھ لو، پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی، معلوم نہیں کون بدبخت اندر آیا ہے۔"
نبیل غصے میں زور زور سے کہتے ہوئے، پورے مالکانہ حقوق کے ساتھ لاؤنج سے ملحقہ کاریڈور میں مڑا۔
بدبخت سامنے ہی کھڑا تھا بمعہ ایک چھوٹے سے بیگ کے۔
"کون ہو تم؟ اندر کیسے گھسے ہو؟ یہ ملازم کہاں مرے ہیں سارے۔"
جس لاپروائی سے قدم بڑھاتا ہوا وہ آگے بڑھا چلا آرہا تھا، نبیل کا دماغ بری طرح گھوما۔
"ہٹو سامنے سے۔" آنے والا ذرا بھی خائف ہونے کے موڈ میں نہیں تھا، بلکہ اتنے اطمینان سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑا تھا جیسے اس کا کہا ایک لفظ بھی نہیں سنا ہو۔
"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا، مالک ہوں میں اس گھر کا۔"
"کیا؟"
اس نے چونک کر نبیل کی طرف دیکھا اور پھر بے ساختہ ہی ہنستا چلا گیا، ایسے جیسے کوئی بہت دلچسپ لطیفہ سنا ہو۔
"بہت بڑی غلط فہمی ہے تمہاری، خیر دور ہو جائے گی ایک نہ ایک دن۔"
نبیل کو اس گھر میں اتنی بڑی ہتک پہلے کبھی سہنی نہیں پڑی تھی، وہ زرتاج بیگم کا شوہر تھا اور اپنی اس حیثیت کا خمار، اس پر ابھی چند منٹ پہلے اور بھی گہرا ہوا تھا، سو اس نے وہی کیا جو اس کی فطرت کے عین مطابق تھا۔ مگر دوسرا ہی لمحہ حیرت انگیز تھا۔
فضا میں اٹھا اس کا ہاتھ ہوا میں ہی معلق رہ گیا تھا۔
"اوقات میں رہو اپنی، ورنہ یہ ہاتھ توڑ کر دوسرے ہاتھ میں پکڑا دوں گا۔ سمجھے۔" نبیل کا اٹھا ہوا ہاتھ سختی سے پکڑ کر وہ بہت سرد لہجے میں کہہ رہا تھا۔
نبیل کو ایک بہت ہی عجیب سے احساس نے گھیرا، جو اجنبی تو تھا، لیکن بہت ہی چبھتا ہوا بھی۔
"کون آیا ہے اس وقت اندر؟" زرتاج بذاتِ خود تفتیش کے لیے ادھر ہی آرہی تھیں۔ "حد ہوتی ہے غیر ذمہ داری کی، سب کے سب نمک حرام، کل ہی چھٹی کرو ان سب کی۔"
لاؤنج سے آتی ان کی آواز نبیل کے لیے حوصلے کا سبب بنی تھی، اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی تھی مگر ناکام رہی۔
"کیا غنڈہ گردی ہے، ابھی پولیس کو بلا کر حوالے کرتا ہوں تمہیں تھلک شیر ازمان!" وہ حلق کے بل چلایا۔
داخلی دروازے کے باہر اب بھی کوئی جنبش نہیں تھی۔
"کوئی نہیں آئے گا، خوامخواہ چیخ کر اپنی انرجی ویسٹ کر رہے ہو۔" اس نے خود ہی ہاتھ چھوڑا تو نبیل لڑکھڑا کر بالکل پاس آکر کھڑی زرتاج سے ٹکرایا۔
"آپ ذرا انہیں اچھی طرح سمجھا دیں، میں تو ویسے بھی بہت تھک رہا ہوں۔"
زرتاج کو اس نے جیسے محض اطلاع دی اور پھر بڑے اطمینان سے اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔ زرتاج ابھی بھی پھٹی پھٹی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں، ایسے جیسے کوئی ناقابلِ یقین وجود مجسم ہو کر سامنے آیا ہو۔
نبیل کی کوفت اس کی حالت دیکھ کر اور بھی بڑھی تھی۔
"پرابلم کیا ہے آخر، اتنی بدتمیزی وہ کر کے گیا ہے اور تم سے ایک لفظ نہیں کہا گیا اسے، اگر میری ذرا سی بھی پروا ہے تو ابھی نکال کر باہر کرواسے جو بھی ہے یہ؟"
"میں اسے نہیں نکال سکتی ہوں نبیل!"
زرتاج کے انداز میں آج پہلی بار پسپائی کی صورت تھی۔ نبیل کو اچانک ہی لگا جیسے وہ خوفزدہ بھی ہیں۔
"سنیے، ذرا ایک اچھی سی چائے اوپر میرے کمرے میں بھجوا دیں۔" اوپر کی ریلنگ سے جھکا وہ پھر آرڈر پاس کر رہا تھا۔
"الو کا پٹھا!" نبیل نے نفرت سے دانت پیسے۔ "ابھی ملازموں کو بلوا کر اس کا دماغ ٹھیک کرواتا ہوں، باپ کا گھر سمجھا ہے، جو حکم چلا رہا ہے اور یہ سب تمہاری۔۔۔"
"یہ اس کے باپ کا ہی گھر ہے نبیل!" زرتاج نے اس بار تیزی سے اس کی بات کاٹی۔
"کیا کہا تم نے؟"
نبیل کو لگا جیسے اسے سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔
"میں نے کہا کہ یہ اس کے باپ کا ہی گھر ہے۔"
وہ اب بھی اپنے حواس بحال نہیں کر پائی تھیں اور اس بار نبیل کو بخوبی اس کی اڑی ہوئی حالت کا صحیح طور پر اندازہ ہوا تھا۔
"کون، کون ہے یہ؟" وہ خود اپنے ہی سوال سے سہما۔
"سالار بیگ، میرے مرحوم شوہر کا بڑا بیٹا!" سرسراتی سی مدھم آواز، مگر ایک ایک لفظ بالکل صاف سنا گیا تھا۔
"کیا؟" وہ دم بخود سا ہوا زرتاج کی طرف دیکھ رہا تھا۔
سر پر پہاڑ گرا تھا، یا زمین پاؤں تلے سرکی تھی، کسی بھی غاصب ظالم شخص کے عین مطابق، آزمائش کی اس اولین گھڑی میں ہی اس کے حوصلے نے ساتھ چھوڑا تھا۔

(باقی اِن شاء اللہ آئندہ ماہ)

☼ ☼ ☼

عالیہ بخاری

دیوانِ عشق

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نامی نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فوراً سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لایا ہے جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار اسٹاپ تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سارا لاہور حیران کن ہے۔ شہر آ کر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بالو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گئی رقم کوئی چرا لیتا ہے۔ دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اسے پیچھے رہ جانے والوں کا بھرم سا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایماندار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو۔ نانی کا لاڈلا ہے۔ وہ ہر چیز سنبھالے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار بھائی کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما لیتے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی دولت کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ حویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ بجائے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی ذوبیہ کمال سے کر دی۔ جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ مگر اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے ربیعہ اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ جہاں مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ لالہ عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان، رفتہ رفتہ زویہ کی ملازمت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زویہ اپنی ماں مامیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ انجو چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل، سوتیلے ماں کے کچھ نہیں کرپاتے۔ ان کی تمام امیدیں زویہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ماجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی بیوی بھی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ انجو اور چچا خاندان مع سونے کے زیور کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جو اچانک ہونے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جارہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ ستارہ ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ ملازمت اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ نوشی گیتی کی چوڑی اسے سوال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بالو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے۔ کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے نانی کے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سیکرٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ رافیہ سیکریٹری بن کر آتی ہے۔ ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جیسے فٹ ٹوپیا جو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ لالہ عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیارانہ فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بالو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بالو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یادوں کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویریہ کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویریہ آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔ سلمان، زویہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

صندل کو بانی صاحب کی فلمیں کیا ملتی ہیں کہ نانی ستارہ کے خاندان کی قسمت چمک اٹھتی ہے۔ نگینہ ہر موقع پر بیٹی کے ساتھ رہتی ہے جس پر نانی دلدار کے خاندان خصوصاً الماس کا حسد سے برا حال ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۲۶
چھبیسویں قسط

ناشتے کی میز پر بڑا ہی پُرہول سناٹا تھا آج یہاں صبح معمول سے کہیں پہلے ہوئی تھی۔

"ساری رات جو ایک منٹ سو سکا ہوں۔ تم تو پھر بھی سلیپنگ پلز لے کر آرام کی نیند لے لیتی ہو، مگر مجھے تو ساری رات وا ہمے ستاتے رہے۔"

نبیل کا چہرہ اترا ہوا تھا اور آواز میں بڑی گہری تشویش جھلک رہی تھی۔

"ٹینشن مت لو بس کوشش کرنا، جتنے دن وہ یہاں ہے، تمہارا اس سے سامنا نہ ہی ہو تو بہتر ہے۔"

زرتاج خود از حد فکر مند تھیں اور ان کی وہ بشاشت، جو نبیل کی ہمراہی میں عموماً "عروج پر ہوتی تھی" اس وقت گم تھی۔

"مطلب کیا ہے تمہارا، میری کوئی حیثیت نہیں ہے، جو میں کہیں منہ چھپا کر ایک طرف بیٹھ جاؤں۔"

نبیل کو ان کا مشورہ بے حد ناگوار گزرا تھا۔ "شوہر ہوں تمہارا زرتاج بیگم! اور اس حوالے سے اس گھر کا مالک سمجھا جائے اس کے کہ تم اس بے ہودہ انسان کو یہاں سے رخصت کرو، الٹا مجھے ہدایتیں دے رہی ہو۔"

زرتاج نے بے چین سا ہو کر پہلو بدلا۔

"تم سمجھ کیوں نہیں رہے ہو نبیل! سالار کو اس طرح نہیں نکالا جا سکتا، لیکن میں تمہیں یقین دلا رہی ہوں کہ وہ یہاں رکنے والا نہیں ہے، اسے برسوں سے آوارہ گردی کی لت ہے، وہ جلد یہاں سے چلا جائے گا، یہاں کے معاملات سے اسے کوئی سروکار نہیں ہے، وہ تو اپنے حصہ کے بزنس کی بھی دیکھ بھال نہیں کرتا ہے، اس کا پرانا وفادار اسٹاف چلا رہا ہے، وہی اس کے ساتھ کانٹیکٹ میں رہتے ہیں شاید...."

چائے کے کپ سے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتے ہوئے وہ اسے جو کچھ ہلکے ہلکے سمجھا رہی تھیں، نبیل کو بری طرح کھل رہا تھا۔

"تو وہ بزنس میں بھی شریک ہے، کون کون سی فیکٹریاں اس کے نام ہیں، تم نے مجھے بتایا تک نہیں۔"

اسے لگنے لگا تھا کہ اس پر مصائب کا پہاڑ آگرا ہے۔

"تم تو کہتی تھیں کہ تمہارا سوتیلا بیٹا کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے تم سے اور اس سارے بزنس سے، اتنے سالوں سے نہیں، مر کھپ گیا ہو گا کہیں، مگر وہ تو اچھا بھلا خوش باش دکھائی دے رہا تھا۔ الٹا میری بے عزتی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور ابھی بھی...." اس کی نگاہ خود بخود اوپر کے کمروں کی طرف اٹھی، جہاں ابھی بھی کسی میں سالار موجود تھا۔

"کہہ تو رہی ہوں کہ چلا جائے گا، ایک آدھ دن میں ہی، پھر برسوں شکل تک نہیں دکھائے گا، ذرا تو صبر سے کام لو، خواہ مخواہ اس کا پیچھا پکڑو گے تو وہ ضرور کوئی مصیبت کھڑی کرے گا پھر...!"

"میں کسی سے ڈرتا ورتا نہیں، رات تو لحاظ کر گیا، اب کوئی بد تمیزی کی تو ٹھیک کر کے رکھ دوں گا۔"

"تم کیوں بھول رہے ہو کہ وہ بیگ کا بڑا بیٹا ہے، سالوں تو اس نے مجھے ہوا بھی نہیں لگنے دی کہ وہ کیا کچھ سالار کے نام کر چکا ہے یا کرنے والا ہے، سارا معاملہ اس کے وکیل کے علم میں تھا اور وہ سالار کی ماں کا پرانا وفادار۔" وہ بے حد جھنجلائی ہوئی تھیں۔

"اور جب تک میں اس کے باپ کو مکمل طور پر اس کا مخالف بنانے میں کامیاب ہوئی تو وہ اچانک ہی مر گیا بنا وصیت میں کوئی بڑی تبدیلی کیے، پھر کیا کیا جا سکتا تھا۔"

"تم وکیل کو خریدنے کی کوشش کرتیں تو کام بن جاتا۔" نبیل کا لہجہ خشک تھا، اس کے لیے تو یہ اطلاع ہی بڑی اعصاب شکن تھی کہ اس کی بادشاہت نظام سقہ کی حکومت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ "وکیل ساری پراپرٹی تمہیں دلوا سکتا تھا، بہت آرام سے۔ کچھ پیسہ ہی تو خرچ کرنا پڑتا، خیر میں بات کروں گا اس سے، اب بھی کچھ نہیں

بگڑا۔"

"کوئی بے وقوفی مت کرنا تم' ہر شخص بکاؤ نہیں ہوتا ہے' الٹا لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ سمجھے۔"

زرتاج نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تو وہ بری طرح جھنجلا گیا۔

"آدھی سے زیادہ کا مالک ہے' باقی کا وہ تمہارا بیٹا مالی اور تم خود کہاں کھڑی ہو' اندازہ ہے اگر یہ دونوں تمہیں اس سب سے بے دخل کر دیں تو سڑک پر بیٹھی دکھائی دو گی۔"

زرتاج کے چہرے پر ناگواری سی پھیلی۔

"کون بٹھا سکتا ہے زرتاج بیگم کو سڑک پر' بہت کچھ ہے میرے پاس' ساری عمر کے لیے بھی کوئی پریشانی نہیں ہے مجھے' دونوں ہاتھوں سے خرچ کروں تب بھی۔" ان کے لہجے میں وہی پُرغرور اعتماد تھا۔

"اب بھلا کتنی اور عمر باقی رہ گئی ہو گی تمہاری۔" اس نے بمشکل ہی خود کو یہ کہنے سے روکا تھا۔

"پہلے سے پتا ہوتا اس کے آنے کا تو ایسا انتظام کروا دیتا کہ یہاں تک پہنچنے کے قابل ہی نہیں رہتا۔" کسی بھی بزدل آدمی کی طرح وہ اپنا خوف گیدڑ بھبکیوں کے پیچھے چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

زرتاج نے ذرا ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے تم سے ایسی ہی حماقتوں کی امید ہے' ایک کے بعد ایک مصیبت کھڑی کر رہے ہو' پہلے روزی کی گمشدگی ہی دردِ سری ہوئی ہے' اب سالار کے ساتھ کوئی مسئلہ کھڑا کر لینا۔"

وہ قدرے اونچی آواز میں کہتے ہوئے ایک دم ہی خاموش ہو گئیں۔

سامنے سے سالار سیڑھیوں پر سے اترتا ہوا سیدھا اسی طرف آ رہا تھا۔

"صبح بخیر!" وہ اس طرح مسکراتا ہوا کرسی کھینچ کر بیٹھا جیسے رات کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

ان دونوں میں سے کسی نے بھی جواب دینا ضروری نہیں سمجھا۔

"میرے لیے ذرا گرم چائے تو منگوائیں۔" قریب کسی ملازم کو نہ پا کر' اس نے براہِ راست زرتاج بیگم سے فرمائش کی۔

نبیل کو یقین تھا کہ وہ اس بے ادبی پر سالار کو کچھ تو ضرور ہی کہیں گی' لیکن حیرت کا ایک جھٹکا اس کا منتظر تھا۔ بنا کچھ کہے زرتاج اپنی جگہ سے اٹھیں اور تیز قدموں سے چلتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئیں۔

"آپ سے تو رات تعارف نامکمل ہی رہ گیا تھا۔" اب وہ پورے اطمینان کے ساتھ نبیل کی طرف متوجہ تھا۔

"کیا کرتے ہیں آپ؟ کوئی اپنی جاب وغیرہ ہے' یا محض ہماری والدہ کے شوہر کے عہدے پر ہی فائز ہیں؟"

اس کی مذاق اڑاتی مسکراہٹ اور ذومعنی جملے۔ نبیل کے تن بدن میں آگ سی لگی' لیکن ابھی ابھی کی گئی نصیحت کا اثر باقی تھا' سوان سنی کرتے ہوئے اس نے سامنے رکھی چائے کی پیالی منہ سے لگائی۔

بے حد میٹھی مگر ٹھنڈی اور تلخ۔

"اس کی اپنی زندگی کا حال بھی کچھ ایسا ہی تضاد بھرا ہے۔" بے ساختہ اسے کچھ ایسا خیال آیا تھا۔

"پڑھائی مکمل کر چکے یا پھر ادھوری ہی چھوڑ دی' دوسری بات زیادہ صحیح لگتی ہے' کیونکہ زیادہ عمر نہیں ہے تمہاری۔ مجھ سے تو سال دو سال چھوٹے ہی ہو گے۔"

وہ بدستور اس کے ضبط کا امتحان لے رہا تھا۔ اس گھر میں پہلی بار اسے بے عزتی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اور وہ اب اس کا قطعی عادی نہیں رہا تھا۔

"شارٹ کٹ اچھا چنا تم نے' ویسے تمہیں دیکھ کر کم از کم اس بات کا ضرور یقین آنے لگا ہے کہ انسان اپنی غرض کے لیے کس حد تک پستی میں گرتا......"

نبیل کو اپنی کنپٹیوں پر تیزی سے چبھن کا احساس ہو رہا تھا۔

"کاش کوئی سامنے بیٹھے اس بے ہودہ شخص کو چپ کرا سکے۔" اس نے مدد کے لیے اس طرف دیکھا' جہاں سے زرتاج کو واپس آنا تھا۔

لیکن وہ شاید محض سالار سے بچنے کے لیے ہی یہاں سے اٹھ کر گئی تھیں۔

"مجھ کو بھی اسی وقت اٹھ جانا چاہیے تھا۔" نبیل کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا۔

"ویسے تمہیں ذرا بھی شرم نہیں آئی اپنی ماں کی عمر کی عورت کے ساتھ شادی کرتے ہوئے۔" بالٹی بھر کیچڑ کسی نے اس کے منہ پر پھینکی تھی۔

"بکواس بند کرو۔" وہ قدرے اونچی آواز میں کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

لیکن جواباً سالار جیسے حلق کے بل چلایا تھا۔

"جسٹ شٹ اپ!" اس کی آواز کی گونج اس وسیع و عریض گھر کے کونے کونے میں سنی گئی اور پھر چند لمحوں کے لیے کمرا سناٹا چھایا۔

نبیل دم بخود ہوا سالار کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"میرے باپ کے گھر میں کھڑے ہو کر مجھ سے اونچی آواز میں بات کرنے کی غلطی بار بار مت کرو' میں نے رات بھی کہا تھا کہ محتاط رہو اور اب پھر کہتا ہوں کہ خیریت چاہتے ہو تو اپنی اوقات میں رہو۔"

اس کا لہجہ اتنا سرد تھا کہ نبیل کو رگوں میں ٹھنڈک سی اترتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"اس گھر میں اونچی آواز سے صرف میں بات کر سکتا ہوں اور کوئی نہیں' وہ بھی نہیں' جن کے آسرے پر تم یہاں کھڑے دکھائی دے رہے ہو۔"

شہادت کی انگلی اس کی طرف اٹھائے وہ اسے وارننگ دے رہا تھا۔

"نبیل!" زرتاج کی آواز پر ان دونوں ہی نے اس طرف دیکھا وہ قریب ہی کھڑی تھیں۔ "تم اپنے کمرے میں جاؤ۔" ان کا لہجہ قطعی تھا۔

نبیل نے بڑی حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔ کم از کم وہ سالار کو کچھ تو کہہ ہی سکتی تھیں اس کی بدتمیزی پر' مگر وہ تو اس کی طرف دیکھ تک نہیں رہی تھیں۔

"میں نے کہا نا جاؤ!" اس بار نبیل کو ایسا لگا جیسے اگر وہ یہاں سے نہ گیا تو زرتاج اسے ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے لے جائیں گی۔

بے عزتی کا ایک اور سین

کرسی کو دھکیلتا ہوا وہ تیزی سے مڑا۔

"ٹھیک ٹھاک پالتو رکھا ہے آپ نے اس بار!" نبیل کو اپنے پیچھے اس کی ہنسی سنائی دی تھی مگر وہ سیدھا ہی چلتا چلا گیا۔

اپنی ہی بچھائی ہوئی بساط پر آج اس نے خود کو سب سے بری طرح پٹا ہوا مہرہ محسوس کیا تھا۔

"کیا چاہتے ہو تم سالار! کھل کر بتاؤ۔" زرتاج ٹھیک اس کے مقابل بیٹھ کر پوچھ رہی تھیں۔

"میں آپ سے کیا چاہوں گا اور مجھے آپ دے بھی کیا سکتی ہیں' ہاں البتہ آپ کو کچھ ضرورت ہو تو بلا جھجک مانگ لیں' میں اتنا بھی چھوٹے دل کا نہیں کہ آپ کو صاف منع کر دوں۔"

وہ بدستور اپنے ہی موڈ میں تھا۔ اس بار اس کے تیور جدا تھے۔

زرتاج بیگم نے بجا طور محسوس کیا تھا اور اس کے منہ لگنے کی غلطی کا انجام' پچھلی رات سے اب تک اچھی

طرح دیکھا جا چکا تھا۔

"مجھے تمہاری کسی مدد کی ضرورت نہیں ہے بہت کچھ ہے میرے پاس..... "

"وہ بھی میرے باپ کا دیا ہوا..." ذو معنی سا فقرہ اچھالتے ہوئے اس نے تیزی سے بات کاٹی تھی۔

زرتاج نے قہر آلود نگاہ سے اسے دیکھا۔

"اللہ مجھے معاف کرے' کچھ زیادہ کہہ گیا ہوں' دینے والی تو صرف اس کی ذات ہے۔" انگلی سے اوپر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ سنجیدگی اختیار کی "میرے باپ تو صرف وسیلہ بنے تھے آپ کی زندگی بدلنے کا۔"

"کوئی احسان نہیں کیا مجھ پر' اتنی بڑی جائیداد میں سے محض ایک معمولی سا حصہ ملا ہے مجھے' فائدے میں تو تم رہے۔"

"اور ماں بھی' آپ کا بیٹا' میرا سوتیلا بھائی' حصہ تو اس کا بھی بہت ہے' اب پتا نہیں آپ کے یہ شوہر نامدار خود ہی ہضم نہ کر جائیں سارا کا سارا۔"

"تمہیں اس سے کیا مطلب' وہ ہم لوگوں کا آپس کا معاملہ ہے' تمہارا سرمایہ تو محفوظ ہاتھوں میں ہے نا!"

"الحمدللہ۔" وہ بہت طمانیت سے مسکرا دیا۔

"پھر کیوں دھکے کھاتے پھرتے ہو' ٹک کر گھر میں کیوں نہیں بیٹھتے۔"

"گھر! کون سا گھر!" اس کی شفاف آنکھوں میں کہری سی چمک تھی "آپ کی مہربانیوں نے مجھے تو بھلا ہی دیا کہ گھر بھی ضروری ہے انسان کی زندگی میں۔"

"بے کار کی باتیں۔" ایک ادا کے ساتھ زرتاج نے اپنے کندھوں کو ہلکی سی جنبش دی "شروع سے گھر سے بھاگتے رہے ہو تم' میں نے تو جب سے تمہارے باپ سے شادی کی' تمہارے بگڑے ہوئے اطوار ہی دیکھے' آئے دن گھر سے غائب' وہ تمہارا باپ پاگلوں کی طرح ڈھونڈتا پھرتا تھا تمہیں' آخر کتنے سالوں بعد اسے یقین آگیا کہ تم میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔" ہمیشہ کی طرح وہ دونوں پھر الجھنے لگے تھے۔

"جب آپ جیسی یقین دلانے والی ہو' تو سورج کے مغرب سے نکلنے کا بھی یقین آسکتا ہے' میری حیثیت ہی کیا ہے؟"

وہ بتدریج اداسی میں گھر رہا تھا۔ زرتاج کو اس کی پسپائی' ہمیشہ بڑی پر لطف محسوس ہوئی تھی۔

سانولی رنگت والا وہ نو عمر لڑکا' جس کی آنکھوں میں خوف جما ہوتا تھا اور جو اپنے باپ کے آگے کبھی اپنی صفائی پیش نہیں کر پاتا تھا۔

خوف' شرمندگی' بے بسی اور پھر وہی ایک راہ جو اسے کہیں دور' اجنبیوں میں لے جاتی تھی۔

"تمہیں پتا ہے' بیگ تمہیں عاق کرنے والے تھے' محض چند دن وہ اور زندہ رہ جاتے تو تم اپنا عاق نامہ کسی اخبار میں پڑھ لیتے' کاش ایسا ہو جاتا۔"

زرتاج کی کڑواہٹ میں حرص و ہوس بھرا پچھتاوا بھی تھا۔

"کیا فرق پڑ جاتا پھر' آپ کو اتنی ساری جائیداد سے لطف اندوز ہونے کے لیے کوئی اور زندگی تو نہ ملتی اور میں اپنے حصے کا لکھا رزق کہیں نہ کہیں تو کما ہی لیتا' تو جب سب طے شدہ ہے تو پھر..... خیر چھوڑیے' یہ آپ کی لائن ہی نہیں ہے۔" وہ واپس اپنے آپ میں آیا "مائی کیسا ہے؟"

"تم سے مطلب؟"

"آپ کم از کم اسی کو اپنے ساتھ رکھ لیتیں' یا پھر شہر میں ان دنوں جو افواہیں اڑی تھیں ان ہی کی وجہ سے تو؟"

"بکواس کرتے ہیں لوگ' جھوٹے الزام لگاتے ہیں میرے بیٹے پر' اور تم جیسے لوگ ان باتوں کو دہرا دہرا کر تازہ کیے رکھتے ہو۔ لیکن میں تمہاری بلیک میلنگ میں نہیں آؤں گی۔ سمجھے۔"

مائی کا ذکر دکھتی رگ تھا' سو وہ جو اگلے کچھ دن نظر انداز کیے رکھنے کی پالیسی جاری رکھتی تھی صبر و ضبط کے ساتھ ہی رخصت ہوئی۔

مائی کی صفائی میں ان کا بیان لمبا ہی ہونے لگا تو وہ اکتا کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"دوپہر کا کھانا میں گھر پر ہی کھاؤں گا' کچھ اچھا بنوا لیجیے گا عظمت بوا سے۔"

"وہ چلی گئی ہیں یہاں سے۔"

"کیا! وہ کیسے چلی گئیں' نہیں بھی نکال دیا آپ نے؟" وہ چونک کر رکا تھا۔

"خود بھاگی ہے بڑھیا' اپنے بھتیجے کے پاس' نمک حرام کہیں کی' اب وہیں کہیں گاؤں میں دھکے کھا رہی ہوگی۔"

زرتاج کا لب و لہجہ نیا نہیں تھا' لیکن اس وقت سالار کو زیادہ ناگوار گزرا۔

"کم از کم اسی بات کا لحاظ کر لیں کہ انہوں نے کتنے سال آپ کی خدمت کی ہے اور اب اس ضعیفی میں آرام کرنا ان کا بھی حق بنتا ہے' ویسے آپ کو یہ غلط فہمی کیوں ہے کہ یہاں سے جانے والا ہر شخص لازماً دھکے ہی کھائے گا' حالانکہ یہ امکان تو یہاں رہتے ہوئے زیادہ بڑھتا ہے' آپ بھی ذرا ہوشیار رہیں' کیونکہ ابھی آپ کے حصے کے باقی ہیں۔"

ان کی طرف ایک مسکراہٹ اچھالتا ہوا وہ تیزی سے اوپر کی سیڑھیوں پر چڑھتا چلا گیا۔

چند منٹ بعد جب وہ واپس اتر رہا تھا تو لاؤنج خالی تھا۔ وہ بنا رکے چلتا ہوا باہر آیا اور سیدھا پورچ میں کھڑی گاڑیوں کی طرف مڑ گیا۔

دور اپنے کمرے کی بیرونی سیڑھیوں پر کھڑے نبیل نے گارڈ کو وہ گاڑی سالار کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔

"یہ کون ہے جو آپ کی گاڑی لے کر جا رہا ہے؟"

قریب کھڑے راجو نے بہت حیرت سے نبیل کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر پھیلا تناؤ اور بھی بڑھا تھا۔

"تم سے مطلب' اپنے کام سے کام رکھا کرو راجو! ادھر ادھر الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

ایک ٹھنڈی سانس راجو کے لبوں سے آزاد ہوئی۔

"میرا تو بس اب ایک ہی کام رہ گیا ہے روزی کی تلاش' تھانے والوں نے تو بالکل ہی مایوس کر دیا' پتا نہیں کیسی تفتیش ہے ان کی' جو کوئی نتیجہ ہی نہیں نکل پاتا ہے' زندہ مردہ کسی حال میں بھی مل جاتی تو..... "

راجو کے دل کی لگی اتنی بڑی تھی کہ اس کے آگے کچھ بھی نہیں ٹھہر پاتا' اردگرد کے لوگوں سے' ماحول سے سب سے وہ کٹتا جا رہا تھا۔

میلے کپڑے' چہرے پر پھیلی وحشت!

"وہ بیک وقت بے ضرر بھی ثابت ہو سکتا تھا اور خطرناک بھی۔" نبیل کی چھٹی حس اس سے خبردار رہنے کا مستقل اشارہ دے رہی تھی۔

"ہمت سے کام لے راجو! دیکھ' میں نے پولیس کے بڑے افسر سے بات کی ہے' کچھ نہ کچھ تو پتا چل ہی جائے گا' تھوڑا ٹائم تو لگتا ہے نا!"

اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ جب نرمی سے اسے سمجھا رہا تھا' تو نگاہ اپنی اس پسندیدہ گاڑی پر ہی تھی' جو سالار لے کر گیٹ سے نکل رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

[illegible]

"تم نہیں جارہیں صندل کے ساتھ؟ آج تو اس کی شوٹنگ ہے نا؟"

"تیار نہیں ہو میں' صندل تو شاید جارہی ہے۔" وہ روز ایک جیسے سوالوں میں گھرنے لگی۔

پچھلی بار اسے اپنے منہ سے اپنی توہین کا قصہ سناتے ہوئے شرم آرہی تھی' حالانکہ پچھلی ساری عمر کون سا تخت پر بیٹھ کر راج کیا تھا۔

نری شرمندگی ہی جھیلی تھی۔

گو وہ دنیا کے ہاتھوں وصولی گئی تھی۔ اس کے اپنے نصیب کی مار تھی۔

جس نے جو کہا سنا۔

جو پھبتی کسی سہی۔

ایکسٹرا ڈانسرز کی پہلی سے آخری صف تک آنے کے سفر میں' نری ذلت ہی ذلت کمائی رقم بھی اب ہی کچھ گوارا تھا۔ مگر اب کس منہ سے کہتی کہ اس کی موجودگی' اس کی اپنی لاڈلی بیٹی کے لیے باعث توہین تھی۔

وہ جسے اس مقام تک لانے کے لیے' اس نے کڑی سے کڑی اور کڑی سے کڑی مشقت برداشت کی۔

ڈانس ڈائریکٹر کی جھڑکیاں کھاتے ہوئے' ایک عمر کڑی دھوپ میں کھڑا رہنا منظور کیا۔

پڑوس میں بسی خالہ زاد بہنوں کے غرور اور پھبتیوں کا نشانہ بنی رہی' پر اسے الماس کی طرح چھوٹی سی عمر سے پیسہ کمانے کا گھٹیا ذریعہ نہ بننے دیا۔

آج وہی صندل سیٹ پر اس کی موجودگی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

"کتنی بھی بڑی ہیروئین بن جائے' رہے گی تو میری بیٹی' برادری میں' انڈسٹری میں ہر جگہ کہلائے گی تگینہ ڈانسر کی بیٹی' پھر ماتھے پر لکھی شناخت کو کیسے کھرچے گی۔" الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر سسکی کی صورت اس کے لبوں سے ادا ہوئے۔

سر میں مستعدی کے ساتھ مالش کرتی ہوئی شاما کے ہاتھ اور بھی تیزی سے چلنے لگے۔

"اتنا دل بھاری مت کریں باجی! صندل بچی ہے ابھی یوں ہی جذباتی ہو کر کہہ گئی ہے۔ دیکھ لیجیے گا چند دن میں خود ہی شرمندہ ہوگی' اسے کیا پتا نہیں کہ آپ نے ہم سب کے لیے کیا کیا ہے۔"

شاما کی فطری وفاداری کی کیا ہی بات تھی۔

بالکل اجلی اور خالص۔

نگینہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے مزید مالش سے منع کیا' تو وہ وہاں سے اٹھ کر اس کے پیر دبانے بیٹھ گئی۔

نگینہ نے دیکھا۔ شاما کی آنکھوں میں ہلکی سی سرخی تھی' وہی تھی جو شریک غم تھی سو اس کے ساتھ آنسو بہانے کا فریضہ بھی انجام دے رہی تھی۔

سچ تو یہ کہ اس کے ٹوٹے' کچلے دل کے لیے وہ ہمیشہ ہی سب سے بڑا سہارا ثابت ہوئی تھی۔ وہی تھی جس کے آگے اس نے ہمیشہ دل کھول کر رکھا اور اس نے اپنی محبت اور خدمت سے دل جوئی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی!

ایک دبی دبی سی آہ نگینہ کے دل سے اٹھی۔

"اللہ تجھے خوش رکھے شاما!"

پورے خلوص سے نگینہ نے اسے دعا دی' یہ سوچے بغیر کہ ٹکے کی اوقات پر بیٹھ کرنے والی شاما کے لیے خوشی کا سبب جیسے اور کہاں سے پیدا ہوگا۔

"اللہ آپ کو بھی بہت خوشیاں دکھائے۔" جواباً وہ بھی بڑی امید بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

[illegible] گا۔"

اس نے چٹکی بجا کر' جیسے نگینہ کی ساری کم تبیبی کو ہوا میں اڑایا۔ "یاد نہیں صندل کے لیے ابھی تو آپ نے سات جمعرات تک ننگے پاؤں حاضری دی تھی' پھر کہیں جا کر بالی صاحب خود تشریف لائے تھے ہمارے غریب خانے پر۔"

نگینہ کے چہرے پر کتنے دن بعد مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

"سات بھی کہاں پوری ہوئی تھیں' پانچ جمعرات ہوئی تھیں' چھٹی سے ایک دن پہلے' بدھ کا دن تھا' مجھے اچھی طرح یاد ہے' جو بالی صاحب کی گاڑی آکر رکی تھی' ہمارے چوبارے کے نیچے۔"

"اللہ بڑا کارساز ہے باجی! سب کی سنتا ہے۔"

"بزرگوں کے مزاروں پر ایسے ہی تو لوگ ٹوٹے نہیں پڑتے' یہ بڑے عہدے والے لوگ ہیں' ایک ذرا سی نظر کرم کرتے ہیں تو بس بیڑا پار ہی سمجھو۔ یاد ہے' جب موگرا بائی کو اوپر سے اس کے عاشق نے دھکا دے کر سڑک پر پھینک دیا تھا' سانس تک نہیں چل رہی تھی اس کی' لوگ لڑکی کو لے کر اسپتال بھاگے' لیکن اس کی ماں سیدھی پیر صاحب کی درگاہ پر ماتھا ٹیکنے کے لیے۔۔۔"

اور بہت سی خرابیوں کے ساتھ یہاں عقیدے سے زیادہ عقیدت اہم تھی۔

ایمان' عقیدہ' شرک' بدعت' جائز' ناجائز یہاں اس طرح کی بحث اٹھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

جائز ناجائز ہر حاجت کے لیے' قبولیت کے آزمودہ نسخے استعمال ہوتے۔

"ضرور نظر لگی ہے صندل کو جو بدلتی جارہی ہے' اور یہ گل ناز اور خالہ دلدار وغیرہ تو ویسے ہی ساری برادری میں جادوگرنیاں مشہور ہیں' کروا دیا ہوگا کچھ صندل پر بھی!" اندر سے ابھی بھی ملال مٹا نہیں تھا' لیکن بوجھ ہلکا کرنے کے لیے نگینہ کو کوئی جواز تو بہرحال درکار تھا ہی۔

"نگینہ!"

نانی ستارہ کی آواز پر دونوں ہی نے مڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔

"کب سے آوازیں دے رہی ہوں' کوئی سننے والا نہیں اور تو نے تو شاما لگتا ہے' صرف نگینہ کی ذمہ داری لے لی ہے' باقی سارے گھر کی تو فکر ہی چھوڑ دی ہے بالکل۔" وہ کہتی ہوئی اندر آئیں۔ "کب سے چائے کی طلب ہے' مگر معلوم نہیں تو کہاں غائب ہے۔"

شاما ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔ "ابھی لائی نانی!"

واقعی خیال نہیں رہا تھا کہ ان کی چائے کا وقت نکلا جارہا ہے اور بے وقت کوئی بھی کام کرنے سے انہیں از حد چڑ تھی۔

چاہے وہ کھانا' ناشتہ ہی ہو۔

"ایک تو اس کے ہاتھ کی چائے کی بھی ایسی لت ہے کہ کسی اور کی بنائی ہوئی اچھی ہی نہیں لگتی۔"

کمرے سے نکلتے ہوئے' شاما نے نانی کو کہتے ہوئے سنا تو فخر سے مسکرا دی۔

چائے وہ واقعی کمال کی بناتی تھی۔

ہر ایک ہی تعریف کرتا تھا۔

بس سوائے ایک اس کے جس کے آنے کی امید اب تو کم سے بھی کم تر رہ گئی تھی۔

شاما کو خیام یاد آیا۔ اس کی نازک مزاجی یاد آئی۔ اسے اپنے برتنوں کو شاما کا ہاتھ لگنا بھی گوارا نہ ہوتا تھا' زیادہ

کام کیتی ہی سے کرواتا تھا۔

"معلوم نہیں اب نخروں کا کیا عالم ہو گا' ڈھونڈلی ہو گی کوئی ناز اٹھانے والی' ہماری بچی تو بس منہ دیکھتی ہی رہ گئی۔" کیتلی میں پانی بھرتے ہوئے اُسے بے ساختہ ہی خیام یاد آ گیا۔

گھر کے اور لوگوں کی طرح اسے بھی خیام کے جانے کا بڑا ہی قلق تھا مگر۔

"جو نصیب میں لکھا تھا' سو پورا ہوا۔" ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے اس نے خود کو وہی تسلی دی' جو یہاں کے ہر مکین کا حرفِ آخر تھی۔

اندر کمرے میں نانی ستارہ کی نگاہ اب تک نگینہ کے کمرے کی بدحالی کو ملاحظہ کر رہی تھی' حالانکہ اس نے حالات کو سدھارنے کی بڑی ہنگامی سی کوشش کی بھی تھی' پھر بھی کرسی پر پڑے کپڑوں کے ڈھیر' ڈریسنگ ٹیبل پر کاسمیٹک اور غیر متعلقہ چیزوں کا ہجوم' بستر کی میلی چادر' ریلنگ سے گرتے ہوئے پردے' خود اپنی کہانی بیان کر رہے تھے۔

"مجھے بلا لیا ہوتا اماں! خود کیوں تکلیف کی۔" دل ہی دل میں خائف ہوتے ہوئے' اس نے ان کی توجہ اردگرد سے ہٹا کر' خود پر مرکوز کروانا چاہی تو وہ یوں ہی خاموش سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"چہرے پر عمر کے نشانات زیادہ بدنما تھے' یا پھر حالات کے" ذہن سے فیصلہ نہ ہو سکا۔

"کیا دیکھ رہی ہیں' کچھ غلطی ہو گئی کیا؟"

ان کی مستقل خاموشی نے نگینہ کو گھبراہٹ میں مبتلا کیا۔

نانی ستارہ کے اندر کچھ بہت زور سے ٹوٹا۔

جھگڑالو' بدمزاج' تہذیب اور شائستگی سے دور نگینہ جان کہیں سے بھی تو ان کی بیٹی نہیں دکھائی دیتی تھی۔

قسمت نے اسے ان کی بیٹی ہونے کا موقع ہی نہیں دیا تھا' پھر بھی سب سے زیادہ ان کا ادب کرنے والی' مان سمان دینے والی وہی تھی۔

جس کی آنکھوں میں ان کی خفگی کے خیال ہی سے خوف اترنے لگتا تھا اس ڈھلتی ہوئی عمر میں بھی! اس دور میں ایسی فرماں بردار اولاد!

"دیکھیں' ہاتھ جوڑ رہی ہوں' جو بھی جانے انجانے میں غلطی ہو گئی ہو' معاف کر دیجیے گا اماں! ورنہ میں تو بالکل ہی گئی کام سے۔"

کسی چھوٹے سے بچے کی مانند وہ دونوں ہاتھ جوڑے ہوئے تھی۔

نانی ستارہ کا دل چاہا کہ وہ اسے کھینچ کر اپنے گلے سے لگا لیں' لیکن مدت سے پیار محبت کے ایسی عملی اظہار ان ماں بیٹی کے درمیان نہ ہونے کے برابر ہی رہ گئے تھے' سو جھجک کر رہ گئیں۔

"پاگل ہوئی ہو' تم سے کیا غلطی ہوتا ہے بھلا۔ میں تو فکر مند ہو رہی تھی کہ آخر کمرے سے نکلنا کیوں چھوڑ رکھا ہے' کسی سے مل ملا بھی نہیں رہیں' کل کتنی دیر وہ گل ناز بیٹھ کر چلی گئی' میں نے دوبار کہلوایا بھی کہ آ کر مل لو۔" وہ اپنی مخصوص متانت سے ایک بار پھر اپنے دل کا حال چھپائے رکھنے میں کامیاب ہو گئیں۔

"ان لوگوں کا تو نام ہی نہ لیں اماں! حسد کی ماریاں ساری کی ساری' ساری عمر ان ہی کی نظر ہماری خوشیوں کو کھاتی رہی ہے' بس اب اللہ خیر ہی رکھے۔" بہت چڑ کر وہ فوراً ہی کہہ اٹھی۔

نانی نے غور سے اسے دیکھا۔

"کوئی نئی بات ہوئی ہے کیا؟"

"نئی کیا ہونی ہے' یہاں تو سارے پچھلے ہی رونے ہیں اماں!" ایک بالکل چھوٹے سے پل میں بھی کیا کچھ یاد آیا

تھا۔

"یوں ہی فضول باتیں نہ سوچا کرو' جو بیت گیا' سو بیت گیا' مڑ کر دیکھنے میں تکلیف کے سوا اور ہے بھی کیا۔" خود کو سنبھالتے ہوئے انہوں نے ایک بروقت نصیحت ضروری سمجھی' نگینہ نے اپنی بات پر کوئی اصرار نہیں کیا۔

"اور یہ صندل آج بھی اکیلی گئی ہے۔ تم کیوں نہیں گئیں اس کے ساتھ۔"

"طبیعت ٹھیک نہیں ہے اماں! اتنی دیر بیٹھا نہیں جاتا وہاں۔" وہ یوں ہی بیڈ شیٹ کی سلوٹیں دور کرنے لگی۔

"چل کر ڈاکٹر کو دکھا آتے ہیں' یوں ہی کمرہ بند کر کے بیٹھی رہو گی تو اور بھی سست ہو جاؤ گی' ویسے بھی صندل کو ابھی اکیلے چھوڑے رکھنا مناسب نہیں ہے۔" وہ بہت غور سے نگینہ کو دیکھ رہی تھیں' کتنے دن تو وہ کبھی بیمار نہیں رہی تھی۔

"صندل اب سمجھ دار ہو گئی ہے اماں!" اور اب تو ماشاءاللہ کامیاب بھی ہو گئی ہے' ہاؤس فل جا رہی ہے اس کی فلم۔ سنبھال لیا ہے اس نے خود کو؟"

نانی ستارہ نے تعجب سے اس کی طرف دیکھا۔ "ایسی کم عقلی!"

"اب تو اور بھی ضروری ہے' کامیابی کا نشہ اچھے اچھوں کے پاؤں اکھاڑ دیتا ہے' صندل تو کچھ بھی نہیں ہے' کوئی سرپرست نہ ہو تو یہ لڑکیاں ہوش و حواس کھو دینے میں دیر نہیں لگاتیں۔ تم نے تو یہاں کتنوں کو بنتے بگڑتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ یہی تو وقت ہے اس تجربے کو آزمانے کا' جو اس انڈسٹری کے اندر رہ کر تم نے۔"

"میرا تجربہ اس کے لیے کار آمد نہیں ہے اماں! ایک کامیابی کو چھونے والی ہیروئین کو ایک ایکسٹرا ڈانسر کے تجربے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میری اور اس کی دنیا بالکل الگ الگ ہے۔ کوئی تعلق واسطہ نہیں۔"

شاید پہلی بار اس نے نانی ستارہ کی بات کاٹنے کی بے ادبی کی تھی۔

"صندل نے کچھ کہا تم سے؟" بہت دن بعد نانی کے لہجے میں وہی دبدبہ جھلکا' جس کا اظہار وہ کسی بہت خاص موقع پر کرتی تھیں اور اس خاص موقع سے ہر ایک ہی گھبراتا تھا۔

نگینہ بھی گھبرائی تھی۔

"نہیں اماں! وہ کیا کہے گی' مجھے خود ہی اچھا نہیں لگتا' وہاں پرانے ملنے والے موجود ہوتے ہیں' اب ظاہر ہے مجھ سے تو ان کی بے تکلفی ہے' لیکن صندل کا تو اسٹیٹس ہے نا!"

صندل کی بدتمیزی کا وہ نانی ستارہ کے سامنے قطعی کوئی تذکرہ نہیں کرنا چاہتی تھی' پھر بھی انہوں نے مطلب کی بات اس کے بیان میں سے چن ہی لی۔

"یہ بات ہے۔"

"کیا' نہیں۔ کچھ بھی تو نہیں اماں!" ان کی تفتیش آج بھی نگینہ کے پیر اکھاڑتی تھی۔

"صندل کو سمجھا دو کہ سر جھکا کر چلے' عاجزی کا چلن اپنائے گی تو عافیت میں رہے گی' ورنہ غرور کر کے تو کون پنپ پایا ہے جہاں میں' بڑے بڑے شاہوں کی سلطنت مٹی میں مل گئی' ہر عروج کو زوال ہے' ہوش کے ناخن لے۔"

پُرجلال آواز میں وہ جو بھی کہہ رہی تھیں' نگینہ چپ کیے سنے گئی' نہ ان کے خیال پر رائے زنی کی مجال تھی' اور نہ ہی صندل کے آگے یہ فرمودات دُہرانے کی مجال۔

ساری عمر کا کمایا ہوا حوصلہ صندل کی سرد مہری نے رخصت کیا تھا۔

نانی کو اس کی پھیکی رنگت اور خشک ہونٹوں سے اس کی حالت کا اندازہ ہو رہا تھا۔

"اور خبردار جو خود کو کم تر سمجھا' ایسا حوصلہ اور ہمت تو کسی کسی کے ہی پاس ہوتا ہے' ہم سب کا بوجھ اپنے

کندھوں پر اٹھا کر چلی ہو' کیسا فخر ہے مجھے تم پر۔"

تگینہ کے سر پران کا ہاتھ چند لمحوں کے لیے پڑا تو وہ جیسے دوبارہ جی اٹھی۔

"اب ٹھیک ہوں اماں! بس یوں ہی ایموشنل تھی کچھ دن سے۔" اندر آتی شاما نے اس کی آواز میں وہی مخصوص کھنک محسوس کی تو طمانیت سے مسکرا دی۔

"بہت بڑی پارٹی ہو رہی ہے فلم کی کامیابی کی خوشی میں' بڑا مزا آئے گا' اماں! خالہ دلدار والوں کو بھی دعوت نامہ دے دیں' بڑا جلیں گی۔" کھلکھلاتی ہوئی وہ واپس اپنی جون میں آ رہی تھی۔

نائی دل ہی دل میں مسکرا دیں' ٹوکا بھی نہیں۔

"تم اپنی تیاری مکمل کر لو پہلے' ورنہ وہی آخری لمحوں تک پریشان پھرتی رہو گی' کیا سوچا ہے پہننے کے لیے۔" منہ میں شاما کے لائے ہوئے کیک کا بڑا سارا ٹکڑا تھا' سو نائی ستارہ کے پوچھنے پر فوری جواب ممکن نہ ہو سکا۔

"وہ میں سوچ رہی تھی آپ کی کوئی چیز پہن لوں اماں!"

وہ اس تقریب میں باذوق اور شان دار دکھائی دینا چاہتی تھی' سو اس کے لیے نائی ستارہ کے کلیکشن میں بہت کچھ تھا۔

"ہاں' ہاں ضرور' میں تو ہمیشہ کہتی ہوں کہ الٹے سیدھے کپڑوں سے جان چھڑاؤ اپنی' ایک سے ایک قیمتی ساڑھیاں یوں ہی رکھی ہیں' میری بھی اور فیروزہ کی بھی۔"

"فیروزہ کی کانجی ورم ساڑھی اماں!" تگینہ کو بھولی بسری خواہش اچانک ہی یاد آئی "وہی جو اس کے شوہر نے کلکتہ سے منگوائی تھی' وہ نہ پہن لوں۔"

کانجی ورم پہننا اس کا برسوں پرانا خواب تھا مگر اوقات نے کبھی اجازت ہی نہیں دی تھی۔ اب بات دوسری تھی۔

"ابھی شاما کو ساتھ لگا کر نکلوا لو ساری ساڑھیاں' پھر پلاؤ وغیرہ بھی تو ارجنٹ سلوانا ہو گا' دو چار دن ہی تو رہ گئے ہیں بیچ میں۔"

نائی ستارہ کو آج تگینہ پر بری طرح پیار آ رہا تھا۔ محرومیوں سے بھری اس کی زندگی میں' خود کو خوش رکھنے کے ایسے ہی کمزور سہارے درکار رہے تھے۔

ایک بڑے سے گھونٹ کے ساتھ تگینہ نے گرم گرم چائے حلق میں انڈیلی اور بشاشت کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہیروئین کی ماں ہوں' وہاں ہر شخص نوٹس لے گا میرا' یہاں ابھی تک کوئی بھی تیاری نہیں' بالوں میں ڈائی لگوانا' فیشل' وہ مینی کور اور کیا کہتے ہیں پیڈی کیور... پاؤں کی صفائی کو......"

اس کی ذہنی رو مکمل طور پر دوسری طرف ہو چکی تھی' یہاں کوئی بھی غم زیادہ دن کے لیے نہیں پالا جا سکتا تھا۔ انا اور خودداری کا رونا' یہاں کے مکین افورڈ ہی نہیں کر سکتے تھے۔

حصہ میں آئی ذلت کو نصیب کا لکھا کہہ کر سرسری طور پر ٹالا جاتا تھا اور......

پھر وہی کھیل' وہی تماشے' وہی رنگینیاں۔

یہی یہاں کا طریقہ تھا۔

اور یہی المیہ بھی!

☆ ☆ ☆

سلمان کو سختی سے منع کر دیا گیا تھا کہ وہ زوبیہ کو اس دن نہ لے کر آئے' جس دن جویا کے سسرال والے تاریخ

لینے کے لیے آ رہے تھے' لیکن جواباً" وہ اتنا ناراض ہوا کہ خود بھی آنے سے انکار کر دیا۔

"وہ میری بیوی ہے' اگر آپ لوگوں سے برداشت نہیں ہوتی ہے تو پھر بہتر ہے کہ میں بھی نہ آؤں' بعد میں جھگڑا تو میرے گھر میں کھڑا ہو گا' آپ لوگوں کا کیا جائے گا۔"

وہ زوبیہ کی روز بہ روز بڑھتی ہوئی بدمزاجی سے اتنا خائف ہو چکا تھا کہ' اپنی طرف سے اسے کوئی موقع نہ دیتا تھا لیکن خلاصی پھر بھی نہیں!

"آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ آپ کی وجہ سے میرے مسائل کتنے بڑھے ہیں' کیا ضرورت تھی آپ کو میری دوسری شادی کا قصہ چھیڑنے کی' کوڑی بھر کا بھی اعتبار نہیں رہا ہے زوبیہ کو مجھ پر"

فون پر اس نے آپا گل کو ان کی کارکردگی یاد دلانے میں ذرا بھی لحاظ نہیں کیا۔

"تمہارے مسائل' تمہاری اپنی بے وقوفیوں کی پیداوار ہیں' اگر شروع سے کس کر رکھتے تو وہ اس طرح سر پہ نہیں چڑھتی' اور دوسری شادی تو تمہاری میں کروا کر رہوں گی' دیکھ لینا۔"

آپا گل کو اس کی خفگی کی ذرا بھی پروا نہیں ہوئی تھی' پیر کرامت شاہ نے پورا اعتماد دلا رکھا تھا کہ سلمان فی الوقت جتنا بھی چاہے غصہ دکھائے' آخر کو ان کا تعویذ اپنا کام دکھائے گا ہی۔

"لات مار کر اس بدذات عورت کو باہر نکالے گا اور تمہاری ساری مرادیں پوری کرے گا۔"

پورے وثوق کے ساتھ کہا' پیر کرامت شاہ کا جملہ انہیں بڑی ناقابل بیان مسرت میں مبتلا کیے ہوئے تھا اور جوش جذبات میں ایک بار بھی یہ خیال نہیں آتا تھا کہ لات مار کر باہر نکالنے کا حق اسی "بدذات" کو ہے۔

"نہ شکل صورت' نہ تمیز' اوپر سے عمر میں بھی تم سے دس پندرہ سال بڑی' بے ہودہ عورت!"

"پہلے تو آپ کو بہت پسند تھی' بلکہ سچ پوچھیں تو سب سے زیادہ آپ ہی کا اصرار تھا کہ مجھے ربیعہ سے منگنی توڑ کر زوبیہ سے ہی شادی کرنا چاہیے' اس میں میرا بلکہ آپ سب کا فائدہ ہے۔" ان کے اعتراضات پر وہ بری طرح تپا تھا۔

"دماغ چل گیا تھا میرا' تم تو باشعور تھے اور لے کر تو تم خود آئے تھے زوبیہ کو' یہ کوئی ہمارا ڈھونڈا ہوا رشتہ تھوڑی تھا۔"

"اب تو آپ یہی کہیں گی' ورنہ ربیعہ کی برائیاں کر کر کے اس طرف سے میرا دل خراب کرنے والی تو آپ ہی تھیں۔"

اس بار آپا گل کچھ کھٹک سی گئیں۔

آج کی گفتگو میں دوسری بار ربیعہ کا حوالہ!

بڑی بدشگونی کی بات تھی یہ بھی۔

"ربیعہ کا کیا ذکر' ان لوگوں کا تو اب نام بھی لینا منع ہے۔ ہمارے گھر میں ان ہی کی ہائے پڑی ہے' جو گھر کی ساری خوش حالی رخصت ہوئی جا رہی ہے' ایسا وقت تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔" ان پر واقعی رقت طاری ہونے لگی۔

"اچھا چلیں چھوڑیں' ٹھیک ہو جائے گا سب۔" سلمان کو کچھ خیال آ ہی گیا' بڑی بہن تھیں آخر اور ایک وقت تک اس کی خاص دست راست بھی۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" سلمان کی تسلی پر انہوں نے خود کو سنبھالا تھا' مگر آواز ابھی بھی دھیمی تھی "بس اب خیریت سے جویا کی شادی نمٹ جائے' تو سمجھو سب کچھ ہو گیا' ورنہ جتنی باتیں خاندان میں جویا اور معاذ کے حوالے سے بن رہی ہیں' اعجاز کے گھر تک پہنچیں تو یہ رشتہ ہی ختم ہو جائے گا۔"

تعلقات کچھ معمول پر آتے ہوئے محسوس ہوئے تو سکون کا سانس لیتے ہوئے آپا گل اس پر وانستہ دباؤ بڑھائے گئیں۔

سلمان نیکی کی جون میں تھا یا پھر واقعی پیر کرامت شاہ کا تعویز کام دکھا رہا تھا۔

آدھ گھنٹے کی ٹیلی فونک گفتگو کے اختتام تک بڑی حد تک تعلقات بحال ہوئے تھے گو زوبیہ نام کا کانٹا اپنی جگہ ویسے کا ویسا ہی تھا۔

"اس موقع پر زوبیہ کو نہیں بلایا تو میرا جینا حرام کر دے گی اور کیا خبر جویا کی شادی کے وقت وہ کتنا اودھم مچائے تم میں سب سے بڑی یہی خرابی ہے آپا گل کہ مصلحت سے کام لینا نہیں جانتی ہو وقت پر تو گدھے کو بھی باپ بنا لیا جاتا ہے۔"

سلمان جو کچھ باور کرانا چاہ رہا تھا ان کی اچھی طرح سمجھ میں آنے لگا تھا۔ پیر کرامت شاہ نے بھی دماغ ٹھنڈا رکھنے کی نصیحت فرمائی تھی۔ سو انہوں نے وہی کیا جو وقت کا تقاضا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر لے آنا زوبیہ کو بھی بلکہ میں ابو سے کہہ دوں گی وہ خود زوبیہ کو فون کر لیں گے۔"

دوسری طرف سلمان نے سکون کی سانس لی تھی۔

"اور پلیز تم ذرا معذرت بھی کر لینا زوبیہ سے اگر وہ منہ بنائے تب بھی منا لینا اسے۔"

"کس بات کی معذرت بھلا" غصے کی تند لہر کی زد میں آتے ہوئے آپا گل نے سوچا تھا "ان سب گندے اور حقیر الفاظ کی جو وہ زوبیہ کی زبانی سننے کی مرتکب ہوئیں۔"

اپنی ذلت کا بڑا بھاری بوجھ تھا ان کے دل پر جب تک لوٹا نہ دیتیں چین آنے والا نہیں تھا۔ مگر فی الوقت وہی گدھے کو باپ بنانے والی مصلحت!

"ٹھیک ہے جو تم کہتے ہو کر لوں گی!"

محض ان کی رضامندی بڑی ہی خوشگوار تبدیلی کا سبب بنی تھی۔

بہت دن بعد زوبیہ نے بھی سسرال میں انٹری دی اور امید تھی کہ سب کچھ حسب منشا ہی طے پا جائے گا۔

انتظامات براہ راست آپا گل کے ہی ہاتھ میں تھے اور بہترین نتائج کے لیے وہ یہیں قیام پذیر تھیں۔ حالات میں اب زمین آسمان کا فرق آ چکا تھا پھر بھی خاطر مدارات میں اسی پرانی شان و شوکت کی جھلک تھی۔

جویا کی سسرال والوں نے اس بار بھی کچھ نیا کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ آپس کے برتاؤ اور لین دین کے معاملوں میں ان کی استقامت کمال کی تھی۔

لوگوں کی کثیر تعداد کے ساتھ انتہائی قلیل مٹھائی لے کر جب وہ آئے تو آپا گل اور شاکرہ بیگم دونوں ہی کے دل کو بڑا زور کا دھکا لگا تھا۔

اس بار تو اعجاز کو صاف لفظوں میں سمجھایا بھی تھا کہ اس اہم موقع پر کیا کچھ ضروری ہے پھر بھی وہی کارکردگی دہرائی گئی تھی۔

مٹھائی کے اس چھوٹے سے ڈبے کو آپا گل نے کسی غلطی کی طرح چھپایا والدہ کو موڈ بحال رکھنے کا بروقت اشارہ دیا اور کسی مناسب موقع پر حساب بے باق کرنے کا ارادہ باندھ کر مہمانوں کے ساتھ مصروف ہوئیں زوبیہ بڑی اکتائی اکتائی سی تھی۔

یہاں وہ محض سلمان کی چوکیداری کا فرض انجام دینے آئی تھی جسے اس کے خیال میں آپا گل اور شاکرہ بیگم دونوں ہی سے بچا بچا کر رکھنا ضروری تھا۔

آنے والے مہمانوں نے اسے گھر کی اکلوتی بہو مان کر کچھ خوش اخلاقی برتنی چاہی تو اس کے کھردرے رویے

نے انہیں فوراً ہی روک بھی دیا۔

"چھوٹے لوگوں کو منہ لگاؤ تو فوراً ہی گلے کا ہار بن جاتے ہیں جان چھڑانی مشکل ہو جاتی ہے پھر ذرا احتیاط ہی رہنا۔"

راستے بھر وہ سلمان کو اسی طرح کی نصیحتیں کرتی آئی تھی پھر کیسے ممکن تھا کہ وہ خود یہ غلطی دہراتی۔

تھوڑی ہی دیر میں ماحول اس کے لیے ناقابل برداشت ہونے لگا تھا۔

عورتوں کی مستقل باتیں بچوں کی چیخ پکار اور لوازمات کی ملی جلی دماغ چکراتی ہوئی خوشبو روایتی سا ہنگامہ تھا جو ابھی نہ جانے کتنی دیر اور جاری رہنا تھا۔

سب لوگ اتنے مصروف تھے کہ کسی نے بھی اس کے اٹھنے کا نوٹس نہیں لیا تھا۔

"جویا کو بھی تو نیچے بلوائیں یہ سب لوگ تو اسی سے ملنے کے شوق میں آئی ہیں۔"

زوبیہ نے نکلتے ہوئے کسی کو کہتے ہوئے سنا تھا۔

شاید جویا کی ہونے والی ساس تھیں یا نند۔

اسے تصدیق کی ضرورت بھی نہیں تھی۔

وہ لاؤنج میں سے گزرتی ہوئی سیدھی اوپر جاتی سیڑھیوں پر چڑھتی چلی گئی۔

نیچے سے آنے والا شور یہاں تک پہنچ رہا تھا پھر بھی زوبیہ کو اوپر قدم رکھتے ہی بڑے سکون کا احساس ہوا۔

سامنے سیدھے ہاتھ پر زویا اور جویا کا کمرہ تھا جویا پچھلی بار جب وہ کئی ماہ پہلے یہاں آئی تھی تب بھی یہیں ملی تھی اور آج بھی یقیناً وہ یہیں تھی۔

ذرا زور دینے پر دروازہ کھلتا چلا گیا اور سامنے جویا بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے اسی پوز میں بیٹھی تھی جیسے پچھلی بار لیکن پہلے سے کہیں زیادہ کمزور اور مضمحل!

"کیا ہوتا جا رہا ہے تمہیں بیمار پڑ گئی تھیں کیا" ایک جویا ہی تھی جس سے وہ ڈھنگ سے بات بھی کرتی تھی اور اس کی روئی ہوئی حالت پر افسوس بھی کر لیتی تھی۔

"ٹھیک ہوں آپ کیسی ہیں؟" اسے دیکھ کر جو پھیکی سی مسکراہٹ جویا کے لبوں پر آئی تھی کسی طرح بھی اس کے چہرے پر ہلکی سی بھی شگفتگی نہیں لا سکی تھی۔

"کیوں کر رہی ہو اس طرح تم جان دینے کا ارادہ ہے کیا اور یہ تمہارے گھر والے انہیں تمہاری حالت نظر نہیں آ رہی ہے کیا؟" زوبیہ نے بات کا سرا "فوراً" ہی وہیں سے جوڑا جہاں پچھلی بار چھوڑ کر گئی تھی۔

"میرا شک ٹھیک ہی تھا خوش نہیں ہو تم اس رشتے پر زبردستی کر رہے ہیں یہ لوگ تم پر؟"

"ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ زوبیہ بھابی! اور گھر والے کیوں زبردستی کریں گے مجھ پر؟"

حلق میں اٹکتے نمکین پانی نے گو بات کرنی اتنی آسان نہیں رکھی تھی پھر بھی اس نے پوری ہمت سے کہا تھا۔

زوبیہ بنا پلک جھپکائے اس کی شکل غور سے دیکھ رہی تھی۔

جس کی تلاش تھی وہ سامنے ہی لکھا تھا۔

جویا نے اس کی کھوجتی ہوئی نگاہوں سے بچنے کے لیے بے ساختہ ہی نظر چرائی۔

ورد بانٹنے کے لیے آیا بھی تو کون جس کی اپنی حیثیت اور اہلیت دونوں ہی مشکوک تھیں۔ اسے قسمت کی ستم ظریفی پر ہنسی آئی۔

"تمہارے گھر والے سب کچھ کر سکتے ہیں خاص طور پر وہ تمہاری آپا گل اور امی بے حد بے حس اور مفاد پرست عورتیں ہیں۔"

بنا کسی لحاظ کے وہ ان دونوں کے لیے کوئی بھی سخت لفظ استعمال کر سکتی تھی۔ "اور انہیں تمہاری خوشی سے بھی کوئی غرض نہیں ہے ورنہ وہ کبھی بھی محاذ سے تمہارا رشتہ ختم نہیں کرتیں، مجھے تو شک ہے کہ ــــ "معلوم نہیں وہ آگے کیا کہنے جا رہی تھی۔

"پلیز زوبیہ بھابھی! وہ میری بڑی بہن اور ماں ہیں۔" جویا نے تیزی سے بات کاٹی تھی۔

"اور سلمان تمہارا بڑا بھائی!" زوبیہ نے گہری طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ اس نے خاندانی مثلث کو پورا کیا۔

"تینوں بالکل ایک سی فطرت کے لوگ، عقل پر پتھر پڑ گئے تھے میری، جو میں نے تمہارے بھائی سے شادی کی، لیکن میں لوگوں کو ان کی اوقات میں رکھنا جانتی ہوں۔"

اس کا انداز عموماً "اہانت آمیز ہی ہوتا تھا، لیکن عجیب بات تھی کہ جویا کو آج کچھ بھی برا نہیں لگ رہا تھا۔

صبر کی اس آخری حد کو پار کرتے ہوئے، ذات میں آئی تبدیلیاں، خود پر بھی ظاہر ہونے لگی تھیں۔

"آپ کو کچھ کام تھا مجھ سے؟" اس نے زوبیہ سے پیچھا چھڑانا چاہا تھا، یا پھر خود سے۔

"مجھے کیا کام ہو گا تم سے۔" ہلکے سے سر کو جھٹکتے ہوئے وہ اس کے قریب بیٹھی۔ "البتہ تم ضرور مجھ سے مدد لے سکتی ہو، میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا۔"

"میری مدد کوئی نہیں کر سکتا اور شاید مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" جویا نے ایک بار پھر اس سے نگاہ چرائی تھی۔

"جھوٹ، جھوٹ۔" زوبیہ ہلکے سے ہنسی۔ اور وہ اتنا کم ہنستی تھی کہ ہنسی اس کے چہرے پر بڑی عجیب سی لگتی تھی۔ "ساری زندگی اسی طرح گزارو گی دوسروں سے جھوٹ بول کر اور خود سے بھی۔ یہ دو چار دن کا کھیل نہیں ہے جویا! بے وقوفی مت کرو۔"

زوبیہ کے لہجے کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔ جویا کو لگا جیسے وہ بہت زیادہ دیر اس کے آگے مزاحمت نہیں کر پائے گی۔

"کاش کوئی آ کر زوبیہ کو یہاں سے لے ہی جاتا۔" اس کی نگاہ ادھ کھلے دروازے کے اس پار تک گئی اور کسی کو بھی نہ پا کر واپس پلٹی۔

"ابھی بھی وقت ہے، خود کو بچا لو تم۔"

کسی ڈوبتے ہوئے شخص کے لیے اک آخری سہارا! جویا نے بہت بے بس سی نگاہوں سے زوبیہ کی طرف دیکھا۔

"میں تمہارا ساتھ دوں گی، گھبراؤ نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا، ابھی اسی وقت ان سب کے سامنے جا کر انکار کر دیتی ہوں، کچھ بھی نہیں کر سکیں گے یہ لوگ، اور اگر کرتے بھی ہیں تو تم میرے ساتھ رہ سکتی ہو چل کر۔" زوبیہ کی آنکھوں کی چمک بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

آپا گل اور شاکرہ بیگم اسے دونوں ہی سے سخت نفرت تھی۔

"ایک بس جویا کی ہمت اور سارا حساب صاف!"

"ہر انسان کو حق ہے اگر وہ کسی سے واقعی محبت کرتا ہے تو اسے پانے کے لیے ایک بار تو پوری کوشش کر ہی ڈالے ورنہ یہ تو منافقت کا کھیل ہوا پھر!"

آنکھ کے گوشے پر اٹکا ایک آنسو جویا کی آنکھ سے گرا، محض تھوڑی سی ہمت ہی تو درکار تھی۔

"بہت سے لوگ ایسی ہی زندگی جیتے ہیں، تو پھر نیا تو کچھ نہیں ہو رہا میرے ساتھ! ہونے دیجیے، جو بھی ہو رہا ہے۔"

نجات کا یہ آخری در اس نے خود اپنے ہاتھوں سے بند کیا اور گنبد بے در میں محصور ہو کر بیٹھی۔

"تم، تم انتہائی احمق ہو جویا!" زوبیہ کے چہرے کے نقوش بری طرح بگڑے تھے۔ "کوئی تمہارے لیے کچھ کرنا بھی چاہے تو کیا!" الفاظ بے ربط جملوں کی صورت میں ادا ہو رہے تھے۔ "اور اگر کوئی فرق نہیں پڑ رہا تمہیں تو پھر اس سارے ڈرامے کی کیا ضرورت ہے۔ شکل دیکھو اپنی، سوگ کی یہ کیفیت ہوتی ہے لڑکیوں کی شکل پر، تمہارے سسرال والے دیکھیں گے ابھی تمہیں تو نہ جانے کتنی باتیں بنائیں گے، لوگ بے وقوف نہیں ہیں، ایک نظر میں اندازہ لگاتے ہیں اور پھر......"

جویا کی ہمدردی سے زیادہ اسے آپا گل کی کامیابی کے احساس نے جھنجلاہٹ میں مبتلا کیا تھا، سو ٹھک ٹھکا ٹھک جو منہ میں آیا کہا۔

جویا سر نیچا کیے فرماں برداری سے سب کچھ سنے گئی۔

"پتا نہیں کون ہوتے ہوں گے جن کی ڈکشنری میں "ناممکن" کے لفظ کا اندراج نہیں ہوتا ہو گا، یہاں تو ہر صفحے کا پہلا اور آخری لفظ یہی ٹھہرا۔"

زور دار آواز کے ساتھ دروازہ بند کر کے باہر جاتی ہوئی زوبیہ کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا تھا، تب ہی آپا گل ہڑبڑاتے ہوئے اندر آئی تھیں۔

"یہ زوبیہ کیوں آئی تھی تمہارے پاس؟" ان کا سانس پھول رہا تھا۔ "برائی کر رہی ہو گی تمہارے سسرال والوں کی، حالانکہ میں نے تو پوری کوشش کی تھی کہ اس کی نگاہ نہ پڑے اس مٹھائی کے ڈبے پر تک ــــ خیر تم دل برا مت کرو اس بات پر تو میں اچھا زکی ایسی خبر لوں گی کہ......"

ان کے خیال کی پرواز یہیں تک تھی، سو اسی کے مطابق قیاس آرائی کیے گئیں۔ وہ اسی طرح خاموش بیٹھی سنے گئی۔

"میں اسی لیے مخالف تھی اسے بلانے کی، مگر وہ سلمان مان کر نہیں دیا، اب یہ تھوڑا سا وقت تو گزارنا ہی ہے۔" وہ اس وقت یہاں زیادہ دیر رک بھی نہیں سکتی تھیں، سو قصہ مختصر کیا۔

"تمہارے سسرال والوں کو بڑا اشتیاق ہو رہا ہے تم سے ملنے کا، ذرا دیر کے لیے مل لو، خوش ہو جائیں گے بے چارے۔"

"جی اچھا!" باقی ساری زندگی اسے محض دوسروں کی خوشی ہی تو پوری کرنی تھی، سو یہی سہی۔

"اوپر بلوا لوں، یا نیچے چلو گی؟" اس کے فوراً "ہاں" جانے پر وہ تھوڑی سی حیرت میں مبتلا ہوئی تھیں۔

"جیسے آپ کی مرضی!" ایک بار پھر نہ بحث، نہ تکرار۔

"تھوڑا سا حلیہ ٹھیک کر لو، بال اور اسکن بہت رف ہو رہے ہیں۔" دل میں اتری مسرت کو چھپائے وہ الماری کی طرف بڑھیں۔

"کون سے کپڑے نکالوں تمہارے؟"

"جو آپ کی مرضی ہو۔"

ان کے جیسے سارے گلے شکوے دور ہوئے۔

"خوش رہو ہمیشہ، اپنے کبھی بھی برا نہیں چاہتے، دیکھنا، ساری عمر راج کرو گی۔ اپنے گھر پر بھی اور اعجاز پر بھی۔ بہت اچھا اور سیدھا لڑکا ہے، جیسے چاہو گی، وہی کرے گا، ساری عمر غلام بنا رہے گا تمہارا۔"

خوش بختی کا ان کا اپنا طے شدہ معیار تھا، جویا بنا کوئی تبصرہ کیے خاموشی سے اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے آگے جا کھڑی ہوئی، وہ اس کے کپڑے نکال کر بیڈ پر رکھ چکی تھیں۔ بہت عرصے بعد آج ان دونوں کے بیچ کوئی بحث، کوئی تکرار نہیں تھی۔

آپا گل نے بڑی محبت سے اسے دیکھا اور باہر نکل گئیں۔ پیر کرامت شاہ کی شہرت یوں ہی تو نہیں پھیل رہی تھی' آپا گل اور بھی زیادہ معتقد ہوئیں۔

☼ ☼ ☼

نگینہ' نانی ستارہ کے آگے سوالیہ نشان بنی کھڑی تھی۔

"فیروزہ کا سارا زیور آپ کی نگرانی میں ہی رہا ہے' پھر کہاں غائب ہو گئیں وہ چوڑیاں' اس سیف کو تو خیام نے بھی کبھی ہاتھ نہیں لگایا تھا' وہ بھی سنگھار دان سے ہی زیور لے کر گیا ہے یہاں سے ...؟"

"میں نے کب کہا کہ میرے پاس نہیں تھیں' ادھر ادھر ہو رہی ہوں گی' پھر تسلی سے دیکھ لیں گے کسی وقت' اب تو دیر ہو رہی ہے' کچھ اور پہن لو' یہ کڑے بھی بہت اچھے لگیں گے۔"

"نہیں اماں!" نگینہ نے نانی ستارہ کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو پرے کیا۔ "پہننی تو وہی تھیں' کب سے دل میں ارمان لیے بیٹھی تھی۔ فیروزہ کی ان بارہ چوڑیوں اور ایسی کانجی ورم کی ساڑھی کا' یہی نیت تھی کہ اپنی صندل کے ہیروئن بننے کے بعد ہی پہنوں گی تو حق ادا ہو گا' ایکسٹرا کی اوقات پر کیا بجتیں۔" یادِ ماضی ابھی بھی کبھی کبھی اداس کرنے لگتی تھیں۔

"آپ ہٹیں' میں خود دیکھتی ہوں' کیسے نہیں ملیں گی' ان ہی ڈبوں میں سے کسی میں رکھ دی ہوں گی۔ ڈھیر رکھا ہے خالی ڈبوں کا بھی سیف میں۔" نانی ستارہ کے پاس سے گزرتی ہوئی وہ خود ادھ کھلے سیف میں منہ دے کر کھڑی ہو گئی۔

نانی ستارہ اور شاما دونوں نے ہی بے بسی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

جگ مگ کرتی' ان بیش قیمت چوڑیوں کا قصہ کب کا پرانا ہوا تھا' مگر نگینہ کی لاعلمی اسی کو تازہ کیے ہوئے تھی۔

"اب اسے چھوڑ دیں باجی! پارٹی میں دیر ہو جائے گی' لوگ کب کا انتظار کر رہے ہیں وہاں پر۔" شاما نے اسے وہاں سے ہٹانے کی ایک اور کوشش کرنی چاہی' مگر اس نے بری طرح جھڑک دیا۔

"کرنے دے انتظار' اگر ایسا خیال تھا تو ڈھونڈ رکھتی پتا تو تھا نا! میں نے کیا پہننا ہے کیا نہیں' مگر تجھے تو اپنی تیاریوں سے ہی فرصت نہیں' خبردار' جو میرے معاملوں میں بولی۔"

شاما اور نانی دونوں کی طرف سے پشت کیے وہ جلدی جلدی زیورات کے ڈبے کھولنے میں مصروف تھی' اکثریت خالی تھی' سو یہ بھی کوئی اس کے لیے نئی اطلاع نہیں تھی' پچھلے کئی طویل سالوں میں متعدد بار اس کھل جا سم سم والے خزانے سے مدد لینی پڑی تھی۔

مگر وہ چوڑیاں نگینہ نے ہر بار سنبھال کر رکھی تھیں۔

"کہاں گئیں؟ اسی میں تو رکھی تھیں آخری بار' اس نیلے ڈبے میں۔" جوں جوں ڈبے کھلتے جا رہے تھے۔ نگینہ کا جوش و خروش بھی بڑھ رہا تھا۔

شاما نے پیچھے سے نانی کے آگے ہاتھ جوڑے اور نفی میں سر ہلایا۔

نگینہ کی زندگی کے اس بے حد پُرمسرت موقع کو بنا کسی دھندلاہٹ کے گزرنا چاہیے تھا۔ اس نے بہت دل سے تمنا کی۔

لیکن ہر تمنا بار آور نہیں ہوتی۔

نگینہ کی خوشی کو بھی تلخی کا تڑکا لگنا ضروری تھا۔

"تم!"

"جی اماں!" آپ نے ابھی بھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔

"بند کر دو اسے' کچھ نہیں ہے وہاں۔" اس بار ان کی آواز میں کچھ ایسی کیفیت تھی کہ نگینہ کو اپنی تلاش بند کرنی ہی پڑی۔

"یہاں نہیں ہیں تو پھر کہاں جا سکتی ہیں اماں!" وہ حیران ہوئی' الٹا ان سے ہی پوچھ رہی تھی۔

"بیچ دی ہیں میں نے' ابھی نہیں ڈیڑھ سال پہلے کی بات ہے' تمہاری دل شکنی کے خیال سے نہیں بتایا تھا۔" اپنی بات کہتے ہوئے گو انہیں اس تکلیف کا خیال ستا رہا تھا' جو نگینہ کے دل کو اٹھانی پڑ رہی تھی' لیکن کوئی اور عذر اب تراشنا بھی ممکن نہیں رہا تھا۔

"جب تک چھپا سکتی تھی چھپا لیا۔"

"مگر بیچی کیوں اماں' کچھ اور کیوں نہیں؟" نگینہ کا میک اپ سے گلابی ہوتا چہرہ بھی اترتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"خرچا ہی بڑا آ پڑا تھا' یاد ہے جب روزانہ پولیس کے چھاپے پڑ رہے تھے' میں نے لاکھ کہا ڈی ایس پی سے کہ ہمارے ہاں کوئی ایسا ویسا کام نہیں ہوتا' ہم تو صرف اپنا فن بیچتے ہیں۔ محفل میں آ کر خود دیکھ لیں۔ مگر وہ بدبخت روز ڈانس دیکھنے بھی آیا اور رشوت الگ لی' چھاپہ نہ پڑنے کی۔ پورے چار لاکھ' وہ بھی بڑی مشکل ..."

"اب اور کتنی دیر ہے آپ لوگوں کو؟" صندل کی خدمت پر مامور لڑکی کمرے کے دروازے میں سے جھانک کر پوچھ رہی تھی۔

"ہاں' بس آ رہے ہیں۔" نگینہ نے اس کی طرف دیکھ کر اطمینان دلایا۔ اور پھر مڑ کر شاما کو سیف بند کرنے کا اشارہ کیا۔

"آپ نے جو کیا' ٹھیک ہی کیا اماں! گھر کی نیک نامی کے لیے تو کچھ بھی کیا جا سکتا ہے' پہلے ہی بتا دیتیں مجھے' بے کار میں خود بھی پریشان ہوئیں۔"

حیرت انگیز طور پر وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔

اندر کہیں ٹوٹ پھوٹ یقیناً تھی' مگر بظاہر وہ بڑی متانت سے سر اٹھائے کھڑی تھی۔

ذرا ذرا سی بات پر ہائے واویلا مچانے والی' اپنی ازلی بدنصیبی کا رونا رونی نگینہ' اپنے ایک پرانے ارمان پر فی الفور صبر کر کے نانی ستارہ اور شاما دونوں ہی کو حیرت میں ڈال چکی تھی۔

"چلیں بس' ایسے کیا دیکھ رہی ہیں۔" مسکراتے ہوئے اس نے نانی ستارہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور انہیں لیے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

صندل کے کمرے کے برابر والا کمرہ اب ایس کا ڈریسنگ روم تھا' اس کی اب اپنی مخصوص بیوٹیشن تھی' جو اس کی ساری تیاری کی ذمہ داری اٹھائے ہوئے تھی۔

گھر پر صرف کیتی کو رکنا تھا۔

نہ وہ جانا چاہتی تھی' اور نہ ہی گھر میں کسی طرف سے بھی اصرار تھا۔

یہاں ہر قدم کے پیچھے بڑی سوچی سمجھی مصلحت کار فرما رہتی تھی۔

وہ سر حال جان چھٹنے پر خوش تھی۔

نیچے صندل کی گاڑی کے علاوہ بالی صاحب کی بھیجی ہوئی گاڑیاں بھی کھڑی تھیں۔ ساری گلی گھری ہوئی تھی' اور جب صندل کی سواری دھوم دھام سے روانہ ہو رہی تھی' تو محلے کی ساری کھڑکیوں اور بالکونیوں سے عورتیں' لڑکیاں' جھکی پڑ رہی تھیں اس بخت آور کو دیکھنے کے لیے۔

ایک سوائے نانی دلدار کے چوبارے کے جو ایسا سنسان پڑا تھا جیسے گھر والے کہیں اور شفٹ کر گئے ہوں۔ کیتی

دیکھا، پیچھے والی گاڑی میں سے شاما سر نکال کر اوپر اور گلی میں کھڑی عورتوں کو دیکھ دیکھ کر بڑی شان سے ہاتھ ہلا رہی تھی۔

اس کے سفید دانت سیاہ رنگت پر چمکتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

نیتی کو اسے دیکھ کر بے ساختہ ہی بڑے زور کی ہنسی آئی۔ ”بے چاری شاما!“

ان کا جلوس رخصت ہوتے ہی گھر میں جیسے سناٹا سا اترنے لگا۔ دیکھ بھال کے خیال سے جو چند لڑکیاں رکی تھیں' وہ اس آرائشی ہال میں جا بیٹھیں' جہاں اب بھی شام ڈھلے والی محفل سجا کرتی تھی۔

نیتی کی ان سے رسمی سی دعا سلام ہی رہتی تھی' یہاں چھچھورے مذاق' ذو معنی باتیں' اپنے تجربات کے بارے دار بیانات' بہترین پاس ٹائم تھا اس وقت بھی بڑے ہال سے ہنسی پھوٹنی شروع ہو چکی تھی۔ وہ سر جھکائے اپنے کمرے میں چلی آئی۔ آج شاما کو صفائی کی بھی مہلت نہیں ملی تھی۔ شام سے گھر الٹا پڑا تھا' سو اس نے سب سے پہلے یہی کرنے کی ٹھانی۔

کتنی دیر گزری۔

”نیتی آرا!“ کسی نے اس کے کمرے کے باہر آواز دی۔

”ہوں!“ وہ دروازے میں آکھڑی ہوئی۔

”آپ کا فون ہے' آکر سن لیں۔“ پیغام دے کر وہ تیزی سے دوڑتی ہوئی واپس چلی گئی۔

”کس کا فون ہوگا۔“ تائی کے ہی ملنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا اور صندل کی کامیابی کی مبارک بادیں ابھی زور و شور سے جاری تھیں۔ وہ تائی کے کمرے تک چلی آئی۔

”ہیلو!“ اس نے یوں ہی غائب دماغی کے ساتھ فون اٹھایا تھا۔

”ہاں' نیتی! کیا تم اکیلی ہو اس وقت گھر پر؟“

دوسری طرف سالار بڑی تشویش سے پوچھ رہا تھا۔

”نہیں لڑکیاں ہیں' اور بھی۔“ نہ سلام نہ دعا' بس فوری تفتیش' نیتی کو عجیب سا لگا۔

”گھر والے تو کوئی بھی نہیں ہیں' کم از کم شاما کو ہی رک جانا چاہیے تھا' کیا ضروری تھا اس کا صندل کی پارٹی اٹینڈ کرنا۔“

فون ریسیو کرنے والی لڑکی اسے ابتدائی معلومات دے چکی تھی۔

”آپ کیسے ہیں' کتنے دن لگا دیے ہیں آنے میں۔“

اس سادہ سے شکوے کے جواب میں اس نے بمشکل ہی خود کو کسی شوخی بھرے جواب سے روکا۔ نیتی کی حساسیت بات کا کچھ سے کچھ مطلب نکالتی تھی اور بہت دور بیٹھ کر بھی وہ اس کے چہرے کے بدلے رنگ تک کو دیکھ سکتا تھا۔

”ہاں بس۔ یہ شہر ہی ایسا ہے' ایک بار پکڑ لے تو پھر مشکل سے ہی چھوڑتا ہے۔“

”ٹھیک کہہ رہے ہیں' جو گیا' سو گیا۔“ وہ بے ساختہ ہی کہہ گئی اور پھر اپنی ہی بات پر بے حد شرمندہ بھی۔

دوسری طرف چند لمحوں کے لیے مکمل خاموشی چھائی رہی۔

”ہر بار ایسا نہیں ہوتا' کم از کم تمہارے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوگا' بے فکر رہو' جو گیا ہے' سر کے بل تمہارے حضور آکھڑا ہوگا۔“

جب وہ یہ سوچ کر مایوس ہو رہی تھی کہ شاید لائن کٹ چکی ہے' تو۔۔۔ سالار اسے کہتا سنائی دیا۔

نیتی نے پیشانی پر آتا پسینہ خشک کیا۔

”میں خیام کی بات نہیں کر رہی۔“

”پلیز! کم از کم میرے سامنے صفائی مت پیش کرو' اگر ہم اس کے بارے میں بات کریں تو اس میں کون سی بری بات ہے' وہ اس گھر کا فرد ہے' خونی رشتہ ہے اس کا تم سب سے' کسی بھی وجہ سے وہ یہاں سے چلا گیا ہے تو اس سے حقیقت تو نہیں بدل سکتی۔“

”تو یہ طے ہے کہ وہ اسے کسی بھی مقام پر شرمندہ نہیں دیکھنا چاہتا' اور یہ بھی مقام شکر ہے۔“ نیتی نے سوچا۔

”کسی بھی حقیقت کو سراب بننے میں محض لمحہ ہی لگتا ہے سالار صاحب! اور سراب کا پیچھا کرنے والے محض اپنا وقت ضائع کرتے ہیں' آپ کا وقت بہت قیمتی ہے۔“ سو اسے اس لاحاصل تعاقب سے باز رکھنے کی کوشش وہ کرتی ہی رہے گی۔

”کچھ اور ہے جو میرے وقت سے بھی زیادہ قیمتی ہے' بلکہ میرے لیے اس سے زیادہ بیش قیمت کچھ اور ہے ہی نہیں' سوجانے دو۔“

بہت دیر بعد وہ ہلکے سے ہنسا' بے شک اس ہنسی میں وہ مخصوص تازگی نہیں تھی۔

”خیر' نیچے کا دروازہ اچھی طرح لاک کر لینا' اور جب تک سب لوگ واپس نہ آجائیں' اپنے کمرے میں ہی رہنا اور کھانا۔۔۔۔“

موضوع بدلنے میں وہ ماہر تھا۔ نیتی پر چھائی شرمندگی بھی ہلکے ہلکے زائل ہونے لگی۔ اگلی ساری باتوں میں خیام کا کوئی ذکر نہیں تھا' نہ ہی صندل کی سپر ڈوپر ہٹ ہوتی فلم کا' یوں ہی عام سی باتیں۔

”آپ وہ کہاں رہتے ہیں' اپنے ہی گھر میں نا!“ نیتی کو بڑی دیر بعد خیال آیا۔

”ابا کے مکان میں' کہہ لو تو زیادہ بہتر ہے۔“

”وہاں اور کون کون ہے؟ آپ کو بہت دن بعد دیکھ کر خوش تو ہوئے ہوں گے سب؟“

”دھت!“ ایک بار پھر اسے اپنی حماقت کا احساس شدت سے ہوا' افسر بھائی سے اس کی دکھ بھری سمری سن لینے کے بعد بھی اس سوال کی کہاں گنجائش تھی۔

”مجھے دیکھ کر کم ہی لوگ خوش ہوتے ہیں' اور جو ہوتے ہیں' وہ اس مکان میں نہیں رہتے۔“

وہ بڑے لاپروا انداز میں اس کے سوال کو اڑا رہا تھا۔ ”یہاں تو میں اچھی خاصی ٹینشن کا سبب۔۔۔ بنا!“ اس نے بات ادھوری چھوڑی تھی' نیتی نے کسی کو اس سے کچھ کہتے ہوئے سنا۔

”گھر وہ چابی نہیں دے رہی ہیں تو تم اس لاک کو توڑ دو' ابھی فوراً' یہ میں کہہ رہا ہوں تم سے۔“

سالار کے تحکم بھرے لہجے نے اسے حیرت میں ڈالا تھا۔ اس انداز میں وہ کب کسی سے بات کرتا تھا؟ یہاں تو اس کی نرم گفتاری ہی اس کی شخصیت کا سحر انگیز پہلو بنی تھی۔

”نیتی! میں تم سے پھر بات کروں گا' اپنا خیال رکھنا۔“

”کوئی پریشانی کی بات ہے نا!“ وہ یکدم ہی فکرمند ہوئی۔

”نہیں' یہاں تو بلکہ بہت ہی دلچسپ سلسلے ہیں' بعد میں بتاؤں گا' ٹھیک!“ وہ اب کچھ زیادہ ہی جلدی میں تھا' سو کسی بھی اگلے سوال سے پہلے ہی رخصت لی۔

ملازم اس کے حکم کی تعمیل کے لیے واپس جا چکا تھا' اور وہ اس وقت اپنے کمرے میں اکیلا تھا۔ نیتی سے بات کر لینا کیسا ہی حیات بخش سہی' مگر جو ناقابل تردید حقیقت اس احساس کے ساتھ جڑی تھی' دل کو بے ٹھکانہ کرتی

ہی تھی۔ وہ خیام کی امانت تھی۔

اور وہ محض امانت کو اس کے حق دار تک پہنچانے کا ذمہ دار!

ایک پل کے لیے رُک کر اس نے خود کو یہ یاد دہانی ایک بار پھر کرائی اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

لاؤنج اور پھر کمروں کے آگے سے گزرتا ہوا اس قدرے الگ کمرے کے آگے رکا جہاں اس کے حکم کی تعمیل جاری تھی۔ لیکن کسی اور انداز میں۔

"واہ! تم تو بہت فن کار آدمی ہو۔" اس نے ملازم کی طرف تعریفی انداز میں دیکھا تو وہ جھینپ سا گیا۔

"ایسے ہی صاحب! کبھی شوق شوق میں سیکھ لیا تھا۔ ایک استاد سے تالے کھولنا۔" کہتے ہوئے وہ کمرے کا دروازہ کھولنے لگا۔

سالار نے بنا مزید کچھ کہے ایک بڑا نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھا اور کمرے میں داخل ہوا پر یہاں بھی کچھ توجہ طلب تھا۔

"اس کمرے کی سیٹنگ کس نے بدلی ہے؟" وہ اندر داخل ہوتے ہی ٹھٹکا۔

ساتھ آنے والے ملازم کی سمجھ میں ابھی تک یہ نیا معمہ نہیں آیا تھا۔

سالار نے اسے خاموش دیکھ کر اپنا سوال دُہرایا تو وہ گڑبڑا گیا۔

"پتا نہیں صاحب! میں تو ابھی کچھ دن پہلے ہی یہاں آیا ہوں۔"

سالار نے محض اثبات میں سر ہلایا۔

وہ کیوں بھولا تھا کہ زرتاج نے یہاں کسی بھی ملازم کو ماسوا ایک آدھ کے زیادہ دن کبھی بھی ٹکنے نہیں دیا۔

اس کی نگاہ اس بڑے سے سجے سجائے کمرے کا بے تابی سے جائزہ لے رہی تھی، جہاں ایک بڑا بدلاؤ آ چکا تھا۔

وہ پرانی مانوسیت یکسر غائب تھی، جس سے دل کو بڑا گہرا لگاؤ تھا۔ تب ہی ایک مخصوص گوشے پر اس کی نگاہ جا کر رُکی تھی۔

اس گھر سے جڑی محبت کا ایک آخری استعارہ بھی کہیں گم ہوا۔

چند لمحے وہ بے یقینی کے عالم میں اس طرف دیکھے گیا اور پھر بنا کچھ کہے تیز قدموں سے چلتا ہوا باہر لاؤنج میں آیا۔

ساتھ آیا ملازم اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر سہم کر تیزی سے ایک طرف ہوا تھا۔

سب سے اوپر والی سیڑھی پر کھڑا ہو کر وہ بہت زور سے چیخا۔

"کیوں شور مچا رہے ہو، یہ شریفوں کا گھر ہے، باہر کا لفنگا پن وہیں چھوڑ کر آیا کرو۔" وہ بڑے برے موڈ میں کمرے سے باہر آئیں۔ اور پیچھے سپورٹ کے لیے نبیل بھی۔

"کس نے امی کے کمرے کو ہاتھ لگایا ہے، جرأت کیسے ہوئی ان کا سامان، ان کی تصویر وہاں سے ہٹانے کی، منع کیا تھا نا میں نے، بلکہ درخواست کی تھی آپ سے کہ بے شک سارے گھر کو اپنی ملکیت بنا رکھیں مگر اس ایک کونے کو چھوڑے رکھیے۔ آپ سے اتنی سی بات بھی نہیں مانی گئی۔"

وہ انتہائی طیش میں تھا اور ٹھیک، سر پر آ کھڑا ہوا تھا۔ زرتاج کی نگاہ بے ساختہ ہی نبیل کی طرف اٹھی۔ تو وہ کنفیوز سا ہو کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

"اور اگر اس وقت غلطی سے بھی کوئی اسے بتا گیا کہ سامان کا یہ ردوبدل نبیل کے ہاتھوں ہوا ہے، تو وہ یقیناً

اسے جان سے ہی مار دے گا۔" ایک خوف زدہ کرتا خیال پاؤں اکھاڑنے کا سبب بن رہا تھا۔

"وہ سامان بیسمنٹ میں رکھا ہے، تم چاہو تو کسی دوسرے کمرے میں سیٹ کروا دو۔"

مفاہمت کی ایک درمیانی راہ بنا کسی ہٹ دھرمی کے مظاہرے کے زرتاج نے نکالنا چاہی۔

مگر وہ مستقل ہی نفی میں سر ہلائے گیا۔

"سنو!"

سیڑھیوں پر منتظر کھڑا ملازم فوراً ہی آگے آیا تھا۔

"اپنے ساتھ دو، چار لوگوں کو بلا کر اس کمرے کا سارا سامان نکال کر بیسمنٹ میں پہنچا دو، پھر آگے میں بتاتا ہوں کہ کیا کرنا ہے۔"

ان دونوں کو قطعی نظرانداز کرتے ہوئے اس نے ہدایت جاری کی اور خود تیزی کے ساتھ واپس سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا۔

"وہ کمرہ میں نے سیٹ کیا ہے اپنے لیے، میں اس کا سامان نہیں نکالنے دوں گا سالار کو، اور تم اس قدر لاچار بن کر کیوں کھڑی ہو، اپنی رائے، حق کیوں نہیں چلاتیں۔"

نبیل کا غصہ کھسیاہٹ لیے ہوئے تھا، معاملات تیزی سے اس کے ہاتھ سے نکل رہے تھے، اور اگر اسی طرح چلتا رہا تو وہ خود کو واپس باہر روڈ پر کھڑا پائے گا۔

عیش پرستی کی اس زندگی سے تائب ہونے کا خیال ہی دم گھوٹتا ہوا سا محسوس ہوا تھا۔

"سب تمہاری ڈھیل ہے، پہلے ہی دن دو، چار الزام لگا کر پولیس کے حوالے کروایا ہوتا تو سڑ رہا ہوتا لاک اپ میں، اور اب بھی تمہیں ہوش نہیں آیا، جب وہ ہمارے گھر پر قبضہ کرتا چلا جا رہا ہے۔"

بار بار حقِ ملکیت کا ذکر وہ شاید خود کو تسلی دینے کے لیے کرتا تھا۔

"اگر تم نہیں چل رہیں تو میں خود جا کر اسے روکتا ہوں۔" آگے بڑھتے ہوئے نبیل نے مڑ کر زرتاج کو دیکھا، وہ وہیں جمی کھڑی تھیں۔

تب ہی اوپر سے آنے والا شور بڑھنے لگا۔ بہت ذوق و شوق سے سجائے گئے نبیل کے اس کمرے کے سامان کی پہلی کھیپ لے کر ملازم اترنا شروع ہو گئے تھے۔

"اسے کرنے دو جو وہ کر رہا ہے، مت روکو، ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔"

تب ہی اسے زرتاج کہتی ہوئی سنائی دیں۔

نبیل کو ان کی آواز میں لرزش صاف محسوس ہوئی تھی، اور اب اس میں کوئی شک باقی نہیں رہ گیا تھا کہ وہ سالار سے خوف زدہ تھیں۔ اور کتنی عجیب بات تھی کہ زرتاج جیسی عورت بھی کسی سے خوف کھاتی تھی۔

مگر کیوں؟

ایک بڑا سا سوالیہ نشان نبیل کے آگے آ کھڑا ہوا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں، ان شاء اللہ)

عالیہ بخاری

دھمالِ وحشت

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتلائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو میڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملات فوراً سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اُٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سارا ماحول حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گئی آرائی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کو بھروسا ٹوٹ جانے کا دُکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو۔ نانی کی موت میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دُعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ انجا چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارت کی دُھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ حویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کردی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ حویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ فروزاں، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصۂ دراز

سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیرِ اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن بھی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ نگینی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر نگینی کی جوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خودنمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بظاہر عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جیسے ڈرائیور راجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جزبز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر نگینی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈوری سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی دلچسپی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔

سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

جویا کا رشتہ آناً "فاناً" طے ہو جاتا ہے۔ جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی "کوششیں" شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے اور جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کو نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے تو وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ، جویا کو اکساتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں وہ مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ، آپا گل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔

صندل کو بابی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے۔ تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

خیام کو ڈھونڈنے کی سالار اپنی سی کوشش کرتا ہے۔

خیام، بابو شوکت کے خاندان بالخصوص رانی کی حرکتوں سے تنگ آ کر فرار کی راہیں تلاشنے لگتا ہے۔ پھر سالار کی آمد اسے مزید ہراساں کر دیتی ہے۔ بالآخر وہ بابو شوکت کا ٹھکانہ چھوڑ دیتا ہے۔

روزی کی اچانک گمشدگی بیگم زرتاج کو دنوں پریشان رکھتی ہے اور عظمت بوا اس صدمے سے سنبھل نہیں پاتیں اور چپ چاپ نوکری چھوڑ جاتی ہیں۔ ایک نوکرانی کی یہ جسارت بیگم زرتاج کو مشتعل کر دیتی ہے۔ اس واقعہ میں نبیل کا ہی ہاتھ ہے لیکن کسی کے ہاتھ کوئی ثبوت نہیں آتا۔ راجو ڈرائیور، روزی کی گمشدگی سے نیم دیوانہ ہو جاتا ہے۔ وہ ہر وقت

اس کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ نبیل اسے جھوٹی تسلیوں سے بہلاتا ہے۔ نبیل اور بیگم زرتاج کا اطمینان اس وقت غارت ہوتا ہے جب کوٹھی میں سالار کی آمد ہوتی ہے، جو بیگم زرتاج کا سوتیلا بیٹا ہے۔ زرتاج بیگم کی تنبیہہ اور بے بسی اسے معاملے کی سنگینی کا احساس دلاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۲۷

ستائیسویں قسط

گلی پر سارا دن نحوست بھری بدرونقی پھیلی رہتی تھی، یہاں سے وہاں تک ایک سناٹا اور پھیکے پڑتے در و دیوار سے ٹپکتی اداسی بھری زردی مگر شام ڈھلتے ہی جیسے کسی بھید بھرے اسم کا ورد ہوتا تھا اور منظر یکسر بدل جاتا تھا۔ کسی فینٹسی فلم کی مانند۔

سنہری، سفید، سرخ، نیلی، ایک ایک کر کے کتنی ہی لائٹیں آن ہوتیں اور ہر بالکونی، کھڑکی، چوبارہ رنگ و نور سے نہا اٹھتا۔

گلی، چوبارے لوگوں سے اس طرح بھرنے لگتے، جیسے کسی ڈرامے کے طے شدہ اسکرپٹ کے مطابق اپنا اپنا کردار ادا کر رہے ہوں۔

فضا میں پھولوں اور دوسری ملی جلی خوشبوؤں کی مہک تیز سے تیز تر ہوتی چلی جاتی۔

نگینہ نے برآمدے کی محراب سے نیچے جھانک کر بڑی دلچسپی سے اپنے اس من پسند منظر میں جھانکا۔ رونق سی رونق، کان پڑی آواز سنائی نہیں دے۔ گلی لگتا تھا کہ روز بہ روز تنگ پڑتی جا رہی تھی۔ ایک جائزہ لیتی ہوئی نگاہ سے اس نے آس پاس کے گھروں کی مارکیٹ ویلیو کا اندازہ لگایا اور نگاہ حسب عادت نانی دلدار کے دروازے پر ہی رکیں۔

وہاں کا ایک سا ہی ماحول تھا، رش نہ گھٹتا نہ بڑھتا، پھر بھی سب سے زیادہ مہمان داری وہیں ہوتی دکھائی دیتی تھی۔

اس وقت بھی گل ناز کے خاص کارندے، شغل بازی کا سامان سمیٹے سیڑھیوں کا رخ کر رہے تھے۔

کوئی بڑا مشہور سا آئٹم نمبر بج رہا تھا، نگینہ کا پاؤں غیر ارادی طور پر ہلکے ہلکے تھرکنے لگا۔

"کتنے دن ہو گئے، سارا شغل میلہ، سب ختم!" وہ فطری طور پر اداس ہوئی۔

خوش حالی، خوش بختی کا ہر دم ترانہ گانے کے باوجود زندگی میں جو بڑی کمی سی آئی تھی، وہ بھی کبھی کبھی تو بڑے زور سے چبھتی تھی۔ وہ جس ذوق و شوق سے جا کر کھڑی ہوئی تھی، اتنی ہی اکتائی ہوئی واپس مڑی۔

سامنے بڑا ہال بالکل خالی پڑا تھا، حالانکہ شاما اپنی عادت کے مطابق ساری لائٹیں جلا کر سارے پردے، سرِ شام ہی بڑی خوب صورتی سے باندھ دیتی تھی۔

"مگر فائدہ" نرا بجلی کا خرچا!"

اس کا دل تو چاہا کہ "وہ چار لائٹیں بند ہی کر دے" مگر پھر سوچ کر باز رہی۔

کوئی ملنے والا اس طرف کو نکل ہی آتا تو کیا خیال کرتا، صندل میڈم کا چوبارہ تھا کوئی معمولی بات تھی کیا!

وہ یوں ہی خاموش نگاہوں سے اس بڑے ہال کو دیکھے گئی، جو اچھے برے ہر وقت میں کمائی کا وسیلہ بنا رہا، مگر اب ناقدری کا شکار ٹھہرا۔

"توبہ! اللہ معافی!"

اس نے منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے، باقاعدہ کان بھی پکڑے "اسے تو سچ مچ ایسا لگا تھا جیسے آبائی پیشے سے منہ

موثر کروہ کسی قسم کے کفرانِ نعمت کی مرتکب ہو رہی ہے۔
آخری سرے پر بنے سب سے چھوٹے کمرے سے ابھرتی ہوئی استاد فراغت بیگ کے ہارمونیم کی مدھم اور ڈپریسنگ سی روں روں پر کان بند کرتے ہوئے وہ نانی ستارہ کے کمرے تک آئی۔
"اماں!" وہ جیسے ہی فون بند کرکے فارغ ہوئیں، نگینہ مطلب کی بات پر آگئی۔
"رات کی محفل دوبارہ شروع نہ کریں یوں ہی خالی پڑے پڑے تو دل بیٹھنے لگا ہے اور اب تو اللہ کے فضل سے روز کی آمدنی بھی کتنی بڑھ گئی تھی سارے محلے میں اتنے لوگ نہیں آتے تھے، جتنے ہمارے ہاں۔"
نانی ستارہ نے حیرت سے اس فرمائش کو سنا۔
"ہاں تو رش کی وجہ سے ہی بند کرنا پڑا ہے شام کا فنکشن، صندل کو پریشانی ہوتی تھی اور لوگ بھی سچی بات کہ اس کو دیکھنے کے لیے ٹوٹے پڑتے تھے۔"
"یہی کی تو رونق ہوتی تھی اماں! کیسے سارے محلے پر رعب پڑتا تھا، سیڑھیوں تک پر کھڑے ہونے کی جگہ نہیں رہتی تھی، اوپر سے آمدنی بھی اتنی جتنی دس فلموں میں بھی ناچ کر نہ ملے۔"
لاشعوری طور پر وہ اس گزری ہوئی اوقات سے موازنہ کیے بغیر نہیں رہ سکی۔
"وہ بھی ایک وقت تھا، گزر گیا!" نانی کے لہجے میں ملال سا اترا "اب اچھا وقت آیا ہے تو ہر طرف سے آسانی ملنے لگی، ابھی افسر میاں کا فون تھا بارہ پروگرام اور ریکارڈ کروانے پر اصرار کر رہے تھے۔ وقت بھی میری سہولت کے حساب سے سیٹ کروانے کا وعدہ کر رہے ہیں اور اے کلاس فنکاروں کی ادائیگی بھی اب تو کافی اچھی ہو رہی ہے۔ سوچ رہی ہوں کر ہی لوں۔"
"ضرور کرلیں، مگر ساتھ میں اگر شام کا فنکشن بھی چل جائے تو کیا برائی ہے، پرانی روایت ہے گھرانے کی برابر ہی میں دیکھ لیں، کتنی باقاعدگی سے الماس اور گل نازنے۔۔۔"
خالہ کے گھرانے کا کانٹا دل میں تاعمر رہنے والا تھا، حالات جیسے بھی ہوں۔
"صندل نہیں مانے گی، اسی نے بند کروایا ہے، پھر سے شروع ہو گیا تو اسے برا لگے گا۔" نانی ستارہ کو اعتراض تو قطعی نہیں تھا، بس صندل کی وجہ سے تردد تھا۔
"لگتا ہے تو لگے، ہم اس کی کون سی بات کا برا مان رہے ہیں اور وہ کون سا اب گھر پر رکتی ہے زیادہ دیر، ابھی بھی دس دن کی آؤٹ ڈور نمٹا کر ہی آئے گی۔" بیٹی کی طرف سے اس کا دل تھوڑا سا کھٹا ہی تھا۔
"بس اماں! کل سے پھر شروع کرتے ہیں، میں شاما کو بھیج کر موہنی، چمپا اور چندا کو کہلوا دیتی ہوں، وہ تینوں تو مری جاتی ہیں ہمارے ہاں پرفارم کرنے کے لیے، دیکھیے گا دوڑی چلی آئیں گی۔"
کئی دنوں سے جھیلی جانے والی افسردگی کا ہی ردِعمل تھا، جو وہ اتنی پُرجوش ہو رہی تھی۔
"شاما، شاما!" آواز دیتے ہوئے جب وہ باہر نکل رہی تھی، تب ہی گیتی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔
"کوئی خاص بات ہے کیا نانی؟"
"نہیں، ایسی کوئی خاص بھی نہیں!" وہ ٹال گئیں۔
"پروفیشنل باتیں اس کے سامنے ساری کی ساری نہیں کی جاتی تھیں، یہ ان کی خاص ہدایت تھی مگر ریڈیو اور ٹی وی کی بات دوسری تھی، سو انہوں نے افسر بھائی کی طرف سے ملا پیغام اسے سنانے میں دیر نہیں کی۔
"شروع ہوتے ہوتے ابھی دن لگ جائیں گے، جب تک وہ اپنا سالار جنگ بھی آجائے گا۔"
"وہ کیا آپ کے پروگرام میں مدد دیں گے، ابھی گئے تو!" گیتی مسکرانے لگی۔
"تسلی سی رہتی ہے اس کی وجہ سے، کل رات اس کا فون بھی آیا تھا۔ بڑی دیر سب کی خیریت پوچھتا رہا۔"

"اچھا! آپ نے مجھے کیوں نہیں بلوایا؟"
"بلوایا تھا شاما سے، مگر تم سو چکی تھیں، سالار کہنے لگا، اٹھائیں مت، سونے دیں۔"
ایک گہری نگاہ اس کے چہرے پر ڈالتے ہوئے نانی ستارہ نے اس کی بے تابی بھی محسوس کی تھی اور مایوسی بھی!
"کرلو ابھی بات، نمبر تو اس کا لکھا رکھا ہے۔"
"نہیں، وہ تو میں ایسے ہی بس!" گیتی کے چہرے پر شرمندگی سی پھیلی۔
"تمہارے آگے داخلے کا کیا بنا، سالار سے کچھ بات ہوئی تھی کیا؟"
وہ جان بوجھ کر ایسا ہی موضوع جاری رکھے ہوئے تھیں، جو سالار سے متعلق تھا۔
"میں پرائیویٹ ایم اے کروں گی نانی، ابھی رجسٹریشن میں وقت ہے۔"
"کیوں، یونیورسٹی میں کیوں نہیں داخلہ لیتیں؟"
جب سے اس نے فرسٹ ڈویژن لی تھی، خود ان کا بھی دل چاہنے لگا تھا کہ وہ یونیورسٹی جائے "اب تو گھر میں گاڑی ہے خیر سے، آنے جانے کا بھی کوئی مسئلہ نہیں۔"
"بات آنے جانے کی نہیں ہے نانی! جھجک سی ہوتی ہے لوگوں سے گھلنے ملنے میں، ہر وقت ڈر سا لگا رہتا ہے کہ کسی کو پتا چل گیا تو۔۔۔"
گیتی کی نگاہ جھکی تھی!
اپنی تمام تر مضبوطی کے باوجود ایک بار تو وہ اندر سے کچھ ہل ہی گئیں۔
ساری ناموری اور فنکاری، ایک واضح کھینچے گئے خطِ امتیاز کے پیچھے ہی کھڑی رہ گئی۔
"بی اے فرسٹ ڈویژن کی ڈگری بھی، گیتی آرا کو شرفاء کے حلقے سے باہر کرتی تھی تو پھر اس تعلیم کا فائدہ۔"
عادت کے برخلاف ان کے دل میں کڑواہٹ سی بھری۔
"اپنے سوچنے کا انداز بدلو گیتی! ہم نے ایسا کچھ نہیں کیا، جس پر ہمیں کسی کے بھی آگے شرمندہ ہونا پڑے، اپنا ہنر، اپنا فن بیچا ہے۔ یہاں تو لوگ وہ کچھ کرتے ہیں، جس کے بعد انہیں ڈوب مرنا چاہیے لیکن پھر بھی اللہ کی زمین پر اکڑ کر چلتے ہیں۔"
"وہ ایسا کر سکتے ہیں نانی!" اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔
"خدا کے آگے جواب دہی تو ہر ایک کے حصے میں آنی ہے، کس کو پر چادائیں ہاتھ میں تھمایا جائے گا، کس کو نہیں، یہ وہی بہتر جانتا ہے۔" بے نیازی سے کہتی ہوئی وہ اپنے پرس میں سے کچھ نکالنے لگیں۔
"شاید وہ میری بات کو سمجھ ہی نہیں سکی ہیں۔" وہ بددل سی ہو کر اٹھنے لگی، تب ہی انہوں نے اس کی طرف پھر دیکھا۔
"سالار کو فون کرلینا، تمہاری پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے۔ پتا نہیں ابھی کتنے دن اور لگائے گا وہاں۔"
"وہ اپنے گھر گئے ہیں، جب جی چاہے گا آجائیں گے اور نہ بھی آئیں تو ہم زور ڈالنے والے کون ہیں، ہمارا کوئی حق تھوڑی بنتا ہے ان پر۔"
نہ چاہتے ہوئے بھی وہ تھوڑی سی تلخ ہوئی۔
بہت ہی توہین آمیز لگتا تھا، جب نانی یا نگینہ امی اسے ڈھکے چھپے الفاظ میں سالار کی طرف مائل کرتی تھیں۔
مگر وہ ان کی مجبوری تھی، فطری اور حقیقی۔
"معلوم نہیں کیا بنتا ہے اس لڑکی کا، نہ ہنر نہ ادا اور جو یہ تعلیم حاصل ہوئی ہے، یہ بھی شریفوں رذیلوں کی بحث میں کوئی فائدہ دیتی نظر نہیں آرہی۔

وہ جا بھی چکی تھی، مگر وہ خاصی دیر اسی کے بارے میں سوچے گئیں۔
گیتی کے لیے، جو بھی کرنا تھا انہیں ہی کرنا تھا!
خیام کے جانے کے بعد ایک سالار ہی دکھائی دے رہا تھا، مگر اس کے ساتھ بھی گھر اور خاندان کا دم چھلا موجود تھا۔
بے چین سا ہو کر انہوں نے پہلو بدلا۔
شرفا کے یہ بے حس، سنگ دل خاندان۔
بڑا تلخ تجربہ تھا انہیں۔
فیروزہ جیسا ہیرا، مٹی میں ان ہی اعلا نسبوں کی وجہ سے ملا تھا۔
گئی تو بہت مان سے ہاتھ پکڑ کر اس فیکٹریوں کوٹھیوں والے کے ہمراہ، واپس آئی تو فقط مٹی کا ڈھیر۔

زیر تعمیر عمارت کے احاطے میں سیمنٹ کے ایک بلاک پر بیٹھا ہوا، وہ اپنے ہی کام میں محو تھا۔
بڑا سا رجسٹر اخراجات اور ادائیگیوں کی تفصیل سے بھرا ہوا تھا، بار بار چیک کرنا پڑ رہا تھا۔
"کمپیوٹر ہوتا تو یہی کام کتنی آسانی سے نمٹ جایا کرتا، وہ اب تن آسان تو نہیں رہا تھا، پھر بھی اسے کام کرتے ہوئے خیال آ ہی جاتا تھا، لیکن یہاں وہ کسی معروف بلڈر کے ہاں کام نہیں کر رہا تھا، یوں ہی نیم خواندہ سا ٹھیکے دار تھا، جو چند سال پہلے تک خود مستری کا کام کرتا تھا اب اپنے اسی تجربہ کا فائدہ اٹھا کر چھوٹی موٹی ٹھیکے داری شروع کر چکا تھا۔ آج کل خیام اس کا آفس سیکریٹری بنا ہوا تھا۔ تھوڑے بہت پیسے بھی مل جاتے اور سب سے بڑی سہولت جو میسر تھی وہ تھی رہائش، دوسرے شہروں سے آنے والے کئی مزدور اسی ادھ بنی عمارت میں رات بسر کرتے تھے، سو وہ بھی ان ہی کے ساتھ تھا۔
بجری، سیمنٹ، سریا، مزدوری۔
ہر خرچ کو الگ الگ خانوں میں رکھنا اور پھر مالک کو ٹھیک ٹھیک حساب دینا، دن رات ان ہی اینٹ پتھروں کے ساتھ بسر کرتے ہوئے، وہ خود بھی مٹی ہوا جا رہا تھا، یہ احساس دلانے والا تھا بھی کون!
"چلو، میرے ساتھ۔ کچھ سامان لے کر آنا ہے۔" ٹھیکے دار کا کارندہ سر پر آ کھڑا ہوا تھا، وہ بنا کچھ کہے اٹھ کھڑا ہوا۔
اس کی بے حسی کو چھوتی ہوئی، فرماں برداری، سامنے والے کو کسی کسی وقت تو بڑی اکتاہٹ میں مبتلا کرتی تھی۔
"ہاتھ پاؤں دھو لے، کپڑے جھاڑ لے، بالوں پر دیکھ، کتنی مٹی جم رہی ہے۔ میری سوزوکی کی ساری سیٹ مٹی میں اٹ جائے گی۔"
کسی ایک بات سے بھی جو اس نے بے عزتی محسوس کی ہو، یوں ہی سرسری سے انداز میں اپنے کپڑے جھاڑے اور کونے پر لگے ہوئے پانی کے نلکے کی طرف بڑھ گیا۔ واپس آیا تو خاصا بدلا ہوا تھا۔
"کیسی اچھی صورت شکل اللہ نے دی ہے، صاف ستھرا رہے تو انسان کا بچہ لگتا ہے۔" سامنے کھڑے شخص نے رشک سے اس کی سنہری رنگت کو دیکھا۔
وہ چپ چاپ سوزوکی کی سیٹ پر جا بیٹھا۔
"تو آخر بولتا کیوں نہیں ہے خیام؟" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا شخص، چند منٹ میں ہی اکیلے بولتے ہوئے تھک چکا تھا۔ "بات کیا کر، ورنہ دماغ بھی کام کرنا چھوڑ دے گا، میں نے سنا تھا ایک دفعہ کسی سے، خالی ذہن چپ بیٹھے رہنا عقل کو گم کر دیتا ہے۔"

اس نے جواباً اس طرح اثبات میں سر ہلایا کہ اس کی عقل گم ہونے کے بارے میں، جو ہلکا سا بھی شبہ تھا ختم ہوا۔
"اسی لیے گدھوں کی طرح کام کرتا رہتا ہے، جس پر بھی لگا دو۔" برابر میں بیٹھے شخص نے اس بار اپنے خیال کا اظہار کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا، فقط سوچ کر ہی مطمئن ہو گیا "اچھا ہے، جب تک پڑا رہے گا۔"
وہ یوں ہی منہ موڑے سڑک پر نگاہ جمائے بیٹھا رہا، عمارتیں، ٹریفک، سب ہی تیزی سے پیچھے جاتے رہے۔
کون سی سڑک تھی، کون سا علاقہ تھا، اسے کچھ فرق نہیں پڑتا تھا، نانی ستارہ کے محلے کے بعد اس کے لیے سارا جہاں ایک جیسا ہی تھا، پھر بھی لاتعلقی کے اس عالم میں کچھ تھا جو چونکا گیا۔
"یہ ہم کہاں جا رہے ہیں!"
ساتھ بیٹھا شخص، اب کان پر موبائل لگائے مصروف تھا، سو ایک بار میں تو ٹھیک سے اس کی بات کو سن بھی نہیں سکا۔
خیام کو اپنی بات دہرانی پڑی۔
"صدر کے آس پاس کا علاقہ ہے!" لاپروائی سے کہتے ہوئے، وہ پھر سے اپنی ایکٹیوٹی میں مصروف ہوا، لیکن خیام مضطرب تھا۔
"یہاں کیوں آئے ہو، مجھے نہیں آنا تھا یہاں!" بے ربط سے انداز میں کہتے ہوئے اس نے باقاعدہ اس شخص کا کندھا پکڑ کر ہلایا، تو وہ جھنجلا گیا۔
"ارے کیا کرتا ہے، ایکسیڈنٹ کروائے گا کیا، پاگل کہیں کا۔" صدر کا روایتی سا ٹریفک، اس کی خفگی کا بالکل درست سبب تھا۔
خیام کو احساس تھا، پھر بھی۔
"مجھے اگر بتا دیتے کہ یہاں آ رہے ہو تو میں کبھی تمہارے ساتھ نہیں بیٹھتا۔"
"کیوں، یہاں کوئی دشمنی پال رکھی ہے، جان کا خطرہ لاحق ہے کسی طرف سے۔" باوجود غصے کے وہ ہنس پڑا "پر تو کیا دشمنی پالے گا، دشمنیاں بھی جی دار لوگ ہی پال سکتے ہیں، بڑا جگر چاہیے اس کے لیے، تجھ سے تو کسی سے زور سے بات بھی نہیں ہو سکتی۔" گاڑی ایک طرف پارک کرتے ہوئے، وہ بلا تکلف اس کی عزت افزائی کیے گیا۔
"ابھی آ رہا ہوں، اس سامنے والی دکان سے۔"
سڑک کے دوسری طرف، اس نے کس دکان کی طرف اشارہ کیا تھا، وہ تو یہ بھی نہیں دیکھ سکا، بس اسے ٹریفک میں گم ہوتے ہوئے ہی دیکھا تھا اور پھر اس طرح نگاہیں جھکا کر بیٹھا کہ کسی بھی شناسا چہرے سے اتفاقیہ بھی نگاہ چار ہونے کا امکان باقی نہ رہے۔
یہ بابو شوکت کے ہوٹل کے آس پاس کا ہی علاقہ تھا، گو وہاں اپنی طویل رہائش میں بھی وہ بہت زیادہ باہر نہیں نکلا تھا، پھر بھی کچھ تو جان پہچان تھی۔
آنے والے کتنے ہی گاہک اسے پہچاننے لگے تھے اور وہاں کام کرنے والے تو تھے ہی!
کسی کو بھی اگر وہ یہاں بیٹھا ہوا دکھائی دے گیا، تو وہ اسے گردن سے پکڑ کر بابو شوکت کے حضور لے جا کر کھڑا کرنے میں دیر نہیں لگائے گا۔
ہر بڑا امکان، اس کے ساتھ ضرور ہی حقیقت بنتا تھا، سو وہ کچھ خوف زدہ سا ہو کر گاڑی سے اتر کر باہر آ کھڑا ہوا، فٹ پاتھ، دوکانوں کے سامان اور چلنے والوں کے قدموں تلے گم تھے۔
گاڑی میں اکیلے بیٹھنے سے زیادہ اس نے خود کو بھیڑ میں چھپا ہوا محفوظ محسوس کیا تھا۔

یوں ہی دکانوں پر سرسری سی نگاہ ڈالتے ہوئے وہ جیسے لمحے بھر میں منجمد ہوا۔
ماہانہ ہفتہ وار رسالوں اور اخباروں کے بیچ لٹکتی ہوئی وہ صندل کی تصویر تھی 'کسی فلمی رسالے کا سرورق جس پر صندل ایک قیامت خیز انداز میں جلوہ گر تھی!
اس کی نگاہ وہیں ساکت تھی۔ تب ہی کسی نے ہاتھ بڑھا کر وہ رسالہ اٹھایا تھا۔
"کیا غضب کی چیز ہے اور بڑے اسکرین پر تو قیامت ہے قیامت' تین بار جا کر دیکھ چکا ہوں اس کی فلم!"
"سب کی چھٹی کرا دے گی دیکھ لینا' پورا انڈین فلموں والا مسالا ہے' جب ہی تو ہاؤس فل جا رہا ہے' مستقل' اسکرین پر آتی ہے تو ہوش اڑاتی ہے سالی!"
خباثت بھری نگاہیں' بدنیتی میں کتھڑے ہوئے لہجے۔ حلیوں سے ہی آوارہ دکھتے وہ تینوں لڑکے جیسے اس تصویر پر جھکے پڑ رہے تھے۔
"در اصل کمال تو کیمرہ مین کا ہے ایسے ایسے اینگل سے دکھاتا ہے۔۔۔!"
کتنے ہی تیر تھے' جو اس مکروہ ہنسی کے ساتھ ابھرے اور ٹھیک اس کے دل میں پیوست ہوئے تھے۔
اگلا لمحہ حیران کن تھا۔
خیام کو ساتھ لانے والا شخص جب تک سڑک کراس کر کے مجمع کو چیرتا ہوا' وہاں تک پہنچا' دو لڑکوں کی درگت بنانے کے بعد' وہ تیسرے کی ٹھکائی میں مصروف تھا اور محض چند لوگ تھے' جو انہیں چھڑوانے کی کوشش کر رہے تھے' ورنہ اکثریت محض تماشائی تھی!
خیام کے بکھرے ہوئے بال' کھلا ہوا گریبان اور سب سے بڑھ کر طیش کا وہ عالم۔
سارا منظر کسی بریکنگ نیوز کی طرح سامنے آیا تھا۔ خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے دونوں بازوؤں سے کھینچ کر' خیام کو الگ کیا اور پھر دھکیلتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف آیا۔
"بیٹھو اور خبردار جو اس گاڑی سے اترے۔" مڑ کر اس نے سر پر کھڑے پولیس والے کے ساتھ مک مکا کیا۔
"بچہ ہے۔ غلطی ہو گئی۔ جانے دیں سرکار!"
پیسے تھوڑے سے ہی تھے' لیکن دوسری طرف سے تو کچھ بھی ملنے کی امید نہیں تھی' سو معاملہ "فوراً" ہی نمٹ گیا۔
"خدا کی پناہ! دورے پڑتے ہیں کیا تجھے دماغی' کس بری طرح مارا ہے ان لڑکوں کو' اسپتال لے جانے کی نوبت آجاتی تو پولیس کیس بن جاتا ابھی۔ کون ضمانتیں کراتا پھرتا' سڑتا پھر اندر ہی مہینوں!" بار بار خیام کے سرخ چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے' وہ مستقل بولے جا رہا تھا۔
جو کچھ دیکھا تھا' اتنا حیرت انگیز تھا کہ اب تک آنکھوں پر یقین نہیں آیا تھا۔
"بات کیا ہوئی تھی' میں تو تجھے اچھا بھلا چھوڑ کر گیا تھا!"
"کچھ نہیں ایسے ہی۔"
"ایسے ہی کیسے؟ کچھ تو ہوا ہو گا نا۔" وہ تھوڑا سا بگڑنے لگا تھا' تب ہی اس کی نگاہ خیام کے ہاتھ میں دبے اسی پھٹے ہوئے سرورق پر پڑی۔
"یہ کیا ہے' لڑکی کی تصویر نا' دکھا تو ذرا۔"
"تمہارے کام کی نہیں ہے یہ۔" خیام نے اس کا بڑھا ہوا ہاتھ بری طرح جھٹکا تھا۔
آج وہ یقیناً "نارمل" نہیں تھا!
وہ شخص کچھ جھینپ کر ہنسنے لگا۔ "واقعی یہاں لا کر تو میں نے غلطی ہی کی' یہ دشمنی کب سے چل رہی تھی' پہلے

بتا دیتا تو میں اکیلا چھوڑ کر تھوڑی جاتا تجھے۔" کسی چٹ پٹی سی تفصیل کی آمد ابھی بھی نہیں ہوئی تھی' وہ اب اسی طرح گردن موڑے باہر دیکھ رہا تھا جیسے آتے ہوئے محو رہا تھا۔
"پاگل آدمی' توبہ جو اسے آئندہ کبھی اپنے ساتھ لاؤں۔ معلوم نہیں کیا چکر ہے' آج تو شکر ہے سستے میں جان چھوٹ گئی۔" برابر میں بیٹھے اس شخص نے خود کو تنبیہ کرتے ہوئے' اپنے پیسوں کو یاد کیا' تو ایک نئی بے چینی ہوئی۔
"یہ پیسے تیرے حساب میں سے کٹوالوں گا' سمجھ میں آئی بات!"
خیام کی طرف سے کوئی جواب موصول نہ ہونے کے یقین کے باوجود اس نے یاددہانی ضروری سمجھی' ہاتھ میں دبے کاغذ کو پرزے پرزے کر کے اڑاتے ہوئے وہ ارد گرد سے بالکل بے نیاز دکھ رہا تھا۔

اس بار وہ اس طرح جم کر بیٹھا تھا جیسے واپسی کا ارادہ ہی بھولا ہو۔
تیسرا ہفتہ ختم ہو رہا تھا۔
وہ دونوں میاں بیوی روز صبح اسی امید پر کمرے سے نکلتے کہ شاید آج وہ نہ ہو۔
مکروہ یا تو پہلے ہی سے' ناشتے کی میز پر براجمان ہوتا یا پھر تھوڑی دیر بعد ہی اتر آتا اور اس کی موجودگی میں محض جو ایک چیز باقی رہ جاتی تھی' وہ تھی۔
اعصاب کی مضبوطی کا امتحان۔
"تم اپنے کمرے میں ہی کیوں نہیں ناشتہ منگوا لیتے۔ کیا ضرورت ہے صبح ہی صبح اس کے ساتھ الجھنے کی۔"
زرتاج اس کے پیچھے پیچھے بیڈروم میں آئی تھیں۔
"یہ مشورہ تم اسے کیوں نہیں دیتی ہو' بلکہ خود بھجوا دیا کرو ناشتہ اسے اوپر ہی' ضروری ہے کہ وہ یہاں آکر ہمارے سر پر ہی بیٹھا کرے' سب تمہاری ڈھیل ہے' پتا نہیں کیوں اتنا سر پر چڑھا رہی ہو اسے' مجھے تو اب یقین ہو گیا ہے کہ تم اس سے بے حد خوف زدہ ہو۔"
وہ بری طرح مایوس ہوتا جا رہا تھا۔
ہلکی سی مسکراہٹ لیے' وہ اس کے قریب چلی آئیں۔
"تم میرے ساتھ ہو' پھر مجھے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے؟" نرمی سے انہوں نے نبیل کے چہرے کو چھوا۔
مگر التفات کا یہ مظاہرہ اب ناکافی تھا' نبیل نے بڑی اکتاہٹ کے ساتھ ان کا ہاتھ پیچھے کیا۔
"بے کار کی باتیں' مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اب وہ کسی دن ہمارا سامان بھی اٹھوا کر باہر رکھ دے گا سڑک پر اور ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔"
اس کے الفاظ سے زیادہ زرتاج کو اس کی بےزاری نے تکلیف دی تھی۔
"سالار کی وجہ سے' نبیل ان سے دور ہوتا جا رہا تھا' کہیں ایسا نہ ہو کہ۔۔۔" ان کے لیے تو لمحۂ فکریہ ہی تھا!
"میرا اتنے شوق سے سیٹ کیا ہوا کمرہ' اس کے ایک اشارے پر خالی کروایا' میں یہ بے عزتی کبھی نہیں بھول سکتا ہوں۔"
"وہ اس کی ماں کا کمرہ تھا نبیل! میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ اس کمرے کو مت چھیڑو۔"
"مگر تم نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ کتنے سال سے نہیں آیا۔ مر کھپ گیا ہو گا کہیں۔"
"بہرحال ایک مفروضہ تھا وہ' آدمی اکثر یوں ہی فرض کر لیتا ہے بہت سی باتیں۔" وہ جو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں' نبیل سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"جذباتی لگاؤ تھا اسے اس کمرے سے 'ہم نہ چھیڑتے اگر اسے تو یہ نوبت ہی نہیں آتی۔"
"گھر کا سب سے شان دار کمرہ ہے وہ 'تمہارے اس بیڈ روم کی بھی کوئی ویلیو نہیں ہے اس کے آگے!" ایک چبھتی ہوئی نگاہ اس نے اس پُر آسائش کمرے پر ڈالی۔
زرتاج کے چہرے پر سایہ سا اترا۔
"جب تک واپس اپنا سامان 'اس کمرے میں نہیں پہنچا دوں گا' میری تسلی نہیں ہوگی 'میری بے عزتی کرنا آسان نہیں ہے۔"
آخری جملہ محض اس کی غلط فہمی تھی 'یا پھر خوش فہمی۔
لیکن یہ بات اسے بتانا اس کی ناراضی کو اور بھی بڑھاتا تھا۔
زرتاج کی فکر بڑھتی جارہی تھی۔
"اگر وہ کچھ دن اور نہیں گیا تو میں ضرور کچھ کروں گی مگر پلیز تم اس سے براہ راست مت الجھو!"
"وہ الجھتا ہے مجھ سے جان بوجھ کر اور خود سے وہ کبھی نہیں جائے گا 'تمہیں جو کرنا ہے' وہ جلد کرو 'اس کا یہاں زیادہ رکنا 'اتنے پرابلم کھڑے کردے گا کہ ہم گھر کر رہ جائیں گے۔" وہ خود اندر سے ڈرا ہوا تھا 'دن بہ دن اس کی حیثیت کم سے کم تر درجے پر آتی جارہی تھی۔
گھر کے ملازم تک اس معزول شہنشاہ پر دبے دبے سے انداز میں مسکرانے لگے تھے۔
ردِعمل کے طور پر وہ اور بھی مضحکہ خیز حرکتوں پر اتر آتا 'سالار اچانک ہی پچھلے چند دنوں سے زیادہ وقت گھر سے باہر گزارنے لگا تھا۔
جس کام کے لیے وہ درحقیقت یہاں رکا ہوا تھا 'وہ پوری توجہ چاہتا تھا۔
"جتنے لوگ درکار ہوں 'ہائر کرلیں 'جتنے پیسے خرچ ہوں ہونے دیں 'مگر یہ کام ہونا چاہیے۔ کسی بھی طرح حمیدی صاحب۔"
میز پر پھیلی ہوئی خیام کی فوٹوز کو ہاتھ سے سمیٹتے ہوئے 'اس نے سامنے بیٹھے ہوئے اپنے منیجر کی طرف دیکھا "مجھے آپ پر کتنا بھروسا ہے۔ یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں 'سو یہ بھی آپ ہی کے سپرد ہے۔"
"میں نے کئی علاقوں میں تلاش شروع کروادی ہے سالار! کافی لوگ ہائر کیے ہیں 'جن کو خیام کی تصویر دی ہے 'لیکن۔۔۔"
بات ادھوری چھوڑتے ہوئے انہوں نے بے چین سا ہوکر پہلو بدلا۔
"لیکن کیا حمیدی صاحب؟ اگر کوئی اور آئیڈیا ہے تو کہیں نا 'آپ کے علاوہ اور کون ہے میرا 'جو مجھے درست مشورہ دے۔"
"سعادت مندی ہے تمہاری 'بیگ صاحب کے بعد جس طرح تم نے میرے عزت و احترام کو قائم رکھا!"
"اچھا پلیز!"
وہ ہلکے سے ہنس دیے "کبھی کبھی تھوڑی تعریف بھی سن لیا کرو۔"
"عجیب سا لگتا ہے حمیدی صاحب 'آپ کو تو پتہ ہے۔۔۔" بوجھل سی خاموشی ان دونوں کے بیچ آکر اتری۔
"اچھا 'یہ بتاؤ کہ صرف چھوٹے ہوٹل اور چائے خانے میں کیوں 'ایک نگاہ بڑے ہوٹلز پر بھی ڈالی جاسکتی ہے ' گیسٹ ہاؤسز کو چیک کیا جاسکتا ہے 'سارے نہ سہی چند ایک جو مشہور ہیں۔"
انہوں نے اس کی افسردگی کو بھانپ کر موضوع بدلنے میں دیر نہیں کی۔
"وہ وہاں نہیں ہوگا حمیدی صاحب! یہ میں شرطیہ کہہ سکتا ہوں اس کے پاس پیسے نہیں ہیں 'اتنے دن سے وہ

ایک چھوٹے سے ہوٹل میں ہی تھا 'وہاں بھی کچھ کام وام کرتا تھا شاید 'اگر میں تھوڑا سا محتاط ہو کر جاتا تو اسے ضرور ہی پکڑ لیتا۔"
اسے اپنی غلطی کا احساس ابھی بھی ستاتا تھا۔
"اب پتا نہیں کتنا وقت لگے گا۔"
"فکر مت کرو۔" وہ اٹھ کر اس کے قریب آکھڑے ہوئے۔
"مل جائے گا وہ لڑکا اور اگر تم نے اخبار اور ٹی وی پر اشتہار دینے کی پابندی نہیں لگائی ہوتی 'تو اب تک کوئی اطلاع مل بھی چکی ہوتی 'میڈیا کی بڑی دور تک پہنچ ہوتی ہے۔"
اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔
"جانتا ہوں 'لیکن مجبوری ہے 'کچھ لوگ ہرٹ ہوں گے اگر انہوں نے اس کی تصویر اخبار میں دیکھی۔ میں انہیں تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا ہوں حمیدی صاحب!"
انہوں نے بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔
"جیسی تمہاری مرضی 'لیکن اگر۔۔۔ ہم لوکل اخبار استعمال کریں 'تب بھی۔۔۔!"
ادھوری بات میں ایک بہتر امکان موجود تھا۔
سالار نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔
ایسا شاید ممکن تھا!
"دسیوں ایسے چھوٹے اخبار نکل رہے ہیں 'جن کی سرکولیشن اسی شہر تک محدود ہے اور اسی طرح کی جگہوں پر وہ زیادہ پڑھے بھی جاتے ہیں 'اگر ان میں کوئی حرج نہ ہو تو 'مدد لینے میں کیا قباحت ہے؟
"ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ 'آج ہی یہ کام کرلیتے ہیں پھر 'بس خدا کرے جلد سے جلد وہ ملے کسی طرح بھی ' چلیں پھر چلتے ہیں 'جتنے بھی شام کے اخبار ہیں 'سب میں فوٹو دے دیتے ہیں اور دیگر تفصیل بھی۔
وہ فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا۔
"اچھا وہ جو تمہاری والدہ والی پراپرٹی کے کاغذات میں نے کہا تھا 'وہ لائے ہو!" انہیں اٹھتے ہوئے ایک اور ضروری بات یاد آئی۔
"وہ گھر پر ہی ہیں 'واپسی میں لے لیں گے وہیں سے۔" اس ایک بات کے لیے وہ جتنا پُرجوش تھا کہ باقی سب کچھ غیر اہم ہوا جارہا تھا۔
لیکن حمیدی صاحب کی وفاداری کچھ اور تقاضا کرتی تھی۔
"گھر پر اہم کاغذ مت چھوڑا کرو 'اتنی لاپروائی اچھی نہیں ہوتی۔"
وہ جواباً ہلکے سے سر کو جھٹکتے ہوئے ہنس پڑا تھا۔
"پتہ نہیں کیا اہم تھا 'کیا نہیں!"
گھر کا گیٹ اسے دیکھتے ہی بڑی پھرتی سے کھلا تھا۔
"اب یہ نئے گارڈ آگئے ہیں!" اس کے برابر بیٹھے حمیدی صاحب نے اردگرد دکھائی دیتے چہروں پر نگاہ ڈالتے ہوئے سالار سے مڑ کر پوچھا تھا۔
"جی ہاں 'پرانا مشغلہ ہے بیگم صاحبہ کا!"
"مجھے تمہاری فکر رہتی ہے سالار اور جب تم یہاں ہوتے ہو تو اور بھی زیادہ 'یہاں اپنی رہائش کا انتظام کہیں اور کیوں نہیں کرلیتے 'کتنی بار کہا ہے میں 'وہ باتھ آئی لینڈ والا گھر خالی۔۔۔"

وہ تحمل سے گاڑی پارک کرنے تک ان کی سنتے گیا۔

"چلیں آئیں' اندر بیٹھ کر آرام سے بات کرتے ہیں۔"

داخلی دروازے سے اندر آتے ہوئے' وہ انہیں لیے ہوئے لاؤنج کی طرف جانے کے بجائے ڈرائنگ روم کی طرف آیا تھا۔

سامنے کاریڈور میں کھڑے ہوئے ملازمین میں سالار کو دیکھ کر' بڑی عجیب سی ہلچل ہوئی تھی' لیکن وہ کسی پر بھی توجہ دیے بغیر بند دروازے کو دھکیلتا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔

ایک کے سوا' باقی تمام صورتیں' سالار کے لیے اجنبی تھیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے یہاں؟"

میز پر رکھی' وہ غیر ملکی برانڈز کے لیبل والی بوتلیں' لوازمات سے بھری میز اور کریہہ صورت والے وہ چار لوگ' جن کا کردار' ان کی شکلوں سے جھلکتا تھا۔

"ہمت کیسے ہوئی تمہاری' میرے گھر میں یہ سب کرنے کی' تم سے پوچھ رہا ہوں۔" وہ سیدھا نبیل کے سر پر پہنچا تھا' جو اس کو دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑا ہوا تھا۔

"اندر کیسے آئے تم' میں نے کہا بھی تھا نوکروں سے کہ یہاں میرے مہمان بیٹھے ہیں۔"

وہ مڑ کر ملازموں کو آواز دینے لگا۔ سالار سے وہ کتنا بھی خائف سہی' اپنے معزز مہمانوں کے سامنے بے عزتی کا احساس کہیں زیادہ قوی تھا' کچھ بھی تھا' آخر تو وہ زرتاج بیگم جیسی عورت کا شوہر تھا۔

سالار کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

چند منٹ بھی اگر وہ ان سب کو یہاں دیکھتا رہا تو شاید بات اتنی بڑھ سکتی تھی' جس کی توقع بھی نہیں جا سکتی تھی۔

اسے لگا جیسے وہ اپنا سیلف کنٹرول جلد کھو دینے والا ہے۔

"سنو!" اس نے نبیل کی آواز پر آئے ملازم کی طرف دیکھا۔ "یہ سب حرام چیزیں اٹھا کر کہیں کچرے کے ڈھیر پر پھینک کر آؤ اور یہ سارے برتن بھی' ایک چمچ تک نہ رہے گھر میں' بلکہ یہ میز بھی' جس پر یہ سب رکھا گیا ہے اور یہ.....!"

ایک جذب کے عالم میں وہ کہتا چلا گیا۔

اور وہ سب کچھ جیسے اسی انجام کی منتظر تھیں۔

نبیل کا چلانا واویلا' سب ہی اکارت!

"تم سب خود جاؤ گے' یا پھر میرے ملازمین کو ہی تکلیف اٹھانی پڑے گی۔"

اس کا لہجہ بے حد سرد تھا' اور وہ چاروں دیکھ چکے تھے کہ اس کا کہا بجا لانے میں کوئی تاخیر نہیں برتی جا رہی۔

اس وسیع ہال میں محض چند لوگ ہی باقی رہ گئے۔

نبیل محمیدی صاحب' دو ملازم اور وہ خود۔

"آئندہ میرے گھر میں یہ سب ہوا تو خالی چیزیں ہی نہیں پھینکی جائیں گی سمجھے!"

وارننگ دینے والے انداز میں اس کی انگلی نبیل کی طرف اٹھی تھی۔

"یہ وہ سالار نہیں تھا!"

خوف زدہ' جذباتی' لوگوں کا سامنا کرنے سے خائف' یہ کوئی اور ہی تھا۔

قسمت کی ظالمانہ اٹھا پٹخ کے بعد بچ نکلنے والا' ایک بالکل مختلف اور مضبوط شخص جو ڈرتا نہیں' ڈراتا تھا!

زرتاج کو ڈرائنگ روم کے دروازے پر ہی رکنا پڑا تھا۔ سالار کی اس طرف پشت تھی' اور بالکل سامنے کھڑے

نبیل کے چہرے پھیلی سراسیمگی' یہیں سے دیکھی جا سکتی تھی۔

"جب تک یہاں ہو' اپنی اوقات میں رہو' پہلے بھی کہہ چکا ہوں' زیادہ دیر لحاظ نہیں کروں گا سمجھے!"

اطراف میں جیسے کہر جمی۔

وہ بے ساختہ پیچھے ہٹیں۔

معاملات ان کی توقع سے زیادہ تیزی سے بگڑے تھے۔

"اس بار میں خود بھی سالار کو سمجھنے میں غلطی کر رہی تھی۔" تیزی سے کمرے کی طرف جاتے ہوئے' انہوں نے اپنے غلط اندازے کا افسوس کیا۔

مگر کوئی تھا' جواب بھی معاملے کو سنبھال سکتا تھا!

☼ ☼ ☼

تاریخ ٹھہرنے کی خوش خبری' یہاں بھی پہنچ چکی تھی۔ لیکن کسی نے بھی اس پر تبصرہ ضروری نہیں سمجھا۔ رات گئی' بات گئی بظاہر یہی لگ رہا تھا مگر۔

"جو چیز ہماری قسمت میں ہی نہیں ہے' اس کی تمنا کرتے رہنا' سوائے خود اپنی تکلیف کو بڑھاوا دینے کے اور کچھ بھی نہیں۔" کئی دن بعد امی نے کسی اور بات کے حوالے سے کہا تھا' تب ربیعہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔" وہ بہت سنجیدہ تھیں۔

"کچھ چیزیں ناگزیر بھی ہوتی ہیں امی!" وہ آہستہ سے بولی تھی' مگر انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"کچھ بھی ناگزیر نہیں ہے اس دنیا میں' ہر شے کا نعم البدل مل جاتا ہے۔ پہلے سے بہتر اور بڑھیا' بس انسان کو دل میں وسعت رکھنی چاہیے۔"

"مگر پھر بھی کھو دینے کی تکلیف' انسان کو چین تو نہیں لینے دیتی ہے ساری عمر!" وہ دوپہر کے کھانے کے بعد ان کے پاس آکر لیٹی تھی' جو یہ علامتی گفتگو شروع ہوئی تھی۔

"تمہارا مطلب ہے کہ اب معاذ کے لیے ہمیں کوئی اچھی لڑکی مل ہی نہیں سکتی!"

"میں نے یہ نہیں کہا' لیکن وہ جویا تو نہیں ہو گی نا۔"

"شکر ہے جو وہ جویا نہیں ہو گی' اللہ کو یقیناً" کوئی بہتری منظور ہو گی' جو ہمارا پیچھا ان لوگوں سے چھوٹ گیا اور جب معاذ خوش ہے تو پھر کسی کو بھی کیا اعتراض ہے آخر۔"

"معاذ خوش ہے!" وہ رنج بھری حیرت میں گھری اٹھ بیٹھی "آپ کو وہ خوش لگتا ہے' سارا سارا دن گھر سے غائب رہتا ہے' سوائے دادی کے' کسی کے پاس بھی وہ چند منٹ سے زیادہ بیٹھتا تک نہیں ہے' کیا مطلب ہے اس کا۔"

"اس کا یہ مطلب ہے کہ اب اس کے پاس وقت نہیں ہے' ذمہ داری سے اپنی جاب کر رہا ہے' ساتھ میں اس کا سوشل ورک کا شوق بھی جاری ہے اور گھر کا بھی کوئی کام کہو تو' انکار نہیں کرتا ہے۔"

ایک گہری سانس لیتے ہوئے' وہ بیڈ سے اتر آئی۔

"میں اظہار اور شاکرہ کو عمر بھر جھیلنے کے لیے تیار نہیں ہوں' نہ ابھی اور نہ کبھی' ان جیسے بے حس اور مغرور لوگوں کو سر پر بٹھانا میرے بس سے کہیں باہر ہے سمجھیں!"

امی کا مسئلہ جویا نہیں' اظہار چچا کی فیملی تھی اور ان کے لیے' ان کے پاس قطعی گنجائش نہیں تھی۔

"کہاں جارہی ہو!"

"نیند نہیں آرہی' تھوڑا سا پڑھ ہی لوں!" باہر نکلنے سے پہلے' اس نے ان کی طرف مڑ کر دیکھا تو انہوں نے مطمئن ہو کر سر ہلایا۔

باہر برآمدے میں بھاری چقیں گری ہوئی تھیں' دھوپ بھرا گرم دن کہیں باہر ہی رہ گیا تھا اور یہاں اندر بڑی ٹھنڈک بھری نیم تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ دبے پاؤں چلتے ہوئے' وہ وہاں سے گزرتی ہوئی معاذ کے کمرے میں آئی۔

دروازے کے پاس لگے سوئچ بورڈ پر ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کی تو سفید ملائم روشنی کمرے میں پھیل گئی صاف ستھرا کمرہ' ایک ایک چیز اپنی جگہ طریقے سے رکھی ہوئی۔

کبھی بد نظمی اور افراتفری میں یہ کمرہ حرف آخر تھا۔

کتنی کتنی جان مارتی تھی' وہ معاذ کے کمرے کو ٹھیک رکھنے کے لیے' مگر نتیجہ ہمیشہ ہی صفر!

دل تب بھی دکھتا تھا۔

اور اب پہلے سے بھی کہیں زیادہ۔

جس پرائیویٹ کالج میں وہ اس کا داخلہ کرا چکا تھا وہاں کلاسز شروع ہونے میں کچھ دن باقی تھے۔ مگر وہ اس کی پڑھائی کے بارے میں اتنا سنجیدہ ہو رہا تھا کہ رات کتابیں وغیرہ بھی خرید لایا تھا۔

"ذرا دن میں کھول کر پڑھ بھی لینا' باقاعدہ ٹائم نکالو پڑھائی کے لیے' کہ پورا دن کچن میں کھڑے رہنے کے لیے نہیں ہوتا ہے' میں آج آکر پوچھوں گا کیا کیا ہے سارا دن۔" آج صبح ناشتے پر اس نے بڑی سنجیدگی سے نصیحت کی تھی۔

صرف امی تھیں جنہوں نے اس کے احساس ذمہ داری کو سراہا تھا' ورنہ۔

میز پر رکھی کتابیں اٹھا کر وہ وہیں بیڈ پر آکر بیٹھ گئی' معاذ کے گھر آنے میں ابھی کافی دیر تھی' سو کچھ دیر یہیں بیٹھا جا سکتا تھا۔

صفحات کو الٹ پلٹ کرتے ہوئے آہستہ آہستہ اس کی دلچسپی بڑھنے لگی تھی۔ ہسٹری کے مضمون میں اسے خود تھوڑی سی دلچسپی تھی' سو اسی میں ایڈمیشن لیا تھا۔ کتنی ہی دیر گزری۔

قریبی مسجد سے عصر کی اذان بلند ہونے پر اس نے چونک کر کتاب بند کی۔

ایک اچھی کتاب سے زیادہ باعث تسکین شاید کچھ اور ہے بھی نہیں۔

معاذ نے اس کے آگے پڑھنے پر زور دے کر یقیناً "ایک بڑا زبردست فیصلہ کروایا تھا۔

آج کل وہ اس کے بارے میں اتنی حساس ہو رہی تھی کہ ذرا ذرا سی بات پر دل بھر آنے لگتا تھا۔ لڑائیاں' تکرار تو خواب خیال ہوئی تھیں' اب محبت اور نرمی بھی بھی حوصلہ کم کرنے لگتی تھی۔

کتابیں رکھ کر وہ مڑنے لگی تھی کہ اچانک ہی لڑکھڑا گئی' سہارا لینے کے لیے ہاتھ بے ساختہ ہی میز کے کونے پر رکھی معاذ کی کتابوں سے ٹکرایا تو وہ پھسل کر نیچے آگریں۔

درد کی شدید ٹیس پیر میں اٹھی تھی۔

موچ آئی تھی یا کیا۔

پر وہ تو جیسے ہر احساس سے بے گانہ ہوئی۔

کتاب سے گری وہ دو تصویریں' ان بدترین خدشات کی تصدیق کرتی تھیں' جن کی وجہ سے وہ بار بار امی کی نگاہ میں معتوب ٹھہرتی تھی۔

جویا اور وہ خود!

جھک کر وہ تصویریں اور کتاب اٹھاتے ہوئے' اس کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔

محض چند ماہ پہلے کالج کی الوداعی پارٹی میں کھینچی گئی وہ دو آخری تصویریں' جن میں وہ دونوں ساتھ تھیں اور جو خود ربیعہ نے بڑی خوش امیدی کے ساتھ اصرار کر کے کھنچوائی تھیں۔

سوچا تھا' کسی سعد گھڑی میں معاذ کے لیے اچھا تحفہ ثابت ہوں گی' مگر بعد کے حالات اور واقعات کی گنجلک اور دل توڑتی ترتیب۔

اس کی نگاہ جویا کے سادہ اور پُرکشش چہرے پر جمی!

گھر میں کسی کو اس نے یہ فوٹوز دکھانے کی ہمت نہیں کی تھی' یوں ہی کہیں کتابوں کے بیچ رہ گئے تھے۔

کب اور کیسے معاذ کے ہاتھ میں آئے۔

وہاں سے یہاں تک سفر میں ایسی کوئی راز کی بات نہیں تھی!

"پھر بھی کاش یہ یہاں نہ ہوتیں۔" ربیعہ کے دل نے شدت سے آرزو کی تھی۔ باہر سے امی آواز دے رہی تھیں۔

اس نے پھرتی سے مڑ کر ان فوٹوز کو واپس اسی کتاب میں رکھ کر جگہ پر رکھا اور گیلی ہوتی آنکھوں کو رگڑ کر خشک کیا۔

"ربیعہ! چائے کا وقت ہو رہا ہے۔ اگر نماز پڑھ لی ہو تو۔" امی کی آواز بالکل قریب تھی۔

اس نے دروازے سے نکلنے سے پہلے بہت احترام کے ساتھ اس طرف دیکھا' جہاں ایک کتاب میں کسی نے ایک گہرے دکھ کو بہت وقار کے ساتھ چھپا کر رکھا تھا اور دوسرے ہی لمحے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼
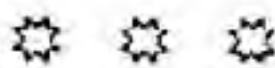
"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا ہے سلمان! ہوش میں رہ کر بات کیا کرو مجھ سے۔"

بڑی لجاجت سے پیش کی گئی عرضی کے جواب میں بھی وہ اس طرح آنکھیں نکال کر جھڑک رہی تھی کہ ساری امیدیں فوراً" ہی دم توڑنے لگیں۔

"کوئی خیراتی ادارہ نہیں کھول رکھا ہے میں نے جو تمہیں اور تمہارے سارے خاندان کو پالتی رہوں' کہہ دو اپنے ماں باپ سے صاف' اپنا انتظام خود کریں' مجھ سے امید لگا کر مت بیٹھیں۔" اس کا جواب صاف اور قطعی تھا۔

اور عموماً" جب وہ کچھ کہتی تھی' تو اس پر نظر ثانی کی گنجائش بھی نہیں چھوڑتی تھی۔

سلمان نے پھر بھی کوشش جاری رکھنا چاہی' آخر کو وہ چاہا گیا تھا۔

اور محبوب کے لیے مرتی عشق محبت میں بھی کچھ تو گنجائش رہ ہی جاتی ہے۔

"میری خاطر زوبیہ! ماں باپ ہیں وہ میرے!"

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ اگر وہ اتنے پھٹیچر لوگ تمہارے ماں باپ ہیں۔"

اپنی خوش فہمی کے ہاتھوں اس نے ایک اور ذلت اٹھائی۔

وہ اس سے بھی زیادہ سخت لفظ کہتی تھی اور وہ سنتا تھا' مگر اس سب سننے سنانے کے بعد کچھ پیسے ملتے تھے تو برا کیا تھا؟

"جویا کی شادی ہے' اس وقت تھوڑا سا ساتھ دے دو پلیز' تمہارے سارے پیسے مل جائیں گے واپس۔ میں ذمہ داری لیتا ہوں۔"

"تم اپنی ذمہ داری نہیں لے سکتے سلمان! تمہیں بھی تنخواہ میرے باپ سے مل رہی ہے' آج وہ نکال باہر کریں تو کوئی ڈھنگ کا ادارہ جاب تک آفر نہیں کرنے والا تمہیں۔"

"مانتا ہوں احسان ان کا' لیکن اس وقت بہت سخت ضرورت ہے' پلیز!"

اس نے دل ہی دل میں آپا گل کو بڑے کڑے الفاظ میں یاد کیا' ان ہی کے زور دینے پر یہ کرنا پڑ رہا تھا' ایسا گھیراؤ کیا ہوا تھا کہ بس!

"بہت پیسہ ہے تمہارے باپ کے پاس' لیکن وہ اور تمہاری ماں بہن' اپنے پاس سے خرچ نہیں کرنا چاہتے' ان کی نیت ہی خراب ہے' میں شروع میں ہی انہیں سمجھ چکی ہوں' اسی لیے کبھی منہ نہیں لگاتی۔"

ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی' وہ ایک کے بعد ایک' کوئی نہ کوئی کریم اور لوشن مل رہی تھی' اور پھر بھی خود سے مطمئن نہیں دکھائی دے رہی تھی' چہرے پر پھیلی کرختگی کا تاثر اتنا گہرا تھا کہ اسے ہلکا کرنے کے لیے کچھ بھی کارگر نہیں تھا۔

سلمان نے دانستہ شیشے میں دکھائی دیتے اس کے عکس سے نگاہ چرائی۔

عیش و عشرت کی یہ زندگی کتنی بھی سہل سہی' کسی کسی وقت تو دل کو بڑے زور کا دھچکا لگتا تھا۔

بیچ میں آئی ان چند لمحوں کی خاموشی پر زوبیہ کو خیال گزرا تھا کہ وہ اس کی بات ہمیشہ کی طرح سمجھ چکا ہے۔

"چلو!" اپنا ہینڈ بیگ اٹھاتے ہوئے وہ چلنے کے لیے تیار ہوئی۔

"تو تم کچھ بھی مدد نہیں کروگی اس وقت' جویا کو کوئی تحفہ تو ہمیں دینا ہوگا' کیا وہ بھی ــــ!"

اس کے لہجے میں اتنی لجاجت تھی کہ آپا گل بھی اگر اسے اس طرح بات کرتے دیکھ لیتیں' تو وہ اگلے پچھلے سارے قصور معاف کر دیتیں۔

"نہیں' وہ تو میں دوں گی ہی' جویا ہی ہے تمہارے گھر میں' جو دوسروں سے بہرحال بہتر ہے' مگر انتہائی بے وقوف' اسی لیے تو اپنا حشر خراب کروا رہی ہے۔ تم سب کے ہاتھوں۔"

جویا کی شادی پر اس کا اعتراض اول دن سے تھا' لیکن سلمان اسی پر شکر کرتا تھا کہ وہ کم از کم کسی کے لیے تو نرم گوشہ رکھتی ہے۔

"اعجاز اچھا لڑکا ہے اور اس کے گھر والے بھی ــــ"

"وہ اتنا ہی اچھا ہے جتنے تم' اور اس کے گھر والے بھی ٹھیک اسی نیچر کے ہیں جیسے تمہارے گھر والے' خود خرچ کرنے کے نام پر صفر ہیں۔"

زوبیہ نے تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی' اسے دیر ہو رہی تھی' اپنی بات کہتی ہوئی وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

سلمان نے ایک تھکی تھکی سی سانس لی۔

زوبیہ سے کوئی بڑی توقع رکھنا فضول ہی تھا' وہ باہر آیا تو لاؤنج میں زوبیہ کی ممی کھڑی دکھائی دیں۔ وہ ان کے گھر اتنا کم آتی تھیں کہ ان کا آنا خود بخود تھوڑی سی اہمیت اختیار کر جاتا تھا۔

"وعلیکم!" انہوں نے اس کے سلام کے جواب میں محض اتنا ہی کہا تھا۔

"اس بار زرتاج کے ہوش اڑے ہیں ٹھیک ٹھاک۔ آئی تھی تمہارے پاپا کے پاس کہ سالار کا کچھ انتظام کروائیں' کچھ چارجز لگوا کر اریسٹ کروا دیں کچھ عرصے کے لیے یا پھر مکمل غائب' یوسف کے لیے تو سب آسان ہے۔" وہ جو قصہ شروع کیے ہوئے تھیں' جاری رکھے رہیں۔

"سالار!" سلمان کو سوچنے پر بھی یاد نہیں آیا کہ یہ نام اس نے پہلے بھی سنا ہو۔

"پھر کیا کر رہے ہیں اس بار وہ اپنی بہن کے لیے۔"

"کچھ نہیں کریں گے' اب عمر ڈھل رہی ہے تو یوسف کو بھی عقل آتی جا رہی ہے' ورنہ یہ کون سا کم تھے' دونوں بہن بھائی ایک فطرت کے ہیں' اپنے وقت میں وہ کیا کم گل کھلا چکے ہیں۔"

تب ہی زوبیہ نے سلمان کی طرف دیکھا۔

"تم کیا کھڑے ہو کر باتیں سن رہے ہو' گاڑی نکالو' تھوڑی دیر میں آ رہی ہوں میں۔"

"آپ بھی حد کرتی ہیں۔" سلمان کے باہر جانے کے بعد وہ ماں کے ساتھ صوفے پر بیٹھتے ہوئے' خفگی سے بولی۔

"یہ پچھلے قصے سلمان کے سامنے سنانے کی کیا ضرورت ہے' ویسے ہی وہ ایک بار مجھے کہہ چکا ہے کہ یہ تمہاری زرتاج آنٹی کو اتنے چھوٹے لڑکے سے شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"کون سی نئی بات ہے' سب ہی حیرت کرتے ہیں۔" انہوں نے زوبیہ کے اعتراض کو فوری طور پر رد کیا "میں نے تو صاف کہہ دیا ہے یوسف سے سالار کی مخالفت کرنے کی حماقت نہ کریں' آدھی سے زیادہ جائیداد کا مالک ہے وہ بیگ کی اور اب وہ اٹھارہ بیس سال کا لڑکا نہیں جوان کے ظلم و ستم سے گھبرا کر بار بار گھر سے بھاگ کھڑا ہوتا تھا۔ آیا ہے تو کچھ سوچ کر ہی آیا ہوگا۔"

"ٹھیک کیا آپ نے' ہمارا کیا لیتا دیتا۔" زوبیہ نے اکتاہٹ سے ہاتھ ہلایا۔

اسے نہ اپنی پھوپھی کی فیملی میں دلچسپی تھی اور نہ ہی مرحوم پھوپھا کے اس آوارہ بیٹے سے' جس کی ٹھیک سے شکل بھی یاد نہیں تھی۔

"آپ اس وقت کیسے آئیں' کوئی خاص بات تھی کیا؟"

"نہیں بس ایسے ہی دل چاہا۔"

زوبیہ نے کچھ چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

وہ اپنے سرکل کی معروف ترین خاتون تھیں اور اس طرح ٹل جانے کی گنجائش ان کے روٹین میں نہیں تھی۔

"ساری عمر میں یوسف کمال نے کوئی ایک جو عقل کا کام کیا ہو' یہ اتنا پیسہ بھی بس میری قسمت سے ہی بنا ہے۔" انہوں نے اپنے بے حد دولت مند شوہر کی ساری کامیابی کا کریڈٹ خود لیا اور بات جاری رکھی۔

"محض اسی بدبخت زرتاج کے کہے میں آ کر سالار کی مخالفت پر اترے رہے' عقل مند ہوتے تو اسے ہاتھ میں لیتے' زرتاج جاتی جہنم میں' ہماری بلا سے۔"

"سو آج وہ محض سالار کے بارے میں ہی بات کرنے آئی ہیں!"

زوبیہ نے بالآخر ایک درست نتیجہ تو نکال ہی لیا۔

"آج وہ اپنا حق لینے کھڑا ہو جائے تو ساری شان و شوکت بیٹھتی نظر آئے گی زرتاج کی اور یہ جو غلام خریدا ہے' منہ چھپا کر بھاگ کھڑا ہوگا۔"

ان کی اور زرتاج بیگم کی نفرت کھلا راز تھی۔

زوبیہ کو جانے کے لیے دیر ہو رہی تھی اور اس پرانی خاندانی چپقلش کے قصے میں کون سی نئی بات تھی۔

"جانے دیں' ہمارا کون سا نقصان ہو رہا ہے' کرتی رہیں زرتاج آنٹی مزے۔"

"تم بھی عقل میں اپنے باپ سے آگے کب ہو۔"

انہوں نے ایک طنزیہ نگاہ زوبیہ پر ڈالی' وقت پر سمجھ داری دکھائی ہوتی تو اس نکمے سلمان کی جگہ سالار بھی ہو سکتا تھا' کون سی بڑی بات تھی!"

زوبیہ نے بہت حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

"کروڑوں کی مالکن بن کر راج کرتیں۔ اس چار سو گز کے مکان کے بجائے اس محل جیسے وسیع و عریض گھر پر حکمرانی ہوتی اور ہمارے اپنے بزنس کو کتنی سپورٹ ملتی، مگر تمہاری آنکھوں پر تو اس روڈ چھاپ کے عشق کی پٹی بندھی تھی۔"

جو بات طنز سے شروع ہوئی تھی، پچھتاوے پر آکر ختم ہو رہی تھی۔

اٹا ثے گوشوارے۔

زوبیہ نے ہلکے سے سر جھٹک کر جیسے خود کو متاثرین میں سے نکالا۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں آپ، سلمان میری اپنی پسند ہے ممی!"

"ساری عمر بوجھ بن کر رہے گا تم پر اور بوجھ خوشی خوشی نہیں ڈھویا جاتا، بےزار ہو چکی ہو تم اس سے اب تک، کہو میں اگر غلط کہہ رہی ہوں!" پوری قطعیت کے ساتھ انہوں نے آخری اور حتمی بات کہی، زوبیہ سے اس بار فوری تردید بھی نہ ہو سکی۔

☼ ☼ ☼

بڑے ہال میں پاؤں رکھنے کی گنجائش نہیں تھی! نیچے سیڑھیوں کے ساتھ ڈالا لکڑی کا بھاری دروازہ کب کا بند کر دیا گیا تھا، پھر بھی باہر گلی میں غضب کا رش لگا ہوا تھا۔

پتہ نہیں کس نے یہ افواہ اڑا دی تھی کہ آج صندل خود کوئی خاص پروگرام کر رہی ہے۔

سو شائقین کی بے تابی کچھ اور سوا تھی!

نگینہ کا چہرہ خوشی سے کھلا پڑ رہا تھا۔

موسیقی کی مدھر لے، لڑکیوں کے تھرکتے ہوئے پاؤں اور نوٹوں کے برسنے کا تسلسل!

پچھلے چند دنوں میں دل کو بڑی طمانیت حاصل ہوئی تھی، صندل کی طرف سے ملے ملال بھی فی الحال چھٹی پر جا چکے تھے۔

"خالی دماغ، شیطان کا گھر، اور فرصت سے بڑا کوئی دوسرا روگ نہیں، میں تو نفسیاتی مریض بن کر رہ گئی تھی، کچھ دن اور گزرتے تو سیدھی پاگل خانے پہنچ جاتی۔ دھت!"

اپنی بات کہہ کر وہ بڑے زور سے ہنسی تھی، شاما نے بڑی محبت سے اس کی طرف دیکھا۔

"پاگل ہوں آپ کے دشمن بس یوں ہی خوش رہا کریں، اداس نہیں اچھی لگتیں!" وہ کسی کام سے اٹھ کر باہر آئی تھی۔

"دشمنوں کے دل پر تو سانپ لوٹ رہے ہیں۔ دیکھا نہیں، آج تو ان کے ہاں کے خاص مہمان بھی ہماری طرف آکر بیٹھے ہیں۔"

واپس اندر قدم رکھنے سے پہلے، اس نے دروازے میں رک کر اندر موجود شرفاء پر ایک جائزہ لیتی نگاہ ڈالی۔

اکثریت مخصوص مہمانوں کی تھی۔

نائی ستارہ کو ہرایرے غیرے کا منہ اٹھا کر چلے آنا پسند نہیں تھا، پھر بھی اتنے رش میں کہیں کہیں بے احتیاطی ہو ہی جاتی تھی۔

نگینہ اپنی بھاری ساڑھی سنبھالتے ہوئے اک ادا سے آکر اپنی مخصوص جگہ پر آکر بیٹھی۔

آج غزلوں، سیمی کلاسک پر زور تھا کیونکہ خود ستارہ نائی موجود تھیں۔

پچھلے تین دن فلمی آئٹم سے کام چلا تھا اور بہت خوب چلا تھا!

فرمائشوں پر فرمائشیں آ رہی تھیں۔
امراؤ جان سے لے کر پاکیزہ تک کے وہ روایتی گیت جنہیں سن سن کر بھی لوگ بور نہیں ہوتے اور آج کے مہمان تھے بھی صاحبِ ذوق۔
نانی ستارہ کے چہرے پر بڑی تمکنت بھری مسکراہٹ تھی۔

"تو پیا سے مل کر آئی ہے
بس آج سے نیند پرائی ہے!"
اقبال بانو جیسی منفرد اور باکمال فنکارہ کا گیت جس لڑکی نے گانے کی کوشش کی تھی بس واجبی سی تھی۔
نگینہ نے نانی کا اشارہ سمجھ کر اسے بڑی خوبی سے پیچھے ہٹایا تھا۔
یہاں ماحول کا رنگ اختتام تک جمائے رکھنا ہی کامیابی کی دلیل تھی۔ ذرا سا پھیکا پن ساری محفل پر اثر انداز ہوتا تھا۔
نگینہ کے فلمی مزاج کے لیے ایسا کچھ کرنا مشکل نہیں تھا۔
ایک چھوڑ ہزار تیر بہدف!
لیکن پہلے نانی ستارہ کو اٹھانا ضروری تھا! شاما غضب کی مزاج شناس تھی!۔
اور شاید نانی خود بھی تھک چکی تھیں، محفل پھر سے جمنے لگی مگر اس بار دوسرے انداز سے۔
وعدہ ہر نا، وہ نغمگی، نانی کے ساتھ ہی رخصت ہوئی تھی اور منہ کا مزہ بدلنے والی وہی بارہ مسالے والی چاٹ!
آئیٹم نمبر لوگوں کو باندھ کر بٹھائے ہوئے تھے اور یہاں مچا شور و غل، نیچے سڑک تک جا رہا تھا۔
لوگوں اور سواریوں کے ہجوم میں جگہ بناتی بمشکل آگے بڑھتی اس سیاہ شیشوں والی گاڑی پر کسی کی بھی بطور خاص توجہ نہیں تھی۔ جو نانی کے چوبارے سے کچھ فاصلے پر آ کر رکی تھی۔
"بس یہیں اتار دیں، میں چلی جاؤں گی۔" برقعے کی نقاب کو چہرے کے گرد کستے ہوئے وہ فوراً ہی باہر اتر آئی تھی۔
بھیڑ اتنی تھی کہ شاید دو قدم بھی چلنا محال!
"گاڑی میں بیٹھ جاؤ صندل! کسی نے پہچان لیا تو بڑی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔"
"کوئی نہیں پہچانے گا، سب ہی اس طرح آتی جاتی ہیں آج کچھ زیادہ ہی رش ہے ورنہ ــــ!"
"تمہارے ہی دروازے پر ہے، نہیں کھلے گا ابھی، پھنس کر رہ جاؤ گی بری طرح بیٹھو واپس گاڑی میں۔" کہنے والے کا تحکم بھرا لہجہ، اسے اب تک ماننے کی عادت پڑ چکی تھی۔
"کہا بھی تھا میں نے تمہیں کہ نگینہ کو سختی سے منع کر دینا، کیوں وہ تمہاری ویلیو گرانے پر تلی ہوئی ہے۔" بالی کا موڈ بری طرح بگڑا تھا۔
"کروڑوں روپے لگائے ہیں میں نے مگر یہ بازاری چھاپ لگائے رکھنے پر ہی تلی ہے، اصلیت چھوٹے بھی تو کیسے! بہت ہو گیا بس۔"
صندل نے اپنے ماتھے پر پسینے کے قطرے ابھرتے ہوئے محسوس کیے۔
سامنے بالکونی میں کھڑی شاما نے بے اختیار ہی اپنا ہاتھ سینے پر رکھا اور پھر فوراً ہی پلٹ کر اندر بھاگی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عالیہ بخاری

دیوارِ شب

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ، نی نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے دردانہ طریقے سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گئی رقم کی چوری دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو ہے جو اصولوں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعاگو ہیں۔

دوسرا گھرانہ ظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما لیتے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ حویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر فرق ڈال دیا ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے معقول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے جبکہ حویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ فیروزہ، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز

سے اس ہجوم کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔
سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی عادت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے کف افسوس کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔
اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید خوف اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ سمیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔
علمدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جھنجھلاتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اٹھک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ نگینی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔
خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک لیس میرون کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر نگینی کی چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے اس کے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔
زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سیکرٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ عالیہ سیکرٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور راجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر نگینی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔
گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لالچی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔
سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔
جویا کا رشتہ آناً "فاناً" طے ہو جاتا ہے، جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی "کوششیں" شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے اور جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کو نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے تو وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ، جویا کو اکساتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں وہ مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ، آپا گل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔
صندل کو بالی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے۔ تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔
خیام کو ڈھونڈنے کی سالار اپنی سی کوشش کرتا ہے۔
خیام، بابو شوکت کے خاندان بالخصوص رانی کی حرکتوں سے تنگ آ کر فرار کی راہیں تلاشنے لگتا ہے۔ پھر سالار کی آمد اسے مزید ہراساں کر دیتی ہے۔ بالآخر وہ بابو شوکت کا ٹھکانہ چھوڑ دیتا ہے۔
روزی کی اچانک گمشدگی بیگم زرتاج کو دونوں پریشان رکھتی ہے اور عظمت بوا اس صدمے سے سنبھل نہیں پاتیں اور

چپ چاپ نوکری چھوڑ جاتی ہیں۔ ایک نوکرانی کی یہ جسارت بیگم زرتاج کو مشتعل کر دیتی ہے۔ اس واقعہ میں نبیل کا ہی ہاتھ ہے لیکن کسی کے ہاتھ کوئی ثبوت نہیں آتا۔ راجو ڈرائیور، روزی کی گمشدگی سے نیم دیوانہ ہو جاتا ہے۔ وہ ہر وقت اس کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ نبیل اسے جھوٹی تسلیوں سے بہلاتا ہے۔ نبیل اور بیگم زرتاج کا اطمینان اس وقت غارت ہوتا ہے جب کوٹھی میں سالار کی آمد ہوتی ہے جو بیگم زرتاج کا سوتیلا بیٹا ہے۔ زرتاج بیگم کی تنبیہہ اور بے بسی اسے معاملے کی سنگینی کا احساس دلاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۲۸
اٹھائیسویں قسط

صندل کا رو رو کر برا حال تھا۔
نانی ستارہ، نگینہ، شاما تینوں نے ہی اپنے طور پر ہر کوشش کر لی مگر کوئی دلاسا، کوئی حرف تسلی کارگر نہیں۔
وہ بہت سویرے گھر آئی تھی۔
رات بھر اس کا موبائل آف رہا تھا۔ نگینہ اور شاما کی رات آنکھوں میں کٹی تھی۔
صندل کا گھر کے دروازے تک آنا اور جانا، سویرے سویرے، نانی کے بھی گوش گزار کر دیا گیا تھا۔
"بالی صاحب اسے واپس لے گئے، ضرور بہت برا مانا ہوگا، اصل میں تو صندل نے ان ہی کے کہنے پر یہاں محفل جمانے پر پابندی لگائی تھی، انہیں اعتراض تھا کہ ہیروئن کی ویلیو گرتی ہے۔"
جو اطلاع نانی کو پہلے نہیں تھی، وہ بھی دینی ضروری ہوئی۔
"بات ہے بھی ٹھیک، پھر تو احتیاط لازم تھی، کیا ہو گیا تم لوگوں کی عقلوں کو، ساری عمر کاروبار سمجھ کر کام کیا ہے تم نے تو پھر بھی ایسی بے عقلی۔"
شاما تو خیر کس گنتی میں تھی، لیکن نانی کو نگینہ پر بے حد غصہ آیا تھا۔
"ایسے ہی بوریت ہونے لگی تھی اماں! اور پھر کون سا نیا کام کیا تھا، جو انہیں برا لگ گیا، کیا دنیا نہیں جانتی کہ صندل کا تعلق کس جگہ سے ہے۔"
دبے دبے سے انداز میں اس نے اپنی صفائی پیش کی بھی تو نانی ستارہ خفا ہی رہیں۔
"لے کے مجھے بھی برا بنوا دیا، کم از کم پوری بات تو بتایا کرو، اب میں کیا جواب دوں گی، صندل کو بھی اور بالی صاحب کو بھی۔"
ان کی تشویش غلط نہیں تھی۔
جواب دہی ان ہی کے حصے میں آئی۔
صندل نے سارا الزام ان ہی کے کھاتے میں ڈالا۔
"ان سے تو خیر کوئی امید رکھی ہی نہیں جا سکتی، مگر آپ کو تو خیال رکھنا چاہیے تھا، ذلیل ہو کر رہ گئی میں بالی صاحب کے سامنے، دو لفظوں میں اوقات دکھا کر رکھ دی۔"
اس کی آنکھیں ہلکی سی سوج رہی تھیں اور ناک بالکل سرخ ہو رہی تھی۔
پچھلے سارے مہینوں میں سیلیبریٹی ہونے کا جو احساس پاؤں زمین پر ٹکنے نہیں دیتا تھا، اس پر بری طرح چوٹ پڑی تھی۔
نانی کو خود بڑا رنج تھا۔

معلوم نہیں' ان سے کیسے چوک ہوئی' صندل کے لیے بڑی کامیابی لے لیے' چھوٹی سے چھوٹی بات کا خیال لیا جاتا تھا' پھر بھی گڑبڑ ہوئی سو ہوئی۔

"صاف کہا ہے بالی صاحب نے' اگر تمہاری ماں کو اسی طرح مجرے سجانے ہیں تو پھر کم از کم میری فلم کا خیال دل سے نکال دو' دوسرے تیسرے درجے کی فلمیں آسانی سے مل جائیں گی تمہیں' جن میں تمہاری ماں بھی سینکڑوں بار ڈانس کر چکی ہے۔"

بمشکل اپنی بات کہہ کر وہ پھر سے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

بالی کے الفاظ زیادہ سخت تھے یا پھر حقیقت کی سنگینی' نگینہ الزام ثابت ہو جانے کے بعد' والے مجرم کی شرمساری اور مایوسی سے دوچار تھی۔

"اتنی عمر ناچ لیں' پھر بھی ان کا دل نہیں بھرتا' جو ادھر ادھر سے لڑکیاں جمع کرواتی ہیں' ایسی عورتوں کو کیا کہا جاتا ہے' جو کمیشن پر کام کرتی اور کرواتی ہیں۔ اپنے منہ سے ہی بتا دیں۔"

بہت دیر بعد اس نے نگینہ کو براہ راست مخاطب کیا وہ محض پہلو بدل کر رہ گئی۔

"ماں ہے تمہاری' کچھ تو لحاظ کرو۔" نانی کو نگینہ کا زرد ہوتا چہرہ دیکھ کر بھی رحم آنے لگا تھا۔

اس کی کم عقلی میں کوئی شک تھا اور نہ اس کی بدنصیبی میں۔

"کیسی ماں ہیں' اولاد کے لیے شرمندگی کا سبب بنتی ہیں بار بار۔" وہ زیر لب بولی تھی۔

نانی نے شکر کیا کہ نگینہ خاصی دور بیٹھی تھی اور بے حد گم سم تھی۔

کمرے میں ایک نیم گرم دن پھیلنے لگا تھا۔

شاما نے اٹھ کر کھڑکیوں کے پردے گرائے اور خود ناشتہ بنانے کے لیے باہر نکل گئی۔

گیتی اسی وقت اندر آئی تھی۔

"امی! وہ میں۔۔۔" جو کچھ بھی وہ کہنے آئی تھی' اندر کا منظر اور صورت حال کو بھانپ کر فوری طور پر بھول گئی تھی۔

"کیا ہوا ہے امی؟"

نگینہ کے پاس سکڑ سمٹ کر بیٹھتے ہوئے اس نے ڈرے ڈرے سے لہجے میں پوچھا تھا' مگر کوئی جواب نہ ملا' اسے اکثر ہی اپنے سوالوں کے جواب نہیں ملتے تھے' خود ہی نتیجے اخذ کرنے پڑتے تھے۔

نانی اور صندل کے بیچ اس ہال نما کمرے کے دوسرے سرے پر کیا چل رہا تھا' فی الحال اس کے علاوہ کچھ نہیں سمجھ میں آرہا تھا کہ' کچھ ایسا ہوا ہے' جو صندل کے لیے تکلیف دہ ہے۔

مگر تکلیف میں تو اس کی ماں بھی تھی۔

اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ نگینہ کے ہاتھ پر رکھا مگر وہ چونکی تک نہیں۔

شاما ناشتہ تیار کر کے لائی تھی۔

نانی اور صندل کو وہاں اس بڑی ساری مسہری پر سرو ہوا' نانی اصرار کر کر کے اسے کھلا رہی تھیں۔

"امی! آپ بھی کھالیں۔"

گیتی نے شاما کی لا کر رکھی ٹرے میں سے لقمہ توڑ کر نگینہ کے منہ تک بڑھایا۔

نگینہ نے اتنی دیر میں پہلی بار اس کی طرف دیکھا۔

گیتی کے چہرے پر سادہ سی مسکراہٹ تھی۔

نگینہ کو گلے میں کچھ اٹکتا ہوا سا محسوس ہو رہا تھا' پانی تک اترنے کی گنجائش نہ ہو جیسے' مگر گیتی کا بڑھا ہوا ہاتھ پیچھے کرنے کو اس کا دل نہ چاہا۔

"بس اب اور نہیں۔"

وہ ہر نوالے کے بعد کہتی' مگر گیتی چپ چاپ اپنا کام کیے گئی۔

شاما کو بڑا ہی اطمینان ہوا تھا دیکھ کر۔

ماحول آہستہ آہستہ نارمل ہو رہا تھا۔

"چند دنوں میں' اپنی کوٹھی میں شفٹ ہونا ہے' آپ لوگ اپنی پیکنگ کریں' نئی فلم فلور پر تب ہی جائے گی' جب میں' یہاں سے شفٹ ہو جاؤں گی۔"

چائے پیتے ہوئے صندل نے قدرے بلند آواز میں اطلاع دی تھی' گو اس بار اس نے بالی صاحب کا نام نہیں لیا تھا' پھر بھی ہر ایک کی سمجھ میں آگیا تھا۔

"یہاں کی ساری باتیں یہیں پر چھوڑ کر جائی ہوں گی' یہ بات سب اچھی طرح سمجھ لیں اور جن کو کچھ اعتراض ہو' وہ شوق سے یہیں رہیں۔"

وہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تو نگینہ بھی بے تابانہ اٹھ گئی۔ اس بار گیتی کا لقمہ ہاتھ میں پڑا ہی رہ گیا۔

"جیسا تو کہے گی بیٹا' ویسا ہی ہوگا' معلوم نہیں کیا ہوا تھا میری عقل کو' آئندہ کبھی جو تجھے شکایت کا موقع ملے' بالی صاحب سے میں خود چل کر معافی مانگ لوں گی' بڑے آدمی ہیں۔ معاف کر دیں گے مجھے۔"

گیتی کو اس کے خوشامد بھرے لہجے پر تکلیف ہوئی تھی۔

صندل محض "ٹھیک ہے" کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔

"کیسی خوشی کی خبر ہے اماں! اور مات گئی میں' صندل کتنی بھی ناراض سہی' ہمیں اپنے سے الگ کرنے کی بات تو کی بہرحال اس نے' یہ کتنی بڑی بات ہے' ورنہ یہاں تو وہ لڑکیاں بھی' سب کو چھوڑ چھاڑ کر نکل جاتی ہیں' جیسے ذرا سا آسرا مل جاتا ہے' میری صندل تو ٹاپ کلاس ہیروئن کہلائی جا رہی ہے ابھی سے۔"

من پسند اسٹیٹس کی خوشی' کچھ دیر پہلے ہوئی بے عزتی پر حاوی ہوئی۔

"غلطی تو ویسے بھی میری ہے' اپنی بچی کی بات کا برا مانوں گی بار بار' تو پھر ماں کہلانے کی حقدار بھی کہاں۔ کیوں اماں؟"

اس نے جو چھوٹی سی تصدیق چاہی' نانی ستارہ سے معلوم نہیں کیوں دی نہیں گئی۔

گیتی کی نگاہ' نانی پر جمی تھی۔

ان کے چہرے کے تاثرات عجیب سے ہو رہے تھے۔

نہ خوشی' نہ افسوس' وہ کسی گہری سوچ میں تھیں۔

"اور کوٹھی میں شفٹ ہونے کی خوش خبری بھی انہیں خوش کرنے کے لیے ناکافی تھی کیا؟" گیتی نے حیرت سے سوچا۔

☼ ☼ ☼

آپا گل کا منہ حیرت سے کھلا اور پھر بند ہوا۔ نگاہ جیسے سلمان کے چہرے پر سے ہٹنا بھول گئی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟" وہ اور بھی تلملایا۔

"میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ مجھ سے کوئی زیادہ توقع مت رکھیے گا' زوبیہ مجھے ایک ایک روپیہ گن کر دیتی ہے' لاکھوں کہاں سے لا سکتا ہوں میں' وہ تو ایک لفظ سننا گوارا نہیں کرتی اس بارے میں۔"

اس نے پوری لاتعلقی سے' اپنے حالات کے بارے میں پیراگراف پڑھا۔

"تو پھر کون کرے گا یہ سب' اپنے باپ کے حالات سے اچھی طرح واقف ہو' خالی ہو گئے وہ تمہاری شادی کر کے' یہ پتا ہوتا کہ تم ہری جھنڈی دکھاؤ گے تو کچھ سوچ سمجھ کر چلتے۔"

شاکرہ سچ مچ رو دینے کو تھیں۔

"وہ میری وجہ سے خالی نہیں ہوئے' آپ لوگوں کی فضول خرچیاں لے ڈوبی ہیں' اس گھر کو' سالوں سے شاہانہ زندگی گزار رہے ہیں آپ سب' زوبیہ تو کھل کر کہتی ہے کہ تمہارا باپ اس چھوٹی سی پوسٹ پر آخر کتنا کما رہا ہے' جو تمہارے گھر والوں کو اتنے عیش میسر ہیں' جو بڑے بڑے آفیسرز کو میسر ہوتے ہیں۔"

سلمان نے' زوبیہ کا تبصرہ' خاصی نرم الفاظ میں دُہرایا تھا' لیکن جلتی پر تیل کا کام ہو گیا۔

"کسی بدبخت کی نظر کھا گئی ہمارے گھر کو' کیسا دل کھول کر خوشی منائی تھی تمہاری شادی کی' بس اس کے بعد تو جیسے پیسے کو ترس گئے ہیں۔"

"کچھ عورتیں سبز قدم ہوتی ہیں ایسی' ان کے آتے ہی گھر میں جھاڑو پھر جاتی ہے' ہمارا تو رزق اسی زوبیہ کے آنے سے اڑا ہے' ورنہ پہلے کبھی ایسا تصور تک میں نہیں آیا تھا۔"

آپا گل بھی اپنے حواسوں میں واپس آئیں۔

سلمان نے ایک کڑی نگاہ ان پر ڈالی۔

"کیوں' پہلے تو آپ لوگ کہتے تھے کہ ربیعہ کے گھرانے کی نظر لگتی ہے آپ کو' وہ آپ کو کھاتا پیتا دیکھ کر جلتے ہیں اور زوبی تو آپ کے ساتھ رہی تک نہیں ہے' اس کا تو اپنا الگ گھر ہے۔"

ایک بیان میں' اس نے دو باتیں جتائی تھیں۔

آپا گل نے بہت غور سے سلمان کے چہرے کو دیکھا۔ خود غرضی' لاتعلقی' اس کے الفاظ میں ہی نہیں' چہرے پر بھی ثبت ہو رہی تھی۔

پاس ہوتا تب بھی اپنائیت کا ہلکا سا بھی احساس نہیں جاگتا تھا' محض دیوار سے سر پھوڑنے کا سا تجربہ ہاتھ آتا تھا۔

"تم ربیعہ کا ذکر بہت کرنے لگے ہو ہر بات میں' ورنہ پہلے تو اس کا نام سننا گوارا نہیں کرتے تھے۔"

تھی تو قطعی غیر متعلق بات' لیکن وہ پوچھے بغیر نہیں رہ سکیں۔

شاکرہ نے انہیں گھور کر دیکھا بھی۔

"بے کار میں بچے کا دل خراب کرنا۔"

ساری خفگی مایوسی اپنی جگہ' لیکن سلمان ان کی سب سے لاڈلی' چہیتی اولاد تھا۔

آپا گل نے ان کا گھورنا بھی قطعی نظرانداز کیا تھا۔

"کچھ پچھتاوا تو نہیں ہو رہا تمہیں زوبیہ سے شادی کر کے' ایسی بدفطرت عورت کے ساتھ رہنا آسان تو نہیں ہے بہرحال۔"

بے رحمی سے انہوں نے بات مکمل کی۔

"آخر جب وہ اتنی بے ہودگی کا مظاہرہ کر سکتا ہے تو جواباً کیوں نہ اس کی بھی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا جائے۔"

"پچھتاوا کیا' اب تو جو ہونا تھا ہو گیا' زوبیہ اتنی بری بھی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ ربیعہ کے ساتھ یہ سب کچھ تو نہ ہوتا' جواب ہے۔" ان سے زیادہ اس نے خود کو تسلی دی تھی۔

آپا گل کے دل کو' اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر بڑی گھٹیا سی خوشی حاصل ہوئی۔

"جو ملا' وہ بھی کس کام کا اور ایمان داری کی بات ہے کہ صورت شکل میں تو ربیعہ ہزاروں میں ایک ہے۔"

سلمان تڑپ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا جتانا چاہ رہی ہیں آپ، جب وقت تھا تو آپ ہی پیش پیش تھیں ربیعہ کی مخالفت میں، نام سننا گوارا نہیں کرتی تھیں اب آپ کو یاد آنے لگی۔"

"یاد بھی مجھے نہیں تمہیں آرہی ہے۔"

"تعریف تو آپ کر رہی ہیں۔"

"وہ تو ایک کھلی حقیقت ہے، میں کون سا اپنی طرف سے کچھ کہہ رہی ہوں۔"

شاکرہ کے "ہیں ہیں" کرتے رہنے کے باوجود دونوں ہی معلوم نہیں کس طرف نکلے جا رہے تھے، "دفعتاً" ہی سلمان بڑے عجیب سے انداز میں آپا گل کو دیکھ کر مسکرایا۔

"اچھا تو معاذ بھی ہے، پھر آپ جویا کی شادی کیوں نہیں کر دیتیں اس سے، ابھی بھی وقت ہے۔"

"یہ بھی اس بدبخت زوبیہ کا پڑھایا ہوا سبق ہے اس روز جویا کو بھی معلوم نہیں کیا پٹی پڑھا رہی تھی۔" آج بھی معاذ کا نام سید ھا دل پر جا کر لگا تھا۔ "اور میں کہے دیتی ہوں امی!"

آپا گل نے شاکرہ بیگم کی طرف دیکھا۔ "اگر جویا کی شادی بخیریت ہونے دینا چاہتی ہیں تو پھر اس زوبیہ کو شریک نہ کریں، یہ سلمان بھی آتا ہے تو آئے ورنہ ہمیں اس کی بھی ضرورت نہیں ہے۔" مارے رقت کے ان کی آواز بھرانے ہونے لگی تھی۔

"بہت مہربانی ہے آپ کی۔"

سلمان نے کھٹ سے دونوں ہاتھ ٹھیک آپا گل کے سامنے جوڑے۔

"میں تو خود بھی نہیں چاہتا ہوں آنا، یہ امی ہی فون کر کر کے بلاتی ہیں، ورنہ کس کو پڑی ہے، یہاں آکر آپ کی جلی کٹی سنے۔"

"سچی بات ہمیشہ کڑوی لگتی ہے۔"

"زمانے بھر میں ایک ہی تو سچی رہ گئی ہیں اور کسی کے سامنے مت کہیے گا لوگ ہنسیں گے۔"

"سلمان! تم حد سے زیادہ ..."

جویا کی تاریخ رکھے جانے میں جو تھوڑی بہت بہتری آپس کے تعلقات میں آئی ہوئی محسوس ہو رہی تھی، پھر سے مزید ابتری کی صورت اختیار کرنے لگی۔

شاکرہ بیگم بمشکل ہی دونوں کو خاموش کرانے میں کامیاب ہوئیں۔

"جو اصل مسئلہ سر پر کھڑا ہوش اڑا رہا ہے، اس کی فکر کرو خدا کے لیے، آج تم دونوں کو میں نے اس لیے بلوایا تھا کیا کہ ایک دوسرے پر ہی الزام تراشیاں شروع کر دو، کوئی حل نکالو خدا کے واسطے! کس طرح اس شادی کو نمٹانا ہے۔" وہ بالکل رو دینے کو تھیں۔

"یہ تو آپ کو تاریخ رکھنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا، ابو نے کچھ تو انتظام کر کے رکھا ہوگا آخر۔"

سلمان کسی صورت یہ یقین کرنے کو تیار نہیں تھا کہ اظہار صاحب "واقعتاً" پیسے سے خالی ہو رہے ہیں۔ شاکرہ نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے، دوپٹے کے پلو سے آنکھیں خشک کیں۔

"کاش کر لیتے" وہ تو تمہارے آسرے پر مارے گئے اب تو زیور بھی نہیں رہا میرے پاس، جو بیچ کر کام نکالا جا سکے۔"

"میں مجبور ہوں امی! میرے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے۔ اور زوبیہ۔" سلمان کے لہجے میں شکستگی آئی "میں چاہوں بھی تو کچھ نہیں کر سکتا، بہت منت کر لی زوبیہ کی نہیں مانتی ہے وہ۔"

شاکرہ کا دل بری طرح دکھا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے، اس کے آگے ذلیل ہونے کی، اللہ مالک ہے، کچھ نہ کچھ بندوبست ہو ہی جائے گا، تمہارے ابو کے اتنے دوست ملنے والے ہیں، قرضہ وغیرہ لے کر فی الحال تو کام چلا ئیں، بات کروں گی ان سے۔"

سلمان کے کندھوں سے کوئی بھاری بوجھ اترا۔

"ٹھیک ہے پھر میں چلتا ہوں۔" وہ "فوراً" ہی اٹھ کھڑا ہوا "ویسے آپ فکر مت کریں، طبیعت خراب ہو جائے گی ورنہ۔"

ایک کھوکھلا دلاسا دے کر، وہ "فوراً" ہی باہر نکل گیا۔

آپا گل نے بے زاری سے سر کو ہلکی سی جنبش دی۔

"آپ بھی بس کمال کرتی ہیں، کر دیا اسے بری الذمہ، کون دے گا اتنا بڑا قرض، شادی ہے کوئی ہنسی مذاق کا کام نہیں اور کچھ نہیں تو وہ لاکھوں کا زیور ہی واپس لے لیں، جو زوبیہ کو ہم نے دیا تھا۔" وہ بری طرح تپی ہوئی تھیں۔

"کہوا اپنے پیر کرامت شاہ سے، دلوا دیں وہ زیور واپس، تیرے میرے کہنے سے تو زوبیہ ایک انگوٹھی بھی دینے والی نہیں ہے۔"

بے اعتنائی سے کہتی ہوئی شاکرہ بیگم، تکیہ کے سہارے نیم دراز ہو گئیں۔

"پیر صاحب بے چارے ہی سب کچھ کریں، آپ کا بیٹا کوئی تکلیف نہ اٹھائے، آپ کو صرف سلمان کی فکر ہے، باقی کسی کی بھی پروا نہیں، میں ہی بے وقوف ہوں، جو آپ سب کی فکر میں مری جاتی ہوں۔"

دن بھر رہنے کے خیال سے آئی تھیں، لیکن اب جذباتی ہو کر چادر اٹھا کر جانے کے لیے تیار تھیں۔

"کیا کروں پھر، تم نے ہی اصرار کر کے تاریخ رکھوائی تھی کہ پیر صاحب نے زوبیہ پر تعویذ کر دیا ہے۔ سارا خرچا سلمان اٹھالے گا، اب اگر تعویذ نے ہی کام نہیں دکھایا، تو سلمان کہاں سے لا کر دے سکتا ہے پیسہ، وہ تو خود ان کے ٹکڑوں پر پڑا ہے۔"

بے ساختہ ہی ایک کڑا سچ ان کے لبوں سے ادا ہوا، چند لمحوں کے لیے تو وہ دونوں ہی چپ سی رہ گئیں۔

"میں بات کرتی ہوں جا کر پھر پیر صاحب سے، کچھ تو راہ نکالیں گے ہی، بعض لوگ ایسے ہی ڈھیٹ ہوتے ہیں، جن پر عام تعویذ بھی عمل نہیں کرتا۔"

پیر کرامت شاہ کی کرامت پر وہ اب بھی اپنا یقین بنائے ہوئے تھیں۔ "کوئی ایسا جلالی عمل ہو، جس کا کوئی توڑ ہی نہ ہو سکے۔"

حسد، ناشکرا پن، ہوس، انسانی فطرت سے جکڑے سارے ہی منفی پہلو غالب آنے لگیں تو کس آسانی سے شرک جیسے گناہِ کبیرہ میں مبتلا کرتے چلے جاتے ہیں۔

عموماً "احساس تک نہیں ہوتا۔

آپا گل کو بھی نہیں ہو رہا تھا!

"پیسہ بہرحال اب میں ایک نہیں دوں گی اور۔" شاکرہ بیگم کی آواز تھکی تھکی سی تھی۔

☼ ☼ ☼

شام ڈھلنے میں ابھی وقت تھا۔

دن بھر چلتی گرم ہوا، بتدریج ٹھنڈی ہو رہی تھی، اس زیر تعمیر یونٹ میں، کام ابھی کچھ دیر پہلے ہی ختم ہوا تھا۔

متعلقہ عملہ، سامان سمیٹنے اور انہیں ٹھکانے پر رکھنے میں "فوراً" ہی مصروف ہو چکا تھا۔

روز کی اجرت پر کام کرنے والے مزدور، ایک طرف لائن بنائے، ٹھیکیدار سے اپنے حساب کتاب میں

مصروف ہوئے اور ماحول پر فرصت کا سکون بھرا احساس پھیلنے لگا۔

چائے والے لڑکے سے چائے کا کپ لے کر، وہ ٹھیلے دار کی میز پر سے اخبار اٹھاتا ہوا، قدرے فاصلے پر پڑے ایک لکڑی کے بینچ پر جا بیٹھا۔

شام کا اخبار، معمول کی سنسنی خیزی لیے ہوئے تھا۔ گلی محلے میں ہونے والے واقعات کو سنسنی خیزی پھیلانے کے لیے ہیڈ لائن میں جگہ دی گئی تھی۔ قتل، اغوا، پسند کی شادی، دہشت گردی۔

ساری من پسند خبریں۔

زندگیوں میں پھیلی ہمت بوریت کو کم کرنے کے رائج الوقت، یہی چند ایک کم خرچ طریقے۔

وہ بھی بڑے ذوق و شوق سے مطالعے میں مصروف ہوا۔

سب سے زیادہ مزا ان خبروں کو پڑھ کر آتا تھا، جن کا مرکزی کردار عورت ہوتی تھی۔

چاہے، وہ کاروکاری کی زد میں آئی ہوئی مظلوم ہو، یا پھر ماں باپ کی عزت پر دو حرف بھیج کر پسند کی شادی کر لینے والی، جرأت مند۔ جس کی سپورٹ کے لیے کھڑے ہونے والوں کی کمی نہیں رہتی یا پھر نت نئے افیئرز اور شادیوں کی تردید و تصدیق، اسے سب میں ایک سا ہی مزا آتا۔

ایک ساتھ ہی کئی خبروں کی ہیڈ لائن پڑھ ڈالیں سب کا بقایا، کہیں اندرونی صفحات پر ڈھونڈنے کی ہدایت تھی۔

وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا ہوا، اخبار کھولتے ہی لگا تھا کہ بری طرح چونکا۔

"تلاش گم شدہ" کے عنوان کے تحت دی گئی تصویر اتنی مانوس تھی کہ وہم کی ذرا سی بھی گنجائش نہیں تھی۔

پھر بھی اس نے بہت غور سے ذرا فاصلے پر بیٹھے خیام کو دیکھا۔

ہو بہو وہی۔

تصویر بلیک اینڈ وائٹ تھی، لیکن خیام کو پہچاننے میں کوئی دقت نہیں تھی، اشتہار میں نام بھی یہی دیا گیا تھا۔

اور اطلاع دینے والے کو بڑے انعام کا لالچ بھی دیا گیا تھا۔

اس کا دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔

جیسے کسی بمپر پرائز کھلنے کی امید بندھی تھی، اس نے چور نگاہوں سے، اِدھر اُدھر دیکھا، کافی لوگ جانا شروع ہو گئے تھے۔

اس نے دیے ہوئے نمبر کو بہت غور غور سے دو تین بار پڑھا۔ دیر کرنا فضول ہی تھا۔

اخبار وہ ٹھیلے دار کی میز سے اٹھا کر لایا تھا، جہاں ابھی بار کر رکھ کر گیا تھا۔

یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ ابھی تک کسی اور کی توجہ اخبار کی طرف نہیں گئی تھی، ورنہ جو کوئی بھی پہلے اس تصویر اور اشتہار کو دیکھ لیتا، قسمت "اسی پر مہربان ہوتی۔

"سو ثابت ہوا کہ قسمت اس کی یاوری کر رہی ہے۔" ایک آسودہ سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیلتی گئی۔

"آخر تو میرا ہی اندازہ درست ہوا، لڑکا لگتا ہی تھا کسی اونچے گھرانے کا، یہ مزاج، یہ رنگ روپ، یہ تیور....."

اسے صدر میں ہونے والی خیام کی وہ دیوانہ وار لڑائی یاد آئی اور اپنا نظر انداز کیا جانا بھی۔

"جب ہی تو مزاج نہیں ملتے، بڑے لوگوں کی بڑی باتیں، خیر ہو تیری بھئی! اپنے لیے تو تو بڑا ہی مبارک ثابت ہوا۔"

اپنے چائے کے کپ میں سے ایک گھونٹ بھی لیے بغیر، وہ اخبار سنبھالتا ہوا قدرے فاصلے پر چلا گیا، اشتہار میں واضح طور پر ہدایت تھی کہ اطلاع بہت رازداری کے ساتھ دی جائے، ورنہ پورا اندیشہ ہے کہ مذکورہ شخص غائب نہ ہو جائے۔

اور وہ اب ہاتھ آئی دولت کو کسی قیمت پر کھونے والا نہیں تھا۔

"ہیلو' منظور بات کر رہا ہوں۔" کسی کے فون ریسیو کرتے پر وہ تیزی سے کہنا شروع ہوا۔

پتا سمجھانے میں زیادہ وقت نہیں ہوئی تھی۔ دوسری طرف موجود شخص یقیناً "کراچی کا ہی رہنے والا تھا۔

"ٹھیک ہے' میں پہنچ رہا ہوں' آپ ذرا خیام پر دھیان رکھیے گا' کہیں بھی نکلنے مت دیجیے گا اور پلیز اپنا موبائل فارغ رکھیے گا' شاید مجھے..." تیز تیز کہتا ہوا' وہ فون بند کر رہا تھا' تب ہی اس سے رہا نہ گیا۔

"آپ فکر نہ کریں صاحب! میں یہیں موجود ہوں' لیکن وہ انعام والی بات..."

"مل جائے گا' مل جائے گا' اس کی آپ بھی فکر نہ کریں۔"

"بڑی مہربانی سر!" پیسے ابھی ہاتھ میں نہیں آئے تھے' لیکن اس کے دانت نکلے پڑ رہے تھے۔ فون بند کرتا ہوا' وہ واپس مڑا تو جیسے پیروں تلے سے زمین سرکی۔

خیام سامنے ہی کھڑا تھا۔

اس کا چہرہ معمول کے مطابق بے تاثر تھا اور فوری اندازہ لگانا ازحد مشکل کہ اس نے کچھ سنا بھی تھا یا نہیں۔

"کیا ہے' اس طرح چپ چاپ کیوں پیچھے آکر کھڑے ہو۔"

خیام کی پوزیشن کا احساس ہوتے ہی' بہرحال وہ اسے جھڑکنے سے باز نہ رہا تھا۔

"کچھ نہیں وہ ذرا اخبار چاہیے تھا منظور بھائی!" اس کا لہجہ سادہ ہی تھا۔

منظور نے بڑی سکون بھری سانس لی۔

"ابھی دیتا ہوں تھوڑی دیر میں۔" اس نے ہاتھ میں تھاما ہوا اخبار اور بھی زیادہ کس کر پکڑا' ایسے جیسے اگر ہاتھ ذرا بھی ڈھیلا پڑا تو وہ جھپٹ کر نہ لے جائے۔

خیام نے کچھ حیرت سے اس کی طرف دیکھا' منظور کے چہرے پر پھیلی بوکھلاہٹ' بڑی واضح محسوس ہو رہی تھی۔

"کوئی خاص بات ہے کیا منظور بھائی!"

"نہیں خاص کیا ہوتی ہے۔" اس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی "سامنے ہوٹل سے میرے لیے چائے کا کپ تو پکڑ لا بیٹا! اور دل چاہے تو اپنے لیے بھی لے لے۔"

اپنی بوکھلاہٹ بھری مٹھاس میں وہ اور بھی زیادہ مشکوک ہوا جا رہا تھا۔

خیام دل میں الجھن لیے جانے کے لیے مڑنے لگا تھا کہ وہ پیچھے سے پھر پکارا۔

"اچھا رہنے دے ابھی' وہ سامان وغیرہ رکھوا دے' دو لوگ۔ پتہ نہیں کیا کر رہے ہیں' کوئی ایک ڈھنگ کا آدمی نہیں ہے۔"

اس نے ذرا گردن موڑ کر اس نئے حکم کو سنا اور بنا کوئی لفظ کہے بجا آوری کے لیے دوسری طرف مڑ گیا۔

"کیا ہوا تھا میری عقل کو بھی۔" اخبار کس کر پکڑے ہوئے اس شخص نے' تاسف سے خود کو ہی تنبیہہ کی۔

"ابھی وہاں ایک چھوڑ دس شام کے اخبار پڑے ہوئے مل جاتے کاؤنٹر پر اور اس نے لازمی اخبار اٹھانا تھا۔"

بے چین سا ہو کر وہ واپس اپنی جگہ آ بیٹھا۔

معلوم نہیں ابھی کتنی دیر لگنی تھی' کسی کو آنے میں یہاں کتنے لوگ خیام کو پہچانتے تھے' کوئی اور بھی اطلاع دینے کا دعوا کر سکتا تھا۔

"لیکن پہلی اطلاع تو بہرحال اس کی دی ہوئی ہے' انعام کی رقم کا تو وہ ہی اکیلا حق دار ہوگا۔" وہ جذباتی ہوا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

کچی آبادی کی ٹیڑھی میڑھی نہ ختم ہونے والی گلی کے پیچ و خم میں' زندگی الگ ہی ڈھنگ سے سانس لیتی تھی۔ تھکے تھکے قدموں سے وہ آگے اور آگے بڑھتی چلی گئی۔

روز کا مانوس راستہ' اردگرد سے گزرتے ہوئے سارے جانے پہچانے چہرے' تقریباً "ایک سے ہی مسائل سے نبرد آزما تھے۔

گھر پہنچنے سے پہلے ہی اسے دونوں بچے دکھائی دے گئے تھے۔

مٹی میں لت پت' برے حال' ننگے پیر' بڑے کے ہاتھ میں ایک کاغذ پر رکھا ہوا' عجیب سے رنگ کا مسالہ تھا' جسے وہ بڑی رغبت سے چاٹ رہا تھا۔

سعیدہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

کندھوں پر پڑی تھکن اور بھی سوا ہوئی' دونوں کی کمر پر ایک ایک لگا کر' وہ انہیں کھینچتی ہوئی گھر کے دروازے تک لائی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے سعیدہ! بچوں کو کیوں رلا رکھا ہے۔"

برابر والے دروازے میں سے جھانکتے ہوئے بتول اسے دیکھ کر باہر نکلی۔

"حال دیکھ رہی ہے ان کا' کس طرح رلتے پھر رہے ہیں' جیسے کوئی یتیم لاوارث ہوں۔" میلی آستین سے اس نے آنکھوں سے بہہ نکلے آنسو صاف کیے۔

"بچے ہیں' انہیں کیا سمجھ' تو نے بھی تو انہیں اسکول سے اٹھا لیا ہے' خالی رہیں گے تو اس طرح باہر پھریں گے' میری مان دوبارہ اسکول میں ڈال دے انہیں۔" بتول نے بچوں کو اس سے الگ کرتے ہوئے' نرمی سے کہا۔

سعیدہ کا دل اور بھی بھر آنے لگا۔

"پتہ ہے تجھے تو بتول! کھانے کو پورا نہیں پڑ رہا اب تو پڑھانا تو دور کی بات ہے۔"

"میں نے تو کہا ہے تجھ سے' بچوں کی تعلیم کا ذمہ میرا' پر تو ہی غیریت برت رہی ہے' ورنہ کیا ساجد پر تیرا حق نہیں۔" بتول نے شکوہ کیا۔

"تیری محبت ہے بتول! اللہ تجھے خوش رکھے' ساجد بھی میرا ہی بچہ ہے' پر یہ مسئلے اس طرح حل نہیں ہوتے ہیں' مہنگائی ہوش اڑائے دے رہی ہے اور آمدنی تجھے پتہ ہی ہے' ایسے کیسے چلے گا اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔"

ایک رشک بھری نگاہ' اس نے بتول پر ڈالی' صاف ستھرے کپڑے' چہرے پر طمانیت۔

بتول کی زندگی سچ مچ بدل گئی تھی۔

گھروں کا کام کرنا اس نے کب کا چھوڑ دیا تھا اور اب ان گھروں میں' سعیدہ کام کرنے جاتی تھی۔

"اللہ' ساجد جیسا بیٹا ہر کسی کو دے۔" اس کے دل سے دعا نکلی تھی۔

"اس بار تو زرتاج بیگم کے ہاں سے بھی برائے نام ہی ملا' عظمت بوا کے دم سے ہی برکت تھی' بے چاری بہت خیال کرتی تھیں غریبوں کا۔"

سعیدہ نے بہت دل سے انہیں یاد کیا' اس کی زندگی میں یہی دو چار مہربان تھے وہ بھی کم ہوتے جا رہے تھے اللہ کی مرضی۔

زری نے جب ہی گھر سے باہر جھانک کر دیکھا۔

"آ گئیں بھابھی!"

سعیدہ نے ایک قہر آلود نگاہ اس پر ڈالی۔

"اب بھی نہ آتی کیا؟ شام ڈھل رہی ہے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" اس کا چہرہ اتر سا گیا۔ "آؤ تم دونوں کو کپڑے بدلواؤں۔"

اس نے بچوں کی طرف دیکھا۔ سعیدہ کو اور بھی برا لگا۔

"اتنے گھنٹوں سے ہوش نہیں آیا تھا کہ بچے کہاں ہیں' دونوں بہن بھائی ایک سے نکلے' مفت کی روٹیاں توڑنے والے' میری جان کا عذاب۔"

سعیدہ کے دیے ہوئے 'سارے القاب' اس نے صبر سے سنے اور بچوں کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئی۔

"یتیم بچی ہے' ایسے سختی سے بات مت کیا کر' بچے کون سا اس کے کنٹرول میں رہتے ہیں' اب وہ غریب ان کے پیچھے گلیوں میں تو پھرنے سے رہی۔"

بتول نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہا' مگر سارا دن کی کمر توڑ محنت اور بیگمات کی بخشی ہوئی ڈانٹ پھٹکار کے بعد' سعیدہ کے سامان میں یہی بچا تھا۔

"سارے یتیم' فقیر' میری ہی قسمت میں لکھے گئے' وہ نواب کم تھے پالنے کے لیے' جواب' یہ اس کی بہن بھی میرے حصے میں آگئی۔"

بے زاری سے کہتی ہوئی وہ اندر جانے کے لیے مڑی۔

"پائے کا سالن پکایا ہے میں نے' ابھی بھجواتی ہوں۔" بتول نے پیچھے سے پکار کر کہا۔

اندر گھر صاف ستھرا تھا۔

کل کے اتارے گئے سب کپڑے' دھلے ہوئے تھے اور باورچی خانے میں کوئی ایک گندہ برتن باقی نہیں تھا۔

ایک نگاہ میں ہی اس نے مکمل جائزہ لیا تھا' پھر بھی چڑچڑاہٹ چین نہیں لینے دے رہی تھی۔

"سارا صابن پانی میں گھول کر ختم کر دیا' مفت میں آرہا ہے ناں' خرچ' بھائی بہت کمائیاں کر کے لا رہا ہے۔"

زری چھوٹے کو نہلا دھلا کر تیار کر رہی تھی' اب بھی چپ چاپ سنے گئی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے' جو وہ سعیدہ کو تھوڑا خوش کر سکے جو بھی کرتی' اس میں کوئی نہ کوئی غلطی نکل ہی آتی تھی۔ ایسے میں اس کی خاموش طبعی کام آتی۔

تب ہی ساجد سالن کا ڈونگہ لیے اندر چلا آیا۔ زری اس کے ہاتھ سے برتن لے کر کچن میں چلی گئی۔

"شکر ہے وہ کم از کم جھوٹا کھانا کھانے سے تو بچ گئی۔" اتنی دیر میں سعیدہ کو پہلا اطمینان یہی حاصل ہوا۔

"کیسا ہے ساجد! نظر ہی نہیں آتا اب تو۔" وہ بڑی محبت سے ساجد سے حال احوال لینے لگی' جواب خیر سے سارا گھر سنبھالے ہوئے تھے۔

"ٹھیک ہوں خالہ! اصل میں فرصت ہی نہیں ملتی۔ آج تو چھٹی کی ہے خاص طور پر' بخار آرہا ہے۔"

"کمزور بھی تو ہو گیا ہے ہے اتنا' بخار تو چڑھے گا ہی۔ اپنی صحت کا خیال رکھا کر بیٹا! ساری ذمہ داری اٹھا رکھی ہے' مذاق بات تھوڑی ہے۔"

اپنی تعریف پر وہ فخر سے مسکرایا۔

"یہ دونوں اب اسکول نہیں جاتے' اماں بتا رہی تھیں آپ نے اٹھا لیا انہیں اسکول سے۔"

دونوں بچوں کو دیکھتے ہوئے وہ پوچھنے لگا تو سعیدہ ایک ٹھنڈی آہ بھر کر خاموش ہو رہی۔

"ایک بات مانیں گی میری۔" ایک دم ہی اسے کچھ خیال آیا۔

"لے کیوں نہیں' تجھ جیسا سمجھ دار اور دوسرا کون ہے۔"

"ان دونوں کو معاذ بھائی کے اسکول میں داخل کرادیں وہاں کوئی خرچہ بھی نہیں ہوگا۔ کتابیں کاپیاں سب خود دیتے ہیں وہ' اوپر سے دونوں بچوں کو دو دو سو روپے بھی مہینے میں دیں گے۔ اس طرح گلیوں میں پھرنے سے بھی بچ جائیں گے۔"

سعیدہ منہ کھولے سنے گئی۔

"دو سو' دو سو کل چار سو روپے۔"

پہلی کشش اسے یہی محسوس ہوئی تھی' آتے تو گھر میں کام ہی آنے تھے۔

"مگر وہ تیرا ابا تو بہت مخالف ہے معاذ کا' پتا ہے نا جب تو جانے لگا تھا تو کتنا۔۔۔"

برتن واپس لاتی زری کا پاؤں وہیں چند قدموں کے فاصلے پر تھما۔ "کتنے دن بعد یہ نام سننے میں آیا تھا۔"

"ابا کی بات چھوڑیں' وہ تو سرے سے تعلیم کے ہی خلاف ہیں' ان کا بس چلے تو پیدا ہوتے ہی بچے کو کام پر لگا دیں مگر آپ تو تعلیم کی اہمیت کو سمجھتی ہیں نا!"

سعیدہ نے تیزی سے اثبات میں سر ہلایا۔

کوئی وقت تھا جب وہ بھی اپنی سات جماعتیں پاس کرنے پر فخر کیا کرتی تھی۔ بڑی حسرت سے یاد آیا۔

"بس تو ٹھیک ہے' میں انہیں کل ہی لے جا کر وہاں داخل کروں گا۔ جگہ نہیں بھی ہوگی تب بھی معاذ بھائی میرا کہا نہیں ٹالیں گے۔ آپ دیکھیے گا' دونوں کتنا اچھا پڑھنا سیکھ جائیں گے۔"

سعیدہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آنے لگی۔ بڑی مدت بعد کوئی امید کی کرن اس کی زندگی میں بھی نمودار ہوئی تھی۔

"تیری بڑی مہربانی ساجد! تو نے راہ تو اچھی دکھائی ہے بیٹا! ورنہ میں تو ان دونوں کی طرف سے بالکل ہی مایوس تھی' اب جیسا مناسب سمجھ کر۔"

چند منٹوں میں فیصلہ ہوا۔

"کل میں اور زری باجی جا کر ان کا داخلہ کروا دیں گے۔ تھوڑا سا دور ہے' بس لانے لے جانے کا مسئلہ ہوگا تھوڑا سا' نواب انکل ذمہ داری لے لیں تو پھر بھی کوئی مشکل نہیں۔"

"لے کیا نواب انکل وہ تو کمرے سے نکل کر صحن میں دروازہ کھولنے نہ آئے' اس کی بلا سے ان دونوں کا مستقبل برباد ہو۔ وہ نہیں اٹھانے والا ذمہ داری ایک دن کی بھی۔" سعیدہ کے دل کو پھر سے مایوسی نے گھیرا۔

"میں کرلوں گی بھابھی! یہ کام' چھوڑ بھی آؤں گی' لے بھی آؤں گی۔ آپ فکر مت کریں۔" ایک دم ہی وہ تیزی سے بول اٹھی۔

ان دونوں ہی نے چونک کر زری کی طرف دیکھا۔

"کوئی مسئلہ ہی نہیں ہوگا' میں بھی فارغ ہی تو ہوتی ہوں۔"

"زبردست۔" ساجد نے خوش ہو کر چٹکی بجائی۔ "چلیں تو پھر کل کا پروگرام پکا۔"

زری مسکرانے لگی۔

"خیال کچھ ایسا برا بھی نہیں۔" سعیدہ نے مطمئن ہو کر سوچا۔

☼ ☼ ☼

"آپ نے تو کمال ہی کر دیا حمیدی صاحب!"

فون بند کر کے وہ تیزی سے ان کی طرف مڑا تو وہ ہلکے سے مسکرا دیے۔

خوش خبری توقع سے بھی پہلے ملی تھی۔

"میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چوبیس گھنٹوں سے بھی کم وقت میں ہم اسے پالیں گے' یہ سب آپ کا ہی کارنامہ ہے۔"

میز پر سے گاڑی کی چابیاں اٹھاتے ہوئے وہ بے حد خوش دکھائی دے رہا تھا۔

شاید اس سے پہلے انہوں نے اسے اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"ایسے ہی خوش رہا کرو۔" وہ بڑی محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے۔

سالار کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہو گئی۔

"دعا کیجیے گا' سب صحیح ہو جائے۔ میں کسی کے سامنے سرخرو ہونا چاہتا ہوں' بہت ضروری ہے یہ۔"

"ہو جائے گا' میں بھی چلوں تمہارے ساتھ۔"

"نہیں' میں اکیلا ہی جاؤں گا' شاید اسے سمجھا سکوں' آپ کے سامنے وہ کھل کر بات نہیں کرے گا۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔"

وہ اسے چھوڑنے باہر تک آئے۔

مطلوبہ پتا خاصے فاصلے پر تھا' پر آج خوش قسمتی واقعی ساتھ تھی۔

ایک کے بعد ایک کتنے سگنل کھلے ہوئے تھے۔

وہ پتا کسی وقت کے اس زیر تعمیر عمارت تک پہنچا تھا' شام ڈھل چکی تھی۔

اب وہاں روایتی سازش نہیں تھا۔ اکا دکا لوگ نظر آ رہے تھے اور عمارت کے باہر لگا ہوا بلب ارد گرد کے ماحول کو منور کر رہا تھا۔ اس نے گاڑی تھوڑا پیچھے ہی روکی تھی۔

موبائل پر اسی شخص کا فون پھر سے آ رہا تھا۔ وہ وہیں تھا اور اس کی گاڑی دیکھ چکا تھا۔ چند لمحوں میں ہی سالار کے اسے سامنے سے آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"سو وہ اس طرف بیٹھا ہے' اکیلا ہی ہے۔ ایک منٹ کے لیے میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دور نہیں ہونے دیا۔ کب سے چوکیداری کر رہا ہوں' دو بار اخبار مانگنے بھی آیا مگر۔"

کم وقت میں اس نے اپنی زیادہ سے زیادہ کارکردگی جتانے کی پوری کوشش کی تھی۔

"بہت شکریہ' میں ابھی آتا ہوں۔" گاڑی لاک کر کے سالار تیزی سے آگے بڑھا تھا کہ وہ سامنے آ کھڑا ہوا۔

"میرا انعام تو مجھے دے کر جائیے۔"

"میں آ رہا ہوں واپس' تم یہاں گاڑی کے پاس کھڑے رہو۔" سالار کو بہت جلدی تھی مگر وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔

"پیسے مجھے ابھی دیجیے' بعد میں کیا پتہ آپ دیں بھی یا نہیں۔"

"اتنی بد اعتمادی۔" سالار ہلکے سے ہنس پڑا۔

"لوگ عموماً ایسا ہی کرتے ہیں صاحب! کام نکل جانے کے بعد پوچھتے تک نہیں۔"

سالار نے والٹ سے خاصی بڑی رقم نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھی۔

"لیکن میں تم پر اعتماد کر رہا ہوں' حالانکہ ابھی میں نے کنفرم بھی نہیں کیا ہے کہ وہ واقعی خیام ہی ہے یا نہیں' اور دوسرے میں نے تمہیں چیک بھی نہیں دیا کہ کہیں تم یہ سمجھو کہ میں تمہیں جھوٹا چیک دے کر جان چھڑا رہا ہوں۔"

رقم اس شخص کی توقع سے زیادہ تھی۔

اور وہ اب تک سالار سے خاصا مرعوب ہو چکا تھا۔

"وہ خیام ہی ہے صاحب! آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔ چلیں میں آپ کو دور سے دکھا دوں گا۔"

وہ کچھ شرمندہ سا ہو کر آفر کر رہا تھا۔

سالار نے مسکراتے ہوئے اسے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

عمارت کے دوسری طرف تعمیراتی سامان پھیلا ہوا تھا۔ لکڑی کے پھٹے جوڑ کر بنائے گئے ایک چھوٹے سے تخت پر بیٹھا وہ اسے دور سے ہی دکھائی دے گیا تھا۔

سالار کی طرف اس کی پشت تھی لیکن وہ اسے بخوبی پہچان رہا تھا۔

سالار کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکا۔

"جاؤ تم۔" اس نے ساتھ آئے اس شخص کو فارغ کرنا چاہا۔

"بھائی ہے آپ کا گھر سے بھاگ آیا ہوگا ناراض ہو کر۔ آج کل لڑکوں میں یہ بڑی بری وبا پھیلی ہوئی ہے۔ کوئی قدر ہی۔۔۔"

وہ سالار کے گھورنے پر ہی بات ادھوری چھوڑ کر واپس پلٹا تھا۔

"خدا کی پناہ۔۔۔"

بے آواز قدموں سے چلتا ہوا وہ اس کے قریب آکھڑا ہوا۔

وہ تب بھی اپنی سوچ میں گم تھا۔

آج کتنے عرصے بعد اسے دیکھا تھا۔

وہ بہت کمزور دکھائی دے رہا تھا' اس کی سنہری رنگت میں ہلکی سنولاہٹ جھلکنے لگی تھی اور وہ جس طرح گم سم تھا' وہ اس کی گہری اداسی کو ظاہر کرتا تھا۔

"وہ کس کے بارے میں سوچ رہا ہے؟"

اتنی محویت' اتنا دھیان۔

پہلی بار اسے خیام سے حسد محسوس ہوا۔

پہلی بار اسے لگا جیسے اس نے یہاں تک آکر بہت بڑی غلطی کی ہے۔

"کون ہوگا اس جیسا بے وقوف جو خود اپنا دل برباد کرنے پر تلا ہو۔"

پل کے ایک چھوٹے سے وقفے میں یہیں سے واپس ہو جانے کی خواہش شدت سے ابھری۔

ساری فراخ دلی' ساری عظمت دھری کی دھری۔ وہ خود بے حد حیرت بھری شرمندگی میں مبتلا ہوا۔

"خیام۔۔۔!" ایک قدم اٹھا کر وہ اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔ اپنے واپس بھاگنے کی ساری راہیں مسدود کی تھیں۔

"میں ہوں سالار!"

اس کی آنکھوں میں جمی حیرت اتنی شدید تھی کہ سالار کو گمان سا گزرا کہ شاید وہ اسے پہچان ہی نہیں سکا ہے۔

"کیا بالکل ہی بھول گئے ہو' نہ کوئی فون نہ کوئی رابطہ۔۔۔"

"مجھے یہی ڈر تھا۔"

خیام کی آواز نیچی تھی' اتنی جیسے سرگوشی کرتی ہوئی۔

"یہی ڈر تھا کہ تم میرا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک نہ آجاؤ۔ چھپتا پھر رہا تھا میں تم سے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔

آواز ابھی بھی نیچی تھی لیکن وہ اسے دیکھ کر کتنا خفا تھا' سالار کے لیے سمجھنا مشکل نہیں تھا۔

"تو چھپ بھلا وہاں ہوٹل میں رہ رہا تھا، صرف تمہاری وجہ سے مجھے وہ جگہ چھوڑنی پڑی۔ میں کچھ تمہارا چرا کر نہیں بھاگا ہوں، جو تم میرے پیچھے پڑے ہو۔"

"میرا نہ سہی، کسی اور کا تو چرا کر لائے ہو۔ بس سمجھ لو ان ہی کی طرف سے تفتیش کے لیے مقرر ہوا ہوں۔"

سالار نے بڑے اطمینان سے اس کے چہرے پر نگاہ جمائی۔

خیام بری طرح گڑبڑایا تھا۔

اس کے زیور اٹھا کر بھاگنے کی داستان محلے سے نکل کر مین روڈ پر رہتے سالار تک پہنچنی کون سی مشکل تھی۔

احساس جرم نے یاد دہانی کروائی۔

"کون، کس کی چوری۔ تم جانتے کیا ہو میرے بارے میں۔ محض دو چار ملاقاتیں اور ہمارا رشتہ ہی کیا ہے؟"

غیر ارادی طور پر خیام کی آواز اونچی ہوئی تھی۔

"چلو جن سے رشتہ ہے، ان ہی کے بارے میں بات کر لیتے ہیں۔ بہت قیمتی لوگ پیچھے چھوڑے ہیں آخر یاد تو آتے ہوں گے نا!"

خیام نے اس بار ذرا چونک کر سالار کے لفظوں میں سے جھانکتی آگہی کو محسوس کیا تھا۔

بات زیورات کی خبر سے کہیں آگے کی تھی۔

اور سامنے کھڑا یہ عام سا دکھائی دیتا شخص خاصا پہنچا ہوا تھا۔

"کس کی بات کر رہے ہو؟"

سالار کا جواب آنے تک اس نے جیسے اپنی سانس بھی تھام کر رکھی۔

"تائی ستارہ کی اور۔۔۔"

خیام کے قریب ہی بیٹھتے ہوئے وہ بہت اطمینان سے کہتے ہوئے ذرا رکا۔ "اور کیتی کی۔"

سالار نے اس کے چہرے کا رنگ بدلتے دیکھا۔

مگر یہ کسی کی یاد کا رنگ نہیں تھا۔

اس کے چہرے پر پھیلی ناگواری اور بھی نمایاں ہو رہی تھی۔

"میں کر ہی کیا سکتا ہوں ان لوگوں کے لیے۔ میں تو خود اپنی جنگ لڑ رہا ہوں۔ پتا نہیں کیا انجام ہونا ہے۔"

اس کے لہجے میں ایسی رسمی سی معذرت تھی جیسے وہ کسی نیک کام کے لیے کیے جانے والے چندے کے سلسلے میں معذرت کر رہا ہو۔

سالار کو اس کے لہجے پر تکلیف ہوئی مگر خوبی سے چھپا گیا۔

"کچھ نہیں کر سکتے، تو تسلی تو دے سکتے ہو۔ کوئی فون ہی کر دو، کوئی امید ہی دلا دو۔ کٹھن سے کٹھن وقت بھی کٹ جاتا ہے امید کے سہارے۔"

وہ خاموش ہی رہا۔

"اس طرح چپ چاپ چلے آنا کتنا تکلیف دہ تھا۔ کچھ احساس ہے گھر کے اکیلے مرد تھے تم، باقی پیچھے۔۔۔"

"وہاں گھر میں عورتوں کا ہونا ضروری ہوتا ہے، مردوں کی گنجائش محض تماش بین کی حیثیت سے نکلتی ہے۔ سو اس کی وہاں کمی نہیں ہوگی، یہ مجھے یقین ہے۔" لہجے کی کڑواہٹ اپنی جگہ۔ لیکن لفظوں میں ہتک کا کاٹ دار احساس ہر حد کو پار کرتا تھا۔

سالار نے اپنے دونوں ہاتھوں کو کس کر ایک دوسرے کے ساتھ جکڑا تھا۔

"اور لوگ تو اپنے انجام کو یوم جزا پر پہنچیں گے لیکن ان گھروں میں پیدا ہونے والا بچہ اپنا جہنم ساتھ لے کر

اترتا ہے زمین پر۔ پل پل دہکتی ہوئی آگ میں اس کا سانس گھٹتا ہے لیکن۔۔۔"

اپنے آگے ہاتھ ہلا کر اس نے کسی ان دیکھی چیز کو پرے کرتے ہوئے گہری سانس لی۔

"کچھ نہیں بدلتا وہاں، کوئی اپنی عیش پرستی سے تائب ہونے کے لیے تیار نہیں۔ محض جسم اور ادائیں دکھانے کے بدلے میں پیسہ کمانے والی عورتیں، بدفطرت اور۔۔۔"

سالار نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کو کہا تھا۔ خیام اپنے آپ میں واپس آیا۔

"اب ایک لفظ اور نہیں، سمجھ میں آیا تمہارے، میں نے کیا کہا ہے۔" اس کا رنگ سرخ پڑ رہا تھا اور چہرے پر ضبط کھونے کی سی کیفیت۔

"میں نے غلطی کی جو تمہیں ڈھونڈنا چاہا۔ کیتی ٹھیک کہتی تھی، ڈھونڈا اسے جاتا ہے، جو کھو گیا ہو۔ جو آپ کے وجود کو یکسر مسترد کر دے، اس سے رحم کی بھیک مانگنا محض۔۔۔"

سر کو ملکے سے جھٹک کر اس نے بات ادھوری چھوڑی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"بہرحال، اب یہاں تک آیا ہوں تو ایک بار صاف لفظوں میں تمہارے منہ سے ضرور سننا چاہوں گا، تائی اور کیتی ان دونوں کے لیے کوئی جگہ باقی ہے یا نہیں تمہارے پاس۔"

"نہیں، میرا کسی سے کوئی واسطہ نہیں۔" بہت تیزی سے اس نے سالار کی بات کا جواب دیا۔ "اور خدا کے لیے ان لوگوں سے کہہ دو کہ وہ میرا پیچھا نہ پکڑیں، احسان ہوگا ان کا مجھ پر۔"

"یہ احسان وہ کر چکی ہیں تم پر، کوئی ایک کوشش نہیں کی ان لوگوں نے تمہیں ڈھونڈنے کی، بے فکر رہو۔"

خیام نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

"تو پھر تم یہاں کس کے کہنے پر آئے؟"

"وہ کسی سے نہیں، میرے اپنے دماغ کا خلل تھا یہ کہ تمہیں واپس لایا جائے ان محبتوں کے درمیان۔"
وہ ابھی بھی پوری طرح یقین نہیں کر پایا تھا۔
"کیسے جانتے ہو ان سب کو؟ گانا ناچنے کا شوق لے گیا تھا وہاں۔"
"کاش وہ اسے کس کر ایک تھپڑ تو لگا ہی سکتا۔" سالار نے بے بسی سے سوچا۔
"لیکن کیتی تو نہیں گئی یا اب اسے بھی لائن پر لے آئی ہیں تمکینہ جان!"
وہ اپنی بات جاری رکھے ہوئے تھا اور سالار نے نوٹ کیا تھا کہ اس نے ایک بار بھی خالہ یا نانی کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا۔
"پڑھا تا ہوں میں کیتی کو' فرسٹ ڈویژن لی ہے اس نے بی اے میں۔"
اس بار وہ واقعی بری طرح چونکا اور پھر خود ہی اپنی جھینپ مٹانے کے لیے طنزیہ انداز میں ہنس پڑا۔
"اچھا بی اے فرسٹ ڈویژن ___ کمال ہے 'اب آگے کیا کرے گی۔ ایم اے 'پی ایچ ڈی پھر بھی کیا فرق پڑے گا' کہلائے گی تو تمکینہ جان کی بیٹی ہی نا!"
عمارت کے اس سنسان حصے میں رات کچھ زیادہ نیچے اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے ان دونوں کو چھوتے ہوئے گزر رہے تھے اور سڑک کے دوسری طرف اس نئی بستی' کالونی کے چھوٹے چھوٹے مکانوں کی جلتی ہوئی روشنیاں اب بھی زندگی کی نوید دے رہی تھیں۔
"کیتی سے شادی کرلو خیام' پھر بے شک ان میں سے کسی کی ساری عمر شکل مت دیکھنا۔ میں یہاں تمہارے لیے گھر اور نوکری سب کا بندوبست کردوں گا۔ شادی کے لیے بھی تمہیں لاہور جانے کی ضرورت نہیں ہوگی میں یہیں لے آؤں گا کیتی کو۔ تم دونوں بہت اچھی طرح سیٹ ہو جاؤ گے۔ میں پوری ذمہ داری لیتا ہوں۔"
اس نے ایک زندگی کے لیے اپنی فطرت کے بالکل خلاف' سارا غصہ' ساری انا ایک طرف رکھ کر وہ درخواست پیش کی تھی اس کے حضور۔
لیکن لاحاصل___
"وہ سب مر چکے ہیں میرے لیے' میں اس رات انہیں دفنا کر نکلا تھا' سمجھے اور مردے زندہ نہیں ہوتے ہیں' کبھی بھی۔"
تابوت میں آخری کیل بھی ٹھوکی گئی اور وہ اپنی بات کہہ کر وہ تیز قدموں سے جانے کے لیے مڑ بھی گیا۔
سالار اپنی جگہ کھڑا اسے جاتا ہوا دیکھے گیا۔ نہ قدموں میں لرزش اور نہ ہی ایک بار اس نے پیچھے مڑ کر یہ جاننا چاہا کہ وہ بھی اس کے پیچھے آرہا ہے یا نہیں۔
ثابت ہوا کہ وہ پیچھے دیکھنے کا عادی ہی نہیں ہے۔
ایک خوش فہمی نے دم توڑا۔
اور زمین کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک پھیلی خلیج درمیان میں حائل ہوئی۔
"آج وہ یہاں کسی مکمل اجنبی سے ملنے آیا تھا۔" تیز ہوا سے بکھرتے بالوں کو ماتھے پر سے پیچھے کرتے ہوئے سالار کو یقین آیا تھا۔

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

دیوارِ شب

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتلائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بالو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گٹھی آ کر گڑیا چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھر دسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو۔ رفاقی کھولی میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دُعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دُھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ بیچنے کی جگہ حضرات کو مہیا کرنے سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز

سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا کا خاندان مع سوائے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ نیکی خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک لیبر سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دل و ذلت اپنوں سے دُوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود غمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح شوہر بدلنے کی عادت ہے۔ عالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور داجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ ابو عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے بُرے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے ایک نئے عذاب سے دوچار کیے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔

سلمان زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

جویا کا رشتہ آناً "فاناً" طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی "کوششیں" شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے اور جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کو نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے تو وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ جویا کو اکساتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں وہ مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ، آپا گل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔

صندل کو بابی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے۔ تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

خیام کو ڈھونڈنے کی سالار اپنی سی کوشش کرتا ہے۔

خیام، بابو شوکت کے خاندان بالخصوص رانی کی حرکتوں سے تنگ آکر فرار کی راہیں تلاشنے لگتا ہے۔ پھر سالار کی آمد اسے مزید ہراساں کر دیتی ہے۔ بالآخر وہ بابو شوکت کا ٹھکانہ چھوڑ دیتا ہے۔

روزی کی اچانک گمشدگی بیگم زرتاج کو دنوں پریشان رکھتی ہے اور عظمت بوا اس صدمے سے سنبھل نہیں پاتیں اور [illegible] لوگوں [illegible] چھوڑ جاتی ہیں۔ ایک [illegible] زرتاج بیگم زرتاج کو مستقل کر دیتی ہے۔ اس واقعہ میں نبیل کا ہی ہاتھ [illegible] کے ہاتھ کوئی ثبوت نہیں آیا [illegible] روزی کی تلاش کی ہے۔ نیم دیوانہ ہو جاتا ہے۔ وہ ہر وقت [illegible] سرگرداں رہتا ہے۔ نبیل [illegible] سے جھوٹی تسلیوں سے بہلاتا ہے۔ نبیل اور بیگم زرتاج کا اطمینان اس وقت [illegible] کوٹھی میں سالار کی آمد ہوتی ہے جو بیگم زرتاج کا سوتیلا بیٹا ہے۔ زرتاج بیگم کی تنبیہہ اور بے بسی [illegible] احساس دلاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۲۹

اُنتیسویں قسط

اوپر نیچے دونوں فلور گراں، سوئمنگ پول، واٹر فال۔

سب کچھ کتنی ہی بار دیکھ ڈالا، دل پھر بھی نہیں بھرا تھا۔ نگینہ اور شاما کے چہرے خوشی سے کھلے جا رہے تھے اور بھاری بدن کے باوجود نگینہ کو اپنے اندر نوعمر لڑکیوں کی سی پھرتی آج واضح طور پر محسوس ہو رہی تھی۔

"اللہ حاسدوں کی نظر سے بچائے، میں نے تو ابھی سے سوچ لیا ہے کہ گل ناز اور الماس کو تو یہاں بلانا ہی نہیں ہے، جل کر اور بھی راکھ ہو جائیں گی اور کیا خبر ساتھ ہی کوئی تعویذ وغیرہ بھی نہ رکھ جائیں، پوری جادوگرنی ہے گل ناز!"

سوئمنگ پول کے کنارے کھڑے ہو کر جو فیصلہ نگینہ نے ابھی ابھی کیا تھا، فی الفور مشیرِ خاص کو بھی سنایا۔

"وہ تو ضرور آئیں گی باجی! روز آتے جاتے پوچھ رہی ہیں کہ ابھی کتنے دن ہیں جانے میں۔"

"[illegible] پر بلی سی شکل بنا کے تم نے پوچھا نہیں کہ تمہیں کیوں فکر ہے، جب جانا ہوگا، چلے جائیں گے ہمارا بلا سے۔"

"نہیں، میں کہہ سکتی تھی ایسے، باجی گل ناز نے تو میرا گلا ہی دبا دینا تھا فوراً" "ہاں ذرا دوسرے طریقے سے پوچھ لیا تھا۔"

اترا کر شاما نے اپنی کارکردگی جتائی۔

"اچھا پھر؟" نگینہ نے نیچے جھکتے ہوئے، دلچسپی سے سوئمنگ پول کے شفاف پانی کے نیچے چمکتے ہوئے نیلے ٹائلوں کو دیکھا۔

"بولیں کہ وہ دعوت کرنی ہے نا بڑی، اس کے انتظامات کی وجہ سے پوچھ رہے ہیں، دیکھی عقل مندی۔"

"اونہہ!" سر کو ہلکے سے جھٹکتے ہوئے نگینہ جان نے بڑے غرور سے اس بے حد خوب صورت ماحول پر نگاہ ڈالی، جس کی اب وہ بلاواسطہ مالکن بننے جا رہی تھی۔

"دعوت قبول کرتی ہے میری جوتی، صندل کی فلم کامیابی کی پارٹی پر ان کے گھرانے کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ کیسا [illegible] ہے، کوئی ایک بھی نہیں آیا، ساروں کو موت آ رہی تھی۔"

"[illegible] کی ماری ہیں، میں نے تو سوچ لیا ہے کہ پیر صاحب سے دھاگہ پڑھوا کر صندل کے کمرے میں باندھ دوں گی، اس روز جب یہاں آئیں گے، پہلے ہی تو کر لیا اچھا ہوتا ہے۔"

دونوں باتیں کرتے کرتے واپس مڑ آئی تھیں، بہت سے صلاح مشورے باقی تھے۔ حفظِ ماتقدم کے طور پر کیے [illegible] نئے گھر میں منتقلی۔

وہ بڑی مگن مگن سی آرہی تھیں، تب نگینہ نے لان میں کھڑی گیتی کو دیکھا، وہ یوں ہی منہ اٹھائے سامنے گھر کی طرف دیکھ رہی تھی۔
نگینہ اور شاما دونوں ہی نے خود بھی اس طرف دیکھا، جہاں گیتی کی نگاہ تھی، لیکن ایسی کوئی بھی چونکا دینے والی شے نہیں تھی۔
گھر کا وہی خوب صورت سا بیرونی منظر، جو اتنے گھنٹوں میں مستقل دیکھا گیا تھا۔
"یہاں کیوں کھڑی ہے گیتی؟"
نگینہ کی آواز پر ہی وہ چونک کر اس کی طرف پلٹی تھی۔
اس کی آنکھوں میں جو ایک مخصوص سی حیرانی ہمہ وقت رہتی تھی، اس وقت اور بھی زیادہ نمایاں تھی۔
"ایسے کیا دیکھ رہی ہے، ارے اپنا گھر ہے، بہن کی محنت کی کمائی کا، اپنا کمرہ پسند کرلیا یا نہیں۔"
نگینہ کو اس وقت اس پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔

"میں تو نانی کے ساتھ ہی سوتی ہوں، کمرہ بھی آپ ان سے پسند کروا لیجیے گا۔"
وہ سادگی سے کہتے ہوئے پھر ادھر اُدھر گم ہونے لگی، نگینہ اور شاما نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
خوشی اور خوش بختی کے اس مبارک سمے میں ایک آنچ کی کسر ابھی بھی باقی تھی۔
"ہا، آہ!" ایک ٹھنڈی سانس لیتی ہوئی نگینہ رہائشی حصے کی طرف چل پڑی۔
شاما اور گیتی ساتھ تھیں۔
اندر بڑے سارے لاؤنج میں چھت سے نیچے آتے ہوئے شان دار قیمتی فانوس کی ساری لائٹیں آن تھیں۔
آنکھوں کو خیرہ کرتی ہوئی ایسی جھلملاہٹ کہ نگینہ کو کسی بڑے سنیما کی فلمیں یاد آرہی تھیں [illegible] جیسی شان و شوکت وہیں دکھائی دیتی تھی۔
نانی ستارہ کسی کلاسک کردار کی مانند کسی خوب صورت ماحول کا ایک حصہ محسوس ہورہی تھیں۔
"اب کب چلنا ہے گھر؟ کتنے گھنٹے ہوگئے ہیں، ایک تو ساتھ ہی سب نکل آئے، وہاں بے چارے اکیلے استاد جی راہ دیکھ رہے ہوں گے۔" حیرت انگیز طور پر وہ اکتائی ہوئی تھیں، لیکن اپنی اپنی ایکسائٹمنٹ میں کوئی بھی اس طرف توجہ نہیں دے رہا تھا۔
"اب تو یہی گھر ہے اماں! آپ کی صندل پکا کاغذ بنوا رہی ہے، اس کی ملکیت کا بالی صاحب سے۔"
نگینہ کی ہنسی میں بچوں کی کلکاری کی سی کیفیت تھی، تب ہی اوپری منزل کی سیڑھیوں پر بڑے سے میں ہائی ہیل کی ٹک ٹک بجی۔ مختصر سے ٹاپ اور ٹائیٹس میں صندل ان سب کے بیچ آکر کھڑی ہوگئی۔
گیتی نے بے ساختہ ہی نگاہ چرائی تھی۔
"فلموں میں بے شک سب ایسا ہی چلتا ہے، مگر اب عام زندگی میں بھی صندل بالکل فلمی نہیں ہوتی جارہی، نانی کا بھی لحاظ نہیں رہا۔"
نانی ستارہ کے بالکل قریب بیٹھے ہوئے وہ سوچے بغیر نہیں رہ سکی۔
"آپ کے لیے نیچے کا ہی بیڈ روم ٹھیک رہے گا نانی! بڑا بھی ہے اور آپ کو چڑھنے اترنے کی تکلیف بھی نہیں ہوگی۔"

صندل نانی سے ہی مخاطب تھی۔ "گیتی آپ کے ساتھ رہے گی، امی اوپر۔ شاما ان کے ساتھ اور بخت کو باہر سرونٹ کوارٹر میں، اگر وہ آنا چاہے، ورنہ تو وہیں کسی دوسرے گھر کی نوکری دیکھ لے۔"
کسی کی بھی مرضی پوچھے بغیر اس نے دو منٹ میں تقسیم کا کام مکمل کیا۔
"اور استاد فراغت۔" نانی کی طرف سے آیا ادھورا سوال بھی مکمل تھا۔
"انہیں تو وہیں رہنے دیں، یہاں آئیں گے تو یہاں بھی سارا دن ان کا باجہ بجا کرے گا، بالی صاحب کو خوامخواہ غصہ آئے گا، وہیں ان کا خرچہ بھیج دیا کروں گی۔"
ایک پل کے لیے تو جیسے سب ہی اپنی جگہ سن سے رہ گئے۔
گیتی، جس نے لاکھ کوشش کے باوجود بھی کچھ سیکھ کر نہیں دیا تھا۔
اور خود نگینہ جو آج بھی استاد جی کے گھٹنوں کو ہاتھ لگائے بغیر گھر سے نکلنے کا تصور نہیں کرسکتی تھی، ان میں سے کسی کی بھی ایک دوسرے سے نگاہ ملانے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔
لیکن گھر صندل کا، سو سارے فیصلے بھی اس کے۔
"امی! شاما، ذرا اوپر آنا میرے ساتھ۔" نہ جانے کیا کام باقی رہ گیا تھا، وہ انہیں اشارہ کرتی ہوئی پھر سے سیڑھیاں چڑھ گئی۔
چکنے چمکتے ہوئے فرش پر صندل کے قدم جم چکے تھے، نگینہ اور شاما اس کا ساتھ دینے کے قابل نہیں تھیں، سو پیچھے تھیں۔
نیچے لاؤنج میں، ایک بوجھل سی خاموشی، نانی ستارہ اور گیتی آرا کے بیچ آکر ٹھہری۔
وہ منتظر تھی کہ شاید نانی، استاد جی کے حوالے سے کچھ کہیں یا پھر صندل کے رویے پر۔
لیکن وہاں آج بھی بڑا گمبھیر گھنا تحمل تھا، فوری ردعمل ظاہر کرنا ان کی فطرت اور تربیت دونوں ہی کے خلاف تھا۔
وہ نانی ستارہ تھیں، نگینہ نہیں۔
"تمہیں کیسا لگا یہ گھر، پسند آیا؟" بہت نرمی سے وہ اس سے پوچھ رہی تھیں۔
ان کی تسلی کے لیے ہی وہ ہلکے سے مسکرائی۔
"اچھا ہے، بڑا بھی ہے۔"
"وہ تو ہے۔" مختصر سی تصدیق کے بعد پھر خاموشی۔
"میں نے تو ایسے گھر صرف ڈراموں میں ہی دیکھے تھے نانی! بلکہ چھوٹے بڑے ہر طرح کے گھر، اندر سے تو صرف ڈراموں میں ہی دیکھے ہیں یا پھر بس باہر سے، ہمارے کون سے ملنے والے رہتے ہیں گھروں میں۔" اس کے لہجے کی حسرت دل کو چھو کر گزری۔
نانی ستارہ اندر ہی اندر مضطرب ہوئیں۔
"چلو اب رہ لینا تم دل بھر کر، اچھا وہ یاد آیا۔ یہ سالار کا کچھ اتا پتا ہے یا نہیں، اب تو فون بھی نہیں آیا کئی دن ہوگئے، بیمار تو نہیں پڑ گیا۔"
"وہ لوگ بیمار نہیں پڑتے، بالکل ٹھیک ہوں گے، دیکھ لیجیے گا۔"
موضوع بدلا تھا یا بدلا گیا تھا۔
اس کی سادہ لوحی نے اس پر بھی دھیان نہیں دیا تھا۔

"اپنے گھر گئے ہیں اتنے عرصے بعد ظاہر ہے، بہت دل لگ گیا ہوگا۔"
"کون ہے اس کا وہاں بیٹھا ہوا جو دل لگائے گا' یاد نہیں افسر میاں نے کیا بتایا تھا' سوتیلی ماں نے چھوٹی سی عمر میں گھر کو اس کے لیے جہنم بنا دیا تھا' اس سے گھبرا کر باہر رہنے کا عادی ہو گیا ہے غریب۔"
نائی کے پاس سالار کے لیے بڑی رعایت تھی۔
"نہ وہ غریب ہیں اور نہ ہی عمر چھوٹی سی رہ گئی ہے' ٹھیک ٹھاک بڑے ہو چکے ہیں اب تک۔"
ابھی جھیلی گئی بد دلی کے باوجود نائی کو ہنسی آگئی۔
"کتنا بڑا ہوگا سالار تمہارا خیال میں۔"
"اب مجھے کوئی ٹھیک سے اندازہ تو نہیں' لیکن خیام سے تو کافی بڑے۔"
روانی سے لبوں پر وہی نام آیا' جس کا لیا اور سنا جانا اب قطعی ممنوع تھا۔
بات ادھوری چھوڑ کر وہ خاموش ہوئی' نائی نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔
"جاؤ' دیکھو اب کیا دیر ہے' انہیں رکنا ہے تو شوق سے ٹھہریں' صندل سے کہو مجھے واپس بھجوا دے۔"
"میں بھی آپ کے ساتھ ہی چلوں گی۔" وہ تیزی سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور ان کی طرف ایک بار بھی دیکھے بغیر سیڑھیوں پر جا کھڑی ہوئی۔
"امی! شاہا!" وہ وہیں سے آوازیں دے گئی۔
"صندل ہی نے کیا کم دل آزاری کی تھی' جو اب وہ بھی بے کار میں خیام کا نام لے بیٹھی۔" اسے سچ مچ افسوس ہو رہا تھا۔
"جب ایک بات ختم ہو گئی سو ہو گئی' خود وہ کون سا خیام کی یاد دل سے لگائے بیٹھی ہے۔"
"یا پتہ!" اس کا دل زور سے دھڑکا

سارا قصور سالار کا تھا۔
امید کا ایک چھوٹا سا دیا اس نے جلایا تھا۔
"دھت!"
اس نے خود اپنی کمزوری پر شرم کھائی۔

☼ ☼ ☼
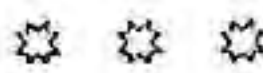
کھلے احاطے میں آج رش معمول سے زیادہ تھا۔ اپنے سامنے کھلے رجسٹر پر اندراج کرتے ہوئے معاذ نے نگاہ اٹھا کر اس ہجوم کی طرف دیکھا اور خوش دلی سے مسکرا دیا۔
"دیکھ رہے ہو ذیشان! سال دو سال میں ہی کیسی تبدیلی آئی ہے لوگ کتنی بڑی تعداد میں خود آرہے ہیں' بچوں کو ہمارے پاس لے کر پہلے بیچ میں پچیس بچے پورے کرنے مشکل ہو رہے تھے۔"
"اور پھر بھی نہیں ہوئے تھے' ایک تو پہلے ہی ہفتے میں بھاگ گیا تھا' جس کو دوبارہ لانے کے چکر میں تمہاری جان پر بن گئی تھی خدایا!"
بات پوری کرتے ہوئے ذیشان کو وہ تکلیف دہ واقعہ بھی یاد آیا' جس نے ان سب کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔
"ساجد کی بات کر رہے ہو؟" معاذ کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہونے لگی۔ "وہ آج بھی آیا ہے' مجھے ابھی دکھائی دیا تھا' رش کی وجہ سے پیچھے ہے۔"
"کوئی ضرورت نہیں ہے' اسے یا اس کے کسی بہن' بھائی کو داخلہ دینے کی' پہلے ہی بڑی مصیبت اٹھا چکے

ہیں۔" ایک بوکھلاہٹ بھری پریشانی اس کے دوستوں میں پھیلی۔

"بہت شرمندگی ہوئی تھی تمہارے گھر والوں کے سامنے اور خاص طور پر انکل کے سامنے۔" معاذ ہلکے سے ہنس پڑا۔

"ابا کی اچھی کہی' ان کے اصول قاعدے کس مشکل کو خاطر میں لاتے ہیں' آج بھی وہ ہم سب سے زیادہ مضبوط شخص ہیں۔"

سب ہی مسکرا دیے۔

معاذ کے ابا سب ہی کے آئیڈیل تھے اور ہمیشہ وہ ان سب کے لیے بڑی سپورٹ ثابت ہوئے تھے۔

رجسٹر تیزی سے بھرا جا رہا تھا اور گنجائش سے کچھ زیادہ ہی بچے لے لیے گئے تھے۔ جو لوگ رہ گئے تھے انہیں سمجھایا جا رہا تھا۔

"تین ماہ بعد ہم ایک بڑی جگہ پر شفٹ ہو رہے ہیں' تب تک تھوڑا سا انتظار کریں۔"

پتا نہیں لوگ مطمئن بھی ہو رہے تھے یا نہیں۔

معاذ اٹھ کھڑا ہوا تو اس نے ایک بار پھر ساجد کو دیکھا۔

ایک طرف کھڑا وہ شاید رش چھٹنے کا انتظار کر رہا تھا۔

آج پھر کافی عرصے بعد وہ نظر آیا تھا' اور پہلے سے زیادہ کمزور۔

معاذ نے تشویش سے اسے دیکھا اور آگے بڑھ گیا۔

"داخلے کے لیے آئے ہو؟"

وہ جو کھڑا کھڑا مایوس ہو چکا تھا' معاذ کے اپنائیت بھرے انداز پر ایک دم ہی کھل اٹھا۔

"میں نہیں' میں نہیں لایا ہوں معاذ بھائی!"

سائیڈ میں کھڑے دونوں بچوں کو اس نے [illegible]

"بھائی ہیں تمہارے؟" بچوں سے پیار سے ہاتھ ملاتے ہوئے معاذ پوچھ رہا تھا۔

"بھائی ہی سمجھیے ان کے بھتیجے ہیں۔" ساجد نے کسی کو اشارے سے قریب آنے کے لیے کہا۔

تب پہلی بار معاذ کی نگاہ اس پر پڑی۔

صاف ستھرا سادہ چہرہ اور بڑی بڑی کالی آنکھوں میں کاجل کی لکیر کے ساتھ سہم سا طاری تھا۔

"یہ زری باجی ہیں' برابر والے گھر میں رہتی ہیں' پہچانا نہیں آپ نے۔"

ساجد گرم جوشی سے تعارف کی رسم کو نمٹا رہا تھا اور زری کو نہ پہچاننے پر اس نے خاصی حیرت سے معاذ کو دیکھا بھی تھا۔

"یاد آیا! ایک بار شاید میں آپ کو ہی ساجد کے لیے پیغام دے کر گیا تھا۔" اس کی طرف مڑتے ہوئے معاذ کو ایک پرانی بات یاد آئی۔

زری نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔

صبح سے طاری' سارا جوش و خروش مدھم پڑا تھا' یہاں آتے ہوئے دل میں کہیں ایک امید سی تھی کہ وہ اسے دیکھتے ہی پہچان جائے گا۔

سو وہ پوری نہ ہوئی۔

ایک بچے کا ہاتھ تھامے وہ سیمنٹ کے فرش پر نگاہ جمائے خود کو تسلی دینے میں مصروف ہوئی۔

"اتنے پڑھے لکھے' اتنے مصروف انسان ہیں' کیسے یاد رکھ سکتے تھے ایک چھوٹی سی بات کو۔"

ساجد کو احساس تھا کہ معاذ کے پاس اس وقت بات کرنے کی بھی فرصت نہیں ہے' سو وہ چند لفظوں میں گوش گزار کر چکا تھا۔

"سمجھ لیں' بس میں پڑھ رہا ہوں' بے چاری سعیدہ خالہ بہت پریشان ہیں' چھ مہینے سے اسکول بھی چھٹا ہے ان بچوں کا' یوں ہی سارا دن گلی میں پھرتے ہیں۔"

جب وہ کہہ رہا تھا تو معاذ کی نگاہ ان دونوں بچوں پر ہی جمی تھی۔

دونوں بہت ہی چھوٹے تھے۔

معصوم بھولے بھالے چہرے' جن پر حالات کی سختی کے باوجود ابھی بھی تازگی اور مسکراہٹ برقرار تھی۔

"کچھ اور وقت گزرے گا تو یہ بھی کھونے لگے گی اور پھر مکمل ہی گم۔"

ایک پرسوچ نظر معاذ نے ساجد کے چہرے پر ڈالی۔

جہاں اب نوعمری کی بے فکری کے بجائے' پختگی آتی جا رہی تھی' آنکھوں کے گرد گھیرے ہوتے حلقے کمزور وجود کچھ اور کہانی کہتا تھا۔

اور جسم پر موجود قیمتی کپڑے' جوتے کچھ اور۔۔۔

"میرے پاس اب اپنا موبائل ہے معاذ بھائی! آپ مجھے نمبر دے دیجیے' تاکہ بات کرنی ہو تو۔" وہ بڑے پُراعتماد انداز میں بات کر رہا تھا۔

معاذ مسکرا دیا۔

"لگتا ہے اچھی طرح سیٹ ہو گئے ہو' ماشاء اللہ۔"

"جی! دونوں کے اچھے پیسے بن جاتے ہیں' اماں کو بھی اب گھروں پر کام کرنے نہیں جانا پڑتا' سب سنبھال لیا ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" معاذ کو دلی خوشی ہوئی تھی۔ "آج کے دور میں بھلا یہ بھی کیا کم کامیابی تھی۔"

"بس اپنی صحت کا خیال رکھو' کسی دن آجاؤ تو میں خود تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلوں۔"

"میں دکھا دوں گا خود ہی کسی دن' آپ فکر نہ کریں۔" اتنی دیر میں پہلی بار وہ تھوڑا سا گڑبڑایا۔ "فی الحال آپ ان دونوں کا مسئلہ حل کریں' میں تو سعیدہ خالہ سے وعدہ بھی کر چکا ہوں۔"

"ہوں!" ذرا رک کر اس نے کچھ سوچنا چاہا تو نگاہ بے دھیانی میں زری کی طرف اٹھی۔

وہ بڑے اشتیاق سے اِدھر ہی دیکھ رہی تھی' معاذ کو متوجہ پا کر کچھ سٹپٹا سی گئی۔

"چلو ٹھیک ہے' میں ان دونوں کو لے لیتا ہوں' اچھی بات یہ ہے کہ اب ہمارا اسکول رجسٹرڈ ہو رہا ہے اور ایک چھوٹی سی عمارت میں شفٹ بھی ہونے والا ہے' یہاں سے قریب ہی ہے۔"

"یہ زری باجی کا مسئلہ ہے' لانے لے جانے کی ذمہ داری ان کی ہے' میرا کام تو یہیں تک تھا۔" مسئلہ حل ہو جانے کی اطلاع خوش گوار تھی' ساجد' زری دونوں ہی مسکرا رہے تھے۔

"چلو پھر ان کا نام لکھ لیتے ہیں' آؤ میرے ساتھ۔" وہ واپس مڑا' ساجد اور بچے آگے اس کے ساتھ تھے' جبکہ زری جان بوجھ کر ذرا پیچھے رہی تھی۔

ٹھیک معاذ کے قدموں کے نشان پر پیر رکھتی ہوئی۔

☼ ☼ ☼

"میرا خیال ہے تمہیں اس سے دوبارہ ملنا چاہیے۔ بار بار بات کرنے سے بھی خاصا فرق پڑتا ہے' انسان کے خیالات بدلتے ہیں کچھ نہ کچھ۔"

حمیدی صاحب کے لیے اس کی افسردگی' بلیس مایوسی' تکلیف دہ ہو رہی تھی۔

"خیالات بدلتے ہیں حمیدی صاحب! لیکن عقیدہ نہیں۔ عقیدہ تو کافر کو بھی بتوں کو سجدے کرا رہا ہے' کھلی آنکھوں سے وحدانیت کا مظاہرہ دیکھتے ہیں' پھر بھی شرک کرتے ہیں۔"

سالار بڑے ڈھیلے ڈھالے سے انداز میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور اپنی شکست تسلیم کرنے کے بعد والی تھکن اور ناامیدی میں مبتلا۔

"وہ لڑکا میری امید سے بڑھ کر ضدی ہے' اب تو مجھے لگ رہا ہے جیسے مجھے یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا' بے کار کی شرمندگی ہی حصے میں آئی۔"

"تم نے اپنی سی کوشش کر لی ہے بیٹا! اور کوشش کے بعد ہونے والی ناکامی' ناکامی نہیں خدا کی مرضی ہوتی ہے' سو اسی میں کچھ بہتری ہوگی تمہارے لیے۔"

سالار نے کچھ چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ حمیدی صاحب ہلکے سے مسکرا دیے۔

"میری بات کا یقین کرو' تم نے جتنے خلوص سے اس کام کو پورا کرنا چاہا' پیسہ' بھاگ دوڑ' کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی' پھر بھی اگر کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تو یقیناً "اللہ کی مصلحت ہے' کچھ اور ہے جو ہونا ہے۔"

سالار نے دل کو عجیب سے انداز میں دھڑکتا ہوا محسوس کیا۔

"کیا اللہ اس پر اتنا مہربان ہے۔"

محبتوں کے کال کے بعد اس کے لیے بھی کہیں خوشی لکھی گئی ہے۔

اور خوشی بھی وہ جو لمحوں میں پاؤں [illegible] سے لگا رہی ہے۔

اس نے بھی خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کیا تھا حمیدی صاحب کی پیش گوئی کے ساتھ ہی' لیکن بس چند پل کے لیے۔

زمینی حقائق مختلف تھے۔

خوشی اسے اپنے لیے نہیں' گیتی کے لیے مطلوب تھی' اور گیتی کے لیے وہ سمجھوتہ تو ثابت ہو سکتا تھا خوشی نہیں۔

ایک دیانت دارانہ تجزیہ کرتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"خواہشوں پر اختیار نہیں' مگر کچھ تو کنٹرول کیا ہی جا سکتا ہے۔"

"اب [illegible] پروگرام ہے' فرصت ہو تو آفس آ جاؤ' اسٹاف بہت خوش ہوتا ہے تمہیں دیکھ کر۔"

حمیدی صاحب اس کے ساتھ کھڑے ہونے لگے تو اس نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"[illegible] ناکہ آپ پر اور آفس میرے نہ جانے سے زیادہ بہتر چل رہا ہے' یہ مجھے پتا ہے۔"

"[illegible]" حمیدی صاحب بالکل سنجیدہ رہے۔

"[illegible] شادی [illegible] اپنا گھر بساؤ' آفس میں دلچسپی لو' خود کو ایک فیملی لائف میں سیٹ کرو' کراچی میں [illegible] اس طرح مہینوں' سالوں کے لیے غائب ہو جانا ان سب کی ہمتیں بڑھا رہا ہے۔"

وہ اس وقت گھر آئے ہوئے تھے اور ان کا اشارہ کس طرف تھا' سالار کی اچھی طرح سمجھ میں آ رہا تھا۔

"ان کا حوصلہ بڑھا بڑھایا ہے حمیدی صاحب! ایک تھا نا [illegible] اس دن نظارہ آپ نے بھی' سوچ کر آج بھی خون کھولتا

"[illegible] کالا نہیں ہوتا تو اس وقت اس گھٹیا شخص کو نکال کر باہر کر دیتا۔"

"اس لیے تو کہہ رہا ہوں یہیں رکو' تاکہ نبیل کو لگام ڈلی رہے' مجھے تو یہ ڈر ہے کہ وہ بزنس میں کوئی بڑی [illegible] رہا ہو' بیگم زرتاج نے اسے کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔"

سالار نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔

"وہ ان کا مسئلہ ہے' نبیل جو کچھ بھی کر سکتا ہے ان کے بزنس کے ساتھ ہی کرے گا اور وہ سب ان پر اثر انداز [illegible] ہوتے ہوئے کوئی فکر نہیں۔"

"[illegible] تب مجھے تمہیں کوئی فکر نہیں ہوگی' میں نے پیسے کی طرف سے اتنا لاپروا شخص کوئی دوسرا [illegible]"

[illegible] کی جھنجلاہٹ پر وہ ہنستا چلا گیا۔

"[illegible] فی الحال تو دیکھیں میں نے خاصی دہشت بٹھا رکھی اپنی' نبیل صاحب تو کیا ان کی بیگم [illegible] سے گھبراتے ہیں' بہت سکون سے رہ رہا ہوں میں۔"

"خدا کرے کہ اپنے بال بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی رہو اس گھر میں۔"

وہ اٹھ کر اس کے قریب آ کھڑے ہوئے تھے۔ سالار نے بہت احترام سے انہیں دیکھا اور مسکرا دیا۔

"تو میری زندگی میں ایسے کوئی آثار نہیں' لیکن آپ کی دعا کے بعد لگتا ہے جیسے کبھی نہ کبھی ایسا ہوگا ہی۔"

"ان شاء اللہ!" وہ پورے یقین کے ساتھ مسکرائے۔

"چلتا ہوں۔" وہ ان کے ساتھ چلتا ہوا سیڑھیوں تک آیا۔

لاؤنج میں نبیل کھڑا ہوا کسی ملازم سے الجھ رہا تھا۔

"[illegible] کیوں شور مچا رکھا ہے۔"

سالار نے وہیں سے پکار کر پوچھا تھا۔

اس کے لہجے میں جو تحکم تھا' حمیدی صاحب کو مسکرانے پر مجبور کر رہا تھا۔

"یہ شریفوں کا گھر ہے' یہاں چیخ چلانے سے گریز کیا کریں' سمجھے۔"

آخری سیڑھی پر کھڑے ہو کر اس نے انگلی اٹھا کر نبیل کو متنبہ کیا اور پھر پورے وقار کے ساتھ حمیدی صاحب کے ساتھ چلتا ہوا لاؤنج سے باہر نکل گیا۔ نبیل اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔

☆ ☆ ☆

دن جیسے پر لگا کر اڑے تھے۔

مہینے کی تیس تاریخ' جو پہلی کو بہت دور دکھائی دے رہی تھی' دیکھتے ہی دیکھتے سر پر تھی۔

سلمان کی طرف سے مکمل مایوسی کی رسید پکڑنے بھی گویا مہینہ پورا ہونے کو تھا۔

[illegible] شادی کی تیاریاں بھی زور پکڑتی جا رہی تھیں۔

المدار چچا کے بہت سے کرم فرما تھے' اور ابھی تک ان کے دیوالیہ ہونے کی اطلاع بھی عام نہیں ہوئی تھی' سو قرضہ بھی آسانی سے مل گیا تھا۔ کئی خرچے نمٹا لیے گئے تھے۔

مگر شادی شادی تھی۔

کپڑے تو ماضی میں ہونے والی بے تکی اور بے حساب کی جانے والی شاپنگ کے صدقے میں گھر میں ہی ڈھیروں [illegible] تھے' دوسرے حویا کو کپڑوں کا کوئی ایسا خاص شوق بھی نہیں تھا' سو ان ہی کو سیٹ کیا جا رہا تھا۔

وہ سرے سے اس شادی میں ہی دلچسپی نہیں لے رہی تھی، سوائے نہ اعتراض تھا اور نہ اشتیاق۔

آپا گل ٹیلر کے ہاں لے جا کر کھڑا کر دیتیں کپڑوں کے ڈیزائن ڈسکس کرتیں، بیلیں، کپڑوں پر بنایا جانے والا کام، کلر کمبی نیشن۔

کچھ بھی اس کی توجہ اپنی طرف نہیں کھینچا، سو تنگ آ کر انہوں نے اسے یہ رسمی سی تکلیف دینا بھی چھوڑ دی تھی، زویا یا پھر خود شاکرہ بیگم ہی ان کا ساتھ دینے کے لیے کافی تھے۔

اور اگر وہ بھی نہیں تو۔۔۔

''کملا پیسہ ہو انسان کے پرس میں، یوں چٹکی بجاتے اکیلے ہی سب کام نمٹا دوں، یہ تو بجٹ ہی اتنا محدود ہو رہا ہے کہ مشورے کی ضرورت پڑ گئی ہے۔''

لاؤنج میں تیاریوں کے سلسلے میں ہونے والی روزمرہ کی بحث نمٹائی جا رہی تھی تب وہ کچھ آزردگی کے ساتھ کہہ اٹھیں۔

اظہار اور شاکرہ، دونوں ہی کے دل کو دھکا سا لگا۔

''یہ تو نہ اور کبھی گمان بھی نہیں گزرا تھا کہ جویا کی شادی کے وقت، ہاتھ ایسا تنگ ہوگا کہ پورا کرنا مشکل ہو جائے گا۔''

شاکرہ بیگم کی مایوسی اور بھی سوا تھی۔

مالی پریشانی سے زندگی میں پہلی بار واسطہ پڑ رہا تھا اور یہاں صبر اور قناعت کا مکمل فقدان اپنے سے نیچے انہوں نے ہمیشہ حقارت بھری ہنسی کے ساتھ ہی دیکھا تھا، سو اب حوصلہ پکڑا بھی جاتا تو کیسے۔

''حاسدوں کی نظر لگ گئی سلمان کی شادی پر، اور نظر بھی ایسی کہ کوئی توڑ کارگر نہیں ہو رہا، ورنہ جویا کی شادی تو ایسی ہوتی کہ لوگوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ جاتے، کسی بات کی کمی نہ ہوتی، مگر اب تو ہم نہیں کیسے۔''

بات پوری کرنے سے پہلے ہی ان کا دل بھر آیا، آپا گل اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قریب جا بیٹھیں۔

''صبر کریں، دشمنوں کا منہ خود ہی کالا ہوگا، پیر کرامت شاہ کہہ رہے تھے کہ بڑا بھاری خرچا کروایا ہے، بندش کرانے والوں نے پورا کام کیا ہے، تب ہی تو ان کے تعویذ، چلہ کام نہیں دکھا رہے۔''

تسلی سے زیادہ پیر کرامت کی صفائی دینا مقصود تھی۔

اظہار چچا تلملا ہی تو گئے۔

''جہنم میں جائے یہ کرامت شاہ، ڈھونگی ایک نمبر کا، میں نے کہا بھی تھا تم دونوں سے کہ اس خرافات سے دور رہو، لیکن یہاں تو جاہلیت کا جو مظاہرہ نہ ہو کم ہے، پتا نہیں کتنا پیسہ تو اس چکر میں تمہاری بیٹی نے پھونک ڈالا۔''

''اچھا! اور یہ جو لاکھوں کا زیور تم نے پتا نہیں کہاں برباد کیا ہے، اس کا کوئی ذکر نہیں، بالکل خالی کر کے رکھ دیا مجھے، اب تھوڑے سے پیسوں کا طعنہ دینے چلے ہو۔''

زیور کی جدائی، آج بھی ایک رستا ہوا ناسور تھی۔

اظہار چچا نے بے ساختہ ہی پیشانی کو چھوا۔

''گھر کی قسطیں جمع کرائی تھیں، سمجھ میں کیوں نہیں آتا تم لوگوں کے، ابھی آگے بھی کتنا دینا ہے، میں سوچ سوچ کر پاگل ہوا جا رہا ہوں، اوپر سے یہ بالکل ناوقت جویا کی شادی کا سلسلہ شروع کر لیا گیا، وہ بھی اس ناخلف ناکارہ کے بھروسے پر۔''

آپا گل نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

روزانہ ایک سی باتیں دہرائی جا رہی تھیں، اور کچھ ہوتا نہ ہوتا، اصل مسئلہ ضرور پس پشت چلا جاتا۔

جہیز کے سلسلے میں کتنے ہی بڑے آئیٹم لینے باقی تھے، کراکری، کچن کا دوسرا سامان، فرنیچر، ٹی وی، لاؤنج اسٹیٹ، مائیکرو ویو۔

ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ تھا جس میں بے شک کمی بھی کی جا سکتی تھی۔ مگر یہاں انا کا مسئلہ سب سے اہم تھا۔

لوگ کیا کہیں گے؟

ساری الجھنوں پریشانیوں پر یہ خوف ناک سوالیہ نشان حاوی آتا تھا اور کوئی یہ کہنے ماننے کو تیار نہیں تھا کہ اگر لوگوں کی پروا کچھ دیر کے لیے چھوڑ دی جائے تو زندگی تھوڑی سی آسان ہو سکتی ہے۔

''لوگ کیا کہیں گے کہ بیٹی کی شادی میں اتنا دل تنگ کر لیا کہ۔۔۔'' آپا گل کا نقطۂ اعتراض پھر اسی تکیۂ کلام سے شروع ہو رہا تھا۔

''بہت سی چیزیں تو قریبی رشتے دار بھی دیتے ہیں، ہم نے بھی آخر اتنا دے رکھا ہے خاندان میں، میری ڈائری نکال کر دیتا، سارا حساب لکھا ہوا ہے میں نے اس میں۔''

''آپ کی اور بات تھی امی! خاندان میں سب سے اچھی پوزیشن تھی ہمارے گھر کی، ظاہر ہے دیتے لیتے بھی زیادہ تھے، مگر باقی خاندان تو ابھی بھی بس اپنے حساب کتاب سے ہی دے گا، دیکھ لیجیے گا۔''

آپا گل زیادہ حقیقت پسند ہوتی جا رہی تھیں۔ ''اور دوسرے اب ہم منہ سے تو کہنے سے رہے کہ جویا کو کون کیا دے گا، ہاں اگر کوئی خود ہی۔۔۔''

''کچھ نہیں ہوگا ایسے۔'' اظہار صاحب نے بہت شدت سے ان کی بات روکی۔ ''جب سلمان ہی سے کوئی امید باقی نہیں رہی تو اوروں سے تو سوال ہی نہیں اٹھتا، کروں گا میں خود ہی کچھ، اب بھی تو کر رہا ہوں۔''

ان کی بات میں عجیب سا تاثر تھا، امید کے جاتے ہوئے بھی کی، سب ہی چپ سے ہو گئے۔

تب ہی زویا اور جویا اندر آتی ہوئی دکھائی دیں۔ ''یہ کہاں جا رہی ہیں؟''

آپا گل کو تو حیرت سے جھٹکا سا لگا۔

معلوم نہیں کتنے دن کے بعد انہوں نے جویا کو قدرے تیار دیکھا تھا۔

کلر وہ لائٹ ہی پہنتی تھی، لیکن ہلکا میک اپ اور کندھوں سے نیچے آتے بالوں نے مکمل کر جیسے جادو سا کیا تھا۔

''ایسے ہی رہا کرو، کتنی پیاری لگ رہی ہو۔'' نہیں اتنی محبت آئی کہ اٹھ کر پاس آ کھڑی ہوئیں۔

''اعجاز تو دو دن میں دیوانہ ہو جائے گا، اتنی خوب صورت بیوی پا کر، بس ذرا کھینچ کر رکھنا۔''

تھوڑے فاصلے پر بیٹھے والد کا لحاظ کرتے ہوئے انہوں نے آواز ضرور نیچی رکھی تھی۔

جویا نگاہ چرا کر دوسری طرف دیکھنے لگی اور چہرہ ویسا ہی بے تاثر رہا۔

''کرن کا برتھ ڈے ہے، وہیں جا رہے ہیں۔'' زویا نے خاص طور پر مطلع کیا تھا آپا گل کو۔

''ہاں ضرور جاؤ، اچھا ہے جویا اپنی تمام دوستوں سے بھی مل لے گی اور ابھی سے کہہ دینا سب کو کہ مایوں اور مہندی میں سب کو ضرور آنا ہے۔''

وہ اسی ایک ذکر کو لے کر سب سے زیادہ پُرجوش تھیں، جو، جویا کو سب سے زیادہ ناروا تھا۔

''چلو زویا! دیر ہو رہی ہے۔'' وہ کہتی ہوئی زویا کو لے کر باہر نکل گئی۔

''چلو شکر ہے، جو یہ لڑکی بھی نارمل ہونا شروع ہو گئی۔'' آپا گل نے مڑ کر والدین کو خوش خبری سنائی تھی۔

کرن کا گھر ان ہی کے بلاک میں تھا۔

گلی در گلی پیچھے شارٹ کٹ میں سے نکلتی ہوئی وہ دونوں چند منٹ ہی میں وہاں پہنچ چکی تھیں۔

فنکشن اوپر چھت پر تھا۔ گو ابھی دیر نہیں ہوئی تھی، لیکن مہمان خاصے آچکے تھے۔ کرن نے اوپر سے ہی انہیں آتا دیکھا اور سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی نیچے آپہنچی۔

"کتنی دعائیں مانگی تھیں میں نے کہ جویا ضرور آجائے، ورنہ یہ تو بالکل ہی گھر میں بیٹھ گئی ہے۔ ابھی شادی نہیں ہوئی ہے، پھر یہ حال ہے، بعد میں تو ہم اس کی شکل کو ترسیں گے، اعجاز بھائی ملنے دیں نہ ملنے دیں۔"

"معلوم نہیں ہر ایک نے اسی قسم کے بے تکے مذاق کیوں فرض کرلیے ہیں اس کے ساتھ۔"

بہت کوفت سے اس نے سوچا۔

"اب یہیں کھڑے رہیں گے کیا، چلو اوپر چلو۔"

کرن کو تحفہ تھماتے ہوئے زویا نے دانستہ موضوع بدلنا چاہا۔

"ہاں چلو نا!" کرن مسکراتے ہوئے مڑنے لگی تھی تب ان دونوں کی پشت پر کھلتے گیٹ کی طرف نگاہ پڑنے پر اس نے بڑے پُرجوش انداز میں ہاتھ ہلایا۔

"زبردست! مجھے تو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا۔" ایک بڑی مخصوص مانوس آہٹ، جویا نے اپنے عقب میں سنی اور اس پُرہنگام گھر میں جیسے یکدم گہرا سناٹا سا ہوا۔ [illegible] ہوا تھا۔

"خدایا!" اس نے دل ڈوبتا ہوا محسوس کیا۔ وہ اس کے بالکل [illegible] ہوا تھا۔

"آج تو بڑے بڑے لوگ آرہے ہیں، کیا بات ہے۔" کرن کی آواز میں [illegible] تھی۔

"بڑے لوگ تو پہلے ہی آچکے ہیں تمہارے ہاں کرن!" اس نے معاذ کو [illegible] نا۔

"کیا حال ہیں تم لوگوں کے؟" وہ ربیعہ کے ساتھ سائیڈ میں سے [illegible] ہوا سامنے آیا۔

ساری مصلحت، سارے جواز مسترد کر کے [illegible] اس کے [illegible] تھی۔

زویا اس سے کچھ کہہ رہی تھی۔

مگر کیا وہ واقعی زویا کی طرف متوجہ تھا۔

جویا نے اس کے چہرے پر [illegible] اضطراب، نگاہوں کا اپنی طرف اٹھنا، ایک چھوٹے سے لمحے میں دیکھا تھا۔

"بہت دن بعد ملیں جویا! اتنی کمزور ہو رہی ہو۔" ربیعہ اپنی فطری محبت کے ساتھ آج بھی گلے لگی تھی، کوئی خفگی، کوئی کڑواہٹ نہیں۔

جویا نے حلق میں کچھ اٹکتا سا محسوس کیا۔

"تم لوگ تو کزنز ہو، پھر بھی کیا بہت عرصے میں ملتے ہو؟" کرن کچھ حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

لیکن اس مصروف زندگی میں ایسی حیرت کی بھی گنجائش کہاں؟

"دادی کیسی ہیں ربیعہ!" بمشکل وہ ربیعہ سے کچھ پوچھنے کے قابل ہو سکی۔

"بس ٹھیک ہی ہیں، مکمل صحت مند تو نہیں کہہ سکتے۔" ربیعہ نرمی سے اسے دادی کے بارے میں بتانے لگی۔

باہر سے ایک ساتھ ہی بہت سارے مہمان آنے شروع ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کو وہاں سے ہٹنا ہی پڑا۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے، جویا نے مڑ کر دیکھا تھا، معاذ ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔

کرن کا بھائی اور چند دوسرے لڑکے معاذ کو گھیرے کھڑے تھے، وہ ان میں سے کسی کو نہیں پہچانتی تھی، لیکن اب سب کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ معاذ کے بہت قریب ہیں۔

"معاذ بھائی کی بہت گہری دوستی ہے میرے بڑے بھائی سے، ان کے دوستوں کا گروپ بہت سوشل ورک کرتا ہے، آج کل اسٹریٹ ورکر بچوں کے لیے اسکول چلا۔۔۔"

کرن سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اسے بتارہی تھی' وہ بالکل خاموش سیڑھیاں چڑھے گئی۔
"بھائی کے یہ سارے خاص دوست ہیں اور معاذ بھائی سب سے پیارے انسان' تمہیں تو پتہ ہی ہوگا' تمہارے کزن ہیں۔"
کرن سیدھی سادی سی لڑکی تھی' خوشی خوشی تعریف کے پل باندھے گئی۔
جویا اب بھی خاموش تھی' دل پر بڑا بوجھ اور بھی ناقابل برداشت ہونے لگا۔
"اس سے زیادہ کون جانتا تھا کہ وہ کتنا اچھا ہے اوپر وہ بالکل آخری کونے والی کرسی پر جاکر بیٹھی تھی زویا کو بہت سی دوستیں مل گئی تھیں' سو وہ وہاں گم ہوگئی۔
کرن کے ہاں اچھے خاصے لوگ مدعو تھے' اس کے اور بہنوں کی سہیلیاں' خاندان والے' محلے والے' وغیرہ وغیرہ۔
بھائی اس کا ایک ہی تھا' سب سے بڑا' سو وہ معاذ کے قبیلے کا آدمی نکلا۔
جویا کی نگاہ اس کی طرف تھی' جہاں سیڑھیوں کا اختتام ہوتا تھا' معاذ کو وہیں سے اوپر آنا تھا۔
"اور کیا پتہ وہ اوپر آئے ہی نہ' نیچے سے ہی واپس چلا جائے۔"
حالانکہ وہ اس کی زندگی سے کب کا جاچکا تھا' پھر بھی وہ بری طرح مایوسی میں گھری۔
چند منٹ نیچے ہی رک جاتی تو کچھ دیر اسے دیکھ تو جاسکتا تھا کم سے کم۔ آگے کے گھٹاٹوپ سفر کے لیے زاد راہ ہی سہی' اس نے اضطراب سے پہلو بدلتے ہوئے پھر وہیں دیکھا' جہاں سے مستقل لوگ اوپر آرہے تھے۔ مگر ان میں معاذ نہیں تھا۔
چند بڑی کلاس فیلوز نے اسے اتنا پیچھے بھی ڈھونڈ لیا تھا' سو وہ سب ادھر چلی آئیں۔
... ان کے بعد ملنے کی خوشی ... تھیں' لیکن وہ چند منٹ میں ہی اکتا گئی' ساری دوستیں ... اس کی شادی کی ... ہوئی تھی۔
ہر سوال اسی حوالے سے' ہر مذاق میں وہی ایک نام' جو پن کی طرح چبھتا تھا۔
وہ مروتاً بھی نہ شرما سکی اور نہ ہی مسکرا سکی' آگے جہاں اسٹیج بنایا گیا تھا' وہاں کچھ گہماگہمی سی نظر آئی تو وہ سب اٹھ کر اس طرف چل دیں' جویا سے بھی اصرار تھا' مگر "وہ آتی ہوں۔" کہہ کر ٹال گئی۔
چند منٹ کے لیے تو وہ بالکل ہی اکیلی رہ گئی۔
"یہاں کیوں اکیلی بیٹھی ہو جویا!" ربیعہ اسے دیکھ کر ہی ادھر آئی تھی' "ادھر ہی آجاؤ نا' سب وہیں ہیں۔"
"نہیں بس ٹھیک ہے۔" وہ ہلکے سے مسکرائی۔
ربیعہ نے بہت دھیان سے اس کی پھیکی پڑتی مسکراہٹ کو دیکھا اور اس کے قریب ہی کرسی سرکا کر بیٹھی "بہت دن بعد ہم ملے ہیں نا!"
"ہوں!" جویا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے پھر مسکرانے کی کوشش کی' لیکن آنکھوں میں ہلکی سی نمی کی تہہ اترنے لگی تھی۔
وہ بڑی تکلیف دہ کشمکش سے گزر رہی تھی' ربیعہ کو اس بارے میں ذرا بھی شک نہیں تھا۔
"کاش وہ اور معاذ یہاں نہیں آتے۔" وہ رنجیدہ ہوئی۔ مگر پچھتاوا بعد از وقت تھا۔
پہلی بار جویا کو بھی لگا تھا' جیسے اب اس کے اور ربیعہ کے بیچ کوئی بھی بات کرنے کے لیے نہیں باقی رہی' تب ہی ربیعہ نے ایک بالکل غیر متعلق سا موضوع چھیڑا۔
"میں نے آگے ایڈمیشن لے لیا ہے ایم اے میں' ہسٹری تھوڑی سی پسند بھی ہے اور آسان بھی لگتی ہے' مگر

میں خالی بیٹھے رہنا تو...."
جویا نے شکر گزار نگاہوں سے ربیعہ کی طرف دیکھا' وہ واحد تھی' جس نے اس سے شادی یا اعجاز کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا' اور نہ ہی کسی بھی حوالے سے وہ اپنی باتوں میں معاذ کا ذکر لائی تھی۔ یوں ہی ادھر ادھر کی کے گئی۔
جویا بھی تھوڑی سی دیر کے لیے بہل سی گئی۔ رش ایک دم ہی خاصا بڑھ گیا تھا۔
کیک کاٹا جارہا تھا' سب ہی لوگ آگے کی طرف بڑھتے جارہے تھے' ربیعہ بھی اٹھ کر کھڑی ہوئی۔
"ہم بھی چلتے ہیں سب دوست بھی وہیں ہیں۔"
ربیعہ کے کہنے پر اس بار وہ انکار بھی نہ کرسکی۔ لڑکیوں کا ایک گروپ اچانک ہی بیچ میں آیا تو جویا کو ٹھٹھک کر رکنا پڑا تھا۔
ربیعہ آگے نکل چکی تھی شاید وہ بھی نکل جاتی اگر اسے لوگوں کو ہٹا کر آگے نکلنا آتا۔
سو اسے رکنا پڑا۔
معاذ نے تب ہی بالکل قریب آکر اس کی کلائی تھامی تھی۔
"مجھے کچھ بات کرنی ہے تم سے۔"
جویا نے ششدر سا ہوکر اس کی طرف دیکھا۔ "اتنی جسارت۔"
"ادھر پیچھے آؤ۔" اس کے کلائی پر دباؤ بڑھا تھا۔
"ہاتھ چھوڑو پلیز!" ایک چور نگاہ اطراف میں ڈالتے ہوئے' وہ دھیمی آواز میں ہی کہہ سکی۔
کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا' سب لوگوں کے ایک ساتھ کھڑے ہوجانے کی وجہ سے' بڑی مخصوص سی افراتفری پھیلی ہوئی تھی' اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کچھ کہے بغیر وہ ایک قدم پیچھے ہٹا تو جویا کو بھی پیچھے آنا پڑا۔
وہ دونوں ٹھیک اسی جگہ پر آکر کھڑے ہوئے' جہاں چند منٹ پہلے وہ اور ربیعہ بیٹھی تھیں۔
"ابھی بھی وقت ہے جویا! صرف ایک بار تم کہو کہ...." اس کے چہرے پر سرخی پھیلی ہوئی تھی اور لہجہ میں اصرار کی ایسی شدت کہ....
جویا کو لگا جیسے وہ سیلف کنٹرول کھو دینے کو ہے اور اب جب کہ سب ہی کچھ ختم تھا' وہ کہہ رہا تھا کہ "ابھی وقت ہے۔"
"مجھے صرف تمہاری مرضی نے روکا ہے ربیعہ! ورنہ آج بھی ابا' دادی میں خود اظہار چچا سے ہاتھ جوڑ کر تمہیں مانگ...."
پل کے ایک چھوٹے سے حصے میں جویا نے ان بے حد پیارے لوگوں کو اپنے سنگ دل اور مغرور خاندان کے آگے کھڑا دیکھا اور پھر اس سے پرے گونجتی ہوئی وہ دھمکی' جس کے آگے بولنے کی ہر گنجائش یکسر ختم۔
"کیسے اپنی ماں کو اس عمر میں اتنی بڑی آزمائش کی نذر کرتی۔
"تم میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتے معاذ! جو کچھ ہو رہا ہے میری مرضی سے ہو رہا ہے اور خدا کے لیے میرا تماشا مت بناؤ۔"
دبی آواز میں تیزی سے کہتی ہوئی' اس کے پاس سے گزر کر آگے چلی گئی۔
آگے ابھی بھی لوگوں کا جمگھٹا تھا' لیکن وہ راستہ بناتی ہوئی لوگوں میں گم ہوئی۔
شاید اس وقت اس نے یہ ایک کام سیکھا ہی تھا۔ معاذ کی آنکھوں میں بے یقینی جمی تھی۔
وہ اگلے لمحہ وہ ایک لاحاصل تعاقب میں ہی مصروف تھا' اسے اپنی حماقت پر شرم آئی۔

اسے اپنے اس بری طرح ٹوٹ جانے پر شرم آئی۔

☼ ☼ ☼

منتقلی کا عمل شروع ہو چکا تھا۔ صندل کا سامان روزانہ ہی جاتا ہوا دکھائی دیتا' اس تھوڑی سے عرصے میں اس نے پتہ نہیں کتنا کچھ اکٹھا کر لیا تھا۔
پرانے ملبوسات' کاسمیٹک کا ڈھیر شاما کے حصے میں آ رہا تھا' جسے وہ بوکھلا کر آس پاس والیوں میں خود بھی بانٹے جا رہی تھی۔
پڑوس میں بسی' خالہ دلدار اور ان کی فیملی کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔
"کتنے خوب صورت سوٹ ہیں دیکھیں اور یہ لپ اسٹکس یہ پرفیوم' سب شاما نے دیے ہیں' کہنے لگی مجھے کیا دکان کھولنی ہے' بانٹ لو تم سب' یہاں تو اللہ کے فضل سے ڈھیر لگے ہوئے ہیں ان چیزوں کے۔"
گل ناز کی ملازمہ خاص بھی شاما کے متاثرین میں شامل تھی' بلکہ اسے تو جان بوجھ کر زیادہ نوازا جا رہا تھا تاکہ مخالفین کے دل کو زیادہ سے زیادہ چوٹ پہنچائی جا سکے۔
سو ہو بھی یہی رہا تھا۔
"بہت بڑا دل ہے صندل میڈم کا' جب ہی تو اللہ بھی مہربان ہے ان پر' کہاں سے کہاں پہنچ...!"
"چار چیزیں کیا مل گئیں' بس لگی ان ہی کا کلمہ پڑھنے' یہاں تجھ پر کم احسان ہیں' کسی چیز کی کمی کی ہو تو بتا' آئی صندل میڈم کی پچھی' شاما سے کہہ' وہیں کام دلا دے' لے جائے اپنے ساتھ ہی۔"
گل ناز کا ضبط جواب دے گیا تھا' خوب ہی خبر لی اور بس چلتا تو ایک ہاتھ بھی لگا دیتی۔ چمپا غریب دل ہی دل میں ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئی۔
اس کی ایسی قسمت کہاں' جو صندل میڈم [illegible]

دل میں پلتی حسرت کو دبا کر اسے گل ناز کے آگے ہی ہاتھ جوڑنے پڑے۔
"ایسی غلط بات بھی نہیں بے چاروں کی۔ چھپر پھاڑ کر پیسہ برس رہا ہے' کوٹھی کی کسر رہ گئی تھی' اب وہ بھی پوری ہوئی' شرفاء کے محلے میں جا کر رہے گی تو یہاں سے نسبت بھی ختم ہی سمجھو۔"
چمپا ڈانٹ کھا کر رخصت ہوئی تو نانی دلدار بڑی دل سوزی سے شریکِ غم ہوئیں۔
گل ناز نے بجھے بجھے انداز میں ان کی طرف دیکھا۔
"اب قسمت سے لڑا بھی تو نہیں جا سکتا اماں! پیسہ تو الماس نے بھی کم نہیں کمایا' لیکن ظاہر ہے فلم والی عزت کی تو بات ہی دوسری ہے' صندل کو بالی صاحب جیسا سرپرست ہاتھ آیا اور ہمیں شیرازی جیسا پھیچر' اس کی اڑان دبئی کے شوز سے زیادہ نہیں تھی۔"
"ثمینہ نے اچھا ہی کیا تھا' جو اس شیرازی کو اپنے معاملات سے بے دخل کیا تھا' یہاں ہمیں پتہ نہیں کیا ہوا تھا' جو اس دو ٹکے کے آدمی کو سر آنکھوں پر بٹھائے رکھا' مجھے تو اب شکل سے بھی نفرت ہو گئی ہے اس کی' نیچے لڑکوں سے کہہ دے کہ آئے تو سیڑھیاں نہ چڑھنے دیں۔"
سارا غصہ' سارا جلال اب بعد از وقت تھا' الماس کی حیثیت کو فرق پڑنے والا نہیں تھا۔
"وہ تو رہ ہی گئی روز کی پرفارم کرنے والی رقاصہ' فنکشن میں بلاووں کی منتظر۔" گل ناز کی آواز بھرائی جا رہی تھی' الماس کی بے وقعتی کا غم زیادہ تھا یا پھر صندل کی کامیابی کا۔

اذیت ہم کی تھی' جو عمر بھر کے لیے اب جان کو لگا ہی چاہتا تھا۔
"دل بھاری مت کر' ہم بھی پیچھے نہیں رہیں گے۔ سنبھال خود کو' ظاہر مت کر اپنا غم اور غصہ' چل ذرا چل کر بات کرتے ہیں آپا ستارہ سے۔"
اپنے آگے دھرے پاندان کو بند کرتے ہوئے نانی دلدار نے منٹوں سیکنڈز میں کچھ پلان کیا تھا۔ گل ناز کی سمجھ میں کچھ آیا' کچھ نہیں۔
"میں نہیں جاتی وہاں اپنا دل جلانے' وہ ثمینہ موئی' ناک تاک کر طعنے مارتی ہے' کل تک ایکسٹرا کی لائن میں کھڑی ہو کر کمہلاتی تھی' آج پھرتی ہے صندل میڈم کی ممی بنی ہوئی۔"
اس کی آنکھوں میں باقاعدہ آنسو آ رہے تھے۔
نانی دلدار جھنجلا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"اب یوں ہمت ہار کر بیٹھی رہی تو چل چکا کام' میں تو ذرا چکر لگا کر آتی ہوں آپا کی طرف۔"
گل ناز نے تیزی سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔
"بات کیا کرنی ہے خالہ سے۔"
"گھر کا پتہ کرنا ہے' یہ اتنا بڑا چوبارہ ایسے ہی تو خالی نہیں پڑا رہے گا' کرائے پر ہی دے کر جائیں گی' معلوم نہیں کون آ کر بس جائے' لاکھ الگ سہی گھر تو ایک ہی ہے۔"
وہ کہتی ہوئی آگے چل پڑی تھیں' گل ناز کو بھی چپل پیروں میں اڑاتے ہوئے اٹھنا پڑا۔
"برآمدے میں سے دیوار اٹھوا دیں گے اور کیا کر سکتے ہیں' ان کا گھر ہے ان کی مرضی' جو چاہے کریں۔"
نانی ستارہ کے پورشن کی طرف مڑتے' برآمدے کے کونے پر دلدار جان چلتے چلتے ذرا رکیں۔
"گھر بے شک ان کا ہے' لیکن حق تو ہمارا بھی بنتا ہے' [illegible] بات کروں گی' کسی اور کو نہیں ہمیں دے کر جائیں' بے شک کرایہ لے لیں۔"
"واقعی!" گل ناز کا منہ تھوڑا سا کھلا۔
انہوں نے اپنا پورشن بے شک بڑی دھوم دھام سے سجایا تھا' پھر بھی جو خوب صورتی اور نزاکت نانی ستارہ کے چوبارے کے انٹیریر کی تھی' وہ پورے محلے میں کسی کی نہیں تھی۔
"بزنس کی ذرا اور طرح سے سیٹنگ ہو سکتی ہے پھر' دوسرے محلے والیوں پر دھاک۔۔۔"
"خالہ نہیں دیں گی کبھی بھی کسی کو' بے شک انہیں یہاں تالا ڈال کر جانا پڑے' دیکھ لینا۔" دل تو للچایا تھا' لیکن گل ناز کو امید ایک فیصد بھی نہیں تھی۔
"اونہہ!" ایک ادا سے سر جھٹک کر وہ آگے بڑھیں۔
دھوئیں سے سیاہ ہوئے باورچی خانے کی کھڑکی میں سے شاما نے جھانک کر برآمدے کے اس سرے سے انہیں آتے دیکھا اور بھرپور انداز سے مسکرائی۔
"اب آئے گا مزا۔"
جھٹ پٹ اس نے دیگچی میں بھنتے گوشت میں دو چار ہاتھ مارے' پانی کا چھینٹا دیا اور باہر نکل آئی۔
دونوں ماں بیٹی بمشکل بیچ برآمدے تک ہی پہنچ پائی تھیں۔
"آج تو بڑے مہمان آئے ہیں' سلام نانی!"
لہک کر انداز میں اس نے جھک کر ان کے گھٹنے کو چھوا' مگر وہ بے زاری سے ایک طرف ہو گئیں۔
"ہاں ہاں ٹھیک ہے۔"

شاما سے دونوں ہی کو نفرت تھی' سو اس کی بندگی بھی کیسے قبول کی جاتی۔
"کالی چڑیل' نگینہ کی جاسوس' اچھا ہے دفع ہو یہاں سے۔" گل ناز نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دباتے ہوئے دل ہی دل میں کہا تھا۔
مگر یہاں سے دفع ہونے کے بعد وہ کہاں جا کر رہنے والی تھی' یہ خیال اور بھی زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوا تھا۔
شاما اتنی دیر میں' برسوں کے دیکھے دکھائے ان دو کرداروں کا تفصیلی جائزہ لے کر فارغ ہو چکی تھی' گل ناز کے ہاتھ میں وہی' پچھلے دبئی والے شو سے واپسی پر پہن کر لائی جانی والی چوڑیاں' گلے میں مولی سی چین' حسن آباد والی سرکار کی بخشش اور کانوں کے پانچ پانچ سوراخ سونے کے چھوٹے بڑے موتی۔
کوئی نئی چیز نہیں۔
شاما کے دل کو کمینی سی خوشی ہوئی۔
نانی دلدار جان کی خیر تھی۔
ان کا رنگ برنگا حلیہ ہمیشہ کم سنی کی یاد دلاتا تھا' اب تو خیر سے بال بھی مختصر ترین ہو کر کانوں تک آ چکے تھے۔
شوقینی سی شوقینی۔
کہیں سے جو وہ نانی ستارہ جیسی نفیس خاتون کی بہن لگتی ہوں۔
شاما کو تو لگتا تھا کہ خود اس کا ذوق' نانی دلدار سے کہیں بہتر ہے۔
صندل گھر پر نہیں تھی اور اس کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا' سو ماں بیٹی دونوں ہی کا جھانکنا ضروری تھا۔
کھلی ہوئے وارڈ روب' خالی تھی' فرنیچر اور دوسری کئی اشیاء ابھی یہاں موجود تھیں' پھر بھی لگتا تھا کہ مکین کوچ کرنے کو ہے۔
"یہ فرنیچر تو ابھی تک یہیں ہے۔" گل ناز نے شاما کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھا تو وہ بڑے فخر سے مسکرائی۔

"یہ فرنیچر وہاں تھوڑی جانا ہے' وہاں تو سب نیا آیا ہے' پوری کوٹھی سیٹ ہے' ماشاء اللہ!"
"بدبخت دیکھتی کیسے ہے جیسے مذاق اڑا رہی ہو۔" گل ناز کو پوچھ کر افسوس ہوا تھا۔
اندر نانی اور نگینہ کے درمیان جاری میٹنگ میں بڑا بے وقت دخل پڑا تھا۔
"ہم نے سوچا اب تو چند دن کی ہی بات رہ گئی ہے' کچھ ٹائم تو ساتھ گزاریں۔"
"اچھا کیا!" نگینہ نے رسمی سے انداز میں کہا اور مڑ کر شاما کو چائے ٹھنڈا لانے کے لیے کہنے لگی۔
یہاں اپنے مسئلے کھڑے تھے یہ بے کار کی دخل اندازی معلوم نہیں کس لیے آئی ہیں ماں بیٹی۔
وہ خود سے الجھتے ہوئے اس طرف متوجہ ہوئی۔
سب سے زیادہ صندل کی فکر رہتی تھی' اس وقت بھی وہی سوال جواب۔
نانی ستارہ بڑی متانت سے جوابات دے رہی تھیں۔
"آج کل شفٹنگ میں مصروف ہے' اس لیے ایک ہفتے کے لیے کام بند کیا ہوا ہے' بالی صاحب نے خود ہی چھٹی دی تاکہ سکون سے سب ہو جائے۔"
دونوں ماں بیٹی نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور دلدار جان' ہمشیرہ ستارہ جان کے اور نزدیک کھسک کر بیٹھیں۔
"ویسے آپا! یہ بالی صاحب کا ارادہ کیا ہے' نکاح کرے گا صندل سے' یا پھر ویسے ہی رکھنے کا۔۔۔!"
یہ سودے' یہ مصلحتیں لازمی جز تھے' پھر بھی نگینہ کا خالہ کی نادانی پر سر پیٹ لینے کو دل چاہا۔

ساری عمر گزار کر بھی' انہیں اپنی بہن کی سمجھ نہیں آئی تھی۔
"صندل ہیروئن ہے فلم کی' بالی صاحب نے کام کے عوض پیسہ دیا ہے' آگے بھی دو فلمیں سائن کر چکی ہے' ہر بات کو بازاری نگاہ سے مت دیکھا کرو دلدار! اگر صندل کا کوئی رشتہ بنے گا بالی صاحب سے تو ڈنکے کی چوٹ پر بنے گا۔"
خود پر کنٹرول رکھنے کی عادت پختہ نہیں ہوتی تو شاید ماحول اچھا خاصا بگڑ جاتا۔
"میں نے تو ویسے ہی پوچھ لیا تھا' اپنی بچی سمجھ کر۔" دلدار جان نے ذرا جو اثر لیا ہو۔
خود نگینہ خاصی کنفیوز تھی۔
"اللہ ہی ہے جو اماں کی کہی بات پوری ہو۔"
صندل کی طرف سے تشویش الگ بڑھتی جا رہی تھی۔
ساری سرگرمیاں ایک دم مشکوک۔
مگر کامیابیاں حاصل کرنے کے لیے' آنکھ بند رکھنا بھی ضروری۔
گل ناز کی تجربہ کار نگاہ نے نگینہ کی بے چینی کو بخوبی نوٹ کیا تھا۔
"کچھ تو تھا۔" دل میں ٹھنڈک سی پڑی۔
شاما لوازمات سے بھری ٹرے اٹھا لائی تھی اور پلیٹیں سرو کرتے ہوئے' دل ہی دل میں نگینہ کی خاموشی پر حیران تھی۔
کہاں تو وہ گل ناز کو جلانے کے لیے کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی' اور اب نہ فلم' نہ کوٹھی' کوئی قصہ نہیں۔
"اتنا بڑا چوبارہ کیا ویران ہو جائے گا' میرا تو دل ہولے جا رہا ہے' حق کر ہائے۔"
دلدار جان نے ایک ہاتھ دل پر رکھ کر بہت جھوم کر سوچا سمجھا موضوع چھیڑا۔
نانی ستارہ نے ناگواری سے بہن کی فلمی ادا کو دیکھا تھا۔
"سارے محلے کی شان پہچان' آپا ستارہ کے دم سے ہے' یہ چوبارہ ویران ہو۔۔۔ اللہ توبہ مجھے تو بڑا وہم آ رہا ہے' یہ نہیں ہو سکتا میں ایسا نہیں ہونے دوں گی' یہاں کی ساری رونق ویسے ہی برقرار رکھوں گی۔"
معلوم نہیں کیسے وہ دو آنسو بھی آنکھوں میں بھر لائیں "اجازت دو گی نا ستارہ آپا مجھے؟"
"اماں کہیں نہیں جا رہیں خالہ! وہ خود یہاں رہیں گی' صندل کی کوٹھی میں ہم جائیں گے' اماں' استاد جی یہیں رہیں گے۔"
اقبال جرم کے انداز میں نگینہ نے کہا اور نگاہ جھکا لی۔
حیرت کی ایک لہر پورے کمرے میں یکساں طور پر پھیلی' نانی دلدار اور گل ناز ہی نہیں سموسوں کی پلیٹ لیے شاما کمرے میں اندر آتی گیتی' سب ہی کے لیے تازہ خبر تھی۔
"میرا دل نہیں چاہتا اپنی جگہ چھوڑنے کو' اب اس عمر میں عادت نہیں بدلی جاتی' وہ بھی اپنا ہی گھر ہے' آتی جاتی رہوں گی۔"
نانی ستارہ متانت سے کہہ رہی تھیں' گیتی دم بخود کھڑی تھی۔
کتنی ہی دیر سے وہ ایک ہی پوزیشن میں بیٹھا تھا۔ لاؤنج کے عین وسط میں صوفے پر نیم دراز کچھ سوچ رہا تھا' یا غنودگی میں تھا۔
اتنی دور سے ٹھیک طرح سے اندازہ بھی نہیں ہو رہا تھا' نبیل نے کمرے کے دروازے سے نکل کر ایک بار پھر

اس طرف دیکھا اور پھر جھنجلاتا ہوا واپس اندر چلا آیا۔

"بیٹھا ہے وہ نواب صاحب! اب کس کی مجال ہے۔ جو گزر کر سامنے سے جاسکے میں تو اس گھر میں چوروں جیسی زندگی گزار رہا ہوں' میری شکل تک دیکھنا گوارا نہیں کرتا ہے وہ' دو کوڑی کی عزت نہیں رہی ہے میری۔"

وہ ٹھیک زرتاج کے سر پر آکر چیخا۔

ایک لمحے کے لیے تو ہاتھ میں پکڑی موسچرائزر کی بوتل بھی لگا کہ بس گرتے گرتے ہی بچی تھی۔ زرتاج نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔

"موں جاہلوں کی طرح مت چیخو' گھر میں ملازم ہیں' کیا خیال کرتے ہوں گے تمہارے بارے میں۔"

"جتنی بے عزتی سالار میری کرچکا ہے اس کے بعد میری اوقات ہر ایک پر کھل چکی ہے' سب جان چکے ہیں کہ گھر کا اصل مالک کون ہے۔"

"سب تمہاری اپنی غلطیوں سے ممکن ہوا ہے' میں نے کہا تھا جب تک وہ یہاں ہے اسے کوئی موقع نہ دو خود سے ٹکراؤ کا' لیکن تمہاری سمجھ میں نہیں آیا۔" زرتاج کا لہجہ بالکل بے تاثر تھا۔

"کیا ضرورت تھی اس کے سامنے اس طرح محفل جمانے کی' پینے پلانے کا ہدروی کا ذرا سا شائبہ تک نہیں۔ شوق تم کہیں اور بھی پورا کرسکتے تھے میں تو شکر کرتی ہوں کہ اس نے تمہیں گھر سے باہر نہیں نکال دیا۔" اس بار وہ کچھ چونک سا گیا۔

"اگر سالار ایسا کرتا تو کیا تم اسے کرنے دیتیں؟"

"پتا نہیں' میں کیا کرسکتی تھی یا کیا نہیں۔" بے اعتنائی سے کہتی ہوئی وہ اب دوسری بوتل کا ڈھکن کھول رہی تھیں۔

"مطلب یہ کہ اگر آج میں یہاں ہوں تو محض اس لیے کہ سالار نے مجھے اب تک نہیں نکالا ہے اور وہ اگر ایسا کرے گا تو تم مجھے روکنے کا اختیار بھی نہیں رکھتی یہی بات ہے نا۔"

وہ اندر ہی اندر خوف زدہ ہوا تھا' لیکن ظاہر کرنا عقل مندی نہیں تھی۔

"تم جو بھی سمجھو سالار کی بہرحال حیثیت ہے' بیگ نے اپنی جائیداد کا سب سے بڑا حصہ اس کے نام کیا ہے' کاش! میں اس سے وصیت بدلوا سکتی' پھر دیکھتی کہ وہ یہاں قدم بھی کیسے رکھتا ہے' لیکن اب فی الحال کچھ بھی ممکن نہیں۔"

ایک بار بھی نبیل کی طرف دیکھے بنا انہوں نے اپنی بات مکمل کی۔

"لیکن میں ہتھیار ڈالنے والوں میں نہیں ہوں' تم کچھ نہیں کرسکتیں' نہ کرو' لیکن میں اس شخص کو بہت زیادہ دیر برداشت نہیں کرسکتا' بہت ہوچکا۔"

وہ بیک وقت پراسرار بھی ہوا اور تھوڑا سا خطرناک بھی' لیکن زرتاج بے ساختہ ہی ہنستی چلی گئیں۔ وہ بری طرح جھینپا تھا۔

"بہت حماقتیں کرچکے ہو' اب باز رہو تو اچھا ہے' بری طرح پھنس جاؤ گے' کوئی الٹا سیدھا قدم اٹھایا تو بڑے اونچے وفادار ہیں سالار کے بھی یہاں' اسے کوئی نقصان پہنچا تو سیدھا شک تم پر ہی آئے گا اور پھر جو ہوگا تمہیں اس کا اندازہ ہی نہیں۔"

چہرے پر مسکراہٹ لیے زرتاج نے جیسے کوئی دلچسپ پیراگراف پڑھا اور پھر ڈریسنگ نبیل کے سامنے سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"اور ویسے بھی ابھی روزی کا قصہ تازہ ہے' میں کوئی نیا اسکینڈل افورڈ نہیں کرسکتی ہوں' مخالفین تاک میں

بیٹھے ہیں اور میڈیا کو بس چنگاری ملنی چاہیے' زندگی عذاب کردیتے ہیں اور مجھے اگلے الیکشن کے لیے ٹکٹ ملنے والا ہے' سوبی کیئر فل!"

حرف آخر کے طور پر انہوں نے ایک نصیحت تھمائی اور ڈریسنگ روم کی طرف چلی گئیں۔

کچھ دیر کے لیے تو وہ اس بڑے سے ہال نما بیڈ روم میں اکیلا ہی کھڑا رہ گیا۔

یہاں کی آرائش بے مثال تھی۔

اسے یاد تھا کہ جب وہ زرتاج کے سیکریٹری کے طور پر پہلی بار یہاں آیا تھا تو چند لمحوں کے لیے تو دروازے میں ہی ٹھٹک کر رہ گیا تھا۔

بالکل ایسا لگا تھا جیسے کسی ملکہ کے دربار میں باریابی کا منتظر ہو۔

اور آگے قسمت نے خود اسے والی سلطنت ٹھہرایا' اس کی زندگی چشم زدن میں بدلی تھی۔ بنا کسی تگ و دو' بنا کسی حق کے اسے یہاں کا اختیار ملا۔

اور ہر کمینے غاصب کی طرح اس نے بھی اپنی اوقات بھولنے میں دیر نہیں کی تھی۔

وہ کچی بستی' وہ ٹیڑھی میڑھی گلیاں' وہ افلاس زدہ چہرے۔

اب اسے خواب میں بھی نہیں دکھائی دیتے تھے' ترجیحات بدل چکی تھیں۔

اب کچی بستی سے خیرات کے لیے آنے والی سعیدہ اور بتول کا خوف نہیں ستاتا تھا۔

اب صرف اسے شان و شوکت اور عیاشیوں میں ڈوبی زندگی سے دست برداری کا خوف آسیب بن کر نیند اڑاتا تھا۔

"کچھ کرو زرتاج! جو یہ شخص یہاں سے چلا جائے' اتنے سال سے بھی تو آخر یہ یہاں نہیں رہا ہے' جب پہلے تم نے اس کا یہاں رہنا ناممکن بنائے رکھا تو اب کیوں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی ہو' پلیز!"

زرتاج کے واپس آنے تک وہ ایک بار پھر ان کا وہی جوتے چاٹنے والا پالتو بن چکا تھا' جو ہر بات کے لیے ان ہی کا دست نگر تھا۔

"میری تو خود سمجھ میں نہیں آرہا کہ اس بار یہ اس طرح جم کر کیوں بیٹھ گیا ہے یہاں۔ ورنہ دو' چار دن سے زیادہ رکنے والا نہیں تھا' ضرور کوئی خاص بات ہے۔" اتنی دیر میں پہلی بار وہ متفکر نظر آئیں۔

نبیل اور بھی زیادہ مایوسی میں گھر اتھا۔

"تم تو کہہ رہی تھیں کہ کچھ بندوبست کروانے والی ہو۔"

"گئی تھی یوسف بھائی کے پاس میں' ان کے تعلقات ذرا اور طرح کے ہیں' میرا خیال تھا وہ ساتھ دیں گے' لیکن وہ اب تک مجھ سے ناراض ہیں' اس شادی کی وجہ سے' الٹا سالار کا فیور کررہے تھے۔" زرتاج کی آواز دھیمی تھی۔

نبیل کو اب کوئی شک نہیں رہ گیا تھا کہ وہ سالار کے مقابلے میں کمزور پوزیشن رکھتی ہیں۔ وہ شاید اس شان و بدبے سے دھوکا کھا گیا تھا' جو سالار کی غیر موجودگی میں نظر آتا تھا۔

ایک تلخ حقیقت اس نے خود کو باور کرائی' مگر زرتاج تو فی الحال سارا قصور اس کے کھاتے میں درج کررہی تھیں۔

"اتنا عرصہ ہوگیا ہماری شادی کو' لیکن نہ تو تم نے ڈھنگ سے بزنس میں ہی دلچسپی لی اور نہ ہی کوئی اچھا سوشل سرکل بنایا' بالکل تھرڈ کلاس لوگوں کی کمپنی میں رہتے ہو' یوسف بھائی اگر تمہیں ناپسند نہ کریں تو پھر کیا کریں۔"

"سالار بھائی بے حد مغرور انسان ہے اور پہلی ملاقات میں ہی وہ مجھے مسترد کرچکا ہے' اصل میں تو وہ چاہتا ہی

ہیں تھا کہ تمہاری شادی ہو۔"

"نہیں میری شادی پر نہیں بلکہ تم سے شادی پر اعتراض تھا اور ہے اور کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ وہ اتنے غلط بھی نہیں، تمہاری پے در پے غلطیاں، جس طرح میری مشکلات بڑھا رہی ہیں، پہلے تم نے اس کی ماں کے کمرے پر قبضہ کرنا چاہا اور اس روز تو حد ہی کر دی، گھر میں پینے پلانے کا پروگرام رکھ لیا، میں نے بتایا بھی تھا سالار کو شراب سے نفرت ہے سخت۔"

"یوں ہی پوز کرتا ہے، تمہیں کیا پتا اس کی آوارگیاں کہاں تک بڑھی ہوئی ہیں۔"

کمرے کے دروازے پر کسی نے دستک دی تھی۔

نبیل نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔

"صاحب! وہ راجو نے بہت شور ڈالا ہوا ہے، اونچا اونچا رو رہا ہے صبح سے، اب ضد پکڑ لی ہے آپ سے ملنے کی، مشکل سے اندر آنے سے روکا ہے۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے اس کا نوکر ہوں اس کے باپ کا، جب وہ چاہے اس سے ضرور ملوں۔"

ملازم کی اطلاع پر وہ اتنے زور سے چیخا کہ زرتاج کو بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر آنا پڑا۔

"مل لو جا کر، ورنہ وہ اسی طرح کرتا رہے گا، گھر میں سالار موجود ہے، اس نے یہ ڈرامہ دیکھا تو پھر وہ روزی کی بازیابی تک پیچھے نہیں ہٹے گا۔"

وہ ملازم کو رخصت کر کے پلٹا تھا، جب اس نے زرتاج کو کہتے سنا۔

"مگر وہ واقعی کسی لڑکے کے ساتھ ہی بھاگی ہے تو کوئی فکر کی بات نہیں ہے تمہارے لیے، لیکن اگر تم اس میں کہیں بھی انولو ہو نبیل تو پھر بہتر ہے کہ اپنے بچاؤ کا راستہ دیکھ لو۔" سرد مہری سے بات مکمل کرتے ہوئے اس نے ایک بار بھی شاید پلک تک نہیں جھپکی تھی۔

اور جب وہ اس طرح نگاہ جما کر دیکھتی تھیں تو مقابل کے اندر تک اتر کر جھانکتی تھیں۔

شک جب سے تھا، جب اسے روزی کی گمشدگی کی اطلاع ملی تھی۔ اب یقین بھی پختہ ہوا تھا۔ کوئی ایک لفظ مزید کہے بغیر اس نے ایک گہری سانس لی۔

"میں دیکھتا ہوں اسے جا کر۔" نبیل کے لہجے میں آئی واضح گھبراہٹ صاف صاف تصدیق کرتی تھی۔ "مگر تم مناسب سمجھو تو ہم اسے کچھ عرصے کے لیے لاہور بھیج دیتے ہیں، وہاں کے آفس میں لگا دو پھر کچھ عرصہ بعد نکال دیں گے۔"

زرتاج نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا تو وہ مزید کچھ کہے بغیر تیزی سے باہر نکل گیا۔

بہت دن پہلے وہ اس کے منہ پر کہہ چکی تھیں کہ وہ اعتبار کھو چکا ہے۔

آج تصدیق بھی ہوئی ہمکرا حاصل۔

پہلے انہوں نے اپنے بیٹے کے گناہ خوبی سے چھپائے تھے، جو آج وہ محفوظ و مامون انگلینڈ میں بیٹھا تھا۔

اب نبیل کی باری تھی۔

ان کے حصے میں ایسے ہی داغ دار لوگ آئے تھے اور کمال یہ کہ وہ ان سے محبت بھی کرتی تھیں۔

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

دیوارِ شب

قیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلشاد نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتلائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کو ٹکر ز سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے۔ جو مدیر پور پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فوراً سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے قیام نقدی کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار نادری اڈے تک قیام کو چھوڑتا ہے۔ قیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آ کر اسے کئی روز تک بے مقصد گھومنا پڑتا ہے۔ وہ بانو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ نقدی بھی اس کی چوری ہو جانے پر قیام کو شدید دھچکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اسے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو ہے۔ کھانا میں وہ ہر چیز جوڑ کر رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم عافیہ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانا اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارت کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویریہ کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زرمینہ کمال سے کر دی جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر خاصا مطمئن ہے جبکہ عافیہ اور معاذ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن جذبات سے واقف نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے کوٹھے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ بیگمات کی بہت سی تقریبات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ ماہ النور، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے ہی چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے جو عرصہ دراز

سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔
سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی محبت سے متاثر ہو کر اس کے زیرِ اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز خواہشات منوا لیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔
اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی بیوی بھی شدید ذہنی صدمے اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ریحا اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا کا خاندان سوائے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔
دلدار نانی کے جوڑوں کا درد روز بروز بڑھتا جا رہا ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ ستارہ ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگی ہے۔
خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی جوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بالو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔
ندتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود پرستی کا شکار ہیں۔ بڑھاپے سے با برسرِ پیکار ہیں۔ انہیں لباس کی طرح شریک بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جیسے ڈرامہ باز کو کسی کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ ندتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے جس پر وہ خاصا جزبز ہوتا ہے۔ ندتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے ندتاج بیگم ہنسیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بالو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بالو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یاد دلاتی رہتی ہیں۔
گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی باتیں نظر انداز کر کے جویا براہِ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔
سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔
جویا کا رشتہ آناً فاناً طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی کوششیں شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے اور جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے تو وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ، جویا کو اکساتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ، آپا گل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔
صندل کو یالی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔
خیام کو ڈھونڈنے کی سالار اپنی سی کوشش کرتا ہے۔
خیام، بالو شوکت کے خاندان بالخصوص ان کی حرکتوں سے تنگ آ کر فرار کی راہیں تلاش کرنے لگتا ہے۔ پھر سالار کی آمد اسے مزید ہراساں کر دیتی ہے۔ بالآخر وہ بالو شوکت کا ٹھکانہ چھوڑ دیتا ہے۔
معذی کی اچانک گمشدگی ندتاج کو دنوں پریشان رکھتی ہے۔ اور عظمت بوا اس صدمے سے سنبھل نہیں پاتیں اور چپ چاپ نوکری چھوڑ جاتی ہیں۔ ایک نوکرانی کی یہ جسارت بیگم ندتاج کو مشتعل کر دیتی ہے۔ اس واقعہ میں نبیل کا ہی ہاتھ ہے۔ لیکن کسی کے ہاتھ کوئی ثبوت نہیں آتا۔ راحو، معذی کی گمشدگی سے نیم دیوانہ ہو جاتا ہے۔ وہ ہر وقت اس کی تلاش میں سرگرداں

رہتا ہے۔ نبیل اسے جھوٹی تسلیوں سے بہلاتا ہے۔ نبیل اور بیگم ندتاج کا اطمینان اس وقت غارت ہو جاتا ہے جب کوٹھی میں سالار کی آمد ہوتی ہے جو بیگم ندتاج کا سوتیلا بیٹا ہے۔ ندتاج بیگم کی تنبیہ اور بے بسی اسے معاملے کی سنگینی کا احساس دلاتی ہے۔
(اب آگے پڑھیے)

۳۰
تیسویں قسط

ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے، وہ نیچے فلور کشن پر بیٹھی کب سے امید بھری نگاہوں سے انہیں دیکھے جا رہی تھی۔
"ہم ہی کیوں نانی؟"
"اس لیے کہ تمہاری بہتری اسی میں ہے شاید..." وہ دانستہ اس کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھیں کہ خود اپنے کمزور پڑنے کا خدشہ سب سے زیادہ تھا۔
"جس بات میں پہلے ہی "شاید" ہو اس کے پورا ہونے کا امکان بالکل ہی کم ہوتا ہے۔"
گیتی نے انہیں ان کی کہی بات یاد دلانے کی کوشش کی تھی مگر وہ عموماً "فیصلہ کر کے" دوبارہ سیاق و سباق پر نگاہ ڈالنے کی عادی نہیں تھیں۔
گیتی کے بارے میں بھی فیصلہ ہو چکا تھا۔
"تمہیں جانا ہی ہوگا، ضروری ہے کہ یہاں سے نکل کر باہر کی زندگی کو دوسرے ڈھنگ سے دیکھنا، لیکن اور ایسے اچھا موقع پھر نہیں مل سکتا تمہیں۔" بہت سوچ سمجھ کر انہوں نے گیتی کو صندل اور نگینہ کے ساتھ بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔
"ہو سکے تو یونیورسٹی میں بھی داخلہ لے لینا، وہاں گاڑی ڈرائیور سب چیزیں ہیں ماشاءاللہ۔ آنے جانے کی بھی مشکل نہیں ہوگی، لڑکیوں کے ساتھ اٹھو بیٹھو گی تو بہت کچھ سیکھو گی۔"
"آپ سے زیادہ کوئی نہیں سکھا سکتا ہے مجھے کچھ بھی۔"
وہ خفا ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اور میں کہیں نہیں جاؤں گی آپ کو چھوڑ کر، بتا دیا ہے میں نے۔"
گیتی کہتی ہوئی مڑنے لگی تھی کہ انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا۔
"نانی کی بات نہیں مانو گی، ادھر دیکھو میری طرف۔" اس کی ضد ختم کروانے کا ان کا پرانا طریقہ آج بھی کارگر تھا۔
"میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی ہوں، آپ کو اچھی طرح پتا ہے۔"
اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دے۔
"کوئی دوسرے شہر تو نہیں جا رہیں، بس پندرہ، بیس منٹ کا فاصلہ ہے، جب چاہو گی میں آ کر مل جایا کروں گی، مسئلہ کیا ہے اس میں۔" وہ بے حد اطمینان سے کہہ رہی تھیں۔
گیتی نے اپنی ٹینشن میں یہ بھی دھیان نہیں دیا کہ وہ اس سے آ کر مل جانے کی بات کر رہی ہیں، یہاں اس کو آنے کی شاید اب وہ اجازت بھی نہیں دینے والی تھیں۔
"آپ کا خیال کون رکھے گا یہاں، آپ کی ساری چیزیں صرف مجھے پتا ہیں، میں ہی نکال کر دیتی ہوں اور رات کو نیند کیسے آئے گی میرے بغیر۔" گھر میں ایک وہی تھی جس کے بغیر کوئی کام نہیں رکنے والا تھا، اور نہ ہی رکا تھا،

ورنہ نگینہ سے لے کر صندل تک اور استاد فراغت بیگ سے لے کر شاما اور بخت تک سب ہی کی حیثیت مسلم تھی۔

پھر بھی آخری امید یہ ہی تھی کہ اس کی بری بھلی کارکردگی کا بھی تھوڑا سا لحاظ کر لیا جائے گا۔

"شاما رہے گی میرے پاس' کافی ہے میرے اور استاد جی کے لیے۔ تم فکر مت کرو۔"

"ہیں!" تلیے کشن نکمیک نمیک جماتی ہوئی شاما بری طرح بڑبڑائی۔

گیتی بے ساختہ ہی مسکرا دی۔

نئے گھر میں جانے کا ارمان نگینہ کے بعد شاما کو ہی تھا' بڑے جوش و خروش سے اس نے اپنا سامان باندھا تھا۔

"لیکن نانی! وہاں بھی تو میری ضرورت ہوگی' گھر کی دیکھ بھال' کھانا پکانا' سب ہی کچھ مجھے ہی تو کرنا ہے۔"

ہر شخص اپنے طور پر خود کو اہم فرض کیے رکھتا تھا' سو شاما کیسے پیچھے رہ جاتی' آخر یہاں بھی تو ساری گرہستی اس کے دم سے چل رہی تھی۔

نانی ستارہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"وہاں کے اصول قاعدے' یہاں سے مختلف ہوں گے' تیرا گزارا نہیں ہو سکے گا وہاں شاما! بالی صاحب کی بڑی بڑی دعوتیں' چینی' انگریزی کھانے' نئی نئی عادتوں والے مہمان' پڑھے لکھے مہذب ان کے لیے تو شیف رکھے جائیں گے صندل کے باورچی خانے میں تو یہیں ٹھیک ہے' یہاں تیرے ہاتھ کے ذائقے کے عادی ہیں ہم لوگ۔" نانی نے اسے تفصیلاً سمجھایا۔

پتا نہیں وہ سمجھی یا نہیں' لیکن گیتی جو پہلے اس کی مایوسی پر ہنسی تھی' اب اس کا اترا ہوا چہرہ دیکھ کر افسوس میں مبتلا ہو رہی تھی' نانی نے گویا فیصلہ کر لیا تھا کہ باری باری سب کا ہی دل توڑ کر رہیں گی۔

پہلے نہ جانے کا فیصلہ کر کے' نگینہ اور صندل کو مایوس کیا۔

پھر اسے۔

اور اب بے چاری شاما۔

"غریب کتنی خوش خوش' محلے والیوں سے الوداعی ملاقاتیں کرتی پھر رہی تھی' اب کتنے دن سب سے منہ چھپائے گی۔"

"جا کر اپنا سامان پیک کرو' تاکہ وہ بھی چلا جائے۔" نانی ستارہ نے فیصلے پر آخری مہر لگائی اور ہاتھ سے اسے جانے کا اشارہ کیا۔

دربار برخواست ہوا۔

گیتی چپ چاپ کمرے میں چلی آئی۔

وہ کمرہ جو پہلے خیام کا تھا' اس کے جانے کے بعد خود بخود اس کا ہو اتھا' سوتی وہ نانی کے ساتھ تھی' لیکن دن کا زیادہ حصہ یہیں گزرتا' یہاں کتابیں تھیں یا یادیں۔

کتابیں پیک کرنا تھیں' یادیں' ان چاہے سامان کی طرح ہمہ وقت کاندھوں پر دھری رہتی تھیں' یہاں سے چلے جانے کے بعد' بوجھ میں اور اضافہ ہونا تھا۔

وہ اداسی سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔

اب یہ کمرہ خالی ہو جانا تھا۔

سامنے دیوار پر خیام کی تصویر آج بھی لگی تھی۔ تصویر کے فریم میں سے وہ اس کی خفگی بھرے انداز میں جھانک رہا تھا' جس کے سب عادی تھے۔ اب جب وہ بھی یہاں نہیں ہوگی تو وہ کیسے اس طرح دیکھے گا؟ ایک انتہائی احمقانہ

خیال معلوم نہیں کیوں ذہن میں آیا تھا۔

ملکے سے سر کو جھٹک کر اس نے شیلف اور میز پر رکھی کتابوں کی طرف دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی' جب سے سالار گیا تھا' پڑھائی واجبی سی رہ گئی تھی۔

"اور اب اگر وہ آیا بھی تو یہ معمول لوٹنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہوگا۔"

بات تکلیف دہ سہی' لیکن سچ تھی۔

کتابیں سمیٹتے ہوئے کئی بار اس نے اپنی آنکھیں خشک کیں' کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ یہاں سے جانا اتنا تکلیف دہ عمل ٹھہرے گا۔

شاید وہ محض خیام کی دیکھا دیکھی یہاں سے جانے کی خواہش کرتی تھی' ورنہ اسے اپنی اس اصلیت سے کوئی خاص پرابلم نہیں تھی۔

نانی ستارہ کے اونچے چوبارے میں گیتی آرا کی زندگی محفوظ و مامون گزری تھی۔

اب پتا نہیں کیسے لوگ کیسے رویے...

نگینہ نے کمرے کے آگے سے گزرتے ہوئے اس کے اترے ہوئے چہرے پر نگاہ ڈالی اور خاموشی سے آگے بڑھ گئی۔

"کیوں بچی کے ساتھ زیادتی کر رہی ہیں اماں! ابھی رہی ہے وہ آپ کے بغیر' جواب رہے گی' چھوٹی سی نے آپ ہی کو دیکھا' ماں' مجھے تو کبھی اسے پیار کرنے کی بھی فرصت نہیں ملی' وہ تو کبھی کبھار قریب بھی آتی ہے تو جھجکتی ہوئی' ماں نہ ہوئی کوئی دور پرے کی رشتے دار ہوئی۔"

نانی ستارہ کی عدالت میں نظر ثانی کی درخواست کی گنجائش نہ ہونے کے باوجود نگینہ جیسے رو دینے کو تھی۔

"ادھر کون سی بجتی بہار [illegible] بیٹیوں [illegible] کہ اب آپ بھی ضد پکڑ کر بیٹھ گئیں۔"

"میں نے جو بھی فیصلہ کیا گیتی آرا کی بھلائی کے لیے کیا ہے۔" نانی ہر ایک کو تحمل سے سن رہی تھیں۔ اسے بھی سنا' لیکن مصرع اول وہی تھا۔

"کیا بھلائی ہوگی' روتی چیختی جائے گی اور وہاں جا کر پڑے گی بیمار' دیکھ لیجیے گا۔"

"خدا نہ کرے۔" اس بار نانی نے ذرا خفگی سے نگینہ کو دیکھا۔

"اتنی عمر ہونے کو آئی' لیکن ذرا جو عقل کمائی ہو' یہاں گیتی کا کیا بنتا ہے' کس جوگی ہے وہ' نکلے گی تو کم از کم اس دنیا میں رہنا سیکھے گی' جہاں وہ رہنا چاہتی ہے' آگے پڑھ لکھ لے' نوکری کرے' اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائے' ابھی تو اسے بہن کا سہارا مل رہا ہے' یہ وقت غنیمت ہے۔"

"کیا فائدہ!" نگینہ نے سر کو ملکے سے جھٹکا۔

"کچھ بھی کرے' شناخت نہیں بدلتی' لوگ بدلنے ہی نہیں دیتے' جہاں بھی جائے گی تعارف پہلے پہنچے گا۔ لوگوں کی یادداشت' دوسروں کی کمزوریوں کے بارے میں بڑی اچھی ہوتی ہے اماں! پچھلی نسلوں تک کھوج نکال لاتے ہیں۔"

"ہر بار ایسا نہیں ہوتا' مجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے' گیتی کے لیے کچھ اچھا ہو کر رہے گا' وہ اس ماحول کے لیے نہیں ہے' جتنی جلدی نکل جائے اچھا ہے۔"

گیتی کی نسبت نگینہ کو سمجھنا آسان تھا' یا پھر نہیں تھا؟

"ایک بات کہوں' غصہ مت کیجیے گا۔" وہ محض دیکھ کر رہ گئیں۔

نگینہ کی الٹی کھوپڑی سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔ اس نے پہلے دروازے کی طرف دیکھ کر کسی کے نہ آنے کا یقین

کیا اور پھر مزید نزدیک کھسک آئی۔

"آپ کا تو بہت نام ہے اماں! بہت کرم فرما ہیں' اللہ کی مہربانی ہے۔"

"شکر ہے اس مالک کا جو مجھ روسیاہ کی بھی عزت رکھتا ہے۔" دونوں ہاتھ جوڑ کر انہوں نے اوپر دیکھا۔

"یہ ہی تو کہہ رہی ہوں' اللہ کی مہربانی ہے آپ پر' ہر کوئی عزت سے نام لیتا ہے' دو چار لوگوں سے کہہ کر تو دیکھیں' کیا پتا کام بن ہی جائے۔" انہیں نگینہ کی بات سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی' مگر کوئی ہوں' نا ہاں۔

"کوئی اونچا کاروباری' زمین دار' کسی سیاست دان کا بیٹا' بھتیجا' دوسرا' تیسرا نکاح بھی کرے گیتی سے' ایک کوٹھی اور ماہانہ خرچہ بندھوالیں' زندگی بھر کا سکون ہوجائے۔"

تائی ستارہ جان نے ایک گہری سانس لی۔ نگینہ کی بات بڑی معقول تھی۔ ان کے ہاں عزت اور عافیت کے یہ ہی مروجہ طریقے تھے۔

وہ عورت خوش بخت تھی' جو کسی امیرزادے کے نکاح میں آئی' لیکن ان کے خاندان کو امیرزادے راس نہیں آتے تھے۔

یہ بڑی تلخ حقیقت تھی۔ درد کا ایک صحرا تھا' جو چلتے پاؤں طے کیا اور ابھی بھی مسافت باقی۔

تائی ستارہ نے آہستگی سے کان کی لو کو چھوا۔

"بہن کا انجام بھول گئیں نگینہ!"

"بھولی نہیں ہوں اماں! اس سے سبق سیکھا ہے' فیروزہ بے وقوف تھی' جو محبت کر بیٹھی تھی' اسے اس کی محبت لے ڈوبی' ایک جائیداد تک نہیں کرواسکی تھی اپنے نام اور اس بدبخت کی نشانی سمیٹ کر ساتھ لے آئی' کم ظرف کمینہ' وہ دکھا گیا اپنا رنگ۔"

بات کہاں سے کہاں پہنچ رہی تھی۔

دل سے ایک خاموش آہ نکلی اور لبوں تک آنے سے پہلے اندر ہی کہیں گم ہوئی۔

تائی ستارہ نے اپنا سر بیڈ کی پشت سے ٹکایا۔

"میرے دل میں اب طاقت نہیں کہ فیروزہ کی کہانی کو دہرا سکوں' گیتی کو دوسری طرح قسمت آزمانے دو' ہاں اگر اس بیچ کوئی سبب بن گیا تو پھر دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے' شادی تو وہاں صندل کے گھر سے بھی ہوسکتی ہے' مگر ابھی جلدی کی ضرورت نہیں ہے' سمجھ میں آیا۔"

شکستہ دل سے شروع ہوئی بات کا اختتام نگینہ کو تنبیہہ کی صورت ہوا۔ سو ہوتا وہی ہے' جو انہوں نے صاد کیا۔

"شاما کو ساتھ لگا کر سامان بندھوالو گیتی کا بھی' شروع کے چند دن میں بھی رولوں گی' بہل جائے گی وہ' اتنی فکر مت کرو۔"

اثبات میں سر ہلا کر نگینہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ان سے اتنی بحث بھی گیتی کے خیال سے کرلی تھی' ورنہ تو ان کی کہی ہر بات پر وہ آنکھ بند کرکے عمل کرنے کی عادی تھی۔

"اب جو گیتی کو بھجوا رہی ہیں تو ضرور بہتری ہوگی اس کی۔" تائی ستارہ جان نے اضطراب سے پہلو بدلا۔

☼ ☼ ☼

گھر میں خود بخود ہی بڑی خاموشی رہنے لگی تھی۔

معاذ تو خیر ہمیشہ سے ہی زیادہ وقت باہر گزارتا تھا' اب سوشل ورک کے ساتھ آفس کی مصروفیت بھی تھی تو گھر

والے شکل کو بھی ترس جاتے' ابا اپنے لکھنے پڑھنے میں۔

دادی اور امی اپنے اپنے کمرے میں' یا پھر بڑے کمرے میں بیٹھی' نہ ختم ہونے والے کوکنگ شو چپ چاپ دیکھے جاتیں۔

ربیعہ کالج سے آکر یوں ہی چکرائی چکرائی پھرتی' کسی کسی وقت تو اسے امی کی سلائی مشین ہی شدت سے یاد آنے لگتی تھی۔ کم از کم گھر میں آواز تو سنائی دیتی تھی۔

پورا ہفتہ اتوار کے آسرے پر کٹتا' مگر اب وہ اس دن بھی دستیاب نہیں تھا۔ ناشتے کی میز سے بیٹھا بیٹھا غائب ہوجاتا' ایسے جیسے بس آنکھ جھپکنے میں۔

"چائے کا ذرا دوسرا کپ۔"

"کالی مرچ کی بوتل شاید کچن میں۔"

ادھر برآمدے فون بج رہا ہے۔

وہ اس کے ہر ارشاد پر دوڑتی ہوئی نکل جاتی۔ مگر واپسی پر وہ وہاں نہیں ملتا تھا۔

چائے کا دوسرا کپ اس کے ہاتھ میں ہی رہ جاتا' مرچ پہلے سے ہی میز پر رکھی ہوئی اور فون کی بیل خاموش ہوتی۔

آج وہ طے کرکے بیٹھی تھی کہ اس کے اشارے پر ایک بار بھی دوڑ نہیں لگائے گی' سو پوری طرح چوکنی تھی۔

ابا کے ساتھ حالات حاضرہ پر پوری سنجیدگی کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے وہ بار بار دل گرفتہ محسوس ہو رہا تھا۔

لیکن یہ اداسی' ذاتی نہیں اجتماعی تھی۔

ملک میں عروج کو پہنچی ہوئی مہنگائی' دہشت گردی کے وہ مظاہرے' جو ظلم و بربریت کی ہر حد کو پار کرتے تھے' ملک کو تباہی کے کنارے پر لا کھڑا کرنے والا کرپشن۔

"کیسے قابل فخر ماضی اور ویسی ہی [illegible] نہیں آتا کہ ایک قوم کی بدنصیبی اسے اتنی جلد اتنے بڑے تضاد سے دوچار کردے گی' جس ملک کو حاصل کرنے کے لیے' قربانیوں کی پوری تاریخ رقم کی گئی' اس کی پامالی پر اترتے ہوئے شرم غیرت کا کوئی احساس۔" ابا کا مخصوص ٹھہرا ٹھہرا پُراثر انداز۔

معاذ اتنے دھیان سے انہیں سن رہا تھا کہ ربیعہ کے دل سے اس کے ہر فرار کا خدشہ تھوڑی سی دیر کے لیے ٹل ہی گیا۔

امی اور دادی اپنے کمروں میں تھیں یا پھر شاید اگلے برآمدے وغیرہ میں۔

ربیعہ نے چائے کے بقیہ برتن سمیٹ کر ٹرے میں رکھے' صبح کی نرم روشنی کھلی کھڑکیوں' دروازوں سے کمرے میں بڑا دل فریب سا اجالا پھیلا رہی تھی اور پچھلے کچے احاطے سے چمپا کے پھولوں کی مہک سے بوجھل ہوتی ہوا کے جھونکے اندر تک آزادانہ آرہے تھے۔

ربیعہ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس پسندیدہ خوشبو کو اندر تک اتارا' اور ان دونوں بے حد پیارے لوگوں کو وہیں کھانے کی میز پر دل جلاتے ہوئے چھوڑ کر باہر پچھلے برآمدے میں سے ہوتی کچن میں چلی آئی۔

اس وقت معاذ' ابا کے زیر نگرانی تھا' سو تسلی تھی' پھر بھی اس نے بڑی پھرتی سے یہاں کا کام سمیٹا اور واپس وہیں آئی جہاں اسے چھوڑ کر گئی تھی۔

مگر اب وہ وہاں نہیں تھا۔ ربیعہ کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

"معاذ کہاں ہے ابا!"

"معاذ!" انہوں نے چونک کر ادھر اُدھر دیکھا۔

"ہاں کہاں ہے؟ ابھی تو یہیں تھا۔" انہوں نے الٹا اس سے سوال کیا۔
"پتا نہیں۔" وہ الٹے پاؤں واپس نکل آئی۔
"ابھی تو یہیں تھا۔"
اس نے اپنے پیچھے انہیں کہتے ہوئے سنا۔
امی کچن میں جا رہی تھیں' اور دادی برآمدے میں کرسی ڈالے صبح کا اخبار پھر سے پڑھنا شروع کر چکی تھیں۔
ہر ایک نے اسے ابھی ابھی ہی دیکھا تھا۔
"تمہیں کچھ کام ہے تو اپنے ابا سے کہہ دو' سارا دن فارغ ہی فارغ رہتے ہیں۔"
امی نے کچن کی کھڑکی سے جھانک کر اسے مشورہ دیا' جب سے معاذ نے جاب شروع کی تھی' انہیں ابا کی فراغت کا احساس زیادہ ہی رہنے لگا تھا۔
"کام نہیں ہے امی' بس ویسے ہی۔" مایوس سی ہوتی وہ دادی کے کمرے تک جھانک کر آئی۔
معاذ کہیں نہیں تھا۔
"آج بھی چھٹی ہوئی۔" سارا غصہ اسے خود پر آیا تھا۔
ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی اتنی دوری ...
یوں ہی آف ہوتے موڈ کے ساتھ وہ پیچھے کچے احاطے میں کیاری میں کھلے پائپ کا نل بند کرنے کے لیے اتری تھی' تب ہی پلٹتے ہوئے اسے کچھ جھلک سی دکھائی دی۔
داہنے ہاتھ کی طرف گھوم کر جاتا ہوا کوریڈور ٹھیک ابا کی اسٹڈی کے نیچے سے گزرتا تھا' اور وہیں کیاری کی اونچی سی منڈیر پر معاذ بیٹھا ہوا تھا۔
کسی گہری سوچ میں گم' کسی اور ہی عالم میں۔
"تم!" اسے سر پر کھڑا دیکھ کر وہ جیسے کہیں دور سے واپس آیا۔ ربیعہ ہاتھ جھاڑ کر اس کے برابر بیٹھ گئی۔
"کہاں غائب ہو جاتے ہو۔"
"کون میں؟" وہ ہلکے سے مسکرایا۔ "گھر پر ہی ہوتا ہوں آفس کے بعد' پچھلے پورے ہفتے تو اسکول تک نہیں گیا' ریحان وغیرہ ہی ہیں وہاں۔"
"پھر مجھے کیوں نہیں ملتے ہو۔" اس کی دی ہوئی ساری تفصیل ربیعہ کے لیے بے معنی تھی۔
"تم دیکھ نہیں پاتی ہو شاید۔"
مسکراہٹ میں آیا پھیکا پن اور بھی بڑھا تھا۔
"ہاں' طلسماتی ٹوپی ہاتھ آ گئی ہے نا تمہارے۔"
"کاش آ جاتی' سارے مسئلے ہی حل ہو جاتے۔"
"کیا فائدہ' جویا کو تو تم پھر بھی نہ لے اڑتے۔" بڑی بے رحمی سے اس نے ٹھیک اس زخم پر انگلی رکھی' جو سب سے زیادہ رستا تھا۔
ایک پل کے لیے تو وہ بالکل ہی گم صم ہوا۔
"شاید۔" اس نے اس بار بھی مسکرانے کی کوشش کی تھی۔
ربیعہ کا ضبط جواب دے گیا۔
"مت مسکراؤ اس طرح' تم ثابت کیا کرنا چاہتے ہو معاذ! بہت بہادر ہو یا بہت بے وقوف یا پھر بالکل ہی بے حس۔"

گو آخری بات پر اسے خود بھی یقین نہیں تھا' مگر اس وقت رک کر بھی غور نہیں کیا جا سکتا تھا۔
"تمہیں کیا لگتا ہے؟"
"کیوں کر رہے ہو ایسے' تم اتنی آسانی سے کیسے دست بردار ہو گئے ہو' یہ حیثیت تھی جویا کی تمہاری زندگی میں کہ اس کا ہونا' نہ ہونا برابر ہو گیا تمہارے لیے۔"
"اس کے لیے میرا ہونا نہ ہونا برابر ہو چکا ہے ربیعہ! جو کچھ ہو رہا ہے اس کی خوشی سے ہو رہا ہے۔" اس کی آواز قدرے بجھی تھی اور وہ زبردستی کی مسکراہٹ بالکل ہی غائب۔
"خود جویا نے کہا ہے مجھ سے ..."
"اس نے کہا اور تم نے یقین کر لیا' اور جب وہ یہ کہہ رہی تھی تو ایک بار بھی اس کی شکل کو غور سے دیکھا تھا تم نے ... ہاں۔"
اس کی آواز نمی سے بوجھل ہوتی جا رہی تھی۔
"ہاں۔" کیاری سے اٹھایا ہوا ایک چھوٹا سا کنکر اس نے سامنے والی دیوار کی طرف اچھالا۔
"میں سچ کہتی ہوں معاذ! بہت خراب حالت ہے جویا کی' مجھے نہیں معلوم اس نے تم سے کیا کہا اور اس کا واقعی وہ مطلب تھا جو تم نے سنا' میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ وہ ٹھیک نہیں ہے' اور تم بھی ٹھیک نہیں ہو' شکل دیکھی ہے اپنی' نہیں تو جا کر آئینے میں دیکھ لو۔"
"میں اب ٹھیک ہوں۔"
"غلط فہمی ہے تمہاری اور تم دونوں پچھتاؤ گے ساری زندگی' اگر یہ وقت ہاتھ سے نکل گیا' کچھ کر لو معاذ! ہم سب چلتے ہیں اظہار چچا کے گھر' جوڑ لیتے ہیں ان کے ہاتھ پاؤں' کوئی تو راستہ ..."
"کوئی راستہ نہیں ہے' میں نے کہا نا تم ..."
وہ [illegible] بہت زور سے بولا تھا' اور تم یہ کیوں بھول جاتی ہو' اگر وہ نہیں چاہتی تو کیا زبردستی ہے' بہت پیسے والے لڑکے سے شادی ہو رہی ہے' ساری آسائشیں ہیں وہاں اور جویا اظہار چچا کی بیٹی ہے' یہ بات یاد رکھو تم۔"
"کیا ہوا ہے' کوئی جھگڑا ہو گیا ہے کیا تم دونوں کا؟" اوپر کھڑکی میں سے ابا جھانک کر پوچھ رہے تھے۔
"نہیں ابا' بس ایسے ہی ..." مڑ کر اوپر دیکھتے ہوئے وہ ان کی تسلی کے لیے ہلکے سے مسکرائی۔
"اچھا۔" معلوم نہیں وہ مطمئن بھی ہوئے یا نہیں۔ "اور یہ معاذ ...!"
وہ جو سر جھکائے بیٹھا تھا فوراً اٹھ کر کھڑا ہوا۔
"تم اگر فارغ ہو تو مجھے اخبار کے آفس لے چلو' اگر کوئی کام ہے تو پھر رہنے دو' میں بس سے چلا جاتا ہوں۔"
"ارے نہیں' چلتے ہیں' مجھے بھی بہت دن ہو گئے ہیں' آپ کے ایڈیٹر صاحب سے ملے' تھوڑی گپ شپ ہی سہی۔" وہ بہت خوش دلی سے کہہ رہا تھا۔
"اچھی بات ہے' آتا ہوں۔" ابا خوش ہو گئے۔
"معاذ! میری بات سنو پلیز!" اسے آگے بڑھتا ہوا دیکھ کر وہ بے تابی سے پیچھے آئی۔
"بس!" ہاتھ کے اشارے سے اس نے ربیعہ کو چپ رہنے کا اشارہ کیا اور پھر پلٹ کر دیکھے بغیر تیز قدموں سے گیٹ کی طرف چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

"یوسف کمال!" سالار نے زیر لب دہرایا۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہ مجھ سے ہی ملنا چاہتے ہیں۔" اس نے سامنے کھڑے ملازم کی طرف دیکھا۔

"جی صاحب! انہوں نے آپ کا ہی نام لیا تھا' میں نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔" مئودب سے انداز میں اس نے اپنی ہی بات کی تصدیق کی۔

"اچھا!"

سامنے چلتے ہوئے ٹی وی کو بند کرتے ہوئے وہ ہلکی سی الجھن میں گرفتار ہوا۔ "اور کون ہے وہاں' مسز زرتاج اور ان کے شوہر' وہ بھی تو موجود ہوں گے۔"

"نہیں صاحب! کمال صاحب نے انہیں اطلاع دینے سے منع کیا ہے' وہ صرف آپ سے ملنے آئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں آتا ہوں۔"

وہ اٹھ کر کھڑا ہوا' ایک اچٹتی ہوئی نگاہ سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں دکھائی دیتے اپنے عکس پر ڈالی' ہاتھ سے بال سمیٹے اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

نیچے لاؤنج خالی پڑا تھا۔

سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے وہاں کا سونا پن بخوبی نوٹ کیا اور مسکرا دیا۔

زرتاج اور نبیل کا وہاں بیٹھنا' اب تقریباً" ختم ہی ہو چکا تھا' وہ لوگ زیادہ تر باہر نکلے رہتے یا پھر اپنے کمرے میں' کھانا بھی عموماً" کمرے میں ہی منگوانے لگے تھے۔

صاف ظاہر تھا کہ وہ اس کا سامنا کرنے سے بچ رہے ہیں۔

سو ایک یہ کام تو اس نے واقعی کر ہی لیا ہے۔

ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے سالار کا موڈ بے حد خوش گوار تھا اور اندر اس کے انتظار میں بیٹھے یوسف کمال کا اس سے بھی زیادہ۔

"کیسے ہو سالار بیٹا؟ اس بار تو بہت عرصے بعد کراچی آنا ہوا۔" تو ان کے تپاک پر حیرت زدہ سا ہوا۔

"آپ کیسے ہیں؟"

"بس دیکھ لو" وہ بے تکلفی سے ہنس پڑے۔ سالار کی حیرت کچھ اور بڑھی۔

بے حد ریزرو' بلکہ سرد مہر' یوسف کمال بچپن سے اب تک دیکھے جانے کے باوجود' اس کے لیے ایک مکمل اجنبی شخص تھے۔

مگر آج یہ اجنبی' اپنائیت کی حد کیے دے رہا تھا۔

"جب سے سنا تھا تمہارے آنے کے بارے میں' ملنا چاہ رہا تھا' مگر ایسی مصروفیت نے گھیر رکھا ہے کہ بس۔" وہ کہہ رہے تھے۔

سالار ہلکے سے مسکرا دیا۔

وہ جو کہہ رہے تھے اس پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی' وہ واقعی بے حد مصروف شخص تھے۔

"بہت شکریہ آپ کا' جو آپ مجھ سے ملنے آئے۔"

"رسمی باتیں مت کرو' حقیقت ہے کہ مجھے تمہارے آنے کی بے حد خوشی ہوئی۔ اتنا بڑا بزنس' آخر تمہاری توجہ چاہتا ہے اور یہ گھر بھی' سربراہ ہو اس کے تم۔"

وہ جب سے آئے تھے' اسے حیران کیے دے رہے تھے' لیکن یہ آخری جملہ۔ سالار نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک کہہ رہا ہوں میں' بڑے بیٹے ہو تم بیگ صاحب کے اور ان کے بعد ہیڈ آف فیملی تم ہی تو ہو۔" یہ مان' یہ

عزت' یہ مرتبہ جو کچھ بھی وہ اسے دینا چاہ رہے تھے' شاید بعد از وقت تھا۔

"بہت سی چیزیں وقت کے ساتھ اہمیت کھو دیتی ہیں کمال صاحب! اور میرے لیے تو یہ سب وقت سے بہت پہلے ہی بے معنی ہو چکا ہے' سنبھال رہے ہیں' سنبھالنے والے اور میرا تو حساب کتاب ویسے بھی الگ ہے۔"

ذاتی ایشوز پر بات کرنا' ایک الگ ہی تکلیف دہ سلسلہ۔

وہ زخم جو کبھی بھرے ہی نہ جا سکے' کرید کر اذیت بڑھانے کی حماقت۔

سو وہ ہمیشہ یوں ہی بیچ بچا کر نکلنے کی کوشش کرتا تھا۔ مگر سامنے بیٹھے شخص کے لیے اس کی تکلیف سے زیادہ اپنی ترجیحات اہم تھیں۔

"اب تک جو بھی ہوا تمہارے ساتھ' یقیناً" بہت برا ہوا ہے' اس کا ازالہ مشکل ہے' لیکن میں پھر بھی کہوں گا کہ یہاں اپنی جگہ خالی مت چھوڑو' جم کر بیٹھو' صرف اپنے ہی نہیں مانی کے بزنس کو بھی خود ڈیل کرو۔"

ملازم جوس کے گلاس لے آیا تھا' سو چند لمحوں کا وقفہ ان کی گفتگو میں آیا۔

"چھوٹا بھائی ہے وہ تمہارا' جیسا بھی ہے آخر ایک باپ کی اولاد ہو' اس حوالے سے تمہارا فرض بھی بنتا ہے کہ۔"

"اس کی والدہ دیکھ بھال کر رہی ہیں اس کے بزنس کی اور میں نے سنا ہے کہ وہ بہت کامیاب بزنس وومن ہیں اور اب تو ان کے ساتھ ان کے شوہر بھی ہیں' کافی ہیں وہ دونوں میرے خیال میں۔"

"طنز کر رہے ہو؟" ایک چھوٹا سا گھونٹ پیتے ہوئے انہوں نے بہت غور سے سالار کی طرف دیکھا۔

"نہیں' حقیقت بتا رہا ہوں۔" کمال صاحب نے بے ساختہ ہی پہلو بدلا۔

"زرتاج بہت بڑی حماقت کر بیٹھی ہے سالار! نبیل انتہائی تھرڈ کلاس شخص ہے' وہ اسے خالی کر کے چھوڑے گا مجھے پورا یقین ہے کہ وہ اب تک بھی اس کا اچھا خاصا پیسہ ضائع کر چکا ہے۔"

"نہیں پھر بھی کہوں گا کمال صاحب! یہ ان دونوں کا ذاتی معاملہ ہے' مجھے مداخلت کا کوئی حق نہیں' آپ مانی کو کیوں نہیں واپس بلوا لیتے' اس کے آنے سے بڑا فرق پڑ سکتا ہے۔"

اسے اب تک ان کی نیت پر کوئی شبہ باقی نہیں رہا تھا۔ لیکن معاملات سے لاتعلقی اب فطرت کا حصہ تھی۔

"مانی اس قابل کہاں کہ وہ واپس آ سکے۔ بڑی مشکل سے زرتاج نے اسے یہاں سے نکالا تھا' لاکھوں روپے برباد کیے ہیں' جب جا کر معاملہ دبا تھا' تمہیں تو معلوم ہی ہے۔"

نچلا ہونٹ دانت تلے دبا کر اس نے ہلکے سے سر کو جھٹکا۔

"بٹ نو کمنٹس!" اس نے خود اپنے آپ سے کہا تھا۔

"مجھے تو ساری امید تم سے ہی ہے' زرتاج میری بہن ضرور ہے' مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں اس کی ہر اچھی بری بات کی حمایت۔"

"بھلا وہ یہ سب اسے کیوں سنا رہے ہیں؟" سالار نے کچھ اکتاہٹ سی محسوس کی تھی' مگر مروت بھی کوئی چیز تھی۔ زرتاج کو ان کی موجودگی کی خبر اس وقت ہوئی' جب وہ نبیل کے ساتھ آرٹس کونسل میں ہونے والی کسی تقریب کے لیے بس نکل ہی رہی تھیں۔

"یوسف بھائی!" اس نے گاڑی کھڑی دیکھ کر حیرت سے نبیل کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"وہ آئے ہوئے بیٹھے ہیں اور مجھے کسی نے بتایا بھی نہیں' لاپروائی کی بھی حد ہوتی ہے' ایسی خبر لوں گی ان سب کی کہ یاد ہی کریں گے۔"

خفگی کے ساتھ وہ واپس اندر مڑنے لگی تھیں۔ جب نبیل نے ہلکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔
"میں یہیں انتظار کر رہا ہوں' تم جا کر مل آؤ۔"
"دماغ تو نہیں خراب تمہارا۔" وہ اور بھی جھنجلائیں۔
"کیا خیال کریں گے وہ' اور وہ یہاں آئے ہیں تو ظاہر ہے میری پریشانی کا کوئی حل لے کر ہی آئے ہیں' ورنہ میں تو بالکل مایوس ہوتی جا رہی تھی' مگر نہیں آج بھی میرا خیال ہے۔"
بہت دن سے دل پر پڑا بوجھ سیکنڈوں کے زائل ہوا تھا۔
"مگر یہ بے وقوف شخص۔۔۔"
انہوں نے بہت کوفت سے نبیل کی طرف دیکھا۔
"چلتا ہوں۔" مرے مرے قدموں سے وہ ان کے پیچھے آیا' زرتاج کو ناراض کرنے کا مطلب تھا اپنی پریشانیوں میں اور بھی اضافہ کرنا۔
"تمہارے بھائی سخت ناپسند کرتے ہیں مجھے' دیکھ لینا ابھی بھی کتنا برا منہ بنائیں گے مجھے دیکھ کر' اچھا ہوتا تم خود ہی بات کر لیتیں۔"
زرتاج نے اس کی بڑبڑاہٹ کا کوئی جواب دینا ضروری نہیں سمجھا' مگر وہ جو کچھ کہہ رہا تھا پیش گوئی ثابت ہوئی۔ کمرے کے وسط میں کھڑے یوسف کمال کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ اسے دیکھتے ہی غائب ہوئی تھی۔
نبیل نے بخوبی نوٹ کیا اور دانستہ ذرا پیچھے ہی رکا۔
یہاں اس کے دونوں ہی بدترین مخالف موجود تھے۔
"آپ آئے اور مجھے پتا ہی نہیں چلا' بیٹھیے نا یوسف بھائی! کتنے عرصے بعد آنا ہوا ہے آپ کا۔" زرتاج کو بھی سالار کو دیکھ کر حیرت تو ہوئی تھی۔ مگر فی الحال ساری توجہ یوسف کی طرف تھی اور خوش اخلاقی ہمیشہ سے زیادہ بڑھی ہوئی۔

"تم نے خود ایسے حالات پیدا کر دیے ہیں زرتاج کہ نہ ملنا زیادہ بہتر محسوس ہونے لگا ہے۔ خیر اب تو میں ویسے بھی اٹھ چکا ہوں۔"
"مطلب؟" برا ماننے سے زیادہ گڑبڑائی تھی۔
"میں سالار سے ملنے آیا تھا' خاصی دیر سے بیٹھا تھا' اچھا بھئی۔" وہ کہتے کہتے سالار کی طرف مڑے۔ "پھر کل رات کھانے پر ملاقات ہو رہی ہے ہماری' ٹھیک۔۔؟"
ہاتھ ملاتے ہوئے انہوں نے یاددہانی ضروری سمجھی' حالانکہ وہ ابھی بھی شش و پنج میں تھا۔ "آپ کھانے کا تکلف رہنے دیں پلیز! میں ویسے ہی کسی دن آ جاؤں گا۔"
"کھانا کہاں سے تکلف میں شمار ہو گیا ہے۔ یہ تو ضرورت ہے بیٹا! ساتھ مل کر بیٹھیں گے تو اچھا لگے گا۔ بس اب انکار نہیں۔" بہت اپنائیت سے وہ اس کا ہاتھ تھام کر کہہ رہے تھے۔ سالار نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "اوکے' پھر خدا حافظ۔" بنا کسی کی طرف دیکھے وہ تیز قدموں سے باہر نکل گئے۔ سالار ان کو گاڑی تک چھوڑنے کے لیے ساتھ گیا تھا۔ ان دونوں میں سے کسی نے بھی نبیل کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔
"دیکھ لیا اپنے بھائی کا رویہ؟ کیا ثابت کرنا چاہتا ہے وہ' یہی نا کہ میری دو کوڑی کی بھی اوقات نہیں ہے اس کے آگے' اور وہ کمینہ سالار۔۔۔"
ایک چھوٹے سے وقفے میں نبیل نے خود پر جوتے برستے ہوئے محسوس کیے تھے۔ "تم تو کہہ رہی تھیں وہ سالار

کو سبق سکھانے والے ہیں' وہ تو الٹا اسے سر پر بٹھائے ہوئے ہیں' کیا انداز تھا بات کرنے کا اس سے' جیسے کوئی مدت کا بچھڑا ہوا عزیز ملا ہو' اور میں۔۔۔ مجھ سے۔" مارے کوفت کے اس سے بات بھی پوری نہیں ہوئی۔
"تم سے بھی تو بڑھ کر سلام تک نہ ہو سکا' وہ میرے بڑے بھائی ہیں۔"
"بڑے بھائی! مائی فٹ۔" وہ بے حد خفا تھا۔
زرتاج نے اس کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھا اور بے اختیار مسکرا دیں۔
"آج تم بے حد اسمارٹ لگ رہے ہو' فنکشن میں تم پر خاص نظر رکھنی پڑے گی۔"
وہ مسکرایا تک نہیں۔
"چلو بس اب جانے بھی دو۔" والہانہ انداز میں اس کے اور قریب آئیں۔
وہ ان کا محبوب پہلے اور شوہر بعد میں بنا تھا' اور اس کی ساری کمزوریوں کے باوجود بھی وہ اسے چاہنا نہیں چھوڑ سکتی تھیں۔
یہ کنفرم تھا۔ نبیل اس کی اس دکھتی رگ پر پاؤں رکھتا تھا۔
"اگر مجھے پتا ہوتا کہ سالار بھی یہاں موجود ہے تو میں تمہارے کہنے کے باوجود بھی نہیں آتا۔"
"میں تم سے کہتی بھی نہیں' یقین کرو۔" ابھی ابھی جو کچھ نبیل کے ساتھ ہوا تھا' اس پر وہ خود بھی شرمندہ تھیں۔ "لیکن یوسف بھائی کی بات دوسری ہے نبیل! ان سے بنا کر رکھنے کی کوشش کرو پلیز!"
"اونہہ!" اپنے کندھے پر رکھا ہوا زرتاج کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے وہ الگ ہوا۔ "پیر بھی پکڑ لوں گا تمہارے بھائی کے' تب بھی وہ مجھ سے اپنا دل صاف نہیں کرے گا' دیکھا ابھی کس طرح اس سالار کو دعوت دے کر گیا ہے' اور میں' میں جیسے تھا ہی نہیں' بے عزتی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے' میں نے تو جیسے ذلت مول لے لی ہے' شادی کیا کی۔"
اس کا پارہ [illegible] آسمان [illegible] تھا۔
جب بھی وہ زرتاج کو سرنڈر کرتا تھا خود کو مورل سپورٹ دینے کے لیے اتنا ہی خفگی کا مظاہرہ کرتا۔ زرتاج منائیں گھبرائیں' لیکن وہ اس وقت کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔
ان کے موڈ کی خوشگواریت معنی خیز تھی۔
"اتنی بدمزگی اور مایوسی کے باوجود بھی۔" وہ حیرت زدہ ہوا۔
"تمہیں بالکل بھی برا نہیں لگا اپنے بھائی کا رویہ؟"
"نہیں' اس لیے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں' میرے لیے ہی کر رہے ہیں' مگر تم نہیں سمجھو گے۔ میں بھی نہیں سمجھی تھی فوری طور پر۔۔۔ گمان گئی اپنے بھائی کو۔"
زرتاج کی مسکراہٹ گہری ہوئی' لیکن نبیل کو وہ محض ایک احمق عورت لگی تھی اس وقت۔

☆ ☆ ☆

"یہ کمرہ۔۔۔"
آپا گل کے منہ سے فقط اتنا ہی نکل سکا۔
"ہاں' ہم نے تو دیکھ لیا' سب سے بڑا کمرہ اعجاز اور جویا کے لیے رکھا ہے' حالانکہ اس کی وجہ سے ہمیں تھوڑی سی تنگی بھی ہو گی۔"
اعجاز کی بڑی بھابھی نے احسان سا دھرا تھا۔
آپا گل نے نیچی چھت والے اس اجاڑ سے کمرے کا ایک بار پھر جائزہ لیا۔ جس کی واحد خوبی صرف اس کا بڑا ہونا

تھا۔ اوپری منزل میں بنا ہوا یہ گھٹا ہوا سا کمرہ جویا کو ملنا تھا۔

زویا اور آپا گل کو آج خاص طور پر یہاں اسی لیے مدعو کیا گیا تھا کہ وہ یہاں کا خود ہی جائزہ لے لیں۔

آپا گل ان کے بار بار کے اصرار پر پہلے ہی تھک چکی تھیں۔

"آجائیں گے‘ جس دن فرنیچر پہنچے گا جویا کا‘ ابھی رہنے دو۔" انہوں نے فون پر اعجاز کو ٹالا تو اس کی اماں‘ بہن بھابھی سب ہی نے پیچھا پکڑے رکھا۔ تو حامی بھرنی ہی پڑی۔

"کوئی بات ہے ضرور۔" انہوں نے آنے سے پہلے ہی پیش گوئی کی تھی۔ جس پر گھر میں سب کو یقین بھی آیا تھا۔

"اعجاز کے گھر والے‘ کبھی بھی اپنے گھر آنے کو نہیں کہتے‘ چائے کا ایک کپ پلانے والے نہیں ہیں‘ اب جو بلا رہے ہیں تو اللہ ہی خیر کرے۔"

موبل سپورٹ کے لیے انہوں نے زویا کو ساتھ لیا تھا‘ وہ آج کل فرسٹ پروفیشنل کے آخری مراحل میں تھی‘ جویا کی شادی نے بڑے غلط وقت پر اس کی ساری پڑھائی لپیٹ کر ایک طرف رکھوا رکھی تھی۔

"کوئی کھڑکی‘ باہر کے رخ پر نہیں کھلتی‘ ہوا کا گزر اس نہیں ہے۔" جب وہ مستقل ہی مدح سرائی کیے گئیں تو آپا گل نے جل کر ایک نقطہ اعتراض اٹھا ہی دیا۔

"آج کل کھڑکیاں کھولتا ہی کون ہے‘ بھاری بھاری پردے پڑے رہتے ہیں‘ سارا دن پنکھے اور اسپلٹ چلتے ہیں اور اوپر کا گھر تو ویسے بھی گرم ہوتا ہے۔"

اتنی دیر میں پہلی بار آپا گل کو ان کی فراخ دلی نے خوشی بخشی۔

بات ٹھیک ہی تھی۔

ان کی نگاہ نے ایک بار جائزہ لیا۔

کون سی دیوار پر اسپلٹ تھا بھلا؟

"اس طرف ٹھیک رہے گا‘ یہ یہاں۔" اعجاز کی منجھلی بہن نے اس کی گھومتی نگاہ کی پریشانی دور کی۔ "کمرہ بڑا ہے‘ ڈیڑھ ٹن والا دیجیے گا جویا کو‘ اسپلٹ کی تو کولنگ ویسے بھی کم ہی ہوتی ہے۔"

"ہیں!" انہوں نے گڑبڑا کر اس سارے گروپ کی طرف دیکھا۔

بہنیں‘ بھابھیاں‘ بھانجیاں‘ بھتیجیاں۔ سب ہی ذوق و شوق سے کمرہ دکھانے کے لیے اوپر آئے تھے۔

"اسپلٹ‘ کارپٹ‘ پردے‘ یہ سب تو ویسے بھی فرنیچر سے پہلے ہی سیٹ ہوتا ہے‘ چاہو تو کل پرسوں میں ہی کروا لو‘ ہم نے تو بھئی اتنا بڑا کمرہ خالی کر دیا ہے‘ ہمارا فرض پورا ہوا۔"

ہلکے پھلکے سے انداز میں کہی گئی بات کے اختتام پر ایک مشترکہ ہنسی گونجی تھی۔

مگر ان دونوں میں سے کوئی مسکرایا تک نہیں۔

"چلیں آپا گل!"

زویا کی آواز پر انہوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

بے تاثر سا چہرہ لیے وہ ان کی طرف دیکھ رہی تھی اور بنا جواب سنے نیچے جانے کے لیے مڑ گئی۔

آپا گل چپ چاپ اس کے پیچھے چل پڑیں‘ نیچے چائے کا اہتمام تھا۔

چائے‘ بسکٹ‘ ایک پلیٹ نمکو۔

وہاں گھر میں‘ دل و جان سے کی جانے والی مدارات کے جواب میں‘ یہاں کبھی کبھار آنے والوں کے لیے یہی کچھ تھا۔

آپا گل نے صرف چائے کا کپ پیا‘ زویا نے وہ بھی نہیں۔

دل پر بھاری بوجھ سا آگرا تھا‘ آپا گل خود پریشان تھیں‘ زویا کی شکل دیکھ دیکھ کر اور بھی رنج ہو رہا تھا۔

"بے چاری میری بہنیں‘ چھوٹی چھوٹی عمروں میں کیسی پریشانیوں میں گھری ہیں۔"

کچھ دن سے انہیں زویا اور جویا دونوں سے تھوڑا بہت پیار آنے لگا تھا۔

اعجاز گھر پر ہی تھا‘ تھوڑی دیر کے لیے پاس آکر بیٹھا بھی تو سارا وقت اپنے کپڑوں کے بارے میں بات کرتا رہا۔

مشہور ڈیزائنرز کے آؤٹ فٹ‘ کیا آؤٹ سے کیا ان۔

بظاہر سیدھے سادے اس لڑکے کی معلومات اپ ٹو ڈیٹ تھیں۔

"سلمان کی شادی تو شیرٹن میں ہوئی تھی غالباً‘ جویا کے لیے آپ نے ہمیں گلشن میں لان بک کروا لیا؟"

اعجاز کی وہی بھابھی‘ جو کمرہ دکھانے میں پیش پیش تھیں‘ انہیں اسی بات کا بڑا ملال تھا اور آج کم و بیش چوتھی بار انہوں نے یہ بات دہرائی تھی۔

زویا نے آپا گل کو ماتھے پر آیا پسینہ صاف کرتے ہوئے دیکھا۔

"یہ لوگ کچھ زیادہ ہی نہیں پھیلتے جا رہے زوئی!"

جب وہ دونوں ٹیکسی میں واپس آرہی تھیں تو آپا گل نے زویا سے کہا۔ "فرمائش پر فرمائش اور خود ایک پیسہ خرچ کرنے کے لیے تیار نہیں اب اور کچھ نہیں تو اس اتنے بڑے کمرے کا سارا خرچا ہمارے ذمہ ڈال دیا‘ کم از کم پردے اور کارپٹ ہی خود ڈلوا دیتے‘ ہم پر پہلے ہی کیا کم بار ہے جو یہ بھی...!"

زویا لاتعلقی سے باہر بھاگتے دوڑتے ٹریفک کو تکے گئی۔

انہوں نے نوٹ کیا تو اور بھی پریشان ہو گئیں۔

"تمہیں یاد ہے جب تم [illegible] ابھی [illegible] مجال ہے جو کوئی ایک لفظ بھی بولی ہو‘ چھوٹی سالیاں‘ کتنے مذاق کرتی ہیں چھوٹی سے چھوٹی باتوں میں اپنی بھی دس منوا لیتی ہیں‘ تم سے تو اتنے عرصے میں یہ بھی نہیں ہوا کہ کہیں باہر کھانے پر ہی چلنے کی فرمائش کر دیتیں اعجاز سے۔"

"کہہ کر اپنی شرمندگی ہی اٹھانی تھی‘ ایک نمبر کے کنجوس ہیں اعجاز بھائی اور ان کے گھر والے شروع سے آج تک بالکل ایک سا رویہ رہا ہے ان کا اور حد تو یہ کہ اپنی باتوں پر انہیں شرم تک نہیں آتی۔" زویا کا لہجہ تلخ تھا۔

آپا گل سے حسب معمول "لڑکا تو اچھا ہے پیسے والا" بھی نہیں کہا گیا۔

سامنے گھر نظر آرہا تھا۔

تھکے تھکے قدموں سے وہ دونوں ہی اندر آئی تھیں‘ لاؤنج میں بالکل نیا بڑا سا کارٹن رکھا تھا۔

"جویا کے لیے ٹی وی۔"

آپا گل وہیں تھک کر رکیں۔ "ابا لے کر آئے ہیں۔" انہیں ایک چیز اور نمٹا جانے کا اطمینان حاصل ہوا تھا۔

"اکیس انچ کا ہے‘ مناسب ہے۔"

زویا محض ایک اچٹتی ہوئی نگاہ ڈال کر سامنے صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔

"کتنے کا آیا‘ ٹرالی بھی لے لیتے ساتھ ہی۔"

ہر نئی چیز کے آنے پر ان کی ایکسائٹمنٹ ایک سی ہی ہوتی تھی‘ چند لمحوں کے لیے تو وہ اعجاز کے گھر سے آئی نئی فرمائش بھی بھولی ہوئی تھیں۔

"سلمان لے کر آیا تھا یہ...!" چپ چاپ بیٹھی شاکرہ بیگم کو بتانا پڑا۔

"اچھا!" وہ اور بھی خوش ہوئیں۔ "چلو کچھ تو خیال آیا اسے بھی۔"

"بس یہی ہے اس کی طرف سے جویا کے لیے ہم رہا تھا کہ یہ بھی بڑی مشکل سے زوبیہ نے دیا ہے۔"
آپا گل کرنے کے سے انداز میں تخت پر جا کر بیٹھیں' حلق خشک ہوا جا رہا تھا۔
"زویا! پانی تو پلاؤ۔" وہ محض اتنا ہی کہہ سکیں' لاؤنج میں ایک چبھتی ہوئی خاموشی پھیلتی رہی' زویا واپس آئی۔ تب تک وہ دونوں ایک سی پوزیشن میں بیٹھی تھیں۔
"چھوڑیں' دل مت برا کریں' آخر اور کام بھی تو ہو ہی رہے ہیں' ہو جائیں گے۔"
آخر کو اسے آپا گل پر رحم آنے لگا۔
"کیسے ہو جائیں گے' کتنا قرضہ لیا جا چکا ہے اکیلے ابا کیا کیا کر سکتے ہیں اوپر سے آج کی فرمائش' ساٹھ ستر ہزار سے کم کیا خرچ ہوں گے' میں تو سوچتی آ رہی تھی کہ سلمان سے کہوں گی کہ اتنا تو کر ہی دے' کچھ بھی نہیں ہے زوبیہ کے لیے اتنے سے پیسے تو۔" زویا کو لگا جیسے وہ رو دینے کو ہیں۔
"ان کے لیے نہ سہی' ہمارے لیے تو بڑی رقم ہے آپا!" وہ آہستگی سے بولی۔ "اور زوبیہ بھابھی اپنی حیثیت نہیں' ہماری اوقات دیکھتی ہیں سو بالکل ٹھیک ٹھاک تحفہ دیا ہے انہوں نے جویا کے لیے۔"
ایک ٹھنڈی سانس آپا گل کے لبوں تک آئی۔
کل تک یہی زوبیہ اور اس کے گھر والے کیسے بچھے جاتے تھے' تحفے تحائف کا نہ شمار تھا اور نہ کوئی حد۔
کیسا فخر' کیسی خوش بختی محسوس ہوتی تھی کہ اتنے بڑے لوگوں سے رشتے داری جوڑتے ہوئے۔
آگے زندگی کے سارے مراحل آسان لگنے لگے تھے۔ انہوں نے تو اپنے بچوں کی آئندہ سالگرہیں تک زوبیہ کے ڈیفنس والے گھر میں کرنے کا سوچ لیا تھا۔
ایک پھیکی سی مسکراہٹ آپا گل کے لبوں پر آئی۔
کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایسا وقت بھی آئے گا۔ [illegible] کی شادی کے وقت تو ایسا لگتا تھا [illegible] زندگی میں کچھ اور کرنا ہی نہیں ہے' جویا' زویا کی شادی' پڑھائی' کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا۔
"خیر ایک بات تو بہت اعصاب پر سوار تھی سارے گھر کے۔"
زویا نے آہستہ سے کہا۔ ان دونوں ہی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
"معاذ بھائی سے جویا کا رشتہ ختم کرنا' سارے گھر کو ضد ہو گئی تھی جیسے۔"
"خیر' وہ تو بالکل درست فیصلہ تھا اور ہے۔"
"یہ تو وقت بتائے گا آپا گل! مجھے تو یہی بات بے ڈر لگنے لگا ہے ابھی سے۔"
"بدشگونی کی باتیں مت کرو زوئی! شکر ہے کہ اس آوارہ نکمے لڑکے سے جویا کا پیچھا چھٹا' ورنہ لگتا نہیں تھا کہ..."

"نہ وہ آوارہ ہیں اور نہ نکمے' یہ بات اب سب جان چکے ہیں۔" زویا نے بات کاٹی۔
"چند ہزار کی نوکری کر لینے سے' میرے نہیں نمک گئے ہیں معاذ میں اگر وہ یہ نوکری کرتا بھی رہے گا' تب بھی بمشکل صرف گزارا کر سکے گا' جیسا اسلام چچا نے کیا' ساری عمر شائستہ چچی نے سلائی مشین سنبھالی ہے' تب چلی ہے ان کے گھر کی گاڑی۔" آپا گل بری طرح غصہ میں آئی تھیں۔
اعجاز' اس کے گھر والے' فرمائشیں' کنجوسیاں سب ہی چند منٹوں کے لیے تو پس منظر میں چلے گئے' معاذ آج بھی گھر کے ان تین بڑوں کے لیے اتنا ہی ناقابل قبول تھا۔
کچن میں خاموشی سے کام نمٹاتی ہوئی جویا' سلیب کا کنارہ پکڑے' بالکل ساکت کھڑی ہوئی۔
"خدا نہ کرے جو ایسا ہوتا' تو ساری زندگی کی مشقت حصہ میں آتی جویا کے' لگی رہتی کسی اسکول میں یا آفس

میں' پورا تب بھی نہ ہوتا تھا' آرام طلب ہیں اس خاندان کے مرد اور اپنی خامی کو ایمان داری کا نام دے کر چھپاتے ہیں۔"
نفرت میں ڈوبا ہوا لہجہ' ذلت آمیز الفاظ شاکرہ بیگم اور آپا گل' دونوں ہی کا ردعمل شدید تھا' جو منہ میں آیا سو کہا

زویا نے بہت تحمل سے ان کے خاموش ہونے کا انتظار کیا تھا۔
"آپ کو یقین ہے آپا گل! یہ اتنا غصہ آپ کو معاذ بھائی کا نام سن کر ہی آیا ہے۔"
ان کے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے اس نے کسی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔
"وہ جواب' آپ کے کسی نفع نقصان میں نہیں' کسی منظر میں نہیں ہیں۔"
"بدتمیز ہو گئی ہو تم حد سے زیادہ زویا! وہاں بھی دیکھ رہی تھی کس طرح منہ بنائے بیٹھی رہیں' چائے تک نہیں پی تم نے ان کے ہاں۔"
"اچھا!" وہ ہلکے سے مسکرائی۔
"آپ نے تو چائے پی لی تھی نا' آپ بہت خوش خوش آئی ہیں وہاں سے' سچ بتائیں۔"
"ہاں' میں بہت خوش آئی ہوں' اچھا لڑکا' اچھا گھر مل رہا ہے جویا کو' لاکھوں میں آمدنی ہے اعجاز کی اور یہ چھوٹی موٹی باتیں کچھ حیثیت نہیں رکھتی ہیں' شادیوں میں اس طرح کے لین دین چلتے ہیں' کون سی نئی بات ہے۔"
ان کے لہجے میں پورا یقین تھا اور تھوڑی دیر پہلے والی ادا سی مکمل طور پر غائب۔
"بلکہ ہمیں تو پہلے وہاں یہ سب کچھ پہنچا دینا چاہیے تھا' ان کے کہنے کی نوبت آنی ہی نہیں' اس میں ہماری زیادہ عزت تھی' اور اب اگر انہوں نے کہا ہے تو اس میں برا ماننے والی کوئی بات ہی نہیں ہے۔" وہی بے حسی' وہی غرور۔
"[illegible]" زویا نے سوچا۔
حالات چاہے جتنے بھی بگڑ گئے ہوں۔
یہاں کسی کو بدلنے کی ضرورت ابھی بھی پیش نہیں آئی تھی' دو آنسو جویا کی آنکھوں سے گرے اور پھسل کر سلیب پر گرے۔
ارد گرد پھیلا سناٹا اور بھی گہرا ہوا۔

☆ ☆ ☆

کسی گیٹ ٹو گیدر میں سلمان کے ساتھ جانے کی تیاری مکمل ہی تھی' جب اسے ممی کا فون ملا تھا۔
"آج تم ہماری طرف آ جاؤ' لیکن اکیلی آنا' اپنے اس احمق شوہر کو مت ساتھ لے آنا۔"
تفصیل بتانے کے بجائے انہوں نے ہدایت دینی ضروری سمجھی اور فون بند۔
پروگرام کتنا بھی ضروری سہی' ممی کی بات ٹالنا زوبیہ کے لیے ناممکن تھا۔
سلمان تیار کھڑا تھا اور اس بنے بنائے پروگرام کے بگڑنے پر سخت اکتاہٹ میں مبتلا ہوا تھا۔
"تمہاری امی کی ہماری زندگی میں دخل اندازی بڑھتی جا رہی ہے زوبی! جب چاہتے وہ تمہیں کھڑے کھڑے بلوا لیتی ہیں' تم نے منع کیوں نہیں کیا اس وقت؟" زوبیہ کو اس کی جرأت پر حیرت بھی ہوئی تھی۔
"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے سلمان! جو کچھ میرے ماں باپ نے تمہارے لیے کیا ہے' اس پر احسان مند ہونے کے بجائے تم ان پر اعتراض کرنے چلے ہو' شرم کرو کچھ۔"
وہ جو کچھ بھی کہنا چاہتی' اس بات کی پروا کیے بغیر کہتی کہ آس پاس کوئی موجود ہے یا نہیں۔

خود سلمان کو ہی ملازمین کا خیال کر کے' خاموش رہنا پڑتا۔
"میرا یہ مطلب نہیں تھا' خیر چلو' چلتے ہیں۔۔۔"
حسب معمول ہتھیار اس نے ہی ڈالے اور گاڑی کی چابی اٹھا کر آگے بڑھنے لگا تھا۔
مگر یہاں بے عزتی کا اور بھی سامان تھا۔
"تم گھر پر رہو' ممی نے صرف مجھے بلایا ہے۔"
چابی اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے' دوسری اطلاع اسے تھماتے ہوئے' زوبیہ کا چہرہ اور لہجہ دونوں ہی بے تاثر تھے۔
پورے پکے سمجھوتے کے باوجود' کبھی کبھی بہرحال ذلت کا چبھتا ہوا احساس' بری طرح جاگنے لگتا تھا' مگر کچھ کہنا اس احساس میں اور اضافے کا سبب ہی بنتا۔
سو وہ ایک چپ سو سکھ کے مقولے پر ہی کاربند چلا آرہا تھا۔
"ملازم سے کہو' وہ تمہیں کھانا گرم کر دے گا' گھر پر ہی رہ کر ٹی وی وغیرہ دیکھ لو۔"
زوبیہ کی یہ بھی مہربانی تھی۔
اگر وہ اس کی اتنی بھی پروا نہ کرے تو بھی کیا کیا جا سکتا ہے۔
ہر طرح سے گزارا کر لینے والی 'اچھی بیویوں کی مانند' وہ بھی چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہی مورل سپورٹ حاصل کر لیتا تھا' سو پوری تابعداری کے ساتھ زوبیہ کو گاڑی تک چھوڑنے گیا اور مزید کچھ بھی کہنے اور پوچھنے کی غلطی ہرگز بھی نہیں کی تھی۔
زوبیہ وہاں خاصی شش و پنج کے عالم میں پہنچی تھی۔
ایسا کیا تھا' جس کے لیے اسے فوری طلب کیا گیا تھا۔ پورچ میں کھڑی گاڑی قیمتی اور نئی تھی۔
"کوئی مہمان آیا ہے۔۔۔؟" ممی اسے لاؤنج میں ہی مل گئیں۔
"ہوں! شکر ہے' جو تم اچھے حلیے میں آئیں' میں کہنا بھول گئی تھی کہ تیار ہو کر آنا۔"
فنکشن کے لیے کی جانے والی تیاری اسی وقت' بڑے کام آئی تھی۔
وہ کبھی نہیں بھولتی تھی کہ اس کی ماں' اپنے لک کے بارے میں آج بھی بہت حساس ہے۔ اس نے غور سے ان کی طرف دیکھا۔
"کوئی خاص بات۔۔۔؟"
"ہاں بہت!" وہ بہت کم خوش نظر آتی تھیں' مگر آج تھیں۔ "کسی سے ملوانا ہے' تمہیں۔"
وہ ان کے ساتھ چلتی ہوئی ڈرائنگ روم تک آئی تھی' مگر سخت بوریت میں مبتلا ہوتی جا رہی تھی۔
"کیا ہے ممی! اتنی مزے دار پارٹی چھوڑ کر بھاگی آئی ہوں' ملنا تو کسی بھی وقت جا سکتا تھا۔ ابھی کیا ضروری تھا۔"
"ضروری تھا' تم جیسی بے وقوف کی سمجھ میں آسانی سے کچھ نہیں آنے والا' اس کم بخت نے ایسی پٹی باندھی ہے آنکھوں پر۔"
وہ سلمان کا نام بھی لینے سے الرجک ہوتی جا رہی تھیں اور اب جب وہ آہی گئی تھی تو بہتر تھا کہ ممی کی خوشی ہی پوری کر دی جاتی۔
یوسف کمال سے باتوں میں مصروف سالار' اسے دیکھ کر ہلکے سے مسکرا دیا۔
زرتاج بیگم کی غصہ ور چڑچڑی بھتیجی اس کی یاد سے محو نہیں ہو سکی تھی
"بہت دنوں بعد دیکھا ہوگا تم لوگوں نے ایک دوسرے کو' میں نے اسی لیے زوبی کو بلوایا تاکہ تم آپس میں مل سکو۔"

ممی کا دبا دبا سا جوش' زوبیہ کو بے ساختہ ہی ان کی خواہش یاد کروا گیا تھا۔
اتنی دیر میں پہلی بار وہ کچھ خوف زدہ سی ہوئی۔ اس کے ماں باپ بڑے فوکسڈ لوگ تھے اور ان کے متعلق وہ ایک بار بھی یہ نہیں سوچ سکتی تھی کہ انہوں نے سالار کو محض محبت میں آکر انوائیٹ کیا ہے۔
"کیا بتایا بھی انہوں نے؟"
"کیسی ہیں زوبیہ' اور وہ آپ کے شوہر' ابھی مجھے پتہ چلا تھا آپ کی شادی کے بارے میں۔ مبارک ہو بہت اور آپ کا تحفہ مجھ پر ادھار رہا۔"
وہ بڑی شائستگی سے پیش آرہا تھا' زوبیہ کو اخلاقاً" مسکرانا پڑا۔
سلمان کے نہ آنے کے بارے میں' جب وہ ایک معقول سی وجہ سالار کو بتا رہی تھی' تب ممی نے اچانک ہی بڑی نامعقول سی بات کی۔ بنا موقع محل کا لحاظ کیے۔
"کیسی مبارک باد سالار! بس سمجھ لو' زوبی کی بدقسمتی تھی جو یہ سب ہوا' ایک نمبر کا لالچی اور ناکارہ انسان ہے' اس کا میاں' بوجھ بن کر بیٹھا ہے' صرف پیسے سے مطلب ہے اسے زوبی کے' اس غریب کی تو کوئی پروا تک نہیں۔"
صحیح غلط کو ملا جلا کر انہوں نے جو بریفنگ سالار کو دی تھی' زوبیہ نے اس پر بے اختیار ہی پہلو بدلا۔ اسے پوری امید تھی کہ اب سالار یقیناً" پوری دلچسپی کے ساتھ' دو چار سوال تو ضرور ہی کر ڈالے گا اس بارے میں۔
لیکن وہ تو الٹا کچھ شرمندہ سا دکھائی دے رہا تھا۔ کسی کے بالکل ذاتی معاملات کا اپنے آگے کھلنا اسے یقیناً" اچھا نہیں لگا تھا۔
زوبیہ نے نوٹ کیا کہ وہ دانستہ' دوسرے موضوع کی طرف آرہا تھا' لیکن ہر بار ناکام کر دیا جاتا' آج یہاں اہم ترین موضوع سلمان تھا۔ اس کی بے کاری' معمولی خاندان' گھٹیا فطرت سب ہی کا ذکر آرہا تھا۔
زوبیہ کی سمجھ میں آچکا تھا کہ سلمان کو [illegible] کتنا ضروری تھا۔ وہ کچھ عجیب سے احساس میں گھری تھی۔
صحیح یا غلط سلمان اس کا اپنا فیصلہ تھا۔ اس کی اچھی شکل صورت' اس کا واحد قصور تھی' اور اسی بنا پر زوبیہ کو وہ اپنا ساتھ ٹکا ہوا' صدارتی تمغہ محسوس ہوا تھا۔
"مگر اب۔۔۔" کچھ بددل سی ہو کر' اس نے سامنے ڈائننگ ہال کی طرف دیکھا۔ وہاں بڑی غیر معمولی چہل پہل تھی' کوئی شک نہیں تھا کہ یوسف کمال کے ہاں سالار کو وی آئی پی کا درجہ دیا جا چکا تھا۔
"بے چاری آنٹی زرتاج۔۔۔" زوبیہ کو اچانک ہی وہ یاد آئیں۔ حالات و واقعات کی ترتیب' بڑے ہی عجب ڈھنگ سے بدلنی شروع ہوئی تھی۔
"ہمیں ان زیادتیوں کا پوری طرح احساس ہے سالار بیٹا! جو زرتاج نے تم پر کیں' اصل میں تو وہ کسی کی بھی پروا کرنے والی عورت نہیں ہے' اسے اپنے بھائی تک کا خیال نہیں' اس چھوکرے سے نکاح کے وقت اس نے یوسف کو بلانا تک ضروری نہیں۔۔۔"
سالار کے لیے' یہ سارے قصے بے معنی تھے۔
مگر نئی رشتے داری جتانے والے ان لوگوں سے اس نے وہ سب بظاہر پوری توجہ سے سنا۔
کھانا بے حد پر تکلف تھا اور بہت اصرار کے ساتھ کھلایا گیا تھا۔
سالار کو بہرحال یہاں آکر برا نہیں لگا تھا۔
مصلحتوں زدہ ڈبل اپنائیت بھی غنیمت تھی' کھانے کے بعد' وہ یوسف کمال کے خوب صورت لان میں آکر بیٹھے تھے' جب سالار نے' ان دونوں میاں بیوی کا منظر سے غائب ہونا محسوس کیا۔
"آج کل کہاں ہوتے ہو سالار؟" زوبیہ نے چائے کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے' بہت دھیان سے ایک

بار پھر اس کی طرف دیکھا شاید وہ سلمان کے مقابلے میں کم دکھائی دیتا اگر اس کی عام سی شخصیت میں بہت خاص قسم کی کشش نہ ہوتی۔
ایک دیانت دارانہ تجزیہ کرتے ہوئے اسے اعتراف کرنا پڑا تھا۔
"زیادہ دور نہیں 'یہیں لاہور میں' وہاں کچھ اچھے دوست ہیں' بہت پرانے' تھوڑا بہت کام بھی مل جاتا ہے' بس..."

اس کے سوال کے جواب میں وہ جو کچھ سرسری سے انداز میں بتا رہا تھا' زوبیہ کو مستقل حیرانی میں مبتلا کر رہا تھا۔
"اتنے بڑے کاروبار کے باوجود بھی تمہیں پیسے کی کیا کمی ہے سالار! جو اس طرح چھوٹی چھوٹی نوکریاں کرتے ہو..."
وہ ہلکے سے ہنس پڑا۔
"اصل میں پہلے جب نکلتا تھا یہاں سے' تب تو واقعی ضرورت کے لیے کمانا پڑتا تھا۔ مجھے کوئی پاکٹ منی بھی تو نہیں ملتی تھی نا' ابا تو شاید مجھے بھول ہی گئے تھے' تمہاری زرتاج آنٹی کے سپرد کرکے۔" اپنی بات ادھوری چھوڑتے ہوئے' پل بھر کے لیے اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔
ایک چھوٹے سے وقفے میں وہ کہاں سے کہاں تک کا سفر کرکے لوٹا۔
بے چارگی' خوف' تنہائی بہت نو عمری میں وہ ان سب کی انتہا کو چھو کر واپس آیا تھا خود زوبیہ نے اپنی تمام سخت دلی کے باوجود' زرتاج سے منسلک اپنے رشتے پر عجیب سی شرمندگی محسوس کی تھی اس وقت۔
ایسی شرم جو اسے سرکل میں ہوتی باتوں پر کبھی نہیں ہوئی تھی اور نہ زرتاج کی آئے دن ہونے والے افیئرز اور شادیوں پر ہوئی' سالار کو دی جانے والی ان لرزہ خیز سزاؤں میں سے چند کی تو وہ خود بھی گواہ تھی۔
"پتا ہے سخت سردی میں بنا ٹکٹ ٹرین میں بیٹھنا بڑا ہی ڈراتا ہے زوبیہ! آج تک بھی نہیں بھول سکا۔ جب پہلی بار..." کچھ خیال آنے پر وہ یک دم بالکل خاموش ہوا۔
"میں چلتا ہوں بہت دیر ہوگئی۔" چائے کا کپ رکھتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
زوبیہ ابھی بھی خاموش تھی۔ کچھ الگ تھا' جو اسے آج محسوس ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

آج وہ بالکل بے دلی سے تیار ہوئی تھی۔ بلکہ تیار کیا' گھر میں کل سے پہنے ہوئے ان ہی کپڑوں پر قدرے صاف چادر اوڑھی' بالوں میں الٹا سیدھا کنگھا پھیرا اور بس' نہ ہی رگڑ رگڑ کر منہ ہاتھ دھلا' نہ ہی اہتمام سے بالوں کی لٹ نکال کر چہرے پر گرائی' نہ کریم اور نہ ہی کاجل۔
دونوں بھتیجوں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا' بلکہ چھوٹے والے نے تو حیرت سے پوچھ بھی لیا۔
"آج ایسے ہی چلو گی پھپھو!" دل تو چاہا کہ ایک کس کر لگا دے' لیکن سعیدہ تک شکایت پہنچتی تو جان چھڑانی مشکل ہو جاتی۔ دل ویسے ہی برا ہو رہا تھا۔
بچوں کا ہاتھ پکڑ کر' وہ پتلی سی لمبی گلی سے گزرتے ہوئے' آج اس کی چال میں تھکاوٹ تھی' بڑی خوشی خوشی ذمہ داری سر لی گئی تھی' اب بے کار کی دردسری ثابت ہو رہا تھا۔
اتنی دور چل کر جانا' پھر واپسی اور دوبارہ پھر جانا' حالانکہ سعیدہ نے تو کئی بار کہا کہ وہ واپس آنے کے بجائے' وہیں ایک کونے میں بیٹھی رہا کرے اور پھر بچوں کو لے کر ہی آیا کرے مگر اس کی یہ دریا دلی بھی' بے کار ہی تھی۔
وہ جس کی لگن میں یہاں تک آئی تھی' وہ تو شاید راستہ ہی بھولا تھا۔
پہلے دن دکھائی دینے کے بعد مجال ہے جو وہاں اس کا نام بھی سنا ہو۔

پتا نہیں کون کون سے لڑکے وہاں آتے تھے پڑھانے کے لیے' سنا تھا سب ہی فری میں کام کرتے تھے زری کو تو حیرت ہی ہوتی تھی۔
"کوئی فری میں بھی کام کرتا ہے' بے کار کا پاگل پن' پیسے کے بغیر بھی دنیا میں گزارا ہوتا ہے۔"
اس نے گھر میں سارا رونا' ساری لڑائی پیسے پر ہی دیکھی تھیں۔
بھابھی سعیدہ کی جان توڑ محنت کے باوجود' خرچہ پورا کیا آدھا بھی نہیں ہو پاتا تھا' بھائی کی وہی بے حسی۔
"بھابھی غریب' خرچ پوری نہ ہو تو کیا کرے۔" وہ سعیدہ کی باتوں کا برا بھی اسی لیے تھیں مناتی تھی۔ پیسے کے بغیر تو جیتے تو کیا' مر بھی نہیں سکتا' محلے میں ہونے والے سوئم چہلم کے موقعوں پر چڑھی دیگوں کو دیکھ کر وہ اکثر یہی سوچ کر فکر مند ہوتی تھی کہ اگر خدانہ کرے گھر میں کسی کو کچھ ہو گیا تو یہ سب کیسے کیا جاسکے گا۔
مگر یہاں بڑے عجیب لوگ آتے تھے۔
اپنا وقت بھی دیتے اور پیسہ بھی۔
خود معلوم نہیں کس چیز پر گزارا کرتے تھے وہ جھینپی جھینپی سی چور نگاہوں سے ان کا جائزہ لیتی مگر وہ سب اس انہماک سے اپنے اپنے کام میں مصروف ہوتے کہ لگتا تھا ان کے لیے کچھ اور کرنے کے لیے ہے ہی نہیں۔
وہ جو' ساجد کی زبانی' معاذ بھائی کا اسکول' معاذ بھائی کا اسکول' سن سن کر یہی فرض کیے بیٹھی تھی کہ وہاں صرف اور صرف معاذ ہی بیٹھا رہتا ہوگا' بچوں کے سروں پر اب سخت مایوسی میں گھری ہوئی تھی۔
وہ تو یہاں سے ایسا غائب تھا' جیسے کوئی تعلق نہ واسطہ' صرف نام رجسٹر میں لکھنے تک کی ذمہ داری اس کی' باقی دوسروں کے سپرد' جو پتا ہوتا تو کیوں وہ اس گرمی میں خود بھی مشقت میں پڑتی اور ان معصوموں کو بھی پریشان کرتی۔
"کھیلتے ہی تھے گلی میں بے چارے...!"
تعلیم کی اہمیت کے بارے میں زری کے خیالات [illegible] ان چند ہی دنوں میں ہی بدلے تھے۔
آج دن گرم تھا [illegible] اسکول تک پہنچتے پہنچتے' اس نے کتنی بار اپنا چہرہ خشک کیا۔
سامنے کرسیوں پر بچے آکر بیٹھنا شروع ہو چکے تھے' زری نے ان دونوں کو بھی اپنی اپنی جگہ پر بٹھایا ٹھیک سے رہنے کی ہدایت کی۔
اور جب واپس مڑنے لگی تو اچانک ہی وہ سامنے آگیا' جس کی اب امید بھی باقی نہیں تھی۔
"معاذ صاحب!" وہ ہلکے سے بڑبڑائی۔
کسی لڑکے سے قریب ہی کھڑا' وہ کچھ بات کر رہا تھا اسے سامنے دیکھ کر ہلکے سے مسکرایا۔
"کیسا پڑھ رہے ہیں وہ دونوں آپ کے بھتیجے۔"
"وہ... وہ ٹھیک ہیں جی' میرا مطلب ہے۔" اچانک ملنے والی خوشی کی بوکھلاہٹ زری پر بری طرح طاری ہوئی تھی۔
"آپ اسی طرح پابندی سے انہیں لاتی رہیں تو' دیکھیے گا بہت اچھا چل نکلیں گے دونوں۔"
وہ نگاہ جھکائے اپنے ٹھنڈے ہوتے ہاتھوں کو ایک دوسرے میں پیوست کیے' چپ چاپ کھڑی رہی۔ اس کی شاندار شخصیت کے سامنے اپنی خستہ حالی کا احساس شدید تر ہوا جا رہا تھا۔
"کیا تھا' جو ذرا ڈھنگ کے کپڑے پہن کر' آنکھوں میں کاجل ہی ڈال لیتی' کریم ہی مل لی ہوتی' رنگ بالکل سیاہ پڑتا جا رہا ہے۔ زری کے پاس ایک ساتھ کتنے ہی پچھتاوے تھے' سارا دن میں کتنے ہی لوگوں سے سامنا ہوتا مگر کسی ایک نگاہ میں خاص لگنے کی خواہش اس کے دل میں بھی کب سے تھی۔
مگر وہی اس کی ازلی بدنصیبی!

"آپ آئی نہیں رہے تھے یہاں میں تو روزانہ دیکھتی تھی کہ شاید آپ آ گئے ہوں۔"
شرمائے ہوئے انداز میں اپنی بات مکمل کرنا بھی اسے مشکل ہو رہا تھا' لیکن پھر بھی وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔ "آج کل مصروفیت زیادہ ہے' بس اسی لیے' ویسے یہاں سب لوگ بہت محنت کر رہے ہیں' بچوں پر' آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی پڑھائی کے سلسلے میں۔"
زری کے لہجے سے چھلکتے اشتیاق پر ذرا سی بھی توجہ دیے بغیر' وہ اس کی تسلی کروا رہا تھا' تب ہی کسی نے آواز بھی دے لی۔
"معاذ بھائی! یہاں آئیے۔"
"آ تا ہوں۔" وہ فوراً ہی اس طرف بڑھ بھی گیا۔
ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے زری نے اس کی طرف دیکھا اور آہستہ آہستہ پیچھے چلتی چلی گئی۔
کرسیوں سے بالکل ہٹ کر' گیراج کی دیوار کے ساتھ منڈیر بنی تھی' آج اسے وہیں بیٹھنا تھا' بچوں کی چھٹی ہونے تک۔
"اور کچھ نہ سہی' وہ تو اسے دیکھ ہی سکتی تھی۔" فیصلہ ابھی ابھی ہوا تھا۔
"سو یہاں تک آنے کی مشقت رائیگاں تو ہرگز بھی نہیں۔" زری نے منڈیر پر بیٹھ کر' دیوار سے ٹیک لگائی۔

☆ ☆ ☆

گیٹ کے قریب وہ کب سے ایک اسٹول پر چڑھا بیٹھا تھا۔
ایک ہی پوز' ایک ہی موڈ میں۔
چپکے چپکے خود سے باتیں کرتا ہوا ارد گرد سے بے نیاز' آتے جاتے ملازمین' اس پر اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالتے اور آگے بڑھ جاتے۔
بہت دن ہوئے' اس پر رحم کھانے کا سلسلہ بھی ختم ہوا تھا۔
ایسا کون سا نرالا صدمہ دیکھا تھا اس نے اور یہاں کون تھا' جو دل پر دس فکریں اور صدمے لے کر نہیں بیٹھا تھا۔
سو جب اپنے دکھوں کو بھول کر جینا پڑتا ہے تو پرائے غم کو تو بھولنے میں اور بھی کم وقت لگتا ہے' راجو کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔
اس پر آثار رحم' ہمدردی میں اور ہمدردی' لاتعلقی میں اور اب لاتعلقی' بے زاری میں بدل چکی تھی۔
"سارا دن بے کار بیٹھا رہتا ہے' کوئی کام نہ کاج مفت کی تنخواہ لے رہا ہے' یہاں سارا دن دوڑتے ہیں مالک کے اشاروں پر' پھر بھی کوئی خوش نہیں ہوتا۔"
"پاگل پن کا ڈھونگ رچا رہا ہے راجو' ایسے کون کس کے پیچھے جان کھوتا ہے۔"
"اور کیا پتا لڑکی خود سے بھاگی ہو' آج کل تو یہی ہو رہا ہے۔"
"میں نے تو خود ایک دن دیکھا تھا' دس نمبر کے اسٹاپ پر چڑھتے ہوئے بس میں روزی کو' ویسے تو چادر اوڑھے ہوئے تھی' مگر چال ڈھال سے میں دور سے ہی پہچان گیا' وہ تو بس چل پڑی' ورنہ رنگے ہاتھوں پکڑ لیتا۔"
ملازمین کا بنا پرانا گروپ' اکٹھے بیٹھتے تو ایسی ہی گفتگو کرتے۔
راجو بہت جلد ایک بے کار کا بوجھ بن چکا تھا۔
"چل بھئی ہٹ یہاں سے' ہم بھی بیٹھ جائیں تھوڑی دیر۔"

کسی ایک نے اس کا کندھا ہلاتے ہوئے کہا تو وہ چپ چاپ اٹھ کر لان کے سائیڈ میں جاتی کیاری کی منڈیر پر جا کر بیٹھ گیا۔
آج وہاں آنے والے موسم کے لیے پھولوں کی پنیری لگائی جانے والی تھی' سوالی کی بھی اپنی ترجیحات تھیں۔
"اور راجو! یہاں مت بیٹھ' میرے کام کا حرج ہوتا ہے۔"
وہ خاموشی سے وہاں سے بھی اٹھ گیا' نگاہ بار بار صرف ایک ہی سمت اٹھ رہی تھی اور پھر مایوس ہو کر' واپس پلٹتی۔

تب ہی گھر کے داخلی دروازے سے اسے وہ باہر آتا دکھائی دیا۔
کسی کے ساتھ باتیں کرتا ہوا' وہ پورچ کی طرف جا رہا تھا' فاصلہ خاصا تھا اور اب وہ تیز قدموں سے چل بھی نہیں سکتا تھا۔
"صاحب!" راجو نے قدرے فاصلے سے ہی اسے پکارا۔
"صاحب' سالار صاحب!" گاڑی کا لاک کھولتے سالار نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
آتے جاتے ہوئے' اس نے راجو کو کئی بار دیکھا تھا' مگر کوئی واسطہ' نہ تعلق۔
اسے تو یہی بات اس کا نام تک نہیں معلوم تھا۔
"کیا بات ہے؟"
"آپ سے ضروری بات کرنی تھی' بس دو منٹ۔"
"ابھی۔" سالار نے ہاتھ پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی اور پھر ساتھ کھڑے حمیدی صاحب کی طرف دیکھا۔
کسی ضروری کام سے وہ اسے ساتھ لے جانے کے لیے آئے تھے۔
"سنو میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں واپس' پھر اطمینان سے بات کر لیتے ہیں' کوئی ایمرجنسی تو نہیں ہے نا!"
فطرتاً نرمی اسے کسی کو بھی نظرانداز کرنے کی اجازت نہیں دیتی تھی' سوائے چند تکلیف دہ لوگوں کے' راجو کو اس کے رویے نے ہی حوصلہ دیا۔
"نہیں صاحب! پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے' میری عرض سن لیں بڑی مہربانی۔"
"پلیز حمیدی صاحب! بس دو منٹ۔"
سالار نے معذرت خواہانہ انداز میں ان کی طرف دیکھا' سامنے کھڑا یہ پریشان حال شخص شاید' کسی مالی پریشانی میں گرفتار تھا اور کھڑے کھڑے' اس کی اتنی مدد تو کی جا سکتی تھی۔
"ہاں' بتاؤ کچھ چاہیے۔" اس کا ہاتھ بے ساختہ اپنی جیب کی طرف گیا' لیکن' اس مصیبت زدہ کی کہانی الگ تھی اور تفصیل طلب بھی۔
"صاحب! مجھے روزی کے بارے میں پتہ کر دیں کوئی بھی اسے نہیں ڈھونڈ رہا' اتنے مہینے ہو گئے ہیں کچھ پتہ نہیں چلتا۔ میں ہاتھ جوڑتا۔"
فوری طور پر تو سالار کے ہاتھ میں اس کہانی کا سرا بھی نہیں آ سکا۔
"کون روزی۔ او وہ چھوٹی سی لڑکی۔" اسے یاد آیا کہ' اب جب کہ اسے یہاں نہیں دیکھا تھا' مگر کون سی حیرت کی بات تھی۔
گارڈ' گھر کا پرانا خانساماں' بوا عظمت۔ "اتنے عرصے میں بہت سارے لوگ یہاں سے جا چکے تھے۔"
"شاید اس کے پوچھنے پر بیگم زرتاج نے کچھ بتایا بھی تھا۔" سالار نے ذہن پر زور ڈالنا چاہا' مگر۔
"ایک مہینے کی چھٹی پر گیا تھا صاحب! واپس آیا تو وہ یہاں نہیں تھی' کسی کو نہیں پتہ' کہاں گئی وہ' میں ماں کو

"آپ آئی نہیں رہے تھے یہاں میں تو روزانہ دیکھتی تھی کہ شاید آپ آگئے ہوں۔"
شرمائے ہوئے انداز میں اپنی بات مکمل کرنا بھی اسے مشکل ہو رہا تھا' لیکن پھر بھی وہ کہے بغیر نہ رہ سکی "آج کل مصروفیت زیادہ ہے' بس اسی لیے' ویسے یہاں سب لوگ بہت محنت کررہے ہیں بچوں پر' آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی پڑھائی کے سلسلے میں۔"
زری کے لہجے سے چھلکتے اشتیاق پر ذرا سی بھی توجہ دیے بغیر' وہ اس کی تسلی کروا رہا تھا' تب ہی کسی نے آواز بھی دے لی۔
"معاذ بھائی! یہاں آئیے۔"
"آتا ہوں۔" وہ فوراً" ہی اس طرف بڑھ بھی گیا۔
ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے زری نے اس کی طرف دیکھا اور آہستہ آہستہ پیچھے چلتی چلی گئی۔
کرسیوں سے بالکل ہٹ کر' گیراج کی دیوار کے ساتھ منڈیر بنی تھی' آج اسے وہیں بیٹھنا تھا' بچوں کی چھٹی ہونے تک۔
"اور کچھ نہ سہی' وہ تو اسے دیکھ ہی سکتی تھی۔" فیصلہ ابھی ابھی ہوا تھا۔
"سو یہاں تک آنے کی مشقت رائیگاں تو ہرگز بھی نہیں۔" زری نے منڈیر پر بیٹھ کر' دیوار سے ٹیک لگائی۔

☼ ☼ ☼

گیٹ کے قریب وہ کب سے ایک اسٹول پر چڑھا بیٹھا تھا۔
ایک ہی پوز' ایک ہی موڈ میں۔
چپکے چپکے خود سے باتیں کرتا ہوا اردگرد سے بے نیاز آتے جاتے ملازمین' اس پر اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالتے اور آگے بڑھ جاتے۔
بہت دن ہوئے' اس پر رحم کھانے کا سلسلہ بھی بند ہوا تھا۔
ایسا کون سا نرالا صدمہ دیکھا تھا اس نے اور یہاں کون تھا' جو دل پر دس فکریں اور صدمے لے کر نہیں بیٹھا تھا۔
سو جب اپنے دکھوں کو بھول کر جینا پڑتا ہے تو پرائے غم کو تو بھولنے میں اور بھی کم وقت لگتا ہے' راجو کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔
اس پر آتا رحم' ہمدردی میں اور ہمدردی لاتعلقی میں اور اب لاتعلقی' بےزاری میں بدل چکی تھی۔
"سارا دن بے کار بیٹھا رہتا ہے' کوئی کام نہ کاج مفت کی تنخواہ لے رہا ہے' یہاں سارا دن دوڑتے ہیں مالک کے اشاروں پر' پھر بھی کوئی خوش نہیں ہوتا۔"
"پاگل پن کا ڈھونگ رچا رہا ہے راجو' ایسے کون کس کے پیچھے جان کھوتا ہے۔"
"اور کیا پتا لڑکی خود سے بھاگی ہو' آج کل تو یہی ہو رہا ہے۔"
"میں نے تو خود ایک دن دیکھا تھا' دس نمبر کے اسٹاپ پر چڑھتے ہوئے بس میں روزی کو' ویسے تو چادر اوڑھے ہوئے تھی' مگر چال ڈھال سے میں دور سے ہی پہچان گیا' وہ تو بس چل پڑی' ورنہ رنگے ہاتھوں پکڑ لیتا۔"
ملازمین کا بنا پرانا گروپ' اکٹھے بیٹھتے تو ایسی ہی گفتگو کرتے۔
راجو بہت جلد ایک بے کار کا بوجھ بن چکا تھا۔
"چل بھئی ہٹ یہاں سے' ہم بھی بیٹھ جائیں تھوڑی دیر۔"

کسی ایک نے اس کا کندھا ہلاتے ہوئے کہا تو وہ چپ چاپ اٹھ کر لان کے سائیڈ میں جاتی کیاری کی منڈیر پر جا کر بیٹھ گیا۔
آج وہاں آنے والے موسم کے لیے پھولوں کی پنیری لگائی جانے والی تھی' سوما لی کی بھی اپنی ترجیحات تھیں۔
"اور راجو! یہاں مت بیٹھ' میرے کام کا حرج ہوتا ہے۔"
وہ خاموشی سے وہاں سے بھی اٹھ گیا' نگاہ بار بار صرف ایک ہی سمت اٹھ رہی تھی اور پھر مایوس ہو کر واپس پلٹتی۔

تب ہی گھر کے داخلی دروازے سے اسے وہ باہر آتا دکھائی دیا۔
کسی کے ساتھ باتیں کرتا ہوا' وہ پورچ کی طرف جا رہا تھا' فاصلہ خاصا تھا اور اب وہ تیز قدموں سے چل بھی نہیں سکتا تھا۔
"صاحب!" راجو نے قدرے فاصلے سے ہی اسے پکارا۔
"صاحب' سالار صاحب!" گاڑی کا لاک کھولتے سالار نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
آتے جاتے ہوئے' اس نے راجو کو کئی بار دیکھا تھا' مگر کوئی واسطہ' نہ تعلق۔
اسے تو یہی بات اس کا نام تک نہیں معلوم تھا۔
"کیا بات ہے؟"
"آپ سے ضروری بات کرنی تھی' بس دو منٹ۔"
"ابھی۔" سالار نے ہاتھ پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی اور پھر ساتھ کھڑے حمیدی صاحب کی طرف دیکھا۔
کسی ضروری کام سے وہ اسے ساتھ لے جانے کے لیے آئے تھے۔
"ٹھیک ہے میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں واپس' پھر اطمینان سے بات کرلیتے ہیں' کوئی ایمرجنسی تو نہیں ہے نا!"
فطری عاجزی' اسے کسی کو بھی نظر انداز کرنے کی اجازت نہیں دیتی تھی' سوائے چند تکلیف دہ لوگوں کے راجو کو اس کے رویے نے ہی حوصلہ دیا۔
"نہیں صاحب! پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے' میری عرض سن لیں بڑی مہربانی۔"
"پلیز حمیدی صاحب! بس دو منٹ۔"
سالار نے معذرت خواہانہ انداز میں ان کی طرف دیکھا' سامنے کھڑا یہ پریشان حال شخص شاید' کسی مالی پریشانی میں گرفتار تھا اور کھڑے کھڑے' اس کی اتنی مدد تو کی جا سکتی تھی۔
"ہاں' بتاؤ کچھ چاہیے۔" اس کا ہاتھ بے ساختہ اپنی جیب کی طرف گیا' لیکن' اس مصیبت زدہ کی کہانی الگ تھی اور تفصیل طلب بھی۔
"صاحب! مجھے روزی کے بارے میں پتہ کردیں کوئی بھی اسے نہیں ڈھونڈ رہا' اتنے مہینے ہو گئے ہیں کچھ پتہ نہیں چلتا۔ میں ہاتھ جوڑتا۔"
فوری طور پر تو سالار کے ہاتھ میں اس کہانی کا سرا بھی نہیں آسکا۔
"کون روزی۔ او وہ چھوٹی سی لڑکی۔" اسے یاد آیا کہ' اب جب کہ اسے یہاں نہیں دیکھا تھا' مگر کون سی حیرت کی بات تھی۔
گارڈ' گھر کا پرانا خانساماں' ہوا عظمت۔' اتنے عرصے میں بہت سارے لوگ یہاں سے جا چکے تھے۔
"شاید اس کے پوچھنے پر بیگم زرتاج نے کچھ بتایا بھی تھا۔" سالار نے ذہن پر زور ڈالنا چاہا' مگر۔
"ایک مہینے کی چھٹی پر گیا تھا صاحب! واپس آیا تو وہ یہاں نہیں تھی' کسی کو نہیں پتہ' کہاں گئی وہ' میں ماں کو

ندرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ نادر فیروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سلسلے سے چل رہے ہیں۔ ہما عظمت، ندرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی محبت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی ماں کی شہ پر ہر جائز و ناجائز طریقے سے اپنی خواہشات منوا رہی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے کف افسوس ملنے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس حملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا، خاندان میں سوائے جویا اور زویا کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے گھر یاسمین کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آنٹی دل ہی دل میں کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اٹھک بیٹھک کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ نگینہ زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ ملن ذات اور بتول سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گھڑی کی چوری اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بالو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے۔ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لاکھوں کے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

ندرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بڑا بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا تعلق ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جیسے فراڈ شخص کو راجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ ندرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ ہما عظمت اسے کڑی نظر میں رکھتی ہے جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ ندرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو بھانپ کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے ندرتاج بیگم ہنسی میں اڑا دیتی ہیں۔

زیورات کی چوری کے بعد ستیا اگلے پچھلے دن گھر در ج بیٹھنا ساتھ ہی ایک تم ... روپے پیسے کا خاتمہ ہونے لگتا ہے۔ بالو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بالو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یادیں اسے بے چین رکھتی ہیں۔ خاص طور پر گڑیا کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈوری سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔ سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

جویا کا رشتہ آنا فانا طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی کوششیں شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ اور جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے تو وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ، جویا کو آگاہ کرتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ آپا گل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔

صندل کو بال صاحب کی نظم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے چلنے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے۔ تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

خیام کو ڈھونڈنے کی سالار اپنی سی کوشش کرتا ہے۔

خیام، بالو شوکت کے خاندان بالخصوص رانی کی حرکتوں سے تنگ آ کر فرار کی راہیں تلاش کرنے لگتا ہے۔ پھر سالار کی آمد اسے مزید بدحواس کر دیتی ہے۔ بالآخر وہ بالو شوکت کا ٹھکانہ چھوڑ دیتا ہے۔

صندل کی اچانک گمشدگی ندرتاج کو دونوں پریشان رکھتی ہے۔ اور عظمت ہما اس صدمے سے سنبھل نہیں پاتیں اور چپ چاپ نوکری چھوڑ جاتی ہیں۔ ایک ڈرائیور کی یہ جسارت بیگم ندرتاج کو مشتعل کر دیتی ہے۔ اس واقعہ میں نبیل کا ہی ہاتھ ہے۔ لیکن کسی کے ہاتھ کوئی ثبوت نہیں پاتا۔ راجو ڈرائیور، صندل کی گمشدگی سے نیم دیوانہ ہو جاتا ہے۔ وہ ہر وقت اس کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ نبیل اسے جھوٹی تسلیوں سے بہلاتا ہے۔ نبیل اور بیگم ندرتاج کا اطمینان اس وقت غارت ہو جاتا ہے جب کوٹھی پر سالار کی آمد ہوتی ہے جو بیگم ندرتاج کا سوتیلا بیٹا ہے۔ ندرتاج بیگم کی تنبیہ اور دبے بھی اسے معاملے کی سنگینی کا احساس دلاتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۳۱

اکتیسویں قسط

خاندان بھر میں شادی کے کارڈ بانٹے جا چکے تھے! تقریباً" سارے ہی رشتے دار کراچی میں تھے' سو کسی نہ کسی سے' بار بار اطلاع مل رہی تھی کہ کارڈ پہنچ چکا ہے۔

یہاں کیا ردعمل ہو سکتا تھا۔

ربیعہ یہی سوچ کر شکر کرتی تھی کہ کم از کم' معاذ کے سامنے کوئی ذکر نہیں آرہا۔

لیکن اس روز تو حد ہی ہو گئی۔

کسی کو بھی یہاں اس ڈھٹائی کی توقع نہیں تھی!

بذریعہ ڈاک آیا وہ بند لفافہ' سیدھا معاذ کے ہی ہاتھ میں آیا تھا۔

بھیجنے والے کا نام پہ پڑھ کر' وہ فوری طور پر اس کی نوعیت سمجھ تو چکا تھا' تصدیق لفافہ کھلنے کے بعد ہو گئی۔

"جناب اسلام بھائی و بھابی اماں مع اہل و عیال۔"

اس نے ایک نظر ان اپنائیت بھرے القاب پر ڈالی اور تلخی سے مسکراتے ہوئے' وہ جھلاتا ہوا کارڈ سب کے بیچ رکھی میز پر لا کر ڈال دیا۔

آج اتفاق سے سب ہی بیک وقت یہاں تھے اور کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ لاتعلقی کے صاف اعلان کے بعد بھی اظہار چچا کے خاندان کی طرف سے اتنی گری ہوئی حرکت ہو گی۔

"واہ بھئی' کسی دوسرے شہر سے شادی کا بلاوا آیا ہے' دکھاؤ تو ذرا۔"

ابا نے خوش دلی سے کہتے ہوئے شائستہ بیگم کو اشارہ کیا وہ قریب ہی تھیں' بلکہ سے تجسس کے ساتھ ابا کو دیتے ہوئے انہوں نے خود بھی دیکھ ڈالا۔

"اظہار بھائی کے ہاں سے آیا ہے۔" انہوں نے دھیمے سے کہا۔

چند لمحوں کے لیے تو اس پر رونق کمرے میں ایک دم ہی سناٹا چھا گیا۔

معاذ کی طرف تو کیا' ایک دوسرے سے بھی نگاہ ملانا مشکل ہوا تھا۔

"اچھا بڑی بات ہے' جو انہوں نے ہمیں یاد رکھا۔" ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سب سے پہلے ابا نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی تھی۔

"اس نے یاد نہیں رکھا' ہمیں یاد دلانا چاہا ہے' وہ جو ہم بھول ہی نہیں سکتے۔" دادی کی تو آواز بات شروع کرتے ہی بھرانے لگی تھی۔

ربیعہ نے جلدی سے پانی کا گلاس انہیں تھمایا۔

"ایسی گھٹیا حرکت' مجھے تو ساری زندگی احساس نہیں ہوا کہ اظہار اور اس کی بیوی اتنے کینہ پرور لوگ ہیں۔"

"وہ سدا کے ایسے ہی ہیں' آپ کی سادہ لوحی ہے اماں! جو ان کو سر آنکھوں پر بٹھاتی رہیں۔"
شائستہ بیگم کے لہجے میں اظہار چچا کے خاندان سے نفرت کے ساتھ دادی سے دبا دبا سا گلہ بھی تھا۔ "اور وہ یہاں کبھی بھی ہم لوگوں کی محبت میں نہیں آئے' بلکہ ہمیشہ ہمیں حقارت سے دیکھنے اور اپنی دولت کی نمائش کرنے کے لیے آتے تھے' مگر کوئی سمجھتا ہی نہیں تھا۔"
دادی چپ سی ہو گئیں۔
ربیعہ کو بالکل اچھا نہیں لگا کہ دادی کو اس طرح کچھ بھی جتایا جائے' چاہے وہ سو فیصد حقیقت ہی ہو' اس کی نگاہ خود بخود ہی معاذ کی طرف اٹھی' جو حیرت انگیز طور پر ابھی بھی یہیں موجود تھا۔
اس کے لب سختی سے جڑے ہوئے تھے اور چہرے پر ایسا پتھریلا سا تاثر کہ جو آخری متاع کے بھی ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ہی ممکن ہو سکتا تھا۔

"ان کا عمل ان کے ساتھ' ہر شخص اپنے ظرف کے مطابق ہی بات اور عمل کرتا ہے' خدا کا شکر ہے کہ ہمیں اپنے حالات اور اپنی سوچ پر کوئی شرمندگی نہیں تھی اور نہ آج ہے' تم بھی دل میں شکایتیں نہ رکھا کرو شائستہ یہی بہتر ہو گا۔"

اسلام صاحب کا نرم اور اثر انگیز انداز ہمیشہ کارگر ثابت ہوتا تھا۔ مگر آج صورت حال ایکدم ہی بہت حساس ہی ہو گئی تھی۔

"مجھے فون ملا کر دو ربیعہ! میں بات کرتی ہوں اظہار سے' میری ضعیفی کا بھی احساس نہیں ہوا اسے ہمارا مذاق اڑاتے ہوئے۔"

احساس توہین نے دادی کی آواز میں لرزش سی پیدا کی۔ ربیعہ اٹھنے ہی لگی تھی کہ معاذ نے وہیں کھڑے کھڑے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اور رہا یہ کارڈ!" وہ چلتا ہوا قریب آیا اور اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اس کارڈ کے چار ٹکڑے کرتے ہوئے بولا۔

"قصہ ختم۔" اس نے واپس میز پر رکھتے ہوئے' دونوں ہاتھ جھاڑے "جتنا لوگوں کو اہمیت دیں گی' اتنا ہی ان کی خوشی کو بڑھاوا ملے گا' جو کچھ ہونا تھا ہو گیا' اب اس موضوع کو ختم کر دیں پلیز' میری خاطر اور ویسے بھی اب رہ ہی کیا گیا ہے۔"

ربیعہ نے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس کیا تھا۔
اپنی بات کہہ کر وہ فوراً ہی باہر جا چکا تھا۔
"دیکھ لیا آپ لوگوں نے معاذ تو ان کا نام بھی نہیں سننا چاہتا' جو بھی ہوا اچھا ہی ہوا ویسے' ہماری تو جان چھٹی' آپ لوگ بھی بس اب جانے ہی دیں انہیں۔"
شائستہ بیگم بڑی مطمئن تھیں۔
رشتوں کے اس الٹ پھیر میں ایک وہی تھیں جو خوش کہی جا سکتی تھیں۔
"اور کاش! اپنی خوشی میں انہوں نے صرف ایک بار معاذ کو بھی غور سے دیکھ لیا ہوتا۔"
سب سے نظر چرا کر ربیعہ نے سوچا اور چپکے سے باہر نکل آئی۔
اس بار اسے ڈھونڈنے کی زحمت بھی نہیں اٹھانی پڑی' وہ اپنے کمرے میں ہی مل گیا۔
پچھلی طرف کھلنے والی کھڑکی میں کھڑا ہوا' دروازے کی طرف اس کی پشت تھی' سو وہ ربیعہ کو آتے ہوئے بھی

نہیں دیکھ سکا تھا۔
"معاذ!" بے آواز قدموں سے وہ اس کے پیچھے جا کر کھڑی ہوئی تو وہ جیسے ساکت سا ہوا۔
"معاذ!" ربیعہ کو اسے دوبارہ پکارنا پڑا۔
"کیوں آئی ہو!" بنا مڑے اس نے پوچھا۔
"واقعی وہ کیوں آئی ہے؟" بہت حیران سا ہو کر ربیعہ نے سوچا۔
معاذ کی تسلی کے لیے کون سا نسخہ شفا اس کی پڑیا میں بندھا تھا بھلا؟
"میں بس۔۔۔ چائے پیو گے؟"
"نہیں!" بے تکے پن سے پوچھے گئے سوال کے جواب میں اس نے صرف اتنا ہی کہا' ربیعہ کچھ اور قریب آئی۔

کھلی کھڑکی کے باہر پھیلے احاطے میں لگا چمپا کے چوڑے پتوں اور گول ٹہنیوں والا جھنڈ نظر آ رہا تھا اور زردی مائل سفید پھولوں کی مست کرتی خوشبو اڑی چلی آ رہی تھی۔
"وہاں سے اٹھ کر کیوں آ گئے؟"
"بہتر یہی تھا۔"
"بہتر تو وہ تھا کہ جو ہو رہا ہے' نہ ہوتا' کسی بھی قیمت پر۔" ربیعہ کو ایک دم ہی بہت زور کا غصہ آنے لگا۔ "کتنا کہا میں نے کہ کچھ تو کوشش کر لو' کیا پتہ بات بن ہی جاتی' مگر تم دونوں کے بیچ تو کچھ تھا ہی نہیں' کوئی فرق ہی نہیں پڑتا تھا' کچھ بھی ہو۔"
"ہاں' کچھ بھی نہیں تھا' مگر تمہیں۔۔۔" وہ جھنجلا کر پلٹا۔
"اور تم کیوں آئی ہو میرے پیچھے' کوئی اور بات رہ گئی ہے جتانے کے لیے؟"
ربیعہ نے دیکھا' اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھوں میں نمی کی ہلکی سی تہہ اتر رہی تھی۔
اسے اپنے الفاظ اور لہجے دونوں ہی پر شرمندگی ہوئی۔
"کیوں اتنی تکلیف اٹھا رہے ہو' پھر میں نے کہا بھی تھا کہ ہم کسی طرح بھی اظہار چچا کو راضی کر سکتے ہیں' وہ لالچی ہیں' خود غرض ہیں' جیسے بھی ہیں لیکن ایک بار جویا ہمارے گھر آ جاتی' ہمیں اس کے گھر والوں سے کیا فرق پڑ سکتا تھا' مگر تم نے۔۔۔"
"میں نے نہیں' خود اس نے' ربیعہ!"
کھڑکی کی چوکھٹ سے پشت لگاتے ہوئے اس نے ہلکے سے کہا۔ "میں نے بتایا تو تھا' تم کیوں بار بار بھول رہی ہو' شادی کا فیصلہ جویا کا اپنا ہے' اس نے خود کہا ہے مجھ سے' اس نے اپنے لیے آسان راہ چنی ہے ربیعہ! پیسے کی اٹریکشن بڑی طاقت ور ہے' ہمیں اس لیے اندازہ نہیں ہے کیوں کہ ہمارے پاس اتنے پیسے ہیں ہی نہیں۔" اپنی بات کے اختتام پر اس نے شاید مسکرانے کی بھی کوشش کی تھی' مگر ناکام رہا۔
"بعض اوقات' ہماری سمجھ کا بھی تو پھیر ہوتا ہے معاذ! ہو سکتا ہے کہ جویا نے کسی۔۔۔"
"مت نام لو اس کا پلیز!" ایک جھٹکے سے اس نے ربیعہ کے آگے ہاتھ جوڑے۔ "نفرت ہو چکی ہے مجھے اس سے اور تم بھی ان مفروضوں سے باہر آ جاؤ' ایسا کچھ بھی نہیں' اگر کوئی مجبوری ہوتی تو وہ کم از کم میری تسلی کے لیے ہی سہی' کہتی تو' لیکن وہ تو آتنی بے زار سے کہ۔۔۔"
"وہ اس کا ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر آگے بڑھ جانا' شاید زندگی بھر کے لیے ایک سبق ہے۔" بات ادھوری چھوڑ کر معاذ نے کچھ یاد کیا۔

ربیعہ منتظر تھی کہ شاید وہ بات پوری کرے۔ لیکن۔۔۔

"نفرت ہو چکی ہے مجھے اس سے' یہ جو تھوڑی سی تکلیف نظر آ رہی ہے نا تمہیں' کچھ دنوں میں ختم ہو جائے گی' لیکن یہ نفرت جو اب اس کے نام کے ساتھ جڑی ہے۔ کبھی جانے والی نہیں' شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں ہے مجھے اس کی' سمجھیں تم۔"

ربیعہ نے ششدر سا ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

"اتنا زہر!" وہ کس درجہ تکلیف سے گزرا تھا۔

"اور میں کوئی مجنوں نہیں ہوں' جو صحرا میں نکل جاؤں' دیکھنا' بہت اچھی زندگی گزاروں گا ان شاء اللہ۔ تم صرف اس ذکر کو بند کرو اب ہمیشہ کے لیے' احسان ہو گا مجھ پر۔"

بے زاری سے کہتا ہوا' وہ باہر نکل چکا تھا۔

ربیعہ نے چند لمحوں بعد' اس کی بائیک اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تھی۔

"سو آج یہ باب واقعی بند ہوا۔"

مگر یہ بھی اس کی غلط فہمی تھی' بند کیا' یہ صفحہ تو کہانی میں سے پہلے ہی پھاڑا جا چکا تھا۔

آج کی نئی بات تو یہ تھی کہ اس نے ایک مکمل اجنبی معاذ سے ملاقات کی۔

☼ ☼ ☼

زرتاج کی الجھن بھری نگاہ اس پر جمی تھی۔

"یقین نہیں آتا کہ تم یہاں آئی ہو!"

زوبیہ نے کندھوں کو لاپروائی سے ہلکی سی جنبش دی۔

"ادھر سے گزر رہی تھی' سوچا بہت دن ہو گئے ملتی چلوں آپ سے۔"

"چلو اچھا کیا' اکیلی آئی ہو؟"

وہ جو بہت دھیان سے' اس وسیع لاؤنج کی شان و شوکت نوٹ کر رہی تھی' اس سوال پر پلٹ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"میرا مطلب ہے کہ وہ تمہارا شوہر' کیا نام ہے اس کا۔۔۔"

زرتاج کو واقعی فوری طور پر یاد نہیں آیا تھا۔

"سلمان!" زوبیہ ہلکے سے بولی' اسے تھوڑا سا افسوس بھی ہوا تھا۔

"ہاں سلمان' کیسا ہے وہ؟"

اس کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے' جو وہ پوچھ رہی تھی' زوبیہ کے لیے اس کا جواب دینا' قطعی غیر ضروری ٹھہرا۔

"آپ کا گھر' پہلے سے زیادہ شان دار ہو گیا ہے۔"

گیٹ سے یہاں تک آتے آتے' وہ خاصی متاثر ہو چکی تھی' پیسے کی بے حساب نمائش!

یہاں ایک ایک قدم پر زرتاج بیگم کا کروفر چھلکتا تھا اور ہر تعریف کو وہ اپنا حق سمجھ کر وصول کرتی تھیں۔

"یہ سب میری اپنی توجہ کی وجہ سے ہے' اپنے ارد گرد کا ماحول' لوگ' سب میرے لیے بے حد اہم ہیں' اگر یہ سب میری مرضی کے مطابق نہ ہوں تو شاید میں رہ ہی نہ سکوں' ایسے ماحول میں' میرے لیے سب کچھ خاص ہونا بے حد ضروری ہے۔"

زوبیہ نے اس تفاخرانہ بیان پر بے ساختہ ہی پہلو بدلا۔

"اور ایک وہ ہے' جو اس ناکارہ سلمان کی محبت میں مبتلا ہو کر اس چھوٹے معمولی خاندان کی فرد بن گئی' وہ بھی خوشی خوشی!"

اس نے دل ہی دل میں خود پر رحم کھایا۔

"خیر کیا لو گی' ٹھنڈا یا گرم۔۔۔؟"

"کچھ بھی نہیں' آپ شاید کہیں جا رہی تھیں؟"

زرتاج کی غیر معمولی تیاری دیکھ کر اسے پوچھنا پڑا تو وہ ہنس پڑی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں زوبی! میں کوئی عام سی گھریلو عورت نہیں ہوں جو صرف گھر سے باہر نکلتے ہوئے ہی ڈریس اپ ہوتی ہے' میرا اسٹیٹس کچھ اور تقاضے کرتا ہے' روزانہ کئی اپائنٹمنٹ ہوتے ہیں میرے۔"

"سوری' مجھے ایسا لگا جیسے۔۔۔" وہ جھینپ سی گئی۔

"تمہارا قصور نہیں ہے' اصل میں اب جس مڈل کلاس ماحول میں تم رہ رہی ہو' وہ اب تمہاری سوچ پر غالب رہا ہے۔ میں نے کہا نا کہ گریس فل پرسنالٹی کا پرفیکٹ ہونا بے حد ضروری ہے۔"

"میں اپنی سسرال میں نہیں رہتی ہوں زرتاج آنٹی! میرا ان سے کوئی خاص تعلق نہیں۔"

اسے اپنی صفائی میں کہنا پڑا' لیکن زرتاج نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔

"تعلق' تعلق ہے' خاص یا عام سے کوئی فرق نہیں پڑتا' میں نے دیکھا ہے' ایک آدھ بار تمہارے شوہر کو' یوں ہی بے وقوف سا لڑکا ہے۔ برا مت ماننا اور سے سنا ہے کہ اکلوتا بھی ہے' مڈل کلاس گھروں میں لڑکوں کے بارے میں حق ملکیت ویسے بھی زیادہ ہوتا ہے' اکلوتا تو اور بھی زیادہ جھنجھٹوں میں پھنسا ہوتا ہے' میں نے منع کیا تھا یوسف بھائی کو کہ وہ تمہیں یہاں شادی کرنے سے روکیں۔" ان کا اپنا تجزیہ مکمل تھا۔

زوبیہ کو تو ایک بات سے بھی اختلاف نہیں تھا۔

پچھلے چند دنوں سے محض اپنی غلطیوں کا ہی احساس بڑھ رہا تھا۔ سالار سے ملنے کے بعد' اس میں اور ہی شدت آئی تھی اور اس وقت یہاں کی شان و شوکت دیکھ کر اور بھی۔۔۔

"پتا نہیں مجھے کیا ہوا تھا' اب تو خود سمجھ میں بھی نہیں آتا کہ۔۔۔!"

اسے اچانک ہی زرتاج آنٹی کے مشورے کی ضرورت پیش آنے لگی۔

اور ضرورت کے وقت تو گدھے کو بھی باپ بنانے کی بات کی جاتی ہے۔ یہی سوچ کر وہ ان کی فراست پر بھروسا کرنے چلی۔

"سلمان میں کوئی گٹس نہیں ہیں زرتاج آنٹی! پاپا نے اسے بزنس میں لگایا' لیکن اسے کوئی سمجھ ہی نہیں ہے' کئی بار نقصان اٹھانا پڑا ہے انہیں سلمان کی وجہ سے' اب تو ایک طرح سے وہ اسے گھر بٹھا کر تنخواہ دے رہے ہیں۔"

"بے چارہ میرا بھائی' چچ۔۔۔ چچ۔"

دل ہی دل میں کمینی سی خوشی پھوٹی تھی' لیکن منافقت کا کھیل جاری رکھنا ضروری تھا۔ "اکلوتا داماد اور وہ بھی اتنا ناکارہ' کون سنبھالے گا یوسف بھائی کے اتنے بڑے بزنس کو' کوئی سہارا تو نہیں چاہیے' تم خود کیوں نہیں آفس جوائن کر لیتیں۔"

پتہ بھی تھا کہ خود زوبیہ کتنی نالائق ترین ہستی ہے' لیکن اس وقت جان بوجھ کر اس کی دکھتی رگ پر ہی ہاتھ رکھا۔

"میں!" وہ بری طرح سٹ پٹائی۔ "میں کیا کر سکتی ہوں' میرے بس کا نہیں ہے یہ سب۔"

"تو پھر!" زرتاج نے پرسوچ نگاہ' زوبیہ کے چہرے پر جمائی' ملازم کولڈ ڈرنکس لے آیا تھا۔

کچھ کہنے سے پہلے' زرتاج نے اس کے جانے کا انتظار کیا۔

"آپ کچھ کہہ رہی تھیں۔"

"ہاں!" انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"میرا تو ایک ہی مشورہ ہے' اگر وہ تمہارے لیے بوجھ بن چکا ہے' تو پھر بہتر ہوگا کہ اس سے ابھی پیچھا چھڑا لو' جتنا وقت گزرے گا' تمہارے مسائل بڑھیں گے۔"

انہوں نے اپنی بات کے دوران ہی' زوبیہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلتی دیکھی۔ وہ یقیناً" یہی بات سننا چاہ رہی تھی۔

زرتاج کو یقین ہوا تھا۔

"شاید یہی بہتر ہو لیکن ہر کوئی آپ کی طرح لکی بھی تو نہیں ہو سکتا۔"

"میری لک میں میرے لک کا بہت دخل ہے' برا نہیں مانتا لیکن تمہیں خود کو کیری کرنا نہیں آیا' مانا اچھی خاصی عمر ہے تمہاری' لیکن بہرحال مجھ سے تو چھوٹی ہو' تم کون کہے گا...!"

زوبیہ نے بے اختیار ہی پہلو بدلا۔

جو کچھ زرتاج نے بتایا تھا' حقیقت تو تھا۔

"میری بیڈ لک تھی بس' جو آپ ہر پاپا پر نہیں گئی۔"

"یوسف بھائی جیسا حسین شخص کم ہی کسی نے دیکھا ہوگا' وہ در حقیقت لاکھوں میں ایک تھے۔"

"پاپا آج بھی شاندار دکھتے ہیں اور مجھے یہ کہنے میں کوئی جھجک نہیں کہ ممی کا ان سے کوئی جوڑ نہیں تھا شاید وہ اسی لیے ان کے دل میں جگہ بھی نہیں بنا سکیں کبھی۔"

وہ اب بہت اطمینان سے بیٹھی تھی' اور اسے لگ رہا تھا کہ اپنی اس بے حد ناقابل بھروسہ آنٹی سے اس کی کچھ تو انڈر اسٹینڈنگ قائم ہو بھی رہی ہے۔

"دل میں جگہ جب بنتی ہے' جب وہاں جگہ خالی ہو' یوسف بھائی حسن پرست شخص تھے لیکن خود ان پر مرنے والیوں کی کمی نہیں تھی کسی کی' میں نے وہ زمانہ بہت قریب سے دیکھا تھا۔"

زرتاج کے لہجے میں بھائی کے لیے بھی ہلکا سا فخر جھلکنے لگا تھا۔

"ممی کہتی ہیں ان کی دوسری شادی میں آپ نے بہت سپورٹ کیا تھا انہیں' کوئی بے حد حسین عورت تھی وہ جسے۔"

"ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔" زرتاج کے ماتھے پر شکن ابھری۔

"اور تمہاری ماں ساری زندگی ان ہی مفروضوں کی بنا پر میری مخالفت کرتی آئی ہے اس نے نہ صرف اپنی اولاد کے بلکہ میرے بھائی کے دل میں بھی میری طرف سے زہر بھر دیا ہے' میں بتا نہیں سکتی یوسف بھائی کس بری طرح نبیل سے پیش آتے ہیں ہر ملاقات پر۔"

انہیں تازہ ہوئی بے عزتی' بروقت یاد آئی۔

"میں ان کی طرف سے معذرت کرتی ہوں آپ سے اور نبیل صاحب سے بھی۔"

یہ طے تھا کہ وہ اب انہیں ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی کم از کم کچھ عرصے تو ضرور ہی۔

"کہاں ہیں وہ' نظر نہیں آ رہے۔"

اس کی نگاہ یہاں سے وہاں تک دوڑی۔

"نبیل لاہور گیا ہے' کچھ دنوں کے لیے۔"

"اور وہ۔۔۔ سالار۔۔۔ وہ بھی تو آیا ہے۔"

جو سوال اسے آتے ہی پوچھنا تھا' سوچے سمجھے طریقے سے بالکل آخر میں آیا۔

"وہ بھی کہیں باہر گیا ہوا ہے' یوسف بھائی اس بار بہت مہربان ہیں اس پر' دعوت وغیرہ بھی کی ہے حالانکہ وہ لڑکا میرے لیے سب سے بڑا عذاب ہے۔" زرتاج کا گلہ باقی تھا۔ لیکن اس بار زوبیہ نے تسلی بھی نہ دی۔

"بہت دیر ہو گئی ہے آنٹی! پھر کسی دن آؤں گی جلد ہی۔" وہ ایک دم ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

سالار گھر پر نہیں تھا۔

سو مزید یہاں رکے رہنے میں اس کی ساری دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔

گھر سے بار بار سلمان کا فون آ رہا تھا۔

معلوم نہیں وہاں کیا ایمرجنسی لاحق تھی' جو اس کا بار بار آنے پر اصرار جاری تھا۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں پتا ہے زوبیہ! حویا کی شادی کا سارا انتظام ہو گیا ہے۔ اب ہمیں کچھ نہیں کرنا پڑے گا اس کے لیے۔"

وہ ٹھیک سے بیٹھ بھی نہیں پائی تھی کہ سلمان کی طرف سے خوش خبری موصول ہوئی۔

"تم ہوش میں تو ہو سلمان! کیا یہ بات بتانے کے لیے تم مجھے اتنے بے تاب تھے۔" زوبیہ بری طرح جھنجلائی تھی۔

"وہ میں نے سوچا' اتنے دن سے میں تمہیں پریشان کر رہا ہوں حویا کی وجہ سے' تو اچھا ہے کہ تمہاری ٹینشن...!"

وہ بڑے خوشامدانہ انداز میں اپنی صفائی دینا شروع ہوا۔

"مجھے کوئی ٹینشن نہیں اور نہ ہی میں حویا کو کچھ اور دینے والی تھی' تمہارا خاندان میرا مسئلہ نہیں ہے' میں کہہ چکی ہوں۔" بہت رکھائی سے کہتے ہوئے اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے جوتا اتار کر سلمان کی طرف اچھالا۔

"[illegible] اور کسی کو کہو میرے لیے جوس لے کر آئے۔"

"میں خود لاتا ہوں نعلین!" جوتے رکھتے ہوئے وہ تابعداری سے مڑا تھا' لیکن زوبیہ کا پارا اوپر ہی جا رہا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں مستیاناس کر دو گے ایک گلاس جوس کا بھی' تمہیں کوئی کام آج تک ڈھنگ سے کرنا آیا ہے' تم سے اچھے تو یہ گھر کے ملازم۔"

کرخت لہجے میں ڈوبے الفاظ' بھی اب پرانے ہو چکے تھے اور سلمان تو بہت پہلے ضمیر کا سودا کر چکا تھا۔ سو کیا فرق پڑتا تھا۔

تایا کل کے چہرے پر فخریہ تمتماہٹ تھی اور گھر میں جشن کا سماں۔

"اللہ بڑا کارساز ہے' دیکھو کیسے غیب سے مدد کی' سارے کام ایسے ہوتے جا رہے ہیں۔"

شاکرہ بیگم نے اب کچھ دن سے خود میں وہی توانائی محسوس کی تھی' جو اچھے دنوں کا حصہ تھی۔

"سچ ہے اللہ اپنے نیک بندوں کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑتا' پہلے بھی اس نے ہماری عزت رکھی اور اب بھی شان بڑھائی۔ سب میرے مالک کی مہربانی ہے۔"

اظہار صاحب ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر لوٹے تھے۔

سفید کلف لگا شلوار قمیص' سفید کروشیے کی ٹوپی' اچھے خاصے پرنور۔

آج کل مسجد میں حاضری بڑھا دی تھی' اٹھتے بیٹھتے اللہ کو یاد کرنے لگے تھے۔

تایا کل نے تعریفی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"آپ جیسا باپ ہونا مشکل ہے ابو! اولاد آپ کا احسان مر کر بھی نہیں اتار سکتی۔ سب کا حق پورا پورا ادا کیا'

اعجاز کے گھر والوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ "مگر وہ سیٹ دیکھ کر، ورنہ معلوم نہیں کیا سمجھ رہے تھے کہ ہم کوئی معمولی سا جہیز دیں گے جویا کو، اب پتہ چلا نا!"

کل رات ہی وہ جویا کے کمرے کا ہر کام مکمل کر کے فارغ ہوئی تھیں۔

کارپٹ، پردے، اے سی، بیڈ روم فرنیچر، ٹی وی، ہفتہ بھر پہلے بخیر و خوبی یہ کام انجام پایا تھا۔

"بس خدا دشمنوں کی نظر بد سے بچائے، حاسدوں کو دکھانا تو کیا، بتانا بھی نہیں چاہیے۔" شاکرہ چچی کو ہلکی سی فکرمندی نے گھیرا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں، سلمان کو منع کر دیجیے گا، زوبیہ کو کچھ نہ بتائے، اسے تو بڑی آگ لگے گی، پتہ نہیں کیا سمجھ رہی تھی، جیسے اس کی مدد کے بغیر جویا خالی ہاتھ ہی رخصت ہو جائے گی۔" آپا گل کو بے ساختہ زوبیہ ہی کا خیال آیا مگر یہاں حاسدوں کی فہرست میں سب سے اوپر لکھے نام دوسرے تھے۔

"اصل تو آپ کی تائی کا خاندان ہے، جلنے والوں میں، مجھے تو یہی بات ہے سب سے زیادہ خوف ان ہی کا تھا، بڑے ہاتھ مل رہے ہوں گے، بس اللہ نے ہی جویا کو بچایا، زندگی برباد ہو جاتی اس کی۔"

"خیر اب ایسا بھی اندھیر انہیں، ایسے کیسے ہو جاتی جویا کی وہاں شادی، ہماری مرضی کے بغیر، ہاں حسد جلن تو انہیں بہت ہو رہی ہو گی، یہ پکی بات ہے۔"

صوفے پر اور پھیل کر بیٹھتے ہوئے اظہار صاحب کا کروفر اب پہلے سے بھی بڑھا ہوا تھا۔

ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر وہ سرخرو ٹھہرے تھے، قسمت بھرے مہمان۔

پہلے کب انہیں پیسے کی کمی رہی تھی، ساری زندگی، یہ تو معلوم نہیں کس کی نظر لگی تھی۔

آپا گل کا پیر کرامت شاہ پر اعتقاد بہت زیادہ بڑھا تھا۔

"سب ان ہی کی نظر کرم کا اثر ہے۔"

"کارڈ تو بھیجا ہے، لیکن مجھے نہیں لگتا کہ وہاں سے کوئی آئے گا، ان کا ظرف نہیں ہے کہ آ کر ہماری خوشی میں شریک ہوں۔ تمہیں کیا لگتا ہے؟"

پیسوں کی آمد کے ساتھ ہی اظہار صاحب اور شاکرہ بیگم دونوں کے تعلقات پہلے کی طرح بحال ہو رہے تھے، سو اب وہی پرانے تبادلہ خیالات۔

"میں تو خیر کارڈ کی مخالف تھی، کہیں واقعی نہ آ جائیں، ایک نمبر کا ڈھیٹ اور بے غیرت خاندان ہے آپ کے تایا کا، سلمان کی شادی میں کیسے شریک ہو گئے تھے، بعد میں دعوت بھی کر لی تھی، ورنہ میری بیٹی کی کوئی منگنی ختم کرتا تو میں اس کی شکل بھی نہ دیکھتی، مگر وہ تو ربیعہ کو بھی لے کر آئے تھے۔"

"آ جائیں تو زیادہ منہ لگانے کی ضرورت نہیں، بلکہ زیادہ کیا سرے سے کوئی بات ہی نہ کرنا کوئی بھی، کارڈ تو بھیجنا ضروری تھا، بڑے تلملائے ہوں گے۔"

"مزہ آ جاتا اگر وہ منظر ہم اپنی آنکھ سے دیکھتے، کیسے رنگ اڑا ہو گا سارے گھر کا۔"

ایک مشترکہ ہنسی کی کھنک سارے گھر میں گونجی۔

اوپر ریلنگ کے ساتھ کھڑی جویا نے ایک اکتاہٹ بھری نگاہ نیچے جمی محفل پر ڈالی اور تھوڑا پیچھے ہوئی۔ مگر نیچے معلوم نہیں کون سی لطیفوں کی پٹاری کھلی تھی۔

"جویا کی ساس مایوں کا پوچھ رہی تھیں، ملیکن میں نے تو صاف کہہ دیا کہ ہم تو مایوں، مہندی ایک ہی دن کریں گے، شادی سے دو دن پہلے، اب کون بٹھتے، دس دن کے لیے لڑکیوں کو بٹھاتا ہے، خود ہی شرمندہ ہو گئیں اپنی بات کہہ کر۔"

بہت سے متنازعہ معاملات نمٹائے جا چکے تھے، پیسے کے بل پر با آسانی۔

جویا کا مایوں کا سوٹ ابھی بل کر آیا تھا، آپا گل کو اسے چیک کرانے کا خیال آیا تو اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"وہ ایک سیٹ بھی رہا ہوا ہے، جیولر کے ہاں گل!"

"سب یاد ہے امی! بے فکر رہیں، ظاہر ہے مجھے ہی کرنا ہے سب، اس زوہا کو دیکھ لیں، ابھی تک کالج سے چھٹی نہیں لی ہے۔"

کپڑوں کا شاپر اٹھاتے ہوئے انہوں نے اپنی کارکردگی جتائی۔

"بھئی۔ ایک لاکٹ سیٹ کا حق تو اب گل کا بھی بنتا ہے، کل ہی جا کر خرید کرا لاؤ۔"

اظہار چچا کو ایک دم ہی بڑی محبت آئی تھی۔ آپا گل کا چہرہ خوشی سے کھلا۔

"تب ہی تو بس میرے ابو جیسا۔"

"اور میں کسی کو یاد نہیں، جس کا سارا زیور ختم کیا آپ نے۔"

شاکرہ چچی نے مصنوعی خفگی سے ان کی طرف دیکھا۔

"سب کچھ آپ ہی کے لیے ہے، جو دل چاہے لیں، پہلے کبھی منع کیا، جو اب جرأت کروں گا۔"

"دیکھا امی! میں نہیں کہتی تھی کہ ابو کے لیے آپ سے زیادہ اور کوئی۔"

آپا گل، اظہار صاحب، شاکرہ بیگم کی ملی جلی ہنسی کا ترنم تو آج سے گونجتا رہا۔

باآواز بلند تبصرے۔

گھر پر بڑا کرم ہوا تھا۔

بڑی بے فکری چھائی تھی۔

سب کچھ اب پہلے جیسا تھا۔

جویا نے بے تاثر سی نگاہوں سے سامنے رکھے اس بے حد خوب صورت سوٹ کو دیکھا۔

"اچھا ہے نا، پورے بائیس ہزار میں تیار ہوا ہے، تو لوگ شادی کا جوڑا بھی نہیں لے پاتے، مگر ہم نے دیکھو۔ بس اللہ کا شکر ہے۔" وہ یوں ہی پتھر کی بنی بیٹھی رہی۔

آپا گل کپڑے کی دکان کی کوالٹی، کام کی بناوٹ پر تبصرے کیے گئیں، اپنی ایکسائٹمنٹ میں انہیں جویا کے بے تاثر سے انداز نے متوجہ بھی نہیں کیا تھا۔

کپڑوں کی مزید تفصیل، جویا کو دیے جانے والے شان دار جہیز کا قصہ۔

حسب دستور وہ کم وقت میں زیادہ معلومات بہم پہنچانے پر تلی تھیں کہ کچھ اور یاد کر کے کھانا یاد آیا۔

"ایک تو تم یہاں آ کر بیٹھ جاتی ہو، اوپر نیچے چڑھ اتر کر میرا تو حشر خراب ہو جاتا ہے۔"

وہ کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہوئی تھیں کہ چونک کر جویا کی طرف دیکھنا پڑا۔

"آپا!" اس نے جیسے سرگوشی میں پکارا تھا۔

"مجھ سے کچھ کہا۔"

لیکن اس کی پکار بھی جیسے وہم ہی لگی تھی۔

"ابو کیا واقعی امی کو طلاق دے دیتے، اگر میں شادی پر راضی نہیں ہوتی؟"

"کیا!" نہیں اس کا سوال اتنا بے تکا لگا کہ بے ساختہ ہی ہنس پڑیں۔

"جو بات سب لوگ بھول بھی چکے، تم اسے لیے بیٹھی ہو، اتنا نہیں سوچا کرتے، اور اب تو بہت اچھی اچھی باتیں سوچنے کا وقت ہے، یہ کیا کہ۔"

"میں جو پوچھ رہی ہوں' آپ وہ بتائیں' کیا واقعی ابو' امی کو چھوڑنے والے تھے' میرا انکار پر' اس روز جو ہنگامہ ہوا تھا انہوں نے' یاد ہے نا!"

جویا کی آواز میں عجیب سی سرسراہٹ تھی۔

"ارے نہیں' ایسا کر سکتے تھے وہ بھلا' یوں ہی غصے میں آگئے تھے' حالات بھی تو بہت بگڑ رہے تھے نا' بس اس لیے کہہ گئے' تم فکر نہ کرو' ان جیسے محبت کرنے والے شوہر کم ہی ہوں گے دنیا میں۔" بے حد خوش دلی سے کہتی ہوئی وہ سیڑھیاں اتر گئیں۔

جویا نے اپنے خشک ہوتے ہونٹوں کو ہلکے سے دبایا' اس کے چہرے کا تاثر غیر محسوس انداز میں بدلا تھا۔

سامان تو کب کا جا چکا تھا۔

اب صرف اس کی رخصتی عمل میں آئی تھی' اور آج کل کرتے ہوئے ہفتہ' دس دن اور نکل گئے تھے' نانی کا پیمانۂ صبر لبریز ہوا۔

"آج شام جانا ہے' میں خود چھوڑ کر آؤں گی تمہیں صندل کے گھر۔"

وہ جوان سے سالار کے فون کے بارے میں پوچھنے آئی تھی' کچھ پوچھنے سے پہلے ہی ان کا حکم سننے پر مجبور ہوئی۔

"پر نانی! اتنی جلدی بھی کیا۔"

"جلدی؟ مہینے سے اوپر ہو گیا ہے صندل کو یہاں سے گئے ہوئے اور جتنا وقت گزرے گا تمہیں وہاں سیٹ ہونے میں اور بھی زیادہ دقت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ دوسرے وہ لوگ بھی تمہارے بغیر رہنے کے عادی ہو جائیں گے' دونوں ہی باتیں غلط ہیں۔"

وہ الماری میں سے کچھ نکال کر اپنے پرس میں رکھ رہی تھیں' مڑ کر اس کی طرف دیکھے بغیر ہی اپنی بات کہے گئیں۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے' صندل اور امی دونوں ہی کو مجھ سے بہت محبت ہے۔" گیتی کو نانی ستارہ کی بات سے ایک سیا دھکا تو لگا ہی۔

نانی نے پرس بند کرتے ہوئے ذرا غور سے اس کی شکل دیکھی۔

"جہاں زیادہ محبت ہوتی ہے وہاں راستے علیحدہ ہوتے ہوئے بھی دیر نہیں لگتی' میں تو پہلے ہی ڈری ہوئی ہوں۔" ان کی آواز دھیمی تھی۔

گیتی کو ان پر ایک دم ہی بہت رحم آیا۔

"وہ ایک اتفاق تھا' آپ مت سوچا کریں اس بارے میں۔"

"پہلے فیروزہ اور پھر خیام' دونوں ہی نے باری باری ایک سی کہانی دہرائی۔"

انہوں نے جیسے گیتی کی بات سنی ہی نہیں تھی۔

"فیروزہ کو میں نے اس طرح چاہا کہ کیا کوئی ماں اپنی بیٹی کو چاہے گی' لگتا تھا جیسے بس ایک وہی اولاد ہے میری' نگینہ غریب تو کسی گنتی شمار میں بھی رہی ہی نہیں' مگر سارا بوجھ اس ایک اکیلی کے سر آیا' اور بدلے میں۔۔۔"

انہیں اچانک ہی خیال آیا کہ بات کہیں سے کہیں نکلی جا رہی ہے۔

"دوپہر کے کھانے کے بعد میں اور تم چل رہے ہیں' بس اب کوئی بحث نہیں' شاما یہیں رکے گی' تاکہ دیکھ بھال کر سکے گھر کی بھی اور استاد جی کا کھانا وغیرہ بھی دیکھ لے۔"

لہجے میں وہی ٹھوک بجا لانے والی کیفیت۔

"سوچھٹی ہوئی۔" اس نے بے بسی سے سوچا اور واپس کمرے میں چلی آئی۔

اب سمیٹنے کے لیے بھی کچھ نہیں تھا' بس سالار کی لائی ہوئی ایک آدھ کتاب اس نے پڑھنے کے خیال سے رکھ لی تھی' سو وہ بھی ہینڈ بیگ میں ڈال کر فارغ ہوئی۔

تب ہی الماس نے آکر کمرے میں جھانکا۔

"اکیلی بیٹھی ہو تو ہماری طرف ہی آجاؤ' ڈانس کی نئی ویڈیوز آئی ہیں' مل کر دیکھیں گے۔ مزہ آئے گا۔"

گیتی سر جھٹکتے ہوئے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائی۔ اس کا ٹائپ اچھی طرح جاننے کے باوجود بھی' اس طرح کی باتیں معلوم نہیں دانستہ کی جاتی تھیں یا نادانستہ۔ وہ آج تک سمجھ نہیں پائی تھی۔

الماس نے اس کی اس لمحاتی خاموشی سے ہی کچھ اور شہہ حاصل کی تھی۔

"اب تو وہ ماسٹر بھی نہیں آیا کتنے دن سے۔ میری مانو کچھ اور مصروفیت ڈھونڈو' جوانی میں ایسی بدولی تو نری نحوست ہی لاتی ہے' یہ میں نہیں میری نانی کہتی ہیں۔"

اپنی بات کہہ کر وہ بے ڈھنگے پن سے ہنس پڑی۔

"تم میری فکر چھوڑو الماس! اور جو کچھ تمہاری نانی کہتی ہیں وہ تمہارے بھلے کے لیے ہے' یہاں کھڑے رہ کر کیوں وقت ضائع کر رہی ہو' تمہاری کمپنی کے لیے تو بہت لوگ ہیں' جاؤ انجوائے کرو۔"

گیتی نے اٹھ کر ایک جھٹکے سے دروازہ بند کیا۔ الماس پیچھے نہ ہٹتی تو یقیناً" اس کے چہرے پر لگتا۔

"اونہہ۔ دماغ تو دیکھو' آئی بڑی شریف زادی' کہلاتی تو نگینہ جان کی بیٹی ہی ہے۔" پاؤں پٹخ کر اس نے وہیں کھڑے ہو کر کہا اور واپس پلٹ گئی۔

یہاں سے وہاں تک پھیلے ہوئے برآمدے میں کوئی نہیں تھا۔ شاما بھی نہیں' سو کسی بھی نئے فساد کا خطرہ خود ہی مل گیا۔

نانی ستارہ نے دوپہر کے کھانے پر اس کی سوجی ہوئی آنکھیں دیکھیں تو اسے یہاں سے جانے کے کھاتے میں ڈال کر مطمئن ہو رہیں۔

شاما گرم روٹی رکھنے آئی تو اس کی بھی ناک سرخ ہو رہی تھی۔

"سب ہی ایک سی دیوانی!" نانی ستارہ نے دل میں کہا۔

"تمہیں کیا فلو ہو رہا ہے شاما!" گیتی نے ہمدردی سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہوں۔" اس نے فقط اثبات میں سر ہلایا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

"دیکھتے ہی دیکھتے کتنے لوگ دسترخوان پر سے کم ہو گئے اور کل یا پرسوں نانی اکیلی ہی ہوں گی کھانے پر۔" گیتی کے دل نے ایسی گہرے سناٹے کو بہت قریب سے چھوا' جو اطراف میں پھیلا تھا۔

خوش رنگ' خوش ذائقہ اروی گوشت' دال' چاول' پیاز' ہری مرچ اور لیموں کا سلاد۔

اس بے حد مانوس ماحول میں بیٹھ کر یہ روایتی سا کھانا کھانا' کتنی بڑی خوش نصیبی تھا۔ اسے پہلے کبھی ادراک ہی نہیں ہوا تھا۔

پتا چلا تو اب جبکہ اس کے کھو جانے میں اب چند گنتی کی گھڑیاں ہی باقی تھیں۔

گھنٹے' منٹ' سیکنڈ۔

لڑکھڑاتے' نحیف' سدا کے روگی استاد فراغت بیگ اپنے کمرے کے دروازے میں آکھڑے ہوئے۔ گیتی آرا نے جھک کر ان کے گھٹنے چھوئے تو ان کا کانپتا ہوا ہاتھ اس کے سر پر آکر ٹھہرا۔

آج ان سے کوئی دعا نہیں دی گئی' بس اپنی گدلی' بوڑھی آنکھوں کو' سفید کرتے کی آستین سے خشک کیا اور واپس اندر پلٹ گئے' گیتی کی تو ان کی طرف دیکھنے کی بھی ہمت نہیں ہوئی' سر پر چادر کو جما کر' چہرے کو چھپا کر

سیڑھیوں پر قدم رکھا۔

تب ہی نانی ستارہ کے کمرے میں رکھے ٹیلی فون کی گھنٹی ایک تواتر سے بجنا شروع ہوئی اور برآمدے سے گزرتے ہوئے آواز یہاں تک پہنچی۔

گیتی نے بے ساختہ ہی پیچھے مڑ کر دیکھا۔

"چلو بس اب یوں بار بار نہیں رکتے۔" پیچھے آتی نانی ستارہ نے اسے ٹوکا۔ "جس کسی کا ہوگا پھر کرے گا۔"

بات تھی بھی ٹھیک۔

گیتی تیزی سے اترتی چلی گئی۔

باہر شاما اور بخت' صندل کی بھیجی ہوئی گاڑی میں کچھ رکھوا رہے تھے اور اونچی اونچی بلڈنگوں کے بیچ اس گلی میں بڑی خاموش سی ٹھنڈک پھیل رہی تھی۔

ابھی ابھی آکر رکی گاڑی میں سے اترتے ہوئے نبیل نے بڑی دلچسپی سے اس فلم کے سیٹ جیسی گلی کو دلچسپی سے دیکھا۔

جھکتے ہوئے چھجوں' محرابی برآمدوں والی اوپر کی منزلیں' جہاں ہر دریچہ ایک الگ کہانی کہتا تھا۔

"ایک سے ایک نمونہ شباب ہے سر آپ کو مایوسی نہیں ہوگی' یقین کریں میری بات کا۔"

اس کے ساتھ آئے شخص نے مکروہ سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا تو اس کا چہرہ کچھ اور بھی کھلا۔

"قریب رہیں گے تو خود ہی یقین بھی آجائے گا' ویسے شان تو ہے یہاں کی' ایسی شان دار گاڑیاں رکھتی ہیں یہاں والیاں' بڑا اسٹیٹس ہے بھئی۔" قریب کھڑی ایک چمچماتی ہوئی گاڑی کو اس نے تعریفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو اس کے ساتھی نے کچھ چونک کر سامنے دیکھا۔

سامنے سے آتی عمر رسیدہ عورت کے چہرے پر بڑی تمکنت تھی اور اس کے ساتھ چادر میں لپٹا ہوا دبلا پتلا سا وجود' فی الحال کوئی بھی توجہ [illegible] نہیں تھا۔

نبیل کے قریب سے جیسے وہ لوگ کسی ہوا کے جھونکے کے مانند گزرتی چلی گئیں۔

"پہچانا نہیں؟" اس کے ساتھی نے جاتی ہوئی گاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبیل سے پوچھا۔

"نہیں۔"

"ستارہ جان! معروف کلاسیکل گانے والی اور ستار نواز' بڑا نام ہے یہاں کا سب میں۔"

"اچھا تب ہی اتنی شان سے رہتی ہیں۔" وہ خاصا متاثر ہو چکا تھا۔

"اوں ہوں۔" اس نے لاپروائی سے سر کو جھٹکا۔ "آپ کو تو واقعی کچھ نہیں پتا' ستارہ جان کے نام کا سکہ ضرور چلتا ہے' لیکن یہ ریل پیل تو صندل کی لائی ہوئی ہے' اب یہ مت کہیے گا کہ صندل کو بھی نہیں جانتے' ملک کی ٹاپ ہیروئن ہے اور ستارہ جان کی نواسی۔"

"یہاں رہتی ہے صندل' یہ' یہ والا۔" نبیل کا دل کسی اچانک ملنے والی خوشی پر زور سے دھڑکا۔

"پہلے رہتی تھی اب تو ڈیفنس میں کوٹھی لے کر دی ہے بالی صاحب نے' سب وہیں چلے گئے' ابھی یہ گاڑی بھی وہیں گئی ہے۔"

"پھر بھی کبھی کبھی تو آتی ہوگی یہاں بھی۔" نبیل کا جوش و خروش مدھم پڑا۔

"نہیں' اب تو برائے نام ہی ہے اور آتی بھی ہوگی تو کہاں پتا چلتا ہے' خیر ابھی یہاں خاندان باقی ہے ان کا' آپ کو ان ہی کا مہمان بنائیں گے۔" وہ 'وہ والا چوبارہ ہے ساتھ والا۔

اس دوسرے شخص نے نبیل کی بددلی کو بھانپ کر جیسے دلاسا دیا۔

"جیسے تمہاری مرضی' لیکن صندل کو نہ دیکھنے کا افسوس رہے گا' کاش پہلے یہاں آنا ہوتا۔"

وہ واقعی تھوڑا سا مایوس ہوا تھا۔

"دل چھوٹا نہ کریں نبیل صاحب! الماس بھی کم نہیں ہے' بلکہ ڈانسر تو وہ صندل سے کئی گنا اچھی ہے' بس قسمت نے ساتھ نہیں دیا' ورنہ وہ بھی یہاں نہیں دکھتی' اس وقت آپ کو علیحدہ سے ملاقات کا ٹائم دیا ہے' الماس کی ماں نے' بڑی بات ہے یہ بھی۔"

نبیل کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے وہ خوشامدی انداز میں ساری معلومات بہم پہنچانے کی فکر میں تھا' نبیل کے چہرے پر پھیلتی مسکراہٹ ہر قدم کے ساتھ گہری ہوئی۔

کتنی مدت بعد وہ زرتاج کی نگرانی سے آزاد ہو کر پرواز کے لیے تیار تھا۔

اس نے ایک طمانیت بھرا سانس لیا۔

پیچھے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے راجو کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔

☼ ☼ ☼

کھڑکی کے اوپر تاروں بھرا آسمان مسکرا رہا تھا۔ گہری ہوتی رات میں اتنے ستارے' جو عام طور پر نظر بھی نہیں آتے تھے۔

ایک ہی پوزیشن میں لیٹی وہ کب سے ان ہی پر نگاہ جمائے ہوئے دیکھے گئی۔

رات کا کون سا پہر تھا جب نیم اندھیرے کمرے میں زویا اس کے برابر آکر لیٹی۔

"جاگ رہی ہو؟" اس نے کچھ حیرت سے جویا کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔"

"[illegible]"

"پتا نہیں شاید [illegible] نہیں چاہ رہی ہوں۔" وہ بہت [illegible] سے بولی۔

"کیوں؟" زویا نے حیرت سے پوچھا اور پھر ایک دم ہی ہنس پڑی۔

"سمجھ گئی' یہاں سے جانے کا دکھ ہو رہا ہے' اب لگتا ہوگا' جیسے ہر پل جو یہاں گزر رہا ہے' وہ بہت قیمتی ہے' اس ایک پل میں پوری طرح جی لیا جائے' ہے نا!"

بہت یقین سے اس نے جویا کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی خاموش تھی۔

"پتا ہے مجھے بھی بہت ٹینشن ہے تمہارے جانے کی۔ میں تو بالکل تنہا ہو جاؤں گی' تمہارے بغیر بہت عادی ہوں میں تمہاری جویا! پتا نہیں اس کمرے میں مجھ سے اکیلے رہا بھی جائے گا یا نہیں۔"

زویا کو فرق نہیں پڑتا تھا کہ جویا بول رہی ہے یا نہیں' اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ وہ اسے سن رہی ہے۔

"بس اب تو میری یہ ہی دعا ہے کہ تم بہت خوش رہو اعجاز بھائی کے ساتھ' تمہیں اتنی خوشیاں ملیں کہ سنبھال نہ پاؤ' اعجاز بھائی' بہت قدر' بہت محبت کرنے والے شخص ثابت ہوں تمہارے لیے جویا! اور دیکھنا ایسا ہی ہوگا۔"

وہ اب بھی کچھ نہیں بولی تھی۔

"تم جاگ تو رہی ہو نا!"

کچھ دیر بعد زویا کو خیال آ ہی گیا۔

"ہوں۔"

"اب ایسی بھی کیا خاموشی اور اگر اعجاز بھائی بھی تمہارے ہی جیسے نکلے تو تم لوگوں کی کیسے کٹے گی' کیا بنے گا

تمہارا جویا؟"

اس بار اس نے باقاعدہ کندھا ہلایا تو جویا کو اس کی طرف دیکھنا ہی پڑا۔

"پتا نہیں۔"

"مطلب! یعنی تمہیں اس بات کی کوئی فکر نہیں کہ تمہاری اعجاز بھائی کے ساتھ بنے گی یا نہیں؟ اپنے حسن پر اتنا کانفیڈنس ہے کیا؟"

وہ بدستور شرارت کے موڈ میں تھی۔

"میرے پاس ایسی کوئی فکر نہیں اور اس کی وجہ کچھ اور ہے۔"

"اچھا! بڑے سیکریٹ رکھنے لگی ہوا بھی سے؟ لگتا ہے آپا گل نے کوئی خاص ٹپ دے دی ہے تمہیں۔"

"ہاں دی تو آپا گل نے ہی ہے، سب سے قیمتی ٹپ میری زندگی کی۔"

اس نے زویا کی طرف کروٹ بدلی۔

کھڑکی سے چھن کر آتی مدہم سی روشنی میں اس کا چہرہ صاف تو نہیں دکھائی دے رہا تھا، پھر بھی زویا کو کچھ عجیب سا احساس ضرور ہوا تھا۔

"کوئی خاص بات ہے جویا؟"

"ہاں بہت خاص! اتنی کہ اس سے زیادہ کچھ بھی خاص نہیں ہے۔"

اس کے لہجے کی پراسراریت واضح ہونے لگی۔

"ڈراؤ نہیں مجھے کیا ہے، بتاؤ نا؟"

مارے ایکسائٹمنٹ کے وہ بھی اٹھ کر بیٹھی۔

"تمہارے سسرال والوں نے کوئی اور فرمائش کردی ہے یا اعجاز بھائی کی کوئی نئی کہانی آئی ہے؟ اور؟ یہ ہی بات ہے نا، بہت ہی لالچی لوگ ہیں تمہارے سسرال کے، حد ہے یہ تو۔"

"وہ میری سسرال نہیں ہے زویا! اور یہ بات تم ابھی جا کر سب سے کہہ دو تو مہربانی ہوگی۔"

بے حد سرد انداز میں اس نے اطلاع دی اور جیسے کسی بہت اہم کام سے فارغ ہوئی۔

زویا کا منہ حیرت سے کھلا تھا۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا؟ اب اس وقت۔ ہفتہ باقی رہ گیا ہے شادی میں، یہ تو یاد ہے نا؟"

"جب یہ شادی ہونی ہی نہیں ہے تو پھر وقت تاریخ یاد رکھنے کا فائدہ۔ تم جا کر بتا رہی ہو یا پھر میں ہی جا کر کہہ آؤں امی سے۔"

اب وہ اتنے اطمینان سے بات کر رہی تھی کہ زویا کو سچ مچ اب نارمل لگنے لگی تھی۔ کیا ہوگیا ہے جویا! کتنا بڑا طوفان کھڑا ہوگا، کوئی مذاق نہیں ہے یہ سب۔"

"یہ ہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ یہ مذاق نہیں ہے، مجھے نہیں کرنی شادی، کسی بھی قیمت پر۔"

"ابو جان سے مار دیں گے تمہیں۔" زویا کی آواز میں کپکپاہٹ ابھری۔

"وہ پہلے ہی مار چکے ہیں مجھے اور ایک شخص دوبارہ قتل نہیں ہو سکتا، تم فکر مت کرو۔"

ہاتھ سے بالوں کو سمیٹتے ہوئے اس نے دوبارہ کھڑکی کی طرف کروٹ لی تھی۔

(اگلی قسط آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

اس سارے شور ہنگامے کے بیچ اطمینان سے بیٹھی اندازے لگاتی رہی۔
یہاں تک کہ اس پر طاری یہ سکون کی کیفیت ان کی نظر میں سخت مشکوک پڑنے لگی۔
"دیکھ رہی ہیں' کس طرح بیٹھی ہے' لگ رہا ہے ایک لفظ بھی سننا گوارا نہیں ہے یا شاید سن ہی نہیں رہی ہے۔"

ٹھیک اس وقت جب اظہار چچا اسے جان سے مار دینے کی دھمکی چوتھی یا پانچویں بار دے رہے تھے' آپا گل نے غم سے نڈھال ہوتی شاکرہ بیگم سے سرگوشی کی۔
"آں' ہاں!" وہ چونک کر سیدھی ہوئیں۔
ہر بڑے جھگڑے میں ان کا آخری ہتھیار "اختیاری بے ہوشی ہوتا تھا' بڑے بڑے مسئلے عموماً "حل ہو ہی جاتے تھے سو اس وقت بھی' بے ہوش ہونے کی تیاری کر رہی تھیں کہ آپا گل کے اس نئے نکتے نے پروگرام تھوڑی دیر کے لیے ملتوی کروا دیا۔
"ہاں' کہہ تو ٹھیک ہی رہی ہو' کچھ تو ہے۔" بہت غور سے انہوں نے جویا کا چہرہ دیکھا۔
"کچھ نہیں بہت کچھ' غور سے تو دیکھیں' آنکھیں کیسی بدلی بدلی سی ہو رہی ہیں جویا کی' ضرور کچھ کرا دیا ہے کسی نے' عملیات کا اثر ہے' مان لیں میری بات!"
"ہائے!" شاکرہ بیگم نے چیخ مار کر سینے پر ہاتھ رکھا' لمحے بھر کے لیے تو سب ہی کی توجہ ان کی طرف ہوئی۔
"دماغ الٹ گیا ہے میری بچی کا' ظالموں کا کچھ اور بس نہیں چلا تو کیسے اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آئے' سب سفلی علم کا چکر ہے' خود سے کچھ نہیں کہہ رہی' موکل کہلوا رہے ہیں اس سے...."
"سب بکواس!" اظہار چچا بری طرح جھنجلائے۔ "یہ تم لوگوں کی جہالت' جو نہ کرے وہ کم ہے' یہاں عزت داؤ پر لگی ہے' وہاں ایک نیا افسانہ شروع ہو رہا ہے' خبردار! جو کسی نے ایک لفظ اس بارے میں منہ سے نکالا۔"
"مگر اس کی آنکھیں تو دیکھیں کیسی اجنبی۔۔۔"
آپا گل اپنے دعوے پر اتنی پُر یقین تھیں کہ ثابت بھی کر سکتی تھیں' مگر وہ ذرا بھی لحاظ کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔
"خدا کے لیے چپ کر جاؤ تم لوگ' کچھ اندازہ ہے کہ کیا ہوتا ہے اگر ہم نے اس کی بات مان لی' منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے ساری عمر کے لیے' کیا کیا باتیں نہیں بنیں گی زمانے میں۔ نہیں بالکل نہیں۔"
اپنی بات کے اختتام پر انہوں نے قطعیت سے نفی میں سر ہلایا۔
ہمیشہ کی طرح وہ کوئی راستہ شاید نکال چکے تھے' آپا گل اور شاکرہ بیگم دونوں ہی نے امید بھری نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔
جویا کا سر جھکا ہوا تھا۔
اپنی بات کہہ دینے کے بعد' اس نے نہ کوئی صفائی دینے کی ضرورت سمجھی تھی اور نہ کسی کو قائل کرنے کی' بس ایک اطلاع تھی' جو دے دی تھی۔
"اسے اس گھر سے اعجاز کے ساتھ ہی رخصت ہونا پڑے گا' نہیں تو۔۔۔" ایک چھوٹا سا وقفہ لے کر اظہار صاحب نے جان لینے کی دھمکی دینے کا ارادہ ملتوی کیا' وہ اس پر پچھلی بار بھی کارگر ثابت نہیں ہوئی تھی۔
"یاد ہے' میں نے کیا کہا تھا جویا!" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بالکل اس کے سر پر آ کھڑے ہوئے۔
"ادھر دیکھو میری طرف!"
اس کا جھکا ہوا سر ملکے سے اٹھا اور نگاہ ان کے چہرے پر جمی۔
اور جو بے خوفی اس کی آنکھوں سے جھلک رہی تھی' وہ بڑی معنی خیز تھی۔

اندر سے اٹھتے خوف کو دبانے کے لیے ہی ان کا لہجہ اور بھی سخت ہوا۔ "تمہیں' تمہاری ماں کے ساتھ اس گھر سے نکال دوں گا میں' اس عمر میں اپنی ماں کے لیے آزمائش کھڑی کرو گی تم' سوچ لو اچھی طرح!" وہ یوں ہی ان کے چہرے کو دیکھے گئی۔
"آزمائش میں نہیں' آپ کھڑی کر رہے ہیں ان کے لیے' اس لیے سوچنا بھی آپ ہی کو چاہیے۔"
سرسری سے انداز میں کہہ کر وہ ان کے قریب سے گزرتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف جانے لگی تو وہ اور بھی زور سے چلائے۔
"میں تمہاری ماں کو طلاق دے دوں گا جویا! میں آخری بار کہہ رہا ہوں۔"
وہ ایک لمحے کے لیے رکی۔
"یہ بھی آپ کا مسئلہ ہے ابا! میں بہرحال اعجاز سے شادی نہیں کروں گی کسی بھی قیمت پر نہیں۔"
اپنی بات کہہ کر' وہ سیدھی اوپر چڑھتی چلی گئی۔
نیچے لاؤنج میں چلتے ڈرامے پہ بڑا ہی پُرہول سناٹا چھایا۔

☼ ☼ ☼

"زوبیہ' زوبی!"
اس نے بڑی بے قراری سے کمرے کا دروازہ بجایا تھا! ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑی زوبیہ نے بہت ناگواری سے دروازے کی طرف دیکھا اور پھر اطمینان سے اپنی تیاری میں مگن ہوئی۔
آنکھوں پر آئی شیڈ کی گہری تہہ ارد گرد جمع ہوتی لکیروں کو اور بھی نمایاں کرتی تھی۔
خود کو مطمئن کرنا دن بہ دن مشکل تر ہو رہا تھا اور تیاری میں لگنے والا وقت اب بڑھتا ہی جا رہا تھا۔
ایسے میں اسے صرف زرتاج آنٹی ہی یاد آتی تھیں۔
"سچی بات یہ کہ مجھے کبھی خود کو کیری کرنا آیا ہی نہیں۔" ساری جھنجلاہٹ اسے خود پہ ہوتی تھی۔
"مانا کہ میری عمر بھی خاصی ہو رہی ہے لیکن وہ تو مجھ سے بھی بڑی ہیں۔"
کئی بار کی دہرائی سالوں کی گنتی' اس نے ایک بار پھر یاد کی تھوڑی سی مورل سپورٹ حاصل کرنی چاہی' لیکن ایک کھلی حقیقت بھی ساتھ میں منہ چڑاتی تھی۔
زرتاج بہرحال خوب صورت عورت تھی۔
اور یہ حسن محض بیوٹی پارلرز سے مستعار لیا ہوا نہیں تھا' بلکہ قدرت کی دین تھا۔
بالکل ایسے ہی جیسے خود اس کے باپ یوسف کمال کو یہ نعمت حاصل ہوئی تھی۔
دونوں بھائی بہن اپنی مثال آپ۔
اور دونوں ہی پر مر مٹنے والوں کی کبھی کمی نہیں رہی تھی۔ اس نے اپنی ماں کو سدا جلتے کڑھتے ہی دیکھا تھا اور زرتاج آنٹی کو عشاق کے گھیرے میں۔
لیکن اس خاندانی حسن کا ایک حصہ بھی اگر اس کے حصے میں نہیں آیا تو یہ صرف اس کی بدقسمتی ہی تھی۔
وہ بڑی مایوسی سے اپنا چہرہ تکتی رہی۔
ہو بہو ماں کی شکل۔
گہری سانولی رنگت اور پھیلے ہوئے نقوش بھی اچھے لگ سکتے تھے اگر چہرے پر اتنی سخت کرختگی نہ ہوتی۔ وہ کبھی یہ نہ جان سکی کہ ایک مہربان مسکراہٹ اور آنکھوں سے جھلکتی نرمی کے آگے ہر حسین چہرہ ماند پڑ جاتا ہے۔
دروازے پر اس بار ہاتھ زور سے پڑا تھا اور ساتھ ہی سلمان کی پکار میں بے قراری بھی بڑھی۔ زیرِ لب بڑبڑاتے

ہوئے اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا تھا۔
"کچھ تمیز ہے تمہیں کون پیچھے لگ گیا ہے تمہارے 'جو اس طرح پاگل ہوئے جا رہے ہو۔"
اس کی شکل دیکھتے ہی وہ حلق کے بل چلائی۔
"نہیں۔۔۔۔ وہ۔"
حالانکہ اب تک وہ اس لب و لہجے کا مکمل طور پر عادی ہو چکا تھا اور اس کے لیے یہ کوئی ایسا ہتک والا معاملہ بھی نہیں رہا تھا پھر بھی اس وقت کچھ الگ سا محسوس ہوا تھا۔
"ایک خاص بات بتانی تھی تمہیں!"
"پیسے ختم ہو گئے ہوں گے تمہارے پاس!" بے نیازی سے کہتی ہوئی وہ دوبارہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی۔ "لیکن کان کھول کر سن لو سلمان! اب میں تمہیں ایک روپیہ بھی نہیں دینے والی' صبر سے بیٹھ کر پہلی کا انتظار کرو' جب پاپا اپنے ملازمین کو پے کریں گے' تمہیں بھی چیک مل جائے گا۔"
"میں نے پیسے کب مانگے ہیں۔" وہ اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔
"اچھا' بڑی بات ہے! تم کوئی اور بات بھی کر لیتے ہو کیا" وہ بڑے ہتک آمیز انداز میں مسکرائی۔
"آرام سے سن تو لو۔"
چند لمحوں میں ہی اس کا سارا جوش و خروش ٹھنڈا پڑ چکا تھا اور لہجے میں وہی مخصوص مسکینیت اتر آئی تھی جو زوبیہ کی بخشی ہوئی تھی۔
"جویا کی شادی کینسل ہو گئی ہے' ابھی آپا گل کا فون آیا تھا۔"
"اس گھٹیا عورت کا نام لیے بغیر بھی تم مجھے یہ بات بتا سکتے تھے نا!"
برش ہاتھ سے رکھ کر' وہ اس کی طرف پلٹی۔
"تمہیں جویا کی شادی کا سن کر حیرت نہیں ہوئی؟"
"مجھے اس کی شادی ہو جانے پر حیرت تھی' ختم ہونے پر نہیں۔" وہ اپنا بیگ کھول کر کچھ چیک کر رہی تھی۔
سلمان نے ایک نگاہ اس کی تیاری کو دیکھا تھا۔
"شادی ختم نہیں ہوئی' ملتوی ہوئی ہے' امی کی طبیعت خراب ہو گئی ہے اچانک!"
بہت سوچ سمجھ کر اس نے جملے ترتیب دیے تھے۔ حالانکہ آپا گل اسے رو رو کر جویا کے حتمی انکار کا قصہ بھی سنا چکی تھیں۔
اس نے پتا نہیں اتنی سی بات بھی ڈھنگ سے سنی تھی یا نہیں۔ سلمان کو شبہ سا گزرا۔
"میں جا رہی ہوں' تم گھر پر ہی رہنا اور ذرا سر پر کھڑے رہنا ملازموں کے' پتہ چلا سارا وقت ٹی وی کے سامنے ہی بیٹھ کر گزار دیا۔ ایک تو تمہاری آرام طلبی سے اتنی عاجز آ چکی ہوں کہ۔۔۔۔"
کندھے پر بیگ ڈال کر وہ جس طرح دروازے کی طرف بڑھی تھی' سلمان کا شبہ یقین میں بدلا تھا۔ زوبیہ نے یقیناً "نہیں سنا تھا۔
"امی کی طبیعت خراب ہو گئی ہے زوبی! وہ ہسپتال میں داخل ہیں۔"
وہ تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔
"مر تو نہیں گئی ہیں' جو تم اس قدر پریشان شکل بنا کر کھڑے ہو گئے ہو' کچھ نہیں ہوتا انہیں' سب ڈرامے ہیں تمہاری ماں بہن کے' ہٹو سامنے سے۔"
"ہم تھوڑی دیر کے لیے انہیں چل کر دیکھ آتے ہیں۔ پلیز زوبی! میری خاطر بس تھوڑی دیر"

زوبیہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔
"تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا سلمان! اور خبردار جو تم بھی اس وقت گئے پہلے میں آ جاؤں' پھر شام میں اگر گاڑی فارغ ہوئی تو چلے جانا۔"
"میں ٹیکسی سے چلا جاتا ہوں' وہاں ہاسٹل میں سب لوگ جمع ہیں۔"
اسے پتا تھا کہ زوبیہ کی مرضی کے بغیر وہاں بھی نہیں سکتا' اسی لیے جتنی خوشامد ممکن تھی' لہجے میں موجود تھی۔
"ٹیکسی کا کرایہ پتا ہے' یہاں سے وہاں تک کا اور تم ویسے بھی جا کر کرو گے کیا؟ ایک انجکشن تک کے تو پیسے نہیں ہیں تمہارے پاس' جاؤ گے تو شرمندگی ہی ہوگی' بیٹھو آرام سے گھر میں۔"
اس بار وہ اپنی بات کہہ کر رکی بھی نہیں' وہ پیچھے جاتا تو اب کہ لانا "وہ بری طرح ناراض ہوتی" اسے تجربہ تھا۔
زوبیہ کا موڈ بری طرح آف ہوا تھا۔
سلمان روز بہ روز ناقابلِ برداشت ہو رہا تھا' وہ وقتی کشش' جسے کبھی وہ محبت سمجھ کر دیوانی ہوئی تھی کب کی سر سے ختم چکی تھی۔
"ذرا جو آنکھیں کھول کر ارد گرد ڈھنگ سے دیکھا ہوتا تو زندگی کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔"
زرتاج بیگم کے سیاہ آہنی بڑے سارے گیٹ سے گاڑی اندر لے جاتے ہوئے اس نے اپنی پھوپھی کی ذہانت کو دل سے سراہا۔
آج وہ لاؤنج میں ہی مل گیا اور اس سے بھی اچھی بات کہ اکیلا بھی تھا۔
سلمان کی دی ہوئی ساری کوفت کا پل میں ازالہ ہوا۔
"کیسی ہو زوبیہ!" اس نے مسکراتے ہوئے اخلاقاً" ہی پوچھا تھا' لیکن وہ اس طرح خوش ہوئی' جیسے کوئی بڑی فتح حاصل ہوئی ہو۔
"شکر ہے تم ملے تو میں پہلے بھی آئی تھی۔"
"اچھا' مجھے نہیں پتہ چلا تمہارے آنے کا۔" وہ سادگی سے کہتا ہوا قدرے فاصلے پر بیٹھا۔
زوبیہ نے بطور خاص اس کی یہ احتیاط نوٹ کی۔
"کون بتاتا' یہاں ہے ہی کون تمہارا۔" ایک طے شدہ سی ہمدردی' اس سارے گھرانے کو آج کل سالار کے ساتھ ہو چکی تھی۔ "تمہارے بارے میں تو سوچ کر ہی دکھ ہوتا ہے' بہت اکیلا پن سہا ہے تم نے' بہت زیادتیاں سہی ہیں' کاش! میں تمہارے لیے کچھ کر سکتی" اب جب کہ اس کی ذات سے جڑے یہ سارے قصے اتنے پرانے ہو چکے تھے کہ کسی کی بھی ہمدردی ہونے یا نہ ہونے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔
وہ سر کو ہلکی سی جنبش دیتے ہوئے مسکرا دیا۔
"کوئی اور بات کرو زوبیہ! تمہارے شوہر نہیں آتے انہیں لاؤ نہ کبھی۔"
اس کے حلق میں کوئی کڑوی شے پھنسی تھی۔
"شوہر؟ سلمان میرے لیے مصیبت بن کر رہ گیا ہے سالار! وہ ایک لالچی اور ناکارہ شخص ہے' معلوم نہیں کس طرح اس نے مجھے شیشے میں اتارا' جو میں اس سے شادی کر بیٹھی"
وہ پہلے بھی یہ سب سن چکا تھا' سو حیرت نہیں ہوئی۔
"تم اسے سمجھانے کی کوشش کرو۔ گھر بڑی مشکل سے بنتے ہیں' تم دونوں مل کر ہی اپنے گھر کو بچا سکتے ہو' بیٹھ کر بات کیا کرو آپس میں' کچھ بہتری ضرور ہوگی۔" وہ عادتاً "پُرخلوص ہونے لگا۔
زوبیہ نے ایک گہری سانس اندر اتاری۔

"یہاں اگر خاصی محنت درکار ہوئی' تب بھی وہ کرے گی۔" اس نے خود کو یاد دلایا۔
"میں بہت کوشش کرچکی ہوں سالار! مگر کچھ فائدہ نہیں' شاید کچھ گھر ٹوٹنے کے لیے ہی۔۔۔"
اپنے کمرے سے نکلتی ہوئی زرتاج نے بہت حیرت سے زوبیہ کو دیکھا۔
"اتنی جلدی دوبارہ۔" وہ سچ مچ پریشان ہوئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

اعجاز کے گھر والے کب کے آئے بیٹھے تھے اور گھر میں ٹھیک ٹھاک ایمرجنسی کی صورت حال نافذ تھی۔
"ہماری مجبوری سمجھنے کی کوشش کریں آپ!" آپا گل نے بے چارگی سے ان کی طرف دیکھا۔
"وہی تو کر رہے ہیں' لیکن صاف بات تو یہ کہ ایسی کوئی مجبوری نظر نہیں آرہی' جو عین وقت پر شادی کے التوا کا سبب بنے۔"
اعجاز کی والدہ کے لہجے کی معنی خیزی' معاملے کی تہہ تک پہنچنے کی خواہش کا نتیجہ تھی۔
"تو اور کیا' ایسی چھوٹی موٹی بیماریوں میں' اتنے بڑے اور اہم کام تھوڑی ٹالے جاسکتے ہیں' کارڈ بٹ گئے' تاریخ سر پر آگئی' ہمارے تو رشتے دار دوسرے ملکوں تک سے آرہے ہیں' ان کا تو لاکھوں روپیہ برباد ہو رہا ہے' اگر اب شادی نہ ہو تو۔" ان کے ساتھ آئی اعجاز کی بہنیں' بھابھیاں سب ہی ایک زبان ہو کر بول رہی تھیں اور اکیلی آپا گل کے لیے ان سے مقابلہ کرنا ناممکن ہوا جا رہا تھا۔
"ہماری ماں بیمار ہیں' ہسپتال میں داخل ہیں آپ خود سوچیں اس حالت میں انہیں چھوڑ کر ہم کس طرح جویا کو رخصت کرسکتے ہیں۔ خدانہ کرے' جو ان کی حالت زیادہ بگڑی تو۔۔۔۔"
"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا' ہم نے خود پوچھا ہے ڈاکٹر سے ایسی کوئی حالت خراب نہیں ہے ان کی' اور بلڈ پریشر تو آج کل کس کا بڑھا ہوا نہیں ہے' جو تم لوگ مسئلہ بنائے دے رہے ہو۔"
وہ کسی طرح قائل ہونے کے لیے تیار نہیں تھیں۔
"لڑکیوں کی شادی تو اہم فرض سمجھ کر ادا کی جاتی ہے' بڑے بڑے حادثوں کے بعد بھی سادگی سے رخصت کر دی جاتی ہیں بیٹیاں تو' اور شاکرہ آپا تو خیر سے ابھی زندہ سلامت ہیں۔"
آپا گل نے قہر بھری نگاہوں سے کہنے والی کی طرف دیکھا۔
"ساری کی ساری مل کر' میری ماں کو نظر لگا رہی چھوڑیں گی یقیناً۔" انہیں ایک ساتھ بہت سارے وہم ستانے لگے تھے۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ ایک ایک کے ہوش ٹھکانے لگا دیں' لیکن یہ بڑا نازک وقت تھا۔ سوچ سمجھ کر' تحمل سے اس مرحلے کو طے کرنا تھا۔
"اللہ ہماری امی کو لمبی عمر دے' جویا کی شادی کے لیے ان کے بھی بہت ارمان ہیں' ہم ایسے میں کیسے شادی کرسکتے ہیں کہ وہی اس میں شریک نہ ہوں' یہ ناممکن ہے۔"
گروپ بنا کر آئی' وہ ساری خواتین ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگی تھیں۔
اعجاز کی والدہ بنفس نفیس تشریف لائی تھیں سو سب سے زیادہ بے عزتی محسوس کرنے میں بھی حق بجانب تھیں۔ "اور اگر ہمیں منظور نہ ہو تب۔۔۔۔!" انہیں خوش فہمی تھی کہ پچھلی ساری باتوں کی طرح ان کی یہ بات بھی مان لی جائے گی' سو اپنی بات کہتے ہوئے انہوں نے ایک تفاخرانہ نگاہ' رشتے دار خواتین پر ڈالی' جنہیں وہ پورا یقین دلا کر لائی تھیں کہ اپنی بات منوا کر ہی اٹھیں گی۔۔۔ لیکن۔۔۔
"تب بھی فی الحال ہمارے لیے یہ ممکن نہیں ہے!" آپا گل نے شاید ہی خود کو کبھی اتنا بے بس محسوس کیا تھا۔

بریکنگ نیوز کے بعد والی سراسیمگی ڈرائنگ روم میں یہاں سے وہاں تک پھیلی۔
"تو گویا آپ کی طرف سے صاف انکار ہے!"
"میں نے یہ نہیں کہا!"
حالانکہ وہ یہی کہہ رہی تھیں' مگر الفاظ میں ابہام رہنا ضروری تھا' تاکہ سند رہے اور بہ وقت ضرورت کام آئے۔

"مطلب تو یہی ہے نا!" ایک کائیاں سی خاتون نے آگے بڑھ کر پورے یقین سے حتمی نتیجہ نکالا۔
آپا گل نے ایک گہری سانس لی۔
والدہ کی کمی' اس وقت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔
مہمان آئی خواتین میں ان چند لمحوں کی خاموشی سے اضطراب اور بھی بڑھا۔ رشتہ ختم ہونے کی سنسنی خیزی' بالکل قریب آکر بھی نہیں آپا رہی تھی۔
اعجاز کی والدہ بھابھی اور بہنوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں آگے کا لائحہ عمل طے کیا۔
"ٹھیک ہے پھر' اگر آپ کی مجبوری ہے تو پھر ہم بھی ایسے سنگ دل تو نہیں' کرلیتے ہیں انتظار کچھ دن اور' آگے جو پروگرام ہو بتا دیجیے گا۔"
جو رشتہ اپنی آخری سانس لے رہا تھا' اسے پھر سے بچا کر وہ لوگ اٹھ کھڑی ہوئیں۔
آپا گل کو تو خود یقین نہیں آرہا تھا۔
رشتے دار خواتین' سخت بے مزہ ہو کر واپس ہوئیں تھیں۔ "بے کار میں ہی اتنا وقت ضائع ہوا' پہلے ہی اتنا خرچا ہو چکا تھا' فیصل آباد سے کراچی آنا' وہ بھی پوری فیملی کو لے کر' آسان تھوڑی ہے۔"
تائی' چچی ٹائپ وہ خاتون باقاعدہ خفا ہو چکی تھیں لیکن ان کی شکایت پر کان دھرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جا رہی تھی۔
اتنا جہیز' اتنا مہنگا فرنیچر' اسپلٹ' کارپٹ پردے!
گھر کی شکل بدلی جا رہی تھی' ذرا سی جذباتیت کے پیچھے اپنے ہاتھوں اپنا ہی نقصان۔
"ہم تو خود بیٹیوں والے ہیں اور پھر اس میں جویا کا کیا قصور' جو اسے سزا دی جائے۔"
ان کی ترجیحات میں جو چیز سب سے آخر میں کیا' سرے سے تھی ہی نہیں' اپنی شرافت کے سرٹیفکیٹ کے طور پر' انہوں نے اس کا حوالہ دیا تھا۔
نیچے کی منزل میں ان سب کے جانے کے بعد' خاموشی چھا چکی تھی۔ زوبیا نے چائے کے سارے برتن سمیٹ کر کچن میں ڈھیر کیے اور تیزی سے اوپر آئی' جویا کمرے میں استری اسٹینڈ پر کھڑی کپڑے استری کر رہی تھی۔
"تمہارے کالج کے پورے ہفتے کے کپڑے پریس کردیے ہیں میں نے۔"
اسے دیکھتے ہی وہ بڑی خوش دلی سے کہہ رہی تھی۔ زوبیا نے غور سے اس کی شکل دیکھی۔
کتنی مدت بعد وہ اپنے پرانے موڈ میں محسوس ہو رہی تھی۔ مطمئن' فریش' سب کا خیال رکھنے والی۔
اس انتہائی پریشان کن حالات میں بھی' زوبیا کو اچھا لگا تھا۔
"وہ لوگ چلے گئے ہیں۔" پیچھے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے زوبیا نے اسے اطلاع دینا ضروری سمجھا' مگر وہ بنا کوئی تبصرہ کیے اسی طرح اپنا کام کیے گئی۔
"بڑی مشکل سے آپا گل نے انہیں شادی کرنے پر راضی کیا ہے۔" شاید اس کی بے نیازی سے چڑ کر ہی زوبیا نے اسے حالات کی سنگینی کا احساس دلانا چاہا تھا۔

"بے کار کی مشقت میں پڑیں آپا گل! سیدھے سیدھے رشتہ ختم کردینے کی اطلاع دینی چاہیے تھی' ان کا بھی وقت بچتا۔"

"اور جو پھر طوفان کھڑا ہوتا فوری طور پر' اس کو کنٹرول کرنا آسان ہوتا کیا؟"

"کوئی طوفان نہیں کھڑا ہوتا تھا' انسان میں اپنی بات کہنے کی جرأت ہونی چاہیے اور پھر اس پر قائم رہنے کی' آگے سب خیر ہے۔"

لاپروائی سے کہتے ہوئے اس نے استری کا سوئچ بند کیا اور ہینگر اٹھا کر الماری کی طرف مڑ گئی۔

"اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ خاندان کو تمہیں فیس کرنا پڑے تو پتہ چل جائے۔"

"طنز کر رہی ہو؟"

"نہیں' جو حقیقت ہے' سو ہے۔"

"میں اس سے زیادہ تلخ حقیقت کو فیس کر چکی ہوں اور اس سے بڑے طوفان کو۔" الماری بند کرکے وہ سامنے صوفے پر آکر بیٹھی۔

"تو اب اس کا بدلا لیا ہے کیا گھر والوں سے؟"

پچھلے دو دن میں جتنے ہنگامے برپا ہو چکے تھے وہ یوں ہی بات بات پہ لہجہ تلخ کر رہے تھے' زویا بھی نہیں بچ سکی تھی۔

"بالکل سچ کہہ رہی ہوں جویا! پہلی بار مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میں تمہارا ساتھ دوں یا گھر والوں کا۔"

"تمہیں جو ٹھیک لگتا ہے' وہ کرو' میں نے صرف اپنا حق استعمال کیا ہے اور بس!"

ایک وہی تھی جواب اتنی پُرسکون تھی' جتنی پہلے کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

سچی بات تو یہ کہ زویا کو تو وہ خاصی خوش اور خودغرض محسوس ہونے لگی تھی۔

"تمہاری بات کتنی بھی ٹھیک سہی' لیکن مان لو کہ طریقۂ کار بالکل غلط ہے' انکار کرنا تھا تو اس وقت کیا ہوتا جب رشتہ طے ہو رہا تھا' اب یہ وقت نہیں تھا۔"

"میرے پاس یہی وقت باقی بچا تھا زویا! یہ نکل جاتا تو پھر تو کوئی ازالہ بھی ممکن نہیں تھا۔"

اس کی آواز دھیمی پڑی اور مسکراہٹ معدوم' زویا کو اپنی زیادتی کا احساس ہونے لگا۔

"سوری! میں تمہیں تکلیف نہیں پہنچانا چاہتی جویا! لیکن یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے' پریشان کن تو ہے نا!" وہ اٹھ کر اس کے قریب آکر بیٹھی۔

"میں مانتی ہوں اپنی غلطی' لیکن اگر مجھے پتا ہوتا کہ ابا صرف دھمکیاں دے سکتے ہیں' تو بس اس وقت بھی اپنی بات پر اڑ سکتی تھی' وہ تو شکر ہے کہ مجھے پتہ چل گیا کہ ابا کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

دروازے میں سے اندر آتی آپا گل نے بے اختیار ہی اپنا ماتھا چھوا۔ یہ یقین دہانی ان ہی کی کرائی ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

شہر بھر میں پھیلے رشتے داروں کے توسط سے' یہ خبر ان کے گھر تک اس تیزی سے پہنچی کہ حد نہیں!

"جویا کی شادی ملتوی ہوگئی۔"

گھر آنے والے ہر فون پر' سلام کے بعد دوسرا جملہ یہی تھا۔

دونوں گھروں کے بیچ چلتی ٹینشن خاندان بھر کا پسندیدہ موضوع بنی ہوئی تھی' سو خیرسگالی کے اظہار کے طور پر سب ہی نے یہ اطلاع پہنچانا اپنا فرض سمجھا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی' اس روز اتنی بار بجی کہ اب تو دل گھبرایا جا رہا تھا۔

"ہمارا کیا لینا دینا' جو ہر ایک ہمیں بتا رہا ہے' کسی کی شادی ہو یا نہ ہو' اس سے ہمارا کیا تعلق' ہمارا واسطہ تو ختم ہو چکا ہے نا!"

امی ابھی نہ جانے کس کا فون بھگتا کر واپس آکر ٹھیک اس کے سامنے بیٹھیں۔

"خبریں دینے کا اتنا ہی شوق ہے لوگوں کو تو ٹی وی پہ نشر کروا دیں' ہمیں بتانا کیا ضروری ہے۔"

ربیعہ نے غور سے ان کی طرف دیکھا۔

امی کے چہرے پر سرخی پھیلی ہوئی تھی اور ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست!

"آپ پریشان ہیں کیا' جویا کی شادی نہ ہونے سے۔" اسے کچھ ایسا ہی لگا تھا تو پوچھ لیا۔

"مجھے کیا پریشانی ہونی ہے اور جویا کی شادی ملتوی ہوئی ہے' ختم نہیں ہوئی' وہ بھی شاکرہ بھابھی کی بیماری کی وجہ سے ہسپتال میں داخل ہیں وہ۔"

ربیعہ نے صاف محسوس کیا تھا کہ وہ اس سے زیادہ خود اپنے آپ کو مطمئن کرنا چاہ رہی ہیں۔

جویا کے گھر والوں کے بعد وہی تھیں' جنہیں اس شادی کی خوشی تھی۔

"کچھ زیادہ ہی طبیعت خراب ہوئی ہوگی' جب ہی عین وقت پر پروگرام کینسل ہوا ہے ورنہ اچھی بھلی تھیں وہ تو۔"

"وہ اب بھی اچھی بھلی ہیں' سنا ہے بیماری کا تو صرف بہانا ہے' اصل بات کچھ اور ہے۔"

امی بری طرح چونکی تھیں۔

"کیا ہے اصل بات اور تمہیں یہ کون اندر کی خبر دیتا ہے مجھے بھی تو پتہ چلے۔"

"انور ماموں نے بتایا ہے دادی کو' شادی کینسل کرنے کے لیے بہانہ بنایا گیا ہے' وہ خود دیکھ کر آئے تھے ہسپتال شاکرہ چچی کو' یوں ہی معمولی کا چیک اپ ہو رہا تھا وہاں! خاندان میں تو ایک ہی بات اڑ رہی ہے کہ جویا نے عین وقت پہ انکار کر دیا ہے شادی سے۔"

"خدا کی پناہ!"

ربیعہ کی آخری بات کے ساتھ ہی' خطرے کی گھنٹی' ٹھیک سر پر بجی تھی۔

"ایسی اولاد بھی آزمائش ہے' جو ماں باپ کی اس طرح عزت داؤ پر لگا دے' اس لڑکی نے تو کہیں کا نہیں چھوڑا۔"

پہلی بار ان کو اظہار چچا کے گھرانے سے تھوڑی ہمدردی ہوئی۔

"جویا نے کبھی ایسا کچھ نہیں کیا امی! اور اگر اب انکار اس نے کیا ہے تو ضرور کوئی وجہ ہوگی۔"

"پتہ ہے وجہ' مجھے نہیں سارے خاندان کو معلوم ہے' سارے میں چرچے ہیں کہ منگنی کے بعد جویا کا کیا حال ہوا تھا۔"

جویا کے معاملے کو لے کر وہ دن بہ دن اتنی سخت دل ہوتی جا رہی تھیں کہ کچھ بھی سمجھانا ناممکن ہو رہا تھا۔ ربیعہ خاموش ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اور سنو!" تب ہی انہیں کچھ اور خیال آیا۔

"معاذ سے یہ بات زیادہ ڈسکس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اسے خود سے پتا چلے تو ٹھیک ہے' ویسے تو تمہاری دادی اسے بتائے بغیر کہاں رہ سکتی ہیں' لیکن بہرحال تم احتیاط رکھنا۔"

حالانکہ دادی سے زیادہ خطرہ تو خود اس سے تھا' لیکن امی کو ایک دبا دبا سا گلہ تھا' جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا!

"بے کار کی مشقت میں پڑیں آپا گل! سیدھے سیدھے رشتہ ختم کردینے کی اطلاع دینی چاہیے تھی' ان کا بھی وقت بچتا۔"

"اور جو پھر طوفان کھڑا ہوتا فوری طور پر' اس کو کنٹرول کرنا آسان ہوتا کیا؟"

"کوئی طوفان نہیں کھڑا ہوتا تھا' انسان میں اپنی بات کہنے کی جرأت ہونی چاہیے اور پھر اس پر قائم رہنے کی' آگے سب خیر ہے۔"

لاپروائی سے کہتے ہوئے اس نے استری کا سوئچ بند کیا اور ہینگر اٹھا کر الماری کی طرف مڑ گئی۔

"اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ خاندان کو تمہیں فیس کرنا پڑے تو پتہ چل جائے۔"

"طنز کر رہی ہو؟"

"نہیں' جو حقیقت ہے' سو ہے۔"

"میں اس سے زیادہ تلخ حقیقت کو فیس کر چکی ہوں اور اس سے بڑے طوفان کو۔" الماری بند کر کے وہ سامنے صوفے پر آکر بیٹھی۔

"تو اب اس کا بدلا لیا ہے کیا گھر والوں سے؟"

پچھلے دو دن میں جتنے ہنگامے برپا ہو چکے تھے وہ یوں ہی بات بات پہ لہجہ تلخ کر رہے تھے' زویا بھی نہیں بچ سکی تھی۔

"بالکل سچ کہہ رہی ہوں جویا! پہلی بار مجھے سمجھ نہیں آرہا کہ میں تمہارا ساتھ دوں یا گھر والوں کا۔"

"تمہیں جو ٹھیک لگتا ہے' وہ کرو' میں نے صرف اپنا حق استعمال کیا ہے اور بس!"

ایک وہی تھی جواب اتنی پرسکون تھی' جتنی پہلے کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

سچی بات تو یہ کہ زویا کو تو وہ خاصی خوش اور خودغرض محسوس ہونے لگی تھی۔

"تمہاری بات کتنی بھی ٹھیک سہی' لیکن مان لو کہ طریقۂ کار بالکل غلط ہے' انکار کرنا تھا تو اس وقت کیا ہوتا جب رشتہ طے ہو رہا تھا' اب یہ وقت نہیں تھا۔"

"میرے پاس یہی وقت باقی بچا تھا زویا! یہ نکل جاتا تو پھر تو کوئی ازالہ بھی ممکن نہیں تھا۔"

اس کی آواز دھیمی پڑی اور مسکراہٹ معدوم' زویا کو اپنی زیادتی کا احساس ہونے لگا۔

"سوری! میں تمہیں تکلیف نہیں پہنچانا چاہتی جویا! لیکن یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے' پریشان کن تو ہے نا!" وہ اٹھ کر اس کے قریب آکر بیٹھی۔

"میں مانتی ہوں اپنی غلطی' لیکن اگر مجھے پتا ہوتا کہ ابا صرف دھمکیاں دے سکتے ہیں' تو بس اس وقت بھی اپنی بات پر اڑ سکتی تھی' وہ تو شکر ہے کہ مجھے پتہ چل گیا کہ ابا کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

دروازے میں سے اندر آتی آپا گل نے بے اختیار ہی اپنا ماتھا چھوا۔ یہ یقین دہانی ان ہی کی کرائی ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

شہر بھر میں پھیلے رشتے داروں کے توسط سے' یہ خبر ان کے گھر تک اس تیزی سے پہنچی کہ حد نہیں!

"جویا کی شادی ملتوی ہو گئی۔"

گھر آنے والے ہر فون پر' سلام کے بعد دوسرا جملہ یہی تھا۔

دونوں گھروں کے بیچ چلتی ٹینشن خاندان بھر کا پسندیدہ موضوع بنی ہوئی تھی' سو خیرسگالی کے اظہار کے طور پر سب ہی نے یہ اطلاع پہنچانا اپنا فرض سمجھا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی اس روز اتنی بار بجی کہ اب تو دل گھبرایا جا رہا تھا۔

"ہمارا کیا لینا دینا' جو ہر ایک ہمیں بتا رہا ہے' کسی کی شادی ہو یا نہ ہو' اس سے ہمارا کیا تعلق ہمارا واسطہ تو ختم ہو چکا ہے نا!"

امی ابھی نہ جانے کس کا فون بھگتا کر واپس آکر ٹھیک اس کے سامنے بیٹھیں۔

"خبریں دینے کا اتنا ہی شوق ہے لوگوں کو تو ٹی وی پہ نشر کروا دیں' ہمیں بتانا کیا ضروری ہے۔"

ربیعہ نے غور سے ان کی طرف دیکھا۔

امی کے چہرے پر سرخی پھیلی ہوئی تھی اور ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پیوست!

"آپ پریشان ہیں کیا' جویا کی شادی نہ ہونے سے۔" اسے کچھ ایسا ہی لگا تھا تو پوچھ لیا۔

"مجھے کیا پریشانی ہونی ہے اور جویا کی شادی ملتوی ہوئی ہے' ختم نہیں ہوئی' وہ بھی شاکرہ بھابھی کی بیماری کی وجہ سے ہسپتال میں داخل ہیں وہ۔"

ربیعہ نے صاف محسوس کیا تھا کہ وہ اس سے زیادہ خود اپنے آپ کو مطمئن کرنا چاہ رہی ہیں۔

جویا کے گھر والوں کے بعد وہی تھیں' جنہیں اس شادی کی خوشی تھی۔

"کچھ زیادہ ہی طبیعت خراب ہوئی ہوگی' جب ہی عین وقت پر پروگرام کینسل ہوا ہے ورنہ اچھی بھلی تھیں وہ تو۔"

"وہ اب بھی اچھی بھلی ہیں' سنا ہے بیماری کا تو صرف بہانا ہے' اصل بات کچھ اور ہے۔"

امی بری طرح چونکی تھیں۔

"کیا ہے اصل بات اور تمہیں یہ کون اندر کی خبر دیتا ہے مجھے بھی تو پتہ چلے۔"

"انور ماموں نے بتایا ہے دادی کو' شادی کینسل کرنے کے لیے بہانہ بنایا گیا ہے' وہ خود دیکھ کر آئے تھے ہسپتال شاکرہ چچی کو' یوں ہی معمولی کا چیک اپ ہو رہا تھا وہاں! خاندان میں تو ایک ہی بات اڑ رہی ہے کہ جویا نے عین وقت پہ انکار کر دیا ہے شادی سے۔"

"خدا کی پناہ!"

ربیعہ کی آخری بات کے ساتھ ہی' خطرے کی گھنٹی' ٹھیک سر پر بجی تھی۔

"ایسی اولاد بھی آزمائش ہے' جو ماں باپ کی اس طرح عزت داؤ پر لگا دے' اس لڑکی نے تو کہیں کا نہیں چھوڑا۔"

پہلی بار ان کو اظہار چچا کے گھرانے سے تھوڑی ہمدردی ہوئی۔

"جویا نے کبھی ایسا کچھ نہیں کیا امی! اور اگر اب انکار اس نے کیا ہے تو ضرور کوئی وجہ ہوگی۔"

"پتہ ہے وجہ' مجھے نہیں سارے خاندان کو معلوم ہے' سارے میں چرچے ہیں کہ منگنی کے بعد جویا کا کیا حال ہوا تھا۔"

جویا کے معاملے کو لے کر وہ دن بہ دن اتنی سخت دل ہوتی جا رہی تھیں کہ کچھ بھی سمجھانا ناممکن ہو رہا تھا۔ ربیعہ خاموش ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اور سنو!" تب ہی انہیں کچھ اور خیال آیا۔

"معاذ سے یہ بات زیادہ ڈسکس کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر اسے خود سے پتا چلے تو ٹھیک ہے' ویسے تو تمہاری دادی اسے بتائے بغیر کہاں رہ سکتی ہیں' لیکن بہرحال تم احتیاط رکھنا۔"

حالانکہ دادی سے زیادہ خطرہ تو خود اس سے تھا' لیکن امی کو ایک دبا دبا سا گلہ تھا' جو ختم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا!

کھڑکی سے پردے سرکا کر گیتی نے پٹ کھولے تو روشن چمکتا ہوا دن کمرے میں اتر آیا۔
سامنے بڑا سا رالان اور کھلے ہوئے کتنے ہی پھول' وہ خود بخود ہی مسکرا دی۔
زندگی میں آئی یہ تبدیلی اچھی لگنے لگی تھی' لیکن پھر بھی اپنا کمرہ اور پچھلا برآمدہ یاد آتا ہی تھا۔
"ناشتا اوپر ہی منگوالو' بار بار اوپر نیچے نہیں چڑھا جاتا۔"
نانی کے کہنے پر اس نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا۔
"صندل تو کہہ رہی تھی کہ آپ نیچے کا کمرہ لے لیں' مگر آپ نے خود ہی منع کردیا۔"
"مجھے یہاں مستقل تھوڑی رہنا ہے' تمہارے لیے اوپر کا کمرہ بہتر تھا' اس لیے میں نے اسے منع کیا تھا۔"
چونکہ نانی کو ہی ہمیشہ اس کے اچھے برے کا پتا ہوتا تھا' سو وہ فرماں برداری سے سرہلاتے ہوئے ان کے پاس آبیٹھی۔
"آپ مستقل بھی تو رہ سکتی ہیں نانی! کتنا اچھا تو لگ رہا ہے یہاں' کیسی کھلی کھلی سی فضا ہے' صبح کتنی روشن لگتی ہیں یہاں اور رات کتنی پُرسکون' ٹیرس پر کھڑے ہو کر دیکھیں تو دور' دور تک ستارے ہی ستارے آسمان پر۔"
"تمہیں اچھا لگ رہا ہے نا' بس یہ ہی کافی ہے۔"
نانی کو بڑا اطمینان حاصل ہوا تھا اس کی بات پر۔
"وہ تو آپ ہیں ابھی' اس لیے اچھا لگ رہا ہے' آپ چلی جائیں گی تو پھر کہاں اتنا سکون ہوگا۔"
"کچھ دن لگے گا' پھر عادی ہو جاؤ گی' دیکھا نہیں آتے ہوئے کتنا گھبرا رہی تھیں' مگر اب سیٹ ہوتی جا رہی ہو۔"
"ہوں!" بات تھی بھی ٹھیک۔
نانی کا چند دن رکنا اس کے حق میں بڑا ہی بہتر ثابت ہوا تھا۔
ایک بالکل نئی دنیا' نئے صبح و شام' نیا ماحول۔
"اب سالار آئے تو تم یونیورسٹی میں داخلہ لے لو اس سے مشورہ کر کے یا پھر کچھ اور' جس میں باہر نکل کر کچھ کرنا پڑے۔"
ملازمہ ناشتا کی ٹرے پہنچا گئی تھی۔
نانی کو سالار ناشتا کرتے ہوئے ہی یاد آیا۔
"وہ تو پتا نہیں کہاں رہ گئے ہیں' آئیں گے بھی واپس یا نہیں۔" گیتی کی آواز دھیمی ہوئی تھی۔
نانی ستارہ نے غور سے اس کی طرف دیکھا' لیکن اس کا سر جھکا ہوا تھا۔
"کیوں نہیں آئے گا خیر سے' وہاں کاروبار کے' جائیداد کے مسئلے حل کرنے کے لیے رُکا ہوا ہے' اور کوئی بات نہیں۔" نانی کی تسلی میں فخر کا سامان بھی بندھا تھا۔
گیتی کو بے ساختہ سی ہنسی آگئی۔
"خیر اب اتنے بڑے آدمی بھی نہیں' کہ لمبے چوڑے جھگڑے پیچھے لگے ہوں گے' ورنہ اتنے اطمینان سے یہاں نہ بیٹھے رہا کرتے۔"
"باپ کی طرف سے بہت جائیداد ملی ہے' مجھے خود افسر میاں نے بتایا تھا۔"
یہاں نانی کیا' نگینہ اور شاما بھی' سالار سے سخت مرعوب رہنے لگی تھیں' وجہ تسمیہ وہی نازک اور قیمتی بریسلٹ تھا' جو آج بھی نانی کی الماری کے کسی خفیہ خانے میں رکھا تھا اور یاد آنے پر گیتی آرا کے دل میں چبھن پیدا کرتا تھا۔
"کیا ضرورت تھی آپ کو افسر بھائی سے ان کے بارے میں پوچھنے کی' ہمیں کیا لینا دینا ان کی جائیداد سے۔"

نانی کی بات نے اسے اپنے طور پر شرمندہ کیا تھا۔
"معلومات تو رکھنی پڑتی ہیں اور اگر کوئی شخص اتنی اپنائیت سے ہم سے ملتا ہے' وہ بھی بنا کسی غرض کے تو پھر تو یہ اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔ تاکہ کل کو کوئی بات ہو تو ہم اندھیرے میں تو نہ ہوں۔" نانی کے اطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔
"کیسی بات؟"
کچھ بھی ہو سکتی ہے' یہاں کوئی لگے بندھے اصول قاعدے تھوڑی ہیں' جو کچھ بھی حتمی ہو۔
وہ ناشتا کر چکی تھیں اور اب چائے کا کپ سنبھالے بیٹھی تھیں۔
گیتی نے خاموش نظروں سے ان کے چہرے کو تکتے ہوئے ان کی بات کو سمجھنا چاہا' مگر وہ بات بدل چکی تھیں۔
"شاما کا بار بار فون آرہا ہے' اکیلی گھبرا رہی ہے وہاں' ایک طرح سے ٹھیک بھی ہے' اتنا بڑا گھر ایک دم ہی سنسان ہو گیا' کہاں دل لگ رہا ہوگا۔"
"میں نے تو کہا تھا کہ اسے بھی ساتھ لے چلیں' آپ ہی نہیں مانیں۔"
گیتی کو تھوڑا سا افسوس بھی ہوا کہ شاما کی ساری عمر کی خدمات بھلا کر' وہ سب اسے کیسے چھوڑے بیٹھے ہیں' لیکن نانی کی زندگی میں اس طرح کی جذباتیت کا بھی عمل دخل نہیں تھا۔
"وہاں استاد جی کے کھانے پینے کا دھیان کون رکھتا' اس عمر میں انہیں اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا' شاما کی تو خیر ہے اور ویسے بھی کل تو میں چلی ہی جاؤں گی واپس۔"
"کل! اتنی جلدی؟"
شاما سمیت وہ سب ہی کو بھولی۔
"اس میں حیرت کی کیا بات' دو دن کا کہہ کر آئی تھی' آج پورا ہفتہ ہو چکا ہے' میں تو آج جا رہی تھی' لیکن صندل نے ضد کر کے روک لیا' بالی صاحب نے کوئی پارٹی رکھی ہے گھر پر' سنا ہے شہر کے بڑے بڑے لوگ آرہے ہیں' تم بھی اچھا سا تیار ہو جانا۔" وہ بری طرح چونکی۔
"میں' میں کیوں؟ میں تو صندل کی پارٹی میں بھی نہیں گئی تھی۔" آج پہلی بار اسے نانی نے کسی محفل کو اٹینڈ کرنے کے لیے کہا تھا' سو بڑا ہی عجیب سا لگا۔
"گھبرانے کی بات نہیں' شہر کے معزز لوگ ہیں سارے' اپنی اپنی فیملیز کے ساتھ آرہے ہیں' بیویاں' بیٹیاں ساتھ لے کر' بالی صاحب بتا رہے تھے کہ کئی لوگوں نے تو باقاعدہ سفارش ڈلوائی ہے تقریب میں آنے کے لیے کہ ہماری بیٹیوں کو بے حد شوق ہے صندل سے ملنے کا' یہ بھی اللہ کا ہی کرم ہے' جو اس نے عزت بنائی۔" شکر گزاری ان میں بے حد تھی۔
ایسی باتوں پر بھی بڑی عاجزی سے شکر کرتیں' جو گیتی کی نگاہوں میں سراسر جائز بھی نہیں ہوتیں۔ مگر یہ ان کا بے حد ذاتی معاملہ تھا اور اس کا سلسلہ بھی کہیں اور ہی ملتا تھا۔
"لیکن مجھے تو کوئی شوق بھی نہیں ہے پارٹیوں کا' پھر مجھے کیوں؟" گیتی کے لیے یہ نیا حکم نامہ بڑے کٹھن مرحلے کی تمہید بنتا جا رہا تھا۔
"سمجھا کرو' ملو جلو گی نہیں تو کیسے زندگی بسر ہوگی' نئے لوگ' نئی لڑکیاں' دوستی کرو لوگوں سے' انہیں بھی پتا چلے کہ صندل کی ایک چھوٹی بہن بھی ہے۔"
اس نے کچھ کہنا چاہا' مگر ان کی دل آزاری کے خیال سے چپ ہو رہی۔

یہاں عزت کا مروجہ معیار، محض گھر بدل لینے سے نہیں حاصل ہو جاتا' یہاں چھان پھٹک کا عمل مستقل مزاجی سے جاری رہتا ہے' تا دیر کہ انسان خود ہی ریزہ ریزہ نہ ہو جائے۔
وہ نہیں ہونا چاہتی تھی' سو اسی لیے ایک کونے میں منہ دے کر ساری زندگی بسر کر لینے کی خواہش مند تھی۔ مگر یہ بات تائی کو بتانا ضروری بھی نہیں تھا۔ باہر سبزہ زار پر رات کی پارٹی کے انتظامات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔
گیتی نے دن میں کتنی ہی بار ٹیرس پر سے جھانک کر اس ساری چہل پہل کو دیکھا اور پہلے سے زیادہ متاثر ہوتی رہی۔
گہری ہوتی رات میں گاڑیوں کی ایک لمبی سی قطار یہاں سے وہاں تک لگتی چلی گئی۔
جدید طرز کے مغربی لباس' گہرے میک اپ' فیشن کی دوڑ میں آگے نکلنے کی دھن میں عجیب و غریب حلیے' گیتی نے حیرت سے ان عورتوں کو دیکھا جن کا تعلق طبقہ "امراء" سے تھا۔

☼ ☼ ☼
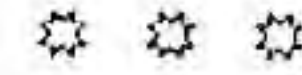
آج وہ پھر کئی دن بعد یہاں آسکا تھا۔
بچوں کے آنے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا' سو ابھی اس کے حساب سے یہاں سناٹا ہی ہونا چاہیے تھا۔
لیکن کوئی اور تھا' جو اس کارِ خیر میں اپنا حصہ ڈالنے کے لیے بڑی محویت سے مصروفِ عمل تھا۔
معاذ ہلکے سے مسکرا دیا۔
بائیک کھڑی کر کے بے آواز قدموں سے چلتا ہوا وہ جب تک اس کے قریب پہنچا وہ مکمل بے خبری کے عالم میں ہاتھ میں لیے کپڑے سے رگڑ رگڑ کر کرسیاں چمکائے گئی۔
"آپ!" معاذ کی آہٹ پر وہ بری طرح چونکی تھی۔
"یہ کیا کر رہی ہو تم؟"
"کچھ نہیں بس ایسے ہی...!"
اعترافِ جرم کے انداز میں اس نے نگاہیں جھکائیں اور ہاتھ میں تھامے ہوئے کپڑے کو گول مول کرتے ہوئے مٹھی میں دبایا۔
معاذ نے اس کے سرخ پڑتے ہوئے چہرے پر پھیلی شرمندگی کو دلچسپی سے دیکھا۔
"یہ سب تم نے کیا ہے؟"
ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے اس نے خود بھی ایک نگاہ ترتیب سے رکھی صاف ستھری کرسیوں پر ڈالی تھی۔
سامنے میز پر دھلا ہوا میز پوش اور ایک پرانے پلاسٹک کے مگ میں یہیں سے توڑ کر ڈالی گئی گلاب کی ٹہنیاں۔
ماحول میں ایک دم ہی جیسے ترتیب اور حسن جھلکنے لگا تھا۔
"گڈ! بہت ہی اچھا لگ رہا ہے۔" وہ تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکا' زری نے اس سے ہمت پا کر نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا۔
وہی نرم سی مسکراہٹ اور سارے وجود کو منور کرتا ایسا روشن احساس جو اس کو نظر بھر کر دیکھنے کی بھی اجازت نہیں دیتا تھا۔
"لیکن یہ سب تمہارے کرنے کے کام تھوڑی ہیں' یہاں سب ہیں' کوئی نہ کوئی کرے گا نا! میں خود جب روزانہ آتا تھا تو یہ میری ہی ڈیوٹی تھی۔"
زری کے دل پر چوٹ سی پڑی۔

"آپ کیوں کرتے تھے؟"
(بھلا یہ کام اس کے کرنے کے تھے' اتنی آن بان والے اتنے قابل کہ...)
زری کی محدود معلومات میں' معاذ کی قابلیت کے اظہار کے لیے کوئی موزوں لفظ بھی نہیں تھا۔ وہ خیال کے اتنے اونچے برج پر بیٹھا تھا کہ گردن اٹھا کر دیکھو تو گردن ہی درد کرنے لگے۔
"کیوں' تم بھی تو کرتی ہو۔" وہ لاپروائی سے کہتا ہوا اس کے دونوں بھتیجوں سے ہاتھ ملانے لگا۔
"اور مجھ سے کہیں زیادہ اچھا کرتی ہو' مجھ سے تو کبھی سیدھی لائن بھی نہیں بنتی کرسیوں کی۔" وہ اپنے ہی اوپر ہنس پڑا۔
"میرا آپ کا کیا مقابلہ' اور یہ آپ کے کرنے کے کام تو ہیں بھی نہیں' آپ تو بڑے بڑے کام کرنے کے لیے ہیں' یہ تو مجھ جیسی جاہل ان پڑھ کے لیے ہیں' اور ادھر ہماری گلی میں تو سب ہی لڑکیاں یہ سارے کام بڑے اچھے کرتی ہیں۔"
معاذ کی تھوڑی سی اپنائیت میں وہ حوصلہ پکڑ چکی تھی۔
"تم سے بھی اچھی لڑکیاں ہیں وہاں۔" وہ کچھ شرارت کے موڈ میں آیا تھا۔
"نہیں اب ایسی اچھی بھی نہیں۔" اسے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا' کیا ضرورت تھی دوسری لڑکیوں کا ذکر بھی کرنے کی۔ "آپ بس مجھے منع نہیں کریں۔"
"معاذ!" سامنے کمرے سے نکلتے ہوئے ریحان نے اسے آواز دی تو وہ تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کی طرف چلا آیا۔
"تمہارے والنٹیرز میں تو اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔"
"شکر ہے اللہ کا۔" ریحان مسکرا دیا۔
"ویسے یہ لڑکی بے چاری بڑی ہیلپ فل ہے' منع کرنے کے باوجود خود ہی خاموشی سے کئی کام نمٹا جاتی ہے'

کہتی ہے میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ کچھ کام کروں' ہم لوگوں کو آسانی بھی ہو گئی ہے اس کے آنے سے۔" ریحان بتانے لگا۔

"چلو' اچھا ہے' اگر چند لوگ اور اس طرح ساتھ دینے کے لیے آجائیں تو ہم کافی کچھ کر سکتے ہیں' منع مت کرو اسے' جب وہ اپنی خوشی سے کر رہی ہے۔" وہ کہتا ہوا سامنے میز پر رکھا رجسٹر چیک کرنے لگا۔

"بیگم زرتاج نے بھی چیک بھجوا دیا ہے۔" ریحان کو یاد آیا' "ایک اور والنٹیر" رجسٹر پر نگاہ جمائے وہ خوش دلی سے بولا۔

"ہاں لیکن' اتنا بے غرض بھی نہیں' وعدہ کی گئی رقم کا آدھے سے بھی آدھا اماؤنٹ اور ہماری طرف سے شکریہ کا ایک پریس ریلیز بھجوانے کی ہدایت بھی ساتھ آئی ہے۔"

ریحان کے لہجے میں تلخی شامل ہونے لگی' معاذ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیوں دل جلا رہے ہو' یہاں یہ ہی سب ہوتا ہے اور بیگم زرتاج کے ساتھ ہمیں پہلے بھی تجربہ ہو چکا ہے' یاد ہے جب آئی تھیں یہاں۔"

"ہاں' وہ کوئی بھولنے والی بات ہے۔"

ان دونوں ہی کو بیک وقت نبیل کا پُرزور غصہ یاد آیا تھا' جب وہ ساجد کے پہچان جانے پر اس پر چڑھ دوڑا تھا۔

"وہ بچہ اب نظر نہیں آتا' تمہاری ملاقات ہوتی ہے کیا؟" ریحان کسی اور ہی سوچ میں گم ہونے لگا۔

"بڑا آدمی بن گیا ہے ساجد' کہہ رہا تھا بہت اچھا کما رہا ہوں' یہ بچے وہی تو داخل کرا کر گیا تھا یہاں۔"

"ہوں' ہوں۔"

"تمہیں کیسے یاد آگیا آج۔" معاذ دوبارہ اپنے رجسٹر پر جھکا۔

"زرتاج بیگم کا جب بھی ذکر ہوتا ہے' وہ مجھے یاد آتا ہے' یاد ہے اس نے نبیل کو کتنا پریشان کر دیا تھا' بہت دعوے سے اس بچے نے کہا تھا وہ نبیل کو اچھی طرح جانتا ہے۔" ریحان دونوں ہاتھ میز پر رکھتے ہوئے معاذ کی طرف جھکا۔

"بچہ ہے نا' اسے اندازہ نہیں تھا کہ ان لوگوں کے منہ لگنا' صرف مصیبت مول لینا ہے' میں نے سمجھا دیا تھا اسے۔" وہ بدستور اپنے کام میں مصروف رہا۔

"ہم کب سے مصیبت مول لینے سے گھبرانے لگے۔" ریحان کی نگاہ اس پر جمی تھی۔

"عقل مند ہوتا جا رہا ہوں شاید۔" پین سائیڈ میں رکھتے ہوئے وہ ہنس پڑا۔ "سمجھا کرو یار' نبیل جیسے لوگ' اپنی حقیقت کا سامنا کرتے ہوئے اتنا ڈرتے ہیں جیسے موت ان کے سامنے آکھڑی ہو' مجھے یقین ہے کہ ساجد ٹھیک کہہ رہا تھا' لیکن نبیل خوامخواہ اس بچے کا دشمن ہو جاتا اور یہ بہت گھٹیا کلاس کے لوگ ہیں' کچھ بھی کر سکتے ہیں' فاصلہ ہی بہتر ہے۔" رجسٹر بند کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اگلے ہفتے ہم لوگ یہ کلاس' یہاں سے شفٹ کریں گے' ان شاء اللہ' میں تو سوچ رہا تھا کہ وہ افتتاح بھی بیگم زرتاج سے کروائیں' بہرحال کچھ نہ کچھ تو سپورٹ کرتی ہیں۔"

معاذ نے بڑی گمبھیر سنجیدگی خود پر طاری کرنی چاہی' لیکن مسکراہٹ بے اختیار ہونٹوں پر آگئی۔

"میں مار بیٹھوں گا تجھے معاذ! بیگم زرتاج کیا میری چڑ بنالی ہے' کوئی اور نہیں رہا کیا پورے شہر میں۔" ریحان بری طرح جھنجلایا۔

جواباً وہ بڑے زور سے ہنسا تھا۔

سامنے قدرے فاصلے پر بیٹھی زری کچھ نہ سمجھتے ہوئے محض اس لیے مسکرائی کہ وہ ہنسا تھا۔

☼ ☼ ☼

سالار نے ہاتھ میں تھمے سیل فون کو مایوسی سے دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ گھر پر وہاں کوئی بھی نہیں ہو۔" مستقل ناکامی کے باوجود بھی دل ماننے کے لیے تیار نہیں تھا اور کوئی نہ سہی' لیکن گیتی کو تو ہونا ہی چاہیے تھا' دل کو طرح طرح کے واہمے گھیر رہے تھے۔

"شاید اسے خود واپس چلا جانا چاہیے۔"

بے ساختہ آنے والا خیال اتنا زور آور تھا کہ وہ حمیدی صاحب کے بجائے' سارے ضروری کام لپیٹ کر ایک طرف رکھنے کے لیے تیار ہوا۔

"اور اس بار وہ ان کی ایک نہیں سنے گا۔"

پورا پکا ارادہ کر کے وہ اپنے کمرے سے نکلا اور جب لاؤنج کی سیڑھیوں سے اتر رہا تھا' تو نیچے کھڑی زرتاج نے بھی اس کی فکرمندی کو نوٹ کیا۔

"سنو!" وہ اسے مخاطب تو نہیں کرنا چاہتی تھیں' لیکن ایک چھوٹا سا پیغام' بڑی معنی خیزی کے ساتھ آیا رکھا تھا۔ سالار نے رک کر ان کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"یوسف بھائی کا فون آیا تھا' آج رات کے کھانے پر بلایا ہے انہوں نے تمہیں' تمہارا نمبر شاید بزی تھا کافی دیر سے۔"

"آپ منع کر دیجیے گا انہیں' میں نہیں جا سکوں گا۔" مختصر سا جواب دیتے ہوئے آگے بڑھنے لگا تو وہ تیزی سے پیچھے آئیں۔

"میرا خیال ہے وہ نہیں مانیں گے' انہوں نے کچھ اور لوگوں کو بھی بلایا ہے تم سے ملوانے کے لیے۔"

"میں نے کہا نا' میں نہیں جا سکوں گا۔"

پہلی بار اس کے لہجے کی رکھائی' زرتاج کے لیے اطمینان بخش ٹھہری۔

"شکر ہے' خود وہ اس کے بھائی کے گھرانے کے ساتھ مل کر اس کی مخالفت میں گروپ نہیں بنا رہا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم انہیں خود کہہ دو' میری بات پر وہ یقین نہیں کریں گے۔" اپنے اطمینان کو بخوبی چھپا کر وہ یوں ہی میز پر سے اخبار اٹھاتی ہوئی قریبی صوفے پر جا بیٹھیں۔

سالار نے بہت بے زار سا ہو کر سر کو ہلکے سے جھٹکا۔ سارے کے سارے منافق اور مفاد پرست لوگ' پتا نہیں کیوں وہ یہاں چلا آیا اور آیا بھی تھا تو اتنے دن رکنے کی ضرورت کیا تھی' خیام سے مل کر چلا جاتا تھا واپس۔

اسے سب سے زیادہ غصہ خود پر آنے لگا تھا۔ زرتاج نے اخبار کی اوٹ سے اس کے چہرے پر پھیلی بے زاری کو بخوبی نوٹ کیا تھا۔ وہ پریشان تھا۔

وجہ جانے بوجھے بغیر ہی' زرتاج کے دل کو بڑی کمینی سی خوشی نے گھیرا۔

سالار نے وہیں رک کر یوسف کمال کی دعوت کو نمٹا دینے کا فیصلہ کیا تھا اور اپنی ساری الجھنوں اور کوفت کے باوجود وہ اخلاقیات نبھانے والا انسان تو بہرحال تھا ہی۔

زرتاج نے اسے بڑی وضع داری سے فون پر معذرت کرتے سنا۔

دوسری طرف سے اصرار بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

زرتاج کو اس کا اندازہ سالار کی باتوں سے ہو رہا تھا۔

"بہت سوچ سمجھ کر جال پھیلانے میں مصروف ہوا ہے سارا خاندان اور وہ چلی تھیں اس زوسیہ سے تعلقات

بڑھانے۔"

ان کی سلطنت کو جیسے چاروں طرف سے خطرات لاحق ہو رہے تھے اور ایسے میں نبیل بھی جا کر لاہور بیٹھا تھا۔ اسے یک دم ہی وہ یاد آنے لگا۔

ان کی اچھی بھلی من چاہی زندگی میں مداخلت، دوریاں کیا کچھ نہیں جمع ہوتا جا رہا تھا۔

وہ شاید واقعی اداس ہونے لگی تھیں کہ ان کی خوش نصیبی ایک بار پھر ان کا ساتھ دینے کے لیے چلی آئی۔

"میں واقعی شرمندہ ہوں، لیکن میری مجبوری ہے کمال صاحب! مجھے آج رات کی فلائٹ سے واپس جانا ہے، بہت ضروری کام ہے، ورنہ ضرور رک جاتا ایک دن، آپ پلیز پھر کبھی رکھ لیجیے گا۔" زرتاج کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا، جو اس نے ابھی ابھی سنا۔

"پہلے ہی میں خاصا لیٹ ہو چکا ہوں، اب مزید ایک دن بھی نہیں، آپ پلیز خیال نہ کیجیے گا۔" وہ بمشکل ہی فون بند کر پایا۔

سامنے ملازم آ کر کھڑا ہوا تھا۔

باہر حمیدی صاحب منتظر تھے۔

سو وہ سنتے ہی تیز قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔ زرتاج کے کندھوں سے بڑا بھاری بوجھ ہلکا ہوا اور دل ایک اچانک ملنے والی خوشی سے سرشار، کتنے دن کی کوفت اور ٹینشن مٹنے کو تھی، ایک بار تو ان کا دل چاہا کہ وہ یہاں سے وہاں تک دوڑتی چلی جائے یا پھر بہت زور زور سے چلائیں۔

کچھ تو ایسا کریں کہ ہر ایک جان جائے کہ وہ آج کتنی خوش ہیں۔

سالار واقعی جا رہا تھا۔

اب جبکہ وہ بھولتی جا رہی تھیں کہ وہ یہاں سے جا سکتا ہے تو وہ واپسی کا پروگرام بنا بیٹھا۔ اور وہ بھی اتنا ارجنٹ۔

انہوں نے دل میں اپنے بھائی سے کہے سالار کے الفاظ دہرائے اور ہنس پڑیں۔

"زوبیہ کو پتا چلے گا تو کیسی جھنجلائے گی۔" زرتاج کو سوچ کر ہی مزہ آیا تھا۔

کاش وہ خود زوبیہ اور اس کی ماں کے تاثرات دیکھ پاتیں۔

پچھلے چند دن سے وہ ان کی دور اندیشی پر حیرت بھرے خوف میں مبتلا رہیں اور آج۔

وہ بے ساختہ ہی ہنستی چلی گئیں۔

لاؤنج سے گزرنے والی ملازمہ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور پھر حدِ ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے جلدی سے لاؤنج سے نکل گئی۔

زرتاج نے ایک نگاہ سامنے لگے بڑے سارے وال کلاک پر ڈالی۔

ابھی دن کے صرف ساڑھے بارہ بجے تھے۔

سالار کو آج ہی کسی وقت نکل جانا تھا، تو پھر نبیل کی واپسی بھی آج ہی ممکن ہو سکتی تھی۔

کتنے دن سے وہ وہاں بیٹھا تھا اور زرتاج کے ہر اصرار کے باوجود مستقل ٹال مٹول کیے جا رہا تھا۔

مگر اب وہ اس کی ایک نہیں سنیں گی۔

بہت پُرجوش سا ہو کر زرتاج نے نبیل کا نمبر ملایا تھا۔ مگر وہ شاید ابھی تک سو کر بھی نہیں اٹھا تھا۔ تب ہی اس کا فون بند مل رہا تھا۔

زرتاج کے جوش و خروش کو بریک سا لگا۔

نبیل ہی تھا، جو اس خبر کو سننے کا سب سے زیادہ حق دار تھا۔ کتنی پریشانی اٹھائی تھی اس نے سالار کے ہاتھوں۔

بلکہ پریشانی بھی کیا، کھلی ذلت۔

زرتاج بہت دل سے نبیل کی وسیع القلبی کی معترف ہوئیں، اور یہ سب وہ محض ان کی خاطر ہی تو جھیل رہا تھا۔

نبیل ان کا محبوب شوہر، انہیں شدت سے یاد آنا شروع ہوا تھا۔ وہ بھولنے لگیں کہ ابھی کچھ دن پہلے تک وہ اس سے اچھی خاصی نالاں رہنے لگی تھیں۔

اگر وہ واپسی کی سیٹ کنفرم کرا کر نبیل کو اطلاع دیں گی تو یہ زیادہ خوب صورت سرپرائز ہوگا اس کے لیے۔

ایک بھرپور سی مسکراہٹ جیسے زرتاج کے چہرے پر مستقل ہی ٹھہری تھی۔ ان کی کوئی پریشانی کبھی چند دن سے زیادہ ان کے آگے نہیں ٹک سکی تھی۔

ایک ہی لمحے میں انہیں کچھ گزرے ہوئے مشکل پل یاد آئے۔ کبھی ان کی اپنی فراست کام آئی اور کبھی قدرت سے ملا تعاون۔

غرور سے تنی گردن اور وہی مخصوص تیور، اپنے ریشمی بالوں کو سمیٹتے ہوئے وہ اٹھ کر کھڑی ہی ہوئی ہی تھیں کہ باہر بڑا نامانوس سا ہنگامہ مچا۔

ایک ساتھ دوڑتے ہوئے کئی بھاری قدموں کی آوازیں اور بے معنی سا شور۔

زرتاج کا دل بڑے زور سے دھڑکا۔

"لاؤنج کا دروازہ بند کرو اندر سے فوراً۔" وہ بہت زور سے چلائیں۔

پہلا خیال انہیں دن دہاڑے پڑنے والے ڈاکے کا ہی آیا تھا، مگر تب ہی باہر کی طرف کھلنے والا لاؤنج کا دروازہ پورا کھلتا چلا گیا۔

یہ اس کے اپنے وفادار ملازم تھے، جو اس طرح بے تابی سے اندر داخل ہوئے تھے۔

"سالار صاحب کی گاڑی پر فائرنگ ہوئی ہے بیگم صاحب! گاڑی تھوڑی دور ہی گئی تھی کہ پورا برسٹ مارا گیا ہے۔"

"صاحب کی حالت بہت خراب ہے، ہسپتال لے کر گئے ہیں، پولیس کو بھی اطلاع۔۔۔"

بہت سارے لوگ ایک ساتھ بول رہے تھے۔

وہ بہت کچھ سمجھنا بھی چاہ رہی تھیں، مگر ایک ساتھ ناممکن ہوا جا رہا تھا۔

"کتنا ناقابلِ یقین تھا یہ سب۔" زرتاج نے خود کو کمپوز رکھنے کی پوری کوشش کی۔

"بڑا پکا کام کیا ہے قاتلوں نے، سو فیصد کرائے کے لوگ تھے، کسی نے دشمنی نکالی ہے سالار صاحب سے۔" ان ہی میں سے کسی نے زور سے کہا تھا۔

زمین، حقیقتاً" زرتاج کے پیروں تلے سے سرکی تھی۔ سالار سے دشمنی کون نکال سکتا تھا۔

اس کے گھر کے نوکر بھی بتا سکتے تھے اس سوال کا جواب۔

"بھلا وہ کہاں تک اس کے عیبوں کی پردہ پوشی کر سکیں گی۔" چکراتے ہوئے سر کو تھامتے زرتاج واپس صوفے پر بیٹھیں۔

ایک ملازمہ ان کے لیے پانی کا گلاس لینے دوڑی۔

"اور بے چارے حمیدی صاحب تو موقع پر ہی ختم ہو گئے۔" ایک اور اطلاع۔

زرتاج کی پھیلی ہوئی آنکھیں ان کی طرف اٹھی تھیں۔ محض لمحوں میں بساط الٹی تھی۔

"کاش! نبیل نے صرف ایک بار اس حرکت کا انجام سوچ لیا ہوتا۔"

ماؤف ہوتے ذہن کے ساتھ آخری بات زرتاج کے ذہن میں یہ ہی آئی تھی۔

(اگلی قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عالیہ بخاری

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ بائی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتلائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے۔ جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملے کو غور سے سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ، نگینہ کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سارا علاقہ حیران کن ہے۔ شہر آ کر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بالو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گئی آرسی کی ڈبلی دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھرم ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایماندار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل آبا پر توقع کا اول میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دُعاگو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار جی کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویریہ کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ جویریہ اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز سے تمام کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منواتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپاگل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ مریدہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سولے جویریہ اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویریہ چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

ملاوزنانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جارہی ہے جس پر نگینہ آنے والے دن جتنی کڑھتی رہتی ہے۔ شاماہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ نگینہ زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر ننھی کی جدائی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابر شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے ملنے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سکریٹری بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سکریٹری نبیل سے ان کا تعلق ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور اجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جزبز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابر شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابر شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر ننھی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویریہ کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویریہ، آپاگل سے بحث کرتی ہے۔ آپاگل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپاگل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔

سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

جویریہ کا رشتہ آنا فانا طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار چچا، آپاگل اور شاکرہ بیگم کی کوششیں شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے۔ اور جویریہ کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور جویریہ کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے تو وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویریہ کے رشتے پر دادی، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ، جویریہ کو اکساتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ آپاگل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ تاہم جویریہ ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔

صندل کو بالی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکنے لگتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

۳۳
تینتیسویں قسط

گھر کا وسیع کمپاؤنڈ آہستہ آہستہ بھرتا جارہا تھا' یہاں سے وہاں تک گاڑیاں ہی گاڑیاں تھیں' گارڈ باہر سڑک پر پارکنگ کروا رہے تھے' آج یہاں آنے والوں میں وہ غرباء اور مساکین نہیں تھے جو زرتاج بیگم کی بخشش لینے کی امید میں گھنٹوں پہلے سے لائن بنا کر کھڑے رہتے تھے۔

آج آنے والوں کی اپنی الگ کلاس تھی۔

شہر کے معزز ترین افراد۔

ہائی آفیشلز' بزنس مین' سیاسی شخصیات' فلاحی اداروں سے منسلک نمایاں ترین لوگ۔

کون تھا' جو سالار کے زخمی ہونے کی اطلاع سن کر اظہار ہمدردی کے لیے بیگم زرتاج کے پاس نہیں آرہا تھا؟ لیکن سب سے پہلے پہنچنے والے اس کے اپنے سگے بھائی یوسف کمال تھے۔

"اسی بات کا خوف تھا مجھے اتنے دن سے کہ ایسی کوئی حرکت ضرور ہوگی' خدا کرے کہ سالار بچ جائے' لیکن حمیدی صاحب ختم ہو گئے ہیں' پھانسی کا پھندا نبیل نے خود اپنے گلے میں ڈالا ہے۔"

بنا کسی تمہید کے انہوں نے اپنی بہن سے کہا تھا۔

گو وہ خود بھی سمجھ رہی تھیں' لیکن ان کے منہ سے صاف الفاظ میں سنتے ہوئے' ان پر بہرحال دہشت طاری ہوئی تھی۔

"کچھ کریں یوسف بھائی! بہت بڑا ایشو کھڑا ہو جائے گا' بہت بدنامی ہوگی ہماری۔"

وہ ان کے سامنے گڑگڑانے پر مجبور ہوئی تھیں۔

"ہماری نہیں' صرف تمہاری۔" انہوں نے سرد لہجے میں کہا اور آنے والوں کی طرف بڑھ گئے۔

ایک بڑی آزمائش کے سامنے وہ پھر ایک بار بالکل اکیلی کھڑی تھیں۔

انہیں روزی یاد آئی۔

انہیں انگلینڈ میں بیٹھا مالی یاد آیا۔

خون ناحق کے دھبے مٹانے کا سلسلہ کہیں پیچھے سے شروع تھا۔ "اور وہ بہرحال ایک پاورفل عورت ہیں۔" خود اپنی مورل سپورٹ کے لیے انہوں نے ایک بروقت یاددہانی اپنے آپ کو کروائی۔

باہر سب سے بڑا شور میڈیا والوں نے مچا رکھا تھا۔

زرتاج نے لاؤنج کی کھڑکی سے ذرا سا پردہ سرکا کر باہر دیکھا۔

اتنا ہجوم!

انہیں سوچنے پر بھی یاد نہیں آیا کہ اتنا بڑا مجمع پہلے کبھی یہاں اکٹھا ہوا ہو۔

پولیس کی بڑی تعداد لوگوں کو کنٹرول کرنے کی کوشش میں تھی' لیکن ان گنت کھلے چینلز کے کتنے ہی نمائندے نہ جانے کس کس کو پکڑ کر ان کے تاثرات ریکارڈ کرنے میں مصروف تھے۔

یہ کوئی چھوٹا موٹا معاملہ بالکل بھی نہیں تھا۔ شہر میں ہونے والی ایک اور دہشت گردی۔

انہوں نے باہر جانے سے پہلے اپنے تعلقات کو آزمانے کا فیصلہ کیا اور تیزی سے اندر کی طرف بڑھ گئیں۔

جو کچھ بھی کرنا تھا جلدی کرنا تھا۔

ان معاملات میں وقت کی اہمیت سے وہ اچھی طرح واقف تھیں' اور باہر چلتے اس سنسنی خیز ڈرامے سے ان کی زیادہ دیر کی غیر حاضری بھی مصلحت کے خلاف تھی۔

سو وہ تھوڑی ہی دیر میں ان سب کے بیچ تھیں۔ دل گرفتہ' مایوس اور جذباتی۔

باری باری ہر موڈ خود پر طاری کرتے ہوئے انہوں نے آنے والوں کا سواگت اپنے غم کا اظہار اور میڈیا کو تسلی

بخش جوابات کا سلسلہ تب ہی کچھ جاری رکھا لوگ مطمئن ہوئے یا نہیں، لیکن کم از کم وہ اپنا رول پوری طرح پلے کرنے میں کامیاب تھیں۔ کئی سوالات نبیل کی غیر موجودگی کے بارے میں بھی اٹھے، لیکن وہ پچھلے کئی دن سے شہر سے غیر حاضر تھا۔

بزنس سے متعلق ایک معمول کی مصروفیت، کسی کو بھی اس کے یہاں نہ ہونے پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے تھا۔

غیر محسوس انداز میں انہوں نے سالار کے لیے تشویش کے اظہار سے زیادہ نبیل کے تحفظ پر توجہ مرکوز رکھی تھی۔

یوسف کمال کی نفرت بھری نگاہ کئی بار ان کی طرف اٹھی۔

"سالار آپریشن تھیٹر میں ہے اور ابھی کچھ بھی کہنا قبل از وقت ہے آپ سب دعا کریں کہ سالار کو ہوش آجائے، اس کے بعد ہم زیادہ بہتر طور پر اصل مجرموں تک پہنچ سکتے ہیں۔ وہ جو کوئی بھی ہے اپنے انجام تک ضرور پہنچے گا۔"

زرتاج نے انہیں بڑے مضبوط لہجے میں کہتے سنا۔ حیرت انگیز طور پر میڈیا نے انہیں زیادہ کوریج دی تھی، شاید اس لیے بھی کہ ان کے تیور کسی اور بریکنگ نیوز کا اشارہ دے رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

چکن کے اسکن کلر والے خوب صورت سوٹ میں ان کی دمکتی ہوئی رنگت سچے موتیوں کی بے حد نازک گلے میں پڑی لڑی، بانہوں میں لپٹا ہوا بیلے کا گجرا اور وجود سے اٹھتی مخصوص بے حد دل فریب مہک۔

کمرے میں داخل ہوتی نگینہ نے بہت رشک سے نانی ستارہ کو دیکھا اور سامنے شیشے میں دکھائی دیتے اپنے بے ہنگم وجود سے شرم کھائی۔

بھلا کہیں سے بھی وہ لگتی تھی ان کی بیٹی۔

"کب سے راہ دیکھ رہی ہوں نگینہ! دو تین بار بلوا چکی ہوں تجھے۔" نانی نے اسے دیکھتے ہی ذرا خفگی سے کہا تھا۔

"پتا نہیں اماں! مجھے تو ابھی ابھی کسی نے کہا آپ اوپر بلا رہی ہیں تو میں دوڑی چلی آئی۔"

"ملازم بھی سارے ایسے ہی ہیں یہاں، کام کو ٹال ٹال کر کرتے ہیں، شاما والی بات کہاں کس میں کہ ایک اشارے پر دوڑتی چلی جائے۔"

"ہائے۔" نگینہ کے دل نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"شاما کو وہاں روک کر آپ نے بڑی زیادتی کی ہے اماں! ساری عمر کی وہی ایک غم خوار تھی میری، آپ کو تو وہاں دس خدمت گزار مل جائیں گی، یہاں میرا اور لیتی کا خیال رکھنے والا کون ہے۔" اپنے بلاوے کی وجہ بھول، نگینہ نے وہی دکھڑا رویا جو اس کا اور شاما کا مشترکہ تھا۔

"وہ نہیں چل سکے گی یہاں، اس کو یہاں کے طور طریقے نہیں آتے، بے کار میں صندل اور بالی کے ہاتھوں ذلیل ہوگی، تو پھر بھی تو نہیں ہی برا لگے گا نا!"

نانی ستارہ کی بات سے متفق نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی، پھر بھی شاما کو یہاں دیکھنے کی خواہش زور پکڑ رہی تھی۔

"کوئی کچھ کہہ کر تو دیکھے، ایسے کون سے گرے پڑے ہیں، جو کسی کی سنیں گے۔" نگینہ کو اپنے مقام اور اختیارات کے بارے میں کچھ خوش فہمی ابھی بھی باقی تھی۔

نانی ستارہ اداسی سے مسکرائیں۔

"یہ بالی کا گھر ہے نگینہ!"

"بالی کا نہیں صندل کا اور صندل میری بیٹی ہے اماں!"

"صندل کو یہاں تک لانے والا بالی ہے۔ احسان فراموش مت بن، یہاں جو بھی رہے گا اسے وہی طور اطوار سیکھنے ہوں گے جو بالی کے ہاں رائج ہیں، میری مان تو ایک طرف بیٹھ کر زندگی گزار اور کوشش کر اسی عرصے میں لیتی کا کچھ بن جائے۔"

دھیمی آواز میں تھوڑا سا اس کی طرف جھکتے ہوئے وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔

لیتی کی پڑھائی، اس کی آگے کی زندگی...

"کوشش کر کے اسی ایک آدھ سال میں لیتی کو سیٹ کرنا ہے۔ بالی صاحب کے تو سب اونچے اونچے لوگوں سے تعلقات ہیں۔ کوئی اچھا مال دار شخص مل جائے تو دوسری یا تیسری بیوی بن کر بھی رخصت ہو سکتی ہے۔ سر آنکھوں پر رکھتے ہیں ساری عمر۔ خاندانی بیویاں تو بس خانہ پوری کے لیے ہوتی ہیں۔"

جس سوچ کے ساتھ وہ لیتی کو یہاں شفٹ کرنے پر تیار ہوئی تھیں اس کا اعادہ کرتے رہنا ضروری تھا۔

"اب بہرحال سمجھ داری سے چلنا ہوگا نگینہ! مجھے تیری عقل پر ذرا بھی بھروسا نہیں ہے لیتی کی زندگی کا سوال ہے ورنہ میں کبھی اسے خود سے علیحدہ نہیں کرتی۔"

"تب ہی تو کہہ رہی ہوں آپ خود یہاں رہیں۔ آپ کا اثر بھی رہے گا اور آپ کو لوگوں کی پہچان بھی ہے میں تو بالکل کوری ہوں ان کاموں میں۔ ساری عمر بس یوں ہی عقل ایک طرف رکھ کر سرپٹ دوڑی ہوں اب کیا خاک سمجھ داری دکھاؤں گی۔"

نگینہ ان کے بغیر یہاں رہنے سے خوف زدہ تھی لیکن نانی ستارہ نے اس بار بھی نفی میں سر ہلایا۔

"تو نے جو کیا نگینہ وہ بھی کمال تھا۔ خود کو کرنے مت دے۔ میں آتی جاتی رہوں گی بس تو آنے والوں پر نگاہ رکھ اتنی عمر ہو گئی ہے یہاں اب سکون سے بیٹھ کر سوچ سمجھ۔"

سامنے لاؤنج میں سے گزرتی لیتی کو دیکھ کر انہوں نے اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اسے آواز دی۔

"جی!" وہ پاس آکر کھڑی ہوئی۔

"دو کپ چائے بنوا کر لاؤ نیچے سے بلکہ یہیں سے کسی کو کہہ دو کوشش کیا کرو کہ خود زیادہ تر یہیں اپنے کمرے میں رہو۔"

آج وہ جا رہی تھیں تو ضروری تھا کہ سب کو کچھ نہ کچھ نصیحت کرتی جائیں۔

لیتی ان کی بات سن کر واپس باہر نکل آئی پھر چائے کے لیے کہنے نیچے ہی جانا پڑا۔

سامنے خلاف توقع صندل نظر آئی تھی۔ بڑے سے آرام دہ صوفے پر نیم دراز وہ بہت فرصت سے ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

"آج نہیں گئیں شوٹنگ پر؟"

آج کل وہ جس مصروفیت میں گھری رہتی تھی اس کو دیکھتے ہوئے لیتی کو یہاں موجودگی پر تھوڑی حیرت ہوئی تھی۔

"نہیں، کل کی پارٹی کی وجہ سے آج کا دن فارغ رکھا تھا، سوچا تھا سارا دن سوؤں گی لیکن خود بخود ہی آنکھ کھل گئی۔"

اپنی بات مکمل کرتے ہوئے وہ ہلکے سے مسکرا دی۔ میک اپ سے صاف چہرہ، سادہ سی شلوار قمیص۔ اس عام

سے حلیہ میں وہ اتنی خوب صورت دکھائی دے رہی تھی کہ خود گیتی کا نگاہ اس پر جمنے لگی۔
"بہت پیاری لگ رہی ہو' ایسے ہی رہا کرو نا!"
"ایسے۔" وہ کچھ چونک کر ہنس پڑی۔ "کروڑوں روپیہ لگا ہے بالی صاحب کا' کون دیکھنے آئے گا ایسے حلیے والی ہیروئن کو۔ بے چارے کہیں کے نہیں رہیں گے۔"
اپنی بات کہہ کر وہ پھر ہنسنے لگی۔ آج کل وہ اسی طرح بات بے بات ہنستی تھی۔
گیتی نے پاس سے گزرتی ملازمہ کو اوپر چائے پہنچانے کو کہا اور دوبارہ صندل کی طرف متوجہ ہوئی۔
"تم واقعی بہت خوش ہو صندل؟"
"ظاہر ہے' کتنی لڑکیاں پہنچتی ہیں اس مقام تک' جہاں آج میں ہوں' یہ تو بالی صاحب کی مہربانی ہے' جو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور یہاں تک لے آئے' ورنہ میرا بھی الماس والا حال بنتا تھا۔"
اس نے تفصیلاً اپنی خوشی کے جواز بھی بتائے لیکن وہ پھر بھی اس کی طرف سے مشکوک ہی تھی۔
"تم نے کیا ہمیشہ ہیروئن بننا ہی چاہا تھا صندل؟"
صندل نے اس کی طرف اس طرح دیکھا جیسے وہ کوئی بہت بے وقوفی بھرا سوال کر بیٹھی ہو۔
"اور کیا خواہش پالتی۔" ذرا رک کر اس نے سوالیہ نگاہ گیتی پر ڈالی اور پھر ہنس پڑی۔
"تمہیں کیا لگتا ہے کہ مجھے بھی خالہ فیروزہ کے نقش قدم پر چلنا تھا' جو گھر بسانے کی تمنا میں بھری جوانی میں قبر میں جا سوئیں اور پیچھے چھوڑ گئیں خیام سا نا خلف' جو ان کے وجود سے بھی انکاری ہے۔ اللہ معافی!" ہلکے سے سر جھٹک کر اس نے ایک ہاتھ سے کان کی لو کو چھوا۔
"ہر ایک کا انجام فیروزہ خالہ جیسا تو نہیں ہوسکتا۔" گیتی کی آواز دھیمی تھی' مگر نقطۂ اعتراض سلامت تھا۔
"مختلف بھی نہیں ہوتا' یہاں لوگوں کو اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا' مگر دوسرے کے حسب نسب سات پشتوں تک کنگھالے بغیر چین نہیں آتا ہے انہیں' ہمارے لیے بہتر ہے کہ جو مل رہا ہے اس پر شکر کریں' بالی صاحب کے بڑے احسان ہیں ہم پر گیتی! دیکھنا اگلے کچھ سال میں کہاں سے کہاں پہنچ چکی ہوں گی میں' بالی صاحب کہہ رہے تھے کہ۔۔۔" گیتی نے مایوسی سے اسے دیکھا۔
صندل کی ہر بات بالی صاحب سے شروع ہو کر ان ہی پر ختم ہو رہی تھی۔
صندل نے بھی اس کی بددلی کو نوٹ کیا تھا' سو خود ہی موضوع بدل دیا۔
"رات کی پارٹی کیسی لگی؟"
"ٹھیک تھی۔"
"سارے بڑے بڑے لوگ تھے' اونچے بزنس مین' اعلا آفیسر' حکومتی بندے' بالی صاحب کے بہت زبردست کانٹیکٹس ہیں۔"
"ہوں!"
"کتنے ہی جانے پہچانے لوگ نظر آئے' مگر بالی صاحب نے پہلے ہی سمجھا دیا تھا مجھے کہ زیادہ اشتیاق ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے' سو میں بھی انجان ہی بنی رہی' مگر کون تھا جو خود سے آکر نہ ملا ہو' شوبز کی بھی بڑی اٹریکشن ہے لوگوں کو۔ ہے نا!"
"ہاں!" ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
"کہاں چلیں؟" صندل کو بڑے دن بعد فرصت ملی تھی' لیکن گیتی کو نانی کی تازہ کی گئی نصیحت یاد تھی۔
"آج نانی واپس جا رہی ہیں' ان کی تیاری کروانی ہے۔"

وہ کہتے ہوئے مڑنے لگی تب ہی ٹی وی پر بریکنگ نیوز کی سلائیڈ دیکھ کر قدم تھمے۔
اچھا چلو' پھر میں بھی آتی ہوں۔"
صندل نے کہتے ہوئے لاپروائی سے چینل بدلا تھا۔
"دیکھنے تو دو' بریکنگ نیوز ہے۔"
"کون سی اچھی خبر ہوگی' وہی قتل غارت' بم بلاسٹ' دل بیٹھنے لگا ہے میرا تو ویسے بھی ویک نیس بڑھ رہی ہے سخت ڈائٹنگ کر کر کے۔" وہ خود ترسی میں مبتلا ہونے لگی۔
گیتی نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔
پچھلے چند ماہ میں اس نے اپنا وزن اور بھی کم کر لیا تھا۔
"تو مت کرواتی ڈائٹنگ' بیمار پڑ جاؤ گی' کام بھی اتنا کرتی ہو۔" وہ بہن کی فکر میں مبتلا ہوئی۔
صندل تلخی سے مسکرا دی۔ "اب موٹی ہیروئنوں کا وقت جا چکا ہے۔ لوگوں کا ٹیسٹ بدل چکا ہے اب تو لمبی، سلم' فرفر انگلش بولنے والی لڑکیوں کا دور ہے۔ بالی صاحب کہتے ہیں کہ مجھے ابھی بہت کچھ سیکھنے کی ضرورت ہے بڑی کمیاں ہیں میرے اندر۔"
"اچھا اور خود ان میں کتنی خرابیاں ہیں اس کا احساس ہے انہیں۔"
بالی کا حلیہ یاد کر کے وہ بری طرح جھنجلائی۔
"بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔ روزانہ درجنوں کے حساب سے لڑکیاں آرہی ہیں انڈسٹری میں۔ ایک نظر کی منتظر ہوتی ہیں بالی صاحب کی' جس کو وہ چانس دے دیں اس کی خوش قسمتی میں کوئی شک نہیں ہوتا' انڈسٹری کی لڑکیوں کے لیے ان سے زیادہ اثر یکٹو کوئی نہیں ہے۔"
گیتی نے بے زاری سے سر کو ہلکے سے جھٹکا' بالی صاحب کی حمایت میں صندل پورا دن بھی بنا رکے بول سکتی تھی۔
"بہرحال انہیں تم پر تنقید کا کوئی حق نہیں ہے۔"
"نہیں ہے۔" صندل کا لہجہ حتمی تھا۔ "اور انہیں صرف مجھ پر ہی نہیں تم پر' اس گھر میں رہنے والے ہر شخص پر تنقید کا حق حاصل ہے' کیونکہ وہ ہمارے لیے وہ سب کر رہے ہیں جو کوئی اور نہیں کر سکتا۔"
گیتی صرف پہلے ہی جملے پر اٹکی تھی۔
"میرے بارے میں کیا کہا ہے انہوں نے؟"
"یہی کہ رات کی پارٹی میں تمہاری ڈریسنگ بالکل بے کار تھی اور تم کہیں سے بھی میری بہن نہیں لگ رہی تھیں۔"
"تو ان کے خیال میں تمہاری بہن لگنے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے تھا۔"
"گلیمرس لک ہونا چاہیے تمہارا بھی' ایسا جس پر لوگ مڑ کر تمہاری طرف دیکھیں۔ نمایاں نظر آؤ تم پورے مجمع میں۔" صندل نے اس کے لہجے میں آئی چبھن کی ذرا سی بھی پروا نہیں کی تھی۔
"جس طرح کا مجمع کل تمہاری پارٹی میں لگا ہوا تھا اس میں نمایاں نظر آنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ بتا دینا بالی صاحب کو۔" اس نے پوری قطعیت سے کہا اور واپس مڑ گئی۔
"سو اندازہ ہوا کہ نانی خود یہاں رکنے پر راضی کیوں نہیں ہیں۔"
اوپر کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اس نے ایک درست اندازہ لگایا۔
"یہ گھر ضرور صندل کا ہے' لیکن اصول قاعدے سارے بالی صاحب کے۔"

پہلی بار اسے لگا کہ وہ درحقیقت کس کی غلامی میں آنے والی ہے' اور آزادی کا وہ بے فکری بھرا دور وہیں کہیں نانی ستارہ کے چوبارے پر ہی کھڑا رہ گیا ہے۔

آگے تنقیدیں تھیں' پابندیاں تھیں اور ڈھیر ساری دل آزاری۔

تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ایک پل کے لیے اس کے قدم تھمے۔

شاید اسے ابھی نانی کے ساتھ اپنا بوریہ بستر سمیٹ کر واپس چلا جانا چاہیے' ان کے غصہ و خفگی کی ذرا بھی پروا کیے بغیر۔

سیڑھیوں کے ساتھ والی دیوار پر لمبی لمبی کھڑکیاں باہر لان کی طرف کھلتی تھیں۔

کیتی کی نگاہ بس یوں ہی اس طرف اٹھی تھی۔ دور تک دکھائی دیتا نیلا آسمان یہاں سے وہاں تک اتنا شفاف اتنا پرکشش۔

کیتی کی نگاہ وہیں جمی تھی۔

اس نے کب آسمان کو اس انتہا تک دیکھا تھا بھلا جو کچھ سوچنے کے لیے رکی تھی اسے بھلا کر اس نے دوسری بات سوچی۔

جواب میں جھکتی بالکونیوں والی وہی تنگ سی گلی جہاں سب کے حصے میں کاٹ چھانٹ کر محض کھڑکی بھر آسمان ہی آتا تھا۔

بے رنگ' بے کشش!

جس میں اڑان کا تصور ہی نہیں بنتا تھا۔

سو اب اسے اپنے حصے کا آسمان درکار تھا۔ چوائس اس کی فیصلہ اس کا۔ وہ بہت اطمینان سے سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔

نانی ستارہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا بہت خود اعتمادی بھرے انداز میں وہ کمرے میں آئی تھی۔

"لائیں کیا سامان باقی رہ گیا ہے آپ کا میں پیک کردوں۔" وہ کہتی ہوئی سامنے صوفے پر رکھے نانی کے بیگ کی طرف بڑھ گئی۔

اب کوئی گھبراہٹ کوئی بے چینی نہیں تھی اس کے انداز میں ان کی طرف پشت کیے وہ سامان بیگ میں رکھ رہی تھی' جب وہ اس کے پاس جا کھڑی ہوئیں۔

"اپنا بہت خیال رکھنا' اب تم بڑی ہوگئی ہو' کوشش کرنا کہ بالی صاحب سے تمہارا ٹکراؤ نہ ہو مصلحت پسندی زندگی کو آسان بناتی ہے اور ہمارے طبقے کی عورت تو جیتی اسی کے سہارے ہے۔ غرور' انا' اصول' عزت نفس اچھی چیزیں ہیں میں خود ان سے مکمل طور پر پیچھا نہیں چھڑا سکی ساری عمر گنوا بیٹھا۔" وہ کچھ کہتے کہتے رکیں۔

کیتی کی خوب صورت آنکھیں ان کے چہرے پر جمی رہیں۔

نانی ستارہ ہلکے سے مسکرائیں۔

"کوئی بھی جذبہ اس وقت تک اچھا ہے جب تک وہ تمہاری طاقت ہو' اسے کمزوری مت بننے دینا ورنہ وہ تم سے بہت سارے غلط فیصلے کروائے گا' ایسے فیصلے جن کا پھر ازالہ بھی ممکن نہیں ہوپاتا' سمجھ گئیں نا!"

"جی!" اس نے پورے اعتماد سے سر ہلایا۔

"شاباش' مجھے پورا بھروسا ہے تم پر۔" وہ تھوڑا سا آگے بڑھ کر ان کے گلے سے جا لگی۔

ان کے قرب میں وہی گہرا سکون بھرا احساس تھا جسے شاید اب وہ سب سے زیادہ مس کرتی۔ ان کے کندھے سے لگے لگے اس نے آنکھ کے کونے پر آیا پانی کا قطرہ چپکے سے جھٹک کر گرایا ابھی ابھی لی گئی نصیحت کے بعد

کمزوری نہیں دکھائی جاسکتی تھی۔ وہ نرمی سے ان سے علیحدہ ہوئی۔

"نانی!" اسے سب سے ضروری بات یاد آئی۔ "سالار صاحب کا پتا کرنے کی کوشش کیجیے گا ان کا سیل نمبر تو لگ رہا ہے کہ بدل گیا ہے' وہاں گھر پر شاید افسر بھائی کا نمبر لکھا ہوگا ڈائری میں' ان سے معلوم کیجیے گا ورنہ۔"

"وہ بھی ذاتی نمبر نہیں ہے۔ ریڈیو پاکستان والا ہے۔ دیکھو خدا کرے کہ افسر میاں ہی مل جائیں۔ سچی بات ہے کل سے دل پر گھبراہٹ سی طاری ہے عجیب سی۔"

"ایسے ہی وہم نہ کریں سب ٹھیک ہوجائے گا۔"

"ان شاء اللہ۔" پورے یقین سے کہتے ہوئے' نانی ستارہ اپنے سامان کی طرف متوجہ ہوئیں۔ "میری چیزیں سب دیکھ کر رکھ دینا۔ کہیں مجھے بعد میں وہاں پریشانی ہو' شاما تو کسی کام کی نہیں۔ ایک چیز کو ڈھونڈنے میں سارا دن لگادے گی۔"

کیتی ہلکے سے ہنس پڑی "پھر بھی شاما کے بغیر آپ کا گزارا نہیں ہے۔"

☆ ☆ ☆

جویا نے ٹرے میں رکھی پلیٹ کو دیکھا۔

ایک چمچہ بھر سالن جس میں ایک دو آلو کے ٹکڑے اور بوٹی کے چند ریشے بھی چلے آئے تھے اور ایک روٹی۔

"آج اتفاق سے سالن ختم ہوگیا تھا۔"

آپا گل نہ بھی بتاتیں تب بھی کھانے کی صورت حال خود بتا رہی تھی۔

"ایک تو ڈھنگ سے کچھ پک بھی نہیں پارہا۔ میں اکیلی کیا کیا کروں۔ اپنا گھر چھوڑ کر تم لوگوں کی خاطر یہاں بیٹھی ہوں' امی نے بستر پکڑ رکھا ہے۔ ابو کا پارہ کسی طرح نیچے نہیں آرہا اور زویا کسی کام کی نہیں۔ اوپر سے سارا خاندان دوڑا چلا آرہا ہے۔ میں ہی سب کو فیس کرنے کے لیے رہ گئی ہوں۔"

ان کی خدمات کی فہرست ہمیشہ کی طرح طویل تھی اور گھر والے پہلے سے زیادہ ان کے احسان تلے دبے ہوئے تھے۔

"کھانا میں آکر پکا دیا کروں نیچے۔" جویا نے صرف ان کا بوجھ ہلکا کرنے کی غرض سے کہا لیکن وہ اس طرح چونکیں جیسے کوئی بہت ہی غیر متوقع بات سنی ہو۔

"تم!"

"ہاں تو اور کون؟"

کئی سالوں سے کچن مکمل طور پر اسی کی ذمہ داری تھا' سو اسے آپا گل کی وجہ حیرت سمجھ میں بھی نہیں آئی تھی۔

"پاگل ہوئی ہو' ابو کے سامنے تو جانے سے بھی گریز کرو' ابھی تو انہوں نے تمہارے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانے سے بھی انکار کردیا ہے' کہہ رہے تھے میرے روٹی سالن پر اس لڑکی کا ہاتھ نہ لگے' ورنہ میں اپنے لیے بازار سے کچھ لے آیا کروں گا۔"

آپا گل نے جیسے اخبار کی کوئی سنسنی خیز خبر پڑھی اور جویا کا چہرے کا پھیکا پڑتا رنگ دیکھ کر بات کی اثر انگیزی کا لطف اٹھایا۔

"اس طرح تو ہونا ہی تھا' غیرت مند باپ بھائی تو کاٹ کر پھینک دیتے ہیں لڑکیوں کو ایسی حرکتوں پر' آئے دن اخبار بھرے ہوتے ہیں ایسی۔۔۔"

"اس طرح کی حرکت۔۔۔؟

آپاگل بولتی ہوئی کہیں آگے نکل چکی تھیں، لیکن جویا اسی حوالے پر رکی ہوئی تھی۔

"میں نے کچھ غلط نہیں کیا آپاگل! صرف اپنا ایک شرعی حق استعمال کیا ہے۔"

وہ جوابھی اس کا اڑتا ہوا رنگ دیکھ کر کچھ تسلی حاصل کرپائی تھیں اس کے مضبوط لہجے پر بری طرح جھنجلائیں۔

"چوری اور سینہ زوری! کچھ تو شرم کرلو جویا! سارے میں ہنسی اڑوادی ہماری، لاکھوں روپوں پر پانی پھر گیا ہے، کتنی مشکلوں سے سب کچھ سیٹ ہوا تھا کتنا شاندار جہیز اور..."

اس کی خطاؤں کی فہرست میں کوئی نیا اضافہ نہیں تھا۔ وہی سب جو پچھلے کئی دن سے کہا اور سنا جارہا تھا! ایک ٹھنڈی سانس لے کر، وہ لاتعلقی سے، سامنے کھڑکی پہ کھلے آسمان کو دیکھنے لگی

آپاگل بمشکل ہی خود پر کنٹرول رکھ سکیں۔

"فضول ہے تمہارے پاس بیٹھنا اور تمہیں سمجھانا، کتنے دن سے تو بی پی کی گولی نے بھی لگتا ہے اثر کرنا چھوڑ دیا ہے، یہ کھانا رکھا ہے کھالینا۔"

وہ دروازے سے نکلنے لگیں، تب ہی کچھ اور بہت ضروری بات یاد آئی۔

"مہربانی کر کے نیچے مت آنا، کسی وقت بھی کوئی منہ اٹھائے چلا آرہا ہے، تمہیں سامنے دیکھ کر، ان کی ایکسائٹمنٹ اور بھی بڑھے گی، جو ہم میں سے کوئی بھی نہیں چاہتا۔"

اس کا جواب سننے یا ری ایکشن جاننے کی انہیں کوئی ضرورت نہیں تھی، سو فوراً" ہی سیڑھیاں اترتی چلی گئیں جویا نے ٹرے قریب سرکائی۔

پلیٹ کی تہہ میں لگا ہوا، چکنا ٹھنڈا سالن، روٹی کا بالکل چھوٹا سا نوالہ توڑتے ہوئے، اس نے گھڑی کی طرف دیکھا۔

چار بج کر بیس منٹ!

صبح نو بجے چائے کے ساتھ کھائے گئے، ایک سلائس کے بعد، یہ کھانا اس کے حصے میں آیا تھا۔

وہ ناشکری یا بدنیت نہیں تھی سو دل میں اٹھتے احتجاج کو بڑی آسانی سے دبا گئی۔

☼ ☼ ☼

کچی آبادی کی ٹیڑھی میڑھی گلیوں کے بیچ رہنے والی سعیدہ نے شاید خوش نہ رہنے کی قسم کھا ہی لی تھی۔

"کام پر تو جاتی ہے، بچے تیرے اسکول لگ گئے، زری نے سارے گھر کا کام سنبھال رکھا ہے، پھر بھی تیرے شکوے ختم ہونے کا نام نہیں لیتے۔"

وہ بتول کے پاس بیٹھ کر، روز کا شکایت نامہ سنا کر فارغ ہی ہوئی تھی کہ اس کا اعتراض بھی سننا پڑ گیا۔

"بڑی ناشکری ہے تو!"

بتول نے ہاتھ نچا کر کہا تو، سعیدہ کی نگاہ اس کی سیاہ کلائی میں چمکتی سنہری چوڑیوں پر ایک بار پھر جاکر جمی۔

"کیسی پیاری لگ رہی ہیں بالکل سونے کی۔"

"سونے کی بھی بنوادے گا، بس اللہ میرے ساجد کی عمر اور کمائی میں برکت دے، یہ تو ساڑھے تین سو کی چھ لی ہیں۔"

اس طرح کی شاپنگ، اب بتول کے معمول کا حصہ بن چکی تھی۔

سعیدہ نے ایک حسرت بھری نگاہ، بتول کی خوشحالی پر ڈالی۔

"اور وہ پرانی والی چوڑیاں کیا ہوئیں، ابھی تو وہ بھی بالکل نئی لگتی تھیں۔"

"بس یوں ہی دل بھر گیا تھا تو اتار کر رکھ دیں تو پہن لے کلا کر دیتی ہوں!"

سعیدہ کے منع کرنے کے باوجود، وہ الماری میں سے چوڑیاں نکال کر اس کے ہاتھ میں ڈال کر ہی مانی۔

"خوش رہنے کی کوشش کیا کر سعیدہ! ایسے ہی جل جل کر اپنی صحت مت تباہ کر تیرے تو بچے بھی بہت چھوٹے ہیں ابھی۔"

جب وہ اس کے ہاں سے جانے کے لیے اٹھ رہی تھی تو بتول نے بڑی محبت سے کہا تھا۔

سعیدہ نے جواباً" کچھ بھی نہیں کہا تھا۔

"نواب جیسا نکھٹو اور نشئی شخص اگر قسمت میں لکھا تھا تو کیا تھا کہ ایک ساجد جیسا کماؤ بیٹا بھی اللہ دے دیتا۔"

ہاتھ میں ڈالی ہوئی سنہری چوڑیاں بھی اس حسرت کا مداوا کرنے کے لیے ناکافی تھیں۔

سعیدہ بڑی مضمحل سی گھر میں داخل ہوئی تھی۔ آج بہت دن بعد، وہ کچھ جلدی گھر لوٹی تھی۔ کام والی ایک باجی، شہر سے باہر گئی ہوئی تھیں، سو وہ بہت جلدی فارغ ہو گئی تھی۔

سامنے ہی دونوں بچے صاف ستھرے کپڑے پہنے بستہ سنبھالے تیار کھڑے تھے۔

"گئے نہیں ابھی تک!"

"پھپھو تیار ہو رہی ہیں!"

ایک ذرا سے اسکول جانے تک کون سی تیاری درکار تھی! سعیدہ کو عجیب سا لگا۔

آخر خود وہ بھی تو صبح منہ دھو کر نکل جاتی تھی کام پر، کپڑے بھی ایک دن چھوڑ کر محض اس لیے بدلنے پڑتے تھے کیوں کہ کام والی باجیاں گندی باسی کو برداشت نہیں کرتی تھیں۔

پانچ منٹ، دس منٹ۔

"زری!" سعیدہ کے ضبط نے جواب دے دیا۔

"جی بھابھی!" وہ گھبرا کر فوراً" ہی نکل آئی۔

مزید کچھ کہنے سے پہلے، سعیدہ کی نگاہ اس پر جمی۔ نکھرا نکھرا سا چہرہ، آنکھوں میں کاجل کی لکیر، جما کر استری کیے گئے کپڑے اور ریشمی بالوں کی گال پر جھولتی ہوئی لٹ!

سعیدہ کو پہلی بار اندازہ ہوا کہ زری اچھی خاصی خوب صورت لڑکی ہے۔

"یہ کون سے کپڑے پہنے ہیں، پہلے تو نہیں دیکھے تیرے پاس۔" کچھ گڑبڑا کر، پہلا نقطۂ اعتراض اس نے زری کے خوش رنگ کپڑوں پر ہی اٹھایا۔

"یہ کپڑے آپ ہی نے تو لاکر دیے تھے بھابھی! کام والی کسی باجی نے آپ کو دیے تھے!" وہ حیران سی ہو کر یاد دلانے لگی تو سعیدہ کو یاد بھی آگیا۔

نئے انداز میں سلے ٹراؤزر اور لمبی شرٹ کا تمغہ اس نے کسی مہربان لمحے میں اس نے زری کو بخشا تھا۔

"اور یہ اتنا تیار ہو کر جانے کی کیا ضرورت ہے وہاں جیسے کسی تقریب میں جانے کے لیے کھڑی ہے۔"

اس کی تنقید نے دوسرا رخ موڑا۔

"کیا ہو گیا ہے بھابھی! وہاں سب پڑھے لکھے لوگ ہوتے ہیں، کیا سوچیں گے اگر ایسے ہی منہ اٹھا کر نکل جاؤں۔ یہی نا کہ بچے پتہ نہیں کتنے غریب مسکین گھر کے ہیں۔" چپ چپ زری کے پاس اب جواز آچکے تھے۔ سعیدہ کو ہی قائل ہونا پڑا۔

"اور ہاں!" اپنی چادر اٹھاتے ہوئے اسے کچھ یاد آیا "یہ چار سو روپے ملے ہیں کل بچوں کے لیے۔" اپنے چھوٹے سے پرس سے اس نے سو کے چار نوٹ نکال کر سعیدہ کے ہاتھ پر رکھے تو فی الحال وہ سارا ہی گلہ بھول گئی!

"جاؤ تم لوگ دیر ہو رہی ہے!"

"اس بار تو زرتاج بیگم کے ہاں بھی سنا ہے کہ کوئی بڑا مسئلہ کھڑا ہوا ہے فائرنگ وائرنگ کا۔ پتہ نہیں پہلی جمعرات والی خیرات بٹی بھی ہے یا نہیں!" چار سو روپے ہاتھ میں دبا کر وہ یہی سوچتی زری اور بچوں کے پیچھے ہی باہر نکل گئی۔

دکان والے کے ڈیڑھ سو روپے دینے تھے آتے جاتے تقاضہ کر رہا تھا!

یہ دیے جاتے تو آگے پورا مہینہ وہ بنا کسی اعتراض کے ادھار دیتا رہتا تھا۔ باقی حساب وہ اپنی تنخواہ ملنے کے بعد کر لے گی۔

کچھ تو اطمینان میسر آیا ہی تھا!

☼ ☼ ☼
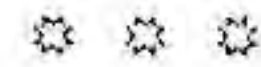
رات ڈھل رہی تھی جب وہ الماس کے چوبارے سے نیچے اتر رہا تھا!

گل ناز اسے رخصت کرنے نیچے سیڑھیوں تک خود آئی۔

"جب تک ہم اس شہر میں ہیں ہم کسی اور کو یہاں نہیں دیکھنا چاہیں گے گل ناز بیگم!"

سیڑھی پر قدم رکھنے سے پہلے اس نے خاص طور پر گل ناز سے کہا تھا۔

پیسوں سے بھری ہوئی جیب اور زرتاج کی طرف سے ملی آزادی نے اس کے لہجے کو خود بخود ہی تمکنت عطا کی تھی!

گل ناز نے جواباً اسے پوری یقین دہانی بھی کروائی تھی پچھلے دو ہفتوں میں وہ اسے اتنا پیسہ دے چکا تھا جو امید سے کہیں زیادہ تھا۔

یہاں آنے والوں میں بڑے بڑے پرانے کرم فرماؤں نے بھی کبھی کوئی کمی نہیں رہنے دی تھی مگر نبیل کی شکل میں وہ ایک نئی دنیا دریافت ہوتے دیکھ رہی تھی اور گل ناز کو اب کوئی ایسا ہی سہارا درکار تھا جو نگینہ کے مقابلے میں اس کی گرتی ہوئی ساکھ کو بچانے میں مدد کر سکے اور شاید نبیل ایسا کر سکتا تھا۔

گلی میں قدم رکھتے ہوئے نبیل نے ادھر ادھر کا جائزہ لیا ابھی یہاں کی رونقیں مدہم نہیں پڑی تھیں۔ چند لمحوں کے لیے تو اسے بھی افسوس ہوا کہ وہ جلدی کیوں اٹھ گیا۔

"مگر خیر کل سہی!" اس نے خود کو تسلی دی! اس کی نگاہ پھر سے اوپر اٹھی مگر اس بار سنائے میں ڈوبے تانی ستارہ کے چوبارے نے اس کی توجہ کھینچی!

سامنے کے آرائشی برآمدے میں جلتی ہوئی مدہم روشنیاں بتا رہی تھیں کہ یہاں رہنے والوں کو آس پاس کے ہنگاموں سے کوئی غرض نہیں ہے۔

"یا پھر ہنگامہ برپا کرنے والے کوچ کر چکے ہیں!" نبیل کو دوسرا خیال زیادہ درست لگا۔

"کیا اب صندل یہاں بالکل نہیں آتی!"

صندل جو میکا ہٹ دے چکی تھی۔ اس کے بعد وہ ایک سیلیبریٹی کے طور پر پہچانی جا رہی تھی اور نبیل کو رہ رہ کر یہی افسوس ستا رہا تھا کہ وہ یہاں آنے میں خاصی دیر کر چکا ہے۔

"اس کے پاس اب فرصت کہاں ہوگی یہاں آنے کی ویسے بھی اب صرف یہاں ستارہ جان رہتی ہیں اکیلی چند پرانے لوگ اور ہوں گے شاید! اس کے ساتھ آنے والا کئی بار صندل کی تفصیل بتا دینے کے بعد اب بور ہو چکا

تھا۔

وہ دونوں چلتے ہوئے گاڑی تک آئے راجو ڈرائیونگ سیٹ پر الرٹ تھا۔

"تم جاگ رہے ہو میں نے کہا بھی تھا کہ تھوڑی سی نیند لے لیا کرو کیوں اپنی رات کالی کرتے ہو!"

وہ آج کل بے حد خوش اور مگن تھا سو ہر ایک کے ساتھ ہی فیاضانہ موڈ میں رہتا تھا۔

"مجھے اب نیند نہیں آتی ہے۔"

طویل عرصے سے اس کی گاڑی چلاتے رہنے کے بعد بھی راجو کے منہ پر سر کا لفظ نبیل کے لیے نہیں آتا تھا۔ نبیل کو کئی بار برا بھی لگا تھا مگر راجو کے آگے اس کی تھوڑی سی ہمت جواب دے ہی جاتی تھی۔ اس وقت بھی نظر انداز کیا تھا۔

"روزی کا کچھ پتہ چلا؟"

گاڑی اسٹارٹ کرنے کے بجائے وہ مڑ کر اس طرح پوچھ رہا تھا جیسے نبیل یہاں اتنے گھنٹے سے روزی کے بارے میں ہی معلومات کر کے واپس ہوا ہے۔

سارا موڈ کرکرا ہوا تھا۔

"دیکھو راجو!" اس نے بڑے تحمل سے بات کو سنبھالنا چاہا۔ "میں نے کہا ہوا ہے کچھ لوگوں سے پتا کر رہے ہیں وہ جیسے ہی کوئی کلیو ملا تو ہم......"

"کب سے کہہ رہے ہو تم روزانہ ایک ہی بات دہراتے ہو پتہ ہے سال سے بھی اوپر ہو چکا ہے روزی کو غائب ہوئے کسی کو خبر نہیں ملتی اس کے بارے میں تم اسے ڈھونڈنا ہی نہیں چاہتے ہو نبیل! صاف کیوں نہیں کہتے ہو۔"

وہ بری طرح پھٹ پڑا تھا تب ہی نبیل کا سیل فون بجا۔ نبیل کے لاہوری میزبان پر تو جیسے حیرت کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔ ایک معمولی ڈرائیور کی اتنی جرات!

"کیا بکواس ہے جیسے تو پہلے کام کے لیے ہیں پھر کیسے ہوش آ گیا اس کو؟" دوسری طرف سے ملنے والی اطلاع نے رہی سہی کسر پوری کی تھی۔ راجو کو تو پھر بھی سنبھالا جا سکتا تھا مگر یہ خبر تو حواس معطل کرنے والی تھی۔

☼ ☼ ☼

جویا کی شادی ختم ہوئی تھی یا نہیں۔ ٹل ضرور گئی تھی!

وہ بھی بالکل آخری لمحات میں۔

خاندان میں اسی روایتی سی بوریت بھری زندگی کا دور دورہ تھا جو مڈل کلاس کے لیے مخصوص چلی آئی ہے سو سب ہی نے اس اچانک مل جانے والی سنسنی خیزی کو حسب توفیق بھرپور انداز میں انجوائے کرنے کی ٹھان لی تھی۔

شاکرہ بیگم کی عیادت کے بہانے وہ رشتے دار بھی آئے جن سے رسمی سا ہی تعلق تھا۔

"زخموں پر نمک چھڑکنے کا فرض کیسے پورا نہیں کریں گے آخر حقیقت میں تو یہ سارا خاندان ہی ملنے کے قابل نہیں ہے۔"

اظہار چچا نے اس لمبی نہ ختم ہونے والی خیر سگالی سے تنگ آ کر تبصرہ کیا تھا۔

"جب اپنی اولاد ہی ذلیل کروانے پر تلی ہے تو کسی اور سے کیا گلہ" اس جویا نے تو کسی سے نگاہ ملانے کے بھی قابل نہیں چھوڑا لوگوں نے ہمدردی کی آڑ میں کیا کیا نہیں کہا۔"

شاکرہ چچی بے حد رقیق القلب ہو رہی تھیں جویا کی شادی کے موضوع پر بات کم کرتیں آنسو زیادہ بہاتیں۔

آپا گل سمجھا سمجھا کر تھک چکی تھیں اور اب باقاعدہ خفا تھیں۔

"یہ اس طرح رو رو کر آپ نے اور بھی سب کو مشکوک کر دیا ہے' وہ ناظم آباد والی صفن خالہ تو منہ پر کہہ کر گئی ہیں کہ کوئی تو بات ہے جو ماں کا رو رو کر حال خراب ہوا جا رہا ہے' ورنہ شادیاں کیا ملتوی نہیں ہوتی آئی ہیں زمانے میں' مگر آپ تو بس۔۔۔"

بات ادھوری چھوڑ کر آپا گل نے بے زاری سے سر جھٹکا۔

"دیکھا۔ میں کہتا ہوں نا' اصل میں تو یہ خاندان ملنے کے قابل ہی نہیں ہے' اس صفن کے میاں کو کتنی بار قرضہ دیا ہے میں نے' جب دیکھو منہ اٹھائے چلا آتا تھا' مگر اب بڑا لڑکا جدہ چلا گیا ہے تو دیکھو کیسا بڑھ بڑھ کر بولنا شروع کیا ہے صفن نے۔۔۔ اور سب اس جاہل عورت کی وجہ سے۔"

اظہار چچا نے خاندان والوں کی ناقدری کا گلہ بھی شاکرہ چچی کے کھاتے میں درج کیا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد سونے کی پکی عادت تھی' چاہے آدھ گھنٹے ہی سہی۔

آپا گل جو ضروری بات کرنے خاص طور پر آئی تھیں وہ ابھی تک نہیں کی جاسکی تھی' سو بہتر تھا کہ "فوراً" ہی نمٹالی جائے۔

"جویا کا فرنیچر وغیرہ واپس منگوا لینا چاہیے ابا! وہاں پڑے پڑے تو پرانا ہو جائے گا' اور اب غصے میں وہ لوگ اتنی کیئر بھی نہیں کریں گے ہماری دی ہوئی چیزوں کی۔"

شاکرہ چچی نے آنسو خشک کرتے ہوئے تعریفی نگاہوں سے آپا گل کو دیکھا۔

ایسے ہی تو وہ ان کے گن نہیں گاتی تھیں۔

"اب دیکھ لو' کسی کی بھی توجہ اس طرف نہیں گئی مگر گل نے فکر کی! لاکھوں روپے کا سامان ہے آخر۔"

وہ ان کی تعریف میں چھوٹا سا پیراگراف پڑھ ہی لیتیں' مگر ابھی بہت سی ترجیحات طے ہونا باقی تھیں۔

"میں نے شادی ملتوی کی ہے منسوخ نہیں' جویا آج استعمال کرے یا کل' یہ اس کی قسمت' خراب ہوتا ہے تو ہونے دو' مجھے سامان اٹھوا کر رشتہ ختم کرنے کا اعلان نہیں کرنا ہے' بخشو مجھے!"

وہ ایک دم ہی بگڑ گئے۔

آپا گل نے مصلحتاً بحث سے گریز کیا تھا۔

"جویا کسی قیمت پر ماننے والی نہیں ہے اور ابا یہ بات سمجھ نہیں رہے ہیں' اس طرح تو ہمارا بڑا نقصان ہو جائے گا امی! اتنا بہترین فرنیچر ہے' کارپٹ اے سی۔۔۔ ہاں آ۔ سامان کی فہرست اتنی لمبی تھی کہ گنوانے کے لیے بھی وقت درکار تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے' لیکن لا کر بھی کہاں رکھیں گے' یہاں تو گھر میں اب ایک کرسی کی بھی گنجائش باقی نہیں ہے' دکان والا اب واپس نہیں لے گا۔"

بات تھی بھی ٹھیک!

لیکن اسی بات میں وہ اصل بات چھپی تھی' جسے وہ اس وقت کرنے کے لیے آئی تھیں۔

آپا گل نے کچھ اضطراب سے پہلو بدلا۔

"وہ سارا سامان میں لے لوں گی آدھی قیمت پر' ویسے بھی جو کوئی اور بھی خریدے گا تو آدھی قیمت ہی دے گا تو اچھا ہے کہ میرے ہی کام آجائے گا!"

سب ہی کو پتا تھا کہ لڑ جھگڑ کر انہوں اپنی سسرال میں اوپر کی پوری منزل کا قبضہ حاصل کر لیا ہے' سو آج کل وہ اپنی بیٹیوں کا بیڈ روم اور اوپر کا لاؤنج سیٹ کرنے کی فکر میں ہیں۔

"پردوں کا سائز تو شاید کچھ چینج کروانا پڑے گا' لیکن میں کروالوں گی' آخر کام میں تو لینا ہے' یوں ہی ضائع ہوں گے' اسپلٹ بھی وہاں سے نکلوا لیتے ہیں' اکبر خود چلے جائیں گے' میں نے انہیں راضی کر لیا ہے۔"

ان کا ہوم ورک مکمل تھا! صرف اشارے کی دیر تھی۔

"آپ ابا کو سمجھائیں' سامان تو وہاں سے اٹھانا ہی ہے' خراب ہو گیا تو پھر اتنے پیسوں کا بھی نہیں رہے گا۔"

کسی ماہر کاروباری کی سی ڈیل!

بات ان کی سمجھ داری سے شروع ہو کر خود غرضی پر ختم ہو رہی تھی۔

خود شاکرہ بیگم کے دل پر ان کی آفر سے بڑا بھاری بوجھ آکر گرا تھا۔

جویا کے سامان کی اس طرح کی تقسیم! جیسے خدانہ کرے کہ وہ۔۔۔!

ماں تھیں' کسی بے حد بری سی بات کے وہم نے دل کو گھیرا تھا۔

انہوں نے زیر لب ہی کچھ کہا۔

آپا گل ابھی تک ان کی طرف سے تائید کی منتظر تھیں۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتی' تمہارے ابو پہلے ہی سارا الزام مجھے دے رہے ہیں' اب تو میرے دل میں طاقت بھی نہیں رہی اور ابھی کوئی صاف انکار تو نہیں ہوا ہماری طرف سے!"

آپا گل کو بڑی پکی امید تھی کام بن جانے کی' نا ہونے کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا مگر یہاں۔۔۔ وہ بڑی زہریلی سی ہنسی ہنسی تھیں!

"اگر آپ لوگ اس غلط فہمی میں ہیں کہ جویا مان جائے گی تو بے وقوفی کر رہے ہیں' وہ صرف اور صرف معاذ سے شادی کرے گی' ورنہ ساری عمر یوں ہی بیٹھی رہے گی' دیکھ لیجیے گا اور اگر ابو کی طرح وہ لوگ بھی ضد باندھ کر بیٹھ گئے' نہیں لائے رشتہ تو انجام سوچ لیجیے گا۔"

ان کی مایوسی تلخی بن کر لبوں پر آئی۔

کچن میں کام کرتی ہوئی جویا نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

کس انجام سے ڈرا رہی تھیں آپا گل بھلا؟

معاذ کی طرف جاتا ہوا خوش امیدی کا ہر راستہ اس نے خود اپنے ہاتھوں سے بند کیا تھا۔

اور اس کے بعد ایک بار بھی کسی معجزے کی توقع نہیں رکھی تھی۔

پھر وہ کیوں فرض کیے بیٹھی تھیں کہ اس کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ وہ معاذ سے شادی کرنے کے لیے مری جا رہی ہے۔

یہ تو محض خود کو اور ایک تیسرے بے گناہ کو کسی بڑی آزمائش سے بچانے کی چھوٹی سی کوشش تھی۔ وہ باہر نکل کر آئی تو آپا گل چادر اوڑھ کر جانے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔

"تم نے اچھا نہیں کیا ہم سب کے ساتھ جویا! عزت نفس سب کی برباد ہوئی ہے' ابو تمہاری شکل دیکھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔" تازہ ملی ناکامی کا غصہ اتارنے کے لیے جویا سب سے بے ضرر ہستی تھی اور آج کل ہر ایک اسے جو دل چاہے کہہ بھی سکتا تھا۔

"ابو کی مرضی ہے آپا گل!" وہ آہستہ سے بولی۔ "لیکن جب وہ اتنا بہت کچھ کر لینے کے بعد سلمان بھائی کی شکل دیکھ سکتے ہیں تو میرا قصور تو ان سے بہت کم ہے۔"

"دیکھ رہی ہیں آپ!" آپا گل نے تڑپ کر والدہ کو دیکھا۔ "کوئی شرمندگی ہے اس کے لہجے میں۔ سلمان کا طعنہ دیتی ہے' وہ تو لڑکا ہے' دس بار بھی کچھ کر جائے کوئی انگلی نہیں اٹھاتا' لیکن تمہیں تو ڈوب مرجانا چاہیے شرم

ہے۔"

"اور جو کچھ میرے ساتھ ہوا' اس پر کسی نے شرم کی ہے آپا گل؟" وہ بہت بے خوفی سے ان کے سامنے کھڑی پوچھ رہی تھی۔

اس کا لہجہ بالکل سادہ تھا' بالکل ایسے جیسے اس نے کوئی رٹی رٹائی لائن پڑھی ہو لیکن اس کے انداز میں ایسی بے نیازی تھی' جو پہلے کبھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

"تمہارا مطلب ہے کہ ہم لوگوں نے جو تمہارا اور معاذ کا رشتہ ختم کیا' اس پر سب کو تم سے معافی مانگنی چاہیے تھی؟" اندر ہی اندر وہ خائف ہوئی تھیں پر ظاہر کرنا شان اور سمجھ داری دونوں ہی کے خلاف جاتا تھا۔

"نہیں آپا گل!" وہ ہلکے سے مسکرائی' مگر وہ مسکراہٹ تھی۔ "میں خوش فہمیاں نہیں پالتی اور ویسے بھی جو لوگ کسی سے معافی مانگنے کا ظرف رکھتے ہیں' ان کے ہاتھوں سے تکلیف بھی کم ہی پہنچتی ہے کسی کو بھی' سو پھر میں کیسے توقع رکھ سکتی ہوں۔"

بہت مضبوط لہجے میں اپنی بات کہہ کر وہ سیڑھیوں کی طرف مڑی تھی۔

☆ ☆ ☆

پچھلے احاطے میں چمپا کے جھنڈ کے نیچے ایک پتلا سا لمبا کیڑا پتا نہیں کب سے رینگ رہا تھا۔ ربیعہ کی نگاہ پڑی تو اس نے فوراً ہی شور مچا کر رکھ دیا۔

"سانپ' سانپ!"

گھر میں اتفاق سے سب ہی موجود تھے' خبر فوراً ہی نشر ہوتی چلی گئی۔

سب ہی برآمدے کو پار کرکے' نیچے احاطے میں آکھڑے ہوئے۔

سب سے پیچھے دادی تھیں۔

"میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ چمپا کے درختوں پر سانپ کا آنا لازمی بات سمجھو' اس کی خوشبو میلوں دور سے سانپ کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔"

دادی کی سالوں پرانی تھیوری سچ ثابت ہوئی تھی' سو وہ سب سے زیادہ ایکسائیٹڈ تھیں۔

لیکن جب تک وہ موقع واردات تک پہنچیں' معاملہ متنازعہ ہو چکا تھا۔

"کوئی سانپ وانپ نہیں' معمولی سا کیچوا ہے' تمہیں کیا کم دکھائی دینے لگا ہے۔"

معاذ تشویش سے اکثار ربیعہ کو دیکھ رہا تھا۔

"اتنے بڑے کیچوے نہیں ہوتے' پتا ہے مجھے بھی' یہ سانپ ہی ہے' مار دو اسے!" وہ اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی "اندر چلا آیا تو خدا نہ کرے کاٹ نہ لے کسی کو' سب سے زیادہ تو میں ہی پھرتی ہوں گھر میں۔"

معاذ پھر بھی نہیں مانا' اس کی فطری نرم دلی آڑے آئی تھی۔

"یہ کاٹنے والا نہیں ہے' بے کار میں ہی بے چارے کو مار دو' تمہیں زیادہ فکر ہے تو میں اسے باہر رکھ آتا ہوں۔"

"تاکہ باہر کسی راہ چلتے کو کاٹ لے!" ربیعہ نے چڑ کر کہا تو وہ ہنس پڑا۔

امی ابا واپس جا چکے تھے' البتہ دادی ابھی تک معائنہ میں مصروف تھیں' ان دونوں کی بحث پر انہوں نے بھی سر اٹھا کر معاذ کی تصدیق کی۔

"ٹھیک تو کہہ رہا ہے' سانپ نہیں ہے!"

"خیر دادی! آپ تو معاذ کی بات کی مخالفت کبھی کرتی ہی نہیں ہیں' جو اس نے کہہ دیا' وہی ٹھیک ہے۔"

ربیعہ ناراض ناراض سی' برآمدے کی سیڑھیوں پر آبیٹھی۔

"غلط بات کہے گا تو غلط کہوں گی' اب ایسے ہی تو نہیں کچھ کہہ سکتی۔" دادی اطمینان سے وہیں برآمدے میں اپنی مخصوص آرام کرسی پر براجمان ہوئیں اور برآمدے کی سیڑھیوں پر ہی معاذ۔

آج پتہ نہیں کتنے مہینوں بعد وہ لوگ اس طرح بیٹھے تھے' ربیعہ کو سوچ کر بھی یاد نہیں آیا۔ ساری ناراضی بھول کر اس نے دل میں اطمینان سا اترتا ہوا محسوس کیا۔

"اور سانپ بھی بے چارے کیا کہتے ہیں۔ آج کل تو اتنے بے ضرر ہوگئے ہیں کہ لوگ پالنے لگے ہیں انہیں۔"

معاذ نے تو سادہ سے لہجے میں ہی کہا تھا لیکن دادی کو کچھ اور ہی خیال آیا۔

"ہم نے بھی تو پالے تھے اور وہ بھی آستین میں! ڈس کر ہی چھوڑا انہوں نے۔" ربیعہ نے معاذ کے مسکراتے ہوئے چہرے پر سنجیدگی اترتے دیکھی۔

"کتنی محبت کرتی تھی میں اظہار اور اس کے بچوں سے' شائستہ سے بری بن گئی ان رشتوں کے پیچھے اور ہاتھ کیا آیا' صرف شرمندگی اور بے بسی!"

ان کا ملال شاید ہمیشہ رہنے والا تھا' کوئی بھی ان کی تسلی کروانے میں کامیاب نہیں ہو پاتا تھا' پھر بھی جب کبھی وہ زیادہ افسردہ ہوتیں' ربیعہ ضرور ہی دل جوئی کرنا فرض سمجھتی۔

"اب چھوڑ بھی دیں آپ اس قصے کو' جب انہیں کوئی پروا نہیں تو ہم کیوں دل سے لگا کر بیٹھے رہیں۔"

معاذ کی لاتعلقی سے وہ بھی بددل ہو چکی تھی اور جب وہ اتنے صاف لفظوں میں منع کر چکا ہے تو پھر دادی بے چاری کیوں رنجیدہ ہوتی ہیں۔ ربیعہ کو بالکل اچھا نہ لگتا۔

"اظہار نے جویریہ کے جہیز کا سامان اب تک ان لوگوں کے گھر سے واپس نہیں منگوایا ہے' مجھے کسی نے فون پر بتایا تھا۔"

پسندیدہ موضوع' من پسند سامعین۔

"آپ کو کیا ضرورت ہے لوگوں سے اس بارے میں بات کرنے کی' کیا سوچتے ہوں گے خاندان والے' جیسے ہمیں بہت افسوس ہے' اسی لیے بار بار بات کرتے ہیں!" معاذ نہ چاہتے ہوئے بھی بولنے پر مجبور ہوا۔

"ہاں تو افسوس تو ہے' اتنا ہے کہ کوئی حد نہیں' یہ بات تو میں سب کے سامنے کہتی ہوں اور کہتی رہوں گی جب تک زندہ ہوں!"

دادی مکمل جذباتیت میں گھریں۔

ربیعہ نے پریشان نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا' امی پاس ہوتیں تو یقیناً دادی کی بات کا اور بھی زیادہ برا مانتیں۔

"آپ اگر میری بے عزتی کروا کر خوش ہیں تو پھر ٹھیک ہے' کرتی رہیں افسوس!"

معاذ رنجیدگی سے کہتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہوا۔

دادی نے ایک گہری نگاہ معاذ کے چہرے پر ڈالی۔

"میں تمہاری پوری زندگی کو ناخوشی کی نذر نہیں کر سکتی' بس اتنا جانتی ہوں۔"

"کچھ چیزیں ہمارے بس میں نہیں ہوتی ہیں دادی! تقدیر میں جس طرح لکھا ہو' اسی طرح پیش آجاتی ہیں۔ ہمیں ان سے ضد نہیں باندھنی چاہیے اور یہاں تو اب بات ہی دوسری ہے۔ بس پلیز میری خاطر!"

بات ختم کرتے ہوئے اس نے ان کے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑے اور ہلکے سے مسکرا دیا۔

دادی بے تاثر سا چہرہ لیے یوں ہی بیٹھی رہیں۔

کسی کی موجودگی کے آثار نظر آرہے تھے اور جب تک شاکرہ چچی گیٹ بند کرکے واپس آئیں' اظہار چچا نے کچن میں جھانک کر وہاں جویا کی موجودگی کو کنفرم بھی کرلیا تھا۔

"میں نے منع کیا تھا کہ اس لڑکی سے کھانا مت پکواؤ مگر تم سمجھ ہی نہیں رہی ہو میری بات!" وہ بہت زور سے گرجے۔

ایک پل کے لیے تو اندر کام کرتی ہوئی جویا کا بھی دل کانپ اٹھا۔

"مجھے نہیں کھانا' اس کا پکایا ہوا۔"

حالانکہ وہ مستقل اسی کا پکایا ہوا کھا رہے تھے' مگر بے خبری میں۔

شاکرہ بیگم ان کے آنے سے پہلے سارا کام کروا کرا سے اوپر بھیج دیتیں' وہ بھی اوپر الگ تھلگ ہو کر شکر کا کلمہ پڑھتی۔

مگر اس وقت ٹائمنگ کی گڑبڑ ہوچکی تھی۔

"آج ہی پکالیا ہے' میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی' کون کرتا ورنہ!"

شاکرہ بات کو ختم کرنے کے لیے بہت نرم لہجہ اختیار کیے ہوئے تھیں' مگر وہ چیختے چلاتے' جویا کے سر پر پہنچ چکے تھے۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے' جب میں نے کہا ہے کہ اب جب تک اس گھر میں ہو' مجھے شکل مت دکھاؤ۔ کسی شے کو ہاتھ نہ لگاؤ پھر کیوں سامنے آتی ہو' تم ہارٹ فیل کرانا ہے میرا۔"

"خدا نہ کرے!" بے ساختہ ہی زیر لب اس کی زبان پر آیا' مگر کسی نے بھی نہیں سنا تھا۔

"اب کھڑی کیوں ہو یہاں' اور پکاؤ تم آکر کچھ دوسرا۔ یہ نہیں کھانا کسی کو بھی گھر میں!"

انہوں نے جویا کے ہاتھ سے چمچہ چھینتے ہوئے' اسے دھکا دیا تھا اور وہ گرم سالن سے بھری پتیلی نیچے آ کر گری۔

کچن کے صاف ستھرے فرش پر گوشت سبزی اور مسالے پھیلتے چلے گئے اور چھلکتے ہوئے اس سالن کا بڑا حصہ جویا کے پیروں پر بھی گرا تھا۔

شاکرہ چچی دہشت زدہ سی ہو کر کچن کے دروازے میں آکھڑی ہوئیں۔

کچن کی ابتری۔

اظہار صاحب کا ٹینشن سے بھرا ہوا سرخ ہوتا چہرہ اور جویا کے چہرے پر پھیلتی "تکلیف کا احساس!

اتنا سخت ردعمل آج پہلی بار اظہار صاحب کی طرف سے آیا تھا کہ وہ اپنے آپے میں نہ رہے۔

جویا پر کتنا بھی غصہ سہی' لیکن اس طرح؟

ان کے اندر سے بڑی شدت بھرا نفی میں جواب آیا۔

اور کم از کم ایک بات تو وہ قسم کھا کر کہہ سکتی تھیں کہ اس وقت اور بھی کچھ تھا۔

جو پس پردہ تھا۔

جویا کی خطاؤں سے الگ' کوئی دوسرا باب کھلا تھا۔

(اگلی قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عالیہ بخاری

دل دادِ شب

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور للہ نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کو ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے۔ جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گمشدگی آرائی جو دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھرم ساٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو، نفاست پسند ہے۔ وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ انہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ حویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زویا کمال سے کر دی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ حویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

ذوناج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، ذوناج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوا لیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ مہرو اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا کا خاندان مع سوائے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ نگینی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت نے اسے قدرے بے چین کرنے لگی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک جس سرد کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دل زدت اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص نگینی کی چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

ذوناج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سیکرٹری بدلنے کی عادت ہے۔ نئے سیکرٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور راجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ ذوناج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ ذوناج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے ذوناج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر نگینی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔ سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

جویا کا رشتہ "آنا فاناً" طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی کوششیں شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے۔ اور جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے تو وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ، جویا کو آگاہ کرتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ، آپا گل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔ صندل کو بالی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

۳۴
چونتیسویں قسط

گھر پر بھید بھری خاموشی چھائی تھی۔
قدموں کی چاپ اور سرگوشی میں کی جانے والی ایک آدھ بات، سناٹے میں ذرا سا خلل ڈالتے اور پھر وہی اعصاب شکن تسلسل!
جویا نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے آپا گل کی طرف دیکھا تو انہیں اب بھی خود کو ہی گھورتا ہوا پایا۔ ایک ٹھنڈی سانس لے کر اس نے خود کو سنبھالے رکھنے کی کوشش جاری رکھی۔
"بھلا وہ کیوں ان کی طرف بار بار دیکھ رہی ہے؟ کیا اس امید پر کہ ان کی نفرت میں ڈوبی، الزام عائد کرتی نگاہوں میں رعایت کی کوئی رمق جاگ اٹھے گی۔" اس نے خود اپنے اندر چھپے چور کو تلاشنا چاہا۔
"مجھے ڈر لگ رہا ہے، جویا!"
اس کے قریب بیٹھی زوبیا نے سرگوشی سی کی تو جویا نے گردن موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔
"سب ٹھیک ہو جائے گا۔"
الفاظ بے تاثر سے انداز میں اس کے لبوں سے ادا ہوئے تھے۔
زوبیا نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما، وہ بالکل یخ ہو رہا تھا۔
"تم ٹھیک تو ہو جویا!" اس نے گھبرا کر جویا کی طرف دیکھا، اتنی دیر میں یہ پہلی اونچی آواز تھی، جو اس چھوٹے سے لاؤنج میں گونجی۔
آپا گل کے ماتھے پر پڑی شکنوں میں ایک اور کا اضافہ ہوا تھا۔
"کیا شور مچا رکھا ہے تم لوگوں نے، کچھ احساس ہے یا نہیں!"
"شور!" زوبیا نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھا، لاؤنج میں ان تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔
"ڈاکٹر نے سختی سے تاکید کی ہے کہ ذرا بھی شور و غل نہ ہو، ابو کو سکون کی سخت ضرورت ہے، ورنہ پتہ نہیں کتنی حالت بگڑ سکتی ہے۔"
زوبیا کے کہے ایک چھوٹے سے جملے کے ردعمل کے طور پر وہ جو تفصیل بیان جاری کر رہی تھیں۔ وہ یقیناً "شور مچانے" کے زمرے میں نہیں گنا جا سکتا تھا اور اس ساری کارروائی میں بھی ان کی چبھتی ہوئی نگاہ، کتنی ہی بار جویا کے وجود کے آر پار ہوتی رہی، وہ اندر ہی اندر کچھ اور سمٹ گئی۔
اتنی دیر سے جھکا ہوا سر اور بھی جھکنے لگا، مگر اس کی ساری شرمساری بھی، اس کے قصور کی تلافی کے لیے بہت تھوڑی تھی۔
"سارا کیا دھرا، اس کا ہے۔" انہوں نے محض زبان سے کہنے کو ناکافی سمجھتے ہوئے ہاتھ کا اشارہ بھی ضروری سمجھا۔ "اس کی نافرمانی کو وہ دل پر لے گئے، برداشت نہ کر سکے، بہت حساس اور غیرت مند شخص ہیں میرے باپ۔"
آپا گل نے بڑی رقت انگیزی سے اپنا اور اظہار چچا کا رشتہ اس طرح واضح کیا، جیسے وہ دونوں محض پڑوس سے عیادت کے لیے آئی ہوں۔
"جویا کا اس میں کیا قصور ہے آپا گل! اور وہ بات تو اب پرانی ہو رہی ہے، اس پر جتنا واویلا مچنا تھا مچ چکا، یہ تو آج کچھ نیا ....!"
زوبیا نے دھیمی آواز میں ان کی کچھ تصحیح کرنا چاہی مگر وہ جو طے کر چکی تھیں۔ اس میں تبدیلی کی گنجائش نہیں تھی۔
"کچھ نیا ویا نہیں ہے، بتایا تو تھا امی نے کہ جویا کو ہی کچن میں دیکھ کر چراغ پا ہوئے تھے، سالن کا بھرا ہوا پتیلا

زمین پر دے مارا‘ چھوٹی بات ہے یہ؟ میں تو کہتی ہوں جب انہوں نے صاف منع کر دیا ہے تو یہ کھانا پکانے میں گھستی ہی کیوں ہے‘ بیٹھی رہے اپنے کمرے میں‘ کیوں سامنے آکر دوسرے کے ضبط کو آزماتی ہے۔“

جوش جذبات میں ان کا سانس پھولنے لگا تو انہیں مجبوراً ”خاموش ہونا پڑا۔

جویا کا احساس ندامت کب کا محض ذلت ہی ذلت ہوا تھا۔

”آپ زیادتی کر رہی ہیں آپا گل! کھانا اگر جویا نہیں پکائے گی تو کون پکائے گا‘ میں کالج اور امی کا پتہ ہی ہے آپ کو۔“

جھکے ہوئے سر کے ساتھ ہی اس نے زویا کو خفگی کے ساتھ کہتے ہوئے سنا۔

”بے کار کی باتیں!“ آپا گل نہ جانے اس گمبھیر ہوتے مسئلے کا نہ جانے کون ساحل نکالنے والی تھیں کہ ڈور بیل کسی نے بڑی بے تابی سے بجائی۔

تین چار‘ پانچ۔

اندر کی صورت حال کی ذرا بھی پروا کیے بغیر کوئی ہاتھ رکھ کر بھولا تھا۔

”ضرور سلمان ہوگا‘ میں نے یہاں آتے ہوئے راستے میں ہی اسے فون کر دیا تھا ابو کی طبیعت کا بتانے کے لیے دیکھ لو‘ چلا آیا نا!“ آپا گل نے فخریہ انداز میں اپنی اور سلمان دونوں کی کارکردگی کو جتایا اور خود کو سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

زویا پہلے ہی بھاگ کر گیٹ کھول چکی تھی۔

”پتا بھی ہے کہ گھر میں کوئی بیمار ہے پھر بھی آپ اس طرح بیل بجائے جا رہے ہیں۔“

”کوئی بات نہیں! پریشانی میں کہاں خیال رہتا ہے آدمی کو‘ دیکھتی نہیں ہو بھائی کتنی دور سے آ رہا ہے۔“

آپا گل کو زویا کا ٹوکنا برا لگا تھا۔

یہ بھی یاد نہ رہا کہ ابھی وہ خود‘ زور سے سانس لینے پر بھی معترض ہو رہی تھیں۔

”اتنی دیر لگا دی‘ اب تو ڈاکٹر کو دیکھ کر گئے ہوئے بھی کتنی دیر ہو گئی‘ میں تو کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔“

وہ بڑی شفقت سے پوچھ رہی تھیں۔

”گھر پر گاڑی بھی نہیں تھی‘ زوبیہ آئی تو مشکل سے کچھ دیر کے لیے اس نے گاڑی دی ہے‘ اتنی دور سے آنا آسان ہے کیا۔“ وہ جواباً ”جھنجلایا۔

یہاں پھیلی پریشانی کی کوئی رمق بھی اس کے چہرے یا لہجے میں نہیں تھی۔

آپا گل نے وہیں لاؤنج میں کھڑے کھڑے‘ اس نئی پڑی افتاد کا بیک گراؤنڈ سنانا شروع کر دیا تھا۔

”جویا کا پکایا ہوا سالن اس بے دردی سے زمین پر دے مارا کہ سارے فرش پر بوٹیاں اور سبزی بکھر کر رہ ....!“

ان کے بیان کی روانی سے بالکل آنکھوں دیکھے منظر کا گمان ہو رہا تھا۔

جویا نے گھبرا کر وہاں سے اٹھنا چاہا‘ مگر آج واقعی ہمت جواب دے رہی تھی۔

”کیا وہی تھی جو اپنے باپ کے لیے اس درجہ تکلیف کا سبب بنی تھی۔“

ان کا وہ قہر آلود رویہ‘ جس کے بعد ان کی طبیعت بگڑنی شروع ہوئی تھی‘ بظاہر تو اس کے کھاتے میں درج تھی۔

”یوں تو نارمل نظر آ رہے تھے‘ مگر اندر ہی اندر شرم سے مرے جا رہے ہیں۔ بچی نے عین وقت پر شادی سے انکار کر دیا‘ یہ کوئی چھوٹی بات تو نہیں۔“ آپا گل کو اپنے بیان میں رنگ بھرنے کے لیے ہر جملے میں جویا کی ضرورت پڑ رہی تھی۔

لیکن سلمان جلد ہی اکتا گیا۔

”خیر وہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں‘ جویا نے منع ہی تو کیا تھا‘ کوئی کورٹ میرج تھوڑی کر لی تھی‘ آج کل تو لوگ ایسی باتوں کو بھی پی جاتے ہیں۔“

اس نے اس طرح ہاتھ ہلایا‘ جیسے مکھی اڑائی ہو۔ ”اور ہمارے اماں‘ ابا کو تو ویسے بھی ذرا ذرا سی بات پر ڈراما کری ایٹ کرنے کی عادت ہے!“ سلمان کی بدلحاظی کنفرم تھی‘ مگر اس وقت وہ جویا کے لیے بڑی مورل سپورٹ کا سبب بنا تھا‘ چاہے نادانستگی میں ہی سہی۔

جویا نے شکر بھری نگاہ سے سلمان کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ بھی نہیں تھا۔

”پھر جو بھی وجہ ہے‘ خود پوچھ لو‘ جا کر‘ اندر پڑے ہوئے ہیں بے چارے۔“

اپنی بات کے رد کیے جانے کے بعد‘ آپا گل حسب عادت برا مان چکی تھیں۔

سلمان ذرا بھی پروا کیے بغیر سامنے والے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جا چکا تھا اور اس کے پیچھے آپا گل بھی۔

”چائے بناؤ اچھی سی۔“ جاتے جاتے مڑ کر انہوں نے کہا تھا۔ زویا کے سیل فون پر کوئی فون آ رہا تھا۔

جویا چپ چاپ اٹھ کر کچن میں چلی آئی۔

جرم کتنا بھی ناقابل معافی سہی‘ کھانا‘ چائے سب اسی کی ذمہ داری تھا۔

جتنی دیر میں وہ چائے مگوں میں ڈال کر فارغ ہوئی‘ زویا بھی فون کال نمٹا کر وہاں آ چکی تھی۔

”یہ چائے اندر لے جاؤ۔“

اس نے دھیرے سے زویا سے کہا‘ تو وہ کوئی قصور نہ ہوتے ہوئے بھی اندر تک شرمندہ ہو گئی۔

”سنو جویا! تم نے کوئی قصور نہیں کیا ہے اور ہم میں سے کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ تم پر پریشر ڈال کر کچھ بھی منوا سکے لہٰذا خود کو الزام دینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے‘ ٹھیک۔“

جویا کے ہاتھ سے ٹرے لیتے ہوئے اس نے بڑے تسلی آمیز انداز میں کہا۔

”لیکن وہ سب لوگ ....“ جویا نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

”چھوڑو سب لوگوں کو‘ ابو کی طبیعت خراب ہوئی تھی لیکن خدانخواستہ کوئی بہت سیریس بات بھی نہیں تھی‘ ڈاکٹر دیکھ گیا ہے انہیں‘ عام سی گھبراہٹ ہائی بلڈ پریشر کے مریضوں کو ہو ہی جاتی ہے اور آج کل کون ہے جو بیماریوں سے خالی ہے‘ ابو کی پریشانیوں کی وجہ کچھ اور ہی ہے۔ بہرحال۔“

اپنی بات مکمل کر کے وہ پُراعتماد قدموں سے اندر کمرے کی طرف چلی گئی۔

وہ یوں ہی خالی خالی نگاہوں سے اسے جاتا ہوا دیکھے گئی۔

کوئی حرف تسلی کارگر نہیں۔

وہ شاید تاعمر کٹہرے وضاحتی میں کھڑی رہے‘ تب بھی کوئی اس کی سننے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔

کچن کی سلیب پر انگلی پھیرتے ہوئے وہ اسی طرح بلا تکان سوچتی رہیں۔

زویا پتہ نہیں کہاں رہ گئی تھی۔

”کیا وہ بھی اس نہ ختم ہونے والی بحث کو سننے کے لیے اندر رکی ہے‘ جس کا ہر سرا اس سے شروع ہو کر اس پر ختم ہوتا ہے۔“

تب ہی اس نے بند دروازے کے پیچھے سے زویا کو نکلتا ہوا دیکھا۔ معلوم نہیں وہ وہاں سے کیا سن کر آ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر آیا تاثر اتنا عجیب سا تھا کہ جویا بے ساختہ ہی کچن سے نکل کر باہر آ کھڑی ہوئی۔

”میں نے کہا تھا نا کہ ضرور کوئی دوسری بات ہے۔“

اس کے لہجے میں آیا‘ دبا دبا سا جوش‘ اس کے چہرے پر پھیلی پریشانی کے ساتھ بالکل بھی میچ نہیں ہو رہا تھا‘ پھر

بھی وہ کچھ بتانے کے لیے بے چین تھی۔

"ابو کی طبیعت کیسی ہے اب؟" جو بات پچھلے کئی گھنٹوں سے پریشان کیے ہوئے تھی، جویا نے اس کی تسلی سے بڑھ کر کسی اور بات کو اہمیت نہیں دی۔

"وہ ٹھیک ہیں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے ہیں، لیکن پریشان بہت زیادہ ہیں۔" زویا کے لہجے میں افسردگی تھی۔

جویا نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

زویا کی نگاہ جھکی ہوئی تھی۔

جویا کو دل پر رکھا بوجھ اور بھی بڑھتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

"میری وجہ سے نا۔"

"نہیں!" زویا نے نفی میں سر ہلایا۔ "کوئی پرانی انکوائری شروع ہوئی ہے آفس میں۔ کروڑوں کا معاملہ ہے، ابو کا نام بھی آ گیا ہے۔"

وہ اتنی شرمندہ تھی کہ بتاتے ہوئے ایک بار بھی جویا کی طرف دیکھنے کی ہمت نہیں کر سکی۔

اور خود جویا بھی۔

لاؤنج میں کھڑی ان دونوں بہنوں کے بیچ بڑا ہی بوجھل سناٹا آ کر ٹھہرا۔

"اس سے تو کہیں اچھا تھا کہ وہ اس کے انکار کی وجہ کو لے کر ہی پریشانی میں مبتلا ہوتے۔"

پہلی بار اسے خود پر سب کچھ سہہ جانا، زیادہ سہل لگا۔

"اوپر کے آفیسرز بھاگ دوڑ میں تو لگے ہیں، لیکن کوئی راہ نہیں نکل رہی ہے۔ ابو سخت پریشان ہیں۔" زویا نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔

☼ ☼ ☼

انٹیلینیو کیئر یونٹ سے باہر نکلتے ہوئے، یوسف کمال نے وہاں باہر کھڑے دو پولیس والوں کو تشویش بھری نگاہ سے دیکھا۔

اس ٹھنڈے سنسان کوریڈور میں محض دو پولیس والے۔

ایک آدھ شاید مین گیٹ پر بیٹھا تھا پچھلے کئی دن سے۔

انہیں سوچ کر بھی سخت کوفت ہوئی۔

شروع کے دو ایک دن تک یہاں پولیس کی بھاری نفری ضرور دکھائی دی، اس کے بعد سے سیکیورٹی کا یہی حال تھا۔

"جن لوگوں نے ایک بار اتنا بھرپور حملہ کیا، وہ ناکامی پر یقیناً" کچھ اور پلان کر رہے ہوں گے۔"

وہ اس سوچ کو لے کر مضطرب تھے، سو آج پولیس کے ہائی آفیشلز سے بات کرنے کا پکا ارادہ کر کے، پارکنگ ایریا تک آ رہے تھے کہ ٹھٹھکنا پڑا۔

"تم!"

"کیوں، میں نہیں آ سکتی، یا سالار کے سارے حقوق آپ نے اپنے نام ٹرانسفر کروا لیے ہیں۔" زرتاج کے چہرے پر طنزیہ سی مسکراہٹ ابھری۔

"کاش کروا لیتا، مگر میری آنکھوں پر تو تمہاری محبت کا پردہ پڑا رہا۔"

"ہا!" زرتاج نے بہ مشکل ہی خود کو کہنے سے روکا، اتنی ساری پریشانیوں میں ایک اور کا اضافہ اپنے ہی ہاتھوں

کرنا، دانش مندی نہیں تھی۔

"کچھ بھی کہیں، لیکن میرے لیے آپ ہمیشہ احترام کے قابل رہیں گے، اکلوتے سگے بھائی ہیں میرے۔" ان کی سرد مہری کو نظر انداز کر کے، وہ پھر سے تعلقات کی تجدید کرنا چاہ رہی تھیں، مگر اب یہ صرف ان کے چاہنے پر منحصر نہیں رہا تھا۔

"وہ بھائی جسے تم نے، نبیل جیسے تھرڈ کلاس شخص سے نکاح کرتے وقت، مشورہ تو کیا، مدعو کرنے کے بھی قابل نہیں سمجھا۔ اینی وے۔ وہ آ گیا ہے یا تم نے اسے ابھی چھپے رہنے کو کہا ہے؟"

زرتاج نے بہت دھیان سے سامنے کھڑے یوسف کمال کو دیکھا، اس عمر میں بھی وہ اتنے شان دار دکھتے تھے کہ کوئی بھی ان کا نوٹس لیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، انہیں یاد آیا کہ کسی زمانے میں وہ اپنی دوستوں کے درمیان، جتنا فخر اپنے حسن پر کرتی تھیں، اس سے دگنا غرور اپنے بھائی پر کرتی تھیں۔

کوئی شک نہیں تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت بھی کرتے تھے۔

"میں نے ہمیشہ آپ کا ساتھ دیا ہے، اس وقت جب آپ سب سے زیادہ مشکل میں تھے، اس وقت بھی میں ہی تھی۔"

انہوں نے ایک بھولے بسرے احسان کی یاد دہانی کرانی چاہی، مگر وہ بہت تلخی سے ان کی بات کاٹ گئے۔

"جھوٹ بولتی ہو زرتاج تم اور کسی کا بھلا کر سکو..... ناممکن، یاد کرو، کتنی خوشامد کی تھی میں نے تمہاری، ہاتھ تک جوڑے تھے کہ.....!" باوجود کوشش کے وہ اپنی آواز میں آئی نمی کو کنٹرول نہیں کر پائے۔

"حیرت انگیز۔"

زرتاج نے ششدر سا ہو کر یوسف کمال کی طرف دیکھا۔ یاد کرنے پر بھی کوئی ایک موقع ذہن میں نہیں آیا کہ اس سے پہلے کب، وہ ان کی آنکھوں میں چمکتا ہوا پانی دیکھ پائی ہیں۔

"میں تمہیں کبھی معاف نہیں کر سکا، اور نہ کروں گا!" یاد دہانی تھی، یا دھمکی۔

وہ اس کے قریب سے گزرتے ہوئے آگے بڑھنے لگے تھے کہ کچھ اور ضروری یاد آیا۔

"حمیدی صاحب کے بیٹوں نے ایف آئی آر کٹوا دی ہے، ابھی تک کسی کا نام نامزد نہیں کیا گیا ہے اس میں، لیکن زیادہ دیر نہیں لگے گی اس میں۔ سالار ابھی بات چیت کے قابل نہیں ہے، وہ سنبھل جائے، تب ہی کچھ کہا جا سکتا ہے۔ نبیل سے کہنا کہ بہتر ہو گا کسی اور بے وقوفی سے باز رہے۔"

ایک مختصری بریفنگ

زرتاج کو اس آخری جملے سے پتہ نہیں کیوں پھر سے گمان گزرا کہ وہ اب بھی ان کے تھوڑے سے ہمدرد تو ہیں ہی۔

"میں نبیل کو سمجھا دوں گی۔ یوسف بھائی! لیکن پلیز آخری بار آپ سے مدد کے لیے کہہ رہی ہوں۔ اس معاملے کو ختم کروا دیں، جیسے بھی ممکن ہو، جتنا پیسہ خرچ ہو گا، میں دینے کے لیے تیار ہوں، لیکن نبیل کا نام آنے سے رکوا دیں۔ آپ کر سکتے ہیں ایسا۔"

وہ ان کے پیچھے پیچھے آئیں دھیمی آواز میں کہتی ہوئی، لیکن یوسف کمال نے ایک بار بھی ان کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

☼ ☼ ☼

نانی کے جاتے ہی، صندل کے اس بڑے سارے محل جیسے دکھتے گھر میں، ایک دم ہی سناٹا چھا گیا تھا۔

کبھی کبھی دن بالی صاحب ڈنکشن کا پروگرام رکھ لیتے تو فلم سے متعلق کچھ اور لوگ بھی آتے جاتے ہوئے دکھائی دیتے۔

گیتی اور ثمینہ کو اوپر بیٹھے ہی نیچے کی چہل پہل کا اندازہ ہو جاتا تھا مگر یہ ان کا دردِ سر نہ تھا۔

نیچے بڑا تربیت یافتہ اسٹاف تھا جوان گیدرنگز کی تواضع کا ذمہ دار تھا۔

فرصت' راحت اور خوش حالی۔

ثمینہ کی زندگی میں یہ سب آسانیاں اتنی فراوانی سے آئی تھیں کہ مارے بوکھلاہٹ کے کسی کسی وقت تو کچھ بھی نہ سوجھتا۔

ساری عمر کولہو کے بیل کی طرح کی جانے والی مشقت نے نہ کچھ سوچنے کی مہلت دی تھی' نہ سمجھنے کی نہ اس کے انتخاب کا حق ملا' نہ عزت نفس کا احساس۔ اس کی زندگی کی تگی بندھی ایکویشن ایک ہی تھی۔

ضرورت + سمجھوتہ = پیسہ

"باقی سب باتیں محض پیٹ بھروں کے چونچلے۔" کتنی ہی بار اس نے روانی سے یہ بات کہی تھی۔

مگر اب' جب وہ خود اس کھاتے پیتے طبقے کا فرد بن چکی تھی تو احساس ہو رہا تھا کہ ایکسٹراز کی صف میں کھڑے ہو کر ڈانس کرنے میں صرف ہوئی زندگی میں سے کتنا کچھ مس ہو گیا ہے۔

"اور کچھ نہ سہی' اماں جیسی ماہر فن سے ستار کی تربیت مکمل کر لیتی' آواز تو خیر میری پھٹے بانس جیسی ہے' گانا تو خاک نہیں گا سکتی تھی' لیکن ستار تو خاندان کی میراث تھا' آگے بڑھنا فرض بنتا تھا۔" دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے اب صرف گیتی ہی میسر تھی' سو وہ اس کے پاس بیٹھی محرومیوں کی فہرست بنانے میں مصروف تھی۔

گیتی نے ہمدردی سے اس کی طرف دیکھا۔

"تو اب سیکھ لیجیے' کچھ سیکھنے کے لیے وقت کی قید تھوڑی ہوتی ہے۔"

"اب ہمت نہیں رہی' اور پھر یہ انگلیاں بھی تو۔۔۔!" ثمینہ نے بات ادھوری چھوڑ کر دونوں ہاتھ سامنے پھیلائے "دیکھ کتنی موٹی موٹی ہو گئی ہیں' اب کہاں نازک سر چھیڑنے کے قابل ہیں' یہ تو اماں ہی کے ہاتھ ہیں' دیکھا ہے کیسی پتلی لمبی انگلیاں ہیں ان کی' کس مہارت سے چلتی ہیں ستار پر' میرے ایسے بھدے ہاتھ تو سر کی بھی توہین کریں گے۔"

اس کے چہرے پر خود اپنا تمسخر اڑاتی مسکراہٹ آئی۔ گیتی نے بے ساختہ ہی اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھاما۔

"اس طرح نہ کہیں امی!" ان ہاتھوں نے ہی سارے گھر کو سنبھالے رکھا ہے' ورنہ کیا بنتا تھا ہم سب کا۔ صندل بھی آج اس مقام پر پہنچی ہے تو صرف آپ کی محنت اور صبر کی وجہ سے نا' ساری دھوپ آپ نے اپنے سر لی اور ہمیں بچائے رکھا' کون اتار سکتا ہے آپ کے احسان۔"

ثمینہ نے کھینچ کر گیتی کو گلے سے لگایا۔

"بس چپ کر' اتنی بڑی باتیں۔" خود اس کے اپنے گلے میں نمکین پانی سا اٹکنے لگا۔

"کون سکھاتا ہے' یہ موٹی موٹی کتابیں یا پھر وہ ماسٹر سالار۔"

گیتی افسردگی سے مسکرا دی۔

"اب کہاں غائب ہے اتنے عرصے سے یاد آ رہا ہے بچی' بڑا ہی نیک بخت ہے' خاموشی سے احسان کرتا ہے اور پھر جتاتا بھی نہیں' شکریہ کہو تو الٹا شرمندہ ہونے لگتا ہے۔"

ثمینہ کے لہجے میں سالار کے لیے بڑی گہری محبت تھی۔

"آپ کو بھی وہ یاد آ رہے ہیں۔"

گیتی کو بجا طور حیرت ہوئی۔

ثمینہ کی سخت مزاجی' ایسے قریبی تعلق رکھنے کی اجازت ہی نہیں دیتی تھی' جس میں کسی کو یاد بھی کیا جائے۔ اپنے سگے اکلوتے بھانجے کو' وہ جن الفاظ سے نوازتی تھی' ان میں سے اکثر دہرائے جانے کے بھی قابل نہ تھے۔

"کیوں' مجھ پر پابندی ہے کیا؟"

گیتی کی حیرت پر وہ بڑا کھل کر ہنسی "اور ساری برائیاں سہی ثمینہ میں' لیکن بیٹا احسان فراموش نہیں ہوں' کا تنکہ بھر احسان بھی دل پر نقش رہتا ہے اور سالار نے تو وہ کیا' جو میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی' تیری بی اے ڈگری اسی کے نام لگاتی ہوں۔"

گیتی نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اب تو پتہ نہیں کہاں ہیں' کب سے پلٹ کر پوچھا بھی نہیں' ہمارے پاس تو ان کا کوئی ایڈریس بھی نہیں ہے۔"

"آ جائے گا' بس خدا کرے جہاں بھی ہو' خیریت سے ہو۔"

"آمین!" گیتی کے دل نے آہستہ سے کہا۔

"امی!" اسے کچھ یاد آیا۔

"ہوں۔"

"وہ سالار صاحب نے جو بریسلیٹ دیا تھا' وہ۔۔۔"

"بڑا ہی قیمتی اور حسین ہے' یاد ہے اسی روز جب تیری مبارک باد کو گلناز اور الماس آئی تھیں' تو کیسا منہ کھلا رہ گیا تھا دیکھ کر' جل کر خاک ہوئی جا رہی تھیں' دونوں ماں بیٹی۔"

ثمینہ کے لہجے میں خود بخود تازگی بڑھی۔

پتہ نہیں زیادہ خوشی سالار کے دیے ہوئے تحفے نے بخشی تھی یا پھر الماس اور گلناز کے جل مرنے نے۔

گیتی نے چند لمحے اس کے نارمل ہونے کا انتظار کیا۔

"وہ بریسلیٹ آپ کے پاس ہے یا نانی کے؟"

"میرے پاس ہے' اماں نے آتے ہوئے دیا تھا کہ کسی وقت' کہیں آتے جاتے تمہارا دل چاہے تو پہن لوگی۔"

"وہ آپ۔۔۔" گیتی کو ایک چھوٹی سی بات کہنے میں ہچکچاہٹ ہوئی۔

"دوبارہ مانگنے آئی تھی گلناز وہ بریسلیٹ ڈیزائن کے لیے' میں نے تو صاف منع کر دیا' ہم کیوں اپنا ڈیزائن کام لیں' بہت برا مانا گلناز نے' اماں بھی خوب ہی بگڑیں' مگر میں نے بھی سنی ان سنی کر دی۔"

ثمینہ اپنی دھن میں کہیں آگے نکل چکی تھی۔

گیتی کو اسے واپس لانا پڑا۔

"وہ بریسلیٹ میں پہن لوں امی! ایسے ہی دل چاہ رہا ہے۔"

اپنی آواز میں آتی ہلکی سی کپکپاہٹ کو اس نے خود محسوس کیا اور مزید شرمندہ ہوئی۔

"سو بار پہن! تیری چیز ہے' پوچھنے کی کیا بات ہے۔"

وہ رکھا ادھر اوپر والے خانے میں' میرے کپڑوں کے نیچے' ادھر ایک چھوٹا سا ڈبہ ہے' نکال کر لا میرے پاس' اٹھ کر بیٹھتے ہوئے ثمینہ نے جس بے ساختہ خوشی کا اظہار کیا' وہ گیتی کے لیے بڑی ڈھارس کا سبب بنا۔

"مجھے تو خود یہ تیری خالی کلائیاں اچھی نہیں لگتیں' لڑکیاں' پہنی اوڑھی اچھی لگتی ہیں اور تو تو صندل جیسی

سلمبوٹی کی بہن ہے' اپنی اہمیت کو سمجھ' اس طرح لوگوں کے سامنے آکہ ان کی نظریں ہٹنا بھول جائیں جتنی دیر میں وہ حفاظت سے رکھا ہوا چھوٹا باکس نکال کر لائی' نگینہ کی گفتگو میں جملہ معترضہ آہی گیا۔

"امی پلیز!" گیتی نے احتجاجاً" اسے دیکھا۔

"ہاں' اچھا چل برا نہ مان نمت آکسی کے سامنے۔ بس خوش" نگینہ خوش دلی سے ہنسی۔

"لا ہاتھ دے۔"

گیتی نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو نگینہ نے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتے ہوئے' وہ دمکتا ہوا بریسلیٹ اس کی کلائی میں ڈالا۔

"کیسا سجا ہے' جیسے بنا ہی تیری کلائی کے لیے تھا۔"

نگینہ نے محبت سے اس کے ہاتھ کے سنہری بن کو دیکھا' گیتی کو لگا جیسے وہ کسی مضبوط حصار میں آگئی ہے۔

☼ ☼ ☼

دور ٹھنڈے' نیم روشن کمرے میں' سالار نے ایک بار پھر آنکھ کھولی۔

درد کے اس ناقابل برداشت تسلسل میں جتنی بار بھی اس نے خود کو ہوش میں آتا ہوا محسوس کیا' ایک ہی سا منظر آنکھوں کے آگے آیا تھا۔

خود پر جھکے ہوئے' اجنبی مگر مہربان چہرے۔

ارد گرد لگے مانیٹرز' رگوں میں چبھتی ہوئی سرنج کی نوک۔

درد کی شدت اسے آگے کچھ دیکھنے اور سوچنے کی مہلت ہی نہیں دیتی تھی اور وہ دوبارہ سلا دیا جاتا تھا۔ مگر آج ہوش مندی کا یہ وقت تھوڑا سا طویل ہوا۔

اس نے گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھنا چاہا' تو درد کی ایک لہر نے احساس دلایا کہ حالات ابھی بھی اتنے ٹھیک نہیں ہیں۔

تھوڑے فاصلے پر پشت کیے ریڈنگ لیتی ہوئی نرس نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا اور تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔

"آرام سے! زیادہ موومنٹ کریں' ورنہ تکلیف ہوگی۔" اس کے لہجے کی فکر مندی اپنائیت کا احساس دلا رہی تھی۔

سالار نے ہلکے سے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا' یہاں موجود دوسری نرس اسے ہوش میں آتا دیکھ کر باہر جا چکی تھی' غالباً" اطلاع دینے۔

"اب آپ کیسا محسوس کر رہے ہیں۔" وہی مہربان چہرہ پوچھ رہا تھا۔

"بس ٹھیک ہوں' پہلے سے بہتر"

دھیمی آواز میں کہتے ہوئے سالار کو خود اپنی آواز اجنبی لگی۔

"بھلا آج کتنے دنوں بعد اس نے خود اپنی آواز سنی۔" اسے قطعی اندازہ نہیں ہوا۔

"آج کیا تاریخ ہے سسٹر؟"

"آج چھبیس ہے۔" وہ پھر مسکرائی۔

"چھبیس۔" اس نے زیر لب دہرایا۔

"اتنے دن" اسے یاد آگیا تھا' وہ سات یا آٹھ تاریخ تھی جب وہ لاہور جانے والا تھا۔

لاہور' جہاں گیتی تھی۔

مگر اس نام سے جڑے پرسکون احساس سے پہلے بھی بہت کچھ تھا۔

سب کچھ ایک تسلسل کے ساتھ' ذہن نے دہرایا تو اس نے وحشت زدہ سا ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔

"کیا چاہیے آپ کو۔" وہ نرس مستقل اس پر ہی نظر رکھے ہوئے تھی۔

"وہ مس۔۔۔ میرے ساتھ وہ۔۔۔"

دروازہ کھول کر چند ڈاکٹرز اندر آرہے تھے۔ ان کے چہروں پر بڑا تسلی بخش سا احساس تھا سالار کو دیکھ کر۔

اتنے دن کی جان توڑ محنت اور اللہ بزرگ و برتر کی مہربانی۔

سالار کا چیک اپ کرتے ہوئے' وہ اس احساس کے زیر اثر تھے۔

"سنئے ڈاکٹر! وہ میرے ساتھ حمیدی صاحب تھے' کیسے ہیں وہ۔" اس نے شاید دوسری یا تیسری بار پوچھا تھا' لیکن وہ لوگ اپنے کام میں اتنے مصروف تھے کہ اس کی بات شاید سنی ہی نہیں۔

سالار نے بے بسی سے ان لوگوں کی طرف دیکھا۔

"پولیس آپ کا بیان لینا چاہتی ہے' اگر آپ بہتر محسوس کر رہے ہیں تو ٹھیک ہے' ورنہ۔۔۔" کوئی اس سے پوچھ رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔"

حالانکہ چند جملے بول کر ہی وہ بری طرح تھک چکا تھا لیکن اس نے پوری ہمت سے کہا۔

ڈاکٹر نے تشویش سے اس کی طرف دیکھا اور پھر اپنے پیچھے کھڑے ساتھی سے دبی آواز میں کچھ مشورہ کرنے لگا۔

سالار کے ذہن نے اس وحشت ناک منظر کو پھر سے دہرایا۔

"گولیوں کی وہ بوچھاڑ جس کا رخ شاید بائیں سے دائیں تھا۔"

اس نے جزئیات کو یاد کرنا چاہا۔

اور اس کے بائیں جانب حمیدی صاحب تھے! کمزور اور ضعیف العمر حمیدی صاحب۔

دل میں گھر کرتا ہوا' خوفناک خیال' شدت پکڑ چکا تھا۔

"سنئے وہ جو میرے ساتھی تھے گاڑی میں' ان کے بارے میں پلیز۔۔۔!"

اس بار بھی کسی نے اس کی بات کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

☼ ☼ ☼
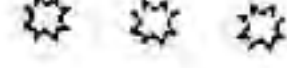
رنگ' خوشبو' روشنی!

وہ کتنے دن سے یہاں آرہا تھا' لیکن ہر بار اس فلموں کے سیٹ جیسے دکھتے منظر میں اس کی دلچسپی کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی جارہی تھی۔

"زندگی کا اصل حسن یہیں تھا۔"

الماس کے چوبارے پر سجی رنگین محفلوں میں' جہاں کا مہمان خصوصی بھی وہی تھا اس نے کتنی بار خود اعتراف کیا تھا۔

وہاں کراچی میں تو وہ اب تک جھک مارتا رہا تھا' چھپ چھپا کر ادھر ادھر ہاتھ مار لیا۔

یا پھر اس بڈھی جادوگرنی کی ناز برداری کرلی' چین پھر بھی نہیں۔

ہر وقت پکڑے جانے کی تلوار گردن پر۔
حلق میں اترتی کڑواہٹ کو دور کرنے کے لیے وہ معمول سے زیادہ پی جاتا تھا۔
میزبان اعتدال میں رہنے کا مشورہ دینا بھی چاہتا تو منہ کی کھاتا۔
ادھر گلناز اس کی مستقل مزاجی پر واری صدقے ہوتے نہیں تھک رہی تھی۔
جس فراوانی سے اس نے ان دنوں میں الماس پر پیسہ لٹایا تھا، وہ گل ناز کے لیے بڑی نیک فال تھا۔
"میری مانیں ملک جی! تو یہیں شفٹ کر جائیں۔ کوٹھی تو ماشاءاللہ ہے آپ کی، بزنس بھی ہے، کبھی کبھی کراچی کا چکر لگا آئے جا کر۔"
الماس اٹھ کر تھوڑا فریش ہونے گئی، تو وہ بہت لگاوٹ سے مشورے دینے کے لیے آ بیٹھی۔
حالانکہ نہ تو وہ ملک ہی تھا اور نہ ہی اس کوٹھی اور بزنس پر اس کا حق بنتا تھا، پھر بھی جب گلناز اور الماس اسے ملک جی کہتیں تو اس کا دماغ ساتویں آسمان سے باتیں کرتا۔
جدی پشتی رئیسوں جیسی تمکنت خود بخود ہی رویہ میں آنے لگتی۔
"ہمارا خواب آپ لوگوں کو چھوڑ کر یہاں سے جانے کو دل نہیں چاہتا گل ناز! بیگم اس لیے تو۔۔۔"
کسی بہت بااختیار فرد کی طرح، وہ جو بات کہہ رہا تھا، سیل فون کے بجنے پر ادھوری رہ گئی۔
"دھت!" اسے خود پر ہی غصہ آیا۔
ابھی چند منٹ پہلے ایک ضروری فون کرنے کے لیے، کئی گھنٹوں سے بند پڑے فون کو کھولا تھا تو پھر بند کرنا یاد ہی نہیں رہا۔
سو نتیجہ۔
اس نے بہت کوفت سے زرتاج کے نام کو اپنے سیل فون پر دیکھا۔
ایک نہ دو، پوری تیرہ کالز، ان چند گھنٹوں میں۔
"ایکسکیوز می!" گلناز اس کا اشارہ سمجھ کر باہر نکل گئی۔
بے وقت کی یہ مداخلت اسے بھی کھلی تھی۔
اس وقت لوہا گرم تھا سو چوٹ مارنے کا اصل ٹائم بھی یہی تھا۔
"تم کہاں غائب رہے ہو نبیل! کچھ اندازہ ہے، یہاں کیا قیامت مچی ہے؟"
فون کے دوسرے سرے پر زرتاج حلق کے بل چلائی تھیں۔
"مستقل تمہارا فون بند ہے، آفس فون کرتی ہوں تو تم وہاں نہیں، تم کرنے کیا گئے ہو، جب وہاں کی برانچ پر نہیں بیٹھ رہے۔"
وہ بری طرح بگڑی ہوئی تھیں۔
اور اپنی صفائی میں کچھ بھی کہتا تو وہ اس وقت ذرا بھی یقین نہیں کرتیں، سو وہ چپ چاپ سنے گیا۔
زرتاج نام کی مصیبت کو ٹالنے کے لیے خاموشی کا یہی گر کارگر رہتا تھا۔
یہ اس کا تجربہ تھا۔
"سالار کے واقعہ کے بعد بھی تم نے آنے کی زحمت نہیں کی ہے، پتہ ہے اس پر کتنے سوال اٹھ رہے ہیں۔ تم اپنے آپ کو مشکوک بنا رہے ہو اس طرح۔ آخر اتنی سی بات کیوں سمجھ میں نہیں آ رہی تمہارے۔"
"کیا پولیس نے کچھ کہا ہے؟" وہ سنبھل کر بیٹھا۔
"وہ کوئی میرا ذاتی اسٹاف نہیں ہے، جو آ کر مجھ سے مشورہ کریں گے، ان کی انکوائری کس رخ پر جا رہی ہے،

فی الحال کیا کہا جا سکتا ہے، بہرحال وہ تمہارا بیان لینے کے لیے تم سے رابطہ ضرور کریں گے۔"
نبیل نے بے ساختہ ہی پہلو بدلا۔
زرتاج کے کھونٹے سے رسی تڑا کر بھاگنے کے لیے یہ وقت قطعی نامناسب تھا۔
"تو تم کچھ کر کیوں نہیں رہیں، تمہارے لیے کیا مشکل ہے، اس معاملے کو دبوا دو یار! کوئی کاروباری دشمنی ہوگی کچھ بھی ہو سکتا ہے۔"
اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے، اس نے لگاوٹ کا وہی لہجہ اختیار کیا، جو زرتاج کی کمزوری تھا۔
"اور مجھے تمہارے ہوتے ہوئے فکر کی ضرورت بھی کیا ہے۔ غصہ مت کرو اتنا تم پر سوٹ نہیں کرتا ہے میری جان۔"
"بکواس بند کرو تم۔ سمجھے؟"
سرد لہجہ اور انداز اتنا حقارت آمیز کہ نبیل کو ماتھے پر پسینہ آتا ہوا محسوس ہوا۔
"یہ جو عیاشیاں تم کر رہے میرے پیسے کے بل پر، کیا سمجھ رہے ہو، مجھے خبر نہیں مل رہی، کہو تو بتاؤں کہ اس وقت بھی تم کہاں بیٹھے ہو۔"
نبیل نے ایک نگاہ گھما کر اس وسیع و عریض ہال کو دیکھا، جہاں اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔
مگر ہزار آنکھیں تھیں اور ہر آنکھ زرتاج کی آنکھ تھی۔
وہ کیوں بھولا تھا کہ زرتاج ایک خطرناک ترین عورت ہے۔
اس نے پل کے چھوٹے سے وقفے میں سارا نشہ ہرن ہوتا ہوا محسوس کیا۔
"تمہیں غلط فہمی ہو رہی ہے زرتاج! پتہ نہیں کون تم تک میرے بارے میں غلط سلط باتیں پہنچا رہا ہے۔ ایک دو دن میں آ رہا ہوں میں واپس، پھر ساری۔۔۔"
"تمہاری کل دن کی فلائیٹ میں واپسی کی بکنگ ہو گئی ہے، مجھے تمہیں یہی بتانا تھا۔"
اس نے اطلاع دی اور فون بند کر دیا۔
نبیل نے خالی خالی نگاہوں سے ہاتھ میں پکڑے سیل فون کو دیکھا۔
کب تک ڈھیل دینی ہے اور کب کھینچ لینی ہے، سب کچھ زرتاج کی صوابدید پر تھا۔
خود مختاری کے اس مزے کو چکھ لینے کے بعد اپنی اوقات کو تسلیم کرنا، اس کے لیے بھی مشکل ہوا تھا، لیکن زرتاج کے سامنے کھڑا رہنے کے لیے جو حوصلہ درکار تھا، وہ ناپید تھا۔
"خیر تو ہے نا ملک صاحب؟"
گلناز سے صبر نہ ہو سکا تھا، سو واپس اندر چلی آئی۔ نبیل کے چہرے پر پھیلی بدمزگی، اس کی نظر پہلے ہی بھانپ چکی تھی اور اندر ہی اندر وہ خود بھی مایوسی میں گھری تھی۔
"کچھ ضروری کام آ پڑا ہے کراچی میں، جانا ہو گا۔"
نبیل کے لہجے کا جوش و خروش بالکل ہی ختم ہوا جا رہا تھا، گلناز کے دل کو دھکا سا لگا۔
مجال ہے جو کوئی خوش بختی اس کے دروازے پر بھی ٹکتی ہو، جب سے نگینہ یہاں سے گئی تھی، اپنا مقدر شاید اسی کے نام کر کے چھوڑ گئی تھی۔
مایوسیاں، ناکامیاں، اسی کے ماضی کا حصہ تھیں، جواب گلناز کو اپنا حال بنتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں۔
کوئی ٹونا ٹوٹکا، کوئی تعویذ ضرور، اس کی چوکھٹ پر گاڑا ہے، شاما بدبخت نے۔

اس کے دل کو پکا یقین ہوا۔
"ایسے ایک دم الماس تو بڑی رنجیدہ ہو گی بلاؤں۔ خدا حافظ تو کہہ لیں۔"
دل میں چھپی مایوسی کو خوبی سے دباتے ہوئے وہ اپنی تجربہ کاری بروئے کار لائی۔
ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے نبیل نے اپنی چیک بک میں سے ایک چیک کاٹ کر گلناز کے ہاتھ پر رکھا۔
"میں بہت جلد واپس آؤں گا' دس پندرہ دن میں ہی' الماس کا خیال رکھنا' میں اور پیسے بھجوا دوں گا۔"
گلناز کے دل کو تسلی ہوئی' "کچھ تو سہی" کوٹھی کی بات اگلی ملاقات پر کی جا سکتی تھی۔"
وہ نبیل کو چھوڑنے کے لیے نیچے تک آئی۔
آج نہ لاہوری میزبان ساتھ تھا اور نہ ہی راجو۔

☼ ☼ ☼

شاکرہ بیگم نے سامنے بیٹھی آپا گل کو تعجب سے دیکھا۔
"ہوش میں تو ہو نا گل!"
"اس میں بے ہوشی والی کون سی بات ہے' سیدھا' صاف' یہی ایک حل سامنے ہے۔"
"پچاس ہزار کوئی معمولی رقم تو نہیں' جو آنکھ بند کر کے اس کے حوالے کر دی جائے اور سچی بات کہ اس وقت تو ہم بھی نہیں جو دینے کے بارے میں بھی سوچ سکیں۔"
شاکرہ بیگم نے تاسف سے نفی میں سر ہلایا۔
دل دکھا تھا' پچاس ہزار بڑی رقم کہہ کر۔
لاکھوں روپے ایک وقت میں ہاتھوں میں رہے تھے آخر۔
"پچاس ہزار تو میں ہی دے دوں گی' اگر آپ وہاں سے جویا کے جہیز کا سامان اٹھانے دیں' ابو کی طبیعت سے ڈر لگتا ہے کہتے ہوئے بھی۔"
سلمان ابھی آکر بیٹھا تھا۔
آج کل وہ بڑی باقاعدگی سے آنے لگا تھا' سو خود بخود ہی گلے شکوے کم ہو رہے تھے۔
آپا گل نے اس امید پر اسے بھی مختصراً "اپنی آفر کا قصہ سنایا کہ شاید وہی ان کی حمایت کرے۔
"جب وہ قصہ ختم ہی کرنا ہے تو کیوں سامان وہاں چھوڑ کر پرانا کیا جائے' میں غلط کہہ رہی ہوں؟"
"کئی لاکھ کا سامان' صرف پچاس ہزار میں؟" وہ الٹا ان کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔
"اور وہ بھی اٹھا کر پیر کرامت شاہ کو دے دیے جائیں' گل کا یہی مشورہ ہے۔"
شاکرہ بیگم کے پاس پریشانیوں کا اتنا اسٹاک جمع ہو چکا تھا کہ آپا گل بھی چڑچڑاہٹ کی لسٹ میں آ رہی تھیں۔
"اس ڈھونگی کو تم کیا کرے گا وہ' ابو کی انکوائری بند کروا دے گا یا پھر پچاس لاکھ کا انتظام کر دے گا جن کا انتظام ابو کو کرنا ہے۔"
وہ آپا گل پر خفا ہونے لگا' شاکرہ بیگم نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔
"پیسوں کا انتظام کرنا تم سب کی بھی ذمہ داری ہے' خالی تمہارے ابو کے بس کی بات نہیں ہے۔"
"اسی لیے پیر کرامت کے لیے کہہ رہی ہوں' شرطیہ ایسا چلہ کاٹیں گے کہ انکوائری وغیرہ سب ختم ہو جائے گی۔ آپ آزما کر تو دیکھیں۔"
آپا گل کا اعتقاد بڑا پختہ تھا۔

سلمان نے ناگواری سے ان کی طرف دیکھا۔
"پلیز' یہ جاہلانہ باتیں تو رہنے دیں۔ اتنے ہی کرامت والے ہوتے تو سب سے پہلے اپنا حال درست کرتے' وہاں قبرستان کی زمین پر قبضہ جما کر آستانہ بنا کر نہ بیٹھے ہوتے آپ کے پیر کرامت شاہ۔ دیکھیے گا کسی دن بہت جوتے کھائے گا آپ کا یہ کرامت شاہ!"
آپا گل نے دل ہی دل میں توبہ کی' اس کی بے ادبی پر۔
"تو پھر تم ہی کوئی حل بتاؤ اس مشکل سے نکلنے کا' آدھے نہیں رہے ہیں ابو' پورے ڈیپارٹمنٹ میں کھلبلی مچی ہے' اپنی جان چھڑانے کے لیے کچھ تو کرنا ہے ابو کو بھی۔"
آپا گل کو زیادہ غصہ سلمان کی بے ادبی پر آیا تھا اور گھر میں تازہ در آمد ہوئی پریشانی بھی ایک تلخ حقیقت تھی۔
"وہ ان کا اپنا کیا دھرا ہے۔ اس نے کہا تھا ان چکروں میں پڑیں' عمران کی تو ساری عمران ہی کاموں میں گزری ہے' پیسہ ہی بناتے رہے ہیں۔"
سلمان کے رکھائی سے کہے گئے جملے نے' اس امید کی بھی تردید کی کہ اس بے حد مشکل وقت میں وہ کچھ نہ کچھ مدد تو ضرور ہی کروے گا۔
آپا گل اور شاکرہ بیگم دونوں ہی نے بڑی مایوسی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔
"تم نے زوبیہ سے بات کی یا نہیں؟" حالانکہ جویا کی شادی کے وقت بھی وہ ہری جھنڈی دکھا چکا تھا۔
"مجھے اس گھر میں رہنا ہے آپا گل! اور زوبیہ آخر کس خوشی میں اس گھر کے پرابلمز کو حل کرے' وہ کوئی آپ لوگوں کی ٹھیکیدار ہے کیا' جو ہر بات میں آپ کو وہی نظر آتی ہے بھیک مانگنے کے لیے۔"
"زبان سنبھال کر بات کرو' تمیز رہ گئی ہے کچھ یا نہیں۔" مارے خفت کے آپا گل کی آنکھوں میں سچ مچ آنسو آنے لگے۔
اس لاڈلے اکلوتے کے کتنے ناز اٹھائے گئے تھے ساری عمر۔
"میں تو ایسے ہی صاف بات کرتا ہوں' آپ کو پرابلم ہے تو مت کیا کریں مجھ سے بات۔"
وہ سر جھٹک کر اٹھ کھڑا ہوا۔
"ادھر اسٹیٹ ایجنسی والے کو کہہ دیا ہے میں نے' کوئی اچھا گاہک مل جائے تو اس گھر کو سیل آؤٹ کر دیں' یہی طریقہ رہ گیا ہے' زیور وغیرہ تو وہ پہلے ہی بکوا چکے ہیں۔"
اس نے شاکرہ بیگم کو مخاطب کیا اور بڑے آرام سے اپنا تجویز کردہ حل گوش گزار کیا۔
"اور ہم۔۔۔ ہم لوگ کہاں جائیں گے!" بمشکل وہ پوچھ پائیں۔
"یہ کوئی مسئلہ نہیں۔" اس نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔
شاکرہ بیگم کی نگاہ اس پر جمی تھی۔
شاید وہ انہیں اپنے گھر لے جانے والا تھا۔
"بہت ملتے ہیں کرائے کے گھر' یہیں کہیں قریب میں کوئی چھوٹا پورشن مل جائے گا' اب تو آپ کی فیملی بھی بہت چھوٹی سی ہے۔"
اس کا ہوم ورک مکمل تھا۔
شاکرہ بیگم کا سر جھکتا چلا گیا۔
سلمان نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔
"چلتا ہوں اب' ویسے بھی ابو کے آنے کا وقت ہو رہا ہے' مجھے دیکھ کر ان کا موڈ خراب ہونے لگتا ہے۔ اچھا

سے پہلے ہی نکل جاؤں ؟"
شاکرہ، چپ چاپ اس کی شکل دیکھے گئیں۔
آپا گل اور سلمان۔
دونوں ہی پر انہیں فخر اور بھروسا کمال درجہ کا رہا تھا، دونوں ہی بے حد سمجھ دار۔
اپنی زندگی کی بساط پر ہر مہرہ مہارت سے سیٹ کرنے والے۔
"پھر انہیں کیوں یہ ساری سمجھ داری محض کمینگی محسوس ہونے لگی تھی؟" انہوں نے چپکے سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔
"کم از کم یہی پوچھ لیتیں کہ ان دو کمروں کے پورشن کا کرایہ کہاں سے ادا ہو گا، جس کا مشورہ یہ دے گیا ہے۔"
دروازہ بند کر کے واپس آتی آپا گل نے سفاکی سے ایک اور کھرنڈ اتارا، مگر وہ کچھ جواب دینے کے بجائے اٹھ کر سیڑھیوں کے پاس آکھڑی ہوئیں۔
"جویا، جویا آکر روٹی پکا کر رکھ دو بیٹا!" اوپر کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے جویا کو پکارا۔ ان کے لہجے میں بڑی واضح نرمی تھی۔

☼ ☼ ☼
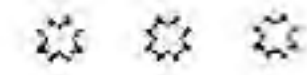
سعیدہ نے صحن میں دریوں پر بیٹھی عورتوں اور بچوں پر خالی خالی سی نظر ڈالی۔
کھجور کی گٹھلیوں کو سمیٹ کر ایک طرف رکھا جا چکا تھا اور ایک لڑکی پڑھے گئے اور بغیر پڑھے سپاروں کو بڑی ذمہ داری سے علیحدہ علیحدہ کر رہی تھی۔
باہر مردوں کے لیے لگوائے گئے تنگ سے شامیانے میں نواب مرحوم کے سوئم کی فاتحہ ابھی ابھی دلوائی گئی تھی
کیسی عجیب سی بات تھی۔
وہ جو اس کی زندگی میں ہمیشہ نا ہونے کے برابر ہی تھا، آج واقعی نہ رہا تو ایک دم ہی اہمیت اختیار کر گیا۔
"آ سعیدہ، کھانے پر بیٹھ۔" محلے کی ایک عمر رسیدہ عورت نے اسے یوں بے چارگی کے ساتھ کھڑا دیکھا تو کاندھوں سے پکڑ کر سامنے بچھی دری پر لا بٹھایا۔
آس پاس بیٹھی سب ہی نے بہت ہمدردی سے اسے دیکھا۔
تسلی دیتے ہوئے وہی جملے جو پچھلے تین دن سے وہ سنتی آرہی تھی، ایک بار پھر اس کے کانوں سے ٹکرانے لگے۔

"صبر کر سعیدہ! اللہ کی یہی مرضی تھی۔"
"اپنے بچوں کی طرف دیکھ، اب تو ہی ان کا سہارا ہے، یہ اپنے قابل ہو جائیں گے تو سارا غم بھول جائے گی۔"
"تو تو بڑی ہمت والی ہے، بڑی صابر۔۔۔۔"
"اور نواب بھائی کی بھی قسمت دیکھو، اللہ نے کیسی عزت رکھی، ورنہ وہیں لاوارث لاشوں میں دفن ہو جاتے تو ہمیں کیا پتا چلتا۔"
سعیدہ نے چونک کر کہنے والے کی طرف دیکھا۔
لڑکے بریانی، زردہ کی بھاپ اڑاتی ڈشیں سامنے رکھ گئے تھے۔

اگر بتی کی خوشبو کے ساتھ، ملی جلی سی خوشبوئیں ماحول کا حصہ بننے لگیں۔
"اللہ بھلا کرے معاذ بھائی کا، انہوں نے اور ان کے دوستوں نے تلاشا، ورنہ یہاں کون تھا، جو خبر نکالتا، میرے ساجد کے پکے دوست ہیں معاذ بھائی۔" بتول کی دی گئی تفصیلات میں، جانا بوجھا فخر اپنے لیے بھی تھا۔
ساری خواتین نے یک زبان ہو کر معاذ کی تعریف شروع کر دی تھی اور ایسا وہ پچھلے تین دنوں سے کر رہی تھیں۔
نواب کی گم شدگی کے بعد وہی تھا، جس نے زری کے کہنے پر اس کی تلاش میں کسر نہیں چھوڑی تھی اور بالآخر کسی مقامی اسپتال سے کنفرم ہو ہی گیا تھا۔
نواب نشے کی زیادتی کی وجہ سے کسی پل کے نیچے مردہ حالت میں پایا گیا تھا، جہاں سے اسے شناخت کے لیے رکھوا دیا گیا تھا۔
اگر چند دن اور گزر جاتے تو وہ یقیناً اس کی اس آخری خبر سے بھی محروم رہ جاتی۔
سعیدہ بہت دل سے معاذ کی شکر گزار تھی۔
جیسا بھی تھا، وہ اس کا شوہر تھا اور وہ اس کی وفادار بھی رہی تھی۔
دونوں بچے اس کے دائیں بائیں لا کر کسی نے بٹھا دیے تھے اور پلیٹ میں کھانا نکال کر بھی سامنے رکھ دیا گیا تھا۔
یہ سارا انتظام ان تین دنوں میں معاذ اور اس کے دوستوں کی طرف سے تھا۔
آج سوئم بھی ختم ہوا، اب آگے کا اللہ مالک تھا۔ سکھر سے اس کے واحد رشتے دار چچا اور چچی آئے بیٹھے تھے، سعیدہ نے آج انہیں کسی سے کہتے سنا تھا کہ وہ سعیدہ اور اس کے بچوں کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔
زری کو اس کے رشتے داروں کو لے کر جانا چاہیے تھا، مگر وہاں سے کوئی دعوے دار نہیں اٹھا تھا ابھی تک اور خود وہ اور زری کیا چاہتی تھیں، کوئی ان دونوں سے پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کر رہا تھا۔ اس نے زری کی تلاش میں نگاہ دوڑائی۔
نواب کی موت کا اثر، سعیدہ سے زیادہ اس پر تھا، خونی رشتوں سے جڑا ایک آخری حوالہ اس کے ہاتھ سے چھٹا تھا۔
کسی کسی وقت تو سعیدہ کو بھی اس پر رحم آنے لگتا تھا۔
"تم کیا واقعی سکھر جا رہی ہو سعیدہ بھابھی!" محلے کی کوئی عورت اس سے پوچھ رہی تھی
"ہاں، شاید!" سعیدہ نے نیچی آواز میں کہتے ہوئے پلیٹ پر سر جھکایا۔
اس کا چھوٹا بہت شوق سے چکن کی بوٹی کھاتا تھا سو وہ اس کے نوالے بنا بنا کر کھلا رہی تھی۔
"ہائے، بہت یاد آؤ گی، سارا محلہ سونا ہو جائے گا، میری مانو تو یہیں رہو، پہلے بھی کون سا نواب بھائی کماتے تھے، تم تو خود اپنے قابل ہو۔"
ایک پھیکی سی مسکراہٹ، سعیدہ کے چہرے پر پل بھر کے لیے ابھری اور معدوم ہوئی۔
کہنے والی نے اپنے سوال کا جواب پایا۔
"اور زری، اس کا کیا سوچا ہے۔۔۔۔؟"
"زری!"
سعیدہ نے اس طرح حیرت سے زیر لب دہرایا، جیسے زری کے لیے سوچنا اس کی ذمہ داری نہیں اس کی نگاہیں کھلے دروازے کے باہر کھڑے معاذ پر جا کر رکیں

(اگلی قسط ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

نبیل کے چہرے پہ ہوائیاں اڑنے لگیں۔ ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا' لیکن زرتاج نے اس کا بھی موقع نہیں دیا۔

"تمہاری رنگ رلیوں سے میں نے جان بوجھ کر نظر چرائی تھی نبیل! میں بے خبر نہیں تھی کہ تم کہاں جاتے آتے ہو' کیا خرچ کررہے ہو؟ وہ جو وہاں تمہارے میزبان بنے بیٹھے تھے' میرے ہی لوگ تھے' تم یہ کیوں بھول گئے تھے۔"

نبیل کو اپنے لاہوری میزبان کی کرم فرمائیاں یاد آئیں تو ساتھ ہی اس کی پرفیکٹ اداکاری پر رشک بھی آیا۔

"وہ مجھے خود اصرار کرکے لے گیا تھا اور پھر اتنے عرصے سے میری اور اس کی دوستی بھی تھی' اسے شرم آنی چاہیے تھی کہ وہ تمہیں میرے بارے میں غلط سلط خبریں دیتا ہے۔"

بالآخر وہ کچھ کہنے میں کامیاب ہوا۔

زرتاج نے بہت حقارت سے اس کی طرف دیکھا۔ "تمہاری دوستی..؟!" ان کے چہرے پر زہریلی سی مسکراہٹ پھیلی "میرے اسٹیٹس کے بل پر دوستیاں بناتے ہوئے یاد رکھا کرو کہ وہ لوگ تمہیں نہیں مجھے جانتے ہیں' ان کے مفادات مجھ سے بندھے ہیں' تمہاری تو دو ٹکے کی اوقات نہیں ہے نبیل! میں نے ہی غلطی کی جو تمہیں اتنا سر پر چڑھایا کہ تم میرے سر پر خاک ڈالنے لگے۔"

وہ بری طرح آؤٹ ہو رہی تھیں۔

نبیل کو عافیت اسی میں محسوس ہوئی کہ وہ جو کچھ بھی کہہ رہی ہیں خاموشی سے سن لیا جائے' بعد میں ان کا "سر" ٹھنڈا کرنے کے لیے وہ پیار' محبت کا آزمودہ ہتھکنڈا استعمال کرہی سکتا تھا' کسی کا فون آنے پر وہ چند لمحوں کے لیے دوسری طرف متوجہ رہیں۔

نبیل نے اتنی دیر میں ایسی عورت کی پہنچ اور خطرناکی کا ایک بار پھر سے تجزیہ کیا اور اپنا بھی۔ وہ شاید ضرورت سے زیادہ پُراعتماد ہو رہا ہے یا پھر بے صبرا۔

پے در پے غلطی۔

"سالار پر فائرنگ تم نے کروائی تھی؟"

"ہں۔" اس نے چونک کر زرتاج کی طرف دیکھا' وہ ایک بار پھر اس کے سر پر کھڑی تھیں اور اپنا سوال دہرا چکی تھیں۔

"جھوٹ مت بولنا' میرے اپنے ذرائع بھی ہیں اور سارا شک سو فیصد تم پر ہی جارہا ہے۔"

نبیل نے ایک گہری سانس لی۔

اس تمام عرصہ میں کم از کم ایک بات تو وہ جان ہی چکا تھا کہ زرتاج کے سامنے جھوٹ بولنا بالکل ہی بے کار ہے' وہ بات کی جڑ تک بآسانی پہنچ جاتی ہیں اور جھوٹ کھلنے پر اور بھی زیادہ زہریلی ہو جاتی ہیں۔

"اس نے میری زندگی جہنم بنا رکھی تھی' تم بھی گواہ ہو اس بات کی۔"

بنا اس کی طرف دیکھے اس نے بے تاثر لہجے میں اعتراف جرم کیا۔

چند لمحے بڑے بوجھل انداز میں ان دونوں کے بیچ آکر رکے۔

جو کچھ اس نے کیا تھا' کھلا راز تھا' پھر بھی جب وہ اس سے پوچھ رہی تھیں تو دل سے خواہش مند تھیں کہ وہ سختی سے اس الزام کی تردید کردے۔

مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔

"اس کا انجام جانتے ہو نبیل!"

زرتاج کا سرد لہجہ عجیب سی دہشت پھیلا رہا تھا' وہ بڑی ہمت کرکے مسکرایا۔

"میں صرف تمہاری محبت کو جانتا ہوں زرتاج! تم مجھے ہر مصیبت سے بچا سکتی ہو۔"

وہ یوں ہی ساکت نگاہوں سے اسے دیکھے گئیں جن میں صرف اجنبیت ہی تھی۔

"حمیدی صاحب مارے گئے ہیں تمہارے اس بے ہودہ ایڈونچر میں اور حمیدی صاحب کی کیا حیثیت تھی سالار کی زندگی میں' وہ جب ٹھیک ہوگا تو تمہیں خود اندازہ ہو جائے گا۔"

انہوں نے طنزیہ انداز میں اطلاع دی تھی یا دھمکی۔

"مطلب؟" نبیل نے الجھن سی محسوس کی تھی۔

"حمیدی صاحب کے قاتل کو سالار چھوڑنے والا نہیں ہے' تم اگر اپنی بچت چاہتے ہو تو سالار سے کسی بھی قیمت پر تعلق بہتر بناؤ' چاہے تمہیں اس کے جوتے بھی چاٹنے پڑیں' یہ ہی ایک صورت ہے باقی۔"

ایک ذلت بھرا مشورہ دے کر وہ باہر جاچکی تھیں۔

☼ ☼ ☼
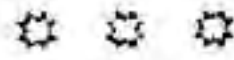
کمرے میں موجود سب ہی لوگوں نے بڑی امید بھری نگاہ سے معاذ کی طرف دیکھا تھا۔

"اتنے بڑے شہر میں ہم تو آپ کے علاوہ کسی کو بھی نہیں جانتے اور پھر لڑکی ذات' ایسے ہی کہاں چھوڑا جاسکتا ہے' آپ ہی راہ نکالیں گے تو کچھ بات بنے گی۔"

نپے تلے انداز میں سعیدہ نے بہت سنبھل سنبھل کر بات پوری کی تھی' جس کے بعد وہ سب اس طرح معاذ کی طرف دیکھنے لگے جیسے وہ ابھی آستین میں سے کبوتر نکال کر اڑائے گا یا پھر ویسا ہی کوئی اور کرتب۔

"بس اب دو ڈھائی سال سے بہت ہوگئی ہمدردی۔"

بالکل ساتھ بیٹھے ریحان نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی' مگر وہ اس کے مشورے پر عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا' سو سعیدہ کے چچا کی طرف متوجہ ہوا۔

"نہیں اور دونوں بچوں کو آپ لے کر جارہے ہیں تو زری کے لیے بھی گنجائش نکال سکتے ہیں' بھابھی ہیں یہ اس کی' ان کے ساتھ ہی وہ خوش بھی رہ سکتی ہے۔ ہم اس کا خرچا دے دیا کریں گے ہر مہینے آپ کو۔"

آخری لائن میں اس نے اپنے طور پر بہترین حل پیش کیا تھا اور پُرامید تھا کہ بخوشی مان لیا جائے گا' مگر وہاں کسی کا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"اگر ہم لے جاسکتے تو آپ سے گزارش ہی نہ کرتے' سعیدہ میری بھتیجی ہے' میری ذمہ داری ہے' زری کے چچا کو بھی بار بار کہلوایا' لیکن وہ نواب کی موت پر بھی نہیں آیا حیدرآباد سے' آج بھی میں نے فون کیا' مگر اس نے صاف جواب دے دیا ہے۔"

سکھر سے آیا سعیدہ کا چچا حقیقتاً "معقول" آدمی تھا اور اپنے محدود وسائل کے باوجود اپنا فرض نبھانے کے لیے تیار بھی۔

اس کی گود میں بیٹھا ہوا سعیدہ کا چھوٹا بیٹا معاذ کو دیکھ کر مسکرائے جارہا تھا۔ معاذ کے لبوں پر بھی بے ساختہ مسکراہٹ آئی۔

"ہو سکے تو ان بچوں کو پڑھائیے گا ضرور۔"

"فکر ہی مت کریں' ان شاء اللہ ایسا قابل بناؤں گا کہ دنیا دیکھے گی' میری اپنی کوئی اولاد نہیں' کل کو یہ ہی سہارا بنیں گے' نواب تو بدنصیب تھا جو اس نعمت کی قدر نہیں کی۔"

اس شخص کے لہجے میں بڑی اپنائیت تھی۔ معاذ نے بہت سکون سا محسوس کیا۔
سعیدہ اور اس کے بچے یقیناً "کھلونا" ہاتھوں میں تھے' دیوار سے لگی کھڑی زری چند لمحوں کے لیے پس منظر میں جا نے لگی۔
"وہاں شہر میں فروٹ کا ٹھیلا لگاتا ہوں' گزارے لائق آمدنی تو ہو ہی جاتی ہے' پھر یہ آپ کی چچی بھی بہت عمدہ سلائی کرتی ہے' اللہ عزت سے وقت پورا کر رہا ہے۔"
معاذ کی تسلی کے لیے ہی شاید اس نے اپنی آمدنی کے بارے میں تفصیل دینا ضروری سمجھی تھی' حالانکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔
ریحان نے اکتا کر ہاتھ میں بندھی گھڑی پر نگاہ ڈالی اور پہلو بدلا۔
معاذ کو اندازہ تھا کہ وہ اب چند منٹ سے زیادہ یہاں رکنے والا نہیں ہے۔
"اچھا ہو گا جو اس لڑکی کا معاملہ ہمارے سامنے ہی نمٹ جائے' تاکہ صبح مالک مکان کو چابی دے کر کل شام کی ٹرین سے نکل جائیں' اس لیے آپ کو تکلیف دی ہے۔"
سعیدہ کو بوجھ اتار کر پھینک دینے کی جلدی تھی' سو وہ بات کو کسیں اور لفظ دیکھ کر نمٹانے کی فکر میں مبتلا ہوئی۔
معاذ کو اس نے آج خاص طور پر ساجد کو بھیج کر یہی بات کرنے کے لیے بلایا تھا۔
"زری کو وہیں اسکول میں ایک کمرہ دے دیں' کام وغیرہ بھی کر دے گی اور۔۔۔"
معاذ نے بہت حیرت سے سعیدہ کو دیکھا۔
"آپ ایک لڑکی کو اس طرح اکیلا چھوڑنے کا سوچ بھی کیسے سکتی ہیں؟ وہ ایک خالی گھر ہے' جہاں ہم رات کو تالا ڈال دیتے ہیں' آپ رہ سکتی ہیں اکیلی کہیں۔"
نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی آواز اونچی ہوئی تھی۔ سب ہی کو معاذ کے موڈ کا یک دم ہی اندازہ ہوا تھا۔
"ٹھیک تو کہہ رہے ہیں معاذ بھائی' جوان بچی کو اس طرح اکیلا چھوڑنا' آخر خدا خوفی بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔"
بتول نے بڑی دانش مندی سے سعیدہ کو ٹوکنا چاہا تھا' لیکن اس کے اب سارے کام نمٹ چکے تھے' سو اسے کسی مروت' کسی لحاظ کی ضرورت نہیں تھی۔
"میں ہی رہ گئی ہوں بوجھ ڈھونے کے لیے' ساری عمر اس کے بھائی نے ایک روپیہ کما کر نہیں دیا' پھر بھی ان سب کا پیٹ بھرتی رہی' چاہے محنت کی' چاہے بھیک مانگی' مگر اب نہیں' اس لڑکی کو چاہے دارالامان میں ڈال دو' چاہے سڑک پر کھڑا کر دو' چاہے بیچ دو کہیں لے جا کر' لیکن۔۔۔"
جب وہ ہسٹریکل انداز میں بولے چلی جا رہی تھی معاذ کی نگاہ خود بخود ہی جا کر زری کے چہرے پر رکی تھی۔
وہ بالکل گم صم کھڑی تھی' اس کے چہرے پر اتنی بے چارگی تھی کہ نگاہ ہٹانے کے لیے بھی ہمت درکار تھی۔
معاذ نے ہونٹ سختی سے دباتے ہوئے نگاہ چرائی۔
"میں تو کل گھر خالی کر رہی ہوں' زری کو آپ لے جائیں' بتول رکھ لے یا پھر جہاں خدا لے جائے' میرا واسطہ ختم۔" سعیدہ نے ہاتھ جھاڑے۔
اتنی دیر میں اس نے ایک بار بھی زری کی طرف دیکھنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔
چند لمحوں کے لیے تو کمرے میں بڑی گہری خاموشی چھائی تھی۔
معاذ نے دل پر بڑا بھاری بوجھ آتا ہوا محسوس کیا۔
"تو پھر اس کا انتظام وہیں دارالامان میں ہی کرا دیں' میری اپنی مجبوری ہے معاذ بھائی! ورنہ میں ہی رکھ لیتی۔"
بتول نے اسے اور خود کو دونوں کو ہی الجھن سے نکالا۔

[illegible] کا وقت قریب ہوا جا رہا تھا اور اسے ابھی سامان بھی پیک کرنا تھا۔
"آپ چاہیں تو اسے ابھی دارالامان میں جمع کرا دیں یا پھر صبح کو۔"
"جا اپنے کپڑے ڈال لے کسی تھیلے میں' ویسے تو سنا ہے بہت کپڑے مل جاتے ہیں وہاں۔"
"ارے بڑی امدادیں آتی ہیں وہاں' جو چیزیں ہمیں نصیب نہیں' دارالامان والیوں کو مل جاتی ہیں اور پھر۔۔۔"
بتول کا کہا حرف آخر ثابت ہوا تھا اور اب زور و شور سے جمع کیا جا رہا تھا۔
یہ آوازیں اپنے فیصلے کی تائید کے لیے تھیں یا پھر کہیں اندر باقی رہ گئی شرم کی آخری ہلکی سی رمق کو بھی مٹانے کے لیے۔
معاذ نے ان سب کے جوش و خروش کو دیکھ کر اندازہ لگانا چاہا۔
تب ہی دبی دبی سی سسکی نے اسے متوجہ کیا تھا۔
زری اب تک جس دیوار کے سہارے ٹیک لگائے کھڑی تھی' ٹھیک اسی جگہ اسی طرح بیٹھی تھی۔ جیسے کھڑے ہونے کی سکت کھو چکی ہے۔
گھٹنوں میں منہ دیے سکڑی سمٹی ہوئی۔
اس کا پورا وجود بری طرح کانپ رہا تھا اور وہ نیچی آواز میں بڑے ہی کرب ناک انداز میں رو رہی تھی۔
کمرے کے کھلے دروازے کے باہر صحن میں ڈھلتی ہوئی شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔
"دیکھا جاتے جاتے بھی نحوست۔۔۔ یہ دونوں وقت ملنے کا رونا پتا نہیں مجھے آگے اور کیا دکھانے والا ہے' اللہ! تو ہی رحم کیجیو۔"
سعیدہ نے بہت نفرت سے زری کو دیکھا۔ اور خود پر طے شدہ دہشت طاری کی۔ زری کی ہچکیاں اور بھی تیز ہوئیں اور آواز اور بھی کرب ناک۔
ماحول پر شدید قسم کی سوگواری چھائی۔
اور اب جب مسئلہ حل ہونے کو تھا' یہ بڑی ہی بدشگونی والی بات تھی۔
وہاں موجود ان سب کو ہی زری کا اس طرح تڑپ تڑپ کر رونا بدشگونی محسوس ہوا تھا۔
سعیدہ کی قوت برداشت مکمل طور پر رخصت ہوئی۔
"چپ ہوتی ہے یا میں گلا دبا کر قصہ ختم کروں تیرا۔"
تیزی سے اٹھ کر وہ زری پر جھپٹی تھی۔
"ایسی شرم والی ہے تو کچھ کھا کر مر جا' کیوں ہمارے لیے مصیبت بن کر بیٹھی ہے' مگر ہے تو اسی بے غیرت خاندان کی' خون کا اثر۔۔۔"
ایک ہی سانس میں بولتے بولتے اس نے دونوں ہاتھوں سے بری طرح زری کو پیٹ ڈالا' معاذ نے بڑی مشکل سے سعیدہ کو زری سے دور کیا تھا۔
"بس کرو۔" وہ بہت زور سے چیخا تھا۔
"کس طرح کے لوگ ہو تم سب' بے رحم' بے حس۔ یہ ایک چھوٹی سی لڑکی' جس کا دنیا میں اب کوئی بھی نہیں۔۔۔"
اسے یک دم ہی احساس ہوا کہ وہ کن لوگوں پر اپنے الفاظ اور وقت ضائع کر رہا ہے' سو وہ بات ادھوری چھوڑ کر زری کی طرف مڑا۔
اتنا پٹ لینے کے بعد بھی وہ اس طرح اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔

"زری! ہم تیار رہنا۔ میں کل آکر تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔ چپ ہو جاؤ۔ بس شاباش۔"

اس کا ہاتھ ایک پل کے لیے زری کے سر پر ٹھہرا۔ اور پھر وہ بنا کسی کی بھی طرف دیکھے کمرے اور پھر برآمدے سے ہوتا ہوا تیز قدموں سے باہر نکلتا چلا گیا۔

اور اس کے پیچھے بوکھلایا ہوا ریحان بھی۔

ادھر کمرے کی دیوار کے ساتھ لگی بیٹھی زری اب بھی ساکت تھی۔

وہ اس پیچ در پیچ گلی سے اتنی رفتار سے پہلے کبھی نہیں نکلا تھا۔

سڑک پر سائیڈ میں کھڑی گاڑی تک پہنچتے پہنچتے اس کے پیچھے آتے ریحان کا سانس پھول چکا تھا۔

"خدایا! کس اسپیڈ سے چلتے ہو تم، مجھے تو آج اندازہ ہوا۔" گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اس نے برابر میں بیٹھے معاذ کی سرخ ہوتے چہرے کو دیکھا، وہ بالکل خاموش تھا۔

ریحان افسردگی سے مسکرا دیا۔

"کبھی کبھی ایسا نہیں لگتا کہ سب سے بڑے گدھے ہم خود ہیں، یہ جانے بوجھے بغیر کہ لوگ اس قابل بھی ہیں یا نہیں، ہم ان کی مدد کے لیے اتنا آگے بڑھ جاتے ہیں کہ جیسے ان سے زیادہ اہم کچھ بھی نہیں ہے؟" گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے وہ کچھ مایوسی سے کہہ گیا۔

"اب یہ زری کی بھابھی کو ہی لے لو، ابھی تک کیسی مسکین اور سیدھی سادی، ستم رسیدہ سی عورت محسوس ہوتی تھی اور آج دیکھو جب اس کے سارے کام نکل گئے تو اسے ہمارا ذرا بھی لحاظ نہ رہا۔"

"دفع کرو یار!" معاذ نے ہلکے سے سر کو جنبش دی۔ کوئی شک نہیں تھا کہ وہ اب تک آپ سیٹ تھا۔

ریحان اس کی حد سے بڑھی ہوئی حساسیت سے پوری طرح آگاہ تھا۔

"خود کو بہت زیادہ انوالو مت کیا کرو معاذ! اب کیا ضرورت تھی تمہیں زری کی ذمہ داری لینے کی، یہ کوئی دو، چار دن کی بات نہیں ہے۔"

"مجھے پتا ہے۔" وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔

"کہاں رکھواؤ گے اسے کوئی جگہ ہے ذہن میں؟"

"وہ ہمارے گھر میں بھی تو رہ سکتی ہے کیا برائی ہے؟" اس نے مڑ کر ریحان کی طرف دیکھا۔

"اور تمہارے گھر والے، انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا، ایک غیر لڑکی کو لا کر رکھنے پر۔"

"ہوگا بھی تو میں جواب دے لوں گا۔" معاذ نے ایک گہری سانس لی۔

☆ ☆ ☆

آج ہوا میں شدت کی کاٹ تھی۔

آسمان گہرے سرمئی غبار میں لپٹا اور شام وقت سے پہلے سیاہی مائل نیلاہٹ میں ڈوبی، میلی پڑتی گھاس اس کے قدموں کے نیچے اور بھی بے جان ہوتی گئی۔

وہ ماحول سے بے نیاز، سیدھا چلتا ہوا اپنی مخصوص بینچ تک آیا تھا۔

ساجد وہاں نہیں تھا۔

شاید اسے پہنچنے میں دیر ہوئی تھی۔

اس نے ہاتھ میں تھامے چند پیکٹ پتھر کی یخ ہوتی بینچ پر رکھے اور خود بھی وہیں بیٹھ رہا۔ سامنے گھاس کا وسیع میدان بالکل خالی تھا، موسم کی شدت نے لوگوں کو اپنے گھروں تک محدود کیا تھا۔

اس نے گھاس کے میدان سے پرے دکھائی دیتے بلند و بالا ٹینس کی طرف دیکھا۔

گرمیوں کے چمکتے ہوئے دنوں میں یہاں سے ان میں لٹکے ہوئے کپڑے اور پھولوں سے بھرے گملے بھی نظر آتے تھے، لیکن آج یہ ساری بالکونیاں کہرے میں لپٹی ایک سی خاموشی اور مدھم سا احساس دلا رہی تھیں۔

اور اندر کہیں ان سب میں زندگی بھرپور حرارت کے ساتھ رنگ بکھیرتی ہوگی۔

گرم کھانے، گرم چائے، کافی۔

ڈرائی فروٹس، کمبل، نرم گرم بستر، جمعہ۔ دن بعد وہ کہیں سے کہیں پہنچا۔

کتنی مدت ہوئی یہ سب اس کی زندگی سے خارج ہوئے، وہ بستر جن کا تصور ہی نیند سے پلکیں بوجھل کرتا تھا۔

آنکھیں بند کرتے ہوئے اس نے اس مہمان گرمائش کو یاد کیا۔

"خیام بھائی!" ساجد اس کے ٹھیک سامنے آکر کھڑا ہوا تھا۔

"سو گئے تھے کیا؟" وہ بے تکلفی سے اس کے قریب بیٹھا۔ "آج دیر ہو گئی، سردی کی وجہ سے مال بھی کم بکا اور بس والے نے بھی مسافروں کے انتظار میں بس کھڑی رکھی۔"

اتنی سی بات کرتے ہوئے بھی وہ دو، تین بار رک کر کھانسا تھا۔ خیام نے تشویش سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم ڈاکٹر کو کیوں نہیں دکھاتے ہو ساجد! اتنی کھانسی ہو رہی ہے تمہیں، دو مہینے تو ہو ہی گئے ہوں گے۔"

"دکھاؤں گا۔" وہ لاپروائی سے جیب میں رکھے پیسے نکال کر گننے لگا۔

"یہ لیں، یہ آپ کے ہوئے۔" چند لال نوٹ نکال کر اس نے خیام کے ہاتھ پر رکھے۔

خیام نے مشکور نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ پیسے زیادہ نہیں تھے، لیکن زندگی سے ناتا بنائے رکھنے میں یہ ہی پیسے معاون تھے۔

"یہ پیکٹ اور رکھ لیں، کل وہیں پہنچانے ہیں، رشید کو تو پہچانتے ہیں نا! پیسے ایڈوانس میں دے چکا ہے وہ۔" اپنے ساتھ لائے تھیلے میں سے پیکٹ نکال کر اس نے خیام کو تھمائے اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"آج جلدی گھر جاؤں گا، اماں بے چاری پریشان ہوتی ہیں سردی کی وجہ سے، آپ بھی چلے جائیں۔"

"کہاں؟" خیام نے ہلکے سے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ کچھ شرمندہ ہو گیا۔

"تم جاؤ، میری فکر مت کرو۔" خیام نے نرمی سے کہا۔

☆ ☆ ☆

گھر میں جیسے مستقل ہی ایمرجنسی نافذ ہوئی تھی۔

آپا گل تو خیر رہتی ہی تقریباً یہاں تھیں، آج کل سلمان بھی روزانہ آ رہا تھا۔

جس دن نہیں آتا اس روز یہاں سے فون پر فون جاتے رہتے، سو وہ تلملا کر ہی سہی، آ ہی جاتا اور خوب جھگڑتا۔

"جب منع کیا ہے کہ بار بار فون مت کیا کریں، نوشیبہ کو برا لگتا ہے تو آپ لوگوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتا؟"

"الگ رہنے کا یہ مطلب نہیں کہ ماں، باپ کا حق ختم ہو گیا ہے، ہم جب دل چاہے گا تمہیں بلائیں گے اور تمہیں آنا بھی پڑے گا۔"

والدین کی طرف سے جواب دینا آپا گل کی ذمہ داری تھی، سو وہ پوری تیاری کے ساتھ لاؤنج میں بیٹھی بحث کو طول دے رہی تھیں۔

شاکرہ بیگم نے اکتا کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔

کل ان دونوں سے وہ ان میں سے کسی کی بھی طرف داری کرنا چھوڑ چکی تھیں۔

ہے گھر دکھانے کے لیے ٗ وقت ہاتھ سے نکلا جارہا ہے۔"

وہ درحقیقت پریشان تھیں اور اظہار صاحب ان سے بھی زیادہ ٗ دن ایک ایک کرکے گزرتے جارہے تھے اور مسئلہ جوں کا توں۔

"اب دو دن میں تو گھر بکنے سے رہا امی! اور پھر اس طرح جلدی مچائیں گے تو لوگ اونے پونے داموں پر خریدنا چاہیں گے اپنی کمزوری دوسرے کے ہاتھ میں دینا سب سے بڑی بے وقوفی ہے۔"

سلمان اب کھاتے پیتے آسودہ حال لوگوں کی طرح فلسفہ بگھارتا تھا۔

"اس وقت پیسہ ہماری کمزوری نہیں مجبوری ہے۔ عزت پر بنی ہوئی ہے ٗ دور قریب کے رشتے داروں میں بھی کوئی ایسا نہیں ہے جو اس ضرورت کے وقت مدد کرسکے۔"

شاکرہ چچی کی آواز میں نمی گھل رہی تھی ٗ آج کل اسی طرح بات بات میں حلق میں پانی سا اٹکنے لگتا تھا۔

سلمان بے فکری سے ہنس پڑا۔

"اب کیا کریں ٗ خاندان ہی آپ کا اتنا پھٹیچر ہے ٗ کوئی بھی تو ڈھنگ کا شخص نہیں ہے۔"

"کیوں تم ہو اور تمہاری بیوی بھی تو ہے۔"

آپا گل نے کڑی نگاہ سلمان پر ڈالی۔

"آپ کو تو بہانا ملنا چاہیے مجھ پر طنز کرنے کا۔ آپ بھی تو مال دار آسامی ہیں ٗ اپنی جیب کیوں نہیں ہلکی کررہیں ٗ بہت پیسہ بنا رکھا ہے اکبر بھائی نے۔"

"دیکھ رہی ہیں امی! آپ اس کی بدتمیزی۔" شاکرہ بیگم خاموش ہی رہیں۔

آپا گل اور سلمان دونوں ہی کی خود غرضی ان پر صحیح معنوں میں اب کھلی تھی ٗ کبھی کبھی تو انہیں لگتا تھا جیسے دونوں کو یہاں کے مسائل سے کچھ لینا دینا نہیں ہے ٗ بس یوں ہی وقت گزاری کے لیے چلے آتے ہیں۔

"جویا کہاں ہے ٗ اسے بھی خیال نہیں ہے کہ چائے ہی بنا لے۔"

آپا گل نے کچھ اکتا کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر زور سے پکارا۔

"جویا! جویا" تیسری بار پکارنے بھی نہیں پائی تھیں کہ شاکرہ بیگم نے روک دیا۔

"وہ ابھی اوپر گئی ہے سارا کھانا پکا کر ٗ سر میں درد ہے اس کے بھی صبح سے ٗ چائے پینی ہے تو خود بنالو۔"

آپا گل کو جیسے شاک سا لگا۔

انہیں تو یاد بھی نہیں تھا کہ آخری بار یہاں اس گھر میں انہوں نے کب چائے بھی بنائی تھی شاید شادی سے پہلے ہی کبھی ایسا ہوا ہو۔

"آپ یوں ہی اسے سر چڑھاتی ہیں ٗ جب ہی تو دیکھ لیں ٗ کیسے عین وقت پر شادی سے انکار کیا ہے اس نے ٗ ساری نحوست اسی بات کی پڑی ہے ابو پر۔"

کسی بھی بات کا براہ راست کہیں سے نہیں جوڑ سکتی تھیں ٗ سو یہ ہی کیا۔

"تو یہ آپ کے پیر کرامت شاہ کچھ نہیں کررہے جویا کے سلسلے میں ٗ وہ تو ساری نحوست ختم کرسکتے ہیں ایک چلہ میں کردیں ٗ جویا کو تیار شادی پر۔"

سلمان کے طنز کو آپا گل نے صبر کے گھونٹ کی طرح پیا۔

"تم لوگ جو بھی سمجھو ٗ لیکن آج پچاس ہزار دے دیں پیر کرامت شاہ کو ٗ یوں چٹکی بجاتے ہی سارے حالات ٹھیک ہوجائیں گے ٗ پھر تو مانو گے۔"

"آپ اور آپ کی جہالت۔" سلمان نے بنا کسی لحاظ کے فقرہ جھونکا اور ایک بار پھر زور سے ہنس پڑا۔
زوبیہ کے ساتھ ڈیفنس میں گزاری جانے والی زندگی کتنی بھی تحقیر آمیز سہی لیکن اسے اتنا تو اعتماد دے ہی چکی تھی کہ اب وہ اپنے گھر اور اپنی کلاس پر ہنس سکتا تھا۔
"میں تمہارا بہت لحاظ کر رہی ہوں سلمان! ورنہ۔۔۔"
"نہ کریں۔" اس کی وہی دل جلاتی مسکراہٹ۔
آپا گل نے بے اختیار ہی مدد کے لیے والدہ کو دیکھا مگر آج وہ بھی لاتعلقی سے منہ موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگیں۔
"تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تم سے بات کی جائے، تمہیں زوبیہ ہی ٹھیک رکھتی ہے، جوتے کی نوک پر۔"
جس بات کو گھر میں منہ پر لانے سے پرہیز رکھا جاتا تھا، خاص طور پر سلمان کے سامنے، آپا گل نے سارے غصہ کے اس سچائی کو بھی بے نقاب کیا۔
سلمان کو کیا فرق پڑتا تھا۔ ڈھٹائی سے ہنسے گیا۔
تب ہی کسی نے بے تابی سے بیل بجائی اور یکے بعد دیگرے بجاتا ہی چلا گیا۔
"زوبیا ہو گی تو ذرا بھی صبر نہیں ہے۔"
آپا گل، سلمان کے سامنے سے ہٹنے کے لیے کسی بہانے کی ہی منتظر تھیں، سو فوراً ہی خود اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"بس کرو، کون پیچھے لگ گیا ہے، جو اتنی بے تابی ہے، کالج ہی سے آ رہی ہو کوئی۔"
انہیں اپنے اندازے کی درستی کا اتنا یقین تھا کہ دروازہ کھولنے سے پہلے ہی آدھا لیکچر نمٹانا چاہا تھا، دوسری طرف سے تیزی سے اندر آنے والے اظہار چچا تھے۔
بیماری کی چھٹی کے بعد کچھ دنوں سے ہی انہوں نے آفس جوائن کیا تھا، جہاں بقول ان کے بچاؤ کے لیے جوڑ توڑ جاری تھا۔
اس وقت جس بے تابی سے وہ اندر آئے تھے، اس سے بڑی فطری سی سراسیمگی پھیلی تھی۔
"خیر تو ہے نا۔" شاکرہ بیگم نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے سینے پر ہاتھ رکھا تھا۔
اظہار چچا نے قہر آلود نگاہ ان پر ڈالی تھی۔
"یہاں جان پر بنی ہے، اس بے وقوف عورت کو خیر کی خبر چاہیے، سلمان!"
وہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔
"تم ابھی اس وقت اس اسٹیٹ ایجنسی والے سے ملو اور جو پہلی رقم اس گھر کی مل سکتی ہے اس پر سودا کر دو گھر کا ایک دن کی بھی گنجائش نہیں ہے میرے پاس، سمجھے۔"
"ابھی، آج، اسی وقت۔۔۔؟"
لاؤنج میں کھڑے ان تینوں سمجھ دار لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
"کاش! اگر پہلے سے ان حالات کا اندازہ ہو جاتا تو کوڑیوں کے مول بکتا یہ گھر، وہ خود ہی کیوں نہ خرید لیتیں۔" آپا گل کو بے اختیار آنے والا پہلا خیال یہ ہی تھا۔
"اور تم اور گل دونوں جتنا بھی دے سکتے ہو مہربانی کر کے دے دو، میں سب کا ایک ایک پیسہ لوٹا دوں گا، یقین کرو۔" انہوں نے بڑی بے چارگی سے سلمان اور آپا گل کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔ لیکن کسی نے بھی ایک پل کے لیے یقین نہیں کیا۔
"سوچیں ذرا جب ابھی ابو کو پیسے اکٹھے کرنے مشکل ہو رہے ہیں تو بعد میں کیا انتظام ہو سکتا ہے؟"

جب وہ اندر اپنے کمرے میں گئے تھے تو سلمان نے بڑی سمجھ داری سے آپا گل سے کہا تھا۔ "فرض کریں کہ اور یہ کچھ پیسے دے بھی دیتی ہے تو کیا یہ اسے اتار سکیں گے، ان حالات میں۔۔۔ کبھی نہیں، اور پھر بھگتنا مجھے پڑے گا۔"
بڑے دن بعد آج آپا گل اس سے متفق ہوئیں۔
"ٹھیک کہتے ہو، ابو کے پاس تو اتنے اثاثے ہیں بیچ کر کام نکال سکتے ہیں، پھر جن دوسرے لوگوں کا نام آیا ہوا ہے انکوائری میں وہ بھی تو سب کوششوں میں لگے ہوئے ہیں، اللہ کرے گا تو معاملہ سیٹل ہو ہی جائے گا، لیکن ہمارے پیسے تو ایک بار گئے، سو گئے، نہ بابا! میرا تو خود بچیوں کا ساتھ ہے۔"
لاؤنج میں ہوتی اس مختصر سی میٹنگ میں ان دونوں بہن بھائی نے ترجیحات بڑی تیزی سے سیٹ کیں اور مطمئن ہو کر بیٹھے۔
شاکرہ ہراساں نگاہوں سے ان دونوں کی شکلیں دیکھے گئیں۔
"آپ کیوں فکر کر رہی ہیں، ہو جائے گا سب ٹھیک، کوئی ایسا بھی بڑا مسئلہ نہیں، ابو کو تو عادت ہے کہ۔۔۔"
آپا گل کی دی جانے والی ٹوٹی پھوٹی سی تسلی، جس پر انہیں خود بھی ایک فیصد بھی یقین نہیں تھا۔ ادھوری ہی رہ گئی۔
دروازے پر کسی بڑے بھاری ہاتھ کی دستک گھر میں یہاں سے وہاں تک گونجی تھی۔
دھڑ، دھڑ، دھڑ۔
اس آواز میں حکم تھا۔
جبر تھا۔
دہشت تھی، ان سب نے ہی دل بیٹھتے ہوئے محسوس کیے۔

☼ ☼ ☼

پچھلے برآمدے اور احاطے میں دھوپ بڑی دیر تک رہتی تھی۔
دادی کو دھوپ میں بیٹھنا پسند تھا، سو اس وقت تک یہیں بیٹھتیں، جب تک دھوپ برآمدے کے آخری کونے تک نہیں پہنچ جاتی، ان کی پسندیدہ کرسی دھوپ کے ساتھ ساتھ سفر کرتی، اور ساتھ میں ان کا اخبار بھی، مگر آج اخبار ویسے کا ویسا ہی لپٹا رکھا تھا۔
معاذ کے لائے انتہائی اختلافی مسئلہ پر ناشتے کے فوراً بعد ہی بحث چھڑ چکی تھی، اور اتوار کی چھٹی کی وجہ سے جملہ اہل خانہ کی حاضری بھی خیر سے پوری تھی۔
رابعہ ابھی ابھی دوسری بار چائے بنا کر لائی تھی اور سب کو دینے کے بعد اپنا کپ لیے برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھ چکی تھی۔
اس ساری بحث میں اس کی رائے کی اہمیت سب سے کم تھی، کوئی اس بے چاری کی ایسی خاص سن بھی نہیں رہا تھا۔
"بہرحال میری طرف سے صاف انکار ہے، میں کسی جوان لڑکی کی ذمہ داری نہیں لے سکتی اور وہ بھی ایک انجان، سوچو ذرا، اس کے اپنے رشتے دار رکھنے کو تیار نہیں ہیں تو کوئی بات تو ہو گی نا آخر؟" امی کے پاس ذرا بھی رعایت نہیں تھی۔
معاذ نے مشکل ہی اپنی جھنجلاہٹ پر قابو پایا۔

"آپ سے کون ذمہ داری لینے کو کہہ رہا ہے؟ اتنا بڑا گھر ہے' وہ بے چاری بھی رہ لے گی ایک طرف' یہ تو سوچیں کہ کتنا بڑا ثواب ہے' ایک بے سہارا کو سہارا دینا' ابا! آپ سمجھائیں نا امی کو۔"

آخری ووٹ ابا کا ہی ہوتا تھا اور بچی بات تو یہ کہ جو دعوے وہ گزشتہ روز سعیدہ اینڈ فیملی کے سامنے کر کے آیا تھا وہ ابا ہی کے بھروسے پر تھے۔

"خیر' کسی لڑکی کو لانے کی تو میں بھی مخالف ہی ہوں' جیسے بھی ہیں' رشتے داروں ہی کا فرض ہے کہ اسے سنبھالیں' ہمارے ہاں کس رشتے سے وہ رہ سکتی ہے' خاندان والوں کا روز کا آنا جانا ہے' دس سوال کریں گے لوگ' اسے دیکھ کر' پھر کیا جواب دیں گے اور کون یقین کرے گا؟ اس بات کو تو رہنے ہی دو۔"

زری کے معاملے میں دادی اور امی حیرت انگیز طور پر ایک سی طرح سوچ رہی تھیں۔

ایک سے دا ہے' ایک سے تحفظات۔

"اور پھر سب سے بڑی بات کہ گھر میں ربیعہ بھی ہے' میں ایک انجان لڑکی کو دن رات اس کے ساتھ نہیں رکھ سکتی' اچھی بری کیسی عادتیں ہوں اس لڑکی کی۔ میں ربیعہ کے لیے کوئی رسک نہیں لے سکتی۔"

"صحیح کہہ رہی ہے شائستہ!" دادی نے تعریفی نگاہوں سے امی کی طرف دیکھا' ربیعہ کو معلوم نہیں کیا برا لگا تھا۔

"اب میں کوئی ایسی بے وقوف بھی نہیں کہ اس طرح کسی سے بھی اثر لے لوں گی' میرے پاس بھی اپنی عقل ہے۔"

"شاباش!" ابا اور معاذ دونوں ہی ہنس پڑے۔

"تم چپ رہو ربیعہ! ہر بات میں مت بولا کرو' میں نے جو کہہ دیا سو کہہ دیا۔"

امی یک دم ہی کچھ زیادہ خفا ہو گئیں۔

"وہ لڑکی اس گھر میں نہیں آئے گی' بات ختم۔" ان کا لہجہ حتمی تھا۔

معاذ نے بہت غور سے ان کی طرف دیکھا۔

"آپ ایسا اس لیے کہہ رہی ہیں امی! کیونکہ ہم سب خدا کے فضل سے اس محفوظ' پرسکون ماحول میں رہتے ہیں' ہے نا۔"

اس نے ان کے ساتھ سیڑھیوں اور احاطے میں چمکتی ہوئی زندگی کی حرارت سے بھی جیسے تصدیق چاہی۔

"تم جو چاہو سمجھو۔"

"آپ بھی سمجھ سکتی تھیں' اگر آپ نے کسی کمزور کو تنہائی کے خوف سے روتے ہوئے دیکھا ہوتا' کسی کے سر پر ہر طرف سے ٹھکرائے جانے کی ذلت کو پڑتے ہوئے دیکھتیں۔" معاذ کی آواز نیچی تھی اور دکھ سے بوجھل۔

امی کا چہرہ ویسا ہی بے تاثر تھا۔ وہ افسردگی سے مسکرا دیا۔

"زری سے میں نے وعدہ کر لیا ہے امی! سہارا تو اسے دینا ہی پڑے گا' اگر آپ کو اس کے انجان ہونے پر اتنا ہی اعتراض ہے تو میں اس سے شادی کر لیتا ہوں' بن جائے گا رشتہ۔"

جس آسانی سے وہ عموماً مسائل کا حل نکال لیتا تھا' اسی طرح سے اس نے اس الجھن کو بھی سلجھایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

سب ہی کو جیسے بڑے زور کا دھکا لگا تھا۔ ابا اور ربیعہ جیسے غیر جانب لوگوں کو بھی۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا' بولنے سے پہلے سوچ بھی لیا کرو۔"

امی کو مدت بعد اتنی زور کا غصہ آیا تھا۔

"میں نے سوچ لیا ہے۔"

بنا ان کی طرف دیکھے' اس نے مضبوط لہجے میں کہا اور پھر کسی کی بھی اگلی بات سنے بغیر تیز قدموں سے برآمدہ پار کرتا ہوا اندر جاتے ہوئے کوریڈور کی طرف مڑ گیا۔

دادی تک منہ کھولے دیکھتی رہ گئیں۔

"مجھے تو پہلے ہی شک ہوا تھا کہ اصل بات کچھ اور ہے' اب تو ثبوت بھی مل گیا' پھنسا لیا ہے اس لڑکی نے اپنے چکر میں معاذ کو۔"

اس سنجیدگی کے عالم میں بھی' چائے کا گھونٹ بھرتی ربیعہ کو اس طرح ہنسی آئی کہ پھندا سا لگا۔

"کیا باؤلا پن ہے بھلا۔"

دادی نے اس کی کمر سہلاتے ہوئے ٹوکا۔

ربیعہ ان ہی کے قدموں کے پاس بیٹھی تھی

"ابھی تو بہت ہنسی آ رہی ہے' اس وقت پتا چلے گا' جب معاذ راہ چلتی لڑکی کو ہم سب کے سروں پر لا کر بٹھائے گا' دیکھنا' وہ کیا حشر کرے گی اس گھر کا۔"

امی کی آنکھوں میں آنسو آنا شروع ہو چکے تھے اور وہ بڑی قطعیت کے ساتھ اگلے منظر کا نقشہ کھینچ رہی تھیں۔

دادی کے سامنے کسی کے لیے بھی معاذ کو غلط کہنا آسان نہیں ہوتا تھا' مگر اس وقت تو جیسے کچھ کہنے کے لیے بھی نہیں رہا تھا۔

"میں صاف بتا رہی ہوں' معاذ اس لڑکی کو اس گھر میں کسی بھی صورت نہیں لا سکتا' شادی کر رہا ہے تو کہیں اور جا کر رکھے' ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔" ابا نے ایک گہری سانس لی۔

بات کہاں سے کہاں پہنچی تھی۔

"اب بس بھی کرو' آخر کتنی بات بڑھانی ہے؟" نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے لہجے میں سختی اتری تھی۔

امی نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔

"میں بات بڑھا رہی ہوں' اور وہ جو کچھ کہہ کر گیا ہے' ایک تو آپ نے خاموشی سے سن لیا۔"

"اس پر تم نے مجبور کیا تھا' ورنہ نہ معاذ کا یہ مطلب تھا' اور نہ ہی وہ کسی ایسی نیت کے ساتھ اس لڑکی کو لا کر رکھنے کی بات کر رہا تھا' ایک سیدھی سادی بات کو تمہاری بے وقوفی نے پیچیدہ بنا کر رکھ دیا' اور کچھ بھی نہیں۔"

ابا کا تجزیہ مکمل تھا۔

سب سے زیادہ سکون دادی کو ہوا تھا۔

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

"ایسا ہی ہے اماں! اور اب کوئی نہیں بولے گا' میں خود معاذ سے بات کر لوں گا۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے "اور وہ لڑکی' اس کے رہنے کا بندوبست یا تو اماں آپ اپنے کمرے میں کریں یا پھر ربیعہ! تم اس کو اپنے ساتھ ایڈجسٹ کر لو بیٹا!"

"جی ابا!" ربیعہ ان کے ساتھ ہی اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی کہ دادی نے ہاتھ کے اشارے سے روکا۔

"وہ لڑکی میرے کمرے میں رہے گی' ربیعہ کے ساتھ رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے۔" امی دوپٹے سے آنسو صاف کرنے لگیں۔
ساری عمر ایک ہی گلہ رہا تھا کہ ان کی بات کو آسانی سے رد کر دیا جاتا ہے۔
سو آج بھی یہی ہونے جا رہا تھا۔
"امی پلیز!" ربیعہ نے دل جوئی کے لیے کچھ کہنا چاہا تھا کہ سامنے ہال میں بجتے ٹیلی فون نے اسے دوڑ کر وہاں جانے پر مجبور کیا۔
"ضرور کوئی رشتے دار ہی ہو گا' آج اتوار ہے شاید کوئی آ رہا ہو۔" دادی ہمیشہ مہمانوں کی منتظر رہتی تھیں' سو حالات کی سنگینی کو بھی بھولیں۔
امی کے ماتھے پر آئی شکنیں اور بھی گہری ہوئیں' تب ہی ربیعہ فوراً" ہی واپس آتی ہوئی دکھائی دی۔
"ابا!" اس نے آگے کوریڈور کی طرف جاتے ہوئے اسلام صاحب کی آواز دی۔
امی اور دادی دونوں ہی نے کسی غیر معمولی بات کا فی الفور اندازہ لگایا۔
"ابا! اظہار چچا کو پولیس اریسٹ کر کے لے گئی ہے' کل دوپہر کی بات ہے۔"
ان سب نے ہی حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔
"اللہ رحم کرے!" ابا نے آہستگی سے کہا اور بنا کوئی تبصرہ کیے معاذ کے کمرے کی طرف چلے گئے۔
ربیعہ آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے امی اور دادی کے پاس آ کر کھڑی ہوئی۔
"اللہ کی زمین پر اکڑ کر چلنا کسے راس آیا ہے ؟" بھلا دادی نے ایک گہری سانس کھینچی۔
آج کا دن یقیناً" کچھ الگ تھا۔
شائستہ۔ اپنی جگہ سے اٹھیں اور تیزی سے ان لوگوں کے پاس سے گزرتی ہوئی چلی گئیں۔

☼ ☼ ☼

نیچے پھیلے ہنگامہ کے برعکس اوپر سخت سناٹا چھایا تھا۔
جویا نے کمرے کے آدھ کھلے دروازے میں سے جھانک کر دھیمے سے اسے آواز دی۔
"زویا!"
"زویا! تم ابھی تک یہیں ہو۔" وہ اسے تیسری بار بلانے آئی تھی۔ "نیچے سے کتنی بار تایا گل کی بچیاں آ چکی ہیں' جا کر دیکھ تو لو۔"
بیڈ کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے جویا نرم سے لہجے میں اصرار کیے گئی' مگر وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔
"میں نہیں جاؤں گی' میں انہیں منع کر چکی ہوں پھر وہ کیوں بلا رہی ہیں بار بار!"
"اتنے لوگ آ جا رہے ہیں' چائے وغیرہ کون بنائے گا' مجھے وہ منع کر گئی ہیں کہ کسی کے سامنے نہ آؤں' ورنہ میں جا کر بنا لیتی' پلیز چلی جاؤ نا تم۔"
زویا نے دھیرے سے اس کی طرف کروٹ لی۔
"اتنے لوگ کسی خوشی کے موقع پر نہیں آ رہے ہیں جویا! یہ سب ہمارے ہاں افسوس کرنے آ رہے ہیں' ہمارے باپ کے جیل جانے پر بدعنوانی کے الزام میں۔"
اس کی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی اور کمرے میں پھیلی ہلکی سی روشنی میں بھی اس کی آنکھوں پر تیا ورم اور سرخی نمایاں ہو رہی تھی۔

"تعزیت کے لیے آنے والوں کی خاطر مدارات نہیں کی جاتی' تایا گل کی سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی ہے یہ بات۔"
اس کی آواز بہت نیچی تھی۔
جویا سے کچھ بھی نہیں کہا گیا۔
زویا کی حالت واقعی اس قابل نہیں تھی کہ وہ لوگوں کے سامنے جائے' پچھلے دو دنوں سے وہ مستقل اوپر ہی تھی' اور کسی صورت لوگوں کا سامنا کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔
"میں تو اب کالج بھی نہیں جا سکتی ہوں جویا! لوگ کن نظروں سے مجھے دیکھیں گے' میری فرینڈز' کلاس فیلوز' سب ہی کو اب تک پتا چل ہی گیا ہو گا نا!"
"وہ اس سے کیا یقین دہانی چاہ رہی ہے ؟" جویا نے نگاہیں جھکائے ہوئے سوچا۔
"اور یہ رشتے دار جو نیچے آ کر بیٹھے ہیں' یہاں سے نکلتے ہی ہم پر ہنستے ہوں گے' حرام کی کمائی پر توبہ توبہ کرتے ہوئے واپس جاتے ہوں گے' سب پر ہماری قلعی کھل گئی۔"
وہ مستقل بول رہی تھی' اس کا ذہن دباؤ کا شکار تھا' جویا کو اسے ٹوکنا پڑا۔
"ابھی نئی نئی بات ہے زویا! اس لیے شاید سب ہی حساس ہو رہے ہیں' کچھ دن گزریں گے' تو بات پرانی ہو جائے گی' لوگ بھی بھول بھال جائیں گے' آج کل یہ سب بہت عام سی باتیں ہیں' تم حوصلہ پر اتنا مت لو۔"
اپنے کہے الفاظ پر اسے خود بھی یقین نہیں تھا' لیکن زویا کی تسلی کے لیے کہنا پڑا۔
زویا تلخی سے مسکرا دی۔
"لوگوں کی یادداشت دوسرے کے عیبوں کے بارے میں بہت اچھی ہوتی ہے جویا! جب ہمارے گھر والے معاذ بھائی کے ان عیبوں کی تشہیر کرتے ہوئے نہیں ڈرے' جو ان بے چاروں میں تھے بھی نہیں' تو پھر اب ہم کیسے بخشے جا سکتے ہیں ؟"
جویا کا دل بہت زور سے دھڑکا۔
گھر میں معاذ کا نام بہت دن بعد لیا گیا تھا۔
"معاذ بھائی نے ضرور بددعا دی ہو گی' زیبا! وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں' ان سب نے بڑا ظلم کمایا ہے' تمہیں ان سے جدا کر کے' کسی کا صبر بھی پڑتا تو ہے۔"
اس نے سختی سے نچلا ہونٹ دانتوں کے نیچے دباتے ہوئے اندر سے اٹھنے والے شور کو روکا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔
کوئی پیچھے سے اوپر آ رہا تھا۔
"کہہ دینا میں سو گئی ہوں۔" زویا نے پھرتی سے کمبل خود پر لیا اور غائب۔
کوئی اور وقت ہوتا' وہ ضرور ہی اس حرکت پر ہنستی۔
اس بار کوئی اور نہیں' خود تایا گل ہی تھیں۔ جویا کا خیال تھا کہ وہ زویا کے اب تک نہ آنے پر خبر لینے آئی ہیں' لیکن ایسا نہیں تھا۔
انہوں نے محض ایک نظر کمبل میں غائب زویا کی طرف ڈالی' اور تھکے تھکے انداز میں بیڈ کے قریب پڑے صوفے پر ڈھ گئیں' جویا ان کے ہاتھ کے اشارے پر واپس بیڈ پر بیٹھی تھی۔

"اچھا ہوا' زویا کو نہیں اٹھایا' وہ سب تو چلے بھی گئے۔"

"کیوں؟" جویا نے حیرت سے آپا گل کی طرف دیکھا۔

قریب دور کے یہ سارے رشتے دار گھر میں مستقل آنے والوں میں تھے' جنہیں کھانا کھلائے بغیر کبھی جانے نہیں دیا جاتا تھا۔

"کیوں کیا؟ تماشا دیکھنے آئے تھے' سودیکھا اور گئے' انداز ایسا تھا' جیسے گناہ گاروں کے حال سے عبرت پکڑ رہے ہوں' ساری عمر یہاں کھاتے رہے اور اب چائے کو بھی پوچھا تو ایسے جلدی سے منع کردیا جیسے زہر ملا کر پلادیں گے ہم۔"

وہ سخت جذباتی ہو رہی تھیں۔ جویا محض نگاہ جھکا کر رہ گئی۔

"اور وہ ناظم آباد والی صفیہ خالہ' انہوں نے تو پانی بھی پینا گوارا نہیں کیا ہمارے گھر کا' کہنے لگیں میں تو بس اظہار کی خیریت معلوم کرنے آئی تھی۔" ذرا رک کر انہوں نے سر کو بے زاری سے جھٹکا۔

"میں نے بھی سب سے ایک ہی بات کہی کہ کسی نے دشمنی میں ابا کا نام لے دیا ہے' چند دن میں آجائیں گے خیریت کے ساتھ۔ سب کے منہ اتر گئے' سمجھ رہے تھے جیسے ابو کو اب عمر قید سے کم کیا ہوگی ہے' ہونہہ!"

وہ کم از کم اپنی کارکردگی سے تو مطمئن تھیں۔ جویا نے جھجکتے ہوئے نگاہ اٹھائی۔

"ابو واقعی آجائیں گے کیا' آپا گل؟"

"ہاں!" انہوں نے ایک گہری سانس لی۔ "سلمان نے بات کرلی ہے وکیل سے' چند دنوں میں ساری رقم جمع کروانی ہے کورٹ میں' پھر ضمانت تو ہو ہی جائے گی' کیس تو سالوں چلتے ہیں' یہ بھی چلتا رہے گا۔"

جویا کی سمجھ میں کچھ آیا کچھ نہیں۔

"مگر پیسے کہاں سے آئیں گے آپا! کوئی چھوٹی موٹی رقم تھوڑی ہے۔"

"اس کا بھی انتظام ہو گیا ہے' سلمان کے اسٹیٹ ایجنسی والے نے گھر کا گاہک ڈھونڈ لیا ہے' دس بارہ لاکھ کم تو دے گا لیکن اکٹھی رقم دینے والی پارٹی ہے' رعایت تو دینی پڑے گی نا!"

جویا کے لب ہلکے سے کھلے اور پھر بنا کچھ کہے بند ہوئے۔ گھر کے بکنے کی باتیں اتنے دن سے ہو رہی تھیں۔ لیکن آج جب واقعی بک رہا تھا تو دل پر عجیب بے سروسامانی کا سا احساس چھایا تھا۔

آنکھ کھول کر یہی گھر دیکھا تھا' یہی مانوس درودیوار۔ یہی سارا ماحول۔

"میں اس وقت یہی کہنے آئی تھی کہ اب تم دونوں ہمت کرکے پیکنگ کرلو' سارا فالتو فرنیچر تو بیچنا ہی پڑے گا' سلمان نے دو کمروں کا پورشن دیکھا ہے تم لوگوں کے لیے' دو گلی چھوڑ کر ہے' اتنا سامان وہاں کہاں سمائے گا' ظاہر ہے اور پھر تم لوگوں کو ضرورت بھی نہیں ہے۔"

آپا گل نے ہدایتوں کی اگلی قسط جاری کی' کمبل میں منہ دیے لیٹی زویا کے وجود میں بے نام سی جنبش ہوئی۔ کمرے میں اتری مدھم روشنی اور بھی ماند پڑی اور جویا نے پوری آنکھیں کھولتے ہوئے آپا گل کے بدلتے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

دیارِ دشت

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگہت خالہ اور ولید نانی نے اس کی پرورش بے حد نازو نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کو ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے۔ جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار ناری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بالو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ کیسی آزادی وڈیلا دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھرم ساٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایماندار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو، فانی و علیا میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما لیتے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی دولت کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ حویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کردی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ حویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

دُرِ تاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، دُرِ تاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز

سے اس کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔
سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی عادت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ ابا جی چچا، شاکرہ بیگم اعتماد، آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔
اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد سے دفعتاً اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔
دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آنے والے دنوں کی فکر میں مبتلا رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اتنک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ نگینہ زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالک کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔
خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دل رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی جدائی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔
زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بنا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سکریٹری نبیل سے ان کا تعلق ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور امجد کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ لو عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے ماں کی ڈوری سے باندھے ہوئے ہیں۔
گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔
سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔
جویا کا رشتہ آنا فاناً طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی کوششیں شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھا جاتی ہے۔ اور جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے تو وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ، جویا کو کہتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ، آپا گل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔
صندل کو بالی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے۔ تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

۳۶
چھتیسویں قسط

کتنی دیر سے وہ سر جھکا کے کارپٹ کے مٹے مٹے سے پرنٹ کو دیکھ رہی تھی۔
دادی نے ایک گھورتی نگاہ، وقفہ وقفہ سے اس پر ڈالتے رہنے کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا۔ ان کا ماننا تھا کہ..... وہ چہرہ اور اس کے تاثرات دیکھ کر، لوگوں کے بارے میں بالکل درست اندازہ لگا لیتی ہیں، لیکن اس لڑکی کا معاملہ دوسرا تھا۔
وہ یہاں آنے سے پہلے ہی سخت ناپسندیدہ ٹھہری تھی! پہلے تو اس کا اس بھری دنیا میں تنہا رہ جانا ہی اس کے بے اعتبار کرنے کے لیے کافی ٹھہرا تھا، رہی سہی کسر معاذ کی دھمکی نے پوری کر دی تھی۔
گو ابا کے سمجھا دینے کے بعد، اس نے اپنی بات کو ایک بار بھی نہیں دہرایا تھا۔ لیکن امی اور دادی دونوں ہی کو یقین تھا کہ کچھ ہے، جو در پردہ ہے۔
آج سے پہلے کسی بھی لڑکی کے پیچھے معاذ نے گھر والوں سے مخالفت مول نہیں لی تھی، جویا کے لیے بھی نہیں، جس کے بارے میں دادی کو آج بھی پورا یقین تھا کہ وہ معاذ کے دل سے نہیں نکلی۔
مگر اب.....؟
سامنے کاٹن کے بڑے بڑے پھولوں والے پرنٹ کا سوٹ پہنے بیٹھی ہوئی زری ان کے گھر میں سوالیہ نشان بن کر آئی تھی۔
دادی نے بے چین سا ہو کر پہلو بدلا۔
وہ اس کی موجودگی سے بے چینی محسوس کر رہی تھیں، مگر یہاں اپنے کمرے میں اس کو رکھنا بھی وہ خود ہی منظور کر چکی تھیں۔
"سنو لڑکی! کیا نام ہے تمہارا.....؟"
حالانکہ جب وہ یہاں آئی تھی، تب معاذ نے سب سے اس کا باقاعدہ تعارف کرایا تھا، لیکن دماغ میں آتنی بہت ساری الجھنیں ڈالے پل رہے تھے کہ وہ اس کا چھوٹا سا نام بھی آسانی سے بھول چکی تھیں۔
"جی زری!"
اس کی سہمی ہوئی نگاہ دھیرے سے اٹھی اور پھر جھک گئی۔
"لڑکی خوبصورت نہ سہی، لیکن پرکشش تو ہے۔"
بہت جانب دار ہو کر بھی انہیں اتنا تو ماننا پڑ رہا تھا! اس کی دمکتی ہوئی رنگت، خوبصورت آنکھیں، دل کش سراپا۔
کوئی بھی لڑکا اسے ناپسند نہیں کر سکتا تھا۔
سو معاذ بھی کیوں؟
وہ جتنا بھی سوچتیں، کوفت اور بھی بڑھ رہی تھی۔
بیٹھے بٹھائے کی مصیبت۔
"یہ سامنے اسٹور ہے اپنے کپڑوں کا تھیلا وہاں رکھ دو لے جا کر۔"
وہ تابع داری سے فوراً ہی اٹھ کر کھڑی ہوئی، یہ پرانا سا زپ ٹوٹا ہوا بیگ بھی اسے آج صبح ہی خالہ بتول نے دیا تھا، جس میں وہ اپنے گنتی کے چار جوڑے رکھ کر لائی تھی، اور ان کے نیچے حفاظت سے رکھے ہوئے، بتول کے ہی دیے ہوئے پانچ سو روپے تھے، جو اس نے چلتے ہوئے، خوب آنسو بہا کر، زری کو دیے تھے۔
"مجھے معاف کر دینا بچیو زری! میرے بس میں ہوتا تو تجھے یہیں اپنے پاس رکھ لیتی، مگر میں بڑی مجبور ہوں بیٹا!"
بتول کی مجبوری، شرابی اور سخت مزاج شوہر تھا زری کو اس سے ذرا بھی گلہ نہیں تھا، بلکہ اس سے کیا، اب تو اسے طوطے کی طرح آنکھیں بدلتی سعیدہ سے بھی کوئی شکوہ نہیں رہا تھا۔

اگر وہ اسے اپنے ساتھ لے جانے کی ہامی بھر لیتی تو وہ پھر تو شاید وہ ساری عمر معاذ کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھ پاتی۔

خوش بختی کا یہ در 'نادانستہ ہی سہی' کھلا تو سعیدہ ہی کے طفیل تھا۔

دادی کے کمرے سے ملحقہ چھوٹے سے اسٹور میں اپنا بیگ ایک کونے میں رکھتے ہوئے 'سعیدہ کو کم اور دونوں بچوں کو زیادہ یاد کیا۔

بھائی کی آخری نشانیاں!

اب وہ کب انہیں دیکھے گی' شاید کبھی بڑے ہو کر وہ اس سے ملنے آجائیں۔

آنکھوں میں آتے ہوئے آنسوؤں کو اس نے سختی سے رگڑ ڈالا اور واپس باہر آئی۔

"اتنی دیر کیوں لگا دی اندر؟"

دادی کا لہجہ سخت تھا اور وہ اس کے منٹ منٹ پر چیکنگ کا فیصلہ 'اس کے آنے سے پہلے ہی کر چکی تھیں۔

"جی وہ بس ایسے ہی۔" زری نے بوکھلا کر ان کی طرف دیکھا 'مگر وہ غیر مطمئن تھیں۔

"میری دس چیزیں رکھی ہیں 'اس اسٹور میں ذرا احتیاط رکھنا' کچھ ادھر ادھر ہوا تو پھر میں ایک منٹ بھی برداشت نہیں کروں گی 'فوراً' ہی چلتا کر دوں گی یہاں سے مجال نہیں ہے معاذ کی جو میرے سامنے کچھ بول سکے۔"

انہوں نے اپنی اور اس کی دونوں ہی کی حیثیت متعین کرنا ضروری سمجھا۔

"جی۔"

"یہاں آکر بیٹھو۔"

ان کے اشارے پر وہ قریب آئی تھی۔

دادی کو یہ دیکھ کر بڑا اطمینان ہوا کہ وہ ان کے کہے بنا ہی بیڈ یا کرسی کے بجائے نیچے کارپٹ پر بیٹھی تھی۔

"دیکھو معاذ! تمہیں یہاں لے تو آیا ہے 'کہتا ہے کہ تمہارا دنیا میں کوئی نہیں ہے 'اب پتا نہیں جھوٹ ہے یا سچ' معاذ اتنا سیدھا اور رحم دل ہے کہ کوئی بھی اس کے سامنے مظلوم بن جائے' وہ اس کی مدد کے لیے بے چین ہو جاتا ہے 'تم نے اگر اسے یوں ہی گھڑ کر کہانی سنا دی ہے تو بھی وہ اسے سچ ہی سمجھے گا' لیکن ہم سب اتنے بے وقوف نہیں ہیں۔ سمجھیں!"

صاف صاف لہجے میں کہی گئی بات میں کوئی پیچ و خم نہیں تھا 'اور جو کچھ بھی وہ کہہ رہی ہیں اسے کرنے میں بھی دیر نہیں لگائیں گی' زری کو فی الحال تو پورا پورا یقین ہوا تھا۔

"تم بولتی کیوں نہیں ہو' اتنی دیر سے میں ہی اکیلے بولے جا رہی ہوں۔" اس کے مستقل خاموشی سے وہ اب جھنجلانے لگی تھیں۔

زری کی بالکل سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے ان کی باتوں کے جواب میں کیا کہنا چاہیے 'اصل میں تو ان کی کہی کوئی بھی بات جواب طلب نہیں تھی' وہ صرف اسے یہاں رہنے کے اصول و قاعدے بتا رہی تھیں اور کسی بھی خطا سے پہلے ہی ممکنہ سزا سے بھی آگاہ کر چکی تھیں۔

وہ صرف سننے اور ماننے کا اختیار رکھتی تھی۔

اعتراضات' تحفظات سب اس گھر کے مکینوں کا حق بنتے تھے۔

"مجھے ایسی گپ چپ گھنی لڑکیاں بالکل پسند نہیں ہیں' کچھ پتا نہیں ہوتا کہ دل میں کیا لیے بیٹھی ہیں' ایک زمانے میں معاذ کی ماں بھی بڑی خاموش ہوتی تھی' جب وہ نئی نئی شادی ہو کر میرے گھر آئی تھی' مجھے بڑی گھبراہٹ ہوتی تھی اس کی عادتوں سے لیکن پھر......!"

انہیں دفعتاً ہی احساس ہوا کہ 'نو وارد سے فی الحال اتنی بے تکلفی بھی مناسب نہیں کہ خاندانی حالات گوش گزار کیے جائیں۔ سو بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئیں۔

ربیعہ چائے کی ٹرے لیے اندر آرہی تھی۔

گرم چائے سے اٹھتی خوشبودار سی بھاپ' ربیعہ کے چہرے کا فطری سا نرم تاثر اور اس کی مہربان مسکراہٹ اطراف کی سرد مہری خود بخود ہی فضا میں تحلیل ہونے لگی۔

"چائے پیو زری! سب کو میری ہاتھ کی چائے بہت پسند ہے۔ تمہیں بھی اچھی لگے گی۔"

اس کے لہجے میں وہی اپنائیت تھی' جو معاذ کے انداز کو یاد دلاتی تھی۔

زری نے تشکر بھری نگاہوں سے ربیعہ کو دیکھا۔

یہاں اس گھر میں معاذ کے علاوہ وہی اس کے دل کو ڈھارس بندھانے کا سبب بن رہی تھی۔

"اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھنا' یہاں سب اپنے ہیں' تم بہت خوش رہو گی' کوئی ضرورت ہو' کوئی پرابلم ہو' بلا جھجک مجھ سے کہنا۔ سمجھیں۔"

زری نے پلکیں جھپکاتے ہوئے' ربیعہ کی طرف دیکھا اور اتنی دیر میں پہلی بار مسکرا دی۔

"گڈ' یہ ہوئی نا بات۔" وہ زری سے بھی زیادہ خوش ہوئی "اور یہ نیچے کیوں بیٹھی ہو تم' یہاں اوپر آرام سے بیٹھو چیئر پر۔" اس نے ابھی اس کا نیچے بیٹھنا نوٹ کیا تھا' سو اصرار کرنے لگی۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں' مجھے ویسے بھی نیچے بیٹھنے اور نیچے ہی سونے کی عادت ہے' آرام سے بیٹھی ہوں۔"

دادی کو زری کی اس بات سے بہر حال اطمینان حاصل ہوا تھا۔ اتنی دیر سے وہ اس فکر میں تھیں کہ رات کو اس کے لیے الگ چارپائی بھی ڈھونڈنی پڑے گی اور معاذ سے تو کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ اسے ان کے ہی بیڈ پر سلوانے کی ضد پکڑ لے۔ کیونکہ خود ربیعہ بھی اکثر ان کے پاس ہی سو جاتی تھی۔

"آؤ' چلو میں تمہیں گھر دکھاؤں۔"

چائے کا کپ رکھتے ہی' ربیعہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر تیزی سے باہر نکل بھی گئی۔ دادی کو اعتراض کا موقع بھی نہ مل سکا۔

اتنی دیر سے جو وہ اس کے دل پر اپنا رعب بٹھانے کی جو کوشش کیے جا رہی تھیں' اسے ربیعہ نے تھوڑی ہی دیر میں بے اثر کر دیا تھا۔

مارے کوفت کے وہ خود بھی چلتی ہوئی اگلے برآمدے میں آکھڑی ہوئیں۔ دونوں لڑکیاں کہیں نظر نہیں آرہی تھیں شاید ربیعہ' زری کو اپنے کمرے میں لے گئی تھی۔ وہ واپس مڑنے لگی تھیں۔ تب ہی انہوں نے شائستہ کو پچھلے کوریڈور سے نکل کر' ربیعہ کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا۔

دادی کے لبوں سے ایک دبی دبی سی سانس آزاد ہوئی۔

"معلوم نہیں زیادہ شامت کس کی آئی تھی' ربیعہ کی یا پھر زری کی؟" پتہ نہیں کیوں' لیکن انہیں تھوڑا سا اطمینان ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

نچلی منزل میں آج صبح سے ہی افراتفری پھیلی ہوئی تھی! اجنبی آوازیں بھاری قدموں کی آہٹ سامان گھسیٹے جانے کا شور' کھلتے بند ہوتے دروازے۔ آوازکا نہ ختم ہونے والا تسلسل۔

ایک بار پھر وہ اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں کھلنے والی کھڑکی میں آکر کھڑی ہو گئی۔

نیچے کے لاؤنج سے باہر گیٹ کی طرف کھلنے والا دروازہ اور آگے کھلا ہوا مین گیٹ سب یہاں سے دکھائی دیتا تھا۔

لاؤنج میں ڈرائنگ روم کے صوفے نکال کر لائے جا رہے تھے اور لاؤنج کے پرانے صوفے۔

جویا کی بے قرار نگاہ یہاں سے وہاں تک گئی۔

کل رات وہ بڑی دیر تک لاؤنج میں بیٹھی رہی تھی۔ اپنے پرانے سیٹ اپ میں گھر کو دیکھنے، محسوس کرنے کے بس وہی آخری چند گھنٹے تھے۔

آج گھر خالی کیا جا رہا تھا، کل یا پھر زیادہ سے زیادہ پرسوں تک انہیں بھی چلے جانا تھا، کسی اور ماحول کسی دوسرے منظر میں رہنے کے لیے، جس کا حصہ بننے میں نہ جانے کتنا وقت درکار ہوگا۔

خالی خالی نگاہوں سے نیچے دیکھتے ہوئے اس نے سوچا تھا گلی میں کھڑے ٹرک کا یہ دوسرا چکر تھا۔

پہلے چکر میں نیچے کے دونوں کمروں کے بیڈ روم سیٹ اور لاؤنج کے صوفے جا چکے تھے اور اب... چند لڑکے، خالی ہوئے بیڈ رومز میں سے کارپٹ کے رول بناتے ہوئے نکل کر باہر کی طرف جا رہے تھے۔

"کتنے من کا وزن ہے یار! میرا تو کندھا ٹوٹا جا رہا ہے۔" اس نے ان میں سے ایک کو کہتے سنا۔

"قالین تو بھاری اور دبیز ہی ہونے چاہئیں، کون سا بار بار اٹھائے جاتے ہیں لیکن ایک بار بچھ گئے تو گھر کی شان ہی کچھ اور ہوتی ہے۔"

"اور کیا، اور یہ سینتھیٹک کارپٹ تو خاندان بھر میں گھر گھر بچھ گئے ہیں ویسے بھی، ہمارا اور ان کا فرق تو ہر چیز میں دکھائی دینا چاہیے نا۔"

کھنکتے لہجے میں کیے جانے والے ان تبصروں کو ماضی کا حصہ بنے ابھی زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا تھا۔

"آپا گل اور شاکرہ امی کی مشترکہ کاوشوں اور تگ و دو کے نتیجے میں جمع ہونے والی وہ ساری آسائشیں جو گھر والوں کی خوش نصیبی اور خوشحالی کی دلیل تھیں، محض چند گھنٹوں میں ان کی حیثیت صفر ہو گئی تھی۔

"اوپر سے بھی سامان لانا ہے کیا؟" نیچے کوئی بڑے اشتیاق سے پوچھ رہا تھا۔ جویا نے چونک کر سامنے دیکھا۔ ایک آوارہ صورت لڑکا، بڑی دلچسپی سے اس پر نگاہ جمائے کھڑا تھا۔ وہ بے ساختہ ہی جھجک کر پیچھے ہٹی۔!

"کمینہ کہیں کا!" بہت سارے آنسو بے ساختہ ہی اس کی آنکھوں میں آئے۔ گھر جیسے کسی کھلے چوراہے میں بدل رہا تھا۔

بھانت بھانت کے لوگ گھر میں اس طرح کھلے عام پھر رہے تھے، جیسے گھر والوں کی بے بسی کو پوری طرح انجوائے کر رہے ہوں۔

"اچھا ہی ہوا، جو ابو اس وقت گھر پر نہیں ہیں، وہاں جیل میں بیٹھ کر وہ اس منظر کو تو دیکھنے سے بچ ہی گئے۔"

پہلی بار اسے ان کا جیل میں ہونا ہی عافیت کا سبب لگنے لگا، مگر صرف چند لمحوں کے لیے۔

"کتنا روؤ گی جویا، اب بس کر دو۔" زویا تھکے تھکے انداز میں اس کے قریب آ کر بیٹھی تھی "اور رونے سے اگر مصیبتیں کم ہونے لگیں تو یہ یقیناً" سب سے آسان حل ہوتا دنیا والوں کے لیے۔"

زویا کے لہجے میں مذاق اڑاتی سی کیفیت اتری، جویا نے کچھ حیرت سے اس کی طرف دیکھا، پچھلے کچھ دن سوگ منانے کے بعد وہ آہستہ آہستہ نارمل ہو رہی تھی، بلکہ نارمل سے بھی کچھ زیادہ ہی۔

"تمہیں افسوس نہیں ہو رہا؟"

"کس کس بات پر؟"

"یہی، جو ہوا اور جو ہونے جا رہا ہے۔"

"وہی تو پوچھ رہی ہوں، تمہارے خیال میں ان میں سے ایسا کیا ہوا ہے، جو واقعی قابل افسوس ہے" وہ اپنی بات کے اختتام پر شاید ہلکے سے مسکرائی بھی تھی۔ جویا کو ایسا شبہ سا گزرا تھا۔

"بے حسی کی بھی حد تھی۔ جویا کو اس پر بڑے زور کا غصہ آنے لگا۔

"سارے میں ہم ذلیل ہو کر رہ گئے ہیں جویا! ابو اس عمر میں جیل کاٹ رہے ہیں گھر کی چھت ہم سے چھین رہی ہے اور کیا ہوتی ہیں تکلیفیں، اور پھر تم خود بھی تو پچھلا پورا ہفتہ بستر پر پڑی رہی ہو۔ کس چیز نے بیمار کر ڈالا تھا تمہیں؟"

تھکے اور جھنجلاہٹ میں دبا گیا اس کا پورا بیان زویا نے پورے صبر کے ساتھ سنا تھا اور جب وہ خاموش ہوئی تو...

"کہہ چکیں سب!" جویا منہ موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

اتنا کچھ باقی تھا جو کہاں جا سکتا تھا۔ مگر خود اس میں بھی حوصلہ کہاں تھا وہ سب دہرانے کا۔

"اب پوری ایمان داری سے بتاؤ، جو کچھ بھی ہوا ہے، اس میں سے ناحق کیا ہے، یہ اللہ کی طرف سے آئی آزمائش ہے یا پھر اس کا انصاف ہم تو احتجاج کرنے کا منہ بھی نہیں رکھتے جویا!"

دھیرے دھیرے کہے اس کے الفاظ لاؤنج کے سناٹے کو توڑ رہے تھے۔

"حرام پیسہ کسی کو راس نہیں آتا۔ صرف رسی دراز ہوتی ہے، اس سے لوگ دھوکے میں پڑ جاتے ہیں مزید غافل، مزید نافرمان اور بس!"

اس نے جیسے اپنی ہی ہنسی اڑائی۔

"تمہیں گھر چھوڑنے کا دکھ نہیں ہو رہا زویا!" جویا نے بہت نیچی آواز میں پوچھا تھا۔

"بالکل نہیں!" وہ اتنی اونچی آواز میں بولی کہ جویا کو اس کو ٹوکنا پڑا۔

"آہستہ بولو لوگ ہیں نیچے۔"

مگر اس نے جیسے سنا ہی نہیں تھا۔

"میں تو خوش ہوں کہ ہم یہاں سے جا رہے ہیں دور کسی دوسرے ماحول میں، جہاں کوئی جاننے والا نہ ہو، میں نے تو کہہ دیا ہے آپا گل سے کہ کسی رشتے دار کو اس جگہ کا پتہ بتانے کی ضرورت نہیں، مجھے صرف لوگوں کا سامنا کرنے سے ڈر لگ رہا ہے جویا۔"

"اب کوئی آئے گا بھی نہیں، دیکھ نہیں رہی ہو، سب ہی تو پیچھے ہٹ گئے ہیں کسی کو پروا ہے۔"

جویا کا سر جھکا ہوا تھا۔

"معاذ بھائی کے لیے کہہ رہی ہو؟" زویا نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں" اس کی آواز ابھی بھی دھیمی تھی۔

"ادھر دیکھو میری طرف۔"

"کیا ہے؟"

لاؤنج میں ہلکا سا اندھیرا ہر وقت ہی رہتا تھا، پھر بھی زویا نے اس کی آنکھوں میں مایوسی اترتے دیکھی۔

"انہیں اس موقع پر تو آنا چاہیے تھا۔ مگر کوئی بھی نہیں آیا وہاں سے اور کوئی نہ سہی معاذ بھائی ایک فون ہی کر لیتے۔"

"وہ کبھی نہیں آئے گا زویا! اور میں اس کا انتظار کر بھی نہیں رہی ہوں" وہ جھنجلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"پھر یہ جو اس کی آنکھوں میں، چہرے پر لکھا ہے، وہ کیا ہے" زویا نے حیرت سے سوچا۔

☆ ☆ ☆

مسالے دار ماش کی دال اور گرما گرم روٹی خیام نے پلیٹ اپنے قریب سرکائی۔

آج کل وہ اس تنور سے کھانا کھا رہا تھا اور عجیب سی بات تھی کہ روزانہ ہی یہاں آ کر اسے بابو شوکت کا چھوٹا سا ہوٹل یاد آتا تھا۔

وہاں کا ذائقہ، وہاں کی اپنائیت، وہاں کا محفوظ و مامون ماحول۔ وہ رشتوں کا اسیر نہیں تھا لیکن کبھی کبھی دل چاہتا کہ ایک بار پھر بابو شوکت سے جا کر ملے مگر وہ رانی اور اس کی ماں۔

نوالہ توڑتے ہوئے ان دونوں عورتوں کا خیال اس کا حلق تک کڑوا کرنے لگا۔

گزرے سارے وقت میں ایک ہی یقین پکا ہوا تھا کہ اس کی زندگی میں سارا فساد عورت ذات کا ہی لایا ہوا ہے ہر موڑ پر، ہر قدم پر۔

سر جھٹک کر وہ دوبارہ کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔ سامنے ٹی وی پر کوئی بڑا ہٹ ڈرامہ سیریل چل رہا تھا۔ عورت کی مظلومیت کا رونا روتا ہوا۔

وہاں بیٹھے زیادہ تر لوگ ٹی وی کی طرف متوجہ نہیں تھے یہ ان کی دلچسپی کا موضوع تھا بھی نہیں۔

کوئی سنسنی خیز فلم، کوئی بھڑک دار سا ڈانس، ان کی توجہ کھینچتا تھا، یا پھر حکمرانوں کی بدعنوانیاں، یا دہشت گردی کا کوئی تازہ واقعہ۔

کسی نے بے زار ہو کر چینل بدلا تھا۔

ایک بڑے ہی خوبصورت گھر کا اندرونی منظر تھا۔ بڑا سا رالاؤنج اور سامنے سے گول گھوم کر آتی ہوئی سیڑھیوں سے اترتی ہوئی، وہ کوئی اور نہیں صندل ہی تھی۔

خیام کی ساری توجہ اس پر مبذول ہوئی۔

"ارے دیکھو تو، فلم اسٹار صندل کا گھر دکھا رہے ہیں۔" اس کے قریب بیٹھے کسی شخص نے اپنے ساتھی سے کہا۔

"دیکھا ہوا ہے میں نے یہ پروگرام، اس ہفتے میں کئی بار چلا ہے، بڑی جلدی ترقی کی اس لڑکی نے، ویسے ہے صلاحیتوں والی، وہ جو ابھی اس کی نئی فلم آئی۔"

خیام نے کچھ ناگواری سے ان لوگوں کی طرف دیکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر ٹی وی کے بالکل قریب والی کرسی سنبھالی۔ صندل کا گھر! وہ بے حد حیران تھا، سو اس پروگرام کو دیکھنا چاہتا تھا ایک سیلبرٹی کی حیثیت سے صندل کی نجی زندگی اور خاندان کے بارے میں پروگرام کیا جا رہا تھا۔

"کیا بتائے گی وہ اپنے خاندان کے بارے میں؟"

کوئی واسطہ، تعلق نہیں، پھر بھی خیام نے اپنی ہتھیلیاں بھیگتی ہوئی محسوس کی تھیں۔

"سات انگلیاں سات چراغ"۔

ایک ایسا فنکار گھرانہ، جہاں روایات کا تسلسل پوری خوبصورتی کے ساتھ نظر آ رہا ہے، برصغیر کی صف اول کی ستار نواز، محترمہ ستارہ جان کی نواسی صندل جنہوں نے تعلیم مکمل کرنے کے بعد پرفارمنگ آرٹ کو ہی اپنی شناخت بنانے کا فیصلہ کیا۔"

میزبان بڑے عزت و احترام سے صندل کو اور اس کے خاندان کو خراج تحسین پیش کر رہا تھا اور وہ اپنے چکا چوند کرتے حسن کے ساتھ پورے وقار سے سر اونچا کیے بیٹھی تھی۔

کوئی گلٹ ہے کوئی پردہ داری نہیں۔

وہ پورے اعتماد سے ہر سوال کا جواب' بڑی روانی سے دے رہی تھی۔

اس نے پورے فخر سے بتایا کہ ناسازگار حالات میں اس کی ماں نے فلموں کے چھوٹے چھوٹے رول اور ایکٹرانز کے ڈانس گروپ میں کام کیا' ایک لمبے عرصے تک۔

"مجھے اپنی امی پر فخر ہے کہ انہوں نے میری اور میری چھوٹی بہن کی تعلیم اور تربیت کے لیے ہر وہ قربانی دی' جو صرف کوئی ماں ہی دے سکتی تھی' یا شاید یہ کوئی کوئی ماں ہی دیتی ہے ہر ایک نہیں۔"

یہ بات کہتے ہوئے صندل کی آنکھوں سے جو آنسو بہے تھے اس نے ماحول کو بے حد جذباتی کیا تھا۔ وہاں جو لوگ دیکھ رہے تھے انہوں نے بھی تعریفی نگاہوں سے صندل کو دیکھا تھا۔

"کتنی سچی بات کی ہے لڑکی نے' خدا کسی کو مجبوری میں نہ ڈالے۔"

"اور تاج محل کر ہی تو کمایا بے چاری نے' یہاں غاصب کمینوں سے معاشرہ بھرا ہوا ہے۔ جو غریبوں کا خون چوس کر اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں۔ اور عزت دار بنے بیٹھے ہیں آج۔"

یہاں اس چھوٹے سے تنور پر بیٹھے نیم خواندہ لوگوں کے بیچ معمولی سی تمکینہ جان سوسائٹی کے علم برداروں سے زیادہ معتبر ٹھہری۔

لوگوں کے دیکھنے کا نظریہ' تیزی سے بدل رہا ہے۔

خیام نے بہت کنفیوز سا ہو کر ایک جھجکتی ہوئی نگاہ ان لوگوں پر ڈالی' جواب صندل کو بھول کر کرپشن اور ناانصافیوں کے شرم ناک قصوں میں مشغول تھے ان کے کردار قطعی مختلف تھے۔

وہ بڑا پرسکون سا ہو کر دوبارہ پروگرام کی طرف متوجہ ہوا۔

کیمرہ صندل کے گھر کے مختلف حصے دکھا رہا تھا۔ لاؤنج' کچن' کھانے کا کمرہ' بیڈ روم' لان' سوئمنگ پول' یہاں کہیں بھی نائی ستارہ کے چوبارے کی جھلک نہیں تھی۔

یہ ایک گھرانے کی خوش حالی کی داستان سنا رہا تھا' ایسی داستان جو اس گھرانے کی عورتوں کی ہمت اور محنت نے رقم کی تھی۔

وہ سحر زدہ سا ہو کر سنے گیا۔

"اور ان ہی سیڑھیوں' راہداریوں سے کیتی کے قدم بھی گزرتے ہوں گے؟"

پورے پروگرام میں وہ کہیں نہیں تھی' لیکن خیام کو دل کی گہرائی سے یاد آئی۔

"آپ کی والدہ کی ایک چھوٹی بہن بھی تھیں نا!" پروگرام کے خاتمے سے ذرا پہلے میزبان نے ایک اور کڑی کو ملانا چاہا۔

"جی ہاں' میری خالہ فیروزہ بہت حسین اور ٹیلنٹڈ پائے کی کتھک ڈانسر تھیں۔ افسوس کہ وہ بہت نو عمری میں انتقال کر گئی تھیں۔"

صندل کا اعتماد اس کی کامیابیوں کی دین تھا۔

خیام کو یہی بات کہ اس پر رشک آنے لگا تھا۔

"ان کی کوئی اولاد جو آپ کے خاندان کی ان روایتوں کو آگے بڑھانے میں۔"

خیام کی سانس پل بھر کے لیے رک سی گئی۔ یہ سوال براہ راست اس کے بارے میں تھا اور شاید صرف اس نے صندل کے چہرے پر اترتی کیفیت کو بہت قریب سے محسوس کیا تھا۔

"خالہ فیروزہ کی کوئی اولاد نہیں تھی' وہ لاولد ہی انتقال کر گئی تھیں۔" دنیا کی آنکھ میں آنکھ ڈالے پورے یقین

کے ساتھ صندل کہہ رہی تھی۔

خیام کو جیسے کسی نے بہت اونچائی سے دھکا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح سرد تھی' رات کسی وقت بارش ہوئی تھی' تیز ہوا کے جھونکے سبزے اور مٹی کی خوشبو کو اڑائے لیے پھر رہے تھے۔

گاڑی سے اتر کر گھر کے داخلی دروازے تک جاتے ہوئے' انہیں موسم کی شدت کا احساس بخوبی ہوا۔ ٹھنڈے گیلے فرش پر ان کے بھاری قدم ہلکا سا نقش چھوڑتے چلے گئے۔

اندر لاؤنج میں بیٹھی ہوئی زرتاج نے انہیں آتے دیکھ کر بمشکل ہی خود پر ضبط کیا۔

"سالار اوپر اپنے کمرے میں ہے؟"

بنا دعا سلام کے انہوں نے صرف اس سے تصدیق چاہی تھی۔

"میں نے آپ کو منع بھی کیا تھا' یوسف بھائی کہ پلیز سالار سے اتنا رابطہ مت بڑھائیں' آپ آخر کیوں ہمارے گھر کے معاملات میں دخل دے رہے ہیں۔"

"تمہارے گھر کے معاملات' گھر سے نکل کر پولیس اسٹیشن تک پہنچ چکے ہیں زرتاج! ورنہ ویسے بھی میں نے تمہارے کسی معاملے میں دخل نہیں دیا ہے' سالار سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے اور اس نے خود اپنے معاملات میرے سپرد کیے ہیں۔"

بے نیازی سے کہتے ہوئے وہ ان کے قریب سے گزرتے ہوئے آگے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔

زرتاج تیزی سے ان کے پیچھے آئیں۔

"آپ اس طرح اس کا ساتھ دیں گے تو نبیل کے لیے اور بھی پرابلم کھڑے ہو جائیں گے' سمجھ رہے ہیں نا آپ میری بات۔"

"نہیں!" انہوں نے زرتاج کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلایا۔ "میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم اتنی زیادہ پریشان کیوں ہو' کیا نبیل نے تمہارے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہے؟"

اپنی بات کہتے ہوئے وہ سیڑھیاں چڑھنے لگے۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ' نبیل نے کیا ہی کیا ہے' آپ بات کو کیوں بڑھا رہے ہیں اتنا۔" وہ بے قرار سی ہو کر ان کے پیچھے آئیں۔

"میں بات کو نہیں بڑھا رہا' جو کچھ بھی ہے پولیس کی تفتیش کے بعد خود سامنے آجائے گا' میں نے صرف پولیس کو وہ بتایا ہے جو میں ایمان داری سے بتا سکتا تھا۔"

"آپ کو ساری ایمان داری صرف نبیل کے لیے ہی بات کرتے ہوئے یاد آتی ہے' باقی ساری زندگی تو آپ کو کبھی ایسا مسئلہ نہیں ہوا۔" زرتاج کا لہجہ بے حد تلخی لیے ہوا تھا۔

وہ دونوں ٹھیک سالار کے کمرے کے دروازے پر کھڑے تھے' یوسف کمالی نے ہلکے سے مسکرا کر زرتاج کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک کہتی ہو تم' لیکن انسان کو جب کبھی سچ بولنے کی توفیق مل جائے تو اسے ضرور بولنا چاہیے۔"

اپنی بات مکمل کرتے ہوئے انہوں نے آدھ کھلے دروازے کو پش کیا۔

سامنے بیڈ پر سالار آنکھیں بند کیے ہوئے لیٹا تھا اور قریب ہی کرسی پر بے زاری شکل بنائے ہوئے بیٹھا نبیل۔

"آپ!" سالار نے آہٹ پر آنکھ کھول کر یوسف کمالی کی طرف دیکھ کر اٹھنے کی کوشش کی تو وہ تیزی سے آگے بڑھے۔

"لیٹے رہو ابھی طبیعت پوری طرح ٹھیک نہیں ہے، جتنا آرام کرو گے اتنا ہی بہتر ہے۔" انہوں نے اپنائیت سے اسے سہارا دیتے ہوئے کہا۔

"لیٹے لیٹے بھی تھک جاتا ہوں کمالی صاحب! اور پھر یہ صدمہ اتنا بڑا ہے کہ......!"

وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا تھا اور آج اتنے دن بعد بھی اس کی آواز میں آنسوؤں کی نمی اترنے میں دیر نہیں لگی تھی۔

"صبر کرو بیٹا! سنبھالو خود کو۔" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے، کمالی صاحب وہیں قریب بیڈ پر بیٹھے نچلا ہونٹ دانت کے نیچے دباتے ہوئے بولے، سالار نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

"میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکتا، وہ میری وجہ سے مارے گئے، ان کی کسی سے کوئی دشمنی نہیں تھی، کتنے سادہ اور شریف النفس شخص، میرے لیے وہ باپ کی حیثیت رکھتے تھے کمالی صاحب! کاش میں یہاں آتا ہی نہیں!" اس آخری جملے میں بڑی بے ساختگی تھی۔

کرسی پر بیٹھے نبیل اور دروازے میں کھڑی زرتاج دونوں ہی نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا۔

"حمیدی صاحب کا قاتل ضرور پکڑا جائے گا سالار! پولیس بہت تیزی سے کارروائی کر رہی ہے، تم فکر مت کرو۔"

کمالی صاحب کے لہجے میں تسلی بھی تھی اور ایک الگ قسم کی معنی خیزی بھی!

نبیل نے پہلو بدلتے ہوئے خود کو تھوڑا سا بے چین محسوس کیا۔

"کچھ کھانے کو دل چاہ رہا ہے سالار؟" زرتاج بیگم سالار پر سے کمالی صاحب کا اختیار ختم کرنے کی کوشش کے طور پر ہی خود آگے بڑھیں۔

"جی نہیں۔"

"کھانا تو پڑے گا، اس طرح کیسے صحت مند ہو سکو گے۔"

"کتنا خون بہا ہے آخر، بڑا کرم کیا خدا نے۔" ان کی فکر مندی، احساس سے اتنی عاری تھی کہ اس نے آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کیا۔

"آپ لوگ پلیز باہر جائیں، مجھے کمالی صاحب سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔" بنا کسی کی بھی طرف دیکھے سالار نے انہیں فی الحال بے دخل کرنا مناسب سمجھا تھا۔

☆ ☆ ☆

ربیعہ کی آج کل کلاسز ہو رہی تھیں۔

صبح سویرے ہی اس کی وین والا آ کر ہارن بجانا شروع کر دیتا تھا وہ دوڑتی بھاگتی، چائے کا آدھا ادھورا کپ پی کر نکل جاتی تھی۔

امی روزانہ اس کے بھوکے پیاسے نکلنے پر افسردہ ہوتیں۔

"بے چاری بچی، سارا دن سب کی خدمت کرتی ہے اور خود ڈھنگ سے بیٹھ کر ناشتہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔"

میز پر گرما گرم پراٹھے، سنہری پیاز اور ہری مرچ کا خوشبو اڑاتا ہوا آملیٹ لگاتے ہوئے انہیں خود بخود ہی ربیعہ یاد آنے لگی۔

معاذ دیر سے اٹھتا تھا، ابھی ابھی تیار ہو کر ناشتے کے لیے آ کر بیٹھا تھا امی کی بات پر بڑی بے فکری سے ہنس پڑا۔

"کھالی کینٹین میں ہو گی امی! آپ پریشان مت ہوا کریں۔ بھوک تو ویسے بھی اس سے برداشت نہیں ہوتی ہے۔"

امی کے ماتھے پر ہلکی سی شکن آئی، آج کل انہیں معاذ پر بات بات پر غصہ آ رہا تھا، دادی اور ابا ناشتے کی میز پر بیٹھ چکے تھے، سو ان ہی کی وجہ سے ہی کچھ خاموش رہیں۔

ابا کو کسی معروف چینل کے ٹاک شو میں مدعو کیا گیا تھا، وہ کچھ پریشان اور زیادہ حیران تھے۔

"سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھے کیوں یاد کیا جا رہا ہے، ان سب چینلز کے تو اپنے مخصوص اور پسندیدہ تبصرہ نگار ہیں، جو ان کی من پسند باتیں کہتے اور سنتے ہیں، میں تو کسی بھی پارٹی کا آدمی نہیں ہوں بھائی! یہ لائن تو میری ہے نہیں۔"

"آپ کے کالم سب سے زیادہ پڑھے جاتے ہیں ابا! لوگوں پر آپ کی رائے اثر انداز ہوتی ہے، وہ آپ کی تحریر کی سچائی کو پہچانتے ہیں اچھی طرح، چینل والوں نے آپ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کا نوٹس لیا ہے اور انہیں ایسا کرنا ہی تھا۔"

معاذ کا تجزیہ بھرپور تھا۔

امی نے حیرت سے اسے اور پھر ابا کو دیکھا۔

"ساری عمر سے لکھ رہے ہیں کبھی پہلے تو کسی نے ایسا کچھ نہیں کہا اب ایسا کیا خاص لکھ ڈالا جو ٹی وی والوں کو بھی خبر ہو گئی۔"

"بس دیکھتی جائیے، اب تو چاروں طرف سے ابا کو بلاوے آنے شروع ہو جائیں گے، بنا کسی غرض اور مصلحت کے بات کرنے والوں کا قحط ہے ہمارے ہاں، کیا آپ اب تیار رہیں، گھر میں شام گزارنا مشکل ہوتا چلا جائے گا آپ کا۔"

معاذ بے حد خوش تھا۔ ابا اس کے آئیڈیل تھے۔ ذہنی فکری طور پر وہ ان ہی کا عکس تھا۔

انسانیت کا درد رکھنے والا، سادہ دل، مادیت پسندی سے کوسوں دور اور خوددار۔

"لاکھوں میں ایک ہے میرا بیٹا۔" دادی بہت فخر سے ابا کی طرف دیکھ رہی تھیں "اسے حقارت سے دیکھنے والے آج خود منہ کے بل گرے ہیں، تماشا بن کر رہ گئے دنیا کی نظر میں۔"

"اماں پلیز!" ابا نے بڑی نرمی سے انہیں ٹوکا۔ "جانے دیں، اللہ ہر ایک کی مشکل آسان کرے۔"

دادی نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا، ان کے ضعیف چہرے پر گہرا دکھ رقم تھا۔

ابا نے محبت سے ان کے کندھے پر اپنا بازو پھیلایا۔

"آپ دعا کریں اظہار کے لیے بھی، گھر تک بک گیا ہے اور ابھی بھی سنا ہے ضمانت نہیں ہوئی، شاکرہ، بچیاں پتہ نہیں کس طرح ایڈجسٹ کر رہی ہوں گی۔"

دادی نے ایک ٹھنڈی سانس لی "جویا اور زویا کے لیے تو خیر میرا بھی بڑا دل دکھ رہا ہے، ان کا کیا قصور!" امی کی نگاہ جویا کے نام کے ساتھ ہی معاذ کی طرف اٹھی تھی۔

وہ بڑے اطمینان سے ناشتہ کر رہا تھا۔

انہیں بڑی تسلی سی حاصل ہوئی، مگر دادی اب بھی، نادانستگی میں ہی سہی، انہیں دہلائے رکھنے کا فریضہ انجام دیئے جا رہی تھیں۔

"میرا بس چلتا تو شاکرہ اور بچیوں کو یہاں اپنے گھر ہی لے آتی، کتنے کمرے خالی ہی پڑے ہیں، آرام سے رہ سکتی تھیں یہاں پر۔"

"یہ گھر ہے اماں! کوئی دارالامان نہیں ' ہر مصیبت زدہ کو یہاں پر لاتا آخر آپ لوگوں نے ہی کیوں اپنے آپ پر فرض کرلیا ہے۔"

امی کا صبر و ضبط رخصت ہونے لگا تھا' ابا کو الفاظ سے زیادہ ان کا لہجہ برا لگا۔

"اماں کا یہ مطلب نہیں ہے شائستہ! ایسے ہی ایک بات کہی ہے 'تم کیوں اتنی جذباتی ہو جاتی ہو۔"

"حق ہے مجھے جذباتی ہونے کا!"

ہاتھ میں تھاما ہوا چمچہ انہوں نے قدرے زور سے پلیٹ میں رکھا "جن لوگوں نے ساری عمر میری اور میرے بچوں کی ہنسی اڑائی' ہر طرح ذلیل کیا' آج اگر وہ مصیبت میں ہیں تو میری بلا سے' اگر وہ خاندان سڑک پر بھی آکر بیٹھ جائے تو مجھے ان سے کوئی ہمدردی نہیں۔"

بنا رکے جس طرح وہ بولے چلی جا رہی تھیں' وہ ان کے ذہنی دباؤ کی عکاسی کرتا تھا۔

"بس کرو شائستہ! خدا خوفی بھی کوئی چیز ہے' کسی کی مصیبت پر اتنی سخت دلی کا مظاہرہ کرنا اچھی بات ہے کیا۔"

اسلام صاحب عام طور پر غصہ میں نہیں آتے تھے' لیکن اس وقت انہوں نے بمشکل ضبط کیا۔

"اظہار کی بچیوں کا اس طرح گھر سے بے گھر ہونا بھی اگر تمہارے دل کو نہیں دکھا پایا' تو جویا اور زویا کی جگہ ' ایک بار ربیعہ کو رکھ کر سوچو' اگر وہ اس طرح۔۔۔"

"خدا نہ کرے۔" دادی نے تیزی سے بات کاٹی اور غصے سے ابا کو دیکھا امی زیر لب کچھ بڑبڑا کر کپوں میں چائے ڈالنے لگیں۔

انہیں ابا کی بات سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ معاذ نے بہت غور سے ان کی طرف دیکھا۔

ایک نمایاں سی تبدیلی ان میں آچکی تھی۔

طویل عرصے تک کی جانے والی ان تھک محنت کے بعد' تھوڑی سی چڑچڑاہٹ' ان کا حق بنتا تھا سو وہ سب اس کے عادی بھی تھے' لیکن اب جس طرح وہ سخت دلی کے مظاہرے کر رہی تھیں' وہ بار بار چونکا رہے تھے۔

"زری نے ناشتہ کرلیا۔"

گو اس نے براہ راست امی سے پوچھا بھی نہیں تھا' لیکن انہوں نے چونک کر معاذ کی طرف دیکھا۔

وہ دانستہ دادی کو دیکھنے لگا' جیسے ان سے جواب چاہ رہا ہو۔

"کرلیا ہوگا' شائستہ روز اسے بھی سب کے ساتھ ہی دیتی ہے ناشتہ۔" وہ سادگی سے بتانے لگیں۔

"اسے بھی یہیں سب کے ساتھ ہی بٹھا لیا کریں' جو ہم کھا رہے ہیں' وہی وہ بھی کھا لیا کرے گی' اچھا نہیں لگتا کہ وہ صرف چائے پراٹھا ہی ناشتے میں لے روزانہ۔"

پچھلے پورے ہفتے اس نے اسی امید پر کچھ نہیں کہا تھا کہ شاید امی خود ہی اس طرف توجہ دے لیں مگر اب اس وقت سب کے ناشتہ کر لینے کے بعد بھی میز پر اتنا کچھ باقی تھا کہ وہ اسے خود بخود یاد آئی۔

"اس لڑکی نے کچھ کہا کیا تم سے' کھانے یا ناشتے کے بارے میں کچھ شکایت ہے اسے؟" امی کی نظر معاذ کے چہرے پر جمی۔

"وہ بے چاری کیا کہے گی امی! لیکن ہمیں خود ہی۔۔۔"

"ہم خود بھی سالوں' چائے اور سادہ روٹی کا ناشتہ کرتے رہے ہیں معاذ! بلکہ چائے پاپے' بھی کھا کر نکلے ہو تم اور ربیعہ گھر سے۔" انہوں نے جتنی تیزی سے معاذ کی بات کاٹی تھی' ابا کو بڑا عجیب سا لگا۔

یہ محض' معاذ کو یاد دلانا ہی تھا یا پھر وہ ان کی کمائی کو جب نہ سہی' اب جتا رہی تھیں۔

"ارے تو اس میں کیا ہے امی! سب ہی لوگ کھا لیتے ہیں یہی خوشی خوشی' روز پراٹھا کھانا اچھا بھی نہیں ہے صحت کے لیے' آپ بھی بات کو کہاں سے کہاں لے گئیں۔"

معاذ نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔ "میں صرف یہ چاہ رہا ہوں کہ جب اتنا کچھ بچ رہا ہے تو زری کو بھی یہی دے دیا کریں' اچھا تو نہیں لگتا کہ گھر میں ایک شخص وہ سب نہ کھا سکے' جو ہم سب کھا رہے ہیں' بس اتنی سی بات ہے۔"

اس کا سیل فون بجنے لگا تھا' سو وہ ایک گھونٹ میں ہی چائے کا کپ خالی کرتا ہوا اٹھ کر باہر برآمدے میں آکھڑا ہوا

زری نے دادی کے کمرے کے کھلے دروازے میں سے معاذ کو دیکھا تھا۔

وہ آفس جانے کے لیے تیار تھا اور اتنا فریش اور اسمارٹ لگ رہا تھا کہ وہ تو بس چپ چاپ کھڑی اسے دیکھے گئی اس کی یک طرفہ محبت کا اول و آخر یہی دیکھنا ہی تھا۔

"اور یہ بھی کوئی کم خوش نصیبی تو نہیں کہ آج وہ یہاں کھڑی ہے۔ اس کے گھر میں۔ اس کی چھت کے نیچے۔ ورنہ اگر لے جاتی سعیدہ بھابھی ہی رحم کھا کر اسے اپنے ساتھ' پھر تو ساری عمر وہ بس ایک نگاہ کے لیے بھی ترس کر رہ جاتی۔"

اسے خود اپنے آپ پر رحم آیا۔ آنکھوں کو ہتھیلی سے رگڑتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل کر آئی' تب تک معاذ فون بند کر چکا تھا اور برآمدے کی سیڑھیوں پر کھڑا' کسی گہری سوچ میں مبتلا۔ محسوس ہو رہا تھا۔

"تم!" اسے دیکھ کر وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔

"کیسی ہو' کوئی پریشانی تو نہیں ہے نا؟"

زری کا دل کھل اٹھا۔

نفی میں سر ہلاتے ہوئے' وہ بلا وجہ ہی مسکرائے گئی۔

"کسی چیز کی ضرورت ہو تو بلا جھجک مجھے یا ربیعہ سے کہہ دینا' امی اور دادی دونوں بظاہر سخت ہیں لیکن دل کی اچھی ہیں۔ کچھ وقت گزرے گا تو تمہارے ساتھ ان کا رویہ بدل جائے گا۔ تم ان کی کسی بھی بات کا برا مت ماننا۔"

"وہ لوگ تو مجھے ایسا کچھ بھی نہیں کہتیں' آپ نے سعیدہ بھابھی کا غصہ نہیں دیکھا' وہ تو ہاتھ تک اٹھایا کرتی تھیں کبھی کبھی اور اکثر کھانا بھی نہیں دیتی تھیں سزا کے طور پر۔ یہاں تو میں بہت آرام سے ہوں! اللہ کا شکر ہے۔"

اس کے لہجے میں بڑی طمانیت تھی۔

محرومیوں کے نہ ختم ہونے والے اس سارے سلسلے کو جھیلتے ہوئے بھی' اس کے شکر میں بڑا ہی انوکھا خالص پن تھا۔

معاذ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"تم بہت اچھی لڑکی ہو زری!"

"معاذ!" کھانے کے کمرے کا جالی والا دروازہ کھول کر امی نے اسے پکارا تو وہ "جی امی!" کہتا ہوا تیزی سے ان کی طرف چلا گیا۔

وہ یوں ہی گم صم سی ہوئی برآمدے کی سیڑھیوں کے پاس کھڑی اسی چھوٹے سے جملے کی بازگشت کو سنے گئی۔

"کیا وہ واقعی اتنی اچھی ہے کہ معاذ نے اس کی تعریف کی۔"

زری کا دل بے ساختہ ہی اپنا آپ دیکھنے کا متمنی ہوا' لیکن دادی کے کمرے میں کوئی آئینہ تھا ہی نہیں۔

اپنی ٹھنڈی پڑتی ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑتے ہوئے' وہ معاذ کے کہے چھوٹے سے جملے کو اپنی مرضی کے مطلب معنی پہناتے ہوئے' بے انتہا خوش تھی۔

"آج وہ انہیں اچھی لگی' کل اور اچھی' اور پھر اور۔۔۔!"

دور کہیں ایک خوش کن امکان روشن ہوا تھا۔ سارے محبت کرنے والوں کی طرح۔ زری نے بھی خوش گمانی کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھا۔

راستہ کتنا ہی کٹھن اور منزل کتنی ہی مبہم۔
محبت میں کچھ بھی ناممکن نظر نہیں آتا۔

زری نے بھی اپنے یہاں تک چلے آنے کو قدرت کی مدد گردانا اور مسکراتی ہوئی دادی کے کمرے کی طرف پلٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

چھوٹے سے صحن کا سیمنٹ کا فرش جگہ جگہ سے ادھڑ رہا تھا۔

اس نے پانی ڈالنے میں، حالانکہ بہت احتیاط کی تھی پھر بھی جگہ جگہ کھڑا ہو گیا تھا' یہاں وائپر کام نہیں آسکتا تھا' سو وہ تنکوں والی جھاڑو لے کر پھر سے پانی خشک کرنے لگی۔

"جویا!" شاکرہ بیگم سے رہا نہیں گیا تھا۔

"چھوڑ دو ایسے ہی' کیوں خود کو تھکاتی ہو' میں نے تو منع بھی کیا تھا' اس گھر کی صفائی کرو نہ کرو' کوئی فرق نہیں پڑتا۔" آہستہ آہستہ چلتی ہوئی وہ اس کے قریب آکر کھڑی ہوئیں۔

"آپ اندر چلیں' یہاں پانی ہو رہا ہے' خدانہ کرے سلپ نہ ہو جائے پاؤں۔"

وہ بدستور اپنے کمرے میں مصروف رہی۔

"ہاں' احتیاط تو ضروری ہے اور اب تو ہم کسی خرچے کو برداشت کرنے کے قابل بھی نہیں ہیں۔"

ان کے لہجے کی یاسیت اب نئی نہیں رہی تھی' پھر بھی جویا مڑ کر ان کی طرف دیکھے بغیر نہیں رہ سکی۔

"کیوں ہر وقت اسی بارے میں سوچتی ہیں امی! خود کو سنبھالنے کی کوشش کریں پلیز!"

اس کا کام ختم ہو چکا تھا' اپنی بات کہتی' وہ جھاڑو ایک طرف رکھ کر' اس چھوٹے سے واش بیسن پر ہاتھ دھونے لگی' جو صحن کے ایک کونے میں لگا ہوا تھا۔ پانی کی پتلی سی دھار' یہاں یکساں رفتار سے ہی آتی تھی۔ معلوم نہیں کیا مسئلہ تھا' جو کھل کر پانی آتا ہی نہیں تھا۔

"شاید ان کے مقدر سے ہر چیز ہی گھاٹے میں...." ہلکے سے سر جھٹک کر اس نے خود کو' کسی منفی خیال سے بچایا اور واپس امی کے پاس آکھڑی ہوئی۔

"چلیں!" اس نے نرمی سے ان کا ہاتھ تھاما' تو وہ بنا کچھ بھی کہے اس کے ساتھ چل پڑیں۔

جویا نے بڑی تشویش کے ساتھ' ان کے ہاتھوں کی ٹھنڈک کو محسوس کیا تھا۔

"اپنا خیال رکھا کریں امی! اتنی مایوسی مت طاری کریں خود پر' سنبھل جائیں گے حالات بھی" اندر کمرے میں بیڈ پر انہیں بٹھاتے ہوئے' وہ خود بھی ان کے ساتھ ہی بیٹھی۔

شاکرہ بیگم نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

"اب کچھ نہیں سنبھلے گا جویا! اتنا کچھ چلا گیا ہے' جسے پوری عمر صرف کر کے بنایا تھا۔ وہ سب دوبارہ بنانے کے لیے پھر ایک عمر درکار ہے تو وہ کہاں سے آئے گی۔"

بڑی بے بسی سے انہوں نے ذرا رک کر جویا کی طرف دیکھا۔

"میرا سارا غرور مٹی میں ملا ہے جویا! بڑی شان سے گزاری ہے زندگی' چمکتی دمکتی! کون تھا اس سارے خاندان میں' جو شاکرہ بیگم کا مقابلہ کر سکے' ساری کی ساری حسرت سے دیکھا کرتی تھیں' میرے گھر' میرے لباس' میری

اولاد کو۔"

ان کا لہجہ عجیب سا ہو رہا تھا۔

فخر' یاسیت' محرومی ایک ساتھ کئی رنگ سمیٹے ہوئے وہ جب بول رہی تھیں تو چہرے پر چند لمحوں کے لیے وہی چمک ابھری تھی جو گزرے دنوں کی یاد دلاتی تھی۔

ان کی باتوں میں کہیں بھی نہ شرمندگی تھی اور نہ ہی اعتراف۔ جویا کو سب سے زیادہ یہی رویہ دکھ دے رہا تھا۔

"دگل ٹھیک کہتی ہے' کسی نے ایسا زبردست جادو کروایا ہے کہ ہم عرش سے فرش پر آگئے۔ ہمیں حاسدوں کے حسد نے کھا لیا۔ خدا غارت کرے ان دشمنوں کو' ایسے برباد ہوں کہ زمانے میں کہیں پناہ نہ ملے۔" وہ کچھ کچھ ہسٹریکل ہونے لگیں۔

اور اس طرح جب وہ ہاتھ پھیلا کر بددعائیں دیا کرتی تھیں تو جویا کے دل پر سہم سا طاری ہوتا تھا۔

وہ چپ چاپ اٹھ کر کھڑکی کھولنے لگی۔ نیچی چھتوں والے' دو کمروں کے اس پورشن میں عجیب سا میلا پن تھا۔

"اگر سلمان نے گل کی بات مان لی ہوتی تو کیا خبر سب کچھ ٹھیک کر ہی دیتے پیر کرامت شاہ' نہ ہی گھر بکتا اور نہ ہی تمہارے ابا کو جیل کا منہ دیکھنا پڑتا لیکن سلمان نے اس بے چاری کی ایک نہ چلنے دی۔"

"چلیں کہیں تو سلمان بھائی نے بھی ہمارے حق میں کچھ اچھا کیا۔"

اس نے کھڑکی کھول کر ایک نظر اس تنگ سی گلی پر ڈالی اور واپس امی کے پاس آکر بیٹھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ گل کوئی برا کر رہی تھی ہمارے لیے؟ سلمان تو آکر اب شکل بھی نہیں دکھاتا' وہ غریب تو پھر بھی چلی آتی ہے۔"

"دس پندرہ دن بعد۔" ورنہ پہلے تو کوئی ناغہ نہیں ہوتا تھا ان کی آمد میں۔"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی طنزیہ   اپنانے لگی۔ شاکرہ بیگم نے کچھ کہتے کہتے خود کو روکا تھا۔

"آج کیا پکنا ہے امی؟"

ناپسندیدہ باتوں سے فرار کی ایک ہی صورت سمجھ میں آتی تھی کہ جتنا بھی ہو کام میں مصروف رہا جائے' سو وہ یہی کرتی تھی۔

"پکا لو کچھ بھی! جو بھی دال سبزی گھر میں رکھی ہو۔ نیچے اتر کر جانے کی مجھ میں تو ہمت ہے نہیں۔" بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر وہ نیم دراز ہوگئیں۔

"اس گھر میں تو نیند بھی ٹھیک سے نہیں آرہی ہے مجھے۔ عجیب سی وحشت ہے' تمہارے ابو یہاں کیسے رہیں گے' انہیں تو اپنے کمرے' اپنے بیڈ کی عادت ہے یہاں اس چھوٹے سے کمرے میں کیسے گزارا ہوگا' اٹیچ باتھ بھی نہیں ہے یہاں تو۔"

"وہ رہ لیں گے' اتنے دن میں ان کی عادت بدل چکی ہوگی۔ آپ فکر مت کریں۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا اور بنا ان کی طرف دیکھے باہر نکل آئی۔

صحن کے دوسری طرف چھوٹا سا کچن تھا' اوپر نیچے دو سلیب جن میں ایک پر چولہا رکھا تھا اور دوسری دالیں' مسالے کے ڈبے رکھنے کے کام آرہی تھی' ایک طرف اسٹیل کا چھوٹا سنک اور محض دو آدمیوں کے کھڑے ہونے کی جگہ۔

فریج باہر صحن میں ہی رکھ لیا گیا تھا۔

کون سی روز روز بارش ہو رہی تھی۔ ڈیپ فریزر کی اب کوئی ضرورت ہی نہیں' سو دیگر سامان کے ساتھ وہ بھی بیچ دیا گیا تھا۔

جویا نے فریج کھول کر سبزی نکالی' آٹا تھوڑی دیر پہلے ہی گوندھ کر رکھا تھا' سبزی کی باسکٹ اور اور چھری وغیرہ لے کر کاٹنے کے لیے' وہ باہر کرسی پر آکر بیٹھی ہی تھی کہ ڈور بیل بجنے لگی۔ کام بیچ میں چھوڑ کر اسے اٹھنا پڑا۔

"سلمان آیا ہے کیا؟"

اس کے دروازہ کھولنے سے پہلے ہی شاکرہ بیگم نے بے تابی سے پوچھا تھا۔

جویا نے اس قیاس آرائی کے جواب میں آگے بڑھ کر دروازہ کھولنا زیادہ مناسب سمجھا تھا۔ ہانپتی کانپتی آپا گل سامنے کھڑی تھیں۔

"دو منزلیں ایک ساتھ چڑھنا کوئی آسان کام ہے کیا' میرے تو حواس گم ہو جاتے ہیں اوپر آتے آتے' ہر بار توبہ کرتی ہوئی واپس جاتی ہوں یہاں سے۔" ان کے کمنٹ پر وہ پوری ہمت کرکے مسکرائی تھی۔

"مت آیا کریں جلدی جلدی۔ بس پندرہ دن میں چکر لگایا کریں۔"

"ہاں اب ایسا ہی کیا کروں گی' لیکن وہاں سسرال میں پڑے رہو تب بھی دل گھبراتا ہے' میں تو بور ہو کر رہ جاتی ہوں' چار دن میں ہی۔" اس کے لہجے پر غور کیے بنا ہی وہ لاپروائی سے کہتی سامنے والے کمرے میں چلی آئیں' جہاں شاکرہ بیگم بیٹھی تھیں۔

"یہ لو' کچھ سالن وغیرہ ہے۔" ہاتھ میں تھاما ہوا ایک شاپر انہوں نے مڑ کر جویا کو تھمایا۔

"کوئی خاص چیز پکائی ہے کیا آپا؟" بند ڈھکنوں والے چھوٹے چھوٹے تین باکسز کو دیکھ کر وہ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

"نہیں خاص تو کیا' وہی معمول کی چیزیں ہیں۔" وہ یوں ہی نال کر امی کے پاس جا بیٹھیں۔

"زویا کہاں ہے؟"

"کالج گئی ہے۔"

"کیا؟" وہ حیرت سے جویا کی طرف دیکھنے لگیں۔ "وہ تو کہہ رہی تھی کہ اب کالج چھوڑ دے گی' پھر کیسے چلی گئی۔"

جویا کو ان کی عقل پر سخت حیرت ہوئی تھی۔

"اس کا میڈیکل کا سال ہے آپا! اس طرح جذباتی ہو کر کیسے چھوڑ سکتی ہے' بڑی مشکل سے راضی کیا ہے میں نے اور امی نے اسے۔"

"لیکن بات تو پھیل گئی ہے' وہاں اس کی دوستیں وغیرہ پوچھیں گی تو ضرور' کتنی بے عزتی ہوگی زویا کی اس طرح۔"

انہیں پتا نہیں کیوں اس کے جانے سے مایوسی ہوئی تھی۔

"لوگوں کو اتنی فرصت نہیں ہوتی آپا! کہ کسی بھی اچھی بری بات کو اتنی دیر تک یاد رکھیں اور اگر کوئی پوچھتا بھی ہے تو ٹھیک ہے' ایک بار فیس کر لینا اچھا ہے' بجائے اس کے کہ اپنا مستقبل تباہ کرے۔"

"مستقبل تباہ ہونے میں اب اور کون سی کسر رہ گئی ہے۔ جو زویا کی پڑھائی سے اثر پڑ جائے گا' ڈاکٹر بھی نوکریوں کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے ہیں' زویا کی تو پڑھائی کے بھی ابھی تین سال باقی ہیں۔ کتنا خرچہ آئے گا پہلے تو یہ بھی سوچنا ضروری ہے۔" انہوں نے حسب عادت ترجیحات سیٹ کی تھیں۔ "کچھ بھی ہو پڑھنا تو ہے اسے' آپ پلیز یہ سب اس کے سامنے مت کہیے گا' اتنی مشکل سے تو اسے راضی کیا ہے کالج جانے پر۔"

جویا نے اٹھنے سے پہلے انہیں یاد دہانی کرانا ضروری سمجھی تھی۔

جوابا" انہوں نے برا سا منہ بناتے ہوئے کندھوں کو ہلکی سی جنبش دی۔

"چائے بنالاؤ' اچھی سی' کھانا تو اب تک نہیں پکایا ہوگا تم نے' خیر اب تو ضرورت بھی نہیں ہے' یہ ہی کافی ہوجائے گا ہم تینوں کے لیے تو۔"

انہوں نے اپنے ساتھ لائے ہوئے ڈبوں کی طرف اشارہ کیا۔

کوشش کے باوجود بھی آج کل وہ ان کے جتائے جانے کی عادت سے نباہ نہیں کرپارہی تھی۔

پھر بھی۔

"دکھانا تو کیا لائی ہے گل' ایک کر بہت عرصہ ہوا کوئی اچھی چیز کھائے ہوئے' زبان کا ذائقہ ہی کھو گیا ہے۔"

شاکرہ بیگم نے کئی دن بعد کھانے پینے میں اتنی دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔

جویا کو بہت اچھا لگا۔

"اگر آپا گل اس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال کرنے لگیں تب بھی کچھ فرق تو پڑتا ہی ہے۔"

پل بھر پہلے کا گلہ اس کے دل سے فی الفور مٹا تھا۔ شاکرہ بیگم پہلا ڈبہ کھول چکی تھیں۔

جویا کی نگاہ اسی پر جاکر رکی تھی۔

"شاید یہ آپا گل نے غلطی سے ساتھ رکھ لیا تھا۔" خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے اس نے خود کو اخلاقی سہارا دینا چاہا۔

مگر بقیہ دونوں باکسز نے کھلتے ہوئے اس کے خیال کی قہقہہ لگاتے ہوئے تردید کی۔

دو بوٹیوں اور تین آلو کے ٹکڑوں والا زردی مائل سالن' دوسرے میں چنے کی دال اور تیسرے میں تین کوفتے اور ڈبے کے تلے میں لگا چمچہ بھر شوربہ' تینوں چیزوں کی شکل بتا رہی تھی کہ وہ خاصے دن پرانے ہیں۔

جویا کا ماں سے نگاہ ملانا مشکل ہوا اور شاید ان کا بھی۔

"بچے ہوئے رکھے تھے' وہاں میرے گھر میں تو بے حساب پکانے کا رواج ہے' دونوں وقت تازی ہنڈیا پکانی لازمی ہے میری نندوں کو۔ اتنا اتنا کھانا' کام والوں کو بھی تو جاتا ہے' میں نے سوچا کہ......"

"آپ ہمیں کھلا کر ثواب کمائیں۔" جویا نے تیزی سے بات کاٹی اور مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔ عجیب چبھتی ہوئی سی مسکراہٹ تھی۔ جس پر نہ برا مانا جاسکتا تھا اور نہ ہی خوش ہی ہونا ممکن تھا۔

عجیب سی بے چینی میں محسوس کیا تھا آپا گل نے خود کو۔

"پلیز آئندہ یہ تکلیف مت کیجئے گا' ہمیں جو کھانا ہوگا کھا ہی لیں گے۔" اپنی بات کہہ کر وہ نکلتی چلی گئی۔

شاکرہ بیگم' آہستہ آہستہ وہ ڈبے بند کررہی تھیں۔

"دیکھا آپ نے' کتنی عجیب طرح سے باتیں کرنے لگی ہے جویا مجھ سے' جیسے جو کچھ ہوا ہے اس میں میرا ہی ہاتھ ہو۔" آپا گل' جویا کے رویے پر تلملائی تھیں۔

شاکرہ بیگم نے سارے ڈبے اٹھا کر سائیڈ ٹیبل پر رکھے اور ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔

نو کمنٹس!

آپا گل نے ماں اور بہن دونوں کے رویے میں آئی دکھائی کو بڑے دل سے محسوس کیا تھا۔

"ناشکرے پن کی بھی انتہا تھی۔"

جو بات وہ کرنے آئی تھیں' زیادہ ضروری نہیں ہوتی تو شاید وہ تھوڑا سا گلہ شکوہ ضرور ہی کرلیتیں۔

"جویا کے سسرال والوں نے بڑا برا مانا ہے' ہمارے گھر بکنے کی خبر انہیں فوراً مل گئی تھی۔ ادھر کی ادھر کرنے والوں کی کمی تھوڑی ہے یہاں۔"

جویا نے ان کا صرف آخری جملہ سنا تھا' سو بے اختیار ہی پوچھ بیٹھی۔

"کس کی بات ہورہی ہے؟"

"تمہاری سسرال کی۔" وہ برجستہ بولیں۔

"میری سسرال۔" اسے یہ لفظ بڑا ہی اجنبی سا لگا۔

"ہاں نا' اعجاز کے گھر والے بھئی' ان کی بات کررہی ہوں۔"

"جب میں منع کرچکی ہوں' تو میرا ان سے کیا تعلق ہے اب؟" اسے برا لگا تھا۔

"تم نے ہمیں منع کیا تھا' ہم نے انہیں ہری جھنڈی نہیں دکھائی تھی اب تک' لیکن اب وہ خود دامن چھڑا رہے ہیں' کہتے ہیں کہ جیل میں رہ ے' سزا یافتہ کی لڑکی اپنے خاندان میں لانا ہمیں منظور نہیں ہے۔"

سرسری سے انداز میں خبری پڑھ کر آپا گل نے اپنا اور جویا کا حساب فوری طور پر برابر کیا تھا۔

شاکرہ بیگم دوپٹہ منہ پر رکھ کر رونے میں مشغول ہوئیں۔ جویا کا رشتہ تو ایک طرح سے پہلے ہی ختم تھا' اصل تکلیف انہیں جیل والے طعنے سے ہوئی تھی۔

"ایک تو اس سلمان نے وکیل بھی ایسا بے کار کیا ہے جو بس پیسے لیے جارہا ہے' ابھی تک ضمانت بھی نہیں کرائی گئی ہے اس سے' پیسے بھی جمع ہوگئے ہیں عدالت میں' آپ اس سے کہہ کر وکیل کیوں نہیں چینج کروائیں۔"

آپا گل کے تعلقات' گھر اور سامان کے بکنے کے دوران سلمان سے پھر کشیدہ ہوچکے تھے' سو اسی حساب سے غصہ بھی زیادہ آیا تھا۔

"وہ یہاں آتا ہی کب ہے' بس فون پر تا دیتا ہے کہ اب کیا ہوا' یا ہوگا۔"

دوپٹے سے آنسو صاف کرتے ہوئے شاکرہ بیگم نے ٹھنڈی سانس لی تھی۔

"آپ بھی تو اس کی باتوں میں آجاتی ہیں' کہا بھی تھا میں نے کہ پیر کرامت شاہ کو آزمالیں' کوئی مانا ہی نہیں۔"

چائے کا گھونٹ پیتے ہوئے انہوں نے جس طرح ترچھی آنکھوں سے جویا کو دیکھا تھا۔ کوئی پرانے سے دن ہوتے تو

وہ ایک بار تو ضرور ہی ہنس پڑتی۔

شاکرہ بیگم نے کوئی تبصرہ ضروری نہیں سمجھا۔ یہ قصہ بہت بار دہرایا جا چکا تھا اور وہ بھی جتنا افسوس کر سکتی تھیں کر چکی تھیں۔

"اور کیا کہہ رہی تھیں جویا کی ساس۔" وہ اپنا مزید دل دکھانے کے لیے تیار رہی تھیں۔

"وہ میری ساس نہیں ہیں۔" جویا نے تلملا کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"پتا ہے، مگر اب عادت ہو گئی ہے اس طرح کہنے کی۔ تم کیوں برا مانتی ہو۔"

"چھوڑیں اسے، اگر اس نے ہی عقل سے کام لیا ہوتا تو یہ نوبت ہی کہاں آتی۔ سارے میں ذلیل ہو کر رہ گئے، دیکھ لیں کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔"

کہاں سے کہاں" پہنچنے میں اس کا کوئی کردار نہیں تھا۔ سو وہ جواب دینا بھی خود پر فرض نہیں رکھتی تھی، سو اطمینان سے چائے کا کپ منہ سے لگا لیا۔

"جویا کا سامان بھجوانے کا کہا ہے انہوں نے، پوچھ رہے تھے کس پتے پر بھجیں، میں نے اپنے گھر کا ایڈریس لکھوا دیا ہے، یہاں تو انچ بھر بھی جگہ نہیں ہے۔" آپا گل کی بات میں مسئلہ اور اس کا حل دونوں ہی موجود تھے۔

"ہو سکے تو اپنے کسی کمرے میں رکھ کر بند کروا دو سامان، جب شادی ہو گی جویا کی، کام آجائے گا۔" شاکرہ بیگم کی سمجھ داری کو آپا گل نے بڑی حیرت سے سنا۔

"آپ کو لگتا ہے کہ ابھی جلد ہی زویا یا جویا میں سے کسی کی شادی ہو سکے گی؟ بہتر ہو گا کہ ابھی پہلے اپنے حالات کو بہتر ہونے دیں، معلوم نہیں کتنا وقت لگے گا اس سب میں، سامان میں خرید لوں گی آپ سے، فکر مت کریں۔"

ان کی دلی خواہش پوری ہو رہی تھی۔

جویا نے یوں ہی اٹھ کر ٹی وی کا بٹن آن کیا۔

"قلم کی حرمت کو برقرار رکھنے والے ایک ایسے دانشور جن کے مداحوں کی تعداد ہزاروں میں نہیں لاکھوں میں ہے، جن کے قلم کا لکھا ایک ایک حرف لاکھوں دلوں کو ایک ساتھ اپنا اسیر کرتا ہے، ہماری خوش قسمتی ہے کہ آج وہ ہمارے ساتھ۔۔۔"

ایک بہت پاپولر ٹاک شو جو رات شاید آ چکا تھا اس وقت دہرایا جا رہا تھا۔

جویا نے بہت دلچسپی سے اس تعارف کو سنا اور سامان کی تفصیل بتانے والی آپا گل کی نگاہ بھی بے دھیانی میں وہیں جا کر رکی۔

"بہت احترام اور محبت کے ساتھ خوش آمدید کہتا ہوں جناب اسلام احمد کو جو آج ہمارے مہمان۔۔۔"

وہ نرم مسکراہٹ والا شفیق چہرہ اسکرین پر روشن ہوا۔

چند لمحوں کے لیے تو جیسے سب ہی کچھ پس منظر میں چلا گیا تھا۔

آپا گل اور شاکرہ بیگم کے درمیان کھڑا موضوع اپنی ساری اہمیت کے ساتھ گم ہوا۔

جویا نے چہرہ موڑتے ہوئے ان دونوں کے پیلے پڑتے ہوئے چہروں کو دیکھا اور آنکھ کے کونے پر ٹکے آنسو کے قطرے کو انگلی کی نوک سے جھٹک کر گرایا۔

(اگلی قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عالیہ بخاری

[illegible]

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ شاہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بہت نازو نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار الٹی انتہا تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے مقصد گزارنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ نقدی گمشدگی کا دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایماندار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو ہے۔ دنیا میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما لیتے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارت کی دھوم ہے۔ پیچھے ہی بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویریہ کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر فرق ڈالا ہے۔ ... چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی روزی سیگل سے کر دی جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نہایت مطمئن ہے۔ جویریہ اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ ہفتے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ، حامدہ، بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان، رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی مہربانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات پوری کرتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے کڑھنے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس حادثے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے گھر باربی کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی دلجوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالک کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی جدائی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح نوکر تیز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل ہے، ان کا تعلق ماہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے خدا بخش کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔

سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

جویا کا رشتہ آناً فاناً طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی کوششیں شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے۔ وہ جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے تو وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر طوبیٰ، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ، جویا کو آسانی سے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ، آپا گل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔

صندل کو رانی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکنے لگتے ہیں وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

۳۷
سینتیسویں قسط

جاتی سردیوں کی نرم دھوپ اگلے پچھلے احاطے اور برآمدوں میں پھیلی تھی۔
زری نے دادی کے کمرے کی کھڑکیوں سے پردے سرکا کر کھڑکیاں کھولیں تو نرم سی دھوپ کمرے کے اندر تک اتر آئی۔
دھوپ کا حرارت بھرا احساس بڑا ہی سکون بخش تھا۔ زری کے لبوں پر خود بخود ہی ہلکی سی مسکراہٹ پھیلنے لگی۔ کچی آبادی کے گھٹے ہوئے تاریک ڈیڑھ کمرے والے گھر کے بعد اونچی چھتوں اور کھلے کھلے کمروں، برآمدوں والے اس روشن اور پرسکون گھر میں گزرنے والا وقت ناقابل بیان حد تک اس کے لیے خوشی کا باعث بنا ہوا تھا۔
کہیں نہ کہیں بھولے سے ہی سہی کوئی نیکی تو اس سے سرزد ہو ہی گئی ہے، جو وہ یوں فرش سے عرش پر آ گئی۔
"اور جو سعیدہ بھابی، بس ایک نظر ہی دیکھ لیں کہ وہ کیسے ٹھاٹھ سے اتنے بڑے گھر میں رہ رہی ہے تو جل کر خاک ہی ہو جائیں، ہاں دونوں بچے بہت خوش ہوں گے، وہ اپنی پیار کرتے ہیں اور خاص طور پر چھوٹا!"
سعیدہ کے جل کر خاک ہونے پر جو مسکراہٹ گہری ہوئی تھی چھوٹے کو یاد کر کے مدھم ہوئی۔
دادی نے بہت غور سے اس دھوپ چھاؤں والے منظر کو دیکھا۔
"لڑکی کے دماغ کی کوئی کل تو ڈھیلی ہے ہی!" انہیں پورا یقین تھا۔
گزشتہ رات جب معاذ ان کے پاس آ کر بیٹھا ہوا تھا تو انہوں نے اس سے بھی کہا تھا۔
جواباً "نہ وہ ہنسا نہ تردید کی" الٹا بالکل سنجیدہ ہو گیا۔
"آپ کا اندازہ درست بھی ہو سکتا ہے دادی! ذرا سوچیں ایک لڑکی جس کے ذہن میں ماں باپ کے وجود کی پرچھائیں بھی نہیں ہے، ان کی شفقت و محبت کا تو سوال ہی کیا ڈانٹ پھٹکار ذلت، ساری عمر یہی سہتی رہی غریب، ایسے میں ذہنی توازن کا بگڑنا، سمجھ میں تو آتا ہے نا! آپ کہیں تو کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھا دوں اسے؟"
وہ بڑی سنجیدگی سے ان سے مشورہ طلب کرنے لگا تھا۔ وہ جو یہ ساری گفتگو طنزیہ پیرائے میں کر چکی تھیں، اس کے پیچھے ایک ہی مقصد تھا کہ کسی طرح معاذ کو اسے کسی ادارے یا مینٹل اسپتال میں داخل کروانے پر راضی کر لیں گی۔ الٹا اور معاذ کے گھیرے میں آ گئیں۔
بڑی مشکل سے یقین دلایا تھا کہ وہ پاگل واگل نہیں بلکہ صرف غائب دماغی کا شکار ہے لوگوں میں رہے گی تو خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔ اب پتہ نہیں اسے یقین بھی آیا تھا یا نہیں۔
"اور جو کسی وقت وہ اس لڑکی کو واقعی ڈاکٹر کو دکھانے کے لیے لے گیا تو گھر میں ایک اور ہنگامہ اٹھ کھڑا ہو گا۔"
انہیں نئی فکر نے گھیرا۔
بات منہ سے نکال کر بعض اوقات یوں ہی پچھتانا پڑتا تھا، خاص طور پر اس وقت، جب بات معاذ سے کی گئی ہو۔

انہوں نے ایک جھنجلائی ہوئی نگاہ زری پر ڈالی۔
"اب وہاں کھڑکی میں آخر کیا ہے؟ جو نظارہ کیا جا رہا ہے۔"
"بہت سارے لوگ دادی! عورتیں بھی اور توی بھی رشتے دار ہیں شاید آپ کے۔"
جائزہ کر کے اس نے اطلاع پہنچائی۔
"کیا بکواس کر رہی ہے۔" وہ سچ مچ دہل گئیں۔
"اللہ جانے کوئی غیر مرئی مخلوق، نہیں دکھائی دیتی لڑکی کو۔" پہلا خیال انہیں یہی آیا تھا، لیکن وہ اسی دلچسپی سے باہر دیکھ رہی تھی۔
ہلکا سا ملا جلا شور واقعی اٹھ رہا تھا۔ اور کچھ تو آوازوں کو وہ پہچان بھی گئیں۔ چند قریبی رشتے دار ملاقات کے لیے

آئے تھے۔

مگر بہت عرصے بعد۔

انھیں زیادہ دیر حیرت میں بھی مبتلا نہ ہونا پڑا کیونکہ وہ سب سیدھے ان ہی کے کمرے میں آرہے تھے۔

"بہت دن سے یاد آرہی تھی مگر بس اس شہر میں تو کسی کو بھی فرصت نصیب نہیں بس آج کل' آج کل میں آنا ٹلتا جارہا تھا مگر اب جو اسلام بھائی کو روزانہ ٹی وی پر دیکھ رہے تھے تو سارے کام ایک طرف رکھنے پڑے' ماشاء اللہ کیسی عزت اور نام دیا ہے اللہ نے' آج کل تو ہر چینل پر نظر آرہے ہیں۔"

ایک ہی سانس میں بہت ساری باتیں' دادی نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

اس چھوٹے موٹے ہجوم میں ہر ایک کو ہی جلدی تھی کہ وہ ان سے اپنی اس گہری محبت کا تذکرہ کرسکے جس میں وہ سب ابھی دو ہفتے قبل ہی گرفتار ہوئے تھے۔

کونے میں کھڑی زری کا اب تک کسی نے نوٹس نہیں لیا تھا' مگر جب وہ سب دادی کے گرد گھیرا باندھ کر بیٹھ چکے تو سب کی ہی نظر میں وہ اچانک ہی کھٹکی۔

"یہ لڑکی کون ہے' پہلے تو نہیں دیکھا' اسلام بھائی کی تو ایک ہی بیٹی ہے نا!"

گزرے ہوئے سالوں میں اس گھر کی صرف دو ہی باتیں خاندان والوں کے لیے قابل توجہ رہی تھیں۔

نمبر ایک معاذ کی غیر اخلاقی سرگرمیاں اور نمبر دو ربیعہ اور سلمان کی منگنی کا ٹوٹنا!

دادی نے کچھ بھی کہنے سے پہلے اس بات کا پورا خیال رکھا کہ اب یہاں سے کوئی تیسری بات نہ نکلنے پائے۔

"زری بیٹا! جاکر شائستہ کو اطلاع دو مہمان آئے ہیں۔" انہوں نے سب سے پہلے اسے یہاں سے نکلنے کو کہا۔

جو مستقل منہ کھولے ان نت نئے چہروں کو دیکھ رہی تھی۔

دادی کے بدلے ہوئے لہجے نے جیسے اس کے اندر ایک نئی روح پھونکی تھی۔

"جی دادی۔" اس نے محض اتنا ہی کہا اور تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔

"زری بیٹا!" اسے یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ دادی کی زبان سے اس نے یہ الفاظ سنے۔

خوشی سے دل اتنی زور سے دھڑکا تھا کہ قابو میں آنا مشکل ہوا تھا۔

گھر آنے والے یہ مہمان' کم از کم اس کے لیے تو بڑے خوش بخت ٹھہرے تھے۔

"زری بیٹا!" اس نے دل ہی دل میں دہرا کر پھر سے مزہ لیا اور شائستہ بیگم کے کمرے کی طرف دوڑ لگائی۔

وہ پچھلے برآمدے میں بیٹھی مٹر چھیل رہی تھیں' اسے اس طرح جوش و خروش میں مبتلا دیکھ کر سخت کوفت میں مبتلا ہوئیں۔

"بہت سارے مہمان آئے ہیں امی' اُدھر دادی کے کمرے میں۔" ان کے بار بار کے منع کے باوجود وہ انہیں امی کہنے سے باز نہیں آرہی تھی۔

"ہاں آرہی تھی آواز یہاں تک' سارے کے سارے ابن الوقت' کبھی آکر جھانکا تک نہیں تھا پہلے' آج اللہ نے اچھا وقت دکھایا تو آگئے محبت کے دعوے دار بن کر' تمہیں پتہ ہے' کس حقارت سے یہ میرے معاذ کو دیکھتے تھے۔"

مٹر کے دانوں سے بھرا ہوا ڈونگا اپنے آگے سے سرکا کر وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

وہ چپ چاپ ان کی شکل دیکھتی رہی۔

"معاذ کو بھی کوئی بُرا کہہ سکتا ہے۔" اسے سن کر بھی بڑا عجیب سا لگا تھا۔

"اور آئے بھی ایسے وقت' جب کوئی نہیں ہے' ربیعہ بھی کالج میں' جو چائے پانی کرلیتی' سارے کام بیچ میں

پڑے ہیں۔"

وہ بڑبڑاتے ہوئے اس کے قریب سے گزریں' دادی کے کمرے کی طرف جانے والے کوریڈور میں مڑیں۔

دادی اتنی سی دیر میں مہمانوں کو زری کے بارے میں ایک چھوٹی سی تفصیل دے چکی تھیں۔

غریب بے سہارا لڑکی' جو ان کی کسی جاننے والی کے توسط سے یہاں گھر کے کام کاج کے لیے آئی تھی' معاذ کا سارے قصے میں کہیں ذکر نہیں تھا۔

لیکن آج کسی نے ایک دوسرے کی طرف معنی خیز نگاہوں سے دیکھنا ضروری نہیں سمجھا تھا اور نہ ہی مزید کریدنے کی کوشش کی۔

دادی کی مختصر سی بات معتبر ٹھہری تھی۔

ویسے بھی آج سب یہاں اسلام احمد کے حصے میں آئے اس عزت اور احترام میں حصے دار بننے کے لیے آئے تھے' جو ان کی دیانت داری اور سچائی کے ساتھ جھیلی گئی تلخیوں کا اجر تھی۔

"سب شان ہے میرے مولا کی!"

دادی نے چپکے سے دل میں کہا اور چشمے کے دھندلے ہوتے شیشے کو اپنی گرم چادر کے پلو سے رگڑ کر صاف کیا۔

وہاں پیچھے برآمدے میں شائستہ بیگم کے ادھ چھلے مٹروں ہی بیچ میں پڑے تھے۔

زری نے سب سے پہلے انہیں سمیٹنا ضروری سمجھا۔ مہمانوں کا کچھ پتہ نہیں تھا' کوئی اس طرف آجاتا تو کتنا برا لگتا۔

اسے کچھ ایسا ہی خیال آیا۔

کچن میں ابھی دوپہر کے کھانے کے پکنے کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا' فریزر سے نکلا ہوا گوشت کا پیکٹ باہر رکھا تھا۔

شائستہ امی نے اسے کچن میں آنے سے منع کر رکھا تھا؟ وہ اس سے کوئی بھی مدد لینے سے گریزاں ہی تھیں اب تک ان کا خیال تھا کہ ایک بار وہ اس گھر کی ضرورت بن گئی تو پھر مجبوری بننے میں دیر نہیں لگے گی اور وہ زندگی میں پہلی بار آئے فراغت کے اس احساس میں اب کسی بھی مجبوری کی تلخی کو برداشت کرنے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھیں۔

"جتنا جلد ہو' اس لڑکی کا کوئی دوسرا ٹھکانہ ڈھونڈو۔ میں بہت عرصے اسے یہاں برداشت نہیں کروں گی۔ یہ تم اچھی طرح سمجھ لو۔" اٹھتے بیٹھتے وہ معاذ کو یاد دلا رہی تھیں۔

وہ کسی وقت برا منا جاتا اور کسی وقت یقین دہانی بھی کرا دیتا کہ وہ زری کے لیے کچھ اور بندوبست کردے گا' لیکن فی الحال وہ اسے یہاں سے بھیجنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

شائستہ بیگم اس درمیانی عرصے میں اپنے رویے میں کسی بھی لچک کو نہیں آنے دینا چاہتی تھیں اور اس بارے میں ان کے اور دادی کے خیالات بالکل ایک تھے۔ زری' دادی کے کمرے میں ہی رہتی۔ یہیں اسے کھانا' چائے مل جاتی۔

کبھی کبھی ربیعہ سے دو چار باتیں ہو جاتیں' یا پھر دادی کے بولتے رہنے کی وجہ سے' تنہائی اور خاموشی کا احساس کم رہتا تھا۔

شروع میں اس نے کئی بار کوشش کی تھی کہ وہ گھر کے کاموں میں حصہ لے' یہ اس کی بڑی شدید خواہش تھی کہ وہ اس گھر اور گھر والوں کی ایسی خدمت کرے کہ ان میں سے کسی کو ہل کر پانی بھی نہ پینا پڑے۔

بس میں ہو تو اپنی ایک ایک سانس اس گھر کی نذر کرے' جان تک نچھاور دے۔

ہزار بار!

جذبے کی اس شدت کے پیچھے 'دل کا چھپا ہوا چور نہیں' بلکہ احسان مندی کا وہ شدید احساس تھا جو اس کسمپرسی اور ذلت کی زندگی سے نکل کر اس باعزت اور پُرسکون ٹھکانے کو پانے پر اس کے دل کی گہرائیوں تک اترا ہوا تھا۔

مگر یہاں کوئی اتنی گہرائی میں جھانکنے کے لیے تیار کب تھا۔

اس نے کچن میں کھڑے ہو کر صرف چند لمحے سوچا اور پھر آہستگی سے فریج اور پھر فریزر کھولا۔ اندر میزبانوں کی عدم دلچسپی کے باوجود' محفل عروج پر آچکی تھی۔

اپا کو خراج تحسین پیش کرنے کے بعد اب خاندان میں ہونے والے تازہ ترین واقعات کا ذکر جاری تھا اور آج کل محض ایک ہی بات

Talk of the town ٹھہری تھی۔

اظہار چچا کے خاندان پر آیا ہوا زوال!

"حرام کمائی کا آخر کار یہی انجام ہوتا ہے۔ بہت اونچی اڑتی تھی شاکرہ' کسی کو بھی ہم پلہ سمجھنا باعث توہین تھا' دیکھا کیسے منہ کے بل گری!"

ناظم آباد والی صفن خالہ' اظہار چچا کے گھر برسوں اسی حرام کی کمائی کی دعوتیں اڑا کر اب سب سے اونچی آواز میں قہقہے لگا رہی تھیں۔

اور ساتھ دینے والوں کی بھی کمی نہیں تھی۔

"یہ تو ہونا ہی تھا' مکافات عمل بھی تو آخر کوئی چیز ہے۔"

"توبہ توبہ استغفار!"

"اپنوں کو ٹھکرا کر غیروں سے ناتا جوڑنے چلے تھے' سنا ہے جویا کے جہیز کا سامان بھی واپس آگیا ہے۔"

کسی کے پاس یہ نئی اطلاع بھی پہنچ چکی تھی۔

سب کی توجہ فطری طور پر اس کی طرف ہوئی۔

"تم کو کس نے بتایا' کل جل تو کسی سے نہیں رہی ہیں شاکرہ بھابھی!"

"مجھے تو بدھ بازار میں' کل کی ساس ملی تھیں' انہوں نے بتایا کہ جویا کا سارا سامان ان کے گھر آیا ہے' شاکرہ بھابھی نے تو سنا ہے' بہت چھوٹا گھر لیا ہے کرائے پر' وہاں تو ذرا سی بھی جگہ نہیں ہے۔"

خبر لانے والی نے مستند حوالے دیے تھے۔ آنے والوں میں سے کئی کو شاکرہ بیگم نے خاص طور پر فون کر کے بلایا اور جہیز کا دیدار کرایا تھا۔

"لاکھوں کا جہیز تھا' ایک ایک چیز بے مثال' مگر دیکھ لیں کچھ بھی تو استعمال کرنا نصیب نہیں ہوا۔"

"سنا ہے اس کی شادی کے لیے اتنا بڑا غبن کیا تھا۔"

"کہنا تو نہیں چاہیے مگر اس لڑکی کے ساتھ تو کچھ نحوست کا سلسلہ ہے' ورنہ اس سے پہلے سلمان کی کیا شاندار شادی ہوئی تھی۔"

"واقعی!" جویا کی بدقسمتی کنفرم ہوئی۔

دادی جو مہمانوں کی آمد پر ہمیشہ بہت ہی خوش ہوتی تھیں' آج خاموش تھیں اور دکھی بھی!

انہیں یہ سب برا لگ رہا تھا۔

اور سب سے زیادہ برا شائستہ بیگم کا ان باتوں کو دلچسپی سے سننا۔

وہ جو بڑی رکھائی سے ان سب سے ملی تھیں' اظہار چچا کے گھرانے کے ذکر پر وقتی طور پر ساری ناراضی بھول کر

اس سب کو سننے میں محو تھیں۔

"شائستہ! چائے تو بنالو!" دادی کو انہیں آخر ٹوکنا پڑا تو وہ بھی چونک سی گئیں۔

اتنے سارے لوگوں کی۔ چائے پانی...

ربیعہ کی غیر موجودگی۔

وہ بوکھلائی ہوئی دادی کے کمرے سے نکلیں۔

مہمان اتنے ہی ناپسندیدہ تھے جتنے اظہار چچا کے گھر والے' لیکن اس وقت نہ چاہتے ہوئے بھی وہ انہیں تھوڑا سا فیور دینے پر مجبور تھیں۔

پھر یہ کہ اپنے گھر آئی خوشحالی کی جھلک دکھانے کی فطری سی خواہش انہیں بھی بہرحال تھی۔

انہوں نے کوریڈور سے نکل کر کچن کی طرف جاتے ہوئے پچھلے برآمدے میں لگے ہوئے وال کلاک کی طرف دیکھا۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا۔

مہمانوں کو نمٹا کر' دوپہر کے کھانے کو بھی دیکھنا تھا۔ معاذ شام کو دیر سے آتا تھا لیکن باقی تو سب ہی دوپہر کے کھانے پر ہوتے تھے۔

کبھی کبھی تو ربیعہ کو ایم اے میں ایڈمیشن دلانے کے فیصلے پر بھی افسوس سا ہونے لگتا تھا۔

"بیٹیوں کے بھی بڑے سکھ ہیں۔"

وہ کچن سے چند قدم کے فاصلے پر ہی تھیں کہ فضا میں اڑتی مزیدار سی خوشبو نے بے تاب کیا۔

وہ بڑی تیزی سے اندر آئیں اور اسی تیزی سے اپنی جگہ تھم سی گئیں۔

سامنے ٹرالی پوری طرح سیٹ تھی۔

رول' کباب' مٹھائی' پھل' پلیٹیں' چمچے' ٹشو پیپر' بہت سلیقے کے ساتھ سب کچھ رکھا گیا تھا۔

زری نے چائے کا پانی چولہے پر رکھتے ہوئے' مڑ کر سہمی ہوئی نگاہ ان پر ڈالی۔

"کچھ بعید نہیں کہ وہ ابھی اس سارے اہتمام کو مسترد کر دیں' جو ان کی مرضی کو جانے بغیر وہ کر چکی ہے۔ اس کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

وہ ان کے فریج' کیبنٹ اور کچن میں مداخلت کا جرم کر چکی تھی اور اب سو فیصد ان کی ناراضی کی حق دار تھی۔

کچن کی سلیب پر انگلی پھیرتے ہوئے' وہ سر جھکائے منتظر تھی کہ

"چلو یہ سب لے آؤ وہیں' اور پھر تھوڑی دیر بعد چائے بھی بنا لینا۔"

اس نے انہیں عقب سے کہتے سنا' ان کی آواز بے تاثر تھی کہ نہ سختی' نہ نرمی' سو وہ اندازہ نہ لگا سکی کہ انہیں اس کی کارکردگی اچھی لگی ہے یا بری' لیکن کم از کم انہوں نے اسے قبول تو کر لیا تھا۔

وہ بڑی طمانیت سے مسکرائی۔

☆ ☆ ☆
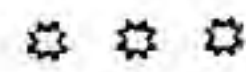
وہ کب سے یہاں آکر بیٹھا تھا۔

گو ساجد کے آنے میں ابھی خاصا وقت باقی تھا' مگر وہ چونکہ فارغ تھا' سو یہاں آکر بیٹھ گیا۔

یہاں آنے کے لیے کچھ تو تھا' کم از کم انتظار ہی سہی۔

اس کا خیال تھا کہ سہ پہر کے اس سوئے سوئے سے وقت میں' یہاں باغ کے اس پُرسکون گوشے میں وہ

تھوڑی سی نیند لے سکے گا مگر۔
فرصت' تنہائی اور خاموشی نے دھیان کو سیدھا اسی راہ پر ڈالا جس سے وہ بچتا پھرتا تھا۔
صندل کا گھر' اس کی کامیابی اور گیتی آرا اس نے اضطراب کے عالم میں پہلو بدلا۔
صندل کا اس دن ٹی وی پر دکھایا جانا اوروں کے لیے بے شک ایک معمول کا پروگرام ٹھہرا تھا مگر اس کے لیے تو جیسے راستے کا آخری حائل اسٹون ثابت ہوا تھا جس کے آگے منزل کے بجائے راستہ گم ہوا تھا۔
نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے دباتے ہوئے اس نے ایک بار پھر اس واضح اعلانِ لاتعلقی کو یاد کیا' جو صندل نے کمال یقین سے ٹی وی پر کیا تھا۔
"خالہ فیروزہ لاولد تھیں۔"
شناخت کی یہ آخری کیل اس رشتے کے تابوت میں ٹھونکی جاچکی تھی' جو اس کے لیے ہمیشہ باعثِ شرم رہا تھا۔
اب وہ کھل کر سانس لے سکتا تھا' سر اٹھا کر جی سکتا تھا۔ کسی سے بھی اپنا تعارف پورے اعتماد سے کرا سکتا تھا۔
نانی ستارہ جان اور فیروزہ کون تھیں؟
خدا جانے۔
اس کا اب کوئی بھی حوالہ ان سے نہیں ملتا تھا۔
روزِ قیامت وہ ضرور ماں کے نام سے پکارا جائے گا مگر اس روز کی شرمندگی اور پچھتاوے فیروزہ کی نسبت سے بھی کہیں زیادہ بڑے اور شرمناک ہوں گے شاید۔
اندر ہی اندر کچھ ہوتا ضرور تھا' لیکن باقی سب کی طرح اسے بھی روزِ آخری شرمندگی کے بجائے' دنیا کی شرم کھاتی تھی۔
یہ آخری احسان تھا' جو نانی ستارہ کے خاندان نے اس پر کیا تھا۔
ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ' وہ ان کا کم از کم اب تو شکر گزار ہوتا' لیکن صندل کا اعتماد سے اٹھا ہوا سر اور بے نیاز انداز' دل میں کسی پھانس کی طرح گڑا تھا۔
"بھلا ہر بار وہی کیوں؟"
پیشانی کو رگڑتے ہوئے اس نے سامنے کھیلتے بچوں پر نگاہ جماتے ہوئے خود سے شکوہ کیا۔ اس کا وجود' اس کی نازو نعم میں ہوتی پرورش اس کو بے بہا لی محبتیں اور اب اس کا حال اور مستقبل بھی...
یہ سب ان ہی معتوب عورتوں کا قرض دار تھا جن سے تعلق پر اس نے ہمیشہ شرم کھائی تھی' اب اگر وہ انہیں کہیں سر راہ مل بھی گیا تو شناسائی کی کوئی ہلکی سی رمق بھی ان میں سے کسی کی آنکھ میں کہیں جاگے گی۔
بینچ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے خیام نے اپنی جلتی ہوئی آنکھوں کو بند کیا۔
"کیا ہوا خیام بھائی! سوگئے؟" ساجد خاموشی سے اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا تھا۔
"نہیں بس ایسے ہی۔" وہ ہلکے سے مسکرایا۔
"رات کو نیند نہیں آئی کیا؟" ساجد بہت فکر مندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"بہت کمزور ہو رہے ہیں' رنگ بھی کم ہوتا جا رہا ہے آپ کا' کچھ کھایا پیا کریں نا!"
اسے بے ساختہ ہی نانی ستارہ یاد آئیں۔
جب وہ ٹھیک ٹھاک چین کی بانسری بجاتا تھا' اور مشقت اور سختی کی یہ کڑی دھوپ خاصے فاصلے پر تھی۔ تو بھی انہیں اس کے لیے ایسی ہی تشویش رہا کرتی تھی۔

"کیا ہوا! اتنے چپ کیوں رہنے لگے ہیں' کیا رات میں بالکل نیند نہیں آئی؟"
"نیند بستر پر آتی ہے۔"
وہ ہلکے سے ہنس پڑا' ساجد کی سمجھ میں اس کی ہنسی کی وجہ بالکل بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔
"کیا ہو گیا ہے آپ کو خیام بھائی! کہاں رہتے ہیں ساری رات آج کل؟" وہ اس کے قریب بیٹھ چکا تھا اور اتنا پریشان نظر آرہا تھا کہ خیام کو بے ساختہ ہی اس پر پیار آیا۔
"تم میری فکر مت کرو' بتاؤ کام کیسا چل رہا ہے؟"
اس بار اس نے دانستہ موضوع بدلنا چاہا تھا' مگر ساجد نے بڑی لاپروائی سے ہاتھ ہلاتے ہوئے اس کی کوشش کو رد کیا۔
"پہلے میری بات کا جواب دیں سچ سچ؟" اس کا اصرار بڑھنے لگا تھا۔
خیام کو حالت زار بیان کرنی ہی پڑی۔
"فی الحال تو کوئی بھی ٹھکانا نہیں ہے یار! رات گئے تک کسی تندور وغیرہ پر بیٹھا رہتا ہوں' اگر وہ اجازت دے دیتے ہیں تو تھوڑے سے پیسے لے کر وہیں کسی بینچ پر تھوڑی دیر سونے دیتے ہیں۔ اصل میں یہ لوگ بھی صرف اپنے علاقوں سے آنے والوں کو ہی جگہ' چارپائی' بستر دیتے ہیں۔ وہ بھی کسی کی ضمانت کے لیے حالات اتنے خراب ہو چکے ہیں کہ لوگوں کا ایک دوسرے پر سے اعتبار اٹھ چکا ہے' اجنبیوں پر اب کوئی بھروسہ نہیں کرتا۔ اور ایک طرح سے ٹھیک بھی ہے۔"
اپنی بات ختم کر کے وہ ایک بار پھر ہنس پڑا شاید خود اپنے آپ پر' مگر ساجد بالکل سنجیدہ تھا۔
"ٹھیک نہیں ہے' بالکل بھی ٹھیک نہیں ہے۔"
وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔
"چلیں آپ' ابھی میرے ساتھ چلیں' سامان کہاں ہے آپ کا؟"
کھڑے ہوتے ہوئے اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔
"وہ میں نے وہیں تندور والے کے پاس رکھوایا ہے' اس چھوٹے سے بیگ کے بھی پیسے لے رہا ہے وہ۔" خیام نے اس کی الجھن دور کی۔
"چلیں پھر پہلے سامان لیتے ہیں وہاں سے۔" خیام کا ہاتھ پکڑ کر وہ اسے اٹھانے میں کامیاب ہو چکا تھا' وہ حیران پریشان نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ساتھ کھنچا چلا گیا۔
اس پُر ہجوم اور پُر ہنگامہ شہر میں یہی چھوٹا سا لڑکا اس کا محسن بھی تھا اور ہمدرد بھی۔ تندور والے سے اپنا بیگ لے کر دو بسیں بدلنے اور کتنی ہی دیر پیدل چلنے کے دوران میں بار بار پوچھنے کے باوجود بھی جب وہ کچھ نہیں جان پایا تھا تو آخر کار خود کو ساجد کے رحم و کرم پر چھوڑ کر خود بالکل ہی الغرض ہو رہا۔
کچی آبادی کی ٹیڑھی میڑھی نہ ختم ہونے والی گلیاں اس کے پاؤں تلے طے ہوتی چلی گئیں۔
تب لوہے کے ایک چھوٹے سے دروازے کے سامنے اس سفر کا اختتام ہوا۔
"یہ میرا گھر ہے۔" حقِ ملکیت کا ہلکا سا غرور' بڑا ہی فطری تھا۔
خیام نے دلچسپی سے اس چمکتے ہرے رنگ کے گیٹ کو دیکھا جس سے اٹھتی ہوئی پینٹ کی خوشبو بتا رہی تھی کہ ابھی تازہ تازہ ہی کرایا گیا ہے۔
"یہ میرا گھر ہے اور اب آپ کا بھی' سمجھ میں آگیا؟" کنڈی بجاتے ہوئے اس نے پورے یقین کے ساتھ خیام کی طرف دیکھا تو وہ بے ساختہ ہی دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"نہیں نہیں' میں نہیں رہوں گا یہاں' وہ تمہارے خونخوار ابا' تمہیں بھی الٹا لٹکا دیں گے۔"
ساجد کی زبانی اتنی بار وہ اس کے باپ کی کہانیاں سن چکا تھا کہ اندر قدم بھی رکھنے کے لیے تیار نہیں ہوا' ساجد زور سے ہنس پڑا۔
"کچھ نہیں ہوتا' ہم بھی تو اتنے عرصے سے بھگت رہے ہیں۔ آپ بھی برداشت کرلیجئے گا اور پھر اماں بھی تو ہیں بہت پیار کرنے والی' ابا کا سارا غصہ بھلا دیتی ہیں۔"
"وہ تمہاری اماں ہیں' میری نہیں۔"
"مائیں سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔ پیار کرنے والی اور بس۔"
خیام کو اس کی بات پر تبصرے کا موقع بھی نہیں مل سکا' دروازہ کھل چکا تھا اور سامنے ساجد کی اماں کھڑی مسکرا رہی تھی۔
"یہ خیام بھائی ہیں۔ میرے دوست!"
"آجاؤ بیٹا! ساجد تو تمہارا ہر وقت ہی ذکر کرتا ہے' بہت پیار کرتا ہے تم سے۔"
اس کے سلام کے جواب میں' سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ بڑی خوش ہو کر کہہ رہی تھی۔
خیام کو پہلی نظر میں ہی وہ بڑی اچھی لگی۔
دبلی پتلی چھوٹے سے قد کی سیاہی مائل رنگت والی عورت جس کے سخت اور کھردرے ہاتھ پاؤں اس کی زندگی بھر کی مشقت کی داستان سناتے تھے اور کاٹن کا سستا سا سوٹ اور سر پر پھیلا کر اوڑھا گیا' دوپٹہ اس کی سادگی کی۔
وہ ایک مکمل ماں تھی۔
خیام کے خیال و خواب میں ماں کا یہی روپ اعلا اور ارفع تھا۔
خوب صورت' حسین' قیمتی ملبوسات اور زیورات میں لدی پھندی' خوشبوؤں میں مہکتی عورتوں سے اسے خوف آتا تھا۔
آسیب زدہ لگتی تھیں وہ۔ ساری ایک جیسی۔ ماں کے تصور سے بھی کوسوں دور۔
ساری عمر اپنا جہنم قدموں تلے لیے چلتی تھمینہ بھی کبھی اسے کبھی اور صندل کی ماں نہیں لگی اور نہ ہی نانی ستارہ کے کمرے کی دیوار پر منقش فریم میں قید حسین و جمیل فیونہ اتی۔
ہمیشہ وہ اس تصویر سے نگاہ بچا کر چلا تھا۔
"ادھر ہاتھ منہ دھو لو میں چائے بنا کر لاتی ہوں' کھانا تو عشاء کے بعد ہی کھاؤ گے نا۔"
ایک روایتی سا گھر جہاں زندگی کے معمولات نمازوں کے اوقات کے ساتھ بندھے تھے۔
"ہمارے گھر میں صرف اماں نماز پڑھتی ہیں' باقی کوئی بھی نہیں' ابا تو کبھی عید کی نماز پڑھنے بھی نہیں گیا۔" ہاتھ منہ دھوتے ہوئے ساجد نے سرسری سے انداز میں اطلاع دی۔
عجیب سی بات تھی۔ باپ کے بارے میں بات کرتے ہوئے اس کے پاس نہ تو خوش گوار لہجہ ہوتا اور نہ ہی اچھے الفاظ لیکن ماں' ماں تھی۔
"خیام بھائی اب ہمارے ساتھ رہیں گے اماں! تم ذرا ابا کو سمجھا لینا۔"
"کیا!" اماں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "اپنے ابا کا پتا ہے نا' قیامت کھڑی کردے گا ایک سیکنڈ میں' میں تو کبھی اپنے ہی کسی رشتہ دار کو کچھ دن کے لیے رہنے کر کیا ہے تو اسے کیا ہو گیا ہے تیری عقل کو ساجد۔"
صحن کے کچے فرش پر بنے چولہے کے پاس بیٹھی بتول اور ساجد کی گفتگو سرگوشیوں میں تھیں۔ مگر سامنے برآمدے میں چارپائی پہ بیٹھے خیام کو ان دونوں کے تاثرات کوئی اچھی خبر نہیں دے رہے تھے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی'

اس کی نگاہ بار بار اسی طرف اٹھ رہی تھی۔
"میرا بھی تو حق ہے گھر پر' برابر کا کماتا ہوں' بلکہ ابا سے زیادہ آمدنی ہے میری' سارے گھر کا خرچ میرے ذمہ ہے تو کیا ایک دوست کو کچھ دن اپنے گھر بھی نہیں رکھ سکتا' یہ تو ناانصافی ہے اماں!"
ساجد جذباتی ہو رہا تھا اور اس بحث مباحثہ میں اس کی آواز بے ساختہ ہی کچھ اونچی بھی ہوئی تھی۔
"آہستہ بول بیٹا! تیرا دوست سن لے گا۔"
"میں کچھ نہیں جانتا اماں! خیام بھائی کا اس شہر میں میرے علاوہ کوئی نہیں ہے' یہ بات تو ابا کو میری ماننی ہی پڑے گی' ورنہ میں بھی یہاں نہیں رکنے والا۔"
"کیا بکواس کر رہا ہے۔" بتول کے دل کو دھکا سا لگا۔
"آجائیں خیام بھائی! آپ کو اپنی گلی کے لوگوں سے ملا کر لاتا ہوں' اتنے کھانا بھی پک جائے گا۔" ساجد چبوترے سے اتر کر خیام کو ساتھ لے کر گلی میں نکل گیا۔
بتول نے بڑی فکر مندی نگاہوں سے ان دونوں کو جاتے ہوئے دیکھا۔

☆ ☆ ☆

وسیع و عریض کمال ہاؤس میں معمول کا سناٹا تھا۔
"یوسف!" جب وہ لاؤنج سے گزرتے ہوئے باہر کی طرف والے دروازے کی طرف جا رہے تھے' انہوں نے عقب سے اپنی بیوی کو پکارتے ہوئے سنا۔
"کتنی بار کہا ہے کہ جب میں جا رہا ہوں تو مجھے مت روکا کرو' کوفت ہوتی ہے سخت۔"
انہوں نے بہت ناگواری سے ان کی طرف دیکھا۔ جواباً" وہ صرف ایک ٹھنڈی سانس ہی بھر سکیں۔
"زوبیہ آئی بیٹھی ہے' کچھ بات کرنی ہے اسے۔"
"معلوم ہے مجھے کیا بات کرنی ہے اسے۔" یوسف کمال کے ماتھے پر آئی شکن اور بھی گہری ہوئی۔
"اور اسے میرا جواب بھی معلوم ہے' اس کے نکھٹو ناکارہ شوہر کو میں مزید نہیں پال سکتا' میں نے اسے اپنے آفس سے نکال دیا ہے' البتہ اس کی تنخواہ کے پیسے زوبیہ کے اکاؤنٹ میں جمع ہوتے رہیں گے' اس سے زیادہ میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا ہوں۔"
"کیوں نہیں کر سکتے' اکلوتی بیٹی ہے وہ آپ کی' یہ سب کچھ آخر اسی کا تو ہے' اسی کو دو گے آخر کار!"
"غلط فہمی ہے تمہاری!" اس بار وہ بہت سکون سے مسکرائے۔
"زوبیہ جیسی نافرمان بیٹی اور اس کے شوہر کو اپنی محنت سے کمائی گئی دولت کا حق دار بنانے کے بجائے میں اس کو کسی چیریٹی کی نذر کرنا' زیادہ بہتر سمجھوں گا۔ اس سے کہو کہ وہ سلمان کو کہیں اور جاب ڈھونڈنے کا مشورہ دے' شاید کوئی بے وقوف اسے رکھنے کے لیے تیار ہو جائے۔"
"ڈیڈی پلیز۔" زوبیہ کمرے سے نکل کر باہر آچکی تھی۔
"میری ساری فرینڈز ہنسیں گی مجھ پر' جب وہ سلمان کو کہیں اور کام کرتا ہوا دیکھیں گی' اور مجھے خود کتنا برا لگے گا' جب وہ کہیں اور معمولی نوکری کر رہا ہو گا۔ کیا عزت رہ جائے گی میری' سوچیں تو سہی۔" وہ جیسے رو دینے کو تھی۔
"انسان پر جب برا وقت آتا ہے تو اپنا سایہ بھی ڈراتا ہے۔ تمہاری سہیلیاں' جتنا ہنسنا تھا ہنس چکی ہیں' جب تم نے سلمان سے شادی کی تھی' اور تمہاری جو تھوڑی بہت عزت میری وجہ سے بنی ہوئی تھی' وہ تمہارے سسر کی شہرت کی نذر ہو چکی ہے سو اب یہ واویلا بھی بے کار ہے۔"

وہ زوبیہ کو بے تاثر سے انداز میں دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔
"تمہیں پتا ہے' جتنے لوگوں نے تمہارے شادی میں شرکت کی' انہوں نے فون کر کے مجھ سے کنفرم کیا ہے سلمان کے باپ کے بارے میں۔ لوگوں کی یادداشت دوسروں کی خامیوں کو یاد رکھنے کے بارے میں ہمیشہ بہت اچھی ہوتی ہے۔"
"میں ان لوگوں سے نہیں ملتی ہوں ڈیڈی! میں نے انہیں کبھی منہ نہیں لگایا" اور اب تو سلمان بھی تقریباً" چھوڑ چکا ہے جانا آنا۔"
وہ ان کے بالکل قریب آ کر کھڑی ہوئی۔
اس کے چہرے پر بڑھتی ہوئی عمر کے اثرات کے ساتھ تھکاوٹ کا احساس بھی پوری طرح قدم جما چکا تھا۔ وہ بالکل اپنی ماں کی کاپی تھی۔
لوسط سے بھی نیچے آئی ہوئی' جسے بمشکل گوارا کیا جا سکتا تھا۔
کہیں سے بھی تو وہ ان کی بیٹی نہیں لگتی تھی
ان کی فطری حسن پرستی کسی کسی وقت دل کو بڑا ہی دکھاتی تھی۔
"آپ جو کہیں' وہ میں کرتی ہوں' اگر سلمان سے طلاق لینا۔۔۔"
انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کو کہا تو وہ بات بھی ادھوری ہی رہ گئی۔
"جو بھی فیصلہ کرو' سوچ سمجھ کر کرنا' اگر خود کو سنبھال سکتی ہو تو ٹھیک ہے' ورنہ اب اس عمر میں کوئی مناسب شخص ملنا تو ذرا مشکل ہی ہو جاتا ہے۔"
"مگر تم تو سالار میں انٹرسٹڈ ہو' زوبی کی شادی اگر اس سے ہو جاتی ہے تو پھر تو بات ہی کیا ہے' آج ہی اس منحوس سلمان سے پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔"
مسز کمال نے تڑپ کر انہیں کچھ یاد دلانا چاہا۔
زوبیہ نے تشکر بھری نگاہوں سے ماں کو دیکھا۔
"بڑی بھول ہوئی ہے مجھ سے ڈیڈی! سلمان سے شادی میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہے' میں اسے نبھا بھی لیتی لیکن وہ اتنے نچلے درجے پر جا چکا ہے کہ۔۔۔"
"سالار نہیں کرے گا زوبیہ سے شادی۔"
ایک بار پھر وہ اس کی بات کاٹ چکے تھے اور سرد لہجے میں کہی گئی یہ بات دونوں ماں بیٹی کا حوصلہ توڑنے کا سبب بنی تھی۔
"کیسے نہیں کرے گا۔ کیا خرابی ہے زوبی میں' صرف ایک شادی ہی تو ہوئی ہے پہلے' وہ بھی کون سا کنوارا پھر رہا ہو گا' سالوں غائب رہا ہے۔ پتہ نہیں کتنی کر کے چھوڑ چکا ہو گا' اب تو صورت شکل کا بھی خاص نہیں صرف پیسہ' شاید ہم سے کچھ زیادہ ہے۔"
مسز کمال نے اپنی دانست میں بڑا منصفانہ تجزیہ کیا تھا۔ مگر اتنی دیر میں وہ پہلی بار مسکرائے۔
"پیسہ تھوڑا نہیں' کافی زیادہ ہے ہم سے۔ اتنا کہ تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتیں۔ یا شاید لگا بھی سکتی ہو۔"
"تو پھر کیا برائی ہے اگر وہ پیسہ زوبی کی قسمت بن جائے۔ آخر تمہاری بہن بھی تو آج تک' سالار کے باپ کی ہی دولت پر عیش کرتی آئی ہیں۔ اور اب تو سالار تمہارے بہت قریب آ چکا ہے' بہت اچھے تعلقات ہیں تمہارے اور اس کے' تھوڑا سا بھی زور دو گے تو مان جائے گا' اسے بھی کسی سرپرست کی ضرورت ہے آخر' کوشش تو کرو تم یوسف۔!"

"وہ کبھی بھی زوبیہ سے شادی نہیں کرے گا' میں صرف اتنا جانتا ہوں۔"
انہیں دیر ہو رہی تھی' سو وہ جھنجلا کر واپس مڑے۔ عورتوں کو سمجھنا اور سمجھانا دونوں ہی مشکل ترین کام
"کیسے جانتے ہو؟ کوئی فال نکلوائی ہے یا زائچہ بنوایا ہے سالار کا؟"
مسز کمال بڑبڑاتے ہوئے ان کے پیچھے دروازے تک آئیں۔
"وہ کسی اور سے محبت کرتا ہے۔ گہری اور سچی' پھر کیسے شادی کرے گا زوبیہ سے" آیا سمجھ میں۔"
تپے ہوئے لہجے میں انہوں نے آخری پتہ بھی شو کیا۔
"اور یہ اس کے زائچے میں نہیں' آنکھوں میں لکھا دیکھا ہے۔ میں نے' مگر یہ بھی تمہاری سمجھ سے اوپر کی بات ہے' صرف وہ سمجھ سکتا ہے' جس نے زندگی کے کسی دور میں کسی سے واقعی محبت کی ہو۔"
دروازہ کھول کر وہ تیزی سے بیرونی سیڑھیاں اترتے چلے گئے۔
اس بار وہ ان کے پیچھے جانے کے بجائے اپنی جگہ پر جمی کھڑی رہ گئیں۔
یہ محض یوں ہی ہوا میں چلایا ہوا تیر نہیں تھا۔ یوسف کمال کی اپنی زندگی سے جڑی سچائی تھی۔
"کیا وہ اب تک اسے نہیں بھولا؟" "اتنی مدت بعد بھی۔" ایک بڑا سا سوالیہ نشان ادھ کھلے دروازے کے بیچ آ کھڑا ہوا۔
سامنے بڑے سارے گیٹ سے نکلتی گاڑی میں بیٹھے یوسف کمال نے ایک گہری سانس لے کر خود کو کمپوز کرنا چاہا۔
آج دل میں کوئی اور ہی درد جاگا تھا۔
باہر سڑک پر دوڑتے بھاگتے لوگ' گاڑیاں' اک ہجوم دنیا۔
اور ہم اس ہجوم کا ایک غیر محسوس' مگر اہم حصہ اور اس ہجوم میں کہیں نہ کہیں وہ بھی تھا۔
انہوں نے اپنے مستقل بجتے موبائل کو بند کیا۔
اس وقت کسی سے بھی بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

شام آہستہ آہستہ ڈھلی۔
آسمان پر پھیلی سرخی سیاہی مائل نیلاہٹ میں بدلنے لگی۔ شامانے اگلے برآمدے کی لائٹس جلانے سے پہلے یوں ہی بالکونی میں کھڑے ہو کر' محلے کا جائزہ لیا۔ ایک ساتھ سر جوڑے کھڑے' بچھے' گلیاں اور دریچے' شام کے اس بالکل آخری پہر میں کیسے ویران اور مایوس دکھائی دیتے تھے۔ جیسے یہاں کے مکین اپنے آپ میں ان گنت ان کہی کہانیاں سمیٹے ہوئے۔ رازداری کا بھرم رکھتے ہوئے۔
کلف لگے کالر اور پگڑیوں کی عزت بچاتے ہوئے' خود کو کوچۂ ملامت میں' چاروں طرف سے پڑتے پتھروں کی زد پر رکھ کر۔
کہ اب اپنے گریبان میں جھانکنے کا دور بھی کب کا وقت کے دھندلکوں میں گم ہوا۔
اب پہلا' دوسرا' تیسرا' چوتھا پتھر مارنے والوں کی کوئی کمی نہیں۔
لوگ اپنے ماتھے پر گہرے ہوتے سجدوں کے نشان اور عمرے' حج کی تعداد گنواتے ہوئے' اپنے جنتی ہونے کی بشارت خود اپنے آپ کو اور ہر ملنے جلنے والے کو خود اپنے منہ سے دیتے ہیں۔
ان کے گرد قائم اگر حق کے معطر حصار کے باہر ہر شخص گناہ گار اور حقارت کی نظر کا مستحق۔ دور کہیں مسجدوں

سے اذان مغرب بلند ہو رہی تھی شاما نے ادب سے دوپٹہ سر پر لپیٹا۔ دونوں ہاتھ جوڑ کر استغفار پڑھی اور بے محابا گرتے آنسوؤں کو رگڑ کر صاف کرتے ہوئے لائٹس جلا کر اندر جانے کے لیے مڑی ہی تھی کہ نیچے گاڑی رکنے کی مخصوص آواز پر تیزی سے دوبارہ نیچے جھانکا۔

بڑی سی گاڑی میں سے نگینہ اترتی ہوئی نظر آئی۔ ڈرائیور ادب سے دروازہ کھولے کھڑا تھا۔

"باجی نگینہ! گیتی!"

مارے خوشی کے وہ اوپر سے ہی چلائی۔

نگینہ نے اسے بالکونی میں کھڑے ہاتھ ہلاتے ہوئے دیکھا اور مسکرا دی۔

شاما پھرتی سے نانی ستارہ کے کمرے کی طرف دوڑی۔ سب سے پہلے انہیں اطلاع دینا ضروری تھی۔

نانی ستارہ فیروزہ کی تصویر کے آگے کھڑی تھیں' آج کل فرصت کا وقت وہ ان ہی کے ساتھ راز و نیاز کرتے ہوئے گزارتی تھیں۔

شاما نے کئی بار انہیں بڑبڑاتے ہوئے سنا تھا۔

"نانی! باجی نگینہ آئی ہیں مغرب سے اتنی بڑی گاڑی میں بیٹھ کر۔"

"یہ کوئی وقت ہے' ہزار بار کہا ہے کہ آنا ہو تو دن میں چکر لگا لیا کرے' اس وقت محلے میں لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو جاتی ہے' سب ہی کو پتہ ہے کہ یہ صندل کا گھر ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ اب لوگوں کے دل میں یہ تاثر رہے کہ وہ اب بھی یہاں آتی جاتی ہے۔ مگر یہ نگینہ۔"

"وہ آج تو گیتی بھی ساتھ ہے۔"

اس نے ڈرتے ڈرتے دوسری خبر بھی بریک کی! محض اس لیے کہ جو ڈانٹ کچھ دیر بعد نگینہ کو پڑنی ہے' اس کا پہلا حصہ خود ہی جھیل لے' نانی نے بے ساختہ ہی ماتھے کو چھوا۔

"میں نے ہی اصرار کیا تھا۔ جب سے گئی تھی ایک بار بھی نہیں آئی تھی بہت یاد آ رہی تھی قسم سے۔"

لجاجت' خوشامد۔

شاما کو نانی ستارہ کو منانا اچھی طرح آتا تھا اور نانی کو اس کی بے لوث محبت کا لحاظ مجبور کرتا تھا۔ اپنا صفائی نامہ پیش کرتے ہی وہ واپس دوڑی تھی مگر اس وقت تک وہ دونوں ہی اوپر آ چکی تھیں۔

شاما دوڑ کر گیتی سے لپٹی۔

"بڑی بے وفا ہے گیتی! پلٹ کر دیکھا تک نہیں شاما جیتی بھی ہے یا مر گئی۔"

"اچھا بس اب یہ ڈرامہ نہ کر' تیری فرمائش پوری کرتے پر ابھی اماں سے کتنی باتیں سنی ہیں چل اندر چل۔"

نگینہ نے پیار سے جھڑکا اور گیتی کی طرف مڑی۔

"گیتی بیٹا! پہلے استاد جی کو سلام کر لو۔"

"وہ سوئے ہیں باجی! ابھی کچھ دیر پہلے ہی ڈاکٹر دیکھ کر گیا ہے' بخار آ رہا ہے کئی دن سے۔"

شاما کے فوراً" ہی کہنے پر نگینہ کو رکنا پڑا۔

"پہلے سے کیوں نہیں بتایا مجھے' میں کسی اسپیشلسٹ کو دکھا کر لاتی استاد جی کو' خیر کل خود لے کر جاؤں گی سارے ٹیسٹ کرواؤں گی ان کے۔"

وہ یکدم ہی فکر مند نظر آنے لگی۔

شاما نے بڑی فخریہ مسکراہٹ کے ساتھ نگینہ کو دیکھا۔

"کیسا پیارا سچا دل ہے باجی نگینہ کا' کتنے بڑے گھر میں رہتی ہیں' صندل جیسی اسٹار کی ماں ہیں مگر ذرا سا غرور نہیں'

بالکل وہی کی وہی ہیں! ورنہ یہاں تو ذرا کسی کے دن پھرے' نام نسب تک سب بدلا پلک جھپکتے ہیں۔"

نگینہ اور گیتی کے پیچھے چلتے ہوئے وہ چپ چاپ یہی سوچے گئی!

اندر نانی منتظر تھیں۔

گیتی جس طرح ان سے لپٹ کر روئی تھی۔ اس نے انہیں غصہ کرنے کا بھی موقع نہیں دیا۔

"خدا نہ کرے کوئی ایسی ویسی بات ہے۔"

انہوں نے پریشان ہو کر بچی آواز میں نگینہ سے پوچھ بھی لیا مگر وہ بے فکری سے ہنس پڑی۔

"آپ کے بغیر رہنے کی عادی نہیں ہے' اس لیے گھبرا رہی ہے وہاں! ورنہ سارا دن میرے ساتھ ہوتی ہے۔ اکیلا نہیں چھوڑتی اسے میں۔"

اس نے مناسب الفاظ میں ان کی تسلی کروائی تو وہ کچھ مطمئن ہوئیں۔

"پھر بھی گیتی کو یہاں لانے سے پہلے مجھ سے پوچھ ضرور لیا کرو میں نہیں چاہتی کہ یہاں اب زیادہ تم لوگوں کا آنا جانا ہو۔"

جب وہ کمرے سے باہر گئی تو نانی نے ایک بار پھر تاکید کرنا ضروری سمجھی۔

"آپ کے بغیر دل بھی تو نہیں مانتا اماں! میرا بس چلے تو روز چکر لگاؤں بس آپ کے ڈر سے دل مار کر بیٹھ جاتی ہوں' اب صندل بھی ماریشس گئی ہے۔ کوٹھی ڈور پر گھر میں ایسا سناٹا ہے کہ وقت گزارنا مشکل ہو رہا ہے۔ اوپر سے یہ گیتی۔"

"کوئی سلسلہ بنا گیتی کا؟" جو فکر نانی ستارہ کو دن رات کھا رہی تھی پہلا سوال یہی تھا۔

"ہاں اماں' بلال صاحب نے بتائے ہیں دو چار رشتے۔ دونوں زمیندار خاندان کے ہیں' تایا چچا' ایم این اے' ایم پی اے ہیں' پیچھے سے نسلیں پکی چلی آ رہی ہیں۔ شہر میں کوٹھی اور جیب خرچ منہ مانگا دینے کو تیار ہیں۔ مگر۔"

نگینہ کے چہرے پر تردد کے آثار آئے تھے۔

"مگر کیا' ملی تو ہو نا تم ان دونوں سے؟"

"جی ملی ہوں' پر دل نہیں مان رہا اماں! شکل سے ہی اوباش' شوقین مزاج سے نظر آتے ہیں۔ عادی شرابی' دو دو بیویاں پہلے سے گاؤں کی حویلی میں۔ بلال صاحب کا اصرار ہے کہ ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لینا چاہیے۔"

تفصیل گوش گزار کرکے وہ ان کی طرف اس طرح امید بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی جیسے وہ مذکورہ امیدواروں کے حالات و حرکات میں کسی تبدیلی کی پیش گوئی کر سکتی ہیں۔ مگر ایسا نہیں تھا۔

"ہمارے ہاں تو ایسے ہی لوگ آئیں گے نگینہ! نیک شریف سیدھا سادا لڑکا' نہ تو آئے گا' نہ ہی ہمیں قبول ہو گا' ایسے لڑکے تحفظ نہیں دے سکتے ہمارے ہاں کی لڑکی کو' نیکی اور شرافت کے ساتھ خاندان اور معاشرے کا دم چھلا ضرور لگا ہوتا ہے' فیروزہ ان ہی کے ہاتھوں' بھری جوانی میں خاک کا رزق بن گئی۔ اب ہمت نہیں ہے وہی سب دہرانے کی۔" ان کی آواز بتدریج نیچی اور اونچی ہوئی۔

آخری جملہ محض ایک خوف زدہ سی سرگوشی کی صورت ہی نگینہ نے سنا۔

خوف کی ایک سرد سی لہر اس نے اپنے سارے وجود میں دوڑتی ہوئی محسوس کی تھی۔

(اگلی قسط آئندہ ماہ)

سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔
سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سولائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔
اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ معاذ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سولائے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔
دلدار نانی کے چہرے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جب پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاماہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمدورفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔
خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی جدائی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف ابوشوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کر اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔
زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خودنمائی اور خودستائشی کا شکار ہیں۔ بڑھاپے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا تعلق "ہرکسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے خدا محود الحق کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ ابوالعظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے جس پر وہ خاصا جزبز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ ابوشوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں ابوشوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔
گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔
سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔
جویا کا رشتہ آنا فانا طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی کوششیں شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے۔ اور جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے تو وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ، جویا کو اکساتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ، آپا گل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔
صندل کو بالی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ دیسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

نبیل، سالار پر قاتلانہ حملہ کرواتا ہے جس پر زرتاج بیگم جیسی عورت بھی دہل کر رہ جاتی ہیں۔ سالار کے قابل اعتماد ساتھی موقع پر جاں بحق ہو جاتے ہیں۔ زرتاج بیگم، معاملے کو دبانے کی سر توڑ کوشش کرتی ہیں لیکن اس موقع پر یوسف کمال بہن کے بجائے سالار کا ساتھ دے کر انہیں مزید پریشان کر دیتے ہیں۔ آنے والا وقت نبیل اور زرتاج بیگم کو کسی اچھی خبر کی نوید نہیں سنا رہا۔ یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کا دل اپنے شوہر سلمان سے ہٹ کر اب سالار کی طرف لگ چکا ہے۔

یوسف کمال اسے بتا دیتے ہیں کہ سالار کسی اور کو پسند کرتا ہے۔ صندل کو کامیابی تیزی سے عروج کی جانب لے جاتی ہے۔
بالی صاحب کی کوٹھی میں منتقل نگینہ بالی کے خاندان کو زندگی کے نئے رخ سے آشنا کرواتی ہے۔ نانی ستارہ شاما کے ساتھ پرانے گھر میں رکنے کا فیصلہ کرتی ہیں تو نگینہ کے ساتھ ساتھ گیتی کو بھی دھچکا لگتا ہے۔ تاہم وہ گیتی سمیت سب کو مطمئن کر کے بھیج دیتی ہیں۔ سالار کی مستقل غیر موجودگی گیتی کے لیے پریشان کن ہے۔
صندل، انٹرویو میں خالہ فیروزہ کو بے اولاد بتاتی ہے تو خیام ایک لمحے کو ساکت رہ جاتا ہے۔ دربدری نے خیام کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ آخر کار ساجد ترس کھا کر اسے اپنے یہاں لے آتا ہے۔
جویا کا رشتہ ٹوٹنا اور اظہار صاحب کی گرفتاری پورے خاندان کا شیرازہ بکھیر ڈالتی ہے۔ تمام سہولیات اور گھر سے انہیں ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔ اس موقع پر آپا گل اور سلمان کی طوطا چشمی شاکرہ بیگم کو گم صم کر دیتی ہے۔ یہ خبریں معاذ اور اسلام صاحب کے خاندان تک بھی پہنچ رہی ہیں۔ جس پر شائستہ بیگم (معاذ کی والدہ) کے سوا سب کو دکھ ہے۔ معاذ نواب کی موت کے بعد سعیدہ کی بے کاری پر زری کو گھر لے آتا ہے تو سب کا ماتھا ٹھنکا ہے۔ دادی اس پر کڑی نظر رکھتی ہیں۔ زری دل میں معاذ کے لیے خاص جذبات رکھتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۳۸

اڑتیسویں قسط

وہ خود تو اماں کے مقابلے میں دس فیصد بھی نہیں ہمت میں۔
ہمیں ان ہی میں سے کوئی ڈھونڈنا پڑے گا گیتی کے لیے پوری ہوشیاری کے ساتھ ہم اپنا سارا تجربہ صرف کر کے یہ سمجھ لے ہم اور تیسرا کون بتایا ہے بالی نے؟" نانی خود کو پھر سے سنبھال کر بڑی متانت سے پوچھ رہی تھیں۔
نگینہ نے ہمیشہ کی طرح ان ہی سے ہمت پکڑی۔

"تیسرا ٹیکسٹائل مل والا ہے عمر تھوڑی زیادہ ہے پر بیوی مر چکی ہے۔ اماں!
اس کی رو پھر کہیں اور کو بھٹکی۔
"اس ماسٹر کا تو پتا کرو لڑکا تو وہ بھی بہت بھلا ہے۔ گیتی کو پسند بھی کرتا تھا۔ کہاں چلا گیا آخر؟"
"سالار!" نانی کے منہ سے اس کا نام ایک آہ کی صورت میں نکلا۔
"کتنے ماہ ہوئے اسے غائب ہوئے، دلچسپی ہوتی تو کوئی تو رابطہ کرتا کیا پتہ شادی بھی کر لی ہو۔ اب تو افسر میاں بھی ٹرانسفر کرا کر واپس کراچی چلے گئے ہیں۔ مجھے تو پوری ناامیدی ہو گئی ہے سالار کی طرف سے۔"
اندر آتی گیتی نے دل پر بوجھ سا بڑھتا ہوا محسوس کیا۔

اوپر تاروں بھرا آسمان مسکرا رہا تھا۔
پلنگ پر بیٹھے خیام نے بڑی محویت سے اس جگمگاتے منظر کو دیکھا۔
نیچی نیچی چھتوں والی اس آبادی میں آسمان دور دور تک نظر آتا تھا اور جیسے جیسے رات گہری ہوتی، ستاروں سے بھرتا چلا جاتا۔
خیام یوں ہی خاموشی سے اس روپہلے غبار کو دیکھے جاتا، جو صرف اور صرف گیتی کی یاد دلاتا تھا۔ اسے ستاروں کو چمکتا دیکھنا پسند تھا۔

وہاں نانی ستارہ کے محلے میں جہاں ڈھلتی ہوئی رات میں ایک ساتھ اتنی ساری روشنیاں بکھری رہتیں کہ آسمان کا سیاہی مائل رنگ بھی مدھم پڑتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ ستاروں کا وجود معدوم رہتا مگر کبھی کبھی جب اچانک لائٹ چلی جاتی یا کسی مذہبی تہوار کی رعایت سے یہاں کی سرگرمیاں بند ہوتیں اور پورا محلہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا رہتا' تب اچانک ہی سارا منظر یکایک بدل جاتا۔

چوبارے پر کھلنے والے اس کے کمرے کے دروازے اور کھلی کھڑکیوں پر رات کا فسوں پوری طرح جاگتا اور آسمان پر اتنے ڈھیر ستارے ایک ساتھ جگمگاتے نظر آتے کہ شمار کرنا بھی چاہو تو ناممکن۔

کیتی ساری پڑھائی وڑھائی بھول کر سحرزدہ سی ہوئی' دروازے کی چوکھٹ میں کھڑی رہتی اور وہ اس وقت کتنا بے زار ہوتا تھا۔

نگاہ اٹھا کر بھی نہ اس کی طرف دیکھتا اور نہ۔۔۔

ایک گہری سانس لیتے ہوئے خیام نے سر کے نیچے رکھے تکیے کو ٹھیک کیا۔

سیڑھیوں پر قدموں کی آہٹ ابھری تھی۔

اسے پتا تھا کہ کون ہے' سو اٹھنے کا تکلف کیے بغیر یوں ہی چپ چاپ لیٹا رہا۔

سامنے سیڑھیوں پر سے ساجد کا سر نمودار ہو رہا تھا۔

"کھانا کھالیں خیام بھائی!" وہ خوشبو اڑاتی ٹرے لیے سیدھا اس کی طرف آیا۔

"آج تو کافی دیر ہوگئی' برنس روڈ چلا گیا تھا' آپ کے لیے پائے لینے' آج اماں نے صرف مسور کی دال پکائی تھی' ساتھ چاول بھی نہیں' میں نے سوچا۔۔۔"

"کیا حرج تھا' دال روٹی سے اچھا بھی کوئی اور کھانا ہے کیا؟ اور پھر رات کو اتنی دور جانا۔ پوچھ تو لیتے مجھ سے۔"

خیام اٹھ کر بیٹھتے ہوئے ناراض ہونے لگا۔

"آپ سے پوچھتا تو آپ کبھی نہ جانے دیتے۔" وہ ہلکے سے ہنس پڑا۔ "آئیں شروع کریں۔"

"کھانے کا مطلب پیٹ بھرنا ہوتا ہے اور حلال رزق کی چٹنی روٹی بھی بہت بڑی نعمت ہے۔" لقمہ توڑنے سے پہلے اس نے ایک مزید نصیحت کی۔

اس بار ساجد کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔

"ساری عمر سے چٹنی روٹی ہی تو کھا رہے ہیں خیام بھائی! وہ بھی اپنے گھر کی نہیں' اماں گھروں میں کام کر کے جو بچا ہوا کھانا لاتی تھیں ہم نے تو آنکھ کھول کر وہ ہی کھایا' لوگوں کا جھوٹا' باسی۔ کبھی کبھی تو خراب بھی ہوتا تھا مگر اماں بہلا پھسلا کر کھلا دیتی تھیں' مجھے یاد ہے' ایک بار اتنے زور کا پیٹ میں درد ہوا تھا میرے کہ اسپتال لے جانا پڑا تھا' بس جب سے ضرور اماں نے احتیاط کرلی تھی کہ خراب ہوئی چیز دینا بند کر دی تھی' ورنہ۔۔۔"

خیام کو اپنی کہی بات کا واقعی افسوس سا ہوا' کوئی بھی بات کتنی ہی اچھی اور سچی ہو' کبھی کبھی سیاق و سباق میں فٹ نہیں بیٹھ پاتی۔

"زبردست پائے ہیں' مزہ آگیا۔" تندوری روٹی کے نوالے کو شوربے میں اچھی طرح سے ڈبو کر منہ میں رکھتے ہوئے اس نے اپنی بات کا ازالہ کرنا چاہا۔

"مجھے پتا تھا کہ آپ کو پسند آئیں گے۔" ساجد خوش ہو گیا۔

"سب کے لیے لائے ہوتا؟"

"اور کیا' اماں کی دال فریج میں رکھ دی ہے' کل دوپہر کو اس کے ساتھ چاول بنالیں گی۔" اس نے مزید اطمینان دلایا۔

"ویسے خیام بھائی! ایک بات کہوں' برا مت مانیے گا۔"

"ہوں' کہو۔"

چھوٹا سا نوالہ توڑتے ہوئے اس نے فراخ دلی سے اجازت دی تو ساجد کی ہمت بندھی۔

"آپ کی نیت اتنی بھری ہوئی ہے' کچھ عجیب سا نہیں لگتا۔ میرا مطلب ہے کہ نہ آپ کو کھانے سے فرق پڑتا ہے نہ بستر سے' نہ سردی گرمی سے' عجیب سا نہیں لگتا' میرا مطلب ہے کہ۔۔۔"

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" اس بار اس نے ساجد کے چہرے پر نگاہ جمائی۔

"یہ ہی کہ۔۔۔"

وہ کچھ چپ سا ہوا' شاید فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کچھ کہنا بھی چاہیے یا نہیں۔

"ادھوری بات تکلیف دیتی ہے' جب تک مکمل نہ ہو اور ہم تم میرا خیال ہے' دوست بھی ہیں۔"

خیام نے ہلکے سے مسکرا کر اسے جتانا چاہا تو اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

"یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھے اپنا دوست سمجھتے ہیں۔"

"نہیں۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ تم جیسا محبت کرنے والا دوست ملا' چھوٹا بھائی اس لیے نہیں کہتا کیونکہ رشتوں پر میرا اعتماد۔۔۔ اچھا چلو چھوڑو' کیا بات ہے اصل؟"

"یہ ہی تھی' جو آپ گھما گئے پھر سے!" ساجد نے ہلکے سے منہ بنایا۔ "اتنی بے حسی کہاں سے آئی ہے خیام بھائی! انسان کا کسی بھی چیز کے لیے دل نہ چاہے۔ یہ تو تب ہی ہو سکتا ہے نا کہ یا تو انسان نے کوئی ہلکا سا بھی سکھ' کوئی محبت نہ دیکھی ہو' اسے ذائقہ ہی نہیں پتا ہو ان باتوں کا۔ تب ہی اسے طلب بھی نہیں ہوتی' یا پھر اس نے اتنا کچھ دیکھ لیا ہو کہ زندگی بھر کے لیے دل بھر گیا ہو' حالانکہ یہ بھی بڑی ناممکن سی بات ہے۔"

"تم نے اتنی بڑی باتیں کہاں سے سیکھیں؟" خیام کا نوالہ ہاتھ میں ہی رکا تھا۔

"یہ تو میری اماں ہی کہتی ہیں کہ جب تک کسی چیز کا مزہ ہی نہیں پتا ہوتا' تب ہی تک خیر ہے' جو ایک بار منہ کو چاٹ لگ جائے تو پھر تو بندے کی خیر نہیں' اسی لیے تو انہیں میری بھی فکر ہو جاتی ہے' کبھی کبھی کہ میرے منہ کو پیسے کی چاٹ لگ گئی ہے۔"

وہ لاپروائی سے کہتے ہوئے کھانا کھاتا رہا۔

"لیکن میرا شمار دوسرے گروپ میں ہوتا ہے' وہ جنہیں نہ مزے کی جانکاری نہ طلب۔ تسلی ہو گئی تمہاری۔"

خیام نے دھیرے سے کہتے ہوئے اپنے آگے سے پلیٹ سرکائی۔

"نہیں۔ کیونکہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں' لیکن میں آپ سے سچ کہنے پر اصرار نہیں کروں گا' میرے لیے صرف آپ اہم ہیں' آپ کا سچ یا جھوٹ نہیں۔"

وہ برتن سمیٹ کر سنجیدگی سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"چائے لے کر آتا ہوں۔"

خیام کی اگلی بات سنے بغیر وہ نیچے اترتا چلا گیا۔

اپنی سیاہ بختی کے گہرے کبھی ختم نہ ہونے والے یقین کے باوجود ایک بات تو ماننی ہی پڑتی تھی کہ ان تاریک سنسان راہوں میں بہت چھوٹا سا ہی سہی کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی دیپ روشن ہو ہی جاتا تھا۔

اس غریب الوطنی میں پہلے ابو شوکت اور اب۔ ساجد!

ایک گہری سانس لیتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔خیال تھا کہ تھوڑا سا ٹہل ہی لے' لیکن یہاں گھر اتنے چھوٹے اور آپس میں اتنے ملے ہوئے تھے کہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں اپنی حد ختم ہو کر دوسرے کی شروع ہو جاتی ہے' ساری چھتیں پوری طرح آباد تھیں۔
عورتیں' لڑکیاں' بچے۔
اب موسم بدل رہا تھا' نیچے کے کمروں میں گھٹن بڑھنے لگی تھی' سو اب اگلے آٹھ ماہ یہی سلسلہ رہنا تھا۔
وہ دو' تین منٹ بعد ہی جھجک کر واپس پلنگ پر آ بیٹھا۔ نیچے ایک دبا دبا سا شور اٹھنا شروع ہو گیا تھا۔ شاید ساجد کا ابا گھر آ چکا تھا۔
"دو میل سے پیدل چل کر آ رہا ہوں' جیب میں کچھ نہیں جو کوئی بس ہی پکڑ لوں' یہاں گھر میں دعوتیں اڑائی جا رہی ہیں' بے غیرت اولاد ہے ساری کی ساری' باپ کو دیتے ہوئے جان نکلتی ہے' دوسروں کا بڑا لاڈ اٹھتا ہے خبیثوں کو۔"
خیام نہ چاہتے ہوئے بھی کان لگانے پر مجبور ہوا۔
"سارے پیسے دیتا ہوں ابا تمہیں' جھوٹ مت بولو اور اگر خیام بھائی کے لیے ایک لفظ بھی کہا تو میں کہہ چکا ہوں کہ ان کے ساتھ میں بھی گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا' کوئی واسطہ نہیں رکھوں گا تم لوگوں سے۔ یاد رکھنا۔" اوپر موجود خیام کے خیال سے ہی ساجد نیچی آواز میں کہہ رہا تھا۔
خیام نے نچلے ہونٹ کو سختی سے دانتوں تلے دبایا۔
آج یہاں آئے چھٹا دن تھا۔
اور ساجد کے ابا کی ناراضی کوئی ڈھکی چھپی بات بھی نہیں تھی' پہلے ہی دن سے وہ اپنی ناراضی کا اظہار کرتا آ رہا تھا اور خیام کو اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ اسے زیادہ دیر برداشت کرنے والا بھی نہیں ہے۔
"شاید اسے یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا اور اب آ گیا ہے تو رکنا نہیں چاہیے۔"
کتنی ہی بار اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا' مگر ساجد کی محبت ہر راہ بند کیے دے رہی تھی۔
"اگر آپ میرے ساتھ نہیں رہیں گے' تو پھر میں آپ کے ساتھ رہوں گا' چاہے سڑک کے کنارے ہی سہی۔" سیڑھیوں پر ساجد کے قدموں کی چاپ ابھر رہی تھی۔ سو وہ کچھ سنبھل کر بیٹھا۔
ساجد کو سمجھایا بھی جا سکتا تھا' اور اگر وہ نہیں سمجھنا چاہتا تھا تو بھی کیا مشکل تھی۔
اتنا بڑا پرہنگامہ شہر۔
یہاں کھو جانا کیا مشکل تھا؟
اور وہ تو ویسے بھی اس کام میں مہارت حاصل کر چکا تھا' ایک تلخ سی مسکراہٹ خیام کے چہرے پر آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

موسم میں روز بہ روز حدت بڑھ رہی تھی۔ چھوٹا سا کچن کھلے صحن میں تھا' سارا دن دھوپ سے بھرا رہنے لگا تھا' ایسے میں سارے صبر و شکر کے باوجود اسے وہ لاؤنج میں کھلنے والا بڑا کچن نہ چاہتے ہوئے بھی یاد آتا' جہاں بڑی بڑی دعوتیں بھی با آسانی نمٹ جاتی تھیں۔
آسانیوں اور آسائشوں سے بھرپور۔
وہم و گمان سے دور پرے بھی کبھی ایسا کچھ خیال نہیں آیا تھا کہ یہ سب جو پیدائشی حق کی طرح حاصل ہے' اس

طرح چھن جائے گا کہ خواب و خیال بن کر رہ جائے گا۔
آخری روٹی ہاٹ پاٹ میں بند کرتے ہوئے جویا نے دل میں ایک بار پھر توبہ توبہ کی۔
بے شک انسان کمزور ترین درجہ پر ہے۔
اس نے باہر نکلتے ہوئے خود کو یاد دلایا اور اندر کمرے میں چلی آئی۔
"پنکھے میں آکر بیٹھ جاؤ بیٹا' یہ کچن تو سارا دن تپتا ہے۔" شاکرہ بیگم نے رحم کھاتی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور سرک کر اس کے لیے جگہ بنائی۔ مگر وہ یوں ہی کھڑی رہی۔
"کھانا لے آؤں آپ لوگوں کے لیے۔"
"کیا پکایا ہے؟"
پنکھے کے ٹھیک نیچے کرسی ڈال کر بیٹھی آپا گل نے پہلے پوچھ لینا مناسب سمجھا۔
"بینگن کا بھرتہ اور مونگ کی دال۔"
"کل تم نے لوکی پکائی تھی اور پرسوں۔"
"بھنڈی کی بھجیا۔"
وہ سوچ میں پڑنے لگیں تو جویا نے ان کی مشکل آسان کی۔ آپا گل کے ماتھے پر آئی شکنوں میں ایک اور کا اضافہ کیا۔
"کم از کم ابو کے لیے تو کچھ اچھا پکا لیا کرو' کتنے دن بعد گھر آئے ہیں خیر سے' صحت کتنی گر گئی ہے ان کی اور یہ دال سبزیاں تو انہوں نے کبھی شوق سے کھائیں بھی نہیں ہیں۔"
"تو اب کہاں سے لائیں مرغ مسلم ان کے لیے' تمہیں اتنی محبت آ رہی ہے باپ کی' تو پکا کر کیوں نہیں لے آتیں اپنے گھر سے' کس چیز کی کمی ہے وہاں۔" شاکرہ بیگم بری طرح جھنجلائیں۔
"میں سسرال میں رہتی ہوں امی! وہاں سے کھانے پکا کر لاؤں گی تو دس باتیں بنیں گی' پہلے ہی کیا کسر رہ گئی ہے ہماری بے عزتی میں اور ویسے بھی جب اس دن لائی تھی تو آپ لوگوں کو کتنا برا لگ گیا تھا' جویا نے تو صاف منع کر دیا تھا' پوچھ لیں اس سے۔" انہوں نے اپنی اس دن کی دریا دلی یاد دلائی۔
جویا نے افسردگی سے ان کی طرف دیکھا اور سر جھکا لیا۔
"اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ دے گل! ہم نے اپنے اچھے دنوں میں کوئی کسر چھوڑی تیری خاطر داری میں۔ دینے لینے میں جواب میں کیا مانگا اور آج جو وقت پڑا ہے تو کیا۔"
آپا گل نے ہاتھ کے اشارے سے اس بروقت یاددہانی کو بیچ میں ہی روکا۔
"برا مت مانیے امی! سب ہی لوگ بیٹیوں کے لیے کرتے ہیں' لیکن آپ لوگوں کی طرح جتاتے نہیں ہیں' پہلے تو صرف جویا اور زویا کا منہ بنتا تھا' مگر اب تو آپ بھی طعنے دینے لگی ہیں' صاف کہہ دیں کہ میں نہ آیا کروں یہاں۔ میں سمجھ لوں گی' میرا میکہ ختم ہوا۔"
خود پر رقت طاری کر کے وہ اپنی چادر سمیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئیں تو شاکرہ بیگم اور جویا دونوں ہی نے بوکھلا کر ان کی طرف دیکھا۔
"امی کا یہ مطلب نہیں تھا آپا!" جویا نے ہاتھ پکڑ کر نرمی سے کہا تو انہوں نے ایک جھٹکے سے اس سے ہاتھ چھڑایا۔
"رہنے دو بس' مجھے کیا پتا نہیں کہ تمہیں اور زویا کو ہمیشہ شکایتیں ہی رہی ہیں مجھ سے' میرے خلاف ہمیشہ امی
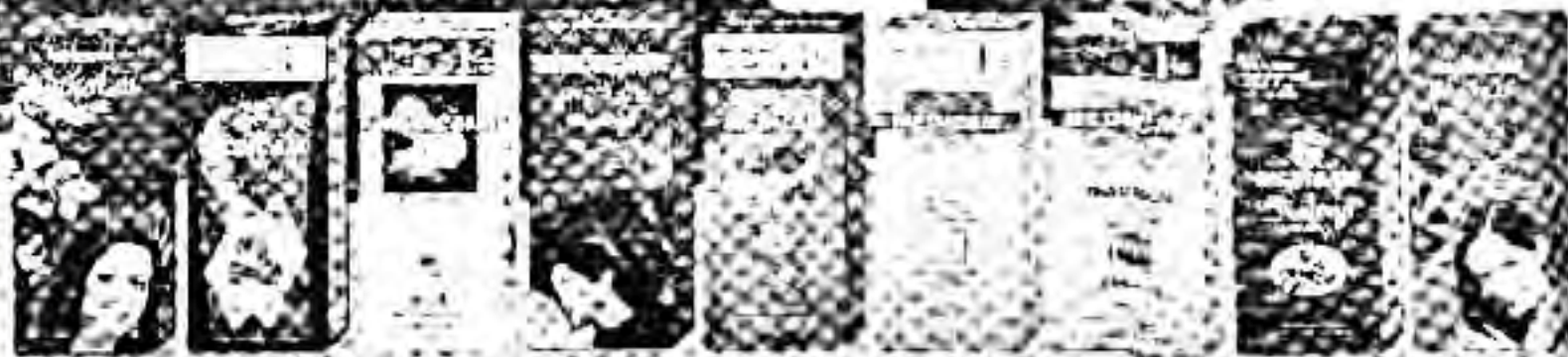
کے کان بھرتی رہی ہو' یہ تو میں ہی ہوں جو اب بھی تمہاری بھلائی کے لیے ہلکان ہوتی پھر رہی ہوں' مگر یہاں احسان مانتا کون ہے۔"

معلوم نہیں وہ کس احسان کی بات کر رہی تھیں۔ جویا کو ذہن پر زور دینے کے باوجود بھی یاد نہ آیا۔

"اور امی! یہ جو سب آپ مجھے جتاتی ہیں' سلمان کو کیوں نہیں کہتیں' بیٹا ہے اکلوتا' سب سے پہلے تو اس کا فرض ہے' اتنے بڑے بنگلے میں رہتا ہے' ساتھ لے جا کر رکھنا چاہیے تھا اسے' نہیں رہنے دیتی اس کی بیوی تب بھی خرچا تو دینا چاہیے نا اسے آپ لوگوں کا۔" اپنی روانگی ملتوی کر کے وہ دوبارہ بیٹھیں۔

شاکرہ بیگم نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "مجبور ہے وہ غریب!"

"مرد ذات اور مجبور۔ اونہہ۔ بیوی کا غلام ہے سلمان۔ جوتے کی نوک پر رکھے ہوئے ہے وہ آپ کے اکلوتے لاڈلے کو۔ ذلیل ہو کر رہ رہا ہے' زوبیہ کے ساتھ۔"

ایک کھلی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے وہ اور بھی بے رحم ہوئیں۔

"اب ہم کیا کر سکتے ہیں' جو قسمت میں لکھا ہے سب ہی کو بھگتنا ہے' میری تو خرچ کی فکر میں نیند اڑی ہے' پاس رکھا ہوا کتنے مہینے کھائیں گے۔ کرایہ الگ دینا پڑ رہا ہے' اوپر سے تمہارے ابا کا مقدمہ' ہر تاریخ پر وکیل کی مٹھی گرم کرنا پڑتی ہے اس نے بھی ڈرا' ڈرا کر جان نکال رکھی ہے۔"

ذرا رک کر انہوں نے پاس رکھے گلاس میں سے پانی کا گھونٹ لیا۔

"پانی بھی گرم' ٹھنڈے پانی کو بھی دل ترس کر رہ گیا ہے۔" انہوں نے برا سا منہ بنایا۔ "کسی سے برف ہی منگوائی ہوتی۔" محرومیوں کی فہرست طویل تر ہوتی جا رہی تھی۔

اس علاقے میں بارہ' بارہ گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ جاری تھی' وولٹیج آنا بھی تو برائے نام۔

"وکیل کیوں ڈرا رہا ہے؟ آخر اتنی بھاری ضمانت تو ادا کر دی ہے' اب اور کیا رہ گیا ہے باقی۔"

آپا گل کو باقی باتوں میں دلچسپی نہیں تھی۔

یہاں پانی ٹھنڈا پیا جاتا ہے یا گرم' پنکھا چلتا ہے یا نہیں۔ یہ مسائل تو سارا شہر فیس کرتا ہے' کون سی نئی بات ہے۔

شاکرہ بیگم نے طنزیہ سی نگاہ آپا گل پر ڈالی۔

"ضمانت ہوئی ہے' کیس تھوڑی ختم ہوا ہے' وکیل کہتا ہے جب تک تاریخیں لیتے رہیں گے بچت ہے' ورنہ کچھ سال کی قید تو جرمانے کے باوجود بھی ہو کر ہی رہے گی۔"

"ہائے میرے اللہ!" آپا گل نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھا۔ "اب یہ ذلت بھی باقی ہے' میں نے تو سب میں کہہ دیا ہے کہ ابو پر جھوٹا الزام تھا' ثابت نہیں ہوا تو عدالت نے معافی مانگی ہے ان سے۔"

"آپ کے کہنے سے کیا ہوتا ہے' لوگوں کو سب عقل ہے' صحیح غلط کا فیصلہ وہ خود بھی کر سکتے ہیں۔ اتنا بڑا کیس تھا' اخبار میں بھی تفصیل آ چکی ہے۔" جویا کو ان کے اس طرح بن بن کر بات کرنے سے اور بھی کوفت ہوتی تھی۔

آپا گل نے کھا جانے والی نگاہوں سے جویا کی طرف دیکھا۔

"چلو ہم جھوٹے ہی سہی' عزت کی خاطر انسان کو کیا نہیں کرنا پڑتا' تم بھی اگر سسرال میں رہتیں تو پتا چلتا کہ کیا کیا سننا پڑتا ہے' تم لوگ تو یہاں ایک طرف منہ دے کر بیٹھ گئے ہو' مگر مجھے تو سارے خاندان کا سامنا کرنا پڑتا ہے' کسی کو اس نئے پتے کی خبر نہیں دی ہے' یہ ہی کہا ہے کہ۔۔۔"

"دے دو کس نے منع کیا ہے اور کون یہاں بہت عزت دار ہے جو ہم پر انگلیاں اٹھائے گا' سارا کا سارا فقیروں کا خاندان' ساری عمر میرے دروازے پر بیٹھ کر کھانے والے' نمک حرام' کوئی کچھ کہہ کر تو دکھائے' اوقات یاد دلا دوں گا سالوں کی۔"

"اظہار چچا زور زور سے بولتے ہوئے اندر چلے آئے' ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہوا جا رہا تھا اور لہجے میں' الفاظ میں کہیں بھی اپنے کیے پر کوئی ندامت احساس تک نہیں جاگتا تھا۔

وہی غرور' وہی رعونت۔

بلکہ پہلے سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی۔

جویا نے بہت شرمندگی سے شاکرہ بیگم اور آپا گل کے چہروں پر چھائے ہوئے اطمینان کو دیکھا' انہیں ایسی باتوں سے بڑی مورل سپورٹ حاصل ہوتی تھی۔

"میں تو خود چاہتا ہوں کہ وہ سب لوگ آئیں' آج اگر کچھ عرصے کے لیے یہاں رہنا پڑ رہا ہے تو کوئی قیامت نہیں آگئی' میں تو خود اب گھر بدلنے کی فکر میں تھا' دیکھنا بہت جلد ڈیفنس میں گھر نہ سہی اپارٹمنٹ تو ضرور ہی لے لوں گا۔"

"ان شاء اللہ!" آپا گل اور شاکرہ امی دونوں ہی نے بڑی عقیدت سے ان کی کہی بات پر سو فیصد یقین کیا۔

"کمانے کا کوئی یہ ہی ایک طریقہ نہیں رہ گیا' لعنت بھیج دی اس نوکری پر بھی اور اس محکمے پر بھی' اظہار احمد کو سمجھا کیا ہے' اس خبیث خاندان نے۔"

آج بہت دن بعد وہ اپنی پرانی فارم میں تھے' ورنہ جیل سے ضمانت پر رہائی کے بعد دنوں انہیں چپ لگی رہی تھی' دروازے پر کھٹکا بھی ہوتا تو بری طرح چونک پڑتے۔

"پتا ہے ابو! آج کل خاندان والوں کا قبلہ تو اسلام چچا کا گھر بنا ہوا ہے' انہیں سلام کرنے پہنچتے ہیں سارے کے سارے' حالانکہ وہ تو کسی کو منہ بھی نہیں لگاتے ہیں' نہ پہلے اور نہ اب . . ."

آپا گل کا جوش و خروش بڑھنے لگا۔

جویا چپ چاپ نکل کر باہر آبیٹھی۔

کمرے کے آگے نکلے چھجے کے نیچے ذرا سا سایہ تھا۔ کرسی گھسیٹ کر وہ وہیں بیٹھی رہی' گو اندر سے آتی آوازوں کو یہاں تک پہنچنے میں بھی کوئی روک ٹوک نہیں تھی' مگر یہ ہلکا سا پردہ بھی غنیمت تھا۔

"کسی کو کھلانے پلانے کے لیے دل بھی چاہیے' اسلام بھائی کے ہاں ہے کیا' خالی خولی باتیں' ٹی وی پر آجانے کا یہ مطلب نہیں کہ جیب میں مال بھی آگیا ہوگا' ساری عمر تو شائستہ نے سلائی کر کے دال روٹی چلائی ہے۔ باپ' بیٹے دونوں نکمے میں سدا کے۔"

ماحول میں ویسی ہی گرمی۔ جو گزرے دنوں کا خاصا تھی۔ جویا نے اضطراب سے پہلو بدلا۔

"حالات تو سنا ہے بہتر ہو گئے ہیں اب' گھر میں فل ٹائم ملازمہ تک رکھ لی گئی ہے' سارا گھر سنبھال رہی ہے' ربیعہ ایم اے کر رہی ہے' کل تک تو اتنی پڑھنے والی نہیں تھی۔" اس بار آپا گل کی آواز دھیمی تھی۔

"تمہیں کس نے دی ہے اتنی اندر کی خبر؟"

"اچھن ماموں آگئے تھے کہیں سے پھرتے پھراتے میرے گھر۔ اتنی دیر بیٹھے' دو دفعہ فرمائش کر کے چائے پی' میں نے باتیں سننے کے شوق میں تھوڑی دیر بٹھایا' مگر کھانے سے پہلے رخصت کر دیا' وہ تو سدا کے مفت خورے ہیں' جانتی ہوں۔"

"ضرورت نہیں ہے اس اچھن بدبخت کو منہ لگانے کی۔ اور وہ اسلام بھائی بھی کیا کھا کر ملازمہ رکھیں گے'

یوں ہی کوئی آوارہ لڑکی پکڑ لایا ہوگا' ان کا لفنگا بیٹا۔ بہت شرافت نے جوش مارا تو نکاح پڑھوا دیا ہوگا' کوئی اچھے خاندان کی لڑکی تو ملنے سے رہی اس بدبخت سے۔"

ٹھک سے کوئی پتھر جیسے اس کے ماتھے پر آکر لگا۔

جویا نے بے ساختہ ہی اپنے ماتھے کو چھوا۔

کچھ بھی نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

کمرہ نیم تاریک اور ٹھنڈا تھا۔

انہوں نے ہاتھ بڑھا کر دروازے کے پاس لگے سوئچ بورڈ پر بٹن دبایا تو ایک دم ہی پورا کمرہ روشن ہوتا چلا گیا۔

بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھے سالار نے ایک دم ہی اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔

"کیسے ہو؟" وہ آگے بڑھ آئے۔

"آپ!"

"ہاں' اور مخل ہونے پر ہرگز بھی معذرت نہیں کروں گا' کیونکہ اتنا تو حق ہے بہرحال مجھے۔ تم مانو نہ مانو۔" وہ اس کے بالکل قریب آکھڑے ہوئے۔

سالار ہلکے سے مسکرا دیا۔

"بیٹھیے نا' کھڑے کیوں ہیں۔"

وہ اٹھنے لگا تھا' مگر انہوں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے دوبارہ بیٹھنے پر مجبور کیا۔

"ہمارے درمیان اس طرح کے تکلفات' مجھے غیرت کا احساس دلاتے ہیں سالار' پلیز! مت کیا کرو ایسے۔"

"آپ کی محبت ہے کمال صاحب!"

"پھر وہی اگر انکل کہو گے تو کوئی نقصان نہیں ہوگا تمہیں اور میں تھوڑا سا خوش ہو جاؤں گا بس۔" اس بار وہ ہلکے سے ہنس پڑا۔

"چلیں' آئندہ انکل ہی کہوں گا۔" بہت دن سے وہ جس خلوص سے اس کے ساتھ ساتھ تھے' اس کے بعد لحاظ' مروت خود ہی آڑے آنے لگا تھا' ورنہ رشتوں کے سلسلے میں اس کی۔ زندگی پر جو مفلسی ہمیشہ سے طاری تھی' وہ اب اپنائیت بھرے الفاظ سے عجیب سی غیر مانوسیت کا احساس دلاتی تھی۔

"کیا سوچنے لگے؟" وہ اس کے قریب پڑی کرسی پر آرام سے بیٹھے۔

"کچھ نہیں' بس ایسے ہی! اصل میں تو اب کمرے میں بند رہتے ہوئے گھبراہٹ ہونے لگی ہے' سوچ رہا ہوں واپس لاہور چلا جاؤں جلد سے جلد۔"

اس کے لہجے کی بے تابی' اور چہرے پر لاہور کے نام پر پھیلتی روشنی' دونوں ہی نمایاں ہوئیں۔

کمال صاحب نے ایک دبی دبی سی آہ اندر ہی کہیں دبائی۔

کیا تھا اس شہر بے مثال میں' جو دور رہ کر بھی کسی کو اپنی طرف اس قوت سے کھینچتا تھا۔

"آپ جاتے ہیں لاہور ویسے ہی' کبھی کسی کام سے؟" وہ ان ہی سے پوچھ رہا تھا۔

کمال صاحب نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

"اب نہیں جاتا' کسی زمانے میں ضرور گیا' بلکہ رہا ہوں وہیں' مگر اب نہیں' تیئس' چوبیس سال تو ہو ہی گئے ہوں گے' آخری بار گئے ہوئے۔"

بات کرتے کرتے ان کی آواز قدرے نیچی ہوئی تھی۔
"اتنا عرصہ مصروف بہت رہتے ہیں شاید اس لیے۔" اس نے خود ہی اپنے سوال کا جواب بھی ڈھونڈ لیا۔
یوسف کمال نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلایا۔
"فرصت تو تھی مگر ہمت نہیں تھی' اب بھی نہیں ہے۔" ان کے چہرے پر عجیب سا تاثر ابھرا تھا۔ سالار نے کچھ حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔
اس درجہ شکستگی۔
اتنی ٹوٹ پھوٹ اور وجہ۔۔۔ نامعلوم۔
وہ بچ مچ سٹپٹایا۔
"بہرحال تم ابھی کہیں جانے کا پروگرام مت بناؤ' ڈاکٹرز نے تمہیں چلنے پھرنے کی اجازت نہیں دی ہے' کم از کم دو ہفتے کا اور ریسٹ ہے۔"
وہ اس ایک کمزور لمحے سے گزر کر اب سالار کا اگلا پروگرام سیٹ کر رہے تھے۔
"اور سب سے اہم بات یہ کہ فی الحال تمہارا یہاں سے جانا بالکل ہی مصلحت کے خلاف ہے' حمیدی صاحب کا قاتل ابھی پکڑا نہیں گیا ہے' تم چلے گئے تو یہ کیس یوں ہی التوا کا شکار ہو جائے گا۔"
"ایسا نہیں ہو سکتا انکل! میں ہونے نہیں دوں گا' اگر کسی نے چاہا بھی ایسے۔"
سالار نے مضطرب سا ہو کر پہلو بدلا۔
"جو چاہتے ہیں' وہ اصل میں انتظار ہی صرف تمہارے جانے کا کر رہے ہیں۔ تم گئے اور معاملہ ختم۔" انہوں نے بڑی بے ضرر سی بلیک میلنگ شروع کر رکھی تھی' جو سالار کو آسانی سے روک رہی تھی۔
"اور پھر تم نے کسی پر شک کا بھی اظہار نہیں کیا ہے' پولیس کے سامنے' اب جب ثبوت ملیں گے' تب ہی کچھ آگے بڑھنے کی امید ہوگی' ورنہ تو۔۔۔"
دروازے پر بڑی بے تابی سے دستک ہوئی تھی۔
"آ جائیں۔" وہ منتظر نگاہوں سے اس طرف دیکھنے لگا۔ زرتاج بڑی تیزی سے اندر آئی تھیں۔
"تم نے نبیل کو ہر آفس سے الگ کر دیا ہے' گارڈز اسے گیٹ پر روک رہے ہیں' پوچھ سکتی ہوں کیوں؟" اس نے بات کرتے ہوئے یوسف کمال کو قطعی نظر انداز کیا تھا۔
"نہیں' میں نے انہیں سب آفسز سے الگ نہیں کیا ہے' آپ کے آفس کو ابھی بھی وہ ہی چلا رہے ہیں اور چلاتے رہیں گے' جب تک خدا نے چاہا۔"
"میں ہانی کی کمپنی کی بات کر رہی ہوں' میں ماں ہوں اس کی اور میرا قانونی' شرعی ہر لحاظ سے حق ہے اس کی ہر چیز پر۔" زرتاج کی آواز قدرے اونچی تھی۔ "اور میں جسے چاہوں اس کو شیئر کر اسکتی ہوں' اسے اجازت دے سکتی ہوں کہ وہ آفس کو سنبھالے۔"
"غلط فہمی ہے آپ کی' کسی ایسے شخص کو جو خود قانون کی نگاہ میں مشکوک ہے' آپ کیسے میرے بھائی یا باپ کے پیسے کا نگہبان بنا سکتی ہیں' وہ بھی میری موجودگی میں۔" وہ غصے میں آیا نہ ہی اس کی آواز اونچی ہوئی۔
پھر بھی بیگم زرتاج کو اس کے لہجے کی مضبوطی خوف زدہ کرنے لگی تھی۔
"نبیل کسی طرح بھی مشکوک نہیں ہے' حمیدی صاحب جب مارے گئے تو وہ کراچی میں تھا ہی نہیں' ان کے انتقال کے بھی کئی دن بعد آیا۔"
سالار نے کچھ چونک کر ان کی طرف دیکھا۔

"میں نے حمیدی صاحب کا تو نام بھی نہیں لیا ہے' آپ کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہیں' یہ تو نبیل پر مختلف لوگوں اور اداروں کی طرف سے چھوٹے موٹے دھوکہ دہی کے کیس ہیں' جنہوں نے مجھے ایسا کرنے پر مجبور کیا ہے' آپ کے علم میں بھی ہوں گے۔" جیسے جیسے اس کی بات مکمل ہوئی' زرتاج نے چہرے کی اڑی ہوئی رنگت بحال ہوئی۔
"وہ سب یوں ہی جھوٹے قصے ہیں' نبیل کو کیا ضرورت ہے ایسی حرکتیں کرنے کی' ہمیں کوئی کمی نہیں ہے۔"
"پیسہ کسی کے بھی پاس ضرورت سے زیادہ نہیں ہوتا' یاد رکھیے گا' ضرورت گنجائش سے آگے ہی چلتی ہے زیادہ تر۔"
"بہرحال میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گی۔" وہ جھنجلا کر اس کے بالکل قریب آ کھڑی ہوئیں۔
سالار نے نظر بھر کر اس زہر میں بجھی عورت کی طرف دیکھا۔
"آنٹی! انرجی ویسٹ مت کریں' بچا کر رکھیں' بہت جلد آپ کو اس کی ضرورت پڑنے والی ہے۔"
"دھمکی دے رہے ہو۔"
"نہیں مشورہ۔"
"مجھے پتا ہے کہ یہ سب کس کی شہ پر ہو رہا ہے' تمہاری پشت پناہی کرنے والے مجھ سے اپنے پرانے حساب چکانے کی کوششوں میں ہیں' آستین کے سانپ۔"
آخری جملہ انہوں نے بڑے واضح طور پر یوسف کمال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا تھا۔
جس کے جواب میں انہوں نے محض کندھوں کو ہلکی سی جنبش دی اور مسکرا دیے۔
"سانپ آپ کی آستین میں نہیں ہے' سر پر بیٹھا ہے' کب کہاں آپ کو بھی ڈس لے' اس وقت سے ڈریں آپ بھی۔" سالار نے بڑے سرسری سے انداز میں وارننگ جاری کی اور کمال صاحب کی طرف متوجہ ہوا۔
"انکل! ذرا آپ اٹھنے میں میری مدد کریں گے' میں دو' چار قدم چلنا چاہتا ہوں۔"
"ہاں کیوں نہیں' مگر بس دو' چار ہی قدم' اس سے زیادہ نہیں۔" کمال صاحب تیزی سے آگے بڑھے تھے۔
پاؤں پر زور دیتے ہوئے سالار اٹھ کر کھڑا ہوا۔
"مجھے اس کھڑکی تک لے چلیں' میں کھلی فضا میں سانس لینا چاہتا ہوں۔"
"تمہارے لیے اچھا بھی ہے' کہو تو میں وہیں کرسی بچھا دوں۔ تھوڑی دیر وہاں بیٹھو گے تو اچھا فیل کرو گے۔"
سہارا دیتے ہوئے وہ اسے اس طرف لے جاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔
چند لمحوں کے لیے تو زرتاج کو ایسا لگا جیسے وہ یہاں ہیں ہی نہیں۔
کمال اور سالار دونوں ہی شاید انہیں جان بوجھ کر نظر انداز کر رہے تھے۔
انہیں زرتاج بیگم کو۔۔۔
کتنی عجیب سی بات تھی کہ وہ بھی اس طرح نظر انداز کی جا سکتی تھیں۔
اور وہ بھی کن کے ہاتھوں۔۔۔
ایک وہ۔ جس کو فالتو سامان کی طرح ٹھوکر لگا کر ہمیشہ پرے کیا اور دوسرا۔۔۔
ان کی نفرت بھری نگاہ یوسف کمال پر جا کر رکی۔
"چلی گئیں۔" چند لمحوں بعد سالار نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے بے تاثر لہجے میں کہا تو یوسف کمال نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔
"ہاں' مگر اس سے ہوشیار رہنا سالار! وہ بہت کینہ پرور عورت ہے' بڑا پکا حساب کتاب ہے اس کا۔"
وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔ "آپ مجھے بتا رہے ہیں۔"

"یاد دلا رہا ہوں۔"

"بے فکر رہیے میں کینہ پرور تو نہیں، لیکن یادداشت ضرور اچھی ہے اور یادوں میں اگر تلخیاں ہی رقم ہوں صرف تو وہ کچھ زیادہ ہی اچھی رہتی ہے۔"

سامنے لان میں کھلے موسم بہار کے پھولوں پر نگاہ جماتے ہوئے وہ آہستہ سے بولا۔

"ایک بات پوچھوں انکل!"

"ہوں!"

"وہ آپ کی بہن ہیں سگی بہن اور میں ہمیشہ یہ ہی سمجھتا رہا کہ آپ دونوں کے تعلقات بہت ہی زیادہ اچھے ہیں' اور ظاہر ہے یہ بڑی فطری سی بات ہے' میری بھی کوئی بہن ہوتی تو شاید میں اسے اپنی جان سے زیادہ پیار کرتا۔"

ذرا دیر کے لیے بوجھل سی خاموشی کمرے میں آکر رکی' سالار کی کہی سادہ سی بات' تصدیق یا تردید کی منتظر تھی۔

"شاید میں کچھ زیادہ پرسنل ہو رہا ہوں۔" اس نے معذرت کے لیے الفاظ ڈھونڈنے چاہے تھے۔ مگر وہ اپنائیت سے مسکرا دیے۔

"پھر وہی تکلف والی باتیں۔"

"اچھا کیا جو پوچھا' اب پتا نہیں میں تمہیں اپنی بات سمجھا بھی پاؤں یا نہیں' لیکن حقیقت یہی ہے کہ خون کے رشتے اگر اپنی کشش کھو دیں تو اس سے زیادہ بے رنگ اور تکلیف دہ رشتے کوئی اور نہیں ہو سکتے' یہ دشمنی سے بھی زیادہ خطرناک ہو جاتے ہیں' میرا اور زرتاج کا بھی کچھ ایسا ہی سلسلہ ہے۔" اپنی بات کرتے کرتے وہ کچھ چونک سے گئے۔

"ارے یہ یہیں ہے اب تک۔"

"کون؟" ان کی نگاہ کے تعاقب میں سالار نے بھی نظر دوڑائی۔

"یہ ڈرائیور' پتا نہیں کیا نام ہے اس کا؟"

"راجو!" سالار نے انہیں یاد کرنے کی زحمت سے بچایا۔

"ہاں' راجو' پرانا ڈرائیور ہے زرتاج کا' لیکن اب تو بہت کم کام کرتا ہے' بلکہ شاید گاڑی لے لی ہے اس نے اس سے۔" انہوں نے کیاری کے پاس گم صم بیٹھے راجو کو دیکھتے ہوئے سالار سے تصدیق چاہی۔

"شاید ویسے بھی ذہنی طور پر بے چارہ بہت بری طرح ڈسٹرب ہے گاڑی روڈ پر نکالے گا بھی تو نقصان ہو سکتا ہے' خاص آدمی ہے ان لوگوں کا اس لیے شاید علاج وغیرہ کرا رہے ہوں۔"

"تم اب بھی ان لوگوں کے لیے خوش گمانی رکھتے ہو' یہ حیرت کی بات ہے۔" وہ بہت کم ہنستے تھے۔ مگر اس وقت ہنس پڑے۔

"مطلب!" سالار نے الجھے ہوئے انداز میں یوسف کمال کی طرف دیکھا۔

"اس لڑکی کے غائب ہونے کے بعد سے اس کا حال خراب ہوا ہے' شادی ہونے والی تھی اس کے ساتھ۔ روزی یاد ہے تمہیں بہت چھوٹی سی آئی تھی یہاں!"

"یہیں پلی تھی عظمت بوا کے پاس' میں بہت کم آتا تھا یہاں' مگر اس وقت وہی دونوں تھیں' جو میرے آنے پر خوش ہوتی تھیں' ان دونوں کے جانے کے بعد تو اس گھر میں صرف ویرانی ہے۔ پتہ نہیں کیوں چھوڑ دیا دونوں نے یہ گھر' میری تو ان سے ملاقات ہی نہیں ہوئی ہے' آنے سے پہلے ہی جا چکی تھیں۔"

سالار نے شدت سے اس وقت ان دونوں کو یاد کیا تھا۔

یوسف کمال کے چہرے پر تذبذب کے سے آثار ابھرے۔

"عظمت بوا گھر چھوڑ کر گئی تھیں' روزی کے بعد لیکن روزی کو جاتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا' راتوں رات لڑکی غائب ہوئی ہے سالار!"

سالار نے ان کے لہجے کی پراسراریت کو جیسے بہت قریب سے نوٹ کیا۔

"کہنا کیا چاہتے ہیں آپ؟"

"سوچنے کی بات ہے' ایک کم عمر لڑکی جس کا آگے پیچھے کوئی بھی نہیں۔ اس گھر سے زیادہ وہ دنیا میں کسی کو بھی نہیں جانتی تھی۔ راجو سے شادی کے بعد بھی اسے ساری عمر یہیں رہنا تھا۔ کیسے جائے گی یہاں سے اور کیوں؟"

سالار بنا پلک جھپکائے ان کا چہرہ دیکھے گیا۔

"مگر یہ لوگ اسے ڈھونڈ رہے ہیں انکل! راجو نے مجھے خود بتایا تھا کہ نبیل لاہور اسے لے کر ہی اس لیے جا رہا ہے کہ روزی کو ڈھونڈ سکے۔" اسے راجو کا وہ جوش و خروش یاد آیا' جب وہ نبیل کے ساتھ لاہور جا رہا تھا۔

"وہ ڈھونڈ نہیں رہا' ڈھونڈنے کا ڈراما کر رہا ہے اور راجو کو اس لیے اپنے ساتھ رکھتا ہے' تاکہ وہ اس کے بارے میں کسی سے بات نہیں کر سکے اور تم دیکھ لینا' کسی بھی وقت وہ اس راجو سے جان چھڑانے لگا یا پھر یہ خود ہی پاگل ہو جائے گا' نیم پاگل تو ہے۔"

چوکھٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے' سالار اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"اتنا کچھ ہو رہا ہے یہاں!"

"شاید اس بھی کہیں زیادہ جو میں نے سمجھا ہے' کاش! میں اس وقت اس بات پر دھیان دے لیتا جب روزی غائب ہوئی تھی' مگر صاف بات ہے کہ میں زرتاج اور نبیل دونوں کی شکل بھی دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ یہ تو تم ہو' جس کی وجہ سے......"

انہوں نے بات ادھوری چھوڑی۔

"میں آپ کا شکر گزار ہوں۔"

"اوں ہوں! بہت حساب کھلتے ہیں مجھ پر' شاید کہیں اور' ایک چھوٹا سا ازالہ کرنے کی کوشش ہے یہ۔"

اس بار وہ خاموش رہا۔

ان کہے لفظوں کی طاقت اس پر آہستہ آہستہ کھل رہی تھی۔

"روزی کے معاملے کو تمہیں خود دیکھنا چاہیے سالار! وہ تمہارے گھر کا فرد تھی' اس کے معاملے میں نبیل اور زرتاج پر بھروسا کرنا ٹھیک نہیں ہے' بلکہ کسی بھی معاملے میں آنکھیں بند مت رکھو!"

سالار نے ایک گہری سانس لی۔

"جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں' وہ بہت عجیب ہے' اس پر یقین کرنا۔' ذرا رک کر اس نے سوگواری میں ہلایا۔" اور اگر یہ سچ ہے تو بہت ہی خوفناک' ناقابل معافی!"

وہ یک بیک ہی کئی امکانات میں گھر اٹھا اور ان میں سے ہر ایک' بہت ہی دل ہلا دینے والا۔

"اور اگر کچھ ثابت ہو گیا۔ تو پھر آپ دیکھیے گا کہ میں......"

سالار کے لہجے' چہرے' الفاظ' سب ہی پر تپش سی پھیلی تھی۔

☆ ☆ ☆

رات محلے میں معمول کا دھوم ہنگامہ رہا تھا۔ کتنی ہی دیر کروٹیں بدلیں جب کہیں جا کر نیند آئی' وہ بھی اس وقت جب آس پاس ہوتا ہنگامہ تھما' وہ بڑے رشک سے' نانی' نگینہ امی اور شاما کو دیکھے گئی جو گہری نیند کے مزے لے

رہی تھیں۔

"یہی شور ہنگامے کے ساتھ زندگی گزری تھی' سو ان کے لیے تو وہ محض لوری کی سی ہی حیثیت رکھتا تھا اور وہ بھی پہلے آخر سوتی ہی تھی نا مگر اب عادت بدل رہی تھی یہاں خیام تھا' جتنے کمرے کے دروازے کھڑکیاں لاک کر کے بھی بے چینی رہتی تھی۔

کہیں نہ کہیں سے پھر بھی دبی دبائی آوازیں اس کے کمرے تک آتیں تو وہ کس بری طرح جھنجلاتا' کل رات نہ چاہتے ہوئے بھی' بار بار خیام یاد آیا۔ "یاد نہیں' صرف خیال!"

دوسری طرف کروٹ لیتے ہوئے' اس نے تکیے میں منہ دے کر اپنی بات کی خود ہی تردید کی۔

"اب پتا نہیں کہاں' کسی محل میں رہتا ہوگا' جہاں پرندہ بھی چوں نہ کرے۔"

کل رات جب وہ سب دیر تک باتیں کیے جا رہی تھیں' شاما کو بھی کسی بات پر خیام کا خیال آیا تھا۔

"ایسی ویسی جگہ پر اس کا کہاں گزارا تھا۔ یہاں کے عیش و آرام کو ٹھوکر ماردی تھی آخر!"

"ٹھوکر اس نے آرام کو نہیں' ہمیں ماری تھی شاما! کیوں بھولتی ہے تو یہ بات۔"

نانی کے چہرے پر اداسی اتری۔

نگینہ نے گھور کر شاما کو دیکھا تھا۔

"ارے چھوڑیں' دفع کریں' ہمیں کون سی کمی پڑ رہی ہے اماں! اللہ کا فضل ہے خاص' ہم پر بھی' کوئی بھوکے ننگے تو ہم بھی نہیں' دنیا دیکھ رہی ہے' صندل کی شان' اس کا عروج۔"

منہ کی منہ پھٹ نگینہ کا نانی ستارہ کے سامنے لب و لہجہ اکثر سنبھلا رہتا تھا۔

"اور خیام کا کیا ہے' اگر محل میں بھی رہتا ہے تو کس کو خبر' جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا' خود ہی خوش ہو لیتے ہوں گے خیام بھائی!"

جو بات شاما نے اپنی دانست میں سب کو خوش کرنے کے لیے کہی تھی' ایک بار پھر دل پر بوجھ بڑھا گئی۔ نگینہ نے بے ساختہ ہی ماتھے کو چھوا!

وہاں صندل کی کوٹھی میں گزرے وقت' گزرے لوگوں کی پرچھائیں تک نہیں گزرتی تھی۔

"مجھے تو سچی بات یہ کہ کبھی' صندل' گیتی کا مرحوم باپ بھی یاد نہیں آتا اور اسے یاد کر کے کرنا بھی کیا' جو سوائے ذمہ داریوں کے کچھ بھی نہیں چھوڑ کر گیا تھا میرے لیے۔"

نگینہ ایک بار پھر بات کا رخ موڑنے میں کامیاب رہی تھی۔

گیتی نے بڑی محبت سے ماں کو دیکھا تھا۔

ساری عمر تپتی دھوپ میں سفر کرنے والی نگینہ کا دل اپنوں کے لیے کس طرح حساس ہو کر سوچتا تھا۔ بہت سوچ کر بھی اسے کوئی بات یاد نہیں آئی تھی' جب نگینہ نے اسے یا صندل کو کسی بھی بات کے لیے پریشرائز کیا ہو' اس کے اکھڑ رویہ اور سخت لب و لہجے کے پیچھے وہی ممتا بھرا دل تھا۔

"سو پھر کیسے وہ اب بھی' اس کے لیے کچھ ایسا سوچے گی جو خود اپنے اندر تکلیف دہ ہوا۔"

متوقع امیدواروں کی تفصیل جاننے کے بعد بڑھنے والی پریشانی میں تھوڑی سی کمی یہی سوچ کر ہوئی تھی اور پھر غنیمت ہوا کہ ابھی تک دوبارہ یہ ذکر پھر چھڑا بھی نہیں تھا۔

"گیتی! گیتی!"

شاما نے اس بار باقاعدہ اس کا کندھا ہلایا تھا' وہ کب سے اٹھی تھیں' بس یوں ہی عادتاً' رات کی باتوں کا اعادہ ہو رہا تھا۔

"کیا ہے؟"
وہ بھی اٹھنے کے موڈ میں نہیں تھی' رات کی سستی ابھی تک سوار تھی۔
"اٹھ جاؤ' دیکھو کتنا دن چڑھ آیا ہے۔"
"کون سی نئی بات ہے' دن تو روز ہی چڑھتا اور ڈوبتا ہے۔"
اٹھتے اٹھتے اس نے دوبارہ تکیہ میں منہ دینا چاہا تو شاما نے اس بار پہلے سے بھی زیادہ زور سے آواز دی۔
"گیتی! اٹھ جاؤ' دیکھو' نانی دوبار پچھوا چکی ہیں اور دیر مت کرو۔"
اس کی آواز میں بڑی واضح گھبراہٹ تھی۔
گیتی نے ایک دم ہی آنکھیں کھولیں اور اٹھ کر بیٹھی۔
"خیر تو ہے نا شاما!"
"ہاں' تم ذرا تیار ہو جاؤ جلدی سے' یہ کپڑے میں نے نکال کر رکھ دیے ہیں۔"
جلدی جلدی کہتے ہوئے وہ واپس ہونے لگی تھی کہ گیتی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا۔
"کیوں تیار ہو جاؤں؟ کہاں جانا ہے صبح ہی صبح' امی اور نانی نے کیا پروگرام بنا لیا اچانک' رات کو تو کچھ نہیں کہا تھا۔"
شاما کے انداز میں کچھ تو ایسا تھا جو معمول سے ہٹ کر تھا۔
"رات کو پتا کب تھا کہ وہ لوگ یہاں آجائیں گے' مگر وہ تو بس آدھ گھنٹے کا نوٹس دے کر سر پر آپہنچے۔ اب اتنے بڑے لوگ۔ منع تو نہیں کیا جا سکتا تھا نا!"
گیتی کی نگاہ سامنے صوفے پر رکھے کپڑوں پر پڑی اور وہیں ساکت ہوئی۔
جو کچھ شاما کے تیز تیز بولنے میں سمجھ میں نہیں آیا تھا وہ اس زرق برق جوڑے نے سمجھایا تھا۔ مگر وہ پھر بھی سمجھنے کے لیے تیار نہیں تھی۔
"کیا بکواس ہے شاما! تمہارا دماغ چل گیا ہے کیا' یا پھر زیادہ ہی بدتمیز ہو گئی ہو۔"
پہلی بار وہ اتنی زور سے شاما پر چیخی۔ شاما کے چہرے کا رنگ لمحے بھر کے لیے پھیکا سا پڑا۔
"غصہ نہ کر گیتی! شاباش کپڑے بدل لے اور زور سے نہیں بیٹا! اندر ہال میں آواز جائے گی۔ بے کار میں تاثر خراب ہوگا۔"
اس کے انداز میں ذرا سا بھی شائبہ نہیں تھا کہ وہ گیتی کی بدتمیزی پر برا مانی ہو۔
الٹا خوشامد' محبت' چاپلوسی!
"دیکھ تو کتنا پیارا سوٹ ہے' پہن کر بالکل شہزادی لگے گی' جلدی سے منہ دھو لے' میں تیاری میں مدد کر دوں گی' دس منٹ بھی نہیں لگیں گے۔"
گیتی نے خالی خالی نگاہوں سے شاما کو دیکھا۔
یہ سارے جملے بڑے ہی مانوس تھے۔
ہزار بار کے سنے ہوئے!
یہاں کے در و دیوار میں ان جملوں کی بازگشت بلند آواز گونجتی تھی۔
خاص تیاریاں!
حسین لگنے کی خواہش اور حسین تر دکھائی دینے کی جستجو! ناز برداریاں' خوشامد...
کون سی لڑکی تھی' جو ان باتوں سے نامانوس تھی' مگر ایک وہ نہیں۔

کچھ چونک کر وہ جیسے اپنے آپ میں واپس آئی۔

"اس شاما کا یقیناً" دماغ ہی خراب ہوا ہے 'معلوم نہیں کس کے لیے نانی نے کہا ہوگا' آخر ہمیشہ یہاں لڑکیاں پرفارم کرنے آتی رہی ہیں 'ان ہی میں سے کسی نے پھر رکھ لیا ہوگا اپنا پروگرام' یہ بے چاری کچھ الٹا ہی سمجھ بیٹھی ہے۔"

وہ پورے یقین کے ساتھ اٹھ کر واش روم چلی گئی' واپس آئی تو شاما کپڑوں کے پاس کھڑی تھی۔

"لو جلدی سے پہن لو' ہلکا سا بھی میک اپ کرلو گی تو وہ پلک جھپکانا بھول جائیں گے' کانوں میں یہ پہن لو' خاص نانی کے ہیں۔"

شاما نے اس کے نکلتے ہی ہدایت دینا شروع کی تو باوجود کوشش کے وہ اپنا ضبط کھو ہی بیٹھی۔

"جسٹ شٹ اپ' شاما! سمجھ میں نہیں آرہا تمہیں' جاکر پوچھ کر آؤ' کس کے کپڑے ہیں یہ 'امی کہاں ہیں انہیں بلواؤ' ہو کیا رہا ہے یہاں آخر؟"

تیز تیز بولتے ہوئے وہ کمرے سے نکل کر برآمدے میں آئی۔

"امی! امی! نانی! کہاں ہیں سب لوگ!" وہ چند قدم آگے بڑھتی چلی آئی۔

تب ہی اس نے آخری سرے پر ہال میں سے تمینہ کو آتے دیکھا۔

"کیوں شور مچا رکھا ہے کیتی! مہمان آئے بیٹھے ہیں۔ اندر تک آواز آرہی ہے۔"

دبے دبے سے لہجے میں خفا ہوتی' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر تقریباً" کھینچتے ہوئے اسے کمرے تک لائی۔

"اور اب تک تیار بھی نہیں ہوئی ہو' شاما! کیا کہا تھا تجھ سے کہ کیتی کو جلدی سے تیار کروادے۔ اتنی لاپروائی تو تجھ میں کبھی نہیں رہی' کب سے انتظار کر رہے ہیں ملک صاحب' سارا دن یہیں تو نہیں بیٹھے رہیں گے' بڑے آدمی' ہزار کام لگے ہیں جان کو!" حسب عادت ایک ہی سانس میں دس معاملات پر اظہار خیال۔

کیتی نے صاف نوٹ کیا تھا کہ وہ اتنی دیر میں اسے ایک بھی لفظ کہنے کی مہلت نہیں دے رہی تھی۔

"میں کسی کے سامنے نہیں جاؤں گی اور کیوں جاؤں' ایسے ہی خوامخواہ۔"

ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے خود کو کمپوز کیا۔

تمینہ نے بہت غور سے اس کے چہرے کو دیکھا' جہاں پہلی بار بغاوت کے آثار نمودار ہو رہے تھے۔

سو کون سی نئی بات تھی۔

یہاں بڑے بڑے اڑیل سدھارے تھے' یہ تو پھر اپنی ہی بیٹی تھی اور کون سا وہ اس کے لیے کچھ برا کرنے جارہی تھی۔

"ساری زندگی میری شکر گزار رہے گی' عزت کی زندگی چاہیے تھی نا تجھے' وہی مل رہی ہے کیتی! ملک صاحب باقاعدہ رشتہ مانگنے اماں کے پاس آئے ہیں' کبھی سوچا بھی نہیں تھا میں نے' اتنا بڑا آدمی میرا داماد بنے گا۔"

تمینہ کے چہرے پر بڑی روشنی سی تھی۔

"میرا سودا' امی!" کیتی کے لب کھلے اور بند ہوئے۔

"نکاح کر رہے ہیں تیرا' شادی ہوگی' سارے حقوق دیں گے' آگے تیرے بچوں کو بھی شناخت ملے گی اور کیا چاہیے تجھے۔" تمینہ کو مکمل اطمینان قلب حاصل ہوا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عالیہ بخاری

دل اور رشتہ

کےدل میں ایسی اترے کہ ساری زندگی وہ اس کی طرف سے نگاہ نہ پھیر سکیں!"

"ایسا ہی ہو گا ان شاء اللہ اگر اللہ نے چاہا تو۔" شاما کی وفاداری میں کیا شک تھا۔

"اب کپڑے خود بدلو گی یا وہ بھی میں۔۔۔" مارے کوفت کے نگینہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ کیتی کو نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھنا پڑا۔ سر پر کھڑی ہوئی وہ دونوں خواتین اس وقت جس موڈ میں تھیں ان سے کچھ بعید بھی نہیں تھا۔

وہ کپڑے بدل کر نکلی تو وہ دونوں بالکل مستعد کھڑی تھیں۔

"چلو!"

"امی پلیز! خدا کے لیے ایسا نہیں کریں اس طرح مجھے نہیں کرنی ہے شادی وادی منع کر دیں آپ انہیں!" سادہ لوحی کی حد تھی کہ وہ اب بھی نگینہ کی طرف پر امید نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"تو پھر اس منحوس خیام کا سوگ منانے کی ساری عمر بے وقوف! تیری سمجھ میں کیوں نہیں آ رہا دکھا دے سارے زمانے کو کہ تیری بھی کوئی پوزیشن کوئی اہمیت ہے چل اب دیر نہ کر۔"

کیتی کے بازو پر اس کے ہاتھ کا دباؤ اور بھی سخت ہوا اور وہ تقریباً" اسے کھینچتی ہوئی برآمدے میں آئی۔

کیتی نے پھٹی پھٹی سی آنکھوں سے نگینہ کو دیکھا اس کے چہرے پر غضب کی تپش اور انداز میں ویسی ہی سرد مہری۔

غضب کا تضاد جو دیکھنے والے کے دل پر سہم سا طاری کرتا تھا۔

کیتی نے دوسرے ہی لمحے نگاہ چرائی تھی۔

آج پہلی بار اسے اپنی ماں سے خوف آیا تھا اور آج پہلی بار ہی اس نے اپنی ماں کی حقیقت کو بھی جانا تھا۔

کہاں سے مختلف تھی وہ!

نانی دلدار 'خالہ گل ناز' نانی ستارہ 'نگینہ امی۔ ایک خون 'ایک برادری' ایک فطرت۔

وہ سترہ سال کی عمر میں الماس کی طرح نچائی جاتی یا پھر بائیس سال کی عمر میں کسی عیاش رئیس کے حوالے کی جاتی بات ایک ہی تھی۔

صرف حالات اور مصلحت کا الٹ پھیر تھا اور کچھ بھی نہیں۔

ایک آخری کوشش کے طور پر اس بڑے سارے آرائشی ہال سے چند قدم پیچھے پر اس نے اپنا ہاتھ ایک بار پھر نگینہ کی گرفت سے چھڑانا چاہا۔

"آپ مجھ پر زبردستی نہیں کر سکتیں' اور نہ ہی۔۔۔"

"بکواس نہیں کیتی۔۔۔! اوقات میں رہ 'چپ کر کے اندر چل' ابھی رخصت نہیں کر رہے ہیں تجھے 'صرف ایک نظر دیکھنا ہے ملک صاحب کو' آخر اتنا پیسہ خرچ کر رہے ہیں تو اپنا اطمینان تو کریں گے نا!"

نگینہ کی زہر بھری سرگوشی کان کے بالکل قریب سنائی دی' کیتی کے قدم اور بھی ڈھیلے ہوئے کیسی تسلی تھی۔ حقارت سے دیکھتی ہنسی اڑاتی ہوئی۔

نانی ستارہ نے بہت فخر سے اندر آتی کیتی کی طرف دیکھا۔

"ماشاء اللہ!" ایک بھاری اجنبی آواز سے چھلکتا ہوا اشتیاق اس کی قسمت کا فی الفور فیصلہ سنا رہا تھا شل ہوتے ہوئے اعصاب کے ساتھ وہ مکمل طور پر نگینہ اور شاما کے سپرد تھی۔

"آداب کرو کیتی آرا!" نانی ستارہ نے کہا تھا نگینہ امی نے۔

"بہت شرمیلی ہے لوگوں کے سامنے آنا بھی پسند نہیں کرتی' یہ تو آپ ہیں پہلے شخص۔۔"

"میری خوش قسمتی ہے جو میں۔۔۔"

"بی اے فرسٹ کلاس پاس۔۔۔"

"تعلیم یافتہ عورت کی تو بات ہی کیا ہے' مجھے تو جب بالی صاحب نے بتایا کہ کیتی آرا ایم اے اردو ادب کر رہی ہیں تو۔۔۔"

بہت کچھ بڑی تیزی سے خلط ملط ہو اتھا۔ وہ نانی ستارہ کے قریب بیٹھی ان ملی جلی آوازوں کی گونج میں گھری تھی۔

"ایک ایک بات کتنی بار دہرائی جا رہی تھی' تو تر یاتو ف ہوتے ہوئے ذہن کے ساتھ اس کے آخری بات شاید یہی ذہن میں آئی تھی۔

"کیتی' کیتی آرا!"

سب سے پہلے شاما اس کی غیر ہوتی حالت کو دیکھ کر اس کی طرف لپکی تھی۔

"ارے یہ تو گر رہی ہیں 'کوئی ڈاکٹر کو بلاؤ!" بند ہوتی آنکھوں سے کیتی نے ایک کرخت چہرے کو خود پر جھکتے ہوئے دیکھا۔

ایک اجنبی ہاتھ اس کے چہرے کو تھپک رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

گھر جیسے کہکشاں قریب سے سحر کا سایہ ہوا تھا۔

ہر چیز قرینے سے اپنی جگہ اور ہر کام وقت سے بھی کہیں پہلے سر انجام پا جاتا' صبح سویرے کی وہ روایتی سی بدحواسی اور ریمہ دونوں پر طاری رہتی تھی سرے سے غائب ہو چکی تھی۔

صبح کی چائے الگ الگ وقتوں پر کیا جانے والا ناشتہ۔ استری شدہ کپڑے' سب ہی کچھ ترتیب سے طے پاتا چلا جاتا۔

وہ ہر ایک کی سہولت اور پسند کا خیال رکھتی۔

کب سے وہ سب کی اتنی مزاج آشنا ہوئی؟

اگر اس کی یہاں آمد کے ہفتے گنے جاتے تو بھی انگلیوں کی پوروں پر با آسانی گنے جا سکتے تھے۔

دادی نے اس کے مہارت سے چلتے ہاتھوں کو تشکر بھری نگاہوں سے دیکھا۔

"بیٹی روز زری! بہت آرام آ گیا ہے' اب بس کر دے!"

اتنی دیر میں شاید انہوں نے اسے چوتھی بار "بس" کرنے کو کہا تھا' مگر وہ "بس تھوڑی دیر اور" کہہ کر ان کے پیروں اور پنڈلیوں کی مالش کیے گئی اس کی انگلیوں میں بڑی پروفیشنل سی مہارت تھی۔ ان دنوں میں یہ تجربہ دادی کو بار بار ہو رہا تھا' دکھتے ہوئے پیروں کو راحت کا ایسا احساس ملتا کہ آنکھیں خود بخود بند ہونے لگتیں۔

زری کی خدمت کا دورانیہ یہیں ختم نہیں ہوتا تھا۔ وہ ان کے سر میں ہلکا ہلکا تیل لگاتی اور پھر دھیرے دھیرے کتنی ہی دیر دباتی رہتی۔

وہ تو نیند کی گولی کھا کر بھی بے خوابی کا شکار رہتی تھیں۔ آج کل بڑے سکون سے سوتیں۔

"جادو ہے زری کے ہاتھوں میں' میرے تو دل سے اس کے لیے دعا نکلتی ہے۔" اپنی تمام تر تخت مزاجی کے باوجود وہ کسی کسی وقت بے ساختہ کہہ جاتیں تو زری کی آنکھوں میں آنسو آنے لگتے۔

اس کے لیے دعا کرنے والے لب کب کے خاموش ہو گئے تھے۔ سعیدہ کے ساتھ گزری زندگی میں ساری خدمت اور محبت کے جواب میں سوائے پھٹکار اور طعنوں کے کچھ نہیں تھا۔

"تم بھی زری سے مالش کروا لیا کرو' یہ سر کے درد سے بھی ان شاء اللہ نجات مل جائے گی اور نیند بھی اچھی

آنے لگی ہے۔"

اس روز دادی نے امی کو بڑے خلوص سے مشورہ دیا تھا۔

زری نیچے کارپٹ پر چادر بچھائے کل صبح کے لیے سب کے کپڑے استری کر رہی تھی' اپنی تعریف پر شرما کر مسکرا دی۔ امی نے جبراً" زری کو قبول کیا تھا اور مصلحتاً" اس کی خدمت گزاری کو لیکن اس کو سراہنا تو دور کی بات انہیں یہ قبول کرنے میں بھی تامل تھا کہ وہ گھر کے اور گھر والوں کے لیے کسی قسم کے سکون و آرام کا باعث بھی بن چکی ہے۔

ایک خاص قسم کی چڑ' جو پہلے دن سے تھی' سو تھی۔ اس وقت زری کا مسکرانا یوں ہی کوفت بڑھا جانے کا سبب بنا تھا۔

"میرا درد یوں ہی مالشوں سے ختم ہونے والا نہیں ہے اماں! ساری زندگی کی مشقت جھیلی ہے دماغ نے' آنکھوں نے' یہ تو اب ساتھ ہی جائے گا' یہ مالش تو خوامخواہ کا بہلاوا ہیں' کچھ نہیں ہوتا ان سے۔"

سچی بات تو یہ کہ انہوں نے خود کو خاصا کنٹرول بھی کیا تھا مگر زری پر دادی کی مہربانیوں کا اعتماد چھایا تھا۔

"آپ کروا کر تو دیکھیں آنٹی' آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا' ساری محنت مشقت بھول جائیں گی' ہمارے پڑوس والی خالہ بتول تو دس گھروں کا کام کر کے آتی تھیں پھر اس کے بعد..."

کپڑے استری کرتے ہوئے وہ اپنی دھن میں بولے چلی گئی' یہ بھی نہیں دیکھا کہ شائستہ امی کے ماتھے پر بڑا ہی گہرا بل پڑ رہا ہے۔

"زیادہ مت بولا کر' جب ایک بات کو منع کر دیا تو کیوں بکواس کیے چلی جا رہی ہے' ہمیں نہیں چاہئیں تیری مہربانیاں' پتا نہیں کب تک کا بوجھ ہے ہمارے سر پہ۔"

زری اپنی جگہ ہی تھمی رہ گئی۔

اتنی بھی ہمت نہ ہوئی کہ پلٹ کر ان کی طرف ہی دیکھ سکے' زری سے تو خیر وہ اس سے کبھی بھی بات نہیں کرتی تھیں لیکن نظرانداز کیے رکھنے کی جو پالیسی انہوں نے اختیار کر رکھی تھی' وہ بھی خاصی عافیت بھری تھی' اس وقت کوئی بری گھڑی ہی آئی تھی۔

"میں تو معاذ سے تنگ ہوں' چھوٹا تھا تو گلی کے بلی کتے سمیٹ کر گھر لاتا تھا' اب خیر سے ترقی کر لی ہے تو ٹھیوں مسکینوں کا درد جاگ اٹھا ہے' نہ جانے معلومات' اللہ معاف کرے۔"

آخر میں جو کچھ کہا' وہ اتنا قابل اعتراض تھا کہ وہ خود ہی صرف بڑبڑا کر رہ گئیں۔

دادی نے بہت حیرت بھری ناگواری سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ دوسری طرف متوجہ تھیں۔

سر کو کھڑکی کی طرف موڑے' باہر اگلے احاطے پر نگاہ جمائے ہوئے۔

"زری! میرے لیے ایک کپ چائے تو بنا کر لاؤ۔" بڑی معقولیت سے دادی نے پہلے اسے منظر میں سے غائب کرنا چاہا۔

وہ بڑی پھرتی سے اٹھی اور ایک لفظ بھی کہے بغیر باہر نکل گئی۔

"اس طرح ذلیل کرتے ہیں کسی کو؟" ان کے لہجے میں دبا دبا غصہ تھا۔

امی نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا۔

"اگر یہ ذلیل کرنا ہے تب بھی مجھے اپنے کہے پر کوئی شرمندگی نہیں' بہت ہاتھ پیر نکال رہی ہے یہ لڑکی' مجھے اس کی دخل اندازی سے اب نفرت ہونے لگی ہے۔"

"کیا دخل دے رہی ہے وہ غریب' تمہارے سارے گھر کا کام اس نے اپنے سر پہ لے لیا ہے' کھانے اور ایک

چھت کے عوض اپنی ہمت سے بڑھ کر آرام دے رہی ہے غریب پھر بھی تم خوش نہیں ہو۔"

"کس لیے کر رہی ہے وہ یہ سب کچھ۔"

وہ پوری طرح سے دادی کی طرف گھوم کر بیٹھیں۔

"کس نے کہا ہے کہ وہ یہاں سب کی خدمتیں کرے' کیا ضرورت ہے' ہمارے ہاں گھر کا کام نہیں ہو رہا تھا' آپ خود بتا دیں کہ دن رات سارا نیاں کرنے کے باوجود کبھی میں نے کسی کو شکایت کا موقع دیا اور اب تو ربیعہ بھی یہ سب کچھ کر رہی ہے' ہمیں کسی کی خدمت کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ یہ لڑکی پوری پلاننگ کے ساتھ یہاں آئی ہے اماں۔ اور مجھے معاذ کی طرف سے فکر ہے' جوان لڑکی کے ساتھ اتنی ہمدردی کیا معنی رکھتی ہے۔"

دادی کو ان کے پورے پیراگراف سے کوئی اختلاف نہیں تھا' سوائے اس آخری بات کے۔

"میرا معاذ ایسا نہیں ہے۔"

"سبھی کو اپنے بچے غلط نہیں لگتے' مگر ایک وقت آنے پر سارے اندازے غلط ثابت ہوتے ہیں' میں اس وقت کے پچھتاوے سے بچنا چاہتی ہوں اماں! یہ لڑکی ٹھیک نہیں ہے' بہت چالاک اور ہوشیار ہے۔"

وہ اپنی بات پر اڑی رہیں' دادی نے بے زاری سے سر کو ہلکے سے جھٹکا۔

بہت پہلے سے انہیں خدشہ بلکہ یقین ہونے لگا تھا کہ شائستہ بذات خود کسی نفسیاتی عارضے میں مبتلا ہو چکی ہیں' ہر ایک کو شبہے کی نگاہ سے دیکھنے کی عادی اور کسی پر بھی رتی بھر بھی اعتبار کرنے کے لیے تیار نہیں' بیوہ اور معاذ کا رشتہ ختم ہونے میں وہ تھوڑا بہت قصوروار انہیں بھی مانتی تھیں۔

"چالاک بھی ہے تو بے بس ہے بے چاری' بہرحال اتنا ضرور کہوں گی اگر کوئی بے بس' مجبور تمہارے دروازے پر آ ہی پڑا ہے تو اللہ کے واسطے اپنا دل بڑا رکھو' اللہ نے تمہیں نوازا ہے تو نرمی اور شکر گزاری اختیار کرو' غرور اور سختی کو تو رب نے بھی ناپسند فرمایا ہے۔" دادی کے لہجے میں ہلکی سی سختی تھی۔

امی قائل تو نہیں ہوئیں' لیکن چپ ضرور ہو گئیں۔

"اگر تمہیں اس سے کام کروانا اتنا ہی برا لگ رہا ہے تو میں اسے سختی سے منع کروں گی کہ وہ اپنے یا میرے لیے کچھ بنائے' بنائے ورنہ کوئی ضرورت نہیں ہے کسی بھی کام میں گھسنے کی۔"

ربیعہ نے اندر آتے ہوئے' دادی کا تازہ فیصلہ سنا اور تفصیل سنتے ہی بے دم سی ہو کر دادی کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آپ بھی نا' بس امی! اتنا آرام دیا ہوا ہے بے چاری نے۔ مجھے بھی پڑھنے کے لیے ٹائم ملا ہوا ہے' ورنہ کہاں ہوتی ہے یہ ڈبل ڈیوٹی اور یہ زری بے چاری تو بہت ہی مسکین سی لڑکی ہے' اس کو تو نکالنے کا سوچے گا بھی نہیں' جب تک ہے غنیمت ہے۔"

یہاں سب کے سب ہی ہم نوا تھے۔

امی جھنجھلا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"بے فکر رہو' وہ یہاں ساری عمر قیام کے ارادے سے آئی ہے۔ پہلے کھلا پلا کر تمہاری عقلیں تو خبط کر لے' اس کے بعد پوچھوں گی۔"

بنا کسی کا بھی جواب سنے وہ تیزی سے باہر نکل گئیں۔

ربیعہ نے تاسف سے دادی کی طرف دیکھا۔

"بہت بری طرح بری ہے شائستہ۔ بے چاری لڑکی تو اپنی صفائی میں ایک لفظ بھی نہ کہہ سکی۔"

ہی پریشان ہو جاتی ہو' رکھ دو کہیں بھی' کیوں خیام بھائی!"

ساجد نے پر اعتماد سی مسکراہٹ کے ساتھ خیام کو دیکھا۔ اس کے چہرے کی رنگت بدلی تھی۔

"میں آپ سے جھوٹ نہیں بولوں گا خالہ! اس بیگ میں واقعی بڑی قیمتی چیز ہے' خدا نہ کرے اگر کھوئی تو میں اور آپ تو کیا کوئی بھی اس نقصان کو پورا نہیں کر سکے گا' ایسے ہی تو میں اس کو ساتھ لیے لیے نہیں پھر رہا ہوں۔"

وہ دبے مگر صاف الفاظ میں حقیقت بیان کر رہا تھا۔ ساجد اور بتول دونوں ہی نے چونک کر خیام کی طرف دیکھا تھا۔

"ایسا کیا ہے بیٹا!" بتول کی زبان لڑکھڑائی۔

"کوئی بہت قیمتی چیز ہے خیام بھائی' ہیرے' جواہرات ـــ" ساجد نے اپنے طور پر سب سے بیش قیمت چیزوں کا اندازہ لگایا۔

"شاید اس سے بھی زیادہ مالیت کی چیز ہے' میں نے کہا نا اس کا نقصان کوئی پورا نہیں کر سکتا!" وہ کہیں دور کھویا تھا۔

ساجد نے غور سے خیام کے چہرے کو دیکھا۔

"شاید خیام بھائی' کچھ زیادہ ہی وہمی ہو گئے ہیں' اتنے عرصے سے بالکل اکیلے رہتے ہیں' آخر ذہن پر اثر تو پڑتا ہی ہے۔" اس نے بڑی گہری ہمدردی خیام سے محسوس کی تھی۔

"چلیں اچھا جو بھی ہے' اماں کے پاس رکھوا دیں' پھر ہم اس کے لیے کچھ اور جگہ محفوظ سی دیکھیں گے۔" تو عمر سے ساجد کے لہجے میں بزرگوں جیسی شفقت چھلکی' بالکل ایسے جیسے اس نے کسی بچے کو بہلایا تھا۔

مگر بتول خوف زدہ تھی۔

"میں نہیں رکھ سکتی بیٹا! اتنی بڑی ذمہ داری کیسے لے سکتی ہوں' تم یہ اپنے ساتھ ہی لے جایا کرو' اتنا بڑا بھی نہیں ہے' اس سے بڑے بیگ تو بچے اسکول لے کر جاتے ہیں آج کل!"

وہ اتنی خوف زدہ تھی کہ ہاتھ لگانے کو بھی تیار نہیں تھی۔

"ہم جگہ جگہ لیے اٹھائے پھریں گے اماں! تم بھی کمال کرتی ہو' چند گھنٹوں کی تو بات ہے' ہم ابھی آ رہے ہیں کام سے واپس' پھر تمہاری ڈیوٹی ختم!"

ساجد کو ماں کے رویے پر جھنجلاہٹ ہو رہی تھی۔ مگر بتول اب ہاتھ لگانے کو تیار نہیں تھی۔

"میری توبہ' اگر مجھے پتا ہوتا کہ ایسا کچھ ہے' تو میں تو ایک دن کے لیے بھی نہیں رکھتی' نہ بیٹا' پرائی امانت سے بڑا کوئی اور بوجھ نہیں اور وہ بھی جب مالک خود بتا رہا ہے کہ ـــ مجھے معاف کر' میری ہمت سے باہر ہے یہ سب۔"

وہ قطعی الغرض ہوئی۔

اس وقت تو اس کو ساجد کا ابا بھی تھوڑا تھوڑا حق بجانب لگنے لگا تھا' جو خیام کے یہاں رکنے پر سخت معترض تھا۔

شکل اکھڑی اچھی سہی مگر حلیے سے آوارہ گرد دکھنے والے اس لڑکے کے پاس اتنا مال آیا تو کہاں سے' میں بھی ساجد کی محبت میں آنکھیں بند کیے اعتبار کر کے بیٹھ گئی' کچھ بھی سہی ہے تو بچہ تو۔"

وہ نیت سے سیدھی سادی تھی اور خیام چند منٹوں میں اتنا مشکوک نظر آنے لگا تھا کہ فی الوقت تو اس کا ساجد کے ساتھ باہر جانا بھی کھل رہا تھا۔

"آج کام کو چھوڑو' پہلے اس کا کوئی بندوبست کرو۔" بین السطور اس کا مطلب' صرف بیگ ہی نہیں خیام بھی

تھا۔ "تیرے ابا کو بھنک بھی پڑ گئی تو پتہ نہیں کیا کرے گا۔"

اس نے اس بار کوئی پردہ داری بھی ضروری نہیں سمجھی۔

"ابا کا ڈراوا مت دو اماں! سب پتہ ہے وہ کیا کریں گے!" ساجد نے بے زاری سے ہاتھ ہلایا۔

ذرا سی بات کا بتنگڑ۔

"اور اصل میں تو یہ خیام بھائی ہی بے وقوف آدمی ہیں' مگر کیا کروں' سنبھالنا تو مجھے ہی ہے۔"

صحن میں کھڑے تینوں افراد میں اس نے خود کو ہی سب سے بڑا اور معتبر تصور کیا۔

"یہ بیگ ابھی یہاں رکھا ہے' کہیں نہیں جا رہا۔" اس نے برآمدے کی الماری پر وہ چھوٹا سا بیگ بے فکری سے ڈالا اور خیام کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آیا۔

بتول آوازیں دیتی ہوئی پیچھے تک آئی۔

"آج آ کر کریں گے اس کا بھی مسئلہ حل۔ اماں! ابھی جانے دو' کام کو دیر ہو رہی ہے۔"

بنا مڑ کر دیکھے اس نے زور سے کہا اور خیام کے ساتھ آگے بڑھتا چلا گیا۔

بتول کو ناچار اندر آنا پڑا۔

آج پہلی بار اس نے اندر آتے ہی سب سے پہلے کنڈی لگائی اور برآمدے میں چلی آئی۔

چھوٹا سا بیگ الماری کے اوپر رکھا تھا اور صحن' برآمدے میں کھڑے ہونے والے کسی بھی شخص کو پہلی نظر میں ہی دکھائی دیتا تھا۔

سو سب سے پہلی فکر اسے چھپانے کی ہی لاحق ہوئی۔

☼ ☼ ☼

اس کے رخسار پر کسی جلتے انگارے کی موجودگی کا تکلیف دہ احساس تھا۔

ادھ کھلی آنکھوں کے ساتھ کیتی کا ہاتھ اپنے چہرے کو بار بار چھو رہا تھا۔

"کچھ نہیں ہے بیٹا! وہم ہے تمہارا' میں نے کتنی بار عرق گلاب لگایا ہے' جلن کم نہیں ہو رہی کیا۔"

نانی ستارہ مستقل اس کے سرہانے بیٹھی تھیں' ایک بار پھر اس کے رخسار پر عرق گلاب میں بھیگی ٹھنڈی مہکتی ہوئی روئی کا پھایا پھیرنے لگیں۔

ٹھنڈک کا یہ معطر احساس بھی اس کے لیے سکون کا باعث نہ بن سکا۔

"نہیں لگا رہیں اور جلن ہو رہی ہے۔" اس نے نانی کا ہاتھ پرے کیا اور آنکھیں دوبارہ بند کیں تو ایک بار پھر کتنے ہی رکے آنسو چہرے پر پھیلتے چلے گئے۔

نانی ستارہ نے تشویش سے حق آرا کو دیکھا۔

آج تیسرا دن تھا اسے بستر پکڑے ہوئے' ڈاکٹر ابھی دیکھ کر گیا تھا' کچھ دوائیں تبدیل کی تھیں۔

"شدید ذہنی صدمہ!" اس نے بلا تامل تشخیص کیا تھا۔

وہ یہاں کا پرانا معالج تھا اور ایسی طرح کے ذہنی جھٹکے اور ان کی وجوہات کوئی نئی بات بھی نہیں تھی۔

مگر یہ مریضہ کچھ زیادہ حساس تھی۔

"کوشش کریں کہ ماحول بدل دیں' اچھا ہو گا کہ کچھ عرصے کے لیے کہیں چلی جائیں' کسی بھی اچھے پرفضا مقام پر۔"

حمینہ کو یہ مشورہ زیادہ پسند آیا۔

"ملک صاحب سے نکاح پڑھوا کر رخصت کریں اماں! وہ خود ہی سنبھال لیں گے' ماریشس' ملائیشیا اور کیا کہتے ہیں وہ سوئیزرلینڈ' ان کے لیے تو کچھ بھی مشکل نہیں۔ دیکھیے گا کتنی جلدی بہل جائے گی' پیسے میں بڑی طاقت ہے' یہ سارا رونا دھونا پہلے کا ہی ہوتا ہے۔"

"اور اگر وہ نہ بہلی پھر تمینہ؟"

نانی کو بہت سے برے امکانات نے گھیرا تھا۔

"اپنی بدنصیبی پر روئے گی ساری عمر' ملک صاحب جیسا رشتہ پوری برادری میں کسی لڑکی کو نہیں ملا ہے' بالی صاحب جیسا پروڈیوسر آگے پیچھے پھر رہا ہے ملک کے۔ اس کو ناراض کرنے کا مطلب تو آپ بھی سمجھتی ہیں نا' صندل کا کیریر بھی ختم ہو جائے گا ابھی سے۔"

تمینہ کی زندگی ان تجربات کا نچوڑ تھی' جو خالصتاً اس کے اپنے تھے' بدترین حالات میں کیے جانے والے سمجھوتے بھی شامل تھے۔

کبھی کبھی وقت تو نانی کو خود سے زیادہ تمینہ کی دانش پر بھروسا ہونے لگتا تھا۔

وہ دنیا کو ان سب سے زیادہ دیکھے اور برتے ہوئے تھی۔

"یہ جو اللہ اللہ کر کے کچھ اچھا وقت آیا ہے' ہمیں' پچیس سال بعد اس کو ایک کیتی کی بے وقوفی کی نذر نہیں کیا جا سکتا اماں!"

وہ دونوں مسہری سے اٹھ کر قدرے فاصلے پر آ کر صوفے پر بیٹھی تھیں۔

کیتی دواؤں کے زیر اثر تھی' بار بار غنودگی میں جتلا ہو رہی تھی۔

"وہ تو بے بس کیتی کا خیال آ رہا ہے' اس کے لیے آسان نہیں ہے ملک کو قبول کرنا' وہ اور طرح اور مزاج کی لڑکی ہے' پھر ہم نے اس کی تربیت پر بھی دھیان نہیں دیا' چھوڑ رکھا اسے اس کے حال پر' کچھ سختی برتی ہوتی تو وہ شاید کچھ مختلف ہی ہو جاتی' نہ پاؤں میں گھنگھرو بندھے' نہ ہی سر تال کی خبر ہوئی اسے' پاس پڑوس میں کوئی سہیلی تک تو بنی نہیں اس کی۔"

تھکے تھکے سے انداز میں نانی ستارہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"خیر چھوڑیے' پڑوس میں تو کوئی ایک اس قابل بھی نہیں تھی اماں! باہر سے دیکھنے والوں کو شاید یہاں سارا اندر کا ہی ماحول خراب دکھائی دیتا ہو گا' مگر یہاں بھی درجہ درجہ جو فرق ہے' وہ تو رہنے والے ہی جانتے ہیں۔"

فرصت اور معاشی بے فکری تمینہ کو بھی صاحب الرائے بنا رہی تھی۔

نانی کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ پل بھر کے لیے ابھری اور غائب بھی ہو گئی۔

"اصل میں تو ہم اس خیام کے آسرے پر کیتی کی طرف سے بے فکر تھے اماں! سوچا گھر کا لڑکا ہے اور کچھ نہیں کرے گا تو چلو ایک لڑکی ہی تو کمانے سے رہے گی' کچھ تو کما کر کھلا ہی دے گا' باہر سے کون سی بارات سج کر آنے والی تھی یہاں' مگر اس نے تو الٹی آنکھیں بدلیں کہ بات چھوڑو۔" آج بھی جب خیام کو کچھ کہا جاتا تو نانی ستارہ کو ایسا ہی لگتا جیسے ان پر ہی فرد جرم عائد کی جا رہی ہو' جو کچھ بھی ہوا ان ہی کا قصور تھا۔

کیتی اور خیام۔ خیام اور کیتی۔

ایک بہت پروفیشنل زنانہ ساز فنکارہ ہو کر بھی انہوں نے بھی گھریلو عورت کی طرح جو ایک تمنا پالی تو وہ ان ہی دو کے ہمیشہ ساتھ کی تھی۔ خیام کے بگڑے ہوئے تیور خائف بھی کرتے تب بھی۔

اس کا اس سارے ماحول اور ان سارے رشتوں سے کھلا نفرت کا اظہار۔ دل دکھاتا تب بھی۔

وہ خود غرض ہو گئی تھیں' تب ہی اس کے پاؤں میں کیتی آرا نام کی زنجیر ڈالنے چلی تھیں۔

بھول جاتی' نہ ہوا کسی کے رونے دکی ہے' اور نہ ہوتا ہوا پانی ہی سا کن ہوا ہے۔

"بس کچھ نہیں' پھر اسی نمک حرام کی یاد میں۔"

تمینہ کی آواز میں خیام کے ذکر کے ساتھ ہی تلخی اتری تھی' جس وقت نہیں کم صم دیکھ کر اور بھی بڑھی۔

نانی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کوئی نہیں بھولی ہوگی۔ گئے ہوئے لوگ کب تک یاد کروں کی اور وہ بھی جس کے آنے کی امید بھی نہیں" کارپٹ پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگی بیٹھی شاماے بہت دھیمے سے نانی ستارہ کو کہا۔

"بس میں ہو تا تو کان سے پکڑ کر لاتی خیام بھائی کو اور نانی کے قدموں میں ڈالتی۔ بڑا ظلم کیا تم نے۔"

نانی ستارہ خود کو سنبھال کر تمینہ کی طرف متوجہ تھیں۔

"پھر کیا سوچا ہے تم نے کیتی کے بارے میں۔"

"فیصلہ تو آپ کا ہے اماں!"

"تم ماں ہو' حق تو تمہارا ہی ہے' جو حالات ہیں اس میں کوئی برائی نظر نہیں آتی ملک میں' صرف کیتی کا ردعمل خوف زدہ کر رہا ہے' اگر برداشت نہ کر سکی تو انجام ڈرا تا ہے۔"

"بے کار کی سوچ ہے' ہمارے خاندان کو راس نہیں آتے اماں! بچی کی دکان پر بار موسم ٹھیک کرتے ہوئے فیض علی کو جلا کر ڈالا تھا' چھوڑ دیا تھا آپ نے' ایک بار جو کوئی سوال بھی پوچھا ہو' چپ کر کے سائن کیے تھے نکاح نامے پر' کیا فیصلہ تھا اماں اس رشتے میں۔ ان دو لڑکیوں کی ذمہ داری اور بچی کی مشقت چھوڑ کر مر گیا تھا چند سالوں میں ہی' مقدر کا لکھا سمجھ کر ہی قبول کیا تھا نا تو پھر یہ کیوں نہیں؟"

تمینہ کی بڑی بڑی نیلے آئی شیڈ سے پینٹ ہوئی آنکھیں گلابی ہو رہی تھیں' اپنے آنسوؤں کو وہ پوری کوشش کر کے روکنے کی کوشش ہمیشہ کرتی تھی۔ کبھی کامیاب ہو بھی جاتی اور کبھی نہیں بھی۔

"تجھ جیسا صبر اور ہمت میرے گھرانے میں اور کس کا ہے تمینہ! مجھے تجھ پر فخر ہے بیٹا!" نانی کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

"ارے کیسی ہمت اور صبر اماں! سر پر پڑتی ہے تو سب ہی کر لیتے ہیں' میں نے کون سا کارنامہ کر دیا۔" کیسی درد بھری ہنسی تھی۔

"اور کیتی کے لیے تو اس سے اچھا رشتہ ملنا مشکل ہے' اسے عزت کی زندگی مل جائے گی' ہمیں بڑھاپے کا تحفظ اور صندل کو اگلی فلموں کا فنانسر' بالی کا بہت اصرار ہے اس رشتے پر' رات بھی اس کا فون آیا تھا' خاص طور پر یہ ہی بات کرنے کے لیے۔"

نانی ستارہ نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔

"کب آ رہے ہیں وہ اور صندل شوٹنگ سے۔"

"دو روز بعد۔"

"ٹھیک ہے' پھر اگلا جمعہ رکھ لیتے ہیں نکاح کا' بس دعا کرو کیتی کو بھی صبر آ جائے۔"

فیصلہ سناتے ہوئے بھی ہلکی سی بے اطمینانی ان کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔

تمینہ کے اصول قاعدوں میں اب کسی کمزوری کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی۔

"شکر گزار ہو گی ساری عمر' صندل سے زیادہ شان سے زندگی گزارے گی اماں! ملک صاحب جدی پشتی رئیس ہیں' ایسے لوگوں کی سخاوت اور طور طریقے آج کل کے نودولتیوں جیسے نہیں ہوتے' ان کا تو کوئی مقابلہ ہی نہیں ہے' ہماری خوش قسمتی ہے کہ۔"

ثمینہ کے چہرے پر خوشی کی ویسی ہی روشنی پھیل رہی تھی جیسی صندل کو ہانی صاحب ـــــ کی فلم کا چانس ملنے پر پھیلی تھی۔
"شاما! لاکر منہ تو میٹھا کرا اماں کا۔"
"تو بھی لائی باجی!"
شامانے بڑی محبت سے ثمینہ کو دیکھا اور مستعدی سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔
باہر برآمدے میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔
"ذرا پہلے دیکھ لے کون ہے' کام کا آدمی ہو تو بات کرا' ورنہ ٹال دے۔" وہ کمرے سے نکل رہی تھی تو اسے اپنے پیچھے ثمینہ کی آواز سنائی دی۔
شاما کو ایسی ہدایت کی ضرورت نہیں تھی' اسے اچھی طرح پتا تھا کہ کیا کرنا ہے' کیا نہیں۔
نانی کے کمرے کا فون آج کل ڈیڈ ہو رہا تھا' سو یہاں پچھلے برآمدے میں رکھے سیٹ سے ہی کام چل رہا تھا۔ زیادہ تر ہر ایک اپنا اپنا سیل فون استعمال کرتا تھا' خود شاما اپنے کانٹیکٹس کے لیے موبائل ہی استعمال کرتی تھی۔
برآمدے کے آخری سرے تک پہنچتے پہنچتے فون کئی بار بج چکا تھا۔
"ہیلو۔"
اپنی پھولی ہوئی سانس کے ساتھ اس نے اتنا ہی کہا' دوسری طرف کسی کو اس کی آواز پہچاننے میں دقت کا سامنا تھا۔
"ہیلو' کون' کون بول رہا ہے؟" لہجے کی بے تابی بڑی ہی معنی خیز تھی۔
"کون تھا یہ؟" شامانے ذہن پر زور ڈالا۔
فطرت اور تربیت اسے دونوں ہی ذہنی طور پر بے حد چوکس رکھتے تھے' ہر گھڑی' ہر لمحہ۔
"ہیلو' ہیلو' دیکھیں۔ مجھے نانی ستارہ سے بات کرنی ہے۔" شامانے ایک گہرا سانس لیا۔
کیسے بے وقت یہ کال آئی تھی۔
وہ سارا الجھاوا جو سلجھنے کو تھا پھر سے الجھ جاتا تھا' اس کی فطری وفاداری نے سانس تک روکنے پر مجبور کیا۔
"دیکھیں' نانی سے جاکر کہیں میں سالار بول رہا ہوں' پلیز میری ان سے بات کرا دیجیے' بہت ضروری ہے۔"
شبہ تو اسے پہلے بھی نہیں تھا' اب یقین اور بھی گہرا ہوا' شامانے دھیرے سے فون کے نیچے لگا تار کھینچ کر نکالا۔
"کس کا فون تھا شاما!" ثمینہ کمرے کے دروازے میں کھڑی پوچھ رہی تھی۔
"کوئی نہیں باجی' رانگ نمبر تھا۔" اس نے پورے اعتماد سے کہا اور تیز قدم اٹھاتی ہوئی کچن میں چلی گئی۔
"جو کچھ اس نے کیا' وہی ٹھیک تھا۔"
اسے پورا یقین تھا۔

✿ ✿ ✿

سالار نے حیرت سے ہاتھ میں تھمے ریسیور کو دیکھا۔ کون تھا جس نے اس کی بات سننی بھی گوارا نہیں کی' گیتی تو ہرگز بھی نہیں۔
اور اس کی ایک ہیلو کیا وہ صرف موجودگی بھی کیسے نہیں پہچان پاتی۔
"کوئی نئی لڑکی ہوگی شاید...؟" اس نے اندازہ لگانا چاہا۔
صندل کی کامیابی کا باب اس کے سامنے ہی کھلا تھا' بلکہ کسی حد تک وہ خود اس جرم میں شریک تھا۔ گیتی تو

باقاعدہ خفا تھی۔ وہ یاد کر کے ہلکا سا مسکرا دیا۔ لیکن دل پر آیا بوجھ ابھی ویسا ہی تھا' وہ کرسی کی پشت پر زور دے کر وہیں قریب بیٹھا' ایک بار' دو بار' تین بار۔
کتنی ہی بار اس نے فون ملایا' مگر اب دوسری طرف ویسی ہی خاموشی تھی' جو کتنی ہی بار پہلے موصول ہوئی تھی' یہاں اب کون ہو سکتا ہے۔
"کیا خبر وہ سب لوگ صندل کے گھر ہی شفٹ ہو گئے ہوں۔" اسے بڑی حد تک اب ایسا ہی لگنے لگا تھا۔ مہینوں سے نہ کوئی اطلاع' نہ خبر۔
گیتی اپنے پاس موبائل کی ضرورت ہی نہیں سمجھتی تھی اور گھر کا فون۔ اس نے مایوسی سے سر ہلایا۔
پتا نہیں وہ بھی اسے کبھی یاد کرتی ہوگی کہ بھول بھال چکی ہوگی' کتنے مہینے گزر گئے آخر...
کاش وہ خونی رخ زندگی میں آیا ہی نہیں' جس نے حمیدی صاحب جیسے پیارے انسان کو موت سے ہمکنار کیا اور خود وہ مہینوں حرکت کرنے کے بھی قابل نہ رہا' اسی شام کی فلائٹ سے اس کی واپسی کنفرم ہوئی تھی۔
خیام کی تلاش اور اس کا جواب لینے کی' جو اسے یہاں لے کر آئی تھی' ورنہ وہ کب آنے والا تھا یہاں۔
"صرف دو یا تین ہفتے بس!" اس نے خود اپنے آپ کو تسلی دی تھی آتے ہوئے' مگر یہاں جیسے وہ سب منتظر تھا' جس کی نہ توقع' نہ ہی خبر۔
زندگی سے زیادہ حیران کن کچھ اور نہیں۔
اور انسان سے بڑھ کر بے بس اور مجبور۔
سالار نے انگلیوں سے پیشانی کو مسلتے ہوئے خود کو کمپوز کرنا چاہا۔
کئی دن سے وسوسے پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے' یا شاید اتنے دن بستر پر گزار کر وہ اندر سے کمزور پڑ رہا تھا۔
اگر وہ نہیں کر سکا تو وہاں سے بھی کسی نے اس کی خبر لینے کی ضرورت کب سمجھی تھی' اس پر ہونے والے قاتلانہ حملے کی خبر دو دن تک تو ٹی وی پر بھی دکھائی دی تھی' پھر بھی کسی نے خیریت کا فون تک نہ کیا یا شاید کیا ہو؟
گیتی کے لیے دل میں بڑی رعایت تھی سو اسے مورد الزام ٹھہرانا بھی ناممکن ہوتا تھا' نگہبانی اس کا فرض بنتا تھا' گیتی کا نہیں۔
"افسر بھائی!" اس نے سیل فون پر افسر کا نمبر ملا رکھا تھا۔
"کیا ہوا' آپ نے صندل کے گھر پتا کیا؟"
"ہاں سالار' وہاں کوئی نہیں ہے' شوٹنگ پر باہر گئے ہوئے ہیں۔ صرف ملازم ہیں گھر پر اور وہ بھی سارے نئے۔"
"وہاں گھر کا فون بھی شاید ڈیڈ ہو گیا ہے' نانی ستارہ سے کوئی رابطہ۔"
"نہیں' جب سے کراچی آیا ہوں کوئی رابطہ نہیں' دیکھو کوشش کر کے کہیں سے نمبر حاصل کرتا ہوں' اصل میں وہ آج کل کچھ ریکارڈ وغیرہ بھی نہیں کروا رہیں' تو کسی سے بھی کانٹیکٹ ہی نہیں ہے' صندل اتنا اونچا اڑ رہی ہے کہ اسے اب ہم جیسوں سے بات کرنے کی بھی فرصت نہیں ہوگی' سب وقت کا کھیل ہے' بھیا! کیا خبر گھر کا فون جان بوجھ کر ہی بند کر دیا ہوا۔"
اپنی بات کہہ کر اس نے حسب عادت زور کا قہقہہ لگایا۔
سالار سے جواباً ہنسا بھی نہیں گیا۔ افسر بھائی کی بات مذاق نہیں تھی۔
اس نے خود کسی کو دوسری طرف سے ہیلو کہتے سنا اور پھر فون کو ڈسکنکٹ کرتے ہوئے بھی' وہ بھی اس وقت جب وہ اپنا نام اور تعارف دے چکا تھا۔ افسر بھائی کا فون بند کر کے بھی' وہ وہیں بیٹھا رہا' اسے جان بوجھ کر نظر انداز کیا گیا

تھا۔

بات تلخ تھی۔
یقین کرنے کو دل بھی نہیں چاہتا تھا۔
مگر سچ یہی تھا۔
سالار نے اضطراب سے پہلو بدلا۔
کوئی تھا جو اسے دور رکھنا چاہتا تھا۔
نانی ستارہ کے گھر سے بلکہ کیتی سے۔
اس کا پہلا خیال خیام کی طرف ہی گیا۔ کیا خبر وہ واپس چلا گیا ہو۔
گو وہ خود سخت ترین الفاظ میں اس کا انکار سن چکا تھا پھر بھی اور بہت سارے ناممکنات کے ممکن ہو جانے کی طرح یہ بھی کوئی ایسی ناممکن بات نہیں تھی۔
زندگی میں بہت کچھ اپنے اصل کی طرف پلٹتا ہے۔ اس نے کیتی کی خوشی میں خوش ہونا چاہا۔
مگر۔
"دھت!!" اپنے فراخ دل ہونے کے بارے میں اس کی ساری خوش فہمی نے اس ایک مقام پر اس کا ساتھ چھوڑا تھا۔ اس کے پر آسائش بیڈ روم میں گھٹن کا احساس بڑھنے لگا تھا۔
بڑی ہمت کر کے وہ اٹھ کر کھڑا ہوا اور دیوار کے سہارے آہستہ آہستہ چلتا ہوا لاؤنج میں آیا۔ یہاں سناٹا پڑا تھا۔
زرتاج اور نبیل آج کل اسے کم کم ہی نظر آتے تھے۔ زرتاج اسے اپنے ساتھ صبح آفس لے جا رہی تھیں' ایک طرح سے اس طرح وہ اس کا اور سالار کا سامنا ہونے کا امکان ختم کرتی تھیں۔
تب ہی اس نے یوسف کمال کی گاڑی اندر آتے ہوئے دیکھی' بوے سے گیٹ اندر لا کر وہ گاڑی کو لاؤنج کی کھڑکی کے نیچے کھڑی کر رہے تھے۔ سالار نے تھکے تھکے سے انداز میں ان کو دیکھا تھا اس وقت کسی کو بھی اٹینڈ کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔
یہاں آج اپنے سود و زیاں کا گوشوارہ توجہ طلب تھا۔
"سالار!" وہ بڑے پر جوش انداز میں اندر آئے تھے۔ اسے موتا ہی سہی ان کی بات پر دھیان دینا پڑا۔
"میں نے آج پتا کر لیا ہے' روزی کی گمشدگی کی رپورٹ باقاعدہ طور پر درج ہی نہیں کرائی گئی ہو لیس کے ریکارڈ میں کوئی اندراج نہیں ہے اس کا' نبیل نے خواہ مخواہ کا ڈرامہ رچایا تھا محض یہاں سب کو مطمئن کرنے کے لیے۔ دیکھا تم نے' میرا شک ٹھیک ہی نکلا اب ہمیں جلد ہی کچھ کرنا ہو گا اس سلسلے میں۔"
ان کے پاس بہت ساری معلومات تھیں۔
سالار نے انہیں ایک بار بھی بیچ میں نہیں ٹوکا۔ روزی کی گمشدگی' "قسمت ہوائی روائی' زرا جو کی بہم ہوائی۔ سب کے سرے ایک دوسرے کے ساتھ ملتے تھے۔
"پھر اب آگے کیا کرنا ہے' میرا خیال ہے سب سے پہلے ایف آئی آر کٹوائی جانے باقاعدہ طور پر۔ تم تو ابھی پولیس اسٹیشن جانے کے قابل نہیں ہو میرا خیال ہے کہ میں۔"
"میں لاہور جانا چاہتا ہوں' پہلے آپ میری کل کی بکنگ کروا دیں پلیز۔"
اس نے شاید ان کی بات سنی بھی نہیں تھی۔
یوسف کمال کا منہ حیرت سے کھلا۔

"قطعی ناممکن' ابھی تم سفر کے قابل نہیں ہو سالار!"

"نہیں ہوں۔" بڑے سے لاؤنج میں اس کی آواز گونج کر رہ گئی۔

"میں ہوں' پلیز آپ مجھے جانے دیں' صرف کچھ دن کے لیے۔ میں واپس آکر دیکھتا ہوں' یہ سب مگر ابھی نہیں' پلیز انکل! مجھے جانا ہوگا' ورنہ پتا نہیں۔"

آج سے پہلے انہوں نے اسے اتنا پریشان پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

کوئی بات۔

نبیل یا زرتاج کا کوئی گھٹیا پن۔

انہوں نے اندازہ لگانا چاہا۔ مگر وہ اتنا کمزور کب تھا۔

انہیں اپنے خیالات کی خود ہی نفی کرنی پڑی۔

"چلو ٹھیک ہے' لیکن ابھی کل نہیں' کچھ دن اور' دو دن بعد تمہیں ڈاکٹر چیک اپ کے لیے بلا رہے ہیں' وہ نمانو' دیکھو کیا کہتے ہیں' میرا خیال ہے ابھی ڈیڑھ دو ہفتے اور لگیں گے انہیں اجازت دینے میں' بے وقوفی مت کرو سالار' خدا نے نئی زندگی دی ہے تمہیں۔ قدر کرو اس کی' میں تمہیں فوراً نہیں جانے دے سکتا۔"

سالار نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

گو رشتے داروں کو گھر کا نیا پتا بتانے سے مکمل پرہیز کیا جا رہا تھا' پھر بھی معلوم نہیں کیسے سب میں خبر اڑ گئی تھی۔ کہ اظہار صاحب اینڈ فیملی' کسی بہت ہی چھوٹے سے خستہ حال گھر میں رہ رہے ہیں اور بڑی کسمپرسی کے عالم میں دن بسر کر رہے ہیں۔

کئی لوگوں نے جا کر آپا گل سے باقاعدہ اس بات کے لیے اظہارِ افسوس بھی کر دیا تھا' جس پر وہ ان سب کا مرتے دم تک منہ نہ دیکھنے کا باقاعدہ اعلان کر چکی تھیں۔

"غضب خدا کا۔" ان کے جملے عموماً اسی طرح شروع ہوتے تھے۔

"اتنے سالوں میں کبھی کوئی میری سسرال میں آکر نہیں پھٹکا اور اب جسے دیکھو' منہ اٹھائے چلا آ رہا ہے' اور وہ آپ کی ماموں زاد بہن شکار پور سے آئیں تو وہ بھی خاص طور پر مجھ سے آپ کی خیریت دریافت کرنے کے لیے میرے سر پر آپہنچیں' بضد تھیں کہ آپ کا ایڈریس لے کر ہی ٹلیں' لیکن میں نے بھی دے کر ہی نہیں دیا' کہہ دیا کہ آپ لوگ تو گرمیاں گزارنے مری گئے ہوئے ہیں' منہ کھلے کا کھلا رہ گیا' بڑی مایوسی ہوئی تھی بے چاری کو۔"

"بہت اچھا کیا' تمہاری ساس تو کچھ نہیں بولیں؟" شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب دونوں ہی کو بڑی مورل سپورٹ ملی تھی۔

"ان کے سامنے تھوڑی کہا تھا میں نے' اتنی عقل تو ہے مجھ میں' لیکن پھر بھی کبھی تو یہ بہانے بھی ختم ہو ہی جائیں گے تب۔۔؟" آپا گل کی آواز دھیمی پڑی۔

"اس سے پہلے ہی ہم یہاں سے شفٹ کر جائیں گے۔ میں نے سلمان سے کہا ہے کہ وہ کم از کم اتنا ضرور کروے' اس کے سسر کے کتنے ہی اپارٹمنٹ خالی پڑے ہیں' کرایہ دے دیں گے ہم۔"

اظہار چچا کے لہجے میں اب بھی وہی ٹھوک بجا کر کیا جانے والا دعوا تھا۔ جو ان کے اچھے دنوں کی دین تھا۔ مگر اب جواباً "تائید کرنے والوں کا حوصلہ جواب دیتا جا رہا تھا۔ شاکرہ بیگم اور آپا گل دونوں ہی نے ایک دوسرے

سے بے ساختہ نگاہ چرائی۔

"زویا کے کالج کا خرچا بھی بڑھ رہا ہے' کتابیں نہ سہی' لیکن نوٹس تو فوٹو کاپی کرانے ہی پڑتے ہیں' آنا جانا' اوپر کا خرچا الگ' اور امتحانی فیس بھی جانی ہے۔" شاکرہ دھیمی آواز میں آپا گل کو بتا رہی تھیں۔ اظہار چچا تھوڑے فاصلے پر بیٹھے تھے' مگر دھیان ادھر ہی لگا تھا۔

"آپ لوگوں نے بھی زویا کو اتنی مہنگی پڑھائی میں ڈال دیا' ابھی تو پہلا پروفیشنل ہے' آگے کے تین امتحان اور آئیں گے۔ کہاں سے ہوگا یہ سب۔ آمدنی کی کوئی صورت نہیں' رکھا ہوا پیٹ بھرنے کے کام آئے گا' یا پھر فیسیں بھرتے رہیں گے آپ۔"

آپا گل کو اپنی حقیقت پسندی پر بڑا ناز تھا مگر کبھی کبھی یہ دوسروں کے لیے ناقابل برداشت ہونے لگتی تھی۔

"زویا کا شوق تھا بہت لگن سے پڑھ رہی ہے بچی' ویسے بھی تو لاکھوں ہزاروں خرچ ہوئے ہیں یوں ہی فالتو بھی' زویا نے تو آگے پڑھنے کی ضد بھی نہیں کی' گھر کے حالات دیکھ کر' اب زویا کو بھی۔" مارے رنج کے انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"توبہ ہے امی!" آپا گل نے بے ساختہ ہی ماتھے کو چھوا۔

"آپ بھی کہیں کی بات کو کہیں ملاتی ہیں' وقت وقت کی بھی تو بات ہوتی ہے اور سچ تو یہ کہ اپنا اپنا نصیب' جن کی قسمت میں ہزاروں لاکھوں خرچ ہونے تھے' ہو گئے' اب اگر کسی کا مقدر ہی سخت ہے تو کیا کیا جا سکتا ہے۔" ان کے لہجے میں بے اعتنائی تھی۔

شاکرہ بیگم کے دل پر چوٹ سی بھی پڑی۔

"خدا نہ کرے' جو زویا اور جویا کی قسمت خراب ہو' ہماری اپنی ناعاقبت اندیشی ہے' چار پیسے اگر ان کے لیے بھی بچا کر رکھے ہوتے تو ان کی اس طرح حق تلفی تو نہیں ہوتی۔"

"زویا اور جویا کم تھیں' جو آپ بھی طعنے دینے لگیں' یہی مطلب ہے نا کہ سارا پیسہ مجھ پر اور سلمان پر خرچ ہو گیا' ہم دونوں نے چھوٹی بہنوں کا بھی حق کھا لیا' سن رہے نا ابو آپ بھی۔" جو بات ابھی تک دبی ہوئی آواز میں ہو رہی تھی' انہوں نے اس کا شور بڑھا دیا۔

"اس عورت کا تو دماغ چل گیا ہے' تم کہاں اس کی باتیں سننے بیٹھ گئیں' یہ تو میں اور تم تھے بیٹا' جو گھر کو کہاں سے کہاں لے گئے' یہ تو صرف مٹھی بھر کر خرچ کرنا ہی سیکھی ہے زندگی میں' نہ سلیقہ' نہ رکھ رکھاؤ۔" وہ بری طرح بگڑے۔

"ایسا کیا غلط کہا' جتنا پیسہ تھا گل اور سلمان پر ہی لگا دیا' باقی دو کا بھی تو حق تھا آخر' اب اگر ایک بچی پڑھ رہی ہے تو بھی اس پر اعتراض۔ کیا پڑھائی چھڑوا کر بٹھا دوں اس کو۔"

شاکرہ بیگم کو اس وقت زیادہ غصہ آپا گل پر آیا تھا' ایک ذرا سی بات پر اتنا فساد۔

"کیا کرے گی ڈاکٹر بن کر بھی' ایم بی بی ایس کی تنخواہ پتا ہے آپ کو' ہمارے گھر کا تو ایک دن کا بھی خرچ نہیں چل سکتا تھا اتنے پیسوں میں' اس والے گھر میں' بے کار میں خرچ سر پر لے لیا ہے ابو! اتنا ہی کہا تھا میں نے' امی خفا ہونے لگیں۔"

صاف ظاہر تھا کہ انہیں زویا کے میڈیکل جوائن کرنے پر تکلیف تھی یا شاید ہر اس بات پر تکلیف تھی جہاں خرچ کا سوال اٹھ رہا تھا۔

"خیر' اب زویا کی پڑھائی تو نہیں چھڑائی جا سکتی' وہ ڈاکٹر بنے گی تو اس میں ہماری ہی عزت بڑھے گی۔"

آپاگل ہی نہیں شاکرہ بیگم نے بھی چونک کر اظہار صاحب کی طرف دیکھا۔

"اس طرح کیا دیکھ رہی ہو' کیا اتنی بھی عقل نہیں ہے مجھ میں' پیسہ لاکھ کمایا ہو' لیکن تعلیم کے معاملے میں ہمارا گھر کہیں پیچھے رہ گیا' گل نے تو میٹرک بھی نہیں کیا' کتنے سال لگ گئے ہیں' سلمان کو جس طرح ڈگری دلائی وہ میرا دل ہی جانتا ہے' اب ان دونوں چھوٹیوں کو پڑھنے کا شوق تھا' جویا نے بھی مجھ سے ایم ایس سی کی اجازت مانگی تھی ایک بار..." بولتے بولتے اظہار صاحب کی آواز دھیمی پڑ گئی۔

"خیر جویا کو تو رہنے ہی دیجیے' ہو! یہ ساری نحوست اسی کی ڈالی ہوئی ہے' اعجاز کے رشتے پر جس طرح اس نے ہنگامہ کیا' سارے میں ذلیل ہو کر رہ گئے ہم۔" آپاگل کا چہرہ بے تاثر تھا' مگر الفاظ۔

ایک کمزور سا پل' جو درمیان میں بننے لگا تھا' نفرت بے یقینی کے ہاتھوں بننے سے پہلے ہی بہہ گیا۔ اظہار صاحب نے مضطرب ہو کر پہلو بدلا۔

"ہاں کیں' تعویذ گنڈے کروائے ہوئے ہیں جویا پر معاذ کے گھر والوں نے' یوں ہی ہمیشہ ضد پر اڑی رہے گی' اگر ہم نے کچھ توڑ نہیں کروایا۔"

"فی الحال تو خاموشی ہی بہتر ہے' ابھی تو جویا کی شادی کا کوئی ذکر نہیں' حالات ذرا سنبھل جائیں تو پھر دیکھیں گے۔"

شاکرہ بیگم قدرے معقولیت سے بات کا رخ موڑ رہی تھیں۔ آپاگل کی طرف سے دل میں زوال آ رہا تھا۔ وہ کبھی کبھی چیزوں کو کسی دوسرے زاویے سے دیکھنے پر مجبور کرتا تھا۔

"یہ دونوں اب تک نہیں آئی ہیں' کہاں غائب ہیں اتنی دیر سے۔ ذرا دھیان رکھا کریں۔"

اظہار چچا اٹھ کر جانے لگے تھے۔ آپاگل کی طرف سے آئے اعتراض سے ٹھٹکنے پر مجبور ہوئے۔

"زویا کی کسی دوست کے ہاں گئی ہیں' یہیں' دو چار گلی آگے' کوئی نوٹس وغیرہ لینے ہیں۔"

"اتنی دیر تو نہیں لگتی نوٹس لینے میں' گھنٹے سے تو اوپر مجھے ہو گیا ہے آئے ہوئے اس سے بھی پہلے۔" ان کا موڈ خراب ہو چکا تھا' اتنی دیر میں چائے کا ایک کپ بھی نصیب نہیں ہوا تھا' پہلے والی خاطر تو واضح تو ماضی کی بات بن گئی تھی۔

"لگتا ہے چائے بھی خود ہی بنا کر پینی پڑے گی۔" کسی نے بھی ان کے احتجاج پر دھیان نہیں دیا۔

"میرے لیے بھی بنا لینا۔"

"اور میرے لیے بھی۔" شاکرہ بیگم نیم دراز ہو گئیں' ہمت ان بہ دن جواب دے رہی تھی۔

آپاگل کو اٹھنا ہی پڑا۔

تبھی کسی نے سیڑھیوں کی طرف کا دروازہ بہت زور سے بجایا۔

"کون؟" آپاگل نے بے ساختہ ہی گھبرا کر پوچھا۔

جواباً اور بھی زور سے دستک ہوئی تھی۔ شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب دونوں صحن میں آ کھڑے ہوئے۔

(باقی آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں)

عالیہ بخاری

دیوارِ شب

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ شاہو، بی نگینہ خالہ اور للہ نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے۔ جو ویڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نگینہ کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آ کر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بالو خوست کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گھٹی انگوٹھی دیکھ کر خیام کو شدید دھچکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایماندار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معوذ نکما اور آوارہ قسم کا لڑکا ہے۔ وہ ہر چیز پر دعوے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معوذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ افتخار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی دولت کی دھوم ہے۔ بچپن میں ان کے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ سے ہونے کی بات زبانی طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچی نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف خان کی بیٹی زویا سے طے کر دی جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس قدم پر خاصا مطمئن ہے۔ جو یہ اور معوذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ فیروزہ، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیرِ اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات حوالتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سولنے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اٹنگ شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی چوڑیاں اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیتا عرصہ سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سیکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرا ئیور اجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے جس پر وہ خاصا جزبز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل اپنے شوہر کو اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔

سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے، جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

جویا کا رشتہ آنا فاناً طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی کوششیں شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے۔ اور جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے تو وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ، جویا کو اکساتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ آپا گل اور شاکرہ بیگم کے بیچ کھچاؤ کا باعث بنتی ہے۔ تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔

صندل کو بالی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

نبیل، سالار پر قاتلانہ حملہ کرواتا ہے جس پر زرتاج بیگم جیسی عورت بھی دہل کر رہ جاتی ہیں۔ سالار کے قابل اعتماد ساتھی موقع پر جاں بحق ہو جاتے ہیں۔ زرتاج بیگم معاملے کو دبانے کی سرتوڑ کوشش کرتی ہیں لیکن اس موقع پر یوسف کمال بہن کے بجائے سالار کا ساتھ دے کر انہیں مزید پریشان کر دیتے ہیں۔ آنے والا وقت نبیل اور زرتاج بیگم کو کسی اچھی خبر کی نوید نہیں سنا رہا۔ یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کا دل اپنے شوہر سلمان سے ہٹ کر اب سالار کی طرف لگ رہا ہے۔

یوسف کمال اسے بتا دیتے ہیں کہ سالار کسی اور کو پسند کرتا ہے۔ صندل کو کامیابی تیزی سے عروج کی جانب لے جاتی ہے۔ بالی صاحب کی کوٹھی میں منتقلی نگینہ بائی کے خاندان کو زندگی کے نئے رخ سے آشنا کرواتی ہے۔ نانی ستارہ شاما کے ساتھ پرانے گھر میں رکنے کا فیصلہ کرتی ہیں تو نگینہ کے ساتھ ساتھ گیتی کو بھی دھچکا لگتا ہے۔ تاہم وہ گیتی سمیت سب کو مطمئن کر کے بھیج دیتی ہیں۔ سالار کی مستقل غیر موجودگی گیتی کے لیے پریشان کن ہے۔

صندل، انٹرویو میں خالہ فیروزہ کو بے اولاد بتاتی ہے تو خیام ایک لمحے کو ساکت رہ جاتا ہے۔ دربدری نے خیام کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ آخر کار ساجد ترس کھا کر اسے اپنے یہاں لے آتا ہے۔

جویا کا رشتہ ٹوٹنا اور اظہار صاحب کی گرفتاری پورے خاندان کا شیرازہ بکھیر ڈالتی ہے۔ تمام سہولیات اور گھر سے انہیں ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔ اس موقع پر آپا گل اور سلمان کی لاتعلقی شاکرہ بیگم کو گم صم کر دیتی ہے۔ یہ خبریں معاذ اور اسلام صاحب کے خاندان تک بھی پہنچتی ہیں، جس پر شائستہ بیگم (معاذ کی والدہ) کے سوا سب کو دکھ ہے۔ معاذ نواب کی موت کے بعد سعیدہ کی بے گانگی پر زری کو گھر لے آتا ہے تو سب کا ماتھا ٹھنکتا ہے۔ دادی اس پر کڑی نظر رکھتی ہیں۔ زری دل میں معاذ کے لیے خاص جذبات رکھتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۴۰

چالیسویں قسط

اس بار ان سے ضبط نہ ہوا، دوڑ کر دروازے تک گئی تھیں۔ چوکھٹ کو تھامے پریشان حال سلمان سامنے کھڑا تھا۔

"الٰہی خیر!" شاکرہ بیگم کے منہ سے بے ساختہ ہی نکلا۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اندر آیا تھا اور اگر آپا گل اسے سہارا نہ دیتیں تو شاید وہ صحن میں ہی گر پڑتا۔

آپا گل کے سہارے چلتے ہوئے وہ کمرے میں آکر بیٹھا۔ اس وقت تک کسی نے بھی کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ آپا گل اسے بٹھا کر خود پانی لینے کے لیے دوڑیں، چند گھونٹ پی کر اس کے اوسان بحال ہوئے تو وہ وہیں تخت پر گرنے کے انداز میں لیٹ گیا۔

آپا گل، اظہار صاحب اور شاکرہ بیگم تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔

سلمان کی آنکھیں بند تھیں اور حالت اتنی خستہ کہ بیان سے باہر۔

"ہوا کیا ہے آخر، کچھ تو بتا بیٹا؟" شاکرہ بیگم کا ضبط رخصت ہونے لگا۔ یہ چند منٹ جو خاموشی کے گزارے تھے، وہ بھی جانے کیسے۔

"کوئی واردات ہو گئی گھر میں؟ کسی نے دھمکی دی ہے؟ خدانہ کرے طبیعت خراب ہے تیری؟"

روتے دھوتے انہوں نے وہ سارے امکانات گنوانے شروع کیے، جو فوری طور پر ذہن میں آرہے تھے۔

اظہار صاحب نے ناگواری سے ان کی طرف دیکھا۔

"بند کرو، یہ جاہل عورتوں کی طرح رونا دھونا، اتنا ہی خیال کر لو کہ اب ہم کسی دوسرے کے گھر میں رہ رہے ہیں، نیچے ساری آواز جاتی ہے۔"

بات سچ بھی تھی مگر کچی تھی۔

گھر کا ذکر جیسے دکھتی رگ تھا۔ شاکرہ بیگم نے ایک سرد آہ کھینچی۔

"کب سوچا تھا کہ یہ وقت بھی آئے گا، میرا محلوں جیسا گھر۔"

"سب کچھ تمہاری بے وقوفی کی نذر ہوا' سمجھ دار ہوتیں تو یہ نوبت ہی نہیں آتی' لاکھوں روپے برباد کروا لے تمہاری فضول خرچیوں نے۔ جاہل عورت بھی بڑا عذاب ہے۔"

اظہار صاحب اب اٹھتے بیٹھتے ان ہی کو ہی مورد الزام ٹھہراتے' آپا گل' سلمان اور جویا کو۔ شاکرہ چچی' اظہار چچا اور آپا گل کو۔

اپنی اپنی ناکامیوں کو دوسرے کے کھاتے میں درج کر کے خود بری الذمہ ہونے کا وہ ہی فطری سا رویہ!

کچھ بھی الگ نہیں تھا۔

"ان لوگوں کو عقل نہیں آنے والی' کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی بربادی میں' سارے میں تماشا بن چکے ہیں' مگر دیکھ لیں۔"

کراہنے کے انداز میں سلمان نے آپا گل کو مخاطب کر کے کہا تو وہ تڑپ کر آگے بڑھیں۔

"نہیں چھوڑو' یہاں تو روز کا یہ ہی قصہ ہے' تم بتاؤ' آخر ہوا کیا ہے' کیا حال بنا لیا ہے' جیسے برسوں کے مریض ہو۔ ضرور اس زوبیہ نے ہی کوئی پریشانی کھڑی کی ہے۔"

اظہار چچا اور شاکرہ دونوں کو ہی حالات کی نزاکت کا احساس کرنا پڑا۔

"خیر تو ہے' کیا عدالت نے پھر سے طلب کر لیا ہے تمہارے ابو کو؟" شاکرہ چچی کو عدالت' مقدمے بازی کا یہ طویل سلسلہ بہت خوف زدہ کر چکا تھا' سو ذہن اسی طرف گیا۔

اظہار چچا نے ایک بار پھر کھا جانے والی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا اور بمشکل ہی ضبط کر پائے۔

"بول تو سہی بچے' ہوا کیا ہے؟" بے تابی تھی کہ چھلکی جاتی تھی۔

سلمان نے ایک بے زار نگاہ ان سب پر ڈالی۔

"گھر سے نکال دیا ہے زوبیہ نے مجھے' ڈیفنس سے پیدل چل کر آیا ہوں یہاں تک۔ ایک پیسہ بھی باقی نہیں چھوڑا میرے پاس اس نے۔"

کمرے میں موجود ان تینوں لوگوں پر' بریکنگ نیوز کے بعد والا سناٹا چھایا۔

کچھ بھی تھا' ان بدترین حالات میں بھی سلمان کا ڈیفنس میں رہنا اور امیر کبیر بیوی' مورل سپورٹ کا باعث تو بنتی ہی تھی۔ چھپ چھپا کر وہ کچھ مدد بھی کر دیتا تھا اور جب اس کی شان دار گاڑی جا بے آدھ گھنٹے کے لیے ہی دروازے پر آ کر کھڑی ہوتی تھی تو دیکھنے والوں پر دھاک تو بیٹھتی ہی تھی۔

زندگی سے جڑے اتنے اعزازات کے ساتھ اب یہ تمغہ امتیاز بھی چھننے ہی والا تھا شاید۔

"بہت ہی بدذات ہے یہ زوبیہ' میں تو پہلے ہی سمجھتی تھی کہ اتنا سر مت چڑھاؤ مگر تم نے تو اسے آقا بنا کر رکھا ہوا تھا؟"

سب سے پہلے آپا گل ہی طیش میں آئیں۔

"کیا کرتا پھر' میرے پاس رکھا ہی کیا تھا' جو میں اسے رعب دکھاتا' یوسف کمال کی بیٹی ہے وہ۔ اور وہ۔" یاد دہانی کرواتے ہوئے وہ مزید کچھ کہنے سے پہلے خاموش ہوا' ملامت بھری نگاہ اظہار چچا پر جا کر ٹھہری۔

"ہر وقت ذلیل کرتی ہے وہ مجھے' جب سے ابو پکڑے گئے ہیں' اس کے ماں باپ الگ شرمندہ کرتے ہیں' کہتے ہیں ہماری شہر میں عزت ہے' لوگ ہم سے سوال کرتے ہیں کہ زوبیہ کے سسر کے کیس کا کیا بنا۔"

"کون سوال کرتا ہے' میرے سامنے آ کر پوچھے تو دماغ ٹھیک کر دوں گا ایک ایک کا' سب بیٹھ پیچھے باتیں بناتے ہیں' ہمت ہے تو سامنے آ کر بات کریں۔" اظہار چچا بری طرح تپے تھے۔

آواز آج بھی اونچی تھی مگر الفاظ اور لہجہ اور الفاظ اتنے کھوکھلے کہ وہ سب ہی ایک دوسرے سے نگاہ چرا گئے۔

"باتیں پیچھے ہی بنتی ہیں ابو! منہ پر سچ کہنے کی ہمت ہی کس میں ہے' اب ہر ایک اسلام چچا جیسا تو نہیں ہو سکتا۔" سلمان تلخی سے مسکرایا۔

"ان کا کیا ذکر' اور مت دل جلاؤ اب خدا کے واسطے' یہ سب ان ہی کے کرائے گئے تعویذ گنڈے چل رہے ہیں۔ صاف کہا تھا میرے پیر صاحب نے کہ قریبی رشتے داروں کا کام ہے' رشتے نہ ملنے پر دشمنی باندھ رکھی ہے۔"

آپا گل کا چہرہ تمتما رہا تھا۔

یہاں کسی زمانے میں ان کا کہا' بنا کسی تردید تصدیق کے پتھر پر لکیر سمجھا جاتا تھا' مگر اب ایسا نہیں تھا۔

وقت الٹی چال چل رہا تھا۔

اور بدلتے وقت کے ساتھ بدلتے رویوں کا تال میل پرانا ہے' سو یہ۔

"کب سے سن رہے ہیں تمہارے پیر صاحب کی کرامتیں' ڈھونگی نمبر ایک' کتنا پیسہ کھا گیا میرے مقدمے میں۔ ہوا کچھ بھی نہیں۔"

"کیوں نہیں ہوا' آج آپ عزت سے اپنے گھر میں بیٹھے ہیں تو ان ہی کی وجہ سے ورنہ کوئی امید نہیں تھی۔"

سلمان نے بے زاری سے ان لوگوں کی طرف دیکھا۔

نہ کوئی اس کی طرف متوجہ ہو رہا تھا اور نہ ہی کسی نے ہمدردی کا ہی ایسا کوئی اثر انگیز اظہار کیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح بات کہیں سے کہیں جا رہی تھی۔

"اب چپ بھی ہو جاؤ آپا گل! اچھی بات تو یہ ہے کہ نہ تو یہ گھر ہمارا ہے اور نہ ہی اب کوئی ایسی عزت باقی رہ گئی ہے' جس پر فخر کیا جائے' تم اپنے کرامت شاہ کی کرامتیں وہیں ان کے ڈیرے پر ہی چھوڑ کر آیا کرو' ورنہ مت آیا کرو یہاں۔"

سلمان بڑی بدلحاظی پر اترا تھا۔

آپا گل جو ابھی اس کی ہمدردی میں چار آنسو بہا کر اور زوبیہ کو برا بھلا کہہ کر خاصا حق ادا کر چکی تھیں۔ بری طرح صدمے کا شکار ہوئیں۔

"تم کون ہوتے ہو منع کرنے والے' دس بار آؤں گی' تمہاری طرح منہ چھپا کر نہیں بیٹھی کبھی' اپنے ماں' باپ کا ہمیشہ ساتھ دیا ہے' اچھے برے وقت میں' تم نے تو صرف اپنی پروا کرنا سیکھی ہے' آج بیوی سے جوتے پڑے تو ماں باپ یاد آ گئے۔"

ایک سانس میں انہوں نے سلمان کی طبیعت صاف کی تھی۔ شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب دونوں ہی "میں میں" کرتے رہ گئے مگر ان دونوں میں سے کوئی بھی خاموش ہونے کے لیے تیار نہیں تھا۔

آپا گل اتنی تیز آواز میں چیخیں' جواب تک صرف سسرال والوں کے لیے مخصوص تھی اور سلمان نے زوبیہ کے ہاتھوں اٹھائی گئی ساری ذلت کے بعد اپنا دل اسی طرح ہلکا کیا۔

جویا اور زویا سیڑھیاں چڑھ رہی تھیں' جب انہوں نے آپا گل کو آنسو صاف کرتے چادر سنبھالے نیچے اترتے ہوئے دیکھا۔

"کیا ہوا آپا گل؟" دونوں ہی نے پریشان ہو کر ان کی طرف دیکھا تھا۔ مگر انہیں جواب دینا بھی گوارا نہیں ہوا۔

"زویا! جویا! ذرا روکنا تو بس کو۔" اوپر سے شاکرہ امی نے پکار کر کہا بھی' مگر وہ کسی کے روکے اب رکنے والی نہیں تھیں۔

"چلو کم از کم اب ہفتے بھر کا تو سکون ہوا۔" انھیں سامنے رکشہ میں بیٹھتا دیکھ کر زویا نے ہلکے سے جویا سے سرگوشی کی۔

جویا تیزی سے اوپر چڑھتی چلی گئی' سامنے شاکرہ امی کھڑی تھیں۔

"سلمان آگیا ہے واپس' زویہ سے لڑائی ہو گئی ہے۔ اور یہاں آیا تو گل سے ناراضی ہو گئی۔"

انہوں نے اپنی طرف سے قصہ مختصر کیا تھا' مگر پتا نہیں کیوں اسے بے ساختہ ہنسی آگئی۔

"عجیب ہو بھائی بے چارہ کس مشکل سے یہاں تک آیا ہے' ایک پھوٹی کوڑی جیب میں نہیں تھی' اوپر سے آتے ہی بہن صاحبہ لڑ پڑیں۔"

شاکرہ امی کو جویا کا ہنسنا برا لگا تھا۔

جویا نے وہیں سے سر گھما کر کمرے کی طرف دیکھا' سلمان بیڈ پر آڑا ترچھا لیٹا نظر آرہا تھا۔

☼ ☼ ☼

پولیس کے کسی اعلا افسر کی گاڑی تھی۔ زرتاج اور نبیل دونوں ہی داخلی سیڑھیوں پر ٹھٹکے تھے۔ گھر میں کون آیا ہوا تھا بھلا۔

دونوں ہی نے سوالیہ نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر پورچ کی طرف کھڑی اس بڑی سی گاڑی کو۔

"کرم داد! کون آیا ہوا ہے؟"

زرتاج نے سامنے سے آتے ملازم سے جاننا چاہا۔

"پولیس کے بڑے آفیسر ہیں جی! اپنے سالار صاحب سے ملنے آئے ہیں۔"

"اچھا' کتنی دیر ہو گئی؟"

"ڈھائی' تین گھنٹے تو ہو ہی گئے ہیں جی۔"

"ڈھائی' تین!" زرتاج نے زیر لب دہرایا۔ سالار کے حلقہ احباب میں بہت سے پولیس آفیسرز تھے۔ آج کل اس پر ہونے والے قاتلانہ حملے کے سلسلے میں کوئی نہ کوئی تفتیش کے لیے بھی آجاتا تھا' سو کوئی تشویش میں ڈالنے والی بات بھی نہیں تھی۔ پھر بھی۔۔۔

"معلوم تو کرو کون ہے' کیا کر رہا ہے اتنی دیر سے۔" نبیل کے دل کا چور محتاط رہنے پر مجبور کرنے لگا تھا۔

"اب اس وقت! ہم پہلے ہی لیٹ ہو رہے ہیں۔"

ایک ایوارڈز فنکشن میں پہنچنا ضروری تھا' خود زرتاج بھی ایوارڈ دینے والوں میں شامل تھیں' سو روانگی مزید لیٹ نہیں کی جا سکتی تھی۔

"صبح بات کروں گی سالار سے' اس وقت خوامخواہ ان کی ٹوہ لینا' فضول ہی ہے' کیا خبر کچھ بھی نہ ہو' یوں ہی کوئی ملنے آیا ہو۔"

زرتاج کی خود اعتمادی' آج تک سب سے بڑا ہتھیار ثابت ہوئی تھی' بہت سے مشکل ترین حالات سے بھی وہ اسی کے بل پر نکلتی چلی آئی تھیں۔

"اور تم بھی ذرا ذرا سی بات پر یوں چہرے پر ہوائیاں مت دوڑا لیا کرو' جب ہمت نہیں ہے تو پھر کیوں بہادری کے جھوٹے ڈرامے کرتے ہو' چوڑیاں پہن کر گھر میں بیٹھا کرو۔" ساتھ چلتے ہوئے گاڑی کی طرف جاتے ہوئے

حقارت بھرے لہجے میں کیا گیا تبصرہ اتنی نیچی آواز میں تھا کہ صرف وہی سن سکا۔

نبیل نے نچلا لب بے ساختہ ہی دانتوں تلے دبایا۔

"کبھی نہ کبھی اس عورت کا قتل اسی کے ہاتھوں ہونا ہے۔" جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا' اس بات کا یقین اور بھی پختہ ہوتا جا رہا تھا۔

"نبیل! نبیل!"

خاصے فاصلے پر گیٹ کے سامنے گم صم بیٹھے راجو نے وہیں سے چلا کر پکارا تھا۔

"کتنا بدتمیز شخص ہے' پاگل ہو گیا ہے تو اسے کسی مینٹل اسپتال میں داخل کروا دو' یا پھر نکال باہر کرو۔ خود دھکے کھا کر مر مرا جائے گا' کتنی بار کہہ چکی ہوں تم سے میں۔"

"نبیل! نبیل! نبیل۔"

راجو کی پکار میں شدت آرہی تھی۔

اس کی حالت بڑی غیر یقینی سی ہو رہی تھی' کبھی دنوں خاموشی میں گزر جاتے اور کبھی بولنے پر آتا تو۔۔۔

"نبیل' وہ آگئے ہیں' سب کو پکڑ کر لے جائیں گے' کوئی بھی نہیں بچے گا! سب کا پتا چلا لیا ہے انہوں نے۔"

شب کے اس بالکل ابتدائی پہر میں' راجو کی آواز میں ایک عجیب سی کھنک گونج رہی تھی۔

جو دل پر سہم طاری کرتی تھی۔

"کتنی منحوس آواز ہے اس شخص کی' میں آخری بار کہہ رہی ہوں نبیل! مجھے یہ شخص کل نظر نہ آئے یہاں' ورنہ میں تمہیں بھی نکال باہر کروں گی اس کے ساتھ۔ پتا نہیں کیوں سر پر چڑھا رکھا ہے اسے!" ارد گرد کھڑے ملازمین کی پروا کیے بغیر وہ اتنی زور سے چلائیں کہ نبیل نے تمام تر ڈھٹائی کے باوجود پیشانی بھیگتی محسوس کی۔

"میں کل کیا آج رات ہی اسے باہر کر دوں گا' تم فکر مت کرو۔" گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے وہ پھنسی پھنسی سی آواز میں جو تسلی دے رہا تھا' وہ ابھی پوری بھی نہیں ہوئی تھی۔

"ایکسکیوز می!" ایک بھاری آواز ان دونوں کے عقب میں گونجی تھی۔ دو بارعب پولیس آفیسرز نظر آئے۔ عقب میں کھڑے یوسف کمالی۔

اور ان سے دو قدم پیچھے اسٹک کے سہارے کھڑا سالار۔

زرتاج نے فوری طور پر کسی غیر معمولی احساس کو اطراف میں اترتا ہوا محسوس کیا اور اندر ہی اندر ایک گہری سانس لی۔

"جی!" ان کی وہی فطری خود اعتمادی۔

"ہم آپ دونوں سے کچھ جاننا چاہتے ہیں' آپ لوگ آئیے پلیز۔"

ایک پولیس آفیسر نے شائستگی سے کہا تھا' مگر اس شائستگی میں بھی درخواست کے بجائے حکم نامہ تھا۔

"ہمیں اس وقت ایک ضروری فنکشن اٹینڈ کرنا ہے' کمٹ منٹ ہے ہماری' آپ پھر کسی وقت۔۔۔"

"میں نے کہا نا' آپ کا رکنا ضروری ہے' آئیے۔" وہ اشارہ کرتے ہوئے واپس مڑا۔

"سالار! تم بتاتے کیوں نہیں' تمہارے مقدمے میں ہم لوگ اپنا بیان لکھوا چکے ہیں' پھر کیوں ہمیں پریشان کیا جا رہا ہے۔" زرتاج کا موڈ بری طرح بگڑا ہوا تھا۔

"یہ سالار صاحب کا مقدمہ نہیں ہے میم۔۔۔ یہ آپ کی ملازمہ روزی کی گمشدگی کا کیس ہے۔" اسی تحکم بھری آواز نے پھر اطلاع دی۔

زرتاج پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹا تھا۔ "روزی...."
وہ جو نہ کسی گنتی شمار میں تھی اور جسے اس طرح بھلا دیا گیا تھا جیسے وہ کبھی یہاں کا حصہ ہی نہیں بنی تھی۔
"سالار صاحب نے اس کی ایف آئی آر درج کرائی ہے' آج سے اس کیس کی باقاعدہ تفتیش شروع کی جا رہی ہے' اور اس وقت یہاں گھر میں صرف آپ ہی تھے مسٹر نبیل!"
نبیل نے پولیس آفیسر کی چبھتی ہوئی نگاہ اپنے اندر اترتے ہوئے محسوس کی تھی۔

☆ ☆ ☆

دادی نے چشمہ لگا کر ہاتھ میں پکڑی تصویر کو غور سے دیکھا۔
لڑکی اچھی تھی' خوب صورت بھی کہہ سکتے تھے۔
امی کو پوری امید تھی کہ دادی تعریف میں کچھ تو کہیں گی۔
مگر وہ خاموش تھیں۔
نہ تعریف' نہ تنقید' بس ایک ٹھنڈی سانس لے کر تصویر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی تھی۔
"لوگ بہت اچھے ہیں' شریف اور خاندانی' بہت زیادہ پیسے والے نہیں ہیں' بس ہماری طرح مڈل کلاس ہیں۔"
ان کی طرف سے مایوس ہو جانے کے بعد امی نے خود ہی بات کا آغاز کیا۔ زری جب ہی چائے لے کر اندر آئی تھی۔
"میں نہیں پیوں گی۔" امی نے رکھائی سے منع کر دیا۔
زری کی خدمات کو وہ آج کل اپنے لیے قبول نہیں کر رہی تھیں' بات چیت پہلے ہی بند تھی۔
"لڑکی معاذ کے ساتھ بالکل سوٹ ایبل ہے اماں! ڈاکٹر ہے' سب سے بڑی بات اور اتنی سادہ طبیعت اور خوش مزاج کہ پہلی بار ہی مل کر دل خوش ہو گیا' ربیعہ کو بھی بہت پسند آئی ہے۔"
امی کا سپاس نامہ ابھی جاری تھا اور وہ اتنی خوش تھیں کہ زری کو لگا جیسے معاذ کی برات اب بالکل دروازے پر چلنے کے لیے تیار ہے۔
اپنے کانپتے ہاتھوں کو اس نے بمشکل قابو میں کیا۔ سائیڈ ٹیبل پر چائے رکھتے ہوئے اس تصویر کا بھی جائزہ لے لیا گیا' جو اچانک ہی سکون غارت کرنے کا سبب بن چکی تھی۔
امی پر آج کل معاذ کی شادی کی فکر سوار ہوئی تھی اور وہ بھی اس شدت سے کہ سارا دن اسی مصروفیت میں گزرنے لگا تھا۔
وہ بہت غور' غور سے اس پیاری سی لڑکی کی تصویر کو دیکھے گئی جو اسے تو کسی حور سے کم نہیں لگ رہی تھی۔
"اس اتوار کو انہیں بلا لیتے ہیں یا پھر جیسے آپ کہیں' میں چاہ رہی تھی کہ آپ بھی ایک نظر لڑکی کو دیکھ لیں' معاذ سب سے زیادہ آپ کی سنتا ہے' اسے سمجھائیں اماں! اپنی زندگی کو ڈھنگ سے گزارنے کی فکر کرے اب۔"
امی کو معاذ سے دادی کی بے حساب محبت کا پورا اندازہ تھا' وہ سنتا بھی ان ہی کی تھا۔
امی کو یقین تھا کہ جس لڑکی کو دادی شرف قبولیت دیں گی معاذ بھی اس کے لیے ہامی بھرے گا' سو وہ بڑی لجاجت سے انہیں اس لڑکی کے لیے کنوینس کرنے میں مصروف تھیں' جو ان کے خیال میں حرف آخر قرار پانے والی تھی۔
"آپ کریں گی نا بات معاذ سے؟" وہ امید بھری نگاہوں سے دادی کو دیکھ رہی تھیں۔
دادی نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔

زری بڑے غیر محسوس طریقے سے کمرے سے نکلتی چلی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

گیتی نے آہستگی سے دروازہ کھولا۔
باہر چوبارے پر ابر آلود سی سرمئی چھائی تھی۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔
اس وقت یہاں کوئی بھی نہیں تھا' چاروں طرف سناٹا' گرمی کی شدت کسی کو بھی پنکھے اور اے سی سے ہٹنے نہیں دیتی تھی۔
اس وقت بھی بڑا دم گھوٹتا حبس طاری تھا۔
اس نے تخت پر بیٹھتے ہوئے نگاہ اٹھا کر اوپر آسمان کی طرف دیکھا' بادلوں کا گہرا سرمئی غبار ایک ہی جگہ جما ہوا محسوس ہو رہا تھا۔
چند دن سے یہ ہی موسم طاری تھا' نہ ہی کھل کر برس پاتا اور نہ ہی چھٹنے پر آتا' ہوا ایسی بند کہ سانس لینے کی بھی گنجائش نہیں۔
یکساں دم گھوٹتی کیفیت۔
بالکل ایسی ہی جیسی اس کی زندگی پر چھائی تھی۔
"وہ گھٹن بھرے دن اور۔" اس نے سر جھکا کر بے چارگی سے سوچا۔ "اس کے بعد اسے ساری عمر اپنی لاش کے ساتھ ہی زندہ رہنا ہوگا' ہے نا عجیب بات۔"
مگر نہیں' عجیب بھی کہاں۔
یہاں کتنے ہوں گے جو ایک زندگی میں بار' بار موت کا ذائقہ چکھتے ہیں گے اور پھر پوری ڈھٹائی کے ساتھ دنیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جیتے ہیں' ہنستے ہیں اور جواباً "حوصلے اور صبر" کا سرٹیفکیٹ بھی پاتے ہیں۔
مسکراتے لب اور ویران آنکھوں والی زندہ لاشیں۔
محض یہاں اسی محلے' اسی سیٹ اپ کا رونا کب تھا' یہاں تو گلی گلی' گھر گھر کتنے ہی سادہ' معصوم دل بے بس اور جبر کی کہانیوں کا عنوان بنے۔
وہ کہانیاں جنہیں کہنے اور سننے کی کسی نے زحمت بھی نہیں اٹھائی تھی۔
"گیتی! گیتی آرا!" شاما کھلے ہوئے دروازے میں سے اسے پکارتی ہوئی آ رہی تھی۔
"یہاں اتنی گرمی میں بیٹھی ہو' میں سارے میں ڈھونڈتی آ رہی ہوں! چلو اندر نانی بلا رہی ہیں۔"
شاما کی گہری سانولی رنگت اور تمتمائی ہوئی محسوس ہو رہی تھی گرمی سے یا پھر جوش جذبات سے۔
"اتنے پیارے زیور اور کپڑے آئے ہیں ملک صاحب کے ہاں سے کہ آج تک کسی نے نہیں دیکھے ہوں گے پوری برادری میں' اتنا بھاری زیور ہے کہ قیمت کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے' بڑی مقدر والی ہے گیتی تو کوئی اتنی چاہ سے لے کر جا رہا ہے تجھے' شاباش اٹھ چل کر دیکھ۔"
اسے ٹس سے مس نہ ہوتا دیکھ کر شاما نے بات کے اختتام پر اس کا کندھا ہلایا۔
مگر وہ یوں ہی سر جھکائے بیٹھی رہی۔
"بری بات' ایسے نہیں کرتے' ناشکرا پن ہوتا ہے' خوشی کو قبول کرنے کے بجائے منہ بنا لینا اچھی بات نہیں' اللہ کو بھی برا لگتا ہے' پتا ہے گناہ ہے یہ بھی۔"
شاما کے محدود علم میں گناہ ثواب کی حدود بڑی مختلف تھیں' گیتی تلخی سے مسکرائی۔

"ایک جیتی جاگتی زندگی کا اس کی مرضی کے خلاف زبردستی سودا کر دینا اللہ کو اس سے بھی زیادہ برا لگتا ہے گناہ ہے وہ بھی ناقابل معافی۔"

"توبہ توبہ استغفار۔" شاما نے بے ساختہ ہی کان کی لو کو چھوا۔ "سودا کرن کر رہا ہے خدانخواستہ یہ لفظ تو آئندہ زبان پر کبھی مت لانا نانی اور باجی نگینہ کے کان میں یہ لفظ پڑ بھی گیا تو بہت دکھ ہوگا انہیں عزت سے نکاح کر کے لے جا رہے ہیں ملک صاحب پورے حق دیں گے ملکانی کہلائے گی اور سب سے بڑی بات کہ فی الحال ان کی کوئی دوسری بیوی بھی نہیں ہے سمجھ داری سے کام لوگی تو مکمل کنٹرول میں آجائیں گے کسی دوسری عورت کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گے ساری عمر تمہارا ہی راج ہوگا۔"

راج بھلا کس پر وہ عیاش فطرت گھناؤنا انسان۔ اسے بڑے زور سے ابکائی آئی۔

"کیا ہوا۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

شاما نے اسے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے دیکھ کر فکرمندی سے پوچھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کہاں ٹھیک ہے چہرے کا رنگ دیکھو بالکل پیلا پڑ رہا ہے اتنی سخت گرمی میں بیٹھو گی تو طبیعت تو خراب ہوگی ہی چلو بس اندر۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ کھینچتی ہوئی اندر چلی آئی۔

"ہاتھ تو چھوڑو!" گیتی نے جھنجلا کر اپنا ہاتھ شاما کی گرفت سے چھڑایا۔ چھوٹی بڑی کسی بھی بات میں اس کی مرضی صفر تھی۔ "ہر ایک اسی پر حاوی شاما تک۔"

برآمدے میں یہاں سے وہاں تک چقیں ڈلی تھیں۔ ٹھنڈا نیم تاریک مگر اس کا ہر قدم جیسے جلتے انگاروں پر پڑا تھا۔ نانی کے بڑے سارے کمرے میں جگمگاتا مہکتا ہنگامہ جاگ رہا تھا۔

گیندے اور بیلے کے پھولوں کی بڑی بڑی ٹوکریاں عیزین فلاورز کے بوکے اور کتنے ہی قیمتی ملبوسات جنہیں وہ چند لڑکیاں بڑے سلیقے سے سیٹ کر رہی تھیں جو یہاں روز کی آنے والی تھیں۔

"ارے گیتی!"

"یہاں آؤ نا۔"

"ذرا دیکھو تو سہی کتنے حسین سوٹ۔"

اس کے اندر قدم رکھتے ہی کتنی آوازیں ابھریں مگر وہ ان سب کے درمیان سے اس طرح گزرتی چلی گئی جیسے کوئی مطلب نہ واسطہ۔ اردگرد کچھ بھی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کے قابل نہیں۔

"آپ نے بلایا نانی؟" وہ ٹھیک ان کے سامنے جا کر کھڑی ہوئی۔

"ہاں' آں!" اپنے سامنے کھلی زیورات کی دکان پر سے سر اٹھا کر انہوں نے گیتی کی طرف دیکھا اور خوش دلی سے مسکرائیں۔

"کہاں تھیں اتنی دیر سے؟ کب سے بلوا رہی ہوں دیکھو یہ سب بھجوایا ہے ملک صاحب کے گھر سے اتنا بھاری زیور کہ پرانے زمانے کے رئیسوں کی یاد تازہ ہو گئی بہت ہی خاندانی شخص ہیں انہوں نے ثابت کر دیا ہے۔"

وہ محض خالی خالی نگاہوں سے نانی ستارہ کی شکل دیکھے گئی۔

"آؤ بیٹھو میرے پاس اب یہ سب تمہیں ہی سنبھالنا ہے بہت دھیان اور توجہ سے چلنا ہے اب بڑے دل والے انسان ہیں تو پھر۔"

نانی کی ساری توجہ ان قدیمی اندازِ مہارت کے شاہکار نظر آتے زیورات پر تھی سو انہوں نے گیتی آرا کے خالی

پن پر ایسی کوئی توجہ بھی نہیں دی۔ مگر الماری میں سے کچھ نکالتی ہوئی نگینہ نے پیٹھ موڑے موڑے بھی اس کی عدم دلچسپی کو بھانپ لیا۔

"کیا کہہ رہی ہیں اماں! سن کیوں نہیں رہی ہو۔" الماری بند کرتے ہوئے اس نے پلٹ کر گیتی کو ٹوکا۔

"لڑکیاں تو کھل جاتی ہیں سسرال سے آنے والی چیزوں کو دیکھ کر تم نے ایسی سوگواری کیوں طاری کر رکھی ہے۔ جیسے پتا نہیں کون گزر گیا ہے۔"

سخت لہجے میں بولتی ہوئی وہ قریب چلی آئی۔

نانی ستارہ نے بہت ناگواری سے نگینہ کو دیکھا کتنا کچھ بدلا ایکسٹرا کی لائن سے نکل کر صندل جیسی ٹاپ کی ہیروئن کی ماں کہلائی جانے لگی مگر نگینہ نگینہ ہی تھی۔

"زبان ہے کہ دودھاری تلوار!"

انہوں نے سب سے پہلے بہانے سے ان سب لڑکیوں کو رخصت کیا جو گیتی کے لیے آیا سامان دیکھنے کے شوق میں اکٹھی ہوئی تھیں۔

"اب جاؤ شام میں آنا میں ذرا آرام کروں گی گرمی کے مارے سر میں درد اٹھ گیا ہے۔" سو کس کی مجال تھی کمرہ سیکنڈوں میں خالی ہوا تھا۔

"تیرا دماغ خراب تو نہیں ہو گیا نگینہ! چار پرائی لڑکیاں موجود اور تو یوں ہی اناپ شناپ جو منہ میں آیا بولے چلی جا رہی ہے کچھ نہیں متوجہ ہو رہا وہ بھی گیتی کی حالت کا جائزہ لینے کھڑا ہو جائے گا اتنا بھی سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

نانی ستارہ نے ٹھیک ٹھاک خبر لی مگر نگینہ کی پیشانی پر آئے بلوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔

"مجھے ہی کہہ رہی ہیں اب بھی' یہ جو اپنا تماشا خود بنانے پر تلی ہوئی ہے اسے ایک لفظ بھی نہیں کہا آپ نے پوچھیں تو ذرا کس کا سوگ منا رہی ہے آخر ناشکری کہیں کی۔" نانی ستارہ نے ہاتھ بڑھا کر گم صم کھڑی گیتی کو پاس بٹھایا۔

"مجھے پتا ہے کہ تمہیں یہ سب اچھا نہیں لگ رہا لیکن اگر پوری سچائی سے حقیقت کا جائزہ لوگی تو اندازہ ہوگا کہ ہمارے حالات میں اس سے بڑی خوش قسمتی تمہارے حصے میں نہیں آ سکتی تھی۔ عزت سے محفوظ مامون زندگی گزارو گی خود کو سنبھالو گیتی آرا! اپنی نئی حیثیت کو قبول کرنے کے لیے تیار کرواپنے آپ کو۔"

ان کا مخصوص نپا تلا انداز جس میں نقطہ اعتراض اٹھانے کی بھی گنجائش نہیں مگر وہ پھر بھی نہ رہ سکی۔

"میں آپ کے پاس بھی تو رہ سکتی ہوں نانی!" کسی ڈوبتے ہوئے شخص کی طرح اس نے سر اٹھا کر سانس لینے کی کوشش کی۔

"سن لیا آپ نے؟ اسے عقل نہیں آنے والی اماں! ساری زندگی مصیبت بنی رہے گی لے بھی گئے ملک صاحب تو کچھ ہی دن میں واپس دھکا دے جائیں گے تیار رہیے گا آپ یہ نہیں بسنے والی کہیں بھی ہمارے سر پر بوجھ بنی رہے گی ہمیشہ۔"

نانی نے ہاتھ بڑھا کر نہ روکا ہوتا تو یقیناً نگینہ اس کے ایک آدھ لگا دینے والی تھی۔

"میں حجاب کر لوں گی نانی! آپ کو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میرے بارے میں میں اپنا آپ سنبھال سکتی ہوں۔ اگر آپ بھی نہیں رکھیں گی تو کسی ہاسٹل میں رہ لوں گی۔ مگر یہ شادی نہیں کروں گی۔"

اس کے رویہ میں خاموش سا بدلاؤ چونکانے والا تھا۔

نانی ستارہ نے غور سے گیتی کا چہرہ دیکھا۔

اس جیسی فرماں بردار سے بغاوت کی ایک فیصد بھی توقع نہیں کی جا سکتی تھی مگر ان کی زندگی میں بہت کچھ

خلاف توقع ہی ہوتا گیا تھا۔
فیروزہ کا عین عروج کے عالم میں چھوڑ کر چلے جانا۔
پھر اس کی واپسی اور موت۔
نگینہ کی شفقت تلے پلی زندگی۔
خیام کا زندگی کے منظر نامے سے غائب ہو جانا۔ کچھ بھی تو حسب توقع نہیں ہوا تھا۔
وہ سر جھکائے کتنی ہی منزلوں سے گزریں۔
گیتی نے اس ایک چھوٹے سے لمحے میں نانی ستارہ کو کمزور پڑ جانے کی غلطی کی تھی۔
"مجھے جو کہنا تھا کہہ دیا' نہیں کرنی ہے مجھے شادی وادی۔ پتا نہیں کیوں آگئی یہاں' اس سے تو وہیں صندل کے گھر پر ہی ٹھیک تھی' آپ واپس بھجوا دیں یہ سب آج ابھی فوراً!"
بگڑے بگڑے سے انداز میں کہتے ہوئے' وہ اٹھنے ہی لگی تھی کہ نانی ستارہ کا ہاتھ پوری قوت سے اس کے گال پر پڑا۔
اس بڑے سے ہال نما کمرے میں' چند لمحوں کے لیے تو ہر شے جامد ہوئی تھی۔
گرجتی برستی نگینہ کا رنگ ہلدی کی طرح زرد پڑا اور شاما۔۔۔
لرزتے کانپتے قدموں سے اس نے سب سے پہلے دوڑ کر باہر آمدے میں کھلنے والے دروازے کو بند کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

کھانے کی ٹرے جوں کی توں واپس آئی تھی۔
"پہلے ہی کیا زندگی بہت آسان تھی' جو یہ نواب صاحب بھی آگئے ہمارا دل جلانے کے لیے' دربدر ہو چکے ہیں مگر دماغ ابھی بھی ساتویں آسمان پر ہے۔"
کچن کی سلیب پر ٹرے رکھتے ہوئے زوبیا مستقل ہی بولے گئی۔
"خدا کے لیے ذرا ہلکے' کسی نے بھی سن لیا تو ایک نیا ہنگامہ شروع' کیا کہہ رہے ہیں سلمان بھائی؟" برتن دھوتی ہوئی جویا نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔
"کہنا کیا ہے' وہی روز کے نخرے' بھنڈی نہیں کھائی' دال تو کل کھائی تھی' مرغی کیوں نہیں پکتی' باہر سے کچھ منگوا لو۔ "یہاں کوئی خزانہ رکھا ہے' جس میں سے نکال نکال کر خرچ کیا جا رہا ہے' بے حسی کی بھی انتہا ہوتی ہے کوئی۔" زوبیا نے سالن واپس پتیلی میں ڈالا اور تیزی سے واپس باہر نکل گئی۔
جویا نے بے بسی سے سر ہلایا اور اس کے لائے ہوئے برتن بھی اٹھا کر سنک میں دھونے کے لیے رکھے۔ شاکرہ ہانپتی ہوئی کچن کی طرف آرہی تھیں۔
"آپ کیوں دھوپ میں بار بار نکلتی ہیں' ویسے ہی بی پی ہائی رہ رہا ہے مستقل" جویا نے فکر مندی سے ان کی طرف دیکھا۔
"کیا کروں' سلمان نے آفت مچا رکھی ہے' ذرا دو انڈوں کا آملیٹ تو بنا دے بھائی کے لیے' اس کا کھانا تو مسئلہ ہی بنتا جا رہا ہے۔" وہ بھی سلمان کا مسئلہ بنے ہوئے آئی تھیں۔
"اتنی گرمی میں انڈے' صبح بھی ناشتے میں انڈا ہی کھایا تھا سلمان بھائی نے۔"
"ہاں تو پھر اور کیا رکھا ہے یہاں' کل تھوڑا سا قیمہ منگا لوں گی۔ تو پھر کوفتے بن جائیں گے' سلمان کو پسند بھی بہت ہیں' میرے بچے کو تو سال بھی کوئی ڈھنگ کا کھانا نصیب نہیں ہو رہا ہے۔" اگر بھی پریشان ہو گیا ہے۔"

وہ بڑی رستی الٹ پلٹ ہو رہی تھیں۔
سلمان سے پچھلے سارے شکوے' جب سے وہ آیا تھا' خود بخود ختم ہوئے تھے اور آج کل وہ پھر سے صرف سلمان کی امی بنی ہوئی تھیں۔
"تو کس نے بلایا تھا' اتنے عرصے سے وہیں رہ رہے تھے ابھی بھی رہتے۔" زوبیہ بھابھی نے دھکے دے کر تھوڑی نکال دیا تھا' مانگ لیتے معافی!" پیاز چھیلتے ہوئے وہ قطعی بھول گئی کہ ابھی خود ہی زوبیا کو منع کر رہی تھی۔ بولنے سے تو اب نتیجہ بھگتنا ہی تھا۔
"تم سب کیوں پیچھے پڑ گئی ہو سلمان کے' اس روز کی گئی ہوئی وہ کل اب تک نہیں آئی ہے' زوبیا ہے تو وہ جب سے بھائی آیا ہے منہ بنائے ہوئے ہے' اب تم رہ گئی تھیں' تمہیں بھی اس کا ذرا سا کام کھل جاتا ہے' ہٹ جاؤ میں خود بنا لیتی ہوں' ہاتھ پاؤں سلامت ہیں میرے۔" وہ جذباتی ہو کر خود کمربستہ ہوئیں۔
جویا نے بمشکل ہی انہیں ہٹایا۔
"میرا یہ مطلب نہیں تھا امی! جائیں آپ اندر جائیں پلیز یہاں بہت گرمی ہے۔!"
گرمی واقعی غضب کی تھی' سو وہ بنا مزید بحث کیے اندر چلی بھی گئیں۔
جویا آملیٹ اور روٹی ٹرے میں رکھ کر لائی تب تک سلمان اچھی خاصی نروٹھی میں مبتلا ہو چکا تھا۔
"کیسی زندگی ہے میری' من پسند کھانا بھی پیٹ بھر کر نہیں ملتا' میں تو ہر طرح سے آزمائش میں گھرا ہوں' ایک ایک پیسے کے لیے دوسروں کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔"
شاکرہ امی کے گھٹنے سے لگ کر تخت پر لیٹا وہ اپنی ناکام زندگی کی تصویر کشی میں مصروف تھا۔
"میں تو سمجھا' پتا نہیں کیا پکا کرلا رہی ہو' جو اتنی دیر ہو گئی ہے۔" ایک نگاہ آئے ہوئے کھانے پر ڈال کر وہ مایوسی سے بولا۔
جویا کے چہرے پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔
جواباً بہت کچھ کہا جا سکتا تھا مگر فائدہ۔
"زوبیہ میں اور دس برائیاں سہی مگر کھانا بہت اچھا پکواتی تھی' ایک وقت میں کئی چیزیں میز پر نہ رکھی ہوں تو اسے تسلی ہی نہیں ہوتی تھی بعد میں میٹھا بھی ضروری!"
کھانا کھاتے ہوئے وہ مستقل اس بھرے ہوئے دسترخوان کو یاد کیے گیا' جہاں سے بھوکے پیٹ اٹھ کر آیا تھا۔
جویا نے نوٹ کیا تھا کہ سلمان کا وزن بری طرح بڑھا تھا پچھلے چند ماہ میں۔
"نہ جو سبزی کی' نہ آئس کریم کی' جو چاہو کھاؤ پیو تو کرے منوا لو' یہی بات ہے کہ بے چاری نے آرام تو بہت دیا شاید میں ہی قدر نہ کر پایا۔"
وہ اعتراف جرم کے موڈ میں آنے لگا تھا' اگر شاکرہ امی بروقت نہ ٹوکتیں۔
"کوئی احسان نہیں کیا زوبیہ نے' تم جیسا لڑکا اسے ملتا نہیں تھا سارے شہر میں' ایک سوائے پیسے کے اس میں خوبی کیا ہے' جو اس قدر آپے سے باہر ہو رہی ہے' کوئی ضرورت نہیں ہے ابھی کمزور پڑنے کی' جب تک زوبیہ خود آکر سر قدموں میں نہ رکھ دے۔"
وہ اس بدحالی میں بھی اپنا پرانا غرور کسی طرح بحال کرنے میں کامیاب ہوئیں۔
زوبیا اندر آ رہی تھی۔ ابتدائی پیراگراف تو نہیں سن پائی تھی' پر آخری جملہ ضرور کان میں پڑ گیا تھا۔ شاکرہ امی کی خوش فہمی پر بے ساختہ ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

”بس پھر تو بیٹھے رہیں گے ساری عمر سلمان بھائی آپ کے پاس ہی۔ بے فکر رہیں' زوبیہ نہیں آنے والی' قدموں میں سر رکھنے کے لیے۔“

زویا کے منہ پھٹ ہونے کا تجربہ سب ہی کو تھا' سو اس کی بات کو ان سنا بھی کر دیا جاتا تھا۔

”کل کتنے دن سے نہیں آئی' کوئی اس کی خیر خبر تو لو۔“ شاکرہ امی نے دانستہ موضوع بدلا۔

”کوئی ضرورت نہیں ہے' خاص طور پر جب تک میں ہوں یہاں اچھا ہی ہے وہ نہ آئیں!“ سلمان ٹرے آگے سے سرکا کر خود دوبارہ وہیں لیٹ گیا۔

”زوبیہ بھابھی کا کوئی فون آیا؟“ نہ چاہتے ہوئے بھی جویا نے روز کا سوال پوچھا تو اس نے لیٹے لیٹے نفی میں سر ہلایا۔

”زوبیہ کی ممی کو خاص چڑ ہے مجھ سے' وہ میرے اور زوبی کے تعلقات کبھی ٹھیک نہیں ہونے دیں گی' ورنہ زوبیہ کی مجال نہیں تھی کہ وہ اس طرح میرے ساتھ پیش آتی۔ ایک تو اتنی گرمی ہے' یہاں اے سی تک نہیں چلتا' آخر اتنی بھی کیا کنجوسی ہے۔“

اوپر کا گھر' گرمی کی شدت۔ وہ اسی طرح دن میں کئی بار بات کو کہیں سے کہیں لے جاتا تھا۔

”پیسہ خرچ کرنے کے لیے ہی ہوتا ہے' آدمی گرمی میں ہانپ ہانپ کر رہ جائے' مگر اپنے اوپر خرچ کرنے کا نام نہ لے۔ تف ہے ایسی زندگی پر۔“

”پیسے ہوں گے تو خرچ ہوں گے سلمان بھائی!“

زویا تلخی سے مسکرائی ”ہمارے ہاں کنجوسی نہیں' غربت نے ڈیرہ ڈال لیا ہے' افورڈ نہیں کر سکتے ہم یہ سب' آپ نے بڑی غلطی کی جو یہاں چلے آئے' وہیں معافی تلافی کر لیتے زوبیہ بھابھی سے۔ بچت ہو جاتی آپ کی۔“

جو مشورہ خالصتاً اس کی بھلائی کے لیے دیا جا رہا تھا' اسے بے حد برا لگا۔

”صاف کہو' تم لوگوں کو میرا آنا برا لگا ہے' بہانے بہانے سے ہر ایک ذلیل کرتا ہے۔“

”ذلیل آپ کو صرف زوبیہ نے کیا ہے۔“

”یہ ہم میاں بیوی کا معاملہ ہے' کسی کو بولنے کی ضرورت نہیں۔“

”تو پھر اس معاملے کو اپنے گھر تک رکھتے' ہماری پریشانیاں پہلے ہی کم نہیں۔“

زویا دن بہ دن بد لحاظ ہوتی جا رہی تھی۔

آپا گل' سلمان' شاکرہ امی' تینوں ہی اس سے یکساں خفا رہنے لگے تھے۔

”ڈاکٹری پڑھنے جا رہی ہے' اسی کا غرور ہے سب' آپ اس کی پڑھائی کیوں نہیں چھڑواتی ہیں' اس میں بھی تو پیسے خرچ ہو رہے ہیں' کیسے ہوں گے یہ چار سال پورے ان حالات میں۔“ سلمان اور آپا گل میں غضب کی مماثلت تھی۔

”بے فکر رہیں' آپ سے مانگنے نہیں آوں گی' بلکہ آنے کا کیا سوال' آپ تو خود ہمارے گھر آ چکے ہیں۔“

زویا ریموٹ سنبھال کر قریب ہی کرسی پر بیٹھ چکی تھی' سو بحث جتنا چاہے طول پکڑ سکتی تھی۔

شاکرہ امی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ کوئی بھی ان کے کہنے میں نہیں تھا' نہ اولاد' نہ شوہر۔

ہاتھ میں ریموٹ لیے زویا نے ٹھکا ٹھک کئی چینل بدل ڈالے۔

گزشتہ رات آئے ٹاک شوز ریپیٹ ہو رہے تھے۔

شاکرہ چچی نے بہت حقارت سے اسکرین پر آئے اسلام صاحب کی طرف دیکھا۔

”خدا کی شان ہے' جوان کے بھی دن پھرے' ورنہ ساری عمر کان پر پنسل لگائے عمبوں میں ہی لٹکتے پھرتے تھے'

آج ٹی وی پر آ کر بیٹھے ہیں معتبر بن کر۔“

”ٹی وی پر آنے سے کیا ہوتا ہے امی! ہیں تو وہی کے وہی' حلیہ دیکھا ہے' اتنا بھی احساس نہیں ہے کہ ٹی وی پر آنے کے لیے ہی کوئی ڈھنگ کا کپڑا پہن لیتے۔“ سلمان کے لہجے میں مذاق اڑاتی کیفیت تھی۔

”ایسا کریں' ابو کے چند سوٹ بھیج دیں' اسلام چچا اور معاذ دونوں کے کام آ جایا کریں گے۔ غریب رشتے داروں کا تو ویسے بھی پہلا حق ہوتا ہے۔“ اپنی بات کہہ کر وہ زور سے ہنسا۔

جویا اور زویا نے بے اختیار ہی ایک دوسرے کو دیکھا اور دوسرے ہی لمحے نگاہ چرا لی۔

کیا تھا' جو عبرت پکڑنے کے لیے ابھی دیکھنا باقی تھا یہاں!

☆ ☆ ☆

نیم گرم ہوا صبح سے ہی چل رہی تھی۔

زری نے حسب معمول خوب پانی بہا کر' اگلے پچھلے برآمدے' سیڑھیاں' صحن دھوئے۔ برآمدوں اور کمروں میں فنائل میں بھیگا صاف ستھرا پوچا لگا کر' چقیں اور پردے برابر کیے تو سارے گھر میں نیم تاریک سی ٹھنڈک اترا گئی۔

معاذ کسی کام سے تھوڑی دیر کے لیے اٹھ کر گھر آیا تھا۔ باہر کی دھوپ میں سے اندر آتے ہی آنکھیں' برآمدے کی نیم تاریکی سے مانوس نہیں ہو سکی تھیں' سو فوری طور پر تو وہ اسے دیکھ ہی نہیں سکا' مگر کچھ اور ایسا تھا جو اسے چونکنے پر مجبور کر گیا۔

سانسوں کی گھٹی گھٹی سی آواز۔

ایسے جیسے کوئی اپنی سسکیاں روکنے کی پوری کوشش کر رہا ہو اور نہ روک پا رہا ہو۔

”کون ہے بھلا۔“

اس نے آنکھیں پوری طرح کھول کر اندازہ لگانا چاہا تب وہ اسے نظر آ ہی گئی۔

دیوار سے ٹیک لگائے 'برآمدے کے انتہائی کونے میں گھٹنوں میں سر دیے وہ اس انہماک سے رونے میں مصروف تھی کہ اُسے معاذ کے آنے کی بھی خبر نہیں ہوئی تھی۔

"زری!"

"جی!" اُسے ٹھیک سر پر کھڑا دیکھ کر وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا ہے' رو کیوں رہی ہو؟"

"میں 'نہیں تو!" اس نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑ ڈالیں۔

مگر اب تک وہ اس نیم اندھیرے میں دیکھنے کے پوری طرح قابل ہو چکا تھا اور اس کی سوجی ہوئی آنکھیں اور افسردہ چہرے سے خاصی تشویش میں مبتلا ہوا تھا۔

"امی نے کچھ کہا ہے یا پھر دادی نے!"

"کسی نے بھی نہیں!"

"پھر بھابی اور بچے یاد آ رہے ہیں 'یہی بات ہے۔" اپنے خیال میں 'اس نے دوسرا بالکل درست اندازہ لگایا تھا۔

زری کو اسے ہی قبول کرنے میں عافیت نظر آئی 'سو ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"جا کر مل لو' ایڈریس تو ہے میرے پاس 'کل ہی کسی کے ساتھ روانہ کر دیتا ہوں تمہیں۔ پیک کر لو سامان۔"

فوری طور پر اس کے ملنے کا حل نکال کر' وہ موبائل پر کسی کا نمبر ڈھونڈنے لگا تو زری کو اپنی بے وقوفی کا احساس ہوا۔

ایک بار پھر' سعیدہ کے پاس جانا' کسی طور بھی اُسے منظور نہیں تھا' یہ تو یوں ہی بات ٹالنے کے لیے کہنا پڑا تھا' ورنہ اس بڑے سے پُرسکون گھر میں گزر رہا یہ وقت اس کی زندگی کا خوشگوار ترین دور تھا۔ معاذ کی امی کی بخشی ہوئی کڑواہٹ کے باوجود بھی۔

اس نے نگاہ بھر کر قریب کھڑے معاذ کو دیکھا۔ وہ دو ایک چھت کے نیچے تھے۔

دن رات میں بلا روک ٹوک وہ کتنی ہی بار اسے دیکھتی تھی 'اس سے بڑھ کر خوش قسمتی اور تھی۔

"مجھے نہیں جانا کہیں!" اس نے بے ساختہ ہی 'معاذ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر نمبر ملانے سے روکنا چاہا تھا۔

"مطلب؟" اس نے چونک کر زری کو دیکھا۔

وہ ابھی تک اس کا ہاتھ تھامے ہوئے تھی' اپنی تمام تر صاف دلی کے باوجود' وہ پہلی بار زری کے انداز سے کہیں اندر کھٹک سا گیا تھا۔

"پھر یہاں اس طرح بیٹھ کر رونے کا مطلب کیا ہے؟" اپنا ہاتھ زری کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے 'اس کے لہجے میں رکھائی آئی۔

"تمہیں اگر یہاں کوئی تکلیف ہے تو بتاؤ' میں تمہارا کہیں اور بندوبست کر دوں گا۔" وہ خود بخود ہی تھوڑا سا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوا' زری کی اس پر جمی گہری نظر نے بخوبی نوٹ کیا تھا۔

"مجھے کہیں نہیں جانا میں یہیں رہوں گی ساری عمر' آپ لوگ نکالیں گے بھی تو کہیں نہیں جاؤں گی۔ کبھی بھی نہیں!" اس کے لہجے میں عجب بے قراری تھی۔

"کوئی نہیں نکال رہا تمہیں" آرام سے رہو پھر پریشان نہیں کرو اس طرح رو رو کر۔"

آج وہ اس کے انداز پر بے ساختہ چونکا تھا' سو تھوڑا سا غصہ آ ہی رہا تھا۔

وہ مڑنے لگا تھا تب ہی وہ اس کے پیچھے آئی۔

"وہ آپ نے تصویر دیکھ لی اس لڑکی کی؟"

"کس کی؟" معاذ کی بالکل سمجھ میں نہیں آیا۔

"وہی جس سے رشتے کی بات چلی ہے" آنٹی دیکھ کر آئی تھیں آپ کے لیے۔ آپ کو اچھی لگی کیا وہ؟" وہ گھوم کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"کیوں تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

ابھی ابھی اگر وہ اس کے رویے سے نہ ٹھٹکا ہوتا تو ضرور اس کی اس انکوائری کو ایک بے کار کا تجسس سمجھ کر ہنس پڑتا' مگر اب وہ چونکا ہوا تھا۔

"اس لیے کہ وہ لڑکی بالکل بھی اچھی نہیں" آپ کے ساتھ تو اور بھی بے کار لگے گی' رنگ بھی صاف نہیں ہے اور آنکھیں بھی چھوٹی چھوٹی ہیں' شکل سے مغرور بھی لگ رہی ہے۔" ایک سانس میں وہ کتنی ہی خامیاں گنوائے گئی۔

معاذ نے بمشکل ہی خود پر ضبط کیا۔

"بہت بری بات ہے' تم جانتی ہو' کسی کی شکل و صورت میں خامیاں نکالنا کتنا بڑا گناہ ہے اور اس بے چاری نے تمہارا بگاڑا ہی کیا ہے۔"

وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائی۔

"اور اس طرح بے سوچے سمجھے امی کے سامنے کچھ مت کہنا۔ سمجھیں' وہ بہت سختی سے پیش آئیں گی ورنہ!"

زری کی پیشانی پر آیا بل ابھی بھی برقرار تھا۔

"معاذ!" سامنے کمرے کا دروازہ کھول کر امی نے پکارا تھا۔

"جی آیا!" وہ تیز قدم اٹھاتا ہوا' ان کی طرف بڑھ گیا۔

"کتنا برا لگا ہے' میری کچی بات سننا بھی گوارا نہیں ہوئی' ضرور پسند آ گئی ہے' ابھی سے کتنی سائیڈ لے رہے ہیں!" آنسو بھری آنکھوں سے بند دروازے کو گھورتے ہوئے' اس نے اس انجانی لڑکی کو کتنی ہی بد دعائیں دے ڈالیں۔

"قدم رکھنا نصیب نہ ہو خدا کرے اس گھر میں' پاؤں کی دھول بھی نہیں ہے معاذ کی پگلی ہے دلہن بننے' جو اللہ نے چاہا تو حسرت ہی رہ جائے گی دل میں!"

آگ تھی' جو اندر باہر بھڑکتی ہی جا رہی تھی۔

اندر کمرے میں امی نے بہت غور سے معاذ کے چہرے کو دیکھا۔

"کیا کہہ رہی تھی یہ لڑکی؟"

"کون؟ زری' کچھ بھی نہیں!"

"جھوٹ مت بولو!" وہ چڑ سی گئیں۔

"پچھلے گھنٹے بھر سے کونے میں منہ دیے روئے جا رہی تھی' اب تم آئے تو کیسے اٹھ کھڑی ہوئی جلدی سے۔"

معاذ نے ذرا سا رخ پھیر کر دوسری طرف دیکھا۔

"چاہتی کیا ہے یہ" آج کل بڑا منہ پھولا ہوا ہے' مجھے اس کے انداز کچھ ٹھیک نہیں لگ رہے ہیں!" ان کا اس کے بارے میں وہی ایک تجزیہ تھا' سو تھا۔

آج وہ بھی متفق تھا۔ مگر صرف دل میں۔

"چھوڑیں اسے ٹھیک ہو جائے گی۔ مجھے واپس آفس جانا ہے آپ بتائیں۔ کیا کہہ رہی تھیں!"
"اس لڑکی کی کتھا تو بہت غور سے سن رہے تھے میری باری آئی تو تمہیں جلدی پڑنے لگی۔"
"آپ بھی کمال کرتی ہیں بات کو کہاں سے کہاں لے گئیں۔ اچھا کہیں کیا بات ہے!"
اس نے پہلے امی کو کندھے سے تھام کر صوفے پر بٹھایا اور پھر خود اس انداز میں ان کے پاس بیٹھا جیسے بہت فرصت سے ہو۔

"جیتے رہو!" وہ بے ساختہ ہی مسکرا دیں۔
"مجھے زری سے کوئی پرخاش نہیں ہے معاذ! لیکن زمانہ بہت نازک ہے بیٹا! یہاں کسی کا بھی بھروسا نہیں کیا جا سکتا ایک جوان لڑکی کا گھر میں رہنا کوئی بھی نیا قصہ کھڑا کر سکتا ہے۔۔۔ تم سمجھ رہے ہو نا میری بات؟"
اس نے پوری سنجیدگی سے آہستگی سے سرہلایا تھا۔
"میں نہیں چاہتی کہ اس حوالے سے کوئی بھی ایسی ویسی بات اٹھے کوئی بھی تم پر انگلی اٹھائے بہت مشکل سے ہمارے حالات سنبھلے ہیں۔۔۔!"
معاذ نے آج خود کو سو فیصد ان کے ساتھ متفق پایا تھا۔

☼ ☼ ☼

پولیس کی تفتیش خاصی تیزی سے شروع ہوئی تھی۔
گھر کا تفصیلی جائزہ رہائشی حصہ سرونٹ کوارٹرز کونہ کونہ چھانا گیا تھا۔
ملازمین سے پوچھ گچھ خاص طور پر ان سے جو روزی کی گم شدگی والے روز یہیں موجود تھے۔
زرتاج چونکہ ملک سے باہر تھیں اور واقعہ کی اطلاع ملنے پر واپس پاکستان آئی تھیں کسی قدر کم سوالات کی زد میں تھیں سب سے زیادہ کم بختی نبیل کی آئی ہوئی تھی تقریباً روز ہی بلایا جا رہا تھا اور عارضی طور پر شہر چھوڑ کر جانے پر بھی پابندی تھی۔
زرتاج کی ساری کوششیں ناکام جا رہی تھیں۔ اس بار کوئی بڑا تگڑا ہاتھ پس پشت تھا۔
"دو کوڑی کی عزت باقی نہیں رہی میری اس طرح پیش آتے ہیں وہ جو پولیس والے جیسے میں ہی مجرم ہوں۔ ایک ہی بات کو بار بار پوچھتے ہیں انسان کنفیوز نہ ہو تو کیا ہو۔"
نبیل کے بیانات میں تضاد آ رہا تھا جس کو لے کر وہ سب سے زیادہ خود ہی گھبرایا ہوا تھا۔
"اپنے اعصاب پر قابو رکھو نبیل! تم خود اپنے لیے مصیبتیں کھڑی کر رہے ہو میں نے تم جیسا احمق انسان آج تک نہیں دیکھا میرے تو اپنے مسئلے تمہاری وجہ سے بڑھ رہے ہیں۔"
زرتاج کے لہجے میں اس کے لیے کوئی بھی رعایت نہیں تھی اور اپنی بات کہتے ہوئے انہوں نے ایک بار بھی نبیل کی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ وہ اکلوتی محبت جس میں وہ سرتاپا بھیگی تھیں تیزی سے ماضی کا حصہ بنتی جا رہی تھی۔
کبھی کسی وقت تو نبیل کو لگتا تھا کہ جیسے اب وہ اسے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینکنے ہی والی ہیں اور اگر واقعی ایسا ہوا تو۔۔۔!
اسے اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس ہوا تھا۔
"میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں زرتاج! تمہارے ہر مسئلہ کو حل کرنا میری ذمہ داری ہے تم کیوں فکر کرتی ہو۔

میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔"
"تم میرے ساتھ نہ ہوتے تو میں یقیناً" بے فکر ہوتی۔"
جواباً" وہ بہت سرد مہری سے بولی تھیں۔
چند لمحوں کے لیے تو وہ لاجواب سا ہوا ادھر ادھر دیکھے گیا۔
"ایسا کرو تم کسی طرح مجھے شہر سے باہر بھجوا دو۔ اتنے تعلقات ہیں تمہارے 'یہ پابندی تو تم ہٹوا ہی سکتی ہو' کسی کو بھی فون کرو۔"
اس کا شاطر ذہن اپنے بچاؤ کے راستے ڈھونڈنے میں مصروف تھا۔
"کہاں جاؤ گے!" اس بار وہ کچھ نرم پڑی تھیں۔
نبیل کو لگا جیسے وہ کچھ نہ کچھ راہ نکال ہی لیں گی۔
"لاہور چلا جاتا ہوں' وہاں کا آفس بھی دیکھ لوں گا اور کوئی نیا پروجیکٹ بھی۔۔۔!"
"کون سا نیا پروجیکٹ' وہی جہاں تم ایک گھنٹے میں لاکھ روپیہ اڑاتے رہے ہو' اس کی یاد ستا رہی ہے نا!" بڑی برجستگی سے انہوں نے نبیل کے دل کا چور پکڑا۔ اس عورت کے آگے مزاحمت نہیں کی جاسکتی تھی وہ بھی بری طرح ہکلا گیا۔
"ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ تم۔۔۔ تم بالکل غلط سمجھ رہی ہو زرتاج!"
"پتہ نہیں کیوں مگر مجھے یقین ہوتا جارہا ہے کہ تم میرے لیے بہت بڑی مصیبت کھڑی کرنے والے ہو' تم سے شادی کرکے میں نے یقیناً" غلطی کی ہے نبیل!"
زرتاج کی سرد مہری دن بہ دن بڑھ رہی تھی اور پچھلے ماہ سے وہ یہ بات برملا کہنے لگی تھیں کہ نبیل ان کے لیے درد سر بن چکا ہے۔
خطرے کی ایک نہیں کئی گھنٹیاں ٹناٹن اس کے سر پر بج رہی تھیں۔
"یہ سب اس سالار کا کیا دھرا ہے' پتہ نہیں کہاں سے نکل کر آگیا ہے' ورنہ پچھلے پورے سال اس کی خبر نہیں تھی۔"
نبیل کو اپنی شادی کا پہلا سال اور اس کی بے فکری اور عیش و عشرت بھلائے نہیں بھولتے تھے۔ تب بھی بھولے سے خیال نہیں آتا تھا کہ اس سب میں کوئی ذرا سا بھی خلل پڑنے والا ہے۔
"سالار کو روکنے والے بھی تم ہو' نہ تم نے اس پر حملہ کروایا ہوتا اور نہ ہی وہ اتنے دن یہاں ٹھہرتا۔" زرتاج بہت زور سے چلائی تھیں۔
"خدا کے لیے زرتاج! آہستہ' کسی نے سن لیا تو۔۔۔" دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔
"دیکھا!" نبیل کا چہرہ خوف سے زرد پڑا۔
"دروازہ کھولو!" زرتاج نے خود پر قابو پاتے ہوئے اشارہ کیا تھا کہ سالار گھر میں باآسانی گھومتا پھرتا نہیں تھا' پھر بھی پہلا دھیان اسی کی طرف گیا تھا اور اگر وہی تھا تو پھر یقیناً" زرتاج کا کہا اس نے سن بھی لیا ہوگا۔
"آپ کو بلا رہے ہیں!" دروازے پر کھڑے ملازم نے اطلاع دی تھی "وہ لاؤنج میں بیٹھے ہیں' مجھ کو کہا کہ آپ کو بلا کر لاؤں۔" نبیل نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے خود کو کمپوز کیا۔
"چلو!" زرتاج بے ساختہ ہی اٹھ کر پیچھے آئی تھیں۔
"مسٹر نبیل!" اس نے سامنے بیٹھے پولیس آفیسر کو کہتے سنا۔

"روزی کی گمشدگی کے وقت' جو آپ کی ایک پرانی ملازمہ گھر میں موجود تھیں' ان کے بارے میں ابھی تک ہم کوئی پتہ نہیں چلاسکے ہیں' اس سارے واقعہ میں وہ سب سے اہم ہیں کیونکہ وہ لڑکی ان ہی کے ساتھ رہتی تھی زیادہ وقت۔ کہاں ہیں وہ اب' ہم وہ ایڈریس لینا چاہتے ہیں۔"
پنجاب کے کسی دور دراز گاؤں کا وہ پتہ' کسی دراز کسی ڈائری میں یقیناً" محفوظ تھا۔
وہ تیزی سے آگے بڑھیں۔
"عظمت بہت پرانی ملازمہ تھی' لیکن اس کے آگے پیچھے کوئی سگا رشتہ نہیں تھا' وہ ایک آدھ بار چند دن کے لیے کسی سے ملنے ضرور گئی تھی' مگر کس سے' نہ ہم نے پوچھا اور نہ اس نے بتایا۔ ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتے۔"
"تو کوئی تصویر ہے ان کی؟" پولیس آفیسر نے بہت تحمل سے دوسرا سوال کیا تھا۔
"وہ بھی نہیں' عظمت پرانے خیال کی عورت تھی۔" ٹھوک بجا کر بات کرنے کا وہی انداز۔
نبیل نے کچھ تو سکون محسوس کیا ہی تھا۔

☆ ☆ ☆

نانی ولدار کا سارا کنبہ آیا بیٹھا تھا۔
کمرے سے بار بار ہنسی کا فوارہ سا پھوٹتا اور سارے میں پھیلتا چلا جاتا۔
شاما کا ایک قدم کچن میں اور ایک نانی کے کمرے میں تھا۔ خاطر داریوں کی حد نہیں تھی۔
مٹھائی' کیک' سموسے' کباب' چھولے' دہی بڑے۔
کتنی ہی بار وہ ٹرے بھر کر پہنچا چکی تھی۔
ثمینہ تیز قدموں سے چلتی ہوئی کچن میں آئی۔
شاما پھر سے کباب تلنے کے لیے فرائی پین رکھ چکی تھی۔
"اپنے گھر میں کھانے کو نصیب نہیں ہے' کبھی ڈھنگ کا پکا ہو تو کھایا بھی جائے جب دیکھو' بازار سے شاپر لٹکا چلا آرہا ہے' یہاں ہر چیز پر رال ٹپکی پڑ رہی ہے۔" وہ بولتی ہوئی اندر آئی تھی۔
شاما نے مسکراتی نگاہوں سے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔
"تجھے کس حکیم نے کہا تھا کہ تو ان چٹوریوں کے سامنے یوں ٹرے بھر کر نعمتیں سجا۔"
وہ کچھ چڑ کر شاما کی بھی خبر لے گئی۔
"لو میری کیا غلطی' مجھے تو نانی نے کہا تھا کہ مبارک باد کے لیے آنے والوں کی خاطر میں کوئی کمی نہ رہ جائے اور پھر یہ تو ہیں بھی خاص الخاص اپنی نانی کی جانشین۔"
ایک غلط لفظ استعمال کرکے وہ پھر مار کھا گئی۔ ثمینہ نے بڑی خونخوار نظروں سے اسے دیکھا۔
"کیوں میں مرگئی ہوں کیا' فاتحہ پڑھ لی تو نے میری' جو یہ نئی جانشینی مقرر کی ہے تو نے؟ ذرا ہوش میں رہ کر بولا کر شاما! آئی بڑی اردو دان۔"
"ہائے' خدا نہ کرے توبہ کریں باجی ثمینہ! یوں ہی منہ سے ایک بات۔۔۔"
"غلطیاں تو کر کر توبہ میں کرتی رہوں' یہاں کفارے نہیں ادا ہوتے' پتہ نہیں کیا بنے گا۔"
بڑبڑاتے ہوئے اس نے ایک کباب اٹھا کر منہ میں ڈالا۔
"مزے کے ہیں' جب ہی تو گل ناز نے پورے چار کھالیے۔ املی کی چٹنی کے ساتھ' تیرے ہاتھ کے ذائقہ پر تو

جان ہوتا ہے خالہ دلدار کا خاندان۔"

شاما کے چہرے پر بڑی فخریہ مسکراہٹ آئی۔

سارے محلے میں اس جیسی پکانے والی نہیں تھی' ہزار گل ناز اور دلدار جان نے کوشش کر ڈالی کہ وہ نانی ستارہ کی چوکھٹ چھوڑ کر ان کے ہاں آجائے' مگر اس کی وفاداری نے ذرا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔

یہی چوبارہ اس کی پہچان' اس کا مان بنا رہا۔

"بڑی خوشی کا موقع آیا ہے باجی تمینہ! میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ سارے شہر میں مٹھائی بانٹتی پھروں' آپ بھی دل مت جلائیں' دیکھ رہی ہیں نا' گیا اپنی تقتی کا سامان دیکھ کر' باجی گل ناز اور نانی دلدار دونوں کا ہی رنگ اڑا تھا میں تو جب کے جب ہی باہر آکر گیتی پر سے پیسے اتار کر' نیچے فقیر کو دے کر آئی۔"

"بہت اچھا کیا' نانی دلدار کی نظر تو ویسے بھی مشہور ہے' اللہ بچائے اور یہ گل ناز پوری جادوگرنی! کیسا میرے مولا نے میری شان بڑھائی' ساری عمر میری ذلت کرتی آئیں ماں بیٹیاں' اب کیسی پھٹکار برس رہی ہے چہروں پر۔"

تمینہ کے دل کو بڑی ٹھنڈک سی پڑی تھی۔

اندر سے پھر سے ہنسی پھوٹی تھی۔

"اونہہ! ساری ڈرامے بازی۔" شاما کی ٹرے پھر سے تیار ہو گئی تھی۔

"میں لے جاتی ہوں' تو ذرا گیتی کو دیکھ' اٹھی ہو تو کچھ کھلا دے' نوالہ نہیں اتر رہا ہے لڑکی کے حلق سے۔" تمینہ نے تشویش سے کہتے ہوئے ٹرے اٹھانا چاہی' مگر شاما نے فوراً" ہی روک دیا۔

"آپ چل کر بیٹھیں' ٹرے میں لے کر چلوں گی' صندل اور گیتی آرا جیسی بیٹیوں کی ماں ہیں' کوئی مذاق نہیں ہے۔ کیسا ہیرے جیسا داماد آرہا ہے کل' اپنی ویلیو کو پہچانیں باجی! ابھی تو شان دکھانے کا موقع ہے۔ اس وقت کے لیے میں نے کتنی دعائیں کی ہیں' میرا اللہ جانتا ہے۔" شاما کی آواز بھیگنے لگی۔

قیمتی لباس اور خوشبوؤں میں ڈوبی' بدمزاج' منہ پھٹ تمینہ کے دل کو عجیب سے احساس نے گھیرا۔

"تیری تو بات ہی کیا ہے شاما! اس دھوپ بھری زندگی میں ایک تو ہی تو میرے لیے چھاؤں بنی رہی ساری عمر' میرا گھر' میری بچیاں خدا کے بعد تیرے ہی حوالے۔۔۔ تو نے ہی پال پوس کر انہیں۔۔۔!"

"خدا کے لیے باجی!" شاما نے ہاتھ جوڑے تھے۔

"ساری عمر تیری احسان مند رہے گی یہ تمینہ!"

آنسوؤں سے بھاری ہوتی آواز کے ساتھ' تمینہ نے پسینے میں ڈوبی اس گہری سیاہ رنگت والی شاما کو کھینچ کر گلے سے لگایا اور سسکیوں کے ساتھ رو دی۔

شاما کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہوا تھا۔

"حد ہو گئی اتنی بڑی ہو کر روتی ہیں' ابھی کسی نے دیکھ لیا' باجی گل ناز یا الماس نے تو ان کی تو خوشی کی انتہا نہیں رہے گی' فوراً" ہی کوئی الٹا سیدھا اندازہ لگا لیں گی۔" جتنی دیر میں تمینہ نے اس کا لایا ہوا پانی کا گلاس ختم کیا' وہ مورل سپورٹ کے لیے ایسی ہی باتیں کیے گئی۔

"ٹھیک کہا تو نے۔" اس نے فوراً" ہی اپنے آنسو خشک کیے تھے۔

"چلیں سب کے ساتھ اندر چل کر بیٹھیں' میں گیتی کو بھی کچھ کھلا دوں گی' فکر نہ کریں۔" تمینہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"ویسے اماں نے زیادتی تو کی' زبان سے بھاگتیں' ایسا جلال!"

"آہستہ باجی!" شاما کے چہرے کا رنگ پھر سے اڑا تھا۔ "نانی کے غصے کی تو کہانیاں مشہور ہیں محلے میں' سالوں نہیں آتا اور پھر جب آتا ہے تو۔۔۔!"

"میں نے تو ایک بار فیروزہ پر ہاتھ اٹھتے دیکھا تھا' جب اس نے خاندان کے باہر سے شادی کی ضد پکڑی تھی یا پھر اب جب گیتی نے شادی سے انکار کیا تب۔۔۔ موقع ایک ہی مگر تھا مختلف' ہماری زندگیوں میں کچھ بھی سیدھا سیدھا نہیں ہوتا شاما' ہماری مصلحتیں' ہمارے راستے کا تعین کرتی ہیں' دل کی چاہ کا ہمارے ہاں کام نہیں ہے۔ گیتی کی سمجھ میں بھی کبھی نہ کبھی یہ بات آہی جائے گی۔"

"آپ دل برا نہ کریں باجی! جو ہو رہا ہے' اچھا ہی ہو رہا ہے' قسمت جاگ رہی ہے ہماری گیتی کی' اتنے امیر آدمی کی بیوی بنے گی تو سب کچھ بھول جائے گی' پیسے میں بڑی طاقت ہے۔"

شاما اس کے ساتھ ہی نکل کر صحن میں آئی تھی۔

تمینہ نے نگاہ اٹھا کر اوپر تاروں بھرے آسمان کو دیکھا' ہوا بالکل بند تھی۔

"بس آج کی رات اور کل عصر میں نکاح' بالی صاحب اور صندل بھی دوپہر تک پہنچ جائیں گے' یہ کام بھی خیر سے ہو جائے گا' بس دعا کر گیتی خوش رہے! بڑی فکر ہے اس کی طرف سے۔"

وہ دونوں برآمدے میں آئی تھیں۔

چند قدموں کے فاصلے پر نانی ستارہ کے کمرے سے باتوں اور ہنسی کی ملی جلی سی آوازیں' خوشگوار سا ہنگامہ جگا رہی تھیں' تمینہ نے گیتی کے نیم اندھیرے کمرے کی طرف دیکھا۔

"مجھے گیتی میں فیروزہ دکھائی دیتی ہے شاما! وہ بھی ایسی ہی خاموش' دل کی دل میں رکھنے والی تھی' کیا ہوا۔ بن گئی مٹی کا رزق' بھری جوانی میں' مجھے ڈر لگ رہا ہے میری بچی بھی کہیں۔۔۔!"

"بری بات منہ سے نہ نکالیے گا اب' بس چپ!" تمینہ کے چہرے پر ایک سایہ سا آیا۔

"وہ ماسٹر بھی شاید اسے پسند آگیا تھا' پیسے والا تھا وہ بھی' یا پتہ نہیں۔ خیر۔ پھر اب تو مہینوں سے غائب ہے۔ عجیب پراسرار!"

شاما نے بے اختیار ہی دانتوں تلے زبان دبائی۔

"اب فائدہ بھی کیا' ویسے بھی گیتی کی' باجی تمینہ کی۔ سب ہی کی بھلائی اسی میں ہے' خبردار' چپ' خاموش!" اس کی روح میں رچی بسی وفاداری نے اسے بڑی سخت سی تنبیہ کی۔۔۔ تمینہ کے پیچھے پیچھے۔ نانی ستارہ کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے' وہ بڑے بھرپور انداز میں مسکرائی تھی۔

☼ ☼ ☼

دور بہت دور۔

سالار کی نیند ایک جھٹکے سے ٹوٹی۔

گھور' سیاہ تاریک رات!

اس نے آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھا تھا' مگر منظر سے سب ہی کچھ معدوم ہوا تھا۔

اس کا دل بہت ہی غیر معمولی انداز میں دھڑک رہا تھا۔

"کیا تھا' جس نے اسے اس طرح خوف زدہ کیا؟ چونکایا! ایک بڑا سا سوالیہ نشان' جواب طلب تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

عالیہ بخاری

دل اور دشت

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد نازو نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اُٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آ کر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گیتی آرا کی پوٹلی دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھرم سا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو، ناتی کا موہا میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز

سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیرِ اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی جوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بالو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بناء عمر سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سیکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جیسے ڈرائیور ابو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے بُرے دن شروع ہو جاتے ہیں، ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بالو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بالو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔ سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

جویا کا رشتہ آناً فاناً طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی کوششیں، شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے۔ اور جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ، جویا کو اُکساتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ، آپا گل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔

صندل کو بالی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

نبیل، سالار پر قاتلانہ حملہ کرواتا ہے۔ جس پر زرتاج بیگم جیسی عورت بھی دہل کر رہ جاتی ہیں۔ سالار کے قابلِ اعتماد ساتھی موقع پر جاں بحق ہو جاتے ہیں۔ زرتاج بیگم معاملے کو دبانے کی سرتوڑ کوشش کرتی ہیں لیکن اس موقع پر یوسف کمال، بہن کے بجائے سالار کا ساتھ دے کر انہیں مزید پریشان کر دیتے ہیں۔ آنے والا وقت نبیل اور زرتاج بیگم کو کسی اچھی خبر کی نوید نہیں سنا رہا۔ یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کا دل اپنے شوہر سلمان سے ہٹ کر اب سالار کی طرف لگ چکا ہے۔

یوسف کمال اسے بتا دیتے ہیں کہ سالار کسی اور کو پسند کرتا ہے۔ صندل کو کامیابی تیزی سے عروج کی جانب لے جاتی ہے۔ بالی صاحب کی کوٹھی میں منتقلی نگینہ بائی کے خاندان کو زندگی کے نئے رخ سے آشنا کرواتی ہے۔ نانی ستارہ شاما کے ساتھ اپنے گھر میں رکھنے کا فیصلہ کرتی ہیں تو نگینہ کے ساتھ ساتھ گیتی کو بھی دھچکا لگتا ہے۔ تاہم وہ گیتی سمیت سب کو مطمئن کر کے بھیج دیتی ہیں۔ سالار کی مستقل غیر موجودگی گیتی کے لیے پریشان کن ہے۔

صندل، انٹرویو میں خالہ فیروزہ کو بے اولاد بتاتی ہے تو خیام ایک لمحے کو ساکت رہ جاتا ہے۔ دربدری نے خیام کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ آخر کار ساجد ترس کھا کر اسے اپنے یہاں لے آتا ہے۔

جویا کا رشتہ ٹوٹنا اور اظہار صاحب کی گرفتاری پورے خاندان کا شیرازہ بکھیر ڈالتی ہے۔ تمام سہولیات اور گھر سے انہیں ہاتھ دھونا پڑتے ہیں۔ اس موقع پر آپا گل اور سلمان کی طوطا چشمی شاکرہ بیگم کو گم صم کر دیتی ہے۔ یہ خبریں معاذ اور اسلام صاحب کے خاندان تک بھی پہنچ رہی ہیں جس پر شائستہ بیگم (معاذ کی والدہ) کے سوا سب کو دکھ ہے۔ معاذ نواب کی موت کے بعد سعیدہ کی بے گانگی پر زری کو گھر لے آتا ہے تو سب کا ماتھا ٹھنکا ہے۔ دادی اس پر کڑی نظر رکھتی ہیں، زری دل میں معاذ کے لیے خاص جذبات رکھتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

۴۱
اکتالیسویں قسط

رات کا آخری پہر ابھی باقی رہتا تھا، مگر نانی ستارہ کے چوبارے تلے، خوشگوار سی گہما گہمی جاگ اٹھی تھی۔

گاڑی سے اترتی دیگیں۔

مردوں کے اونچا بولنے کی آوازیں۔

سامان رکھنے اٹھانے کا شور!

شاما نے کمرے کا دروازہ ذرا سا کھول کر اندر جھانکا، اندر نیم اندھیرا چھایا تھا، معطر، خوشبوؤں میں بسا ہوا۔ فوری طور پر تو اسے کچھ بھی نظر نہیں آیا۔

"آجاؤ شاما! کیا بات ہے۔؟"

گیتی کی دھیمی سی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ مسکراتے ہوئے اندر چلی آئی۔

"اٹھ گئیں!" قریب آکر اس نے بہت محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"سوئی کب تھی۔" اس کا لہجہ بے تاثر تھا۔ شاما نے غور سے اس کا چہرہ دیکھنا چاہا، آنکھیں اب ماحول سے مانوس ہونے لگی تھیں۔

گیتی کا چہرہ زردی مائل ہو رہا تھا، اور آنکھیں اتنی ویران کہ.....

شاما کے دل کو عجیب سے وہم نے گھیرا۔

"سونے کی کوشش تو کرو، خیر سے بڑی دور جانا ہے، سفر کی تھکان بھی ہونا ہے۔ لاؤ میں سر دباتی ہوں، ابھی نیند آجائے گی۔"

"نہیں رہنے دو!" شاما کا ہاتھ اس نے اپنے سر سے ہٹایا۔

"چائے بنا لاؤں، یا کوئی شربت، جو دل چاہ رہا ہو!" وہ اس کی دل جوئی میں کوئی کسر نہیں رکھنا چاہتی تھی۔

"نہیں!" اس نے دوسری طرف کروٹ لی۔

اس کے نرم گھنے بال تکیے پر بکھرے تھے۔ کل رات اسے پیلا جوڑا پہنایا گیا۔ ابٹن لگا، مہندی لگی، سارا وجود

خوشبوؤں میں بسا۔

مہندی سے سجا ہاتھ اس نے چہرے پر رکھا تھا' شاما کو لگا جیسے وہ اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی' یا پھر کسی کا بھی نہیں۔

"بہت خوش رہوگی' اللہ نے چاہا تو' سارے دکھ' سارے شکوے ختم ہو جائیں گے۔ اپنے گھر پر راج کرنے کی شان ہی کچھ اور ہوگی۔" اپنی فطری وفاداری سے مجبور وہ گیتی کے کندھے' کمر دھیرے دھیرے دباتے ہوئے ملک صاحب کا قصیدہ پڑھنے لگی۔

"میں ٹھیک ہوں۔ مت کرو!"

ایک بار پھر اس کا ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

نیچے سے آتی آوازیں ادھ کھلے دروازے میں سے یہاں تک آرہی تھیں۔

"نیچے کیا ہونے لگا ہے شاما؟"

"خیر سے دیگیں چڑھانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں' ظہر تک ساری برادری میں بانٹ کر فارغ ہو جانا ہے' نانی کی سختی سے ہدایت ہے کہ عصر تک باہر سے دھو دھلا کر ساری صفائی ہو جائے' پھولوں کا گیٹ بنے گا دروازے کے ساتھ۔ پتا بھی ہے!"

بے زاری سے سر جھٹک کر وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑائی۔

"مجھ سے کچھ کہا؟" شاما نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"جب چار لوگ ہی آنے ہیں تو دروازے سجانے کی کیا ضرورت ہے' چوروں کی طرح آنا ہے اور لوٹ کا مال لے کر جانا ہے' اتنی خوشیاں کس حساب میں منائی جارہی ہیں شاما!" اس کی آواز قدرے اونچی ہوئی۔

"پھر وہی!" شاما نے بے ساختہ ہی ایک بار پھر اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔ ان چند دنوں میں کتنی ہی دفعہ اسے ایسا کرنا پڑ رہا تھا۔

"خیر کے ساتھ اپنے گھر جاؤ' کیوں اتنے برے الفاظ منہ سے نکالتی ہو' بدشگونی ہوتی ہے!"

"جب قسمت ہی خراب ہو تو اچھے برے الفاظ سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور میں نے کچھ ایسا غلط بھی نہیں کہا ہے' سچائی تو یہی ہے نا!"

"ہاں!" شاما نے ایک ٹھنڈی سانس لی "سچائی صرف یہ ہے کہ تمہیں ایک عزت دار زندگی مل رہی ہے اور تمہیں اس بات کا احساس اس وقت ہوگا جب تم ملک صاحب کے گھر میں راج کر رہی ہوگی۔۔۔ دیکھو مہندی کا رنگ کتنا گہرا آیا ہے' محبت کرنے والا۔۔۔"

"بس کرو نا شاما!" گیتی نے اپنا ہاتھ' تیزی سے شاما کے ہاتھ سے چھڑایا "گھن آتی ہے مجھے ان باتوں سے۔ پلیز مت کرو' مجھے پتا ہے وہی ہوگا' جو نانی اور امی نے ہمیشہ چاہا تھا' پرانا پلان تھا ان کا۔"

شاما نے ہکا بکا ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو' خدا نہ کرے' وہ کیوں پلان بنانے لگیں' ملک صاحب نے تمہارا عزت سے رشتہ مانگا۔ مناسب لگا تو ظاہر ہے قبول کرنا ہی تھا۔"

پچھلے سارے دنوں میں یہی ایک بات کوئی بھی اسے نہیں سمجھا پا رہا تھا نہ شاما اور نہ نگینہ۔

"تم جاؤ شاما! یہاں سے پلیز!"

وہ اتنی بیزار تھی کہ شاما کو لگا جیسے وہ نہ گئی تو گیتی آرا اسے ہاتھ پکڑ کر بھی باہر کر سکتی ہے' سو اصولاً اسے اٹھ ہی جانا چاہیے تھا' مگر وہ ڈھیٹ بنی وہیں بیٹھی رہی۔

اس کی وفاداری آج کے دن ہمیشہ سے کہیں زیادہ آزمائش میں پڑی تھی۔

"گیتی کے ساتھ سائے کی طرح رہنا شاما! جب تک وہ رخصت نہ ہو جائے' یہ تیری ذمہ داری ہے!"

نگینہ نے اسے خاص طور پر کہا تھا' اور وہ تعمیل حکم میں کوئی ذرا سی بھی کمی چھوڑنے والی نہیں تھی' ان سنی کرتے ہوئے وہ پھر سے اس کے پیر دبانے لگی۔

سر جھکائے' خاموش'

گیتی کو خود ہی اس پر رحم آیا تھا۔

"تم جاؤ شاما! میں تھوڑی دیر سوؤں گی!" اپنے پیر کھینچتے ہوئے اس نے اس بار کچھ نرمی سے کہا۔

شاما نے لہجے کی تبدیلی کو محسوس کیا اور ہلکے سے مسکرا دی۔

ایسا ہی ہوتا ہے۔

رو پیٹ کر' ناراضی دکھا کر' بھوک ہڑتالیں کر کے' آخرکار سمجھوتا۔۔۔ اور آخرکار۔۔۔؟

اس کے آگے وہ کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتی تھی' سو دروازہ بند کر کے باہر برآمدے میں نکل آئی۔

رات کے اس آخری پہر میں بھی بلا کا حبس تھا اور محرابوں کے دوسری طرف گہرے سرمئی بادلوں کا غبار جھکا پڑتا تھا۔

برسات کے مہینوں میں یہی ایک منظر کئی کئی دن کے لیے ٹھہر جاتا اور پھر کسی وقت اچانک ہی بادل موسلا دھار برس پڑتے۔

"بس خدا کرے آج بارش نہ ہو' ورنہ تو بڑی ہی گڑبڑ مچے گی!" برآمدے کی آخری محراب سے نیچے جھانکتے ہوئے اس نے بڑے دل سے دعا کی۔

لائن سے رکھی ہوئی دیگوں کے لیے مسالے کوٹے جارہے تھے اور چولہوں کی آگ روشن کی جارہی تھی' شاما نے تازہ مسالوں کی مہک سانس کے ساتھ اندر اترتے ہوئے محسوس کی۔

استاد فراغت بیگ نہ جانے کس وقت اتر کر نیچے جا چکے تھے اور اس سارے کام کی نگرانی خود اپنے ذمہ لے کر خوش خوش ایک چارپائی پر بیٹھے تھے۔

پچھلے کئی ماہ سے بیماری جھیلنے کے باوجود آج ان کی ہمت قابل داد تھی۔

شاما نے انہیں بڑے فخر سے دیکھا اور نانی ستارہ کے کمرے کی طرف مڑ گئی۔

مسہری پر نگینہ اور نانی کے درمیان' دلچسپ سا موضوع چھڑا تھا۔ آج یہاں کوئی بھی نہیں سویا تھا۔

"اس بار تو بہت بڑا دل کیا' خالہ دل دار نے' جو گیتی کے لیے اتنا بھاری سیٹ لے آئیں' ورنہ صندل کی پہلی فلم کے پریمیئر پر تو جیسے سانپ ہی سونگھ گیا تھا ساریوں کو۔"

"خیر' جب گیتی نے بی اے پاس کیا تھا' تب بھی کافی دے دلا کر گئی تھیں دلدار اور گل ناز۔ ویسے بھی کبھی ہاتھ تنگ نہیں کیا ان لوگوں نے دینے دلانے میں تو۔"

نانی ستارہ کی یادداشت شاید نگینہ سے زیادہ بہتر تھی۔

"مجھے بھی اس سال میں چار نئے جوڑے دیے ہیں باجی گل ناز نے' بڑے اچھے مہنگے والے۔"

شاما کو حسب عادت بے موقع ہی گل ناز کی مہربانیاں یاد آئیں۔

"ساری زندگی تیری ان ہی چار جوڑوں میں ہی تو گزرے گی۔ بیٹھ گئی گل ناز کا ترانہ گانے۔ ارے الماس کا

صدقہ نکالتی ہے' تو تیرا نمبر آتا ہے' اتنا بھی نہیں سمجھتی۔"

خالہ دلدار اور گل ناز کے لیے کہا گیا کوئی تعریفی جملہ سچا بھی ہو' تب بھی ناقابل قبول۔

شاما کو اس وقت بھی نگینہ نے خاصا جھاڑا تھا۔

نانی ستارہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر اسے تاسف سے دیکھے گئیں' نگینہ کا ہلکا پن' آج بھی کم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔

"خود کو بدل نگینہ! اللہ نے تجھ پر کتنے کرم کیے ہیں۔ صندل کی کامیابی دیکھ لی' خیر سے آج اونچے مرتبے والا داماد بھی تیرا ہوا' دل بھی بڑا کر' شکر گزار بن' معاف کرنا سیکھ لوگوں کو' معاف کرنے کا بڑا اجر ہے۔ صبر اور شکر دونوں گنا جاتا ہے' بیٹی رخصت ہو رہی ہے آج' اپنے نصیب پر فخر کر' شکرانہ پڑھ!"

نگینہ کا سر خود بخود ہی جھکا تھا' نانی اور شاما کو لگا تھا جیسے وہ بہت غور سے' جو کچھ کہا جا رہا ہے سن رہی ہے۔

"بات بات میں گل ناز سے اپنا موازنہ کرنا کب چھوڑے گی آخر' اس سے کہیں آگے نکل آئی ہے۔ یہ کیا کم مقام شکر ہے' چھوڑ بھی دے اب یہ ہلکا پن!"

"کیسے چھوڑ دوں اماں! انسان اپنی فطرت سے کیسے ہٹ سکتا ہے۔" اس نے سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا' نگینہ کا چہرہ بھیگا ہوا تھا "میں بھی مجبور ہوں' نہیں نکال سکتی اپنے اندر کی بیچ عورت کو۔ اپنے حسد اپنے کینہ کو۔ وہ اور لوگ ہوتے ہیں' جو اپنی برائی کو کامیابی سے چھپا لیتے ہیں' مگر مجھ سے تو یہ بھی نہیں ہوا' اندر آگ بھڑکتی ہے تو بولے بغیر نہیں رہا جاتا' میرا رب مجھے معاف کرے۔ میں تو اس کے آگے نگاہ اٹھانے کے بھی قابل نہیں' ساری عمر سجدے میں پڑی رہوں' تب بھی......!"

نگینہ کی آواز میں بڑی نمایاں لرزش تھی اور بات کے اختتام پر جب اس نے اپنے دونوں ہاتھ جوڑے تھے تو اس کا پورا وجود کپکپا رہا تھا۔ شاما نے اپنا دل کٹتا ہوا محسوس کیا۔

"اللہ تیری ندامت کو قبول کرے نگی! یہاں کون ہے' جو گناہ گار نہیں' مگر توبہ کی توفیق بھی ہر ایک کو نہیں ملتی جب اتنا اچھا دل اللہ نے دیا ہے تو زبان کو بھی میٹھا کر' یوں ہر وقت انگارے چباتا!" نگینہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے جو کچھ بھی وہ سمجھا رہی تھیں بیچ میں ادھورا چھوڑ کر شاما کو دیکھا۔

"شاما! جا کر چائے بنا لا!"

"جی!" وہ مستعدی سے اٹھی۔

"ایک منٹ' ذرا گیتی کو بھی دیکھ لے' اٹھ نہ گئی ہو!" ہتھیلی سے آنسو خشک کرتے ہوئے نگینہ نے اسے روکا۔ شاما نے مڑ کر نگینہ کی طرف دیکھا۔

اس کے چہرے پر تازہ آنسوؤں کے نشان تھے اور آنکھوں میں عمر بھر کی جھیلی محرومیوں کی اداسی!

"اور کچھ نہ سہی' تو وہ اس کے چھوٹے چھوٹے غم کو چھپائے رکھتی ہی ہے' سو یہ بھی غنیمت ہے!"

کمرے کی دہلیز پر کھڑی شاما نے سوچا اور ہلکے سے مسکرا دی۔

"گیتی تو سو رہی ہے۔ گہری نیند۔ ماشاءاللہ آرام سے ابھی دیکھ کر آ رہی ہوں' آپ فکر مت کریں۔" اپنی بات کہتے ہی وہ تیزی سے مڑ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

نگینہ کے چہرے پر اتنی دیر میں پہلی بار مسکراہٹ آئی۔

"شکر ہے اللہ کا' اس لڑکی کے دل کو کچھ تو قرار آیا' میرا تو دل کٹ رہا تھا' اسے دیکھ دیکھ کر اماں! قریب بھی نہیں جا رہی اسی لیے کہ کہیں نرم نہ پڑ جاؤں......"

اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اس نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔

"کیسی قسمت ہے اماں! اپنی بچی کو گھر سے وداع کرتے ہوئے' کوئی تسلی' کوئی پیار بھی نہیں دے سکتی' ماں کی کیا یادیں رہیں گی گیتی کے ساتھ' سخت دل' بدزبان' بے حس' یہی سمجھتی رہے گی نا ساری عمر مجھے۔"

نگینہ کے لفظ لفظ میں سے درد بھری حسرت نے جھانکا تھا۔

نانی ستارہ نے بہت غور سے اس کی طرف دیکھا۔

"اپنی جذباتیت پر قابو پا نگینہ! ساری عمر جس حوصلے سے کاٹی ہے' اب اس نازک وقت میں اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ گیتی کو جو سمجھتا ہے' سمجھتی رہے' اپنے کسی ایک عمل سے بھی اسے نرمی کا تاثر نہیں دینا' آج وہ رخصت ہو جائے' اس کے بعد کمرہ بند کر کے' جتنا رونا ہے' رو لینا۔ میں بھی آج تک روتی ہوں فیروزہ کو' مگر کسی کو خبر نہیں ہوتی۔"

نانی ستارہ کے لہجے میں بڑا پتھریلا سا تاثر تھا۔

"جس دن فیروزہ نے یہ چوبارہ چھوڑا تھا' میرے لیے وہ اسی دن مر گئی تھی' قبر بن گئی تھی اس کی میرے دل میں حالانکہ اس کے بعد وہ خیام کو گود میں لیے واپس آئی مگر زندوں میں کب شمار تھا اس کا' ایک سایہ تھا محض' پھر وہ سایہ بھی معدوم ہوا — اور یہاں کتنی ماؤں نے بیٹیوں کو سایہ بنتے اور مٹتے دیکھا ہے' ہا آ! عورت کا نصیب۔ اور یہ اسی گلی کا رونا نہیں' باہر کی بستی کھیلتی دنیا میں بھی کہانی مختلف سہی' مگر درد کی شدت وہی ایک......"

بولتے بولتے ان کی آواز دھیمی پڑی۔

وہ شاید تھک گئی تھیں۔

"آپ فکر نہ کریں اماں! ہو گا وہی جو آپ چاہیں گی' بس میری بچی کے اچھے مقدر کی دعا کیجیے گا' بڑی غریب طبیعت ہے' اپنے باپ پر گئی ہے' صابر' خاموش' خود دل پر سہنے کے لیے تیار' وہ بھی تو ایسا ہی تھا۔"

فیض علی کے اس دنیا سے جانے کے بعد شاید نگینہ نے اسے پہلی بار اچھے لفظوں میں یاد کیا۔

شاما چائے لے آئی تھی' آج بارہ ایک بجے تک صندل اور بالی صاحب کو بھی آجانا تھا اور پھر عصر کے بعد ملک صاحب کو چار لوگوں کے ساتھ۔

''قاضی گواہ سب ان کے' اپنی طرف سے استاد فراغت بیگ' دلدار اور گل ناز' یہ گھر کے ہی لوگ ہیں' ملک صاحب کا منشی سختی سے منع کر کے گیا ہے' لوگ اکٹھے کرنے سے۔'' نانی نے ایک طے شدہ بات کا اعادہ کیا۔

نگینہ کے ماتھے پر ہلکا سا بل آیا۔

''میرا تو دل تھا کہ بڑی دھوم دھام سے شادی کرتی' صندل کی کوٹھی میں بارات آتی' شہر کے بڑے بڑے لوگ انوائیٹ ہوتے' میری گیتی کا دل بھی خوش ہو جاتا۔''

''پھر وہی گیتی' کیوں بھولتی ہے کہ یہ شادی اس کا دل خوش کرنے کے لیے نہیں ہو رہی' وہ یہاں سے رخصت ہوتی یا وہاں سے' اسے کوئی فرق نہیں پڑنے والا!''

نانی ستارہ نے چائے کا کپ ایک طرف رکھتے ہوئے بڑی کوفت سی محسوس کی تھی' ایک بات سمجھاتے سمجھاتے کتنے ہی دن گزر گئے تھے' مگر نگینہ......!

شاما نے بڑی رحم بھری نگاہوں سے نگینہ کے چہرے پر آتی شرمندگی کو دیکھا۔

''کتنی عجیب سی بات ہے نا' پہلے کبھی تو ایسا پیار نگینہ باجی کو گیتی پر آتا دکھائی نہیں دیا' ہمیشہ ہی اس سے نالاں' صرف صندل کے گن گاتی رہیں' گیتی تو ہمیشہ نانی کے قریب' ان ہی کی چہیتی رہی' مگر اب تو کایا پلٹ ہے!''

''ہمارے ہاں سمجھوتے کی اہمیت ہے صرف اور یہی ہمیں راس بھی آتے ہیں' دل کی خوشی کا ہمارے پاس کام نہیں ہے نگینہ! بڑی بربادی ہے' دل کے پیچھے بھاگنے والوں کی!''

مشہور تھا کہ نانی کی کہی بات حرف آخر ٹھہرتی ہے۔ خود شاما نے کئی بار اس کا تجربہ کیا تھا' مگر یہاں اس ایک معاملے میں ان کا انداز خوف زدہ کر رہا تھا' اس جیسی معمولی نوکرانی کو ہی نہیں' نگینہ جیسی دبنگ عورت کو بھی۔

''اٹھا لے یہ ٹرے شاما!'' نگینہ نے ہاتھ میں تھاما کپ واپس ٹرے میں رکھا' پیالی میں آدھی ٹھنڈی چائے ابھی باقی تھی۔

''اور لے آؤں باجی!'' اس نے اٹھتے ہوئے نگینہ کی طرف دیکھا تو نگینہ نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

آج بسکٹ' کلچوں سے بھری پلیٹ بھی یوں کی یوں ہی رکھی رہ گئی تھی' نانی ستارہ تو خیر علی الصبح کچھ کھاتی ہی نہیں تھیں' مگر نگینہ کے حلق سے خالی چائے مشکل سے ہی اترتی تھی۔

''فجر کا وقت ہوا چاہتا ہے' اٹھ کر نماز پڑھ لو!'' اپنے پیچھے اس نے نانی ستارہ کو نگینہ سے کہتے سنا تھا۔

آج مدت بعد نانی ستارہ جان نے ریاض کا ناغہ کیا تھا۔

باہر برآمدے میں نیچے سے آتی بڑی مزے دار سی خوشبو اڑنے لگی تھی' دوپہر تک لمبے چوڑے کام نمٹانے تھے' روز مرہ میں آنے والی کچھ لڑکیاں مدد کے لیے سویرے سے آنے والی تھیں۔ ناشتے میں حلوہ پوری' چھولے' بلے حلوائی کے ہاں سے آئے تھے۔

آج کا سب سے بڑا کام نیچے پکتی ہوئی دیگوں کی تقسیم کا تھا' جو وہ ہمیشہ ہی بہت شوق سے کرتی تھی۔

آسمان سے جھکتا ہوا بادلوں کا غبار اور بھی گھنا اور بھی مٹیالا ہو رہا تھا۔

''خدا کرے کہ بس آج اور بارش نہ ہو' بھلے کل سے شروع ہو کر پورے ہفتے بھر بھی نہ رکے مگر آج نہیں اللہ میاں!''

گیتی کو واقعی نیند آگئی تھی یا پھر اداکاری کا کمال تھا۔ صندل شہزادی کی پورے کروفر سے آمد کا شور بھی نیند

توڑنے کے لیے کافی نہ ہوا۔

بالی صاحب ساتھ تھے' مگر سچی بات' اب گلی محلے کے سارے دریچے' ساری بالکونیاں' انہیں دیکھنے کے لیے نہیں بلکہ صندل کو دیکھنے کے لیے تیزی سے بھری تھیں۔

صندل شوبز کی دنیا کا جگمگاتا نام۔

ملک کی نمبر ون ہیروئین' جسے پڑوسی ملک سے بھی آفر آنے لگی تھیں۔

سو اس کے حسن کی آب تاب قابل دید تھی' جس کسی نے بھی دیکھا' سحر زدہ سا ہوا دیکھے گیا۔ دیگوں سے اترتے کھانے کی تقسیم کا کام بیچ میں چھوڑ کر شاما کو صندل کے استقبال کی فکر پڑی تھی۔

مگر وہ اب لوازمات سے بھری ٹرالی سے بے نیاز تھی۔

''شاما! میرے اور بالی صاحب کے لیے صرف گرین ٹی' بغیر شکر کے!''

بہت دل و جان سے تیار کی ہوئی تمام اشیاء کو اس نے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

شاما کے دل کو تو ٹھیس لگی' مگر ساتھ میں جن لڑکیوں نے لگ کر سارا اہتمام کیا تھا' وہ اور بھی زیادہ مایوس ہوئیں۔

''کیا تھا' جو باجی صندل ذرا سا ہی چکھ لیتیں' رات ہی سے دہی بڑوں کی دال بھگو کر رکھی تھی' صبح ہی پیس کر تیار کیے۔'' شاما نے اپنی مایوسی چھپا کر مصنوعی سی خفگی اختیار کی۔

''دماغ خراب ہوا ہے تیرا' صبح شام شوٹ پر ہوتی ہے صندل۔ گلا دلا خراب ہو گیا الٹی سیدھی چیزیں کھا کر' تو پتہ ہے پروڈیوسر کا لاکھوں کا نقصان ہوتا ہے' وہ عام لڑکی نہیں ہے تمہاری طرح' الا بلا کھانے کے لیے ہر وقت تیار' میری بھی عقل کبھی کبھی کہاں گم ہو جاتی ہے۔ پتا نہیں!''

گرین ٹی کا ڈبہ سب سے اوپر کے خانے میں رکھا تھا۔ شاما کا ہاتھ نہیں جا رہا تھا' اچھل پھاند کر وہ بھی اتارا۔

''اور یہاں مجمع مت لگانا۔ نانی کے کمرے کے سامنے۔ جاؤ نیچے' جا کر بانٹنے کا کام نمٹاؤ' میں ابھی آئی دس منٹ میں۔''

وہ ساری خاموشی سے نیچے اتر گئیں۔

''اب کیوں کھائے گی ہمارے ہاتھ کا پکا ہوا' یورپ امریکہ کی سیریں کر کے آ رہی ہے' دماغ ساتویں آسمان پر ہے' ایک بار اتنا بھی نہ پوچھا کہ شاما کیسی ہے تو؟ کتنی کتنی منتیں مانی تھیں اس کے ہیروئین بننے کی' آج تک اتار رہی ہوں!''

بہت سے خاموش گلے' دل سے لپٹے تھے' بنا ایک لفظ کہے اس نے چائے پہنچائی۔

صندل کے نخرے ٹھیک سپر اسٹار زوالے تھے' گرمی کی شکایت' شور کا گلہ' بے چینی ہی بے چینی۔ ابھی تک ایک بار بھی اس نے گیتی کے بارے میں نہیں پوچھا تھا' جو گھر کے آخری سرے والے کمرے میں سے کتنے دن سے نہیں نکلی تھی۔

اس کی ساری دلچسپی' اپنی شکایتوں میں تھی یا اپنی فتوحات گنوانے میں۔

گیتی کا نکاح محض ایک سرسری سی چیز تھا' جیسے اس میں مجبوراً'' شرکت کرنا پڑ رہی تھی۔

بالی صاحب جلدی میں تھے' نکاح کے وقت ملک صاحب کے ساتھ ہی آنے کا کہہ کر رخصت ہوئے۔

''اگر ملک کے ساتھ بالی صاحب کی پارٹنر شپ نہ ہوتی تو شاید اس وقت وہ واپس آتے بھی نہیں۔ بڑا سخت مصروف شیڈول ہے' بڑی ذمہ داریاں ہیں۔'' اس کے پاس صرف اپنا ہی ترانہ تھا۔

جسے وہ مستقل دہرا کر بھی بور نہیں ہو رہی تھی۔

کمرے میں رش بڑھنے لگا تھا۔

نانی دلدار کا کنبہ، نانی ستارہ کی خاص ملنے والیاں، صندل جیسی سپر اسٹار سے اپنا اپنا تعلق جتانے کے لیے بے قرار تھیں۔
آج کا دن گیتی کا نہیں صندل کا تھا۔
فخر، غرور، حیرت، رشک اور بہت سارا حسد!
نانی ستارہ کے اس ہال نما کمرے میں ہر چہرے پر الگ ہی کیفیت رقم تھی!
ایک طرف بالکل پیچھے کو ہو کر بیٹھی نگینہ نے خالی خالی نگاہوں سے ہر ایک چہرے کو دیکھا۔
اس وقت کے لیے، اس نے ساری عمر انتظار کیا تھا۔ صندل کی بلندیوں کو چھوتی کامیابیاں۔
گیتی کے لیے ایک باعزت زندگی۔
آج وہ دلدار جان، گل ناز اور الماس کے حسد سے تپتے ہوئے چہروں پر جتنا دل چاہے، ہنس سکتی تھی، انہیں اسی حقارت سے دیکھ سکتی تھی جس سے ساری عمر اسے دیکھا گیا۔
"سب شان میرے مولا کی!"
دل کی گہرائیوں سے ایک آواز اٹھی مگر نہ غرور بھری نظر نہ حقارت بھری ہنسی۔
اس کے لب سختی سے ایک دوسرے میں پیوست رہے اور آنکھوں میں بلا کی جلن۔
اس کے نصیب میں وہ دونوں راحتیں آج بھی نہیں تھیں۔ بڑے ہی غیر محسوس انداز میں وہ کمرے سے نکل آئی، کسی کو بھی اس کے باہر جانے کا پتا نہیں چلا۔ بر آمدے کی محراب کے نیچے، شاما کی مصروفیت بھی اب آخری مراحل میں تھی۔
نگینہ نے پیشانی پر آتا پسینہ یوں ہی ہاتھ سے رگڑ کر خشک کیا۔
ہوا اتنی ساکت تھی کہ سانس لینا مشکل! کیسا دم گھونٹتا موسم۔
بر آمدے کی محرابوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے وہ ٹھیک گیتی کے کمرے کے سامنے جا کر رکی، پتا نہیں کیا کر رہی تھی وہ اندر۔
نگینہ کا شدت سے دل چاہا تھا اندر جانے کو۔
جب سے نانی ستارہ کا ہاتھ گیتی پر اٹھا تھا، وہ چپ چاپ کمرہ بند تھی۔ کل جب تھوڑی دیر کے لیے اسے مہندی لگانے کے لیے نانی کے کمرے تک لایا گیا تھا تو وہ لمبا گھونگھٹ لیے ہوئے آئی۔ بے حس و حرکت بیٹھ کر ساری رسومات پوری کروائیں اور بنا کسی کی بھی طرف دیکھے، واپس اندر اپنے کمرے میں!
نگینہ تو کوشش کے باوجود اس کی شکل تک نہ دیکھ سکی تھی۔
اور آج بس چند گھنٹے اور! پھر تو وہ یہ چہرہ جانے کتنے مہینوں، سالوں میں دیکھا کرے گی، جب ملک صاحب مہربان ہوں ورنہ تو۔۔۔۔
آنکھ کے کونے پر آکر رکا ایک آنسو نگینہ نے انگلی کی پور سے جھٹک کر گرایا۔
نانی کی سختی سے ہدایت تھی نگینہ کو۔
"دل پر پتھر رکھ لے چند دن کے لیے، سمجھ لے، اسی میں گیتی کی بھلائی ہے، بالکل دور رہ۔ نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، اسے تیری کمزوری کا احساس ہوا تو بس۔۔۔۔!"
ٹھہر ٹھہر کر ادا کیے سرد لہجے والے اس ادھورے بیان میں کھلے معنی تھے اور نگینہ بڑی تابعدار بیٹی تھی، مگر پھر بھی۔
گیتی کے کمرے کے دروازے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے، اسے فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا بھی، مگر اب دیر ہو چکی تھی۔
سامنے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی گیتی، دروازے کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔
بکھرے ہوئے بال اور سوجی ہوئی آنکھیں۔
وہ یقیناً ان دنوں زیادہ وقت رونے میں ہی صرف کر رہی تھی۔
چند لمحوں کے لیے تو نگینہ کی نگاہ اس پر سے ہٹنا بھول گئی۔
اتنا حسن، اتنی تمکنت،
وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔
آج سے پہلے اسے گیتی کبھی اتنی حسین لگی ہی نہیں تھی یا پھر وہ کبھی اسے غور سے دیکھ ہی نہیں پائی، شاید اسے صندل کی آرتی اتارنے سے ہی فرصت نہیں ملی تھی، ورنہ وہ اس کے لیے بھی ممکن تھا کچھ اور سوچ پاتی۔
"امی!"
"ہوں!" نگینہ کہیں دور سے جیسے واپس آئی۔
"کہاں تھیں آپ، میں کب سے۔۔۔۔!" وہ بڑی بے قراری سے جو کچھ کہنے جا رہی تھی، نگینہ کے لیے سننا ممکن نہ تھا۔
"بہت سارے کام باقی پڑے ہیں، صندل آگئی ہے، میں اسے بھیجتی ہوں تمہارے پاس۔"
نگینہ وہیں سے کہتے ہوئے واپس مڑی تھی۔
"امی پلیز!" بڑی ہی درد بھری پکار تھی، لرزتی ہوئی۔
نگینہ کا قدم دہلیز پار کرنے کے بجائے زمین پر جما تھا۔
"امی! ادھر دیکھیں میری طرف۔"
نگینہ کا دل بری طرح کانپا، گیتی کی آواز میں بڑا گہرا خوف تھا۔
کاش! وہ اسے اپنے سینے میں چھپا کر دور کہیں دور چلی جاتی، ہر خوف ہر آزمائش سے بچا کر۔ نچلے لب کو سختی سے دانتوں تلے دباتے ہوئے نگینہ نے پہلی بار زندگی کی سب سے عجیب آرزو کی۔
"امی! امی!" ایک گردان تھی۔
کمزور کرنے والی، دھوکے میں ڈالنے والی۔
وہی جو پیچھے مڑ کر دیکھنے والوں کو پتھر کا کرتی ہے، نگینہ کو یاد تھا۔
مگر وہ تو کب کی پتھر بن چکی تھی۔
مدتوں پہلے ہی۔
زمانے کے سرد و گرم سہ لینے کے بعد شکستہ دراڑوں سے پُر۔
اب تو ذرا سی بھی ٹھیس سے چورا چورا ہونے کے لیے تیار!
یہاں ابھی زندگی سے جڑے کچھ اور کام بھی منتظر تھے۔
"میں صندل کو بھیجتی ہوں تمہارے پاس۔" اس نے اپنی ہی بات کو دہرایا اور باہر نکل آئی۔
شاید اس نے پھر پکارا تھا۔
بند دروازے سے ٹیک لگائے نگینہ کو ایسا ہی لگا مگر اب وہ دروازہ کھولنے کی غلطی نہیں کرنے والی تھی۔
بر آمدے کے اس آخری انتہائی گوشے میں صرف وہ ہی اکیلی تھی، بمشکل اپنے قدموں پر کھڑی۔
آنسوؤں سے بھیگا چہرہ لیے، دیوار کا سہارا لے کر، وہ سامنے والی محراب کے تلے آکر کھڑی ہوئی۔ نیچے دیکھیں

ہٹانے کا کام تیزی سے شروع تھا۔ آنے والے معزز مہمان کے لیے صفائی اور سجاوٹ ہونا تھی۔ شاما، فراغت بیگ، کچھ اور مخلص شناسا چہرے۔

"محبت کرنے والوں کا دم کتنا غنیمت، مگر پھر بھی نہ اس کی خوش قسمتی میں شک اور نہ بد قسمتی میں۔" ریلنگ پر ٹکے نگینہ کے ہاتھ پر ٹپ ٹپ پانی کے قطرے گرے تھے۔ وہ ٹھیک سے سمجھی بھی نہیں تھی کہ نیچے یک دم سراسیمگی سی پھیلی۔

نارمل انداز میں کام کرتے ہوئے لڑکوں میں ایک دم ہی پھرتی کا احساس جاگا تھا۔

چوبارے کی نچلی منزل میں خالی دکانوں کے شٹر آج اٹھے ہوئے تھے، تیزی سے دیگوں کو وہاں اندر کیا جانے لگا۔

پانی کی ایک تیز بوچھاڑ نے نگینہ کا چہرہ اور کپڑے بھگوئے تھے۔

"بڑا زور کا مینہ برسنے والا ہے، جلدی جلدی سب اندر کرو۔" آسمان کی طرف منہ اٹھائے استاد فراغت بیگ کہہ رہے تھے۔

گہرا سرمئی غبار نیچے اور نیچے جھکتا چلا آرہا تھا اور مٹی کی خوشبو لیے کہیں دور سے اڑ کر آتی ٹھنڈی ہوا۔ بادل جھوم کر برسنا شروع ہو گئے تھے۔ نگینہ نے الجھن بھرے انداز میں اس بھیگتے ہوئے منظر کو دیکھا۔

"پتا نہیں اب کیا ہونا باقی ہے۔"

☼ ☼ ☼
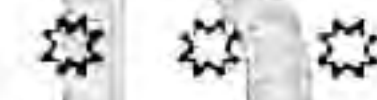
وہ لوگ ابھی ناشتے کی میز پر ہی تھے کہ زوبیہ کی آمد ہوئی۔

شیشے کے بڑے سے دروازے کے دوسری طرف سے انہوں نے اسے آتے ہوئے دیکھا۔

"یہ اتنی صبح کیسے؟" یوسف کمالی نے جھنجھلاتے ہوئے انداز میں سامنے بیٹھی بیوی کی طرف دیکھا۔ "ہر دوسرے دن یہیں موجود ہوتی ہے، لگتا ہے اپنا گھر نہیں بسایا جا رہا اس سے۔"

زوبیہ لاؤنج میں داخل ہو رہی تھی، اور ابھی ڈائننگ ٹیبل سے اتنی دور تھی کہ ان کے اس جلے کٹے تبصرے کو سننے سے محفوظ تھی۔

"پتا تو ہے آپ کو سب، پھر بھی..." وہ بیٹی کے استقبال کے لیے کھڑی ہو چکی تھیں، سو جھنجلا کر ادھوری سی ہی یاددہانی کروا کر آگے بڑھ گئیں۔

وہ پھر سے اپنے ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

زوبیہ، ماں کے ساتھ سامنے ذرا فاصلے پر صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔

"السلام علیکم پاپا!" اس نے وہیں سے پکار کر کہا تھا۔

پتا نہیں انہوں نے سنا بھی یا نہیں، زوبیہ چند لمحے منتظر نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتی بھی رہی۔

"دل برا مت کرو، اپنے باپ کی عادت پتا ہے تمہیں، کبھی کبھی یوں ہی کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی ناراض رہتے ہیں۔" ماں نے اس کی دل جوئی چاہی تھی۔

"نہیں ممی! میرے ساتھ وہ پہلی بار ایسا کر رہے ہیں، اس طرح تو وہ تب بھی ناراض نہیں ہوتے تھے جب میں نے سلمان سے شادی کا فیصلہ کیا تھا، مجھے اچھا برا ضرور سمجھایا تھا، مگر سختی سے مخالفت نہیں کی تھی انہوں نے، لاکھوں روپیہ خرچ کیا، کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی مجھے دینے میں، اب اگر یہ شادی نہیں چل پا رہی تو..."

"وہ اس قابل تھا ہی نہیں لالچی مکار، ناکارہ، کاش! یوسف نے اس وقت تمہاری بات نہ مانی ہوتی۔ میں تو شروع سے ہی مخالف تھی، اگر یوسف میرا ساتھ دیتے تو یہ شادی ہوتی ہی نہیں۔"

بیگم کمالی نے زوبیہ کی بات کاٹی تھی۔

زوبیہ نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔ "میں اس وقت جتنی سلمان کے پیچھے پاگل ہو رہی تھی، آپ کی مخالفت کی ذرا بھی پروا نہیں کرنے والی تھی۔ کورٹ میرج بھی کر سکتی تھی۔ پاپا نے یہ بات سمجھ لی تھی ممی! انہیں میری ضدی طبیعت کا آپ سے زیادہ اندازہ ہے۔" اپنی بات کے اختتام پر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

وہ بڑی بجھی بجھی سی دکھائی دے رہی تھی اور اس کے کپڑے بھی شکن آلود تھے۔

بیگم کمالی کا دل آج کل اس کی طرف سے مستقل ہی دکھی رہتا تھا۔

پیسہ، گاڑی، گھر، کچھ بھی تو زوبیہ کی خوش گوار زندگی کا ضامن نہیں بن سکا تھا۔

"بدبخت کہیں کا نیچ خاندان۔ پہلے دن سے ہی اس کی ماں اور وہ بہن گل، زہر لگے تھیں مجھے۔ شکر ہے کہ تم نے ان کو سر پر نہیں چڑھایا، ورنہ آج تمہارے گھر پر قبضہ کیے بیٹھی ہوتیں، میں ان کا سارا پلان سمجھ رہی تھی اور اب یہ اس کے باپ کے غبن کا معاملہ...

ہم تو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے۔" وقفے وقفے سے کتنے ہی دنوں سے یہ باتیں دہرائی جا رہی تھیں، ہر بار سوائے کوفت اور پچھتاووں کے کچھ بھی حاصل نہیں۔

"وہ فون کر رہا ہے ممی! معافیاں مانگ رہا ہے۔"

"تم کیا چاہتی ہو، پہلے خود سے کنفرم کرو۔ اسے چھوڑنا یا اس کے ساتھ رہنا۔" کمالی صاحب قریب آ کھڑے ہوئے تھے۔ "ایک بار فیصلہ کر لو گی تو سب کچھ آسان ہو جائے گا، مگر بار بار خود کو تماشا مت بنانا۔ آگے زندگی پڑی ہے، اچھا برا کچھ بھی ہو سکتا ہے، کوئی گارنٹی نہیں اور کوئی دے بھی نہیں سکتا۔"

ان کا لہجہ بے تاثر تھا، بالکل ایسے جیسے کسی دور پرے کے جاننے والے کو کوئی سرسری سا مشورہ دیا جا رہا ہو۔

زوبیہ خاموشی سے ان کی شکل دیکھے گئی۔

"خیر ہم تو اپنی بیٹی کی اچھی زندگی کی ضمانت دے سکتے ہیں، کروڑوں کی جائیداد کی مالک ہے، کس چیز کی کمی ہے اس کے لیے۔"

بیگم کمالی کو نہ ان کی لاتعلقی اچھی لگی تھی اور نہ ہی صاف گوئی۔

"پیسے میں بڑی طاقت ہے یوسف اور آپ کب سے مڈل کلاس والے وہم پالنے لگے۔"

ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے اس بے حد معمولی نقوش والی عورت کو دیکھا، جو اس وقت بھی بے حد قیمتی جیولری اور لباس کے باوجود ذرا بھی قابل توجہ نہیں محسوس ہو رہی تھی۔ ساری عمر ساتھ گزارنے کے باوجود بھی۔ ایک کبھی نہ ختم ہونے والے فاصلے پر کھڑی، اجنبی عورت۔

"تم نہیں سمجھو گی، مگر میں جانتا ہوں کہ قسمت کروڑ پتیوں کی اولاد کو بھی لاوارثوں کی طرح چھڑواتی ہے، پیسہ خوش بختی کی دلیل نہیں ہے، قسمت کا بھید کچھ دوسرا ہی ہے۔"

اپنی بات ختم کر کے وہ سیل فون پر کوئی نمبر ٹرائی کر رہے تھے، سو ان دونوں ماں بیٹی کو خاموش ہونا پڑا۔

"معلوم نہیں کہاں ہے، صبح سے چار، پانچ بار ٹرائی کر چکا ہوں۔"

ہلکی سی پریشانی کے ساتھ انہوں نے شاید خود ہی سے کہا تھا۔

"کون؟ کس کی بات کر رہے ہیں؟"

"ہوں۔" انہوں نے چونک کر ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا، جس سے نگاہ بچاتے ہوئے زندگی گزارتے چلے آ رہے تھے۔

"سالار کی بات کر رہا ہوں، معلوم نہیں کہاں ہے مل ہی نہیں رہا، مستقل فون بند ہے۔"

"زرتاج آنٹی سے فون کر کے پوچھ لیجیے' انہیں تو خبر ہوگی۔" زوبیہ کے لہجے میں اتنی دیر میں پہلی بار کچھ دلچسپی کا جھلکی۔

"نہیں' میرا خیال ہے مجھے خود جانا چاہیے' ہو سکتا ہے ابھی سو رہا ہو' تھوڑی دیر بعد آفس سے اٹھ کر اس کی طرف جاؤں گا' زرتاج اور اس کا وہ شوہر' کبھی بھی سالار کے بارے میں صحیح جواب نہیں دینے والے۔ چلتا ہوں میں۔"

تیز قدموں سے چلتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھے اور پیچھے پیچھے۔

"زوبیہ کے ساتھ کچھ دیر تو بیٹھ جایا کریں' وہ آپ سے بات کرنا چاہتی ہے' مشورہ کرنا چاہتی ہے تسلی سے۔" بیرونی دروازے سے باہر نکل کر جب وہ پورچ کی طرف اترتی سیڑھیوں پر تھے' بیگم کمالی ان سے کہہ رہی تھیں۔

"مشورہ میں اسے دے چکا ہوں' تم نے بھی سن لیا ہوگا' پہلے بھی وہ خود مختار تھی' آج بھی ہے۔" ذرا رک کر انہوں نے ناگواری سے مڑ کر دیکھا۔

"اگر اپنی زندگی سے اس نے کچھ سبق لیا ہے تو شاید بہتر فیصلہ کر ہی لے گی' ورنہ۔۔۔" ہاتھ سے ایک خفیف سا اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا اور نیچے اتر گئے۔

"سارے زمانے کا درد آج کل دل میں سما گیا ہے' ورنہ تو کسی طرف دیکھنا گوارا نہیں تھا۔ اب یہ حال ہے کہ اپنی اولاد سے زیادہ سالار کی فکر ہے۔ میں کہتی ہوں آخر ہمارا کیا واسطہ' صرف بہن کی سوتیلی اولاد اور بہن خود دس سوتیلوں کے برابر۔"

غصہ میں تیز تیز بولتے ہوئے وہ زوبیہ کے پاس آکر بیٹھیں' وہ کسی گہری سوچ میں تھی' چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگی۔

"سالار ہو نہ ہو یہ ہمارا مسئلہ کب ہے' صاف جواب دے چکا ہے کہ وہ تم سے شادی نہیں کرنے والا' پھر بھی ان کی محبت ہے کہ بڑھتی جا رہی ہے اس سے' اب دیکھو' کیسے بے تاب ہو کر نکلے ہیں اور یقیناً تھوڑی دیر بعد ضرور زرتاج کے گھر بھی پہنچ جائیں گے۔"

جب سے کمالی صاحب نے صاف لفظوں میں ایسے کسی امکان کو رد کیا تھا جو زوبیہ کی سالار کے ساتھ وابستگی کی طرف اشارہ کرتا تھا' ان کی دلچسپی یکسر ختم ہو چکی تھی۔

"سالار کا پیسہ زرتاج کھائے یا پھر کوئی اور۔ ہمیں کیا فائدہ ہو رہا ہے جو۔۔۔"

بیزاری سی بیزاری' غرور سے تنی گردن' زوبیہ آنکھوں میں الجھن لیے ان کے خاموش ہونے کی منتظر تھی۔ مگر۔۔۔

"پاپا نے کس کروڑپتی کی اولاد کو لاوارثوں کی مانند چھوٹتے ہوئے دیکھا ہے ممی؟؟"

اس نے دفعتاً ہی ان کی بات کاٹی' بیگم کمالی نے بہت حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"مطلب!"

"وہ ہی تو آپ سے پوچھ رہی ہوں۔" اس کی آنکھیں ان کے چہرے پر جمی تھیں۔

"مجھے کیا پتا۔" ان کی آواز لڑکھڑائی اور الفاظ گم۔

"آپ کو کیوں نہیں پتا ہوگا' سب سے پہلی بیوی ہیں آپ ان کی۔" وہ اپنا مسئلہ اس وقت مکمل طور پر بھولی تھی۔

"بیوی ان کی صرف میں تھی اور تم ان کی اکلوتی اولاد اور جو کچھ پوچھنا ہے' وہ اپنے باپ سے پوچھنا۔"

زوبیہ کی مستقل جمی نگاہ سے خائف ہو کر ہی وہ تھوڑا رخ موڑ کر بیٹھیں۔
وہ پھر بھی ان کی ہی طرف دیکھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

آج چھٹی نہیں تھی۔

مگر دن ہزار چھٹیوں سے بھی زیادہ آرام دہ' مطمئن' مزے والا۔

نبیل نے بڑے اطمینان سے کٹے ہوئے سیب کی ایک قاش اٹھا کر منہ میں ڈالی اور ہاتھ میں پکڑے ریموٹ سے چینل بدلا۔

لاؤنج میں عجب سی بے ترتیبی پھیلی تھی۔

یہاں سے وہاں تک پھیلے ہوئے برتن اور گلاس جن میں ادھ کھایا کھانا ابھی بھی پڑا تھا۔

اس کے کچھ قریبی دوست ابھی ابھی اٹھ کر گئے تھے۔ آج بڑے دن بعد وہ انہیں اندر بلانے اور یہاں لاؤنج میں بٹھانے کی ہمت کر سکا تھا' بلکہ وہ خود بھی آج بہت دن بعد یہاں آکر بیٹھنے کی جرأت کر پایا تھا۔

"چلے گئے تمہارے دوست۔" زرتاج سامنے آکر کھڑی ہوئیں۔

"ہوں!" اس کی ساری توجہ ٹی وی کی طرف تھی۔

"اور یہ کیا حال بنا رکھا ہے' برتن تک نہیں اٹھائے ہیں ملازموں نے۔"

زرتاج کی نفاست پسند طبیعت کو گوارا نہیں ہوا تھا۔

"رہنے دو' میں نے ہی منع کیا ہے۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا' تو وہ ہلکے سے مسکرا دیں۔

"آج بہت خوش ہو۔"

"تم نہیں ہو کیا۔"

"ہوں تو سہی' لیکن تھوڑی سی فکر مند بھی۔" قریب گرے کشن کو اٹھا کر اس کو قریب صوفے پر رکھتے ہوئے وہ خود بھی بیٹھیں۔

"اوں ہنہ!" نبیل نے بیزاری سے سر کو جھٹکا۔ "کم از کم آج کوئی بدشگونی کی بات نہیں' آج میں بہت خوش ہوں' ورنہ اب تو بس مرنے کی کسر رہ گئی تھی۔"

گزشتہ دنوں کو یاد کرتے ہوئے اس نے ایک ہلکی سی جھرجھری لی۔

"بہرحال اب جو بھی ہوا اچھا ہوا' گارڈز وغیرہ میں آج بدل رہا ہوں' آئندہ کبھی اگر وہ واپس آیا بھی تو یہاں گھسنے نہیں دیا جائے گا۔" لہجے میں وہی غرور جو گزرے ہوئے اچھے دنوں کی دین تھا۔

"بے وقوفی کی باتیں مت کرو' وہ صرف گیا ہے' مرا نہیں اور اسے یہاں آنے سے کوئی بھی نہیں روک سکتا' کوئی الٹی سیدھی حرکت مت کرنا' ہم پہلے ہی بہت کچھ بھگت رہے ہیں۔" زرتاج مضطرب تھی۔

"سالار کے جانے میں کوئی تو راز ہے' ابھی تو وہ زری کی ایف آئی آر کھلوا کر بیٹھا تھا' یاد ہے نا اس روز پولیس آفیسر نے کتنے مشکوک انداز میں تفتیش کی ہے ہم سے۔"

"تم بہت فکریں پالتی ہو' تمہاری خوب صورتی ماند پڑنے لگی ہے شاید اسی لیے۔" چینل پر چینل بدلتے ہوئے وہ ہلکے سے ہنس پڑا۔

"سب سے بڑی میری فکر تو تم ہو نبیل' جسے میں پال رہی ہوں۔" زرتاج کے منہ سے بے ساختہ ہی نکلا تھا۔

"ہوما" وہ اپنے اوپر کیے ہوئے طنز پر بری طرح برا مانتا تھا' مگر آج خلاف توقع ہنستا چلا گیا۔

"محبت میں انسان ایسی ہی غلطیاں کرتا ہے زرتاج! ایسے ہی تو محبت کو اندھا نہیں کہا گیا ہے۔"
"تو کیا صرف میں نے ہی تم سے محبت کی، خود تم کیا کر رہے ہو؟"
"میں۔۔۔" وہ شاید ان کے سرد لہجے پر چونکا تھا، مگر آج اتنے موڈ میں تھا کہ کوئی بھی بات ٹھہرنے والی نہیں تھی۔
"میں بھی کرتا ہوں، ورنہ یہاں کیوں ہوتا، اب چھوڑو نا ان فضول باتوں کو، اچھے وقت کو انجوائے کرو۔"
زرتاج یوں ہی خاموش بیٹھی رہیں۔
نبیل کی لاپروائی پر انہیں حیرت نہیں ہوئی تھی، وہ اسی طرح بے فکر رہنا پسند کرتا تھا اور آج صبح جب اسے سالار کی گھر میں غیر موجودگی کا علم ہوا تب سے تو جیسے عید کا سماں تھا۔
گھر، آفس، حمیدی صاحب کے بیٹے، جو اب ان ہی کی پوسٹ پر سالار کے آفس میں تھے، سب سے ہی تصدیق کی گئی۔
مگر کسی کو بھی کچھ علم نہیں تھا۔ بنا کسی کو بتائے۔ کچھ کہے سنے بغیر وہ آدھی رات کو گیا تھا۔
جس کے گواہ گارڈ اور گن مین وغیرہ تھے۔ اس نے اپنی گاڑی کے بجائے فون کر کے کوئی گاڑی منگوائی تھی۔
مگر وہ گیا کہاں؟
یہیں شہر میں تھا، یا پھر کوئی لمبی اڑان۔
زرتاج کا ذہن ایک بار بھی اس فکر سے دور نہیں ہوا تھا اور نہ ہی وہ سالار کی روانگی پر ہی ایسی احمقانہ خوشی منا پا رہی تھیں۔
"مجھے پورا یقین ہے کہ وہ راتوں رات جو بھاگا ہے تو ضرور کوئی اس کا اپنا ہی ریزن ہے، کچھ خطرہ ہوگا یہاں، یا پھر کوئی پیسوں کا چکر۔۔۔ بہرحال! اب میں ایسا بندوبست کروں گا کہ وہ اس گھر میں داخل نہیں ہو سکے گا، یہ لوگ جو میرے پاس آئے ہوئے تھے، بڑے کام کے ہیں۔ بات ہو گئی ہے میری ان سے۔"
اس کی دی گئی تسلی زرتاج کے لیے کارگر نہ تھی۔ نبیل کا حلقہ احباب، اب ان سے چھپا نہیں تھا، شہر کے معمولی درجے کے چور اچکے، سڑک چھاپ۔
"وہ کن لوگوں کے بل پر سالار سے ٹکر لینے کی سوچ رہا ہے۔" اس پریشانی میں بھی زرتاج کو ہنسی آ گئی۔
"تم صرف روزی والے کیس سے بچنے کی فکر کرو، سالار نے تمہارے لیے یہ بڑی مصیبت کھڑی کی ہے، وہ چلا ضرور گیا ہے، لیکن تمہارے لیے کیس کھل چکا ہے، وہ اب بند ہونے والا نہیں۔"
"سب بند ہو جاتے ہیں۔ پیسے سے۔ جس کا منہ بھر دو، وہ ہمیشہ کے لیے بند اور یہ کیس کھلوانے والا بھی یوسف کمالی ہے، سالار کی حالت تو ابھی بھی ٹھیک نہیں ہے، مگر وہ تمہارا بھائی، نمبر ایک خبیث کا۔۔۔"
دروازے سے اسی "خبیث" کی آمد ہوئی تھی۔
"کیا شیطانی خصوصیت پائی ہے۔"
وہ اتنی ہلکی آواز میں بڑبڑایا کہ صرف زرتاج ہی سن سکیں۔
"قابو رکھو خود پر، وہ ضرور سالار کے بارے میں کچھ بتانے آئے ہیں۔"
گو آپس کے تعلقات میں انتہائی درجے کی سرد مہری آ چکی تھی، مگر آج کی یہ غیر معمولی صورت حال کچھ اور ہی تقاضا کرتی تھی۔
زرتاج نے اٹھ کر بڑے تپاک سے بھائی کا استقبال کیا۔
"بیٹھیے تو سہی، کھڑے کیوں ہیں۔"
جواباً کچھ بھی کہنے سے پہلے یوسف کمالی نے ایک بھرپور نظر لاؤنج کی بے سروسامانی پر ڈالی۔

"یہ تمہارا گھر ہے، یقین نہیں آتا۔"
"وہ بس۔۔۔ ابھی صفائی کروانے والی تھی۔" وہ شرمندہ ہونے والی عورت نہیں تھیں، لیکن اس وقت کٹ کر رہ گئیں۔
"لگ رہا ہے تمہارے گھر میں خاصا بڑا جشن منایا جا چکا ہے۔"
پلیٹوں میں پڑے کارپٹ پر گرے بروسٹ کے ادھ کھائے ٹکڑے، فضا میں بریانی کی مہک، سلاد کی پلیٹیں اور میز پر کھلی شراب۔
گو یہ سب نیا نہیں تھا، مگر پھر بھی، بھرم تو ٹوٹا ہی تھا۔
"یہ کس قسم کے لوگ تمہارے گھر میں آتے ہیں زرتاج؟"
"آپ تھوڑی دیر پہلے آتے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہمارے مہمانوں کو۔" نبیل جواب تک الغرض دکھائی دے رہا تھا، اٹھ کر یوسف کمالی کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ "مگر یاد رکھیں یہ میرا گھر ہے اور یہاں جو بھی ہو، اس میں آپ کو کسی اعتراض کا حق نہیں ہے۔"
نئی پی گئی شراب کا نشہ تھا یا سالار کے جانے سے ملی بے فکری، وہ یوسف کمالی کو سمجھنے میں ایک بار پھر غلطی کر گیا۔
"تمہارا گھر!" وہ ہلکے سے ہنسے۔ "زرتاج! تم نے ابھی تک اس کے دماغ کا علاج نہیں کروایا کیا؟ اس کا مرض تو بڑھتا ہی جا رہا ہے۔"
یوسف کمالی کے سرد لہجے میں حقارت کی وہ مار تھی جو پچھلے سارے دنوں میں سالار کے ہاتھوں سہی گئی ذلت سے بھی کہیں زیادہ تھی، سو وہ بالکل ہی آؤٹ ہوا۔
"تم۔۔۔" غلیظ ترین زبان استعمال کرتے ہوئے وہ جس وحشیانہ انداز میں یوسف کمالی پر جھپٹا تھا، وہ محض لمحوں کا قصہ ٹھہرا۔
اس کا اٹھا ہوا ہاتھ ان کی گرفت میں تھا۔
"تمہاری یہ جرأت۔"
زرتاج نے اپنے بھائی کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھا۔ ان کی قد آور شخصیت کے آگے نبیل بالکل ہی۔۔۔ یوسف کمالی کا ہاتھ پوری قوت سے گھوما اور نبیل کے چہرے پر پورا نشان چھوڑ گیا۔ آواز پورے لاؤنج میں گونجی تھی۔
"میرے سامنے ہوش میں رہنا آئندہ۔" انہوں نے اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے پیچھے کی طرف دھکا دیا تو وہ بنا مزاحمت کے صوفے پر گرا۔
خود زرتاج نے اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس کیا تھا۔
"میں صرف سالار کے بارے میں معلوم کرنے آیا تھا، اگر سچ بتا سکتی ہو تو بتا دو۔"
وہ اس وقت اتنے پر اثر تھے کہ اگر زرتاج کو سالار کے بارے میں پتا ہوتا تو شاید بتا ہی دیتیں، لیکن وہ سچ مچ لاعلم تھیں۔
"مجھے بالکل نہیں پتا یوسف بھائی! گارڈ بتا رہے ہیں کہ۔۔۔"
"ان سے میں پوچھ چکا ہوں، وہ کہاں گیا ہے، معلوم یہ کرنا ہے۔"
"مجھے واقعی نہیں معلوم، آپ بیٹھیں تو سہی۔"
"تمہارا گھر اس قابل نہیں رہا ہے زرتاج!" انہوں نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے ایک نفرت بھری نگاہ

نبیل پر ڈالی۔
"بہر حال، سالار کا تو میں معلوم کر ہی لوں گا اور اگر نہیں تو اس کی گمشدگی کی ایف آئی آر بھی کٹنے میں دیر نہیں لگے گی۔ اپنے اس "پالتو" کا جو بچاؤ کر سکتی ہو، کر لینا۔"
ایک کھلی وارننگ دے کر وہ واپس پلٹ کر باہر نکل آئے تھے۔
زرتاج جانتی تھیں کہ پیچھے جانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔
"تم نے میرے گرد مصیبتوں کے پہاڑ کھڑے کر دیے ہیں نبیل! کیا ضرورت تھی اس طرح ری ایکٹ کرنے کی؟ یوسف بھائی کی طرف سے آج آخری امید بھی ختم ہوئی، صرف تمہاری وجہ سے۔"
ایک بڑا ہنگامہ برپا کر لینے کے بعد وہ خاموش بیٹھا تھا۔ چھوٹے سے جوہڑ سے بڑی مچھلی کا شکار کرنے کا خواہش مند، نچلے سے بھی نچلے ترین درجے پر گر کر اپنا مفاد، اپنی ہوس، اپنی غرض پوری کرنے والا۔
سوسائٹی کے "کنفرم کمینوں" میں سے ایک۔
زرتاج کے بڑے سارے گیٹ سے باہر نکلتی ہوئی گاڑی ایک لمحے کے لیے رکی تھی۔ یوسف کمالی نے شیشہ نیچے کرتے ہوئے گیٹ پر کھڑے گارڈ کی طرف دیکھا۔
"راجو کہاں ہے؟"
"سر! وہ سالار صاحب کے ساتھ گیا ہے۔ انہوں نے اسے اپنے ساتھ ٹیکسی میں بٹھایا تھا۔" وہ مؤدب سا ہو کر آگے آیا۔
"ہوں۔" ایک بڑا نوٹ بطور بخشش لے کر گارڈ نے ادب سے سر جھکایا تھا۔
"چلو!" انہوں نے اپنے ڈرائیور کو اشارہ کیا۔
"سو اگر راجو بھی ساتھ ہے تو کیا واقعی یہ نبیل کا ہی کچھ کیا دھرا ہے۔"
وہ روزی کے کیس میں الجھے تھے، سوشیبو ہیں کہیں ہی گھومتا تھا۔
"لیکن ابھی تو وہ ٹھیک سے چل بھی نہیں پا رہا۔ ڈاکٹر سے بھی کچھ دنوں بعد کا اپائنٹمنٹ تھا۔" وہ فکرمندی سے پھر کوئی نمبر ملانے لگے۔
"کوئی تو سرا ملے آخر۔"

☼ ☼ ☼

آسمان سے ٹوٹ کر پانی برسا تھا۔ بارش ہی بارش، جیسے آج کے بعد پتا نہیں کب برسنے کا موقع ملنا تھا۔ پانی کی آنکھوں کے آگے تنی چادر، چند فٹ سے زیادہ کچھ دیکھنے کا موقع ہی نہیں دے رہی تھی۔
سڑکوں پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر، جگہ جگہ کھڑی بند گاڑیاں اور پانی میں شپاشپ نہاتے بچوں کے غول۔
آسمان پر بادل تھے کہ تہ در تہ جھکتے ہی چلے آ رہے تھے۔ گہرے سرمئی اندھیرے میں ڈوبتی ہوئی سہ پہر اور بھی خاموش ہوئی۔
"میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ اس وقت منزل پر پہنچنا بڑا مشکل ہوگا، اچھا ہوتا ہم کچھ دیر کہیں رک کر انتظار کر لیتے، اب دیکھ لیں ایئرپورٹ سے نکلے کتنی دیر ہو چکی ہے، ورنہ یہ راستہ پندرہ، بیس منٹ سے زیادہ نہیں تھا۔"
"ہوں۔" اتنی دیر سے وہ جیسے صرف اس کی تسلی کے لیے کسی کسی بات پر ہوں ہاں کر رہا تھا۔
"آپ پہلے بھی کبھی لاہور آئے ہیں؟" اس بار سوال ایسا تھا کہ جواب دینا لازمی ہوا تھا۔
"آتا رہتا ہوں۔"

"اچھا، تب ہی۔۔۔" وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔
شاید عام حالات میں وہ اس کی مسکراہٹ پر اچھا خاصا برا مان لیتا، مگر اس وقت محض ایک گہری سانس لے کر سیٹ کی پشت سے سر ٹکایا تھا۔
"آپ کی طبیعت ٹھیک معلوم نہیں ہوتی۔"
"ہوں۔"
"کوئی ایکسیڈنٹ وغیرہ۔"
"ایسا ہی سمجھ لو۔"
اس نے مختصراً" قصہ تمام کرنا چاہا، تو چند لمحوں کے لیے واقعی خاموشی چھا گئی۔
سڑک پر کھڑے پانی کی وجہ سے گاڑی کی رفتار کم تھی۔ باہر نیم اندھیرے میں چپ کھڑی کتنی ہی عمارتیں قریب سے گزرتی چلی گئیں۔
"کرایہ تو آپ ڈبل ہی دیں گے نا؟" گو مسافر کی شرافت پر اب تک اسے بھروسا ہو چکا تھا، لیکن پروفیشنل ازم کا بھی کچھ تو تقاضا تھا۔
"جو تم سوچ رہے ہو، اس سے بھی کہیں زیادہ، مگر پلیز اپنی اسپیڈ تو بڑھاؤ۔"
وہ ہلکے سے مسکرایا۔
"آپ فکر ہی مت کریں، بائیس سال ہو گئے ہیں گاڑی چلاتے ہوئے۔۔۔ بس ابھی پہنچے۔"
اس بار اس کا پاؤں ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھا رہا تھا۔
"ایسی برساتیں اور ایسے مسافر روز بھی آئیں تو پھر پروا ہی کیا۔ کیوں بھائی؟" اس نے ہنس کر برابر میں بیٹھے دوسرے شخص سے کہا، جس کے منہ سے اتنی دیر میں ایک لفظ بھی نہیں نکلا تھا۔
اس بار بھی اس نے جواب دینے کا تکلف نہیں کیا۔
"کیا یہ شخص بول نہیں سکتا؟" وہ پوچھے بغیر نہیں رہا۔
"نہیں۔"
"اور سن بھی نہیں سکتا کیا؟"
"وہ بھی نہیں۔"
"اوہ! کیا کوئی اور بھی خرابی ہے؟"
"ہاں۔ غصے میں جلدی آ جاتا ہے، خاص طور پر جب کوئی زیادہ بولے تب۔" اس نے اپنے لہجے میں دانستہ تھوڑی سی فکرمندی شامل کی۔
"کمال ہے اور آپ ایسے خطرناک آدمی کو ساتھ لیے پھرتے ہیں۔"
اس بار اس کی آواز میں شگفتگی کے بجائے خوف نمایاں تھا۔
"خطرناک کی کیا بات ہے، میں نے بتایا نا کہ اگر کوئی مستقل ہی بولتا رہے تب اسے غصہ آتا ہے، ورنہ کسی کو کچھ نہیں کہتا، سکون سے رہتا ہے، اب دیکھ لو، تمہیں کچھ کہا اس نے۔"
"تو پہلے سے بتانا تھا نا آپ نے، میں خوامخواہ میں اتنی دیر سے۔۔۔"
اس بار اس نے اپنی بات پوری کرنا بھی ضروری نہیں سمجھی۔
بڑی دیر بعد اسے خاموشی کی نعمت نصیب ہوئی۔ آگے سیٹ پر بیٹھا راجو بہت دن بعد چپکے سے مسکرا دیا۔ جانے پہچانے راستے نظر آنے لگے تھے، آگے چند موڑ اور بس۔

اس نے اپنی بڑھتی ہوئی بے چینی کو دلاسا دیا تھا' مگر کچھ کارگر نہیں۔
وسوسے' وہم' برے سے برا امکان۔
اسے نہیں یاد تھا کہ وہ اپنی ساری زندگی میں کسی بھی وقت اتنا زیادہ پریشان تھا' اس وقت بھی نہیں جب زرتاج کے خوف سے محض تیرہ سال کی عمر میں گھر سے پہلی بار راہ فرار اختیار کی تھی۔ پھر آج کیا۔
"خدایا خیر۔" اس کے لب دھیرے سے ہلے۔
زندگی کی ساری محرومیاں' سارے گلے' کسی ایک انتہائی خوف نے بھلائے تھے۔
گاڑی کسی گلی میں مڑی تھی۔
موڑ در موڑ۔
یہ وقت ویسے بھی یہاں سناٹے کا ہوتا تھا۔ آج موسلا دھار برستے پانی میں کچھ اور بھی زیادہ' سارے دریچے' ساری گیلریاں بھیگی ہوئی نیم اندھیرے میں لپٹی' اداس' اکیلی۔ پانی ان پر سے یکساں رفتار میں بہہ رہا تھا۔
اس نے شیشہ تھوڑا سا نیچے کیا۔ بھیگی ہوئی ہوا میں لکڑی اور برسات کی مخصوص مہک تھی۔
ایک تیز بوچھاڑ نے اس کا سارا چہرہ بھگو دیا' لیکن اس نے شیشہ اوپر نہیں کیا۔
"بس یہیں روک دو۔"
"یہاں!" ڈرائیور نے بہت متاثر ہو کر اس دروازے کو دیکھا' جہاں تین' چار بیش قیمت گاڑیاں پہلے ہی کھڑی تھیں۔
"ضرور کوئی بہت خاص گھرانا ہے۔" اس نے دل میں سوچا تھا۔
"یہ لو۔"
اس کی طرف بڑھائے گئے نوٹ توقع سے واقعی کہیں زیادہ تھے۔ مارے خوشی کے اس کے لب کپکپا سے گئے۔
"چلو!" راجو نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔
قدم پوری طرح جمانے میں تھوڑی سی مشکل ابھی بھی تھی' مگر وہ یہاں پہنچا تو سہی۔
سامنے کھڑی گاڑیاں اجنبی تھیں اور الجھن کو بڑھانے والی اور پھولوں کی بکھری ہوئی پتیاں' یہ کس حساب میں' اب یہاں کون رہتا ہوگا؟ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اس نے اندازہ لگانا چاہا' کہیں کوئی اور ہی تو نہیں۔
پہلی بار آنے والا یہ خیال' پریشانی کو بڑھانے کی بھی مہلت دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔ سامنے برآمدے کی پہلی پہلی محراب کے نیچے استاد فراغت بیگ کھڑے تھے "سالار بیٹا!"
شناسائی کا پہلا احساس۔
"اب شاید اطمینان کی ایک سانس تو وہ لے ہی سکتا ہے۔"
ان کے گلے لگتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔
"کہاں تھے اتنے عرصے سے؟ بڑا یاد آئے' کوئی اتا نہ پتا۔" وہ بہت کمزور ہو گئے تھے' لیکن محبت کا وہ ہی عالم۔
"اوہ ہوا کیا' خیر تو ہے نا؟" اس کی حالت زار بڑی حد تک اب بھی ابتر دکھائی دیتی تھی۔ "کوئی بڑا ایکسیڈنٹ ہوا کیا؟"
"اب ٹھیک ہوں۔" وہ ان کی تسلی کے لیے بمشکل مسکرایا۔ یہاں اس کونے میں بے شک خاموشی تھی' لیکن آگے نانی ستارہ کے بڑے آرائشی ہال میں جاگتا خوش گوار ہنگامہ معنی خیز تھا۔
اس نے فضاؤں میں مہکتی خوشبوؤں کو اپنے اندر اترتے محسوس کیا اور زرق برق کپڑوں میں ادھر اُدھر جاتی لڑکیوں کو الجھن بھری نگاہ سے دیکھا۔ "ایک منٹ صاحب!"

راجو نے کسی کے بھی کچھ کہنے سے پہلے تیزی سے سالار کو مخاطب کیا' تو وہ بنا کچھ کہے اس کی طرف دیکھنے لگا۔
"میں یہاں آیا ہوں' ان کے برابر والے گھر میں' نبیل کے ساتھ۔"
سالار نے ایک گہری سانس لی۔
فی الحال یہاں کھڑے ہو کر اس کی تفصیلات لینے کا وقت نہیں تھا' سو اس نے محض سر کی جنبش سے اس کے احساس وفاداری کو قبول کیا۔
"آج بڑے اچھے وقت پر آئے ہو۔" استاد فراغت بیگ اس کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھے "گھر میں بڑی خوشی کا وقت ہے' اللہ کا بڑا کرم ہوا ہے' ہم پر۔"
ایک سانولی سی مسکراتی ہوئی لڑکی بھاگتی ہوئی قریب آئی۔
"آپ کا انتظار ہو رہا ہے اندر استاد جی! نکاح میں دیر ہو رہی ہے۔ گیتی کے وکیل تو آپ ہی ہیں نا؟" وہ جیسے اپنی جگہ پر ہی ساکت ہوا تھا۔
سامنے ہال میں دلہن کے حسین روپ میں گیتی اور اس کے برابر بیٹھا ہوا شخص۔
جو خیام بھی نہیں تھا۔
نچلے لب کو دانتوں تلے سختی سے دبا کر اس نے صرف ایک بار اسے یاد کیا۔
"بڑی پوزیشن والے ہیں ملک صاحب' بچی عزت سے اپنے گھر۔۔۔"
استاد فراغت بیگ اپنی جیب سے کروشیا کی سفید ٹوپی پہنتے ہوئے جو کچھ بھی کہہ رہے تھے' اس نے ایک لفظ بھی نہیں سنا تھا۔
ایک قدم' دو قدم۔
مانوس اور اجنبی چہروں سے بھرے ہوئے اس ہال میں کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔
وہ بھی نہیں' جس پر اس کی نگاہ' بنا پلک جھپکے جمی تھی۔
تب ہی کولڈ ڈرنکس کے گلاسوں سے بھری ٹرے لے کر برآمدے میں آتی شاما نے اسے دیکھا۔
ہال کے دروازے پر وہ بے حس و حرکت کے دیکھ رہا تھا' وہ جانتی تھی۔
"ماسٹر!" اس کے ہونٹ کانپے اور ہاتھوں سے جان سی نکلی۔ گلاسوں کے ٹوٹنے کا چھناکا ایک گونج کے ساتھ سارے گھر میں پھیلتا چلا گیا۔
سب ہی نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا' تب ہی گیتی کی جھکی ہوئی نظر ذرا سی اٹھی۔
"کیا غضب ہے کہ وہ اب بھی اسے اس طرح نظر آتا ہے جیسے یہیں موجود ہو۔"
اس نے اپنے دل میں کہا' مگر نگاہ ہٹنے سے انکاری تھی۔
"جو یوں ہے تو یوں ہی سہی۔"
دل میں اترتی ایک گہری خوشی' اگر سراب تھی تب بھی عافیت' وہ چلتے ہوئے قریب اور قریب آیا۔
نانی ستارہ' نگینہ' صندل' گل ناز اور بھی کون کون۔
ایک کے بعد ایک' سب کی گردنیں اس کی طرف مڑتی چلی گئیں۔ آنے والے معزز مہمان کو بھی اس کے انداز میں کچھ غیر معمولی پن نظر آیا' تب ہی اس کے ماتھے پر شکن سی آئی۔
گیتی کے دوسری طرف بیٹھی نانی ستارہ کے ہاتھ کی گرفت گیتی کی کلائی پر خود بخود مضبوط ہوئی۔ ان کی زندگی میں آئی ایک اور مشکل ترین گھڑی' مگر انہیں اپنے اعصاب پر بلا کا قابو تھا۔
"آؤ سالار! بہت دن بعد آئے۔ بیٹھو' گیتی کے نکاح کی مبارک تقریب ہے۔"

ان کے انداز میں "حدادب ملحوظ" رکھنے کی ڈھکی چھپی سی وارننگ تھی۔
سالار کی نگاہ اتنی دیر میں پہلی بار گیتی کے چہرے سے ہٹ کر نانی ستارہ کی طرف اٹھی۔
"آپ ایسا نہیں کر سکتیں کوئی بھی ایسا نہیں کر سکتا کسی کو بھی حق نہیں ہے کہ وہ گیتی کو مجھ سے جدا کرے۔ اس لیے کہ قدرت نہیں چاہتی کہ ایسا ہو۔"
ایک ایک لفظ پورے یقین کے ساتھ اس کے لبوں سے نکلا اور کمرے کی فضا میں جامد ہوا۔ ایک بھید بھرا سا سناٹا پورے کمرے میں پھیلا۔
"یہ کیا تماشا ہے بالی صاحب! عین وقت پر اس طرح بدمزگی؟" ملک کے ساتھ آئے کسی خیر خواہ نے بالی صاحب جیسے دوسرے معزز کی طرف دیکھا تو جیسے سب ہی اپنے حواسوں میں واپس آئے۔
"سالار وہ ہی ماسٹر نا جو گیتی کو پڑھانے آتا تھا؟"
"ہاں وہ ہی مگر اتنے عرصے بعد آج کے دن؟"
"بڑا خرچا ہوا ہے جی اب ایسی بے عزتی۔" ہال میں یہاں سے وہاں تک پھیلی سرگوشیاں اور تبصرے۔
نگینہ کا چہرہ زرد پڑ رہا تھا۔
"جو اب تک نہیں آیا تھا تو آج بھی نہ آتا سالار۔" اس نے بڑی بے بسی سے سالار کو دیکھا۔
بالی صاحب کے اشارے پر کچھ لوگ سالار کو باہر نکالنے کے لیے آگے بڑھے تھے۔
"ایک منٹ!" اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکا۔ وہ اکیلا تھا اور بیمار بھی مگر آج کچھ خاص دبدبہ تھا۔
"میں چلا جاؤں گا لیکن گیتی کو ساتھ لے کر۔ چل رہی ہو تم؟" وہ بالکل اس کے قریب آیا۔
"تم سے پوچھ رہا ہوں چل رہی ہو میرے ساتھ؟"
ایک طلسم کا خاتمہ ہوا۔
ایک دم گھونٹتے حبس کا اختتام۔
نانی ستارہ کی مضبوط گرفت سے ہاتھ چھڑا کر وہ اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔
وہ بری طرح کانپ رہی تھی۔
سالار نے بہت نرمی سے اس کے یخ ہاتھ کو تھاما۔
"یہ کیا بے ہودگی ہے؟ تم اس طرح کیسے لے جا سکتے ہو اسے؟" نانی ستارہ کا جلال عروج پر پہنچا۔ "آ کر اپنی جگہ پر بیٹھو گیتی! نکاح کی رسم ہونا ہے۔"
نانی کی قہر آلود نگاہ گیتی پر جمی۔
وہ ہی نظر جس کے آگے اچھے اچھوں کا دل بیٹھ جاتا تھا گیتی نے آج ان کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر دیکھا۔
"میں یہ شادی نہیں کروں گی نانی۔"
"کیا؟ دماغ خراب تو نہیں۔۔۔"
وہ ایک اشارہ کرتیں تو سالار کو گھر سے کیا گلی سے بھی نکالنے والوں کی کمی نہیں تھی مگر۔۔۔
"بس بات ختم۔"
ملک پھولوں کا ہار اپنے گلے سے اتار کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ "میں نکاح کرنے آیا تھا یہاں۔۔۔ اور بیوی وہ ہی اچھی لگتی ہے جس کے دل پر کسی دوسرے کی چھاپ نہ ہو۔ مزا نہیں ہے ایسے ساتھ میں۔"
اس کے دل میں کتنا غصہ تھا اندازہ کرنا مشکل تھا مگر اس کی بات معقولیت لیے ہوئے تھی مگر رنگ میں بڑا بھنگ پڑا تھا۔

بالی صاحب جیسا آدمی بوکھلا کر ملک کے آگے ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔
اس کا بڑا پیسہ لگا تھا۔
نانی ستارہ نے اپنی ذاتی ذلت آج سے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ اس روز بھی نہیں جب فیروزہ چوبارہ چھوڑ کر چپ چاپ چلی گئی تھی۔
نانی دلدار جان کا خاندان صورت حال کا مزا لینے کے لیے قریب چلا آیا تھا۔
"ہائے سارا زیور سارا کچھ ہی واپس جائے گا چچ چچ۔۔۔ نظر لگی ہے صاف صاف۔"
اونچی آوازیں آہستہ آہستہ ہلکی پڑیں اور پھر خاموشی۔ ملک صاحب اور بالی دونوں نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ٹیکوں کو بے یقینی سے دیکھا۔
"بس یا کچھ اور۔" سالار نے سنجیدگی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔
ملک جیسے شخص نے اپنے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری اور انکار میں سر ہلایا۔
کسی نے بھی انہیں وہاں سے جاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ بالی خاموش سا ہو کر سالار کے قریب آ کھڑا ہوا اس کے انداز میں بڑی مرعوبیت تھی۔
"ہماری جو ذلت ہونا تھی ہو گئی۔ اب تم چلے جاؤ یہاں سے اور خبردار جو کبھی۔۔۔" نانی کے غیض و غضب کے آگے نگینہ ہاتھ جوڑ کر کھڑی تھی۔
"گیتی کا نکاح سالار سے ہونے دیں اماں! میں نے بڑی دعائیں مانگی تھیں اس کی خوشی کے لیے۔۔۔ مجھ گناہ گار کی سنی گئی۔"
روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی نانی ستارہ کا چہرہ بے تاثر تھا۔ استاد فراغت بیگ نے کانپتے ہاتھوں سے گیتی کو بٹھایا اور پھر سالار کو اس کے برابر۔
"بسم اللہ کیجیے قاضی صاحب!" نگینہ نے پہلی بار ماں ہونے کا حق استعمال کیا۔

(بقیہ آئندہ ماہ)

عالیہ بخاری

عشق کا شین

۴۲ — بیالیسویں قسط

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور للہ نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتلائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اُٹھا لاتا ہے جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سارا کاروبار حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ جُستی آرائی پوٹلی دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دُکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو، دفاعی امور میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دُعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی عادات کی دُھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ حویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زویہ کمال سے کر دی جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر قطعاً لاتعلق ہے۔ حویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

دو سو سال قدیم' محرابی دروازوں والے اس چوبارے کے باہر بارش ایک بار پھر بہت تیزی سے برسنا شروع ہوگئی تھی۔ شرر' شرر' شرر!

محرابوں کے اوپر سے بہتے ہوئے پانی کا شور' بادلوں کی گھن گرج' آس پاس دبی زبانوں میں ہونے والے تبصروں کو اس تک پہنچنے میں حائل ہوئی تھی۔

سالار کے ساتھ وہ طویل برآمدہ طے کرتے ہوئے گیتی نے چند ہاتھوں کو اپنے سر پر بار بار محسوس کیا اور ہر بار آنسوؤں کے قطرے چہرے سے پھسل کر فرش میں جذب ہوئے۔

کون کون تھا ان میں!

شاما' خالہ گل ناز' نانی دل دار یا پھر شاما کے پاس آئی پاس پڑوس کی وہ لڑکیاں جن کا کوئی رتبہ مرتبہ بھی نہیں مگر وہ ان سب کی دل سے مقروض ہوئی۔ دعا سے بڑھ کر کسی کو دینے کے لیے کوئی قیمتی تحفہ نہیں اور دل سے دعا دینے والے سے بڑھ کر کوئی سخی نہیں۔

سو اس کی خوش قسمتی میں کیا کلام!

اپنے پیروں پر نظر جمائے اس نے یہاں سے وہاں تک کا راستہ طے کیا۔

"میری بچی کو رخصت کیجیے اماں!"

پہلی سیڑھی اترنے سے پہلے نگینہ نے اسے نانی ستارہ کے سامنے کھڑا کیا۔

آس پاس چند لمحوں کے لیے جیسے سناٹا سا چھایا۔ گیتی کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

اب معلوم نہیں وہ کس طرح کے ردعمل کا اظہار کرنے والی تھیں گھرانے کی تاریخ میں یہ پہلا کام تھا' جو ان کی مرضی کے خلاف ہوا تھا۔

نہیں شاید دوسرا!

پہلا خالہ فیروزہ کا جانا تھا۔

مگر وہ تو چپکے سے چلی گئی تھیں' یوں علی الاعلان نافرمانی تو اسی کے حصے میں آئی تھی۔

ہلکی سی کپکپاہٹ گیتی کے سارے وجود میں اتری۔

اس روز جب محض زبانی انکار پر ان کا ہاتھ اس پر پہلی بار اٹھا تھا' تب اس نے بجا طور پر جانا کہ نانی ستارہ کے جاہ و جلال کا ڈنکا یوں ہی نہیں بجتا تھا۔

برادری کی لڑکیاں ان کے سامنے کھڑا ہونے کے خیال سے ہی کانپتی تھیں تو حق بجانب تھیں۔

اس کی اپنی نگاہ فرش پر جمی تھی اور ابھی تھوڑی دیر پہلے جس خود اعتمادی کا مظاہرہ وہ کر چکی تھی' وہ نکاح نامے پر دستخط کے ساتھ ہی پھر سے زیرو پر آچکی تھی۔

ایک انتہا سے دوسری ابتدا کے بیچ کا راستہ جیسے فضا میں معلق تھا۔

"گیتی کو اپنی دعا کے ساتھ رخصت کیجیے اماں!"

نگینہ نے خاموش کھڑی نانی ستارہ کو پھر سے یاد دلایا تو انہوں نے چونک کر نگینہ اور پھر گیتی کو دیکھا۔

"فی امان اللہ!"

الفاظ ان کے منہ سے بنا کسی تاثر کے نکلے اور ان کی انگلیوں نے گیتی کے سر کو چھونے کا فرض سا ادا کیا اور بس۔

برآمدے میں جمع اس چھوٹے سے مجمع میں نانی ستارہ کے لیے راستہ بنانے میں ہلکی سی کھلبلی مچی۔

بنا کسی اور کی طرف دیکھے وہ سیدھی اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھیں۔

"نانی' پلیز!" سالار نے بے چین سا ہو کر انہیں پکارنا چاہا مگر نگینہ نے اشارے سے منع کیا۔

"فکر مت کرو' میں دیکھ لوں گی۔" اس کے لہجے میں بڑی ہی نرمی اور مٹھاس تھی "تم خیر سے اپنے گھر کو سدھارو!"

یہ لب و لہجہ نگینہ کا نہیں تھا۔

خود گیتی نے چونک کر نگینہ کی طرف دیکھا تھا۔ وہ اسی کی طرف متوجہ تھی۔

چہرے پر غضب کا سکون اور پورا وجود جیسے بہت ہی ملائم سی روشنی کے ہالے میں مقید

اتنی روشن' اتنی اجلی' اتنی حسین اور منفرد

گیتی کی نگاہ اس پر سے ہٹنا بھول گئی تھی۔

یہ وہ چہرہ کب تھا جسے ہوش سنبھالنے سے اب تک محض جیسے بھاگتے دوڑتے ہی دیکھا تھا۔

پیروں تلے جلتی آگ کی تپش پورے وجود اور زبان پر انگارے برساتی تھی۔

نانی ستارہ جان کے معروف گھرانے میں سب سے نچلے درجے پر کھڑی نگینہ جان۔

یہ وہ کب تھی!

گیتی کی خود پر جمی نگاہ دیکھ کر اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھری تھی۔

"شکر ہے اس پروردگار کا' جس نے مجھے میری اپنی نظر میں سرخ رو کیا۔" گیتی کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر اس نے پورے سکون قلب کے ساتھ کہا اور محبت سے اس کی پیشانی چومی۔

"اللہ کے سپرد!"

گیتی بے ساختہ اس کے سینے سے لگی۔

"امی امی!"

الفاظ سسکیوں کی طرح اس کے لبوں سے ادا ہوئے اور چہرہ آنسوؤں سے بھیگتا چلا گیا۔

نگینہ کے پورے وجود میں ٹھنڈک کا ایسا سکون بخش احساس جاگا' جس کے لیے وہ آج تک ترسی تھی۔

نہ صندل کے سپر اشار بننے میں

نہ ہی خالہ دل دار اور گل ناز کو نیچا دکھانے میں

اور نہ ہی الماس کی مارکیٹ ویلیو کم ہونے اور شیرازی کمینے کو اس کی اوقات یاد دلانے میں۔

ایسی راحت تو نصیب والوں کو ملتی ہے' سو وہ آج واقعی نصیب والی ٹھہری۔

"بس کر بیٹا! خوشی کے موقع پر روتے ہیں کیا؟"

گیتی کو دھیرے سے خود سے الگ کرتے ہوئے وہ دھیرے سے ہنس پڑی۔

"چل بیٹا سالار! سنبھال اپنی امانت!"

اس نے گیتی کا ہاتھ سالار کے ہاتھ میں تھمایا اور خود جیسے ہر فرض سے فارغ ہو کر پیچھے ہٹی۔

ایک قدم پیچھے اور ایک قدم۔

کون کون تھا' جو گیتی کو رخصت کرتے نیچے تک گیا تھا۔ لیکن وہ وہیں کھڑی تھی' تب ہی اپنے پیچھے گھٹی گھٹی سسکیوں پر اس نے مڑ کر دیکھا دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی گل ناز کی آنکھیں روتے روتے سرخ تھیں۔

"لے پاگل ہوئی ہے' رو رو کر برا حال کر لیا' بھانجی عزت سے رخصت ہوئی ہے' اس سے بڑھ کر خوشی کی کیا بات ہے' تیرا بھی جواب نہیں گل ناز!"

گلے سے لگ کر روتی ہوئی گل ناز پر اسے زندگی میں پہلی بار بڑا ہی پیار آیا۔

مگر عجیب سی بات تھی' وہ خود جو زندگی بھر بات بے بات دل بھر کر آنسو بہاتی آئی تھی' آج اس کی آنکھ میں آنسو کی بوند بھی نہیں چمکی تھی' گل ناز نے اس کے خوشی سے چمکتے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

"اللہ تجھے گیتی کی بہت خوشیاں دکھائے تمکینہ! بڑی کٹھن محنت ہے تیری ان بچیوں کے پیچھے۔" گل ناز نے آہستہ سے کہا۔

آج کا دن خاص تھا' دعاؤں اور برکتوں والا۔

"چل آ' یہاں اوپر سے دیکھتے ہیں۔"

گل ناز کا ہاتھ پکڑ کر وہ برآمدے کی محراب کے نیچے آ کر کھڑی ہوئی۔

اوپر سے تسلسل کے ساتھ بہتے ہوئے پانی کے دوسری طرف کا منظر دھندلائے جا رہا تھا مگر بے حد خوشگوار تھا۔

کسی مہربان نے چھتری تان دی تھی۔

سالار نے بڑی مشکور نظروں سے دیکھا۔

بالی صاحب اور صندل نے انہیں چھوڑنے جانے کی ذمہ داری از خود سنبھالنا چاہی تھی۔

"آپ چاہیں تو ہوٹل میں یا پھر میرے گھر۔۔۔"

بالی صاحب اب تک اس سے بے حد متاثر ہو چکے تھے اور ان کی ایک چھوڑ دو دو قیمتی گاڑیاں قریب ہی کھڑی تھیں۔

"آپ کا بے حد شکریہ بالی صاحب! مگر میرے پاس جانے کا انتظام ہے۔" سالار متانت سے مسکرایا۔

دکان کے شیڈ کے نیچے کھڑی ٹیکسی کے ساتھ کھڑا ہوا وہ باتونی ڈرائیور مسکرا رہا تھا۔

"اس میں۔۔۔ اس میں جائیں گے؟" بالی سے زیادہ صندل کو عجیب سا لگا۔

"ہوں' کیا حرج ہے اور یہ برات آئی بھی تو اسی میں ہے کیوں راجو؟"

اس بھیڑ میں ابھی اپنے ساتھ ساتھ چلتے راجو سے سالار نے تائید چاہی' تو اس نے مسکرا کر فوراً" ہی سر ہلایا۔

معاملہ اب پوری طرح نہ سہی' کچھ کچھ تو سمجھ میں آ ہی رہا تھا۔

ٹیکسی ڈرائیور نے مستعدی سے ٹیکسی کا دروازہ کھولا۔

"اجازت!" وہ ان سب کی طرف مڑا۔

"جیتے رہو!" استاد فراغت بیگ کا کانپتا ہوا کمزور ہاتھ کسی سائبان کی مانند ان دونوں کے سروں پر ٹھہرا۔

اور صندل گیتی کو گلے لگاتے ہوئے بڑے دل سے دکھی ہوئی۔

"کیا جھوٹ اور کیا حقیقت' گیتی کا نصیب بھی جانے کہاں کھلا ہے۔" وہ ابھی تک مشکوک تھی۔

"سنیں! آپ لوگ ابھی کہاں جائیں گے' میرا مطلب ہے کون سے ہوٹل؟"

سالار کی اوقات جاننے کے لیے اسے فی الحال یہی طریقہ سوجھا تھا۔

وہ گاڑی میں بیٹھنے لگا تھا' صندل کا سوال سن کر ایک لمحے کے لیے رک کر مسکرایا۔

"میرا گھر ہے نہیں ڈیفنس میں' اس کا ایڈریس آپ کو ٹیکسٹ کر دوں گا ٹھیک۔"

صندل کا منہ حلق سے کھلا۔

"اور یہ آپ کی ٹانگ' کوئی چوٹ لگی تھی کیا؟" اتنی دیر میں پہلی بار بالی [illegible] تھا کہ اسے چلنے میں دقت ہو رہی ہے۔

"جی بس چھوٹا سا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔"

وہ مختصر سی وضاحت دے کر ٹیکسی میں بیٹھ چکا تھا۔

سامنے برآمدے کی محراب کے نیچے کھڑی تمکینہ اور گل ناز کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"کیسی نرالی شان ہے گیتی کی برات کی!" آج تمکینہ کی نگاہ میں پراڈو' کرولا سب ہی صفر ہوئی تھیں۔

ٹیکسی۔ دائیں بائیں گھومتی گلی میں اب غائب ہوتی جا رہی تھی اور آسمان سے برستا پانی جیسے نہ رکنے کا تہیہ کر چکا تھا۔

"آپ تو بہت ہی کمال کے آدمی نکلے صاحب! میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ یہاں اس وقت اس موسم میں شادی کرنے آئے ہیں۔ حد ہو گئی یہ تو میں نے تو اپنی ساری زندگی میں کبھی ایسی شادی نہیں دیکھی یقین ہی نہیں آ رہا ہے سچ مانیے گا۔"

ٹیکسی ڈرائیور کی زبان پھر چل پڑی تھی اور اتنی دیر میں جتنا وہ حیرت زدہ ہو چکا تھا' اب اتنا بولنا اس کا حق بنتا تھا۔

"زندگی میں بہت کچھ ہم پہلی بار ہی دیکھتے اور سنتے ہیں بھائی! اس لیے اب اگلی بار جب تم ایسی کوئی شادی دیکھو گے تو بالکل بھی حیرت نہیں ہوگی' بلکہ کہو گے کہ ارے یہ کون سی خاص بات ہے' ہم تو پہلے بھی دیکھ چکے ہیں!"

"ہاں' یہ تو ہے!" وہ سالار کے جواب سے فوراً" ہی متفق بھی ہوا۔ "ویسے لوگ بہت مہمان نواز تھے' مجھے بھی اصرار کر کے کھانا کھلایا اور بڑی مدت بعد اتنا لذیذ کھانا کھایا کہ مزا آ گیا' میں نے تو ابھی ابھی فیصلہ کیا ہے کہ اپنے بیٹے کی شادی بھی بس اسی طرح کروں گا' کوئی جھنجھٹ' کوئی ہڑبونگ نہیں اور براتی بس اس ٹیکسی کی سواریوں سے زیادہ نہیں' آج ہی یہ فیصلہ گھر والوں کو سنا دوں گا' جسے اعتراض ہو' ہوتا رہے۔"

اس تازہ ترین واقعہ سے وہ سخت متاثر تھا اور ایکسائٹمنٹ تھی کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتی تھی۔

سالار نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر قریب بیٹھی گیتی کی طرف دیکھا' دوپٹہ کچھ اس طرح تھا کہ چہرے کی بس ایک جھلک ہی دکھائی پڑتی تھی' سو وہ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھنے سے قاصر تھا۔

ٹیکسی والا ابھی تک اپنے بیٹے کی شادی کے جھگڑے میں الجھا ہوا تھا۔

"ہمارا تو مذہب بھی سادگی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ بس جی بس' ابتدا آپ نے کی' آگے میں لے کر جاؤں گا' میرا بیٹا۔۔۔"

"کیا عمر ہے آپ کے بیٹے کی؟" سالار کو ٹوکنا پڑا۔

"اس کی۔۔۔ جی سات سال اور ساڑھے چار ماہ!"

"کیا!" سالار کا منہ حیرت سے کھلا تھا۔

تب ہی اس کے کانوں میں دبی دبی سی ہنسی گونجی تھی۔ ایک ہاتھ سے ہنسی چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے وہ بڑے ہی بے ساختہ انداز میں ہنس رہی تھی۔

باہر دھواں دار برستے پانی کے پس منظر میں' اس پرانی ٹیکسی میں کتنے ہی رنگ اترے۔ وہ بڑے دھیان سے اسے دیکھے گیا۔

گیتی کو شاید اس کی خود پر جمی نگاہ کا ہی احساس ہوا تھا جو اس نے جھینپ کر پھر سے سر جھکا لیا' لیکن وہ پھر بھی اسے ہی دیکھے جا رہا تھا۔

جو کچھ بھی ان چند گھنٹوں میں رونما ہوا' خود اس کے لیے بھی ناقابل یقین تھا' ابھی جب وہ یہاں آ رہا تھا' تمام تر پریشانی اور بے چینی کے باوجود وہم و گمان میں' کہیں دور دور بھی ایسی صورت حال نہیں تھی' جو کہ پیش آئی۔

وہ جو کچھ کہنے کا ارادہ ہی باندھنے سے گھبرا اٹھتا تھا' آج سارے معاملے کو ہنگامی بنیادوں میں نمٹا گیا۔

سب کچھ جیسے خود بخود ہوتا چلا گیا تھا۔

"اگر وہ ذرا سا بھی لیٹ ہو جاتا تو؟"

گو اب سارے برے امکان ختم ہو چکے تھے 'پھر بھی۔
اس نے ہلکے سے سر کو جھٹک کر جیسے کچھ رد کیا۔
آگے بیٹھا راجو بڑے اعتماد سے گھر کا پتا سمجھا رہا تھا۔
سالار کو یاد آیا کہ وہ نبیل کے ساتھ یہاں آکر رہ چکا ہے۔ گیٹ پر کھڑے گارڈ نے احترام سے گیٹ کھولا تھا۔
شام مکمل طور پر ڈھل کر رات میں تبدیل ہو رہی تھی جب وہ کیتی کو لے کر گھر کے اندر آیا تھا۔
"یہاں کوئی بھی نہیں ہے 'جو تمہارا استقبال کر سکے 'ویسے تو میرا اپنا کوئی ہے بھی نہیں 'جو تمہیں اس محبت کے ساتھ خوش آمدید کہہ سکے کیتی! جواب تمہارا حق بنتا ہے 'مگر مجبوری ہے 'امید ہے تم زیادہ محسوس نہیں کرو گی۔"
بڑے سے بیڈ پر جب وہ ٹیک لگا کر بیٹھی تھی 'تب سالار نے پہلی تفصیلی بات کی۔
کیتی نے جھکی جھکی نظر سے سالار کی طرف دیکھا۔
ایک ہلکی سی مسکراہٹ اب بھی اس کے چہرے پر تھی۔
مگر وہ تھوڑا سا اداس بھی تھا۔
کیتی کا دل اسے بہت ساری تسلی دینے کو شدت سے چاہا۔
مگر۔
دونوں کے بیچ 'خاموشی کا سکون بھرا سا وقفہ آیا۔
گلے شکوے 'خوشی 'شکر اور اعصاب کو توڑتا 'بے یقینی کا طویل دور۔
سب ہی کچھ آپس میں گڈ مڈ ہوا جا رہا تھا اور وہ جو اس سے پتا نہیں کیا کیا کہنے کے لیے بے تاب تھی 'اب سخت کنفیوژن کا شکار۔
بات شروع بھی ہو تو کہاں سے؟
جب وہ اسے اس طرح چھوڑ گیا تھا کہ پیچھے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا تھا 'اس شدت بھرے گلے سے۔
یا پھر اس مہربان لمحے کے شکریہ سے 'جب وہ اس مہمانوں سے بھرے ہال میں اپنا فیصلہ سنا رہا تھا اور وہ خود زندگی کی طرف واپس آئی تھی۔
اس نئی زندگی کا شکریہ تو واجب تھا۔
نگاہیں جھکائے 'دلہن کے خوب صورت روپ میں 'کسی سوچ میں گم 'اتنی گم کہ شاید اس کی یہاں موجودگی بھی بھولی ہوئی ہے۔
سالار نے کیتی کے چہرے کو تکتے ہوئے کچھ ایسا ہی محسوس کیا اور بے چین سا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔
"کیا ہوا؟" وہ بے ساختہ ہی اس کے ساتھ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔
"کچھ نہیں! وہ میں تمہارے لیے چائے بنوا کر لاتا ہوں 'یہ تمہارا بیگ آیا ہے 'کپڑوں کا چینج کر لینا۔"
وہ کہہ کر مڑنے لگا تھا کہ نگاہ بالکل سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے پر رکی۔
کیتی کا حسین چہرہ 'اس کا پورا وجود 'کسی خوب صورت پینٹنگ کی مانند وہاں قید تھا اور اس کے ساتھ خود وہ بھی سادہ سے کپڑے پہنے 'سانولی رنگت 'عام سے نقوش 'عام قد و قامت والا سالار احمد کیتی آرا سے بالکل ہی مختلف۔ پچھلے دنوں ہونے والے حادثے کے بعد سے اب تک وہ سنبھلا نہیں تھا 'وہ موت کو چھو کر پلٹا تھا 'جس کے اثرات چہرے اور وجود پر ابھی بھی باقی تھے۔
دونوں کی شخصیت کے بیچ آیا تضاد پہلے بھی اندر کہیں چبھن پیدا کرتا تھا 'مگر آج تو کچھ زیادہ ہی۔ مگر وہ کیسے دستبردار ہو سکتا ہے۔

سالار نے بمشکل ہی خود سے نگاہ چرائی۔
"ابھی آتا ہوں!" اس بار وہ اس کا جواب سنے بغیر ہی باہر نکل گیا۔
وہ کچھ حیران سی ہوئی وہیں کھڑی رہ گئی۔
ساتھ آیا کپڑوں کا بیگ وہیں کسی نے صوفے پر لا کر رکھ دیا تھا۔
وہ چپ چاپ صوفے پر آبیٹھی۔
یہ خاصا بڑا بیڈ روم تھا 'قیمتی سامان سے آراستہ مگر تاثر میں سادگی تھی اور اندر آتے ہوئے وہ دیکھ چکی تھی کہ یہ خاصا بڑا اور شان دار گھر تھا 'صندل کی کوٹھی سے بھی بڑا اور خوب صورت۔
اس نے نانی ستارہ کے چوبارے کے علاوہ ایک ہی گھر دیکھا تھا اور اب یہ دوسرا۔
"واقعی ان ہی کا ہے یا پھر۔۔۔!" دل میں اٹھتے خیال پر وہ فوراً ہی شرمندہ ہوئی۔
سالار کے لیے تو کچھ ایسا ویسا گمان بھی رکھنا سخت بے ادبی میں شمار تھا اب۔
ایک شرمیلی سی مسکراہٹ کیتی کے لبوں پر آئی۔
دل پر چھایا اضطراب 'اب سکون میں بدل رہا تھا۔ زندگی میں اتنی اچانک آئی تبدیلی کو قبول کرنے کے لیے جو وقفہ چاہیے تھا پورا ہوا۔
اللہ اس پر مہربان ہے 'سو اسے وہی عطا ہوا جس کی ہلکی سی امید بھی باقی نہیں رہی تھی اور جس کے قابل وہ تھی بھی نہیں!
ایک ایمان داری بھرا تجزیہ 'صرف اور صرف شکر گزاری کا اظہار تھا 'سو اب وہ آگے جیسے بھی اور جس حال میں رکھے 'حرف شکایت زبان پر کسی صورت نہیں لاتا تھا۔
وہ بڑی مگن سی خود سے عہد باندھ رہی تھی 'جب ہی سالار کی واپسی ہوئی۔
"ارے تم نے کپڑے چینج نہیں کیے 'پریشانی ہو رہی ہو گی۔"
چائے کا کپ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ سادہ سے لہجے میں کہتا ہوا 'خود ذرا ہٹ کر بیٹھا۔
"جی۔ بس جا ہی رہی تھی۔"
"ہوں۔۔۔ بارش بند ہو گئی ہے۔"
"جی!"
"آج تو کچھ زیادہ ہی پانی برسا ہے۔۔۔ ہے نا!"
اس نے تائید چاہی تھی 'سو کیتی نے ہلکے سے سر ہلا دیا۔
"چائے کیسی بنی ہے؟"
"اچھی ہے۔"
"ہوں۔" اس کے پاس سوالوں کا ذخیرہ اتنا ہی مختصر تھا۔ "اور بھلا 'یہ خود کوئی بات کیوں نہیں کرتی۔ شاید اپنی جلد بازی پر پچھتا رہی ہو۔"
کیتی نے جھکی جھکی سی نگاہ سالار کی طرف اٹھائی۔
"بھلا اپنی نئی نویلی دلہن سے کرنے کے لیے یہ ہی باتیں رہ گئی ہیں 'کون کہہ سکتا ہے کہ ابھی یہ حضرت اتنی جی داری کا مظاہرہ کر چکے ہیں 'جس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔ مگر وہ اکیلا تو نہیں 'کہانی کا رخ موڑنے میں اس کا اپنا بھی تو برابر کا ہاتھ تھا۔
قاضی صاحب کے پاس سے اٹھنا 'سب کے سامنے اقرار کرنا 'وہ اندر ہی اندر شرم سے کٹی۔

"اب پتا نہیں یہ مجھے کتنی بے شرم لڑکی سمجھ رہے ہوں گے۔ سوچتے ہوں گے کہ ماحول کا اثر لیا ہے میں نے۔" اندر کا کمپلیکس پرانا تھا۔

"اور کہیں اسی بات پر تو نہیں پچھتا رہی کہ خیام جیسے حسین لڑکے کے بعد مجھ جیسے معمولی شکل کے انسان کے ساتھ بندھ گئی ہے۔"

کمپلیکس یہ بھی پرانا ہی تھا۔

"مگر اب یہ خود ہی تو سب کے سامنے اقرار۔"

"مگر اب یہ خود ہی تو سب کے سامنے اقرار بھی۔"

دونوں نے ایک ہی احساس سے مورل سپورٹ حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ایک ساتھ ہی ایک دوسرے کو دیکھا۔

"تم۔"

"آپ۔"

"اچھا تم کہو پہلے۔"

"واہ میں کیسے کہوں۔ لڑکیاں بولتی ہیں کیا ایسے موقعوں پر۔" اس کی ناراضی اتنی بے ساختہ تھی کہ وہ ہنستا ہی چلا گیا۔

"میری بھی تو پہلی شادی ہے اور وہ بھی اتنی ہنگامی کہ تیاری کا تو موقع ہی نہیں ملا ورنہ تمہاری تعریف میں کوئی نظم، غزل نہ سہی، کوئی دو، چار شعر ہی یاد کر لیتا۔"

"کیوں، آپ کو توفیض اور غالب زبانی یاد ہیں۔" وہ معذرت قبول کرنے سے انکاری تھی۔

"اچھا، پتا نہیں اس وقت کیسے بھول گیا۔"

ماتھے کو شہادت کی انگلی سے مسلتے ہوئے وہ شرارت سے مسکرایا۔

"چھوڑیں، کیا فائدہ جب یاد کر کے سنایا جائے۔"

وہ تھوڑی سی دل شکستہ ہو کر اٹھنے لگی۔

تب ہی سالار نے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھاما۔

یوں سجا چاند کہ جھلکا تیرے انداز کا رنگ
یوں فضا مہکی کہ بدلا میرے ہمراز کا رنگ

سایہ چشم میں حیراں، رخ روشن کا جمال
سرخی لب میں پریشان تیری آواز کا رنگ

وہ اس کے بالکل قریب تھا۔

"کیا اب پوری ہی سنو گی؟"

سالار کے انداز میں بے ساختہ سی بے بسی تھی۔

کیتی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

سالار کی آنکھوں میں محبت کا وہی دل چھوتا احساس جاگ رہا تھا، جو اسے خاموشی سے اسیر کر گیا تھا۔

اس بار وہ ہنسی نہیں۔

شرمائی تھی۔

☼ ☼ ☼

شہر میں آج اچانک ہی ہڑتال تھی۔

سڑکوں پر سے پبلک ٹرانسپورٹ دیکھتے ہی دیکھتے اس طرح غائب ہوئی جیسے کبھی تھی ہی نہیں۔ وہ تھا بھی گھر سے دور شہر کے دوسرے سرے پر اور ساتھ میں وفاداری سے ساتھ نبھاتی اس کی اپنی بدنصیبی۔

سو میلوں پیدل چل کر گھر پہنچا تھا۔

ساجد باہر ہی کھڑا مل گیا۔

"کہاں رہ گئے تھے آپ، مارے فکر کے جان نکلی جا رہی تھی۔" اس کی محبت سچی اور کھری تھی۔ "پتا ہے آس پاس کا سارا علاقہ چھان کر آ رہا ہوں، موبائل بھی نہیں رکھتے اپنے پاس یہ اور بھی غلط بات ہے۔"

خیام کو دیکھتے ہی وہ بنا رکے بولنا شروع ہو گیا۔

خیام تھکے تھکے سے انداز میں گھر کے ساتھ بنے چبوترے پر بیٹھا۔ ہمت بالکل ہی جواب دے چکی تھی۔

فوری طور پر تو ساجد کے شکایت نامے کے جواب میں ایک لفظ بھی نہیں تھا۔

اس کے براؤن بالوں پر گرد کی تہ جم رہی تھی اور پرانی سولفی میں سے جھانکتے ہوئے اس کے پیر بھی مٹی میں اٹ رہے تھے۔

ساجد کو خود ہی خیال آ گیا۔

"آپ اندر چل کر آرام کریں، پھر جلدی کھانا کھا کر سو جایئے گا۔ میں چھت پر بستر لگا لیتا ہوں۔"

"بھوک تو بالکل نہیں ہے ساجد! تم کھا لو کھانا میں اوپر ہی چلا جاتا ہوں۔"

"تھوڑا سا آرام کریں تو بھوک بھی لگ جائے گی۔" وہ اسے لیے اندر چلا آیا۔

بتول صحن میں ہی چبوترے پر بیٹھی تھی، چولہے پر کچھ پک رہا تھا، جس میں وہ بڑے اہتمام سے چمچہ چلانے میں مصروف تھی۔

خیام کو آتا دیکھ کر اس کے چہرے پر بھی اطمینان اترا تھا۔

"شکر ہے جو ساتھ خیریت کے واپس آ گئے تم، میرا تو مارے فکر کے دل پریشان تھا، اوپر سے یہ ساجد اور بھی ہولا رہا تھا۔ کہاں چلے گئے خیام بھائی، کہاں چلے گئے، رٹ لگا رکھی تھی۔"

وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔

کوئی وقت تھا جب اس کی آمد و روانگی کے گھنٹے، منٹ کیا سیکنڈ بھی گنے جاتے تھے اور فکر کرنے والوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

مگر اب۔؟

"غسل خانے میں پانی بھرا ہے بالٹی میں، جا کر نہا لو، تب تک میں چائے بناتی ہوں، پھر تھوڑی دیر آرام کر کے کھانا کھا لینا۔" بتول کے لہجے میں اتنی محبت ہوتی تھی کہ وہ اسے کبھی کسی بھی بات کے لیے منع نہیں کر پاتا تھا۔ سو اس وقت بھی چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

اس کا بیگ برآمدے میں رکھی الماری کے اوپر پڑے سامان کے ڈھیر میں ہی پڑا تھا۔

خیام نے ہاتھ بڑھا کر اسی ملے جلے سامان میں سے اپنا بیگ کھینچ کر نکالا تو فوراً" ہی ایک عجیب سا احساس ہوا۔

بیگ کی زپ آدھی کھلی تھی۔

بالکل ایسے جیسے کسی نے جلدی میں بند کرنی چاہی اور ہو نہ سکی۔

تو کوئی تھا جو اس کے اس واحد سرمائے تک پہنچا تھا۔ خیام کے دل کی دھڑکن یک دم ہی تیز تر ہوئی۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اپنے کپڑوں کے ڈھیر میں چھپی ان دو چوڑیوں کو ڈھونڈتے ہوئے وہ صبح سے اب تک کی جھیلی ہوئی تھکان یکسر بھولا تھا۔

رومال میں گرہ کی صورت باندھی ہوئی وہ دونوں چوڑیاں کہیں بھی نہیں تھیں۔

خیام نے سارے کپڑے فرش پر ڈھیر کیے، بیگ کو اٹھا کر جھاڑ لیا مگر بے سود۔

"کیا ہوا خیام بھائی؟"

ساجد دودھ لینے جا رہا تھا، دروازے سے واپس آکر اس کے قریب کھڑا تھا۔

"وہ۔ وہ۔" خیام کچھ بھی کہنے سے قاصر تھا۔

چولہے کے پاس بیٹھی بتول نے کچھ حیرت سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"کیا ہو گیا؟ کوئی سانپ، کیڑا گھس گیا کیا کپڑوں میں۔" خیام نے بے بسی سے بتول کی طرف دیکھا۔

"کچھ کھو گیا ہے خیام بھائی؟"

ساجد نے بالکل درست اندازہ لگایا اور اس بار وہ انکار بھی نہ کرسکا۔

"اس میں سونے کی دو چوڑیاں تھیں ساجد! کسی کی امانت۔" نچلا ہونٹ دانتوں تلے دباتے ہوئے وہ کچھ یاد کرکے کمزور پڑا تھا۔

"کیا سونے کی!" ساجد کی آواز مارے حیرت کے اتنی بلند تھی کہ چبوترے پر بیٹھی بتول بھی اتر کر نیچے کھڑی ہوئی۔

"سچ مچ سونے کی؟"

بتول کے انداز میں دبا دبا سا جوش تھا۔ "ارے دکھا تو دیتا مجھے۔ سچ بھی ہاتھ میں لے کر دیکھیں اصلی سونے کی چوڑیاں۔"

دونوں ہاتھوں میں نقلی سونے کی چوڑیاں پہنے بتول کے پاس بڑی فطری سی حسرت تھی۔

ساجد نے جھنجلا کر ماں کی طرف دیکھا۔

"کمال کرتی ہو اماں! خیام بھائی نے کہا نہیں ابھی کہ امانت ہیں کسی کی۔ پھر کیسے وہ انہیں تمہیں دکھاتے۔"

اس نے خیام کے زرد پڑتے چہرے کو ہمدردی سے دیکھا۔

"فکر مت کریں، میں وہ چوڑیاں کہیں سے بھی واپس لاؤں گا اور اگر نہ لا سکا تو آپ کو ان کی قیمت ادا کروں گا، جن کی تھیں، انہیں دے دیجیے گا۔"

اس چھوٹے سے لڑکے کی خود اعتمادی غضب کی تھی۔

"ویسے آپ کو اتنی قیمتی چیز گھر میں نہیں رکھنا چاہیے تھی یا کم از کم مجھے ہی بتا دیتے، بس کہیں حفاظت سے رکھوا دیتا۔"

"میں خود حفاظت نہیں کرسکا ساجد! ایک ہی تو قیمتی شے تھی میرے پاس، اسے بھی نہیں سنبھال سکا۔"

نیچی آواز میں اس نے ساجد سے کہا تھا یا خود سے۔

ساجد کو تو لگا تھا جیسے وہ اب رونے ہی والا ہے۔

"شاید کچھ زیادہ قیمتی ہوں گی۔" اسے اور بھی افسوس ہونے لگا۔ "خیام بھائی بھی بے چارے سیدھے ہی ہیں۔ کیسے خاموش، سر جھکائے اپنے کام سے کام، سونے کی ویلیو کو اس کے کھونے کے بعد سمجھے ہیں، سونا ہو بھی تو کتنا مہنگا گیا ہے۔" اس نے اپنے طور پر خیام کے دکھ کی گہرائی کو ناپا۔

مگر یہ قصہ اتنا سیدھا سادہ نہیں تھا۔ خیام کی حالت بہت ردی تھی۔

"مجھے وہ چوڑیاں چاہئیں ساجد! اگر میں وہ واپس نہ کرسکا تو ساری عمر خود کو معاف نہیں کرسکوں گا، سارا سامان ہٹا کر دیکھتے ہیں الماری کے اوپر ابھی صبح تو میں نے کپڑے نکالے تھے، جب تک تو تھیں اسی میں۔" ساجد نے چونک کر بتول کی طرف دیکھا۔

"صبح سے گھر میں کون آیا ہے اماں ہم گھر پر ہی تھیں نا یا کہیں محلے میں جا کر بیٹھ گئی تھیں۔"

تفتیش بتول سے شروع ہوئی تھی۔

"میں تو گھر پر ہی تھی بیٹا! بس دروازے میں کھڑے ہو کر سبزی لی تھی، اب سعیدہ تو ہے نہیں، جس کے پاس جا کر گھڑی دو گھڑی بیٹھ کر آدمی دل ہلکا کرلے۔" بتول کو اپنی دیرینہ دوست کی یاد بے موقع آئی تھی۔

"خالہ سعیدہ کو چھوڑو جو پوچھ رہا ہوں میں اس کا جواب دو۔"

ساجد جھنجلایا، گھر میں اب اس کی حیثیت کمانے والے کی تھی۔

"کہہ تو رہی ہوں کوئی نہیں تھا گھر میں، بس تیرا ابا تھا۔ آج سارا دن بیٹھائی وی دیکھتا رہا، چھتیس بار چائے بنوائی، بالکل ہی فارغ ہو گیا ہے لگتا ہے اب تو کام سے۔" ساجد کے ماتھے پر شکنیں ابھریں۔ "ابا!"

تب ہی صحن کا دروازہ کھول کر وہ اندر چلا آیا۔

"کیا ہو رہا ہے ادھر، کوئی نیا تماشا لگا ہے کیا تم لوگوں نے۔" اس کی گرج دار آواز نے ان سب کو مڑنے پر مجبور کیا۔

"کیا ہوا ہے، ہاں اور یہ کیا گند پھیلا رکھا ہے یہاں۔" اس نے خیام کے گرے ہوئے کپڑوں کو حقارت سے دیکھا۔

"خیام بھائی کی سونے کی چوڑیاں کھو گئی ہیں ابا! یہاں اس بیگ میں سے۔" بنا وقت ضائع کیے ساجد نے اسے تازہ اطلاع دی۔

"کیا۔" اس نے چونک کر ان لوگوں کی طرف دیکھا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا۔

"مجھے تو پہلے ہی لگتا تھا کہ تجھ میں مردوں والی کوئی بات نہیں، کوئی غیرت، کوئی دبدبہ نہیں، اب یہ چوڑیوں کا قصہ۔" اپنی بات کہہ کر وہ پھر سے ہنسنے کی تیاری میں تھا کہ خیام ایک قدم آگے بڑھ کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"وہ چوڑیاں میرے پاس کسی کی امانت تھیں خالو! اگر آپ کو کچھ پتا ہے ان کے بارے میں تو بتا دیجیے۔" اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے تیرا، میں کوئی تیرے سامان کی تلاشی لیتا ہوں جو مجھے خبر ہوگی، اپنی چیز خود سنبھال کر رکھ۔ ہم کوئی تیرے باپ کے نوکر ہیں، گھر میں بھی رکھیں، کھانے کو بھی دیں اور تیرے سامان کی چوکیداری بھی کریں۔ واہ بھئی واہ۔"

ایک ہاتھ سے اس نے خیام کو دھکیلنے کی کوشش کی تھی، مگر وہ اپنی جگہ پر جما کھڑا تھا۔

ساجد کسی غیر معمولی صورت حال کا اندازہ لگاتے ہوئے آگے بڑھا تھا، مگر خیام نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔

"خالو پلیز! میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں، مجھے جو چاہے کہہ لیں، لیکن وہ چوڑیاں۔"

"ارے پاگل ہوا ہے کیا، مجھے چور سمجھ رہا ہے، ایسا ہاتھ دوں گا کہ سب چوڑیاں ووڑیاں بھول جائے گا، دفع ہو یہاں سے، نکل ابھی، کہاں سے آیا ہے پتا نہیں۔"

اس کی زبان اتنی گندی تھی کہ خیام کی نگاہ خود بخود جھکنے لگی مگر ساجد اس کا بیٹا تھا۔

"ایک لفظ مت کہنا ابا! خیام بھائی کا زیور واپس کرو' ابھی لے کر چلو مجھے' اگر کہیں دے کر آ گئے ہو' ورنہ سمجھ لینا کہ میں بھی اب کیا کر سکتا ہوں۔"

بتول نے سہم کر جوان ہوتے بیٹے کی آنکھوں میں خون اترتے دیکھا۔

"اگر تو اس بد بخت کی خاطر میرے منہ کو آئے گا تو سمجھ لے اولاد نہیں ہے میری' معلوم نہیں کس کا خون۔"

ساجد کا باپ بے حیائی کی ہر حد کو پار کر رہا تھا۔ بتول کو لگا جیسے وہ زمین میں گڑتی ہی چلی جا رہی ہے' گالی گلوچ' الزامات کچھ بھی نیا نہیں تھا۔

مگر اس لڑکے کے سامنے جو اس کے بیٹے جیسا ہی تھا' اس نے سامنے کھڑے خیام کی طرف دیکھنا چاہا' مگر نگاہ نہیں اٹھ سکی۔

"نہیں دوں گا اب تو' اگر میرے پاس بھی ہیں' تو رکھ اس کمینے کو اپنے گھر میں' میں جا رہا ہوں' یہ ہی باپ ہے تیرا' نکاح پڑھوا دے اپنی ماں کا۔"

مزید ایک سیکنڈ کی بھی دیر کیے خیام اس گھر سے نکلا تھا۔

تیز اور تیز' اور تیز' دائیں بائیں اس نے اپنے پیچھے ساجد کو پکارتے سنا۔

"خیام بھائی' خیام بھائی!" مگر اس نے ایک بار بھی مڑ کر نہیں دیکھا' وہ بھول چکا تھا کہ آج وہ کتنا زیادہ چل چکا ہے اور ابھی تھوڑی دیر پہلے ایک قدم بھی اٹھانے کی ہمت کھو چکا تھا' اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا تھا۔

"خیام بھائی! قسم ہے آپ کو۔"

وہ اس کے پیچھے پہنچ چکا تھا اور بری طرح ہانپ رہا تھا۔

"اس طرح مت جائیں' نہیں جانے دوں گا میں آپ کو۔ وہ تو ہیں اتنے گندے آدمی کہ باپ کہتے ہوئے شرم آتی ہے' مگر کیا کریں مجبوری ہے میری بھی' اماں کی بھی۔"

پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ وہ اسے جس بات کے لیے منا رہا تھا' خیام کے لیے قطعی ناقابل قبول شہری تھی۔

"میری بھی مجبوری ہے ساجد' مجھے بھی شرم آ رہی ہے' اتنی کہ ڈوب مرنے کو دل چاہ رہا ہے۔" اس کی آواز بھی تھی اور دکھ سے بوجھل۔ "اب ساری زندگی میں خالہ بتول کا سامنا نہیں کر سکتا' کبھی اپنی شکل نہیں دکھاؤں گا انہیں' یہ میرا خود سے عہد ہے۔"

اس کے انداز میں قطعی فیصلے والا گہرا تاثر تھا۔ ساجد گم صم سا اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"مگر اس طرح' اس وقت کہاں جائیں گے آپ؟ ابھی تو آپ کے کپڑے بھی وہیں پڑے ہیں اور وہ چوڑیاں۔"

چند لمحوں کے وقفے کے بعد وہ خیام کو کنونس کرنے کی دوسری کوشش میں مصروف ہوا۔

"ارے بھاڑ میں گئے کپڑے اور چوڑیاں۔ ان ہی کی وجہ سے اتنی گری ہوئی بات۔" ذرا رک کر اس نے خود کو کمپوز کیا۔ "اور میں کوئی چھوٹا بچہ نہیں ہوں جو اس شہر میں کھو جاؤں گا' بہت بڑی غلطی کی تھی میں نے تمہارے گھر آ کر۔"

"اور اب اس طرح اکیلے شہر میں نکل کر کوئی عقل مندی کر رہے ہیں' کیا حالات دیکھے ہیں شہر کے۔"

"مجھے سمجھانے کی کوشش مت کرو ساجد' جاؤ پلیز واپس جاؤ۔" وہ پھر سے تیز چلنا شروع ہو گیا' لیکن ساجد اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ مت چلیں میرے ساتھ۔" اچانک ہی ساجد اس کے ساتھ متفق ہوا۔ "مگر میں جہاں لے کر چل رہا ہوں' وہاں ضرور چلیں پلیز۔"

"کیا۔" اسے جیسے شاک سا لگا۔ "تم کیوں سمجھ رہے ہو کہ ہر بار تم مجھ سے کچھ منوا لو گے۔ مجھے کہیں نہیں جانا' مجھے

تم اور جاؤ خدا کے واسطے' میرا پیچھا چھوڑو تم۔"

"بس صرف ایک بار چلیں' آپ کا دل نہ چاہے تو مت رکیے گا' مگر مل کر دیکھ لیں' صرف ایک بار خیام بھائی' آپ کو میری جان کی قسم۔"

"قسم صرف اللہ کی کھانا جائز ہے اور وہ بھی کوئی ایسی پسندیدہ بات نہیں ہے۔ سمجھے' بات بات پر قسم نہیں کھائی جاتی۔"

"چلیں' آئندہ نہیں کھاؤں گا' وعدہ' مگر آپ بھی مان لیں نا میری بات' یہاں سے تھوڑا سا ہی فاصلہ ہے۔"

"میں کسی کے بھی گھر میں نہیں رہوں گا' مجھے گھر راس نہیں آئے گا۔"

"وہ گھر نہیں ہے' میرا مطلب ہے کہ گھر جیسا نہیں ہے' وہاں کوئی عورت نہیں ہے۔"

روانی میں وہ شاید سب سے قیمتی پتا شو کر گیا تھا۔ خیام چلتے چلتے رکا۔

"کوئی آفس ہے۔"

"آفس ہی سمجھ لیں' بلکہ صحیح کہہ رہے ہیں' آفس ہی ہے' مگر ذرا چھوٹا اور وہاں کوئی رہتا بھی نہیں ہے' بس دن میں کھلتا ہے۔" ساجد نے جلدی جلدی چھوٹی سی تفصیل دی۔ "بس چلیں ابھی دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔"

"شاید نہیں' گارڈ یا واچ مین کی نوکری مل سکے۔" اسے کچھ ایسا ہی لگا۔

ساجد امید بھری نگاہوں سے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ ہلکے سے اثبات میں سر ہلا کر وہ اس کے پیچھے چل پڑا۔

☆ ☆ ☆
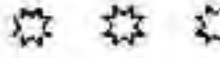
معاذ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا' کیا؛ ایک بار پھر۔"

"نہیں ساجد' اب کوئی گنجائش نہیں' میں اس زری کو ہی رکھ کر اب تک پچھتا رہا ہوں' اب کوئی دوسری نیکی گلے نہیں باندھوں گا' سوری' دیکھو' ہاتھ جوڑ رہا ہوں تمہارے۔" سامنے کھلا رجسٹر بند کر کے اس نے واقعی دونوں ہاتھ باندھے تھے۔

"ان میں اور زری باجی میں بہت فرق ہے معاذ بھائی' یہ بے چارے تو کسی کو بھی کچھ نہیں کہتے' بالکل اکیلے ہیں' کوئی بھی نہیں ہے ان کا تو۔"

ساجد نے اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں کا ذرا بھی اثر نہیں لیا تھا' سو اپنی ہی کہے گیا۔

"سنو' زری کے معاملے میں بھی میں اسی غلط فہمی میں مارا گیا تھا۔ تم تھے نا اس کے معاملے میں مجھے ڈالنے والے اور وہ بھی اس وقت اتنی بے چاری اور بے ضرر لگی تھی کہ میں فوری طور پر اسے اپنے گھر لے گیا اور اب بھگت رہا ہوں اچھی طرح' سارا گھر ناراض ہے مجھ سے۔ پتا ہے۔"

"زری باجی ایسی تو نہیں تھیں معاذ بھائی! وہ تو بے چاری سارا دن اپنی بھابھی سے ڈانٹ کھاتی تھیں۔" ساجد نے ایک بار پھر بات کرتے ہوئے پیچھے کھلے دروازے کی طرف دیکھا' جہاں برآمدے میں وہ خیام کو بٹھا کر آیا تھا۔

"لے جاؤ ان بے چاری کو اپنے گھر' مہربانی ہو گی تمہاری۔" پچھلے دنوں پے در پے ایسے واقعات ہوئے تھے کہ وہ خود سوچنے پر مجبور تھا۔

"مگر یہ بے چارے آپ کو پریشان نہیں کریں گے' اور نہیں تو آپ یہاں بھی رکھ سکتے ہیں' زری باجی کا پرابلم ہم بعد میں سلجھا لیں گے مل کر۔"

"سدھر جاؤ ساجد تم۔۔۔ ورنہ۔۔۔" معاذ کی بات ادھوری رہ گئی۔

"میرا نام خیام ہے۔" وہ دروازے کی چوکھٹ میں آ کر کھڑا تھا۔

"ہوں' اندر آؤ۔" کچھ تھا جس نے معاذ کو دلچسپی لینے پر مجبور کیا تھا۔

گرمی کی شدت بڑھ رہی تھی اور ساتھ ہی مسائل بھی' سلمان کا واپس آجانا بذات خود ایک بڑی ٹینشن تھی۔ اس میں اور بھی بڑھاوا اس کا بگڑا ہوا رویہ کررہا تھا۔ نخرے' آرام طلبی اور ساری خدمتیں لینے کے باوجود جوابا" حرف تشکر کے بجائے' محض شکایتیں' شکایتیں اور شکایتیں۔

"زوبیہ کے ساتھ رہ کر وہ مکمل طور پر بگڑ چکا ہے۔"

جویا اور زویا کی مشترکہ رائے تھی اور اس بار آپا گل بھی مکمل طور پر متفق تھیں' وجہ زویا اور جویا کی طرف سے آیا کوئی نرم گوشہ نہیں تھا بلکہ سلمان کے ساتھ تیزی سے بڑھتا ہوا اختلاف رائے تھا۔

ہر بار ان کی آمد پر خود بخود ہی طبل جنگ بج اٹھتا اور شاکرہ بیگم کی ساری کوششوں کے باوجود' ان کے پرانے اور عزیز از جان اتحادیوں میں غضب کا معرکہ چھڑتا۔

اور انجام کار آپا گل "آئندہ قدم نہ رکھنے کی" دھمکی کے ساتھ رخصت ہوجاتیں اور سلمان رات گئے تک موڈ خراب کیے' ہر ایک سے لڑے جاتا' زویا' جویا چپکے سے اپنے کمرے میں بند ہوجاتیں اور شاکرہ بیگم جب تک ہمت ہوتی سنتیں' پھر منہ لپیٹ کر اپنے بستر پر جالیٹتیں۔

گھر پر عجیب سی نحوست طاری رہتی۔

"میری سب سے بڑی بے وقوفی یہاں آنا ہے' مجھے چاہیے تھا کہ کسی طرح بھی زوبیہ کو منا کر' وہیں صلح کرلیتا' یہاں تو میری زندگی جہنم بن کر رہ گئی ہے۔"

صبح جس وقت جویا نے اس کے سامنے چائے پراٹھا رکھا' وہ حسب معمول شکوہ کناں تھا۔

اظہار صاحب کی آج پیشی تھی' سو وہ بھی اپنی تیاری میں مصروف تھے۔ سلمان کی بات پر خاموش نہ رہ سکے۔

"تمہاری اور ہم سب کی سب سے بڑی بے وقوفی' اس زوبیہ سے تمہاری شادی اور پھر اس پر پانی کی طرح پیسہ لٹانا تھی' جسے سب آج بھگت رہے ہیں۔" سلمان کے چہرے پر بڑی حقارت آمیز مسکراہٹ اتری۔

"آپ نے اتنا پیسہ دیکھا ہی کب ہے' جو پانی کی طرح بہایا جاسکتا تھا' وہ تو لوگ ہی اور ہوتے ہیں جو دس بیس لاکھ خرچ کرکے تو نگاہ بھی نہیں اٹھا کر دیکھتے' ہمارے ہاں تو ایک شور مچ کر رہ گیا ہے' ابھی تک اس شادی کو یاد کیا جارہا ہے۔"

کوئی شک نہیں تھا کہ اب وہ گھر والوں کو خود سے بہت نچلے مقام پر دیکھنے کا عادی ہوچکا تھا۔

اظہار صاحب' جو ابھی ابھی ناشتے کے لیے آکر بیٹھے تھے' انہوں نے ہاتھ میں تھاما پراٹھے کا ٹکڑا واپس پلیٹ میں رکھا تھا۔

قریب بیٹھی شاکرہ چچی نے حالات میں آئی سنگینی کو فی الفور محسوس کیا تھا۔ "آپ ناشتہ کریں' دیر ہورہی ہے' کہاں بحث میں الجھ رہے ہیں۔"

مگر انہوں نے سنا ہی نہیں تھا۔ چند لمحے وہ چپ چاپ سلمان کے چہرے پر آئی طنزیہ مسکراہٹ کو دیکھتے رہے۔

"اس شادی کو اس لیے یاد کیا جارہا ہے کہ اسے میں اور میرا خاندان اب تک بھگت رہا ہے' اس عمر میں' میں کورٹ کچہریوں کے چکر لگارہا ہوں اور تم بے غیرتوں کی طرح گھر میں پڑے روٹیاں توڑ رہے ہو' بڑی غلطی کی میں نے' جو تمہیں اس گھر میں واپس قدم رکھنے دیا۔"

جوش جذبات میں ان کی آواز اتنی اونچی ہوئی تھی کہ جویا کچن سے گھبرا کر نکلی اور' کمرے کے دروازے میں آکھڑی ہوئی تھی۔

"کورٹ کے چکر آپ اپنی غلطیوں کی وجہ سے لگا رہے ہیں اور صرف مجھے الزام مت دیجئے' سارے گھر نے عیش کیے ہیں' آپ کی بیوی بیٹیاں' کس طرح پیسہ اڑاتی تھیں۔ آپ ان سے کیوں نہیں حساب مانگتے۔ یہ بیٹھی ہیں سب سے بڑی قصوروار اور وہ جو سب کچھ سمیٹ کرلے گئیں۔ جویا کا جہیز تک اٹھوا لیا انہوں نے' ان کا کھاتہ کھولیے۔ میری شادی کو بھول جائیں گے۔" وہ نہ ان کے غصے سے مرعوب ہوا تھا اور نہ ہی ان کے دیے ہوئے طعنوں سے شرمندہ۔

اور اس کی بات میں اتنی سچائی تو بہرحال تھی کہ شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب دونوں ہی کو ایک دوسرے سے آنکھ ملانا مشکل ہوا۔

"تم سب کے سب خود غرض اور کمینے ہو' برباد کرکے رکھ دیا مجھے' سب کو نکال باہر کروں گا میں اپنے گھر سے' دفع ہوجاؤ۔ شکل نہ دیکھوں کسی کی بھی۔"

"آپ نہیں نکال سکتے' بھول رہے ہیں' یہ آپ کا گھر نہیں کرائے کا ہے۔"

وہ بڑے اطمینان سے پراٹھے کے نوالے توڑ رہا تھا' اظہار صاحب نے ایک نظر سامنے لگی گھڑی پر ڈالی۔ وقت تنگ ہورہا تھا۔

اپنے آگے سے ناشتے کی ٹرے سرکا کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ جویا نے دیکھا' انہوں نے چائے کا ایک گھونٹ بھی نہیں لیا تھا۔

"ابو! ناشتہ تو کرلیں!"

گو وہ اس سے کم ہی بات کرتے تھے' مگر وہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔

"کرلیا ناشتہ! جہاں تم جیسی نافرمان اولادیں پل رہی ہوں وہاں نحوست آسانی سے پیچھا نہیں چھوڑتی' میری کمائی کی ساری خیروبرکت ختم کرنے کی ذمہ داری تم سب پر ہے' برابر کے شریک ہو سب۔!"

وہ اونچی آواز میں بول رہے تھے۔

"آغاز سلمان کی شادی سے ہوا اور آخری کیل اس لڑکی کے انکار نے ٹھونکی۔ دفع ہوجاتی یہ شادی کرکے تو کچھ سکون کا سانس شاید میں لے پاتا' مگر انہوں نے تو مل کر ٹھانی ہے کہ مجھے برباد کرنا ہے۔"

"اب بھی کوئی کسر رہ گئی ہے گویا ان کی بربادی میں!" سلمان منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

خیر ہوئی جو اظہار صاحب کا سیل فون بج اٹھا' سو انہیں وقفہ دے کر باہر صحن میں نکلنا پڑا۔

اور یہاں کمرے میں چند لمحوں کے لیے بوجھل سی خاموشی چھائی۔

"ذہنی مریض ہوچکے ہیں اب یہ' اسی طرح دماغی دورے پڑتے رہے تو کہیں کسی کو' یا خود اپنے آپ کو نقصان نہ پہنچالیں' کسی ماہر نفسیات کو دکھانا چاہیے انہیں اب!" سلمان نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے اطمینان بھرا تبصرہ جاری کیا۔

جویا کی آنکھوں میں ضبط کے باوجود آنسو آرہے تھے' رگڑ رگڑ کر صاف کرتے ہوئے مڑنے لگی تھی کہ پیچھے سے امی کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

"خیر' بات اتنی بھی غلط نہیں تمہارے ابو کی' اگر جویا کی شادی اعجاز سے ہو ہی گئی ہوتی تو شاید اس طرح کے حالات پیدا نہ ہوتے' ناشکرے پن کی سزا سب نے جھیلی ہے۔"

"ہوسکتا ہے!" سلمان کو کوئی اعتراض نہیں تھا' سو اطمینان سے چائے پیے گیا۔

جویا نے اس بار مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

اس کے اور زویا کے مشترکہ کمرے میں اس وقت کوئی نہیں تھا' زویا کالج گئی ہوئی تھی۔ سو فی الوقت یگونہ تنہائی

بھی غنیمت تھا۔
بیڈ پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے وہ کتنی ہی دیر بیٹھی رہی۔
کیسی عجیب بات تھی کہ یہاں اس کے علاوہ ہر ایک بالآخر بری الذمہ ہو جاتا تھا۔
وہ بھی جن کے دامن پر چھینٹ نہیں بلکہ سارا دامن ہی داغ دار تھا' اس کی ایک نافرمانی کے آگے سر ... دیے۔
اور نافرمانی بھی کیا صرف ایک جائز حق کا استعمال! کسی کسی وقت تو آس پاس پھیلا اندھیرا اور بھی گھنا ... ہوتا اور اس میں وہ تن تنہا کھڑی رہ جاتی۔
باہر دن چڑھنے لگا تھا۔
اور وہ سارے کام جو خاموشی سے معمول کے مطابق انجام پاتے رہتے تھے' آج جوں کے توں پڑے دکھائی دینے لگے تو شاکرہ بیگم اور سلمان کو مجبوراً" اسے یاد کرنا پڑا۔
"آج تو صبح سے بس ایک ہی کپ چائے ملی ہے' آپ کی بیٹیوں کو تو کم ہی فرصت ملتی ہے' خود ہی بنا دیجئے۔"
سلمان نے بڑا سا منہ کھول کر جمائی لی۔ "سخت سستی سوار ہو رہی ہے' چائے پیوں تو پھر سوس نکلا ' ایک تو بھی صبح ابو نے موڈ آف کر کے رکھ دیا۔"
سامنے کھلے ٹی وی پر نگاہ جماتے ہوئے وہ وہیں صوفے پر نیم دراز ہوا۔
"اور اب کچھ تو اچھا پکالیں' صبح بھی چائے پراٹھے پر ٹرخا دیا۔"
شاکرہ بیگم کو اٹھنا پڑا۔ "بے چارہ بچہ' ہر ایک ہی کی سنتا ہے' کسی کو بھی اس کی بربادی کا احساس نہیں۔"
سلمان سے ان کے سارے گلے' اس کی واپسی کے بعد مٹ چکے تھے اور زویا اور جویا کے لیے جو تھوڑا سا نرم گوشہ بننے لگا تھا' اب اتنا بھی نرم نہیں رہا تھا۔
کچن میں سارا کام جوں کا توں تھا۔ سلمان کی فرمائشی چائے' ناشتے کے برتن' دوپہر کے کھانے کی تیاری' گھر کی صفائی انہیں ایک ساتھ کتنی ہی فکروں نے گھیرا۔
"جویا! اے جویا!" بجائے کسی ایک کام کو بھی ہاتھ لگانے کے انہوں نے جویا کو پکارنا بہتر سمجھا۔
آج اس کا دروازہ فوری طور پر نہیں کھلا تھا۔
"جویا! جویا!" اس بار انہوں نے ساتھ ہی زور سے دستک بھی دی تھی۔ اسے چند منٹ شاید خود کو سنبھالنے میں لگے تھے۔
"سو گئی تھیں کیا؟ اور یہ کوئی وقت ہے کمرے میں بیٹھنے کا' بھائی کب سے چائے کے لیے تڑپ رہا ہے' مر گیا غریب یہاں آکر۔ ذرا تو خیال کر لیا کرو۔"
جویا کی سرخ ہوتی آنکھوں پر ذرا بھی دھیان دیے بغیر وہ خفا ہوئے گئیں۔
سلمان اور آپا گل' دونوں ہی کی محبت ان سے ناانصافی کرواتی تھی اور وہ اس کی عادی بھی تھی۔
مگر آج دل کچھ اور ہی انداز میں دکھا تھا۔
دوپٹا کچھ کمرے سے نکل کر کچن میں چلی آئی تو شاکرہ بیگم اس کے پیچھے پیچھے تھیں۔
"برتن بعد میں دھونا' پہلے سلمان کو چائے بنا دو' اور ہاں..... تمہاری ٹیوشن کے کچھ پیسے ملے کل؟"
"جی' دو ہزار ملے تھے' بیگ میں پڑے ہیں۔"
"یہ بہت اچھا ہوا' میں سوچ ہی رہی تھی کہ کچھ مرغی' گوشت' چاول منگوالوں۔ بریانی پکا لیتا' بہت دن ہو گئے کوئی اچھی چیز پکے ہوئے۔"
وہ کہتی ہوئی اس کے کمرے کی طرف چلی گئیں اور چند لمحوں بعد واپس نکلتی ہوئی نظر آئیں۔

جویا نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر چائے کا پانی چولہے پر رکھا' ڈبہ میں چائے کی پتی بھی قریب الختم تھی۔
سلمان جس طرح دن بھر میں دس بارہ کپ پینے کا عادی تھا' وہ چائے' چینی' دودھ کے خرچ کا گراف' ہر وقت بلند رکھتا تھا' زویا گھر میں کئی بار اس بات کو لے کر خاصا جھگڑ چکی تھی' مگر نتیجہ کچھ بھی نہیں۔
"گڈو' گڈو!"
شاکرہ بیگم کی آواز کچن میں سنائی دے رہی تھی' وہ نیچے مالک مکان کے بیٹے کو پکار رہی تھیں' جو بازار سے سامان لا کر دے سکتا تھا۔
چائے کا پانی پکتے پکتے اس نے دو چار برتن دھو ہی لیے اور جب چائے لے کر اندر کمرے میں آئی تو شاکرہ بیگم اور سلمان دونوں ہی خوش گوار موڈ میں تھے۔
"نیچے والوں کا لڑکا ابھی لا کر دے جائے گا سامان' بس پھر فوراً" ہی پکا لینا۔ اچھا ہوا جو تمہارے پاس پیسے نکل آئے میں نے کچھ اور سامان بھی منگا لیا ہے' روز روز تو کسی سے کہنا بھی اچھا نہیں لگتا ہے۔"
"کوئی کولڈ ڈرنک ضرور منگوا لیا کریں' بڑی طلب ہوتی ہے اس موسم میں۔"
"منگوائی ہے میں نے' بے فکر رہو۔" وہ کھلکھلا کر ہنس دیں۔
"واہ! دل خوش کر دیا آپ نے' کب ورا اچھی سی پکانا بریانی' نہیں سارا کباڑا ہی کر دو۔"
چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے سلمان نے ایک ہدایت ضروری سمجھی' تب ہی سیڑھیوں پر بڑی مانوس سی ہلچل ہوئی۔
جویا نے اندر ہی اندر ایک گہری سانس لی۔
"جو ... ہے!"
"لیجئے آ گئیں وہ بھی' بریانی کی خوشبو سونگھتی۔"
سلمان نے طنزیہ نگاہوں سے شاکرہ امی کو دیکھا تو وہ بڑے لاڈ سے۔ اوں ہنہ۔
... ہوئی باہر نکل گئیں۔
آپا گل کے پیچھے ہی پڑوس کا لڑکا تھا۔
"یہ لیں' جویا باجی! خالہ نے منگوایا تھا!"
اس نے وہ شاپر جویا کو پکڑائے اور یہ باقی پیسے ایک سو ستائیس روپے۔" باقی حساب اس پرچے پر لکھا ہے۔"
آپا گل ساتھ ہی چلتی ہوئی صحن میں آئی تھیں۔
"آج تو بہت اہتمام ہو رہا ہے! اکبر کو بھی فون کر دیتا۔ یہیں کھانا کھالیں گے' کتنے دن سے آپ لوگوں نے انہیں کھانے پر نہیں بلایا ہے!"
جویا کو ہدایت اور شاکرہ بیگم سے شکوہ کرتی ہوئی وہ اندر چلی گئیں۔
صحن میں اتری تیز دھوپ میں وہ اکیلی کھڑی تھی۔ مٹھی میں دبے ایک سو ستائیس روپے اور سامان کے شاپر۔
اندر سے ملی جلی آوازوں کا شور ابھر رہا تھا۔
پتہ نہیں خیر سگالی کا مظاہرہ ہو رہا تھا یا محبت کا' اس کا سننے کو بھی دل نہیں چاہا۔
بے حسی اور خود غرضی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا اور انسان اپنی فطرت سے کب ہٹتا ہے؟ شاکرہ بیگم نے محض آج کی دعوت کا اہتمام نہیں کیا تھا' اس کے علاوہ بھی گوشت قیمہ وغیرہ منگا لیا تھا۔
سلمان کے حلق سے دال اور سبزی کا اترنا مشکل ہوتا تھا' سو اگلے چند دنوں کے لیے یہ پیشگی انتظام تھا۔
وہ جب تک فارغ ہوئی' ان میں کسی نے بھی آکر نہیں جھانکا تھا اور جب وہ کچن سے نکل رہی تھی تب زویا کی کالج سے واپسی ہوئی۔

"تم اب تک اپنے ٹیوشن سینٹر جانے کے لیے تیار نہیں ہوئیں۔" اسے دیکھ کر وہ حیرت سے پوچھنے لگی۔
پچھلے دو ماہ سے اس نے پچھلی گلی میں واقع ٹیوشن سینٹر میں پڑھانا شروع کر رکھا تھا' وہ زویا کی دوست کی بڑی بہن تھیں' تین سے چھ تک کی کلاسز تھیں فی الحال اور پانچ ہزار تنخواہ۔
شاکرہ بیگم کو اچھا تو نہیں لگا تھا' مگر مصلحتاً "خاموش تھیں۔
"اور یہ کیا شاہی دسترخوان لگنے والا ہے۔ جو تم اب تک کچن میں کھڑی ہو۔" اس نے ڈھکن ہٹا کر باری باری ساری چیزیں چیک کرلیں اور ناراضی سے جویا کی طرف دیکھا۔
"بس جا رہی ہوں' تم کپڑے وغیرہ چینج کر کے ذرا کھانا لگا دینا۔" اس نے نرمی سے محض اتنا ہی کہا' مگر وہ حسب عادت غصہ میں آچکی تھی۔
"وہ جو اندر بیٹھے ہیں سب' اتنی تکلیف تو دے ہی سکتے ہیں نا خود کو کہ کھانا نکال لیں' تو نکال لیں گے' تم فکر مت کرو۔" وہ کہتے ہوئے کمرے کی طرف چلی گئی۔
جویا کو مجبوراً "تیار ہونے کے لیے جانا پڑا' محض آدھ گھنٹہ رہ گیا تھا' اس کی کلاس میں۔
"میں جا رہی ہوں امی! مجھے بہت دیر ہو گئی ہے۔!" بھاگتے دوڑتے بیگ سنبھالتے' اس نے دروازے پر رک کر شاکرہ بیگم کو اطلاع دی تو ان سب نے ہی چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
"کیا مطلب' کھانا کون لگائے گا یہاں!"
"مجھے بہت دیر ہو رہی ہے سلمان بھائی! اور سب کچھ تیار ہے کوئی بھی نکال لے گا' دو منٹ کا کام ہے۔"
"یہ لیں اور مصیبت' اس سے تو انسان اپنے گھر سے ہی کھا کر آجاتا' اب تو آپ کے ہاں آکر سکون کا سانس بھی نہیں نصیب ہوتا ہے' کھانا پینا تو دور کی بات!"
تایا گل کا موڈ ایک دم ہی خراب ہونے لگا تھا۔
"سب کچھ تیار ہے تایا گل! میری کلاس نہ ہوتی تو میں۔۔۔"
"ارے تو کس نے کہا ہے کہ خواری کے لیے گھر سے نکل جاؤ' دو چار ہزار کی حیثیت ہی کیا ہے۔ ایک وقت کے کھانے پر نکل جاتے ہیں اتنے پیسے تو' صاف بات ہے امی! میں تو لڑکیوں کی نوکری کے حق میں ہی نہیں ہوں' صرف سیر سپاٹے کی نیت سے نکلتی ہیں' کام وام کا تو بس بہانا ہے۔"
ان کا بیان اور لہجہ دونوں ہی بدنیتی پر مشتمل تھا' جویا کو بہت دن بعد بڑے زور کا غصہ آیا تھا' مگر۔۔۔
"میں جا رہی ہوں امی!"
تایا گل کو مکمل طور پر نظرانداز کر کے وہ شاکرہ بیگم سے مخاطب ہوئی اور پھر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔
"دیکھا' دیکھا آپ نے' ذرا بھی عزت ہے میری اس کی نظر میں!" تایا گل کی غصے میں دبی آواز اس کے پیچھے آئی تھی "سارا غصہ اسی منحوس معاذ کے لیے ہے' میں نے ہی تو سب سے زیادہ مخالفت کی تھی' جب ہی سے دشمن سمجھنے لگی ہے' بات بات میں ذلیل کرتی ہے اور۔۔۔!"
جویا کے قدم ایک لمحے کے لیے تھمے اور پھر وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔
باہر گلی دھوپ سے بھری تھی۔
اس نے آہستگی سے انگلیاں اپنی آنکھوں پر پھیریں' آنکھوں میں اتری نمی انگلیوں پر آئی تھی۔
"پیچھے وہاں کمرے میں تایا گل ابھی بھی جو منہ میں آیا' کہہ رہی ہوں گی۔" اس نے سامنے راستے پر نگاہ جماتے ہوئے سوچا۔
"کیسی عجیب بات ہے کہ وہ اپنے قتل کر چکی ہیں اور پھر بھی الٹا واویلا ہی کرتی ہیں!" دھوپ بھری گلی کو پار کرتے

ہوئے وہ سوچے گئی۔

☆ ☆ ☆

معاذ نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائی تب ہی قریب میں ایک مانوس سی آہٹ ہوئی' سامنے زری کھڑی تھی۔
شوخ سے رنگ کا سوٹ پہنے' آنکھوں میں کاجل اور بھی شاید میک اپ۔
وہ میک اپ کی تفصیلات سے اتنا زیادہ آگاہ نہیں تھا' لیکن ایک ہی نظر میں وہ اسے بہت تیار تیار سی ضرور لگی تھی۔
"کیا ہے؟" معاذ نے اب اپنا رویہ اس کے ساتھ خاصا ریزرو کر لیا تھا۔ امی کو زری سے زیادہ اب اس سے شکایت تھی' سو اس لیے ضروری تھا۔
"کچھ نہیں بس آپ اکیلے بیٹھے تھے' مجھے اچھا نہیں لگا۔" وہ بے تکلفی سے وہیں فرش پر بیٹھ گئی۔
"اوپر بیٹھ جاؤ۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اسے کہنا پڑا۔
"جی اچھا۔" وہ خوش ہو کر فوراً" ہی اس کے بالکل قریب والی کرسی پر بیٹھی' معاذ نے جھجک کر اپنی کرسی ذرا پیچھے کی۔
"چائے بنا کر لاؤں آپ کے لیے؟"
"نہیں' تمہیں کچھ کام تھا مجھ سے؟" وہ اسے جلد سے جلد یہاں سے چلتا کرنا چاہ رہا تھا' کم از کم امی کے آنے سے پہلے۔
"نہیں۔ میں تو آپ کو تسلی دینے کے لیے آئی تھی' بہت ہی صدمہ لیا ہے آپ نے' مجھے لگتا ہے۔" وہ ذرا اس کی طرف جھک کر بیٹھی' تو معاذ کو پتا چلا کہ وہ دادی کا مخصوص عطر بھی لگائے ہوئے ہے۔
"سیدھی طرح بیٹھو زری! اور مجھے کوئی صدمہ ودمہ نہیں ہے' کس نے کہا ہے تم سے؟"
اس لڑکی کے انداز اب ہوشیار رہنے پر مجبور کرتے تھے' سو وہ محتاط تھا۔
"سب ہی کو افسوس ہو رہا ہے' خاص طور پر آپ کی امی کو تو بڑا ہی صدمہ ہوا ہے' ان کے خیال میں آپ کے رشتے کو انکار کر کے' ان لوگوں نے آپ کی بڑی ہی بے عزتی کر دی ہے۔ آپ کو بھی برا تو لگا ہی ہو گا نا۔"

ایک ایک لفظ کو چبا کر ادا کرتے ہوئے وہ کیا جتانا چاہ رہی تھی۔

معاذ نے ذرا غور سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں۔" وہ کچھ شرمائی۔

"کچھ نہیں اور تم یہاں کہاں بیٹھ گئی ہو' جاؤ دادی کے کمرے میں جا کر دیکھو' کہیں انہیں کوئی کام ہو۔۔۔"

وہ تھوڑا سا جھنجلا ہی گیا۔

یہ لڑکی حد سے بڑھ رہی تھی' اس میں کوئی شک نہیں رہ گیا تھا۔

"میں سارے کام کر چکی ہوں اور دادی تو ویسے بھی اب اپنا وظیفہ پڑھ رہی ہیں' ربیعہ کالج گئی ہے' اور آپ آج کتنے دن بعد گھر پر ہیں' آفس نہیں گئے۔"

"غلطی ہو گئی' جا رہا ہوں۔" وہ چڑ کر اٹھ کھڑا ہوا تو وہ اس طرح کھلکھلا کر ہنسی جیسے دونوں کے بیچ ۔۔۔ سے ہی بے تکلفی کا رشتہ ہو۔

"آپ تو ناراض ہو گئے' ویسے ناراض ہو کر آپ۔۔۔"

"زری!" معاذ نے بہت سنجیدگی سے اس کی بات کاٹی۔

"خود کو سنبھالو' مجھے نہیں پتا کہ میں نے تمہیں یہاں رکھ کر اچھا کیا ہے یا غلط' لیکن اس وقت جب ۔۔۔ تمہیں لایا تھا' اس وقت میں نے صرف خدا خوفی میں تمہیں سہارا دیا تھا' وہ سب تمہیں دارالامان بھیج رہے تھے' جو میرے دل نے گوارا نہیں کیا' مگر اب مجھے لگتا ہے کہ میں نے کوئی بڑی غلطی کر لی ہے۔"

وہ اتنا سنجیدہ تھا کہ زری سے فوری طور پر تو کچھ بھی جواب نہیں بن پڑا۔

"ہو سکے تو امی اور دادی کو شکایت کا موقع نہ دو' ورنہ میرے لیے مشکل کھڑی ہو سکتی ہے۔۔۔ اور تمہارے لیے بھی۔"

"مگر میں نے تو۔۔۔" وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی' مگر معاذ باہر کی طرف کھلے دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

"معاذ جی!" اس نے اگلے احاطے کی سیڑھیوں پر اسے رکنے پر مجبور کیا۔ "آپ غلط سمجھ رہے ہیں ۔۔۔ ان لوگوں سے میں نے کچھ نہیں کہا تھا' انہوں نے جھوٹا میرا نام لگایا ہے۔ جی' مجھے کیا پڑی تھی ان سے الٹی سیدھی بات کرنے کی۔"

اس کی گھبراہٹ' خود اس کے خلاف گواہی دے رہی تھی' معاذ نے بمشکل خود کو کمپوز کیا۔

"میرا کوئی انٹرسٹ نہیں تھا وہاں شادی میں' بلکہ میں فی الحال شادی کرنا ہی نہیں چاہتا' لیکن کسی ۔۔۔ شریف گھرانے کو میری وجہ سے تکلیف پہنچے' یہ بھی میری برداشت سے باہر ہے' دھیان رکھنا۔"

اس نے بغیر زری کی طرف مڑ کر دیکھے اپنی بات پوری کی اور اپنی اس چھوٹی سی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔ تو اب اس کے استعمال میں تھی' زری وہیں کھڑی تھی۔

معاذ کے لہجے کی سرد مہری اور اس سے بھی بڑھ کر یہ اطلاع کہ وہ اتنی بھی بے خبر اور بے ضرر نہیں ہے۔۔۔

گاڑی گیٹ سے نکل کر گلی اور پھر سڑک پر آ رہی تھی' اس کا رخ اپنے چھوٹے سے اسکول کی طرف ۔۔۔ تو جہاں ایک اور نیکی اس کی منتظر تھی۔

"کہیں ایک بار پھر وہ کوئی حماقت بھری ہمدردی کے لیے تیار ہے؟" اس نے خود سے سوال کیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عالیہ بخاری

دیوار شب

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتلائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار احمد سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے۔ جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے۔ جو ہر جاتے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ سالار اس کی اتنے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ ٹھہرا کر اسے کئی روز تک بے مقصد گاڑی چلانا پڑتا ہے۔ وہ بالو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گھڑی آ لگی چڑیلی دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو۔ رفاقی ہوٹل میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی ملازمت کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ حویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے معروف بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زویا کمال سے کر دی۔ جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ حویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنائے ... کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ ... افروز، سعیدہ، فاطمہ، بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس ادارے کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منواتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپاگل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے جوبا ... کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاہ ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ جنا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سیکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور راجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپاگل سے بحث کرتی ہے۔ آپاگل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپاگل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔ سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

جویا کا رشتہ آنا فاناً طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار چچا، آپاگل اور شاکرہ بیگم کی کوششیں شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے۔ وہ جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے۔ وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ، جویا کو آگاہ کرتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ، آپاگل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔

صندل کو ربانی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے، تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

۴۳
تینتالیسویں قسط

"عموماً" وہ کچھ بھی کرنے سے پہلے اتنا سوچنے کا عادی نہیں تھا۔ لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں، بے غرضی کے ساتھ کیے جانے والے ہر عمل کی کس کس طرح ہنسی اڑائی جاتی ہے۔ اس نے کبھی ایک پل کے لیے بھی رک کر نہیں سوچا تھا۔

بہت بچپن میں ابا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ایک قول بار بار سناتے تھے کہ "نیکی کا کام کرنے میں ہمیشہ جلدی کرو۔" یہ وہی عمر تھی جب اس نے ابا کی کہی ہر بات اور ان کے طرز زندگی کی پیروی کرنا شروع کر دی تھی، سوان کی بہت سی باتوں کے ساتھ ساتھ یہ سنہری قول بھی فطرت کا حصہ بنا تھا۔ اب بھی کبھی اسے لگتا تھا جیسے وہ کچھ تو ویسا ہی بنا ہے جیسا کہ ابا نے اسے بنانا چاہا۔

اپنی سابقہ ساری نااہلی اور غیر ذمہ داری کے باوجود ربیعہ کو چھوڑ کر گھر کا فیورٹ بچہ۔

اور اگر وہ سب اس کے پیچھے نہ کھڑے ہوتے تو کیا وہ یہاں تک پہنچ سکتا تھا۔

اسکول کی چھوٹی سی عمارت کے آگے گاڑی روکتے ہوئے اس نے فخر سے سامنے دیکھنا چاہا تو نگاہ وہیں جمی رہ گئی۔

خیام دیوار کے ساتھ بنی کیاری میں پائپ لگا کے پانی دے رہا تھا، سوجو مسئلہ لیے وہ گھر سے نکلا تھا، خیال کی رو کہیں سے کہیں پہنچنے میں اب بھی نتیجہ خیز نہیں ثابت ہوا تھا۔

"کیا کروں گا اس لڑکے کا؟"

اسٹیئرنگ پر انگلیوں کو حرکت دیتے ہوئے اس نے ایک بار پھر خود سے سوال کیا۔

"کون تھا، کہاں سے آیا تھا، کہیں کسی واردات میں ملوث نہ ہو یا پھر آگے کچھ اور کر گزرنے کا پلان رکھتا ہو۔"

کل سے کئی سوال تھے، جو جواب طلب تھے اور مشکل یہ تھی کہ وہ اپنے بارے میں کچھ بھی بتانے کے لیے تیار نہیں تھا، بقول ساجد کے وہ تنہا تھا، مصیبت زدہ تھا، لیکن اس کی صورت "شکل" رکھ رکھاؤ اور تیور کچھ بھی ایسا نہیں کہتے تھے۔

صرف اس کے کپڑے پرانے تھے اور آنکھوں میں بے حد اداسی، سو یہ ایسی بڑی افتاد بھی نہیں۔

شہر میں کتنے ہی اداس چہرے

اور کپڑے تو خیر وہ خود بھی بڑی مستقل مزاجی سے پرانے ہی پہنتا چلا آیا تھا۔

خیام نے اس کی گاڑی دیکھ لی تھی، سو اب وہ نل بند کر کے پائپ لپیٹ رہا تھا۔

معاذ نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور گاڑی سے نکلا۔

"اب جو بھی خدا کو منظور۔" اس نے اپنے آپ سے کہا۔

"السلام علیکم!" خیام قریب آیا تھا۔

"وعلیکم السلام، رات کیسی گزری، پریشانی تو نہیں ہوئی۔"

"نہیں، اکیلے میں پریشانی کیسی، بہت دنوں بعد میں سکون سے سو سکا ہوں۔" وہ ہلکے سے مسکرایا۔

معاذ سے جواباً مسکرایا نہیں گیا تھا۔

ساجد کی بات اتنی غلط بھی نہیں تھی۔

"نوجوانی کے اس دور میں اتنی تنہائی پسندی۔" اس نے بہت غور سے خیام کے چہرے کو دیکھا، تو وہ تھوڑا سا کنفیوژ ہوا۔

"آپ کی گاڑی صاف کردوں۔" اس نے معاذ کی خود پر جمی نگاہ سے بچنے کے لیے ہی ایسا کیا تھا، مگر معاذ نے

فوراً ہی منع کر دیا۔
"نہیں شکریہ' تم نے صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں ہوگا۔ پہلے جا کر کچھ کھالو' یہاں اس طرف سڑک پر ایک چھوٹا سا ہوٹل ہے۔" اپنی جیب سے والٹ نکال کر معاذ اس کے لیے پیسے نکالنے لگا تھا کہ وہ فوراً" ہی بول پڑا۔
"میں نے کھانا کھالیا تھا معاذ بھائی! یہاں تالا لگا کر چلا گیا تھا' ادھر سامنے ہوٹل پر۔"
"اچھا کیا۔" معاذ کو اطمینان ہوا۔ "لیکن یہ پیسے تم رکھو اپنے پاس۔" ہاتھ میں تھامے پیسے وہ اس کی طرف بڑھانے لگا تھا' لیکن خیام نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچا تھا۔
"پیسے میرے پاس ہیں ابھی۔"
"لیکن جب تک تم یہاں ہو' ہمارے مہمان ہو نا۔" معاذ کا اصرار بڑھنے لگا۔
"فی الحال تو میں آپ کا مہمان بھی نہیں ہوں معاذ بھائی! زبردستی کا سودا کیجئے' میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ آپ مجھے رکھیں گے بھی یا نہیں اپنے پاس' ایسے میں آپ سے کیسے کچھ لے سکتا ہوں۔" معاذ نے کچھ چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
یہ لب و لہجہ' کسی تہذیب یافتہ گھرانے کی تربیت کی دین تھا۔ رات وہ ہوں ہاں سے زیادہ بات نہیں کر پا رہا تھا' تھکا ہوا تھا اور ذہنی حالت بھی اچھی نہیں تھی' مگر اب گفتگو پر آمادہ محسوس ہو رہا تھا۔
"اندر آؤ!" وہ اس سے کہتے ہوئے چھوٹا سا ادھ کھلا گیٹ دھکیل کر اندر داخل ہوا تو صحن میں قدم رکھتے ہی ٹھٹک گیا۔
صحن' برآمدہ' سب دھلا دھلایا شفاف' ترتیب سے لگی کرسیاں اور میزیں اور دیوار کے ساتھ قطار میں رکھے گملوں میں موسمی پھولوں کے تر و تازہ رنگ۔ روزانہ پھیلی ہوئی ابتری کا نام و نشان نہیں۔
لگتا تھا کہ صبح سے اب تک وہ ایک منٹ کے لیے بھی فارغ نہیں بیٹھا تھا' معاذ کو فطری طور پر سب بہت اچھا لگا۔
"تم نے تو زبردست کام کیا خیام! پتا ہے آج کل یہ سب کرنا ہمارے لیے بڑا مشکل ہو رہا ہے' بچے بڑھ گئے ہیں' ان کی کتابوں' کاپیوں کا انتظام رکھنا مشکل ہونے لگتا ہے۔ کبھی کبھی ہم کسی ملازم کو افورڈ نہیں کر سکتے' اس لیے ہم دوست کوشش کر کے سب کچھ خود ہی کرتے ہیں' مگر ایسا تو بالکل بھی نہیں ہو پاتا' جیسے تم نے کیا ہے۔"
وہ کہتے ہوئے اندر برآمدے میں آیا' خیام ساتھ تھا۔
"بہت شکریہ کہ تم نے خیال کیا۔" معاذ نے شکر گزار لہجے میں اس سے کہا تو وہ کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔
"فارغ ہی تو بیٹھا تھا معاذ بھائی! اور ایسا میں نے کیا بھی کیا ہے' آپ کی مہربانی ہے' جو آپ نے' مجھے یہاں ایک رات سر چھپانے کی جگہ دی۔"
"بیٹھو!" معاذ نے ایک کرسی کھینچتے ہوئے اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا' تو وہ کچھ جھجکتے ہوئے اس کے قریب بیٹھا۔
ابھی پڑھنے کے لیے آنے والے بچوں اور اس کے ساتھیوں کے آنے میں تھوڑا وقت تھا۔
معاذ نے گھڑی دیکھ کر وقت کا اندازہ لگایا تھا۔
"سنو خیام! اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہارے کسی کام آسکوں تو پلیز' اپنے بارے میں مجھے سچ سچ بتا دو' اتنا اعتبار تو تمہیں مجھ پر کرنا ہی پڑے گا۔"
بنا کسی تمہید کے معاذ اصل بات پر آیا تھا۔
"میں نے آپ سے رات ہی کہا تھا کہ میرے پاس اپنے بارے میں بتانے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے' میں اس

[illegible]
معاذ نے ایک بار پھر پورے تحمل سے اس کی بات سنی۔
"اس کا مطلب ہے' تم مجھ پر اعتبار نہیں کرنا چاہتے ہو' ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں؟"
"یہ بات نہیں ہے معاذ بھائی! لیکن میری سچائی یہی ہے۔" وہ اب بھی اپنی بات پر مصر تھا۔
"انسان درختوں پر نہیں اگتے خیام! ہم میں سے ہر ایک کا کوئی نہ کوئی حوالہ ہے' چاہے وہ خاندان ہو یا یتیم خانہ' پلنے بڑھنے کے لیے کوئی ٹھکانا تو اللہ بناتا ہی ہے۔"
"ہر ایک اتنا خوش قسمت نہیں ہوتا خیام بھائی! کہ اس کے پاس یتیم خانے کا ہی حوالہ ہو۔ مگر آپ نہیں سمجھیں گے' کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا۔"
اس بار اس نے بات کرتے ہوئے نگاہ اٹھا کر معاذ کی طرف دیکھا تھا' اس کی آنکھوں کا سنہرا پن دھندلا رہا تھا اور چہرے پر بے بسی اتر رہی تھی۔
معاذ کی نگاہ ایک پل کے لیے بھی خیام کے چہرے سے نہیں ہٹی تھی۔
"کچھ تو تھا جو اس لڑکے کے لیے اتنا تکلیف دہ ہے کہ وہ اس تک نہیں پہنچ پا رہا۔ یا پھر اسے جاننے کی کوشش بھی نہیں کرنا چاہیے۔"
اپنی فطری نرم دلی کے ہاتھوں وہ ساری احتیاط پسندی ایک طرف رکھنے پر مجبور ہو رہا تھا۔
"آپ پریشان مت ہوں۔ میں چلا جاتا ہوں' ساجد تھوڑی دیر میں میرا بیگ دینے یہاں آئے گا' میں باہر بیٹھ کر تھوڑی دیر انتظار کر لوں' اگر آپ اجازت دیں۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔
اگلے بہت سے پریشان کن امکانات اس کے چلے جانے کے ساتھ ہی ختم ہو جاتے تھے' معاذ نے شدت سے زری کے ساتھ کی گئی ہمدردی کے ثمرات کو یاد کرنا چاہا۔
ایک بار پھر یوں ہی اندھا دھند کی گئی غلطی۔
محض چند منٹ خاموش رہنے ہی کی تو بات تھی' محض چند قدم اور وہ اس دروازے سے باہر چلا جاتا اور قصہ ختم۔
"اس اتنے بڑے شہر میں آخر تو ہر ایک ہی کھپ جاتا ہے' کون سا ہی ہر ایک کا ٹھیکے دار ہے۔"
معاذ نے خود کو سمجھانے کی ایک آخری بھرپور کوشش کرنا چاہی۔ مگر۔
"خیام!" معاذ نے بے تابی سے اسے پکارا۔
اسے لگا تھا جیسے وہ چلا گیا تو شاید وہ خود کو ساری عمر بھی معاف نہیں کر سکے گا۔
خیام کو توقع نہیں تھی کہ وہ روکا جائے گا' سو حیرت زدہ تھا۔
معاذ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس جا کھڑا ہوا۔
"پتا نہیں کیوں' لیکن میرا دل کہہ رہا ہے کہ میں تمہیں جانے نہ دوں یہاں سے اور میں نے ہمیشہ اپنے دل کی ہی مانی ہے۔" وہ ذرا رک کر مسکرایا۔ "تم رہ سکتے ہو یہاں' جب تک تمہارا دل چاہے۔" معاذ نے ہلکے سے خیام کا کندھا تھپکا۔ "امید ہے کہ تم میرے بھروسے کو ٹھیس نہیں پہنچاؤ گے' تم نے نہ سہی' لیکن میں تم پر اعتبار کر رہا ہوں خیام۔"
اس بار خیام کا سر احتراماً" جھکا تھا۔

☆ ☆ ☆

صبح بے حد روشن اور اجلی تھی۔

آسمان پر ابھی بھی گہرا سرمئی غبار جھکا پڑتا تھا' مگر اس بڑے سے خوب صورت گھر میں' جو روشنی اتری تھی' آنکھوں کو چکا چوند کرتی تھی۔
گیتی کے دل نے پل پل شکرانہ ادا کیا تھا۔
سالار کا پروگرام تھا کہ وہ اسے لے کر دوپہر تک نانی ستارہ کے ہاں جائے گا' لیکن صندل کچھ زیادہ ہی جلد باز ثابت ہوئی۔
بالی صاحب کو ساتھ لیے صبح ہی آموجود ہوئی۔
سالار سے زیادہ گیتی اس کی آمد پر حیران تھی۔ جب وہ اسٹار نہیں بنی تھی' تب بھی اس کی صبح ایک بجے سے پہلے نہیں ہوتی تھی اور اب تو خیر سے اس کے نخرے ہی الگ تھے۔
"مجال ہے' جو رات ایک پل کے لیے بھی مجھے نیند آئی ہو' بس یہ ہی دل ہو رہا تھا کہ صبح ہو اور تم سے جا کر مل لوں۔ بڑی مشکل سے وقت کٹا ہے۔"
اور اب وہ آراستہ و پیراستہ ڈرائنگ ہال کے ایک گوشے میں بیٹھی گیتی کو اپنی بے چینی کا حال سنا رہی تھی۔
پچھلے کافی عرصے سے دونوں کے مابین کوئی ایسا خاص ربط ضبط نہیں رہ گیا تھا' پھر بھی گیتی اس کی محبت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی۔
"کون کہتا ہے کہ صندل میں اسٹار بننے کے بعد بڑی لاتعلقی آگئی ہے' اس کے لیے تو وہ آج ہمیشہ سے زیادہ فکر مند ہے۔"
"رشتے یوں جھٹ پٹ کب طے ہوتے ہیں' تمہاری جلد بازی نے کچھ بھی لکھوانے منوانے کا موقع نہیں دیا' ہم سے زیادہ تو وہ ملک ہی فائدے میں رہا جو اتنی بھاری رقم کا چیک سالار سے لے کر رخصت ہو گیا' وہی اصل وقت تھا جب تمہیں بھی کچھ شرائط رکھوا لینی چاہیے تھیں' مجھے تو امی پر حیرت ہو رہی تھی' اتنی spoken out (منہ پھٹ) اتنی زمانہ ساز ہونے کے باوجود بھی انہوں نے ایک لفظ بھی تو منہ سے نہیں نکالا' ورنہ ساری عمر تو پیسے پیسے پر جھگڑتی چلی آئی ہیں۔"
اس کے ایک ایک لفظ سے تشویش جھلک رہی تھی' لیکن جب وہ ذرا سانس لینے کو رکی تو گیتی بڑی طمانیت سے مسکرائی تھی۔
"تم میری بالکل فکر مت کرو صندل! میں بہت خوش ہوں۔ سالار بہت اچھے ہیں' اور مجھے ان کے ساتھ کے علاوہ کچھ اور درکار بھی نہیں ہے۔"
"پھر وہی فضول کتابی باتیں' تم سدا بے وقوف ہی رہیں گیتی! اور اب بھی عقل پکڑنے کو تیار نہیں ہو۔" صندل نے بے اختیار ہی ماتھے کو چھوا۔ "شروع کے چار دن سب ہی اچھے ہوتے ہیں' وہ ملک' سالار سے بھی زیادہ اچھا ثابت ہوتا' پانی کی طرح پیسہ بہاتا تم پر' اصل میں تم نے نخرے اٹھانے والے دیکھے ہی نہیں ہیں اور یہ ملک تو سنا ہے کہ اتنا شوقین مزاج ہے کہ۔۔۔"
گیتی کو لگا جیسے اسے ابکائی سی آرہی ہے۔
صندل نے اس کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ کو دیکھ کر ہی بات ادھوری چھوڑی۔
"اب یہ مت کہنا کہ تمہیں سالار سے محبت ہو چکی ہے' کوئی بھی جو تمہیں دیکھے گا اور پھر اسے' اس بات پر بھی یقین نہیں کر سکتا' ایسے ہی جیسے میں کہوں کہ مجھے بالی سے محبت ہے تو یہ سب سے بڑا جھوٹ ہو گا۔" اس کا لہجہ پر یقین تھا۔
کامیابی نے اسے خود ہی نتائج اخذ کرنے اور پھر ان پر سو فیصد یقین کر لینے کی اضافی کوالٹی بخشی تھی' سو گیتی نے

اس کے خیال کی تردید یا تصدیق کی ضرورت ہی نہیں سمجھی' مگر سالار پر کیا گیا تبصرہ اسے بے حد برا لگا ضرور تھا۔ ڈرائنگ روم کے دوسرے گوشے میں سالار' بالی صاحب کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا۔
"اور معلوم نہیں وہ اس سے کس قسم کی باتیں کر رہے ہوں گے۔"
اس نے ذرا فکر مند ہو کر اس طرف دیکھا' تب ہی سالار نے بھی اچانک ہی اس طرف دیکھا اور دھیرے سے مسکرا دیا۔
گیتی نے شرما کر نگاہ چرائی۔
بنا ایک لفظ بھی کہے وہ اس کے دل کی سب سے بڑی تسلی تھا اور پچھلی رات سے اب تک خود کو محفوظ و مامون پانے کا' جو سکون بخش احساس اس نے حاصل کیا تھا' وہ انمول تھا۔
ملازم لوازمات سے بھری ٹرالیاں لیے سرو کر رہے تھے' یہاں اتنا کچھ انتظام بغیر کسی عورت کی نگرانی کے ہونا خوش گوار سی حیرت میں مبتلا کر رہا تھا' گیتی کا خیال تھا کہ شاید یہ سلسلہ سامنے نظر آتے ڈائننگ ایریا میں چلے گا۔ لیکن سالار' بالی صاحب سے معذرت کر کے دو منٹ کے لیے اس طرف آیا تھا۔
"تم اور صندل یہیں اطمینان سے چائے پیو' میں اور بالی صاحب وہیں ٹھیک ہیں' صندل بہت مصروف رہتی ہے' پھر شاید کئی مہینے' اسے تم سے ملنے کا موقع بھی نہ ملے۔"
یقیناً" ساری زندگی وہ اسی طرح چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی اس کی خوشی و سکون کا خیال کرنے والا تھا۔
گیتی کی محبت بھری نگاہ' سالار کے چہرے پر جا کر جمی تھی' آنکھوں میں وہ ہی مہربان' نرم سا احساس' جو اسے کچھ سے کچھ بنا تا تھا۔
بھلا کون تھا اس جیسا' کوئی بھی تو نہیں۔
"ابھی بھی بڑی مشکل سے وقت نکالا ہے' ورنہ اگلے چار ماہ تو سر اٹھانے کی فرصت نہیں ہے' ابھی چار دن یہاں کا کام ہے اور آگے پھر پچیس دن کا ماریشس کا شیڈول ہے' پھر اس کے بعد۔۔۔"
صندل کے ہاتھ من پسند موضوع آیا' سو وہ چند لمحوں کے لیے وہ سب کچھ بھولی' سالار نے پوری توجہ سے اس کا صندل نامہ سنا اور پھر واپس بالی صاحب کے پاس جا بیٹھا۔
"اس اتنے بڑے گھر میں اور کون رہتا ہے۔" صندل کی نگاہ بار بار اطراف میں الجھ رہی تھی۔
یہ گھر اس کے اندازے سے زیادہ بڑا اور شان دار تھا۔ قدیم طرز کا انداز آرائش جو بڑا ہی منفرد اور قیمتی سا احساس دیتا تھا۔
"سالار بتا رہے تھے کہ یہاں صرف ملازم ہی ہیں۔" چہرے پر آئی لٹ کو کان سے پیچھے کرتے ہوئے وہ سادگی سے بتانے لگی تھی' تب ہی صندل کے چہرے پر بڑی طنزیہ مسکراہٹ اتری۔
"اس نے کہا اور تم نے مان لیا' ایک بار بھی یہ نہ سوچا کہ اگر وہ ایسا ہی امیر رئیس شخص ہے تو پھر اتنے سالوں سے وہاں ایک کمرے کا گھر لے کر کیسے رہتا تھا' چھوٹی موٹی ریڈیو کی نوکری کیوں کرتا تھا' سخت پراسرار آدمی ہے' یہ کہیں سے اچانک پیسہ ہاتھ لگا ہے' پتا نہیں کس ذریعے سے۔"
"سالار شریف آدمی ہیں' یہ مجھے پتا ہے۔" وہ اب تک خاصا برا مان چکی تھی۔
"تم نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے گیتی! یہ ہی دو' چار لوگ' برا مت ماننا' مگر تمہاری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بالکل واجبی سی ہے' تمہاری زندگی میں صرف دو شخص آئے' پہلا خیام اور دوسرا یہ۔"
اس نے ہاتھ سے ہلکا سا اشارہ سالار کی طرف کیا۔ "اور تم دونوں پر ہی باری باری فدا ہو چکی ہو' بے وقوفی کی بھی حد ہوتی ہے۔"

گیتی کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔
اسے سالار کا ذکر چبھا تھا یا خیام کا؟
"میرا خیال ہے کہ ہم کوئی اور بات کریں صندل۔"
"نہیں۔ میں اب چلوں گی' کچھ دیر بعد میری فلائٹ ہے اسلام آباد کی' پھر پتا نہیں تم سے کب ملاقات ہو' یہ ہی چند باتیں تھیں جو تم سے کرنا ضروری تھیں' ابھی شروع کے دن ہیں' ذرا عقل سے کام لو' جو کچھ اپنے نام کرا سکتی ہو کروالو' اگر سالار سچا ہے تو تمہاری بات ماننے میں دیر نہیں لگائے گا اور اگر یہ سب صرف دکھاوا ہی ہے تو اس کی اصلیت کھلنے میں بھی دیر نہیں لگے گی' ایسی صورت میں جلد ہی علیحدگی۔"
ہاتھ میں پکڑا ہوا چائے کا کپ' اس نے بے ساختہ ہی اس طرح میز پر رکھا کہ چھناکے کی آواز سارے میں گونجتی چلی گئی۔
سالار اور بالی صاحب دونوں ہی نے مڑ کر اس طرف دیکھا تھا۔
"کچھ نہیں' بس ایسے ہی۔" صندل نے کھڑے ہوتے ہوئے ان کی تسلی کروائی اور پھر تیز قدم اٹھاتے ہوئے ان دونوں کی طرف چلی گئی۔
گیتی کو چند لمحے خود کو سنبھالنے میں لگ گئے۔
"میرا خیال ہے' ابھی ہم تھوڑی دیر اور بیٹھ سکتے تھے۔" بالی صاحب نے صندل کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔
انہیں سالار پسند آیا تھا اور اس کے بیک گراؤنڈ اور رکھ رکھاؤ سے جھانکتا ہوا پیسہ اس سے بھی زیادہ۔ اور ابھی ابھی وہ اس سے فلم پروڈیوس کرنے کے بزنس کے بارے میں ابتدائی بات چیت شروع کر چکے تھے۔ مگر صندل اب رکنے کے موڈ میں نہیں تھی' اسے کچھ شاپنگ کرنی تھی اور شاید تھوڑی بہت پیکنگ بھی۔
گیتی نے صاف محسوس کیا تھا کہ اب بالی جیسا دبنگ شخص صندل کے سامنے دبنے لگا تھا۔
وہ چاروں ایک ساتھ چلتے ہوئے باہر تک آئے تھے اور اس تھوڑے سے وقفے میں سالار نے کتنی ہی بار گیتی کے چہرے کو دیکھا تھا۔
صبح سے چھائی شرمیلی مسکراہٹ کی جگہ سنجیدگی نے لے لی تھی یا شاید پریشانی۔
وہ اندر ہی اندر بے چین ہوا تھا۔
صندل نے گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے ایک گہری نگاہ سامنے پوری شان و شوکت سے پھیلے اس گھر پر ڈالی' جس میں اس کی کوٹھی جیسی چار کوٹھیاں سما سکتی تھیں۔
"اور اگر کہیں یہ سب واقعی گیتی کی قسمت میں لکھا گیا ہے تو؟"
اندر سے ایک کمزور سی آواز ابھری' جسے اس نے فوراً ہی رد کیا۔ "ناممکن۔"
بالی صاحب اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑے تھے۔ گیتی اور سالار نے ایک ساتھ کھڑے ہو کر دور جاتی اس گاڑی کو دیکھا اور پھر واپس اندر آنے کے لیے مڑ گئے۔
"کیا ہوا' جو تم اتنی پریشان ہو گئی ہو؟" بنا کسی تمہید کے سالار نے اندر آتے ہوئے اس سے پہلی بات یہ ہی کی تھی۔
"صندل نے کچھ کہا یا پھر دن کے اجالے میں میری شکل دیکھ کر تمہیں اپنے فیصلے پر افسوس ہو رہا ہے۔" گو اس نے بڑے لائٹ سے موڈ میں کہا تھا' مگر پھر بھی گیتی کے دل کو دھکا لگا تھا' آج شاید سب نے ہی اسے تکلیف دینے کی ٹھان لی تھی' اندر آتے آتے اس نے سختی سے اپنی آنکھوں کو رگڑا۔
سالار کو اصل بات بھول کر پہلے اپنے کہے کی معذرت کرنی پڑی۔

"مذاق کر رہا تھا' اتنا بھی نہیں سمجھتیں' بے وقوف ہو بالکل۔"
"یہ مذاق نہیں ہے۔" وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی تھی۔ "رات بھی آپ نے ایسا کچھ کہا تھا' مجھے تب بھی بہت برا لگا تھا۔ اتنا گرا ہوا سمجھ لیا ہے کیا مجھے یا پھر خود آپ کے اندر ہی کوئی پچھتاوا۔"
سالار نے اپنا ہاتھ اس کے لبوں پر رکھا تھا۔
"ایک لفظ اور نہیں۔" اس کی آواز اتنی دھیمی تھی جیسے سرگوشی۔
"اور جن حالات میں ہماری شادی ہوئی ہے' اس کے بعد ہمیں خود کو ثابت کرنے کے لیے ایک لفظ کی بھی ضرورت نہیں ہے گیتی! اللہ نے ہم پر بڑا کرم کیا' کسی بھی ناقابل تلافی نقصان سے پہلے ایک دوسرے کے سامنے لا کھڑا کیا' میں ساری عمر بھی شکر ادا کرتا رہوں تو کم ہے۔"
"میں بھی۔"
سالار نے محبت سے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھاما۔ "ہمیں خود کو واہموں' وسوسوں سے بچانا ہے گیتی! اگر ہم ایسا نہ کر پائے تو وہ کچھ ہو سکتا ہے' جس کا اس وقت گمان کرنا ناممکن ہے۔"
"اس بات کو یاد رکھنے کی ضرورت آپ کو ہے' مجھے نہیں۔" اس کے لہجے میں بڑا بے نیازی بھرا یقین تھا۔
چند لمحوں کے لیے تو سالار بالکل خاموش سا اس کے چہرے کو تکنے گیا۔
"اتنا یقین ہے خود پر؟"
"خود پر نہیں' اپنے رب پر۔ اسی نے میرا ہاتھ تھاما' جب میں منہ کے بل گری تھی۔"
دھیمے انداز میں کہتے ہوئے وہ بیڈ پر آ کر بیٹھی تھی۔ سالار نے دیکھا۔ گیتی کے چہرے پر بڑی تمکنت' بڑا وقار تھا۔
اور اب یہ پوچھنا کہ وہ صندل کی کس بات پر ہرٹ ہوئی تھی' محض اپنی شرمندگی بڑھانے والی بات تھی۔
کان کی لو کو چھوتے ہوئے سالار کے چہرے پر ایک جھینپی سی مسکراہٹ ابھری تھی۔
"اچھا چلو' تمہیں نگینہ آنٹی سے ملوالاؤں' انتظار کر رہی ہوں گی تمہارا' واپسی میں کچھ شاپنگ وغیرہ کر لیتا یا پھر وہیں کراچی میں کرو گی؟"
سوال' جواب' مشورہ سب ہی کچھ حاضر تھا۔
گیتی نے مڑ کر سالار کی طرف دیکھا۔
"سچ بتائیے' کیا آپ اب بھی وہاں جانا چاہتے ہیں یا صرف میری وجہ سے چلنے کا کہہ رہے ہیں۔"
"کیا مطلب؟" وہ واقعی نہیں سمجھا تھا۔
"میرا گھر کسی نیک نام محلے میں نہیں ہے' آپ نے بے شک کبھی اس بات کا احساس نہیں ہونے دیا' مگر جو حقیقت ہے سو ہے۔" گیتی کی آواز بتدریج دھیمی پڑی۔ "اور میں نہیں چاہتی کہ آپ محض اپنی شرافت اور نیک دلی کی وجہ سے اس شرمندگی میں مبتلا ہوتے رہیں' جس میں آپ کو نہیں ہونا چاہیے۔"
سالار نے ایک گہری سانس لی اور اس کے بالکل قریب آ کر کھڑا ہوا۔
"میرے لیے وہ جگہ کبھی شرمندگی کا باعث نہیں بنی گیتی! میں وہاں ہمیشہ پوری محبت اور پورے خلوص کے ساتھ گیا ہوں' اس وقت بھی جب میرے پاس اپنی تمام تر آرزو کے باوجود تمہیں پانے کی ایک فیصد بھی امید نہیں تھی اور اب تو میں اس گھر کا ساری زندگی کے لیے مقروض ہوں' میں نے تمہیں وہیں پایا ہے' میرے لیے بہت مبارک ہے وہ گھر۔"
اس کے دل کی سچائی' الفاظ اور لہجے کو سحر عطا کرتی تھی' گیتی سے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھنا بھی محال ہوا۔

"اور گیتی! ایک بات یاد رکھنا، جلنا کوئی بری بات نہیں ہوتی ہمارا نظریہ ہمارے حالات ہماری مجبوریاں ہمارے برے کے خاکوں میں ہمیں بانٹتی ہیں، ہمارا المیہ ہے کہ ہم کسی کی طرف ایک انگلی اٹھاتے ہوئے ان تین انگلیوں کو بھول جاتے ہیں جو خود ہماری طرف اشارہ کرتی ہیں۔"

ٹپ ٹپ ٹپ۔

گیتی کی آنکھوں سے کتنے ہی آنسو گرے اور چہرے کو گیلا کرتے چلے گئے۔

سالار نے نرمی سے اسے اپنے کندھوں سے لگایا "اور ابھی ابھی تم نے کیا کہا تھا۔ واہموں، وسوسوں سے بچنے کی مجھے ضرورت ہے، تمہیں نہیں۔۔۔ اتنی جلدی بھول گئیں؟"

"میں واہموں میں مبتلا نہیں ہوں سالار! میں نے اپنا سب سے بڑا کمپلیکس دور کرنا چاہا، جو آپ نے کر دیا، اب میرے دل پر کوئی بوجھ نہیں۔" آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے پورے یقین سے سالار کو دیکھا اور ہلکے سے مسکرا دی۔

"میں تیار ہو جاتی ہوں۔" وہ مڑ کر ملحقہ ڈریسنگ روم میں جا چکی تھی۔

"کاش وہ بھی ایسا ہی کر سکتا۔" سالار نے سامنے آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ "مگر شاید گیتی زیادہ بہادر ہے۔" وہ بے بسی سے مسکرایا۔

☆ ☆ ☆
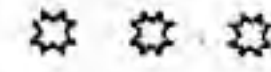
اندر کمرے میں نہ جانے کیسی چیخ پکار مچی تھی۔

جویا ذرا بھی دھیان دیے بغیر اپنے ساتھ ٹیوشن سینٹر سے لائی کاپیاں چیک کیے گئی، تھوڑی دیر پہلے اس نے رات کے کھانے اور چائے سے فراغت پائی تھی، سو اب رات گئے تک بیٹھ کر کاپیوں کا یہ ڈھیر بھی نمٹایا جا سکتا تھا۔

ایک کے بعد ایک۔

اس کے قریب رکھی چیک ہوئی کاپیوں کا ڈھیر بڑھنے لگا تھا۔ تب ہی اندر کوئی بہت زور سے چیخا۔

جویا کا ہاتھ ایک لمحے کے لیے رکا۔

"الو کا پٹھا، بے غیرت، کمینہ۔"

ابرار صاحب کی آواز باہر تک آ رہی تھی اور یہ سارے القاب وہ کس کو دے رہے تھے، اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی، ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے جویا پھر سے کام میں محو ہونے لگی تھی کہ تب ہی زویا نے کمرے سے باہر جھانک کر دیکھا۔

"کیا تماشا ہو رہا ہے وہاں۔" وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔

جویا نے جواباً صرف اشارے سے لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ زویا چلتی ہوئی باہر آئی۔

"آپ کو تو صرف میری بے عزتی کرنا آتی ہے، آپ کا بیٹا ہونا میرا جرم بن کر رہ گیا ہے، ارے میں نے کوئی ٹھیکہ لے رکھا ہے آپ کی پریشانیاں دور کرنے کا، جب دیکھو ایک ہی رٹ ہے۔" اندر سے اب سلمان کی آواز آ رہی تھی، زویا نے بے اختیار ہی ماتھے کو چھوا۔

"ہر وقت کی کٹ کٹ، پتا نہیں اور کیا رنگ لائے گی یہ نحوست۔" جویا کے پاس سے گزرتے ہوئے وہ کمرے کے ادھ کھلے دروازے میں جا کھڑی ہوئی۔

وہاں اب ابرار صاحب کی باری تھی۔

وہی تھے پہ [illegible] نواب [illegible] چاہتا تھا۔

"تو کیا میری پریشانیاں دور کرے گا، تو تو خود میری روٹیاں توڑنے آ گیا ہے، اس زویہ سے جوتے کھا کر۔ جان چھڑا لی اس نے اپنی تجھ سے، عقل مند تھی، سمجھ گئی کہ زندگی بھر کا بوجھ ہے تو، ورنہ سیکڑوں لوگ نوکری کر رہے تھے اس کے باپ کے پاس، مگر تجھ نالائق کو وہ بھی کہیں نہیں کھپا سکے، دیکھ لینا کسی بھی دن آ کر رہے گا اس کے نام خلع کا نوٹس۔"

ابرار صاحب کمرے کے بیچ میں کھڑے تھے اور سامنے صوفے پر ہاتھ پاؤں پھیلائے بیٹھا سلمان اور دونوں میں سے کوئی بھی خاموش ہونے کے لیے تیار نہیں۔

زویا چند لمحے یوں ہی چپ چاپ انہیں دیکھے گئی۔

بدزبانی اور بدلحاظی میں یہ گھر شاید حرف آخر ٹھہرا تھا، اس نے باپ اور بھائی کے بگڑے ہوئے چہرے دیکھے اور دونوں کے درمیان شٹل کاک کی مانند گھومتی ہوئی شاکرہ امی۔

عجیب بات تھی کہ اسے ان تینوں میں سے کسی پر بھی رحم نہیں آیا۔

"میرا ٹیسٹ ہے کل، آپ لوگ اتنا شور مت۔۔۔" اس کی آواز ان تینوں کی آوازوں کے بیچ میں کھو گئی۔

"کل میرا ٹیسٹ ہے ابو، سلمان بھائی پلیز۔" اس بار وہ کوشش کر کے زور سے بولی تھی، پھر بھی اس کی آواز صدا بہ صحرا ہی قرار پائی۔

وہ اپنی جنگ لڑنے میں اتنے مصروف تھے کہ ان میں سے کسی نے اس کی موجودگی کو نوٹ بھی نہیں کیا تھا۔

زویا نے بڑی بے بسی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"زویا، زویا۔" صحن میں سے جویا اسے پکار رہی تھی، زویا نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"آ جاؤ، کوئی فائدہ نہیں۔"

زویا نے کچھ کہنا چاہا، مگر اس بار وہ خود ناکام رہی، بہت سا نمکین پانی حلق میں اچانک ہی اٹکنے لگا تھا۔

وہ اس طرح جذباتی نہیں ہوتی تھی اور جویا کی نسبت خود کو ہر وقت حساسیت کی زد پر بھی نہیں رکھتی تھی، مگر اس وقت دونوں ہاتھوں سے آنسو صاف کرتی پیچھے ہٹی تھی۔

"زویا، زویا!"

جویا نے اسے پکارا بھی، لیکن وہ تیزی سے اس کے پاس سے گزرتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

جویا نے بڑی افسردگی سے کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھا۔ زویا کا یہ غیر متوقع رویہ خود اس کا حوصلہ ختم کرنے لگا تھا۔ ہاتھ سے پین ایک طرف رکھ کر وہ زویا کے پاس جانے کے لیے اٹھنے لگی تھی، تب ہی کچھ گرنے کی زوردار آواز رات کے سناٹے میں گونجتی چلی گئی۔

ابرار صاحب نے کوئی بھاری چیز اٹھا کر ماری تھی سلمان کو۔

"بدبخت، شرم آتی ہے تجھے اپنی اولاد کہتے ہوئے، بھی نکل جا ابھی اسی وقت میرے گھر سے، ایک پل اب نہیں ٹکنے دوں گا یہاں، چلا جا، ورنہ دھکے دے کر میں خود نکال دوں گا تجھے۔" ان کی آواز پہلے سے زیادہ بلند تھی۔ اور ساتھ ہی سلمان کا واویلا اور شاکرہ امی کی چیخیں۔

جویا نے اپنے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوتے محسوس کیے۔

ابرار صاحب، سلمان کو دھکیلتے ہوئے کمرے سے باہر نکال رہے تھے اور چلاتی ہوئی شاکرہ اس کے پیچھے۔

"کیا غضب کر رہے ہو، جوان اولاد ہے، کہاں جائے گا اس رات میں، چھوڑو اسے، دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔"

"تو بھی دفع ہو جا اس کے ساتھ' سب تیرا ہی کیا دھرا ہے' نکل جا میرے گھر سے' ابھی اسی وقت' اپنی اس منحوس' آوارہ اولاد کے ساتھ۔"

وہ حلق کے بل چلا رہے تھے' مگر کوئی اور تھا جو ان سے بھی زیادہ بلند لب ولہجہ رکھتا تھا۔

"ابرار صاحب' ابرار صاحب۔"

نیچے سے مالک مکان کی کڑک دار آواز ابھری تھی۔

"شریفوں کا محلہ ہے' کچھ تو خیال کیجئے' ہر وقت طوفان' بدتمیزی مچا رہتا ہے' میں تو گھر کرائے پر دے کر پچھتا رہا ہوں۔"

اس ایک آواز میں حقیقی طاقت اور دبدبہ تھا۔

اس پرہنگامہ منظر پر لمحوں میں خاموشی کا طلسم طاری ہوا تھا۔ ابرار صاحب کی گرفت سلمان کے گریبان پر ڈھیلی پڑی اور وہ ایک جھٹکے سے خود کو ان سے چھڑا کر اندر جا چکا تھا اور اس کے پیچھے شاکرہ بھی۔

صحن میں اب صرف اظہار صاحب کھڑے رہ گئے تھے یا پھر ایک طرف سمٹ کر بیٹھی جویا۔

"پتا نہیں' وہ اس وقت کیا سوچ رہے ہیں۔"

اس نے اپنے باپ کے جھکے ہوئے سر کو دیکھ کر بہت تکلیف محسوس کی تھی۔

کتنا کچھ بھگت چکے' مگر نجات کا در کھلتا نظر نہیں آتا' مال' اولاد' بیوی' سب ہی ایک ایک کر کے ان کی آزمائش بنے تھے' مشکل تھی کہ آسان ہونے میں نہیں آتی تھی۔

کسی کسی وقت تو اس کا شدت سے دل چاہتا کہ وہ انہیں بہت سی تسلی دے' بتائے کہ وہ اکیلے نہیں ہیں' وہ ہے ان کے ساتھ' جو ان کے لیے فکرمند رہتی ہے' بہت ساری دعائیں کرتی ہے اور ایک محبت بھری نگاہ کے لیے منتظر بھی۔

مگر ایسا کچھ بھی کرنا ناممکن تھا۔

وہ ان کی گڈ بک میں کبھی بھی نہیں رہی تھی اور اب تو خیر کہیں بھی نہیں تھی۔

"یہ لڑکی میرے لیے مرچکی ہے' اس سے کہو میرے سامنے مت آیا کرے۔"

اس نے کتنی ہی بار انہیں یہ جملہ کہتے سنا تھا' مگر اس بالکل چھوٹے سے پورشن میں وہ ان کی اس ایک خواہش کو پورا کرنے سے بھی قاصر تھی۔

سمٹ کر دیوار کے ساتھ بیٹھتے ہوئے جویا نے انہیں اپنے کمرے میں جاتے دیکھا۔

گھر میں بڑا ہی پرہول سا سناٹا چھایا تھا۔

زویا اتنے ہنگامے میں بھی کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی' جویا نے ساری کپیاں سمیٹ کر اٹھائیں اور اندر چلی آئی' زویا لائٹ بند کر چکی تھی' لیکن باہر سے آتی روشنی کمرے کی تاریکی کو دور کر رہی تھی۔

"زویا۔۔۔ زویا۔"

اس نے تکیوں میں منہ دیے لیٹی زویا کو آواز دی' مگر وہ یوں ہی ساکت لیٹی رہی۔

جویا نے اسے ہلانے کے لیے ہاتھ بڑھایا' مگر پھر فوراً" رک سی گئی۔

سوئے ہوئے کو تو اٹھایا جا سکتا ہے' مگر جو پہلے ہی جاگ رہا ہو۔

اگر وہ اس وقت اکیلا ہی رہنا چاہتی تھی تو اسے یہ رعایت تو ملنی ہی چاہیے تھی۔

مزید کچھ بھی کہے جویا اس کے قریب آلیٹی۔

آنکھوں میں ہمہ وقت جلن سی رہنے لگی تھی' جس کا احساس آنکھیں بند کرتے وقت زیادہ شدت سے ہوتا

تھا' سونے سے پہلے وہ کتنی ہی بار آنکھیں کھولتی اور بند کرتی۔

اور اسی تکلیف دہ وقفے میں وہ اس طرح آسودہ ہوتا جیسے کبھی گیا ہی نہیں تھا۔

اس کی طرف کی ہر کھڑکی' دروازہ' روزن بند ہونے کے باوجود۔

کروٹ لیتی ہوئی جویا نے سختی سے آنکھیں بند کر کے خود اپنے آپ سے نگاہ چرائی تھی۔

ٹک' ٹک ٹک۔

رات لمحہ لمحہ کر کے بیتی چلی گئی۔

صبح نیم گرم اور زرد تھی۔

زویا کا پوائنٹ علی الصبح ہی آتا تھا' اور گھر میں ان دونوں کے علاوہ کوئی بھی سحر خیز نہیں تھا۔ زویا کا ناشتا بنا کر وہ کمرے میں ہی لے آئی تھی۔

"مجھے بالکل بھوک نہیں ہے جویا! بس چائے ہی لوں گی۔"

وہ بالوں میں ہیربینڈ ڈالتے ہوئے نرمی سے منع کر رہی تھی۔

جویا نے دیکھا' اس کی آنکھوں پر ہلکی سی سوجن آرہی تھی' شاید وہ بہت زیادہ روئی تھی گزشتہ رات اور اپنی اس کمزوری پر شرمندہ بھی تھی' جب ہی وہ اس سے نگاہ ملانے سے بھی گریز کر رہی تھی۔

جویا کو اس پر بہت پیار آیا تھا۔

ایک وہی تھی جو گھر میں صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہنے میں ایک پل نہیں لگاتی تھی اور خود اس کے آگے تو ہر وقت دیوار بن کر کھڑی رہتی تھی۔

گھر میں سب سے چھوٹی ہونے کے باوجود سب سے باحوصلہ اور سمجھ دار۔

"ناشتا کرو شاباش' اور کوئی ضرورت نہیں ہے دل پر لگانے کی' ایک نہ ایک دن تو سب ٹھیک ہو ہی جائے گا ان شاء اللہ۔" اس نے قریب آکر بہت محبت سے زویا کو سمجھانا چاہا' مگر وہ اسی طرح دل گرفتہ رہی۔

"تمہیں اب بھی لگتا ہے کہ سب کچھ ٹھیک ہو سکتا ہے جویا' ہمارے حالات بری طرح بگڑ چکے ہیں اور یہ لوگ سنبھلنے' کچھ سبق سیکھنے سے اب بھی قاصر ہیں' مزید کیا ہونا باقی رہ گیا ہے' جس کے انتظار میں یہ اس طرح جانوروں کی مانند لڑ رہے ہیں' ابو کے مقدمے کا اس ہفتے فیصلہ بھی ہو جائے گا۔ اور دیکھ لینا' وہ بجائے اسے قبول کرنے کے آگے اپیل پر جائیں گے' جن چند پیسوں میں شاید کھینچ تان کر اگلے سال کا کرایہ ہی نکالا جا سکتا ہے' وہ عدالت' وکیلوں کے چکر میں چند ماہ میں ٹھکانے لگ جائیں گے۔"

تھکے تھکے سے انداز میں وہ اسے اگلے منظر نامے تک لے آئی اور اس کی کہی کسی ایک بات کی بھی تردید نہیں کی جا سکتی تھی۔

جویا چپ چاپ اس کی شکل دیکھے گئی۔

اور اب تو میں یہ ہی سوچتی ہوں جویا کہ تمہاری شادی اعجاز سے ہو ہی جاتی تو شاید اچھا رہتا' اس جہنم سے تو تمہاری جان چھوٹ جاتی' آرام سے اپنے گھر میں رہتیں' آپا گل کی طرح' یہاں کی اس لاحاصل مشقت سے تو بچ جاتیں نا۔"

"آپا گل کی طرح!" مایوسی کے اس چار سو چھائے کہرے کے باوجود بھی جویا کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔ "اب تم مجھے ایسی بددعائیں تو نہ دو کم از کم' جو ہوا بالکل ٹھیک ہوا اور اگر وہی صورت حال دوبارہ بھی آتی ہے تو میں پھر سے وہی کروں گی جو میں نے پہلی بار کیا تھا۔"

بات کے اختتام پر اس کے انداز میں پھر سے وہی مضبوطی جھلکی جو اس کے دل کا حال سناتی تھی۔

"اور وہ جن کے لیے تم نے ہر خوشی خود پر حرام کرلی ہے' انہیں ذرا سی بھی پروا ہے تمہاری' ان حالات کی' انہیں سب خبر ہے' پھر بھی کبھی پلٹ کر پوچھا معاذ بھائی نے کہ تم کس حال میں ہو۔"

"جب ہمارا کوئی تعلق ہی نہیں تو کسی کے پوچھنے نہ پوچھنے کا کیا سوال اور تم سب نے یہ کیوں فرض کرلیا ہے کہ میں نے معاذ کی وجہ سے شادی سے انکار کیا ہے' مجھے نہیں کرنی تو نہیں کرنی بس۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ جھنجلائی تھی۔

"تمہاری یہ جھنجلاہٹ' یہ غصہ خود گواہی دیتا ہے کہ تم جو کہہ رہی ہو وہ سب جھوٹ ہے۔" زویا کے دل کا بوجھ اتنی گفتگو میں تھوڑا ہلکا ہوچکا تھا' سو وہ اپنا ناشتا شروع کرچکی تھی۔

"مجھے کوئی غصہ نہیں آرہا اور یہ تم سب نے کیا مل کر معاذ کے نام کو میری چڑ بنالیا ہے' آپا کل بھی ہر بات کو کھینچ تان کر یہیں لاتی ہیں' آج تمہیں بھی۔"

"ویسے اللہ معاف کرے' آج ہم دونوں کو ہی صبح صبح آپا یاد آرہی ہیں' کہیں آ ہی نہ جائیں تھوڑی دیر میں۔" زویا نے مسکراتے ہوئے بات کاٹی تھی۔

"نہیں آنے کے لیے کسی کے یاد کرنے کی ضرورت نہیں ہے' وہ آئیں گی اور ضرور آئیں گی' بچنا ناممکن ہے' میں تو خود سوچ رہی ہوں کہ صائمہ باجی کو کہہ کر صبح اسکول کی جاب بھی لے لوں' صبح اسکول سہ پہر پھر ٹیوشن' کافی وقت کٹ جائے گا عافیت میں۔"

جویا اس کے قریب ہی کرسی پر بیٹھی۔

"وہ تو ہے!" زویا نے کچھ سوچتے ہوئے نیم رضامندی ظاہر کی۔

"لیکن بہت کام بڑھ جائے گا تم پر جویا! پہلے ہی کیا کم ذمہ داریاں ہیں' سارا گھر سنبھال رکھا ہے' اوپر سے سلمان بھائی کا قیام بھی طویل ہوتا نظر آرہا ہے اور وہ تو موتا' کبھی کوئی کام کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں' کچھ بھی نہیں چھوڑیں گے تمہارے پاس اور کوفت ہوگی۔"

وہ جلدی جلدی کرکے ناشتا ختم کرچکی تھی۔

اور جویا کے لیے فی الحال اتنا ہی اطمینان کافی تھا۔

"پیسے رکھ لو۔" اس نے یاد دلایا۔

"ہیں ابھی میرے پاس۔" وہ اپنی چیزیں سنبھالتے ہوئے تیزی سے اترتی چلی گئی۔

کم از کم یہ تو ہوا کہ ادھر ادھر کی باتوں میں وہ اپنی اداسی کو ساتھ لے کر نہیں گئی۔

جویا مطمئن ہو کر واپس کچن میں آگئی۔

روز کے کام اس کے منتظر تھے۔

چائے' ناشتا' صفائی اور ابھی تھوڑی دیر میں ان سب کو اٹھ جانا تھا' جو رات کے جھگڑے کو نمٹا کر اب چین کی نیند سو رہے تھے۔

جویا نے فریزر کھول کر دیکھا' پچھلے دنوں کا آیا گوشت' قیمہ سب ختم۔

سلمان کا چٹورا پن اور شاکرہ امی کا لاڈ' کچھ بھی ٹکنے نہیں دیتا تھا' سو آج پھر دال' سبزی۔

اور نتیجتاً سلمان کا خراب موڈ۔

وہ فکر مند ہو کر چائے کا پانی رکھنے لگی۔

کبھی کبھی سوچتی تو صاف لگتا تھا کہ گھر میں ہمیشہ ہی ناشکرا پن چھایا رہا' جب ایک وقت میں دس چیزیں بنا سوچے

سمجھے پکائی گئی تھیں' تب بھی کھانے پر سب کے منہ ہی بنا کرتے تھے' سوچ کر بھی نہیں یاد آتا کہ کبھی کوئی شکر کا کلمہ پڑھ کر دستر خوان سے اٹھا ہے' گھر صرف غرور بھرے قہقہوں سے گونجتا تھا اور اپنے سے پیچھے رہ جانے والوں کو تحقیر بھری نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا۔

کتنے ہی پل' کتنی باتیں۔

پتا نہیں کس کی بددعا لگی تھی۔

معاذ کی! مگر نہیں' وہ تو اتنا بے نیاز کہ بددعا دینے کی بھی فرصت نہیں اور باقی رہ گئیں دادی' تو وہ ضرور آج بھی دکھی ہوں گی۔

ابھی کچھ ہی دیر پہلے اس نے زویا کے سامنے جو اعلان لاتعلقی پوری شدت کے ساتھ کیا تھا' ایک بار پھر خاموشی سے پس پشت ہوا تھا۔

کچھ یادیں جو وہ خود سے بھی چھپائے رکھتی تھی' تنہائی میں آج پھر سے ساتھ نبھانے چلی آئی تھیں۔

سب زویا کا کیا دھرا تھا' نہ وہ صبح ہی صبح معاذ کا ذکر چھیڑتی اور نہ ہی یہ کم گشتہ جھونکا پھر سے اسے چھو کر گزرنے لگتا' سر جھٹک کر اس نے زویا کو ذمہ دار ٹھہرایا اور باہر نکل آئی۔

سامنے کمروں میں بیداری کے آثار نمودار ہونے شروع ہوگئے تھے' لیکن بستر چھوڑنے کے لیے ابھی بھی خاصا وقت درکار تھا۔

گھر میں بیڈ ٹی کی علت رائج تھی۔

ابھی دس ہی بجے تھے' جب اس نے مالک مکان کی بیوی کو اوپر آتے دیکھا۔

شاکرہ امی کی صبح اتنی جلدی نہیں ہوتی تھی' ہڑبڑاہٹ میں کسی دوسرے سوٹ کا دوپٹہ اوڑھ کر وہ مہمان کے استقبال کو تیار ہوئیں اور سلمان اپنے چائے پاپے کی ٹرے اٹھا کر جویا اور زویا کے کمرے میں گیا۔

"ایک تو گھر بھی اتنا چھوٹا لیا ہے کہ جہاں کوئی ایک کونا نہیں ملتا بیٹھنے کے لیے۔"

جویا نے اسے کہتے سنا تھا۔

"پتا نہیں یہ کونا اسے وہاں ندیم کے اس بڑے سے گھر میں کیوں میسر نہیں آسکا' جو وہ یہاں اپنی خواری کروانے کے لیے چلا آیا ہے۔"

جویا کا دل چاہا کہ پوچھ لے' مالک مکان کی بیگم' مختصر سی بات کرنے کے لیے ہی آئی تھی' سو پندرہ بیس منٹ میں چائے پیے بغیر ہی رخصت ہوئیں۔

آپا کل کا ان سے سامنا سیڑھیوں ہی پر ہوا تھا۔

"یہ کیوں اتنا منہ پھلائے گئی ہیں' سلام کا جواب بھی نہیں دیا' دل تو چاہا تھا کہ ابھی اچھی طرح سنادوں' بس ضبط کرگئی۔"

بنا کسی دعا سلام کے' وہ شاکرہ امی کے کمرے میں بولتے ہوئے داخل ہوئیں۔

وہ ابھی ابھی موصول ہوئی نئی الجھن میں گرفتار تھیں' بچی سی گئیں۔

"بڑی مہربانی کی ہمارے حال پر جو تم ان سے نہیں الجھیں' ورنہ ابھی جو مہینے کا نوٹس ان کی طرف سے ملا ہے' گھٹ کر ہفتے کا بھی نہیں رہتا۔"

"کیا مطلب؟" وہ بری طرح چونکیں۔

"گھر خالی کروا رہے ہیں ہم سے مالک مکان' یہ جو آفت مچی رہتی ہے نا' اس سے عاجز آگئے ہیں' کہہ رہی تھیں کہ ہم نے تو شریف لوگ سمجھ کر دے دیا تھا کرائے پر' اب بھلے خالی پڑا رہے' وہ منظور ہے۔"

شاکرہ امی رو دینے کو ہو رہی تھیں۔ زندگی میں سوائے اپنے میاں کے انہوں نے کسی کی الٹی سیدھی نہیں سنی تھی' آج ایک عام سی عورت علی الاعلان بے عزتی کر کے چلی گئی۔

آپا گل کو ان سے بھی زیادہ غصہ آ رہا تھا۔

"دو ٹکے کی مٹھی بھر کر کرایہ دیتے ہیں اس پھٹیچر سے گھر کا پھر بھی اتنے نخرے' اس گھر کو تو کوئی مفت میں بھی نہ لے۔ بالکل کھنڈر تو ہو رہا ہے۔"

"آہستہ بولیں آپا! اگر انہوں نے سن لیا تو پھر تو ہمیں آپ کو اپنے ہی گھر لے جانا پڑے گا۔" جویا نے دھیمے لہجے میں یاد دلایا تو وہ فکر مندی ہو کر واقعی خاموش ہو گئیں' شاکرہ امی نے انہیں رات کا تازہ جھگڑا سنانا شروع کر دیا تھا' سلمان ابھی تک دوسرے کمرے میں تھا سو کہنے سننے کی تھوڑی سی آزادی تھی۔

"میری مانئے تو سلمان کو ابو سے کہہ کر کہیں کام پر لگوائیں' گھر بیٹھ بیٹھ کر بالکل ہی نکما ہو جائے گا' اب اگر زوبیہ سے اس کی صلح نہیں ہو رہی ہے تو کیا عمر بھر گھر میں ہی بیٹھا رہے گا' آخر پہلے بھی تو نوکری کرتا ہی تھا۔" بڑے عرصے بعد آپا گل نے کوئی ڈھنگ کی بات کی تھی۔ مگر شاکرہ امی نے مایوسی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہ گاڑی' نہ موٹر سائیکل' نوکری ڈھونڈے گا کہاں' دس چکر لگانے پڑتے ہیں آفسوں کے' کیسے آرام سے رہ رہا تھا وہاں ڈیفنس میں' دشمنوں کی نظر کھا گئی میرے بچے کو۔" انہیں سلمان کا غم اب بھی چین نہیں لینے دیتا تھا۔

آپا گل نے ناگواری سے ہاتھ ہلایا "اب دشمنوں کا رونا چھوڑ دیں' ان کے تو خوب مزے آ رہے ہیں' باپ بیٹا دونوں ہاتھوں سے کما رہے ہیں' کل اچانک ہی مل گئیں شائستہ چچی' زبیر ماموں کے گھر' معاذ کے ساتھ گاڑی میں آئی تھیں اور پہلی بار سونے کی چوڑیاں بھی ہاتھ میں تھیں' میری تو جان ہی جل کر رہ گئی ان کے ٹھاٹھ دیکھ کر۔" کمرے میں سے باہر صحن تک ان کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی' باہر کھڑی جویا کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

"سونے کی چوڑی!" شاکرہ امی کی نگاہ بے ساختہ اپنے خالی ہاتھوں پر گئی "ایک منہ دو پوری بارہ چوڑیاں۔"

انہیں اپنی چوڑیوں کے ساتھ کتنا ہی کچھ یاد آیا۔

"آج کل معاذ کے لیے لڑکیاں دیکھتی پھر رہی ہیں' پچھلے دنوں سنا ہے کسی ڈاکٹر لڑکی سے رشتہ طے ہو رہا تھا' بلکہ طے ہو ہی چکا تھا' مگر اچانک ہی ختم ہو گیا۔ ابھی تک وجہ پتا نہیں چلی ہے' مگر کب تک چھپی رہے گی' پتا تو چل ہی جاتا ہے' اصل میں تو جو لڑکی معاذ نے گھر میں لا کر رکھی ہے۔ اس کی وجہ سے بدنامی ہو رہی ہے اسلام چچا کے گھر کی۔ کچھ لوگ تو کہہ رہے ہیں کہ معاذ نے نکاح کر رکھا ہے اس سے۔"

"نکاح تو شرعی کام ہے' اس لڑکے کے اطوار تو اللہ معاف کرے' پتا نہیں کیا کروا کر چھوڑیں گے۔ شکر ہے کہ ہم تو بال بال بچ گئے۔"

شاکرہ چچی کی آواز میں آج ہمیشہ جیسی کھنک نہیں تھی۔ معاذ کے حوالے سے سب کچھ کہا اور سنا جا چکا تھا' اور وہ یہ سب سننے کی عادی' مگر آج ایک چوٹ اضافی تھی۔

"تو تم اب شادی کر رہے ہو' ٹھیک ہے۔" ہاتھ میں لیے ڈھنگ کے کپڑے کو ایک طرف رکھ کر اس نے بہت بہادری سے اس اطلاع کو جھیل لینا چاہا کہ بہت عرصے سے ایسا کچھ متوقع تھا مگر بے یقینی کے اس طویل دورسے گزر جانے کے بعد بھی شاید وہ وہیں کھڑی رہ گئی تھی۔

"جویا اے جویا!" اندر سے آپا گل بے تابی سے پکار رہی تھیں۔ اس نے ہتھیلی سے رگڑ کر اپنی آنکھیں خشک کیں۔

"جویا ارے کہاں چھپی بیٹھی ہو' بات تو سن لو۔"

حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ یہاں کہا ہر لفظ کچن تک بھی جا رہا ہے' لیکن وہ ایسی ہی تھیں۔ پوری طرح توڑ پھوڑ مچا کر تماشا دیکھ کر لطف اندوز ہونے والی۔

وہ کم از کم انہیں یہ خوشی بخشنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

"آ رہی ہوں۔" اس نے قدرے اونچی آواز میں کہا اور خود کو کمپوز کرتی ہوئی اندر چلی آئی۔

"کیا ہوا؟" وہ اب بہت غور سے اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

"کچھ نہیں۔ آپ نے ہی تو آواز دے کر بلایا ہے۔" اس کا لہجہ بالکل نارمل تھا' اور چہرہ بالکل بے تاثر۔

وہ جو کچھ دیکھنا چاہ رہی تھیں' دیکھنے کو نہیں ملا تو بدمزہ سی ہو گئیں۔ "اگر فارغ ہو تو میرے ساتھ بازار چلی چلو' بہت ساری شاپنگ کرنی ہے مجھے اپنے اور بچیوں کے لیے' تم ساتھ ہو گی تو ذرا آسانی رہے گی۔"

"کس میں' سامان اٹھانے میں؟" اس نے برجستہ کہا اور ہنس پڑی' وہ حسب عادت برا مان گئیں۔

"میں تو یہ سوچ کر کہہ رہی تھی کہ ایک آدھ جوڑا تمہیں اور زوبیا کو بھی دلا دوں' کب سے کوئی نیا کپڑا نہیں بنا ہے تم لوگوں کا' اگلے سے اگلے ہفتے میرے ہاں قرآن خوانی ہے' وہاں کے لیے کوئی ڈھنگ کے کپڑے تو چاہئیں نا تم دونوں کے لیے۔"

"آپ فکر نہ کریں' ہمارے پاس ابھی تک ڈھنگ کے کپڑے باقی ہیں' پہن لیں گے کچھ نہ کچھ! ویسے قرآن خوانی کس خوشی میں ہونا ہے؟" آج سے پہلے اس نے ان کے ہاں سوائے سالگرہ کے اور کچھ نہیں سنا تھا' سو تھوڑی حیرت سے پوچھنے لگی۔ آپا گل بڑے فخر سے مسکرائیں۔

"اوپر کے دو کمرے بنے ہیں بچوں کے لیے' اب پوری طرح سیٹ بھی ہوئے ہیں' ایک بڑا سا لاؤنج وہ بھی ماشاء اللہ پوری طرح فرنشڈ' جو بھی دیکھ رہا ہے' تعریف کرتے نہیں تھک رہا۔ سوچ رہی ہوں ایک ساتھ سب ہی کو بلا لوں۔"

"تعریف کرنے کے لیے۔" وہ ایک بار پھر بولی تھی۔ مگر اس بار آپا گل برا ماننے کے بجائے ہنس پڑیں۔

"یہی سمجھ لو! اکبر تو حیران ہیں کہ اتنی آسانی سے سب کچھ کیسے ہو گیا' میں نے کہہ دیا کہ شکر کریں مجھ جیسی سمجھ دار بیوی ملی' ورنہ اپنے دونوں بھائیوں کی طرح ابھی تک بچوں کے ساتھ ایک ایک کمرے میں ہی پھنسے رہ جاتے۔"

"یہ وہی سامان ہے جو تم نے جویا کی سسرال سے اٹھوایا تھا۔"

شاکرہ امی نے آپا گل سے بڑا بے وقت پوچھا تھا۔

"ہاں وہی ہے امی! اب دیکھ لیں' وہاں پڑا رہ جاتا تو پتا نہیں کیا حشر ہو چکا ہوتا' اب کام میں تو آ گیا اور مجھے ویسے بھی آپ نے بہت سی چیزیں نہیں دی تھیں' اب کچھ تو حساب برابر ہوا۔"

شاکرہ امی کا منہ حیرت سے کچھ کھلا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں۔" وہ ذرا بھی شرمندہ نہیں تھیں۔

"جب پیسے ہوں گے' دے دیں گے ابھی تو آپ کی ہی سارے میں عزت بڑھی ہے نا۔"

"اور یہ تم اب تک بیٹھی ہو' چلنا ہے تو تیار ہو جاؤ' مجھے بھی دیر ہو رہی ہے۔" انہوں نے جویا کی طرف ذرا بگڑے ہوئے موڈ میں دیکھا۔

"نہیں آپا! مجھے رہنے دیں۔ ابھی سارا کام پڑا ہے اور ابو' سلمان بھائی دونوں ہی کو وقت پر کھانا چاہیے ہوتا

ہے۔"

وہ سکون سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہ جاؤ تمہارے ہی بھلے کے لیے کہا تھا 'نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے۔"

وہ ان کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی باہر نکل آئی تھی۔ عجیب بات تھی۔

آپا گل یا سلمان 'دونوں ہی طرف سے ہونے والا خود غرضی کا کوئی بھی نیا مظاہرہ 'دل کو تکلیف سے زیادہ خوشی پہنچانے لگا تھا 'اس بات سے قطع نظر کہ وہ بقیہ گھر والوں کے لیے کیا ثابت ہو رہا ہے۔ شاید وہ ان کی اصلیت کو سامنے آتا دیکھنے کی کب سے خواہش مند تھی۔

بھلے کوئی فرق پڑے نہ پڑے 'آج ایک پرت اور اتری تھی۔

☆ ☆ ☆

آسمان پر ستاروں کا روپہلا غبار پھیلا تھا 'اور شہر گہری ہوتی رات کے سحر میں مکمل گرفتار۔

سالار نے گھر کی طرف جانے والے آخری موڑ پر گاڑی کو موڑا اور کیتی کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"پتا ہے کیتی! مجھے ہمیشہ ایسا لگتا تھا جیسے میری اور تمہاری شادی کی سب سے زیادہ مخالفت تمکینہ آنٹی کی طرف سے آئے گی میں ان سے ہمیشہ بہت ڈرتا رہا اور وہ بھی مجھے کچھ خاص پسند نہیں کرتی تھیں 'مطلب مجھے کچھ ایسا ہی لگا ہمیشہ۔ نانی کی مخالفت کے بارے میں تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا 'مگر دیکھو بالکل الٹ ہوا۔"

"لوگ عموماً "توقع کے برعکس ہی نکلتے ہیں 'آپ بھی تو میری امید کے بالکل برخلاف ہی کراچی سے چلے آئے 'ورنہ میں تو مایوس ہی ہو چکی تھی مکمل طور پر 'جا کر ایک بار بھی خبر نہیں لی تھی آپ نے اتنے مہینے۔"

سالار صرف مسکرایا تھا۔

"بہت کچھ ہے ایک دوسرے سے کہنے سننے کے لیے ہمارے پاس۔ سناؤں گا اپنی مجبوریوں کی داستان بھی تمہیں 'بلکہ اپنی زندگی کی کہانی 'کراچی پہنچنے سے پہلے تمہیں بہت کچھ جاننا ہو گا کیتی یہ ضروری ہے۔"

گاڑی گھر کے گیٹ پر تھی 'اور گارڈ نے مستعدی سے دروازہ کھولا تھا 'سالار تیزی سے گاڑی اندر لیتا چلا گیا۔

برآمدے کی سیڑھیوں کے پاس بیٹھا ہوا راجو انہیں دیکھ کر اٹھ کر کھڑا ہوا تھا۔

سالار نے صبح کیتی سے ملازمین کی باقاعدہ رسم تعارف بھی نمٹادی تھی 'سو اب اپنائیت کا احساس نمایاں ہو رہا تھا 'وہ کیتی کے ہاتھ میں 'شاپنگ کا شاپر دیکھ کر آگے بڑھا تھا۔

"لائیے بھابھی! میں کمرے تک پہنچا دوں سامان۔"

سالار نے زور دے کر کہا تھا کہ وہ یا کوئی بھی کیتی کو بیگم صاحبہ کہنے کی غلطی ہرگز بھی نہ کرے۔

"مجھے اچھا نہیں لگتا 'حالانکہ یہ راجو مجھے منع کرنے کے باوجود سالار صاحب ہی کہتا ہے۔ مگر تمہارے معاملے میں سختی کرنے والا ہوں۔ "اس نے مصنوعی سا رعب دکھایا تھا 'تو وہ سب ہی ہنس پڑے تھے۔

کیتی کے لیے یہ سب اس خواب کی تعبیر تھا جو ڈر کے مارے اس نے کبھی دیکھا بھی نہیں گیا تھا 'بس یوں ہی دور دھندلکے میں لپٹا ہوا کوئی منظر۔

"آپ تکلیف مت کریں راجو بھائی! ہلکا سا شاپر ہے۔ "نرمی سے کہتی ہوئی وہ اندر جانے لگی 'تب ہی سالار نے پیچھے سے آواز دی تھی۔

"ہم لوگوں کے لیے ذرا چائے بنوا کر بھجوانا کیتی! مجھے راجو سے کچھ بات کرنا ہے۔"

"جی! "اس نے مسکرا کر صرف اتنا ہی کہا اور اندر مڑ گئی۔

"وہ میں خود ہی چائے بنا کر لے آتا ہوں 'سر بھابھی کو کیوں۔ "راجو کو عجیب سا لگا تھا 'مگر سالار کے ہاتھ کے اشارے نے بات کو ادھوری چھوڑنے پر مجبور کیا۔

"وہاں بیٹھتے ہیں۔ "اس نے سامنے پڑی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔ "کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں مجھے تم سے 'نبیل کے بارے میں۔ "بنا کسی تمہید کے سالار نے بات شروع کی تھی۔

"جی! "راجو نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

سالار بہت پرسکون انداز میں بیٹھا تھا۔ "گھبراؤ نہیں راجو! یہ میرے لیے ضروری ہے کہ میں یہ سارا قصہ شروع سے جان لوں 'تب ہی ہم کسی ٹھیک نتیجے پر پہنچیں گے 'تم نے کل کہا تھا کہ وہ وہاں بھی جاتا رہا ہے 'جب یہاں لاہور میں تھا۔"

"جی! "راجو نے دھیرے سے سرہلایا "وہاں برابر والے چوبارے پر۔ ان کا زیادہ وقت وہیں گزرا تھا 'ان کا جو میزبان تھا یہاں وہ بیگم زرتاج کا ہی آدمی ہے 'وہ ہی نبیل کو۔"

آہستہ آہستہ وہ اسے ساری تفصیل سنائے گیا۔ چائے بن کر آچکی تھی اور چائے ختم ہونے کے ساتھ ہی نبیل کی لاہوری تفصیلات بھی۔

گو کچھ ایسا نیا نہیں تھا 'پھر بھی جاننا ضروری تھا۔

سالار نے اٹھنا چاہا 'تب ہی راجو دھیرے سے بولا۔

"نبیل پہلے ہمارے محلے میں ہی رہتا تھا سر! اسے میں نے ہی زرتاج میڈم کے پاس نوکری دلوائی تھی 'اور یہ بات کسی کو بھی نہیں پتا ہے 'زرتاج میڈم کو بھی نہیں۔"

"کیا؟ "اس بار وہ واقعی چونکنے پر مجبور ہوا تھا۔

"اور۔۔۔ اور کیا جانتے ہو اس کے بارے میں 'اس کا خاندان 'اس کا بیک گراؤنڈ۔۔۔"

سالار کو یکایک ہی بہت گہری دلچسپی اس نئی کہانی میں محسوس ہوئی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

زرتاج بیگم کے بیٹے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ بیٹے کی بیلی جمعرات کو بیل سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ [illegible] سعیدہ [illegible] بھی [illegible] ہی خدمت [illegible] مدد کے سلسلے [illegible] عظمت [illegible] بیگم کی خاص [illegible] ہے [illegible] اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان [illegible] زویہ کی عادت سے [illegible] کرتے [illegible] آیا ہے۔ [illegible] ہیں [illegible] خواہشات کے مطابق ہے۔ اظہار چچا شاکرہ بیگم [illegible] کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام [illegible] زویہ کو [illegible] والے تھے اور [illegible] ہیں۔

[illegible] کے بیچے رہنے کے معاملے پر معاذ پر [illegible] حیرت [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible] صاحب کی [illegible] اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے [illegible] معاذ [illegible] کے حالات سے [illegible] ہے۔ [illegible] خاندان [illegible] اور زویہ [illegible] سے خوب خفا [illegible] ہے [illegible] معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

[illegible] کے جواب [illegible] دن [illegible] بڑھتی جا رہی ہے [illegible] ہے۔ [illegible] کرتی ہے۔ [illegible] کی تمام [illegible] وابستہ ہیں۔ [illegible] زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں [illegible] دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ [illegible] اسے [illegible] سے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام [illegible] کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ [illegible] دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ [illegible] سے دو چار رکھتی ہے۔ [illegible] خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا صرف بابو شوکت سے اس کی [illegible] تمام تر احتیاط کے باوجود [illegible] چوری ہو جاتی ہے۔ یہ [illegible] ہے [illegible] مستقبل کی امانت [illegible] جاتا ہے۔

زرتاج بیگم [illegible] دیگر عورتوں کی طرح [illegible] اور خود [illegible] کا شکار ہیں۔ [illegible] ہے۔ انہیں [illegible] کی عادت ہے۔ [illegible] کا تعلق [illegible] کی نظر میں ہے۔ [illegible] سے [illegible] استفادہ کرتا ہے۔ [illegible] نظروں کی نذر میں رکھتی ہے [illegible] ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف [illegible] فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں [illegible] چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ [illegible] جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت [illegible] ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر تیتی کی چوڑیاں اسے پیار کی زنجیر سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جو بلکہ رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر عزیزہ آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی [illegible] باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکرام [illegible] سے معاذ کو [illegible] نوکری [illegible] دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والدین سے کرتا ہے تو وہ معاذ [illegible] ہیں۔

سلمان زویہ کے گھر میں [illegible] ہو چکا ہے اور شاہ زونا [illegible] ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

جویا [illegible] رشتہ [illegible] ہوا [illegible] ہے جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی کوششیں شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے۔ [illegible] جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے [illegible] ہوتا ہے۔ جویا کے رشتے پر [illegible] اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زویہ جویا کو [illegible] رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زویہ آپا گل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ تاہم جویا اس کے [illegible] ہے۔ [illegible] صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچ گئی ہے۔ ایسے میں اپنے ساتھ [illegible] کرتے [illegible] اسے ساتھ لے چلنے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ گر جاتی ہے تاہم وہ نانی [illegible] کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

۴۴

چوالیسویں قسط

"مجھے لگتا ہے کہ اللہ نے میرے کچھ قصور ضرور معاف کر دیے ہیں۔"

"اچھا!" معاذ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور مسکرا دیا۔

"لگتا ہے 'خاصے صاحب نظر ہو' جو ایسے اندازے بھی لگا لیتے ہو۔"

"ارے توبہ کیجئے 'میں گناہ گار کہاں کا صاحب نظر۔" اس نے انکساری سے اپنے کان کی لو کو چھوا۔ "سنا تھا کہ جب انسان کے جائز کام بنا کسی بڑی رکاوٹ کے ہونے لگیں اور زندگی میں سکون کا چاہے ہلکا سا ہی احساس جاگنے لگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہے اور ایسے میں انسان کو اپنی شکر گزاری بڑھا دینا چاہیے۔"

کمرے کے کھلے دروازے سے باہر نظر آتی ہریالی پر نگاہ جمائے وہ کسی اور دھیان میں تھا۔

"کس سے سنا تھا۔" معاذ نے سامنے کھلی کاپی کو چیک کرتے ہوئے یونہی سرسری سے انداز میں پوچھا تو۔

"اپنی نانی سے۔" "یقیناً" بے ساختہ ہی کہہ گیا۔ معاذ نے کچھ چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"بہت اچھی بات کہی انہوں نے 'بیبیوں کا میسر ہونا باعث رحمت ہوتا ہے اور ان کی قدر کرنے والے بانصیب۔"

خیام کا دل بڑے ناخوش گوار انداز میں دھڑکا تھا۔ اسے لگا جیسے اب معاذ کا اگلا سوال نانی کے بارے میں ہی ہو گا' مگر ایسا نہیں تھا۔

"شکر اور صبر دونوں ہی کا بڑا درجہ ہے خیام! صبر مصیبت کو ٹالتا ہے اور شکر نعمت کو بڑھاتا ہے۔ تم اپنی زندگی میں اس بات کا ضرور تجربہ کر کے دیکھنا ہمیشہ کامیاب رہو گے۔" معاذ کی نگاہ کاپی پر تھی اور ہاتھ تیزی سے چل رہا تھا۔ اس نے نانی کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ پھر بھی خیام کا سر شرمندگی سے جھکا۔

ذہن پر بہت زور ڈالنے کے باوجود بھی یاد نہیں آتا تھا کہ وہ کبھی بھی اپنی تقدیر سے جڑے فیروزہ جان نامی دکھ پر صبر کر سکا ہو یا مہربانی ستارہ کے زیر سایہ گزرنے والی اپنی انتہائی آرام دہ زندگی پر شکر گزار ہو سکا ہو۔

اس کے پاس صرف غصہ' نفرت اور حقارت کا ہی کھاتہ کھلا رہا۔

دوسروں کے حساب میں بھی اور اپنے میں بھی۔

وہ سب جو اس سے بے حد محبت کرنے کے باوجود آج بھی معتوب تھے۔

"کیا سوچ رہے ہو۔" معاذ نے آخری کاپی بند کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"اتنے خاموش مت رہا کرو خیام! یہاں اتنے بچے آتے ہیں۔ ریحان وغیرہ ہوتے ہیں۔ سب سے گھلنے ملنے کی کوشش کرو۔ بہت سارے دوست بن جائیں گے تمہارے۔"

"میں نے کبھی کوئی دوست نہیں بنایا معاذ بھائی! مجھے نہیں پتا دوست کیسے بنائے جاتے ہیں۔"

اس کے لہجے میں وہی اعتراف جرم والی شرمندگی جس کے پیچھے درد کا نامعلوم کون سا گہرا سلسلہ تھا۔

معاذ نے جو اس روز مزید کچھ نہ پوچھنے کا تہیہ کیا تھا۔ اس پر کاربند تھا' سو دل میں اٹھتے سوال کو جھٹک کر مسکرا دیا۔

"دو دوست تو تم اب تک بنا ہی چکے ہو' ایک ساجد اور ایک میں 'پھر بھی کہتے ہو کہ۔ کوئی دوست نہیں۔" وہ کچھ چونک سا گیا۔

"آپ مجھے اپنا دوست سمجھتے ہیں؟"

"کیوں کیا میں اس قابل نہیں لگتا تمہیں کہ مجھے اپنا دوست کہہ سکو۔" معاذ خوش دلی سے ہنسا۔

"نہیں نہیں کیسی بات کرتے ہیں۔" وہ بری طرح جھینپا۔

"میں تو خود کو اتنا خوش نصیب نہیں سمجھتا تھا کہ آپ مجھے دوستوں کی لسٹ میں شامل کرلیں گے۔"

"اب اتنی بھی انکساری مت برتو۔ اتنے ہینڈسم اور بلاشبہ خوب صورت لڑکے ہو۔ کبھی ٹی وی یا فلم کا رخ کرنے کے بارے میں کیوں نہیں سوچا خیام! تم تو ٹھیک ٹھاک ہیرو آسکتے ہو کسی فلم میں۔"

کاپیاں سمیت کر الماری میں رکھتے ہوئے جو بات معاذ نے محض یوں ہی اسے خوش کرنے کے لیے کی تھی' بدقسمتی سے اس کا سرا بھی خیام کے اس پرانے گھرے کمپلیکس سے تھا' سو وہ جوابا ہنس بھی نہیں سکا۔

"پھر کچھ غلط کہہ گیا میں۔" معاذ اس کے اترے ہوئے چہرے کا نوٹس لیے بغیر نہیں رہ سکا۔

"ارے نہیں!" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "بس چائے بنا کر لاتا ہوں آپ کے لیے۔" اس بار وہ معاذ کا جواب سننے کے لیے رکا نہیں تھا۔

معاذ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے جیسے تھکن سی اتاری۔ بچے بڑھتے جارہے تھے۔ ابتدائی حساب کتاب اور اردو لکھنا پڑھنا سیکھ کر بہت سے واپس اپنے کاموں پر واپس چلے جاتے تھے اور کچھ آگے پڑھائی جاری رکھنے پر تیار ہوجاتے۔ جو بھی تھا ملک میں شرح خواندگی کے انتہائی نچلی سطح کو چھوتے گراف کو تھوڑا سا بہتر کرنے کی ایک چھوٹی سی مثبت کوشش کامیاب ہوئی تھی۔

"کاش ایک بہت چھوٹا سا حصہ سب ہی ڈال سکیں تو کیا بہتری نہیں لائی جاسکتی۔" وہ عادتاً ایسی فکریں پالتا تھا' جو خود اپنی طرف توجہ جانے سے بڑی خوبی سے بچالیتی تھیں۔ خیام چائے بنا کر لا رہا تھا تب ہی چھوٹے سے گیٹ کو کھول کر ساجد اندر آتا ہوا دکھائی دیا۔

خیام اسے دیکھ کر برآمدے میں ہی رک گیا۔

ساجد کے گلے میں بسکٹ' ٹافیوں کا وہی خوانچہ لٹکا ہوا تھا' جو وہ لے کر سارے شہر میں گھومتا تھا۔

"چائے پیو گے۔"

"دے دیجیے۔" اپنے گلے سے بوجھ اتارتے ہوئے اس نے فوری ہامی بھری تھی۔

خیام' معاذ کے سامنے چائے کا کپ رکھ کر دوبارہ کچن میں چلا گیا۔ واپس آیا تو ساجد سینہ پکڑے بری طرح کھانس رہا تھا اور معاذ بہت تشویش سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"چلو میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتا ہوں' کتنی بڑھ گئی ہے تمہاری کھانسی اور بخار بھی کتنا تیز ہورہا ہے۔"

"میں دوا لے رہا ہوں معاذ بھائی! دکھایا تھا ڈاکٹر کو۔ انہوں نے کہا ہے تھوڑے دن لگیں گے ٹھیک ہونے میں۔" وہ بمشکل سانس پر قابو پاسکا تھا۔

مگر معاذ مطمئن نہیں تھا۔

"خالی دوا سے کچھ نہیں ہوگا۔ تمہارا ٹریٹمنٹ ہونا ضروری ہے اور یہ اپنی دکان داری بھی کچھ دن کے لیے بند ہی کردو تو اچھا ہے۔ فی الحال تمہاری صحت اتنی محنت کی اجازت نہیں دے رہی ہے۔ آرام کرو گھر پر۔"

ساجد تلخی سے مسکرادیا۔

"آرام کے لیے ہی تو میں گھر سے باہر جاتا ہوں۔"

"مطلب؟" معاذ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں۔ وہ میں کچھ دینے آیا تھا۔" اس نے خیام کو مخاطب کیا تھا اور ساتھ ہی شرٹ میں اندر کی طرف خصوصی طور پر لگائی گئی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹا سا احتیاط کے ساتھ بندھا ہوا شاپر نکالا۔ گرہ در گرہ۔ معاذ اور خیام دونوں ہی نے صبر سے ان گرہوں کے کھلنے کا انتظار کیا تھا۔

"یہ نہیں۔" اس نے اپنا ہاتھ خیام کے ہاتھ پر رکھا۔

سونے کی وہی دو نازک سی چوڑیاں خیام کے ہاتھ پر جگمگا رہی تھیں جن کی اب وہ آس تک چھوڑ چکا تھا۔

"یہ کہاں سے ملیں تمہیں ساجد؟" اس کے لہجے میں بڑا اطمینان آیا تھا۔ معاذ نے بہت غور سے خیام کے چہرے پر اترتی جذباتیت اور ان دو جگمگاتی چوڑیوں کو دیکھا۔

دونوں کے بیچ عجب سا ناں میل تھا۔ بنا کچھ کہے بتائے بھی سمجھ میں آرہا تھا' مگر اس سے آگے کی اگوائری ممکن نہیں تھی۔

"بس مل ہی گئیں۔ آپ سے وعدہ کیا تھا نا میں نے' پھر کیسے نہ لاتا' چاہے جان بھی دینا پڑجاتی' مگر آپ ساجد کو وعدہ خلاف تو پاتے۔ یہ مرد کی زبان ہے۔"

اس کی آواز میں بڑا انوکھا سا دبدبہ تھا' جو متاثر کرنے کے بجائے لبوں پر ہنسی لا رہا تھا۔

معاذ نے ایک ہاتھ ساجد کے کندھے پر جمایا۔

"اتنی سی عمر میں اتنی بڑی باتیں۔"

"جب اتنی سی عمر میں بڑے کام کررہے ہیں تو باتیں کرنے میں کیا حرج ہے معاذ بھائی!" معاذ کی بات کا جواب دیتے ہوئے چائے کا آخری گھونٹ ساجد نے حلق سے نیچے اتارا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ "چلتا ہوں۔"

"رک جاؤ' تھوڑی دیر آرام کرلو' جلدی کیا ہے۔"

معاذ نے اسے روکنا چاہا تھا' مگر وہ اب بیٹھنے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"تھوڑا سا مال باقی رہ گیا ہے' وہ بھی بیچنا ہے' پھر فارغ ہوکر ہی گھر جاؤں گا' سامان کم بکے تو مالک غصہ کرتا ہے۔ کہتا ہے حرام خوری کی عادت ہے تم سب لوگوں کو۔ کریں تو کیا کریں۔" اپنی بات کہہ کر وہ ہنس پڑا تھا' لیکن ان دونوں میں سے کوئی بھی اس کا ساتھ نہ دے سکا۔ وہ تینوں برآمدے سے نکل کر اب صحن میں آچکے تھے۔

"آپ کا اسکول تو ماشاء اللہ اب بہت اچھا لگنے لگا ہے معاذ بھائی! ہر چیز بڑی سیٹنگ میں آگئی ہے۔"

اس نے ایک تعریفی نگاہ' اس سارے منظر پر ڈالی' جہاں اب واقعی قاعدے قرینے کا دور دورہ تھا۔ ترتیب سے رکھی کرسیاں' میز' ریک پر کتابیں' گملوں میں کھلے خوش رنگ پھول اور دھلا دھلایا فرش۔

"اب یہ سب خیام کی بدولت ہے۔ اس نے بڑی فکروں سے ہمیں آزاد کردیا ہے۔ اس بار تم نے ہمیں واقعی کام کا آدمی دیا ہے ساجد! مجھے تو تمہارا باقاعدہ شکریہ ادا کرنا ہے۔" خیام اور ساجد دونوں ہی اس تعریف پر مسکرائے تھے۔

"خیام بھائی کو اپنے پاس رکھنا' آپ کا مجھ پر ذاتی احسان ہے معاذ بھائی!" ساجد کچھ جذباتی ہوا۔

"اوں ہوں!" معاذ شرارت سے مسکرایا۔ "اگر تمہیں ذاتی احسان کا اتنا ہی شوق ہے تو اسے زری کے کھاتے میں ڈالو' خیام کے نہیں۔"

"مجھ پر تو آپ دونوں ہی کا احسان ہے۔ ساجد کا کہ وہ مجھے آپ تک لایا اور آپ کا کہ آپ نے مجھے اپنے پاس رہنے کی اجازت دے دی' ورنہ پتا نہیں۔"

اتنے لمبے عرصے دھکے کھانے کے بعد وہ اچھا خاصا رف اینڈ ٹف ہوچکا تھا' مگر کبھی کبھی دل پر چوٹ بھی کسی نئے زاویے سے پڑتی تھی۔

"اچھا' اب یہ باہمی تعریف کا سلسلہ بند کرو۔ ساجد کو دیر ہورہی ہے۔" معاذ نے اسے خوانچہ گلے میں لٹکائے کھڑا دیکھ کر اس کی تکلیف کا احساس کیا تھا۔

"سنو ساجد! تم کچھ دن کے لیے یہ سامان مجھے دے دو' میں بیچ آیا کروں گا۔ تم یہاں آکر حساب کرلیا کرنا' چند دن

ذرا آرام ملا۔ خیام نے ساجد کی پریشانی اور مسئلے کا ایک بڑا موزوں حل نکال ہی لیا تھا۔ معاذ نے تعریفی نظروں سے خیام کو دیکھا۔

"بات کچھ ایسی نامناسب بھی نہیں ہے۔ چند گھنٹے کے لیے خیام کام کر سکتا ہے۔"

خیام اسے بتا چکا تھا کہ وہ چند ماہ یہ کام ساجد کے ساتھ مل کر کر چکا ہے۔

اور حلال روزی کے کسی ذریعے میں معاذ کے نزدیک کبھی بھی کچھ بھی باعث شرم نہیں تھا۔

"اور تم ہی کیوں میں بھی مدد کر سکتا ہوں۔"

"خیر آپ تو نہیں۔" ساجد اور خیام دونوں ہی نے اتنی تیزی سے کہا کہ معاذ ہنستا چلا گیا۔

"اچھا لیکن زیادہ دو مت جایئے گا اور بس تین چار دن اس سے زیادہ نہیں۔"

وہ اپنا خوانچہ واپس رکھتے ہوئے خیام سے کہہ رہا تھا۔ خیام اور معاذ دونوں اس کے ساتھ چلتے ہوئے باہر تک آئے تھے۔

روٹ کی بس سڑک کے دوسرے طرف آئی تھی، سو وہ تیزی سے سڑک کراس کر گیا۔

بس سامنے سے آرہی تھی۔

اور بس میں چڑھتے ہوئے وہ ایک بار پھر بری طرح کھانس رہا تھا۔ معاذ اور خیام نے ایک دوسرے کو تشویش سے دیکھا۔

☆ ☆ ☆

تایا کے ہاں ہونے والی قرآن خوانی، آہستہ آہستہ ایک بڑے فنکشن میں تبدیل ہو رہی تھی۔

قرآن خوانی کے بعد درس پھر میلاد۔

حالانکہ ان کے کسی بچے کی سالگرہ ابھی اگلے چار ماہ تک بھی نہیں تھی مگر اتنا سب ہونے کے بعد حرف آخر کے طور پر انہیں سالگرہ بھی یاد آرہی تھی۔

"اتنا اچھا کھانا پکوا رہی ہوں تو پھر ایک کیک کی ہی تو کمی رہ جاتی ہے۔ سالگرہ ہوگی تو سارا خرچا نکل کر بھی نفع ہو جائے گی۔"

انہوں نے داد طلب نگاہوں سے سب کی طرف دیکھا۔ زویا اور حریا کے لیے ان کی بات غیر متوقع نہیں تھی پھر بھی تھوڑا سا افسوس تو ہوا ہی تھا لیکن شاکرہ امی نے خوب پیٹھ ٹھونکی۔

"اتنی مہنگائی میں اسی طرح چلنا چاہیے۔ ہاتھ کے ہاتھ حساب برابر ہو جائے گا اور ساتھ میں واہ واہ بھی ہو جائے گی۔"

"کوئی واہ واہ نہیں ہوگی۔ سب ہی پیچھے بات کرتے ہیں اور آپا! آپ کے بارے میں تو ویسے ہی خاندان بھر میں مشہور ہے کہ صرف لینا ہی لینا آتا ہے۔ آپ کو دینی دلانی کچھ نہیں ہیں کسی کو ثواب کے لیے لوگوں کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقع مت دیں۔ قرآن خوانی کرانا ہے کریں۔ لوگ مٹھائی کے ڈبے تو لے ہی آئیں گے آپ کے لیے۔"

زویا عادتاً بولتی کی بیچ میں۔

تایا کل اور شاکرہ امی دونوں ہی کو برا لگا۔

"تجھے کیا مٹھائی کی دکان کھلوانا ہے شہر کے بیچ۔ میرے تو بچے تک مٹھا نہیں کھاتے۔ ساری سسرال والوں کے پیٹ میں جائے گی اور یہ کون میرے بارے میں اپ شاپ ہوتا ہے جس کا تم نے حوالہ دیا ہے۔ نام بتاؤ پھر دیکھو میں کیسا ٹھیک کرتی ہوں۔" وہ نام جاننے پر مصر ہو گئیں۔

زویا کو جان چھڑانی مشکل ہو گئی۔

"ابھی یاد نہیں آرہا کس نے کہا تھا۔ جب یاد آئے گا بتادوں گی۔" وہ مل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

تایا کل ہمیشہ کی طرح ناراض ہو کر رخصت ہوئی تھیں۔

"سب پتا ہے مجھے کوئی غیر نہیں میرے اپنے بہن بھائی دشمن بنے ہوئے ہیں میرے دوسروں کا نام لے کر خود مذاق اڑاتے ہیں۔"

شاکرہ امی سیڑھیوں تک ان کے پیچھے گئی تھیں۔ مالک مکان کی طرف سے ملی تازہ دھمکی کے بعد گھر میں اونچی آواز پیدا ہونے سے آن کل پرہیز کیا جارہا تھا۔

سو خود تایا کل کا انداز بھی دھیما پڑا تھا۔

"مٹھائی کا پانچ کلو کا ڈبہ لے کر آئے گا۔ ویسے تو ہم سب کے جوڑے بھی لانے چاہییں تھے آپ کو، لیکن اب آپ کے حالات ہی اتنے بگڑ گئے ہیں کہاں سے کریں گی۔ جویا حالانکہ جاب کررہی ہے مگر اتنے بھی احساس نہیں ہے کہ بہنوں کے ہاں کس طرح لیا دیا جاتا ہے۔"

آخری سیڑھی تک اترتے ہوئے ان کی ہدایتیں ابھرے سب ہی تھے۔

شاکرہ امی فکر مندی سے واپس آکر اپنے کمرے میں بیٹھ گئیں۔ پانچ کلو مٹھائی اور سالگرہ کا تحفہ۔ دونوں کی مالیت کا تخمینہ ہوش اڑا رہا تھا۔

مہینے کا آخری ہفتہ اتنا لمبا ہوجاتا تھا کہ کاٹنا مشکل ہونے لگتا تھا۔ ہاتھ پاؤں جوڑ کر مالک مکان سے ایک اور موقع لے لیا گیا تھا ورنہ۔۔۔

انہوں نے ایک پریشان نگاہ اس معمولی سے جگہ جگہ سے جھڑتے گھر پر ڈالی جہاں آتے ہوئے انہوں نے بزار منہ بنائے تھے مگر اب وہی گوشہ عافیت تھا۔

دنیا میں کتنی ہی بار انہیں اپنا وہ آسائشوں سے بھرا وہ گھر یاد آتا تھا جسے بقول خود ان کے دشمنوں کی نظر کھا گئی تھی۔

کسی اور کے سامنے ذکر کرنا بھی فضول تھا۔

نہ سلمان نہ زویا اور نہ اظہار صاحب۔

انہوں نے تایا کل کی فرمائش جویا کے سامنے دہرائی تو وہ کچھ چپ سی ہو کر ان کی شکل دیکھنے لگی۔

"اتنا کچھ تو دیا جا چکا ہے تایا کل کو۔۔۔ ابھی بھی مزید ضرورت ہے انہیں۔۔۔ آپ نے صاف منع کیوں نہیں کردیا۔" جب وہ بات کررہی تھی تو تھوڑی سی تلخ ہوگئی۔

"بیٹیوں کو تو ساری عمر دیا جاتا ہے۔ ایک تحفے اور مٹھائی کی حیثیت ہی کیا ہے۔ تم کسی سے ادھار لے لو پھر تنخواہ ملنے پر لوٹا دینا۔ آپس میں لین دین تو چلتا ہی ہے۔"

شاکرہ امی کو اس کا منع کرنا برا لگا تھا مگر جویا کے نزدیک چند اور باتیں تھیں جو تایا کل کے ہاں کے فنکشن سے زیادہ ضروری تھیں۔

"زویا کی کتابیں ہیں۔ فیس جمع کرانا ہے۔ کہاں سے لائیں گے پھر ہم۔"

"کتابیں کسی سے لے کر بھی پڑھی جاسکتی ہیں اور فیس اگلے ماہ جانا ہے۔ اب اتنی سی بات کے لیے شادی شدہ بیٹی کا سسرال میں سرنیچا تو نہیں کیا جاسکتا۔" ان کا فلسفہ کمال کا تھا۔

جویا نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ "اتنی سی بات؟"

"زویا کی پڑھائی اتنی سی بات ہے امی؟ گھر میں کیا کیا فضول خرچیاں ہوچکی ہیں جن کا کچھ حاصل بھی نہیں تھا۔

زویا کی پڑھائی پر اس کا پورا کیریر منحصر ہے کتنی سخت پڑھائی ہے میڈیکل کی اور وہ کتنے مشکل حالات میں پڑھ رہی ہے۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کیا؟"

بہت عرصے بعد وہ اس طرح جھنجلائی۔ شاکرہ امی نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

"مجھے لیکچر دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ سب پتا ہے مجھے لیکن کل کے ہاں کے فنکشن کو تو نمٹانا ہے۔ چاہے قرضہ لو یا کچھ۔"

"آپ پانچ سو روپے دے دیں ان کے ہاں۔ فی الحال یہ بھی بہت ہیں اور تایا کل کو اس سے زیادہ توقع بھی نہیں کرنا چاہیے۔" اس نے اپنے طور پر مناسب ترین حل گوش گزار کیا مگر انہوں نے شدت سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"میں کرلوں گی خود کچھ نہ کچھ۔۔۔ تمہیں اپنے پیسے بہن پر خرچ کرتے ہوئے تکلیف ہو رہی ہے تو بے شک بچا کر رکھو اپنے پاس۔۔۔ یہاں کسی کو ضرورت نہیں ہے۔"

بے رخی سے اپنی بات کہہ کر شاکرہ امی نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

یہاں رشتوں میں توازن کا بڑا ہی دل دکھانا فقدان تھا۔ جویا نے دل پر بھاری بوجھ سا پڑتا ہوا محسوس کیا تھا مگر آج وہ بجائے انہیں منانے کے خاموشی سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔

"کیا ہوا؟" زویا نے اس کی اتری ہوئی شکل دیکھ کر فوراً ہی پوچھا تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ یوں ہی الماری میں منہ دیے کھڑی رہی۔

"کسی نے کچھ کہا کیا؟"

"نہیں۔"

"تو پھر یہ ایک کپڑوں میں ایسی کیا دلچسپی پیدا ہوئی ہے جو تم وہاں سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہی ہو۔" وہ کچھ اتنے بے تکے پن سے بولی کہ جویا بے ساختہ ہی ہنس پڑی۔

"اب صبح اسکول بھی شروع ہو رہا ہے۔ کپڑوں کی زیادہ ضرورت پڑنے لگے گی۔ بس وہی دیکھ رہی تھی۔" نرمی سے کہتی ہوئی وہ الماری بند کرکے ہٹ آئی۔

زویا کو ہر بات بتانی ضروری نہیں تھی اور خود اس کا اپنا خیال تھا کہ تکلیف دہ باتوں کو دہراتے رہنے سے صرف انسان کی تکلیف اور بڑھتی ہے۔۔۔ اور حوصلہ ختم ہوتا ہے۔ یہاں گھر میں سب سے باحوصلہ ایک زویا ہی تھی سو کم از کم اسے تو بچا کر رکھنا ہی تھا۔

"ساری ذمہ داری تم ہی اٹھاؤ گی؟ یہ لوگ آخر کچھ کرتے کیوں نہیں؟ سلمان بھائی نے کیا سوچا ہے کوئی پوچھتا نہیں ہے ان سے۔ آدھا وقت سونا اور باقی آدھا وقت کھانے اور لڑنے میں ضائع ہوتا ہے۔ مروہ ہیں باہر نکلیں۔ زویہ نے تو لگتا ہے کہ اب علیحدگی کی ٹھان لی ہے ان سے اور وہ تایا کل لاکھوں کا سامان ہضم کر گئیں۔ ایک روپیہ تک دینا گوارا نہیں کیا۔ یہ ہمارے بہن بھائی ہیں سگے۔ شرم آتی ہے مجھے تو۔" زویا کی آواز تیز ہوتی چلی گئی۔

جویا نے ایک تھکی تھکی سی سانس لی۔

وہ کیوں بار بار بھولتی تھی کہ گھر میں سب سے زیادہ باحوصلہ ہونے کے ساتھ زویا سب سے زیادہ باخبر اور انصاف کی بات کرنے والی بھی ہے۔

اگلے چند دن بوجھل سے انداز میں آگے پیچھے گزرے۔ وہی ایک سے بے زاری بھرے دن رات۔

شاکرہ امی کی ناراضی شاید جاری رہتی لیکن تایا کل کے ہاں سے خود ہی سالگرہ ملتوی ہونے کی اطلاع آگئی۔ ان کے ساس سسر نے اس بے وقت سالگرہ کے پروگرام کا سخت برا مانا تھا سو پروگرام مختصر ہو کر قرآن خوانی اور میلاد

تک ہی محدود ہو گیا تھا۔

کچھ بھی تھا جویا اور زویا دونوں ہی نے سکھ کا سانس لیا تھا اور شاید شاکرہ امی نے بھی۔

بڑے عرصے بعد وہ لوگ آپا کل کے گھر آئی تھیں۔

ٹیکسی سے اترتے ہوئے باہر ہی سے آپا کل کے اوپر کی منزل پر بنے نئے پورشن کی شان و شوکت کو ان لوگوں نے بخوبی محسوس کیا تھا۔

"ماشاء اللہ۔" شاکرہ امی کی آواز مارے خوشی کے بھیگنے لگی تھی۔ زویا کے ساتھ قدم اٹھاتی وہ گیٹ کی طرف جاتے ہوئے مہمانوں میں ہی شامل ہو گئی تھیں۔ جویا کو چند منٹ رکنا پڑا۔

ٹیکسی ڈرائیور کے پاس کھلے پیسے نہیں تھے، سو وہ آگے تھوڑی دور کھڑی دوسری ٹیکسی سے چینج لینے جا چکا تھا۔ جویا یوں ہی آتے جاتے ہوئے مہمانوں کو دیکھنے لگی۔ شناسا شکلیں کم تھیں۔

آپا کل کی سسرالی رشتے دار اور دیگر مہمان خواتین بڑی تعداد میں تھیں۔ لگتا تھا کہ ان کا حلقہ احباب اب کافی بڑھ چکا تھا۔

وہ یوں ہی چند لمحے دیکھے گئی اور پھر شاید ٹیکسی ڈرائیور کو دیکھنے کے لیے مڑی تھی کہ جیسے سارا منظر ہی بدلا تھا۔ محض چند قدم کے فاصلے پر معاذ کھڑا تھا۔

خواب تھا یا گمان مگر چند لمحوں کے لیے تو اس پر ہنگام سڑک پر موجود ہر شے ہی گویا کسی سحر میں گرفتار ہو گئی تھی۔

ساکت اور خاموش۔ کوئی آہٹ تک نہیں۔

جویا نے اپنے دل کی دھڑکن صاف سنی تھی۔

وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا، اور شاید پلک بھی نہیں جھپکی تھی، مکمل دھیان۔

اور بیچ میں آیا تلخ ترین دور عملی طور پر گم۔

"کیسی ہو جویا؟" دو قدم اور آگے آیا تو جویا کو نگاہ جھکانا پڑی۔

"ٹھیک ہوں۔"

"لگ بھی رہی ہو۔" وہ طنزیہ انداز میں اس کے زرد چہرے اور کمزور وجود کو دیکھ کر مسکرایا تھا۔

وہ جوابا" خاموش رہی۔

"تم نہیں پوچھو گی، میں کیسا ہوں۔"

"ٹھیک ہیں ماشاء اللہ!" جویا نے اس کے بے حد فریش محسوس ہوتے چہرے پر نگاہ جمائی۔

"تمہیں جیسے پتا کہ میں ٹھیک ہوں۔" وہ اس چھوٹی سی ملاقات کو محض ایک پل میں ختم کر دینے کے لیے آج بھی تیار نہیں تھا۔

"تم بھی لگ رہے ہو نا!"

وہ ہلکے سے مسکرائی تھی اور تب ہی اچانک اسے خیال آیا تھا کہ وہ یہاں اس جگہ معاذ کے قریب کھڑے ہو کر کتنی خطرناک غلطی کر رہی ہے۔

سارا خاندان مدعو تھا اور سب ہی کو ان دونوں کے اس ٹوٹے پھوٹے تعلق کی پوری کہانی کا علم تھا۔ سو کہیں سے بھی برا پکڑا جا سکتا تھا۔

"وہ ٹیکسی والا پتا نہیں کہاں رہ گیا ہے۔"

اس نے معاذ کو نظر انداز کرنے کی ناکام سی کوشش کرنا چاہی اور مڑنے لگی تھی کہ وہ تیزی سے سامنے آگیا۔

"ڈر کیوں رہی ہو مجھ سے تم؟"

"غلط فہمی ہے تمہاری۔" "میں کیوں ڈروں گی تم سے۔"

ان چند لمحات میں اس نے اپنا کھویا ہوا اعتماد بحال کیا تھا۔ لیکن معاذ کے آگے کوئی رکاوٹ نہیں ٹھہر پاتی تھی۔

"غلط فہمی غنیمت ہے جویا! کچھ تو ہے جو ہمارے بیچ رہ گیا ہے۔"

اس کی آواز بہت دھیمی تھی، لیکن جویا نے اسے بہت واضح انداز میں کہتے سنا۔

اس بار وہ اس کی طرف دیکھے بغیر تیزی سے اندر جاتے مہمانوں میں شامل ہو گئی تھی۔

معاذ کی نگاہوں نے اتنے ہجوم میں بھی اس کا پیچھا اس وقت تک کیا جب تک وہ نظر آتی رہی۔

اندر اوپر کے پورشن میں بڑی چکا چوند تھی۔ آپا کل کی سجاوداری سے تخلیق کردہ اور جویا کے سابقہ سسرال سے آئے ہوئے جہیز کے عالی شان سامان کی مرہون منت۔

لاؤنج کافی بڑا تھا اور یہیں قرآن خوانی منعقد کی گئی تھی۔ زویا نے دور سے ہی اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھا اور صبر نہ کر سکی تو اٹھ کر قریب چلی آئی۔

"تمہیں کیا ہوا۔"

"مجھے کیا ہونا ہے۔"

"چہرہ بالکل سفید پڑ رہا ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے۔" زویا نے بہت تشویش سے اسے دیکھا۔

"بس بس ایسے ہی گھبراہٹ ہونے لگی تھی، شاید اتنے لوگوں کی عادت نہیں رہی۔"

بڑی ہی عجیب سی وجہ تھی مگر یہاں بحث کا موقع نہیں تھا۔ آپا کل کو آج اتنی فرصت نہیں تھی کہ وہ فالتو باتوں کی طرف توجہ دیں، لیکن پھر بھی وہ ان کے کپڑوں کا نوٹس لیے بغیر نہیں رہ سکی تھیں۔

"کہا بھی تھا کہ کوئی نیا سوٹ بنا لو، لیکن تم لوگوں کو ضد سی ہو جاتی ہے، کتنی بار پہنے ہوئے کپڑے ہیں تم دونوں کے۔"

گو ان کی آواز نیچی تھی مگر زویا اور جویا دونوں کو بے حد برا لگا تھا۔

"اور ادھر ہی کے پاس جا کر بیٹھو۔ یہاں سارے خاندان والے جمع ہیں، جویا کو دیکھ کر سب کو اس کی شادی کا ٹوٹ جانا یاد آجائے گا، بے کار میں باتیں بنیں گی، اور پھر میری ساس نے شائستہ چچی کو بھی انوائٹ کر لیا ہے، وہ دیکھو وہ بیٹھی ہیں۔"

دونوں نے ان کی انگلی کی سمت میں دیکھا، معاذ کی امی سر جھکا کے سپارہ پڑھ رہی تھیں۔ پتا نہیں انہوں نے دیکھا بھی تھا یا نہیں۔

جویا خاموشی سے اٹھ کر لاؤنج کے دوسرے سرے پر بیٹھی شاکرہ امی کے پاس آ بیٹھی۔

"یہ لو تم پورا کر دو!"

انہوں نے جویا کو دیکھتے ہی سپارہ اس کے ہاتھ دے دیا اور خود تفصیلا" جائزے میں مصروف ہو گئیں۔

فرنیچر بلاشبہ قیمتی اور خوب صورت تھا، ساتھ میں فریج، ٹی وی، دونوں فل سائز۔

کبھی یہ سب کچھ اتنا قابل رسائی تھا اور اب دیکھو تو پہنچ سے اتنا دور کہ تمنا کرنے کی بھی ہمت نہیں پڑتی۔" کتنی ہی ٹھنڈی سانسیں شاکرہ امی کے سینے میں گھٹتی رہیں۔

آج اس تقریب میں انہوں نے خود کو سب سے کم تر محسوس کیا تھا، خاندان کی وہ ساری عورتیں، جو کل تک انہیں اس طرح عقیدت سے گھیرے بیٹھی رہتی تھیں کہ جیسے وہ ان کی رعایا ہوں، آج سب ہی کھنچی کھنچی سی تھیں۔ بس یوں ہی سرسری سی سلام دعا کر کے خاصے فاصلے پر جا بیٹھی تھیں۔

ناظم آپا، ای صفن خالہ، شادمان والے ماموں زبیر کی بیوی اور بھو نار تھ سے آنے والا بھائی ابرار کا خاندان اور...

یہ ؛ سب تھے جو بڑی باقاعدگی سے سالوں ان کے گھر آتے، ان کی خوش حالی کا قصیدہ پڑھتے، لوازمات سے بھرے دسترخوان سے لطف اندوز ہوتے اور اپنی راہ لیتے۔

جن کے ہاں کی شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں وہ اتنا بڑھ چڑھ کر دیا کرتیں کہ مہینوں پورے خاندان میں واہ واہ ہوا کرتی اور تعلقات میں مزید مرعوبیت بڑھ جاتی۔ کیا حسین دور تھا اور کچھ ایسا ماضی بعید بھی نہیں تھا۔ ابھی چند ماہ، سال، سوا سال۔

وہ کسی معزول ملکہ کی طرح ایک کونے میں بیٹھی، نمک حرام درباریوں کی بے وفائی پر کڑھے گئیں۔ تب ہی صفن خالہ کو ان کا خیال آہی گیا۔

"کیا بنا اظہار کے کیس کا؟ سنا ہے ضمانت ہوگئی ہے، مگر کیس ختم تو نہیں ہوا نا!"

ان کے پاس مکمل معلومات تھیں، مگر تصدیق کروانے کا اپنا ہی مزا تھا۔

شاکرہ امی نے کھا جانے والی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"اور یہ جویا ایسی زرد بے رونق کیوں ہو رہی ہے؟ بیمار و بیمار تھی کیا؟ سنا ہے نوکری کرنے لگی ہے!"

"نوکری کیا خالہ، یوں ہی بس شوق ہوا ہے تو پورا کر رہی ہے۔" وہ بمشکل ہی مسکرائی تھیں۔

خاندان بھر کی جاب کرنے والی لڑکیوں پر کیے گئے ان کے اعتراضات کو کوئی نہیں بھولا تھا، سو اب باری بھی ان ہی کی تھی۔

"اب کیا شوق کہ لڑکی کی جان پر بن جائے، تم نے بھی تو حد ہی کردی، اتنا اچھا لڑکا تھا معاذ، دیکھا بھالا، شریف، خوش شکل، خوش مزاج اور پھر اسلام جیسے نیک آدمی کی اولاد، مگر تم لوگوں نے تو ذرا بھی قدر نہیں کی اس کی، اب دیکھ لو، کون ہے جو معاذ کو اپنی بیٹی دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔" صفن خالہ نے دور بیٹھی شائستہ کی طرف اشارہ کیا، جن کے پاس آج عورتوں کا خاصا گروپ بیٹھا تھا۔

"چاہے آسمان سے اتر کر آیا ہو معاذ، ہمیں نہیں کرنا تھی سو نہیں کی۔ آپ کو کیا تکلیف ہے آخر؟" آس پاس مہمانوں کی موجودگی کا احساس شاکرہ بیگم کو دبی زبان میں بات کرنے پر مجبور کر رہا تھا، ورنہ تو وہ ان کی ایسی طبیعت صاف کرتیں کہ آئندہ بات کرنے سے پہلے سو بار سوچتیں۔

صفن خالہ بدمزہ ہو کر اٹھ گئیں۔

"شاکرہ کی زبان تو دودھاری تلوار ہے، اس کے بڑے بول آگے آئے ہیں۔" انہوں نے وہیں خاندان کی عورتوں کے بیچ اپنی حتمی رائے دی تھی، جس سے سب متفق بھی ہوئے تھے۔

کھانے کا مرحلہ اختتام پر تھا۔

جویا بہت پہلے کھانا ختم کرکے ٹیرس پر بچھی کرسیوں پر آکر بیٹھ چکی تھی۔ شائستہ اس طرف اتفاق سے ہی آئی تھیں۔

"السلام علیکم شائستہ چچی!" وہ سارا وقت ان کے سامنے جانے کی ہمت نہیں کرپائی تھی، لیکن اب جب وہ بالکل ہی سامنے آکھڑی ہوئیں تو سلام تو کرنا ہی تھا۔

"وعلیکم سلام!" ان کے لہجے میں سرد مہری تھی اور نگاہوں میں غضب کی کاٹ۔

"ربیعہ کیسی ہے؟" جویا نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"ٹھیک ہے، اللہ کا شکر ہے، ماسٹرز کر رہی ہے ہسٹری میں۔" انہوں نے ایک پرائیویٹ اور قدرے مہنگے

ادارے کا حوالہ بھی دینا ضروری سمجھا تھا۔

"آئی نہیں!" وہ ان کی نگاہوں کا مقابلہ بہادری سے کر رہی تھی۔

"نہیں بھلا اسے کہاں فرصت، پڑھائی میں مصروف ہے، ویسے بھی میرے بچے خاندان میں آنے جانے کے عادی نہیں ہیں اور نہ ہی اپنا بے کار وقت ضائع کرتے ہیں۔"

"جی!" اس بار اس نے ہلکے سے صرف سر ہلایا تھا۔ ان کی چبھتی ہوئی نگاہوں کے سامنے کھڑے رہنا آسان نہیں تھا۔

"تم تو سنا ہے پڑھانے لگی ہو، اپنی پڑھائی چھوڑ دی؟"

وہی سوال جس کا آج اس نے یہاں کتنی ہی بار جواب دیا تھا ایک بار پھر۔

"جی!"

"کیوں؟" وہ کسی کھوئی کھیلنے کا مزہ لینے آئیں۔

جویا نے ایک گہری سانس لی۔

یہاں یہ مشترک آپا کل جیسے ہی ہوتے ہیں جس درجات کا فرق ہوتا ہے، کچھ کم کچھ زیادہ۔

اب یہ شائستہ چچی، ساری عمر حالات کی چکی میں سر جھکائے پستی رہیں، مگر وقت بدلا تو خود بھی کس تیزی سے بدل گئیں۔ وہ اب بھی اپنے جواب طلب نگاہ اس پر جمائے کھڑی تھیں۔ ٹیرس کے اس انتہائی کونے میں قدرے خاموشی تھی۔

"جاب کیوں کرتے ہیں شائستہ چچی! ضرورت کے لیے بھی اور مقصد کے لیے بھی، زندگی میں کام تو کرنا ہی ہے نا۔"

وہ اس وقت بھی تم پر سکون، شاید وہ اندر سے مضبوط ہوتی جا رہی تھی اور لوگوں کے سامنے کھڑا ہونا اب قدرے آسان تھا۔

"شادی بھی تمہاری عین وقت پر ختم ہوگئی، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تم نے منع کیا تھا، کچھ کہتے ہیں کہ لڑکے والوں کی طرف سے انکار ہوا تھا۔"

وہ اس کے منہ سے سننا چاہتی تھیں، لیکن اس کی بات پر یقین بھی کرنے والی نہیں تھیں۔

جویا کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔

"جس بات پر آپ کا دل مان رہا ہو، وہی سچ سمجھ لیجیے۔"

پتا نہیں انہیں کیا برا لگا تھا۔

"اتنی دیر کردی، اب تک کوئی لینے نہیں آیا، حالانکہ گھر میں گاڑی کھڑی ہے۔"

ٹیرس کی ریلنگ سے جھک کر نیچے دیکھتے ہوئے خود سے مخاطب تھیں یا اس سے۔

جویا تھکے تھکے سے انداز میں واپس کرسی پر بیٹھ گئی۔ شائستہ چچی بے اعتنائی سے اس کے پاس سے گزرتی ہوئی چلی گئیں۔

"ان کا رویہ فطری طور پر ایسا ہی ہونا چاہیے تھا، سو دکھ کس بات کا۔" تکلیف کے ایک اور لمحے کو اس نے بہادری سے ٹالا۔ نیچے سے گاڑیوں اور لوگوں کا ملا جلا سا شور تھا اور اس سارے ہنگامے کے بیچ کہیں وہ بھی کھڑا تھا یقیناً۔

دل نے اپنی اس خستہ حالی کے باوجود ایک اور لگاؤ کی شدت سے تمنا کی تھی اور وہ اس ڈھٹائی پر اتنی شرمندہ کہ خود سے بھی نگاہ ملانا دشوار۔

"دھت!" وہ جیسے خود سے بھی خفا ہو کر کرسی پر جم کر بیٹھی تب ہی زویا اس کے پاس چلی آئی۔
"یہ کیا کہہ رہی تھیں شائستہ چچی تم سے۔ خاصی دیر بات کر کے گئی ہیں تم سے، میں دیکھ رہی تھی مگر جان بوجھ کر نہیں آئی سوچا کہ شاید کچھ غلط فہمی ہو رہی ہو...!"
"زویا! امی سے پوچھو اب ہمیں کتنی دیر ہے چلنے میں۔" "ارے" جھنجلاہٹ کے باعث اس کی آواز تھوڑی بلند ہوئی تھی۔ زویا نے حیرت سے اسے دیکھا۔
"چل رہے ہیں' میں بلانے ہی تو آئی تھی۔"
"چلو پھر!" وہ بڑی تیزی سے اٹھ کر کھڑی ہوئی۔
شاکرہ ای چادر اوڑھے سیڑھیوں کے پاس ایک کرسی پر بیٹھی تھیں۔
"چل رہے ہیں... وہ گل کچھ کھانا بھجوا دیتی اپنے ابا اور سلمان کے لیے تو..."
ان کی ادھوری بات کوفت کا بڑا سامان بنی تھی۔
"اب کیا آپ پاگل سے کھانا مانگیں گی' اگر انہیں بھیجنا ہوتا تو خود دے دیتیں' اب اٹھیں بس' اور گھر میں کھانا پکا ہوا ہے۔"
زویا نے دبے دبے لہجے میں انہیں سمجھانا چاہا تھا مگر وہ پھر بھی مصر رہیں۔
"بغیر بتائے لیے چلے گئے تو گل بھی برا مانے گی اور سلمان کا بھی دل خراب ہو گا۔"
"دوسری بات صحیح ہے صرف آپ کی!" زویا بڑبڑاتے ہوئے سامنے سے آتی آپا گل کی طرف متوجہ ہوئی۔
وہ مہمانوں کو خدا حافظ کہنے میں مصروف تھیں' بار بار سیڑھیوں تک آتیں اور جو اس قابل ہوتے' انہیں نیچے تک بھی چھوڑنے چلی جاتیں۔
اس وقت نیچے سے اوپر آ رہی تھیں۔
"آپا! ہم جا رہے ہیں' کسی سے ٹیکسی منگوا دیں۔"
"ارے تم لوگ اب تک ہو' میں تو سمجھی کہ جا چکے۔" وہ انہیں دیکھ کر واقعی چونکی تھیں۔
حریا اور زویا کو نگاہ ملانا بھی مشکل ہوا تھا۔
"اور اب ٹیکسی لینے کون جائے گا' گلی سے مڑ کر سڑک ہے وہاں تک چلی جائیں' فوراً ہی ٹیکسی مل جائے گی۔" وہ اس بار شاکرہ ای سے مخاطب تھیں۔ "درست کریں' لڑکیاں ساتھ ہیں آپ کے۔"
شاکرہ ای کو اٹھنا پڑا۔
"تمہارے ابو اور سلمان کا کھانا..." انہوں نے اٹھتے ہوئے یہ سوچ کر یاد دلایا کہ شاید وہ بھول رہی ہیں۔
مگر وہ بھولی نہیں تھیں' صرف عجلت میں تھیں۔
"کل صبح لے کر آؤں گی' ابھی کون نکالے گا' پتا نہیں کیا چیز کتنی بچی ہے اور پھر ابھی اکبر کے سب رشتے دار بھی کھڑے ہیں۔ آپ کو دیا تو پھر سب کو ہی دینا پڑے گا۔" انہوں نے نیچی آواز میں اپنی سمجھ داری کی ایک اور دلیل دی۔
اس بار حریا شاکرہ ای کا ہاتھ پکڑ کر نیچے اترتی چلی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

رات بہت لمبی تھی اور بے خواب۔
صبح وہ سب سے پہلے اپنے کمرے سے باہر آیا۔

پچھلا برآمدہ احاطہ سب ہی پر علی الصبح کی ہلکی نیلی روشنی پھیلی تھی۔ ہر شے خاموش۔
وہ چلتا ہوا پچھلے احاطے کی سیڑھیوں تک آیا' پھر وہاں سے اتر کر چمپا کے درختوں کے جھنڈ کی طرف مڑتی ہوئی ابا کے کمرے کی کھڑکی کے نیچے آ بیٹھا۔ کھڑکی کے نیچے بنی یہ منڈیر اس کی پسندیدہ جگہ تھی۔ چمپا کے پھولوں کی دل فریب سی خوشبو اور تنہائی۔ اسی دیوار سے ٹیک لگا کر اس نے زندگی کے چھوٹے بڑے خواب دیکھے' وہ بھی جو تعبیر پا گئے اور وہ بھی جن کی راکھ آج بھی آنکھوں میں جلتی بجھتی تھی۔
اس نے اپنی آنکھوں پر دایاں ہاتھ رکھ کر ہلکے سے دبایا تو احساس ہوا کہ کتنی جلن تھی۔
اگلے کئی لمحے اسی طرح ماحول سے بے گانہ ہو کر گزرے۔ بند آنکھوں میں ہوتی جلن کا سبب آنکھوں میں ہی قید تھا' وہ زرد پڑتا چہرہ اور اس کا پھیکا پن۔
یہ وہ حریا کہاں تھی' جس کا خیال آج بھی بھری مصروفیت میں بھی کبھی اس طرح چونکاتا تھا کہ وہ اگلے کئی دن کے لیے بکھرے موسم ہو جاتا تھا۔
یہ تو کوئی اور ہی لگتی تھی' بے چین اور سہمی ہوئی۔
نہ وہ پہلا سا غرور بھرا اعتماد اور نہ ہی کسی کی بھی پروا نہ کرنے کا کھلا دعوا' حالانکہ خود کو چھپانے کی کوشش اب بھی تھی' کچھ چند بے ضرر باتیں وہ محض اپنے دل کی جلن کو مٹانے کے لیے کہہ گیا تھا' انہیں بھی سنتے پر بڑی شرمندگی نے گھیرا تھا۔
انظہار چچا کے گھرانے کے ڈاؤن فال کی خبر اب پرانی ہو چکی تھی۔
سلمان کی ضد سے علیحدگی' ابرار چچا کے بچپن کا کیس' سب پر خاندان بھر میں سیر حاصل تبصرہ ہو کر بھی ختم ہو چکا تھا۔ مگر اس سارے عرصے میں' خود حریا کہاں تھی' اس پر کیا گزری تھی' اس نے شدید خواہش کے باوجود کبھی یہ جاننا نہیں چاہا تھا۔
بے حسی بھری لاتعلقی کا یہ دور خاصا طویل تھا اور اب جب کہ پوری طرح فرض کیا جا چکا تھا کہ اس کی طرف باقی ہر رد معدوم ہو گئی ہے تو وہ پھر سے اپنی موجودگی کا احساس دلانے آ کھڑی ہوئی۔
وہ بھی اس طرح کہ نہ غصہ نہ نارسائی کا رنج۔
اس سے تو شاید بہتر ہوتا کہ وہ اسے اعجاز کے ساتھ ایک خوش و خرم زندگی گزارتے دیکھ لیتا تو اس تکلیف دہ احساس سے بچ جاتا کہ وہ اسے دنیا کے سرد و گرم میں اکیلا چھوڑتے ہوئے۔
اس نے انگلیوں کی پوروں پر نمی سی محسوس کی تو آنکھیں سب درد سے رگڑ کر خشک کیں۔
"یہ لو چائے۔"
ماشا ابا کھڑے تھے' ہاتھ میں بھاپ اڑاتا چائے کا کپ لیے۔
"ارے آپ' مجھے کہتے میں بنا دیتا۔" وہ شرمندہ ہوا۔
"ہاں ہاں' کبھی کبھی مجھے بھی کچھ کرنے دیا کرو' تم سب لوگوں نے تو مل کر مجھے بالکل آرام طلب کر دیا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب بیٹھے۔ "ایک کپ تمہاری امی کو بھی بنا کر دیا ہے' بہت خوش ہوئیں۔"
"امی ماشاء اللہ بہت لکی ہیں کہ انہیں آپ ملے!"
"ہاں شاید۔" سوچنے کے انداز پر متبسم ہے "کیا خبر وہ خود کو خوش قسمت نہ سمجھتی ہوں۔ ویسے جس کی تم سے شادی ہوئی' اس کی خوش قسمتی میں تو واقعی کلام نہیں ہو گا۔"
اپنی بات کہہ کر وہ خود ہی خوشگوار انداز میں ہلکے سے ہنسے تھے مگر وہ یوں ہی خاموش سر جھکائے چائے کے کپ سے اڑتی ہوئی بھاپ پر نگاہ جمائے بیٹھا رہا۔

"ابا! وا معاذ!"
ابا نے اس کی غیر معمولی خاموشی کا نوٹس لے ہی لیا۔ "بہت خاموش ہو کوئی بات ہوئی ہے کیا!"
اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"طبیعت تو ٹھیک ہے آنکھیں بھی سرخ ہو رہی ہیں 'جاگے ہو یا روئے ہو۔"
ان کا تجزیہ ہمیشہ کی طرح درست تھا' وہ چاہتا بھی تو جھٹلا نہیں سکتا تھا۔
"نیند نہیں آئی تھی رات میں 'شاید اس لیے آپ کو ایسا لگ رہا ہے۔"
"کوئی خاص وجہ!" وہ اب بھی مطمئن نہیں تھے۔
"کبھی بھی نیند اڑ بھی جاتی ہے ابا! آپ پریشان نہ ہوں۔"
"تمہاری امی سے کہوں گا کہ اب وہ تمہاری شادی میں دیر نہ کریں۔ جلد ہی کوئی اچھی لڑکی دیکھ لیں' تاکہ تمہاری تنہائی کا ازالہ ہو سکے۔"
"میں شادی نہیں کروں گا ابا! آپ امی کو منع کر دیں پلیز۔" وہ بے چین سا ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔
"کیا!" وہ چونک سے گئے۔
کچھ عرصہ پہلے وہ اس سلسلے میں اپنی رضامندی دے چکا تھا اور گھر میں اس حوالے سے خاصے چرچے بھی تھے۔ سب کچھ بہت نارمل تھا۔
"کیوں نہیں کرو گے۔" وہ اٹھ کر اس کے قریب آ کھڑے ہوئے۔
"تمہاری امی اس سلسلے میں تم سے بات کرنے کے بعد ہی تمہارے لیے رشتہ دیکھنے کے لیے گئی تھیں۔ سو اب ایسا کیا ہوا ہے۔"
"کچھ نہیں ہوا ہے 'بس میں نہیں کروں گا اور ابھی امی نے کچھ طے دے تو کیا نہیں ہے 'سو اس بات کو یہیں ختم کر دیں میں آپ سے بہت سیریسلی کہہ رہا ہوں۔" وہ بہت رنجیدہ تھا مگر کم از کم ایک بات تو کی تھی۔
ابا نے بہت غور سے اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھا۔ امی کچن کی کھڑکی میں سے ناشتے کے لیے بلا رہی تھیں۔
"آ رہے ہیں!" انہوں نے پکار کر کہا اور پھر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔
"بہتر سمجھو تو مجھے وجہ ضرور بتانا' ابھی یا کچھ دن بعد' زندگی کے فیصلے اتنے اچانک کیے جائیں تو غلطی کا امکان تو سو فیصد تو ضرور ہی ہوتا ہے۔"
وہ اس کے سامنے چلتے ہوئے اپنے دھیمے اور پراثر انداز میں سمجھانے لگے۔
معاذ خاموشی سے سنے گیا اور جب وہ خاموش ہوئے تو۔
"جو فیصلہ غلط تھا' وہ میں نے پہلے کیا تھا ابا! یعنی شادی کرنے کا۔ اب غلطی نہیں کر رہا' شادی خوشی کے لیے کی جاتی ہے میں کسی اور لڑکی کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتا' یہ تو ظلم ہوتا دوسرے پر بھی۔"
وہ دونوں برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اندر آئے اندر ناشتے کی میز پر ان دونوں کا ہی انتظار تھا۔
"تو جس کے ساتھ خوش رہ سکتے ہو اس سے کر لو شادی کوئی تو ہو گی نا' آخر پہلے بھی تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں تھا' جب اتنا عرصے جویا سے رشتہ طے رہا۔" اندر جانے سے پہلے ابا نے رک کر اس سے کہا۔
وہ کچھ جواب دیے بغیر تیزی سے اندر چلا آیا اور پیچھے متفکر سے ابا۔
"دیکھنے والی شکل تھی شاکرہ بھابھی کی میں نے تو ایک بار بھی ان کی آواز نہیں سنی' بالکل چپ لگی ہوئی تھی' سارا وقت ایک کونے میں بیٹھی رہیں ورنہ خاندان کی ہر تقریب میں کیا کیا جلے نہیں کستی تھیں دوسروں پر۔ اب

جب خود پر پڑی ہے تو کیا منہ اترا ہوا تھا۔"
شائستہ بیگم کے لہجے میں بڑی انوکھی اور اطمینان بھری کھنک تھی۔
"میں نے تمہیں منع کیا تھا وہاں جانے سے 'جب ہمارا اظہار کے خاندان سے تعلق ختم ہو چکا ہے تو کل کے ہاں جانے کی ضرورت کیا تھی۔" ابا کو اچھا نہیں لگا' سعد تو کہے بغیر نہیں رہ سکے۔
"کیوں نہیں جاتی' مجھے کل نے نہیں بلایا تھا اس کے ساس سسر نے انوائٹ کیا تھا مجھے اور وہ ہمارے عزیز ہیں۔"
شائستہ خود کو حق بجانب سمجھنے میں اب سو فیصد کامیاب تھیں اور اپنی رائے اور اس کے اظہار میں دو سو فیصد۔
"وقت کبھی کسی کا نہیں رہا' جو انسان دوسروں پر حقارت سے ہنس سکتا ہے' اپنی باری آنے پر کسی رعایت کا مستحق نہیں ہوتا شاکرہ اور اظہار بھائی انتہائی سنگ دل لوگ ہیں۔"
گرم پراٹھے لاتی ہوئی زری کا سارا دھیان اس گفتگو پر تھا' یہ سارے نام اب اس کے لیے انوکھے تھے۔
دادی' ربیعہ اور امی تینوں کے درمیان یہ قصے بارہا دہرائے جا چکے تھے' ورنہ اس ان دیکھی لڑکی جویا پر غصہ کھاتی یا پھر رشک کرتی۔
مگر آج کل اس کے لیے زبان بندی کا دور تھا۔
ورنہ معاذ نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اسے اس کی بھابھی سعیدہ کے حوالے کرنے میں ایک منٹ کی بھی دیر نہیں لگائے گا۔
"اللہ سب پر رحم کرے 'کبھی کبھی تو لگتا ہے کہ اظہار کے گھر کو میری ہی آہ لگ گئی۔ بڑی تکلیف دی ہے انہوں نے مجھے' لیکن سچ کہتی ہوں کہ ایسا تو میں نے کبھی نہیں چاہا تھا کہ وہ اتنے برے حال کو پہنچے۔"
دادی نے بڑی رقت سے کہا تھا۔
انہیں پچھلی محبتوں کا بڑا پاس تھا اور ان کی سخت زبان اور لہجے کے پیچھے بڑا ہی نایاب دل تھا۔ ابا نے بڑی محبت سے انہیں دیکھا۔
"خیر اماں! آپ اور آپ کے بیٹے تو دونوں جانی دشمن کو بھی معاف کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں مگر میرا اتنا بڑا دل نہیں ہے اور سچی بات ہے کہ جو ہم نے سہا ہے تو پھر ہمیں بھی حق ہے۔"
عجیب سے تیکھے پن سے انہوں نے بات میں بات جوڑی اور آملیٹ کی پلیٹ معاذ کی طرف بڑھائی۔ "خالی پلیٹ کیوں لیے بیٹھے ہو ناشتہ شروع کرو۔"
"جی!" اس نے آہستگی سے پلیٹ میں ایک بالکل چھوٹا سا ٹکڑا لیا۔
"بس؟" وہ کچھ حیرت سے بولیں۔
زری کی نگاہ بھی اسی طرف گئی تھی' دل تو چاہا کہ ابھی لایا ہوا سب سے گرم پراٹھا کسی کی بھی پرواہ کیے بغیر لے جا کر معاذ کی پلیٹ میں رکھ دے مگر انجام بخیر نہ ہوتا!
"فی الحال کافی ہے۔"
"جویا کیسی ہے امی! بہت دن ہو گئے اسے دیکھے ہوئے۔" ربیعہ دیر سے جو سوال پوچھنا چاہ رہی تھی اس وقت بے ساختہ پوچھ بیٹھی۔
"ہاں ملی تھی مجھے 'کیا تھا سلام اس نے' ٹیرس پر الگ تھلگ بیٹھی تھی سب۔ دیکھو گی تو پہچان بھی نہیں سکو گی' تنی زرد کمزور' چپ لگی ہوئی ہے لڑکی کو۔ ظاہر ہے شادی ہوتے ہوتے ختم ہو گئی مگر یاد رکھنا' گو کہ کرے گھر کا

خوار ہو رہی ہے' ناکارہ باپ بھائی کو پالنے کے لیے سردی گرمی میں دھکے کھاتی پھر رہی ہے' اب تو گھر میں بیٹھی بھی نہیں رہی ہے ان کے نصیبوں میں مقدر میں یا پھر خود ہی جوتے چٹخاتی پھرتی ہو گی۔"

معاذ نے ایک جھٹکے سے کرسی پیچھے کی تھی۔ فرش پر کرسی کے زور سے کھینچے جانے پر بڑی ہی چبھتی ہوئی آواز پیدا ہوئی تھی۔ سب ہی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

معاذ کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا اور نچلا لب اس طرح دانتوں تلے دبا تھا' جیسے ضبط کی آخری حد کو چھو رہا ہو۔

"کیا ہوا' خیر تو ہے!"

شائستہ اس کی شکل دیکھ کر بری طرح گھبرائی تھیں۔ وہ شاید کچھ کہنا بھی چاہ رہا تھا' مگر پھر ایک دم ہی مڑ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

"معاذ' معاذ!" امی آواز دیتے ہوئے اٹھنے لگی تھیں' مگر ابا نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں رکنے کے لیے کہا تھا۔

"بغیر ناشتہ کیے نکل جائے گا آفس کے لیے اور پھر سارا دن۔۔۔"

"تم۔۔۔ تم شائستہ۔" مارے جھنجلاہٹ کے ان سے بات پوری نہیں کی گئی۔

"ارے بیوی پر رحم نہیں کر سکتیں' تو اپنے بیٹے پر تو کرو' حالت دیکھی تھی اس کی' مگر تمہارے پاس تو وہی ایک موضوع۔۔۔"

ان کی آواز اونچی تھی اور لہجہ اتنا تلخ جو پہلے کبھی نہیں سنا گیا تھا۔

وادی اور ربیعہ نے بے ساختہ ہی ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا تو کیا وہ اب بھی جو ساے۔۔۔

شائستہ بیگم نے بے حد کنفیوز ہو کر سوچا تھا۔

"نہیں' ابھی نہیں۔" انہوں نے اپنا سر نفی میں ہلایا۔

زرمین کی نگاہ اس طرف جمی تھی' جہاں سے معاذ نکل کر گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

شام گہری ہو رہی تھی۔

سڑکوں پر مخصوص اوقات والا "بے پناہ ٹریفک۔"

یوسف کمال نے ایک اکتائی ہوئی نگاہ سامنے اور اطراف میں پھیلے ٹریفک پر ڈالی۔

وقت کا ضیاع روز کا معمول تھا۔

تب ہی ان کے سیل فون کی بیل ہوئی تھی۔

ڈیش بورڈ سے فون اٹھاتے ہوئے انہوں نے سالار کا نمبر دیکھا اور مسکرا دیے۔

"کہاں ہو بھئی' کتنے دن لگا دیے!"

"بس آ رہا ہوں کمال صاحب! دو' تین دن اور' ساتھ میں ایک بڑا سرپرائز اور چند نئی کہانیاں۔۔۔"

انہوں نے اس کی آواز میں ایک نئی کھنک اور ایک ہلکی سی فکر ایک ساتھ محسوس کی۔

"خیریت تو ہے نا سالار! کوئی خاص بات!" وہ کچھ چونکے تھے۔

"خیریت تو ہے مگر کمال صاحب! ماضی کی تلخ حقیقتیں' اب کھل کر سامنے آ رہی ہیں' مجھے آپ کی سخت ضرورت ہو گی۔" کچھ تھا جو اسے افسردہ کر رہا تھا۔

"تم فکر مت کرو سالار! میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں' تم مجھ پر ہمیشہ اعتماد کر سکتے ہو' کوئی بھی بات چاہے کتنی

[illegible] غمگین ہو۔"

دوسری طرف سالار چند لمحے کے لیے خاموش ہوا تھا۔ شاید وہ ان کی بات کی سچائی پر یقین دلا رہا تھا یا نہیں! [illegible] صاحب کو ایسا ہی لگا۔

"سالار' سالار ہیلو!" انہیں لگا جیسے لائن منقطع ہو گئی ہے' مگر وہ موجود تھا۔

"اور اگر اس بات کی زد آپ کے کسی قریبی رشتے پر پڑتی ہو' تب کمال صاحب؟"

"تب بھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" وہ بہت تیزی سے بے ساختہ بولے۔ "مجھے بتاؤ کیا نبیل کے خلاف کوئی ثبوت ملا ہے' یا زرتاج کے۔"

"کوئی ثبوت نہیں ہے کمال صاحب! مگر سچائی خود شے سے بولتی ہے' میں دو تین دن میں آ رہا ہوں' پھر سکون سے بات کرتے ہیں۔"

"اچھا اور وہ تمہارا سرپرائز؟" انہیں اس کی دوسری بات یاد آئی تو سالار ہلکے سے ہنس پڑا۔

"وہ بھی ساتھ ہی ہو گا' آپ فکر مت کریں۔"

"چلو ٹھیک ہے' پھر جلد ملاقات ہوتی ہے ان شاء اللہ!" انہوں نے فون بند کر کے ڈیش بورڈ پر ڈالا۔

سامنے گاڑیوں کی لائن آہستہ آہستہ چلنا شروع ہوئی تھی کہ تب ہی اچانک وہ ان کے سامنے آیا۔

یوسف کمال کے ہاتھ اسٹیئرنگ پر زندگی میں پہلی بار کپکپائے تھے۔

وہی رنگت' وہی خدوخال' وہی سنہری آنکھیں۔

اتنا مانوس چہرہ' جو ایک عمر گزرنے کے بعد بھی یاد ہو' ان کے سامنے تھا۔

ان کی نگاہ اسی ایک پر جمی۔

کون تھا یہ؟ اتنی مشابہت۔

گاڑی کا شیشہ انہوں نے بے قراری سے نیچے کیا۔

"اے' اے لڑکے!" وہ اسے اونچی آواز میں پکارتے تھے مگر پیچھے سے گاڑیوں کے ہارن اس تواتر سے بج رہے تھے کہ ان کی آواز دب کر رہ گئی۔ وہ بے بسی سے اسے اپنا خوانچہ گلے میں ڈالے سڑک کے دوسری طرف جاتا دیکھتے رہے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عالیہ بخاری

عالیہ بخاری

دلِ وحشی

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتلائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اُٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آ کر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بالو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گیتی آرا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دُکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو۔ فاقی کا مول میں وہ ہر چیز بھوئے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دُعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دُھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زویلہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جارہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اٹنک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خودنمائی اور خودستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سیکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور راجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔

سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذونادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

جویا کا رشتہ آناً فاناً طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی "کوششیں" شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے۔ اور جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے۔ وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ، جویا کو اکساتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ، آپا گل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔

صندل کو بالی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

۴۶

چھیالیسویں قسط

گیتی کی جواب طلب نگاہ، سالار کے چہرے پر جمی تھی۔

"یقین مانیے مجھے بالکل بھی برا نہیں لگے گا، اگر آپ ـــ" اردگرد بڑھتے ہجوم کی پروا کیے بغیر، سالار نے بڑی نرمی سے گیتی کے لبوں پر ہاتھ رکھا اور مسکرا دیا۔

"کیا کرتے ہیں؟" وہ جھینپ کر پیچھے ہٹی۔

"تم بھی تو بے وقوفی کی باتیں کرتی ہو!" اب کیا ہر بات، بچوں کی طرح مجھ سے پوچھ پوچھ کر کرو گی۔ اور نانی ستارہ کا والہ میرے لیے باعث شرم نہیں ہے، یہ بات دس بار کہہ چکا ہوں تم سے اور اب سارے زمانے سے بھی کہوں گا، ہاں یہ الگ بات ہے کہ اب جہاں ہم جا رہے ہیں، وہاں موجود لوگوں کو صرف اس بات سے فرق پڑتا ہے کہ تم میری بیوی ہو، سمجھیں!"

وہ بہت خوش دکھائی دے رہا تھا اور اس سے بڑھ کر کچھ بھی اہم نہیں تھا۔ راجو ٹیکسی کا دروازہ کھولے منتظر تھا۔ راستہ خاموشی سے کٹا، وہ پوری محویت سے باہر تیزی سے بھاگتے مناظر کو دیکھے گئی اور سالار اسے۔

"کراچی بہت بڑا شہر ہے، میرے اندازوں سے بھی کہیں زیادہ، یہاں تو اگر کوئی کھو جائے تو اس کا ملنا بھی مشکل ہے۔"

جب وہ گھر سے کچھ ہی دور رہ گئے تھے، گیتی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

اس کے انداز میں بچوں کا سا اشتیاق اور حیرت تھی، مگر وہ کچھ بجھ سا گیا۔

"شاید وہ خیام کے بارے میں سوچ رہی ہے۔" دل میں بڑا بے ساختہ سا خیال آیا تھا۔

گیتی اپنی بات کہہ کر پھر سے باہر متوجہ تھی۔ اس کے چہرے پر پھیلا اطمینان سالار کو شرمندگی میں مبتلا کرنے لگا مگر اندر کہیں اندر چبھن سی باقی رہتی ہی تھی۔

گیٹ پر کھڑا گارڈ نیا تھا، مگر سالار کے تحکم بھرے انداز پر گیٹ فوراً کھلا تھا، ٹیکسی گھر کے بڑے سارے کھلے [illegible] گیٹ میں داخل ہوتی چلی گئی۔

رات گہری ہو رہی تھی اور لان اور پورچ وغیرہ کی ساری لائٹیں روشن تھیں۔

گیتی نے اترتے ہوئے ایک سادہ سی نگاہ اطراف میں ڈالی، یہاں آنے سے پہلے مکینوں کا جو تعارف اسے سالار کی زبانی حاصل ہوا تھا۔ وہ دل پر ہلکا سا سہم طاری کر رہا تھا۔ ملازمین میں ایک دم ہی سرگرمی سی جاگ اٹھی تھی۔ زیادہ تر لوگ ان تھوڑے دنوں میں ہی پھر سے بدلے گئے تھے، مگران میں جو اکا دکا پرانا باقی تھا، وہ یہاں سالار کا تعارف دے چکا تھا۔

راجو سامان لے کر اندر جا چکا تھا۔

زرتاج کا بی پی تھوڑی دیر پہلے ختم ہونے والی نبیل کے دوستوں کی پارٹی کے صدقے، تیزی سے ہائی ہوا تھا، دل [illegible] پانے کے بعد وہ ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے اپنی دوا لے کر لیٹی تھیں کہ لاؤنج میں سے لوگوں کے چلنے [illegible] کی آوازوں نے دخل اندازی شروع کی۔

"[illegible] دماغ خراب ہو گیا ہے ان لوگوں کا، کون ہے اس وقت۔" بڑے ہی کرخت لہجے میں کہتے ہوئے وہ اٹھ کر [illegible] نبیل بھی تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"[illegible] آرام کرو، شاید ملازم ہیں۔"

"[illegible] گھر کی یہی اوقات رہ گئی ہے کہ تمہارے سڑک چھاپ دوست اور نوکر چاکر ہی بے تکلفی [illegible] یہاں۔"

ان کی [illegible] اور بھی بڑھی۔ نبیل کو عافیت اسی میں محسوس ہوئی کہ وہ بغیر کچھ کہے کمرے سے نکل جائے۔

لاؤنج سے اوپر جاتی سیڑھیوں پر سے راجو سامان اٹھائے جا رہا تھا اور باہر کے داخلی دروازے سے مزید دو ملازم بھاری بیگ سنبھالتے ہوئے اندر آرہے تھے۔

"کیا ہے یہ سب؟ کس کا سامان ہے' بغیر پوچھے اندر کیسے لائے ہو تم لوگ؟" گھر پر اس کا مالکانہ احساس زرتاج سے بھی کہیں زیادہ بڑھ چکا تھا' سو وہ بہت تلملا کر آگے بڑھا۔

دونوں ملازم سہم کر رکے تھے' تب ہی سیڑھیوں پر کھڑے راجو نے انہیں آواز دی۔

"رک کیوں گئے ہو' اوپر آؤ سامان لے کر!" نبیل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا مگر وہ اس کے بجائے ملازموں کی طرف دیکھ رہا تھا' جو اس کے حکم پر فوراً ہی آگے بڑھ چکے تھے۔ نبیل کا حکم راجو کے آگے رد ہوا تھا۔

"تمہارا دماغ کیا بالکل ہی خراب ہو گیا ہے راجو! تمہیں اندر آنے کی اجازت کس نے دی' دفع ہو جاؤ پاگل آدمی!"

اس بار وہ اتنی زور سے چلایا کہ اندر کمرے میں بے چینی سے کروٹیں بدلتی ہوئی زرتاج کو اٹھ کر پھر سے بیٹھنا پڑا۔

"بدبخت' جاہل!" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائیں۔ باہر سیڑھیوں کی ریلنگ پر جھکا کھڑا راجو برستے ہوئے نبیل پر اطمینان سے مسکرا رہا تھا۔

"کوئی ہے' جو اس پاگل آدمی کو یہاں سے نکالے۔ اتنے دن سے دفع تھا' آج کہاں سے پھر۔"

حلق کے بل چلاتے ہوئے نبیل کو اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کے احساس نے بات ادھوری چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔ "تم!"

ایک چھوٹے سے لفظ میں بھاری بھرکم خوف اور مایوسی تھی اور اس سے بھی زیادہ حیرت۔

"کیوں' ابھی اتنے دن تو نہیں گزرے تھے کہ تم میری واپسی پر اس طرح حیرت زدہ ہو!"

سالار کے چہرے پر دبی دبی سی مسکراہٹ تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں' تمہارا گھر ہے!" وہ بمشکل ہی کہہ پایا۔

سالار ہلکے سے ہنس پڑا۔

"ٹھیک کہا تم نے' گھر تو میرا ہی ہے' یہ الگ بات کہ آج کل وقتی طور پر اس میں تم رہ رہے ہو۔ پتا نہیں کب تک کے لیے۔"

اس بار نبیل نے جواب دینے سے گریز کیا تھا۔ توجہ بار بار سالار سے ذرا پیچھے کھڑی گیتی پر جا رہی تھی۔

"کیا لڑکی ہے؟" اپنی اتنی نامعقول حیثیت میں بھی اس کی آوارہ ذہنیت نے اپنا رنگ دکھایا۔

"میری بیوی کو اس طرح نظر جما کر مت دیکھو نبیل! ورنہ تمہارے حق میں اچھا نہیں ہوگا۔"

سرد لہجے میں دی ہوئی وارننگ نے ماحول پر سناٹا سا طاری کیا۔

زرتاج چند قدم پیچھے ہی رکی تھیں۔ آج کا دن ہی اچھا نہیں تھا۔

پہلے نبیل کے دوستوں کے ہاتھوں اٹھائی ذلت اور اب' اب یہ سالار۔

اور اس بار اکیلا بھی نہیں! زرتاج کی کڑی تنقیدی نگاہ نے گیتی کا جائزہ لیا۔

"سلام کرو گیتی! یہ میرے والد کی دوسری بیوی ہیں۔"

وہ تعارف کی رسم نمٹا رہا تھا "تم انہیں اپنی ساس کہہ سکتی ہو' مگر یہ صاحب بہرحال تمہارے سسر نہیں ہیں۔"

اس کا مذاق اڑاتا انداز توہین آمیز تھا' مگر وہ دونوں ہی اسے برداشت کرنے پر مجبور۔

"تو شادی کر ہی لی تم نے!"

گیتی کے سلام کو نظر انداز کرتے ہوئے زرتاج نے جیسے یقین دہانی چاہی۔

"بیوی کہا ہے تو شادی بھی کی ہوگی' اتنی سی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آرہی' کمال ہے!"

"شاید اس لیے کہ میں اس شادی میں شریک نہیں تھی' مانا ہمارے آپس کے تعلقات اچھے نہیں ہیں' لیکن اطلاع دینا تمہارا فرض بنتا تھا سالار! بڑے بیٹے ہو اس گھر کے' یہی سوچ لیتے کہ تمہارے باپ کی روح کو کتنی تکلیف پہنچی ہوگی تمہاری اس خفیہ شادی سے۔" وہ بالکل سالار کے سامنے آکر کھڑی ہوئیں۔

"میرے باپ کی روح کو میری نہیں آپ کی خفیہ شادیوں سے جتنی تکلیف پہنچنی تھی' پہنچ چکی۔ اب تو ان کی روح بھی عادی ہو گئی ہوگی' یا پھر۔"

"تم کبھی نہیں سدھرو گے سالار! میں اس لڑکی کے سامنے کوئی تماشا نہیں کھڑا کرنا چاہ رہی ہوں' بہتر ہوگا کہ ہم کسی اور وقت بات کریں۔"

تیزی سے بات کاٹ کر وہ کہتے ہوئے مڑنے لگیں۔

"لیکن ہم جب بھی بات کریں گے' ہمارے درمیان یہی باتیں ہوں گی' یہ آپ بھی جانتی ہیں۔"

زرتاج نے اسے اپنے پیچھے کہتے ہوئے سنا' مگر اس بار اس کی حکمت عملی مختلف تھی۔

"نبیل! اپنے کمرے میں چلو۔" بہت سکون بھرے انداز میں کہتے ہوئے' وہ اپنے کمرے کی طرف جا چکی تھیں اور ان کے پیچھے نبیل بھی۔

اتنی دیر سے خاموش کھڑی گیتی نے دھیرے سے سالار کے بازو کو چھوا۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو' آتے ہی لڑنا شروع کر دیا' حالانکہ ان کی شکایت تو ٹھیک ہی تھی نا' جیسی بھی ہیں' آپ پر ان کا حق ہے۔"

سالار کے ماتھے پر ہلکی سی شکن آئی۔

"حقوق و فرائض کا قصہ' اس گھر میں مدتوں پہلے نمٹایا جا چکا ہے گیتی! اب تو ہم سب صرف حالت جنگ میں ہیں' مجھے کچھ بھی یاد دلانے سے پہلے' یہ بات ضرور خود یاد رکھنا۔"

وہ بہت سنجیدہ تھا... اور بہت زیادہ دکھی بھی۔

گیتی نے شرمندگی سے نگاہ جھکائی۔

اس بڑے سے وسیع لاؤنج میں اب صرف وہی دونوں کھڑے تھے' سالار نے نرمی سے اس کے بالوں کو چھوا۔

"میں نے بہت لمبی تنہائی کاٹی ہے گیتی! اس اتنی بڑی دنیا میں' اتنے ہجوم میں کوئی بھی نہیں تھا میرا! اکیلا پن کتنا بڑا عذاب ہے' یہ میں جانتا ہوں' مگر اب تم ہو میرے ساتھ تو مجھے اپنی خوش نصیبی پر خود رشک آتا ہے' زندگی میں پہلی بار میں اتنا خوش ہوں' اتنا خوش ہوں کہ۔"

حلق میں اٹکے نمکین پانی نے اس کے بات ادھوری چھوڑنے پر مجبور کیا تھا۔

گیتی کی آنکھوں سے آنسوؤں کے کتنے ہی قطرے روانی کے ساتھ ٹپکے۔

سالار کے دکھ پر بھی اور اپنی خوش نصیبی پر بھی بے ساختہ ہی سالار نے اسے خود سے قریب کیا تھا۔

[illegible] زرتاج نے اضطراب سے پہلو بدلا "معلوم نہیں کیا عزائم لے [illegible] کوئی خاندانی گھرانہ تو اپنی لڑکی نہیں تھما سکتا اور ویسے بھی [illegible] اچھے شریف لوگوں میں اٹھنا بیٹھنا کب ہے اس کا' مجھے تو یوں [illegible] لڑکی [illegible] ہے۔"

زرتاج کے لیے آج بھی کسی دوسری عورت کے حسن کو تسلیم کرنا' تکلیف دہ امر تھا۔

نبیل نے کوئی تبصرہ نہیں کیا' زرتاج کے لیے اس کی خاموشی بھی ناقابل برداشت تھی۔
"تمہیں کیسی لگی یہ لڑکی؟"
"ٹھیک ہے' بس!"
"ٹھیک بھی کہاں "معمولی سی شکل وصورت ہے' چالاک ضرور ہوگی' جو سالار جیسے پیسے والے کو پھانس لیا۔"
"ہوں!" ایک ٹھنڈی سانس نبیل کے لبوں سے آزاد ہوئی۔
گیتی کا پرکشش چہرہ اب تک نگاہ کے سامنے تھا۔
"مجھے نیند آرہی ہے۔" اس نے دوسری طرف کروٹ لیتے ہوئے لائٹ آف کی تھی۔

☼ ☼ ☼

خیام نے ایک جھجکتی ہوئی نگاہ معاذ پر ڈالی' وہ اب بھی کسی گہری سوچ میں تھا۔
سامنے کھلی کاپی کب سے چیک ہونے کی منتظر تھی۔
"چائے پی لیں معاذ بھائی!"
کپ سامنے رکھتے ہوئے اس نے دانستہ معاذ کو مخاطب کیا تھا۔
"کیا؟" اس نے چونک کر خیام اور پھر آگے رکھے چائے کے کپ کو دیکھا اور ہلکے سے مسکرا دیا۔
مگر یہ مسکراہٹ بھی اس کے چہرے پر نمایاں ہوتی فکرمندی کو کم کرنے میں ناکام تھی۔
"پہلے ہی میں کوئی بہت کارآمد شخص نہیں ہوں تم اور بھی کاہل بنا رہے ہو مجھے۔"
انداز میں وہی اپنائیت بھری بے تکلفی' مگر اس کی مخصوص شگفتگی کئی دن سے کھوئی ہوئی تھی۔
خیام نے بہت فکرمندی سے اس کے چہرے کو دیکھا۔
"کیا ہوا' ایسے کیوں دیکھ رہے ہو' کچھ تبدیلی آگئی ہے کیا مجھ میں؟" خود پر جمی خیام کی نگاہ کو نوٹ کر کے وہ ہلکے سے ہنسا بھی' مگر خیام اس بار بھی سنجیدہ تھا۔
"ایک بات پوچھوں؟" چائے کا کپ منہ سے لگاتے ہوئے معاذ نے اشارہ دیا۔
"پریشان کیوں ہیں اتنے دنوں سے؟" اتنے دنوں سے ساتھ رہنے کے بعد اب وہ کچھ کھل کر بات کرنے لگا تھا' مگر اتنا ذاتی سوال۔۔۔!
معاذ کو حیرت سی ہوئی۔
"کیوں پوچھ رہے ہو؟"
"پہلے بتائیں۔ اپنی پریشانی کی وجہ ٹھیک ٹھیک!" خیام کا اصرار بڑھنے لگا۔
"ارے کچھ بھی نہیں' یوں ہی وہم ہے تمہارا۔" پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ اسے ٹالے گیا' جو کچھ بھی پریشانی کا سبب تھا' وہ اتنا ذاتی تھا کہ خیام یا کسی اور کو بھی بتانے لائق نہیں تھا۔
"تو یہ کہیں کہ بتانا ہی نہیں چاہتے ہیں' شاید میں اپنی اوقات سے زیادہ بڑی بات پوچھ رہا ہوں۔"
خیام کی آواز دھیمی ہوئی تھی۔
"اف!" "اب یہ ایموشنل بلیک میلنگ!"
معاذ نے بے ساختہ ہی ماتھے کو چھوا۔
خیام رخ موڑ کر دوسری طرف دیکھ رہا تھا' اسی طرح دیکھے گیا۔
اتنے دنوں میں پہلی بار وہ کچھ خفا سا محسوس ہوا اور اپنا اپنا سا بھی۔

معاذ نے محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
"اچھا یہ بتاؤ' جب پہلی بار تم یہاں آئے تھے تو تم نے مجھ سے کیا کہا تھا!"
اس نے ذرا مڑ کر معاذ کی طرف دیکھا' مگر شاید اسے اپنی کہی بہت ساری باتوں میں سے وہ ایک بات یاد نہیں آئی تھی۔
"یہی کہ تم سے کوئی ذاتی سوال نہ پوچھا جائے اور نہ ہی کسی بھی ذریعے سے تمہارے بارے میں کچھ جانا جائے سو میں نے مانا نا۔"
بنا اس کی طرف دیکھے خیام نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا "مگر مجھ میں اور آپ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ آپ کے پاس اپنے تعارف کے لیے بہت کچھ ہے معاذ بھائی!"
اس کی نظر جھکی تھی اور برسوں پرانا کمپلکس آج بھی فارغ نہیں کرتا تھا۔
معاذ کی فطری سادہ دلی اور حساسیت خود ہی شرمندگی میں مبتلا کرنے لگتی تھی۔
"اچھا چلو چھوڑو' کچھ اور بات کرتے ہیں!" پوری خوش دلی سے اس نے خیام کو واپس موڈ میں لانا چاہا۔ "یہ بتاؤ کبھی کسی سے محبت کی ہے۔۔۔ یہ تو پوچھ سکتا ہوں نا۔"
ماحول کی سنجیدگی کو کم کرنے کے لیے اپنی بات کہہ کر وہ جس طرح مسکرایا تھا' خیام کو بھی سب آلتو فالتو' چند لمحوں کے لیے جھٹکنا پڑا۔
"مجھے دیکھ کر لگتا ہے آپ کو کہ میرے حالات نے مجھے محبت کرنے کی اجازت دی ہوگی۔"
"محبت حالات کو کب دیکھتی ہے یار! بلکہ خراب حالات میں تو اور بھی وائرس کی طرح پھیلتی ہے۔"
"لگتا ہے ذاتی تجربہ ہے آپ کا!" وہ ایک بار پھر معاذ کی شخصیت میں دلچسپی لینے سے خود کو نہ روک سکا۔
"اور میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ لڑکی بہت خوش قسمت ہوگی' جس سے آپ محبت کرتے ہیں۔"
وہ اتنا پر یقین تھا کہ معاذ کے لیے تردید بھی ناممکن ہوئی۔
"محبت ہمیشہ خوش قسمتی کا سبب نہیں بنتی خیام! بہت سے لوگوں کو بڑی بھاری قیمت چکانی پڑتی ہے اس کی۔"
چائے کا کپ رکھتے ہوئے اس نے دانستہ کاپی پر نگاہ جمائی۔ "ویسے چائے بہت اچھی بناتے ہو تم۔"
"اور آپ بات بہت خوبی سے بدلتے ہیں!" معاذ کا موبائل بجنے لگا تھا۔
ذیشان کا فون تھا اور اس کی بات تھوڑی سی لمبی ہو ہی جاتی تھی' معاذ اٹھ کر باہر برآمدے میں چلا گیا۔ خیام الجھا الجھا سا وہیں بیٹھا رہا۔
"سو کوئی تو دکھ ہے معاذ بھائی کے ساتھ بھی!" سامنے میز پر ادھ کھلی کاپی رکھی تھی۔
وہ یوں ہی بے دھیانی میں صفحے پلٹنے لگا۔
ابتدائی حساب' انگلش اور اردو۔
[illegible] بہت اچھا کام کر رہے تھے' مگر درستی کی ضرورت بہرحال باقی تھی۔
[illegible] سے معاذ کا چھوڑا ہوا پین اٹھا کر وہ پوری طرح سے اس طرف متوجہ ہوا۔
[illegible] کتنی مدت بعد ہاتھ اور نگاہ اس بے حد مانوس مصروفیت میں گھرے' جو کبھی اس کی زندگی کا سب سے [illegible] تھی۔ ایک کے بعد' ایک کاپی۔
[illegible] قلم تیزی سے چلتا رہا۔
[illegible] آیا تو وہ آخری کاپی چیک کر رہا تھا۔
[illegible] کی طرف اس کی پشت تھی اور وہ اتنا محو تھا کہ اسے اپنے پیچھے کھڑے معاذ کی موجودگی کا احساس تک

نہیں تھا۔
''کہاں تک پڑھے ہوئے ہو؟''
جب وہ آخری کاپی میز پر رکھ رہا تھا' معاذ نے ہاتھ بڑھا کر کاپی اس کے ہاتھ سے لی۔
خیام کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل پایا۔
''میں پوچھ رہا ہوں' کہاں تک پڑھا ہے تم نے خیام؟'' معاذ اچانک ہی بے حد سنجیدہ ہوا تھا اور لہجے میں دبی دبی سی سختی نمایاں ہوئی تھی۔
''وہ' میں.....''
الفاظ خیام کے حلق میں اٹکے۔ مگر معاذ کے پاس فی الوقت کوئی رعایت نہیں تھی۔
''بی کام!'' سر جھکاتے ہوئے خیام نے جیسے اعتراف جرم کیا۔
معاذ چند لمحے خاموشی سے اس کے جھکے ہوئے سر کو دیکھے گیا۔
''چھپایا کیوں تھا مجھ سے؟ کتنی بار پوچھا میں نے تم سے؟''
''میں بس ایسے ہی۔''
''پھر جھوٹ!'' وہ کرسی کھینچ کر بالکل اس کے قریب سامنے بیٹھ چکا تھا۔ ''یہ کیوں نہیں کہتے کہ یہ سب حقیقت سے فرار کا ہی حصہ ہے' مخالف سمت میں اس طرح سرپٹ دوڑ رہے ہو کہ تمہیں اپنے کسی نقصان کا احساس تک نہیں رہا ہے۔''
وہ بڑی مشکل سے اپنے غصے کو کنٹرول کر رہا تھا' ورنہ دل تو یہی چاہا تھا کہ خیام کو ایک آدھ تو ضرور ہی کس کر لگا دے۔
''میرے لیے نفع نقصان برابر ہے' کوئی فرق نہیں پڑتا ہے مجھے' مگر آپ نہیں سمجھیں گے' اس لیے رہنے دیں۔''
معاذ کے غصے نے ہی اسے صفائی دینے پر مجبور کیا تھا' مگر اس کے چہرے پر پھیلی بے بسی ٹوٹتا ہوا لہجہ' کچھ بھی ایسا نہیں تھا' جو معاذ کے لیے قابل قبول ہوتا۔
''میں تمہاری ایک نہیں سنوں گا' تمہارے ساتھ جو بھی حالات رہے' چاہے وہ کتنے ہی تکلیف دہ ہوں' لیکن ایسے ضرور تھے' جن میں تم نے گریجویشن کرلیا' آگے بھی پڑھ سکتے تھے اگر گھر سے نہ بھاگتے۔''
اپنی بات کہتے ہوئے اس نے ذرا رک کر خیام کے چہرے کو غور سے دیکھا۔
خیام نے بے ساختہ ہی رخ دوسری طرف موڑا۔
''اتنا درست اندازہ!''
معاذ کی ذہانت پر اسے ویسے بھی کوئی شبہ نہیں تھا اور اب یقیناً' اگلی بات اس کے آبائی حوالے سے ہی متعلق ہوگی۔ جو اسے ویسے بھی ہمیشہ ہی اپنے ماتھے پر لکھا محسوس ہوتا تھا۔ خیام نے اپنی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگتی ہوئی محسوس کیں۔
''کسی لڑکی کا چکر تھا کیا' جو گھر چھوڑا ہے۔'' معاذ کا ہوا میں چھوڑا ہوا تیر' اس بار خطا ہوا تھا' خیام نے ایک اطمینان بھری سانس لی۔
''میں آپ سے کہہ چکا ہوں' میرا کوئی گھر نہیں ہے۔ آپ کو یقین نہیں آرہا تو آپ کی مرضی' آپ کو برا لگا ہے تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا' آپ ٹینشن مت لیں۔'' وہ خود پر قابو پا چکا تھا۔
''سچائی تک پہنچنے کے لیے شاید کچھ اور انتظار!''
معاذ نے اس کے بے تاثر چہرے کو دیکھا۔

اپنی باری آنے پر وہ اسی طرح بے مروتی کا مظاہرہ کرتا تھا اور کچھ بعید نہیں تھا کہ اب مزید کچھ کہنے پر وہ واقعی اپنا بوریا بستر سمیٹ کر رخصت بھی ہو جاتا۔
''اچھا اب بے کار کی جذباتیت مت پھیلاؤ' لیکن یہ بی کام کی ڈگری اگر تمہارے کسی کام کی نہیں ہے تو نہ سہی' دوسروں کو ہی اس سے فائدہ اٹھانے دو۔ سمجھے!''
''مطلب!'' خیام واقعی کچھ نہیں سمجھا تھا۔
''مطلب یہ کہ آج سے تم بچوں کو پڑھاؤ گے' ان کی آدھی سے زیادہ ذمہ داری تمہاری ہے' تاکہ تھوڑی سی فرصت مجھے بھی مل جائے!'' اپنی بات کہتے ہوئے' وہ اٹھ کر کھڑا ہوا ''سمجھ لو' مجھ پر ذاتی احسان ہوگا تمہارا۔'' اس نے کمرے میں سے نکلتے ہوئے بات ختم کی۔
''کیسی باتیں کرتے ہیں معاذ بھائی!'' خیام کی ساری لاتعلقی رخصت ہوئی' معاذ سے ملی ساری محبت کے جواب میں' ایک دراڑ اس کی سرد مہری میں بھی پڑی ہی تھی۔
وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا باہر برامدے میں آیا۔ سامنے ساجد کا خوانچہ ابھی بھی رکھا تھا۔
''اور یہ خوانچہ اب تم نہیں لے کر جاؤ گے۔ سمجھے! ساجد آ کیوں نہیں رہا آخر اسے لینے۔''
معاذ مڑ کر پوچھنے لگا۔
''وہ ٹھیک نہیں ہے معاذ بھائی! اب تو تین دن سے پیسے بھی لینے نہیں آیا ہے' بخار اتر ہی نہیں رہا ہے۔ کل اس کے محلے کا لڑکا پیسے لینے آیا تھا' اس نے بتایا تھا۔''
''کب سے بیمار ہے یہ لڑکا' مگر ماں باپ کو ذرا ہوش نہیں ہے۔'' وہ فکر مند ہوا ''بہرحال تم نہیں جاؤ گے اب یہ لے کر' ساجد کو جتنے پیسے دیتے ہو روزانہ وہ مجھ سے لے کر دے دیا کرو۔''
''وہ نہیں مانے گا معاذ بھائی! اور اس کے باپ کو پتا چلا تو اور بھی ہنگامہ کرے گا' وہ بڑا خطرناک آدمی ہے۔''
''مجھے پتا ہے!'' معاذ ہلکے سے مسکرایا۔
سر کے پچھلے حصے میں لگی پرانی چوٹ' ساجد کے باپ کی خطرناکی کی گواہ تھی' مگر وہ تفصیل بتانے سے گریز ہی کر گیا۔
''کل ول ساجد کو دیکھنے چلیں گے' آج سے تم اپنی نئی جاب شروع کرو بس!'' اس بار وہ خیام کی کوئی بات سننے کے لیے بھی نہیں رکا تھا۔

☆ ☆ ☆

دادی کا تامل بڑھتا ہی جا رہا تھا۔
''اصل میں تو آپ خود نہیں چاہتیں اماں! ورنہ معاذ کو راضی کرنا آپ کے لیے مشکل نہیں ہے' سب سے زیادہ وہ آپ کی سنتا ہے۔''
[illegible] اٹھتے بیٹھتے گلہ کرنے لگی تھیں' مگر دادی کے نزدیک سب ان کی غلط فہمی تھی۔
''میں صرف زبردستی کے سودے کی مخالف ہوں' ورنہ کب کا اس سے کہہ چکی ہوتی' لیکن کیا کروں دل نہیں [illegible] پر اس طرح کا ظلم توڑنے کے لیے۔''
[illegible] الٹ پھیر کے ساتھ' وہ اس طرح کے کئی بیان دے چکی تھیں۔
[illegible] الگ جاتا۔
''[illegible] محبت نہیں بھی ہے معاذ سے' مگر اماں سمجھتی ہیں کہ میں اس کا بھلا نہیں چاہتی' دشمن ہوں اس

کی۔"

ربیعہ کچن میں کچھ پکا رہی تھی تب وہ سلیب کے پاس اسٹول پر بیٹھی اپنا دل ہلکا کر رہی تھیں۔

"بھلا بتاؤ کوئی ماں اپنی اولاد کا برا کیسے چاہ سکتی ہے۔" ان کی پیشانی پر بل تھا۔ "میں بھی تو یہی چاہتی ہوں کہ اب وہ اپنی زندگی میں سیٹل ہو جائے۔"

"دادی کا ایسا کوئی مطلب نہیں امی! وہ بھی صرف یہ چاہتی ہیں کہ جو بھی ہو معاذ کی مرضی سے ہو اور یہ بھی ٹھیک بات ہے۔" ربیعہ کی توجہ سالن پر تھی لیکن امی کو تسلی دے گئی۔

"اصل میں تو تم معاذ اور اماں تینوں ہی کی ایک متفقہ رائے بن جاتی ہے کسی بھی معاملے میں دوسرا چاہے پھر سر پٹخ کر مر جائے مگر مجال ہے جو۔"

زری اندر آ رہی تھی امی نے اپنے خراب موڈ میں بھی اس بات کا خیال رکھا کہ وہ کچھ سن نہ لے۔

"کیا بات ہے؟" زری کے ساتھ وہ زیادہ تر اسی طرح اکھڑ لہجے میں بات کرتی تھیں مگر وہ دن بہ دن اتنی ڈھیٹ ہوتی جا رہی تھی کہ کچھ بھی کہہ لو کوئی فرق نہیں۔

"ربیعہ باجی کی مدد کرنے آئی تھی میں نے سوچا ان کی پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے۔"

امی کو اس کا احساس ذمہ داری بھی کھلا۔

"پڑھ لے گی اسے خود بھی خیال ہے اور یہ باجی کب سے ہو گئی وہ تمہاری عمر میں دو چار سال چھوٹی ہی ہے تم سے ربیعہ!"

"اچھا لگتی نہیں ہے اسی لیے سوچا کہ۔" ربیعہ بے ساختہ ہی ہنس پڑی۔

"کوئی بات نہیں زری! تمہارا جو دل چاہے کہہ لیا کرو دو چار سال تم بڑی ہو یا میں کیا فرق پڑتا ہے۔"

"اتنے مہینوں سے یہاں رہ رہی ہے اب اس پر اپنی کم عمری کا انکشاف ہوا ہے۔"

امی بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

کچن میں زری کے کرنے لائق کافی کام تھا آج کل ان کی اپنی طبیعت تھوڑی خراب تھی سو مصلحت پسندی سے بھی کام لینا پڑ رہا تھا۔

"برتن دھو کر روٹی پکا لینا!"

"جی اچھا امی۔"

وہ اس طرح خوش ہوئی جیسے کوئی دلی مراد پوری ہوئی ہو۔

"اور تم۔" انہوں نے مڑ کر ربیعہ کی طرف دیکھا۔

"جو میں نے کہا ہے ذرا دیکھ لینا۔" زری کے سامنے گھر کی اہم باتیں ڈسکس کرنے پر وہ باقاعدہ پابندی لگا چکی تھیں اور سب سے زیادہ خود ہی اس پر عمل کر رہی تھیں۔

زری نے الجھن بھرے انداز میں ربیعہ کی طرف دیکھا اس کے چہرے پر سوچ کا تاثر تھا اور فکر کا بھی۔ وہ ابھی کچھ پوچھنے ہی والی تھی کہ ربیعہ چولہا ہلکا کر کے باہر نکل گئی۔

"سب لوگ کچھ زیادہ ہی پُراسرار ہو گئے ہیں۔" زری نے برتن دھوتے ہوئے خود سے قیاس آرائی کی۔ اگر شائستہ امی سے ٹکراؤ کا خطرہ نہ ہوتا تو وہ یقیناً ربیعہ کے پیچھے ہی جاتی۔

"معاذ!" اندر ہال میں سے ربیعہ کی آواز یہاں تک آ رہی تھی۔

"معاذ! دادی کے کمرے میں آنا!"

آج معاذ گھر پر تھا اور اصل میں تو وہ صبح سے اسی پر اپنی کارکردگی ثابت کرنے کے لیے سرگرداں تھی۔

"مگر اب جب وہ دادی کے کمرے میں ہوگا تو برتنوں کا یہ اتنا بڑا چمکتا ہوا ڈھیر کون دیکھے گا۔"
زری کا دل اس ساری محنت پر برا ہوا۔
باقی بچے ہوئے سارے برتنوں پر اب صرف جھاگ میں ڈوبی ہوئی جالی ہی رسمی طور پر پھیرنی تھی۔
"پتا نہیں کیوں دادی کے کمرے میں لے کر گئی ہے ربیعہ؟"
فطری تجسس بے قرار کیے دے رہا تھا' سو وہ نلکا بند کر کے چند منٹ کے لیے کچن سے باہر نکل ہی آئی ہال اور کوریڈور خوش قسمتی سے خالی تھے۔
زری اطمینان سے چلتے ہوئے دادی کے کمرے کی طرف مڑ گئی۔
گھر میں کوئی بھی عادتاً "دھیمے انداز میں بات نہیں کرتا تھا' نارمل سی ٹون تھی' بہت کچھ بنا کسی کوشش کے یوں ہی سن لیا جاتا' سو اسے امید بھی نہیں تھی کہ معاذ کو دادی کے کمرے میں لے جا کر جو باتیں ہو رہی ہیں' وہ سننے سے محروم رہ پائے گی' مگر اس وقت دادی کے کمرے کا دروازہ اندر سے لاک تھا۔
"میں نے بھلا کون سے راز اڑا لینے تھے۔"
وہ سخت بدمزہ ہوتی وہاں سے واپس ہوئی' شکر ہے' جو امی سے سامنا نہ ہوا۔
اندر دادی کے کمرے میں وہ تینوں ایک دوسرے سے بے حد محبت کرنے کے باوجود اس وقت مخالف کیمپوں میں تھے۔
"بہت سی باتوں کو ہمارا دل نہیں چاہتا' مگر برداشت کر ہی لیتے ہیں' تم بھی تھوڑی سی گنجائش پیدا کرنے کی کوشش کرو بیٹا! تو شاید بہتری کی کوئی صورت پیدا ہو ہی جائے۔" دادی کو تھوڑا سا اصرار کرنا ہی پڑ رہا تھا' مگر انداز اب بھی ڈھیلا ڈھالا ہی سا تھا۔
معاذ ہلکے سے مسکرا دیا۔
"آپ جو کہہ رہی ہیں' اس پر خود بھی پر یقین نہیں ہیں دادی! ورنہ بتا دیں' بہتری کی کوئی ایک بھی صورت۔"
"گھر بس جائے گا' تمہاری ماں خوش ہو جائے گی' اور کیا چاہیے۔"
دادی نے دانستہ اس سے نگاہ چرائی۔
"گھر تو خیر نہیں بستا اور جب گھر نہیں بسے گا تو امی کی خوشی بھی بس چند روزہ ہی ہوگی۔"
وہ اتنا پر یقین تھا کہ ربیعہ نے بھی چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔
"خدا نہ کرے' کیوں اتنی بری بات منہ سے نکالتے ہو' ماں سنے گی تو کتنا دل برا ہوگا اس کا۔"
"اس لیے ان سے نہیں' آپ سے کہہ رہا ہوں' مناسب لفظوں میں آپ سمجھا دیں انہیں' سمجھ گئیں تو سب کا بھلا ہوگا۔" سرسری سے انداز میں کہتے ہوئے' وہ اب بھی مسکرایا تھا' پر عرصہ ہوا' اس کی آنکھیں ساتھ دینا بھول چکی تھیں۔
ربیعہ نے بہت غور سے اس کی طرف دیکھا۔
ایک اچھے کیریر کی شروعات' اب اس کے حلیے سے ظاہر ہوتی تھی۔
اچھے کپڑے' معاشی تحفظ کی بے فکری۔
مگر وہ بے ساختہ مسکراہٹ' روشن چمکتی خواب دیکھنے والی آنکھیں' اسی پرانی جینز اور گھسی ہوئی شرٹ پہننے والے معاذ کی شخصیت کا حصہ تھیں۔
یہ تو کوئی اور ہی تھا۔
جس کی آنکھوں میں گہر جمی ہوئی تھی اور مسکراہٹ پر بس مسکرانے کا شائبہ سا پڑتا تھا۔

پتا نہیں کیوں' مگر شدت سے اس کا دل سامنے بیٹھے' معاذ کے گلے لگ کر رونے کو چاہا۔ خود کو بمشکل سنبھالتے ہوئے' ربیعہ نے نگاہ جھکا لی تھی' دادی اور معاذ کی بات چیت کہیں سے کہیں جا رہی تھی۔
"مجھے تو' تم سب معاف ہی رکھو' جو کہنا سننا ہے' آپس میں خود بیٹھ کر کیا کرو' تمہاری ماں کو ویسے ہی یقین ہے کہ میں تمہیں شادی کرنے سے منع کر رہی ہوں' پتا نہیں کیوں اس کے دل میں یہ وہم بیٹھ گیا ہے' ورنہ میں نے تو جویا کا نام لینا بھی۔۔۔"
روانی میں وہ اسی طرف آئیں' جو ممنوعہ راستہ تھا۔
"یوں ہی منہ سے نکل گیا' خیال مت کرنا۔" ذرا رک کر وہ دھیمی آواز میں بولیں۔
معاذ نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔
"آپ کیوں شرمندہ ہوتی ہیں دادی! ڈوب مرنے کا مقام تو اب میرے لیے ہے۔ لیکن یہ آسانی بھی میسر نہیں آ رہی فی الوقت!"
وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا' اور مزید کچھ کہے سنے بغیر باہر بھی نکل گیا۔
"یہ کیا کہہ کر گیا ہے ربیعہ؟" دادی نے حیرت سے' اتنی دیر سے بالکل خاموش بیٹھی ربیعہ سے پوچھا تھا۔

☼ ☼ ☼

لاؤنج کی گلاس وال کے دوسری طرف وسیع سبزہ زار نظر آ رہا تھا۔
موسم سرما کے خوش رنگ پھولوں سے لدی' قطار در قطار کیاریاں۔
مگر کچھ بھی کارگر نہیں۔
وہ آج بھی بہت دیر گیٹ پر آکر بیٹھا رہا' گارڈز نے اسے دھکے دے کر نکالنا چاہا' مگر وہ پھر بھی جانے کے لیے تیار نہیں تھا۔
"بڑی مشکل سے ہٹایا ہے اسے تب کہیں جا کر میں گھر سے نکل سکی۔"
صوفے پر پاؤں اوپر کر کے بیٹھی زوبیہ نے پریشانی سے سامنے بیٹھی ماں کی طرف دیکھا۔
وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی یہاں آئی تھی' اور وہی روز کا رونا تھا۔
"مجھے تو اس بات کی فکر کھا رہی ہے کہ آس پاس کے گھروں پر کیا اثر پڑتا ہوگا' اس روز کے تماشے کو دیکھ کر' ایک زمانہ تمہارے باپ کو جانتا ہے' اور یہ سلمان نہ اس کی خود کوئی عزت اور نہ ہی اس کے خاندان کی' ہمیں تو لوگوں کا سامنا کرنا مشکل ہو گیا ہے' تمہاری اس شادی کے بعد' یوسف نام نہیں سننا چاہتے ہیں سلمان کا اب۔"
ان کے پاس زوبیہ کے لیے ہمدردی کا ایک لفظ نہیں تھا' صرف اپنے تحفظات تھے۔ "ہم سب مخالف تھے' مگر تم نے جو کرنا تھا' سو کیا۔ اب بھگتو۔" بہت دن زوبیہ سے ہمدردی کرنے کے بعد اب وہ قطعی بیزار تھیں۔ زوبیہ [illegible] اضطراب سے پہلو بدلا۔
"[illegible]خالی میں کیوں بھگتوں' آپ لوگ کس لیے ہیں؟ میرے مسائل میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی ہیں آپ مجھے' [illegible] اولاد ہوں آپ کی میں۔"
[illegible] کمالی نے اندر آتے ہوئے اسے کہتے سنا۔
"[illegible] چاہتی ہو اب تم ہم سے زوبیہ۔" اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ سیدھے اس کی طرف [illegible] کے ساتھ رہنا چاہو' یا پھر اس سے علیحدگی ہو' ہم کسی فیصلے میں آڑے نہیں آ رہے' پھر کس بات کا [illegible]

ان کا لہجہ بے تاثر تھا' شفقت یا فکر مندی کا کوئی شائبہ تک نہیں۔ زوبیہ کے دل کو دھکا سا لگا۔

"بس اتنا ہی تعلق ہے آپ کا میرے معاملات سے' کوئی تسلی تک نہیں ہے میرے لیے آپ کے پاس۔"

"تمہیں تسلی کی ضرورت تب ہوتی' جب تم نے ہمارے مشورے کو اہمیت دی ہوتی۔"

"میری شادی آپ کی مرضی سے ہی ہوئی تھی ڈیڈی!"

"غلط بات!" انہوں نے انگلی کے اشارے سے اسے تنبیہہ کی۔ "مرضی سے نہیں بلکہ ہماری رائے لینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی تم نے' تم نے فیصلہ کر کے سنایا تھا' اور تمہاری ماں' ہمیشہ کی طرح تمہاری حمایت پر تھی' میرے لیے اس شادی کو ارینج کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا' سو میں نے وہ کردی تھی۔"

زوبیہ نے لاجواب سا ہو کر ماں کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہیں تمہارے ڈیڈی۔"

زوبیہ کی دیرینہ حمایت سے اب وہ بھی دستبردار تھیں۔

"اگر میں سلمان سے خلع لے لوں تو پھر آگے میرے لیے کیا راستہ رہ جاتا ہے۔ اس بارے میں ہی بتا دیں کچھ۔" ماں باپ کی لاتعلقی اُسے طنزیہ موڈ میں لے آئی۔

"وہ بھی تمہیں خود ہی سوچنا ہوگا' اب اس عمر میں کوئی اچھا رشتہ ملنا مشکل ہے' یہ بات ذہن میں رکھنا۔" ان کی سرد مہری برقرار تھی' زوبیہ کی شکایتی نگاہیں اب دونوں پر باری باری پڑی تھیں۔

"اب ایسے بھی نہ کہیں' زوبیہ اتنی بڑی جائیداد کی اکلوتی وارث ہے' کوئی بھی اچھا شخص مل سکتا ہے اسے' بلکہ سرکل میں ہیں دو ایک' اگر آپ واقعی کوشش کریں۔" وہ ماں تھیں' اس لیے رہ نہ سکیں۔

"جس اچھے لڑکے کی طرف تمہارا اشارہ ہے' وہ شادی کر چکا ہے اور ہفتے کو میں نے اسے کھانے پر بلایا ہے۔" انہوں نے تازہ خبر بریک کی۔

✲ ✲ ✲

گھر میں پھیلے غیر معمولی سناٹے کو اس نے سیڑھیوں پر قدم رکھتے ہی محسوس کر لیا تھا۔

ہر وقت برپا رہنے والا وہ شور' جس سے سب سے زیادہ مالک مکان نالاں رہتے تھے' آج سرے سے مفقود تھا۔

نہ ہر وقت اونچی آواز میں چلتا ہوا ٹی وی کھلا تھا اور نہ ہی سلمان' شاکرہ امی یا اظہار صاحب کے اونچی آواز میں ہوتے شکوے' جھگڑوں کا ہی تسلسل تھا' جویا کو لگا جیسے وہ سب یا ان میں سے ایک دو لوگ ضرور خوش گوار اور پرسکون موڈ میں ہیں مگر اس کے لگائے ہوئے بیشتر غلط اندازوں کی طرح یہ بھی ایک غلط اندازہ ہی تھا۔

"ابو کی ضمانت منسوخ ہوگئی ہے' پولیس نے انہیں عدالت سے ہی دوبارہ حراست میں لے لیا ہے۔"

زویا آج گھر پر تھی اور جویا کو یہ خبر اس نے اس کے اوپر پہنچتے ہی سنا دی تھی۔

جواباً وہ بنا کوئی لفظ کہے اسے خالی خالی نگاہوں سے دیکھے گئی۔

جو کچھ ابھی سنا وہ غیر متوقع بھی نہیں تھا' پھر بھی وہ سب ہی سر پر لٹکی اس تلوار سے نگاہ چرائے ہوئے تھے۔

"ابو کے وکیل کا فون آیا تھا' انہوں نے ہی گھر پر اطلاع دی' خود تو شاید ابو بات کرنے کے بھی قابل نہیں تھے' ہمت تو وہ بہت پہلے ہی کھو چکے ہیں۔" زویا کے لہجے میں گہری افسردگی تھی۔

صحن میں دیوار کے ساتھ لگی کرسی پر جویا تھکے تھکے انداز میں بیٹھی۔ قدموں میں کھڑے رہنے کی سکت ذرا دیر کے لیے تو زائل ہی ہوئی تھی۔

"سلمان بھائی کیوں نہیں گئے تھے ان کے ساتھ' جب پتا بھی تھا کہ آج ضمانت کی درخواست کا فیصلہ ہے۔"

"سلمان بھائی!" زویا ہلکے سے سر جھٹک کر لمحے بھر کے لیے خاموش ہوئی۔

"سلمان بھائی نے تو اس اطلاع کے بعد بھی جانے کی تکلیف نہیں گوارا کی' ابو کا ضروری سامان بھی وکیل صاحب نے کسی لڑکے کو بھیج کر منگوایا تھا۔ ورنہ میں خود جا کر دے کر آتی۔"

محض چند جملوں میں بے حسی کی داستان رقم تھی۔

زویا کے چہرے پر گہری اداسی تھی اور وہ جس طرح خود کو سنبھالنے کی کوشش میں تھی' جویا کی سمجھ میں آ رہا تھا۔ یہ اعصاب شکن آزمائش ان ہی دونوں کے حصوں میں کیوں آئی تھی؟ فی الحال یہ بھی سمجھنا دشوار تھا۔

"تم نے مجھے فون کیوں نہیں کر دیا اسکول میں' میں جلد ہی واپس آجاتی' سب کچھ اکیلے ہی۔۔۔"

"کیا فائدہ' کون سی خوش خبری تھی جو سنائی جاتی اور یہ فیصلہ تو صبح ہی آگیا تھا' میرا خیال تھا کہ سلمان بھائی اور آپا گل تھوڑا بہت تو سنبھال ہی لیں گے۔"

"آپا گل آگئی تھیں۔"

جویا نے بے ساختہ پوچھا تھا۔

زویا نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔

کوئی بھلائی' کوئی امید نہیں' پھر بھی رشتوں سے بندھی فضول توقعات کے بار بار ٹوٹنے کا درد بھرا سلسلہ! وہ دونوں ابھی تک اسی دھوپ بھرے صحن میں تھیں۔

"میں امی کو دیکھتی ہوں' ان کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" وہ اٹھ کر کمرے کی طرف بڑھی تھی۔

"پتا نہیں' ٹھیک ہے بھی اور نہیں بھی۔"

"کیا مطلب؟" وہ جاتے جاتے رکی' مگر زویا مزید کچھ کہنے کے بجائے اس کا ہاتھ تھام کر اندر کمرے میں چلی آئی۔

باہر کی تیز دھوپ کے مقابلے میں کمرے میں اس وقت بھی نیم تاریکی سی تھی۔ بند دروازے' کھڑکیاں اور ان پر گرے بھاری پردے۔ جویا کو فوری طور پر کچھ دکھائی نہیں دیا۔

"امی!" وہ اندازے سے ان کے بیڈ کی طرف بڑھی تھی۔ شاکرہ امی کی سسکیاں سنائی دیں۔

زویا نے لائٹ آن کر دی تھی۔

وہ لٹے پٹے انداز میں بیڈ پر نیم دراز تھیں اور آنکھوں پر آئی سوجن ان کے مستقل روتے رہنے کی گواہی دے رہی تھی' جویا کو دیکھ کر وہ جس طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہوئی تھیں' ان دونوں کے لیے انہیں سنبھالنا مشکل ہوا تھا۔

"ہم کہیں کے نہ رہے جویا! برباد ہو گئے' جیل ہو گئی' پھر تمہارے ابو کو پولیس ہتھکڑی ڈال کر لے گئی کورٹ سے۔ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں ہیں' اب ہم لوگ۔"

آہوں' سسکیوں کے درمیان ان کا تفصیلی بیان خاصی بلند آواز میں تھا۔

سلمان برابر والے کمرے میں سے سخت جھنجلایا ہوا اندر آیا۔

"اور زور سے چلائیے' تاکہ جو دو چار لوگ ہمارے گھرانے کی بدنامی سے اب تک ناواقف ہیں انہیں بھی اطلاع مل جائے کہ ہمارے باپ کرپشن کے الزام میں جیل کی ہوا کھا رہے ہیں' جہالت کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔"

اس [illegible] تنبیہہ کچھ بھی کارگر نہ ہوا۔

[illegible] امی اور بھی زیادہ بے قراری سے روئے گئیں' اس بار صرف اظہار صاحب کا دکھ ہی وجہ نہیں بنا تھا۔

"آپ کو ابو کی تکلیف کا خیال نہیں آ رہا سلمان بھائی' صرف لوگوں کی فکر ہے۔" زویا نے افسردگی سے اس کی

طرف دیکھا۔

"ہاں تو اور کیا۔" اس کی بے حسی اب حیرت میں مبتلا نہیں کرتی تھی۔ "ابو تو پہلے بھی کتنے دن رہ چکے ہیں جیل میں' عادی ہیں وہاں کے ماحول کے۔ اس بار انہیں تکلیف نہیں ہوگی وہاں' البتہ لوگ دوبارہ اس سارے قصے کو تازہ کریں گے' کل کے اخبار میں چھوٹی سی خبر ضرور لگے گی اور مجال ہے جو سارے خاندان میں کوئی ایک بھی چوک جائے اسے پڑھنے سے۔ ڈسپلے کروا کر رکھ دیا انہوں نے تو' ساری دنیا پیسہ بنا رہی ہے' مگر کوئی پکڑا نہیں جاتا' سب اپنے ہاتھ صاف رکھتے ہیں' انہیں اتنی بھی عقل نہیں آئی رشوت کھاتے ہوئے۔"

حرام کی کمائی سے پوری طرح فیض یاب ہونے کے بعد وہ پوری ڈھٹائی سے بے لاگ تبصرہ کر رہا تھا۔

جویا نے نچلا لب سختی سے دانتوں تلے دبایا تھا۔

"دفع ہو جا سلمان! چلا جا میرے سامنے سے۔ کچھ کر نہیں سکتے تو زخموں پر نمک بھی نہ چھڑک۔"

شاکرہ امی نے بے ساختہ ہی اس کے آگے ہاتھ جوڑے تو وہ پیر پٹختا ہوا باہر چلا گیا۔

"مجھ سے کوئی امید مت رکھیں' اور ویسے بھی ضمانت منسوخ ہوئی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اب اگلی پیشی پر سزا بھی سنائی جا سکتی ہے۔"

ایک اطلاعیہ وارننگ اس نے جانے سے پہلے دینا ضروری سمجھی۔

"کیا کہہ رہا تھا یہ؟" شاکرہ امی نے ہراساں ہو کر جویا اور زویا کو دیکھا۔

"کچھ نہیں امی! آج شام میں وکیل صاحب سے ملوں گی جا کر۔ آپ فکر مت کریں' سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

گو اسے اپنے کہے آخری جملے پر خود بھی ذرا بھر یقین نہیں تھا۔ مگر شاکرہ امی کی تسلی کے لیے کہنا پڑا تھا۔

"مگر شام میں تو ٹیوشن سینٹر۔"

"چھٹی کر لوں گی وہاں سے' یہ کام زیادہ ضروری ہے۔"

"پھر ابھی فون کر لو' تمہاری ہیڈ کوئی اتنی مہربان خاتون بھی نہیں ہیں' اچھی خاصی سنائیں گی تمہیں۔" زویا نے یاد دلایا۔

سلمان پھر سے دروازے میں آ کھڑا ہوا تھا۔

"آج صبح سے رونا پیٹنا مچا ہوا ہے' کچھ بھی نہیں پکا ہے' پیسے دو میں کچھ کھانے کے لیے لے کر آتا ہوں' بھوک سے دم نکلا جا رہا ہے۔"

بنا ایک لفظ بھی کہے جویا نے پیسے نکال کر اس کے ہاتھ میں تھمائے اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"بس اتنے ہی۔" اس نے اپنے پیچھے سلمان کو مایوسی سے کہتے سنا تھا۔

"میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔" زویا اس کے ساتھ ہی اندر آئی تھی۔

"کیا فائدہ' بات ہی تو کرنی ہے وہاں جا کر۔"

"پھر بھی کم از کم تم اکیلی تو نہیں ہو گی نا' وہاں اتنے رش میں۔"

کپڑے نکال کر واش روم کا رخ کرتی ہوئی جویا نے کچھ چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"اکیلی!"

اندر اترے سناٹے میں اسی ایک لفظ کی گونج پھیلی تھی۔

☆ ☆ ☆

کھلی کھڑکیوں سے نرم گرم سی دھوپ کمرے میں اتری تھی۔ زری نے بڑی سعادت مندی سے دادی کے پیر

دباتے ہوئے ایک بار پھر ان کی طرف دیکھا۔

"کیا کہنا چاہ رہی ہے آخر کہہ بھی دے۔" وہ اخبار کھولے بیٹھی تھیں، مگر خود پر بار بار اٹھتی نگاہ سے بے خبر نہیں تھیں۔

"پیسے چاہئیں یا پھر بھاوج یاد آ رہی ہے! معاذ سے کہہ کر بھجوا دیتی ہوں سکھر۔"

"ارے توبہ کریں!" ہلکی سی جھرجھری لے کر اس نے بے ساختہ کان کی لو کو چھوا۔

سعیدہ کے پاس بھیجے جانے کی دھمکی خون خشک کرتی تھی، دل کو لگی معاذ نام کی لگن کے ساتھ اب اس بڑے سے کھلے کھلے پرسکون گھر میں گزرنے والی زندگی سے دست بردار ہونا بھی آسان نہیں رہا تھا۔

"میری کیا شامت آئی ہے جو میں سکھر کی ٹرین پکڑوں، آپ اگر مجھ سے تنگ آ جائیں تو بے شک دارالامان ہی بھیج دیجئے گا دادی! میں اف نہیں کروں گی۔" اس نے سوچی سمجھی سی مظلومیت خود پر طاری کی۔ سو دادی کا ردعمل "فوراً" ہی سامنے آیا۔

"خدا نہ کرے جو ہم تجھے دارالامان بھیج دیں، ایسے ظالم بھی نہیں ہیں، بس ذرا اپنی زبان اور عادتوں کو کنٹرول میں رکھ، اللہ نے چاہا تو کوئی مناسب لڑکا دیکھ کر تیری شادی ہی کر کے رخصت کریں گے۔"

زری کی جلد از جلد شادی کا تذکرہ اب وہ اکثر چھیڑے رکھتی تھیں، سو وہ اور بھی جلتی۔

"اتنا مناسب لڑکا گھر میں موجود ہے اور مجھ میں بھی سوائے تعلیم کی کمی اور غریبی کے کیا نقص ہے۔"

دادی کو اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کی ناگواری کا اندازہ ہو رہا تھا۔

"اب کیا ہو گیا، لڑکیاں اپنی شادی کی بات سن کر خوش ہوتی ہیں، تو کیوں منہ بنا کر بیٹھ جاتی ہے۔"

"مجھے نہیں جانا یہاں سے کہیں اور۔" مارے کوفت کے چند لمحے تو اس سے اور کچھ کہا بھی نہیں گیا۔ دادی کی توجہ پھر سے اخبار کی طرف ہونے لگی تھی۔

جو بات وہ اتنی دیر سے پوچھنا چاہ رہی تھی غیر متعلقہ باتوں میں الجھ کر کہیں پیچھے ہی رہ گئی تھی۔

"دادی۔"

"ہوں۔"

"وہ معاذ کے لیے جو لڑکی امی کو پسند آ گئی ہے، اس کا کیا ہوا؟ آپ تو اب تک بھی نہیں گئی ہیں اسے دیکھنے۔"

"میرا کیا دیکھنا، شائستہ کو پسند آ گئی ہے تو ٹھیک ہی ہو گئی، آگے معاذ کی مرضی ہے۔"

دادی کا انداز لاتعلقی لیے ہوئے تھا۔

زری کو یہ ہی بات اچھی لگتی تھی کہ دادی کو معاذ کے لیے پسند کی جانے والی لڑکیوں میں ذرا بھر بھی دلچسپی نہیں تھی۔

"آپ کی کتنی اچھی عادت ہے، کسی بھی بات میں دخل نہیں دیتیں، ورنہ چاہیں تو خود اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کر دیں معاذ کی۔" ایک شرمیلی سی مسکراہٹ خود بخود اس کے چہرے پر آئی اور دادی کی ٹانگیں دباتے ہوئے ہاتھوں کی رفتار اور بھی تیز۔

"میری پسند کی لڑکی..." افسردگی سے کچھ کہتے کہتے انہیں کچھ اور یاد آیا "اور یہ معاذ، معاذ کیا لگا رکھی ہے، دس بار کہا ہے کہ معاذ بھائی کہا کرو۔"

"جی اچھا!" اس نے ہر بار کی طرح "فوراً" سر بھی ہلا دیا۔

"تو کیا کہہ رہی تھیں آپ پسند کی لڑکی کے متعلق میری مانیں تو سیدھی سادی خدمت گزار دیکھیے گا۔" گھر کو جنت بنا دے گی۔" زری کا دل اتنی سی بات کرتے ہوئے بھی امید بھرے انداز میں دھڑکا تھا۔

"ہاں آں۔" دادی نے ایک لمبی سی سانس لی۔ "میری جویا ایسی ہی تھی، صابر، محبت کرنے والی، خدمت گزار، اس سے اچھی لڑکی معاذ کو نہ مل سکتی ہے اور نہ ملے گی۔ چاہے شائستہ کتنا ہی ڈھونڈے۔"

"مگر وہ بات تو کب کی ختم ہو چکی دادی! اس کا کیا ذکر۔ اب امی تو نام بھی سننا گوارا نہیں کرتی ہیں اس لڑکی کا۔"

اس کا بنا بنایا موڈ غارت ہوا۔

دادی نے بہت غور سے اس کی طرف دیکھا۔

"اور معاذ، جویا کے علاوہ کسی اور کا نام سننے کو تیار نہیں، یہ بھی سچ ہے۔"

زری نے اپنے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔

"کیا، وہ بہت خوب صورت ہے دادی؟"

"میں نے کہا نا کہ معاذ کے لیے اس جیسی کوئی اور..." ان کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔

"اماں۔" اسلام صاحب تیزی سے کمرے میں آئے تھے۔

"آپ نے آج کا اخبار پڑھ لیا۔" وہ پریشان تھے۔

"نہیں، ایسے ہی دیکھا ہے سرسری، یہ لڑکی بار بار باتوں میں لگا لیتی ہے۔ خیر تو ہے نا۔"

"خبر تو اچھی نہیں ہے اماں، اظہار دوبارہ پکڑے گئے ہیں۔ ضمانت منسوخ ہو گئی ہے، بہت ہی افسوس ہوا ہے، پتا نہیں، شاکرہ اور بچوں پر کیا گزر رہی ہو گی۔" بات کرتے ہوئے وہ قریب پڑی کرسی پر بیٹھے۔

زری دانستہ پیچھے کو سرکی۔

خبر تازہ تھی اور اس کی باخبر رہنے کی عادت، اسے ان سب سے بھی متعارف کرا چکی تھی، جن کو اس نے اب تک دیکھا بھی نہیں تھا۔

"الٰہی خیر! رحم کر دے اظہار اور اس کے بیوی، بچوں پر، سارا پیسہ بھر دیا تھا اس نے، پھر بھی سزا ختم نہیں ہوئی تھی کیا۔" دادی کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔

"جرمانہ بھرا تھا اظہار نے اماں! اتنا کمایا نہیں ہو گا ان چکروں میں، جتنا ادا کرنا پڑا ہے، خدا کرے کہ سزا کم سے کم ہو، کوئی اچھا وکیل کرنا پڑے گا، فیس، مقدمے کے اخراجات..." وہ آہستہ آہستہ تفصیل بتا رہے تھے۔

ایک ایک کر کے سب ہی دادی کے کمرے میں جمع ہونے لگے۔

ربیعہ، امی... اور معاذ۔

دروازے کے بالکل ساتھ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر وہ بالکل خاموش کھڑا تھا، کمرے میں ہوتے ہوئے بھی کسی بھی بات میں اس نے اب تک حصہ نہیں لیا تھا اور جب سے وہ یہاں آ کر کھڑا ہوا تھا۔ زری کو اس پر سے اپنی نگاہ ہٹانے کی بڑی شعوری سی کوشش کرنی پڑ رہی تھی۔

امی نے حسب عادت زری کو وہاں سے رخصت کیا۔

"ہمیں اس وقت شاکرہ اور بچوں کی خبر گیری کرنی چاہیے، سارا خاندان جانتا ہے کہ وہ اس وقت کتنی بڑی مالی پریشانی سے گزر رہے ہیں، ہم سے کم اتنا تو کر سکتے ہیں نا کہ..."

اسلام صاحب کی نیک نیتی سے کی گئی بات میں بھی اختلاف کا پہلو ڈھونڈا جا رہا تھا۔ شائستہ امی کا خیال بلکہ یقین تھا کہ اظہار چچا کا خاندان آج بھی ان کا دشمن نمبر ایک ہے اور جو کچھ بھی ہو رہا ہے، اس پر ہمدردی کا ذرا بھی حق نہیں ہے۔ اور اپنی رائے کے اظہار میں انہوں نے نہ تو دادی کی پروا کی تھی اور نہ ہی خاموش کھڑے معاذ کی۔

"ہمارا ہر تعلق ختم ہوئے مدت بیت گئی، پھر بار بار یہ ذکر ہی ہمارے گھر میں کیوں ہوتا ہے، ان کے ساتھ جو

کچھ بھی ہو رہا ہے' اس سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں' تمہارے اپنے مسئلے' اپنے کام ہیں' جو کسی بھی دوسری بات سے زیادہ اہم ہیں۔"

اب وہ اس ملک' بیکار بات کرنے لگی تھیں اور کسی کی بھی مخالفت کو خاطر میں نہیں لاتی تھیں۔

گھر اور خاندان کے لیے ساری عمر اتنا کچھ کرنے کے بعد وہ بجا طور پر اس کا حق بھی رکھتی تھیں۔ مگر کبھی کبھی یہ لب و لہجہ تحت کو وقت میں بھی مبتلا کرتا تھا۔

"کون سا مسئلہ؟ وہی معاذ کی شادی نا' یہی ایک بات تمہارے سر پر سوار ہے شائستہ! جب وہ کہہ چکا ہے کہ فی الحال وہ نہیں کرے گا' پھر کیوں پیچھے پڑی ہو آخر۔"

ابا' اظہار چچا کے معاملے کو لے کر از حد پریشان تھے' سو اس بے وقت کی راگنی پر ان کی برہمی فطری سی تھی۔

امی کے چہرے پر تنی سی مسکراہٹ آئی۔

"نہیں پیچھے پڑوں گی' اگر یہ اپنے منہ سے کہہ دے کہ یہ میری پسند کی ہوئی لڑکی سے شادی کرے گا' چاہے دس سال بعد ہی سہی' مگر اظہار اور شاکرہ کی بیٹی کا نام بھی نہیں لے گا۔"

بات ختم کرتے ہوئے انہوں نے مڑ کر پیچھے کھڑے معاذ کی طرف دیکھا تو سب ہی کی نگاہ اس کی طرف اٹھی۔

وہ بالکل خاموش تھا' لیکن اس کے چہرے کی رنگت اڑی تھی۔

ان سب نے ہی دکھ کی کسی انتہا کو چھوا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے شائستہ! اولاد سے شرطیں رکھو گی؟" آپ تحت دل۔" ابا نے ماحول کی سنگینی کو شاید کم کرنا چاہا' مگر تب ہی معاذ نے پہلی بار ان کی بات کاٹی۔

"مجھے آپ کی بات منظور ہے امی! جو آپ چاہیں گی وہی ہوگا' مگر وقت کا اصرار نہیں ہوگا' اب آپ کے پاس بھی۔"

دادی نے بے ساختہ ہی دل پر ہاتھ رکھا تھا۔

"تم بھی کس بات کو لے کر سیریس ہو رہے معاذ! یہ تو یوں ہی جذباتی ہو رہی ہیں' بات کیا ہو رہی تھی اور کہاں پہنچ گئی ہے۔"

ابا نے بھاری پڑتے ان لمحات میں اس کا ساتھ نبھانے کی ایک اور کوشش کی۔

"نہیں ابا! اب اس بات کو طے ہو جانے ہی دیں' نہیں نام لوں گا میں جو کہا۔"

وہ بات کرتے ہوئے ذرا رکا' اس اذیت کو کم کرنے کے لیے جو وہ یہ سب کہتے ہوئے سہہ رہا تھا۔ "لیکن تھوڑی سی انسانی ہمدردی کرنے دیں امی' کچھ اور برا ہو گیا تو ہم میں سے کوئی بھی خود کو معاف نہیں کر پائے گا۔"

شاید وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا' مگر کہہ نہ سکا' کمرے میں بڑا اعصاب شکن سناٹا چھایا تھا۔

☆ ☆ ☆
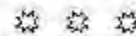
صبح سے ہوتی بھاگ دوڑ کے اختتام پر ایک شان دار ڈنر کا انتظام مکمل تھا۔

مسز کمالی نے ایک گہری نگاہ اس سارے اہتمام پر سارا دن رکھی تھی' جو یوسف کمالی نے خاص طور پر اپنی زیر نگرانی کروایا تھا۔

ڈائننگ ٹیبل اور ڈرائنگ روم میں تازہ پھولوں کی آرائش ابھی کچھ دیر پہلے ہی ختم ہوئی تھی اور ایک دلفریب سی مہک اب سارے میں اڑ رہی تھی۔

"بہت زیادہ پروٹوکول نہیں دیا جا رہا ہے ہمارے گھر سالار کی بیوی کو۔"

ادیبہ نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں تبصرہ کیا تھا۔

"اب نہیں رہ رہی تھی' وہاں گھر پر بار بار سلمان کی آمد سے بچنے کے لیے اس نے یہ ہی مناسب سمجھا تھا۔"

"یوسف کا بہت اچھا تعلق ہے سالار سے' اس لیے وہ کوئی کمی نہیں چھوڑنا چاہتے اس دعوت میں۔"

ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے مسز کمالی نے اسے مطمئن کرنا چاہا۔

"پہلے تو کبھی انہیں سالار نظر نہیں آیا' ورنہ اس کی اچھائی' بس زرتاج آنٹی کی محبت میں ہی ڈوبے رہتے تھے' تنی زیادتی کرتی تھیں' وہ اس بے چارے پر' مگر کسی کو بھی اس پر رحم نہیں آتا تھا۔ حالانکہ پتا بھی تھا کہ آدھی سے زیادہ جائیداد کا وارث وہ ہی ہے۔"

ذاتی زندگی میں ناکامی اٹھانے کے بعد زمانے بھر پر تنقید کا حق زوبیہ کو خود بخود حاصل ہو گیا تھا۔

مسز کمالی اس کی کیفیت کو سمجھ کر بھی انجان بنے رہنے میں ہی عافیت محسوس کر رہی تھیں۔

"وقت وقت کی بات ہے زوبی! یوسف دل کے اچھے ہیں' پہلے تو طبیعت بھی نرم تھی' بعد میں حالات ہی کچھ ایسے ہوتے چلے گئے کہ۔"

ایک بہت ہی گڈمڈ ہوا واقعات کا مجموعہ تھا۔ جو خود ان کے لیے بھی برسوں تکلیف کا سبب بنا رہا تھا۔

"آپ دونوں کبھی اچھے والدین ثابت نہیں ہوئے' کسی نے بھی میرے بارے میں اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کی' دونوں ہی ضد پر اترے رہے' یہ تو نا تی ہیں نا۔"

وہ اپنے سے آگے دیکھنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

"تم کپڑے تبدیل کر کے تیار ہو جاؤ' وہ لوگ آنے ہی والے ہوں گے۔" مسز کمالی نے سنی ان سنی کر کے کہا۔

"پہلے ہی ضرورت سے زیادہ اہتمام کیا جا چکا ہے' اب مزید تیاری کی گنجائش نہیں ہے' ٹھیک ہوں میں ایسے ہی۔" آج کل سے پہنے ہوئے کپڑوں پر اس نے ایک نگاہ ڈالنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔

"مذمت کرو زوبی سالار کی بیوی پہلی بار ہمارے گھر آرہی ہے' تم سوچ سکتی ہو' وہ کتنی تیار ہوگی' اور مجھے تو لگ رہا ہے کہ یوسف نے چند گیسٹ اور بھی بلائے ہیں' یہ اتنا سب کچھ صرف دو لوگوں کے لیے تو نہیں ہوگا نا۔"

"پورا شہر بھی بلالیں' تو مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔

"کیوں نہیں فرق پڑتا ہے' تم سالار اور اس کی بیوی پر اپنا کیا امپریشن ڈالنا چاہ رہی ہو' یہ ہی کہ تم بہت ناکام ہو اپنی زندگی میں' ایک سلمان کے نہ ہونے کی وجہ سے برباد ہو چکی ہو۔"

مسز کمالی کی آواز نے اسے رکنے پر مجبور کیا۔

"ہزاروں عورتوں کے شوہر خراب نکلتے ہیں' اور کئی بار ان کے پاس اپنے گزارے لائق دو وقت کی روٹی بھی نہیں ہوتی' پھر بھی وہ زندہ رہتی ہیں اور خوش بھی۔ تم نے کیوں خود کو تماشا بنانے کی ٹھان لی ہے آخر۔"

ان کا لہجہ سخت تھا اور پر اثر بھی۔

زوبیہ ان کی بات ختم ہوتے ہی بنا مڑ کر دیکھے تیزی سے لاؤنج سے باہر نکل گئی تھی۔

بیگم کمالی نے مایوسی سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔

"پتا نہیں اب یہ جینا سیکھے گی بھی یا نہیں۔"

مہمان کسی بھی لمحے پہنچ رہے تھے۔

یوسف کمالی انہیں ریسیو کرنے کے لیے باہر جا چکے تھے اور جب تک وہ بھی باہر آئیں سالار اور گیتی گاڑی سے اتر چکے تھے۔

مسز کمالی نے دور سے ہی اسے نظر بھر کر دیکھا تھا۔ ان کی توقع کے برخلاف وہ بہت زیادہ تیار ہو کر نہیں آئی تھی' مگر اس کے لباس اور جیولری میں بڑی کلاس کی نفاست تھی اور اس کے پرکشش وجود میں توجہ کی ساری صلاحیت۔

بیگم کمالی نے کن انکھیوں سے اپنے شوہر کو دیکھا۔ عمر کے اس حصے میں کوئی ایسی خاص شکایت باقی نہیں رہی تھی' پھر بھی وہ ان کی حسن پرست طبیعت کے ہاتھوں بہت کچھ سہہ کر بیٹھی تھیں۔

"بہت خوشی ہوئی تمہاری شادی سے مجھے سالار! خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں من پسند ساتھی عطا کیا۔"

پورے خلوص کے ساتھ یوسف کمالی' سالار سے مخاطب تھے۔ اس کے چہرے پر پھیلی خوشی نے واضح اشارہ دیا تھا کہ یہ ہی وہ لڑکی ہے' جس سے وہ نہ جانے کب سے محبت کر رہا تھا۔

ڈائننگ روم میں خوش گوار سی گرمجوشی پھیلی تھی۔

گیتی شرمیلی مسکراہٹ کے ساتھ دھیمے انداز میں مسز کمالی سے باتوں میں مصروف تھی۔

اس کے چہرے پر جھولتی لٹ نہ جانے کیا یاد دلا رہی تھی۔

یوسف کمالی نے چھوٹے سے لمحے میں خود کو بہت دور جاتا محسوس کیا اور واپس پلٹنا بھی۔

"دھت!" ایک چھوٹی سی تنبیہہ خود کو بھی ضروری ہوئی۔

"گیتی' کمالی انکل سے میرا اب دلی تعلق ہے' اور تمہیں اب تک تو پتا چل ہی چکا ہے کہ بہت کم لوگ ہیں میری زندگی میں۔"

سالار گیتی کو بتا رہا تھا۔

کمالی صاحب کو اچھا لگا تھا۔

"زوبیہ کیسی ہے آنٹی' آئی نہیں وہ۔"

"زوبیہ' ہاں شاید وہ۔۔۔"

مسز کمالی کے لیے الفاظ کا انتخاب مشکل ہوا' تب ہی وہ اندر چلی آئی۔

"بڑی عمر ہے تمہاری' ابھی ذکر ہوا' ابھی موجود۔" سالار اس کے لیے احتراماً" کھڑا ہوا تھا اور ساتھ ہی گیتی بھی۔

زوبیہ ایک خوب صورت لباس میں ملبوس تھی' سلیقے سے کیا ہوا میک اپ اور چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ۔ بیگم کمالی نے سکون کا سانس لیا تھا۔

تھوڑی دیر کے لیے گیتی اور سالار دونوں ہی زوبیہ کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

"بہت اچھی بیوی ملی ہے تمہیں سالار! اتنی پیاری لڑکیاں کم ہی دیکھی ہیں میں نے۔" اندر جو کچھ بھی چل رہا تھا' اسے کنٹرول کر کے وہ بہت سلیقے کے ساتھ پیش آرہی تھی' گیتی شرمیلے سے انداز میں ہنس پڑی۔

کمالی صاحب نے ایک بار پھر چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیا تھا اس لڑکی کی اداؤں میں' جو اسے ویسے ہی سب سے الگ کر رہا تھا' جیسے کبھی کسی اور کو کیا کرتا تھا۔" انہوں نے اضطراب سے پہلو بدلا۔

"اور بیٹا گیتی! تمہاری کیا مصروفیت ہے' پڑھ رہی ہو ابھی یا پھر۔" انہوں نے جان بوجھ کر خود کو باتوں میں مصروف کرنا چاہا۔ مسز کمالی کو ان کے منہ سے گیتی کے لیے بیٹا کا لفظ بڑا ہی اچھا لگا تھا۔

وہ انہیں کچھ اپنے بارے میں بتا رہی تھی۔

سب کو تھوڑی سی حیرت ہوئی کہ وہ پہلی بار کراچی آئی تھی۔

"اصل میں کبھی ایسا کوئی موقع ہی نہیں ملا' ہم لوگ میرا مطلب ہے میری امی' نانی وہیں رہیں ہمیشہ' یہاں کوئی ایسا تھا ہی نہیں جس کے لیے یہاں آیا جاتا۔"

اس کے لہجے میں سادگی کے ساتھ اب سالار سے ملا اعتماد بھی تھا۔

سالار کے چہرے پر بڑا سکون اور ٹھہراؤ تھا۔

"اور کمالی صاحب! گیتی کے بارے میں سب سے اہم بات۔" اس نے ذرا رک کر کمالی صاحب کو دیکھا۔

وہ اطمینان سے جوس کا بھرا ہوا گلاس منہ سے لگا رہے تھے۔

"ملک کی نامور ستار نواز بیگم ستارہ جان گیتی کی نانی ہیں' بہت شان دار خاتون۔۔۔"

جوس کا بھرا ہوا گلاس ہلکے سے کانپا اور چند قطرے کمالی صاحب کے لباس پر گرے۔

"ارے' آپ کے کپڑے خراب ہو گئے۔" سالار نے تیزی سے اٹھ کر گلاس ان کے ہاتھ سے لیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

☼

عالیہ بخاری

دیوارِ شب

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتلائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ویڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گیتی آرا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید دھچکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو رفاقت کا مولا ہیں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصۂ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زنیلہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جارہی ہے جس پر نگینہ آنے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاماہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جیسے ڈرائیور راجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔ سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

جویا کا رشتہ آناً فاناً طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی "کوششیں" شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے۔ ۔ ۔ اور جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک سانحہ ملتی ہے ۔ وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ، جویا کو اکساتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ، آپا گل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔

صندل کو بالی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

۴۷
سینتالیسویں قسط

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" سالار تشویش سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"ہاں ایسے ہی شاید کچھ چکر سا آگیا تھا؟" وہ ان سب کو مطمئن کرنے کے لیے ہلکے سے مسکرائے بھی، مگر ... پڑتا ہوا رنگ اب تک بحال نہیں ہوا تھا۔

"کمال ... آج کل کام کا زیادہ پریشر لیا ہوا ہے آپ نے، میری مانیں تو چند دنوں کے لیے چھٹی پر چلے جائیں، ... آرام کریں۔"

کمال صاحب کو اس کی اپنے لیے فکرمندی اچھی لگی تھی۔

"مشورہ تو اچھا ہے، مگر سب کچھ دوسروں پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ کاش! کوئی ایسا ہوتا جس پر میں مکمل بھروسا کر ...۔"

وہ خود کو سنبھال چکے تھے لیکن لہجے کی ہلکی سی افسردگی کو سب ہی نے نوٹ کیا۔ مسز کمال نے بے چین ہو کر پہلو ...

"شاید اب اس عمر میں یوسف کو بیٹے کی کمی کا احساس ہونے ہی لگا ہے۔"

"تھوڑا سا اعتبار مجھ پر کریں تو میں آکر دیکھ لوں گا، آپ کی غیر موجودگی میں آپ کا آفس۔" سالار مسکراتے ... کمال سے مخاطب تھا۔ وہ ہلکے سے ہنس پڑے۔

"یہ تو میرے لیے خوش قسمتی کی بات ہوگی کہ تم اپنا قیمتی وقت مجھے دے سکو، مگر تم تو اب کراچی میں زیادہ دن ... ہی نہیں ہو۔"

"اب یہیں رہوں گا۔ بے فکر رہیں۔" سالار نے اک مسکراتی ہوئی نظر گیتی پر ڈالی تھی "وہاں لاہور میں جو ... رکا ہوا تھا، مکمل ہوا۔"

گیتی کے چہرے پر اس کی بات کے ساتھ ہی شرمیلا سا تاثر پھیلا۔

یوسف کمال کی نگاہ پھر اس پر جا کر رکی تھی۔ وہی دل ربا سا انداز، جو انہیں کبھی دنیا جہان سے بیگانہ کرتا تھا، اور ... بعد میں حرف غلط کی طرح مٹانے کی اپنے طور انہوں نے پوری پوری کوشش بھی کی۔ مگر وقت کی منوں گرد کو ... آج پھر ایک مضبوط حوالہ سامنے تھا۔

"بیگم ستارہ جان تو ہمارے کلاسیکل میوزک کا بہت بڑا نام ہیں۔ مگر کیا وجہ ہے، جو وہ اب بہت سالوں سے ... ہی کم دکھائی دے رہی ہیں۔"

گیتی سے بہت سنبھل کر پوچھا گیا ان کا سوال کسی گم گشتہ کڑی کی تلاش کا ہی حصہ تھا۔ کھانا لگوانے کے لیے جاتی مسز کمال نے ان کی بات کا ادھورا سا ہی ٹکڑا سنا تھا۔

"نانی کی صحت بہت عرصے سے زیادہ اچھی نہیں ہے انکل! ابھی پچھلے سال پی ٹی وی کے لیے انہوں نے چند ... ریکارڈ کروائے تھے۔ وہ بھی ان لوگوں کے بہت اصرار پر، ورنہ اب تو وہ بہت تنہائی پسند ہو گئی ہیں۔"

شاید سالار کا دیا ہوا اعتماد تھا، جو وہ اتنے اطمینان سے اپنے گھرانے کے بارے میں بات کر رہی تھی۔

"... نے مدت ہوئی، ٹی وی، فلم، تقریباً "سب ہی کچھ چھوڑ دیا ہے، مگر بیگم ستارہ میری بہت فیورٹ رہی ہیں۔ ... ہیں وہ ہماری کلاسیکی موسیقی کا۔" یوسف کمال کے لہجے میں آیا احترام بناوٹی نہیں تھا۔

... نے شکر ادا کیا کہ اس کی ماں باہر جا چکی تھی، ورنہ ایک بڑا جھگڑا اس خوشگوار ڈنر کے بعد اٹھنا لازمی ہوتا۔

"آپ ملے ہیں کبھی نانی سے؟" گیتی پوچھ رہی تھی۔

"ہاں ... ہاں ملا ہوں، مگر بہت برسوں پہلے، تم تو پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں جب!" اپنی ہلکی سی بوکھلاہٹ پر ... قابو پانا پڑا۔

"آپ کو کیسے پتا کہ میں جب پیدا ہوگئی تھی یا نہیں' کیا آپ ہمارے گھر آئے تھے' میرا مطلب ہے کہ۔۔۔۔"
"تم بہت چھوٹی ہو گیتی!" انہوں نے نرمی سے اس کی بات کاٹی اور تمہاری عمر کا اندازہ لگانے کے لیے' مجھے تمہاری تاریخ پیدائش جاننے کی ضرورت نہیں ہے' اسی لیے میں نے کہا کہ یہ تمہارے پیدا ہونے سے پہلے کی بات ہے۔"

اس بار اس نے صرف ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

اور وہ بھی تو اسی طرح بات کرتے کرتے خاموش ہو جایا کرتی تھی۔۔۔ کوئی بحث نہیں!

کوئی یاد تھی' جو آج نکلنے کے لیے تیار نہیں تھی' ایک مستقل ہوتی دستک!

"اس بار ہم لاہور جائیں گے' تو آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔ نانی بہت خوش ہوں گی آپ سے مل کر۔ انہیں بڑا گلہ ہے کہ اب اچھے میوزک کی قدر کرنے والے ختم ہوتے جا رہے ہیں۔"

سالار کو بہت اچھا لگا تھا' ان کا گیتی کے ساتھ اس طرح اپنائیت سے بات کرنا۔

کمال صاحب کا رویہ روز بہ روز اسے حیران کر رہا تھا اور قریب لا رہا تھا۔ مسز کمال سامنے وسیع ڈائننگ ہال میں کچھ ہدایت دیتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

ایک وقت تھا' جب وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ لوگ اسے اتنے تپاک سے اپنے گھر پر انوائٹ کریں گے۔ وقت' لوگ شاید ہر چیز۔۔۔ بدلنے کے لیے ہی ہے۔ عادتاً وہ کہیں سے کہیں پہنچنے لگا تھا' تب ہی کچھ اور بہت ضروری یاد آیا۔

"مجھے کچھ ضروری بات کرنی تھی آپ سے انکل!" اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے اس نے کمال صاحب کو اشارہ کیا' تو انہیں بھی یاد آیا کہ سالار کو کچھ بہت ضروری بات کرنی تھی اور جسے سننے کے لیے وہ بے چین بھی تھے۔

مگر یہ لڑکی۔۔۔

گیتی اب زوبیہ کی طرف متوجہ ہو چکی تھی۔

وہ سالار کے ساتھ ڈرائنگ روم کے دوسرے حصے کی طرف بڑھ گئے۔

"روزی کا سراغ ملنے کی امید ہو رہی ہے انکل! اس بے چاری کے زندہ ہونے کا امکان تو نہ ہونے کے برابر ہی ہے' لیکن کم از کم انصاف تو ہو جائے۔ میری بات ہو چکی ہے۔ کیس تیزی سے آگے بڑھا ہے۔"

"مجھے پورا یقین ہے کہ جو کچھ بھی ہوا ہے' اس میں نبیل پوری طرح انوالو ہے اور میں اس کے لیے زرتاج کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا۔" یوسف کمال کے لہجے میں بڑی دردمندی تھی۔

"ان پر تو خیر اور بھی قرض نکلتے ہیں' مگر جانے دیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کچھ تلخ ہونے لگا تھا' پھر فوراً ہی سنبھل گیا۔ "سوری!"

ماضی میں جو کچھ بھی تھا' اب بہرحال یوسف کمال اس کے لیے خلوص بھرا حوالہ تھے۔

"نبیل کا تعلق لوئر کلاس سے ہے انکل! راجو اسے یہاں لایا تھا۔ راجو' وہی ڈرائیور' جس سے روزی کی شادی ہونے والی تھی۔"

"میں سمجھ رہا ہوں' لیکن سالار۔۔۔۔" کمال صاحب کے لہجے میں ہلکی سی الجھن اتری۔ "میری نبیل سے نفرت میں اس کی کلاس کا دخل نہیں۔ غربت انسان کا عیب نہیں' مجبوری ہوتی ہے۔ مجھے اس کی خراب فطرت اور کمینگی نے پریشان کر رکھا ہے۔ ناقابل برداشت ہے وہ شخص' پتا نہیں زرتاج کو اس میں کیا دکھائی دیا۔"

"وہ آپ کی بہن ہیں' میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" سالار کی آواز دھیمی تھی۔ "لیکن نبیل' میری اور آپ کی سوچ سے بھی زیادہ گھٹیا شخص ہے۔ میں راجو کے ساتھ گیا تھا اس کے پرانے محلے میں' بہت ہی خستہ حالت تھی ان کی

امی اور بہن کی۔ سنا ہے' اس نے ان کی کبھی خبر تک نہیں لی اور نہ ہی لینے کا ارادہ رکھتا ہے۔ محلے والے تو نبیل کا نام تک حقارت سے لیتے ہیں۔ راجو بتا رہا تھا کہ کئی سال پہلے کوئی لڑکی بھگا کر۔۔۔۔"

راجو کے اتنے دن کے ساتھ میں سالار کی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوا تھا اور اس سارے پیراگراف کو سننا یوسف کمال کے لیے بھی خاصا صبر آزما رہا۔

"دل تو چاہتا ہے کہ ساری عمر زرتاج کی شکل بھی نہ دیکھوں۔ کسی اور کی نہ سہی' اپنے بیٹے کی ہی شرم کر لیتی' جو سالوں سے یو کے میں بیٹھا ہوا ہے۔ وہ نہیں چاہتیں کہ مانی کبھی بھی واپس آئے' اس لیے کہ نبیل ایسا نہیں چاہتا۔"

چند لمحوں کے لیے وہ کسی سوچ میں ڈوبے۔ "سالار!"

"جی!"

"ہمیں نبیل کی بہن اور بھابھی سے ملنا ہوگا۔ کیا یہ ممکن ہوگا؟"

"وہ یہاں نہیں ہیں انکل! لیکن پتا چل جائے گا ان شاءاللہ' میں کوشش کرتا ہوں۔"

انہیں کھانے کے لیے بلایا جا رہا تھا۔

"سالار!" جب وہ اٹھ رہے تھے' تب یوسف کمال کچھ کہنے کے لیے رکے۔ وہ بنا کچھ کہے ان کی طرف مڑا۔

"تمہاری بیوی بہت اچھی ہے' سچ پوچھو تو مجھے تمہاری مضبوطی پر بڑا فخر سا ہوا ہے۔ خدا کرے کہ یہ محبت ہمیشہ قائم رہے۔ گیتی کو زمانے کی سفاکی کی نذر مت ہونے دینا۔"

ان کے لہجے میں کچھ عجیب سا احساس تھا' مگر سالار بڑی لاپروائی سے ہنس پڑا۔ "مجھے ایسا سمجھتے ہیں کیا؟"

"نہیں' لیکن لوگ آج بھی اس بات کو آسانی سے ہضم نہیں کریں گے' زندگی جہنم بنا دیں گے تمہاری بھی اور گیتی کی بھی۔"

یوسف کمال کے ساتھ تلخ ترین یادیں تھیں۔ سالار کے چہرے کی مسکراہٹ دھیمی پڑی تھی۔

"سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے انکل! بہت سے ایسے بھی ہیں' جو انسان کی عزت کرنا جانتے ہیں۔ آپ خود اس کی مثال ہیں' کتنی محبت سے ملے ہیں آپ گیتی سے۔"

"میں تو یوں ہی کمزور سا انسان ہوں بیٹا! دنیا کی بہت زیادہ پروا کرنے والا' دنیا کے ڈر سے راہ بدل لینے والا' تمہیں ہمارے بارے میں یوں ہی خوش گمانی ہے۔" ان کی آواز بتدریج نیچی ہوئی۔

سالار نے ان کی افسردگی کو بجا طور پر محسوس کیا تھا۔ وہ تھوڑا سا حیرت زدہ بھی ہوا۔

"آجائیں بھئی' کھانا لگ چکا ہے۔ سب آپ کے انتظار میں ہیں۔" زوبیہ نے کچھ فاصلے سے آواز دی تھی۔

"چلو!" وہ اسے کچھ کہنے کا موقع دیے بغیر آگے بڑھ گئے۔

سالار کی آنکھوں میں الجھن باقی تھی۔ رات کی کچھ گھڑیاں یکساں رفتار سے گزریں۔

"تمہیں کیسے لگے کمال صاحب اور ان کی فیملی؟"

جب وہ واپس آ رہے تھے تو اس نے ساتھ بیٹھی گیتی سے مسکرا کر پوچھا تھا۔ آج وہ اسے ہمیشہ سے زیادہ پراعتماد محسوس ہو رہی تھی۔

"سب ہی لوگ اچھے ہیں' خاص طور پر کمال انکل کا تو جواب نہیں ہے۔ انہوں نے نانی کے بارے میں جان کر اتنا پیار سا بس دیا تھا' ہے نا۔" وہ اتنی خوش تھی کہ آنکھوں میں نمی سی آ رہی تھی۔

"ہوں' ہوں!" سالار نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھاما تو اس نے جلدی سے ہاتھ چھڑا کر اپنی آنکھیں خشک کیں۔

"یہ سب آپ کی بدولت ہے سالار! یہ سارا فخر' سارا مان' سب ہی کچھ تو۔۔۔۔"

"اچھا بس 'اپنے شوہر کی زیادہ تعریف مت کرو' ورنہ مجھے بھی جواباً "اپنی بیوی کے لیے کوئی قصیدہ وغیرہ پڑھنا پڑے گا۔" وہ گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے بات کو گھما گیا۔

اسے گیتی کی محبت درکار تھی 'لیکن اس کا احسان مند ہونا قطعی نامنظور تھا۔

وہ ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ باہر دیکھنے لگی۔ رات خاصی ہو چکی تھی اور ٹریفک اب نسبتاً "بہت کم رہ گیا تھا۔

"مجھے آپ کو ایک بات بتانی تھی!" وہ اس کی طرف مڑی۔

"ہوں!" سالار کی نگاہ سامنے سڑک پر تھی 'سو وہ گیتی کے چہرے پر پھیلی کشمکش کو نہ دیکھ سکا۔

"انکل نے مجھ سے میری فیملی کے بارے میں کافی پوچھا تھا' کچھ عجیب سا لگا۔"

"ارے عجیب سا کیا' بتایا تو تھا انہوں نے کہ وہ نانی ستارہ کے کتنے بڑے فین ہیں 'اسی لیے جاننا چاہ رہے ہوں گے۔" سالار نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔ گیتی کے چہرے پر اب بھی الجھن باقی تھی۔

"انہوں نے نانی کے بارے میں نہیں سالار! فیروزہ خالہ کے بارے میں جاننا چاہا تھا شاید۔"

"اچھا!" سالار نے دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہو سکتا ہے 'وہ انہیں بھی جانتے ہوں۔ اس لیے پوچھ رہے ہوں۔"

"انہوں نے خاص طور پر نام نہیں لیا تھا' لیکن انہوں نے نانی ستارہ کی بیٹیوں کے بارے میں سوال کیا تھا ایک تو میری امی اور دوسری...... ظاہر ہے 'وہ خالہ فیروزہ ہی تو ہیں۔"

"تم نے کیا کہا؟"

"میں نے کہہ دیا کہ وہ بہت پہلے انتقال کر گئی تھیں اور یہ کہ مجھے ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں یاد اور یہ حقیقت بھی ہے۔"

"اور!"

"اور کچھ بھی نہیں 'پھر زوبیہ آ گئی تھیں 'تو بات آئی گئی ہو گئی۔"

"چلو اچھا ہوا' بہر حال تمہیں کسی بات سے ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ہوں نا۔"

تحفظ اور سکون کا وہی گہرا' دل کو چھوتا احساس...... گیتی کو اپنی آنکھوں میں آتے تشکر کے آنسو چھپانے کے لیے ایک بار پھر گردن موڑ کر خود کو باہر کے منظر میں محو کرنا پڑا تھا۔

☆ ☆ ☆

گھر کے ماحول میں بڑی نمایاں سی تبدیلی آئی تھی۔ سب ہی ایک دوسرے سے کتراتے ہوئے رہتے۔ اپنے اپنے کمروں میں بند اور ابا اور معاذ کا زیادہ سے زیادہ وقت گھر سے باہر۔

کھانا بھی آج کل سب الگ الگ اپنی سہولت کے حساب سے کھا رہے تھے۔ ربیعہ اپنا اور دادی کا کھانا نکال کر ان کے کمرے میں لے آتی 'زری بھی چپ چاپ وہیں آ کر بیٹھ جاتی۔

آج کل خلاف معمول 'اس کی بھی زبان بند رہنے لگی تھی اور ساری سرگرمیاں تقریباً "ختم تھیں۔ دادی کا دل اس سناٹے میں اور بھی گھبرانے لگتا تو وہ زری پر ہی خفا ہو جاتیں۔

"تجھے آخر کس غم میں چپ لگ گئی ہے 'گھنٹوں سوچے جاتی ہے جانے کیا کیا۔"

وہ کب سے چپ چاپ ان کے پیر دبا رہی تھی 'نہ ہوں نہ ہاں۔ دادی کی ناراضی بڑھنے لگی۔

"کیا پوچھ رہی ہوں 'بتاتی کیوں نہیں ہے 'کسی نے کچھ کہہ دیا ہے 'طبیعت خراب ہے؟ اس طرح تو کبھی

خاموش نہیں رہتی تھی۔" زری نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر ان کی طرف دیکھا۔

"آپ سب بھی تو خاموش رہنے لگے ہیں دادی! لیکن کوئی کسی سے وجہ نہیں پوچھ رہا تو پھر مجھ سے کیوں؟"

دادی کے چہرے پر ایک سایہ سا آ کر پڑا۔ "ہم تو اپنے دکھ کے حصار میں ہیں بیٹا! معاذ کو چپ دیکھتی ہوں تو دل کٹتا ہے۔ کتنا بدل گیا ہے 'پہلے ہی کون سی خوشی تھی اس کے پاس 'جو شائستہ نے اس روز خوامخواہ کی ضد باندھ لی۔ یہ جان کر بھی کہ وہ اپنی بات کا کتنا پکا ہے۔"

"انہوں نے منع تو نہیں کیا شادی کرنے سے 'صرف یہی تو کہا ہے کہ ابھی نہیں کریں گے۔" دادی نے کچھ چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"تو تو کمرے میں نہیں تھی 'تجھے کس نے بتایا؟"

"میں یہیں برآمدے میں کھڑی تھی دادی! میں نے خود سنا تھا' معاذ کو کہتے ہوئے کہ وہ جویا کا نام بھی نہیں لیں گے۔"

اپنی چوری پکڑی جانے پر وہ ذرا بھی نہیں بوکھلائی تھی اور آج کل دادی بات بات کو پکڑنے کے موڈ میں بھی نہیں تھیں۔

"جویا کا نام نہیں لے گا 'یا پھر کسی کا بھی نام نہیں لے گا زندگی بھر۔ میں جانتی ہوں اسے اچھی طرح۔ اب نہیں کرنے والا وہ شادی۔ شائستہ کتنا بھی زور لگا لے۔"

زری نے اپنے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔ دادی کی آنکھوں سے چند آنسو ٹوٹ کر گرے تھے۔ زری نے جلدی سے اٹھ کر انہیں پانی کا گلاس تھمایا۔

"آپ اتنا دل پر مت لیں 'سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں دعا مانگ رہی ہوں سب کے لیے۔"

پانی کا گلاس واپس رکھ کر وہ پھر سے ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔ دادی نے محبت سے اس کی طرف دیکھا۔

"اللہ تجھے بھی خوش رکھے 'قسمت اچھی ہو تیری!" وہ اداسی سے مسکرا دی۔

"پتا نہیں دادی! قسمت کا بھی کیا چکر ہے 'آپ لوگ سہارا نہ دیتے تو میرا تو ٹھکانا بھی نہیں تھا کہیں 'خیر میری بات چھوڑیں......"

ذرا رک کر اس نے شاید خود کو کمپوز کیا۔

"دادی! ابھی ہم دونوں جویا کے گھر چلیں 'چپکے سے 'امی کو بتائے بغیر۔"

"پاگل ہوئی ہے کیا!" دادی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "معاذ کی ماں ایک ہنگامہ کھڑا کر دے گی۔ اپنے اکلوتے بیٹے کی خوشی کی پروا نہیں کی اس نے۔ اتنی نفرت کرنے لگی ہے وہ جویا سے کہ اسے کسی پر رحم تک نہیں آتا۔"

ان کا لہجہ قطعی تھا 'مگر زری پھر بھی اصرار کیے گئی۔

"صرف ایک بار 'کسی اور طریقے سے 'میں ایک بار جویا کو دیکھنا چاہتی ہوں دادی! آخر کیا بات ہے اس میں 'جو معاذ کو کسی اور طرف دیکھنے ہی نہیں دیتی۔" زری کی آواز دھیمی تھی اور لہجے میں بڑی ٹوٹی سی کیفیت!

دادی نے بس ایک ٹھنڈی سانس لے کر آنکھیں بند کی تھیں۔ وہ چپ چاپ سر جھکائے 'ان کے پیر دبائے گئی کتنی ہی دیر گزر گئی۔

"دادی سو گئی ہیں کیا زری؟"

ربیعہ نے دھیمی آواز میں کمرے میں جھانک کر پوچھا تو اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ ربیعہ کے ہاتھ میں ایک موٹی سی کتاب تھی۔ آج کل اس کے پیپرز ہو رہے تھے۔

زری کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے ربیعہ نے پھر سے سوال دہرایا تھا۔ زری نے دھیرے سے سر ہلایا۔
"تم بھی کچھ دیر آرام کر لو زری!" ربیعہ نے ہمدردی سے اسے دیکھا۔
"میں آرام سے ہی ہوں' آپ فکر مت کریں!"
باہر سے گاڑی اسٹارٹ ہونے کی آواز آرہی تھی' شاید معاذ کہیں جا رہا تھا۔ زری نے ربیعہ کو واپس پلٹتے دیکھا' مگر آج معاذ کو محض ایک نظر دیکھنے کی خواہش نے اسے نہیں دوڑایا تھا۔ وہ یوں ہی اپنا کام کیے گئی۔

☼ ☼ ☼
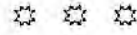
جویا نے مایوسی سے سامنے بیٹھے اس شخص کی طرف دیکھا۔
"میں نے کہا نا' فی الحال کچھ عرصہ اسی طرح چلے گا یہ کیس۔ یہی بہتر ہے۔" وہ رٹے رٹائے انداز میں بات کر رہا تھا' اس لیے کہ یہ سب اس کے روز مرہ معمول کا حصہ تھا۔
"مگر یہ تو چل ہی نہیں رہا' کتنے دن ہو گئے' صرف تاریخ پر تاریخ لی جا رہی ہے اور کچھ بھی نہیں۔ پچھلی بار کم از کم ضمانت تو ہو گئی تھی' مگر اس بار تو۔۔۔"
باوجود کوشش اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے' جنہیں اس نے فوراً" ہی ہتھیلی سے رگڑ ڈالا تھا۔
"پچھلی دفعہ کچھ اور بات تھی' جرمانہ بھر دیا گیا تھا' اس لیے رعایت بھی مل گئی' مگر اب مہلت ختم ہو گئی تھی اور کیس کی تفتیش آگے بڑھ چکی ہے۔ چند اور لوگوں کے نام بھی شامل ہو گئے ہیں کیس میں اور بہرحال کروڑوں کا معاملہ ہے۔"
اس کے سامنے اب کسی دوسرے کیس کی فائل کھلی تھی اور اس کی پوری توجہ اب اسی پر ہی تھی۔
جویا کو پورا الیقین تھا کہ اب وہ اس کی بات ٹھیک سے سنے گا بھی نہیں' مگر خود اس کے پاس بھی اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں تھا کہ وہ اس کے پاس سے کم از کم کوئی حرف تسلی تو لے کر اٹھے۔
"دیکھیں عارف صاحب!" اس نے اپنے خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ "آپ کو پتا ہے کہ میرے ابو' وہ ساری رقم بھر چکے ہیں اور انہیں۔"
"دیکھیں مس جویا!" اس نے سرد لہجے میں بات کاٹی۔ "یہ بات بار بار دہرائی جا چکی ہے' آپ کیوں نہیں سمجھ رہیں کہ چند لاکھ جمع کرا دینے سے اظہار صاحب کے جرم کی سنگینی کم نہیں ہو سکتی۔ یہ معاملات مہینوں' سالوں میں جا کر حل ہوتے ہیں آپ کو جلدی ہے تو بہتر ہے کہ کوئی دوسرا وکیل کر لیں۔ ویسے بھی جو فیس میں نے آپ سے لی ہے' اس میں اتنا ہی کیا جا سکتا تھا' آگے کی ٹرمز اور کنڈیشنز مختلف ہیں اس حساب سے۔۔۔"
جویا کی مایوسی اور بھی زیادہ بڑھی۔
پچھلے سارے عرصے میں وہ فیس پہ فیس وصول کرتے آئے تھے' اور جس طرح وہ یہ ادائی کر رہی تھی' اس کے بعد بھی' وہ اب پچھلے ریٹ پر کام کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔
"آپ ہمارے حالات سے واقف ہیں عارف صاحب! میں وعدہ کرتی ہوں' جیسے ہی ہمیں کچھ آسانی ہوئی اور ابو کا یہ کیس ختم ہو گیا' ہم اس سے بھی زیادہ آپ کو پے کر سکیں گے' مگر اس وقت تو بڑا مشکل ہے' بلکہ۔۔۔"
بے چارگی سے اپنی درخواست ان کے حضور پیش کرتے ہوئے وہ خود اپنی نگاہوں میں گری جا رہی تھی۔
"ہم یہاں امکانات پر بات کرنے کے لیے نہیں بیٹھے ہیں اور ویسے بھی یہ کوٹ ہے۔ اس طرح کے پروفیشنل معاملات میں شام کو اپنے چیمبر میں نمٹاتا ہوں' وہاں آکر بات کیجئے گا۔ اگر آپ کو میری کنسلٹیشن فیس منظور ہے۔"

اس بار انہوں نے ۔۔۔ اپنے سامنے رکھی اظہار صاحب کے کیس کی فائل بھی اٹھا کر جویا کے آگے کردی تھی۔ ان کے پاس کچھ اور لوگ آکر بیٹھ چکے تھے۔

جویا نے کانپتے ہاتھوں سے وہ فائل تھامی تھی۔ موسم بدل چکا تھا' پر اس پُرہجوم شہر میں دن کا یہ پہر گرمی کی یاد دلاتا تھا۔

سیڑھیوں سے کمپاؤنڈ تک آتے ہوئے اسے کتنی ہی بار لگا جیسے وہ یہیں کہیں گر جائے گی۔

مایوسی کی آخری حد کو بھی پار کرلینے کے بعد کب سے پیچھا کرتے اس سوال کا جواب مکمل کٹہرے میں تھا۔

اس کے پیر اچانک ہی بری طرح کانپے' قریب ہی پڑی ایک بینچ کو وہ نہ تھامتی تو لوگوں سے بھرے اس مقام پر ضرور ہی گر پڑتی۔

معاذ نے اسے دھوپ بھرے پرانے بینچ پر اکیلے سر جھکائے بیٹھا دیکھا تھا۔

اپنے اردگرد سے گزرتے لوگوں کی پروا کیے بغیر وہ اتنی تھکی تھکی اور خستہ حال نظر آرہی تھی کہ معاذ نے اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس کیا۔ آس پاس رش بڑھتا ہی جارہا تھا' مگر پھر بھی۔

"جویا!" دھوپ سے بھرے اس پل میں ایک مہربان سایہ اس پر آکر ٹھہرا۔

جویا کو یوں ہی گمان سا ہوا تھا۔

"جویا! میں ہوں معاذ۔ ادھر دیکھو میری طرف!" وہ بہت نرمی سے اس کی طرف تھوڑا سا جھک کر پھر پکارا۔

اس بار اس کا جھکا ہوا سر اٹھا تھا۔

معاذ نے دیکھا' اس کے لب بالکل خشک اور آنکھوں میں اتنی ویرانی کہ۔۔۔

"اٹھو! یہاں کیوں بیٹھ گئی ہو؟ چلو میرے ساتھ۔"

وہ اب بھی اتنی بے یقینی سے معاذ کے چہرے کو تک رہی تھی کہ اسے لگا جیسے وہ اس کی بات سن ہی نہیں سکی ہے' سو اسے بات دہرانی پڑی۔

"اٹھو! کہیں بیٹھ کر تسلی سے بات کرتے ہیں' آج تو کیس چلنا تھا نا اظہار چچا کا؟ ابھی کتنی دیر ہے؟ عارف صاحب کہاں ہیں؟ وہی وکیل ہیں نا؟"

جویا کو حیرت ہوئی کہ وہ اتنا باخبر تھا۔

"آج نہیں چلا کیس۔ پندرہ دن آگے کی ڈیٹ لے لی ہے انہوں نے۔" آہستہ سے کہتی ہوئی وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

"کیوں نہیں چلا؟ کیا کہہ رہے ہیں یہ عارف صاحب۔ مجھے تو لگ رہا ہے کہ جان بوجھ کر پریشان کررہے ہیں' ورنہ اتنا عرصہ۔۔۔"

اس کے ساتھ ہلکے ہلکے چلتا ہوا وہ اس طرح تبصرہ کررہا تھا جیسے خاموشی کا ایک لمبا دورانیہ ان کے بیچ آیا ہی نہیں تھا۔

اس کیس کی ساری اونچ نیچ سے وہ پوری طرح باخبر تھا۔

ایک تلخ سی مسکراہٹ جویا کے لبوں پر آگئی۔

"سارے خاندان کی طرح تم نے بھی بھرپور دلچسپی لی ہے ابو کے کیس میں۔"

"میری دلچسپی کی وجہ اتنی دل دکھانے والی ہے کہ ہم اس پر بات کرنے کی شاید ہمت بھی کھو چکے ہیں۔"

جویا کے طنز پر خلاف عادت برا ماننے کے بجائے اس نے بہت دھیمے لہجے میں کہا تھا۔ وہ کہہ کر پچھتائی۔

خاموشی سے سست رفتاری کے ساتھ معاذ کے ساتھ چلتے ہوئے اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ اسے کس

طرف لے جارہا ہے۔

سخت پرہجوم پارکنگ میں سے گزرتے ہوئے وہ اس مہارت سے اس کے لیے راستہ بناتا جارہا تھا کہ جویا کو ایک بار بھی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ورنہ وہ اس وقت اتنی منتشر تھی کہ شاید ابھی تک وہیں اس بینچ پر بیٹھی ہوتی۔ چند منٹوں کا یہ ساتھ بڑا ہی عافیت بھرا تھا۔

معاذ کی پشت پر نگاہ جمائے اس نے کتنی ہی بار گیلی ہوتی آنکھوں کو رگڑ کر خشک کیا۔

وہ مستقل عارف صاحب کی کارکردگی پر تنقید کیے گیا' بنا جویا کی طرف دیکھے۔

"ان کی ریپوٹیشن سخت خراب ہے۔ نہ تو وہ اتنے قابل ہیں اور نہ ہی مخلص۔ بری طرح پیسہ لیتے ہیں اور کلائنٹ کو آخری وقت تک جھانسے میں رکھتے ہیں۔"

"اس جھانسے کا بھی آج آخری دن تھا۔" جویا کی آواز نیچی تھی' مگر اس شوروغل میں بھی آگے چلتے ہوئے وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

"کیا مطلب؟" معاذ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"یہ ہی کہ اب وہ یہ کیس نہیں لڑنا چاہ رہے اور یہ کہ۔۔۔"

بات کا دوسرا حصہ اس کی کم مائیگی کا قصہ بیان کرتا تھا' سو وہ بات ادھوری چھوڑنے پر مجبور ہوگئی۔

"کوئی بات نہیں۔ اچھا ہی ہے۔ ہم ویسے بھی ان کا مزید ساتھ نہیں چاہ رہے تھے۔"

"ہم!" جویا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں اور کیا' شہر میں مخلص اور قابل وکلاء کی کمی تھوڑی ہے۔ اظہار چچا کا کیس اب ہم کسی اور کے سپرد کررہے ہیں اور دیکھنا! کتنی جلدی سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہوجائے گا۔ تم بالکل فکر مت کرو۔"

جویا کی آنکھوں میں پھیلی حیرت کی ذرا بھی پروا کیے وہ بغیر وہ اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

"اور اب تمہیں یہاں آنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ یہ جگہ اکیلے آنے والی ہے بھی نہیں ویسے بھی۔ میں خود دیکھ لوں گا سب کچھ۔"

جویا نے نچلا لب سختی سے دانتوں نے دبایا۔

معاذ اتنی بڑی دنیا میں آج بھی وہی تھا جو اس کے حصے کی دھوپ اپنے سر لینے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ دل نے شدت سے اس ایک پل میں جی لینے کی تمنا کی تھی۔

"دیکھو معاذ!" خود کو بمشکل کمپوز کرتے ہوئے وہ ان مہربان ساعتوں کے سحر سے نکلی۔ "تمہارا بہت شکریہ کہ تم نے اس حد تک ہمارا خیال کیا' لیکن اس کی ضرورت نہیں' کچھ نہ کچھ کرہی لیں گے ہم لوگ۔"

"ہم لوگ۔" معاذ نے دل میں ہی دہرایا۔

"اور کون تھا اس کے ساتھ بھلا۔" یوں ہی بلا مقصد اس کی نگاہ نے اطراف میں کسی جانے پہچانے چہرے کو تلاشا۔

"کوئی بھی تو نہیں۔"

کوچنگ سینٹر کی طویل نہ ختم ہونے والی گلی سے لے کر بھانت بھانت کے لوگوں سے بھرے اس احاطے تک وہ [illegible] اکیلی ہی نظر آئی تھی' اور وہ سب جو اس کے سب سے زیادہ اپنے ہونے کے دعوے دار تھے۔ ان میں سے کبھی کوئی ساتھ دکھائی تک نہ دیتا تھا' مگر وہ پھر بھی مُصر تھی۔

"آپا کل' سلمان بھائی وغیرہ کسی دوسرے وکیل کا انتظام کریں گے' جو زیادہ بہتر ہوگا۔"

معاذ نرمی سے مسکرادیا۔

"بہتر ہوگا یہ صفائی تم ان کے سامنے پیش کرو، جو میرے ساتھ آئے ہیں۔"
جویا نے چونک کر اس کے ہاتھ کی سمت دیکھا۔
"اسلام چچا!" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا۔ گاڑی کے قریب ابا کھڑے تھے۔
ایک گہری سانس جویا کے لبوں سے آزاد ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

رات کا نا معلوم کون سا پہر تھا۔
بڑی دیر سے انہوں نے گھڑی دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تھی۔
ایش ٹرے میں بجھتے سگاروں کا ڈھیر، آہستہ آہستہ اونچا ہو رہا تھا، مگر اب دیرینہ عادت بھی سکون کا باعث بننے سے قاصر تھی۔ برسوں سے لگے بندھے معمول پر گزرتی محفوظ و مامون، خوش حال زندگی کو جیسے اچانک ہی پچھتاوے اور وسوسوں کی دیمک آن لگی تھی۔
جو قصہ برسوں پہلے اپنی طرف سے انہوں نے خوش اسلوبی سے نمٹا دیا تھا، سود بیاج کے ساتھ وہ پھر سے ادائیگی کا تقاضا کر رہا تھا۔ کتنی ہی بار وہ حالات اور واقعات کے تسلسل کو ذہن میں دہراتے، مگر کنفیوژن سا کنفیوژن۔
وہ سب کچھ جس پر بہت پہلے صبر کر لیا گیا تھا اور مڑ کر نہ دیکھنے کا ارادہ بھی مصمم تھا، ان کی ہر کوشش کو صفر کرتا ہوا خود ہی سامنے آ کھڑا ہوا تھا اور وہ بھی ایک جگ ساپزل کی مانند۔ کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے انہوں نے نیا سگار سلگایا۔ کھوئے ہوئے حصے ڈھونڈنے کی ایک اور کوشش کی۔ کھڑکی تھوڑی سی کھلی تھی شاید۔ وہ اٹھ کر بند کرنے لگے تو باہر کی یخ بستگی کا احساس اور بھی نمایاں ہوا۔
ان کے اس نرم گرم کمرے کے باہر کی دنیا اتنی آرام دہ نہیں تھی۔
ایک لمحے کے لیے انہیں شدت سے سڑکوں، فٹ پاتھوں، برج کے نیچے زندگی گزارتے لوگوں کا خیال آیا۔ خدا کی بے محابا پھیلی مخلوق نہ جانے کس کس طرح زندگی کاٹنے پر مجبور ہوگی۔
ان کے وہم و گمان سے بھی زیادہ تکلیف دہ شاید۔ اور ان ہی میں کہیں وہ بھی تھا۔
گاڑیوں کے ہجوم میں اپنی جگہ بناتا ہوا، گلے میں وہ بھاری سا خوانچہ لٹکائے، دو وقت کی روٹی کے لیے لوگوں کی حقارت آمیز نگاہوں اور جھڑکیوں کا مقابلہ کرتا ہوا۔
اور اس غضب کی ٹھنڈ میں بھی نہ جانے کہاں سکڑا سمٹا۔
پتا نہیں اس کے پاس کوئی گرم کپڑا بھی ہوگا یا نہیں۔
دل بڑے ناگوار انداز میں دھڑک رہا تھا، وہ بنا کھڑکی بند کیے واپس صوفے پر بیٹھے۔
وہی تھا جو انہیں اس گورکھ دھندے میں پھنسا کر غائب ہو چکا تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ دن رات نگاہوں سے گزرنے والے سیکڑوں لوگوں کی طرح وہ اسے بھلانا تو ایک طرف نظر انداز تک نہیں کر پائے تھے۔
گیتی آرا کی طرف سے کی گئی تردید بھی جیسے رسمی کارروائی رہی تھی۔ شاید انہیں گیتی سے کھل کر بات کرنی چاہیے تھی یا پھر...
"یوسف!" دروازہ کھول کر ان کی بیوی اندر آگئی تھیں۔ بڑی بے وقت مداخلت تھی۔
انہوں نے کچھ بے زاری سے اس عورت کی طرف دیکھا، جس کے ساتھ وہ ایک عمر بسر کر چکے تھے۔
"ساڑھے تین بج رہے ہیں رات کے۔ آج سوئیں گے نہیں کیا؟ میں بھی ڈسٹرب ہو رہی ہوں۔" ان کے لہجے میں ان کے خیال سے زیادہ اپنی نیند خراب ہونے کی کوفت تھی۔

وہ تلخی سے مسکرا دیے۔
"مجھے جب سونا ہوگا، سو جاؤں گا۔ تم آرام سے سو جاؤ جا کر۔" وہ شاید یہ ہی سننا چاہ رہی تھیں، بنا دوسرا سوال کیے واپس مڑ گئیں۔
یوسف کمال کی نظر چند لمحے اس ادھ کھلے دروازے پر جمی رہی۔
زندگیوں پر مسلط ہوتے لاتعلق رشتے، بے جان جسموں کی مانند۔
اور جنہیں دفنانے میں جلدی بھی نہیں کی جاتی، ساری عمر کے لیے گلنے سڑنے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ سمجھوتے کا مضبوط ڈھکن لگا کر تاکہ ارد گرد تعفن بھی نہ پھیلے۔
اور ان گنت لوگ اس عذاب کو جھیلتے ہوں گے اور جیتے بھی ہوں گے۔
بہت مدت بعد یوسف کمال کو خود اپنے آپ پر شدت سے رحم آ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

سامنے کے آرائشی برآمدے میں دن چڑھے کی چمکیلی دھوپ پھیل رہی تھی۔
استاد فراغت بیگ اپنی کرسی اور بیاض اٹھائے وہیں آ بیٹھے تھے۔ شاما نے گرم گرم چائے کا کپ لا کر دیا، تو مسکرا دیے۔
"جیتی رہو، ویسے آج کل چائے کچھ زیادہ ہی نہیں بناتی ہو؟ صبح سے شاید چوتھا کپ ہے۔"
"اٹھتے بھی تو آپ پانچ بجے ہیں اور استاد جی! اب گھر میں ویسے بھی کون سے لمبے چوڑے کام رہ گئے ہیں۔ آپ، نانی، باجی نگینہ، آپ ان کی بھی خدمت نہ کروں تو پھر کیا کروں۔ دن کاٹے نہیں کٹتا۔"
وہ واپس جاتے جاتے رک سی گئی۔
"یہ تو ہے، اور گیتی کے جانے کے بعد تو بالکل ہی سناٹا چھا گیا ہے۔ اتنے دن ہو گئے مگر اس کی غیر موجودگی کی عادت نہیں پڑ رہی۔ دن میں کتنی بار آ کر پاس بیٹھ جاتی تھی۔"
وہ اسے یاد کر کے اداس ہوئے۔ شاما نے محبت سے ان کی طرف دیکھا۔
"آپ کی تو ہمیشہ سے لاڈلی رہی ہے، حالانکہ اس نے کچھ سیکھ کر نہیں دیا آپ سے۔ باجی نگینہ کو تو اس کی نالائقی سے ہمیشہ شکایت ہی رہی، کہتی تھیں کہ چراغ تلے اندھیرا، اس کو کہتے ہیں گھر میں اتنے بڑے دو سکھانے والے، مگر گیتی نے کچھ سیکھ کر ہی نہیں دیا۔ کچھ بھی حاصل نہیں کیا اپنے بڑوں سے۔"
استاد فراغت بیگ نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔
"غلط سوچتی تھی نگینہ، گیتی نے تو وہ کچھ سیکھا اپنے بزرگوں سے، جو نہ فیروزہ سیکھ پائی اور نہ ہی صندل، بہت مختلف ہے وہ، اور اپنے ساتھ سب سے قیمتی چیز لے گئی ہے اس گھر سے۔ دل کی گہرائیوں سے نکلی دعائیں ہیں اس کے ساتھ، سمجھیں۔"
شاما کے چہرے کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ اندر سے نگینہ آواز دے رہی تھی۔
"آئی باجی جی۔"
استاد فراغت بیگ نے مسکرا کر چائے کا کپ منہ سے لگایا۔
نیچے بازار میں ابھی ساری دکانیں بھی نہیں کھلی تھیں۔ انہیں اپنا یہ پرسکون اور مانوس ماحول دل و جان سے پیارا تھا۔
اندر نگینہ آج اپنے کپڑوں کی الماری کھولے بیٹھی تھی اور حسب عادت سخت کوفت میں مبتلا ہو چکی تھی۔

سستی والی جارجٹ گیڈی کریپ اوپر سے رنگ برنگی چمکیلی بیلیں۔

"یہ سب پہنتی تھی میں اور کسی کو بھی یہ توفیق نہیں ہوتی تھی کہ ٹوک ہی دے مجھے۔ خالہ دلدار والے اگر میری ہنسی اڑاتے تھے تو کچھ ایسا غلط بھی نہیں تھا۔"

وہ جھنجلائے ہوئے انداز میں ایک طرف ڈھیر لگائے جارہی تھی۔ پتا نہیں ایسے کتنے کپڑے تھے اس کے پاس جو اتنی بار بانٹ دینے کے بعد بھی ختم ہونے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

شاما بنا کوئی تبصرہ کیے نیچے بیٹھ کر ان سب کو تہ کرکے ایک طرف رکھنے لگی۔

نگینہ کا تبصرہ جاری تھا۔

"صندل! دیکھ لے۔ تو ابھی صحن میں رکھوا کر آگ لگا دے ان کپڑوں کو۔ اس کا تو اسٹینڈرڈ اب اتنا ہائی ہے کہ کوئی سستی شے برداشت ہی نہیں کرتی، ہے بھی شروع سے نازک مزاج اور اب تو اس کا وہ عروج ہے کہ۔۔۔"

شاما نے بمشکل ہی اپنی بے چینی کو کنٹرول کیا، مگر نگینہ کا "صندل نامہ" ایک بار شروع ہوجاتا تو پھر جلدی ختم نہیں ہوتا تھا۔

وہ چپ چاپ سارے فضول کپڑے الگ کیے گئی۔

"ویسے باجی! اب صندل نے اپنے ہاں آنا بہت کم کردیا ہے۔" جب نگینہ ذرا خاموش ہوئی تو شاما کو کہنا ہی پڑا۔

"ہاں تو مصروف بھی تو کتنی ہے، دن رات شوٹ پر ہوتی ہے، کبھی اس ملک، کبھی اس ملک۔ اب آدمی یا تو کام کرے یا پھر گھر والوں کی خبر گیری کرتا پھرے۔ میں نے تو خود اسے کہہ رکھا ہے کہ اپنی ساری توجہ کام پر رکھے، ہماری فکر نہ کرے بالکل۔"

نگینہ کی آواز قدرے اونچی ہورہی تھی۔

"پتا نہیں باجی نگینہ کس کو مطمئن کررہی ہیں، مجھے یا خود کو۔" سر جھکائے بیٹھی شاما نے تکلیف سی محسوس کی تھی۔

"حاسدوں کی بڑی نظر ہے صندل کی کامیابیوں پر۔ پتا نہیں کتنے ٹونے ٹوٹکے کروا رکھے ہیں، جب ہی تو دو فلمیں ہلکی گئی ہیں اس کی پچھلے جمعہ والی، مجھے تو فکر سی ہورہی ہے۔"

وہ بولتے بولتے تھک چکی تھی یا واقعی فکرمند تھی۔

"اللہ مالک ہے، آپ فکر نہ کریں۔" شاما کی محبت خالص اور اجلی تھی۔

نگینہ نے مایوسی سے ہلکے سے سر کو جھٹکا۔

"پتا نہیں۔ اماں تو کہہ رہی ہیں کہ بنا سوچے سمجھے اندھا دھند دوڑنے کا نتیجہ ہے۔ اب بتا ذرا وہ بالی صاحب کی کسی بھی فلم کو کیسے منع کرسکتی ہے۔ کتنے احسان ہیں ان کے، مگر اماں کو کون سمجھائے، انہیں تو بالی سے چڑ ہوتی جارہی ہے۔"

"بات تو غلط نہیں ہے نا ان کی، بالی صاحب بھی صندل کی شہرت کو کیش کررہے ہیں۔ اب یہ اتنے لو بجٹ والی فلمیں بنائی تھیں تو ان میں خالی صندل کیا کرلیتی نتیجہ خراب ہی نکلنا تھا نا۔"

شاما کا تجزیہ غلط نہیں تھا۔

"مگر ناکامی تو ہیرو، ہیروئن کے سر ہی آئی ہے نا۔ مارکیٹ ویلیو تو ان کی گرتی ہے۔" نگینہ کا انداز تھکا تھکا سا تھا اور دل ایک دم ہی اس چاروں طرف پھیلے مینا بازار سے اچاٹ سا ہوا تھا۔

"تو یہ سب سمیٹ کر نکال دے شاما میرا تو اب ہاتھ لگانے کو بھی دل نہیں چاہ رہا۔"

وہ بے زار سی ہو کر برآمدے میں نکل آئی۔ تب ہی اس نے سیڑھیوں پر سے صندل کو اوپر آتے دیکھا۔ وہ

سیدھی اس کی طرف آنے کے بجائے پہلے استاد جی کو سلام کرنے کے لیے رکی تھی۔
نگینہ کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔
اپنی ساری تنک مزاجی کے باوجود صندل میں کم از کم گھر کے بڑوں کا لحاظ تو تھا۔
"بہت دن بعد آئیں خیر سے۔" وہ اسے لیے نانی ستارہ کے کمرے میں آئی تھی۔
صندل کوئی جواب دینے کے بجائے نانی سے ملنے کے لیے آگے بڑھ گئی۔ آج خلاف معمول فوراً" ہی الگ ہوجانے کے بجائے وہ چند لمحے ان کے گلے سے لگی رہی۔
نگینہ نے ان چند لمحوں میں صندل میں آئی اس تبدیلی کو نوٹ کیا تھا۔
بڑے عرصے بعد آج وہ سادہ سا شلوار قمیص اور دوپٹہ پہنے ہوئے تھی۔ چہرہ میک اپ سے عاری اور بال سادہ سے ہیر بینڈ کی قید میں تھے۔
اپنے نمبرون ہیروئن کے پورٹ فولیو سے قطعی مختلف، لیکن اس سادہ سے حلیے میں وہ شاید اور بھی زیادہ اچھی لگ رہی تھی۔
نگینہ کو اس پر ویسا ہی فخر تھا جیسا کسی زمانے میں نانی ستارہ کو فیروزہ پر۔
"گیتی کیسی ہے؟ کوئی خیر خبر؟"
اپنے بارے میں کیے گئے سارے سوالوں کو صفائی سے نظرانداز کرکے وہ وہیں نانی کی مسہری پر نیم دراز ہوئی۔
"گیتی ماشاء اللہ ٹھیک ہے۔ روزانہ فون پر بات ہوجاتی ہے۔ کہہ رہی تھی کہ تمہیں بھی کیا تھا، مگر نمبر نہیں ملا۔ شاید بند تھا تمہارا فون۔" نگینہ کے لہجے میں گیتی کے لیے بات کرتے ہوئے اب خود بخود اطمینان آتا تھا اور ایک چھوٹا موٹا سا پیراگراف وہ سالار کی تعریف میں ادا کرنا نہیں بھولتی تھی۔
صندل کی پیشانی پر ہلکا سا بل آیا۔
"پتا نہیں کیا جادو کردیا ہے اس نے آپ پر۔ ذرا بھی گیتی کے مقابل نہیں تھا جب اصلیت کھلے گی تب۔۔۔" تلخ لہجے میں وہ جو کہہ رہی تھی نگینہ سے پہلے آج نانی ستارہ کو برا لگا۔
"اصلیت بھی کھل گئی اس کی۔ بالی جیسے دس کو نہیں پانچ کو تو خرید سکتا ہے۔ کوٹھی نام کردی ہے اس نے گیتی کے اور ماشاء اللہ لاکھوں کا زیور ہے' اور سب سے بڑی بات کہ مخلص اور سادہ دل۔ گیتی کی فکر مت کرو' وہ ماشاء اللہ ٹھیک ٹھاک ہے۔"
صندل' نانی کی بات کے دوران ہی سیدھی ہوکر بیٹھ چکی تھی' گو نگینہ پہلے بھی بتا چکی تھی' مگر اسے یقین نہیں آیا تھا۔
"سچ کہہ رہی ہیں؟" اس نے باری باری نگینہ اور نانی دونوں ہی کو دیکھا۔
جواباً" وہ دونوں ہی مسکرائی تھیں۔
"کمال ہے' گیتی نے چپ چاپ کتنا بڑا ہاتھ مار لیا۔ لگتی تو بہت سیدھی تھی' مگر اندر ہی اندر سالار کے ساتھ پوری سیٹنگ کر رکھی تھی۔" وہ اور بھی تلخ ہوئی۔
"کیسی باتیں کرتی ہے صندل! اپنی بہن کو جانتی نہیں کیا؟ گیتی کے سیدھے پن سے تو ہم سب عاجز تھے' بھول گئی؟"
نگینہ کو اس کی بات سے بڑا ہی رنج ہوا تھا' مگر صندل اپنی رائے پر نظرثانی کرنے کے لیے بھی تیار نہیں تھی۔
"کوئی سیدھا نہیں ہے آج کے زمانے میں۔ سب اپنا بھلا دیکھتے ہیں۔ گیتی نے بھی ہمیشہ سیف (محفوظ) راستہ چنا۔ پہلے پڑھائی کے نام پر کام سے جان چھڑاتی رہی' پھر مزے سے اپنی مرضی کی شادی رچالی۔ مصیبت تو میرے

اں سر رہی۔ کام' کام' کام ایک ساتھ کتنی شفٹوں میں کام کررہی ہوں۔ کسی کو اندازہ بھی نہیں ہے۔"
اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے تھے' سو غصے کے باوجود بھی نانی یا نگینہ کو نرمی برتنی پڑ رہی تھی۔
"اتنا کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ منع کیا تھا نا کہ ایک ساتھ اتنی فلمیں مت کرو۔ معیار خراب ہوتا ہے۔ لوگ بھی بے زار ہونے لگتے ہیں۔ پیسے کے پیچھے دوڑتے رہنا بھلا کس کو راس آتا ہے' مگر تمہیں تو ہماری کبھی کوئی ایک بات بھی سمجھ میں نہیں آئی آج تک۔"
نانی ستارہ کا لہجہ نرم سہی' مگر بات سچی تھی' سو کڑوی بھی لگی۔
صندل آج بہت دکھے ہوئے دل کے ساتھ آئی تھی' مگر یہاں دستیاب کندھے سر رکھ کر رونے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔
"کسی کو مجھ سے ہمدردی نہیں۔ وہ بالی ادھر باتیں سنا رہا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ فلمیں فلاپ ہونے میں میری کوتاہی ہے۔ میں نے دل لگا کر کام ہی نہیں کیا۔ اپنی غلطیاں نہیں دیکھتا' اب اگر اگلی فلم بھی۔۔۔"
اس نے ایک برے امکان کا اظہار کرنا چاہا' مگر آنکھوں میں آتے آنسو بولنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ سو وہ تکیہ میں منہ دے کر واپس بستر پر دراز ہوئی۔
وہ بری طرح اپ سیٹ تھی۔ اب اس بات میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔
نانی اور نگینہ دونوں ہی تشویش میں گھری تھیں۔
"بالی صاحب کہاں ہیں؟ انہیں پتا ہے کہ تم یہاں ہو؟" نگینہ نے اپنے اطمینان کے لیے پوچھا تھا' مگر وہ بری طرح بھڑک اٹھی۔
"بھاڑ میں گیا بالی۔ ایک فلم دے کر جو احسان کیا تھا وہ سود سمیت اتار دیا ہے میں نے' پھر بھی۔۔۔ دیکھ لیجیے گا اب نئی لڑکی ٹرائی کرے گا۔"
نگینہ نے بے اختیار ہی ماتھے کو چھوا۔
"کیا ہوگیا ہے تیری عقل کو صندل! مجھے تو لگ رہا ہے کہ بالی سے کوئی بڑا جھگڑا مول لے لیا تو نے' ارے شوبز میں کون کسی کا ہوتا ہے' بلکہ اس دنیا میں ہی کس کو وفا ملتی ہے' سب منہ دیکھے کے ہوتے ہیں' وقتی کام نکالنے والے لوگ۔ تیری طرح جذباتی نہیں ہوتے' عقل پکڑ' کیوں نوبت لا رہی ہے کہ بالی صاحب کسی اور لڑکی کو سائن کریں۔"
نگینہ کی دانش مندی سے کی جانے والی بات اس نے شاید ڈھنگ سے سنی بھی نہیں تھی' یوں ہی تکیہ میں منہ دے کر لیٹی رہی۔
موبائل پر گیتی کا فون آرہا تھا۔ چند لمحوں کے لیے صندل کی خستہ حالی سے سب ہی کی توجہ ہٹ گئی۔
شاما' نانی' نگینہ تینوں ہی کے لہجے سے خوشی چھلک رہی تھی۔
ہر ایک اس سے بات کرنے کا خواہش مند تھا۔ سب کے لیے وہ راتوں رات اہمیت اختیار کرچکی تھی' بڑے ہی غیر محسوس انداز میں۔
"ہاں۔ صندل بھی آئی ہے' لو بات کرلو۔" نگینہ نے بہت خوش گوار انداز میں کہتے ہوئے صندل کا کندھا ہلایا۔
"مجھے نہیں کرنی کسی سے بات دات' چھوڑ دیں میرا پیچھا۔"
دور بیٹھی گیتی نے صندل کو صاف کہتے ہوئے سنا۔

☼ ☼ ☼

شاکرہ ای کا بلڈ پریشر نیچے آنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ آپا گل عیادت کے بہانے صبح سے آئی بیٹھی تھیں اور

زویا کو پورا یقین تھا کہ ڈاکٹر کی دوا کے بے اثر ہونے کی سب سے بڑی وجہ ان ہی کی موجودگی ہے۔

جویا دانستہ کمرے میں نہیں جارہی تھی' پتا تھا کہ اسے دیکھ کر وہ بھی زیادہ مشکل گفتگو فرمائیں گی' ایسی باتیں جو ایک ساتھ کئی معنی رکھیں گی اور سارے ہی مطلب معنی ایک سے ایک دل بٹھانے والے۔

اندر سے ان کی اور زویا کی آوازیں باہر تک آرہی تھیں۔

"اب نہیں ہوتی ابو کی ضمانت' لمبے عرصے کے لیے گئے ہیں' جب ہی تو وکیل نے بھی کیس چھوڑ دیا' اب تو بس سرکاری وکیل ہی کا آسرا ہے' ویسے کہو تو اکبر کے ایک جاننے والے ہیں' وکالت کرتے ہیں' فیس بھی بہت کم لیں گے۔"

"فیس کا تو کوئی مسئلہ نہ ہو' اگر آپ ہی ہمارے پیسے دے دیں' بلکہ اب تو آپ کو دے دینے ہی چاہئیں' سال ہونے کو آرہا ہے۔"

"کون سے پیسے؟" آپا گل کی آواز میں بڑی حیرت تھی۔

جویا نے نچلا لب دانتوں تلے دبایا۔

غضب کی یادداشت تھی آپا گل کی' جو یاد رکھنا چاہتیں یاد رہ جاتا اور جو نہیں رکھنا چاہتیں' کتنا بھی ضروری ہوتا باآسانی بھلا دیا جاتا۔

"جویا کے جہیز کا جو سارا سامان آپ نے اوپر کے گھر میں سیٹ کیا ہے' اس کے پیسے تو دیں گی نا آپ' وعدہ کیا تھا آپ نے۔"

"ہاں تو کب منع کیا ہے' دے دیں گے جب ہوں گے' بھاگے تھوڑی جارہے ہیں۔ ویسے تو سب لوگوں کو میں نے یہی بتایا ہے کہ میرے میکے والوں نے سارا گھر سیٹ کروا کر دیا ہے' تمہاری ہی عزت بڑھی ہے' سب کے سامنے۔"

انہوں نے مخصوص انداز میں ایک بات کے ایک سے زائد مطلب نکالے' مگر زویا ان کے سامنے جویا کی طرح خاموش نہیں رہ پائی تھی۔

"آپ ہماری عزت کی فکر مت کریں اور آپ تو ویسے بھی خود ہی کہتی ہیں کہ اب ہمارے گھرانے کی کوئی عزت نہیں رہی' سو کہہ دیجئے گا کہ آپ نے یہ سامان ہم سے خریدا ہے' بات ختم۔"

جویا نے اضطراب سے پہلو بدلا۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ شاید زویا کے انداز پر ضرور مسکراتی' مگر اب ہر بات دل پر چوٹ کی طرح لگتی تھی۔

"بڑی سخت دل ہے' باپ بے چارے جیل میں پڑے ہیں' تمہیں سامان کی خرید و فروخت کی پڑی ہے' اس وقت ان کے لیے وکیل کا بندوبست کرنا ضروری ہے سب سے زیادہ۔"

"وکیل کا بندوبست ہوگیا ہے' امید ہے کہ اگلی پیشی پر ضمانت بھی ہوجائے گی' ان شاءاللہ۔" انہیں زویا کے پریقین انداز نے ایک دم چونکایا۔

"ایسا کون سا وکیل مل گیا' جو اتنا پکا یقین ہورہا ہے تمہیں۔"

تب ہی سلمان اپنے کمرے سے موبائل آف کرتا ہوا اس طرف تیزی سے گیا تھا۔

جویا نے اسے اپنے کمرے کے ادھ کھلے دروازے میں سے دیکھا' اس کے انداز میں کچھ غیر معمولی پن تھا۔

"الٰہی خیر!" زیر لب کہہ کر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے پیچھے چلی آئی۔

"عارف صاحب کا فون آیا تھا۔" وہ کمرے کے وسط میں کھڑا اعلان کرنے والوں کے انداز میں اطلاع دے رہا تھا۔

آپا گل اور زویا کی بحث کو وقتی طور پر فل اسٹاپ لگا تھا۔

"ابا کا کیس' اب اسلام چچا اور معاذ لڑیں گے' کل وہی دونوں کسی وکیل کو لے کر آئے ہیں کورٹ میں۔"

"کیا!" آپا گل کا منہ حیرت سے کھلا اور شاکرہ امی طبیعت کی خرابی میں بھی سیدھی اٹھ کر بیٹھیں۔

"اور اس نے۔" سلمان نے حقارت سے جویا کی طرف اشارہ کیا۔ "اس لڑکی نے ہمیں بتانے کی بھی زحمت نہیں کی' باہر ہی باہر سب کچھ طے کرلیا۔"

آپا گل نے تیزی سے قریب آکر جویا کے کندھے کو جھنجوڑا۔

"کروا دیا نا ذلیل ہمیں' مجھے تو پہلے ہی پتا تھا کہ اس کی چھپ چھپ کر ملاقاتیں ہوتی ہیں اس کمینے سے۔ اسی طرح کسی دن جاکر نکاح بھی پڑھوالے گی کورٹ میں۔ لکھ کر رکھ لیں میری بات' بے حیا' بے شرم۔"

اس سے پہلے کہ زویا انہیں الگ کرتی' وہ تھپڑ جویا کے چہرے پر مار چکی تھیں۔

"کیا کرتی ہیں آپا گل! بتایا تھا اس نے مجھے' میں نے منع کیا تھا کہ کسی کو نہ بتائے۔ معاذ اکیلا نہیں تھا' اسلام چچا آئے تھے کورٹ میں' اتنے عرصے سے وہ اکیلی جارہی ہے' تب آپ میں سے کسی کی بے عزتی نہیں ہوئی اور اگر کوئی رحم کھا کر تھوڑی سی مدد کو آگیا تو آپ کو برداشت نہیں ہورہا' شرم سے ڈوب مریں آپ لوگ۔"

زویا کی آواز میں لرزش سی آئی۔ آپا گل نے طنزیہ نظروں سے سلمان کی طرف دیکھا۔

"اب چندہ سے ابو کا کیس لڑا جارہا ہے اور چندہ دینے والے بھی کون' وہی جو ہماری بربادی پر سب سے زیادہ خوش ہیں' مزا لینے کے لیے آئے ہیں دونوں باپ' بیٹے۔"

"آپ ابھی اکبر بھائی کے وکیل سے بات کریں' ان لوگوں کو تو میں دیکھ لوں گا اور اب آئندہ یہ کورٹ نہیں جائے گی۔ سب لوگ کان کھول کر سن لیں۔"

سلمان کا چہرہ سرخ ہورہا تھا۔ آپا گل کے چہرے پر بڑی فاتحانہ مسکراہٹ ابھری تھی۔

"اتنے عرصے سے کیوں نہیں ہوش آیا تھا آپ کو' اور یہ آپا گل کا وکیل پہلے کیوں نہیں آگیا' جواب آپ۔۔۔"

"بکواس بند کرو زویا!" وہ بہت زور سے چلایا۔

ساکت کھڑی جویا نے ایک جھٹکے سے زویا کا ہاتھ تھاما اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے ہاتھ برف کی طرح ٹھنڈے ہورہے تھے۔

کمرے میں ان تینوں کے پاس اب کرنے کے لیے بہت کچھ تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ کسی کام سے اپنے کمرے سے نکل کر کچن تک آئی تھی' سادہ کپڑے' میک اپ سے صاف چہرہ۔

مگر غضب کی ادا۔

سامنے اخبار پھیلائے بیٹھے نبیل کی نگاہ اس پر سے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں ہٹی تھی۔

شروع شروع میں وہ کمرے سے بہت کم نکل رہی تھی' نبیل کو یقین تھا کہ ایسا اس نے سالار کے کہنے پر ہی کیا ہے۔

مگر اب دو' ڈھائی ہفتے گزرنے کے بعد اس کا رویہ نارمل ہوتا جارہا تھا' وہ کچن کے دن بھر میں دو چار چکر لگاتی' کبھی اپنے اور سالار کے لیے چائے وغیرہ بھی بنالیتی یا پھر یوں ہی چھوٹے موٹے دوسرے کام' دو' چار بار اس کے اور سالار کے کچھ مہمان بھی آئے تھے۔

خود نبیل اس سارے عرصے میں اس طرح لاتعلق رہنے کی کوشش میں رہا تھا' جیسے وہاں سالار یا گیتی کا کوئی

وجود ہی نہیں ہو۔

ایسا کرنے میں زرتاج کی ہدایت سے زیادہ خود اس کی اپنی سوچ کا عمل دخل تھا۔

سالار کی پہلے دن کی وارننگ اسے یاد تھی' اور جانتا تھا کہ وہ محض وارننگ نہیں تھی۔

"مگر یہ لڑکی..." اس نے اضطراب سے پہلو بدلا۔

اتنے دن میں کون سا لمحہ تھا' جب اس نے سالار کی قسمت پر رشک نہیں کیا تھا۔

"کم بخت معلوم نہیں کہاں سے اڑا کر لایا ہے۔" سامنے لگے شیشے میں گیتی کے دکھائی دیتے عکس پر نگاہ جماتے ہوئے وہ پورا پورا اس میں گم تھا۔ اس لڑکی پر اس کا دل بری طرح آچکا تھا۔

"کیا کر رہے ہو یہاں؟" زرتاج کی سرد آواز قریب سے ہی گونجی تھی۔

وہ بری طرح چونکا۔

زرتاج قریب ہی کھڑی تھیں اور وہ شاید گیتی کے جلووں میں اتنا محو کہ آس پاس کا دھیان تک نہیں۔ زرتاج جیسی خطرناک عورت کی ہمہ وقت نگرانی کا بھی خوف نہیں۔

"کچھ بھی نہیں' اخبار پڑھ رہا تھا۔" خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے ایک چور نگاہ شیشے پر ڈالی' اب وہاں گیتی نظر نہیں آرہی تھی' سو پکڑے جانے کا خطرہ بھی معدوم ہوا۔

"تمہیں کچھ کام تھا کیا مجھ سے؟" وہ اب ذرا پراعتماد ہو کر زرتاج سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں' چلنا تھا کہیں' تیار ہو جاؤ۔"

"تم ہو جاؤ پہلے' مجھے تو پانچ منٹ لگتے ہیں۔" اس نے مزید لاپروائی دکھانی چاہی' مگر یہ ہی غلطی تھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا' تیار ہو جاؤ؟ میں پہلے ہی تیار ہو چکی ہوں' دکھائی نہیں دے رہا تمہیں؟"

"سوری' میں نے غور نہیں کیا تھا۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوا' مگر زرتاج کو برا لگ چکا تھا۔

"تم بہت بدل چکے ہو نبیل! اب تمہیں میری طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں ہوتا' دل بھر چکا ہے تمہارا مجھ سے۔" ان کی چبھتی ہوئی نگاہ نبیل کے چہرے پر جمی اور وہی ٹھوک بجا کر بات کرنے کا مخصوص انداز جس کے بعد صفائی دینے کی رعایت بھی نہیں رہتی تھی۔

"ایسا نہیں ہے زرتاج!" وہ بجا طور پر گڑگڑایا "میں کچھ سوچ رہا تھا' بہت پریشان ہوں آج کل' پتا تو ہے نا تمہیں' سالار کے ساتھ میرا گزارا مشکل تر ہوتا جا رہا ہے' اس گھر میں قیدیوں کی طرح رہ رہا ہوں' دماغ ٹھکانے پر کہاں ہے میرا' روز پولیس انکوائری کا سامنا ہے۔"

بات کے اختتام تک وہ جتنا ممکن تھا' اتنا اداس بھی ہو چکا تھا' اور وہ یقیناً "کمال کا ایکٹر تھا' زرتاج نے ہمدردی سے اس کی طرف دیکھا۔

"اتنی ٹینشن مت لو' میں بات کر رہی ہوں نا ہائی آفیشلز سے' کچھ نہیں ہوگا' ایک معمولی ملازمہ کی گمشدگی' اتنا بڑا ایشو نہیں جس پر کوئی بھی زرتاج بیگم کے شوہر پر ہاتھ ڈال سکے' کاش میں ان دنوں ملک سے باہر نہ ہوتی' جب وہ کم بخت روزی یہاں سے بھاگی تھی' تو یہ جواب دہی تمہارے حصے میں کبھی نہ آتی' میں خود ہی نمٹ لیتی۔"

"اب بھی تم ہی تو نمٹ رہی ہو میری جان!" وہ دانستہ اس کے قریب تر ہوا "میری ساری پریشانیاں' ساری مشکلات کا حل تم ہی نکالتی ہو' میں تمہارا احسان مند ہوں زرتاج' ورنہ یہ سالار اور وہ تمہارا بھائی یوسف کمالی' دونوں جان کے دشمن بنے ہیں میرے' دیکھنا نہیں چاہتے ہیں مجھے ایک پل بھی یہاں وہ لوگ۔"

"ان کے چاہنے سے کیا ہوتا ہے' اور وہ بھی جانتے ہیں کہ میں کوئی معمولی عورت نہیں۔" نبیل کے ہاتھ اپنے کندھوں سے ہٹاتے ہوئے وہ غرور سے مسکرائیں "چلو تمہیں دیر ہو رہی ہے۔" وہ واپس بیڈ روم کی طرف مڑ گئیں

اوران کے پیچھے نبیل بھی۔

تب ہی اس نے گیٹ سے اندر آتی پولیس وین کو گلاس وال کے دوسری طرف سے دیکھا تھا۔ جب سے سالار نے روزی کا کیس کھلوایا تھا' اس طرح کی آمدورفت بڑھنے لگی تھی۔

کھل کر ابھی تک کسی نے اس پر شک کا اظہار نہیں کیا تھا' مگر جس طرح اسے چاروں طرف سے گھیر کر سوال کیے جاتے تھے' دل بیٹھا جاتا تھا۔

"کیا ہوگیا ہے تمہیں نبیل! کیوں خود کو تماشا بنا رہے ہو۔" زرتاج نے مڑ کر اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

"کہا ہے نا میں نے' کچھ نہیں ہوگا۔ سالار کے ذاتی دوست ہیں پولیس میں۔ وہ لوگ ملنے بھی آتے ہیں۔" ان کے لہجے میں بڑی تسلی سی تھی اثبات میں سرہلاتے ہوئے نبیل کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ آئی۔

"ایسے ہی بس یوں ہی۔۔۔"

اس بار وہ زرتاج کے پیچھے نہیں ساتھ ہی آگے بڑھا تھا۔ فی الحال زرتاج کے سائے تلے ہی عافیت تھی۔

"اور جو یہ روزی کا قصہ نمٹ جائے تو پھر ضرور کچھ سوچا جاسکتا ہے۔"

گیتی کے چہرے کو تصور میں لاتے ہوئے' اس نے پوری کمینگی کے ساتھ آگے کا پروگرام ترتیب دیا۔

زرتاج اسے مسکراتا دیکھ کر بھرپور انداز میں مسکرائیں "میرے شوہر کو بہت نڈر اور مضبوط شخص ہونا چاہیے نبیل۔"

"فکر مت کرو میں خود کو ایسا ہی ثابت۔۔۔" اپنے ظلم اور درندگی کو یاد کر کے جس غرور سے اس نے دعوا کرنا چاہا تھا' ادھورا رہ گیا۔

"ذرا رک جائیں آپ لوگ' بہت ضروری بات ہے۔" سالار تیزی سے سیڑھیاں اترتے ہوئے نیچے آرہا تھا۔

"ہم لوگ باہر جارہے ہیں سالار! اور ضروری نہیں کہ ہر بار ہم تمہاری بات سننے کے لیے رک جائیں' دیر ہورہی ہے ہمیں پہلے ہی۔" بیگم زرتاج کا لہجہ سرد تھا۔

سالار نرمی سے مسکرایا۔

"چلیں' میری بات سننے کے لیے نہ سہی' کسی اور کی ہی سننے کے لیے رک جائیں۔" ذرا رکتے ہوئے اس نے لاؤنج میں کھلنے والے دروازے کی طرف دیکھا۔

"آئیے مشہدی صاحب!"

زرتاج اور نبیل دونوں نے بیک وقت مڑ کر دیکھا تھا۔

دو ینگ پولیس آفیسرز اندر داخل ہورہے تھے۔

سنجیدہ' باوقار چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ۔

زرتاج نے غور سے انہیں دیکھا' وہ ان میں سے کسی کو نہیں جانتی تھیں' لیکن ان سے اوپر بہت بڑوں تک اس کی با آسانی رسائی تھی۔

"کیا بات کرنا ہے آپ لوگوں کو؟" بنا کسی تمہید کے زرتاج نے سرد لہجے میں' ان لوگوں کے کچھ کہنے سے پہلے ہی براہ راست سوال کیا تھا۔ کسی کو بھی دباؤ میں لانے کا ان کا اپنا مخصوص انداز تھا' مگر نئے آنے والے' متاثر ہونے کے موڈ میں نہیں تھے۔

"آپ کے ہاں جو لڑکی کام کرتی تھی' اس کی گمشدگی کے۔۔۔"

"کتنی بار اور کیا کیا پوچھنا ہے آپ لوگوں کو آخر' ایک معمولی ملازمہ' جو اتفاق سے ہمارے گھر کام کرتی تھی'

ی غیر موجودگی میں کام چھوڑ کر چلی گئی' کہاں گئی' کیوں گئی۔ ہمارا درد سر نہیں تھا اور اب تو کتنا عرصہ گزر گیا ہے لگتا ہے کہ پولیس ڈپارٹمنٹ کے پاس اب یہ ہی ایک کام رہ گیا ہے کہ وہ شریف لوگوں کو پریشان کریں۔"

زرتاج کی آواز بتدریج اونچی ہوتی چلی گئی۔

ان لوگوں نے سکون کے ساتھ ان کی بات ختم ہونے کا انتظار کیا۔

"آپ کی پریشانی اب ختم ہونے کو ہے میڈم زرتاج! اس لڑکی کی گمشدگی کا معما حل ہوگیا ہے' آج یہ ہی بتانے لیے ہم آئے ہیں۔"

نبیل اور زرتاج دونوں ہی قطعی مختلف احساس کے زیر اثر چونکے تھے۔

"تو مل ہی گئی وہ مکار آوارہ لڑکی تم لوگوں کو اور اب میں کروں گی پولیس ڈیپارٹمنٹ پر مقدمہ مجھے اور میرے ہر کو ذہنی ٹارچر کرنے کا اور ہتک عزت کا' سمجھے تم؟" وہ دو قدم اور آگے آئیں اور ان دونوں کے چہروں پر نگاہ اتے ہوئے ان کے لہجے کی تپش اور بھی بڑھی۔

"آپ ایسا نہیں کریں گی میڈم زرتاج!" ان میں سے ایک نے پورے تحمل سے کہا۔

"اس لیے کہ قصہ ابھی ختم نہیں ہوا ہے' روزی کی موت کی تصدیق ہوئی ہے اور پرانے ریکارڈ سے اس کی ش کی تصویر اور لاش تھانے لائے جانے کی انٹری بھی ثابت ہورہی ہے۔"

راجو خاموشی سے لاؤنج کے دروازہ میں آکھڑا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ بالکل سفید پڑ رہا تھا۔ سالار نے بہت ہمدردی ے اس کی طرف دیکھا۔

"ایسا کیسے ہوسکتا ہے' ہم نے معلومات کی تھیں اس وقت تھانے سے' مگر وہاں کوئی ایسی اطلاع نہیں تھی۔" ے خود اپنی آواز دور سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"اطلاع تھی نبیل صاحب! لیکن اس کیس کو بند کروا دیا گیا تھا اور جو ایس ایچ او اس وقت وہاں ڈیوٹی پر تھا' وہ اب چھوڑ کر جاچکا ہے۔ بہرحال ہم اسے ٹریس کرنے کی کوشش کررہے ہیں' جلد ہی کامیابی ہوجائے گی' ہمیں رالیقین ہے۔"

لاؤنج میں چند لمحوں کے لیے بڑا گہرا سناٹا چھایا۔

"یہ رہی اس کی موت کے بعد لی گئی تصویر' لاش' سمندر کے کنارے سے ملی تھی اور پہلی رپورٹ کے مطابق لی کا ریپ بھی۔۔۔"

ہاتھ میں تھامی تصویر پولیس افسر نے زرتاج اور نبیل کی طرف بڑھائی تھی۔ مگر فوری طور پر کوئی بھی اسے لینے لی ہمت نہیں کرسکا۔

پیچھے سے آتے راجو نے کانپتے ہاتھوں سے وہ چھوٹی سی تصویر تھامی۔

چہرے پر موت کی ویرانی لیے روزی کی آنکھیں ادھ کھلی تھیں' یہ تھا اس رنگوں بھری لڑکی کا شاید انجام۔ اس آخری پل تک انتظار کیا تھا۔ راجو کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر اس تصویر پر ٹپکے' دوسرے ہی لمحے وہ ش ہو کر قالین پر گرا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ اِن شاءاللہ)

عالیہ بخاری

دیوارِ شب

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد نازو نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتلائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اُٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آ کر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گیتی آرا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دُکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو۔ رفاہی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دُعاگو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دُھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ حویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ حویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصۂ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیرِ اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سولئے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک لبس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جیسے ڈرائیور اجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے بُرے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہِ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔ سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

جویا کا رشتہ آناً فاناً طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی "کوششیں" شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے اور جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ، جویا کو اکساتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ آپا گل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔

صندل کو بالی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

۴۸

اڑتالیسویں قسط

سالار کمرے سے باہر نکلا تو وہ سامنے ہی منتظر تھی۔ انیکسی کی سیڑھیوں پر اکیلی بیٹھی ہوئی۔ سالار کو آتا دیکھ وہ تیزی سے اٹھ کر اس کے قریب آئی۔

"کیسی طبیعت ہے اب راجو بھائی کی؟"

"بہتر ہے۔" ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے سالار نے گیتی کے فکر مند چہرے کو دیکھا۔ "ڈاکٹر دیکھ کر گئے ہیں، کہتے ہیں گہرا صدمہ ہے اور ظاہر ہے وہ تو ہے، بہت زیادہ محبت کرتا تھا راجو روزی سے۔ اس کی نیم دیوانگی کی حالت تم نے نہیں دیکھی۔ یہ تو اب کہیں جا کر کچھ نارمل ہوا تھا تو پھر سے اتنا بڑا دکھ....."

گیتی کے کندھے پر ہاتھ رکھے وہ آہستہ آہستہ چلتا انیکسی کی سیڑھیوں پر آکر کھڑا ہوا۔

"روزی کی اس طرح بے بسی کی موت نے تو خود مجھے اندر تک ہلا کر رکھ دیا ہے گیتی! بہت چھوٹی سی ہمارے گھر آئی تھی۔ بے ماں باپ کی یتیم بچی ہماری ذمہ داری تھی وہ میں تو خود کو گناہ گار سمجھ رہا ہوں۔ اللہ مجھ کو اس غفلت پر معاف فرمائے۔"

سالار کی آواز میں بار بار نمی اتر رہی تھی۔ پچھلے تین دن سے وہ روزی کی موت کی اطلاع کے بعد بہت خاموش اور دکھی تھا۔ اس کی مہربان فطرت اور حساس دل کا اندازہ گیتی سے زیادہ بھلا کس کو تھا۔ بنا رتبہ، مرتبہ، محض انسان کو عزت دینے والا، کسی کے بھی دکھ اور تکلیف کو اپنے اندر اتارتا۔ انسانیت کی اعلا مثالیں قائم کرنے والا، سچا، مخلص اور پیارا شخص۔

"اور اگر وہ ایسا نہ ہوتا تو خود وہ کہاں ہوتی۔" گیتی کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

"آؤ! تھوڑی دیر یہیں بیٹھتے ہیں۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر وہیں سرخ پتھروں کی ٹھنڈی صاف سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔

"آپ خود کو سنبھالیں سالار! آپ کمزور پڑنے لگے تو راجو بھائی بالکل ہی ہمت ہار جائیں گے، کون انہیں سنبھال سکتا ہے آپ کے علاوہ، پلیز! اللہ ظالموں کو سزا ضرور....."

سالار کے ہاتھ کو تھامے وہ بڑی نرمی سے اسے تسلی دیے گئی۔ سالار نے اسے درمیان میں ایک بار بھی نہیں ٹوکا چپ چاپ سر جھکائے سب سے نیچے کے پتھروں کو تکے گیا۔ اور جب وہ خاموش ہوئی تو.....

"روزی بہت پیاری اور معصوم تھی گیتی! رنگ برنگے کپڑے پہننے، تیار ہونے کی شوقین رنگوں سے بھری لڑکی۔ عظمت بوا اسے ہر وقت ڈانٹتیں مگر وہ ہنستی ہی رہتی۔ میں بہت کم دنوں کے لیے آتا تو اس کی خوشی کا ٹھکانا نہیں ہوتا، سالار بھائی، سالار بھائی کرتی آگے پیچھے گھوما کرتی تھی۔ محبت والی، خدمت گزار کس درندگی کا شکار ہوئی، وہ بھی یہاں اس گھر میں....."

بڑے مضطرب انداز میں اس نے اطراف میں اشارہ کیا۔

"میرے لیے اب حقیقت کو جاننا بے حد ضروری ہے۔ ایک بے گناہ انصاف طلب ہے گیتی!"

"پولیس نے انکوائری شروع کردی ہے نا سالار! آپ کے ذاتی دوست ہیں وہ آفیسر۔ دیکھیے گا، بہت جلد کوئی نتیجہ نکلے گا۔ اللہ پر بھروسا رکھیں۔"

"اسی پر بھروسا ہے اور اپنے لیے عمل کی توفیق کی دعا بھی اس کے حضور ہے کہ جو میرے حصے کا کام ہے، وہ میں ضرور کرلوں۔" سامنے سبزہ زار پر نگاہ دوڑاتے سالار کے لہجے میں آہستہ آہستہ وہی مضبوطی اترنے لگی، جس کی گیتی منتظر تھی۔

"میں راجو بھائی کے لیے سوپ بنا لیتی ہوں اور کچھ کھانے کے لیے بھی!"

اطمینان کا سانس لیتے ہوئے وہ اٹھنے لگی لیکن سالار نے اس کا ہاتھ ابھی بھی تھام رکھا تھا۔

"تم بہت اچھی ہو گیتی! اور میں بہت خوش قسمت کہ تم میری زندگی کا حصہ ہو بلکہ میری زندگی ہی...." وہ بہت محبت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا گیتی کے لیے ایسے ہر لمحے میں اس کی طرف دیکھنا محال ہوا تھا۔

"جانے دیں سالار! مجھے کھانا بنانا ہے! راجو بھائی اٹھتے ہی ہوں گے۔"

سالار نے ہلکی سے مسکراہٹ کے ساتھ اس کا ہاتھ چھوڑا۔

"میں بھی دیکھتا ہوں کیا خبر اٹھ ہی گیا ہو' دواؤں کا اثر ہے ورنہ نیند کہاں آ رہی ہے اسے۔" وہ اس کے ساتھ ہی اٹھ کر کھڑا ہوا۔

گیتی سیڑھیاں اترنے لگی تھی کہ کچھ یاد آیا۔

"ایک بات کرنی تھی آپ سے!"

"ہاں' بولو!"

سالار نے اس کے چہرے پر آئی کش مکش کو فوری نوٹ کیا تھا "کیا بات ہے' کوئی پریشانی؟" اس نے قریب آتے ہوئے نرمی سے گیتی کے چہرے کو چھوا۔

"مجھے پتا ہے کہ آپ بہت اپ سیٹ ہیں آج کل' میں آپ کو اور پریشان نہ کروں' لیکن...."

"اوں ہنہ۔" سالار نے مصنوعی ناراضی اختیار کی۔

"ہمیں ایک دوسرے سے کچھ شیئر کرنے کے لیے سوچنے کی ضرورت نہیں ہے گیتی! یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا!"

گیتی کے چہرے پر دل فریب سی مسکراہٹ ابھری۔ وہ اسی طرح بہت سادگی سے' اسے تحفظ کے گہرے احساس سے دوچار کرتا تھا۔

اس زندگی میں اب قدم قدم پر سجدۂ شکر واجب ہونے لگا ہے یقیناً"۔

"بتاؤ نا' یا یہیں کھڑا رکھو گی شام تک!" وہ جھنجھلایا۔

حالانکہ جو بات وہ اس سے کہنے جا رہی تھی' ذرا بھی خوشگوار نہیں تھی' مگر وہ اس کے بے ساختہ انداز پر کھل کر مسکرائی تھی۔

"جانے دیں' آپ نے تو بات ہی ختم کر دی!" وہ مڑنے لگی تھی' مگر اس کا ہاتھ سالار کی گرفت میں تھا۔

"لاہور میں کوئی پریشانی ہے کیا' نانی' نگینہ آنٹی ٹھیک تو ہیں نا۔" سالار کو فطری طور پر اس کی پریشانی کا سرا وہیں کہیں ملتا ہوا محسوس ہوا تھا بات تھی بھی کسی حد تک ٹھیک۔

صندل کی بد مزاجی اور اس کا پچھلے کئی دن سے نانی ستارہ کے ہاں کا قیام' گیتی کو پریشان رکھے ہوئے بھی تھا لیکن یہاں اتنے بڑے ایشوز موجود تھے کہ' اس نے سالار سے اس پریشانی کا تذکرہ بھی مناسب نہیں سمجھا تھا۔

"بات وہاں کی نہیں ہے سالار! مجھے زرتاج آنٹی کے رویہ نے پریشان کر رکھا ہے۔ بہت ڈر لگنے لگا ہے مجھے ان سے' اتنی نفرت سے دیکھتی ہیں اور مخاطب بھی کرتی ہیں تو ان کا لہجہ اتنا سرد ہوتا ہے کہ میرا تو دل ہی بیٹھنے لگتا ہے۔"

جب وہ بہت دھیمے لہجے میں بول رہی تھی تو اس کی خوب صورت آنکھوں میں پھیلا ہوا خوف اس کی بات کی تائید کر رہا تھا۔

سالار نے بے ساختہ ہی اسے خود سے قریب کیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں ان سے ڈرنے کی' اصل میں وہ زندگی میں پہلی بار خائف ہوئی ہیں' اس سے پہلے برسوں سے مکمل حکمرانی کے مزے لے رہی تھیں' اب حکومت بدل رہی ہے تو واویلا تو ہو گا نا.... تم بالکل فکر مت کرو' میں ہوں نا۔"

پہلے سے انداز میں دی گئی تسلی کارگر ثابت ہوئی' وہ وہیں کھڑا اسے جاتا ہوا دیکھے گیا۔

زرتاج جیسی زہریلی عورت سے گیتی کا خوف کھانا سمجھ میں آتا تھا۔

وہ بھی تو کتنے ہی سالوں ان کا سامنا تک کرنے سے گھبراتا رہا تھا۔ بچپن میں تو اس کی جان نکلتی تھی' ان کی آواز پر بھی!

ایک چھوٹے سے پل میں وہ کہیں سے کہیں پہنچا۔ بچپن سے نوعمری کا وہ درد انگیز دور' سرد تاریک راتوں میں باہر گزرنے والی راتیں' ٹرین کے بلا ٹکٹ دل دھڑکاتے سفر اور کئی کئی اوقات پر محیط ہوتے فاقے۔

سخت سردی میں بھوک کتنی اذیت ناک ہوتی ہے۔ وہ آج تک نہیں بھول سکا تھا۔

سر کو ہلکے سے جھٹک کر اس نے خود کو اس تکلیف دہ احساس سے الگ کیا اور تیز قدم اٹھاتا راجو کے کمرے کی طرف چلا گیا۔

زرتاج بیگم نے لاؤنج کی کھڑکی سے اسے اس سمت آتے ہوئے دیکھا تھا۔

"تو سالار ابھی انیکسی میں ہی ہے اور وہ بدبخت راجو بھی!" درختوں میں گھری انیکسی کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے خود کو یقین دلایا۔ اور وہ اور نبیل پرلے درجے کے بے وقوف' جو یہ فرض کیے بیٹھے تھے کہ وہ راجو کو لے کر کسی ہاسپٹل وغیرہ میں شفٹ کر گیا ہے۔ "کہاں تو پہلے سالوں شکل نہیں دکھاتا تھا اور اب اس طرح جم کر بیٹھا ہے' جیسے کبھی گیا ہی نہیں تھا۔"

زیرِ لب بڑبڑاتی وہ لاؤنج کے وسط میں آ کھڑی ہوئیں۔

"اوپر سے یہ راجو' روزی کے ساتھ ہی مر مرا جاتا تو جان چھٹتی ساتھ ہی۔"

گیتی لاؤنج میں داخل ہو رہی تھی۔ سو ان کی ساری توجہ' اس پر مبذول ہوئی۔

"تم کہاں سیریں کرتی پھر رہی ہو آخر؟"

اس کی دل کشی مرعوب کرتی تھی' سو وہ تھوڑا سا رخ بدل کر بات کرنے لگی تھیں۔

"راجو بھائی کی طبیعت پوچھنے گئی تھی آنٹی!" دھیمے سے لہجے میں کہتے ہوئے' وہ کچن کی طرف جانے لگی تھی۔

زرتاج کو اس کا یہ پرسکون انداز ہی بری طرح مضطرب کرتا تھا۔ ایسا لگتا جیسے وہ جان بوجھ کر چڑا رہی ہے۔ چیلنج کر رہی ہے.... کہ یہ سب کچھ میری دسترس میں' جو چھین سکتی ہو تو چھین کر دکھا دو! انہیں خوب صورت عورتوں سے ہمیشہ نفرت رہی تھی اور گیتی سے اور بھی کہیں زیادہ۔

"غیر مردوں کی تیمار داری کے لیے تمہارا جانا ضروری ہے کیا؟" زہریلا سرد لہجہ۔ گیتی کا اٹھتا ہوا قدم وہیں تھما تھا۔

"اس عورت کی ذہنی پستی کی انتہا پتا نہیں کہاں تک جاتی تھی!"

ابھی ابھی سالار کا بخشا ہوا اعتماد نہ ہوتا' تو شاید وہ فوری طور پر ایسا سمجھ داری بھرا تجزیہ کر بھی نہیں پاتی۔

"اس پاگل خبطی کو کیوں سر پر چڑھا رکھا ہے تم نے' جو ہمارے گھر کی بدنامی' سارے زمانے میں کرنے پر تلا ہے۔ کیوں ہے اتنی ہمدردی تمہیں' جو دوڑ دوڑ کر وہاں اس سے اکیلے میں....؟"

گیتی کی خاموشی ہی' زرتاج کو بے تکان بولنے پر مجبور کر رہی تھی۔ چن چن کر وہ الفاظ جو کسی کو زیادہ سے زیادہ تکلیف دے سکیں۔

وہ ہسٹریکل ہو رہی تھیں۔

"بولتی کیوں نہیں' مجھے پاگل سمجھا ہے' جو میں اتنی بکواس کر رہی ہوں۔" وہ حلق کے بل چلائیں۔

گیتی نے بے تاثر سے انداز میں زرتاج کی طرف دیکھا اور پرسکون انداز میں کچن کی طرف مڑ گئی۔

کسی ایک بات کا جواب نہیں۔
نہ وہ جھنجلائی نہ صفائی دی اور نہ ہی کوئی ایک آنسو اس کی آنکھ میں چمکا' حد تو یہ کہ آج وہ ان سے خوف زدہ بھی نہیں تھی۔
اس کا مکمل اطمینان زرتاج کے منہ پر بھاری تھپڑ کی طرح پڑا تھا۔
بہت طیش میں آکر وہ کچن کی طرف بڑھی تھیں۔ مگر کوئی بروقت آیا تھا۔
"حماقت پر حماقت' کیا ہوگیا ہے تیری عقل کو زرتاج اتنی کمزور تو پہلے کبھی نہیں تھی' کیوں رہی سہی عزت کھونے پر تلی ہے!" سامنے لگے قد آدم شیشے میں دکھائی دیتا عکس ان سے مخاطب تھا۔
قیمتی لباس' گلابی رنگت اور کرختگی کی چھاپ والی پختہ العمر عورت' جس کے چہرے پر بڑھتی عمر کے گریس اور نرم احساس کا سایہ تک نہیں تھا۔ اب بار بار سامنے آنے لگی تھی اور اس کے سامنے کھڑے رہنا دشوار تر ہو رہا تھا۔
زرتاج نے ایک اجنبی سی نگاہ اس عورت پر ڈالی اور دوسرے ہی لمحے ایک جھٹکے سے مڑ کر تیز قدم اٹھاتی اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں۔
نبیل کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔
"ایسے کہاں جا سکتا ہے وہ' زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا ہے' تم سے ایک آدمی نہیں ڈھونڈا جا سکتا' اس لیے پال رکھا ہے میں نے تمہیں۔"
زرتاج نے اندر آتے ہوئے اسے کسی سے کہتے ہوئے سنا۔ وہ اس کی طرف سے پشت کر کے کھڑا تھا اور اتنا پریشان تھا کہ اسے زرتاج کی آمد کا پتا بھی نہیں چلا تھا۔
"کہیں تو ہوگا نا' اس شہر میں نہ سہی' اس ملک میں' اس دنیا میں۔۔۔ یا پھر۔"
ذرا رک کر اس نے دوسری طرف کی بات سنی تھی۔
"اور اگر وہ ملک سے باہر جا چکا ہے تو اس سے کہو کہ ابھی واپس آنے کی ضرورت نہیں ہے' بیٹھا رہے دو چار سال وہیں' جتنا پیسہ چاہیے' وہ میں اسے دے دوں گا اور اگر یہاں ہے تو اسے فوراً" باہر بھیج دو' جہاں کا بھی فوری ویزا ملے۔"
بات ختم کر کے وہ فون آف کرتا ہوا مڑا تھا کہ پیچھے کھڑی زرتاج کو دیکھ کر بری طرح چونکا۔
"تم کیا کر رہی ہو یہاں؟" اس کی آواز قدرے اونچی تھی زرتاج نے اس کی گھبراہٹ کو بخوبی محسوس کیا تھا۔
"دماغ تو ٹھیک ہے تمہارا' میرا کمرا' میرا گھر' میں کچھ بھی کروں نہ کروں۔" وہ بگڑ کر اس سے بھی اونچی آواز میں بولیں۔
"تم یہ کس سے بات کر رہے تھے' کون ہے کھویا ہوا جس کی تلاش اتنی ضروری ہے' سچ سچ بتاؤ نبیل! جھوٹ مت بولنا مجھ سے۔" وہ اس کے بالکل قریب آکھڑی ہوئی تھیں۔
اور جب وہ اس طرح آنکھ میں آنکھ ڈال کر دیکھتی تھیں تو ان کی ایکسرے کرتی نگاہوں سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں رہتا تھا۔
نبیل کئی بار اس تجربہ سے دوچار ہوا تھا' مگر سچ کو جھوٹ کے ساتھ خلط ملط کرنا ضروری تھا۔ خود اس کی اپنی بقا کے لیے۔
"دوست ہے میرا پرانا' ضروری کام ہے کچھ اس سے۔" وہ نگاہ چراتے ہوئے مڑا تھا۔
"ایسا دوست' جس کو تم یہاں اس شہر میں دیکھنا ہی نہیں چاہتے' کیوں؟" وہ اس کے پیچھے سرد آواز میں پوچھ

بیل کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ ہمیشہ کی طرح صرف پہلا جھوٹ آسان تھا۔
"تمہارا وہ دوست' وہی ڈی ایس پی تو نہیں' جس کی تلاش آج کل پولیس ڈیپارٹمنٹ کر رہا ہے' روزی کے کیس کے سلسلے میں۔" وہ اتنی پر یقین تھیں کہ نبیل نے اپنے سارے الفاظ سارے بہانے کھوتے ہوئے محسوس کیے۔
وہ گھوم کر پھر اس کے سامنے آکھڑی ہوئیں۔
"مجھے پہلے دن سے ہی شک تھا' مگر تم ایکٹر اچھے ہو' اس لیے مجھ جیسی عورت بھی دھوکا کھا گئی۔"
نبیل پیروں تلے زمین کھسکنے کے تجربے سے دوچار ہونے لگا تھا۔ وہ برا پھنسا تھا اور آج شاید اس گھر میں اس کا آخری دن تھا۔
"میں شرمندہ ہوں زرتاج! بہت بڑی غلطی ہوئی مجھ سے۔" نبیل کی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی اور اگر وہ نگاہ اٹھانے کی ہمت کر لیتا تو زرتاج کے چہرے پر پھیلے متضاد تاثرات کو دیکھ پاتا۔
"سب سے بڑی غلطی تم نے مجھ سے اصل بات چھپا کر کی ہے نبیل! ورنہ حالات اتنے نہ بگڑتے' میرے لیے اس بات کو پہلے ہی مرحلے میں دبا دینا اتنا مشکل نہیں تھا' مگر اب۔۔۔"
نبیل کو ان کی فکر مندی پر حیرت ہوئی تھی۔ وہ سمجھا تھا کہ وہ اس پر چیخیں گی چلائیں گی' پولیس کے حوالے نہ سہی' گھر سے تو فوراً" ہی نکال باہر کریں گی مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔
ان کا یہ پہلا ری ایکشن خاصا تسلی بخش رہا تھا۔ ایک دبی دبی سی سانس نبیل نے اپنے اندر اتاری۔
"مشکل کی یہ گھڑی ٹلے تو وہ آئندہ زندگی بھر اتنا غیر محتاط نہ ہو۔" دل ہی دل میں اس نے وہ ارادہ باندھا' جس کے پورا کرنے میں وہ خود بھی پر یقین نہیں تھا۔
"تم نے خود کو بری طرح پھنسا لیا ہے اور تم میں اتنا بھی حوصلہ نہیں ہے کہ پولیس کی انکوائری کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہی ہو سکو' جو بھی کرنا ہوگا' مجھے ہی کرنا ہوگا' اب چاہے کتنا ہی پیسہ خرچ ہو۔"
بہت دنوں سے اعصاب کو شل کرتا بوجھ نبیل کے اوپر سے ہٹا۔
"ہمارے طبقے کی عورت کے لیے مرد کی آوارگی معمول کا قصہ ہے۔" بے تاثر سے لہجے میں کہتے ہوئے' بیگم زرتاج نے کسی گزری کہانی کو یاد کیا۔

☼ ☼ ☼

گروسری شاپ سے سامان کے دو شاپر اٹھا کر گھر تک لاتے ہوئے وہ خاصی تھکی تھی۔
آج اسکول سے تنخواہ ملی تھی۔
سارا دن کی مصروفیت کے بعد چھٹی کے وقت' یہ دال' چاول' چینی' گھی' مسالوں والی شاپنگ' کچھ ایسی خوش گوار تو نہ تھی' مگر کرنی پڑی' پچھلے کئی ماہ سے وہ اسکول سے ملنے والی پوری تنخواہ گھر لے جانے سے کترانے لگی تھی' مگر اکٹھے ملنے والے یہ چند ہزار روپے' پہلے ہی دن' سلمان کی فضول خرچی کی نذر ہو کر' اس بے دردی سے اڑتے کہ سارے اہم ترین خرچے یوں کے یوں ہی دھرے رہ جاتے تھے' آگے کو جنگ سے ملنے والے پیسوں اور بنیے کی دکان کے ادھار کا آسرا ہوتا۔
سب سے زیادہ کوفت جویا کو تب ہوتی جب وہ محض چند سو یا ہزار کے ایک نوٹ کے لیے شاکرہ امی کو' آپا گل کی خوشامد کرتے دیکھتی۔

سواب وہ تنخواہ کے ملتے ہی گھر کا ضروری سامان خریدنے لگی تھی۔ یہ آئیڈیا بھی زویا کا تھا اور عمل در آمد بھی اس نے زور دے کر کروایا تھا۔

شاکرہ امی اور سلمان دونوں ہی کو سخت اعتراض تھا۔

اوپر جانے والا سیڑھیوں پر کھلتا ہوا گیٹ نیم وا تھا۔

ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے جویا نے دونوں شاپرز آخری سیڑھی پر رکھ کر اپنی ہمت کو مجتمع کیا۔

اوپر سے سلمان کے بولنے کی آواز یہاں تک آرہی تھی اور آج وہ بے حد خوش گوار موڈ میں تھا۔ اس کا اندازہ یہیں سے جویا کو بخوبی ہوا تھا۔

"شاید زوبیہ کی طرف سے اسے کلیئرنس سرٹیفکیٹ موصول ہوا ہو۔" پہلا خیال جویا کو یہی آیا۔

مگر ایسا بھی نہیں تھا۔

"واہ آپا گل! مزا آگیا' بڑی مدت بعد اتنی لذیذ بریانی کھائی' ورنہ یہاں تو گنتی کی بوٹیاں اور چاول ڈال کر بس بریانی کی رسم ہی پوری کی جاتی ہے' پر آج تو آپ نے ساری شکایتیں ہی ختم کردیں۔"

وہ سیڑھیاں چڑھ کر صحن میں آئی تھی' جب اس نے سلمان کی چہکتی ہوئی آواز سنی۔

فضا میں بریانی کی لذیذ مہک' سلمان کی خوشی کی اصل وجہ کی تصدیق کررہی تھی۔

جویا کے چہرے پر تلخ سی مسکراہٹ ابھری اور معدوم ہوئی۔

"لاؤ باقی اٹھا کر رکھ دوں' رات کو کھالینا' تمہارے لیے تو کافی ہوگی۔" اس نے آپا گل کو کہتے ہوئے سنا۔

وہ لوگ شاکرہ امی والے کمرے میں تھے' جویا کا وہاں جانے کو دل تو نہیں چاہ رہا تھا' لیکن پھر بھی.....

"السلام علیکم۔"

دروازے میں سے جھانک کر اس کے مشترکہ سلام کے جواب میں بڑی معنی خیز سی خاموشی چھائی تھی۔

آپا گل منہ موڑ کر بریانی کی ڈش پر پلیٹ ڈھکنے لگیں۔ پتا نہیں وہ اس سے کیا چھپانا چاہ رہی ہیں۔

بریانی کو یا خود کو۔

دل میں آئے بے ساختہ خیال کو جھٹک کر اس نے باقی ماندہ پیسے شاکرہ امی کے ہاتھ میں دیے اور کمرے سے باہر نکل آئی۔

"پھر آگیا مہینے بھر کا دال چاول والا لنگر' معلوم نہیں کس جرم کی ہم سب سزا بھگت رہے ہیں۔" اس نے سلمان کو اپنے پیچھے کہتے سنا اور پھر آپا گل کو۔

"بہت ہی خود مختار ہوگئی ہے' لڑکیوں کا پیر گھر سے نکل جائے تو سمجھ لیں کہ وہ ہاتھ سے بھی نکل گئیں اور یہاں تو کتنے ہی ثبوت مل چکے ہیں' منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔"

سامنے چھوٹے سے کچن تک ان کی بلند آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔

رشتوں کے بیچ محبت' احترام اٹھے تو مدت گزر چکی تھی۔ اب تو ایک اعلانیہ بائیکاٹ تھا' جس کے بارے میں شاکرہ امی اور سلمان کی تائید کے ساتھ آپا گل نے اسے باقاعدہ بتا بھی دیا تھا۔

"لڑکی ذات ہو' نکال بھی نہیں سکتے' ورنہ کسر تو تم نے کوئی چھوڑی نہیں ہے ہماری بدنامی میں' بہتر ہوگا اب ہمارے حال پر رحم کرو' اپنے سیر سپاٹوں میں کمی نہیں کرسکتیں تو نہ کرو' مگر ہمیں اپنی شکل نہ دکھایا کرو تو بہتر ہو۔"

جوش جذبات میں بھی انہوں نے محض شکل نہ دکھانے کی ہی سزا سنائی تھی۔ سیر سپاٹوں پر پابندی نہیں لگائی تھی۔ انہیں یاد رہا تھا کہ جویا کے سیر سپاٹے ہی گھر کی گاڑی کھینچنے کا وسیلہ بنے ہوئے ہیں۔

حالانکہ اس روز اس کا دل بڑی شدت سے خواہش مند ہوا تھا کہ وہ اسے گھر سے باہر قدم نکالنے پر ٹانگیں توڑ

...نے کی دھمکی دے کر اسے ہمیشہ کے لیے گھر میں بٹھا دیں۔

وہ کبھی باہر نہ نکلے۔ باہر کی دنیا سے اس کا ہر رابطہ ہمیشہ کے لیے منقطع ہو جائے۔

وہ دنیا جہاں معاذ رہتا ہے۔

جہاں ہر گھڑی اس کا سامنا ہو جانے کا دھڑکا بھی لگا رہتا ہے اور امید بھی سر اٹھاتی ہے۔

اس نے اسٹیل کے سنک پر پانی کی پوری دھار کھلی چھوڑی۔

ایک بے ہنگم سا شور اندر سے آتی ساری آوازوں کو دبانے لگا۔ وہ چند لمحے یوں ہی ساکت کھڑی رہی' پھر نل بند کرکے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

زویا سو رہی تھی' ورنہ ابھی اس کی اتری ہوئی شکل دیکھ کر لیکچر شروع کردیتی۔

آج کوچنگ سینٹر میں اتفاقیہ چھٹی تھی۔ سو وہ کپڑے بدل کر زویا کے برابر آلیٹی۔ زندگی اتنے بے ڈھب انداز میں گزر رہی تھی کہ یہ چھوٹی سی آسانی بھی بڑی عافیت بھری تھی۔ جویا نے اپنی جلتی ہوئی آنکھوں کو دھیرے سے بند کیا۔

دوسرے کمرے سے آتی آوازیں یہاں تک دھیمی پڑنے لگی تھیں۔ اور خود اس نے بھی اپنا دھیان ہٹانے کی پوری کوشش کی تھی۔ دوپہر میں سونے کی عادت مدت ہوئی ختم ہوچکی تھی' پھر بھی اس نے چاہا تھا کہ وہ کچھ دیر کے لیے سو ہی جائے' مگر خالی پیٹ یہ چھوٹی سی آسانی بھی ہاتھ نہیں آرہی تھی۔

تب ہی کسی نے زور سے دروازے پر ہاتھ مارا۔

"چار بج گئے ہیں۔"

آپا گل نے ناحق ہی اپنے ہاتھ کو تکلیف دی تھی' ورنہ ان کی پاٹ دار آواز کو کسی سہارے کی ضرورت نہیں تھی' جویا خاموش لیٹی رہی۔

انہوں نے جھنجلا کر دوسری بار پہلے سے بھی زیادہ زور سے دروازہ بجایا' مگر وہ پھر بھی خاموش رہی۔

اسے پتا تھا کہ وہ اندر تک آنے اور اسے مخاطب کرنے کی غلطی کبھی نہیں کریں گی کہ اپنی انا کے بارے میں ان سے زیادہ حساس کم ہی لوگ ہوں گے۔

اتنی تکلیف بھی انہوں نے محض اسے کوچنگ سینٹر جانا یاد دلانے کے لیے ہی اٹھائی تھی۔

باہر کوئی چیز زور سے پٹخی گئی تھی..... غصہ میں۔

"آگئیں تم!" سر پر مچا ہنگامہ زویا کو نیند سے اٹھا چکا تھا۔ "ابھی آئی ہو۔" وہ اپنے بال سمیٹتے ہوئے اٹھ بیٹھی۔

"اور یہ شور کیسا مچا تھا؟"

"کچھ نہیں' آپا گل تھیں۔"

زویا کی نگاہوں سے بچنے کے لیے اس نے دوسری طرف کروٹ لی تھی۔

"کھانا کھالیا تم نے' آپا گل کے ہاں کہیں سے ڈھیر ساری بریانی آگئی تھی' سو وہ یہاں لے آئیں' ان کی ضرورت سے زیادہ ہوگی' ورنہ وہ اتنی فیاضی دکھانے والی کہاں ہیں۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے' اسکول میں کچھ کھالیا تھا۔"

"جھوٹ۔"

وہ چپ چاپ دوسری طرف منہ کیے دیوار کو دیکھے گئی۔ زویا کی چھٹیاں تھیں' آج کل وہ گھر پر ہی ہوتی تھی اور اس کے پاس سارے دن کی مفصل رپورٹ' جسے جویا کو نہ چاہتے ہوئے بھی سننا پڑتا۔ مگر آج شاید کچھ زیادہ نہیں تھا۔ تب ہی وہ کچھ خاموش تھی خلاف معمول' اس نے جویا سے کھانا کھانے یا نہ کھانے پر بھی اصرار نہیں کیا تھا۔

"جویا!" درمیان میں آئے خاموشی کے وقفے کے بعد وہ پھر سے مخاطب تھی۔ "تمہارے پاس معاذ بھائی کا نمبر ہے؟"

دیوار پر جمی جویا کی نگاہ اور بھی ساکت ہوئی۔ زویا کو لگا کہ جیسے وہ سو چکی ہے۔

"جویا!" اس نے دوبارہ پکارا۔

"تمہیں بھی لگتا ہے کہ میرا معاذ سے مستقل کوئی کانٹیکٹ رہتا ہے' جو اس کا نمبر میرے پاس ضرور ہی ہوگا۔"

"نہیں' لیکن میں نے سوچا' شاید اس روز کورٹ میں اس نے تمہیں دیا ہو۔" زویا نے اس کے الفاظ کی تلخی کا ذرا بھی نوٹس نہیں لیا تھا۔ "اصل میں....." کچھ تھا جو وہ کہتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔

جویا نے دھیرے سے اس کی طرف کروٹ لی۔

زویا کے چہرے پر اداسی تھی۔

"کیا آپا گل کے وکیل نے کوئی شکایت کی ہے اس کی؟" جو ڈرا سے معاذ کی طرف سے تھا' وہی زبان پر بے ساختہ آیا۔

"نہیں' زویا نے نفی میں سر ہلایا۔ "اصل میں آج اسلام چچا آئے تھے' امی سے ملنے کے لیے۔"

"کیا۔" وہ بری طرح چونکی تھی۔ "وہ یہاں آئے ہمارے گھر' اور کون تھا ساتھ۔"

"کوئی نہیں' اکیلے ہی آئے تھے' ابو کے کیس کو وہ اپنے وکیل کے سپرد کرنا چاہ رہے ہیں' اسی لیے امی کی اجازت لینے کے لیے۔"

"پھر کیا کہا امی نے؟" وہ تیزی سے اٹھ کر بیٹھی۔ "اسلام چچا کے وکیل بہت قابل ہیں زویا! اور چچا خود دیکھیں گے تو ان شاء اللہ بہت جلد پروگریس ہوگی' دیکھ لینا' وہ تو کہہ رہے تھے کہ اس ہفتے میں کم از کم ضمانت تو ہو ہی جائے گی۔"

خوش امیدی نے اس کے ذہن سے فوری طور پر تو بہت کچھ محو کیا۔ زویا چپ چاپ اس کی شکل دیکھے گئی۔

"کیا طے ہوا پھر بتاؤ تو سہی؟"

"تمہیں آپا گل کی خوشی اور سلمان بھائی کی بے حسی نے کوئی اشارہ نہیں دیا۔" زویا کے لہجے میں تلخی اترنے لگی۔

"مطلب؟"

"سلمان بھائی نے اسلام چچا کو باہر سے ہی رخصت کر دیا' اوپر آنے تک نہیں دیا' خاصی بے عزتی بھی کی ان کی' آواز اوپر تک آ رہی تھی' میں نہا رہی تھی' جب تک بھاگم بھاگ نیچے گئی' وہ گاڑی میں بیٹھ چکے تھے' بس ایک لمحے رک کر میرے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر چلے گئے' ان کی آنکھوں میں آنسو تھے جویا! میں نے خود دیکھا۔"

زویا کی آواز درد میں ڈوبی تھی اور ایک ایک لفظ کسی نشتر کی طرح جویا نے روح میں اترتا ہوا محسوس کیا تھا۔ ایسی تکلیف جواب تک اٹھائی گئی ہر تکلیف سے زیادہ درد انگیز تھی۔

وہ ایک انتہائی شریف النفس شخص جس کا سارا فخر اس کی حلال آمدنی اور زمانے کے مروجہ معیار عزت سے کہیں بلند ترین اخلاقیات تھیں' کیا وہ اس سلوک کا مستحق تھا کہ انتہائی نچلے درجے کی ذہنیت والے خود غرض' بے حس اور بے شرم لوگوں کے ہاتھوں بنا کسی قصور کے بار' بار ذلیل ہو۔

ایک چھوٹے سے پل میں اس نے گلی میں کھڑے اسلام چچا کو سر جھکائے' سلمان کی بد زبانی کی نذر ہوتے دیکھا۔ پتا نہیں کس کس نے ان کی بے عزتی کا تماشا دیکھا ہوگا۔

"اسلام چچا کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا' انہیں پتا بھی تھا کہ یہاں کوئی ان کی نیک نیتی پر نہ کل بھروسا کرتا تھا

اور نہ آج' کتنی گھٹیا باتیں اور لب و لہجہ ہمارے والدین کا ہمیشہ ہوا کرتا تھا جویا! یاد ہے نا۔" زویا بے حد اداس تھی۔

"یاد کرنے کی کیا ضرورت ہے زویا! آج بھی وہ سب اس سے زیادہ دہرایا جا رہا ہے۔" وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بیٹھ چکی تھی۔

زویا نے اس کے زرد پڑتے چہرے کو فکر مندی سے دیکھا۔

"تم ٹھیک تو ہو نا۔"

"ہوں۔"

"میں معاذ بھائی کو فون کر کے ان سے معذرت کرنا چاہ رہی تھی' سلمان بھائی کے رویے پر۔ [illegible] ہمت نہیں پڑتی ہے۔"

وہ بہت حساس ہو رہی تھی' اتنی دیر میں پہلی بار جویا نے اس کی سوجی ہوئی آنکھوں کو نوٹ کیا تھا۔

"اسلام چچا نے معاذ سے سلمان بھائی کے بارے میں ایسا کچھ بھی نہیں کہا ہوگا' وہ بہت بڑے آدمی ہیں زویا! یہاں اچھالی گئی کیچڑ نے ان کے قدموں کو چھونے کی بھی جرات نہیں کی ہوگی' گھر تک تو وہ کیا لے کر گئے ہوں گے۔"

جویا کا لہجہ بہت ٹھہرا ہوا تھا۔

"تمہیں معاذ سے کوئی معذرت کرنے کی ضرورت نہیں' اسلام چچا کو اچھا نہیں لگے گا۔" اس کا ہاتھ نرمی سے زویا کے ہاتھ پر آ کر ٹھہرا۔

☼ ☼ ☼

پچھلے احاطے کی طرف کھلتی کھڑکی میں سے آتے ہوا کے جھونکے چمپا کے پھولوں کی خوشبو سے بوجھل تھے اور کمرے کے اندر سہ پہر کا پر سکون سوتا جاگتا سا احساس ٹھہرا تھا' مگر اندر موجود وہ دونوں بے حد پیارے لوگ اپنی اپنی جگہ مضطرب تھے۔

"آپ کو سلمان کو سمجھانا چاہیے تھا ابا! اس وقت اظہار چچا کی ضمانت ہونا سب سے زیادہ اہم ہے اور علوی صاحب بہت ہی جانے ہوئے وکیل ہیں' انہیں یہ کیس ریفر کرنے میں کیا اعتراض ہے کسی کو۔"

سلمان کی طرف سے معذرت کا قصہ سن کر بھی وہ بار بار اپنی بات پر اصرار کیے جا رہا تھا۔

شاید اس لیے کہ وہ اس سارے قصے کا چشم دید گواہ تھا اور نہ ہی وہ سلمان کے لب و لہجے اور الفاظ کی تفصیل میں گئے تھے۔

"آپ کو اوپر جانا چاہیے تھا' شاکرہ چچی سے بات کرنی چاہیے تھی' سلمان تو اس قابل بھی نہیں ہے ابا! کہ اس سے بات بھی کی جائے۔ اس نے تو بے حسی کی ہر انتہا کو پار کر لیا ہے' اگر اس میں ذرا بھی شرم ہوتی تو جویا کو یوں اس طرح....."

اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اس نے دانستہ اپنا رخ موڑا تھا۔

اسلام صاحب نے افسردگی سے اس کی طرف دیکھا۔ کھڑکی کی چوکھٹ پر ہاتھ جمائے باہر درختوں کے جھنڈ کی سمت دیکھتے ہوئے وہ کس کشمکش میں گرفتار تھا۔

وہ ایک دکھ بھرا کھلا راز تھا۔

میز پر اپنی ترتیب سے رکھی کتابوں کو یوں ہی الٹ پلٹ کرتے ہوئے اسلام صاحب نے ایسے ظاہر کیا جیسے انہوں نے کبھی جویا کا نام سنا ہی نہ ہو۔

"ابا!" وہ واپس ان کے قریب آکھڑا ہوا۔ "ایک بات بتائیں۔"
"ہوں۔" وہ پہلے ہی اس کی طرف متوجہ تھے۔
"اظہار چچا کے بچوں میں آپس میں یہ سوتیلا پن سا کیوں ہے، سگے بہن بھائی ہیں یہ لوگ، مگر کس کمال کی خودغرضی ہے، انہیں تو اپنے باپ سے بھی کوئی ہمدردی نہیں، حالانکہ انہوں نے جو بھی کیا، وہ ان سب کے لیے ہی کیا تھا۔" جویا کی خستہ حالی پر دل میں بار بار اٹھتے سوال کو وہ آج زبان پر آنے سے نہیں روک سکا۔
ایک گہری ٹھنڈی سانس اسلام صاحب کے لبوں سے آزاد ہوئی۔
"اظہار نے ساری عمر جو کیا، وہ کسی سے چھپا نہیں ہے، بلکہ انہوں نے خود بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی، اپنے روپے پیسے کی اعلانیہ نمائش ——— ساری زندگی ایک لوئرڈویژن کلرک کی پوسٹ پر رہ کر اپرمڈل کلاس کا لائف اسٹائل اپنانے میں انہوں نے ہمیشہ جو فخر کیا، یہ سب اس کا شاخسانہ ہے۔"
وہ کچھ سمجھا تھا اور کچھ نہیں بھی، ایک لمحے کے لیے افسردہ سی مسکراہٹ ان کے چہرے پر آئی۔
"حرام کی آمدنی اپنے ساتھ جو نحوست لاتی ہے معاذ! اس سے دلوں پر ایسی ہی مہر لگتی ہے، قرآن سنت بار بار ہمیں حرام کے پیسے کی ہولناکی سے خبردار کرتے ہیں، مگر کتنے ہیں جو اس پر کان دھرتے ہیں، انجام سے بے خبر، ایک نہ ختم ہونے والی سرپٹ دوڑ ہے۔ بس۔ یہ بھول کر کہ فخر و غرور صرف اس کی ذات کو زیبا ہے اور اس کی زمین پر اکڑ کر چلنا کسی کو بھی راس نہ آسکا، بڑے بڑے منہ کے بل گرتے ہیں۔"
ان کا پر اثر اور دھیما لہجہ، معاذ ساکت کھڑا تھا۔
"حلال کے لقمے پر پرورش ہونے والی اولاد کا خمیر، محبت اور انسانیت سے اٹھتا ہے معاذ! اولاد کو حلال رزق پر پالنے والے والدین بڑی بھاری سوداگری کرتے ہیں۔ اپنا بڑھاپا اور آخرت دونوں کو پوری طرح محفوظ کر لیتے ہیں۔ کسی ایک لمحے میں وہ اولاد انہیں مایوس نہیں کرتی، میں تو اپنی زندگی میں یہ تجربہ کر چکا ہوں، کل کو جب تم اپنی اولاد کو پالو گے تو ان شاء اللہ تمہیں بھی ثبوت مل جائے گا۔"
روشنی کا جو ہالہ معاذ کو ہمیشہ ان کے گرد محسوس ہوتا تھا آج اس کی روشنی پہلے سے بھی کہیں بڑھی ہوئی تھی۔ ان کے چہرے پر جمی معاذ کی نگاہ احتراماً جھکی اور گلے میں اٹکتے نمکین پانی نے اسے کچھ بھی کہنے سے قاصر کیا۔
اسلام صاحب نے خود بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔
"مجھے تم پر فخر ہے معاذ!" اور بہت دن بعد اس کے ضبط کی حد بھی ختم ہوئی، ان کے کندھے سے لگ کر بے آواز کتنے ہی آنسو اس کی آنکھوں سے گرے تھے۔
کچھ ان کے فخر پر اور زیادہ اپنی خوش قسمتی پر، وہ اسے لیے ریگزین کے اس پرانے صوفے پر آبیٹھے جو شاید اتنا آرام دہ نہیں تھا، مگر اس پر بیٹھنا معاذ کو ہمیشہ بہت سکون بخش احساس سے دوچار کرتا تھا اور یہ صوفہ کیا اس کمرے، اس گھر کی ایک ایک شے پر یہاں کے ماحول میں نرمی اور محبت کا ایسا ہی دل چھوتا احساس تھا کہ کبھی کبھی وہ خود بھی حیران ہوتا تھا۔
سو آج یہ بھید بھی کھلا۔
آنکھ میں آئے آخری آنسو کو اس نے انگلی کے کنارے سے رگڑا اور پھر سے موضوع پر واپس آیا۔
"تو پھر اب کیا کیا جائے ابا! سلمان اور آپا گل ہی اب اس گھر کے کرتا دھرتا ہیں اور دونوں ہی کسی ایک مسئلہ کو حل کرنے میں سنجیدہ نہیں ہیں۔"
"دیکھتے ہیں۔ وہ وکیل جواب آیا ہے، وہ بھی بالکل یوں ہی سا ہے، عارف صاحب سے بھی گیا گزرا۔ لیکن سنا ہے، اس بار مقدمے والے دن سلمان کورٹ آیا تھا، جویا نہیں۔"

"اسے تو انہیں اب روکنا ہی تھا ابا۔" ایک پھیکی سی مسکراہٹ لیے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "لیکن سلمان یا آپا گل کو ایسی ہی برا لگے۔ اس بار انہیں ہماری دخل اندازی برداشت کرنی پڑے گی، میرا خیال ہے کہ کل میں خود جا کر بات کرتا ہوں ان کے گھر پر۔"
"پاگل ہوئے ہو، پتا بھی ہے، سارا غصہ انہیں تم پر ہی ہے۔" وہ ہڑبڑا کر اٹھے تھے۔
"جس بات پر انہیں غصہ ہے، وہ کب کی ختم ہو چکی ہے ابا!" کندھوں کو ہلکی سی جنبش دیتے ہوئے اس نے خود کو لاپروا ظاہر کرنے کی پوری کوشش کی۔
"کیا واقعی!" ان کی نگاہ اس کے چہرے پر جمی۔
"تو اور کیا" آپ کو اب بھی شک ہے مجھ پر۔" معاذ نے مسکرانا چاہا، مگر وہ بے حد سنجیدہ تھے۔
"شک تو بے بنیاد باتوں پر ہوتا ہے بیٹا! جویا کی تمہاری زندگی میں اہمیت تو ایک کھلی حقیقت ہے، بے وقوف اور ظالم ہیں وہ سب جو اسے نفی کرنے پر تلے ہیں۔"
"ابا پلیز! میں وعدہ کر چکا ہوں امی سے اور آپ جانتے ہیں کہ میں اتنا کمزور بھی نہیں۔"
اس کا چہرہ سرخی مائل ہو رہا تھا، اور گہری براؤن آنکھوں کی وہ شوخ سی چمک اب ماضی کا حصہ بنی تھی۔
"میں تم میں سے کسی سے یہ نہیں کہہ رہا کہ فیصلے پر نظرثانی کرو، اس لیے کہ میں نے اپنی اپیل اس کے حضور دائر کی جو سب سے بڑھ کر انصاف کرنے والا ہے اور میرا یقین ہے کہ وہ اپنے بندے کو کبھی مایوس نہیں کرتا، بس کبھی کبھی ہمیں سمجھ میں دیر سے آتا ہے۔"
اپنی بات کے اختتام پر وہ ہلکے سے مسکرائے۔
"جاؤ تمہیں دیر ہو رہی ہے۔"
"جی۔" اس نے کچھ چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ "مجھے خیام کو لے کر ساجد کو دیکھنے جانا ہے ابا!" "آج اس کی رپورٹس بھی ملی ہوں گی، وہ ٹھیک نہیں ہے۔"
"علاج تو ٹھیک ہو رہا ہے نا اس بچے کا۔" وہ تشویش سے پوچھنے لگے تو معاذ نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔
"اب تک تو کوئی خاص علاج نہیں تھا ابا! ابھی دس دن پہلے ہی ہم نے اسے چیسٹ اسپیشلسٹ کو دکھایا ہے، ایکسرے وغیرہ کی رپورٹس اچھی نہیں ہیں، کچھ ٹیسٹ کے بارے میں آج پتا چلے گا۔" دروازے کی طرف مڑتے ہوئے وہ رک کر انہیں بتانے لگا۔
"اللہ رحم کرے، جاؤ تم پھر دیر نہ کرو، میں بھی دعا کروں گا۔" وہ ابا کے کمرے سے نکلا تو حیرت انگیز حد تک پرسکون تھا۔
حالات و واقعات میں کوئی ہلکی سی بھی مثبت تبدیلی نہ ہونے کے باوجود بھی دل پر آیا ہوا ٹھہراؤ بڑا ہی عافیت بھرا تھا۔
"زری!" وہ اسے برآمدے کی سیڑھیوں پر دوسری طرف سے آتی ہوئی ملی۔
"جی!" محض ایک نگاہ اٹھا کر اس نے معاذ کو دیکھا اور سر جھکا کر زمین کو تکنے لگی۔
آج کل وہ زیادہ تر اسی موڈ میں رہنے لگی تھی۔
خاموش، مودب، نہ بات بات پر اونچی آوازیں، ہنسنا، ایک قطعی مختلف روپ۔
شائستہ کہتی تھیں کہ بہت ہی ڈراما باز لڑکی ہے، اپنی طرف توجہ مبذول کروانے کے لیے خود کو مختلف ثابت کرتی ہے۔
معاذ کو ان کی بات یاد کر کے ہنسی آنے لگی تھی، مگر صفائی سے دبا گیا۔

"سنو، میں آج ساجد کو دیکھنے جارہا ہوں، اگر تمہیں چلنا ہو اپنے پرانے محلے میں کسی سے ملنے تو چلو، یا پھر اپنی بھابھی سے ہی۔۔۔"

"مجھے کہیں نہیں جانا۔" ایک جھٹکے سے اس نے تیزی سے معاذ کی بات کاٹی۔ "بھابھی سکھر میں ہیں اور خوش ہیں، کبھی انہوں نے میری خیریت تک دریافت نہیں کی، آپ بس خالہ بتول کو سلام کہہ دیجئے گا اور ساجد کو میری طرف سے پوچھ لیجئے گا۔"

بات ختم کرکے وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر چلی گئی۔

معاذ نے کچھ عجیب سا محسوس کیا تھا، اس کے رویہ میں۔۔۔ کوئی معنی خیزبات تک نہیں۔ سو مقام شکر تھا، اگر وہ واقعی بدل رہی تھی تو کمال کی تبدیلی تھی اور اگر کوئی نیا ڈرامہ۔۔۔

دل میں کسی واہمہ کو جھٹک کر وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

اس چھوٹے سے گھر میں غضب کا تضاد تھا۔ تنگ پتلی گلی سے گھر میں داخل ہوکر، ایک کونے میں چھپر کے نیچے بنے برائے نام باورچی خانے سے لے کر نیچی چھت والے اس کمرے میں رکھے کلرٹی وی اور فریج اور ساجد کے پرانے لوہے کے پلنگ پر بچھی چمکتی ہوئی نئی بیڈ شیٹ تک، ہر شے ہی خود کو نمایاں کررہی تھی۔

نہ یہ پوری طرح کی غریبی تھی اور نہ ہی آسودہ حالی، بیچ بیچ کی حالت میں جیے جانے والی زندگی، ایک کی انتہا کو چھو لینے کے بعد، دوسرے آغاز کی طرف بڑھتا ہوا دورانیہ۔

"پتا نہیں انسانوں کی ذہنی حالت میں کتنی توڑ پھوڑ ہوتی ہوگی، اس بیچ کے دور سے گزرتے ہوئے۔"

بتول کی سوکھی کلائیاں، آرٹیفشل گولڈ کی چوڑیوں سے پوری طرح بھری ہوئی تھیں۔ گلے میں اس طرح کی دو تین یا چار مختلف طرح کی چین، انگوٹھیاں اور اس چمکتے دمکتے حلیے میں وہ، اپنے بیٹے کے لیے رو رو کر ہلکان ہوئی جارہی تھی۔

معاذ کے لیے اسے تسلی دینا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

"دیکھیں، ساجد ٹھیک ہوجائے گا، آپ حوصلہ رکھیں اور دعا کریں، اس طرح رونے سے تو آپ اپنی طبیعت خراب کریں گی۔" مگر وہ پھر بھی روئے گئی۔

"خیام بھائی نہیں آئے!" بستر پر لیٹے ساجد کی آواز دھیمی تھی۔ وہ اتنا کمزور ہوگیا تھا کہ معاذ کا دل بیٹھا جارہا تھا۔

"نہیں، خیام کو اسکول پر رکنا تھا، میں آیا ہوں تو کسی کو تو وہاں بھی ٹھہرنا تھا نا!"

اس کے بالوں پر نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ بمشکل ہی مسکرایا تھا۔

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں معاذ بھائی!" ساجد کی شکایتی نگاہ معاذ کے چہرے پر جمی۔ "خیام بھائی، جان کر یہاں نہیں آئے ہیں، وہ آئیں گے بھی نہیں، ابا نے ان پر الزام ہی اتنا گندا لگایا تھا نا۔"

"نہیں۔ یہ بات نہیں ہے، اور تم اپنے ذہن پر بے کار کے بوجھ مت ڈالو، دیکھو، میں تمہارے لیے کیا کیا لایا ہوں۔"

وہ اس چھوٹے سے بچے کی اذیت کو کم کرنا چاہتا تھا، سو اس کی توجہ ہٹانے کے لیے اپنے ساتھ لائی گئی چیزیں نکال کر دکھانے لگا۔

ساجد شاید اس کا دل رکھنے کے لیے ہی ان میں دلچسپی ظاہر کررہا تھا۔

"تمہاری رپورٹس کہاں ہیں۔" معاذ نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔

"یہ ادھر!" ساجد نے اشارہ کیا۔

معاذ نے بڑھ کر وہ بڑا سا لفافہ اٹھایا ہی تھا کہ ساجد کو کچھ اور یاد آیا، جو رپورٹس سے زیادہ اہم تھا۔

"وہ زری باجی اور ان کی بھابھی کا پتا کرنے آئے تھے، میں نے بتادیا کہ سعیدہ خالہ تو سکھر جاچکی ہیں، لیکن زری باجی معاذ بھائی کے گھر ہیں۔"

معاذ کے ماتھے پر ہلکی سی شکن ابھری۔

"کون آئے تھے؟"

"سالار نام ہے ان کا، زری باجی کی ساری فیملی کے بارے میں محلے والوں سے سنا ہے۔ معلومات کرکے گئے ہیں، میں تو اٹھ کر باہر نہیں جاسکتا تھا، لیکن جب محلے والوں نے انہیں بتایا کہ زری باجی کو میں نے آپ کے گھر رکھوایا ہے تو وہ خاص طور پر مجھ سے ملنے اندر آئے تھے۔"

اتنی سی تفصیل بتانے میں ہی ساجد کا سانس پھول گیا تھا۔

"ہوسکتا ہے، کوئی رشتے دار ہوں، اچھا ہے زری کو لے جائیں اپنے ساتھ، میں تو خود فکرمند ہوں اس کے لیے۔"

وہ سچ مچ تھوڑا سا مطمئن ہوا تھا یہ سن کر۔

"وہ خود آپ سے ملیں گے۔" کچھ کہنے سے پہلے ذرا رک کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

"وہ نبیل کے بارے میں بھی بات کررہے تھے معاذ بھائی! محلے والوں سے ساری رپورٹ لے کر گئے ہیں مگر میں نے ان کے بارے میں زیادہ بات نہیں کی، آپ نے شروع میں ہی منع کردیا تھا نا، جب وہ اسکول کا افتتاح کرنے اپنی امیر بیوی کے ساتھ آئے تھے۔"

"وہ!" معاذ کی پیشانی پر آیا بل اور بھی گہرا ہوا۔

آس پاس زندگی میں اتنے سارے کنفیوژن اکٹھے ہو رہے تھے کہ اسے نبیل کو یاد کرنے کے لیے ذہن پر زور ڈالنا پڑا، بیگم زرتاج کا ینگ اسمارٹ شوہر!

کہیں پیچھے گم ہوئی وہ شام

جب اس نے بوکھلاتے ہوئے نبیل کے آگے بحث کرتے ہوئے ساجد کو کھینچ کر پیچھے کیا تھا۔

"آپ نے کہا تھا کہ یہ بڑے لوگ ہیں، ان کی حقیقت کے پیچھے پڑنا ہمارا کام نہیں ہے۔ کوئی ضرورت نہیں کسی سے کچھ بھی کہنے کی۔"

"ہاں تو ٹھیک ہی تو کہا تھا نا، مگر یہ قصہ اب اتنے عرصے بعد پھر سے، اور یہ زری۔"

کوئی گم گشتہ کڑی جوڑنے میں وہ اب بھی ناکام تھا۔

"نبیل بھائی، زری باجی کے بھائی ہیں، بہت سال پہلے گھر سے بھاگ گئے تھے، پہلے بتاچکا ہوں آپ کو۔"

بہت اطمینان سے اطلاع دے کر وہ اپنے لیے لائے تحائف کھول کر دیکھنے لگا۔

معاذ کے ہونٹ حیرت سے کھلے اور بند ہوئے۔

"زری کا بھائی اس شہر میں تھا تو تم نے اس روز کیوں نہیں کہا جب اسے دارالامان بھیجا جارہا تھا۔ مجھے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اپنے گھر لے کر جانا پڑا۔"

وہ ساجد پر ناراض نہیں ہونا چاہتا تھا سو خود کو کنٹرول کرگیا تھا۔

"بتایا تو، آپ نے منع کیا تھا کہ بڑے لوگوں کے بارے میں ہمیں زیادہ بات نہیں کرنی چاہئے، ورنہ ہمارا ہی نقصان ہوتا ہے ویسے بھی یہ جو سالار بھائی آئے تھے، زری باجی کو ہی ڈھونڈ رہے ہیں۔ آجائیں گے ایک آدھ دن

میں آپ کی طرف۔ زری باجی کو ان کے ہی حوالے کردیجیے گا' کردیں ان کے بھائی کے حوالے۔"
اسے کھانسی اٹھنے لگی تھی۔
معاذ نے بڑھ کر جلدی سے اسے پانی پلایا۔
"ابھی زیادہ مت بولو' جو بھی ہوگا دیکھ لیں گے۔" دل و دماغ میں شور مچاتے کئی سوال' جواب طلب تھے' مگر ایک خیال سب پر حاوی تھا۔
زری اور نبیل آپس میں سگے بہن بھائی!!
بیگم زرتاج کے ہائی کلاس لائف اسٹائل میں زری سے رشتے داری کی گنجائش قطعی نہیں تھی۔
ساجد نے اس کا لایا ہوا جگ سا پزل کھول کر ٹکڑے جوڑنے شروع کردیے تھے۔
ایک نامکمل تصویر' تکمیل کی منتظر تھی۔
اسے کچھ اور بھی یاد آیا۔
ان ہی کرداروں سے متعلق ایک اور منظر!
جب وہ ابا کے اصرار پر سلمان اور زوبیہ کی شادی میں گیا تھا' وہاں ریسیپشن پر آئے ہوئے بیگم زرتاج اور ان کے ساتھ وہ خوش شکل لڑکا جسے ان کے شوہر کی حیثیت میں دیکھ کر وہ پہلی بار چونکا تھا۔ بعد میں پتا چلا تھا کہ وہ زوبیہ کی پھوپھی ہیں۔ شہر کی ممتاز شخصیت' ایک مثالی سوشل ورکر۔
غریبوں اور محتاجوں کا سہارا۔ بعد میں وہ ان سے ان کی دوسری حیثیت میں ہی ملا اسکول کا افتتاح' ڈونیشن۔
زرتاج کے بارے میں اڑتی ہوئی باتوں پر اس نے کبھی دھیان نہیں دیا تھا۔
"کسی کی بھی ذاتی زندگی خالص اس کا اپنا معاملہ ہے۔" سونو کمنٹس! اس کے چند اصولوں میں سے ایک۔
"دیکھیں' تصویر بنتی جارہی ہے نا!" ساجد پوری طرح کھیل میں گم تھا معاذ اس کا دل رکھنے کے لیے ہلکے سے مسکرادیا۔
بتول کب کی آنسو صاف کرتے ہوئے باہر برآمدے میں جاچکی تھی اور اس کا وہ جلاد شوہر اتفاق سے آج کل شہر سے باہر تھا۔
معاذ کو سائیڈ میں رکھا ہوا رپورٹس کا لفافہ یاد آیا جو کھولے جانے کا منتظر تھا۔
باہر سے چائے پکنے کی دلفریب سی مہک آنے لگی تھی۔ معاذ کی نگاہ ہاتھ میں تھمے کاغذ پر جمی تھی۔
آج کا دن انکشافات کا ہی تھا۔
وہ بدترین خدشہ جسے اس نے اپنا واہمہ سمجھ کر کئی بار ٹالا تھا' خود کو ثبوت کے ساتھ ثابت کررہا تھا۔
ایک خاموش سی نگاہ معاذ نے سر جھکائے ٹکڑے جماتے ہوئے ساجد پر ڈالی۔
حالات کی سفاکی سے بے نیاز' اپنے کام میں محو۔
"شاید خود اس کے اپنے سمجھنے میں ہی غلطی ہو' بہرحال وہ کوئی ڈاکٹر تو نہیں ہے۔"
ساجد نے تب ہی نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تھا جب وہ خود اپنے آپ کو تسلی دے رہا تھا۔
"کیا ہوا آپ کو۔ اتنے پریشان کیوں ہیں؟"
معاذ کا اڑا ہوا رنگ' اس کے ہاتھوں میں تھمی رپورٹ اور اس میں شک نہیں کہ وہ ایک ذہین لڑکا تھا۔
"کچھ نہیں!" معاذ نے خود کو سنبھالنا چاہا "میرا خیال ہے کہ اب میں آیا ہوں تو چل کر یہ رپورٹس اور تمہیں' دونوں ہی کو ڈاکٹر کو دکھادیں۔"
"مگر انہوں نے تو اب ہفتے کو بلایا ہے۔" ساجد کا لہجہ دھیما تھا اور نظر اسی رپورٹ پر۔

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ ہم آج ہی چلے چلتے۔۔۔"

"معاذ بھائی!" ساجد نے اس کی بات پوری ہونے کا بھی انتظار نہیں کیا۔

"کیا میری رپورٹس سے آپ کو پتا چل گیا ہے کہ میں نشہ کرتا ہوں' وہ بھی بہت زیادہ۔"

اعتراف جرم کرتے ہوئے ساجد کی نگاہ جھکی تھی۔ ایک تھکی تھکی سی سانس معاذ کے لبوں سے آزاد ہوئی۔ زندگیوں سے جڑا ایک اور المیہ۔

"کب سے ہے یہ عادت؟"

"جب سے ابا نے اس سگریٹ' پان مسالوں کے کام پر لگایا تھا' اس میں نشے کی پڑیاں بھی بیچ میں رکھی ہوتی تھیں' تب ہی سے۔۔۔"

معاذ نے پیروں تلے سے زمین نکلتی ہوئی محسوس کی۔

"تم زہر بیچ رہے تھے ساجد! اور مجھے خبر تک نہیں تھی' خدایا۔۔۔ میری سمجھ میں کیوں نہیں آیا کہ اتنے سارے پیسے تمہیں ایسے ہی تو نہیں مل رہے ہوں گے۔۔۔ وہ زہر بھرا خوانچہ لے کر سارے شہر میں پھرتے تھے اور کتنے ہی لوگ' کتنے ہی بچے شکار بنے ہوں گے۔ تھوڑے سے پیسوں کے لیے' تم نے اتنا بڑا عذاب تقسیم کیا شہر میں۔"

معاذ کی آواز قدرے اونچی ہوئی۔ "اور تمہارے ابا۔ انہیں پتا ہے کہ تم۔۔۔!" بات ادھوری چھوڑ کر وہ ساجد کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی۔" "لیکن شروع میں انہوں نے بہت سختی سے سمجھایا تھا کہ صرف بیچنا ہے' خود کبھی بھول کر بھی نہیں چکھنا' مگر میں خود ہی۔۔۔"

اسے اب بے تحاشا کھانسی اٹھ رہی تھی۔ بتول چائے کے کپ لیے اندر آئی تھی اور بہت تشویش سے اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھی۔

معاذ کو اس بار اس سے ذرا سی بھی ہمدردی نہیں محسوس ہوئی۔

حالات کو بدلنے کے لیے ہر جائز اور ناجائز راہ کو اپنانے میں ذرا سی بھی شرم محسوس نہ کرنے کا وہی عمومی رویہ' اور حرام رزق کی ہولناکی کی ایک اور مثال۔۔۔ اور نہ جانے کتنی ان گنت مثالیں۔ نہ ہم دیکھ کر دیکھتے ہیں اور نہ سمجھ کر سمجھتے ہیں۔ اندھے' بہرے' قاطر العقل لوگ۔

معاذ نے ساری کڑواہٹ اپنے ہی اندر اتاری۔

"چلو' دیر ہو رہی ہے۔" وہ ساجد کو سہارا دینے کے لیے آگے بڑھا۔

☼ ☼ ☼

خیام کا ہاتھ تیزی سے بلیک بورڈ پر چل رہا تھا۔

اور اس کی ساری کلاس پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھی۔

گیٹ سے اندر آتے ہوئے معاذ نے پوری دلچسپی سے یہ منظر دیکھا۔

خیام کے پڑھانے کی صلاحیت حیرت انگیز تھی۔

بہت جلد اس نے بچوں کے ساتھ ایک دوستانہ رشتہ قائم کر لیا تھا' اور جس نرمی اور ٹھہراؤ کے ساتھ وہ انہیں پڑھا رہا تھا۔ یہ اس کی اکھڑ اور ضدی طبیعت کے بالکل برخلاف رویہ تھا۔

"شاید انسان کبھی بھی' کسی کو بھی پوری طرح جاننے کا دعوا نہیں کر سکتا۔"

اسے پہلی بار خیام کا ساجد کے ساتھ اپنے ہاں آنا یاد آیا' جب وہ اسے اپنے ساتھ نہ رکھنے کا پورا پکا ارادہ کر چکا تھا۔

اور آج وہ اس پر فخر کر سکتا تھا' اور کر رہا تھا۔

مداخلت کے خدشے کے تحت وہ آخری لائن کی سب سے آخری کرسی پر بیٹھا رہا۔

کلاس ختم ہو رہی تھی اور بچے خیام سے ہاتھ ملاتے ہوئے مسکراتے ہوئے باہر نکل رہے تھے۔

کئی بچے معاذ کو دیکھ کر اس کے پاس بھی ہاتھ ملانے آئے' تب ہی خیام نے بھی اسے دیکھ لیا۔

"آپ کب آئے؟" وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب چلا آیا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے۔" معاذ نے خوش دلی سے ہاتھ ملایا "اور تم تو اتنا اچھا پڑھا رہے ہو کہ دل چاہ رہا ہے' نوکری چھوڑ کر میں بھی' تمہاری کلاس میں داخلہ لے لوں۔"

خیام ہنس پڑا۔ معاذ نے محبت سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم نے واقعی بہت اچھا سنبھالا ہے اسکول۔۔۔ مجھے بے فکری ہو گئی ہے اس طرف سے۔"

"آپ بتائیں' ساجد کیسا ہے؟" وہ اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔

"ٹریٹمنٹ شروع ہو گئی ہے۔ مگر خاصی بگڑی ہوئی حالت ہے اس کی' بس اللہ پر ہی بھروسا ہے۔ ٹھیک ہو جائے گا ان شاء اللہ!"

خیام کے چہرے پر ہلکی سی افسردگی آئی۔

"میں تو شکر کرتا ہوں کہ اس نے مجھے صرف سادہ سگریٹ اور ٹافیاں بیچنے پر لگایا' ورنہ میں تو خود کو ساری عمر معاف نہیں کر پاتا معاذ بھائی۔" معاذ نے دیکھا اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

"میں نے ساری زندگی صرف ایک ہی تمنا' ایک ہی جستجو پالے رکھی' حصول رزق حلال۔ میں تو کچرا چننے والے کو بھی عزت سے دیکھتا ہوں' وہ کم از کم چوری تو نہیں کر رہا' پھینکا ہوا مال ہی اٹھا رہا ہے۔" اس کے لہجے کی سچائی خود کو منوا رہی تھی۔

"اب مجھے تم پر فخر کے ساتھ رشک بھی آ رہا ہے خیام! اتنی چھوٹی عمر میں تم نے وہ سبق پڑھ لیا' جو لوگوں کو ساری زندگی گزار لینے کے بعد بھی یاد نہیں ہوتا۔"

"انہیں میرے جیسے حالات سے واسطہ نہیں پڑا ہو گا۔" وہ پھر تلخ ہونے لگا۔

معاذ نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

"میرے نزدیک تو وہ حالات مبارک ہے' جس میں انسان صحیح اور غلط کو پہچاننے کے قابل بنتا ہے' تاریک راہ میں ایک روشن راہ کی طرف ہاتھ تو بڑھاتا ہے' ورنہ چاروں طرف چکا چوند پھیلانے والوں کو تو اس راہ کا سراغ بھی نہیں مل پاتا کئی بار۔ تم خوش قسمت ہو' یقین کرو میرا۔"

وہ بالکل خاموش معاذ کی شکل دیکھے گیا۔

"کتنی عجیب بات تھی اور کتنے اجنبی لفظ۔" اس نے سر جھکاتے ہوئے سوچا۔

"اچھا بات سنو' ایک صاحب آئیں گے ملنے مجھ سے' وہ جب بھی آئیں انہیں پوری عزت سے روکنا اور مجھے فوراً خبر کرنا۔"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عالیہ بخاری

دل اور حسرت

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتلائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو میڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آ کر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بالو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گیتی آرا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایماندار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو رفاحی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصۂ دراز سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی عادت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زویلہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اٹنک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالار کی آمد و رفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بالو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سیکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور اچھو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بالو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بالو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔ سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

جویا کا رشتہ آنا فاناً طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی کوششیں شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے اور جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے تو وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ، جویا کو اکساتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ آپا گل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔

صندل کو بالی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

۴۹

انچاسویں قسط

"اچھا' بات سنو' ایک صاحب آئیں گے مجھ سے ملنے۔ وہ جب بھی آئیں' انہیں پوری عزت سے بٹھانا اور مجھے فوری خبر کرنا۔" وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ خیام نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ابھی سے جا رہے ہیں معاذ بھائی! کچھ دیر تو رکتے۔"

"کچھ ضروری کام ہیں' پھر چکر لگاؤں گا۔ اب تم یہاں ہوتے ہو تو مجھے بہت بے فکری ہے۔" خیام ہلکے سے مسکرا دیا۔

معاذ جس طرح بار بار اس کی اہمیت کا تذکرہ کرتا تھا' وہ آہستہ آہستہ ایک خاموش سی تبدیلی کا سبب بنتا جا رہا تھا۔

"ان صاحب کا نام تو بتا دیجئے' جنہیں آنا ہے۔" خیام اس کو نکلتا دیکھ کر پیچھے پیچھے آیا۔

"ان کا نام سالار ہے۔ یاد رہے گا نا!"

بنا خیام کی طرف دیکھے سرسری سے انداز میں کہتا ہوا وہ صحن میں نکل آیا' سو خیام کا اڑا ہوا رنگ فوری طور پر نہ دیکھ سکا۔

"کیوں آ رہے ہیں وہ۔" خیام کو الفاظ اپنے گلے میں پھنستے ہوئے محسوس ہوئے تھے۔

"کوئی ضروری کام ہے۔ اصل میں تو وہ ساجد کے ہاں سے ایڈریس لے کر گئے ہیں میرا' کچھ ایشوز ہیں' ان پر بات کرنی ہے۔ سو وہ یہاں بھی پہنچ گئے' اس کا پیچھا کرتے کرتے۔"

خیام کے ہونٹوں سے ایک دبی دبی سی سانس آہ کی صورت میں خارج ہوئی' سو اس کی زندگی میں پہلی بار آئے اس اطمینان بھرے دور کا خاتمہ بھی اتنی جلدی ہوا چاہتا تھا۔ اگر سالار اس کے سامنے ہوتا تو وہ یقیناً "اس کا گلا ہی دبا دیتا ——— معاذ نے اس کی اچانک خاموشی کو اس بار نوٹ کیا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا' ایک دم!"

"کچھ نہیں!" خیام نے سنبھل کر مسکرانے کی کوشش کی۔ "کیا کرتے ہیں یہ سالار صاحب۔ آپ ملے ہیں پہلے ان سے۔"

اسے اپنا دل بہت زور سے دھڑکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"شاید ملا ہوں کبھی' شاید نہیں! ویسے ان کا خاندان بہت اچھی طرح جانا جاتا ہے۔ بہت اونچے پیسے والے لوگ ہیں۔ شہر کے سرکردہ لوگوں میں شمار ہوتا ہے ان کا۔"

"اچھا!" سکون کا گہرا احساس خیام نے اپنے اندر اترتا ہوا محسوس کیا۔

نانی ستارہ کے محلے سے جڑی سڑک پر ایک چھوٹے سے کمرے میں' گنتی کے دو چار کپڑوں میں زندگی گزارنے والے سالار کا سلسلہ قطعی مختلف تھا۔ اور وہ اتنا بڑا احمق کہ محض نام کی مماثلت پر ہاتھ پیر چھوڑ رہا تھا۔

"ہت!"

معاذ کے سامنے وہ خود پر ہنس بھی نہیں سکتا تھا' سو بس ہلکے سے مسکرا دیا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا خیام!"

"جی بالکل ٹھیک ہے۔ آپ جائیں' خواہ مخواہ دیر ہو رہی ہے۔"

اس بار اس کے لہجے میں واقعی بے فکری اور بے ساختگی تھی۔ معاذ نے مطمئن ہو کر بائیک اسٹارٹ کی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کوئی آپ سے ملنے آیا ہے۔"

جویا نے چونک کر دروازے میں کھڑے پیون کو دیکھا۔

"میں نے انہیں وزیٹرز روم میں بٹھا دیا ہے اور کہہ دیا ہے کہ آپ آ رہی ہیں۔" اطلاع مکمل ہوئی۔
جویا نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ اس کا پیریڈ ختم ہونے میں اب بمشکل پانچ سات منٹ رہ گئے تھے اور بچے اپنا کام تقریباً ختم کر چکے تھے، مگر وہ مقررہ وقت تک کلاس میں رکی رہی۔
بچوں کی پڑھائی اور دیگر مسائل پر بات کرنے کے لیے والدین کی آمد معمول کا حصہ تھی، اور اگلے فری پیریڈ میں وہ آنے والے ملاقاتی سے اطمینان سے بات کر سکتی تھی، سو کلاس سے نکل کر وہ اسٹاف روم میں جانے کے بجائے، وزیٹرز روم کی طرف آئی تھی۔ معاذ اسے آتا دیکھ کر بے ساختہ صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"تم!"
ہر اس جگہ جہاں وہ اس کے دکھائی دینے کی کبھی توقع بھی نہیں کرتی تھی، وہ آج کل نظر آنے لگا تھا۔ کبھی وہ وقت تھا کہ ایسے اتفاقات کو وہ اپنی خوش قسمتی میں شمار کرتی تھی۔ جویا نے حلق میں اترتے نمکین پانی کو بمشکل نیچے اتارا۔
"کیسی ہو؟"
"تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا معاذ!" خود کو سنبھالتے ہوئے وہ کمرے کے وسط میں آ کھڑی ہوئی۔
"نہ سلام نہ دعا!" وہ افسردگی سے مسکرا دیا۔ "خیر بیٹھو تو سہی!" اس نے صوفے کی طرف اس طرح اشارہ کیا جیسے جویا اس سے ملنے آئی ہے۔
"پریشان مت ہو۔ بس چند منٹ کے لیے آیا ہوں اور یہاں بیٹھ کر ایک مختصر سی بات کر لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔" اس کی اڑی ہوئی رنگت معاذ کی نگاہوں سے چھپی نہیں رہ سکی تھی۔ وہ چپ چاپ صوفے پر آ بیٹھی۔
اس کی نگاہ جھکی ہوئی تھی اور گود میں رکھے دونوں ہاتھوں نے ایک دوسرے کو مضبوطی سے تھاما ہوا تھا۔ بنا چھوئے معاذ کو یقین تھا کہ اس کے ہاتھ بالکل سرد ہو رہے ہوں گے۔
"کاش وہ ان ہاتھوں کی یخ بستگی...."
ایک بے ساختہ اور پوری شدت کے ساتھ ابھرتی خواہش کو جھٹکتے ہوئے وہ دل کی ہیرا پھیری پر حیران ہوا تھا۔
سو جب یہ طے ہو چکا ہے کہ وہ اس کی صرف مدد کرنا چاہتا ہے، اس کے آگے اور کچھ بھی نہیں، تو بہتر ہو گا کہ وہ وہی کچھ کرے، جو سب سے ضروری ہے۔ وہ اس کی اس خاموشی سے اور بھی کنفیوز ہو گئی تھی۔
"جلدی سے بات ختم کر لو معاذ پلیز!"
"بات تو ابھی شروع بھی نہیں کی میں نے، تم خاتمے پر پہنچ گئیں۔" ماحول میں ٹھہرے بوجھل پن کو معاذ کی مسکراہٹ دور نہ کر پائی۔ وہ یوں ہی بے تاثر سا چہرہ لیے اسے دیکھے گئی۔
"بات کو ختم ہوئے بھی ایک مدت گزر چکی ہے معاذ! میری پریشانیوں، میرے مسئلوں سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے اب۔ جو کچھ بھی میرے یا میرے خاندان کے ساتھ چل رہا ہے، اس سے تمہارا یا تمہارے گھر والوں کا کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔ اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی۔ پیچھا چھوڑ دو میرا پلیز!"
سرد لہجے میں اپنی بات کہتے ہوئے اس نے اجنبیت کی ہر حد کو پار کرنا چاہا۔ وہ بنا پلک جھپکائے، جویا کے چہرے کو دیکھے گیا اور جب وہ خاموش ہوئی تو....
"میں نے تمہارا پیچھا نہیں کیا تھا جویا! تم خود گواہ ہو اس بات کی۔" ذرا رک کر اس نے ایک تلخ یاد کو تازہ کیا۔
"یاد ہے سالگرہ کی وہ تقریب، جب میں نے دل کی پوری گہرائی سے تم سے درخواست کی تھی اور تم نے مجھ سے یہ کہہ کر ہاتھ چھڑایا تھا کہ تمہیں میرا ساتھ کسی قیمت پر منظور نہیں ہے اور میں کبھی تمہارے راستے میں نہ

آؤں.... یاد ہے نا!"
اس کی طرف تھوڑا جھکتے ہوئے وہ تصدیق چاہ رہا تھا۔ اس وقت کی جب خوشی و مسرت کی شاہراہ پر کھلتا ہر دروازہ اس نے خود اپنے ہاتھوں سے بند کیا تھا، اپنی تمام سچائی کے باوجود مصلحتوں کی بچھی بساط پر وہ بری طرح پٹی تھی۔
"تم یہی بات دہرانے کے لیے یہاں آئے ہو کیا!"
"نہیں، یہ تو صرف تمہاری بات کا جواب تھا، میں تو اظہار چچا کے کیس کے بارے میں بات کرنے آیا تھا، مگر تم ہمیشہ کی طرح سب کچھ بھلائی ہوئی ہو۔"
آخری جملہ اس نے بڑبڑانے کے انداز میں ہی کیا تھا، مگر جویا نے واضح سنا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی ہر ادا، ہر لفظ، جادو سا جگاتا تھا۔
اپنی بدنصیبی کا پورا یقین ہو جانے کے باوجود کبھی کبھی جویا کو خود پر بڑا ہی رشک آنے لگتا تھا، چاہے ایک چھوٹے سے پل کے لیے ہی سہی۔
"سلمان نے ابا کی بات ٹھیک سے سنی ہی نہیں، کوئی دوسرا وکیل کر لیا ہے، اس روز وہ آئے تھے تمہارے ہاں ملنے کے...."
"مجھے پتا ہے۔" وہ تیزی سے اس کی بات کاٹ گئی۔ اسے لگا جیسے وہ سلمان کی بدتمیزی کی شکایت کرنے کے لیے آیا ہے، جس کے لیے وہ حق بجانب بھی تھا، مگر ایسا نہیں تھا۔
"میں نے تو ابا سے کہا کہ آپ کو سیدھا شاکرہ چچی سے بات کرنی چاہیے تھی۔ سلمان تو ایک نمبر کا بے وقوف ہے، مگر وہ پتا نہیں کیوں، دروازے سے ہی واپس آ گئے۔"
ایک دبی دبی سی سانس جویا کے لبوں سے نکلی۔ معاذ کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی، کڑواہٹ نہیں۔
اسلام چچا کے بارے میں اس کا اندازہ سو فیصد درست ثابت ہوا تھا۔ انہوں نے سلمان کے ہاتھوں جھیلی بے ہودگی کا کوئی ذکر معاذ سے نہیں کیا تھا۔
"میں تو خود آ رہا تھا تمہارے ہاں کہ شاید سب کو سمجھا سکوں مگر ابا نے اتنی سختی سے منع کیا کہ مجھے رکنا ہی پڑا۔"
اس نے اپنی فرماں برداری کا ذکر اتنی سادگی سے کیا کہ وہ بے ساختہ ہی مسکرا دی۔ بالکل ایسے جیسے کبھی بات بات میں مسکراتی تھی، ایک چھوٹے سے پل میں معاذ کو کتنا کچھ یاد آ کر رہ گیا۔
"اچھی بات ہے کہ تم بڑوں کا کہنا تو مانتے ہو۔"
معاذ دھیمے سے مسکرایا۔ "میں تو چھوٹوں کا بھی کہنا مانتا ہوں۔ تمہارا بھی مانا تھا!" شکایت، عنایت، گلہ، جویا کے لیے اس کی طرف دیکھنا محال ہوا۔
"اسلام چچا نے تمہیں بالکل ٹھیک منع کیا ہے، تم وہاں مت آنا۔ نہ وہاں اور نہ کورٹ میں۔"
اپنی اس ایک مسکراہٹ پر شرمندہ ہو کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اور تمہیں ضرورت بھی کیا ہے، سلمان بھائی، آپا کل کو نہیں جانتے ہو کیا؟"
"جانتا ہوں، تب ہی...." وہ اٹھ کر اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔ "میں تمہیں اتنے مسائل کی نذر نہیں ہونے دے سکتا جویا! یہ سارے معاملات سیٹل ہو جائیں، پھر تم جو کہو گی، میں ایک بار پھر کرنے کے لیے تیار ہوں، فی الوقت...."
"کچھ نہیں ہو رہا مجھے، سمجھ کیوں نہیں رہے ہو آخر تم۔ لوگوں کے ساتھ پرابلم ہوتے ہیں، کبھی نہ کبھی ختم بھی ہو جاتے ہیں، ہمارے بھی ہو جائیں گے ان شاء اللہ۔"

وہ اس پر غصہ نہیں کرنا چاہتی تھی مگر پھر بھی جھنجلا گئی۔ وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو رہا۔

"مجھے اگلا پیریڈ لینا ہے' اور تمہیں یہاں اتنی دیر رکنا بھی نہیں چاہیے اور پلیز آئندہ یہاں مت آنا۔"

سرسری سے انداز میں بنا معاذ کی طرف دیکھے اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور جانے کے لیے مڑی۔ تب ہی وہ اس کے آگے آکھڑا ہوا۔

"برا مت ماننا جویا! لیکن پلیز میری نیت پر شک مت کرو' آپا گل اور سلمان دونوں انتہائی درجے کے خود غرض لوگ ہیں۔ بہت ظالمانہ انداز میں استعمال کررہے ہیں وہ تمہیں۔ انہیں کوئی پروا نہیں ہے' مرجاؤگی تم اور وہ....."

"میں اسی یوم نجات کی منتظر ہوں اب' سمجھے تم...." جویا نے دھیمی آواز میں اس کی بات کاٹی۔

معاذ نے دیکھا' جویا کا چہرہ اور لہجہ بے تاثر تھا۔ وزیٹرز روم میں کچھ لوگ آرہے تھے۔ جویا تیزی سے اس کے پاس سے گزرتے ہوئے۔ باہر نکل گئی۔

وہ اسے دیکھے گیا' جب تک سامنے والے کوریڈور میں وہ اسے نظر آئی' اور جب وہ دوسری طرف مڑ گئی' تب وہ بھی کمرے سے باہر آگیا۔

گیٹ سے نکل کر اپنی گاڑی تک آتے ہوئے معاذ نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے' اس آخری بات کی کڑواہٹ کو دل میں اترتا ہوا محسوس کیا۔

سو ثابت ہوا کہ وہ مایوسی کی اس آخری حد کو بھی کب کا پار کرچکی ہے۔ جس کے آگے نفع نقصان سب برابر ہیں اور اسے اس حد کے پار کھڑا کرنے میں دوسروں کے ساتھ' وہ خود بھی شریک ہے۔

گاڑی کو ریورس کرتے ہوئے' اس نے ایک بار پھر خود کو کٹہرے میں کھڑا کیا۔ جویا کی حالت پر اس کا احساس جرم شدید تر ہوا جارہا تھا اور عجیب بات تھی کہ خود اپنے حصے میں آئی محرومی پر وہ اسے کب کا معاف کرچکا تھا۔

گاڑی کی رفتار بڑھاتے ہوئے اس نے سامنے سڑک پر دوڑتے بھاگتے منظر کو دھندلاتے ہوئے محسوس کیا تو ہتھیلی سے تختی سے آنکھوں کو رگڑا۔

ساری ہتھیلی گیلی تھی۔ تب ہی اس کا سیل فون بج اٹھا تھا۔

خود کو کمپوزر کھتے ہوئے معاذ نے اسکرین پر آئے نمبر کو دیکھا۔ پہلی نگاہ میں وہ اسے نہیں پہچان سکا۔ یہ کوئی ایسا شخص تھا' جس کا نام اس کے پاس محفوظ نہیں تھا' مگر کام کے سلسلے میں فون کالز آنا معمول کا حصہ تھا۔ سو اس نے سرسری سے انداز میں ہی کال ریسیو کی تھی۔

"ہیلو!"

"السلام علیکم معاذ.....! سالار بات کررہا ہوں۔" مہربان اور شائستہ لہجے میں' اس نے کسی کو کہتے ہوئے سنا۔

☼ ☼ ☼

وہ نانی ستارہ سے بات مکمل کرکے فون بند کررہی تھی' جب سالار کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے انداز میں نمایاں سی تیزی تھی اور آتے ہی وہ سیدھا اپنی وارڈروب کی طرف بڑھا تھا۔

"کیا کہیں جارہے ہیں؟"

وہ اس کے قریب آئی تاکہ کپڑوں کے انتخاب میں اس کی مدد کرسکے' مگر وہ حسب عادت سب سے پہلے دکھائی دینے والے کپڑے نکال چکا تھا۔ سفید شلوار قمیص' یا پھر جینز کے ساتھ لائٹ کلر کی مختلف شرٹس۔ وہ عموماً یہی پہنا کرتا تھا۔

میں نے کپڑوں کے معاملے میں سالار جیسا لاپروا شخص دوسرا کوئی نہیں دیکھا تھا۔ وہاں نانی ستارہ کے گھر میں

گزرنے والی زندگی میں۔ گھر پر آنے والے مردوں سے اس کا واجبی سا سامنا ہوا تھا مگر وہ سب بہت ویل ڈریسڈ لوگ ہوتے تھے یا شاید نانی ستارہ کے ہاں آنے کے لیے انہوں نے خصوصی تیاری کی ہوئی تھی اور گھر میں استاد فراغت بیگ کے بعد دوسرا مرد صرف خیام تھا جس کی نازک مزاجی اور اعلا ڈریسنگ کی دھوم سات محلوں تک تھی۔ سالار کی سادہ سی وارڈوب کے سامنے کھڑی ہوئی گیتی کو بہت دن بعد خیام کا یونہی خیال سا آیا۔

کتنی پاگل ہوا کرتی تھی وہ۔ عجب نہیں تھا کہ خیام کے پیچھے رو رو کر جان ہی سے چلی جاتی۔ کتنی دعائیں کتنے وظیفے پڑھ ڈالے اور آج وہ شکر گزار تھی اپنے رب کی ان دعاؤں کے لیے جو اس کے حضور قبولیت کے درجے پر نہ پہنچیں۔

''کس سوچ میں ہو!''

سالار کپڑے بدل کر ڈریسنگ روم سے باہر نکل آیا تھا اور اب ڈریسنگ ٹیبل کے آگے کھڑا تھا مگر اس تیزی میں بھی وہ گیتی کے چہرے پر آئے گم صم سے تاثر کو نوٹ کر چکا تھا۔

''تمہیں کچھ کہا کیا زرتاج بیگم نے پھر؟''

''ارے نہیں، آج کل وہ گھر میں ہوتی کہاں ہیں، اور ہوتی ہیں تو کمرے میں ہی رہتی ہیں۔'' گیتی ہلکے سے مسکرا دی۔

''چلو اچھا ہے، ویسے ایسے موقعوں کے لیے ایک محاورہ بولا جاتا ہے۔ مگر یہاں وہ اس وقت فٹ ہوگا جب بلائی پوری طرح رخصت ہو جائے گی۔''

بالوں میں برش پھیر کر اس نے پرفیوم کا اسپرے کیا اور شوز اٹھاتا ہوا صوفے پر جا بیٹھا۔

''کون سا محاورہ!'' گیتی کی سمجھ نہیں آیا تھا۔

''خس کم جہاں پاک!'' وہ اپنی بات کہہ کر ہلکے سے ہنس پڑا۔ گیتی نے بہت محبت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ جوتے کے تسمے باندھ رہا تھا اور یہ ساری تیاری محض چند منٹوں کی بات تھی۔

''آپ کیسے جھٹ پٹ تیار ہو جاتے ہیں، ورنہ لوگ تو آدھا گھنٹہ کپڑوں کے انتخاب میں ہی لگا دیتے ہیں۔''

''بے وقوفی ہے، زندگی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اسے جتنا ضروری کاموں میں صرف کر لیا جائے تو بہتر ہے، وقت کو ضائع کرنا خود اپنے آپ کو ضائع کرنا ہے.... اور مردوں کو تو ویسے بھی سادگی کا حکم ہے۔''

''حکم تو عورتوں کو بھی ہے، مگر انہوں نے اپنے آپ کو شاید خود ہی چھوٹ دے لی ہے۔'' گیتی آہستگی سے کہتی ہوئی سالار کا والٹ اور موبائل اٹھانے کے لیے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف مڑی۔

''بات صرف کپڑوں اور دکھاوے کی نہیں گیتی! بہت خطرناک حد تک آگے جا چکی ہے۔ لوگ کبیرہ گناہ سے نہیں ڈرتے، انہیں اپنے آپ سے حیا نہیں آتی۔ جن باتوں پر ڈوب کر مر جانے کا مقام ہوتا ہے، ان پر فخر کیا جاتا ہے۔ اللہ رحم کرے، یہ دنیا اس کی رحمت کے آسرے پر ٹکی ہے اور کچھ اس لیے کہ اللہ کے کچھ نہ کچھ نیک، بے غرض بندے اب بھی باقی ہیں ہمارے بیچ اور....'' وہ بولتے بولتے کچھ خیال آنے پر خود ہی رک گیا۔

''تم قریب ہو اور میں اپنا سب سے ضروری کام بھی نہ بھول جاؤں، یہ ناممکن ہوتا جا رہا ہے اب۔ بہت ضروری ملنا ہے کسی سے.... اس نیل کی اصلیت تک پہنچنے کے لیے۔ میں راجو کو بھی ساتھ لے کر جا رہا ہوں اپنے۔''

''مگر وہ تو پوری طرح ٹھیک نہیں ہیں!'' گیتی نے فکر مندی سے سالار کو دیکھا مگر وہ مطمئن تھا۔

''سنبھال رہا ہے وہ خود کو۔ یہی میں بھی چاہ رہا ہوں کل سے اسے آفس بھی ساتھ لے کر جاؤں گا۔ اچھا بھلا انٹر پاس ہے، کسی کمپیوٹر ٹریننگ پر لگاؤں گا، پھر یہیں آفس میں ایڈجسٹ ہو جائے گا ان شاء اللہ، تو اس کی زندگی کوئی مثبت راہ تو پکڑے گی۔''

گیتی کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ ابھری۔ ''ان شاء اللہ۔ جائیں! آپ کو دیر ہو رہی ہے۔''

''ارے ہاں، معاذ میرا انتظار کر رہا ہو گا یار! او کے اللہ حافظ۔''

''معاذ....!'' گیتی نے آج پہلی بار یہ نام سالار کے منہ سے سنا تھا۔ وہ کہتا ہوا تیزی سے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں اترتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا تھا۔ گیتی اس کے پیچھے آنے کے بجائے نیچے لان کی طرف کھلتی کھڑکی میں آ کر کھڑی ہو گئی۔

نیچے گاڑی کے ساتھ کھڑا ہوا راجو دکھائی دے رہا تھا۔ چند ہی لمحوں میں سالار بھی وہاں پہنچ چکا تھا۔ راجو شاید خود ڈرائیو کرنا چاہ رہا تھا، لیکن سالار اسے منع کر کے خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔ راجو اس کے ساتھ والی سیٹ پر تھا۔

اب اسے سالار کی بات بات پر حیرت ہونا کم ہوتی جا رہی تھی، ہر ایک کے لیے اس کی انسان دوستی اور خیال، وہ اس کی فطرت کا سب سے قیمتی حصہ سمجھ کر قبول کرتی جا رہی تھی۔ گاڑی گیٹ سے باہر نکل رہی تھی۔ گیتی نے اس کی سلامتی کی دعا کی اور واپس کمرے میں چلی آئی۔

اس کے موبائل پر نگینہ کی کال آ رہی تھی۔

گیتی نے ایک تھکی تھکی سی نگاہ سیل فون پر ڈالی۔ وہاں آج کل صندل نے ایک ساتھ کئی پرابلم کھڑے کر رکھے تھے۔ شاید اتنے بڑے نہ بھی ہوں لیکن جتنی بے صبری اور جذباتی وہ ہمیشہ سے تھی، گیتی کو یہاں بیٹھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ وہاں نانی اور نگینہ امی کے لیے اسے ہینڈل کرنا کتنا مشکل ہو رہا ہو گا۔ خود وہ صندل کے لیے چاہتے ہوئے بھی نہ وہاں بیٹھ کر کچھ کر سکتی تھی، اور نہ وہاں جا کر، سو اس نے اب تک سالار سے بھی کچھ شیئر نہیں کیا تھا۔

یہاں کے مسائل ویسے بھی زیادہ گمبھیر تھے۔ ایک ٹھنڈی سانس لے کر اس نے نگینہ کی کال ریسیو کی۔

''السلام علیکم امی!''

☼ ☼ ☼

سنہری دھوپ بھرے اس سادہ سے کمرے میں سالار خوشی، مسرت اور حیرت کے ایک انوکھے تجربے سے دوچار تھا۔

''میری بہت بڑی خوش قسمتی ہے کہ میں آج آپ سے مل رہا ہوں اسلام صاحب! میں تو یہاں آتے ہوئے سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ میری ملاقات آپ سے ہونے والی ہے۔ میرے لیے تو آپ، بلکہ میں ہی کیا لاکھوں لوگوں کے لیے آپ رول ماڈل ہیں، لوگ آپ کی طرف رہنمائی کے لیے دیکھتے ہیں۔ آپ کے لکھے ہر لفظ کو....''

ابا انکساری سے مسکرائے گئے۔ جانتے تھے کہ وہ جو کچھ بھی کہہ رہا ہے، دل کی گہرائیوں سے کہہ رہا ہے۔ کچھ لوگوں کا خلوص اور ان کی اچھائی ان کے چہرے سے، ان کی آنکھوں سے، ان کی مسکراہٹ سے ہی ظاہر ہوتی ہے، یہ ان کا ذاتی تجربہ تھا، اور سالار ان ہی میں سے ایک تھا۔

''تمہاری محبت ہے بیٹا! ورنہ بہت معمولی شخص ہوں میں، جو کچھ تھوڑا بہت کر پایا ہوں، وہ صرف اور صرف اس رب کی عنایت ہے، میرا کچھ ہنر نہیں۔'' سالار نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے، بہت محبت سے ان کی طرف دیکھا۔

''تمہارا بہت شکریہ معاذ! جو تم نے مجھے اپنے گھر پر بلایا، ورنہ بڑی زیادتی کر جاتے مجھ سے تم۔'' وہ قریب بیٹھے معاذ کی طرف مڑا۔

''اصل میں وہاں اسکول میں اس وقت بچے آنا شروع ہو جاتے ہیں اور وہاں کوئی ایک کونا ایسا نہیں ہوتا، جہاں

ہم بات کر سکتے' اس لیے بس۔" معاذ نے سادگی سے اسے یہاں گھر پر بلانے کی وجہ بتائی۔
سالار کو یاد آیا کہ وہ اس اسکول کے بارے میں کچھ سن چکا ہے جو کہ اسٹریٹ ورکر بچوں کے لیے کام کر رہا تھا۔
"ہوں' ہوں۔" اس نے پرسوچ نگاہوں سے معاذ کی طرف دیکھا" تمہارا اسکول مجھے کہتا ہے کہ وہاں بھی آنا پڑے گا۔"
"ضرور' مگر اس وقت وہ بات ضروری ہے جو آپ کرنے آئے ہیں۔ کیا میں زری کو بلالوں؟" وہ اٹھنے لگا تھا' مگر سالار نے اسے روکا۔
"نہیں معاذ! پہلے میں تمہیں تفصیل بتانا چاہتا ہوں' اور انکل آپ کو بھی' اگر آپ کے پاس تھوڑا سا ٹائم ہو میرے لیے۔" سالار کے انداز میں درخواست کی سی کیفیت تھی۔
معاذ اور ابا نے بیک وقت ایک دوسرے کی طرف الجھن بھرے انداز میں دیکھا۔

☼ ☼ ☼

زرتاج بیگم نے لاؤنج کے داخلی دروازے کے کتنے چکر اس مختصر سے وقفے میں بے قراری کے ساتھ لگائے تھے۔
"بیٹھ جاؤ۔ تھک جاؤ گی!" نبیل نے ہمدردی سے مشورہ دیا تھا' مگر وہ بری طرح آؤٹ ہوئیں۔
"کیا جتانا چاہ رہے ہو' بوڑھی ہو گئی ہوں میں' چلنے پھرنے سے قاصر۔۔۔ جو ایک جگہ جم کر بیٹھی رہوں۔"
"غصہ مت کرو زرتاج! میں تمہاری پریشانی کے خیال سے کہہ رہا ہوں' اب اس طرح چکر لگانے سے کیا فائدہ ہو رہا ہے' سکون سے بیٹھ کر کچھ سوچ لیتے ہیں۔"
جب سے زرتاج کی طرف سے لاحق آخری خدشہ بھی ختم ہوا تھا' وہ پھر سے پرسکون اور پراعتماد تھا۔ زرتاج نے اس بار اس کا مشورہ مان ہی لیا' سو خاموشی سے قریب ہی کاؤچ پر آبیٹھیں۔
"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ اس پاگل کو لے کر آخر کہاں گیا ہے۔ ابھی تو وہ پوری طرح ٹھیک بھی نہیں ہے۔"
"ہو سکتا ہے ڈاکٹر کو دکھانے کے لیے لے کر گیا ہو' یا پھر پاگل خانے میں داخل کرانے۔"
زرتاج نے قہر آلود نگاہ نبیل پر ڈالی۔
"راجو جائے نہ جائے' تم ضرور کہیں اور پہنچو گے۔ نبیل! میں حالات کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی ہوں اور تم انہیں اور بگاڑنے پر تلے ہوئے ہو۔ تم سے تو اتنا بھی نہیں ہو رہا کہ اس راجو کو ہی ہاتھ میں لے لیتے کسی طرح' ورنہ مجال تھی سالار کی کہ وہ اسے اپنا مہرہ بناتا۔"
"میں اس دو ٹکے کے ڈرائیور کی خوشامد نہیں کر سکتا زرتاج! صاف بات ہے۔" نبیل کے ماتھے پر شکن سی ابھری۔
"وہ دو ٹکے کا ڈرائیور' روزی کا منگیتر تھا۔ وہ روزی جس کی خودکشی کے ذمہ دار تم ہو اور کسی بھی وقت پولیس تم تک پہنچ سکتی ہے۔"
زرتاج کا لہجہ سرد ہوا تھا اور چہرہ بالکل بے تاثر۔
ان کا یہ موڈ ہمیشہ کی طرح' ایک کھلی وارننگ تھا' سو وہ ایک بار پھر نبیل کو خوف زدہ کرنے میں کامیاب رہیں۔
"آہستہ بولو زرتاج! پلیز' گھر میں ملازم ہیں' کسی کے کان میں ایک لفظ بھی پڑ گیا تو مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔"
"ہونہہ!" زرتاج نے اس کے خوف زدہ خوشامدانہ انداز کو انجوائے کیا۔

"اتنا ڈرتے ہو تو پھر جرم کرتے وقت بھی ہزار بار سوچنا چاہیے تھا' ایسا کیا تھا اس معمولی ملازمہ میں جو تمہیں۔۔۔"

نئی رکھی گئی میڈ چائے لے کر آرہی تھی۔ زرتاج کو بات ادھوری چھوڑنی پڑی۔ نبیل بالکل سر جھکائے بیٹھا تھا۔ آج کل وہ زرتاج کی موجودگی میں کسی عورت کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی بالکل بھی غلطی نہیں کرتا تھا۔ حد تو یہ کہ گیتی کی طرف بھی نہیں' پھر بھی زرتاج یہ جتانے سے باز نہیں آتی تھیں کہ وہ اپنا سارا اعتبار کھو چکا ہے۔

"مجھے تم سے زیادہ اپنی فکر ہے' تمہیں کوئی نہیں جانتا' مگر میں ایک جانی مانی عورت ہوں' تمہاری سمیٹی ہوئی گندگی کی چھینٹیں مجھ تک بھی آئیں گی' بس اسی لیے۔" چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے زرتاج نے ایک بار پھر اسے اس کی اوقات یاد دلائی۔

"کہو تو میں باہر معلوم کرکے آؤں کہ وہ لوگ کہاں گئے ہیں' شاید راجو نے کسی سے کچھ ذکر کیا ہو۔" وہ دانستہ بات بدل کر اٹھ کھڑا ہوا۔ زرتاج نے ایک گہری نگاہ نبیل پر کی' مگر خلاف توقع کچھ کہا نہیں۔

خاموشی نیم رضامندی' سو وہ تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔

زرتاج کی نگاہ لاؤنج کی سیڑھیوں سے اوپر کی طرف گیتی کے بیڈ روم میں پر جا کر رکی۔ دن میں کتنی ہی بار یہ گیتی نام کا حوالہ ان کے اندر کی کڑواہٹ کو اور بھی بڑھاتا ہے۔ سالار میں آئی تبدیلیاں محض گیتی کے دم قدم کی بدولت تھیں۔

"نہ وہ ساتھ ہوتی اور نہ ہی وہ جم کر یہاں اس کا دل جلانے بلکہ اب تو ہوش اڑانے کے لیے بیٹھا ہوتا' نکل گیا ہوتا کہیں کا کہیں۔"

ان کا بس چلتا تو وہ یقیناً "سالار سے پہلے اس گیتی آرا کا بندوبست کرتیں' جو راتوں رات ان کی زندگی میں طوفان اٹھانے کا سبب بنی تھی۔

وہ اتنی گم تھیں کہ انہیں نبیل کے لاؤنج میں واپس آنے کی بھی خبر نہ ہوئی۔

"وہ کسی کو بھی کچھ بتا کر نہیں گیا۔ مالی نے تو پوچھا بھی تھا اس سے' مگر اس نے کہا کہ اسے نہیں پتا کہ سالار اسے کہاں لے کر جا رہا ہے۔"

اس مختصری رپورٹ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ سو وہ اور بھی بدمزا ہو گئیں۔

"مجھے پہلے ہی پتا تھا کہ کسی کو کچھ نہیں بتایا ہوگا راجو نے۔ لوگ تمہاری طرح عقل سے پیدل نہیں ہوتے کہ بنا سوچے سمجھے اپنے لیے مصیبتیں کھڑی کرتے رہیں۔ آوارگی کے لیے کوئی اور راستہ چن لیا ہوتا تو آج۔۔۔" وہ بات کرتے ہوئے ذرا رکیں۔

نبیل کو اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اس کا ساتھ بے شک دے رہی ہیں' مگر معاف زندگی بھر نہیں کرنے والی ہیں۔

"اس ایس ایچ او کا کچھ پتا چلا؟"

"نہیں' میں نے آدمی لگائے ہیں پیچھے' معلوم ہو جائے گا جلد ہی۔"

"تم اور تمہارے آدمی!" زرتاج نے بے زاری سے سر کو جنبش دی۔

"پولیس ڈپارٹمنٹ کو اتنا نااہل مت سمجھو نبیل! زمین کی تہہ سے بھی نکال لائیں گے وہ فی الحال تو لاکھوں روپیہ میں نے صرف اس کیس کو سلو ڈاؤن رکھنے کے لیے دیا ہے۔ تھوڑی سی مہلت میں ہی کچھ کرنا ہوگا ہمیں۔"

"تم ضرور کچھ کرلوگی زرتاج۔۔۔ مجھے پتا ہے کہ بہت اوپر تک پہنچ ہے تمہاری۔ آخر اس سے پہلے تم نے مانی کو بھی تو صاف بچا لیا تھا' ایسی ہی صورت حال میں۔ میڈیا دو چار دن شور مچا کر بیٹھ ہی گیا نا' سب بھول بھال گئے۔" نبیل کے لہجے میں گہرا اعتماد اترا۔ ظلم اور بے حسی کی ہر حد سے گزرتا ہوا۔

پہلی بار زرتاج نے خود کو اس کے آگے لاجواب محسوس کیا۔ مانی ان کی شاہانہ زندگی کا سب سے نازک پہلو تھا' جس پر وہ اس کے یہاں سے چلے جانے کے آٹھ سال بعد بھی کسی سے بات کرنا پسند نہیں کرتی تھیں۔

"مانی کا کیا ذکر ہے' وہ اس کی نادانی تھی۔" اس کی آواز دھیمی پڑی۔

"انیس سال کا لڑکا بہرحال بچہ نہیں ہوتا زرتاج! شکر کرو کہ وہ قصہ سالار کے نوٹس میں نہیں آیا۔" نبیل کو اچانک ہی اس بھولے بسرے قصے میں لطف محسوس ہونے لگا۔

"سالار اس زمانے میں یہاں نہیں رہتا تھا۔ پورے چار سال بعد وہ آیا تھا' جب مانی کو گئے ہوئے بھی دوسرا سال تھا' اور یہ وہ زمانہ تھا' جب سالار کے اوپر میرا خوف مسلط رہتا تھا' ایک ہفتہ بھی نہیں ٹک پایا تھا وہ یہاں اور پھر دوبارہ سال دو سال کے لیے غائب' تبدیلی تو اس میں اس لڑکی سے شادی کرکے آئی ہے' اس سے کچھ پہلے ہی جب پچھلے سال وہ یہاں آکر رہا تھا۔ اوہ خدا!"

اپنی دھن میں بولتی ہوئی زرتاج کو اچانک ہی کچھ اور یاد آیا۔ نبیل نے چونک کر اب کی طرف دیکھا۔

"مجھے آج صبح ہی پتا چلا ہے کہ سالار نے حمیدی صاحب کے قتل کے کیس کو بھی ری اوپن کروایا ہے۔ سمجھتے ہو اس کا مطلب؟" وہ پھر سے آگ بگولہ ہوئیں' مگر اس بار نبیل خائف نہیں تھا۔

"کیا فرق پڑتا ہے' جہاں ایک کیس ختم ہوگا' وہاں دوسرا بھی ہو جائے گا' اس میں پریشانی والی کون سی بات ہے۔"

"میں اگر بیچ میں سے ہٹ جاؤں تو تمہیں ایک گھنٹے میں پتا چل جائے گا کہ کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ اس کے اطمینان پر بری طرح تپی تھیں۔

"ٹھیک کہہ رہی ہو' لیکن تم بیچ میں سے ہٹ بھی تو نہیں سکتیں نا۔ یہی میری خوش قسمتی ہے۔" نبیل کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہوئی۔

نبیل کا یہ لب و لہجہ نیا بھی تھا اور سخت ناقابل قبول بھی۔ زرتاج تلملا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"تم کس خوش فہمی میں مبتلا ہو نبیل! آج میں تم سے طلاق لے کر خود کو اس سارے مسئلہ سے نکال سکتی ہوں' سالار خوامخواہ کی دشمنی پالنے والا شخص نہیں ہے۔ ویسے بھی ہمارے بزنس انٹرسٹ ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہیں اور اس کی ساری دلچسپی روزی اور حمیدی صاحب کے قاتل کو سزا دلوانے میں ہے۔"

غصہ کی شدت سے ان کا چہرہ سرخی مائل ہوا تھا اور آواز قدرے اونچی۔

ایسے ہر موقع پر' آج سے پہلے نبیل نے ان کے پیر پکڑنے سے بھی گریز نہیں کیا تھا۔ مگر اس وقت وہ بڑے اطمینان سے اٹھ کر ان کے بالکل قریب آکھڑا ہوا تھا' اور اس کی نگاہ زرتاج کے چہرے پر جمی تھی۔

"نہ تم مجھ سے طلاق لے سکتی ہو زرتاج! اور نہ ہی میرے مسئلہ سے خود کو الگ کر سکتی ہو' ورنہ۔۔۔" وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔ "حمیدی صاحب اور روزی کے کیس کے ساتھ ایک اور کیس بھی ری اوپن ہوگا۔ تمہارے بیٹے کے جرم کا قصہ' میڈیا کو بھولا نہیں ہے۔ وہ جرنلسٹ ابھی بھی اس شہر میں گھوم رہا ہے' جس کا منہ تم اب تک بند رکھے ہوئے ہو۔ اور بھی لوگ ہیں۔ سالار کو خبر ہونے کی دیر ہے' بس اور اس کی انصاف پسند طبیعت اپنے چھوٹے سوتیلے بھائی سے بھی وہ سلوک کرے گی' جو مجھ غریب سے کر رہی ہے۔"

زرتاج کا چہرہ خطرناک حد تک پیلا پڑا تھا۔ "تم ایسا نہیں کر سکتے نبیل!" ان کی آواز دھیمی پڑی تھی۔

"میں واقعی ایسا نہیں کروں گا' مگر اس وقت تک' جب تک تم مجھے ایسا کرنے پر مجبور نہیں کروگی۔" نبیل کا انداز قطعی تھا۔ زرتاج تھکے تھکے انداز میں صوفے پر بیٹھی تھیں۔ ان کی آستین میں محاورۃً "نہیں حقیقتاً" سانپ ہی پلا تھا۔

"اور میں اس ہفتے کے آخر تک کچھ دنوں کے لیے لاہور جاؤں گا۔ کچھ دن کے لیے ہٹنا چاہ رہا ہوں یہاں سے مجھے یقین ہے کہ تم سب کچھ اچھی طرح سنبھالے رکھو گی۔"

اپنی بات اطمینان سے پوری کرکے وہ کمرے کی طرف چلا گیا۔ اس نے ایک بار بھی زرتاج کے چہرے پر اپنی بات کا ردعمل دیکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی، وہ اس کے پیچھے بھی نہیں آئی تھیں۔

اور وہ خود کتنا بڑا ڈفر، جو آج سے پہلے اس عورت کی عقل ٹھکانے لگانے کے بارے میں سوچتا بھی نہیں تھا۔

آج نبیل کو سب سے زیادہ غصہ اپنے آپ پر غصہ آرہا تھا۔

☼ ☼ ☼

سہ پہر ابھی پوری طرح ڈھلی نہیں تھی۔

بڑی سی کھلی کھڑکی کے اس پار چمپا کے زردی مائل پھولوں کے جھنڈ پر چمکتی ہوئی دھوپ خوش امیدی کا احساس دلا رہی تھی اور خوشبو سے بوجھل ہوا کے جھونکوں کی دل فریبی میں بھی کوئی کمی نہیں تھی۔

پھر بھی اس روشن، اجلے، پرسکون کمرے میں دکھ کا گہرا احساس پھیلا تھا۔ سالار نے ان سے کچھ بھی نہیں چھپایا تھا۔

"خدا کی پناہ!"

اسلام صاحب کی آواز درد میں ڈوبی تھی۔ "ظلم و بربریت کی کتنی داستانیں یہاں اس طرح رقم ہوتی ہوں گی اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی ہوگی روز قیامت کے لیے یہ درندے شب و روز اپنا میزان بھاری کررہے ہیں اور اس روز کی سنگینی کا احساس کیا، یقین بھی کھو چکے ہیں، اور خدا ہم جیسے مجبوروں کو معاف فرمائے۔ جو ان کی طرف سے جانتے بوجھتے بھی چشم پوشی کرتے ہیں، جواب وہی تو ہمارے بھی ذمہ آتی ہے۔"

سالار نے آنکھ کے گوشے پر رکا آنسو انگلی کے قطرے سے جھٹک کر گرایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں راجو کو باہر سے بلا کر لاتا ہوں تاکہ اس کے سامنے نبیل کی بہن سے بات ہوسکے۔"

"ایک منٹ سالار!" وہ بے ساختہ ہی اٹھ کر کھڑے ہوئے۔

"جی!"

ایک قدم آگے بڑھا کر وہ اس کے بالکل قریب آکر کھڑے ہوئے، سالار نے ان کی آنکھوں میں اتنی دیر میں کتنی ہی بار نمی محسوس کی تھی۔ جب وہ انہیں اس ساری داستان کا خلاصہ سنا رہا تھا۔

نادانستہ ہی سہی، وہ ان جیسے پیارے اور باوقار شخص کو دکھی کرنے کا سبب بنا۔

"میں شرمندہ ہوں انکل! شاید مجھے یہ سب......"

اسلام صاحب نے بڑھ کر اسے گلے سے لگایا تھا۔ شفیق محبت بھرا لمس، ان کے بازو، اس کے کندھوں کے گرد تھا۔ سالار کا دل بے ساختہ جی چاہا کہ وہ اسی طرح اسے گلے لگائے رکھیں۔ اس نے یقین اور تحفظ کا ایسا احساس پہلے کبھی نہیں محسوس کیا تھا۔ یہی وہ کندھا تھا، جس پر سر رکھ کر وہ برسوں کے رکے آنسو بہا سکتا تھا، مگر اس وقت نہیں! وہ نرمی سے ان سے الگ ہوا۔

"مجھے کہہ لینے دو بیٹا! کہ آج تم نہیں، بلکہ میں ایک عظیم شخص سے مل رہا ہوں، انتہائی خراب ترین حالات میں، خود کو سنبھالنا اور انسانیت کی اعلیٰ ترین مثالیں قائم کرنا، کسی عام آدمی کے بس کی بات نہیں سالار!" وہ جھینپ کر مسکرا دیا۔

"دبس اب آپ لگے مجھے شرمندہ کرنے!" وہ کہتا ہوا راجو کو لینے باہر نکل گیا۔

"دنیا اچھے لوگوں سے خالی نہیں ہے ابا! مجھے تو بڑا حوصلہ ملا ہے سالار سے مل کر۔"

معاذ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ وہ بہت دیر سے بالکل خاموش تھا اور کوئی شک نہیں کہ آج وہ تینوں ہی ایک دوسرے کے بہت قریب آئے تھے۔

"تم زری کو بلا کر لاؤ معاذ! دیکھتے ہیں' وہ کیا کہتی ہے' لیکن کچھ بھی ہو' ہم سالار کا ساتھ ضرور دیں گے ان شاء اللہ۔ اللہ کی مہربانی ہے۔ جو وہ ہمیں ایک نیکی کمانے کا موقع دے رہا ہے۔" ابا اب بہت پرسکون تھے۔

معاذ نے دھیرے سے سر ہلایا اور کمرے سے نکل گیا۔ زری کو اس نے صرف ابا کے کمرے میں چلنے کے لیے کہا تھا اور وہ بنا کوئی سوال کیے اطمینان سے ساتھ چلتی ہوئی آگئی تھی' مگر اندر قدم رکھتے ہی وہ جس بری طرح چونکی تھی' اسے سب نے ہی نوٹ کیا تھا۔

"آجاؤ زری بیٹا! کچھ ضروری بات کرنی ہے تم سے۔"

ابا کے شفقت بھرے لہجے سے ہی حوصلہ پا کر وہ سر پر دوپٹہ رکھتی' ان سب سے ذرا فاصلے پر کونے والی کرسی پر آکر بیٹھی۔

"ان سے ملو زری! یہ سالار صاحب اور یہ..... راجو۔"

"السلام علیکم!" اس کی آواز اتنی دھیمی تھی جیسے سرگوشی۔

"وعلیکم السلام!" سالار ہلکے سے مسکرا دیا۔

"دیکھو زری! ہم تم سے تمہارے بھائی کے بارے میں بات کرنا چاہتے ہیں اور....."

بنا کسی تمہید کے سالار نے جو بات شروع کی تھی' زری نے تیزی سے کاٹ ڈالی۔

"میرے بھائی انتقال کر گئے ہیں۔ شاید آپ کو بتایا نہیں ان لوگوں نے۔"

وہ اتنی پر یقین تھی کہ ان سب نے ہی الجھن محسوس کی تھی۔ سوائے راجو کے۔ سالار نے اسی کے اشارے پر بات کو آگے بڑھایا۔

"میں تمہارے دوسرے بھائی کی بات کر رہا ہوں' جس کا نام نبیل ہے۔"

"نہیں ہے وہ میرا بھائی' کب کا مر چکا ہے وہ ہمارے لیے اور ہم اس کے لیے۔ اب میں اس کے حوالے سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔"

زری کے لہجے میں سرد مہری تھی اور ماتھے پر گہری شکن' مگر سالار نے اس کے موڈ کی قطعی پرواہ نہیں کی۔

"تمہارے کہہ دینے سے رشتہ ختم نہیں ہو سکتا زری! تمہیں اپنے بھائی سے چاہے کتنی بھی تکلیف پہنچی ہو' لیکن بہرحال وہ ایک حقیقت ہے' یہاں اسی شہر میں رہ رہا ہے' بہت پیسے والا شخص ہے۔"

"وہ صرف کمینہ' بے غیرت اور دنیا کا ذلیل ترین شخص ہے۔ میں اس پر تھوکنا بھی پسند نہیں کرتی۔" زری کی آواز شدت جذبات سے کپکپا رہی تھی۔

معاذ نے اسے گلاس میں پانی نکال کر دیا۔ مگر وہ اسے یوں ہی ہاتھ میں تھامے بیٹھی رہی۔

"ابا! کیا آپ مجھے اپنے گھر سے نکالنا چاہ رہے ہیں؟" اس کا دل وسوسوں سے بھرتا جا رہا تھا۔

"نہیں بیٹا! خدا نہ کرے' یہ تمہارا اپنا گھر ہے' سب تمہارے ہیں' ایسی بات سوچی بھی کیوں تم نے؟" اسلام صاحب نے نہایت محبت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا' تو وہ بے اختیار رو پڑی۔

سالار اور راجو نے بے اختیار ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ انہیں چند لمحے زری کے سنبھلنے کا انتظار کرنا پڑا۔

"جذباتی ہوئے بغیر میری بات کا جواب دو زری! اگر نبیل تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہے' یا ویسے ہی ملنا چاہے' تو کیا ہم اسے تمہارا پتا بتا دیں؟ بہرحال وہ تمہارا بھائی ہے۔" سالار کا لہجہ پُر تاثر تھا۔

زری نے ہتھیلی سے رگڑ رگڑ کر اپنے چہرے کو خشک کیا۔

"بار بار ایک ہی گالی مت دیں صاحب! اگر آپ نے اس آدمی کو میرا پتا دیا تو میں یہاں سے کہیں اور چلی جاؤں گی۔ اس کے ہاتھ لگ گئی تو بیچ ڈالے گا مجھے' پہلے بھی دو بار میرے رشتے کا جھانسا دے کر' وہ لوگوں سے روپیہ لے چکا ہے۔ وہ تو میرے چچا حیدر آباد لے گئے تھے' مجھے کسی رشتے دار کے ہاں چھپایا....." جو بات بہت حوصلے سے شروع کی تھی' پھر سے نمی میں ڈوبی۔

ان سب کے لیے ایک دوسرے سے آنکھ ملانا مشکل ہوئی۔

"ڈر کے کتنے عنوان اور ظلم کی کتنی داستانیں۔" سالار نے شہادت کی انگلی سے ماتھے کو ہلکے سے مسلا۔

"یارب! تیرے یہ مظلوم و مجبور بندے۔"

"تم جاؤ زری! اور معاف کر دینا' میری وجہ سے تمہیں جو تکلیف اٹھانی پڑی اس وقت۔"

"شکریہ صاحب!" وہ اشارے کی ہی منتظر تھی' فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ "ویسے اس آدمی کے بارے میں جو شخص سب سے زیادہ جانتا ہے' وہ تو آپ کے ساتھ ہی بیٹھا ہے' اس سے پوچھ لیجیے! جو بھی کہا ہے' وہ غلط ہے یا صحیح۔ کیوں راجو! تم کیوں چپ بیٹھے ہو؟ سب سے گہرے دوست تو تم ہی ہو اس کے' ہر بات سے واقف ہو' بولتے کیوں نہیں ہو' یا پیسہ کھلا رکھا ہے تمہیں؟ جو حرام وہ کما رہا ہے اس میں سے۔"

راجو نے اضطراب سے پہلو بدلا۔

وہ ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں تھا۔ سالار نے فکر مندی سے اسے دیکھا۔

"جاؤ زری! تم جاؤ باہر!" معاذ نے ذرا سختی سے اسے جانے کا اشارہ کیا تو وہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے باہر نکل گئی۔

ان سب کی سمجھ میں آ رہا تھا کہ زری کمرے میں آتے ہی کیوں چونکی تھی۔

"ٹھیک ہے! پھر ہم چلتے ہیں' سو اجازت؟" سالار اٹھ کر کھڑا ہوا۔

معاذ اور ابا اسے باہر تک چھوڑنے آئے۔

"میں اور معاذ ہر طرح' ہر وقت تمہارے ساتھ ہیں سالار! پولیس کو اپنا کام کرنے دو اور نبیل اور زر تاج بیگم کو اپنی طرف سے زیادہ ہوشیار کرنے کی بھی ضرورت نہیں' خود کو جان بوجھ کر خطرے میں مت ڈالنا بیٹا! یہ میرا حکم بھی ہے اور نصیحت بھی۔"

جب وہ گاڑی کے قریب کھڑے تھے تو اسلام صاحب نے بہت سنجیدگی سے اس سے کہا تھا۔ سالار کو اچھا لگا۔

"خدا حافظ معاذ!" اس نے آگے بڑھ کر معاذ کو گلے لگایا۔ "بہت جلد میں اور گیتی تمہارے اسکول آ رہے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوگی' اگر تم اسے بھی وہاں پڑھانے کی آفر کرو گے..... اور میں بھی۔"

"اس سے اچھی کیا بات ہوگی' پڑھانے والے مل جائیں تو ہم بچوں کی تعداد بڑھا سکتے ہیں۔"

"ہوں!" سالار کے ذہن میں کچھ اور آئیڈیا آ رہا تھا' مگر فی الحال خاصی دیر ہو چکی تھی۔

"تمہیں زری کا انداز برا لگا راجو؟" واپسی پر اس نے گم صم بیٹھے راجو کو نارمل کرنے کے لیے بات چھیڑی تھی۔

"زیادہ فیل مت کرو پلیز! وہ بے چاری یوں ہی مظلوم سی لڑکی ہے۔"

"مظلوم تو روزی بھی تھی سر! زری سے کہیں زیادہ۔" راجو کے دھیمے لہجے میں بہت ہی نمایاں گلہ تھا۔

"اس بے چاری نے تو یتیمی میں آنکھ کھولی تھی' اور پھر زر تاج بیگم جیسی سخت دل عورت کے پاس رہی وہ' صرف بوا عظمت تھیں اس کے لیے۔" وہ بولتے بولتے چپ ہو گیا۔

سالار نے غیر دانستہ طور پر گاڑی کی رفتار بڑھائی تھی۔ روزی نام کا یہ دل بٹھاتا بوجھ' اب زندگی کا حصہ تھا۔

"مجھے زری کی باتوں کا رنج نہیں ہے سر! میں تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔"
ڈرائیو کرتے سالار نے راجو کی طرف دیکھا۔
"میں سوچ رہا تھا کہ نبیل جیسے درندے کی بہن کو خدا نے کیسے محفوظ اور شریف گھرانے کا حصہ بنا دیا۔ نبیل ایسی کسی آزمائش میں کیوں نہیں پڑا' جو اس کی وجہ سے دوسروں کے حصے میں آئیں؟ اللہ نے اسے اتنی ڈھیل کیوں دی......؟" کھوئے کھوئے انداز میں وہ کہتا چلا گیا۔
سالار نے دھیرے سے اس کا کندھا تھپکا۔
"اس رب سے کبھی مایوس نہ ہونا راجو! وہ سریع الحساب ہے۔" راجو گم صم سر جھکائے بیٹھا تھا۔
"اس نے اپنی دنیا میں مکافات عمل کا قانون رائج رکھا ہے۔ پناہ مانگنی چاہیے ہر بندے کو' اس چھوٹے سے چھوٹے عمل سے' جس سے وہ کسی بھی انسان کی جان' مال اور آبرو کو بہت ہلکی سی بھی چوٹ پہنچاتا ہے۔ نبیل کے حصے میں بھی وہ کچھ آئے گا' جس کا اس وقت میں اور تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ بس بھروسا رکھو اس پر۔"
راجو کا جھکا ہوا سر ہلکے ہلکے اوپر اٹھا۔
محض ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھوں میں امید کی چھوٹی سی کرن جگمگائی۔
سالار ہلکے سے مسکرادیا۔

☼ ☼ ☼

"مجھ سے کچھ کرنے کو نہ کہا جائے' میں سخت ڈیپریشن میں مبتلا ہوں۔"
"کیا؟" شاکرہ امی کمرے سے نکلتے ہوئے' چونک کر واپس مڑیں "کیا کہا تم نے؟"
"جو کہنا تھا' ایک بار کہہ دیا' آپ کو پتا نہیں ہے ڈیپریشن کا مریض زیادہ بولنا بھی پسند نہیں کرتا' اسے خاموشی پسند ہوتی ہے۔"
منہ پر اخبار ڈالے وہ صبح سے اسی بڑے صوفے پر نیم دراز تھا' جو پرانے اچھے وقت کی یادگار تھا۔ وہ چپ چاپ چلتی ہوئی اس کے قریب آکر کھڑی ہوئیں۔
"دیکھ سلمان! تجھے اللہ کا واسطہ' میرے حوصلے کو اتنا مت آزما...... پتا نہیں کیسے کھڑی ہوں میں ان حالات میں۔ اپنی بیماری وبیماری سب بھول گئی۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ ایسا کڑا وقت بھی دیکھنا لکھا ہے نصیب میں۔"
"عجیب بات ہے' ورنہ اب تک تو آپ کو عادی بھی ہوجانا چاہیے تھا' ایک لمبا عرصہ ہورہا ہے اب تو اس خستہ حالی کو جھیلتے ہوئے......" اخبار چہرے سے ہٹاتے ہوئے' وہ تلخی سے مسکرایا۔ وہ نہ ان کی آنسوؤں سے بوجھل آواز سے متاثر ہوا تھا اور نہ ہی آج کے دن کی اہمیت ہی کو وہ لفٹ دینے کے لیے تیار تھا۔
شاکرہ امی' اداس نظروں سے اس کی شکل دیکھے گئیں۔
اس مرادوں کے ساتھ پلنے والی' اس اکلوتی اولاد نرینہ نے پتا نہیں' انہیں کہاں کہاں مایوس کرنے کی ٹھانی تھی۔

"تمہارے ابو پیشی پر عدالت آئیں گے تو تمہیں نہ دیکھ کر انہیں کتنی مایوسی ہوگی۔ پچھلی دفعہ بھی تم نہیں گئے تھے۔"
"اب اتنی جلدی جلدی کون جاسکتا ہے' کورٹ کون سا یہاں رکھا ہے اور پھر ذرا وہاں کا رش دیکھیں! کانوں کو ہاتھ لگائیں گی آپ بھی۔ آسان نہیں ہے وہاں ایک بار بھی جانا۔"
"جویا تو ہر بار ہی جاتی تھی۔" ان کے منہ سے بے ساختہ ہی نکلا۔

سلمان نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔
"جویا کی کارکردگی جتانے کے بجائے' اگر آپ آپا گل کو ان کی نااہلی کا احساس دلائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ دعوے تو بہت کیے تھے انہوں نے کہ اب وہ اور اکبر بھائی سارے معاملات کو دیکھا کریں گے' مگر صرف وکیل کو پکڑلانے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کیا گیا ان سے۔"
"بغیر فیس کا وکیل ہے' یہ بھی کم احسان ہے کیا؟" وہ ٹھنڈی سانس لے کر واپس بیٹھیں۔
"بے کار کی باتیں!" اپنے ڈپریشن کو تھوڑی دیر کے لیے بھلا کر وہ آپا گل کے احسان کے بخیے ادھیڑنے کے لیے تیار ہوا۔
ہزار' دو ہزار' ہر پیشی پر نکلوا لیتے ہیں' آپا گل کے وکیل صاحب۔ فوٹو کاپیاں کروانی ہیں۔ اِس کو دینے ہیں' اُس کو دینے ہیں' ان سے تو وہ پہلے والے ہی اچھے تھے' جنہیں جویا نے معاذ اور اسلام چچا کے چکر میں آکر ہٹایا تھا۔"
"وہ خود چھوڑ گئے تھے۔ پیسوں کے بغیر کام کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ پتا تو ہے تمہیں۔"
اعصاب کو مستقل توڑتی صورت حال' نادانستہ ہی سہی' کچھ نہ کچھ کہنے پر مجبور کرتی تھی۔
"اسی طرح کرنا تھا تمہیں' تو پھر اسلام بھائی کے ساتھ جھگڑا مول لینے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ تو خود چل کر آگئے تھے۔" اپنی بات کہہ کر وہ خود بھی جھینپ سی گئیں۔
"اب ڈال دیں سب الزام میرے سر' ایک بار آپ اور آپا گل' یہ طے کرلیں کہ ابو کو چھڑانا زیادہ ضروری ہے یا گھر کی عزت کو بچانا اور پھر اس بات پر قائم رہیے گا۔" وہ بری طرح تلملایا تھا۔
"اسلام چچا' ابو اور آپ کی محبت میں نہیں چلے آئے تھے۔ وہ صرف معاذ اور جویا کی سیٹنگ کو ٹھیک کرنے کے چکر میں' ہم پر احسان لادنے آئے تھے' ٹھیک کہہ رہا ہوں یا غلط؟"
شاکرہ امی' زیر لب کچھ بڑبڑا کر رہ گئیں۔
ادھ کھلے دروازے سے سامنے کچن میں کام کرتی جویا دکھائی دے رہی تھی۔
آج اس کا اسکول کسی تفریحی ٹرپ پر گیا تھا اور وہ ہمیشہ کی طرح' کوئی نہ کوئی بہانہ کرکے' جانے سے گریز کرگئی تھی۔
گھر والوں کے لیے بہانے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی تھی۔ یہاں عرصہ ہوا یہ بات خارج از بحث ہوئی تھی کہ اسے بھی کسی تفریح یا سکون کی ضرورت ہے۔
شاکرہ امی یوں ہی خالی خالی نگاہوں سے اسے کام کرتے دیکھے گئیں۔ ذہن ابھی تک وہیں اسی مسئلہ میں اٹکا ہوا تھا۔

"میری خاطر چلا جا سلمان! تھوڑی سی دیر کے لیے ہی' بس اپنی شکل اپنے ابو کو دکھا کر آجانا ورنہ کوئی نہیں گیا تو وہ ایک اودھم مچا کر رکھ دیں گے۔ پتا ہے نا ان کے غصہ کا۔"
خوشامد...... ذرا سا کچھ تو کارگر ہوتا' مگر وہ تو بے حسی کے ساتھ ہنستا ہی چلا گیا۔
"وہاں ہنگامہ کریں گے' تو بہت برا بھگتیں گے بھی۔ یہ انہیں بھی خبر ہے اس لیے وہاں ایسا کچھ نہیں کرنے والے وہ۔ آپ بے فکر رہیں۔"
اپنی بات کہہ کر' وہ پھر سے اس طرح ہنسا' جیسے آج کے دن کا بہترین لطیفہ تخلیق کرکے' خود اپنے آپ کو ہی داد دے رہا ہو۔
بڑے چھوٹے کا لحاظ کیے بغیر ان کے ہاں ایسی باتوں پر قہقہے لگانے کا دستور پرانا تھا' مگر پہلے یہ ہنسی دوسروں کی اڑائی جاتی تھی۔

"اچھا! پریشان نہ ہوں' میں کرتا ہوں بندوبست۔" اتنا ہنس لینے کے بعد اس کا موڈ اچھا ہو چکا تھا۔ شاکرہ امی کے دل پر رکھا بوجھ بھی کچھ کم سا ہوا۔

"جویا' جویا!" شاید اس نے جانے سے پہلے چائے کا ایک کپ پینا چاہا تھا' شاکرہ امی کو ایسا ہی لگا تھا' سو وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"میں لاتی ہوں چائے' تم جا کر کپڑے بدل لو۔"

مگر وہ ان کی بات سننے کے بجائے دروازے میں کھڑی جویا سے مخاطب تھا۔

"آج تو تم بالکل فارغ ہو جویا! دو گھنٹے بعد پیشی ہے ابو کی۔ پتا ہے نا۔"

شاکرہ امی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ جویا کو کیوں اطلاع دے رہا ہے جب کہ وہ اس معاملے سے قطعی علیحدہ کر دی گئی تھی۔

"ایسا کرو' تم کورٹ چلی جاؤ' عارف صاحب سے مل لینا' میں انہیں فون پر بتا دوں گا کہ تم آ رہی ہو۔ ابو کا حال چال پوچھ لینا اور زیادہ دیر لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کام ختم ہوتے ہی سیدھی گھر واپس آؤ۔"

عجیب کھردرے سے لہجے میں اس نے سامنے کھڑی جویا کا ٹائم ٹیبل سیٹ کیا اور اطمینان بھری سانس لی۔ شاکرہ امی نے بوکھلا کر سلمان کی طرف دیکھا۔

"جویا نہیں جائے گی' ارے گل نے سن لیا تو طوفان کھڑا کر دے گی' پہلے ہی کتنا ہنگامہ ہو چکا ہے اس بات کو لے کر۔"

"وہ ہنگامہ دوسری بات پر تھا' ابو کے کیس کی وجہ سے نہیں تھا' جاؤ! دیر ہو رہی ہے۔"

سلمان کا فیصلہ حتمی تھا اور گھر میں اس کی حیثیت مستحکم تر۔ شاکرہ امی نے ٹھنڈی سانس لی۔

"چلی جا جویا! آخر پہلے بھی تو جاتی ہی تھی اتنے عرصے سے' آج سلمان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ورنہ یہ تو خود ہی چلا جاتا۔"

نہ ان کی سلمان سے محبت نئی تھی اور نہ ہی بے حسی کی حدوں کا کب کا پار کر لینے کا رویہ ہی' پھر بھی کسی کسی وقت تو دل کو بہت زور کا دھکا لگتا ہی تھا۔

کپڑے بدلتے' بالوں میں الٹا سیدھا برش پھیر کر پونی بینڈ میں کستے ہوئے' جویا نے کتنی ہی بار رگڑ کر آنکھوں کو خشک کیا اور بیگ اٹھا کر باہر نکل آئی۔

شاکرہ امی اور سلمان نے اسے سیڑھیوں کا رخ کرتے دیکھ کر اطمینان کی سانس لی تھی۔

"یہ کچھ ایب نارمل ہوتی جا رہی ہے' اب دیکھ لیں جاتے ہوئے اتنا بھی نہ کہا کہ میں جا رہی ہوں۔" ریموٹ اٹھاتے ہوئے سلمان نے شاکرہ امی کی طرف دیکھ کر کہا اور پھر سے اسی صوفے پر نیم دراز ہوا۔

"اچھا ہے! اسکول میں جاب کر رہی ہے۔ اس کے لیے مصروفیت اچھی چیز ہے۔ اب کچھ وقت کورٹ آنے جانے میں بھی گزر جائے گا۔ میں تو زویا کے بھی میڈیکل میں جانے کا مخالف تھا۔ وہ بھی کہیں اسکول وغیرہ میں پڑھا رہی ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتا......"

"میں تمہارے لیے چائے بنا لاتی ہوں۔" شاکرہ امی کو خود بھی طلب ہو رہی تھی۔ سلمان کی بات ادھوری ہی رہ گئی۔

ٹی وی پر تصویر صاف نہیں آ رہی تھی' آج کل وہ اسی طرح مسئلہ کرنے لگا تھا۔

ایک کے بعد ایک اس نے کتنے ہی چینل بدل ڈالے اور پھر اکتا کر ٹی وی بند کر دیا۔

ڈیفنس کے اس خوب صورت گھر کی یاد' دن میں کتنی ہی بار بے چینی کا سبب بنتی تھی۔

آسائشوں سے بھرا ہوا' آرام دہ گو پرسکون نہیں' مگر کیا فرق پڑتا تھا۔ زوبیہ کی تلخ مزاجی کو جھیل لینے کے بعد اس جیسے سہل پسند کے لیے راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا۔

موسم گرما اب زیادہ دور نہیں رہ گیا تھا اور اس چھوٹے سے بالائی منزل پر بنے پورشن میں ایک اور تپتا جھلستا سیزن گزارنے کا تصور ابھی سے ہوش اڑا رہا تھا۔

"کاش اس نے زوبیہ کے گھر سے قدم نکالنے کی غلطی نہ کی ہوتی۔ معافی تلافی' خوشامد' غلامی' کچھ بھی سہی' مگر اس بار وہ زوبیہ کو سمجھنے میں بڑی بھاری غلطی کر گیا تھا' جو خفگی محض چند دنوں کے دورانیے پر مشتمل ہونے والی تھی۔ اب نہ ختم ہونے والا سلسلہ نظر آ رہی تھی۔

"بدشکل' کم عقل' ناشکری عورت!"

سامنے الماری کے شیشے میں نظر آتے اپنے عکس کو فخریہ نظروں سے دیکھتے ہوئے سلمان نے زوبیہ کی عقل پر افسوس کیا' جو اس جیسے جوان رعنا کو ٹھکرانے کی بے وقوفی کی مرتکب ہوئی تھی اور ایک نہ ایک دن لازمی پچھتانے والی تھی۔

موبائل پر زوبیہ کے نمبر کو بار بار ٹرائی کرتے رہنا اب معمول کا حصہ تھا۔ کسی وقت وہ اس کا فون ریسیو کرتی اور زیادہ تر نہیں۔ مگر آج اس کا فون آف تھا۔ سلمان نے تھک ہار کر فون ایک طرف رکھا۔ شاکرہ چائے لے آئی تھیں۔

"کیا ہوا؟ ہاتھوں میں درد ہو رہا ہے؟" اسے ہاتھوں کی انگلیاں دباتے دیکھ کر انہیں فکر ہوئی۔

"نہیں' کچھ نہیں۔" اس نے چائے کا کپ لیتے ہی منہ سے لگایا۔

"اف! اتنی گرم۔"

"تو تمہیں بھی ایسی کیا جلدی تھی' چائے کہیں بھاگی جا رہی تھی کیا؟ سارا منہ جل کر رہ گیا ہوگا۔"

"چائے نہیں بھاگی جا رہی' مجھے جانا ہے۔" اس کے انداز میں بڑی واضح عجلت تھی۔

"کہاں جا رہے ہو؟ ڈاکٹر کے پاس؟ چلو! میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔ بہت دن سے بی پی چیک نہیں کروایا۔"

"مجھے زوبیہ کے پاس جانا ہے۔ جب تک وہ نہیں مانتی' کوشش تو کرتے ہی رہنا ہے۔ اب یہیں تو نہیں بیٹھا رہوں گا ساری عمر۔"

شاکرہ امی نے ایک خاموش سی نگاہ سلمان کے چہرے پر ڈالی۔ کتنی ہی بار وہ اپنی بے عزتی کروا کر آ چکا تھا۔ ہر بار ان کا دل پہلے سے زیادہ دکھتا تھا۔ اب ایک دفعہ پھر!

"کیا فائدہ ہوگا؟ وہ پھر نوکروں سے دھکے دلوائے گی' پٹوائے گی۔ میری مان! رہنے دے' بہت بڑی فسادن ہے زوبیہ۔ کبھی نیکی آئی اس کے دل میں تو خود ہی آ جائے گی۔ ورنہ چھوڑ دے اس بدذات کا پیچھا۔"

ان کے لہجے میں تلخی اور بھی گہری ہوئی۔

"بس یہی تو جاہلانہ باتیں ہیں۔ زوبیہ میری وجہ سے نہیں آپ لوگوں کی وجہ سے تنگ آئی تھی۔ اوپر سے یہ ابو نے جو کارنامہ سرانجام دیا' وہ بے چارے شریف لوگ سارے میں ذلیل ہو کر رہ گئے اور خود ہمارے والد صاحب آرام سے منہ چھپا کے وہاں جیل میں آرام فرما رہے ہیں۔ کسی کا کچھ نہیں بگڑا' صرف میری زندگی برباد ہو گئی۔"

وہ چائے کا ادھ پیا کپ پٹخ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اپنی ناکامی کا غصہ وہ اکثر ہی اتار لیا کرتا تھا' مگر اس وقت کس بات کا غصہ تھا؟ اسے کمرے سے نکلتا دیکھ کر شاکرہ امی نے حیرت سے سوچا۔

جویا جا چکی تھی اور اب وہ آرام سے بیٹھ کر ٹی وی دیکھ سکتا تھا۔ چائے بنا کر لانے کے مختصر سے وقفے میں ہی اس کی ذہنی رو بھٹکی تھی۔

انہیں نہیں پتا تھا کہ اس وقت' سارا قصور محض ٹی وی کی خرابی کا تھا۔

"میرا بدنصیب بچہ' حاسدوں کی نظر کھا گئی اسے۔"

بہت رقت سے انہوں نے اللہ سے حاسدوں کی شکایت لگائی۔

☼ ☼ ☼

کورٹ کے پرہجوم اور افراتفری میں ڈوبے ماحول میں اکیلی کھڑی جویا کے سر پر کسی دست دعا کا سایہ نہیں تھا۔ فریدالدین ایڈووکیٹ اسے ٹھیک وہیں ملا' جہاں سلمان نے بتایا تھا۔

"تو آپ ہیں ابرار احمد کی بیٹی' جویا احمد!" اپنی چھوٹی چھوٹی چمک دار آنکھیں جویا کے چہرے پر جمائے اس نے بڑے شوق سے تصدیق چاہی تھی۔

"جی!" مختصر سا جواب دے کر وہ اس کی آفر کی ہوئی کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔

"آج سلمان بھائی نہیں آ سکے کسی وجہ سے' اس لیے مجھے آنا پڑا۔" اس شخص سے نگاہ چراتے ہوئے جویا نے خود کو خاصا مضطرب محسوس کیا تھا۔

"وجہ کچھ بھی سہی' آپ سے مل لینا تو میری اپنی ذاتی خوشی کا سبب بن رہا ہے۔ کیا منگواؤں آپ کے لیے؟" چھوٹی چمکتی آنکھوں میں معنی خیزی اتری تھی۔

☼ ☼ ☼

باہر دروازے پر اچانک ہی ہنگامہ سا جاگ اٹھا تھا۔ اوپری منزل کے ٹھنڈے پرسکون لاؤنج میں ٹی وی دیکھتی ہوئی زوبیہ نے پہلے چند منٹ تو اسے توجہ کے قابل بھی نہیں سمجھا تھا' مگر جب آوازیں بلند سے بلند تر ہوتی گئیں تو پھر دخل اندازی بھی ضروری ٹھہری۔

"نسرین!" ملازمہ کا اولین فرض' اس کی آواز پر کان لگائے رکھنا ہی تھا' سو دوڑی چلی آئی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیسا جھگڑا ہے گیٹ پر؟ کچھ ہوش ہے ان لوگوں کو کہ آس پاس بھی آوازیں جا رہی ہوں گی۔ بند کرواؤ یہ سب۔" وہ بری طرح بگڑی تھی۔

نسرین غریب شش و پنج کا شکار ہوئی وہیں کھڑی تھی۔ زوبیہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ۔ جی' وہ آئے ہیں۔ بڑا جھگڑا کر رہے ہیں اندر آنے کے لیے۔ گارڈ کو پتھر کھینچ کر مارا ہے انہوں نے اتنا بڑا ..." ہاتھوں کے اشارے سے اس نے پتھر کے سائز کو بھی واضح کیا تھا۔ "وہ تو شکر ہے کہ بے چارہ بچ گیا' ورنہ سر کھل جاتا تو دس بارہ ٹانکے آ جاتے۔"

ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے زوبیہ نے بے اختیار سر پکڑا۔

"جاؤ تم!" وہ اسے جانے کا کہہ کر' خود چلتی ہوئی کھڑکی کی طرف آئی۔

نیچے سلمان کی ملازموں کے ساتھ ہاتھا پائی ابھی تک جاری تھی۔ چند لمحوں میں ہی زوبیہ کو سلمان کی زیادتی کا [illegible] اندازہ ہونے لگا۔

وہ بری طرح سے پیش آ رہا تھا۔ پتھر' لکڑی جو بھی ہاتھ لگتا' کسی کے دے مارتا' جبکہ ملازم اس کی سابقہ حیثیت کا خیال کر کے اس پر ہاتھ اٹھانے سے اب بھی گریز ہی کر رہے تھے۔

سلمان کے ہاتھ اور زبان ایک ساتھ چل رہے تھے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عالیہ بخاری

دیارِ شب

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد نازو نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ویڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آ کر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گیتی آرا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایماندار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو [illegible] میں وہ ہر چیز بغور رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی املاک کی دھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ حیا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ حیا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصہ دراز

سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔
سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز و ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔
اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے، جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ وہ معاذ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔
دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاماہر موقع پر اس کی اٹنگ شوٹی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالک کی آمد و رفت اسے قدرے بےچین کرنے لگتی ہے۔
خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لائے زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔
زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بشائر عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سیکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جیسے ڈرائیور راجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے، جس پر وہ خاصا جزبز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال، نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بےچین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔
گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا، آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثر و رسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔
سلمان، زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذ و نادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔
جویا کا رشتہ آناً فاناً طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی کوششیں شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے۔ وہ جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے تو وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی، چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ، جویا کو آگاہ کرتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ آپا گل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔
صندل کو بالی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکتے ہیں۔ وہ اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

۵۰

پچاسویں قسط

ملازم اچانک غیرت میں آجانا ۔۔ والی سی بات ہوئی۔
"ملازم نہیں سے میرا گھر ہے، مالک ہوں میں تمہارا۔ بےغیرت! دیکھ لوں گا ایک ایک کو۔"
سلمان کی آواز اسے صاف سنائی دے رہی تھی۔ زوبیہ چند لمحے خاموشی سے یہ سارا تماشا دیکھے گئی۔ ملگجے لباس، بھاگی ہوئی رنگت اور بےتحاشا بڑھتا ہوا وزن۔
زوبیہ بےتاثر نگاہوں سے سلمان کو دیکھے گئی اور پھر خاموشی سے کھڑکی سے ہٹ گئی۔
نیچے سے آنے والی آوازوں میں اب شدت آرہی تھی۔ وہ چند لمحوں کے لیے سوچ میں ڈوبی اور سیڑھیاں اتر کر نیچے چلی آئی۔
"نسرین!" اس نے سامنے کھڑی ملازمہ کو آواز دی۔
"گیٹ پر جاؤ اور اسے اندر لے آؤ!"
"جی!" وہ فرماں برداری سے فوراً ہی مڑ گئی۔
اگلے چند لمحوں میں سلمان لاؤنج میں کھڑا تھا۔
"مجھے پتا تھا زوبی! تم مجھ سے ناراض نہیں رہ سکتیں۔ بہت محبت کرتی ہو مجھ سے، بلکہ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے بغیر۔۔" وہ والہانہ انداز میں اس کی طرف بڑھا، مگر زوبیہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے رکنے پر مجبور کر دیا۔
"آواز نیچی رکھو سلمان! ویسے بھی بہت تماشا دکھا چکے ہو تم باہر گیٹ پر، تمہیں ذرا بھی میری عزت کا خیال نہیں آیا؟" زوبیہ کا لہجہ بےتاثر تھا۔
"میں۔۔ میں شرمندہ ہوں۔ وہ لوگ مجھے اندر آنے نہیں دے رہے تھے، اسی لیے میں غصے میں آگیا تھا۔۔ سوری!" سلمان کے لہجے میں عاجزی تھی۔
"انہیں میں نے منع کیا تھا کہ وہ تمہیں اندر نہ آنے دیں۔ اتنی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔"
"چلو! اب تو بات ختم ہو گئی۔۔ تم کہو گی تو میں ملازموں سے بھی سوری کہہ لوں گا۔ تم سوچ نہیں سکتیں زوبی! کہ میں تمہیں اور اپنے گھر کو کتنا مس کر رہا تھا۔ شکر ہے جو تم نے مجھے معاف کر دیا۔ دیکھنا! اب کبھی تمہیں کسی شکایت کا موقع نہیں دوں گا، جیسے جس طرح تم کہو گی، سب ویسے ہی ہو گا۔"
تیز تیز لہجے میں وہ اسے اپنی وفاداری کا یقین دلانے میں مصروف تھا۔
زوبیہ کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ آئی۔
"تمہارے ابو کے کیس کا کیا بنا؟ گھر آگئے یا ابھی تک جیل میں ہی پڑے ہیں؟" اس نے اپنے لہجے میں آئی حقارت کو چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔
مگر وہ برا ماننے کی غلطی نہیں کرنے والا تھا۔
"وہ وہیں ہیں ابھی، لیکن تم فکر مت کرو، میں ان سے یا گھر کے کسی فرد سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔ پہلے بھی میں کون سا ملتا تھا ان سے۔۔ یہ تو تمہاری ناراضی کی وجہ سے وہاں رہنا پڑ رہا تھا۔ اب دیکھنا! ساری عمر لوٹ کر نہیں جاؤں گا۔" وہ بہت آرام سے کہتے ہوئے صوفے پر بیٹھنے لگا تھا کہ۔۔
"ابھی نہیں! ابھی تم جاؤ۔ میں چند دن میں تم سے کانٹیکٹ کروں گی سلمان! پھر بات کریں گے۔ ابھی میں شہر سے باہر جا رہی ہوں۔ گھر لاک کرنا ہے مجھے۔"
"گھر لاک کیوں؟ میں ہوں نا گھر پر، تمہیں جتنے دن کے لیے جانا ہے جاؤ، میں بہت اچھی دیکھ بھال رکھوں گا سارے گھر کی۔"

آسائشوں، نعمتوں سے بھرا گھر۔ اشارے کے منتظر ملازم اور زوبیہ کی غیر موجودگی۔۔۔ سلمان نے دل ہی دل میں چٹخارہ سالیا۔

"نہیں! میں نے کہا نا' ابھی تم جاؤ۔ میں وعدہ کرتی ہوں' دو چار دن میں تم سے خود بات کروں گی۔ لیکن ابھی مجھے دیر ہو رہی ہے۔" اس کے لہجے میں ہلکی سی سختی تھی۔۔۔ اور وہ اب اسے دوبارہ ناراض کرنے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔

"چلو! چند دن اور سہی' مگر۔۔۔ آنے سے پہلے مجھے فون کر دینا' تاکہ میں تمہارے استقبال کے لیے پہنچ جاؤں پہلے سے۔۔۔ ویسے تم جا کہاں رہی ہو؟"

"یہ بتانا ضروری نہیں ہے۔"

"میں تو ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔" اس کے لہجے میں خوشامد کا تاثر بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ "میرے لیے تو یہی بہت ہے کہ تم نے آج مجھے معاف کر دیا اور۔۔۔"

"جاؤ سلمان! میں نے کہا نا' مجھے دیر ہو رہی ہے۔۔۔" زوبیہ کے لہجے کی رکھائی اور بھی بڑھی۔

"بس! جا ہی رہا ہوں' مگر اپنا وعدہ۔۔۔"

وہ تیزی سے کہتے ہوئے لاؤنج سے نکلا تھا۔

☆ ☆ ☆
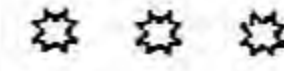
"نگینہ!" نانی ستارہ نے ادھ کھلے دروازے سے جھانک کر اسے آواز دی۔

وہ اپنے اس قدیمی بیڈ پر تکیوں میں منہ دیے لیٹی تھی جو برے وقتوں کی یادگار تھا۔

معلوم نہیں سو رہی تھی یا ایسے ہی کوئی ڈراما۔۔۔ انہیں قریب آ کر اسے دوبارہ آواز دینی پڑی۔

"نگینہ! اٹھ بھی جاؤ۔ یہ بھی کوئی وقت ہے سونے کا۔ سارا دن ہو گیا' کمرے سے نکل کر نہیں جھانکا۔"

نانی ستارہ کو بیڈ تک آنے اور وہاں لگے کپڑوں کے ڈھیر کو ایک طرف سرکا کر بیٹھنے میں تھوڑی سی دقت کا سامنا ہوا تھا۔ کمرے کے ادھ کھلے دروازے سے آتی روشنی کمرے کا حال زار بیان کر رہی تھی۔

نانی نے ایک نگاہ میں اس ساری ابتری کو نوٹ کیا۔ پچھلے کئی دنوں سے نگینہ نے پھر سے اس کمرے میں سونا شروع کر دیا تھا جس کی طرف وہ صندل کا اچھا وقت آنے کے بعد دیکھنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔

"نگینہ!" نانی ستارہ نے اس بار نگینہ کا کندھا ہلایا تو وہ آنکھیں خشک کرتے ہوئے ذرا اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"رو رہی تھیں؟"

"بس ایسے ہی اماں!" اس نے شرمندگی سے جیسے اعتراف جرم کیا۔

نگینہ کی نظریں نیچی تھیں اور چہرہ سرخ' بھیگا ہوا۔ نانی ستارہ کے دل کو دھکا سا لگا۔

زمانے بھر کے لیے بدزبان' غصیل' زمانہ ساز نگینہ ان کے سامنے آج بھی کسی چھوٹی بچی کی مانند مؤدب اور گھبرائی ہوئی تھی۔

انہوں نے محبت سے اس کے چہرے پر آئے بالوں کو پیچھے کیا۔ "ایسے ہی نہیں آ تا رونا' کوئی تو بات ہے!"

"یہاں کسی ایک بات کا رونا کیا اماں! انبار لگے ہوئے ہیں۔ حرف اول سے لے کر غم کی کتنی شکلیں اور ڈوب مرنے کے کتنے مقام۔" اس کی نگاہ اب بھی جھکی تھی۔

نانی نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

نگینہ کے چہرے پر خوشی یا سکون کی ہلکی سی بھی رمق نہیں تھی۔

"اور نہ زندگی میں مقام شکر آنے دو' اتنی جلدی بھلا دیے تو نے؟ بڑا کہنے لگی تھی کہ میری توبہ' جواب اللہ کے آگے کوئی شکوہ گلہ کروں۔" اسے اس کی کہی بات یاد دلا کر انہوں نے نگینہ کو جو جذباتی سہارا دینا چاہا تھا' کچھ خاص کارگر ثابت نہ ہو سکا۔

ٹپ ٹپ کتنے ہی آنسو نگینہ کی آنکھوں سے ٹوٹ کر بکھرے۔

"ہم جیسے کمینوں کو ایسے دعوے کہاں زیبا ہیں اماں! ورنہ سچ تو یہی ہے کہ مقام شکر سے تو ہم بس ایسے ہی گزرتے ہیں جیسے ٹھنڈی ہوا کا کوئی جھونکا۔ چند لمحوں کے لیے روح سیراب ہوئی' اور بس!"

ہاتھ کے ہلکے سے اشارے سے اس نے جیسے لاتعلقی کا اظہار کیا۔ "لمبا قیام تو دکھ کا ہی ہے زندگی میں۔ ساری عمر گزر جاتی ہے مناتے مناتے' مگر ٹلنے کا نام نہیں لیتے۔ بس روپ' شکل بدلتی ہے ہمیں دھوکا دینے کے لیے۔"

اس کا سر جھکا ہوا تھا اور الفاظ جیسے ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے لبوں سے ادا ہوئے تھے۔

"صندل کی چار فلموں کی ناکامی نے تجھے اتنا بوکھلا دیا نگینہ! میں نے تو تجھے اتنا کمزور پہلے کبھی نہیں دیکھا، زندگی ان چار فلموں کے آگے بھی تو چلنی ہے۔ صندل کی بھی چلے گی۔ گھبرا کیوں رہی ہے؟ یہی تو وقت ہے اپنی غلطیوں سے سیکھنے کا۔ اچانک ملی کامیابی' اچھے اچھوں کے پیر اکھاڑ دیتی ہے۔ صندل کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔ کتنا منع کیا تھا میں نے' دھڑا دھڑ فلمیں سائن نہ کرے بالی کی۔"

دھیمے دھیمے لیے مخصوص پر تاثر انداز میں وہ جو کچھ بھی سمجھانا چاہ رہی تھیں' نگینہ کے لیے بعد از وقت تھا۔

"نام نہ لیں اس کم بخت بالی کا۔ پہلی دو چار فلموں پر پیسہ لگانے کے بعد اس نے صرف صندل کا نام استعمال کیا۔ ایسی لو بجٹ فلمیں کروائیں اس سے' پٹنی تو تھیں ہی۔"

"اب جو ہوا' سو ہوا' آخر ایک ہی بات کو کب تک دہرایا جاتا رہے گا' یہاں سب اپنی اپنی بازی پر کھیلتے ہیں' وہ بھی اور ہم بھی۔ نیا کیا ہے آخر؟ جو تم اور صندل' چھچھوری' کم ظرف عورتوں کی طرح واویلا کیے جا رہی ہو؟"

غیر محسوس سے انداز میں نانی ستارہ کے لہجے میں وہی سخت بستگی اتری جو آج بھی برادری کی عورتوں کو نگاہ نیچی رکھنے کا حکم دیتی تھی۔

"دکھ کو اپنی کمزوری بنا لو تو لوگ قدموں میں آئے کنکر پتھر کی طرح ٹھوکر پر اڑاتے ہیں۔ ٹکے سیر بھی دام نہیں لگاتی ہے یہ دنیا' مگر اپنے اندر جذب کر لو تو یہی انسان کی طاقت بن جاتا ہے۔ دنیا کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر جینے کا حوصلہ دیتا ہے۔ تو نے تو خود تجربہ کر دیکھا ہے نگینہ۔۔۔ پھر اب اس عمر میں۔۔۔؟"

غصہ۔۔۔ نصیحت۔۔۔ تنبیہہ!

نگینہ نے دھیرے سے ہتھیلی سے اپنا چہرہ خشک کیا۔

وہ انہیں بتانا چاہتی تھی کہ اس کے آج تک کھڑے رہنے میں اس کے اپنے کمال سے زیادہ ان کے اپنے پیچھے کھڑے رہنے کا تھا اور آج بھی وہی ہے۔

"نانی!" شاما نے بڑے بے موقع مداخلت کی۔ "باجی گل ناز آ رہی ہیں' میں انہیں آپ کے کمرے میں لے جا کر بٹھا رہی ہوں' آ جائیے۔"

وقت کی کمی کے سبب اس نے ایک ہی سانس میں تین مختلف باتیں کیں اور فوراً ہی پلٹ گئی۔

"میں جاتی ہوں۔ تم اپنا حلیہ ٹھیک کر کے آ جانا!" وہ کھڑی ہوئیں اور وقار سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔

وہ انہیں دیکھے گئی جب تک وہ اسے نظر آتی رہیں۔

برآمدے کے دوسرے سرے سے گل ناز کی کھکھلاتی ہوئی ہنسی ابھر رہی تھی۔

نگینہ پھرتی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔
گل ناز' الماس کے ساتھ محاذ آرائی کا عالم اس نے گیتی آرا کی شادی کے بعد خود ختم کر دیا تھا' مگر اپنی خستہ حالی وہ بہر حال گل ناز سے چھپا کر ہی رکھنا چاہتی تھی۔
منہ پر خوب سارا ٹھنڈا پانی ڈال کر' ہلکا سا میک اپ کرتے ہوئے اس نے اپنا فیورٹ نیلا آئی شیڈ بھی لگا ڈالا۔ صندل کتنا ہی کہتی تھی کہ یہ شیڈ بہت چیپ لگتا ہے' مگر وہ خود کو اس رنگ کے ساتھ بہت پر سکون پاتی تھی' نہ لگاتی تو ایسے محسوس ہوتا' جیسے کوئی بڑی کمی سی رہ گئی ہے۔
خود پر مطمئن سی نظر ڈال کر وہ نانی ستارہ کے کمرے میں آئی تو گل ناز بڑی تیزی سے آکر گلے سے لپٹ گئی۔
"کہاں رہتی ہے نگینہ؟ ہم تو تیری شکل کو ترس گئے' میں تو سمجھ رہی تھی کہ صندل کی کوٹھی پر گئی ہوئی ہے تو۔ وہ تو خالہ ستارہ نے بتایا کہ یہیں پر ہے۔" گئے دنوں میں وہ گل ناز کی ان ہی باتوں سے سو سو مطلب اخذ کر لیتی تھی' پر اب نہیں۔
"بس! اب تو یوں ہی سستی سوار رہنے لگی ہے گل ناز! کچھ کام دھام ہے نہیں' تو بس سمجھ لے کر عمر بھر کی تھکن نے گھیر لیا ہے تیری بہن کو۔" نرمی سے مسکراتے ہوئے وہ گل ناز کو وضاحت دے رہی تھی۔
نانی ستارہ نے ایک اطمینان بھری سانس لی۔
"تھکیں تیرے دشمن۔ اپنی بچیوں کی خوشیوں کو انجوائے کر۔ ساری عمر کی محنت کا انعام دیا ہے مولا نے تجھے۔ سالار جیسا بلند مرتبہ داماد آیا۔ گیتی کا نصیب کھلا۔ صندل فلم لائن میں کامیاب ہوئی۔"
ایک ٹھنڈی سانس آہ کی صورت بے اختیار ہی نگینہ کے لبوں سے خارج ہوئی۔
گل ناز نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ نگینہ نے سنبھل کر مسکرانا چاہا' مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا۔
"سنا ہے بالی نے نئی لڑکی سائن کر لی ہے اگلے سارے پروجیکٹوں میں؟"
گل ناز کے لہجے میں کوئی طعنہ یا تجسس نہیں تھا' صرف تشویش تھی۔
نگینہ نے خاموش سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔
گل ناز کے ماتھے پر بل سا پڑا۔ "سارے ابن الوقت بیٹھے ہیں۔ میں تو کہتی ہوں' سالار جیسا لڑکا دیکھ لیں صندل کے لیے بھی کوئی۔" نگینہ نے حیرت سے گل ناز کی طرف دیکھا۔ اسے گل ناز جیسی خاندانی کاروباری عورت سے کم از کم ایسی جذباتیت کی توقع نہیں تھی۔
"گیتی کی بات دوسری ہے گل ناز! ہمارے خاندان کا حصہ ہو کر بھی' اس میں کوئی خوبی' کوئی ہنر نہیں آسکا تھا۔ اگلے برسوں میں وہ صندل پر بوجھ بن جاتی۔ خدا نے کرم کیا جو سالار اس کے نصیب سے اس چوبارے کی سیڑھیاں چڑھ کر آگیا' سو صد شکر ہے۔ خدا کرے کہ وہ ہمیشہ ہی گیتی کے حق میں اچھا رہے۔"
نانی نے بڑے سلیقے سے گلناز کی بات کا جواب دینے سے پہلے' اسے صندل اور گیتی کا فرق جتایا تھا۔
"وہی تو کہہ رہی ہوں خالہ کہ اگر ایسا ہی کوئی لڑکا اپنی صندل کو پسند کرے تو۔۔۔"
"زندگی اتفاقات اور امکانات پر نہیں چلتی گل ناز! اور صندل کو ایسی بددعا مت دو۔ ہمارے ہاں کی لڑکیوں کو محبت راس نہیں آتی۔۔۔ فیروزہ کا انجام اتنی جلدی بھول گئیں کیا تم؟" خود کو سنبھالے رکھنے کے لیے وہ ذرا رکیں۔
گل ناز نے اضطراب سے پہلو بدلا۔ "میرا یہ مطلب نہیں تھا ستارہ خالہ! بس اپنی گیتی کا مقدر دیکھ کر دل میں لالچ سا آرہا ہے۔ سچ! سالار جیسا نہ سہی' تھوڑا بہت معقول آدمی بھی ہو اور خلوص سے الماس کو نام' شناخت دے تو میں ایک منٹ نہ لگاؤں اس کا نکاح پڑھوا کر رخصت کرنے میں۔ اب تو۔۔۔" اس کے لہجے کی حسرت نمایاں تھی۔

"وہ تمہاری مرضی ہے۔ سب کو اپنی اولاد کا اختیار ہے' لیکن ہمارے ہاں کسی ایک کو فن کی میراث لے کر آگے جانا ہی پڑتا ہے۔۔۔ اور صندل اس کی پوری طرح اہل ہے۔۔۔ یہ چھوٹی موٹی اونچ نیچ کچھ نہیں بگاڑ سکتی اس کا۔۔۔ وہ بہت آگے جائے گی۔"
وہی ٹھونک بجا لانے والا انداز' جس کے آگے کچھ بھی کہنے کی گنجائش ختم ہوتی تھی۔
چند لمحوں کے لیے وہ تینوں عورتیں ہی اپنی اپنی جگہ خاموش' اپنی اپنی سوچ میں گم ہو گئیں۔
"چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے گل ناز!"
"ہاں!" نگینہ کے توجہ دلانے پر اس نے چونک کر کپ اٹھایا اور ایک سانس میں پی کر واپس بھی رکھ دیا۔
"ٹھنڈی ہو گئی تھی' تو دوسری بنوا لیتیں۔" نگینہ نے نرمی سے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
نگینہ کو آج واقعی اس پر رحم سا آرہا تھا۔
"تم نے بتایا تھا کہ تم کوئی خاص بات کرنے آئی ہو؟" نانی ستارہ نے گل ناز کو خاموش پا کر یاد دلانا چاہا۔
"ہاں۔۔۔ وہ۔۔۔" اس نے چونک کر کچھ مناسب لفظ تلاش کرنے چاہے۔ "خاص تو کیا خالہ! مگر کیا پتا خاص ہو ہی جائے آپ کی دعا سے۔" وہ کھسک کر کچھ اور قریب ہو کر بیٹھی۔ "ایک بڑی پارٹی آرہی ہے ایک آدھ دن میں الماس کو بہت پسند کرتے ہیں' پلٹ پلٹ کر یہیں آتے ہیں۔ پچھلی بار اشارہ دے کر گئے تھے' کہ شادی کرنا چاہتے ہیں' تب تو میں نے توجہ نہیں دی تھی' مگر اب سوچتی ہوں کہ موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے۔"
"کون ہیں؟ مالی حیثیت واقعی مضبوط ہے یا بس یوں ہی اوپر اوپر کی شو شا بنا رکھی ہے۔۔۔ ساری معلومات کروا لیں یا یوں ہی جلد بازی میں۔۔۔"
نانی کے چہرے اور لہجے' دونوں میں تردد کا تاثر ابھر رہا تھا۔
گلے' شکایتیں' تنگ دلی سے ہٹ کر' یہاں خاندان کی یک جائی' کا اپنا انداز تھا۔
دھیمے دھیمے' سر جوڑے' وہ تینوں بڑی دیر تک صلاح مشورے کرتی رہیں۔
شاما نے دوسری اور تیسری بار بھی چائے بنا ڈالی۔ خاصی دیر لگا لینے کے بعد جب گل ناز اٹھی تو نگینہ اسے چھوڑنے طویل برآمدے کے آخری سرے تک آئی۔
"باہر کی دنیا کبھی یہ نہیں جان سکے گی نگینہ! کہ ہمارے ہاں کی مائیں دہرا تہرا عذاب سہتی ہیں' بلکہ وہ تو شاید ہمیں مائیں تسلیم ہی نہیں کرتے۔۔۔ ہے نا؟" اپنے پورشن کی طرف مڑنے سے پہلے گل ناز نے ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ نگینہ سے اپنی بات کی تصدیق چاہی۔
"ہوں۔۔۔ شاید!" نگینہ نے یوں ہی خالی خالی نگاہوں سے گل ناز کی طرف دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

☼ ☼ ☼

آئینے کے آگے کھڑے ہو کر بال بناتے ہوئے وہ مستقل ہی دھیمے سروں میں گنگنا رہا تھا۔
شاکرہ امی نے دل ہی دل میں نظر بد سے بچے رہنے کی دعا کی۔ کتنے دن بعد آج وہ واقعی خوش تھا' بلکہ بہت خوش۔
"گل آئی ہے' بہت پوچھ رہی ہے تمہیں' وہیں آجاؤ! میرے کمرے میں۔" وہ اطلاع دے کر پلٹنے لگی تھیں کہ رکنا پڑا۔
"مجھے نہیں ملنا ان سے۔ آج میرا موڈ بہت اچھا ہے۔ ان کے ساتھ بے کار کی کٹ کٹ شروع ہو جائے گی۔ وہ کسی کو خوش دیکھ ہی نہیں سکتیں۔ کہہ دیں کہ میں سو رہا ہوں۔"

بڑی رکھائی سے صاف انکار پکڑا کر وہ پھر سے خود کو آئینے میں تعریفی نگاہوں سے دیکھنے میں محو ہوا۔ شاکرہ امی بے ساختہ مسکرا دیں۔

"ارے نہیں۔ تم آؤ تو سہی' آج تو ماشاء اللہ وہ بھی بہت خوش ہے۔ لگتا ہے کہ اب پریشانیوں کے دن کٹ ہی گئے ہیں۔ اس نئے وکیل نے بہت امید دلائی ہے تمہارے ابو کے کیس کے سلسلے میں۔"

"چلیں! اچھا ہے۔ اگر وہ گھر آجاتے ہیں۔ میں تو ویسے بھی یہاں سے جانے والا ہوں۔ کیا پتا آج ہی چلا جاؤں۔ زوبیہ نے مصالحت کرلی ہے مجھ سے۔ شاید آج ہی اس کا فون آجائے بلانے کے لیے۔" اس بار اس نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

شاکرہ امی نے چونک کر سلمان کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔

"کب ہوئی یہ مصالحت؟ تم نے تو ذکر بھی نہیں کیا۔" ان کے دل کو دھکا سا لگا تھا اس کے اتنی رازداری برتنے پر۔

"جب میں اس سے ملنے گیا تھا' تب ہی اس نے وعدہ کرلیا تھا کہ وہ مجھے واپس بلالے گی' رات پھر فون پر بات ہوئی تھی۔ اس نے کہا ہے کہ وہ مجھے آج کل میں خوش خبری دینے والی ہے۔"

"ارے واہ۔ اس نے کہا اور تم چل پڑو گے؟ کچھ تو اپنی عزت کا خیال کرلو سلمان!" آپا گل کی کراری آواز پر ان دونوں ہی نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔ وہ دروازے کے بیچ کھڑی تھیں۔ سلمان نے برا برا سامنہ بنایا۔

"دیکھ لیا؟ اس لیے کہہ رہا تھا کہ نہ ملوں ان سے۔"

"ارے ہزار بار نہ ملو۔ ہم کون سا مرے جارہے ہیں تم سے ملنے کے لیے' مگر اپنی عزت کا تو کچھ خیال کرلیا ہوتا۔ اب اگر وہ جھکی ہے تو کچھ شرط شرائط تو منوا لیتے۔ ایسا نہ ہو' پھر کسی دن وہ تمہیں نکال باہر کرے۔" وہ کہتی ہوئی آکر بیڈ پر بیٹھ چکی تھیں۔ شاکرہ امی کو بھی بیٹھنا پڑا۔

"کہہ تو ٹھیک ہی رہی ہے گل!"

"آپ کے نزدیک تو یہ ہمیشہ ہی ٹھیک ہوتی ہیں' لیکن میرے معاملے میں بولنے کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔ میں جانوں' زوبیہ جانے۔ یہ ہم میاں بیوی کا معاملہ ہے۔" سلمان کے لہجے میں بہت دنوں بعد وہی کروفر جھلکا' جو ایک مال دار بیوی کے شوہر ہونے کا احساس دلاتا تھا۔

آپا گل نے انتہائی بیزاری کے ساتھ زیر لب کچھ کہا۔

"کوس رہی ہوں گی آپ زوبیہ کو۔" سلمان نے ان کے تاثرات سے فوری اندازہ لگایا۔ "اصل میں تو یہ آپ کی جہالت تھی' جس نے میرا سارا امیج خراب کروایا زوبیہ اور اس کے ماں باپ پر' ورنہ وہ سب انتہائی پسند کرتے تھے مجھے۔ ایسے ہی تو شادی نہیں ہوئی تھی آخر۔"

شاکرہ امی کو لگا جیسے اب طبل جنگ بجا ہی چاہتا ہے' مگر آپا گل آج بدلی بدلی سی تھیں۔

"میں تمہارے منہ نہیں لگ رہی سلمان! ہاں اگر اگلی بار وہ تمہیں گھر سے نکالے تو روتے پیٹتے یہاں مت چلے آنا۔ وہیں اس کے دروازے پر بیٹھ رہنا۔ کیا خبر پھر معافی مل جائے۔"

ان کا انداز تحقیر آمیز تھا۔ "چلیں! امی آپ کے کمرے میں ہی بیٹھتے ہیں۔ اسے تو نہ آج ہماری پروا ہے اور نہ کل ہوگی۔" شاکرہ امی کا ہاتھ تھامے وہ کمرے سے نکلنے لگیں۔

"پروا کیا' اس بار تو میں رشتہ بھی ختم کرکے جارہا ہوں' اس گھر کے ہر فرد سے۔ وہ عزت دار لوگ ہیں۔ جیل کے سزا یافتہ کے خاندان سے رشتہ داری رکھ کر بدنامی نہیں مول لے سکتے' اور نہ ہی میں آپ لوگوں کی بخشی ذلت کو

چاہوں گا۔ دوبارہ کبھی میرا منہ دیکھنا پڑے آپ کو۔"

سلمان اپنی بات کہہ کر چلا گیا... دروازے سے باہر قدم رکھتی شاکرہ امی کا پورا وجود ہی یک بارگی کانپا تھا۔

"کیا کہہ رہا ہے سلمان؟" انہوں نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہی جو سچ ہے' وہی کہہ رہا ہوں۔ کیا خبر آج ہی آخری دن ہو اس گھر میں میرا۔ تنگ آگیا ہوں اس جہنم سے میں۔ آپ لوگ بھگتیں اپنا کیا ہوا... میں کس خوشی میں۔"

آپا گل بمشکل شاکرہ امی کو تھام کر ان کے کمرے تک لائیں۔ شاکرہ امی کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑ رہے تھے اور آنکھوں سے نہ رکنے والے آنسوؤں کا سلسلہ تھا۔

کچن میں کام کرتی جویا نے سب کچھ خاموشی سے سنا تھا۔ ٹھنڈے پانی کا گلاس لے کر جب وہ کمرے میں آئی تو آپا گل بڑی توجہ سے شاکرہ امی کے ہاتھ پاؤں سہلا رہی تھیں۔

"بے کار میں ہی اس سلمان کی باتوں کو آپ دل سے لگا رہی ہیں۔ یہ تو ہمیشہ کا ناخلف ہے۔ اپنے اکلوتے ہونے کا ہمیشہ فائدہ اٹھاتا رہا۔ اچھا ہے' جو زوبیہ کے ساتھ ہی جاکر رہے۔ یہاں بھی تو بوجھ بنا بیٹھا ہے خالی۔"

جویا نے پانی کا گلاس آگے بڑھایا۔

"یہ لیں آپا پانی پی لیں۔" آپا گل نے اس کے ہاتھ سے گلاس لے کر شاکرہ امی کے لبوں سے لگایا۔ "دیکھ لیں! بیٹیوں کو کتنا خیال ہے۔ آپ کا' میں اتنی دور سے کرایہ خرچ کرکے روز آتی ہوں۔ یہ جویا صبح سے شام تک کتنی محنت کرتی ہے' دو دو جگہ جاب' پھر گھر کی ذمہ داری۔"

جویا کو لگا جیسے اس نے سننے میں کچھ غلطی کی ہے۔ وہ شاید کسی اور کے بارے میں بات کررہی تھیں' مگر نہیں۔

"بیٹھ جاؤ! کھڑی کیوں ہو؟ تم اور زویا تو مجھ سے اس طرح کٹی کٹی رہتی ہو' جیسے میں کوئی جانی دشمن ہوں تم دونوں کی' حالانکہ خدا جانتا ہے کہ میں کتنی محبت کرتی ہوں۔ کتنی فکر مند رہتی ہوں تم دونوں کے لیے۔"

جویا جلدی سے بیٹھ چکی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ خدا کا نام لے کر آپا گل کے جھوٹ بولتے رہنے کا سلسلہ اور بھی دراز ہوتا رہے' مگر یہ کایا پلٹ بہرحال حیران کن بھی تھی اور معنی خیز بھی۔

"پتھر دل نہیں ہوں میں۔ خون ہو میرا تم لوگ۔ کیا میرا دل نہیں کٹتا' جب میں تمہیں سر جھکائے صرف محنت میں جتا دیکھتی ہوں؟ تمہاری عمر کی لڑکیاں بنی سنوری اپنے گھروں میں راج کررہی ہیں اور تم۔"

اس کی مایوس' محروم زندگی کا جو رقت بھرا تجزیہ وہ کررہی تھیں' جویا کے لیے ناقابل برداشت ہوا جارہا تھا۔

"ارے! کوئی سلمان کو تو دیکھ لے۔ نکل تو نہیں گیا وہ کہیں گھر سے۔" شاکرہ امی نے اپنی ہی دہائی دی۔

"امی! آپ بھی نا بس۔" آپا گل نے ناگواری سے ان کی طرف دیکھا۔ "جاتا ہے تو جائے۔ چار دن میں پھر واپس یہیں کھڑا ہوگا۔ فکر مت کریں۔ زوبیہ برداشت کرنے والی نہیں ہے ایسے... پتا نہیں کیوں آپ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آرہا۔" شاکرہ امی دوپٹا منہ پر رکھ کر پھر سے سسک رہی تھیں۔ جویا نے بے چین سا ہوکر ان کی طرف دیکھا اسے اچھی طرح پتا تھا کہ سلمان کی محبت' انہیں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے ہمیشہ محروم کرتی ہے۔ وہ ان کا اکلوتا بیٹا تھا' جس کی اہمیت تین بہنوں کی موجودگی میں اور بھی مستحکم ہوئی تھی۔

"یہ لوگ تو کام کی بات بھی بھلا دیتے ہیں۔ سب کو اپنی اپنی ہی لگی رہتی ہے۔"

جویا کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔

"معلوم نہیں' وہ کون سی کام کی بات تھی' جس کے لیے انہوں نے اس پر فی الحال سات خون بھی معاف کیے ہے۔"

"تم بھی کچھ عقل پکڑو جویا! سب کی خاطر اپنی زندگی کو خراب مت کرو' ویسے بھی ابو اب بری ہو ہی جائیں

گے۔ فرید بھائی نے بہت امید دلائی ہے' خود آئے تھے ہمارے گھر۔۔۔"
ان کے لہجے میں دبا دبا سا جوش تھا۔
جویا یوں ہی خالی خالی نگاہوں سے انہیں دیکھے گئی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کورٹ جانے پر اس کی خبر لینے ہی والی ہیں مگر آج وہ اس کا ہر خیال غلط ثابت کرنے پر تلی تھیں۔
"فرید بھائی بہت تعریف کر رہے تھے تمہاری۔ کہہ رہے تھے 'ایسی سلجھی ہوئی' باہمت لڑکیاں بہت کم ہوتی ہیں' جیسی جویا ہے۔ مجھے تو بہت خوشی ہوئی ان کے منہ سے تمہاری تعریف سن کر۔ اچھا کیا جو اس روز تم خود چلی گئیں کورٹ اور جا کر مل لیں فرید بھائی سے 'ایسے ہی۔۔۔"
"میں گئی نہیں تھی آپا۔۔۔ امی اور سلمان بھائی نے زبردستی بھیجا تھا مجھے۔" اسے ان کی تصحیح کرنا پڑی۔
"ہاں تو اچھا ہوا نا! اسی بہانے ملاقات ہو گئی تمہاری فرید بھائی سے۔ اچھے کھاتے پیتے آدمی ہیں۔ دو سال پہلے بیوی مر گئی تھیں۔ آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ یہ پریکٹس تو بس شوقیہ ہے 'اصل میں تو۔۔۔"
"مجھے وہ اچھے آدمی نہیں لگے۔"
اسے ان کی اصلیت جاننے کی ذرا بھی آرزو نہیں تھی' سوائے آپا گل کو روکنا پڑا۔ "اور نہ ہی میں 'اب وہاں جاؤں گی' آپ یا اکبر بھائی کیوں نہیں جاتے' جب آپ کی ان سے اتنی دوستی بھی ہے؟" بے تاثر سے لہجے میں کہتے ہوئے وہ اٹھ کر کھڑی ہونے لگی تھی کہ آپا گل نے ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھایا۔
"یہی بات تمہاری بری ہے جویا! ایک دم ہی کسی کے بارے میں فیصلہ مت کر لیا کرو۔ فرید بھائی بہت شریف آدمی ہیں۔ ان کے ساتھ تمہیں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا اور اب تو دو چار بار کا ہی جانا ہے 'ضمانت تو اب ہوئی سمجھو۔"
جویا نے ایک گہری سانس لی۔
"پتا نہیں کب ہوگی ضمانت۔۔۔ آپ لوگوں نے ابو کا حال نہیں دیکھا ہے' وہ بالکل ٹوٹ چکے ہیں۔ اتنے عرصے جیل میں رہنا کوئی آسان بات نہیں ہے آپا۔۔۔ یہ تو آپ بھی سمجھ سکتی ہیں۔ اس بار انہوں نے صرف ایک ہی بات کی تھی مجھ سے کہ کیا کوئی اچھا وکیل کرنے کے لیے ہمارے پاس بالکل بھی پیسے نہیں ہیں؟" باوجود کوشش کے وہ آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو نہ روک سکی۔ "میرے لیے ان سے آنکھ ملانا بھی مشکل ہوتا ہے ہر بار۔۔۔"
اس کی آواز بتدریج نیچی ہوئی۔
"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ابو کو بھی گھر کے حالات کو سمجھنا چاہیے۔ کوشش میں تو لگے ہوئے ہیں نا۔۔۔ خیر! اب فرید بھائی نے کہا ہے کہ وہ سب سنبھال۔۔۔" ڈور بیل کی آواز اچانک پورے گھر میں گونجتی چلی گئی۔
"میں دیکھتی ہوں!" وہ آنکھیں خشک کرتے ہوئے تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی اور بنا آپا گل کی طرف دیکھے کمرے سے نکل گئی۔ دروازے پر جانے کے لیے نیچے ہی جانا پڑتا تھا۔
سلمان کے نام کی کوئی رجسٹری تھی۔ وصول کرنے کے بجائے' وہ سائن کروانے کے لیے پھر واپس اوپر آئی۔ سلمان اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑا تھا۔ جویا نے بنا کچھ کہے سلپ اور لفافہ دونوں اس کی طرف بڑھائے اور پھر سلپ لے کر واپس نیچے چلی گئی۔ گیٹ بند کر کے واپس پلٹی تو آپا گل کی کھلکھلاتی ہنسی اسے سیڑھیوں پر ہی سنائی دینے لگی۔
"اب نہ ان کی خوش مزاجی پر ہی حیرت ہونی چاہیے اور بد مزاجی کا غم تو وہ خیر پہلے ہی منا چکی ہے۔"
ان تک پہنچنے سے پہلے اس نے خود کو یاد دلایا۔
صحن کے وسط میں وہ سلمان کے پاس کھڑی اس طرح بے قابو ہو کر ہنس رہی تھیں کہ عجیب ایب نارمل سا احساس ہو رہا تھا۔

جویا نے ایک الجھی ہوئی نظر سلمان کے پھیکے پڑتے چہرے اور آپا گل کی کھلکھلاہٹ پر ڈالی۔ غضب کا تضاد!
لمحے میں آیا کاغذ سلمان کے ہاتھ میں تھا۔
"ادیبہ نے خلع کا مقدمہ کر دیا ہے سلمان پر' بلا لیا ہے عدالت نے۔" آپا گل نے بڑے بے تابانہ انداز میں خبر پلٹی اور پھر سے ہنس پڑیں۔ جویا کی بالکل سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اس خبر پر خوشی یا دکھ میں سے کون سا ردعمل ظاہر کیا جا سکتا ہے۔
یا شاید وہ خود اب جذبات سے بالکل عاری ہوتی جا رہی ہے۔
"چلو! اب اپنا بیگ کھول لو۔ کہیں نہیں جا رہے تم۔۔۔" آپا گل سے مارے ہنسی کے بات کرنا مشکل ہو رہی تھی۔
سلمان نے قہر آلود نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

☼ ☼ ☼

دادی کے کمرے کا دروازہ ادھ کھلا تھا۔
چائے کی ٹرے لے کر آتے ہوئے زری کے قدم چند لمحوں کے لیے ہی باہر رکے تھے۔
پتا نہیں 'اندر جانا بھی چاہیے یا نہیں؟ اتنے عرصے یہاں رہ لینے کے بعد 'اتنا تو وہ سمجھ ہی چکی تھی کہ جب گھر کے بڑے کسی بات پر صلح مشورے کے لیے اکٹھے بیٹھے ہوں تو اس کی موجودگی کو وہاں گوارا نہیں کیا جاتا ہے۔
وجہ کچھ بھی تھی' لیکن وہ اپنی سن گن لینے کی عادت سے مجبور ہو کر' بہانے بہانے منڈلانے سے باز نہ رہ پائی تھی۔
اسی لیے اس کی ساری معلومات "اپ ٹو ڈیٹ" رہتیں۔ اب آج ہی دادی کے کمرے میں امی 'ابا' دادی اور معاذ کے درمیان کیا موضوع چل رہا تھا' پوری طرح نہ سہی 'آدھی ادھوری بات تو وہ جان ہی چکی تھی۔
سو کچھ اور بھی سہی۔
دروازے کو دھکیلتے ہوئے وہ سیدھی اندر چلی آئی۔ شائستہ بیگم نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا۔
"پھر چائے بنا لائی ہو تم؟ کس نے کہا تھا بنانے کو؟ ابھی تو پی کر بیٹھے ہیں سب!"
وہ ان کے لب و لہجے کی عادی ہو چکی تھی' سو ذرا بھی برا مانے بغیر میز پر چائے کی ٹرے رکھ کر پیش کرنے لگی۔
"کوئی بات نہیں' چائے کا کیا ہے' پھر پی لیں گے اور زری بیٹی تو چائے بناتی بھی خوب ہے۔"
ابا کو ان کا جھڑکنا کبھی بھی اچھا نہیں لگتا تھا 'اس وقت اور بھی نہیں۔
زری کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
دادی کے لیے اس وقت کچھ بھی اہم نہیں تھا' سوائے اس بات کہ' جو وہ کہہ رہی تھیں۔
"اچھے لوگ ہیں' جانے پہچانے اور پھر لڑکا خود کتنا قابل۔ میری رائے تو یہ ہے کہ ربیعہ کا رشتہ طے کرنے میں اب دیر نہیں کرنا چاہیے۔" زری کی آمد کو ذرا بھی اہمیت دیے بغیر انہوں نے اپنی بات جاری رکھی۔
"وہ تو ٹھیک ہے' پر اماں! ملک سے باہر 'اتنی دور آسٹریلیا۔" شائستہ بیگم کو بھی اپنی توجہ زری سے ہٹانا پڑی۔
زری نے آنکھ بچا کر معاذ کی طرف دیکھا۔
وہ ابا کی طرف جھک کر دھیمی آواز میں ان سے کچھ بات کر رہا تھا۔
ماتھے کی: دائیں اس کے ماتھے پر بکھرتے بال' آنکھوں میں ٹھہری اداسی اور بے نیازی بھرا مخصوص انداز۔ چند لمحوں کے لیے تو اس کی نگاہ ہٹنا بھول گئی۔

شکر تھا جو شائستہ 'دادی کے ساتھ مصروف تھیں 'ورنہ شاید کھڑے کھڑے اسے کمرے سے تو کیا گھر سے باہر کرتیں 'تب ہی معاذ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"آج تمہاری بھابھی کا فون بھی آیا تھا زری! اگلے ہفتے وہ تم سے ملنے کے لیے آرہی ہیں سکھر سے۔"

"کیا؟" وہ بے یقینی سے معاذ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"یہ تو بہت ہی اچھا ہوا۔" دادی نے معاذ کی بات سن لی تھی۔

"میں تو خود چاہتی ہوں کہ اسے اس کے رشتے داروں کے سپرد کردوں۔ جوان بچی ہے 'آخر کب تک اس طرح ..."

"کیا مسئلہ ہے 'آج کل روز کوئی نہ کوئی چلا آتا ہے مجھ سے ملنے۔" زری بری طرح پریشان ہوئی تھی۔ "اس روز وہ آپ کے دوست 'اس راجو کو لے آئے اور اب یہ سعیدہ بھابھی۔ آپ صاف منع کردیں 'کوئی نہ آئے۔ مجھے نہیں ملنا ولنا کسی سے۔" جھنجلائے ہوئے لہجے میں اپنی بات ختم کرکے وہ خالی ٹرے اٹھا کر فوراً" ہی باہر چلی گئی۔

"دیکھا اس لڑکی کا انداز 'آئی تھی تو کیسی گم صم مظلوم بنی ہوئی تھی اور اب ایسے بات کرتی ہے جیسے ہم اس کے پابند ہیں 'جو یہ کہے 'وہی کریں۔" شائستہ نے خاص طور پر معاذ کو مخاطب کیا تھا۔

زری کے اطوار اسے بھی "ہشیار باش" کا نعرہ لگاتے ہوئے محسوس ہوتے تھے 'سو وہ ان سے پورا متفق تھا۔

"کیا کریں پھر اس کا امی؟ گھر سے نکال بھی تو نہیں سکتے نا! لڑکی ہے آخر۔ اب زبردستی کیسے تیار کریں اسے جانے پر؟"

"اس کے گھر والوں سے مشورہ کرلو کوئی ڈھنگ کا لڑکا دیکھ کر شادی کردو اس کی۔ ربیعہ کے بعد تو میں ویسے بھی اسے یہاں نہیں رکھوں گی۔ اچھا ہے 'اپنے گھر کی ہوجائے۔"

"اچھی بات کی آپ نے۔" معاذ کے چہرے پر پرسوچ سا تاثر ابھرا۔ "میں بھی دیکھتا ہوں 'آپ بھی کوشش کریں۔ ایسا ہوجائے تو بہت اچھا ہے۔"

"اور اگر پھر بھی یہ نہ مانے تو پھر اور اس کی ذمہ داری نہیں لی جائے گی 'ہمارے بلا سے سکھر جائے یا دارالامان۔"

شائستہ زیادہ تلخ ہونے لگیں تو دادی کو بات کاٹنا پڑی۔

"یہ کیا قصہ شروع کردیا؟ فی الحال بات ربیعہ کی ہورہی ہے۔ اس کو تو ایک طرف کرو خیر سے۔"

اسلام صاحب نے بھی ایک تنبیہہ کرتی نگاہ شائستہ بیگم پر ڈالی۔

"میں پوری طرح مطمئن ہوں۔ میرا طالب علمی کے زمانے کا دوست ہے اختر۔ انتہائی شریف اور خاندانی لوگ ہیں۔ کئی سال سے آسٹریلیا میں ہے 'مگر مستقل رابطے میں رہتا ہے۔ پچھلے سال بیوی اور بیٹے کو لے کر یہاں گھر بھی آیا تھا۔ کتنے مہذب اور سادہ طبیعت لوگ ہیں۔"

وہ مڑ کر دادی سے مخاطب تھے۔ "میں تو شکر گزار ہوں اپنے اللہ کا کہ اس نے ربیعہ کے لیے اتنا اچھا رشتہ بھیجا۔" ان کے لہجے میں پورا بھروسا اور بلا کی عاجزی تھی۔

معاذ نے احتراما" نگاہ جھکائی۔

"میں نے اپنے اور اپنے بچوں کے سارے کام صرف خدا کے سپرد کیے ہمیشہ اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے اماں! میری کیا بساط ہے 'اس کی رحمت اور آپ کی دعائیں ..... اور بس۔" دادی کا شفیق ہاتھ ان کے سر پر آکر پڑا تھا۔ آنسوؤں کی ایک باریک سی لکیر پرنور چہرے کی جھریوں میں کہیں گم ہوئی۔

"اگلے ماہ کے آخر تک وہ لوگ پاکستان آئیں گے 'تب ہی اس رشتے کو کوئی حتمی شکل دیں گے ان شاء اللہ 'لیکن اس سے پہلے ربیعہ سے رائے لینا بہت ضروری ہے۔ جو کچھ بھی ہو 'اس کی مرضی۔"

"سو ربیعہ بھی اب پرائی ہونے کو ہوئی۔"

سر جھکائے زمین کو تکتے ہوئے 'وہ ہلکے سے افسردگی کے ساتھ مسکرا دیا۔ "زندگی کے اگلے ماہ و سال میں اس گھر میں کتنے ہی طویل وقفے ہوں گے جب نہ وہ دکھائی دیا کرے گی اور نہ اس کی ہنسی اور آواز گونجا کرے گی..... کتنا عجیب سا لگے گا!"

پل کے ایک چھوٹے سے وقفے میں 'بچپن سے لے کر اب تک کے کتنے ہی دل نشین پل۔

ہنستے 'روتے 'لڑتے 'جھگڑتے۔

سادہ دل 'محبت کرنے والی 'خدمت گزار بہن۔ سوچ کر بھی اسے نہ یاد آسکا کہ وہ کبھی بھی اپنی ذات کے لیے ڈیمانڈنگ ہوئی تھی۔

ابھی وہ یہاں اس گھر میں تھی 'تب بھی دل کسی بھاری بوجھ تلے آنا شروع ہوچکا تھا۔

خود کو مزید جذباتی ہونے سے روکنے کے لیے 'وہ آخر اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم کہاں چلے؟ اتنی ضروری بات ہورہی ہے۔"

وہ دروازے کی طرف مڑا ہی تھا کہ اسے امی نے پیچھے سے پکارا۔

"ذرا اسکول جارہا ہوں 'تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" اس نے بغیر مڑ کے دیکھے 'جواب دیا اور کمرے سے نکل گیا۔

"گھر کی کسی بات سے اسے دلچسپی نہیں رہی ہے۔ ربیعہ بہن ہے اس کی 'مگر اس تک کی پروا نہیں 'بس اپنی معروفیت عزیز ہے۔"

امی ناراضی سے بڑبڑائیں۔

"جانے دو اسے 'تم نہیں سمجھو گی۔" ابا نرمی سے مسکرا دیے۔ برآمدے کی سیڑھیوں کے اس طرف اگلے احاطے سے وہ انہیں اپنی بائیک نکالتا ہوا نظر آرہا تھا۔

آج کل وہ پھر سے بائیک ہی استعمال کرتا تھا۔ گاڑی زیادہ تر گھر پر ہی کھڑی رہتی یا پھر گھر والوں کے آنے جانے میں استعمال ہوجاتی۔ امی اور دادی کو سب سے زیادہ فکر رہتی تھی۔

"سردی 'گرمی سب اپنے سر لیے رکھتا ہے۔ یہ گاڑی کس لیے ہے آخر؟ آپ بھی نہیں سمجھاتے اسے۔"

ابا کے چہرے پر آئی مسکراہٹ معدوم ہوئی۔

"کوئی ہے جو اس سے بھی زیادہ سختی جھیل رہا ہے۔" ان کی آواز نیچی تھی۔ شائستہ نے ٹھیک سے سنا نہیں تھا۔

"کیا کہا آپ نے؟"

"کچھ نہیں!" وہ سنجیدگی سے کہتے ہوئے دادی کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

☆ ☆ ☆

اسکول کے آگے لگا رش غیر معمولی تھا۔

چھوٹا سا گیٹ کھلا ہوا تھا اور لوگ جس طرح باہر کھڑے تھے 'اس سے معاذ کو اچھی طرح اندازہ ہورہا تھا کہ اب اندر ہال میں بھی جگہ نہیں ہوگی۔

ڈیام کے علاوہ آج کل دو لڑکے اور یہاں پڑھا رہے تھے 'مگر بچوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے لیے یہ بھی ناکافی ثابت ہورہے تھے۔

وہ اس سلسلے میں بہت پرامید تھا۔

بہت سے پرانے ساتھی، زندگی کی مصروفیات میں کھو کر مجبوراً بکھر بھی گئے تھے، مگر مدد کے لیے بڑھنے والے ہاتھوں میں بھی اضافہ ہوتا ہی جا رہا تھا۔
گیراج اسکول سے لے کر یہاں تک کا کامیاب سفر۔ اور اب ایک قدم اور آگے۔
ابا ہمیشہ کہتے تھے کہ ہم ایک زندہ قوم ہیں۔ یہ بے حسی، دہشت گردی، جمود، جڑوں تک پھیلا کرپشن، ہماری شناخت نہیں ہے۔
یہ تو ایک مٹھی بھر لوگوں کی پھیلائی نحوست ہے، جو حکمران طبقے سے لے کر انتہائی نچلی سطح تک، کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں ورنہ بحیثیت قوم ہم بہت محبت کرنے والے اور محب وطن لوگ ہیں۔ ابا فطرتاً خوش امید تھے 'اللہ پر بھروسا رکھنے والے ہر شخص کی طرح ۔۔۔ اور خود وہ بھی۔۔۔ بڑی سہولت سے لوگوں میں سے جگہ بناتے ہوئے، وہ اندر تک آیا تو خیام اور وہ دونوں لڑکے اسے لوگوں میں گھرے ہوئے نظر آگئے۔
اپنے سامنے رجسٹر کھولے خیام مکمل مصروف تھا۔ معاذ کے پکارنے پر اس نے چونک کر سامنے دیکھا۔
"معاذ بھائی!۔۔۔ شکر ہے جو آپ آگئے، کب سے لڑائی کر رہا تھا۔"
"یہ سب کیا ہے؟" حالانکہ وہ سمجھ چکا تھا، مگر پھر بھی مسکراتے ہوئے پوچھنے لگا۔
خیام کے ساتھ وہ دونوں لڑکے بھی مسکرائے تھے۔
"ایڈمیشن کا رش بنے دیکھ رہے ہیں اپنے اسکول کی مقبولیت؟ ہماری تو سمجھ میں نہیں آرہا معاذ بھائی! اتنے بچوں کو کیسے ایڈجسٹ کیا جائے گا؟"
"سب ہو جائے گا، فکر مت کرو۔ تم میں سے کوئی جا کر ذرا باہر کے رش کو سنبھالو۔" معاذ کا مخصوص پرسکون سا انداز ساری فکریں ہٹاتا تھا۔ خیام نے بھی سکھ کا سانس لیا۔
آج ایڈمیشن اوپن کرنے کا پہلا دن بلکہ پہلی سہ پہر تھی۔ معاذ کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ پہلے ہی چند گھنٹوں میں اتنے سارے لوگ یہاں آجائیں گے، ورنہ وہ آفس سے سیدھا یہیں آگیا ہوتا۔
اگلے کچھ گھنٹوں کے لیے وہ بری طرح مصروفیت میں گھر اتھا۔
ایک نرم سی مسکراہٹ لیے، لوگوں کے ہر سوال کا بہت تسلی سے جواب دیتے ہوئے، اس نے ایک بار بھی ہلکی سی بھی بیزاری کا اظہار نہیں کیا تھا۔ ایک ایسا کام، جس میں اس کا کوئی ذاتی فائدہ نہیں تھا۔ خیام نے کتنی ہی بار اسے رشک اور شرمندگی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ دیکھا تھا۔
وہ عمر میں اس سے چند سال ہی بڑا تھا اور کتنی چھوٹی عمر سے اپنی ذات سے اوپر ہو کر کام کرنے کے بھید کو پا چکا تھا۔
اور اگر وہ یہاں معاذ کے پاس نہ آیا ہوتا تو شاید ساری زندگی صرف اور صرف اپنے ہی دکھ اور اپنے احساس کمتری کا غم مناتا رہتا۔۔۔ صرف اپنی پیدائشی بدنصیبی پر ہی۔۔۔
دل میں پہلی بار اٹھتے اس خیال پر وہ لمحے بھر کے لیے حیران بھی ہوا اور پھر فوراً ہی خود سے ناراض بھی۔
"اس کی بدنصیبی سے بڑھ کر دوسرا کوئی دکھ آج بھی نہیں ہے۔۔۔ اور یہ جو لوگوں کا جم غفیر کھڑا ہے، کیا ہے ان کی محرومی۔۔۔ بس یہی کہ پیسے تھوڑے سے کم ہیں ان کے پاس، اور کیا؟ عزت، شناخت، خاندان سب سے مالا مال! ہونہہ!" اس نے دل ہی دل میں نہ جانے کس کس کو ٹھوکر سے اڑایا۔ معاذ نے ٹھیک اسی وقت خیام کی طرف دیکھا تھا۔
"کیا ہوا؟ تمہیں کس پر غصہ آرہا ہے؟"
"مجھے؟ نہیں تو!" خیام دل ہی دل میں اتنے درست اندازے پر حیران ہوا۔

"اچھا! پھر آؤ' ذرا یہ لسٹ چیک کرو۔"

خیام نے اس کا بڑھایا ہوا رجسٹر خاموشی سے تھام کر اپنے سامنے کیا۔ اس نے بخوبی نوٹ کیا تھا کہ معاذ اس کی کسی بات کے پیچھے نہیں پڑتا تھا جیسا کہ اس وقت۔ ذرا مطمئن ہو کر اس نے لسٹ پر نگاہ ڈالی۔

"اتنے سارے بچے' پہلے ہی دن۔" وہ سخت حیرت میں مبتلا ہوا۔

"ہاں! ہم اب اسکول کو بڑے پیمانے پر لے جا رہے ہیں۔ اگلے مہینے کے آخر تک نئی بلڈنگ میں اسکول شفٹ ہو جائے گا تو نئے سیکشن کھولے جائیں گے اور اسٹاف بھی بڑھایا جائے گا۔" معاذ کے پاس اس حوالے سے بڑی خوش گوار اطلاع تھی۔

"یہ تو واقعی بڑی خوش خبری ہے معاذ بھائی! مگر سب واقعی ممکن ہو سکے گا؟" خیام خوش تھا مگر۔

"سالار نے ڈونیٹ کی ہے عمارت۔ کروڑوں کی پراپرٹی ہے۔ آگے کے اخراجات کے لیے بورڈ آف ٹرسٹی بھی قائم کر رہے ہیں وہ۔ اور تمہیں پتا ہے' یہ سب وہ میرے کام کو نہیں' ابا کے نام اور ان کی دیانت داری کو دیکھ کر کر رہے ہیں۔" معاذ کے چہرے پر خوشی کا گہرا تاثر تھا۔

خیام کو اس ان دیکھے شخص پر رشک آیا۔

"بہت بڑے آدمی ہیں کیا سالار صاحب؟"

"بہت زیادہ۔۔۔ پیسے کے حساب سے بھی اور کردار کے حساب سے تو اس سے بھی کہیں زیادہ۔ ایسے لوگ لاکھوں کیا کروڑوں میں ایک آدھ ہی ہوتے ہیں۔"

"میں اب تک بھی ان سے نہیں مل پایا۔" خیام کے لہجے میں افسوس سا اترا۔

"مل لو گے جلد ہی۔ اس دن وہ یہاں آئے تھے' مگر تم اس وقت ساجد کو دیکھنے ہاسپٹل گئے ہوئے تھے۔ بہت سارے مسائل میں گھرے ہوئے ہیں خود' لیکن ان میں سے کچھ بھی ذاتی نہیں۔۔۔ سالار حیرت انگیز ہیں اور بے حد قابل رشک۔ خدا انہیں جزائے خیر دے۔"

معاذ کا لہجہ احترام میں ڈوبا اور آواز بتدریج نیچی ہوئی۔

خیام کے لیے کوئی بھی تبصرہ ناممکن ہوا۔

"کل یا پرسوں' وقت نکال کر تم ابا کے پاس گھر چلے جانا۔ پہلے سال کے سلیبس پر ان سے نظر ثانی کروانی ہے۔۔۔ یہ سب اس ہفتے ہی ہو جائے تو اچھا ہے' پھر آگے کے بہت سے کام ہیں۔"

معاذ کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہوا۔

باہر رات پوری طرح پھیل چکی تھی۔

وہ خیام کے ساتھ چلتا ہوا صحن میں آیا۔ خیام کے لگائے ہوئے گملے پھولوں سے پوری طرح بھر چکے تھے اور دل فریب سی مہک لیے ہوا کے جھونکوں میں خوشگوار ٹھنڈک تھی۔

"پتا ہے خیام! جب ہم نے سہراب بھائی کے گیراج میں اپنے اسکول کا آغاز کیا تھا' تب ہمیں پچیس بچے پورے کرنے مشکل ہو گئے تھے۔ ساجد کو اس کا باپ زبردستی واپس لے گیا تھا اور دوسرے والدین کو بھی لگتا تھا کہ ہم ان کے کمانے والے بچوں کو روزگار سے ہٹا رہے ہیں۔۔۔ اور آج دیکھو۔"

ذرا رک کر اس نے خیام کی طرف دیکھا۔

"نیک نیتی سے اٹھایا جانے والا قدم ہمیشہ کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے اور خدا کبھی کسی کو اکیلا نہیں چھوڑتا۔"

"مگر منزل ہر ایک کا مقدر بھی تو نہیں بنتی معاذ بھائی! وہ ہماری کم ہمتی کو جانتا ہے' پھر بھی۔۔۔؟" خیام نے بات ادھوری چھوڑی تھی۔

معاذ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

اس آدمی ادھوری بات کے آگے لگا سوالیہ نشان بوجھل سی اداسی لیے ہوئے تھا۔

چند لمحوں کے لیے تو وہ خود کسی یاد میں گم صم ہوا۔

اوپر تاروں بھرا آسمان مسکرا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

اپنے کمرے کی بڑی سی کھڑکی کے اس پار پھیلے وسیع سبزہ زار پر انہوں نے ایک خاموش سی نگاہ ڈالی۔ اکا دکا نظر آتے ملازم' اس سناٹے میں ڈوبے ماحول کا لازمی حصہ تھے اور اس دم گھونٹتی خاموشی میں بڑے غنیمت بھی۔

ایک گہری سانس لے کر وہ واپس مڑے۔ ایک ملازم' ان کے حکم کا منتظر تھا۔

"جاؤ! یہ بیگ رکھو گاڑی میں۔۔۔ میں آ رہا ہوں!" انہوں نے چھوٹے سے سفری بیگ کی طرف اشارہ کیا تو وہ مستعدی سے حکم بجا لایا۔

اپنے والٹ میں موجود چیزوں کو ایک بار پھر انہوں نے عادتاً چیک کیا اور کمرے سے باہر نکل آئے۔ اوپری منزل کے کوریڈور اور لاؤنج سے گزرتے ہوئے انہوں نے صرف اپنی ہی آہٹ کو محسوس کیا اور تلخی سے مسکرا دیے۔

برسوں سے سب ہی کچھ ایسا ہی تھا' مگر شاید وہ خود پر اپنا قابو کھو رہے تھے۔۔۔ ضرورت سے زیادہ حساسیت یا پھر کہیں دل کے کسی انتہائی گوشے میں چھپا عدم تحفظ کا سر اٹھاتا ہوا احساس۔

نیچے جاتی سیڑھیوں پر اترنے سے پہلے وہ بے ساختہ ہی ٹھٹکے۔

کیسی عجیب سی بات تھی' جس پر خود بھی یقین کرنے کو دل نہیں چاہا تھا۔

انتہائی کامیاب' مضبوط' با اختیار شخصیت۔

اپنی تمام تر خصوصیات کو یاد کر کے' وہ خود پر مسکرائے' مگر خالی پن کا بڑھتا ہوا احساس اپنی جگہ تھا۔

"وہ یقیناً" بے حد قنوطی ہو چکے ہیں۔۔۔ یا پھر ہونے جا رہے ہیں۔" ایک چھوٹی سی تنبیہہ خود کو تھما کر وہ تیزی سے نیچے اترتے چلے گئے۔

بڑے سے لاؤنج کے آخری کونے پر وہ انہیں وہیں سے بیٹھی ہوئی نظر آ گئی تھی۔ آج کل اس کا آنا جانا معمول کی بات تھی' سو وہ بنا چونکے آگے بڑھتے چلے آئے۔

"السلام علیکم ڈیڈی!"

"وعلیکم السلام! کیسی ہو زوبی؟" وہ اس کے قریب پہنچ کر چند لمحوں کے لیے رکے۔

"مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنا تھی!" وہ اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ان سے مخاطب تھی۔

"اس وقت؟" انہوں نے کچھ الجھن بھرے انداز میں زوبیہ کی طرف دیکھا۔

اس کے ملگجے کپڑے' تیزی سے بڑھتا ہوا وزن اور معمولی نقوش والے چہرے پر پختہ العمری کی چھاپ۔۔۔

اور ان سب سے بڑھ کر اس کی ناکام ترین ازدواجی زندگی' جس کی ساری ذمہ داری وہ آج بھی خود اسی پر ہی ڈالتے تھے۔

بہت عرصہ ہوئے وہ زوبیہ سے مکمل طور پر مایوس ہو چکے تھے۔

"میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا' مگر آپ اس وقت بھی مصروف تھے۔"

"تمہیں پتا ہے میرے کام کی نوعیت کا۔ وقت کہاں ہوتا ہے میرے پاس۔" انہوں نے زوبیہ کے لہجے کی

شکستگی پر توجہ دیے بغیر گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ "میری فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے۔ چلتا ہوں۔"

"پلیز یوسف! سن تو لیں ایک منٹ کہ وہ کیا کہنے آئی ہے۔ اتنی دیر سے آپ کے باہر آنے کا انتظار کر رہی تھی۔" مسز کمال سے بالآخر ضبط نہ ہوا۔

"کم آن! میں تمہاری بیٹی کے فیصلوں میں کبھی اتنی اہمیت نہیں رکھ سکا ہوں کہ میرا مشورہ ضروری سمجھا گیا ہو' البتہ تم اس کی اچھی مشیر ہو ہمیشہ سے ۔۔۔ اور میں نے کبھی تم دونوں کی مخالفت نہیں کی۔"

"کاش آپ کر لیتے۔" دل کی گہرائی سے اٹھتی آواز کو زوبیہ نے لبوں پر آنے سے پہلے ہی بمشکل دبایا۔

"ساری زندگی آپ کے ساتھ گزار کر بھی میں آپ کو نہ سمجھ سکی یوسف! مانا بہت ساری غلطیاں جمع ہیں آپ کے پاس میری مگر ۔۔۔"

"چلو شکر ہے! تمہیں یاد تو رہا کہ تم نے کچھ غلطیاں بھی کی ہیں۔" ایک تلخی بھری مسکراہٹ کے ساتھ یوسف کمال نے قدم آگے بڑھایا "اور مت بھولو کہ ان سب کے باوجود میں تمہیں برداشت کرتا رہا۔"

زوبیہ نے ایک گہری ٹھنڈی سانس لی۔

جو کچھ وہ کہنے آئی تھی' محض ایک منٹ کی بات تھی' مگر اس کے ماں باپ یہ ایک منٹ اسے ساری زندگی نہیں دے سکے تھے۔ معلوم نہیں' ان میں سے کون زیادہ قصوروار تھا؟

وہ بے تاثر سے انداز میں ان دونوں کو بحث کرتے ہوئے دیکھے گئی۔

اس نے وہ دور بھی دیکھا تھا' جب دھونس' غصہ اور رعونت میں اس کی ماں شاید حرف آخر تھی اور اب یہ زمانہ بھی جب' وہ انہیں ٹوٹتا بکھرتا بھی دیکھ رہی تھی۔ ان دونوں زمانوں کے بیچ آئے فرق نے بھی ان کے آپس کے فاصلوں پر کوئی فرق نہیں ڈالا تھا شاید۔

"تم نے میری ساری زندگی کی خوشیاں ملیامیٹ کر دیں' پھر بھی ۔۔۔!"

وہ دونوں وہیں کھڑے' جھگڑ رہے تھے گو آوازوں میں پہلے والی گھن گرج نہیں' مگر تلخی۔

وہ اٹھ کر ان دونوں کے بیچ جا کر کھڑی ہوئی۔

"یہ کیا طریقہ ہے زوبیہ! بیچ میں سے ہٹو!" یوسف کمال نے جھنجلا کر اس سے کہا۔

"میں آپ دونوں کے بیچ میں کہاں ہوں ڈیڈی! میں تو آپ کے درمیان کبھی رہی نہیں ۔۔۔ ہم تو ایک فیملی کبھی بن ہی نہیں پائے۔" زوبیہ کی آواز نیچی تھی' اتنی نیچی کہ اگر وہ دونوں اس کے بالکل قریب نہ کھڑے ہوتے تو شاید ٹھیک سے سن بھی نہیں پاتے۔

زوبیہ کے چہرے پر ایک ٹھہراؤ کی سی کیفیت تھی۔

ان دونوں ہی نے اپنے اپنے اندر ایک نامعلوم سی بے چینی کو پھیلتا محسوس کیا۔

"یہ تو بس ایک دکھاوا ہے' اس گھر سے باہر کے لوگوں کے لیے 'مسٹر اینڈ مسز کمال' زوبیہ کمال ۔۔۔ ایک کامیاب دولت مند خاندان ۔۔۔ جس کی حقیقت سے صرف' ہم تین ہی واقف ہیں کہ نہ ہم ایک خاندان ہیں اور نہ ہی' ہم میں سے کوئی بھی ایک خاندان گھرانہ بنانے کے لائق ہے۔"

اتنی دیر بولتے رہنے سے ہی اس کا سانس پھول رہا تھا۔ یوسف کمال نے ہمدردی سے اس کی طرف دیکھا۔

"کیا تمہارا پھر کوئی بڑا جھگڑا ہوا ہے سلمان سے؟ اگر ایسا ہی ہے تو بہتر ہو گا کہ تم ہمیں طعنے دینے کے بجائے اس سے صلح کر لو۔ تمہاری بدمزاجی کے ساتھ وہی ایک شخص ہے جو با آسانی نباہ کر سکتا ہے۔ محض روٹی کپڑے پر ساری زندگی ۔۔۔"

"آپ اور مشورہ دے بھی کیا سکتے ہیں؟" اس نے تیزی سے ان کی بات کاٹی تھی۔ "مگر میں آپ دونوں کی طرح

مفاہمت بھری زندگی نہیں گزار سکتی۔ شاید یہی ایک چیز میں آپ دونوں سے نہیں لے پائی ڈیڈی! اور اس کے لیے میں خدا کی شکر گزار بھی ہوں کہ میں اپنے ماں باپ کی مکمل کاپی بننے سے بچ گئی۔"

یوسف کمال کے لیے آج پہلی بار اس سے آنکھ ملانا مشکل ہو گیا۔

"تم صرف مجھے ہی قصوروار نہیں ٹھہرا سکتیں زوبیہ!"

"میں آپ کو قصوروار ٹھہرا بھی نہیں رہی۔ یہاں سب اپنے حصے میں آئے جہنم کو بھگت رہے ہیں ۔۔۔ آپ جائیں! آپ کو دیر ہو رہی ہے۔"

اسے بالآخر اپنے باپ کی مصروفیت کا خیال آ ہی گیا۔

"میں وہ بات سن کر جانا چاہتا ہوں' جس کے لیے تم نے مجھے روکا تھا۔"

"کچھ خاص نہیں' بس یہ بتانا تھا میں نے سلمان پر خلع کا مقدمہ کر دیا ہے۔ ایک آدھ پیشی پر فیصلہ بھی ہو جاتا ہے۔ میرے لائر نے بتایا ہے مجھے۔"

اس بار اس کا لہجہ سرسری سا تھا' محض اطلاع دینے والا انداز۔

یوسف کمال نے بے تاثر سے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"جو تم بہتر سمجھو ۔۔۔ میں چلتا ہوں۔"

اس بار وہ بات ختم کرتے ہی باہر جانے والے دروازے کی طرف مڑ گئے۔

زوبیہ اور مسز کمال میں سے کوئی بھی انہیں رخصت کرنے دروازے تک نہیں گیا تھا۔

"کیسی عجیب سی بات ہے ممی! ہمارے ہاں کسی بھی بات سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔" ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ زوبیہ نے اپنی ماں کی طرف دیکھا "یہی خبر کوئی مڈل یا لوئر مڈل کلاس کی عورت اپنے ماں باپ کو سناتی تو ان کا رسپانس کتنا مختلف ہوتا' کہرام مچ جاتا ہے ایسی باتوں پر۔ میں نے خود سلمان کے گھرانے میں ایسا منظر دیکھا تھا' جب جویا کی شادی ہوتے ہوتے ختم ہو گئی تھی۔ ہارٹ پیشنٹ ہو گئی تھیں اس کی امی۔" بیگم کمال کی پیشانی پر ہلکا سا بل آیا۔

"خیر! وہ بھی کوئی ایسی قابل رشک صورت حال نہیں ہے ۔۔۔ اور تمہاری سسرال جیسی تھرڈ کلاس ویلیوز ۔۔۔" وہ بیزاری سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ "میں کھانا لگواتی ہوں۔"

"ڈیڈی کہاں گئے ہیں؟" ان کے ساتھ اٹھتے ہوئے اس نے یوں ہی پوچھا تھا۔

"پتا نہیں! میں نے اب یوسف کا پیچھا کرنا چھوڑ دیا ہے۔ تھک چکی ہوں میں اس لاحاصل تعاقب سے۔" بے تاثر سے انداز میں اپنی بات کو انہوں نے مختصراً نمٹایا اور کچن کی طرف چلی گئیں۔

"شاید ہم سب ہی کتاب زندگی کا سب سے کار آمد باب اسی وقت پڑھ پاتے ہیں' جب اس پر عمل درآمد کا صحیح وقت بہت پیچھے جا چکا ہوتا ہے۔"

وہ تلخی سے مسکرائی۔

☼ ☼ ☼

سالار ابھی ابھی باہر سے آیا تھا۔

لاؤنج میں غیر معمولی خاموشی چھائی ہوئی تھی' ایک پل میں اس کی نگاہ نے اطراف کا جائزہ لیا تھا۔ وہ بڑا سارا لاؤنج' اوپر کو جاتی سیڑھیاں' دوسرے سرے پر کوریڈور کی طرف مڑتے زرتاج بیگم اور نبیل کے تصرف میں آئے کمرے' سب ہی پر سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کسی کی موجودگی کا ہلکا سا بھی احساس نہیں۔

اپنی فطری مضبوطی کے باوجود وہ بڑی بے ساختہ سی گھبراہٹ میں مبتلا ہوا۔
"گیتی... گیتی...!" چاروں طرف دیکھتے ہوئے وہ بے تابانہ پکارا۔
کمروں اور سیڑھیوں پر اب بھی سناٹا تھا۔
"گیتی!" اس بار اس کی آواز بتدریج بلند ہوئی تب ہی وہ اسے کچن کی طرف سے آتی دکھائی دی۔
"کیا ہوا؟ خیریت تو ہے۔" دوپٹے کے پلو سے اپنے گیلے ہاتھ صاف کرتے ہوئے وہ قریب آکھڑی ہوئی۔
"ہاں!" ایک سکون بھری سانس سالار کے لبوں سے آزاد ہوئی۔ گیتی اب بھی حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
"کچھ نہیں... وہ تم نظر نہیں آئیں تو بس ایسے ہی..." سالار کے چہرے پر ایک جھینپی سی مسکراہٹ آئی۔
وہ گیتی کو خوف زدہ نہیں کرنا چاہتا تھا' ورنہ حقیقت یہی تھی کہ جتنی دیر وہ خود گھر سے باہر رہتا' اسے زرتاج اور نبیل کی موجودگی میں گیتی کا گھر پر ہونا' تشویش میں مبتلا رکھتا تھا۔
"میں اپنے گھر میں ہوں یوں ہی پریشان مت ہوا کریں۔"
"بڑا سناٹا ہے آج!" وہ اس کی بات کی تردید یا تصدیق کیے بغیر بات کا رخ موڑ گیا۔
"ہاں! زرتاج آنٹی اور ان کے شوہر آج صبح سے ہی نظر نہیں آئے' جب میں نیچے آئی تھی تو وہ لوگ گھر پر نہیں تھے ابھی تک نہیں لوٹے۔"
"اچھا!" وہ اسے ساتھ لیے لاؤنج کے صوفے پر آبیٹھا۔ "اور تم کچن میں کیا کر رہی تھیں؟"
"میں کھانا بنا رہی تھی' بلکہ بنا چکی۔" سالار نے بہت محبت سے اس کے سادہ اور پرکشش چہرے کو دیکھا۔
"گھر میں ملازم ہیں نا؟"
تب ہی گیتی نے داخلی دروازے سے کسی کو اندر آتے ہوئے دیکھ کر دھیرے سے سالار کے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔
"کوئی آرہا ہے۔" جہاں وہ بیٹھے تھے' وہاں سے دروازہ دور بھی تھا اور وہاں روشنی بھی نسبتاً کم تھی... گیتی فوری طور پر سمجھ بھی نہیں سکی تھی کہ باہر سے کون اندر آرہا ہے۔
"ارے راجو! رک کیوں گئے؟ آؤ نا۔" سالار نے بے تکلفی سے آواز دی تو وہ جھجکتے ہوئے انداز میں قریب آ کھڑا ہوا۔
"ارے راجو بھائی!" گیتی نے حیرت انگیز خوشی کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔ بہت اچھی ڈریسنگ اور بڑے اچھے ہیر کٹ کے ساتھ راجو کی شخصیت میں بڑی ہی نمایاں تبدیلی آئی تھی۔
"میں تو پہچان ہی نہیں سکی آپ کو... کتنے اچھے لگ رہے ہیں۔"
"سب سالار بھائی کی مہربانی ہے بھابھی۔ انہوں نے ہی ساتھ لے جاکر شاپنگ بھی کروائی اور یہ بھی..." جھینپے ہوئے انداز میں راجو نے اپنے بالوں کی طرف اشارہ کیا۔ سالار کے بار بار ٹوکنے پر اب وہ اسے سالار بھائی ہی کہنے لگا تھا۔
"ہاں تو بہت اچھا کیا نا! اتنا زبردست چینج آیا ہے آپ میں۔" اس بار وہ صرف مسکرایا تھا۔
گیتی اور سالار دونوں نے اس کی مسکراہٹ میں نمایاں ہوتی افسردگی کو محسوس کیا تھا۔
وہ شاید اپنے سے زیادہ ان دونوں کی خاطر خود کو بدل رہا تھا۔
"تم دیکھنا گیتی! راجو ان شاء اللہ کہاں سے کہاں پہنچے گا' آفس تو جوائن کر لیا ہے اس نے۔ کمپیوٹر ٹریننگ بھی شروع ہو گئی ہے اور یہ انیکسی' اب راجو کا مستقل گھر ہے۔ میں تو کہہ رہا ہوں کچھ عرصے بعد اپنی امی کو بھی اپنے

پاس بلوا لو۔"
وہ جب گیتی کو بتا رہا تھا تو راجو نے تشکر بھری نگاہوں سے سالار کی طرف دیکھا۔
ذات کی مکمل ٹوٹ پھوٹ کے بعد ایک روشن راستے پر اسے لانے والا وہی تھا۔ راجو نے دل کی انتہائی گہرائی کے ساتھ خدا کا شکر ادا کیا۔
گیتی اس سے' اس کی امی کے بارے میں کچھ پوچھ رہی تھی' سو وہ خود کو سنبھالتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوا۔
"امی یہاں نہیں رہ سکتیں مستقل بھابھی... وہاں گاؤں میں میری بہنیں ہیں' سارا خاندان ہے' وہ وہاں بہت خوش ہیں' یہاں ان سے نہیں رہا جائے گا۔"
"چلو! کوئی بات نہیں... تم بہرحال ان کی خدمت میں کوئی کمی مت رہنے دینا کبھی بھی۔" سالار نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
"اور بس جلد ہی کوئی اچھی لڑکی دیکھ کر شادی کر لیں' بالکل سیٹ ہو جائیں گے۔" گیتی نے بے ساختگی سے مشورہ دیا تھا' مگر بہت ہی بے وقت۔
راجو کے چہرے سے وہ افسردہ سی مسکراہٹ بھی غائب ہوئی۔
"سوری راجو بھائی! میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ..." راجو کے جذبات کو سمجھ کر وہ فی الفور شرمندہ بھی ہوئی۔
"گیتی! تم ذرا چائے تو بنا لاؤ' اچھی سی۔" سالار کو یہی مناسب لگا تھا۔
"گیتی کی بات کو دل پر مت لو راجو! اسے شاید اندازہ ہی نہیں ہے کہ تم روزی سے کتنی محبت کرتے تھے... اس نقش کو مدھم ہونے کے لیے ابھی وقت چاہیے' لیکن اس نے جو کچھ کہا' تمہارے بھلے کے لیے کہا۔ زندگی کو آگے تو چلنا ہی ہے نا' تو پھر بہتر ہے کہ ہم اسے بہتر سے بہتر طور پر گزارنے کی کوشش کریں۔"
گیتی کے جانے کے بعد اس نے راجو سے کہا۔
"جی!" خاموشی کے ایک چھوٹے سے وقفے کے بعد اس نے محض اتنا ہی کہا۔
"اچھا بتاؤ! اس وقت کیسے آنا ہوا؟" سالار نے نرمی سے بات کو بدلنا چاہا' تو وہ کچھ چونک سا گیا۔
"ہاں... کچھ ضروری بات کرنا تھی آپ سے..."
"کہو!" سالار نے اس کی فکرمندی کو صاف محسوس کیا تھا۔
"وہ..." راجو کچھ کہتے کہتے رک سا گیا۔ اس کی نگاہ اس طرف اٹھی تھی' جدھر سے گیتی کو آنا تھا۔
"وہ ابھی نہیں آرہی' تم آرام سے بات کرو۔"
"نبیل آج لاہور چلا گیا ہے سالار بھائی! زرتاج میڈم اسے ایئرپورٹ چھوڑنے گئی تھیں اور اس کے بعد انہوں نے کچھ ہائی آفیشلز سے ملاقات کی ہے اور ابھی بھی وہ کسی میٹنگ میں ہیں۔" ایک ہی سانس میں اس نے قصہ تمام کیا۔ گھر پر چھائی ہوئی خاموشی کا سبب یہی مصروفیت تھی۔ سالار نے ایک گہری سانس لی۔
"وہ جو کر رہے ہیں' کرتے رہیں۔ ان کا سارا زور کیس کی تحقیقات کو Slow down کرنے پر ہے راجو! وہ ڈی ایس پی ملک میں نہیں ہے' زرتاج بیگم اسے نہ بلانے کے لاکھوں روپے دے چکی ہیں... مگر سچائی کو ظاہر ہونے سے اس طرح روکا نہیں جا سکتا۔" سالار کے لہجے میں دبا دبا سا غصہ جھلک رہا تھا۔
"میں ایک اور بات کرنا چاہ رہا تھا سالار بھائی!"
"ہوں!" سالار نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا۔
"نبیل لاہور گیا ہے اور وہ وہاں بھی جاتا ہے' گیتی بھابھی کے گھر کے دوسرے پورشن میں۔ اس بار بھی ضرور

جائے گا۔ مجھے فکر ہے گیتی بھابھی کے لیے کوئی پریشان نہ کھڑی کردے۔ نبیل جیسے کمینے شخص سے ہر بات کی توقع کی جاسکتی ہے۔" وہ گیتی کے لیے پریشان تھا' یہ اس کی وفاداری کا تقاضا تھا اور گیتی اور سالار سے گہری محبت کا اظہار بھی۔

"فکر مت کرو راجو! لیکن اچھا کیا جو تم نے میری توجہ اس طرف دلائی' نبیل اپنی گھٹیا فطرت سے باز نہیں آئے گا۔ لیکن اب اس کی کوئی بھی حرکت' خود اس کے خلاف گواہی بنے گی۔ مجھے پورا یقین ہے کہ وہ اب جلد اپنے ہی دام میں آئے گا' پولیس کے لیے وہ اپنے سارے ثبوت غائب کرچکا ہے' مگر قدرت کا حساب کتاب دوسرا ہے۔" سالار بہت پریقین تھا۔

راجو کے چہرے پر افسردگی کا گہرا تاثر اترا۔ "مجھ پر ایک مہربانی اور کردیجئے سالار بھائی۔۔۔ روزی کا دوبارہ پوسٹ مارٹم نہ ہونے دیں۔۔۔ میں نہیں چاہتا کہ اس کی قبر دوبارہ۔۔۔" اس کی آواز آنسوؤں میں بھیگی تھی۔ "بے شک ثبوت ضائع ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں۔"

سالار نے خود اپنے دل پر نمکین پانی کے قطرے گرتے محسوس کیے اور ایک بار پھر راجو کے لیے ہر حرف تسلی گم ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

رات سے کئی بار بارش وقفے وقفے سے برسی تھی اور بادل تھے کہ ابھی بھی جھکے پڑتے تھے۔ نانی ستارہ کے چوبارے کے نیچے گلیوں میں سنسان سی دوپہر اتری تھی۔ نگینہ نے برآمدے میں سے گزرتے ہوئے ذرا رک کر ایک اکتائی ہوئی نظر ماحول پر ڈالی۔ پانی میں بھیگے در و دیوار' گیلریاں' چھجے اور نیچے گلی میں جگہ جگہ جمع کھڑا پانی۔

"مشکل ہی تھا جو آج شام کو یہاں کی رونق بحال ہوسکے۔" اس نے دل ہی دل میں اندازہ لگایا اور اندر نانی ستارہ کے کمرے میں چلی آئی۔

صندل ابھی بھی وہیں تھی' سرخ آنکھیں اور زرد ہوتا ہوا چہرہ لیے۔ اپنی راتوں رات ملنے والی کامیابی کے بعد وہ اس سے زیادہ تیزی سے نیچے آتے ہوئے مکمل طور پر مایوس تھی۔

"کتنا کہتی تھی میں آپ کو' مجھے دوسرے بینر کی فلم سائن کرنے دیں' مگر آپ کو تو بالی کی غلامی کروانے کا شوق تھا۔ کتنی بڑی بڑی آفرز آرہی تھیں ان دنوں۔ ایک نہ لینے دی مجھے۔ اب دیکھ لیا اس کا انجام؟"

نگینہ کی شکل دیکھ کر اسے اپنے پچھلے سارے رونے یاد آجاتے اور ہر ناکام شخص کی طرح وہ بھی سارا الزام دوسروں کو دینے کی عادی ہوچکی تھی۔

"آپ نے خود ساری عمر ایکسٹرا کی حیثیت سے کام کیا اس لیے غلامی کی عادت پڑ چکی تھی آپ کو۔۔۔ وہی آپ نے مجھے بنادیا نمبر ون ہیروئن تھی پچھلے ڈیڑھ سال سے میں۔ اگلے کئی سال نہیں ہٹنا تھا مجھے اس پوزیشن سے۔۔۔ مگر آپ کی غلط پلاننگ نے برباد کردیا مجھے۔"

اسے سمجھانے کی ہر کوشش ناکامی کا منہ دیکھ چکی تھی' جو نانی ستارہ نے اپنے سامنے کھلی کتاب پر سے نگاہ اٹھانا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔ نگینہ بھی الماری کھول کر خاموشی سے کچھ ڈھونڈنے لگی۔

"اب دیکھ لیا انجام؟ اتنے سال سے یہاں کام کررہی تھیں' مگر اتنا بھی اندازہ نہیں کرسکیں کہ بالی کا پچھلا سارا ریکارڈ کیا ہے۔ آپ تو صرف اپنی خواہش کے پیچھے بھاگتی رہیں کہ بیٹی کو ہیروئن بنانا ہے۔۔۔ چاہے ایک فلم کے لیے ہی سہی' سو پوری کی۔۔۔ اب آگے مجھے کیا کرنا ہے۔۔۔ کسی کنوئیں میں گروں یا کھائی میں۔۔۔ آپ کو کوئی مطلب نہیں۔"

ان دونوں کی خاموشی سے وہ اور بھی تلخ ہورہی تھی اور ناممکن تھا کہ اب وہ خود سے خاموش ہوجاتی۔ نگینہ کو الماری بند کرکے اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

"جو بھی ہو' ہوگیا نا' کیوں اتنی مایوس اختیار کرلی۔۔۔؟ اور کوٹھی پر تالا ڈال کر یہاں بیٹھنے سے فائدہ؟ لوگوں پر تو یہی تاثر پڑ رہا ہوگا کہ فلاپ ہونے کے بعد منہ چھپا کر بیٹھ گئی ہے صندل۔"

"مائی فٹ! لفظ "فلاپ" جیسے اس کی چڑ بن چکا تھا اور نگینہ اس وقت وہی استعمال کرنے کی غلطی کرچکی تھی۔

"لوگوں کو کوئی حق نہیں ہے میرے بارے میں بات کرنے کا۔ میں جہاں بھی رہوں' یہ میرا اپنا مسئلہ ہے اور ویسے بھی اس گھر کو افورڈ کرنا میرے بس میں نہیں رہا تھا۔ کتنے لمبے چوڑے بل پڑے ہیں۔ پچھلے کئی مہینوں سے پے نہیں ہورہے' پھر وہاں ملازموں کی فوج اور اس بالی نے الگ میرے اوپر ایک لمبا چوڑا بل بنا کر رکھا ہے' پچھلے اخراجات کا۔"

وہ ذہنی' مالی' ہر طرح کے دباؤ میں بری طرح آچکی تھی۔ نانی کو مداخلت کرنا پڑی۔

"کچھ زیور رکھا ہے ابھی بھی میرے پاس۔ اسے بیچ کر اپنے خرچ میں لے لو' مگر اس طرح خود کو ہلکان مت کرو تم" کتاب بند کرکے انہوں نے ایک طرف رکھی تھی۔ "یہ سب وقتی پریشانیاں ہیں۔" نگینہ کو ان کی توجہ سے بے حد جذباتی سہارا ملا تھا' مگر سوچ سمجھ کر بولنا' وہ ساری عمر نہیں سیکھ سکی تھی۔

"گیتی سے پیسے منگوا لیتے ہیں۔ سالار تو پورا نواب ہے۔ بڑے کھلے ہاتھ سے خرچ کرتا ہے۔ جتنے کہیں گے' خوشی سے بھیج دے گا۔"

"بس یہی کسر رہ گئی ہے۔ آپ آخر کتنا اور ذلیل کروانا چاہتی ہیں مجھے؟ اب گیتی کے آگے ہاتھ پھیلاؤں گی میں؟ کیا حیثیت رہی ہے اس کی میرے سامنے ساری عمر۔۔۔ اور آج وہ اس قابل ہوگئی کہ مجھے خیرات دے۔۔۔"

وہ بہت حساس ہورہی تھی۔ اتنی سی بات کہتے ہوئے اس نے مستقل اپنے آنسو صاف کیے تھے۔ نانی نے کچھ کہنے سے پہلے نگینہ کو ناراضی سے دیکھا تھا۔

"کوئی کچھ نہیں منگوا رہا گیتی سے' تم یہاں آؤ میرے پاس' شاباش!"

صندل کے لیے بھی نانی کی بات کو ٹالنا مشکل تھا' سو وہ آنسو صاف کرتے ہوئے ان کے قریب جا بیٹھی۔ نانی ستارہ نے بہت پیار سے اس کے چہرے کو چھوا۔

"گیتی آرا سے اپنا مقابلہ مت کیا کرو بیٹا! اکلوتی بہن ہے تمہاری اور جان چھڑکتی ہے تم پر۔۔۔ پتا ہے نا؟"

ان کا لہجہ دھیما اور پراثر تھا اور جو کچھ انہوں نے کہا' اس سے انکار بھی نہیں تھا۔ صندل نے نگاہ چرائی۔

"تم گیتی سے کہیں زیادہ قابل ہو بیٹا! بچپن سے محنت کی فن کو سیکھنے میں۔ مشکل راہ چنی۔ خود کو ثابت کیا۔ دل بعد ہمارے گھرانے میں کوئی اس اونچائی پر آیا۔۔۔ تمہاری وجہ سے۔۔۔ یہ کیا کم فخر کی بات ہے؟"

بہت نرمی' بہت محبت سے وہ جو بھی کہہ رہی تھیں' صندل نے بالکل خاموش ہوکر سنا۔

"جب وہ وقت نہیں رہا تو یہ بھی کٹ جائے گا۔ یقین کرو میرا' آنے والا کل تمہارے لیے اتنی خوشیاں اور کامیابیاں لے کر آئے گا کہ تم نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا۔ اپنے اچھے وقت کا انتظار کرنے میں۔۔۔"

کمرے میں صرف نانی ستارہ کی آواز تھی۔ تب ہی ان کا موبائل بج اٹھا۔

"جاؤ! اپنے کمرے میں آرام کرو' بالکل ٹھنڈے دل و دماغ سے۔" فون اٹھانے سے پہلے انہوں نے صندل کو کہنا ضروری سمجھا۔ اس نے جھک کر ان کا ہاتھ چوما اور پھر خاموشی سے کمرے سے نکل گئی۔ نگینہ اس کے ساتھ ہی کھڑی ہوئی تھی۔

"میں بھی ذرا گل ناز کی طرف جارہی ہوں اماں! بہت دن ہوگئے خالہ کو سلام کیے۔"

وہ ریڈیو کی طرف سے آیا فون ریسیو کرچکی تھیں' سو صرف اثبات میں سر ہلایا۔
نگینہ خاموشی سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔
باہر پھر سے بارش کا سلسلہ شروع ہوچکا تھا۔ وہ فون بند کرکے یوں ہی کھڑکی کے سامنے جا کھڑی ہوئیں۔ ٹھنڈی ہوا کے ساتھ پانی کی بوچھاڑ اندر تک آرہی تھی۔ وہ کھڑکی بند کرنے لگی تھیں کہ کوئی سیڑھیاں چڑھ کر ٹھیک ان کے کمرے میں داخل ہوا۔
شاید بخت یا صبیح کی نکلی ہوئی شامت۔
"کیوں اتنی بارش میں پھر رہے ہو تم لوگ؟ بیمار پڑ جاؤ گے تو۔" وہ بے نیازی سے کہتی ہوئی مڑیں تو بات پوری کرنا بھول گئیں۔
"تم!" حیرت کی ایک آخری حد کو بھی پار کرکے یہ لفظ ان کے منہ سے نکلا تھا۔ سامنے کھڑا شخص اگر دنیا کا آخری آدمی بھی ہوتا تو وہ اس کی یہاں اپنے گھر میں موجودگی کا تصور نہیں کرسکتی تھیں۔
"بہت اچھی یادداشت ہے آپ کی' ورنہ میں تو سمجھ رہا تھا کہ شاید آپ مجھے پہچان بھی نہ سکیں۔"
وہ دو قدم بڑھا کر کمرے کے وسط میں آکھڑا ہوا۔ اس کے بال پانی سے بھیگے ہوئے تھے۔
"دو چہرے آدمی کبھی نہیں بھلاتا یوسف! ایک وہ جس نے اس پر کوئی احسان کیا ہو اور دوسرا وہ جس نے اسے کوئی نقصان پہنچایا ہو اور تم تو مجھے ناقابل تلافی نقصان پہنچا چکے ہو..... کیسے بھول سکتی تھی تمہیں؟"
وہ اندر سے پوری طرح ہل گئی تھیں' مگر اعصاب پر قابو رکھنے کی برسوں پرانی مشق تھی۔
"وہ نقصان میں نے صرف آپ کو نہیں' خود کو بھی پہنچایا ہے' آپ سے کہیں زیادہ خسارہ میرے حصے میں آیا ہے' مگر آپ نہیں مانیں گی۔" سامنے کھڑے یوسف کمال افسردگی سے مسکرائے۔
نانی ستارہ کا چہرہ بے تاثر ہی رہا۔ "فیروزہ میری بیٹی تھی' میرا خون' جسے تم چوروں کی طرح اڑا کر لے گئے تھے یوسف۔ اور پھر کیا کیا اس کے ساتھ دنیا کی ٹھوکروں میں ڈال دیا اسے۔ رسوا کردیا اس کی محبت کو۔ ایسا رسوا کہ پھر وہ جی ہی نہ سکی۔"
وہ اس شخص کے سامنے اپنی کمزوری کو بالکل بھی ظاہر نہیں کرنا چاہ رہی تھیں' مگر اپنی زندگی کے سب سے دل گداز باب کو پڑھنا ان کے لیے آسان بھی نہیں تھا۔ کھڑا ہونے کے لیے بھی انہیں سہارے کی ضرورت پیش آرہی تھی' سو وہ قریب ترین کرسی پر بیٹھ گئیں۔ وہ اب بھی کھڑے تھے اور نانی ستارہ کا انہیں بیٹھنے کے لیے کہنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔
"میں آپ سے شرمندہ ہوں۔ یہ ایسا نقصان ہے جس کا ازالہ بھی ناممکن ہے' پھر بھی اگر ہوسکے تو مجھے معاف کردیجیے گا۔"
الفاظ کا الٹ پھیر بھی کب کا بے معنی ہوا تھا۔
نانی ستارہ نے محض ہاتھ کے اشارے سے بیزاری کا اظہار کیا۔ "تم اتنے سال بعد یہاں اگر صرف یہی کہنے آئے ہو تو میں تمہاری بات سن چکی ہوں' اب تم جاسکتے ہو۔"
"میں آپ سے اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھنے آیا ہوں۔ کہاں ہے وہ؟" لمحے کی بھی تاخیر کیے بغیر انہوں نے بے تابی سے پوچھا تھا۔
ایک آخری زخم پر بے رحمی سے کھرنڈ اتری۔
"احسان ہوگا آپ کا مجھ پر۔ اسے مجھ سے نہ چھپائیں۔ میں تڑپ رہا ہوں اس کے لیے۔ ہاتھ جوڑتا ہوں آپ کے آگے۔ میری غلطیوں کی سزا اسے مت دیں۔"

...ی میں پہلی بار یوسف کمال کے ہاتھ کسی کے آگے جڑے۔
"...وہ کہاں ہے' پلیز! میری برداشت کا اور امتحان مت لیں خیام کہاں ہے؟"
"...م مرچکا ہے یوسف!"
...سے آتی نگینہ کی آواز پر نانی ستارہ اور یوسف کمال دونوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
معلوم نہیں کس کام سے وہ جاتے جاتے واپس پلٹ کر آئی تھی۔
"جھوٹ بول رہی ہو تم نگینہ!" یوسف کمال کی آواز قدرے اونچی ہوئی تھی' دل کسی بھی طرح یہ بات ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔
"...جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بچہ اپنی ماں کے بعد چند سال ہی زندہ رہا۔ اب تو اسے مرے بھی کئی سال ہوگئے ہیں۔"
...ت وقار سے چلتے ہوئے نگینہ' یوسف کمال کے بالکل سامنے آکر کھڑی ہوئی تھی اور جس طرح وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کررہی تھی' وہ انداز اس کی مضبوطی کو اور بھی نمایاں کررہا تھا۔
"ایسا کیسے ہوسکتا ہے۔ نہیں۔ میں نہیں مانتا۔"
"...دں؟ کیا لوگ مرتے نہیں ہیں؟ فیروزہ بھی تو مرگئی تھی۔ ہم نے تو تم سے جاکر کوئی سوال جواب نہیں کیا۔ ...ر نالکھا سمجھ کر قبول کرلیا۔ پھر وہ تو ایک بچہ ہی تھا۔ اور ویسے بھی یہ تو تمہیں پتا ہی ہوگا یوسف! کہ پودے کو اس کی پرانی جگہ سے نکال کر دوبارہ کہیں لگاؤ تو وہ مشکل سے ہی اس مٹی کو قبول کرپاتا ہے۔ مرجھا جاتا ہے۔ ...وہ بھی قبول نہ کرسکا ہمارا ماحول' سو مرگیا۔" یوسف کمال کے چہرے پر پھیلتی تکلیف کا ذرا سا بھی اثر لیے بغیر ...نے اس کے بیٹے کی موت کی خبر کی تفصیلات جاری کیں۔
نانی ستارہ نے ایک دم ہی رونا شروع کردیا تھا۔ ان کے بے آواز گرتے ہوئے آنسو نہ جانے کس کس غم کو منا رہے تھے۔
"اب تم جاؤ! مجھے اپنی ماں کو سنبھالنا ہے۔ یہاں اب تمہارے لیے کچھ نہیں رکھا۔ چلے جاؤ فوراً!" نگینہ نے ...اری سے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔
یوسف کمال نے کچھ اور کہنا چاہا' مگر وہ سننے کے لیے تیار نہیں تھی۔
"چلے جاؤ یوسف!"
یوسف کمال کو نہ چاہتے ہوئے بھی کمرے سے باہر آنا پڑا۔
"ان کا بیٹا مرچکا ہے۔" برآمدے کی محراب کے نیچے کھڑے ہوکر انہوں نے خود کو اس درد بھری حقیقت کا ...ین دلانا چاہا' تب ہی ان کی نگاہ سامنے کے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے پر پڑی۔
خیام کی بڑی سی تصویر سامنے دیوار پر آویزاں تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

عالیہ بخاری

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور للہ نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتلائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ویڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بالو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گیتی آرا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایماندار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو یعنی کاہول میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دُعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دُھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

زرتاج بیگم کے بنگلے کو شہر بھر میں خصوصی شہرت حاصل ہے۔ مہینے کی پہلی جمعرات کو یہاں سے غریب عورتوں کو امداد دی جاتی ہے۔ خالہ افروز، سعیدہ اور بتول جیسی کتنی ہی عورتوں کے گھر اس امداد کے سہارے چل رہے ہیں۔ بوا عظمت، زرتاج بیگم کی خاص ملازمہ ہے، جو عرصۂ دراز

سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہے۔ وہ طبعاً سخت مزاج ہے۔

سلمان رفتہ رفتہ زوبیہ کی امارت سے متاثر ہو کر اس کے زیر اثر آجاتا ہے۔ زوبیہ اپنی من مانیوں سے ہر جائز ناجائز ہر طرح کی خواہشات منوالیتی ہے۔ اظہار چچا، شاکرہ بیگم اور آپا گل سوائے تلملانے کے کچھ نہیں کر پاتے۔ ان کی تمام امیدیں زوبیہ کو ملنے والے بنگلے اور پیسے سے وابستہ ہیں۔

اسکول کے بچے ساجد کے معاملے پر معاذ پر قاتلانہ حملہ ہوتا ہے' جس سے وہ شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ سلام صاحب کی پوری فیملی شدید کوفت اور پریشانی کا شکار ہوتی ہے۔ ربیعہ اس معاملے کے بعد معاذ سے اسکول کے معاملات سے علیحدگی چاہتی ہے۔ اظہار چچا خاندان مع سوائے جویا اور زوبیہ کے اس حادثے سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ جویا چاہتے ہوئے بھی معاذ کے لیے کچھ کر نہیں پاتی۔

دلدار نانی کے چوبارے کی رونق دن بدن بڑھتی جا رہی ہے جس پر نگینہ آئے دن جلتی کڑھتی رہتی ہے۔ شاما ہر موقع پر اس کی اشک شوئی کرتی ہے۔ نگینہ کی تمام امیدیں اپنی بڑی بیٹی صندل سے وابستہ ہیں۔ گیتی زیادہ تر پڑھائی کی وجہ سے معاملات سے الگ ہی رہتی ہے۔ لیکن خیام کی یاد اس کے خیالوں کی دنیا کو آباد رکھتی ہے۔ ستارہ نانی کے یہاں سالک کی آمدورفت اسے قدرے بے چین کرنے لگتی ہے۔

خیام کچھ عرصے بعد ہی ایک بس سروس کمپنی میں معمولی نوکری کر لیتا ہے۔ دن رات اپنوں سے دوری اسے بھی ستاتی ہے۔ خاص کر گیتی کی چوڑی اسے ملال کی کیفیت سے دوچار رکھتی ہے۔ بدنامی کا خوف اسے کسی کے قریب نہیں ہونے دیتا۔ صرف بابو شوکت سے اس کی اچھی دعا سلام ہے کہ اچانک تمام تر احتیاط کے باوجود گھر سے لاکھ زیورات کی چوری ہو جاتی ہے۔ یہ زیورات اس کے مستقبل کی ضمانت تھے۔ اس کے بعد مستقبل پر ایک سوالیہ نشان لگ جاتا ہے۔

زرتاج بیگم اپنے کلاس کی دیگر عورتوں کی طرح خود نمائی اور خود ستائشی کا شکار ہیں۔ بیٹا عرصے سے باہر مقیم ہے۔ انہیں لباس کی طرح سکریٹریز بدلنے کی عادت ہے۔ حالیہ سیکریٹری نبیل سے ان کا "تعلق" ہر کسی کی نظر میں ہے۔ نبیل جسے ڈرائیور راجو کی مدد سے یہ نوکری ملی ہے۔ زرتاج بیگم کی دی مراعات سے بھرپور استفادہ کر رہا ہے۔ بوا عظمت اسے کڑے تیوروں کی زد میں رکھتی ہے' جس پر وہ خاصا جز بز ہوتا ہے۔ زرتاج بیگم کے بھائی یوسف کمال' نبیل کی عیار فطرت کو پہچان کر انہیں محتاط رہنے کا مشورہ دیتے ہیں جسے زرتاج بیگم چٹکیوں میں اڑا دیتی ہے۔

زیورات کی چوری کے بعد سے خیام کے برے دن شروع ہو جاتے ہیں۔ ساتھ ہی نوکری ختم ہونے سے وہ پیسے پیسے کو محتاج ہونے لگتا ہے۔ بابو شوکت کا بیٹا خیام کے ساتھ نوکروں جیسا سلوک کرتا ہے۔ ایسے وقت میں بابو شوکت اس کی ہمت بندھاتے ہیں۔ لیکن گھر کی یاد اسے بے چین رکھتی ہے۔ خاص طور پر گیتی کی چوڑیاں اسے یاد کی ڈور سے باندھے ہوئے ہیں۔

گھر میں جویا کے رشتے کی بات چل رہی ہے جس پر جویا' آپا گل سے بحث کرتی ہے۔ آپا گل کی لایعنی باتوں پر وہ براہ راست اپنے ماں باپ سے بات کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اسے معاذ کے ارادوں کی سچائی کا پختہ یقین ہے۔ دوسری طرف آپا گل کے شوہر اکبر اپنے اثرورسوخ سے معاذ کو ملنے والی نوکری کسی اور کو دلوا دیتے ہیں۔ معاذ اس بات کا تذکرہ اپنے والد سے کرتا ہے تو وہ اسے معاذ کا وہم سمجھتے ہیں۔

سلمان' زوبیہ کے گھر میں شفٹ ہو چکا ہے اور شاذونادر ہی ماں باپ کو شکل دکھاتا ہے۔ جس پر شاکرہ بیگم اور اظہار صاحب پریشان رہتے ہیں۔

جویا کا رشتہ آنا فاناً طے ہو جاتا ہے جس میں اظہار چچا، آپا گل اور شاکرہ بیگم کی کوششیں" شامل ہیں۔ شاکرہ بیگم کو طلاق کی دھمکی اپنا کام دکھاتی ہے۔ وہ جویا کی تمام مزاحمت دم توڑ جاتی ہے۔ معاذ کی نوکری اور جویا کے رشتے کی خبر ایک ساتھ ملتی ہے تو وہ گم صم سا ہو جاتا ہے۔ جویا کے رشتے پر دادی' چچا اظہار کے خاندان سے قطع تعلق کا اعلان کر دیتی ہیں۔ زوبیہ' جویا کو اکساتی ہے کہ اگر وہ چاہے تو رشتہ ختم کروانے میں مدد کر سکتی ہے۔ زوبیہ آپا گل اور شاکرہ بیگم کو نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ تاہم جویا ایسا کرنے سے منع کر دیتی ہے۔

صندل کو بالی صاحب کی فلم دنوں میں شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دیتی ہے۔ ایسے میں اسے ماں نگینہ کے طور طریقے کھٹکتے ہیں۔ وہ ایسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیتی ہے تو نگینہ کو دھچکا لگتا ہے تاہم وہ نانی ستارہ کو اس کا علم نہیں ہونے دیتی۔

۵۱
اکیاونویں قسط

یوسف کمال کی نگاہ اسی ایک سمت پر ساکن ہوئی۔ نانی ستارہ کا وہ وسیع آرائشی برآمدہ' اطراف میں جھوم کر زور مچاتی برسات' سب ہی کچھ کہیں فضاؤں میں تحلیل ہوئے تھے۔

صرف وہ تھے اور سامنے دیوار پر لگی حقیقت سے پردہ اٹھاتی وہ بڑی سی تصویر۔

بادل بہت زور سے گرجا تھا۔ انہوں نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔

برآمدے میں وہ اکیلے کھڑے تھے۔ نگینہ یا نانی ستارہ میں سے کسی نے بھی انہیں دروازے تک چھوڑنے آنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی اور ظاہر ہے کہ وہ کوئی معزز مہمان نہیں تھے بلکہ وہ تو کسی عام سے ملاقاتی کی بھی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔

یوسف کمال نے شکر ادا کیا کہ وہ اس وقت یہاں اکیلے تھے ورنہ شاید کبھی بھی......

چند قدم آگے بڑھ کر وہ اس کمرے کے دروازے میں آکر کھڑے ہو گئے یہاں بھی کوئی نہیں تھا' مگر وہ تصویر اب اور بھی نمایاں تھی۔ بے آواز قدموں سے چلتے ہوئے وہ اس تصویر کے بالکل قریب آگئے تھے۔

"یہ وہی تھا۔"

وہی سنہری رنگت' وہی براؤن آنکھیں' جن کی اداسی اس تصویر میں بھی نمایاں ہو رہی تھی اور چہرے پر وہی زمانے بھر سے لاتعلقی کا گہرا تاثر!

یوسف کمال کی شاید پلک بھی نہیں جھپکی تھی۔

اب کوئی جلتے انگاروں پر بھی کھڑا ہو کر حلف اٹھائے کہ ان کا بیٹا مرچکا ہے تو وہ یقین کرنے والے نہیں ہیں۔

وہ جسے محض چار سال کی عمر میں اس بیمار' تھکی ہاری فیروزہ کے سپرد کر کے' وہ ان دونوں کے سارے حقوق و فرائض سے اپنے طور پر بری الذمہ ہو گئے تھے۔

وہ ننھا سا بچہ ان کی بے حسی' ماں سے محرومی اور زمانے کی ٹھوکروں کے باوجود بھی زندہ رہا اور آج ایک بھرپور حقیقت بن کر سامنے آگیا۔

انہیں خیام کی سخت جانی پر حیرت ہوئی قدرت کی بے نیازی اور کارگری' دونوں ہی بیک وقت عجیب انداز میں ان کے نصیب کا حصہ بنی تھیں۔

"پتا نہیں انہیں اپنی خوش نصیبی کا جشن منانا چاہیے یا اپنی بدنصیبی کا ماتم کرنا چاہیے۔"

ایک ساتھ بہت سے آنسو یوسف کمال کے چہرے کو بھگوتے قمیص میں جذب ہو گئے۔

ہتھیلی سے چہرہ خشک کر کے وہ بے آواز قدموں سے چلتے ہوئے کمرے سے باہر آئے۔

برآمدہ ابھی بھی خالی تھا۔ تیز ہوا کے جھونکے جالی تھے گلابی کاسنی پردوں کو اڑائے لیے جا رہے تھے اور برستی بارش کا پانی برآمدے کا آدھے سے زیادہ فرش گیلا کر چکا تھا۔

اندر نانی ستارہ کے کمرے میں ان کے اور نگینہ کے بیچ موضوع گفتگو یوسف کمال ہی تھے۔

"بے غیرت' کمینہ...... ہمت تو دیکھیں اس کی' کیسے آکر سر پر کھڑا ہو گیا جواب طلبی کرنے..... مری ہوئی بہن کی قسم کھا کر کہتی ہوں اماں' آگے میں......" نگینہ کے کڑواہٹ میں ڈوبے الفاظ ادھورے مفہوم کے باوجود سمجھ میں آتے تھے۔

دروازے کی چوکھٹ میں وہ بے غیرت' کمینہ پھر سے آکھڑا ہوا تھا۔

"تم نے مجھ سے اتنا بڑا جھوٹ بولا نگینہ!" دو قدم آگے بڑھ کر وہ ٹھیک اس کے سر پر آکھڑے ہوئے۔ چہرے پر ایسی عجیب سی کیفیت تھی کہ نگینہ جیسی دبنگ عورت کو بھی ایک بار آنکھ چرانا ہی پڑی۔

"کیوں آخر؟ تم اگر اسے مجھ سے ملنے نہیں دینا چاہتی ہو تو تم مجھے صاف لفظوں میں بھی منع کر سکتی تھیں۔

شاید وہ خود بھی مجھ سے ملنا پسند نہیں کرتا۔ مگر اتنا بھیانک جھوٹ...... اولاد ہے وہ میری۔"

نگینہ اور یوسف کمال دونوں ہی نے خود کو اپنی اپنی جگہ کمپوز کیا۔

"شرم آنی چاہیے تمہیں!" یوسف کمال نے اپنے غصے کا اظہار کیا تھا یا اپنے احساس جرم کا۔

"شرم!" خود پر کمال کی لاتعلقی طاری کیے بیٹھی نانی ستارہ نے چونک کر اس شخص کی طرف دیکھا جس کے لیے ان کے پاس کوئی گھٹیا سے گھٹیا لفظ بھی اب باقی نہیں رہا تھا۔ نہ وہ اس کی شکل دیکھنا چاہتی تھیں اور نہ ہی آواز سننا چاہتی تھیں، مگر اب جب وہ پوری ڈھٹائی کے ساتھ ان کے گھر میں کھڑے ہو کر جواب طلبی کر رہا تھا تو جواب دینا بھی لازم ٹھہرا تھا۔

"خود صاحب اولاد ہو کر کسی کے بچے کو جیتے جی مار دینا، تم لوگوں کے ہاں شاید معمول کا قصہ ہو، مگر ہم شریف لوگ......"

"بس! اب ایک اور لفظ آگے نہیں یوسف کمال!" ایک اضطراب کے عالم میں وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

نگینہ کی طرف رخ موڑ کر کھڑے یوسف کمال نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا۔

نانی ستارہ کی گلابی رنگت سرخی مائل ہو رہی تھی۔ وہ ان کے جاہ و جلال کے زمانہ عروج کے گواہ تھے۔

"ہمیں ہماری اوقات یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے یوسف کمال! ہمارے ہاں تو تم جیسے شریفوں کی اولادوں کا پلنا بھی معمول کا قصہ ہے، سو یہاں کھڑے ہو کر اپنی شرافت کی دہائی دینے سے بہتر ہے کہ تم ان ہی قدموں پر واپس چلے جاؤ، ورنہ تمہیں باہر تک پہنچانے کے لیے مجھے کسی کو آواز دینی پڑے گی۔"

اور وہ جو کچھ کہتی تھیں، خالی دھمکی نہیں ہوتی تھی۔ محلے کے سب سے شان دار اور سب سے وضع دار چوبارے پر ستارہ جان کی زوال پذیر حکومت اب بھی اچھے اچھوں کے چھکے چھڑا سکتی تھی۔

"اور ان کی قسمت کا چکر تھا کہ زندگی کی دوسری بڑی خواہش نے انہیں دوبارہ اسی چوبارے کی سیڑھیاں چڑھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

"میں ابھی چلا جاؤں گا۔ آپ مجھے بس خیام کا پتا دے دیں۔ آپ اسے مجھ سے چھین نہیں سکتیں۔ وہ میرا بیٹا ہے اور یہ حقیقت......"

نانی ستارہ سے نگاہ چراتے ہوئے وہ ایک سانس میں جو کچھ کہے جا رہے تھے۔ ایک تلخ ترین باب کو کھولنے کا سبب بن رہا تھا۔

"فیروزہ بھی میری بیٹی تھی یوسف کمال! لاکھوں میں ایک، ہیرے موتیوں میں تولے جانے کے لائق، اس کے قدموں کے نیچے دل رکھنے والوں کی کمی نہیں تھی۔ میرا سب سے قیمتی اثاثہ تھی وہ، جسے تم پوری مکاری سے لے اڑے۔ مفلس کر دیا ہمیں۔ ہماری زندگیوں کا پورا نقشہ بدل گیا فیروزہ کے بعد۔ جلتے انگاروں پر سفر تھا، جو میری نگینہ کے حصے میں آیا، مگر......"

"رہنے دیں اماں!" بے آواز آنسو بہاتی نگینہ نے بے ساختہ ان کی طرف دیکھا۔ "قاتل کے آگے رونے نہیں روئے جاتے۔ چلتا کریں اس آدمی کو بس، فیروزہ کا ماتم کرنے کے لیے ہم اکیلے ہی کافی ہیں۔"

"وہ اپنی مرضی سے میرے ساتھ گئی تھی نکاح کیا تھا پورے عزت و احترام کے ساتھ میں نے اس سے...... بہت محبت کرتے تھے ہم دونوں ایک دوسرے سے۔"

"کیسی محبت تھی تمہاری یوسف! جو میری بچی کو جلا کر راکھ کر گئی؟ زندہ لاش کی صورت وہ میرے پاس واپس آ گئی تھی۔ محض گنتی کی سانسیں تھیں اس کے پاس۔ کیا نہیں کیا میں نے اسے بچانے کے لیے، مگر وہ تو زندوں میں تھی ہی نہیں۔ تم سے جدا ہوتے وقت اس کی روح بھی جسم کا ساتھ چھوڑ چکی تھی...... ہمارے پاس صرف فیروزہ کا

باپ آیا تھا سو وہ بھی مختصر سے عرصے میں معدوم ہوا۔ چپ چاپ قبر میں جا لیٹی۔ مٹی کا رزق ہوئی۔"

نانی ستارہ کی خوں رنگ آنکھوں سے آنسو گرے تھے یا لہو کے قطرے۔ ایک ایک لفظ میں ہزار ہا بین کرتی نجیں کراہیں۔

باہر زور و شور سے بارش برساتے بادلوں کا رنگ اور بھی گہرا ہوا تھا۔

کمرے میں اترتے سرمئی اندھیرے میں زندگی صرف اور صرف غم کا عنوان ٹھہری تھی۔

یوسف کمال کے لیے زندگی میں پہلی بار کسی کے سامنے کھڑا رہنا مشکل تر ہوا تھا۔ ٹانگوں میں ہوتی خفیف سی لرزش پر قابو پانے میں ناکام ہوتے ہوئے وہ گھٹنوں کے بل جھکے۔ نانی ستارہ نے دونوں ہاتھ جوڑے گھٹنوں کے بل بیٹھے اس شخص کی طرف محض ایک نگاہ ڈال کر رخ پھیر لیا۔

"چلے جاؤ تم یہاں سے یوسف! تمہاری تسلی کے لیے اتنا بتا دیتی ہوں کہ خیام چار سال پہلے یہاں سے جا چکا ہے۔ اب وہ کہاں ہے، ہمیں نہیں معلوم۔ بس یا کچھ اور؟"

"چلا گیا؟ مگر کیوں؟ آپ نے اسے کیوں جانے دیا؟" وہ ابھی تک نیچے ہی بیٹھے تھے اور ہاتھ اسی بے بسی کے ساتھ بندھے تھے۔

نانی ستارہ کے چہرے پر آئی مسکراہٹ کی ایک جھلک ہزار ہا آنسوؤں سے کشید کی ہوئی تھی۔

"یہ میری قسمت کا لکھا ہے شاید...... جن جن کو میں نے دل و جان سے چاہا، وہ یوں ہی مجھ سے ہاتھ چھڑا کر فرار ہوئے۔ وہ بھی تو آخر فیروزہ کا ہی بیٹا تھا۔"

باہر برستی بارش کا شور اور بھی بڑھا۔

"آپ نے اسے ڈھونڈا نہیں؟"

"ڈھونڈا نہیں جاتا ہے، جو کھو جائیں۔ ہم نے فیروزہ کو کب تلاش کیا تھا؟ اپنی مرضی سے گئی تھی۔ قسمت کی مار کھا کر واپس آئی تھی۔"

وہ چند لمحے نانی ستارہ کے چہرے کو تکتے گئے، ایسے جیسے کچھ کہنے کے لیے لفظ ڈھونڈ رہے ہوں۔

"وہ بدنصیب بھی تقدیر کی مار کھا رہا ہے۔ پتا نہیں لوٹ بھی سکے گا یا پھر وہیں کہیں ٹھوکروں میں زندگی کی بازی ہار......"

ان کی آواز آنسوؤں میں ڈوبی تھی۔ نانی ستارہ کا دل بہت زور سے دھڑکا۔

"تم...... تم نے دیکھا اسے؟ کہاں تھا وہ؟"

اپنا توازن برقرار رکھنے کے لیے انہوں نے بے ساختہ قریب رکھی کرسی کو تھاما تھا۔

"اماں!" نگینہ تیزی سے آگے بڑھی مگر انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے فاصلے پر ہی روک دیا۔

"اب جھوٹ تم بول رہے ہو یوسف! کہاں دیکھا ہو گا تم نے اسے، تم اسے پہچانتے کب ہو؟ کبھی پلٹ کر دیکھا تک نہیں تھا خیام کو، پھر کیسے دعوا کرتے ہو کہ...؟"

"ٹھیک کہتی ہیں آپ، میں نے تو کبھی اسے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا، نہ اسے اور نہ اس کی ماں کو۔ اتنے ناراض ہیں وہ دونوں مجھ سے کہ وہ میرے خواب تک میں آنا گوارا نہیں کرتے مگر...... مگر پھر بھی جب وہ میرے سامنے آیا تو مجھے اسے پہچاننے میں پل بھر کی بھی دقت نہیں ہوئی۔ اس کی آنکھیں، ان کا سنہرا پن، سب گواہی دیتے ہیں کہ وہ فیروزہ کا بیٹا ہے، ایک کھلا سچ ہے، وہ بذات خود! اور اب وہ کمرے میں لگی تصویر۔"

کمرے میں چند لمحوں کے لیے بڑی بوجھل سی خاموشی اتری۔ نانی ستارہ، نگینہ اور یوسف کمال۔ تینوں کے پاس اب تردید، تصدیق کے لیے کچھ بھی باقی نہیں تھا۔

چلتا ہوں۔" بنا کسی بھی طرف دیکھے وہ دھیمے لہجے میں کہہ کر دروازے کی طرف مڑے۔
نانی ستارہ نے پیچھے کھڑی نگینہ کے ہاتھ کا دباؤ اپنے کندھے پر محسوس کر کے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ نگینہ کا سر ہلکے سے نفی میں ہلا تھا۔
"نہیں اماں۔۔۔ اب اور نہیں!" ایک خاموش مگر واضح پیغام نگینہ کی آنکھ کے اشارے نے انہیں دیا تھا۔
انہوں نے بے بسی سے کمرے سے نکلتے یوسف کمال کو دیکھا اور پھر چشم تصور میں اسے برآمدے کی آرائشی محرابوں کے نیچے سے گزرتے ہوئے بھی۔
پہلی، دوسری، تیسری، چوتھی۔۔۔۔
اور پھر چند لمحوں بعد وہ سیڑھیاں اتر کر اس بھری دنیا میں ایک بار پھر کھو جائے گا اور اس کے ساتھ ہی خیام کو زندگی میں ایک بار پھر دیکھ لینے امید بھی۔
اس آخری بات کے ساتھ ہی ساری مصلحتیں بالائے طاق ہوئیں۔
"یوسف کمال!" ان کی آواز محرابی برآمدے میں یہاں سے وہاں تک گونج اٹھی۔

✲ ✲ ✲
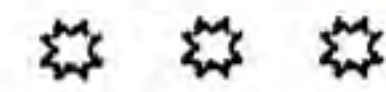
آج چوتھا دن تھا اسے یہاں آتے ہوئے۔ یہاں اس گھر میں اسلام صاحب کے ساتھ بیٹھ کر وہ ایک انوکھی خوشی اور سکون بھرے احساس میں مبتلا تھا۔ جتنی محبت اور احترام وہ معاذ کا کرتا تھا اس سے کہیں۔۔۔ کہیں زیادہ وہ اسلام صاحب کا کرنے پر مجبور ہوا تھا۔ وہ اتنے پیارے انسان تھے کہ۔۔۔۔!
"معاذ بھائی کے والد کو ایسا ہی تو ہونا چاہیے تھا۔"
پہلے ہی دن یہاں سے واپسی پر اس نے خود سے کہا تھا، سو نہ وہ اس گھر پر چھائے سنہرے پن پر حیران ہو سکا اور نہ ہی پرانے فرنیچر سے سجے اس کھلے روشن کمرے کے سکون بھرے احساس پر۔
یہ نیکی اور سچائی کی طاقت تھی، جو منتخب دلوں کے حصے میں آتی ہے اور پھر اطراف کو نور بن کر جگمگاتی ہے۔ سو جہاں کہیں بھی ایسے لوگ ہوں گے وہ جگہ یوں ہی اپنے نور سے نہاتی ہو گی۔ خیام کو پورا یقین ہو چلا تھا۔
اسلام صاحب ابھی کسی کام سے اٹھ کر باہر گئے تھے۔ خیام نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے خود کو خوش قسمتوں میں شمار کیا، جو یہاں اس گھر تک آ سکا اور ان بے حد پیارے لوگوں کی زندگی کے کچھ لمحوں میں حصے دار بن پایا۔
باہر تپتے جھلکتے دن سے بالکل مختلف سکون بھری ٹھنڈک گھر کے اندرونی حصے میں پھیلی تھی۔ پچھلے احاطے کی طرف کھلنے والی کھڑکی آج پوری کھلی تھی اور تیز ہوا سے پردہ اڑا جا رہا تھا۔
وہ پردہ ٹھیک کر کے کھڑکی بند کرنے لگا تھا کہ نگاہ بے ارادہ ہی چمپا کے پودے کے قریب کھڑی اس لڑکی پر پڑی۔
بالکل سادہ سے حلیے میں وہ بڑی توجہ سے پودوں میں پانی ڈال رہی تھی۔ تیز ہوا سے اس کے بالوں کی لٹیں ہیر بینڈ سے نکل کر چہرے پر بکھرتی جا رہی تھیں۔ عجیب سی کشش تھی اس میں کہ وہ چند لمحوں کے لیے اسے بے اختیار ہی دیکھے گیا۔ کچھ ایسا تھا جو کیتی کی یاد دلا رہا تھا۔ شاید اس کا چہرہ یا پھر وہ غضب کی سادگی اور معصومیت شاید۔۔۔ اس نے پلک تک نہیں جھپکی تھی۔
باہر کچھ آہٹ ہوئی تھی۔ وہ چونک کر تیزی سے واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔
"کیا حرکت تھی بھلا؟ کسی کو اس طرح دیکھنا اور وہ بھی اپنے محسن کے گھر آ کر۔"
اس نے بے ساختہ خود کو شرم دلانا چاہی مگر دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس طرح شاید اس نے کبھی کسی لڑکی کو

نہیں دیکھا تھا۔ وہ تو کیتی سے بھی نظر چرا کر ہی چلا تھا اب تک۔ گھر سے نکلتے وقت بھی جب اس نے دل سے التجا بھی کی تھی کہ وہ اسے ایک نظر بھر کر دیکھ لے، وہ دل کی آواز پر کان دھرے بغیر نکل آیا تھا۔ شاید اس لیے بھی کہ اگر وہ اسے دیکھے گا تو وہاں سے نکلنے کا ہر راستہ خود پر بند پائے گا۔ مگر آج۔۔۔۔!
اس نے میز پر رکھی کتاب یوں ہی خود کو مصروف ظاہر کرنے کے لیے اپنے سامنے کھول کر رکھ لی مگر۔۔۔۔
کمرے میں کوئی نہیں آیا تھا اور نہ چاہتے ہوئے وہ ایک بار پھر اس طرف دیکھنے پر مجبور ہوا تھا۔
چمپا کے جھنڈ کے نیچے اب کوئی نہیں تھا۔ بلکہ اِدھر اُدھر بھی نہیں۔ پانی کا پائپ وہیں زمین پر رکھا تھا۔ خیام کو اپنی مایوسی پر تھوڑی حیرت بھی ہوئی اور شرمندگی بھی۔ دروازے سے اسلام صاحب اندر آ رہے تھے۔
"معاف کرنا۔ خیام بیٹا! مجھے تھوڑی دیر ہو گئی!"
"نہیں سر! ایسی کیا بات ہے؟" وہ شرمندہ سا کھڑا ہوا۔
"بیٹھو بیٹھو!" انہوں نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا "اور یہ تم مجھے سر کیوں کہتے ہو، مجھے اچھا نہیں لگتا۔ میرے بچوں کی طرح ہو تم بھی بیٹا۔" ان کے لہجے میں بڑی محبت تھی۔
"جی!" خیام نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔
وہ ہلکے سے مسکرائے۔ معاذ سے اس کی تنہائی اور غیر معمولی رویہ کے بارے میں جان کر انہیں بے حد دکھ ہوا تھا۔
"پھر میں آپ کو کیا کہا کروں؟" وہ ان سے پوچھ رہا تھا۔
"بھئی جیسے معاذ ابا کہتا ہے، تم بھی ابا ہی کہا کرو، مجھے بہت خوشی ہو گی۔" ان کے سرسری سے انداز میں کہی بات نے خیام کو چند لمحوں کے لیے بالکل خاموش کر دیا تھا۔ اسلام صاحب دانستہ اپنے سامنے رکھی کتاب کی ورق گردانی میں مصروف ہوئے۔
"میں اس قابل نہیں ہوں کہ آپ کو اتنے محترم رشتے سے پکاروں۔" اس کی نگاہ جھکی ہوئی تھی اور لہجے میں اعتراف جرم کی سی کیفیت۔
"تم کسی قابل ہو یا نہیں ہو، یہ فیصلہ دنیا کو کرنے دو، وہی بہتر فیصلہ کرتی ہے۔ ہم تم اپنے بارے میں کبھی ٹھیک دعوا نہیں کر سکتے ہیں بیٹا!"
"مگر انسان کے لیے اپنی اوقات کو یاد رکھنا بھی ضروری ہے سر! ورنہ وہ کہیں کا نہیں رہتا ہے۔" خیام کا سر کچھ اور بھی جھک گیا تھا۔
اسلام صاحب کا دل دکھ سے بھرنے لگا۔ "کاش وہ اس کے لیے کچھ کر سکیں۔" انہوں نے بہت دل سے خواہش کی۔
"ایسا مت سوچا کرو خیام! کسی کے پاس محض چند پیسے زیادہ یا کم ہو جانے سے کسی کی اوقات طے نہیں ہوتی۔ خدا نے سب کو برابر پیدا کیا ہے۔" شفقت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے انہوں نے اس کی تلخی کو کم کرنا چاہا۔ مگر یہ دو چار دن کی دین نہیں تھی۔ عمر بھر کا قصہ تھی۔
"کہاں برابر پیدا کیا ہے خدا نے۔ بنگلوں محلوں میں پیدا ہونے والے کا کچرے کے ڈھیر میں پیدا ہونے والے سے کیا مقابلہ ہے سر! اصل میں آپ اور معاذ بھائی دوسروں سے بہت مختلف ہیں۔"
اس بار اس نے اسلام صاحب کی طرف دیکھ کر بات کی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اتنی گہری اداسی تھی کہ وہ مشکل ہی خود کو سنبھال پائے۔
"میں پھر اپنی بات دہراؤں گا خیام! کوئی کہیں بھی پیدا ہو، خدا کے نزدیک ہر انسان برابر ہے۔ یہ طبقاتی فرق تو اس

دنیا کے نظام کا حصہ ہے بیٹا! اس کی اتنی پروا کرنے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔ بس خدا کی نافرمانی سے بچنے کی کوشش کرتے رہو۔ وہ بڑا مہربان ہے' کسی کو اپنی رحمت سے محروم نہیں رکھتا' سارا فخر' سارا غرور اسی کو زیبا ہے۔"

خلوص دل سے کہے گئے الفاظ کی اثر انگیزی غضب کی تھی۔

"یہی ہیں وہ جن کے آگے وہ اپنے دل کا سارا بوجھ اتار سکتا ہے۔" خیام کے دل نے اپنی ساری زندگی میں پہلی بار پوری شدت سے اس طرح آرزو کی۔ وہ ایک بار تو پورا کا پورا کانپ اٹھا۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری!" اسلام صاحب نے اسے فکر مندی سے دیکھا۔

خیام کے ہونٹوں کی ہلکی سی لرزش اور چہرے پر آتا پسینہ۔ وہ ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔

"خیام بیٹا!" اسلام صاحب نے اسے دونوں کندھوں سے تھام کر خود سے قریب کیا۔

"جی! میں ٹھیک ہوں۔" چہرے پر آئے پسینے کو صاف کرتے ہوئے وہ انہیں مطمئن کرنے کے لیے بمشکل مسکرایا۔

"بس چلتا ہوں۔" اس نے مڑ کر میز پر سے کتابیں اٹھائیں۔

اسلام صاحب اسے روکنا چاہ رہے تھے۔ ان کے خیال میں وہ ٹھیک نہیں تھا' لیکن وہ خود پر کمال ضبط کا مظاہرہ کیے گیا۔

"باہر دھوپ ہے' آپ تکلیف مت کریں۔" جب وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے گھر کے بیرونی احاطے کی طرف آرہے تھے' تب خیام نے انہیں منع بھی کرنا چاہا۔

"میں اتنا بھی بوڑھا نہیں ہو گیا ہوں کہ چار قدم چل کر تھک جاؤں گا۔ معاذ بھی ہر وقت یہی ثابت کرنے پر تلا رہتا ہے کہ میں اب زیادہ کام کرنے کے قابل نہیں رہا ہوں اور اب تم بھی۔" انہوں نے وانستہ خوش دلی سے ناراضی جتائی۔ اس بار خیام کی مسکراہٹ بھی بے ساختہ تھی۔

"معاذ بھائی کی تو کیا بات ہے' ان جیسا کون ہو گا۔" معاذ سے اس کی محبت' عقیدت میں بدلنے لگی تھی۔ ابا خوش ہونے کے بجائے سنجیدہ سے ہوئے۔ خیام ان کو رکتا دیکھ کر فوراً" ہی خود بھی رکا۔

"معاذ جیسے ہزاروں لاکھوں ہوں گے اس ملک میں خیام! یہ میرا یقین ہے' اور وہ جہاں بھی ہیں' اپنے حصے کا کام کر رہے ہوں گے۔ معاذ سے بھی کہیں زیادہ بہتر طریقے سے اور میری دعا ہے کہ آنے والے دنوں میں تم بھی معاذ سے کہیں آگے نکل جاؤ۔ نیکی کا چھوٹے سے چھوٹا موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دینا بیٹا! کیونکہ نیکی صرف نیکی ہوتی ہے' چھوٹی یا بڑی نہیں۔ اس راہ میں سبقت لے جانے کی توفیق تمہیں ضرور اللہ کی طرف سے ملے گی۔"

ایک بھاری ذمہ داری انہوں نے پورے یقین کے ساتھ اسے سونپی۔ خیام نے ایک گہری سانس لی۔ اندر پھیلی تپش پر سکون کا ٹھنڈا سا احساس محیط ہونے لگا۔

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔۔۔ ابا!" اپنے الفاظ پر وہ اب حیران بھی نہیں ہوا۔ ذات کی تبدیلی کا عمل اب اسے بہت کچھ سمجھا رہا تھا۔

"ان شاء اللہ!" انہوں نے اسے بہت محبت سے گلے لگایا اور جب وہ ان سے الگ ہوا تو اس بار اس کی آنکھوں میں دکھ کے نہیں' خوشی کے آنسو تھے' جنہیں صاف کرتے ہوئے وہ جھینپا نہیں' مسکرایا تھا۔

"میں تمہارا انتظار کروں گا' جب بھی وقت ملے آجانا۔" جب وہ بائیک اسٹارٹ کر رہا تھا' تب انہوں نے ایک بار پھر اس سے کہا۔

"میں ضرور آؤں گا ابا! بہت ساری باتیں کرنی ہیں مجھے آپ سے۔"

اس نے پورے اعتماد سے کہا اور خدا حافظ کہہ کر بائیک اسٹارٹ کر کے گیٹ سے نکلتا چلا گیا' تب ہی وہ اسے

ایک بار پھر اچانک سامنے نظر آئی۔ کسی دوسری لڑکی کے ساتھ وہ گھر میں واپس داخل ہو رہی تھی۔ شاید کسی قریبی اسٹور تک کچھ لینے گئی تھی۔

خیام نے اگر فوراً" ہی بریک نہ لگائے ہوتے تو شاید وہ اس کی زد میں آجاتی۔

"معاف کیجیے گا!" خیام نے گھبرائی ہوئی آواز میں اسے کہتے ہوئے سنا۔

"غلطی تو میری ہے' مجھے دیکھنا چاہیے تھا۔ چوٹ تو نہیں لگی؟"

جواباً" اس نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔ اس کے چہرے پر پھیلی شرم اور گھبراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ لڑکوں سے زیادہ بات کرنے کی عادی بھی نہیں ہے۔

"ویسے آپ نے بڑے وقت پر بریک لگائی' ورنہ ربیعہ باجی تو گئی تھیں کام سے۔۔۔" ساتھ والی لڑکی نے بڑا بے تکلفی بھرا تبصرہ کیا۔

"ربیعہ!" خیام نے زیر لب دہرایا۔ "یہ نام بہت جانا پہچانا تھا۔" اتنے دنوں میں وہ جان چکا تھا کہ ربیعہ' معاذ کی بہن کا نام ہے۔ جس سے وہ بے حد محبت کرتا ہے۔ اس بار خیام کی نگاہ احتراماً" جھکی۔

"چلو نا' اب کیا یہیں کھڑی رہو گی زری!" وہ اس کا ہاتھ تھام کر تقریباً" کھینچتی ہوئی اندر چلی آئی۔

"اتنا بے تکا کیوں بولتی ہو تم' اچھا لگتا ہے کیا باہر کھڑے ہو کر اس طرح کسی سے بحث کرنا!"

"میں نے بحث نہیں کی' میں تو اس کی تعریف کی تھی۔ بے چارے نے کیسے پھرتی سے آپ کو بچایا!"

"اللہ بچاتا ہے!" ربیعہ نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔

"ہاں! مگر ذریعہ تو بندوں کو ہی بناتا ہے' جیسے مجھے دار الامان جانے سے بچانے کے لیے معاذ ذریعہ بنے۔ ویسے یہ لڑکا مجھے بہت دیکھا دیکھا سا لگ رہا تھا۔ شاید ادھر ہمارے پرانے محلے میں۔۔۔" زری کی نگاہوں میں الجھن تھی۔ وہ دونوں احاطہ پار کر کے برآمدے کی سیڑھیوں کے نیچے آکر رکی تھیں۔

"آپ کو نام پتا ہے اس کا؟" وہ ربیعہ سے پوچھ رہی تھی۔

"ان کا نام خیام ہے' معاذ کے اسکول میں ہی پڑھاتے ہیں اور وہیں رہتے ہیں۔"

"خیام۔۔۔!" زری نے نام دہراتے ہوئے یاد کرنا چاہا۔ "خیام' خیام۔۔۔ ارے یہ تو وہی لڑکا ہے' جو خالہ بتول کے ساجد کے پاس ایک آدھ بار آیا تھا' تب ہی میں نے اسے دیکھا تھا۔۔۔ ویسے ہے کتنا خوبصورت' ہے نا؟"

زری نے اپنی الجھن مٹاتے مٹاتے ربیعہ سے رائے طلب کی۔

"پتا نہیں۔ میں نے بہت غور سے نہیں دیکھا۔" وہ کہتی ہوئی سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

"کیسے نہیں دیکھا' باہر اتنی دیر تو کھڑے ہو کر بات کی ہے۔" زری پیچھے پیچھے آئی تھی۔

"دماغ خراب ہے تمہارا زری! کیا بات کی ہے میں نے' شاید ایک منٹ بھی نہیں لگا ہو گا۔" ربیعہ نے جھنجلا کر اس کی طرف دیکھا۔

"کسی کو دیکھنے کے لیے تو ایک نظر ہی کافی ہوتی ہے' آپ کو تو اچھا خاصا ٹائم ملا تھا۔" وہ اسے چھیڑنے پر تلی تھی' سو بحث سے پرہیز بہتر تھا۔

"میری بات غور سے سنو زری! اپنی زبان اور سوچ دونوں ہی کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرو۔ بھابی آرہی ہیں چند دن میں۔ تمہاری' یہ لڑکوں وڑکوں کی باتیں انہوں نے سن لیں تو پتا نہیں۔۔۔"

بات دانستہ ادھوری چھوڑ کر ربیعہ آگے بڑھ گئی تھی۔

"بھابی۔۔۔ ہونہہ!" زری نے منہ بنا کر کہا' جیسے کوئی کڑوی شے نگلی تھی۔

☼ ☼ ☼

کورٹ کے پرہجوم احاطے سے بمشکل راستہ بناتی وہ فرید الدین تک پہنچی تھی۔

"ارے آپ... میں تو صبح سے آپ کا انتظار کر رہا تھا۔" وہ اسے دیکھ کر کھل سا گیا۔ "دو بار فون بھی کیا مسلمان کو بھی اور آپ کی بڑی بہن بھابھی گل کو بھی... انہوں نے بتایا کہ آپ خاصی دیر سے گھر سے نکلی ہوئی ہیں خیریت تو تھی نا؟" وہ کسی قریبی عزیز کی طرح اپنی فکر کا اظہار کر رہا تھا۔ جویا کو اس کے الفاظ اور لہجہ دونوں ہی سے سخت کوفت ہوئی تھی۔

"راستہ خاصا لمبا ہے وکیل صاحب! اور ٹریفک کا مسئلہ بھی۔ آپ بتائیں کیس کس وقت چلے گا۔"

"کیس تو نہیں چلے گا آج میں نے اگلی تاریخ لے لی ہے۔ تقریباً بیس بائیس دن کے بعد کی۔"

"کیا؟" جویا کو اپنی ساری ہمت رخصت ہوتی محسوس ہوئی۔ چند لمحوں کے لیے تو اس سے ایک لفظ بھی نہ کہا گیا۔

"میں نے سوچا ہے کہ اگلی پیشی تک ہمیں زیادہ وقت مل جائے گا میں نے کچھ لوگوں سے بات کی ہے اس بارے میں۔" وہ ایک لاحاصل سی تفصیل سنا رہا تھا۔ جویا نے مایوسی سے سر جھکا یا تھا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا... میں آپ کے لیے ٹھنڈا منگواتا ہوں۔ گرمی بھی تو بہت ہے۔" وہ مہمان نوازی برتنے لگا مگر جویا نفی میں سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"نہیں میں چلوں گی۔ اگر آپ پہلے ہی بتا دیتے کہ آپ یہ کرنے والے ہیں تو میں آنے سے بچ جاتی۔"

اسے آج کی چھٹی ضائع ہونے کا بھی رنج تھا اور اس سے کہیں زیادہ اظہار صاحب سے نہ مل پانے کا اور اس سے بھی زیادہ اس کیس میں کوئی بھی مثبت پیش رفت نہ ہونے کا۔

"ارے! ایسے کیسے جا سکتی ہیں آپ تھوڑی دیر تو رکنا ہی پڑے گا آپ کو۔ مجھے آپ سے کچھ تفصیلات ڈسکس کرنی ہیں۔"

جویا نے سوالیہ نگاہوں سے فرید الدین کی طرف دیکھا۔

وہ بڑے اشتیاق سے اسی پر نگاہ جمائے ہوئے تھا۔ آنکھوں کا گدلا پن ہونٹوں پر چھاتی سی مسکراہٹ سب ہی کچھ اتنا نمایاں کہ... وہ سمٹ سی گئی۔

"مسلمان بھائی آکر آپ سے بات کریں گے مجھے جلدی ہے۔"

اپنے گرد لپٹی چادر کو اور بھی مضبوطی سے تھام کر وہ جانے کے لیے مڑی مگر وہ بڑی پھرتی سے سامنے آکھڑا ہوا۔

"مسلمان کو فرصت کب ملتی ہے۔ وہ نہیں آئے گا۔ یہ تو آپ مجھ سے لکھوا لیں۔ یہ سب کچھ تو آپ ہی کو دیکھنا ہوگا مس جویا!" بات سچ تھی مگر پتا نہیں جویا کو کیوں ایسا لگا جیسے وہ اسے اس کی حیثیت جتا رہا ہے۔

"مجھے پتا ہے کہ آپ بہت باہمت ہیں ساری ذمہ داری آپ نے ہی اٹھا رکھی ہے۔ بھابھی گل آپ کی بہت تعریف کرتی ہیں۔"

فرید الدین کی بات ختم نہیں ہوئی تھی مگر وہ کچھ سننے کی خواہش مند نہیں تھی۔

"مجھے راستہ دیجیے پلیز!"

"لگتا ہے آپ ناراض ہو گئیں۔" جویا کے سخت لہجے نے اسے تھوڑا سا پریشان کیا تھا۔ جویا اس کے قریب سے نکلتی چلی گئی۔ کوریڈور میں ہونے والے رش نے اسے تیزی سے آگے بڑھنے کی آسانی فراہم نہیں کی تھی۔ فرید الدین چند کاغذ اٹھائے اگلے چند لمحوں میں پھر اس کے اعصاب کا امتحان لینے کے لیے آچکا تھا۔

"یہ کچھ فوٹو کاپیز کروا کر رکھی تھیں میں نے آپ کے لیے آپ اپنے پاس رکھیے انہیں کام کی ہیں۔" اس بار اس نے ذرا پروفیشنل سا انداز اختیار کیا۔ کیس کے سلسلے کے کچھ کاغذات تھے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی جویا کو لینے

کے لیے ہاتھ بڑھانا پڑا۔

"آپ بالکل فکر مت کریں میں آپ کے والد کی رہائی کی پوری ذمہ داری لیتا ہوں۔" کاغذ اس کے حوالے کرتے ہوئے وہ جب کہہ رہا تھا تو جویا نے اپنے ہاتھ پر اس کی انگلیاں سرسراتی محسوس کی تھیں۔

شاید نادانستہ! اس نے اپنے کانپتے ہوئے دل کو سہارا دینے کے لیے حرف تسلی ڈھونڈا تھا۔

فرید الدین کی نگاہ اس وقت تک جویا پر جمی رہی جب تک وہ اس کی نظروں سے غائب نہ ہوئی۔

☼ ☼ ☼

نگینہ نے بڑی آہستگی سے آگے بڑھ کر نانی ستارہ کا ماتھا چھوا۔ بخار کا زور ٹوٹا ہوا محسوس ہو رہا تھا مگر وہ پھر بھی بڑی فکر مندی سے ان کے چہرے کو دیکھے گئی۔

دواؤں کے زیر اثر وہ اس وقت گہری نیند میں تھیں۔ نگینہ دبے قدموں کمرے سے باہر نکل آئی تب ہی اسے برآمدے کے آخری سرے سے گلناز آتی دکھائی دی۔

گلناز کو زور سے ہنسنے اور زور سے ہی بولنے کی عادت تھی۔ یہاں تک آتی تو ضرور ہی نانی کے آرام میں مخل ہوتی۔ سو وہ تیزی سے خود ہی آگے بڑھ گئی۔

"سو کام پڑے ہیں آج کل تجھے تو پتا ہی ہے نگینہ! پر خالہ ستارہ کی فکر ایسی دل کو لگی کہ کہیں دل نہیں لگ رہا۔" وہ دور سے ہی بولتی ہوئی آرہی تھی۔ جب سے نانی بیمار ہوئی تھیں وہ دن میں کئی چکر لگا رہی تھی اور اس کے اس خلوص پر نگینہ کو ذرا بھی شبہ نہیں تھا۔

"اماں سو رہی ہیں گلناز! چل ہم اس طرف بیٹھتے ہیں۔" نگینہ اسے لیے پچھلے صحن میں بنی سہ دری میں آبیٹھی۔

"بس پانچ دس منٹ ہی بیٹھوں گی۔ یہ بتا ڈاکٹر نے کیا کہا خالہ کی طبیعت کے بارے میں یہ اچانک ہی اتنا تیز بخار... ان کے تو کبھی سر میں بھی درد نہیں ہوتا تھا۔ ماشاء اللہ۔ کوئی بات ہوئی ہے کیا؟"

کچھ جھجکتے ہوئے گلناز نے بالآخر پوچھ ہی لیا۔

"دیکھ! بہن ہوں تیری اور خالہ ماں کی جگہ ہیں بلکہ میرے لیے تو ماں سے بھی زیادہ مجھ سے مت چھپا نگینہ دیکھ بتا خالہ کو کیا ٹینشن ہوئی ہے؟"

نگینہ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر وہ جس فکر مندی اور اپنائیت سے پوچھ رہی تھی اسے نظر انداز کرنا آسان نہیں تھا۔ نگینہ نے بڑی صفائی سے نگاہ چرائی۔

"بتایا تو تھا تجھے ٹھنڈ لگی ہے اماں کو پچھلے ہفتے سے بارش بھی تو کتنی پڑی ہے اوپر سے شامانے دال بھرے پراٹھے پکا لیے ان کے ساتھ آم اور لیموں کا اچار فوراً ہی گلا پکڑ لیا۔ اب اس عمر میں کہاں برداشت ہو سکتی ہیں یہ سب چیزیں۔" نانی کی بیماری کے بارے میں وہ اپنے گزشتہ بیان پر ہی قائم رہی۔ گلناز کو مایوسی ہوئی۔

"خالہ نے تو اچار کبھی منہ میں نہیں رکھا تھا۔ ہم لوگوں پر بھی کتنا خفا ہوا کرتی تھیں... یاد ہے۔"

"انسان ہیں کبھی تو دل چاہ ہی جاتا ہے۔" نگینہ نے بات دانستہ بدلنی چاہی۔ "تو سنا کچھ بات بڑھی الماس کی کیا کہہ رہا ہے وہ شادی کرے گا یا پھر...؟"

گلناز نے ٹھنڈی سانس لی۔

"ابھی تو شادی کے موضوع پر کوئی بات نہیں ہوئی دو چار دن ہی ہوئے ہیں آتے ہوئے لیکن اس بار میں اس کی واپسی سے پہلے کوئی فیصلہ کرواؤں گی یہ تو میں نے سوچ لیا ہے۔ ویسے تحفے تحائف تو بہت دیے ہیں الماس کو اس نے پہلے سے بھی زیادہ۔"

گلناز کے لہجے میں امید اور بے یقینی کے درمیان والی کیفیت تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو نگینہ بہت دلچسپی سے اسے کوئی مشورہ دے سکتی تھی مگر آج کل ہر بات سے دل اٹھا ہوا تھا۔ یوں ہی چپ چاپ بیٹھی رہی گلناز نے بھی اس کی بے دلی کو بخوبی نوٹ کیا تھا' سو اٹھ کھڑی ہوئی۔

"پھر کسی وقت آؤں گی' اس وقت تو مجھے بھی جلدی ہے اور تو بھی خالہ کی بیماری کی وجہ سے پریشان ہے۔ خدا کرے' وہ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔" وہ گلے مل کر رخصت ہونے لگی تھی۔ تب ہی کچھ یاد آیا۔

"گیتی کا فون آئے تو میری دعا پیار کہنا اسے' کہنا کبھی خالہ کو بھی یاد کر لیا کرے۔" نگینہ نے مسکرا کر سر ہلایا۔

شاما چائے لے کر آئی تو وہ وہیں سہ دری کے تخت پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"باجی گلناز چلی بھی گئیں؟" وہ حیرت سے پوچھنے لگی۔

"ہوں! جلدی تھی اسے۔"

"ظاہر ہے' جلدی تو ہوگی ہی۔ نیچے گاڑیاں جو آنا شروع ہو گئی ہیں۔" شاما کی دی ہوئی اطلاع میں مسالا تھا مگر بہت سی باتیں وقت کے ساتھ اپنی دلچسپی ختم کر رہی تھیں۔

"اماں کو پوچھنے آئی تھی۔ بے چاری' بڑی فکر مند ہے ان کے لیے۔" چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے نگینہ نے دھیرے سے اتنا ہی کہا۔

"نانی نے بستر بھی تو ایک دم پکڑ لیا ہے باجی! کبھی ایسی بیمار نہیں پڑی تھیں۔ مجھے تو لگتا ہے نظر ہوئی ہے انہیں' میں تو سوچ رہی ہوں کہ آج جا کر اتار کرنے والی کو لے کر آؤں۔ ساری رونق ان ہی کے دم سے ہے ہمارے گھر میں تو۔"

"مقام شکر تھا کہ ان کے ہاں محبتوں کی آج بھی کمی نہیں ہے۔" گھونٹ گھونٹ لے کر چائے پیتی نگینہ کا دل بھر آنے لگا۔

صندل اٹھ گئی۔ اپنی جذباتیت پر آج کل وہ بار بار قابو پا رہی تھی۔ نانی ستارہ کی بیماری نے پچھلے دنوں میں ہونے والے سارے اچھے برے واقعات میں سب سے زیادہ اس کے دل کو دکھایا تھا۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ نانی ایک دم ہی کیوں...؟"

"جا۔ تو جا کر صندل کو دیکھ' اسے کسی شے کی ضرورت نہ ہو۔" بے ساختہ بات کاٹتے ہوئے نگینہ کی آواز قدرے اونچی ہوئی تھی۔

شاما نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ نگینہ کی بد مزاجی' پھٹکار' بد زبانی' سب ہی کی وہ عادی تھی' مگر یہ رنگ اجنبیت۔

کچھ تو ہے' جو باجی نگینہ اور نانی دونوں کو پریشان کیے ہوئے ہے اور وہ بھی اتنا کہ... زندگی میں پہلی بار اسے نگینہ تک پہنچنا از حد مشکل لگا تھا۔ سہ دری سے نکلتے ہوئے اس نے مڑ کر نگینہ کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی سر جھکائے وہیں تخت کے ایک کونے پر بیٹھی تھی۔

"پتا نہیں کیا... جو مجھ سے بھی چھپایا باجی نے۔" تخت کے کنارے بیٹھی نگینہ نے اپنی جلتی ہوئی آنکھوں پر اپنی یخ ہوتی ہتھیلیاں رکھیں۔

کتنی راتوں سے وہ جاگ رہی تھی۔ نانی کی بیماری کے ان دنوں میں وہ بڑے برے پریشر میں آئی تھی۔ پاؤں تلے انگارے لیے چلتے ہوئے جو سفر اس نے کاٹا تھا... اس کی ساری ہمت اور طاقت نانی ستارہ سے ہی مستعار لی ہوئی تھی۔ وہی تھیں جن کی موجودگی کا احساس بڑا ہی عافیت بھرا تھا۔

"اور جو خدا نہ کرے اماں کو کچھ..." وہ کسی چھوٹی سی بچی کی طرح خوف زدہ ہوئی۔

"بیڑا غرق ہو اس یوسف کمال کا' معلوم نہیں کہاں سے آگیا ہماری زندگی میں' اتنے برسوں ہی کے بعد' کہتے لوگ مرے ہوں گے اتنے سالوں میں' یہ بھی کہیں مر کھپ جاتا تو پھر یوں زخم ہرے کرنے تو نہ آتا اور ساتھ میں بابا بھی تو اس منحوس خیام کی خبر۔ ہماری بلا سے کہیں دھکے کھائے' آ جائے کسی گاڑی کے...."

ہفتہ سے اوپر ہونے کو آیا تھا مگر کڑواہٹ تھی کہ کم ہونے کا نام نہیں لیتی تھی' شاید اس لیے بھی کہ وہ اسے اب تک کسی کے بھی ساتھ شیئر نہیں کر پائی تھی۔ نانی ستارہ نے سختی سے منع کیا تھا کہ یوسف کمال کی آمد کا ذکر کسی سے بھی نہ ہو' شاما تک سے نہیں۔ سو اس سنسان دوپہر میں آیا یوسف کمال اب تک کسی بریکنگ نیوز کی طرح نشر نہیں ہو سکا تھا۔

"نانی اٹھ گئی ہیں' آپ کو بلا رہی ہیں۔"

شاما نے دور سے ہی پکار کر اسے اطلاع دی تو وہ فوراً" ہی اٹھ کر تیز قدموں سے برآمدے کی طرف بڑھ گئی۔

نانی ستارہ بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھی تھیں' نگینہ کو آتا دیکھ کر ہلکے سے مسکرائیں۔

"اب کیسی طبیعت ہے اماں؟" وہ کہتی ہوئی ان کے پاس آ کر بیٹھی۔

"ٹھیک ہوں' شکر ہے خدا کا' یہ تم نے کیا حال بنا رکھا ہے اپنا نگینہ! مجھے تو تم بیمار لگ رہی ہو۔"

بیماری کی نقاہت ان کے لہجے میں نمایاں تھی' مگر لہجے میں مخصوص سکون اور مضبوطی۔

نگینہ کو بخوبی اندازہ تھا کہ ان پریشانی بھرے دنوں میں وہ کتنی خستہ حال دکھائی دے رہی ہوگی مگر اپنی طرف دیکھنے کا ہوش ہی کسے تھا۔

ان کے اطمینان کے لیے وہ مسکرائی۔ "بس ایسے ہی اماں! اصل میں آپ بیمار تھیں تو بس دل ہی نہیں چاہا کسی بات کو۔" اس کی آواز آنسوؤں میں ڈوبنے لگی۔

نانی نے بڑی محبت سے اس کی طرف دیکھا۔ سر جھکائے پلکیں جھپک جھپک کر جس طرح وہ اپنے آنسوؤں کو بہنے سے روک رہی تھی' وہ انداز بڑا دل چھو لینے والا تھا۔

"پاگل ہوئی ہے کیا' میری بیماری پر اس طرح ہوش حواس گم کرے گی تو جب میں مروں گی تب..."

"نہیں اماں! نہیں' بس...." ان کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ بے اختیار ہی نانی ستارہ کے گلے لگ کر رو دی تھی۔

نگینہ کے بالوں پر ہاتھ پھیرتی ہوئی نانی ستارہ نے چند منٹ دانستہ اسے رونے دیا۔ "تو تو میری باہمت اور بڑے حوصلے والی بیٹی ہے نگینہ! سارے گھر کو سنبھال کر چلنے والی۔ میرا فخر' میرا مان' سب ہی کچھ تو ہے...." نگینہ کی ہچکیاں ہلکے ہلکے کم ہوتی گئیں۔ شاما نے خاموشی سے سائیڈ ٹیبل پر لا کر پانی کا گلاس رکھا اور واپس پلٹ گئی۔

"میں اب ٹھیک ہوں' سچ کہہ رہی ہوں' سو تم بھی خود کو سنبھالو' سمجھیں۔"

جب پانی کا گلاس ختم کر کے اپنی آنکھیں خشک کر چکی تو وہ کہنا شروع ہوئیں۔ "دس مسئلے ہیں تمہاری توجہ کے منتظر۔ یہ بیماری آزاری تو چلتی رہتی ہے انسان کے ساتھ' اب ہم گناہ گار بندے اتنے بھی مضبوط نہیں کہ ساری عمر ہمیں یہ چھوٹی موٹی تکلیفیں نہ ستائیں' ہم تو بہت کمزور لوگ ہیں نگینہ...."

وہ سعادت مندی سے سر جھکائے سنے گئی۔

"اچھا یہ بتاؤ' گیتی کو تو میری بیماری کی اطلاع نہیں کی تھی نا؟"

"نہیں' آپ نے منع جو کر دیا تھا۔"

"بہت اچھا کیا' یہاں کی ذرا ذرا سی باتوں کی وہاں اطلاع دینا مناسب ہے بھی نہیں۔ گیتی آنے کی ضد کرتی' پتا نہیں سالار کے لیے بھی ابھی اسے لانا آسان بھی ہو پایا نہیں۔"

"جی۔"

"اور یوسف کے آنے کا بھی.... کسی کو بتایا تو نہیں نا تم نے؟" ان کے لہجے میں پھر سے اضطراب تھا۔

"مت نام لیں اس کمینے کا' پتا نہیں کہاں سے آمرا۔ وہی بیمار ڈال کر گیا ہے آپ کو' پہلے ہمارے گھر کو آگ لگا چکا ہے' اب پھر رخ کیا ہے یہاں کا' اگلی بار آیا تو ہاتھ پاؤں تڑوا کر گلی سے باہر پھینکوا دوں گی۔" وہ تلملا ہی تو گئی۔

"میں نے جو پوچھا ہے' اس کا جواب دو۔"

"نہیں! مگر میں صاف کہہ رہی ہوں کہ آئندہ اسے یہاں نہیں گھسنے دوں گی اور نہ ہی اس بدبخت خیام کو۔ اگر وہ کبھی آیا۔" نانی کی طبیعت سنبھلنے کے ساتھ ہی نگینہ کی ساری کڑواہٹ اس کے لہجے اور الفاظ دونوں میں گھلنے لگی تھی۔ نانی ستارہ نے تاسف سے اس کی طرف دیکھا۔

"بتا تو گیا ہے اس کا باپ کہ وہ دیکھ چکا ہے اسے وہاں سڑکوں پر رلتے ہوئے' کہاں بھٹک رہا ہوگا' کیسے کیسے عذاب سہہ چکا ہوگا' بھانجا ہے تمہارا نگینہ! ایمان داری سے کہو کہ دل نہیں دکھتا کیا؟"

"نہیں! میرا نہیں دکھتا' یوسف اور فیروزہ جیسے خود غرضوں کی اولاد ہے خیام' اس کے ساتھ جو بھی ہو' وہ کم ہے۔"

وہی زہر بھری کڑواہٹ' وہی سخت دل.... نگینہ نانی ستارہ کی بیماری ویماری سب کچھ بھولنے لگی۔ "اور اماں' اتنے سال بعد اگر یوسف نے اسے برے حالوں میں دیکھا ہے تو یہ قدرت کی سزا ہے۔ اب اسے اپنے بنگلوں' گاڑیوں میں ایک پل کا بھی چین نصیب نہیں ہوگا' میں تو دعا کرتی ہوں کہ ساری عمر اسے خیام نہ ملے' پاگل دیوانہ ہو کر مرے ہماری طرف سے۔"

نانی ستارہ نے بے ساختہ اپنے ماتھے کو چھوا۔ "تو نہیں بدلے گی نگینہ! قدرت کا اپنا حساب کتاب ہے' جب یہ سمجھتی ہے پھر کیوں اپنی رائے' اپنی بددعا مسلط کر رہی ہے' غیر کے الفاظ منہ سے نکالا کر۔"

"تو آپ کیوں گئی تھیں اس یوسف کے پیچھے کہ خیام مل جائے تو وہ اسے آپ کے پاس لے کر آئے۔ کیا ضرورت تھی خود کو کمزور دکھانے کی۔"

ہفتہ بھر سے دل میں پن کی طرح چبھی بات گلے کی صورت نگینہ کے لبوں پر آئی۔

"میں اسے ایک بار دیکھنا چاہتی ہوں نگینہ! گلے لگا کر پیار کرنا چاہتی ہوں' پھر چاہے وہ کبھی نہ آئے۔ رہے اپنے باپ کے پاس خوش و خرم' میری فیروزہ کی روح کو چین آجائے گا بس۔"

ان کے چہرے پر خیام اور فیروزہ کے بارے میں بات کرتے ہوئے جیسی محبت بھری چمک پھیلتی تھی' نگینہ کو ہمیشہ ہی منہ چڑاتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔

"مری ہوئی فیروزہ کی روح کی بھی فکر اور میں جس نے اپنی ہڈیاں گھلا ڈالیں میرے لیے بس پیار بھری تھپکی؟"

اگر نانی ستارہ کی بیماری کا لحاظ نہ ہوتا تو وہ شاید فوراً ہی الجھن جتا بھی دیتی مگر تب ہی صندل کمرے میں چلی آئی۔

"کیسی ہیں آپ نانی!" وہ سیدھی ان کے گلے آکر لگی۔ نانی ستارہ نے بڑی محبت سے اس کے ماتھے پر پیار کرتے ہوئے بہت سی دعائیں دے ڈالیں۔

صندل آج بہتر موڈ اور بہتر حلیے میں تھی۔ نانی اور نگینہ دونوں ہی کو اچھا لگا تھا۔

"آج صبح ہی مجھے پتا چلا ہے کہ بالی نے اس نئی لڑکی کو اپنے دونوں پروجیکٹ سے الگ کر دیا ہے اور اب وہ مجھے ہی سائن کرنے والے ہیں۔" وہ کسی ٹیلیفونک خوش خبری کی اطلاع نانی کو دیتے ہوئے بڑی مطمئن محسوس ہو رہی تھی۔

خبر اچھی تھی' لیکن نامکمل اور غیر مصدقہ!

"کس نے بتایا تمہیں؟" الجھن بھرے انداز میں نگینہ نے صندل کی طرف دیکھا۔ "لوگ یوں ہی اڑاتے بھی ہیں۔"

"مخالف کیمپ سے ہی خبر آئی ہے۔ ہیں وہاں میرے بھی کچھ خیر خواہ' آپ ہر وقت یوں ہی شک مت کرتی رہا کریں ہر ایک پر۔ ایک مقام ہے میرا انڈسٹری میں' مجھ سے مذاق کی ہمت بہرحال نہیں ہے کسی میں۔"

صندل کا اعتماد بحال ہو رہا تھا۔ نگینہ کی آنکھوں میں ابھی بھی الجھن باقی تھی۔

"یہاں کوئی کسی کا خیر خواہ نہیں ہے۔ یہ بات اب بھی سمجھ میں نہیں آئی کیا تمہارے؟"

صندل نے طنزیہ سی مسکراہٹ کے ساتھ ہاتھ کے اشارے سے نگینہ کی بات کو رد کیا۔ خود نانی ستارہ کو بھی اس کا انداز اچھا نہیں لگا۔

"ماں کی بات کو سنجیدگی سے لو صندل! اس کا تجربہ انڈسٹری کے بارے میں تم سے کہیں زیادہ ہے بلکہ تمہارے خیر خواہوں سے بھی کہیں زیادہ۔"

نگینہ نے تشکر بھری نگاہ سے نانی ستارہ کو دیکھا لیکن نمبرون کی دعوے دار کے لیے فی الوقت کوئی نصیحت کارگر نہیں تھی۔

اس کے چہرے سے وہ طنزیہ سی مسکراہٹ بھی غائب ہوئی۔

"زمانہ بہت بدل گیا ہے نانی! اور اماں بے چاری کا تو کیا تجربہ۔ ساری زندگی ایکسٹراز میں دھکے کھاتے گروپ ڈانس کی آخری لائن میں کھڑے ہونے کے لیے بھی منتیں' خوشامدیں' ہیروئن کے انتظار میں گھنٹوں سوکھنا' ان کا تجربہ تو یوں ہی ڈرا سہما' وسوسوں سے بھرا ہی ہونا ہے نا۔ مگر یہاں تو شکر ہے کہ پہلی فلم ہی سپرہٹ ہوئی ہے' نمبرون ہیروئن تسلیم کیا گیا اور..."

"ہاں! لیکن اس غریب' کم اوقات ماں کی جوتیوں کے صدقے سے۔" نانی ستارہ کے انداز میں بڑی ہی تکلیف دہ چبھن تھی۔ صندل کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔

"شاما' شاما!" مزید کچھ اور کہے بنا نانی ستارہ نے شاما کو آواز دی تھی' آج ان کی آواز میں آیا بدلاؤ' شاما کو بھی سرپٹ دوڑا کر لایا تھا۔

"جی نانی!"

"وہ لفافہ صندل کو دے دو' جو چند دن پہلے بالی کا ڈرائیور دے کر گیا تھا۔"

"کیسا لفافہ اماں! مجھے تو کچھ نہیں بتایا تھا آپ نے۔"

شاما کو نانی کی الماری کی طرف مڑتا دیکھ کر نگینہ نے حیرت سے نانی ستارہ سے پوچھا۔ وہ جواباً خاموش ہی رہیں۔ ان کے اشارے پر ہی وہ لفافہ' صندل کو پکڑا کر شاما خاموشی سے باہر نکل گئی۔

نگینہ بے تابی سے صندل کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

کوٹھی پر بقایا قرضہ کے کاغذات' ملازمین کی بقایا تنخواہیں' پلس وہ رقم جو صندل کے اخراجات کی مد میں صندل کی طرف نکل رہی تھی اور منسوخ شدہ کانٹریکٹ۔

صندل کے چہرے پر آنسوؤں کی باریک سی لکیر پھیل رہی تھی' ایک بار پھر پاؤں تلے سے سیڑھی کھسکنے کا تکلیف دہ تجربہ۔

نگینہ کا دل بری طرح دکھا۔ "کیا تھا جو اماں' یہ سب صندل سے چھپا لیتیں۔" صندل کی ساری نافرمانی اور تیزی کو یکسر بھلا کر اس نے شکایت بھری نگاہ ماں پر ڈالی۔

"زندگی بالی کی فلموں سے کہیں آگے نکلنے والی شے ہے۔ میں نے صرف تمہاری دل شکنی کے خیال سے نہیں

بتانا چاہا تھا مگر اب چھپانا بھی بے سود تھا۔"

نانی ستارہ صندل سے مخاطب تھیں۔ "سب سے پہلے اپنے پاؤں زمین پر ٹکانا اور سر کو جھکانا سیکھو صندل! ورنہ بار بار گرتی رہو گی۔" کمرے میں اب صرف ان ہی کی آواز کی گونج تھی۔

☼ ☼ ☼

"جویا!" شاکرہ امی نے کمرے کا دروازہ کھول کر اسے آواز دی تو دھوپ کی روشن لکیر کھلے دروازے سے کمرے کے وسط تک چلی آئی۔

شاکرہ امی اسی لکیر پر چلتی ہوئی اندر آئیں اور اس کے قریب آکھڑی ہوئیں۔

"ایسے کیوں بیٹھی ہو؟"

"جی!" اس نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا اور پھر اپنی طرف۔

بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے خالی الذہن کے عالم میں وہ کب سے اسی طرح ساکت و جامد بیٹھی تھی، سو یہ کوئی ایسی قابل اعتراض بات تو نہ تھی۔

"بھائی پر کیا آفت ٹوٹی ہے۔ تیز بخار چڑھا ہے غریب کو، گل کب سے بیٹھی ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہی ہے مگر تم نے آکر جھانکا تک نہیں کہ گھر میں کیسی پریشانی پھیلی ہوئی ہے۔" زوبیہ کی طرف سے آئے نوٹس کا غم تا حال تازہ تھا۔

بات شکوہ سے شروع ہوئی اور اس کی کوتاہی کو جتاتے ہوئے ختم ہوئی۔ اور ختم بھی کہاں...؟

"اور کچھ نہیں تو گل کو ناشتا ہی بنا دیتیں، صبح نو بجے کی آئی بیٹھی ہے اب ساڑھے دس بج رہے ہیں۔"

"میں سمجھی وہ ناشتا کر کے آئی ہیں۔"

"بھائی کی پریشانی میں کہاں کھایا گیا ہو گا اس سے۔ تم خود ہی ہر بات فرض کر لیتی ہو، کم از کم پوچھ ہی لیتیں اس سے، بڑی بہن ہے آخر۔" اس کا بے تاثر سا انداز شاکرہ امی کو اور بھی کھلا تھا۔

جویا نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "یہ ان کا اپنا گھر ہے امی! ناشتا، کھانا جو چاہیں، خود بھی بنا کر کھا سکتی ہیں۔"

شاکرہ امی کچھ گڑبڑا سی گئیں۔ جویا کی بات سے متفق ہونے کا مطلب، آنے والے دنوں میں اس کی مستقل خدمت گزاری سے ہاتھ دھو لینے کے مترادف تھا۔

"تمہاری ابھی شادی نہیں ہوئی ہے، اس لیے تمہیں اس بات کا اندازہ نہیں، شادی شدہ بیٹی کی حیثیت مہمان کی سی ہوتی ہے، از خود کچھ بھی کرنے سے وہ جھجکنے لگتی ہے۔ گل بے چاری بھی بظاہر کتنی فری ہو، لیکن پھر بھی ہے تو اب پرائی۔"

معلوم نہیں وہ کیوں بحث کر رہی ہے، جبکہ جانتی بھی ہے کہ اس کی ہر بات خواہ وہ کتنی درست ہو، اسی طرح رد کرتی جاتی رہے گی۔ اس بار سر جھکا کر اس نے صرف اتنا ہی سوچا تھا۔

"چلو اٹھو، ناشتا بنا لو، میں نے نیچے والوں کے لڑکے سے گوشت بھی منگوا لیا ہے، دوپہر کے لیے بھی کچھ اچھا سا پکا لو، سلمان بے چارہ شاید تھوڑا بہت کھا ہی لے، پسند کی چیز دیکھ کر، ورنہ تو..."

سلمان کی حالت زار کے خیال سے ان کا دل بار بار بھر آ رہا تھا۔ سو وہ بات ادھوری چھوڑ کر آنسو صاف کرتی ہوئی واپس باہر نکل گئیں۔ اپنے پیچھے انہوں نے دروازہ بند کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

چند لمحے وہ یوں ہی خالی خالی نگاہوں سے اندر آتی دھوپ کی اس چمکتی لکیر کو دیکھے گئی۔

زوبیہ کی طرف سے آئے خلع کے نوٹس کے بعد گھر میں جو رنج و غم کی سی کیفیت پیدا ہوئی تھی، اس میں اب

تک کوئی کمی واقع ہونے کے آثار نہیں تھے۔

سلمان کی تو خیر شاکرہ امی کے بقول، زندگی ہی برباد ہو گئی تھی، لیکن آپا گل بھی اپنی ابتدائی خوشی پر شرمندہ ہو کر اب اس کے غم میں برابر کی شریک تھیں۔ زوبیہ کے ساتھ سلمان کی مصالحت سے انہیں اپنے میکے کا گرتا ہوا مورال بہرحال اوپر ہوتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ سو اب یہ امید بھی غارت ہوئی تھی۔

گھر میں صرف زویا تھی، جو کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر کے ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوئی تھی۔ جویا کے لیے اب سب ہی کچھ یکساں تھا۔

وہ اٹھ کر کچن میں چلی آئی۔ سلمان کے کمرے کے دروازے میں سے شاکرہ امی اور آپا گل دونوں ہی نے اسے کچن میں جاتا دیکھ کر سکون کا سانس لیا تھا۔

"خدا جو کرتا ہے وہ بہتر ہی کرتا ہے، اب یہی دیکھ لیں کہ اگر اس وقت جویا کی شادی اس کم بخت اعجاز کے ساتھ ہو گئی ہوتی تو اس وقت اس گھر کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ ابو جیل جا کر بیٹھ گئے اور بے چارہ سلمان..."

آپا گل نے سلمان کی طرف دیکھ کر تاسف سے سر ہلایا۔ وہ دواؤں کے زیر اثر تھوڑا سا غافل ہوا تھا۔

"خیر، وہ تو وقت ہی اور تھا، کیا پتا جویا کی شادی ہو گئی ہوتی تو تمہارے ابو کے خلاف مقدمہ بھی نہیں بنتا۔ سارے معاملات درست بھی تو رہ سکتے تھے، یہ مستقل جگ ہنسائی تو نہ ہو رہی ہوتی۔ کیسی سہل زندگی ہوتی۔"

شاکرہ امی کے لہجے میں بڑی حسرت تھی۔

"سارا زمانہ رشوت لے رہا ہے، کیا حکمران کیا عوام، مگر سب چین کی بانسری بجاتے ہیں۔ ایک ہمارا ہی گھر ہے، جہاں سب کام بے عقلی کے ہوتے ہیں۔ ابو بھی اگر ذرا سمجھ داری سے کام لیتے تو یہ کچھ نہ ہوتا۔ جواب سب بھگت رہے ہیں۔"

اب سارے پچھتاوے بھی گئی گزری سی بات لگتے تھے۔ شاکرہ امی، جو پہلے اولاد کی اس بے حسی اور ناشکری پر اپنی خفگی کا اظہار کر لیا کرتی تھیں، اب خاموش رہنے لگی تھیں۔

ان کی حیثیت اب معزول ملکہ کی سی تھی۔

"پرانی کہاوت ہے کہ نہ پریشانی کبھی اکیلی آتی ہے، نہ خوشی، دونوں ہی کے ساتھ مزید سامان بندھا چلا آتا ہے، خوشی کا بھی اور تکلیف کا بھی... ہمارے اپنے گھر کی مثال سامنے ہے۔"

اِدھر اُدھر سے پڑھی اور سنی گئی باتوں کو آپا گل مہارت سے اپنے مطلب معنوں میں استعمال کر لیا کرتی تھیں۔ مگر اس وقت یہ کس بات کی تمہید تھی؟

شاکرہ امی نے بے تاثر سے انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

"اب یہی دیکھ لیں، ابو کی گرفتاری، گھر کا بکنا، زیور سامان کا بک جانا اس منحوس جرمانے کو بھرنے میں ہی کیا کم تھا کہ سلمان بھی اپنی برباد زندگی لیے واپس آگیا۔ پتا نہیں کیا لکھا ہے اب اس غریب کی قسمت میں، فی الحال تو کوئی اچھی امید نظر نہیں آتی۔"

ان کے الفاظ اور لہجے میں ایسی ہی رقت اور مایوسی تھی، جیسی کسی مظلوم اور لٹی پٹی لڑکی کے لیے ہو سکتی تھی۔ سر کو تھامے بیٹھی شاکرہ امی نے ایک سرد آہ بھری۔

"بڑا ہی خطرناک سفلی کروایا ہے اس بار دشمنوں نے۔ سختی ہے کہ ٹل ہی نہیں رہی۔ ابھی آگے اور کیا دیکھنا لکھا ہے۔ کچھ پتا نہیں۔" اتنی سی بات کے دوران ہی ان کے حلق میں آنسوؤں کا پھندا سا لگا تھا۔

جتنی دیر میں انہوں نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا پانی کا گلاس اٹھا کر ختم کیا، آپا گل پرسوچ سی نگاہوں سے ان کی شکل دیکھ گئیں۔

"خود کو سنبھالیے' اب ساری عمر روتے ہی تو نہیں رہنا' آگے کی فکر کریں امی! ہمارے گھر کی بہتری کے لیے کوئی بڑا قدم خود اٹھانا ہو گا' کوئی ایک راستہ کھل گیا تو سمجھ لیں' راستے پر راستہ کھلتا چلا جائے گا۔"

وہ باتوں باتوں میں پہیلی بوجھنے لگیں' شاکرہ امی کی ذرا جو کچھ سمجھ میں آیا ہو۔ "پہلے تمہارے ابو جیل سے چھوٹیں' اس کے بعد ہی کچھ۔۔۔"

"جب آنا ہو گا' آجائیں گے وہ' اب اپنے ہاتھ میں تو ہے نہیں' قانونی معاملہ ہے آخر۔" آپا گل جھنجلا سی گئیں۔ جو بات وہ کرنے جارہی تھیں اس میں اظہار صاحب کی قید یا رہائی کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ "اب ان کے انتظار میں زندگی کے باقی سب کام روک تھوڑی لیے جائیں گے۔ آپ بھی نا بس۔۔۔"

بہت قریب سے مزے دار سی خوشبو اڑی تھی۔ بات ادھوری چھوڑ کر انہوں نے سامنے دیکھا۔ جویا ٹرے لیے کمرے میں آئی تھی۔

پراٹھے' چار شامی کباب اور غالباً' ایک انڈے کا آملیٹ۔ آپا گل نے ایک نگاہ میں جائزہ لیا۔

"یہ کباب کب بنائے تم نے؟"

"دو' تین دن پہلے بنا کر فریز کیے تھے' امی نے بتایا کہ آپ نے ناشتا نہیں کیا تو۔۔۔"

"بہن ہو تو تم جیسی۔۔۔ دیکھا امی! جویا کو کتنا خیال ہے میرا' یہی بے چاری ہے جو سب کی فکر کرلیتی ہے' ورنہ تو آپ کے ہاں ہمیشہ نفسا نفسی کا ہی دور رہا ہے۔" ہاتھ پکڑ کر جویا کو اپنے قریب بٹھاتے ہوئے آپا گل کے منہ سے ایک سچ بے ساختہ ہی ادا ہوا تھا۔ جویا نے غیر محسوس انداز میں ان کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ آج کل وہ پہلے کے مقابلے میں بہت مختلف رویہ رکھے ہوئے تھیں۔ اتنا مختلف کہ جویا کو خوف سا آنے لگا تھا۔

"بہت ذائقہ ہے تمہارے ہاتھ میں۔۔۔ دیکھ لینا تمہارا شوہر بہت خوش رہے گا تم سے۔ مرد چاہے جیسے بھی ہوں' اچھا کھانا پکانے والی بیوی کی ہمیشہ قدر کرتے ہیں۔"

ان کا اپنا کبھی کچن سے کوئی خاص ربط نہیں رہا تھا' مگر وہ پھر بھی اکبر بھائی پر برسوں سے راج کررہی تھیں اور بہت سی باتوں کی طرح جویا انہیں یہ بھی نہ یاد دلا سکی۔ چپ چاپ انہیں کباب پراٹھوں کا صفایا کرتے دیکھے گئی۔

"کل فرید بھائی آئے تھے ہمارے ہاں خاص طور پر۔"

"کون فرید بھائی؟" اسے بالکل یاد نہیں آیا کہ خاندان میں اس نام کا کوئی شخص ہے۔ آپا گل کو اس کی غیر حاضر دماغی پر ذرا سا افسوس بھی ہوا۔ "فرید الدین ایڈووکیٹ۔"

جویا نے بے ساختہ نچلا لب دانت تلے دبایا۔

یہ نام آپا گل کی باتوں میں آج کل بار بار آرہا تھا۔ پھر بھی وہ یاد نہیں رکھ پارہی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ انہیں وکیل صاحب کہتی تھی اور اس لیے بھی کہ وہ لوگوں کے چہروں اور ناموں کو یاد رکھنے کی قطعی خواہش مند نہیں رہی تھی اور خاص طور پر یہ نام۔۔۔ اور یہ چہرہ۔۔۔

"بے چارے' بہت ہی اچھے آدمی ہیں' جب بھی آتے ہیں' بچوں کے لیے چاکلیٹ اور جوس کے ڈبے ضرور لے کر آتے ہیں۔ کل تو تم لوگوں کے لیے بھی لے کر آئے تھے' یہ لو۔" انہوں نے ذرا رک کر اپنے ساتھ لائے ہوئے شاپر میں سے چند پیکٹ نکال کر میز پر بڑے فخریہ انداز میں رکھے۔ "انہوں نے کہا تھا کہ یہ آپ کی بہنوں کے لیے ہیں خاص طور پر۔۔۔"

"کیوں' ہمارے لیے کیوں؟ آپ کو ان سے لینے بھی نہیں چاہیے تھے۔ واپس کردیجیے گا فوراً' ہمارا کوئی ایسا تعلق نہیں کہ وہ ہمارے گھر تحفے بھیجیں۔ ان کی ہمت کیسے ہوئی؟"

جویا ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی۔

شاکرہ امی اور آپا گل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ سرخ پڑرہا تھا اور آواز قدرے اونچی۔ آپا گل کے چہرے کی مسکراہٹ ہلکی پڑی تھی۔

"تعلق بنائے جاتے ہیں' تم تو بے کار میں جذباتی ہوجاتی ہو۔ ارے مذہب میں بھی ایک دوسرے کو تحفے تحائف دینے کو پسند کیا گیا ہے۔ اگر بے چارے فرید الدین نے دو' چار چیزیں بھجوا دیں تو کون سی قیامت آگئی۔"

"آپ یہ چیزیں ابھی اسی وقت یہاں سے لے جائیے گا۔ اپنے بچوں کو دیں یا اس آدمی کو واپس کریں۔۔۔ مگر ہمارے گھر میں اس حوالے سے کچھ مت لائیے گا۔ یہ میں آپ سے آخری بار کہہ رہی ہوں۔"

وہ ان کے وضاحتی بیان سے ذرا بھی متفق نہیں ہوئی بلکہ ایک عرصے بعد اس کا وہی اکھڑا اکھڑا سا انداز سامنے آیا تھا۔ جس سے انہیں سخت نفرت تھی۔

"تمیز سے بات۔۔۔"

اس نے انہیں بات پوری کرنے کی بھی مہلت نہیں دی تھی۔ کمرے سے نکل کر وہ بڑی تیزی سے صحن سے گزرتی ہوئی اپنے اور زویا کے مشترکہ کمرے کی طرف گئی اور۔۔۔ دروازہ خاصے زور سے بند ہوا تھا۔

شاکرہ امی نے بے ساختہ ہی سینے پر ہاتھ رکھا۔

"دیکھ رہی ہیں نا اس کے انداز' آرہی ہے واپس اپنی بدتمیزیوں پر' مجھے تو پہلے ہی یقین تھا کہ یہ معاذ سے باہر کا ملنا جلنا رنگ لا کر رہے گا' ہر بار وہی اس کے دماغ کا فتور بنتا ہے۔"

آپا گل کی آواز غصے سے پھٹی جارہی تھی۔ سلمان اس سارے شور شرابے میں پوری طرح اٹھ چکا تھا اور صورت حال سے واقف بھی۔

"خیر معاذ کا تو نام مت لو' کہاں ملتی ہے وہ اس سے' وہ تو بس کورٹ میں ہی۔۔۔" شاکرہ امی کی طرف سے کمزور سی صفائی کی کوشش بھی رائیگاں گئی' آپا گل کچھ سننے کے لیے تیار نہیں تھیں۔

"کورٹ کی ملاقات پر ہی تو پابندی لگ گئی ہے فرید الدین کے آنے سے' آپ سمجھ کیوں نہیں رہی ہیں آخر۔۔۔ یہ بچی کچھی عزت رہ گئی ہے۔ اسے بھی داؤ پر لگانے والی ہے یا پھر لگا ہی چکی۔"

ان کے لہجے میں غضب کی سرد مہری اور یقین تھا۔ شاکرہ امی نے بنا کچھ کہے ان کے آگے ہاتھ جوڑے تھے۔

"جان سے مار دوں گا میں اس جویا کو' چاہے پھر مجھے بھی جا کر جیل میں بیٹھنا پڑ جائے۔" وقتی طور پر اپنا غم بھول کر سلمان اٹھ بیٹھا تھا اور اتنا بڑا دعوا کرکے فرید الدین کی لائی ہوئی چاکلیٹ کا ڈبا کھول چکا تھا۔

"تو ہی کوئی راہ نکال گل! میرے تو بس کا کچھ بھی نہیں' یہ پھر سے معاذ کا قصہ کیوں آگیا ہمارے بیچ۔ تمہارے ابو نے کچھ ایسا ویسا سن لیا تو۔۔۔" حسب معمول شاکرہ امی کے اعصاب نے جواب دینا شروع کیا تھا۔

آپا گل نے دانستہ چند لمحوں کی خاموشی اختیار کی۔ ان کے حسب مرضی ماحول ایک بار پھر بن چکا تھا۔

"فرید الدین ابو کے کیس پر بڑی رقم خرچ کرنے کے لیے تیار ہیں۔" انہوں نے خبر نشر کی۔

مگر سلمان ایک دم ہی ہنس پڑا۔ "فرید الدین خرچ کرے گا' حال دیکھا ہے اس کا۔۔۔؟ بالکل پھٹیچر۔ تمہاری عقل کو کیا ہوا ہے آپا گل!"

آپا گل نے ایک قہر آلود نگاہ سلمان پر ڈالی۔ جو بات وہ کرنے جارہی تھیں' سلمان کے منہ لگنے سے اس سے زیادہ اہم تھی۔

"ڈیڑھ کروڑ سے اوپر کی زمین بیچی ہے ابھی اس نے اپنی ادھر اندرون سندھ میں۔ سادگی سے رہنے کا عادی ہے' لہٰذا اسے اس وکالت کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔"

"تو یہ کہیے کہ مہا کنجوس ہے۔ ایسا آدمی جو خود پر خرچ کرنا نہیں جانتا' وہ ابو پر فی سبیل اللہ تو نیکی کرنے سے

رہا۔" سلمان اب بھی ہار ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔
آپا گل کے چہرے پر اس بار پراسرار سی مسکراہٹ ابھری تھی۔
"ٹھیک کہا تم نے سلمان! فرید الدین بھی نیکی نہیں 'کاروبار کر رہا ہے۔ جویا کا رشتہ مانگا ہے اس نے بدلے میں۔"
سلمان اور شاکرہ امی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔ دونوں ہی کے چہروں کے تاثرات کچھ ایسے خوشگوار نہیں تھے۔
"خیر' جویا سے اس کا کوئی جوڑ نہیں ہے' یہ بات تو رہنے ہی دیں۔" سلمان نے بے زاری سے ہاتھ ہلا کر فی الفور آپا گل کی بات کو رد کیا۔
"اور ویسے بھی' فی الحال تو جویا نے گھر سنبھال رکھا ہے۔ وہ چلی گئی تو ہم سب کیا ہوا پھانکیں گے۔ اوپر سے ابو بھی یہاں گھر آکر بیٹھ جائیں گے خالی ہاتھ۔" اس کے اپنے تحفظات تھے۔
آپا گل کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا۔ انہوں نے بات شروع ہی غلط نوٹ سے کی تھی۔
گھر میں اب اظہار صاحب کی رہائی ترجیح نہیں تھی بلکہ بنا کسی رکاوٹ کے گھر کے اخراجات کا پورا ہونا تھا۔ سلمان اب جس بے نیازی سے چاکلیٹ کھا رہا تھا' صاف لگ رہا تھا اپنی طرف سے وہ یہ قصہ ختم کر چکا ہے۔
مگر پکچر ابھی باقی تھی۔
"فرید الدین کے دو فلیٹ ہیں' تین بیڈ روم والے' ایک وہ تم لوگوں کو دے دے گا اور شاید ایک چھوٹی سی گاڑی بھی۔ اور بھی سپورٹ کر سکتا ہے' مگر پہلے بات تو کی جائے۔" سلمان کا منہ کی طرف جاتا ہوا ہاتھ یک بار گی رکا تھا۔ آپا گل کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ اتری۔
"اور ویسے بھی زویا کا بھی یہ آخری سال ہے میڈیکل کا' پھر تو وہ جویا سے کہیں زیادہ اکیلی کمائے گی۔ اب تو فکر کی ایسی کوئی بات نہیں' میرا تو خیال ہے کہ ایک بار فرید الدین کے بارے میں غور کر لینے میں کوئی برائی نہیں ہے۔"
اس بار وہ چپ رہا۔
"ہمیں حالات کو درست کرنے کے لیے کوئی بڑا قدم اب اٹھانا ہی ہو گا سلمان! ورنہ ساری زندگی کے لیے یہی خستہ حالی مسلط رہے گی۔ اب تو تمہارے پاس بھی کوئی امید باقی نہیں رہی ہے۔ ذرا عقل سے کام لو میرے بھائی! میں تم لوگوں کی دشمن نہیں۔" وہ سرک کر سلمان کے قریب ہو کر بیٹھی تھیں۔ ان کی محبت اپنائیت بھی اپنی جگہ حقیقت تھی۔
"مگر جویا... وہ کہاں راضی ہو گی' دیکھا تو ہے نا' ابھی کتنی نارمل ہو کر گئی ہے۔ جبکہ ایسی کوئی بات بھی نہیں تھی۔" سلمان کی نیم رضامندی ظاہر ہو رہی تھی۔
"اسے بھی سمجھنا پڑے گا۔ یوں ہی کب تک دھکے کھائے گی۔ کوئی اچھا تھوڑی لگتا ہے۔ پیسے والا شوہر ہو گا تو عیش آرام سے رہتا اسے بھی سب کچھ بھلا دے گا۔ میں اپنی بہن پر الزام کبھی نہیں لگانا چاہتی' مگر خود سوچو' جوان لڑکی ہے' اکیلی حالات کا دباؤ سہہ رہی ہے۔ کسی کے ورغلانے میں آسانی سے آسکتی ہے۔"
وہ جویا کا بھی بھلا ہی چاہتی تھیں۔ سلمان کو اس بار پورا یقین ہوا تھا۔
"ٹھیک ہے' غور کر لیتے ہیں اس بات پر' آپ بھی ذرا اس آدمی کو چیک کریں کہ واقعی وہ یہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ جو آپ کہہ رہی ہیں۔"
"اکبر کی پرانی دوستی ہے۔ وہ خود ہر بات کی پوری ذمہ داری لے رہے ہیں۔ تم بالکل بے فکر رہو۔" ٹھوک بجانے والے انداز میں انہوں نے اپنی طرف سے بات کو نقطۂ اختتام پر پہنچایا۔ "تم اور امی کسی دن چل کر ان کا گھر بھی دیکھ لو' کیوں امی! ٹھیک ہے نا؟"
اتنی دیر میں پہلی بار وہ شاکرہ امی کی طرف متوجہ ہوئیں۔ وہ عرصہ ہوا گھر کے منظر نامے سے حاضر' غائب کی کیفیت میں تھیں۔ بے تاثر سے انداز میں سرہلا کر رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆
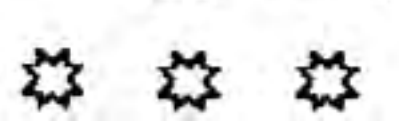
معاذ آج بہت خوش تھا۔
اپنی ذاتی خوشی کو بالائے طاق رکھ دینے کے بعد طویل عرصے سے وہ صرف اجتماعی خوشیوں پر ہی خوش ہونے کی کوشش کرتا تھا۔ سو آج کی خوشی اتنی بڑی تھی کہ اسے کوشش بھی نہیں کرنی پڑی تھی۔
"میرا سب سے دیرینہ خواب... میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنی جلدی پورا ہو جائے گا۔ میں بہت بہت شکر گزار ہوں۔" اس ہزار گز کے ڈبل اسٹوری گھر کے آگے کھڑے ہو کر اس نے پورے دل سے سالار سے کہا تھا۔ جو اب اسکول کے لیے مختص ہونے کے لیے تیار تھا۔
جواباً" سالار نے مصنوعی ناراضی سے اس کی طرف دیکھا تھا' معاذ ہنسنے لگا۔
"اچھا! نہیں کہتا شکریہ' لیکن اب یہ سب میرے بس کی بات نہیں ہے' پورا بورڈ بنے گا' جو اس کو چلائے گا۔ چیئرمین آپ ہوں گے اور افتتاح بھی آپ ہی کو کرنا ہے۔"
سالار نے لاپروائی سے نفی میں سرہلایا۔
"نہ میں چیئرمین بن رہا ہوں اور نہ ہی افتتاح کر رہا ہوں۔ یہ دونوں کام اسلام انکل ہی کریں گے۔ وہی ڈیزرو بھی کرتے ہیں۔"
"بابا آپ سے ہی کروائیں گے۔ یہ ان کی خواہش ہے کہ آپ اور گیتی بھابھی دونوں ایک ساتھ اس فنکشن میں آئیں۔"
"گیتی کی اچھی کہی' اس کا بس چلے تو وہ آج سے ہی تمہارا اسکول جوائن کر لے' ویسے یہ مجھے پتا ہے کہ وہ بہت اچھی ٹیچر ثابت ہو گی۔ بچے جلد ہی اس سے مانوس ہو جائیں گے۔ بہت ہی سوفٹ نیچر ہے اس کی۔"
گیتی کا ذکر کرتے ہوئے جو خوشی سالار کی آنکھوں میں اتری تھی' معاذ نے بخوبی نوٹ کی تھی۔
"بہت محبت کرتے ہیں آپ گیتی بھابھی سے۔"
"ہاں!" وہ خوش دلی سے مسکرایا "اتنی کہ اگر وہ مجھے نہ ملتی تو شاید میں یہاں کھڑا ہوا بھی تمہیں نہ ملتا۔ کھو جاتا کہیں دنیا کی ان بھول بھلیوں میں' زندگی کے کوئی اور مطلب معنی نہیں تھے میرے پاس معاذ!"
"بہت سے لوگ اپنی زندگی کے مطلب معنی کھو دیتے ہیں سالار! مگر ان کے پاس تو کھو جانے کی آسانی بھی نہیں ہوتی' آپ ماشاءاللہ خوش قسمت ہیں۔ خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے۔"
بات کے اختتام تک وہ اپنی افسردگی پر قابو پا کر پورے خلوص سے مسکرایا۔ سالار بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
"تم نے کسے کھویا ہے؟"
"میں اپنی بات نہیں کر رہا' ایسے ہی ایک مثال دے رہا ہوں۔" وہ دانستہ ذرا سا رخ موڑ کر اس عمارت کو دیکھنے لگا' جو اب اسکول کی ملکیت تھی۔
"مجھے بے وقوف سمجھتے ہو یا پھر اعتبار نہیں کرتے' ہوں!" معاذ نے بے اختیار ہی پلٹ کر سالار کی طرف دیکھا۔

"اگر آپ پر بھی اعتماد نہیں کروں گا تو میری بد قسمتی میں کیا شک رہ جائے گا مگر آج میں بہت خوش ہوں۔ بہت مدت بعد اتنا سکون بھرا احساس حاصل ہوا ہے اور یہ آپ کی وجہ ۔۔۔"

"اف!" سالار نے بے اختیار ماتھے کو چھوا۔ "میرا خیال ہے اب ہم دونوں کو چل دینا چاہیے 'کیونکہ میں اب ایک بار پھر تم سے اپنی تعریف سننے کے بالکل موڈ میں نہیں ہوں۔" معاذ بے اختیار ہی ہنس پڑا۔

"چلیں! پھر ٹھیک ہے 'کل مل ملتے ہیں ان شاء اللہ۔"

"ایک منٹ!" سالار نے اسے روکا۔ "یہ تمہاری امانت!" اپنی گاڑی کے ڈیش بورڈ پر رکھی گھر کی چابی اٹھا کر اس نے معاذ کی طرف بڑھائی۔ "اور پلیز' اب کوئی تعریفی نوٹ نہیں۔"

معاذ نے بنا کچھ کہے چابی اس کے ہاتھ سے لی تھی۔ وہ جانتا تھا بعض عمل 'بعض لوگ کسی تعریف و توصیف کے محتاج نہیں ہوتے اور سالار ان ہی میں سے ایک تھا۔

سالار سے رخصت ہوتے وقت اس کا ارادہ تھا کہ وہ خیام کو لا کر یہ گھر دکھائے گا' لیکن تب ہی پروگرام میں عجیب سا ردوبدل ہوا۔

گھر پر کوئی غیر معمولی صورت حال اچانک ہی پیش آگئی تھی۔ سو ربیعہ نے اسے فوراً" ہی گھر پہنچنے کے لیے کال کی تھی۔

"کچھ مہمان آئے بیٹھے ہیں 'جن سے نمٹنے کے لیے تمہاری موجودگی ضروری ہے۔" اس کی پریشانی کم کرنے کے لیے ربیعہ نے اتنی سی وضاحت دی اور فون بند۔

معاذ کی بائیک غیر ارادی طور پر تیز ہوتی چلی گئی۔ گھر کا گیٹ کھلا ہوا تھا۔ بائیک کھڑی کر کے وہ تیزی سے برآمدے کی سیڑھیاں چڑھ کر اندر آیا تو سامنے بڑے ہال کے کھلے دروازے میں سے وہ سب اسے نظر آگئے۔

زری کی بھابھی سعیدہ 'اس کے ساتھ آئے ہوئے ایک آدمی اور عورت اور سعیدہ کے دونوں بچے۔ ان کے علاوہ جملہ اہل خانہ 'کوئی زوردار بحث تھی 'جو اس کے اندر آنے پر ذرا تھمی تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" سلام کے بعد اس نے پہلی بات یہی کی تھی۔

جس کے جواب میں ایک ایسا ملا جلا سا شور اٹھا 'جس میں سے کسی ایک کا بھی مطلب اسے سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ لیکن سعیدہ اور اس کے ساتھ آئے لوگوں کے چہروں کے تاثرات سے وہ یہ اندازہ لگانے میں ضرور کامیاب رہا کہ وہ سب بے حد غصے میں ہیں۔ ایک ٹھنڈی سانس لے کر معاذ' دادی اور ابا کے قریب ان سب کے بیچ جا کر بیٹھ چکا تھا۔

"لڑکی کو لینے آئے ہیں اور وہ ہے کہ جانے کو تیار نہیں۔"

دادی نے ایک مختصر سے جملے میں اسے صورت حال سمجھائی تھی۔ سو جب وہ سب چپ ہوئے تو معاذ نے فوری طور پر بات آگے بڑھائی۔

"سعیدہ بھابھی!" وہ اسے ہی جانتا تھا' سو سب سے پہلے اسے ہی مخاطب کیا۔ "آپ ان لوگوں کو لے کر ہمارے ہاں مہمان آئی ہیں 'پھر یہ غصہ' ناراضی کس بات کی ہے۔ جو بھی ہے آرام سے بھی تو کہا سنا جا سکتا ہے۔ ہماری آپ کی خدانہ کرے۔ کوئی لڑائی تو نہیں 'جو یہ اتنی چیخ و پکار ہو رہی ہے؟"

ابا نے مطمئن سی نگاہوں سے معاذ کی طرف دیکھا۔ وہ خود ابھی آئے تھے اور فطرتاً" لڑائی جھگڑوں سے گھبراتے تھے۔ "نہیں معاذ بھائی! آپ سے کیسا جھگڑا' سارا فساد تو اس لڑکی نے ڈالا ہے۔" سعیدہ قدرے شرمندہ ہوئی تھی۔ "اگر یہ خوشی خوشی ہمارے ساتھ چلے تو ابھی شام کی بس سے ہم واپس نکل جائیں سکھر کے لیے۔"

"میں نہیں جاؤں گی تمہارے ساتھ 'کہہ دیا نا میں نے 'پھر کیوں بیٹھے ہو یہاں' جاؤ اپنے گھر۔" معاذ کے کچھ

بھی کہنے سے پہلے زری بہت زور سے چلائی۔

"آہستہ بولو' شریف گھرانوں میں اس طرح بات نہیں کی جاتی۔" امی نے ناراضی سے ان کی طرف دیکھا اور پھر معاذ کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"اس لڑکی کو ان کے ساتھ روانہ کرو معاذ! میں خود بھی اس کی ذمہ داری زیادہ دن نہیں لے سکتی اور یہ رشتے داروں کے پاس نہیں جائے گی تو کہاں جائے گی۔"

"وہاں سکھر میں سارے خاندان والے ہیں جی' سب نے ناک میں دم کر دیا ہے' طعنے دے دے کر' کہتے ہیں جوان لڑکی پتا نہیں کن لوگوں کے گھر چھوڑ دی' جس کے پیسے کھا رہے ہیں ہم۔" سعیدہ کے ساتھ والے آدمی نے تڑپ کر حالت زار بیان کی۔ "ہم تو سچ مچ ذلیل ہو کر رہ گئے ہیں سارے میں۔"

شاید وہ اپنی جگہ ٹھیک ہی تھا' لیکن معاذ کو سارا غصہ سعیدہ اور زری پر آرہا تھا۔ معاملہ تھا بھی ان ہی دونوں کا۔

"جس وقت آپ اسے دارالامان بھیج رہی تھیں' اس وقت آپ نے ایسا کیوں نہیں سوچا سعیدہ بھابھی! میں نے کتنی درخواست کی تھی آپ سے کہ آپ اس کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ مگر اس وقت تو آپ۔۔۔"

بے حد کوفت سے معاذ نے بات ادھوری چھوڑی۔ زری کو ساتھ لا کر جو مستقل ٹینشن اس نے خاموشی سے جھیلی تھی' وہ اپنی جگہ اور امی کا مستقل غصہ ایک الگ کہانی۔

"میں نہیں جاؤں گی اور اگر زبردستی کوئی مجھے لے کر گیا تو میں راستے میں سے ہی بھاگ جاؤں گی' سن لیں کان کھول کر۔"

زری ایک بار پھر بدتمیزی سے چیخی تھی۔ معاذ کو اس کا رویہ بہت برا لگ رہا تھا۔

سعیدہ' اس کے ساتھ آئے مرد اور عورت تینوں ایک ساتھ پھر بولنے لگے تھے۔ معاذ نے بے بسی کے ساتھ ابا کی طرف دیکھا۔ وہ خود بھی قدرے فکر مند سے تھے۔ معاذ بمشکل ان سب کو چپ کرانے میں کامیاب ہوا۔

"اس طرح معاملہ کیسے سلجھے گا میرے بھائی! کوئی ایسی راہ نکالیں 'جو آپ کے لیے بھی قابل قبول ہو اور اس بچی کے لیے بھی' ہمیں کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں' ہم تو خود چاہتے ہیں کہ زری کے مسئلے کا کوئی حل نکلے۔"

ابا نے ساتھ آئے اس مرد کو مخاطب کیا تو اس نے کچھ بے چینی سے پہلو بدلا۔

"حل تو ایک ہی ہے بڑے صاحب! آپ اس کی کہیں شادی کر دیں' ہم بھی لوگوں کو کہہ سکیں گے کہ اس کی شادی ہو گئی ہے اور۔۔۔"

"میں نہیں کروں گی شادی۔" وہ یک بارگی اٹھی اور اپنا فیصلہ سنا کر باہر نکل گئی۔ سب ہی کے چہروں پر ناخوشگوار سی کیفیت ابھری تھی۔ معاذ اٹھ کر اس کے پیچھے آیا تھا۔ زری برآمدے کی سیڑھیوں پر ہی بیٹھی مل گئی۔

"یہ کیا طریقہ ہے زری! سب لوگوں کو تم نے کتنا پریشان کر دیا ہے' کچھ احساس ہے تمہیں؛ میری ہی بے وقوفی تھی جو میں نے تمہاری ذمہ داری قبول کی' ورنہ اسی دن۔۔۔" بے حد غصے میں بولتا ہوا وہ سیڑھیاں اتر کر اس کے سامنے آکر کھڑا ہوا۔

تب ہی اس پر زری کے رونے کا انکشاف ہوا۔ اس کا پورا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ معاذ کو باوجود غصے کے تھوڑا سا افسوس بھی ہوا۔

"دیکھو زری! میرے لیے پریشانیاں مت بڑھاؤ' میری زندگی میں پہلے ہی بہت الجھنیں ہیں' جن کے ختم ہونے کے آثار بھی نہیں ہیں' کم از کم تم تو رحم کرو مجھ پر۔" وہ تھکے تھکے سے انداز میں اس سے ذرا ہٹ کر سیڑھیوں پر ہی بیٹھا۔

اندر سے باتیں کرنے کی ہلکی ہلکی سی آواز یہاں تک آرہی تھی۔ زری نے دوپٹے سے اپنا چہرہ خشک کرتے ہوئے بڑی حسرت سے معاذ کی طرف دیکھا۔

پتا نہیں کس بری گھڑی میں وہ اس کی محبت میں مبتلا ہوئی تھی۔ ایک ٹھنڈی سانس نے اندر ہی کہیں دم توڑا۔ وہ جس تک جانے کی ہر راہ پر "یہ شاہراہ عام نہیں ہے" کا بورڈ کب سے آویزاں تھا۔ زری کو اس ان دیکھی جویا پر کبھی تو بڑا ہی رشک آتا اور کبھی بے حساب حسد محسوس ہوتا تھا۔

معاذ کے چہرے پر نگاہ جمائے وہ پتا نہیں کہاں سے کہاں پہنچی تھی۔ تب ہی اس نے مڑ کر زری کی طرف دیکھا۔

"تمہارے دل میں میری اگر ذرا سی بھی جگہ ہے زری! تو تمہیں میری بات ماننی ہی ہوگی۔ میں تمہیں حکم نہیں دے رہا' ہاتھ جوڑ کر درخواست کر رہا ہوں۔"

وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ رہا تھا جس کی پوجا وہ خود پر کب سے فرض کیے ہوئے تھی۔ سو یہ کتنی بڑی بے ادبی تھی۔ دکھ بھری حیرت کے ساتھ اس نے معاذ کے بندھے ہوئے ہاتھوں پر بے اختیار ہی ہاتھ رکھا۔ بنا کوئی لفظ کہے بہت سے آنسو چہرے پر پھیلتے چلے گئے۔

"تم شادی کر لو زری! میرے دل پر تمہاری طرف سے بڑا بوجھ ہے۔ میں تمہیں تمہارے شوہر کے ساتھ بہت خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ کسی اور کا نہیں' میری خواہش کا احترام کر لو۔"

وہ اس کے چہرے کی طرف اس طرح دیکھے گئی جیسے سزائے موت کا مجرم' سزا سننے کے بعد بھی رحم کی امید پر منصف کی طرف۔

اور اس نے سزا سنا دینے کے بعد کسی اصول پسند منصف کی طرح ہی نگاہ چرائی۔ زری افسردگی سے مسکرا دی۔

"ٹھیک ہے میں شادی کر لیتی ہوں' مگر خوش رہنے کی شرط مت لگائیے۔"

معاذ نے کچھ کہنا چاہا' مگر زری نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔

"لیکن یہ شادی آپ کی مرضی سے ہوگی' اسی گھر سے' اسی شہر میں' میں کہیں دور نہیں جاؤں گی۔" جدائی کے راستے پر قدم رکھتے اس نے ایک آخری رعایت اپنے لیے ڈھونڈی تھی۔

"ٹھیک ہے' ایسا ہی ہوگا۔" معاذ نے سکون کا سانس لیا تھا۔ "اندر چلو اب اور بس اب خاموش رہنا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"میرے ایک سوال کا جواب دیں گے۔" وہ سیڑھیوں پر ہی بیٹھی تھی۔

"ہاں... بولو" معاذ نے اس کی طرف دیکھا۔

"آپ جویا سے بہت محبت کرتے ہیں؟"

اس بار وہ بری طرح چونکا تھا۔

"بتائیے نا معاذ...! آپ جویا سے بہت محبت کرتے ہیں کیا؟" اس نے پھر اپنی بات دہرائی۔

نچلا لب دانتوں تلے دباتے ہوئے معاذ نے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں' میں جویا سے بہت محبت کرتا ہوں زری!" اس نے زری کے چہرے کا اڑتا ہوا رنگ صاف محسوس کیا تھا۔

"مگر یہ آخری احسان تھا' جو وہ اس پر کر رہا تھا۔ جانتا تھا کہ امید کی اس آخری کرن کے بجھنے کے بعد ہی وہ اپنی زندگی میں آگے بہتر طور پر دیکھنے کے قابل ہو سکے گی۔ "آجاؤ سب لوگ انتظار کر رہے ہیں۔" وہ کہتا ہوا آگے ہال کی طرف چلا گیا۔

اور کتنی عجیب سی بات ہے کہ جو اقرار اس نے آج تک کسی کے سامنے نہیں کیا۔ وہ زری کے سامنے...

"دھت!" دکھ بھری ہنسی اس کے لبوں پر آئی' مگر ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی اپنا غم منانے کے بجائے ایک مناسب لڑکے کا سوال دل میں اٹھ رہا تھا۔ "کون ہو سکتا تھا مناسب ترین لڑکا زری کے لیے۔"

—— (اگلی قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عالیہ بخاری

دیوارِ شب

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتلائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اُٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آ کر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گیتی آراکی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دُکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو، وفاقی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دُعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دُھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

قسط: ۵۲

ایک بار تو زویا کو ایسا ہی لگا جیسے اس نے سننے میں کچھ غلطی کی ہے۔ مگر ان سب کے خوشی سے کھلتے چہرے اس آدھی ادھوری بات کی بڑی واضح تائید کر رہے تھے۔

"کیا کہا تھا آپ نے ابھی 'کہاں جا رہے ہیں آپ لوگ؟" اس نے پھر بھی اپنے دل کی تسلی کے لیے آپا گل سے تصدیق چاہی تو وہ کچھ جھنجلا سی گئیں۔

"کیا ہو گیا ہے زویا؟ ڈاکٹری کیا پڑھ رہی ہو' تمہارے تو ہوش و حواس جواب دینے لگے ہیں 'کالج میں کیا خاک لیکچر سنتی ہو گی 'جب یہاں گھر میں ایک چھوٹی سی بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی۔"

ساری بات میں اب بھی اصل بات کا پتا نہیں تھا۔ وہ اب بھی ہونقوں کی طرح ان کی شکل دیکھ رہی تھی۔

آپا گل مڑ کر چمک دار ریپر میں لپٹے ہوئے مٹھائی کے ڈبوں کو بڑے سارے اس شاپر میں دوبارہ جمانے لگیں۔ جس میں سے ابھی انہوں نے نکال کر میز پر رکھے تھے۔

"اکبر خود بنوا کر لائے ہیں۔ ڈیڑھ 'ڈیڑھ کلو گلاب جامن ہے ان دو کلو کے ڈبوں میں 'اب بھلا کوئی تول کر تو دیکھنے سے رہا کہ مٹھائی چار کلو ہے کہ تین 'بس تاثر اچھا پڑنا چاہیے 'اصل بات تو یہ ہے۔"

ان کے لہجے اور چہرے پر بڑی فخریہ سی چمک تھی۔ زویا کے چہرے پر افسردہ سی مسکراہٹ آگئی۔

"اندازہ لگانے کے لیے تولنا کیا ضروری ہے آپا گل! لوگوں کی آخر آنکھیں بھی تو ہوتی ہیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" انہوں نے خفگی سے اس کی طرف دیکھا تو زویا نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

"کچھ نہیں 'میں تو صرف اس سب کا سبب ہی پوچھ رہی تھی آپ سے۔ اتنی فراخ دلی ایک مدت بعد دکھائی ہے آپ نے۔"

"طعنے دینے میں تم 'سلمان اور جویا تینوں ایک ہو 'ذرا بھی جو فرق ہو 'یہ تو میری ہی ہمت ہے جو تم لوگوں کے ہاتھوں ذلیل ہو کر بھی تمہاری بھلائی کا سوچتی رہتی ہوں 'پریشان ہوتی ہوں تمہارے لیے۔ وقت اور پیسہ دونوں ضائع کرتی ہوں 'ورنہ مجھے کیا پڑی تھی یہ سب کرنے کی۔ بھلے سے جویا ساری عمر نوکری کرتی رہے۔ یوں ہی غلامی کرتے زندگی گزر جائے اس کی۔" وہ گرنے کے انداز میں کرسی پر بیٹھی تھیں۔

"آرام سے 'یہ کرسی بھی اب جواب دینے والی ہے۔" زویا نے بے ساختہ ہی انہیں یاد دلایا۔ تو وہ طنزیہ سی ہنسی ہنس پڑیں۔

"یہاں رکھا ہی کیا ہے خستہ حالی کے سوا 'خیر تم بتاؤ 'تم چل رہی ہو ہمارے ساتھ جویا کی سسرال یا نہیں؟" ان کی لش پش تیاری اور مٹھائی کے ڈبوں کا راز اس بار اور بھی واضح ہو کر کھلا تھا۔ سو اب نہ یقین کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں رہی تھی۔ مگر پھر بھی۔۔۔

"جویا کی سسرال!" اس نے زیر لب دہرایا۔ مایوسیوں 'پریشانیوں کے اس نہ ختم ہوتے دور میں یہ الفاظ بڑے ہی اجنبی تھے۔

"تمہیں اتنی حیرت کیوں ہو رہی ہے۔" اس کی آنکھوں میں اتری حیرانی آپا گل کو اور بھی خفا کرنے لگی۔ "کیا جویا کی اب کہیں شادی نہیں ہونی ہے؟ تم لوگوں نے تو یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ بے چاری بس اس گھر کا بوجھ اٹھاتی رہے ساری زندگی۔ کسی کو اس کی فکر نہیں ہے 'لیکن میں ایسی خود غرض نہیں ہوں۔"

زویا کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔ آپا گل کی دوستی 'ان کی ناراضی سے کہیں زیادہ معنی خیز 'زیادہ خوف زدہ کرنے والی تھی۔

"کہاں کر رہی ہیں آپ جویا کی شادی؟"

"ہے ایک لڑکا 'بہت اچھا 'کھاتا کماتا۔" وہ تفصیل دینے سے کترا کر نکلیں۔

"جویا کو پتا ہے 'اس بارے میں؟"

"جب ہم خود مطمئن ہو جائیں گے تو اسے بھی بتا دیں گے۔ اسے کیا اعتراض ہونا ہے۔" وہ کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"آپ کو پتا ہے کہ اسے اعتراض ہو گا۔" وہ تیزی سے ان کے سامنے آئی۔ "بلکہ اعتراض کیا۔ وہ کبھی بھی راضی نہیں ہو گی 'چاہے آپ اچھے سے اچھا لڑکا اس کے سامنے لا کر کھڑا کر دیں 'تب بھی۔" زویا کو ان کی بے حسی پر بہت زور کا غصہ آیا تھا۔

"دماغ کی خرابی ہمیشہ ہی لاعلاج مرض نہیں ہوتی۔ جویا کو بھی ٹھیک ہونا پڑے گا۔۔۔ ورنہ یہ سب کچھ کبھی نہیں بدلے گا 'بد سے بدتر ہوتے چلے جائیں گے حالات۔"

زویا کے چہرے پہ نگاہ جما کر انہوں نے تلخ ترین لہجے میں اپنی بات مکمل کی اور تیز قدم اٹھاتے ہوئے سامنے شاکرہ امی کے کمرے میں چلی گئیں۔

ان کے قیمتی پرفیوم کی مہک اب بھی فضا میں باقی تھی۔ بہت سی باتیں سچ تھیں 'لیکن وہ ان کے پیچھے جانے کے بجائے وہیں بیٹھ رہی۔

جویا اب تک نہیں آئی تھی 'آج کل وہ اسکول کی چھٹی کے بعد بھی وہیں رکی رہتی تھی۔ سینئر کلاسز کے امتحان قریب تھے۔ سو ٹیوشن کی اضافی شفٹس شروع تھیں۔ جویا کی واپسی اس وقت ہوتی جب قریبی مسجد سے عشاء کی اذان بلند ہوتی تھی۔ تھکن 'اگلے دن کی تیاری اور گھر کے چھوٹے موٹے کام 'کتنے کتنے دن ہو جاتے تھے اس سے ڈھنگ سے کوئی بات کیے ہوئے۔

اور وہ خود بھی اپنی پڑھائی میں مصروف 'اپنے کیریئر کی جدوجہد میں۔

اسے اپنی بے حسی پر شرم آئی۔ ایسا کچھ غلط بھی نہیں کہا تھا آپا گل نے۔ وہ سب ہی ایک ہی جیسے تھے۔ کم از کم جویا کے معاملے میں تو۔

وہ بے چین سی ہو کر شاکرہ امی کے کمرے میں چلی آئی۔

سلمان شیشے کے سامنے کھڑا بال بنا رہا تھا۔ زندگیہ کا غم مٹانے کے اس دورانیے میں آج پہلی بار وہ ڈھنگ کے حلیہ میں تھا اور قریب ہی بیڈ پر شاکرہ امی بیٹھی تھیں آپا گل کے منتخب کردہ کپڑے پہن کر۔ وہ بالکل گم صم سی محسوس ہو رہی تھیں۔ زویا کو بے اختیار ہی جویا اور اس سے پہلے سلمان کے رشتے کے سلسلے میں ایسے موقعوں پر شاکرہ امی کی خصوصی تیاریاں یاد آ کر رہ گئیں۔

وہ جوش و خروش۔ وہ اہتمام 'الامان!

سامنے دکھائی دیتی شاکرہ امی کا اس پچھلے روپ سے کوئی دور کا بھی تعلق محسوس نہیں ہوتا تھا۔

"سنو آپا گل! تمہارے اس بھائی فرید کی کوئی بہن بھی ہے۔ چاہے اسی شکل صورت کی ہو 'لیکن ایک آدھ فلیٹ وہ اسے بھی دے رہا ہو۔"

زویا نے چونک کر سلمان کی طرف دیکھا۔ وہ بال بنا چکا تھا اور بہت سنجیدگی سے آپا گل کی طرف متوجہ تھا۔

"بھائی فرید۔" زویا نے الجھن سی محسوس کی تھی۔ "یہ کون ہیں آپا گل؟" نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ان سے مخاطب ہونا پڑا۔

"وہی جو ابو کا مقدمہ لڑ رہے ہیں اور اب جویا سے شادی کے خواہش مند ہیں 'ان ہی کے ہاں جا رہے ہیں ہم لوگ۔" آپا گل کے بجائے سلمان نے تیزی سے جواب دیا تھا۔

"ہاں تو کیا بتا رہی تھیں تم۔۔۔" زویا کو نمٹا کر وہ فی الفور آپا گل کی طرف متوجہ ہو چکا تھا جو انکوائری وہ اپنے لیے

لینا چاہ رہا تھا شاید زیادہ اہم تھی۔

اور جویا کا رشتہ وہ لوگ اپنے طور پر شاید طے ہی کر چکے ہیں اس وکیل کے ساتھ۔۔۔ وہی جسے آپا گل کی مکمل حمایت حاصل ہے اور جس سے جویا کو نفرت کی حد تک چڑ ہے۔

نیچے اکبر بھائی کی گاڑی کا ہارن بجنا شروع ہو گیا تھا۔ آپا گل نے مارے ہڑبڑاہٹ کے ہر قصہ ادھورا چھوڑا اور شاکرہ امی کا ہاتھ پکڑ کر ایسی سرعت سے سیڑھیاں اتر گئیں کہ زویا۔ "ارے ارے" ہی کرتی رہ گئی۔

"دروازہ بند کر لو' جویا نہ جانے کب تک آئے۔" سلیمان نے جاتے جاتے چلا کر سب سے اوپر کی سیڑھی پر کھڑی زویا سے کہا تھا۔ مگر وہ خود ان کے پیچھے نہیں آسکی تھی۔ اکبر بھائی کی گاڑی کے جانے کے بعد تک وہ خاصی دیر وہیں اوپر کھڑی رہی۔ ماحول پر ان سب کے چلے جانے کے بعد گہری خاموشی چھائی تھی۔ ڈھلتی ہوئی سہ پہر یک دم ہی اداسی میں ڈوبی۔

دھیرے دھیرے نیچے اترتی زویا کے دل پر بھاری بوجھ کا سا احساس تھا۔ نیم وا دروازے کو بند کرتے ہوئے دل کو بڑے ہی نحوست بھرے واہمہ نے گھیرا تھا۔

☼ ☼ ☼

برآمدے کے ٹھنڈے چکنے فرش پر وہ کب سے اسی ایک موڈ میں بیٹھی تھی۔ سر جھکائے' خاموش۔ کسی سوچ میں گم۔

وہ دو بار وہاں سے گزرا تھا۔ مگر مکمل نظر انداز کرتے ہوئے۔ اس کے خیال میں یہی سب سے بہتر تھا۔ مگر گھر میں ہر ایک اس کا ہم خیال نہیں تھا۔

"اس لڑکی کا جلد سے جلد کچھ کرو معاذ! ورنہ میں سچ کہتی ہوں کہ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر کر دوں گی۔" وہ دادی کے کمرے میں داخل ہونے لگا تھا۔ جب اسے امی وہیں دروازے سے نکلتے ہوئے مل گئیں۔

"اب جہاں اتنے دن آپ نے برداشت کر لیا ہے تو چند دن اور سہی امی! کہا ہے میں نے' دو چار لوگوں کو' اب ایسے ہی تو آنکھیں بند کر کے کسی پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا نا!"

"تم اس کی زیادہ فکر مت کرو۔ بہت تیز لڑکی ہے۔ دیکھو تو کس دیدہ دلیری سے اپنے خاندان والوں کے سامنے تن کر کھڑی ہو گئی۔۔۔ ورنہ کوئی سیدھی سادی بچی ہوتی تو بے چاری چپ چاپ ساتھ ہی چلی گئی ہوتی۔"

امی کے پاس زری کے لیے اب رہی سہی رعایت بھی ختم ہو چکی تھی۔ وہ اس سے براہ راست بات تو پہلے ہی نہیں کر رہی تھیں۔ اب اس کی بات کا جواب دینا بھی ختم ہوا تھا۔

معاذ کو ان کے اس رویے کا بہرحال رنج تھا۔

"یتیم' بے سہارا لڑکی ہے امی! چلی ہی جائے گی' آپ تھوڑا سا رویہ اچھا کر لیں گی تو۔۔۔"

"مجھے سبق مت پڑھاؤ معاذ!" انہوں نے سختی سے اس کی بات کاٹی۔ "میں صرف تمہارے ابا کی وجہ سے مجبور ہو جاتی ہوں' ورنہ ایک جوان لڑکی کو اپنے گھر میں ایک دن بھی نہیں رہنے دیتی اور لڑکی بھی وہ جس کا ہر انداز' مجھے پہلے دن سے کھٹک رہا ہے۔ دعائیں کر کر کے یہ وقت گزارا ہے میں نے۔ مگر اب ایک دن بھی نہیں۔۔۔ رحم کرو مجھ پر۔"

بات کرتے کرتے' ان کی نگاہ معاذ کے عقب میں گئی اور ایک دم ہی وہ تیز قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھ گئیں۔

معاذ نے بے ساختہ ہی پیچھے مڑ کر دیکھا۔ زری پیچھے ہی کھڑی تھی۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا اور کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ امی کی باتوں کا کافی حصہ یا کچھ تو ضرور ہی سن چکی ہے۔

قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی وہ دکھ بھری شرمندگی میں مبتلا ہوا۔ "امی کا یہ مطلب نہیں تھا زری! وہ دل کی بہت اچھی ہیں' بس کچھ حالات ہی ایسے ہو رہے ہیں کہ۔۔۔"

وہ افسردگی سے مسکرائی۔ "کم از کم آپ کو تو مجھ سے ایسا کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے اور امی جو بھی کہتی ہیں' اس میں کچھ غلط بھی نہیں۔ یہ تو آپ کا بہت بڑا احسان ہے جو۔۔۔"

"میرا کوئی احسان نہیں ہے تم پر۔" معاذ نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ "بلکہ تم نے میری بات مان کر ضرور احسان کیا ہے مجھ پر زری!"

"آپ کی بات ماننا مجھ پر فرض تھا۔" اس کی آواز دھیمی ہوئی۔ مگر لہجہ انتہائی مضبوط۔

"ارے زری! کہاں ہے صبح سے تو' میں کب سے تجھے بلوا رہی ہوں۔" دادی واش روم سے باہر آرہی تھیں اور ان کی نگاہ سب سے پہلے زری پر ہی پڑی تھی۔

"میں آپ ہی کے پاس آرہی تھی دادی!" وہ کہتے ہوئے اندر کمرے میں چلی گئی۔ معاذ نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے مڑ کر مشکور نگاہوں سے دادی کی طرف دیکھا۔

اپنی الماری کی چابیاں زری کو تھماتے ہوئے وہ مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھیں۔ یہ بھی غنیمت ہی تھا۔ معاذ کو دیر ہو رہی تھی۔

اگلے صحن سے بائیک نکال کر گیٹ بند کرتے ہوئے اس نے ایک بار پھر دادی کے کمرے کی طرف دیکھا۔ کھلی ہوئی کھڑکی میں سے الماری کے پاس کھڑی زری ابھی بھی نظر آرہی تھی۔ دانستہ یا نادانستہ وہ کس کس کا قصوروار ٹھہرا تھا۔ شاید اس روز وہ زری کو اپنے ساتھ نہ لاتا تو اس کے حق میں زیادہ بہتر رہتا۔ چلی جاتی دارالامان میں اور دو' چار ماہ بعد اس کے خاندان والے اسی طرح شرم کھا کر وہاں سے اسے لے بھی جاتے۔ صبر و شکر کے ساتھ زندگی کی ابتدا وہ کر ہی لیتی۔

سامنے پھیلی سڑک پر بائیک دوڑاتے ہوئے وہ اس کے بارے میں سوچ گیا۔ زری کی امیدوں کو بڑھاوا دینے والا وہ خود تھا۔ اس کی ہمدردی کو وہ جذباتی' کم عقل لڑکی بڑی آسانی سے کچھ اور رنگ دے گئی۔۔۔ اور وہ۔۔۔

"دھت!" اس نے قریب سے اوورٹیک کرتی ایک گاڑی سے اپنی بائیک کو بچایا۔ یہاں پہلے ہی ایک بڑا کھاتا کھلا تھا۔ جس میں ناقابل تلافی نقصان درج تھا۔

بائیک جانے پہچانے سے راستے پر تھی۔ شام ڈھل چکی تھی۔ جب وہ جویا کے اسکول پلس کوچنگ سینٹر والی گلی کے کونے پر پہنچا تھا۔

گیٹ پر بیٹھا گارڈ اسے دور سے ہی دکھائی دے جاتا تھا۔ آج کل یہاں دیر تک کلاسز چل رہی تھیں اور جویا خاصے وقت تک رکی رہتی تھی۔

صبح سات ساڑھے سات سے لے کر آٹھ ساڑھے آٹھ اور کبھی کبھی نو بجے۔ کتنی ہی بار وہ گھنٹے منٹ شمار کرتا رہ جاتا۔ اپنے حصے میں آئی ان تھک محنت کو وہ پوری ہمت کے ساتھ نبھا رہی تھی۔۔۔ مگر کب تک بھلا؟

سامنے کھڑا بڑا سا سوالیہ نشان اب بھی جواب طلب تھا۔ بنا پلک جھپکائے وہ خاصا دور کھڑا اسی ایک سمت دیکھے گیا۔

خیام اور سالار کی کالز' امی کی گھر پہنچنے کی ہدایت سب ہی کو نمٹانے میں کتنی ہی دیر لگی ہو' مگر اس وقفے میں وہ بہرحال آتی نظر آگئی تھی۔ وہ دوسری ٹیچرز کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی وہ اسی طرف آرہی تھی اور قدرے فاصلے پر بھی دوسری لڑکیوں اور جویا کی چال کا فرق بڑا نمایاں ہو رہا تھا۔ وہ بار بار ان سے پیچھے رہ جاتی اور پھر تیز قدم اٹھا کر ان کا ساتھ دینے کی پوری کوشش کرتی اور ہر بار جب وہ ایسا کرتی معاذ نے اپنے قدم' اپنے اعصاب شل

ہوتے ہوئے محسوس کیے تھے۔

بظاہر کوئی دور کا بھی تعلق نہیں اور امید کی ہلکی سے ہلکی کرن بھی معدوم سہی۔ پھر بھی اس کا ہر راستہ اسی ایک سمت مڑتا تھا۔ نہ وہ اس کی تکلیف شمار کرتے تھکتا اور نہ ہی اس کے روز مرہ معمول سے ہی انجان رہتا اب بس میں تھا۔ کبھی کبھی تو اسے لگتا تھا کہ وہی زمانہ اچھا تھا جب خاندان بھر میں ابرار چچا کا ڈنکا بجتا تھا اور وہ ہر موقع پر اسے ذلیل کرنے سے نہ چوکتے تھے۔

کم از کم تب جویا کے حصے میں ایسے کڑے دن رات تو نہیں آتے تھے۔ ایک آرام دہ محفوظ و مامون زندگی اسے بھی میسر تھی۔

قدم بہ قدم۔۔۔ درمیانی فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔

جویا کا زرد چہرہ، جھکی ہوئی نگاہیں اور گم صم سی کیفیت کچھ بھی معاذ سے چھپا نہیں رہتا تھا۔ مگر وہ تھی کہ اس کی موجودگی سے بھی لاتعلق۔۔۔ کتنی ہی بار وہ یہاں آکر کھڑا ہوا تھا۔ مگر مجال ہے، جو ایک بار بھی جویا کی نگاہ اس طرف اٹھی ہو۔ اس کی اردگرد سے دلچسپی کب کی تمام ہوئی تھی۔

وہ کچھ بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

معاذ کو بھی نہیں۔

تب ہی اچانک اس کا پیر سڑک کے کنارے پڑے کسی پتھر سے ٹکرایا تھا۔

معاذ نے بے ساختہ ہی آگے بڑھنا چاہا۔ مگر جویا کی ساتھی لڑکی اسے تھام چکی تھی۔ اس کے چہرے پر تکلیف کا احساس تھا، لیکن وہ اپنی ساتھی لڑکیوں کو اطمینان دلا رہی تھی اور دوسرے ہی لمحے وہ اس کا سہارا لے کر چلنا بھی شروع کر چکی تھی۔ اس بار اس کی رفتار پہلے سے بھی کم ہوئی تھی۔ سڑک کے دوسری طرف کھڑے معاذ نے سختی سے اپنی جلتی ہوئی آنکھوں کو ہتھیلی سے رگڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

دوسری منزل پر واقع اس بڑے سارے فلیٹ میں بڑی خوشگوار سی چہل پہل تھی۔

بالکونی کی طرف کھلنے والے دروازوں سے ٹھنڈی تیز ہوا کے جھونکے یہاں اندر ہونے والی دعوت کی لذیذ سی مہک کو نہ جانے کہاں تک اڑا کر لے جا رہے تھے۔

چکن تکہ، ملائی سیخ کباب، بریانی، فرائی فش۔۔۔ سلمان نے اپنی پلیٹ میں بیک وقت سب کچھ ڈالا تھا۔ آپا گل نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں ٹوکا بھی، مگر وہ اس وقت جان بوجھ کر انجان بنا تھا۔

اتنے عرصے بعد ایک ساتھ اتنا بہت کچھ اور آگے میٹھے میں بھی رس ملائی اور ٹرائفل۔

"کچھ اور لیں نا سلمان بھائی۔۔۔ آپ تو کھا ہی نہیں رہے۔" ایک اچھے میزبان کی طرح فرید الدین نے اس کی لبالب پلیٹ میں کچھ اور اضافہ کیا۔

"ارے نہیں نہیں۔۔۔ میں خود لے لوں گا، ویسے آپ نے بہت تکلف کر لیا۔ اس کی ضرورت تو نہیں تھی۔"

سلمان کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ، محض رسمی سی کارروائی تھے۔ پھر بھی فرید الدین نے انہیں بہت خوشی سے قبول کیا۔ اس کا کیا گیا اہتمام رائیگاں نہیں جا رہا تھا۔ آپا گل ان کے شوہر، دونوں ہی جتنا پکا اطمینان اسے دلا چکے تھے۔ اس کے بعد وہ ایک سو ایک فیصد پر اعتماد تھا۔

"آپ کا فلیٹ بہت اچھا ہے۔" سیخ کباب کا بڑا حصہ منہ میں رکھتے ہوئے سلمان نے اس پر تکلف دعوت کا کچھ حق ادا کرنا چاہا۔ "لوکیشن بھی اچھی ہے اور خاصا بڑا اور ہوادار۔۔۔"

آپا گل نے اطمینان بھری نگاہوں سے سلمان اور پھر اکبر بھائی کی طرف دیکھا۔

وہ صرف اور صرف کھانے میں مصروف تھے۔ آپا گل نے بدمزا ہو کر دوبارہ اپنی توجہ سلمان اور فرید الدین کی طرف کی۔

"میرا کیا، آپ ہی کا گھر ہے سلمان بھائی! اپنوں سے بڑھ کر بھی بھلا کچھ ہوتا ہے کیا۔" فرید الدین کی خاکساری عروج پر تھی اور ایک من چاہی خوشی کو پا لینے کا اطمینان بھی۔

"دیکھا سلمان! میں کیا کہتی تھی، فرید بھائی بہت ہی محبت کرنے والے اور فراخ دل انسان ہیں، تمہیں ان سے مل کر اچھا ہی لگے گا۔" آپا گل نے اپنی پچھلی کہی باتوں کی سلمان سے تائید چاہی تو وہ اور بھی جوش و خروش سے سر ہلانے لگا۔

"واقعی مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ اکبر بھائی کے دوستوں میں اتنے معقول لوگ بھی ہیں۔" اپنی دانست میں مذاق فرما کر وہ خود ہی زور زور سے ہنسنے لگا تھا۔ آپا گل کے چہرے پر کھسیانی سی مسکراہٹ آگئی۔

"بہت مذاقیہ ہے ہمارا بھائی۔"

"اور بے حس بھی۔" فرید الدین نے بمشکل دل میں آئی بات کو زبان پر آنے سے روکا۔ یہ وقت ان کی اصلیت جتانے کا کب تھا بھلا؟ اور اگر وہ ایسے نہ ہوتے تو یہاں آتے ہی کیوں؟

کمینگی بھرا یہ تجزیہ ابھی بھی نامکمل تھا۔

"بھابھی گل!" وہ ان کی طرف مڑا، جو اس کی سب سے بڑی مددگار تھیں۔ "اچھا ہو گا جو ہم آج ہی ساری تفصیلات طے کر لیں، میں حاضر ہوں، جو کچھ اطمینان آپ کو چاہیے، ضرور دینے کی کوشش کروں گا۔"

بنیادی طور پر وہ ایک کنجوس شخص تھا اور اس ایک دعوت پر کیے جانے والے خرچے پر ہی وہ ساری باتیں کر لینا چاہتا تھا جو اگلی کئی دعوتوں میں طے پائی جاتی تھیں۔ آپا گل جیسی گھاگ عورت کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں فرید بھائی! اس طرح ہتھیلی پر سرسوں تھوڑی جمائی جاتی ہے۔ ابھی گھر میں صلاح مشورہ ہونا ہے۔ ابو جیل میں سہی، رائے تو لینی پڑے گی نا ان سے بھی۔"

"نہیں تو آپ اب رہا ہی سمجھیں۔ میں نے بات کر لی ہے۔ پیسے سے کام خود بخود سیدھے ہونے لگتے ہیں۔ مال خرچ ہو گا تو ابرار صاحب کا سارا کیس ختم۔"

"خیر، خیر۔۔۔ اب یہ سب ایسے بھی نہیں ہے۔ یوں ہی بے پر کی مت اڑاؤ فرید الدین!" اکبر بھائی نے بڑے بے تکے پن سے اس گفتگو میں دخل دیا تھا۔ آپا گل نے کچھ ناراضی سے ان کی طرف دیکھا۔ مگر فرید الدین ان ہی کی دریافت تھے۔ سو وہ کچھ بھی کہنے کے لیے آزاد تھے۔

"پیسہ تو پہلے بھی خرچ ہوا ہے، جرمانے کی رقم بھی بھری گئی ہے، مگر اس کے بعد بھی کیا کیا باتیں نکلی ہیں۔ قانون سے نپٹنا کھیل نہیں ہے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ضمانت میں آسانی ہو جائے۔ مکمل خاتمہ تو۔۔۔" بڑے یقین سے انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"آپا گل ان سمیت ساری سسرال کے بے موقع بول پڑنے کی عادت سے ہمیشہ کی عاجز تھیں۔ بنی ہوئی بات کو اپنی حماقت سے بگاڑنے والے۔

"ضمانت بھی بہت ہے، ایک طرح سے رہائی ہی ہو جاتی ہے، ہمیں تو آپ پر پورا بھروسا ہے فرید بھائی!" سلمان نے مکمل طور پر فرید الدین کی سائیڈ لی تھی۔ "ہمارا اور آپ کا ساتھ اب ہمیشہ رہنے والا ہے، آپ جیسے نیک اور شریف انسان تو قسمت والوں کو ملتے ہیں۔"

اقرار کے لیے ایک مکمل کھلا اشارہ۔ فرید الدین نے اطمینان کی گہری سانس لی تھی اور آپا گل نے اس سے بھی

گھری۔

سلمان کی سمجھ داری ایسے معاملات میں مسلم تھی۔ خود اس کی اپنی زندگی نظر بد کا شکار نہ ہوتی تو اس سمجھ داری کی ہی روشن مثال تھی۔

فرید الدین اب بہت خوش خوش میٹھا پیش کر رہا تھا۔

"تم اس سے فلیٹ کی بات صاف صاف کرلو آپا گل! ایسا نہ ہو کہ آگے جا کر یہ ہمیں ہری جھنڈی دکھا دے 'پہلے ہم شفٹ ہوں گے بعد میں...."

فرید الدین کی تعریف میں قلابے ملانے کے فوراً" بعد ہی وہ آپا گل سے سرگوشی میں اپنے تحفظات کا اظہار کر رہا تھا۔ جواباً" وہ بڑی متانت سے سرہلائے جا رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی بات کرلیتی ہوں اور حتمی جواب دینے کی ذمہ داری امی کے سپرد وہ آسانی سے ہفتہ 'دس دن کے لیے ٹال دیں گی 'مگر اب اس سے زیادہ نہیں۔ سمجھا کرو۔" پر اسرار سے انداز میں انہوں نے سلمان کو جو سمجھانا چاہا' وہ فوراً" ہی سمجھ گیا۔

"دیر تو میں خود بھی نہیں چاہتا' اس جہنم بنے گھر سے تو نکلیں۔ جلد سے جلد کچھ بھی کرو آپا گل تم... میں اور امی تمہارے ساتھ...."

آپا گل اچانک ہی چونکی تھیں۔

"امی!" ان کی نگاہ کمرے سے بالکونی تک کا جائزہ لے کر مایوس ہوئی۔ شاکرہ امی کہیں نہیں تھیں۔

"امی کہاں ہیں سلمان' ابھی تھوڑی دیر پہلے تو یہیں تھیں صوفے پر؟" آپا گل نے پریشانی سے سلمان کو دیکھا۔

شاکرہ امی جب سے آئی تھیں' بالکل لاتعلقی سے ڈرائنگ روم کے سب سے کونے والے صوفے پر خاموش بیٹھی رہی تھیں۔ کھانے پر بھی انہوں نے طبیعت کی خرابی کا عذر کر کے انکار کر دیا تھا۔

فرید الدین نے تیزی سے ملحقہ تینوں کمروں میں جھانکا۔ آپا گل نے واش رومز کے دروازوں پر کھڑے ہو کر آوازیں لگائیں۔ سلمان بالکونی میں جا کھڑا ہوا مگر وہ کہیں نہیں تھیں۔

"ضرورت ہی کیا تھی انہیں لانے کی' اپنے حواسوں میں کب ہیں وہ۔" فرید الدین کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر سلمان زور' زور سے بول رہا تھا۔ "تمہارے تو ماں' باپ نے اولاد کی زندگی جہنم بنا دی ہے۔ سوائے پریشان کرنے کے انہیں اور آتا ہی کیا ہے۔ اب دیکھ لو' کہاں چلی گئی ہیں بغیر بتائے۔" آپا گل کی آنکھ کے ہر اشارے کو اس نے قطعی نظر انداز کیا تھا۔

مجبور ہو کر وہ خود ہی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئیں۔ پرانی بنی ہوئی اس عمارت کی سیڑھیاں گھومتی ہوئی نیچے جا رہی تھیں۔ سنبھل سنبھل کر اترتی ہوئی آپا گل کو اس گول چکر کے نچلے سرے پر وہ بیٹھی ہوئی آخر نظر آ ہی گئیں۔

گھٹنوں کے گرد دونوں بازوؤں کو لپیٹے ہوئے وہ پتا نہیں کب سے یہاں بیٹھی تھیں۔ ایک لمحے کے لیے تو آپا گل کے بھی دل کو کچھ ہوا۔

"امی!"

وہ ان کی آواز پر چونک کر مڑیں۔ "گل! واپس گھر چلو۔" ان کی آواز اور چہرے پر خوف کا تاثر تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ پھر فون نہیں اٹھا رہا تھا۔

زر تاج نے بڑی کوفت سے موبائل آف کر کے صوفے پر اچھالا اور زیر لب وہ جو کچھ نبیل کی شان میں کہہ سکتی تھی' کہہ ڈالا۔

صبح سے کوئی دسویں گیارہویں بار ایسا ہوا تھا اور یہ آج کا نہیں' اب روز کا معمول تھا۔ نبیل جب سے لاہور گیا تھا' شروع کے ایک آدھ دن زر تاج کے حضور خود پر اپنی حاضری لگوانے کے بعد سے وہ ٹھیک اپنی اصلیت پر اترا ہوا تھا۔

"بے غیرت' آوارہ! اپنی رنگ رلیوں میں ہوش کہاں ہے اسے۔" نبیل کی متوقع رنگ رلیوں کے بارے میں وہ جتنا بھی سوچتی' اس کا غصہ اور نفرت ہر حد کو عبور کر رہا تھا۔

یہ شادی اس کی زندگی کی بدترین غلطی تھی اور اس میں اسے اب کوئی شک نہیں رہا تھا۔ اس کے موبائل پر کوئی فون آ رہا تھا۔ روزی کے کیس کو دبانے کے سلسلے میں وہ جن لوگوں سے کام لے رہی تھی۔ ان ہی میں سے ایک اہم کانٹیکٹ تھا۔ خود پر قابو پاتے ہوئے اس نے تسلی سے دوسری طرف سے ملنے والی اطلاع کو سننا چاہا تھا۔

لاکھوں روپے خرچ کر دینے کے بعد بھی' حالات تسلی بخش نہیں تھے۔ سالار کی طرف سے بڑے نامی گرامی وکیل نامزد ہوئے تھے۔ جن کے بارے میں یہ بھی مشہور تھا کہ وہ کوئی کیس کبھی نہیں ہارے۔

نبیل کے خلاف ثبوت نہ سہی' حالات مکمل طور پر ایک اسی کو ملزم ٹھہراتے تھے۔ عدالت میں نبیل کی حاضری کو اب اور زیادہ دن نہیں ٹالا جا سکتا تھا۔ لاکھوں روپے خرچ کر کے ملنے والی مہلت قریب الختم تھی۔

"پیش تو انہیں ہونا ہی پڑے گا' ورنہ عین ممکن ہے کہ پولیس انہیں گرفتار کرنے کے لیے چھاپہ مارے' آپ کے گھر پر یا پھر وہاں جہاں وہ ہیں۔" ہر پیش کش اور ہر لالچ دیے جانے کے باوجود حرف آخر یہی تھا کہ حالات اب پہلے جیسے نہیں ہیں۔

زر تاج نے بڑی مایوسی سے فون بند کیا۔

"سارے کے سارے ابن الوقت پیسہ لیتے ہوئے کچھ اور زبان بولتے تھے اور اب کھال کر ہری جھنڈی دکھا رہے ہیں۔" پیشانی کو انگلیوں سے مسلتے ہوئے وہ خود سے اپنے کرم فرماؤں کا گلہ کیے گئی۔

وقت واقعی بدل رہا تھا۔

بہت کچھ جواب تک بے حساب ہو چکا تھا۔ انصاف کے لیے روز جزا منتظر سہی' مگر یہ خون ناحق یہیں دنیا میں قصاص مانگ رہا تھا۔

آنکھ کے بدلے آنکھ۔

ہاتھ کے بدلے ہاتھ۔

جان کے بدلے...

خوف کی ایک لہر زر تاج کے وجود کو ذرا دیر کے لیے ہی سہی' شل کر گئی۔

نبیل اب بھی فون پر نہیں تھا۔

خوف' جھنجلاہٹ اور مایوسی بھرے ان ہی لمحات میں زر تاج نے گیتی کو اپنے کمرے سے آتے دیکھا تھا۔

وہ شاید کہیں جا رہی تھی۔ زر تاج کو اس بات کا اندازہ اس کے ہاتھ میں تھامے بیگ سے ہوا تھا۔ سادہ خوش رنگ لباس اور ہلکی سی لپ اسٹک کے ساتھ وہ اتنی خوب صورت لگ رہی تھی کہ زر تاج نے بے ساختہ ہی آنکھ چرائی۔

"معلوم نہیں یہ مصیبت کہاں سے آئی تھی؟"

زر تاج کے دل کو لگا دوسرا غم' گیتی آرا کا ہی تھا اور اگر وہ اس بدبخت نبیل کی پھیلائی ہوئی مصیبت کو نہ جھیل

رہی ہوتی تو اب تک گیتی کے بارے میں بہت کچھ جان بھی چکی ہوتی اور اس کو یہاں سے چلتا بھی کر چکی ہوتی۔

"زندگی کتنی آسان ہوتی پھر یک بہا۔"

آج کل وہ پہلی بار حسرتوں کا مزا بھی چکھ رہی تھی۔

"سنو!"

"جی!" گیتی کو شاید اس کے پکارنے پر حیرت ہوئی تھی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" بہت کوشش کرکے وہ اپنا لہجہ نرم رکھ پائی تھی۔

"بازار جا رہی تھی' کچھ کام ہے آپ کو۔"

"کام؟ نہیں.... جاؤ تم!" وہ پھر سے تلخ ہوئی۔ "جب تمہارا شوہر تمہیں نہیں روکتا تو مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں تم پر پابندیاں لگاؤں۔"

گیتی چپ چاپ چند لمحے اس کی شکل دیکھے گئی۔

کوئی شک نہیں کہ وہ اس عورت سے' جسے دیکھ کر اس کے ذہن میں ہمیشہ ناگن کی شبیہہ ابھرتی تھی' بے حد خوف زدہ رہتی تھی۔ سالار جیسے شوہر کی موجودگی اور ہر ممکن تسلی کے بعد بھی....

زرتاج رخ موڑے دوسری طرف دیکھ رہی تھی اور صاف ظاہر تھا کہ اب وہ اس سے مزید بات نہیں کرے گی۔ گیتی خاموشی سے لاؤنج سے نکلتی چلی گئی۔ باہر راجو اس کا منتظر تھا۔ کچھ چیزیں لینی تھیں۔ ذاتی نوعیت کے چھوٹے موٹے کام تھے۔

گیتی آرا اب اس بڑے سے ہنگامہ خیز شہر کے طرز زندگی کی عادی ہوتی جا رہی تھی۔ اب اسے سڑکوں پر رواں دواں ٹریفک کم پریشان کرتا تھا اور آہستہ آہستہ وہ اس فراخ دل شہر کی خوب صورتی کے سحر میں گرفتار ہونے لگی تھی۔ راجو اب گھر کا ڈرائیور نہیں تھا۔ وہ سالار کے آفس میں اپنی جاب شروع کر چکا تھا لیکن گیتی کو کہیں جانا ہوتا تو سالار کی غیر موجودگی میں وہی تھا' جو اس ذمہ داری کو بخوشی نبھاتا۔

اس کی حیثیت گھر کے فرد کی سی تھی اور انیکسی میں اس کے لیے ایک مکمل گھر کی ساری سہولیات میسر تھیں۔

"کسی میڈیکل اسٹور پر روک لیجیے گا راجو بھائی!" گیتی کو اچانک ہی کچھ ضروری کام یاد آیا۔

سامنے نظر آتے چوراہے سے گھوم کر ذیلی سڑک پر ایک سپر اسٹور نظر آ رہا تھا۔

گیتی کو کمپنی میں کام کرنے والی ملازمہ کی بیٹی کے لیے کچھ دوائیں لینی تھیں۔ اس کا دیا ہوا ڈاکٹر کا پرچہ آج صبح سے گیتی کے پرس میں تھا۔ گیتی کو اسٹور کے سامنے اتار کر راجو نے قریب ہی گاڑی پارک کی تھی۔

گیتی اندر جا چکی تھی۔ اندر اس بڑے سے اسٹور میں کچھ خاص رش نہیں تھا۔ گیتی دواؤں کے کاؤنٹر پر کھڑی تھی۔ سیلزمین نے اسے مطلوبہ دوائیں نکال دی تھیں مگر وہ کچھ مطمئن نہیں تھی۔ مزید کچھ فوڈ سپلیمنٹ' شہد کی بوتل' دودھ کے ڈبے وغیرہ۔ بہت سا اضافہ وہ اپنی طرف سے کیے گئی۔ پچھلے دنوں اس لڑکی کے ہاں آپریشن سے بیٹی ہوئی تھی اور گیتی کو اس کے خراب حالات اور خراب ترین صحت کا بے حد دکھ تھا۔

"سب کی فکر کرنے والا تو وہ رب ہے' لیکن اپنے اردگرد کے لوگوں کی فکر اس نے ہمارے ذمہ کی ہے اور اس میں بھول چوک کی معافی نہیں ہے۔"

استاد فراغت بیگم کی کی ہوئی نصیحتوں میں سے ایک نصیحت اور وہ اس بھول چوک کے معاملے میں بے حد حساس رہی تھی۔ ہزاروں میں بنے اس بل کی ادائیگی کرتے ہوئے اس کے چہرے پر بڑا ہی گہرا سکون کا تاثر تھا۔ تب ہی اس نے قریب سے کسی کو کہتے سنا۔

"یہ آٹھ سو پینتیس روپے کی دوائیں.... ان میں کچھ تو ڈسکاؤنٹ کریں پلیز...." آواز کچھ جانی پہچانی' لیکن التجا کرتا ہوا لہجہ بالکل ہی اجنبی۔

بالکل بے ساختہ گیتی کی نگاہ اس طرف اٹھی تھی۔ معمولی سے حلیے میں وہ بدلے ہوئے لہجے والا لڑکا کوئی اور نہیں خیام ہی تھا۔

"دیکھیں کچھ تو کم کریں پلیز.... ورنہ مجھے مجبوراً دوائیں کم کرنی پڑیں گی۔" وہ اس کی موجودگی سے آج بھی بے خبر تھا۔ گیتی کی پلک تک نہیں جھپکی۔

اس کی سنہری رنگت میں اب وہ پہلے جیسا اجلا پن نہیں تھا۔ چہرے پر چھائی اداسی اور بھی گہری ہو گئی تھی.... لیکن یہ وہی تھا! تب ہی شاید اسے بھی خود پر جمی کسی نگاہ کا فطری سا احساس ہوا تھا۔

گیتی نے اسے اپنی طرف مڑتے ہوئے دیکھا اور اس کی آنکھوں میں پھیلتی ہوئی حیرانی کو بھی۔ اس کے لب ہلکے سے کھلے تھے' شاید اس نے گیتی آرام کا نام بھی لیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے جیسے سب کچھ معدوم ہوا تھا۔

"یہ آپ کا سامان!" سیلزمین نے شائستگی سے گیتی کی طرف اس کے بڑے سے شاپرز بڑھائے۔ "آپ کی گاڑی تک یہ لڑکا چھوڑ آئے گا۔"

"ہاں!" وہ جیسے چونک کر منظر میں واپس آئی۔ "بہت شکریہ۔" پورے وقار کے ساتھ چلتی ہوئی وہ خیام کے قریب سے گزر کر باہر جانے والے دروازے کی طرف بڑھتی چلی گئی۔

وہ جواب تک اپنی جگہ منجمد تھا' بے ساختہ ہی تیزی سے آگے بڑھا۔ وہ اس سے ملنا چاہتا تھا' پکارنا چاہتا تھا۔

"گیتی.... گیتی.... گیتی!" مگر یہ نام زبان پر آنے سے قاصر ہوا تھا۔ شیشے کے دروازے کے دوسری طرف سے خیام نے اسے سپر اسٹور کی سیڑھیاں اترتے ہوئے دیکھا۔

ایک کرشماتی لمحے کے گزر جانے کے بعد سب کچھ پھر سے پہلے جیسا ہو جانے والا تھا.... سو وہ اسے کیوں نہیں روکتا!

دل سے ابھرتی آواز میں شدت کا مطالبہ تھا اور اس وقت وہ حیران بھی نہیں ہو سکتا تھا' سو تیزی سے سپر اسٹور کا دروازہ کھول کر باہر آیا۔ بہت سے لوگ اچانک ہی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ رہے تھے۔ کوئی فیملی تھی۔ عورتیں۔ بچے.... وہ انہیں دھکا دیتے ہوئے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا سو چند لمحے سیڑھیوں تک آنے میں لگ ہی گئے۔

تب ہی اس نے ایک بہت شان دار' نئے ماڈل کی بڑی گاڑی کو گیتی کے آگے رکتے ہوئے دیکھا۔ ڈرائیور بڑے ادب سے گیتی کے لیے گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا۔

وقت کے ایک چھوٹے سے پل نے اک گیتی آرا کے ہائی فائی اسٹیٹس سے روشناس کروایا تھا۔ نانی ستارہ کے چوبارے پر چھوڑی ہوئی گیتی سے بالکل ہی مختلف.... زمین آسمان کے سے فرق کے ساتھ سامنے آنے والی یہ لڑکی.... گیتی تھی بھی اور نہیں بھی۔

وہ بالکل چپ کھڑا اس طرف دیکھے گیا۔

"سنو بیٹا!" گیتی نے سامان لانے والے بچے کے ہاتھ میں ہزار کا نوٹ تھمایا۔ "وہاں کاؤنٹر پر جو صاحب دوائیں لے رہے تھے' ان کا بل پے کرکے باقی پیسے تم رکھ لینا۔ پہچانتے ہو نا۔"

"جی وہی گورے سے.... اکثر آتے ہیں' آپ بے فکر رہیں۔" وہ ٹپ لینے کی خوشی میں سرشار تھا۔

"چلیں راجو بھائی!" گیتی کے لہجے میں گہرا سکون اترا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ابا!"

"ہوں!" وہ اس کی آواز پر ہی چونکے تھے۔
معاذ سامنے دروازے کے بیچوں بیچ کھڑا تھا۔
"آؤ نا' باہر کیوں کھڑے ہو۔"
"اصل میں مجھے لگا کہ یہ وقت آپ کے کام کا ہے' مصروف ہوتے ہیں۔" وہ چلتا ہوا اندر آیا۔
انہوں نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ سامنے کھلی کتاب کو بند کیا۔
"تمہارے لیے میں ہر وقت فارغ ہوں بیٹا! کہو کوئی خاص بات؟" وہ اس کے چہرے پر پھیلی پریشانی کو پہلی نظر میں ہی بھانپ چکے تھے' مگر اس کے منہ سے سننا چاہتے تھے۔
"بات تو کچھ نہیں' مگر بس دل چاہ رہا تھا' آپ کے پاس بیٹھنے کے لیے۔" معاذ کی آواز دھیمی تھی۔
ان کا اندازہ اور بھی پختہ۔
وہ جب بھی زیادہ پریشان ہوتا' اسی بہانے سے پاس آکر بیٹھتا تھا' یوں ہی ادھر اُدھر کی باتیں کیے جاتا' یہاں تک کہ وہ خود ہی ان ساری باتوں کے بیچ سے وہ ایک بات نکال لیتے' جو اس کے لیے فکر کا سبب بنی ہوتی۔
"اسکول کب تک شفٹ ہو رہا ہے' نئی عمارت میں؟"
"بہت جلد ان شاء اللہ۔ افتتاح آپ ہی کو کرنا ہے۔ سالار کسی اور کا نام سننے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں اور ابا! آپ جب اسکول کو دیکھیں گے تو اتنے خوش ہوں گے کہ......"
اسکول کے ذکر پر وہ بے ساختہ پر جوش ہو جاتا تھا' لیکن دل سے جڑا کچھ اور بھی بہت اہمیت رکھتا تھا' جو سوائے اداس رکھنے کے کچھ نہ کرتا تھا۔
اگلے چند منٹ جب وہ اپنے اسکول کی شان میں قصیدہ پڑھ رہا تھا۔ ابا اس دکھ بھرے سلسلے کو سوچ گئے۔
"ابرار کے کیس میں کوئی پیش رفت ہوئی؟" وہ چپ ہوا تو انہوں نے فوراً" ہی پوچھ لیا۔
"آپ تو ایسے پوچھ رہے ہیں جیسے ابرار چچا کے کیس کی فائل میں ہی تو سنبھال رہا ہوں۔ گہرا تعلق ہے میرا ان سے۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بات کو ٹالنے لگا' مگر ابا بہت سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھے گئے۔
"تعلق تو اتنا سنجیدہ ہے کہ کم ہی تعلق ہوں گے...... یہ اور بات کہ تم کسی بھی وجہ......" کچھ اور ذہن میں آنے لگا تھا سو وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر دوسری جانب دوسری بات پر آ گئے۔
"کم از کم اتنا تو تم کر سکتے ہو کہ اس دوسرے وکیل کے بارے میں معلومات کر لو' کیس کیا لڑ رہا ہے' کچھ امید ہے بھی یا نہیں۔ ابرار بے چارے نے بہت تکلیف اٹھائی ہے۔ اب تو۔"
معاذ نے کچھ حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔ ساری زندگی ابرار چچا کے ہاتھوں ہتک اٹھانے کے بعد بھی اگر آج وہ ان کے لیے فکر مند تھے تو یہ ان کی سادہ دلی اور نیک نیتی تھی۔ اور وہ تو ایسے ہی تھے۔ سو پھر حیرت بھی کس بات کی؟

"کاش! سلمان مجھے اتنا مجبور نہ کرتا تو ہم شاید اب تک ابرار کو چھڑوا ہی لیتے مگر وہ تو کچھ سننے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔"
"یہ عادت ان کے پورے خاندان کی ہے ابا! کچھ بھی نہ سننے کی۔" معاذ نے دھیمے لہجے میں ان کی تائید کی تھی۔
وہ بے ساختہ ہی مسکرا دیے۔
"میرا مطلب ہے کہ......" اس نے جھینپ کر کچھ صفائی دینا چاہی تھی۔
"جویا بہت صابر اور بلند حوصلہ بچی ہے معاذ! اسے تم ابرار کے پورے گھرانے سے نہ ملاؤ۔ جو کچھ اس نے اپنے خاندان کے لیے کیا اور کر رہی ہے' اس کا اجر اسے خدا ضرور دے گا۔ مجھے پورا یقین ہے۔" ان کا لہجہ ان کے الفاظ کی گواہی دے رہا تھا۔ عجیب سی بات تھی کہ ناامیدی اور دکھ سے بھرے اس سارے سلسلے کے بارے میں ایک وہی تھے' جو سب سے زیادہ پرامید رہتے تھے۔
پتا نہیں ابا کو اپنی پیش گوئیوں پر اتنا یقین کیسے رہتا ہے۔
"میں سوچ رہا ہوں...... اس بار جویا سے ملوں' وہ میری بات کو بہتر طور پر سمجھے گی اور شاید شاکرہ بھابھی کو بھی سمجھا سکے۔ اگر وہ مان جاتی ہے تو پھر ہمیں سلمان اور گل کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔"
"وہ کبھی نہیں مانے گی ابا! وہ صاف کہہ چکی ہے کہ ہم ان لوگوں کے معاملے میں دخل نہ دیں۔ وہ ہم سے کوئی تعلق' کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتی۔ اسے آپا گل اور سلمان دونوں پر پورا بھروسا ہے۔ وہ سب ایک ہیں' شاید ہم ہی غلط اندازے لگا لیتے ہیں۔"
"وہ اپنی وجہ سے نہیں' ہماری بہتری کے لیے۔ ہمیں دور رکھنا چاہتی ہے' یہ بات تمہاری سمجھ میں کیوں نہیں آ رہی معاذ!"
"ہماری بہتری؟" وہ سمجھا نہیں تھا۔
ابا چند لمحے اس کے چہرے پر نگاہ جمائے کچھ سوچ گئے۔ سلمان کے ہاتھوں اپنی بے عزتی کا قصہ معاذ کے سامنے انہوں نے گول ہی کیے رکھا تھا' لیکن جویا انہیں الگ کس لیے رکھنا چاہتی تھی' یہ وہ اچھی طرح سمجھ رہے تھے۔
"اگر وہ مدد نہیں لینا چاہتی ہے تو کیا ہم اسے ہمیشہ بالکل اکیلا چھوڑے رکھیں گے؟"
معاذ نے بے ساختہ ہی ان سے نگاہ چرائی۔
وہ بھلا کب ایسا چاہتا تھا مگر جو چاہتا تھا' وہ بھی کس قدر ناممکن تھا۔
باہر پچھلے احاطے میں مکمل خاموشی پھیلی تھی۔
"ربیعہ کے رشتے کے لیے وہ لوگ کب تک آ رہے ہیں باہر سے؟" اس نے دانستہ بات بدلی۔
"شاید دو تین ہفتے اور لگیں گے...... اس کے بعد مجھے ربیعہ کی رخصتی میں دیر نہیں کرنی ہے ان شاء اللہ سب کام بالکل سادگی سے ہوگا۔ وہ لوگ بھی دھوم دھام کے قائل نہیں ہیں۔ اللہ کا شکر ہے۔"
معاذ اداسی سے مسکرایا۔
"کیسی عجیب سی بات لگتی ہے نا ابا! کہ ربیعہ اب یہاں سے چلی جائے گی' میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ اس کے جانے کے بعد گھر کیسا لگے گا؟"
"بیٹیوں کو تو آخر جانا ہی ہوتا ہے۔ بس اللہ سے ان کے اچھے نصیب کی دعا کرتے رہنا چاہیے۔ شکر ہے کہ ہم ایک بڑے فرض سے سبک دوش ہونے جا رہے ہیں' بڑی مہربانی' بڑا کرم ہے اس کا......"
اتنی سی بات کے دوران ہی معاذ نے ان کی آنکھوں میں آنسو چمکتے ہوئے دیکھے تھے۔
"ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔ یہ خوشی کے آنسو ہیں۔" اپنی جذباتیت پر قابو پا کر وہ مسکرا دیے۔ "اچھا' وہ زری کے اس رشتے دار کا میرے پاس کئی بار فون آ چکا ہے۔"
"میرے پاس بھی۔" معاذ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "پتا نہیں وہ کیا سمجھ رہے ہیں کہ چار دن میں کسی اچھے لڑکے کو ڈھونڈ لینا بہت آسان ہے۔ شادی کی رٹ لگ گئی ہے انہیں زری کی' حالانکہ میں بار بار کہہ چکا ہوں کہ ہم دیکھ رہے ہیں' جیسے ہی کوئی اچھا لڑکا ملا' ہم خود دیر نہیں کریں گے اس کام میں۔ ہمارے لیے تو خود مسئلہ بن گئی ہے یہ لڑکی۔ امی کا موڈ دیکھ رہے ہیں نا آپ؟" وہ تھوڑا تھوڑا سا بے زار ہو چلا تھا اور اس سے کہیں زیادہ فکر مند......
"مجھے لگنے لگا ہے ابا! کہ زری کو اس گھر میں لا کر ہم نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ سارے گھر کو آزمائش میں

ڈال دیا ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا مجھے۔"
انہوں نے پہلی بار اسے کسی نیک نیتی سے کیے گئے کام پر پچھتاتے ہوئے دیکھا' ورنہ اب تک اس نے ہر مشکل' ہر کٹھن وقت کو پورے حوصلے سے نبھایا تھا۔
"نیکی آسان تو کبھی نہیں ہوتی بیٹا! اگر کبھی کبھی ذرا زیادہ ہی مشکل ہونے لگتی ہے' لیکن محض اس وجہ سے پیچھے ہٹنا بزدلوں کا کام ہے اور تم تو میرے بہت بہادر بیٹے ہو۔ فخر ہے مجھے تم پر۔" محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہوں نے اس ساری بے دلی اور مایوسی کو ایک چھوٹے سے پل میں زائل کیا۔
معاذ ہلکے سے مسکرا دیا۔
ابا ہمیشہ ہی اس کے لیے مضبوطی کا سبب بنتے تھے۔
"زری کی شادی بھی بہت جلدی ہو جائے گی۔ میں نے لڑکا دیکھ لیا ہے۔ بہت مناسب رہے گا زری کے لیے اور مجھے یقین ہے کہ وہ بہت خوش بھی رہے گی اس کے ساتھ۔" معاذ نے بہت حیرت سے ان کی طرف دیکھا۔
"کمال ہے' آپ نے لڑکا دیکھ بھی لیا اور مجھے بتایا بھی نہیں۔" ابا مسکرانے لگے۔
"میں نے سوچا' پہلے سالار سے بات کر لوں۔ اگر اسے مناسب لگتا ہے تو پھر بات کو فائنل کریں۔ راجو اچھا لڑکا ہے نا؟" وہ سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔
"بہت اچھا۔۔۔ کمال ہے' مجھے کیوں نہیں خیال آیا اس کا' کیا کہا سالار نے؟ راضی ہیں وہ؟"
"ہاں! بلکہ وہ تو بہت خوش ہوا کہ اس طرح راجو کی بھی زندگی میں مکمل تبدیلی آئے گی۔ خوشیوں کی طرف پلٹے گا وہ بھی۔ ملازمت تو وہ کر ہی رہا ہے آفس میں۔ سالار کے گھر کی انیکسی میں رہتا ہے اور زری کے لیے اس سے اچھا کیا ہے کہ وہ سالار جیسے شریف شخص کی سرپرستی میں چلی جائے۔"
وہ ان کے ہر لفظ سے متفق تھا۔ "آپ نے بہت بڑی ٹینشن دور کی ہے ابا!" بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے معاذ نے ایک اطمینان بھری سانس لی۔ "خدا کرے کہ میں اس سے بھی بڑی پریشانی تمہاری دور کر سکوں۔" وہ ہلکے سے مسکرا دیے۔

☆ ☆ ☆

اسپتال کے اندرونی حصے سے باہر احاطے تک وہ خود چل کر آیا تھا' بغیر کسی سہارے کے۔
اس کے چہرے سے ابھی بھی کمزوری ظاہر ہو رہی تھی۔ لیکن آنکھوں میں زندگی کی بھرپور چمک روشن ہونے لگی تھی۔
"کتنا اچھا لگ رہا ہے نا خیام بھائی! کتنا روشن دن ہے۔ کیا سورج زمین کے زیادہ قریب آتا جا رہا ہے؟" ساجد نے مسکراتے ہوئے ساتھ چلتے خیام کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔
"بہت دن بعد باہر آئے ہو نا' اس لیے ایسا لگ رہا ہے۔ جب ہم کافی دیر تک اندھیرے میں رہتے ہیں تو ہمیں باہر کی دنیا ایسی ہی لگتی ہے۔ زیادہ اجلی' زیادہ چمک دار۔ سمجھے!" خیام نے محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔
سر جھکا کر ساتھ چلتے ہوئے ساجد کے باپ نے منہ پھیر کر اپنے آنسو خشک کیے۔
کرخت چہرے اور تلخ لہجے والا یہ شخص اب بدلا بدلا سا تھا۔ پچھلے ڈیڑھ مہینے میں وہ کتنی ہی بار خیام کے آگے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ چکا تھا اور کتنی ہی بار اس نے یہاں بار بار آتے معاذ کے آگے آنسو بہائے تھے۔
آج ساجد ڈسچارج ہوا تھا۔
علاج کا ایک صبر آزما دور' جس میں پل پل امید بندھی اور ٹوٹی اور پھر بندھی تھی۔ وہ جیسے موت کے بھاری پتھر کو

ہٹا کر واپس پلٹا تھا۔
"اور اب تم اپنا بہت خیال رکھو گے۔ یہ دوائیں پابندی سے استعمال کرنی ہیں ابھی۔ ذرا بھی لاپروائی نہیں ہونی چاہیے۔"
خیام نے دواؤں کی تھیلی ساجد کو تھمائی۔
"میں خود خیال رکھوں گا اس کا' ایک پل کو نظر سے دور نہیں کروں گا۔ ہر دوا' ہر پرہیز کروانا میری ذمہ داری ہے اب۔ خیام بیٹا! تم بالکل فکر مت کرو۔" ساجد کے باپ نے اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بڑی پرزور یقین دہانی کروائی۔
اور اس بار وہ ایسا ہی کرنے والا تھا۔ یہ خیام کو یقین تھا۔
"اور اب میں آپ کے نئے اسکول میں پڑھنے بھی آؤں گا خیام بھائی!" ساجد چلتے چلتے رکا تھا۔ "مجھے داخلہ تو مل جائے گا نا۔۔۔ تھوڑا سا بڑا ہو گیا ہوں نا میں' اب چھوٹے بچوں کے ساتھ۔"
شوق' حسرت' جھجک' سب ہی کچھ تو تھا۔
"تم بالکل بھی بڑے نہیں ہوئے ہو اور تمہیں کیا لگتا ہے معاذ بھائی تمہیں پڑھائے بغیر بڑا ہونے دیں گے؟ ابھی سے انہوں نے تمہاری کتابوں کا سیٹ الگ کروا رکھا ہے' خاص میری الماری میں۔ آ کر دیکھنا تم۔"
خیام کی دی ہوئی اطلاع اس کے لیے کسی طاقتور ٹانک سے کم نہیں تھی۔ اس کے کمزور چہرے پر بڑی بھرپور مسکراہٹ پھیلی تھی۔ "سچ!"
"ابھی ابا سے اجازت بھی لے لیں۔" اسے شاید اپنے باپ پر اب بھی مکمل بھروسا نہیں تھا۔
"خالو نے اجازت دے دی ہے' بلکہ وہ خود تمہیں لے کر آئیں گے اسکول۔ جاؤ! اب دیر مت کرو۔ خالہ بتول تمہارا انتظار کر رہی ہوں گی۔"
ساجد کے باپ نے بڑی مشکور نگاہوں سے خیام کی طرف دیکھا۔
"میں ضرور لے کر آؤں گا ساجد کو اسکول' مگر جو احسان تم نے اور معاذ نے ہم غریبوں پر کیا وہ۔۔۔" بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ اس نے بات ادھوری چھوڑ کر صرف ہاتھ جوڑے تھے۔
خیام نے بے ساختہ اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھا۔
"اگر آپ اس سب کو احسان سمجھتے ہیں تو جواباً' ایک احسان آپ بھی ہم پر کر دیں۔۔۔ آئندہ کسی اور بچے کو کم از کم آپ ساجد نہ بننے دیں۔ اس گندے ترین کام سے الگ ہو جائیں۔ خدا آپ کی کمائی میں بہت برکت دے گا۔ دیکھیے گا۔" خیام کی آواز دھیمی تھی۔ اس نے جواباً' اثبات میں سر ہلایا۔
"جائیں! دھوپ تیز ہوتی جا رہی ہے۔"
وہ باری باری ساجد اور اس کے باپ سے گلے ملا۔ آج ساجد کا باپ کسی سے اسکوٹر مانگ کر لایا تھا۔ دواؤں کی تھیلی اس نے ہینڈل میں لٹکائی۔
خیام اس جگہ کھڑا انہیں جاتا ہوا دیکھے گیا۔
ہینڈل سے لٹکی ہوئی تھیلی دور تک نظر آتی رہی۔
ایک احسان' جو وہ ان پر کر گئے۔
ایک تلخ سی مسکراہٹ خیام کے لبوں پر آئی۔
کل شام سے اب تک وہ کتنے ہی متضاد خیالات سے گزرا تھا۔
گیتی کا پرسکون چہرہ' نظر آتا ہائی کلاس طرز زندگی' سب ہی کچھ خلاف توقع تھا۔ پتا نہیں کیوں' مگر اس سارے

عرصے میں جب بھی کبھی نہ چاہتے ہوئے بھی پیچھے مڑ کر پل دو پل کے لیے ہی دیکھا..... گیتی کو اپنے لیے آنسو بہاتے ہوئے محو انتظار ہی پایا تھا۔

واپس نہ جانے کے پکے ارادے کے ساتھ اگر تھوڑا سا گلٹ تھا تو وہ صرف گیتی کے نام کا ہی تھا۔ نہ بقیہ گھر والوں کی ذرا سی بھی انسیت' نہ نانی ستارہ کی محبت اور بڑھاپے کا ہی خیال.....

مگر گیتی.....

دانتوں تلے لب کو دباتے ہوئے اس نے اس ایک نام پر بھی خاک ڈالنی چاہی' جو اندر کہیں اچانک بہت توڑ پھوڑ مچانے کا سبب بنا تھا۔ وہ کب بھولا تھا اسے؟

"سب ڈراما' سب دکھاوا' نگینہ خالہ کی بیٹی کو اور کیسا ہونا تھا۔ چار پیسے مل گئے تو ہوگئی زندگی مکمل۔ اب تک جانے کسی عیاش کروڑ پتی کی بیوی بنی ہے یا....." اگلے خیال کو اس نے سامنے پڑے پتھر کی طرح ٹھوکر سے اڑایا۔ وہ ابھی تک اسپتال کے احاطے میں ہی کھڑا تھا۔

"سو جب یہ طے ہے کہ مڑ کر دیکھنا کب کا منع ہو چکا ہے۔ سو پھر یہ دکھ منانا بھی کیا ضروری ہے۔"

گیٹ کی طرف جاتے ہوئے اس نے خود کو تسلی دی' مگر اب یہ اتنی کارگر بھی نہ تھی۔

☆ ☆ ☆

شام ریشمی' مخمور' دل نشین اور پرسکون!

خنک' بڑے سارے ہال میں مہکتا ہوا سرمئی اندھیرا اترا تھا۔

نبیل نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس محفوظ و مامون ماحول کو دل ہی دل میں سراہا۔ "اگر اس کے بس میں ہو تو شاید وہ ساری زندگی بھی یہاں سے قدم نہ نکالے۔"

"ساری زندگی؟" اندر کہیں ایک کمینی سی ہنسی ابھری تھی۔ "ساری زندگی اسی ایک پر اکتفا کیا ہو گیا ہے تمہیں نبیل صاحب؟"

"چلو! ساری زندگی نہ سہی' اگلے کافی سارے سال تو وہ یہاں بخوشی گزار ہی سکتا ہے۔" کچھ جھینپ کر اس نے خود ہی اپنی تصحیح کی۔ "اس اعصاب کو مستقل توڑتے ماحول میں زرتاج جیسی عورت کے ساتھ رہنے سے تو..... آخ!"

پتا نہیں اس نے کس پر تھوکنا چاہا تھا۔ زرتاج پر یا اپنی اوقات پر۔

الماس ابھی ابھی اٹھ کر گئی تھی۔

حسین' کم عمر' دل ربا اور کسی بھی مرد کو پاگل بنائے رکھنے کے ہر ہنر سے واقف۔

نبیل کے پچھلے تین چار ہفتے کسی خواب میں کٹے تھے اور اب اس حسین خواب کے اختتام پر پھر سے بدفطرت' بدزبان' زہریلی زرتاج کا سامنا ناگزیر تھا۔

نبیل کے موبائل نے ایک بار پھر یاددہانی کروانی شروع کی۔

منہ ہی منہ میں کسی نہ کہے اور سنے جانے والے القاب سے زرتاج کو نوازتے ہوئے سیل فون کان سے لگایا۔

"تم آرہے ہو کراچی واپس یا میں یہ بھی کسی کی ڈیوٹی لگاؤں کہ وہ تمہیں ابھی اسی وقت پہلی فلائیٹ سے زبردستی وہاں سے روانہ کردے بے وقوف آدمی؟" دوسری طرف سے وہ حلق کے بل چلائی تھی۔

"آرام سے بات کرو زرتاج! میں اگر تمہاری بدمزاجی کو جھیلتا رہا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم جب چاہو میری بے عزتی کردو۔" خود کو کمپوز کرتے ہوئے اس نے جو تھوڑا سا رعب جتانا چاہا تھا' وہ بھی بس یوں ہی گیا۔

"بکواس بند کرو' یہاں اگلی پیشی پر تمہارا کورٹ کے سامنے پیش ہونا ضروری ہے۔ ٹھیک تین بعد کی تاریخ ہے اور اگر تم نہیں آتے تو کیا پتا پولیس تمہیں لاہور سے ہی گرفتار کرکے لے آئے تو اپنی رہی سہی عزت کو بچانے کے لیے بہتر ہوگا کہ خود ہی آجاؤ۔"

یہ اس کا وہی مخصوص انداز تھا' جب وہ کسی کو مرنے کی حد تک خوف زدہ کرنے کی ٹھان لیتی تھی۔

کئی بار وہ اس تجربے سے گزرا تھا اور ہر بار زرتاج اسے خوف زدہ کرنے میں کامیاب رہی تھی۔

مگر اس بار وہ ایک مختلف پچ پر کھیل رہا تھا۔

"مجھے بہت تیز بخار ہے زرتاج! اور میں فوری سفر کرنے کے قابل بھی نہیں ہوں۔ آجاؤں گا ایک دو دن میں اور مجھے پتا ہے کہ تم بہرحال اس معاملے کو سنبھال ہی لوگی' سو پھر یہ گھبراہٹ کیسی؟" اس بار اس کے اطمینان نے زرتاج کو خوف کا گھونٹ پینے پر مجبور کیا تھا۔

"تم ایسے حالات کو ڈیل کرنے میں مجھ سے کہیں زیادہ تجربہ کار ہو زرتاج! اور رہی بات پولیس کو تکلیف دینے کی تو ایسا نہ ہی ہو تو اچھا ہے' ورنہ پھر کہیں بات انٹرپول تک نہ پہنچ جائے..... ہوں۔"

دوسری طرف چند لمحوں کے لیے معنی خیز سی خاموشی چھائی تھی۔ نبیل کے چہرے پر آئی مسکراہٹ اور بھی گہری ہوئی۔ بلیک میلنگ کا یہ سلسلہ بڑی کامیابی سے چل رہا تھا۔

"کاش! وہ زرتاج کی زندگی کے کمزور ترین پہلوؤں پر ابتدا سے ہی ہاتھ رکھتا تو وقت زیادہ سہل' زیادہ کامیابیاں سمیٹتا ہوا گزرتا۔" اپنی ذہانت پر غرور اور پچھتاوا' آج کل ساتھ ساتھ ہی گھیرتا تھا۔ یہ سوچنے کی زحمت اٹھائے بغیر کہ زرتاج جیسی ذہین عورت کے لیے یہ ایک وقتی سی رکاوٹ ہے۔

"مجھے دھمکی دے رہے ہو؟"

"نہیں۔ صرف یاد دلا رہا ہوں کہ لندن کچھ ایسا بھی دور نہیں اور ہمارے خاندان کی تاریخ میں ایسے کارنامے.."

"تم ہمارے خاندان کا حصہ نہیں ہو نبیل! اور یہ کہ مانی سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ میرے پہلے شوہر کی اولاد ہے۔" سرد لہجے میں بات کاٹتے ہوئے اس نے نبیل کا مقام متعین کیا۔ "اور بہتر ہوگا کہ تم واپس آجاؤ جلد سے جلد' یہاں اب تمہاری غیر موجودگی زیادہ دیر نہیں چل سکے گی۔ سالار ہاتھ دھو کر پیچھے پڑا ہے اس کیس کے' وہ تو میرے کانٹیکٹس اس سے کہیں زیادہ ہیں جو۔"

بات خود بخود سنجیدہ موڑ پر آئی تھی۔

اپنی اپنی جگہ دونوں ہی کو پتا تھا کہ یہ وقت بہرحال آپس کی محاذ آرائی کا نہیں ہے۔ نبیل کو ایک آدھ دن میں اپنی واپسی کا پکا وعدہ کرنا ہی پڑا۔

"اور اب مزید ایک پیسہ بھی اس ڈانسر کو دینے کی ضرورت نہیں' جس کے در پر تم مہینے بھر سے پڑے ہو۔"

حرفِ آخر وارننگ بھی تھا اور حکم بھی۔

زرتاج نے اس سے آگے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی' سو بات ختم ہوتے ہی فون بند کیا تھا۔

نبیل نے بے ساختہ ہی ماتھے کو چھوا۔ یہاں کے روز و شب میں حد درجہ احتیاط کے باوجود' وہ پھر پکڑا جا چکا تھا۔

حالانکہ اس بار وہ زرتاج کے لاہور والے گھر میں بھی نہیں رہا تھا' ایک ہوٹل میں ٹھہرا تھا اور بظاہر آس پاس زرتاج کا کوئی بالتو اسٹاف ممبر بھی نہیں تھا۔

"پھر بھی....." ایک مایوسی بھرا تجزیہ کسی بھی سوال کا جواب دیے بغیر مکمل ہوا۔

الماس دوبارہ کمرے میں آئی تو نبیل کو پہلے جیسے موڈ میں نہیں پایا تھا۔

"تمہارے ملازم سخت ناقابل بھروسا ہیں' میں نے تمہاری امی سے کہا بھی تھا کہ جب میں یہاں ہوں تو کم سے کم لوگوں کو میری موجودگی کا علم ہو' مگر تمہارے ہاں تو نکموں کی فوج بھری ہوئی ہے۔ ہر وقت رش لگا رہتا ہے۔"

نبیل کا لہجہ رکھائی لیے ہوئے تھا۔

فوری طور پر تو الماس سمجھ ہی نہیں پائی کہ آخر وہ کس بات کا غصہ اتار رہا ہے.... مگر یہ کھلم کھلا تنقید اسے بھی کہاں گوارا تھی۔

"وہ سب پشتوں سے ہمارے گھرانے کے ساتھ جڑے ہیں نبیل جی! اور ہمارے ہاں وفاداریوں کی بڑی قدر ہے۔ ان میں سے کوئی بھی غیر ضروری نہیں ہے ہمارے لیے۔ اور ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جیسا آپ سمجھ رہے ہیں۔"

ہزار کوششوں کے باوجود بھی ڈانسر کے لیول سے اوپر نہ اٹھنے والی الماس کے لہجے میں بھی وہی تمکنت ذرا دیر کے لیے اترنے لگی جو کہ نانی ستارہ کے گھرانے کو بقیہ برادری سے علیحدہ کرتی تھی۔

نبیل نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پھر طنزیہ انداز میں مسکرا دیا۔

"لوگوں کی جوتیاں سیدھی کرتے' ٹکے ٹکے کی بخشش کے لیے امیدیں لگانے والے نیم نشہ بازوں کا ایسا مان سمان۔"

"دھت!" اس کے دل میں چھپا تمسخر اس کے انداز سے عیاں ہوا تھا۔

"ملازم ملازم ہوتا ہے۔ تنخواہ دی اور کام لیا' کام پسند نہ آیا تو دوسرے ہی لمحے نکال باہر کیا.... خیر چھوڑو۔" اس نے الماس کا ہاتھ تھاما۔

وہ یہاں بیٹھ کر ایک فضول سی بحث میں وقت ضائع کرنے والا نہیں تھا اور سچ تو یہ کہ اگر الماس اسے اتنی زیادہ پسند نہ آچکی ہوتی تو شاید اب تک وہ کسی اور طرف کا رخ کر چکا ہوتا۔

"میں جا رہا ہوں۔ یاد کرو گی؟"

"میں آپ کو جانے نہیں دینے والی۔" وہ دل ربائی سے مسکرائی۔ "ویسے بھی آپ نے وعدہ کیا ہے کہ اس بار ہمارے رشتے کو مکمل نام دیں گے۔ ایک پہچان....."

نبیل نے کچھ اضطراب سے پہلو بدلا۔

ان سارے سحر انگیز لمحوں میں یہ کڑوا بادام کتنی ہی بار منہ میں آیا تھا اور ہر بار اسے الماس اور گلناز کی جسارت پر حیرت کم اور غصہ زیادہ آیا تھا۔

لاکھوں روپے وصول کر لینے کے بعد بھی یہ شادی کا چاؤ۔ الماس کا اصرار بڑھنے لگا۔

"میں تم سے محبت کرتا ہوں الماس! لیکن ابھی وقت نہیں آیا ہے کہ میں تم سے شادی کر سکوں بہت سارے مسئلے حل کرنے ہیں ابھی۔"

اتنے دنوں میں وہ یہ جواب اتنی بار دے چکا تھا کہ اب خود بخود ہی رٹا رٹایا سا انداز ہو چکا تھا۔ الماس کو بڑی سخت توہین محسوس ہوئی تھی' گلناز کی سختی سے ہدایت تھی کہ اس بار نکاح نہ سہی وہ اپنے نام کوئی کوٹھی' بنگلہ تو ضرور ہی کروا لے اور خود الماس کے دل میں بھی خالہ زاد بہنوں کی کوٹھیاں پھانس بن کر اٹکی تھیں۔

"کچھ تو ایسا ہو' جو مجھے نہ سہی' امی کو ہی اطمینان دلا دے۔" بڑی آہستگی سے اس نے نبیل کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"کیا مطلب! ابھی تک انہیں میرا اعتبار نہیں آیا۔ کتنے تحفے' کتنا خرچا کر چکا ہوں میں' اس بار جو جیولری میں نے تمہیں دی ہے اس کی قیمت کا اندازہ ہے تمہیں....." کم ظرف نو دولتیوں کی طرح اس نے فی الفور اپنی اوقات دکھائی۔

الماس کی پیشانی پر آیا بل اور بھی گہرا ہوا۔

"چند لاکھ کے زیورات اتنی بڑی دلیل تو نہیں ہیں' اس سے کئی گنا ہم استعمال کر کے بھول بھی چکے ہیں نبیل!" بے نیازی سے کہتے ہوئے وہ اٹھنے لگی تھی' تب ہی نبیل نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا' اس بار اس کی گرفت سخت تھی۔

"میری چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے تمہاری نظر میں' اتنی قیمتی! لاکھوں خرچ ہوئے ہیں۔"

"قیمت تحفے کی کب ہوتی ہے نبیل صاحب! قیمت تو اس کی ہوتی ہے' جسے تحفہ دیا جا رہا ہے اور دینے والے کے دل میں اس کے مقام کا تعین بھی وہیں ہو جاتا ہے۔"

"الماس! الماس!" باہر سے گلناز نے بڑی میٹھی آواز میں پکارا تھا۔ الماس نے چونک کر اپنا ہاتھ نبیل کی گرفت سے چھڑایا۔ اپنی ماں کے ہر اشارے سے وہ پوری طرح مانوس تھی۔

نبیل کے حصے میں آیا وقت ختم ہو چکا تھا۔

"الماس بیٹا! گیتی کا فون آیا ہے' تمہیں پوچھ رہی ہے۔ بات کر لو بہن سے۔"

گلناز بڑی تمکنت سے چلتی ہوئی کمرے سے داخل ہوئی تھی' اس بار الماس نے کمرے سے نکلنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگایا۔ وہ سمجھ سکتی تھی کہ گیتی کا حوالہ اس کی ماں نے کیوں دیا ہے۔

"میری بھانجی کا فون ہے۔ بہت امیر آدمی کی بیوی ہے بڑی عزت سے بیاہ کر لے کر گیا تھا وہ اسے' یہیں سے' خالہ ستارہ کے چوبارے سے' یہ بڑی کوٹھی ادھر لاہور میں اس کے نام کی اور باقی دینے لینے میں کوئی کسر باقی نہیں رہنے دی اس نے۔"

رک کر گلناز نے اس کے چہرے پر ایک کھوجتی ہوئی نظر ڈالی وہ ذرا بھی متاثر نظر نہیں آ رہا تھا' الٹا ایک طنزیہ سا تاثر! مذاق اڑاتی سی کیفیت!

گلناز کو سمجھنے میں محض لمحہ لگا کہ وہ اس کی باتوں کو جھوٹ کا پلندہ سمجھ رہا ہے یا ویلیو بڑھانے کی بڑی سستی سی کوشش! ایک دبی دبی سی سانس گلناز کے لبوں پر آئی تھی۔

الماس کے حوالے سے جو ایک خواب دیکھنے کی غلطی وہ کرنے لگی تھی اس کی تعبیر بہرحال نبیل نہیں تھا!

خواب ٹوٹنے سے زیادہ افسوس اسے اپنی ناسمجھی پر ہوا تھا۔ نبیل جیسے کاغذی رئیس کو اس کی اوقات سے زیادہ منہ لگانے کی غلطی اس ایک خواب کی دین تھی۔

یہاں بھلا رشتہ داریوں کی گنجائش قدم قدم پر کہاں تھی؟ ہزاروں لاکھوں میں کسی ایک کی خوش بختی تھی نہ ہر لڑکی گیتی کا سا مقدر رکھتی تھی اور نہ ہی آنے والوں پر سالار کا سایہ بھی پڑا تھا۔

جلتی ہوئی آنکھوں اور بھاری دل کے ساتھ وہ حقیقت کی طرف پلٹی۔

"ہم فن کی میراث کو آگے بڑھانے کے پابند ہیں نبیل صاحب! ہمارے گھرانے کا نام عزت سے لیا جاتا ہے۔ کلاسیکل میوزک میں بیگم ستارہ جان کے مقام سے کون واقف نہیں۔ میری بھانجی صندل اس وقت ٹاپ کلاس ہیروئن ہے اور دوسری ایک اعلا خاندانی شخص کی بیوی۔"

نبیل کے چہرے پر مذاق اڑاتی کیفیت اور بھی گہری ہوئی تھی۔

"کون سے نمبر کی بیوی' دوسری' تیسری' چوتھی یا پھر ایسے ہی۔"

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

دل گزیدہ

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو بیڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اُٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آ کر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ کبھی آ رکی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھرا سا لوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو، ناک کا سیدھا ہی سیدھا ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دُعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ ابا رحیم کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دُھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ حویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چاچا نے سلمان کی منگنی شہر کے معقول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ حویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

قسط نمبر ۵۳

خود پر جمی نبیل کی مذاق اڑاتی نگاہ گلناز کو کانٹے کی طرح چبھی تھی۔

"برا مت ماننا گلناز بیگم! عزت دار' خاندانی۔۔۔ ایسا ٹھیلا لگا ہوا شخص' جب پہلی بار بیوی کا انتخاب کرتا ہے تو اس کی ترجیح کچھ اور ہوتی ہے۔۔۔ یہاں تک تو وہ بعد میں آتا ہے' منہ کا مزہ بدلنے کے لیے۔ گھر میں بیٹھی تنگ دل' بدشکل' بدمزاج عورت سے نفرت ہونے کے بعد۔"

اس کی زبان لڑکھڑا رہی تھی۔

وہ اپنی برداشت سے زیادہ پی چکا تھا۔ مگر ابھی تک ہوش میں تھا اور ٹھیک اپنی اوقات کے مطابق ہی باتیں کر رہا تھا۔

"یہاں آکر کسی کے بھی عشق میں مبتلا ہو جانا انوکھی بات نہیں ہے' بلکہ اگر کوئی تمہیں دیکھ کر بھی تمہارا دیوانہ نہ ہو' وہ حیرت کی بھی بات ہے اور بے عزتی کی بھی۔ کیوں؟ ٹھیک کہا نا!"

وہ گلناز کی طرف اتنا جھکا کہ اسے سرک کر بیٹھنا پڑا۔

"بدذات کمینہ!" ابھی تازہ دیے گئے لاکھوں کے تحائف کا ذرا سا لحاظ تھا ورنہ وہ اسے باہر کا راستہ دکھانے میں دیر کرنے والی نہیں تھی۔

"نصیب کی بات ہے سب' اپنی جگہ آپ بھی ٹھیک ہیں لیکن جو میں نے کہا' وہ بھی غلط نہیں' میری بھانجی گیتی آرا پورے عزت اور وقار کے ساتھ رخصت ہوئی ہے اور وہ اپنے میاں کی دوسری' تیسری' چوتھی' بیوی نہیں' پہلی محبت ہے۔ نکاح کی تصدیق آپ مسجد کے امام صاحب سے کر سکتے ہیں۔ گیتی آرا کا نکاح انہوں نے پڑھایا تھا۔"

"گیتی آرا!" وہ زیر لب نام لیتے ہوئے مسکرا دیا۔ "بہت خوب صورت نام ہے۔"

"وہ خود بھی بہت خوب صورت ہے!" گل ناز نے پہلی بار اپنی کسی بھانجی کے حسن کی تعریف اپنے ہاں آئے ہوئے مہمان سے کی۔

"ضرور ہو گی۔۔۔ اس نام کی لڑکیاں خوب صورت ہی ہوتی ہیں۔" نبیل کے لہجے میں حسرت سی اتری' گل ناز نے کچھ حیرت سے اس کی کم ہوتی مسکراہٹ کو محسوس کیا۔

"اور یقیناً" اس کا شوہر بہت ہی معمولی شکل کا ہو گا' نہ گوری رنگت' نہ قد آور' نہ مردانہ وجاہت۔ ہا!" اپنی دانست میں اس نے اپنی خوبیاں گنوائی تھیں۔ مگر گل ناز اب مزید متاثر ہونے کے موڈ میں نہیں تھی۔ نبیل کے انداز' الفاظ' رویہ سب ہی کچھ ایک قرض سا چڑھاتے جا رہے تھے' جسے بروقت نہ چکاتی تو دنوں' ہفتوں کی بے سکونی مول لینی پڑتی۔

"خوب صورتی تو عورتوں کا وصف ہے نبیل صاحب! مرد کی شان تو اس کی بہادری' وقار اور قول کا پکا ہونے میں ہوتی ہے' خالی خولی باتیں بنانے والے مرد تو مرد کہلانے کے لائق ہی نہیں ہوتے' نرے ڈھول کا پول۔" اپنی بات ادھوری چھوڑ کر وہ جس حقارت سے ہنسی تھی' نبیل کو اپنی پیشانی بھیگتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

محلے کے سب سے اونچے چوبارے پر بیٹھی سونے کے زیورات سے لدی ہوئی گلناز کے پاس اظہار فخر کے لیے ابھی کچھ اور بھی باقی تھا۔

"اور سالار جیسا باوصف تو ہزاروں لاکھوں میں ایک ہی ہوتا ہے' بڑا پیسے والا اور سخی کراچی کا ہی ہے' آپ تو جانتے ہی ہوں گے ضرور!"

اور وہ یقیناً" جانتا تھا۔

گیتی' سالار۔

سالار' گیتی۔

ان دونوں ناموں کا ساتھ ساتھ ہونا اب حیرت کی بات کہاں رہ گئی تھی پھر بھی وہ چند لمحے کچھ بولنے کے قابل نہ رہا۔

گلناز نے اس کے چہرے کے اترے ہوئے رنگ کو اپنی فتح جان کر دل ہی دل میں خود کو شاباش دی۔ یقیناً" سالار کی پوزیشن سے واقف ہے' تب ہی چہرے کا رنگ اڑا ہے۔

"میں نے کہا تھا نا کہ آپ ضرور جانتے ہوں گے۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

"نہیں! میں نہیں جانتا!" نبیل کا لہجہ کھردرا تھا اور آواز قدرے اونچی۔ گلناز نے حیرت سے اسے اٹھ کر کھڑا ہوتے دیکھا۔

"مجھے کچھ ضروری کام ہے۔ پھر کسی وقت آؤں گا۔" وہ اتنی جلدی میں تھا کہ اس نے الماس سے الوداع لینے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

"شکر جو بلا ٹلی!" بظاہر بڑے تپاک سے اسے رخصت کرتے ہوئے گلناز نے سکون کی گہری سانس لی اور واپس پلٹ آئی۔

ایمن آباد والی سرکار پر ابھی کرم فرما تھی۔

"لاکھوں لٹا دیا' مگر کبھی منہ پر نہ لائے اور یہ نو دولتیا اس جیسے کتنے آئے اور گئے۔" اس نے بیزاری سے سر جھٹکا اور بڑے ہال سے گزرتی ہوئی اندر چلی گئی۔

سیڑھیوں پر سے تیزی سے اترتا ہوا نبیل ابھی تک شاک میں تھا۔

اس کے ڈرائیور نے اسے خلاف توقع جلدی آتے دیکھ کر کچھ عجیب سا تو محسوس کیا تھا' مگر سہارا دے کر اسے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر لا کر ڈالنے میں اس نے دیر بھی نہیں کی تھی۔

گاڑی کہیں سے تنگ اور کہیں سے کشادہ ہوتی اس گلی سے نکلتی چلی گئی۔

"سو اس حسن بے مثال کا سرا یہاں سے جڑا تھا۔" پچھلی سیٹ پر نیم دراز نبیل کا ذہن پوری طرح بیدار ہو رہا تھا۔

"اور میں کتنا بڑا احمق جو یہ بھی نہ سمجھ سکا کہ اس آوارہ گرد' معمولی شکل والے سالار کو' جسے کوئی لڑکی شاید ہی توجہ کے قابل سمجھتی' یہ سبز پری اور کہاں سے ملنی تھی ہا!" اس نے پہلے اپنی کم عقلی پر افسوس کیا اور پھر اس معمہ کے حل ہو جانے کی خوشی میں مبتلا ہوا۔

"سو ثابت ہوا کہ وہ جو پارسائی کے بڑے دعوے دار ہیں' وہ بھی اسی گلی کے مہمان ہیں اور مہمان بھی کیا خریدار منہ مانگی ادائیگی پر بیش قیمت ہیرے کا مالک بن بیٹھا۔"

اس نے بیک وقت سالار پر رشک اور حسد محسوس کیا تھا۔

ایک بار پھر اس کا موبائل بج رہا تھا۔ زرتاج یوں ہی منٹ منٹ پر پریشان کرتی تھی۔

"ہیلو!"

"نبیل! اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"

"بہتر ہوں پہلے سے۔" وہ اس کے مروت نبھانے پر ابھی حیران ہی ہوا تھا کہ' دوسرا لحمہ واپس حقیقت کی دنیا میں لے آیا۔

"ایسا کرو' کسی ڈاکٹر سے میڈیکل سرٹیفکیٹ بنوا لو' کسی ایسی بیماری کا جس میں تم فی الحال چلنے پھرنے کے قابل نہ ہو' شدید بیماری کا عذر عدالت میں پیش ہو جائے گا تو تمہاری غیر حاضری کی وجہ مل جائے گی۔ کوئی فالج کا اٹیک

وغیرہ۔" بے تاثر سے لہجے میں وہ جس طرح تیز تیز بول رہی تھی' اس میں کسی بھی طرح کی ہلکی سی بھی اپنائیت کا شائبہ نہیں تھا۔

"جسمانی بیماری' ذہنی عارضہ' میں نے بھی کسی سے کہا ہے کہ وہ تمہارے لیے ذہنی بیماری کے کچھ ثبوت پرانی تاریخوں کے بنا دے۔ ایک نیم پاگل شخص کو خاصی رعایت مل جاتی ہے ہماری عدالتوں سے۔"

اگر آج وہ اس کے سامنے ہوتی تو شاید پہلی بار وہ اس کے منہ پر زور سے تھپڑ مارنے کی آرزو کو پورا کر ہی لیتا۔ غصہ کی ایک تند لہر نے نبیل کو اپنی لپیٹ میں لیا۔

"ہیلو۔۔۔ ہیلو!" دوسری طرف سے زرتاج اس کی مستقل خاموشی سے گھبرا کر پکار رہی تھی۔ وہ بمشکل ہی خود پر قابو پا سکا تھا۔

"تمہیں بھاگ دوڑ کی ضرورت نہیں ہے زرتاج! میں آ رہا ہوں اور میں دیکھ لوں گا کہ کیا کرنا ہے' کیا نہیں۔ ذہنی معذوری کے سرٹیفکیٹ تم ضرور لو مگر۔۔۔ کم از کم میرے لیے نہیں۔"

اپنی بات ختم کر کے اس نے فون منقطع کیا اور ساتھ ہی آف بھی۔

وہ پوری تسلی کے ساتھ کچھ سوچنا چاہتا تھا جس میں کسی کی شراکت گوارا نہیں تھی۔ یہ ٹرمپ کارڈ جو آج اتفاقاً" ہی ہاتھ لگا تھا' کام کی چیز تھا اگر عقل سے استعمال کیا جاتا۔ اس کا شاطر دماغ بہت تیزی کے ساتھ چل رہا تھا۔

اور اس بار پھر وہ زرتاج کو بھنک بھی دینے والا نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

کئی دن کی ہولا دینے والی گرمی کے بعد رات کے پچھلے پہر کھل کر بارش برسی تھی۔

صبح ہر شے گیلی گیلی اور ہوا مٹی اور سبزے کی مہک سے بوجھل۔

معاذ نے گیٹ کے اندر قدم رکھتے ہی اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ برآمدے کے آگے نکلے سرخ کھپریل کے شیڈ کے نیچے بیٹھا رُک رُک کر قطرہ قطرہ گرتے بارش کے پانی کو بہت انہماک سے دیکھ رہا تھا۔

اسکول کی نئی عمارت میں منتقل ہونے کے درمیان کے ان چند دنوں میں کچھ اور کام توجہ طلب تھے۔ سو آج کل پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ وقتی طور پر رکا ہوا تھا۔

معاذ نے خیام کی افسردگی اور تنہائی پسندی کو ان دنوں میں ہی بار بار نوٹ کیا تھا۔ اس وقت بھی وہ پتا نہیں کہاں تھا؟

معاذ بے آواز قدموں سے چلتا ہوا اس کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔۔۔ تب ہی کچھ احساس ہونے پر اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔

"آپ!" وہ اٹھ کر کھڑا ہونے لگا تھا' مگر وہ منع کرتے ہوئے خود بھی قریب پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا ہو رہا تھا؟"

"کچھ نہیں بس ایسے ہی۔۔۔" جھینپی ہوئی سی مسکراہٹ خیام کے چہرے پر آئی۔

معاذ نے ایک خاموش سی نگاہ اس پر ڈالی۔

پرانی سی جینز کے ساتھ سفید ٹی شرٹ پہنے' اس سرخ کھپریل کے نیچے بیٹھا ہوا' وہ اتنا خاص لگ رہا تھا' جیسے کوئی بہت پسندیدہ رومانٹک ہیرو۔

"خیام! تم نے شوبز کیوں نہیں جوائن کیا' مذاق نہیں سیریسلی کہہ رہا ہوں' اتنے خوب صورت لڑکے' ایسی پرسنالٹی کہاں دیکھنے کو ملتی ہے ہماری فلموں میں۔ یہاں تو سنا ہے ابھی بھی۔"

"مجھے نہیں پسند یہ فلموں ولموں کا چکر' یہ بھی کوئی کام ہے بھلا۔" بڑی تیزی سے اس نے معاذ کی بات کاٹی تھی۔

"کیوں' برائی کی کیا بات ہے' باقاعدہ پروفیشن بن گیا اب تو' اچھے گھروں کے لڑکے لڑکیاں' ٹی وی میں آ رہے ہیں' اکیڈمیاں کھل رہی ہیں۔ کم سہی اچھی فلمیں بھی بننا شروع تو ہوگئی ہیں۔۔۔ میرے ایک دو اچھے جاننے والے ہیں۔ کہو تو بات کروں' کسی ٹی وی سیریل کے لیے۔"

اس بار خیام نے باقاعدہ ہاتھ جوڑے تھے اس کے آگے۔

"پلیز معاذ بھائی!" اس کے چہرے پر اتنی بے چارگی تھی کہ معاذ مسکرا بھی نہ سکا۔

"پتا نہیں کیا ہے' جو اس بیچارے سے لڑکے کو کھل کر جینے نہیں دیتا۔" معاذ نے اضطراب سے پہلو بدلا۔

"مصیبت یہ تھی کہ کچھ بھی نہ پوچھنے کا وعدہ ابتدا میں ہی ہو چکا تھا' بصورت دیگر وہ یہاں سے فوراً" جا سکتا تھا۔ گو اب اس کے یہاں سے جانے کا خطرہ نہ ہونے کے برابر ہی تھا' مگر معاذ کو اپنے وعدے کا احترام تھا۔

"چند دن رہ گئے ہیں اسکول کی اوپننگ میں' ایک دم ہی مصروفیت بڑھ جائے گی تمہاری' پھر اس طرح خالی بیٹھنے کی مہلت بھی نہیں ملے گی تمہیں۔"

"اچھا ہے' بلکہ بہت ہی اچھا ہے!" خیام اس بار مسکرایا تھا۔

"اچھا وہ تم ساجد کی امی کو کہہ آئے تھے کہ وہ زری کے نکاح میں ضرور آ جائیں۔۔۔ ان کا آنا بہت ضروری ہے۔ وہ ان لوگوں کی بہت قریبی محلے دار رہی ہیں۔" معاذ کو یاد آیا۔

"وہ ضرور آئیں گی معاذ بھائی! میں انہیں کہہ آیا تھا اور سعیدہ بھابھی نے بھی انہیں فون کر دیا تھا گھر سے۔"

"اللہ کرے' یہ کام بھی خیریت سے ہو جائے۔۔۔ مجھے زری کی طرف سے بڑی فکر ہے خیام! بے سوچے سمجھے بہت سے کام کر لیتا ہوں' لیکن زری کی ذمہ داری نے مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ اب سوچتا ہوں تو امی کی مخالفت کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔"

"لڑکیاں تو ہوتی ہی مصیبت ہیں معاذ بھائی! آزمائش' شرمندگی' خوف' سب میں ان ہی کی وجہ سے مبتلا ہونا پڑتا ہے انسان کو۔" وہ دھیمے لہجے میں بے ساختہ کہہ اٹھا۔

معاذ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا' وہ سامنے ہاتھ پھیلائے کھپریل سے گرتے پانی کے قطروں کو اپنی ہتھیلی پر جمع کر رہا تھا۔۔۔ اور ذاتی زندگی کے بارے میں یہ پہلا خیال تھا جس کا اس نے اظہار کیا تھا۔

"ایسا نہیں ہے خیام! عورت کا رتبہ تو بہت بلند ہے' دنیا میں محبت کی سب سے مضبوط علامت' قربانی دینے کا وصف اللہ نے ان ہی میں رکھا ہے۔ زندگی کو گزارنے کے سلیقے وہ ہی دیتی ہیں مرد کو ورنہ۔۔۔"

"مجھے نہیں لگتا۔" اس نے تیزی سے معاذ کی بات کاٹی اور ہاتھ میں جمع شدہ پانی کو جھٹک کر نیچے گرایا۔

"جس چیز کو آپ محبت کہتے ہیں' وہ صرف ان کی مجبوری ہوتی ہے' انہیں پتا ہوتا ہے کہ وہ سوسائٹی میں اکیلی نہیں رہ سکتیں' اسی لیے وہ مرد چاہے کوئی بھی ہو باپ' بھائی' شوہر' بیٹا یا پھر کوئی اور۔ کسی کو بھی پکڑے رکھتی ہیں' جب تک ویسا ہی دوسرا سہارا انہیں ڈھونڈ لیتیں۔ اب آپ اس خود غرضی کو محبت کا نام دیتے ہیں تو آپ کی مرضی۔"

ایک تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے اپنی بات کو ادھورا چھوڑا۔

"میں آپ کے لیے چائے بنا کر لاتا ہوں۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔ "کچھ کھائیں تو میں سامنے سے جا کر لے آتا ہوں۔"

نفی میں سر ہلاتے ہوئے معاذ نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

خیام کے چہرے پر سرخی سی پھیلی تھی اور اس کی آنکھوں میں ہمہ وقت ٹھہری اداسی اور بھی گہری۔

وہ ضبط کی آخری حد کے آس پاس ہی کھڑا تھا۔

"ہماری مائیں بھی تو عورت ہی ہیں نا خیام' ہمیں اس دنیا میں لانے والی' ہماری جنت ان کے قدموں کے نیچے ہے۔"

معاذ نے جو بات اس کی کڑواہٹ کو کم کرنے کے لیے کہنا چاہی تھی' درد کے ایک سب سے پرانے سلسلے کو تازہ کرنے کا سبب بنی۔

"ہر ماں اولاد کو پیدا کر کے احسان نہیں کرتی ہے معاذ بھائی! بہت سی اولادیں' زندگی بھر یہ تمنا کرتی ہیں کہ کاش وہ اس دنیا میں نہ آئی ہوتیں اور نہ ہی ہر ماں کے قدموں تلے جنت ہوتی ہے۔۔۔ اور یہ بات وہ مائیں خود ثابت کرتی ہیں۔"

وہ بات ختم کر کے تیزی سے کچن کی طرف چلا گیا۔ معاذ کو لگا تھا جیسے وہ اب بس رونے ہی والا ہے اور کیا پتا' کچن میں اپنے آنسو ہی صاف کر رہا ہو معاذ نے تاسف سے پہلو بدلا۔

ہر بار جب وہ کسی نہ کسی کو نادانستہ طور پر کسی دکھ میں مبتلا کرنے کا سبب بنا' ایسا ہی بھاری بوجھ دل پر آ کر گرتا تھا۔ اس وقت خیام کے اندر چھپی انتہا درجے کی کڑواہٹ کا ایک اور رخ سامنے آیا تھا۔

"حقیقت کتنی بھی تلخ سہی' لیکن اسی تلخ ترین گہرائی' سے خیر کا چشمہ بھی پھوٹنے کا منتظر ہوتا ہے' بالکل ویسے ہی جیسے گہری سیاہ رات کے قریب تر سحر کی پہلی کرن۔"

اسے ابا کی کبھی کی کہی بات یاد آئی۔

"سو خدا کرے کہ خیام کی زندگی کی صبح بھی قریب تر ہو!" اس نے دل کی گہرائی سے دعا کی۔

فی الوقت زری اور راجو کا نکاح ساری توجہ لے رہا تھا۔ ایک بار وہ رخصت ہو کر اس گھر سے چلی جاتی تو وہ ایک بڑی فکر سے آزاد ہونے والا تھا۔

زری کی شدت پسندی نے اسے پہلی بار کسی عورت سے خوف زدہ کیا تھا اور ہر بار کی طرح وہ اس خوف کو ابا کے ساتھ شیئر کرنے کی ہمت بھی نہیں پا سکا تھا' مگر وہی تھے جو اس الجھن کو دور کرنے کا سبب بنے تھے۔

ورنہ اس کے پاس تو لے دے کر بس یہی ایک خیام تھا' جس پر نظر تو جاتی تھی مگر ساتھ ہی ایک بڑی بے انصافی کا احساس بھی دل میں جگہ بنا تا تھا۔

وہ اتنا پیارا' معصوم اور افسردہ سا لڑکا' کچھ اور ڈیز رو کرتا تھا!

"شکر ہے جو ابا نے اسے اس غلطی سے بچا لیا' ورنہ خیام یقینا" یہاں سے چلا جاتا!"

آج کی اس گفتگو سے اس کے یہ تو سمجھ میں آ گیا تھا وہ اس کے کہنے پر زری سے شادی کرنے پر رضامند ہو جاتا۔ ناممکن!

سامنے کچن میں خیام نے اپنی جلتی ہوئی آنکھوں کو ہتھیلی سے سختی سے رگڑا۔

"کاش وہ معاذ بھائی کو ان عورتوں کے چہرے دکھا سکتا جو اس کی کہی ہر بات کی تصدیق کرتی ہیں' فیروزہ' نگینہ' صندل اور اب۔۔۔ گیتی آرا!"

سب کسی نہ کسی قیمت پر بکتی رہیں' یہاں تک کہ گیتی بھی' جس کے بارے میں اسے ذرا یقین تھا کہ وہ چاہے اب زندگی بھر بھی واپس پلٹ کر نہ دیکھے تب بھی وہیں نانی ستارہ کے چوبارے پر زندگی گزارنے والی ہے۔

برآمدے کے بالکل آخری سرے پر بنے کمرے میں دنیا کی رنگینیوں سے منہ چھپا کر محض اس کی یاد میں۔۔۔ مگر وہ بھی!

اس کی نظروں میں گیتی کا پر سکون چہرہ' قیمتی لباس' بڑی سی گاڑی اور گاڑی کا دروازہ کھولتا ہوا ڈرائیور سب ہی

کچھ کتنے دن سے اٹکے تھے اندر کہیں انا پر ضرب تو پڑی ہی تھی۔
اور عجیب تو یہ کہ سب کچھ چھوڑ کر آنے پر بھی کھو دینے کا جو احساس کبھی نہیں جاگا تھا' وہ گیتی کی ایک جھلک کا ہی منتظر تھا۔
"خیام! تمہاری چائے میں اور کتنی دیر ہے؟"
باہر سے معاذ آواز دے رہا تھا اور اس کی آواز میں وہی تسلی دلاتا ہوا انداز تھا' جو بار بار سنبھلنے کا موقع فراہم کرتا تھا۔
"آرہا ہوں معاذ بھائی۔" اس نے ٹرے اٹھا کر باہر کا رخ کیا۔

☼ ☼ ☼

زر تاج بیگم نے انیکسی کی طرف ہوتی چہل پہل کو حیرت سے دیکھا۔
وہاں کچھ سامان اتارا جا رہا تھا۔ فرنیچر وغیرہ اور کچھ اور بھی۔ فاصلہ زیادہ تھا' وہ بہت درست اندازہ لگانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔
"اے!" اس نے قریب سے گزرتی ہوئی ملازمہ کو آواز دی۔ "یہ سب کیا ہے؟ کہاں سے آرہا ہے یہ سامان؛ کس نے منگایا ہے؟"
"مجھے نہیں پتا۔ میں تو یہاں اندر گھر کا کام کرتی ہوں بیگم صاحب!" وہ اطمینان سے جواب دے کر آگے بڑھ گئی۔
زر تاج کی الجھن اب بھی برقرار تھی۔
ایک کے بعد دوسرے اور پھر تیسرے ملازم کی لاعلمی کے بعد اس پر اچانک ہی ایک اور تکلیف دہ انکشاف یہ ہوا کہ سارے ملازم اس کے دائرہ کار سے تقریباً نکل چکے ہیں۔ ان کے دو ٹوک جواب اور انداز میں آئی بے نیازی یوں ہی نہیں تھی' ورنہ کسی کی مجال جو اس کے پوچھے گئے سوال کا یوں ٹکا سا جواب دے سکے۔
"کسی ایک کو نہیں رکھوں گی' نکال دوں گی تم سب حرام خوروں کو نوکروں کی کمی نہیں پڑ رہی' ایک اشارے پر سینکڑوں میری جوتیاں چاٹنے کو تیار ہیں' تم لوگوں نے سمجھ کیا رکھا ہے۔ یہ میرا گھر ہے' یہاں کا پتا بھی میری مرضی کے بغیر کبھی نہیں ہلا ہے' سیاہ و سفید کی مالک ہوں یہاں کی میں۔"
لاؤنج میں کھڑے ہو کر وہ حلق کے بل چلا رہی تھی۔ گئے دنوں کی وہ مطلق العنانی' اب بھولا بسرا قصہ ہوئی جا رہی تھی' مگر وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہیں تھی۔
"اپنا اپنا حساب کرلو اور دفع ہو جاؤ بے غیرتو۔"
مگر وہ سارے بے غیرت کھڑے کھڑے نکالے جانے کا حکم سن کر بھی وہیں کھڑے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔
"سنا نہیں تم لوگوں نے۔ کیا کہہ رہی ہوں میں..... منظور!" وہ اپنے نسبتاً "پرانے وفادار" کی طرف مڑی۔ "ان سب کا حساب کر کے نکالو باہر' میں اپنے گھر میں کسی کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی ہوں۔" انیکسی میں آئے سامان کی انکوائری شروع ہونے والا قصہ چند منٹوں میں کہیں سے کہیں پہنچنے لگا تھا۔
منظور نے آنکھ کے اشارے سے ان سب کو وہاں سے ہٹنے کے لیے کہا' تب ہی انہیں وہاں سے ہٹتا دیکھ کر وہ پھر سے چلائی تھی۔
"جا کہاں رہے ہو' اپنا حساب کرو اور دفع ہو۔"
"آپ انہیں نہیں نکال سکتیں بیگم صاحب! یہ اس طرح نہیں ہٹائے جا سکتے۔" منظور کو مجبور ہو کر وہ اطلاع

دینی پڑی جو ابھی تک۔ زر تاج کی چند خوش فہمیوں کو برقرار رکھے ہوئے تھی "سالار صاحب کا حکم ہے' کسی بھی ملازم کو ان کی مرضی کے بغیر نکالا اور رکھا نہیں جا سکتا' یہ فیصلہ صرف وہ ہی کر سکتے ہیں یا پھر ان کی بیگم۔"
زر تاج نے بہت بے یقینی سے ان سب کی طرف دیکھا۔
ان کے انداز کی بے نیازی اور چہرے کا سکون منظور کی کہی باتوں کی تصدیق کر رہے تھے۔
وہ چند لمحے یوں ہی گم صم سی کھڑی رہی اور پھر تیز قدموں سے اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔
ادھر انیکسی میں راجو کی گھر گرہستی کا سامان پورا ہوا تھا۔
"لیجیے راجو بھائی! اب صرف آپ کی دلہن کی کمی رہ گئی ہے' وہ آجائیں گی تو گھر مکمل ہو گا۔"
گیتی نے ہاتھ میں تھامے بچے کھچے پھول بھی ایک گل دان میں ڈال کر سائیڈ ٹیبل پر رکھے اور مڑ کر راجو کی طرف دیکھا۔ تو وہ افسردگی سے مسکرا دیا۔
"سب آپ کی اور سالار صاحب کی مہربانی ہے بھابھی! پتا نہیں کیا' کیا کیے جا رہے ہیں میرے لیے' ورنہ میں تو اب تک کسی مینٹل اسپتال میں جمع کرایا جا چکا ہوتا یا پھر....."
"پھر شروع کردیں آپ نے وہ بے کار کی باتیں۔" گیتی نے بڑی اپنائیت سے اسے ٹوکا۔ "ایک نئی زندگی کا آغاز کرنے جا رہے ہیں آپ' ساری تکلیف دہ باتوں کو پیچھے چھوڑ دیجیے پلیز!"
"ساری کہاں چھوڑی جا سکتی ہیں بھابھی!"
رام کا لہجہ دھیما ہوا اور چہرے سے وہ افسردہ سی مسکراہٹ بھی گم!
"مجھے پتا ہے کہ آپ کے لیے روزی کا غم بہت بڑا ہے راجو بھائی! آپ ساری زندگی اسے نہیں بھول سکتے۔ مگر آپ دیکھیے گا کہ ظالم اپنے انجام تک ضرور پہنچیں گے اور ان کو ملنے والی سزا ہی آپ کے دکھ کا مداوا کرے گی۔"
وہ اپنی بات کہتے ہوئے ذرا رکی' راجو نے شاید گیتی کی تسلی کے لیے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
"مداوا ہو گا یا نہیں' لیکن اتنے پیارے لوگوں کو پریشان رکھنا بھی تو اچھا نہیں لگتا۔" اس نے اپنے دل میں کچھ ایسا ہی سوچا تھا۔
باہر سے سالار کے بولنے کی آواز آرہی تھی۔ تیز تیز بولتا ہوا وہ اسی طرف آرہا تھا۔ گیتی اور راجو دونوں ہی دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔
"سب کچھ مکمل ہو گیا ہے یا ابھی کچھ کمی ہے؟ اچھی طرح دیکھ لو گیتی! اور تم بھی راجو!" وہ بولتا ہوا اندر آیا تھا۔
راجو کے لیے انیکسی کا فرنیچر' کراکری اور دیگر سامان کی مکمل تبدیلی کا آئیڈیا سراسر اس کا تھا۔ راجو منع ہی کرتا رہ گیا تھا۔ اس کے خیال میں انیکسی میں پہلے ہی ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ سو اس فضول خرچی کی قطعی ضرورت نہیں تھی۔ مگر اس نے ایک نہیں سنی تھی۔
"زری اور راجو دونوں ہی نے بہت سی محرومیوں کے ساتھ زندگی گزاری ہے۔ پیسے' وسائل' رشتے' محبتیں کچھ بھی نہیں رہا ان کے پاس۔ الگ الگ بھی کہانی دیکھو تو دل بیٹھتا ہے گیتی! اور میں جانتا ہوں کہ محرومیاں کس طرح روح کے اندر پنجے گاڑ کر جینے کا حوصلہ ختم کرتی ہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی خوشیاں' تبدیلیاں انہیں پھر سے جینے کی امنگ عطا کریں گی' تم دیکھ لینا۔"
اس نے تنہائی میں گیتی سے کہا تھا اور وہ اس کی باتوں' فیصلوں پر حیران ہونا اب بالکل چھوڑ چکی تھی۔
زری اور راجو کی شادی پر اس کی ابا کے ساتھ واحد شرط بھی زری کے ساتھ کوئی ایک پیسے کی بھی چیز ساتھ نہ آنا تھی۔
"گیتی! ذرا کچن پر ایک نگاہ اور ڈال لو۔"

وہ اس کا حکم سنتے ہی باہر نکل گئی تھی۔ راجو غریب روکتا ہی رہ گیا۔

"آپ بھابھی پر بہت کام ڈال رہے ہیں۔ بے چاری ہر وقت لگی رہتی ہیں، مجھے تو سخت شرمندگی ہو رہی ہے۔" وہ واقعی شرمندہ تھا۔

سالار ہلکے سے ہنس پڑا۔ "تمہیں نہیں پتا، وہ ایسی ذمہ داریوں سے بہت خوش رہتی ہے اور میں ویسے بھی نہیں چاہتا کہ وہ زیادہ وقت زرتاج بیگم کے زیر اثر رہے، سمجھ رہے ہو نا۔"

راجو نے ہلکے سے سر ہلایا تھا۔

"اور سب سے اہم بات یہ کہ تمہیں تمہاری ذاتی زندگی میں خوش و خرم دیکھنا میری اور گیتی دونوں ہی کی دلی آرزو ہے، جو وہ کر رہی ہے اسے کرنے دو، یہ سمجھ کر کہ یہ اس کی خوشی ہے۔"

راجو اس بار ہلکے سے مسکرایا تھا۔

زندگی میں کبھی کبھی سب کچھ ایسا ہونے لگتا ہے سالار بھائی! جس کے بارے میں وہم و گمان بھی نہیں ہوتا ہے، اب یہی دیکھ لیں میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ روزی کے بعد زندگی میں ایسی کسی بات کی گنجائش باقی ہے۔ مگر۔" اس کی آواز کہیں گم ہوئی۔

سالار نے محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"میں تمہارا دل سے شکر گزار ہوں راجو! کہ تم نے میرا مان رکھا، مجھے اچھی طرح احساس ہے کہ تم نے یہ فیصلہ اپنی خوشی کے لیے نہیں بلکہ میری خوشی کے لیے کیا ہے۔ احسان ہے یہ تمہارا مجھ پر۔"

"ایسا نہ کہیں، آپ کے لیے تو میری جان حاضر ہے۔ یہ تو کچھ بھی نہیں۔" راجو کی آواز دھیمی مگر لہجے میں بڑی پراثر سچائی تھی۔

"میں روزی کو بھولنے کے لیے نہیں کہہ رہا، کیونکہ کسی کو بھولنا اتنا آسان نہیں ہوتا، لیکن کوشش کرنا کہ زری کے ساتھ زندگی کا آغاز محبت کے ساتھ کرو، دیکھنا جوابا" وہ تمہاری زندگی کو بدل کر رکھ دے گی۔"

"مجھے صرف نبیل کی فکر ہے۔ وہ اس رشتے پر بہت شدید غصے میں آئے گا۔ بہرحال زری اس کی بہن تو ہے نا۔"

"بہن!" سالار تلخی سے مسکرایا۔ "سالوں سے منہ موڑ کر خود زندگی کے مزے لوٹ رہا ہے۔ اس کی بلا سے بہن، بھائی، ماں، باپ کا جو حشر ہو۔ مجھے تو یقین ہے کہ وہ اگر زری کو دیکھے گا بھی تو پہچاننے کی غلطی نہیں کرے گا اور اگر پہچانتا ہے تو بھی یہ ان دونوں کا معاملہ ہے۔ زری کو شدید نفرت ہے اس سے۔ تم چھوڑو۔ یہ ان لوگوں کو خود نپٹانے دو۔ اگر ایسا موقع آیا۔"

سالار نے نرمی سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

"شادی کے چند دن بعد تم زری کو لے کر ویسے بھی اپنے گھر جاؤ گے، وہاں ایک بہت اچھی سی ولیمہ کی دعوت کرنی ہے تمہیں۔ میں چاہتا ہوں تمہاری امی اور بہنوں کی ہر خوشی دوبالا ہو اور پھر جب تک تم واپس آؤ گے تو تب تک خدا نے چاہا تو نبیل یہاں سے جا چکا ہو گا۔"

"اور روزی کا کیس؟"

وہ بے ساختہ کہہ تو گیا۔ مگر دل میں شرمندہ بھی ہوا۔ اتنا کچھ جو سالار اس کے لیے کر رہا تھا۔ اس کے بعد بھی؟

"وہ تو یہاں سے پہلے وہاں درج ہو چکا ہے راجو!" سالار نے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔ "بہت جلد فیصلہ آئے گا، بے فکر رہو، زرتاج بیگم کے اختیارات اور تعلقات کا اندازہ مجھے ان ہی دنوں میں ہوا ہے، لیکن کب تک... عدالت نے نبیل کو حاضر ہونے کا حکم دے دیا ہے۔ اب دیکھتے ہیں کیا گھٹیا حربہ استعمال کرتا ہے۔"

وہ پرعزم بھی تھا اور پریقین بھی۔
اور اس کی کہی ہر بات پر راجو کو مکمل بھروسا بھی تھا۔ روزی کا انصاف ہونا ہی تھا۔ کسی بھی صورت سہی۔
"تم بہت سکون سے 'خوشی خوشی اپنی نئی زندگی کا آغاز کرو اور بس اللہ پر بھروسا رکھو' وہ اپنے کسی بندے کو مایوس نہیں کرتا۔ صرف دو دن رہ گئے ہیں تمہاری شادی میں۔"
وہ اس کو ساتھ لیے باہر چلا آیا۔ انیکسی کی دیواروں کے پینٹ کے ساتھ جو سارے اضافے کیے گئے تھے۔ ایک بہت خوش گوار سے احساس کو جنم دے رہے تھے۔ سامنے موسمی پھولوں سے لدے ہوئے گملے اور پیچھے نظر آتا وسیع سبزہ زار۔
سالار نے ایک گہری سانس لی۔
دوسری طرف کچن سے گیتی آرہی تھی۔ اس کے چہرے پر پھیلا اطمینان بتا رہا تھا کہ سب کام مکمل ہوا۔
"تم اب آرام کرو راجو! صبح سے لگے ہوئے ہو۔" انیکسی کی سیڑھیوں پر سے گیتی کے ساتھ اترتے ہوئے سالار نے پلٹ کر اسے ہدایت کی تھی۔
وہ پھر بھی کچھ دیر وہیں کھڑا انہیں بڑی عقیدت سے دیکھے گیا اور پھر اندر چلا گیا۔
"شکر ہے جو راجو شادی پر راضی ہوا میں اس سے بنا پوچھے ابا سے وعدہ کر آیا تھا۔ مگر اس نے میری بات کو رکھا' یہ کیا کم بات ہے۔" گھر کے رہائشی حصے کی طرف جاتے ہوئے سالار نے گیتی سے کہا۔ وہ مسکرادی۔
"آپ کی بات تو ہر ایک ہی مان جاتا ہے۔ اس میں نئی بات کون سی ہے۔"
"مثلاً۔" اس نے اپنا بازو گیتی کے کندھے پر پھیلایا۔
"بہت سی مثالیں ہیں اور سب سے بڑی تو میں خود آپ کی ایک آواز پر کیسے چل پڑی آپ کے ساتھ۔ نانی تک کو خفا کر دیا تھا۔"
"خیر' تمہاری تو بات ہی دوسری ہے۔ پرانی سیٹنگ تھی تم سے' کیسے نہ سنتیں میری بات۔" وہ شرارت سے ہنسا۔
"توبہ کریں! میں نے کیا سیٹنگ کی تھی آپ سے۔۔۔ بے کار میں ہی۔"
سالار نے دلچسپی سے اس کے گلابی چہرے کو دیکھا۔
"اور یہ اس طرح فری ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ سب ملازم آتے جاتے رہتے ہیں۔" اس نے کندھے پر پھیلا سالار کا ہاتھ بھی فی الفور ہٹایا تو وہ ہنستا چلا گیا۔
"تمہارا ابھی جواب نہیں گیتی آرا۔" اس کی آنکھوں میں ہنستے ہوئے پانی سا آگیا تھا۔
گیتی نے کئی بار سنا تھا کہ جن لوگوں کی آنکھوں میں ہنستے ہوئے پانی آتا ہے' وہ بہت سادہ دل اور مخلص ہوتے ہیں۔ سو وہ ایسا ہی تھا۔ اور ایسے مخلص' سچے' دیانت دار شخص سے کوئی ایک چھوٹی سی چوری بھی کہاں جائز تھی۔
پچھلے چند دنوں سے دل میں چھپا احساس ندامت ایک بار پھر سر اٹھانے لگا۔
"شاید مجھے بتا ہی دینا چاہیے تھا اسی دن' مگر مہلت ہی کہاں ملی۔ رات کو معاذ بھائی کے ہاں دعوت تھی اور پھر۔ معروفیت کا ایسا سلسلہ دراز تھا کہ جیسے دوڑتے بھاگتے دن رات ختم ہو رہے تھے۔"
"کیا سوچ رہی ہو؟" سالار نے پھر سے محبت سے اس کے بالوں کو چھوا۔
وہ گھر کی داخلی سیڑھیوں کے بالکل قریب آتے جا رہے تھے۔ تب ہی وہ چلتے چلتے رکی تھی۔
"سنیے!"
وہ اس کے ایکدم رکنے پر کچھ حیران سا ہو کر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"چند دن پہلے مجھے خیام ملا تھا ایک اسٹور پر۔"
بنا کسی تمہید کے اس نے سالار کو وہ اطلاع دی جو واجب ہو رہی تھی۔
جواباً" چند لمحے وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکا تھا۔ لیکن گیتی نے اس کی آنکھوں میں الجھن سی محسوس کی تھی۔
"میری اس سے کچھ بات تو نہیں ہوئی' لیکن ہمارا سامنا ہوا تھا۔ وہ میڈیکل اسٹور پر دوائیں خرید رہا تھا۔ جب میں وہاں۔" نگاہیں جھکائے اس نے وہ مختصر سا واقعہ من و عن بیان کیا اور بیچ میں ایک بار بھی سالار کی طرف نہیں دیکھا۔
"پتا نہیں وہ کیا سوچ رہا ہے۔" خیام سے اس کی گئے دنوں کی دلچسپی کا واقف حال تھا۔ ٹھیک ان دنوں میں اس کا نانی ستارہ کے ہاں آنا شروع ہوا تھا۔ جب وہ تازہ تازہ سوگ منا رہی تھی۔
دونوں کے بیچ آئی چند لمحوں کی خاموشی میں وہ ہر برے امکان میں گھری۔
"مردوں کو ہر بات بتانا کیا ضروری ہے بھلا؟ اب آگے کیا اعتبار کریں گے۔" اپنا بیک گراؤنڈ اس پر اب بھی سہم سا طاری کرتا تھا۔ ورنہ افیئر' پسندیدگیاں' مرضی کی شادیاں اور بہت کچھ۔۔۔ اور کچھ بھی نیا نہیں۔
سالار نے اس کے پھیکے پڑتے رنگ اور جھکی ہوئی پلکوں کی طرف دیکھا اور دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما۔
"تو اس میں خاص بات کیا ہے' جو تم نے مجھے بتانا ضروری سمجھی۔" سالار کے انداز میں بڑی فطری سی لاپروائی تھی۔
"جی!" اس نے چونک کر سالار کی طرف دیکھا۔
"ہاں نا' لوگ ملتے ہی رہتے ہیں آتے جاتے۔ خیام بھی کہیں نہ کہیں تو ملنا ہی تھا اور آگے بھی ملے گا۔ اس میں کون سی پریشانی والی بات ہے۔ تمہیں تو چاہیے تھا کہ بڑھ کر اس سے بات کرتیں' پتا پوچھتیں' کیا خبر وہ نانی سے ملنے کے لیے تیار ہو جاتا۔"
تبصرہ' مشورہ' سب ہی کچھ بے حد نارمل۔
گیتی نے ایک اطمینان بھری سانس لی۔ "مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں اس کا حال چال پوچھتی۔ وہ ہم لوگوں سے تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔ یہ بات سب کو پتا ہے' وہاں لاہور میں بھی اور نانی مدت ہوئی صبر کر چکی ہیں۔"
خیام سے اس کی بے زاری اس کے لہجے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ "مجھے آپ کو بتانا تھا' سو بتا دیا' اس سے آگے میرے لیے اس موضوع کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"
وہ پورے وقار سے سالار کے سامنے کھڑی کہہ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

آج تیسرا دن تھا۔ جو بخار ٹوٹنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔
جویا نے ٹھنڈے پانی کی پٹیاں کرتے ہوئے بڑی فکر مند نگاہوں سے شاکرہ ای کی طرف دیکھا۔
ان کا رنگ سفید پڑ رہا تھا اور آنکھیں اب بھی بند۔ پچھلے تین' چار دنوں سے وہ اسی حالت میں تھیں۔ محلے کے جو ڈاکٹر انہیں دیکھ کر گئے تھے۔ ان کی دوا سے ذرا بھی افاقہ نہیں تھا۔ مگر آپا گل اور سلمان دونوں ہی کسی اور کو دکھانے کے حق میں نہیں تھے۔
"بار بار ڈاکٹر بدلنے سے مرض اور بھی بگڑ جاتا ہے۔ یہ بے چارے قریب ہیں۔ سستے بھی ہیں اور اچھے بھی۔"
آپا گل کی بتائی ہوئی خوبیوں کے بعد کسی بحث کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی۔
وہ اور سلمان دونوں بے حد مطمئن تھے۔ مگر جویا بے حد مضطرب تھی اس روز فرید الدین کے ہاں کی دعوت کے

بعد جب وہ گھر لائی گئی تھیں' بالکل خاموش تھیں اور ان کے بخار کی ابتدا اسی رات ہوئی تھی۔

"امی... امی!" محبت سے ان کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے جویا نے انہیں بے قراری سے دھیمی آواز میں پکارا۔ مگر وہ آنکھیں بند کیے اسی طرح خاموش لیٹی تھیں۔

جویا کے دل کو برے برے وہم گھیر رہے تھے۔ خدانہ کرے' انہیں کچھ ہو گیا تو۔

بری طرح گھبرا کر اس نے شاکرہ امی کے ہاتھوں کو کئی بار چوما تھا۔ ان کے ہاتھ برف کی طرح سرد تھے۔ وہ کسی خوف زدہ بچے کی طرح ان کے سینے میں منہ چھپا کر سسکتی رہی۔

"امی پلیز... ٹھیک ہو جائیں' امی! میں بہت پیار کرتی ہوں آپ سے... امی... امی۔"

اسے ان دنوں میں اور بھی شدت سے یہ احساس ہوا تھا کہ سارے گلے شکووں' محرومیوں کے باوجود ماں کا وجود اس کے لیے آج بھی سایۂ رحمت تھا۔

کوئی کچھ کہے' کچھ سمجھے۔

باہر سے آپا گل کے زور زور سے بولنے کی آواز آرہی تھی۔ جویا نے جلدی سے علیحدہ ہو کر اپنے آنسو خشک کیے اور اٹھ کر دروازے سے نکل گئی۔

خاموش ساکت لیٹی شاکرہ امی کی بند پلکوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی اور آنکھوں سے آنسو پانی کی باریک لکیر بناتے ہوئے چہرے پر پھیلتے چلے گئے۔

باہر آپا گل کا ہدف آج بھی جویا ہی تھی۔

"کیا تماشا بنا رکھا ہے تم نے جویا! ہر وقت امی کی پٹی سے لگی بیٹھی رہتی ہو۔ لوگ بیمار پڑتے ہی ہیں' معمولی سا بخار ہی تو ہے۔"

"امی اس طرح پہلے کبھی بیمار نہیں ہوئیں آپا! اب تو بالکل بستر پر چلی گئی ہیں۔ بات بھی نہیں کرتیں۔ مجھے سخت گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ آپ انہیں کسی دوسرے اچھے ڈاکٹر کو کیوں نہیں دکھاتیں' کسی اسپیشلسٹ کو جو..."

آپا گل نے بے زاری سے ماتھے کو چھوا۔

"اتنی بڑی ہو گئی ہو' مگر عقل ابھی بھی ٹخنوں میں ہی ہے تمہاری۔ ایک ذرا سے بخار کو ہوا بنا لیا ہے۔ اتنا بھی نہیں سمجھ رہی ہو کہ ان کی بیماری جسمانی نہیں' ذہنی ہے۔ اتنی پریشانیوں میں گھری ہیں' نروس بریک ڈاون قسم کی ہی بیماری ہے یہ' فکریں کم ہوں گی تو خود بخود اچھی ہو جائیں گی' بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ اچھی ہو جائیں گی۔ دیکھ لینا بس تھوڑے دنوں کی بات ہے۔"

ان کی آنکھوں میں آئی چمک اور چہرے کی مسکراہٹ اتنی گہری اور معنی خیز ہونے لگتی تھی کہ جویا کو آنکھ ملانا مشکل ہو تا تھا۔ گھر میں جو یہ کھچڑی آپا گل اور سلمان مل کر پکا رہے تھے۔ وہ اب کوئی ایسا راز بھی نہیں تھی۔

فریدالدین ایڈووکیٹ کا رشتہ' رشتہ نہیں سارے مسائل کا شافی حل تھا۔ یہ بات کہی سنی اور مانی جا چکی تھی۔ کسی نے اس سے رسمی سی "ہاں" کروانے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

صرف زویا تھی جو پریشان ہو کر بار بار اس کی توجہ اس معاملے کی طرف دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر یہاں اس کے لیے فریدالدین سے بڑی پریشانی شاکرہ امی کی بیماری تھی۔

"تم اتنی فکر مت کرو' ویسے ہی ساری پریشانیاں اپنے سر لے کر کیا سے کیا حال بنا لیا ہے تم نے رنگ' روپ کچھ بھی تو نہیں رہا' میں تو شکر کرتی ہوں کہ فریدالدین نے تمہیں پسند کر لیا۔ ورنہ آج کل تو مرد ایسی ویسی لڑکی پر ہاتھ بھی نہیں رکھتے۔ ہر ایک اچھے سے اچھے کا طلب گار ہے۔"

جویا نے بے بس سی نگاہوں سے آپا گل کی طرف دیکھا تو وہ نہ جانے کیا سمجھیں۔

"چھوڑو ان لوگوں کی پروا کرنا، انہوں نے کون سا تمہارا ذرا بھی خیال کیا ہے۔ اب امی کو ہی دیکھ لو۔"

ادھر ادھر دیکھ کر انہوں نے کسی کے نہ ہونے کا یقین کیا۔

"نہیں تو ماں، کچھ کہنا اچھا تو نہیں لگتا، مگر انہوں نے کب انصاف سے کام لیا۔ سارا بوجھ تم پر ہی ڈالا نا، سلمان پر کوئی ایک فکر، ایک ذمہ داری ڈالی ہو تو بتاؤ۔ تمہاری خون پسینے کی کمائی کو اس کی زبان کے چٹخاروں میں اڑایا ہے انہوں نے اور لکھ کر رکھ لو میری بات، تم اگر اسی گھر میں بیٹھی رہیں تو وہ اور سلمان ساری زندگی تمہیں استعمال کریں گے۔ تم یوں ہی کما کما کر اس نکھٹو ناکارہ سلمان کو پالتی رہو گی۔ اور وہ نہ آج کچھ کرے گا اور نہ کل۔"

صحن کے کونے پر کھڑی وہ بڑی اپنائیت بھری رازداری جویا سے برت رہی تھیں۔ تب ہی سلمان اپنے کمرے سے نکل کر وہاں چلا آیا۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں چپکے چپکے۔۔۔ کہیں میری تو برائیاں نہیں ہو رہی ہیں۔"

"نہیں! ہم کیوں کریں گے تمہاری برائی! ایک اکلوتے تو بھائی ہو ہمارے۔ اللہ سے ہر وقت تمہاری سلامتی کی دعا مانگتی ہوں صبح شام۔" اسے ٹھیک اپنے سر پر کھڑا دیکھ کر وہ ذرا بھی گھبرائے بغیر اپنا بیان بدل چکی تھیں۔ سلمان نے یوں ہی بے فکری سے اپنا سر ہلایا۔

"دعاؤں کا شکریہ۔ لیکن صاف بات ہے کہ تمہارا کچھ بھی بھروسا نہیں ہے آپا! ویسے کیا بات ہو رہی تھی، بتاؤ تو سہی۔" گھر میں ہمہ وقت فارغ رہتے رہتے جاہل عورتوں کی طرح ارد گرد کی سن گن لینے کی بری عادت پڑ چکی تھی۔

آپا گل نے برا سا منہ بنایا۔ "کچھ نہیں، ایسے ہی جویا کو سمجھا رہی تھی کہ امی کی بہت زیادہ ٹینشن مت لو، اب ظاہر ہے عمر ہے، فکریں ہیں، طبیعت تو خراب چلتی ہی ہے، ہر وقت ان کی پریشانی میں مت گھلا کرے۔"

جویا نے اپنی نم ہوتی آنکھوں کو ہتھیلی سے رگڑا۔

"صرف بخار ہے، وہ بھی کمزوری کا، میں بتا رہا ہوں دو، چار دن اچھا سا کھانا کھائیں گی تو خود بخود ہی اٹھ کر کھڑی ہو جائیں گی۔ تم آج یخنی والا پلاؤ بنا لو، رائتے کے ساتھ۔۔۔ آہا! مزا آ جائے گا۔ امی نہ اٹھ کر بیٹھی ہوں تو میرا نام بدل دینا۔"

وہ جویا سے مخاطب تھا اور اپنے بتائے ہوئے حل کا مزا اسے ابھی سے آنے لگا تھا۔ آپا گل جیسی عقل مند نے بھی تردید کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

"میں اسکول ہو کر ابھی گھنٹے بھر تک آتی ہوں آپا اور امی کے لیے میں نے کھچڑی بنا کر رکھ دی ہے۔ اگر وہ کھائیں تو آپ کھلا دیجیے گا۔"

سلمان کی بات کو ان سنا سا کرتے ہوئے اس نے آپا گل کی طرف دیکھا اور اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔

سلمان اور آپا گل دونوں ہی کی آنکھوں میں معنی خیزی سی اتری۔ "اسکول تو بند ہیں، وہاں کیا کرنے جا رہی ہو؟"

"آفس کھلا ہوتا ہے، میرے پیسے باقی ہیں ان پر۔ اس کا پتا کرنے جا رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے جاؤ، مگر دیر مت کرنا۔" آپا گل کو پیسوں کا سن کر فی الفور اطمینان حاصل ہوا تھا۔ خود وہ سلمان کو لے کر دوسرے کمرے میں جا بیٹھیں۔

سارے اختلافات کے باوجود ہی ایک مضبوط اتحادی تھا گھر میں اور فرید الدین جیسے سنجیدہ معاملے میں اس کا ساتھ ہونا بہت بڑی سپورٹ تھی۔

"میں نے تو صاف کہہ دیا ہے کہ ہم شادی گھر پر ہی کریں گے۔ چار آدمی لا کر نکاح کریں۔ بعد میں کریں ولیمہ کہیں بھی فائیو، فور اسٹار والے ہوٹل میں۔"

سلمان کے چہرے پر طنزیہ سی مسکراہٹ آئی۔

"تم بھی نا آپا گل! جب کسی کو چڑھانے پر آتی ہو تو بالکل ہی آنکھیں بند کر لیتی ہو، فائیو اور فور اسٹار والی شکل نہیں ہے فرید الدین کی، کسی تھکے ہوئے شادی ہال یا پھر گلی میں ٹینٹ لگا کر ولیمہ ہو گا جویا کا۔۔۔ دیکھ لینا۔"

"اچھا اور مہر کتنا؟"

"مہر۔" وہ سوچ میں پڑا۔ "ایک نہیں، دو۔۔۔ پانچ لاکھ رکھوا لو!"

"پانچ بہت زیادہ ہے، لاکھ سے زیادہ نہیں رکھنے والا وہ آدمی۔" انہوں نے قطعیت سے سر ہلایا۔ مگر وہ پھر بھی اصرار کیے گیا۔

"کوشش تو کرنا، دیکھو وقت کا کچھ پتا نہیں۔۔۔ میری مثال تمہارے سامنے ہے۔ کیا شان و شوکت کی زندگی تھی میری، یہ تمہارا فرید الدین تو تیل بیچتا ہے زوبیہ کے آگے۔"

اپنی بات کہہ کر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

حسرتوں کا کچھ شمار نہیں تھا۔

کیا شان تھی محلے میں، جب زوبیہ اور سلمان کی منگنی کا سامان اتر رہا تھا۔ وہ درجنوں پھلوں، مٹھائیوں اور ڈرائی فروٹ کے ٹوکرے، تحفے میں آئے سونے کے زیورات۔

زمین پر پیر رکھنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔

ایک چھوٹے سے پل میں آپا گل فرش سے عرش پر اور پھر واپس بڑے زور سے فرش پر پہنچ گئیں۔

انہوں نے بے چین سا ہو کر پہلو بدلا۔ جویا اتنی دیر میں ان لوگوں کے سامنے سے گزر کر جا چکی تھی۔

"کچھ پتا نہیں ہوتا فرید الدین جیسے لوگوں کا، کل کو کوئی بیوی یا جوان اولاد اٹھ کر سامنے آ گئی تو فیصلہ کروانے میں آسانی ہو گی۔"

"وہاں دعوت میں تو تم بہت فرید الدین کی تعریفیں کر رہے تھے۔ بھائی بنا لیا تھا اسے، اب سارے شکوک شبہات یاد آ رہے ہیں۔" آپا گل چڑ سی گئیں۔

"اس وقت تعریف ضروری تھی، مگر اس وقت تحفظات اہم ہیں۔ اس بار غلطی نہیں کرنی اور دیر بھی نہیں۔"

آپا گل نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"امی نے بے وقت بستر پکڑ لیا ہے۔ دیر تو ہماری طرف سے ہی ہو رہی ہے۔ کیا سوچتا ہو گا فرید الدین کہ دعوت کھا کر گئے تو خود ایک بار بھی جھوٹے منہ نہیں پوچھا۔ وہ تو میں ہی امی کی بیماری کو بڑھا چڑھا کر سنائے جا رہی ہوں۔ ایک دن تو اسپتال تک میں داخل کروا دیا تھا۔"

"اچھا کیا، اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ آج کل میں ہی بلا لیں۔ گھر میں پریشانی کا بہانہ ہے۔ کوئی خاطر مدارات بھی نہیں کرنی پڑے گی۔" سلمان کے لہجے میں دبا دبا سا جوش تھا۔

آپا گل نے پرسوچ نگاہوں سے سلمان کی طرف دیکھا۔

"امی نے تو جب ان کی مرضی ہو گی تب ہی ٹھیک ہونا ہے۔ والد صاحب وہاں جیل میں جا کر ایسے بیٹھے ہیں کہ اللہ ہی ہے، جو وہاں سے واپسی ہو، سارے مسائل ہم لوگوں کے لیے ہی رہ گئے ہیں۔ پتا نہیں کون سی خوش قسمت اولادیں ہوتی ہوں گی جن کے ماں، باپ انہیں سیٹ کرتے ہوں گے۔ یہاں تو ماں، باپ خود مسئلہ بنے ہوئے ہیں۔"

یہاں آ کر آپا گل اس سے سو فیصد متفق تھیں۔

"اب دیکھ لو، اس روز کیا باؤلے پن کا مظاہرہ کیا امی نے فرید الدین کے ہاں، کیا تک تھی نیچے جا کر بیٹھنے کی، اگر

دل گھبرایا تھا۔"

جویا واپس آئی تب تک وہ دونوں اسی طرح محو گفتگو تھے۔

"نیچے کا دروازہ پورا کھلا ہوا تھا سلمان بھائی!" وہ دروازے میں کھڑی کہہ رہی تھی' تب ان دونوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں مجھے پتا تھا کہ تم جلدی آجاؤ گی' اس لیے نہیں بند کیا تھا۔ پیسے مل گئے تمہیں' کتنے ہیں؟"

"آپ نے امی کو۔۔۔ کھچڑی کھلا دی تھی۔" ان دونوں کے کہے کو ان سنا کر کے وہ پریشانی سے پوچھ رہی تھی۔

تپا گل کا جواب ان کے چہرے کے تاثرات سے مل رہا تھا۔ بنا کوئی دوسرا سوال کیے وہ تیزی سے شاکرہ امی کے کمرے کی طرف دوڑتی ہوئی گئی تھی۔

دروازہ نیم وا تھا۔

اور شاکرہ امی کچھ آڑے ترچھے سے انداز میں بیڈ پر پڑی تھیں۔

عجیب غیر معمولی سا احساس۔

ایک لمحے کے لیے تو جویا کو پیروں پر کھڑا رہنا بھی محال ہوا تھا۔

"امی!" آواز اس کے لبوں سے بھی نہیں نکل سکی۔ اپنی ساری ہمت جمع کر کے اس نے انہیں سیدھا کیا۔

وہ ہوش میں تھیں۔ لیکن کچھ کہہ نہیں پا رہی تھیں۔

شاید انہیں پیاس لگی تھی اور کسی کو نہ پا کر انہوں نے خود سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھانا چاہا تھا۔ جویا نے سہارا دے کر انہیں کچھ اوپر کیا اور پانی کا گلاس ان کے منہ سے لگایا۔ بہت ذرا سا وہ پی پائیں اور باقی یوں ہی بہنے لگا۔ جویا نے انہیں لٹا کر ان کا چہرہ صاف کیا۔

تب ہی اسے دروازے میں زویا نظر آئی۔ وہ ابھی کالج سے واپس آئی تھی۔ جویا کے بری طرح دھڑکتے ہوئے دل کو سہارا سا ملا۔

"زویا! ایمبولینس بلوالو' ہم امی کو اسپتال لے چلتے ہیں۔ وہاں ایک بہتر دیکھ بھال تو ہو جائے گی ان کی۔ یہاں تو اتنے دن سے بس یوں ہی۔۔۔"

زویا نے اس کی بات کے دوران ہی ایمبولینس کے لیے نمبر ملا لیا تھا۔

جویا نے بڑی تیزی سے ضروری چیزیں اکٹھی کرنی شروع کی تھیں۔

☼ ☼ ☼

عصر کی نماز ابھی کچھ دیر پہلے پڑھ لی گئی تھی اور روشن' کھلے کھلے بڑے ہال میں ایک سعد ساعت اتری تھی۔

"زرینہ بیگم' بنت وزیر علی' آپ کا نکاح' ہمراہ راجہ ولد۔۔۔"

آسمانوں پر ہوا فیصلہ آج وقوع پذیر تھا۔

زری نے جھجکی جھجکی نگاہوں سے اطراف میں دیکھا۔ سب ہی جمع تھے۔ سکھر سے آئے اس کے رشتے دار خالہ بتول' راجہ کے ساتھ آئے چند قریب ترین لوگ اور یہاں گھر والے۔

اس کی نگاہ ایک چھوٹے سے پل میں جائزہ مکمل کر کے معاذ پر ہی رکی تھی۔

وہ قریب بیٹھا نکاح نامے کے کاغذات کو دیکھ رہا تھا اور چہرے پر بڑا نمایاں سا اطمینان پھیلا تھا۔

زری نے ایک گہری سانس اندر ہی اتاری۔

وہ یہی سکون دیکھنے کی متمنی تھی' جس کی درخواست خود معاذ نے اس سے کی تھی۔

"میری خاطر زری! تم شادی کرلوگی تو مجھے سکون مل جائے گا۔ بہت بڑا بوجھ ہے۔"
سو آج وہ بوجھ ہمیشہ کے لیے اترا۔
تقدیر کا فیصلہ اپنی جگہ' مگر اس نے تو صرف اس ایک حکم کی تعمیل ہی کی۔
تب ہی معاذ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا' تو زری نے جلدی سے نظریں جھکالیں۔ معاذ نے شاید کچھ بھی محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ اس سے نکاح کے پیپر سائن کروانے کے لیے قریب آگیا تھا۔
"یہاں سائن کرو زری!" وہ اس سے کہہ رہا تھا۔
سامنے کھلے کاغذ پر سائن کی جگہ پر انگلی رکھے اس آخری مرحلے پر بھی وہی مددگار تھا۔
زری نے دل حلق میں آتا ہوا محسوس کیا۔
"بس یہ چند آخری پل' پھر تو شاید تنہائی میں بھی اس کے بارے میں سوچنا' اپنے آپ سے شرمندہ کرے گا۔"
"سائن کرو زری!" اس کے برابر میں ایک طرف ابا اور دوسری طرف سعیدہ بھابھی کے گھر سے آئے چچا بیٹھے تھے۔
کون گواہ تھا' کون وکیل۔
اس کی نگاہ صرف معاذ کی انگلی پر جمی تھی۔
خالی جگہ جو اس ایک نام کی منتظر تھی' بھری گئی۔
یہاں' اور یہاں' اور.....
وہ صفحے پلٹ کر جہاں کہتا گیا' وہ اپنا نام لکھے گئی۔
کارروائی تمام ہوئی۔
معاذ نے اس کے قریب سے اٹھتے ہوئے چند لمحوں کے لیے اس کے سر کو چھوا تو اس کے ضبط کی ہر حد ختم ہوئی تھی۔
مرد حضرات کا یہ چھوٹا سا مجمع چھٹ کر اب سامنے ہال کے دوسرے حصے میں بیٹھے دولہا کی طرف منتقل ہوا تھا۔ نکاح کی کارروائی وہاں مکمل ہوئی تھی۔ یہاں دادی تھیں جو روتی بلکتی زری کو تسلی دیتے ہوئے خود کتنے ہی آنسو بہا چکی تھیں اور دادی کو سنبھالتی ہوئی ربیعہ۔
دل کی گہرائی کو چھوتی ہوئی یہ گھڑیاں ہر آنکھ کو پرنم کررہی تھیں۔ زری سے ہمہ وقت خائف رہنے والی شائستہ۔
ایک ناگوار بوجھ کی طرح خرچ کرجانے والی سعیدہ تک بار بار اپنے آنسو صاف کررہی تھیں۔
نکاح کے بعد کی دعا ختم ہوئی تو مبارک باد کا سلسلہ۔ دادی نے قریب ہی بیٹھی گیتی کو گلے لگا کر مبارک باد دی۔
"ہم تو خیر بیٹی والے ہیں' مگر بیٹا! تم تو دولہا کی خاص بہن ہو۔ تم کس خوشی میں آنسو بہا رہی ہو۔"
گیتی شرمیلے سے انداز میں ہنس پڑی تھی۔
معاذ نکل کر برآمدے میں آیا تھا۔
سامنے کے احاطے میں کھانے کی میزیں بڑے سلیقے سے لگی تھیں۔ لیکن کھانے میں ابھی دیر تھی۔ فی الحال ڈرنکس اور اسنیکس وغیرہ کی سروِنگ تھی۔ یہ سارا انتظام ابا نے خاص طور پر خود کیا تھا۔ سو بڑی بے فکری سی تھی۔
فضا میں اڑتی مزے دار سی خوشبو نمایاں ہورہی تھی۔ وہ آج واقعی بہت خوش تھا۔
ایک فرض جو بخوبی ادا ہوا اور ایک خوف جو دل و دماغ پر بوجھ سا طاری کرتا تھا' رفع ہوا۔ اوپر آسمان کی طرف

دیکھتے ہوئے معاذ نے تہ دل سے رب کا شکر ادا کیا۔
آس پاس چند لڑکے نظر آرہے تھے جو مدد کی غرض سے آئے ہوئے تھے۔ لیکن خیام کہیں نہیں تھا۔
بہت دیر سے وہ اس کا منتظر تھا۔ ابا بھی پوچھ چکے تھے۔ معلوم نہیں کیوں وہ اب تک غائب تھا۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے خیام کا نمبر ملایا تھا۔ دو' تین بار کی کوشش کے بعد وہ مل ہی گیا۔
"اس طرف اچانک ہی فائرنگ ہوگئی ہے۔ معاذ بھائی! میں تو نکل چکا تھا' مگر بھگدڑ اتنی تھی کہ واپس آنا پڑا۔ سب کچھ بند ہے اس طرف....."
کراچی کے حالات کی برسوں سے ایک سی غیر یقینی صورت حال۔
"ٹھیک ہے' تم بس اپنا خیال رکھو۔ خوامخواہ نکلنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ فون بند کرکے پلٹا تو اندر سے سالار آرہا تھا۔
معاذ ہلکے سے مسکرادیا۔
"شکر ہے' سب کچھ خیریت سے ہوگیا۔ آپ نے ایک بڑی ذمہ داری میرے اوپر سے ختم کی ہے سالار! اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔"
"تمہاری نیت اچھی تھی معاذ! اب خدا کرے کہ یہ دونوں اپنے اپنے دکھ بھول کر بہت محبت بھری زندگی گزاریں۔" سالار اس کے قریب آکھڑا ہوا تھا۔
"میں بہت خوش ہوں معاذ! مجھے لگنے لگا ہے کہ اللہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ ورنہ وہ مجھے تم لوگوں جیسے پیارے انسانوں سے کیوں ملواتا۔ گیتی جیسی بیوی کیوں عطا کرتا' یہ سب اس کی مہربانی ہی ہے نا۔"
سالار کی آواز بوجھل سی ہوئی۔ معاذ اس کی دلی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔ وہ بیک وقت کئی محاذوں پر لڑ رہا تھا اور زندگی کا ایک لمبا عرصہ سخت تنہائی کے عالم میں کاٹ چکا تھا۔
"مجھے اب لگتا ہے جیسے میرا بھی ایک خاندان ہے' سر پر بزرگ ہیں اور تم جیسا بھائی....." اپنی جذباتیت پر قابو پاتے ہوئے اس نے بے تکلفی سے معاذ کے کندھے پر ہلکے سے ہاتھ مارا۔ "اور تم جیسا بھائی جواب تک کنوارہ پھر رہا ہے۔ ربیعہ کے ساتھ تمہاری شادی بھی ہوجانی چاہیے۔ بات کروں گا کسی وقت فرصت سے۔"
معاذ صرف اس کا دل رکھنے کے لیے مسکرایا تھا۔ زندگی کو لگے جویا نام کے دکھ سے سالار ابھی تک ناواقف تھا۔
تو یہ بھی اچھا ہی تھا۔
"چلیں آئیں اندر چلتے ہیں۔ میں اور آپ دونوں ہی ایک ساتھ وہاں سے غائب رہے تو اور کوئی نہ سہی ابا ضرور ہمیں ڈھونڈتے ہوئے ادھر آجائیں گے۔"
اس نے کہتے ہوئے سالار کے ساتھ واپس ہال کا رخ کیا۔
زری بالکل سامنے بیٹھی تھی اور اب نکاح کے بعد راجو کو بھی ساتھ لاکر بٹھادیا گیا تھا اور وہ دونوں ایک ساتھ کتنے اچھے لگ رہے تھے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں ہوسکتی تھیں۔
سالار کو اندر داخل ہوتے ہی ابا نے آواز دے لی تھی' مگر وہ چند لمحے دروازے میں کھڑا زری اور راجو کو ہی دیکھے گیا۔ زری اب بالکل بھی نگاہ نہیں اٹھا رہی تھی۔ خاموش' معصوم' بے ضرر۔
اور وہ جتنی بار بھی اس کی طرف دیکھتا' دل کا اطمینان پہلے سے بھی بڑھتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔
سو شکر ہے جو وہ اس مشکل مقام سے سرخرو ہوکر گزرا۔
ربیعہ فوٹو سیشن کے لیے آواز دے رہی تھی۔ معاذ کو متوجہ ہونا پڑا۔

☼ ☼ ☼

اسپتال کی پرہجوم ایمرجنسی کے باہر گزرا وقت صبر آزما تھا۔ مگر اس کے اختتام پر شاکرہ امی کی طبیعت سنبھلنے کی اچھی خبر تھی۔

زویا اور جویا نے اطمینان کی سانس لی تھی۔

"دو دن اسپتال میں انڈر آبزرویشن رکھ کر چھٹی دے دیں گے ان شاء اللہ۔" مہربان لہجے والی ڈاکٹر بیماری کی تفصیل کے ساتھ آگے کا پروگرام بتا کر جا چکی تھی۔

تب ہی آپا گل کا فون ایک بار پھر آیا تھا۔

"جب طبیعت سنبھل گئی ہے تو گھر ہی لے آؤ۔ یہ اسپتال والے تو اپنا بل بنانے کے چکر میں یوں ہی مریض کو داخل کر لیتے ہیں۔ چاہے ضرورت ہو یا نہ ہو۔ مگر تم تو عقل پکڑو۔"

وہ سرے سے اسپتال لانے کی ہی مخالف تھیں' نہ کہ اب ایڈمٹ ہونا۔

جویا نے فون خاموشی سے زویا کو پکڑا دیا۔ وہ ان سے نبٹنے کی بہتر صلاحیت رکھتی تھی۔

"دو ہی دن کی تو بات ہے۔ امی کا بی پی بے حد بڑھ رہا تھا۔ اب کہیں جا کر نارمل ہوا ہے۔ پھر کتنا تیز بخار تھا۔ میں نے آپا گل سے کہہ دیا ہے کہ ہم انہیں دو دن اسپتال میں ہی رکھیں گے۔"

زویا نے پاس آ کر اسے بتایا تو وہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔

شاکرہ امی اب ٹھیک تھیں۔ کمرے میں شفٹ ہونے کے بعد انہوں نے زویا اور جویا سے دو' چار باتیں بھی کیں۔ تھوڑا سا دلیہ کھایا اور پھر گہری نیند سو گئیں۔

"دواؤں کی وجہ سے آج رات غفلت بھی رہے گی اور جتنا سوئیں گی اتنا ہی اچھا ہے ان کے لیے۔ بہت اچھا ہوا جویا! جو ہم امی کو یہاں لے آئے۔"

"ہاں!" اس نے تھکے تھکے سے انداز میں زویا کو دیکھا۔ "میں بہت ڈر گئی ہوں زویا! امی اس طرح کبھی ہمت نہیں ہارتیں۔ مگر یہ پورا ہفتہ ایسا گزرا جس میں وہ ایک بار بھی اٹھ کر کھڑی نہیں ہوئیں۔ بخار تو انہیں پہلے بھی کئی بار آیا ہے۔"

زویا کی آنکھوں میں کچھ الجھن سی تھی۔ "اس روز فرید الدین کے ہاں کچھ ہوا تھا کیا؟ وہیں سے بہت اپ سیٹ آئی تھیں۔ آپا گل اور سلمان بھائی نے تو دماغی دورہ تک قرار دے دیا تھا۔ تمہیں کیا لگتا ہے؟"

"پتا نہیں۔ مجھے نہیں اندازہ زویا!" اس کی آواز بہت دھیمی تھی۔

زویا بہت غور سے اس کا چہرہ دیکھے گئی۔

اس کی رنگت بالکل پھیکی پڑ چکی تھی اور شاید وہ اتنا صبر کر چکی تھی کہ اب اس کے احساسات کا اندازہ لگانا بھی آسان نہیں رہا تھا۔

"تمہیں فرید الدین کے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے کیا؟" پچھلے موضوع کو ادھورا چھوڑ کر زویا نے بے ساختہ ہی اس سے پوچھا تھا۔

وہ یوں ہی خاموشی سے فرش کو تکے گئی۔

"کچھ پوچھ رہی ہوں تم سے۔" کسی کسی وقت زویا کو اس پر بڑے زور کا غصہ آتا تھا۔

"اس وقت' اس بات کی کوئی تک نہیں ہے زویا! ابھی یہ فرید الدین کہاں سے آ گیا؟" اس بار جویا کو اس کی طرف دیکھنا پڑا۔

"وہ آیا نہیں' آ چکا ہے اور اگر تم یوں ہی خاموش بیٹھی رہیں تو ان لوگوں کو جو کچھ کرنا ہے' کر گزریں گے۔" آپا گل کا پھر فون آ رہا تھا۔

اس بار جویا نے خود ہی ریسیو کر لیا۔ زویا کے سوالوں کے جواب ڈھونڈنے سے فرار ہی سہی۔

دوسری طرف آپا گل جھنجلائی ہوئی تھیں۔

"تم سب تو آرام سے اسپتال میں جا کر بیٹھ گئے ہو' کسی ایک کو تو گھر پر بھی رہنا چاہیے تھا۔ سلمان کا کھانا ہی بنا جاتیں' وہ اتنا پریشان بیٹھا ہے' میں نے تو کہہ دیا کہ ایک انڈا بنا لے اور ڈبل روٹی سے کھا لے' مگر اس کے تو نخرے ہی اتنے ہیں کہ۔" وہ اپنے گھر سے تھیں' اور یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ جب بھی انہیں کوئی ذمہ داری بانٹنے کا خدشہ ہوتا وہ اسی طرح راہ فرار اختیار کر لیتی تھیں۔

جویا نے خاموشی سے سیل فون آف کیا۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا جویا۔" زویا بات کا سرا تھامے منتظر تھی اور وہ آپا گل نہیں تھی جو آسانی سے ہمیشہ بھاگ نکلنے کا رستہ ڈھونڈ سکتی۔

"میرے پاس کسی کے سوال کا جواب نہیں ہے زویا! مت پوچھو کچھ بھی پلیز۔" اس کے انداز میں عجیب سی بے بسی تھی۔

"تو تم انہیں کچھ نہیں کہوگی۔۔۔ ٹھیک!"

اس بار اس نے زویا کی بات کی تردید یا تصدیق کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔

اسپتال کے اس خاموش سنسان کمرے میں بڑا بوجھل سا احساس پھیلا تھا۔

"ٹھیک ہے' پھر اس بار یہ لڑائی میں اکیلی لڑوں گی۔ دیکھوں گی کون کرتا ہے من مانی اور اگر وہ سب زبردستی کریں گے تو میں اور تم کہیں اور شفٹ ہو جائیں گے۔ چاہے اسلام چچا کے گھر میں۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا زویا۔" بہت تیزی سے جویا نے اس کی بات کاٹی تھی۔ "اور ذلیل کروانا ہے کیا اپنے گھرانے کو' سوچ سمجھ کر بولا کرو۔"

بہت دن بعد وہ اس طرح غصے میں آئی تھی۔ "اور میرے بارے میں اتنی فکر مند مت ہو تم' ہزاروں' لاکھوں لڑکیاں یوں ہی جی لیتی ہیں۔ اپنی زندگی کے مطلب' معنی کھو کر۔ مجھ سے بھی کہیں زیادہ تکلیف دہ حالات میں تو میں کوئی زمانے سے علیحدہ تو نہیں' کچھ انوکھا تو نہیں ہو رہا میرے ساتھ جو پہلے کسی کے ساتھ نہ ہوا ہو۔"

زویا نے بہت حیرت سے اسے دیکھا۔ "مجھے یقین نہیں آتا جویا! کہ تمہیں وہ سب قبول ہوگا۔"

"مجھے وہ سب قبول ہے زویا! جو امی کہیں گی۔ میں ان کے کہے کسی حکم سے باہر نہیں ہوں گی۔ میرا بس یہی فیصلہ ہے۔" وہ اٹھ کر شاکرہ امی کے قدموں کے پاس جا کر بیٹھی تھی۔

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

عالیہ بخاری

دل اور راستے

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتّٰی کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پہ کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اُٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آ کر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گئی آر کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا لوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایماندار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو، وفاؤں کا مول ہیں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتّٰی کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دُعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارات کی دُھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

قسط: ۵۴

یہاں اپنے پھکڑپن کا مظاہرہ وہ کتنی ہی بار کر چکا تھا اور جواباً" داد بھی دل کھول کر پاتا تھا' سو اس بار بھی اسے یقین تھا کہ ابھی گلناز اس کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر اونچا سا قہقہہ لگائے گی۔ مگر آج گلناز' نانی دلدار کے بجائے خود کو نانی ستارہ کی وارث ثابت کرنے پر تلی تھی۔

"گیتی سالار کی پہلی بیوی ہے۔ بہت بڑی جائیداد اور بزنس کا مالک ہے اور اس کے مرحوم باپ کراچی کے مشہور..."

پہلی بار اس قصے میں کچھ ایسا تھا جو نبیل کے ہوش حواس کو چند لمحوں کے لیے گم کرنے کا باعث بنا تھا۔

نگینہ اس کے حیرت سے کھلے منہ سے بے نیاز سالار کی شان میں جو قصیدہ پڑھ رہی تھی' اس پر ذرا بھی دھیان دیے بغیر وہ حرف اول میں ہی پھنسا ہوا تھا۔

گیتی..... سالار! دونوں ناموں کی الگ الگ شاید کوئی اہمیت نہ ہو' مگر ان کا ایک ساتھ ہونا بڑا واضح اشارہ دے رہا تھا۔

"اور یہ دنیا بہرحال بہت چھوٹی سی جگہ ہے۔" اسے پورا یقین ہو چلا تھا۔

"کب ہوئی ہے یہ شادی!" خود پر قابو پا کر' وہ ذرا سنبھل کر بیٹھا۔

"ابھی بیٹا کچھ ماہ پہلے' دھواں دار برستی بارش میں وہ اچانک ہی آیا اور گلی میں جیسے....." گلناز کی پیشہ ورانہ حس نے اسے مزید تفصیل دینے سے روکا تھا۔ "بس جی سب اللہ کا حکم تھا اور جوڑے تو ویسے بھی وہ اوپر والا ہی بناتا ہے نا۔"

جو قصہ اس نے صرف نبیل پر اپنے خاندان کے اعلا ترین رشتوں کا حوالہ ثابت کرنے کے لیے شروع کیا تھا' نبیل کے لیے از حد دلچسپی کا باعث بنا تھا۔

"کوئی تصویر ہوگی گیتی اور سالار کی' ظاہر ہے شادی پر کھینچی تو ہوں گی نا۔ ذرا دکھائیں تو!"

وہ اب بہت سنبھل کر بیٹھا تھا اور اس سارے معاملے کی اصلیت کو جانے بغیر یہاں سے اٹھنے والا نہیں تھا۔

گلناز نے بڑے مشکوک انداز میں اس کی دلچسپی کو نوٹ کیا تھا۔

"تصویریں خالہ ستارہ کی طرف ہیں۔ اب تو کمپیوٹر میں اپ لوڈ کی جاتی ہیں اور ویسے بھی ایسے اچانک کاموں میں فوٹو گرافر کو بلانے کا ہوش کہاں رہتا ہے۔"

وہ سراسر ٹال رہی تھی اور دل ہی دل میں اپنی لاپروائی پر تھوڑی سی شرمندہ بھی تھی۔

"کیا ضرورت تھی بھلا' سو دوست' ہزار دشمن۔ بے چاری بچی کو وہاں کراچی میں کچھ مشکل نہ پڑ جائے۔" گلناز کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔

نگینہ ابھی ابھی کہیں سے آئی تھی۔

اوپر قدم رکھتے ہی سامنے والے بڑے ہال سے اٹھتی دھیمی دل فریب خوشبو نے اسے رکنے پر مجبور کیا تھا۔

خوب صورت قالینوں کے ساتھ سفید چاندنیاں' مخملیں گاؤ تکیے سلیقے سے سمیٹ کر باندھے گئے سفید نیٹ کے پردے اور پیتل کے سونے کی طرح جگمگاتے نقشین گل دانوں میں لگے سرخ گلاب سب ہی سر شام سے منتظر۔

وہ چپ چاپ کھڑی اس حسین منظر کو دیکھے گئی۔ تھوڑے سے ردوبدل کے ساتھ' اس طرح ہال میں برسوں

سے یہی ایک منظر ٹھہرا تھا۔

نسل در نسل۔

آنے والے' استقبال کرنے والے خاموشی سے بدلتے تھے' مگر یہاں کی رونق ہمیشہ سلامت رہی تھی۔

رنگینیاں' دلچسپیاں' رونقیں۔

نظر بد تو اب لگی تھی۔

"کیوں جان مارتی ہے روزانہ شاما! کون آ رہا ہے جس کی تیاری میں سہ پہر سے لگ جاتی ہے۔ اس سے تو آرام ہی کر لیا کر۔" کچھ کوفت سے بولتے ہوئے وہ اندر آ گئی۔

شاما نے مڑ کر دیکھا اور ہلکے سے ہنس پڑی۔

"برسوں کی عادت پڑی ہے باجی! ایسے کیسے چھٹ سکتی ہے اور آنے والوں کا کیا ہے' کوئی آ بھی سکتا ہے۔ مہمان کا کوئی وقت تھوڑی مقرر ہے۔"

"کیا لینے آئے گا مہمان' رکھا کیا ہے یہاں؟ سناٹا' ویرانی۔ ہونہہ! دھوم مچانے والوں کی کمی تھوڑی پڑ رہی ہے۔ بہتیرے ہیں یہاں سے وہاں تک۔" وہ کہتی ہوئی پلٹنے لگی۔

یہاں کی آرائش اور ویرانی دونوں ہی ڈپریشن میں مبتلا کرتی تھی۔

"نانی کو منا لیں تو آج بھی یہاں آ کر پرفارم کرنے والوں کی کمی نہ رہے..... اعزاز سمجھتی ہیں ہمارے چوبارے پر آنا' کتنی ہی لڑکیوں نے مجھ سے راستے میں روک کر پوچھا ہے کہ....." شاما ساتھ ہی پیچھے پیچھے آئی تھی۔

"دفع کر' منع کر دیا کر سب کو....." نگینہ نے بے زاری سے ہاتھ ہلا کر اس کے قصے کو مختصر کیا۔ "پرفارم کرنے کی آڑ میں صندل کی ناکامی کی ٹوہ لینے کے لیے آنا چاہتی ہیں' ساری کی ساری ہنسی الگ اڑائیں گی کہ اب گزارا نہیں ہو رہا ہے تو پھر سے محفل آباد کر لی۔"

طویل آرائشی برآمدے سے گزرتے ہوئے اس نے ایک ٹھوک بجاتا تجزیہ مکمل کیا اور نانی ستارہ کے کمرے کی طرف مڑنے لگی تھی کہ شاما کی طرف سے ایک سہما سہما سا سوال پھر آیا۔

"تو آگے کی فکر تو کرنی ہے نا باجی نگینہ! صندل نے تو بالکل ہی ہمت ہار دی ہے۔ کچھ سننے کے لیے تیار ہی نہیں ہے۔"

نگینہ نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

شاما کی نگاہ جھکی ہوئی تھی۔ ساری وفاداری اور بلا کی بے تکلفی کے باوجود وہ اپنی اوقات بھی یاد رکھتی تھی اور اس بار اس کی بات کو رد کرنا آسان بھی نہیں تھا۔

نگینہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "میری بھی یہی سوچ کر نیندیں اڑ گئی ہیں' کتنے مان سے گیتی خیر سے اپنے گھر کی ہوئی۔ اماں کتنی بھی ہمت دکھالیں' بہرحال ان کا بھی ضعیفی کا دور ہے۔ رہ گئی میں تو اب میں بھی کس کام کی۔"

"اپنی مثال تو نہ دیں....." شاما نے تڑپ کر حق وفا ادا کرنا چاہا۔ مگر نگینہ نے اس بار بھی اسے بات مکمل نہیں کرنے دی۔

"میری خدمات کا ذکر چھوڑ دے تو۔ میں نے کیا ہی کیا ہے؟ اپنے بچوں کے پیٹ تو جانور بھی بھرتے ہیں۔ میں کیا ان سے بھی گئی گزری تھی۔ جیسے تیسے پالا۔ کون سے نام' عزت کے پھندنے لگائے بے چاریوں پر....."

نگینہ کی ورم اتری بڑی بڑی آنکھوں میں کبھی کبھی بڑی گہری تپش اتر تی تھی۔

"عزت دینے والی تو خدا کی ذات ہے باجی اب اس چوبارے سے گیتی عزت کے ساتھ رخصت ہوئی نا....."

نگینہ نے بے ساختہ ہی دونوں ہاتھ جوڑ کر اوپر کی طرف دیکھا۔ "بڑا کرم، بڑی مہربانی! ساری عمر بھی شکر ادا کرتی رہوں تو ایک نکتہ بھر بھی شکر ادا نہ کرسکوں اپنے رب کا۔۔۔ مجھ کم ترین کو اس نے یہ خوشی دکھائی۔" جلتے پاؤں طے ہوئے سفر میں گیتی آرا کی زندگی کا آیا موڑ نگینہ کے لیے ایسا ٹھنڈا میٹھا احساس تھا، جس سے روح کی گہرائیاں بھی سیراب ہوتی تھیں۔

"جا کر ایک بار اسے مل آئیں، کتنا بلاتی ہے وہ، نہ سہی اس کے گھر میں، ہوٹل میں رک جائیں گے، مگر اپنی بچی کی شان تو جا کر دیکھ لیں آپ اور نانی۔"

شاما نے اسے دوپٹے سے آنسو صاف کرتے دیکھ کر، بار بار دہرایا ہوا مشورہ پھر سے دیا، مگر اس نے فوراً ہی انکار میں سر ہلایا۔

"وہ بڑے لوگوں میں بیاہ کر گئی ہے شاما! اور ہر شخص سالار جیسا نہیں ہوتا۔ میں نہیں چاہتی کہ گیتی کو ہماری وجہ سے کسی شرمندگی یا بے عزتی کا سامنا کرنا پڑے۔ لوگ اس پر ہنسیں۔ یہاں دوسروں پر ہنسنا سب کا سب سے دل پسند مشغلہ ہے۔ پتا ہے نا تجھے۔" وہ بات ختم کر کے افسردگی سے مسکرائی۔ لیکن شاما بہت سنجیدہ تھی۔

"کوئی کیوں ہنسے گا۔ آپ نے کوئی اب برا کام تو نہیں کیا ہے باجی نگینہ۔ کیا نہیں ہو رہا ہے دنیا میں ہنسنے والے اپنا اصلی چہرہ دیکھنے کی ہمت کریں تو قسم کھا کر کہتی ہوں، شرم سے ڈوب کر مر جانے کی خواہش کریں گے۔"

"تو جا کر صندل کو دیکھ! کہنا، اماں کے کمرے میں آجائے۔" نگینہ نے دانستہ بات بدلی اور شاما کو وہیں کھڑا چھوڑ کر نانی ستارہ کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ وہ کسی سے فون پر بات کر رہی تھیں۔

"جو طریقہ چاہو جیسے مناسب سمجھو، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ میرا حق تم سے زیادہ نہیں ہے۔"

نگینہ نے انہیں کسی سے کہتے ہوئے سنا۔ ابھی ابھی وہ خود جس جذباتی کیفیت سے گزری تھی، اردگرد پر کچھ ایسا دھیان دینے کا اس کا اپنا ارادہ بھی نہیں تھا، لیکن پھر بھی نانی ستارہ کو موبائل سمیت کمرے کے بالکل دوسرے کونے کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر اس نے کچھ عجیب سا محسوس کیا۔ ان کی آواز بھی اتنی دھیمی ہوئی تھی کہ اب کچھ بھی سننا محال تھا۔

"کیا تھا جو وہ اس سے چھپانا چاہ رہی تھیں؟ اس سے؟ نگینہ سے؟" وہ سخت حیرت میں مبتلا ہوئی۔

نانی ستارہ کی بات ابھی جاری تھی۔ تب ہی نگینہ کی ساری توجہ اندر آتی صندل نے لے لی۔

"کیوں بلایا ہے آپ نے؟" وہ اس کے قریب جا کر کھڑی ہو گئی۔

نگینہ نے ایک خاموش سی نگاہ میں اس کا جائزہ لیا۔ کاٹن کا سادہ سا سوٹ ڈھیلے ڈھالے سے انداز میں بندھے ہوئے بال اور میک اپ سے بالکل عاری چہرہ۔

اسے دیکھ کر کون کہہ سکتا تھا کہ پچھلے سالوں میں ایک وقت وہ ٹاپ کلاس ہیروئن کہلائی گئی تھی۔

"کوئی کام تھا کیا؟"

"ہاں، ہاں! بیٹھو۔" نگینہ نے چونک کر قریب کے صوفے کی طرف اشارہ کیا تو وہ بنا کوئی مزید سوال کیے بیٹھ بھی گئی۔

پچھلے کئی مہینوں کی ٹینشن، بیماری اور ذہنی دباؤ کو سہتے رہنے کے بعد، آج کل وہ نسبتاً "بہتر حالت میں تھی۔ الگ تھلگ اور خاموش۔۔۔ لیکن نگینہ کو اس کی حد سے بڑھی ہوئی تنہائی پسندی سے ہی ہول اٹھتے تھے۔

"کتنے ہی فنکشنز کے کارڈ آئے، کتنے لوگوں کی دعوتوں کو معذرت کی، صبح کی نشریات والے ٹی وی پروگراموں میں تو ہر کوئی آکر بیٹھ جاتا ہے، یہ وہاں بھی نہیں گئی۔"

نگینہ نے افسردہ دلی سے سارا حساب لگایا۔

"ایسے کیسے چلے گا۔" نادانستگی میں وہ بڑبڑائی۔ صندل نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"کیا چلنا ہے؟"

"تمہارا کریر بیٹا! اور کیا۔" بنا تمہید کے وہ اسی اہم ترین موضوع پر آئی جو کب سے ایک سوالیہ نشان بنا تھا۔

"ہم سے غلطی ہوئی، ایک اچھا پروفیشنل سیکرٹری رکھتے تو اس بالی کے رحم و کرم پر نہ رہ جاتے۔ اوپر سے بالی نے باہر کی فلمیں بھی سائن نہیں کرنے دیں۔ گڑبڑ تو ابتدا میں ہی ہو گئی نا۔"

"خدا کے لیے امی!" اس نے جھنجلا کر رخ پھیرا۔

"بات کو سمجھنے کی کوشش کرو صندل! اس طرح بیٹھ کر کیوں خود کو نقصان پہنچا رہی ہو بیٹا؟ دو چار فلموں کے فلاپ ہونے سے کیا ہوتا ہے۔ قسمت یوں ہی امتحان لیتی ہے۔"

"میں اس امتحان میں فیل ہو چکی ہوں۔ آپ کو ابھی بھی یقین نہیں آیا کیا۔" اس کی مایوسی میں اب بھی فرق نہیں تھا۔ نگینہ نے بمشکل ہی خود کو سنبھالا۔

"دو جگہ سے آفر آرہی ہے، بات کر کے دیکھ لو! کیا پتا، سب اچھا ہی ہو جائے۔ میں نے انہیں انتظار کرنے کا کہہ دیا ہے۔ ایک دو اشتہار والوں کا بھی فون آیا تھا۔"

ذرا رک کر نگینہ نے اس کے چہرے پر اپنی سنائی ہوئی خوش خبری کا اثر دیکھنا چاہا مگر وہاں ویسا ہی پتھریلا پن تھا۔

"مجھے آگے کام کرنا ہی نہیں ہے امی! میں آپ سے کہہ چکی ہوں۔ بار بار اصرار مت کریں۔"

"کام نہیں کرو گی تو کیا کرو گی؟ اتنے سالوں کی محنت، تربیت سب پر پانی پھیرنے کا ارادہ ہے کیا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی نگینہ کے لہجے میں سختی اتری۔ "بچپن سے اب تک، صرف تمہاری تربیت، تمہاری ضروریات پر لاکھوں خرچ ہوا ہے آخر!"

"میں نے تو نہیں کہا تھا کہ آپ مجھ پر خرچ کریں۔ گیتی پر کر لیتیں۔" صندل کی آواز دھیمی تھی۔

"تمہیں پتا ہے کہ اس نے شروع سے ہی مایوس کیا تھا۔ کتنی کوشش کی تھی اماں نے، استاد جی نے، مگر وہ اس طرف آہی نہ سکی۔ ہماری امیدیں تم سے بندھی ہیں صندل! اگر تم اس طرح ہمت ہار دو گی تو۔۔۔"

"اور رہا ہی کیا ہے ہارنے کے لیے۔۔۔ سب کچھ تو ختم ہوا۔" صندل کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

"پاگل ہو گئی ہو کیا؟ چار فلمیں فلاپ کیا ہوئیں۔۔۔"

"چار نہیں چھ!" اس نے نگینہ کی فوری تصحیح کی تھی۔ "اور یہ کوئی کم نہیں ہے کسی کے بھی کریر کو ختم کرنے کے لیے۔ آپ کیوں بھول رہی ہیں کہ یہاں گنتی کی فلمیں بنتی ہیں سال میں اور لوگ پٹے ہوئے چہرے پر پیسہ لگانے سے سب سے زیادہ گھبراتے ہیں اور یہ جو آپ کے پاس آفر آئی ہے، وہ بالکل ہی سی کلاس ہے۔ آپ کو پتا ہے نا۔"

اس کے لہجے میں اتنا یقین تھا کہ نگینہ کو سہارے کے لیے اس بڑے سارے کمرے کے دوسری طرف بیٹھی نانی ستارہ کی طرف دیکھنا پڑا۔

وہ اب بھی فون پر مصروف تھیں اور ان کے چہرے پر پھیلا اطمینان اور لبوں کی مسکراہٹ "سب اچھا ہے" کی خوش خبری دے رہے تھے۔

نگینہ نے بڑے رشک سے انہیں دیکھا۔

ساری زندگی میں، وہ فقط چند بار ہی اس طرح مسکرائی تھی۔ پہلی بار بالی کے یہاں آنے پر، صندل کی پہلی فلم

سائن ہونے پر' کیتی کی شادی..... اور صندل کے کوٹھی خریدنے پر.....

"شام کا اخبار آیا ہے آج؟" سامنے بیٹھی صندل کے پوچھنے پر وہ ادھر سے ادھر ہوئی۔

"کوئی خاص خبر ہے کیا؟"

"کوٹھی کی فروخت کا اشتہار دیا ہے..... وہ دیکھنا تھا!" نگینہ کا منہ حیرت سے کھلا تھا۔

"بالی نے بڑا لمبا چوڑا حساب بنا رکھا ہے میرے کھاتے میں۔ وہ تو دینا ہی ہوگا نا۔" وہ اخبار کی تلاش میں اٹھ کر سائیڈ بورڈ تک جاتے ہوئے جس لاپروائی سے کہہ رہی تھی' نگینہ کے دل کو مزید ٹھیس لگنے کا سبب بنا تھا۔

"تو کوٹھی بیچنی ضروری ہے کیا؟ اِدھر اُدھر تھوڑا سا بھی کام کر کے پیسے چکائے جاسکتے ہیں۔"

"کیسے کام مثلاً"؟" وہ اخبار لے کر پھر سامنے آبیٹھی۔ "وہ جو خالہ گلناز' الماس سے کروا رہی ہیں؟ تو پھر شروع سے ہی یہ ہیروئین بننے کا سبق کیوں پڑھایا تھا آپ نے؟ اِدھر اُدھر کچھ بھی دیکھنے نہیں دیا۔ پڑھ لیتی' کچھ اور کرلیتی' بیوٹیشن' ڈریس ڈیزائنر' ٹی وی۔ مگر آپ پر تو صرف اپنے خوابوں کی تکمیل کا جنون تھا۔ خود ساری زندگی ناکام رہیں سو مجھے داؤ پر لگا دیا۔ سوچے سمجھے بنا کہ میں اتنا بوجھ اٹھا پاؤں گی یا نہیں۔" اس کی آواز دھیمی تھی' مگر لہجہ اتنا ہی تلخ۔ اپنی ساری ناکامی کا ذمہ دار اب وہ صرف اور صرف نگینہ کو ٹھہراتی تھی۔

بالی کی کمینگی' اپنا قطعی نان پروفیشنل رویہ' لو بجٹ کی فلمیں' سب ہی کچھ پس پشت۔

"کیا ہوا' پھر تم دونوں کی بحث شروع ہوگئی؟" نانی ستارہ قریب آچکی تھیں اور ان کے لیے اب یہ تکرار معمول کی بات تھی۔

نگینہ نے ذرا سا رخ موڑ کر اپنی آنکھیں رگڑ ڈالیں۔ سب ہی کچھ کتنا سطحی اور سرسری سا ہو کر رہ گیا تھا۔

"آپ کس سے بات کر رہی تھیں؟"

"یوسف کمال سے۔" سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے نانی ستارہ نے بڑا اطمینان بھرا جواب دیا تھا۔

نگینہ افسردگی سے مسکرا دی۔

"بھلا وہ کیوں بھولتی ہے کہ اماں کی دلی خوشی آج بھی فیروزہ اور اس کے متعلقین کے ساتھ ہی جڑی ہے۔"

اس کا مزید کچھ پوچھنے کا قطعی ارادہ نہیں تھا' لیکن نانی ستارہ ازخود کچھ بتانے کے لیے بے تاب تھیں۔

"خیام کو اب تک ڈھونڈ نہیں سکا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ روزانہ اس سڑک پر کئی بار گیا ہے' جہاں اسے دیکھا تھا' مگر وہ وہاں پھر نظر نہیں آیا۔"

وہ بات کرتے کرتے ذرا رکیں۔

"یوں ہی ڈھونڈتا رہے ساری عمر اور نہ مل کردے اسے خیام۔ دونوں ہی خوار پھریں۔" نگینہ نے بمشکل ہی ہونٹوں پر آئی بات کو روکا تھا۔

صندل ہر بات سے بے نیاز شام کا اخبار کھولے گم تھی۔

"اب وہ خیام کی تصویر اخبار میں چھپوانا چاہ رہا ہے۔ اس کی اجازت مانگ رہا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ یہی ایک آخری طریقہ ہے اسے ڈھونڈنے کا۔"

اس بار نگینہ سے نہ رہا گیا۔ "جب فیروزہ کو بھگا کر لے گیا تھا' اس وقت تو آپ کی اجازت ضروری نہیں سمجھی تھی دونوں نے۔ اب کہاں سے خیال آگیا..... اور یہ تصویر کہاں سے آئی اس کے پاس خیام کی..... آپ نے دی تھی؟"

غصہ' جلن' تفتیش' سوال' جواب' سب ہی کچھ..... اور وہ اس کی ساری کڑواہٹ کو جھیلنے کی عادی تھیں۔

"تصویر میں نے ہی دی تھی خیام کی، لیکن منع کیا تھا اخبار میں دینے سے۔ اگر وہ ملنا نہیں چاہتا تو پھر اس کی مشکلات کو بڑھانا اچھا نہیں ہے۔ مگر اب یوسف کی یہی مرضی ہے تو......"

"وہ آپ سے ہم سے بھاگا ہے۔ اپنے کروڑپتی باپ کے پاس تو ہاتھ جوڑ کر جائے گا۔ تصویر چھپنے دیں، چوبیس گھنٹے بھی نہیں لگیں گے، خیام کے آنے میں۔" نگینہ کو ایک دم ہی بہت زور کا غصہ آنے لگا تھا۔

"ہم سے نسبت میں اسے ذلت ہے، آپ کیوں بھولتی ہیں یہ بات بار بار؟ دفع کردیں اس قصے کو۔ الگ ہو جائیں آپ۔ وہ جانے اس کا باپ جانے۔ ہمارا کیا لینا دینا ہے۔ یہاں اپنے ہی مسئلے ختم نہیں ہوتے ہیں۔" اس کی قدرے اونچی آواز نے قریب بیٹھی صندل کو ڈسٹرب کیا تھا۔

"کیا مصیبت ہے، آدمی کچھ بھی سکون سے نہیں کرسکتا یہاں۔" وہ اپنا اخبار سمیٹتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں نے یہاں کا لینڈ لائن نمبر بھی دیا ہے اسٹیٹ ایجنٹ کو۔ اگر فون آئے تو دیکھ لیجیے گا۔ مجھے جلدی سودا کرنا ہے... بہت جلدی۔"

وہ کہتی ہوئی ان دونوں کے قریب سے گزرتی چلی گئی۔

نانی ستارہ اور نگینہ دونوں ہی نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

انیکسی کے ٹھنڈے صاف فرش پر وہ ننگے پیر چلتی ہوئی برآمدے کی سیڑھیوں تک آئی۔

یہ گھر بہت بڑا تھا۔

بڑے سے رقبے پر پھیلا لان، پھر تین منزلوں پر مشتمل رہائشی حصہ، کتنے ہی سرونٹ کوارٹر۔ سفید ماربل سے بنا ہوا محرابوں والا الگ تھلگ دکھائی دیتا برآمدہ۔ جہاں سے ایک زمانے میں اس کی بھابھی سعیدہ اور خالہ بتول بھی خیرات لینے آتی تھیں۔

چاند کی پہلی جمعرات کا یہ معمول اب بھی بندھا ہوا تھا، مگر اسے یہاں آئے ہوئے ابھی صرف تین دن ہوئے تھے اور چاند کی پہلی جمعرات اس کے آنے سے چند دن پہلے گزر چکی تھی۔ سو اس رونق کو دیکھنے کے لیے اسے انتظار کرنا تھا۔ ایک ٹھنڈی سانس لے کر زری نے برآمدے کی دیوار کے ساتھ سر ٹکایا۔ دیوار پر پھیلی پھولوں کی بیل پر سے پانی کے چند قطرے اس کے چہرے پر گرے۔

ایک سکون بھری مسکراہٹ نے پل بھر کے لیے زری کے چہرے کو چھوا۔ ماحول بدلا، زندگی بدلی، وہ خود ساری کی ساری بدل گئی۔

ہوتا ہے کوئی پل، ایسا بھید بھرا، جو خود پر بھی ذات کے نئے ورواکرتا چلا جاتا ہے۔

ایک نئے انسان سے ملاقات کرواتا ہے۔

ایسا ہی پل اس کی زندگی میں بھی معاذ کی وساطت سے آیا۔ جب اس نے پانے کے بجائے دینے کے لطف کو جانا۔

آج معاذ کے چہرے پر پھیلی خوشی اور اطمینان کا سبب وہ بنی ہے، سو یہ خوش بختی بھی کیا کم ہے۔ یک طرفہ محبت کے عذاب کو جی بھر کر سہہ لینے کے بعد بالآخر وہ سرخرو ہوئی۔

"زری!" راجو نے پیچھے سے آکر اس کے کندھے کو چھوا تو وہ اس کی طرف مڑ گئی۔

"ابھی میری اماں سے بات ہوئی ہے۔ بہت بے تابی سے وہاں گاؤں میں ہمارا انتظار ہو رہا ہے۔ ولیمہ کی بڑی دعوت رکھی ہے۔" وہ نرم لہجے میں بتانے لگا۔

"اچھا! پھر آپ نے کیا کہا؟" محض اس کا دل رکھنے کے لیے اس نے راجو کی کسی بات میں پوری دلچسپی ظاہر کی۔

"میں نے کہا کہ ابھی ہمیں دو یا تین ہفتے لگ جائیں گے۔ سالار بھائی سے پوچھ کر ہی پروگرام فائنل ہو گا نا۔"

"یہ تو ہے۔" وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ "اور کیا کہہ رہی تھیں آپ کی امی... میرا پوچھا تھا؟"

"تمہارا ہی پوچھتی رہیں۔" وہ ہلکے سے مسکرا کر اس کے قریب بیٹھا۔ "میں نے کہا، ابھی صبح تو اتنی دیر آپ بات کرچکی ہیں زری سے، پھر بھی دل نہیں بھرا آپ کا۔"

"آپ کو ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ وہ ماں ہیں اور میری خوش قسمتی ہے کہ وہ مجھ سے اتنی محبت کرتی ہیں۔ تھوڑی دیر بعد مجھے فون ملا کر دیجیے گا، میں خود بات کروں گی ان سے۔"

اس بار اس نے محض راجو کو خوش کرنے کے لیے نہیں، بلکہ پورے دل سے کہا تھا۔

راجو نے دانستہ ذرا سا رخ موڑا تھا۔

زری نے اس کی پھیکی پڑتی مسکراہٹ کو بخوبی نوٹ کیا تھا۔

"کیا ہوا؟ میں نے کچھ غلط کہہ دیا کیا؟"

"نہیں تو!" اس نے پھر سے مسکرا کر زری کو مطمئن کرنا چاہا۔ مگر اس کی آنکھوں میں بڑی گہری اداسی تھی۔

زری نے ایک ٹھنڈی سانس اپنے اندر اتاری۔ وہ خوش نہیں تھا۔ صرف خوش رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بالکل ایسے ہی جیسے وہ۔ دونوں ہی نارسائی کا دکھ جھیل کر یہاں تک پہنچے تھے۔ لیکن وہ راجو سے کہیں زیادہ خوش قسمت تھی۔ یہ بالکل طے تھا۔

"تم بہت اچھی ہو زری! مجھے یقین ہے کہ تم اماں کا دل پوری طرح جیت لوگی۔ وہ ابھی اتنی خوش ہیں۔ تم سے مل لینے کے بعد تو...... مجھے نہیں پتا کہ وہ تمہیں کتنے عرصے واپس نہیں آنے دیں گی۔"

وہ دھیمے دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا اور اس کی نگاہ دور سبزے پر جمی ہوئی تھی۔

"میں ان کے پاس بہت خوشی سے رہوں گی، اگر آپ اجازت دیں گے۔"

راجو نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔

زری کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔

وہ بے اختیار ہی اسے دیکھے گیا۔

اس کی باتوں میں کہیں کہیں روزی کی جھلک سی دکھائی دیتی تھی۔ خاص طور پر جب وہ اماں کے پاس جا کر رہنے کا اشتیاق ظاہر کرتی تھی۔ ویسی ہی سادگی اور محرومی۔

زری نے اس کی خود پر جمی نظر سے ہی بچ کر نگاہ جھکائی تھی۔

"تم رک جانا، مجھے تو آنا پڑے گا نا!"

"کیوں، سالار بھائی لمبی چھٹی نہیں دیں گے نا؟"

"وہ ایسا کیوں کریں گے؟" راجو افسردگی سے مسکرایا۔ "پتا ہے انہوں نے تو مجھے یہ تک کہہ رکھا ہے کہ اگر میں وہاں گاؤں میں رہنا چاہوں تو کچھ بھی کاروبار یا زمین لے کر دے سکتے ہیں، مگر میں نے صاف منع کردیا ہے۔ میں انہیں چھوڑ کر اب دنیا کے کسی بھی دوسرے حصے میں نہیں رہ سکتا...... خدا انہیں سلامت رکھے بس......!"

کی آواز دھیمی پڑی تھی ‘مگر لہجہ محبت اور وفاداری کی انتہا کو چھوتا ہوا تھا۔ زری کے دل پر محبت کی ایک اور
ی۔
”خلوص ‘وفا ‘محبت ‘سچائی۔“
زندگی کے اس نئے سفر میں ‘وہ ان سب خوب صورت الفاظ کے حقیقی معنوں کو جاننے کے بہت سے مواقع حاصل کرنے والی تھی۔
”نبیل شاید آج کل میں آنے والا ہے ‘ویسے تو وہ اس طرف کبھی نہیں آتا ہے ‘لیکن پھر بھی اگر تمہارا اس سے سامنا ہو جائے تو......“
”اف!“ زری نے بے اختیار ہی ماتھے کو چھوا۔ ”میں آپ سے کتنی بار کہوں کہ اس شخص سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مر چکا ہے وہ بہت سال پہلے اور جانتے ہیں آپ اس کی ہر ذلالت کو۔ سولہ سال کی تھی میں صرف ‘جب سے وہ مجھے فروخت کرنے کی فکر میں رہا ہے۔ دوست تھا آخر کسی زمانے میں آپ کا۔ پتا نہیں ہے کیا آپ کو؟؟“
دکھ اور کوفت سے اس کی آنکھوں میں اس بار آنسو آچکے تھے۔ پچھلے تین دنوں سے نبیل کا نام بار بار ان کے درمیان آرہا تھا...... راجو کے بہت تحفظات تھے اس بارے میں...... راجو نے ملکے سے اس کا ہاتھ تھاما۔
”میں تمہیں تکلیف نہیں دینا چاہتا زری! لیکن نبیل بہرحال تمہارا بھائی ہے اور اب وہ بہت ‘بہت بڑا آدمی ہے۔ تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر تو پتا نہیں کس طرح پیش آئے گا۔ پہلے ہی وہ مجھ سے سخت نفرت کرتا ہے اب۔“
آخری جملہ کہتے ہوئے اس کی آواز پھر سے دھیمی ہوئی۔
”اور وہ خود کتنا قابل نفرت ہے ‘پتا ہے نا آپ کو؟“ زری کا لہجہ مضبوط اور صاف تھا۔ ہمت دلانے والا۔ راجو کی اداس آنکھیں زری کے چہرے پر جم سی گئیں۔
”اگر سالار بھائی نے مجھے مکمل تباہی سے نہ بچایا ہوتا زری! تو یقین مانو کہ میں اسے قتل کر چکا ہوتا۔“
زری یوں ہی اس کی طرف دیکھے گئی۔
”شاید اسے برا لگا ہو۔“ راجو کے دل میں ابھی بھی ہلکی سی چبھن ابھری تھی ‘مگر زری کا چہرہ بے تاثر تھا۔
”وہ اس سے بھی بدتر انجام کا مستحق ہے اور وہ اس تک ضرور پہنچے گا۔ یقین رکھیے آپ۔“ راجو کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے راجو کے دل سے یہ آخری خدشہ بھی مٹا دیا۔
راجو نے ایک سکون بھرا سانس لیا۔
”آپ مجھے روزی کے بارے میں بتائیں! میں جاننا چاہتی ہوں کہ وہ کتنی محبت کرتی تھی آپ سے ‘میں اس جیسی نہ سہی ‘لیکن آپ سے اس کا ہر دکھ بانٹنا چاہتی ہوں......“
زری کی مہربان آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔
راجو نے بے اختیار ہی اپنا دوسرا ہاتھ بھی اس کے ہاتھ پر رکھا۔
زری صرف پاس نہیں ‘ساتھ بھی تھی اور کتنی عجیب سی بات تھی کہ اس سے شادی کرتے وقت ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ محبت کا ہنر بھی ساتھ لے کر آنے والی ہے۔

☼ ☼ ☼

نیچے جویا اور زویا ‘شاکرہ امی کو ٹیکسی سے اتار رہی تھیں۔ آپا گل نے اوپر سے جھانکتے ہوئے شکر کا کلمہ پڑھا۔
”اور جو یہ لوگ مارے شوق کے آج بھی اسپتال میں رکنے کا ارادہ کرتیں تو سارا پروگرام ہی برباد ہو جاتا تھا۔“ انہوں نے مڑ کر اپنے پیچھے کھڑے سلمان سے کہا۔

جویا اور زویا ساتھ گئے سامان اور شاکرہ امی ‘دونوں کو سنبھال کر اوپر آچکی تھیں۔
”حد کر دی آپ لوگوں نے بھی۔ پورے تین دن لگا دیے۔ اسپتال تھا یا کوئی تفریح گاہ ‘جہاں سے واپس آنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا؟“ وہ بولتی ہوئی شاکرہ امی کے ساتھ ہی کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔
اور ان کی اس احمقانہ شکایت کا جواب دینا کسی نے بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔
شاکرہ امی کا کمرہ حیرت انگیز طور پر صاف ستھرا تھا۔ نئی بیڈ شیٹ ‘دل لگا کر کی گئی صفائی ‘سامنے دھلا دھلایا صحن اور......
جویا اور زویا دونوں نے شاید ساتھ ہی نوٹ کیا تھا۔
”نیچے والوں کی ساس کو بلا کر صفائی کروائی ہے ‘پیسے بھی دیے۔“ آپا گل نے بتانے میں دیر نہیں کی۔ ”ورنہ تین دن سے تو خاک اڑ رہی تھی۔ وہ حال تھا گھر کا کہ پوچھو مت۔“
ابھی تک ایک بار بھی انہوں نے شاکرہ امی کی خیریت دریافت نہیں کی تھی اور سلمان اسپتال سے لائے ہوئے بچے ہوئے پھل ‘باسکٹ سے نکال کر کھانے میں مصروف ہو چکا تھا۔
”کتنے دن بعد اس گھر میں پھل چکھنے کو ملے ہیں۔“
”اب یہاں کچرا پھیلانا مت شروع کرو ‘شام میں مہمان آنے ہیں۔“
”شام!“ چیزیں سمیٹتی ہوئی جویا کی نگاہ سامنے گھڑی پر گئی۔ پونے چار ہونے کو تھے۔
”کون آرہا ہے؟“ شاکرہ امی نے نیم دراز ہوتے ہوئے یوں ہی بے توجہی سے پوچھا۔
”فریدالدین اور اس کی دو بہنیں۔ مٹھائی وغیرہ لے کر آئیں گے۔ روز فون کر رہے ہیں بے چارے ‘ورنہ اب اتنی چاہت سے کون ملتا ہے۔ حالانکہ ہم نے تو پلٹ کر انہیں گھر آنے کی دعوت بھی نہیں دی تھی۔ مگر اتنے بااخلاق کہ ذرا جو شکایت کا لفظ بھی زبان پر لائے ہوں۔ آج بھی سختی سے کھانے کا منع کیا ہے۔ بس ایک کپ چائے ہی پئیں گے۔“
کمرے میں موجود وہ سب لوگ بالکل الگ الگ کیفیت سے گزرے تھے۔
زویا کی نگاہ جویا پر جمی تھی۔
اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ چیزیں سمیٹتے ہوئے اس کا ہاتھ صرف ایک لمحے کے لیے رکا تھا اور دوسرے ہی پل وہ انہیں لے کر شاکرہ امی کی الماری کی طرف مڑ گئی تھی۔
”سو یہ تھی آج کی کارگزاری کی وجہ۔“ زویا نے جواب تک ان کے احساس ذمہ داری پر حیران تھی۔ ایک ٹھنڈی سانس لی۔
”مجھ سے پوچھے بغیر کیوں بلایا تم نے انہیں؟“ شاکرہ امی کی نگاہ آپا گل پر تھی۔
”کیوں؟ کیا حرج ہے؟ بلانا تو تھا نا...... اور ایسے کاموں میں دیر کرنا مناسب بھی نہیں ہے۔ پہلے ہی خاصا وقت نکل گیا ہے۔“ آپا گل کے لہجے میں رکھائی اتری۔
جویا نے ٹھنڈے پڑتے ہاتھ پاؤں کے ساتھ الماری میں ہی منہ دیے رکھنے میں عافیت سمجھی تھی۔
کمرے میں چند لمحوں کا سناٹا پڑا۔
”مجھے یہ رشتہ پسند نہیں ہے۔ میں جویا کی شادی فریدالدین سے نہیں کروں گی۔“ باوجود کمزوری کے ‘شاکرہ امی کا لہجہ صاف اور آواز قدرے بلند تھی۔
جویا نے بے اختیار ہی الماری کے پٹ کو تھاما۔
”آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے امی! آرام کریں۔ بے کار کی جذباتیت اچھی نہیں ہے آپ کے لیے۔“

فرید الدین سے اچھا رشتہ ہمیں نہیں مل سکتا۔ ہمارے مسائل کا واحد حل ہے وہ اور اب تو بات طے بھی ہو چکی ہے۔ خدا کے لیے بدشگونی کی باتیں مت شروع کردیں۔"

آپا گل بری طرح تلملائی تھیں۔ مگر شاکرہ امی ذرا بھی خائف نہ ہوئیں۔

"میری اجازت کے بغیر کوئی بھی جویا کا رشتہ طے نہیں کر سکتا۔ تم ابھی فون کر کے منع کرو انہیں کہ وہ یہاں نہ آئیں یا پھر مجھے فون دو میں خود منع کر دیتی ہوں۔"

آپا گل اور سلمان' دونوں کے ماتھے پر شکن گہری ہوئی۔

"اب بنی بنائی بات کو خراب مت کریں۔ اتنی مشکل سے سب کچھ سیٹ ہوا ہے۔ یہاں تو پتا نہیں کب عقل آئی ہے۔ سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔ فقیروں سے بدتر حالت ہو چکی ہے۔"

"تو آپ کو کس نے کہا ہے کہ ہماری حالت کو بدلیں؟؟"

آپا گل' سلمان اور زویا تینوں نے ایک ساتھ زور زور سے بولنا شروع کر دیا تھا۔ جویا ان ہی آوازوں کے بیچ میں سے گزرتی ہوئی تیزی سے باہر نکل آئی۔ اس کا دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا اور چہرہ آنسوؤں سے تر...... کانپتے ہوئے قدموں سے وہ اپنے کمرے تک آئی تھی۔ پیچھے سے آتی آوازیں' کمرے کا دروازہ بند ہونے کے ساتھ ہی خاموش ہوئی تھیں۔ جویا نے ایک گہری سانس لے کر خود کو سنبھالنا چاہا' مگر...... ہچکیوں سے اس کا پورا جسم لرز رہا تھا۔ دیوار کے ساتھ بیٹھی' گھٹنوں میں سر دیے' بڑی مدت بعد وہ بری طرح روتی رہی' مگر اپنی بدنصیبی پر نہیں۔

آج دل پر ایک عجیب ہی ڈھنگ سے ضرب پڑی تھی...... شاکرہ امی کے حمایت میں کہے جملے' ان کے پچھلے سارے رویے پر بھاری پڑے تھے۔

وہ اس کی بھی ماں تھیں۔ صرف سلمان اور آپا گل کی نہیں۔ درد بھری حیرت میں ڈوبی' وہ ان کے کہے جملوں کی بازگشت میں گھری تھی۔

اپنی بیماری' کمزوری کے باوجود وہ آج اس کی خاطر آپا گل اور سلمان کے آگے کھڑی تھیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان دونوں کے آگے' کسی کی بھی بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ مگر وہ ماں ہونے کا حق ادا کر رہی تھیں۔

جویا کا شدت سے دل چاہا کہ وہ جا کر ان کے قدموں میں سر رکھ دے۔ اب انجام کار جو بھی ہو' ماں کی طرف سے دل سے ہر ان کہا گلہ مٹا تھا۔

باہر ایک دم ہی کچھ ہلچل سی شروع ہوئی تھی۔ مگر وہ یوں ہی ساکت بیٹھی رہی' تب ہی کمرے کا دروازہ کھول کر زویا اندر آئی۔ اسے اس طرح بے بس سا زمین پر بیٹھا دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لیے بے اختیار ٹھٹکی۔

"یہاں کیوں بیٹھی ہو؟ اٹھو شاباش!" وہ اس کو سہارا دیتے ہوئے بیڈ تک لائی۔ جویا نے اپنا چہرہ دوپٹے سے خشک کیا۔

"کیا فائدہ اس طرح رونے سے؟ کچھ بدل تو نہیں جائے گا؟ اور وہ لوگ کب کسی کے آنسوؤں کی پرواہ کرنے والے ہیں۔ اب تک رو کر کچھ ملا ہے جواب......" زویا کا لہجہ تلخ ہو رہا تھا۔

"کاش! امی نے یہی سب کچھ بہت پہلے سمجھ لیا ہوتا۔ اب تو وہ نہ ان کی بات کو ویلیو دینے کے لیے تیار ہیں اور......"

"وہ لوگ آ گئے ہیں!" آپا گل نے ادھ کھلے دروازے میں سے جھانک کر اطلاع دی۔ "اپنے حلیے درست کرو دونوں...... اور زویا! تم آ کر چائے کا بندوبست شروع کرو۔ وہ لوگ بس تھوڑی سی دیر ہی رکیں گے۔"

وہ اب بالکل پرسکون تھیں۔ گویا جو کچھ وہ چاہ رہی تھیں' سب کچھ ویسا ہی ہوتے جا رہا ہے۔

جویا یوں ہی چپ چاپ ساکت بیٹھی رہی۔

"ان لوگوں کے سامنے کوئی الٹی سیدھی حرکت مت کرنا جویا! یہ میں تم سے صاف کہہ رہی ہوں۔ امی ابھی سمجھ نہیں رہی ہیں' لیکن بہت جلد وہ اس فیصلے پر بہت خوشی اور اطمینان محسوس کریں گی اور تم بھی...... سن رہی ہو نا میری بات؟"

جویا کے بے تاثر چہرے نے انہیں ہمیشہ کی طرح کوفت میں مبتلا کیا تھا' مگر وہ اتنی جلدی میں تھیں کہ مزید رک کر اپنا دل بھی نہیں جلا سکتی تھیں۔

دروازہ ہلکی سی آواز میں بند ہوا تھا۔

زویا نے رحم بھری نگاہوں سے جویا کو دیکھا۔

پتا نہیں وہ کیا سوچ رہی ہے۔

ایک دکھ بھرا اندازہ' اب بعد از وقت تھا۔

"کل یہ لوگ' ابو سے ملنے گئے تھے' سلمان بھائی اور آپا گل دونوں۔"

جویا کی حیرت بھری نگاہ اٹھی اور زویا کے چہرے پر جم گئی۔ اس طویل عرصے میں یہ پہلا اتفاق تھا۔

"فرید الدین بھی ساتھ گیا تھا۔" زویا نے اس سے نگاہ چراتے ہوئے بات کو تھوڑا سا اور آگے بڑھایا۔ "ابو نے اس رشتے کے لیے اپنی سو فیصد منظوری دے دی ہے۔"

آخری جملہ تیزی سے مکمل کر کے اس نے ایک گہری سانس لی تھی۔ خیال تھا کہ اس مکمل بربادی کی خبر پر اس کی طرف سے کچھ تو ردِ عمل ہو گا' مگر وہاں ایسا کچھ نہ تھا۔

مکمل بربادی کا قصہ کہیں پہلے ہی تمام ہو چکا تھا۔

"تم اب بھی کچھ نہیں کہو گی؟"

"کہا تو ہے امی نے' شاید وہ انہیں روک سکیں۔" جویا کی آواز نیچی اور سہمی ہوئی تھی۔

زویا نے بے ساختہ ماتھے کو چھوا "کیا تم اتنی احمق ہو جویا کہ اب بھی آنکھیں بند کیے ہی بیٹھی رہو گی' کس کا انتظار کر رہی ہو' جو تمہارے لیے کچھ کرنے کے لیے آئے گا......" کسی کا حوالہ آج بھی ناقابل برداشت تھا۔

"میں کسی کا انتظار نہیں کر رہی ہوں۔ پتا ہے تمہیں۔" اس نے بہت تیزی سے زویا کی بات کاٹی تھی۔ "لیکن یہ بھی سچ ہے کہ میں کسی سے بھی شادی نہیں کرنا چاہتی' ساری زندگی بھی نہیں۔ لیکن اگر امی کہتیں تو میں نے ان کی خاطر ہر بات کو قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔"

اس کے لہجے کا دبا دبا سا غصہ' اجنبی سا لگ رہا تھا۔ اتنے سال سے اب وہ ایک سی بے حسی کے ساتھ زندگی گزارنے کی عادی ہو چکی تھی۔

"زویا' زویا!" باہر سے زویا کے نام کی آواز پڑنی شروع ہو گئی تھی۔

اس نے الجھن بھرے انداز میں جویا کی طرف دیکھا۔

تب ہی ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر آپا گل اور دو نئی شکلوں کی خواتین اور کچھ بچے اندر چلے آئے۔ چھوٹا سا کمرہ ایک دم ہی بھر گیا۔

ہنسی' قہقہے' اشتیاق۔

سب نے اسے ایک دم گھیرا تھا' چھوٹے سے بیڈ پر جگہ بھی باقی نہیں رہی تھی' کسی نے آنا" فانا" ایک گلابی جھلملاتا دوپٹہ جویا کے سر پر ڈالا تھا اور گلاب جامن جیسے زبردستی اس کے منہ میں ڈالنے کی کوشش کی تھی۔

"ماشاء اللہ کتنی پیاری ہے۔"

"فرید بھائی تو بہت ہی خوش قسمت ہیں۔۔۔۔"
"دیر آید درست آید۔ انتظار کیا تو اس کا صلہ بھی تو انہیں مل گیا۔۔۔۔" وہ سب ایک ساتھ بول رہی تھیں۔
"مبارک ہو بہت بہت!" جویا نے آپا گل کی خوشی سے کھنکتی ہوئی آواز پر نگاہ اٹھا کر سامنے دیکھنا چاہا مگر آنسوؤں کے تسلسل نے سامنے کا منظر دھندلا دیا تھا۔

✡ ✡ ✡

یوسف کمال نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر ہاتھ کو تھاما ہوا فوٹو سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔
ان کا موبائل بج رہا تھا۔ آفس سے کسی کا فون تھا وہ فون ریسیو کرتے ہوئے اسٹڈی سے ملحقہ بالکونی میں آ کھڑے ہوئے۔
جب سے لاہور سے آئے تھے' کاروباری معاملات میں دلچسپی کم سے کم ہوتی جا رہی تھی۔ مینجمنٹ میں پرانے لوگ تھے اور ان کے سارے آفس پوری طرح سیٹل بھی تھے۔ مگر پھر بھی ساری زندگی میں یہ پہلا اتفاق تھا کہ ان کی عدم دلچسپی ہر ایک کو حیران کر رہی تھی۔
فون بند کر کے بھی وہ خاصی دیر وہیں کھڑے رہے تیزی سے گزرتا وقت مایوسی میں بھی اضافہ کر رہا تھا اور وسوسوں میں بھی۔
اس بے محابا پھیلے پر ہنگام شہر میں خیام کو ڈھونڈنا اب تک ایسا ہی تھا جیسے صحرا میں سوئی تلاش کرنا۔
مگر اب پھر سے امید بندھی تھی۔
وہ کسی کو فون ملانے لگے تھے کہ انہوں نے پیچھے سے زوبیہ کی آواز سنی۔
"ڈیڈی!" وہ واپس اندر آئے تو وہ انہیں کمرے کے وسط میں کھڑی دکھائی دی۔ "آج آپ نے ناشتہ بھی نہیں کیا اور اب لنچ کا وقت ہو رہا ہے۔ آپ اسٹڈی سے باہر ہی نہیں آئے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔"
وقت گزرنے کے ساتھ' وہ پرسکون اور خاصی بدلی بدلی سی محسوس ہوتی تھی۔ غصہ' بے چینی' تلخی' سب ہی سلمان کے ساتھ رشتے کے خاتمہ پر آہستہ آہستہ اس کی ذات سے الگ ہوئے تھے۔
"میں ٹھیک ہوں بیٹا! کچھ کام ہیں ضروری' وہی کر رہا ہوں۔" انہوں نے شفقت سے اس کے سر کو تھپتھپایا۔
زوبیہ کی زندگی میں آئی تلخیوں کے ذمہ دار کہیں نہ کہیں وہ بھی تھے۔۔۔۔ یہ ماننے میں بھی اب کوئی تامل نہیں تھا۔ ایک کامیاب ترین بزنس مین' مگر ناکام ترین ذاتی زندگی۔
"ٹھیک ہے پھر میں آپ کے لیے کچھ بھجواتی ہوں بلکہ خود ہی لے آتی ہوں!" وہ کہتے ہوئے مڑنے لگی' تب ہی اس کی نگاہ سائیڈ ٹیبل پر رکھی خیام کی فوٹو پر پڑی۔
"یہ کون ہے؟" زوبیہ نے بڑی دلچسپی سے اس کی تصویر کو دیکھا۔ "بہت خوب صورت لڑکا ہے ڈیڈی! ورنہ عام طور پر لڑکے اتنی اچھی شکلوں کے ہوتے نہیں ہیں۔ مگر یہ تو پورا ہیرو ہے۔"
وہ افسردگی سے مسکرا دیے۔
زندگی کی ساری ٹھوکروں کے باوجود زوبیہ کی جمالیاتی حس آج بھی برقرار تھی۔ خوب صورتی کو سراہنے والی فطرت اس نے سو فیصد ان سے ہی لی تھی۔
"کون ہے' بتایئے نا؟" وہ سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی اور وہ بالکل نہیں اندازہ لگا سکتے تھے کہ زوبیہ خیام کے بارے میں جان کر کیسا ری ایکٹ کرے گی' مگر اب اس سوال کو وہ ٹالنا بھی نہیں چاہتے تھے۔
"یہ خیام ہے۔۔۔۔ تمہارا چھوٹا بھائی!"

زوبیہ کے لب حیرت سے تھوڑے سے کھلے تھے اور صاف ظاہر تھا کہ یہ ایک بالکل غیر متوقع اطلاع تھی

"فیروزہ آنٹی کا بیٹا.... یہ وہی ہے کیا؟"

ماضی کے اس رشتے کے بارے میں وہ اپنی ماں سے اتنی بار سن چکی تھی کہ خود بخود صحیح نتیجے پر پہنچی۔

یوسف کمال نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔

"ممی ہمیشہ کہتی تھیں کہ آپ کی اولاد ہے ان سے' مگر مجھے کبھی یقین نہیں آتا تھا۔ اس لیے کہ مجھے لگتا تھا کہ اگر کوئی ہوتا تو وہ کبھی نہ کبھی تو سامنے بھی آتا اور پھر آپ اپنی اولاد کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں بھلا' کوئی بھی نہیں چھوڑ سکتا۔"

زوبیہ کے لہجے میں افسردگی سی تھی۔ اس نے غصے' ناراضی کے بجائے' ایک شفاف سا تجزیہ کرتے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"ہوتے ہیں کچھ بدنصیب میری طرح بھی زوبی.... میں ڈر گیا تھا' تمہاری ماں کا اور میرا خاندان' دونوں ہی اسے قبول کرنے سے انکار کر چکے تھے.... حالانکہ زرتاج کی تو میں نے بہت خوشامد کی تھی.... کہ وہ اسے رکھ لے' مگر ایک چار سال کا بچہ اتنے بڑے گھروں میں کہیں بھی ذرا سی جگہ نہیں پا سکا۔"

ایک عمر کا دکھ پہلی بار کسی اپنے کے ساتھ شیئر ہوا تھا۔ مگر وہ انہیں غلطی کا مارجن دینے کے لیے تیار نہیں تھی۔

"زرتاج آنٹی یا کسی کی بھی کوئی غلطی نہیں ہے ڈیڈی! قصوروار صرف آپ ہیں۔ وہ بچہ آپ کا تھا' ان میں سے کسی کو اس سے کیوں ہمدردی ہوگی' جب سگا باپ اس کی ذمہ داری اٹھانے کو تیار نہیں۔ نہ رکھتے آپ اسے گھر میں' کسی ہاسٹل میں بھیج دیتے۔ ذرا بڑا ہوتا ملک سے باہر پڑھنے چلا جاتا' سرپرستی تو کرتے کم از کم۔ ظلم تو آپ نے کیا تھا اور وہ بھی ناقابل تلافی۔"

"میں تمہاری ماں اور اس کے خاندان سے ہمیشہ ڈرتا رہا ہوں۔ بہت بڑا فساد اٹھانے والے لوگ ہیں یہ اور اسی وجہ سے مجھے زرتاج سے بھی نفرت ہو گئی تھی...."

ایک کمزور سی صفائی۔ جسے زوبیہ نے ذرا سی بھی اہمیت نہیں دی۔

"اب آپ کیا کرنے والے ہیں اس کے ساتھ؟"

"میں اسے واپس لانا چاہتا ہوں' مگر اس فوٹو کے علاوہ کوئی دوسرا سرا نہیں ہے میرے ہاتھ میں۔"

میری ماں' ان کا خاندان' زرتاج آنٹی' وہ سب آج بھی بالکل ویسے ہی ہیں۔"

طنزیہ انداز میں اس نے انہیں جتایا تھا' مگر انہیں ذرا بھی برا نہیں لگا۔

"میں اب کسی کی پروا نہیں کرتا۔ مجھے اسے واپس لانا ہے' کسی بھی طرح' چاہے وہ مجھ سے کتنی بھی نفرت کرتا ہو مگر میں اب اسے اتنی بڑی دنیا میں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ بہت مظلوم بچہ ہے۔"

"جس وقت وہ چار سال کا تھا' اس وقت سے زیادہ بے بسی اور کیا ہوگی۔" زوبیہ کی آواز میں نمی آنے لگی تھی' بات ادھوری چھوڑ کر وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔

ادھ کھلے دروازے سے جب تک وہ دکھائی دی' یوسف کمال اسے دیکھتے گئے۔

آج شاید پہلی بار وہ اپنے علاوہ کسی اور کے لیے دکھی ہوئی تھی۔

"خون کی کشش تھی یا پھر....؟"

کوئی دوسرا جواز فوری طور پر ذہن میں بھی نہیں آیا تھا۔ مگر یہ دکھ بھری خوشی دل پر سے تھوڑا سا بوجھ کم کر رہی

تھی۔

وہ اپنے سب سے ضروری کام کی طرف پلٹے۔

☆ ☆ ☆

معاذ گھر پر ہی تھا' جب اسے یوسف کمال کی وہ "بہت ضروری" کال ملی تھی۔

"معاذ! کسی کو ڈھونڈنے میں تمہاری مدد چاہیے۔ ایک اشتہار دلوانا ہے' گمشدگی کا۔ جہاں جہاں بہتر سمجھتے ہو چلوادو.... تم اور اسلام صاحب دونوں کا میڈیا پر خاصا اثر ہے' یہ کام جلد سے جلد ہو سکتا ہے' کہو تو میں ابھی آجاؤں تمہارے پاس۔"

بنا کسی تمہید کے وہ اصل موضوع پر آگئے تھے۔ سالار کی وساطت سے وہ اسے جتنا جان چکے تھے' انہیں پورا یقین تھا کہ معاذ ہی ان کے اس مسئلے کو حل کرنے میں سب سے زیادہ معاون ثابت ہو سکتا ہے۔

مگر اس وقت....

معاذ نے ایک نگاہ گھر پر پھیلی افراتفری پر ڈالی۔

"ابا کے آسٹریلیا والے دیرینہ دوست آج بمعہ فیملی یہاں مدعو تھے۔ رات کے کھانے پر' اور ربیعہ کے ان کے بیٹے سے رشتے کی بات باضابطہ طور پر آپس میں ہونی تھی۔ سو شام تک نمٹائے جانے کے لیے ایک لمبی کاموں کی لسٹ اس کے پاس باقی تھی۔

مختصر ترین لفظوں میں اس نے انہیں اپنی مجبوری بتائی۔

"مگر آپ ایسا کریں کہ وہ تصویر اور دیگر جو کچھ بھی آپ جانتے ہوں' ایک پیپر پر لکھ کر ڈرائیور کے ہاتھ اسکول بھجوادیں۔ میں کسی بھی وقت وہاں سے لے لوں گا۔ بالکل فکر مت کریں۔ سمجھیں' یہ کام ہو گیا...."

لوگوں کو مایوس کرنا اس نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ فون کے دوسرے سرے پر موجود یوسف کمال نے بڑا گہرا اطمینان محسوس کیا تھا۔

معاذ نے وہیں کھڑے کھڑے ایک مختصر میسج خیام کو اس بارے میں کیا اور تیزی سے اندر آیا۔

اس کا والٹ وہیں بڑے کمرے میں رہ گیا تھا۔

دادی آج اپنا کمرہ چھوڑ کر وہیں بیٹھی تھیں اور پہلے زری کی بخیر و خوبی شادی اور اب ربیعہ کے لیے خوش امیدی دونوں ہی نے ان کی صحت پر بڑا اچھا اثر ڈالا تھا۔

"تم گئے نہیں ابھی!" اسے آتا دیکھ کر وہ ایک دم ہی خوش ہو گئیں۔ "مجھے کچھ چیزیں اور یاد آگئی تھیں منگوانے کے لیے۔ ذرا لکھ لو۔"

"بتا دیجیے' میرا حافظہ ابھی کام کر رہا ہے اچھا خاصا۔" معاذ نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا تو وہ بھی مسکرا دیں۔

"اللہ لمبی عمر بمعہ صحت تندرستی دے۔"

"لمبی عمر...." محض دادی کی دل آزاری کے خیال سے وہ کچھ کہتے کہتے رکا۔

"سنا ہے کہ ابرار بھائی کی آج کل میں ضمانت ہونے والی ہے۔" امی ابھی ابھی اندر آئی تھیں اور ان کے لہجے کا دبا دبا سا جوش معاذ کے ساتھ دادی کو بھی چونکا گیا تھا۔

"اچھی خبر ہے۔ اللہ اس کی بھی پریشانیاں دور کرے۔ بہت سزا کاٹ لی ہے بے چارے نے میں تو پانچوں وقت دعا کرتی ہوں' اس کے اور اس کے بچوں کے لیے۔" شائستہ امی کے لبوں پر طنزیہ سی مسکراہٹ اتری۔

"اللہ نے شاید آپ ہی کی سنی ہے۔ ان کا اور ان کی اولاد کا بیڑہ پار ہو ہی گیا ہے' سنا ہے بڑا ہی اچھا وکیل ملا ہے انہیں' سارے کیس کو سنبھال لیا ہے۔ جب ہی تو ضمانت کی نوبت آرہی ہے۔" وہ قریب آکر صوفے پر بیٹھیں۔ معاذ ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔

"تم باپ بیٹا خوامخواہ میں ہی اتنے فکر مند تھے۔ حالانکہ ابرار بھائی تھا کہ ہمیشہ سے اپنے کام نکالنا جانتے ہیں۔ اب بھی نکل آئے سارے مسئلوں سے۔" وہ بڑی متضاد سی کیفیت میں تھیں۔

معاذ کو اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ خوش زیادہ ہیں' یا پھر خفا۔

"آپ کو اتنی جلدی کہاں سے اطلاع مل جاتی ہے لوگوں کے بارے میں۔" وہ والٹ اٹھا کر کہتے ہوئے مڑنے لگا تھا۔ تب ہی وہ کچھ برا مان گئیں۔

"میں کسی کی کھوج میں نہیں رہتی ہوں' خاندان پھیلا ہوا ہے سارے شہر میں' ظاہر ہے' ایک دوسرے سے خبر مل ہی جاتی ہے۔ اور لوگ باتیں بنانے سے کب چوکتے ہیں۔ اسی وکیل سے جویا کی شادی ہو رہی ہے۔ سارا خاندان تھو تھو کر رہا ہے کہ بیٹی کو ابرار بھائی نے چارہ بنایا ہے۔"

شائستہ بیگم کے لہجے میں ایک بار پھر دل توڑتی حقارت تھی۔

معاذ نے اپنے قدم زمین میں جمتے ہوئے محسوس کیے۔

"کس سے ہو رہی ہے جویا کی شادی؟" دادی نے گھبرا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

"کوئی فریدالدین وکیل ہے۔ اس سے ہو رہی ہے' ابرار بھائی کی ضمانت کے دو چار دن بعد۔۔۔ میں تو کہتی ہوں اچھا ہے ہو جائے۔ اس لڑکی کے مقدر میں بھی کوئی نحوست ضرور بندھی ہے۔ جو خوشی راس نہیں آتی اسے' ورنہ زری جیسی بے آسرا لڑکی بھی آج گھر بار والی۔۔۔"

وہ بے جان قدموں کے ساتھ آکر برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھا تھا۔

☆ ☆ ☆

کچھ تھا' جو زرتاج کو بری طرح چونکا رہا تھا۔

"پہیلیاں مت بجھواؤ نبیل۔ کیا ہے جو تم کو اتنا بے خوف کر رہا ہے؟" اس کی نگاہ سامنے بیٹھے نبیل پر جمی تھی۔ جو بڑے اطمینان سے صوفے پر نیم دراز ہاتھ میں ریموٹ لیے' چینل پر چینل بدل رہا تھا۔

"تمہیں پتا ہے مخالف وکیل' تمہارے پرخچے اڑانے کے لیے بے تاب ہے۔ لاکھوں روپے خرچ کیے ہیں میں نے اب تک' تمہیں اس کے سامنے آنے سے بچانے کے لیے۔ مگر اب بالکل بھی گنجائش نہیں ہے۔ اوپر سے تم نے کوئی میڈیکل سرٹیفکیٹ بنانے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہ بھی میں نے ہی۔۔۔"

ایک ہی سانس میں بولتی ہوئی زرتاج کو اچانک ہی لگا کہ وہ اس کا کہا کوئی ایک لفظ بھی نہیں سن رہا ہے۔ اس کی ساری توجہ ٹی وی پر آتے کسی آئٹم نمبر پر رقص کرتی لڑکی پر تھی۔

پوری شدت کے ساتھ اس نے دانتوں تلے اپنے نچلے لب کو دبایا تھا۔

"بھاڑ میں جائے یہ کیس' نبیل' سامنے چلتا ہوا ٹی وی اور رقص کرتی ہوئی یہ لڑکی۔"

کاش وہ ایک بالکل چھوٹے سے پل میں ان سب کو لات مار کر اس گھر سے اور اپنی زندگی سے بھی خارج کر سکتی۔

مگر زندگی میں مچے اس سارے گڑبڑ گھٹالے میں یہ ساری چیزیں اس بری طرح الجھی تھیں کہ انہیں خود سے جدا کرنا' ناممکن تر ہوا تھا۔

اس کی خوشحال مامون زندگی میں وہ کوئی منحوس ترین گھڑی تھی۔ جب وہ نبیل کے نام نہاد عشق میں مبتلا ہوئی تھی۔ اسے اپنی عقل پر حیرت ہوتی تھی اور پہلی بار اسے خود پر رحم آنے لگا تھا۔

"کیا تم نے خود کو جیل جانے کے لیے ذہنی طور پر تیار کرلیا ہے نبیل؟" وہ بمشکل خود کو کمپوز رکھ پائی تھی۔

"جیل جائیں میرے دشمن۔۔۔ میں نے کیا کیا ہے' جو میں جیل جاؤں گا۔ تم مذاق اچھا کرلیتی ہو زرتاج۔" آج وہ اس کی چبھتی ہوئی تیز نظر سے خائف تھا اور نہ ہی سرد لہجے سے۔

"تم پاگل ہو چکے ہو یا پھر مجھے پاگل کرنے کی ٹھان لی ہے تم نے۔ روزی کی خودکشی' اس کا ریپ سب تمہارے کھاتے میں۔۔۔" اس بار وہ بری طرح چلائی تھی۔

نبیل کو اپنی ساری خوش دلی ایک طرف رکھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھنا پڑا۔

"آہستہ! دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں۔ جب میں کہہ رہا ہوں کہ کچھ نہیں ہونے والا تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ پھر تم کیوں چلا چلا کر زمانے بھر کو سنانے پر تلی ہو زرتاج۔"

وہ بہت پراعتماد تھا۔ مگر اپنے اس اعتماد کی وجہ کو کسی پوشیدہ خزانے کی مانند چھپائے ہوئے تھا۔ زرتاج نے ایک گہری سانس لی۔

"مجھے بتاؤ پلیز۔۔۔ ورنہ میرے دماغ کی رگ پھٹ جائے گی۔ نبیل! بہت پریشان ہوں میں اس کیس کی وجہ سے۔ الیکشن آنے والے ہیں اگلے چھ ماہ میں۔ ابھی تک پورا چانس ہے مجھے ٹکٹ ملنے کا۔ لیکن اگر یہ کیس بگڑ گیا تو میں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔ میری ساری عمر کی نیک نامی پر پانی پھر جائے گا۔"

"نیک نامی!" نبیل نے زیرلب دہراتے ہوئے بمشکل اپنی ہنسی کو روکا اور وہ اتنی الجھی ہوئی تھی کہ اس زیرلب ہنسی کو نوٹ بھی نہ کرپائی۔

"جو کچھ بھی تمہارے ذہن میں چل رہا ہے' وہ ہمیں اور مصیبت میں نہ ڈال دے۔ ہم اس وقت اور پریشانی بڑھانا افورڈ نہیں کرسکتے۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم بے فکر رہو۔ اعتبار کرو مجھ پر۔" نبیل کا لہجہ نرم تھا۔

"سچ کہہ رہے ہو نا!"

"بالکل سچ! تم اب اس کیس کی ٹینشن ختم کرو۔ سوچو کچھ ہوا ہی نہیں ہے اور اگر ہوا ہے تو کم از کم ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

اسے زرتاج کی فکر اور اجڑی سی شکل پر رحم آ ہی گیا۔

"میں کرلوں گا ٹھیک۔ اعتبار کرو!"

"ٹھیک ہے اگر میری ضرورت ہو تو بتا دینا!"

زرتاج نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کچھ بوجھ ہلکا کیا۔ ذہنی طور پر وہ اتنی تھک چکی تھی کہ اس وقت نبیل کی یقین دہانی پر بے ساختہ ہی یقین بھی کرنے کو دل چاہا تھا۔

نبیل نے مسکرا کر اس کا سر ہلکے سے تھپتھپایا۔

"میں جا کر لیٹوں گی تھوڑی دیر' سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔" وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی تو نبیل بھی ساتھ ہی اٹھ گیا۔

"چلو میں تھوڑی دیر تمہارا سر دبا دیتا ہوں۔"

"نہیں! میں اکیلی رہنا چاہتی ہوں' ٹیبلٹ لے کر آرام کروں گی۔" وہ کہتی ہوئی کمرے کی طرف چلی گئی۔

نبیل وہیں کھڑا رہ گیا۔ زرتاج کی کوئی ایک ادا' کوئی ایک فقرہ' اوقات کوفی الفور متعین کرتا تھا۔

"ہا!" ایک گہری سانس لے کر اس نے اپنی خوش گمانیوں کو سنبھالنا چاہا۔
یہ دقت زر تاج جیسی عورت کے رویوں پر دل جلانے کا تھا بھی نہیں۔
وہ لاؤنج کی گلاس وال کے قریب آکھڑا ہوا۔
سامنے پھیلے سبزہ زار اور درختوں کے جھنڈ سے انیکسی کی سیڑھیاں' برآمدے کا کچھ حصہ اور دیواروں کھڑکیوں پر چڑھی کاسنی پھولوں کی بیلیں نظر آئی تھیں۔
یہ چھوٹا سا خوبصورت رہائشی حصہ اب راجو بدبخت کے تصرف میں تھا۔ سوچ کر بھی دل پر جیسے ہاتھ سا پڑتا تھا۔ اس کی شادی کی خبر اور دلہن کی خوبصورتی کا حال اسے لاہور میں ہی معلوم ہو گیا تھا۔
وہ راجو جسے اگر روزی کی گم شدگی کے فوراً" بعد ہی وہ دھکے دے کر نکال دیتا تو اب تک کسی خیراتی ادارے یا پاگل خانے میں اپنی زندگی کے دن گزار رہا ہوتا۔ آج کل وہ اپنی غلطیوں کا ایمان داری کے ساتھ تجزیہ کر رہا تھا اور راجو کو نظر انداز کرنا ایک بھیانک ترین غلطی تھی۔
وہ تھا جو سالار کو روزی کے کیس کی طرف متوجہ کرنے کا سبب بنا تھا۔
مگر خیر!
انسان اپنی غلطیوں سے ہی سیکھتا ہے اور وہ آج کل یہی کر رہا ہے۔
سیڑھیوں سے اترتی گیتی آرا نے گلاس وال کے قریب کھڑے نبیل کو دیکھ کر ایک لمحہ کے لیے واپس پلٹنے کا سوچا مگر پھر ہمت کر کے گزرنا چاہا۔
"اوہ!" وہ اس کی آہٹ پر چونک کر مڑا۔
"صبح ہی صبح اتنے خوبصورت چہرے دیکھنے کو ملیں تو اپنی خوش قسمتی پر رشک آتا ہے۔" اس کی نگاہ گیتی پر جم سی رہی تھی اور وہ ٹھیک اس کے سامنے آکھڑا ہوا تھا۔
نبیل کی آوارہ مزاجی اب گیتی کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی سو اس نے کترا کر گزرنا چاہا۔
مگر وہ بہت تیزی سے ایک بار پھر اس کے آگے آیا۔ اس طرح کہ گیتی بری طرح لڑکھڑائی۔
"سنبھل کر۔۔۔" نبیل نے اس کا بازو تھاما مگر دوسرے ہی لمحے گیتی نے ایک جھٹکے سے اس کے ہاتھ کی گرفت سے خود کو چھڑایا۔ "کیا بے ہودگی ہے یہ۔ ہٹیں سامنے سے۔"
اپنے طور پر اس نے پوری بہادری کا مظاہرہ کرنا چاہا تھا۔ مگر وہ بری طرح خوف زدہ ہوئی تھی۔
نبیل کی مسکراہٹ اور بھی گہری ہوئی تھی اور آنکھوں میں اتری چمک اور بھی سفاک۔
"نخرے تو ایسے دکھا رہی ہو جیسے شاہی محلے سے نہیں' کسی شاہی محل سے رخصت ہو کر آئی ہو۔ گیتی آرا بیگم۔۔۔"
اس کی آواز دھیمی اور سرد ہوئی۔
دھک۔۔۔ دھک۔۔۔
گیتی نے اپنے خوف زدہ دل کی دھڑکن کو بجا طور پر سنا۔
جس لمحے کے خوف سے وہ ہمیشہ نظر بچا کر چلی' آج آخر سامنا ہو کر رہا۔
"کیا سمجھ رہی تھیں سالار سے شادی ہو کر عزت کا تاج رکھا گیا ہے تمہارے سر پر ہمیشہ کے لیے۔ ہوں۔"
اس نے ذرا رک کر گیتی کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھ کر اپنی پہلی بڑی کامیابی پر خود کو داد دی۔
وہ اسے پہلے قدم پر خوف زدہ کرنے میں کامیاب رہا تھا۔
"چار دن۔۔۔ فقط چار دن یا پھر اس سے بھی کم وقت کا کھیل۔۔۔ سمجھ رہی ہو نا۔" اور وہ سمجھ رہی تھی۔
"جب تک تمہاری حقیقت چھپی ہے سالار کی نظروں میں چڑھی رہو۔ جس دن تمہاری حقیقت کے پوسٹر اس شہر کی سڑکوں پر لگے۔ یہ شریف زادہ دنیا کو منہ دکھانے لائق نہیں رہے گا' اسی دن لاہور کی فلائٹ میں بٹھا دے گا نہیں۔ یقین رکھو اس بات پر۔"
"میں کوئی خراب لڑکی نہیں ہوں اور سالار کبھی ایسا کچھ نہیں کریں گے۔ بیوی ہوں میں ان کی۔" اس نے اپنی زندگی میں آئے سب سے بڑے فخر کی مورل سپورٹ لی مگر وہ ہنستا چلا گیا۔
"سالار کی گھر سے غیر موجودگی میں کمرے سے نکلنا اس کی سب سے بڑی غلطی ہے آج۔" گیتی نے شدت سے خود کو الزام دیا تھا۔
"ٹھیک کہا۔ وہ واقعی ایسا کچھ نہیں کرے گا جس سے تمہیں تکلیف ہو۔ لیکن تمہاری وجہ سے وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے' جہاں سے وہ گزرے ہر ایک اس پر انگلیاں اٹھائے کہ یہ ہے سالار کی بیوی۔ منہ مانگی قیمت پر خرید کر لائی ہوئی نگینہ جان کی بیٹی۔ کون نگینہ جان۔ نچلے ترین درجے کی ڈانسر۔ ہا! بار بار بکنے والی چیزیں۔"
لہجے کی حقارت۔ نظروں کی گندگی۔
گیتی نے کسی ان دیکھی غلاظت کے چھینٹے اپنے پورے وجود پر محسوس کیے۔
ہاتھ' پاؤں' چہرہ' لباس سب چھینٹوں چھینٹ
اعصاب' زبان' قدم۔ سب شل
"کاش وہ ابھی اسی لمحے اسی پل مر سکتی!"
"کیسا لگے گا تمہیں گیتی آرا! جب سالار تمہاری وجہ سے۔۔۔"
"آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔ کچھ بھی نہیں پلیز۔" خوف اور آنسوؤں سے بھیگی آواز اتنی نیچی تھی جیسے کوئی سرگوشی۔ نبیل نے بڑی طمانیت سے اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو دیکھا۔
"میں ایسا ہی کروں گا۔ ایک ہی بار میں اس کے ساتھ ہر پچھلے حساب کو بے باق کرنے کا دوسرا موقع مجھے نہیں ملنے والا ہے اور میری جان' مال' عزت' آبرو سب سالار کے ٹھیک نشانے پر ہے' یہ ایک کھلی جنگ ہے گیتی اور عشق اور جنگ میں کچھ بھی تو ناجائز نہیں۔" وہ کہتا ہوا لاپروائی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگا تب ہی گیتی تیزی سے اس کے پیچھے آئی۔
"دیکھیں! میں آپ سے درخواست کرتی ہوں۔ ہاتھ جوڑتی ہوں۔ سالار کے ساتھ کچھ برا مت کریں۔ وہ بہت شریف انسان ہیں۔" اپنے بے تحاشا گرتے آنسوؤں کی دھند میں اسے ٹھیک سے نبیل کی مکروہ شکل دکھائی بھی نہیں دے رہی تھی مگر اس کی ہنسی کی آواز وہ سن سکتی تھی۔
"اگر میں ایسا نہیں کروں گا۔ تو پھر میں خود باقی نہیں رہوں گا گیتی آرا! تمہیں اتنی ہی اس کی پرواہ ہے تو میرے نہیں' اس کے آگے ہاتھ جوڑو کہ وہ روزی کا کیس واپس لے لے۔ اس سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں۔ خاک ڈال دے اس قصے پر۔ روزی مر کھپ گئی کب کی۔ اب ایک کم تر لاوارث لڑکی کی خاطر اتنا بڑا ڈرامہ کری ایٹ کرنے کے بجائے خود بھی سکون سے رہے مجھے بھی رہنے دے۔ کیوں میری دشمنی پر اترا ہوا ہے۔"
گیتی نے ہاتھ کی ہتھیلی سے چہرے پر آئے آنسوؤں کو خشک کیا۔
وہ اس کے جواب کا منتظر تھا اور اس بار اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں' گہری سنجیدگی تھی۔
"تم اسے راضی کر سکتی ہو اور تمہیں کرنا بھی چاہیے۔ کیونکہ اس میں صرف میری نہیں' تمہاری بھی بھلائی ہے گیتی آرا۔"

باقی آئندہ شمارے میں

عالیہ بخاری

دلاور شب

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دلدار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اُٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آ کر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بالو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گئی آرزو کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھرا سا ٹوٹ جانے کا دُکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایماندار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو وفائی کا مول میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دُعا گو ہیں۔

دوسرا گھرانہ اظہار چچا کا ہے جو ظاہری نمود و نمائش اور پیسے کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ سرکاری محکمے میں کلرک ہونے کے باوجود وہ اوپر کی کمائی سے اچھا خاصا کما چکے ہیں۔ خاندان بھر میں ان کی امارت کی دُھوم ہے۔ بچپن میں بڑے بیٹے سلمان کی نسبت ربیعہ جبکہ جویا کی بات معاذ سے طے ہوئی تھی لیکن بدلے حالات نے اس فیصلے پر خاک ڈال دی ہے۔ چچا نے سلمان کی منگنی شہر کے مقبول بزنس مین یوسف کمال کی بیٹی زوبیہ کمال سے کر دی، جس پر سب کو صدمہ ہوتا ہے۔ ربیعہ اس اقدام پر نسبتاً مطمئن ہے۔ جویا اور معاذ دل ہی دل میں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں لیکن حالات موافق نہیں ہیں۔

شام گہری ہو رہی تھی۔
اور اب یہ چھوٹا سا گھر تقریباً" خالی تھا سوائے تھوڑے بہت سامان کے۔
خیام نے آج ساری الماریاں وراز یں وغیرہ بھی چیک کرلی تھیں تاکہ کوئی کام کی چیز نہ رہ جائے اور ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی الماریاں اور کچھ اور سامان بھی اسکول کی نئی عمارت کی طرف روانہ کروا دیا تھا۔
الماریوں سے نکالی کچھ ردی میز پر رکھ کر وہ کرسی پر بیٹھا اب اس چھوٹے سے ڈھیر کو چیک کر رہا تھا۔ کہیں کوئی کام کا کاغذ ادھر ادھر نہ ہو جائے۔ معاذ کی چیزوں کے بارے میں وہ ضرورت سے زیادہ حساس اور ذمہ دار تھا۔
زندگی میں پہلی بار بڑا اطمینان اور ٹھہراؤ تھا۔ اور کیتی سے ملنے سے پہلے وہ واقعی خوش بھی تھا۔
برآمدے کو پار کرکے آتے ہواؤں کے جھونکے رات کی رانی اور بیلے کی خوشبوؤں سے بوجھل تھے۔
ایک کے بعد ایک قریب رکھا ڈسٹ بن بھرتا جا رہا تھا۔
تب ہی دروازے کی بیل ہوئی تھی۔
لڑکوں کا آنا جانا معمول کی بات تھی وہ یوں ہی پین ہاتھ میں لیے لیے دروازے تک آیا تھا۔
"جی!" اس نے سامنے کھڑے شخص کو الجھن بھرے انداز میں دیکھا۔
"مجھے کمال صاحب نے بھیجا ہے۔" اس کے چہرے پر آئی ہلکی سی مسکراہٹ اس کی خوش اخلاقی کا پتا دے رہی تھی۔ خیام یوں ہی بے تاثر سے انداز میں اس کی طرف دیکھے گیا۔
"انہوں نے یہ لفافہ دیا ہے' معاذ صاحب کو دینا ہے، بہت ضروری ہے۔"
خیام نے وہ لفافہ اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔
"بہت ضروری ہے۔ یاد سے انہیں پہنچا دیجیے گا۔" اس شخص نے ایک بار پھر کہا۔
"فکر مت کریں' معاذ بھائی تک پہنچ جائے گا۔ آپ بیٹھیں' چائے پئیں۔" خیام ہلکے سے مسکرایا۔ اپنے اندر کی ساری تکلیف چھپا کر نارمل رہنے کا گر کسی حد تک تو اس نے سیکھ ہی لیا تھا۔
"نہیں! میں چلتا ہوں۔ کچھ اور بھی کام ہیں ۔ بہت شکریہ!" وہ ہاتھ ملا کر رخصت ہوا۔ خیام اس وقت تک وہیں دروازے میں کھڑا رہا' جب تک وہ گاڑی لے کر رخصت نہ ہو گیا۔
یہ ایک شان دار گاڑی تھی' جس سے وہ کمال صاحب کی حیثیت کا بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا۔
وہاں نانی ستارہ کے محلے میں آنے والوں میں ایسی گاڑیوں کی کمی نہیں تھی اور ان گاڑیوں میں آنے والوں سے اسے ہمیشہ سخت نفرت رہی تھی۔
"اونہہ!" اس نے ہلکے سے سر کو جھٹک کر دروازہ بند کیا۔ اندر میز پر ابھی بھی ردی کاغذوں کا ڈھیر جمع تھا۔ لفافہ ادھر ادھر ہو جانے کے ڈر سے اس نے سب سے پہلے اسے اپنے بیگ میں بند کیا اور پھر واپس اپنے کام کی طرف متوجہ ہوا۔
وہ بڑی سی گاڑی ذہن میں چبھ سی رہی تھی۔
"پتا نہیں! اتنا پیسہ آتا کہاں سے ہے۔ جو سارے عیش و عشرت واجب کر دیتا ہے۔ اور یہ کمال بھی کون سا۔۔"

یوسف کمال کے لیے ایک بدترین اندازہ لگاتے لگاتے اس نے ادھورا چھوڑا۔
فخر کی بات یہ تھی کہ ہر ایک کو ہی معاذ سے کام پڑتا تھا۔ خیام کے چہرے پر پرزور سی مسکراہٹ ابھری۔ لفافے کی وصولی کا میسج' معاذ کو بھیج کر اس نے چند منٹ اس کی طرف سے کسی اور ہدایت کا انتظار کیا۔
وہ عام طور پر چھوٹی سے چھوٹی بات کا بھی جواب دیتا تھا۔ لیکن آج اس طرف خاموشی چھائی تھی۔
"شاید زیادہ ہی مصروف ہوں۔" خیام کو تو ایسا ہی لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

معاذ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھا تھا۔
فون کتنی بار بج کر خاموش ہوا۔
میسج' کالز۔۔۔ مگر سب ہی کچھ بے اثر۔
وہ سر جھکائے گہرے ہوتے سبزے کو دیکھے گیا۔
مدت ہوئی اسے سبزے' درختوں' بادلوں میں من پسند شبیہہ دیکھے ہوئے۔ اب نہ ہوا سرگوشی کرتی تھی اور نہ ہی دھوپ کا سنہراپن قدموں سے لپٹتا تھا۔ فطرت اس سے باتیں کرنا چھوڑ چکی تھی یا وہ خود۔۔؟ اندر بڑے ہال میں شائستہ امی "فردا" فردا" قریبی عزیزوں سے اس "خوش خبری" کی تصدیق کرتے کرتے مزید پرسکون ہو چکی تھیں۔
"شکر ہے' جو یہ بلا ٹلی۔ ورنہ میرے دل کو ہمیشہ اس کی طرف سے کھٹکا ہی لگا رہتا تھا کہ کہیں باہر کے باہر معاذ کو نہ لے اڑے۔ آخر کو ہے تو شاکرہ اور اظہار کی بیٹی ہی نا۔"
سامنے خاموش بیٹھی ربیعہ سے کہتے ہوئے وہ طمانیت سے مسکرائیں۔ اب یہاں صرف وہ دونوں تھیں۔ دادی بہت دیر ہوئی اپنے کمرے میں جا کر لیٹ چکی تھیں۔
آج انہوں نے رات کے کھانے کو بھی منع کر دیا تھا۔
"کوئی کچھ کہے' لیکن اظہار بھائی اور شاکرہ دونوں کے سامنے اپنا کیا ہی آیا ہے۔ اولاد' مال' عزت سب ہی کچھ تو داؤ پر لگا۔ سارے غرور کے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتا تھا۔ اب دیکھ رہی ہے ساری دنیا۔"
"خدا کے لیے امی!" ربیعہ نے بے ساختہ ہی ان کی بات کاٹی تھی۔
"اللہ سے پناہ مانگیے بس۔۔۔ گناہ گار کون نہیں ہے یہاں۔۔۔ اور پھر بے چاری جویا کا کیا قصور ہے۔ یہی نا کہ معاذ اسے پسند کرتا ہے دل و جان سے۔۔۔؟" اتنی سی بات بھی گلے میں پھنستے ہوئے آنسوؤں نے اسے پوری نہیں کرنے دی۔
شائستہ امی کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ یک دم ہی غائب ہوئی۔
"معاذ اسے نہیں پسند کرتا۔ پہلے کبھی اگر کچھ خیال تھا بھی اسے تو اب کچھ نہیں ہے۔ وہ اپنے ماں باپ اپنے گھرانے کی ذلت کرنے والوں کے ساتھ رشتہ نہیں جوڑ سکتا اور جویا کے لیے تو وہ مجھ سے وعدہ کر چکا ہے، بہت پہلے کہ وہ اس کا نام اب کبھی نہیں لے گا۔"
"جب وہ وعدہ کر رہا تھا تو کاش! آپ نے غور سے اس کا چہرہ بھی دیکھ لیا ہوتا۔ اور اگر جب نہیں دیکھا تھا تو اب دیکھ لیں۔۔۔ بیٹھا ہوا ہے وہ سیڑھیوں پر کب سے۔" ربیعہ کا لہجہ تلخ تر تھا۔

سامنے برآمدے پر کھلتی کھڑکیوں سے اگلے احاطے کی سیڑھیاں نظر آتی تھیں اور ربیعہ کی بات کی تصدیق بھی ہوتی تھی۔ انہوں نے ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی۔

"وہ جگہ ہمیشہ سے معاذ کی پسندیدہ رہی ہے۔ چھوٹا سا تھا تو تب سے وہیں بیٹھا کرتا تھا زیادہ تر۔"

"سو ثابت ہوا کہ وہ کچھ اثر لینے کو تیار نہیں۔" ربیعہ نے مایوسی سے سوچا۔

"اور تم بھی اس معاملے میں دماغ مت کھپاؤ۔۔۔ اختر بھائی کے گھر والے آرہے ہیں۔ میں جلد سے جلد تمہارے فرض سے بھی فارغ ہونا چاہتی ہوں۔ خدا کرے! سب کام بخیر و عافیت انجام پا جائے۔ اور ہاں۔۔۔!" وہ کمرے سے نکلتے ہوئے ذرا رکیں۔

"معاذ کے ساتھ زیادہ ہمدردی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ اور نہ ہی جویا کے بارے میں بات کرنے کی۔ جو کچھ ہو رہا ہے' ہونے دو۔۔۔ وقت ہر زخم کا علاج ہے۔"

تنبیہہ کرتی ایک نگاہ ربیعہ پر ڈالتے ہوئے انہوں نے بات مکمل کی اور باہر چلی گئیں۔

ربیعہ چپ چاپ چلتی ہوئی بڑے کمرے کے دروازے میں آکھڑی ہوئی۔

امی' ابا کی اسٹڈی میں داخل ہو رہی تھیں اور وہ پورے یقین سے کہہ سکتی تھی کہ وہ وہاں اسی موضوع پر بات کرنے گئی ہیں جس کے بارے میں انہوں نے ابھی خود اسے سختی سے کچھ کہنے سننے سے منع کیا ہے۔

وہ جہاں کھڑی تھی۔ وہاں سے اسے معاذ کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔ دادی کے بتائے ہوئے سامان کی لسٹ کو شاید پہلی بار اس نے پس پشت ڈالا تھا۔ وہ چند لمحے وہیں کھڑی اسے دیکھے گئی۔

امی نہ بھی منع کرتیں تب بھی وہ اس وقت معاذ کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر سکتی تھی۔

"کاش! یہ سب کچھ اس طرح نہ ہوتا۔"

ایک چھوٹے سے پل میں اس نے معاذ اور جویا کے مسکراتے ہوئے چہروں کو ساتھ ساتھ دیکھا۔

شفاف آنکھیں اور محبت کرنے والے دل۔

خود غرضی اور بے حسی کے ہاتھوں سنگ دلی سے برباد ہوئے تھے۔

"اور یہ معاذ!" اس کی پشت پر نگاہ جمائے اس نے مایوسی سے سوچا۔

"لوگوں کے لیے اتنی دردمندی سے' اتنی لگن کے ساتھ کچھ بھی کر لینے کے لیے ہمہ وقت تیار' اپنی ہمت اور بساط سے کہیں آگے بڑھ کر۔

گیراج اسکول سے زری تک' بیچ میں کتنے ہی اور سلسلے تھے۔ کیا اسے کوئی ایک دعا بھی نہیں لگی تھی؟" ربیعہ کی آنکھ کے کونے پر پانی کا قطرہ چمک رہا تھا۔

برآمدے کے دوسرے کونے پر ابا کے کمرے کا دروازہ کھل رہا تھا۔

شائستہ امی کی اتنی جلدی واپسی غیر متوقع تھی اور وہ خود بھی دوبارہ یہ تکلیف دہ باتیں سننا نہیں چاہ رہی تھی' سو انگلی کی پور سے آنسو کے قطرے کو جھٹکتی ہوئی کچن کی طرف چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

آپا گل کی ٹیکسی نیچے دروازے کے پاس آکر رکی تھی۔

فریدالدین کے لائے ہوئے پھل اور مٹھائی کو پوری کنجوسی کے ساتھ منتخب گھروں میں تقسیم کرنے میں آدھے

سے زیادہ دن نکل گیا تھا۔ ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر وہ اندر سیڑھیوں والے دروازے میں داخل ہوئیں تو سلمان اوپر کی دیوار کے ساتھ لٹکا ہوا' مالک مکان کے بیٹے کے ساتھ جھگڑ رہا تھا۔

"کوئی شوق نہیں ہے ہمیں تمہارے اس کھنڈر میں رہنے کا۔ پتا نہیں کیوں آگئے تھے یہاں رہنے کے لیے۔ تین بیڈ روم کا لگژری فلیٹ تیار ہو گیا ہے ہمارا۔ کچھ دن کی بات ہے بس۔ ہم تو اس گھر کیا' گلی میں بھی قدم نہیں رکھیں گے۔"

آپا گل کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ اتری۔ ان کے حصے کے کئی کام سلمان بخوبی کرنے لگا تھا۔

شاکرہ امی کمرے میں اکیلی تھیں۔

"اٹھ گئیں آپ! میں آئی تھی صبح دس بجے' تب تک تو آپ سو رہی تھیں۔"

"ہاں! نیند کی گولیوں کا اثر جب تک رہتا ہے' سوتی ہی رہتی ہوں۔ پتا نہیں چلتا۔"

"اچھا ہے! آرام ملتا ہے سونے سے۔۔۔ اور آپ کو تو ویسے بھی سونا چاہیے زیادہ سے زیادہ۔۔۔ جاگتی ہیں تو پھر سے ذہن پر فکریں سوار کر لیتی ہیں بے کار میں۔"

"تم کہاں سے آرہی ہو؟" آپا گل کی ہمدردی کو یکسر مسترد کر کے انہوں نے ذہن میں چبھتا ہوا سوال کیا۔

"کوئی ایک جگہ ہو تو بتاؤں۔۔۔ قریبی قریبی بھی آٹھ گھر بنتے تھے۔ جویا کی بات طے ہونے کی مٹھائی وہاں تو جانا ضروری تھی۔ ہمت کر کے دے ہی آئی۔ وہ تو شکر ہے کہ تین چار گھر ایک ہی گلی میں تھے۔۔۔ کرائے کی بچت ہو گئی۔ پھر بھی پندرہ سو پچھتر روپے خرچ ہو گئے پورے۔ دے دیجیے گا مجھے جویا سے لے کر۔" انہوں نے کارگزاری اور تقاضا ایک ساتھ کیا۔

"ہم سے کیوں؟ فریدالدین سے لیں نا۔ منگنی تو اس کی ہوئی ہے اور سب سے زیادہ خوش بھی وہ ہی ہے۔" سلمان اندر آچکا تھا اور آپا گل پر اعتراض اس کا حق بنتا تھا۔ آپا گل نے کڑی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"فریدالدین سے زیادہ تو تم خوش ہو۔۔۔ زندگی تو تمہاری بدل رہی ہے۔ یہاں سے جان چھوٹ رہی ہے تمہاری۔ بڑے سے فلیٹ میں رہو گے مزے سے۔"

"میں اس سے کہیں زیادہ مزے دیکھ چکا ہوں۔ یہ آپ کا بھائی فرید تو زوبیہ کے ڈیڈی کا پانچ پرسنٹ بھی نہیں ہے اور زوبیہ بھی بے شک اب میری بیوی نہیں ہے۔ لیکن ایمان داری سے کہتا ہوں' بڑے کھلے ہاتھ کی عورت تھی۔ جو کھاؤ پیو' خرچ کرو' کوئی اعتراض نہیں۔ یہ فرید تو بالکل ہی الگ کیس ہے۔ مطلب کے وقت تجوری کھولنے والا۔ ورنہ تالا ڈال کر' سانپ بن کر بیٹھا رہے گا عمر بھر۔۔۔" ذرا بھی متاثر ہوئے بغیر اس نے اپنے طور پر ایک دیانت دارانہ تجزیہ کیا۔

"تم میں واقعی خاصی کمینگی ہے سلمان! منہ پر تو "فرید بھائی' فرید بھائی" کہتے ہوئے زبان سوکھتی ہے تمہاری اور پیچھے۔۔۔" مارے کوفت کے ان سے بات بھی مکمل نہیں ہوئی۔

سلمان قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"اتنی ٹھوکریں کھا لینے کے بعد بھی اگر عقل نہیں پکڑتا تو پھر تو پتا نہیں کہاں ٹھکانا بننا تھا۔ اور شکر ہے کہ جویا کی جگہ تم نہیں تھیں ورنہ پہلے ہی دن کسی رفاہی ادارے کا پتا بتا دیتیں مجھے۔" آج اس پر کچھ سچ سوار تھے۔

"میں جویا کی طرح بے وقوف جو نہیں ہوں۔" اس بار وہ برا ماننے کے بجائے ہنس پڑیں۔

شاکرہ بیگم نے حسرت بھری نگاہوں سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"ہمارے گھر سے مٹھائی دیکھ کر سب کے منہ اتر گئے۔ مجال ہے، جو کوئی ایک بھی خوش ہوا ہو۔ لگے الٹے سیدھے سوال کرنے۔ کون لوگ ہیں؟ ایک دم اتنی جلدی میں کیوں ہو رہی ہے شادی کوئی وکیل ہے، جو ابرار بھائی کا کیس لڑ رہا ہے؟ قسم سے امی۔۔۔ آپ کے بہن بھائی کی ذہنیت تو سب سے گھٹیا ہے۔ ویسے برسوں ملنے نہیں آتے اور جویا کی فکر میں سب گھلے جا رہے ہیں۔"

ان کا موڈ بحال ہو چکا تھا۔ سو اب ٹرپ کی داستان کا نمبر تھا۔

"شبیر ماموں تو مٹھائی بھی نہیں لے رہے تھے۔ گیٹ پر ان کی بہو کو زبردستی پکڑائی ہے میں نے۔ وہی رٹ کہ اسلام بھائی کے لڑکے میں کیا برائی ہے۔ اب تو نوکری پر بھی لگ گیا ہے۔ دیکھا بھالا بچہ ہے۔ میں بات کر لیتا ہوں اسلام سے۔ میں تو جا کر پچھتائی۔"

شاکرہ بیگم نے اضطراب سے پہلو بدلا۔

"جل رہے ہوں گے سب۔۔۔ اور تمہیں ضرورت ہی کیا تھی جانے کی۔ بے کار میں ہی خود کو ذلیل کروایا۔ میں تو کہہ رہا ہوں کہ بتانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ فرید سے مل کر ویسے بھی لوگوں کو مایوسی ہونی ہے اور بھی باتیں بنیں گی۔" سلمان کو مٹھائی بانٹے جانے کے آئیڈیے سے ویسے بھی یکسر اختلاف تھا۔

"جب وہ اتنا برا ہے تو کیا ضرورت ہے جویا سے رشتہ کرنے کی۔ میں تو شروع سے منع کر رہی ہوں۔ آخر تم لوگ میری سنتے کیوں نہیں ہو۔" دھیما اور بے بس لہجہ۔

آپا گل اور سلمان نے ایک دوسرے کو طنزیہ نظروں سے دیکھا۔

"یہ اب ہمارا نہیں، ابو کا بھی فیصلہ ہے۔ کتنی مدت ہو گئی ہے انہیں وہاں پڑے ہوئے۔ فریدالدین ضمانت کی رقم بھر رہا ہے۔ چند دن میں آ رہے ہیں گھر وہ۔ کتنی خوشی کی بات ہے کہ گھر کی عزت بحال ہو رہی ہے۔"

"ضمانت کی رقم تو کسی سے ادھار بھی لے کر بھری جا سکتی ہے، اس کے لیے جویا کی زندگی کو داؤ پر لگانا۔۔۔"

آپا گل نے بے اختیار ہی ماتھے کو چھوا۔

"کوئی داؤ پر نہیں لگ رہی ہے جویا کی زندگی۔ سکون، عیش، آرام مل جائے گا اسے بھی۔۔۔ کتنی بار سمجھاؤں آپ کو۔۔۔ اور ادھار مانگ کر خاندان میں مزید ذلت نہیں کروا سکتے ہم اپنی۔۔۔ صاف بات ہے۔ خدا کے لیے اپنے پاگل پن پر قابو پائیں۔ اس سے تو اچھا ہے کہ نیند کی گولی کی ڈوز بڑھا دیں۔ سوتی رہا کریں بے خبر۔۔۔"

آپا گل کی آواز یک دم ہی خاصی اونچی ہوئی تھی اور ان کے ماتھے پر آیا بل اور بھی زیادہ گہرا۔

شاکرہ امی نے خوف زدہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"خود تو آپ لوگ منہ چھپا کر بیٹھے ہیں۔ مگر مجھے تو زمانے کو منہ دکھانا پڑتا ہے۔ کس کس طرح کے سوالوں کے جواب دینے پڑتے ہیں سسرال میں، رشتے داروں میں۔ میری اپنی بچیاں بڑی ہو رہی ہیں۔ ابو کا جیل جانا ہی کیا کم ہے۔ یہ جویا کے بار بار ٹوٹتے رشتے بھی ان کے لیے مصیبت کھڑی کرنے والے ہیں۔ عذاب بن گئے ہیں آپ لوگ میرے لیے۔۔۔" یک دم ہی وہ زور زور سے چیخنے لگیں۔

شاکرہ امی نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔

"جویا خوش نہیں ہے۔"

"وہ کبھی خوش رہ بھی نہیں سکتی، اگر اس معاذ کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ یہ ساری نحوست اسی کی لائی ہوئی ہے۔ اعجاز سے شادی سے انکار بہانہ بنا تھا ہماری بربادی کا۔ جب تک یہاں ہے، کچھ نہیں بننے والا۔۔۔ اور میں

صاف کہہ رہی ہوں کہ۔۔۔" یک دم ہی انہوں نے مزید خوف زدہ کرنے والا وقفہ لیا۔
سلمان اس ساری جھک جھک کے دوران فریدالدین کے لائے ہوئے پھلوں کے ٹوکرے میں سے سیب نکال کر دھونے کے لیے کمرے سے باہر نکل رہا تھا۔ وہ بھی دروازے میں ٹھٹک کر رکا تھا۔
"اب کہہ بھی دو آپا گل۔۔۔ تھرڈ کلاس فلم مسپنس تو مت پیدا کرو۔" اس کے لہجے میں اکتاہٹ سی تھی۔
"تم مذاق مت سمجھو سلمان! میں تمہاری طرح ڈھیٹ ' بے غیرت نہیں ہوں' جو بار بار کی رسوائی برداشت کر سکوں۔ اس بار اگر جویا کی شادی میں کوئی رکاوٹ آئی تو میں خود کو ختم کرلوں گی۔ آگ لگالوں گی یا زہر کھالوں گی یا جو بھی سہی۔۔۔ زمانے کے سامنے ایک اور شرمندگی نہیں اٹھاؤں گی۔ اس لیے آئندہ جو کچھ بھی کیا جائے' سوچ سمجھ کر کیا جائے۔"
شاکرہ امی کے چہرے پر اپنی نگاہ جما کر انہوں نے بات مکمل کی اور چادر اٹھا کر تیزی سے کمرے سے نکل گئیں۔
سیڑھیوں پر سے ان کے اترنے کی آواز اور پھر نیچے کا دروازہ زور سے بند کرنے کی آواز۔
شاکرہ امی کے لب ایک دوسرے کے ساتھ جڑے تھے۔ سلمان نے لاتعلقی سے کندھوں کو جنبش دی اور ہاتھ میں پکڑے اپنے سیب سنبھالتا ہوا کچن کی طرف چلا گیا۔
گھر میں ایک دم ہی سناٹا چھا گیا۔
زویا اور جویا دونوں ہی اس وقت نہیں تھیں۔

☆ ☆ ☆

دھوپ میں صبح سے ہی تیزی تھی۔
نانی ستارہ کے بڑے سے ہال نما کمرے کی باہر کی طرف کھلنے والی کھڑکیوں پر دھوپ پھیلتی ہی جارہی تھی۔
شاما نے آگے بڑھ کر نیلے ویلوٹ کے پردوں کو کھول کر پھیلایا تو ساری تپش کہیں پیچھے ہی رہ گئی۔ نیلاہٹ مائل ٹھنڈک بھرا احساس سکون آمیز تھا۔ وہ تیزی سے واپس باہر نکل گئی۔ چند لمحوں بعد واپس آئی تو ہاتھ میں شیشے کا پانی سے بھرا بڑا سا نقشین پیالہ تھا جس میں بیلے کے پھول بھرے ہوئے تھے۔ شاما نے بڑی آہستگی سے نانی ستارہ کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔ مگر اتنی احتیاط کے باوجود بھی ان کی آنکھ کھل ہی گئی۔
"آپ کی نیند خراب ہوئی۔" وہ خفت میں مبتلا ہوئی۔
"کوئی نہیں' سوئی تھوڑی تھی۔ ایسے ہی آنکھیں بند کی تھیں۔ غنودگی سی آگئی۔" وہ کہتے ہوئے اٹھ بیٹھیں۔
"یہ نگینہ اور صندل کہاں ہیں' گھر پر ہیں بھی یا نہیں؟"
"اسٹیٹ ایجنٹ آیا تھا۔" نانی کی بیڈ شیٹ کو ٹھیک کرتے ہوئے اس نے تازہ ترین اطلاع دینی شروع کی۔
"صندل اس کے ساتھ چلی گئی۔ اس سے پہلے باجی نگینہ اور صندل کا بڑا برا جھگڑا بھی ہوا تھا۔ اب باجی اپنے کمرے میں ہیں۔"
نانی نے تاسف سے سرہلایا۔ "رو رہی ہوگی غریب۔۔۔ بلاکر لا اسے۔۔۔ مگر رک!"
شاما نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔
"دل ہلکا ہوگا تو خود ہی آجائے گی' کسی کسی وقت ہر انسان کو تنہائی کی ضرورت پڑتی ہے۔ چھوڑ دے اسے بھی۔"
شاما نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔
"بے چاری باجی نگینہ۔۔۔ اللہ گیتی کو سلامت رکھے اپنے گھر۔۔۔ ورنہ تو باجی کا دامن آج بھی خالی ہے۔"

"کیا سوچ رہی ہے۔" اس کا اترا اترا چہرہ نانی کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں تھا۔
"کچھ نہیں نانی۔۔۔! پیر دبادوں آپ کے۔" وہ جلدی سے ان کی پائنتی آکر بیٹھی۔
"نہیں۔" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا۔ "ذرا میری وہ ڈائری نکال کر لا دراز سے' کالی جلد والی۔"
شاما نے خاموشی سے حکم کی تعمیل کی اور ان کے دوسرے اشارے پر کمرے سے باہر نکل گئی۔
نانی نے سائیڈ پر سے اپنا چشمہ اور بال پین اٹھا کر ڈائری سامنے کھول لی تھی۔
ڈائری برسوں پرانی تھی' کئی کاغذ پیلے پڑ چکے تھے۔
لیکن اب بھی ان کے استعمال میں تھی۔ آدھی سے زیادہ زندگی کے روپے پیسے کا حساب یہیں درج تھا۔
دور کسی زمانے کے گوشوارے جن میں کہیں خسارہ نہ تھا۔
وہ صفحات پلٹتی ہوئی آخر میں آکر رکیں۔
یہاں پچھلے کافی سالوں سے گوشوارے کی ترتیب بدلتی تھی۔ نگینہ کی جان توڑ کی جانے والی محنت کے بدلے میں ملنے والی مختصر سی رقم' اخراجات کا بڑھتا ہوا گراف اور دونوں کو کھینچ تان کر برابر لانے کی تگ ودو میں تسلسل سے بکتے ہوئے فیروزہ کے زیورات۔
دل پر سے کتنے ہی عالم گزرتے چلے گئے۔
صندل کی مختصر سی طوفانی کامیابی میں آمدنی میں آتے بڑے چیک اس کے اپنے پروٹوکول کی نذر تھے۔
وہ قسم کھا کر کہہ سکتی تھیں کہ ایک پیسہ بھی انہوں نے اس کا اپنے گھر پر نہیں لگایا تھا۔ کامیابی کا سارا جشن انہوں نے محض اپنے پاس سے کیا تھا۔
بعد میں تو نگینہ اور صندل جاکر خریدی گئی کوٹھی میں ٹھہری تھیں یہاں گھر میں مدت سے آمدنی صفر ہوئی تھی۔
سو وضع داری' اجلی پوشی کو برقرار رکھنے کی اب تک کی تگ ودو بھی لاحاصل ہی ٹھہری۔
انہوں نے مایوسی سے سوچتے ہوئے سامنے لکھی چند اور رقموں کو کاٹا۔
کسی بھی صورت میں جمع شدہ یہ رقم ٹھکانے لگ چکی تھی۔ وہ کچھ دیر فکر مندی سے سر جھکائے کچھ سوچ گئیں۔ اب تک کی زندگی عزت سے کٹی تھی۔
عروج کا زمانہ کب کا معدوم سہی' لیکن ان کے نام کا بھرم آج بھی برقرار تھا۔
آج انہوں نے شاما کو بلانے کے بجائے خود اٹھ کر اپنی الماری کا سیف کھول کر فیروزہ کے زیورات کے خالی ڈبے نکال کر چیک کیے۔
ایک کے بعد ایک۔۔۔ آخری چوڑی کو بھی بکے ہوئے دو مہینے ہو رہے تھے۔ سونے کی بڑھتی ہوئی قیمت کا ہی سہارا تھا جو اب تک کی گزر بسر ہو رہی تھی۔
"آگے اللہ مالک!" دل کی گہرائی سے انہوں نے وہ سب سے بڑا سہارا یاد کیا اور الماری بند کرکے واپس مسہری پر آبیٹھیں۔
تب ہی نگینہ اندر چلی آئی۔
"کیا ہوا اماں۔۔۔ ایسے کیوں بیٹھی ہیں۔" اس کی چھٹی حس نے اسے فوراً" ہی خبردار کیا تھا۔
"کچھ نہیں' ایسے ہی۔۔۔ گیتی یاد آرہی تھی۔۔۔ سوچ رہی تھی اسے فون کرلوں۔" خود کو سنبھالے رکھنے کی ادا ان کی فطرت کا حصہ بن چکی تھی' سو خوبی سے بات بنا گئیں۔ نگینہ جیسی گھاگ بھی ان کی چوری نہیں پکڑ سکتی تھی۔

"وہ تو ہے... جب سے گئی ہے ایک بار بھی نہیں آسکی... حالانکہ سالار بے چارے نے تھوڑی کوئی پابندی لگائی ہے، لیکن اچھا ہے وہیں رہے۔ یہاں آکر ہمارے مسئلے دیکھے گی تو واپس جاکر اس کا دل بھی نہیں لگے گا۔" نگینہ افسردگی سے مسکرائی۔

نانی ستارہ نے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ اگرچہ وہ ابھی ابھی ہلکا میک اپ کر چکی تھی، پھر بھی اس کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ خاصا رودھو چکی ہے۔

"اماں! صندل نے کوٹھی کا سودا فائنل کردیا ہے۔ اس وقت اسی کی غرض سے گئی ہے اسٹیٹ ایجنٹ کے ساتھ کوٹھی پر۔ وہیں اپنے وکیل کو بلالیا ہے۔"

نانی ستارہ سے نگاہیں چراتے ہوئے اس نے اپنے رونے کی وجہ بھی سناڈالی۔

صندل کی کوٹھی میں وہ جس چاؤ سے جاکر رہی تھی... وہ کچھ زیادہ دور کی بات نہیں تھی۔

نگینہ کی چال ڈھال، کھلکھلاہٹ سب ہی کچھ کتنا اجنبی سا تھا ان دنوں۔

نانی کو بے ساختہ ہی پہلی بار صندل کی کوٹھی میں اپنا اور گیتی شاما کا جانا یاد آیا۔

نگینہ غریب کی کیا، خود ان کا سر بھی فخر سے بلند ہوا تھا۔ گیتی آرا کو انہوں نے وہاں اس مقصد سے چھوڑا تھا کہ بالی کے ہاں بڑے لوگوں کا آنا جانا ہے۔ گیتی کا نصیب بھی کھل جائے گا۔ مگر وہ تو اپنے وقت پر کھلا اور اسی چوبارے پر کھلا۔ وہ عادتاً "کہیں سے کہیں" پہنچیں۔

"اور ستم یہ اماں کہ بے حد سستی بکی ہے اور سارے کا سارا پیسہ پتا نہیں کون سے حسابوں میں کٹ رہا ہے۔ ہمارے ہاتھ میں تو کچھ بھی نہیں آئے گا۔" نگینہ کی آگے کی روداد میں کوئی نئی بات نہیں تھی، مگر پھر بھی ہر بار سنتے ہوئے دل اور بھی زیادہ دکھتا تھا۔

"بالی بدبخت نے سمجھ لیا ہے کہ اب یہ لڑکی نہیں چلنے والی۔ اس لیے جو لگایا تھا اس سے زیادہ وصول کر رہا ہے۔ یہاں کوئی کسی کا نہیں اماں... ! ساری عمر میں نے یہ سبق بار بار پڑھا، پھر بھی کچھ عقل نہ لی۔" نگینہ کی آواز پھر سے نمی میں ڈوبی۔

"میں بالی سے بات کروں ایک بار... شاید میرا لحاظ کرلے۔" نانی نے امید کا ایک سرا تھامنا چاہا۔

مگر نگینہ نے بڑی تیزی سے ہتھیلی سے رگڑ کر اپنا چہرہ صاف کیا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے اماں... ایسا سوچیے گا بھی مت۔ اس کمینے بالی کے سامنے آپ..."

سوچ کر بھی اس کا رنگ زرد پڑا جارہا تھا۔ "بھگت لیں گے۔ پہلے بھی تو آخر زندگی گزاری ہے نا... دم ہے ابھی اس نگینہ جان میں، نہیں کرتی صندل، کچھ بھی نہ کرے... میں ہوں نا۔ آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔"

جوشِ جذبات سے نگینہ کا چہرہ سرخی مائل ہوا تھا اور آنکھوں پر لگا نیلا آئی شیڈو پھیل کر چہرے پر آرہا تھا۔

اسے خود پتا نہیں تھا کہ جو دعوہ کر رہی ہے اب اس کے لیے بھی اب اتنا آسان نہیں رہا تھا۔ نانی ستارہ کو اس پر بری طرح رحم آیا۔

"ایک بار بات کرنے میں حرج نہیں ہے نگینہ... ! بالی اور کسی کی نہ سہی، میرے نام کی ضرور عزت رکھے گا... زیادہ نہ سہی کچھ تو رعایت..." وہ اسے مشقت سے بچانا چاہتی تھیں۔ مگر نگینہ نے تیزی سے پھر سے بات کاٹنے کی گستاخی کی۔

"میں نے کہا نا نہیں..." آپ کو اس سے بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے اماں... وہ بہت گھٹیا انسان ہے۔

میں کرچکی ہوں کوشش اسے راضی کرنے کی۔ پتا ہے۔ ہاتھ تک جوڑ کر آئی ہوں اس کے آگے۔ تین گھنٹے آفس کے باہر بٹھائے رکھنے کے بعد اس نے تین منٹ بھی میری بات سننی گوارا نہیں کی... سالا پیچھے پیچھے تک نگینہ جی نگینہ جی کرکے بات کرتا تھا... باہر شوٹ پر جاتا تو صندل کے ساتھ میرے لیے بھی تحفے لاتا ہے اور اب اس طرح مجھے دھتکارا جیسے کسی ڈھیٹ بھکاری کو جو جان نہ چھوڑ رہا ہو۔ اس کے آدمی نے دھکے دے کر..."

وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رودی۔ نانی ستارہ ساکت نگاہوں سے روتی ہوئی نگینہ کو دیکھے گئیں۔

"کیا عجب تماشا ہے کہ وہ اپنے خاندان کے زوال کی اس انتہائی پستی کو بھی دیکھنے کے لیے زندہ بیٹھی ہیں۔" پانی کے چند قطرے آنکھوں پر نہیں، دل پر گرے تھے۔

ان کا ہاتھ تسلی دینے کے لیے نگینہ کی طرف بڑھا اور پھر ہارے ہوئے انداز میں واپس ہوا۔ انہوں نے اسے رونے دیا۔

شاما جب پانی لے کر آئی تب تک نگینہ نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ پانی کے دو گھونٹ پی کر حواس مزید بحال ہوئے تھے۔ شاما محبت سے اس کے پیچھے کھڑی کندھے دبا رہی تھی۔

"شاما!" نانی کسی گہری سوچ سے باہر آئی تھیں۔

"جی نانی!" وہ نگینہ کے کندھے چھوڑ کر فرماں برداری سے ان کے قریب چلی آئی۔

"گھر میں چند فالتو لائٹس جل رہی ہیں۔ سب کو بند کردے اور شام میں اس بڑے ہال میں بھی چراغاں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی ایک چھوٹا کم پاور والا بلب جلادیا کر اور رات میں وہ بھی بجھا دیا کر یا دے، بے کار کا بل بنتا ہے۔"

"جی!" وہ فرماں برداری سے کہتے ہوئے پلٹنے لگی تھی کہ انہیں کچھ اور یاد آیا۔

"اور وہ شام کا اخبار نہیں آیا کیا۔"

"شام کا اخبار!" شاما نے گڑبڑا کر ان کی طرف دیکھا۔

"وہ تو آپ نے خود آج سے بند کروایا ہے۔"

"ارے ہاں، یاد ہی نہیں رہا۔ دماغ کا بھی کیا عالم ہوگیا ہے۔ ایسا کر پھر ذرا اگلناز سے لے آ۔ اس کے ہاں بھی تو آتا ہے نا۔"

"جی!" وہ فوراً ہی باہر نکل گئی۔

"اب کیا آنا ہے اخبار میں... صندل کی کوٹھی کا تو سودا بھی ہوگیا۔"

"خیام کی گمشدگی کا اشتہار۔ پتا نہیں یوسف کمال نے کون سے اخبار میں دیا ہے... یا پھر سب میں ہی دے دیا ہو۔ اسے کون سی کمی پڑ رہی ہے۔ بیٹے کے لیے تو پیسہ پانی کی طرح بہانے کے لیے تیار ہے۔"

ان نامساعد حالات میں بھی خیام کا ذکر لہجے ہی میں انوکھی سی مسرت اتار تا تھا۔

نگینہ نے تھکی تھکی سی سانس لی۔ فیروزہ اور اس کے خاندان کی خوش نصیبی آج بھی مسلّم تھی۔

شاما اخبار لے آئی تھی اور اس میں آج بھی خیام کا اشتہار نہیں چھپا تھا۔ نانی ستارہ نے جلدی جلدی سارا ہی دیکھ ڈالا تھا۔ نگینہ نے البتہ ایک نگاہ بھی ڈالنے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی اور فرصت کے اس چھوٹے سے وقفے میں فوری آمدنی کے چند ذرائع پر غور کیا۔ مگر اب سب کچھ اتنا آسان نہیں رہا تھا۔

صندل کی فلمی پرواز اور خود اس کے یہاں سے چلے جانے کے بعد تائی ستارہ کے چوبارے پر سکوت کا ایک لمبا وقفہ چھایا رہا تھا۔ بائی کو یہاں ہونے والی محفل پر اعتراض تھا اور صندل کو سوا اعتراض۔

تب ان دونوں کی ویلیو گھٹتی تھی اور اب اس چوبارے کی۔ لوگ یہاں کا راستہ بھول چکے تھے اور صندل آج بھی ذرا سا تعاون کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔

نگینہ نے ماتھے پر آیا پسینہ صاف کیا۔

"گزارے جتنا پیسہ تو گیتی بھی بھجوا سکتی ہے۔" آخری آپشن جس پر وہ غور نہیں کرنا چاہتی تھی۔

تائی خیام کی تصویر سے مایوس ہو کر بقیہ اخبار دیکھنے لگی تھیں۔ شاما کھانے کا پوچھنے کے لیے پھر سے کمرے میں آئی تھی۔

"ماش کی دال میں نے بنائی ہے۔ فریج میں گوشت ختم ہو گیا ہے۔ پیسے دیں تو میں نیچے جا کر لے آتی ہوں۔ ورنہ صندل منہ بنائے گی کھانے پر۔"

"بس کافی ہے۔ صندل بھی یہی کھالے گی اور منہ بناتی ہے تو اپنے پاس سے کچھ منگا لے۔ ساری عمر ناز نخرے اٹھانے کا ٹھیکہ نہیں لیا ہے ہم نے اس کے۔"

نگینہ بے زاری سے کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"محلے میں سے ہو کر آتی ہوں اماں۔۔۔ دیکھوں تو سہی کیا چل رہا ہے۔۔۔ ہم لوگ تو جیسے ساری دنیا سے کٹ گئے ہیں۔"

"ہوں۔" اپنے اندر کی بے چینی کو چھپاتے ہوئے انہوں نے محض سر ہلایا۔

نگینہ بے آواز قدموں سے چلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

تائی ستارہ نے اضطراب سے پہلو بدلا۔

"سو کیا اب گھرانے کا چلن بھی بدلنے کو ہے؟"

ایک بڑا سا سوالیہ نشان درد بھرے انداز میں جواب طلب تھا۔

سیف میں پڑے فیروزہ کے زیورات کے خالی ڈبے۔ صندل کی بیچی گئی کوٹھی۔ محلہ، ماش کی دال سب ہی کچھ تیزی سے آپس میں گڈمڈ ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

سالار نے فکر مندی سے گیتی کی طرف دیکھا۔

"ہوا کیا ہے تم مجھے بتاتی کیوں نہیں ہو گیتی! کچھ تو ہے، جو تم مجھ سے چھپا رہی ہو آنا۔"

اس کی نگاہ گیتی کے پانی سے بھیگے چہرے پر تھی۔

کتنی ہی دیر سے وہ واش روم میں تھی۔ ہاتھ، منہ، حتی کہ لباس بھی بے تحاشا پانی بہا لینے سے خاصا گیلا ہو چکا تھا۔ محض دو، تین دن میں یہ ایک بڑی تبدیلی اس کی شخصیت میں آئی تھی۔

ایک آدھ بار تو اسے اتنا پانی بہاتے دیکھ کر وہ یوں ہی نظر انداز کر گیا، مگر یہ سلسلہ دراز ہی ہوتا جا رہا تھا۔ اوپر سے اس کی گم صم کیفیت۔

"بتاؤ شاباش، مجھ سے نہیں کہو گی تو کس سے کہو گی ہاں۔" اسے خوف زدہ نگاہوں سے اپنی طرف دیکھتے ہوئے سالار کو در حقیقت دکھ ہوا تھا۔

بے تحاشا مصروفیت، اس مسئلے نپٹاتے ہوئے شاید وہ اس سے دور ہوتا جا رہا تھا۔

گیتی نے اپنے کندھوں پر اس کے دباؤ کو محسوس کرتے ہوئے ایک سکون بھری سانس لی۔

"کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔ آپ یقین کریں اور میں کیوں چھپاؤں گی آپ سے کچھ۔"

نگاہ چرا کر وہ جو یقین دلانا چاہ رہی تھی۔ سالار کے لیے ایک فیصد بھی قابل قبول نہیں تھا۔

"تمہیں پتا ہے، تم جھوٹ نہیں بول سکتیں گیتی! نہ چھوٹا، نہ بڑا، تمہارا چہرہ، تمہاری آنکھیں اس کا ساتھ نہیں دیتیں۔ اس لیے ایسی کوشش بھی مت کیا کرو۔" وہ ہلکے سے مسکرایا۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہی ہوں سالار! شاید میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"کسی خوش خبری کی تمہید تو نہیں ہے۔"

"نہیں بھئی۔" وہ بری طرح جھینپی تھی۔ "آپ ایک بات کا پیچھا کیوں پکڑ لیتے ہیں۔ کہہ تو رہی ہوں کچھ نہیں ہے۔ یوں ہی وہم ہو رہا ہے آپ کو۔" وہ خود کو سالار کی گرفت سے چھڑا کر مڑ کر چہرہ اور ہاتھ خشک کرنے لگی۔

لیکن وہ بالکل بھی مطمئن نہیں ہوا تھا۔

"ٹھیک ہے مت بتاؤ، میں خود ہی پتا کر لوں گا۔ لیکن مہربانی کر کے خود کو تکلیف مت دو۔ یہ میرے لیے بہت ناقابل برداشت ہے گیتی کہ میرے ہوتے ہوئے تم کسی بات کے لیے فکر مند ہو۔ ہاں میرے بعد جتنا دل چاہے۔۔۔"

"خدا کے لیے سالار۔۔۔" وہ تیزی سے اس کی طرف مڑی تھی اور اس کی آنکھوں میں آتے آنسو سالار کو بات ادھوری چھوڑنے پر مجبور کر رہے تھے۔

"اچھا یار! کچھ نہیں کہہ رہا میں۔" خود سے اسے لگاتے ہوئے وہ محبت سے تسلی دے گیا۔

گیتی نے بمشکل ہی خود کو کمپوز کیا۔

"میں اب چلتا ہوں۔ آفس میں بھی ایک ضروری میٹنگ رکھی ہے۔ معاذ سے بھی ملنا ہے اور وکیل صاحب کے ساتھ بھی اپائنمنٹ ہے۔ روزی کے کیس کے سلسلے میں۔"

"روزی کا کیس۔" گیتی کا سارا حوصلہ پھر سے ختم ہونے لگا۔ سالار اس کی طرف سے پشت کیے سائیڈ ٹیبل پر پڑے کچھ کاغذات دیکھ رہا تھا۔

"سالار!"

"ہوں۔"

گیتی نے ایک بار پھر اپنا سارا حوصلہ جمع کیا۔ "ایسا نہیں ہو سکتا کہ یہ بے کار کے مقدمے ختم ہی کر دیں۔ راجو بھائی کی شادی بھی ہو چکی ہے اب تو۔۔۔ وہ خوش ہیں زری کے ساتھ۔۔۔ تو پھر کیا ضروری ہے۔"

"بے کار کے مقدمے۔۔۔" وہ بری طرح چونکا تھا۔ "زری کا خون ناحق کیا اس طرح بے رحمی سے نظر انداز کرنے کے قابل ہے گیتی! راجو کی زندگی کو تو آگے بڑھنا ہی تھا۔ مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ روزی کے ساتھ کی جانے والی درندگی قابل معافی ہو گئی اب؟ ہرگز بھی نہیں، یہ معاملہ اب انجام پر پہنچنے ہی والا ہے۔ ختم ہوئے سب ہتھکنڈے زرتاج اور نبیل کے۔" اس کے لہجے میں، الفاظ میں ذرا بھی رعایت نہیں تھی۔

وہ صرف بے بسی سے اسے دیکھے گئی۔

"میں چلتا ہوں اور تم آرام کرو بس، چاہو تو زری کو بلا لینا، لیکن خود کمرے سے نکلنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اتنے سارے کام نہ ہوتے تو میں تمہیں کبھی بھی چھوڑ کر نہیں جاتا۔ مگر مجبوری ہے۔"

اس کے گال محبت سے تھپتھپا کر وہ اپنی ضروری چیزیں اٹھا رہا تھا۔ گیتی کی بالکل بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے کس طرح احساس دلائے کہ اس کیس کا ختم کیا جانا خود اس کی زندگی کے اس سب سے بڑے خوف کا خاتمہ

ٹھہرے گا۔ جس سے محض چند دن میں اس کے اعصاب بری طرح ٹوٹ چکے ہیں۔

"دروازہ بند کرلو اندر سے اور کچھ کھا ضرور لینا۔ میں نیچے کہتا ہوا جاؤں گا۔ اوپر ہی آجائے گا تمہارے لیے۔"

دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے مڑ کر پھر اس کی طرف دیکھا۔

"ایک منٹ!" سر پر دوپٹا ڈھک کر وہ زیر لب آیۃ الکرسی پڑھتے ہوئے اس کے قریب آئی۔

سالار محبت سے اسے دیکھے گیا۔

"اللہ کی امان میں!" حصار کر کے گیتی نے دھیرے سے کہا۔

"اور تمہیں بھی اسی اللہ کی امان میں چھوڑ کر جاتا ہوں۔ ورنہ زرتاج اور نبیل جیسے لوگوں کی گھر میں موجودگی مجھے تمہاری طرف سے ایک منٹ کے لیے بھی بے فکر نہیں ہونے دیتی ہے۔" گیتی نے اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہ بہت سنجیدہ تھا اور فکر مند بھی۔ "بس کچھ دنوں کی بات ہے۔ پھر ان میں سے کوئی بھی یہاں نظر نہیں آئے گا۔ ان شاءاللہ۔ تب یہ گھر مکمل طور پر تمہارا ہی ہوگا۔"

ہلکے سے مسکرا کر اس نے بات مکمل کی۔

"اللہ حافظ!" گیتی سے رخصت ہو کر وہ تیزی سے سیڑھیاں اترتا چلا گیا۔ اوپر شیشے کی بڑی سی دیوار کے اس پار نیچے لان، پورچ اور مرکزی گیٹ نظر آتا تھا۔ جب تک وہ اپنی گاڑی لے کر گیٹ سے باہر نہیں نکلا، گیتی اسے وہیں کھڑی دیکھے گئی۔

نیچے سیڑھیوں پر آہٹ سی ہو رہی تھی۔

اس نے چونک کر فوری طور پر کمرا بند کیا۔

قدموں کی نزدیک آتی چاپ ٹھیک اس کے کمرے پر ہی آکر رکی تھی۔

گیتی کا دل بری طرح دھڑکنا شروع ہوا تھا۔

پچھلے چند دنوں میں ایک لمحے کے بھی سامنے میں، وہ اسے متنبہ کرنا نہیں بھولا تھا۔ ایک خاموش نگاہ کی دہشت، بہت سارے دھمکی آمیز الفاظ سے کہیں زیادہ تھی۔ گزشتہ کل سے وہ مکمل طور پر اپنے کمرے میں بند تھی۔ چوہے بلی کے اس کھیل میں بڑا گہرا سہم طاری تھا۔

دروازے پر ہلکے ہلکے دستک ہو رہی تھی۔

خوف زدہ نگاہوں سے دروازے کو دیکھتی ہوئی وہ بیڈ پر جا بیٹھی تھی۔ گود میں رکھے تکیے میں منہ چھپائے، وہ اپنے دل کی دھڑکن کو سن رہی تھی۔

"کیا اسے فون کر کے سالار کو واپس بلا لینا چاہیے۔ ابھی وہ زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔" اس کا ہاتھ بے ساختہ فون کی طرف بڑھا۔ "مگر نہیں۔۔۔ کیا کہے گی وہ اس سے؟"

نبیل کے کہے غلاظت بھرے الفاظ، نگاہیں اور اس مکروہ ہاتھ کا لمس۔

پورا وجود جیسے گندگی سے چھینٹوں چھینٹ، اس نے ہاتھ سے رگڑ کر ان دیکھی غلاظت کو خود پر سے اتارنا چاہا، مگر ناکام۔

دروازے پر ہونے والی دستک اس بار بلند تھی۔

"باجی! کمرے کی صفائی کرنی ہے۔" باہر سے ملازمہ کی آواز اندر آئی۔

گیتی نے ایک گہری سانس لی۔ "آج صفائی نہیں کروانی مجھے تم جاؤ۔"

قدموں کی چاپ دور ہوتی چلی گئی۔

شاہی محلے کی بار بار بکنے والی چیز، نگینہ جان جیسی تھرڈ کلاس ڈانسر کی بیٹی۔۔۔

وہ پھر واش روم میں آئی تھی۔ خود پر بہت سارا پانی ڈالنے لیے۔

☼ ☼ ☼

اسلام صاحب نے فکر مندی سے معاذ کے کمرے کی طرف دیکھا۔

"کیا وہ آج بھی آفس نہیں جا رہا ہے؟"

"ہاں کہہ رہا تھا کہ چند دن کی چھٹی لی ہوئی ہے۔ کچھ ضروری کام ہیں۔"

"اور وہ کام کمرے میں بیٹھے بیٹھے ہو رہا ہے۔ کہیں نکل کر جاتا تو وہ مجھے دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ میرے پاس بھی وہ کھڑے کھڑے ایک آدھ بار ہی آیا ہے۔"

انہیں شائستہ کے لہجے کا اطمینان برا لگا تھا۔

"کچھ تو عقل سے کام لو شائستہ! ماں ہو تم اس کی۔ بغیر کہے جاننا چاہیے تمہیں اس کو۔ جا کر بیٹھو اس کے پاس، بات کرو اس سے۔ آخر وہ خود کو کیوں تنہائی کی نذر کیے دے رہا ہے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا۔ مجھے معاذ سے محبت نہیں؟ جان بوجھ کر لاپروائی برت رہی ہوں اس سے؟"

"پھر وہی لاحاصل بحث۔" بے زاری سے ہاتھ ہلاتے ہوئے کوریڈور سے مڑنے لگے تھے۔ جب ہی وہ ان کے پیچھے آئیں۔

"آخر آپ کیا جتانا چاہتے ہیں مجھے؟ معاذ کی حالت کی ذمہ دار میں ہوں، کیونکہ میں نے اس کی شادی جویا سے نہیں ہونے دی۔ مجبور کر دیا معاذ کو کہ وہ اس کا نام نہ لے؟"

کوریڈور سے گزرتے ہوئے وہ دونوں ٹھیک دادی کے کمرے کے سامنے جا کھڑے ہوئے تھے۔

"ہاں یہی ہے۔" اسلام صاحب نے پورے یقین کے ساتھ ان کی بات کی تصدیق کی۔

شائستہ کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ ابھری۔ "لیکن آپ بھول رہے ہیں کہ رشتے سے انکار میری طرف سے نہیں۔ ان کی طرف سے ہوا تھا اور وہ بھی انتہائی ذلت کے ساتھ۔ کیا آپ کو ربیعہ کا ٹھکرایا جانا بھی یاد نہیں رہا اور وہ سب باتیں جو شاکرہ اور اظہار نے سارے خاندان میں بیٹھ کر ہمارے گھرانے اور خاص طور پر معاذ کے لیے کی تھیں۔ ہماری سفید پوشی کو بار بار ذلیل کیا۔ ایک وقت تھا کہ شاکرہ میرا نام لینا گوارا نہیں کرتی تھی۔ درزن کے نام سے یاد کرتی تھی۔" ان کی آواز قدرے اونچی ہو گئی۔

سامنے کمرے کے دروازے پہ کھڑی دادی اور ربیعہ دونوں ہی نے دکھ بھری نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"اور یہ معاذ جس پر آپ اور اماں نے ہمیشہ بہت فخر کیا۔ ان لوگوں کے نزدیک اول درجے کا بد کردار اور ناکارہ لڑکا تھا۔ جوان کی بیٹی پر اس لیے ڈورے ڈال رہا تھا تاکہ ان کے گھر سے بہت سارا جہیز حاصل کر سکے۔ وہ ہم جیسے فقیروں کے گھر سے نہ لڑکی لیں گے، نہ لڑکی دیں گے۔ یہ بات کئی بار دہرائی گئی۔"

وہ بے حد جذباتی ہو رہی تھیں۔ ربیعہ جلدی سے پانی لینے چلی گئی۔

اور کہیں تو وہ پوری طرح حق بجانب بھی تھیں۔ اسلام صاحب نے نرمی سے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"جانے دو، پرانی باتوں کا کیا ذکر، جتنا ان باتوں کو یاد کرو گی، اتنی ہی تکلیف ہوتی رہے گی۔ معاف کر دو یا پھر بھول تو جاؤ کم از کم۔"

"میں نہیں کر سکتی اور نہ ہی کرنا چاہوں گی۔"

ربیعہ کے لائے ہوئے پانی کے گلاس نے انہیں پرسکون کیا تھا۔

"اور میں نے اپنے بیٹے کو محض ساری عمر کی ذلت سے بچایا ہے۔ اگر جویا کو لے آتی تو ساری زندگی کا عذاب

معاذ کے سر پر مسلط ہو جاتا۔"

ان کے لہجے میں وہی ٹھونک بجا لاتی کیفیت تھی جو جویا کے بارے میں آخری فیصلے کی آخری دلیل بنتی تھی۔

اسلام صاحب نے افسردگی سے ان کی طرف دیکھا۔

"میں تمہارا بہت احترام کرتا ہوں شائستہ! مگر کاش تم اپنا دل تھوڑا سا بڑا کر لیتیں تو شاید بہت ساری بہتری ممکن ہوتی۔"

"امی! ابو!" پیچھے سے آئی معاذ کی آواز پر ان دونوں نے ایک ساتھ مڑ کر دیکھا، وہ کہیں جانے کے لیے تیار تھا۔

پتا نہیں اس نے یہاں کھڑے ہو کر کی جانے والی ساری۔۔۔ دل دکھانے والی باتیں سنی بھی یا نہیں۔

"میں ذرا جا رہا ہوں۔ واپسی دیر میں ہو گی۔ آپ کو تو کوئی کام نہیں ہے ابا!"

وہ ان کی طرف مڑا۔

اس کی براؤن مہربان آنکھوں میں بڑی گہری اداسی تھی۔ "ایسے کیا دیکھ رہے ہیں!" وہ ہلکے سے مسکرایا۔

"کچھ نہیں بیٹا!" وہ بمشکل ہی خود پر قابو پا سکے۔ "کہاں جا رہے ہو؟"

"سالار سے ملنا ہے۔ ان کے کل دو فون بھی آئے مگر میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔"

"کوئی خاص کام!"

"سب ہی کام خاص ہیں ابا!" وہ ایک بار پھر مسکرایا، شاید ان سب کو مطمئن کرنے کے لیے۔ "کل سالار کے کیس کے دلائل ختم ہو رہے ہیں پرسوں اسکول کا افتتاح اور اس کے دو دن بعد۔۔۔" ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے ربیعہ کی طرف دیکھا۔ "ربیعہ کے سسرال والوں کی آمد۔"

وہ اس کے لیے اتنی پریشان تھی کہ سسرال کے ذکر پر بھی شرما بھی نہ سکی۔

"خدا کرے کہ سب کچھ خیریت سے ہو جائے۔"

"ان شاء اللہ ہو جائے گا، دعا کرتے رہیں۔" ایک دھیمی سی مسکراہٹ اب مستقل ہی اس کے چہرے پر تھی۔

"میں ذرا دادی سے مل لوں۔" وہ تیز قدم اٹھاتا ہوا دادی کے کمرے میں چلا گیا۔

وہ تینوں وہیں ایک بوجھل سی خاموشی میں گھرے کھڑے رہے۔

"ربیعہ! بھائی کے لیے ناشتہ بنالاؤ جا کر جلدی سے۔" شائستہ امی ہی تھیں جو ماحول کو نارمل رکھنے کی کوشش بہرحال کرتی رہتی تھیں۔

"پہلے اس سے پوچھ تو لو کہ وہ کچھ کھائے گا بھی یا نہیں۔" اسلام صاحب کہتے ہوئے برآمدے کی سیڑھیوں پر جا کھڑے ہوئے۔ دل پر پڑا بوجھ روز بروز بڑھ رہا تھا۔ ایک بند گلی جس میں آگے کو راہ نہیں اور مڑنے کی چاہ نہیں!

ان کے خیال کے عین مطابق معاذ ناشتے کی معذورت کر کے باہر آ چکا تھا۔

"آج اگر فرصت ہو تو شام میں آپ بھی چکر لگا لیجیے گا۔ نئے اسکول کا۔ خیام بے چارے نے بڑی محنت کی ہے لڑکوں کے ساتھ مل کر۔ بہت ہی ٹیلنٹڈ ہے ماشاء اللہ۔"

"وہ حیرت انگیز ہے۔ مگر پراسرار بھی۔ کچھ ہے جو اسے ایک فاصلہ بنائے رکھنے پر مجبور رکھتا ہے۔ میں فکر مند ہوں اس کے لیے بھی۔"

ان کا "بھی" معنی خیز تھا۔

معاذ نگاہ چرا کر سیڑھیاں اترا تھا۔

"شام تک میں بھی ان شاء اللہ فارغ ہو جاؤں گا تو آپ کو خود لے چلوں گا۔"

اس کے موبائل کی بیل بج رہی تھی۔

اسکرین پر آیا نام فوراً" ہی ایک ضروری کام یاد دلا رہا تھا جیسے وہ یکسر بھلائے ہوئے تھا۔

"سو ثابت ہوا کہ اس بار غم کی شدت کچھ اور سوا تھی!" وہ یوسف کمال سے زیادہ خود اپنے آپ سے شرمندہ ہوا۔

"بہت معذرت چاہتا ہوں کمال صاحب' آپ کے ایک چھوٹے سے کام کو کرنے میں بھی میری طرف سے تاخیر ہوئی' آج میں ان شاء اللہ کرتا ہوں' ویری سوری اگین۔"

"کوئی بات نہیں بیٹا! اور یہ کام تو ایک مدت سے ٹلا ہوا ہے۔ صرف میری اپنی کوتاہی کی وجہ سے۔ تم نے تو صرف دو تین دن ہی کی تاخیر کی۔ کیا پتا اللہ کی اس میں بھی مصلحت ہو۔" دوسری طرف سے وہ بہت صبر سے کہہ رہے تھے۔

معاذ نے فون آف کیا۔

ابا اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

مختصراً" یہ چھوٹا سا کام گوش گزار کر کے اس نے بائیک اسٹارٹ کی اور خدا حافظ کہتا ہوا گیٹ سے نکلتا چلا گیا۔

سالار کے پاس جانے سے پہلے اس کا رخ پرانے اسکول کی طرف تھا۔ خیام سے یوسف کمال کا بھیجا ہوا لفافہ لینا تھا پھر اخبار کے آفس اور پھر سالار کے پاس۔

بائیک کی رفتار تیز کرتے ہوئے اس نے پروگرام کی ترتیب کو بدلا۔

خیام اپنے پرانے اسکول کے گیٹ کو تالا لگا رہا تھا جب اس نے معاذ کو آتے دیکھا۔

"معاذ بھائی! اس وقت؟"

یہ بڑا بے وقت ٹرپ تھا' عموماً" وہ سہ پہر یا شام تک ہی یہاں آتا تھا۔

تالا واپس نکال کر وہ وہیں کھڑا رہا۔

"خیریت معاذ بھائی! طبیعت کیسی ہے اب؟"

پچھلے تین دنوں میں اس کی مکمل بے عملی کی خبر اسے بھی تھی۔

"ٹھیک ہوں میں خیام! وہ کمال صاحب کا لفافہ ہے نا تمہارے پاس!" وہ جلدی میں تھا۔

"میں نے بیگ میں رکھ دیا تھا۔ ٹھہریے' دیتا ہوں میں آپ کو!" وہ معاذ کے ساتھ ہی اندر آیا۔

سامان سے خالی کمرے برآمدے اب سونے پن کا احساس دلا رہے تھے جتنی دیر میں خیام نے اپنا بیگ کھول کر وہ لفافہ نکالا' معاذ نے سالار کو تھوڑی دیر تک آنے کا میسج کیا تھا۔

"میں تو بھول ہی گیا تھا ورنہ آپ کو وہیں گھر پر پہنچا دیتا۔" وہ اسے لفافہ تھماتے ہوئے شرمندہ سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ معاذ ہلکے سے مسکرا دیا۔

"آپ کی طبیعت پوچھنے بھی نہیں آسکا۔ ابا کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں۔ یاد کر رہے تھے تمہیں۔" معاذ نے لفافے پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔

"اسکول کی اوپننگ ہو جائے پھر اطمینان سے کسی دن ان کے پاس آؤں گا۔ مجھے ان سے کچھ ضروری بات بھی کرنی ہے۔"

"کوئی خاص بات۔" معاذ لفافہ کھولتے کھولتے ذرا رکا۔

"شاید۔۔۔ یا پتا نہیں۔" وہ تھوڑا سا کنفیوژ تھا۔ "چائے پئیں گے؟" اس نے دانستہ بات بدلی۔

"چائے کا سامان ہے یہاں ابھی؟"

"بس آج جانے والا ہے' آج رات میں بھی وہیں چلا جاؤں گا۔ بہت اچھی سیٹنگ ہوئی ہے ساری۔۔۔ آپ دیکھیں گے تو خوش ہو جائیں گے۔"

وہ کچن میں چائے کا پانی رکھتے ہوئے بڑی خوشی سے بتا رہا تھا۔

معاذ کے چہرے پر پھر سے مسکراہٹ آئی۔

"میں تو بغیر دیکھے ہی بتا سکتا ہوں کہ تم نے زبردست کام۔۔۔" الفاظ بیچ میں ہی دفعتاً" گم ہوئے تھے۔ یوں ہی سرسری سے انداز میں کھولے گئے لفافے میں سے جھانکتی خیام کی تصویر!

اس نے بے اختیار ہی آنکھیں جھپکائیں۔

"شاید وہ غلطی سے کوئی غلط لفافہ دے گیا ہے۔" معاذ خیام کو آواز دینے ہی لگا تھا کہ تصویر کے ساتھ لگائی گئی تفصیلات پر نگاہ جمی۔

خیام ولد یوسف کمال

رنگ گورا

بالوں کا رنگ۔ سنہری مائل براؤن

آنکھوں کا رنگ۔۔۔

مدت سے لاپتہ ہے۔۔۔

جن صاحب کو اس کے بارے میں پتا ہو مہربانی فرما کر۔۔۔"

ایک بڑے انعام کا لالچ بھی ساتھ بندھا تھا۔

وہ شاید زندگی میں کبھی بھی اتنا حیران نہیں ہوا تھا۔

خیام سامنے کچن میں نظر آ رہا تھا۔

معاذ کی نگاہ بار بار ہاتھ میں تھامی تصویر اور کچن میں کھڑے خیام پر جمی۔

شک کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

"یہ وہی تھا!" جس کی اولین شرط یہ تھی کہ کوئی اس کے بھید کو جاننے کی کوشش نہ کرے۔

یوسف کمال کا بیٹا!

"کیسی ناقابل یقین بات!" اسے بے ساختہ وہ شام یاد آئی جب ساجد پہلی بار اسے لے کر یہاں آیا تھا۔ ایک ایسا لڑکا جس کے پاس رہنے کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا مگر اپنی ساری خستہ حالی کے باوجود اس کا بے نیازی بھرا انداز' ٹھٹکنے پر مجبور کرتا تھا۔

مگر یہ تصویر کسی اچھے دنوں کی تھی' چند سال پرانی ضرور تھی مگر خیام کا لباس اور انداز دونوں ہی سے اس کی خوشحالی کا اظہار ہو رہا تھا۔

سو اگر وہ کمال صاحب کے پاس نہیں تھا تو پھر۔۔۔؟

معاذ کا ذہن اس معمے کو سلجھانے میں ناکام ہوا جا رہا تھا۔ یوسف کمال کو وہ بہت زیادہ نہیں جانتا تھا اور جانتا تو وہ خیام کو بھی نہیں ہے! یہ بھی سچ ہے۔

"اسکول کا کمپاؤنڈ بڑا ہے' بہت آرام سے افتتاحی تقریب ہو جائے گی۔" بھاپ اڑاتے چائے کے کپ ہاتھ میں لیے وہ کچن سے نکلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

معاذ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور تیزی سے وہ تصویر والا لفافہ اپنی جیب میں منتقل کیا۔ وہ اب ایک منٹ بھی یہاں نہیں رکنا چاہ رہا تھا۔ مگر خیام کی بنائی ہوئی چائے کو رد کرنا بھی اچھا نہیں لگا۔

"بہت گرم ہے معاذ بھائی!"
وہ اسے جلدی جلدی گھونٹ بھرتے دیکھ کر کہہ رہا تھا۔
"کوئی بات نہیں، مجھے ذرا جلدی ہے خیام!"
"آج کل آپ نے گاڑی چلانا بالکل ہی چھوڑ دی ہے۔ ہر وقت بائیک پر ہی ہوتے ہیں!"
"گاڑی!" اس نے چونک کر خیام کی طرف دیکھا وہ پہلے بھی چند بار سخت گرمی میں اسے بائیک پر آتا دیکھ کر یہ سوال پوچھ چکا تھا۔
"بس ایسے ہی!" وہ افسردگی سے مسکرا دیا۔
ان دھوپ بھری لمبی لمبی گلیوں کی تمازت، جنہیں جویا کب سے سہ رہی تھی خود اسے بھی بہت سی آسائیوں سے الگ رہنے پر مجبور کرتی تھی۔
"چلتا ہوں!" معاذ اٹھ کر کھڑا ہوا۔
"وہ لفافہ!" خیام نے نگاہ دوڑائی۔
"میں نے رکھ لیا ہے۔"
"تھا کیا اس میں معاذ بھائی! بہت تاکید کی تھی ان کے ڈرائیور نے۔" معاذ کے ساتھ گیٹ کی طرف آتے ہوئے اس نے پہلی بار اس لفافے میں تھوڑی سی دلچسپی ظاہر کی۔
معاذ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
"کچھ نہیں ایسے ہی چند کاغذات تھے پراپرٹی وغیرہ کے تھوڑا سا کام ہے کمال صاحب کا۔ تمہیں بھی میری وجہ سے دیر ہوئی بے کار میں۔"
وہ اس موضوع پر ایک لفظ بھی خیام کے سامنے نہیں کہنا چاہتا تھا۔ مگر خیام...
"بہت پیسے والے آدمی ہیں... گاڑی سے ہی لگ رہا تھا کیا کرتے ہوں گے یہ لوگ اتنا سارا پیسہ جمع کر کے معاذ بھائی... ظاہر ہے کوئی مسئلہ کوئی پریشانی تو رہتی نہیں ہوگی جس کا حل تلاش کرنا ہو۔"
بائیک اسٹارٹ کرتے ہوئے معاذ نے بہت سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔ "پیسہ ہمیشہ ہی آسانیوں کی دلیل نہیں بنتا ہے خیام اور نہ ہی ہر پیسے والا شخص خوش قسمت ہی ہوتا ہے۔ یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا۔"
"جی!" اس نے ہلکے سے سر ہلایا "اور نہ ہی گھر میں آیا ہر پیسہ ہی قابل رشک ہوتا ہے!"
"گڈ!" معاذ نے تعریفی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔
"اس ویک اینڈ تک یہ ساری مصروفیات نمٹا کر آرام سے ابا کے ساتھ بیٹھیں گے۔ بہت دن ہو گئے ہیں کوئی بھی گپ شپ کیے ہوئے۔"
خیام بے ساختہ ہی مسکرا دیا۔
"اسکول کے افتتاح کے بعد بھی کوئی بڑی مصروفیت ہے کیا خیام بھائی!"
وہ بائیک اسٹارٹ کر چکا تھا۔
"ربیعہ کے سسرال والے آ رہے ہیں۔ شاید ڈیٹ بھی فکس ہو جائے شادی کی۔ اگلا مہینہ ہی ہوگا زیادہ سے زیادہ..."
وہ اطلاع دے کر رخصت ہوا تھا مگر اسے یقین کرنے میں وقت کا سامنا تھا۔
"ربیعہ!"
اس کے سامنے وہ مسکراتا ہوا سادہ سا چہرہ دن میں چند بار تو آتا ہی تھا۔ گیتی کے بعد زندگی میں آنے والی دوسری

لڑکی... ربیعہ!
محسنوں کی بیٹی، جس کے بارے میں وہ سوچتے ہوئے بھی خود سے شرماتا تھا۔ مگر پھر بھی...
وہ چند لمحے یوں ہی گم صم سا کھڑا رہا۔
تنہائی کا دم گھونٹتا احساس اور بھی گہرا ہوا۔
ایک چھوٹی سی خوش گمانی جو کبھی بڑی نرمی سے دل کو چھو جاتی تھی، خاموشی سے اپنے انجام تک پہنچی۔
ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے خود کو کمپوز کیا۔
"ٹوٹنے جڑنے کے اس عمل میں اب اسے کم وقت کا سامنا شاید اس لیے ہوتا ہے کہ وہ اپنی اوقات بھولنے کی غلطی نہیں کرتا۔" نچلے لب کو سختی سے دانتوں تلے دباتے ہوئے خیام نے خود کو موبل سپورٹ دینا چاہی۔
"اور دیکھا جائے تو اس میں تھا بھی کیا۔ محض ایک یک طرفہ احساس، جو کسی کہانی کا آغاز بھی نہ بن سکا تھا۔"
وہ اندر سے تالا چابی لینے کے لیے واپس مڑ گیا۔

☼ ☼ ☼

دور ایک پرہجوم سڑک پر معاذ کی بائیک نے راستہ بدلا تھا۔
یوسف کمال نے حیرت سے سامنے بیٹھے معاذ کی طرف دیکھا۔
"کیا کہا، اشتہار نہیں دے رہے ہو؟"
انہوں نے مایوسی سے میز پر رکھے لفافے کو دیکھا جو وہ واپس کر چکا تھا۔ "مگر یہ بہت ضروری ہے معاذ! میری زندگی کا سب سے بڑا دکھ، سب سے بڑا مسئلہ خیام کی تلاش میں ہے۔ اگر وہ نہیں ملا تو یقین کرو..."
"وہ میرے پاس ہے کمال صاحب! خیام میرے ساتھ ہی رہتا ہے اس کے لیے کسی اشتہار کی ضرورت نہیں ہے۔"
ان کے چہرے پر نگاہ جمائے معاذ نے دھیمی آواز میں کہا۔ یوسف کمال کے لب ہلکے سے کھلے، وہ بالکل دم بخود ہوئے معاذ کی طرف دیکھ رہے تھے۔
معاذ ان کی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ سکتا تھا۔
"میں آپ کو یہی بتانے آیا تھا کہ..."
"تم... تم مجھے ابھی اس کے پاس لے چلو معاذ! میں تمہارا احسان مند رہوں گا ہمیشہ میرے بیٹے... میں ترس رہا ہوں اس کے لیے برسوں سے، مگر وہ مجھے جانتا تک نہیں ہے۔"
معاذ نے ان کی آنکھوں میں آتے آنسو دیکھ کر تکلیف محسوس کی تھی۔
"اتنی جلدی مت کریں، ورنہ وہ پھر کھو جائے گا۔ سمجھنے کی کوشش کریں میری بات..."
یوسف کمال کے چہرے پر خوف کا تاثر ابھرا تھا۔
"شکر ہے جو اس نے یہ لفافہ کھول کر نہیں دیکھا۔ ورنہ وہ ایک منٹ نہ لگاتا وہاں سے چلے جانے میں... میں اور آپ شاید پھر کبھی نہیں جان سکتے اس کے بارے میں۔"
یوسف کمال نے اپنے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔
"اگر آپ مجھ پر اعتبار کرتے ہیں تو پلیز مجھے خیام کے بارے میں بتائیے۔ یہ بہت ضروری ہے کمال صاحب!"
وہ بہت نرمی سے ان سے مخاطب تھا۔

☼ ☼ ☼

آج صبح سے ہی بارش وقفے وقفے سے کئی بار برس چکی تھی۔ اور اب بھی آسمان پر سے گہرا سرمئی غبار جھلکا پڑ رہا تھا۔

زری گیتی کے پاس آئی بیٹھی تھی۔

کل معاذ کے اسکول کے افتتاح کے موقع پر وہ بھی مدعو تھی سو لباس کے انتخاب کا مرحلہ درپیش تھا۔

"اصل میں وہاں ہمارے پرانے محلے کے بہت سے لوگ ملیں گے۔ کافی بچے آتے تھے وہاں سے معاذ کے ہاں پڑھنے کے لیے۔ اب وہ سب شادی کے بعد مجھے دیکھیں گے تو اچھا سا تیار ہو کر تو جانا چاہیے نا۔"

"بالکل۔" گیتی محض اس کا دل رکھنے کے لیے مسکرائی۔ ورنہ تو سامنے اس زرق برق ڈھیر میں اسے فی الوقت ذرا بھی دلچسپی نہیں تھی۔

"یہ پنک' یہ گرین اور یہ میرون۔" "مجھے تو تینوں ہی پسند ہیں۔ فیصلہ نہیں ہو رہا ہے۔" زری ایک کے بعد ایک جوڑے کو ہاتھ میں اٹھا کر بہت اشتیاق سے کہہ رہی تھی۔

"ایسا کرو' جو راجو بھائی کو پسند ہو' وہ پہن لو۔" گیتی کی سمجھ میں یہی حل آیا۔

"پوچھا تھا مگر انہیں تو میں ہر رنگ میں اچھی لگتی ہوں۔ کہنے لگے جو دل چاہے پہن لو۔ یا پھر گیتی بھابھی سے پوچھ لو۔ اس لیے تو آپ کا مشورہ چاہیے۔" زری ——— کی گاڑی وہیں اٹکی۔ گیتی مسکرا دی۔

"ٹھیک ہے' پھر یہ پنک پہن لو' نئی دلہن ہو' تمہارے محلے والوں کو بھی اچھا لگے گا۔"

"میرا بھی یہی پہننے کو دل چاہ رہا تھا!" زری کپڑے سمیٹتے ہوئے ہنس پڑی۔

گیتی کو اسے اس طرح مسکراتے ہوئے دیکھنا بڑا اچھا لگتا تھا۔

راجو کے ساتھ اس کی خوشیوں بھری ازدواجی زندگی کا ثبوت یہی مسکراہٹ تھی۔

"اگلے جمعہ کی سیٹیں بک کروائی ہیں پنجاب جانے کے لیے۔ وہاں راجو کے گھر والے بہت بے صبری سے انتظار کر رہے ہیں۔" زری کے چہرے پر' لہجے میں فخر اور اعتماد آتا جا رہا تھا۔

"کچھ اور شاپنگ وغیرہ کرنی ہو' وہاں جانے سے پہلے تو کر لینا' راجو بھائی کے ساتھ جا کر۔"

"ارے توبہ کریں۔" وہ پھر ہنس پڑی۔ "اتنے کپڑے ہیں میرے پاس کہ ابھی سال دو سال ضرورت نہیں ہے۔ اور راجو کے خاندان کے لیے معاذ اور سالار بھائی دونوں ہی نے سارے کپڑے بنا دیے ہیں اور بھی بہت ساری چیزیں ہیں ان کے لیے۔" وہ تفصیل بتانے لگی۔

گیتی نے اپنے اندر کے اضطراب پر قابو رکھتے ہوئے پوری دلچسپی لینی چاہی۔ مگر ذہن کہیں اور الجھا ہوا تھا۔

"آج راجو بھائی گئے ہیں سالار کو لے کر۔" اس نے پہلو بدلتے ہوئے اپنی بے چینی کو سہارا دینا چاہا۔

زری کے چہرے پر آئی مسکراہٹ بھی دھیمی پڑی تھی۔

"جی وہیں گئے ہیں۔ آج روزی کے کیس کی شاید آخری سماعت ہے۔ اگلی بار فیصلہ سنا دیا جائے گا شاید۔"

"ہاں' یہی بات ہے۔ کافی دیر ہو چکی ہے' اب یہ آتے ہوں گے۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ مجھے بھی چلنا چاہیے۔ میں نبیل سے سامنا نہیں چاہتی۔" زری اپنے کپڑے سمیٹ کر فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ "یہ نہیں کہ میں اس جیسے آدمی سے ڈرتی ہوں بلکہ اس لیے کہ میں ابھی اپنی خوشیوں پر اس کی چھاپ بھی نہیں پڑنے دینا چاہتی ہوں۔"

گیتی آرا کو اس پر ایک دم ہی بہت رشک آیا۔

کاش وہ بھی سالار کے لیے ایسا ہی دبنگ انداز رکھ سکتی تو اس طرح سارا دن چھپ کر قیدیوں کی طرح زندگی نہ گزار رہی ہوتی۔

"آپ بھی باہر نکل کر بیٹھیں۔ آج تو موسم بھی بہت اچھا ہے اور گھر بھی خالی پڑا ہے۔" زری کے اصرار پر اسے باہر آنا ہی پڑا۔

موسم واقعی بہت اچھا ہو رہا تھا۔ لاؤنج کی کھلی کھڑکیوں پر بہت سے پانی کے قطرے چمک رہے تھے اور گیلی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آزادی سے اندر آ رہے تھے۔

"جب میں آ رہی تھی تو زرتاج بیگم کی گاڑی بھی گھر سے باہر جا رہی تھی۔ اور یہ تو آپ کا گھر ہے آپ کیوں کمرے میں ہی بند رہتی ہیں۔ ان لوگوں کو سر پر چڑھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ راجو کہہ رہے تھے کہ سالار بھائی چاہیں تو ایک منٹ میں انہیں نکال کر باہر کر سکتے ہیں۔"

دل پر رکھا بوجھ اس یقین دہانی سے بھی کم نہیں ہونے والا تھا۔

"میں چلتی ہوں' سارے کپڑے باہر نکلے پڑے ہیں۔ یہ آ گئے تو اور غصہ کریں گے۔"

وہ بڑے فطری سے انداز میں فکر کرتی ہوئی لاؤنج سے انیکسی کی طرف چلی گئی۔

گیتی بڑی کھڑکی کے پاس پڑے ہوئے کاؤچ پر بیٹھ کر یوں ہی ہرے ہوتے سبزے کو دیکھے گئی۔ ٹھنڈی ہوا کے نمی سے بھرے جھونکے اس کے چہرے کو چھو رہے تھے اور کھڑکی پر باہر سے چڑھی نیلے پھولوں کی بیل میں سے بہت سارے پھول گر کر کھڑکی کی چوکھٹ پر پڑے تھے۔

کھڑکی کے دوسری طرف سے اندر کاؤچ پر بیٹھی گیتی بالکل ایسی ہی لگ رہی تھی جیسے کسی خوبصورت فریم میں بند کوئی حسین پورٹریٹ۔

لان کے ساتھ بڑا سا پورچ آج خالی پڑا تھا۔ گیتی نے کھڑکی کی چوکھٹ کے ساتھ سر کو ٹکاتے ہوئے خود کو آج قدرے آزاد محسوس کیا۔

"اللہ کرے جو آج ہی جج صاحب' نبیل جیسے خطرناک آدمی کو جیل میں ڈال دیں تو کتنا اچھا ہو۔" اس نے بہت دل سے دعا کی تھی۔

کچھ دن سے نانی' تمکینہ امی' صندل' ہشام اسب ہی بہت زیادہ یاد آ رہی تھیں۔ نبیل کی بخشی ہوئی گھٹن سے بچ کر یہی راہ فرار سمجھ میں آئی تھی مگر وہاں کوئی بھی اسے بلانے میں انٹرسٹڈ نہیں تھا۔

"گرمی بہت زیادہ ہے۔ موسم بہتر ہو گا تو ہم خود آنے کا کہیں گے۔"

صاف صاف ٹالا جا رہا تھا جیسے لاہور کی گرمی اس کے لیے کوئی انوکھی اور نئی شے تھی' وہ ان سب سے کچھ کچھ خفا رہنے لگی تھی۔ سو آج کل فون کالز میں تھوڑی سی کمی تھی۔

دور بند گیٹ دکھائی دے رہا تھا۔ سالار کو اسی راستے سے آنا تھا اور یہاں بیٹھ کر وہ بڑے شوق سے اس کا انتظار کر سکتی تھی۔

ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے گیٹ پر نگاہ جمائی' ٹھنڈک کا سکون بھرا احساس۔ ہوا کے جھونکے اور بے حد تھکا ہوا ذہن اور شل ہوتے اعصاب۔

غیر محسوس انداز میں گیتی کی آنکھیں بند ہوئی تھیں۔ وقت کا کچھ دورانیہ خاموشی سے گزرا۔

گہری نیند میں اس نے اپنے ماتھے پر کسی کے ہاتھ کا لمس محسوس کیا تھا۔

گیتی کی آنکھیں ہلکے سے کھلی تھیں۔

اس کے ماتھے پر سے بالوں کی لٹ پیچھے کرتا ہوا نبیل بے حد قریب کھڑا تھا۔

گیتی کی آنکھیں خوف زدہ انداز میں پھیلیں۔

(اگلی قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عالیہ بخاری

دیوارِ شب

خیام کا تعلق اس دُنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ [illegible]

[illegible]

قسط نمبر 56

اس کی مکروہ مسکراہٹ' آنکھوں کا گدلا پن اور چہرے کو چھوتے غلیظ ہاتھ۔
اور سب کچھ اتنا قریب تک۔
بے جان ہوتے ہوئے ہاتھ پاؤں کے ہوش و حواس نے راہ فرار تلاش کرنا چاہی' مگر بے سود۔
وہ اس طرح کھڑا تھا کہ اگر وہ اٹھ کر کھڑی بھی ہوتی تو لازما" اس سے ٹکرا جاتی۔
"میں نے کہا تھا ناکہ اسے روک لو۔ چھوڑ دے اس کیس کا پیچھا' اسی میں سب کا بھلا تھا۔ مگر نہیں سمجھ میں آیا تم لوگوں کے۔ ٹکڑے سے ٹکڑا وکیل۔ گواہیاں' ثبوت کوئی کسر نہیں رہنے دی سالار نے میرے گلے میں پھانسی کا پھندا فٹ کرنے کے لیے۔"
اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔ مگر لہجے کی ٹھنڈک میں بڑا دل ہلاتا سا احساس تھا۔
گیتی نے اپنی ساری ہمت کو جمع کرنا چاہا۔
"سالار نے صرف انصاف چاہا ہے۔ ذاتی دشمنی نہیں ہے ان کی کسی سے۔ ایک خون ناحق کا حساب مانگا ہے بس۔"
"اس نے صرف خود کو عذاب میں ڈالا ہے۔ سمجھیں۔" نبیل کے چہرے کی وہ مکروہ مسکراہٹ بھی ختم ہوگئی۔ "اور میری کھلی دشمنی مول لی ہے۔ کچھ نہیں بگاڑ سکا ہے وہ میرا۔ چار دن بعد جج ناکافی ثبوتوں کی بنا پر کیس خارج کردے گا۔ خرید چکے ہم اسے۔ قصہ ختم۔"
اس نے اطمینان سے ہاتھ جھاڑے۔ "چاہو تو سارے زمانے کو بتا دو' ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے۔"
اپنی فتح کی خوشی اس کے چہرے پر سرخی بن کر چھا رہی تھی اور چہرے کے نقوش عجیب سے انداز میں پھیل رہے تھے۔ ظلم' فرعونیت' کمینگی کی آخری حدوں کو بھی پار کر جانے والے اس طبقے کے ہر شخص کی شکل ایک جیسی ہی ہوتی ہے۔
بھیانک۔ خوف زدہ کرنے والی۔
وہ اس کی طرف نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر۔
"جھوٹ بول رہے ہو تم۔" گیتی کی آواز میں نمایاں کپکپاہٹ تھی۔
"یہ بھی پتا چل جائے گا' چند دن کی بات ہے' صرف گیتی آرا۔ اپنی فتح کا جشن میں بہت دھوم دھام سے منانے والا ہوں۔ ایک بڑا سیلیبریشن۔ جس میں پرفارمنس دکھانے کے لیے الماس بے قرار ہے۔ تیاریاں شروع کرچکی ہے وہ اور اس کی ماں گل ناز جان۔ تم چاہو تو نگینہ اور صندل کو بھی بلا لیتے ہیں۔ ویسے دیکھ کر بھاگی چلی آئیں گی۔"
اس پر وہ ہنستے ہوئے جس طرح اس پر جھکا تھا' گیتی سہم کر بالکل کھڑکی سے جا لگی تھی۔
"راستہ دیں۔" نازو اچھالی گئی وحشت نے اس سے فی الوقت نگاہ ملانے کی بھی جرات چھین لی تھی۔
نبیل نے دلچسپی سے اس کے آنسوؤں سے بھیگے چہرے کو دیکھا۔ "ابھی سے اپنے آنسو ضائع مت کرو گیتی آرا! بہت موقعے ملنے والے ہیں تمہیں رونے کے لیے۔ اتنے کہ آنسو کم پڑ جائیں گے تمہارے پاس۔"
لاؤنج کے بوجھل سناٹے میں کھڑی گیتی آرا نے شدت سے خدا کو یاد کیا۔
"سالار نے جو کرنا تھا کرلیا۔ آج سے میرا اعلان جنگ ہے' سالار سے' تم سے۔ اور اس کمینے رانجھو سے۔ کسی منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گا' میں تم لوگوں کو۔ گھر شہر کیا۔ دنیا چھوڑنے کی آرزو کرو گی تم اور تمہارا [illegible] شوہر۔"
کچھ دور کچن میں کوئی شیشے کا برتن چھناکے کے ساتھ گرا تھا۔ ایک ساتھ ہی بہت سی ملی جلی آوازیں اور قدموں کی چاپ۔
نبیل ایک جھٹکے سے مڑا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔
لاؤنج پر چھایا وحشت کا آسیب سمٹ کر گیتی آرا کے دل میں براجمان ہوا۔
وہ دونوں بازوؤں کو آپس میں پھنسائے سمٹ کر کاؤچ پر بیٹھی بری طرح کانپ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

ایک گہری ٹھنڈی سانس لے کر ابا نے سر کرسی کی پشت سے ٹکایا۔
"سو ایک بار پھر ثابت ہوتا ہے کہ خود انسان کی زندگی سے بڑھ کر کچھ بھی حیرت انگیز نہیں ہے۔"
"جس وقت وہ وکیل یہاں آیا۔ اس وقت سے آج تک وہ میرے لیے پراسرار تھا۔ لیکن کبھی اتنا نہیں جتنا کہ آج اپنی حقیقت کھلنے کے بعد۔"
ان کے سامنے بیٹھا معاذ بہت سنجیدہ تھا اور فکرمند بھی۔
"انسان اپنے ماضی سے مکمل طور پر کٹ کر' محض حال میں کیسے جی سکتا ہے ابا! ایسے جیسے کسی بغیر جڑ کا درخت۔ اور وہ کب سے اس تکلیف کو جھیل رہا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ ایک چھوٹے سے حوالے کے بھی بغیر۔ وہ جس کا کوئی ازالہ نہیں ہے۔ اور جس کا قصور اس کے حصے میں آیا۔"
معاذ کی آواز دھیمی اور دکھ سے بوجھل تھی۔
"لوگ زندگی کی کتاب سے ان چاہے ورق' بے دردی سے پھاڑتے ہوئے یہ نہیں سوچتے کہ ان پر لکھی تحریر ان مٹ ہے۔ مجھے یوسف کمال سے کوئی ہمدردی نہیں ہے' جو کچھ اس نے خیام اور اس کی مظلوم ماں کے ساتھ کیا' وہ ظلم کی بدترین شکل ہے۔ ایک چھوٹے سے معصوم بچے کے ساتھ دنیا کی بھیڑ میں اکیلی کھڑی رہ جانے والی ماں کے بارے میں ایک بار بھی سوچو گے تو اس سارے سسٹم پر لعنت بھیجنے کو دل چاہے گا۔ جہاں مجرم کوئی اور ہے اور سزا کوئی اور بھگتتا ہے۔"
ابا کے لہجے کا دبا دبا سا غصہ نمایاں ہو رہا تھا۔ معاذ خاموشی سے ان کی طرف دیکھے گیا۔ یوسف کمال سے مل کر سید حماد الحسن ابا کے پاس آیا تھا اور اتنا حیرت زدہ تھا کہ آج کے دن کی دوسری مصروفیات یکسر فراموش ہو گئی تھیں۔
"پیسے کے بل پر ہر عیش و عشرت کو اپنے لیے جائز کرنے والے' عزت کے نام نہاد ٹھیکے دار' ایسے پتا نہیں کتنے بچے اپنے حصے میں آئے جہنم کو جھیلتے ہوں گے۔ یہ صرف خیام کا ہی رونا کب ہے۔"
"مگر سب لوگ ایک سے بھی تو نہیں ہوتے ہیں ابا۔ سالار نے بھی تو گیتی سے شادی کی' پورے عزت و احترام کے ساتھ۔ گیتی بھابھی بھی تو اسی خاندان کا حصہ ہیں۔ یوسف کمال نے مجھے بتایا کہ وہ گیتی سے مل چکے ہیں' لیکن اسے کچھ بتانے کی ہمت نہیں کرسکے۔"
"جو شخص اپنی اولاد کو اپنانے کی ہمت نہیں کرسکا' اس سے اور توقع بھی کیا کی جاسکتی ہے۔ سالار جیسے صاحب کردار سے کیا مقابلہ ہے بھلا۔"
"اب آپ بتائیں کہ کیا کرنا چاہیے؟ خیام کو ایک دم یوسف کمال کے سامنے کھڑا کردوں تو پتا نہیں وہ اس بات کو کس طرح لے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ پھر کہیں اتنی دور نہ چلا جائے کہ ہم اسے ڈھونڈ بھی نہ سکیں۔"
"کل اسکول کی اوپننگ ہونے والی ہے' پھر دیکھتے ہیں۔" معاذ نے غور سے ان کے چہرے کو دیکھا۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھے۔
"جو ہوا وہ کتنا بھی برا سہی لیکن خیام کے لیے اب ایک خوشگوار تغیر بہت ضروری ہے۔ خدا کرے کہ وہ اپنے

باپ کو پورے دل کے ساتھ معاف کر سکے۔"
"جی بس!" معاذ ہلکے سے مسکرایا۔
جتنے بوجھل دل کے ساتھ وہ واپس گھر آیا تھا اس میں اب اضافہ تھا۔
ابا کے ساتھ بات کر کے ہمیشہ اسے ایسا ہی تجربہ ہوتا تھا۔ وہی تھے جو مشکل سے مشکل صورت حال میں بھی اس کی تسلی اور رہنمائی کا ذریعہ بنتے تھے۔
وہ اپنی اس خوش قسمتی پر بہت بہت شکر گزار رہا تھا۔ مگر آج خیام کی محرومی کو لے کر دل بہت بری طرح دکھا۔ ہوش کے پہلے قدم سے لے کر آج تک محرومی کی ایسی بدترین شکل۔
کس کس موقع پر وہ کس تجربے سے گزرا ہوگا۔
ابا نے اس کے چہرے پر آئی اداسی کو بجا طور پر محسوس کرتے ہوئے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
"ہوتا ہے۔ اور ہوتا رہے گا۔ اللہ اسی طرح کی مثالوں سے اپنے بندوں کو آزماتا بھی ہے اور سمجھاتا بھی ہے۔ چلو تمہارے کرنے کے لیے آج بہت کام ہیں۔ سالار سے بات ہوئی؟"
"جی مگر مختصر۔ آج کیس کی سماعت ختم ہوئی۔ چار دن بعد فیصلہ ہے۔ سالار خوش اور مطمئن تھے۔"
"خدا کرے کہ انصاف ہو سکے۔"
"آپ کو شک ہے کیا۔" وہ کمرے سے نکلتے نکلتے رکا۔
"اتنا کچھ دیکھ لینے کے بعد بھی اگر تمہیں لگتا ہے کہ یہاں انصاف آسانی سے مل جاتا ہے تو میری دعا ہے کہ اللہ تمہاری خوش فہمی کی لاج رکھے۔"
وہ افسوس سے مسکرائے۔ معاذ چند لمحے خاموش کھڑا ان کی طرف دیکھتا رہا۔
"لیکن ابا! یہاں انصاف میں کتنی ہی رکاوٹ سہی قدرت کا نظام تو اپنی جگہ ہے۔ وہاں سے تو ہر فیصلہ پوری طاقت اور انصاف کے ساتھ نافذ ہوتا ہے۔"
"ہاں۔ ایسے چند فیصلوں کا میں کب سے منتظر ہوں پورے یقین کے ساتھ۔" وہ اسے ہی دیکھ رہے تھے۔
اس بار معاذ نے کمرے سے نکلنے میں جلدی کی تھی۔ ابا چند لمحے وہیں کھڑے رہے۔
ادھ کھلے دروازے سے آتی دھوپ کی لکیر کے اس پار آج بھی گہری خیالی دھند کا راج تھا۔

۞ ۞ ۞

جویا نے اندر آتے ہوئے آہستگی سے اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا مگر سلطان کے ہنسنے کی آواز پھر بھی اندر تک آ رہی تھی۔ کافی عرصے سے وہ عجیب ہسٹریکل سے انداز میں ہنسنے لگا تھا۔ چوڑا منہ کھول کر، پھیپھڑوں کی پوری طاقت کے ساتھ۔ زویا کہتی تھی کہ وہ اس لیے خود اتنی زور سے ہنسنے لگا ہے تاکہ دنیا اس پر نہ ہنس سکے۔
آج اس طرح کے قہقہے لگانے کا جواز بھی ملا تھا۔ سو وہ حق بجانب تھا۔ نیچے ٹیکسی رکنے کی آواز کے ساتھ ملی جلی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ کھڑکی کے پاس کھڑی تھی ذرا سا جھکی تو ٹیکسی سے اترتی آپا گل اور ان کے شوہر نظر آ گئے۔ آج ان کے ساتھ دونوں بچیاں بھی تھیں۔ بہت عرصے بعد ان دونوں کو دیکھا تھا۔ جویا کو وہ خاصی بڑی لگیں۔
جدید تراش کے سوٹ اونچی ایڑی کے جوتے۔
مٹھائی کا ڈبہ۔ پھولوں کا ہار اور آپا گل کا نیا جوڑا ابھی کل ہی سنا تھا کہ وہ ناراض ہو کر گئی تھیں۔ مگر آج انہیں فوراً ہی آنا پڑا۔ وہ بھی خوش خوش۔

کھڑکی بند کر کے وہ چپ چاپ بیڈ پر آ کر بیٹھ گئی۔ کئی قدموں کی چاپ سیڑھیوں اور پھر صحن میں سنائی دینے لگی۔ مبارک سلامت کا ایک ملا جلا سا شور۔
وہ یوں ہی چپ چاپ بیٹھی رہی جانتی تھی کہ اس کا وہاں کوئی کام نہیں ہے۔
چند ہی منٹ بعد آپا گل کی دونوں بیٹیاں اس کے کمرے میں تھیں۔
"آپ یہاں بیٹھی ہیں ہم سمجھے شاید پڑھانے گئی ہیں۔"
"نہیں۔ میں نے چھوڑ دیا ہے۔" وہ انہیں دیکھ کر ہلکے سے مسکرائی۔
"اچھا کیا۔ اب تو آپ کی شادی بھی ہونے والی ہے۔ فرید انکل نوکری تھوڑی کرنے دیں گے آپ کو۔ امی بتا رہی تھیں کافی پیسے والے ہیں۔"
"تم لوگ آج بہت دن بعد آئیں یہاں؟"
"یہاں آ کر مزہ نہیں آتا۔ آپ کا پرانا والا گھر اچھا تھا۔ کتنی چیزیں تھیں وہاں۔ یہاں تو ہر وقت گرمی رہتی ہے۔ پتا نہیں آپ لوگ کیسے رہتے ہیں۔"
جویا نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔
آپا گل کی بیٹیاں تھیں۔ ان ہی کی طرح منہ پھٹ اور تنگ دل۔
"گرمی تو آج بھی ہے۔"
"مگر کم!" ان میں سے بڑی والی نے اپنے چہرے پر آئے بالوں کو پیچھے کیا۔ تب ہی جویا نے اس کے بے تحاشا بڑھے ناخن، نیل پالش اور چہرے پر بھی میک اپ کی تہہ کو نوٹ کیا۔
وہ بڑی جلدی کافی بڑی ہو چکی تھیں۔
"پھر آج نانا ابھی تو سہرا ہو گئے کتنے عرصے بعد۔ امی کہہ رہی تھیں نانا وغیرہ اب ایک بڑے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہونے والے ہیں۔ امی کہتی ہیں اب ہم پھر سے آیا کریں گے اور اب تو آپ بھی نہیں ہوں گی یہاں۔"
جویا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
"کیوں؟ میرے ہونے نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔"
ان دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی مشورہ کیا۔
"کچھ نہیں۔ بس ایسے ہی۔ آپ یہاں کیوں بیٹھی ہیں۔ نانا سے بھی نہ ملیں گی کیا۔"
"میں مل چکی ہوں، جب وہ گھر آئے تھے۔" وہ انکار کرتے اٹھ کھڑی ہوئی۔ آگے مستقبل میں آپا گل کی بیٹیوں کو جھیلنا ابھی اتنا ہی کٹھن ہوتا جتنا کہ آپا گل کو۔ اسے ابھی سے اندازہ ہوا تھا۔ وہ دونوں بھی بور ہو کر سامنے والی دیوار کے ساتھ جا کھڑی ہوئیں جہاں سے نیچے والوں کا صحن اور سامنے گلی نظر آتی تھی۔
زویا کچن میں چائے بنا رہی تھی۔ وہ اسی کے پاس چلی آئی۔ "لاؤ میں بنا دیتی ہوں۔"
"نہیں بنالوں گی تم رہنے دو۔ سارا دن سے لگی ہو۔"
"یہ تو روٹین کے کام ہیں زویا۔ کرنے ہی ہوتے ہیں۔" وہ وہیں اسٹول پر بیٹھ گئی۔
زویا چپ چاپ ٹرے میں رکھے کپوں میں چینی اور دودھ ملا رہی تھی۔
ابھی تھوڑی دیر میں چائے کا پکا ہوا قہوہ دودھ چینی کے اس مکسچر میں مل کر ایک مہکتے مزے دار سے ذائقے میں بدل جانے والا تھا۔ ساری کڑواہٹ دور۔
"کیا سیدھا سادہ سا فارمولا تھا۔ کاش۔"
"تمہیں کسی بھی بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے جویا! تمہارے لیے سب کچھ روٹین ورک کا ہی حصہ

ہے۔ اپنے حصے کا بوجھ' دوسروں کا بوجھ' دوسروں کی ذمہ داری' یہاں تک کہ اپنی قربانی۔ کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم۔ خود کو بہت عظیم۔ اعلا سب سے الگ۔" نزوا کی آواز دھیمی تھی مگر لہجہ بے حد تلخ۔ جویا نے یوں ہی ان سنا کرنا چاہا۔

وہ آج کل یوں ہی چلتے پھرتے باتیں سنانے لگی تھی۔ شاید اسے غصہ دلانے کے لیے۔

"سلمان بھائی' آپا گل شاید سب اتنے برے نہ ہوتے' اگر تم ایک بار اپنے حق کے لیے کھڑی ہو جاتیں' تمہاری جیسے نے ان کی ہمت بڑھادی۔ وہ اپنے زعم میں اتنا بڑھ گئے ہیں کہ۔" وہ جذباتی ہو رہی تھی۔ سو خود کو کنٹرول کرتے کرتے جانے کیوں یک دم چلانے لگی۔

"ہم نے ان کے ساتھ بھی اچھا نہیں کیا جویا! جیسے سب ہی ساری ذمہ داریاں اپنے کندھوں سے سلمان بھائی چاہے بھیک مانگتے۔"

"وہ بھیک بھی نہیں مانگ سکتے تھے نزوا۔" اس بار اس نے تیزی سے نزوا کی بات کاٹی تھی۔ نزوا نے حیرت سے اس کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھا۔

"بھیک مانگنا بھی بڑی مشقت ہے' سردی گرمی کو اپنے سر لینا' بھاگ دوڑ' جھڑکیاں۔ اور سلمان بھائی کو عورتوں کی کمائی کھانے میں کوئی شرم پہلے ہی سے نہیں تھی۔ وہ کیسے بھیک مانگتے۔"

اس کے کسی ایک لفظ سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"مگر پھر بھی۔ یہ فریدالدین تو حد ہے بلکہ ظلم ہے۔ تم آواز کیوں نہیں اٹھا رہی ہو۔ میں ہوں نا۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔ مجھے پتا ہے' میں اپنی قسمت سے نہیں لڑ سکتی ہوں نزوا۔ پہلے یہ غلطی کر چکی ہوں۔ سارے گھر کو بھگتنی پڑ رہی ہے آج تک۔"

"گھر والوں نے اپنا کیا بھگتا ہے۔ ابا کا جیل جانا' ایک ایک شے کا بک جانا' سلمان بھائی کی طلاق' یہ سب ان کے اپنے قصے ہیں۔ تم کیوں بہت سی باتوں کو ملا رہی ہو' چیزوں کو الگ الگ۔"

"تمہاری چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ لے جاؤ ورنہ پھر ابالنی پڑے گی۔" جویا نے نرمی سے اس کی توجہ دلائی تو وہ سخت برا مان گئی۔

"تم بھی چلو نا... وہاں بیٹھ کر فریدالدین کی تعریف سنو گی تو بہت اچھا لگے گا تمہیں بھی۔ ابو جب سے آئے ہیں اسی کا قصیدہ پڑھے جا رہے ہیں۔" نزوا کہتی ہوئی تیز قدموں سے کمرے کی طرف چلی گئی۔

جویا اس کے ساتھ ہی کچن سے نکل کر آئی تھی۔

کمرے کے چوپٹ کھلے دروازے سے اظہار صاحب سامنے ہی بیٹھے دکھائی دے رہے تھے۔

وہ بڑی حد تک کمزور ہو چکے تھے۔ اتنے مہینوں کی سخت زندگی کے بعد ان کی ذہنی حالت بھی یقیناً متاثر تھی۔

وہ ان کے سامنے صرف چند منٹوں کے لیے گئی تھی۔ اسے آج بھی ڈر تھا کہ اسے دیکھ کر وہ اسی نفرت اور غصے کا اظہار کریں گے' لیکن ان کی آمد کے اولین لمحوں میں جو جذباتی سی ہلچل تھی۔ اس میں وہ شاید اس پر دھیان نہ دے سکے تھے۔ مگر یہ محض اس کا خیال تھا۔

"جویا سے پوچھ تو لیا ہے نا تم نے گل۔ اسے فریدالدین کے رشتے پر اعتراض تو نہیں ہے۔"

نزوا جب اندر گئی تو وہ آپا گل سے پوچھ رہے تھے۔ نزوا نے ایک نگاہ ان پر اور آپا گل پر ڈالی اور خاموشی سے چائے سرو کرنے لگی۔

آپا گل کو ان کی خراب صحت یا ذہنی حالت کی فکر کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ چند لمحے جو انہوں نے خاموشی کے لیے تھے وہ محض اپنا بیان ترتیب دینے کے لیے۔

اظہار صاحب ایک بار پھر اپنا سوال دہرا رہے تھے اور شاکرہ ای کی امید بھری نگاہیں ان پر جمی تھیں۔

"دیکھیں ابو! اب تو اگر جویا کو اعتراض ہوتا بھی ہے تو ہمارے پاس فریدالدین کو انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ ان کو ہاں بھی آپ سے اجازت کے بعد ہی کی گئی تھی اور دوسرے آپ کی ضمانت بھی اتنی جلدی وہی کروانے والے ہیں۔ انہوں نے پورے خلوص کے ساتھ آپ کے کیس میں گنجائش نکالی۔ ورنہ دوسرے وکیلوں نے تو صرف پیسہ ہی کھایا ہے۔" تازہ احسان کا تذکرہ سب سے ضروری تھا۔ "اور جویا کے انکار' اقرار سے کہیں زیادہ اب سوال گھر کی بچی کھچی عزت کو سنبھالنے اور سالوں پریشانیوں کو حل کرنے کا ہے۔ سو وہ سب بہت آسانی سے فریدالدین حل کر رہے ہیں؟"

اظہار صاحب کے اگلے کئی سوالوں کے جواب ایک ساتھ مل گئے تھے' سو آگے پوچھنے کے لیے کچھ خاص رہا بھی نہیں تھا۔ انہوں نے چائے کا کپ منہ سے لگا لیا۔

سلمان نے بہت غور سے ان کے چہرے کے تاثرات دیکھے تھے۔

"اور ابو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ جو بڑی مشکل سے آپ کی ضمانت ہوئی ہے' کینسل ہو گئی تو... پورے پانچ لاکھ جمع کروائے ہیں فریدالدین نے۔"

"خدا نہ کرے۔" کپ اظہار صاحب کے ہاتھوں میں کانپا۔ جیل میں گزرا وقت کسی بڑے آسیب کی مانند دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔

"میں نے تو بس ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔ فریدالدین بھلا آدمی ہے۔ خوش رکھے گا جویا کو۔" چائے کا دوسرا گھونٹ انہوں نے پورے اطمینان سے لیا۔

نزوا نے آخری کپ سلمان کے سامنے رکھا۔

"وہ شخص جویا کے جوڑ کا نہیں ہے۔ میں پھر کہتی ہوں کہ اس ظلم سے باز آجاؤ۔ کیا بگاڑا ہے اس نے تم لوگوں کا۔" شاکرہ ای کی کانپتی ہوئی آواز پر ساری ہی گردنیں ان کی طرف مڑیں۔

"پانچ لاکھ کا بندوبست کر کے ہم اسے واپس کر دیں گے۔ اتنی بڑی رقم تو نہیں ہے یہ سب جس کے لیے۔"

"اچھا تو پہلے میرے کل والے پندرہ سو روپے ہی دے دیں۔ جو میں نے مٹھائی بانٹنے میں کرایہ میں خرچ کیے ہیں۔"

آپا گل نے ڈھٹائی سے شاکرہ ای کے سامنے ہاتھ پھیلایا۔ تو انہوں نے بنا کچھ کہے گھٹنے کے نیچے دبے بٹوے میں سے پندرہ سو روپے نکال کر ان کے ہاتھ پر رکھے۔ "یہ لو۔ بس!"

"ارے کیا کر رہی ہو۔ واپس کرو امی کو۔ یہ کیا حرکت ہے گل!"

آپا گل کے میاں کچھ شرمندہ ہو کر منع کر رہے تھے' مگر وہ وصول کر کے اپنے پرس کی زپ بند کر رہی تھیں۔

"آپ مت بولیں' یہ ہمارا آپس کا حساب ہے۔"

اکبر بھائی اپنا کپ اٹھا کر باہر نکل گئے۔

"چلو ایک قصہ تو ختم ہوا۔ ڈرو اس وقت سے آپا گل! جب امی تمہارے ہاتھ پر پانچ لاکھ روپے بھی رکھوائیں۔ پھر تو تمہارے پاس دو ہی راستے رہ جائیں گے۔" سلمان بڑی کمینگی سے ہنسے جا رہا تھا۔

آپا گل کے ماتھے پر آیا بل اور بھی گہرا ہوا۔

"کون سے دو راستے؟"

"وہی خودکشی کرنے کے۔" وہ پھر سے ہنس پڑا۔ "اتنی جلدی بھول گئیں۔ صرف چوبیس گھنٹے میں۔ بیچ بیچ۔ عمر کے ساتھ تمہاری یادداشت بھی جواب دینے لگی ہے۔ جب ہی کہتا تھا کہ دماغ پر ہر وقت زور مت ڈالا کرو۔ خرچ

"ہو گیا تو پھر کہاں سے لاؤ گی؟"
وہ مستقل مذاق اڑانے کے موڈ میں تھا۔ اور اسے بالکل خیال نہیں آیا تھا کہ باہر بیٹھے اکبر بھائی بھی یہ سب سن رہے ہیں۔

تایا گل کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔
اپنی عزت نفس انہیں بے حد عزیز تھی۔
"میں نے غلط نہیں کہا تھا جویا کی شادی فرید الدین کے ساتھ ہی ہو گی یا اتنے شریف اور نیک انسان کے ساتھ وعدہ خلافی کر کے خدا کے غضب کو دعوت مت دو تم لوگ۔ پہلے ہی کیا کم مصیبتیں ہیں۔" وہ اونچی آواز میں بول رہی تھیں۔

نغمانہ دروازے کے ساتھ لگی کرسی پر بیٹھی تھی۔
اس تاریک سیاہ منظر نامے میں روشنی کی کسی ایک کرن پھوٹنے کی خبر۔ مگر یہاں ہر آنے والا پل تیرگی کا احساس بڑھا رہا تھا۔
"کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو۔ ارے کچھ میرا ہی لحاظ کر لو' کتنے عرصے بعد آیا ہوں تم سب کے بیچ۔" اظہار صاحب حسب عادت اونچی آواز میں بولنا شروع ہوئے تھے۔
"آپ سلمان کو نہیں دیکھ رہے' کتنا بدلحاظ ہو گیا ہے۔ ایک تو ہم نے یہاں اسے سر آنکھوں پر بٹھا رکھا ہے۔ ورنہ تو یہ گھر سے نکل کر کوئی ٹھکانا نہیں تھا اس کے پاس بھوکا مرتا اگر اس کو ہم سہارا نہ دیتے۔"
"کچھ تو شرم کرو تایا گل۔" سلمان ایک دم سنجیدہ ہوا تھا۔
"میں تمہارا دیا نہیں کھا رہا ہوں۔ گھر جویا کی کمائی پر پل رہا ہے اور خود تم بھی مہینے کے دو تین دن اس گھر کی روٹی کھاتی ہو۔ اس لیے آئندہ مجھے تو یہ طعنہ دینا نہیں' سمجھیں۔"
اکبر بھائی دروازے کی چوکھٹ میں آ کھڑے ہوئے تھے۔
"اور کتنی بے عزتی کروانی ہے۔ اب چلتی ہو یہاں سے یا میں اکیلا ہی چلا جاؤں۔"
وہ اٹھی چلے جاتے' لیکن سلمان نے بڑھ کر انہیں منا ہی لیا۔
"میرا اور تایا گل کا معاملہ ہے سلمان بھائی! آپ کی تو میرے دل میں بڑی عزت ہے۔ لیکن آپ خود ایمانداری سے کہیں کہ میں غلط ہوں یا تایا گل۔"
اکبر بھائی نے جواباً" ایک ٹھنڈی سانس لے کر سر جھکایا تھا۔
"اچھا بس اپنا دل صاف کر لو۔ ورنہ کچھ بھی تسلی سے نہیں ہو سکے گا۔ اب کیا پروگرام ہے تمہارا گل' میں اب حالات کی بہتری چاہتا ہوں۔ وہ بھی فوری طور پر گورد لیں۔"
آہستہ آہستہ وہی نوک جھونک بجا لانے والی کیفیت اظہار صاحب کے لہجے میں ابھر رہی تھی۔ جو صرف تایا گل کے حق میں جاتی تھی۔
تایا گل آنسو صاف کرتے ہوئے ہلکے سے مسکرائیں۔
"فرید الدین فلیٹ کی چابی لے کر آنے والے ہیں۔ تاکہ سب چل کر دیکھ لیں۔ میں اور اکبر تو کل رات دیکھ آئے ہیں۔ کشادہ اور ہوادار فلیٹ ہے اور اگلے سے اگلے جمعہ وہیں سے جویا کا نکاح اور رخصتی عمل میں آ جائے گی۔ سادگی سے کیے گئے کام میں برکت بھی ہوتی ہے۔"
"بے شک' بے شک۔" اظہار صاحب کا لہجہ عقیدت سے بوجھل ہوا۔ نغمانہ نے گردن موڑ کر باہر صحن میں دیکھا۔

وہ ابھی بھی وہیں کرسی پر بیٹھی تھی جہاں تو می دھوپ اور گرما رہا تھا۔ اس کے پیر دھوپ میں جل کر سرخ ہو رہے تھے اور وہ کم از کم اپنی کرسی کھسکا کر پیچھے تو کر ہی سکتی ہے۔ مگر یہ بھی نہیں کر رہی۔
نغمانہ نے بے چینی سے پہلو بدلا اور کمرے کے دروازے کو برابر کیا۔ اب کم از کم وہ نظر تو نہیں آ رہی تھی۔
"بس ہو گیا فیصلہ۔ اب اس پروگرام میں کوئی ردوبدل نہیں ہو گا۔ اس کے بعد آخری زندگی کے کچھ اور بھی کام کرنے ہیں۔ میں کسی سے کوئی اعتراض نہیں سنوں گی۔" انہوں نے باری باری سلمان اور شاکرہ کی طرف دیکھا تھا۔
"ارے کیسے منہ بولوں 'ہاں' ہوں میں' اچھا لڑکا ہو تو میں بھی منع نہ کروں' جویا کے ساتھ اتنا برا مت کرو' سارا بوجھ' ساری ذمہ داریاں اٹھا کر چل رہی ہے میری بچی۔ کوئی حرف شکایت نہیں۔"
تایا گل نے بے ساختہ اسے گھورا۔ "اپنی گولیاں بھی تو نہیں کھاتیں کہ سو گئی رہیں' بس بولے ہی جا رہی ہے۔"
بیچ کا دروازہ کھلا رہ گیا تھا۔ چھوٹی آنکھوں والا فرید الدین پورے حق کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتا ہوا ٹھیک جویا کے سامنے آ کھڑا ہوا۔
"دھوپ میں کیوں بیٹھی ہو میری جان۔ سانولا رنگ روپ جلا جا رہا ہے تمہارا۔" اس کے پاس رومانٹک ہونے کا حق کچھ پہلے آ چکا تھا۔ سو وہ قدرے دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔
جویا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور تیزی سے کرسی پیچھے کھسکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
وہ کچھ بوکھلا کر پیچھے ہوا۔
"بیمار ہو کیا؟ اتنی کمزور ہو رہی ہو۔" اس بار وہ بھی چونکا تھا اور اس تشویش میں اپنائیت نہیں کچھ اور ہی احساس تھا۔

جویا نے بنا کچھ کہے وہاں سے گزرنا چاہا مگر وہ آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام چکا تھا۔
"دیکھنے تو دو خود کو۔ کتنے دن بعد دیکھا ہے اپنے سامنے۔ حالانکہ خوابوں میں تو روزانہ ہی ساتھ ہوتی ہو سجل بھر کر۔"

جویا کا ہاتھ پوری قوت کے ساتھ اس کے چہرے پر پڑا تھا۔ فرید الدین کے ہاتھ سے اس کا دوسرا ہاتھ خود بخود چھوٹا تھا۔ پہلے تایا گل کی دیوار پر تینوں بیٹیوں نے مڑ کر دیکھا اور وہ سر سے ہی کچھ سامنے کے بند دروازے کو کھول کر تایا گل اور سلمان باہر آ گئے تھے۔
"کیا ہوا خیریت۔ کچھ گرا ہے کیا؟ بڑے زور کی آواز تھی۔" تایا گل نے پریشان ہو کر ان دونوں کی طرف دیکھا تھا۔
جویا کوئی جواب دیے بغیر تیزی سے اندر چلی گئی مگر ان چند سیکنڈوں میں ہی تایا گل نے اس کا موڈ بھانپ لیا تھا۔
"بیڑا غرق' پتا نہیں اب کیا کر کے آ کر چھوڑے گی۔" ایک ساتھ ہی بہت سارے دل ہلا دینے والے وسوسوں نے انہیں گھیر لیا تھا۔
"کچھ نہیں ایسے ہی بات کر رہا تھا' شرما گئیں۔" فرید الدین نے خود کو بروقت سنبھالا تھا' لیکن اس وقت اگر وہ جلتے توے کو ہاتھ لگا کر بھی کہتا کہ کچھ نہیں تھا' تو تایا گل کو ایک فیصد بھی یقین نہیں آنا تھا۔
انہوں نے ایک نگاہ اپنی دونوں بیٹیوں پر ڈالی جو دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے منہ پر ہاتھ رکھے اپنی ہنسی کو روکنے کی کوشش میں عجیب مضحکہ خیز دکھائی دے رہی تھیں۔
"آپ یہاں دھوپ میں کیوں کھڑے ہو گئے فرید بھائی۔ اندر چلیں۔ یہاں تو سب آپ کا انتظار کر رہے تھے کب سے۔"

"ہاں' دو منٹ گاڑی بھی لے کر آیا ہوں' تاکہ سب چل کر فلیٹ دیکھ لیں۔"
وہ ان کے ساتھ چلتا ہوا کمرے تک گیا۔ یہاں سب ہی دروازے میں آ کھڑے ہوئے تھے اور اپنے اپنے طور

پر مطلب معنی اخذ کرنے میں مصروف۔
"تو بس چلتے ہیں۔ دیر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" تپاگل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ وقت کے بالکل مختصر سے وقفے میں وہ سارا منظر بالکل بدل کر رکھ دیں۔
"کون کون چلے گا بھئی؟" خود کو بشاش ظاہر کرنے کی وہ مسلسل کوشش کر رہی تھیں۔
افتخار صاحب، سلمان اور وہ خود اور وہ ان کی بیٹیاں مل کر ایک گاڑی کی سواری سے زیادہ تھے۔ اکبر بھائی دیکھ چکے تھے، سو صورت کرائی زویا خاموشی سے نکل کر کچن میں جا چکی تھی۔
خاموش ساکت بیٹھی شاکرہ ائی سے پوچھنا کسی نے بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔
اس بھونڈے سے قافلے کے ساتھ جاتے فرید الدین نے ایک بار پھر پلٹ کر تحیا کے کمرے کی طرف دیکھا۔
اس کے چہرے پر الجھن تھی یا فکر۔
تپاگل کی گھبراہٹ بڑھتی ہی جارہی تھی۔

☆ ☆ ☆

نبیل گلاس ایک بار پھر بھرنے لگا تھا۔ زرتاج نے ایک تنبیہ کرتی نگاہ نبیل پر ڈالی۔
"تم بہت پینے لگے ہو نبیل اور وہ بھی گھر میں۔ سالار نے دیکھ لیا تو پتا نہیں وہ کیا حشر کرے گا۔ یاد ہے نا ایک بار اس نے تمہارے دوستوں کے سامنے کیا ہنگامہ کھڑا کیا تھا۔ نہ صرف کراکری بلکہ کمرے کا قیمتی فرنیچر اور کارپٹ پورے کا پورا جلوا دیا تھا۔"
زرتاج کے لہجے میں گھبراہٹ تھی۔ اندر سے لاک ہوئے کمرے کو بھی انہوں نے ایک بار سے زائد چیک کیا تھا۔
نبیل نے ناگواری سے انہیں دیکھا اور ہاتھ میں تھاما ہوا گلاس ایک سانس میں پیتا چلا گیا۔
"تم بہت وہمی ہوتی جارہی ہو زرتاج اور بزدل بھی۔ کچھ سال پہلے والا رعب دبدبہ کھو سا گیا ہے۔"
ایک ٹھنڈی سانس زرتاج نے دل کی گہرائیوں میں دبائی۔
"کیا ہوا؟" وہ ان کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر پوری کمینگی کے ساتھ مسکرایا۔
"کچھ نہیں۔" وہ اس کے قریب آبیٹھی تھیں۔
سامنے رکھی میز پر دونوں پاؤں پھیلائے وہ پورے مالکانہ استحقاق کے ساتھ اس عالی شان بیڈ روم میں بیٹھا تھا۔ زرتاج کو آج کل وہ زمانہ شدت سے یاد آنے لگا تھا جب انہوں نے نبیل سے نئی نئی شادی کی تھی۔
اس وقت وہ یکسر مختلف تھا۔
ہاتھ باندھا غلام، جو ان کے کہے کیا جوتے چاٹنے کو بھی تیار رہتا تھا۔ ایک آنکھ کے اشارے سے بندھا تھا۔ اور اب ... مالی کی امانت کو چٹخارے لگانے والا مجاور، اب ٹھیک سے سمجھ میں آیا تھا۔
"لگتا ہے تمہیں مجھ پر سخت غصہ آرہا ہے۔" مسکراتے ہوئے وہ سو فیصد درست اندازہ لگا رہا تھا۔
"بجشن تو۔ آج تو میرے لیے بہت خوشی کا دن ہے۔" خود پر بمشکل قابو پاتے ہوئے وہ مسکرائیں۔ "آخر کار اس منحوس کیس سے اب تمہاری جان ہمیشہ کے لیے چھٹ رہی ہے جس نے ہماری نیندیں اڑا رکھی تھیں۔"
"میری نہیں صرف تمہاری۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ مجھے ایسی چیزوں سے نمٹنا اچھی طرح آتا ہے۔" شراب اور اختیار دونوں کا خمار اس کے لہجے اور لفظوں میں اترا تھا۔
"یہ بات مجھ سے بہتر اور کون جان سکتا ہے نبیل۔" اس بار ان کی سرد مہری ظاہر ہو ہی گئی۔

نبیل نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ وہ یقیناً "ناراض تھیں اور انہیں مزید ناراض رکھنا بالکل بھی عقل مندی نہیں تھی۔
"مجبوری تھی مجھے ایسا کرنا پڑا۔ لیکن یہ بہت ضروری تھا زرتاج۔ سالار بری طرح میرے پیچھے پڑا ہے اور اس بار تو اس نے میری گردن میں پھانسی کا پھندا فٹ کرنے کا پورا انتظام کرلیا تھا۔ اگر تم ساتھ نہ دیتیں تو بات بہت بڑھ جاتی۔" وہ سرک کر ان کے قریب آگیا۔
"میں تمہارا ساتھ ویسے بھی دیتی۔ اگر تم اتنے گھٹیا طریقے سے بلیک میل نہ کرتے۔ آخر اتنے سالوں سے بھی تو میں نے کبھی کسی مسئلے میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑا ہے۔ تو اس بار کیسے چھوڑتی۔ مگر تم نے تو اپنا پھندا میرے بیٹے کے گلے میں فٹ کرنے کی پوری تیاری کرلی تھی۔ مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی۔ اور نہ ہی میں یہ کبھی بھولوں گی۔"
ان کی نگاہ نبیل کے چہرے پر جمی تھی۔
"اور یقیناً" بالکل گڑھا ہے۔ جو اس پہلی کامیابی پر اس سانپ جیسی آنکھوں والی عورت کی دشمنی مول لینے چلا ہے۔" گلاس پرے ٹیبل پر ایک سائیڈ پر رکھ کر وہ سنبھل کر بیٹھا۔
"میں سانی کے لیے برا نہیں چاہ رہا تھا زرتاج۔ لیکن میں سالار کے ہاتھوں شکست بھی نہیں کھا سکتا تھا۔ یہ کیس پورا میرے خلاف جارہا تھا۔ حالانکہ تم نے اسے دبانے میں لاکھوں روپیہ خرچ کروا ڈالا تھا۔ پھر بھی یہ اپنی جگہ قائم رہا۔ یہ تو ہونا ہی تھا نا۔" وہ ان کا ہاتھ تھام چکا تھا۔
زرتاج نے دھیرے سے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا تو اس نے اپنی گرفت اور بھی مضبوط کرلی۔ "میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں زرتاج۔ اپنی ساری زندگی تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔"
"میں کیسے یقین کرلوں اس بات کا نبیل جو شخص اپنی مصیبت کو ٹالنے کے لیے مجھے میرے ہی بیٹے پر قتل کا مقدمہ دائر کرنے کی دھمکی دیتا ہے۔ ایک دس سال پرانے معاملے پر پولیس کانفرنس بلانے کے لیے تیار ہے۔ وہ کیسے کل کی زندگی میں مجھ سے وفادار رہے گا۔"
"آگے ایسے کوئی مسائل نہیں آئیں گے ہماری زندگی میں۔ سانی وہاں خوش باش رہتا رہے گا۔ اور ہم دونوں یہاں۔ میں وعدہ کرتا ہوں تم سے۔ کم آن سویٹ ہارٹ۔ بہت پیار کرتا ہوں میں تم سے زرتاج۔"
بہت عرصے بعد نبیل اس والہانہ محبت کا اظہار کررہا تھا۔
زرتاج نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔
نبیل، سانی۔
ان کی زندگی کے یہ دونوں اہم کردار کتنی گہری مماثلت رکھتے تھے۔ دونوں کی بدکرداری ثابت تھی۔ اور دونوں ہی کو بچانے کے لیے وہ جان مال پر کھیلی تھیں۔
"میرے اعصاب بہت تھک گئے ہیں نبیل۔ یہ سب آسان نہیں تھا۔ کروڑوں خرچ ہوئے ہیں اور ذہنی اذیت الگ۔ یہ کیس بھی بالکل ٹھنڈا جارہا ہے۔ اوپر سے یہ سالار اور بیچ آرا۔ میری زندگی کو کسی کی نظر لگ گئی ہے شاید۔"
انہوں نے تھک کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی۔ اور آنکھیں بند کیں۔ ان کے گلابی چہرے پر اب جھائیاں نمایاں ہو رہی تھیں اور چہرے اور آنکھوں کے گرد گہری ہوتی لکیریں اب کسی میک اپ کے نیچے چھپنے کے لیے تیار نہیں تھیں۔
وہ اتنی نڈھال اور بیزار لگ رہی تھیں کہ نبیل کا ان کی طرف دیکھنے کو بھی دل نہیں چاہا۔ مگر اگلے چند سال اور

انہیں برداشت کرتا تھا اس نے بروقت خود کو داد دیا۔

"خود کو سب فکروں سے آزاد کر لو اجی! اب میں سب سے نمٹ لوں گا۔ رہا یہ سالار تو اب کی بار اس طرح رسوا ہو کر یہاں سے جائے گا کہ ساری عمر اس شہر کا رخ بھی نہیں کرے گا۔ یقین کرو میرا۔ بس کچھ دن اور۔ تم یہ شکلیں بھی نہیں دیکھو گی اپنے آس پاس۔" مدھم آواز میں بڑی ہی مضبوط یقین دہانی تھی۔

زرتاج کی آنکھیں ایکدم کھل گئیں۔

"سچ کہہ رہے ہو!"

"تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گی ان کی رسوائی کا تماشا!"

"کیا کرنے والے ہو؟" زرتاج کی آنکھوں اور چہرے پر خوشی کی چمک اتری۔ "کیا کرنے والے ہو تم ان کے ساتھ؟"

"وہ ابھی رہنے دو۔ ریلیکس کرو۔ جو تم چاہتی ہو اس سے بڑھ کر ہوگا۔ مجھ پر یقین ہے نا!"

زرتاج کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

"ہاں اگر ایسا ہو جاتا ہے نبیل! تو مجھے نہیں پتا کہ میں تمہارے لیے کیا کچھ کر جاؤں گی۔ سات خون معاف ہوں گے تمہیں میری طرف سے۔" یہ دو نام 'دو شکلیں' گم ہو جائیں میری زندگی سے۔ بس۔ میں پھر سے جی اٹھوں گی۔"

"تو بس سمجھ لو کہ اب یہ شکلیں گم ہیں ہمیشہ کے لیے۔" ایک بھرپور یقین دہانی اس سخت اعصاب شکن دور کے خاتمے کا سبب بنی تھی۔

"وہ یقیناً" ایسا کر گزرے گا' جب ان جیسی عورت کو سرینڈر کر چکا ہے۔"

پہلی بار انہیں نبیل کی اس کمینگی پر بھی پیار آیا جس سے ذرا دیر پہلے تک وہ سخت نفرت میں مبتلا تھیں۔

انہوں نے بڑی محبت سے نبیل کی طرف دیکھا۔ "آج رات ہم ایک شاندار سا سیلیبریشن رکھیں گے' صرف ہم دونوں کے لیے اس گھر سے دور۔"

"میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔" نبیل کے چہرے پر بڑی بھرپور مسکراہٹ تھی۔

"ہم نہیں کون احمق ہوتے ہیں جو زندگی کو پریشانیوں اور مسائل کے دھارے پر چھوڑے رکھتے ہیں۔"

اور اس مضبوط 'مامون ماحول میں' پورے غرور کے ساتھ اب وہ ٹانے پر فس سکتا تھا' دل کھول کر وہ ہنستا چلا گیا۔

زرتاج تیار ہونے چلی گئی تھیں۔

باہر لاؤنج میں سے آتی ہوئی قدموں کی آہٹ پر اس نے یوں ہی پہنا سر کا کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ سالار کے فیملی ڈاکٹر اندر آ رہے تھے' سالار ان کے ساتھ تھا اور اس کی فکر مندی چہرے سے عیاں تھی۔

"کیا ہوا' یہ ڈاکٹر کیوں آیا ہے؟" زرتاج اس کے پیچھے آکھڑی ہوئی تھیں۔

نبیل نے پلٹ کر ان کی طرف دیکھا۔ "شاید آرا بیمار پڑ گئی ہیں بے چاری۔" مذاق اڑاتا سا انداز۔

زرتاج بھڑکے سے فس پڑیں۔ "ضرور تم نے ہی کچھ کیا ہے۔"

نبیل نے گہری سانس لی۔ زرتاج کا موبائل بج رہا تھا' وہ ابھی کھڑکی میں ہی کھڑی تھیں۔

"میرا فون دینا نبیل۔" "آج جت اچھا دن ہے' ضرور کوئی اور بہت اچھی خبر ابھی میری منتظر ہے۔"

بنا پلٹ کر دیکھے انہوں نے کہا تھا۔

پر یقین' مغرور کھنکتا ہوا لہجہ۔

نبیل نے ڈریسنگ ٹیبل پر بجتا ہوا فون بڑی لاپروائی سے زرتاج کو تھمایا تھا۔

مگر اس بار ان کا اندازہ بالکل غلط نکلنے والا تھا۔

☼ ☼ ☼

محرابوں والے آرائشی برآمدے کے نیچے گلی میں بھرپور جگمگاہٹ تھی۔

پھولوں کی تیز مل فریب مہک' کچھ فاصلے پر سیخوں پر سنکتے کباب تکوں کی مزیدار سی خوشبو تندور میں پکتی روٹیوں کی گرماہٹ' سب ہی کچھ مل کر ہوا کے جھونکوں کو بوجھل کیے دے رہے تھے۔

نگینہ نے نیچے جھانکتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔ گلناز الیاس کے دو پرانے ملازم موڑھے بڑے شاپر اٹھائے برابر کی سیڑھیوں پر چڑھ رہے تھے اور نیچے سیڑھیوں کے ساتھ کھڑی گاڑیوں کی لائنیں مہمانوں کے اسٹیٹس کی گواہی دے رہی تھیں۔

وہی ایک سا منظر۔

"ہا! ایک بوجھل سی سانس نگینہ کے لبوں سے آزاد ہوئی اور اس نے دانستہ رخ موڑا۔

کوئی دن تھے جب گلناز کے چوبارے تلے کھڑی گاڑیاں اسے سر سے پیر تک جلا کر راکھ کر دیتی تھیں۔ گلناز کی اونچی کمائی اور عیش و عشرت بھرا طرز زندگی کا اپنی مشقت بھری پھٹکار زدہ زندگی سے موازنہ بے حال خون کے آنسو رلا تا رہا ہے۔ مگر اب نہیں۔

فرق اس کا اور گل ناز کا نہیں تھا۔ طالع ستارہ اور نالی بولدار کا تھا۔

تصویر کے دو اسنالی مختلف رخ۔

ان کی میراث کو زندگی کا سرمایہ سمجھنے والی طالع ستارہ کا فلسفہ زندگی اب کہیں جا کر اس کے سمجھ میں تھوڑا تھوڑا آنے لگا تھا۔

پانی پر تیرتے اس پتے کی طرح' جس کا ایک رخ تر اور دوسرا خشک۔ اس ماحول کا لازمی حصہ بن کر بھی وہ بالکل الگ تھلگ تھیں۔

معاشی بدحالی کے بدترین دور میں بھی انہیں اس کا ایکسٹرا میں ڈانس کرنا قبول تھا۔ مگر اس کے آگے اور کچھ نہیں۔ ان کا سارا سرمایہ افتخار' آج بھی ان کا کلاسیکل بیک گراؤنڈ تھا۔ رقص' موسیقی' اعلیٰ پائے کے اساتذہ کا کلام۔ آج بھی اگر وہ فیوزن کے صدمے سے نہیں نکلی تھیں تو وہ صرف ایک بیٹی کی جدائی کا رونا نہیں تھا۔ ایک اعلیٰ پائے کی فنکارہ کا مٹی میں مل جانا بھی تھا۔

گلی کے سارے گھروں کی بالکونیاں' دریچے' رنگ بھری روشنیوں سے جھلملائے جا رہے تھے۔

نیم تاریک برآمدے میں کھڑی نگینہ نے خالی خالی نگاہوں سے اطراف کو دیکھا۔

وہ سب جو اس کے دیکھتے ہی دیکھتے کہیں سے کہیں پہنچ چکی تھیں۔

اور وہ بھی جو خاموشی سے گمنامی کے اندھیروں میں اتر گئیں۔ سب کی زندگیوں کے اپنے جواز' اپنی مجبوریاں اپنے دلائل۔

اور کون ہے اس بھری دنیا میں' جو سلا بچھانے کی جرات کر سکے۔

وہ تلخی سے مسکرا دی۔

ظل راج الوقت آئم تم نمبروں سے گونج رہا تھا۔

وہ نمبر جن کا بجنا اس گھر میں آج بھی ممنوع تھا اور جنہیں سن کر طالع ستارہ کانوں کو ہاتھ لگاتی تھیں مگر یہی سب

یہاں کی خوشحالی کی گارنٹی بھی دیتے تھے۔

اس نے ان سب کو کبھی بھی دل سے برا نہیں سمجھا تھا۔ یہ وہ طریقہ زندگی تھا' جو معاشرے کی بھرپور سرپرستی میں رائج تھا۔ رواں دواں تھا۔ پوری ہمت اور جرات کے ساتھ۔ اپنی اچھائی اور برائی روایوں کو اپناتے ہوئے' زمانے کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر ان کے گھرانے کی طرح بیچ بیچ کی جینے والی زندگی سے شاید کہیں بہتر۔

"کہیں اماں ساری زندگی ایک منافقانہ طرز عمل پر تو کاربند نہیں رہیں۔۔۔ کیا ان کا کبھی دل نہیں چاہتا ہو گا کہ وہ بھی بیٹے کی اس رلی چلی کو دیکھیں جو ہر آنے کے دو سہرے سر پر ان کی بہن دیکھتی ہیں۔"

ایک ہی بدگمانی تھی جیسے نانی ستارہ کا نیو لوے سے بے حد محبت کرتا۔

تھی اور صندل پر خیام کو ترجیح بنا دیا ہو۔

ذہنی ہوا میں اتری بالوں کی لٹوں کو اس نے کان کے پیچھے کرتے ہوئے خود کو شرمائی۔

"جیسے کا تو اماں نے وہ عروج دیکھا ہے کہ آج بھی وہ کسی کو نصیب نہیں ہے۔ بڑی بات ان کے اصول۔ ان کا صبر' روایت سے جڑے رہنے کی مضبوطی ہے۔۔۔ اور جو بھی ہے ان ہی کی جوتیوں کا صدقہ۔" اس کا دل ایک دم ہی بھر آیا۔

ہتھیلی سے رگڑ کر آنکھیں خشک کیں اور واپس اندر چلی گئی۔ صندل "استاد فراغت بیگ" کے کمرے میں بیٹھی نظر آرہی تھی۔ آج وہ بڑی دیر سے ان کے پاس بیٹھی نہ جانے کون سے مسائل حل کر رہی تھی۔

نگینہ کو یہ کر اچھا لگا۔۔۔ کم از کم اپنی خود ساختہ تنہائی سے تو باہر آرہی تھی۔

نانی ستارہ نے نکلتے ہوئے دروازے سے نگینہ کو اندر آتا دیکھ کر اپنی حساب کتاب کی کاپی تکیے کے نیچے سرکائی۔

"بہت دیر بعد دکھائی دیں' کہاں تھیں شام سے؟"

"آج بہت دن بعد گھر سے نکلی تھی نا اماں۔۔۔ آتے آتے تھک گئی۔ ذرا دیر کے لیے لیٹی تو پھر آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی دیر پہلے ہی اٹھی ہوں۔"

سادہ سے لہجے میں کہتے ہوئے وہ ان کی پائنتی کی طرف بیٹھی۔

نانی ستارہ نے ذرا غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر اب بھی تھکن کے آثار تھے۔

آج وہ اسٹوڈیو گئی تھی۔ کام کے سلسلے میں اپنے پرانے تعلقات کو چیک کرنے کے لیے۔

"کچھ نہیں کیا بنا؟" نانی ستارہ نے اس کے چہرے سے اندازہ لگانا چاہا۔

"لوگ اب صندل کی ماں کی حیثیت سے دیکھنے لگے ہیں اماں' کہتے ہیں کہ صندل نے کچھ عرصے میں خاصا بہ جانا بیٹھا ہر عزت دے کر لے۔ مگر کام کے لیے منہ سے بھاپ تک نہ نکالی۔"

"تم خود سے خواہش کا اظہار کر دیتیں' اس میں کوئی برائی نہیں۔۔۔ آرٹسٹ تو ساری عمر آرٹسٹ رہتا ہے اور جن کے بچے فیلڈ میں کام کر رہے ہیں۔ کیا وہ ماں باپ گھر بیٹھ گئے ہیں۔۔۔"

نانی ستارہ کو اس کا رکا رکا سا انداز اچھا نہیں لگا۔ نگینہ کی آنکھوں میں بجلی سی چمک اتری۔

"ٹھیک کہتی ہیں آپ۔۔۔ میں تو سوچ رہی تھی کہ اگر انڈسٹری والے نہیں پوچھ رہے تو بہتر ہے کہ ٹی وی کا رخ کیا جائے۔ آج کل وہاں کام بھی زیادہ ہو رہا ہے اور معاوضہ بھی اچھا مل رہا ہے۔ مجھے یہ کون سی انگلی زیادہ ہی ہے۔" نانی ستارہ نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

"یہ بھی اچھا ہے۔ سالار سے بات کرتی ہوں' اس کے ریڈیو ٹی وی پر تعلقات بھی بہت ہیں۔"

"نہیں اماں۔۔۔" وہ ان کے خاموش ہوتے ہی تیزی سے بولی۔ "سالار سے نہیں۔۔۔ اچھا نہیں لگتا۔ پتا نہیں گیتی کو شرمندگی ہو میرے کام پر۔۔۔ سالار بھی تو آخر بیاہتا ہی ہے' کوئی اسے حوالہ دے۔۔۔ میں خود ہی کچھ کرلی

ہوں۔"

اس کے چہرے اور انداز میں اضطراب تھا۔ نانی نے ہمدردی سے اس کو دیکھا۔ وقت کے ساتھ وہ بھی تو بدلی تھی۔

مصلحتوں' جوانوں کو ٹھوکر پر ساری زندگی رکھنے کے بعد گیتی کی شادی ایک خاموش سے بدلاؤ کا سبب بنی تھی۔

"گیتی سے بات ہوئی تمہاری؟"

"نہیں۔۔۔ دو تین دن پہلے ہوئی تھی۔ میں خود زیادہ نہیں کرتی۔ بے خیالی میں کوئی اچھی بری بات منہ سے نکل جائے اور وہاں اس کی ساس ہماری وجہ سے پریشان ہوتی رہے۔"

"وہ تو ہے۔" نانی نے دھیرے سے کہا۔ "مگر پھر بھی کبھی سوچتی ہوں کہ اگر سالار ہمارا کوئی مستقل بندوبست کروا دے تو۔ مگر ہمت جواب دیتی ہے کچھ کہتے ہوئے۔"

"میں تو دعا کرتی ہوں کہ اللہ صندل کو عقل دے کہ۔۔۔" صندل کو آتا دیکھ کر انہوں نے دانستہ بات ادھوری چھوڑی۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں۔" وہ قریبی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ آج بہت دنوں بعد اس نے خود سے گھر والوں میں کوئی دلچسپی ظاہر کی تھی۔ پہلے استاد جی اور اب۔۔۔

نگینہ ہلکے سے مسکرا دی۔

"ایسے ہی ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے!"

مگر وہ اس سے نہیں نانی ستارہ سے مخاطب تھی۔

"آپ نے کیا میرے سے بلال سے کوئی بات کی تھی؟"

"نہیں تو' حالانکہ میرا ارادہ تھا مگر نگینہ نے منع کر دیا۔" نانی ستارہ نے فی الفور نگینہ کو بچانا چاہا۔

کمرے میں چند لمحوں کی خاموشی چھائی۔

نگینہ کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ شاید اسے یہاں سے اٹھ جانا چاہیے تھا۔

مگر فی الفور اس کا ارادہ بھانپ چکی تھی۔

"مجھے آپ سے بات کرنا ہے امی!" اس کا لہجہ اور چہرہ دونوں ہی بے تاثر تھے۔

نگینہ کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔ "ہاں صدقے' کیا بات کرنا ہے۔"

"آپ بلال کے پاس گئی تھیں۔ میری طرف سے معافی مانگنے' درخواست کرنے کہ کوٹھی کی فروخت کے پیسے میں سے کچھ پیسہ وہ مجھے معاف کر دے۔ اگلی فلم میں مجھے چانس دے۔" اس کی نگاہ نگینہ کے چہرے پر جمی تھی۔

"کون بدذات کہتا ہے کہ میں وہاں گئی تھی۔ یوں ہی جھوٹا الزام لگا رہا ہے۔ ہے کون؟ نام تو بتاؤ؟"

ایک چھوٹی سی ایکٹرس ہوتا کام آیا تھا۔ مگر وہ ثبوت لیے ہوئے تھی۔

"مجھے خود بلال نے فون کر کے بتایا ہے۔"

نگینہ کے لب خم ہوئے اور نگاہ نے صندل کے چہرے سے نانی ستارہ کی طرف سفر کیا۔

وہی تھیں جو اسے صندل کے پھٹ پڑنے والے غصے سے بچا سکتی تھیں۔

"اور آج آپ نے پھر اسٹوڈیو کا رخ کیا تھا۔ کام مانگنے کے واسطے۔"

صندل کی اکڑ ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

"ملنے گئی تھی پرانے لوگوں سے۔ گھر میں پڑے پڑے دل گھبرا رہا تھا' مجھے کیا ضرورت تھی کام مانگنے کی۔ ساری عمر کام ہی کیا ہے۔ اب تو دل بھر گیا ہے میرا۔"

نگینہ نے خود پر قابو پالیا تھا۔ سواس الزام کی سنگینی کو کم کرنا آسان ہوا تھا۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ گئی تھیں۔" وہ آہستہ سے بولی۔ اس کے چہرے سے ابھی تک یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ ناراض ہے یا نہیں۔ ستارہ جلے سے کھنکاریں۔

"چلو اگر گئی بھی تھی تو کیا جرم کرلیا اور کام بھی اگر کرے گی تو اس میں کیا برائی ہے۔ آخر کتنی گئی ہے پہلے بھی ملی وی پر دیکھو تو ساری پرانی اداکارائیں نظر آتی ہیں۔ آج کل وہ خود اپنے وقت کی نامور ہیروئین تھیں۔ آج فلموں کی کیریکٹر رول کر رہی ہیں۔ اب تو نگینہ بھی کرے گی تو کون سا فرق پڑنے والا ہے۔"

"فرق تو بڑا ہے خالہ۔ اور یہ آپ بھی جانتی ہیں اور امی بھی۔ نامور لوگوں کی اپنی دنیا ہوتی ہے وہ جہاں جاتے ہیں اپنی دنیا ساتھ لے جاتے ہیں۔ کوئی سوال کوئی انگلی نہیں اٹھتی۔ لیکن امی بے چاری۔"

نگینہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

وہ خود کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر اس کی آنکھوں میں اترنے والی نمی نگینہ سے چھپی نہ رہ سکی۔

"مجھے پتا ہے کہ اب آپ کے پاس پیسے نہیں ہیں۔ لیکن پھر بھی۔" اس نے ہتھیلی سے رگڑ کر آنکھیں خشک کرنا چاہیں۔

"کسی اور کا نہ سہی نگینی کا خیال کرلیں۔ بڑے آدمی کی بیوی ہے۔ وہاں شہر میں عزت نام کما کر بیٹھا ہے اس کا شوہر۔ کیا کہیں گے لوگ یہ ہے سالار کی ساس ہے۔"

نگینہ کا سر خود بخود جھکا تھا۔

"مجھے پتا ہے کہ آپ قصوروار نہیں ہیں۔ میں ہی ناشکری ہوں مگر نگینی بہت کر یٹ ہے امی اسے خود پر اٹھائے گئے سوال نہیں برداشت کر سکے گی۔ رو رو کر جان ہلکان کر لے گی یا پھر۔ ہم دونوں میں سے کسی ایک کو تو اپنی زندگی جی لینے کا حق ملنا ہی چاہیے نا امی!"

صندل نہیں وہ ہرگز گم تھی اور چہرے پر پانی کے چمکتے چند قطرے۔

☆ ☆ ☆

سالار نے نگینی کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

بخار ابھی بھی تیز تھا۔

تھوڑی دیر پہلے دی جانے والی دوا کا اثر ابھی پوری طرح نہیں ہوا تھا۔ سائیڈ ٹیبل پر رکھے برف ملے پانی میں سے اس نے دوسری پٹی نکال کر اس کے ماتھے پر رکھی۔ نگینی کی آنکھیں تھوڑی سی کھلیں۔

سالار محبت سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ہلکے سے مسکرایا۔

نگینی کی آنکھوں میں پھر سے آنسو بھرے ہوئے تھے

"اب ایک آنسو نہیں بس۔ آج رو رو کر کتنا تیز بخار چڑھا چکی ہو پہلے ہی۔ ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ اگر خود کو پرسکون نہیں رکھو گی تو بخار آسانی سے اترنے والا نہیں ہے۔" اس پر جھکتے ہوئے وہ کچھ نرمی سے سمجھا رہا تھا۔ بالکل ہی رائیگاں جا رہا تھا۔

نگینی کی آنکھوں سے ایک نہ ختم ہونے والی برسات جاری تھی۔ سالار نے بہت تشویش سے اس کے بھیگے ہوئے چہرے کو دیکھا۔ آج جب وہ کورٹ سے واپس آیا تھا تو وہ اسے تیز بخار میں جلتی ہوئی ملی تھی اور اسے دیکھتے ہی وہ جس طرح اس کے کندھے سے لگ کر روئی تھی۔ سالار اب تک اس کے لیے کوئی وجہ نہیں ڈھونڈ سکا تھا۔

اور وہ خود سے کچھ بتانے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھی۔

"خود کو سنبھالو نگینی۔ تھوڑا سا کچھ کھا لو۔ آج سارا دن گزر گیا ہے۔ تم نے کچھ کھائے پیے بغیر۔"

"فیصلے کے بعد راجو زری کو لے کر اپنے گاؤں جائے گا۔ اور میں تمہیں لے کر اپنی سسرال۔ بہت دن ہو گئے وہاں تو سوچتی ہوں گی کہ میں تمہیں لے کر فرار ہو چکا ہوں۔ کیسی ہو۔" وہ مسکرا رہا تھا اور اس کا دل رکھنے کے لیے گیتی بھی۔

"بس اتنا ذرا سا۔" وہ اسے کھانے سے ہاتھ کھینچتے ہوئے دیکھ کر اس کی پلیٹ میں مزید کچھ ڈالنے لگا تھا مگر گیتی نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما۔

"بس واقعی اب اور نہیں، پھر کھاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے پھر چائے پیتے ہیں۔" اسے کھانے کے بعد چائے کی عادت تھی۔

وہ گیتی کو چھوڑ کر جانا نہیں چاہ رہا تھا لیکن بار بار اپنے ذاتی کاموں کے لیے ملازموں کو نیچے اوپر کی دوڑ لگوانا بھی اسے کبھی پسند نہیں رہا تھا۔

سیڑھیوں پر اسے ٹرے لے کر آتا دیکھ کر عبدل تیزی سے اس کے قریب آیا۔ "آپ نے کیوں تکلیف کی سر میں اوپر آ کر لے جاتا۔"

"کوئی بات نہیں عبدل۔ بہت شکریہ تمہارا۔ اب ذرا چائے لے آؤ پلیز!" وہ کہتا ہوا مڑنے لگا تھا کہ کسی عجیب سے احساس نے اسے رکنے پر مجبور کیا۔

کون تھا جو گھٹے گھٹے سے انداز میں رو رہا تھا۔ بہت بے قراری کے ساتھ؟

"میڈم زرمرج کے بیٹے کا بہت برا ایکسیڈنٹ ہوا ہے لندن میں۔ مجھے نبیل صاحب کے ملازم نے بتایا ہے ابھی ابھی۔ بتانے ہی آ رہا تھا میں آپ کو۔"

"کیا؟" سالار نے بے یقینی سے اس کی طرف دیکھا۔ ملازم کا سر جھکے سے اثبات میں ہلا تھا۔

"او خدا!" وہ چند لمحے عجیب متضاد سی کیفیت میں گھرا وہیں کھڑا رہا۔

"مانی!"

جسے اس نے آخری بار تب دیکھا تھا، جب وہ ایک نو عمر سا لڑکا تھا۔ بے حد لاڈلا "خود سر۔ اپنی ماں کی شہ پر دل بھر کر اس کی بے عزتی کرنے والا۔

وہ تب جب زرمرج اس سے مانی کے جوتے پالش کروانے اور کپڑے استری کرنے سے لے کر جھوٹی پلیٹ کی بخشش کیا کرتی تھیں اور وہ تیز تیز دھڑکتے دل کے ساتھ خوف میں گھرا ہر وہ کام کیے جاتا تھا جس کا حکم تھا۔ پھر بھی بری طرح پٹتا تھا۔

ایک طویل عرصے بعد اچانک ہی زندگی کے اس تاریک ترین دور نے لاؤنج کی سیڑھیوں پر اسے گھیرا۔

وہ سارا وقت وجود بھولے سے بھی یاد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ رونے کی وہ آواز اب بلند ہو رہی تھی۔

سالار نے ایک گہری سانس لے کر خود کو کمپوز کیا اور نیچے اتر گیا۔ لاؤنج کے بڑے صوفے پر بیٹھی ہوئی زرمرج کی روتی ہوئی حالت اسے کچھ فاصلے سے ہی نظر آگئی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں ان کی آنکھیں سوج چکی تھیں اور چہرے کی رنگت میک اپ بہہ جانے کے بعد اور بھی نمایاں ہو رہی تھی۔ نبیل ان کے قریب کھڑا موبائل پر کوئی نمبر ملا رہا تھا۔

"اتنی دیر ہو گئی۔ تم سے ایک سیٹ کنفرم نہیں کروائی جا رہی ہے۔ وہاں پتا نہیں کیا قیامت گزری ہے۔" سالار نے انہیں چلاتے ہوئے سنا تھا۔

وہ مضبوط قدموں سے چلتا ہوا ان کے قریب آکر ٹھہرا۔

"آپ چاہیں تو میں آپ کی ابھی پہلی فلائٹ سے سیٹ کنفرم کروا دیتا ہوں۔"

زرمرج نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"واقعی؟ کروا سکتا تھا!" اس وقت وہ اتنی پریشان تھیں کہ پہلا خیال انہیں یہی آیا تھا۔

"آپ پاسپورٹ دے دیجیے۔ میں آپ کے جانے کا انتظام کر دیتا ہوں جلد سے جلد۔" نبیل کو قطعی نظر انداز کر کے وہ صرف زرمرج سے مخاطب تھا۔

وہ اس کے باپ کی بیوی رہ چکی تھیں اور مانی اس کے باپ کی ہی اولاد تھا۔

صرف یہی ایک سوچ سالار کو مدد کا ہاتھ بڑھانے پر مجبور کر رہی تھی۔

زرمرج نے اپنا حلق خشک کرتے ہوئے ایک لمحے کے لیے سوچنا چاہا۔

تب ہی نبیل بڑھ کر ان دونوں کے بیچ آکر کھڑا ہوا تھا۔

"ہمارے معاملات میں دخل دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا سمجھتے ہو جھوٹی ہمدردی دکھا کر احسان کرو گے۔ دفع ہو جاؤ!" سالار نے اٹھی ہوئی انگلی سے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا تھا۔

"مت بھولو کہ کسی کو بھی دفع ہونے کا کہنے کا حق صرف میرا ہے اس لیے کہ یہ میرا گھر ہے۔"

زرمرج سے بیکل ہو رہی تھیں۔ "یہ گھر میرا ہے۔ میرے مانی کا ہے اور کسی کا نہیں۔ وہ آ گئے گا تو تمہیں دھکے دے کر باہر نکال دے گا۔ سب کچھ چھین لے گا۔ کچھ نہیں چھوڑے گا تمہارے پاس وہ۔ اب بس اسے اپنے ساتھ ہی لے کر آؤں گی۔ تم نے سمجھا کیا ہے خود کو سالار۔ نفرت ہے مجھے تم سے تمہاری بیوی سے، برباد ہو گے تم لوگ۔"

ان کی چیخوں سے گھر گونج رہا تھا۔ سالار خاموشی سے پیچھے ہٹتا چلا گیا۔

"خود کو سنبھالو زرمرج۔ دیکھو تمہیں ابھی سفر بھی کرنا ہے اس طرح کیسے۔" خود نبیل کے لیے انہیں سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔

"نہیں نکالو اسے یہاں سے نبیل۔ میں ان کی شکلیں نہیں دیکھنا چاہتی۔"

"کل کے بعد یہ خود اپنی شکلیں نہیں دیکھنا چاہیں گے کاش آج تمہیں نہ جانا پڑتا تو تم دیکھتیں کہ اس اسکول اور ان کے ساتھ کیسے منہ چھپانا پڑے گا سالار کو۔"

اس نے اپنی ہی بات سے بھرپور مزہ لیا تھا۔

زرمرج نے کچھ سنا تھا اور کچھ نہیں بھی۔

"مجھے فون دو میں خود بات کر لیتی ہوں۔ مجھے جانا ہے آج ہی۔" انہوں نے جھنجھلا کر انداز میں نبیل سے فون چھینا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

عالیہ بخاری

ستارہ داور

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دل دار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے، جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار، لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گیتی آرا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو رفاحی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

قسط: ۵۷

شام سمٹ کر رات میں ڈھلی اور پھر اور بھی گہری۔
وقت کا بے آواز مگر تیز رفتار سفر۔
سالار کے کمرے کا لاؤنج میں کھلنے والا دروازہ کھلتا تو نیچے سے گھٹی گھٹی سسکیوں اور زرتاج کی ہسٹریائی چیخوں کی آوازیں صاف سنائی دیتی تھیں۔
"وہ اب بھی رو رہی ہیں۔"
گیتی کی دھیمی اور خوف زدہ آواز عقب سے ابھری تو سالار نے فوراً" ہی پلٹ کر دیکھا۔
"تم کیوں اٹھیں بستر سے۔ بڑی مشکل سے تو بخار کم ہوا ہے۔" وہ اس کے پیچھے باہر لاؤنج میں آئی تھی۔
"ان کے جانے کا اب تک کچھ نہیں ہوا کیا؟ کتنی بے چین ہیں' آپ کیوں نہیں کچھ کر رہے ہیں۔" اس نے سالار کی بات شاید سنی بھی نہیں تھی۔ "وہ ماں ہیں سالار۔ سارے زمانے کے لیے کتنی سخت دل اور بے رحم سہی اپنے بیٹے کے لیے تو ان کی بے قراری سمجھ میں آتی ہے۔ پتا نہیں کیسے کیسے وہم گھیر رہے ہوں گے انہیں۔ یہ وقت بہت سخت ہے ان کے لیے۔"
اس کی فطری نرم دلی اسے زرتاج جیسی فتنہ پرور اور تنگ دل عورت پر بھی رحم کھانے پر مجبور کر رہی تھی۔
سالار افسردگی سے مسکرا دیا۔
"فکر مت کرو' وہ کل دوپہر کی فلائٹ سے یوکے جا رہی ہیں۔ سیٹ کنفرم کروالی ہے انہوں نے۔"
"کل دوپہر تک تو بہت وقت ہو جائے گا سالار! اچھا ہوتا کہ وہ شام ہی میں یا پھر اب رات کی کسی فلائٹ سے چلی جاتیں۔"
"یہ ان کی اپنی چوائس ہے گیتی! وہ ہماری مدد لینے کو آج بھی تیار نہیں ہیں۔ ان کا غرور اور نبیل کی بدنیتی دونوں ہی کم ہونے والی چیزیں نہیں ہیں۔ تم فکر مت کرو ان کی۔ چلو اندر چلو۔ زیادہ دیر کھڑی مت رہو۔" وہ اسے واپس اندر کمرے میں لے آیا۔
کمرے میں بہت مدھم روشنی تھی۔
"اللہ ان کے حال پر رحم کرے!"
بیڈ پر بیٹھتے ہوئے گیتی نے آہستہ سے کہا' تو وہ دل سے آمین بھی نہ کہہ سکا۔
"کل شام میں معاذ کے اسکول کی اوپننگ ہے۔ اللہ کرے کہ کل تک تمہاری طبیعت بالکل ٹھیک ہو جائے۔ تم وہاں نہیں گئیں تو ان لوگوں کو بہت افسوس ہو گا۔"
"میں ان شاء اللہ ضرور چلوں گی۔ بخار نہ اترا تب بھی!"
سالار ہلکے سے مسکرایا۔ "چلو شاباش۔ اب اپنی دوا کھاؤ اور سو جاؤ۔ تمہاری دواؤں میں نیند کی ٹیبلٹ بھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہہ رہے تھے کہ تمہیں پرسکون رہنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے اچھا ہے کہ تم بھی گہری نیند لے لو۔" وہ مڑ کر اس کی دوائیں نکالتے ہوئے بات کر رہا تھا۔
"ایسی نیند جس سے وہ کبھی اٹھے ہی نہیں!" گیتی کے دل نے بے ساختہ خواہش کی۔ کم از کم اس طرح وہ سالار کے لیے ذلت کا سبب بننے سے شاید بچ سکے۔
"پھر کچھ سوچنے لگیں!" پانی کا گلاس اور دوائیں اس کی طرف بڑھاتے ہوئے وہ پھر غور سے اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔
"نہیں' کچھ نہیں۔ اچھا ہے نیند لے لوں گی تو صبح تک بہت بہتر ہو جائے گی طبیعت۔"
"آنکھیں بند کر کے لیٹ جاؤ۔ میں تمہارا سر دباتا ہوں!"

"مگر میرے سر میں بالکل درد نہیں ہے۔"
"نہ سہی' لیکن مجھے اپنی بیوی کی تھوڑی سی خدمت کرنا اچھا لگتا ہے۔ بس اب خاموش۔ ایک لفظ کی بحث نہیں!" اس کا وہی پیار بھرا حتمی انداز۔
گیتی نے سختی سے آنکھیں بند کیں اور دوسری طرف کروٹ لے لی۔
کچھ نہیں تو راہ فرار ہی سہی۔
نچلی منزل میں رات کے اس پہر بھی بڑی دم گھوٹتی سی کیفیت طاری تھی۔ اندر باہر ساری لائٹیں جل رہی تھیں پھر بھی چاروں طرف جیسے زردی بھرا اندھیرا سا پھیلتا جا رہا تھا۔
زرتاج نے بڑے کرب ناک انداز میں آہ بھری۔ "میرا مانی!"
ساتھ والے صوفے پر نیم دراز نبیل نے بمشکل آنکھ کھول کر اس کی طرف دیکھا۔
بکھرے بال۔ سرخ انگارہ ہوتی آنکھیں اور چہرے پر پھیلی ہوئی وحشت۔
پہلی نگاہ میں وہ اسے بالکل کوئی بد روح ہی محسوس ہوئی تھی۔
"میرا بیٹا۔۔۔ دشمنوں کی' بدخواہوں کی نظر۔۔۔" وقفے وقفے سے وہ یوں ہی ایک سے جملے دہراتی۔
بددعائیں کوسنے۔
نبیل نے سخت اکتاہٹ محسوس کی تھی۔
کتنی دیر سے وہ سونا چاہ رہا تھا۔ مگر زرتاج کا رونا پیٹنا اسے صوفے سے سر ٹکا کر دو منٹ کے لیے بھی نیند لینے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔
خود نہ وہ اٹھنے کے لیے تیار تھی اور نہ ہی اس نے ایک بار بھی شاید پلک جھپکی تھی۔ ہر تھوڑی سی دیر بعد وہ اسپتال کا نمبر ملاتی اور کوئی امید افزا بات نہ پا کر اس کی وحشت میں اور اضافہ ہونے لگتا۔
مانی کی حالت نازک تھی۔
"وہ بچ تو جائے گا نا نبیل!" اس کی آواز کسی سرگوشی کی طرح نبیل کے کانوں میں اتری تو اسے سنبھل کر بیٹھنا پڑا۔ زرتاج پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
اس کا غرور' اس کی خوب صورتی۔ اس کی عیاری کی حد کو پار کرتی عقل' سب ہی ان چند گھنٹوں میں اس کا ساتھ چھوڑ چکے تھے۔
اور آج سے پہلے شاید وہ کبھی اتنی بدشکل بھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔
نبیل سے محض چند لمحے ہی اس کی طرف دیکھا گیا۔ آج جتنی بار بھی اس کی نگاہ زرتاج کے چہرے پر پڑی تھی اس نے اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس کیا تھا۔
چاہے "مصلحتاً" ہی سہی' زندگی کے مزید کچھ اور سال زرتاج کے ساتھ گزارنے ہی تھے۔ وہ دل کڑا کر کے پھر اس کے قریب آ بیٹھا۔
"وہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔ تم دیکھنا' جب تم وہاں پہنچو گی۔ تب تک وہ ہوش میں آ جائے گا۔ فکر نہ کرو۔" زرتاج کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے۔ وہ رٹے رٹائے انداز میں اپنی ڈیوٹی نبھائے گیا۔
زرتاج کے پاس اس مشکل ترین گھڑی میں یہی تنکے کا سہارا تھا۔
"تم بھی میرے ساتھ چلتے تو میری ہمت بندھی رہتی۔ سفر کاٹنا تھوڑا سا آسان ہو جاتا۔ مجھے اپنی تنہائی کا سوچ کر ہی ہول اٹھ رہے ہیں نبیل!"
اس کی کانپتی ہوئی آواز میں خوف کا تاثر تھا۔

نبیل کو بے ساختہ ہی عروج کا وہ زمانہ یاد آیا جب وہ کمپاؤنڈ میں دوسری طرف بنی ماربل والی سہ دری میں چاند کی پہلی جمعرات کو مستحقین میں خیرات تقسیم کیا کرتی تھی۔

قیمتی لباس، غرور سے چمکتا ہوا چہرہ، نازک اندامی سب ہی مل کر زرتاج بیگم کو کچھ سے کچھ بنا دیا کرتے تھے وہی وقت تھا، جب اسے راجو نے یہاں سکریٹری کی نوکری دلائی تھی۔ اور اس کی سخت تنگ دستی کے زمانے کا اختتام ہو کر عیش و عشرت کے اس دور کا آغاز ہوا تھا۔ جس کا اس نے اپنی کچی بستی میں گزرنے والی زندگی میں کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"تم چلو میرے ساتھ۔ میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے اکیلے جانے سے بہت ڈر لگ رہا ہے نبیل!"

اس کے ہاتھ پر اپنا دباؤ بڑھاتے ہوئے وہ ضد پر اتر رہی تھی۔

نبیل نے اندر ہی اندر ایک گہری سانس لی۔

"میں نہیں جا سکتا ہوں زرتاج۔ تمہیں پتا ہے۔ جب تک کیس کا فیصلہ نہ آجائے میں بیرون ملک کیا، بیرون شہر بھی اب تو نہیں جا سکتا ہوں۔ بس اب صرف تین چار دن کی بات ہے۔ جس روز فیصلہ آئے گا۔ میں اسی دن کی فلائٹ لینے کی کوشش کروں گا۔۔۔ تم بالکل بے فکر رہو۔ بس چند دن میں میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

"چند دن بھی بہت ہوتے ہیں نبیل! میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔ مجھے اکیلا مت چھوڑو۔ میں ہوم سیکریٹری سے بات کرتی ہوں۔ وہ تمہیں میرے ساتھ جانے کی خصوصی اجازت دلوا سکتے ہیں کورٹ سے۔" اس کا ہاتھ تھامے وہ اب بھی بضد تھی۔

"پھر بھی میں تمہارے ساتھ تو نہیں جا سکوں گا نا۔ صبح کورٹ کھلنے کے بعد اگر درخواست جمع کرائی تب بھی، پرسوں کہیں جا کر میرا چلنا ممکن ہوگا۔ ذرا سوچو، تم اتنے دن مائی کو دیکھے بغیر رہ سکو گی۔۔۔ نہیں نا۔۔۔"

ذرا رک کر اس نے زرتاج کو دیکھا۔

"بس اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ تھوڑی سی ہمت کر لو۔ کچھ نہیں ہوا مائی کو۔۔۔ وہ انگلینڈ میں ہے۔ جہاں ہر طرح کی سہولت موجود ہے اسپتال میں۔ وہ لوگ بچا لیں گے مائی کو اور اس بار کچھ دنوں کے لیے ہی سہی ہم اسے اپنے ساتھ لے کر آئیں گے پاکستان۔ پھر ہم اس کی صحت یابی پر ایک بڑا فنکشن رکھیں گے۔ اور اس وقت تک یہ بدبخت سالار اور اس کی بیوی بھی منہ چھپا کر بھاگ چکے ہوں گے اس گھر سے بھی اور اس شہر سے بھی۔"

"میں واپسی پر ان کی شکلیں نہیں دیکھنا چاہوں گی نبیل! انہیں تم واقعی نکال دو گے نا یہاں سے۔" نبیل کے ہاتھ پر اس کی گرفت اور بھی بڑھ رہی تھی اور وہ اس طرح نبیل کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے ایک اس کی ہاں اور نہ پر ہی زندگی کا دارومدار ہو۔

باہر سے کوئی گاڑی اندر آرہی تھی اور رات کے اس آخری پہر میں یہ بڑی غیر معمولی سی بات تھی۔

زرتاج نے چونک کر نبیل کی طرف دیکھا۔

"میرا آدمی ہے۔۔۔ میں نے ہی اس وقت بلایا تھا۔" نبیل نے اٹھتے ہوئے اطمینان دلایا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔

وہ یوں ہی خالی خالی نگاہوں سے دیکھے گئی۔

آج کی رات ہر بات محض چند لمحوں کے لیے ہی اس کے پاس ٹھہر رہی تھی۔۔۔ سوائے اس ایک بات کے۔۔۔ پاس رکھا ہوا موبائل اٹھاتے ہوئے اس نے ایک بار پھر اس نمبر پر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے کال ملائی۔ جو پتا نہیں کتنی بار دہرایا جا چکا تھا۔

باہر اس سیاہ گاڑی کے پاس کھڑے نبیل کے لبوں پر بڑی مکروہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"تم نے بہترین کام کیا بلو! اور اس کے لیے میں تمہیں خوش کر دوں گا۔" اس کی نگاہ ہاتھ میں تھامے پمفلٹ پر تھی، جو وہ آدمی چھپوا کر لایا تھا۔

"بدنام زمانہ عورتوں کا سول سوسائٹی پر تیزی سے بڑھتا ہوا اثر و رسوخ ایک لمحہ فکریہ۔"

نمایاں انداز میں دی گئی اس ہیڈ لائن کے نیچے بڑی چٹخارے دار زبان میں گیتی آرا اور اس کے خاندان کے بخیے ادھیڑے گئے تھے۔۔۔ گلناز جان اور الماس کے بیرون ملک کے دورے۔ نگینہ کے ایکسٹراز میں ڈانس کرنے کا تصویری ثبوت، صندل کا فلمی کیریر سب کے حوالوں کے ساتھ گیتی آرا کی سالار سے شادی نمایاں موضوع تھا۔

نام نہاد نیک نامی کا پردہ فاش۔۔۔

"میں تو کہتا ہوں نبیل صاحب! یہ پمفلٹ، اسکول اور اس کے آس پاس کی دیواروں پر لگا دیتے ہیں۔ ابھی صبح ہونے میں کافی وقت ہے۔" انعام کی رقم مزید بڑھ جانے کی امید نے بلو کا جوش و خروش اور بھی زیادہ بڑھا دیا تھا۔

نبیل نے ایک نظر اس کی طرف دیکھ کر نفی میں سر ہلا دیا۔

"نہیں! وہاں سے تو وہ لوگ صبح ہی ہٹا دیں گے، ایک پمفلٹ نظر نہیں آئے گا وہاں۔۔۔ ہماری ساری محنت بے کار جائے گی۔ یہ وہاں اس وقت تقسیم ہوں گے جب تقریب شروع ہو چکی ہوگی اور یہ عزت مآب اسٹیج پر تشریف فرما ہوں گے۔"

قریب کھڑے بلو نے اس میں سے صرف کام کی بات سمجھی اور خوشامدانہ انداز میں ہنس پڑا۔

"میں چند چھوٹے لڑکے لے جاؤں گا ساتھ ویسے بھی وہاں اس عمر کے بچے ہی سب سے زیادہ ہوں گے۔ اس لیے کسی کو محسوس بھی نہیں ہو پائے گا فوری طور پر۔"

"بالکل ٹھیک۔" نبیل کی نگاہ اس پمفلٹ پر ہی جمی تھی۔

"نئی نسل کی تعلیم و تربیت میں اس بدنام طبقے کو حصے دار بنانے سے بہتر ہے، ان سے بھیک منگوالی جائے۔ اپنے بچے کے ایڈمیشن سے پہلے ایک بار ضرور سوچ لیں۔" حرف اختتام یہی تھا۔

"بلو! یہ میری گاڑی کی ڈگی میں رکھ دو۔ کل شام میں خود وہاں آؤں گا۔ تم مجھ سے پہلے پہنچ جانا، اس مزے دار تماشے کو میں مس نہیں کرنا چاہتا۔"

اس نے تصور میں ہی سالار کے اڑتے ہوئے رنگ کو دیکھ کر مزا لیا۔

☼ ☼ ☼

سلمان کی ہنسی کسی طرح رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ آپا گل نے اسے کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھا۔ ہنستے ہنستے وہ صوفے پر دہرا ہوا جا رہا تھا۔

"قسم سے۔۔۔ آپا گل! مجھے یقین نہیں آرہا۔" الفاظ اس کے منہ سے بمشکل ادا ہوئے ہنسی تھی کہ رکنے کا نام نہیں۔

"یہ ہنسنے کا نہیں رونے کا مقام ہے سلمان۔۔۔ مگر تم کیا سمجھو گے۔ تمہیں تو اپنی بربادی پر بھی دو آنسو بہانے کی توفیق نہیں ہوئی۔" وہ مرجانے کی حد تک سنجیدہ تھیں۔ "ذرا سوچو، یہاں ہمارے گھر میں اس شخص کے ساتھ ایسا سلوک ہوا ہے، جو ہم سب کی پریشانیاں دور کرنے میں عملی طور پر آگے آیا ہے۔ میں تو شرم سے کٹی جا رہی ہوں، جب سے سنا ہے!"

"ہا۔۔۔ آ! کاش میں وہ منظر دیکھ سکتا، پتا نہیں کیوں تم لوگوں کی فضول باتیں سننے کے لیے یہاں کمرے میں بیٹھا تھا۔" وہ ان کی شرمندگی میں حصہ دار بننے کے لیے ذرا بھی تیار نہیں تھا۔

"ذرا سوچو' جویا اور ایسا رد عمل..... فرید الدین کی تو سٹی گم ہو گئی ہو گی' ہونے والی سسرال میں پہلا خیر مقدم؟" وہ پھر سے ہنس پڑا۔ "ویسے تمہاری بیٹیاں بہت تیز ہیں۔ بالکل تمہاری کاپی' ہو سکتا ہے' بات اتنی نہ ہو جتنی انہوں نے تمہیں سنادی۔" اپنی ہنسی کو کنٹرول کر کے اس نے ایک حقیقت پسندانہ تجزیہ کرنا چاہا۔

"میری بیٹیاں بہت سمجھ دار ہیں۔ اپنی عمر سے کہیں آگے۔"

"بے شک' بے شک!" وہ مکمل طور پر متفق ہوا۔

"انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جویا نے بہت زور سے فرید الدین کے منہ پر تھپڑ مارا تھا اور تمہیں شک کیوں ہے۔ آواز تو کمرے تک آئی تھی۔ ہم سب نے سنی تھی۔ میرا تو دل اسی وقت کانپ گیا تھا کہ بس اب کوئی نئی مصیبت کھڑی ہو گی' یہ لڑکی اس گھر کی مکمل بربادی کے درپے ہے۔ اب پتا نہیں اور کیا کروا کر چھوڑے گی۔"

وہ آواز اور لہجے میں جتنی مایوسی سمو سکتی تھیں انہوں نے کی۔

"ارے چھوڑو۔ کچھ نہیں ہوتا!" سلمان نے بے فکری سے ہاتھ ہلایا۔

"مجھے تو یہ افسوس ہو رہا ہے کہ کاش میں بھی آخری ملاقات میں ایسا ہی ایک تھپڑ زوبیہ کے لگا سکتا۔ کچھ تو دل میں ٹھنڈک پڑ جاتی۔ جویا کی ہمت کو ماننا پڑے گا۔ دیکھ لینا' اب فرید الدین ساری عمر اس کے آگے دب کر رہے گا۔ وہ کون سی مثال ہے فارسی کی گربہ کشتن.....

"اونہہ!..... غلط فہمی ہے تمہاری..... کھاتا پیتا پیسے والا مرد۔ غریب گھر کی لڑکی سے کبھی نہیں دبتا۔ جویا کون سا لاکھوں کا جہیز لے کر جا رہی ہے۔ اس کے ساتھ تو تم لوگ ہو' ایک پورے خاندان کی ذمہ داری' بے چارہ فرید الدین اٹھائے گا پھر دبنے کا کیا سوال۔"

ان کے چہرے پر آئی طنزیہ مسکراہٹ' سلمان کو ایک بھولی ہوئی بات یاد دلا گئی۔

"لاکھوں کا جہیز بھی تھا۔ اگر تم نے قبضہ نہ جمایا ہوتا۔ یاد کرو ذرا۔ جب جویا کا رشتہ ختم ہوا تھا تو کیا چیز نہیں تھی اس کے جہیز میں..... سارا کا سارا تم سمیٹ کر لے گئی تھیں اور آج تک ایک پیسہ ادا نہیں کیا اس کا۔"

"ہاں' نہیں کیا' جاؤ کیا کر لو گے۔ میرا بھی حق ہے۔ آخر بیٹی ہوں اس گھر کی۔ چند چیزیں لے لیں تو کیا ہوا۔" وہ ذرا جو شرمندہ تھیں۔

"ہا!" چند چیزیں!" سلمان کو غصہ آنا شروع ہوا۔

"اس وقت گڑے مردے مت اکھاڑو سلمان! حالات نازک ہیں۔ معاملات اس وقت بگڑے تو پھر کسی کے سنبھالے نہیں سنبھلیں گے۔ ہوش کرو ذرا۔" آپا گل نے بروقت خود پر قابو پا لیا تھا۔ ورنہ بات کہیں سے کہیں نکل چلی جاتی۔

"کیا ہوا!..... کوئی گڑبڑ ہو رہی ہے کیا!"

"ہماری قسمتوں میں گڑبڑ کے علاوہ ہے ہی کیا..... کیسے کیسے جھٹکے سہے مگر ایسے ڈھیٹ ہیں کہ....." انہوں نے بے زاری سے سر کو جھٹکا اور ذرا قریب سرک آئیں۔

"فرید الدین کو شک پڑ گیا ہے!"

"کیسا شک؟ کیا معاذ والا قصہ پتا چل گیا ہے اسے۔ برا مت ماننا آپا گل! یہ ہو نہ ہو تمہارے میاں کی کارستانی ہے۔ ورنہ اور کون ہے جو اتنے اندر کی بات جا کر فرید الدین کو سنا سکے؟" سلمان کے فی الفور اخذ کیے ہوئے نتیجے میں دم نہیں تھا۔

"شرم کرو کچھ..... وہ بے چارے تین میں نہ تیرہ میں..... اور معاذ کا نام نہیں لیا ہے فرید الدین نے۔ اسے تو جویا کی حالت دیکھ کر جھٹکا لگا ہے۔ کہہ رہا تھا کہ کوئی بیماری لگ گئی ہے جویا کو..... پہچانی نہیں جا رہی ہے۔ میں نے بڑی

مشکل سے بات بنائی کہ بخار آ رہا ہے کئی دن سے۔ مگر وہ مطمئن نہیں ہوا۔ "کہہ رہا تھا کوئی تو بات ہے۔" آپا گل کی فکرمندی بڑھ رہی تھی۔ "میں تو کہتی ہوں کہ اب تو ایک دن کی بھی دیر نہیں ہونی چاہیے۔ دو چار دنوں میں لگ کر شفٹنگ کر دو۔ سلمان! تم ہی ہو اب گھر میں۔ ابو بے چارے تو ساری ہمت کھوتے جا رہے ہیں۔"

"دو چار دن میں ٹھیک ہو جائیں گے۔ اس منحوس گھر سے چھٹکارا مل جائے۔ میں کل کیا آج ہی سے سامان باندھتا ہوں۔ کل فریدالدین چابی تو دے گیا تھا نا؟"

"ہاں...!" وہ مڑ کر اپنا پرس اٹھانے لگیں تب ہی سلمان کی نگاہ کچن سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف جاتی ہوئی جویا پر پڑی۔ اس کے ہاتھ میں ایک پلیٹ تھی۔ ادھر ادھر دیکھے بغیر وہ کمرے میں جا چکی تھی۔

ان چند لمحوں میں ہی سلمان کو پہلی بار فریدالدین کی بات میں کچھ حقیقت دکھائی دی۔

جویا واقعی بے حد کمزور ہو گئی تھی۔

اس کی رنگت بالکل زرد پڑ چکی تھی اور ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں اس کا وجود بہت ہی عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ سلمان نے کچھ کنفیوز سا ہو کر اس پر سے نگاہ ہٹائی تھی۔

"امی کیا جویا کے کمرے میں ہیں!" آپا گل نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔

"ہوں۔" وہ صرف سر ہلا کر رہ گیا۔

"اچھا ہے' وہاں ایک طرف بیٹھی ہیں۔ ورنہ ہر بات میں بے کار کا دخل دیتی رہیں گی۔"

"آپا... جویا واقعی بیمار ہے!"

آپا گل نے چونک کر سلمان کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ تھی اور مسکراہٹ یکسر غائب۔

"تم بھی وہم پالنے لگے۔ کمال ہے!" انہوں نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا اور پرس سے برآمد کیا' چابیوں کا گچھا سلمان کے ہاتھ میں تھمایا۔

"یہ لو اور بسم اللہ کرو۔ زندگی کو بدلنے کے آثار اب کہیں جا کر نظر آئے ہیں اور رہی جویا تو ان حالات میں وہ بیمار تو کیا مر بھی جائے تو حیرت نہیں ہونی چاہیے۔ کتنے عرصے سے اکیلی گھر کی گاڑی کو کھینچ رہی ہے۔ حال تو اس کا خراب ہونا ہی ہے اور میں جو کچھ کر رہی ہوں' اس کی بہتری کے لیے ہی کر رہی ہوں۔ مگر نہ وہ سمجھ رہی ہے اور نہ تم لوگ۔"

انہوں نے بڑی رقیق القلبی سے جویا کی حالت زار کا نقشہ کھینچا "اب شادی کر کے آرام و آسائش کے ساتھ رہے گی تو دیکھنا کتنی جلدی بالکل بدل جائے گی۔ پیسے سے زیادہ راحت اور کسی شے میں نہیں ہے۔"

سلمان چپ چاپ ان کی شکل دیکھے گیا۔ کم از کم اس آخری بات کی گواہی تو وہ بھی دے سکتا تھا۔

"تو بس اب طے ہے کہ اس موضوع پر اب کوئی اور نئی بات نہیں کی جائے گی' اس میں ہم سب کی بھلائی ہے اور جویا کی سب سے زیادہ۔"

اس بار سلمان نے بڑی عقیدت سے انہیں دیکھا تھا۔

سو ثابت ہوا تھا کہ جویا کا بھلا چاہنے والا ان لوگوں سے زیادہ اور کوئی نہیں تھا۔

"میں سامان کی پیکنگ شروع کرتا ہوں۔ سب سے پہلے اپنی الماری خالی کر لوں ذرا۔ اور تم کچن پر نگاہ ڈال لو۔ ہم کل ہی چلے جائیں گے یہاں سے...." وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

آپا گل نے طمانیت بھرا سانس لیا تھا۔

نیم روشن کمرے میں شاکرہ امی نے اضطراب سے پہلو بدلا تھا۔

"میں تیری مجرم ہوں جویا! تیری زندگی' تیرا دل سب ہی تو اجاڑنے میں برابر کی شریک۔" انہوں نے سسکی سی لی۔

جویا نے فکرمندی سے ان کی طرف دیکھا۔

"بھلا کوئی اپنی سگی اولاد کو بھی قتل کرتا ہے؟" ان کی آواز ایک سرگوشی سے زیادہ اونچی نہیں تھی اور کچھ ایسا تھا ان کے لہجے میں جو خوف زدہ کرتا تھا۔

"امی! آپ کھانا کھائیں پلیز! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے' دماغ پر زور مت ڈالیں۔"

اس نے ہاتھ میں تھاما چمچہ ان کی طرف بڑھایا' تو انہوں نے اس کا ہاتھ پرے کیا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں جویا۔ کچھ نہیں ہوا ہے مجھے۔ کیا تم بھی گل کی طرح مجھے پاگل سمجھنے لگی ہو۔"

"خدا نہ کرے!" اس نے بے ساختہ ہی ان کا ہاتھ تھاما۔ شاکرہ امی چند لمحے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھے گئیں۔ سادہ' صاف چہرہ بے ریا معصوم آنکھیں۔ وہ اتنی زرد کبھی بھی نہیں تھی۔

اس کی سنہری گندمی رنگت کب کھوئی۔ انہیں پتا ہی نہیں چلا۔

انہیں اپنی بے خبری پر شرم آئی۔

"کیا دیکھ رہی ہیں؟" اس پر شاید ہر وقت ہی سہم سا طاری رہنے لگا تھا اور وہ بھی کب سے.... تن تنہا' کسی کے اپنے ساتھ ہونے کا احساس تک نہیں۔

ماں ہونے کا فخر اور اس سے کہیں آگے' اس کی زندگی میں اپنی موجودگی کا احساس' سب ہی کچھ رائیگاں۔

وہ اب بھی ان ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اور ہاتھ میں تھمی پلیٹ چمچہ میں ہلکی سی لرزش۔

شاکرہ امی نے جویا کے ہاتھ سے دونوں چیزیں لے کر سائیڈ میں رکھیں۔

"مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی امی!" وہ خوف زدہ لہجے میں ان سے پوچھ رہی تھی۔

شاکرہ امی نے نرمی سے اس کے چہرے کو چھوا اور ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

جویا نے ان کے چہرے پر پھیلتے آنسوؤں کو دیکھا اور دوسرے ہی لمحے انہوں نے اسے اپنے گلے لگایا تھا۔ ذرا دیر کے لیے زندگی سے بہت کچھ نفی ہوا۔

اپنی بدنصیبی' پیروں تلے جلتی آگ' فریدالدین' آپا گل سب ہی۔

مگر نہیں۔

سب کہاں؟

☼ ☼ ☼
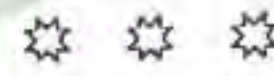
وسیع کمپاؤنڈ میں خوب صورتی کے ساتھ لگائے گئے سفید اور نیلے شامیانے بڑا خوشگوار سا تاثر دے رہے تھے گیٹ سے اندر تک آنے والے راستے پر دونوں طرف پھولوں سے لدے ہوئے گملے۔ اندر قطار در قطار رکھی صاف ستھری کرسیاں۔ سادہ اور پروقار انداز میں سجایا گیا اسٹیج۔ اور سب سے بڑھ کر ماحول پر چھایا خوشی اور سکون کا گہرا احساس۔

برآمدے کی سیڑھیوں پر کھڑے معاذ نے ایک گہری سانس لی اور مسکرا دیا۔

"سب کچھ ٹھیک ہے نا معاذ بھائی؟" چند زینے نیچے کھڑے خیام نے اس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"شان دار۔" معاذ کو اب اس کی کارکردگی پر حیرت نہیں ہوتی تھی۔

وہ تہہ در تہہ' اس پر کھلا تھا۔

بے حد صلاحیت رکھنے والا' باکردار لڑکا' جو اکیلا صرف اپنے سہارے پر کھڑا تھا۔

"مجھے تم پر فخر ہے خیام! اور اب پورا یقین ہے کہ تم میرے کام کو بہت آگے تک لے کر جاؤ گے ان شاءاللہ۔"

معاذ نے بہت محبت سے اس کی طرف دیکھا' لیکن وہ کچھ برا مان گیا۔
"آپ اپنے کام کو خود لے کر چلیں گے۔ میں صرف آپ کے پیچھے ہوں گا ہمیشہ۔ اور آئندہ ایسی بات کیجیے گا بھی مت!"
اتنی سی بات کہتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی آئی تھی' جسے اس نے دوسری طرف رخ موڑ کر چھپانے کی کوشش کی تھی۔
معاذ اتر کر اس کے قریب آکھڑا ہوا۔
وہ پہلے بھی یوں ہی روانی میں کہی گئی' ایسی ہر بات پر اسی طرح جذباتی ہو جاتا تھا اور ہر بار اس کی خود سے محبت پر معاذ کا دل خوشی سے بھرنے لگتا تھا۔
"اچھا سوری۔ بس یوں ہی منہ سے نکل گیا تھا۔ تم کیا لڑکیوں کی طرح دل پر لے لیتے ہو۔"
"میرے لیے آپ ساری دنیا سے زیادہ اہم ہیں معاذ بھائی! آپ نہ ملتے تو پتا نہیں میرا اور کیا حال بننے والا تھا۔ ایک تنہا' بے سہارا مفلس لڑکا یہاں اس دھکم پیل میں اور کتنے دن زندہ رہ سکتا تھا۔ مگر آپ نے مجھے بچالیا۔"
"بچانے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ ہم تم صرف ذریعہ بن سکتے ہیں سمجھے۔"
"ٹھیک کہتے ہیں آپ!" خیام کی آواز مدھم تھی۔
سامنے کمپاؤنڈ میں ابھی بھی چند لڑکے چھوٹی موٹی درستگیاں کیے جا رہے تھے۔ یہ سب اس قابل فخر ٹیم کا حصہ تھے۔
"یہ اللہ کی مہربانی تھی مجھ پر کہ اس نے مجھے آپ سے ملا دیا۔ اور اس کے اس احسان پر میں نے زندگی میں پہلی بار اس ہستی کو جانا۔ اس کا شکر ادا کیا۔ ورنہ اب تک تو میرے پاس صرف گلے شکوے ہی تھے اللہ سے۔ مجھے لگتا تھا کہ شاید اسے میری پروا ہی نہیں ہے۔ یا پھر وہ مجھے۔"
"غلط سوچ تھی تمہاری۔ مجھ سے ملنے سے پہلے بھی وہ تم پر مہربان تھا' وہ ہمیشہ اپنے بندوں پر مہربان رہتا ہے خیام! مشکل سے مشکل حالات میں بھی' وہ ہمیں تنہا نہیں چھوڑتا۔ اس کے بے بہا احسانات کے مقابلے میں ایک چھوٹی سی آزمائش پر ہمارا اس سے گلہ کرنا' ہمارے ایمان کی کمزوری ہے۔"
پل کے ایک چھوٹے سے حصے میں وہ کہیں سے کہیں پہنچا۔
خیام نے اس روشن مہربان مسکراہٹ کو گہرے میں گم ہوتا محسوس کیا تھا۔
اور ایسا پہلی بار نہیں تھا۔
کاش وہ اس دکھ کو ختم کرنے کے لیے کچھ بھی کر سکے۔ جو معاذ بھائی جیسے پیارے انسان کے دل سے جڑا ہے۔
اور وہ کم از کم دعا تو اس پل بھی کر سکتا تھا' سو اس نے دل کی گہرائی سے کی۔
معاذ سیڑھیاں اتر کر سامنے شامیانوں کی طرف جا چکا تھا۔ تب ہی خیام نے اندر آتی ہوئی وہ گاڑی دیکھی' جو اب اس کے لیے اتنی اجنبی نہیں رہی تھی۔
پچھلے کئی دنوں میں راجو کئی بار یہاں آیا تھا اور معاذ کی زبانی اس کے ساتھ پیش آنے والی دکھ بھری کہانی سن کر وہ اس کے ساتھ گہری ہمدردی رکھنے لگا تھا۔ لیکن آج راجو اکیلا نہیں تھا' زرق برق لباس میں ملبوس زری بھی اس کے ساتھ تھی۔
زری جس پر نگاہ پڑتے ہی کچھ اور بھی ساتھ چلا آیا۔ معاذ کے گھر کے گیٹ پر ہونے والے اس ٹکراؤ میں ربیعہ کے ساتھ وہی تھی' جس کی بے معنی گفتگو نے ربیعہ کو کچھ دیر ٹھہرنے پر مجبور کیا تھا۔
ایک مدھم سی مسکراہٹ خیام کے چہرے پر آئی۔

معاذ کے گھرانے کے لیے جو احترام اس کے دل میں تھا' وہ کہیں کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا تھا۔ اور اب تو خیر۔۔۔

دو دن بعد ربیعہ کی سسرال والوں کی آمد متوقع تھی۔ اور معاذ نے کتنی ہی ذمہ داریاں اس کے سپرد کی تھیں۔ راجو گاڑی پارک کرکے کچھ بڑے بڑے شاپرز نکال رہا تھا۔

فی الوقت یہاں کی گہما گہمی میں کچھ بھی نہیں سوچا جا سکتا تھا۔ خیام تیزی سے سیڑھیاں اتر کر اس کی مدد کے لیے آگے چلا گیا۔ زری نے اسے آتا دیکھ کر بڑے ادب سے سلام کیا تھا۔ ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر خود خیام کو بڑا اچھا لگا تھا۔

"سالار بھائی نے یہ سب پہنچانے کے لیے کہا تھا' دیکھ لیں اگر مزید ضرورت ہو تو میں اور لے آتا ہوں۔"

مہنگی اور مشہور فوڈ چین سے آیا ہوا کھانا کافی سے زیادہ تھا۔ سو خیام نے اسے "فوراً" ہی منع کیا۔

معاذ بھی ان لوگوں کو دیکھ کر اس طرف آیا تھا اور بے حد ممنون تھا۔

"میں کیا کہوں۔۔۔ وہ اس طرح ہم لوگوں کا خیال رکھتے ہیں کہ شکریہ کے لفظ بھی نہیں ملتے۔"

"آج وہاں گھر میں بڑی گڑبڑ ہے معاذ بھائی۔" راجو نے تازہ خبر شیئر کی۔ "زرتاج بیگم کے بیٹے کا بڑا ہی برا ایکسیڈنٹ ہوا ہے' بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ وہ اسی وقت روانہ ہونے والی ہیں انگلینڈ۔"

"وہ افسوس ہوا۔" معاذ کے منہ سے بے ساختہ ہی نکلا تھا۔ مگر راجو کا چہرہ بے تاثر تھا۔

"اللہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے معاذ بھائی۔ لیکن یہاں افسوس کا نہیں عبرت کا مقام ہے۔ سالار بھائی تو باظرف انسان ہیں' کسی کو بددعا بھی نہیں دیتے' مگر معلوم نہیں کیا کیا انصاف طلب ہے؟"

اس کی آواز دھیمی تھی۔ "خیر چھوڑیے' آج بڑا خیر و برکت والا دن ہے۔ اللہ آپ کو مبارک کرے۔"

معاذ مسکرا بھی نہ سکا۔

زری کچھ فاصلے پر خاموش کھڑی تھی۔ نگاہیں جھکائے پرسکون۔

شادی کے بعد سے اب تک جتنی بار بھی معاذ سے اس کا سامنا ہوا تھا۔ وہ اسی ایک موڈ میں نظر آئی۔ معاذ کا اطمینان اور بھی بڑھ جاتا۔

"کیسی ہو زری؟"

"شکر ہے اللہ کا' بالکل ٹھیک۔" وہ ہلکے سے مسکرائی۔ "گھر میں سب کیسے ہیں؟"

"وہ بھی سب اچھے ہیں' ابا اور امی تو آئیں گے آج یہاں' ربیعہ کو دادی کی وجہ سے گھر میں رکنا پڑے گا۔"

"میں پنجاب جانے سے پہلے ان سے ملنے کے لیے آؤں گی۔"

"ضرور!" وہ دوبارہ راجو کی طرف مڑ گیا۔

"ابھی تو وقت ہے۔ تقریب شروع ہونے میں' میں زری کو خالہ بتول کے گھر چھوڑ کر ابھی آتا ہوں۔ یہ لوگ پھر سب ایک ساتھ آئیں گے۔ بڑی تیاریاں ہو رہی ہیں یہاں آنے کے لیے آج ہمارے پرانے محلے میں۔"

راجو اب مسکرانا سیکھ رہا تھا اور تعلقات نبھانا بھی۔ وہ لوگ چلے گئے تو معاذ واپس برآمدے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

خیام اور دوسرے لڑکوں نے میز لگا کر کھانا نکال لیا تھا۔

"خیام! ایک بات کا تم لوگ بہت خیال رکھنا کہ کسی بھی قسم کی بدمزگی نہ ہونے پائے۔ گو ایسا کوئی امکان تو نہیں' لیکن پھر بھی ہماری طرف سے کوئی کوتاہی نہ ہو۔ ہر ایک کو چیکنگ کے بعد اندر آنے دینا اور پارکنگ پر دو' تین لوگ مستقل رہیں' تاکہ وہاں بھی کوئی مسئلہ نہ اٹھے اور اگر پھر بھی خدانخواستہ کچھ ایسا ہو جو غیر متوقع ہو تو مجھے پوری امید ہے کہ تم لوگ سنبھال لوگے۔"

"آپ بے فکر رہیں معاذ بھائی۔۔۔! ان شاء اللہ آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔" ان میں سے ایک نے پورے یقین سے کہا۔

خیام سمیت وہ سب پُراعتماد تھے۔

☼ ☼ ☼

جناح ایئرپورٹ سے باہر قدم رکھتے ہوئے نبیل نے ایک گہری ٹھنڈی لمبی سانس لی۔

بالآخر زرتاج رخصت ہوئی۔

پہلا احساس جو اسے حاصل ہوا تھا' وہ اب لمبی آزادی کا تھا۔ جن حالات میں وہ یہاں سے روانہ ہو رہی تھی۔ وہ اس کی طویل رخصت کی نشان دہی کر رہے تھے۔ سائی کومے میں تھا اور پتا نہیں کتنی مدت کے لیے یہی صورت حال رہنا تھی۔

وہ چلتا ہوا پارکنگ ایریا تک آیا۔

زرتاج کی فلائٹ روانہ ہونے میں ابھی کچھ دیر باقی تھی اور اس کی سختی سے تاکید تھی کہ فلائٹ ٹیک آف کرنے تک وہ وہیں باہر موجود رہے۔ لیکن نبیل کا اس پر عمل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

گاڑی کی ڈگی میں رکھا ہوا پمفلٹ کا ڈھیر ایک لمحہ بھی اس کے ذہن سے محو نہیں ہوا تھا اور اپنے گھٹیا منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے۔ وہ بے قرار تھا۔

آج کے بعد سالار کسی سے آنکھ ملانے کے قابل نہیں رہنے والا تھا شہر بھر میں۔

یہ سوچ کر ہی اس کی انتقامی فطرت کو بڑی راحت ملی تھی اور پھر چند دن بعد آنے والا روزی کے کیس کا فیصلہ۔

اس کا دل بے ساختہ قہقہے لگانے کو چاہا۔ لیکن یہاں ہمہ وقت چھایا رش' ایسی کسی حرکت کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔

نبیل نے گاڑی ریورس کی اور وہاں سے نکل کر روڈ تک آنے میں اسے مزید چند منٹ لگے۔

تب ہی اسے وقت کے تیزی سے گزرنے کا احساس ہوا۔ سہ پہر ڈھلنے کو تھی اور یہاں سے اسکول تک کی ڈرائیو گھنٹہ تو لینے ہی والی تھی اور اگر دو' چار سگنل بند ملتے یا ٹریفک جام کے روزمرہ والے معمول سے دوچار ہونا پڑتا تو پھر وقت کی کوئی بھی گارنٹی نہیں دی جا سکتی تھی۔

نبیل نے مضطرب سا ہو کر گاڑی کی رفتار بڑھائی۔

"پتا نہیں سالار اور گیتی آرا ابھی گھر سے نکلے ہوں گے یا نہیں۔" اس نے اندازہ لگانا چاہا۔ مگر حتمی طور پر کچھ بھی آئیڈیا نہیں تھا۔ سو اس نے کسی ملازم سے کنفرم کرنے میں دیر نہیں لگائی۔

وہ لوگ ابھی گھر پر ہی تھے۔

نبیل نے فوری طور پر سکون محسوس کیا تھا یہ سن کر۔ آج چیزیں اس کے حق میں جا رہی تھیں۔ وہ سالار اور گیتی کے ساتھ ہی پہنچنا چاہ رہا تھا۔

ایکسیلیٹر پر اس کے پاؤں کا دباؤ اور بھی بڑھا۔

☼ ☼ ☼

گیتی نے انہیں اوپر والے لاؤنج کی کھڑکی سے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ زرتاج کا واویلا' بددعائیں' مغضب کا شور و غل برپا کیے ہوئے تھیں۔ نبیل اسے سہارا دے کر گاڑی میں بٹھا رہا تھا۔ تب گیتی تیزی سے واپس اندر آگئی تھی۔

نبیل خوف و دہشت کی وہ علامت تھا جو زندگی کے سارے رنگ بڑی تیزی سے مٹاتا جا رہا تھا۔

بری طرح دھڑکتے دل اور ٹھنڈے پڑتے ہاتھ پاؤں کے ساتھ وہ چپ چاپ وہیں لاؤنج میں بیٹھی رہی۔
سالار کسی کام سے باہر آیا تو اسے یوں گم صم بیٹھا دیکھ کر تھوڑا سا حیران بھی ہوا۔
"کیا ہوا؟ چلنا نہیں ہے کیا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے۔" ایک سانس میں کتنے سوال۔
وہ بدقت مسکرائی۔
سالار جانے کے لیے تیار ہو چکا تھا اور اب تک گیتی اچھی طرح جان چکی تھی کہ اس کی تیاری محض چند منٹ لیتی ہے۔
سادہ اور پروقار۔
گیتی نے بہت دھیان سے اس کی طرف دیکھنا چاہا' مگر کبھی کبھی یہ بھی مشکل ہونے لگتا تھا۔
"اگر طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو مت جاؤ۔ میں معذرت کرلوں گا تمہاری طرف سے۔" وہ اس کی مستقل خاموشی سے یہی اندازہ لگا سکا۔
ایک لمحے کو تو گیتی کا دل بھی چاہا کہ وہ ایسا ہی کرے۔۔۔ لوگوں کا سامنا کرنا مشکل تر لگ رہا تھا۔ پتا نہیں کیا ہونے والا تھا۔
نبیل کی دھمکیاں' اس کی بدفطرتی اور کیا خبر وہ سالار کی غیر موجودگی میں زرتاج کو چھوڑ کر گھر واپس آجاتا ہے۔
اور وہ اس لمحے سے پہلے مر جانا پسند کرے گی' جب سالار کے لیے ذلت اور شرمندگی کا سبب بنے۔
ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے خود سے کہا تھا۔
"میں آپ کے ساتھ ہی چلوں گی۔"
وہ کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہوئی اور فوراً" ہی کمرے کی طرف گئی۔ سالار مطمئن ہو کر نیچے جاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھا تھا۔ گیتی تیار ہو کر باہر آئی تو وہ گاڑی کے پاس ہی کھڑا تھا۔
گزشتہ دن کے تیز بخار کا اثر ابھی بھی چہرے پر تھا۔ مگر سالار کو وہ اس تھکے تھکے سے حلیے میں اور بھی زیادہ خوب صورت لگی تھی۔
"آخر یہ کون سی پراسرار کشش ہے جس کا راز ہی نہیں کھلتا' تمہاری بیماری ہے یا کوئی بیوٹی ٹریٹمنٹ۔" گاڑی کو مین روڈ پر لاتے ہوئے وہ سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔
گیتی ہلکے سے مسکرادی۔
"یہ صرف آپ کی محبت ہے۔۔۔ کسی بھی عورت کو اس طرح چاہا جائے تو وہ یوں ہی خاص بن جاتی ہے کسی کی نظر میں' ورنہ میں کیا۔۔۔" اس نے ہلکے سے سر جھٹک کر بات ادھوری چھوڑی۔
"خیر۔۔۔ اب میری بیوی کے لیے ایسا مبہم کمنٹ بھی نہ دو۔"
"کبھی میری امی کے سامنے کہیے گا۔۔۔ ان بے چاری کو تو ہمیشہ یہی دکھ رہا کہ میں صندل جیسی کیوں نہ ہوئی۔"
اس بار وہ صرف ہلکے سے ہنسا تھا۔
"سالار! آپ کو نہیں لگتا کہ اگر میں بھی صندل جیسی خوب صورت ہوتی' تو ظاہر ہے امی مجھے بھی فلم میں ہی بھیجتیں۔ آپ سے شادی تو نہ کرتیں نا میری۔۔۔ اور شاید میں خود بھی نہ کرتی۔"
اپنے سارے بیک گراؤنڈ کو بے رحمی سے جتاتے ہوئے اس نے سالار سے پتا نہیں کیا جاننا چاہا تھا اور پورا یقین تھا کہ چند لمحوں کے لیے ہی سہی اس کے چہرے کا رنگ تو ضرور ہی اڑے گا۔
مگر وہ بے ساختہ ہی ہنستا چلا گیا۔
"تم کچھ بھی کر رہی ہوتیں' شادی بہرحال مجھ سے ہی کرتیں۔ اس لیے کہ یہ مقدر کا لکھا فیصلہ تھا۔ میری

تمہاری یا کسی کی بھی مرضی کا کیا دخل تھا؟"

"آپ کو تقدیر پر اتنا یقین ہے؟"

"ہاں اور ہر مسلمان کو ہونا چاہیے۔" وہ بڑا پرسکون تھا۔

کبھی کبھی تو گیتی آرا کو اس پر اتنا رشک آتا کہ... بس... اتنی ٹھنڈک' اتنا ٹھہراؤ' اتنا سکون' کیسے ممکن تھا بھلا؟ مگر اس وقت ایک اور سوال تھا جو عرصے سے جواب طلب کر رہا تھا۔

"سچ بتایئے! آپ کو اس بات پر شرمندگی ہوتی ہے کہ آپ کی بیوی کا تعلق وہاں سے ہے جہاں سے رشتے داریاں جوڑنے کا لوگ تصور بھی نہیں کرتے۔"

بڑی ہی بے موقع بات تھی۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ آج معاذ کے اسکول کے افتتاح پر جاتے ہوئے وہ بے حد خوش تھا۔

گیتی کو بات منہ سے نکالنے کے بعد افسوس سا ہوا۔

"کیا تم اسی لیے آج کل پریشان رہتی ہو' کسی نے کہا ہے تم سے کچھ' زرتاج نے یا نبیل نے؟ سچ بتاؤ مجھے گیتی؟" وہ جواب ڈھونڈنے کی زحمت میں پڑنے کے بجائے الٹا اس سے پوچھ رہا تھا اور انداز میں کچھ ایسی بے تابی تھی جیسے کسی جگ سا پزل کا کھویا ہوا ٹکڑا ہاتھ آیا ہو۔

گیتی آرا نے بے ساختہ نگاہ چرائی تھی۔

"کچھ نہیں' میں صرف اپنے اطمینان کے لیے پوچھ رہی ہوں۔"

"تمہیں اطمینان میں نے نکاح نامے پر دستخط کرتے ہوئے دلا دیا تھا ساری عمر کے لیے... یہ کچھ اور ہی بات ہے۔"

اس نے چند لمحوں میں ہی دل ہی دل میں کئی اندازے لگائے تھے۔ بھلا کیسے ممکن تھا کہ نبیل اور زرتاج جیسے لوگ اس طرح کی کسی بات کا سرا پکڑ کر گیتی جیسی سادہ لوح لڑکی کا جینا محال نہ کریں۔

وہ کیوں بھولا تھا کہ جس بات کی اس کے نزدیک رائی کے برابر بھی اہمیت نہیں تھی۔ وہ گیتی کے دل میں' اس کی زندگی میں آج بھی کمپلیکس کا سبب تھی اور اس کمپلیکس کو خوف میں بدلنے والے بھی وہیں قریب تر۔

"اوہ خدا۔" وہ جیسے اپنی غفلت پر شرمندہ ہوا۔

"بتائیں نا۔" وہ اب بھی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سالار نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"میں کون ہوتا ہوں لوگوں کو عزت کے پیمانے پر ناپنے والا۔ یہ تو اس رب جلیل کا منصب ہے گیتی! اچھائی برائی' گناہ' ثواب' سب کا فیصلہ' سب کا حکم وہیں سے نافذ ہوتا ہے۔ ہمیں تو صرف اپنی فکر کرنی چاہیے کہ وہ ہماری کوتاہیوں کو معاف کرے' ہمیں دنیا اور آخرت کی رسوائی سے بچالے۔"

"سب لوگ آپ کی طرح نہیں سوچتے' وہاں کا حوالہ گالی کی طرح دیتے ہیں۔ مجھے پہلی بار لگا کہ خیام نے بہت اچھا کیا تھا' جو وہاں کا ہر حوالہ ختم کیا۔ وہ لڑکا تھا۔ پتا نہیں کس طرح باہر لوگوں کو فیس کرتا ہوگا' گھر کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ کس اذیت سے گزرتا ہوگا۔ اب میری سمجھ میں آنے لگا ہے۔"

گیتی کے خوب صورت چہرے پر دکھ کا تاثر اترا تھا اور آج اس وقت اس نے سالار سے خیام کے بارے میں بات کرتے ہوئے کوئی ہچکچاہٹ بھی محسوس نہیں کی تھی۔

وہ اس کی بات سے متفق نہیں تھا۔ لیکن آج وہ اسے خود سے بے حد قریب لگی۔

اس نے دھیرے سے گیتی کا ہاتھ تھاما۔

"محبت بھرے رشتے ہر جگہ ایک سے ہوتے ہیں گیتی! اور ان سے جڑی سچائی بھی۔ کبھی مصلحت' کبھی مجبوری

ان کی خوب صورتی کو دھندلانے لگے' تب بھی ان کی طاقت کم نہیں ہوتی۔ میری نظر میں خیام آج بھی بے وقوف' جذباتی لڑکا ہے۔ اسے جانا تھا۔ ضرور جاتا۔ لیکن سب کو خدا حافظ کہہ کر۔ ایک تعلق ہمیشہ برقرار رکھ کر... ایسا نہ کرکے اس نے نانی کو ہی نہیں خود کو بھی بہت بے سکون کرلیا ہے۔ میں نے دیکھا تھا اسے ایک مشکل ترین دور سے گزرتے ہوئے۔" سالار کی آواز بتدریج دھیمی پڑی تھی۔

"دھیان سے گاڑی چلایئے۔" گیتی نے نرمی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے الگ کیا۔

خیام کے بارے میں کچھ جاننے کی خواہش بھی کب کی تمام ہوئی تھی۔

گاڑی سے باہر نگاہ جماتے ہوئے وہ صرف سالار کے لیے فکر مند تھی۔

روزی کے کیس میں ناکامی پر وہ کس دکھ سے گزرنے والا ہے' نبیل جیسے درندہ صفت کی کامیابی۔

اور یہ کامیابی آگے کتنے ہی مظالم کی ابتدا ٹھہرے گی۔ چند لمحوں کے لیے تو وہ اپنے بھی دکھ کو بھولی تھی۔

وہاں اسکول کمپاؤنڈ میں مہمانوں کی آمد جاری تھی۔ خیام اور دوسرے لڑکے اسی بھاگ دوڑ میں تیار ہو چکے تھے۔ گیٹ کی طرف آتے ہوئے معاذ کی نگاہ خیام پر جمی تھی۔

وائٹ شرٹ اور بلو جینز میں وہ اتنا اسمارٹ اور اچھا لگ رہا تھا کہ معاذ کا بے ساختہ ہی چند لمحے رک کر اسے دیکھنے کو دل چاہا۔ اس کی سنہری رنگت' ہلکا سا بڑھا ہوا شیو اور ماتھے پر گرتے ہوئے براؤن بال۔

ایک عجیب سی دل کشی تھی' جو اس کی طرف بے ساختہ ہی دل کھینچتی تھی۔ وہ اداسی جو اس کی آنکھوں سے ہمیشہ جھلکتی تھی' آج بھی تھی۔ لیکن آج وہ مسکرا بھی رہا تھا۔

لوگوں کو ریسیو کرتے ہوئے اپنے ساتھی دوستوں سے بات کرتے ہوئے دن میں کئی بار معاذ نے اسے مسکراتے دیکھا اور بے حد خوشی محسوس کی۔

جب سے وہ اس کی کہانی کے اصل سے واقف ہوا تھا' تب سے خیام کی محبت اور عزت اس کے دل میں اور بھی بڑھی تھی۔ گھر چھوڑے اسے کتنے سال ہو رہے تھے۔ وہ ایک نوعمر سا لڑکا' اس بے حس دنیا میں اکیلا تن تنہا کس طرح رہا ہے۔ معاذ نے سر جھٹک کر خود کو کمپوزر رکھنا چاہا۔

اور ان لوگوں کی طرف چلا آیا۔

تب ہی اس نے یوسف کمالی کو گاڑی سے اتر کر اپنی طرف آتے دیکھا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھا رہے تھے اور معاذ کو ان کی بے تابی پر بالکل بھی حیرت نہیں ہوئی۔

ان کی نگاہ قدرے فاصلے سے ہی خیام پر جمی تھی۔ معاذ نے دانستہ آگے بڑھ کر ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کی۔

"السلام علیکم کمالی صاحب۔"

انہوں نے کچھ چونک کر معاذ کی طرف دیکھا۔ "وعلیکم السلام بیٹا! مجھے دیر تو نہیں ہوئی۔"

"نہیں بالکل نہیں' آج آپ بالکل ٹھیک وقت پر آئے ہیں۔"

معاذ نے محسوس کیا تھا کہ ان کی نگاہ اس سے بات کرتے ہوئے بھی خیام کی طرف ہی اٹھ رہی تھی اور اس کے ہاتھ میں تھما کمالی صاحب کا ہاتھ بالکل سرد ہو رہا تھا۔

معاذ نے غور سے ان کے چہرے کو دیکھا۔

چند ہفتوں میں ہی ان کی شخصیت میں نمایاں تبدیلی آئی تھی۔ وہ بہت تھکے تھکے اور کمزور محسوس ہو رہے تھے۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے ظاہر کرتے تھے کہ وہ پتا نہیں کب سے گہری نیند نہیں سوئے ہیں۔

"میں تو گھنٹہ بھر پہلے ہی نکل گیا تھا گھر سے' لیکن یہ لینے میں تھوڑی سی دیر لگ ہی گئی۔" انہوں نے ڈرائیور کے ہاتھ سے وہ بڑا سا بوکے اور کیک لے کر معاذ کی طرف بڑھایا۔

"تمہیں بہت مبارک ہو معاذ بیٹا! اللہ زندگی میں تمہیں ہزار ہا خوشیاں اور آسانیاں عطا کرے۔"
اس کی آنکھ میں اتنی سی بات کرتے ہوئے بھی پانی اترا تھا۔ معاذ نے ان کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھاما۔ یہ ایک خاموش یقین دہانی تھی۔
"آپ کا بے حد شکریہ اور یہ سب کچھ مجھ سے زیادہ ان سب کی محنت کا نتیجہ ہے۔" اس نے ان سب کی طرف اشارہ کیا۔
خیام بے نیازی سے ذرا سا رخ موڑ کر کسی ساتھی سے بات کر رہا تھا۔
"آج میں ان سب کے لیے بھی انفرادی طور پر بہت شان دار سے انعامات دینے والا ہوں۔ جو بہر حال ان کی محنت اور خلوص کے آگے کچھ نہیں ہیں۔"
خیام نے ان کی بات سنی بھی نہیں تھی۔
کمالی صاحب کی نگاہوں میں بڑی حسرت، بڑی محرومی تھی۔ زندگی کی یہ سب سے بڑی دولت ان کی ہو کر بھی ان کی نہیں۔ فیروزہ کا بیٹا انہیں معاف کرے گا بھی یا نہیں۔
"خیام!"
وہ معاذ کی آواز پر پلٹا تھا اور ابھی تک وہیں کھڑے کمالی صاحب کو دیکھ کر تھوڑا سا حیران ہوا تھا۔
"ان سے ملو کمالی صاحب۔ ہمارے اسکول کے لیے ان کا بھی بہت بڑا کنٹری بیوشن ہے۔"
"خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" ہاتھ بڑھاتے ہوئے اس نے شاید صرف کرٹسی ہی برتی تھی، لیکن کمالی صاحب کے لیے یہ محض ایک رسمی ملاقات نہیں تھی۔
"جیتے رہو، خوش رہو۔" بڑی محبت سے اس کو گلے سے لگاتے ہوئے ان کی آواز میں نمی واضح ہو رہی تھی۔
خیام اس اجنبی شخص کی جذباتیت کو محسوس کر کے چونکا تھا۔ وہ فوری طور پر اس سے الگ ہونے کے بجائے اسے سینے سے لگائے کھڑے رہے تھے۔
معاذ نے ان کی آنکھوں سے بہتے آنسو دیکھ کر دانستہ نگاہ چرائی۔
"آیئے کمالی صاحب! میں آپ کو دوسرے مہمانوں سے ملاتا ہوں۔"
اس کے احساس دلانے پر وہ چونک کر اس سے الگ ہوئے۔
"چلو!" بنا خیام کی طرف دیکھے وہ معاذ کے ساتھ آگے بڑھتے چلے گئے۔
"عجیب شخص تھے۔" وہ ابھی تک کنفیوژ تھا۔
معاذ انہیں چھوڑ کر واپس آ گیا تھا۔ لوگوں کا رش ایک دم ہی بڑھ گیا تھا۔ انہیں ترتیب وار بٹھانا بہت ضروری تھا۔ خیام دوسرے لڑکوں کے ساتھ مصروف ہونے لگا۔
سالار کی گاڑی رکتے دیکھ کر معاذ نے خیام کو تلاشنا چاہا۔ مگر وہ اسے کہیں نظر نہیں آیا۔
آج اس کا اور گیتی کا سامنا لازمی تھا اور معاذ خاموشی سے الغرض رہ کر اس کے رد عمل کو دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر شناسائی کا اظہار کرتا ہے یا نہیں۔
اسی پر کمالی صاحب سے اس کے اصل تعارف کے ساتھ ملاقات کی کامیابی ٹکی تھی۔
ابا کا خیال تھا کہ اگر وہ گیتی سے ملتے ہوئے ہچکچاہٹ کا شکار نہیں ہوا، تو یہ اس کی ذہنی بہتری کی علامت ہوگا۔ ورنہ کچھ اور انتظار بھی ضروری تھا۔ کسی بھی طور وہ خیام کو کسی ذہنی جھٹکے سے بچائے رکھنا چاہتے تھے۔ مگر اس وقت لوگوں کے رش میں وہ کہیں نہیں تھا۔ معاذ ان لوگوں کے استقبال کے لیے آگے بڑھتا چلا گیا۔
خیام نے بہت دور سے اسے گاڑی میں سے اترتے دیکھا تھا۔

سادہ سی مخصوص مسکراہٹ آج بھی اس کے چہرے پر تھی اور آج بھی وہی بے نیازی جو اچھے اچھوں کو دھوکے میں ڈال سکتی تھی۔

وہ جو سڑک کنارے بنے ہوئے ایک معمولی سے گھر کے ایک چھوٹے سے کرائے کے کمرے میں رہتا تھا اور جس سے نہ چاہتے ہوئے بھی کئی بار اسے مدد بھی لینی پڑی۔

فجر کی اذانوں میں گونجتی وہ صبح آج بھی خیام کو پوری جزئیات کے ساتھ یاد تھی۔ جب سالار نے اسے گلے لگا کر رخصت کیا تھا' بس کا ٹکٹ' گرماگرم ناشتا' کانٹیکٹ نمبر۔۔۔

ہر مہربانی' جو وہ اس وقت اس پر کرسکتا تھا' اس نے کی۔

ایک چھوٹے سے پل میں بہت کچھ دل پر سے ہو گزرا تھا۔ وہ دم بخود سالار کو دیکھ رہا تھا۔

یوں جیسے نگاہوں پر یقین نہ ہو۔

کئی بار اس نام کو خیام کے منہ سے سن کر اسے شبہ سا گزرا بھی تو خود ہی اپنی نفی کی۔

یہ ایسا ہی ناممکن تھا جیسا خود اس کے اپنے حسب نسب میں چاند ستارے جڑنا۔

مگر یہ سالار ہی تھا اور اس کے ساتھ۔۔۔ گیتی آرا۔

خیام کا دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا اور چہرہ پسینے سے تر۔ ایک خوش حال شادی شدہ زندگی گزارنے والے میاں' بیوی۔ معاشرے میں نمایاں حیثیت رکھنے والے سالار کی بیوی گیتی آرا' اس نے دو یا تین بار آنکھ جھپکی۔ مگر یہ کوئی خواب نہیں تھا۔ گیتی کے خوب صورت چہرے پر وقار تھا اور وہ بہت پر اعتماد انداز میں سالار کے ساتھ کھڑی تھی۔ ابا نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

ایک باعزت' محفوظ و مامون زندگی گیتی آرا کو نصیب ہوئی تھی۔ کچھ پوچھے' کچھ جانے بغیر خیام پر گیتی کی خوش نصیبی کھلی تھی۔

تب ہی گیتی نے بھی اسے دیکھا تھا۔ اسے وہم سا ہوا۔

وہ خاموشی سے پیچھے ہٹا اور پھر ہٹتا ہی چلا گیا۔ لوگوں سے' کرسیوں سے الجھتا ہوا۔ قناتوں کے دوسری طرف جہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ تقریباً" دوڑتا ہوا گزرا۔

پارکنگ سے گزرتا ہوا وہ بالکل آخری سرے پر ایک ٹوٹی ہوئی دیوار کے نیچے ایک پتھر پر جاکر بیٹھا تھا۔

اس کا چہرہ پسینے سے تر ہو رہا تھا یا آنسوؤں سے' اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

یہ آنسو تھے جو ایک تواتر سے اس کے چہرے پر گر رہے تھے۔

"اوہ خدا' اوہ خدا!"

وہ سر کو گھٹنوں پر جھکا کر پھوٹ پھوٹ کر روتا رہا۔ اپنی سرکشی پر بھی اور اپنی بے بسی پر بھی۔

جس عزت کے لیے وہ آج بھی سرگرداں تھا' گیتی آرا کو کس آسانی کے ساتھ ملی تھی۔ اس چوبارے والی زندگی کے حوالے سے وہ سالار کی زندگی میں آئی۔ حالانکہ اس نے کبھی بھی اپنے ماحول' اپنے لوگوں سے نفرت نہیں کی تھی۔

نانی ستارہ کی رعب داب والی شخصیت سے لے کر شاما جیسی معمولی حیثیت والی ملازمہ تک وہ ہر ایک سے ادب سے پیش آتی رہی' محبت کرتی رہی۔ جبکہ وہ خود ساری محبتوں' ساری سہولتوں سے فیض یاب ہو کر بھی ان سب سے گھن کھاتا رہا۔

شاما کا ہاتھ اپنے برتنوں پر اپنے کمرے کی کسی چیز پر اسے چھونا بھی گوارا نہیں رہا تھا۔

وہ ان سب کو ان کی اوقات یاد دلانے میں ہمیشہ بے رحم رہا۔ نفرت تھی اسے ان سے' اور شاید آج بھی۔

آج کتنے دن بعد اس نے پلٹ کر دیکھا اور ان سب کے بارے میں سوچا تھا۔

بڑی دیر بعد اس نے اپنا جھکا ہوا چہرہ اٹھایا تھا۔ دونوں ہاتھوں سے چہرے کو رگڑ رگڑ کر خشک کرتے ہوئے اس نے تیزی سے ڈھلتی شام کو دیکھا۔

اندر اسکول کا فنکشن عروج پر تھا۔

اتنے دن سے وہ اس فنکشن کے لیے پرجوش اور مصروف تھا۔ مگر آج سب ہی کچھ صفر ہوا تھا۔

کاش وہ فیروزہ کا بیٹا نہ ہوتا یا پھر وہ اسے اپنے ساتھ لانے کے بجائے اس کے باپ کے منہ پر مار آتی یا پھر کسی یتیم خانے میں داخل کروا دیتی تو یہ ایک ڈری' سہمی' شرمندہ کرتی آزمائش بھری زندگی اس کے حصے میں نہ آتی۔

یا پھر خدا گیتی جیسی نیک نیتی اس کی فطرت کا حصہ بنا دیتا' تب شاید اس کی بھی نجات ممکن ہو جاتی۔

وہ فی الحال وہاں سے اٹھنے کے بھی قابل نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼
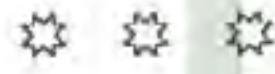
نبیل کا ہاتھ مستقل ہارن کو دبائے گیا۔

گاڑیوں کا جم غفیر تھا' جو چیونٹی کی رفتار سے رینگ رہا تھا۔ آس پاس کی کئی گاڑیوں نے اس کے مستقل ہارن بجانے پر اسے بہت بے زار نگاہوں سے دیکھا تھا۔

مگر اس کی دحشت بڑھتی ہی جا رہی تھی۔

وقت تیزی سے گزر رہا تھا اور کئی دن سے بنایا ہوا پلان بالکل ہی چوپٹ ہوا جا رہا تھا۔

سالار پر اس کا لمبا حساب کھلتا تھا۔

سالار' گیتی' راجو۔۔۔

ان تین کی ذلت اور رسوائی اس نے خود پر فرض کی تھی اور آج ایک بہترین موقع تھا' جو بلاوجہ ہی ضائع ہو رہا تھا۔ کاش اس نے وہ پمفلٹ کل رات ہی اپنے لوگوں کو دے دیے ہوتے تو شاید اب تک وہاں رنگ میں بھنگ پڑ چکا ہوتا' مگر وہ خود تماشا دیکھنے کا منتظر تھا۔

کیا سین ہوگا جب سالار اپنی حسین بیوی کو لے کر چوروں کی طرح وہاں سے نکلے گا اور وہاں موجود ہر شخص کی نگاہیں اس پر ہوں گی یا ہاتھ میں تھامے پمفلٹ پر۔

دل میں اٹھنے والی کمینگی بھری خوشی اسے مجبور کر رہی تھی کہ وہ کسی بھی طرح یہاں سے گاڑی نکال لے اور اگر وہ دس' پندرہ منٹ بھی حاصل کرسکا تو یہ سب ابھی بھی ممکن ہو سکے گا۔

تب ہی اچانک آگے رکی گاڑیاں بڑھنا شروع ہوئی تھیں۔ رفتار ہلکی اور پھر بتدریج بڑھنے لگی۔ نبیل کے چہرے پر بڑی گہری مسکراہٹ آکر ٹھہری۔

"میں آ رہا ہوں سالار! انتظار کرو۔" اس نے رفتار بڑھاتے ہوئے دل میں کہا۔

وہ تیز رفتاری سے آگے بڑھتا چلا گیا۔

فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔

تیز اور تیز۔۔۔

تب ہی اچانک اس کے آگے جانے والی گاڑی نے بالکل اچانک بریک لگائے تھے۔ آگے پیچھے کئی گاڑیاں ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔

نبیل نے بے ساختہ ہی سر تھاما۔ لوگ اتر کر اپنے اپنے نقصان کا اندازہ لگا رہے تھے اور ساتھ ہی ایک دوسرے

کو قصوروار ٹھہرانے کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا تھا۔ نبیل نے بڑے تاسف سے گاڑی کی پچکی ہوئی ڈگی کو دیکھا۔ یہ گاڑی بالکل نئی تھی اور اسے بے حد پسند بھی۔

ڈگی جھٹکے یا ٹکرانے سے تھوڑی سی کھل گئی تھی۔ تھوڑا سا زور لگا کر اس نے ڈگی کو اور کھولنا چاہا تو بے ساختہ ہی حیرت سے پیچھے ہٹا۔

ڈگی میں رکھی ہوئی کسی سیاہی مائل تیل کی بوتل کھلی پڑی تھی اور وہ پمفلٹ کا ڈھیر اس میں پوری طرح ڈوب چکا تھا۔ تیل کی سیاہی الفاظ کے اوپر اس طرح پھیلی تھی کہ ان کا تقریباً" ہر لفظ مٹا تھا۔

✡ ✡ ✡

فنکشن تمام ہوا تھا۔

لوگ ایک ایک کر کے رخصت ہوئے تھے۔

وہ گاڑیوں، موٹر سائیکلوں اور قدموں کی چاپ، خاموشی سے سنے گیا۔ پھر آہستہ آہستہ یہ شور بھی معدوم ہوا جہاں وہ بیٹھا تھا۔ وہاں اب اندھیرا تھا۔ لیکن اس نے پھر بھی اٹھنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

"خیام، خیام، خیام!" معاذ بہت بے تابی سے اسے آواز دے رہا تھا۔

"خیام! کہاں ہو تم۔"

"پتا نہیں وہ کہاں چلا گیا ہے ابا... پورا وقت وہ نظر نہیں آیا مجھے۔" اس نے اسلام صاحب کی طرف بہت تشویش سے دیکھا تھا۔ "آج جبکہ اس کا یہاں آنا بہت ضروری تھا، بہت خوشی اور جذبے سے اس نے اس دن کی تیاری کی تھی اور وہ خود ہی یہاں موجود نہیں رہا۔ کیا وہ ہمیں چھوڑ کر چلا گیا ہے ابا؟"

"خدا نہ کرے۔" اسلام صاحب نے بے ساختہ کہا۔ یہ ایک بے حد تکلیف دہ امکان تھا۔ جس پر ایک پل کے لیے بھی غور کرنے کی ان دونوں میں سے کسی کی بھی ہمت نہیں تھی۔

"تمہیں لڑکوں کو شام سے ہی اس کی تلاش میں بھیجنا چاہیے تھا۔ اس کی جذباتی کیفیت کا اندازہ بھی تھا۔ پھر بھی..." وہ معاذ پر ناراض ہو رہے تھے۔

"بس یہی سمجھتا رہا کہ وہ شاید باہر کسی مصروفیت میں الجھا ہے۔ اگر ذرا سا بھی اندازہ ہوتا کہ وہ یہاں نہیں ہے تو میں اس فنکشن کو چھوڑ کر اسے ڈھونڈنے کے لیے خود چلا جاتا؟"

معاذ کو پچھتاوے گھیر رہے تھے۔

"نہیں... وہ یہیں کہیں ہے، وہ کم از کم مجھے اور آپ کو چھوڑ کر جانے والا نہیں ہے۔"

معاذ کے ہاتھ میں موبائل تھا، جس سے وہ بار بار خیام کا نمبر ٹرائی کر رہا تھا۔ مگر کوئی رابطہ نہیں۔

"آپ گھر چلے جائیں ابا... مگر میں اسے ڈھونڈے بغیر کہیں نہیں جاؤں گا، میں کسی لڑکے سے کہتا ہوں، وہ آپ کو چھوڑ آئے۔" وہ دونوں چلتے ہوئے خاصا آگے نکل آئے تھے۔

"میں بھی تمہارے ساتھ رکوں گا۔ خیام کی فکر مجھے گھر میں آرام سے نہیں رہنے دے گی۔" وہ ایک فیصد بھی راضی نہیں تھے۔ تب ہی سامنے سڑک سے خاصا ہٹ کر ٹوٹی ہوئی دیوار کے ساتھ انہیں کچھ شبہ سا گزرا۔

"کون ہے؟" معاذ تیزی سے آگے بڑھا تھا۔ اسلام صاحب اس کے پیچھے تھے۔

ٹارچ کی روشنی میں دیوار کے ساتھ سر جھکائے بیٹھا ہوا وہ خیام ہی تھا۔

اسلام صاحب اور معاذ نے ایک ساتھ ہی ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"خیام! اٹھو بیٹا، میرے ساتھ گھر چلو!" اسلام صاحب نے بغیر کسی بھی سوال جواب کے بہت نرمی سے اس

سے کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

کچن کی کھڑکی سے نظر آتے پچھلے احاطے میں نیلاہٹ مائل اجالا ترا تھا۔
صبح ابھی پوری طرح روشن نہیں ہوئی تھی۔ لیکن یہ سحر خیزی اس کا پرانا معمول تھی۔ چائے کے پانی کے پکنے کے انتظار میں وہ یوں ہی چند منٹ اس خاموش اور پرسکون منظر میں کھو جاتی تھی۔
سامنے پھیلا سبزہ، چمپا کے پھولوں سے لدا درختوں کا جھنڈ، پچھلی دیوار پر پھیلی نارنجی پھولوں کی بیل، سب ہی کچھ جو دن میں بہت عام سے محسوس ہوتے تھے۔ صبح کے ان اولین لمحوں میں کسی خواب کا حصہ محسوس ہوتے تھے۔ بے حد خوب صورت خاموش منظر جو صرف اس کے لیے تخلیق ہوتا تھا۔
ایک زمانے میں تو معاذ نے پورا یقین دلا رکھا تھا کہ یہیں کہیں، کسی جھنڈ کے پیچھے کسی درخت کی اوٹ میں، بونوں کی کوئی انوکھی دنیا ہے، جہاں وہ اسے کسی دن سیر کے لیے لے جا سکتے ہیں یا پھر نارنجی پھولوں کے درمیان کہیں چھوٹی چھوٹی ننھی پریاں ہیں، جو اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے بھی اڑنا سکھا دیں گی، لیکن یہ تب ہو گا جب وہ ایک اچھی اور نیک بچی بن جائے گی۔
سو معاذ کی کہی ہر بات پر آنکھیں بند کر کے یقین کرنے کی عادت، اسے اچھی بچی بنے رہنے پر مجبور کرتی تھی اور اس اچھی بچی کے لیے ضروری تھا کہ وہ معاذ کے ہوم ورک سے لے کر اس کے سارے چھوٹے چھوٹے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹائے۔
ربیعہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیلتی چلی گئی۔ چائے کا پانی پک چکا تھا۔
ابا کے لیے چائے کا کپ تیار کر کے وہ کچن سے باہر آئی، گھر پر ابھی بھی سناٹا تھا۔
اب جب وہ یہاں سے جانے ہی والی ہے تو یہ سب مانوس سا ماحول اور روٹین کتنی دور چلی جائے گی۔ محض ایک خوب صورت یاد کا حصہ۔
دن میں کتنی ہی بار وہ آنکھ میں آئے آنسو جھٹکتی تھی۔ کیسی محفوظ، مامون، پرسکون زندگی تھی اس گھر میں۔
سامنے ابا کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ابا کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے اس نے خود کو پوری طرح کنٹرول کیا اور مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی، لیکن وہ وہاں نہیں تھے۔
چائے کا کپ میز پر رکھ کر وہ کھڑکی کی طرف مڑ کر پردے ہٹانے لگی۔ کھلی کھڑکی سے ٹھنڈی ہوا کا خوشبو سے بوجھل ہوا کا جھونکا اندر آیا، تب ہی اپنے پیچھے آہٹ پر ربیعہ نے مڑ کر دیکھا۔
خیام سامنے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر پانی کی نمی تھی اور آنکھیں اب بھی سرخی مائل۔
"سوری!" دونوں کے منہ سے ایک ساتھ ہی نکلا تھا۔
ربیعہ کے چہرے پر شرمندگی بھری مسکراہٹ ابھری۔ "مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ یہاں ہیں۔"
"میں رات سے یہیں ہوں، ابا مجھے ساتھ لے کر آئے تھے۔" اس کے چہرے سے نگاہ ہٹانے میں خیام کو دقت کا سامنا ہوا تھا۔

(اگلی قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

سائرہ رضا

اڈی والی جوتی

آسمان کی ملکیت کے دونوں دعوے دار منظر سے غائب تھے، جب مائی بختی نے اپنے کچے پکے کوٹھے کی دہلیز پار کی۔ سورج جا چکا تھا اور نہ جانے چاند کو کیا جھجک تھی کہ نکل کے ہی نہیں دے رہا تھا۔ اکلوتا بلب اپنی کارکردگی سے مطمئن تھا، کیونکہ اس کی روشنی کمرے کے اندر برآمدے اور پتلی لکیر کی صورت کونے میں بنے چولہے تک مزے سے پہنچتی تھی۔ دروازے کے پاس بنے غسل خانے تک اندازے سے بنا ٹھوکر کے پہنچ جاتے ہیں کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ موسم چونکہ سردی کی جانب مائل تھا تو پنکھے کی ضرورت نہیں تھی۔
"اے گلابی... اے سانولی... کدر جا بیٹھی؟" اس کی پاٹ دار آواز آنگن میں گونجنے لگی۔
گلابی چولہے کے پاس سے اور سانولی کمرے سے لپک کر برآمد ہوئی۔ سانولی نے ہاتھ میں پکڑا شیشے کے ڈھکن والا لکڑی کا بریف کیس احتیاط سے چارپائی پہ رکھ دیا۔ گلابی نے سر سے گٹھڑ اتارا اور بغل کا جھولا بھی، مگر تیسرا سیاہ تھیلا بختی نے ہاتھ بڑھانے پر بھی نہ دیا، دونوں سمجھ گئیں، آج اماں کچھ خرید لائی تھی۔
"اماں! اس میں کیا ہے؟" گلابی شرم سے دہری ہونے لگی۔
"صبر کر صبر... تیرے لیے ہی ہے۔ ذرا پانی تو پلا۔ اج بڑے بازار میں خوب رش لگے، خبر نہیں دنیا مہنگائی روتی ہے پر بازار تو ایسے بھرے ہیں جیسے شام کو خالی کر کے جائیں گے۔ ہر بل خیر! رب سوہنا بازار آباد رکھے۔"
سانولی نے مٹی کے آب خورے میں مٹکے کا پانی ڈال کر اماں کو بصد احترام دیا، جو وہ غٹا غٹ پی گئی۔
"آج کیا پکا لیا؟ زوروں کی بھک (بھوک) لگے ہے۔"

دیوارِ شب

عالیہ بخاری

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دل دار نانی نے اس کی پرورش بے حد نازو نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے، جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار، لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ گیتی آرا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو رفاہی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعاگو ہیں۔

قسط: ۵۸

"ابا اور معاذ پچھلے گارڈن میں ہوں گے پھر' اگر کمرے میں نہیں ملتے تو وہیں ہوتے ہیں صبح کے وقت۔" اس نے بولتے ہوئے مڑ کر چائے کا کپ اٹھایا۔ "میں آپ تینوں کے لیے وہیں چائے لے آتی ہوں۔"

"میرے آنے سے آپ کا کام بڑھ گیا۔"

دروازے کی طرف جاتی ربیعہ نے چونک کر خیام کی طرف دیکھا۔ اتنے عرصے میں وہ جتنی بار بھی یہاں آیا' محض چند لفظوں سے زیادہ وہ کبھی بھی اس کے منہ سے اور کچھ نہیں سن پائی تھی۔ سو پھر آج یہ کیسی بات برائے بات؟

"کیا ہوا؟" ربیعہ کی حیرت کو نوٹ کر کے وہ شرمندہ سا ہوا۔

"کچھ نہیں' اصل میں آپ بولتے نہیں ہیں نا' اس لیے عجیب سا لگا۔" اس بار ربیعہ کو فوراً" اپنی بات کے بے تکے پن نے شرمندہ کیا اور وہ خیام کی مسکراہٹ کو دیکھنے کے لیے وہاں رک بھی نہیں سکی۔

خیام بے ساختہ ہنستا ہی چلا گیا۔

دروازے پر پڑا پردہ ابھی تک ہل رہا تھا۔

سر کو ہلکے سے جھٹکتے ہوئے اس نے خود بھی باہر جانے کے لیے قدم بڑھایا تھا کہ سامنے الماری میں لگے قد آدم آئینہ میں دکھائی دیتے عکس نے اسے ٹھٹکنے پر مجبور کیا تھا۔

چہرے پر پھیلی مسکراہٹ ابھی بھی نمایاں تھی اور ایسے میں وہ خود اپنے آپ کو بے حد اجنبی سا لگا۔

معاذ کے ہمراہ گزرتے زندگی کے اس دور میں' جب ہلکی سی مسکراہٹ اس کے حصے میں آنے لگی تھی۔ تب بھی وہ اس طرح پورے دل کے ساتھ ہنسنے کی ہمت تو کیا خواہش بھی کبھی نہیں کر پایا تھا۔ مگر اس وقت' اک عمر کی بدنصیبی کا رونا جیسے کچھ لمحوں کے لیے پس پشت چلا گیا تھا۔

وہ ربیعہ کی بات کو یاد کر کے ایک بار پھر سے مسکرایا۔ مگر اس بار افسردگی غائب تھی۔

"کوئی تک بھی تھی بھلا؟" اس نے خود کو سختی کے ساتھ سرزنش کی اور تیزی سے باہر نکل آیا۔

عافیت اسی میں تھی کہ خود سے بھی نگاہ بچا کر چلا جائے۔ برآمدے کی سیڑھیوں سے اتر کر پچھلے گارڈن تک جاتے ہوئے اس نے خود کو مربوط رکھنا چاہا تھا۔

"آؤ بیٹا خیام!" ابا موسمی پھولوں سے لدی کیاری کے ساتھ ہی بید کی کرسی پر بیٹھے تھے اور معاذ ان کے قریب دیوار کے ساتھ بنی منڈیر پر۔

اسے آتا دیکھ کر دونوں ہی جس محبت سے مسکرائے تھے۔ وہ خیام کو پچھلی رات کے اپنے رویہ پر شرمندہ کرنے کے لیے کافی تھی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام! جیتے رہو' بیٹھو۔" "میں تمہارا ہی انتظار کر رہا تھا۔" ابا نے قریب پڑی دوسری کرسی کی طرف اشارہ کیا' لیکن وہ معاذ کے قریب منڈیر پر ہی بیٹھا۔

معاذ نے دھیرے سے اس کے کندھے کو تھپتھپایا۔

"نیند تو ٹھیک آئی؟"

"جی!"

"رات تمہیں بخار تھا۔ ابھی ناشتے کے بعد میرے ساتھ ڈاکٹر کے ہاں چلنا۔" معاذ کا ہاتھ ابھی تک اس کے کندھے پر تھا۔

"میں ٹھیک ہوں معاذ بھائی!" وہ اطمینان دلانا چاہ رہا تھا' لیکن یہاں کوئی ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

معاذ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ تم ڈاکٹر کو دکھا آؤ گے تو مجھے بھی تسلی ہو جائے گی۔۔۔ رات میں کتنی دیر پٹیاں رکھیں' تب کہیں جا کر تمہارا بخار اترا تھا۔" وہ دونوں ہی فکر مند تھے۔ خیام کی نگاہ جھکی تھی۔

"آئی ایم سوری!"

معاذ ہلکے سے ہنس پڑا "کس بات کی معذرت۔۔۔ کیا بخار ہو جانے کی؟"

"نہیں! بلکہ۔۔۔" اس نے سر اٹھا کر کچھ کہنا چاہا تھا۔ تب ہی وہ ایک بار پھر آتی دکھائی دی۔

"لو بھئی! چائے بھی آ گئی۔" ابا ربیعہ کو آتا دیکھ کر خوش دلی سے بولے۔

"السلام علیکم ابا!"

"وعلیکم السلام بیٹا! خوش رہو ہمیشہ۔"

معاذ اور ابا ربیعہ کی طرف دیکھتے ہوئے ایک سے محسوسات سے گزرے۔

"بس فقط تھوڑا عرصہ اور۔۔۔"

چائے کے خوشبو اور بھاپ اڑاتے کپ ان تینوں کو دیتے ہوئے ربیعہ نے ان کی خاموشی کو دل پر محسوس کیا تھا۔

وہ سب ایک دوسرے کے اتنے قریب تھے کہ کوئی بار کہنے سننے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔۔۔ اب آج کل تو جیسے یہ حساسیت عروج پر پہنچ رہی تھی اور سب ہی ایک دوسرے کو تکلیف سے بچانے میں ہمیشہ کی طرح سرگرداں۔

"ربیعہ بیٹا! خیام سے ملیں؟ رات ہم اسے ساتھ لے آئے تھے۔" ابا نے پتا نہیں اسے نارمل کرنا چاہا تھا یا خود کو۔

ربیعہ مسکرا دی۔ "ہم ابھی ملے تھے ابا! کچھ دیر پہلے۔ تب ہی مجھے پتا چلا کہ یہ آئے ہوئے ہیں۔"

"تمہاری سسرال کے استقبال کی تیاری ہم دونوں ہی مل کر کر سکیں گے نا۔ ابا نے تو ایک لمبی لسٹ تیار کر کے دے دی ہے کاموں کی۔ جلدی سے ناشتا بناؤ۔ تاکہ ہم نکلیں گھر سے۔۔۔ اب تو مہینے بھر کے لیے آرام کا لفظ ہی ہماری زندگی سے نکلتا دکھائی دے رہا ہے خیام!"

معاذ نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے خود پر مصنوعی تھکن سی طاری کی۔ ربیعہ نے حسب توقع فوراً" ہی برا مانا۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے کچھ کرنے کی۔۔۔ ابا! نہیں تو کوئی کام سپرد مت کیجیے گا۔ ساری زندگی احسان جتاتے رہیں گے مجھ پر اور میں ابھی صاف کہہ رہی ہوں کہ۔۔۔"

خیام نے بے ساختہ ہی ایک نگاہ ربیعہ پر ڈالی تھی۔ جھنجلائی ہوئی تیز تیز بولتی ہوئی۔

"غصہ نہیں کرتے بیٹا! عادت پتا تو ہے بھائی کی۔" ابا نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔ "سب سے زیادہ محبت کرتا ہے تم سے۔"

"کوئی نہیں کرتے۔"

"ربیعہ ربیعہ۔۔۔" کھڑکی میں سے امی آوازیں دے رہی تھیں۔

وہ بات ادھوری چھوڑ کر واپس اندر چلی گئی۔

خیام نے ابا اور معاذ' دونوں کی مسکراہٹ کو چند لمحوں میں پھیکی پڑتی محسوس کی۔

"کل سے ان شاء اللہ تمہارے نئے اسکول کی باقاعدہ کلاس شروع ہو جائیں گی۔۔۔ ایڈمیشن ابھی کچھ دن اور چلیں گے یا پھر اب بند کرو گے؟"

ابا نے شاید جان بوجھ کر موضوع بدلا تھا۔
خیام خاموش بیٹھا ان کی گفتگو سنے گیا۔
معاذ کے پاس کبھی بھی آئیڈیاز کی کمی نہیں ہوتی تھی۔ اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی بہت کچھ کی گنجائش تھی۔ مگر وہ وہاں ہوتے ہوئے بھی وہاں نہیں تھا۔
گزشتہ شام سے اب تک بہت کچھ تھا جو تیزی سے گڈمڈ ہوا تھا اور زندگی میں پھیلا ہوا الجھاؤ اور بھی گہرا۔
خالی خالی نگاہوں سے ابا اور معاذ کی طرف دیکھتے ہوئے خیام کو ان کی باتوں کا ایک لفظ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا حالانکہ اس نے پورا دھیان لگا کر ان کی باتوں میں دلچسپی لینا چاہی تھی مگر نہیں۔
اور وہ لوگ آخر کیوں نہیں اس سے کل شام کے بارے میں پوچھتے۔ اس کی غیر موجودگی اس کی خستہ حالی کسی پر بھی کوئی ایک سوال کیوں نہیں اٹھایا گیا اب تک۔۔۔
کوئی تو پوچھے اس سے۔
کسی حوالے سے سہی۔
دل سے اٹھتی آواز میں اور بھی شدت تھی۔
خیام نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔
"ابا! میں آپ لوگوں کو کچھ بتانا چاہتا ہوں۔"
ابا اور معاذ دونوں ہی نے بیک وقت چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
"میں آپ کو اپنے بارے میں بتانا چاہتا ہوں ابا۔۔۔۔ سب کچھ۔"
اس نے بڑی تیزی سے بات کو دہرایا جیسے ابھی نہ کہا تو شاید پھر کبھی نہ کہہ سکے گا۔
ایک گہری سانس لیتے ہوئے اس نے خود کو حیرت انگیز طور پر بے حد پرسکون محسوس کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"خیام وہاں ہے سالار! اس نے بھی مجھے دیکھا تھا۔" صبح ناشتے پر ایک بار پھر اسے یاد آیا۔ وہ کل سے اتنی حیران تھی کہ حد نہیں۔ سالار ہنس پڑا۔
"ضرور ہوگا۔ میں نے کب کہا ہے کہ وہ نہیں تھا۔ بس مجھے دکھائی نہیں دیا۔۔۔"
"دیکھا۔۔۔ آپ پھر مذاق اڑانے لگے۔" وہ تھوڑی سی ناراض ہوئی۔ "کیا آپ کو ایسا لگتا ہے کہ میں یوں ہی وہم کا شکار ہو رہی ہوں۔۔۔ یا میرا اب بھی دماغ اتنا خراب ہے کہ۔۔۔" بات ادھوری چھوڑ کر اس نے بے زاری سے سر جھٹک کر کسی امکان کو رد کیا۔
سالار کو اس بار پہلے سے بھی زیادہ ہنسی آئی تھی لیکن اس کی مزید ناراضی کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا۔
"میں اپنی پیاری بیوی کے لیے کچھ بھی ایسا ویسا سوچ کر بے ادبی کا مرتکب کیسے ہو سکتا ہوں؟"
گیتی کو اب بھی مذاق اڑانے کا سا شبہ ہوا تھا۔ لیکن سالار کی محبت لمحوں میں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور رکھتی تھی۔
بڑے ہی غیر محسوس انداز میں وہ ذات کی تبدیلی کے عمل سے گزری تھی۔ اب تو سوچ کر بھی کوفت ہوتی تھی کہ وہ خیام کے جانے کے بعد مایوسی اور دکھ کے کسی عالم سے گزری تھی۔
"اللہ کے ہر کام میں مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے مگر انسان نہیں سمجھ سکتا فوری طور پر۔" گیتی نے کھوئے کھوئے سے انداز میں شاید خود سے کہا تھا۔
"یہ عادت تم میں بالکل نانی ستارہ والی ہے۔ وہ بھی اسی طرح لمحہ نہیں لگاتیں بات کہیں سے کہیں شروع کرنے میں۔ انسان بس سرا پکڑنے میں ہی لگا رہتا ہے ان کے ساتھ بات کرتے ہوئے۔"
گیتی ہلکے سے مسکرا دی۔ "کچھ غلط تو نہیں کہا نا میں نے۔۔۔ خیام کا جانا ہمارے خاندان کے لیے بہت بڑی ٹریجڈی تھا اور اس کے لیے بھی آسان تو نہیں رہا ہوگا مگر اب اتنے سال گزر جانے کے بعد سب کچھ بڑی حد تک نارمل ہو گیا۔"
"خیر! اب اگر وہ معاذ کے پاس آ گیا ہے تو یقیناً یہ اللہ کا کرم ہے اس پر۔۔۔ وہ تبدریج بہتری کی طرف بڑھے گا اور کیا پتا بڑھ بھی چکا ہو۔ مجھے اس خبر سے واقعی بڑا اطمینان ہوا ہے۔" آملیٹ کا ایک ٹکڑا کاٹ کر اس نے گیتی کی پلیٹ میں رکھا۔
"کیا ہمیں نانی کو بتا دینا چاہیے؟ انہیں تسلی ہو جائے گی۔ مجھے ان پر رحم آتا ہے۔ پہلے فیروزہ خالہ اور اب خیام۔۔۔ وہ اب کہتی تو نہیں۔۔۔ لیکن۔۔۔"
جیتے ہوئے اس سارے قصے میں آج بھی نانی ستارہ کا غم تازہ تھا۔ یہ بات طے شدہ تھی۔
سالار نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔
"لیکن پھر بھی۔۔۔ پھر بھی انہیں اس طرح براہ راست بتا دینا خود ان کے لیے اچھا نہیں ہوگا گیتی! پہلے کم از کم خیام کا تو پتا ہو کہ وہ ان سے ملنا بھی چاہتا ہے یا۔۔۔"
"میں ملنے کے لیے نہیں کہہ رہی لیکن بس انہیں پتا چل جائے کہ وہ زندہ ہے۔ یہی بہت بڑی خبر ہوگی ان کے لیے۔"
"ابھی نہیں کچھ دن اور رک جاؤ۔ وہ جب یہاں تک آ گیا ہے تو پھر اسے خود کو آزما لینے دو۔۔۔ مت بھولو کہ اس کے پیچھے معاذ اور اس کے والد ہیں۔"
گیتی نے کچھ کہنا چاہا تھا۔ مگر تب ہی اس کی نگاہ باہر سے آتے ہوئے نبیل پر پڑی تھی۔
"مت دیکھو اس کی طرف میں ہوں نا تمہارے پاس۔" سالار نے دھیمی آواز میں اسے ٹوکا۔
گیتی نے ذرا سا رخ موڑ کر سالار کی طرف دیکھا۔
"خدایا!" وہ ہلکے سے بڑبڑایا۔ "زرد پڑ رہا ہے تمہارا رنگ۔ گیتی! تم ٹھیک تو ہو نا! وہ جا چکا ہے۔"
گیتی کی نگاہ نے اس کی نگاہ کا تعاقب کیا تھا۔
نبیل بنا کسی سے الجھے ہوئے اپنے کمرے کی طرف گیا تھا۔
وہ واقعی الجھا ہوا تھا یا پھر سالار کی موجودگی نے اسے باز رکھا تھا بظاہر ایسا ہی لگا تھا۔ لیکن صرف گیتی نے اس ایک نظر کی وارننگ کو وصول کیا تھا۔
"ویسے حیرت کی بات ہے کہ یہ شخص اتنا مطمئن ہے۔ یا تو اس کے اعصاب بہت مضبوط ہیں یا پھر یہ ضرورت سے زیادہ پر اعتماد ہے۔"
"اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس نے اپنے بچاؤ کے لیے کچھ کر لیا ہو۔" گیتی کے منہ سے بے ساختہ ہی نکلا تھا۔
"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ نبیل کے خلاف جرم ثابت ہو چکا ہے اور اس کی سزا وہ پا کر ہی رہے گا۔۔۔ اگر وہ خدا نہ کرے کسی بھی وجہ سے بچ نکلتا ہے تو بھی میں اسے معاف نہیں کروں گا۔" سالار ایک دم بے حد سنجیدہ ہو گیا۔
گیتی کا دل بہت زور سے دھڑکا۔
"تم فکر مت کرو ایسا کچھ نہیں ہونے والا جو پریشان کن ہو۔ اگر اسے سزا نہیں ملنی ہوتی تو اس وقت زرتاج بیگم کے ساتھ یو کے جانے سے روکا نہیں جاتا۔ شک کا اظہار تو ہے نا اس پر۔۔۔"
سالار نے اس کا ٹھنڈا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تسلی دینا چاہی مگر اندر ہی اندر ایک گہرا سہم روز بہ روز مزید گھنا

ہوتا جارہا تھا۔
جانے نہیں کیا ہوتا تھا؟
کیتی نے مضبوطی سے سالار کا ہاتھ پکڑلیا۔

☼ ☼ ☼

گھر کا آخری سامان بھی نیچے کھڑے ٹرک میں لوڈ کردیا گیا تھا۔ خالی درودیوار کے بیچ اب کچھ بھی نہیں تھا' سو عجیب سی ویرانی اترنا شروع ہوگئی تھی۔
جویا نے ایک خاموش سی نگاہ اپنے کمرے پرڈالی اور دروازہ بند کرکے باہر نکل آئی۔
"جلدی کرو جویا! سب لوگ ٹیکسی میں بیٹھے ہیں۔ تم کر کیا رہی ہو آخر!" سیڑھیوں کے پاس کھڑے سلمان نے جھنجلا کراس کی طرف دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں گھر کی چابی تھی' جو اسے ابھی نیچے مالک مکان کے سپرد کرنا تھی۔
"سامان کا وہاں اتروانا اور پھر اوپر چڑھوانا' میری تو زندگی عذاب بنی ہوئی ہے۔ سارے کام کرنے کے لیے میں ہی رہ گیا ہوں۔ باقی سب کے عیش ہیں اس گھر میں۔" وہ بڑبڑاتا ہوا اس کے پاس سے گزرتا ہوا نیچے گیا تھا۔
جویا خاموشی سے ٹیکسی میں آبیٹھی۔
زویا' شاکرہ امی اور وہ۔ آگے اظہار صاحب تھے۔ سلمان کو بائیک پر جانا تھا۔
سڑکیں' بازار' گلیاں۔ تیزی سے پیچھے جاتے گئے۔
راستے بھر کسی نے کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی۔
وہ جب وہاں پہنچے تو سامان اتارا جارہا تھا۔
"آپ لوگوں کو آج آپا گل کے ہاں چلے جانا چاہیے تھا۔ سامان پھیلا پڑا ہے سارے میں یہاں تو۔" سلمان انہیں دیکھ کر قریب آیا تھا۔ "انہیں کب سے فون ملا رہا ہوں۔ مگر اٹھا ہی نہیں رہی ہیں۔" اس کی جھنجلاہٹ بڑھ رہی تھی۔
"مت کریں فون۔ وہ کام کے موقعوں پر ایسے ہی غائب ہوجاتی ہیں۔" زویا کا لہجہ سخت تھا۔ سلمان اور اظہار صاحب دونوں ہی نے چونک کراس کی طرف دیکھا تھا۔
"اور سامان کی فکر مت کریں۔ پہلے بھی تو آخر شفٹنگ کے بعد کا سارا کام میں نے اور جویا نے ہی کیا تھا۔ آؤ جویا۔۔۔ آئیں امی!" اس نے مڑ کران دونوں کی طرف دیکھا۔
اظہار صاحب اور سلمان دونوں ہی نے کچھ جھینپ کرادھر ادھر دیکھا تھا۔ وہ تینوں اوپر جاچکی تھیں۔
ایک تھکادینے والے طویل دن کے بعد آنے والی صبح کو سویرے ہی آپا گل موجود تھیں۔
"مجھے پتا تھا کہ یہاں سب کے سب آرام طلب ہیں۔ سو رہے ہوں گے اور میں اتنی دور سے ان کی محبت میں دوڑی چلی آئی ہوں۔"
انہوں نے یہ جملہ اتنی بار دہرایا تھا' جب تک ان کو یقین نہ ہوگیا کہ وہ سب سن چکے ہیں۔ ایک چھوٹا سا سوٹ کیس' جو وہ اپنے ساتھ لائی تھیں' ابھی تک بند تھا۔ سوائے سلمان کے کسی نے بھی اب تک اسے کھولنے کی فرمائش نہیں کی تھی۔ مگر وہ ابھی موڈ میں نہیں آئی تھیں۔
"صبح کا ایک کپ چائے پی کر گھر سے نکلی ہوں۔ یہاں ابھی تک بھی ناشتے کے آثار نہیں ہیں۔ کرتے کیا ہو تم لوگ۔۔۔ اور یہ جویا۔۔۔ جویا کہاں ہے؟" انہوں نے پہلی بار جویا کی غیر موجودگی کو نوٹ کیا۔
"وہ سو رہی ہے رات گئے تک گھر سمیٹا ہے۔ اسے ابھی مت اٹھانا۔" شاکرہ امی کے لہجے میں ہلکی سی سختی تھی۔

"میں تو خود کہتی ہوں کہ اب اس سے زیادہ کام مت کروائیں۔ آج تو میاں بیٹھنا ہے اسے۔ چند دن کا آرام تو ہر لڑکی کا حق بنتا ہے۔" آپا گل نے ایک مصلحت بھری حمایت کی۔
"سلمان! یہاں نیچے حلوہ پوری ملتی ہے۔ سب کے لیے لے آؤ۔ ناشتے سے تو فارغ ہوں کم از کم۔"
"تمہیں اتنی بھوک لگ رہی تھی تو ناشتا کرکے نکلنا تھا۔۔۔ یا پھر بنا کر ہی لے آتیں سب کے لیے۔۔۔ ایک تو اتنی جلدی آکر سب کی نیند خراب کی' اوپر سے آتے ہی حکم۔۔۔"
سلمان بڑبڑ کرتا ہوا کمرے سے نکلا تھا۔
آپا گل نے اس کے جانے کے بعد بڑے اہتمام سے ساتھ لایا ہوا سوٹ کیس کھولا۔
نیلے رنگ کا خوب صورت سوٹ' چوڑیاں' مہندی' ابٹن' چاندی کے زیورات۔۔۔
ایک کے بعد ایک کتنی ہی چیزیں نکل رہی تھیں۔
"بڑے ہی شوق اور ارمانوں کے ساتھ شادی کررہے ہیں فرید بھائی۔ حالانکہ ان کی بہنیں تو جلی جارہی ہیں یہ سب دیکھ کر۔۔۔ لاکھوں روپے کی جائیداد جو ہاتھ سے نکل رہی ہے' مگر وہ کسی کی بھی پروا نہیں کررہے۔ سب کچھ میرے ہاتھ میں تھمادیا ہے۔ اب ظاہر ہے میں تو اپنی بہن کے لیے سب کچھ اچھے سے اچھا۔۔۔"
"یہ کڑے بھی فرید الدین نے آپ کو دیے ہیں آپا گل؟"
زویا کے سوال نے ان کی روانی سے چلتی زبان کو بریک لگایا تھا۔
ان پر نگاہ جما کے وہ جواب کی منتظر تھی اور شاید اس نے ان کڑوں کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں دیکھا تھا۔
"ہاں۔۔۔ ہاں نا! اپنی خوشی سے دیے ہیں۔ میں نے مانگے تھوڑی تھے۔" کچھ سٹپٹا کرانہوں نے غیرارادی طور پر اپنی قمیص کی آستین کو نیچے کھینچ کران چمکتے ہوئے کڑوں کو شاید چھپانا چاہا۔
"بہت منع کیا۔ ہاتھ تک جوڑ لیے کہ اب جو بھی کرنا ہے' جویا کے لیے کریں' لیکن وہ کہنے لگے کہ بہنوں کا بڑا حق ہوتا ہے۔"
"تو اپنی بہنوں کو بھی انہوں نے ایسے ہی کڑے دیے؟ ڈھائی تین لاکھ سے کیا کم ہوں گے۔ واقعی بہت بڑا دل ہے۔"
آپا گل نے پہلی بار اپنی نمائش پسندی کی عادت پر دل میں افسوس کیا۔
"بھلا کیا ضرورت تھی پہن کر آنے کی۔۔۔ جویا کی شادی کے بعد بھی پہنے جاسکتے تھے۔"
"انہوں نے رشتہ طے کروانے پر بھی ایسا ہی کچھ دیا تھا۔ کیا وہ کروڑپتی آدمی ہیں؟ حالانکہ لگتے تو نہیں ہیں۔"
زویا کے لہجے کی کڑواہٹ اتنی بڑھی تھی کہ چھلک رہی تھی اور آنکھوں میں بڑی گہری بے مروتی۔
آپا گل کو عجیب سے احساس نے گھیرا۔
آنے والے دنوں میں زویا کی حیثیت مضبوط تر ہورہی تھی۔ چند ماہ میں اس کا ہاؤس جاب شروع ہورہا تھا اور وہ یقیناً "جویا" نہیں تھی۔
"آپ کو ذرا بھی شرم نہیں آتی' اپنی سگی بہن کی قیمت لیتے ہوئے آپا گل! آپ کی عادتوں کو آج تک آپ کی فطرت کا حصہ سمجھ کر میں نے اور جویا دونوں ہی نے نظرانداز کیا ہمیشہ۔ آپ کی لالچ' آپ کی تنگ دلی۔۔۔"
ان کی خاموشی سے وہ بالکل صحیح نتیجہ نکال چکی تھی۔
"مجھے نہیں پتا تمہارا ان باتوں سے کیا مطلب ہے زویا! لیکن بڑوں سے بات کرنے کی تمیز تم بالکل کھو چکی ہو۔ تم لوگوں کا ساتھ دیتے دیتے میں نے اپنے گھر کو بھلادیا۔ اس تنگ' خستہ حال' ڈھائی کمروں والے گھر سے لاکر یہاں اس اتنے بڑے اپارٹمنٹ میں لاکر بٹھادیا۔۔۔ وہ بھی فری میں۔۔۔ مگر بجائے احسان ماننے کے الٹا ذلیل کررہے ہو تم

لوگ مجھے... جویا کی شادی ہو جائے' پھر بات کروں گی تم سے میں۔ فی الحال تو مجھے صرف اس کی فکر ہے۔ بے چاری میری مظلوم بہن۔ بس کر رہ گئی غریب۔"

شاکرہ امی نے خالی خالی نگاہوں سے زویا اور پھر آپا گل کو دیکھا۔

"کاش! آپ نے واقعی جویا کی فکر کی ہوتی۔ کاش! امی فرید الدین سے آپ نے بنا کسی لالچ' کسی غرض کے جویا کا رشتہ کرنا چاہا ہوتا۔ صرف اس کی بھلائی سوچی ہوتی تو شاید اس کی بدقسمتی کا دکھ کچھ ہلکا ہوتا۔ مگر آپ نے تو اسے بیچ دیا... اپنی سگی بہن کو بیچ دیا۔ خدا کرے کہ آپ وہ دن بھی دیکھیں' جب آپ کی ایک بیٹی دوسری کے ساتھ یہی سلوک کرے۔"

آپا گل نے بے ساختہ پہلو بدلا تھا۔

کچھ تھا زویا کے لہجے میں جو کمرے میں پرہول سناٹا چھایا تھا۔

"میں نے کتنا چاہا کہ وہ آپ کے فیصلے سے بغاوت کر دے۔ یہ اس کا حق ہے۔ مگر وہ نہ مانی۔ ایک نہیں سنی اس نے میری۔ وہ حق استعمال نہیں کیا جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر لڑکی اور ہر عورت کو دیا ہے۔ کیونکہ وہ تو بہت پہلے خود کو قربان کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی آپا گل! اس وقت سے جب آپ لوگوں نے معاذ بھائی کو اس کی زندگی سے نکالا تھا۔ زندگی اس کے لیے ختم ہو گئی تھی۔ مگر یہاں کسی کو خوف خدا ہے آج بھی۔"

زویا کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ آنسوؤں کو روکنے کی مزید کوشش اب لاحاصل تھی اور آپا گل کے سامنے وہ کبھی بھی رونا نہیں چاہتی تھی۔

"دیکھا آپ نے کیسے الزامات لگا رہی تھی۔ جیسے میں ڈر ہی تو جاؤں گی اس سے۔"

زویا کے جانے کے بعد ایک پھیکی سی مسکراہٹ وہ چہرے پر لانے میں کامیاب ہوئی تھیں۔

"یہ اچھے آثار نہیں ہیں امی! ایک معاذ کے قصے نے ہی سارے خاندان میں عزت دو کوڑی کی کر دی ہے ہماری۔ یہ زویا تو اور بھی آگے نکل رہی ہے۔ غلطی کی جو اسے کو ایجوکیشن میں... ہم نے پڑھنے دیا۔ جلد ہی اس کا بندوبست نہ کیا تو..."

وہ بولے گئیں' جب تک سلمان گرم گرم پوری چھولے اور حلوہ لے کر نہیں لوٹا۔

آج پلیٹیں ڈونگے نکال کر لانے کی زحمت انہوں نے خود اٹھالی تھی۔ کسی کو بھی آواز نہیں دی۔

"شکر ہے خدا کا' ہمارا تو دل اور دامن دونوں ہی صاف ہیں۔" جس کمرے میں زویا تھی' اس کے سامنے سے گزرتے ہوئے انہوں نے بطور خاص اونچی آواز میں کہا۔ مگر جواب میں خاموشی ہی چھائی رہی۔

شاید زویا کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں تھا۔

شاید کسی کے بھی پاس کچھ نہیں تھا' سوائے آپا گل کے۔

حیرت انگیز طور پر آج انہوں نے سلمان یا اظہار صاحب کے سامنے زویا کی کسی شکایت کو نہیں دہرایا تھا۔

جویا سارا دن کمرے سے نہیں نکلی۔ فرید الدین کی بہنوں کو عصر کے بعد آنا تھا۔ صرف بٹھانے کا انتظام کرنا تھا۔ کھانا پینا' فرید الدین کی طرف سے ہی آنا تھا۔ لیکن یہ بات اس کی بہنوں سے پوشیدہ رکھنا ضروری تھا۔

آپا گل کی بیٹیاں آ گئی تھیں۔ آج کے دن کے حساب سے ان کی تیاریاں مکمل تھیں۔

"جویا...!" آپا گل نے کمرے کا دروازہ کھول کر اسے آواز دی۔

وہ سامنے بیڈ پر بیٹھی قرآن شریف پڑھ رہی تھی۔ ان کی آواز پر بھی اس کا تسلسل نہیں ٹوٹا تھا۔

زویا انہیں دیکھتے ہی کمرے سے باہر چلی گئی۔ آپا گل نے احتراماً" کچھ لمحے کی خاموشی اختیار کی۔

یہ دیکھ کر بہر حال سکون بھی ملا تھا کہ وہ خاصی نارمل ہے۔ چہرے پر رونے دھونے کے کوئی آثار نہیں تھے۔

ان کی جائزہ لیتی نگاہ جویا پر جمی تھی۔

زرد رنگت والے چہرے پر صرف آنکھیں ہی نمایاں تھیں اور اس کے گلابی ہونٹ اب سفید پڑ چکے تھے۔

فرید الدین کے ہاں سے آئی ہوئی چوڑیاں اور کپڑے اس پر بے حد ڈھیلے پڑنے تھے اور فرید الدین کی بہنوں کو اس سخت بیمار نظر آتی دلہن پر اعتراض کرنے کا کھلا موقع مل جاتا تھا اور خود فرید الدین بھی اس طرف اشارہ کر چکا تھا پہلے ہی۔

آپا گل کو گھبراہٹ نے گھیرا۔ پچھلی بار جب فرید الدین کی بہنیں آئی تھیں۔ تب تک جویا پھر بھی کسی حد تک بہتر نظر آتی تھی' لیکن اب تو صرف اس کا سایہ سا تھا۔

"اور جو خدانہ کرے کہ..." انہیں اس بکے بیوپاری والی فکر نے گھیرا' جو اپنا مال خراب ہونے کے ڈر سے جلد سے جلد فروخت کرنے کی فکر میں گھر تا ہے۔

وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"نہا دھو کر کپڑے بدل لو جویا...! اور چہرے پر کچھ لگا لینا فاؤنڈیشن وغیرہ۔ وہ لوگ اب آتے ہی ہوں گے اور ہاں! اپنے لیے دعا ضرور کرنا۔"

پتا نہیں' اس نے ان کا ہدایت نامہ سنا بھی یا نہیں۔

آپا گل کو جویا کے بے تاثر چہرے سے کچھ اندازہ نہیں ہوا تھا۔ وہ اسی طرح تلاوت کیے گئی۔

آپا گل دروازہ بند کر کے واپس جا چکی تھیں۔

جویا کی آنکھ سے آنسو گر کر چہرے پر پھیلتا چلا گیا۔

"میں پھر کہتی ہوں جویا! مت ہونے دو یہ سب... اور کچھ نہ سہی' اپنی زندگی میں امید تو رہنے دو۔ خود کو اس طرح ختم مت کرو۔"

جب وہ پیلا جوڑا پہن کر آپا گل کے حسب حکم فاؤنڈیشن کی بوتل کھول رہی تھی' زویا کمرے میں واپس آئی تھی۔

پچھلے کئی دنوں سے وہ جویا سے ناراض تھی۔ اس شادی سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کر لینے کے بعد وہ اس سے زیادہ اور کچھ کر بھی نہیں سکتی تھی۔

"میں ہاتھ جوڑتی ہوں تمہارے سامنے... نہیں کرو... ابھی بھی وقت ہے جویا۔ میں معاذ بھائی کے ہاں جانے کا نام بھی نہیں لوں گی ساری زندگی۔ لیکن ہم کہیں اور رہ سکتے ہیں۔ دوستوں یا کسی رشتے دار کے گھر... بعد میں ہاسٹل چلے جائیں گے۔ میرا فائنل ایر یا ہے جویا! میں سنبھال لوں گی سب کچھ پلیز... پلیز۔"

وہ اس کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ جڑے ہوئے تھے اور وہ بری طرح رو رہی تھی۔

"خود پر نہ سہی' مجھ پر رحم کرو جویا! میں بہت بہت پیار کرتی ہوں تم سے۔ میرا دل بند ہو جائے گا یہ سب دیکھ کر۔"

جویا نے فاؤنڈیشن کی بوتل واپس رکھ کر محبت سے زویا کے چہرے کو چھوا۔

"مت رو زوئی! سنبھالو خود کو۔ اس طرح مت کرو۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے۔" زویا نے غصے سے اس کے ہاتھ کو جھٹکا۔

"جھوٹ بولتی ہو تم۔ نہیں ہوتی ہے تمہیں کوئی تکلیف... بے رحم ہو چکی ہو تم جویا! تمہیں کسی پر ترس نہیں آتا۔ خود پر بھی نہیں۔"

"خود پر رحم کھانے کے لیے اب بچا ہی کیا ہے زویا! چار سال پہلے سب کچھ ختم ہوا۔" اس نے فاؤنڈیشن کی تھوڑی سی مقدار ہتھیلی پر نکال کر چہرے پر ملنا شروع کی۔

"اب کم از کم کچھ لوگوں کا تو بھلا ہو رہا ہے۔ امی ابو، سلمان بھائی آرام سے زندگی بسر کرتے رہیں گے۔ انہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی کبھی بھی۔"

"میں سنبھال سکتی ہوں ان سب کو۔ پڑھائی ختم ہو گئی ہے میری تقریباً۔" آنکھوں کو خشک کرتی زویا آخری لمحے تک بھی پر امید تھی۔

"نہیں... کبھی نہیں... تم ایسا سوچنا بھی مت، تم اپنی پوری زندگی خود جینا زویا! پورے دل، پوری خوشی کے ساتھ۔ کسی سمجھوتے، کسی قربانی پر خود کو ضائع مت ہونے دینا۔ سنا تم نے۔" جویا کی آواز بتدریج اونچی ہوئی تھی۔ وہ بے حد سنجیدہ تھی۔

"میں تمہارے لیے بہت ساری دعائیں کرتی ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اللہ ضرور سنے گا۔" بات ختم کر کے اس نے جھک کر زویا کی پیشانی پر پیار کیا۔

زویا کو اپنا دل پھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

تب ہی وہ عجیب سے انداز میں ہنس پڑی۔ زویا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ شیشے میں دکھائی دیتے اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے وہ ہنسے ہی چلی جا رہی تھی۔

"دیکھو تو ذرا، فاؤنڈیشن لگانے سے چہرے کی رنگت کیسی عجیب سی ہو گئی ہے۔ اس سے تو پہلے ہی بہتر تھی۔ کم از کم اصلی تو تھی۔ میں منہ دھو کر آتی ہوں۔"

وہ نارمل سے انداز میں کہتی ہوئی واش روم میں چلی گئی۔ لیکن اس کی چال کی لڑکھڑاہٹ میں کچھ غیر معمولی پن جھلکا تھا۔ زویا فکر مند سی وہیں بیٹھی رہی۔ جویا نے پتا نہیں کتنے منٹ تک منہ پر پانی ڈالا تھا اور جب وہ واپس آئی تو مہمانوں کی آمد کا شور اٹھ چکا تھا۔

"وہ لوگ آ گئے ہیں۔ تھوڑی دیر میں جب میں کہوں تم جویا کو رسم کے لیے لے آنا۔" تایا گل نے دروازہ کھول کر اتنی سی بات تیزی سے کہی اور مڑنے لگی تھیں تب ہی کچھ اور یاد آیا۔

"یہ سارے کپڑے گیلے کر لیے ہیں تم نے جویا! کچھ تو ہوش کیا کرو اور وہ فاؤنڈیشن، چوڑیاں..."

"امی... امی!" باہر سے ان کی بیٹیاں آواز دے رہی تھیں۔

"ساری ذمہ داریاں میری بچیوں پر آ گئی ہیں۔" پہلی بات ادھوری چھوڑ کر انہوں نے زویا کی طرف دیکھ کر کہا اور پھر جس تیزی سے آئی تھیں اس سے زیادہ تیزی سے واپس چلی گئیں۔

"یہ اور ان کی بچیاں۔" زویا نے منہ بنا کر سر کو بے زاری سے جھٹکا۔

"کچھ اور پہن لو۔ میں تمہارے کپڑے دوبارہ استری کر دیتی ہوں۔"

"نہیں! ٹھیک ہیں۔ ابھی سوکھ جائیں گے۔ اتنے بھی گیلے نہیں ہیں۔"

"اور یہ چوڑیاں۔" زویا نے ڈبا اس کے آگے کیا۔ اس میں سنہری، ہری اور پیلی چوڑیوں کے خوب صورت سیٹ جگمگا رہے تھے۔

کوئی وقت تھا کہ اس طرح کی چیزوں پر اس کی اور زویا کی ایک چھوٹی سی بحث تو ہو ہی جاتی تھی۔ جویا نے دل کڑا کر کے ان کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا۔ مگر...

"یہ نہیں پہنوں گی میں زویا! رکھ دو ادھر۔"

"کیوں، ابھی تو صرف فرید الدین کی بھیجی ہوئی چوڑیاں ہیں۔ وہ ہی پہنی نہیں جا رہیں تم سے۔ آگے کی زندگی

کیسے کٹے گی جویا؟"

اس بار زویا کے لہجے میں سختی نہیں 'رحم تھا۔ جویا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

آپا گل کی بیٹیاں جویا کو لینے آئی تھیں۔ میک اپ 'زرق برق لباس 'مہندی 'جیولری اور چہروں پر آپا گل والی بے حسی۔

"چلیں جویا خالہ!" ان میں سے ایک نے اس کے سر پر دوپٹا ڈالا اور تیزی سے ہاتھ پکڑ کر کھڑا بھی کرلیا۔

"ایک منٹ 'آپ کی شکل کیسی ہورہی ہے۔" دوسری نے تنقیدی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اسے روکا اور قریب پڑی اس فاؤنڈیشن کو جسے ابھی جویا نے دھو کر صاف کیا تھا۔ جھٹ پٹ پھر سے اس کے چہرے پر مل دیا۔ جویا "نہیں 'نہیں" کرتی رہ گئی۔

وہ دونوں اسے تقریباً" دھکیلتی ہوئی دروازے تک لائی تھیں اور باہر آکر ہی ان کی نگاہ چوڑیوں سے خالی ہاتھوں پر پڑی تھیں۔

لیکن اب دیر ہوچکی تھی۔ کچھ بچیاں ڈھول کو بلاوجہ یوں ہی بجا رہی تھیں اور فرید الدین کی وہ بہنیں جن کے بارے میں آپا گل کی رائے بے حد بری تھی اس وقت خاصی خوشی کا اظہار کررہی تھیں۔

آپا گل نے آگے بڑھ کر جویا کے بازو تھامے اور اپنے قریب صوفے پر بٹھا دیا۔ جویا کی کانپتی ہوئی ٹانگوں کو آنے والی کئی عورتوں نے نوٹ کیا تھا۔

"لڑکی شاید بیمار ہے۔"

شبہے کی تصدیق ہونے میں دیر نہیں لگی تھی۔

جویا کی فاؤنڈیشن ملی زرد رنگت بہت ہی عجیب سا تاثر دے رہی تھی اور اس کی مخصوص کشش جو اب تک جیسے تیسے اس کا ساتھ دے رہی تھی 'اب گم ہوچکی تھی۔ اس کی نظریں اس طرح جھکی تھیں 'جیسے اب کبھی بھی نگاہ اٹھا کر زمانے کو نہ دیکھنے کا تہیہ کرچکی ہے۔

فرید الدین کی بہنوں کی ناپسندیدگی ظاہر ہونے میں دیر نہیں لگی تھی۔

"جب ہم رشتہ طے کرنے آئے تھے 'تب تو خاصی اچھی تھیں۔" ان ہی سے کسی نے اپنی ایک اور رشتے دار عورت سے کہا۔ "اب تو دیکھ کر وحشت ہورہی ہے۔"

دروازے کی چوکھٹ سے ٹیک لگائے ہوئے کھڑی زویا کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے۔

اس کی نیک دل 'صابر اور خوب صورت بہن کس طرح لوگوں کی نگاہوں میں تماشا بنی تھی۔

"رسم شروع کیجیے۔" آپا گل اس وقت بڑی متانت کا مظاہرہ کررہی تھیں۔ بات کو بگڑنے نہ دینا ہی ان کی کامیابی تھی۔

فرید الدین کی سب سے بڑی بہن ہچکچاتے ہوئے اٹھ کر جویا کے قریب آکر بیٹھی تھی۔ آپا گل کو اٹھ کر برابر والے صوفے پر جانا پڑا۔ خاموش بیٹھی شائستہ امی 'جویا کے اور بھی قریب ہوئیں۔

"دو چار چوڑیاں تو ہاتھ میں ڈال دیتیں جویا کے۔ ہم لائے بھی تھے اور اب خالی ہاتھ کتنے برے لگ رہے ہیں۔" جویا کا ہاتھ تھام کر رسم کرنے سے پہلے انہوں نے آپا گل کو جتانا ضروری سمجھا تھا۔

تیل 'ابٹن 'مٹھائی 'سامنے رکھی میز پر سب ہی کچھ خوب صورتی کے ساتھ رکھا تھا۔

سامنے بیٹھی سب ہی خواتین میں رسم دیکھنے کی دلچسپی ایک دم ہی بڑھ چکی تھی۔

تب ہی ایک بڑی عجیب سی بات ہوئی۔

فرید الدین کی بہن کا ابٹن لگانے کے لیے بڑھا ہوا ہاتھ فضا میں ہی معلق رہ گیا۔

جویا کا سر شائستہ امی کے کندھے سے ٹکا اور اس سے پہلے کہ وہ اسے سنبھال پاتیں 'وہ ایک بے جان وجود کی طرح ان کی گود میں گری تھی۔

"جویا!" عورتوں کے اس چھوٹے سے ہجوم میں سے زویا کو اس تک پہنچنے میں وقت کا سامنا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

سہ پہر ڈھل کر شام میں بدل رہی تھی 'جب خیام کی بازار سے واپسی ہوئی تھی۔ چھوٹی موٹی کئی چیزوں کے ساتھ بہت سے پھول بھی تھے 'جو اسے خاصی دور سے جاکر لانے پڑے تھے۔

چند بڑے بڑے شاپرز اپنی بائیک پر سے اٹھا کر گھر کی داخلی سیڑھیوں پر آکر کھڑا ہوا تھا۔ سامنے اندر کوئی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ انہیں یہیں رکھ دے یا پھر اندر چلا جائے سیدھا۔ اس کی بے تکلفی ابا کے کمرے اور اسٹڈی تک تھی۔ اندر جاتے ہوئے وہ ہمیشہ اطلاع دے کر ہی گیا تھا۔ تب ہی دادی کو اپنے کمرے کی کھڑکی سے وہ سیڑھیوں پر کھڑا دکھائی دے گیا۔

"ارے خیام بیٹا!" وہ وہیں سے پکاریں۔

"اندر جاکر کیوں نہیں رکھ دیتے یہ سامان؟ ادھر ہال میں یا پھر کچن میں۔۔۔"

"جی!" اس نے تابعداری سے سر ہلایا۔ مگر اندر جانے کے بجائے وہیں برآمدے میں کھڑا رہا۔

"معاذ بھائی! معاذ بھائی!"

ربیعہ اس کی آواز پر ہی کمرے سے نکل کر آئی تھی۔

"بھائی گھر پر نہیں ہیں۔ کہیں گئے ہوئے ہیں۔"

ربیعہ کی آواز نیچی تھی اور وہ کافی خاموش خاموش سی محسوس ہورہی تھی۔ ایک قدرتی سی افسردگی تھی جو آج اسے گھیرے لے رہی تھی۔

خیام نے دانستہ نگاہ چرائی۔

"یہ سامان۔۔۔ جگہ بتادیں 'میں خود رکھ دوں گا۔"

"اچھا! پھر کچن میں لے آئیں۔۔۔ اور یہ پھول ادھر ہال میں۔۔۔"

"تم آگئے۔" کچن میں کام کرتی شائستہ امی نے مسکرا کر اسے دیکھا تھا۔

"جی آنٹی! یہ لسٹ چیک کرلیں۔"

"تم نے دیکھ لی 'کافی ہے۔ چائے پیو گے؟"

اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ ربیعہ کی طرف مڑ چکی تھیں۔

"ربیعہ! خیام کے لیے چائے بناؤ۔ تھکا ہوا آیا ہے۔ تم رک گئے تو بہت آسانی رہی مجھے۔ بے حد شکریہ بیٹا! کہ تم نے اتنا ساتھ دیا 'ورنہ معاذ سے تو ایک کام کو اتنی بار کہنا پڑتا ہے کہ بے کار میں ہی غصہ آنے لگتا ہے۔ بی پی پہلے ہی بڑھا رہتا ہے میرا 'لیکن اسے خیال نہیں ہے۔"

وہ خیام سے بے حد خوش تھیں اور اس کا اظہار بار بار ہوتا تھا۔ ربیعہ کو یاد نہیں آتا تھا کہ وہ اتنے خوش گوار انداز میں اور کس سے بات کرتی ہیں۔

"تم ہال میں بیٹھو ربیعہ وہیں چائے لے آتی ہے۔ بس یہ تھوڑا سا کام اور نپٹالوں 'مغرب کے بعد وہ لوگ آجائیں گے۔ بس دعا کرو 'سب کچھ خیریت سے ہوجائے۔"

"جی!" وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

ہال میں پھول میز پر رکھے تھے۔
آج ربیعہ کی سسرال والے پہنچ رہے تھے اور سارا اہتمام ان ہی خوش نصیبوں کے لیے تھا۔
خیام نے ایک تھکی تھکی سی سانس لی۔
قسمت کا گورکھ دھندا۔۔۔
کاش! اگر بہت پہلے وہ ابا اور معاذ کو اپنی ساری حقیقت بتانے کی ہمت کر لیتا تو سارے کا سارا بوجھ زائل ہو جاتا تھا۔
تب شاید وہ زیادہ بہتر فیصلے کر سکتا تھا۔
"تب شاید ربیعہ کے لیے بھی۔۔۔"
دل سے اٹھتی آواز میں آج بار بار شدت سی محسوس ہوئی تھی۔
اس نے گھبرا کر نفی میں سر ہلایا۔
"محسنوں کی بیٹی۔"
"اور محسن بھی کون؟ جنہوں نے نئی زندگی دی۔ تلخی اور تاریکی کی انتہائی گہرائی سے نکال کر روشن راستے پر قدم رکھنا سکھایا۔ زندگی سے جڑے سب سے تکلیف دہ احساس سے چھٹکارا دلا دیا۔" خیام کی براؤن آنکھوں میں نمی سی اتری۔
ابا کے سامنے اپنے خاندان کی حقیقت بتاتے ہوئے، بہت کچھ غیر متوقع ہوا تھا۔
وہ سب جو خود خیام کے خیال میں انہیں اور معاذ بھائی کو بری طرح چونکا سکتا تھا' ایک معمول کا قصہ بنے تھے۔
"ہمیشہ یاد رکھنا کہ یہ سب زندگی کا حصہ ہیں' مکمل زندگی نہیں اور حقیقت میں خود زندگی سے بڑھ کر کچھ بھی حیرت انگیز نہیں ہے۔" ابا نے کہا تھا۔ "تم خود کو کس بات کی سزا دے رہے ہو بیٹا! کس پر اپنا غصہ اتار رہے ہو؟ وہ مظلوم ماں' جو اب اس دنیا سے بھی جا چکی' اپنی ساری حسرتوں کو لے کر۔۔۔ اس پر۔۔۔ یا پھر اپنی نانی کے اس خاندان پر جو حالات کا شکار ہو کر نہ جانے کیسے اب تک اپنی گزر بسر کرتا آیا ہے۔۔۔؟ وہ جنہوں نے تمہارے لاڈ پیار میں کوئی کسر نہیں چھوڑی' لیکن اپنی کسی بھی پریشانی کا بوجھ تم پر نہیں ڈالا۔
خیام! تم نے انہیں چھوڑ کر اچھا نہیں کیا بیٹا! زندگی کو آزمانے کے لیے نکلنا مردوں کا شیوہ ہے۔ لیکن تعلق توڑنا ہرگز نہیں۔"
انہوں نے جو کچھ کہا' خیام کے دل میں لفظ بہ لفظ اترا تھا۔
"وہ محلے' وہ سیٹ اپ' آسمان سے نہیں اترے تھے خیام۔۔۔ انسانوں کی تخلیق ہیں۔ نفرت کرنی ہے تو ان مظلوم عورتوں سے نہیں' بلکہ باہر کی دنیا کے نام نہاد شریفوں سے کرو۔"
وہ شاید کچھ اور بھی کہنا چاہ رہے تھے۔ تب ہی معاذ نے بے تکی سی مداخلت کی تھی۔
"باہر کی دنیا کے لوگوں کی بھی اپنی بہت سی مجبوریاں ہوتی ہیں خیام۔۔۔ ہر شخص خود اپنی ذات کا اسیر ہے۔ ہر ایک کے لیے رعایت رکھنا سیکھ لو۔ باظرف ہونا سب سے ضروری ہے۔"
خیام کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ معاذ نے کس کی طرف سے صفائی دی تھی۔ لیکن اس سارے قصے کو دل بھر کر دہرا لینے کے بعد' جب وہ ابا کے گلے لگا تھا تو دل پر مدت سے لگا داغ ندامت دھل چکا تھا۔
پچھلے گارڈن میں گزشتہ صبح اس نے پہلی بار سکون بھرا سانس لیا تھا۔
یہ گھر اور اس کے لوگ سحر انگیز تھے۔
"آپ کی چائے۔" ربیعہ اس کے قریب چائے کا کپ رکھ رہی تھی۔

"شکریہ۔"

"کس بات کا؟"

"آپ کی چائے کا۔"

وہ افسردگی سے مسکرائی۔

کوشش کے باوجود وہ خود کو اس کی طرف دیکھنے سے باز نہیں رکھ پایا تھا۔

وہی تھی، جسے دیکھ کر کیتی یاد آئی تھی۔

اور وہی تھی، جو کیتی کو بھلانے کا سبب بھی بنی تھی۔

سادہ پُرکشش سا وجود، جس کے تصور سے بھی وہ اپنائیت کے گہرے احساس کے ساتھ بندھا تھا اور کچھ عرصے بعد وہ اسے صرف تصور میں دیکھا کرے گا۔

"بہت مبارک ہو آپ کو ربیعہ! اللہ آپ کو بہت خوش رکھے۔"

اس بار ربیعہ نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ خیام نے نوٹ کیا، وہ خوش نہیں تھی۔ کم از کم ویسے جیسے ایسے موقعوں پر لڑکیاں ہوتی ہیں۔

"آپ تو یہاں ہوں گے۔ ابا اور معاذ کا بہت خیال رکھیے گا۔ مجھے ان کی بہت فکر ہے۔ وہ بہت سادہ دل لوگ ہیں۔ معاذ کو تو خود سے کھانا، کھانا بھی یاد نہیں رہتا اور ابا۔۔۔ وہ تو۔۔۔" کسی ہمدرد کو پا کر وہ رو دینے کو تھی۔

خیام نے ایک گہرا سانس لیا۔

کیسی خوب صورت اور پیاری سی وجہ تھی ربیعہ کی افسردگی کی۔ خود اس کی اپنی طرح۔

اور یہ پہلی ذمہ داری جو وہ اسے سونپ رہی تھی خود اس کی بھی تو تھی۔

"ارے! آپ بالکل فکر نہ کریں۔ بلکہ ابا اور معاذ بھائی کے لیے تو آپ کو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بڑی خوش دلی سے مسکرایا۔ لیکن ربیعہ بہت سنجیدہ تھی۔

"آپ کو نہیں پتا، بھائی خوش نہیں ہیں۔ بہت دن پہلے وہ اپنی ہر خوشی سے دستبردار ہو چکے ہیں۔ ہر راستہ بند کر چکے ہیں خود پر۔ بہت۔۔۔ بہت تنہا، بہت دکھی۔۔۔" خیام نے مضطرب سا ہو کر ربیعہ کی طرف دیکھا۔

سو وہ بات، وہ ڈر، جو اسے معاذ کی طرف سے فکر مند کرتا تھا، سچ تھا۔

"میں معاذ بھائی کے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں ربیعہ! آپ دیکھیں گی کہ وہ کتنی خوش و خرم زندگی۔۔۔" برابر والے کمرے سے دادی، ربیعہ کو آواز دے رہی تھیں۔

"جی آئی دادی!" آنکھوں میں آتے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے ربیعہ نے اونچی آواز میں ان کی پکار کا جواب دیا اور جاتے جاتے مڑ کر خیام کی طرف دیکھا۔

"کاش! آپ ایسا کر سکیں۔ کاش! وہ آپ کو ایسا کرنے دیں۔۔۔ یہ آپ کا مجھ پر بہت بڑا احسان ہوگا خیام!" بات مکمل کر کے وہ کمرے سے نکل گئی۔

"خیام۔۔۔" اس نے زیرِ لب اپنا نام دہرایا۔

آج سے۔۔۔ پہلے کبھی اسے اپنا نام اتنا اچھا نہیں لگا اور نہ ہی اپنا آپ اتنا معتبر۔

دل خوشی اور دکھ کے ملے جلے احساس سے بوجھل ہوا تھا۔ کیا تھا، جو معاذ بھائی جیسے بے حد پیارے انسان کی زندگی کا تکلیف دہ باب تھا۔ وہ اسے پڑھنا چاہتا تھا۔

"بیٹا دینا بھی چائے کا کپ ہے۔" وہ تیز قدموں سے اسٹڈی کی طرف جاتے ہوئے گہری سوچ میں گم تھا۔

مہمان وقت سے پہلے ہی آ گئے تھے۔ تھوڑے سے لوگ تھے۔ لڑکے کے والدین اور شاید بھائی، بہن، ایک بزرگ رشتے دار، لیکن لڑکا خود نہیں تھا۔ خیام کو ابا اور معاذ کے اصرار پر ان سے ملنا بھی پڑا اور ساتھ میں بیٹھنا بھی۔۔۔ سو وہ ایک زبردستی کی مسکراہٹ چہرے پر لیے ان سب کے درمیان بیٹھا رہا۔

"میرا بھتیجا ہے۔ آج کل یہاں میرے پاس آیا ہوا ہے۔" ابا کسی کو اس کے بارے میں بتا رہے تھے۔

خیام کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ کوشش کے باوجود بھی وہ خود کو جذباتی ہونے سے نہیں روک پایا تھا۔

لڑکے کے ساتھ نہ آنے کے بارے میں کوئی وجہ بتائی جا رہی تھی۔ خیام بڑی خاموشی سے بڑے ہال سے نکلا تھا۔

کسی کی بھی توجہ اس پر نہیں تھی، لیکن ابا کی نگاہ نے اس کا پیچھا کیا تھا۔

وہ حد درجہ اداس تھا اور اس بار اداسی کی وجہ بھی کچھ اور۔۔۔ یہ بات طے شدہ تھی۔

ایک گہری سانس لے کر وہ پھر سے مہمانوں کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

شام ڈھل کر رات میں بدلنے لگی تھی۔ وہ چپ چاپ اسٹڈی کی سیڑھیوں پر بیٹھا رہا۔

خود کو مربوط کر کے وہ جلد ہی واپس اندر جانا چاہتا تھا، تاکہ اس کی غیر حاضری کا نوٹس نہ لیا جا سکے۔ تب ہی کسی نے گیٹ پر لگی بیل کو بجایا تھا۔

خیام تیزی سے اٹھ کر گیٹ کی طرف گیا تھا۔

"السلام علیکم!" سامنے کھڑی پریشان حال بزرگ خاتون کو دیکھ کر اسے عجیب سا احساس ہوا تھا۔ وہ بالکل اکیلی تھیں۔

"وعلیکم السلام بیٹا! مجھے اسلام بھائی سے ملنا ہے یا پھر معاذ۔۔۔"

"گھر پر اس وقت مہمان ہیں اور۔۔۔" خیام نے کچھ ہچکچاہٹ سی محسوس کی تھی۔

"میرا ان سے ملنا بہت ضروری ہے بیٹا! میں بہت مشکل سے آئی ہوں۔ گھر بھی بھول گئی تھی۔ تم انہیں کہو کہ شاکرہ آئی ہے۔ وہ ضرور مل لیں گے مجھ سے۔" ان کے انداز میں بے بسی تھی۔

خیام نے بنا کچھ کہے ان کو آنے کا راستہ دیا۔

وہ گیٹ سے اندر آئیں اور پھر سیڑھیوں سے کچھ دور ہی رک گئیں۔

"میں یہیں بات کر لوں گی۔۔۔ تم بلا لاؤ بس۔" خیام تیز قدموں سے چلتا ہوا برآمدے کی سیڑھیوں پر آیا۔ تب ہی شائستہ اندر سے نکل کر آئی تھیں۔

"گیٹ پر کون تھا خیام؟"

"آنٹی! کوئی خاتون ملنے آئی ہیں۔ معاذ بھائی یا ابا سے۔"

"تم کہہ دو کہ وہ مصروف ہیں۔ پھر کسی وقت آ جائیں۔" وہ واپس اندر مڑنے لگیں۔

"میں نے کہا تھا، لیکن وہ کہہ رہی ہیں کہ بہت ضروری بات کرنی ہے ان کا نام شاکرہ ہے۔"

شائستہ ائی کا قدم وہی تھما تھا۔

خیام نے بہت حیرت سے انہیں تیز قدموں سے اس طرف جاتے دیکھا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی کہ تم یہاں آئیں شاکرہ! میرے بچے، میرے گھرانے پر دل بھر کر کیچڑ اچھالنے کے بعد بھی۔۔۔ انسان میں کم از کم اتنی شرم تو ہونی چاہیے کہ وہ پھر سامنا کرنے سے بھی گریز کرے۔"

خیام جب وہاں پہنچا تو اس نے انہیں بے حد غصے میں کہتے سنا تھا۔ وہ چند قدم پیچھے رکا تھا۔

دوسری خاتون کی آواز دھیمی تھی۔اس کی سمجھ میں کچھ نہ آسکا۔
"ایک کپڑے سی کر گزارہ کرنے والی عورت کا بیٹا۔۔۔ آوارہ' نااہل' جس کی ہنسی اڑانے کا کوئی موقع نہیں جانے دیا تم نے اور تمہارے خاندان نے شاکرہ! عروج پر تھی تمہاری فرعونیت۔ کس حقارت سے تم نے ہماری شرافت اور بے بسی کو دیکھا ہمیشہ۔" شائستہ کی آواز میں نمی آرہی تھی۔ لیکن وہ خود کو ہرگز' ہرگز بھی کمزور نہیں پڑنے دینا چاہتی تھیں۔
خیام نے دل پر بھاری بوجھ سا محسوس کیا تھا۔
زندگی سے جڑے دکھ اور بے بسی کی کہانیاں' صرف نانی ستارہ کے محلے تک ہی کب محدود تھیں۔
"میں ہاتھ جوڑتی ہوں شائستہ! بہت سزا پالی ہم نے۔۔۔ معاف کردو خدا کے لیے۔۔۔ مدد کرو میری۔۔۔ بہت امید لے کر آئی ہوں۔" اس بار ان کی آواز واضح تھی۔
"معافی اور امید دونوں ہی اللہ سے مانگیے۔ ہم کم ظرف لوگ بھلا کسی کو کیا دے سکتے ہیں۔" وہ مزید کچھ سنے بغیر واپس مڑیں۔ "خیام بیٹا! گیٹ بند کرلینا۔" وہ اس کے قریب سے کہتی ہوئی واپس سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئیں۔
"شائستہ۔۔۔ شائستہ۔۔۔" وہ بے قراری سے پکار رہی تھیں۔
"میری بچی مرجائے گی' جویا مرجائے گی۔"
خیام نے انہیں کہتے سنا۔
برآمدے کی سیڑھیاں خالی تھیں۔ شائستہ اندر جاچکی تھیں۔ وہ خاتون بری طرح رو رہی تھیں۔
گیٹ پر وہی رکشہ والا آکر کھڑا ہوا تھا۔ جو انہیں لایا تھا۔
"مجھے دیر ہورہی ہے۔ اماں کو واپس بھی چھوڑنا ہے۔ کرایہ بڑھتا جارہا ہے۔"
"کتنا کرایہ؟" خیام نے اسے مطلوبہ کرایہ دے دیا تو وہ مطمئن ہوکر دوبارہ رکشہ میں جا بیٹھا۔
شاکرہ ابھی تک رو رہی تھیں۔
"میری جویا۔۔۔ مرجائے گی۔"
اس ادھورے بھید بھرے قصہ کا فی الوقت ایک وہ ہی گواہ تھا۔
اس نے انہیں گیٹ کی طرف جاتے ہوئے دیکھ کر سخت بے چینی سی محسوس کی تھی۔
معاذ کی قسمت بند دروازے کا قفل اسی نام سے کھلنا تھا۔
"جویا۔۔۔"
اسے پورا یقین ہوا۔
"سنیں!" وہ بہت تیزی سے ان کے پیچھے آیا۔
اس کا دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔
یہ وقت نکل جاتا تو شاید وہ خود کو پھر کبھی بھی معاف نہ کرپاتا۔

(اگلی قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عالیہ بخاری

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دل دار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتی کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے، جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار، لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ کیتی آرا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو رفاحی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتی کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعاگو ہیں۔

—۵۹—

اُنسٹھویں قسط

شام ڈھلے آئے مہمان' رات کا کھانا کھا کر بڑے معقول وقت میں رخصت ہوئے تھے۔ سو جو ہنگامہ اور مصروفیت رات دیر گئے تک متوقع تھی' جلد ہی اختتام پذیر ہوئی۔ دادی سونے کے لیے لیٹ چکی تھیں اور باقی گھر والے ہال میں اب بھی موجود تھے۔

"اتنے سال بیرون ملک رہنے کا نتیجہ ہے۔ نہ اپنا وقت خراب کیا اور نہ دوسروں کو بے آرام کیا۔ ورنہ یہیں کہیں ملنے والوں میں ربیعہ کا رشتہ کیا ہوتا تو آدھی رات گزر جاتی۔ اس ایک دعوت کے پیچھے۔"

شائستہ بے حد خوش تھیں اور ربیعہ کے سسرال کی مستقل تعریف میں مصروف۔

"ابا کے دوست ہیں آخر۔ ان کا اثر تو آنا ہی ہے' کیوں خیام؟"

معاذ نے ہنس کر خیام کی طرف دیکھا۔ وہ آج مستقل ہی مصروف رہا تھا۔ ایک ذمہ دار فیملی ممبر کی طرح' مہمانوں کو کمپنی دینے کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھتے ہوئے۔ اچھے میزبانوں کی طرح پیش پیش۔ اس کی طرف سے آج معاذ بڑا مطمئن رہا تھا۔

وہ میز پر سے کچھ اٹھا کر کچن میں رکھنے جا رہا تھا۔ معاذ کی بات پر مسکرا کر باہر چلا گیا تھا۔ ابا کی نظر اتفاق سے ہی اس پر پڑی تھی۔

"ہو سکتا ہے کہ وہم ہی ہو۔" انہوں نے پہلو بدلتے ہوئے کچھ ایسا ہی گمان کیا۔

کچن میں ربیعہ کھڑی ابھی بھی چیزیں سمیٹ رہی تھی۔ خیام کو آتا دیکھ کر وہ کچھ شرمندگی سے مسکرائی تھی۔

"آپ رہنے دیتے۔ میں اٹھا لیتی' کب سے کام میں لگے ہوئے ہیں۔"

مہمانوں کے جانے کے بعد وہ کپڑے تبدیل کر چکی تھی۔ لیکن چہرے پر مٹے مٹے سے میک اپ کے نشان باقی تھے۔

خیام نے ایک بار پھر بہ دقت نگاہ چرائی۔

"ابا کہتے ہیں کہ یہ میرا اپنا گھر ہے۔ پھر آپ کیوں چاہتی ہیں ربیعہ! کہ میں یہاں خود کو غیر سمجھوں۔"

وہ مڑ کر دوسرے کاؤنٹر پر چیزیں رکھنے لگا۔

"میں نے ایسا تو نہیں کہا۔ سوری اگر آپ کو برا لگا۔" وہ کچھ اور بھی شرمندہ ہوئی۔ "اصل میں آج آپ اتنے مصروف ہیں صبح سے کہ۔۔۔"

"میرے لیے یہ سب بہت خوشی کا باعث ہے۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ ابا اور معاذ بھائی سے بڑھ کر کوئی بھی نہیں ہے میرے لیے اس دنیا میں۔"

ربیعہ کی طرف سے پشت کیے وہ دھیمے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

اور اس کے لہجے کا خلوص' دل کی انتہائی گہرائی کو چھوتا تھا۔ ربیعہ نے جلدی سے آنکھوں میں آتے آنسوؤں کو رگڑ کر خشک کیا تھا۔

"آج مجھے بہت سکون ہوا ہے یہ سوچ کر کہ جب میں یہاں نہیں ہوں گی تو آپ ان لوگوں کے پاس ہوں گے۔ ابا اور معاذ اکیلے نہیں ہوں گے۔ ان سے محبت کرنے کے لیے' ان کا خیال رکھنے کے لیے آپ یہاں ہوں گے۔"

خیام نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

ربیعہ ہلکے سے مسکرائی۔ "میں نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ میں اتنی دور۔۔۔" خیام کے سامنے اپنی متوقع سسرال کا ذکر کرتے ہوئے وہ کچھ جھجک سی گئی۔

خیام نے ان دنوں میں کتنی ہی بار اس ان دیکھے شخص کی قسمت پر رشک کیا تھا۔

"میں ان لوگوں کے بغیر بالکل بھی نہیں رہ سکتی۔ پتا نہیں کیا ہوگا۔۔۔ میری بالکل سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔۔۔ آپ کو اپنی بات یاد ہے نا۔"

خیام نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

کاش وہ اسے بتا سکتا کہ اس کی کہی ہر بات کو وہ تا عمر خود سے دہراتا رہے گا۔

"جب سے آپ نے کہا ہے۔ میں نے دن میں کتنی ہی بار دعا مانگی ہے کہ آپ معاذ کے لیے کچھ کر سکیں۔۔۔ کچھ ایسا جو اس کی زندگی کو بدل دے۔"

"آپ کو دعاؤں کی قبولیت پر یقین ہے ربیعہ؟" وہ جاتے جاتے رکا۔

"بہت' ہر مسلمان کو ہونا چاہیے۔" اس کے لہجے میں گہرا اعتماد تھا۔ "یہ دعا ہی تو ہے جو امید کا دامن چھوڑنے نہیں دیتی۔ اللہ سے تعلق کو مضبوط تر کرتی چلی جاتی ہے۔ اور وہ کب کسی کو مایوس کرتا ہے۔"

"ہاں۔۔۔!" ایک گہری سانس خیام کے لبوں سے آزاد ہوئی۔ "تو ایک دعا اور کیجیے گا کہ میں بھی اتنے ہی یقین اور بھروسے سے دعا مانگنا سیکھ جاؤں۔"

کچن کے دروازے میں کھڑے ہو کر اس نے مڑ کر ربیعہ کی طرف دیکھا اور باہر نکل آیا۔

سامنے پچھلے احاطے میں گہری ہوتی رات کا فسوں پھیل رہا تھا۔ خیام نے نگاہ اٹھا کر اوپر ستاروں بھرے آسمان کی طرف دیکھا اور پھر تیز قدم اٹھاتا ہوا بڑے ہال کی طرف چلا آیا۔

وہاں ابھی تک لائٹیں جل رہی تھیں۔ اور صرف معاذ بیٹھا تھا۔

"ابا اپنے کمرے میں چلے گئے ہیں۔ تم بھی جا کر سو جاؤ۔ آج بہت تھک گئے ہو گے تم بھی۔" وہ اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

ہال کی لائٹیں بجھاتے ہوئے وہ دونوں باہر نکل آئے۔ اگلے برآمدے میں ہلکی لائٹ کا ایک بلب جل رہا تھا۔

"آپ نہیں سوئیں گے کیا ابھی؟" معاذ کو برآمدے میں رکتے دیکھ کر وہ بھی جاتے جاتے ٹھہرا۔

"سوؤں گا۔ بس ابھی تھوڑی دیر میں۔ اصل میں ابھی نیند نہیں آرہی۔" معاذ نرمی سے مسکرایا۔

"تو میں بھی رک جاتا ہوں۔ باتیں کرتے ہیں۔"

"نہیں۔ تم جاؤ۔ میں بس ایسے ہی۔ ابا انتظار کر رہے ہوں گے۔ آج ان کے پاس بہت ساری باتیں ہوں گی کرنے کے لیے۔"

خیام نے ذرا غور سے معاذ کے چہرے کو دیکھا۔ اس کی خوب صورت براؤن آنکھوں میں اس وقت اور بھی گہری اداسی تھی۔ اور کم از کم اب وہ اسے اپنا وہم کہہ کر ٹال بھی نہیں سکتا ہے۔ خیام کو اپنا دل دکھ سے بیٹھتا ہوا محسوس کیا۔

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی!" وہ کہتے ہوئے ابا کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کاریڈور کی طرف بڑھا تھا۔ آنکھ کے کونے پر ٹکا ایک آنسو اس نے انگلی کی پور سے جھٹک کر گرایا۔ اس کے قدموں کی رفتار خود بخود تیز ہوئی' مگر مڑنے سے پہلے اس نے ایک بار پھر معاذ کی طرف دیکھا تھا۔

وہ اگلے احاطے میں اترتی برآمدے کی سیڑھیوں پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔

تنہا اکیلا جیسے کسی عبادت میں مصروف۔

اس کا سر اتنا جھکا ہوا تھا کہ خیام کو یہاں سے اس کا چہرہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

بہت شدت سے اس کا دل چاہا کہ وہ واپس معاذ کے پاس جا کر بیٹھ جائے۔ لیکن اس دل دکھاتی تنہائی کا احترام آڑے آیا تھا۔

وہ دروازہ کھول کر اندر چلا آیا۔ ابا اپنے بستر پر لیٹ چکے تھے۔

”تم کہاں رہ گئے تھے بیٹا۔ بہت دیر تک جاگنے لگے ہو تم اور معاذ بھی۔ وہ بھی ابھی نہیں سویا ہوگا؟“
ان کے شفقت بھرے لہجے میں دونوں کے لیے یکساں فکر مندی تھی۔

وہ چپ چاپ آکر اپنے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ انہیں یہ بتا کر کہ معاذ اس وقت بھی اکیلا یخ بستہ سیڑھیوں پر بیٹھا ہے۔ وہ انہیں دکھی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

”کیا ہوا لیٹ کیوں نہیں رہے؟“ وہ اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

خیام نے اضطراب سے پہلو بدلا تھا۔

سو جو چند گھنٹوں میں انہیں بار بار یہ احساس ہوا تھا کہ وہ خاصا اپ سیٹ ہے۔ کچھ ایسا غلط بھی نہیں تھا۔ انہوں نے اٹھ کر بیٹھنے میں دیر نہیں کی تھی۔

”آپ لیٹے رہیے۔“

”ادھر میرے پاس آؤ۔“ ان کی نگاہ بدستور خیام پر ہی تھی۔

وہ ان کے بیڈ کے انتہائی کونے پر ٹکا تھا۔

اس کا ادب لحاظ۔ گفتگو کا سلیقہ سب ہی اس کی اچھی تربیت کا پتا دیتے تھے۔

آج کے دن کے آغاز پر جب وہ اپنے دل میں چبھا آخری کانٹا بھی ان کے سامنے نکال چکا تھا۔ ان کے خیال میں یہی صحیح وقت تھا کہ اسے یوسف کمالی سے اس کے رشتے کے بارے میں آگاہ کر دیا جائے کیونکہ اب یہ بات زیادہ دیر چھپنے والی نہیں تھی۔

”کمالی صاحب کی جذباتی حالت ٹھیک نہیں ہے ابا! ایسا نہ ہو کہ وہ کچھ اس طرح ری ایکٹ کر جائیں خیام کے سامنے کہ وہ پھر سے اپنے خول میں بند ہو جائے۔ ایسا ہوا تو بہت بہت برا ہوگا۔ خیام کو صرف اور صرف آپ سنبھال سکتے ہیں ابا! کیسے بتانا ہے اسے۔ یہ آپ کا کام ہے۔“

معاذ کی کہی بات کو یاد کرتے ہوئے انہیں ایسا ہی لگا تھا جیسے خیام کچھ جان چکا ہے۔

شاید یوسف کمالی اسے خود ہی فون وغیرہ کر چکے ہوں اور اس میں کیا حیرت تھی۔

ایک عمر کی نارسائی۔ ایک دل و جان کو توڑتی محرومی کے بعد یوسف کمالی جیسا انسان بھی ٹوٹ کر بکھر ہی چکا تھا۔

”میں تم سے کچھ خاص بات کرنا چاہتا ہوں بیٹا!“

”اور میں بھی!“ جس تیزی سے اس نے جوابا کہا ان کا یقین اور بھی مضبوط ہوا۔

”خیام بیٹا! بعض اوقات حالات و واقعات اس طرح پیش آتے ہیں کہ ہم انہیں سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں حالانکہ جو کچھ محسوس ہوتا ہے، نظر آتا ہے۔ اس کا پس منظر کتنا بھی دھندلا چکا ہو۔ اسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔“ ابا تمہید باندھتے باندھتے رکے۔ خیام کی نظر فرش پر جمی تھی، لیکن اس کا دھیان یقینا ”کہیں اور تھا۔ پہلی بار وہ ان کی بات کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

وہ برا ماننے کے بجائے متفکر سے ہوئے۔

دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پھنسائے ہوئے وہ کسی اور کشمکش میں تھا۔

ابا چند لمحے دانستہ خاموش رہ کر کھنکھارے تو وہ چونک کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

”جی ابا! کچھ کہہ رہے تھے آپ!“

”اوں ہنہ!“ انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ ”تم کہو۔ تم کیا کہنے والے تھے؟“

”کہو۔ خاموش کیوں ہو۔“ خیام کے چہرے کے تاثرات ان کی فکر کو مزید بڑھانے لگے۔ یقینا ”کچھ اور تھا، جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

”ابا!“ خیام نے خود کو کمپوز کیا، وہ ابھی تک بے یقین نہیں تھا کہ جو کچھ کہنے جا رہا ہے۔ اس کا رد عمل کیا سامنے آسکتا ہے۔ مگر اب وہ بھی قدم پیچھے ہٹانے کے لیے تیار نہیں تھا۔

”ابا! میں آپ سے جویا کے بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔“

اسلام صاحب بری طرح چونکے تھے۔ خیام کے حوالے سے ایک بالکل ہی غیر متوقع موضوع۔

”جویا!“ وہ صرف اتنا ہی کہہ سکے۔

”ان کی امی آئی تھیں یہاں شام میں۔ ملنا چاہتی تھیں آپ سے یا معاذ بھائی سے۔“ وہ شرمندہ تھا جیسے یہ ملاقات نہ کروا کر بڑے جرم کا مرتکب ہوا ہے۔

”شاکرہ آئی تھیں یہاں۔ ہمارے گھر۔!“

زندگی سے جڑے اس سب سے بڑے الجھاؤ کے حل کے سارے ہی امکانات مدت سے گم ہوئے تھے۔ کوئی راہ۔ کوئی امید کی کرن۔ کچھ نہیں۔

اور آج ایک سرا ہاتھ بھی آیا تو کس کے!

سامنے بیٹھے خیام کے پاس سنانے کے لیے بہت کچھ تھا۔

دور ٹھنڈے یخ کاریڈور میں بیٹھی ہوئی شاکرہ امی نے بڑی بے بسی سے قریب کھڑی زویا کی طرف دیکھا۔

زویا کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

☆ ☆ ☆

راجو نے گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے لاک کرتے ہوئے ایک نگاہ اطراف میں ڈالی۔

رات کافی ہو چکی تھی، گیٹ پر کھڑے گارڈ کے علاوہ اندر کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ کچھ دور انیکسی کی لائٹیں ابھی بھی جل رہی تھیں۔

وہ ہلکے سے مسکراتا ہوا اس طرف بڑھ گیا۔ زری اس کے آنے تک لازما” جاگتی تھی۔ مگر آج وہ آفس کے بعد سالار کے کچھ کاموں میں مصروف ہو کر روز سے کہیں زیادہ لیٹ تھا۔

تیز آواز میں چلنے والے ٹی وی کی آواز انیکسی کی سیڑھیاں چڑھنے سے قبل ہی اسے آچکی تھی۔

زری ٹی وی دیکھنے کی از حد شوقین تھی۔ راجو کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ ہمیشہ سے ہی ٹی وی ڈراموں کی پرستار ہے یا پھر یہ شوق اسے یہاں آکر لگا ہے۔

دروازے کی بیل پر ہاتھ رکھتے رکھتے اس نے دوسرے ہاتھ سے پٹ کو اندر کی طرف ہلکے سے دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ ناگواری کی ایک ہلکی سی شکن راجو کے ماتھے پر ابھری تھی۔ رات گئے تک یہ کھلا دروازہ، زری کی طبیعت کی لاپروائی کی بدولت تھا اور روز کا قصہ تھا۔

”تم سے کتنی بار کہا ہے کہ دروازہ بند رکھا کرو۔ سمجھ میں کیوں نہیں آتا ہے تمہارے۔!“ وہ اندر آتے ہی اس پر برسا تھا۔

زری چند منٹ تو سنے گئی۔ پھر کچن میں کھانا گرم کرنے چلی گئی۔ شادی شدہ زندگی کے اس مختصر دورانیہ میں ہی وہ چھوٹے موٹے جھگڑوں کو ٹالنے کا گر سیکھتی جارہی تھی۔

راجو بد مزاج نہیں تھا۔ زندگی کے جھیلے ہوئے غم اس کی طبیعت میں ایک خاص قسم کا گداز پیدا کر چکے تھے۔ زری کے حق میں وہ اب تک ایک مہربان شوہر ثابت ہوا تھا۔ لیکن آج کچھ برعکس تھا۔

”آئندہ اگر میں نے یہ دروازہ کھلا پایا تو میں بہت بری طرح پیش آؤں گا زری! کان کھول کر سن لو تم۔ اور تم کوئی

چھوٹی بچی نہیں ہو‘ جو تمہیں بار بار سمجھایا جائے۔ ایک شادی شدہ اور اچھی عمر کی عورت ہو۔"
وہ کھانا لے کر آئی تو تب بھی وہ فکر مند نظر آرہا تھا۔
گو اس بار لہجہ پہلے کی نسبت بہت نرم تھا۔ مگر زری کو عمر کا طعنہ سب سے زیادہ برا لگا تھا۔
"میں اچھی عمر کی ہوں تو کیوں کی تھی شادی۔ ڈھونڈ لیتے اپنے لیے کوئی کم عمر حسینہ۔ بلکہ ڈھونڈ تو رکھی تھی تم نے۔ قدرت کو ہی منظور نہیں ہوا۔"
راجو نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ "کہنا کیا چاہتی ہو تم؟"
"یہی کہ۔" وہ اس وقت پتا نہیں کیوں چڑچڑی ہوئی جارہی تھی۔ "تمہارا روزی کے لیے پچھتاوا کم نہیں ہونے کا نام لے رہا ہے۔ ایسا ہی ہے تو کیسے چلے گا!"
کھانے کی ٹرے میز پر رکھتے ہوئے وہ بنا راجو کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"بات کو دوسرا رنگ مت دو۔ اور روزی۔" وہ کچھ کہتے ہوئے رکا۔
یہ نام شاید تاعمر دل کے دکھنے کا سبب بنا تھا۔
"کہو‘ چپ کیوں ہوگئے۔" زری نے اس ستم رسیدہ لڑکی سے پہلی بار حسد محسوس کیا تھا‘ جو آج بھی اس کے شوہر کے دل پر قابض تھی۔
راجو نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔
"کچھ نہیں۔ بس صرف اتنا کہتا ہوں کہ محتاط رہا کرو۔ گھر میں دس ملازم بھی ہوتے ہیں۔ گھر کا دروازہ بند رہے گا تو سب پر اچھا تاثر پڑتا ہے۔" اس نے جان بوجھ کر روزی کے ذکر کو ٹالا تھا۔
زری بڑبڑاتے ہوئے کھانے کے برتن میز پر رکھنے لگی۔
"گیٹ بند‘ گارڈز کھڑے ہیں۔ پھر بھی۔"
"اتوار کی ٹکٹیں بک ہوگئی ہیں ہماری پنجاب جانے کے لیے۔"
زری کی بات کاٹتے ہوئے اس نے موضوع بدلنے کی کوشش جاری رکھی۔ "بڑا رش ہے پنجاب کی ٹرینوں پر۔ سالار بھائی تو کہہ رہے تھے کہ بائی ایر چلا جاؤں‘ لیکن میں نے سوچا کہ تم نے اب تک کراچی سے آگے کی دنیا ہی نہیں دیکھی ہے۔ ٹرین میں چلیں گے تو بہت کچھ دیکھنے کو ملے گا۔"
"خیر‘ یہ تو اچھا کیا۔ ہوائی جہاز سے تو مجھے ڈر بھی لگتا ہے‘ ٹرین میں مزہ آتا ہے۔ ایک دو بار ہی بیٹھی ہوں میں تو ٹرین میں بھی۔ اور اتنی دور تک تو کبھی بھی نہیں۔" وہ حسب توقع بہل چکی تھی۔
روزی‘ کھلا دروازہ سب ہی کچھ پس پشت ہوا۔ لیکن راجو کا ذہن اب بھی الجھا ہوا تھا۔
پنجاب سے واپس آنے کے بعد‘ پہلا کام انیکسی کے دروازے میں ایک بڑا مضبوط سا لاک لگوانے کا ہی کرنا تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے اس نے پکا پکا ارادہ کرلیا تھا۔
زری کو زر تاج بیگم کے بیٹے کی خیریت درکار تھی۔ وہاں سے اب تک کوئی تسلی بخش اطلاع نہیں آئی تھی۔
"اب تک کومے میں ہے ان کا بیٹا۔ کچھ خبر نہیں کہ آنکھ کھولے گا بھی یا نہیں۔ سنا ہے کہ خود بیگم کی حالت بھی ٹھیک نہیں ہے۔ آدھی پاگل تو وہ جانے تک ویسے بھی ہوگئی تھی۔" راجو کے لہجے میں ذرا سی ہمدردی یا رعایت نہیں تھی۔
"ملازموں میں بڑی عجیب عجیب سی باتیں اڑ رہی ہیں۔ کہہ رہے ہیں کہ زر تاج بیگم کو وہاں لندن کے کسی پاگل خانے میں داخل کروادیا ہے۔ خدا جانے جھوٹ یا سچ!"
بے تاثر سے انداز میں وہ ادھر ادھر سے سنی گئی بتا رہا تھا۔

"اللہ رحم کرے!" زری کے منہ سے بے ساختہ ہی نکلا۔
کھانا کھاتے ہوئے راجو کا ہاتھ وہیں تھما تھا۔
"کیوں کرے وہ رحم ایسوں پر۔ دعا بھی ذرا سوچ سمجھ کر دیا کر۔ ایسے ہی نہیں بولتی رہا کرو۔ آئیں بڑی دعائیں دینے والی۔" وہ ایک دم ہی غصے میں آیا تھا۔
زری ہکابکا سی ہوئی اس کی شکل دیکھنے لگی۔
"پتا نہیں کتنوں کا صبر پڑا ہے بیگم پر۔ یہ وہ بددعائیں ہیں جو زبان سے کبھی نہیں دی گئیں۔ مگر عرش ہلا گئی ہیں۔ تجھیں انہیں کیا خبر کہ کیا کیا انصاف طلب ہے اللہ کی عدالت میں۔"
وہ ایک ہاتھ سے آنسو صاف کرتا ہوا اٹھ کر اندر کمرے میں جاچکا تھا۔
زری وہیں اپنی جگہ ساکت بیٹھی تھی۔
کیسا زخم تھا راجو کے دل میں‘ جو بھرنے کا نام نہیں لیتا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح ملگجی اور زردی مائل تھی۔
معاذ نے پارکنگ میں گاڑی کھڑے کرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا ایک پھیکا پھیکا سا غبار‘ آسمان کی شفاف نیلاہٹ پر چھایا ہوا تھا۔ خیام اور ابا اس کے ساتھ ہی گاڑی سے اترے تھے۔ درختوں سے گرتے زرد پتے ہوا کے جھونکوں کے ساتھ آزادانہ اڑتے پھر رہے تھے۔
سامنے نیم سرکاری اسپتال کی عمارت نظر آرہی تھی۔
"کیسی عجیب سی اداسی ہے ابا ماحول پر‘ یا پتا نہیں میں ہی کچھ زیادہ محسوس کررہا ہوں۔" ان لوگوں کے ساتھ چلتے ہوئے معاذ نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی تھی۔
ابا اور خیام دونوں ہی نے بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر نگاہ چرائی۔
"ایک تو آپ بھی منٹ میں پروگرام بدل لیتے ہیں۔ اتنی صبح کون کسی کی عیادت کے لیے آتا ہے بھلا‘ شام کو اسکول سے واپسی پر بھی دیکھا جاسکتا تھا۔" وہ سیڑھیاں چڑھ کر اندر لابی میں آچکے تھے۔
ابھی کافی سویرا تھا‘ اور اسپتال میں روزمرہ کارش شروع ہونے میں خاصا وقت تھا۔
ابا کاؤنٹر پر کسی سے کچھ دریافت کررہے تھے۔ اور پھر ان دونوں کو اشارہ کرتے ہوئے بائیں ہاتھ پر مڑے۔
سامنے کچھ دور آئی سی یو کی شیشے کی بڑی سی دیوار نظر آرہی تھی۔ معاذ نے کچھ چونک کر ان کی طرف دیکھا۔
"کیا وہ اتنے بیمار ہیں؟"
"مجھے نہیں پتا‘ تم ذرا آگے جاکر دیکھو‘ اگر وہ وہاں ہیں تو مجھے بتادینا۔ ورنہ اتنی دور تک چل کر جانا اور پھر واپس آنا۔ میں آج تھکن محسوس کررہا ہوں۔" وہ وہیں رک کر کھڑے تھے۔
"کیا واقعی؟ آپ ٹھیک تو ہیں نا؟" معاذ نے فکرمندی سے اسلام صاحب کی طرف دیکھا۔
"بس ٹھیک ہوں‘ تم سے جو کہہ رہا ہوں وہی کرو۔"
"مگر میں تو انہیں پہچانتا بھی نہیں ہوں۔"
"تم پہچانتے ہو!" وہ جھنجلا رہے تھے۔
اس بار معاذ فوراً ہی آگے بڑھ گیا تھا۔ لمبا‘ خاموش کاریڈور قدم بہ قدم طے ہوا تھا۔ انتہائی نگہداشت کے یونٹ پر چھائی اعصاب توڑتی مخصوص سی کیفیت۔

معاذ نے شیشے کی دیوار کے اس پار کسی شناسا چہرے کو تلاشنا چاہا۔
کوئی نہیں۔۔ کوئی بھی نہیں۔۔
ابا کو شاید کسی نے غلط اطلاع دی تھی۔ وہ واپس پلٹنے لگا تھا کہ اس کے قریب ہی کے ایک بیڈ پر جھکی ہوئی نرس سامنے سے ہٹی تب ہی معاذ کی نگاہ اس چہرے پر پڑی جہاں پہچان کی ہلکی سی جھلک اب بھی باقی تھی۔
زردی مائل رنگت، سختی سے بند آنکھیں، کمزور سا وجود جس سے کئی تار منسلک تھے۔ بے چارگی اور مظلومیت کی جیتی جاگتی تصویر۔ وہ پوری جان سے کانپا تھا۔
"جویا!" روح کی گہرائی سے اٹھا نام اس کے لبوں تک بے آواز آیا تھا۔
"جویا۔۔ جویا۔۔ جویا۔"
یہ وہی تھی۔ مگر وہ کہاں تھی۔
معاذ کی بے قرار نظروں نے اس کے مٹے مٹے سے خدوخال میں اسے ڈھونڈنا چاہا۔
وہ شوخ، محبت پر ایمان رکھتی دل کش لڑکی۔
جس کے جذبہ پر اسے ہمیشہ اپنے آپ سے بھی بڑھ کر بھروسا رہا تھا۔
وہ تو کب کی گم شدہ ٹھہری تھی۔
لیکن خود کو اور اسے دونوں کو یکسر بھلا کر 'جویا نام' کی جو پرچھائیں اس بے ہنگام پھیلے شہر کے کسی کونے میں بسی تھی۔ صرف اور صرف اس کی بے حسی کی نذر ہوئی تھی۔
معاذ کی آنکھ سے گرے پہلے آنسو میں ہی احساس جرم نہیں اعتراف جرم تھا۔
کاریڈور کے دوسرے سرے پر کھڑے اسلام صاحب خیام کو واپس چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود مڑے تھے۔
"کیا آپ نہیں دیکھیں گے کہ وہ کیسی ہیں اب!" خیام حیران پریشان سا ان کے پیچھے آتا ہوا پوچھ رہا تھا۔
"نہیں ابھی نہیں!" وہ سیڑھیوں سے اتر کر گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے۔
"اور معاذ بھائی۔ وہ ہمارے ساتھ نہیں جائیں گے کیا۔!" خیام کی حیرت ابھی بھی کم نہیں ہوئی تھی۔
"وہ نہیں آئے گا۔ اسے آنا بھی نہیں چاہیے۔ ہم اسے یہاں چھوڑنے ہی آئے تھے بیٹا!"
دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے وہ آگے بڑھے ہی تھے کہ کوئی بہت تیزی سے ان کے پاس آیا۔
"اسلام چچا!" کسی کی بھی پروا کیے بغیر وہ ان کے گلے لگ کر روئے جا رہی تھی۔
"زویا۔ زویا بیٹا!" اسلام صاحب نے بمشکل اسے سنبھالا تھا۔ "تم تو بہت سمجھ دار ہو، تم اس طرح حوصلہ چھوڑو گی تو جویا کو کون سنبھالے گا۔"
شفقت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے وہ اسے ایک درخت کے نیچے پڑی بینچ پر لے کر بیٹھے۔ "ہمت کرو بیٹا!"
"اب نہیں ہوتی اسلام چچا! قسم سے اب نہیں ہوتی۔" آنسو صاف کرتے ہوئے وہ دھیمی آواز میں کہہ رہی تھی۔
خیام موقعے کی نزاکت کو سمجھ کر گاڑی میں جا کر بیٹھ چکا تھا۔
اسلام صاحب نے چشمہ اتار کر خاموشی سے اپنی آنکھوں کو خشک کیا تھا۔
"آپ نے ہمیں کیوں چھوڑ دیا اسلام چچا۔ بابا سب کے کیے کی سزا مجھے اور جویا کو کیوں دی۔ جویا کا تو آپ پر بڑا حق تھا۔ آپ اسے زبردستی لے جاتے۔ اس جہنم سے لے جاتے۔" درد بھرے شکوے سارے ہی بجا تھے۔
انہیں آخری بار اس گھر کی سیڑھیوں پر سلمان جیسے کم ظرف انسان کے ہاتھوں اٹھائی جانے والی ذلت کا دکھ

نہیں تھا اس بات کا پچھتاوا تھا کہ وہ اسے ایک طرف کر کے سیڑھیاں چڑھ کر خود اوپر کیوں نہیں چلے گئے تھے۔

جواز' دلیل' سمجھوتے' اصول۔

انسانوں کے اختراع کیے الفاظ اور رویے جن میں سے کچھ بھی کسی ایک فرد کی خوشی اور زندگی سے بڑھ کر نہیں مگر پھر بھی دھڑلے سے زندگیوں پر حکومت کرتے ہیں۔ دلوں کو' خوشیوں کو روند ڈالتے ہیں۔ خدا کی پناہ!

اعمال ناموں میں گناہ کبیرہ کے زمرے میں کیا کچھ درج ہوتا ہو گا۔ مگر کسی کو خبر نہیں۔ کسی کو فکر نہیں۔

دل کی انتہائی گہرائی سے اس شخص نے اللہ کے حضور معافی طلب کی' جو اس سارے گڑبڑ گھٹالے میں سب سے کم قصوروار تھا۔

زویا انہیں آہستہ آہستہ جویا کی بیماری اور اس سے جڑے حالات کے بارے میں بتا رہی تھی۔ ایک ایک بات۔۔۔ ایک ایک لفظ۔۔۔

وہ دم بخود ہوئے سنے گئے۔

خونی رشتوں سے جڑی محبت کی کہانیوں کی سچائی کتنی بھی محترم سہی' لیکن ان ہی محبتوں کے تال میل کے ساتھ ساتھ ازل سے ایک درد کا سلسلہ بھی جاری و ساری ہے۔

خود غرضی' بے حسی' منافقت کی اذیت سے لبریز۔ ظلم کی آخری حد کو نافذ کرتا ہوا۔

جہاں اپنے اور پرائے کی تمیز مٹتی ہے اور خون پانی سے گاڑھا بھی نہیں دکھائی دیتا ہے۔

انہوں نے اندر موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا جویا کے بارے میں سوچا اور گاڑی میں بیٹھے خیام کی طرف دیکھا۔

معصوم۔۔۔ سادہ دل لوگ۔۔۔ کس غضب کی آزمائش کی نذر ہوئے تھے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ یہ اپنوں کا ظلم نہیں۔ تقدیر کا لکھا تھا۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے خیام نے جلتی ہوئی آنکھوں کو بند کرتے ہوئے ٹیک لگائی تھی۔

آگہی کی اس حد کو اگر ابا ہاتھ پکڑ کر نہ پار کرواتے تو۔۔۔ وہ ساری عمر کیسے جان سکتا تھا کہ دنیا میں دوسروں کا درد اپنے دل میں محسوس کرنے کا شرف ہی انسان کو اشرف المخلوقات بناتا ہے۔

آج مدت بعد اسے نانی ستارہ یاد آئیں۔

نگینہ خالہ۔ استاد جی۔۔۔ شاما تک۔۔۔

اور آج اس یاد میں کڑواہٹ کا شائبہ بھی نہیں تھا۔

وہ بری طرح کنفیوز ہوا۔۔۔

☼ ☼ ☼

چوبارے کی سیڑھیوں پر بچت کے خیال سے اب ہلکے پاور کا بلب جلتا تھا۔

کسی اور کو نہ سہی' نگینہ کو شام ڈھلے آتے ہوئے' سیڑھیوں پر چڑھنے میں دشواری ہوتی تھی۔ ایک دن تو پاؤں اس بری طرح مڑا تھا کہ گرتے گرتے بچی تھی۔

شاما کو مالش کرنے کا خاص آرٹ آتا تھا۔ سو وہی کام آئی' دوسرے دن ہی ورم اتر گیا تھا۔ لیکن چڑھنے اترنے میں ہلکا سا ڈر و اب مستقل ہی ساتھ رہنے لگا تھا۔

بلب اب بھی نہیں بدلوایا گیا۔

"وہ غلطی میری تھی۔ دیکھ کر نہیں چلی۔ چوٹ تو تیز روشنی میں بھی لگ جاتی۔ رہنے دے بس' بے کار کے خرچے

مت بڑھا۔" نانی سے بلب کے لیے پیسے لے جاتی شاما کو اس نے فوراً" ہی منع کر دیا تھا۔

نانی خاموش رہیں۔

شاما نے چپ چاپ پیسے نانی کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیے تھے اور پھر سیڑھیوں پر ہلکی روشنی کا ذکر بھی ختم ہوا تھا۔

بڑا ہال' آراستہ بالکونی سب ہی میں بجھی بجھی سی روشنی رہنے لگی تھی۔

کام ختم۔ رونق میلہ سب ختم۔

صندل دن چڑھے تک سوتی اور بقیہ وقت یا تو اپنے کمرے میں ہی گزارتی یا پھر تھوڑی سی دیر کے لیے نانی ستارہ یا استاد فراغت بیگ کے پاس جا بیٹھتی۔

پڑوس میں رہنے والی چلبلی باغ و بہار کزن اور خالہ سے اسے کوئی لینا دینا نہیں تھا۔

شاما کی کچن کی مصروفیات مختصر ہو رہی تھیں۔ ایک آدھ چیز پکتی۔ وہ بھی دو دو وقتوں تک رکھی رہتی۔ استاد جی دودھ دلیہ تک محدود تھے۔ کام سے فارغ ہو کر وہ بھی نانی کے کمرے کے کسی کونے میں دوپٹے سے منہ ڈھک کر اونگھتی رہتی۔ کئی ماہ سے گھر کے ماحول پر جمود طاری تھا۔

ایسے بے زار کن یکسانیت بھرے ماحول میں ایک نگینہ ہی تھی جو صبح دس گیارہ بجے نکلتی تو شام کو سات آٹھ تک واپس ہوتی۔ کبھی بھی مصروفیت بڑھ جاتی تو اور بھی دیر۔

وہ کیا کر رہی تھی؟ کسی نے بھی یہ سوال نہیں پوچھا تھا۔

ساری زندگی اس نے گھر کا چولہا جلائے رکھنے کی ذمہ داری آخر اٹھائی ہی تھی۔ سو اب بھی وہ کچھ نہ کچھ کر ہی رہی ہو گی۔ یہ سب نے خود ہی فرض کر لیا تھا۔

صرف نانی ستارہ تھیں' جو مضطرب سی نگاہوں سے اس تھکن زدہ وجود کو دیکھتیں اور پھر نگاہ چرا لیتیں۔

اس وقت بھی وہ ان کی بڑی ساری مسہری پر پائنتی کی طرف آڑی ترچھی لیٹی شاما سے کوئی قصہ سننے میں مصروف تھی۔

"شاما۔۔۔ ذرا چائے بنا کر لے آ!" نانی نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے اس کی مستقل چلتی زبان کو بریک دیا' تو وہ سعادت مندی سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔

"کچھ زیادہ نہیں بولنے لگی یہ شاما۔۔۔ تمہارے آتے ہی تو جیسے اس کی زبان میں پہیے لگ جاتے ہیں۔ ایک لمحے کو نہیں رکتی۔ اور تم اسے ٹوکتی بھی نہیں ہو۔ دس بار کے سنے ہوئے قصے بھی اس دلچسپی سے سنتی ہو کہ۔۔۔"

انہوں نے خفگی سے بات ادھوری چھوڑی۔

نگینہ نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کیا کرے وہ غریب بھی اماں! اب یہاں کرنے کے لیے ہے ہی کیا۔ پہلے تو اسے پل بھر کی فرصت نہیں ہوتی تھی۔ رات گئے تک کی محفلیں۔ مہمان داریاں' محلے سے مدد کے لیے تین تین لڑکیاں بلائے رکھتی تھی۔ اب تو محلے میں نکلتی بھی نہیں ہے۔ ساتھ میں گلناز کے ہاں کتنی رونق لگتی ہے۔۔۔ وہاں تک جا کر نہیں جھانکتی۔ باتیں ہی تو کرتی ہے۔ وہ بھی نہ کرے تو مر جائے گی۔"

نانی ستارہ نے اکتائے ہوئے انداز میں سر کو ہلکی سی جنبش دی۔

یہ سارے ملال بھی اب پرانے ہوئے تھے۔

"کیتی کا فون آیا تھا!" ان کے پاس تازہ اطلاع تھی۔

"اچھا۔" نگینہ اٹھ کر بیٹھی' "خیریت ہے کہ شاما نے نہیں بتایا مجھے۔"

"میں نے اسے نہیں بتایا تھا کیتی کے فون کے بارے میں!" نانی ستارہ کی آواز دھیمی ہوئی تھی۔

نگینہ حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔
شاما جیسی ملازمہ کے ساتھ رازداری برتنے کا کوئی تصور نہیں تھا گھر میں۔ ہر دکھ' ہر پریشانی میں وہ برابر کی ساتھی رہی تھی ہمیشہ۔۔۔ فیروزہ مرحومہ کے سارے زیورات تک اسی کی معرفت بکتے تھے۔۔۔ پھر کیوں؟
"گیتی بہت پریشان تھی نگینہ۔۔۔ پتا نہیں کیا ہو رہا ہے وہاں! شک تو مجھے کئی دن سے ہو رہا تھا لیکن وہم سمجھ کر ٹالتی رہی۔ مگر اب اس نے خود کہا ہے مجھ سے۔"
نگینہ ساکت ہوئی ان کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔
"وہ شاید واپس آنے والی ہے۔"
نگینہ کا دل اچھل کر حلق میں آیا۔ "گیتی نے کہا آپ سے خود کہ وہ آ رہی ہے؟"
"ہاں۔۔۔ اس نے کہا کہ وہ بہت یاد کر رہی ہے ہمیں۔۔۔ اس لیے وہ چار دن بعد آنے والی ہے۔"
"ہا!" نگینہ نے ایک اطمینان بھری سانس لی اور ہنس پڑی۔ "توبہ ہے اماں! آپ بھی جان نکال دیتی ہیں۔۔۔ ظاہر ہے اتنا عرصہ ہو گیا ہے گیتی کو کراچی گئے ہوئے۔۔۔ ایک بار بھی تو نہیں آئی' یاد تو کرتی ہو گی۔۔۔ اسی لیے آ رہی ہے۔ ہائے' کتنے عرصے بعد میں اسے دیکھوں گی۔"
نانی ستارہ نے بے ساختہ ہی ماتھے کو چھوا۔
"وہ ملنے نہیں آ رہی ہے۔ کوئی اور وجہ ہے اس کے آنے کی۔ وہ رو رہی تھی۔ اصرار کے باوجود بھی نہیں بتایا کچھ بھی۔ کہہ رہی تھی کہ آ کر بتاؤں گی کہ کیا بات ہے۔"
"ہاں' تو ٹھیک ہے نا۔۔۔ فون پر ساری باتیں۔۔۔"
لاپروائی سے کہتے ہوئے وہ ایک دم ہی ٹھٹکی! نانی ستارہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔
"ایسا نہیں ہے نگینہ۔۔۔ سمجھ کیوں نہیں رہی ہو میری بات' ہماری گیتی آرا پریشان ہے' بہت زیادہ۔ کچھ ہوا ہے جو میری سمجھ سے بالاتر ہے۔"
نگینہ دم بخود ہوئی۔
"سالار تو ایسا نہیں ہے اماں!" ڈوبتی ہوئی آواز میں اس نے تنکے کا سہارا پکڑنا چاہا "بہت محبت کرتا ہے وہ گیتی سے۔"
"میں جانتی ہوں اور گیتی نے بھی اس پریشانی کے عالم میں بھی اپنے شوہر کی تعریف ہی تعریف کی ہے۔ بلکہ سچی بات یہ کہ وہ خود سے زیادہ اس کے لیے پریشان تھی۔۔۔ اس نے مجھ سے کہا کہ اس کی غلطی تھی جو وہ سالار جیسے نیک انسان کی زندگی میں آ گئی۔" نانی ستارہ نے گیتی کی کہی بات کو دہرایا۔
"کیا مطلب ہے اس بات کا؟" وہ نگینہ سے پوچھ رہی تھیں۔
"شاید ہمارا حوالہ بے عزتی کا باعث بنا ہو گیتی اور سالار دونوں کے لیے۔۔۔ مگر ہم نے ایسا تو کچھ نہیں کیا۔۔۔ اور گیتی وہ تو بالکل ہی معصوم۔۔۔"
"نگینہ۔۔۔ نگینہ۔۔۔!" گلناز کی چہکتی ہوئی آواز برآمدے کے دوسرے سرے سے ہی سنائی دے رہی تھی۔
نگینہ نے تیزی سے اپنی آنکھیں رگڑ کر خشک کیں اور سنبھل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"اسے بھی اسی وقت آنا تھا!" وہ بڑبڑائی۔
"توبہ کیسا سناٹا پڑا ہے۔۔۔ شاما بد بخت تو لائٹیں تو جلا کر رکھا کر۔ اللہ میری خالہ کو سلامت رکھے۔ کیسا نحوست بھرا اندھیرا پھیلا رکھا ہے گھر میں۔"
وہ بولتی ہوئی کمرے کے دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔

"اندر آجاؤ گلناز!" نانی ستارہ نے متانت سے اتنا ہی کہا تو وہ مسکراتی ہوئی اندر چلی آئی۔

"السلام علیکم خالہ!" ان کے سامنے حسب عادت وہ جھک کر دوہری ہوئی۔

"جیتی رہو! خیر تو ہے... اس وقت کیسے آگئیں۔" نانی کو فطری سی فکر ہوئی۔

یہ وقت الماس کے ہاں کی محفل کا ہوتا تھا۔ سو مصروفیت ہی مصروفیت۔

"آج چھٹی ہے!" وہ شوخی سے مسکرائی۔

نگینہ بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ گلناز کے چہرے پر بڑی تازگی تھی۔ خوب صورت قیمتی لباس' زیورات کی چمک۔

سامنے شیشے میں نظر آتے اس کے اور گلناز کے مشترکہ عکس میں ایسا ہی فرق تھا' جیسے اندھیرے اور اجالے میں۔ نانی ستارہ نے شاید گلناز سے چھٹی کی وجہ پوچھی تھی۔ نگینہ نے اس طرف دھیان لگانا چاہا۔

"کراچی کا پروگرام ہے' پرائیویٹ محفل کی بکنگ ہے۔ اس کی تیاریاں شروع کی ہیں کل سے۔ ہفتے کی رات کا فنکشن ہے۔ پی سی میں سارے لوگوں کے ٹھہرنے کا انتظام ہے۔ منہ مانگا معاوضہ دیا ہے پارٹی نے۔"

نگینہ نے ساری تفصیل اکتاہٹ کے ساتھ سنی تھی۔ کچھ بھی نیا نہیں تھا۔

ایسے پروگرام' گلناز اور الماس کے روٹین کا حصہ تھے اور انہیں ہمیشہ ہی ایسے لوگ مل جاتے تھے جو انہیں بقول ان کے منہ مانگا معاوضہ بھی دے دیا کرتے تھے۔

"واللہ اعلم!" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

جب سے کیتی کے بارے میں سنا تھا' دل اڑا اڑا سا تھا۔ اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ نہ گلناز اور نہ اس کے پروگرام کی تفصیل۔

نانی ستارہ میں بڑی استقامت تھی جو دل کی ہر کیفیت کو ہمیشہ ہی کامیابی سے چھپا لیتی تھیں۔

"پہلے پہل تو میرا دل نہیں تھا... اصل میں تو یہ شخص میرے دل سے اتر چکا ہے۔ کمینہ خبیث!" گلناز کو چند تلخ باتیں آئیں... "پھر میں نے سوچا' ہمیں کون سا رشتہ داری کرنی ہے۔ لعنت بھیجو... اپنے کام سے کام رکھو۔ پرفارم کرنا ہے اور آنا ہے واپس۔ کیوں نگینہ!"

اس نے نگینہ سے تائید چاہی تو وہ زبردستی مسکرا دی۔

"اصل میں تو میں اس لیے آئی تھی کہ..." وہ مسہری پر نانی ستارہ کے قریب کھسک کر بیٹھی... "دیکھیں خالہ! بے شک جوتی اٹھا کر میرے سر پر ماردیں... مگر میری نیت پر شک مت کیجئے گا۔" گلناز کی تمہید میں بڑی عاجزی تھی۔ سو بات خود بخود گمبھیر ہونے لگی۔

"سچ کہتی ہوں' چوبارے کا حال دیکھا نہیں جا رہا۔ نگینہ میری بہن ہے۔ ساری عمر کی خواری کے بعد بے چاری آج بھی روٹی روزی کمانے کے لیے..."

"بات کیا ہے' وہ کہو گلناز!" نانی ستارہ نے بے تاثر لہجے میں اس کی بات کاٹی۔

"میں چاہ رہی تھی کہ صندل بھی پروگرام میں ہمارے ساتھ چلی چلے۔ ایک شو سے اتنا کما لے گی کہ بے فکری ہو جائے گی نگینہ کو۔ غصہ مت کیجئے گا خالہ۔ صندل بہترین ڈانسر ہے اپنی خالہ فیروزہ کی طرح... اور پھر یہ ہمارا کام ہی تو ہے۔"

گلناز نے جھجکتے اٹکتے بات پوری کر ہی لی۔

اندر آتی شاما نے ہاتھ میں تھامی ٹرے خاموشی سے میز پر رکھی۔ کمرے میں چند لمحوں کے لیے گہری خاموشی اتری تھی۔

"میں نے کچھ غلط کہا کیا خالہ! اس میں کیا برائی ہے اگر صندل..." گلناز ہمت پکڑ کر پھر پوچھ رہی تھی۔ "کراچی کا بڑا امیر آدمی ہے فنکشن بھی گھر پر ہی ہے۔ اور پیسے بھی منہ مانگے۔ صندل کو تو الماس سے زیادہ ملے گا۔ ہیروئین رہ چکی ہے آخر میری بھانجی... اور اصل میں تو خود نبیل کی بڑی خواہش ہے کہ اس کے فنکشن میں صندل کی پرفارمنس ہو۔ دس دس فون کر رہا ہے کہ جیسے بھی ہو صرف ایک پرفارمنس کے لیے صندل بھی آئے اور آپ سب بھی مہمان کی حیثیت سے شرکت کریں... مان جائیں نا خالہ... میں نے وعدہ کر لیا ہے کہ بس لے کر آؤں گی... میری بات رکھ لیں نا۔"

اس نے عاجزی سے نانی ستارہ کے پیروں پر ہاتھ رکھنا چاہا تو انہوں نے پیر پیچھے کھینچ لیے۔

"صندل کا اختیار مجھے نہیں' نگینہ کو ہے۔ اس کی مرضی وہ اپنی بیٹی کو بھیجتی ہے یا نہیں... مجھے نہ اقرار ہے اور نہ اعتراض۔ نگینہ جانے... صندل جانے۔"

وہ خوبی سے بری الذمہ ہوئیں۔ نگینہ کے چہرے پر کش مکش سی تھی۔

"برائی کیا تھی۔ وہی ڈانس جو صندل آج تک کرتی آئی ہے وہی کرنا تھا۔ چند منٹ کا صرف ایک رقص... جیسے تیسے صندل کو بھی منایا جا سکتا تھا۔ زندگی کو بہتری کی طرف لانے کے لیے کہیں سے تو اسے بھی ایک نئی ابتدا کرنا تھی آخر۔" نگینہ نے بروقت' حقیقت پسندی کا سہارا لیا تھا۔

"شاید وہ اب بری طرح تھک چکی ہے۔ ذمہ داریوں کا بوجھ صندل کو شیئر کرنا ہی تھا اور ایک اتنی اچھی پرفارمر کا کریئر کی ابتدا میں ہی مایوس ہو کر بیٹھ جانا بھی تو سمجھ داری نہیں تھی... اور ابھی چند ہی دن پہلے بالی کی دوسری ہیروئین کی پہلی فلم بھی تو بری طرح پٹی ہے۔"

کسی ماہر کاروباری کی طرح اس نے چند لمحوں میں سارے آپشنز پر غور کیا تھا۔ گلناز ابھی بھی اسے امید بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ نگینہ نے ہلکے سے کھنکھار کر گلے کو صاف کیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں صندل سے بات کر کے بتاتی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ وہ مان جائے گی۔ پر وعدہ نہیں کرتی۔"

نانی ستارہ اور شاما دونوں ہی نے چونک کر نگینہ کی طرف دیکھا۔ ان کے ہاں کی کسی لڑکی نے کبھی بھی پرائیویٹ پرفارم نہیں کیا تھا۔ صندل بھی چوبارے سے اٹھ کر فلم میں ہی گئی تھی۔ اور فیروزہ۔

وہ کمال درجے کی فنکارہ جس نے کبھی نہ فلم کی آفر قبول کی اور نہ ہی کسی کے گھر پر جا کر پرفارم کیا۔ گلی بھری ہوتی تھی اس کے رقص کو دیکھنے والوں سے۔

نانی اور شاما تقریباً" ایک سی کیفیت سے گزریں۔

گلناز کا رنگ خوشی سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ بے ساختہ اٹھ کر نگینہ کے گلے لگی تھی۔

"مجھے بس تیری ہاں کی فکر تھی نگینہ۔ دیکھنا اب کتنی جلدی دن بدلیں گے۔ میں ابھی جا کر خوش خبری سناتی ہوں ہائے... تو نے تو دل خوش کر دیا نگینہ... ایڈوانس کا چیک بھی ایک دو دن میں آجائے گا تیرے پاس۔"

گلناز خوشی سے بے حال تھی۔

پارٹی کو خوش خبری دینے کی اسے اتنی جلدی تھی کہ وہ پھر ایک منٹ بھی نہیں رکی۔

"پتا نہیں خود ہمیں لانے کا کتنا کمیشن وصول کرے گی اب!" بہت دنوں بعد اس نے گلناز کے لیے دل میں وہی پرانی تلخی محسوس کی تھی۔

نانی ستارہ کی سوالیہ نظریں ابھی بھی اس کے چہرے پر جمی تھیں سو وہ ان سے بچنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تھوڑی دیر لیٹوں گی' کیتی آرا کا فون آئے تو مجھ سے بات کروا دیجئے گا اللہ نے چاہا تو اس کی مشکل بھی حل ہو گی۔" وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی تھی۔

نانی ستارہ نے دل پر بڑا بھاری سا بوجھ پڑتا محسوس کیا تھا ایسا بوجھ جو نگینہ کی کمر توڑ محنت کو دیکھ کر بھی نہیں پڑتا تھا۔

☆ ☆ ☆
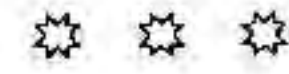
آپا گل کی حالت غیر ہو رہی تھی۔
"کوئی مجھے پکڑو۔۔۔ میں گرنے کو ہوں۔۔۔ بے ہوش ہونے والی ہوں۔" ہر ایک منٹ میں وہ اپنے بے ہوش ہونے کی اطلاع دے کر پھر سے سنبھل جاتی تھیں۔
"جنازہ نکل چکا ہے ہماری عزت کا۔ یہ جویا ہمیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑے گی۔ مجھے پہلے ہی یقین تھا اور وہی ہوا۔ کیا ڈراما کیا ہے اس نے عین مایوں کی رسم میں۔ اتنے دن منہ بند کیے بیٹھی رہی۔ صرف ہمیں بے وقوف بنانے کے لیے۔"
لاؤنج میں، جس رخ سے دھوپ آ رہی تھی' وہ اسی طرف کرسی بچھائے بڑی آرام دہ پوزیشن میں بیٹھی تھیں۔
اظہار صاحب' سلمان اور شاکرہ امی۔۔۔ تینوں ہی ان کے سامنے خاموش بیٹھے تھے۔
"اور دیکھ لیں۔ اس نے وہی کیا' جو اسے کرنا تھا۔ ذلیل کروا کر رکھ دیا ہے ہمیں۔ اب نہیں کرنے والا فریدالدین اس سے شادی وادی۔ اس کی بہن نے کہہ دیا ہے کہ لڑکی کو کوئی موذی بیماری ہے۔ ٹی بی کا آخری اسٹیج یا پھر۔۔۔"
"خدا نہ کرے۔۔۔ خدا نہ کرے۔" شاکرہ امی نے تڑپ کر آپا گل کی طرف دیکھا۔ "وہ اچھی ہو جائے گی ان شاء اللہ بہت جلد اچھی ہو جائے گی۔"
آپا گل کے چہرے پر بڑی تلخ سی مسکراہٹ ابھری۔
"وہ بیمار کب ہے۔ یوں ہی مکر کر کے اسپتال میں جا کر لیٹ گئی ہے۔ آنکھیں بند کر کے پڑے رہنے میں کیا مشکل ہے۔ ابھی مجھ سے کہو۔ میں مہینے بھر بھی آنکھیں کھول کر نہ دیکھوں۔۔۔ آرام سے پڑی رہوں بستر پر۔۔۔"
"استغفراللہ!" سامنے کمرے میں سے کچھ نکالتے ہوئے زویا نے زیر لب کہا۔ وہ کچھ ضروری چیزیں لینے آئی تھی اور ابھی اسے فوراً ہی واپس اسپتال چلے جانا تھا۔
"تو اب کیا ہو گا آپا! کیا فریدالدین ہمیں اس گھر سے نکال دے گا۔ ہم کہاں جائیں گے؟ اس سے تو وہ پہلے والا گھر ہی اچھا تھا۔ آرام سے رہ رہے تھے۔ اس کا کرایہ دینا تو ہمارے لیے ناممکن ہے۔" سلمان کے لہجے میں فکر بھی تھی اور خوف بھی۔
زویا کا دل چاہا کہ وہ چیخیں مار مار کر رونے لگے۔ مگر بس اک صبر۔
وہ جلدی جلدی بیگ میں چیزیں رکھ رہی تھی۔ اسے واپس اسپتال پہنچنا تھا۔ کسی نے بھی آ کر کمرے میں جھانکنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ سوائے ایک شاکرہ امی کے' جنہیں وہ بمشکل ہی گھر پر ٹھہرنے کے لیے آمادہ کر پائی تھی۔
"ایک ہی صورت ہے کہ یہ بیماری ویماری کا ڈراما ختم کر کے اسے گھر لے آؤ۔ نکاح پڑھوا کر رخصت کرو۔ فریدالدین خود ہی علاج کرواتا رہے گا۔ ہماری ذمہ داری ختم۔" ان کی بے قراری عروج پر تھی۔
زویا لاؤنج میں آ کھڑی ہوئی۔
"آپ تو اگر وہ مر بھی جائے تو یقین کرنے والی نہیں ہیں اسی کفن میں اسے فریدالدین کے ساتھ۔۔۔"
شدت جذبات سے زویا کی آواز کانپ رہی تھی۔ اظہار صاحب نے چونک کر زویا کی طرف دیکھا۔

"کیا وہ اتنی زیادہ بیمار ہے؟" جویا کے حوالے سے پہلا سوال جو ان کی طرف سے آیا تھا۔
"ارے نہیں ابا۔۔۔ یوں ہی جھوٹ موٹ۔۔۔ اسپتال والوں کو تو اپنا بل بنانا ہوتا ہے۔ کر لیتے ہیں داخل ایمرجنسی میں۔"
"میں زویا سے پوچھ رہا ہوں!"
"شکر ہے جو آپ کو اس کا اتنا خیال تو آیا۔۔۔" ایک گہری سانس لیتے ہوئے زویا نے ان کی طرف دیکھا۔ "وہ آئی سی یو میں ہے پرسوں سے۔ ڈاکٹر کچھ زیادہ امید نہیں دلا رہے ہیں اس کے لیے۔ ایک بار بھی اس نے آنکھ کھول کر کچھ نہیں دیکھا ہے ابو! بہت سارے Complications ہیں جویا کے۔ وہ اندر ہی اندر گھل چکی ہے۔ اس کے لنگز بھی افیکٹڈ ہیں خون کی انتہائی کمی وائٹ سیل ختم ہونے کو۔۔۔"
وہ ایک دم ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ لاؤنج میں سناٹا سا پھیلا۔
"اب ہمیں کوئی الہام تو ہوا نہیں تھا۔ بتاؤ گی تو پتا چلے گا نا۔ میں ابھی فرید بھائی کو فون کرتی ہوں۔ وہ بہترین علاج کا بندوبست کروا دیں گے۔ فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ سارا کھیل پیسے کا ہے' بس۔"
اس سناٹے میں بھی گونجنے والی آواز آپا گل ہی کی تھی۔
"مت دیں انہیں تکلیف۔۔۔ جتنا خرچ جویا کے علاج پر آنے والا ہے۔ آپ کے فریدالدین ادا نہیں کر سکیں گے کبھی بھی۔۔۔ اور اگر پھر بھی آپ انہیں آزمانا چاہیں تو بتا دیجیے گا کہ ہم اسے اس سرکاری اسپتال سے شفٹ کر چکے ہیں دوسری جگہ۔۔۔ اس امید پر کہ شاید وہ بہتری کی طرف آ جائے۔"
خود پر قابو پا کر اس نے پورے تحمل سے ان کی بات کا جواب دیا۔
"اتنا مہنگا اسپتال!" وہ بے ہوشی کا ڈراما بھول کر اٹھ کر کھڑی ہوئی تھیں۔
"کیا پاگل ہو گئی ہو زویا۔ لوگ کیا سرکاری اسپتالوں میں علاج نہیں کرواتے ہیں۔ بھرے پڑے ہیں اسپتال بیماروں سے۔۔۔ اور جویا کیا انوکھی بیمار پڑی ہے۔ ذرا سی کمزوری کو مسئلہ بنا کر رکھ دیا ہے تم لوگوں نے۔ ظاہر ہے اتنے عرصے سے اچھا کھانا پینا ختم ہو چکا ہے گھر میں صحتیں تو خراب ہونی ہیں۔ اور یہ اتنا مہنگا علاج کون کروائے گا۔ کیا خیراتی فنڈ۔۔۔"
"بس کر دیں۔۔۔ خدا کے واسطے۔" زویا نے ایک جھٹکے سے ان کے آگے ہاتھ جوڑے۔۔۔ "ہو جائے گا اس کا علاج' جنہوں نے داخل کروایا ہے۔ وہ بل بھی دے دیں گے۔ آپ فکر مت کریں۔"
"اچھا!" وہ اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئیں۔ "کون ہے تمہارا ہمدرد جو اتنا مال دار ہے کہ یوں ہی فی سبیل اللہ بیماروں کا علاج کروا رہا ہے۔"
وہ کبھی بدلنے والی نہیں تھیں۔ ایک گہری سانس لیتے ہوئے زویا نے خود کو کمپوز رکھنا چاہا۔
اگر وہ قیامت تک بھی ان کے سامنے کھڑی رہے تو بھی ان کے سوال ختم ہونے والے نہیں ہیں۔
"دیکھا۔۔۔ کوئی جواب نہیں ہے اس کے پاس۔۔۔ سب ڈرامے ہیں تم دونوں کے۔" وہ بیک وقت سب سے مخاطب تھیں "میں فرید بھائی کو فون کر کے ابھی بلا رہی ہوں پھر ہم دونوں ہی تمہارے ساتھ چل کر دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔"
"کسی کو آنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ جویا کے پاس اسلام چچا آ چکے ہیں اور وہی اس کے سارے علاج کے ذمہ دار ہیں۔ ہو گئی تسلی آپ کی۔"
آپا گل کا منہ حیرت سے کھلا تھا۔
سب ہی الگ الگ متضاد کیفیت سے گزرے۔

شاکرہ ای ایک دم ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔ لیکن صرف زویا جانتی تھی کہ یہ آنسو دکھ سے سکون کے باعث ہیں۔

دھیرے سے اس نے ان کا کندھا تھپتھپایا۔

وہ ماں تھیں۔ کتنی بھی خود غرض اور مصلحتوں کا شکار سہی۔ لیکن انہوں نے ہی تلافی بھی کی تھی۔ وہ بھی ہمت سے بڑھ کر۔

"میں ہاسپٹل جا رہی ہوں!" وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔

اظہار صاحب کا سر جھکا ہوا تھا۔ کوئی بھی اس کے پیچھے نہیں آیا۔ اسے توقع بھی نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی دکھ ہوا تھا۔

معاذ اسے آئی سی یو کے آس پاس ہی مل گیا تھا۔

کل سے اب تک جویا کو دوسرے اسپتال میں شفٹ کرنے کے مرحلے میں وہ ساتھ تھا۔ ایمبولینس میں جویا کا کمزور، سرد ہاتھ تھام کر بیٹھا ہوا' بار بار اپنے آنسو صاف کرتا ہوا۔

زویا نے دانستہ بار بار ہی نگاہ چرائی تھی۔

اور ان کے یہاں پہنچنے سے پہلے اسلام چچا آچکے تھے۔

جویا کے سب کام ہو رہے تھے۔ مگر وہ خود کہاں تھی؟

"تم کیوں آگئیں۔ میں ہوں نا یہاں!" معاذ نے اسے دیکھتے ہی کہا تھا۔

زویا نے یوں ہی دھیرے سے سر ہلایا تھا۔

ایک مدت سے کوئی تعلق' کوئی واسطہ نہیں تھا ان دونوں کا مگر یہ بھی ایک غلط فہمی ہی تھی سب کی۔

"کاش جویا آنکھ کھول کر دیکھے معاذ بھائی کہ آپ اس کی کتنی پروا کرتے ہیں۔"

معاذ کے ساتھ لابی کے صوفوں پر بیٹھتے ہوئے اس نے بہت آہستگی سے کہا تھا۔ معاذ چند لمحے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھے گیا۔

"وہ بالکل خالی ہے اندر سے۔ کوئی تمنا' کوئی امید کچھ بھی نہیں۔ آپ کے حوالے سے اس کا ہر خواب جل کر راکھ ہوئے بھی عرصہ ہو چکا لیکن وہ اس طرح ناامید ہو کر نہ جائے......"

زویا کی آنکھوں سے بہت سارے آنسو ایک ساتھ گرے جنہیں اس نے خاموشی سے صاف کیا تھا۔

"کم از کم یہ خوشی تو اس کے ساتھ ہوتی۔ اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی آپ ___ اس سے محبت کرتے ہیں۔ میری بہن بالکل نامراد اس دنیا سے چلی گئی تو......"

اپنے لبوں پر سختی سے ہاتھ رکھتے ہوئے زویا نے شیشے کی دیوار کے اس پار نظر آتے سبزہ زار کی طرف دیکھا۔ سارا منظر دھندلا رہا تھا۔

"اسے کچھ نہیں ہو گا زویا! تم دیکھنا۔ وہ ٹھیک ہو جائے گی۔ بالکل ٹھیک۔ پہلے سے بھی زیادہ اچھی۔ ویسی ہی خوش مزاج ویسی ہی لڑتی جھگڑتی۔"

معاذ کی آنکھوں میں گزرے ہوئے اچھے دنوں کی چمک اتری تھی۔

وہ دن جب جویا ربیعہ کے ساتھ کالج کے گیٹ پر اس سے لڑنے کے بہانے ڈھونڈتی اور اس کے ہر طنز کو ایک ہنسی میں اڑاتی تھی۔ اور وہ دن جب ___

زویا کو کچھ اور خیال آیا تھا۔

"میں نے گھر میں آپ کا اور اسلام چچا کا بتا دیا تھا۔ اصل میں ابا اب بہت اچھا چل پھر نہیں سکتے ہیں۔ ان کی صحت اچھی نہیں ہے۔" وہ جیل کے تذکرے سے جھجک کر گزری۔ معاذ نے تیزی سے بات بدلی۔

"میں کسی دن جاؤں گا اظہار چچا سے ملنے۔ جو بھی میری غلطی ہے اس پر معافی مانگ لوں گا ان سے' ٹھیک ہو جائے گا سب۔"

زویا افسردگی سے مسکرائی۔

"کاش' وہ لوگ بدل سکتے' آپ کو پتا ہے آپا گل نے ابھی میرے سامنے کہا کہ جویا کو صرف ویک نیس (کمزوری) ہے' ڈراما کر رہی ہے بیماری کا۔ اسے گھر لا کر' نکاح پڑھوا کر رخصت کر دیا جائے اس فرید الدین کے ساتھ۔"

معاذ کے ہاتھ کے اشارے نے اسے خاموش کیا تھا۔ اس کا نچلا لب دانت تلے سختی سے دبا تھا۔

زویا کو افسوس ہوا تھا۔ اسے یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا شاید۔ "سوری معاذ بھائی!"

"غلطی تمہاری نہیں ہے' اپنی بہن کا اثر تو آتا ہے۔ وہ بھی تو کم اذیت پسند نہیں ہے۔"

معاذ نے حسب عادت خود کو نارمل کیا تھا۔

"تم بیٹھو' میں ذرا دیکھ کر آتا ہوں۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔

زویا خاموشی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

اسے پتا تھا کہ اب پھر وہ بڑی دیر تک وہیں باہر کھڑا رہے گا جہاں سے اسے جویا کی ایک جھلک دکھائی دیتی رہے گی۔

☆ ☆ ☆

گیتی کی نگاہ ایک بار پھر دیوار پر لگی گھڑی پر جمی تھی۔ ساڑھے بارہ بج چکے تھے۔

"اتنی دیر ہونی تو نہیں چاہیے تھی۔ راجو تو کہہ رہے تھے کہ ساڑھے دس تک فیصلہ سنا بھی دیا جائے گا۔ پتا نہیں کہاں رہ گئے ہیں یہ لوگ۔ لگ رہا ہے جج صاحب دیر سے آئے ہوں گے۔"

گیتی نے بلٹ کر زری کی طرف دیکھا۔ وہ سینٹر ٹیبل پر پھول سجا رہی تھی' اور روز سے زیادہ تیار تھی۔

"آپ بھی کوئی اچھے سے کپڑے پہن لیں بھابھی۔۔۔ سالار بھائی کتنا خوش ہوں گے۔ آپ کو دیکھ کر اور بھی

خوش ہو جائیں گے۔ آج تو بڑا دن ہے۔ راجو تو رات بھر سوئے نہیں۔ بہت بے چین تھے۔ بڑے طویل انتظار کے بعد آج انصاف ملے گا۔ ظالموں کو ان کے کیے کی سزا ضرور ملے گی۔ جہنم رسید ہوں گے۔"

وہ بہت خوش تھی اور پر یقین بھی۔

لاعلمی واقعی کتنی بڑی نعمت ہے!

گیتی نے رشک سے اس کی طرف دیکھا اور قریبی صوفے پر آکر بیٹھ گئی۔ ٹانگیں مستقل کانپ رہی تھیں۔ لگ رہا تھا کہ اور کھڑی رہی تو یقیناً گر پڑے گی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ چہرہ سفید ہو رہا ہے۔"

"نہیں۔ میں ٹھیک ہوں؟" وہ زبردستی بھی نہیں مسکرا سکی۔

"زری! تمہیں لگتا ہے کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا۔"

"بالکل، آخر تو ظالموں کو سزا تو ملنی ہی ہے۔ دنیا کی طرف سے بھی اور اللہ کی طرف سے بھی۔ کوئی بھی ظلم کر کے بچ نہیں سکتا ہے بھابھی..... قدرت کا قانون ہے اس پر شک کیسا۔ نبیل کو تو عدالت میں ہی سے گرفتار کر کے جیل لے گئے ہوں گے دیکھ لیجئے گا۔ مٹھائی وٹھائی لینے میں دیر ہو گئی ہے سالار بھائی کو۔"

وہ مسکراتی ہوئی اٹھ کر کھڑی ہوئی تھی کہ باہر سے سالار کی گاڑی کا ہارن سنائی دینے لگا۔ گیتی کا دل بہت زور سے دھڑک رہا تھا۔

اگر فیصلہ وہی تھا جو پہلے ہی نبیل سنا چکا تھا تو پھر سالار کا سامنا کرنا کتنا مشکل تھا۔

ایک نیک اور پیارے شخص کی بدی کے آگے ہار۔

اور اب نبیل کو کون روک سکتا تھا کہ وہ اپنے کیے ہر برے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔

وہ آج ہی لاہور چلی جائے گی۔ ہمیشہ کے لیے..... ان آخری لمحات میں اس نے سالار کے لیے دل سے دعا کی کہ وہ اس کے حوالے سے اچھالی جانے والی کیچڑ سے کم از کم محفوظ رہے۔

باہر سے آتے ہوئے قدموں کی چاپ پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔

دروازہ کھول کر سالار اندر آیا تھا۔

گیتی کی نگاہ نے سالار پر پڑتی پہلی نگاہ میں ہی کیس کے فیصلے کو جان لیا تھا۔ وہ مایوس تھا۔ اتنا مایوس جتنا پہلے کبھی بھی نہیں نظر آیا تھا اس کے پیچھے حواس باختہ سی زری..... اور راجو؟

گیتی کی نگاہ نے راجو کو ڈھونڈا۔

مگر وہ ساتھ نہیں تھا۔ اپنا غم منانے کے لیے کہیں کسی گوشہ تنہائی میں جا چکا تھا۔

"ہم کیس ہار گئے گیتی..... عدالت نے روزی کی موت کو محض حادثہ قرار دیا ہے۔ کچھ نہیں بگڑ سکا نبیل کا۔ ہم ناکام رہے۔"

وہ بہت تھک کر صوفے پر بیٹھا۔

☼ ☼ ☼

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عالیہ بخاری

سیاہ وار سے

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دل دار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار، لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ کیتی آرا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو رفاحی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعاگو ہیں۔

٦٠

ساٹھویں قسط

آج ٹھیک نصف النہار پر ہی سورج غروب ہوا تھا۔
گیتی آرا نے پوری آنکھیں کھول کر سر جھکائے بیٹھے سالار کی طرف دیکھا۔
"یہ پانی!" اس نے پچھلے ایک گھنٹے سے رکھے گئے پانی کے گلاس کی طرف اس کی توجہ دلائی۔ مگر اس نے اب بھی آنکھ اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔
ذرا فاصلے پر کارپٹ پر بیٹھی ہوئی زری نے اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے گیتی کی طرف دیکھا اور پھر سے رونے لگی۔ گیتی تھکے تھکے سے انداز میں وہیں سالار کے قریب بیٹھی۔
وہ کسے تسلی دے اور کس سے تعزیت کرے؟
روزی سے رقابت کا کانٹا لیے رکھنے کے باوجود بھی پورے خلوص کے ساتھ اس کے لیے آنسو بہاتی زری سے باہر کسی کونے پر بیٹھے دل گرفتہ راجو سے اس قریب بیٹھے بے حد پیارے شخص سے... یا پھر خود سے...
گیتی نے اضطراب سے پہلو بدلا...
"سب ختم ہو گیا گیتی... میں ہار گیا۔" سالار کی آواز کسی سرگوشی کی مانند تھی۔ "ہم ہار گئے۔"
گیتی نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ سالار کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں...
گیتی نے آج سے پہلے اسے کبھی بھی اتنا شکستہ حال نہیں دیکھا تھا۔
"میں روزی کو انصاف نہ دلا سکا... میں نے راجو سے وعدہ کیا تھا۔ پوری پوری کوشش کی گئی... اچھے سے اچھا وکیل..." باوجود کوشش کے وہ اپنی آنکھوں سے گرتے ہوئے آنسوؤں کو نہیں روک پا رہا تھا... نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے سختی سے دبا کر اس نے خود کو سنبھالے رکھنا چاہا...
"یہاں انصاف بھی بکتا ہے... ظالموں کو کھلی چھوٹ... کمینوں کو اشراف کا درجہ ملتا ہے... ہم کس دور جہالت میں واپس آ گئے ہیں گیتی... عدل اٹھ گیا ہے اور زمین پھر بھی اپنے محور پر قائم ہے۔"
اس کی آواز دھیمی اور ہر لفظ درد میں ڈوبا ہوا تھا۔ گیتی کے پاس اس کے شکوہ کا کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے دھیرے سے سالار کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا... گھٹی گھٹی سسکیاں لیتی ہوئی زری نے سر اٹھایا۔
"راجو کا کیا ہو گا سالار بھائی... وہ تو مر جائے گا۔ نہیں برداشت کر سکے گا وہ یہ سب..." سالار نے ہتھیلی سے اپنی جلتی ہوئی آنکھوں کو رگڑا۔
"وہ ہے کہاں... اتنی دیر سے وہ مجھے نظر نہیں آیا ہے۔ اسے اکیلا مت چھوڑو... اللہ نہ کرے کہ وہ کہیں خود کو کوئی نقصان نہ پہنچا لے۔" وہ بے چینی سے کہتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہوا... اور اس کے ساتھ ہی زری اور گیتی بھی۔
تب ہی ایک ملازم گھبرایا ہوا لاؤنج کے سرے پر آ کر رکا۔
"صاحب! باہر گیٹ پر راجو کا جھگڑا ہو گیا ہے نبیل صاحب سے۔ ان کے لوگ اسے بری طرح مار رہے ہیں۔"
"کیا؟" سالار بنا کوئی تفصیل پوچھے تیزی سے باہر نکلا اور اس کے پیچھے روتی پیٹتی روزی۔
گیتی نے داخلی دروازے کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر گیٹ کی طرف دیکھا۔ جو بھی ہنگامہ تھا وہ گھر کے باہر ہی ہو رہا تھا۔
پھر بھی ادھ کھلے گیٹ سے جمع ہوتے ہوئے لوگ دکھائی دے رہے تھے اور شور یہاں تک آ رہا تھا۔
"خدا کی پناہ!" گیتی نے اپنے ٹھنڈے پڑتے ہاتھوں کو ایک دوسرے میں پھنسایا... اس کے پیر بے دم ہوتے جا رہے تھے۔
کیا ہو چکا تھا... اور کیا ہونے جا رہا تھا؟
خود کو گھسیٹتی ہوئی وہ دوبارہ لاؤنج کے صوفے پر آ کر بیٹھی۔ قیمتی سامان سے سجے اس بڑے سارے لاؤنج میں

ننھا سا پھیل رہا تھا... سالار کا گھر۔ جسے خود اس کے اپنے دل نے بھی بڑے مان سے اپنا سمجھنے کی خوش فہمی میں مبتلا ہونا چاہا تھا۔ مگر...
ایک افسردہ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر ابھری اور معدوم ہوئی... زیادہ سے زیادہ کل تک وہ یہاں سے چلی جائے گی... ایک ایسے وقت میں سالار کو چھوڑ کر جب اسے سب سے زیادہ اس کی ضرورت ہے... لیکن شاید اس طرح وہ اسے اس ذلت سے بچا سکے گی۔ جس کے چھینٹے اڑانے کے لیے نبیل اب اور بھی بے تاب اور پُراعتماد تھا۔
سو اس کی یہ سادہ سی محبت بھری گھریلو زندگی... مختصر سے سفر کے بعد اب انجام کو پہنچ رہی تھی۔
اس اتنی بڑی دنیا میں اس کی خوشیوں کا بس اتنا سا ہی حصہ تھا۔
اپنے ڈوبتے ہوئے دل کو سنبھالتے ہوئے گیتی آرا کچھ لمحوں کے لیے باہر گیٹ پر مچے ہنگامے کو بھی بھولی۔
اپنے دکھ سے بڑا شاید کوئی اور دکھ نہیں۔ سو وہ بھی اس کرۂ ارض پر اس وقت سب سے زیادہ دکھی تھی۔
اس کے موبائل کی بیل ہو رہی تھی۔
اس وقت کسی سے بھی بات نہیں کی جا سکتی تھی۔ مگر اسکرین پر آیا ہوا نام نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔
"السلام علیکم امی!"
"وعلیکم السلام بیٹا! خوش رہو آباد رہو۔" بڑے عرصے بعد نگینہ کی آواز میں ایک بار پھر خوشی کی کھنک تھی۔
"کیسی ہو تم۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا... اماں بتا رہی تھیں کہ لاہور آنے کا پروگرام ہے تمہارا؟" ایک ہی سانس میں وہ کہتی چلی گئی۔ اس خستہ حالی کے عالم میں بھی گیتی اس کی خوشی کو محسوس کر کے ہلکے سے مسکرا دی۔
"بے چاری امی!" اس نے دل میں کہا...
"خوش خوش آؤ بیٹا... یہاں تو خود تمہیں اتنا یاد کر رہے ہیں سب کہ حد نہیں... اماں میں صندل۔ شاما۔ استاد جی..." اور گھر سے باہر کے لوگوں کی فہرست سننے میں اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی سو بات کاٹ گئی۔
"بس کل یا پرسوں آ جاؤں گی امی!"
"کل پرسوں۔" فون کے دوسرے پرے پر کھڑی نگینہ کو تردد سا ہوا... "تم اپنا پروگرام چند دن آگے بڑھا لو تو اچھا ہو گا بیٹا۔ میں منع نہیں کر رہی لیکن..."
"خیریت تو ہے نا امی؟ کوئی بات ہو گئی ہے کیا؟" دل ہمہ وقت ہی کسی بری خبر کے اندیشے سے ڈرتا رہتا تھا۔ مگر نگینہ کے ساتھ فی الحال کوئی مسئلہ نہیں تھا۔
وہ بڑی زور سے کھلکھلا کر ہنسی۔
"خیر ہی خیر ہے... شکر ہے جو پریشانی کے دن تھے سو ٹل گئے۔" صندل کے گھر بیٹھ رہنے کے بعد گھر کی کمزور مالی حالت کو گیتی سے چھپائے رکھنے کی اب تک پوری کوشش کی گئی تھی... مگر اب جبکہ اچھے دنوں کی پھر سے نوید سنائی دے رہی تھی تو پھر اس نے ہلکا سا تذکرہ کر ہی دیا۔
"صندل نے پھر سے کام شروع کر دیا ہے بیٹا... راضی ہو گئی ہے وہ پرفارم کرنے پر... شکر ہے جو اس نے عقل کے ناخن لیے۔ پتا ہے لاکھوں روپے کی آفر ہے صرف ایک رقص کے لیے... خیر سے کام کرنے لگے گی تو پھر سے دن پھر جائیں گے..."
گیتی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس بات پر کس طرح خوشی کا اظہار کرے...
"پچھلے کئی ماہ تو بڑے ہی سخت گزرے... اور تمہیں تو پتا ہے کہ اب میری بھی ہمت اور صحت جواب دے رہی ہے۔ کہاں گھنٹوں ایک شاٹ کے لیے بیٹھ کر انتظار کر سکتی ہوں... یوں بھی ایکسٹراز میں ناچنے کی عمر بھی کہاں

رہی..." نگینہ کی آواز دھیمی پڑی تھی۔

ایک چھوٹے سے پل میں نگینہ کی مشقت بھری زندگی' گیتی آرا کے دل پر سے ہوتی ہوئی گزری۔

"حالات خراب تھے تو آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا امی... اتنا غیر کیوں سمجھا مجھے۔ کیا میں اس قابل بھی نہیں تھی..." اس کا اپنی لاپروائی پر مرجانے کو دل چاہا تھا۔

"ارے نہیں... ایسا کچھ نہیں بیٹا... غیر کیوں ہونے لگی۔ تو ہی تو ہم سب کا غرور ہے۔ ماشاء اللہ عزت دار گھر میں شادی ہوئی ہے۔ اللہ سلامت رکھے سالار کو... لیکن اب ایسے گرے ہوئے بھی نہیں کہ تجھ سے پیسے مانگتے بیٹا! صندل نے سختی سے منع کیا تھا... اور خود ہم میں سے کسی کا بھی دل نہ چاہا' تجھ سے کہنے کو۔ شکر ہے مجھے ایک بیوٹی پارلر میں کام بھی مل گیا تھا... اپنے محلے سے خاصا دور... صبح سے رات ہو جاتی..."

گیتی کی آنکھوں سے چپ چاپ آنسو گرتے رہے۔ لیکن وہ کچھ ایسا ظاہر کرکے اپنی ماں کو نہ دکھی کرنا چاہتی تھی اور نہ شرمندہ...

"آپ مجھے بہت یاد آرہی ہیں امی... اس لیے میں آنا چاہ رہی ہوں... کوشش کروں گی کہ کل ہی کی فلائٹ مل جائے..."

"وہی تو کہہ رہی ہوں... دو چار دن رک جا... ہم آرہے ہیں کراچی... میں' صندل اور شاما..."

گیتی کے لب حیرت سے کچھ کھلے تھے۔

"ان لوگوں نے منع کیا تھا مجھے کہ تجھے ابھی نہ بتاؤں... اچانک پہنچ کر وہی دینا چاہتے تھے تجھے... وہ کیا... سرپرائز۔" اپنی بات کہہ کر' وہ پھر سے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

کتنی خواہش تھی اس کی کہ وہ سب یہاں اس کے گھر آئیں... مگر حالات اجازت ہی نہ دے سکے۔ اور اب تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...

گم صم سی گلاس وال کے دوسری طرف نظر آتے لان کو دیکھتے ہوئے سوچ گئی۔

باہر سے کوئی اندر نہیں آیا تھا۔

"چار دن بعد فنکشن ہے ادھر کراچی میں... پانچ لاکھ کا چیک مل گیا ہے صندل کو۔ گلناز کی معرفت۔ وہی اس کا پرانا ملنے والا کراچی کا سیٹھ..."

"نبیل!" گیتی کو خود اپنی آواز اجنبی لگی تھی۔

"ہاں! وہی... تو بھی جانتی ہے نا... لگتا ہے مشہور آدمی ہے کراچی کا..." نگینہ کے لہجے میں کچھ اور جوش بڑھا۔ "شکر ہے! اماں نے بھی اعتراض نہیں کیا۔ اب زمانہ بدل گیا ہے..."

"امی! آپ فوراً" وہ چیک واپس کردیں اور کسی کو بھی ضرورت نہیں یہاں آنے کی۔ سن رہی ہیں نا آپ؟ فوراً" منع کردیں' میں آپ سے کہہ رہی ہوں..." وہ مارے گھبراہٹ کے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"ایسے کیسے منع کردیں بیٹا... اب تو بات طے ہو چکی ہے۔ صندل تیاری میں لگی ہوئی ہے۔ بڑی مشکل سے تو وہ سنبھلی ہے... پھر سے مایوسی میں گھر جائے گی۔ اور ہم ان پیسوں میں سے اچھے خاصے تو خرچ بھی کرچکے ہیں۔ تمہیں یہاں کے حالات نہیں پتا ہیں اصل میں..." نگینہ کے لہجے میں کوئی لچک نہیں تھی۔ بدترین سے بہترین اور پھر بدترین کا اتار چڑھاؤ' اس جیسی زمانہ شناس عورت کو کسی بے وقوفی کی اجازت نہیں دیتا تھا۔

"کتنے پیسے چاہئیں... میں لے کر آتی ہوں' لیکن آپ واپس..."

میں نے کہا نا نہیں۔" اس بار نگینہ کی آواز میں سختی اور بھی نمایاں تھی' "صندل کبھی بھی نہیں مانے گی... سالار کے سامنے ہمارا تھوڑا سا بھرم رہنے دو تم... ابھی کوئی آیا ہے۔ میں پھر بات کروں گی..." وہ دوسری طرف سے فون

بند کرچکی تھی۔ گیتی نے بے بسی سے سر جھکایا۔

"راجو بھائی کو چوٹیں لگی ہیں۔ وہ ایک دم بے ہوش ہو گئے۔ سالار انہیں لے کر اسپتال گئے ہیں' زری بھابھی بھی ساتھ گئی ہیں..."

باہر سے آئے ایک ملازم نے نئی اطلاع گوش گزار کی اور دبے قدموں واپس لوٹ گیا... وہ یوں ہی بے تاثر سا چہرہ لیے اپنی جگہ پر بیٹھی رہی۔ راجو' زری' ہار گیا مقصد...

سب ہی پس پشت۔

اس نے چاروں طرف پھیلے سناٹے پر نگاہ ڈالی۔ اسے لگا' جیسے وہ اپنی جگہ سے اٹھنے کی بھی ہمت کھو چکی ہے۔

☼ ☼ ☼

خیام ابھی ابھی گھر سے آیا تھا۔

ابا' دادی اور ربیعہ اس کے ساتھ جویا کو دیکھنے آئے تھے۔ اسپتال کے احاطے میں درخت کے نیچے بینچ پر بیٹھے معاذ کی طرف آنے کے بجائے وہ سیدھے اسپتال کی عمارت کے اندر چلے گئے۔ معاذ افسردگی سے انہیں جاتا دیکھے گیا۔

وہ اسے دیکھنے آئے تھے۔ جو خود کسی کی بھی طرف نہ دیکھنے کا شاید تہیہ کرچکی تھی...

خیام انہیں چھوڑ کر معاذ کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

"بری خبر ہے' معاذ بھائی!"

وہ چونک کر اس کو خالی خالی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ خیام کو فوراً" ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"آپ کو شاید یاد نہیں رہا' آج راجو کے کیس کا فیصلہ تھا۔"

"او ہاں! میں واقعی بھول گیا۔" خیام نے افسردگی سے معاذ کو دیکھا۔

"آپ تو شاید خود کو بھی بھول گئے ہیں۔" اس نے دل میں کہا۔

"کیا بنا اس کیس کا؟ نبیل گرفتار ہو گیا؟"

خیام نے دھیرے سے نفی میں سر ہلایا۔ "کیس خارج ہو گیا۔ ثبوت ناکافی تھے۔ عدالت نے نبیل کو شک کا فائدہ دے کر رہا کردیا ہے۔"

چند لمحوں کے لیے ان دونوں کے بیچ سناٹا سا چھایا۔

"مجھے اسی کا ڈر تھا۔" ایک ٹھنڈی سانس لے کر معاذ نے فقط اتنا ہی کہا۔ خیام کچھ دیر اس کے مزید کچھ کہنے کا منتظر رہا۔ مگر آج کل اس کے یہ خاموشی بھرے وقفے اسی طرح طویل ہو رہے تھے۔

"آپ وہاں جائیں گے کیا؟"

"ہوں... نہیں... میں کہاں جا سکتا ہوں ابھی... دعا کرو کہ..." وہ جملہ بھی پورا نہ کرسکا۔

"ابا سے کہنا! وہ ضرور چلے جائیں۔ ان کی مورل سپورٹ کی سالار کو ضرورت ہوگی۔" چند لمحوں بعد اس نے خیام کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ بھی صرف سر ہلا کر رہ گیا۔

ان چند دنوں میں اس نے پہلی بار معاذ کو اس — بری طرح ٹوٹ کر بکھرتے ہوئے دیکھا تھا۔

وہ جتنا اس کے لیے افسردہ تھا۔ اتنا ہی حیران بھی۔

یہ کیسی محبت تھی اور کیسا ردِعمل۔

ایک طویل عرصے سے وہ دونوں ایک دوسرے سے قطعی لاتعلق ہیں۔ لیکن محض دنیا کی نظر میں۔ ورنہ ہر

گزرتا ہوا پل انہیں ایک دوسرے کے نزدیک تر کرتا گیا ہے۔ مگر افسوس کسی نے بھی اس بات کو سمجھنا ہی نہیں چاہا۔"

گزشتہ رات دیر تک جب وہ ابا کے پاس بیٹھا تھا تو انہوں نے بہت دردمندی سے کہا تھا۔

ابا دادی اور ربیعہ جلد ہی واپس آرہے تھے۔

"اور وہاں کھڑے ہو کر دیکھتے رہنے کے علاوہ ہے بھی کیا؟" معاذ نے انہیں دیکھ کر سوچا تھا۔

ربیعہ کا چہرہ زرد پڑ رہا تھا۔

اور دادی۔

ان کی طرف دوبارہ دیکھنے کا اسے حوصلہ ہی نہیں ہوا۔ اپنی ضعیفی اور بیماری کے باوجود وہ اگر یہاں تک آئی تھیں تو ان کے دل کا حال بخوبی سمجھ میں آتا تھا۔

"معاذ!" ربیعہ بے ساختہ ہی اس کے گلے لگ کر رونا شروع ہو گئی۔ معاذ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے کیسے چپ کرائے۔

"کیا بچپنا ہے ربیعہ۔۔۔ ایسے ناامید نہیں ہوتے۔ دعا کرو وہ بڑا رحم کرنے والا ہے۔"

بینچ پر بیٹھتے ہوئے دادی کے لہجے میں سختی تھی۔ معاذ نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ جذباتیت کے کمزور لمحات سے گزر کر وہ خود پر قابو پا چکی تھیں۔

"اللہ نے چاہا تو جویا ضرور ٹھیک ہو جائے گی۔ اللہ پر بھروسا رکھو۔ یہ رونا دھونا بدشگونی کی باتیں ہیں۔ ادھر آؤ میرے پاس دونوں۔"

وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی سب سے بڑی مورل سپورٹ اور سب سے مہربان سایہ تھیں۔

ان کے کمزور بازوؤں میں لپٹتے ہوئے معاذ اور ربیعہ دونوں ہی نے یکساں سکون اور تحفظ محسوس کیا تھا۔

"اب شاید سب کچھ ٹھیک ہونے ہی والا ہے۔"

ایک مدت بعد دل میں اٹھنے والی ہلکی سی خوش گمانی کا سبب دادی کے دو قدم کی برکت تھی۔ حالانکہ چار سو چھائی تیرگی اب بھی ویسی کی ویسی ہی تھی۔ اس کے بس میں ہوتا تو شاید وہ دیر تک ان کے کندھے سے لگ کر آنکھیں بند کیے رکھتا۔ مگر تب ہی ربیعہ نے ہلکے سے اس کے ہاتھ کو چھوا۔

"معاذ! اظہار چچا۔" اس کی سرگوشی پر ہی معاذ نے آنکھیں کھول کر سامنے دیکھا اور پھر فوراً" ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

اظہار چچا اور شاکرہ چچی بالکل قریب آچکے تھے۔ ایک مدت بعد وہ انہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ اتنا بدل چکے تھے کہ اسے انہیں پہچاننے میں دقت ہوئی تھی۔

بے حد کمزور، جھکے ہوئے کندھوں والے اظہار چچا۔ وہ ایک دم ہی جیسے بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔

"السلام علیکم!" وہ اس کے اتنے قریب کھڑے تھے کہ ناممکن تھا کہ انہوں نے اس کا سلام نہ سنا ہو، لیکن وہ جواب دیے بغیر دادی کی طرف مڑ چکے تھے۔ شاکرہ چچی نے ضرور زیر لب کچھ کہا تھا۔ شاید اس کے سلام کا جواب ہی دیا تھا۔

وہ دانستہ وہاں سے ہٹ کر خیام کے ساتھ چلتا ہوا کچھ فاصلے پر چلا گیا۔

اظہار چچا آج بھی اس سے ناراض ہیں۔ حالانکہ کتنی عجیب سی بات ہے کہ وہ ان کے کبھی آڑے نہیں آیا۔ مگر پھر بھی ان کی شدید نفرت کا مستحق ٹھہرا تھا۔ اس وقت بھی وہ پتا نہیں اسے دیکھ کر کس طرح کنٹرول کر رہے ہوں گے۔

"شاید اسے اسپتال سے بے دخل کرنے ہی آئے ہوں۔ مگر دادی کو دیکھ کر فوری ردعمل نہیں کر سکے۔ معاذ کو ایسا ہی لگا تھا۔

مگر اسے اب ان کے غصے اور نفرت سے کیا فرق پڑتا تھا بھلا۔

خیام اسے اسکول کے بارے کچھ اچھی سی رپورٹ دے رہا تھا۔ اسکول کا نظم و ضبط، بچوں اور ٹیچرز کی بہترین کارکردگی وغیرہ وغیرہ۔ لیکن چند لمحوں میں ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ کچھ بھی نہیں سن پا رہا ہے۔

"سوری خیام۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم لوگ اسکول کو مجھ سے کہیں زیادہ اچھے طریقے سے سنبھال رہے ہو اور آگے تم ہی لوگوں کو اسے چلانا بھی ہے، میں تو۔۔۔"

آگے وہ جو کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔ خیام کے لیے اس کا تصور بھی محال تھا۔

"کچھ مت کہیے۔" اس نے معاذ کی بات کاٹی تھی۔ "اور آپ خود ہی تو کہتے ہیں کہ زندگی کا کوئی فیز کتنا بھی تکلیف دہ کیوں نہ ہو، آخر تو گزر ہی جاتا ہے۔ یہ بھی گزر جائے گا اور وہ ٹھیک ہو جائیں گی بالکل، ان شاء اللہ۔"

جویا کا نام اس نے احتراما" نہیں لیا تھا۔

معاذ نے محبت سے اس کی طرف دیکھا۔ کل تک وہ خود خیام کے لیے سپورٹ تھا اور آج وہ اس کے لیے۔۔۔

"میں تمہارا زندگی بھر شکر گزار رہوں گا خیام! اگر تم نہ بتاتے تو یہ وقت بھی میری بے حسی کی نذر ہو جاتا۔ پتا نہیں کیا ہوتا پھر۔۔۔ شاید میں ہی نہ ہوتا۔" آخری بات اس نے بہت دھیمے سے کہی تھی۔ لیکن خیام نے سن لی تھی۔

"آپ نے کیا طے کر لیا ہے معاذ بھائی! کہ مجھے رلا کر ہی چھوڑیں گے۔" اس نے بڑے اضطراب سے معاذ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔

"آپ کی ساری خوشیاں آپ کو حاصل ہوں گی ان شاء اللہ۔ آپ جیسے انسان کو اللہ تعالیٰ کبھی اکیلا نہیں چھوڑیں گے۔ وہ کسی کو نہیں چھوڑتے۔ انہیں اپنے ہر بندے کی فکر ہے۔ یہ میں نے جان لیا ہے۔" وہ پریقین تھا۔

اور اللہ پر بھروسا رکھنا سیکھ چکا تھا۔

اس کا غصہ اس کا احساس کمتری، اس کی گھبراہٹ سب ہی غیر محسوس انداز میں گم ہوئے تھے۔

"اگر زندگی کا کچھ حصہ تلخیوں یا محرومیوں کی نذر ہو رہا ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں کوئی بہت بڑا انعام دینے والے ہیں۔ ایسا انعام جو اس دنیا میں خوشی اور آخرت میں بخشش کا سبب بن جائے گا۔ بس ہمیں معاف کرنے کا ہنر آنا چاہیے اور سب سے پہلے خود اپنے آپ کو معاف کریں۔ ہر غلطی، ہر بدگمانی کے لیے، یہ سب سے ضروری ہے کیونکہ تب ہی ہم دوسروں کو معاف کرنے کے قابل بنتے ہیں۔" وہ کھوئے کھوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔

معاذ کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ ابھری۔

ابا نے اپنے حصہ میں آیا ایک اور چراغ روشن کر دیا تھا اور ان بے حد اداسی بھرے دنوں میں ایک بڑی خوش خبری تھی۔

"میں ان لوگوں کے لیے چائے لے آتا ہوں۔"

اسے اچانک ہی میزبانی کا خیال آیا تھا۔ سو وہ بات ختم کر کے اٹھ گیا۔

معاذ نے تھکے تھکے سے انداز میں درخت کے تنے سے ٹیک لگائی۔ پتا نہیں کیا ہونے والا تھا؟

ڈاکٹر، جویا کی حالت کی طرف سے مایوسی کا اظہار تو نہیں کر رہے تھے۔ لیکن کوئی خاص امید افزا پروگریس بھی

اس کی حالت میں نہیں ہو رہی تھی۔ وہی ایک سختی سے بند آنکھیں، جو کھلنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ وہ کتنی ہی دیر آئی سی یو کے باہر شیشے کے اس پار سے اسے دیکھتا رہتا۔ اس امید پر کہ شاید وہ ایک نگاہ اس کی طرف ڈال ہی لے۔ مگر اس کی پلکوں میں جنبش تک نہیں تھی۔ صرف ایک سانس کی روانی تھی جو اس کی زندگی کا پتا دیتی تھی۔ ورنہ۔۔۔ معاذ نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں۔

کسی برے امکان کا شبہ بھی دل کی دھڑکن کو بری طرح تیز کرتا تھا۔

"خود کو سنبھالو معاذ!" ربیعہ کب دادی اس کے پاس سے اٹھ کر یہاں آ کر بیٹھ چکی تھی اور بڑی فکر مندی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کا شیو بڑھ رہا تھا اور کپڑے میلے ہونے لگے تھے۔

"میں ٹھیک ہوں ربیعہ! فکر مت کرو۔" اس نے نرمی سے ربیعہ کا سر تھپتھپایا۔ "بس جویا کے لیے دعا کرو کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔" معاذ کے لہجے میں بڑی درد بھری بے بسی تھی۔

ربیعہ نے حلق میں اٹکتے ہوئے آنسوؤں کو بمشکل پیا۔

"امی اب بھی نہیں آئیں اسے دیکھنے؟"

ربیعہ اسی ایک سوال سے خوف زدہ تھی۔

"حالانکہ اب تو انہیں اسے معاف کر دینا چاہیے۔ اس زندگی کے جھگڑے یہیں نمٹا دینے چاہئیں۔ انہیں تاحشر اٹھائے رکھنا ضروری تو نہیں۔"

"میں نے انہیں بہت کہا معاف۔۔۔ ہاتھ تک جوڑ لیے۔ لیکن وہ پتا نہیں کیوں اتنی ضدی ہو چکی ہیں کہ کچھ سننے کے لیے تیار ہی نہیں ہیں۔ الٹا تم پر ناراض ہو رہی تھیں کہ تم گھر کیوں نہیں آ رہے ہو۔ انہوں نے بہت سختی سے مجھ سے کہا ہے کہ میں تمہیں آنے کو کہوں۔ اصل میں انہیں شاید اندازہ ہی نہیں ہے کہ جویا اتنی زیادہ بیمار ہے۔"

وہ شرمندہ شرمندہ سی صفائی دے رہی تھی۔

معاذ افسردگی سے مسکرا دیا۔

"انہیں کیا۔۔۔ کسی کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کس تکلیف سے گزر رہی ہے۔ سالہا سال سے نہ انہیں، جو اس کے قریب ترین خونی رشتے تھے اور نہ ہی مجھے، جو دنیا میں سب سے زیادہ اس سے۔۔۔" بات ادھوری چھوڑ کر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "جانے دو۔"

اظہار چچا کتنے عجیب سے ہو گئے ہیں اور کتنے خاموش سلام دعا کے آگے کوئی بات ہی نہیں کی انہوں نے، بس شاکرہ چچی ہی باتیں کرتی رہیں۔ بہت دکھی ہیں بے چاری۔" ربیعہ بتا رہی تھی۔

وہ محض اس کی خوشی کے لیے سنتا رہا۔

خیام ان لوگوں کو چائے دے کر یہاں بھی تین کپ لے آیا تھا۔ معاذ نے شکر گزار نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ آئی سی یو کی طرف جانے والا راستہ اب خالی تھا۔

"میں ابھی آیا!" وہ آدھا کپ پی کر پھر اس طرف چلا گیا۔ چوبیس گھنٹوں میں وقفے وقفے سے ان گنت بار یہاں یہی ایک مصروفیت تھی۔

ربیعہ اور خیام نے بے ساختہ ہی ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"آپ نے جو کہا اس کی طرف پہلا قدم بھی اتنی جلدی بڑھا دیا۔ مجھے اب تک یقین نہیں آیا۔"

"یہ سب قدرت کی طرف سے ہے۔ اگر میں اس وقت گیٹ پر نہ جاتا تو کبھی بھی نہیں جان سکتا تھا کہ جویا، معاذ بھائی کے لیے کتنی اہم ہیں۔ لیکن دکھ اس بات کا ہے کہ یہ جاننے میں مجھے کتنی دیر ہوئی۔"

"بس جویا ٹھیک ہو جائے' آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے کتنی محبت کرتے ہیں۔"

"مجھے اندازہ ہے۔" وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

ربیعہ نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔

بستر پر پڑے ایک ایسے وجود کے لیے جس میں خوب صورتی اور کشش کی اب ہلکی سی بھی رمق نہیں تھی۔ معاذ کی دیوانگی کھلی گواہی تھی۔

"میں صرف معاذ بھائی کی خوشی چاہتا ہوں۔ ہر قیمت پر اور اگر خدانہ کرے' خدانہ کرے' وہ خوش نہ رہے تو میں بھی کبھی خوش نہ رہ سکوں گا۔ کچھ نہیں رہے گا میرے لیے بھی۔" خیام کا خلوص دل کو چھو تا تھا۔

"بھائی بہت خوش قسمت ہیں کہ آپ ان سے اتنی محبت کرتے ہیں۔"

"نہیں' میں بہت زیادہ لکی ہوں کہ مجھ سے معاذ بھائی اور ابا بے انتہا محبت کرتے ہیں۔ میں آپ کے گھر کا حصہ بنا اور آپ۔۔۔"

اس کی نگاہ ربیعہ کے چہرے پہ جمنے لگی تھی۔ تب ہی وہ بروقت سنبھلا۔ لیکن ربیعہ نے اس چھوٹے سے پل میں اس کی آنکھوں میں اترتا رنگ دیکھا تھا۔

چند لمحوں کی معنی خیز سی خاموشی دونوں کے بیچ آکر رکی تھی۔

"خدا کی پناہ! یہ سچ تھا یا گمان۔"

اس نے دوسری بات پر رک کر یقین کرنا چاہا تھا۔ لیکن خیام جس طرح رخ موڑ کر کہیں اور دیکھنے لگا تھا۔ وہ انداز معاملے کو اور بھی مشکوک کر رہا تھا۔

"میں ذرا دادی کو دیکھ لوں۔"

وہ کہتی ہوئی اٹھی اور بنا خیام کی طرف دیکھے تیز قدم اٹھاتی ہوئی ان لوگوں کی طرف چلی آئی۔

ابا اور اظہار چچا دونوں ہی خاموش تھے۔ لیکن پھر بھی آپس کی سرد مہری میں کمی ضرور محسوس ہو رہی تھی۔

"گھر چلیں دادی! پھر آجائیں گے کل۔" اس نے دادی کے قریب بیٹھتے ہوئے سرگوشی کی تو انہوں نے خود ہی سر ہلا دیا۔

"چلو اظہار! ہم تمہیں بھی گھر چھوڑ دیتے ہیں۔" ابا نے نرمی سے گم صم بیٹھے اظہار صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو وہ کچھ چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔

ابا کو اپنی بات دہرانی پڑی۔

"نہیں اسلام بھائی! ہم ابھی تھوڑی دیر اور بیٹھیں گے۔ زویا آنے والی ہے۔ وہ آجائے تو۔۔۔" وہ ابا کے ساتھ چلتے ہوئے چند قدم فاصلے پر جا کر کھڑے ہوئے۔

"تم فکر مت کرو اظہار! سب ٹھیک ہو جائے گا ان شاء اللہ۔ اپنا خیال رکھا کرو۔ تمہاری صحت بھی بہت خراب ہو رہی ہے۔"

ابا کی فطری نیک دلی انہیں اظہار چچا سے سارے اختلاف بھلا دینے پر مجبور کر رہی تھی۔ مگر ان کے دل میں کیا تھا۔ اس کا اندازہ انہیں اب تک نہیں ہوا تھا۔

"ہم چلتے ہیں۔ میں رات میں پھر آؤں گا۔ اللہ جویا کو صحت یابی کی طرف لوٹا دے۔ بس یہی دعا ہے۔"

وہ بڑے خلوص سے کہتے ہوئے مڑنے لگے تھے کہ اظہار صاحب نے انہیں روکا۔

"اسلام بھائی!" وہ کچھ کہتے کہتے رکے۔ ابا منتظر نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگے۔

"اسلام بھائی۔۔۔! جویا کے علاج پر جو پیسہ آپ نے خرج کیا ہے اور کر رہے ہیں۔ وہ میں سارا آپ کو ادا کر دوں گا۔ بس ذرا میرے حالات سنبھل جائیں بس۔" بے تاثر سے انداز میں وہ ان سے کہہ رہے تھے۔

"تم مجھ سے الگ تو نہیں اظہار! اور جویا میری بھی بیٹی ہے' اپنے بچوں پر خرچ کا بھی کوئی حساب کتاب ہوتا ہے کیا؟" ابا نے بہت نرمی سے ان سے کہا تھا۔ لیکن وہ اور بھی کچھ کہنا چاہ رہے تھے۔

"تمہارا خاندان والوں سے ملنا برائے نام رہ گیا ہے۔ لیکن پھر بھی جویا کی بیماری کی خبر سب کو ہو ہی جائے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ لوگوں کو پتا چلے کہ ہم جویا کا علاج نہیں کرا سکے۔"

"اظہار! کیا تم مجھے اتنا گرا ہوا سمجھتے ہو آج بھی۔۔۔ کسی کو کیوں خبر ہو گی؟ اور کون خبر دے گا؟" ابا کو سخت رنج ہوا تھا ان کی بات پر۔

اظہار چچا چند لمحے بالکل خاموش ابا کے چہرے کو تکتے گئے۔

"ہم جویا کا رشتہ طے کر چکے ہیں۔ شادی ہونے والی ہے اس کی۔ معاذ کو کہیں کہ وہ یہاں سے چلا جائے۔ ان لوگوں کو پتا چلا اس کے بارے میں تو جویا کے لیے مشکل ہو جائے گی۔"

بالآخر ان کے لہجے میں وہی پرانی سرد مہری اتری۔

"پہلے وہ زندہ تو بچ جائے۔ پھر شادی بھی کر دینا اس کی۔" ابا بمشکل ہی اپنا غصہ ضبط کر پائے۔

"جویا کے لیے اور کیا مشکل ہونی ہے اظہار؟ بدترین وقت سے گزر رہی ہے وہ۔ رحم کرو اس پر' اولاد ہے تمہاری' اللہ کے سامنے بھی تم اس کے لیے جواب دہ ہو گے۔ اب اور کس چیز کے منتظر ہو تم آخر۔" ان کی آواز دھیمی تھی' لیکن چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

ربیعہ دادی کو سہارا دے کر گاڑی کی طرف لے جا چکی تھی۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد بھی اظہار چچا کچھ دیر وہیں کھڑے رہے تھے۔ ابا کے الفاظ کی گونج اب بھی باقی تھی۔ تکرار در تکرار۔

"اپنوں سے زیادہ دوسرا محبت دکھائے تو اس میں دکھاوے اور مطلب پرستی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا ابو! اسلام چچا کا گھرانہ ہمیں صرف ذلیل کرنا چاہ رہا ہے۔ احسان تلے دبا رہا ہے۔ آپ جویا کو فوراً" سرکاری اسپتال میں شفٹ کریں' سب سے قابل ڈاکٹر ہوتے ہیں وہاں۔"

انہیں تایا گل کا فرمان بھی یاد تھا۔ تھکے تھکے قدم اٹھاتے ہوئے وہ اسپتال کی عمارت کی طرف چلتے چلے گئے۔ ثنا کر وہیں اکیلی بینچ پر بیٹھی رہ گئی تھیں۔ ان میں جویا کی خستہ حالی کو بار بار دیکھنے کی ہمت نہیں تھی۔

ٹھنڈے یخ کوریڈور کے آخری سرے پر آئی سی یو کے باہر کھڑا معاذ کسی بت کی طرح ساکت تھا۔

اس کی نگاہ جویا پر جمی تھی اور آنکھ سے گرتا ہر آنسو حرف دعا تھا۔

کوریڈور میں دوسری طرف سے آتے اظہار چچا نے بڑی خاموشی سے یہ منظر دیکھا تھا۔

شاما کی خوشی بے حساب تھی۔

بڑے ہال کی قسمت پتا نہیں کتنے عرصے بعد جاگی تھی۔ آج کل تقریباً" سارا دن ہی وہاں رونق رہتی۔ صندل نے کراچی والے فنکشن کی بھرپور تیاری شروع کی تھی۔

کچھ ہی دنوں کے نوٹس پر ہونے والا یہ پروگرام کھوئی ہوئی خوش حالی کو دوبارہ حاصل کرنے کی طرف پہلا قدم تھا۔ نانی ستارہ کے چوبارے کی ایک پرانی روایت کے خاتمہ کی اطلاع پورے محلے نے بڑی حیرت سے سنی تھی۔ ان کے گھرانے کی لڑکی کا پرائیویٹ فنکشن کے لیے جانا بڑی بات تھی۔ حالانکہ یہی سب برابر میں رہنے والی خالہ زادوں کے ہاں برسوں پہلے سے رواج پا چکا تھا۔

مگر نانی ستارہ۔

"ونہوں۔۔۔" میرا دل نہیں مانتا نگینہ۔۔۔ کوئی جواز' کوئی دلیل مطمئن نہیں کرتی اور ادھر پرائیویٹ پروگراموں

میں تو سُنا ہے بڑی ہی عامیانہ قسم کی پرفارمنس کو پسند کیا جاتا ہے اور اسی کا پیسہ مل رہا ہے۔ گھر میں خود الماس کی مثال موجود ہے۔" گو انہوں نے براہ راست اس معاملے میں دخل نہیں دیا تھا، لیکن پھر بھی۔۔۔

نگینہ کاپی پین سنبھالے کوئی حساب کتاب جوڑ رہی تھی۔ عرصے بعد اتنے پیسے آئے تھے جن کا حساب لکھ کر کرنے کی نوبت آئی تھی۔ سو وہ ایک مسکراہٹ کے ساتھ نانی کے اعتراض کو اڑا رہی تھی۔

"الماس گلناز کا طریقہ اور ہے اماں۔۔۔ ہم کوئی ان جیسے تھوڑی بن جائیں گے ایک پروگرام سے۔"

"لیکن جا تو ان ہی کے ساتھ رہے ہو۔۔۔ جو توقع لوگ ان سے رکھتے ہیں وہی تم سے بھی رکھیں گے۔ یہ یاد رکھنا وہاں کوئی مسئلہ نہ کھڑا ہو تمہارے لیے۔"

"کچھ نہیں ہوتا۔" اس نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔ "ہوتا بھی ہے تو دیکھ لوں گی میں۔ ایک عمر کا تجربہ ہے ان سب سے نمٹنے کا۔ آپ فکر مت کریں۔"

مگر وہ کیسے فکر نہ کرتیں۔ نگینہ کو کاپی پنسل ایک طرف رکھنی پڑی۔

"وقت کے ساتھ خود کو نہیں بدلیں گے تو نری خواری کا ہی سامنا ہے اماں اور بہت کچھ زندگی میں پہلی بار ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی سہی۔"

وہ کچھ چپ سی ہو گئیں۔

"گیتی بھی تو آنے کو منع کر رہی ہے تمہیں۔"

"آپ سے کس نے کہا؟"

"میں نے خود سُنا، جب تھوڑی دیر پہلے تم اس سے بات کر رہی تھیں کیوں منع کیا اس نے۔۔۔ کچھ تو ہے ضرور۔"

نگینہ کو اپنی بے احتیاطی پر خود پر ہی غصہ آیا تھا۔

"تم صبح برآمدے میں کھڑی بات کر رہی تھیں اور یہاں کمرے تک صاف سُنائی دے رہا تھا۔ اگر وہ کل آتی ہے تو آنے دو۔ کیوں منع کر رہی تھیں تم۔۔۔ پتا نہیں کیا مسئلہ ہے اس کے ساتھ؟ میرا تو برا حال ہو رہا ہے فکر سے۔"

نگینہ نے بے ساختہ ہی ماتھے کو چھوا۔

"آپ کا بھی جواب نہیں اماں، ماشاءاللہ لاکھوں ہزاروں میں کھیلتی گیتی آرا کی فکر ہے آپ کو۔۔۔ اور یہاں جو حال ہے، اس کی پروا بھی نہیں۔۔۔ میں نے اسے منع نہیں کیا، صرف یہ کہا ہے کہ ہم آرہے ہیں، چند دن لگ جاتے، پھر سب ساتھ ہی آجائیں گے واپس۔۔۔"

کھلے دروازے میں سے اسے صندل آتی دکھائی دی تھی۔

"اس کے سامنے مت اعتراض کیجیے گا خدا کے واسطے۔۔۔ میں بری طرح تھک رہی ہوں اماں۔ آگے کا بوجھ صندل ہی کو اٹھانا ہے اور کون ہے ہمارا۔ وہ جس پر مان تھا آپ کو، کب کا بھاگ لیا۔"

آخری جملہ بس یوں ہی چڑچڑاہٹ میں منہ سے نکلا تھا، سو اسے اندازہ ہی نہیں ہوا کہ کیا کمال دکھا گیا ہے۔ نانی ستارہ کے سارے اعتراضات یکسر ختم ہوئے تھے۔

صندل کے کپڑے تیار ہو کر آئے تھے۔ بہت بھاری اور قیمتی لباس تھا۔ مگر وہ پھر بھی تنقیدی نگاہوں سے جائزہ لے رہی تھی۔

اس کے اپنے فلمی ہیروئین کے اسٹیٹس کا بہت دن بعد خیال آیا تھا۔

"اچھے خاصے بریک کے بعد پبلک کے سامنے آرہی ہوں۔ ایک ایک چیز کا دھیان رکھنا ہے۔" وہ اس طرح شو کر رہی تھی جیسے یہ کوئی بہت بڑا کنسرٹ ہے۔ جس میں اس کی اسپیشل اپیرنس ہے۔

اس کی دلچسپی نگینہ کے جوش کو اور بھی بڑھا رہی تھی۔

بڑے شکر ہے اسے پسند آگئے تھے۔ تین پرفارمنس، تینوں کا الگ لباس۔ شاما انہیں سنبھال کر رکھ رہی

کچھ عرصہ لگ کر پیسہ کما لیتا ہے اور اب کے کوئی بے وقوفی نہیں کرنی بہت سوچ سمجھ کر انویسٹ کروں گی۔ کوئی بزنس۔۔۔"

اس نے بات ادھوری چھوڑی تھی۔

نگینہ اور شاما دونوں نے بے ساختہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"بزنس!"

"پتا نہیں اس نے کہاں پیسے ڈبونے کی ٹھانی تھی!" دونوں ہی نے ایک سا سوچا تھا۔

"ایک بہت اچھا ویل مینٹین بیوٹی سیلون، جس میں بہت ساری سہولتیں ہو، ایک ہیلتھ سینٹر کا Concept ہو ہمارا اسٹاف باہر سے تربیت یافتہ آئے گا، وہ نہیں جنہیں بس آئی بروز بنائی اور فیشل کے الٹے سیدھے ہاتھ نے سیکھ گئیں اور لگ گئیں پارلر میں۔"

نگینہ کو ایک دم ہی کھانسی اٹھ گئی۔

شاما دوڑتی ہوئی پانی لے آئی۔

"بے کار میں ہی آج کیری ہری مرچ کا اچار کھا لیا، کہا بھی ہے تجھ سے کہ مت رکھا کر میرے سامنے۔۔۔ مگر بھی ضد ہے لا کر ٹھیک میرے ہی آگے رکھتی ہے للچانے کے لیے۔" پانی پی کر وہ ایک دم ہی شاما پر برس پڑی۔

موضوع خود بخود ہی بدل گیا۔

"ابھی چائے بنا کر لاتی ہوں باجی۔۔۔ ادرک والی۔ گلا بالکل صاف ہو جائے گا۔" وہ مسکراتی ہوئی باورچی خانے طرف چلی گئی۔

صندل کپڑے لے کر اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔

نگینہ نے ذرا مڑ کر نانی ستارہ کی طرف دیکھا۔

سرِشام لیٹنا کبھی ان کا معمول نہیں رہا تھا، لیکن اس وقت وہ اپنے بستر پر لیٹ چکی تھیں۔

"کیا ہوا اماں!" وہ ان کے پاس فوراً" ہی آکھڑی ہوئی۔

"کچھ نہیں، بس سر میں درد ہے!"

"لائیں میں دبا دوں۔" وہ سرہانے بیٹھنے لگی کہ انہوں نے فوراً" ہی منع کر دیا۔

"نہیں!"

"گولی تو کھالیں۔"

"کھالی ہے۔"

"بی پی نہ بڑھ رہا ہو، ڈاکٹر کو بلوا لوں؟"

"لائٹ بند کر دو بس، اور تھوڑی دیر سونا چاہ رہی ہوں، رات نیند ہی نہیں آئی۔۔۔ شاید اس لیے۔"

"ٹھیک ہے آرام کر لیں۔" وہ بڑی پھرتی سے لائٹ بند کر کے باہر نکل آئی۔ ایک بار بھی شبہ نہیں ہوا کہ وہ اسے ٹال رہی ہیں۔

اندر نیم اندھیرے کمرے میں نانی ستارہ کے دل پر لگے زخموں سے پھر کھرنڈ اترا تھا۔

"خیام۔۔۔ خیام۔۔۔ خیام!"

ان کی بوڑھی آنکھوں سے گرتے آنسو چہرے کی جھریوں میں جذب ہوتے ہوئے تکیے کو گیلا کر رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

"خیام!" ابا نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے اسے پکارا۔ وہ کچھ فاصلے پر کیاری کے ساتھ پڑی بید کی کرسی پر بیٹھا کہیں اور گم تھا۔ ان کی آواز پر چونک کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہاسپٹل جاؤ تو مجھے بھی ساتھ لے لیتا۔"

اظہار چچا کی باتوں پر وہ شام سے خاصا کڑھ چکے تھے اور انہیں جویا کے ساتھ اب معاذ کی بھی فکر گھیر رہی تھی۔ اس کی وہاں مستقل موجودگی کوئی بڑا مسئلہ ضرور کھڑا کر سکتی تھی۔

خیام ٹھیک کھڑکی کے نیچے آچکا تھا۔

"آپ کیا کریں گے۔ رات ہو رہی ہے آرام کریں۔ وہاں میں رات میں معاذ بھائی کے پاس ہی رکوں گا۔"

ابا بے ساختہ مسکرائے۔ کسی کسی وقت وہ بڑی اپنائیت سے ان سے اپنی منوانے لگتا تھا۔

"معاذ کو سمجھاؤ' ہر وقت ان لوگوں کے سامنے نہ رہے۔۔۔ انہیں برا لگ رہا ہے اور ایک طرح سے ہے بھی ٹھیک۔ بنا کسی رشتے ناتے کے اس کا وہاں ہونا لوگوں کو اعتراض کا موقع دے رہا ہے۔"

"کسی کو اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے ابا اور کم از کم جب تک وہ ٹھیک نہیں ہوتیں' تب تک تو معاذ بھائی آنے والے نہیں ہیں چاہے کوئی کچھ کہے۔"

اسے ان کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔

ایک گہری ٹھنڈی سانس انہوں نے لی تھی۔

"وہ ٹھیک ہو جائے گی انشاء اللہ۔۔۔ لیکن پھر بھی۔۔۔"

"کیا ہوا ابا!" خیام نے فکر مندی سے ان کی طرف دیکھا۔

"انہیں آج بھی معاذ ناقابل قبول ہے۔ اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی ان لوگوں نے کچھ نہیں سیکھا۔ وہ معاذ کو وہاں دیکھنا نہیں چاہتے جویا ٹھیک ہو جائے تو وہ اس کی شادی وہیں کریں گے' جہاں وہ چاہتے ہیں۔" ابا افسردگی بھری مایوسی میں گھرے تھے۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔۔۔ آپ نے سن کیسے لی یہ بات معاذ بھائی کی خوشی کو کوئی ان سے نہیں چھین سکتا! کبھی بھی نہیں۔۔۔ میں کسی کو ایسا کرنے نہیں دوں گا' یہ بات طے ہے۔" وہ ایک دم ہی جذباتی ہوا تھا۔

ابا نے ایک خاموش سی نظر خیام کے تپتے ہوئے چہرے پر ڈالی۔ اس کے انداز میں بڑی خود اعتمادی تھی۔

وہ اندر سے شاید فطری طور پر بہت مضبوط تھا۔ چھوٹی سی عمر میں گھر چھوڑنے کا بڑا فیصلہ اور پھر ایک اذیت بھرے تنہا سفر کے بعد یہاں تک پہنچنا۔۔۔

"کھانا کھا لیا تم نے؟" انہوں نے جان بوجھ کر بات بدلی۔

"جی نہیں' میں وہیں معاذ بھائی کے ساتھ کھاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ربیعہ سے کہو' وہ تم دونوں کا کھانا نکال دے۔" خیام سر جھکائے مڑنے لگا تھا۔

"اور سنو' مہربانی کر کے وہاں کچھ ایسا نہ کرنا جس سے کوئی تلخی بڑھے۔۔۔ سوچنے دو مجھے!" وہ کچھ جھنجلائے سے تھے خیام نے بمشکل اپنی مسکراہٹ پر قابو رکھا تھا۔

"فکر مت کریں۔۔۔ میں کھانا لے لوں جا کر۔"

"ہوں!"

پچھلے احاطے میں چھپا کے پھولوں کی مہک پھیل رہی تھی خیام تیز قدم اٹھاتا ہوا کچن میں داخل ہوا تھا۔

نے اسے کھڑکی سے آتا ہوا دیکھ لیا تھا۔

سہ پہر کو جو کنفیوژن ہاسپٹل کے احاطے میں پھیلا تھا۔ اس کا اثر اب تک تھا۔ نے کے بعد سے اس کی مستقل کوشش تھی کہ خیام سے سامنا نہ ہی تو بہتر ہے۔ مگر اب وہ پھر ٹھیک سر پر آ ہوا تھا۔

"میں کھانا نکال کر لا رہی ہوں۔" تیزی سے لنچ باکسز نکالتے اور کھانا گرم کرتے ہوئے اس نے خود کو لاپروا ظاہر کی پوری کوشش کی۔

"آپ دے دیں۔۔۔ میں یہیں کھڑا ہوں۔" وہ دروازے سے ہٹ کر کھڑا تھا۔

ربیعہ نے کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ شاید فکر مند تھا۔

"جویا کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا!" پہلا خیال ہی آیا تھا۔

"ہوں!" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر کیا ہوا ہے؟" ایک بار پھر وہ خود کو اس کی طرف دیکھنے سے نہ روک سکی۔

"کچھ بھی نہیں!" اس بار وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔ اس کی مسکراہٹ' اس کی دل کشی کو اور بھی بڑھاتی تھی۔

بھلا لڑکوں کے لیے بھی اتنی اچھی شکل کا ہونا کیا ضروری ہے؟ وہ دل ہی دل میں جھنجلائی۔

"یہ لیں۔" شاید آج سے زیادہ پھرتی اس نے کبھی نہیں دکھائی تھی۔

"کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں ربیعہ؟" جو کچھ وہ جتانا چاہ رہی تھی۔ اس تک پہنچ گیا تھا۔

"نہیں تو۔۔۔" وہ مڑ کر کسی اور کام میں مصروف ہونے لگی۔

"اچھا۔۔۔ مجھے ایسا لگا تھا!"

"غلط لگا!" اس نے بغیر خیام کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

جا نہیں کیا تھا کیبنٹ میں' جو ملنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا اس نے چند لمحے ربیعہ کے متوجہ ہونے کا انتظار کیا پھر باہر نکل گیا۔

ایک سکون بھری سانس ربیعہ کے لبوں سے آزاد ہوئی۔

کچن کاؤنٹر کے پاس پڑے اسٹول پر بیٹھ کر وہ یوں ہی بلا مقصد کھڑکی سے پچھلے احاطے کی طرف دیکھنے گئی۔ آج آسمان بادلوں سے ڈھکا جا رہا تھا۔ چاند' ستارے سب گم ہوئے اور خیالات میں عجیب سی بے ترتیبی آئی تھی۔۔۔

"اور وہ بھی اتنے نامناسب وقت میں۔۔۔" اس نے خود پر ہنسنا چاہا مگر آنکھ کے کونے پر آکر رکا ایک آنسو۔۔۔

"ربیعہ' ربیعہ!" شائستہ امی اسے آواز دیتی ہوئی ادھر ہی آرہی تھیں۔ تیزی سے آنکھوں کو رگڑ کر وہ کچن کے دروازے میں آکر کھڑی ہوئی۔

"معاذ کا کھانا بھجوا دیا!" اسے دیکھتے ہی انہوں نے پوچھا تھا۔

"شکر ہے' جو خیام اس کے ساتھ ساتھ ہے۔ ورنہ میں تو فکر سے مر ہی جاتی۔۔۔ کتنی دیر ہو گئی ہے اسے گئے ہوئے۔"

"بس ابھی دس منٹ پہلے!"

"تمہیں کیا ہوا ہے؟" انہیں اس کی اتری ہوئی شکل دیکھ کر تشویش ہوتی۔

"کچھ نہیں امی! بس سر میں درد ہے؟"

"منع بھی کیا تھا۔ دوپہر کو ہاسپٹل جانے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن تم سب نے وہ نہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔

جو میں کہوں گی۔۔۔ اماں کو دیکھو تو ویسے گھر میں بھی نہیں چلتیں پھرتیں، لیکن وہاں پہنچ گئیں۔"

"جویا کی حالت اچھی نہیں ہے امی!" ربیعہ نے انہیں ایک بار پھر یاد دلانا چاہا تھا۔

"ہاں تو کیا لوگ بیمار نہیں پڑتے۔۔۔ دنیا سے انوکھی بیمار ہے وہ۔۔۔ مگر یہاں تو سارا گھر ہی باولا ہوا جارہا ہے۔۔۔ صاحبزادے وہاں جاکر بیٹھ گئے ہیں۔ اپنی ساری ذلت بھلائی سو بھلائی۔ ماں باپ کی عزت کا بھی کوئی خیال نہیں ہے نہیں کون بدبخت تھا، جو تمہارے ابا کو جویا کی بیماری کی اطلاع دے گیا۔ ورنہ میں نے تو۔۔۔" ادھوری بات چھوڑ کر انہوں نے ربیعہ کو ناراضی سے دیکھا۔

"اب جاکر گولی تو کھالو کوئی سر کے درد کی، زیادہ ہو گیا تو اور تکلیف دے گا۔"

"جی، جارہی ہوں!" وہ کہتی ہوئی کوریڈور کی طرف جلدی سے مڑ گئی۔

"خیام کو اللہ سلامت رکھے۔ ساری ذمہ داری اٹھا رکھی ہے، معاذ میں تو سدا کی لاپرواہی ہے لیکن اب تو حد ہی کروں۔ یہ شاکرہ کا خاندان آسیب کی طرح لپٹا ہوا ہے میرے گھر سے اللہ رحم کرے ہم پر۔" وہ بولتی ہوئی اس کے پیچھے آرہی تھیں۔

ابا نے ان سے چھپالیا تھا کہ جویا کی بیماری کی خبر خیام کے ذریعے پہنچی تھی۔

"سو یہ بھی شکر ہے۔" ربیعہ نے دادی کے کمرے کی طرف مڑتے ہوئے سوچا۔

☼ ☼ ☼

گھنے گھرے بادل رات کو اور بھی تاریک کر رہے تھے۔ جس وقت وہ گھر پہنچا ہلکی بارش شروع ہو چکی تھی۔۔۔ اور ہوا اور بھی تیز اور ٹھنڈی۔

فاتحانہ غرور کے ساتھ چلتا ہوا وہ گھر کے داخلی دروازے سے اندر آیا تھا۔

آج اس کا دن تھا! صبح عدالت کے فیصلے کے بعد راجو کو ہاسپٹل پہنچا دینے تک ایک بھرپور جشن منانے کے بعد وہ کچھ دیر کے لیے آرام کرنے آیا تھا۔

گیتی نے اس کے قدموں کی لڑکھڑاہٹ سے ہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ نارمل نہیں ہے۔ اتنے ہنگامے کے بعد آج اس کا گھر آنا متوقع نہیں تھا۔

کم از کم اس کے لیے تو ہرگز بھی نہیں۔ سو وہ جلدی سے اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف مڑی تھی کہ وہ اس کے آگے آکھڑا ہوا۔

"اب تو یقین آگیا نا، میں جو کہتا ہوں۔ وہ کر کے بھی دکھا دیتا ہوں۔ کیا بگاڑ سکا سالا میرا اس دو ٹکے کی لڑکی کے لیے مجھے پھانسی پر چڑھوانا چاہتا تھا۔۔۔۔" اس کا لہجہ بے حد سرد تھا۔

گیتی نے اپنا دل بیٹھتا ہوا محسوس کیا۔ سالار اب تک گھر نہیں آیا تھا اور اس اتنے بڑے گھر میں وہ تقریباً اکیلی تھی۔

"ہاں میں کہتا ہوں کہ روزی نے میری وجہ سے خودکشی کی۔ حالانکہ زندہ رہتی تو نقصان میں نہ رہتی۔ عیش کرا دیتا میں اسے، لیکن اسے ذلت کی موت مرنا تھا سو مر کر بھی اپنا تماشہ بنوا گئی آخ!" انتہا کی ہر حد کو پار کرتی ہوئی حقارت

گیتی کا دل بہت زور سے کانپا تھا۔

وہ بھول چکا تھا کہ اس کا کوئی خدا بھی ہے۔

"میں جو چاہوں، وہی ہوگا، کوئی نہیں روک سکتا مجھے۔ ایک اشارے پر یہ سب کچھ اور اب تمہاری اور راجو کی باری ہے گیتی آرا اس سنڈے کا میگزین تمہاری بہن کی میرے ساتھ رقص کرتی تصویروں سے بھرا ہوگا۔ سالار بیگ کی سالی معروف رقاصہ صندل۔۔۔"

وہ بری طرح ہنستا چلا گیا۔

گیتی کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا۔

وہ جو کہہ رہا تھا وہی ہوتا تھا۔

اب اسے ایک فیصد بھی اس بارے میں شبہ نہیں رہا تھا۔ اپنی پوری ہمت جمع کر کے وہ الٹے پاؤں مڑی اور بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔

نبیل اونچی آواز میں ہنستا ہی چلا جارہا تھا۔

گھر کے سناٹے میں گونجتے ہوئے اس کے قہقہے گیتی کے تعاقب میں تھے اسے لگا جیسے وہ اس کے پیچھے ہی آرہا ہے۔ مگر پیچھے مڑ کر دیکھنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

کمرے کے کھلے دروازے میں داخل ہو کر اس نے پوری قوت کے ساتھ دروازہ بند کر کے لاک کیا تھا۔

اس کا سانس بری طرح بے ترتیب ہو چکا تھا اور آنکھیں خوف سے پھیل رہی تھیں۔ سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے بڑے سے شیشے میں نظر آتا عکس، خود اسے بھی اجنبی لگا تھا۔

تب ہی اسے احساس ہوا کہ اس کا دوپٹہ کہیں سیڑھیوں پر ہی گر چکا تھا۔۔۔ اور اس کا موبائل۔

گیتی نے بے تابی سے نگاہ دوڑائی۔

موبائل فون کہیں نہیں تھا۔

اچانک ہی اس کی ہمت بالکل ہی جواب دے گئی۔ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر روتی ہوئی وہ وہیں زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

باہر بارش تیز ہوتی جارہی تھی۔

زری، سالار کے ساتھ جس وقت گھر واپس آئی، رات کافی سے زیادہ بیت چکی تھی، بادلوں کی گرج اور بجلی کی چمک طوفانی سا تاثر دے رہی تھی۔

سالار نے گاڑی انیکسی کے دروازے کے بالکل قریب آکر روکی تھی۔

"میں آؤں کیا زری؟" اس نے زری کے اترنے سے پہلے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں سالار بھائی، آپ جاکر گیتی بھابھی کو دیکھیں۔ اتنی دیر سے ان کا فون بند جارہا ہے۔ میں اتنی دیر میں راجو کی پرانی میڈیکل رپورٹس نکالتی ہوں اور جو چیزیں لے کر جانی ہیں اسپتال۔۔۔ وہ بھی لے لیتی ہوں۔"

"بس ایک رات کی بات ہے، کل دوپہر تک راجو ان شاء اللہ گھر آجائے گا۔"

"جی ان شاء اللہ۔"

"راجو نے بہت گہرا صدمہ لیا ہے سالار بھائی۔۔۔ اب پتا نہیں دوبارہ سنبھلنے میں کتنا عرصہ لگے گا۔ ادھر اس کے والدین منتظر ہیں ہمارے آنے کے، انہیں آپ جواب دیجئے گا، میں نہیں سمجھا سکتی۔"

وہ بہت اداس اور الجھی ہوئی تھی۔ سارا دن روتی رہی تھی۔ سالار کو اس پر بہت رحم آیا تھا۔

اس غریب کی محرومیاں بھی کیا کم تھیں بھلا۔

"میں کرلوں گا بات' سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہی تو نہیں ہوتا سالار بھائی' راجو پہلے ہی دکھی تھا' اوپر سے میں آگئی اس کی زندگی میں۔ بھابھی کہتی تھیں کہ میرے منحوس قدم ہیں۔ جہاں جاؤں گی' خوشی پہلے رخصت ہو جائے گی۔ راجو کو بھی میری نحوست'

"بکواس کرتی ہے تمہاری بھابھی۔ خبردار جو یہ الٹی سیدھی باتیں سوچیں۔ بہت خوش رہو گے تم اور راجو ہمیشہ۔ اللہ پر بھروسا رکھو۔ وہ ہر ایک کے ساتھ انصاف کرنے والا ہے۔ آج جو ہوا' وہ حرف آخر نہیں ہے زری۔ شاباش جاؤ۔ جلدی کرو۔ میں آتا ہوں دس' پندرہ منٹ میں۔"

باہر بارش دھواں دھار ہو رہی تھی۔

زری بھاگ کر سیڑھیاں چڑھ گئی' تو سالار نے گاڑی کو بیک کر کے گھر کے رہائشی حصے کی طرف موڑ دیا۔ بارش کی وجہ سے لان اور سامنے کا حصہ خالی تھا۔ گیٹ پر بنے گارڈ روم کی لائٹس البتہ جل رہی تھیں۔ بادل بہت زور سے گرجا تھا۔

زری نے داخلی دروازے پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ وہ کھلتا چلا گیا۔

اسے بے اختیار راجو یاد آیا۔

کھلے دروازے پر وہ کتنا زیادہ غصے میں آجاتا تھا۔

لیکن وہ آج بھی لاپروا تھی۔

گھر میں گھپ اندھیرا تھا۔ اپنے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اچانک ہی وہ کسی کی مضبوط گرفت میں آئی۔

خوف و دہشت سے اس کی زبان خشک ہوئی تھی۔ وہ جو بھی تھا اس کی گرفت سے نکلنا ناممکن تھا۔

"خدا۔ خدا کے لیے۔" التجا ٹوٹ کر اس کے لبوں سے نکلی۔

تب ہی بجلی کی تیز چمک اس اندھیرے برآمدے کی کھڑکیوں پہ پڑ کر سارے ماحول کو روشن کرتی چلی گئی۔

نبیل کا وحشت ناک چہرہ زری کے سامنے تھا۔

اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ کسی بڑے دھماکے کی زد میں تھا۔ تار تار ہوتے کپڑوں میں خود کو بچاتی ہوئی یہ لڑکی۔ کوئی اور نہیں' خود اس کی سگی بہن تھی۔

وہ دیوانہ وار دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ برآمدے کی کھڑکی سے وہ تیز ہوتی بارش میں دوڑتا ہوا گھر کی طرف جاتا دکھائی دے رہا تھا۔ جیسے پیچھے کوئی آسیب لگا ہو۔

بارش کی پھسلن میں وہ دو بار پھسل کر گرا بھی۔ مگر پھر بھی اس نے اٹھنے میں دیر نہیں کی تھی۔

کیچڑ میں لت پت۔

انیکسی زری کی ہسٹریکل چیخوں سے گونج رہی تھی۔

سالار نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ سیڑھیوں پر پڑا گیتی کا دوپٹہ اور پھر کمرے کے دروازے پر گرا اس کا موبائل اٹھایا۔

"کیا ہوا تھا یہاں؟" کسی بہت برے امکان نے سر اٹھایا تھا۔

"اگر گیتی کو ہلکا سا بھی نقصان پہنچا ہے تو وہ ابھی اسی وقت نبیل کو قتل کر دے گا۔" پہلی بار اس نے اس حد تک جا کر سوچا تھا۔

"گیتی۔۔۔ گیتی۔"

اندر گیتی نے خوف زدہ نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھا۔

"دروازہ کھولو گیتی!" باہر سے سالار کی آواز مستقل آرہی تھی۔ وہ بہت پریشان تھا۔ بلکہ شاید خوف زدہ۔

گیتی بمشکل دروازہ تک پہنچی تھی۔

تب ہی' بارش کے اس شور میں فائر کی آواز گونجی تھی۔ گیتی نے پلک جھپکتے میں لاک کھولا تھا۔

سامنے سالار کھڑا تھا۔

"یہ فائر!" گیتی کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

سالار نے بے ساختہ گیتی کو گلے لگایا۔

نیچے کی منزل میں ایک دم ہی ہنگامہ جاگ اٹھا تھا۔

☼ ☼ ☼

صبح بادلوں سے ڈھکی تھی۔

ایمبولینس ابھی شور مچاتی بڑے سے سیاہ گیٹ سے نکلی تھی اور اس کے ساتھ ہی پولیس کی گاڑی بھی۔ گھر کے سارے ملازمین بہت مستعد نظر آرہے تھے۔ سالار دروازے کے ساتھ سب سے اوپر والی سیڑھی پر کھڑا تھا۔

"اندر چلو بیٹا۔" برابر میں کھڑے یوسف کمال نے نرمی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ تو وہ بنا کچھ کہے ان کے ساتھ اندر لاؤنج میں چلا آیا۔

"اس نے اپنے سر پر گولی ماری تھی۔ آن اسپاٹ ختم ہو گیا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے بعد تدفین کی اجازت مل جائے گی۔ میں نے زرتاج کے وکیل کو اطلاع کر دی۔ جوان لوگوں کا پروگرام ہو۔ ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ سمجھے تم۔ میری بات ہو چکی ہے پولیس اتھارٹیز سے۔"

انہوں نے بہت سکون بھرے انداز میں معاملے کو مختصر کیا۔

سالار نے ایک گہری سانس لی۔

اس سارے عرصے میں یوسف کمال ایک بڑی سپورٹ ثابت ہوئے تھے۔ وہی وہ واحد شخص تھے جنہیں اس نے نبیل کے خود کشی کرنے کے بعد سب سے پہلے اطلاع دی تھی۔ اس لیے کہ وہ زرتاج بیگم کے بھائی تھے۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نبیل جیسا شخص اس عبرت ناک انجام کو پہنچے گا۔"

وہ اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

سالار کا چہرہ بے تاثر تھا۔

وہ خود کشی کی وجہ کو کسی کے بھی ساتھ شیئر نہیں کر سکتا تھا اور نہ اس نے کی تھی۔

"ابھی چند گھنٹے پہلے تک وہ اپنی کامیابی کے نشے میں بد مست تھا اور اب کچھ بھی نہیں۔ ایک انگلی تک نہیں ہلا سکتا' محض مٹی کا ڈھیر' خدا کی پناہ۔" وہ اندر تک کانپ گئے تھے۔

"یہ سب اس کے بھید ہیں انکل اور اس کے انصاف سے بڑھ کر کون انصاف کرنے والا ہے۔ لوگ ظلم کی ہر حد کو پار کرتے ہیں اور اس کی زمین پر اکڑ کر چلتے ہیں۔ یہ بھول کر کہ غرور کبھی کسی کو راس نہیں آسکتا اور ظالم اس کی گرفت سے دور نہیں ہے۔"

سالار کی آواز دھیمی تھی۔

یہ سب کچھ جو ہوا۔ اسے ہلا کر رکھ چکا تھا۔ کھلے ہوئے گیٹ سے خیام گاڑی اندر لا رہا تھا۔ برابر والی سیٹ پر

بیٹھے ہوئے ابا نے محبت سے خیام کی طرف دیکھا۔

وہ بالکل پرسکون تھا۔ "کیا دیکھ رہے ہیں۔"

"کچھ نہیں بیٹا... فخر ہوتا ہے تم پر تم میرے، بہت فرماں بردار بچے ہو۔"

"میں نے آپ سے لوگوں کو معاف کرنا سیکھ لیا ہے ابا اور اس سے پہلے خود کو معاف کرچکا ہوں اور یہ بات میں خود کو روزانہ یاد دلاتا ہوں۔ تاکہ بھول نہ جاؤں۔"

گھر کے لمبے ڈرائیو وے سے گزر کر اس نے گاڑی روکی اور ان کے ساتھ اُتر آیا۔

سالار کے گھر ہونے والے حادثے کی اطلاع سن کر اس نے خود ابا کے ساتھ چلنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ سالار نے ان لوگوں کو آتا دیکھ کر بہت خوش گوار حیرت محسوس کی تھی۔

"سمجھ میں نہیں آتا اس حادثے پر کیا کہوں' بس خدا کے حضور بار بار معافی مانگتے رہنے کا مطلب سمجھ میں اور بھی اچھی طرح آتا ہے۔" ابا سالار سے گلے ملتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

خیام ان سے ایک قدم پیچھے، بہت پُرسکون انداز میں کھڑا تھا "کیسے ہیں سالار آپ؟"

ابا مل کر ہٹ چکے تو اس نے نرمی سے کہتے ہوئے سالار کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ دل کی گہرائی سے اٹھتی ہوئی خوشی کی لہر نے سالار کے چہرے کو روشن کیا تھا۔

"خیام!" بہت محبت سے وہ اس کے گلے لگا تھا۔

خیام کو بے ساختہ علی الصبح کا وہ وقت یاد آیا جب لاہور کے بس اسٹاپ پر وہ آخری بار اس کے گلے لگا تھا۔ تب چلتی ہوئی بس کے ساتھ بھاگتے ہوئے اس کے... ہاتھ میں ناشتے کا پیکٹ پکڑانا... فون نمبر کارڈ... فکرمند انداز میں کی جانے والی نصیحتیں۔

اور اس کے بعد بھی جب وہ زندگی کے مایوس ترین دور سے گزر رہا تھا وہ اس تک پہنچا تھا۔

گیتی آرا اور نانی ستارہ کی محبت اور تڑپ کا پیغام لے کر۔ مگر ہر بار وہ اسے مایوس کرتا رہا۔

ابا مسکرا کر کمال صاحب کے پاس جا بیٹھے تھے۔ سالار سے الگ ہوتے ہوئے اس نے اپنی آنکھوں میں آتے آنسوؤں کو ہتھیلی سے خشک کیا تھا۔

"میں بتا نہیں سکتا' تمہیں دیکھ کر میں کتنا خوش ہوں خیام' اللہ کا شکر ہے۔"

خیام کے چہرے پر پرسکون مسکراہٹ تھی۔

"آپ کو اور گیتی کو شادی کی دلی مبارک باد میری طرف سے۔" سالار کی مسکراہٹ اور گہری ہوئی۔

"آؤ میں تمہیں گیتی سے ملواتا ہوں۔ آج کل وہ کچھ بیمار ہے' لیکن دیکھنا تمہیں دیکھ کر کتنی خوش ہوگی۔" سالار نے کہتے ہوئے اجازت طلب نظروں سے ابا کی طرف دیکھا اور خیام کا ہاتھ پکڑ کر اوپر جاتی سیڑھیوں کی طرف چلا گیا۔

کمال صاحب کی نگاہ ایک پل کے لیے بھی خیام کے چہرے سے نہیں ہٹی تھی۔ سیڑھیوں سے اوپر جاتا وہ جب تک انہیں نظر آیا وہ اسے دیکھے گئے۔

ان کی آنکھوں میں پچھلی محرومی دل دُکھاتی تھی۔

"کمال صاحب!" ابا نے نرمی سے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا تو وہ چونک سے گئے۔

"اللہ کا شکر ہے کہ اب وقت آگیا ہے کہ آپ کی امانت آپ کے سپرد کردوں۔ میں کل یا پرسوں خیام کو لے کر آپ کے گھر آؤں گا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اب وہ آپ کو مایوس نہیں کرے گا۔"

کمال صاحب صرف انہیں دیکھے گئے۔

شاید وہ کچھ کہنے کے بھی قابل نہیں تھے۔

لبوں پر آئی مسکراہٹ اور آنکھوں میں آتے آنسوؤں کا عجیب تال میل تھا۔

"اولاد بہت قیمتی اثاثہ ہے کسی بھی انسان کا۔ لیکن اس کے حقوق کی ادائی میں غفلت انسان کو دنیا کا بھی محروم بناتی ہے اور اس سے کہیں زیادہ اللہ کا... یہ معصوم بچے دنیا میں یوں ہی بھٹکنے کے لیے کس دل سے چھوڑ دیے جاتے ہیں... پتا نہیں۔"

جملہ ادھورا چھوڑتے ہوئے انہوں نے افسردگی سے ہاتھ سے لاعلمی کا اشارہ کیا۔

یوسف کمالی کی نگاہ ندامت سے جھکی تھی۔

☼ ☼ ☼

خیام نے پریشان نگاہوں سے سالار کی طرف دیکھا تو اس نے مطمئن سے انداز میں سر ہلا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ اس وقت رو لینا ہی گیتی کے لیے سب سے بہتر علاج ہے۔

"گیتی سنبھالو خود کو۔" خیام نے نرمی سے اسے الگ کیا۔ "تم ماشاء اللہ بہت خوش قسمت ہو' جو تمہیں سالار جیسے اچھے انسان ملے ہیں۔ میں بہت بہت خوش ہوں تمہارے لیے۔"

گیتی آرا روتے روتے مسکرا دی تھی۔

"بیٹھو! تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔"

دوپٹے سے چہرے کو صاف کرتے ہوئے گیتی نے خود کو پہلی بار اتنا آزاد محسوس کیا تھا۔ کتنے دباؤ' کتنے خوف' کتنی شرمندگیاں... سب زائل ہوئی تھیں۔ سالار انہیں وہیں چھوڑ کر ملحقہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔

زری سامنے ہی بیٹھی تھی۔

اس کا چہرہ اب بھی سفید پڑا ہوا تھا مگر اس کی آنکھیں بالکل خشک تھیں۔ سالار کو اس نے جس بے بسی کے ساتھ دیکھا تھا۔ وہ اس کی اندرونی کیفیت کو ظاہر کرتا تھا۔

"جو ہوا اسے بھولنا آسان تو نہیں ہے زری... لیکن پھر بھی بھولنے کی کوشش ضرور کرو۔ یہی بہتر ہے۔" اس کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے سالار نے نرمی سے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمہاری حفاظت کی اور ایک بات ' نبیل کی خودکشی کی وجہ میں نے کسی سے بھی شیئر نہیں کی ہے۔ گیتی سے بھی نہیں۔" وہ کچھ کہتے کہتے رکا۔ "اور میں تم سے بھی یہی درخواست کرتا ہوں کہ تم کسی سے کچھ نہیں کہنا' ایک لفظ بھی نہیں۔ خاص طور پر راجو سے... بہت سی باتوں کو پی لینا بہتر ہوتا ہے۔ اس کی تلخی تکلیف دیتی ہے لیکن آگے آنے والی الجھنوں سے بچا بھی لیتی ہے۔ سمجھ رہی ہو نا میری بات...؟"

زری نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔

(آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عالیہ بخاری

دیارِ شب

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دل دار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتی کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے۔ جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھالاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار، لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ کینی آرا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو رفاحی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتی کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعاگو ہیں۔

— ٦١ —

اکسٹھویں قسط

نانی ستارہ کے پرشکوہ چوبارے پر آج پھر ایک سخت دن اترا تھا۔ ایک خالی خالی سی نگاہ انہوں نے کمرے کے کھلے دروازے سے نظر آتے محرابی برآمدے پر ڈالی۔ نیٹ کے کاسنی گلابی پردے ہوا کے جھونکوں سے الجھتے ہوئے ایک دوسرے سے لپٹے جارہے تھے۔ آج شاما کو اتنی بھی توفیق نہیں ہوئی تھی کہ وہ انہیں سمیٹ کر پلّو سے باندھ ہی دیتی۔

صندل کے کمرے سے ایک بار پھر رونے کی دردناک آواز آرہی تھی۔ وہ اس طرح رو رہی تھی جیسے۔

پتا نہیں کیوں آج انہیں صبح سے فیروزہ کی موت والا دن یاد آرہا تھا' جب بھری جوانی میں تمام تر حسرتوں کے ساتھ وہ قبر میں جالیٹی تھی۔

اس دن بھی ایسی ہی گریہ زاری تھی کہ درودیوار روتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ فرق یہ تھا کہ اس روز تعزیت کے لیے آنے والیوں سے سیڑھیاں' برآمدہ' ہال اس طرح کھچا کھچ بھرے تھے کہ الاماں!

نانی ستارہ کے دل پر آج بھی اس سیاہ ترین دن کی یاد عذاب کی طرح نازل ہوئی تھی۔

"شاما!" انہوں نے برآمدے سے گزرتی ہوئی شاما کو آواز دی۔

"ڈاکٹر کو فون کرو' آکر صندل کو دیکھ لے۔ کتنے گھنٹے گزر گئے ہیں روتے پیٹتے۔ کوئی سکون کا انجکشن ہی لگا جائے۔"

"کردیا ہے نانی۔ باجی نگینہ نے خود تھوڑی دیر پہلے کیا تھا۔" وہ چلتی ہوئی اندر آکھڑی ہوئی۔ "بہوا بھی تو بہت برا ہے نا۔ صندل کی تو ہمت ہی ٹوٹ گئی۔ بچی نے کتنے شوق سے۔"

ایک ساتھ گرتے کئی آنسوؤں نے شاما کو بات بھی پوری نہیں کرنے دی تھی۔ اس کی وفاداری اس زوال پذیر وقت میں بھی اتنی ہی اجلی اور خاص تھی بلکہ شاید پہلے سے بھی زیادہ۔

"یوں رو رو کر جان کھونے کا فائدہ۔ مجھے کم از کم نگینہ سے ایسی امید نہیں تھی۔ مشکل سے مشکل وقت کو اس نے اپنی ہمت کے سہارے کاٹ دیا تو اب کون سی قیامت آگئی۔"

"ہمت ہی تو ٹوٹ رہی ہے باجی نگینہ کی' جان توڑ محنت کی ہے ساری زندگی۔" اس نے بہت ہلکے سے کہا تھا مگر نانی نے سن لیا۔

"آپ نے بھی تو باجی گلناز کو کچھ نہیں کہا۔ کیسا واویلا مچا کر گئیں۔ کسی کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ باجی نگینہ کو زیادہ زخم ان کی باتوں کے لگے۔ پتا نہیں کب کب کے طعنے دے ڈالے۔ بڑا ہی گند ہے ان کے دل میں آج بھی نانی۔ میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ ان کے دروازے پر کھڑی ہو کر وہ کھری کھری سناؤں کہ اوقات یاد آجائے۔"

دکھ سے مایوسی اور پھر بے ساختہ ابھرتا ہوا غصہ۔ شاما کے موڈ نے چند پل میں کئی رنگ بدلے۔ نانی نے نگاہ اٹھا کر اس کے گہرے سانولے تپتے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔

"ساری عمر جو کچھ خود کرتی رہیں بیٹی اس سے بھی چار ہاتھ آگے ہے۔ یہ سارے ٹھاٹ باٹ جن پر اترا رہی ہیں اس پر ڈوب کر مرجانا چاہیے انہیں۔" شاما جل کر بولی۔

"شاما!" نانی ستارہ کی آواز بے ساختہ اونچی ہوئی تھی۔ "دماغ تو خراب نہیں ہوگیا تیرا۔ ہوش میں رہ کر بات کر۔ یہ کس پر طعنہ زنی کررہی ہے ہمارے خاندان پر۔ میری سگی بہن کا گھرانہ ہے۔ گلناز اور الماس جدا نہیں ہیں ہم سے۔"

انہیں شاما پر بڑے زور کا غصہ آنا شروع ہوا تھا۔ کمرے میں اندر آتی نگینہ نے ان کی بات سن کر بے اختیار ہی ماتھے کو چھوا۔

"آفرین ہے آپ پر اماں! اب بھی وہ آپ کا خون۔۔ آپ کا خاندان۔۔ اب بھی آپ ان کے آگے ڈھال بنی کے لیے تیار۔" مسہری پر پائنتی کی طرف بیٹھتے ہوئے اس نے شاما کو جانے کا اشارہ کیا تو وہ چپ چاپ آنسو صاف کرتی باہر نکل گئی۔

"شاما کو روکنا ضروری تھا۔ ملازمہ ہے وہ بہرحال' آج ان کے بارے میں کچھ کہہ رہی ہے تو کل کو یقیناً" اس کے دل سے ہماری عزت بھی جاتی رہے گی۔ سمجھا کرو۔"

نانی ستارہ کے نقطۂ نظر میں آج اتنا دم نہیں تھا کہ نگینہ کی بدقسمتی اسے سہار سکتی۔

"رہنے دیں بس۔" اس نے اکتاہٹ سے ہاتھ ہلایا۔ "قسم کھا کر کہتی ہوں آپ کے اس نام نہاد خاندان سے ہزار درجے اوپر مقام ہے شاما کا میرے دل میں۔ میرے ہر دکھ درد میں بساط سے بڑھ کر ساتھ دیا ہے غریب نے۔ ہماری خوشی میں خوشی اور ہمارے دکھ پر دکھی۔" اس کی آنکھیں بہت رو لینے کے بعد سوج رہی تھیں اور آنکھوں پر ہمہ وقت لگا رہنے والا نیلا آئی شیڈ بھی گم ہوا تھا۔ ایسی حالت میں اس کے چہرے کی کرختگی کم ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"سارا قصور میری قسمت کا ہے!" نگینہ کی ٹھنڈی سانس میں بھی کتنی ہی آہ و زاری تھی۔ "ساری عمر ان خارزاروں کے جوتے تلے رہی' صبر کا بھاری پتھر دل پر رکھا' یہی سوچا کہ صندل بڑی ہوگی تو دن پھر جائیں گے۔ کبھی بھولے سے بھی خیال نہیں آیا تھا کہ اگر وہ بھی ماں جیسی ہی قسمت لے کر پیدا ہوئی ہے تب کیا ہوگا؟" اس نے دوپٹے کے پلو سے اپنا بھیگا چہرہ صاف کیا۔ "میری نحوست میری بچی کی زندگی کو کھا رہی ہے اماں۔!" اس کے لہجے اور چہرے پر بڑی دل توڑتی کیفیت تھی۔

نانی ستارہ کے دل پر آنسوؤں کے کئی قطرے ایک ساتھ گرے تھے۔

"ہم نے تو اپنے طور پر نیکی کی تھی۔ سوچا حالات بد سے بدتر ہوگئے ہیں۔ سارا محلہ مارے لحاظ کے کچھ نہیں کہہ رہا مگر عبرت پکڑ رہا ہے۔ ذلت تو ہماری بھی ہے نا۔ کام دلوادیں گے تو لڑکی چار پیسے کمالے گی۔ مگر توبہ الٰہی!"

ابھی چند گھنٹے پہلے قیمتی لباس اور زیورات سے بجی گلناز نہیں اسی کمرے میں بڑے تکبر کے ساتھ ہاتھ نچا نچا کر کہہ رہی تھی۔

"سیکڑوں فنکشن کر ڈالے میری الماس نے' ایک سے ایک سپرہٹ گیا۔ ایک بوتل بھی نہیں ٹوٹی کسی میں اور یہاں؟ صندل کا نام لگنا تھا کہ سارا معاملہ ہی چوپٹ ہوگیا۔ ایسا خوش مزاج' دل کا سخی نبیل سیٹھ بے چارہ منٹوں سیکنڈوں میں ہی چٹ پٹ ہوگیا۔ خود گولی ماری یا کسی نے ماردی منحوست تو صندل کی ہی آگے آئی۔ اس کا کوئی کام بن ہی نہیں سکتا ہے۔ مل گیا ثبوت ایک بار پھر۔"

اس نے نہ صندل کے زرد پڑتے چہرے کی طرف دیکھا اور نہ ہی نانی ستارہ کی بزرگی کا ہی آج لحاظ کیا تھا۔ وہ یکسر بھول گئی تھی کہ صندل کو ساتھ لانے کی شرط پر ہی نبیل نے اسے یہ فنکشن آفر کیا تھا۔

"کتنا منع کیا تھا سب نے کہ صندل کو مت ساتھ لگا۔ مگر میری ہی مت ماری گئی تھی۔ اپنی بچی کے روشن مستقبل کو گرہن لگا لیا۔ صبح ہی سے کم بخت میڈیا والوں کے فون پر فون آرہے ہیں کہ نبیل کی موت کی وجوہات کے بارے میں کچھ جانتی ہیں تو بتائیں۔ ایک نے تو کھل کر کہا کہ الماس سے محبت میں ناکامی خودکشی کی وجہ ہے۔ لعنت ہو ان پر۔ میری بچی کے نام پر تیری اور صندل کی نحوست اثر پڑا ہے نگینہ۔" وہ بکتی جھکتی وہاں سے گئی تھی۔

دروازے کی چوکھٹ سے لگی صندل کی رہی سہی ہمت بھی اس کے ساتھ ہی رخصت ہوئی تھی۔ وہ اس طرح تڑپ تڑپ کر روئی کہ اسے سنبھالنا ناممکن ہوگیا۔

فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔

"گیتی کا ہے!" نانی ستارہ نے اطلاع دیتے ہوئے فون سائیڈ ٹیبل سے اٹھا کر کان سے لگانا چاہا تب ہی نگینہ نے فون ان کے ہاتھ سے لے لیا۔

"مبارک ہو گیتی آرا۔ تیری خوشی پوری ہوئی۔ نہیں آرہے ہیں اب ہم تیرے کراچی۔ ہو گیا کینسل صندل کا پروگرام۔ کیسے منہ بھر کر ٹوکا تھا تو نے بہن کو۔ بنی بنائی بات بگڑ گئی اس کی۔ ہماری مصیبتوں کے دن کم ہونے والے نہیں ہیں۔"

وہ گیتی آرا پر اس طرح بگڑ رہی تھی جیسے اس سارے معاملے میں سب سے بڑی قصور وار وہی ہو۔

"کیا ہو گیا ہے نگینہ! بچی پر کیوں غصہ کر رہی ہے۔ پتا نہیں وہ اپنی کن پریشانیوں میں ہے اور پھر اس کا قصور کیا ہے۔"

نانی ستارہ نے غصے سے کہتے ہوئے نگینہ سے فون زبردستی لیا۔

"اسے نہ کہوں تو کسے کہوں۔ بدشگونی تو اس نے ہی کی تھی۔ الزام سارا صندل پر ڈال گئی وہ بدبخت گلناز۔"

فون کے دوسرے سرے پر گیتی آرا نے نگینہ کو چلاتے ہوئے سنا تھا۔ اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔

"ماں کی بات کا خیال مت کرنا بیٹا! یوں ہی پریشان ہو جاتی ہے۔ سب خیریت ہے یہاں۔" نانی ستارہ کے لہجے میں وہ فطری سا ٹھہراؤ تھا جو ہمیشہ معاملات کو سہل کرنے کا کام بخوبی انجام دیتا تھا۔

گیتی آرا نے ایک گہری سانس لی۔ "مجھے امی کی کوئی بات بری نہیں لگی ہے نانی! اللہ کے ہر کام میں بہتر مصلحت ہوتی ہے۔ امی ابھی بھی نہیں جانتیں کہ اللہ نے کس بڑے عذاب سے ہمیں بچالیا ہے۔ ہم اس کا جتنا بھی شکر کریں۔ کم ہے۔"

کراچی جانے کے بعد سے یہ پہلی بار تھا کہ وہ اتنی زیادہ پُرسکون تھی۔

"کوئی خاص بات ہوئی ہے کیا؟"

"جی! زرتاج بیگم کے شوہر نبیل نے گزشتہ رات خودکشی کرلی ہے۔" اس نے بہت سکون سے اطلاع دی۔

"کیا؟" وہ سخت حیرت میں مبتلا ہوئی تھیں۔ آنسو صاف کرتی نگینہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"یہ فنکشن وہی کروا رہا تھا نانی! اس کی بڑی آرزو تھی کہ وہ کسی بھی طرح سالار کو ذلیل کرواسکے۔ خاص طور پر ہمارے گھرانے کا انتخاب کرنا پرفارمنس کے لیے۔"

اب بتانے میں کوئی حرج نہیں تھا۔

نگینہ، نانی ستارہ کے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ کو دیکھ کر چند منٹوں کے لیے تو واقعی اپنا دکھڑا بھول گئی تھی۔

"الٰہی تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تو نے ہم جیسے کم ترین درجے والوں کی بھی عزت بنائے رکھی۔ قربان جاؤں تیری شان کریمی کے مالک! جو ہمارے عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے مگر ہم نہ سمجھتے ہیں نہ باز آتے ہیں۔" فون بند کرکے انہوں نے بڑی عاجزی سے ہاتھ جوڑے تھے۔ ان کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔

"کیا ہوا اماں! ایسا کیا کہا گیتی نے۔ سب ٹھیک تو ہے اس کو کوئی پریشانی تو نہیں۔"

نگینہ نے بے تابانہ سوال در سوال کر ڈالے تھے۔ وہ بھول رہی تھی کہ ابھی چند منٹ پہلے تک وہ گیتی سے کتنی زیادہ ناراض تھی۔

"شاما!" نانی ستارہ نے اونچی آواز میں پکارا۔

"جی نانی!" وہ دوسرے ہی لمحے حاضر تھی۔

"وضو کا پانی رکھو۔!"

وہ الٹے قدموں واپس مڑ گئی۔

"میں ذرا شکرانے کے نفل پڑھ لوں۔" وہ اٹھنے لگی تھیں تب ہی نگینہ نے ہاتھ پکڑ کر روکا۔

آج دن بھر سے مچھواڑ رہے کے دوران شکرانے کے یہ سعد لمحات۔۔۔؟

وہ مکمل حیران تھی۔ نانی ستارہ نے محبت سے اس کا چہرہ چھوا۔

"تجھے مبارک ہو نگینہ! اللہ نے تیرے پورے خاندان کو بچالیا۔" انہوں نے قصہ مختصر کرکے گوش گزار کرنا شروع کیا۔ نگینہ کی آنکھیں حیرت سے کھلی تھیں۔

☼ ☼ ☼

دور اس چھوٹے سے گھر کی اوپری منزل میں بڑا سکون بھرا وقت اترا تھا۔

"آج کا دن میں ساری زندگی نہیں بھول سکوں گا گیتی!"

"اور میں بھی!" گیتی نے مسکرا کر سالار کی طرف دیکھا۔

وہ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی کمرے میں آیا تھا اور اسی کے کہنے پر گیتی نے نانی ستارہ کو یہاں ہونے والے حادثے کی خبر دی تھی۔

"وہ میرا خاندان ہیں اور ہر اچھی بری بات میں انہیں شریک رکھنا میرا فرض ہے۔"

"بس ایک بات کا افسوس ہے کہ تم نے اتنی بڑی بات مجھ سے چھپائی۔ وہ میرے ہوتے ہوئے تمہیں ڈراتا رہا اور میں بے خبر رہا۔ سوچ کر بھی خود پر شرم آتی ہے۔ تمہیں کیا مجھ پر ذرا سا بھی بھروسا نہیں تھا گیتی! اچا ہے کچھ بھی ہو جاتا۔ تم مجھے چھوڑ کر کیسے رہ سکتی تھیں؟"

ایک برا امکان، جو اللہ کی مہربانی سے ٹلا تھا۔ وہ اس پر رہ رہ کر افسردگی میں مبتلا ہو رہا تھا۔

گیتی نے نرمی سے سالار کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ وہ چاہتی بھی تب بھی اسے نہیں سمجھا سکتی تھی کہ وہ اس کی عزت کے بارے میں اتنی حساس ہو چکی ہے۔ سالار اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر ہلکے سے مسکرا دیا۔

"چلو چھوڑو یہ جھگڑا کسی اور وقت کے لیے اٹھا کر رکھتا ہوں۔" اس نے گیتی کا ہاتھ محبت سے تھاما۔

"آج خیام کو دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی، وہ کتنا بدل گیا ہے نا!" گیتی ہلکے سے مسکرائی۔

"مجھے تو اب تک یقین نہیں آرہا کہ وہ یہاں آیا خود اور مجھے کیا ہوا تھا جو بے وقوفوں کی طرح رونے بیٹھ گئی۔ کیا سوچتا ہوگا وہ۔"

"کچھ نہیں سوچتا ہوگا، اب وہ ایک بدلا ہوا لڑکا ہے۔ بے حد سمجھ دار، سلجھا ہوا اور پُراعتماد۔ میں نے اس کے ایسا ہی ہونے کی تمنا کی تھی۔ لیکن ایسا ہو بھی سکے گا، یہ مجھے یقین نہیں تھا۔ معاذ اور اس کے والد یقیناً حیرت انگیز لوگ ہیں۔"

"انہوں نے ہمارے خاندان پر ایسا احسان کیا ہے جو کبھی اتارا نہیں جاسکتا۔ میرا بہت دل چاہ رہا تھا کہ میں نانی کو خیام کے بارے میں بتاؤں۔ لیکن آپ نے منع کر دیا تھا۔"

"ہاں، یہ ضروری تھا۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔ "یہ فیصلہ خود خیام کو کرنے دو۔ وہ کب کس سے ملنا چاہے گا، سب کے لیے یہی بہتر ہوگا۔" اس نے گاڑی کی چابی اور والٹ اٹھایا۔

"میں ذرا راجو کو دیکھ آؤں۔ آج اس کے پاس نہیں جاسکا۔ مہلت ہی نہیں ملی۔ اسے اب تک اس حادثے کی خبر نہیں ہے۔"

"زرتاج بیگم واپس آئیں گی کیا؟" گیتی اس کے ساتھ چلتی ہوئی باہر آئی۔

"ان کے ساتھ کمال صاحب کا کانٹیکٹ ہے۔ اطلاع رات ہی ہو گئی تھی لیکن وہ شاید ابھی آئیں گی نہیں۔ ان کے وکیل نے بتایا ہے کہ ان کی اپنی حالت بھی ٹھیک نہیں ہے۔" وہ دونوں سیڑھیاں اتر کر نیچے آئے۔

"ذرا دو چار دن گزر جائیں تو تم لاہور ہو آنا۔ میرا جانا ابھی مشکل ہو گا۔ میں ان دنوں یہیں کراچی میں ہی رہنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے کہیں نہیں جانا اب۔" گیتی نے ایک گہری سانس لی۔ "اور جائیں گے تو ہم ایک ساتھ ہی جائیں گے ویسے بھی میں چلی جاؤں گی تو گھر کو کون دیکھے گا۔"

سالار ایک دم ہنستا چلا گیا۔

"اچانک ہی ساری ذمہ داریوں کا خیال تمہیں کیسے آ گیا۔ کہاں تو چپ چاپ راہ فرار اختیار کر رہی تھیں۔"

"آپ جائیں، آپ کو دیر ہو رہی ہے۔" گیتی نے جھینپ کر اسے باہر کا راستہ دکھایا۔

☼ ☼ ☼
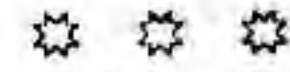
"خاندان بھر میں منہ دکھانے کے قابل نہیں ہم!" آپا گل اپنے پسندیدہ جملے کی تکرار میں مصروف تھیں۔ ماحول کی ہولناکی کو بڑھانے کا یہ ان کا تیر بہدف نسخہ تھا۔

"یہ لڑکی ہمیشہ ہمارے لیے مسئلے کھڑے کرتی رہی ہے۔ جب ٹھیک ٹھاک تھی تب بھی ہمارے سروں پر بدنامی کی تلوار لٹکتی رہی اور اب اس بیماری میں تو حد ہی ہو چکی ہے۔"

کمرے میں موجود تینوں لوگوں کو ان کی بات مکمل کرنے کا انتظار کرنا پڑا۔

"یہ بیماری وغیرہ صرف ڈراما ہے۔ جویا جان بوجھ کر آنکھیں بند کیے ہوئے ہے تاکہ وہاں رکنے کا جواز رہے۔ معاذ جیسا عاشق میسر ہے تو۔۔۔"

"خدا کے لیے گل!" شاکرہ امی نے ان کے آگے بے ساختہ ہاتھ جوڑے۔ "اب تو اس پر رحم کرو۔ سگی بہن ہے تمہاری۔ کس حال میں پڑی ہے۔ کیا تمہارے دل کو کچھ نہیں۔۔۔ تا اسے دیکھ کر۔" ان پر جو ہمہ وقت رقت طاری رہنے لگی زیادہ بولنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔

آپا گل نے اکتاہٹ کے ساتھ سر کو ہلکی سی جنبش دی۔ "ہونہہ۔۔۔ ایموشنل بلیک میلنگ۔"

"واہ آپا گل! اب تو تم صحیح وقت پر انگریزی کے الفاظ بھی استعمال کرنے لگی ہو۔ اسی طرح ترقی کرتی رہو تو۔۔۔"

"بدتمیزی مت کرو سلمان!" انہیں سلمان کے مذاق پر جھنجلاہٹ ہوئی تھی۔

"ہمارے گھر کا ہمیشہ سے یہی مسئلہ رہا ہے کہ گھر کے اول ایشوز پر بات کرنے کے بجائے ان سے آنکھیں چرا لی جاتی ہیں۔ حالانکہ اگر وقت پر ہی ان کی روک تھام کر لی جاتی تو آج وہ اتنے بڑے پہاڑ بن کر ہمارے سینوں پر نہ دھرے ہوتے۔" چڑچڑے انداز میں بات کرتے وہ اظہار صاحب کی طرف مڑیں۔

"ابو۔۔۔ آپ سن رہے ہیں نا۔"

"ہاں۔۔۔ آں!" وہ جس طرح چونکے تھے، اس میں ان کا جواب پوشیدہ تھا۔ آپا گل نے بے اختیار ہی ماتھا چھوا۔

"آپ نے اسی وقت معاذ کو وہاں سے چلتا کیوں نہیں کیا۔ اچھا موقع تھا، اسلام چچا کے سامنے ہی آپ کو سختی سے بات کرنی چاہیے تھی۔ وہ آخر کیوں ٹھیکے دار بن کر بیٹھا ہے۔"

"میں نے کہا ہے۔۔۔ تا اسلام بھائی کو۔۔۔ چلا جائے گا وہ۔" ان کے لہجے میں دبی دبی سی کیفیت تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی۔۔۔ وہاں کچھ اور ہوا ہے کیا؟"

"نہیں تو۔۔۔ کیا ہونا ہے؟" اظہار صاحب نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ آئی سی یو کے آگے کھڑا معاذ نگاہوں سے ہٹتا اور پھر آموجود ہوتا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ پھر میں فرید الدین کو ساتھ لے کر جاؤں گی اسپتال۔۔۔ دیکھتی ہوں کیسے رکتا ہے معاذ وہاں۔" پوری قطعیت کے ساتھ آپا گل کا ایک اور فیصلہ سامنے آیا۔

"فی الحال اس کا علاج ہونے دو، بے کار کے تماشے مت کھڑے کرو گل! فرید الدین کا وہاں کیا کام ہے۔" شاکرہ امی نے ایک بار پھر اپنے آنسو صاف کر لیے تھے۔

"کیوں نہیں ہے اس کا کام۔ جویا کا منگیتر ہے وہ۔ ہونے والا شوہر، اس سے زیادہ کسی اور کا حق نہیں ہے جویا پر۔۔۔ اور مت بھولیں کہ آپ لوگ اسی کے گھر کی چھت کے نیچے بیٹھے ہیں۔ آج وہ نکال دے تو کوئی دوسرا ٹھکانا بھی نہیں ہے۔"

"کیوں۔۔۔ تمہارا گھر بھی تو ہے۔ کیا تم اپنے والدین اور بہن بھائی کو چند روز بھی اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتیں آپا گل!" سلمان نے بہت سنجیدگی سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"نہیں۔۔۔ کبھی نہیں۔" ایک لمحے کا بھی توقف کیے بغیر انہوں نے صاف جواب پکڑایا۔ "میں اپنے میاں اور سسرال والوں کے سامنے نگاہ نیچی نہیں کر سکتی۔ تم تو سدا کے بے حس ہو سلمان! ورنہ یہ بات کبھی منہ سے بھی نہ نکالتے۔ بہنوں کے گھر جا کر پڑے رہنے کا خیال تم جیسے انسان کو ہی آ سکتا ہے۔"

سلمان نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "یہ بے حسی بھی تمہاری بخشی ہوئی ہے آپا گل! ورنہ ایک وقت تھا جب تم دوسروں کے ٹکڑوں پر پڑے رہنے کو اپنی اور میری عزت افزائی سمجھتی تھیں اور پھر اب اتنے سال سے جویا کی کمائی بھی تو کھا رہے ہیں ہم۔ جب اس میں شرم نہیں تو۔۔۔"

اظہار صاحب اٹھ کر بالکونی میں جا کھڑے ہوئے تھے، پر کسی نے بھی ان کے اٹھنے کو نوٹ نہیں کیا۔ سب ان کی عدم موجودگی کے عادی ہو چکے تھے۔

آپا گل اور سلمان کے درمیان اس طرح کی تکرار معمول کا حصہ تھی۔ مشترکہ مفادات پر دونوں کی رائے ایک ہوتی اور ذرا ادھر ادھر ہوتے ہی اگلے پچھلے سارے حساب بے باق کر لیے جاتے۔

"جویا غیر شادی شدہ ہے۔ اگر جاب کر رہی تھی تو ظاہر ہے اسے یہیں خرچ کرنا تھا۔ میری بات اور ہے۔ میں ایک عزت دار آدمی کی بیوی ہوں۔ سوسائٹی میں ہمارا کوئی مقام ہے۔ میری ساری سسرال انتہائی پڑھی لکھی اور تمیزدار ہے۔ تم لوگوں کی طرح نیم خواندہ، آدھا تیتر آدھا بٹیر والی حالت نہیں ہے ان لوگوں کی۔" ان کے لہجے کے غرور سے پن میں غرور کا رنگ شامل ہوا۔

"جس سسرال نے آج تک تم نے منہ نہیں لگایا اور اب وہ تمہیں منہ نہیں لگاتے۔ سب پتا ہے ہمیں۔ اسی شہر میں ہم بھی رہ رہے ہیں۔" سلمان اکتاہٹ سے کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ آپا گل کا چہرہ خفت سے سرخ پڑ رہا تھا۔

"آپ سن رہی ہیں نا امی! پھر بھی نہیں ٹوک رہیں اسے۔ جویا کی شادی فرید الدین سے ہو جائے۔ اس کے بعد کبھی قدم بھی نہیں رکھوں گی۔ آپ لوگوں کے ہاں۔ میری بلا سے سب بھاڑ میں جائیں۔"

بالکونی میں کھڑے اظہار صاحب نے اپنے عقب سے آتی ان آوازوں سے سخت وحشت محسوس کی تھی۔ کاش کوئی ان دونوں کے منہ پر ہاتھ رکھ کر انہیں خاموش رہنے پر مجبور کر دے۔

انہیں بے ساختہ دن یاد آئے، جب گھر میں ان کے حکم کا سکہ رائج تھا۔ وہ صحیح معنوں میں سربراہ تھے اور مجال

نہیں تھی کسی کی کہ وہ ان کے آگے زبان بھی کھولے۔ ہر ایک اپنی ضرورت کے لیے ان کی طرف دیکھتا تھا۔
سونے سے لدی شاکرہ بیگم۔
خوشامدی نگاہوں سے دیکھنے والی گل۔
اور یہ سلمان اور زوبیہ کی شاہانہ شادی۔
اب اس کسمپرسی کے عالم سے گزرتے ہوئے بے محابا خرچ، سونے اور ڈائمنڈ کی خریداری فائیو اسٹار ہوٹل میں دیے جانے والے عشائیہ کے بارے میں سوچنا جیسے کسی اور ہی عالم کی باتیں لگتی ہیں۔
انہوں نے آنکھوں میں آتے آنسوؤں کو ہتھیلی سے رگڑ کر خشک کیا۔
تیا گل اور سلمان کی لڑائی پتا نہیں کس نہج پر پہنچ کر دھیمی پڑ چکی تھی۔
"میں آج ہی فریدالدین کو لے کر اسپتال جاؤں گی ابو۔" وہ ان کے عقب میں آکر کھڑی ہوئی تھیں۔ "میری بات ہو گئی ہے فریدالدین سے۔ وہ کسی دوسرے اسپتال میں جویا کے علاج کی ذمہ داری اٹھانے کے لیے تیار ہے۔ ویسے بھی یہ اسپتال محض اپنا بل بنانے کے لیے مشہور ہے۔ علاج تو ہر جگہ ایک سا ہی ہوتا ہے۔ ہم کم از کم اسلام چچا کے احسان سے تو نجات حاصل کر سکیں گے۔"
اس ساری بات کے دوران اظہار صاحب نے ایک بار بھی ان کی طرف پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔
"اور فریدالدین کا احسان۔" انہوں نے جیسے سرگوشی سی کی۔
"وہ ہم پر احسان نہیں کر رہا، اس کا فرض بنتا ہے۔ یہ گھر بھی تو آخر اسی نے دیا ہے آپ کو۔ وہ یہ سب خوشی کر رہا ہے۔"
"پھر بھی ہمارے لیے تو باعث شرم ہے نا۔ اگر تمہارے ہاں نہیں رہ سکتے تو پھر یہ بھی تو بیٹی کا ہی گھر ہوا نا۔" اس بار انہوں نے پلٹ کر تیا گل کی طرف دیکھا تھا۔
"حد ہے، آپ بھی کس کو کس سے ملا رہے ہیں۔ اکبر اعلا خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ابو! ان کے اور فریدالدین کے لائف اسٹائل میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ فریدالدین کا خاندان نچلے درمیانے درجے سے تعلق رکھتا ہے۔ صرف وہی ہے جو زمین، پیسہ، جائیداد دبا کر بیٹھا ہے۔ لیکن پیسہ خرچ کرنے کا نہ سلیقہ، نہ تمیز۔ وہ تو الٹا ہمارا احسان مند ہو رہا ہے کہ ہم اسے رشتہ دے رہے ہیں۔ ساری عمر خرچا اٹھائے گا سارے گھر کا۔ عزت سے گزر جائے گی زندگی آپ سب کی۔"
بولتے بولتے ان کا سانس پھولنے لگا تھا۔
"میں چلتی ہوں۔ فریدالدین نیچے آچکا ہے۔" وہ کہتے ہوئے مڑ گئیں۔ وہ مزید کچھ بھی نہیں کہہ سکے۔ اظہار صاحب اور سلمان دونوں نے خاموشی اختیار کی تھی۔
صرف شاکرہ امی گرتی پڑتی پیچھے پیچھے آئی تھیں۔
"گل۔۔۔ گل۔۔۔ بات تو سنو!"
مگر وہ اپنے بھاری بھرکم وجود کو سنبھالتے ہوئے سیڑھیاں اترتی چلی گئیں۔
"جانے دیں انہیں، کچھ نہ کچھ تو کر ہی لیں گے۔" سلمان نے شاکرہ امی کو کندھوں سے تھامتے ہوئے کہا تو وہ وحشت زدہ نگاہوں سے اسے دیکھے گئیں۔
"اب کریں بھی تو کیا، سڑک پر جا کر تو بیٹھنے سے رہے، نہ گھر بکتا، نہ یہ سب ہوتا۔"
اظہار صاحب ابھی تک بالکونی میں کھڑے نیچے بازار میں پتا نہیں کیا تلاش کیے جا رہے تھے۔ مصلحت بھری گھناؤنی خاموشی کا یہاں کب سے راج تھا۔

انہوں نے اپنے کندھوں پر رکھے سلمان کے ہاتھ ہٹائے اور خود مسہری پر جا کر بیٹھ گئیں۔ سلمان کچن سے جا کر اپنے کھانے کے لیے کچھ نکال لایا تھا اور اب اس اطمینان کے ساتھ کھا رہا تھا جیسے اب دنیا میں اس کے کرنے کے لیے کچھ نہیں۔
وہ بہت غور سے اس کی شکل دیکھے گئیں۔ وہ تینوں ایک سے تھے۔
اظہار صاحب، تیا گل اور سلمان۔
غضب کی مماثلت۔
جویا کے نیم جان وجود پر ٹوٹ پڑنے کے لیے بے تاب تین بڑے گدھ۔
شاکرہ امی نے بے اختیار جھرجھری سی لی۔
"آپ سو جائیں بہت دیر سے اٹھی ہوئی ہیں۔" ہمدردانہ مشورہ دیتا ہوا سلمان دوبارہ کچن میں کچھ اور لینے کے لیے جا چکا تھا۔
ایک تھکی تھکی سی سانس شاکرہ امی کے لبوں سے آزاد ہوئی۔ اب پتا نہیں، وہاں اسپتال میں کیا ہونے والا ہے۔
بالکونی میں کھڑے اظہار صاحب کی نگاہ نے فریدالدین کی گاڑی کا تب تک پیچھا کیا، جب تک وہ انہیں نظر آتی رہی۔
دل میں گزشتہ شام سے بڑی بے وقت ایک خلش ابھری تھی مگر اس پر دھیان دینے میں خسارہ ہی خسارہ۔ انہوں نے خوف زدہ ہو کر اپنا دھیان دوسری طرف لگانا چاہا۔

☼ ☼ ☼

خیام ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی واپس گیا تھا۔ اس کے پاس کرنے کے لیے بہت ساری باتیں تھیں۔
نبیل کی خودکشی، اپنا ابا کے ساتھ سالار کے گھر جانا اور سب سے اہم گیتی آرا سے اپنی ملاقات۔
معاذ چاہنے کے باوجود بھی کسی ایک بات پر فوکس نہیں کر پا رہا تھا۔ تب بھی اسے سب سے زیادہ اہم خیام کا گیتی سے سامنا کر لینا لگا تھا۔
"بہت اچھا کیا تم نے۔ سالار جیسے بہترین شخص کے ساتھ تمہارے خاندان کا تعلق بتاتا ہے کہ وہ سب یقیناً بہت اچھے ہیں اور گیتی سے تو میں مل چکا ہوں کئی بار راجو اور زری کی شادی کے سلسلے میں۔ بہت سادہ اور حساس لگتی ہے۔"
خیام ہلکے سے مسکرایا۔ اس کا ہر انداز اب اس کی ذہنی مضبوطی کی گواہی دینے لگا تھا۔
"میں چلتا ہوں، رات میں آجاؤں گا۔"
"تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم گھر پر ہوتے ہو تو مجھے بے فکری رہتی ہے کہ وہاں تم ہو۔" معاذ نے سختی سے منع کیا۔
"شائستہ آنٹی بہت ناراض ہیں آپ سے۔ تھوڑی دیر کے لیے گھر کا چکر لگالیں۔ انہیں ناراض مت رہنے دیں۔"
معاذ افسردگی سے مسکرا دیا۔
"یہی کوشش کرتا رہا ہوں اب تک لیکن۔۔۔" اس نے نچلے لب کو دانتوں تلے دباتے ہوئے بات ادھوری چھوڑی۔

کاش۔۔۔ کاش اس کے بس میں ہوتا تو وہ ایک چھوٹے سے پل کے لیے بھی معاذ بھائی کو اداس نہ ہونے دیتا۔ قریب پڑا ایک چھوٹا سا پتھر خیام نے یوں ہی دور اچھال دیا۔

"تم ان سے کہنا کہ میری فکر مت کریں۔ کل پرسوں تک لگالوں گا چکر۔ اصل میں ناخیام۔۔۔"

وہ کچھ کہتے کہتے پھر رکا۔ یہ ٹوٹے پھوٹے فقرے بھی ان ہی دنوں کی دین تھے۔

"پتا نہیں کیوں زندگی میں پہلی بار میں اتنا وہمی ہو رہا ہوں خیام! ایسا لگتا ہے کہ اگر میں اسے اسی طرح چھوڑ کر ذرا سی دیر کے لیے بھی یہاں سے گیا تو اللہ نہ کرے اللہ نہ کرے اسے کچھ ہو جائے گا۔"

"صرف وہم ہے آپ کا۔ کچھ بھی نہیں ہوگا۔ کچھ بھی نہیں۔" خیام کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ اس کے جانے کے بعد بھی تھوڑی دیر وہیں بیٹھا رہا۔ زویا اسے خیام کے ساتھ مصروف دیکھ کر اس وقت جویا کو دیکھنے چلی گئی تھی اور اب پتا نہیں کہاں تھی۔ وہ چلتا ہوا آئی سی یو والے بلاک کی طرف آیا۔

لمبے سے کوریڈور کے اختتام پر وہی ایک سا منظر، جہاں وہ کھڑا ہوتا تھا۔ وہاں سے محض چند قدم کے فاصلے پر شیشے کی دیوار کے اس پار نظر آتی تھی۔

دنیا مافیہا سے بے خبر۔

دن رات میں کتنی ہی بار وہ یہاں آکر اسے دیکھتا تھا۔ ہر بار اس امید کے ساتھ کہ شاید کوئی بہتری کی صورت نکلے۔

"اور بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اس کی موجودگی کا ذرا سا بھی اثر نہ لے۔" اس نے کئی بار حیرت سے سوچا تھا۔

معمول کا راؤنڈ لگا کر نکلتے ہوئے ڈیوٹی ڈاکٹر نے ہمدردی سے معاذ کو دیکھا، وہ سب اب اس کی وہاں موجودگی کے عادی ہوتے جا رہے تھے۔

"آج ان کی طبیعت میں خاصی بہتری ہوئی ہے۔ جلد ہی کوئی اچھا رزلٹ آنے والا ہے ان شاءاللہ۔ انہوں نے رسپانس دینا شروع کر دیا ہے۔" معاذ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

ڈاکٹر ہمیشہ امید باندھنے والی باتیں کرتے تھے مگر اس وقت کچھ خاص بات ضرور محسوس ہوئی تھی۔ وہ اس کا کندھا تھپک کر جا چکا تھا۔

معاذ کا دل بڑے عجیب سے انداز میں دھڑکنا شروع ہوا تھا۔

"جویا۔۔۔ جویا۔۔۔ جویا۔"

بنا آواز، بنا الفاظ، اس خاموش پکار کی شدت روز بڑھتی تھی۔

شیشے سے ماتھا ٹکائے، بنا پلک جھپکائے، ایک کے بعد ایک، کتنے ہی آنسو معاذ کی آنکھوں سے گرتے رہے۔

وقت کی رفتار یہاں گم ہوتی تھی۔ تب ہی جویا کی بند پلکوں میں جنبش ہوئی تھی۔

معاذ نے بے تابی سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"یا اللہ۔۔۔"

وہ آہستہ آہستہ آنکھیں کھول رہی تھی۔

امید اور ناامیدی کے اعصاب شکن مرحلے کا خاتمہ ہوا۔

جویا کی آنکھیں کھل چکی تھیں اور وہ ٹھیک اس کے سامنے کھڑا تھا۔ ایک بہت ہی بے ساختہ سی مسکراہٹ معاذ کے چہرے پر پھیلی تھی۔ جویا کا چہرہ بے تاثر تھا لیکن اس کی نگاہ معاذ پر جمی تھی۔ بڑی گہری ویرانی تھی اس کی آنکھوں میں۔ چند لمحات بڑی خاموشی سے گزرتے چلے گئے۔ کیا خوش بختی ہے کہ ان سعد لمحات میں صرف وہ ہی دو تھے، کوئی تیسرا نہیں۔

مگر یہ نہیں، وہ اسے پہچان بھی رہی ہے یا نہیں۔

ایک طویل بے ہوشی کے بعد کے فطری خدشات نے معاذ کو خوف زدہ کرنا چاہا۔ مگر تب ہی جویا کی آنکھوں سے آنسو کا ایک قطرہ پھسل کر گرا تھا۔

"شکر ہے کہ وہ پہچان رہی تھی۔" ایک اور بھاری بوجھ دل سے اترا جویا نے تھک کر دوبارہ آنکھیں بند کر لی تھیں۔

وہ یہاں سے ہٹنا تو نہیں چاہتا تھا لیکن باہر زویا کو یہ خوش خبری سنانی ضروری تھی۔ اندر آئی سی یو میں جویا کے ہوش میں آجانے کا نوٹس لے لیا گیا تھا۔ معاذ نے سینئر ڈاکٹرز کو آئی سی یو کی طرف تیزی سے جاتے ہوئے دیکھ کر بڑا اطمینان محسوس کیا تھا۔

وہ تقریباً" دوڑتا ہوا باہر آیا۔ زویا سامنے سیڑھیوں پر ہی کھڑی تھی۔

"جویا کو ہوش آگیا ہے زویا!"

"ہاں!" ایک بے ساختہ گہری خوشی نے زویا کو گھیرا۔ فوری طور پر تو وہ کچھ بھی کہنے کے قابل نہیں تھی۔

"اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ دیکھنا اب وہ کتنی جلدی سنبھل جائے گی۔ ان شاءاللہ۔"

"ان شاءاللہ!" زویا نے تمام عرصے میں کمال ہمت کا مظاہرہ کیا تھا، مگر اس اچھی خبر نے بچا کھچا سارا حوصلہ ختم کیا تھا۔ وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر بے اختیار روتی چلی گئی۔

"یہ کیا۔۔۔ تم بھی اس طرح کرو گی تو پھر جویا کو کون سنبھالے گا۔ اب تو اسے تمہاری پہلے سے زیادہ ضرورت ہے۔" زویا کے سر پر ہاتھ رکھ کر وہ نرمی سے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ عقب میں آموجود ہوئیں۔

"تھوڑا راستے سے ہٹو، ساری جگہ گھیر کر کھڑے ہو گئے، ذرا جو تمیز ہو۔" وہ بنا مڑے آپا گل کو پہچان چکا تھا۔

"آپا! جویا کو ہوش آگیا ہے ابھی ابھی۔۔۔ وہ۔۔۔" زویا نے سارے اختلاف بھول کر جو خوش خبری انہیں سنانی چاہی تھی، ان کے ساتھ کھڑے فرید الدین کو دیکھ کر پوری طرح نہ سنا سکی۔

اس کے چہرے کی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ آپا گل سے زیادہ وہ خوش ہوا ہے۔

"ہاں تو ہوش میں آنا ہی تھا۔ ایسا کوئی لاعلاج مرض تھوڑی لاحق ہو گیا تھا، جو جان لے کر ہی ٹلتا۔ ہٹو، آئیں بھائی فرید الدین!"

روکھائی سے کہتی ہوئی وہ آگے بڑھنے لگی تھیں کہ معاذ سامنے آکھڑا ہوا۔

"آپ نہیں جائیں گی وہاں۔ کوئی نہیں جائے گا۔" اس نے ان دونوں کو باری باری دیکھا تھا۔

آپا گل نے چونک کر معاذ کی طرف دیکھا۔ وہ بے حد سنجیدہ تھا اور اس طرح سامنے کھڑا تھا جیسے انہیں روکنے کا پورا پکا ارادہ کر چکا ہے۔

آپا گل اور فرید الدین کو مجبوراً" قدم روکنے پڑے۔

"تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے معاذ! ہوتے کون ہو تم روکنے والے۔ بڑی بہن ہوں میں جویا کی اور یہ اس کے ہونے والے شوہر۔" آتے جاتے لوگوں کے خیال سے وہ دبی آواز میں بات کر رہی تھیں۔

"یہ کچھ بھی نہیں لگتیں آپ اس کی۔ شرم آنی چاہیے آپ کو ایسا دعوا کرتے ہوئے۔ چلی جائیں واپس۔ فوراً"۔" اس کی آنکھوں میں، لہجے میں کچھ ایسا جلال تو تھا جو آپا گل جیسی عورت کو گڑبڑا رہا تھا۔

فرید الدین کو ان کا ساتھ دینے کے لیے آگے آنا پڑا۔

"زبان سنبھال کر بات کرو، بہت دیکھے ہیں تم جیسے، لگتا ہے تم ایسے نہیں سمجھو گے۔"

"تمہیں تو میں بات کرنے کے قابل بھی نہیں سمجھتا فرید الدین! بہتر ہو گا تم اس معاملے سے الگ رہو اور

تمہارا کوئی تعلق ہے بھی نہیں۔" معاذ کا لہجہ بے حد سرد تھا اور آواز بہت دھیمی۔ وہ خود بھی سیڑھیوں سے نیچے آچکا تھا۔ سو غیر محسوس انداز میں وہ لوگ کچھ اور پیچھے ہٹے تھے۔

"آپ چلی جائیں واپس اور جو کر سکتی ہیں کر گزریں۔ مجھے اب کسی تماشے کا کوئی خوف نہیں کیونکہ۔۔۔" آپا گل کے تپتے ہوئے چہرے پر نگاہ جماتے ہوئے اس نے ذرا سا رک کر اپنی بات مکمل کی۔ "کیونکہ میں نے اپنی زندگی میں آیا سب سے بڑا خوف جھیل لیا ہے۔"

سیڑھیوں پر پیچھے کھڑی زویا نے آہستگی سے اپنی آنکھیں خشک کیں۔

"تم اچھا نہیں کر رہے ہو معاذ! میں اسلام چچا کو بلاتی ہوں۔ وہ خود نپٹیں گے تم سے' یا پھر پولیس۔۔۔" وہ تیز تیز بولتی ہوئی فرید الدین کی طرف مڑیں۔ "آپ پولیس کو بلوائیں فرید بھائی! ابھی اسی وقت' دیر کیوں کر رہے ہیں۔"

"پولیس!" فرید الدین کو دھکا سا لگا۔ وہ فطرتاً "جمع تفریق والا شخص تھا۔

پولیس والوں کو بلا کر ان کا خرچا پانی برداشت کرلیتا' تب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اسلام صاحب کی اعلا صحافتی پہچان اور معاذ کا میڈیا کانٹیکٹ اس سارے معاملے کو چٹکی میں اڑا سکتے تھے۔ سو لمحے سے بھی کم وقت میں اس نے صحیح فیصلہ کیا۔

"کیوں اپنی بے عزتی کروانا چاہتی ہیں آپ۔۔۔ پولیس نے کیا کرلینا ہے آکر۔ ابھی چلیں' پھر میں دیکھتا ہوں کیا کرنا ہے۔" اس نے آخری جملہ کہتے ہوئے معاذ کی طرف دیکھنا چاہا لیکن فوراً" ارادہ بدل گیا۔ وہ بات مکمل کر کے پارکنگ کی طرف بڑھ گیا۔

آپا گل کو اس سے اس طرح میدان چھوڑنے کی توقع نہیں تھی۔

"فرید بھائی۔۔۔ سنیں تو۔۔۔" تیزی سے کہتی ہوئی وہ اس کے پیچھے پیچھے گئی تھیں۔ شاید انہیں امید تھی کہ وہ اسے واپس لے آئیں گی۔

"پتا نہیں اب کیا ہوگا۔" معاذ نے عقب میں زویا کو کہتے ہوئے سنا۔

"کچھ بھی نہیں اور جو ہوگا' دیکھ لیا جائے گا۔" معاذ کے لہجے میں گہرا اطمینان تھا۔ "میں کسی قیمت پر بھی ان دونوں کا جویا سے سامنا نہیں چاہتا تھا' اللہ نہ کرے اس کی حالت پھر بگڑ جاتی تو۔۔۔"

وہ ادھورا جملہ چھوڑ کر واپس سیڑھیاں چڑھ کر آئی سی یو کی طرف جانے والے کاریڈور کی طرف بڑھا۔

زویا نے ایک گہری سانس لی۔ آپا گل اور فرید الدین اب بہت دور نظر آرہے تھے۔ بظاہر فی الحال ان کی واپسی کا امکان بھی نہیں تھا۔ سو وہ بھی پورے اطمینان کے ساتھ اندر کی طرف گئی۔

"عجیب آدمی ہیں آپ۔۔۔ وہ آپ کی منگیتر پر اپنا حق جتا رہا ہے اور آپ بجائے اس کو وہاں سے ہٹانے کے چپ چاپ چلے آئے۔ یہ بھی نہیں کہا کہ ہم جویا کو دوسرے اسپتال میں داخل کریں گے۔"

آپا گل سارے راستے فرید الدین کی غیرت کو جگانے کی کوشش میں لگی رہیں۔ "وہ آپ کی عزت ہے' کیوں بھول رہے ہیں۔"

وہ چپ چاپ سنے گیا۔

آپا گل کو اس کے اس بے حد سرد رویے سے مایوسی ہو رہی تھی۔ نہ وہ غصے میں آرہا تھا اور نہ ہی کسی قسم کی انتقامی کارروائی پر راضی تھا۔

"میں تو سمجھی تھی کہ آپ ابھی معاذ کو وہاں سے چلتا کریں گے یا کم از کم جویا کو تو وہاں سے لا ہی سکتے تھے ہم۔" اتنی دیر میں پہلی بار اس نے جواباً" نفی میں سر ہلایا تھا۔

"میں اس جھگڑے کو بڑھانا نہیں چاہتا۔ آپ کچھ بھی وجہ سمجھیں۔ ہاں جویا ٹھیک ہو جاتی ہے تو فوری طور پر سادگی سے نکاح کے لیے تیار ہوں' ورنہ۔۔۔"

آپا گل نے بڑی بے تابی سے اس کے جملے کے مکمل ہونے کا انتظار کیا۔

"ورنہ جو کچھ میرا خرچا ہوا ہے' مجھے واپس چاہیے اور گھر بھی پہلی تک خالی ہو جائے۔" اس نے بہت تحمل سے بات مکمل کی تھی مگر پھر بھی آپا گل نے پیروں تلے سے زمین کھسکتے ہوئے محسوس کی۔

خرچا۔۔۔ پیسے۔۔۔

ہاتھوں میں ڈالے ہوئے سونے کے بھاری کڑے چمک کر ان کا مذاق اڑانے لگے اور پیسے۔۔۔ آپا گل کے سامنے ایک بڑا سا سوالیہ نشان آکھڑا ہوا تھا۔

اب تک ہر چیز ان ہی کے ہاتھ میں تھی۔ ایک سوائے گھر کے' جس میں لا بٹھانے کا احسان وہ دن رات جتا رہی تھیں۔

"میں جویا اور معاذ کے درمیان جو سلسلہ ہے' اسے بھی نظر انداز کر سکتا ہوں۔ لڑکے' لڑکیاں ایسی جذباتی محبتیں کرلیتے ہیں لیکن وقت کے ساتھ یہ ختم بھی ہو جاتی ہیں۔ میں شادی کے بعد فوری طور پر کچھ عرصے کے لیے یہ شہر چھوڑ دوں گا۔ لگ کر اس کا علاج بھی کروا دوں گا' لیکن اب اور دیر نہیں' یہ معاملہ اب ختم ہو جانا چاہیے۔"

فرید الدین کے تحمل پر آپا گل کی سانس بحال ہوئی تھی۔

"جویا ہوش میں آچکی ہے۔ دو چار دن میں اور بہتر ہو جائے گی' ہم اسے گھر لے آئیں گے۔ اس بار کوئی شور' ہنگامہ نہیں' کسی کو خبر نہ ہونے دیں گے۔ گھر میں سب کی یہی آرزو ہے کہ یہ رشتہ پایہ تکمیل تک پہنچے۔"

"اچھی بات ہے۔" اس نے آہستگی سے کہا۔ "اور بہتر ہوگا کہ آپ لوگ معاذ کے گھر والوں کے ساتھ اپنی محاذ آرائی کو ختم کردیں۔ اس لڑکے کو ہماری طرف سے اب مکمل اطمینان ہونا چاہیے' یہ بہت ضروری ہے۔"

آپا گل نے تعریفی نگاہوں سے فرید الدین کو دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

ابا کے کمرے کی کھلی کھڑکی پر سے پردے ہٹے ہوئے تھے۔ پچھلے احاطے کی طرف سے آتے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے رات کی رانی اور چمپا کی خوشبو سے بوجھل ہو رہے تھے۔

"دنیا میں اس جگہ سے زیادہ اپنائیت اور سکون شاید ہی کہیں اور ہو یہاں بیٹھ کر ہر مشکل سے مشکل مسئلے کا حل نکالا جا سکتا تھا۔" خیام کو یاد آیا کہ جب وہ پہلی بار اس کمرے میں آکر بیٹھا تھا تب اسے یہی خیال آیا تھا۔

آج اسی خیال کی تصدیق ہوئی تھی۔ شاید کہیں اور بیٹھ کر کسی اور کے منہ سے یہ سننا مشکل ہی نہیں، ناممکن ترین تھا۔ وہ بنا پلک جھپکائے چند لمحے ان کی شکل دیکھے گیا۔

"مجھے پتا ہے بیٹا! تم کس کیفیت سے گزر رہے ہو لیکن وہ تمہاری زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہیں۔ بے شک تمہاری نگاہ سے اوجھل رہے۔ لیکن تم ان ہی کا خون ہو اور یہ ان ہی کی نہیں تمہاری بھی خوش نصیبی ہے کہ تمہاری آئندہ زندگی ان کے سائے میں گزرے۔"

"لیکن میں ان سے نہیں ملنا چاہتا ابا!" ان کی بات ختم ہوتے ہی وہ تیزی سے بولا تھا۔ "اب مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ میری زندگی کا سب سے تکلیف دہ دوران کے بغیر گزر چکا ہے۔" وہ بولتے بولتے رکا۔

"کاش! انہوں نے میری ماں کو اکیلا نہ چھوڑا ہوتا۔ تب شاید وہ اس طرح اندر ہی اندر گھل کر ختم نہ ہوتیں۔ یا پھر وہ مجھے بھی ان کے بعد اپنے ساتھ لے گئے ہوتے لیکن نہیں۔ انہوں نے تو شاید کبھی سوچا بھی نہیں ہو گا کہ وہ مجھے کس ماحول کے سپرد کر چکے ہیں، میری ہر تکلیف، میرے سوچنے کے غلط صحیح انداز، ہر بات کے وہی ذمہ دار ہیں، آپ منع کر دیں انہیں۔"

اس کا چہرہ سرخ پڑ رہا تھا۔

اب جبکہ اس کی شخصیت میں بہت سی بہتری آچکی تھی۔ تب بھی اپنی زندگی کے اس حساس ترین پہلو پر بات کرنا اس کے لیے آسان نہیں تھا۔ ابا نے بہت محبت سے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"تم تو میرے بہت ہی اچھے بچے ہو خیام! اور تم مجھ سے وعدہ کر چکے ہو کہ اب تم سب کو معاف کرتے چلو گے اور میں جانتا ہوں کہ تم کر بھی رہے ہو، پھر بھی۔"

"ان کا معاملہ الگ ہے ابا! میں اپنی نانی اور خالہ سے اب ناراض نہیں، بلکہ شرمندہ ہوں۔ جو کچھ ہوا اس میں ان کا قصور نہیں تھا لیکن میں نے ہمیشہ انہیں ہی سزا دی، کبھی عزت کر ہی نہیں پایا ان کی، حالانکہ وہ بے چاری۔" نچلا لب دانتوں تلے دباتے ہوئے خیام نے نفی میں سر ہلایا۔

"تمہارے باپ بھی بے حد مجبور تھے۔ میں ان کی وکالت نہیں کر رہا، لیکن بیٹا! یہ سمجھنا غلط ہے کہ مرد کبھی مجبور نہیں ہوتا۔ تمہارے باپ پر ان کی پہلی بیوی کے خاندان کا بڑا دباؤ تھا۔ وہ اثر و رسوخ والے لوگ تھے اور اس وقت تک تمہارے والد خود اس پوزیشن میں نہیں تھے۔ جس میں وہ آج ہیں اور کم از کم ایک بات پر تو تمہیں یقین کرنا ہی پڑے گا کہ انہوں نے تمہاری ماں کے علاوہ کسی سے محبت نہیں کی۔"

ان کا مخصوص دھیما دھیما محبت بھرا انداز۔ خیام کے لیے ان کی کہی کسی بھی بات کو رد کرنا ناممکن تھا۔

"پھر بھی ابا! ان کی محبت ہمارے کسی کام تو نہیں آئی۔ الٹا جان لیوا ہی ثابت ہوئی۔" ہتھیلی سے اپنی آنکھیں رگڑ کر خشک کرتے ہوئے وہ افسردگی سے مسکرایا۔

"تو تم نہیں مانو گے۔ میں جواب یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ تم بہت ہی فرماں بردار بیٹے ہو، سو میں غلطی پر تھا۔"

"ایسا بالکل نہیں ہے۔ ایسا ہو بھی کیسے سکتا ہے ابا! اس دنیا میں آپ اور معاذ بھائی ہی تو ہیں میرے۔ مجھے زندگی کی طرف واپس لانے والے، آپ نے تو وہ کیا جو کوئی کسی کے لیے نہیں کر سکتا، آپ کا حکم میں کیسے ٹال سکتا ہوں۔" وہ بہت مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہا تھا۔

"یہ میرا حکم نہیں ہے بیٹا! خود اپنے دل سے فیصلہ کرو۔ ایک بار اپنے سارے دکھ، ساری محرومیاں بھول کر اس

شخص کے بارے میں سوچو، جس نے ساری عمر اپنے ضمیر کے آگے مجرم بن کر گزاری ہے۔ جو اپنی اولاد کے لیے ترستا رہا۔ ان کی ہماری عمر اب ڈھلان کا سفر ہے۔ اگر تم اس سفر میں ان کا ہاتھ تھامنا چاہو تو ہم صبح چلے چلیں گے ان کے ہاں، ورنہ میں تم سے دوبارہ کبھی نہیں کہوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔"

اپنی بات ختم کر کے وہ ہلکے سے مسکرائے بھی، اس پر سے دباؤ کم کرنے کے لیے۔

"اب تم بھی آرام کرو۔ اسپتال کے کئی چکر لگتے ہیں آج کل تمہارے، تھک گئے ہو گے بہت۔"

جویا کے ہوش میں آنے کی خبر سن کر ابا اور ربیعہ دونوں ہی اسے دیکھنے گئے تھے اور ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی وہ لوگ اسپتال سے واپس آئے تھے۔

"شکر ہے کہ وہ ہوش میں آگئیں ابا! آپ پلیز جویا کے والدین سے بات کریں۔ معاذ بھائی کو میں نے اتنا اپ سیٹ پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ زمانے بھر سے غافل ہو کر رہ گئے ہیں وہ۔"

اسلام صاحب کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ ابھری۔

"جو بات تم جانتے ہو، ہر دیکھنے والا محسوس کر سکتا ہے۔ وہ معاذ کی ماں کو دکھائی نہیں دیتی۔ ایک فضول ضد باندھ لی ہے انہوں نے ہمیں صرف جویا کے ماں، باپ کو کیسے الزام دے سکتا ہوں بیٹا!"

وہ چپ چاپ ان کی شکل دیکھے گیا۔

"اللہ مالک ہے، تم آرام کرو۔ میں بھی لیٹوں گا۔"

آج وہ خلاف معمول اپنی رائٹنگ ٹیبل پر نہیں بیٹھے تھے۔

"میں تھوڑی دیر باہر بیٹھوں گا ابا! مجھے ابھی نیند نہیں آرہی۔"

"ٹھیک ہے، بتی بجھا دو۔"

وہ جانتے تھے کہ اسے تنہائی درکار ہے۔

ربیعہ کچن کی لائٹ بند کر رہی تھی، جب اس نے خیام کو احاطے کی سیڑھیوں پر تنہا بیٹھے دیکھا تھا۔ سر جھکائے کسی خیال میں گم، بالکل تنہا۔ وہ نیم روشن کچن میں کھڑی چپ چاپ اسے دیکھے گئی۔

ایک تھکا دینے والے دن کے اختتام پر بھی وہ آرام کرنے سے کیوں گریزاں تھا۔

اندر سے دادی آواز دے رہی تھیں۔

ربیعہ بھاری دل لیے کاریڈور سے گزرتی دادی کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ رات لمحہ لمحہ کر کے گزری تھی۔ کئی بار اسے خیال آیا کہ وہ پچھلے احاطے کی طرف جا کر دیکھے کہ خیام ابھی وہاں ہے یا نہیں، پھر پتا نہیں کب وہ آہستہ آہستہ نیند کی وادی میں اتر گئی تھی۔

البتہ جب فجر کی اذانوں کے وقت اٹھ کر وہ کچن کی طرف جا رہی تھی، تب اس نے خیام کو پچھلے احاطے سے اٹھ کے ابا کے کمرے کی طرف جاتے دیکھا۔

"خدایا!" اسے بے حد رنج ہوا تھا۔

"ابا!" خیام ادھ کھلے دروازے سے اندر آیا۔

اسلام صاحب وضو کر کے واپس کمرے میں آئے تھے۔

"ہاں خیام۔ میں تمہیں ہی دیکھنے آرہا تھا بیٹا! کیا تم آج سوئے نہیں رات بھر۔" وہ فکر مندی سے پوچھ رہے تھے۔

"ابا! میں آپ کے ساتھ ان کے پاس جاؤں گا۔" اس نے اس تیزی سے جملہ مکمل کیا جیسے ڈر ہو کہ اگر ابھی

بھی نہ کہا تو شاید پھر نہیں کہہ سکے گا۔ اسلام صاحب کے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ چھیلی تھی۔
وہ دو قدم بڑھا کر ان کے قریب آیا۔ اسلام صاحب نے بے اختیار اسے گلے لگایا تھا۔
"تم نے مجھے مایوس نہیں کیا بیٹا! اور مجھے پورا یقین تھا کہ تم ایسا کبھی نہیں کرو گے۔" اسلام صاحب کی آواز بھیگ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"آپ میں سے کوئی ایک جا کر پیشنٹ سے مل سکتا ہے چند منٹ کے لیے۔"
معاذ، زویا اور اپنے لیے چائے کے کپ لے کر آیا ہی تھا کہ ایک نرس نے آکر انہیں اطلاع دی۔
ان دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔
"تم چلی جاؤ زویا!"
"نہیں معاذ بھائی! آپ جائیں۔" زویا نے اس کے ہاتھوں سے کپ لے کر سائیڈ میں رکھتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ وہ کچھ تذبذب میں تھا۔
"اس کی ذہنی حالت اتنی اچھی نہیں ہے زویا! محض چند پل میں ہی وہ رونے لگی تھی۔ اب پتا نہیں کس طرح ری ایکٹ کرے گی۔"

"کرنے دیجیے لیکن میں جانتی ہوں کہ اس کی ہمت اور حوصلہ بھی صرف آپ کو دیکھ کر ہی قائم ہوگا اور ویسے بھی جو حق آپ کا ہے، وہ کسی کا نہیں، جائیے پلیز۔ دیر مت کریں۔" زویا کا اصرار بڑھ رہا تھا۔
ابھی صبح ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی اور اسپتال میں خاصا سناٹا تھا۔
"جائیں معاذ بھائی، پلیز!"
وہ خاموش قدموں سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ جویا سامنے بیڈ پر لیٹی تھی۔ وہ اس کے بالکل قریب آکھڑا ہوا اور شاید ایک بار بھی وہ اپنی پلک نہیں جھپک سکا تھا۔
"جویا۔۔۔!" اس کا یخ ہاتھ نرمی سے اپنے ہاتھ میں تھامتے ہوئے وہ پورا کانپ اٹھا تھا۔
"جویا۔ جویا!" تیسری یا چوتھی پکار کے جواب میں اس نے اپنی آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔
"کیسی ہو۔۔۔؟"
بے حد نرمی سے کہتے ہوئے اس نے خود کو ذرا بھی جذباتی نہیں ہونے دیا مگر پھر بھی اسے خود اپنی ہی آواز اجنبی لگی۔
جویا کی نگاہوں میں بڑی گہری بے یقینی تھی۔
"جویا! یہ میں ہی ہوں، تم چپ کیوں ہو۔۔۔ بات کرو پلیز۔" معاذ کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔ لیکن اپنی موجودگی کا جو احساس وہ اسے دلانا چاہتا تھا۔ دلا چکا تھا۔
جویا کے لب ہلکے سے کھلے تھے اور اس کی نگاہ معاذ کے چہرے سے ہٹ کر اپنے ہاتھ پر آئی تھی جو معاذ کے دونوں ہاتھوں میں تھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا، لیکن آنکھوں سے ایک ساتھ کئی آنسو گرتے چلے گئے۔
اس کا چہرہ، اس کی آنکھیں۔۔۔ پورا وجود بے بسی کی تصویر تھا۔
کاش! وہ اسے اس بدترین حال میں دیکھنے کی تکلیف سے بچ سکتا۔
بہت نرمی سے اس نے جویا کے آنسو خشک کیے۔

"معاذ۔۔۔ تم۔۔۔" چند لمحوں کے لیے جویا کے چہرے پر خوشی کی چمک سی ابھری۔
وہ ہلکے سے مسکرایا۔
"جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔ مجھے بلانے کے لیے بیمار پڑنا ضروری نہیں تھا۔ ویسے ہی کہہ دیتیں کہ آجاؤ تو میں ایک اشارے پر دوڑا چلا آتا۔" اس کی طرف تھوڑا سا جھک کر وہ دھیرے سے کہہ رہا تھا۔
جویا روتے روتے مسکرائی تھی۔
اور وہ اسی مسکراہٹ کا منتظر تھا۔
"تمہیں صرف مجھے پریشان کرنے کا شوق ہے، اس کے لیے جو کرنا پڑتا ہے کر گزرتی ہو۔ اب دیکھ لو، خود آرام سے لیٹی ہو اور میں۔۔۔"
لاپروا سے لہجے میں بات کرتے ہوئے ایک دم ہی اس کے گلے میں نمکین سا پانی اٹکا تھا، جسے اس نے پوری بہادری سے اپنے اندر اتارا۔
"کیا میں بہت بیمار ہوں؟" اس کے لہجے میں فکر سے زیادہ حیرت تھی۔
معاذ نے محبت سے انکار میں سر ہلایا۔
"کچھ خاص نہیں، ٹھیک ہو جاؤ گی دو چار دن میں۔"
"اور۔۔۔ اور۔۔۔" تب ہی اسے اپنے حالات کی تمام تر بد صورتی یاد آئی تھی۔
مایوں کی وہ رسم اور فرید الدین کے نام پر لگنے والا ابٹن، جسے اس نے محسوس کرنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔
پہلی بار معاذ نے اپنے ہاتھ پر اس کی گرفت محسوس کی، وہ خوف زدہ تھی۔
"معاذ۔۔۔ وہ۔۔۔ وہ سب لوگ۔۔۔"
"کوئی نہیں ہے اور کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ میں کہہ رہا ہوں تم سے۔" پورے اعتماد کے ساتھ وہ اسے یقین دلا رہا تھا۔
"کچھ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے، میں ہوں نا، پھر کس بات کی پروا ہے تمہیں۔"
"وہ سب کہاں ہیں۔ تمہیں کیسے آنے دیا۔ چلے جاؤ۔ پلیز! انہیں پتا چل جائے گا تم یہاں ہو تو پتا نہیں۔۔۔" وہ پھر سے اسی خوف میں گھرنے لگی تھی۔ جو اس کی ہر خوشی کو نگل چکا تھا۔
اور اسے اس خوف کی نذر کرنے میں وہ خود کو کیسے بری الذمہ قرار دے سکتا ہے۔ کتنے ہی دن سے خود کو کمپوز کرنے کے لیے کتنی ہی جدوجہد کرنی پڑی تھی۔
"معاذ! چلے جاؤ یہاں سے، باہر وہ لوگ ہوں گے، آپا گل، ابو۔۔۔" اس کی گھبراہٹ بڑھ رہی تھی۔
اور یہ اس کے لیے اچھا نہیں تھا۔
"سب کچھ بالکل ٹھیک ہے۔ تم مت سوچو اس بارے میں۔۔۔ اب کچھ غلط نہیں ہونے والا۔ بس تم ٹھیک ہو جاؤ۔ بہت پریشان کر لیا مجھے۔ اب اور اجازت نہیں دے سکتا، سمجھیں!"
جویا کی نگاہیں معاذ کے چہرے پر جمی تھیں۔
اس پوری دنیا میں اس سے بڑھ کر کون تھا، جس پر وہ ہمیشہ آنکھ بند کر کے بھروسا کرتی آئی تھی۔ اس وقت بھی جب وہ کوئی ایک بھی ایسی بات نہیں کرتا تھا، جس سے خوش امیدی جھلکتی ہو۔ کوئی چھوٹے سا چھوٹا عہد و پیمان بھی نہیں، پھر بھی۔
"تم مجھے بچا لو گے نا معاذ؟" اس کی آنکھوں میں امید کی کرن روشن ہوئی تھی۔

"کوئی کچھ نہیں کر سکتا اب۔ میں ہوں نا۔" پھر اسے ریلیکس کرنے کی خاطر بولا۔ "بس اب رونا نہیں ورنہ ڈاکٹرز مجھے نکال باہر کریں گے اور میں جانا نہیں چاہتا یار۔"
جویا مسکرائی تھی۔

☼ ☼ ☼

رات بھر نمی سے بھرپور ہوائیں معمول کا حصہ تھیں۔
سمندر سے قریب ترین رہائشی علاقوں کی گلیاں اور سڑکیں دن چڑھے تک اس طرح بھیگی بھیگی محسوس ہوتیں جیسے ابھی ابھی بوندا باندی ہو کر رکی ہو۔
وہ لوگ جب گھر سے نکلے تو خاصا سویرا تھا اور منزل مقصود پندرہ، بیس منٹ سے زیادہ دوری پر بھی نہیں تھی۔ ان ہی شفاف دھلی ہوئی، سبزے سے ڈھکی گلیوں سے گزرتے ہوئے وہ دونوں ہی کسی سوچ میں گم تھے۔
تب ہی اسلام صاحب کو کچھ خیال آیا۔
"تم نے مجھ سے ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ وہ کون ہیں، کیا کرتے ہیں، نام کیا ہے ان کا!"
"کیا فرق پڑتا ہے ابا! وہ کوئی بھی ہیں، کچھ بھی ہیں، اس سے کون سی حقیقت بدلنے والی ہے۔" ڈرائیو کرتے ہوئے خیام نے سامنے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔
"کیا ابھی سیدھا ہی چلنا ہے۔" اس نے بات بدلی تھی۔
"ہاں بس اس راؤنڈ اباؤٹ سے الٹے ہاتھ پر لے لینا پانچواں گھر ہے۔"

خیام نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔
عجیب سی بات تھی کہ نہ کوئی خوشی تھی اور نہ ہی گھبراہٹ۔ یہ ایسے ہی تھا، جیسے ابا کے ساتھ کہیں بھی چلے جانا۔
"تو کیا وہ اس کے لیے اتنے غیر اہم ہیں؟" اس نے اپنے باپ کے بارے میں سوچا۔ وہ ان کے بتائے ہوئے پتے پر محض چند منٹ بعد ہی کھڑا تھا۔
"یوسف کمال!" اس نے نیم پلیٹ پر اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی۔
"کیا وہ کمال صاحب کے ہاں نوکری کرتے ہیں یا پھر ان کے رشتے دار ہیں؟"
وہ اسلام صاحب سے پوچھ رہا تھا، تب ہی وہ بڑا سا سارا گیٹ کھلتا چلا گیا۔
ہزاروں گز پر پھیلا ہوا وہ شان دار وسیع و عریض گھر، جو باہر سے گزرنے والوں کو بھی اپنی طرف لازمی متوجہ کرتا تھا۔
ڈرائیو وے سے گزرتے ہوئے خیام نے بڑی بے نیازی سے اس ساری شان و شوکت پر نگاہ ڈالی تھی۔
(اگلی قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عالیہ بخاری

دوارِ شب

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی، نگینہ خالہ اور دل دار نانی نے اس کی پرورش بے حد ناز و نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے۔ جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار، لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ کیتی آرا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو رفاحی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعا گو ہیں۔

۶۲

باسٹھویں قسط

گھر کی داخلی سیڑھیوں پر وہ کب سے منتظر تھے۔
خیام کی گاڑی کو اندر آتا دیکھ کر وہ بڑی بے تابی سے آگے بڑھے اور پھر گاڑی سے باہر رکھتے اس کے پہلے قدم پر انہوں نے دل کی گہرائی سے بسم اللہ پڑھی تھی۔
"السلام علیکم!"
خیام کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کر کے انہوں نے اسے گلے لگایا۔
ویسی ہی گرم جوشی اور اپنائیت 'جب وہ ان سے پہلی بار متعارف ہوا تھا۔
مگر شاید اس سے بھی کچھ زیادہ۔
ان کی آنکھوں سے گرتے آنسوؤں کو دیکھ کر اس نے اپنا تجزیہ درست کیا۔
"شاید ہمیں کچھ دیر ہو گئی۔" ابا مسکراتے ہوئے معذرت چاہ رہے تھے۔
"ارے نہیں' بالکل بھی نہیں۔ آیئے تشریف لایئے!"
کمال صاحب کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ محاورتاً "نہیں حقیقتاً" ان کے قدموں میں پلکیں بچھاتے۔
"میری بڑی خوش نصیبی ہے اسلام صاحب کہ آپ میرے غریب خانے پر تشریف لائے۔ میرا رواں رواں آپ کا احسان مند..." الفاظ ان کے حلق میں اٹکنے لگے تھے۔
ابا نے نرمی سے ان کا کندھا تھپتھپا کر انہیں پر سکون کرنا چاہا۔
وہ لوگ گھر کے رہائشی حصے میں داخل ہو چکے تھے۔ ایک ایک انچ سے یوسف کمال کے اس "غریب خانے" کی شان و شوکت پوری طرح ظاہر تھی۔ پر ابا اور خیام دونوں ہی یکساں بے نیازی کے ساتھ گزرے تھے۔
"میں بس ایک منٹ میں حاضر ہوا!" کمال صاحب ان لوگوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر باہر نکلے تھے۔ بے تحاشا دھڑکتے ہوئے دل اور آنکھوں میں آتے آنسوؤں کو کنٹرول کرنا مشکل تر ہو رہا تھا کن کن زخموں پر سے کھرنڈ اترا تھا۔
جس گھڑی کا ساری عمر انتظار کیا تھا' اس کا سامنا کرنا ان کے لیے آسان ثابت نہیں ہو رہا تھا۔ اپنے حوصلے اور ضبط کو زندگی میں دوسری بار انہوں نے کھوتا ہوا محسوس کیا تھا۔
اور یہ دونوں مواقع درد کے ایک ہی سلسلے' ایک ہی نام سے جڑے تھے۔
"فیروزہ!"
دل پر آج بھی اس کا اختیار تھا۔ جس کی عدالت میں کھڑے برسوں برس گزرے تھے۔
نہ ہی عدالت برخاست ہوتی تھی اور نہ ہی سزا معاف ہوتی تھی۔
اندر خیام نے ایک مسکراتی ہوئی نگاہ اس وسیع و عریض ڈرائنگ روم پر ڈالی۔
"ابا! لگتا ہے ان کمال صاحب نے پیسہ تو بہت بنا کر رکھا ہے۔ کہیں کوئی دو نمبر والے سلسلے تو نہیں ہیں ان کے؟"

"اوں ہوں۔" انہوں نے بے اختیار پہلو بدلا۔ "بے کار میں کسی سے بدگمانی رکھنا بھی گناہ ہے۔ بہت اچھے انسان ہیں کمال صاحب' کتنے فلاحی اداروں کی سرپرستی کرتے ہیں شہر میں۔" خیام نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا تھا۔
پچھلے سارے دنوں میں 'دانستہ نادانستہ ابا نے جتنی تعریفیں کمال صاحب کی تھیں۔ ان میں یہ بات بھی کئی بار دہرائی جا چکی تھی۔
"شاید وہ انہیں بلانے گئے ہیں؟"

"کس کو؟" اسلام صاحب نے ذرا چونک کر خیام کو دیکھا۔
"ہمارے والد محترم کو۔ ان سے ہی تو ملنے آئے ہیں ہم!" خیام پر سکون تھا۔ مگر انہوں نے ایک بار پھر یاد دہانی ضروری سمجھی۔
"خیام بیٹا' کچھ ایسا مت کرنا' کچھ ایسا نہ کہنا' جس سے انہیں تکلیف ہو... بہت دکھ سہہ لیا ہے اس شخص نے "اب بس!"
"میں نے انہیں معاف کر دیا ہے ابا!" اس کی مسکراہٹ دھیمی ہوئی تھی۔ "لیکن میں سچ کہہ رہا ہوں کہ ان کے حوالے سے مجھے کوئی فیلنگز نہیں رہیں اب 'نہ محبت کی 'نہ نفرت کی۔ وہ جیسے بھی ہیں 'بس ٹھیک ہیں۔ اس کے آگے میں کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتا اور۔" اس نے یوسف کمال کو آتے دیکھ کر اپنی بات ادھوری چھوڑی تھی۔
وہ تنہا واپس آئے تھے۔ خیام کو تھوڑی سی حیرت ہوئی تھی' ان کی آنکھوں پر رگڑ رگڑ کر خشک کیے جانے کے آثار باقی تھے۔ خیام کو وہ کچھ بیمار سے لگے۔
"بہرحال مجھے کیا...؟" بے نیازی سے سر کو ہلکی سی جنبش دیتے ہوئے اس نے ان کی اور ابا کی باتوں پر دھیان لگانا چاہا۔
"ناشتا لگ رہا ہے اسلام صاحب! اچھا ہو گا کہ پہلے ناشتا کر لیا جائے۔"
"ارے نہیں' آپ بالکل کسی تکلیف میں نہ پڑیں۔ ہم دونوں گھر سے ناشتا کر کے چلے ہیں... اب تو گنجائش بھی نہیں ہے۔" ابا نے انہیں "فوراً" ہی منع کیا تھا۔
وہ جواباً "اصرار کرنے لگے" "میری خوشی کی خاطر تھوڑا سا ہی سہی۔ منع مت کریں اسلام صاحب..."
ان کا سر' ابا کے سامنے جھکا جا رہا تھا ان کے چہرے 'ان کے لہجے میں بڑی ٹوٹی سی کیفیت تھی۔ جوان کے اس لش پش 'عالی شان پس منظر کے ساتھ بڑا عجیب سا تضاد پیش کر رہی تھی۔
اتنی دیر میں پہلی بار خیام نے محسوس کیا کہ وہ اس سے نگاہ چرائے ہوئے ہیں اور ایک بار بھی انہوں نے اسے براہ راست مخاطب نہیں کیا ہے۔
"شاید اس لیے کہ..."
اس بار اسے جواب ڈھونڈنے کی بھی مہلت نہیں ملی۔
"میں اب وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا کمال صاحب... قدرت نے جو ایک بھاری ذمہ داری میرے ناتواں کندھوں پر ڈالی تھی۔ اسے پورا کرنے کا وقت آ گیا ہے۔" ابا کی آواز میں گہرا سکون تھا۔
چند لمحوں کی بھید بھری خاموشی ماحول پر طاری ہوئی تھی۔
خیام نے خالی خالی نگاہوں سے ابا اور کمال صاحب کی طرف دیکھا۔
ابا اسے اٹھنے کا اشارہ کر رہے تھے۔ سو وہ کسی روبوٹ کی مانند اٹھ کھڑا ہوا۔ ذہن یکدم ہی کچھ سوچنے سمجھنے سے قاصر ہوا تھا۔ ابا اس کے ساتھ ہی اٹھے تھے اور خیام نے اپنے ہاتھ پر ان کا دباؤ محسوس کیا تھا۔
کمال صاحب بالکل قریب کھڑے تھے اور ان کا نچلا ہونٹ دانتوں تلے سختی سے دبا تھا۔
"آپ کی امانت' آپ کا بیٹا... خیام!" ابا نے اس کا ہاتھ کمال صاحب کی طرف بڑھایا۔
خیام نے بے یقینی سے کمال صاحب کے کھلے ہوئے بازوؤں کی طرف دیکھا۔
مگر دوسرے ہی پل وہ خود بڑھ کر اسے گلے لگا چکے تھے۔ اس کے گرد ان کے بازوؤں کا گھیرا سخت تھا اور ان کا سارا ضبط' آنسوؤں میں بہا جا رہا تھا۔
خیام نے خود کو ناقابل بیان سی کیفیت میں پایا تھا۔

ایک مکمل اجنبی، زندگی کی پہچان ثابت ہوا تھا۔
وہ خالی الذہنی کی کیفیت میں ان کے کندھے سے لگا کھڑا تھا۔ اس کی آنکھیں بالکل خشک تھیں۔ ہوش سنبھالنے سے لے کر آج تک کا پورا سفر ایک چھوٹے سے پل میں اس کے دل پر سے ہو کر گزرا۔
جلتے انگاروں پر ننگے پیر کیے جانے والا سفر!
جس میں صرف اس کا وجود ہی نہیں، دل اور جاں بھی خاکستر ہوئی تھی۔
"وہ انہیں دھکا دے کر بھاگتا ہوا اس گھر سے نکل جائے اور پھر کبھی مڑ کر اس طرف نہ دیکھے!" اس کے دل نے شدت سے آرزو کی تھی.....
مگر تب ہی اس نے ان کی آنسوؤں سے بھیگی، گھٹی گھٹی سی آواز سنی۔
"مجھے معاف کر دو میرے بچے! جانتا ہوں کہ ناقابل معافی ہوں، مگر پھر بھی..... وہ بمشکل ہی بول پا رہے تھے۔
"تمہارے ہر دکھ، ہر تکلیف کا ذمہ دار یہ تمہارا بدنصیب باپ ہے بیٹا! جو تم سے آنکھ ملانے کے بھی قابل نہیں رہا..... کوئی حق نہیں تم پر میرا..... پھر بھی اگر معاف کر سکو..... میں ہاتھ جوڑتا ہوں۔"
ان کے کانپتے ہوئے ہاتھ اس کے سامنے جڑنے لگے تھے۔ تب ہی خیام نے بے ساختہ ان کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھا۔
اسے پتا بھی نہیں چلا تھا کہ کب اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہوا تھا۔
"نہیں بابا..... پلیز ایسے نہیں۔" اس بار وہ پورے دل سے ان کے گلے لگا تھا۔
ساری کڑواہٹ، سارا غصہ، سارا گلہ..... کہیں دور گم ہوا تھا۔
اپنی پہچان کا بھرپور احساس اور پاؤں تلے ٹھہرتی زمین۔
ایک ٹھنڈا، میٹھا، گھنا سایہ.....
ابا نے سکون بھرا گہرا سانس لیا اور پوری عاجزی کے ساتھ رب کا شکر ادا کیا۔
خود ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

☼ ☼ ☼

جویا کو آئی سی یو سے روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔ لیکن محض چند لوگوں کو مختصر ملاقات کی اجازت ملی تھی۔
یہ احتیاط، ڈاکٹرز کے ساتھ ساتھ معاذ کی بھی تجویز کردہ تھی۔ اپنی اور ابا کی جان پہچان اور تعلقات کو اس نے یہاں تھوڑا سا استعمال کر ہی لیا تھا۔
وہ نہیں چاہتا تھا کہ آپا گل اور فرید الدین کی جھلک بھی جویا کو دکھائی دے۔
لیکن بات صرف ان دو تک ہی محدود کب تھی۔
ابھی تھوڑی دیر پہلے شاکرہ امی اور اظہار صاحب اسے دیکھنے آئے تھے۔
زویا اسے ان کی آمد کے بارے میں بتا چکی تھی۔
اس سارے عرصے میں جب بھی وہ لوگ آئے، ایک آدھ بار کے علاوہ اس نے ہمیشہ پوری کوشش رکھی کہ اس سے ان کا سامنا نہ ہو۔ خاص طور پر اظہار صاحب سے۔
سو اس وقت بھی وہ ان سے خاصا دور ایک بینچ پر تنہا بیٹھا تھا۔
مشکل ترین گھڑیاں کٹ ہی گئی تھیں۔
"اب کم از کم وہ اس سب سے برے امکان کے خوف سے تو نکل ہی آیا ہے!"

معاذ نے بینچ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے خود کو باور کرایا لیکن آگے کا منظر نامہ ابھی تک دھندلایا ہوا تھا۔
یہاں سے نکلنے کے بعد جویا کو ان ہی سب میں واپس جانا تھا اور اسے اس بدترین حالت میں پہنچا دینے کے بعد بھی کیا تبدیلی آنے والی تھی بھلا!
اس طرف بھی اور اس طرف بھی۔
اس نے اضطراب سے پہلو بدلا۔
دور سامنے گیٹ سے گاڑیاں اور لوگ متواتر اندر آ رہے تھے۔ اتنے دنوں میں، کتنی ہی بار اس کی امید بھری نگاہ لوگوں کے ہجوم پر جمتی تھی۔
مگر ہر بار ایک سی مایوسی۔
امی نے ایک بار بھی جویا کو دیکھنے آنے کی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔ وہ اس سے اتنی متنفر تھیں کہ موت اور زندگی کی اس کشمکش کے بیچ بھی اسے معاف نہ کر سکیں۔
ابا، دادی، ربیعہ، خیام کوئی بھی تو انہیں یہاں آنے پر مجبور نہیں کر سکا۔
شاکرہ اور اظہار کی بیٹی کے لیے ان کے پاس نہ کوئی رعایت ہے اور نہ ہوگی، چاہے وہ زندہ سلامت رہے اور چاہے....." معاذ نے بے اختیار ہی سر جھٹک کر کسی برے خیال کو ٹالا۔
نفرت، انا، خود غرضی، بے حسی۔
دونوں اطراف یہ سب ہی کچھ، آج بھی پہلے سے کہیں زیادہ کہیں طاقت ور!
"کاش! وہ جویا کو لے کر چپکے سے کہیں دور نکل جائے..... جہاں کوئی بھی اس تک نہ پہنچ سکے۔"
اپنی فطرت کے بالکل برخلاف، ان دنوں کتنی ہی بار اسے یہ خیال آیا تھا۔
"ہا آ!" ایک تھکی تھکی سی سانس لیتے ہوئے اس نے مڑ کر ہاسپٹل کے اس بلاک کی طرف دیکھا، جہاں جویا تھی۔ اتنی دور سے بھی اس نے اظہار چچا کو اندر سے واپس آتے دیکھا۔
شاید انہیں اندر نہیں جانے دیا گیا یا گیا.....؟
معاذ کو الجھن سی محسوس ہوئی تھی۔
آپا گل اور فرید الدین کی بات قطعی دوسری تھی۔ لیکن اظہار چچا کے سامنے وہ اس طرح نہیں کھڑا ہو سکتا تھا۔
اس وقت بھی جب وہ پورے خاندان میں اس کی اور اس کے پورے گھر کی حقارت آمیز ہنسی اڑاتے تھے۔
او جب انہوں نے ربیعہ کو رد کر کے زوبیہ کا انتخاب کیا اور نہ جب ہی جب اس کی اور جویا کی زندگیوں میں دم گھونٹتے اندھیرے کے علاوہ کچھ بھی باقی نہ رہا۔
اور آج، آج بھی نہیں۔
"اب پتا نہیں کیا ہوا تھا؟"
اس نے مضطرب نگاہوں سے ایک بار پھر اس طرف دیکھا۔ جہاں زویا اور اظہار چچا اب بھی کھڑے تھے۔
"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا ابو!" زویا نے ان کے پسینے میں بھیگے ہوئے چہرے کو فکر مندی سے دیکھا تھا۔
"ہاں..... ٹھیک ہوں۔ شاید گرمی زیادہ ہے۔"
پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے انہوں نے خود کنٹرول کرنا چاہا مگر ان کے چہرے کا پھیکا پڑتا رنگ بہت نمایاں ہو رہا تھا۔
زویا کو ان کی بات پر تھوڑی سی حیرت ہوئی تھی۔ اس سینٹرلی ایئر کنڈیشنڈ ہاسپٹل میں انہیں گرمی کی شکایت کیوں ہوئی تھی..... اور جب کہ باہر بھی موسم ٹھیک ہی تھا۔

"بس کچھ دیر کھلی ہوا میں بیٹھوں گا۔ تم اندر چلی جاؤ اپنی ماں کے پاس!" سیڑھیوں سے اتر کر وہ ایک قریبی بینچ پر آکر بیٹھے' جہاں بڑا ٹھنڈا سا سایہ تھا۔

"جاؤ!" انہوں نے پھر زویا سے کہا۔

اس بار وہ خاموشی سے واپس مڑ گئی۔

انہیں اب بھی خود کو سنبھالنے میں وقت کا سامنا تھا۔ بڑی مشکل سے جو آنسو زویا کی وجہ سے ضبط کیے تھے۔ بہہ نکلنے کو بے تاب تھے۔

آج آپا گل کے بے حد اصرار پر وہ جویا کو دیکھنے آئے تھے' ورنہ در حقیقت وہ اس سے سامنا کرنے کی ہمت خود میں نہیں پا رہے تھے۔

مگر آپا گل کے بقول ان کی اور فرید الدین کی معاذ کے ہاتھوں بے عزتی کا ازالہ اسی صورت ہو سکتا تھا جب جویا کے پاس "گھر کے افراد" کے علاوہ کسی کو بھی پھٹکنے نہ دیا جائے۔

"دو چار دن میں ٹھیک ہو کر گھر آجائے گی جویا۔ رہی کمزوری تو وہ جانے میں ظاہر ہے۔ کچھ وقت لگتا ہے۔ لوگ بیمار پڑ ہی جاتے ہیں مگر یہاں تو ایک ڈراما بن کر رہ گئی ہے جویا کی بیماری۔۔۔ اور یہ سب ہماری کمزوری ہے جو وہ معاذ وہاں ٹھیکیدار بنا بیٹھا ہے جویا کا۔۔۔ اور کسی کی نہ سہی' فرید الدین کی ہی شرم کریں آپ لوگ۔"

ان کا سب سے بڑا ٹارگٹ۔ اب شاکرہ امی اور اظہار صاحب تھے۔ ایک وہ جو معاذ اور اسلام صاحب کو ہاسپٹل کا راستہ دکھانے کی ذمہ دار اور دوسرے۔۔۔

وہ ان ہی ان گنت طعنوں سے بچنے کے لیے آج یہاں آئے تھے اور جویا سے سامنا کرنے کے مشکل ترین مرحلے سے بھی گزر ہی جاتے اگر' وہ انہیں دیکھتے ہی اتنی زیادہ خوف زدہ نہ ہو جاتی۔

محض چند منٹ پہلے وہ اپنی زندگی کے ایک اور بدترین تجربہ سے گزرے۔

جویا کی ویران آنکھوں میں ابھرتا ہوا سہم' اور وہ کھنچاؤ۔ اس کی دونوں مٹھیاں سختی سے بند ہوئی تھیں۔

حالانکہ وہ تو اسے دیکھ کر مسکرائے بھی تھے۔

لیکن ان ویران خوف زدہ نگاہوں کے سامنے بس چند سیکنڈ ہی ٹک پائے۔

اپنے بھیگے ہوئے دامن کے ساتھ وہ کتنی ہی دیر وہاں بیٹھے رہے نفرتوں کے اس کھیل میں وہ اپنی بیٹی کو کھو چکے تھے۔

جویا کو کھو چکے تھے۔

وہ سر جھکائے اسی ایک نشست میں بیٹھے تھے۔ پتا نہیں کب شاکرہ امی ان کے قریب آئی تھیں۔

"چلیں!"

"ہوں!" انہوں نے چونک کر سر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔

شاکرہ امی کے چہرے پر سکوت کا سا تاثر تھا اور آنکھیں خشک۔

شاید وہ حالات پر صبر کرتی جا رہی تھیں۔ یا پھر عادی ہوتی جا رہی تھیں۔

"کیسی ہے اب وہ؟" ان کے ساتھ چلتے ہوئے انہوں نے ایک بار پھر اپنا سوال دہرایا۔

"ٹھیک ہے!"

"تمہیں وہ ٹھیک لگتی ہے شاکرہ!" ان کے لہجے میں گلہ سا تھا۔

"اب تک زندہ ہے تو ٹھیک ہی ہوئی نا!" وہ سامنے دیکھتے ہوئے چل رہی تھیں اور لہجے میں بڑی عجیب سی بے نیازی تھی۔

اظہار صاحب کو ان پر غصہ آنے لگا۔

"یہ کس طرح کی بات کر رہی ہو تم۔ ان شاء اللہ وہ بہت جلد ٹھیک ہو کر گھر آجائے گی۔ تم ہاں ہو' دعا کرو' نہ کہ ایسی مایوسی کی باتیں۔"

وہ چلتے چلتے رکی تھیں۔

"کیا دعا کروں اظہار صاحب! میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا' وہ ٹھیک ہو کر گھر آ بھی گئی' تب بھی کون سا زندگی کی طرف پلٹ جائے گی' اس کی بدنصیبی اس کا ساتھ چھوڑنے کے لیے تیار ہی نہیں ہے۔"

ان کی نگاہوں میں حد سے زیادہ چبھن تھی۔

اظہار صاحب نے بے اختیار نگاہ چرائی۔

"اگر آپ کو اس پر رحم آ ہی گیا ہے' تو ابھی اسی وقت معاذ کو آواز دے لیں۔ وہ یہیں کہیں ہو گا۔" انہوں نے شاکرہ امی کی سرگوشی سی سنی۔

وہ ایسی ہی ایک کوشش کر رہی تھیں جیسے انہوں نے شائستہ بیگم کے آگے کی تھی۔

اظہار صاحب نے حلق میں اٹکتے آنسوؤں کو بمشکل اندر اتارا۔

"چلو دیر ہو رہی ہے۔" وہ بغیر ان کی طرف دیکھے آگے بڑھتے چلے گئے۔

دور بیٹھے معاذ نے اس وقت تک انہیں جاتا دیکھا' جب تک وہ اسے نظر آتے رہے۔

موبائل پر بہت سی مس کال تھیں۔

یہ امی اور ربیعہ تھیں۔

فون سائیلنٹ پر تھا' سو ان کی بے چینی بھی سمجھ میں آتی تھی۔ معاذ نے ایک مختصر سا میسج ربیعہ کے نام کیا اور پھر تیز قدم اٹھاتا ہوا جویا کی طرف چلا آیا۔

زویا باہر نکل کر آرہی تھی۔

"وہ کل اسے روم میں شفٹ کر دیں گے اور پھر شاید دو تین دن بعد گھر لے جانے کی اجازت بھی دے دیں۔"

زویا خوش تھی۔ "یہ سب آپ کی وجہ سے ممکن ہوا ہے معاذ بھائی! آپ تھے جو اسے۔۔۔"

"سب اللہ کی مہربانی ہے زویا! دعا کرو کہ آگے بھی اس کی مہربانی شامل حال رہے۔"

وہ محض اس کا دل رکھنے کے لیے مسکرا دیا تھا' زویا نے اپنی خوشی میں ایسا کچھ نہیں نوٹ کیا۔

جویا آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ اس کی آہٹ پر وہ متوجہ ہوئی۔

"تم پھر آگئے معاذ؟ دن میں کتنی بار آتے ہو آخر!"

معاذ نے اس کے چہرے پر پھیلتی روشنی کو محبت سے دیکھا۔

"جب تک تم یہاں ہو' میں اسی طرح ہر وقت آسکتا ہوں۔"

"اور جب میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔۔۔"

"تب بھی تم نے کیا سمجھا ہے مجھے۔" اس کے قریب جھک کر معاذ بہت دھیمی آواز میں بات کر رہا تھا۔

وہ افسردگی سے مسکرائی۔

"سچ بتاؤ۔ کیا واقعی وہ لوگ تمہیں یہاں آنے سے نہیں روکتے۔۔۔ مجھے یقین نہیں آتا معاذ۔۔۔ ابھی میں نے ابو کو دیکھا تھا۔ وہ یہاں آئے تھے۔"

ان کا ذکر اس وقت بھی دکھ اور خوف سے عبارت تھا۔

معاذ نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔

"تم مت آؤ یہاں۔ میں نہیں چاہتی کہ وہ لوگ تمہاری بے عزتی کریں۔ کوئی بھی تمہیں کچھ کہے...... مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوگا پلیز! یہاں تمہارا کوئی بھی نہیں ہے...... نفرت کرتے ہیں وہ تم سے۔" وہ بہت عاجزی سے درخواست کر رہی تھی۔ اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرتی جا رہی تھیں۔

جیسے جیسے اس کی طبیعت سنبھل رہی تھی۔ وہ بہتر طور پر سوچنے سمجھنے کے قابل ہوتی جا رہی تھی۔

حقیقت آج بھی اتنی ہی زہر بھری تھی۔ یا شاید اور بھی زیادہ اور اسے بدلنا کسی کے بھی بس میں نہیں تھا۔

معاذ نے ان چند لمحات میں خود کو بے بس محسوس کیا۔

"مجھے پتا ہے کہ تم میرے لیے سب کچھ کر جاؤ گے...... لیکن آج بھی میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گی۔" وہ بولتے بولتے تھکنے لگی۔

"خاموش رہو بس۔ پھر سے طبیعت خراب کرنی ہے کیا!" معاذ نے بہت بے چین ہو کر اس کا ہاتھ تھاما۔ "جب میں کہہ رہا ہوں تم سے کہ سب ٹھیک ہو جائے گا تو پلیز اپنے ذہن پر مت زور ڈالو۔ کسی کے بارے میں مت سوچو۔ یا پھر صرف میرے بارے میں سوچو کیونکہ اچھے خیالات رکھنا بھی نیکی ہے۔"

اپنی جذباتیت پر قابو پاتے ہوئے وہ ایک بار پھر ہلکے پھلکے موڈ میں آنے لگا۔ لیکن وہ مسکرائی تک نہیں۔

"ہم کیسے اپنے بڑوں کے خلاف جا سکتے ہیں معاذ ہماری بدنصیبی کہ وہ ہم سے خوش نہیں ہیں۔ لیکن......"

خود پر جمی معاذ کی والہانہ نگاہ نے اسے بات پوری کرنے نہیں دی۔

"ایسے مت دیکھو!"

وہ ایک بار پھر مسکرا رہا تھا۔

"چلو اچھا ہوا، مجھے کم از کم یہ تو پتا چل گیا کہ تمہیں کس طرح خاموش کرایا جا سکتا ہے...... مستقبل میں کام آئے گی یہ بات!"

جویا نے بہت حسرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"یا اللہ!" "اس شخص کی خوش گمانی کی کوئی حد بھی ہے بھلا۔"

ایک تھکی تھکی سانس جویا کے لبوں سے آزاد ہوئی۔

"تم جاؤ معاذ...... مجھے نیند آ رہی ہے۔"

"ٹھیک ہے! میں جا رہا ہوں، لیکن یہیں آس پاس ہوں، خواب میں دکھائی دوں تو غصے میں مت آ جانا۔" وہ مسکرا کر کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"اللہ حافظ!"

باہر نکلنے سے پہلے ایک بار پھر معاذ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

معاذ نے مسکرا کر اللہ حافظ کا اشارہ کیا اور باہر نکل آیا۔

ایسی ہر ملاقات کے اختتام پر خود کو سنبھالے رکھنا بہت دقت طلب ثابت ہوتا تھا۔

چند منٹ وہ بالکل خاموش سر جھکائے ریکوری روم کی دیوار کے ساتھ لگا کھڑا رہا۔

"معاذ بھائی......!"

اس نے آواز پر آنکھ کے کونے پر ٹکے آنسو کو انگلی کی پور سے گراتے ہوئے سر اٹھایا۔

سامنے خیام کھڑا تھا۔

✡ ✡ ✡

خیام کا گھر سے جانا بیک وقت خوشی اور دکھ کا سبب بنا ہوا تھا۔ پچھلے دو دن سے گھر میں یہ ہی ایک موضوع دہرایا جا رہا تھا۔

"مجھے تو خیر پہلے ہی یقین تھا کہ ہو نہ ہو یہ بچہ ضرور کسی بہت اچھے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کی صورت، رکھ رکھاؤ، لحاظ شرم سب ہی کچھ تو گواہی دیتے تھے۔"

دادی کو اپنے اندازے کی درستگی کی بے حد خوشی تھی تو شائستہ کچھ اور ہی سوچ کر شرمندہ تھیں۔

"کتنے بڑے باپ کا بیٹا تھا اور ہمارے ہاں کس سادگی سے رہ رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے کاموں کے لیے بھی ہر وقت دوڑا پھرتا تھا۔ اب سوچ رہی ہوں تو بڑی شرم آ رہی ہے۔"

ربیعہ چائے لے کر دادی کے کمرے میں آ رہی تھی، جب اس نے امی کو کہتے ہوئے سنا۔

ابا ان کی بات پر پتا نہیں کیوں بڑے طنزیہ انداز میں مسکرائے تھے۔

ربیعہ خاموشی سے چائے پیش کرنے لگی۔ اس نے اب تک اس سارے قصے پر کوئی رائے نہیں دی تھی۔

دل ایک عجیب ناقابل بیان سی کیفیت میں گھرا تھا۔

خیام کی آنکھوں میں جمی اداسی اور رہ رہ کر اپنی طرف اٹھتی نگاہ کا ادراک ہوا بھی تو کب......

وہ اس کے بارے میں بالکل بھی نہیں سوچنا چاہتی تھی۔

دادی کے کمرے کے کونے میں بچھے ہوئے تخت پر اس کی شادی کے سلسلے میں ہونے والی شاپنگ کا ڈھیر روز بروز اونچا ہوتا جا رہا تھا۔

وہ جتنی بار بھی کمرے میں داخل ہوتی۔ کمرے کا یہ کونہ ایک خاموش یاددہانی ثابت ہوتا تھا۔

"تم جویا کو پھر دیکھنے نہیں گئیں بیٹا!"

ابا کی آواز پر وہ چونک کر اپنے خیالوں سے باہر آئی۔

امی کی موجودگی کی ذرا بھی پرواہ کیے بغیر وہ ربیعہ سے پوچھ رہے تھے۔

"آپ جاتے ہیں۔ اماں اور ربیعہ بھی جا کر پوچھ آئی ہیں اور وہ جو ساری دنیا سے تعلق توڑ کر وہیں بیٹھا ہوا ہے کافی نہیں ہے کیا؟" اپنے کپ میں زور زور سے چمچہ چلاتی ہوئی شائستہ بیگم کے لہجے میں بڑی ہی کاٹ دار کیفیت تھی۔

"میں تم سے نہیں، ربیعہ سے بات کر رہا ہوں۔" ابا پرسکون تھے اور ان کی جواب طلب نگاہ ربیعہ پر جمی تھی۔

ان کے اور شائستہ بیگم کے دوران چھائی سرد مہری اب دادی اور ربیعہ دونوں پر عیاں تھی۔

دادی نے ایک گہری سانس لی۔

"کوئی لے جانے والا نہیں تھا ابا...... جاتی کس کے ساتھ۔ پہلے تو وہ لے جاتے تھے۔" کچھ پزل سا ہو کر اس نے بات ادھوری چھوڑی۔

"یہ تو ہے۔ گھر میں خیام کے جانے سے بڑی کمی ہو گئی ہے۔ صبح سے کتنے ہی کام یاد آئے۔ وہ ہوتا تو جھٹ پٹ کر دیتا۔" دادی پوری طرح متفق ہوئی تھیں۔

"خیام ملازم نہیں تھا اماں! مہمان تھا۔ مہربانی تھی اس کی، جو وہ ہمیں اپنا سمجھتا ہے۔ ہمارے کام اس کی ذمہ داری نہیں تھے۔ جس کی ذمہ داری ہیں، وہ تو ہمیں اہمیت دینے کو بھی تیار نہیں ہے۔ کتنا بڑا کام سر پر کھڑا ہے ربیعہ کی شادی کا۔ مگر وہ تو اس اکلوتی بہن تک کا نہیں ہے، جو اس کی محبت میں مری جاتی ہے۔" شائستہ آج کل اسی طرح کسی بات کو بھی لے کر پھٹ پڑتی تھیں اور سب ہی کان دبائے سن لیتے تھے۔ مگر ابا کا ضبط اس معاملے میں اب آخری حد پر تھا۔

"سب کچھ دیکھ رہی ہو۔ پھر بھی یہ ماننے کو تیار نہیں کہ جویا اس کی زندگی میں کیا معنی رکھتی ہے۔ تمہاری بے

حسی پر افسوس ہوتا ہے شائستہ! شرم آتی ہے مجھے۔" ان کی آواز اس وقت بھی دھیمی تھی۔ لیکن لہجے میں گہری سرد مہری تھی۔

دادی نے گھبرا کر ان کی طرف دیکھا تھا۔ خلاف عادت آج صبح ہی سے وہ کچھ اکھڑے اکھڑے تھے۔

اور آج بھی دادی سے زیادہ ان کے مزاج کے رنگ کو کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

"تمہیں جو پیار تو کیا اپنے بیٹے کی اذیت پر بھی رحم نہیں آتا۔"

شائستہ بیگم کے چہرے پر بڑی تلخ سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔

"ٹھیک کہا آپ نے۔ نہیں آتا کسی پر مجھے رحم۔ اب نفرت ہے مجھے اس خاندان سے۔ جنہوں نے ساری زندگی میرے گھر کی ہنسی اڑائی۔ ذلیل کیا۔ ہماری سفید پوشی کو تار تار کر کے رکھا' سارے خاندان کے سامنے۔"

ربیعہ نے رخ پھیرتے ہوئے اپنی گیلی ہوتی آنکھوں کو سختی سے رگڑا۔

"بے چاری امی۔۔۔"

ایک عمر تک کی جانے والی ان کی جان توڑ محنت۔

دن رات چلنے والی مشین کی مخصوص سی گھرر گھرر۔

ان کی بے غرضی' خلوص۔

آج سب جس مقام پر تھے۔ وہ سب سے زیادہ ان ہی کی قربانیوں کا صلہ تھا۔ مگر آج سب کو ان ہی سے شکایت تھی۔

ابا کو بھی۔۔۔

اور یقیناً" معاذ کو بھی۔

اس کا دل چاہا کہ وہ بھاگ کر ان سے لپٹ جائے اور بتائے کہ اسے ان سے کتنی زیادہ محبت ہے اور یہ کہ وہ ان کی کتنی زیادہ شکر گزار ہے۔

"تلخ باتوں کو دہرا دہرا کر تازہ کیے رکھنا' کون سی عقل مندی ہے بیٹا! معاف کر دو ان سب کو۔۔۔ در گزر کرو۔" دادی نرمی سے کہہ رہی تھیں۔

شائستہ امی کا سر ہلکے سے نفی میں ہلا۔

"میں نہیں کر سکتی اماں۔۔۔ اور سچ پوچھیں تو میری سمجھ میں آیا ہی اب ہے کہ معاف کرنے کا اجر اللہ نے اتنا زیادہ کیوں رکھا ہے۔ یہ بہت مشکل امر ہے اماں۔۔۔ بہت ہی مشکل۔۔۔ مجھ جیسے گناہ گاروں کے ظرف سے تو بہت ہی زیادہ۔۔۔" ان کی آواز دھیمی پڑ رہی تھی۔

دروازے پر ہوتی آہٹ پر ان سب نے ایک ساتھ ہی مڑ کر دیکھا تھا۔

دروازے پر معاذ کھڑا تھا اور اس سے ایک قدم پیچھے خیام۔

کسی کو بھی یہ سمجھنے میں وقت نہیں ہوئی تھی کہ اسے وہ ہی لایا تھا۔

شائستہ امی کی نگاہ معاذ پر جمی تھی۔

اس کی خستہ حالی ان کی توقع سے بھی کہیں زیادہ تھی۔

"السلام علیکم امی!" وہ ان کے قریب آ کر رکا۔

"وعلیکم السلام!" ایک کمزور لمحے سے وہ بچ نکلی تھیں۔ "آ گئی یاد تمہیں گھر کی۔۔۔ یا پھر خیام کے زبردستی کرنے پر آئے ہو؟"

اس کے پاس اس طنز بھرے تجزیے کا کوئی جواب نہیں تھا۔ سو بے چارگی سے انہیں دیکھے گیا۔

خیام ذرا فاصلے پر دادی کے پاس جا بیٹھا تھا۔ اور وہ اسے گلے سے لگائے' بے بہا دعائیں دینے میں مصروف تھیں۔

ربیعہ کی نگاہ بے ساختہ ہی اس کی طرف اٹھی تھی۔ دادی کے کندھے سے لگا' وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"دھت!"

ہر بار یہ شرمندگی اسی کے حصے میں آ رہی تھی۔

تیزی سے چائے کے کپ اٹھا کر ٹرے میں رکھتے ہوئے وہ کمرے سے باہر نکل آئی۔

اسلام صاحب اس کے ساتھ ہی باہر آئے تھے۔

"میں اپنے کمرے میں ہوں بیٹا! معاذ تمہاری اماں کی عدالت سے بری ہو جائے تو اسے اور خیام کو میرے پاس بھیج دینا۔" انہوں نے مڑ کر اس سے کہا اور تیز قدم اٹھاتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔

ربیعہ نے ان کے چہرے پر پھیلی مایوسی کو واضح طور پر محسوس کیا تھا۔ وہ الجھے ہوئے تھے۔ دکھی تھے۔

انہیں شائستہ بیگم کا رویہ مکمل مایوس کیے دے رہا تھا۔

ایک کمال درجے کی ذہنی ہم آہنگی اور محبت بھرا رشتہ' جو مشکل ترین معاشی حالات کو بخوبی جھیل چکا تھا۔ اس فراغت بھرے دور میں اپنی خوب صورتی تقریباً" کھو چکا تھا۔

ربیعہ بھاری دل کے ساتھ صحن میں چلی آئی۔ فی الوقت کچھ بھی کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا اور اندر جا کر خیام کی نگاہوں سے مقابلہ کرنے سے کہیں آسان تھا کہ یہیں کسی گوشہ عافیت میں بیٹھ جائے۔

سو وہ چمپا کے جھنڈ کے قریب ہی منڈیر پر بیٹھی رہی۔ یہاں بڑا ٹھنڈا سا سایہ رہتا تھا اور ہوا کے جھونکے ہمہ وقت دل فریب سی خوشبو سے بوجھل رہتے تھے۔

ربیعہ نے ایک گہری سانس لی۔

کیسا کنفیوژن تھا' جو زندگیوں سے ہٹنے کا نام نہیں لیتا تھا۔ وہ سب جو ٹھیک کیا جا سکتا تھا' اتنا ہی ناممکن ناقابل رسائی تھا۔

اپنی اپنی جگہ سب درست' لیکن مجموعی طور پر۔۔۔

"امی ٹھیک ہی کہتی ہیں۔ انسان کے لیے خود اپنے ظرف سے مقابلہ کرنا سب سے زیادہ مشکل ہے۔ سارا کھیل اپنے آپ سے جنگ کا ہی ہے۔ غصہ' حسد' نفرت' خوف' کینہ سارے منفی رویوں میں کس بلا کی طاقت ہے۔ شاید جب ہی تو نہ ہم معاف کرنا سیکھ پاتے ہیں اور نہ پیار کرنا۔" وہ سر جھکائے خاموشی سے سوچے گئی۔

اندر پتا نہیں امی اور معاذ کا معرکہ کس موڑ پر تھا۔ یا تھا بھی یا نہیں۔۔۔

اندر خیام نہ ہوتا تو وہ ضرور چلی جاتی۔

چند لمحے خاموشی سے آگے بڑھے۔

چڑیوں کا ایک چھوٹا سا غول شور مچاتا ہوا درخت پر اترا تو وہ چونک سی گئی۔

اسے احساس ہوا تھا کہ وہ صرف خیام کے بارے میں ہی سوچ رہی ہے اور کتنی عجیب سی بات تھی کہ ایک بار بھی اس شخص کا خیال تک نہیں آیا تھا' جس کی تصویر اس کے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل میں شائستہ امی نے رکھی تھی اور جس کے ساتھ آگے کی ساری زندگی ایک پرائے دیس میں کٹنی تھی۔

وہ خود سے نگاہ بچا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

خود سے چھڑی ایک اور جنگ۔۔۔

ابا کے کمرے کی کھڑکی کے نیچے سے گزرتی ہوئی وہ اگلے احاطے کی طرف آئی تو ایک لمحے کے لیے رک سی گئی۔

نئے ماڈل کی چمکتی ہوئی گاڑی بڑی خوش گوار سی حیرت میں مبتلا کر رہی تھی۔
ایک فطری سی بے ساختگی کے ساتھ وہ چند لمحوں کے لیے سب کچھ بھول کر اسے دیکھنے میں مصروف ہوئی۔
دادی کے کمرے سے باہر آتے ہوئے خیام نے ربیعہ کے چہرے پر چھایا ہوا بچوں کا سا اشتیاق دیکھا اور پھر وہ ہلکے سے مسکرایا تھا۔
"کیسی لگی؟"
"ہوں!" وہ چونک کر پلٹی۔
خیام قریب ہی کھڑا تھا۔
"میں گاڑی کی بات کر رہا ہوں۔"
"بہت اچھی ہے۔۔ لگتا ہے' اب آپ واقعی بہت بڑے آدمی بن گئے ہیں۔ کیا واقعی بہت امیر ہیں آپ کے ابا۔۔" ذرا رکتے رکتے ربیعہ نے بات پوری کی۔
خیام کے چہرے پر آئی مسکراہٹ مدھم پڑی۔
"صرف بہت سارے پیسے ہونے سے کوئی امیر نہیں ہو جاتا ربیعہ۔۔ اور وہ بھی صرف پیسے والے ہی ہیں۔"
وہ کچھ سمجھی اور کچھ نہیں بھی۔
"پیسہ امارت کی دلیل نہیں ہے۔ تو پھر۔۔"
"اور بہت کچھ۔۔ جو پیسہ نہ ہوتے ہوئے بھی بہت قیمتی' بہت خالص ہوتا ہے۔" کوشش کے باوجود بھی وہ ربیعہ پر سے نگاہ نہیں ہٹا پا رہا تھا۔
"جیسے؟" اس نے کترا کر رخ بدلا۔
"جیسے یہ گھر' جہاں ابا اور معاذ بھائی رہتے ہیں اور جیسے وہ شخص جو آپ کی زندگی میں آ رہا ہے۔ بہت امیر ہوگا۔" اس کی آواز دھیمی تھی۔ لیکن ایک ایک لفظ بالکل صاف تھا۔
ربیعہ کی ہمت نے یکسر جواب دیا۔ وہ یوں ہی رخ موڑے کیاری میں لگے پھولوں کو تکنے گئی۔ جہاں نیلے پروں والی ایک تتلی مستقل اڑ رہی تھی۔
چند لمحوں بعد اس نے خیام کے واپس مڑتے قدموں کی چاپ سنی اور پھر مکمل خاموشی۔
ربیعہ کا چہرہ آہستہ آہستہ آنسوؤں سے بھیگتا جا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

گرمی غضب کی تھی۔
آپا گل نے دوپٹے کے پلو سے اپنا چہرہ خشک کیا اور اکتائی ہوئی نگاہ سڑک پر چلتے ٹریفک پر ڈالی۔
فریدالدین کی گاڑی میں اے سی چلنے کا سوال ہی نہیں تھا۔
"ہاں! تو میں کہہ رہا تھا۔۔"
برابر میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے فریدالدین کی ہر بات انہیں ازبر ہو چکی تھی' مگر وہ پھر بھی سننے پر مجبور تھیں۔
"اب میں ایک دن بھی دیر نہیں کروں گا۔ نکاح ہو جائے گا تو مجھے بھی اطمینان ہو جائے گا۔ آپ لوگوں کو میرا خیال کرنا چاہیے۔ اتنا پیسہ خرچ کر چکا ہوں اب تک۔ گھر کے کرائے کا نقصان الگ۔"
"غیروں جیسی باتیں نہ کریں بھائی فرید!" اپنوں سے بھی کوئی حساب کرتا ہے کیا۔ یہ تو جویا کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ ورنہ شادی تو کب کی ہو گئی ہوتی۔ ہمارے ہاں تو خود سب کو بے حد افسوس ہے۔ کیسی خوشی خوشی سب کام ہو رہا تھا۔ نظر لگ گئی کسی کی۔ میں تو روزانہ صدقہ دے رہی ہوں آپ کا بھی اور جویا کا بھی۔"
ان کا شہد سے لت پت لہجہ بھی فریدالدین کے ماتھے کے بل کم نہیں کر رہا تھا۔
"گرمی کیسی پڑ رہی ہے' دل گھبرایا جا رہا ہے۔" انہوں نے دانستہ بات بدلنا چاہی۔
فریدالدین نے کوئی تبصرہ کیے بغیر گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔
اب پہلے سے دن نہیں تھے' جب وہ اشارتاً کی جانے والی اس بات کے جواب میں کسی آئس کریم پارلر پر گاڑی روک دیتا۔
آپا گل کے چہرے پر کھسیاہٹ بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔
"بھائی فرید! میں نے کہا نا' فکر نہ کریں۔"
"فکر تو آپ کریں آپا گل! اگر یہ کام نہ ہوا تو سارا خرچا بھرنا ہوگا اور گھر بھی خالی۔۔ میری بہنیں تو ویسے ہی اس رشتے کے خلاف ہیں۔ وہ تو مجھے ہی شوق ہے کہ بیوی اور سسرال پڑھا لکھا ہو۔۔ سو لڑکیاں بہت۔"
ایک جھٹکے کے ساتھ گاڑی کو روکتے ہوئے اس نے انہیں اترنے کا اشارہ کیا۔
آپا گل نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔
آج وہ بدلا بدلا سا تھا۔
"پتا نہیں اس کی کمینی بہنوں نے کس طرح کان بھرے ہیں۔" انہیں سوچ کر ہی کوفت ہوئی تھی۔ "اس شخص کا کچھ بھروسا نہیں۔ گھڑی میں تولہ۔ گھڑی میں ماشہ۔"
"اور وہ سونے کے کڑے۔ جو آپ نے میرے ساتھ چل کر۔۔" آپا گل نے تیزی سے بات کاٹی۔
"جویا آ رہی ہے دو ایک دن میں گھر۔۔ نکاح اسی دن کر لیتے ہیں سادگی سے۔۔ اس میں مسئلہ کیا ہے۔"
فریدالدین نے بے یقینی سے ان کی طرف دیکھا۔
"ٹھیک کہہ رہی ہوں نا' اسی دن نکاح اور دو چار دن میں رخصتی۔۔ کون سی دیر لگتی ہے۔"
وہ خود کو سنبھال چکی تھیں۔
فریدالدین نے ہلکے سے سر ہلایا۔
"اپنی بات پر قائم رہنا آپا!" گاڑی آگے بڑھانے سے پہلے اس نے محض اتنا ہی کہا تھا۔
آپا گل سن ہوتے دل و دماغ کے ساتھ اوپر آئی تھیں۔
گھر پر وہی دم گھوٹتی سی کیفیت۔
سلمان اپنے کمرے میں بے فکری سے ہاتھ پاؤں پھیلائے سو رہا تھا اور شاکرہ امی اور اظہار صاحب چپ چاپ لاؤنج میں بیٹھے تھے۔
آپا گل کو دیکھ کر دونوں ہی کے چہروں پر بے حد سہم طاری ہوا تھا۔
وہ چلتے ہوئے ان کے قریب آ کر رکیں۔
"جمعہ کو فریدالدین اور جویا کا نکاح ہوگا۔ بس گھر گھر کے لوگ ہوں گے۔ رخصتی چند دن بعد ہوگی۔"
اظہار صاحب اور شاکرہ امی دونوں ہی نے چونک کر کچھ کہنا چاہا تھا۔ لیکن آپا گل کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔
"اگر ہم نے اب بھی نہیں کی تو آپ لوگ سوچ لیں کہ کہاں رہنا ہے۔ ان دو لڑکیوں اور اس نکھٹو نکمے کے ساتھ۔ اپنا پیسہ وصول کرنے کے لیے فریدالدین کہیں تک بھی جا سکتا ہے۔ پولیس تک لا سکتا ہے۔"
"پولیس۔۔ قانون۔۔"

یہ سب بڑی ڈراؤنی باتیں تھیں۔

"ہمیں منظور ہے۔" انہوں نے اتنی تیزی سے کہا۔ جیسے پولیس واقعی گھر کے نیچے کھڑی ہے۔

آپا گل کے چہرے پر اطمینان بھری مسکراہٹ پھیلی۔

"میں نے بھی اس سے یہ ہی کہا ہے۔"

شاکرہ امی نے زرد پڑتے چہرے کے ساتھ ان دونوں کی طرف باری باری دیکھا۔

اظہار صاحب رخ موڑ کر دوسری طرف دیکھنے لگے تھے۔

"شریف لوگوں میں بار بار رشتے نہیں ٹوٹتے امی! اور یہ جویا۔۔۔ اس نے تو ویسے بھی ہمیں رسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رکھی۔ سارا ڈراما ہے بیماری کا۔ وہاں وہ عاشق جو بٹھا رکھا ہے۔۔۔ حد ہے آپ لوگ۔۔۔"

لرزتی کانپتی شاکرہ امی نے پوری قوت سے ان کے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔

آپا گل بالکل ساکت کھڑی تھیں۔

چند لمحے بڑی گمبھیر سی خاموشی ماحول پر طاری ہوئی تھی۔

شاید ایک اور بڑا ہنگامہ۔

اظہار صاحب نے بے بسی سے ان دونوں کو دیکھا اور اٹھنے لگے۔

آپا گل خلاف توقع پرسکون تھیں۔

"آپ جتنا چاہیں غصہ کرلیں۔ لیکن جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ ورنہ اس گھر کی بربادی میں جو تھوڑی بہت کسر رہ گئی ہے وہ بھی بس ختم ہی سمجھیے پتا نہیں کیوں مجھے بار بار یہ بات یاد دلانی پڑتی ہے۔"

"تم۔۔۔ تم فکر مت کرو گل۔۔۔ جو تم چاہ رہی ہو۔۔۔ ویسا ہی ہوگا۔ میں نے کہا ہے نا۔"

اظہار صاحب کی آواز لڑکھڑا رہی تھی اور خود کو سہارا دینے کے لیے انہوں نے کرسی کی پشت کو پکڑا ہوا تھا۔ وہ فطرتاً" ایک کمزور انسان تھے اور جیل میں گزرے ڈھائی تین سال انہیں جسمانی اور اعصابی دونوں طرح سے مکمل طور پر توڑ پھوڑ چکے تھے۔

"میں باپ ہوں جویا کا۔۔۔ میرا فیصلہ آخری ہے۔"

آپا گل کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ آکر جمی تھی۔ ہاتھوں سے پھسلتا ہوا منافع پھر سے مٹھی میں کس کر بند ہوا تھا۔

"خوش فہمی ہے آپ لوگوں کی اظہار صاحب! ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ جویا کی شادی اب صرف معاذ سے ہوگی اور یہ اب طے ہے۔" شاکرہ امی کی آواز میں عجیب سی دھمک تھی اور وہ اس طرح سر اٹھائے کھڑی تھیں جیسے گھر میں ان ہی کے نام کا حکم سکہ چل رہا ہو۔

ایک لمحے کے لیے آپا گل کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔

"ہوش میں تو ہیں آپ۔۔۔ کہیں اس کمینے معاذ کے ساتھ مل ملا کر کچھ کر تو نہیں دیا آپ نے۔۔۔ ہاں۔۔۔"

فوری طور پر انہیں بدترین خیال جویا اور معاذ کے نکاح کا ہی آیا تھا۔

"چپ کیوں ہیں۔ ضرور اس معاذ کے بچے نے کوئی ٹکا کام کرلیا ہے۔۔۔ دیکھا۔۔۔ دیکھا ابو!" وہ بدحواس ہونے لگیں۔ "اس جیسے آوارہ شخص سے اور کیا توقع کی جاسکتی تھی۔ اسی کا ڈر تھا مجھے۔۔۔ برباد کردیا نا آخر اس نے۔۔۔"

اظہار صاحب پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھے جارہے تھے۔

شاکرہ امی نے ایک گہری سانس لی۔

"منہ سنبھال کر بات کرو گل! معاذ تم لوگوں جیسا سازشی، مکار، بے شرم نہیں ہے۔ اسے چھپ کر کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو ہوگا سب کے سامنے ہوگا۔"

آپا گل کی جان میں جان آئی۔

"کمال ہے۔ یوں ہی سارا دن بیٹھ کر ہوائی قصے بناتی رہی ہیں۔۔۔ لے کر جان نکال کر رکھ دی۔ ان کا بھی اب کچھ کرنا ہوگا۔۔۔ ورنہ مکمل پاگل پن دور نہیں ہے اب۔"

حقارت آمیز انداز میں بڑبڑاتے ہوئے وہ گرنے کے انداز پر صوفے پر بیٹھی تھیں۔

شاکرہ امی کی نگاہ آپا گل پر جمی تھی اور ان نظروں میں ناقابل برداشت کاٹ تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟ نہیں ہے جویا کی قسمت میں معاذ۔۔۔ اگر ہوتا تو کب کا مل گیا ہوتا۔۔۔ آپ خود کو ہلکان مت کریں۔ فریدالدین نے آپ کی کوئی الٹی سیدھی بات سن لی تو یہ آخری آسرا بھی ہاتھ سے نکل جائے گا۔ سمجھیں!"

ذرا اونچی آواز میں ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے انہوں نے شاکرہ امی کو اس طرح سمجھانا چاہا جیسے کسی فاتر العقل شخص کو کچھ بتانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

"بھئی ابو۔۔۔ میری مانیں تو انہیں ذرا دور ہی رکھیں۔ جویا کی شادی بڑا سنجیدہ معاملہ ہے اور یہ ضرور کوئی بے وقوفی کریں گی اس دن۔"

اکتائے ہوئے انداز میں وہ اظہار صاحب کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔ شاکرہ امی عجیب سے انداز میں مسکرائیں۔

"مجھ سے مت ڈرو گل۔۔۔ اب تو وہ کرے گا، جس کے پاس میں نے جویا کی درخواست جمع کرائی ہے اور جس کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے۔ ڈرو اس سے اگر تمہیں توفیق ہو۔" ان کی آواز میں سرسراہٹ سی تھی۔ وہ کچھ بڑبڑاتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

"دیکھا! گویا اب اللہ تعالیٰ سے بھی براہ راست گفتگو ہونے لگی ہے ان کی۔ اس طرح ڈرا رہی تھیں جیسے اللہ نہ کرے کوئی ناجائز کام ہونے جارہا ہے۔ ارے گھر بسانا تو نیکی ہے بہت بڑی۔۔۔ جویا ایک شریف خوش حال آدمی کی بیوی بننے جارہی ہے اور اس بے چارے فریدالدین کا بھی۔۔۔"

ماحول پر چھایا پر ہول سناٹا آپا گل کے پڑھے گئے خوش آئند پیراگراف سے بھی کم نہیں ہو رہا تھا۔

اظہار صاحب چپ چاپ فرش کو تکے جارہے تھے۔

✡ ✡ ✡

صبح پرسکون اور خوش گوار تھی۔

یوسف کمال نے بڑی محبت سے اپنے خوبرو بیٹے کو ڈائننگ روم میں آتے دیکھا۔ بے حد قیمتی سامان سے سجے اس گھر میں جہاں جہاں بھی وہ قدم رکھتا تھا، روشنی بڑھتی چلی جاتی تھی۔

"السلام علیکم!" سب کے ساتھ بیٹھنے سے پہلے اس نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"وعلیکم السلام جیتے رہو بیٹا!"

وہ اس کے معاملے میں اتنے حساس ہو رہے تھے کہ بار بار گلے میں آنسو پھنسنے لگتے تھے۔

"بیٹھو خیام! ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے۔" زوبیہ کے انداز میں بڑی اپنائیت تھی۔ اپنے سے کہیں چھوٹے اس بھائی کی محرومیوں بھری زندگی پر اسے دل سے دکھ تھا اور وہ آج بھی ماں اور باپ دونوں کو قصوروار سمجھتی تھی۔ خیام کے آگے پلیٹ رکھتے ہوئے وہ محبت سے مسکرائی۔

"سنا ہے لاہور جا رہے ہو ایک دو دن میں؟"

"جی! کل کا پروگرام ہے۔"

"زیادہ دن بالکل مت رکنا۔ میں بہت مس کروں گی تمہیں۔"

سامنے بیٹھیں مسز کمال نے اضطراب سے پہلو بدلا۔ انہیں زوبیہ کا اتنا لگاؤ بالکل بھی نہیں بھا رہا تھا۔ "سوکن کا بیٹا!"

جتنی بار اس پر نگاہ پڑتی ان کے دل کو زور کا دھچکا لگتا تھا۔

اس کی دمکتی ہوئی رنگت، سحر انگیز براؤن آنکھیں گواہی دیتی تھیں کہ وہ یوسف کمال اور فیروزہ کا بیٹا ہے۔ ان کی محبتوں کا امین، ان کی زندگی کا سب سے معتبر سچ۔

وہ فیروزہ، جس کا اپنے طور پر انہوں نے ہر حوالہ ختم کر دیا تھا۔ آج پورے حق کے ساتھ پھر سے یوسف کمال کی زندگی میں واپس آ گئی تھی۔

یا شاید وہ کہیں گئی ہی نہیں تھی۔ صرف وہ ہی بے خبر تھیں۔

"میں کوشش کروں گا ایک دو دن میں آ جاؤں۔ اصل میں مجھے اپنی نانی سے ملنا ہے۔ بہت عرصہ ہو گیا ہے ان کے پاس گئے ہوئے۔ مجھے انہوں نے ہی پالا ہے۔"

زوبیہ کے کسی سوال کے جواب میں وہ بہت پُرسکون انداز میں کہہ رہا تھا۔ آج اس کے لیے اپنا کوئی حوالہ باعث شرم نہیں رہا تھا۔

"شاید آپ نے بھی ان کا نام سنا ہو۔ اپنے وقت کی بہترین ستار نواز تھیں۔"

ابا نے اسے اس حقیقت سے بخوبی روشناس کروا دیا تھا کہ کتنے سارے کمپلیکسز، محض ہمارے اپنے دل و دماغ کا خلل ہوتے ہیں یا پھر معاشرے کی بیمار ذہنیت۔

"نانی ستارہ ہمارے کلاسیکل ورثے کا بہت بڑا نام ہیں۔ ان جیسے ماہر فن نایاب ہوتے جا رہے ہیں۔ خیام! تمہیں پتا ہے اس بار ان کو تمغۂ حسن کارکردگی دیا جا رہا ہے گورنمنٹ کی طرف سے...."

"بہت خوشی کی خبر ہے بابا! مجھے واقعی نہیں پتا تھا۔" اسے دلی خوشی ہوئی تھی اور فخر بھی۔

"بہت مبارک ہو خیام! جاؤ تو انہیں میری طرف سے بھی مبارک باد دینا۔" زوبیہ نے پورے خلوص سے کہا۔

سو اب یہ سب کچھ دیکھنا اور سننا ان کی مجبوری رہے گی۔ کوئی غصہ، کوئی جبر عمر کے اس حصے میں یوسف کمال پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔

مسز کمال نے بڑے اضطراب سے ان تینوں کی طرف دیکھا، جو بڑی تیزی سے ایک دوسرے کے قریب ترین محسوس ہونے لگے تھے۔

ہاتھ میں تھاما گلاس انہوں نے بے اختیار ہی ذرا زور سے میز پر رکھا تھا۔

"آپ کیسی ہیں آنٹی؟"

خیام نے شاید ان کا اپ سیٹ ہونا محسوس کیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں!" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرائیں۔ "جوس نکالوں تمہارے لیے۔"

کہنے کے ساتھ ہی انہوں نے اس کے لیے گلاس میں جوس نکالنا شروع کر دیا۔ اس عمر میں ایک بے نتیجہ محاذ آرائی اب ان کے بس کی بھی بات نہیں رہی تھی۔ ناشتے کے بعد وہ یوسف کمال کے ساتھ ہی چلتا ہوا پورچ میں آیا تھا۔

"کل میں بھی تمہارے ساتھ لاہور چل رہا ہوں۔"

"جی!" وہ کچھ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"بہت بوجھ ہے میرے دل پر تمہاری ماں کی طرف سے۔ اپنے آپ کو بہت بڑا مجرم سمجھتا ہوں۔ تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا تو شاید ان لوگوں کے سامنے میری تھوڑی سی عزت بحال ہو سکے گی۔"

خیام نے ہلکے سے سر ہلایا۔ ان چند دنوں میں وہ ان کی زبانی جو کچھ بھی سن پایا تھا، اس کے بعد کہیں نہ کہیں وہ بھی بے حد قابل رحم لگے تھے۔

"اور وہاں سے آنے کے بعد تم باقاعدہ میرا آفس سنبھالو گے۔ بہت کام کر لیا میں نے۔ اب تمہاری ذمہ داری ہے۔"

"ابھی چند دن نہیں بابا! وہاں آج کل ابا اور معاذ بھائی کو میری ضرورت ہے۔"

"اوہ ہاں! شادی ہے نا اسلام بھائی کی بچی کی۔ کتنے دن ہیں باقی؟"

"بس دو ہفتے!" اس کی آواز دھیمی ہوئی۔

"بہت بھرپور شرکت کرنی ہے ان شاء اللہ۔ بہت سارے تحائف بچی کے لیے۔ کوئی بے حد قیمتی جیولری.... اور.... اور...."

"ابا شاید پسند نہ کریں بابا...." خیام نے نرمی سے ان کی بات کاٹی۔

"ارے! میری بات تو انہیں ماننی ہی ہو گی۔ کچھ بھی منوا سکتا ہوں میں ان سے۔" کمال صاحب بڑے یقین سے مسکرائے۔

"کچھ بھی؟" خیام نے بے ساختہ کہا۔

"ہاں! بہت حق ہے میرا ان پر۔ میری بات نہیں ٹالنے والے۔"

تب ہی خیام کے پھیکے پڑتے رنگ نے ان کی توجہ اپنی طرف کھینچی۔

"کیا ہوا بیٹا.... طبیعت تو ٹھیک ہے نا!" وہ بری طرح پریشان ہوئے۔

"بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ پریشان مت ہوں۔" وہ زبردستی مسکرایا۔ "شاید رات ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی۔"

"کوئی بات ہے تو مجھ سے مت چھپاؤ۔ کسی چیز کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ہوں نا!"

زندگی میں اس یقین دہانی کی اہمیت اس پر پہلی بار ظاہر ہوئی۔ "میں ہوں نا!"
اس نے دل ہی دل میں دہرایا۔
کاش! یہ الفاظ اس نے کچھ عرصہ پہلے سن لیے ہوتے تو یقیناً.....
"خیام!" وہ اسے بہت فکرمندی سے دیکھ رہے تھے۔
"کچھ نہیں بابا..... آپ جائیں آپ کو دیر ہو رہی ہے۔ مجھے بھی معاذ بھائی کے پاس جانا ہے۔"
"اچھا! لیکن اگر کوئی مسئلہ ہو تو مجھے ضرور بتادینا۔"
خیام نے مسکرا کر سر ہلایا اور دوسری گاڑی کی طرف بڑھا۔
تب ہی کمال صاحب کا موبائل بجنے لگا۔
"سالار کا ہے!" انہوں نے ریسیو کرنے سے پہلے خیام کو بتایا تو وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔
"میرا سلام کہیے گا ان دونوں کو۔"
کمال صاحب نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس کو جانے کا اشارہ کیا.....
سالار خیام کے ملنے کی پُرجوش مبارک باد دے رہا تھا اور اس کے خلوص کے وہ دل سے معترف تھے۔
"اللہ کا جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے انکل..... میں اور گیتی دونوں اتنے خوش ہیں کہ الفاظ میں بتانا ناممکن ہے۔"
"میں جانتا ہوں بیٹا! اور اب تو گیتی کے حوالے سے تم میرے داماد بھی بن چکے ہو.....یاد رہے۔" بات کرتے ہوئے بھی ان کی نگاہ خیام پر تھی جو گاڑی گیٹ سے نکال رہا تھا۔
جواباً" وہ بڑی خوش دلی سے ہنسا تھا۔
وہ اور گیتی بھی لاہور جانے کا پروگرام بنائے بیٹھے تھے۔ اور ان ساری خوش کن باتوں کے درمیان ایک چھوٹی سی خبر یہ تھی کہ زرتاج بیگم کی واپسی اور صحت یابی فی الحال دونوں ہی مشکوک تھیں۔ ان کا ذہنی توازن بڑی حد تک بگڑ چکا تھا اور وہ وہیں مقامی اسپتال میں نامعلوم مدت تک کے لیے داخل تھیں۔
کمال صاحب ان کے وکیل سے مستقل رابطے میں تھے۔
"اللہ اس کی مشکل کو آسان کرے سالار..... میں اس بارے میں اس سے زیادہ اور کچھ بھی نہیں کہوں گا۔"
"اور میں بھی نہیں انکل!" جواباً" سالار نے آہستہ سے کہا۔
چند لمحوں کی بے ساختہ سی خاموشی ان دونوں کے بیچ آکر رکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"آج اس نے تھوڑی سی واک بھی کی۔ وہ بہتر ہو رہی ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔"
معاذ خیام کے ساتھ چلتے ہوئے دھیمی آواز میں اسے جویا کی طبیعت کے بارے میں بتا رہا تھا۔
"ایک دو دن میں وہ اپنے گھر چلی جائے گی۔ اللہ کرے کہ وہ سب اس کا بہت خیال رکھیں۔"
"ان کا خیال صرف آپ رکھ سکتے ہیں معاذ بھائی! اور کوئی بھی نہیں۔ بہت وقت ضائع کر چکے ہیں آپ دونوں۔ اب بس کردیں۔ پلیز رحم کریں ان پر..... انہیں اب حالات کے رحم و کرم پر مت چھوڑیں۔" خیام کے لہجے میں درخواست کی سی کیفیت تھی۔
معاذ چلتے چلتے رکا تھا۔

وہ دونوں اس وقت ایک الگ تھلگ سے حصے سے چلتے ہوئے آرہے تھے۔
"کتنی مشکل سے وہ سنبھلی ہیں معاذ بھائی! اللہ نہ کرے جو....." خیام نے اپنی بات ادھوری چھوڑی۔ معاذ نے ایک تھکی تھکی سی سانس لی تھی۔
"امی آج بھی راضی نہیں ہیں خیام! تم نے دیکھا ہے نا ان کا رویہ جس میں کوئی لچک کوئی نرمی نہیں ہے جویا کے لیے۔ نفرت ہے انہیں اس سے۔"
"کبھی نہ کبھی وہ بھی ضرور شرمندہ ہوں گی معاذ بھائی! افسوس ہوگا انہیں اپنے رویہ پر۔ آپ دیکھ لیجیے گا۔"
"میں نے کبھی بھی انہیں شرمندہ نہیں دیکھنا چاہا ہے خیام! لیکن کاش وہ انسانیت کے ناطے ہی سہی جویا سے تھوڑی سی ہمدردی کرلیتیں۔ مجھے بڑی امید تھی کہ اس بے حد کڑے وقت میں وہ اس پر رحم کریں گی۔ معاف کردیں گی اسے۔ لیکن اب مجھے کوئی امید نہیں ان سے۔ اور وہ بھی سمجھ رہی ہے کہ ایسا کچھ نہیں بدلا ہے ہماری زندگیوں میں۔" وہ بے حد مایوس تھا۔
"ابا ضرور کوئی حل نکال لیں گے۔ سب کچھ برا نہیں رہے گا معاذ بھائی! اللہ اپنے کسی بندے کو اکیلا نہیں چھوڑتا۔ اسے سب کی فکر ہے۔ مجھے دیکھیے نا..... مایوسی کی انتہا کو چھو کر واپس پلٹا ہوں۔"
معاذ کی نگاہ خیام کے چہرے پر جمی تھی۔ اس کا کہا کوئی لفظ غلط نہیں تھا اور کتنی عجیب سی بات تھی کہ کل تک وہ اس کا ہاتھ تھامنے کا فرض انجام دے رہا تھا اور آج خیام اس کی بہت بڑی تسلی ثابت ہو رہا تھا۔
معاذ کے چہرے پر افسردہ سی مسکراہٹ ابھری۔
"چلو! تمہیں جویا سے ملواؤں۔ بہت خوش ہوگی وہ تم سے مل کر۔" اس نے دانستہ بات بدلی۔
"نہیں ابھی نہیں۔" خیام نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔ "اب میں ان سے جب ہی ملوں گا۔ جب میرا ان سے کوئی مضبوط رشتہ ہوگا آپ کے حوالے سے۔ اور وہ وقت اب قریب تر ہے۔"
وہ بے حد پُریقین تھا۔
"ابا نے مجھے بتایا ہے کہ اللہ بندے کے گمان کے ساتھ ہے۔ بندہ اپنے رب سے جیسا گمان رکھے گا وہ اس کے حق میں ویسا ہی کرتا ہے۔ اس کی رحمت سے مایوسی کفر ہے۔"
معاذ نے رشک بھری نگاہوں سے خیام کو دیکھا۔
یقیناً" ابا سے فیض حاصل کرتے ہوئے۔ وہ اس سے دو قدم آگے نکل چکا تھا۔
"میں لاہور سے ایک دو دن میں آجاؤں گا۔ اور یہ میں ابا کے اصرار پر جا رہا ہوں۔ ورنہ یقیناً" بعد میں جاتا بہت کام پڑے ہیں باقی۔"
معاذ ہلکے سے مسکرایا۔
"یہ سب کام تمہارے انتظار میں جوں کے توں رکھے رہیں گے' بے فکر رہو۔ لیکن نانی سے ضرور مل آؤ خیام! اب ایک دن کی بھی دیر مت کرو۔ بہت تکلیف میں ہوں گی وہ تمہاری طرف سے اور کتنے عرصے سے۔"
خیام نے رات کے اس پہر کو یاد کیا' جب وہ نانی کا زیور لے کر گھر کی سیڑھیاں اترا تھا۔
سالار کا گلی کے کونے پر ملنا اور اس کے بعد ایک درد بھرے سفر کا سلسلہ۔
صد شکر کہ اب وہ بہت بہتر انسان کے طور پلٹ کر جائے گا۔
ایک چھوٹے سے لمحے میں اس نے بہت کچھ سوچا۔
"تم آؤ گے تو ربیعہ کی شادی میں اور بھی کم وقت رہ جائے گا۔ مجھے تو سوچ کر ہی عجیب سی تکلیف ہوتی ہے کہ وہ

یہاں نہیں ہوگی۔ بہت دور چلی جائے گی۔" معاذ کہہ رہا تھا۔
خیام نے گم صم سے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

☼ ☼ ☼

دن ابھی پوری طرح نہیں چڑھا تھا لیکن دھوپ کی تپش تیزی سے کمرے میں پھیلی جارہی تھی۔
شاما نے کھڑکیاں بند کرکے مخمل کے گہرے نیلے بھاری پردے گرائے تو کمرے میں نیلاہٹ مائل ٹھنڈا سا اندھیرا پھیلنے لگا۔
مسہری کے سرہانے 'پیتل کے بڑے سارے منقش سفید پیالے میں بھرے پانی پر بیلے کے سفید پھولوں کا ڈھیر تیر رہا تھا۔
شاما نے ایک مطمئن سی نگاہ پورے ماحول پر ڈالی پھر بے قدموں واپس باہر نکل گئی۔ نانی ستارہ دوسری طرف کروٹ لیے لیٹی تھیں۔
علی الصبح کی عبادت 'ریاض اور ناشتے کے بعد یہ ان کے مختصر دورانیہ کے آرام کا وقت تھا۔
نیچے بازار میں ابھی مکمل سکوت طاری تھا۔
تب ہی باہر کی سمت کھلتے لکڑی کے بھاری دروازے کو دھکیل کر وہ سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر چلا آیا۔

سامنے آرائشی برآمدہ خالی پڑا تھا اور جالی کے کاسنی پردوں کو شاما آج بھی سلیقے سے باندھنا نہیں بھولی تھی۔
داہنے ہاتھ پر پہلا پڑتا استاد فراغت بیگ کے کمرے کا دروازہ نیم وا تھا۔
وہ جانتا تھا کہ یہ وقت ان کے آرام کا ہے۔
بے آواز قدموں سے چلتا ہوا وہ نانی ستارہ کے کمرے پر رکا تھا۔
دروازہ جیسے اس کے ایک اشارے کا منتظر تھا۔ وہ اگلے ہی لمحے اس بے حد مانوس منظر میں کھڑا تھا۔
کمرے کی فضا بیلے کے پھولوں کی خوشبو سے آج بھی معطر تھی اور نیلا ٹھنڈا اندھیرا اتنا ہی پرسکون۔
آج سے زیادہ شاید پہلے کبھی اسے یہ سب اتنا خوب صورت نہیں لگا تھا۔ وہ ایک بے حد حساس سے تاثر کے زیر اثر کھڑا تھا۔ تب ہی نانی ستارہ نے کروٹ لی۔ وہ انہیں دیکھ کر بری طرح چونکا تھا۔
وہ بے حد کمزور ہوچکی تھیں۔ اس بڑی سی مسہری کے کونے میں سمٹ کر لیٹی ہوئی 'وہ کوئی بالکل مختلف شخصیت محسوس ہوئی تھیں۔ ان کی آنکھوں کے گرد گہرے حلقے پڑ چکے تھے۔
اتنا بدلاؤ۔
اسے یاد آیا۔ نانی کہتی تھیں کہ خوشی اور غم دونوں ہی انسان کو بدل دیتے ہیں۔ وہ کچھ سے کچھ بن جاتا ہے۔
نانی بھی بدل گئی تھیں۔ دکھوں اور محرومیوں کی لمبی فہرست کو بھگتاتے۔۔۔ بھگتاتے آخرکار۔۔۔
وہ تڑپ کر ان کے قریب آکر کھڑا ہوا۔
"نانی!" اس کی آواز میں بے قراری تھی اور انہوں نے پہلی ہی بار میں آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا تھا۔
(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عالیہ بخاری

دل اور سنگ

خیام کا تعلق اس دنیا سے ہے، جہاں دن سوتے اور راتیں جاگتی ہیں۔ ستارہ نانی ،نگینہ خالہ اور دل دار نانی نے اس کی پرورش بے حد نازو نعم سے کی ہے۔ پھر بھی وہ اس زندگی سے سخت کبیدہ خاطر ہے۔ حتیٰ کہ ایک دن وہ اس گھر سے کسی کو بتائے بغیر نکل آتا ہے۔ راستے میں اس کا ٹکراؤ سالار سے ہوتا ہے، جس سے اس کی شناسائی ہے، جو ریڈیو پر کام کرتا ہے۔ سالار تمام معاملہ فی الفور سمجھ جاتا ہے۔ گھر سے نکلتے ہوئے خیام رقم کے علاوہ نانی کے زیورات بھی اٹھا لاتا ہے، جس پر اسے کوئی پشیمانی نہیں ہے۔ سالار ،لاری اڈے تک خیام کو چھوڑتا ہے۔ خیام کے لیے سالار کا رویہ حیران کن ہے۔ شہر آکر اسے کئی روز تک بے روزگار رہنا پڑتا ہے۔ وہ بابو شوکت کے ہوٹل میں قیام کرتا ہے۔ زیورات کے ساتھ کیتی آرا کی چوڑیاں دیکھ کر خیام کو شدید جھٹکا لگتا ہے اور پہلی مرتبہ اپنے پیچھے رہ جانے والی کا بھروسا ٹوٹ جانے کا دکھ ہوتا ہے۔

ربیعہ کا تعلق سفید پوش خاندان سے ہے۔ اس کے والد سرکاری محکمے کے ایمان دار ہیڈ کلرک ہیں جبکہ بھائی معاذ بالکل ابا کا پرتو رفاحی کاموں میں وہ ہر چیز بھولے رکھتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنی پڑھائی بھی۔ اماں اور دادی ہر دم معاذ اور ربیعہ کے لیے دعاگو ہیں۔

۶۳

تریسٹھویں اور آخری قسط

کمرے میں نیلاہٹ مائل ہلکی سی روشنی تھی۔

اور اس ٹھنڈے ،معطر ماحول میں وہ ان کے بالکل قریب کھڑا تھا۔ ادھ کھلی آنکھوں سے انہوں نے اس کی

سمت دیکھا۔ دل بہت زور سے دھڑکا۔ مگر نیم اندھیرے سے نگاہ مانوس نہیں ہو رہی تھی۔

"شاید اب دن میں بھی خواب دکھائی دینے لگے ہیں۔"

دکھے ہوئے دل کے ساتھ' وہ اپنے حال پر رحم کھا کر پھر سے آنکھیں بند کرنے لگی تھیں کہ اس نے پھر سے انہیں پکارا۔

"نانی۔۔۔ نانی! میں ہو خیام۔" اس بار وہ ان کے قریب بیٹھا تھا اور ان کا کمزور سا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھاما تھا۔

"آپ کا خیام۔"

وہ حیرت اور خوشی کی آخری حد کے بھی پار آکر کھڑی ہوئیں۔

"میرا خیام۔۔۔ میرا۔۔۔"

وہ بے تابی سے اٹھیں اور الفاظ ٹوٹ کر ان کی زبان سے ادا ہوئے۔

خیام بے اختیار ان کے گلے سے لگا۔

نانی کا کمزور وجود ہچکیوں سے لرز رہا تھا۔

خیام کا دل شرمندگی اور احساس جرم کے بوجھ تلے دبا جا رہا تھا۔

کتنی کٹھن اور مسلسل تکلیف کا سبب بنا تھا وہ ان کے لیے۔

یہ وہ کب تھیں' جو بد ترین حالات اور ناقابل برداشت دکھ کو جھیل کر بھی پورے وقار کے ساتھ ہمیشہ کھڑی رہیں۔ جن کے فن کا ڈنکا زمانے میں بجا اور جنھوں نے عروج سے زوال کے سفر میں اپنی وضع داری اور شرافت دونوں ہی کو کبھی ہاتھ سے جانے نہیں دیا تھا۔

خیام نے ان کے آنسوؤں سے اپنی قمیص کا گریبان گیلا ہوتا محسوس کیا تھا۔

"اور یہ محض اس کی نالائقی کا رونا کب تھا۔" اس نے بے حد دکھ کے ساتھ سوچا۔

شاما نانی کے پاس پانی کی ٹھنڈی بوتل رکھنے آئی تھی۔ اندر کا منظر دیکھ کر الٹے قدموں دوڑی تھی۔

کمرہ آہستہ آہستہ بھرتا چلا گیا۔

سب سے پہلے دوڑی بھاگتی نگینہ آئی تھی۔ حواس باختہ سی اور پھر صندل' استاد فراغت بیگ اور خیام کے کچھ پیچھے آنے والے یوسف کمال۔

آج پہلی بار وہ نانی ستارہ کے چوبارے پر فخر سے سر اٹھا کر کھڑے تھے۔

خیام واپس آگیا۔

پورے محلے کے لیے آج کی سنسنی خیز خبر یہی ٹھہری تھی۔

☆ ☆ ☆

سرخ پتھر کے فوارے سے سفید موتی جیسا پانی' یکساں رفتار سے بہے چلا جا رہا تھا۔

وہ دونوں تھوڑی دیر پہلے ہی ٹھیک اس کے سامنے پڑی بینچ پر آکر بیٹھے تھے۔ یہ اس وسیع و عریض اسپتال کے اطراف میں پھیلے ان گنت چھوٹے چھوٹے خوب صورت سبزہ زاروں میں سے ایک تھا۔

جویا نے آنکھیں بند کر کے ایک گہری سانس لی۔

فضا میں سبزے اور پھولوں کی ملی جلی خوشبو تھی۔

معاذ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔ "بالکل ایسا نہیں لگ رہا۔ جیسے ہم دونوں یہاں ڈیٹ پر آئے ہیں۔

زمانے سے چھپ کر ایک پر فضا مقام پر ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ سچ پوچھو تو میری بڑی پرانی آرزو تھی یہ کہ میں اور تم کہیں بالکل اکیلے گھومنے جائیں۔ سو آج یہ بھی پوری ہوئی۔"

"کیا بکواس ہے۔" جویا کو اپنی مسکراہٹ دبانی پڑی۔ "مت بھولو کہ یہ ہاسپٹل ہے۔ جہاں میرا علاج ہو رہا ہے اور ہم یہاں تک صرف واک کرنے آئے ہیں۔"

"اس سے کیا ہوتا ہے۔ حقیقت تو یہی ہے نا کہ ہم یہاں اس خوب صورت جگہ پر بالکل اکیلے بیٹھے ہیں۔ کسی کی بھی بری نگاہ سے دور۔ سماج کی کوئی ظالم دیوار بیچ میں نہیں۔"

"کل میں گھر چلی جاؤں گی۔" جویا نے ٹھیک سے اس کی بات کو سنا بھی نہیں۔

معاذ نے بے ساختہ ہی ماتھے کو چھوا۔

"تم سے کیا ذرا دیر کے لیے بھی خوش نہیں رہا جاتا ہے جویا؟"

وہ افسردگی سے مسکرائی۔

"میں بہت دنوں سے' بہت خوش ہوں معاذ۔۔۔ کوئی بھی شخص کم از کم اپنی بیماری پر اتنا خوش کبھی نہیں ہوا ہوگا۔ جتنا کہ میں۔۔۔ کاش! میں کبھی بھی ٹھیک نہ ہوتی۔ دن بہ دن حالت بگڑتی چلی جاتی۔ یہاں تک کہ۔۔۔"

معاذ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کو کہا۔

"اپنے پر نہ سہی' میرے حال پر رحم کرو۔" وہ ایک دم بے حد سنجیدہ ہوا۔ اس کی نگاہ جویا کے چہرے پر جمی تھی اور آنکھوں میں اتنے دنوں میں پہلی بار بڑی شدت کا گلہ تھا۔

جویا نے شرمندگی سے سر جھکایا تھا۔

"سب کا خیال' سب کی ذمہ داریاں پوری کرتے کرتے' وہ اس شخص کے لیے سب سے بڑے دکھ کا سبب بنی تھی' جو اس کی محبت کا سب سے بڑا حق دار تھا۔ جس نے دنیا میں اس کے علاوہ کسی کو نہ چاہا تھا اور جو ساری زندگی امید کی ایک کرن بھی نہ ہونے کے باوجود اس کا انتظار کر سکتا تھا۔ وہ اس انتہائی قیمتی شخص کو ٹھکرانے کا گناہ بار بار کرتی رہی۔ پھر اس کے بغیر زندگی گزارنے کا دعوا محض ریت کی دیوار کیوں ثابت ہوا؟"

"تم نے خود کو مٹا ڈالا۔ تم نے مجھ کو مٹا ڈالا۔ پھر بھی۔۔۔" اسے خود کو سنبھالے رکھنے میں ذرا دقت کا سامنا ہوا۔

"تم اتنی اذیت پسند تو نہیں تھیں جویا۔ مجھے تو خود سے زیادہ تمہارے جذبے پر یقین تھا۔ یاد ہے وہ وقت' جب میں کھل کر تم سے 'اظہار چاہ' آیا گل' سب سے بے زاری کا اظہار کرتا تھا' لیکن تم کسی ایک بات کا بھی برا مانے بغیر نرمی سے مسکراتی رہتی تھیں۔ تمہاری نگاہوں میں وہ یقین ہوتا تھا کہ میرے سارے لفظ جھوٹے پڑتے تھے۔ تب مجھے لگتا تھا کہ تم میرے دل میں جھانکنے کی پوری طاقت رکھتی ہو۔ تم وہ جانتی ہو' جو میرے دل میں ہے۔ مجھے کبھی بھی تم سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ لیکن یقین کی اس آخری حد کو پار کر لینے کے بعد تم نے تو میرے پیروں تلے کی زمین ہی ہلا دی۔"

جویا کا سر جھکا ہوا تھا۔ اس نے ایک بار بھی نہ تو سر اٹھا کر معاذ کی طرف دیکھا تھا اور نہ ہی اس کی بات کاٹنی چاہی تھی۔

اب جبکہ وہ سب کچھ بہت پیچھے جا چکا تھا۔ جس نے ان کی زندگیوں پر اچھا' برا جیسا بھی اثر چھوڑا تھا تو انہیں دہرانے کا کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔

تب بھی یہ گلہ' یہ شکایتیں بے حد قیمتی تھیں۔

"کاش! وہ بولتا رہے' غصہ کرے' اسے برا بھلا کہے۔" حلق میں اٹکتے آنسوؤں کو بہادری سے پیتے ہوئے اس

نے پورے دل سے تمنا کی۔
وہ معاذ کی محبتوں کے بھاری قرض تلے دبی تھی۔
کچھ تو ہو' جو اس پر سے یہ بوجھ کم ہو۔ اپنے احساس جرم سے نجات پا کر وہ کھل کر سانس لے سکے۔
"مجھے نہیں پتا تم نے ایسا کیوں کیا' حالات کتنے بھی برے سہی' نفرتیں کتنی بھی شدید ہوں' محبت ان سب سے بڑی دلیل ہے جویا! ہم مل کر سب ٹھیک کر سکتے تھے' مگر تم نے مجھ پر بھروسا ہی نہ کیا۔ جس وقت مجھے تمہاری سب سے زیادہ ضرورت تھی' تم میرا ہاتھ جھٹک کر دور بہت دور چلی گئیں' مگر میں آج بھی وہیں اس مقام پر کھڑا ہوں۔ نہ تم سے پہلے کوئی اور نہ تمہارے بعد۔ میری زندگی اس ایک نام کا طواف کرتے گزر رہی ہے اور گزرے گی۔"
اس کا لہجہ' اس کے الفاظ' سب ہی درد میں ڈوبے تھے۔
جویا نے پتا نہیں کس لمحے میں اپنا ضبط کھویا تھا۔
معاذ کی نگاہ اس کے بھیگتے دامن پر پڑی تھی۔
"او خدا! جویا پلیز۔۔۔ یہ کیا ہے یار۔۔۔؟" وہ بری طرح گھبرایا تھا۔ بھلا وہ کیوں بھولا تھا کہ جویا کی حالت اس جذباتی صورت حال کو سہنے کے قابل نہیں ہے۔
وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر روئے جا رہی تھی۔
"جویا۔۔۔ جویا ایسے نہیں' پلیز میری خاطر۔۔۔ پتا نہیں کیا ہوا تھا مجھے۔ اتنا بڑا اسٹوپڈ ہوں میں اب تک۔۔۔ سوری! دیکھو' معافی مانگ رہا ہوں۔"
جویا نے اس کے دونوں جڑتے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ کر جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے تھے۔ خود پر قابو پانے میں اسے ابھی چند مزید لمحے درکار تھے۔
"مگر اس شخص کا کیا بھروسا۔ اگر وہ اس طرح روتی رہی تو پتا نہیں کیا کر ڈالے۔"
"میں ٹھیک ہوں۔"
معاذ نے ایک سکون بھری سانس لی۔
"ایک طرح سے تو تمہارے ابا مجھ سے ٹھیک ہی چڑتے تھے۔ غلطیاں تھیں بھی تو بہت میری۔ اب تک سرزد ہو رہی ہیں۔ اب دیکھ لو! بے کار میں ہی تمہیں رلا دیا۔" وہ اب واپس اپنے موڈ میں آ رہا تھا' لیکن اس بار وہ مسکرائی تک نہیں۔
"کاش! ہم بہت پہلے یہ سب ایک دوسرے سے کہہ سن لیتے معاذ! تو شاید زندگی کی صورت کچھ اور ہوتی۔ حالانکہ تم تو کتنی بار آئے۔ مگر میں۔۔۔ میں نے تمہیں اس نفرت سے بچانا چاہا تھا معاذ' جو وہ سب تم سے کرتے تھے۔ میرا دل گوارا ہی نہیں کرتا تھا کہ تم ان میں سے ایک بات بھی سنو' جو وہ کہتے ہیں۔"
میرے لیے کچھ بھی اس سے زیادہ تکلیف دہ نہیں ہو سکتا جویا۔۔۔ جو تم نے جھیلا۔۔۔ اکیلے۔۔۔ تنہا۔۔۔ اور میں۔
"میں اکیلی کب تھی معاذ؟" اس نے بے ساختگی سے معاذ کی بات کاٹی۔
وہ ہلکے سے مسکرا دیا۔
"چلو! چلتے ہیں۔ کہیں زویا نہ آ گئی ہو۔ ورنہ ڈھونڈتی رہے گی۔" وہ بولتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔
جویا!" معاذ نے ایک ٹھنڈی سانس لی تھی۔
اس کا ہر انداز معنی خیز ہوتا تھا اور وہ ان مطلب معنوں سے ہی نگاہ بچا کر چلتی رہی تھی۔
"اٹھ جاؤ معاذ! بس۔" اس بار وہ آگے بھی چل دی تھی۔ سو وہ تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا۔
"ابو بہت بدل گئے ہیں معاذ! وہ بالکل ٹوٹ چکے ہیں۔ مجھے ان سے بہت محبت ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ میں ان

سے کہوں کہ وہ کوئی فکر نہ کریں۔ اس سب میں وہ اکیلے قصوروار نہیں ہیں۔ پورا گھر اس جرم میں برابر کا شریک ہے۔"
جویا کی اپنی نگاہ یہ سب کہتے ہوئے شرمندگی سے جھکی تھی۔ معاذ نے خود کو بہت بے چین محسوس کیا۔
"لیکن مجھے ان سے بہت ڈر لگتا ہے۔ کئی سال سے وہ مجھ سے بات چیت نہیں کرتے۔ پہلے تو میری شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی وہ خود پر سارا کنٹرول کھو دیتے تھے۔ وہ۔۔۔ ان کی قہر بھری نگاہ۔۔۔" اس کی آواز میں گہرا سہم طاری ہوا تھا۔
"آپا گل کہتی تھیں' میں ان کے سامنے بالکل نہ آؤں۔ میں اس لیے اسکول یا کوچنگ سینٹر میں سارا دن رہتی اور پھر اپنے کمرے میں بند۔۔۔" اس کے ساتھ ساتھ چلتے وہ دھیمی آواز میں جو کچھ سنا رہی تھی' وہ سب سننا بھی معاذ کے لیے آسان نہیں تھا۔
"سخت گرمی' لوڈشیڈنگ' کچھ بھی تو اس حبس بھرے کمرے سے باہر آنے کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ تمہیں پتا ہے کہ۔۔۔" معلوم نہیں وہ آگے اور کیا سنانے والی تھی۔
"ایک منٹ!" معاذ نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ "تم یہاں رکو' میں ابھی آیا۔" اس کا جواب سنے بغیر وہ تیزی سے ایک سمت بڑھتا چلا گیا۔
جویا کی نگاہ اسی طرف جمی تھی۔
اسپتال کے احاطے میں بنی وہ ایک فلور شاپ تھی' نرم و نازک پھولوں سے بھری دکان' جن کی تازگی اور خوب صورتی کو یہاں سے بھی دیکھا اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔
معاذ وہیں گیا تھا۔
"شاید کسی کے لیے پھول لینے۔"
یہاں اسپتال میں اس کے ایک جاننے والے گزشتہ رات داخل ہوئے تھے۔ وہ یوں ہی مڑ کر دوسری طرف سے آتے جاتے ہوئے لوگوں کو دیکھنے لگی۔ تب ہی اس نے عقب سے معاذ کی آواز سنی۔
"جویا!" وہ ٹھیک پیچھے ہاتھوں میں سرخ گلاب لیے اس کا منتظر تھا۔ جویا کی نگاہ ان پھولوں سے ہٹ کر' معاذ کے چہرے پر جمی۔ وہ نرمی سے مسکرایا تھا۔
جویا نے بہت رشک سے اس کی طرف دیکھا۔
امید کی ایک بھی کرن نہ ہونے کے بعد بھی اس کی خوش گمانی کی کوئی حد نہ تھی۔
تو کیا ضروری تھا کہ وہ ہر بار اس سے چند لمحوں کی خوشی کو بھی چھینتی رہے۔۔۔
جویا نے کانپتے ہاتھوں سے اس سرخ کھلتے گلاب کو تھاما۔
"نیک فال۔" معاذ نے دھیمے سے کہا اور ہنس پڑا۔

☼ ☼ ☼

دوپہر بادلوں بھری تھی۔
آپا گل' سلمان کے ساتھ سرگوشیوں میں جانے کیا باتیں کیے جا رہی تھیں۔ زویا جب بھی لاؤنج میں آتی' وہ فوراً خاموشی اختیار کر کے نگاہ ٹی وی پر جما لیتی تھیں۔
زویا کو عجیب سا تو لگا تھا۔ لیکن براہ راست کچھ پوچھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔
آپا گل اور سلمان دونوں کی طرف سے کوئی اچھی امید ختم ہوئے بھی ایک عرصہ گزر چکا تھا۔

"اس زویا کو بالکل بھنک نہ ہونے پائے۔ ورنہ ضرور کوئی گڑبڑ کردے گی۔ کل جویا گھر آرہی ہے۔ اس وقت تک کوئی بھی بات نہ نکلے تو ہی اچھا ہے۔ سن رہے ہو نا تم سلمان!"

آپا گل نے ایک بار پھر ذرا سخت لہجے میں تنبیہہ کی۔

شاکرہ ای کے بعد انہیں کسی بھی خبر کے لیک کرنے کا خطرہ سلمان کی طرف سے ہی رہتا تھا۔

اتنی دیر میں اتنی بار اسے خبردار کیا تھا کہ اب وہ صاف صاف چڑ رہا تھا۔

"تم مجھے کیا بار بار جتا رہی ہو آپا گل۔ مجھے نہ جویا کی شادی میں کوئی دلچسپی ہے اور نہ ہی تمہارے اس فریدالدین میں۔۔۔ مجھے تو کچھ پیسہ دلا دو جو میں تم سے جان چھڑا کر کسی دوسرے ملک جا سکوں اور پھر کبھی پلٹ کر اس نحوست بھرے گھر اور تم لوگوں کی طرف دیکھوں بھی نہیں۔"

"تف ہے تم پر۔۔۔ کوئی شرم حیا، مروت کچھ بھی تو باقی نہیں رہا تم میں سلمان۔ بڑے بڑے خود غرض دیکھے۔ مگر تم سے بڑا کوئی بھی نہیں ہے۔"

"کیوں؟ روزانہ آئینہ نہیں دیکھتی ہو کیا؟" وہ جواباً بڑی کمینگی سے مسکرایا تھا۔

زویا تب ہی دوبارہ لاؤنج میں آئی تھی۔

آپا گل پر سلمان کا جواب ابھی ادھار تھا۔

اور یہ تو طے ہے کہ وہ اس بدلحاظ اور گھٹیا سلمان کو ایک پائی بھی نہیں لینے دیں گی۔ ساری عمر یہیں جوتیاں چٹخاتا پھرے گا۔

اپنی عادت کے مطابق انہوں نے فوری بدلہ چکانے کی ٹھانی تھی۔

"میں جب سے آئی ہوں امی سو رہی ہیں۔ کب اٹھیں گی آخر؟" زویا ان دونوں میں سے کسی کو بھی مخاطب کیے بغیر پوچھ رہی تھی۔

"ساری رات جاگتی ہیں۔ اب دن میں نیند آتی ہے تو سونے دو انہیں۔۔۔ اور تم کیوں بے کار میں دیر کر رہی ہو؟ جویا وہاں اکیلی ہے۔ یہاں میں ہوں سب کچھ دیکھنے کے لیے۔"

زویا نے کچھ چونک کر آپا گل کی طرف دیکھا۔ ان کا لہجہ خلاف عادت بے حد نرم تھا۔

"وجہ۔۔۔؟"

اس نے آپا گل اور سلمان دونوں کی طرف دیکھا، مگر دونوں ہی نگاہ چرا گئے۔ ان سے پوچھنا محض وقت ضائع کرنا تھا۔

اسپتال جانے سے پہلے اسے کچھ ضروری چیزیں لینی تھیں۔ سو وہ واپس اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"میرا بس چلتا تو جویا کو اسپتال سے سیدھا اپنے گھر لے جاتی اور پھر وہیں سے نکاح کر کے رخصت کر دیتی۔ بڑے ہی سکون سے سارا کام ہو جاتا۔" آپا گل نے اس کے جانے کے بعد کہا تھا۔

"تو لے جاؤ جویا کو۔ تمہیں کس نے منع کیا ہے۔ اچھا ہے، وہیں سارا کام ہو جائے گا۔ یہاں تو بڑی گرمی ہے۔ اوپر سے فریدالدین نے ایک بھی اے سی نہیں لگوا کر دیا۔ میرا تو برا حال ہو رہا ہے۔"

سلمان دوسروں سے بھی بے زار تھا اور خود اپنے آپ سے شاید اور بھی زیادہ۔

"کیا مزے کی گرمیاں کٹتی تھیں نوویہ کے ساتھ۔ پورا دن اے سی بند نہیں ہوتے تھے۔ میں تو قدم نہیں نکالتا تھا گھر سے۔"

"ہاآ!" آپا گل کے ماتھے پر پڑتے بل کی ذرا بھی پرواہ کیے بغیر اس نے عہد رفتہ کو یاد کیا۔

"ہوش کے ناخن لو سلمان!" آپا گل کا دل چاہا کہ وہ کہیں سر پھوڑ لیں، کسی کو بھی سر پر آئی مصیبت کی پروا نہیں تھی۔ ایک وہی تھیں، جو ہلکان ہوئے جا رہی تھیں۔

"کتنی بار بتاؤں کہ یہ آخری موقع ہے۔ فریدالدین جیسے احمق روز روز نہیں ملا کرتے اور یہ کہ۔۔۔" سلمان نے بے زاری سے ہاتھ ہلایا۔

"مجھے سب یاد ہو چکا ہے کہ فریدالدین کے علاوہ کوئی بھی ہماری ڈوبتی ہوئی ناؤ کو بچانے والا نہیں ہے۔ تم دہرانے کی زحمت مت کرو۔ ویسے یہ جویا کا نکاح تمہارے گھر سے ہونے کا آئیڈیا اچھا ہے۔ بات کرو اکبر بھائی سے۔"

"وہ۔۔۔ وہ کہاں دکھائی دیتے ہیں۔ بہت مصروف ہیں۔ کاروبار بہت بڑھ گیا ہے۔ ہر دوسرے مہینے تو چائنا جاتے ہیں اور بس۔۔۔"

"میں جویا کے نکاح کی بات کر رہا ہوں۔ اگر وہ تقریب تمہارے گھر پر ہو جائے تو بہت اچھا رہے گا۔ یہاں اس گرمی میں لوگوں کو جمع کرنا تو مصیبت کو دعوت دینا ہی ہے۔" اس کے الفاظ میں کسی دور پرے کے جاننے والے جیسی لاتعلقی تھی۔

"اوں ہوں!" انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ "وہاں نیچے کی منزل میں، میری سسرال ہے اور میری ساس تو ویسے ہی جویا کے غم میں مری جاتی ہیں۔ شروع سے اس کی اور معاذ کی بات طے ہونے کے بارے میں جانتی ہیں۔ سوان کی سوئی وہیں اٹکی ہے۔ فریدالدین کو دیکھ کر سو باتیں بنائیں گی۔ یہیں ٹھیک ہے۔ گنتی کے چار لوگوں کو تو آنا ہے۔"

سلمان کچھ کہنے جا رہا تھا، لیکن آپا گل کے اشارے پر اسے خاموش رہنا پڑا۔

زویا اسپتال واپس جا رہی تھی۔ یہی اطلاع دے کر اس نے ان دونوں کی طرف دیکھا تھا۔

وہاں کسی کو اس کے آنے جانے میں دلچسپی نہیں تھی۔ سو خاموش رہے۔

وہ چپ چاپ سیڑھیوں کی طرف مڑ گئی۔

تب ہی نیچے کی جانب سیڑھیوں کا دروازہ دھاڑ سے کھول کر آپا گل کی دونوں بیٹیاں چڑھتی ہوئی اوپر چلی آئیں۔ تیز تیز بولتی ہوئی، وہ دونوں اس کے قریب سے گزرتی ہوئی سیدھی اوپر چلی گئیں۔

ان میں سے کسی کو سلام کی بھی توفیق نہیں ہوئی تھی۔

یہ آپا گل کی بیٹیاں تھیں۔ ان ہی کی تربیت یافتہ۔۔۔ ان ہی کی کاپی۔۔۔

زویا نے بڑے تاسف سے مڑ کر ان دونوں کی طرف دیکھا۔

جس ہنگامہ خیز انداز میں وہ دونوں آئی تھیں۔ شاید کوئی ضروری بات تھی۔

مگر اس کے لیے قطعی غیر ضروری۔ زویا تیزی سے سیڑھیاں اترتی ہوئی نیچے چلی گئی۔

اوپر آپا گل کے ہاتھ ایک نئی مصروفیت آئی تھی۔

"دادی تو کل سے بڑی پھپھو کے گھر ہیں۔ اب صبح چاچو اور چھوٹی پھپھو بھی وہیں جا رہے تھے۔ ہمیں یہاں چھوڑتے ہوئے گئے ہیں۔"

بیٹیوں کی زبانی سنے اس مختصر سے بیان میں آپا گل سے لیے بڑی سنسنی خیزی تھی۔

"جب سب وہاں جا رہے تھے تو تمہیں یہاں چھوڑ کر جانے کا مطلب۔۔۔ ضرور کوئی خاص بات ہے۔ تم لوگوں نے پتا تو کیا ہو تا کم از کم کیا چکر ہے۔ آگئیں منہ اٹھائے یہاں۔۔۔"

انہیں بیٹیوں پر غصہ آرہا تھا اور وہ ترکی بہ ترکی جواب دیے جا رہی تھیں۔

"ہم پر کیوں غصہ کر رہی ہیں؟ دو دن سے آپ خود یہاں بیٹھی ہیں۔ آپ کو خود کون سی گھر کی فکر ہے؟ ابو

بے چاروں کے سارے کام تو دادی اور پھپھو کرتی ہیں آج تک۔"

"تو تم کس لیے ہو؟ اتنا ہی دکھ ہے باپ کا تو ناشتا کھانا تو دیکھ ہی سکتی ہو نا۔"

"ہمیں آپ نے کچھ سکھایا ہی نہیں۔ ہمیں آتا ہی کیا ہے؟ اور آپ کو خود کیا آتا ہے؟" بنا کسی شرم لحاظ کے جواب در جواب۔

بات کہاں سے کہاں جا رہی تھی۔

"واہ آپا گل!" سلمان منہ پر ہاتھ رکھے بس ہنسے ہی چلا جا رہا تھا۔

آپا گل نے قہر آلود نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور موبائل پر نمبر ملانے لگیں۔ ایک کے بعد ایک۔

"کم بخت کوئی تو اٹھا لے۔" انہیں بہت زور کا غصہ آنے لگا تھا۔

✲ ✲ ✲

ربیعہ یوں ہی بے دھیانی میں چلتی ہوئی پچھلے احاطے میں آئی تھی۔

ابھی شام کی چائے میں تھوڑا وقت باقی تھا اور رفع الحال کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں۔۔ یا پھر کچھ کرنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔

امی کے بتائے ڈھیروں کاموں کو یاد کر کے اس نے ایمان داری بھرا تجزیہ کیا۔

ابھی تھوڑی دیر پہلے فون پر جویا کی خیریت معلوم کی تھی۔ کل وہ بھی ڈسچارج ہو کر جانے والی تھی۔

سو یہ بھی مقام شکر تھا۔

ان دنوں جتنی دعائیں جویا کے لیے مانگی تھیں۔ شاید اپنے لیے بھی نہیں۔

"خدا کرے کہ سب کچھ بہت اچھا ہو جائے۔" ایک ٹھنڈی سانس لے کر وہ احاطے کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔

معاذ کی غیر موجودگی میں گھر اتنا خالی خالی لگتا تھا کہ حد نہیں۔۔ پورے گھر پر غضب کا سناٹا۔

اطراف پر ایک نگاہ ڈالتے ہوئے اس کا دل بری طرح گھبرایا۔ اس گھر میں پھیلی اداسی معاذ کی خوشیوں کے ساتھ مشروط تھی۔

"پیارے اللہ میاں جی! معاذ کو اکیلا مت چھوڑیے گا۔ وہ ڈیزرو کرتا ہے۔ پلیز۔۔ اسے تنہائی کی نظر مت ہونے دیں۔۔ بہت ساری خوشیاں عطا کریں۔ وہ پورے دل کے ساتھ اپنی زندگی گزارے۔"

محبت بھری یہ دعائیں کب سے معمول کا حصہ تھیں۔ آج بھی پورے خشوع و خضوع کے ساتھ وہ سر جھکائے کیا کیا مانگے گئی اور جب آمین کہہ کر سر اٹھایا تو چہرہ آنسوؤں سے گیلا تھا۔

ربیعہ نے دوپٹے سے گیلے ہوتے چہرے کو خشک کیا۔

احاطے میں بڑی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور چمپا کے پھولوں کے جھنڈ پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔

اس جگہ وہ ہمیشہ بخوشی گھنٹوں بیٹھتی آئی تھی۔ بچپن میں ہوم ورک لے کر بیٹھتے ہوئے' دادی کے ساتھ اخبار کی خبروں پر تبصرہ کرتے ہوئے' معاذ کے ساتھ فضول بحث مباحثہ کرتے ہوئے اور خوشی اور الجھنوں کے کتنے ہی موقعوں پر۔۔

اس جگہ کے ساتھ اس کی ایک خاص انسیت رہی تھی۔ مگر اب بہت دنوں سے یہ جگہ اسے اداس کرنے لگی تھی۔

یہاں آکر بیٹھتے ہی وہ سب بے ساختہ یاد آتا تھا۔ جس سے نگاہ چرا کر وہ اس گھر میں اپنے قیام کے یہ بالکل آخری دن بھی گزار دینا چاہتی تھی۔

"بعض انکشافات کتنے بے وقت اور فضول ہی ہوتے ہیں' اچھی بھلی سیدھی سادی زندگی کو تہہ و بالا کر دینے والے۔" وہ جیسے ٹھیک سامنے آکر کھڑا ہوا تھا۔

اور اس کی بے حد خوب صورت آنکھوں میں اداسی کے ساتھ ایک بالکل جڑا دوسرا بھی رنگ تھا۔

کچھ لوگوں کی آنکھیں واقعی باتیں کرتی ہیں۔ بنا لاگ لپیٹ کے۔۔ صاف واضح مدعا بیان کرنے والی۔

ربیعہ نے بے چین سا ہو کر پہلو بدلا۔

"اور وہ شخص جو آپ کی زندگی میں آرہا ہے۔ یقیناً" بہت امیر ہو گا۔"

دن رات میں کتنی ہی بار یہ سرگوشی اس نے سنی اور ہر بار۔۔ آنکھ کے کونے کونے پر ٹکے آنسو کو اس نے انگلی کی نوک سے گرایا۔

"خدایا!" گھٹنوں پر سر ٹکاتے ہوئے اس نے چند لمحوں کے لیے ارد گرد کے پورے ماحول سے ناتا توڑا۔

"کاش وہ بھی خیام کو بتا سکتی کہ اسے کھو دینے کے بعد وہ دنیا کی غریب ترین لڑکی قرار پائے گی۔" قدرے فاصلے پر بائیں ہاتھ پر کمرے کی کھلی کھڑکی میں کھڑے اسلام صاحب نے بہت فکر مندی سے ربیعہ کو دیکھا۔

وہ افسردہ تھی' بلکہ بے حد افسردہ' اس بات میں انہیں اب ذرا بھی شک نہیں تھا۔ بہت دنوں سے نہیں تھا اور باوجود کوشش کے وہ اس افسردگی کا سرا نہیں پکڑ پا رہے تھے۔

زندگی کے سب سے سنہری دور میں قدم رکھتے ہوئے ان کی بے حد سادہ دل' بے غرض اور خدمت گزار بیٹی ناخوش تھی۔

"کیا اسے یہ بے حد اچھا رشتہ ناپسند تھا؟"

خاموش' ساکت کھڑے اسلام صاحب کی آنکھوں میں الجھن کا تاثر بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

کیسی عجیب بدقسمتی تھی کہ وہ اپنے دونوں بچوں کو خوش اور مطمئن دیکھنے میں مستقل ناکام تھے۔

انہوں نے مڑ کر میز پر سے اپنا موبائل اٹھا کر ربیعہ کے سسر کا نمبر ملایا۔

پچھلے دو دن سے یہ نمبر آف تھا۔

ان کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

✲ ✲ ✲

نانی ستارہ کے کمرے سے کچن تک کے چکر کرتے کرتے شاہ ہلکان ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن اس کا چہرہ خوشی سے کھلا جا رہا تھا۔ آج خیام نے اس کی بنائی ہوئی چائے بھی پی تھی' کھانا بھی کھایا اور پھر تعریف بھی کی۔

گھر کے سوتے اداس ماحول میں خوشی کی لہر بہت بعد دوڑی تھی۔

خیام کا واپس مڑ کر آنا' خاندان بھر کے لیے اتنی بڑی خوشی تھی۔ جس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہو رہا تھا۔

نانی ستارہ کے چہرے پر اس کھوئی ہوئی چمک کا پتا مل رہا تھا۔

استاد فراغت بیگ اپنی ساری بیماریوں کو یکسر بھولے تھے۔

اور نگینہ جیسی سخت دل بھی خیام کو گلے لگا کر جس طرح پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ اس سے خیام خود خاصا شرمندہ تھا۔

یہی خالہ تھی' جس کی محنت کے بل بوتے پر گھر چل رہا تھا اور جس سے اس نے کبھی سیدھے منہ بات تک نہیں کی تھی۔

آج صندل بھی سب کے ساتھ بیٹھی تھی اور آہستہ آہستہ خیام کے ساتھ نہ جانے کیا بات کر رہی تھی۔

کمالی صاحب کی نگاہ بار بار ان دونوں پر پڑ رہی تھی۔
صندل کے حسن میں فیروزہ کی نمایاں جھلک تھی اور ان کا بیٹا بھی تو کسی سے کم نہیں۔
وہ کچھ سوچ کر مسکرائے۔
اس گھرانے کی شرافت اور اپنائیت کے وہ برسوں پہلے قائل ہو چکے تھے۔ جب فیروزہ نے ان کی خاطر ٹھیک عروج پر سب کچھ چھوڑا تھا۔
فیروزہ کی یاد بھری محفل انہیں آج بھی تنہا کرتی تھی۔ کسی نے بھی ان کی چند لمحوں کی اداسی کو محسوس نہیں کیا۔ آج صرف اور صرف خوش رہنے کی بات چلی تھی۔
نانی ستارہ اور نگینہ دونوں ہی کمال صاحب کے اصرار کے باوجود کراچی مستقل شفٹ ہونے کے لیے تیار نہیں تھیں۔
"آتے جاتے رہیں گے بیٹا! لیکن مستقل طور پر نہیں رہا جائے گا وہاں۔۔۔ ساری عمر یہاں لاہور میں کٹی ہے۔ اب ہمیں یہیں رہنے دو۔"
کمال صاحب لاہور والی کوٹھی کی چابی ساتھ لائے تھے۔
"اماں! آپ دو بیٹوں کی ماں ہیں ٔ ایک میری اور دوسری خیام کی۔"
انہوں نے کہا تو نانی ستارہ کو تو تھا۔ لیکن نگینہ مارے ممنونیت کے بڑی دیر تک روتی رہی۔
اس کے اعصاب اب بالکل کمزور پڑ رہے تھے۔
خیام اس کے کندھے پر بازو پھیلائے بڑی دیر تک تسلی دیتے گیا۔
آج پہلی بار اسے ایسی سچائی کا بھی اندازہ ہوا تھا کہ نگینہ خالہ کی زندگی اس سے کہیں زیادہ مشکل اور تلخ تر گزری ہوگی۔ خیام کی نگاہ بار بار نانی ستارہ کے بھاری سنگھار دان پر پڑ رہی تھی۔ اس کے قدیمی عطر دان ٔ منقش لکڑی کا جیولری باکس ٔ سب کچھ ویسا ہی تھا۔
یہیں سے اس نے نانی ستارہ کا وہ زیور اٹھایا تھا۔ جس پر وہ آج تک خود کو معاف نہیں کر سکا تھا۔ پتا نہیں وہ کیا سوچتی ہوں گی اس کی اس حرکت کے بارے میں۔" اس نے چور نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ شاما کو کچھ ہدایت دے رہی تھیں۔
خیام نے ماتھے پر آتا پسینہ صاف کیا۔
"ماں صدقے کیا گرمی لگ رہی ہے؟" نگینہ نے پاس پڑا ہوا اخبار اٹھا کر اسے جھلنا شروع کیا۔ "ایک تو اماں نے آج تک اپنے کمرے میں اے سی بھی نہیں لگوایا۔ کہہ کہہ کر تھک گئی۔ مگر ان کے آگے کس کی چلی ہے۔"
خیام نے آنکھوں میں آتے پانی کو خاموشی سے رگڑ ڈالا۔ اے سی آج تک خالہ نگینہ کے کمرے میں بھی نہیں لگا تھا۔ جب تک وہ یہاں تھا۔ سوائے اس کے کمرے کے ٔ اے سی کی ضرورت کہیں اور محسوس نہیں کی گئی تھی۔ سخت گرمی میں جب وہ پورے چین اور سکون کے ساتھ اپنے کمرے میں اکیلا سوتا تھا۔
جان توڑ محنت کرنے والی خالہ نگینہ ٔ تھکن سے چور ٔ کہیں بھی بے سدھ ہو کر سوتی تھیں۔
وہ کس درجے خود غرض تھا۔
ان سب سے ساری آسائشیں حق کی طرح وصول کرتا رہا اور اپنا ایک چھوٹا سا فرض بھی ادا نہ کر سکا۔
اس نے خالہ نگینہ کے ساتھ سے نرمی سے وہ اخبار لیا تھا۔
"مجھے بالکل گرمی نہیں لگ رہی ہے خالہ۔۔۔! میں بالکل ٹھیک ہوں۔"
"اچھا! تھوڑی دیر جا کر اپنے کمرے میں آرام کر لو۔" وہ پھر بھی اصرار کیے گئی۔

نانی ستارہ نے بڑی طمانیت سے نگینہ کی طرف دیکھا۔
ساری عمر خیام اور فیروزہ کی محبت کا طعنہ دینے والی نگینہ کا اپنا دل خیام کی محبت سے لبریز تھا۔
شاید وہ ان سب سے زیادہ محبت کرنے والی تھی۔ بس اس کے حالات نے ہی اجازت نہیں دی تھی۔
خیام نے بیٹھے بیٹھے دل میں بہت سارے فیصلے کیے تھے۔ جن میں سر فہرست نگینہ اور صندل کے لیے بہت کچھ کیا جانا تھا اور ساتھ میں استاد فراغت بیگ ٔ شاما۔
کمال صاحب استاد جی کو کراچی ساتھ چلنے کی دعوت دے رہے تھے اور وہ مسکرا مسکرا کر منع کیے جا رہے تھے۔
"سب کے ساتھ ہی آؤں گا کمال میاں۔۔۔ اکیلے آنے جانے کی بالکل بھی عادت نہیں ہے اور اب اس عمر میں تو ہمت بھی باقی نہیں رہی۔"
"لڑی میں پروئے گئے موتیوں کی طرح ہے یہ گھرانہ بیٹا! سب ایک سے ایک بندھے ہوئے۔"
کمال صاحب آرام کرنے کے خیال سے کمرے میں چلے گئے تھے۔ مگر یہاں کمرے میں ابھی بھی عید کا سماں تھا۔
"شاما! مٹھائی کی ایک پلیٹ بھر کر ٔ گلناز کی طرف بھی دے آ۔۔۔ جل مریں گے سب کے سب۔ اتنی توفیق نہ ہوئی کہ آ کر مبارک باد ہی دے جاتے اماں کو۔ خبر تو مل گئی ہوگی خیام کے آنے کی۔" باہر برآمدے سے ہی نگینہ شاما سے کہہ رہی تھی۔
خیام بے ساختہ ہی مسکرا دیا۔
"خالہ نگینہ اگر ایسی باتیں نہ کریں تو کتنی ادھوری ادھوری سی لگیں۔"
رات گہری ہو رہی تھی۔
خیام کو آرام کی ہدایت دیتے ہوئے ایک ایک کر کے سب ہی اٹھ گئے۔
اسے حیرت ہو رہی تھی کہ کسی نے بھی اس سے۔ یہاں سے جانے کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔
وہ کیوں گیا ٔ کہاں رہا ٔ کیا بیتی۔
کوئی سوال نہیں
یہ ان کا ظرف تھا
شاما نے نانی کے کمرے کی ہلکی روشنی آن کی اور دروازہ برابر کر کے باہر نکل گئی۔
کمرے میں بڑی پر سکون سی ٹھنڈک پھیل رہی تھی۔
"تم بھی سو جاتے۔ سفر کر کے آئے اور پھر سارا دن بیٹھے بیٹھے ہو گیا ہے۔" نانی ستارہ نے محبت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ مسہری پر تکیوں کے سہارے نیم دراز تھیں۔
"میں تھوڑی دیر آپ کے پاس بیٹھوں گا نانی!" وہ اٹھ کر ان کے قدموں کے پاس آ بیٹھا۔
"یہاں نہیں ٔ ادھر یہاں۔"
وہ چپ چاپ ان کے اور قریب ہوا۔
نانی کی نگاہ خیام کے چہرے پر جمی۔
اس کی نظر جھکی ہوئی تھیں اور چہرے پر کشمکش کا سا تاثر تھا۔
"میرا پیارا بچہ! نہ جانے کہاں کہاں کی ٹھوکریں کھا چکا ہے۔ اکیلا ٔ دنیا کو آزمانے نکلا تھا۔ اس چھوٹی سی عمر میں۔"
خیام کی ان دیکھی مصیبتوں کے بارے میں سوچ کر ہی ان کا دل بھر آ رہا تھا۔
بنا کچھ کہے انہوں نے خیام کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر آہستہ سے تھپکا۔

"کیا ہوا، کچھ کہنا ہے؟؟"

خیام کا سر تھوڑا سا اور جھکا، جو کچھ وہ کہنا چاہ رہا تھا اس کے لیے الفاظ کو ترتیب دینا محال ہو رہا تھا۔

"وہ... میں وہ۔" الفاظ بے ربط انداز میں ٹوٹ کر اس کے لبوں سے نکلے۔

"خیام بیٹا!" نانی کا شفقت بھرا ہاتھ اس کے گھنے بالوں پر آ کر پڑا۔

وہ دوسرے لمحے ہی ان کے گلے لگا رو رہا تھا۔

"کیا ہوا بیٹا! خیر تو ہے نا... کوئی بات ہو گئی ہے کیا؟" وہ ششدر سی ہوئی پوچھے جا رہی تھیں۔

"آپ کا زیور... مجھ سے بڑی غلطی ہوئی نانی۔ پلیز! مجھے معاف کر دیجیے۔ پلیز، مجھے پتا نہیں کیا ہوا تھا۔"

ایک سکوت بھری سانس نانی ستارہ کے لبوں سے آزاد ہوئی۔ وہ اس زیور کو اس دن بھلا چکی تھیں، جس روز وہ انہیں چھوڑ کر گیا تھا۔

"میری سب سے قیمتی شے تم ہو بیٹا... سونے چاندی کے ان ٹکڑوں کی اوقات ہی کیا ہے۔ تم نے ان کا بے کار کا غم کیا۔ تم میری زندگی میں واپس آ گئے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ خبردار جو اب یہ بات دہرائی۔"

وہ آنسو صاف کرتا ہوا کونے میں رکھے اس چھوٹے سے بیگ تک گیا، جو اس کے سامان کے ساتھ تھا۔

"یہ کیا ہے؟؟"

نانی ستارہ نے اس کے دیے ہوئے چھوٹے سے پیکٹ کو کھولتے ہوئے، حیرت سے اس سے پوچھ بھی لیا۔ مگر جواب ان کے سامنے ہی تھا۔

گیتی کی چوڑیاں۔

"یہ آپ اسے دے دیجیے گا۔ شکر ہے کہ یہ بچ گئی تھیں۔ میں نے تب سے سنبھال کر رکھی تھیں۔" خیام کی آواز دھیمی تھی۔

"وہاں کراچی میں، میری ہمت نہیں ہوئی اسے دینے کی۔" اس کے کندھوں سے بوجھ سا اترا تھا۔

نانی ستارہ نے غور سے خیام کا چہرہ دیکھا۔ اچانک ہی ایک بڑے برے وہم نے دل کو گھیرا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہیں؟" اب وہ مسکرا رہا تھا۔

"تمہیں گیتی آرا کی شادی کا دکھ ہوا ہے خیام... جھوٹ مت بولنا مجھ سے۔"

"بالکل نہیں۔" اس نے بہت پرسکون انداز میں سر نفی میں ہلایا۔

"وہ سالار جیسے بہترین شخص کی بیوی بنی ہے نانی! اور وہ دونوں ہی اتنے اچھے ہیں کہ ایک دوسرے کو ڈیزرو کرتے ہیں۔ میں انہیں ایک ساتھ دیکھ کر بہت خوش ہوں۔"

اس کے لہجے میں اتنا اطمینان تھا کہ انہیں دوسرا سوال کرنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔

"شکر ہے خدا کا۔" نانی ستارہ کے لبوں سے بے ساختہ نکلا تھا۔ کتنی ہی بار یہ خیال آیا تھا کہ کبھی اگر خیام نے واپس آ کر گیتی کے بارے میں سوال کیا تو وہ اسے کیا جواب دے سکیں گی۔

"جاؤ! اب جا کر سو جاؤ بیٹا۔ رات بہت ہو رہی ہے۔"

"جی!" اس نے جھک کر نانی کی پیشانی پر پیار کیا۔ "شب بخیر!" نانی کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو پھر سے چھلکے تھے۔

خیام بے آواز قدموں سے چلتا ہوا اپنے کمرے تک آیا تھا۔ یہ کمرہ آج بھی ویسا تھا، جیسا وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ بیڈ خالی تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ واش روم کی لائٹ جل رہی تھی۔ کمرے کا دوسرا دروازہ، سہ دری کی طرف کھلتا تھا۔

وہ چپ چاپ اس طرف نکل آیا۔

محلے کی رونقیں شاید پہلے سے بھی زیادہ تھیں۔

میوزک تھاپ، آتم تمبر رنگ برنگی روشنیاں۔

نیم اندھیرے میں ڈوبی سہ دری میں کھڑا وہ چپ چاپ ان سب کو دیکھے گیا۔ محسوس کیے گیا۔

یہاں گزری ساری زندگی، وہ اس سب سے وحشت کھاتا رہا تھا۔ اسے یاد تھا کہ وہ سہ دری کی طرف کھلنے والے اس دروازے کو شام ڈھلے سے سختی سے بند رکھتا تھا۔ مگر آج وہ یہاں آ کھڑا تھا۔

ایک کنفیوژڈ کمپلکس کے مارے، بد مزاج لڑکے کے بجائے ایک سلجھے ہوئے ذہن اور منصف مزاج شخصیت میں ڈھل کر۔ اس نے جان لیا تھا کہ نفرت کے مستحق لوگ نہیں۔ یہ سسٹم ہے اور اس سسٹم کو برقرار رکھنے والے۔ یہاں کرتا کوئی اور بھرتا کوئی اور ہے... پتا نہیں کون کون، کس کا کفارہ ادا کرتے ہوئے زندگی جیسی قیمتی شے کو مٹی کر دیتا ہے اور یہ محرومی یہ بے بسی، محض اس بازار کا ہی رونا کب ہے؟

"خیام! یہاں کیوں کھڑے ہو بیٹا؟" یوسف کمال کمرے کا کھلا دروازہ دیکھ کر یہاں آئے تھے۔

"کچھ نہیں بابا... آئیں! اندر چلیں۔" وہ ان کے ساتھ چلتا ہوا اندر آ گیا۔

"آپ کو ابھی تک نیند نہیں آئی؟"

"ہاں! شاید جگہ کی تبدیلی کی وجہ سے۔ ویسے مجھے تم سے ایک ضروری بات بھی کرنی تھی۔ سوچا تمہاری رائے پہلے لے لوں۔ بہتر ہو گا۔"

"کیسی بات بابا؟" خیام نے الجھن سی محسوس کی۔

"میں صندل کے بارے میں تمہاری مرضی جاننا چاہتا تھا خیام! مجھے وہ اچھی لگی اور میرا خیال ہے کہ..." خیام کے لیے ان کا آئیڈیا سننا بھی محال ہوا تھا۔

"ایسا سوچیے گا بھی نہیں آپ..."

انہوں نے کچھ چونک کر خیام کی طرف دیکھا۔

"کیا برائی ہے؟ مجھے تو لگا کہ تم لوگ ایک دوسرے کو سوٹ کرتے ہو۔ ساتھ پلے ہو۔ آپس میں انڈراسٹینڈنگ بھی آسان ہو گی۔ میں بات کرنے والا تھا ان لوگوں سے۔"

اپنے باپ کی جلد بازی اور جذباتیت کا وہ بجا طور پر قائل ہوا تھا۔

شاید اس کی ماں سے شادی بھی ان کا کوئی ایسا ہی فیصلہ کروا گیا ہو گا۔

"شکر ہے، جو آپ نے کسی سے بات نہیں کی۔ یہ میرے لیے بالکل ہی ناقابل قبول ہے اور صندل کے لیے بھی۔" اس نے پورے یقین سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"ہم دونوں نے ہی ایک دوسرے کو بہن بھائی کی نگاہ سے دیکھا ہے ہمیشہ بابا! صندل کو تو سن کر ہی بہت برا لگے گا۔" اس کے واضح اور دوٹوک جواب سے بات اصولاً ختم ہو جانی چاہیے تھی۔ لیکن...

"تو پھر وہ کون ہے؟ مجھے اس کا نام بتا دو۔"

خیام نے خالی خالی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ وہ بنا پلک جھپکائے اس کی طرف متوجہ تھے۔ جیسے اس کے اندر تک جھانک رہے ہوں۔

"میں اس کا نام جاننا چاہتا ہوں بیٹا۔ جھوٹ مت بولنا مجھ سے۔ میں جانتا ہوں کہ کوئی ہے، جس کی محبت میں تم گم ہو۔"

"آپ... آپ کیسے جانتے ہیں۔" خیام نے بے بسی سے ان کی طرف دیکھا۔

جواباً" وہ صرف مسکرائے تھے۔

خیام کے لیے راہ فرار اور بھی مشکل ہوئی۔

"اب اس بات کا کوئی فائدہ نہیں ہے بابا! ہمارے راستے بالکل علیحدہ ہیں۔ آپ رہنے دیں پلیز!"

"تم مجھے صرف اس کا نام بتاؤ خیام! آگے میں جانوں اور میرا کام۔" اس بار ان کے لہجے میں ہلکی سی سختی تھی۔

خیام پر اپنے باپ کی شخصیت اب پرت در پرت کھلتی جا رہی تھی۔

وہ ضدی بھی تھے اور اپنی بات منوانے کی عادت اب پختہ ہو چکی تھی۔

"مگر کیا ضروری تھا کہ وہ اس بے حد ذاتی معاملے کے پیچھے پڑیں۔" وہ اندر ہی اندر جھنجلایا۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں؟" باپ کے لہجے کا بڑا فطری سا تحکم تھا۔

"اس کی اب شادی ہو رہی ہے۔ ایسا کچھ بھی نہیں تھا ہمارے بیچ۔ بس میں یوں ہی۔۔۔"

گڑبڑاتے ہوئے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں وہ ان کی تسلی کرنا چاہ رہا تھا۔ لیکن وہ اپنا کام پورا کر چکے تھے۔

"میں سمجھ گیا۔۔۔ اسلام بھائی کی بیٹی نا۔۔۔؟" وہ پورے یقین کے ساتھ مسکرائے۔

خیام نے انہیں بے بسی سے دیکھا تھا۔

"ہم کل پہلی فلائٹ سے واپس جا رہے ہیں۔ مجھے کچھ ضروری کام ہے۔" بہت سنجیدگی سے کہتے ہوئے وہ بیڈ پر لیٹ چکے تھے۔

☼ ☼ ☼

دادی کے کمرے میں بڑی پر رونق سی افراتفری تھی۔

نیچے کارپٹ پر ربیعہ کے پیک ہوئے جوڑوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا اور اب یہ غالباً" آخری سوٹ تھا۔ جو شائستہ بیگم کے سامنے رکھا تھا۔

خوب صورت جگمگاتا ہوا۔

انہوں نے بڑے سلیقے اور توجہ سے آخری ٹانکا لگایا اور پھر اسے بھی بڑے سے شاپر میں پیک کرنے لگیں۔

"لیجیے اماں! یہ کام بھی نمٹ گیا۔" انہوں نے ہاتھ میں تھاما ہوا سوٹ دادی کے سامنے رکھا۔

"ماشاء اللہ بہت خوب صورت' اللہ پہننا نصیب کرے۔" دادی بہت اشتیاق سے ایک ایک چیز دیکھتیں اور سنبھالتیں۔ ربیعہ کا سارا جہیز ان ہی کے کمرے میں جمع ہو رہا تھا۔

ربیعہ کے چلے جانے کا ہول دل میں بار بار اٹھتا تھا' لیکن وہ دل کی دل میں دبائے' دعاؤں پر دعائیں کیے جاتیں' آج کل نمازیں پہلے سے زیادہ طویل ہو رہی تھیں۔

ربیعہ اور معاذ دونوں ہی سے انہیں انتہا درجے کی محبت تھی۔

"خدا کرے کہ جلد میرے معاذ کی دلہن کے لیے بھی ایسی ہی تیاری ہو رہی ہو اس کمرے میں۔"

ایک کے اوپر ایک جوڑے رکھتی شائستہ بیگم کا ہاتھ ایک لمحے کے لیے رکا۔

"اِن شاء اللہ بہت جلد ایسا ہو گا اماں! ایک دو لڑکیاں ہیں میری نظر میں ربیعہ کی شادی پر بلاؤں گی تو آپ ضرور دیکھ لیجیے گا اب اس کام میں بھی دیر نہیں کرنی ہے۔"

دادی خاموش سی ہو گئیں۔

یہ سب آسان نہیں تھا وہ جانتی تھیں۔

انہیں معاذ کا دکھ مایوس کیے دیتا تھا۔ بس میں ہوتا تو شاکرہ اور اظہار کے آگے ہاتھ جوڑ کر جویا کا رشتہ لے لیتیں۔

لیکن مسئلہ صرف ان ہی کا کب تھا؟

ان کی نگاہ پھر سے شائستہ بیگم پر جا کر رکی۔

چیزوں کو سمیٹتے ہوئے' ان کے چہرے پر بڑی فخریہ سی چمک تھی۔

"میرے دونوں بچے مقدر والے ہیں۔ لوگوں نے انہیں حقیر سمجھ کر ٹھکرایا اب بھگت رہے ہیں۔ دکھا دیا اللہ نے سر پکڑ کر رونے کی باری اب ان کی ہے۔ کیا ہوا آگے آ رہا ہے نا۔" ایک کے بعد ایک دراز یں کھولتے ہوئے وہ مستقل ہی بول رہی تھیں' دادی نے دل ہی دل میں خدا سے پناہ مانگی۔

وہ جو چیز ڈھونڈ رہی تھیں' انہیں مل گئی تھی۔

سنہرے کارڈوں کا خوب صورت بنڈل لیے وہ پھر سے دادی کے پاس آ کر بیٹھیں۔

"بس آج یہ کارڈ بانٹنے کا کام بھی ختم کرنا ہے۔ معاذ کو اگر فرصت نہیں ہے تو میں خود جا کر دے آؤں گی خاندان بھر میں میں نے سوچ لیا ہے۔" وہ کارڈ پر لکھے نام چیک کر رہی تھیں۔

دادی نے کچھ مضطرب سا ہو کر ان کی طرف دیکھا۔

"دے آتے معاذ' اور پھر خیام بھی تو آ جائے گا ایک آدھ دن میں تمہارے پاس ویسے ہی بہت کام ہیں۔"

"معاذ پر شاکرہ کے کیے تعویز گنڈوں کا کنٹرول ہے اماں۔ میرے بیٹے کو چھین لیا ہے انہوں نے غلام بنا بیٹھا ہے وہاں بڑا ہی بے شرم بے غیرت خاندان ہے۔ جب تک حرام کی کمائی آ رہی تھی ساتویں آسمان پر تھے دماغ اب بیٹی کو آگے کر دیا ہے لڑکے پھنسانے کے لیے۔"

کارڈ چھانٹتے ہوئے وہ اس روانی سے تبصرہ کر رہی تھیں کہ دادی ان کی بات بھی نہیں کاٹ سکیں۔

"کیا ہو گیا ہے شائستہ۔۔۔ جویا غریب نے کیا بگاڑا ہے تمہارا یا اپنے ماں باپ کا۔۔۔ وہ تو بری طرح پس کر رہ گئی۔ کیا حال ہوا ہے کہ دیکھ کر دل کانپتا ہے۔"

"میرا اب دل نہیں کانپتا ایسی باتوں پر۔" بے زاری سے سر جھٹک کر وہ باہر سیڑھیوں پر بیٹھی ربیعہ کو پکارنے لگیں۔

"اندر آؤ' اتنی گرمی میں کیوں بیٹھی ہو۔"

وہ ان کی ایک پکار پر ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"ایک تو اس لڑکی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ زمانے بھر کی لڑکیاں شادی کے نام پر خوش ہوتی ہیں۔ اور اس کا حال دیکھیں' رو رو کر آنکھیں سجا رکھی ہیں۔ آسٹریلیا جا رہی ہے۔ کتنے اچھے لوگ ملے ہیں' عیش کرے گی ساری عمر اور دعائیں دے گی ہمیں۔"

دادی نے ان کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ شائستہ بیگم سے اب کوئی اچھی امید باندھنا فضول ہی تھا۔

"کوئی نام رہ گیا ہو تو بتا دیجیے۔" وہ ان سے پوچھ رہی تھیں۔

دادی نے ہلکے سے نفی میں سر ہلایا۔

"ویسے میں نے قریبی خاص خاص گھروں میں تو فون کر کے دعوت دے دی ہے۔ بظاہر تو سب نے خوشی کا اظہار کیا' لیکن دل سے کوئی خوش تھا۔ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے' مجھے پروا نہیں ہے اب۔ میرا معاذ بہت اچھی جاب میں ہے۔ اچھی سے اچھی لڑکی مل سکتی ہے اسے۔ اس بیمار۔۔۔ روگی جویا کو۔۔۔"

سخت پریشانی کے عالم میں' دادی کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اسلام صاحب نے غرور اور تحقیر بھرے چند الفاظ ہی سنے تھے۔

"کیا ہوا بیٹا! خیر تو ہے نا!" دادی نے محض ان کی شکل دیکھ کر ہی کسی برے امکان کی خبر پالی تھی۔

"اختر کا فون آیا معذرت کا۔ اس کے بیٹے نے پچھلے ماہ شادی کرلی ہے۔ وہاں سڈنی میں ہی۔"
ان کی کاٹ دار چبھتی ہوئی نظریں شائستہ بیگم کے چہرے پر جمی تھیں۔
دادی نے بے اختیار ہی سینے پر ہاتھ رکھا۔
شائستہ امی کے ہونٹ نیم وا تھے اور آنکھوں میں انتہا درجے کی بے یقینی۔
"اب تو تمہاری تسلی ہو گئی شائستہ! ایسی ہی کسی بات کے ہونے سے ڈر رہا تھا میں' پناہ مانگ رہا تھا اللہ سے مگر تمہیں خوف خدا نہیں رہا ہے۔ ذرا بھی نہیں۔"
آج سے پہلے وہ کبھی اتنے غصے میں نہیں آئے تھے۔
"نفرت ہو رہی ہے مجھے تم سے۔۔۔ تمہارے غرور اور سنگ دلی نے تمہارے اپنے بچوں کی خوشیوں کو کھالیا' وہی غرور اور حقارت جو اظہار اور شاکرہ کے گھرانے کو خاک کر چکا ہے اور اب شاید ہماری باری ہے۔"
بات ختم کر کے ایک جھٹکے سے مڑ کر وہ واپس باہر جا چکے تھے۔
شائستہ بیگم کے ہاتھوں سے سنہرے کارڈز کا بنڈل چھٹ کر زمین پر جا گرا تھا۔
انہوں نے لڑکھڑا کر بیڈ لے سہارا لینا چاہا۔
"ربیعہ' ربیعہ!" دادی بدحواس ہو کر چلائیں۔
ربیعہ بھاگتے ہوئے اندر کمرے میں آئی تھی۔
شائستہ بیگم بے سدھ ہو چکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

زویا کے سہارے ٹیکسی سے اترتے ہوئے جویا نے سر اٹھا کر دیکھا۔ بالکونی خالی پڑی تھی۔ یہاں کس کو اس کا منتظر ہونا تھا بھلا؟
معاذ گاڑی تھوڑے فاصلے پر روک کر تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کے قریب آیا تھا۔
"اپنا بہت خیال رکھنا جویا! اور بالکل بھی مت گھبرانا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا اور دوائیں بہت پابندی سے لینا۔"
اس کا ہر انداز اس کی گہری محبت کی گواہی دیتا تھا۔
جویا نے آنکھوں میں آتے آنسوؤں کو بہادری سے پیا اور مسکرادی۔
"یہ ہوئی نا بات!" وہ یکدم خوش ہو گیا تھا۔ "زویا! بہت خیال رکھنا جویا کا اور خدانہ کرے کوئی پریشانی کی بات ہو تو مجھے فوراً فون کر دینا۔"
"کیا کرو گے تم؟" جویا نے جاتے جاتے مڑ کر پوچھا۔
"میں!" وہ شرارت سے مسکرایا۔ "میں وہی سلیمانی ٹوپی پہن کر تمہیں لینے آجاؤں گا' جو اب تک ہاسپٹل میں کام آرہی تھی۔ آیا سمجھ میں؟"
اس بار وہ دونوں ہنس پڑی تھیں۔
مشکل سے مشکل گھڑیوں کو آسان بنا لینا۔ اس کا مخصوص انداز بھلا وہ ایسے پیارے انسان کی محبت میں گرفتار ہونے سے خود کو کیسے روک سکتی تھی۔ معاذ سے نگاہ بچاتے ہوئے جویا نے خود سے اعتراف کیا۔
"اور زویا! کسی بھی طرح اظہار چچا کو کنوینس کر لینا کہ وہ یہ گھر کل ہی چھوڑ دیں۔ تم میرا نام مت لینا۔ اپنی کسی دوست کا ظاہر کر دینا۔۔۔ اور یہ فرید الدین کے اس گھر کا کرایہ۔ اس کی توقع سے زیادہ ہی ہے۔"
اس نے ہزار کے کئی نوٹ زویا کے ہاتھ میں دیے۔

"میں کیا کہوں معاذ بھائی۔۔۔ جو کچھ بھی آپ نے کیا!" زویا کے لیے کچھ بھی کہنا مشکل ہوا تھا۔
ایک اعصاب شکن دور میں وہ جویا اور معاذ کے ساتھ ساتھ تھی۔
"کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بس اب جاؤ تم دونوں۔۔۔"
وہ لوگ سیڑھیوں کے قریب کھڑے تھے۔ تب ہی اوپر سے آپا گل کے رونے کی ہلکی ہلکی آواز آنے لگی تھی۔
معاذ کی بے ساختہ سوالیہ نگاہ اوپر کی طرف اٹھی۔
"کچھ نہیں ہے۔" زویا نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔ "بس آپا کی سسرال والوں نے پچھلے ہفتے اکبر بھائی کا نکاح دوسری جگہ کر دیا ہے انہیں کل خبر ہوئی ہے اس بات کی۔"
جویا اور معاذ دونوں نے چونک کر زویا کی طرف دیکھا تھا۔
اوپر سے آنے والی آواز میں اب شدت آرہی تھی۔
آپا گل' اکبر بھائی' اپنی سسرال' اپنی بیٹیوں اور خود کو کوس رہی تھیں۔
"کبھی ہنگامہ وہاں مچایا ہوگا۔ جب ہی وہ یہاں چھوڑ گئے۔ شکر نہیں کرتیں کہ انہوں نے طلاق نہیں دی اپنی بیٹیوں کی وجہ سے ورنہ ان جیسے لوگوں کا تو بدترین انجام بھی افسردہ نہیں کرتا ہے۔"
زویا نے بڑی لاتعلقی سے تبصرہ کیا اور جویا کا ہاتھ تھام کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔
جویا نے سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے پلٹ کر دیکھا۔ معاذ وہیں کھڑا تھا۔
دونوں کے چہروں پر ایک سی مسکراہٹ ابھری اور ایک سا یقین دلاتی چلی گئی۔
ایک ٹھنڈی سانس لے کر وہ گاڑی میں آ بیٹھا تھا۔
صد شکر کہ وہ ٹھیک ہو کر گھر واپس آئی تھی اور اس مشکل ترین دور کو جھیل کر بھی وہ دونوں آج تک زندہ ہیں تو یقیناً "ایک دوسرے کے لیے ہی ہیں۔"
جذبے کی سچائی پر اس کا یقین اور بھی گہرا ہوا تھا۔ بہت پرسکون دل کے ساتھ گھر تک کا سفر کٹا تھا۔
آج شاید امی روز سے زیادہ ناراض ہوں گی۔ مگر وہ ان کی کسی بھی بات کا برا نہیں مانے گا۔
گھر پر معمول کی خاموشی چھائی تھی۔
لیکن حالات میں یقیناً "غیر معمولی پن تھا۔
اس نے برآمدے میں سے ہی دادی کے کمرے کا پورا کھلا دروازہ دیکھ کر کچھ عجیب سا محسوس کیا تھا۔
سامنے بیڈ پر شائستہ امی بیٹھی تھیں۔ ابا' دادی' ربیعہ سب ہی تھے۔ مگر ماحول پر جمی ٹینشن سمجھ میں آئی تھی۔
"کیا ہوا' خیریت تو ہے؟" اس نے ان سب کی طرف دیکھا تھا۔
ابا اور ربیعہ کا چہرہ بے تاثر تھا۔ لیکن دادی اور امی شاید خاصا رو دھو چکی تھیں۔
ان میں سے کسی نے بھی فوری جواب نہیں دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

گھر بھر پر بڑی دم گھونٹی سی کیفیت طاری تھی۔
آپا گل رو' رو کر بے دم ہوئی جا رہی تھیں۔ پھر بھی وقفہ وقفہ سے ان کی آہیں ماحول کو اور بوجھل کر رہی تھیں۔
تھوڑی دیر پہلے اکبر بھائی بھی ہو کر گئے تھے اور ان کی آمد پر جس بڑے معرکے کی توقع تھی۔ وہ حیرت انگیز طور پر رونما نہ ہو سکا تھا۔
"تماشا کھڑا کیا' تو ایک منٹ نہیں لگاؤں گا طلاق دینے میں۔ بھول جاؤں گا کہ یہ بچے صرف تمہارے نہیں'

میرے بھی ہیں۔ تم جیسی بدفطرت عورت کے ساتھ یہ نام کا رشتہ بھی رکھنا صرف میری مجبوری ہے' کمزوری نہیں۔"

ان کے لہجے اور آنکھوں میں آپا گل کے لیے جو نفرت تھی۔ وہ ان جیسی دبنگ عورت کو پانی کے بلبلے کی طرح بٹھا چکی تھی۔

"اٹھارہ سال ایک جہنم میں گزارے ہیں میں نے۔ صرف اپنی شرافت کی وجہ سے... ورنہ تم جیسی عورت کو تو بہت پہلے نکال باہر کرنا چاہیے تھا میرے ماں باپ' میرا خاندان ایک مستقل عذاب سے گزرا ہے تمہاری وجہ سے' اپنی عزت کی خاطر سب نے اپنی زبانیں بند کر کے تمہیں تمہارے حال پر چھوڑے رکھا۔ لعنت بھیج چکے ہیں۔ وہ سب تم پر بہت پہلے اور تم جیسی پچ' جاہل یہ سمجھتی رہی کہ تم نے سب کو دبا کر رکھا ہے۔ اسی لیے کوئی تمہارے آگے نہیں بولتا۔ تف ہے تم پر گل اور تم جیسی عورتوں پر' جو شریف خاندانوں میں عذاب بن کر اترتی ہیں۔"

لاؤنج کے بیچوں بیچ کھڑے ہو کر انہوں نے اتنی اونچی آواز میں یہ سب کہا کہ پورے گھر نے باآسانی سنا تھا۔ آپا گل نے امداد طلب نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ شاکرہ امی۔ سلمان۔ ابو۔

وہ سب جنہیں ان کے حق میں بولنا تھا۔ اتنے لاتعلق تھے جیسے۔ آج وہ بالکل تنہا تھیں۔

اکبر بھائی نے جیب سے ایک چیک نکال کر اظہار صاحب کے آگے رکھا تھا۔

"یہ اس سامان کی قیمت ہے' جو کبھی جویا کے جہیز کے لیے لیا گیا تھا اور گل نے ہتھیا لیا تھا۔ میرے ہزار بار منع کرنے کے باوجود بھی۔ یہ مجھ پر آپ کا قرض تھا۔ جویا اور زویا کا قرض تھا۔ جو آج بھی میرے لیے بیٹیوں کی طرح ہیں۔"

لاؤنج کے سرے پر کھڑی زویا نے اپنی آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کو خشک کیا۔

آپا گل کی بدقسمتی کی کوئی انتہا بھی تھی یا نہیں؟ اکبر بھائی جیسا نیک اور صاحب کردار شخص جو کسی رحمت بھرے پل میں انہیں عطا ہوا تھا۔ آخر کار چلا گیا۔

"میں اپنی بیٹیوں کو اس عورت کے حوالے زیادہ عرصے نہیں کر سکتا۔ اسی لیے دونوں کے رشتے طے کر دیے ہیں۔ اللہ نے چاہا تو دو چار سال میں اس قرض سے بھی سبکدوش ہو جاؤں گا۔ آپ بھی کوشش کریں کہ جویا اور زویا کے ساتھ انصاف کر سکیں۔ ورنہ اللہ کے آگے جواب دہی سے نہ بچ سکیں گے۔"

وہ زیادہ دیر نہیں رکے تھے۔

آپا گل دکھ' ذلت اور بے بسی کی ملی جلی سی کیفیت میں مبتلا تھیں۔

"دیکھ لیا سب کو۔ کوئی بھی تو میری حمایت میں نہیں بولا۔ کیا نہیں کیا میں نے تم سب کے ساتھ... اپنا گھر تک تو برباد کر لیا۔ یہاں کے مسئلے سلجھاتی رہی اور وہاں وہ سب مل کر میرے خلاف چال چل گئے کمینے۔"

وہ اونچی آواز میں روتے ہوئے دفعتاً" اظہار صاحب کی طرف بڑھیں۔

"مجھے دیں یہ چیک۔ یہ میرے پیسے ہیں۔" جھپٹا مار کر انہوں نے وہ چیک اظہار صاحب کے ہاتھ سے لینا چاہا۔ مگر وہ صفائی سے بچا گئے۔

"یہ تمہارے پیسے نہیں ہیں گل۔" بہت سختی سے انہوں نے کہا تھا۔

سلمان نے تعریفی نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"بہت اچھے ابو... اور آپا گل! بہتر ہو گا اب تم خاموش ہو کر ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ یہاں اس گھر میں بھی تماشے کھڑے کرو گی تو کہاں جاؤ گی' سوچ لو۔"

"میرے ولائے ہوئے گھر میں سر چھپائے ہوئے ہو سب لوگ' یہ میں تھی جس نے فریدالدین کو تمہیں یہ گھر دینے پر راضی کیا۔ میرے ایک اشارے پر وہ سب کو باہر نکال سکتا ہے۔ پھر کہاں جاؤ گے' فٹ پاتھ پر یا..."

وہ بولتے بولتے ایک دم خاموش ہو گئیں۔ آج ان کی دھمکیوں نے وہ سہم طاری نہیں کیا تھا جو پچھلے کئی سال سے اس خاندان کا مقدر بنا ہوا تھا۔

سلمان لاپروائی سے کھڑکی میں جا کھڑا ہوا تھا اور اظہار صاحب بڑے مطمئن انداز میں اپنے ہاتھ میں تھاما ہوا چیک دیکھ رہے تھے اور ان کی اپنی بیٹیاں بالکونی میں کھڑی کسی بات پر مستقل ہی ہنسے جا رہی تھیں۔

کسی نے شاید ان کی بات ڈھنگ سے سنی بھی نہیں تھی۔

کسی کو ان پر پڑنے والی افتاد کی رتی بھر بھی پروا نہیں تھی۔ وہ اچانک ہی بالکل خاموش ہو کر ایک کونے میں جا بیٹھیں۔

"مکافات عمل!" زویا نے کمرے میں آتے ہوئے جویا کو دیکھ کر کہا۔ "جو سبق آپا گل نے اپنے اچھے وقت سے حاصل نہیں کیا۔ اللہ کرے کہ برے وقت سے ہی سیکھ جائیں۔" جویا اس کی شکل دیکھتی رہی۔

"اور وہ..."

"کیا؟" زویا نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"وہ فریدالدین..." نام لینے میں بھی قدرے دقت کا سامنا تھا۔

"کچھ نہیں کر سکتا اب' بے فکر رہو۔" زویا کھلکھلا کر ہنسی۔

"کیا مطلب؟" جویا کا دل زور سے دھڑکا۔

"تھوڑی دیر پہلے آیا تھا اکبر بھائی کے معرکے کے وقت' میں نے بتا دیا اسے کہ ہم صرف اس کے کرایے دار ہیں۔ پابندی سے کرایہ دیں گے اور وہ جب چاہے گا' ہم اس کا گھر خالی کر دیں گے' بات ختم۔" جویا کی آنکھیں حیرت سے کھلیں۔

"تم نے یہ سب کہا؟"

"کرایہ بھی دے دیا' جو پیسے معاذ بھائی نے دیے تھے۔ فریدالدین کاروباری آدمی ہے۔ اس کا نقصان پورا ہو رہا تھا۔ خوش ہو گیا۔ آپا گل سے اپنا حساب وہ خود لے گا۔ اس میں ہمارا کوئی لینا دینا نہیں ہے۔" اپنی بات کہہ کر وہ خود ہی ہنس پڑی۔

"اور تم نے کیا قسم کھائی ہے کہ معاذ بھائی کے علاوہ کسی دوسرے کے سامنے نہیں مسکراؤ گی۔" اس نے جویا کو ذرا ناراضی سے دیکھا تھا۔

اس بار وہ ہلکے سے بے ساختہ ہنسی تھی۔

✡ ✡ ✡

رات کا آخری پہر آہستگی کے ساتھ گزر رہا تھا۔

خاموش' پرسکون' بھید بھرا۔

اس وقت کی قبولیت مستند تھی۔ وہ ہمیشہ کی سحر خیز تھیں۔ مگر آج کی رات تو پلک تک نہیں جھپکی تھی۔

طویل سجدے سے سر اٹھا کر' وہ بڑی دیر تک دعا مانگے گئیں۔

ربیعہ کے حوالے سے دل پر پڑنے والی چوٹ کی اذیت کسی طرح بھی کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

اللہ کی مرضی۔ مصلحت' تقدیر کا لکھا۔

کتنے ہی جواز دہرائے گئے تھے۔

ساری عمر صبر و شکر سے گزر کرنے کے بعد، زندگی میں آئی آسانیوں اور کامیابیوں پر فخر کرنا اتنا بڑا گناہ بھی نہیں تھا کہ یوں پیروں تلے سے زمین کھسکی تھی۔ مہربان، اعلا اوصاف رکھنے والے شوہر نے اس طرح برملا نفرت کا اظہار کیا ان کی آنکھوں سے پھر آنسو گرنے لگے۔

سارے خاندان اور ملنے والوں میں ربیعہ کی شادی کی خبر نشر تھی۔ بات طے ہونے کی مٹھائی انہوں نے خود گھر گھر جاکر تقسیم کی تھی۔ وہ سب جنہوں نے کبھی جویا اور معاذ کا رشتہ ختم ہونے کے ساتھ، ربیعہ اور سلمان کے رشتے کے خاتمے پر بھی دکھ کا اظہار کیا تھا۔ ان سب کو جتانا ضروری تھا کہ وہ اور ان کے بچے اب خسارے میں نہیں ہیں۔

ربیعہ کے مقدر کا ستارہ جگمگا رہا تھا..... اور بد قسمتی نے اظہار شاکر کا گھر دیکھ لیا ہے۔ اپنی تمام باتوں میں وہ یہ نکڑا لگانا قطعی نہیں بھول رہی تھیں..... اور خود کو سو فیصد حق بجانب سمجھتی آرہی تھیں۔

ایک طویل عرصے کی صبر آزما مشقت اٹھاتے ہوئے، شاکرہ اور اظہار کی بخشی ہوئی اذیت انہوں نے ہی سہی تھی۔ سو اب اس کے واپس کرنے کا وقت تھا۔

انہیں اپنی کوئی بات، کوئی ادا غلط نہیں لگی تھی۔ اللہ نے آج انہیں ترجیح دی تھی۔ وہ مقام جو پہلے دوسروں کا تھا۔ اب ان کا تھا۔

یہ ان کا یقین تھا۔ جو گزشتہ شام ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر چکا تھا۔

اللہ کو کیا برا لگا تھا آخر؟

اور اگر ان کی غلطی تھی بھی تو ان گنت لوگ یہ غلطیاں کرتے ہی ہیں۔ فخر غرور کینہ..... کون عاری ہے اس سے۔ لیکن اس طرح پکڑ.....

"ایسی طرح ہوتی ہے شائستہ!" اندر سے آتی آواز نے انہیں بری طرح جھنجوڑا۔ "اس سے بھی سخت اور بری پکڑ جو نہ زندوں میں چھوڑتی ہے اور نہ مردوں میں۔"

اس آواز میں بڑا دبدبہ تھا۔ وہ چند لمحوں کے لیے تو سُن سی ہو کر رہ گئیں۔

"حیرت ہے۔ اپنی آنکھوں سے اتنا کچھ دیکھ کر بھی سبق حاصل نہیں کیا شائستہ بیگم۔ اب کس انتظار میں ہو۔"

انہوں نے ماتھے پر آتا پسینہ خشک کیا تھا۔

"تو کیا ان ہی کا بڑا بول ربیعہ کے آگے آیا ہے۔ ان ہی کے غرور اور سنگ دلی نے ربیعہ کی خوشیوں کو عین وقت پر گرہن لگا دیا ہے۔"

شام سے اسلام صاحب کے الفاظ کی بازگشت کم نہ ہوئی تھی۔ ان کا دل ٹکڑے ہوا جا رہا تھا۔

وہ ایسی تو نہیں تھیں ہمیشہ سے۔

یہ کون سا جذبہ تھا، جو انہیں ارد گرد دیکھنے ہی نہیں دیتا تھا۔ کسی پر رحم کھانے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

نہ تقدیر کی مار کھائے شاکرہ کے گھرانے پر..... نہ اس صابر مظلوم جویا پر۔ جس نے کوئی قصور نہ ہوتے ہوئے بھی سب سے زیادہ اذیت سہی تھی۔

ربیعہ کا اگر کوئی قصور نہیں تھا تو جویا کا کب تھا۔ کس کا غصہ کس پر اتارتے ہوئے وہ کتنی حق تلفی کی مرتکب ہو رہی تھیں۔ اپنے ماں ہونے کے حق کا اتنا سنگ دلی بھرا استعمال۔

انہیں پہلی بار معاذ کی سعادت مندی پر فخر نہیں، رونا آیا تھا۔ وہ جو بڑے خلوص سے، زمانے کے ہاتھوں کم، محبتوں کے ہاتھوں زیادہ پسا جا رہا تھا۔

اور وہ ماں ہو کر پوری بے حسی سے اس کی تنہائی اور دکھ کا تماشا دیکھ رہی تھیں۔ کانٹوں کی فصل بو کر گلاب کھلنے کی منتظر ہیں اب تک۔

ربیعہ اس بے دردی سے نہیں ٹھکرائی گئی تھی۔ جس طرح کہ جویا آسٹریلیا میں بیٹھے اختر بھائی کے بیٹے سے بڑی گناہ گار وہ خود تھیں سو پھر کیا غم..... کیا فکر۔

اپنی ساری ہمت جمع کر کے وہ کمرے سے نکل کر چلتی ہوئی سیدھی اسٹڈی میں آئی تھیں۔

اسلام صاحب نماز فجر کے لیے وضو کر کے ابھی کمرے میں آئے تھے۔

"میں اظہار بھائی کے ہاں جویا کا رشتہ لینے کے لیے جانا چاہتی ہوں۔ اگر وہ ناراض بھی ہیں تو میں ہاتھ جوڑ کر انہیں منالوں گی۔ جیسے بھی سہی..... بس آپ اور اماں میرے ساتھ چلیے گا۔"

بات کرتے ہوئے ان کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگتا جا رہا تھا۔

اسلام صاحب کے دل پر سے سارا بوجھ ایک ساتھ ہی ہٹا تھا۔

مسکراتے ہوئے بہت محبت سے انہوں نے شائستہ بیگم کے کندھے پر تسلی بھرا ہاتھ رکھا۔

"اللہ کا شکر ہے جو تم نے ایک صحیح فیصلہ کیا۔ اب اس گھر میں ان شاء اللہ خوشیوں کو اترنے سے کوئی بھی نہیں روک سکے گا شائستہ..... نہ معاذ کے لیے اور نہ ہی ربیعہ کے لیے....."

"میری ربیعہ....." شائستہ بیگم کا دل ایک بار پھر بے قابو ہوا۔

"اللہ بہت بہتر کرنے والا ہے۔ اس سے کبھی بھی مایوس مت ہونا..... وہ قادر مطلق ہے۔ ہم ناچیز اس کی مصلحتوں کو سمجھے بغیر واویلا مچانے والے ہیں۔"

ان کے لہجے میں وہی عاجزی اور سکون تھا، جو ہمیشہ سامنے والے کی تسلی کا سبب بنتا تھا۔

☼ ☼ ☼

معاذ نے بڑی فکر مندی سے سامنے بیٹھی ربیعہ کو دیکھا۔

"تو کیا تمہیں واقعی بہت افسوس ہوا ہے؟"

"نہیں تو!" اس نے جھینپ کر فوراً آنسو صاف کیے۔ "مجھے تو امی اور دادی کا خیال آرہا ہے۔ وہ لوگ بہت ٹینشن میں ہیں نا۔"

"اور تم..... تمہیں نہیں ہے ٹینشن..... سچ بتاؤ....."

معاذ فجر کی نماز پڑھ کر سیدھا ربیعہ کے کمرے میں آکر بیٹھا تھا..... اور بڑی دیر سے اپنے طور پر کچھ اندازے لگانا چاہ رہا تھا۔

"نہیں! بالکل بھی نہیں!" ربیعہ نے پوری سچائی سے اس کی طرف دیکھ کر کہا تھا۔

"تو پھر یہ رونا دھونا کیسا تھا.....؟" وہ کل رات سے ربیعہ کی روئی روئی سی آنکھوں کو دیکھ کر سخت پریشان تھا۔

"میں تو سمجھ رہا تھا کہ تمہیں آسٹریلیا نہ جانے کا اتنا افسوس ہو رہا ہے کہ کس طرح بھی....."

"معاذ کے بچے!" ربیعہ نے قریب پڑا تکیہ اٹھا کر اسے مارا تھا..... "شرم تو نہیں آتی، اتنے فضول مذاق کرتے ہوئے۔"

وہ بہت دل سے مسکرا دیا۔

"شکر ہے اب تم کچھ عقل مند تو ہو ہی گئی ہو۔۔۔ اور ایک بات بتاؤں۔۔۔"
ربیعہ نے اس کی طرف دیکھا۔
"میں بھی بہت خوش ہوں۔۔۔ اس لیے کہ تم کہیں نہیں جا رہیں۔۔۔ یہیں میرے پاس رہو گی' ورنہ میرا تو سوچ سوچ کر ہی دل گھبرا تا تھا کہ یہاں تمہارے بغیر میں کیسے رہ سکوں گا۔۔۔ مجھے خود پر غصہ آتا تھا کہ میں نے ابا کو اس فیصلے سے روکا کیوں نہیں۔۔۔" معاذ کی آواز دھیمی پڑ رہی تھی۔
ربیعہ بے ساختہ اس کے کندھے سے لگی۔
"اور اب میں ضرور کوئی اچھا سا لڑکا ڈھونڈ نکالوں گا' جو تمہیں اس شہر سے باہر صرف گھمانے پھرانے کے لیے ہی لے کر جائے۔ ورنہ قطعی نہیں۔۔۔۔"
اسلام صاحب نے اندر آتے ہوئے ان دونوں کے مسکراتے چہروں کو بہت محبت سے دیکھا۔
"اچھی خبر یہ ہے کہ ایک اچھے سے لڑکے کے والد نے تو اتنی جلدی مچائی ہے کہ علی الصبح ہی مجھے فون کر کے آنے کی اجازت مانگ لی ہے پر زور انداز میں۔"
ربیعہ اور معاذ دونوں نے ایک ساتھ ہی چونک کر ان کی طرف دیکھا تھا۔
"کون لڑکا ابا؟"
"بوجھو تو جانیں۔ ویسے اتا پتا یہ ہے کہ وہ اپنے والد کے ساتھ دوپہر تک لاہور سے واپس کراچی آ رہا ہے۔"
ربیعہ کا دل بہت زور سے دھڑکا۔
کم از کم اسے نام جاننے کی ضرورت نہیں تھی۔
"شاید دادی مجھے بلا رہی ہیں!" وہ گھبرائے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔ لیکن ان چند لمحوں میں ہی اسلام صاحب نے اس کے چہرے پر خوشی کی وہ چمک دیکھ لی تھی' جواب تک گم تھی۔
"اب تم کیا کہتی ہو شائستہ؟" انہوں نے ساتھ آئی شائستہ بیگم سے کیا جاننا چاہا تھا' معاذ کی توجہ اس طرف بالکل نہیں تھی۔
"خیام' آپ کا مطلب خیام۔۔۔۔ واقعی اس سے اچھی تو کوئی بات ہی نہیں ہو سکتی ابا!"
وہ بے اندازہ خوش تھا۔
"کمالی صاحب کو ربیعہ کے رشتے کے ختم ہونے کے بارے میں کوئی علم بھی نہیں تھا۔ پھر بھی انہوں نے بہت عاجزی اور محبت کے ساتھ ربیعہ کے لیے سوال کیا ہے۔ اسی سے اندازہ ہو رہا ہے کہ وہ لوگ کتنے زیادہ خواہش مند ہیں۔ اور خیام تو ہمارے لیے بالکل اپنا ہے۔ ایسے ہی جیسے ربیعہ اور معاذ۔۔۔"
معاذ نے چند لمحوں میں کچھ بالکل درست اندازے لگا لیے تھے۔
"یہ ان دونوں کی خوشی کا سوال ہے ابا۔ اللہ واقعی کتنا مہربان ہے۔"
شائستہ امی نے کچھ الجھن بھرے انداز میں ان دونوں کی طرف دیکھا تھا۔
"سوچ لیں۔۔۔ خیام کی والدہ کا تعلق۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ۔۔۔" اسلام صاحب نے خفگی سے ان کی طرف دیکھا۔
"خیام کی ماں ایک شریف عورت تھی۔۔۔ جس نے اپنے دور عروج میں سب کچھ چھوڑ کر کمالی صاحب سے شادی کی تھی۔ ہمیں لوگوں کو خانوں میں بانٹنے کا رویہ اب تو ترک کرنا ہی ہو گا شائستہ! کیونکہ یہ ابتدا کہیں سے تو ہونی ہی ہے۔ بلکہ ہو چکی ہے۔ سالار اور کیتی کی شادی کے ساتھ۔۔۔ زندگیوں کو سہل اور خوش آئند بنانے کا سادہ سا فارمولا' وسیع القلبی اور انسانیت کا احترام ہے۔ راہیں خود بخود ہی روشن ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اور میں اپنے بچوں کو پورے دل کے ساتھ زندگی گزارتا دیکھنا چاہتا ہوں۔"
اس بار شائستہ امی مسکرائی تھیں۔ ابھی انہیں زندگی کے سفر میں اسلام صاحب سے اور بھی بہت کچھ سیکھنا باقی تھا۔
انہوں نے پچھلے احاطے کی طرف کی کھڑکیوں کو کھولتے ہوئے سوچا۔
چمپا کے پھولوں کی خوشبو سے بوجھل ہوتے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے کمرے میں آ رہے تھے۔
"اب بس یہ ہے کہ ہمیں اپنے پروگرام میں تھوڑا سا ردوبدل کرنا پڑے گا۔ میں اظہار کو فون کر کے بتا دیتا ہوں۔"
وہ کہتے ہوئے مڑنے لگے تھے کہ معاذ تیزی سے ان کے سامنے آیا۔
"اظہار چچا کو کیوں فون کریں گے آپ۔۔۔ کوئی خاص بات؟" وہ بے حد حیرت زدہ تھا۔
ایک معنی خیز مسکراہٹ ابا اور شائستہ امی دونوں کے لبوں پر آئی۔
"نہیں! بات ایسی خاص بھی نہیں۔ بس ہم لوگوں کا پروگرام تھا۔ ابھی ناشتے کے بعد اظہار کے ہاں جا کر اس امانت کو اپنے گھر لانے کا پروگرام فائنل کریں جو بہت دن سے ان کے ہاں ہے۔ اور اچھی بات یہ کہ اظہار بہت خوش ہوئے ہیں اس پروگرام پر۔" انہوں نے وانستہ لاپروائی برتی تھی۔
معاذ کے لب حیرت سے کھلے تھے اور چہرہ اتنا روشن کہ۔۔۔۔
شائستہ امی اور ابا دونوں کو ایک ساتھ ہی نظر لگ جانے کے اندیشے نے ستایا۔
معاذ بے ساختہ ان دونوں کے گلے لگا تھا۔
"اب جب کہ خیام کے والد پہنچ رہے ہیں تو ہم اظہار کے ہاں دوپہر کے بجائے شام کی چائے پی لیں گے۔ میں ذرا فون کر کے بتا دوں۔۔۔"
"چلیں اماں کے کمرے میں چل کر ہی فون کر لیجیے گا۔ تم بھی آ جاؤ معاذ۔۔۔۔ میں وہیں ناشتا لگا رہی ہوں۔"
شائستہ امی اس سے کہتی ہوئی باہر نکل گئی تھیں۔
"بس آ رہا ہوں امی۔۔۔ دو منٹ میں۔" اس نے آواز لگا کر انہیں مطمئن کیا۔
اب جب کہ سب لوگ کچھ ضروری کام نمٹانے میں مصروف ہونے والے تھے تو ایک ضروری کام اسے بھی کرنا تھا۔
اپنے موبائل پر جویا کے نمبر پر کال کا بٹن دباتے ہوئے اس نے دل کی انتہائی گہرائی سے صرف اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔
پچھلے احاطے میں صبح اپنی پوری خوبصورتی کے ساتھ اتر رہی تھی۔